فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد نہم

کتاب الایمان حصہ اول

ترتیب: ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاوی علماء حدیث جلد نہم

۱ فتاوی نذیریہ دہلی
۲ فتاوی اہلحدیث روپڑی
۳ فتاوی ستاریہ کراچی
۴ فتاوی رد شرک و بدعت
۵ مطبوعہ رسالہ عبد الحکیم دہلوی
۶ صحیفہ اہلحدیث کراچی
۷ اخبار اہلحدیث گزٹ دہلی
۸ - اخبار اہلحدیث امرتسر
۹ - اخبار محمدی دہلی
۱۰ - اخبار اہلحدیث دہلی
۱۱ - اخبار الاعتصام لاہور
۱۲ - اخبار اہلحدیث سوہدرہ
۱۳ - اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور
۱۴ - اخبار اہلحدیث لاہور

نام کتاب: فتاوی علماء حدیث کتاب الایمان

نام مرتب: ابو الحسنات علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت: سیف اللہ شاہد توفیق پریس چک ۲۲۴

طباعت:

تاریخ اشاعت: جمادی الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۷۹ء

تعداد: ایک ہزار

ناشر: مکتبہ سعیدیہ خانیوال

قیمت: ۲۵ روپے

کل صفحے: ۲۴۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ سعیدیہ خانیوال۔ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور

ویسٹ کے خریدار کو ۲۵ فی صد کمیشن اور دس سٹ کے خریدار کو ۳۳ فی صد کمیشن اور ۲۵۰ سے زیادہ
پر ۴۰ فی صد کمیشن دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ خریدار پیشگی رقم بھیجے گا۔ محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار ہوگا۔

فہرست مضامین

شریعت میں ایسی صورت جائز ہے؟

(۵) ایسی مسجد میں جس کا نقشہ حسب ذیل ہے نماز جائز ہے یا نہیں؟

قبریں	قبر	محراب		
جہاں پیر صاحب چھوٹے دروازے میں مسجد				

(۶) بعض جگہوں میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ اکٹھے ہو کر کسی پیر کے گھر جا کر اس کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جب وہ نکلتا ہے تو تکبیریں کہنے لگ جاتے ہیں۔

اور اس کے آباؤ اجداد کی تعریف میں مدحیہ قصیدے پڑھتے ہیں، اور نبی صلی اللہ کی تعریف میں شعر پڑھتے ہیں، اس کے پیچھے پیچھے مسجد تک چلے جاتے ہیں، کیا یہ صورت شریعت محمدیہ میں جائز ہے یا نہیں؟

(۷) مذکورہ بالا مسجد کے دائیں طرف حجروں میں قبروں کے گرد اگرد دیواریں ہوئی ہے۔ کہیں سے دس فٹ اونچی ہے، کہیں سے پندرہ فٹ اونچی کیا یہ دیوار قبروں کی حفاظت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

(۸) مذکورہ مسجد کے حجروں میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد امام و مقتدی داخل ہو جاتے ہیں اور قبروں پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، کیا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

(۹) ایک پیر نے کہا ہے کہ بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے چلے آتے ہیں یہ کیا ہے؟

(۱۰) ایک پیر یہی کہتی! اپنے مریدوں میں جاتا ہے۔

اور اپنا شرعی حق جتا کر ان سے نذرانہ وغیرہ وصول کرتا ہے اور مریدوں کے دل میں یہ بات بٹھاتی ہے کہ ان کے مال میں پیر صاحب کا حق ہے۔ اس لیے وہ لوگ اپنے اوپر ضروری جان کر پیر صاحب کو نذر پیش مال دیتے ہیں۔ آیا یہ صورت شریعت میں جائز ہے باوجود صاحب نصاب ہونے کے پیر صاحب لوگوں سے ان کا مال لیں؟

جوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق فسوی والذی قدر فہدی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

(۱) پیر و مرشد کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ سیدھا راستہ بتائے گمراہی سے بچائے دوسرا یہ کہ شفاعت کرے۔ قیامت کے دن بخشوائے۔ سو ان دونوں قسموں کے سچا ہونے کے

پیرومرشد کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ پہلی غرض کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ (مشکوٰۃ)

یعنی میں نے تم میں دو امر چھوڑے ہیں جب تک ان دونوں کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہوگے

جو شخص پڑھا ہوا ہو وہ دیکھ کر عمل کرے۔ جو ناواقف ہو وہ کسی عالم سے موقعہ بموقعہ پوچھ کر عمل کرے

جیسے سلف کے زمانہ میں دستور تھا قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔

دوسری غرض کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ)

میرے پاس خدا کی طرف سے ایک آنے والا آیا۔ مجھے اختیار دیا کہ میری نصف امت جنت میں داخل کی جائے یا شفاعت کروں میں نے شفاعت اختیار کی شفاعت ہر شخص کو پہنچے گی جو اس حال میں مرے گا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید والوں کی شفاعت کریں گے پھر اس غرض سے پیرومرشد کی کیا ضرورت ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ (رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے۔ پہلے انبیاء پھر علماء پھر شہداء ان کے علاوہ بعض اوروں کا بھی ذکر ہے۔ لیکن مروجہ پیرومرشد کا کہیں ذکر نہیں۔

پھر شفاعت کا ذمہ دار وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جس کو اپنے خاتمہ کا علم ہو۔ اور یہ نبی کو ہو سکتا ہے۔ یا جس کی بابت نبی کی شہادت ہو۔ دوسرے کو کیا پتہ ہے۔ کہ میرا خاتمہ کیسا ہوگا بڑے بڑے بزرگ اسی خطرہ میں رہے کہ خدا جانے خاتمہ کس حال پر ہوگا۔ بلکہ بعض کو جنت کی خوشخبری ملی تھی ان کی کمریں بھی اس خوف سے ٹیڑھی ہو گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا میں اکثر یہ کہا کرتے تھے۔

اللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَ عَلَیَّ شِقْوَۃً اَوْ ذَنْبًا فَامْحُہُ فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ فَاجْعَلْہُ سَعَادَۃً وَمَغْفِرَۃً ۔ (ابن کثیر جلد نمبر ۲ صـ۱۲)

اے اللہ اگر تو نے مجھ پر بدبختی لکھی ہے یا گناہ لکھا ہے تو اس کو مٹا دے کیونکہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور تیرے نزدیک ہے ام الکتاب پس اس بدبختی کو نیک بختی کر دے اور گناہ بخش دے۔

عبداللہ بن مسعود بھی یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ بلکہ خاتمہ تو اپنے اپنے کی چیز ہے صحابہ تو اپنی موجودہ حالت پر بھی اطمینان نہیں رکھتے تھے۔ بخاری کتاب الایمان میں ہے۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ کہتے ہیں۔ میں تیس صحابہ کو ملا ہوں سب اپنی جان پر نفاق سے ڈرتے تھے جب ان جیسے بزرگوں کی یہ حالت تھی تو اور کون ایسا پیر و مرشد ہے جو شفاعت وغیرہ کی ذمہ داری لے سکے۔ یہ بالکل وہمی خیال ہے بلکہ ایک طرح کی دوکانداری ہے۔ خدا اس سے بچائے اور طریق سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(۲) جب اس طرح کا پیر پکڑنا شریعت سے ثابت نہ ہوا چنانچہ نمبر اول میں تفصیل ہو چکی ہے تو نسبت کیسے درست ہوگی۔ نہ ایسی نسبت تو ایک ہی پیر و مرشد کی طرف کرنی چاہیئے۔ جو سب کا پیر و مرشد ہے۔ یعنی امام اعظم نبی اکرم محمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا حدیث کی طرف یا سنت کی طرف نسبت کرے۔ جن کی اتباع ہم پر واجب ہے۔ مثلاً اہل سنت یا اہل حدیث یا سلفی کہلائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول اللہ نے ناجی فرقے کی علامت یہی فرمائی ہے۔ ما انا علیہ واصحابی ما انا علیہ حدیث ہوں۔ اور اصحابی سے مراد طریق سلف ہوا۔ سوائے ان سے کسی نسبت کا حق پیدا کرنا نامناسب ہے۔

(۳) پیری مریدی کی بیعت کا کوئی اصلی ثبوت مسلم نہیں۔ کیونکہ خیر قرون میں اس کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

(۴) اس قسم کے الفاظ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، نہ خیر قرون میں کسی نے کہے۔ ہاں مدینہ

[illegible]

کلام جاری کریگا۔ وہ مردود ہے۔

اسی طرح صورت سوال میں ذکر ہے اس میں بھی کئی باتیں زیادہ کی گئی ہیں۔ ایک وقت مقرر پر بیٹھ کر بیٹھے اپنی طرف سے مقرر کرنا پھر سونگ تعداد پھر طرح کی تقسیم پہلے للہ پھر اللہ پھر اللہ ھو۔ پھر چپ رہنا اور مراقبہ میں شیخ کا تصور کرنا یہ کتنی باتیں اپنی طرف سے ملائی ہیں جن کا شریعت میں نام و نشان نہیں تو کیا ان لوگوں کے سوا نبی محمد کا قول نہیں۔

خاص کر تصور شیخ تو ایک طرح کا شرک ہے کیونکہ مشکوٰۃ کے شروع میں حدیث ہے: ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ وغیرہ یعنی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر تجھے یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم سے کم تیرے دل میں یہ تو ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے۔

جو تصور شیخ کرتے ہیں۔ وہ عبادت غیر اللہ کی صورت دل میں جماتے ہیں۔ اور اس کی مشق ہوا کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی جگہ دوسرے کو دینا یہی شرک ہے۔ اگر صفائی مقصود ہے تو یہ طریق سے صفائی درحقیقت صفائی نہیں بلکہ ظلمت ہے خدا اس سے بچائے۔ آمین۔

عن ابی مرثد الغنوی رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیہا رواہ الجماعۃ الا البخاری وابن ماجہ (منتقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو۔ نہ ان پر بیٹھو۔

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الارض کلہا مسجد الا المقبرۃ والحمام رواہ الخمسۃ الا النسائی۔ (منتقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام زمین سجدہ گاہ ہے مگر قبرستان اور حمام۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا من صلوٰتکم فی بیوتکم ولا تتخذوھا قبوراً رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ (منتقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نماز گھروں میں پڑھو ان کو قبریں نہ بناؤ۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ

الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد (متفق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بیماری میں فرمایا۔ اللہ یہود و نصاریٰ کو لعنت کرے، انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتجعلوا بیوتکم مقابران الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ۔ (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جائے۔

پہلی حدیث میں قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ سوال میں تین مسجد کا ذکر ہے۔ اگر ان مسجد کے سامنے کے سارے دروازے کھلے ہوں تو نماز قطعاً حرام ہے۔ کیوں کہ قبریں سامنے ہیں اگر دروازے بند ہوں تو بھی ٹھیک نہیں دروازوں کا قبلہ رخ ہونا شبہ ڈالتا ہے۔ کہ یہ مسجد قبرستان کے متعلق ہے۔ کیوں کہ دروازے قبروں کی خاطر رکھے ہیں۔ ایسی مسجد میں نماز ٹھیک نہیں کیوں کہ چوتھی حدیث میں قبروں کو مسجد بنانے پر لعنت کی ہے دوسری حدیث میں قبرستان میں نماز سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کے دائیں بائیں قبروں کا ہونا بھی اس بات کی تائید ہے۔ کہ یہ مسجد قبرستان کا حصہ ہے۔ اگر بالفرض مسجد پہلے ہو اور قبریں پیچھے بنی ہوں۔ تو بھی کچھ خلل آگیا کیوں کہ تیسری اور پانچویں حدیث میں گھروں کو قبریں بنانے سے نہی کی ہے۔ اور گھر میں قبر کی یہی صورت ہوتی ہے کہ گھر کی اطراف ناند وغیرہ میں جاری ہو جائے۔ دائیں طرف قبر اسی قسم کی معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسری قبروں کا حال بھی مشتبہ ہے۔ اس لیے ایسی مسجد میں نماز سے احتیاط کرنا چاہیے۔ اگر قبریں یہاں سے ہٹا دی جائیں۔ اور ہڈیاں دوسری جگہ دفن کی جائیں۔ تو پھر نماز میں کوئی کھٹکا نہیں۔ لیکن قبریں اس وقت ہٹائی جا سکتی ہیں۔ جب مسجد پہلے ہو کیوں کہ اس صورت میں یہ قبریں خلاف شرع ہوں گی جن کا ہٹانا ضروری ہوگا۔ ورنہ مسجد کو یہاں سے ہٹانا چاہیے ہاں اگر مشرکوں کی قبریں ہوں۔ تو ہر صورت میں ہٹائی جا سکتی ہیں۔ مسجد نبوی اسی طرح بنی تھی۔ ہاں اگر قبریں حدود سے بالکل الگ ہوں اور مسجد قبرستان

کے ہوتے ہیں نہ ہو تو پھر پختہ بنانے کی ضرورت نہیں، مگر قبروں اور مسجد کے درمیان دیوار بنا دی جاتی ہے۔
تاکہ کسی وقت اتفاقیہ مسجد کا کوئی دروازہ کھلا رہ جائے تو نظر نہ پڑے۔

اس مسئلہ کی کچھ تفصیل سوال نمبر ۵ کے جواب میں دیکھئے۔

۱۰۔ منہ پر تعریف منع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔ (مشکوٰۃ ص۴۱۲) اکثر پیروں کی مجالس میں ان کے سامنے مدحیہ قصائد مبالغہ آمیز پڑھے جاتے ہیں وہ بجائے منع کرنے کے خوش ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر کو دیکھا گیا ہے وہ انعام دیتے ہیں، سو یہ سب حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہاں نبی کی تعریف منہ پر درست ہے۔ جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کو فخر نہیں آسکتا۔ اللہ اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ دوسری یہ کہ نبی کی نبوت ایمان اور کفر کی کسوٹی ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس لئے نبی نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ پس جب اس کو اپنے منہ سے نبوت کے دعویٰ کا حکم سو یہ بڑی عالی مقام ہے تو دوسروں کی مدح معمولی بات ہے کسی اور کا یہ مقام نہیں اس لیے خلفاء اور بزرگان دین کے سامنے ایسا کام کبھی نہیں ہوا۔

۱۱۔ پھر اس طرح گھر سے نکلنا اور اپنی تعظیم کرانا یہ بھی خلاف شرع ہے۔ اور تواضع کے منافی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت حدیث میں آیا ہے۔ ولا یطأ عقبہ رجلان (مشکوٰۃ ص۴۵۸) آپ کی ایڑی کو دو آدمی نہیں لتاڑتے تھے۔ یعنی جیسے دنیاداروں کی عادت ہوتی ہے کہ ان کے پیچھے خادم ہوتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہ تھے۔ بلکہ آپ کی آمد و رفت گھر میں سادی تھی۔

عن طارق قال خرج عمر الى الشام ومعنا ابو عبيدة فاتوا على مخاضة وعمر على ناقة له فنزل وخلع خفيه فوضعهما على عاتقه فخاض فقال ابو عبيدة يا امير المؤمنين انت تفعل هذا ما يسرني ان اهل البلد استشرفوك فقال اوه ولو قال ذا غيرك يا ابا عبيدة جعلته نكالا لامة محمد انا كنا اذل قوم فاعزنا الله بالاسلام فمهما نطلب العز بغير ما اعزنا الله به اذلنا الله۔ رواه الحاكم وقال صحيح على شرطهما۔

(ترغیب ترہیب منذری ص۔۔)

حضرت عمرؓ ملک شام کی طرف نکلے ابو عبیدہؓ بھی ساتھ تھے۔ رستہ میں چھوٹا سا پانی آیا

حضرت عمرؓ اونٹنی پر تھے۔ اونٹنی سے اتر کر جوتا اتار کر کندھے پر رکھ لیا۔ اور اونٹنی کی مہار ہاتھ میں پکڑ لی۔ ابوعبیدہؓ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ ایسا کرتے ہیں، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ اہل شہر آپ کو اس حالت میں دیکھیں۔ فرمایا افسوس! اے ابوعبیدہ! اگر کوئی اور ایسی بات کہتا تو میں اس کو تنبیہ کر کے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عبرت بنا دیتا۔ ہم بہت ذلیل قوم تھے۔ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ سے عزت دی۔ پس جب اسلام کے علاوہ کسی اور شے میں ہم عزت ڈھونڈیں گے۔ تو اللہ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آج کل پیر جس طرح سے اپنی عزت کراتے ہیں۔ یہ درحقیقت عزت نہیں بلکہ دو جہاں کی ذلت ہے۔ اور اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۲) جب گھروں میں قبریں بنانی جائز نہیں تو ان کی حفاظت کیسے ہو گی۔ بلکہ یہ منکر کام ہے اس کو بدلنا چاہیے۔ حدیث میں ہے۔

یعنی جو شخص کوئی منکر کام دیکھے اس کو حتی الوسع بدل دے پس یہ قبریں اگر مسلمانوں کی ہیں تو ان کی ہڈیاں نکال کر کسی اور جگہ دفن کی جائیں۔ اگر مشرکوں کی ہیں۔ تو ویسے صاف کر دی جائیں۔ ہاں اگر کھلا جنگل ہو۔ اور قبریں مسلمانوں کی ہوں۔ تو مسجد کو یہاں سے ہٹا دینا چاہیے۔

اور قبروں کے اوپر کی بنا گرا دینی چاہیے۔ تاکہ یہ قبریں عام قبرستان کی طرح بن جائیں۔ بلکہ اگر بہت بلند ہوں تو زمین سے ہموار کر دی جائیں جیسے حضرت علیؓ کی حدیث "لا تسویتہ" (مشکوٰۃ باب...) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ کم سے کم سنت کے مطابق کر دی جائیں۔ کیوں کہ حدیث میں ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور وان یکتب علیہا وان توطا (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے سے نہی کی ہے نیز اس پر لکھنے اور روندنے سے منع کی ہے۔

(۳) ان قبروں کی زیارت کے لیے جانا اس وقت مسنون ہے۔ جب قبریں سنت کے مطابق ہوں ورنہ منکر امر کے قیام کے اسباب پیدا کرنا اور ہمیشہ ہر جمعہ کو اجتماعی حالت میں ان کا

زیارت کرنا جس سے عوام کے دل میں ان قبروں کی اچھی حالت پر ہونے کا عقیدہ پیدا ہو یہ ٹھیک نہیں
لا، اس قسم کا دیکھنا بیداری میں تو کہیں رہا۔ خواب میں بھی خدا کی طرف سے نہیں ہوتا۔ خیرالقرون میں
و بعد میں بہتیرے بزرگ گزرے ہیں۔ مگر کبھی کسی کو مقرر طور پر ہمیشہ اس طرح خواب نہیں آیا۔ یہاں
تک کہ موروثی ہو گیا ہو۔ بلکہ پیغمبر موروثی ہونے کے بھی اس طرح نہیں آیا۔ ہاں لوگوں کے چلے اور
عملیات ایسے ہو سکتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۷۷ میں ایک لمبی حدیث ذکر کی گئی ہے۔

ہشام بن عاص اموی کہتے ہیں۔ کہ میں اور ایک شخص ابوبکر کی طرف سے ان کی خلافت کے
دنوں میں ہرقل بادشاہ روم کے پاس قاصد ہو کر گئے۔ تو اس دربار میں زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ
واللہ اکبر نکلا یہ کلمہ نکلتے ہی وہ محل اس طرح ہلنے لگا۔ جیسے آندھی سے درخت ہلتا ہے۔ دوبارہ
اسی طرح ہوا ہرقل نے کہا اپنے گھروں میں جب تم یہ کلمہ پڑھتے ہو ہمیشہ اسی طرح ہوتا ہے۔ کہا نہیں
ہلنے لگا مگر تمہارے میں ہمیشہ ایسا ہوتا تو میں اپنا نصف ملک خوشی سے لٹا دیتا ہم نے کہا کیوں؟ کہا
اگر ایسا ہوتا تو یہ نبوت کا اثر نہ ہوتا بلکہ لوگوں کے چلوں اور عملیات کی قسم کا ہوتا جس کا مجھے کوئی خطرہ نہ تھا

دیکھئے اہل کتاب بھی اس بات سے واقف تھے۔ کہ جو باتیں خدا کی طرف سے بندے کی
بزرگی اور کرامت کے اظہار کے لیے ہوتی ہیں۔ وہ اتفاقی ہوتی ہیں۔ چنانچہ صحابہ وغیرہ کے حالات
سے ظاہر ہے۔ موروثی طور پر خواب کا چلتے آنا یہ عملیات کی قسم سے ہے۔ پھر اعتبار نہیں کہ
چشمہ والا پیر سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ کہتا ہے۔ تو اس کو کیا پتہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی شکل ہے یا کسی اور کی۔ بہر صورت یہ کوئی بزرگی کی علامت نہیں ہے۔

۱۱۔ قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ پیروں کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ جو سال بسال
مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے وہ اہل بیت پر حرام ہے یہ ایسے لوگوں کے گزارے کا ڈھنگ
بنا ہے لوگوں کو جھوٹ سے پھسلا کر حرام کھاتے ہیں۔ خدا ان کو ہدایت کرے۔

اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۲ ش نمبر ۹

سوال: کیا اسم یدوح اللہ کا نام ہے۔ اس کا وظیفہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔

بعض کہتے ہیں یہ سریانی یا عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں ابجد ہوز حطی

میں سے ایک ایک حرف چھوڑ کر دوسرا حرف لے کر یہ نام بنا لیا گیا ہے۔

اور یہ نام بکثرت وظائف میں پڑھا جاتا ہے کیا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: جہاں تک ہماری تحقیق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے اگر سریانی یا عبرانی زبان میں ہو گا تو بھی ہمارے لیے جائز نہیں، کیونکہ بعض اللہ کو رام کہتے ہیں مگر ہمارے لیے رام رام جپنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح حروف ابجد سے سینکڑوں نام بنائے جا سکتے ہیں کیا یہ بھی کا وظیفہ جائز ہو جائے گا۔ لغت میں یدوح کے معنی کھلی زمین اور تباداح کے معنی بادل کر پھیلانا بدوح کے معنی لاٹھی سے مارنے کے ہیں۔

اوران بابین سے کوئی معنی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے موزوں نہیں ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ کے تساوے نام ہمارے پاس اسماء الحسنیٰ کی حیثیت سے موجود ہیں تو ہم انہیں چھوڑ کر بے معنی سے نام کا وظیفہ کیوں کریں۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ۔ جلد نمبر ۲۔ شمارہ نمبر ۴ سنہ ۱۹۴۳ء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہلحدیث اس مسئلہ میں کہ جو شخص یہ کہے کہ اسلام اور تناسخ اور نجات اخروی تو حید ہے کہ صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہا جائے اور اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو ملانا جائز نہیں اور وہ لوگوں کو بھی یہی تعلیم دے کہ تم بھی ایسے مسلمان ہو جاؤ یعنے صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو ساتھ مت ملاؤ اور وہ شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین کرے اور قبروں کی زیارت سے منع کرے اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میں موحد و اہلحدیث ہوں کیا ایسا شخص موحد اہلحدیث ہے اور کیا اہلحدیث کا یہی مذہب ہے۔ بینوا توجروا۔　　حبیب اللہ دھلوی

جواب: ہم نہیں جانتے کہ اہلحدیث تو اہلحدیث اہل اسلام میں کوئی فرقہ بھی ایسا ہو جو اس قسم کی بات کہے یا اعتقاد رکھے العیاذ باللہ سوال کا جواب یہی ہے کہ شخص مذکور فی السوال یعنے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے سے انکار کرنیوالا اور ہدایت کرنیوالا اور دوسروں کو بھی ایسی تعلیم دینے والا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنیوالا اہلحدیث نہیں ہو گا۔ بلکہ ایسا ایمان بھی اسلام سے اس کو کوئی واسطہ نہیں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا اور آپ کی تعظیم اور توقیر اور ادب کرنا فرض ہے اور انکار فرض صریح کفر ہے اور توہین رسول علامت تکذیب رسول ہے تکذیب رسول بھی صریح کفر ہے لہذا شخص مذکور اشد کافر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورۃ حدید) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور نیز قال اللہ تعالیٰ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ الآیۃ (سورۃ فتح) ماحصل یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور آپ کی تعظیم اور توقیر اور ادب کرو جو تم پر فرض ہے ادب بھی کیسا کہ بلند آواز کرکے آپ کے سامنے بولنے سے بھی جس سے سارے اعمال اکارت ہوجاتے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (سورۃ حجرات) بخاری ومسلم وغیرہ صحاح کی حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ

ایک اور حدیث بخاری میں ابن عمر سے ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ۔ الحدیث۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور ایمان کی تفسیر شہادۃ الوہیت کے ساتھ شہادۃ رسالت کو ملا کر فرمائی بجواب وفد عبدالقیس کو فرمایا اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ الحدیث صحیح مسلم کی حدیث جبریل میں ہے یا محمد اخبرنی عن الاسلام قال الاسلام ان تشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ الحدیث اور شہادۃ سے کلام کی ایک قسم کی تاکید ہوتی ہے نہ مخالفت کما لا یخفی علی الماہر اور علاوہ شہادۃ کے یہی کلمہ توحید ثابت ہے کما سیاتی اور اصل تو یہ قرآن مجید کی دو آیتوں میں ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سورہ محمد کی ایک آیت میں ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سورہ فتح کی آیت میں ہے اور اسلام میں ہر مکلف پر ہر روز پانچوں نمازوں کے تشہد میں ذکر الوہیت کے ساتھ اقرار رسالت بھی لازمی ٹھہرا گیا ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ متفق علیہ وفی لفظ لمسلم اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اور نیز پانچوں وقت ہر روز اذان میں شہادۃ رسالت اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔

وہ صرف اتنا کہنے سے مسلمان ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے بھی یہی
الفاظ ہیں ثابت ہے کہ آیۃ لا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مؤمنا کی شان نزول میں مختلف
طریقوں سے جن کو بطریق ابن عباس وغیرہ سے عبد بن حمید بغوی ثعلبی وغیرہ نے روایت کی
ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ صحابہؓ کی جماعت کو سفر جنگ میں ایک شخص دیکھ کر کہنے لگا۔ لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ السلام علیکم صحابہؓ نے خیال کیا کہ یہ شخص خوف سے کہہ رہا ہے قتل کر دیا
اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی ماحصل یہ کہ جب اس نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا السلام علیکم
کہا تو وہ مسلمان ہو گیا ایسے شخص کی یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں وہ مسلمان ہے دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری
مطبوعہ انصاری دہلی پارہ ۱۸ صفحہ ... تفسیر ابن جریر طبری جلد ۵ صفحہ ... تفسیر در منثور ج ... صفحہ ... تفسیر مظہری جلد
... نیز فتح الباری پارہ ۱۷ صفحہ ... غزوہ خیبر میں ہے کہ ابن عدی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ
جھنڈے نبوی پر لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ انتہی اور قبروں کی زیارت منع
نہیں بلکہ مسنون ہے بحکم حدیث نبوی کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا (احادیث
مستدرک حاکم ابن ماجہ۔ ہاں قبروں پر جو لوگ افعال شرک و بدعت سجدہ اور چراغ وغیرہ کرتے
ہیں پیش ہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

المرقوم ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ ہجریہ۔ قال بفمہ وکتبہ بقلمہ ابو سعید محمد شرف
الدین ... مدرس اول مدرسہ ... مرحوم دہلوی۔ مفتی نے
جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے جو شخص محمد رسول اللہ تو کہے اور بیعت کرے وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے
صرف لا الٰہ الا اللہ کے تو بہت سے فلسفی وغیرہ غیر مسلم بھی قائل تھے اور اہل حدیث کا ان
لوگوں سے جھگڑا ہی اسی لیے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی پیروی
اپنے اوپر فرض جانو اور ذرا بھی خلاف نہ کرو اور ہر مسلمان کو ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانے ورنہ ہرگز ایمان دار نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضرت انسؓ وغیرہ
کی حدیث میں ہے پھر جس شخص کے دل میں ذرا بھی رسول کی تحقیر ہو وہ کیسے مسلمان ہو سکتا
ہے حاشا وکلا ابو تراب عبد الوہاب عفی عنہ | مہر مولانا حکیم قاری حافظ ابو تراب عبد الوہاب صاحب

محدث دہلی کوچہ نواب متصل گھنٹہ گھر۔

الجواب صحیح۔ ایسے غدار نگیر دین و ایمان کا خدا منہ سیاہ کرے جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلوا کر فرقہ اہلحدیث کو بدنام کرنا چاہتا ہے ایسا شخص ہرگز ہرگز اہلحدیث نہیں بلکہ کوئی دجال ہے جو صریحاً فرقہ اہلحدیث کو بدنام کرنے کے لئے اپنے آپکو اہلحدیث مشہور کرتا ہے۔ ورنہ اہلحدیث کا واللہ ثم تاللہ یہ مذہب نہیں بلکہ اہلحدیث تو اپنے پیارے پیغمبر احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ اہل و آلی کی محبت ہی کو ایمان سمجھتے ہیں جو شخص کسی قسم کی ظاہری یا باطنی بے ادبی آپ کے ساتھ کیسی بھی روا رکھے اس کو یہ فرقہ اسلام سے خارج سمجھتا ہے اہلحدیث کے دلوں میں تو آپ کی سچی عزت اور واقعی توقیر اسقدر ہے کہ دنیا کے اور لوگوں نے اپنی نسبتیں اور بزرگان دین کی طرف کرلیں مگر اہلحدیث اور صرف اہلحدیث ہی ہیں جنہوں نے آجتک اپنی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی رکھی۔ ہم فرقہ اہلحدیث ایسے ملعون و مطرود کافر شخص سے براءت کرتے ہیں اور علی الاعلان کھلم کھلا کہتے ہیں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز ہم میں نہیں بلکہ مسلمانوں کے کسی فرقہ میں بھی نہیں اس طرح اہلحدیث قبور کی زیارت کرنی منع نہیں کرتے بلکہ زیارت قبور جائز ہے نزدیک مستحب اور ثواب کا کام ہے ہاں افعال شرکیہ وغیرہ کے قطعاً ممنوع ہیں اور یہ صرف اہلحدیث کے نزدیک بلکہ حنفی مذہب میں بھی۔ واللہ اعلم

کتبہ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم دائم الحدیث المدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی۔

الجواب صحیح۔ عبدالجبار عمرپوری مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلی

جواب ہذا صحیح و درست ہے واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحفیظ پسر زادہ جناب میاں صاحب مرحوم سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی

سید محمد عبدالحفیظ

الجواب صحیح۔ عبدالرحمٰن علی گڑھی مدرس مدرسہ حاجی علی جان مرحوم دہلی

جواب ہذا صحیح ہے اہلحدیث کا مذہب ہے کہ کلمہ پورا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے زیارت قبور مسنون ہے ہاں اس پر رسوم شرکیہ ادا کرنا بیشک حرام ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا قطعاً کافر و مرتد ہے۔

واللہ اعلم

محمد یونس قریشی مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خان دہلی

الجواب صحیح بیشک دونوں کلموں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لانا فرض عین ہے حافظ
وعلم بالصواب حررہ السید ابو الحسن المحدث اکمل حدیث تبرو میاں صاحب مرحوم سید نذیر حسین صاحب [سید محمد ابو الحسن]
العبد لنفسہ ولتصدیق الشیخ محمد واضح ہو کہ اسلام دائرہ ہے نام ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ
کا جو شخص اس کلام کے ایک جز کو ترک یا انکار کرے گا وہ اسلام سے خارج ہوگا عجب کہ کتب
احادیث وغیرہ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وارد ہے پھر یہ کہنا کہ اسلام لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد
رسول اللہ ملانا جائز نہیں یا شرک ہے۔ ایک قول جدید ہے جو سلف سے خلف تک کسی کا
قول اہل حق میں سے نہیں ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت پانچوں وقت اذانوں
میں دو دو اور چار چار مرتبہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ لا الہ الا اللہ کی تعلیم محمد رسول اللہ سے ہوئی
ہے اس کو ناجائز و شرک کہنا اسی قبیل سے ہوگا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کفر کے کفریات
بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ
مطلب یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے منکر ہیں وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور
اس کے رسولوں کے درمیان جدائی و تفریق چاہتے ہیں غرضیکہ مسلمان ایسا نہیں کہہ سکتا۔
بطور ذکر یہاں اطلی کے اگر لا الہ الا اللہ کا ورد ہو تو امر دیگر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد
ہوا۔ افضل الذکر لا الہ الا اللہ صوفیہ جو ہیں صرف لا الہ الا اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ جماعت
محمدیہ اہلحدیث کا یہی اعتقاد و عمل ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائم رکھنے اور بجا آوری
میں اسلام و ایمان ہے۔ مسلمانوں میں جس قدر تفرقہ ہوا اسی کی کج بحثی سے ہوا۔ آنحضرت ﷺ
کی توہین کرنا اسلام نہیں ہے نہ مسلمان کا یہ شغل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے
رحمت عامہ بنا کر بھیجا ہے۔ یہ مختصر آپ کی عزت و فضیلت کے لیے کافی ودا ہے جب
کہ آپ کی توہین صریحاً نہیں آپ کی قوم قریش کی توہین بھی از روئے احادیث جائز نہیں

اور زیارت قبور امر مسنون و مشروع ہے البتہ عبادت قبور حرام و ممنوع ہے جیسے کہ چڑھاوے
چڑھانا ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ان سے مرادیں اور دعائیں مانگنا وغیرہ الراقم
عبید الرحمٰن کفاہ اللسان مولوی عبید الرحمٰن صاحب کی تحریر سے میرا اتفاق ہے۔ عبداللہ مدرس مدرسہ
دارالمدرسہ دہلی — دار الہدیٰ کشن گنج۔ دہلی

المشتہر محمد عبدالحکیم پی مولانا لطف حسین صاحب مرحوم دہلی مطبوعہ اشتہار

سوال:۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتا ہے اور درود: الصلوٰۃ والسلام علیک
یا رسول اللہ پڑھتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے۔

جواب:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جاننا شرک ہے۔ اس عقیدہ
سے توبہ کرنی چاہیے۔ یہ عقیدہ کتاب و سنت ہی کے خلاف نہیں بلکہ احناف کے نزدیک
بھی ممنوع ہے۔ فقہائے احناف نے بھی صاف لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے
اور یہ کہے کہ میں خدا اور رسول کو گواہ رکھتا ہوں تو وہ نکاح نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ شخص اس عقیدہ
کی بنا پر کافر ہو جائیگا۔ اور یہ درود بھی وضعی ہی ہے حدیث کی کسی کتاب میں یہ درود موجود نہیں
ہے۔ ...

مختصر حالات مولانا عبدالمجید سوہدروی

مولانا عبدالمجید مرحوم سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ سوہدرہ قصبہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں
آپ کی پیدائش سوہدرہ میں ہوئی آپ شیخ الحدیث پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے شاگرد تھے
بہت بڑے مقرر اور مصنف تھے اخبار اہلحدیث اور اخبار مسلمان کے ایڈیٹر بھی تھے

باب النور

سوال: بعض مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نور سے پیدا کیا ہے اور اس لحاظ سے آپ بشر نہیں ہو سکتے اور یہ لوگ ایک حدیث حضرت جابرؓ کی پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ اور اس کا مفہوم یہی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے ذاتی نور سے پیدا ہوئے ہیں؟ اور ایسی ہے آپ کو بشر کہنا کفر یا گناہ ہے۔

جواب: وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور علی نور بلکہ منبع انوار وبرکات ہیں دنیا کفر وشرک کی ظلمتوں اور جہالت کی تاریکیوں میں مبتلا تھی لیکن رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہوا۔ خود قرآن کریم نے آپ کے اس وصف کو اس طرح پیش فرمایا۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۔ (احزاب ع ۲)

اے نبی! ہم نے تجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس شان کا رسول کہ قیامت میں زینی امت کے شاہد اس دنیا میں اہل صلاح وتقویٰ کو بشارت دینے والے غافلوں اور سرکشوں کو ڈرانے والے اللہ کی طرف اس کے حکم سے دعوت دینے والے اور روشن چراغ۔ آپ کا وصف سِرَاجًا مُّنِيرًا اسی معنی میں ہے جو سورہ نوح میں فرمایا۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۔

یعنی اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا کہ اس سے دوسرے نور (ذاتی) کرتے روشنی حاصل کرتے ہیں اسی طرح آپ آفتاب نبوت ہیں آپ سے رشد وہدایت کی روشنی سب حاصل کرتے ہیں اور آپ کے آفتاب نبوت کے طلوع کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور آپ کی ادعیہ ماثورہ میں ہے کہ جب آپ تہجد کی نماز سے

فلہٰذا جب آپ صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا (صحیحین)

یا اللہ! میرے دل کو سراپا نور کر میری آنکھوں میرے کانوں کو نورانی کر میرے دائیں بائیں اور پیچھے نور ہو اور مجھے نور عظیم عطا فرما۔

بعض روایات میں اس دعا کے آخری حصہ میں وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا (یا اللہ مجھے سراپا نور کر دے) کے الفاظ بھی مروی ہیں۔

وہ آپ کے نور سے مستفیض ہونے والوں کے لئے بھی قرآن کریم میں نور کی بشارت ہے فرمایا: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام رکوع ۱۵)

کیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اسے نور عطا کیا جس کی برکت سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے (اور وہ ہر قسم کی گمراہی سے محفوظ رہتا ہے) کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو ضلالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہو اور ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر ع۲) بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو۔ اور وہ اپنے پروردگار کے نور پر ہے (کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے؟)

تو یہ دنیا میں ان کا حال ہے۔ آخرت میں بھی اہل ایمان کو نمایاں نور حاصل ہوگا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (التحریم ع۲)

یعنی نبی کا تو کہنا ہی کیا ہے، اس دن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھیوں کو بھی ذلیل نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کا نور ان کے آگے اور دائیں طرف روشنی کرتا ہوا چل رہا ہو گا اور وہ خدا سے دعا کریں گے کہ اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر کہ اس کی روشنی آخر تک رہے۔

معلوم ہوا کہ نور سے مراد رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ اور وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ سے معلوم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب رشد و ہدایت ہیں۔ تمام عالم آپ کے نور نبوت سے مستنیر ہو رہا ہے۔ آپ نور ایمان و معرفت کے منبع اور سرچشمہ ہیں، آپ کے بغیر کسی بارگاہ سے نور ایمان حاصل نہیں ہو سکتا۔ سب رستے مسدود اور سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔ صرف ایک باب محمدی کھلا ہے جس میں داخل ہو کر نور ایمان حاصل ہو سکتا ہے یا ایک نورانی کیفیت ہو مومن کے ایمان صادق حسن نیت اور اخلاص کی برکت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس صورت میں قلب منور سے نورانی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کرتی ہیں۔ جیسا کہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چہروں کو دیکھ کر شام کے عیسائی راہبوں نے کہا کہ ان کے چہرے تو حضرت عیسیٰ کے حواریوں جیسے نورانی ہیں جس کی طرف اشارہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ فرمایا:۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح ع ۴) یعنی ان کی ایمانی کیفیتوں کے انوار ان کے چہروں سے مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔

اور یہی کیفیت اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی علی حسب مراتب ہوتی ہے کہ ان کے باطنی نور کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں نظر آتے ہیں یہ تو اصحاب کرام اور ان کے اتباع کا حال ہے۔ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی کیفیتوں کا کیا کہنا ہے ہماری زبان اس کے بیان سے گنگ اور قلم عاجز و قاصر ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى لَهٗ۔

لیکن یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذاتی نور سے پیدا ہوئے سراسر نری جہالت ہے۔ بلکہ صریح کفر ہے اس لئے کہ:۔

۱۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ذات الٰہی کا نور مادہ ہوا آپ کی پیدائش کا۔ گویا آپ ذات الٰہی کے جزو ہیں العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ اور یہ عقلاً و شرعاً غلط ہے۔ کیونکہ ذات الٰہی کا نور مادی نہیں ہو سکتا اور مجرد عن المادہ کے لیے مادیات کا مادہ ہونا ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں اس باطل عقیدہ کی بناء پر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور کے اجزاء ہیں اور جو چیز مرکب الاجزاء سے ہوگی وہ اپنے وجود کے قیام میں اجزاء کی محتاج ہوگی اور احتیاج حق سبحانہ وتعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ نیز اگر اللہ سبحانہ تعالیٰ وتقدس نے اپنے ذاتی نور کا ایک حصہ الگ کر کے آپ کے وجود کو تیار کیا۔ تو معاذ اللہ! معاذ اللہ! باری جل شانہ کے ذاتی نور کا ایک جزو کم ہو گیا۔ اور کوئی مسلمان بلکہ کوئی بھی انسان جو خدا کو کامل صفات کا مالک سمجھتا ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

کاش ان لوگوں میں کچھ بھی بصیرت ہوتی اور علم دین کا کچھ بھی حصہ انہیں حاصل ہوتا تو یوں شان باری تعالیٰ میں ایسی گستاخی نہ کرتے۔ انہیں کیا معلوم کہ ذات الٰہی کے نور سے متعلق قرآن کریم اور احادیث میں کیا ارشادات ہیں۔ دیکھیے صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخمس حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجہہ ما انتہیٰ الیہ بصرہ من خلقہ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں خطاب وارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور پانچ مسائل بیان فرمائے۔ ان میں ایک مسئلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو اٹھا دے۔ تو اس کے انوار جلال ذاتی تمام مخلوق کو جہاں تک اللہ جل شانہ کی نگاہ پہنچے سب کو جلا دے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ تمام مخلوق کو محیط ہے تو حاصل یہ ہوا کہ تمام مخلوق اس کے نور ذات سے جل کر تباہ ہو جائے۔ اور کنز العمال میں بروایت طبرانی یوں روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر عظمت وجلال کو دیکھا ہے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرے اور ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کے درمیان ستر حجاب ہیں اور پھر فرمایا ما منهم تعنون حين تلك الحجب الا احترقت کوئی جان ایسی نہیں جو ان حجابوں کی سرسراہٹ سن لے اور فوراً نہ جل جائے

موسیٰ علیہ السلام نے جب اشتیاق دیدار کا اظہار کیا تو کیا جواب ملا؟ چالیس دن کی میعاد پوری ہو چکنے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب شرف مکالمہ بخشا تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام بلا واسطہ کلام حق جل مجدہ سننے سے کچھ اس طرح لذت گیر ہوئے کہ کمال اشتیاق سے دیدار الٰہی کی آرزو کرنے لگے اور بے ساختہ درخواست پیش کر دی جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ (الاعراف ۱۴۳) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ مذکورہ میں ایام مقررہ وقت پر آئے تھے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تھا تو شدت انبساط سے دیدار کا اشتیاق ہوا، اور عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار کرا دیجئے کہ ایک نظر آپ کو دیکھ لوں۔ بارگاہ حق جل مجدہ سے ارشاد ہوا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے (کیونکہ یہ آنکھیں تاب جمال الٰہی نہیں لا سکتیں) لیکن تمہاری تسلی کے لیے یہ تجویز کرتے ہیں کہ تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال کی ایک ذرا سی تجلی جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ اس کو برداشت کر سکا اور اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی دیکھ سکو گے پس اس کے رب نے جب تجلی فرمائی تو تجلی انوار نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا۔ بے شک آپ کی ذات پاک ہے اور یہ آنکھیں اس کے دیکھنے کی تاب لا سکیں ایسی نہیں۔ میں نے رویت جمال الٰہی کی طلب جو بلا اجازت کر دی تھی۔ اس سے توبہ کرتا ہوں اور آپ کے لَنْ تَرَانِي کے ارشاد

رہے سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں کیونکہ عین الیقین سے مجھے معلوم ہو گیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے جمال ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں مادی آنکھوں سے نہیں ہو سکتا۔

نص قرآنی سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں مادی آنکھوں سے انوار ذات الہٰی کا کوئی شخص وہ عظیم المرتبت نبی اللہ بھی کیوں نہ ہو مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کہنا کہ۔ انوار ذات الہٰی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے کیسی نا واقفی کی بات ہے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ انوار و برکات کے حامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں

نُورٌ اَنّٰى اَرَاهُ وہ ایک نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔

یہ حضرت ابوذر کی روایت مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں مروی ہے عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوذرؓ سے عرض کیا۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہوتا تو ایک سوال کرتا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا۔ تم کیا سوال کرتے تو اس نے کہا۔ کنت اسئلہ ھل رای ربہ عزوجل میں یہ سوال کرتا کہ کیا حضورؐ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا۔ بھائی میں نے یہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ وہ ایک نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

اگر آپ صرف اس قدر فرما دیتے کہ نہیں میں نے نہیں دیکھا۔ تو سوال کا جواب کافی تھا۔ لیکن آپ نے یوں ارشاد فرمایا۔ وہ ایک نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں یعنی ہرگز نہیں دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہوں۔ اور مبالغہ سے انکار کی وجہ وہی ہے جو صحیح مسلم میں بروایت ابو موسیٰ اشعری مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو اٹھا دے تو اس کے انوار جلال ذاتی تمام مخلوق کو جہاں تک حق سبحانہ وتعالیٰ کی نگاہ پہنچے سب کو جلا دے۔

اور امام مالکؒ کے الفاظ یوں ہیں: وانما لم یرسبحانہ فی الدنیا لانہ باق والباقی

لا یری بالفانی فاذا کان فی الآخرۃ ورزقوا ابصارا باقیۃ رأوا الباقی بالباقی (فتح الباری ج ۸) یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دنیا میں اس لئے نہیں دیکھا جاسکتا کہ ذات پاک باقی رہنے والی ہے اور فانی چیز باقی کو نہیں دیکھ سکتی۔ آخرت میں اہل ایمان کو باقی رہنے والی آنکھیں عطا ہوں گی تب باقی رہنے والی آنکھ باقی رہنے والی ذات کو دیکھ سکے گی۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث صحیحین میں مروی ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت جمال ذات الٰہی حاصل ہوئی؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

لقد قف شعری مما قلت این انت من ثلاث من حدثکهن فقد کذب من حدثک ان محمدا رأی ربه فقد کذب ثم قرأت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب ومن حدثک انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ ومن حدثک انه کتم شیئا فقد کذب ثم قرأت ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾ ولکنه رأی جبریل فی صورته مرتین۔

تو نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ اس سے میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں جو کوئی تجھ سے بیان کرے تو سمجھ لو کہ اس نے جھوٹ کہا۔ پہلی بات یہ ہے کہ جو کوئی تجھ سے یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا۔ پھر یہ آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی آنکھ میں یہ قوت نہیں کہ اس کا ادراک کرسکے اور وہ سب نگاہوں کا ادراک کرسکتا ہے وہ لطیف وخبیر ہے۔ دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے قلب پر القا کرے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم سے اگر کوئی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں تو گویا

اس نے جھوٹ کہا۔ اور آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا۔ اور تیسری بات یہ کہ تم سے جو شخص یہ کہے کہ آپ نے وحی الٰہی میں سے کچھ باتیں چھپا لی ہیں تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ اے رسول جو وحی آپ کے پاس پہنچی ہے اسے پہنچا دیجئے۔ لیکن تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دو بار دیکھا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض صحابہ مثلاً ابن عباسؓ اور کعب احبارؒ سے مروی ہے کہ یہ حضرات یہ خیال رکھتے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی رویت کا شرف حاصل ہے لیکن وہ بھی ان آنکھوں سے دیکھنے کے قائل نہ تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ان کے شاگرد عطاء سے مروی ہے۔

عن ابن عباس قال رآہ بقلبه (صحیح مسلم) یعنی ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی رویت بصری نہیں بلکہ رویت قلبی حاصل ہوئی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

عن ابن عباس قال لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینه انما رآہ بقلبه یعنی ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں سے ذات الٰہی کو نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ جو رویت آپ کو حاصل تھی وہ رویت قلبی تھی۔ جامع ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ کا ایک مکالمہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس سے حضرت عباسؓ کے شبہے کی حقیقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

عن عکرمة عن ابن عباس قال رأى محمد ربه. قلت أليس الله يقول لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ قال ويحك ذاك اذا تجلى بنوره الذي هو نوره وقد رأى ربه مرتين یعنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو عکرمہ کہتے ہیں میں نے سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ تو اس صورت میں ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے

نور ذاتی سے تجلی فرمائے۔ اس سے حضرت ابن عباسؓ کا بھی مختار یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نور ذاتی کا مشاہدہ نہیں ہوا اور جو مشاہدہ ہوا ہے وہ مشاہدہ قلبی ہوا ہے اور دو دفعہ ہوا ہے جیسا کہ صحیح مسلم بروایت ابوالعالیہ ہے۔

قال رأٰه بفؤاده مرتین (صحیح مسلم ج ۱) حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ مشاہدہ قلبی ہوا اور دو دفعہ ہوا اور نسائی میں حضرت ابوذرؓ سے بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔

عن ابی ذر قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربہ بقلبہ ولم یرہ ببصرہ۔ اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے اختلاف کے بارے میں جو تطبیق بیان کی ہے وہ درست نظر آتی ہے۔

فیمکن الجمع بین اثبات ابن عباس ونفی عائشۃ بان یحمل نفیها علی رؤیۃ البصر واثباته علی رؤیۃ القلب (فتح الباری [illegible] ج ۸) یعنی حضرت عائشہؓ رؤیت بصری کی قائل نہیں اور حضرت ابن عباسؓ رؤیت قلبی کے قائل ہیں اس لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں۔ بہرحال صحابہ کرام اس بارے میں سب متفق ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمال ذات الٰہی کی رؤیت بصری حاصل نہیں ہوئی اور یہ اس کی دلیل ہے جو احادیث میں بیان کی گئی ہے ایک تو حدیث نورٌ انّٰی اراہ اور دوسری حدیث حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجهه ما انتهی الیه بصره۔

جمال ذات الٰہی کے مشاہدہ بصری کا ذکر ضمناً آگیا ورنہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ نور محمدی کو اللہ نے اپنے ذاتی نور میں سے پیدا کیا ایک ایسی جہالت ہے جو ذات الٰہی کے تقدس و تنزیہہ کے خلاف بلکہ اسلام کے اصل اصول توحید کے خلاف اور نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کے قریب ہے۔ نصاریٰ بھی یہی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اس لحاظ سے کہ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ بشر تھے اور بشری احساسات کے حامل تھے لیکن اس لحاظ سے کہ وہ روح اللہ ہیں وہ خداوندی صفات کے مالک ہیں۔ مردوں کو زندہ کرتے، نابینا کو بینائی بخشتے، کوڑھیوں اور برص کے مریضوں کو صحت بخشتے وغیرہ وغیرہ اور اس طرح لاہوت و ناسوت کے مجموعہ ہیں اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا لا تطرونی

کما اطرت النصاری عیسی بن مریم انما انا عبد اللہ ورسولہ۔ میرے حق میں اس طرح غلو نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا۔ میں صرف بندہ ہوں بس میرے حق میں یہ کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس عقیدہ کے خلاف کس قدر زوردار اور بلیغ پیرایہ میں فرمایا:

لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۔ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔ لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۔ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (مریم-۹۵)

یعنی تم ایسی بڑی بات زبان پر لائے ہو کہ اس کی وجہ سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جائیں اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا اور خدا کے یہ شایان شان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے کیونکہ جتنے بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب خدا کے روبرو محکوم ہو کر حاضر ہوتے ہیں اللہ نے سب کو اپنے احاطہ قدرت میں گھیر رکھا ہے اور اپنے علم سے سب کا شمار کر رکھا ہے (یہ صورت حال تو دنیا میں ہے) اور قیامت کے دن سب کے سب اللہ کے سامنے تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔ یعنی اللہ کی صفات میں حاکمیت اعلیٰ، عموم قدرت اور عموم علم۔ اور۔ تمام مخلوقات کی صفات بشمول انبیاء کرام کے انقیاد و فرمانبرداری احتیاج محکومیت اور بندگی ہے۔ پھر کسی شخص میں بشریت اور الوہیت کے دونوں صفات کیسے جمع ہو سکتے ہیں اس سے تو اجتماع ضدین ہوگا اور اجتماع ضدین محال ہے

سوال میں جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے یہ حدیث کا ایک فقرہ ہے۔ پوری حدیث قسطلانی نے کتاب المواہب اللدنیہ میں ذکر کی ہے قسطلانی نے ذکر کی ہے حضرت شارح زرقانی نے اس کی سند بیان کی ہے۔ اس لئے اصول محدثین کے مطابق جب تک اس کی سند معلوم نہ ہو اس کی صحت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا اور جب تک حدیث صحیح سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو اس پر کوئی عقیدہ مبنی نہیں ہو سکتا اب رہا اس حدیث کا متن اسے دیکھنا چاہئے کہ وہ کس حد تک دوسری صحیح

احادیث صحیحہ سے مطابقت رکھتا ہے نیز سوال میں اس حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے یا اس حدیث کی بناء پر جو عقیدہ قائم کیا گیا ہے وہ کس حد تک صحیح ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن جابر بن عبد الله قال قلت يا رسول الله بأبي أنت وأمي أخبرني عن أول شيء خلقه الله قبل الأشياء. قال يا جابر إن الله قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره فجعل ذلك النور يدور بالقدرة حيث شاء الله ولم يكن في وقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا شمس ولا قمر ولا جني ولا إنسي، فلما أراد الله أن يخلق الخلق قسم ذلك النور أربعة أجزاء فخلق من الجزء الأول القلم ومن الثاني اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم ذلك الجزء الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول حملة العرش ومن الثاني الكرسي ومن الثالث باقي الملائكة ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول السموات ومن الثاني الأرضين ومن الثالث الجنة والنار ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول نور أبصار المؤمنين ومن الثاني نور قلوبهم وهي المعرفة بالله ومن الثالث نور أنسهم وهو التوحيد لا إله إلا الله محمد رسول الله۔ یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟ آپ نے فرمایا: اے جابر! تمام اشیاء سے پہلے تمہارے نبی کے نور کو اللہ نے اپنے نور سے پیدا کیا۔ پھر یہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ماتحت جہاں اللہ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا اس وقت تک نہ لوح تھی نہ قلم تھا اور نہ جنت تھی اور نہ دوزخ نہ کوئی فرشتہ نہ آسمان تھا نہ زمین نہ سورج نہ چاند نہ جن نہ انسان تھا اس کے بعد جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور (محمدی) کے چار حصے کر کے پہلے حصے سے قلم پیدا کیا دوسرے حصے سے لوح محفوظ تیسرے حصے سے عرش اس کے بعد چوتھے حصے نور کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے ملائکہ حاملین عرش پیدا کئے دوسرے حصے سے کرسی، تیسرے حصے سے باقی فرشتے اس کے بعد اس چوتھے حصے نور کو پھر مزید تقسیم کیا۔ اس تقسیم کے مطابق پہلے حصہ سے آسمان کو پیدا کیا دوسرے حصے سے زمین کو تیسرے حصے سے جنت دوزخ کو

اس تقسیم کے چوتھے حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اب پہلے حصہ سے اہل ایمان کی آنکھوں کا نور پیدا کیا دوسرے حصہ سے ان کے دلوں کا نور پیدا کیا اور وہ ہے معرفت الٰہی تیسرے حصہ سے ان کے نفوس کا نور پیدا کیا یعنی نور توحید اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس روایت کی سند معلوم نہیں۔ اس کا متن اپنے مفہوم کے لحاظ سے صحیح روایت کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اول شئی خلق اللہ جل ثناؤہ القلم وامرہ فکتب کل شئی یکون۔ (بیہقی ص ۳ ج ۹) یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے حکم دیا کہ جو کچھ ہونے والا ہے سب لکھ دے چنانچہ اس نے سب لکھ دیا۔ اس مضمون کی حدیث جامع ترمذی ابو داؤد اور مسند امام احمد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے۔ اول ما خلق اللہ القلم فقال له اکتب قال رب وما اکتب قال اکتب مقادیر کل شئی حتی تقوم الساعۃ۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا اسے حکم دیا کہ لکھ اس نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا قیامت تک ہونے والی ہر چیز لکھ۔ تمام ہونے والے امور میں بعثت انبیاء پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کا خاتم الانبیاء ہونا بھی شامل ہے۔ اس لئے اس حدیث کی بنا پر یہی کہا جائے گا کہ زمین وآسمان اور تمام جن وانس کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ جس کی تائید عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے مسلم نے بیان کیا ہے۔ ان اللہ قدر مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوقات کی تقدیر لکھ دی۔ اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

جب زمین وآسمان [illegible] مخلوقات کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل سب کی تقدیر لکھی گئی تو ظاہر ہے کہ سب سے پہلے قلم کو اللہ عزوجل نے پیدا کیا۔

اس لئے حدیث جابرؓ جس کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے نہ صرف یہ کہ مجہول السند ہے بلکہ مذکورہ بالا صحیح احادیث کے خلاف ہے اور اس حدیث کے بھی خلاف ہے جسے امام بخاریؒ نے صحیح میں عمران بن حصینؓ سے روایت کیا کہ کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے عرض کیا ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے تفقہ فی الدین حاصل کریں اور ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کان اللہ ولم یکن شیئ قبلہ وکان عرشہ علی الماء ثم خلق السموات والارض وکتب فی الذکر کل شیئ ... (مشکوٰۃ باب بدء الخلق) یعنی اللہ عزوجل ازل سے موجود ہے اور کوئی چیز اللہ سے پہلے موجود نہ تھی۔ زمین و آسمان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا جو تمام اشیا کا مادہ حیات بننے والا تھا (وجعلنا من الماء کل شیئ حی) ۔ اس وقت عرش خداوندی اس کے اوپر تھا اس کے بعد زمین آسمان پیدا کیے اور ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ (اس حدیث میں خلق السموٰت والارض کا ذکر لفظ "ثم" کے ساتھ کیا ہے جو ترتیب زمانی کو بتاتا ہے اور مقادیر کا ذکر حرف و کے ساتھ کیا ہے جو ترتیب کے لئے نہیں ہوتا۔ اس لئے پہلی روایات کے خلاف نہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا کیا۔ یہاں مقصد خلق عرش کے بعد کی پیدائش کا ذکر بلا ترتیب ہے)

غرض جس قدر صحیح روایات اول خلق کے متعلق ہیں۔ کسی میں اس کا ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔ اس لئے یہ حدیث تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے۔

ایک حدیث جو واعظوں اور قصہ خوانوں نے مشہور کر رکھی ہے اول ما خلق اللہ نوری یہ محدثین کے نزدیک بالکل بے اصل بلکہ موضوع ہے۔

حدیث جابرؓ اپنے مفہوم کے لحاظ سے ایک عجیب و غریب چیز بلکہ افسانہ ہے اب آپ حدیث جابرؓ کے مفہوم کو دیکھیے۔ اس حدیث کے الفاظ اور اس کا

ترجمہ ذکر کردیا گیا ہے اس حدیث کے مفہوم کے مطابق یہ معلوم ہوتا ہے کہ،

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے نور میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا۔

(۲) جب اللہ عزوجل کو یہ منظور ہوا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے چار حصے کردیئے تین حصوں سے قلم لوح محفوظ اور عرش پیدا کئے۔ یہ تقسیم اول ہوئی۔ نور محمدی کے چوتھے حصے کو پھر تقسیم کردیا گیا۔

(۳) تقسیم اول کے چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم کے تین حصوں سے ملائکہ حاملین عرش کرسی و ساق ملائکہ کو پیدا کیا۔ یہ تقسیم ثانوی ہوئی تقسیم ثانوی کے چوتھے حصے کو بھی تقسیم کیا گیا۔

(۴) تقسیم ثانوی کے چوتھے حصے کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم کے تین حصوں سے آسمان زمین اور جنت دوزخ پیدا کئے گئے یہ تیسری تقسیم ہوئی۔ اس تقسیم کے چوتھے حصہ کو بھی تقسیم کیا گیا۔

(۵) تیسری تقسیم کے چوتھے حصہ کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم کے تینوں حصوں سے اہل ایمان کی آنکھوں کا نور ان کے قلوب کا نور اور ان کے نفوس کا نور پیدا کیا۔ یہ چوتھی تقسیم ہوئی۔

(۶) اس چوتھی تقسیم کے چوتھے حصے کا ذکر نہیں کہ یہ کہاں گیا اور اس سے کیا پیدا کیا گیا۔

نہ تو صاحب مواہب لدنیہ یعنی مصنف نے اس کا ذکر کیا اور نہ شارح نے اس کا ذکر کیا۔ شارح نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ آخری تقسیم کے چوتھے حصے کا ذکر نہیں اس کا کیا گزری اور اس نور سے کیا پیدا ہوا۔ صرف اتنا کہا کہ یہ روایت مسند عبدالرزاق کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اس کے بعد شارح فرماتے ہیں کہ بیہقی نے بدء الخلق (ابتدائے آفرینش کا ذکر) کی جو ذکر کی ہے لیکن وہ اس کے خلاف ہے۔ ہم نے بیہقی کی طرف رجوع کیا تو اس میں نور محمدی کی تقسیم کا کہیں ذکر نہیں۔ بلکہ جس قدر روایت بدء الخلق کے ذیل میں لکھی ہیں

ان میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ یا اس مضمون کی روایت ہیں۔ کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا۔

اس روایت میں جس طرح خلق عالم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ نہ تو کتاب وسنت کے نصوص کے مطابق ہے۔ نہ علماء اسلام اور متکلمین کی تصریحات سے کوئی مناسبت رکھتا ہے فلاسفا یونان کے اس عقیدہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے کہ مبدا اول سے صرف عقل اول کا صدور ہوا اور عقل اول اس قدر کمالات سے بہرہ ور ہوا اور اس سے فلک اعظم یا فلک محیط کا صدور ہوا اس سے دوسرے عقول اور افلاک پیدا ہوئے متکلمین اسلام نے اس کی تردید کی اور انہی کے دلائل سے ثابت کیا کہ ان کا یہ قاعدہ آن الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" ایک سے ایک ہی صادر ہو سکتا ہے، جس کی بنا پر یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ مبداء اول سے صرف عقل اول ہی کا صدور ہو سکتا ہے، باطل ہے۔ اس روایت کا بھی منشا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے پہلے تو نور محمدی پیدا کیا پھر نور محمدی سے تمام کائنات پیدا کی۔ یہ عقیدہ اس قدر لغو اور باطل ہے کہ کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں لیکن سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس درجہ ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو رہے ہیں کہ وہ اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اہل سنت والجماعت کی علم کلام یا عقائد کی کتب سب ہمارے سامنے ہیں۔ کیا کسی ایک کتاب میں بھی یہ عقیدہ مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نور ذاتی سے پیدا ہوئے، پھر آپ کے نور سے تمام عالم پیدا کیا گیا کیونکہ اس سے بالصراحت لازم آتا ہے کہ العیاذ باللہ اللہ تعالیٰ کے اجزاء ہیں بعض اجزاء سے فرشتے بعض اجزاء سے عرش وکرسی، آسمان، زمین، اور دیگر مخلوقات پیدا ہوئی۔ اور یہ نہ صرف اہل سنت بلکہ تمام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اس کی شان یہ ہے۔

ولا متبعض ولا متجزئ أي ذي أبعاض وأجزاء ولا متركب منها أي من الأبعاض والأجزاء لما في ذلك أي التبعيض والتجزي والتركيب من الاحتياج إلى الأجزاء المنافي للوجوب۔ (شرح عقائد نسفی)

یعنی اللہ تعالیٰ کے نہ ابعاض یا اجزاء مرکبہ ہیں نہ اجزاء معدودہ ہیں اور نہ ان ابعاض و اجزاء سے مرکب ہے اس لئے کہ ان صورتوں میں اجزاء کی طرف احتیاج ثابت ہوتا ہے اور احتیاج شانِ باری تعالیٰ کے منافی ہے اور اگر عیاذاً باللہ یہ تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ مذکورہ سوال روایت کا تقاضا ہے کہ اللہ کے ذاتی نور سے نور محمدی پیدا کیا گیا اور اس نور سے پھر کائنات کو پیدا کیا گیا تو ایک نور خدا مشترک یا جنس مشترک بن جائے گا اور جنس کے امتیاز کے لئے فصل بلکہ فصول کی ضرورت ہو گی جس سے امتیاز ہو سکے نور افتراق اور نور محمدی نور عالم کہ نور ارض و سماوات وغیرہ میں اور یہ بھی شانِ حق جل وعلا کے خلاف ہے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے:۔

ولا يوصف بالمائية أي المجانسة للأشياء ولأنها توجب التمايز عن المتجانسات بفصول مقومة فيلزم التركيب (شرح عقائد) یعنی اللہ تعالیٰ اتحاد فی الجنس کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جنس کے لئے فصل[1] کا ہونا ضروری ہے۔ اس صورت میں جنس کے لحاظ سے فصل کا محتاج ہو گا اور یہ دونوں چیزیں شانِ خداوندی کے خلاف اور بالکل بعید ہیں۔

غرض کسی لحاظ سے یہ عقیدہ صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ درایت اور روایت دونوں لحاظ سے یہ غلط ہے جیسا کہ اس سے پہلے حضرت ابن عباسؓ جابر بن سمرہؓ عبداللہ عمرو بن العاصؓ اور عمران بن حصینؓ کی روایات کا ذکر کر چکا ہوں۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب الاسماء والصفاتؒ میں بڑی تفصیل سے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے اور کئی ایک صحابہ کرامؓ سے روایت بیان کی ہیں مزید استشہاد کے لئے دو چار روایتوں کا ذکر

[1] جنس، فصل اور تمادی جنس اور فصل مقوم یہ سب منطقی اصطلاحات ہیں اہل علم سمجھتے ہیں۔

کرتا ہوں۔ پہلی روایت متعدد صحابہ کرام سے نقل کرتے ہیں:۔

(۱) عن عبد اللہ بن عباسؓ وعبد اللہ بن مسعود وعن ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ عزوجل ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ قال ان اللہ تبارک وتعالیٰ کان عرشہ علی الماء ولم یخلق شیئا قبل الماء فلما اراد ان یخلق الخلق اخرج من الماء دخانا فارتفع فوق الماء فسما علیہ فسماہ سماء (الحدیث)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور متعدد صحابہ کرام سے آیہ کریمہ " ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ " کی تفسیر میں یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے پہلے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ جب مشیت ایزدی کا تقاضا یہ ہوا کہ مخلوقات کو پیدا کیا جائے تو پانی سے دھواں سا نکالا۔ یہ دھواں بلند ہوا۔ اس سے آسمان بنا اور اس کا نام سماء بھی اسی لئے ہوا۔ اس کے بعد زمین پہاڑ اور دوسری مخلوقات کی پیدائش کا ذکر ہے۔ دوسری روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انبئنی عن کل شیء قال صلی اللہ علیہ وسلم کل شیء خلق من الماء وذکر الحدیث الخ یعنی ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہر چیز کی پیدائش کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ قرآن کریم کی آیت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ سورہ نور میں فرمایا وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (پ ۱۸) اور اللہ ہی نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔

امام بیہقی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت جسے ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں نقل کرنے کے بعد اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:۔

وقولہ کان اللہ عزوجل ولم یکن شیء غیرہ یدل علی انہ لم یکن شیء غیرہ لا الماء ولا العرش ولا غیرھما فجمیع ذالک غیر اللہ تعالیٰ وقولہ وکان عرشہ علی الماء یعنی ثم خلق الماء وخلق

العرش علی الماء ثم کتب فی الذکر کل شیء و ذالک بیّن فی حدیث
ابی رزین العقیلی منہ یعنی اس حدیث کے پہلے فقرے کا معنی یہ ہے خلق عالم سے
پہلے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی نہ پانی نہ عرش نہ کوئی اور چیز اور حدیث کے
دوسرے فقرے وکان عرشہ علی الماء کا معنی یہ ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ و تقدس نے
پہلے پانی پیدا کیا پھر عرش کو پانی پر پیدا کیا۔ پھر ہر چیز لوح محفوظ میں لکھ دی گئی امام بیہقی
فرماتے ہیں کہ یہ مضمون ابو رزین العقیلی کی حدیث میں واضح طور پر آگیا ہے وہ حدیث یہ ہے:

(۳) عن ابی رزین قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق السموات
والارض. قال صلی اللہ علیہ وسلم کان فی عماء ما فوقہ ھواء وما تحتہ ھواء ثم
خلق العرش علی الماء۔ حضرت ابو رزین کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت
کیا کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ رب العزت کہاں تھے۔ آپ نے فرمایا ایک خلا
تھا یا خفیف سا بادل تھا۔ اوپر بھی ہوا نیچے بھی ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے
عرش کو پانی پر پیدا کیا۔

لفظ عماء کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان کان فی الاصل ممدودا فمعناہ سحاب رقیق ویرید بقولہ فی عماء ای فوق سحاب
مدبرہ وعالیا علیہ۔ یعنی اگر عماء ممدود ہے تو اس کا معنی ہلکا بادل اور فی بمعنی
علیٰ ہوگا جیسا کہ آیات ءَاَمِنْتُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ یعنی من فوق السماء اور لَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ
میں علی جذوع النخل ہے۔ تو معنی حدیث کا یہ ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ ہواؤں اور بادلوں
کے اوپر تھا۔ اور اگر لفظ عما بغیر مد کے یعنی مقصور ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے۔ لا شیٔ
اب معنی حدیث کا یہ ہوگا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ موجود تھے اور کوئی دوسری چیز موجود
نہ تھی۔ پھر اس کے بعد فرمایا ما فوقہ ھواء وما تحتہ ھواء اس صورت میں ما نفی کے لئے ہو
گا یعنی جب کوئی چیز نہ تھی تو نہ اوپر ہوا تھی نہ نیچے ہوا تھی یعنی پھر نہ تھا حق جل وعلا کی
ذات پاک تھی اور کوئی مخلوق نہ تھی جب اللہ نے مخلوق پیدا کرنی چاہی

تو پہلے پانی کو پھر عرش کو پیدا کیا اور اللہ جل شانہ کا عرش پانی پر تھا۔

ان روایات کے ساتھ اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں کہ محدثین کرام نے بدء الخلق کے باب یا عنوان کے ذیل میں جہاں یہ احادیث نقل کی ہیں جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہیں وہاں اس مضمون کی روایات بھی بیان کی ہیں کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے یہ روایات حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلقت الملئکۃ من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم علیہ السلام مما وصف لکم حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جنات آگ سے اور آدم علیہ السلام جیسا کہ تمہیں بتایا گیا ہے یعنی قرآن کریم میں کہ مٹی سے پیدا کئے گئے قرآن کریم میں انسان کا مٹی سے پیدا کیا جانا متعدد مقامات پر مذکور ہے۔ یہاں سورۃ الحجر کی آیت نقل کی جاتی ہے فرمایا، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ السَّمُومِ الحجر ع ۲ یعنی ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا (یعنی پہلے تو گارے کا خوب خمیر کیا کہ اس میں بو آنے لگی۔ پھر وہ خشک ہو گیا۔ اس قدر خشک کہ اس سے کھنکھنانے کی آواز آنے لگی۔ پھر اس خشک گارے سے انسان کا پتلا تیار کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے) اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے دوسری آیت میں فرمایا وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ اور جنوں کو آگ کے شعلے سے (یعنی نہایت لطیف آگ سے کہ وہ اجزاء دخانیہ سے پاک تھی پیدا کیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ عنقریب میں ایک انسان کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پورا بنا لوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں تو تم سب اسے سجدۂ تعظیم بجا لانا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے بنا لیا تو تمام فرشتوں نے اسے سجدہ کیا مگر ابلیس نے ازراہ تکبر سجدہ نہ کیا اور یہ کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا سجدہ کروں۔ ارشاد ہوا کہ مٹی سے جس انسان کو میں نے پیدا کیا ہے۔

اگر تمام ملائکہ کے سجدہ کے بعد بھی تو اس کی عظمت کا قائل نہیں ہوا تو آسمان سے نکل جا اور تو آج سے راندۂ درگاہ ہے اور قیامت تک تجھ پر لعنت برستی رہے گی۔

غرض حضرت عائشہؓ کی حدیث اور قرآن کریم کی آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد انسان کی تخلیق ہوئی اور انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی اور آپ نے بروایت ترمذی یہ ارشاد فرمایا۔ الناس کلہم بنو آدم و آدم من تراب " تمام لوگ حضرت آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے جہاں اور بہت سے کلمات حکمت بیان فرمائے یہ بھی فرمایا۔ یا ایہا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد، کلکم لآدم و آدم من تراب، اکرمکم عند اللہ اتقاکم ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی۔ اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے اور تم سب کا باپ بھی ایک ہے۔ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے تم میں سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو تم سب میں سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے کسی کو عربی ہونے کی وجہ سے کسی عجمی پر فضیلت نہیں۔ اگر فضیلت ہے تو صرف تقویٰ اور اعلیٰ کردار کی۔

پس صحیح عقیدہ جو تمام اہل حدیث کا ہے یہ ہے کہ تمام انسان وہ عوام ہوں یا انبیاء و رسل سب کے سب اولاد آدم ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے واضح ہو چکا ہے اس لئے سیدنا و نبینا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاکی ہیں۔ اور اسی لحاظ سے قرآن کریم میں آپ سے اعلان کرایا گیا کہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہہ دیجئے کہ میں بشریت میں تم جیسا ہی ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ مجھے یہ سرداری اور فضیلت بخشی گئی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اللہ کی وحی میرے پاس آتی ہے اور میں اس کا امین و مبلغ ہوں۔

خاکی ہوتے ہوئے روحانی مدارج کی جو ترقیاں آپ کو حاصل ہوئیں یہ عزوشرف اور فضیلت کا وہ مقام ہے جس میں کوئی آپ کا شریک و سہیم نہیں۔

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

العبد المذنب الراجی الرحمۃ ربہ الودود۔ محمد داؤد غزنوی

الاعتصام جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۲ نمبر ۱۴

سوال:۔ قرآن کریم میں موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے تذکرہ میں یہ ارشاد ہے:۔
فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ۔

اس آیت کریمہ میں حل طلب یہ مسئلہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن کے داہنی طرف سے درخت میں سے یہ آواز آئی۔ یَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں:

کیا درخت میں ذات باری تعالیٰ نے حلول فرما کر موسیٰ علیہ السلام کو یہ آواز دی۔ اگر یہ معنی ہے تو ذات۔ باری تعالیٰ کا ایک ادنیٰ اور محدود چیز میں حلول کرنا اس کی شان کبریائی کے خلاف ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ذات باری تعالیٰ نے درخت میں حلول نہیں فرمایا بلکہ درخت کو حکم فرمایا اور اس وجہ سے درخت میں قوت گویائی پیدا ہوئی اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان علیٰ کل شیء قدیر کے عین مطابق ہے لیکن اس میں درخت کا یہ کہنا أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ صحیح نہیں ہوگا علاوہ ازیں ظاہری اور حقیقی معنی کو چھوڑنا اور تاویل کرنا بھی کچھ مناسب نہیں۔

جواب:۔ قرآن مجید کے تمام مقامات کی آیتیں اس قصہ میں یوں شہادت دیتی ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور کی غربی جانب مقدس وادی کے بابرکت کنارہ میں یوں آواز آئی إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ آواز دینے والا مناجات کے لئے قریب کرنے والا رب العالمین تھا۔ لاغیر۔ پس اس مقام پر حلول کا کچھ ذکر ہے، اور نہ درخت کے ندا کرنے کا اور نہ اس میں آواز پیدا کرنے کا کچھ تذکرہ ہے پس تردد کس بات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ و تقدس بعض بندوں کی طرف قرب فرماتا ہے بعض امکنہ بعض ازمنہ میں ان کو لیے وقت

سے سرفرازی بخشتا ہے۔

کما نزو عشیۃ عرفۃ الی اھل عرفات۔ وقربہ الی الساجدین والی الداعین وکقربہ الی موسیٰ اذ قربہ نجیا وکلا یستلزم من ذلک ان تخلو ذاتہ من فوق العرش بل ہو فوق العرش یدنو ویقرب من خلقہ کیف یشاء ویکون قربہ عزوجل ایضا ذاتیا ولیس ذلک من الممتنعات

مثلاً یوم عرفہ کی شام کو اہل عرفات سے قرب الٰہی سجدہ اور دعا کے اوقات میں ساجد اور داعی سے قرب الٰہی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلامی کے وقت قرب تاہم یہ قرب عرش سے اس کی ذات مقدس سے خالی ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ اس کا عرش کے اوپر مستوی ہونا اور اپنی مخلوق کے قریب ہونا دونوں بلاکیفیت ہیں بنا بریں یہ قرب ذاتی ہے کیوں کہ اس کے استحالہ پر کوئی دلیل نہیں۔ ہم رب العزت کی ادنیٰ اور ادنیٰ مخلوق کو مثلاً روح کو دیکھتے ہیں کہ چند منٹ میں بلاد بعیدہ بلکہ آسمانوں کا سیر کر آتی ہے مع انہا تکون فی الارض ان رباوجود یکہ روح ہمارے جسم میں ہوتی ہے ہمارے ایمان کے واسطے یہ سیر سریع اتنی اندک مدت میں ممتنعات وعقلی محالات سے ہے۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ ہر ایک کے واسطے جداگانہ صفات ہوتی ہیں اور بعض مخلوقات میں ایسے صفات بھی ہیں جو وہ دوسروں کی نسبت ممتنعات میں سے ہیں۔

والرب عزوجل فوق ہذا کلہ وأجل من ہذا کلہ لہ صفات فوق الصفات کما ان لہ ذات فوق الذوات لان الصفات تابعۃ للذات وللہ المثل الاعلیٰ فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔ پھر اللہ تعالیٰ کا تو معاملہ ارفع اور اعلیٰ ہے جیسے اس کی ذات سب مخلوقات کی ذوات سے اعلیٰ و اجل ہے۔ یہی حال اس کی صفات مقدسہ کا ہے ان کو مخلوقات کی صفات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صفات تو ذات ہی کے تابع ہوتی ہیں۔ وللہ المثل الاعلیٰ فی السمٰوٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔ چراغ کی روشنی سے تمام ... بھر جاتا ہے، اور آفتاب ماہتاب کے نور سے تمام زمین باوجود اس کے نہ چراغ کی روشنی اپنی جگہ سے منتقل ہوئی اور نہ قمر یا آفتاب کا نور۔ پس اگر ہم رب العالمین

سکے بارہ میں صدر اول صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین عظام، برگزیدہ لوگوں کی طرح یوں اعتقاد رکھیں کہ علو حق تعالیٰ کے لئے ایک ایسی لازمی صفت ہے کہ وہ قرب و دنو کے وقت بھی اعلیٰ ہوتا ہے نہ استقلال تو اس میں کیا تردد ہے اور کیا نقص لازم آئے گا چنانچہ طور کی جانب غربی مقدس وادی کے کنارہ میں حق تعالیٰ نے تجلی ربانی اور وہ بذات بابرکات خود عرش معلی پر تمام مخلوق سے اعلیٰ و برتر تھا، باوجود نزول اس کے آسمان دنیا پر اور اس کا ذاتی قرب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بقعہ مبارکہ میں اور اس کا ذاتی دنو داعین و ذاکرین سے عرش معلی پر بھی ہے۔ اور باوجود اس اس کے عرش معلی پر ہونے کے مکان خاص میں موسیٰ علیہ السلام سے قریب ہوا، اور ذاکرین داعین سے قریب ہوتا ہے اور آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ وہو العلی الاعلیٰ استویٰ۔ اور علو کی صفت اس کی ذات کو لازم ہے۔ کسی وقت میں اس سے زائل نہیں ہوتی اور استقلال سے متصف نہیں ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں عرش پر بھی ہے اور آسمان دنیا پر بھی ہے اور ایک ہی وقت میں عرش پر بھی ہے اور بقعہ مبارکہ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ہے اور ایک ہی وقت میں عرش پر بھی ہے اور دعا مانگنے والوں اور ذکر کرنے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ (حضرت الامام عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ) الاعتصام جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۴۴

سوال: یہاں ہم بعض لوگوں سے سنتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور میں سے نور ہیں اور حضور ہی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے نور سے پیدا کیا اور میرے نور سے آگے کل کائنات پیدا کی۔ آپ نور مجسم ہیں آپ نے فرمایا ہے۔ "اول ما خلق اللہ نوری" یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا اور قرآن مجید میں ہے۔ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ یعنی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب آئی ہے۔ یہاں نور سے مراد حضور اکرم ہیں، پس قرآن و حدیث سے ثابت ہوا کہ آنجناب تھے نور صورت بشر کی شکل بن کر ظہور پذیر ہوئے۔ وہابی دھوکہ کھا گئے اور آپ کو صحیح معنوں میں دوسرے بشروں کی مثل بشر سمجھنے لگ گئے حالانکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بشری

کرآئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی فرشتے انسانی شکل اختیار کر کے گئے تھے۔ وہ تھے نور لیکن بشر بن کر آئے تو اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہوتے کے باوصف بشر کے لباس میں آ گئے تو کون سا غیر ممکن کام ظاہر ہو گیا۔ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو نبی کریمؐ کو بشر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔

آپ اس سوال کا مفصل جواب قلم بند کر کے یہاں بھیج دیں اور ان تمام دلائل کی حقیقت بیان کر دیں کیونکہ بریلوی طلبا اس سوال کا تحریری طور پر مدلل جواب چاہتے ہیں اس لئے آپ کو لکھ رہا ہوں:

(شوکت علی ⧠ وارڈ سول تعمیر گروہ نمبر ۱۲ اسکیل ہوسٹل نزد الحق کالج لائلپور)

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور سمجھنا گویا آنجناب کو اللہ تعالیٰ میں سمجھنا ہے اور اس کا ہم جنس قرار دینا ہے اور یہ نص قطعی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (اس کے اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے) کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کمال ذات و صفات میں ایک ہے۔ اس نے صاف اور بین الفاظ میں فرما دیا ہے۔ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ۔ یعنی نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے۔ (پارہ نمبر ۱۵ سورہ بنی اسرائیل)

سورہ کہف پارہ نمبر ۱۵ کی شروع آیات میں اللہ تعالیٰ کیسے عجیب انداز میں فرماتا ہے۔ وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک مقصد عالی یہ بھی ہے کہ وہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اس بات کا کوئی علم نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس تھا بڑی بات ہے جو ان کی زبان سے نکلتی ہے اور وہ لوگ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا (ترجمہ) نہ اس کی بیوی ہے نہ اولاد۔

ایک جگہ وارد ہے: تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

هَدًّا . أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا (سورہ مریم) جو لوگ رحمٰن کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں یہ ایسی ناپسندیدہ بات کہتے ہیں کہ قریب ہے اس کے باعث آسمان پھٹ جائیں زمین میں شگاف پڑ جائیں اور پہاڑ کپکپا کر گر جائیں۔

اسی طرح متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کی کمزوری بیان فرمائی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی اس کا ہم جنس اور شریک نہیں۔ ایسے حضرات کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات بھی نہیں آتی کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور میں سے تھے تو کیوں نہ پھر آپ میں خدائی صفات آئیں۔ آپ کی ازواج مطہرات بھی تھیں اور بیٹے بیٹیاں بھی لیکن اللہ تعالیٰ ذات میں یہ صفات نہیں ہیں۔

(۲) وہ لوگ جو یہ حدیث کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے نور سے پیدا کیا اور میرے نور سے کل کائنات پیدا کی بیان فرمایا کرتے ہیں۔ وہ خدا جانے کیوں بنیا لوگوں کو بنا سمجھ رہے ہیں یہ حدیث ہے ہی کہاں معاذ اللہ ایسی من گھڑت باتیں کرنا عام لوگوں سے تو شاید ممکن ہوں لیکن جو شخص علم و دین سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے اس کی شان کے شایاں نہیں کہ ایسی واہی باتوں کو حدیث نبوی کہے۔

اس موضوعات کو اگر حدیث نبوی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نتیجہ ساری کائنات اللہ کے نور سے ہے کیونکہ حضورؐ خدا کے نور سے اور باقی کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے گویا اس بات سے ہر مخلوق شی کے حصہ میں کچھ نہ کچھ اللہ کا نور آیا۔

اور اگر یہ صورت حال ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہوئی اور پھر ہمہ دوست والوں کو ملحد دین کا بُرا سمجھنا بھی بے فائدہ ہوا۔ نیز کیا اللہ اپنے نور کے چند اجزاء کو نار کے حوالہ کر دے گا؟

(۳) اس موضوع بات کو چند مسئلہ کے لئے حدیث صحیح مان لینے سے یہ بات کہاں صحیح ثابت ہوتی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے تھے! یہاں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ بھلا کسی چیز کا پیدا کرنا اور بھلا کسی چیز کا خود اس پیدا کرنے والے سے ہونا

کیا ان دونوں باتوں میں زمین آسمان کا فرق نہیں!

(۴) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ - تحقیق : ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب ۔ سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے کہ یہاں نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ مجسم ہونا اللہ کے نور سے ہوتا ہے۔

متقدمین و متاخرین اہل سنت مفسرین رحمہم اللہ میں سے اکثر کی یہ رائے ہے کہ "نور" سے مراد قرآن مجید ہی ہے اور کتاب مبین کو نور بھی کہا گیا ہے۔ ان مفسرین رحمہم اللہ کی تائید میں قرآن مجید میں سے ہی دلائل واضح مل سکتے ہیں۔ جیسے سورہ حجر کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ یہ آیتیں کتاب کی اور قرآن بیان کرنے والی کی۔ یہاں قرآن کو دو نام دیئے گئے ہیں "کتاب" اور "قرآن"۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا. پ ۶ سورہ نساء "لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل آچکی (مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں، وہ ذات مبارک ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف اور چمکتا نور بھیجا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ ابن جریرؒ نواب وحید الزمانؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ تمام متقدمین و متاخرین مفسروں کا اتفاق ہے کہ "نور" سے مراد قرآن کریم ہے۔ جس کی روشنی قیامت تک باقی رہے گی۔

ایک اور جگہ بالکل صاف الفاظ میں ارشاد ہوتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن پارہ ۲۸) تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور نور یعنی قرآن پر جس کو ہم نے اتارا ایمان لاؤ (ترجمہ از مولانا وحید الزمانؒ)

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا. آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان کا انتہائی کمال کیا چیز ہے ہم نے اس قرآن کو نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں

سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں۔ (ترجمہ از مولانا اشرف علیؒ) یہاں بھی قرآن مجید کو نور کہا گیا ہے کیونکہ اس سے روشنی اسلام پھیلی اور کفر و شرک کے اندھیرے دور ہو گئے۔

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اگر قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ۔ میں نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد لی ہے تو ان معنوں میں کہ آپ کی ذات اقدس کے باعث لوگ کفر و معصیت کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کی روشنی کی طرف آ گئے۔ اس پر ہمارا ہر شخص کا ایمان ہے۔

(۵) رہی یہ بات کہ حضرت جبرئیلؑ حضرت ام عیسےٰ مریم علیہا السلام کے پاس بشر کی شکل میں آئے تھے۔ نیز چند فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشر بن کر آئے۔ لہٰذا نور بشر بن کر ظہور کر سکتا ہے۔ یہ دلیل پیش فرمانے والوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سورہ مریم میں جس جگہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بَشَرًا سَوِيًّا بن کر حضرت مریمؑ کے پاس آنے کا ذکر ہے وہاں یہ بھی تو واضح فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت مریمؑ نے ایک نامحرم مرد کو اپنے نزدیک دیکھا تو فوراً فرمانا شروع کیا۔ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا کہنے لگی میں تجھ سے اللہ تعالےٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تو اللہ تعالےٰ سے ڈرتا ہے (حضرت علامہ وحید الزمانؒ فرماتے ہیں یعنی) اگر تو ایمان رکھتا ہے یا اگر تو پرہیزگار بھی ہے تب بھی اللہ واسطے دیتی ہوں کہ میرے سامنے سے ہٹ جا۔

غور فرمایا آپ نے اس جگہ جبرئیلؑ کو ابن آدم سمجھ کر حضرت مریم گھبرا اٹھی ہیں لیکن جب حضرت جبرئیلؑ کا جواب بھی سنتے جائیے قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ وہ کہنے لگے میں تو تیرے مالک کا بھیجا ہوا ہوں یعنی فرشتہ ہوں، مجھے بشر کی شکل میں دیکھ کر گھبرا نہیے نہیں یہاں حضرت جبرئیلؑ نے اپنا فرشتہ ظاہر ہونا فرما دیا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر میں ایک بار فرمایا کہ میں حقیقت میں نور ہوں اور بشر کی شکل میں آیا ہوں، دوسرا ذکر سورہ ہود میں فرشتوں کا بشر بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت اسحاق کی بشارت دینے کے لئے جانے کا ہے۔ وہاں بھی واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ۔ یعنی پھر دیر نہ ہوئی کہ ابراہیم ان کے کھانے کے لئے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے کر آ گئے۔ جب ابراہیم نے دیکھا وہ اپنے ہاتھ بچھڑے کی طرف نہیں بڑھاتے تو برا مانا یا اجنبی سمجھا اور دل ہی سے ڈر گئے۔ انھوں نے کہا مت ڈرو۔ ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (یعنی فرشتے ہیں اس لئے نہیں کھاتے)۔

ملاحظہ فرمایئے۔ فرشتے کھاتے نہیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر نوری مخلوق بشر کی شکل میں آجائے تو اس کی اصلی خاصیت نہیں بدلتی، صرف شکل بدلا کرتی ہے۔

ادھر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کفار بطور اعتراض ایک حقیقت بیان کیا کرتے تھے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ (قرآن) یہ کیسا رسول ہے کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم یا اللہ کے نور سے ہوتے تو پھر کھانا نہ کھاتے پانی نہ پیتے اور بازاروں میں چلتے۔

(۲) ان لوگوں کا یہ کہنا کہ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھتے اور بشر کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک علمائے بریلی کا الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والا معاملہ ہے۔ اللہ تعالےٰ تو خود فرماتا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں (فرق یہ ہے) کہ مجھ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

دوسری جگہ کفار کے چند مطالبات کا ذکر کر کے جو یہ ہیں کہ ہم تو کبھی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری بات ماننے والے نہیں جب تک تو ہمارے لئے ایک چشمہ پانی کا زمین سے نہ بہا دے۔ تیرا ایک باغ ہو کھجور اور انگور کا اور اس کے بیچ میں تو پانی سے بھرپور نہریں بہا دے یا ہم پر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے یا اللہ اور فرشتوں

کو ہمارے سامنے سامنے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے یا تیرا سونے کا گھر ہو یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔

ان سب مطالبات کا ایک ہی جواب سکھایا گیا: ۔قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۔ یعنی اے پیغمبر ان لوگوں کے جواب میں کہہ دے ۔ سبحان اللہ میں تو صرف ایک بشر رسول اللہ کا پیغام پہنچانے والا ۔ (پارہ نمبر ۱۵ بنی اسرائیل)

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ بشروں کی طرف بشر کا رسول بن کر آنا ہی درست ہے ۔ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو ہم کسی فرشتہ کو آسمان سے رسول بنا کر اتار دیتے ۔ نیز سب انبیاء علیہم السلام بشر اور بنی آدم علیہ السلام تھے

مولانا سید اسمٰعیل شہید گوجرانوالوی ؒ الاعتصام جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۵

سوال ۔ حدیث أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي " کس پایہ کی حدیث ہے ۔ شیخ محمد اکرم پشاور)

جواب ۔ یہ عبارت کہ سب سے پہلے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے پیدا کیا تھا ، بالکل ہی بے دینی خانہ ساز مقولہ ہے ۔ جس کی کوئی قیمت نہیں ہے کتب موضوعات رجعلی احادیث میں سے اسے محدثین لائے ہیں ۔ (مولانا سید اسمٰعیل شہید رح خلف الرشید سید محمد شریف گھڑیالوی سابق امیر جمعیت اہلحدیث پنجاب اخبار الاعتصام جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۵

سوال ۔ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي (سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا) کیا یہ حدیث صحیح ہے!

جواب : یہ حدیث زبان زد صوفیائے کرام ضرور ہے چنانچہ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی میں نیز دیگر صوفیائے کرام نے بھی ذکر کی ہے مولود کی کتابوں میں علی الخصوص ذکر کی جاتی ہے ابن الجوزی کے رسالہ میلاد النبی میں ان لفظوں سے بھی بیان کیا ہے ۔ اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق جمیع الکائنات بعض کتب میں مرقوم ہے : ان امن نور اللہ و المؤمنون من نوری ۔ یہ سب کی سب لوگوں کی تراشی ہوئی حدیثیں ہیں جن کی صحت قطعاً ثابت نہیں بلکہ حدیث صحیح أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ کے صریح خلاف ہے اور اس حدیث سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے جب پیدا

تیسری اول تو حنفیہ نے ہی بحق انبیاء کے الفاظ سے دعا مانگنا ناجائز قرار دیا ہے جیسا کہ ہدایہ اخیرین کتاب الکراہیۃ میں ہے ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق انبیاء ک ورسلک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق اگر یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک بھی ثابت ہوتی تو اس کی نفی نہ کرتے مگو متاخرین حنفیہ وانظمین نے اس قسم کی روائیں بیان کرکے دی ہیں مگر بہر صورت صحت کو تو پہنچی ہی نہیں ۔ البتہ یہ انجیل برنا باس میں نظر سے ضرور گذری ہے ۔ اسے اسرائیلیات کا درجہ ضرور دیا جا سکتا ہے جو ہم امت محمدیہ کے لئے قابل احتجاج نہیں واللہ اعلم ۔ اخبار اہلحدیث دہلی جنوری ۱۹۵۵ء

سوال ۔ لولاک لما خلقت الافلاک کی حدیث صحیح ہے یا نہیں !

جواب ۔ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک بھی اسرائیلی ہے انجیل برنا باس میں البتہ مذکور ہے مگر امام صغانی حنفی نے الدر الملتقط میں موضوع قرار دیا ہے نیز حنفیہ کے مایہ ناز فتاویٰ جواہر النعمانیہ میں عبدالرشید نے بھی اس کو بے اصل قرار دیا ہے یہ حدیث کتب طبقات صوفیہ میں نظر آتی ہے مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں واللہ اعلم

(راقم عبد الجلیل السامرودی ۱۹۵۵ء ۔ اخبار اہلحدیث دہلی جنوری ۱۹۵۵ء)

باب حاضر ناظر

سوال: اعتقاد داشتن باین وجہ کہ ذات سرور کائنات در حالت برزخ بر اقوال و احوال و عقائد امت مطلع و واقف اند و آن ذات شریف را بر ہمہ احوال امت اطلاعے میدھند بای سرکار صحیح است یا نیست۔ اگر نیست کفر است یا فسق۔ ہر چہ نزد آن صاحب مقرر است بنویسند بسند معتبر و عبارت کتاب بعینہ فقط۔

جواب: اعتقاد داشتن بہ مضمون سوال بای وجہ کا درست نیست۔ بلکہ بدعت و ضلالت است۔ پس لازم چنین ہرگز نہ شاید شرعاً زیرا کہ این از جملہ اعتقادیات است و در اعتقادیات علم و یقین ضرور است و ہیچ اعتقاد صحیح دلیل شرعی کہ قابل حجت باشد یافتہ نہ شد۔ پس چگونہ اعتقاد اعتقاد بلا دلیل شرعی بر آن کردہ شود۔ لان الاعتقاد لا یحصل مع الشک تعلیقات الاعمال کہ ذکر العلامۃ المولوی عبد الحی اللکھنوی فی شرح تحریر الاصول لابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ۔ مع ہذا مخالف و معارض این عقیدہ در صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما من کتب الصحاح باسانید صحیحہ از چند صحابہ بطریق متعددہ مروی است مرفوعاً عن انس رضی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ من اصحابی۔

ترجمہ سوال: اس طرح کا عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے کے تمام حالات کی اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ خواہ کسی طرح بھی ہو صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح نہیں ہے تو ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے یا فسق۔ جو بھی آپ کے نزدیک درست ہو تحریر فرمائیں

جواب: اس طرح کا عقیدہ رکھنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

بلکہ بدعت اور گمراہی ہے۔ کیونکہ عقیدہ کیلئے کوئی قطعی دلیل ہونی چاہئے اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا عبد الحی لکھنوی نے ابن ہمام کی تحریر الاصول کی شرح میں لکھا ہے اور پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اس عقیدہ کے خلاف صحیح بخاری صحیح مسلم اور دیگر صحاح کی کتابوں میں بہت سے کبار صحابہ

رجل من بيني وبينهم فقال لهم هلم فقلت اين قال الى النار والله قلت وما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك على ادبارهم القهقرى ثم اذا زمرة حتى اذا عرفتهم خرج رجل من بيني وبينهم فقال هلم قلت اين قال الى النار والله قلت ما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك على ادبارهم القهقرى حديث عن ابن ابي مليكة عن اسماء بنت ابي بكر قالت قال النبي صلى الله عليه وسلم انى على الحوض حتى انظر من يرد علي منكم وسيؤخذ ناس دوني فاقول يا رب مني ومن امتي فيقال هل شعرت ما عملوا بعدك والله ما برحوا يرجعون على اعقابهم الحديث انتهى ما في الجزء الاول والعشرين من صحيح البخاري۔

عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم محشورون حفاة عراة غرلا ثم قرأ كما بدأنا اول خلق نعيده وعدا علينا انا كنا فاعلين ثم يؤخذ برجال من اصحابي ذات اليمين وذات الشمال فاقول اصحابي فيقال انهم لم يزالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم فاقول كما قال العبد الصالح عيسى بن مريم وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد الحديث انتهى ما في الجزء الثالث عشر من صحيح البخاري۔

وفي صحيح مسلم هكذا۔ عن ابي حازم عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ترد علي امتي الحوض وانا اذود الناس عنه كما يذود الرجل ابل الرجل عن ابله قالوا يا نبي الله اتعرفنا قال نعم لكم سيما ليست لاحد غيركم تردون علي غرا محجلين من آثار الوضوء وليصدن عني طائفة منكم فلا يصلون فاقول يا رب هؤلاء من اصحابي فيجيبني ملك فيقول وهل تدري ما احدثوا بعدك انتهى ما في صحيح مسلم۔ قال النووي شارح المسلم اختلف العلماء في المراد به على اقوال احدها ان المراد به المنافقون والمرتدون فيجوز ان يحشروا بالغرة والتحجيل فيناديهم النبي صلى الله عليه وسلم للسيما التي عليهم فيقال ليس هؤلاء ممن وعدت لهم ان هؤلاء بدلوا بعدك اي لم يموتوا على

(ترجمہ) یہ حدیث حضرت انس، ابوہریرہ، حذیفہ، سہل بن سعد، ابن عباس، ابن عمر اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کسی روایت میں تفصیل ہے کسی میں اجمال ہے۔

ما ظهر من اسلامهم والثاني ان المراد به من كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم ثم ارتدوا بعد فيناديهم وان لم يكن عليهم سيما الوضوء لما كان يعرفه صلى الله عليه وسلم في حياته من اسلامهم فيقال ارتدوا بعدك والثالث ان المراد به اصحاب المعاصي الكبائر الذين ماتوا على التوحيد واصحاب البدع الذين لم يخرجوا ببدعتهم عن الاسلام" انتهى ما في شرح مسلم مختصراً۔

و بیان آن اینکہ پوشیدہ نیست کہ این حدیث مذکور بطریق خمسہ و ستہ منقول است پس بلا ریب بدرجہ شہرت رسیدہ۔ لان الحدیث المشہور عند المحدثین ما له طرق محصورة باکثر من اثنین کذا فی نخبة الفکر وغیرہ من کتب الاصول۔ حاصل کلام اینکہ ازین روایات صحیحہ مذکورہ مشہورہ مسلمہ جمہور العلماء والمحدثین صاف ہویدا گردید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را در عالم برزخ از احوال ایشان اطلاع نشدے۔ پس اینچنین بر ایشان فرمودند اصیحابی اصحابی باوجودیکہ این جماعت مذکورین صحبت بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را دریافتند و بعد انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرتد شدند یا در دین احداث بدعت قبیحہ نمودند و در حق وے تقسیم نمودند باز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر احوال ایشان از روز وفات تا روز قیامت اصلا مطلع نشدند و بنا بر ہمین عدم اطلاع در آن روز خواہند فرمود كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ الآیة۔ و ازین صاف ہویدا گردید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در عالم برزخ از احوال امت اطلاع ندارند پس درین صورت چگونہ اعتقاد کردہ شود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را بر احوال امت در عالم برزخ اطلاع می رسد کما لا یخفیٰ علی المحقق

(ترجمہ) اور بیان اس کا یہ ہے کہ پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ حدیث پانچ چھ سندوں سے منقول ہے پس یقیناً یہ حدیث شہرت کے درجہ پر پہنچ چکی ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے جو دو سے زیادہ سندوں سے مروی ہو جیسا کہ نخبۃ الفکر وغیرہ کتب اصول میں مذکور ہے، حاصل کلام یہ کہ ان روایات صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی ورنہ آپ امت کے مرتدوں کو اصحابی نہ فرماتے جیسا کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں آنحضرت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب تک میں ان میں موجود رہا ان کی نگرانی کرتا رہا جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو پھر تو ہی نگران تھا الآیۃ پھر ایسی صورت میں کیونکر یہ عقیدہ رکھا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم برزخ میں امت کے حالات کی خبر ہوتی ہے۔

واگر کسے از اہل سیر روایت تعیین بالاسناد صحیح بر آں نقل کند در جنب روایات صحیح بخاری و مسلم مقبول نخواہد بود بلکہ مردود شود نزد العلماء المحققین المنصفین کما لا یخفی علی الماہر بفن الحدیث واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۲۹ | سید محمد نذیر حسین |

علمائے حنفیہ کا شرک شکن فتویٰ

سوال:- (۱) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں یا نہیں، اور ان کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے یا نہیں؟

(۳) ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ جیسے پانی میں کھانڈ مل کر شربت بن جاتا ہے، ویسے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا میں مل کر خدا بن گئے، اور احد اور احمد میں فقط میم ہی کا پردہ ہے جو برائے نام ہے ورنہ ذات ایک ہے۔ تو کیا اس کا یہ قول صحیح ہے؟

(۴) اہل قبور سے مدد مانگنا، ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، گیارھویں پکانا، قبر پر جانا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب نمبر ۱:- ماسوائے اللہ عزوجل کے مخلوق میں سے کوئی بھی ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہو سکتا۔ یہ صفت اور یہ صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

(۲) عالم الغیب بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ علم غیب وہی ہوتا ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہ ہو۔

(۳) یہ کلام بہت ہی ناجائز اور گمراہی کا ہے۔

(۴) یہ سب امور بدعات و گمراہی کے ہیں کیونکہ ان کا ثبوت کسی دلیل شرعی سے نہیں ملتا۔ حبیب اللہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ الجواب صحیح۔ محمد یوسف مدرسہ امینیہ دہلی۔

(الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۴۱ء | اخبار محمدی دہلی جلد ۱۹ ۔ ۱۵ یکم جون ۱۹۴۱ء)

حنفی مذہب کے علمائے کرام کا شرک شکن فتویٰ

سوال :- آٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ کہنا کیسا ہے، اللہ رسول کی مدد کہنا کیسا ہے، رسول کی قسم کہنا کیسا ہے، اللہ رسول کی امان کہنا کیسا ہے، قرآن و حدیث اور حنفی مذہب کی رو سے تحقیقی جواب عنایت فرمایا جائے۔ مستفتی محمد علی اللہ۔

جواب :- یہ تمام کلمات شریعت محمدیہ کی تعلیم کے خلاف ہیں، ان میں سے ہر موقعہ پر صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کا نام لینا چاہیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانا مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ اَوْ لِيَصْمُتْ کے ماتحت ممنوع ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی۔

الجواب صواب :- محمد شریف اللہ غفر لہ مدرسہ عالیہ فتحپوری دہلی۔

الجواب صحیح :- اشفاق الرحمٰن غفر لہ مدرس مدرسہ " " -

الجواب صحیح :- خادم العلماء و سلطان محمود عفی عنہ " " -

الجواب حق :- محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ عبدالرب " " -

الجواب صحیح :- محمد ظہیر الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری " -

الجواب صحیح :- عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ " " -

الجواب صحیح :- محمد اسحاق عفی عنہ -

(اخبار محمدی دہلی ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء)

میلاد النبیؐ کے سلسلے میں ایک علمی اور تحقیقی بحث

از مولانا سید محمد داؤد غزنوی رح

سوال: آج کل جا بجا ذکر ولادت نبویؐ کے سلسلے میں مجالس منعقد ہو رہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے لیکن جس طریقہ سے یہ مجلس منعقد ہوتی ہیں اور جو حالات و واقعات ان میں بیان کیے جاتے ہیں معلوم نہیں جناب اس کے متعلق [illegible] لیکن ہم انگریزی خوانوں کی جماعت اس قسم کی داستانوں کو کسی طرح نہیں قبول کر سکتی اور نہ کوئی صاحب عقل سلیم ان کو صحیح تسلیم کر سکتا ہے جناب ہنوز ہم انگریزی خوانوں کو الحاد و تفریح اور مذہبی غفلت کا الزام دیا کرتے ہیں اگرچہ جس موثر انداز اور مصلحانہ طریق پر آپ سمجھایا کرتے ہیں اس سے ہم کو ذرا بھر ملال نہیں ہوتا بلکہ آپ کے ارشادات کو اپنے لیے موجب سعادت سمجھا کرتے ہیں لیکن خدا کے لیے اس بارے میں ہماری تشفی فرمائیے کہ آیا یہ واقعات صحیح ہیں اور مستند کتابوں میں ان کا ثبوت ملتا ہے اور ان میں شک کرنا نیچریت اور لامذہبیت تو نہیں مثلاً یہ کہ (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن آتش کدہ ایران ٹھنڈا ہو گیا قصر نوشیرواں کے کنگرے گر گئے خانہ کعبہ کے بت اوندھے ہو گئے (۲) جب حضرت کی ولادت کا وقت قریب آیا تو ایک مرغ سفید ظاہر ہوا اور حضرت آمنہ کے پاس آیا نیز اس شب کو تمام جانوروں اور پرندوں نے گفتگو کی (۳) حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا ولادت سے پہلے حضرت آمنہ کے پاس آنا اور بشارت دینا (۴) ولادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لیے غائب ہو گئے اور پھر کسی نے بہشتی کپڑوں میں لا کر رکھ دیا (۵) آپ کی ولادت کے دن سورج کی روشنی بہت تیز ہوئی اور کئی قسم کی روشنیاں فضا سے آسمان میں نمودار ہوئیں اور مختلف آوازیں سنائی دیں اور اس پر بھی اگر آپ روشنی ڈالیں کہ ان مجالس کی تاریخی حیثیت کیا ہے اور علماء سلف کی اس کے متعلق کیا رائے ہے

تو بڑی عنایت ہوگی

بہرحال آپ کا یہ خلوص ایمانی اور جستجو و تلاش حقیقت اور فکر اصلاح میرے نزدیک نہایت قابل قدر ہے آپ اس کو غیرت اور بالغ نظری سے تعبیر کریں یا اسلام کی سادہ اور صحیح تعلیم کی تلاش و جستجو کی مبارک سعی سے تعبیر کریں میرے نزدیک بلاشبہ آپ کی یہ سعی مستحق تحسین اور لائق تشکر ہے اس میں شک نہیں کہ آپ نے ایک نہایت اہم اور ضروری بحث چھیڑ دی ہے ان تمام ضعاف اور موضوع روایات کی تحقیق و تدقیق اور علماء سلف کے اقوال کے لئے تو ایک بسیط کتاب کی ضرورت ہے اور اس کی گنجائش یہاں کم ہے لیکن تاہم کوشش کروں گا ضروری معلومات پیش کر دوں گا وھو الولی التوفیق ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی آپ کے اخلاق حسنہ کا ذکر اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا یقیناً ایسا فعل ہے کہ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے سعادت دارین کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا لیکن افسوس ہماری قومی بدبختی یہی نہیں ہے کہ دینی اشغال بظاہر قائم نہیں رہے اور مذہبی اعمال کا خاتمہ ہو گیا ہے بلکہ ہمارے تنزل و ادبار کے معنی یہ ہیں کہ حقیقت غائب ہو گئی ہے اور روح اسلام مفقود ہو گئی ہے مجھے یہ شکوہ نہیں کہ مسجدیں اجڑ گئی ہیں کیونکہ کتنے جبہ اور دستار پوش ہیں جن سے مسجدیں بے تعداد بنائی جاتی ہیں لیکن رونا یہ ہے کہ نماز کی حقیقت اور عبادت کی روح مفقود ہو گئی ہے افسوس حقیقت تو مفقود ہے اور محض رسمی تقریب کے مناظر ہر جگہ آپ کو نظر آئیں گے امراء نے اس کو اپنی نمائش اور ریا و دولت کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے اور مسجد کے اماموں واعظوں اور قصہ خوانوں نے اپنی معاش کا ایک وسیلہ بنا لیا ہے اور عوام اپنی بے بضاعتی اور جہالت کی وجہ سے ان کے دام میں مبتلا ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

ضعیف روایات اور اصول نقد و جرح

جن روایات یا حکایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے استفسار کیا ہے اس سے متعلق تو بعد میں عرض کروں گا لیکن ان روایات کے قبول و عدم قبول کے متعلق

بعض خیالات کا آپ نے ضمناً اظہار کیا ہے اس کو پہلے لیتا ہوں اور افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس سے قطعاً اتفاق نہیں ہے میں اس کو ایک خطرناک اصول فعلی سمجھتا ہوں یہی میلان کل کے مدعیان تحقیق اور رہبران جادہ تطبیق عقل و نقل کا بھی مبتلا ہیں آپ فرماتے ہیں کہ ہم انگریزی خواندوں کی جماعت اس کو کسی طرح نہیں قبول کر سکتی اور نہ کوئی صاحب عقل سلیم ان روایات کو قبول کر سکتا ہے مجھے اجازت دیجئے کہ یہ عرض کروں کہ روایات تو یقیناً صحیح نہیں ہیں لیکن یہ اصول بھی کب صحیح ہے کہ جو بات آپ کی عقل میں نہ آئے وہ یکسر غلط اور باطل ہے آپ کو یہ ایک حق حاصل ہے لہٰذا آپ پوچھ سکتے ہیں کہ یہ روایت اصول تنقید حدیث کے ماتحت کہاں تک صحیح اور قابل قبول ہیں اور میں آپ کو تشفی دینا چاہتا ہوں کہ صرف اتنا پوچھ لینا ہی آپ کے حصول مقصد کے لیے کافی ہے لیکن یہ کہاں کا اصول تحقیق اور معیار حق و باطل ہے کہ کسی واقعہ کی صحت کے لیے پہلی شرط آپ کی عقل کی تصدیق ہے میں اس لیے آپ سے مکرر عرض کر رہا ہوں کہ آج کل بے تکلفی اسی قسم کے جیسے مدعیان تطبیق عقل و نقل کر دیا کرتے ہیں بلکہ بعض ہیں کہ کس قدر خطرناک راستہ کی طرف وہ اقدام کرتے ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہی وہ سرحد ہے جہاں سے جماعت اہل حدیث کو آج کل کے مصلحین و مدعیان تطبیق عقل و نقل سے الگ ہو جانا پڑتا ہے ان لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ جس حدیث اور روایت کو اپنے خود ساختہ معیار عقل سے ذرا بھی الگ پاتے ہیں فوراً اس سے انکار کر دینے کے لیے بیکل ہو جاتے ہیں اور پھر اس الحاد محض کو تطبیق معقول و منقول کے مرعوب کن الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں یَا أَسَفَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ ۔

قصص و حکایات کتب میلاد

آپ نے روایات کے متعلق استفسار کیا ہے ان میں سے ایک بھی واقعہ ایسا نہیں جو اصول حدیث یا فن روایت کی بنا پر صحیح تسلیم کیا جا سکے یا جس کو کتب معتبرہ محدثین میں روایت کیا گیا ہو صحاح ستہ ان قصص و حکایات سے بالکل خالی ہے عام مسانید اور مصنفات مشہورہ میں بھی کوئی قابل استدلال روایت نہیں حافظ سیوطیؒ نے

جمع الجوامع میں تمام احادیث کا پورا پورا التزام کیا ہے لیکن ان روایات میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا کنز العمال میں آپ کی ولادت کے متعلق ایک مستقل باب موجود ہے مگر وہ بالکل مختصر ہے اور ان روایات کا کہیں ذکر نہیں کنز العمال جیسے باب الفضائل من قسم الافعال میں فضائل و اعلام نبوت کے عنوان کے تحت دو تین طویل روایتیں ابن عساکر وغیرہ مصنفین سے درج کی گئی ہیں جو کہ ضعیف و موضوع ہیں اور مجہول طریقوں سے مروی ہیں تاہم ان میں بھی ان واقعات ولادت کا کہیں پتہ نہیں پس در اصل ان قصص کا سرچشمہ وہ تین طویل حدیثیں ہیں جن کو حافظ ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوۃ میں عمرو بن قتیبہ ابن عباس اور خود حضرت عباس کی نسبت سے روایت کیا ہے اور یہی وہ روایات ہیں جن کو آگے چل کر قصہ گو واعظوں اور مجلس آرا واعظوں نے اپنی گرمی مجلس کے لیے استعمال کیا اور پھر آہستہ آہستہ تمام قصص و حکایات و کتب سیر متاخرین میں داخل ہو گئیں شیخ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ کی پہلی جلد میں ان تینوں روایات کا ذکر کیا ہے ہر روایت ایک پورے صفحے کی ہے اور ہم انہیں نقل نہیں کر سکتے لیکن ان کے ابتدائی جملے نقد و جرح کے سلسلے میں آ جائیں گے بہر حال یہ تینوں روایتیں قطعاً باطل ہیں بوجوہ ذیل۔

(۱) حافظ ابو نعیم اصفہانی پانچویں صدی کے بزرگ ہیں ان کی منزلت اور جلالت قدر سے انکار نہیں لیکن اس کو کیا کیجئے کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت مسلم ہے کہ فضائل و معجزات میں رطب و یابس اور ضعیف و موضوع ہر طرح کی حدیثیں درج کر دیا کرتے ہیں اور اسی لیے امام ابن تیمیہ کو قاعدہ جلیلہ میں ان کی تصنیفات کے متعلق لکھنا پڑا

وفیہا احادیث کثیرۃ قویۃ صحیحۃ وحسنۃ وموضوعۃ وکذلک ما یرویہ فی فضائل الخلفاء فی کتاب مفرد اول حلیۃ الاولیاء۔

ترجمہ: اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی و صحیح اور حسن ہیں اور بہت سی موضوع ہیں یہی حال ان احادیث کا ہے جو ابو نعیم نے خلفاء کے فضائل میں بصورت ایک کتاب مستقل کے روایت کی ہیں یا حلیۃ الاولیاء کے ابتدا میں۔ حافظ ابو نعیم

سے اس تساہل، موضوعات پر سکوت اور جمیع روایات میں عام بے احتیاطی کی شکایت صرف
علامہ ابن جوزی ہی کو نہیں بلکہ اسی قسم کی رائے حافظ ذہبی نے میزان میں ظاہر کی ہے۔ حافظ
ابونعیم اصبہانی کے معاصر ابن مندہ کے باہمی طعن و قدح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا اقبل قول کل منہما فی الآخر وہما عندی مقبولان لا اعلم لہما ذنبا اکثر من روایتہما
الموضوعات ساکتین علیہا (ترجمہ) میں ان دونوں میں سے کسی کے طعن کو دوسرے کے حق میں قبول
نہیں کرتا۔ میرے نزدیک دونوں مقبول ہیں۔ مجھے تو ان دونوں کا گناہ اس سے بڑھ کر اور کچھ
نہیں معلوم کہ وہ موضوع روایات نقل کرتے ہیں یا ان کے متعلق خاموشی اختیار کر لیتے ہیں

(۲) اب ان روایتوں پر نظر ڈالئے ان میں سب سے پہلی روایت محمد بن قیس سے مروی
ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا اور وہ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کے والد
بڑے عالم سہی لیکن یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ واقعات کیونکر معلوم کئے اور کس کے
واسطے سے یہ نقل کر دیئے ہیں کیونکہ یہ خود تو تبع تابعین کے ملنے والوں میں سے ہیں
اور [illegible] طبقہ کے راویوں میں سے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ واقدی
کی اکثر روایتیں منقطع ہیں یعنی واقعہ تک راوی کا سلسلہ نہیں پہنچتا لیکن یہ روایت منقطع
روایات میں بھی بدترین منقطع ہے۔ دوسری روایت کے راوی اول حضرت ابن عباس ہیں لیکن
اس کے بعد اس روایت میں سلسلہ رواۃ کا کچھ پتہ نہیں کہ کون کون ہیں جن کے واسطے سے
ابن عباس سے روایت کی گئی ہے۔ تیسری روایت میں خود تصریح کی ہے کہ وہ بتخریج ابونعیم بسند
ضعیف ہے لیکن ضعیف روایت پر بھی قناعت نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ روایت سرے سے
موضوع ہے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ شروع حدیث میں بطور جملہ معترضہ فرماتے ہیں
لَمَّا وُلِدَ أَخِي عَبْدُ اللّٰهِ وَهُوَ أَصْغَرُنَا۔ میرا بھائی عبداللہ پیدا ہوا اور وہ تمام بھائیوں
میں سب سے چھوٹا تھا۔ یہی جملہ اس روایت کے کذب و موضوع ہونے پر شاہد عادل
ہے کیونکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عبداللہ والد بزرگوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
عباس سے بڑے تھے نہ کہ چھوٹے۔ حضرت ابن عبدالبر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ عباس

أتى من رسول الله صلى الله عليه وسلم بسنتين وقيل بثلاث سنتين (ج ۲ ص ۱۹)

جب خود حضرت عباس کی عمر آنحضرت سے صرف دو تین برس زیادہ تھی تو آپ کے ملاحظہ سے کیونکر بڑے ہو سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق نے یہ روایت گھڑ کر حضرت عباس کی طرف منسوب کی ہے وہ اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ عباس بڑے ہیں یا حضور ہیں یا یہ جانتا ہو گا لیکن روایت کو معتبر بنانے کے لیے قصداً یہ ٹکڑا داخل کر دیا کہ معلوم ہو کہ حضرت عباس کے سامنے یہ واقعہ ولادت پیش آیا اس وقت وہ اچھے خاصے جوان تھے (۳)

لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک قطعی شہادت ان روایات کے موضوع ہونے کا آخری فیصلہ کر دیتی ہے یہ ہے کہ خود حافظ سیوطیؒ خصائص کبریٰ میں تینوں روایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ هذا الأثر والأثران قبله فيها نكارة شديدة ولم اورد في كتابي هذا أشد نكارة منها ولم تكن نفسي تطيب بإيرادها لكني تبعت الحافظ أبا نعيم في ذلك (جلد)

ترجمہ: یہ روایت اور اس سے قبل کی دو روایتیں ہیں ان میں سخت انکار پایا جاتا ہے اور اس سے زیادہ منکر روایتیں میں نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیں اور میرا دل ان کے نقل کرنے میں خوش نہ تھا لیکن میں نے محض حافظ ابو نعیم کی متابعت کرتے ہوئے ایسا کر دیا ہے حافظ سیوطی ہر طرح کی رطب و یابس اور ضعیف اور موضوع روایات کے جمع کرنے میں مشہور ہیں لیکن ان روایات کی نکارت کا یہ حال ہے کہ وہ بھی بایں ہمہ تساہل چپ نہ رہ سکے اور بے اختیار ہو کر انکار شدید ظاہر کیا اور روایات کے درج کرنے کی معذرت کی لیکن حافظ سیوطی کا یہ اقرار دلچسپ تر ہے کہ میں ہر طرح کی واہی اور منکر روایتیں لوگوں کے اتباع کے خیال سے درج کر دیتا ہوں جو لوگ مناقب و فضائل کے بیان کرنے میں اس قسم کے مصنفین پر اعتماد کیا کرتے ہیں ان کے لیے حافظ سیوطی کی اس عبارت میں بہت بڑا درس عبرت موجود ہے کاش کہ وہ اس سے سبق حاصل کر سکیں یہ تھی روداد

اس روایات کی بحث میں اکثر سوالات کا جواب آگیا ہے لیکن ابھی ایک اور روایت باقی ہے اس سے چوتھی روایت میں آتشکدہ ایران کے بجھ جانے قصر نوشیروان کے کنگوروں کے گرنے اور کاہنوں کے پراسرار عجائب و اظہارات کا ذکر ہے یہ روایت بھی پوری سے وہ صفحہ کی ہے سیوطی نے خصائص میں اور حافظ ابونعیم نے دلائل میں اس کو درج کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت کی ولادت کی رات کسریٰ کے ایوان میں زلزلہ محسوس ہوا اور اس کے چودہ کنگورے گر گئے ایران کی وہ آگ جو ہزار سال سے نہیں بجھی تھی اس روز بجھ گئی بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا نوشیروان نے وزراء اور مصاحبوں سے وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ہم نے بھی خواب میں دیکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کوئی انقلاب ہوگا وغیرہ وغیرہ لیکن یہ روایت بھی قطعاً ناقابل اعتبار ہے اس کو روایت کرنے کے بعد حافظ سیوطی لکھتے ہیں قال ابن عساکر حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث ابن مخزوم عن ابیه تفرد به ابو ایوب (البجلی جلد ۱ ص ۵۱)

ترجمہ: ابن عساکر نے اس کی نسبت کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے جس کو سوائے ابن مخزوم کے اور کسی نے روایت نہیں کیا ہے غرض اس قسم کی جس قدر روایات ہیں وہ موضوع یا منکر منقطع اور غریب ہیں اور یہی روایات بغیر تنقید و تحقیق و احادیث فضائل اور مناقب کی کتابوں میں ملتی ہیں جن کی بنیاد انہی روایات پر ہے افسوس کہ حافظ ابونعیم اور سیوطی اور ان جیسے دوسرے بزرگوں کی بے احتیاطی تساہل بے احتیاطی اور جمع روایات کی خواہش نے آج اسلام کو شرمندہ بنا دیا اور بہت سے محققین کو حقائق سے ہٹا دیا اور خود مسلمانوں کی تو تعلیم یافتہ جماعت کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا سامان مہیا کر دیا　　فقط

اخبار الاعتصام جلد نمبر ۱۶
مطابق ۲۱ اگست ۱۹۶۲ء نمبر ۳ بحوالہ اخبار توحید امرتسر

حنفی علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے مجددین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایام محرم میں تابوت اہل بیت شہدائے کربلا کی ترتیب بنا کر نکالنا اور شاہراہ عام پر ماتم کرتے ہوئے لیجا کر مسلمان مردہ کی میت کی طرح زمین میں دفن کرنا۔ اہانت اسلام اور توہین اہل بیت ہے یا نہیں

(۲) یہ کہ کوچہ و بازار و شاہراہ عام پر شہدائے کربلا کے خود ساختہ روضوں۔ تعزیوں۔ کے ساتھ خواتین اہل بیت کے بین آہ و بکا سینہ کوبی اور برہنہ سری من گھڑت واقعات کا بیان کرنا توہین اہل بیت ہے یا نہیں

(۳) یہ کہ اذان میں یا صلوٰۃ بین علی ولی اللہ وصی رسول اللہ خلیفۃ بلا فصل کے الفاظ استعمال کرنے سے اہانت خلفائے ثلاثہ ہے یا نہیں

المستفتی۔ مسلمانان ضلع بلند شہر

الجواب بعون الملک الوہاب

جواب حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

نمبر ۱ و نمبر ۲ و نمبر ۳ سب بدعت ہے اشرف علی عفی عنہ

علمائے دہلی حنفی۔

نمبر ۱ و ۲ یہ فعل شرعاً حرام ہے اور اس میں علاوہ توہین اہل بیت کے اسراف و تبذیر بھی ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ الایۃ فقط واللہ اعلم نمبر ۳ ان الفاظ کا کہنا اور اضافہ کرنا اذان میں یا صلوٰۃ بین بدعت سیئہ اور گمراہی کا باعث ہے اور خلفائے ثلاثہ کی اس میں توہین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تغلیط بھی اس میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تکذیب بھی اس میں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمان ہے لَا یَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ الحدیث فقط واللہ اعلم

حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

(۱) یقیناً توہین اور حرام ہے اور خدا کے تقدس کے اور نبی کریم نے اس قسم کے افعال کی کہیں اجازت نہیں فرمائی ہے۔

(۲) جواب سابق کی طرح یہ بھی ناجائز ہے سینہ کوبی کی ماتم کیلئے حدیث میں ممانعت اور تین دن سے زائد سوگ کسی کا جائز نہیں

(۳) اذان کے الفاظ موافق روایات مشہور بعد اذان بلال جو ثابت ہیں ان میں یہ الفاظ نہیں یا بعد خیر القرون میں موجود ہے اس لیے یہ الفاظ بدعت ہیں۔ اسعد خان مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح خادم العلماء سلطان محمود عفی عنہ
صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی

فتویٰ علمائے حنفی

جملہ نمبر جو امور تحریر کئے گئے ہیں وہ سب ناجائز ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اپنے فتاووں میں تحریر فرماتے ہیں ایں چنیں جمع شدن روایت در کتاب السراج بروایت خطیب آوردہ لعن اللہ من زاد بلا عذر و لعن اللہ من زار متکلفا بلا عذر در مرثیہ مختصر خواندن و شنیدن آن بشرطیکہ تحقیر و اہانت اہل بیت یا نسبت ظلم و غضب اصحاب آنہا شامل نباشد جائز است رنگ کردن و ادرار و فاتحہ در روز عاشورا نیز جائز است خود مستحسن است و فریاد و نوحہ کردن سینہ کوبی نمودن و جزع فزع کردن ہمہ حرام است و در حدیث است لَيْسَ مِنَّا مَنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ۔ ترجمہ یعنی نیست از ما کسے کہ حزن خود در گریہ باواز نوحہ کند و گریبان درد و نیز در حدیث است لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ ایں ہر دو حدیث در مشکوٰۃ المصابیح است۔ فقط واللہ اعلم

سوال نمبر [illegible] سے خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اہانت ہوتی ہے اگر مسلمان محرم شریف میں رہ کر ان کے غور کرنے کی کوشش کریں گے مثاب ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب　　　　　محمد عبدالقادر عفی عنہ فرنگی محل لکھنؤ

آگرہ کے علمائے حنفی

تربت اہل بیت مصنوعی بنانا اور اس پر احکام مزار واری مرتب کرنا معنی وَاَرْضُوْا بِلَا مَقْبُوْرٍ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ کا مصداق ہے اور مصنوعی تصاویر یا تماثیل کی تعلیم صریح بت پرستی ہوتی ہے یہ بدعت ضالہ اور حرکت فاحشہ رفاض کی ایجاد ہے۔ جن کے ہاں خاتمہ تمام اعمال کا صرف ماتم اہل بیت و تبرائے اہل مراتب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہے نہ تو تبلیغ دین ہے۔ نہ تقفیہ و تذکرہ نہ تذکیر نہ تبصرہ کا ذکر صرف مبالات پر نجات کا یقین ہے۔

خلیفہ رسول بلا فصل سے مطلب قابل انکار مراتب و بدعت شیخین ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو اس میں ایک کلمہ اور اضافہ ہو جائے تو پھر کچھ مضائقہ نہیں یعنی خلیفہ رسول بلا فصل فی وقتہ اس کے متعلق لکھنؤ میں مناظرہ ہو کر عدالت سے طے ہوا تھا کہ یہ لفظ داخل تبرا ہے اور اعلان سے کہنے کی ممانعت ہے یہ ۱۹۳۲ء تھا خاکسار طالب علمی کرتا تھا۔ واللہ اعلم

المفتی محمد اعظم شاہ نجی آگرہ

پھلواری کے علمائے حنفیہ

مکرمی السلام علیکم مضمون فتویٰ بہت پامال ہے مناظرہ کی کتابوں کا ملاحظہ فرمائیں اس موضوع پر مفصل اور تسلی بخش جواب کے لیے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ایڈیٹر النجم لکھنؤ سے خط و کتابت کریں۔ قائم مقام ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

بریلوی علمائے حنفیہ

جواب صحیح ہے اس طرح تربت بنانا بدعت قبیحہ و ناجائز ہے اور ماتم کرنا بھی حرام ہے بعینہٖ یہ تو قریب التعدد وشق الجیوب انہی حرکتوں سے مسلمانوں کو باز آنا لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

جواب نمبر ۲: تعزیہ بالکل حرام ہے شرع مطہر نے تصویروں سے ممانعت فرمائی۔ اور اس کے فعل کو جاہلیت قرار دیا ہے پھر اس کو اہل بیت کی طرف نسبت کرنا ان کے پاک دامنوں پر بدنما دھبہ لگانا اور ان کی توہین ہے۔ جو ہرگز کسی مسلم کے لیے روا اور درست ہو سکتی نہیں

نمبر ۳: بلا شبہ یہ لفظ بفعل کھلا ہوا تبرا اور خلفائے ثلاثہ بلکہ خود حضرت علیؓ کی بھی کھلی ہوئی توہین ہے کہ انہوں نے ان کی خلافت کو جب وہ ناجائز تھی کیوں قبول فرمایا اور کیوں بیعت کی انہوں نے اپنے قول و فعل سے معاذ اللہ سب زعم قائل باطل کی بات کی اور ایسا کہنے والا گویا ان کی توہین کرتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم فقیر امجد علی اعظمی عفی عنہ بریلوی

علی گڑھ کے علمائے حنفیہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

جواب نمبر ۱: ماہ محرم وغیرہ میں کربلا کی قبروں کی تشبیہ بنا کر نقالی اور ماتم کرنا یعنی سینہ کوبی کرنا بدعت سیئہ اور حرام ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں تعزیہ داری در عشرہ محرم و ساختن ضریح و صورت وغیرہ درست نیست آگے فرماتے ہیں و ساختن صورت تعزیہ و علم وغیرہ ہم بدعت است و ظاہر است کہ بدعت حسنہ کہ دراں ماخوذ باشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است۔ رہی یہ بات کہ ان تعزیوں کا ماتم کرتے جھنجھنا کر دفن کر دینا اہانت اسلام اور توہین اہل بیت ہے۔ تو اس میں شک نہیں اس میں توہین اہل بیت بایں معنی ہے کہ اس فعل کا مرتکب جب ان تعزیوں کو شہدائے کربلا کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور ان کی عظمت کرتا ہے پھر ان ہی کو توڑ مروڑ کر زمین میں دفن کرتا ہے تو گویا وہ اپنے زعم میں شہدائے کربلا کی شبیہ قبور کو توڑتا مروڑتا ہے اور ان کی بے حرمتی کرتا ہے۔

جواب نمبر ۲: بے شک صورت مسئولہ میں اپنے واقعات کو جو بہتان اور بے اصل ہوں مجلسوں میں بیان کرنا اہل بیت کی توہین ہے کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں مستقل طور پر کہیں ان واقعات

کا پتہ نہیں لگتا۔ پس اہل بیت کرام پر بہتان لگاتا اور ان کی باطہری کے احوال مخترعہ کا بیان کرتا یقیناً بہتان ہو جو کہ ان کی توہین کرتا ہے۔ اعاذنا باللہ

نمبر ۲: اگر صورت مسئولہ میں موذن یا فصل الفاظ مذکور میں خلیفہ بافصل معنی سمجھتا ہے۔ اور پھر ویسا کہتا ہے۔ اور اس کی نیت دغرض خلفائے ثلاثہ کی منقصت تو وہ یقیناً توہین کا مرتکب ہے اور اگر وہ معنی نہیں سمجھتا یا حق سمجھتا ہے۔ مگر عقیدۃً خلفائے ثلاثہؓ کا تعظیم عظمت کرتا ہے۔ صرف فصل اور وصل میں اختلاف رکھتا ہے تب خلفائے ثلاثہ کی توہین اس سے ثابت نہ ہوگی۔ مگر بہرصورت وہ شخص مبتدع فاسق ہے۔ کیونکہ احیائے امت کے خلاف اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ وھذا لا یخفی علی من لہ ادنیٰ درایۃ ونظافۃ۔ واللہ اعلم۔

محمد حفیظ اللہ عفی عنہ

اخبار محمدی دہلی جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۳ ۱۹۳۴ء

سوال: چہ مے فرمایند علمائے محققین از اہل سنت والجماعت کہ ایمان فی نفسہ یا بتقاضائے اعمال قابل زیادت ونقصان است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: بہر دو طریق قابل زیادت ونقصان وقوت وضعف است بلاریب چنانکہ بر اہل بصیرت پوشیدہ نیست۔ کہ نور حسی شمس وقمر ونجوم متفاوت است چہ نور شمس بہ نسبت نور قمر زیادہ تر تاباں ودرخشاں است۔ ہم چنیں نور ہر ستارہ بہ نسبت دیگرے بیشتر ونور چراغ پیش آفتاب بہ تو پے ندارد۔ وہم چنیں ظلمت متفاوت است زیرا کہ تاریکی شب ماہ بلا ابر بمقابلہ شب تاریک وظلمت ابر کثیف وزیر حجاب دخان کوہ وتہ دریا بحر ہائے نیز دخل ہذا القیاس نور معنوی ایمانی در قلوب عباد مومنین بحسب استعداد فطری وقوت نظری وریاضت نفسی واشتغال باورادات واتقاء از منہیات بمقتضائے مشیت الٰہی مراتب مختلفہ ومدارج متفاوتہ مے دارد۔ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا

ترجمہ: اہل سنت والجماعت کے محققین علماء کی کیا رائے ہے۔ کہ ایمان بذاتہ

و نور ایمانی انبیاء علیہم السلام بیش از بیش از دیگر مومنین مانند صدیقین و شہداء و صالحین
بدیہی ام است اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ الآیۃ۔ وَقَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ
وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۔۔ الآیۃ و مراد از نور در این آیات بابرکات آنحضور
کائنات است بہ تجمیل مبالغہ بعد ازین نور دیگر مومنین ہم مراتب متفاوتہ وارد زیرا کہ نور
قلوب صحابہ ان ابرار و صرف بہ نسبت قلوب دیگر مومنان و نیز نور قلوب مومنین کاملین زیادہ
تر بہ نسبت نور عامہ مومنین زیرا کہ نور ایمانی تدریجی است

یا اعمال کی وجہ سے بڑھتا گھٹتا ہے یا نہیں۔

الجواب دونوں لحاظ سے ایمان میں کمی بیشی بھی ہوتی ہے۔ اور قوت و ضعف بھی آپ غور فرمائیں
کہ ظاہری نور مثلاً سورج چاند اور ستاروں کے نور میں کتنا فرق ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اندھیروں میں بھی
کمی بیشی ہے چاندنی چھٹکی ہوئی رات کی تاریکی اور ابر آلود اندھیری شب کی تاریکی میں بہت بڑا
فرق ہے۔ خصوصاً جب کہ آدمی کی فطرت یا استعداد کی تعیین ہو محسوسی ۔ نور کی بھی یہی کیفیت
ہے۔ فطری استعداد ریاضت نفسی اور تحصیل اوامر اور اجتناب عن المعاصی کے مختلف مراتب
درجات کے لحاظ سے نور ایمانی میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے چنانچہ انبیاء علیہم السلام
کا نور ایمانی بہ نسبت دوسرے مومنوں مثلاً صدیقین ۔ اور صالحین کے نور ایمانی سے
بہت زیادہ ہوتا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور
اور روشن کتاب آئی ہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو بر سبیل مبالغہ نور
فرمایا ہے اور پھر دوسرے مومنوں کے نور ایمانی میں بھی فرق ہے۔ شہداء کا نور ایمانی دوسرے
مومنوں سے زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایمان ایک وہبی چیز مشیت ایزدی پر موقوف
ہوتی ہے۔ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ثنا و وقار میں عطا کر رکھی ہے وہ
جانتے ہیں۔ کہ آیت اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ الخ نور ایمانی کے مختلف
درجات و مراتب کی طرف اشارہ کر رہی ہے یہی وجہ ہے قاضی ناصر الدین بیضاوی نے اپنی
تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مراتب کے لحاظ سے چار درجوں میں تقسیم کیا

وجہ دانعام ایں کافر انعام از خاص و عام حسب مشیت ایزد منام متفاوت الدرجات است۔ مختص برحمتہ من یشاء الآیۃ چناں کہ برذوی الانعام کہ بر مبادی احکام مستقیم و متدبر اند مخفی نیست چنانچہ آیت کریمہ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ باختلاف مراتب نور ایمانی و تفاوت درجات وجدانی بنا بر شرح صدور و حلاوت روحانی ایں مراتب متفاوت ... [illegible] ... قاضی ناصرالدین بیضاوی در تفسیر خود گفتہ قسمہم اربعۃ اقسام بحسب منازلہم۔ انتہی ما فیہ مختصرا

پس دریں صورت چگونہ گفتہ شود کہ ہمہ ... مومنین در ایمان مساوی اند۔ لا یزید و لا ینقص و منشاء ایں عدم تدبر قرآن و حدیث است و مبنائے ایں تقلید متکلمین است زیرا کہ آیات قرآنیہ مانند یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ و قولہ تعالیٰ لِیُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الآیۃ و قولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ الآیۃ و قولہ تعالیٰ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وغیرہ من الآیات الکثیرۃ در ہر جا کہ واقع شدہ مراد ازاں نور ایمان است

سے یہی ہیں ... حدیث میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تمام مومنوں کا نور ایمانی ایک جیسا ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہے۔ دراصل ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے کا خیال محض قرآن میں عدم تدبر کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس کی بنیاد متکلمین کی تقلید ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی آیتوں مثلاً یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الآیۃ، یُخْرِجُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الآیۃ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ الآیۃ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ وغیرہ میں جہاں کہیں بھی نور کا ذکر ہے وہاں نور ایمانی مراد ہے۔ ماسوائے سورۂ انعام کی آیت کے جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ الخ کہ وہاں ظلمات اور نور سے مراد رات دن مراد ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایمان کا وجود بھی نور ہے۔ اور یہ نور شرح صدر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور شرح صدر کے مدارج چونکہ مختلف ہیں اس لئے لازمی طور پر نور ایمان کے مراتب بھی مختلف ہوں گے۔ چنانچہ امام راغب نے مفردات القرآن میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرح صدر کا نتیجہ [illegible]

باتفاق مفسرین کہ در سورۂ انعام جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ مراد از آن لیل و نہار است۔

و پوشیدہ نماند کہ در وجود علمی ایمان نور است و این نور ایمانی حسب مراتب شرح صدور است بدلیل این آیت .. أَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يُعَرِّفْهُ طَرِيْقَ الْاِيْمَانِ ۔ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَيَتَّسِعُ لَهٗ وَيَنْفَسِحُ وهو كناية عن جعل النفس قابلة للحق مهيأة لحلوله مصفاة عما يمنعه وينافيه واليه اشار عليه السلام حين سئل عنه فقال نور يقذفه الله في قلب المؤمن فينشرح وينفسح فقالوا هل لذلك امارة يعرف بها فقال نعم الانابة الى دار الخلود والتجافي عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزوله كذا في البيضاوي وغيره پس انابت و تجافی و استعداد بقدر انشراح صدر حاصل خواہد بود و انشراح صدور متفاوت الدرجات است پس این امور قلبیہ باندازہ شرح صدر حاصل نیز متفاوت خواہند بود. كما لا يخفى على المتأمل الماهر. وَاَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔

باختلاف استعداد ہر کس تفاوت بسیار میدارد از شرح صدر منبسط شدن صدر بنور الٰہی است چنانچہ امام راغب در مفردات قرآن گفتہ و بسط و انبساط آن مراتب متفاوتہ است کہ دریں ہر مرتبہ بودن بعید است بہ بسط کامل نور در شرح صدور انبیاء علیہم السلام اتم از تمام است و از آنہا شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوقیت زیادت کمال میدارد لہٰذا در آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ لفظ لَكَ واقع شدہ تا کمال شرح صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنور علمی و نور ایمانی از ہمہ فوق مافوق گردد ازیں جہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمودند کہ انا اتقاكم واعلمكم بالله وبعثت لاتمم مكارم الاخلاق ۔ نعم ما قيل ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری ۔ و بنا بر تفاوت شرح صدر ۔ محبت و در خشیت الٰہی بعہد تقی و خوف و خشوع و تضرع و خشیت و صبر و قناعت و تسلیم و رضا بقضا و تنفر از زخارف دنیا و اجتناب از معاصی و حرص وغیرہ در دل مومن پیدا میشود ہر کہ بصفات

تمام انبیاء سے بلند ہے لہٰذا ان کا ایمان بھی سب سے زیادہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود بھی فرمایا ہے اَنَا اَتْقَاكُمْ وَاَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ ، الحدیث چنانچہ محبت رغبت الی اللہ اور

غرض و مطلب از بیان آیت صبغۃ اللہ این است کہ رنگ خدا کہ عبارت از ملکہ اتقیاء و تام است
متفاوت الدرجات است بنظر استعداد فطری ہر انسان چہ کسیکہ بصفات کاملہ متصف است۔
پس او مومن کامل است و کسیکہ بر تمام صفات کاملہ متصف نیست او ناقص است۔ پس ازیں زیادت
و نقصان در ایمان محقق گردید نعم ما قیل ؎

آنانکہ خاک راہ ترا طوطیا کنند ؎ بے پردہ گر بدیدہ در آں جہا کنند

علاوہ اصل مقصود ما آنکہ قول ابراہیم در قرآن مجید دلیل است براین کہ ایمان فی نفسہ قابل زیادت
و نقصان است زیرا کہ مرتبہ اطمینان کہ مشاہدہ عیان شود اقوی و اعلیٰ است از مرتبہ استدلال
و ایقان قال اللہ تعالیٰ اذ قال ابراہیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تؤمن قال بلی ولکن
لیطمئن قلبی الآیۃ فقال ابراہیم علیہ السلام ولکن لیطمئن قلبی اشارۃ الی سعید بن جبیر
و مجاھد و غیرھما بھذہ الآیۃ فروی ابن جریر بسند صحیح الی سعید بن جبیر قال قولہ لیطمئن قلبی
ای لیزداد یقینی۔ وعن مجاھد قال لازداد ایمانا الی ایمانی واذا ثبت ذلک عن ابراھیم مع ان
نبینا امرنا باتباع ملتہ کان کانہ ثبت عن نبینا صلی اللہ علیہ وسلم انتھی ما فی فتح الباری مختصرا
وھکذا فی التفاسیر و ایضا است قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم الصبر نصف الایمان کما رواہ ابونعیم
فی الحلیۃ والبیہقی فی الزھد ولفظ النصف صریح فی التجزیۃ انتھی ما فی الفتح الباری مختصرا وعن ابی
سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یدخل اہل الجنۃ الجنۃ واہل النار النار ثم یقول اللہ عز و
جل اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان کما رواہ البخاری وغیرہ۔

ترجمہ: اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ ایمان کے ارکان اور اعتقادی واجبات تھے
خداوند تعالیٰ تو اس سے بھی زیادہ بلند مراتب کی طرف راہ نمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کہ تم کہو ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کیا اور اللہ کے رنگ سے اور کونسا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔
اور رنگ کپڑے کے ظاہر اور باطن میں نفوذ کر جاتا ہے۔ اور رنگ سے مراد یہاں پوری اطاعت
اور فرمانبرداری۔ پھر جس طرح کپڑے پر کبھی رنگ گہرا ہوتا ہے۔ اور کبھی ہلکا۔ یہی کیفیت
اطاعت کی کمی و بیشی سے پیدا ہوتی ہے جو لوگ صفات کاملہ سے متصف ہوتے ہیں

و تفسیر و در آخر صحیح بخاری مذکور است

از ابو سعید خدری مروی است ازین قدر ایمان اقل القلیل است و نہایت کمتر و زیادت

را حدیثے نیست و ما ثبت من امور الآخرۃ لا مدخل فیہ للعقل کذا فی تحفۃ العباد فی۔

بدانکہ مذہب سلف آن است کہ ایمان اعتقاد است بجنان و قول است بلسان و عمل

است بارکان و مراد ایشان آن است کہ اعمال داخل یا شرط اند در کمال ایمان نہ در نفس آن چہ ازیں

جا ممکن شد بیرائے ایشان قائل شدن باینکہ ایمان زیادت و نقصان قبول می کند و مرجیہ گویند کہ

ایمان عبارت از اعتقاد است بدل و اقرار بزبان بس بس و کرامیہ گویند کہ ایمان عبارت

از تعلق لسان است بشہادتین و بس و معتزلہ گویند کہ ایمان عبارت است از اعتقاد و قول

و عمل و فرق در میان قول سلف و معتزلہ آن است کہ سلف اعمال را شرط در کمال ایمان می

کنند و معتزلہ شرط در صحت ایمان و نیز یزید و ینقص یعنی ایمان زیادہ میشود و کم۔ و درین مسئلہ

ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ اور جو صفات کاملہ میں ناقص ہوتے ہیں۔ ان کا ایمان بھی کم ہوتا ہے۔

اب ہم اس بحث کو ایک اور طریقہ سے شروع کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ

مذکور ہے۔ کہ آپ نے عرض کیا۔ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ

وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي۔ یہ آیت سب سے بڑی دلیل ہے کہ نفس ایمان

میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اگر ایمان صرف تصدیق اور اقرار ہی کا نام ہو تو اس میں کمی اضافے

کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق اور اقرار میں کچھ فرق آیا تھا۔ اور

ابو سعید خدری کی حدیث میں صاف مذکور ہے۔ کہ جب جنتی لوگ جنت میں اور دوزخی دوزخ

میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ کہ جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی

ایمان ہو اس کو بھی دوزخ سے نکال لو۔ اور ابو سعید کی دوسری حدیث میں جس کو بخاری روایت کیا

ہے۔ یہ الفاظ ہیں کہ جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو اسے نکال لو تو اس

سے معلوم ہوا کہ ایمان تنزل میں ایک ذرہ تک بھی پہنچتا ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے چنانچہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ ابو بکر

نیز اختلافات است۔ پس مذہب سلف آن است کہ ایمان زیادت ونقصان می پذیرد۔ واکثر متکلمین
ازین منکر اند۔ وہمین مذہب حنفیہ است وگویند کہ اگر قبول کند زیادت ونقصان را پس آن شک
وکفر باشد۔ واین فہم محقق ایشان است۔ چہ دلیلے شرعی بر آن نیست۔ زیرا کہ شارع نقصان را بمقدار
دانہ خردل یا زیادہ ازان اعتبار کردہ۔ پس حد نقصان تا بمقدار دانہ خردل یا ذرہ نزد شارع معتبر
است وکمتر ازان معتبر وقبول نیست۔ چنانکہ از حدیث ابو سعید خدری کہ سابق گذشت مستفاد می
شود و مادون خردل وذرہ موجب شک وکفر خواہد بود۔ وپر ظاہر کہ زیادت ونقصان امر اضافی است
ونقصان کم از دانہ خردل نزد شارع مراد نیست۔

ومختار آن است کہ نفس تصدیق نیز زیادہ وناقص می شود بکثرت نظر وتظاہر ووضوح ادلہ چنانکہ
قول حضرت ابراہیم لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِی الآیۃ برآن دال است واگر نفس تصدیق متفاوت نمی بود
پس لازم می آید کہ ایمان انبیاء علیہم السلام وایمان عامہ مومنین مساوی شود حالانکہ این چنین
نیست فی الواقع لہذا ایمان صدیقین قوی تر است از ایمان سائر مومنین۔ چنانکہ در حدیث
وارد شدہ لَوْ وُزِنَ ایمان ابی بکر بایمان الامۃ لرجح ایمان ابی بکر کما فی

ترجمہ: اگر ابوبکر کے ایمان کو تمام امت کے ایمان سے تولا جائے تو بھی ابوبکر کا ایمان ان سے بڑھ جائے گا۔ سلف صالحین کا مذہب یہ تھا کہ ایمان دل کے اعتقاد وزبان کے اقرار اور اعضاء کے عمل کا نام ہے اور وہ اعمال کو ایمان کا جزیا شرط قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ایمان کی کمی وبیشی کے قائل ہیں مرجیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان دل کے اعتقاد اور زبان کے اقرار کا نام ہے فقط کرامیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف توحید ورسالت کے اقرار کا نام ہے۔ معتزلہ کا خیال ہے کہ ایمان دل کے اعتقاد وزبان کے اقرار اور اعضاء کے اعمال کا نام ہے سلف صالحین اور معتزلہ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ سلف اعمال کو کمال ایمانی کیلئے شرط قرار دیتے ہیں اور معتزلہ صحت ایمانی کیلئے چنانچہ بخاری شریف کے باب الایمان یزید وینقص کے تحت علامہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

في الجامع الصغير للسيوطي وغيره من كتب الحديث للبيهقي قوله يزيد وينقص أي الكلام
هنا في المقامين أحدهما كونه قولا وعملا والثاني كونه يزيد وينقص فأما القول فالمراد به
النطق بالشهادتين وأما العمل فالمراد به ما هو أعم من عمل القلب والجوارح ليدخل الاعتقاد
والعبادات ومراد من أدخل ذلك في تعريف الإيمان ومن نفاه إنما هو بالنظر إلى ما عند الله
تعالى فالسلف قالوا هو اعتقاد بالقلب ونطق باللسان وعمل بالأركان وأرادوا بذلك أن
الأعمال شرط في كماله ومن هنا نشأ لهم القول بالزيادة والنقص كما سيأتي والمرجئة
قالوا هو اعتقاد ونطق فقط والكرامية قالوا هو النطق فقط والمعتزلة قالوا هو العمل والنطق
والاعتقاد والفارق بينهم وبين السلف أنهم جعلوها شرطا في صحته وهذا كله كما قلنا بالنظر
إلى ما عند الله تعالى وأما بالنظر إلى ما عندنا فالإيمان هو الإقرار فقط فمن أقر أجريت عليه الأحكام
في الدنيا ولم يحكم عليه بالكفر إلا إن اقترن به فعل يدل على كفره كالسجود للصنم وأما
المقام الثاني فذهب السلف إلى أن الإيمان يزيد وينقص وأنكر ذلك أكثر المتكلمين وقالوا
متى قبل ذلك كان شكا قال الشيخ محيي الدين والأظهر المختار أن التصديق يزيد وينقص
بكثرة النظر ووضوح الأدلة ولهذا كان إيمان الصديق أقوى من إيمان غيره بحيث
لا تعتريه الشبهة ويؤيده أن كل أحد يعلم أن ما في قلبه يتفاضل حتى إنه يكون في بعض الأحيان
أعظم يقينا وإخلاصا وتوكلا منه في بعضها وكذلك في التصديق والمعرفة بحسب ظهور البراهين
وكثرتها وقد نقل محمد بن نصر المروزي في كتابه تعظيم قدر الصلاة عن جماعة من الأئمة نحو ذلك
وما نقل عن السلف صرح به عبد الرزاق في مصنفه عن سفيان الثوري ومالك بن أنس
والأوزاعي وابن جريج ومعمر وغيرهم وهؤلاء فقهاء الأمصار في عصرهم وكذا
نقله أبو القاسم اللالكائي في كتاب السنة عن الشافعي وأحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه
وأبي عبيد وغيرهم من الأئمة وروى بسنده الصحيح عن البخاري قال لقيت أكثر من ألف
رجل من العلماء بالأمصار فما رأيت أحدا منهم يختلف في أن الإيمان قول وعمل و
يزيد وينقص وأطنب ابن أبي حاتم واللالكائي في نقل ذلك بالأسانيد عن جمع

کثیر من الصحابة والتابعین وکل من یدور علیه الاجماع من الصحابة والتابعین، وحکاه فضیل بن عیاض ووکیع عن اهل السنة والجماعة وقال الحاکم فی مناقب الشافعی حدثنا ابو العباس الاصم انبأنا الربیع قال سمعت الشافعی یقول الایمان قول وعمل یزید وینقص واخرجه ابونعیم فی ترجمة الشافعی من الحلیة من وجه آخر عن الربیع وزاد یزید بالطاعة وینقص بالمعصیة ثم تلا ویزداد الذین آمنوا ایمانا ثم شرع المصنف (ای البخاری) یستدل لذلک بآیات من القرآن مصرحة بالزیادة وبثبوتها یثبت المقابل فان کل قابل للزیادة قابل للنقصان ضرورة انتهی ما فی فتح الباری من ابتداء شرح کتاب الایمان للبخاری وامام بخاری در ابتداء کتاب الایمان آورده الحب والبغض فی الله من الایمان واستدل علی ذلک ان الایمان یزید وینقص لان الحب والبغض یتفاوتان وقوله ایضا فان حدود فرائض ای اعمالا مفروضة وشرائع ای عقائد دینیة وحدودا ای منهیات ممنوعة وسننا ای مندوبات حسن مستحبة الی نقل العینی ومعها فقد

بقیہ ترجمہ: یہ بھی یاد رہے کہ ایمان کی کمی بیشی کی بحث کا تعلق بروز قیامت اور خدا تعالیٰ سے ہے کہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ ایمان کی کمی بیشی کے لحاظ سے فرق مراتب کریں گے۔ ورنہ دنیا میں کسی کے ایمان میں فرق مراتب نہیں ہو سکتا جو شخص بھی ایمانیات کا اقرار کرے گا ہم تو مومن ہی کہیں گے اور اس پر مومنوں کے احکام جاری ہوں گے تاوقتیکہ وہ کسی صریح عمل کفر کا ارتکاب نہ کرے مثلاً کوئی بت کو سجدہ کر دے۔ محمد بن نصر مروزی اور قاسم لالکائی نے بہت سے اماموں اور فقہاء کے نام گنائے ہیں جن کا مذہب تھا کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اور قاسم نے بسند صحیح امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں مختلف شہروں میں قریباً ایک ہزار عالم سے ملا ان میں سے ایک نے بھی ایمان کی کمی بیشی سے اختلاف نہیں کیا۔ امام بخاریؒ نے حدیث اَلْحُبُّ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ بیان کر کے اس سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا استدلال کیا ہے اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے تو ضروری ہے کہ ان میں سے اگر کوئی رکن رہ جائے گا تو اس قدر اسلام کم ہو جائے گا اور شرعی اعتبار سے اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور پھر فرماتے ہیں فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ تو کس قدر اسلام کم ہوگا ایمان بھی کم ہوگا۔

است کہ نیز لا یمیت والی در تماعون المکلفات لان نفس رہ اعلیٰ علی المکلفات الایمان ایانا تنبیہ ما فی

فتح الباری مختصرا۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام بنا کردہ شد است

اسلام علی خمس یعنی بر پنج ارکان و اسلام بنظر حقیقت شرعیہ با ایمان اتحاد میدارد و بر تصدیق و علی ہذا۔

قال اللہ تعالیٰ فاخرجنا من کان فیہا من المؤمنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین الآیۃ یک

از پنج ارکان ستون است برائے اسلام۔

پس درین کلام آن حضرت علیہ السلام تشبیہ دادہ شد اسلام را بیک چیزے کہ مبنی بر ستونہا باشد بر سبیل استعارہ

بالکنایہ و مقامات کردہ شد بیوت و اسلام بنا راکہ از خواص مشبہ بہ است بطریق تخییل۔ و اگر گفتہ

شود کہ چہار اخیرہ کہ در حدیث مذکور اند مبنی بر شہادتین مذکورین اند چہ آن ہر چہار بدون صحت

نمی رسد مگر وقتے کہ شہادت موجود باشد و یافتہ شود۔ پس تمام مبنی بسوے مبنی علیہ در یک سمی چگونہ

صحیح باشد۔ جوابش آن است کہ جائز است اول یک شئے مبنی بر یک امر باشد۔ بعد از آن بر آن

بر دو یک شئے ثالث مبنی شود و آن بر دو مبنی علیہ از برائے آن شئے ثالث باشد۔ و اگر گفتہ شود

مغایرت مبنی بر مبنی علیہ لازم است۔ جواب آنکہ مجموع از جہت انفراد غیر است و از جہت جمع

عین است۔ چنانکہ یک خانہ از ستونے بنا کردہ شود بر پنج ستونہا کہ یکے از آنہا وسط باشد۔ و دیگر

بر چہار طرف ارکان باشند۔ پس وقتے کہ وسط قائم باشد بر آمیختہ سمی بیت و خانہ قائم است اگرچہ

بعضے از ارکان ناقص و سے بیفتد و در حینیکہ کہ وسط افتد سمی بیت و خانہ زائل گردد اگرچہ

بر چہار ارکان قائم باشند۔ پس خانہ من حیث المجموع چیزے یک شئے است و بنظر افراد اشیاء کثیرہ

است و بنظر اساس اصل است ایمان اند یا باب است و درمیان امورے کہ خصوصیت با ایمان

دارند در تحقق حقیقت و تکمیل ماہیت او۔ باب امور الایمان باو اضافتہ الیہا تنبیہ کلہ (ت)

یہاں بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ پانچ ارکان اسلام میں سے آخری چار چیزوں کی بنیاد تو

توحید اور رسالت پر ہے کیونکہ اگر شہادتین نہ ہوں تو باقی چار چیزیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ قبول نہ

ہوتیں۔ تو معلوم ہوا کہ شہادتین مبنی علیہ ہے اور باقی چار چیزیں مبنی ہیں۔ اور مبنی اور مبنی علیہ میں

مغایرت ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اعمال ایمان کی اصل حقیقت سے خارج ہیں۔ اس کا

المراد بیان الامور التی ھی الایمان لان الاعمال عند المؤلف ھی الایمان او بمعنی اللام ای باب الامور الثابتۃ للایمان فی تحقق حقیقتہ وتکمیل ذاتہ کذا فی ارشاد الساری وقال فی فتح الباری المراد بیان الامور التی ھی الایمان والامور التی للایمان انتھیٰ کلامہ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع وسبعون شعبۃ بالفتح قطعۃ والمراد الخصلۃ والجزء انتھی۔

مانی فتح الباری مراد مؤلف رحمۃ اللہ علیہ آن است کہ ازیں حدیث معلوم می شود بطریق صراحت نہ بطور اشارت کہ اطلاق اسم ایمان بر اقوال واعمال صحیح است وزیادت و نقصان از آں صریح است حسب فرمودہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کما لا یخفی بعط اہل فی طالب العلم و آیت کریمہ و ما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوٰتکم عند البیت کما فی البخاری وغیرہ من کتب الحدیث شرح صغیر بود، اطلاق ایمان بر اعمال۔ در حدیث الایمان بضع وسبعون شعبۃ تعزشعر وعجب است وقتابی اعمال در ایمان ان ھذہ الشعب تتفرع عن اعمال القلب واعمال اللسان واعمال البدن فاعمال القلب فیہ المعتقدات والنیات وتشتمل علی اربع و عشرین خصلۃ الایمان باللہ ویدخل فیہ الایمان بذاتہ وصفاتہ وتوحیدہ وبانہ لیس کمثلہ شیء واعتقاد حدوث ما دونہ والایمان بملائکتہ وکتبہ ورسلہ والقدر خیرہ وشرہ والایمان بالیوم الآخر ویدخل فیہ المسئلۃ فی القبر والبعث والحساب والمیزان والصراط والجنۃ والنار ومحبۃ اللہ والحب والبغض فیہ ومحبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واعتقاد تعظیمہ ویدخل فیہ الصلوٰۃ علیہ واتباع سنتہ والاخلاص ویدخل فیہ ترک الریا

جواب یہ ہے کہ ایک چیز کی بنیاد کسی شے پر ہو اور پھر وہ دونوں چیزیں مل کر ایک تیسری چیز کیلئے بنیاد بن جائیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک مکان کو لیجئے۔ اس میں بحیثیت افراد اینٹ لکڑی مٹی، لوہا وغیرہ بہت سی چیزیں ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی ان تمام چیزوں کو ایک ہی لفظ مکان سے تعبیر کر دیا جاتا ہے ایک درخت اپنی شاخوں کی حیثیت سے بہت سی چیزوں پر مشتمل ہے۔ اور بحیثیت مجموعی وہ ایک درخت ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کو درخت سے تشبیہ

والنفاق والتوبة والخوف والرجاء والشكر والوفاء والصبر والرضا بالقضاء والتوكل والرحمة
والتواضع ويدخل فيه توقير الكبير ورحم الصغير وترك الكبر والعجب وترك الحسد وترك
الحقد وترك الغضب واعمال اللسان تشتمل على سبع خصال التلفظ بالتوحيد وتلاوة
القرآن وتعلم العلم وتعليمه والدعاء والذكر ويدخل فيه الاستغفار واجتناب اللغو واعمال
البدن تشتمل على ثمان وثلاثين خصلة منها ما يختص بالاعيان وهي خمسة عشر خصلة
التطهير حسا وحكما ويدخل فيه اجتناب النجاسات وستر العورة والصلوٰة فرضا ونفلا
والزكوٰة كذلك وفك الرقاب والجود ويدخل فيه اطعام الطعام واكرام الضيف
والصيام فرضا ونفلا والاعتكاف والتماس ليلة القدر والحج والعمرة كذلك والطواف
والفرار بالدين ويدخل فيه الهجرة من دار الشرك والوفاء بالنذر والتحري في الايمان
واداء الكفارات ومنها ما يتعلق بالاتباع وهي ست خصال التعفف بالنكاح والقيام
بحقوق العيال وبر الوالدين فيه اجتناب العقوق وتربية الاولاد وصلة الرحم وطاعة
السادة والرفق بالعبيد ومنها ما يتعلق بالعامة وهي سبع عشرة خصلة القيام بالامرة مع
العدل ومتابعة الجماعة وطاعة اولي الامر والاصلاح بين الناس ويدخل فيه قتال
الخوارج والبغاة والمعاونة على البر ويدخل فيه الامر بالمعروف والنهي عن المنكر واقامة
الحدود والجهاد والمرابطة واداء الامانة ومنه اداء الخمس واكرام الجار وحسن المعاملة وفيه
جمع المال من حله وانفاق المال في حقه ومنه ترك التبذير والاسراف ورد السلام وتشميت
العاطس وكف الضرر عن الناس واجتناب اللهو واماطة الاذى عن الطريق فهذه تسع و
ستون خصلة ويمكن عدها تسعا وسبعين خصلة باعتبار افراد ما ضم بعضه الى بعض مما ذكر

دیتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں۔ اور وہ شاخیں سب اسلام کے احکام ہیں
صحیح البخاری میں ان تمام شاخوں کو ایک ایک کرکے گنایا ہے اور تمہارے قول کے مطابق تو
ایمان کی سرے سے کوئی شاخ ہے ہی نہیں۔ بلکہ وہ صرف تصدیق اور اقرار ہے آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام کو ایمان کی شاخیں قرار دے کر ان کو ایمان کا جزو بنا دیا ہے تو ان

جبرئیل بود کہ آمدہ بود و بسوالات بی جیشہ بر ما ہے گر تعلیم کند مردان را دین پس ازین حدیث مذکور
صاف ظاہر شد کہ گرداند رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایں ہمہ مذکورہ بالا را دین در قول خود کہ فرمود
یعلمکم دینکم و دریں صورت قول و عمل و زیادت و نقصان در دین و ایمان متحقق گردید کہ
لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ۔

واز حدیث حلاوت ایمانی زیادت و نقصان ایمان ہر تنہا ہر است عن انس عن النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قال فرمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث سہ خصلت اند من کن فیہ کہ ہر
آن کسے کہ موجود شوند آن سہ خصلت در وے وجد حلاوۃ الایمان بیابد آن کس شیرینی و لذت
ایمان را زیرا کہ تشبیہ داد ایمان بچیزے شیریں و ثابت کرد برائے وے خواص شیریں کہ حلاوت
است و حلاوت بر انسان حلاوت شہد و حلاوت قند سیاہ و قند سفید و مصری یکساں نیست
بلکہ کیفیات متفاوت است ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواہما و ان یحب المرء لا یحبہ الا
للہ و ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار رواہ البخاری۔

باقی نہیں۔ اگر ایمان اسلام ہے تو قبول عند اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگا جیسا کہ ارشاد
خداوندی ہے جو اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا
جائے گا۔ تو ان آیات سے ثابت ہوا کہ اعمال دین ہیں اور دین اسلام ہے اور اسلام ایمان
ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ اعمال ایمان ہیں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی حدیث پر غور کرو کہ اس
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان اور اسلام کے بارے میں سوالات کئے اور
آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے وہ لوگوں کو ان کا دین سکھانے کیلئے آئے تھے۔ آپ اسلام کے
احکام بھی دین کی حقیقت میں شامل ہوئے۔ اور اعتقادات بھی اب یہ تمام چیزیں مل کر
دین ہیں تو ان کی کمی بیشی سے دین و اسلام میں کمی بیشی ہوگی۔ پھر حضرت انس کی حدیث پر بھی غور
کرو کہ آپ نے فرمایا جس میں تین چیزیں ہوں۔ اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔ یہ ایمان کے تین
اجزاء قابل غور ہیں۔ اگر ایمان نفس تصدیق و اقرار کا نام ہے تو اس کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ اور
اگر اعمال اس میں شامل ہوں تو اس کے اجزاء قرار دیئے جائیں گے۔ اور ان کی کمی بیشی سے ایمان

آنکه ایمان و دین متحد اند. سوم آنکه اہل ایمان متفاوت اند در ایقان۔ چہارم آنکہ بیان فضیلت
عمر فاروق بعد گویان فضیلت حضرت ابوبکر صدیقؓ بر حضرت عمرؓ بدلائل دیگر ثابت شدہ کہ بیان
آن بجای خود مذکور است چنانکه بر علماء شریعت مخفی نیست۔

و تحقیق این بحث بر تحریر دل پذیر مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ می شود در تفسیر خود می نویسند
تحقیق المقام آن است که چنانچه ہر چیز را سہ نحو وجود است، وجود عینی، و وجود ذہنی، و وجود لفظی ہم چنان
ایمان را نیز این سہ نحو وجود متحقق است، و تنها معتبر است، که وجود عینی ہر چیز اصل است
و باقی وجودات فرع و تابع آن وجود اند پس وجود عینی ایمان نوری است که در دل حاصل می
شود بسبب رفع حجاب بینه و بین الحق و بعین نور است که در آیت کریمه مثل نوره کمشکوٰة الآیة
فیها مصباح تمثیل آن باشباح تمام مذکور فرموده اند و در آیت اللّٰہ ولی الذین آمنوا یخرجهم
من الظلمات الی النور سبب آن را بیان نموده۔ و این نور مانند سائر انوار محسوسه قابل قوت
و ضعف و اشتداد و انتقاص است چنانچه در آیت و اذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایمانا و در دیگر
آیات بسیار بآن اشارت فرموده اند و طریق زیادتش آن است که ہرگاه حجابے مرتفع می
شود آن نور زیادت می پذیرد۔ و ایمان قوت می گیرد تا آنکه باوج کمال خود رسد و نور
منبسط و فراخ شده جمیع قوای و اعضاء را احاطه کند پس اول انشراح صدر حاصل گردد و بر حقائق
اشیاء مطلع شود و صدق انبیاء در آنچه اخبار فرموده اند اجمالاً و تفصیلاً وجدانی گردد و بقدر نور
باز بقدر انشراح صدر دواعی دل منبعث شود بآنکه موافق مرضی الٰہی بجا آرد و از ہر محظور شرعی
اجتناب ورزد و درین حالت انوار اخلاق فاضله و ملکات حمیده و اعمال صالحه متبرک با نوار

حضرت سے عمرؓ کی تمام امت پہ فضیلت ثابت ہوتی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کی آپ پہ فضیلت
دوسرے دلائل سے ثابت ہے جس کا بیان اپنی جگہ پہ مذکور ہے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اس مقام پہ
ایک عجیب بحث فرمائی ہے فرماتے ہیں۔ کہ ہر چیز کے تین وجود ہوتے ہیں۔ وجود عینی وجود
ذہنی، وجود لفظی۔ ایمان کے بھی یہ تین وجود ہیں۔ وجود عینی ہی کا دوسرا نام نور ہے جو کہ آیات

صرف منحصر گشته و یک جا شده حرف چراغانی در شبستان ظلمت طبیعت بهیمیه و شهویه روشن ساخته اند آن وجود ذهنی ایمان است و در مرتبه اول ملاحظه اجمالی و آن معارف متجلیه و آن غیوب منکشفه بوجه کلی که مفاد کلمه لا اله الا الله محمد رسول الله است. و این ملاحظه را تصدیق اجمالی گویند و بار دیگر آن نامیده اند و دوم ملاحظه تفصیلی هر هر فرد از افراد غیوب متجلیه و حقائق منکشفه با رابطه که فیما بین وارد و ملاحظه را تصدیق تفصیلی نامیده اند

و وجود لفظی ایمان را در اصطلاح شارع نام شهادتین است و لیس پوشیده است که وجود لفظی هر چیز بدون تحقق حقیقت آن چیز اصلاً فائده نمی کند و الا تشنه را نام آب گرفتن سیراب می کرد و گرسنه را نام نان گرفتن تسلی می بخشید مگر آن که تعبیر مافی الضمیر چون بدون واسطه نطق و تلفظ در عالم بشریت امکان ندارد ناچار تلفظ کلمه شهادت را مدخلی عظیم داده اند در حکم با ایمان شخص فرموده اند اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا

کے اتر جانے کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی اس کا اصل وجود ہے اور مثل نور کے جیسے مشکوٰۃ میں ہی تو رہا ہے اور دوسرے تمام ظاہری انوار کی طرح اس میں بھی کمی بیشی شدت و قوت پایا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی حجاب اٹھتا ہے۔ تو یہ نور زیادہ ہو جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کمال کے آخری مقام پر پہنچ جاتا ہے ایمان کا دوسرا وجود ذہنی ہے۔ اور اس کے دو مراتب ہیں ایک ملاحظہ اجمالی اور دوسرا تفصیلی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے مفہوم کے طور پر جب معارف غیبیہ بحیثیت کلی منکشف ہو جاتے ہیں تو اس کا نام ملاحظہ اجمالی یا تصدیق اجمالی ہے۔ اور جب افراد غیبیہ روشن ہوتے ہیں۔ تو ان کا آپس میں ربط معلوم ہوتا ہے تو اس کا نام تصدیق تفصیلی ہے۔ اور ایمان کا وجود لفظی شارع کی اصطلاح میں شہادتین کا نام ہے۔ اور یہ تو ہر عیاں ہو جاتا ہے کہ ایمان کا لفظی وجود بغیر حقیقت کے تحقق کے کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پیاسے کی پیاس پانی کا نام لینے سے بجھ جاتی اور روٹی کا نام لینے سے بھوکے کی بھوک دور ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن چونکہ نطق اور تلفظ کے بغیر مافی الضمیر

ارجوا ويقول امنت بالله وملائكته وكتبه ورسله ومن زعم ان الايمان قول بلا عمل فهو مرجي انتهى ما فيها وايضا يقول المتكلمون الحنفيون واصحاب البدع والمرجئة وهم الذين يزعمون ان الايمان مجرد وان الناس لا يتفاضلون في الايمان وان ايمانهم وايمان الملائكة والانبياء صلوات وسلامه عليهم واحد وان ايمان لا يزيد ولا ينقص وان الايمان ليس فيه استثناء وان من امن بلسانه ولم يعمل فهو مومن حقا هذا كله قول المرجئة وهو اخبث الاقاويل انتهى ما فيها۔

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم، کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔ لراقم العاجز طالب الحسنیین محمد نذیر حسین عافاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص)

حیا ایمان ہے۔ اور زانی جب زنا کرتا ہے۔ تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ اور کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہو جائے۔ یہ تمام احادیث کمال ایمان پر دال ہیں۔ اور یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے جو لوگ ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں ہیں۔ ایمان سے ان کی مراد وجود حقی ہے نہ کہ غیر۔ خیال تھا کہ شاہ عبدالعزیز کے اقتباس پر اس بحث کو ختم کیا جائے۔ لیکن اس کے بعد امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کا ایک رسالہ نظر سے گزرا۔ جو اپنے انداز کے لحاظ سے بڑا عجیب ہے۔ اگر اس عبارت میں آپ کوئی لفظ سخت محسوس کریں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ کیونکہ میں تو صرف ناقل ہوں۔ اصل عبارت امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل کی ہے۔ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ اہل علم اور اہل حدیث اور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ اور یہی عقیدہ صحابہ کرام سے لے کر آج تک چلا آرہا ہے۔ اور آج علماء شام اور حجاز کا بھی یہی عقیدہ ہے جو اس

سوال: خداوند تعالیٰ کلام مجید میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ یہ قرآن مجید پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو پہاڑ خوف سے شق ہو جاتا۔ اس میں تردد ہے۔ کہ پہاڑ بے حس اور آدمی ظاہری اور باطنی حس و حواس رکھتا ہے جس کے اندر خوف کا مادہ بھرا ہوا ہے اس کو جنبش تک نہ ہو سو یہ اللہ تعالیٰ نے کیسے فرمایا اس کا ثبوت عقلی و نقلی دلائل سے دے کر اطمینان فرمائیں۔

جواب: سائل نے دو غلط دعوے کیے۔ اول یہ کہ پہاڑ بے حس ہے دوم یہ کہ انسان کو باوجود حواس کے جنبش تک نہیں ہوئی۔ قرآن مجید کا یہ بتانا کہ بعض پہاڑ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ قرآن مجید کا یہ بتانا کہ ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح تحمید کرتی ہے۔ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ اور يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ قرآن مجید کا یہ فرمانا کہ پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ساتھ صبح و شام اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح کہتے تھے۔ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد کہ قرآن پہاڑ پر نازل کرتے تو اس کو اس سے خشوع کرتا ہوا پھٹا ہوا دیکھتے۔ لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔

عقیدہ کا مخالف ہے وہ بدعتی ہے اہل سنت والجماعت سے خارج ہے سبیل حق سے منحرف ہے۔ کیونکہ سلف صالحین کا عقیدہ تو یہی تھا کہ ایمان قول اور عمل اور نیت کا نام ہے جاننا چاہئے میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ تو مومن ہے تو کہتے ہیں۔ کہ ہاں میں ان شاء اللہ مومن ہوں اور جس آدمی کا یہ عقیدہ ہو کہ ایمان قول بلا عمل ہے وہ مرجئہ ہے اور محققین بدعتی اور مرجئی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان مجرد عقیدہ کا نام ہے۔ اور سب لوگوں کے ایمان برابر ہیں حتی کہ نبیوں اور فرشتوں اور ان کا اپنا ایمان سب برابر ہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اور ایمان میں استثناء نہیں ہے اور جو صرف زبان سے اقرار کرے وہ پکا مومن ہے یہ تمام اقوال مرجئہ کے ہیں۔ اور یہ بدترین اقوال ہیں میں نے مجھ سے تھوڑی سی باتیں کی ہیں۔ اور میں دل ڈرتا ہوں کہ تو تو زیادہ دو دل نہ ہو جائے ورنہ کہنے کی باتیں تو بہت تھیں واللہ اعلم بالصواب اسے عقل مند و نصیحت حاصل کرو۔ ۱۲۰

قرآن مجید کا یہ بتلانا کہ جب آسمان و زمین پھٹ جاویں اور اپنے رب کے حکم کو کان لگا کر سن لیں۔ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ قرآن مجید کا یہ بتلانا کہ زمین جب اپنے زلزلہ میں آکر اپنے اثقال کو پھینک دے گی۔ تب زمین رب کے حکم سے اپنے اخبار سناوے گی۔ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا. قرآن مجید کا یہ بتلانا کہ آسمان و زمین فرعونیوں پر نہ روئے۔ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ اس سے معلوم ہو گیا کہ آسمان زمین اللہ کے نیک بندوں پر رویا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا یہ بتلانا کہ نزدیک ہے کہ آسمان و زمین پھٹ جاویں اور پہاڑ گر کر ریزہ ریزہ ہو جاویں۔ اس سے کہ وہ رحمٰن کے واسطے اولاد کا دعویٰ کرتے ہیں تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا. إلى غيرها من نصوص الكتاب والسنة وأقوال خيار الأمة یہ سب اس بات کی شہادت علیٰ طریق التنصیص والتصریح دے رہے ہیں کہ آسمان و زمین پہاڑ و دیگر بے جان چیزوں میں بھی ایک قسم کی معرفت و ادراک جس ہے۔ گو وہ ہر ایک آدمی کے فہم و عقل میں نہ آ سکے۔ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ سو جو چیز آدمی کے فہم و عقل میں کم عقلی یا نا تجربہ کاری کے سبب سے نہ آ سکے۔ تو اس کو اس چیز کے وجود سے انکار کرنا عقلاً و نقلاً ناجائز بلکہ مردود ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ۔ اس کے لئے شاہد عادل ہے۔ ایسی چیزوں کے اثبات کے واسطے مخبر صادق کے اخبار کافی ہیں۔ الم. ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ. هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ سائل نے نمبر ۱ کے سوال میں ایک اپنے فرضی خیال کے اثبات کے لئے قطرت کی آیت سے استدلال کر کے لکھا اور خدا کا کلام اور وعدہ باطل کیا ہے۔ پس پہاڑ کا شق ہو جانا اور تمام چیزوں کا تسبیح و تحمید کہنا اور مارے خوف کے نیچے گر جانا اور اس سے تکلم ہونا ... کرتا وغیرہ وغیرہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی پاک کلام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پس تمام خیالی کے واسطے اس کا بچا ماننا اور یہاں پھر اس

کی تصدیق میں متردد رہتا تا بھی ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اللہ تبارک
وتعالیٰ ہر وقت ہر مقام ہر بیان میں سچا اور بالکل سچا ہے۔ پس متردد کا موجب یہاں پر کیا ہے
ہم اور ہمارے تمام مسلمان بھائی سلفاً وخلفاً شرقاً وغرباً رب العزت کے واسطے اپنی مخلوق
کے ہرگز ہرگز قائل نہیں ہو سکتے۔ جس کو رب العالمین کے ساتھ تھوڑی سی معرفت ہو تو کچھ تعلق اور
نہ اس سے کچھ نسبت ہو یہی ہمارا اعتقاد یہی ہماری فطرت یہی ہماری عقل اور سچا یقین ہے۔ وَاِنْ مِّنْ
شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ الآیۃ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ
تَسْبِيْحَهٗ سائل یوں لکھتا کہ پہاڑ میرے نزدیک بے حس چیز ہے اور میرے قلب قاسی
میں قرآن مجید کے سبب سے کبھی کچھ جنبش نہیں ہوئی تو یہ لکھنا اس کا درست بھی ہوتا کیونکہ
ممکن ہے کہ پہاڑ اس کے نزدیک بے حس چیز ہو اور قرآن مجید کے سبب سے نہ اس کو جنبش
تک ہوئی ہو اور نہ اس نے کسی زندہ دل صاحب تاثیر کو بھی دیکھا ہو۔ پس علی سبیل الاطلاق
ہر دو امر موجودہ سے اس کا انکاری ہو جانا تا جہل و نادانی پر مبنی ہے والانسان عدو لما جہلہ
صدر اول کے برگزیدگان اور ان کے رنگ سے رنگین اتباع و اولیاء کرام و دیگر ارباب قلوب
و اصحاب ذوق و جذبات کا تو ہم ایسے سائل کے پاس کیا ذکر کریں جس کو اللہ تعالیٰ کے
اخبار میں تردد و شک ہے۔ ہم موجودہ زمانہ کے عربستان و خراسان ہندوستان میں ایسے موجود
لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو پڑھتے ہوئے اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے ہیں
اور غلبہ بکا اور رقت کی وجہ سے قرات نہیں سنا سکتے اور شوق و ذوق کے سبب سے بالکل
بے خبر مضطر ہو جاتے ہیں اور ان کے مقتدی مجلسی لوگ بھی ان کے رنگ سے رنگین ہو کر
کانپ کر رو دیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو مارے تاثیر کے بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ وَاِنَّ مِنَ
الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا
لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ میں آدمیوں کی مختلف اقسام کی طرف ایک
لطیف اشارہ ہے۔ یعنی جیسے زمین کے مختلف طور پر تم مشاہدہ کر رہے ہو اسی طرح
انسانی افراد بھی اپنی طبیعت میں ترقی تحقیق کے اعتبار سے متفاوت ہیں۔ بعض ایسی کلام

سن کر ان کی آنکھوں سے آنسو نہر کی طرح جاری رہتے ہیں اور بعض لوگ ان کی آنکھوں سے کبھی کبھی آنسو جاری ہو جاتا ہے اور بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی باتیں سن کر اس کے خوف سے بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور آیہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ اور آیۃ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ وغیرہما میں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ ہم حق تعالیٰ وتقدس کا کیا شکر ادا کریں جس نے اپنے فضل و کرم سے قرآن مجید کے یہ عجیب وغریب تاثیرات اس کثرت سے دکھائے کہ ہم گن نہیں سکتے۔ بلکہ اپنے قافلہ میں اپنے والد ماجد عبد اللہ بن محمد الغزنوی (قدس روحہ) کے عہد میں ہمیشہ دیکھا کرتے تھے اور ان کے بعد بھی بحمد اللہ اکثر مشاہدہ کرتے ہیں۔ نیز دیگر بلاد میں بارہا دیکھ چکے ہیں۔ پس سائل کا علی سبیل الاطلاق یوں لکھنا کہ انسان کو جنبش تک نہ ہو۔ کس قدر خلاف واقع ہے۔ قرآن مجید میں اگر کچھ تاثیر نہیں تو عربوں کے دربارہ خصلت وحشی لوگ کس چیز کی تاثیر سے موصوف بن کر اصل درجہ کے متقی ہو گئے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ طبیب اسلام و جمیع انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہان مبارک میں دہ کروں کی حیات بخش بوٹی تھی جس کا فراج تک مسلمانوں میں موجود و مشہور ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ سائل کو اگر میری اس شہادت میں بھی تردد ہو تو وہ تحقیق وترقی علم کے واسطے اللہ تعالیٰ کی کھلی زمین میں اس کے باتاثیر جدول کو ڈھونڈ کر قرآن مجید کی اس عجیب تاثیر کو مشاہدہ کر سکتا ہے وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ کے مصداق کو دیکھ سکتا ہے۔

حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی رحمۃ الجبار فتاوی الاسلام جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۴

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا کیا اسی طرح جب حضور نے بیت المقدس میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی تھی تو کیا وہ بھی جسم عنصری کے ساتھ حاضر ہوئے تھے یا نہیں۔

(۲) کیا حضور علیہ السلام روضہ اقدس میں اب بھی حیات ہیں یا نہیں اور اگر حیات نہیں تو پھر جب کوئی آدمی حضور علیہ السلام کے روضہ اقدس پر کھڑا ہو کر درود شریف پڑھتا ہے تو حضور کیسے سنتے ہیں

(۳) قرآن پاک میں ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اس کے معنی بھی سینہ کھول دینے کے ہیں، سینہ چاک کرنے کے نہیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں بھی سینہ کھولنے کے معنی ہیں چنانچہ ارشاد ہے قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي اسی طرح اور مقام میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دیتے ہیں تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے شَرَحَ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ آپ کوئی آیت یا حدیث پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور کا شق صدر ہوا ہے۔ سائل: محمد عبداللہ مرتسری خطیب چک نمبر ۲۴۴ تحصیل لیہ ضلع مظفر گڑھ

جواب: قرآن و احادیث میں اس کی وضاحت موجود نہیں ہے اس میں مختلف احتمال ہو سکتے ہیں (۱) ان کو زندہ کر کے بعینہ حاضر کیا گیا ہو (۲) ان کی مثالی شکل حاضر کی گئی ہوں (۳) صرف ان کی روحیں حاضر کی گئی ہوں ان تمام احتمالات میں سے زیادہ احتیاط کا راستہ یہی ہے کہ کہا جائے کہ وہ حاضر کئے گئے تھے، جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس قسم کے مسئلہ کا حل قیاس سے درست نہیں۔

(۲) ان کی زندگی برزخی ہے، اس طرح نہیں ہے جس طرح دنیا کی زندگی ہے درود وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے سنا سکتے ہے قرآن میں ہے إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنا سکتا ہے اور آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔

(۳) شرح صدر اور شق صدر دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، شق صدر کے متعلق قرآن میں کوئی

مخفی نہیں ہے مختلف احادیث میں شق صدر کا ذکر ہے تقریباً چار سال کی عمر میں، پھر پچیس سال کی عمر میں اور آخر اسراء و معراج کرانے کی مدت میں۔ اس کی تفصیل احادیث، بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن بیہقی، طبرانی، مجمع الزوائد وغیرہ اکثر احادیث کی کتب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شق صدر کے ذریعہ آں حضرت کے اندر سے علقہ دموی اور حظ شیطان نکال دیے گئے ہیں احادیث سند کے لحاظ سے بعض صحیح ہیں بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں تاہم یہ آپس میں بعض بعض کو تقویت دے رہی ہیں۔ ۔ مولانا ابوالبرکات شیخ الحدیث جامع اسلامیہ گوجرانوالہ۔ الاعتصام جلد نمبر ۲۳ شمارہ ۳

سوال: خداوند تعالیٰ نے سب سے پہلے کونسی چیز پیدا کی جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، چرند پرند، شجر سب کائنات سے پہلے کونسی چیز پیدا کی؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل طور پر تحریر فرمائیں۔ والسلام سائل: حبیب الرحمن حلیم ضلع ملتان

جواب: اس معاملہ میں مختلف روایتیں ہیں لیکن جمہور محققین علماء اور حفاظ کی تحقیق یہی ہے کہ سب سے پہلے پانی اور اس پر عرش کو پیدا کیا بعض روایت میں ہے۔ ان اول ما خلق اللہ القلم یہ جو حدیث ہے ترکیب کے لحاظ سے دو معنی کا احتمال رکھتی ہے۔ مسلم شریف میں اس سلسلے میں ایک مرفوع حدیث موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم اور تقدیر خلائق سے پہلے پانی پر عرش کو بنایا۔ اور اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے پانی اور پانی پر عرش کو بنایا اور تقدیر خلائق اس کے بعد ہے اور زمین و آسمان کا بنانا اس سے بھی پچاس ہزار سال بعد ہے۔ مولانا ابوالبرکات شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ [illegible]

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا وہ تو صرف ابوالبشر تھے۔ ادریس۔

جواب: ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی نہیں تھے۔ حقیقت میں آدم علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ احادیث کی کتاب میں مختلف صحابہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ مثلاً حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت

سے ہے کہ ۔ ان رجلا قال یارسول اللہ انبی کان آدم قال نعم معلم مکلم ۔

یعنی ایک آدمی نے کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ! کیا آدم علیہ السلام نبی تھے ؟
آپ نے فرمایا کہ ہاں ، نبی تھے انہیں سکھلایا گیا اور ان سے اللہ کی طرف سے ، کلام کیا گیا
امام حاکم نے اس کو صحیح علی شرط مسلم کہا ہے ۔ صاحب تلخیص نے اس پر کسی قسم کی تنقید نہیں کی
(مستدرک حاکم جلد ثانی صفحہ ۲۶۲) نیز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
حدیث آدم علیہ السلام کے نبی ہونے کے متعلق مختلف الفاظ میں آئی ہے ۔ تفصیل کے لیے مجمع
الزوائد ، کنز العمال وغیرہ کتاب کی طرف رجوع فرمائیں بعض روایات میں ہے
نبی تھے اور رسول ۔ مولانا ابو البرکات شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ [illegible]

سوال ۔ کیا جو پھل حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے تھے وہ جنت سے آتے تھے یا کسی دوسرے
علاقے سے آتے تھے ۔ اگر وہ جنت سے آتے تھے تو ما لا عین رأت ولا أذن سمعت ولا
خطر علی قلب بشر کا کیا مفہوم ہو سکتا ہے ۔

(۲) اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں قسم کا جنتی پھل میں نے خود کھایا ہے کیونکہ اس جیسا یا اتنا
میٹھا آج تک ہم نے کہیں پھل دیکھا ہی نہیں کیا یہ بات صحیح ہو سکتی ہے ۔

جواب ۔ قرآن نے مریم علیہا السلام کے پاس جو پھل آتے تھے اس کے متعلق ، جنت کا پھل ہونے
کا ذکر نہیں کیا ، صرف من عند اللہ کہا ہے یعنی اللہ کے ہاں سے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے مریم علیہا السلام کے پاس ہی پیدا کیا ہو یا کہیں اور جگہ یا ملک سے پہنچایا ہو ، ہو سکتا ہے
جنت سے پہنچایا گیا ہو ، ہر بات کا احتمال ہے اور اگر جنت سے ہی پہنچایا گیا ہو تو پھر بھی یہ واقعہ
ما لا عین رأت ولا أذن سمعت والی حدیث سے متعارض نہیں ہے ۔ کیونکہ اسی حدیث
کے آخر میں آیا ہے یا قرآن میں ہے بل ما اطلعتم علیہ ۔ ان نعمتوں کا ذکر ہی چھوڑ دو جن پر تمہیں
مطلع کیا گیا ہے معلوم ہوا کہ جنت کی کئی اشیاء ایسی ہیں جن پر ہمیں مطلع کیا گیا ہے لیکن کئی ایسی
باتیں بھی ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ سنا اور نہ کسی کے دل میں خیال تک
آیا اگر حضرت مریم والے پھل جنتی ہوں تو پھر وہ ان میں شمار ہوں گے جن پر ہمیں مطلع

کیا گیا ہے

(۲) اگر اس کہنے والے کا یہ مقصد ہو کہ میں فلاں قبر کے پاس گیا تو وہاں مجاورین جنت اعلیٰ پھل تقسیم کر رہے تھے میں نے لے کر کھایا تو اتنا میٹھا جیسا کہ جنت کا پھل ہے تو یہ ایک قسم کا محاورہ ہے اور تشبیہی کلام ہے اس طرح کہنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کا مقصد قبر کے اندر سے جنت کا پھل کھانے کا ہو تو پھر یہ درست نہیں کیونکہ اس قسم کا کلام ایک صاحب وحی کے سوا اور کوئی نہیں کہہ سکتا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس قسم کے کلام صاحب وحی سے بھی ثابت نہیں ہے لہٰذا اس قسم کی بات فضول ہے جولانا ابوالبرکات شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔ (اہل حدیث لاہور جلد ۲۰ شمارہ نمبر ۳۰)

ولادت مسیح علیہ السلام

الاستفتاء: ماذا یقول العلماء الربانیون فی المسائل الآتیۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ بینوا توجروا بارک اللہ فیکم۔

۱۔ ھل ولادۃ عیسیٰ علیہ السلام من أب أو بغیر أب وھل فی ذلک حکم واضح من اللہ سبحانہ وتعالیٰ وما حکم من یدعی ولادتہ بأب وینفی ولادتہ بغیر أب؟

۲۔ ھل تکلم عیسیٰ علیہ السلام فی الصغر والطفولۃ بإذن اللہ؟

۳۔ ھل تخلیق حواء من ضلع آدم علیہ السلام الذی ھو مذکور فی کتاب اللہ أم أمر آخر؟

السائل: السید شاہ محمد خطیب مسجد اھلحدیث گجرات پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

أما بعد: فالجواب عن ھذہ الاسئلۃ الثلاثۃ أن یقال قد دل کتاب اللہ العزیز وسنۃ رسولہ الأمین واجماع علماء الإسلام علی أن نبی اللہ ورسولہ عیسیٰ بن مریم خلق من أنثی بلا ذکر یقول اللہ لہ کن فکان وأمہ مریم ابنۃ عمران العذراء البتول المطھرۃ من کل ما یقول فیھا أعداء الإسلام فقال اللہ سبحانہ: ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل

آدم خلقه من تراب ثم قال له كن فيكون) وقال تعالى (واذكر في الكتب مريم إذ انتبذت من أهلها مكانا شرقيا فاتخذت من دونهم حجابا فأرسلنا إليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا. قالت إني أعوذ بالرحمن منك إن كنت تقيا قال إنما أنا رسول ربك لأهب لك غلاما زكيا. قالت أنى يكون لي غلام ولم يمسسني بشر ولم أك بغيا. قال كذلك قال ربك هو علي هين ولنجعله آية للناس ورحمة منا وكان أمرا مقضيا. فحملته فانتبذت به مكانا قصيا الى أن قال سبحانه وتعالى فأتت به قومها تحمله قالوا يا مريم لقد جئت شيئا فريا يا أخت هارون ما كان أبوك امرأ سوء وما كانت أمك بغيا فأشارت إليه قالوا كيف نكلم من كان في المهد صبيا قال إني عبد الله آتاني الكتب وجعلني نبيا وجعلني مباركا أينما كنت وأوصاني بالصلوة والزكوة ما دمت حيا وبرا بوالدتي ولم يجعلني جبارا شقيا الى ان قال عز وجل ذلك عيسى بن مريم قول الحق الذي فيه يمترون وقال تعالى في سورة العمران إذ قالت الملئكة يا مريم إن الله يبشرك بكلمة منه اسمه المسيح عيسى بن مريم وجيها في الدنيا والآخرة ومن المقربين ويكلم الناس في المهد وكهلا ومن الصالحين قالت رب أنى يكون لي ولد ولم يمسسني بشر قال كذلك الله يخلق ما يشاء إذا قضى أمرا فإنما يقول له كن فيكون) وقال تعالى في سورة الانبياء (والتي أحصنت فرجها فنفخنا فيها من روحنا وجعلناها وابنها آية للعلمين) والآيات في هذا المعنى كثيرة فقد أوضح فيها ربنا عز وجل امر عيسى وامه وبين ذلك بيانا شافيا كافيا ليس فيه لبس ولا خفاء وبين سبحانه غاية البيان ان عيسى خلق من انثى بلا ذكر ولك

أنه لم يمسسها بشر وذلك يدل على طهارتها من الزنا وأنه لا زوج
لها مصرحا أيضا بأنها قد أحصنت فرجها وذكر سبحانه أنه جعلها
وابنها آية للعالمين ولو كان له أب أو كان ولد زنا لم يكن آية ولم
يكن حملها به آية فعلم بذلك بطلان دعوى من يدعي أنها حملت
به من جماع كما يحمل سائر النساء بل هذا القول يعتبر تكذيبا لله
سبحانه ولرسوله عليه الصلوٰة والسلام بل هو صريح الكفر والجحود
لما دل عليه الكتاب الكريم وما تواتر به الأحاديث الصحيحة
عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وما أجمع عليه المسلمون وقد
صرح الله سبحانه في كتابه الكريم الذي لا يأتيه الباطل من بين
يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد بأن عيسى عليه السلام
تكلم في المهد وذلك من الآيات والمعجزات الدالة على أنه رسول
الله حقا وعلى طهارة أمه مما رماها به المكذبون الجاحدون وأما
حواء فقد دلت الآيات القرآنية على أنها خلقت من آدم وأنه آدم
أبو البشر لا آدم آخر ومن قال خلاف ذلك فقد أعظم على الله
الفرية وقال خلاف الحق وخلاف صريح الكتاب العزيز قال
الله تعالى (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ
مِنْهَا زَوْجَهَا) وقال تعالى (هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا) الآية. والخطاب لهذه الأمة وكلهم من
بني آدم كما أوضح ذلك سبحانه في آيات أخرى كما قال تعالى (يَا أَيُّهَا
النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ
أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ) وقال تعالى (يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ
كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ ...) الآية. وقال تعالى (يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا

...بَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ) وقال تعالى (ذَٰلِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن
طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ) والآيات في هذه
المعنى كثيرة - وصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال
استوصوا بالنساء خيرا فإنهن خلقن من ضلع وإن أعوج شيء في
الضلع أعلاه فإن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج
متفق عليه - وأجمع علماء الإسلام على أن المراد بالنفس الواحدة التي
خلق منها بنو آدم هو آدم كما حكى ذلك الرازي في تفسيره وأما
كون زوجه حواء خلقت منه فهو قول الأكثرين وقد شذ من
أنكر ذلك وخالف ظاهر الكتاب وصريح السنة. ومن ادعى أن
النفس الواحدة التي ذكرها الله في كتابه لا يجب أن يكون المراد
بها آدم أبا البشر بل يمكن أن يكون المراد بها شخصا آخر كما زعم
ذلك صاحب المنار وشيخه محمد عبده فقوله ظاهر البطلان لا
يجوز أن يعول عليه ولا ينبغي أن يلتفت إليه وبما ذكرنا يعلم
السائل جواب أسئلته الثلاثة وقد صرح أهل العلم بما ذكرناه
في هذا الجواب الموجز ولولا خشية الإطالة لنقلت للسائل شيئا
من كلامهم وهو موجود كثيرا في كتب التفسير من أراده وجده
والله ولي التوفيق ولا حول ولا قوة إلا بالله وهو حسبنا ونعم الوكيل
وصلى الله على عبده ورسوله محمد وآله وصحبه أجمعين.

نائب رئيس الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة

عبدالعزيز بن عبدالله بن باز

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ترجمہ

مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق علمائے حق کی کیا رائے ہے۔ بحوالہ آیات کتاب و سنت کی روشنی میں دیئے جائیں

(۱) کیا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش بذریعہ باپ تھی یا معجزانہ طور پر باپ کے بغیر۔ جو شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو اعجازی طور پر باپ کے بغیر نہ مانے اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا حضرت مسیح علیہ السلام نے بچپن میں اللہ کے حکم سے گفتگو فرمائی تھی۔؟

(۳) کیا حضرت حوا کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی یا کسی اور آدم سے؟

سائل: سید محمد شاہ خطیب جامع اہلحدیث گجرات (مغربی پاکستان)

الجواب وباللہ التوفیق: تینوں سوالات کا جواب یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماع اہلسنت سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش مرد کے واسطہ کے بغیر حضرت مریم کے بطن سے معجزانہ طور پر ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ "کن" سے حضرت مریم عذراء کو بار امید فرمایا اور حضرت مریم ان تمام اتہامات سے پاک ہیں جو دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کیے قرآن عزیز میں ہے:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ۔

(حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے محض مکُن سے پیدا فرمایا)

اور سورہ مریم میں ارشاد فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَٰلِكِ

قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا
وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝
(الیٰ) فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ
شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ
وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ
فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝
وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ
حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ (الیٰ) ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ وقال فی سورۃ آل عمران:

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ
الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝ وَيُكَلِّمُ
النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ
وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝

وقال تعالیٰ فی سورۃ الانبیاء: وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا
فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اور حضرت مریم کو یاد کرو جب وہ گھر سے مشرقی جانب تشریف لے گئیں عام لوگوں سے
انھوں نے پردہ کیا تو ایک صحت مند آدمی ان کے سامنے آ گیا۔ حضرت مریم نے فرمایا۔ بھلے
آدمی میں تم سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اس نے کہا میں تو خدا کا پیغام لایا ہوں تاکہ تمہیں
ایک پاک باز لڑکے کی بشارت دوں۔ حضرت مریم نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے میرا حلال
یا حرام طور پر کسی مرد سے کوئی تعلق نہیں۔ فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے یہ
اللہ کے لیے آسان ہے تاکہ ہم لوگوں میں ایک نشان کا اظہار کریں۔ اور اپنی طرف سے

رحمت فرمائیں اور یہ معاملہ طے ہو چکا ہے۔ حضرت مریم امید سے ہو گئیں۔ اور کچھ مدت علیحدہ مکان میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد اسے اٹھا کر اپنے عزیزوں میں آ گئیں۔ ان لوگوں نے کہا یہ تم نے بہت بری بات کی۔ تم تو ہارون کی طرح پاک دامن ہو۔ اور تمہارے ماں باپ میں سے ایسا کوئی نہ تھا۔ حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے کہا گود کے بچے سے بات کیسے کریں؟ بچے نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب بھی عنایت فرمائی ہے اور مجھے نبی بھی بنایا ہے۔ اور میں جہاں رہوں مجھے برکت عطا کی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں اور جابر اور سرکش نہیں ہوں یہی عیسیٰ بن مریم ہیں جن کے متعلق تم جھگڑ رہے ہو۔"

سورۂ آل عمران میں فرمایا، "دو فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا اللہ تمہیں کلمہ کی بشارت دیتے ہیں۔ ان کا نام نامی عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب ہے۔ وہ گہوارے اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور وہ صالح ہوگا۔ حضرت مریم نے فرمایا بچہ کیسے ہوگا؟ میں مرد کی شکل سے ناآشنا ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ جیسے چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے حکم سے ہو جاتی ہے۔"

سورۂ انبیاء میں فرمایا، "وہ حضرت مریم جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا ہم نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دی اور وہ ماں اور بیٹا دنیا میں خدا کا نشان بن گئے۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح اور ان کی والدہ کے معاملہ کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ جس میں کوئی اخفا باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ صرف عورت سے مرد کے بغیر پیدا ہوئے اور ان کی والدہ مرد کے قریب تک نہیں گئیں۔ اس سے بدکاری کی قطعی نفی ہوتی ہے اور ان کا خاوند بھی قطعاً نہیں تھا۔ اور وہ اس تعلق سے ہر لحاظ محفوظ تھیں۔ اور یہ بھی صراحت فرمائی کہ وہ پاک باز تھیں۔ اور فرمایا کہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ دنیا کے لیے ایک نشان تھے۔ اگر ان کا خفیہ یا ناجائز باپ ہوتا تو نہ حضرت مسیح آیت ہوتے اور حضرت مریم کا بیٹا

ہوتا آیت تصور ہوتا۔ اس سے یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ ان کی امید یا پیدائش عورتوں کی طرح عام عادت کے مطابق تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے مراد ہے اور صریح کفر اور قرآن کریم کا انکار اور متواتر احادیث اور اجماع ائمہ اسلام کا انکار ہے اور قرآن عزیز نے یہ صراحت فرما دی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مہد (گود) میں گفتگو فرمائی اور یہ معجزہ ان کی صداقت اور حضرت مریم کی عصمت کی دلیل ہے اور ان اتہامات کی تکذیب ہے جو دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کیے تھے۔

اور حضرت حوا کے متعلق قرآن عزیز نے صراحت فرمائی ہے کہ انہیں آدم ابو البشر سے پیدا کیا۔ اور ان کے علاوہ دوسرا کوئی آدم نہ تھا جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ اللہ پر جھوٹ کہتا ہے اور کتاب اللہ کے خلاف کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے لوگو، اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا:۔ پھر فرمایا:

وہ اللہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس کی بیوی کو اس سے پیدا کیا تاکہ اسے سکون حاصل ہو۔

یہ ساری امت کو خطاب ہے اور یہ سب آدم کی اولاد ہیں۔ جیسے کہ دوسری آیات میں مذکور ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف گروہ اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اور یقین جانو کہ اللہ کی نظر میں صرف اہل تقویٰ قابل عزت ہیں۔

دوسرے مقام پر فرمایا: اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا۔ پھر فرمایا:

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت زینت کو اختیار کرو۔۔۔

مزید فرمایا: یہ ہے اللہ غیب اور حاضر کا جاننے والا۔ غالب رحم کرنے والا۔ جس نے ہر چیز کو بہتر طریق پر بنایا! اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کی نسل کو گندے پانی سے چلایا۔

اور اس مفہوم کی آیات قرآن مجید میں کثرت سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کی اونچائی ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کرو گے تو توڑ دو گے ورنہ وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ بخاری مسلم اور علماء اسلام کا اجماع ہے کہ نفس واحدہ جس سے تمام انسان پیدا کئے گئے وہ آدم علیہ السلام ہیں اور اس کی بیوی اس سے پیدا کی گئی۔ اکثر اہل علم کا یہی خیال ہے۔ اور جن لوگوں نے اس سے اختلاف کیا وہ شاذ ہیں۔ اور ظاہر کتاب وسنت کے بھی خلاف ہے اور بعض لوگوں کا یہ قول ہے کہ اس سے مراد آدم ابوالبشر نہیں جیسے سید رشید رضا اور ان کے استاد کا خیال ہے بداہتہ غلط ہے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرنا چاہیے۔

جو ہم نے لکھا ہے اس سے مسائل کے تینوں سوالات کا جواب آجاتا ہے۔ اور اہل علم مع ائمہ ہمارے اس جواب سے متفق ہیں۔ اگر طول کا خطرہ نہ ہوتا ہم ان کی تصریحات کا ذکر کرتے جن سے تفاسیر بھری پڑی ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا بہ وھو حسبنا ونعم الوکیل وصلی اللہ علیٰ نبینا ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ ترجمہ

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا کیونکہ قرآن مجید نے تمام انسانوں کا سایہ ثابت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر تھے اور انسان تھے اس واسطے قرآن سے آپ کا سایہ ثابت ہو گیا اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہیں تھا انھوں نے آپ کو استثنا کرنے کے لیے کوئی صحیح دلیل نہیں پیش کی صرف دعویٰ بلا دلیل کیا ہے جو کہ قابل قبول نہیں ہے۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی

اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۲

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوا تھا یا روحانی؟ (از محمد بشیر صابر)

جواب: قرآن واحادیث سے ظاہر یہی ہے کہ معراج جسمانی ہوا ہے کیونکہ کسی حدیث نے یا آیت نے روح کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ معراج جسمانی ہے۔ مولانا حافظ محمد گوندلوی

سوال: مسئلہ تقدیر کی کیا اصلیت ہے اور کسب اور خلق میں کیا فرق ہے۔ یعنی جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے جو فعل بخشا ہے اور اس کو اسی کے لیے پیدا کیا تو پھر اس پر کیا الزام ہے اور مخالفین انبیاء کی اتباع و تصدیق کا مطالبہ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

ابو محمد عبدالجبار کھنڈیلوی از رحمت اللہ

الجواب بعون الوہاب: مسئلہ تقدیر کی اصلیت دو چیزیں ہیں۔ ایک علم ایک تقدیر۔ علم اس طرح کہ بندے کو جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا تو اس نے نیکی کرنی تھی یا بدی۔ سو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی تھا۔ سو اس کو لوح محفوظ کی صورت میں پہلے ہی لکھ دیا۔

لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اس لیے بندے نے کیا۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ بندے نے کرنا تھا، اس لیے لکھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے قلم کو حکم ہوا۔ اکتب (لکھ) قلم نے کہا: ما اکتب (میں کیا لکھوں؟) حکم ہوا: اکتب القدر فکتب ما کان وما هو كائن الى الابد (تقدیر لکھ۔ پس قلم نے جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونا تھا لکھ دیا) بتلائیے اس میں اللہ کا کیا قصور۔ ہاں اگر اللہ کا لکھنا بندے کے لیے رکاوٹ ہوتی تو پھر اعتراض کا موقعہ والا اعتراض کر سکتا تھا کہ بندے کا کیا قصور۔ لیکن جب ایسا نہیں بلکہ بندے نے جو کچھ کرنا تھا قلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہی لکھا۔ پھر اتنے پر بھی بندے کو نہیں پکڑا۔ بلکہ بندے نے جب فعل کر لیا اس وقت پکڑا۔ پس اب علم کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہ رہا۔ زیادہ وضاحت کے لیے اس کو یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کو علم نہ ہوتا تو بھی بندے نے نیکی یا بدی کرنی تھی، تو اللہ کو علم ہونے سے کونسا جبر آگیا۔

رہا قدرت کا معاملہ، سو یہ نہایت نازک ہے۔ بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے بندوں کو ہر طرح سے آزمانا ہے۔ بدنی آزمائشیں بھی آتی ہیں، عقلی بھی۔ تقدیر کا مسئلہ عقلی آزمائش ہے۔ مگر اس کو ایسا بھی نہیں کیا کہ بالکل مبہم رکھا ہو بلکہ ایمان کے لیے جس قدر ضرورت تھی حجاب پردہ اٹھا دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر جماعت موافق اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہے۔ اور یہ بھی ظاہر

ہے کہ جبر جیسا کوئی نقص نہیں ایک تو اس میں حکمت کا خلاف ہے کہ خود ہی ایک فعل کرے اور اس پر سزا دے دوسرے اس میں بندے کو ناحق تکلیف دینا ہے۔ جس کو ادنیٰ عقل والا بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ ایک کی جان دکھ میں ہو دوسرے کا تماشا۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جس کا اثر اس کا خالق ہونا ہے۔

اگر بندہ بھی خالق ہو تو یہ شرک فی الربوبیت ہے۔ جو بڑا شرک ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بندہ مجبور بھی نہیں اور مختار مطلق بھی نہیں۔ بلکہ اس کے بین بین ہے۔ جس کو کسب اور اکتساب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

پس ایمان کے لیے اتنی معرفت کافی ہے کیونکہ ایمان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ حقیقت شے کا علم ہو تب ایمان لائے۔ دیکھئے روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے لیکن اس کے آثار کی وجہ سے ہم مانتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات وصفات پر ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن کنہ اور حقیقت کا علم نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کسب واکتساب کو سمجھ لینا چاہیے اس سے آگے بحث میں خیر نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں بحث سے منع فرمایا ہے۔ میرے ذہن میں میں دفن بھی کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت علامہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ کا فتویٰ "تنظیم اہلحدیث" کے سابقہ شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ حافظ عبدالقادر روپڑی ناظم جامعہ اہلحدیث (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں ورثۃ الانبیاء علمائے دین متین دریں مسئلہ بعض عقیدت مند حضرات عید میلاد النبیﷺ پر بیت اللہ، روضۃ النبیﷺ اور مسجد نبوی ﷺ وغیرہ کے ماڈل بناتے ہیں۔ اور بعض مقامات پر ان میں انسانوں کے بت بھی قیام، رکوع اور سجود کی حالت میں دکھائی دیتے ہیں۔ اور عوام الناس ہر بنائے عقیدت ان کو چومتے چاٹتے۔ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر گریہ وزاری کرتے، دعا مانگتے اور دور دراز سے سفر کرکے زیارت کرتے ہیں۔

۱۔ آیا یہ طرز عمل کتاب وسنت کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز۔

۲- آیا یہ لوگ مُسرفین حد سے تجاوز کرنیوالوں میں داخل ہیں؟

۳- کیا یہ رسوم مشرکانہ اور مبتدعانہ تو بیت اللہ کی توہین نہیں؟

مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کا جواب اشد ضروری ہے

محمد نذیر عارف وچھووالی، لاہور

الجواب بصورت مسئلہ شرعاً شرک بھی ہے اور بدعت بھی ہے۔ دست بستہ کھڑے ہونا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنا یہ دین میں نئی چیز ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام میں حدیث ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد۔ متفق علیہ۔ جو شخص ہمارے دین میں نئی بات پیدا کرے۔

جو اس سے نہ ہو وہ مردود ہے۔

پھر یہ دعا کی جو دست بستہ کی گئی ہے اگر اس طرح کی دعا ہے جیسے بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اور اس نقشہ کو اصل بیت اللہ کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے تو یہ بدعت ہے۔ اور اس میں جو تصاویر ہیں اگر ان سے مقصد صرف نمونہ دکھانا ہو کہ یوں دعا مانگی جاتی ہے۔ تو اس کے دو پہلو ہیں۔

۱- ایک حرام ہونے کا کیونکہ تصویر کا بنانا سخت حرام ہے۔

۲- دوسرے بیت اللہ کی توہین ہے۔ یہ بیت اللہ میں کفار کی طرح بت رکھنے کے مترادف ہے۔ اور اس قسم کے افعال حب رسول نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صریح عداوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ آمین۔

حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۳

سوال (۱) نیکی اور بدی کا خالق کون ہے۔؟ قرآن مجید میں ہے: خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلتا۔ تو بدی کرنے میں گرفت کیسی۔؟

۲- خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ بھی ہے تو وہی کہاں سے اترتی تھی؟

۳۔ روح پاک چیز ہے یا پلید؟ اگر پاک ہے تو کافروں کو نجس کیوں کہا گیا؟ کیونکہ ان میں بھی روح ہے۔ اگر پلید ہے تو پاک کوئی بھی نہیں۔

۴۔ ہر چیز کی خواہش کرنے والا نفس ہے اور نفس ہی کو موت ہے، تو بہشت و دوزخ کس کے لیے ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔

۵۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بندہ تھے یا خدا؟ قرآن میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور رسول کا نام محمد ہے جو مفعول کا صیغہ ہے یعنی حمد کیا گیا، اور حمد کیا گیا تو خدا ہے معلوم ہوا کہ محمد خدا تھا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کن کہتا ہے۔ کیا دنیا کو ہدایت کرنے کا ارادہ کیا تھا یا نہیں؟

۷۔ ابلیس فرشتوں میں تھا یا کہ پہلے ہی الگ تھا؟

۸۔ کیا خالق غالب ہے یا مخلوق؟

۹۔ قرآن کریم میں ہے یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ہر چیز زمین آسمان کی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔

تو کافر کون ہوا؟ کیونکہ وہ بھی زمین کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۔

جواب ۱: قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلتا۔ ہاں کفار سے قرآن مجید نے یہ حکایت کی ہے لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ (پ) اگر خدا چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ کسی شے کو حرام کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (پ) پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی یہاں

تنگ کر انھوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجیے کیا تمہارے
پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے؛ اگر ہے تو اس کو ہمارے سامنے پیش کرو۔ تم محض گمان کی
تابعداری کرتے ہو اور محض اٹکل کے پیچھے جاتے ہو۔"

اس آیت میں خدا نے کتنے زور سے تردید کی ہے کہ جو تم کرتے ہو خدا چاہتا ہے یہ محض
تمہارا خیال اور محض تمہاری اٹکل ہے اس پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ لیکن خالق ہونا اور چیز
ہے اور کاسب (کمانے والا) ہونا اور چیز ہے۔ خدا خالق ہے۔ بندہ کاسب (کمانے والا) ہے
ان دونوں میں جو کچھ فرق ہے اس کو ہم "تنظیم اہلحدیث" کی جلد ۲ نمبر ۱۸ مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۸۲ھ
مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء میں واضح کر چکے ہیں۔ یہاں وہیں سے نقل کئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔
خلق نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا۔ اور کسب بندہ کی طرف سے کسی امر کا
قصد اور ارادہ ہونا اور اس کے قصد اور ارادہ کے مطابق خدا کی طرف سے اس کے اعضا میں حرکت
پیدا ہونا۔ کسب میں کچھ احتیاج کا شائبہ بھی ہے۔ یعنی اپنی کسی غرض اور حاجت پوری کرنے کے لیے
قصد و ارادہ ہوتا ہے اس لیے بھی اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے خدا کی طرف نہیں ہوتی
۲۔ اللہ تعالیٰ علم و قدرت کے ساتھ ہر جگہ ہے بذاتہ عرش پر ہے اور آیہ کریمہ: نَحْنُ اَقْرَبُ
اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ میں علم مراد ہے یا فرشتے۔ جیسے کہتے ہیں فلاں بادشاہ
فلاں بادشاہ سے لڑ رہا ہے۔ حالانکہ لڑنے والی فوج ہوتی ہے۔ آگے فرشتوں کا بھی ذکر ہے
جو اعمال لکھتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے: اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۔
یعنی ہم اس وقت شاہ رگ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جب دو لینے والے بیٹھے ہوتے ہیں:
۳۔ حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ
ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔
قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ خدا کی فطرت (توحید) کو لازم پکڑو جس پر لوگوں کو پیدا
کیا اس کو تبدیلی نہیں۔

اس آیت وحدیث سے مفہوم ہوا کہ پیدائش کے وقت روح پاک ہوتی ہے، پھر شرک سے نجس ہو جاتی ہے۔

۴۔ موت کے چکھنے سے مراد یہ ہے کہ بدن سے جان قبض کی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا۔ "خدا موت کے وقت جانوں کو قبض کرتا ہے۔"

نیز جب بہشت دوزخ میں داخل ہونے کا وقت ہو گا۔ روحیں بدنوں کو لوٹائی جائیں گی قرآن مجید میں ہے۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ "جب جانیں بدنوں سے ملائی جائیں گی۔"

نیز خدا خالق ہے وہ نیست سے ہست کر سکتا ہے تو پھر بہشت دوزخ کس کے لیے۔ کیسے ہو گی مطلب؟

۵۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کمالات کی بنا پر محمود کہا گیا ہے۔ وہ خدا کے دیے ہوئے ہیں اس لیے محمد کی حمد عارضی ہے اور حقیقۃً حمد خدا کے لیے ہے۔ پس محمود خدا ہوا کیونکہ اس کے لیے حقیقی حمد تعیین قرآن مجید میں ہے۔ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا "امید ہے خدا تجھے مقام محمود میں اٹھائے۔ اس آیت میں مقام کو محمود کہا ہے تو کیا وہ بھی خدا ہے؟

اگر اس کو منطقی پیرایہ میں ادا کریں تو حنفی لطف کا دعویٰ یوں ہو گا: مُحَمَّدٌ مَحْمُوْدٌ وَكُلُّ مَحْمُوْدٍ اللّٰهُ فَمُحَمَّدٌ اللّٰهُ" جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حد اوسط مکرر نہیں۔ کیونکہ صغریٰ میں محمود سے مراد وہ ہے جس کے لیے عارضی حمد ہو۔ اور کبریٰ میں مراد وہ ہے جس کے لیے حقیقی حمد ہو۔ اور اگر کبریٰ میں بھی عارضی حمد مراد ہو تو کبریٰ کاذب ہے۔

اس کے علاوہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ماحصل اللہ محمود ہے اس صورت میں محمد محمود کو اس کے ساتھ ملائیں تو شکل ثانی ہو گی۔ اور شکل ثانی میں اختلاف فی الکیف شرط ہے جو یہاں مفقود ہے پس نتیجہ نہیں ہو گی وفیہ نظر۔[1]

۶۔ ہدایت دو طرح کی ہے ایک اراءة الطریق یعنی رستہ دکھا دینا، دوسری ثابت رکھنا۔

---

[1] فیہ اشارۃ الی ان معنی الحمد للہ رب العالمین ان کل حمد للہ ومختص بہ فحصل ان کل محمود اللہ فتامل ۱۲

اس کا ارادہ اللہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ خدا ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کرے اور تمہیں پچھلے لوگوں کے طریقوں کی ہدایت کرے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بندوں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ ہو بھی جاتی ہے یعنی بندہ کو حق ناحق کا بتلانے سے پتہ لگ جاتا ہے۔ آگے خواہ قبول کرے یا نہ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (پ۲۹) ہم نے انسان کو ہدایت کی آگے وہ شکر کرنے والا ہے یا کفر کرنے والا ہے یہ ایک طرح کی ہدایت ہوئی۔

دوم: الدلالۃ الموصلۃ یعنی: حق کو سچا دینا اور بندہ کے اختیار کے بغیر دل میں اس کو جگہ دینا: اس کا اللہ ارادہ نہیں کرتا کیونکہ پھر بندہ فعل مختار نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں ہے فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (پ۸) خدا چاہتا تو تمہیں سب کو ہدایت کر دیتا یعنی تمہارے اختیار کے بغیر محض قدرت کے تصرف سے تمہیں ہدایت والے بنانا چاہتا، جیسے فرشتوں کو ایسے ہی کیا ہے۔ تو تم سب ہدایت والے ہو جاتے۔ لیکن وہ اس طرح نہیں کرتا بلکہ تمہیں تمہارے اختیار پر چھوڑتا ہے۔ تاکہ اپنے اختیار سے نیکی بدی کر کے بدلے کے مستحق ہو۔ اگر جبراً ہدایت کر دیتا تو بندہ کے اختیار کو دخل نہ ہوتا تو پھر اس میں بندہ کا کیا کمال تھا اور وہ انعام کا مستحق کس طرح ہو سکتا۔ پس ضروری بات ہے کہ اللہ اس طرح کا ارادہ نہ کرے۔

۷۔ قرآن مجید میں ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ یعنی: ابلیس جنوں سے تھا: (پ۱۵) اس میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ فرشتوں کی ایک جماعت ہے، ان کو جن کہتے ہیں، ابلیس ان سے تھا۔ بعض کہتے ہیں زمینی جنوں سے تھا۔ پہلے قول کی بنا پر تو فرشتوں سے تھا۔ دوسرے قول کی بنا پر کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں سے ملا دیا۔

۸۔ خالق غالب ہے۔ اگر وہ محض اپنی قدرت کا تصرف کرے تو شر ابلیس کچھ کر سکتا ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اگر وہ فعل مختار بنا دے تو پھر دوسرے کے اختیار کا بھی دخل ہو جاتا ہے خواہ نیکی کرے یا بدی، جیسے اوپر نمبر۵ میں بیان ہو چکا ہے

۹۔ تسبیح دو طرح ہے ایک زبان قال سے ایک حال سے ثانی اللہ کو تو سب کرتے ہیں۔ اول اللہ کو بعض کرتے ہیں بعض نہیں کرتے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ آسمان و زمین والے سورج چاند ستارے اور درخت اور بہت لوگ یہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت لوگ پر (سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) عذاب الٰہی ثابت ہو گیا ہے۔ (عبید اللہ مہر قصری روپڑی)

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲

سوال:۔ ہم نے نہ نبی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ اس کے معجزات کو دیکھا کہ صحیح طور پر ان کا جائزہ لے سکتے نہ ہی پر وحی بھی ہمارے سامنے نازل نہیں ہوئی۔ ہم ایمان لائے ہیں تو صرف اس لیے کہ ہم نے اسلام کی تعلیم کو اچھی اور قابل قبول سمجھا ہے۔ اچھائی اور برائی میں فرق کرنے کی استعداد ہی کی وجہ سے ہمارے اعمال پر جزا و سزا بھی مقرر ہے۔ دوسرے لفظوں میں کسی چیز کی خوبی یا برائی کا اصل معیار عقل ہے قرآن مجید میں بھی اللہ فرماتا ہے کہ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ۔ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو بھی عقل ہی سے پرکھنا چاہیے اگر خدا نخواستہ قرآن مجید کی کوئی بات ہماری سمجھ میں نہ آئے یا ہم اسے اپنی عقل کے خلاف سمجھیں تو فیصلہ کی کیا صورت ہو گی۔؟

جواب:۔ سوال دو ہیں۔ ایک یہ کہ سمجھ میں نہ آئے۔ ایک یہ کہ عقل کے خلاف ہو۔ سمجھ میں نہ آنے سے کسی چیز کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کا فیصلہ

موجود ہے۔ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ (بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا) اس کی مثال ایسی ہے، کہ جیسے ہم نے روح کو جھٹلا دیں محض اس بنا پر کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس کا انکار عقل کی کمزوری ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن کی کوئی بات عقل کے خلاف ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی دفعہ انسان اپنی کمزوری سے کسی بات کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ لیتا ہے۔ اور درواقع میں وہ عقل کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کفار کہتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہڈی بوسیدہ ہو کر خاک میں مل جائے اور پھر وہ دوبارہ انسان بن جائے جیسے اللہ تعالیٰ سورہ یٰسین میں فرماتے ہیں وَقَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (یعنی انسان کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے) حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں۔ ہاں کوئی بات ہر ایک کی عقل کے خلاف ہو تو اس کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں کوئی ایسی بات موجود نہیں۔ تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱۰ شمارہ نمبر ۱

سوال : کیا ہاروت و ماروت فرشتے تھے یا شیطان؟ بعض علماء کہتے ہیں شیطان تھے۔ تفصیلاً بیان فرمائیں۔

جواب : ہاروت و ماروت فرشتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی روشن اس بات کو واضح کر رہی ہے۔ ارشاد ہے۔ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ اس آیت میں ہَارُوتَ وَمَارُوتَ مَلَكَيْنِ سے بدل ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے اس شے کی تابعداری کی جو بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتاری گئی۔ اور جو شیطان کہتے ہیں وہ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ میں شیطان سے بدل بناتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس سے بدل ہوتا تو اس کے ساتھ ذکر ہوتا نیز كَفَرُوا وغیرہ صیغے جمع کے اس کے خلاف ہیں۔ غرض قرآن روشن صاف بتلا رہی ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے ہیں۔

تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۹

سوال : ایک شخص کا یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ستار ہے غفار رحیم ہے

تو پھر قہار کیوں ہے؟ وہ ایک شخص کو خود ہی موقعہ دیتا ہے کہ وہ ظلم کرے کسی کو قتل کرے جیسا کہ شمر نے امام حسینؓ کو شہید کیا خدا نے تو خود ہی یہ اس کیلئے مقدر کر رکھا تھا۔ پھر شمر پر قہر نازل کرنا چہ معنی؟ ازراہ کرم اس عقدہ کو ضرور حل کیجئے (محمد اسمٰعیل خاں محمد بشیر خاں از حیدر آباد سندھ)

جواب: مسئلہ تقدیر کا مسئلہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ اس لئے ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آنا ذرا مشکل ہے۔ ہاں اس کی ابتدائی منزلوں کو سمجھ لیجئے۔ زیادہ گہرائی میں نہ جائیے۔ خدا تعالےٰ دونوں صفات کا مالک ہے۔ یعنی وہ رحیم بھی ہے غفور بھی ہے اور اس کی یہ صفت مومنوں کے لئے مختص ہے وہ جبار بھی ہے اور قہار بھی ہے۔ اور یہ وصف منکرین اور کافرین کے لئے مخصوص ہے اس حد تک تو سب کو اتفاق ہے کہ خدا وہی ہو سکتا ہے جو دونوں صفات کا مالک ہو۔ اور جب تک یہ دونوں صفات یکجا نہ ہوں۔ خدا خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ جب ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہر ماں اور ہر باپ میں یہ دونوں اوصاف جمع ہیں۔ وہ اولاد سے محبت اور شفقت بھی کرتے ہیں اور کبھی اسے مارتے ہیں اور سرزنش کرتے ہیں۔ یہی حال استاد کا ہے اور یہی حال ہر حکمران کا۔ اور اس سے نظام عالم قائم ہے۔ پھر اگر خدا میں یہ دونوں وصف موجود ہوں تو اعتراض کیوں؟ اب رہا یہ عقدہ کہ خدا جب جانتا ہے کہ فلاں یہ کام کرے گا فلاں قاتل ہوگا اور فلاں مقتول تو پھر ان کا قصور کیا؟ اور ان کو سزا کیسی؟ بات یہ ہے کہ عوام نے تقدیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ ایسا کرے۔ حالانکہ یہ بات سرے ہی سے غلط ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد دونوں راہیں دکھا دی ہیں اور اسے امتیاز کی توفیق بھی عطا فرما دی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ بچھو ہے یہ سانپ ہے نہ ان کے قریب جاتا ہے نہ ان کے بل میں انگلی دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شیر ہے بھیڑیا ہے پھاڑ کھائے گا۔ اس لئے ان سے دور دور رہتا ہے اور بچتا ہے۔ مگر اسی طرح جب اسے بتایا جاتا ہے۔ کہ یہ کام برا ہے اس میں تمہاری ہلاکت ہے۔ جوا نہ کھیلو، شراب نہ پیئو، چوری نہ کرو، زنا سے بچو۔ قتل و غارت سے دور رہو۔ مگر وہ ان سے نہیں بچتا تو پھر قصور اس کا اپنا ہے نہ کہ کسی اور کا۔ آپ نے بہت ہی کم سنا ہوگا کہ کسی نے دیدہ دانستہ بقائمی ہوش و حواس از خود اپنا ہاتھ شیر کے منہ میں دے دیا ہو۔ از خود ہاتھی کے

جیسے آگ کھالیا ہو۔ کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو گیا ہو۔ مگر یہ آپ نے عام سنا ہوگا کہ فلاں شخص فلاں کو قتل کریگا [illegible] اس سے کہ ان کاموں میں [illegible] آتا [illegible] تحریک نہیں کرتا وہ تو روکتا ہے اس نے روکنے کے لئے پیغمبر بھیجے ان کے نائب چھوڑے اس لئے وہ تو بری الذمہ ہے اور مجرم تو یہ خود ہے اور تقدیر کو یہ شخص بہانہ بنا رہا ہے تقدیر تو خدا تعالیٰ کے ذاتی علم کا نام ہے۔ وہ ذاتی طور پر ہر شخص کے متعلق جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ جس طرح ایک استاد جانتا ہے کہ کون کون لڑکا ہشیار ہے اور کون کون کمزور کون فیل ہوگا اور کون پاس مگر محنت کا حکم سب ہی کو دیتا ہے اگر کمزور لڑکا یہ کہے کہ میرے متعلق تو استاد نے کہا تھا کہ یہ فیل ہو جائے گا اب اس میں میرا کیا قصور ہے تو ساری دنیا اسے ملامت کرے گی۔ کہ اس میں استاد کا قصور نہیں۔ تیرا ہی قصور ہے اگر محنت کرتا تو پاس ہو جاتا۔ استاد کا تو محض اندازہ تھا جو غلط بھی ہو سکتا تھا۔ انسانی اندازے بکثرت غلط ہوتے رہتے ہیں۔ مگر خدائی اندازہ (جیسے تقدیر کا نام دے دیا گیا ہے) کبھی غلط نہیں ہوتا۔ وہ ہو کر رہتا ہے۔ پس بات اتنی سی ہے جو سمجھ لے وہ مومن ہے نہ سمجھے تو منکر۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر شمارہ نمبر

سوال : زید کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء کی اولادیں اپنے بزرگوں کی برکت سے بخشی جائیں گی۔ اسی طرح سادات کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسلی تعلق رکھنے کی بنا پر مواخذہ سے بچ جائیں گے کیا یہ صحیح ہے (محمد شفیق)

جواب : زید کا قول بالکل ہی غلط ہے جو غیر مسلم اقوام کے عقیدہ سے اخذ کیا گیا ہے اسلام صاف فرماتا ہے مَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم) جس شخص کو عمل پیچھے دھکیل دیں حسب نسب اور خاندانی شرافت اسے جنت کی طرف نہیں لے جا سکے گی۔ جناب رسالت مآب نے اپنی بیٹی کو فرمایا تھا۔ یا فاطمة بنت محمد اعملی اعملی انی لا اغنی عنك من الله شيئا اے فاطمہ بنت محمد عمل کر عمل کر میں اللہ کی گرفت سے تجھے نہیں بچا سکونگا (بیت پدری کی خود فریبی میں مست رہو) اس شعیم

شخص کو جل کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیئے۔ خاندانی تعلق کی قیمت خدا کے ہاں کچھ نہیں۔
مولانا عبدالمجید سوہدروی۔ ہفت روزہ اخبار اہلحدیث سوہدرہ ۳ اگست ۱۹۵۶ء شمارہ نمبر ۳۲

سوال: کیا سفارش کرنا اسلام میں بالکل ہی ناجائز ہے۔

جواب: نہیں ہر سفارش ناجائز نہیں ہے قرآن کریم عنوان باندھتا ہے مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا (نساء)
جو شخص اچھی سفارش کریگا اسے اسی طرح کا حصہ ملیگا اور جو بری سفارش کریگا ویسا ہی ثمر بد پائیگا۔ ناجائز سفارش یہ ہے۔ خدا کی حدود اور سزاؤں کو ٹالا جائے۔ غلط کام کرایا جائے اور حق کے ابطال کی کوشش کی جائے وغیرہ۔ اور اچھی سفارش یہ ہے مسلمان کا جائز حق دلایا جائے۔ اس سے دفع شر ہو جائز نفع رسانی کا عزم ہو۔ حضور ایسی جائز سفارش کے متعلق فرماتے ہیں (اشفعوا تؤجروا) (جائز سفارش کیا کرو۔ اجر پاؤ گے (بخاری مسلم) مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ اخبار اہلحدیث سوہدرہ ۲۴ اگست ۱۹۵۶ء شمارہ نمبر ۳۲

حیات انبیاء

سوال: میری ایک حنفی دیوبندی سے بحث چل رہی ہے۔ اس نے تین حدیثیں پیش کر کے ثابت کیا ہے۔ کہ تمام نبی اپنی اپنی قبروں میں زندہ اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر اس نے دعوے کیا ہے۔ کہ کوئی اہلحدیث عالم ان تین حدیثوں کو اور ان کے راویوں کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ (ڈاکٹر عبدالغفور بن اسماعیل۔ گوجرانوالہ)

جواب: انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ یہ زندگی برزخی ہے نہ کہ دنیوی انبیاء علیہم السلام برزخ میں زندہ بلکہ سب لوگ زندہ ہیں۔ اسی لئے وہاں تنعیم وتعذیب کی صورت ہے۔ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری)
اور علامہ ذہبی نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز

پڑھنے کی روایت کا تعلق بھی عالم برزخ سے ہے نہ کہ دنیا سے۔ اور حدیث مسلم میں ہے بعد [illegible] حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا [illegible] کی سند جید ہے۔ مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمن بن العلاء ہے۔ یہ مجہول ہے لہذا یہ گھر والوں کے قبر کے پاس سننے میں بحث نہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف تنظیم اہل حدیث جلد ۲۰ شمارہ نمبر ۹

سوال: غلام نبی۔ غلام رسول۔ غلام محمد وغیرہ ایسے نام رکھنا جائز ہے یا کہ ناجائز ہے۔ ایک عالم کہتا ہے۔ کہ ایسا نام رکھنا از روئے مذہب اسلام ناجائز ہے۔ دوسرا عالم کہتا ہے کہ ایسے ناموں کی تردید کے لئے نہ کوئی آیہ قرآنی ہے۔ اور نہ ہی کوئی حدیث شریف ہے۔ اس لئے ایسے نام رکھنا جائز ہے۔ (سائل غلام نبی ظاہری از جھانسی بمر نیک)

جواب: شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے نویں پارے میں لکھا ہے۔ کہ شرک در تسمیہ نوعیست از شرک چنانکہ اہل زماں ما غلام فلاں عبد فلاں نام ... ترجمہ: آج کل جو لوگ غلام فلاں عبد فلاں نام رکھتے ہیں۔ از قسم شرک ہے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جولائی ۱۹۴۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۱۳۷ مولانا ثناء اللہ امرتسری)

سوال: کیا غلام رسول۔ غلام النبی اور مولا بخش جیسے نام رکھنے جائز ہیں۔ جب کہ غلام رسول اور غلام النبی سے مراد خادم النبی ہو۔ اگر اس قسم کے نام جائز نہیں۔ تو پہلے رکھے ہوئے نام تبدیل کرنا ضروری ہیں یا غیر ضروری۔ اگر ضروری ہیں تو بتایئے کہ اگر ان ناموں والے طالب علم ایف۔اے بی۔اے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تو وہ کس طرح اپنے نام تبدیل کر سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی مڈل۔ میٹرک اور ایف وغیرہ کی سندوں پر یہی نام درج ہیں۔!

جواب: بعض لوگ غلام رسول وغیرہ قسم کے نام رکھنے کے جواز کی گنجائش اس حدیث سے نکالتے ہیں۔! عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ کُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی (مشکوۃ باب الاسامی فصل اول) (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص یوں نہ کہے: میرا بندہ اور میری بندی ہے تم مرد اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں سب اللہ کی بندیاں ہیں۔ لیکن یوں کہے

میرا غلام اور میری لونڈی اور میری غلام (مسلم)

مگر اس حدیث سے پوری تسلی نہیں کیونکہ اس میں نسبت وقتی ہے، اور جب نام ہو گیا تو نسبت پختہ ہو گئی اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ اس قسم کے نام ناموں سے پرہیز کیا جائے نیز جو لوگ یہ نام رکھتے ہیں ان کا عقیدہ بزرگوں کے متعلق کچھ تصرفات کا ہوتا ہے، اس لیے وہ ان ناموں کے ذریعہ ان کی طرف نسبت کو محبوب اور باعث فخر سمجھتے ہیں اگر کسی شخص کا عقیدہ تصرفات کا نہ ہو، تو ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے مشابہت ہے، اس لیے بھی اس قسم کے ناموں سے پرہیز چاہیے۔ اور حدیث مذکور میں جو نسبت ہے وہ صرف آپس میں امتیاز کے لیے ہے یعنی دنیا کا غلام، ہے عرف کا نہیں۔ اس میں عقیدت کا دخل نہیں۔ جس سے شرک کا شبہ پڑے پس احتیاط اسی میں ہے کہ ان ناموں سے پرہیز کیا جائے رہا یہ امر کہ جن لوگوں کے اس قسم کے نام سندوں، سارٹیفکیٹوں، رجسٹریوں وغیرہ کاغذات میں درج ہو چکے ہیں۔ ان کا تبدیل کرنا چونکہ اختیار سے باہر ہے۔ اس لیے ان کا غذات میں وہ رہیں اور آپس میں گفتگو کے لیے تبدیل کر لینے چاہئیں۔

حافظ عبد اللہ سرپرست محدث روپڑی تنظیم اہلحدیث لاہور ۲ مارچ ۱۹۶۳ء

سوال ۔ جو شخص فرقہ ضالہ مرزائیہ کو اسلام پر سمجھتا ہو اس کے بارہ میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے

جواب ۔ جو ان کو مسلمان کہے وہ بھی اسی طرح مرزائی ہو جائے گا۔

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو معراج جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا کیا اسی طرح جب حضور بیت المقدس میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کو دو رکعت نماز پڑھائی تھی تو کیا وہ بھی جسم عنصری کے ساتھ حاضر ہوئے تھے یا نہیں؟

(۲) کیا حضور علیہ السلام روضہ اقدس میں اب بھی حیات ہیں یا نہیں اور اگر حیات نہیں تو پھر جب کوئی آدمی حضور علیہ السلام کے روضہ اقدس پر کھڑا ہو کر درود شریف پڑھتا ہے تو حضور کیسے سنتے ہیں۔

(۳) قرآن پاک میں ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اس کے معنی بھی سینہ کھولنے کے

میں سینہ چاک کرنے کے نہیں ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا میں بھی سینہ کھولنے کے معنی ہیں جیسا کہ مشاہد ہے، وقال رب اشرح لی صدری اسی طرح اور مقام میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دیتے ہیں تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے یشرح صدرہ للاسلام آپ کوئی آیت یا حدیث پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور کا شق صدر حق ہے۔ سائل محمد عبد اللہ امرت سری خطیب چک نمبر ۲۲۱ تحصیل لیہ علاقہ تھل

جواب:۔ قرآن واحادیث میں اس کی وضاحت موجود نہیں ہے اس میں مختلف احتمال موجود ہیں مثلاً ان کو زندہ کر کے بعد جسد حاضر کیا گیا ہو یا ان کی مثالی شکل حاضر کی گئی ہو یا صرف ان کی روحیں حاضر کی گئی ہوں ان تمام احتمالات میں سے زیادہ احتیاط کا راستہ یہی ہے کہ کہا جائے کہ وہ حاضر کیے گئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے یہ اس لئے کہ اس قسم کے مسئلہ کا حل قیاس سے درست نہیں ہے۔

(۲) ان کی زندگی برزخی ہے اس طرح نہیں ہے جس طرح دنیا کی زندگی ہے درود وغیرہ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا ہے سنا سکتا ہے قرآن میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سنا سکتا ہے اور آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔

(۳) شرح صدر اور شق صدر دو علیحدہ چیزیں ہیں، شق صدر کے متعلق قرآن میں کوئی نص نہیں ہے مختلف احادیث میں شق صدر کا ذکر ہے تقریباً چار سال کی عمر میں، پھر بیس سال کی عمر میں اور آخر اسراء و معراج کرانے کی مدت میں اس کی تفصیل احادیث، بخاری، مسلم، مسند احمد، سنن بیہقی طبرانی، مجمع الزوائد وغیرہ اکثر احادیث کی کتب میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شق صدر کے ذریعہ آں حضرت کے اندر سے علقہ دمویہ اور حظ شیطان نکال دیے گئے ہیں احادیث سند کے لحاظ سے بعض صحیح ہیں بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف ہیں، آپس میں بعض بعض کو تقویت دے رہی ہیں۔

سوال (۱) بعض تعویذات میں لفظ بدوح یا بدوح لکھا ہوتا ہے اس لفظ کا کیا مطلب ہے؟ تشریح کریں

(۲) اکثر تعویذات حروف تہجی سے لکھے ہوتے ہیں یعنی ابجد ہوز وغیرہ کے نمبر لکھ کر نمبر کو جمع کرکے تعویذات بناتے ہیں جیسا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ پر ۷۸۶ لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی سورت کی جگہ پر ان کے نمبر لکھ دیتے ہیں اس پر روشنی ڈالیے۔

(۳) ہمارے ہاں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو پیر فقیر کے نام سے بولا کرتے ہیں اور لوگ ان کو تعظیم کی خاطر اپنا سر جھکا دیتے ہیں، کیا تعظیم کی خاطر کسی کے لیے جھکنا صحیح ہے کیا یہ کام شرک میں داخل ہے یا نہیں؟

(۴) بعض تعویذات میں اللہ کے سوا دوسروں کو پکارا جاتا ہے، مثلاً یا علی مدد وغیرہ اور لوگ ان تعویذات کو خرید کر اپنے گلے میں ڈال دیتے ہیں کیا ان کا گناہ تعویذات کے بیچنے والے پر ہے یا خریدنے والے عوام پر ہے، کیونکہ عوام تو ان پڑھ جاہل لوگ ہیں، بالکل کچھ نہیں جانتے۔ اس مسئلہ پر [illegible] حدیث کے حوالے تحریر فرمائیں۔

الجواب (۱) لفظ بدوح کا مطلب کوئی نہیں ہے اس میں حروف ابجد کے حروف جفت میں سے چار حروف جمع کیے گئے ہیں۔

ب (۲) د (۴) و (۶) ح (۸) یعنی یہ کلمہ ۲۔۴۔۶۔۸ پر دلالت کرتا ہے اور یہ کسی کا نام نہیں ہے لہٰذا یا کے ساتھ پکارنا ناجائز ہے۔

(۲) آیات قرآنی کا بجائے تعویذ کے نمبر پر لکھنے کا شرعی ثبوت نہیں ہے۔ دراصل کئی احتمال رکھتے ہیں مثلاً حروف ابجد سے اس کا نمبر ۲ ہے یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ لفظ خبیث کا ہو اور تعیین کا ہو لہٰذا اس کی تعیین لکھنے والے کی نیت کے مطابق ہے ہو سکتا ہے کہ اسی کی نیت کے مطابق تاثیر بھی ہو بہر حال اس کا شرعی ثبوت قطعاً نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لکھنے والے کی کچھ بھی نیت نہ ہو۔

(۳) قرآن و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی امت میں ایک مدت تک اس کی گنجائش تھی مگر عہد میں تعظیماً جھکنا اور سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔

(۴) اس طرح کے تعویذ لکھنا، باندھنا، وغیرہ حرام ہے۔ لکھنے والا بھی مجرم ہوگا اور باندھنے والوں کو بھی حکم ہے کہ وہ تحقیق کریں اور اگر تحقیق کے بغیر باندھا تو وہ بھی مجرم ہوگا اور تحقیق کے بعد باندھنا جائز۔

مولانا ابوالبرکات جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اہلحدیث لاہور ۲۴ جون ۱۹۶۲ء

سوال۔ جب انسان کی تقدیر پیدائش سے پہلے ہی لکھی جا چکی ہے۔ تو پھر انسان مختار کیسے ہوا اور اس کا قصور کیا! (ابو رحمت اللہ بھوپالی سندھ)

جواب۔ تقدیر خدا کا ایک اندازہ ہے جو صحیح اور اٹل ہے جو کچھ انسان نے ہوش کے بعد خود کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے زور سے اسے قبل از وقت معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ انسان فلاں فلاں حرکتیں کرے گا۔ خدا کا قبل از وقت اس کی یہ سب حرکتیں معلوم کر لینا انسان پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ مختصر یوں سمجھئے کہ انسان نے اپنے اختیارات تفویضہ سے جو کچھ کرنا یا نہ کرنا ہے۔ اسے پہلے معلوم کر لینا تقدیر الٰہی ہے۔ اور بندہ اس مغالطے میں رہتا ہے کہ جو لکھا ہے وہ میں نے کرنا ہے لیکن الٹ پلٹ کے اس چکر میں مسئلہ تقدیر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ قیامت کو اسی تقدیر کے بنانے یا نہ بنانے پر سوال و جواب ہوگا۔ تقدیر کی دوسری قسم جو اختیار انسانیہ سے باہر ہے اس کا کوئی حساب نہ ہوگا۔ مثلاً یہ کہ اے بندے تم بیمار ہو گئے تھے تو علاج کرنے پر بھی تم صحت مند کیوں نہ ہو سکے۔ باوجود روزگار کے تم مال کثیر کیوں نہ جمع کر سکے نکاح کے بعد تم صاحب اولاد

کیوں نہیں بن سکتے وغیرہ۔ اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ ش نمبر ۳

سوال:۔ چاند سورج ستارے کیا چیز ہیں۔

جواب:۔ یہ چیزیں جو آسمان پر ہیں ان کا اصل مادہ بھی آگ ہی سے معلوم ہوتا ہے بصورت اُن میں ذرہ بھر اور مطابق ضرورت نور بھر دیا گیا ہے تاکہ نظام دنیا چلتا رہے جیسے ہم انسان روشنی کا کام لوہے کی تاروں سے شیشوں سے بلکہ پتھروں سے لکڑی سے یعنی کئی ذرائع سے حاصل کر رہے ہیں۔ دنیا کے ایک وقت آئیگا کہ ان اجرام کا نور یکسر ختم کر دیا جائیگا۔ کلام الٰہی میں لکھا ہے خَسَفَ الْقَمَرُ چاند کی روشنی سلب ہو جائیگی وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ستارے بے نور ہو جائیں گے جُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائیگا یعنی دونوں ایک پوزیشن میں بے نور اور بے سود ہونگے حضور فرماتے ہیں کہ سورج چاند کا نور ختم ہونے کے بعد یعنی جب یہ فیوز کر دیئے جائیں گے تو انہیں جہنم میں پھینک دیا جائیگا تاکہ ان کی پرستش کرنیوالے انسان ان پہ بس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۲

استفتاء:۔ ایک پاکستانی بھائی نے ایک سوال کا جواب طلب کیا ہے اس سوال کا خلاصہ یہ ہے

(۱) آئین شریعت کی رو سے ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو اشتراکیت اور سوشلزم کے حامی ہیں (محض اقتصادی نظام) کو بطور نظام نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور قانون اسلامی کو نظر انداز کرتے ہیں۔!

(۲) ان لوگوں کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا فیصلہ دیتی ہے جو اس مطالبہ میں ان کی حمایت و اعانت کرتے ہیں اور اگر دوسرے لوگ اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ لوگ ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور افتراء بازی بھی کرتے ہیں۔

(۳) بتایا جائے کہ جو لوگ اشتراکیت اور سوشلزم کے حامی ہیں کیا انہیں مسلمانوں کی مساجد میں امام و خطیب مقرر کیا جا سکتا ہے!

الجواب:۔ الحمد للہ والصلوٰۃ و السلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحابتہ ومن اھتدی بھدیہ اما بعد ہر قسم کے شک و شبہ

سے بالاتر ہے۔ ہر مسلم اللہ اور تمام دین کا یہ فرض ہے کہ وہ زندگی کے تمام امور و معاملات میں شریعت اسلامیہ کو اپنا حکم اور راہنما تسلیم کریں۔ اور جو نظام الٰہی اس کے مخالف ہوں ان کو لپیٹ کر دیں۔ اور ان کے خلاف جو پیدا ہو جائیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علمائے اسلام متفق ہیں اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ اس فیصلہ کے بارے میں تمام اہل علم کے پاس بہت سے دلائل موجود ہیں جو قرآن وسنت پر مبنی ہیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ آپ کے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہوں گے جب تک یہ آپس کے جھگڑوں کے فیصلے آپ سے نہ کروا لیں اور ان فیصلوں پر اپنے دلوں میں کسی قسم کی تنگی یا ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں اور ان فیصلوں کو بسر وچشم تسلیم کر لیں

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ اے ایمان والو۔ تم اللہ احکم الحاکمین، ان کے بھیجے ہوئے رسول برحق اور جو لوگ صاحب امر ہوں ان کی اطاعت فرمانبرداری کرو۔ اور اگر تم میں کوئی تنازعہ پیدا ہو یا کوئی الجھن پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور ان ہی سے فیصلہ طلب کرو۔ اگر تم واقعی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور یہی طرز عمل تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اسی میں تمہاری کامیابی ہے۔

(۳) وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (پ۲۵۔ آیت ۱۰) اور جن امور میں تم اہل حق سے اختلاف رکھتے ہو تو سن لو کہ اس کا فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

(۴) أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (پ۶۔ آیت ۵۰) تو کیا یہ لوگ پھر سے زمانہ جاہلیت چاہتے

ہیں۔ بتلاؤ تو بھلا اللہ سے بڑھ کر اچھا اور بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہو گا؟ مگر اس قوم کے نزدیک جو اللہ پر یقین کامل رکھتے ہیں۔

(۵) وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سیپارہ ۶ آیت ۴۵) اور جو بھی احکم الحاکمین کے نازل فرمودہ احکامات کے مطابق حکم نہ کرے تو اس سے بڑھ کر ستم ڈھانے والا اور کون ہو گا۔!

(۶) وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (پ ۶ آیت ۴۷) اور جو شخص خدا تعالیٰ کے احکامات جو اس نے نازل فرمائے ان کے مطابق حکم نہیں کرتا تو یہ یقیناً فاسقوں میں سے ہے۔

اس مفہوم کی مماثل آیات قرآن حکیم میں کئی ہیں۔ اور اس بنا پر علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص بھی لادینی نظام کو دینی نظام سے بہتر خیال کرتا ہے اور رسول برحق کی سیرت و راہنمائی سے کسی اور شخصیت کی سیرت اور راہنمائی کو اچھا تصور کرتا ہے۔ تو وہ بڑا کافر ہو وہ کافر ہے اور گمراہ ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ کسی بات میں یا کسی ایک مسئلہ میں شریعت محمدیہ کے علاوہ کسی اور قانون یا نظام کو تسلیم کرنا درست ہے تو وہ بھی (فهو كافر ضال) کافر ہے اور گمراہ ہے۔

ہماری پیش کردہ قرآنی آیات اور اہل علم کے اجماع سے سائل اور دوسرے لوگوں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ جو لوگ اشتراکیت یا سوشلزم یا کسی دوسرے باطل نظام کی طرف جاتے ہیں جو نظام قوانین اسلامیہ کا رد کرتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہو تو ایسے لوگ کافر ہیں اور بدترین گمراہ ہیں اور یہ لوگ یہود و نصاریٰ کے کفر سے بھی بڑھ کر کفر میں ہیں اس لئے کہ یہ ملحد ہیں اور خدا و یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ہرگز جائز نہیں ہے کہ ان لوگوں کو مسلمانوں کی مساجد میں خطیب یا امام مقرر کیا جائے۔ اور ان کی امامت و اقتداء میں نماز بھی جائز و درست نہیں۔!

اور وہ لوگ جو ان ملحدوں اور کافروں کی مدد و تائید کرتے ہیں اور ان کے نظام

باطل اور فکر غلط کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور اسلام کی طرف بلائے جانے والوں کی مخالفت و اہانت کے مرتکب ہوتے ہیں [illegible] بعض [illegible] کتاب اور [illegible] فیصلہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے خلاف یہ کافروں اور ملحدوں کی کسی قسم کی بھی تائید و نصرت کرتا ہے۔ وہ بھی کافر ہے جیسے کہ خداوند قدوس نے اپنی کتاب مجید میں فرمایا ہے۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (پ۶ آیت ۵۱) اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی بھی ان میں سے کسی کو اپنا دوست بنائے گا۔ تو وہ بھی ان ہی میں شمار ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو خود پر ظلم کرتے ہیں

(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (آیت ۲۳ پ۱۰) اے ایمان والو۔ اپنے باپ اور بھائیوں کو اپنا رفیق مت بناؤ اگر وہ ایمان کے بجائے کفر کو پسند کریں۔ اور اگر تم سے کوئی ان کا رفیق اور مونس ہوگا۔ تو وہ بھی ان ہی میں شمار کیا جائے گا۔ اور ایسے لوگ یقیناً ظالموں میں ہیں۔ میرے خیال میں جو دلائل میں نے پیش کر دیئے ہیں۔ وہ ایک طالب حق سائل کے لئے کافی و شافی ہیں۔

فاللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ہم اللہ عزوجل کے حضور دعا گو ہیں کہ وہ مسلمانوں کی اصلاح فرمائے اور انہیں راہ ہدایت نصیب فرمائے اور انہیں حق و ہدایت پر جمع فرمائے اسلام کے دشمنوں اور بدخواہوں کو نیست و نابود کر دے۔ ان کی اجتماعیت اور وحدت کو پارہ پارہ کر دے اور اسے مسلمانوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ وہ ہر

بات پر قادر ہے۔ وصلی اللہ علیہ وسلم علی عبدہ ورسولہ نبینا محمد وآلہ واصحابہ دستخط وحہر مولانا عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیہ مدینۃ المنورہ۔

اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظام نافذ کیا گیا تو یہ خدا اور رسول سے غداری ہوگی

دیار عرب کے مقتدر علماء کا فتویٰ بالکل صحیح اور درست ہے۔

جامعہ محمد الخامس کے شیخ الاستاذ تقی الدین بن عبدالقادر الہلالی کا تائیدی بیان

سوشلزم اور اشتراکیت کے خلاف فتویٰ کفر کی تائید میں مراکش کی معروف دینی اور سیاسی شخصیت شیخ الاستاذ تقی الدین بن عبدالقادر الہلالی جو جامعہ محمد الخامس مراکش کے ممتاز پروفیسر ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے الجامعۃ الاسلامیہ کی دعوت پر وہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ نے فرمایا کہ:

الجامعۃ الاسلامیہ کے نائب رئیس الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے اشتراکیت اور سوشلزم کے بارے میں جو فتویٰ دیا ہے اسے میں نے پڑھا ہے۔ میرے نزدیک مکمل سیر حاصل اور مقاصد مطلب کے لحاظ سے کافی و وافی ہے اس پر مزید کچھ لکھنے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ البتہ مجھے ایک اور بات کہنا ہے جو نکہ میں بھی دو متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں اور تقسیم کے بعد حالات سے واقف ہوں مجھے تذکرہ بالا مسئلہ پر قرآن و سنت کے دلائل پیش نہیں کرتے ہیں وہ تو اس فتویٰ میں اچھی طرح آگئے ہیں۔

مجھے پاکستان کے بارے میں　　اور اصطلاح کی رو سے اس ملک کے قیام کے بارے میں مرحوم چوہدری رحمت علی کے اس بیان کی روشنی میں جو انہوں نے مجھے سے فرمایا تھا۔ کچھ کہنا ہے لغوی طور پر پاکستان کے معنی ایسی پاک جگہ جہاں دستور الٰہی نافذ ہو۔ اور اس جگہ کوئی دوسرا جنس اور باطل نظام نافذ نہ ہو سکے اس

بنا بریں جو شخص اس خطہ پاک پر غیر اسلامی نظام کی بنیاد رکھتا ہے تو گویا وہ مملکت پاکستان کو پیٹھ پیچھے سے اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے اور اسے ایک سیکولر میدان میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے اور ایسا کرنا پاکستان کے قیام سے بنیادی اصطلاحی طور پر اس نام کی ترکیب میں ان علاقوں کی وضاحت پائی جاتی ہے اور جن کے مجموعہ کا نام پاکستان ہے اور ان علاقوں کے باشندے مسلمان ہیں علاقوں کی نشاندہی اس تمام (پاکستان) میں یوں ہے

پ	پنجاب	س	سندھ اور سرحد
ک	کشمیر	تان	بلوچستان
	ق	بنگال	

(استاذ موصوف نے پاکستان کی اصطلاحی تشریح اسی طرح ہی کی ہے) ان علاقوں کو (جنہیں ہم صوبے کہتے ہیں) متحدہ ہند سے الگ کر کے ایک مستقل ریاست بنانے کا مقصد وحید یہی تھا۔ کہ اسے اسلامی ریاست بنایا جائے گا۔ چنانچہ جو کوئی وہ بھی یہاں دستور اسلامی کے علاوہ کسی اور نظام کی بنیاد رکھنا چاہتا ہے وہ تمام اہل علم اور پاکستان کے مفکرین اور بانیوں سے غداری اور ان کے عزائم و مقاصد سے انحراف کرتا ہے اور یہ نہ صرف اہل پاکستان بلکہ اسلام سے غداری ہے لہٰذا جو لوگ اس ملک کو اشتراکیت کی آماجگاہ بنانا چاہتے ہیں خواہ وہ اشتراکیت برطانیہ کی صاحب اقتدار پارٹی کی ڈیموکریٹک اشتراکیت ہو یا جلد و مرلینی کی وطنی اشتراکیت ہو یا تمادی روس کا سوشلزم ایسے لوگ خدا اور اس کے رسول برحق کی امانت میں خیانت کے بدترین مجرم اور مرتکب ہیں۔ اور ان تمام اہل علم اور وطن عزیز کے ممتاز مفکروں اور مقتدرین کی امانت کے خائن ہیں جس کے بعد پاکستان ان کے ہاتھ آیا۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

(ڈاکٹر محمد تقی الدین بن عبدالقادر ہلالی)

اخبار الاعتصام جلد نمبر ۲۱ شمارہ نمبر ۴۹

سوال !! سب سے پہلے وحی الٰہی کب اور کس مقام پر نازل ہوئی۔ وحی کے

الفاظ اور معنی بتایئے!

(۲) وہ کونسا مقدس مقام ہے۔ جس جگہ شق القمر کا معجزہ ظہور ہوا اور کس سن میں!

(۳) صلح حدیبیہ کب اور کس جگہ ہوئی اس صلح کی شرائط کیا تھیں!

(۴) وہ مقدس غار کس جگہ ہے جہاں رسول خدا نے ہجرت کے وقت قیام فرمایا تاریخ ہجرت اور دن لکھیے!

(۵) مدینہ منورہ کے کون سے قبیلے کے لوگوں نے سب سے پہلے اور کہاں اسلام قبول فرمایا!

(۶) سب سے پہلے جمعہ کی نماز کب اور کہاں پڑھی گئی۔!

(۷) ہجرت سے قبل قریش مکہ کے کن کن لوگوں نے رسول اللہ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔

جواب‌ا۔ مکہ مکرمہ کے اس ٹیلے پر جس کو حرا کہتے ہیں۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (تو پڑھو) اپنے رب کے نام سے جو کہ خالق کائنات ہے اور جس نے انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا)

(۲) مکہ میں نبوت کے نویں سال میں یہ واقعہ پیش آیا۔

(۳) سنہ ۶ھ میں حدیبیہ نامی جگہ میں (۱) دس سال تک آپس میں لڑائی نہیں ہوگی (۲) اس سال مسلمان عمرہ کئے بغیر واپس جائیں گے (۳) اگر مسلم مکہ سے آجائے تو اسے واپس کردیں اور اگر کوئی مسلم مکہ چلا جائے تو واپس نہیں ہوگا۔

(۴) ولادت کے ۵۳ ویں سال اور نبوت کے چودھویں سال میں سوموار کے دن غار ثور میں قیام فرمایا۔

(۵) خزرج قبیلہ کے لوگوں نے سب سے پہلے عقبہ نامی جگہ میں اسلام قبول کیا۔

(۶) آپ سوموار سے جمعرات قبا میں بنی عمرو بن عوف کے پاس رہے اور بنی سالم بن عوف کی مسجد میں جو جبل عیر متصل وادی میں تھی وہاں نماز جمعہ ادا کی۔

(۷) عتبہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان، حارث، نضر، ابوالبختری، حکیم، ابوجہل، نبیہ، امیہ۔ اور شیخ نجدی (ابلیس) قابل ذکر ہیں۔ (اہلحدیث لاہور جلد نمبر شمارہ نمبر ۴۲)

سوال: آں حضور کی پیدائش و وفات مع اختلافات مذاہب دیگراں۔؟

جواب: بہت مؤرخین اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش ربیع الاول میں سوموار کے دن ہوئی ہے اور اس کے بعد یا ثانی ربیع الاول یا تاسع یا ثانی عشر ہونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح وفات سوموار کا دن ربیع الاول میں ہونے کا اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ جمہور کے نزدیک بارہ ربیع الاول ہے۔ زیادہ اقرب الی الصواب بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت کی پیدائش ۹ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور وفات دوسری ربیع الاول کو اصل میں ثانی شہر ربیع الاول تھا مگر تحریف ہو کر ثانی عشر بن گیا یعنی اصل میں ثانی (دوم) تھا مگر غلطی سے ثانی عشر (بارہ ربیع الاول) بن گیا۔ اہلحدیث جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۱۴

سوال: جنات کی مخلوق اور دنیا میں ان کا وجود تو قرآن اور حدیث کی رو سے ثابت ہے اب قرآن وسنت کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب الاعتصام میں تحریر فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) کیا انسان جنات کو اپنے کنٹرول میں کر سکتے ہیں؟

(۲) کیا جنات انسان کو قابو کر سکتے ہیں (جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مردوں اور عورتوں پر جنات کا سایہ ہے (جن پڑتا ہے)

(۳) کیا جن انسان کے قابو میں آ جانے کے بعد انسان کی مشکلات میں کام آ سکتا ہے اور انسان پر جن کا قبضہ ہو جانے کے بعد کیا اس انسان کو کوئی ضرر یا نفع پہنچا سکتا ہے؟

(۴) کیا جنات پوشیدہ خبریں بتا سکتے ہیں؟

(۵) جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ مجھے جنات کا علم ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں وہ کون ہے اور وہ شخص جو اس عمل کی بات پر اعتماد کرتا ہے وہ کون ہے؟

(ناظم جمعیت اہل حدیث کنجاہ۔ ضلع گجرات)

جواب: قرآن مجید میں ہے رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ (الانعام) جن کہیں گے اسے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلی

جنوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مگر جن کو کنٹرول میں کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید میں ہے کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس (بقرہ ع)
قیامت کے دن سود خوار اس طرح کھڑے ہوں گے جیسے آسیب زدہ کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

۵۰۴۰۳۔ تیسرے، چوتھے اور پانچویں سوال کا جواب پہلے دو میں آ گیا ہے

الاعتصام جلد نمبر ۱۹ شمارہ نمبر ۴

سوال :۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہابی کہتے ہیں کیا ایسا کہنا جائز ہے۔ (مستری محمد یوسف گوجرانوالہ)

جواب :۔ ایسے لوگ بہت ہی بے وقوف ہیں اگر وہابی کا معنی عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہوں تو اس کا حضور کے زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا اگر وہابی سے مقصد بے دین ہو تو کتنی بڑی جہالت ہے اور اگر وہابی کے معنی وہاب والا یا اللہ والا لئے جائیں تب بھی موزوں نہیں، حضور کو بعض کفار وہابی کہا کرتے تھے جس سے اُن کا مقصد لا مذہب ہوتا تھا۔ مگر کیا کوئی مسلمان بھی ایسا کہہ سکتا ہے؟ حضور کے زمانہ میں کوئی فرقہ نہیں تھا نہ پارٹی بازی اور گروہ بندی تھی سب مسلمان مومن کہلاتے تھے اور قرآن و حدیث کے سوا کچھ نہ مانتے تھے۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۵

سوال :۔ زید کہتا ہے تارک الصوم والصلوٰۃ اسلام سے خارج ہے بکر کہتا ہے میرے مذہب میں نماز روزہ چھوڑ دیا تو کوئی فرق نہیں بلکہ میرے مذہب میں فرعون۔ ہامان، قارون، ابوجہل وغیرہ ایک دن ضرور جنت میں جائیں گے۔ بتایئے حق پر کون ہے۔ (عبداللطیف منٹگمری)

جواب :۔ صورت مسئولہ میں اگر زید نے تشدد سے کام لیا ہے تو بکر بھی صحت پر نہیں ہے۔ تارک صوم و صلوٰۃ کے متعلق حدیث میں کفر کا لفظ تو وارد ہوا ہے۔ مگر الکفر دون الکفر کے ماتحت اسے ہلکے درجہ کا کفر قرار دیا گیا ہے اور ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ بے نماز جہنم کے اس طبقہ میں ہو گا۔ جس میں فرعون، شداد، ہامان ہوں گے۔ پس ان

روایات کی رو سے زید کا قول قریب الی الصحت ہے اور بکر غلطی پر ہے ۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱)

توضیح : فرعون ہامان قارون ابوجہل وغیرہ کا کفر بالاتفاق حقیقی ہے اور تارک الصلوٰۃ کے کفر میں اختلاف ہے آیا کفر حقیقی ہے یا مجازی جس کو سنی صاحب نے بلکہ کفر قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے ذب صوم اور صلوٰۃ کے منکر کا کفر حقیقی ہے فافہم وتدبر علی محمد سعیدی خانیوال ۔

سوال : مسلمان ہونے کے لئے آیا مذہب حنفی شافعی وغیرہ ہونا خدا اور رسول نے شرط کیا ہے یا نہیں ۔ اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور اماموں کے وقت میں لوگ حنفی یا شافعی وغیرہ کہلاتے تھے یا نہیں ۔ اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں ؛ اور پیغمبر صاحب کے بعد کئی سو برس تک مسلمانوں نے تقلید ایک خاص امام کی یا نہیں ! اور وہ مسلمان غیر مقلد اصحاب اور تابعین ، اچھے سچے مسلمان تھے یا نہیں ! نیز وہ مقلدین حنفی شافعی کہلانے والے حدیث اور قرآن کے عامل سے ناراض ہوتے تھے یا نہیں اور پیغمبر صاحب نے صحابہ اور تابعین غیر مقلد لوگوں کے زمانہ کو اچھا کہا ہے یا نہیں ؛ اور اس کے بعد کے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے یا نہیں ؛ قوی دلیل بیان کیجئے ۔

جواب : بعد تامل میں مولوی عبدالحی ابن مولوی عبدالحلیم صاحب ساکن فرنگی محل عمر چھتیس ۳۶ سال بقول صالح بیان کرتا ہوں ۔ حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں ہے ۔ اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور ائمہ کے وقت میں حنفی شافعی وغیرہ نام سے مسلمان موسوم نہ تھے اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے اس حالت میں جب کہ خلاف قرآن وحدیث نہ ہو مسلمان زمانہ صحابہ اور تابعین کے اچھے تھے ان لوگوں سے جو مقلدین قرآن وحدیث سے ناراض ہیں اور پیغمبر صاحب نے زمانہ صحابہ تابعین تبع تابعین کو اچھا کہا ہے ۔ اور پچھلے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے ۔ جو شخص بموجب قرآن وحدیث کے نماز ادا کرے اور مسئلوں میں مقلد

ایک امام خاص کا نہ ہو اور سب اماموں کو برابر حق جان کر جس کا مسئلہ موافق حدیث کے سمجھے عمل کرے تو وہ مسلمان سنت جماعت ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا شخص مسلمان سنت جماعت ہے بشرطیکہ قابلیت قرآن وحدیث کی سمجھنے کی رکھتا ہو اور تخریب دین اس کو منظور نہ ہو۔

سوال: آمین بالجہر نماز میں پیغمبر صاحب کا قول اور فعل ہے یا نہیں۔ اور یہ اسلام کی بات ہے یا کفر کی اور حنفی کی کتابوں سے اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں اور مسلمانوں کا فعل ہے یا نہیں؟

جواب: آمین بالجہر کہنا پیغمبر صاحب کا فعل ہے۔ اور یہ اسلام کی بات ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور حنفی بھی اس مضمون کو لکھتے ہیں۔ مگر اختلاف ہے اور بہت سے مسلمانان قدیم کا یہ فعل ہے۔

سوال: حنفیوں کی کسی کتاب میں آمین بالجہر کہنے والے کے یا اس کے ساتھ کی نماز پڑھنے والوں کی نماز کا ٹوٹنا یا کسی اور قسم کا حرج اور نقصان ہونا اس کے امام نے لکھا ہے یا نہیں؟

جواب: آمین بالجہر کہنے سے کہنے والے یا اس کے ساتھیوں کی نماز کا ٹوٹنا یا نقصان ہونا کسی کتاب معتبر حنفی میں نہیں لکھا ہے۔

سوال: آمین بالجہر سے ناراض ہونا مسلمان کا فعل ہے یا یہودیوں کا حدیث سے کیا ثابت ہے اور کسی امام یا عالم کے قول سے قرآن اور حدیث پر عمل نہ کرنے والا اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو معیوب سمجھ کر خود نہ عمل کرے اور عمل کرنے والے کو برا جانے وہ اندرے قرآن وحدیث کون ہے؟

جواب: باوجود اس امر کے کہ آمین بالجہر کہنا فعل نبوی ہے اس سے ناراض ہونا مسلمان کا کام نہیں ہے اور حدیث کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اور جو قول امام کا یا کسی عالم کا یقینا خلاف قرآن اور حدیث کے ہو اس پر عمل کرنا اور قرآن وحدیث

کو چھوڑ دینا مسلمان کا فعل نہیں ہے، اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو باوجود اس بات کے کہ یہ حکم نبوی ہے، معیوب سمجھے وہ شخص مسلمان نہیں ہے اور عالموں کو بُرا جاننا درست نہیں ہے۔

سوال:۔ امور مذہبی میں آمدآمد قدیم ورسم ورواج کو دخل ہے یا نہیں اگر ہے تو زور سے آمین کہنے والا مسلمان آہستہ کہنے والے حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔۔

جواب:۔ امور واحکام مذہبی میں رسم ورواج کو دخل نہیں اور زور سے آمین کہنے والا اگر منظور اس کو اتباع شریعت ہو اور فساد منظور نہ ہو تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے

سوال:۔ اگر کسی کو کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے سے یا کسی اور طرح سے یا ذکر الٰہی سے روکے تو روکنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ظالم اور اس کے واسطے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہے یا نہیں!

جواب:۔ جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے یا یاد الٰہی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا ہے اور عذاب سخت کا موعود کیا ہے؛

سوال:۔ کسی حاکم کا یہ حکم کہ مسلمان لوگ مسجد کے اندر نماز میں آمین بالجہر نہ کہیں، دست اندازی امور مذہبی میں ہے یا نہیں؛ اور آمین بالجہر کہنے والوں کا اس حکم سے نقصان دینی ہے یا نہیں اور مسجد میں اذن عام واسطے ہر مسلمان کے اپنے طور پر ہے یا نہیں؛

جواب:۔ آمین بالجہر سے منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کا نقصان دینی ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کے واسطے بطور نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ (ابوالحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ لکھنوی)

نقل مطابق اصل از فتاوی مولانا عبدالحی مرحوم تا یہاں ختم (مرسلہ عبدالرشید عراقی) (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۳۰)

سوال:۔ ایک شخص ہمیشہ سے تارک نماز، تارک حج، تارک زکوٰۃ رہا باوجود جاننے کے وہ پابند ارکان اسلام نہ ہوا، لیکن جب فوت ہونے لگا۔ تو اس کی

زبان پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جاری تھا۔ کئی لوگ عربی کلمہ کا معنی تو سمجھتے نہیں مگر مطلب جانتے ہیں، اور مرتے وقت اکثر لوگ اس کو پڑھ لیتے ہیں، اسی طرح بعض قبر پرست مشرک بھی مرتے وقت کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ مرزائی بھی کلمہ عندالنزع کہہ لیتے ہیں۔ تو کیا حدیث "من کان اٰخر کلامہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دخل الجنۃ" کے یہ لوگ مصداق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہو سکتے ہیں تو زندگی میں ان کو کافر و مشرک کیوں کہا گیا۔ باوجود اس وقت بھی وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اگر مصداق اس حدیث کا نہیں ہو سکتے، تو پھر حدیث بظاہر ان کے جنتی ہونے پر دال ہے۔ اس کی صحیح تفسیر کیا ہے؟ تاکہ مشرک و کافر دائمی اس حدیث سے مستثنیٰ ہوں۔

امید ہے کہ آپ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔ عبدالقادر حصاری عفی اللہ الباری خطیب جامع اہلحدیث چک نمبر ۱۵۰ راوی، پی ٹی ڈاکخانہ خاص ضلع منٹگمری۔

جواب: حدیث من کان اخر کلامہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اپنی جگہ ٹھیک ہے ہم نے آج تک کوئی ایک مرنے والا نہیں دیکھا کہ وہ مشرک وغیرہ ہو اور اس کا آخر کلام کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو۔

یہ اختیاری چیز نہیں بلکہ وہ اللہ کی طرف سے جاری ہوتا ہے مشرک کا خاتمہ اس کلمہ پر باوجود مشرک ہونے کے نہیں ہو سکتا، اور اگر کسی کے مشاہدے میں یہ چیز آئی ہو تو وہ لفظاً کلمہ ہے جس کی شہادت اس کے پہلے حالات میں جیسے وہ اپنی صحت تندرستی میں کلمہ کا لفظ پڑھتا تھا، اور معنی نہیں سمجھتا تھا، ایسے ہی موت کے وقت سمجھنا چاہیے۔ ہاں جو صحیح معنوں میں توحید پر قائم ہے۔ اس کو مرتے وقت کلمہ نصیب ہو تو اس حدیث کی رو سے اس کے جنتی ہونے کی شہادت ہم دے سکتے ہیں۔ نیز بعض احادیث میں آیا ہے من قال لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دخل الجنۃ، اور بعض روایتوں میں مستیقنا بہا قلبہ کی شرط بھی آئی ہے، سو مرتے وقت بھی جو کلمہ زبان پر جاری ہو اس میں بھی شرط ضروری ہے کیونکہ انما الاعمال بالخواتیم سے مراد اخیری حالت ہے چنانچہ احادیث میں ہے،

(عبداللہ امرتسری روپڑی جامعہ قدس)

تنظیم اہلحدیث ... شمارہ نمبر ۴

سوال:۔ توسل از غیر اللہ کیسا ہے؟ اور حرمت یا طفیل یا بحق فلاں و فلاں کہنا جائز ہے یا نہیں؟ نواب صاحب "الداء والدواء" میں وسیلہ کا لفظ لکھتے ہیں۔ اور حافظ محمد صاحب "زینت الاسلام" کے آخر میں حرمت کا لفظ لکھتے ہیں۔ یہ کیوں؟

جواب:۔ دعا بحرمت منع ہے اس مسئلہ کی بابت ہمارا مستقل رسالہ چھپا ہوا موجود ہے۔ جس کا نام "دعا بحرمت انبیاء" ہے۔ اور مسئلہ توسل کی بابت بھی مستقل رسالہ موجود ہے۔ بلکہ دو ہیں۔ اگر تفصیل کا شوق ہو تو تینوں رسالے منگا لیں۔

(اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۴۳)

توضیح: قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہر ایک کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ کیا تعجب کہ تارک نماز، تارک حج، تارک زکوٰۃ، اس طرح کوئی کافر یا مشرک نیک نیتی سے خالص توبہ کرے تو اس کے کلمہ کا بھی اعتبار ہوگا اور اگر کوئی عادت کی بنا پر پڑھتا ہے۔ خواہ ہوش حواس میں ہی پڑھے تو اس کے کلمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ کافر مشرک اور منافق آپ کے زمانہ میں پڑھتے تو ایسے کلمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

فقط الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ مسئلہ تقدیر کی اصلیت دو چیزیں ہیں ایک علم ایک قدرت، علم اس طرح کہ بندے کو جب خدا نے پیدا کیا تو اس نے نیکی کرنی تھی یا بدی۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ

یہ فتویٰ حضرت الاسلام نے ۱۳۲۱ھ میں لکھا تھا جبکہ حضرت رئیس ... سابق میر جماعت اہلحدیث ... تھے

کو پہلے ہی تھا۔ سو اس کو لوح محفوظ کی صورت میں پہلے ہی لکھ دیا لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
نے لکھا اس لئے بندے نے کیا یہ غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بندے نے کرنا تھا اس
لئے اللہ نے لکھا چنانچہ حدیث میں ہے قلم کو حکم ہوا اکتب لکھ قلم نے کہا ما اکتب میں
کیا لکھوں حکم ہوا۔ اکتب القدر فکتب ما کان وما هو كائن الى الابد ترجمہ: تقدیر لکھ۔ پس قلم نے
جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونا تھا لکھ دیا۔

بتلایئے۔ اس میں اللہ کا کیا قصور۔ ہاں اگر اللہ کا لکھنا بندے کے لئے رکاوٹ ہوتی۔ تو پھر اعتراض
کرنے والا اعتراض کر سکتا تھا۔ کہ بندے کا کیا قصور۔ لیکن جب ایسا نہیں بلکہ بندے نے جو کچھ
کرنا تھا قلم نے خدا کے حکم سے وہی لکھا۔ پھر اتنے پر بھی بندے کو نہیں پکڑا۔ بلکہ بندے
نے جب نقل کر لیا اس وقت پکڑا ہیں اب علم کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہ رہا زیادہ وضاحت
کے لئے اس کو یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض خدا کو علم نہ ہوتا تو بھی بندے نے نیکی یا بدی کرنی
تھی۔ تو اللہ کو علم ہونے سے کون سا جبر آگیا۔

رہا قدرت کا معاملہ سو یہ نہایت نازک ہے بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں خدا
تعالیٰ بندوں کو ہر طرح سے آزماتا ہے۔ بدنی آزمائشیں بھی آتی ہیں۔ عقلی بھی۔ تقدیر کا
مسئلہ عقلی آزمائش ہے مگر اس کو ایسا بھی نہیں کیا کہ بالکل مبہم رکھا ہو بلکہ ایمان کے
لئے جس قدر ضرورت تھی اتنا پردہ اٹھا دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر مخالف موافق اس
بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جبر
جیسا کوئی نقص نہیں۔ ایک تو اس میں حکمت کا خلاف ہے کہ خود ہی ایک فعل کرے
اور اس پر سزا دے۔ دوسرے اس میں بندے کو ناحق تکلیف دینا ہے جس کو ادنیٰ
سے ادنیٰ عقل والا بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ ایک کی جان دکھ میں ہو۔ دوسرے کا تماشہ اور
اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس کا اثر اس کا خالق ہونا ہے
اگر بندہ بھی خالق ہو تو یہ شرک فی الربوبیت ہے۔ جو نیز شرک ہے۔ پس معلوم ہوا
کہ بندہ مجبور بھی نہیں اور مختار مطلق بھی نہیں۔ بلکہ اس کی حالت بین بین ہے۔ جس

کو کسب اور اکتساب سے تعبیر کیا جاتا ہے پس ایمان کے لئے اتنی معرفت کافی ہے۔ کیونکہ ایمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حقیقت شے کا علم ہو تب ایمان لائے۔ دیکھئے روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے لیکن اس کے آثار کی وجہ سے ہم مانتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات وصفات پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن کنہ و حقیقت کا علم نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کسب اکتساب کو سمجھ لینا چاہیئے اس سے آگے بحث میں خیر نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں بحث سے منع فرمایا ہے میرے ذہن میں اس کے متعلق بہت سے مضامین ہیں۔ کوئی موقع ہوا تو تفصیل ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

اخبار تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱۷ شمارہ نمبر ۱۱

سوال:۔ عذاب قبر ایک خیالی اور موہومی چیز معلوم ہوتی ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ جس میت کو ہم قبر میں رکھتے ہیں۔ تو وہ جوں کی توں قبر میں ملتی ہے اور اس کے جسم پر عذاب و ثواب کا کوئی اثر نہیں پاتے۔ اس پر کوئی عقلی دلیل قائم کریں۔

جواب:۔ قبر کا معاملہ چونکہ برزخی ہے اللہ نے اس پر پردہ ڈالا ہے اس سے یہاں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اگر مشاہدہ ہو تو ایمان بالغیب نہ رہے۔ نیز کسی شے کا مشاہدہ نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حقیقت ہی نہ ہو۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قبرستان سے گزرے۔ تو آپ کی خچر بدکنے لگی۔ فرمایا کہ یہود تعذب فی قبورها یعنی یہود اپنی قبروں میں عذاب دیئے جا رہے ہیں نیز ایک حدیث میں ہے۔ کہ میں دعا کروں تو عذاب قبر تمہیں دکھایا جاوے۔ لیکن پھر تم اپنے مردوں کو دفن نہیں کرو گے اور کتوں کی طرح جنگلوں میں نکل جاؤ گے۔

رہی یہ بات کہ یہ کس طرح ہوتا ہے کہ ایک شے ہو اور ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو یا ایک شے جوں کی توں نظر آئے اور درحقیقت کچھ اور ہو اس کو یوں سمجھئے۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ" کہ رسیاں سوٹیاں ان کے

جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو ایسی معلوم ہوتی تھیں کہ دوڑتی ہیں حالانکہ درحقیقت وہ رسیاں
اور سوٹیاں سانپ نہیں بنی تھیں۔ مگر موسیٰ علیہ السلام اور باقی لوگوں کو دوڑتے ہوئے سانپ
معلوم ہوتی تھیں ٹھیک اسی طرح مردہ اگرچہ ہمیں جوں کا توں معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت
میں وہ جزا اور سزا میں ہے۔

اس کے علاوہ وحی کی حالت اسی کی نظیر ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس
جبریل علیہ السلام آتے ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہیں
حضرت عائشہؓ کو سلام کہتے ہیں۔ مگر حضرت عائشہ کو پتہ نہیں لگتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
حضرت عائشہ کو سلام پہنچاتے ہیں۔ تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں تَرٰی مَا لَا نَرٰی (دکھاتی
یعنی آپ وہ شے دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھتے۔ اسی طرح جنگ بدر میں فرشتے اترے۔ ابلیس نے
دیکھے اور کہا۔ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اسی طرح جن
زدہ آسیب ہوتا ہے۔ اس کو جن نظر آتے ہیں۔ اور ڈرتے ہیں۔ مگر اس کے پاس والوں کو کچھ
دکھائی نہیں دیتا۔ یہ تو غیر متعلق باتیں ہیں۔ متعلق علوم میں دیکھئے۔ ٹیلیفون میں دو شخص باتیں
کرتے ہیں۔ پاس والا خالی ہے اس قسم کے بیسیوں نظائر ہیں۔ آپ کی شان سے تو یہ سوال بعید
تھا۔ خدا جانے آپ کو کیوں ضرورت ہوئی۔ مَنْ اَذَنَکَ اِنَّکَ عِلْمُنَا۔

اخبار تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۱

سوال:۔ کیا آدم علیہ السلام بوجہ خطا کرنے کے آسمان سے آتارے گئے تھے
یا زمین پر کسی باغ میں تھے؟ (منتظر)

جواب: مشکوٰۃ میں حدیث ہے ... اولین والآخرین جب آدم علیہ السلام کے
پاس آکر شفاعت کی درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے لیے جنت کا دروازہ کھلوایئے
آدم علیہ السلام عذر کریں گے کہ میرے ہی گناہ نے تو تمہیں جنت سے نکالا ہے
اب میں دوبارہ جنت کے لئے کس طرح سفارش کر سکتا ہے۔
یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے۔
جس میں اہل ایمان جانے والے ہیں۔

اور قرآن مجید میں ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (یعنی جنت سے اترنے کا حکم دے کر فرمایا کہ تمہارا ٹھکانا زمین میں ہے)

یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے۔ اگر پہلے ہی سے زمین میں ہوتے تو یوں کہتے ولکم سے موضع آخر مستقر یعنی تمہارا ٹھکانا دوسری جگہ ہے۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے۔

معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گذرا ہے اس کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام جس جنت میں تھے وہ زمین پر کوئی باغ تھا۔

اور اب نیچریوں اور مرزائیوں وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

میلاد النبیؐ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ کا فتویٰ

مروجہ میلاد النبیؐ کے متعلق علمائے دین کا فیصلہ کیا ہے؟

اس کے لئے قارئین کرام ایک بہت بڑے بزرگ کا فتویٰ ذیل میں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں۔

اگر فرضاً علیہ السلام درین آوان در دنیا زندہ می بودند دریں مجالس واجتماع منعقد شدی آیا بایں امر راضی می شدند واجتماع را پسند یدند یا نہ یقین فقیر آنست کہ ہرگز ایں معنی را تجویز نمی فرمودند بلکہ انکاری نمودند۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی ص ۲۴۲)

(یعنی اگر بالفرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں زندہ موجود ہوتے اور (مروجہ) مجلس میلاد کو ملاحظہ فرماتے تو کیا ان سے خوش ہوتے؟ مجھ فقیر کو تو یہ کامل یقین ہے کہ آپ ان مجالس کو اگر دیکھتے تو ان کو ناجائز کہتے اور ان پر انکار فرماتے۔

پس کہاں ہیں وہ لوگ جو بزرگانِ دین کے ساتھ محبت اور عشق کا دعویٰ رکھتے ہیں کیا وہ مجدد الف ثانیؒ کے اس فرمان کو پڑھیں گے۔

تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۲

سوال۔ خدا کی عبادت افضل ہے یا مخلوق کی خدمت ایک شخص کہتا ہے خدا تعالیٰ ہماری عبادت کا بھوکا نہیں ہے۔ مخلوق ہماری خدمت کی بھوکی اور محتاج ہے خدا کی عبادت روزہ، حج، زکوٰۃ، خیر خیرات سب ایک کونے میں رکھ دیں اور مخلوق کی خدمت شروع کر دیں تو یہ بہتر ہے۔

جواب۔ خدا تعالیٰ بے شک ہماری عبادت کا بھوکا نہیں لیکن ہم تو خدا کی عبادت کے بھوکے ہیں، جیسے کھائے پیئے بغیر ہماری جسمانی حیات قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ہماری روحانی بقا، عبادت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

کیونکہ روحانی بقا، وصالِ الٰہی سے ہے اور وصالِ الٰہی، عبادتِ الٰہی سے ہے۔ پس اس حیثیت سے ہمیں عبادتِ الٰہی کی زیادہ ضرورت ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق کی خدمت عبادتِ الٰہی سے الگ شے نہیں ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں ہے "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

اگر خدمت مخلوق کو عبادتِ الٰہی سے خارج کر دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ انسان خدمت کے لئے پیدا نہ ہو، حالانکہ اگر انسان کی پیدائش خدمت کے لئے نہ ہوتی تو پھر خدا تعالیٰ انسان کو اس کا حکم کیوں دیتا؟ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدمت مخلوق بھی عبادتِ الٰہی میں داخل ہے۔

ہاں اگر سوال میں عبادت سے مراد بدنی عبادت ہو تو اس صورت میں بے شک خدمت مخلوق، عبادتِ الٰہی سے الگ شمار ہو سکتی ہے مگر جب انسان کی پیدائش دونوں کے لئے ہے تو دونوں ضروری ہوئیں اور ایک کو غیر ضروری کہنا غلطی ہے

مندرجہ ذیل شہادت قرآنی سے بھی دونوں کا ضروری ہونا ثابت ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔ (پ ۵) ترجمہ۔ خدا کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ اور قرابتی کے ساتھ احسان کرو نیز یتیموں، مسکینوں کے ساتھ سلوک کرو نیز ہمسایہ قرابتی ہمسایہ بیگانہ اپنے پہلو کا ساتھی مسافر مملوک ان سب کے ساتھ احسان کرو۔ تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو خدا بالکل دوست نہیں رکھتا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی عبادت بھی ضروری ہے اور مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کرنا بھی ضروری ہے۔ دونوں پر عمل کرنا چاہیے صرف ایک کو افضل سمجھ کر دوسرے میں سستی کرنا جائز نہیں۔

سوال میں زکوٰۃ کو خدمت مخلوق سے الگ کر دیا ہے حالانکہ زکوٰۃ عین خدمت مخلوق ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ مخلوق ہی کی ہمدردی کے لئے فرض ہوئی ہے۔

(تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱۵ شمارہ نمبر ۱)

سوال۔ مرنے کے بعد انسان کی روح کہاں رہتی ہے۔ کہتے ہیں بد کی سجین میں اور نیک علیین میں رہتی ہے پھر قبر میں مردے کو عذاب کیونکر ہوتا ہے

جواب۔ علیین اور سجین میں تو نام درج ہوتے ہیں روح قبر ہی میں رہتی ہے اور وہیں اسے دکھ یا سکھ ملتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۳۴ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ)

سوال۔ ایک امام پیروں فقیروں سے مرادیں مانگتا اور ان کو حاجت روا سمجھتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (عبدالرحمٰن لاہور)

جواب۔ اسے سمجھانے کی کوشش کیجئے۔ شرک اور توحید میں تمیز سکھائیے اگر

نہ سمجھے تو پھر نماز اس کے پیچھے جائز نہیں۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۵

سوال: کیا کسی پانڈے سے کتاب کھلوا کر کوئی بات دریافت کرنا جائز ہے۔
(صوفی محمد شریف)

جواب: قطعاً ناجائز ہے حدیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا رمل جفر پر مسلمان کو قطعاً ایمان نہیں رکھنا چاہیے۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۱۵

مردہ زندہ ہونا: مخدومنا! ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ جس طرح انبیاء اپنے معجزہ سے مردوں کو زندہ کر لیتے تھے اسی طرح اولیاء اللہ بھی اپنی کرامت سے مردہ زندہ کر سکتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے۔ (شیخ رحمت اللہ ککن پوری)

جواب: یہ غلط ہے۔ معجزہ اور کرامت میں بہت فرق ہے قرآن کریم نے صرف چند ایک انبیاء کے متعلق ہی یہ بتایا ہے کہ انہوں نے اللہ کے حکم سے مردے زندہ کئے مگر کسی ولی اللہ کے متعلق کسی آیت یا حدیث میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اس نے مردہ زندہ کیا ہو۔ انبیاء کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی نبوت منوانے کے لیے اللہ تعالیٰ ایسے معجزات کا صدور کرا دیتے، مگر ولی کی ولایت منوانا ضروری نہیں، کوئی نہ مانے، اس سے کفر لازم نہیں آتا مگر نبی کی نبوت کا انکار کرنے سے تو کفر لازم آجاتا ہے اس لئے ان سے ایسے معجزات کا صدور ضروری ہو جاتا ہے

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۹ شمارہ نمبر ۴۴

سوال: کیا جادو کا اثر ہو جاتا ہے۔

جواب: جادو کا اثر ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (سورہ بقرہ) جادوگر اللہ تعالیٰ کے اذن کے بدون کسی کو ضرر نہیں دے سکتے۔

اور دوسری جگہ فرمایا۔ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ گرھوں میں پھونکنے والیوں کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

ان سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ جادو کا اثر ہوتا ہے۔

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۴ شمارہ نمبر ۱

سوال: ایک مولوی صاحب نے جو مسلکاً اہل حدیث جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور یہ مسئلہ بیان کیا کہ ایکدفعہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے کہ دیتے پر شیطان نے سوال کیا۔ آپ کی سواری کی کتنی ٹانگیں ہیں۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی سے اترے۔ اور شیطان کو چار ٹانگیں گن کر بتائیں۔

یہ مسئلہ حاضرین مجلس سے ایک آدمی نے جو مسلکاً مندرجہ بالا عقیدہ کا معتقد تھا۔ ٹوک کر کہا کہ یہ مسئلہ درست نہیں ہے۔ جس پر مجلس والوں نے ٹوکنے والے کے خلاف بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ دیدیا۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ کس حدیث میں درج ہے۔ وہ صحیح روایت ہے یا ضعیف۔ اس مسئلہ کے انکار کرنے والے پر کیا تعزیر ازروئے شریعت وارد ہوتی ہے یا صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی ہو سکتی ہے۔

(سائل غلام ربانی بمقام وڈاک خانہ سندرکٹھ تحصیل ایبٹ آباد ہزارہ)

جواب: آپ سواری پر تھے۔ اور اتر کر ٹانگیں گن کر جواب دیا۔ کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کے انکار پر کوئی تعزیر واجب نہیں ہوتی۔

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۷

سوال: حضرت علی بچپن میں مسلمان ہوئے تھے یا پیدائشی مسلمان تھے۔

جواب: حضرت علی بلوغت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ پیدائشی مسلمان ہونا ان کا ثابت نہیں۔

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا بچپن میں سینہ چاک ہوا تھا؟

جواب:۔ صحیح مسلم میں آپ کے سینے کا بچپن میں چاک ہونا ثابت ہے۔

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۔

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرض کی کہ میرے حق میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے فرزند عطا کرے۔ آپ نے دعا کی۔ مگر بذریعہ وحی بتایا گیا کہ اس کی قسمت میں لڑکا نہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے امام حسین سے دعا کرائی۔ تو اس کو لڑکا ملا۔

جواب:۔ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں اس کو صحیح ماننے سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے (معاذ اللہ) تجویز بدلا تھا۔ یا اللہ کو علم نہیں تھا۔ اور قرآن مجید میں ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱

سوال:۔ کیا پاکستان کی موجودہ حکومت مسلمان ہے جب کہ ۱۹۷۰ء میں ۱۱۳ علماء نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔

جواب:۔ علماء نے کمیونزم اور سوشلزم کو کفر کہا ہے۔ جب بھی اسلام کے مقابلے میں کمیونسٹ یا سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے گا پھر یہ دار المسلمین نہیں رہے گا۔ اگر کسی کو اصرار ہو کہ کمیونزم کفر نہیں ہے تو پھر لینن اور مارکس کو بھی مسلمان کہنا پڑے گا۔ کبھی بھی کوئی عقل مند اینگل اور مارکس کو مسلمان نہیں کہے گا۔ سوائے مخبوط الحواس کے۔ بہر حال کمیونزم اور سوشلزم کفر ہے۔ نیز عراق کی تحقیقی عدالت نے بھی چار سال پیشتر کمیونزم اور سوشلزم کو کفر ہونے کا فیصلہ دیا تھا۔ لہٰذا اس نظریے کو اپنانے والا مسلمان نہیں۔

اخبار ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۳ شمارہ نمبر ۴۳

سوال:۔ کیا مشہور انبیاء کرام کی اس وقت قبریں ہیں اور ان کو پہچانا جا سکتا ہے یعنی قبروں کی صدیوں سے کوئی اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں۔ اگر ہیں تو کہاں کہاں چند

ایک کا بیان: مثلاً حضرت آدم کی قبر کہاں ہے؟

جواب: علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ الکبریٰ میں لکھا ہے سوائے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جو مدینہ منورہ میں ہے مذاہب کے مطابق کسی نبی کی قبر کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر شمارہ نمبر ۲۱)

سوال: کیا قد کے بارہ میں کوئی حدیث ہے جس سے ثابت ہو کہ فلاں نبی کا قد اتنا لمبا تھا اور کیا اس کا بھی ثبوت ہے کہ آدمی نو گز تک لمبے ہوتے ہیں؟

جواب: صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے خلق اللّٰہ آدم علی صورتہ طولہ ستون ذراعا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اس کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن۔ یعنی اس کے بعد مخلوق کے قد میں کمی واقع ہوتی رہی حتی کہ معاملہ یہاں تک پہنچا۔ اس حدیث کو بنیاد بنا کر علامہ شوکانیؒ نے فتح القدیر سورہ مائدہ کی تفسیر میں اور ملا علی قاری حنفیؒ نے الموضوعات الکبیر میں عوج بن عنق کے من گھڑت واقعہ کا سختی سے انکار کیا ہے جس کے طول و قامت میں انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "الاوج فی خبر العوج" یہ رسالہ سیوطیؒ کی کتاب الحاوی للفتاوی کے ضمن میں مطبوع ہے۔ مذکور حدیث کو بنیاد بنا کر آپ بھی ہر قصہ کو اس کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں۔

(اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۴۲)

سوال: عیسائی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا مسلمان کھا سکتا ہے یا نہیں (از عبدالکریم موضع ابین)

جواب: چونکہ آجکل کتابی عیسائی نہیں ہیں اس لیے نہ کھانا افضل ہے خصوصاً جس کھانے میں ان کا ہاتھ لگے اس سے سخت پرہیز کرنی چاہیئے۔

سوال:- تعویذ لکھنا گلے ڈالنا یا پلانا حضور سے ثابت ہے یا بعد کی اختراع ہے

جواب:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً ثابت نہیں البتہ ایک صحابی نے کاغذ پر معوذات لکھ کر ننھے بچہ کے گلے لٹکایا تھا جس سے اس مجبور و معذور کے لیئے صرف تعویذ لٹکانے کا جواز مل سکتا ہے جو خود معوذات نہ پڑھ سکتا ہو تعویذ پلانا تو کسی صحابی سے بھی ثابت نہیں ہے۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۳

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ بوقت دعا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بزرگان دین کا واسطہ دینا مثلاً زیر بوقت دعا یہ کلمات کہے۔ اے اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یا سید عبد القادر جیلانی کے واسطے سے میرا فلاں کام کر دے یا میری یہ دعا قبول فرما۔ کسی صحیح مرفوع حدیث میں ہے یا نہیں۔

(سائل محمد شفیع خان پور علاقہ بہاولپور)

جواب:- یہ سنت طریق نہیں ہے اور نہ ضروری ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔ اور گناہ بھی نہیں اگر سوال اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اور اس واسطے کے ذکر کرنے کو قبولیت دعا کے لئے ضروری نہیں سمجھتا تو جائز ہے اور اگر یہ اعتقاد رکھے کہ بغیر اس واسطے کا ذکر کرنا ممنوع ہے (محمد عبد اللہ روپڑی ناظم مدرسہ عربیہ خانپور)

حضرت محترم حافظ صاحب السلام علیکم مولانا عبد اللہ روپڑی کا فتویٰ ارسال ہے۔ انہوں نے عجیب و غریب فتویٰ دیا ہے غالباً وہ کسی کے طفیل کے ساتھ دعا مانگنے کو بدعت حسنہ سمجھتے ہیں۔ آپ اس پر کچھ تفصیل روشنی ڈالیں اور اس طفیل کے مسئلہ میں یہ بھی تحریر فرمائیں کہ دعا مانگنے کا سنت طریقہ کیا ہے کہ شریعت میں مولوی عبد الحق صاحب سے سنا تھا وہ فرماتے تھے: دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے الحمد شریف، پھر دعا، پھر آمین اور پھر درود شریف

کیا یہ ٹھیک ہے؟ (محمد شفیع خانپوری)

جواب۔ (از حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی) اس طرح دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ حدیث میں ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ) (جو کوئی ہمارے دین میں نیا کام جاری کرے جو دین میں نہیں، وہ مردود ہے۔)

(اس مسئلہ کی تفصیل ہمارے رسالہ "دعا بعد صلوٰۃ الجنازہ" میں ہے جو عنقریب طبع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ) اور دین میں بدعت حسنہ کا وجود ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (یعنی ہر بدعت گمراہی ہے)

ہاں دین میں کوئی چیز ثابت ہو، جیسے عثمانی (جمعہ کی پہلی) اذان پر اجماع ہو گیا اور اجماع شرعی دلیل ہے۔ پس شرعاً دین میں اس کا وجود ثابت ہو گیا۔ چنانچہ اس کا ذکر فتح الباری میں ہے۔

اب لغوی معنی سے اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے۔ نہ شرعی معنی سے کیونکہ شرعاً دین میں اس کا وجود ہے۔ اس طرح پہلے کوئی کام ہوتا ہو اور کسی وجہ سے ترک ہو گیا ہو تو اس کو کوئی جاری کرے تو اس کو بھی لغوی معنی سے بدعت کہہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے تراویح کو بدعت کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن نماز تراویح پڑھائی، پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دی۔ جیسے مسلم شریف میں ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہونے کی وجہ سے فرض کا خوف نہ رہا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے جاری کر دی یہی معنی ہے۔ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً (الحدیث) کا۔ یعنی اچھا طریق جو اسلام میں ثابت ہو اور کسی وجہ سے بند ہو گیا ہو۔ کوئی اس کو جاری کر دے تو اس کے لئے اپنا اور جو اس پر عمل کرے ان سب کا ثواب ہے لیکن دین میں ایسا نیا کام جاری کرنا جو قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو وہ مردود ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک تجدید دین ہے اور ایک احداث فی الدین تجدید تو ایک شرعی بات کا اجرا ہے یا لوگوں کو دین کے سے بیدار کرنا اور احداث فی الدین یہ ہے کہ جو امر قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اس کو دین میں داخل کرنا۔

پہلا کام بہت اچھا ہے اسی کی خاطر اللہ تعالےٰ ہر صدی کے سر پر ایسے لوگوں کو بھیجتا ہے جو دین کی تجدید کریں اور دوسرا کام گمراہی ہے اس لئے اس کو مردود فرمایا گیا ہے چنانچہ سائل کا سوال دوسرے سے ہے۔ مجیب (مولوی عبداللہ درخواستی) نے اول کے ساتھ جواب دے دیا اسی کو کہتے ہیں سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ خدا تعالےٰ ہدایت نصیب فرمائے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

نوٹ۔ طریقہ دعا کا جو مولوی عبدالحق صاحب نے فرمایا۔ ٹھیک ہے چنانچہ دعا کے فوت ہونے میں درود شریف آخیر میں اور آمین بھی آخیر میں آئی ہے۔ چنانچہ ابوزہیر نمیری کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دعا بہت عاجزی سے مانگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے دعا کی قبولیت کو واجب کر لیا اگر ختم کرے۔

ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس شے کے ساتھ ختم کرے آپ نے فرمایا آمین کے ساتھ (مشکوٰۃ باب فی الصلوٰۃ فصل ثانی) (عبداللہ امرتسری روپڑی ایڈیٹر اہلحدیث لاہور)

تنظیم اہلحدیث جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں

(اول) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کا حاضر ناظر جان کر ورد کرنا جائز ہے یا نہ؟ اور اس ورد کا پڑھنے والا کیسا ہے؟

(دوم) بغداد کی طرف منہ کرکے اور بیٹے گلے میں کپڑا بھی ڈال کر دست بستہ ہو کر گیارہ قدم چلتے ہیں اور پیر پرستی استمداد و استعانت کرتے ہیں یہ لوگ کیسے ہیں؟

(سوم) گیارہویں واسطے ازدیاد مال اور استعانت اور استغاثہ کے مصائب میں کرتے ہیں جائز ہے یا نہ؟ اور اگر بہ اعتقاد محض ایصال ثواب کے لئے کیا جاوے تو تعیین یوم کیسا ہے۔

(چہارم) جو شخص ان افعال مذکورہ کا مجوز و مفتی اور مروج اور مثبت اور مصر ہو وہ کیسا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ؟ اور اہل سنت والجماعت اور مذاہب اربعہ سے کسی مذہب میں داخل ہے یا نہ؟

(پنجم) جو لوگ افعال مذکورہ کے مرتکب اور معتقد ہوں۔ ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست اور مواکلت اور مشاربت اور مناکحت درست ہے یا نہ؟ ان کے ساتھ السلام علیکم کرنا جائز ہے یا نہ؟

(ششم) جو شخص ان افعال مذکورہ سے مانع ہو اس پر فتوے تکفیر اور اتہام وہابیت و انکار ولایت اولیاء اللہ کا لگانا کیسا ہے؟ اور اس مانع کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہ۔ بینوا بالآیات القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ والروایات الفقہیۃ توجروا۔

الجواب: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ تحریر سوالات سائل سے صاف ظاہر ہے کہ جس کا یہ عقیدہ ہے وہ مشرک ہے کیونکہ غیر اللہ کو حاضر ناظر جاننا اور اس کے نام کا مثل اسمائے الٰہی ورد و وظیفہ کرنا اور اس سے حاجات طلب کرنا، اور گیارہ قدم بسوئے بغداد بہ نیت توجہ جانب قبر غوث الاعظم مثل واپ نماز و سنت بستہ ہو کر چلنا اور

پھر رجعت قہقری اسی آداب سے کرنا کہ جس کو اصطلاح مشرکین ہند میں نماز غوثیہ اور قرب الاقدام کہتے ہیں، اور استمداد و استعانت غیر اللہ سے کرنا، اور ایسے افعال شرکیہ بدعیہ کا مرتکب ہونا طریقہ مشرکین کا ہے کیونکہ عقیدہ ثبوت علم غیب کا سوائے ذات باری عزّ اسمہٗ علام الغیوب کے کسی نبی یا ولی یا غوث یا قطب یا پیر یا مرشد کے ساتھ رکھنا عین شرک ہے، بدلیل آیات بینات قرآن مجید و احادیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور روایات فقہیہ کے۔

اَمَّا الْآیٰتُ۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۔[1]

واما الاحادیث۔ ففی حدیث الجاریات فقالت احداھن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی ھذہ وقولی الذی کنت تقولین۔ وعن عائشۃ قالت

---

[1] آیات کا ترجمہ: تو کہہ دے کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتا اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ اس آدمی سے زیادہ گمراہ کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت تک بھی قبول نہیں کر سکتے، بلکہ وہ تو ان کے پکارنے ہی سے بے خبر ہیں۔ تو اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار جو نہ تجھے نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جائیگا۔

[2] احادیث: تو لڑکیوں والی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی نے ان میں سے کہا ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل ہونے والی باتیں جانتے ہیں، تو آپ نے فرمایا اس بات کو چھوڑ دے اور جو پہلے کہتی تھی وہی کہتی جا۔ اور حضرت عائشہ سے روایت ہے جب تم سے کوئی کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان پانچ چیزوں کو جانتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم الآیۃ تو اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا، اس کو مسلم نے روایت کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں نہیں جانتا، خدا کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں کہ میرے متعلق کیا کیا جائے گا اور تمہارے متعلق کیا۔ فیصلہ ہے اس کو بخاری نے روایت کیا، مشکوٰۃ میں بھی اسی طرح ہے۔

من اعتقد ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الآیۃ. فقد اعظم الفریۃ رواہ مسلم ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ رواہ البخاری کذا فی المشکوۃ ۔

اور بخاری و مسلم میں حدیث الافک صریح ہے کہ جب منافقین نے بہتان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر باندھا ایک مدت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اہتمام تحقیق براءت صدیقہ رضی اللہ عنہا میں رہا۔ اور قلب مبارک سے شک و ریب کا ان سے قبل از نزول آیات براءت کے بارگاہ قدس سے رفع نہ ہوا جب آیات براءت نازل ہوئیں تب یقین ہوا اگر علم غیب آپ کو ہوتا۔ تو اس قدر رنج و غم اور اہتمام شان صدیقہ کیوں ہوتا۔ قصہ حدیث کا اثبات کے واسطے مذیل طریان ہے، اور حدیثیں بھی بہت ہیں ۔

واما الروایات الفقہیۃ ۔ قال الملا علی قاری فی شرح فقہ الاکبر ثم اعلم اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ لَمْ یَعْلَمُوْا الْمُغَیَّبَاتِ لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ وقال فی البزازیۃ وغیرہا من الکتب الفتاوی من قال

اب رہیں فقہی روایات تو ملا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں کہا ہے: پھر جان لینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی باتیں نہیں جانتے کیونکہ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے، کہ آپ کہہ دیں کہ کوئی بھی آسمان اور زمین میں اللہ تعالیٰ کے سوا غیب نہیں جانتا، اسی طرح بزازیہ وغیرہ کتب فتاویٰ میں کہا ہے، کہ جو آدمی یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں، اس پر کفر کا فتویٰ دیا جائے گا، اور شیخ فخر الدین بن سلیمان حنفی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے کہ جو آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ مردے اللہ تعالیٰ کے سوا لوگوں کے امور میں تصرف کر سکتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ بحر الرائق میں بھی اسی طرح ہے۔ تب معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کا علم ازلی ابدی ہے اور تمام کائنات کو محیط ہے اور جو کچھ سب اشیاء کا علم ہے خواہ وہ جزئی ہوں یا کلی، قطعی ہوں یا ظنی، سب اس کے علم و قدرت کے احاطہ سے باہر نہیں ہے، کیونکہ بعض اشیاء سے بے خبری اور بعض اشیاء سے عاجز رہنا نقص ہے اور ان نصوص قطعیہ کا تقاضا ہے کہ اس کا علم عام ہے اور اس کی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے ۔

رواه المشائخ حاضرة تعلم يكفر وقال الشيخ فخر الدين بن سليمان الحنفي في رسالته ومن ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله واعتقد بذلك كفر كذا في البحر الرائق تعلم ان علم الله سبحانه وتعالى ازلي وابدي ومحيط بما كان وما يكون من جميع الاشياء بنقضها وقضيضها وقلها وجلها ونقيرها وقطميرها وصغيرها وكبيرها ولا يعزب من علمه وقدرته شيء لان الجهل بالبعض والعجز عن البعض نقص وافتقار وهذه النصوص القطعية ناطقة العموم وشمول قدرته فهو بكل شيء عليم وهو على كل شيء قدير۔

پس یہ علم اور قدرت خاصہ باری عالم الغیب قادر مطلق کا ہے اس میں شریک کرنا نبی کو یا ولی کو عین شرک ہے اور یہ امور غائبہ پر انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کرام کو انکشافات ہوا ہے سو محض بوحی و اعلام یا الہام الٰہی ہوا قال اللہ تعالیٰ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ [1] اور یہ علم بھی باعلام حق سبحانہ و تعالیٰ مقربان خاص الخاص کو ہوتا ہے۔ و ذات سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ کو بہ نسبت اور انبیائے عظام اولیائے کرام کے زیادہ ہوا ہے لیکن علام الغیوب سے مماثل نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ الآية۔ [2] وقال الامام فخر الدين الرازي رحمة الله عليه في تفسيره الكبير تحت آية قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ الآية انه لما بين انه المختص بعلم الغيب [3] الآية سيقت لاختصاصه تعالى بعلم الغيب و

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ اس کے علم میں سے کوئی چیز بھی معلوم نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے [2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہیے میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں الآیۃ [3] امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے ماتحت فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہی علم غیب کے ساتھ مختص ہے یہ آیت اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی خصوصیت کے متعلق پہلے گذر چکی ہے۔ اسی بنا پر کہ اس کی اشیاء میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بعض چیزیں یہ تمام آسمانوں اور زمین والوں کی صفت ہے اور ان میں ان کے علم غیب کی نفی بیان کی گئی ہے انتہیٰ ۱۲

ان العباد لاعلم لهم بشئ منه واما قوله وما يشعرون ايان يبعثون صفة لاهل السموٰت والارض نفی ان يكون لهم علم الغيب انتهى مختصرًا۔

دوم۔ یہ گیارہ قدم چلنا اصطلاح اہل شرک و بدعت میں اس کا نام صلوٰۃ غوثیہ ہے ملاحظہ ہو مذہب الاقوام بھی کہتے ہیں، یہ بھی شرک ہے۔ کیونکہ نماز خاص عبادت معبود حقیقی کی ہے۔ وحدہٗ لا شریک لہٗ۔ غیر کی عبادت بدنی ہو یا مالی شرک ہے، اور فاعل مشرک۔

سوم۔ گیارہویں جو معمول ہے اور بہ التزام اہل بدعت کی بہ نیت نذر غیر اللہ اور تقرب غیر اللہ کے ہے، یہ بھی شرک ہے، کیونکہ عبادت مالی بھی غیر معبود برحق کے لئے حرام اور شرک ہے، اور اگر نیت ایصال ثواب ہو تو خالصًا لوجہ اللہ دے کر بے تعیین یوم ایصال میت کریں اور نام گیارہویں کا زائل کر دینا واجب ہے، کیونکہ یہ نام رکھا ہوا اہل شرک و بدعت کا ہے، اگر کوئی خالص نیت سے گیارہویں نام رکھ کر ایصال کرے تو بھی اہل توحید و سنت کے نزدیک محل تہمت ہے، اور مواضع تہمت سے بچنا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

چہارم۔ جو شخص مجوز اور مفتی اور مروج ان امور کا ہے۔ العیاذ باللہ منہ وہ راس المشرکین ہے، یعنی اپنے تابعین مشرکین کا رئیس ہے، اس کے پیچھے نماز درست نہیں اور جب کہ وہ توحید و سنت سے وہ خارج ہوا۔ تو کسی مذہب میں مذہب اربعہ سے کب داخل رہا۔

پنجم۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو اور ایسے افعال شرکیہ پر عید ہوں ان سے معاملہ ترک کرنا چاہیے۔ جب تک تائب نہ ہوں، فقد جاء فی الحدیث[1] من احب للّٰه وابغض للّٰه واعطی للّٰه ومنع للّٰه فقد استکمل الایمان۔

ششم۔ جو شخص ان افعال شنیعہ سے مانع ہو وہ موجب ثواب اور لائق تحسین ہے اور قابل

---

[1] حدیث میں آیا ہے جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے اور اللہ کے لئے دشمنی رکھے۔ اور اللہ کے لئے دے اور اللہ کے لئے بخل کرے، تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

امامت ہے اور اس کی امامت اولیٰ اور انسب ہے، اور اس کی تکفیر خود کفر کی تکفیر ہے
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم، حررہ الفقیر محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ۔

فقیر محمد حسین

کیف یکون عمن ساوی باللہ جل جلالہ وعز اسمہ لان اللہ کبیر المتعالی ذو العظمۃ والجلال موجد ومعطی للعباد وھم الآخذون منہ والمحتاجون الیہ فی الدنیا والآخرۃ۔ کتبہ محمد ابراھیم الدھلوی۔

یقال لہ ابراھیم　　　قادر علی عفی عنہ

اولا معلوم کرنا چاہیے، کہ قرآن فرقان وکلام رحمٰن جو نازل اشرف المخلوقین پر ہوا تو محض اسی عقیدہ کی درستی کے لئے نازل ہوا ہے، مشرکین کے عقاید یہ تھے یعنی اللہ تعالیٰ ورسول کے نزدیک ورشدی زعمہم الباطل اپنے آپ کو تابعین ابراہیم کہلاتے تھے، اور حج بیت اللہ اور طوافات وصوم وغیرہ عبادات کرتے تھے، ولیکن عقاید ان کے بد تھے، مثلاً انبیاء واولیاء کی تصویریں اور مورتیں بنا کر ان کی تعظیم ونذر نیاز کرتے تھے کما اخبر اللہ سبحانہ عنھم فی عدۃ مواضع ولیست بمخفیۃ علی من لہ ادنی مس من القرآن والحدیث جس طرح کہ آج کل کے مسلمان تمام عبادات صوم وصلوۃ وحج وغیرہ بجا لاتے ہیں اور انبیاء واولیاء کے حق میں ایسے عقاید رکھتے ہیں، جیسا کہ سائل نے بیان کیا، اور مجیب نے استغفر اللہ مجیب ودرستی جواب دیا، تو حقیقت میں یہ لوگ مشرک باللہ ہیں[1] وان صلوا وصاموا وزعموا انھم مسلمون جس طرح سے اللہ سبحانہ نے مشرکین مکہ کی عبادت قبول نہیں فرمائی، اور عقیدہ کی درستی کا ارشاد فرمایا، ویسے ہی جب تک آج کل کے مسلمان عقیدے ٹھیک موافق فرمان خدا ورسول کے نہ کریں گے کوئی عبادت قبول نہ ہوگی، واللہ اعلم حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی

خادم شریعت رسول الاوابی ابو محمد عبدالوہاب

الجواب صحیح　　گئے دولا ابھرے سے اسلام میں بھی داخل نہیں، چار مذہب کا کیا ذکر

[1] اگرچہ وہ نمازیں بھی پڑھیں، اور روزے بھی رکھیں، اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہیں ۱۲

ہے۔ کریم الدین عظیم آبادی۔

ایسا عقیدہ صریح کفر اور شرک ہے۔ عبدالکریم بنگالی۔ الجواب صحیح۔ عبدالحمید عفی عنہ عظیم آبادی۔

واقعی جواب دونوں مجیبوں کا صحیح ہے۔ وہ شرک اور ندا لغیراللہ میں اور جھکنے کی طرف غیراللہ کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جھک کر سلام علیک کرنے کو یا جواب دینے کو حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ صحیح: محمد زین ساکن شہر بدایون حنفی المذہب۔

جواب بہت صحیح ہے۔ ولی محمد فیض آبادی

جو شخص ایسا عقیدہ رکھے یا رواج دیوے، بلا ریب وہ مشرک ہے۔ مصطفی خان سوتری

غلام حسین، ضلع مونگیر [غلام حسین]

ہذا الجواب صحیح۔ محمد وسیر الرحمن بنگالی [ابوعبدالرحمن محمد نذیر الرحمن] ابو محمد تائب علی۔

اس طرح کا عقیدہ رکھنے والا، فتوے دینے والا چاروں مذہب میں کافر و مشرک ہے لاریب ولا شک فیہ۔ ابواسمٰعیل یوسف حسین خان پوری، پنجابی۔

جواب صحیح ہے۔ محمد عبدالحکیم عفی عنہ۔

چاروں امام علیہم الرحمۃ کے نزدیک بے شک ایسا عقیدہ شرک اور کفر ہے۔ محمد عبدالغفور رمزنصری

[سید محمد عبدالسلام غفرلہ] [سید محمد ابوالحسن] [محمد عبدالحمید] جلیسری

ایسا اعتقاد رکھنا سراسر شرک اور کفر ہے، اس کے معتقد کو ہرگز اسلام میں کچھ حصہ ونصیب نہیں ہے۔ رحیم اللہ پنجابی

اس عقیدہ والا آدمی جیسا کہ سائل نے لکھا ہے بے شک کافر و مشرک ہے، چاروں مذاہب سے خارج ہونا تو بر کنار ہے۔ نور محمد

جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ شخص بلا شبہ مشرک ہے، کما ثبت۔ رحمت اللہ دیناپوری

المجیب مصیب۔ نمقہ علی احمد بن مولوی محمد ساسروری عفی عنہ الصمد۔

جس شخص کا یہ اعتقاد ہے، بلا شک سب اماموں اور صحابہ کے نزدیک کافر ہے۔ مسکین

منقول از نبی۔ الجواب صحیح والرأی نجیح محمد عنایت اللہ عفی عنہ عیلسری

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۱۲

سوال: سوائے خدا کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یا کسی اور نبی یا ولی وغیرہ کے واسطے علم غیب اور ہر جگہ حاضر ناظر ہونا ثابت ہے یا نہیں اور در صورت نہ ہونے کے جو شخص سوا خدا کے کسی نبی یا ولی وغیرہ کے لئے علم غیب اور ہر جگہ حاضر ہونا ثابت کرے تو از روئے قرآن و حدیث کے اس پر کیا حکم ہوگا۔

الجواب: علم غیب اور حضوری ہر جا کی مخصوص ہے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سوائے اس کے اور کسی میں خواہ نبی ہوں یا ولی یہ وصف حاصل نہیں اور جو اعتقاد ان چیزوں کا ساتھ غیر خدا تعالیٰ کے رکھے وہ مشرک ہے اللہ تعالیٰ سورہ انعام میں فرماتا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ یعنی اس کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر وہی اور سورہ نمل میں فرمایا قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ یعنی کہو نہیں جانتے جتنے لوگ ہیں آسمانوں میں اور زمین میں غیب کو مگر اللہ اور نہیں خبر رکھتے کہ کب اٹھائے جاویں گے۔

علامہ محمد بن محمد کردری فتاویٰ بزازیہ میں فرماتے ہیں من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر[1] علامہ سعد الدین شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں فبالجملة العلم بالغيب امر تفرد به الله سبحانه لا سبيل اليه للعباد[2] انتہیٰ مولانا قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں اعلم ان الانبياء لم يعلموا المغيبات من الاشياء الا ما علمهم الله احيانا و

[1] جو یہ کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں سب کچھ جانتی ہیں وہ کافر ہے ۱۲
[2] قصہ مختصر علم غیب خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے بندوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہے ۱۲
[3] نبی غیب چیزوں میں سے صرف اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ ان کو معلوم کرا دیتے تھے علماء احناف نے اس شخص کو صاف طور پر کافر کہا ہے جو یہ اعتقاد رکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے کیونکہ یہ عقیدہ آیت قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ کے برخلاف ہے ۱۲

ذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضة قولہ تعالیٰ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ انتہی

اور اسی طرح علامہ بیری نے حاشیہ شرح اشباہ والنظائر میں تصریح کی ہے۔ حررہ ابوالطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابوالطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۹　　سید محمد نذیر حسین

سوال: کسی نبی یا ولی اور کسی کو خدا تعالیٰ کے سوا اپنی مشکل کشائی اور حاجت براری کے لئے پکارنا اور اس سے مدد چاہنا اور مرادیں مانگنا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: سوائے خدا کے اور کسی کو خواہ نبی ہو یا ولی مشکل کے وقت پکارنا اور ان سے مدد چاہنا اور ان سے امید نفع اور ضرر کی رکھنا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ یعنی اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ نہیں پیدا کرتے اور خود آپ پیدا کئے گئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں ہیں ان کو خبر نہیں کہ کب قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ یعنی اے لوگو ایک مثل کہی جاتی ہے اس کو سنو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک مکھی اگرچہ سارے جمع ہوں اور اگر کچھ چھین لے ان سے مکھی تو چھڑا نہ سکیں اس سے، دونوں کمزور ہیں مانگنے والا اور جس سے مانگا، لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں سمجھی جیسی اس کی قدر ہے، بیشک اللہ زور آور ہے زبردست ہے۔

اور روایت ہے حضرت ابن عباسؓ سے قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ

۱؎ میں ایک دن رسول اللہ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا، بچیا! اللہ کی اطاعت کو ملحوظ رکھنا اللہ تجھے محفوظ رکھے گا، اللہ کو ملحوظ رکھے گا تو اسے ہمیشہ اپنے پاس پائے گا جب تو سوال کرے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد لینا چاہے تو اللہ سے لے ۱۲

علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک و اذا سألت فسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ الترمذی اور استعانت ایک قسم کی عبادت ہیں سوائے خدا کے کسی سے نہ چاہیے تفسیر معالم التنزیل میں ہے الاستعانۃ نوع تعبد انتہی اور مجمع البحار میں ہے فان العبادۃ و طلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی ۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب محمد شمس الحق

سوال: شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کرنا اس نیت سے کہ پیر صاحب معظم اور مقرب الٰہی ہیں ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ تقرب حاصل کرنے کے واسطے ہم یہ مال خرچ کرتے ہیں کہ وہ ہم سے راضی رہیں کیسا ہے۔ اور یا اس نیت سے کہ صرف ایصال ثواب کے لئے کرنا بقید ماہ و تاریخ کے کیسا ہے!

الجواب: گیارہویں کرنا شیخ عبد القادر کی نیت مذکورہ بالا سے شرک ثابت ہوتا ہے اس واسطے کہ یہ سب اوصاف خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں غیر کو اس میں دخل نہیں۔ اور اگر بلا اس نیت کے کیے بقید ماہ و تاریخ تو بدعت ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | ابو الطیب محمد شمس الحق

۱؎ مدد مانگنا عبادت کی ایک قسم ہے۔ جیسے عبادت، حاجات کا طلب کرنا اور مدد مانگنا صرف اللہ کا حق ہے ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ یا دوسرے بزرگوں کے نام کا وظیفہ کرنا مثلاً یا علی وغیرہ یا محمد مدد یہ موجب ثواب ہے یا موجب کفر یا گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ اور ایسے وظائف کو ناجائز کہنے والے آدمی کیسے ہیں تارک محض کی جانب کے ساتھ ہیں اور ایسے وظائف کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے یا حق پر ہے کتب تفاسیر و احادیث صحیح اور فقہ معتبرہ سے فتوی تحریر فرمائیں

جواب: غائب کو پکارنا کسی طرح پر شرک لازم آتا ہے اول یہ صفت علم شرک ہے۔ دوم یہ صفت تصرف میں شرک ہے اور یہ دونوں چیزیں عبادت سے تعلق رکھتی ہیں یعنی عدم شرک فی العبادت ہے

ثانی اور دوسری وجہ کی تشریح اس طرح ہے کہ دعا و نذر و نیک نظام و پوشیدہ چیزوں کا علم عطا فرمانا

سوال۔ چہ می فرمایند گروہ حق پژوہ علماء ورثۃ الانبیاء در معنی این عبارت یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا در رسالت۔ تن این عبارت و امثالے دیگر مثل یا علی و مثل یا بھیکو یا مجاہد وغیرہ موجب ثواب است یا موجب کفر و ضلالت یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ و در پس مجوزان ایں امور نماز باید خواند یا نہ یا مانع این امور از فرق ضالہ و مبتدعہ است۔ از کتب تفاسیر و احادیث و فقہ معتبرہ افتاء ارقام فرمایند۔

جواب۔ در صورت مرقومہ باید دانست کہ از خواندن یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ و یا بھیکو کہ ندا بغایت است قباحت بچند وجوہ لازم می آید اول اشتراک فی العلم دوم اشتراک فی التصرف کہ این دو وجہ بعبادت متعلق است سوم اشتراک فی العبادت و بایان وجہ اول و دوم پس احاطہ علمی بچہار دو جیے از نزدیک و دور او جزاں از بر و ذکر بالسنۃ مختلفہ دانستن خاصہ خدا تعالیٰ است کہ این صفت موصوف و مختص است و ہم چنین صفت تصرف فی الامور باعتبار جلب نفع و دفع ضرر و نقصان و بلا خاصۂ ذات باری است چہار اصول شرک است یا بذات او سبحانہ و تعالیٰ می باشند یا در عبادت

تمام پکارنے والوں کی دعاؤں کو سننا خواہ وہ کسی زبان میں ہوں اور ہر ایک وقت لاکھوں کروڑوں آوازوں کو سننا اور سمجھنا یہ صرف خدا ہی کا حق ہے کوئی بھی مخلوقات میں سے اس صفت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہے اور اسی طرح تمام امور میں تصرف کرنا کسی کو نفع و نقصان پہنچانا یہ بھی خدا کا خاصہ ہے اور شرک کے اصول تین ہیں یا ذات خداوندی میں شریک ہوگا، یا عبادت میں یا صفات میں، اور ان تمام چیزوں میں کوئی بھی مخلوق اللہ تعالیٰ کی شریک نہیں ہے اور غیب کا جاننا بھی اسی کی صفت اور خاصہ ہے اس کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، قرآن مجید میں ہے اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہہ دیں اللہ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا ہاں اگر وہ کسی کو اطلاع دے دے تو معلوم ہو جاتی ہے ورنہ نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات سے افضل و اشرف ہیں اور پھر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ کہہ دیں میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جو اللہ چاہے اور فرمایا- اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو بس نافرمانوں کے لئے ایک ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔

یا در صفات مانند علم و سمع و بصر وغیرہ و کسے از مخلوق با باری تعالیٰ مشارک نیست، و درین چیزہائے مذکورہ عالم الغیب مطلق ذات جل شانہ کما قال اللہ تعالیٰ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ کما فی سورۃ الانعام قال فی المدارک والمراد انه هو المتوصل الی المغیبات وحده لا یتوصل الیها غیره انتہی ما فیہ فلکن الی ان تفسیر ابن عباسؓ وقال اللہ تعالیٰ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ الآیۃ لیکن ہر گاہ کسے از مقبولان درگاہ خود را حیا تا بر مغیبات مطلع گردانند

اطلاع می شود والا ذات و تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را با وجودے کہ در فضل و کمالات اشرف المخلوقات و سید الاولین والآخرین گردانید بایں ہمہ تعلیم فرمودہ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ پس ازین آیت کریمہ صاف واضح گردید کہ قدرت بندہ قاصر و علم وے قلیل و صفت بندہ ہمیں است و ہر کہ بندہ باشد وصف ہمین خواہد بود پنداشتن علم غیب را نقصان و عیب نیست بلکہ عین کمال و کمال امر نبیہ باظہار العبودیۃ حتی یقیسہ الیہ نقص لا یعاب من قبل عدم العلم بالغیب فقال قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا الی آخر الآیۃ وفیہ ان قدرتہ قاصرۃ وعلمہ قلیل وکل من کان عبدا کان کذلک والقدرۃ الکاملۃ والعلم المحیط لیس الا للہ تعالیٰ۔

وقال الکلبی ان اهل مکة قالوا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الا یخبرک ربک

کلبی نے کہا ہے اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کیا تیرا رب سستے نرخ کی اطلاع تجھے نہیں دیتا کہ تجھے فائدہ ہو جایا کرے؟ قحط سالی کی خبر کیوں نہیں دے دیتا کہ تو کسی سرسبز علاقے میں چلا جائے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ولو کنت اعلم الغیب الآیۃ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین حق پر جو بیکار کا معاملہ ہے، میں صاف طور پر کہتا ہوں اگر آپ ایسے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے جن پر اسلام کی تعلیم اثر نہ کرتی اور ایسے اشخاص پر توجہ نہ کرتے جن کی قسمت میں مسلمان ہونا نہیں تھا۔

بالسعر رخيص قبل ان يغلو فتشتري فتربح وبالارض التي تريد ان تجدب فترحل عنها الى ما اخصبت فى قول الله تعالى هذه الآية المراد بالخير فى قوله تعالى ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ هو جلب منافع الدنيا وخيرها من الخصب والارباح والاكساب وقيل المراد به ما يتوصل به امر الدين يعني لو كنت اعلم الغيب لكنت اعلم ان الدعوة الى الدين الحق لو ثر فيه او لا تؤثر في ذلك فكنت اشتغل بدعوة هذا دون ذلك الى آخر ما في النيسابوري وعن ابن عباس رضي الله عنهما هكذا في معالم التنزيل مثل قول الكلبي ويلزم من كون غيره غير متصرف في ملكه بوجه من الوجوه الايامرة كونه عاجزا بالكل وكون غيره غير عالم بالكل الا باعلامه الى آخر ما في التفسير النيسابوري وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم والله لا ادري وانا رسول الله ما يفعل بي ولا بكم رواه البخاري والحكم بطريق الاعم هو الوجه الاتم والمراد من الامور الدنيوية بالنسبة اليه صلى الله عليه وسلم وهي الجوع والعطش والشبع والري والمرض والصحة والفقر والغنى وكذلك حال الامة الحاصل انه صلى الله عليه وسلم يريد نفي علم الغيب عن نفسه وانه ليس يطلع على المقدر له ولغيره والمكنون من امره وامر غيره لانه متردد في امره غير متيقن بنجاته لما صح من الاحاديث الى آخر ما في المرقات شرح المشكوة لملا علي

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ میرے متعلق تقدیر خداوندی نے کیا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس سے بھوک، پیاس، صحت، بیماری، فقیری وغیرہ بھی مراد ہیں۔ بلکہ آنحضرت کے متعلق تو اللہ تعالیٰ آپ امت کے متعلق بھی ایسی ہی ابہام رکھے ہیں۔ فقہ حنفیہ میں ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے تھے کیونکہ یہ عقیدہ نص آیت قرآنی کے خلاف ہے۔ قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ الآیۃ۔ شیخ ابن الہمام کے مسامرہ اور ملا علی قاری کی منح الازہر شرح فقہ اکبر میں بھی اسی طرح ہے اور بنایہ اور نصاب میں ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور رسول کی شہادت سے نکاح کرے تو وہ نکاح درست نہیں ہوگا اور نکاح کرنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے یہ عقیدہ رکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

القاری وهکذا فی التبیین ثم اعلم ان الانبیاء لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمهم الله تعالیٰ احیانا وذکر الحنفیة تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب لمعارضة قوله تعالیٰ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ کذا فی المسامرة للشیخ ابن الهمام وکذا فی شرح فقه اکبر لملا علی القاری وفی الخانیة والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد النکاح ویکفر باعتقاد ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب انتهی ما فی البحر الرائق فی کتاب النکاح۔

مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ در تفسیر سورہ مزمل می فرماید کہ تقرب الیٰ آن چیز بدون آن حاصل نمی باشد کہ باذکار تلبیہ وساتیہ ذکر این با وصف تخالف اکثر واثر ہر مذکہ داشتہ تا تو علی وسائی می کنند ودم قوت نزدیک در ہر مکہ بود آمدن وقاں پر کردن حکم صفت او پیدا کردن کہ مدعی است شرع آن را در نور تبدل ونزول وقرب خوانند واین دو صفت خاصہ ذات پاک او تعالیٰ است ہیچ مخلوق را بہ این صفت نیست ہاں بعضے کفرہ در حق بعضے از معبودان خود وبعضے بے دینان از زمرہ مسلمین در حق پیران خود در مردان ثابت می کنند در وقت احتیاج بایشان اعتقاد با ایشان استعانت می نمایند انتہیٰ ما فی التفسیر العزیزی۔

پس ازیں معلوم شد کہ ورد یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ دریا بھیکو بہت ساجت نمی کنن

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سورہ مزمل کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی کا تقرب حاصل کرنا مقصود ہو تو اس میں دو چیزوں کا ہونا نہایت ضروری ہے ایک تو یہ کہ وہ دور و نزدیک کی آواز کو سنے اور تجلی وساتیہ سے واقف ہو یعنی مختلف زبانوں میں اس کی پکار کا مطلب سمجھتا ہو اور دوسری یہ کہ وہ ہر وقت اس کے قریب ہو تا کہ ہر وقت اس کی مدد کر سکے اور یہ دونوں صفتیں خدا تعالیٰ کا خاصہ ہیں، کسی بھی مخلوق کو حاصل نہیں ہیں۔ ہاں بعض جاہل لوگ اپنے پیروں کے حق میں یہ صفت ثابت کرتے ہیں اور ان سے مدد مانگتے ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ یا بھیکو وغیرہ وظائف کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان میں شرک کرنا لازم آتا ہے کیونکہ غیب کا علم خدا تعالیٰ کے سوا مخلوق میں ثابت کیا گیا ہے جو کہ تنقید

و در فتح الرحمن و دیگر بعض ازین بزرگان رحمہم اللہ تعالیٰ از مسافت بعیدہ. قبل نقل از نزد قبر یہ

یا شخص تو ابند ندا جائز نیست کہ درین صورت شرک لازم مے آید کہ علم غیب مخلوق ثابت کردن است

و این چنین شرک فی العلم می شود بہرحال این چنین ہرگز نباید کرد کہ ازین شرک پیدا می شود چنانچہ از آیات

کریمہ و احادیث و کتب عقائد پیدا گردید پس ہر کہ این چنین اعتقاد در بزرگان دارد کہ ندائے من شنوند

شنوند و ہر آن ازین جہت وظیفہ این کس بود و در شرک است پس او تماز نباید خواند کہ عقیدہ

شرکیہ دارد و اگر چہ بظاہر خود را مسلم می گوید زیرا کہ صفت علم غیب اماکن قریبہ و بعیدہ بعلم

و خبر ایں آنکہ خاصہ او عالم الغیب والشہادۃ است باتفاق و ناسمعقو در جناب انبیاء و اولیاء

ثابت می کند کہ ازین اشراک فی العلم لازم آید بنا بر تقدیر عوے باطلاء باطل اوتعالیٰ در

سورہ یوسف می فرماید وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ الآیۃ

و در تفسیر بیضاوی در سورۃ احقاف تحت این آیت کریمہ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ

دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ نوشتہ

لانہم اما جمادات واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالہم انتہیٰ ما فی البیضاوی

پس ازین آیت ہم ندا کردن بجانب از دور اصلا جائز نیست و ہم از نزدیک چہ ایشان باحوال

خود مشتغل اند ازین ندا و از دعائے داعی محض غافل اند کما اتضح من البیضاوی ولہذا قال

العلامۃ التفتازانی فی شرح المقاصد ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتہیٰ ما فی

شرح المقاصد و در فتح القدیر و عینی و کفایہ و حاشیہ چلپی و غیرہ کتب فقہ این کہ میت نمی شنود آمدہ

پس از نزدیک ہم ندا کردن درست نیست و علاوہ ازیں ایشان نیز جائز نشدہ ازین جہت ہیچ یک از فقہاء طلب

دعاء میت را ذکر نہ نمودہ چنانچہ در کشف الغطاء شیخ الاسلام نوشتہ لان المراد من الاستماع الاسماع

رکھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ مشرک ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے وما

یؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون الآیۃ

تفسیر بیضاوی میں ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے وہ یا تو پتھر وغیرہ ہیں جو ترکیب سن ہی نہیں سکتے

اور یا بزرگ نیک بندے ہیں اور وہ اپنے حال میں مشغول ہیں ان کو مدعوں کی خبر ہی نہیں۔

فی البحر الرائق۔ و استعانت بغیر اللہ فی رزق و دفع بلا و طلب ولد و غیرہ ازین قسم از آن بزرگان ہم نیز روا نیست۔ پس استعانت از غیر خدا تعالیٰ درین امور جائز نیست قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ الی آخر الحدیث رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوۃ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم این را بطور شرط و جزا ارشاد فرمودند۔ پس استعانت کہ از مخلوقات کردہ شود لا محالہ مقارن با استعانت باللہ نخواہد بود چہ جزا لازم شرط است و شرط ملزوم او و قاعدہ کلیہ از معقول و منقول مقرر شدہ کہ وجود ملزوم بدون لازم محال است کذا فی المسلم و الہیکلی و غیرہما پس خواہ مخواہ استعانت درین امور مذکورہ بمقارنت استعانت خدا تعالیٰ می باید و از غیر وے تعالیٰ ہرگز جائز نیست اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہم مشعر این معنی است و تقریر بسط درین باب این است و در تحقیق استعانت رسالہ جداگانہ نوشتہ شد درین جا اختصار ازان کردہ شد۔

واگر کسے گوید کہ اولیا را مفاتح علم غیب داشتہ است کلید در تصرف ایشان از مسافت بعیدہ اولیاء اللہ بادراک و دعا الہ شان کردہ جائز است پس ... تفسیر نیشاپوری تحت ہمیں آیت کریمہ وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ھُوَ الآیۃ نوشتہ ولا یمکن ان یکون

شیخ فخر الدین ابو سعید عثمان بن الجیانی حنفی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں جو یہ عقیدہ رکھے کہ میت اللہ تعالیٰ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے، البحر الرائق میں بھی ایسا ہی ہے، اور رزق کی فراخی، مصیبتوں سے دفع بلا و اولاد وغیرہ کی طلب کی مدد خدا کے سوا کسی اور سے مانگنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب بھی تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ، الخ، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شرط و جزا کے طور پر فرمایا ہے کہ خدا سے مانگ، تو یہ منقول و معقول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ لازم کے سوا ملزوم کا پایا جانا محال ہے، اور آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین بھی تو یہی مضمون ادا کر رہی ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ واقعی غیب کی چابیاں تو خدا تعالیٰ کے پاس ہیں لیکن اس نے اپنے نیک بندوں کے سپرد کر رکھی ہیں جس کی وجہ سے وہ سنتے اور جانتے ہیں تو اس کے جواب میں تفسیر نیشاپوری کی عبارت کافی ہے وہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، یہ غیب کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہو سکتیں کیونکہ حقیقی طور پر

فی الدارین محمد نبی بوحسین عفا عنہ رب المشرقین والمغربین بجاہ سید الثقلین امام القبلتین جد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما وعنہا بعد۔ کافی مشغول بہ

سید محمد نذیر حسین	ابو محمد عبدالحق دہلوی	محمد قطب الدین دہلوی
برکت اللہ دہلوی	نور الحق دہلوی	سید علی دہلوی
غلام رسول قصوری		
محمد مخدوم بن بارک اللہ پنجابی	شاہ سید حسین قادری پنجابی	مفتی محمد احسن اللہ پشاوری
مفتی برکت اللہ پشاوری	نصیر احمد پشاوری	

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین درباره آنکہ شخصے لفظ یا رسول اللہ یا علی یا بھیکو بار بار یا یک باری گوید واعتقاد وی کند کہ بعلم ذاتی جزئی اگر او شان را بر حالی من خبر شود ممکن است، و اگر نہ شود درین ہم متصور علم ذاتی کلی مر حق سبحانہ را ست تعالیٰ شانہ، پس بحصول این گمان گفتن این لفظ جائز است یا شرک یا کدام اخف و دیگر گفتن این لفظ روا است یا نہ؟

الجواب: باید دانست کہ علم غیب خاصہ حق سبحانہ است کلیہ باشد یا جزئیہ وعلیہ یدل قولہ تعالیٰ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ و

سوال: علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس خیال سے یا رسول اللہ یا علی یا پیا یا بھیکو وغیرہ بار بار کہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے علم ذاتی جزئی کے لحاظ سے میرے حال کی خبر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خبر نہ ہوتی ہو، اور علم ذاتی کلی خداوند تعالیٰ ہی کے لئے جانتا ہو تو اس گمان پر ایسے الفاظ کہنا جائز ہے یا نہیں اور کسی دوسرے طریقے سے بھی ایسے الفاظ کہنے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: جاننا چاہئے کہ غیب کا علم خواہ جزئی ہو یا کلی خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور اس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں (آپ کہہ دیں) آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا، بلکہ کسی کو یہ بھی مر کر اٹھنے کا بھی علم نہیں ہے۔ اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ان کو صرف وہی جانتا ہے۔ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا۔ اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا

لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۔ وقصہ عدم علم یعقوب علیہ السلام از حال یوسف علیہ السلام و قصہ عزیر علیہ السلام و عدم علم ایشان بمکث خود و مات حمار خود و احیائے خود گردانیدن خود و قصہ اصحاب الکہف از عدم علم مدت خواب و قصہ قذف عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عدم علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بطہارت اوشان مگر بعد مدت دراز تا نزول وحی و قصہ عدم استطاعت بجواب سائلان حقیقت روح و اصحاب الکہف و ذی القرنین و انقطاع وحی تا مدت دہ روز وغیرہ از قرآن مجید و شان نزول آن ثابت است و آیات بینات در روایا احادیث و روایات کتب عقائد متقدمین و متاخرین ازان مملو و مشحون است بلکہ ہیچ گاہے ہر گاہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر کرا از مقربان درگاہ خود از انبیاء علیہم السلام بوحی و الہام و از اولیاء بکشف و الہام بر بعضے امور غیبیہ اطلاع میدہد معلوم می شوند و بعد از اعلام اللہ تعالیٰ این غیب حیثیت غیب غیب شرعی نماند زیرا کہ غیب آن چیزے است کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ غائب باشد نہ حاضر تا بمشاہدہ و وجدان دریافت شود و اسباب و علامات آن نیز در نظر و عقل و فکر آن در نیاید تا باستدلال دریافتہ شود و این غیب مختلف می باشد پیش کور مادر زاد عالم الوان غیب است و عالم اصوات و نغمات و الحان شہادت و پیش عنین لذت جماع غیب است و پیش نا رسیدہ الم گرسنگی و تشنگی غیب است و علیٰ ہذا

میں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں ۔

یعقوب علیہ السلام کو یوسف کے حال کی خبر نہ ہو سکی ، عزیر علیہ السلام اپنے ٹھہرنے کی مدت ، گدھے کی کیفیت اور اپنے زندہ ہونے کا حال نہ جان سکے ، اصحاب کہف کو اپنے سونے کی مدت کا علم نہ ہو سکا ، حضرت عائشہ صدیقہ کی برات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نازل ہونے سے پہلے معلوم نہ ہو سکی اور روح ، اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرنے والوں کو وحی نازل ہونے تک آپ جواب نہ دے سکے ، یہ سب واقعات قرآن مجید میں ہیں اور علماء متقدمین کی کتب ان مضمون سے بھری پڑی ہیں ، ہاں اللہ تعالیٰ غیب کی شے کسی کو بتا دیں تو اس کو علم ہو جاتا ہے لیکن پھر وہ غیب بحیثیت غیب باقی نہیں رہتا کیونکہ غیب تو وہ ہے جو حواس ظاہری اور باطنی سے غائب ہو

فلا تملکوا الا ما شاء اللہ پس در لفظ مجموع آیتین معلوم می شود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را
برائے نفع و ضرر خواندن ظلم است و ایضاً قال اللہ تعالیٰ ومن اضل ممن یدعوا
من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون
واگر از لفظ من دون اللہ غشاوہ چشم انداختہ گوئی کہ ایں در حق بتان است اگرچہ من
برائے ذوی العقول است و جمع بالواو والنون ہم برائے اوست فکیف تصح قولک،
واگر گوئی کہ برین تقدیر پسر و یار و برادر و غیرہ را کہ قریب باشند یاد کردن نیز روا نباشد
گویم لفظ من لا یستجیب لہ وھم عن دعائھم غافلون جواب شافی
[illegible] ٭

واگر گوئی در ہیچ کدام از تفاسیر زیر این ہمہ آیات بینات نہ نوشتہ اند کہ یا آدم
دیگر شد یا شیث شد خواستند یا در بیس شرک است یا نوح کفر است یا ابراہیم
یا اسمٰعیل یا موسیٰ یا عیسیٰ یا رسول اللہ یا علی یا نبی یا حسین یا علاء الدین یا سالار
یا جیکہ ممنوع است گویم لفظ من دون اللہ صیغہ تامہ است برائے شمول وگرنہ

جو کچھ کوئی نفع نقصان نہ دے سکیں، اگر تو نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہوگا اور فرمایا کہ میں دین میں اپنی جان
کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، ان دونوں آیتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو بھی اپنے نفع و نقصان کے لیے پکارنا ظلم ہے، اللہ نے فرمایا اس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوائے
ایسوں کو پکارے جو قیامت تک بھی اس کو جواب نہ دے سکیں وہ تو اس کے پکارنے سے بالکل بے خبر ہیں ٭

اگر کوئی من دون اللہ کے لفظ سے اپنی آنکھوں پر پردہ ڈال کر کہے کہ یہ تو بتوں کے متعلق ہے تو اس
کے جواب میں کہوں گا کہ لفظ من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور واؤ نون سے جمع بھی ذوی العقول کے
لئے آتی ہے، تمہارا اعتراض کیسے صحیح ہو سکتا ہے، اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو پھر بھائی بیٹے اور عزیزوں
کو بھی نہیں پکار سکتے تو میں کہوں گا کہ لفظ من لا یستجیب لہ وھم عن دعائھم غافلون تمہارے
اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ کسی مفسر نے بھی اپنی تفسیر میں ایسا نہیں لکھا ہے کہ یا آدم کہنا یا شیث نہ

تحریف وتبدیل شدہ پس پشت انداز یدہ وطالب تفصیل جزئیات شوید اگر کم بزرگان
بزرگان انبیاء واولیاء وصدیقین وشہداء وملائکہ وجن وغیرہ را مردمان خواندہ اند دلی خواستند پس تفصیل
اسماء اوشان چند مجلدات تیاری شوند یک عمر طویل صرف شود البتہ اگر مفسرین این چنین کلام
طولانی کردند مے شمارا اختیار آمدے یا شد آمدے .

در قرآن مجید وتفاسیر وفقہ جابجا اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاٰمِنُوْا وغیرہ کلمہ
آمدہ است پس بتقریر تقریر شما لازم می آید اگر زید بگوید کہ برمن نماز فرض نیست وعمر گوید کہ
برمن زکوٰۃ واجب نیست دیگر گوید کہ برمن ایمان لازم نیست چراکہ اَقِيْمُوا الزَّكٰوةَ يَا زَيْدُ وَاٰتِ
الزَّكٰوةَ يَا عَمْرُو وَاٰمِنْ بِاللّٰهِ يَا بَكْرُ وَلَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ يَا خَالِدُ نگفتہ اند وعلی ہذا القیاس
کسے بگوید کہ درین تفاسیر نام ربی وبھوانی وبھیروں وسیتا وجسرت ونام چند رو کرشن وکنھیا
وشیخ سدو ومیران وغیرہ نیامدہ است پس مستثنے از لات وعزیٰ باشد پرستش این جائز
باشد وبراین تقریر اصول وامام اعظم وامام شافعی ومالک وامام احمد بن حنبل ودیگر جمیع
مجتہدین علیہم الرحمۃ بلکہ اجتہاد واستنباط اوشان وقیاس ایشان جمیع است غلط مشو ومعلم

پھر تمہارا مدعا یہی ہے کہ ایسا ہی ترک ہے یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ یا رسول اللہ یا علی یا پانی یا شیخ یا سالار یا
پکارنا منع ہے، کفر ہے، اور میں کہوں گا کہ لفظوں میں صرف اللہ یک تا منع وارد ہے جو تمہارے اعتراضات کا
جواب دے رہا ہے اور پھر بھی اگر کوئی کہے کہ نہیں جزئیات کی تفصیل ضروری تھی تو میں کہوں گا انبیاء اولیاء
نبیوں ولیوں صدیقوں شہیدوں کو پکارتے ہیں اگر ان سب ناموں کی تفصیل تفاسیر میں بیان کی جاتی تو دسیوں
کئی جلدیں تیار ہو جاتیں، مفسرین کی ایسے طویل کلام میں عمریں بسر ہو جاتیں اور پھر بھی تم کو شاید اعتبار آتا یا نہ آتا

اور پھر قرآن مجید احادیث شریعت اور فقہ کی کتابوں میں جابجا حکم آیا ہے نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اللہ پر
ایمان لاؤ تو تمہارے قول کے مطابق تو زید کہہ سکتا ہے کہ مجھ پر نماز فرض نہیں ہے کیونکہ میرا نام لے کر تو نہیں فرمایا
گیا کہ اے زید نماز قائم کر، عمر کہتا کہ مجھ پر زکوٰۃ نہیں دوں گا کیونکہ یہ تو نہیں کہا گیا کہ اے عمر و زکوٰۃ دے
علی ہذا القیاس کوئی یہ بھی کہہ دیتا کہ قرآن میں تو صرف لات وعزیٰ کا ذکر آیا ہے اور کالی دیوی بھوانی بھیرو
سیتا جسرت رام چندر کرشن، کنہیا، شیخ سدو، میراں وغیرہ کا نام نہیں آیا۔ لہذا ان کو سجدہ کرنا اور پکارنا جائز ہے

اصول و فروع کہ متفرع بر آن است بھمہ لا طائل و معنوی باشد بچہ اکثر شما مورد نصوص خاص است و بہذا العلم خلاف ذلک و نزدیک شما تا وقتیکہ تفصیل جزئیات آن نہ شود نصوص ظاہر المعنی قابل پذیرائی نیست ،

واگر گوئی کہ در حصین حصین در صلوٰۃ الحاجت لفظ یا محمد آمدہ است پس ایں چہ لیست گویم کہ ایں صورت در حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودہ است کہ خود موجود ماندہ و در آن محذور نیست ، و اگر بعد ہم می خوانند پس دراں غیرے مودع است و کیہ بیرکت آں اثر ظاہری شود مثل آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سامع اعتبار کردہ می خوانند چنانچہ اذا قال اللہ یا عیسیٰ و در بعض جاہا یا مؤمنی می خوانند و دراں تاثیرے نہادہ اندا کہ بیرکت آں اثر ظاہری شود نہ آنکہ ایشاں را سامع اعتبار کردہ می خواستند ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون دلالت بر رد شما می کند واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ المجیب المصیب نصیر الدین المعروف بخلاص المولی۔

سید محمد نذیر حسین			
محمد محی الدین گنگوہی	محمد برکت اللہ	نواز بخش علی	محمد قطب الدین
احمد اللہ	محمد حسین بٹالوی	محمد بن بارک اللہ پنجابی	سید محبوب علی جعفری

سوال :۔ مجدہ و فضل کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید موافق طریقہ سلف بغیر نسبت بشیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے اعتقاد و لا بیت و وقوع کرامت کا رکھتا ہے۔ مگر یہ کرامت منقولہ شیخ نہیں مانتا اس کے مرید کی روح فرشتہ قبض کر کے روانہ ہوا۔ شیخ نے فرشتہ سے راہ میں مل کر کہا، کہ میرے مرید کی روح دے

اور پھر امام ابو حنیفہ رحمہ امام شافعی رحمہ امام مالک رحمہ امام احمد بن حنبل اور دوسرے فقہا و محدثین کے تمام استنباط و اجتہاد کالعدم ہو جاتے اور یوں بڑی آسانی سے کہہ جاتا کہ یہ جزئیات اپنے مورد کے ساتھ خاص ہیں اس لیے ان کا کوئی حکم نہیں ہے۔

اگر کوئی آدمی سوال اٹھائے کہ حصن حصین میں صلوۃ حاجت کے بیان میں یا محمد کے لفظ کے ساتھ پکارنا بھی جائز کہا گیا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اس کے پاس موجود تھے

دے، فرشتہ نے کہا کہ یہ امر میں نے بحکم ربی کیا ہے، اگر تم کو دے دینے کا حکم ہوتا تو میں
بلاشبہ دے دیتا، جب فرشتے نے انکار کیا، تو شیخ نے ارواح کی زنبیل فرشتہ سے
چھین لی، جب فرشتہ اللہ پاک کے پاس ملول آیا، تو خدا نے فرمایا، کہ اے ملک الموت
آج تیری محنت ضائع ہوئی، تو نے ایک روح اس کے مرید کی دے دی ہوتی، وہ تو اگر
میری خدائی بھی بخش دے، تو مجھ کو کیا انکار ہو سکتا..

دوسری یہ کرامت منقول ہے کہ جب منکر نکیر قبر میں شیخ کے مرید کے پاس آئے، تو پوچھا
مَنْ رَبُّكَ (تیرا رب کون ہے) اس کے جواب میں مرید نے کہا کہ میں خدا کو نہیں جانتا شیخ
عبدالقادر کو جانتا ہوں، اس وقت فرشتوں نے عذاب شروع کیا، تب مرید نے شیخ سے
فریاد کی، شیخ نے عذاب سے منع کیا، فرشتے نہ مانے، تو شیخ نے گرز عذاب چھین لیا، اور یہ
کہا کہ جنت کو دوزخ کر دوں، اور دوزخ کو جنت، غرض فرشتوں پر غلبہ کر کے اپنے مرید
کو عذاب سے بچا لیا۔

تیسری یہ نقل کرامت، کہ ایک عورت شیخ کے پاس آئی کہ میرے واسطے اولاد کے
دعا کرو، شیخ نے کہا کہ اے بدبخت! تیری قسمت میں خدا نے اولاد نہیں چاہی، مگر ہم دعا کرتے
ہیں اچھا پھر شیخ نے دعا کی، کہ خدایا اس کو بیٹا دے، بحکم رب العالمین ہوا کہ اس کی قسمت میں اولاد
نہیں جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ (قلم لکھ کر تمام ہو گیا) پھر دعا کی کہ خدا اسے دو بیٹے دے
حکم ہوا کہ اس کے اولاد ممکن نہیں، غرض ساتویں بار جب سات بیٹوں پر دعا کی نوبت پہنچی تو خدا
نے کہا کہ اے شیخ بس کرو ہم اس کو سات بیٹے دیں گے۔

الغرض مرید ان تینوں کرامتوں کا انکار کرتا ہے چونکہ ثبوت ان کا قرآن و حدیث و اجماع سے

اور اگر حکایت حال یا تفسیر کے طریق پر آتا ہے بھی ان ہی الفاظ کو دہرا لیا جائے تو جائز ہے کیونکہ ان فرمودہ الفاظ
میں برکت ہے، گو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلے ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے ہم قرآن مجید کی
تلاوت کیا کرتے ہیں یا مرحبا وغیرہ الفاظ نماز میں پڑھتے ہیں، لیکن ان سے مقصود نہ تو ان کو سنانا ہوتا ہے
اور نہ یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ وہ سن رہے ہیں۔

نہیں، اور جو لوگ ان تینوں کرامت مذکورہ پر اعتقاد کریں یہ اعتقاد ان کا کسی قاعدہ شرعی کے
مخالف ہوگا یا نہیں فقط، اور ایک مسئلہ یہ بھی اس استفتار میں شامل فرما دیجئے، کہ قیامت کے
دن حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ساڑھے تین کریاں بھر کر سب مخلوق میں سے جنت
میں ڈالیں گے، اور ان کے ہاتھ مشرق سے مغرب تک دراز ہوں گے، آیا یہ قول صحیح ہے یا
غلط، افترا، عوام کالانعام ہے۔

الجواب: إن الحكم إلا لله صورت مسئولہ میں زید سنی العقیدہ موحد ہے اگر عمرو
شرکیہ کا منکر ہے، اور یہ انکار واجب ہے کیونکہ یہ کلمات مندرجہ سوال بت پرستوں کے
سے عقیدہ والوں کی ہیں وقد جاء في الحديث[1] من رأى منكرا فليغيره بيده فإن
لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وليس وراء ذلك حبة خردل من الإيمان
پس زید اس انکار سے گنہگار کیسا بلکہ مستحق اجر عظیم اور ثواب نعیم کا ہوگا، اور جو لوگ ان کلمات
شرکیہ مذکورہ کو حق جانتے ہیں، اور اس عقیدہ شرکیہ کفریہ پر ہیں، سراسر مخالف قرآن اور حدیث کے
ہیں، اور مثل بت پرستوں کے عبد القادر پرست ہیں، بندہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں، نعوذ باللہ
بلکہ اس واحد و قہار و قیوم و جبار کو بندہ کے آگے مجبور جانتے ہیں ایسے عقیدہ والے قطعی
کافر اور مشرک ہیں اگر کوئی تبدل تغیر سے اس عقیدہ پر ہے تو پرانا کافر ہے، جب تک اس
کفریہ عقیدہ سے توبہ نہ کرے، اور تجدید اسلام کلمہ شہادۃ سے نہ کرے مسلمان نہیں۔
قال الله تعالى[2] إنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار وما
للظالمين من أنصار۔ اگر کسی مسلمان کے گناہوں سے ساری زمین بھرپور ہو اور شرک نہ ہو

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی تم میں سے کوئی برائی دیکھے اسے اپنی طاقت سے ختم کردے، اور اگر اس کی طاقت
نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کی تردید کرے اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اسے اپنے دل سے برا کہے، اور اگر ایسا بھی نہ کرے
تو اس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے ۱۲

[2] اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے بلاشبہ اس کے لئے جنت کو حرام کر دیا ہے اور
اس کا ٹھکانہ آگ ہے، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہے ۱۲

تو حق جل جلالہ اپنی رحمت سے اس کے بخشنے کا وعدہ فرماتا ہے، مگر مشرک کافر ہرگز بخشا نہ جائیگا
إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا[1] اور جو لوگ اول عقیدہ توحید کا رکھتے تھے، اور بعد میں اس شرکیہ عقیدہ
پر ہوگئے ہیں، تو ان کے پہلے نیک عمل سب برباد ہوگئے، اگر اسی کفر پر مر جائیں تو بموجب فرمان
واجب الاذعان الٰہی کے وہ دوزخی ہیں، جیسا کہ فرماتا ہے وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ
فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۔[2]

اور جو سوال آخر میں درج ہے، کہ قیامت میں عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کو پیالہ بھر کر جنت
میں ڈالیں گے، یہ صحیح ہے یا غلط، معاذاللہ، کس قدر باطل اور دروغ اور کذب، یہ اہل بدعت
کا عقیدہ ہے، یہ سراسر غلط اور افترا ہے۔ نعوذ باللہ من سوالکاذبین الملحدین عن
الباطلین الطاغین الفاسقین۔ واللہ اعلم بالصواب، فاعتبروا یا اولی
الالباب

حررہ فقیر محمد حسین | فقیر محمد حسین دہلوی | یقال لہ ابراہیم

سید محمد عبدالسلام غفرلہ | سید محمد ابوالحسن | امید دار شفاعۃ محمد عبدالقادر

الجواب صحیح | الجواب صحیح | الجواب صحیح

محمد عبداللہ | سید محتشم باللہ حنفی | محمد عبدالحق | محمد عبدالحکیم عفی عنہ

کہ بات مذکورہ بے اصل ہیں، ان کے اعتقاد سے احتراز چاہیے | محمد حسن عفی عنہ

کرامت مذکورہ کا معتقد مخالف قرآن و حدیث کا ہے، ایسے اعتقاد سے پرہیز لازم ہے

جواب مجیب کا اور مواہیر وہ مستخط صحیح ہیں | محمد مسعود نقشبندی

[1] اللہ تعالیٰ کبھی اس کو شرک معاف نہیں کرے گا، اور اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے اور
جو اللہ کے ساتھ شرک کرے وہ بہت گہری گمراہی میں جا پڑتا ہے ۱۲۔

[2] جو کوئی بھی تم میں سے اپنا دین چھوڑ کر کفر کی حالت میں مر جائے تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت
میں برباد ہو جائیں گے، اور یہی لوگ جہنم والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۱۲

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ — جواب صحیح ہے — محمد حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص — سید محمد نذیر حسین

سوال: جو کوئی عالم حقیقی پروردگار کو کہ ہر بات سنتا ہے اور ہر چیز سے خبر رکھتا ہے سا تو عالم مجازی دنیا کے یعنی معنی تشبیہ دیوے، کہ جیسے حاکم دنیاوی سے کسی چیز کو مانگنا اور ان سے وا دیا جانا، اور استعانت کرنا بغیر وسیلہ کے نہیں ہو سکتا ہے ویسا ہی خداوند تعالیٰ سے کہ دربار اس کا سب درباروں سے عالی ہے بغیر وسائل کے حاجت روائی نہیں ہو سکتی ہے اور بغیر وسیلہ کے اللہ کسی کی بات نہیں سنتا ہے۔ پس واسطے اس شخص کے از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہونا چاہیے؟

الجواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں توسل اولیاء و اموات کی حاجت نہیں بلا وسیلہ وہ سنتا ہے کیونکہ حق سبحانہ خود فرماتا ہے ﴿نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ ﴿وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾[1] وغیرھما من الآیات الکریمۃ حدیث شریف میں وارد ہے عن ابن عباس[2] قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ رواہ احمد والترمذی کذا فی المشکوۃ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں: قولہ اذا سألت فاسأل اللہ ای فاسألہ[3] وحدہ لان خزائن العطایا عندہ ومفاتیح المواہب والمنح بیدہ وکل نعمۃ او نقمۃ دنیویۃ او اخرویۃ فانہا تصل الی العبد او تندفع عنہ برحمتہ

---

[1] ہم اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ خواہ بات آہستہ کرو یا اونچی وہ سینے کی باتیں بھی جانتا ہے ۱۲

[2] ابن عباس کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھا آپ نے فرمایا بچے اللہ کا خیال رکھنا اللہ تیرا خیال رکھے گا اور جب مانگے تو اللہ سے مانگ اور جب مدد کی ضرورت ہو تو اللہ سے طلب کر ۱۲

[3] صرف ایک اللہ سے مانگ کیونکہ تمام خزانے اسی کے پاس ہیں تمام دنیاوی اور اخروی نعمتیں اسی کے قبضہ میں ہیں عاجز کو چاہیے کہ ... احسان ... کی تکلیفیں دور کرتا ہے ... اسی سے توقع

من غير شائبة غرض وعلة لانه الجواد المطلق والغني الذي لا يفتقر فينبغي ان لا يرجى الا رحمته ولا يخشى الا نقمته ويلتجئ مضطرا اليها من اليه ويعتمد في جميع الامور عليه ولا يسأل غيره لان غيره غير قادر على العطايا والمنع والنفع والضر وجلب النفع فانهم لا يملكون لانفسهم نفعا ولا ضرا ولا يملكون موتا ولا حياة ولا نشورا ۔ انتهى ما في المرقاة لملا علي القاري ۔ قال ربكم ادعوني استجب لكم الآية ۔ کیا رحمت کا مساس ارحم الراحمین کی ہے کہ طلب دعا کے واسطے بصیغہ امر تاکید ارشاد فرماتا ہے ۔

عن النعمان بن بشير قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم[1] الدعاء هو العبادة وفي رواية افضل العبادة ثم قرأ وقال ربكم ادعوني استجب لكم رواه احمد والترمذي وابو داود وابن ماجة ۔

در عدم استحقاق کے بدیم — کہ بریں جان و بریں دانش شدیم
ما نبودیم و تقاضا ما نبود — لطف تو ناگفتہ ما می شنود

عن[2] ابي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول من يدعوني فاستجيب له من يسألني فاعطيه من يستغفرني فاغفر له كما رواه البخاري وغيره ۔ من المحدثين ۔ یعنی مجھ کو امید مراد از من خواہید کہ خزانہ عامرہ رحمت من مالا مال است و کرم من بخشش

رکھنی چاہیے اور تمام کام اسی کے سپرد کرنے چاہئیں اور اس کے علاوہ اور کسی سے کوئی توقع نہ رکھنی چاہیے اگر کسی کے پاس کوئی بھی اختیار نہیں ہے نہ کوئی دے سکتا ہے نہ روک سکتا ہے بلکہ کوئی بھی اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ۱۲

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا ہی عبادت ہے اور فرمایا پکارنا عبادت کا مغز ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی تم مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا ۱۲

[2] فرمایا کہ رب تعالیٰ ہر رات پچھلے تیسرے حصے میں آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کون مجھ کو پکارتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اس کو دوں کون گناہوں کی معافی چاہتا ہے کہ میں اس کو بخش دوں ۱۲

آنکہ بکدام گدائے دست نیاز پیش آوردہ کہ نقد مراد و برکت امید بکش نہ نہادم و کدام محتاج زبان سوال کشادہ کہ رقعہ حاجتش بتوقیع اجابت موشح نساختم رے غافلان مردہ دلان بشنوید ؎

بہ دوستان ارادت کہ سر نہاد شبے　　کہ لطف دوست بہ رویش نہ در بکشاد

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی دعا استعانت و سوال اللہ جل شانہ کی جناب میں نہیں کرتا تو اللہ کریم و رحیم اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یسأل اللہ یغضب علیہ رواہ الترمذی۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس شیء اکرم علی اللہ من الدعاء رواہ الترمذی[1] ؎

یکے بہ درگہ پیر نہ چہ اقرار است　　بزیر پردہ بجز نقش را خریدار است

ارباب شریعت پر مخفی نہیں کہ بندوں کی طاعت وسیلہ ہے ظاہر میں نجات کا یعنی امتثال امر و اجتناب نواہی وسیلہ ہے ظاہر میں اور باطن میں نظر ہو پر فضل کا طریق و رحمت شاملہ کے چاہیے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ من فعل الطاعات و ترک السیئات کذا فی المدارک وغیرہ من التفاسیر وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ الآیۃ[2] ؎

این طلب ما ہم طلب تو دادہ　　گنج احسان بر ہمہ بکشادہ
این طلب در ما ہم از ایجاد تست　　رستن از بیداد یا رب داد تست
این قدر ارشاد تو بخشیدہ　　تا بدین بس عیب ما پوشیدہ
قطرۂ دانش کہ بخشیدی ز پیش　　متصل گردان بدریاہائے خویش

[3] کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے نہ مانگے اللہ اس پر ناخوش ہو جاتا ہے اور فرمایا دعا سے بڑھ کر خدا کے نزدیک کوئی چیز بھی معزز نہیں ہے۔ [2] اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور برائیاں چھوڑ کر اور نیکی کر کے اس تک پہنچنے کا کوئی وسیلہ بناؤ۔ [3] تمہارے رب نے اپنے اوپر مہربانی کرنا لازم کر لیا ہے بے شک جو تم سے جہالت کی وجہ سے

یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن دعائھم غافلون لانھم اما جماد واما عباد مسخرون مشتغلون باحوالھم۔ انتہی کلام قاضی البیضاوی واضح ہو صاحبان دانش پر کہ کفار بھی معبودان باطلہ کو برابر خدا تعالیٰ کے کسی طرح کی قدرت میں نہیں جانتے تھے بلکہ بوجہ تشبیہ تحقیق ان سے حاجت روائی چاہتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس تشبیہ مجرد پر مشرک فرمایا، جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں تحت آیت فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون کے مذکور ہے تسمیۃ ما یعبدہ المشرکون دون اللہ اندادا وما زعموا انھا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انھا تخالفہ فی افعالہ لانھم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا سموھا الھۃ شابہت حالھم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنھم باس اللہ وتمنحھم مالم یرد اللہ بھم الی آخر ما فی البیضاوی۔

اور چلہ کرنا قبروں کے پاس اس نیت سے کہ بسبب مجاورت اہل قبور کے حاجت روائی جاری ہو جاوے گی، اور اس لیے لوگ مقبرہ بزرگان میں بامید استعانت چلہ کرتے ہیں تو اس طرح کے چلہ اور عکوف اصنام میں کہ عادت کفار کی تھی، کچھ فرق نہیں، دونوں برابر ہیں کیونکہ چلہ عبارت اسی سے ہے کہ کسی بزرگ کی قبر پر اقامت اور بہ نیت ورود اتنی رات دن کا اختیار کرنا چند روزہ اور یہی معنی عکوف کے ہیں، تو یہ چلہ نوع شرک ہے کہ امید نفع وضرر کا اپنی حاجت براری کے لئے اعتقاد کر کے چلہ بیٹھتے ہیں قبروں کے پاس اور اسی پر حضرت ابراہیم علیہ

تک اعیٰ کو جواب دیتے تک، اور ہر ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں کے تحت لکھا ہے کہ یا تو وہ جمادات ہیں، یا نعمت ہی کچو بنے حال میں مشغول ہیں ۱۲

[1] تفسیر بیضاوی میں آیت فلا تجعلوا للہ اندادا وانتم تعلمون کے تحت لکھا ہے کہ مشرکوں کے معبودوں کو انداد یا ہمسر قرار دینا حالانکہ مشرکین کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ وہ صفات و احوال میں خدا کے برابر ہیں یا مخالف ہیں ہوں۔ وہ خدا کی عبادت چھوڑ کر ان کی عبادت میں مشغول ہو گئے تھے اور ان کی حالت اس آدمی کی سی ہو گئی جو یہ عقیدہ رکھے کہ وہ ذوات واجب بالذات ہیں اور خدا کا عذاب روکنے اور خدا کی بندگی ہوئی نعمتوں کو عطا کر دینے کی قدرت رکھتے ہیں ۱۲

السلام نے الزام دیا اپنی قوم کو عکوف پر چیزے مقیم بودن درو او درن صلہ لیکن قولہ تعالیٰ یَعۡكُفُونَ عَلَىٰٓ أَصۡنَامٍ لَّهُمۡ ویقال فلان عکف علی فرج حرام وگرد چیزے برگشتن عکف الجوھر فی النظم کذا فی الصراح۔ الاعتکاف والعکوف الاقامۃ علی الشئی وبالمکان ولزومہما کذا فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ ابن طاہر الفتنی قال اللہ مَا هَٰذِهِ ٱلتَّمَاثِيلُ ٱلَّتِيٓ أَنتُمۡ لَهَا عَٰكِفُونَ ترجمہ شاہ ولی اللہ والد شاہ عبد العزیز قدس سرہما چیست این صورتہا کہ شما بر آن مجاورت دارید۔ انتہی ما فی فتح الرحمٰن۔ ترجمہ شاہ عبد القادر برادر شاہ عبد العزیز قدس سرہما یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو۔ موضح القرآن

ان العلۃ التی نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاجلہا عن الصلوٰۃ عند القبور انما ہو لئلا یتخذ ذریعۃ الی نوع من الشرک بالعکوف علیہا وتعلق القلوب بہا رغبۃ ورہبۃ ومن المعلوم ان المضطر فی الدعاء الذی قد نزلت بہ نازلۃ فید عو لاستجلاب خیر کالاستسقاء او لدفع شر کالاستنصار فی حالۃ فی افتتانہ بالقبور اذ رجاء الاجابۃ عندہا اعظم من حال من یؤدی الفرض عندہا فی حالۃ العافیۃ فان اکثر المصلین فی حالۃ العافیۃ لا تکاد تفتتن قلوبہم بذلک الا قلیلا اما الداعون المضطرون ففتنتہم بذلک عظیمۃ جدا فاذا کانت المفسدۃ والفتنۃ التی لاجلہا نہی عن الصلوٰۃ مخففۃ

سلہ اعتکاف کا معنی ہے ٹھہرنا کسی جگہ کو لازم پکڑ لینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم دھرنا مار کر بیٹھے ہو۔ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے پاس نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قبر پر بیٹھنے سے شرک کا ایک اور ذریعہ پیدا نہ ہو جائے۔ اور ان کے دلوں میں ڈر اور امید کا تعلق نہ پیدا ہو۔ اور یہ تو واضح بات ہے کہ مصیبت زدہ آدمی بہ نسبت عافیت والے کے جلدی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور دعا کرنے والے عموماً بے قرار اور مصیبت زدہ ہی ہوتے ہیں تو اس خطرہ سے قبر کے پاس دعا و نماز سے روک دیا گیا کہ جاہل قبروں سے لوگ مرادیں مانگنے لگیں۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب اس فتنہ سے بچانے کے لئے اس نماز و دعا سے بھی روک دیا گیا ہے جو رب کے سامنے ہو تو صاحب قبر سے دعا مانگنے کی نہی تو اس سے بھی زیادہ مؤکد ہو گی۔

فی ھؤلاء کان نھیھم عن ذلک اوکد وھذا واضح لمن فقھہ فی دین اللہ وتبین لہ ما جاءت بہ الحنیفیۃ فی الدین الخالص للہ وعلم السنۃ امام المتقین فی تجرید التوحید ونفی الشرک بکل طریق فلا یخلو اما ان یکون الدعاء عند القبور افضل منہ فی غیر تلک البقعۃ اولا یکون۔ فان کان الافضل لم یجز ان یخفی علم ھذا عن الصحابۃ والتابعین وتابعیھم فتکون القرون الثلثۃ الفاضلۃ جاھلۃ بھذا الفضل العظیم ویعلمہ من بعدھم ولم یجز ان یعلموا ما فیہ من الفضل ویزھدوا فیہ مع حرصھم علی کل خیر لا سیما الدعاء وھم یعلمون فضل الدعاء عند القبور ثم لا یقصدونہ ھذا محال طبعا وشرعا وان لم یکن الدعاء عندھا افضل کان قصد الدعاء عندھا ضلالۃ ومعصیۃ کما لو تحری الدعاء وقصدہ عند سائر البقاع التی لا فضیلۃ للدعاء عندھا وھذا الدلیل قد دل علیہ کتاب اللہ فی غیر موضع مثل قولہ تعالی أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ فاذا لم یشرع اللہ استحباب الدعاء عند المقابر ولا وجوبہ فمن شرعہ فقد شرع من الدین ما لم یاذن بہ اللہ وقال اللہ تعالی إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ وھذہ العبادۃ عند المقابر نوع من ان یشرک باللہ ما لم ینزل بہ علیکم سلطانا لان اللہ لم ینزل حجۃ یتضمن استحباب قصد الدعاء عند القبور وفضلہ علی غیرہ ومن جعل ذلک من دین اللہ فقد قال

پھر یہ بھی مرجح ہیں کہ دعا کے مناسب ہے بہتر جگہ قبر ہے یا کوئی اور، اگر قبر ہے تو پھر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ اور تابعین اور دوسرے اہل علم اس سے بے خبر تھے کیونکہ کسی نے بھی قبر کے پاس جا کر کبھی دعا نہ کی اور یہ ناممکن ہے کہ ایک چیز بہتر ہو اور اس کا پتہ ان لوگوں کو نہ ہو، اگر کوئی اور جگہ بہتر ہے مثلاً مسجد وغیرہ تو پھر دعا اور نماز اسی جگہ ہونی چاہیے نہ کہ قبر کے پاس یہ دین میں ایسی ایجاد ہے جس کی اللہ نے اجازت

علی اللہ مالم یعلم ثم اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ الذین ادرکوہ مثل ابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد وطبقتہم لم یکونوا یتحرون الدعاء لا عند قبر ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ولا غیرہ انتہی ما فی الصراط المستقیم لشیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم وھکذا فی صواعق الالٰہیۃ لعلامۃ الفنوی محمد بشیر الدین رحمۃ اللہ علیہ۔

قال بہ المحققین سید محمد نذیر حسین

زبدۃ السید الکونین شد شریعت حسین

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

محمد عبد الحلیم

محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے اور اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے

محمد عبد الرحمٰن سنی حنفی

خدا نے مہر ہے دل پہ لگائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ محمد حسین قادری دہلوی

بسعت منصور علی انر محمد

محمد صدیق

سوال: قبر میں منکر نکیر کے سوال کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردے کے پاس تشریف لانا ثابت ہے یا نہیں؟ اور در صورتے کہ ثابت نہ ہو تو جو شخص ایسا اعتقاد رکھے از روئے شریعت کے اس پر کیا حکم ہوگا؟

الجواب: وقت سوال منکر نکیر کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا کسی حدیث یا آثار سے ثابت نہیں، اور اعتقاد رکھنے والا اس کا گمراہ ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵

سید محمد نذیر حسین

سوال: ما قولہم رحمہم اللہ اندریں صورت کہ بعضے کسان بعد صلوٰۃ مغرب یازدہ قدم بطرف عراق میروند برائے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ دوگی

نہیں قربانی پھر امام ابو حنیفہ کے تمام شاگردوں میں سے کسی ایک نے بھی امام ابو حنیفہ کی قبر کے پاس جا کر دعا نہیں کی ۱۲۔

سوال: بعض آدمی قریب ... بکے بعد شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی حضور کی نیت سے عراق کی

گویند کہ این عمل فرمودہ آن جناب است و معمول بہا است در طریقہ قادریہ چہ حکم است
فاعل آن مرتکب صغیرہ است یا کبیرہ یا کفر یا مستحب یا مباح۔

الجواب: باید دانست کہ فضائل و کمالات حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی
ومناقب ومفاخر ایشان مثل آفتاب است و کمالات و کرامات ایشان بحد تواتر رسیدہ
تا آنکہ گفتہ اند ما بلغنا مبلغہ من احد من شیوخ الآفاق در علم وعمل و زہد و تقویٰ
وحقائق ومعارف اکمل کاملین و مقبول بارگاہ رب العالمین بودند و عظمت و جلالت
مرتبہ ایشان بنا بر آن است کہ در اتباع سنت و تمسک بکتاب اللہ و رسولہ و تثبت
فیما شرع اللہ و رسولہ و اقتفائے سیرت و اعمال صحابہ عظام و توقی تام از محدثات امور
و توکل و اعتماد در جمیع احوال بر خدائے جل شانہ و اخلاص کامل در طاعات استقامت
تمام داشتند، پس امرے کہ خلاف این امور قولاً یا فعلاً از آنجناب مروی و منقول شود
آن را مسلم نباید داشت، کہ از اکابر دین این چنین نباید مثل آنکہ از آنجناب روایت کردہ

طرف منہ کر کے گیارہ قدم چلتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اس طریقہ کی خود تعلیم فرمائی ہے اور وہ
طریقہ قادریہ میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ ایسا کرنے والا گناہ صغیرہ کا مرتکب
ہے یا کبیرہ کا یا یہ فعل کفر ہے یا مستحب یا مباح؟

الجواب: حضرت شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات بے حد و بے حساب ہیں ان کی کرامات
حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں یہاں تک کہ مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ جس مقام پر حضرت شیخ پہنچے ہیں مشائخ
میں سے کوئی بھی اس مقام تک نہیں پہنچا، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کو یہ کمال اس لئے عطا ہوا کہ وہ اتباع
کرنے والے تبع سنت تھے، بدعات سے بچنے والے متقی تھے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور سیرت صحابہ و تابعین
سے تمسک کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے تھے، عبادات میں اخلاص اور استقامت رکھتے تھے لہٰذا کوئی
ایسا فعل ان کی طرف منسوب کیا جائے جو سنت کے برخلاف ہو تو اس کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا جائے گا
مثلاً یہی کہ آنجناب نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز کے بعد عراق کی طرف گیارہ قدم چلے اور ہر قدم پر میرا
نام لے اور اپنی حاجت مانگے، تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی، کیونکہ یہ فعل کتاب اللہ و سنت

بنا کہ ہر کہ بعد نماز مغرب یازدہ قدم بجانب عراق بہ تعظیم تمام حرکت کند ودرد مے توجہ بدان
طرف آوردہ نام من بر زبان آرد وحاجت خود خواہد حاجت او روا گردد چرا کہ این فعل خلاف
ما ثبت بالکتاب والسنۃ وطریقۃ الخلفاء الراشدین المہدیین است، کہ فرمودہ در حق
آنہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي
وہم بر طبق سیرت وعمل دیگرے از اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبودہ کہ
در حق آنہا وارد شدہ أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ بلکہ از ہیچ
یک تابعین ودیگر مشائخ کرام وائمہ عظام مثل آن منقول ومروی نیست۔

واین کہ عوام این عمل را از اعمال مشائخ می گویند قابل التفات نیست ہیچ یکے از مشائخ
کرام کہ اہل علم وفقہاء وائمہ دین اند مثل آن تصریح نکردہ وقول وفعل بعضے غیر موثوق بہ
معمول بہ تواند شد، اتباع سواد اعظم می باید، واگر ہم چو عمل موجب ثواب وقربت الی اللہ
بودے ہر آئینہ سلف کرام بلکہ خود حضرت عبد القادر جیلانی تقدیم آن بسمت مدینہ منورہ
اختیار کردندے، زیرا کہ ہیچ یک مزار بر صفحہ زمین بزرگتر از مزار فائض الانوار حضرت نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم نبودہ وصحابہ رضی اللہ عنہم در محبت وتعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نسبت بما مردم
غالب تر بودند در تحصیل ثواب وابتغاء مرضات اللہ حریص تر بودند۔

الحاصل بعد صلوٰۃ مغرب وغیرہ انحراف از قبلہ کردن وتعیین سمت مزار ہیچ یک از نبی یا ولی نمودن

رسول اللہ اور طریقہ خلفاء راشدین کے خلاف ہے، بلکہ تو خلفاء راشدین میں سے کسی نے ایسا کیا، اور نہ دوسرے
صحابہ نے بلکہ کسی تابعی اور کسی دوسرے مشائخ سے بھی ایسا منقول نہیں ہے، اگر کوئی غیر معتبر آدمی ایسی بات کہہ
دے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے، بلکہ خود حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا نہ کیا، اگر ایسا
فعل جائز ہوتا، تو وہ سب سے پہلے آپ مدینہ منورہ کی طرف منہ کرکے گیارہ قدم چلتے، کیونکہ یہ تو ہر ایک کو معلوم ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے زیادہ کوئی متبرک مزار نہیں ہے، اور نہ ہی کسی اور نبی کے مزار
کی طرف آپ نے منہ کیا، تو ایسا کام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، علماء نے تو اس کو کفر وشرک کہا ہے اور بعض علماء
نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے، چنانچہ علامہ ابراہیم بن محمد زکی حنفی کی کتاب رافع المسلمین میں اس کے متعلق آیا

و تاوقتے چند بہ ہیئت نماز گزاربندگان یا تعظیم کنندگان بآن طرف رفتن و تذلل و خشوع تمام
نمودن ہرگز درست نیست اگرچہ بعضے علما این فعل را شرک و کفر گفته اند، چنانچہ روایات
آن مرقوم می شوند مگر چون حکم کفر بدون جزم این معنی در مرتکب این فعل ہر آن شخص را کہ روئے
التجا بوئے آورده موثر تام و صاحب روائی مستقل انگاشته باشد نمی توان شد، لاجرم این فعل
حرام و اثم و گناہ عظیم است ۔

فی دائرة المطالب من تصنیف الفاضل الکامل علامة الوری افضل
المتاخرین ابراهیم بن محمود البلخی الحنفی رحمه الله ما قول ائمة الدین
رضی الله عنهم اجمعین اندرآنکه جماعت عادت خود ساخته اند بدین اصرار مے
نمایند و ممتنع نمی شوند و حجت می گیرند که در شہرہائے معظم چنین می کنند ما نیز ہم چنین
می کنیم مثل یا فلان فلان مشائخ و مثل ہر شب اقدام خود راست بعد صلوۃ آیا مجرد این قول حجت
می شود یا نے و این فعل از حرمت بدر آید یا شود ایشان معذور باشند یا نہ

جواب ہ نے، کتبہ محمد بن محمود الکشانی رحمۃ اللہ ۔ تے، کتبہ ابو المفاخر بن محمود البلخی
رحمۃ اللہ ۔ نے، کتبہ محمد بن طاہر بخاری ۔ تے، کتبہ یوسف بن محمد سمرقندی ۔ نے، کتبہ مظفر بن
منصور البلخی ۔ تے، کتبہ محمد بن فخر الدین الحلوانی ۔ نے، کتبہ عبد العزیز بن نجم الدین شیرازی
نے، کتبہ ابراہیم بن اسمٰعیل النیشاپوری ۔ تے، کتبہ محمد بن ابی بکر الہندی ۔ نے، کتبہ
علی بن محمد بن قاضی حمید الدین ناگوری۔

کذا فی منحة الطالبین فی فضل زیارة القبور للشیخ محمد سعید القادری
المعروف بجد شیخ الاسلام ابن حبیب الحنفی الاموی العباسی الحربی
ثم الکندی رحمة الله علیه قال القاضی شهاب الملة والدین قد قرر ما حسن
قبل ان ضرب الاقتداء بعض الصحیح تعالیٰ ثم فیه و قاعله فعان ...

۱ یعنی عمل کیا ہے جس پر کئی علماء کے دستخط ہیں اور ان سب علماء نے اس کو ناجائز کہا ہے ۔

۲ اسی طرح محمد سعید قادری معروف بجد اسلام رحمۃ اللہ علیہ نے منحۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ قاضی

بهيمية عظيمة هكذا انقل من تحقيق احكام الفتاوى فى مدارج السالكين شرح منازل السائلين وما اجترى على المشائخ العظام من خوض رب اللاخذ امر بعد الصلوة نحو العراق فهو كفر اولئك الذين يعلم الله ما فى قلوبهم فاعرض عنهم وعظهم وقل لهم فى انفسهم قولا بليغا فما الهم ما ابعدهم عن حقيقة الايمان والله اعلم وعلمه اتم واحكم نمقه العبد المسكين محمد صدر الدين اعطى الله كتابه بيمينه فى يوم الدين۔

محمد صدر الدین — سید محمد نذیر حسین — قاضی محمد فضل الرحمٰن خان — محمد بشیر الدین قنوجی — محمد برکت اللہ — سید محبوب علی جعفری — فقیر غلام علی خادم شرع علی — محمد بارک اللہ

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین بعد الصلوٰۃ امر نحو العراق یعنی یازدہ قدم زدن بسوئے عراق و ندا کردن نام پاک شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بر ہر قدم کہ عمل بعض صوفیان زمان است و عمدا سوال بلفظ روایت بہجۃ الاسرار وغیرہ می آرند ملتمس از محققین و محدثین حکم جواز و عدم جواز این فعل مذکور بجواب تحقیق بیان فرمایند جزاہم اللہ عنا و عن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

الجواب: درصورت مرقومہ بلا ارباب نظافت واصحاب دیانت مخفی نیست کہ توجہ

کی طرف نماز کے بعد چند قدم چلنا کفر ہے اس کا قائل وفاعل بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہے۔ منازل السائرین کی شرح مدارج السالکین میں بھی اسی طرح فتویٰ دیا گیا ہے اور اس کو کفر کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دے یہ لوگ ایمان کی حقیقت سے کتنے دور جا چکے ہیں۔ واللہ اعلم ۱۲

سوال: عراق کی طرف گیارہ قدم چلنا اور ہر قدم پر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارنا جیسا کہ اس زمانے کے بعض صوفیوں میں مروج ہے۔ اور سوال کرنے پر وہ بہجۃ الاسرار کی ایک عبارت اس کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ علمائے محققین سے گزارش ہے کہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں باحوالہ تحقیق جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی جاتی ہے وہ عبارت اصلی نہیں ہے۔ بلکہ بعض

یبتغون إلی ربهم الوسیلة أیهم أقرب ویرجون رحمته ویخافون عذابه إن عذاب ربك كان محذورا) الآیہ پس مومن باللہ والیوم الآخر را واجب کہ بمقتضائے آیات کریمہ مذکورہ بالا عمل نماید و از شرک جلی و خفی و از فتح اعمال بدعیہ بسیار حذر و اجتناب نماید تا ذائقہ ایمان و توحید خالص دریابد وما علینا الا البلاغ واز اقوال و افعال بدعیہ فرسنگہا بگریزد۔ و جہلا و مبتدعین را کہ ابواب افتراء و بہتان می بندند بسوے ایشاں التفات نہ کنند، در باب توحید تمسک بکتاب و سنت باشند تا از دنیا سلامت برود واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین [محمد نذیر حسین] [محمد قطب الدین]

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) قرآن شریف کلام الٰہی صفت قدیم قائم بالذات غیر مخلوق ہے یا نہیں اور جو شخص اس کو مخلوق کہے وہ کافر ہے یا نہیں؟

(۲) اور کلام الٰہی جو صفت قدیم اور قائم بالذات ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے تو یہ کلام مجازی ہے یا حقیقی؟

(۳) اور رسالہ استواء میں جو نواب صدیق حسن صاحب نے بتایا ہے وہ حق ہے یا نہیں؟

الجواب: واضح ہو کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرا (ترجمہ) جو شخص مخالفت کرے رسول کی پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو چکا واسطے اس کے ہدایت، اور تابعداری کرے سوائے راستہ مومنوں کے پھیر دیتے ہیں ہم اس کو جدھر پھرا، اور داخل کریں گے ہم اس کو جہنم میں، اور وہ برا ٹھکانا ہے اور

خدا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہودیوں کو وسیلہ بنانے سے منع فرمایا ہے، پس مومن کو چاہئے کہ آیات قرآنیہ کے مطابق عمل کرے، (و) شرک جلی و خفی سے پرہیز کرے، اور بدعت کے افعال و اقوال سے بچنا ہے اور جو ... کے الزامات ... [illegible]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ یعنی جو شخص ہمارے دینی امر میں کوئی نئی بات نکالے جو پہلے اس میں نہیں تھی مسود ومردود ہے۔ لہٰذا اب ہم قرآن وحدیث واجماع وقیاس سے اس بات کو ثابت کرتے ہیں، کہ جو شخص کہے کہ قرآن اللہ کا کلام حقیقی نہیں، بلکہ اللہ کا کلام نفسی ہے یا کہے کہ قرآن مخلوق ہے یا کہے کہ اللہ کا کلام کلمات اور حروف اور آواز سے پاک ہے، تو ایسے شخص کو علماء نے کافر بھی لکھا ہے۔

قرآن شریف۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ترجمہ۔ یہ رسول فضیلت دی ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بعض ان میں ایسے ہیں کہ کلام کیا ان سے اللہ نے۔ اور فرمایا وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ترجمہ۔ یہ نبی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خود اپنی خواہش سے بنا کر نہیں بولتا نہیں یہ مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے اس کی طرف اور فرمایا اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ۔ یعنی وہ کافر کہتا ہے کہ نہیں یہ قرآن مگر بناوٹ اور کلام آدمی کا سو عنقریب داخل کروں گا میں اس کو جہنم میں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا[1] اور فرمایا فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ[2] اور فرمایا قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا[3] اور فرمایا ہے بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ[4] اور فرمایا وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا[5] اور ایک کلام ہے اور ایک صفت کلام یعنی کلام کرنے کی قدرت سو جیسے اللہ کی ذات پاک قدیم ہے اس کی قدرت بھی قدیم ہے اور

۱؎ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بول کر کلام کی ۱۲ ۲؎ پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے پھر اس نے آدم کی توبہ قبول کرلی ۱۲ ۳؎ آپ کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی ہو جائیں تو میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں اگرچہ ان کی مدد کے لئے اتنے سمندر اور بھی آجائیں ۱۲ ۴؎ میں نے تجھ کو اپنی پیغمبری اور اپنی کلام سے سرفراز کیا ۱۲ ۵؎ ہم نے اس کو طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور اسے سرگوشی کے لئے اپنے قریب کر لیا ۱۲ ۶؎ [illegible]

کلام حادث ہے۔ اللہ فرماتا ہے مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ یعنی نیا اور جان لینا چاہیئے کہ ہر مخلوق حادث ہے اور ہر حادث مخلوق نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الرد علی الجہمیہ میں (جو کہ مطبع فاروقی میں تفسیر جامع البیان کے آخر میں چھپی ہے) فرماتے ہیں قوله مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ انما هو محدث الى النبي صلى الله عليه وسلم لان النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يعلم فعلمه الله تعالى فلما علمه الله تعالى كان ذلك محدثا الى النبي صلى الله عليه وسلم۔

حدیث شریف: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قرأ حرفا من كتاب الله فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها لا اقول الم حرف الف حرف ولام حرف وميم حرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ترمذی اور دارمی میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھے اس کو ایک نیکی ہے اور نیکی کا ثواب دس گنا کر دیا جاتا ہے میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے پس [illegible] تو آواز ثابت ہوئی اور اس حدیث سے حرف ثابت ہوئے۔ اور حضرت نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی جگہ اترے اور کہے أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ تو وہاں سے کوچ کرنے تک امن میں رہے گا۔ اس حدیث سے کلمات ثابت ہوئے۔

قیاس: جب اللہ تعالیٰ قدیم ہوا۔ تو اس کی صفات بھی قدیم ہوں گی اور بالاتفاق کلام اللہ اللہ کی صفت ہے۔ اس کے ساتھ قائم ہے۔ تو کلام قدیم ٹھہرا اور جب اللہ کے ساتھ قائم ہے اور اللہ غیر مخلوق ہے تو اس کا کلام بھی غیر مخلوق ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے

پاس ان کے رب کی طرف سے جب بھی کوئی نیا ذکر آتا ہے ۱۲ ع کہ اللہ تعالیٰ کا قول کہ نہیں آتا ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر بات مراد یہ ہے کہ وہ نیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے کیونکہ آپ اس کو نہیں جانتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اس کو معلوم کرا دیا تو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کرا دیا تو وہ نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نیا تھا۔

ع یعنی میں ہر اس چیز کی برائی سے جو اللہ نے پیدا کی ہے اللہ کے پورے کلمات سے پناہ پکڑتا ہوں ۱۲

غیر کا کلام نہیں، اور قائم بھی اللہ کے ساتھ ہے غیر کے ساتھ نہیں، کئی وجہ سے:

احدها انه يلزم الجهمية على قولهم ان يكون كل كلام خلقه الله كلاماً له، اذ لا معنى لكون القرآن كلام الله الا كونه خلقه، وكل من فعل كلاما ولو في غيره كان متكلما به عندهم وليس للكلام عندهم مدلول يقوم بذات الرب تعالى لو كان مدلول ثابتاً لم يكن خلقه صوتا في محل والدليل يجب طرده فيجب ان يكون كل صوت يخلقه له كذلك وهم يجوزون ان يكون الصوت المخلوق في جميع الصفات فلا يبقى فرق بين الصوت الذي هو كلام الله على قولهم والصوت الذي ليس هو بكلام.

الثاني ان الصفة اذا قامت بمحل كالعلم والقدرة والكلام والحركة عاد حكمها الى ذلك المحل ولا يعود حكمها الى غيره.

الثالث ان المشتق من المصدر مثل اسم الفاعل والصفة المشبهة به ونحو ذلك لا يشتق ذلك لغيره وهذا كله بين ظاهر وهو مما يبين قول السلف والائمة

یعنی جہمیہ کہتے ہیں کہ ہر وہ کلام جس کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ حقیقت میں اسی کا کلام ہے، وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کا مطلب یہی لیتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے، اور جو بھی کلام کا فاعل ہے اگرچہ غیر میں پیدا کیا ہو وہ ان کے نزدیک اس کا متکلم ہے، اور ان کے نزدیک کلام کا کوئی مدلول ایسا نہیں ہے جو رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہو، اور اگر کوئی مدلول ہے بھی تو صرف یہی دلالت کرے گا کہ اس نے آواز کو کسی جگہ میں پیدا کیا، اور دلیل کا بیان کرنا ضروری ہے تو جب یہ لازم قائم ہوگا کہ اگر ہر مخلوق آواز اسی کی ہے اور آوازیں ہر صفت کے لحاظ سے مخلوق ہے، تو پھر اس آواز میں جو اللہ کا کلام ہے اور اس آواز میں جو اس کا کلام نہیں ہے کیا فرق رہ گیا؟

دوسرا الزام ان پر یہ ہے کہ جب کوئی صفت کسی محل کے ساتھ قائم ہو جیسے علم یا قدرت اور کلام وغیرہ تو اس کا حکم اسی محل کی طرف منسوب ہوگا، نہ کہ غیر کی طرف۔

تیسرا یہ کہ مصدر سے جب اسم فاعل یا صفت مشبہ مشتق ہو تو وہ اسی فاعل کے لئے ہوتا ہے غیر کے لئے نہیں، یہ سب باتیں بالکل واضح ہیں اور یہ سلف اور ائمہ کے اقوال کی تائید کرتی ہیں

ن من قال ان الله خلق كلاما في غيره لزمه ان يكون حكم التكلم عائدا الى ذلك المحل لا الى الله .

الرابع ان الله وكد تكليم موسى بالمصدر فقال تكليما قال غير واحد من العلماء : التوكيد بالمصدر ينفي المجاز لئلا يظن انه ارسل اليه رسولا او كتب اليه كتابا بل كلمه منه اليه .

الخامس ان الله فضل موسى بتكليمه اياه على غيره ممن لم يكلمه وقال ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا﴾ الآية فكان تكليم موسى من وراء الحجاب وقال ﴿يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي﴾ وقال ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ﴾ الى قوله ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ والوحي ما نزله الله على قلوب الانبياء بلا واسطة فلو كان تكليمه موسى انما هو صوت خلقه في الهوا لكان وحي الانبياء افضل منه لان اولئك عرفوا المعنى المقصود بلا واسطة وموسى انما عرفه بواسطة

جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کلام کو غیر میں پیدا کریں، تو وہ کلام اسی کی طرف منسوب ہوگی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔

چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام کرنے کو مصدر سے مؤکد کیا ہے اور علماء کا مذہب ہے کہ جب مصدر سے تاکید ہو تو مجاز کی نفی ہوتی ہے۔ تاکہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا ہو یا آپ کو کوئی کتاب لکھ کر دے دی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے بول کر کلام کیا۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فضیلت بخشی ہے اور فرمایا ہے کہ کسی آدمی کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر [illegible] یا پردے کے پیچھے سے یا پھر کوئی فرشتہ بھیج دے الآیۃ تو موسیٰ علیہ السلام سے یہ گفتگو پردے کے پیچھے ہوئی [illegible] اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں پر اپنی رسالت اور کلام سے فضیلت عطا فرمائی [illegible] ہم نے تیری طرف وحی کی ہے جیسے نوح کی طرف وحی کی تھی اور [illegible] اور وحی وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نبیوں کے دلوں پر بلا واسطہ [illegible] اگر موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا میں آواز پیدا کی ہو تو [illegible]

اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ اربعہ وغیرہ سب مجتہدین متقدمین میں سے کسی شخص نے نہیں کہا کہ اللہ کی کلام کلام نفسی ہے۔ لہذا اللہ کے کلام کو کلام نفسی کہنا تکذیب سب ہے اور تکذیب بالاتفاق باطل ہے۔

اجماع سلف: امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ لم یزل متکلما بکلامه والکلام صفة فی الازل وخالقا بتخلیقه والتخلیق صفة فی الازل وفاعلا بفعله والفعل صفة فی الازل والفاعل هو الله تعالی والفعل صفة فی الازل والمفعول مخلوق وفعل الله تعالی غیر مخلوق وصفاته فی الازل غیر محدثة ولا مخلوقة فمن قال انها مخلوقة او محدثة او وقف فیها او شک فیها فهو کافر بالله تعالی والقرآن فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ وعلی الالسن مقروء وعلی النبی صلی الله علیه وسلم منزل ولفظنا بالقرآن مخلوق وکتابتنا وقراءتنا له مخلوق والقرآن غیر مخلوق۔

ثم کہا: وکلام الله تعالی غیر مخلوق وکلام موسی وغیره من المخلوقین مخلوق

دوسرے نبیوں سے آپ کی وحی بہتر ہو گی کیونکہ انہوں نے معنی مقصود کو بلا واسطہ معلوم کیا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے ہوا کے واسطہ سے

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے کلام کے ساتھ متکلم رہا ہے۔ اور کلام اس کی ازلی صفت ہے اور وہ اپنی تخلیق کے ساتھ خالق ہے اور تخلیق اس کی ازلی صفت ہے۔ اور اپنے فعل کے ساتھ فاعل ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور فعل اس کی ازلی صفت ہے۔ اور مفعول مخلوق ہے۔ اور اللہ کا فعل غیر مخلوق ہے اور اس کی تمام صفتیں ازلی ہیں۔ حادث اور مخلوق نہیں ہیں جو شخص صفات کو مخلوق یا حادث کہے یا اس کے متعلق توقف کرے یا شک کرے وہ اللہ کا منکر ہے۔ اور قرآن کتاب کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ دلوں میں محفوظ ہے۔ زبانوں سے پڑھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔ قرآن پڑھتے وقت ہمارے اپنے الفاظ مخلوق ہیں ہماری کتابت اور تلاوت مخلوق ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔

اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور دوسری مخلوقات کی کلام مخلوق ہے اور قرآن اللہ کا کلام ہے

والقرآن كلام الله تعالى فهو قد بين لا كلامهم ومعهم موسى كلام الله تعالى كما قال الله تعالى ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ وقد كان الله تعالى متكلما ولم يكن كلم موسى وأما مالك بن أنس رحمه الله تعالى فنقل عنه من غير وجه الرد على من يقول القرآن مخلوق واستتابته. وهذا المشهور عنه متفق عليه بين أصحابه. أما أحمد بن حنبل فكلامه في مثل هذا مشهور متواتر وهو الذي اشتهر بمحنة هؤلاء الجهمية وكذلك قال الشافعي لحفص الفرد وكان من أصحاب ضرار بن عمرو ممن يقول القرآن مخلوق فلما ناظر الشافعي وقال له القرآن مخلوق قال له الشافعي كفرت بالله العظيم ذكره ابن أبي حاتم في الرد على الجهمية وروي عن علي بن أبي طالب من وجهين أنهم قالوا له يوم صفين حكمت رجلين فقال ما حكمت مخلوقا وإنما حكمت القرآن وعن عكرمة قال كان ابن عباس في جنازة فلما وضع الميت في لحده قام رجل وقال اللهم رب القرآن اغفر له فوثب إليه ابن عباس قال

اور قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، اللہ تعالیٰ ہی متکلم تھے، نہ موسیٰ علیہ السلام متکلم نہیں تھے۔

امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے کئی طرق سے ان لوگوں کی تردید منقول ہے جو قرآن کو مخلوق کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل سے توبہ کروائی جائے۔ امام مالک کا یہ مشہور مذہب ہے اور اس پر ان کے مریدوں کا اتفاق ہے

اور امام احمد بن حنبل سے اس کلام قرآن مجید کے متعلق مشہور اور متواتر ہے۔ آپ کی تکالیف جو آپ نے قرآن کے بارے میں جہمیہ سے اٹھائیں مشہور ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے حفص بن عمرو کو جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائلین میں تھا کہا، جب کہ اس نے امام شافعی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا کہ قرآن مخلوق ہے تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اس کو ابن ابی حاتم نے الرد علی الجہمیہ میں روایت کیا ہے اور علی بن ابی طالب سے دو سندوں سے مروی ہے کہ خوارج نے جب جنگ صفین کے موقع پر دو آدمیوں کے حکم تسلیم کرنے کا الزام دیا تو آپ نے فرمایا میں نے کسی مخلوق کو حکم تسلیم نہیں کیا بلکہ قرآن کو حکم تسلیم کیا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک جنازہ میں تھے جب میت کو لحد میں

من القرآن منه وعن عبد الله بن مسعودؓ من حلف بالقرآن فعليه بكل آية
يمين وهذا ثابت عن ابن مسعود وعن سفيان بن عيينة قال سمعت عمرو بن دينار
يقول أدركت مشايخنا والناس منذ سبعين سنة يقولون القرآن كلام
الله منه بدأ وإليه يعود وفي لفظ يقولون القرآن كلام الله غير مخلوق وقال
حرب الكرماني حدثنا إسحق بن إبراهيم يعني ابن راهويه عن سفيان بن
عيينة عن عمرو بن دينار قال أدركت الناس منذ سبعين سنة من أصحاب
النبي صلى الله عليه وسلم فمن دونهم يقولون الله الخالق وما سواه مخلوق
إلا القرآن فإنه كلام الله منه خرج وإليه يعود وعن جعفر بن محمد الصادقؒ
وهو مشهور عنه أنهم سألوه عن القرآن خالق هو أم مخلوق فقال ليس بخالق
ولا مخلوق ولكنه كلام الله وهكذا روي عن الحسن البصري وأيوب السختياني
وسليمان التيمي وخلق من التابعين وعن مالك بن أنس والليث بن سعد و
سفيان الثوري وابن أبي ليلى وأبي حنيفة والشافعي وأحمد بن حنبل وإسحق

رکھی گئی تو ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا اے قرآن کے رب اس کو بخش دے تو عبداللہ بن عباسؓ اس پر بگڑ گئے اور فرمایا رک جا
ٹھہر! قرآن تو اسی میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں جو قرآن کی قسم اٹھائے اس پر ہر آیت کے بدلے
ایک قسم ہے اور سفیان بن عیینہ نے کہا میں نے عمرو بن دینار سے سنا وہ کہتے تھے میں ستر سال سے اپنے مشائخ اور
دوسرے لوگوں سے سنتا آ رہا ہوں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اسی سے شروع ہوا اسی کی طرف لوٹے گا۔ اور ایک
روایت کے یہ لفظ ہیں قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے اور حرب کرمانی نے سنداً عمرو بن دینار سے روایت کیا کہ
میں ستر سال سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے لوگوں سے سنتا آ رہا ہوں کہ اللہ خالق ہے اور قرآن کے سوا
باقی ہر شئی مخلوق ہے اور وہ اللہ کا کلام ہے اسی سے نکلا اور اسی کی طرف لوٹے گا۔ امام جعفر صادق سے مشہور ہے کہ لوگوں
نے ان سے قرآن کے متعلق سوال کیا کہ وہ خالق ہے یا مخلوق؟ تو آپ نے فرمایا نہ وہ خالق ہے نہ مخلوق بلکہ وہ اللہ
کا کلام ہے اور حسن بصری ایوب سختیانی سلیمان تیمی اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور احمد بن حنبل، اسحق
بن راہویہ اور ان جیسے دیگر ائمہ سلف کے اقوال قرآن کے متعلق مشہور ہیں بلکہ ائمہ سلف سے تو ان لوگوں پر کفر

بن راھویہ وامثال ھؤلاء من الائمۃ وکلھم ھؤلاء الائمۃ واتباعھم فی ذلک کثیر مشہور بل اشتہر من ائمۃ السلف تکفیر من قال القرآن مخلوق وانہ یستتاب فان تاب والا قتل کما ذکروا ذلک عن مالک بن انس وغیرہ ونقل ذلک ابوجعفر الطحاوی الحنفی فی الاعتقاد عن ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی وابی یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری وابی عبد اللہ محمد بن حسن الشیبانی رحمھم اللہ تعالیٰ۔

سو یہ بات صحابہ و تابعین اور جمیع ائمہ مجتہدین سے ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن شریف اللہ کا کلام ہے اور کلام اس کی صفت قدیمہ ہے اور اسی کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور غیر مخلوق ہے اور جو شخص اس کو مخلوق کہے سو وہ کافر ہے اور جس شخص کو زیادہ تحقیق منظور ہو وہ کتاب العلو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور خلق افعال العباد امام بخاری کا اور شرح فقہ اکبر کا اور کتاب الرد علی الجہمیہ للامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھے واللہ اعلم بالصواب، اور اللہ کلام لفظی کے ساتھ کلام کرتا ہے، کلام نفسی کا سلف صالحین میں کہیں پتہ نہیں۔

(۲) اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا کلام اترا ہے حقیقی ہے، مجازی نہیں اس واسطے کہ حقیقت اصل ہے اور مجاز فرع، جب تک کوئی قرینہ قویہ صارفہ نہ پایا جاوے حقیقت نہیں چھوڑی جا سکتی۔

(۳) اور نواب صاحب مرحوم کا جو رسالہ استوا کے بارے میں موسوم یا حتواء ہے حق ہے اور سب موافق سلف صالحین کے ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ابوا سمٰعیل یوسف حسین عفی عنہ۔ ھذا ھو الصواب وللہ در من اجاب محمد اوسط عفی عنہ بہاری رحمہ اللہ المجیب فقد اجاب جوابا شافیا لا شک فی صحتہ وکونہ صوابا ابو تراب عبد التواب الملتانی غفرلہ۔

سید محمد نذیر حسین

آخر میں اعلان سے توبہ کرانے کے اقوال بھی شہرت تک پہنچ چکے ہیں اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے یہ فتویٰ امام مالک بن انس اور علماء کا ہے قول ہے۔ اور امام ابو حنیفہ سے یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی سے بھی یہی منقول ہے ۱۲

سید محمد عبدالسلام غفرلہٗ | سید محمد ابوالحسن۔ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۰۴

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ اندرین مسئلہ کہ یا رسول اللہ گفتن بر غیر مزار شریف درست است یا نہ بینوا توجروا۔

جواب: یا رسول اللہ ندا در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم است و ندا برائے حاضری باشد پس این قول دلیل بر آن است کہ این کس رسول صلی اللہ علیہ وسلم را حاضر بہر مکان و زمان اعتقاد می کند و این معنی بدون علم محیط امکان ندارد و العلم المحیط لیس الا للہ و تعالیٰ کما فی التفسیر الکبیر پس اثبات ہمچو علم بغیر خدا شرک باشد۔

و در مفتاح القلوب ملا حسین الخباز مرقوم است و از کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبات بگمان آنکہ حاضر اند مثل یا رسول اللہ و یا شیخ عبدالقادر و مانند آن انتہی و از یجا است کہ در عامہ کتب فقہ مسطور است لو تزوج بشہادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد النکاح و یکفر لاعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب کذا فی البحر الرائق وغیرہ و تفرقہ درمیان ندائے نبی و ندائے غیر نبی و درمیان یا در درود و سلام و ندا بیدون درود و سلام از فہم ما مردم عامی است ہمچہ ندا برائے حاضر می باشد و نبی حاضر درین جا ہمچو غیر نبی

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے علاوہ اور کسی جگہ پر یا رسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں!

الجواب: یا رسول اللہ با لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ہے اور کسی کو بلایا جاتا ہے جو حاضر ہو ایسے آدمی کا عقیدہ گویا یہ ہے کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں اور یہ چیز علم محیط کے بغیر نہیں ہو سکتی اور علم محیط اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور ایسا علم کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

ملا حسین خباز نے اپنی کتاب مفتاح القلوب میں لکھا ہے اموات غائبات کو اس حیثیت اور اعتقاد سے پکارنا کہ وہ حاضر ہیں، مثلاً یا رسول اللہ اور یا شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ سو یہ کفر ہے یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اللہ و رسول کی شہادت سے نکاح کرے تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور نکاح کرنے والا کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں (بحر الرائق وغیرہ)

اور نبی یا کسی دوسرے کو ندا کرنے یا درود وغیرہ۔ درمیان ندا کرنے کا جو فرق کیا جاتا ہے، وہ ہماری سمجھ سے

کو علم غیب حاصل نہیں الا ما شاء اللہ باذنہ خالد اور اس کے متبعین کہتے ہیں کہ علم غیب اللہ کے سوا اوروں کو بھی بالذات حاصل ہے اچھا پھر بزرگان دین اکثر غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں، بھلا یہ علم غیب نہیں تو پھر کیا ہے، یہ لوگ خدا کی ذات و صفات و قدرت میں تصرف و شرکت رکھتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ عمرو و خالد کے اقوال مذکورہ سے کس کا قول حق و موافق شریعت کے ہے، اور کس کا قول ناحق و خلاف شریعت ہے!

الجواب۔ عمرو کا قول حق ہے، اور خالد اور اس کے تابعین کا قول سراسر باطل اور مردود ہے بلاشبہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، سوا اللہ کے علم غیب کسی کو حاصل نہیں قال اللہ تعالیٰ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ[1] (پارہ ۷ رکوع ۱۴) وقال قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ[2] اس بارے میں کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، سوا اللہ کے کسی کو حاصل نہیں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں، یہاں صرف دو آیتیں نقل کی گئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین　　　فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص

سوال۔ جو شخص اللہ کو واحد اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق جانے، اور قیامت وغیرہ اعتقادی امور کو مانتا ہے شرک نہیں کرتا، اور نماز کو بھی فرض جانتا ہے مگر نماز تمام عمر نہیں پڑھتا وہ شخص مسلمان ہے یا کافر!

الجواب۔ واضح ہو کہ جو شخص اللہ کو واحد جانتا ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مرسل مانتا ہے، اور امور ایمانیہ و اعتقادیہ کا اقرار کرتا ہے، وہ بے شک مسلم ہے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کو کافر کہے، مگر ہاں جس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کو کافر کہا، اسی قدر ہم بھی

[1] اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔ [2] آپ کہدیں اللہ کی مشیت کے سوا میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں، اور اگر میں غیب جانتا ہوتا، تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ایماندار لوگوں کو ڈرانے اور بشارت دینے والا ہوں۔۱۲

دوم در بیان احکام الٰہیہ و چند نصیحت و تنبیہ و تخویف عوام کالانعام از فرقہ مسلمانان بر کیش تا
عاقبت اندیش است لان الامور بمقاصدہا کہ قاعدہ کلیہ فقہا راست کار بند شدہ اند چہ عوام
بزعم باطل و اعتقاد فاسد خود وقتیکہ اولیاء اللہ از جناب باری مختار شدہ ہر چہ خواہش می
کنند و ہر کرا خواہند اولاد و مال و منصب و جاہ می دہند و ہر کرا خواہند ذلیل و خوار کنند و بنا
بریں اعتقاد شرکیہ دست دعا و نیاز در مخالفت باسماء ایشان یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ
و یا علی یا علی یا حسین یا حسین یا خواجہ جی یا خواجہ جی بتقریب تام و تذلل تمام اہتمام می
کنند و در ورطۂ گور پرستی و پیر پرستی شب و روز مستغرق می باشند و از احکام شرعیہ محض
غافل و بیباک اند و از اولیاء اللہ چنداں می ترسند کہ از خالق بے نیاز و رازق کارساز
عشر عشیر نمی ترسند و شعار مسلمانان جہان در شرک و بدعت ہم چو شعار کفار سابق زمان
گردیدہ است پس اعتقاد این چنین کسان را قرار کردہ اند

و اثر ہمیں امام رازی در تفسیر کبیر در سورۂ یونس تحت آیت کریمہ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ الی آخر الآیۃ می نویسد
ورابعہا انہم وضعوا ہذہ الاصنام والاوثان علی صور انبیائہم واکابرہم وزعموا
انہم متی اشتغلوا بعبادۃ ہذہ التماثیل فان اولئک الاکابر علی اعتقادہم اذا
عظمی قبورہم فانہم یکونون شفعاء لہم عند اللہ تعالی . انتہی ما فی الکبیر
بقدر الضرورۃ ۔

یہ جن کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ جناب باری تعالیٰ کے مختار کل ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں، کسی کو ذلیل کر دیں، کسی کو عزت بخشیں
کسی کو اولاد دیں یا مال و دولت کسی کا رزق تنگ کر دیں یا فراخ، سب ان کے قبضہ قدرت میں ہے اسی وجہ سے کہ وہ ان کے
نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، یا علی، یا حسین، یا خواجہ
جی وغیرہ وغیرہ۔ قبروں کے سامنے پوری عاجزی کا اظہار کرتے ہیں ان کی قبروں پہ سجدے بھی کر دیتے ہیں
اور ان سے اتنا ڈرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے جس کا سوواں حصہ بھی نہیں ڈرتے، پہلے زمانے کے کافروں کے بھی
ایسے ہی عقیدے تھے چنانچہ آپ کا مقصد یہ تھا کہ ایسے غلط عقیدہ کی تردید کر کے صحیح عقیدہ ان کے
سامنے پیش کیا جائے
امام رازی تفسیر کبیر میں سورہ یونس کی تفسیر میں آیت ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ کے تحت لکھتے ہیں کہ ان لوگوں نے
اپنے نبیوں اور ولیوں کی شکل کے بت بنا رکھے تھے ان کا خیال تھا کہ جب ہم ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں تو ان
کی روحیں خوش ہو کر اللہ کے پاس ہماری سفارش کر دیتی ہیں

نزدیک عزتش ننشیند غبار شرک — با وحدتش کسے دم شرکت چگونہ زند

ہر طرح کافگند بصفتش خیال و وہم — دست کمال آتش غیرت دران زند

بداین معنی او تعالیٰ شانہ در رد اعتقاد فاسد معتقدان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہ از مرتبہ عبودیت بمرتبہ الوہیت رسانیدہ بود ارشاد فرماید لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۔ عاقلان میدانند کہ حضرت عیسیٰ بادر خود قابل شائبہ ہلاکت و عذاب نبودند صرف بابطال زعم معتقدان ایشان تنبیہ و زجر فرمودہ کہ معتقدان شان ازین عقیدہ باطلہ توبہ نمایند و بحکم خداوند قہار و جبار فرمانبردار شوند ست

صرصر قہر تو از مکمن وحدت بوزد — خس و خاشاک وساوس ہمہ را باد برد

ہر چہ در عرصہ موجود پدیدار بود — سیل غیرت ہمہ را تا عدم آباد برد

پس ازین جہت صاحب تقویۃ الایمان علیہ الرحمۃ والرضوان بہر ابطال زعم مذموم عوام کہ وقتی بزرگان دین از اولیاء اللہ میدانند کہ ہرچہ خواہند کنند نوشتہ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

بدانکہ درینجا بیان اختیار نمایند دو نسبت است یکے نسبت مخلوق با خالق دیگرے نسبت مخلوقے با مخلوق دیگر پس مقصود تمام و کشف مرام صاحب تقویۃ الایمان درین مقام قسم اول است یعنی نسبت مراتب جمیع مخلوقات بہ نسبت مراتب خالق کائنات بمنزلہ ہباء منثورا است و بمرتبہ ذرہ ہیچ گونہ معتد بہ نسبت زیرا کہ حادث مفتقر را با قدیم موجد مقتدر چہ مناسبت و مشابہت

اللہ عزوجل تعالیٰ نے ان بد عقیدہ مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنے کے لئے بہت سخت لفظ بھی فرمائے "یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔ آپ کہہ دیں اگر خداوند تعالیٰ مسیح ابن مریم ان کی ماں اور تمام اہل زمین کو ہلاک کرنا چاہیں تو خدا کے مقابل کون روک سکتا ہے"
عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ مسیح اور ان کی والدہ تو ہلاکت و عذاب کے لائق نہیں ہیں لیکن ان مشرکوں کے عقیدہ کی تردید کرنے کے لئے ایسا فرمایا ہے۔
یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہاں دو نسبتیں الگ الگ ہیں ایک خالق سے مخلوق کی نسبت، دوسری مخلوق کی مخلوق سے نسبت، اور مولانا شہید نے پہلی نسبت کے متعلق گفتگو کی ہے کہ خالق کے سامنے تمام مخلوق کو کوئی ذرہ بھر کی بھی نسبت نہیں ہے بھلا حادث محتاج اور قدیم موجد مقتدر میں کیا نسبت ہے بلکہ ایک ذرہ ہے مقصد ادنیٰ کی غرض سے ایسا کہہ دیا ہے یہ خالق و مخلوق میں ادنیٰ کی بھی نسبت نہیں ہے اس صورت میں مخلوق کو خالق کے مقابلہ میں ذرہ بھر بھی نہیں ہے

پشہ در لشکر دشمن آری رحیل زمرغان کشتی فیل واصحاب فیل

پس درمیان خالق غنی و بے نیاز و مخلوق متصف بالعجز والنیاز مناسبت و مشارکت و مقاومت و
مزاحمت و منازعت و مبارزت اصلاً نیست چه او خالق مطلق و رازق برحق ازلاً و ابداً عزیز
وقوی و مالک الملک و قاہر و غالب است وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیۃ و حدیث
قدسی الکبریاء ردائی والعظمة ازاری شان عزیز السلطان او است ؎

مراو را رسد کبریا و منی کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

بخلاف مخلوق چه کبیر و چه صغیر پیش او جبار قدیر ضعیف فانی و ذلیل و حقیر جلی است ؎

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است بندہ در بند آفرینندہ است
پس کجا بندہ کہ در بند است لائق شرکت خداوند است

چنانچہ رب العزت بمقتضائے شان عزت و جلالت خود ہمی فرماید اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔ ذلیلا خاضعا کذا فی معالم التنزیل، اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ
عَبْدًا ۔ ذلیلا خاضعا یوم القیامة منهم عزیر و عیسی کذا فی الجلالین پس در جلالین
منهم عزیر و عیسی را صراحتہ ذکر کردہ و ذلیل شمردہ پس بے ادبی کردہ و چنانچہ قیل ؎

ہنر بچشم عداوت قبیح تر باشد حسد بکاسۂ طبعی فضیح تر باشد

اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ای حالا ای خاضعا ذلیلا منقادا انتہی ما فی المدارک عبدا مطیعا
خاشعا کذا فی التفسیر الکبیر مختصرا الخشوع ضراعة وضرع الرجل ضراعة ضعف
و ذل کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب ؎

آں خداوند جہاں دار کہ ہیبت او بادیہ بخچہ نیارد کہ کند پردہ دری

معترض غافل بخبر از کلام میر سکندر نامہ نظامی علیہ الرحمۃ بے خبر بودہ است و اگر صاحب
تقویۃ الایمان تحسین بے ہودہ دیگرے نمودہ است ؎

جب زمین و آسمان تمام مخلوقات اس کی محتاج ہوئی تو پھر اس کے ساتھ برابری کیسے ہو سکتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید
میں فرماتا ہے کہ زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کے ہاں غلامی کی حالت میں آنے والا ہے جلالین میں لکھا ہے کہ
عبدا کا معنی ذلیل اور خاضع ہے پھر فرماتے ہیں تمام مخلوق اس کے سامنے ذلیل ہے عزیر علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام بھی۔

ذکر کردند نعوذ باللہ من سوء الفہم، و شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نیز بجلالت شان او خالق قہار

و عزیز جبار سے فرمایند ؎

اگر بہ تیغ عتاب قہر کند | انبیا را چہ جائے معذرت است
پردہ از روئے لطف گر بردارد | اشقیا را امید مغفرت است

ہمچنین قول صاحب تقویۃ الایمان کہ جیسا ہے ویسے ہی ذلیل ہے باید فہمید ذلیل یعنی ضعیف

و عاجز و لاچار و بے اختیار است، زیرا کہ او جل شانہ مالک الملک و عزیز و سلطان و قاہر و جبار

مطلق است و ہمہ مخلوق چہ اعلیٰ چہ ادنیٰ در جنب عزت و قدرت کاملہ او و قاہرہ او ذلیل

و خوار بلا ریب و در عقیدہ اہل اسلام است الملک ھو القادر والمالک ھو القادر بقولہ

مَالِكَ الْمُلْكِ معناہ القادر علی الملک والمعنی ان قدرۃ الخلق علی کل ما یقدرون

علیہ لیست الا باقدار اللہ تعالیٰ فھو الذی یقدر کل قادر علی مقدورہ و یملک

کل مالک علی مملوکہ ۔ انتہی ما فی الکبیر مختصرا۔

در مدارک تحت آیت کریمہ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ فی تصویر القہر بلوغ المراد

بمنع غیرہ عن بلوغہ انتہی کلامہ و ظاہر است کہ معنی مراد از ذلیل است یعنی ذلیل و ضعیف است

از مقاومت و مصادمت در کارخانہ الٰہی چہ او عاجز سراپا است کہ بر جلب منافع و دفع مضار

و موت و حیات و صحت و مرض و دفع حاجات خود ہیچ قدرت یک ذرہ ندارد چنانکہ عقل

و شرع بدان ناطق است و قول صاحب تقویۃ الایمان بر آن صادق چنانچہ او مالک الملک بابطال

زعم مشرکان در سورہ فرقان می فرماید ﴿وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ الآیۃ ؎

حسن غیور او نہ پسندد شریک را | آئینہ را بدست نگیرد نگار ما

و کنون معنی ذل و ذلت باید دانست کہ بحیثیت ذل بمعنی خواری ضد عز، ذلت کہ لک فی

تفسیر مدارک میں آیت ﴿وھو القاھر فوق عبادہ﴾ کے تحت لکھا ہے کہ قہر کا معنی ہے اپنی مرضی پوری کرنا اور دوسرے کو مرضی پوری کرنے سے روک دینا اور یہی ذلیل کا معنی ہے کہ کوئی بھی اس کے کارخانہ قدرت میں دخل دینے کی اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سب کے سب سراپا عاجز ہیں۔

نسبة الی تنزیله وتامل قوله تعالیٰ فی حق السید عیسی علیه السلام إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ۔ انتهی ما فی الطحطاوی ۔ قال الله تعالیٰ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ یعنی ما عیسی الا عبد کسائر العبید ۔

پس دریں جا غور باید کرد که برائے چه این چنین نوشته اگر بقصد استخفاف و اہانت نوشته کافر خواہد بود و حاشا که این مقصود امام ہمام نیست، بلکه بنظر تنزیه ذات باری از لوث شرک در رد عقیده گان نوشته، و صاحب تفسیر نیشاپوری تحت آیت کریمه لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ افاده فرموده ثم ذلک لانه الملک والحکم فقال يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ تعميم فضله وان كان من الاباعد والفراعنة وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ بحكم الالهية والقدرة وان كان من الملائكة المقربين والمصطفين انتهى كلامه مختصرا و در حق حضرت عیسیٰ و مریم علیہا السلام می فرماید مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كسائر النساء اللاتی يلازمن الصدق او يصدقن الانبياء كانا يأكلان الطعام ويفتقران اليه افتقار الحيوانات ۔ انتهى ما فی البیضاوی مختصرا و در جلالین مذکور است كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ كغيرهما من الحيوانات انتهى ما فی الجلالين ۔

پس صاحب تفسیر بیضاوی و جلالین حضرت عیسیٰ و مریم علیہا السلام را مانند دیگر حیوانات بنا بر افتقار و ضعف و عدم اختیار تشبیه داده‌اند نه بقصد حقارت و عدم تفاوت درجات ایشان

کہ ہم میں سے ... ہوتے، اللہ تعالیٰ کے قول ... کہ وہ ... کے متعلق فرماتے ہیں، وہ تو صرف ایک بندہ تھا جس پر ہم نے احسان فرمایا، یعنی جیسے عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے بندوں کی طرح ایک بندے ... ہیں اگر بنظر حقارت ایسا کہا ہے تو کافر ہو جائے ... [illegible] ... کے عقیدہ کی تردید کرنا مقصود ہے۔

صاحب تفسیر نیشاپوری آیت لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ... [illegible] ... اگر وہ ... بخشنا چاہے تو ... [illegible] ... سزا دے ... [illegible]

... حضرت عیسیٰ علیہ السلام ... کے متعلق فرماتے ہیں، كانا يأكلان الطعام ... [illegible] ... صاحب تفسیر بیضاوی و جلالین ... [illegible] ... کا مقصود ان کی ... [illegible] ... کو بیان کرنا مقصود ہے۔

العرب و امام راغب در مفردات القرآن فی تولیہ الذل ما کان عن قہر یقال اذل المقل الذلۃ القلۃ انتہی کلامہ۔ فی الجملہ معنی ذل و ذلت ضعف و عجز و ناتوانی و بے سر و سامانی است از مقاومت بلوکے و ضد و نقیض آن عزت است بمعنی قوت و غلبہ ایضاً کما امام فخر الدین رازی زیر آیت کریمہ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ در تفسیر کبیر فی تولیہ معنی الذل الضعف عن المقاومۃ و نقیضہ العز ھو القوۃ و الغلبۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر۔

پس ظاہر کہ ہر مخلوق بمقابلہ قوت و غلبہ خالق بدیع السماوات والارض بلا ریب ذلیل است یعنی ضعیف و ناتوان تا پائیدار در بند حوادث گوناگون گرفتار و منکر این دیوانہ مشکل با لعصیان مخلوق جہان بودہ تلاوت سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ در حق منکران فی باید و توقیع رفیع ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ حسب حال ایشان می شاید در تفسیر ابو السعود نوشتہ اذلۃ جمع ذلیل و انما جمع جمع قلۃ للایذان باتصافہم حینئذ بوصف القلۃ والذلۃ اذ کانوا ثلثمائۃ و بضعۃ عشر و کان ضعف حالہم فی الغایۃ انتہی ما فیہ مختصراً۔ در تفسیر بیضاوی مرقوم است و انما قال اذلۃ و لم یقل ذلائل لیدل علی قلتہم و ذلتہم لضعف الحال و قلۃ المراکب والسلاح انتہی کلامہ۔

پس از قرآن مجید و تفاسیر بصراحت واضح شد کہ اولیاء مالک الملک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم را بسبب ضعف و قلت مال و منال کہ از مقاومت با کفار ضعیف و بے سرمایہ بودند ذلیل فرمودہ چہ جائیکہ بمقابلہ عزت کاملہ و سلطنت قاہرہ و قوت باہرہ مالک الملک کے رستہ ہمہ گونہ ذلیل و ضعیف و نحیف شمردہ نشوند، چہ ذلت و ضعف و افتقار شان انسان است و فرمان عالی شان خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا برآن برہان است ؎

اگر نہیب دہد چرخ واژگون گردد — و گر عتاب کند آفتاب خون گردد

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ شان عزیز السلطان اوست القہر ھو الغلبۃ والتذلیل معاً و یستعمل فی کل واحد منہما کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب پس معنی آیت کریمہ این است کہ او تعالی غالب و مذل و تذلیل کنندہ بندگان خود است ؎

جلوہ قدرت تو نہایت و پایانے نیست | ہر زمان جلوہ دیگر شود از پردہ عیان

فی الجملہ خداوند خلاق و مالک علی الاطلاق بشان عزت خالقیت وشان عزت الوہیت و شان عزت معبودیت وشان عزت قہاریت موصوف سرمدی است، وہر مخلوق بشان ذلت عبدیت وشان ذلت عبودیت وشان ذلت مقہوریت وشان ذلت افتقاریت مجبور و پابند محصور ابدی است، پس مخلوق بمقابلہ تجلیات رنگارنگ، خالق غنی و بے نیاز را لایا ورد ثنائے گوناگون سرافگندہ با عجز و نیاز است

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار | کہ اگر خار و اگر گل ہمہ پروردہ تست

پس شرح و بیان عبارت تقویۃ الایمان حسب عنوان کلام ایزد منان و رسول مقبول آخر زمان و طرز تبیان علمائے ذی شان نگارش یافتہ اکنون صاحبان انصاف پرور را لازم است کہ بتقاضائے مکارم اخلاق غور فرمایند و بر صاحب تقویۃ الایمان غیظ و غضب نہ نمایند۔

اندکے با تو بگفتم و بدل ترسیدم | کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

سید محمد نذیر حسین

سوال پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم را برادر کلان خود خواندہ حالانکہ جمیع انبیاء خواہش اتباع امت بودن او داشتند و اگر آن سرور صحابہ یا امت را برادر خود خواندہ لازم نیست کہ دیگران ہم بگویند۔

الجواب: اعتراض معترض بر فائدہ تقویۃ الایمان کہ زیر حدیث اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَأَكْرِمُوْا أَخَاكُمْ مذکور است، نیز مشعر بر جہالت و عدم عبور او بر قرآن مجید و حدیث

پس تقویۃ الایمان کی عبارت کی شرح خدا تعالیٰ کی توفیق سے قرآن مجید اور حدیث شریف اور علماء ذی شان کے بیان کے مطابق ہو چکی ہے اب انصاف پرور حضرات سے توقع ہے کہ مکارم اخلاق کے مطابق اس پر غور فرمائیں گے اور صاحب تقویۃ الایمان پر خواہ مخواہ ناراض نہ ہوں گے

سوال: صاحب تقویۃ الایمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا بھائی کہا ہے حالانکہ تمام انبیاء آپ کی تابعداری کے امتی ہونے کی خواہش کرتے۔ اور اگر حضور نے آپ کو صحابہ یا امت کا بھائی کہا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم بھی ان کو بھائی کہیں۔

الجواب: معترض کا یہ اعتراض بھی صاحب تقویۃ الایمان کے فائدہ پر جو انہوں نے حدیث اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم کے تحت لکھا ہے سراسر جہالت اور قرآن مجید و حدیث شریف سے عدم عبور کی بنا پر ہے اور یہ اعتراض دو طرح پر مردود ہے

ست مذکور بچند وجہ است ۔

وجہ اول این کہ مسلمانان باہم چہ اعلی وچہ ادنی باصل واحد کہ ایمان واسلام است منتسب می شوند یعنی ایمان واسلام بمنزلہ اب است و ہمہ مسلمانان برادران دینی ہستند وانتساب دینی واسلامی اشرف وافضل است از انتساب نسبی چنانکہ کفار را خود با شراکت کفر بہ اخوان اند خداے تعالے در قرآن مجید می فرماید اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی نیست کہ مومنان برادران مگر یک دیگر را در دین چہ ہمہ منتسب اند باصل واحد کہ ایمان است اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مِنْ حَيْثُ اِنَّهُمْ مُنْتَسِبُوْنَ اِلٰى اَصْلٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْاِيْمَانُ الْمُوْجِبُ لِلْحَيٰوةِ الْاَبَدِيَّةِ كذا فى التفسير البيضاوى ۔ المسئلة الاولى قوله تعالى انما المؤمنون اخوة قال بعض اهل اللغة الاخوة جمع الاخ من النسب والاخوان جمع الاخ من الصداقة فالله تعالى قال اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تاكيدا للامر واشارة الى ان ما بينهم ما بين الاخوة من النسب والاسلام كالاب قال قائلهم ؎

ابى الاسلام لا اب لى سواه   اذا افتخروا بقيس او تميم

انتهى ما فى التفسير الكبير وغيره من التفاسير نعم ما قيل ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

وجہ دوم ظاہر است کہ صیغہ مومنون ومسلمون از جملہ الفاظ عام است العام هو اللفظ المستغرق لجميع ما يصلح له بحسب وضع واحد كذا فى كتب اصول الفقه پس آیت کریمہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ من حیث الایمان مستوعب وشامل گردید رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم وہمہ امت مومنہ را [illegible]

وجہ اول یہ ہے کہ مسلمان آپس میں خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ ایک اصل ایمان کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر بھائی بھائی ہیں یعنی ایمان و اسلام بمنزلہ باپ کے ہے اور تمام مسلمان دینی بھائی ہیں اور دینی اور اسلامی نسبت سب سے اشرف و افضل ہے [illegible] کافر بھی اپنی ملت کفریہ کی وجہ سے آپس میں بھائی ہیں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ مومن سب آپس میں بھائی بھائی ہیں [illegible] ایک اصل ایمان [illegible] (بھائی) کا جمع دو طرح سے آتی ہے [illegible] بھائی کی جمع ہے [illegible] اور اخوان دوستی کی وجہ سے بھائی [illegible] سب آپس میں حقیقی بھائی [illegible] حضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

المقول من ائمۃ الاصول کان اخراج المعنی من اللفظ العام الموضوع غیر معقول کما
لا یخفی علی الماھر بالاصول۔

محصل عرض دریں جا قیاس را دخل دہد و گوید کہ برین کثیف ایمان و نیک اعمال کی تو آنحضرت
ذات شریف جامع فیض و کمال کجا، ازیں جہت ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از عموم نص
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ و از خطاب فاخوانکم فی الدین وغیرہ خارج است پس دریں
صورت اطلاق اخوۃ و برادر بران برآنحضرت جائز و روا نبود پس در صورت عدم جواز اطلاق
اخوۃ بران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سراسر گناہ و بے ادبی است، گویم کہ نص عام را بقیاس خاص
کردن کار ابلیس است کہ نص را بقیاس خاص فرمودہ خود را از ان خارج کردہ و ازیں رو ملعون شد
چنانکہ در تفسیر کبیر وغیرہ بعبارت آتی گزیدہ الرابع انہ تعالیٰ امر الملائکۃ بالسجود لآدم حیث قال
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ثم ان ابلیس لم یدفع ھذا النص
بالکلیۃ بل خصص نفسہ عن ذلک العموم بقیاس ھو قولہ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن
طِينٍ ثم اجمع العقلاء علی انہ جعل القیاس مقدما علی النص وصار بذلک السبب
ملعونا وھذا یدل علی ان تخصیص النص بالقیاس تقدیم للقیاس علی النص و
انہ غیر جائز انتہی ما فی التفسیر الکبیر فی سورۃ النساء أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔

و ازیں جا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را گفتہ کہ من برادر شما ام و

خارج کرنا تخصیص بلا نص ہے۔

(۱) اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہم بدعمال لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ لہٰذا آپ کو عموم نص
إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ سے خارج سمجھا جائے گا اور اس طرح آپ کو بھائی بھائی کہنا جائز نہ ہوگا اور اس صورت
میں آپ پر بھائی کا اطلاق کرنا سراسر بے ادبی اور گناہ ہوگا تو میں اس کے جواب میں تفسیر کبیر کا اقتباس پیش
کرتا ہوں کہ لکھتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ بجا لانے کا حکم دیا، تو شیطان
نے اس نص کو بالکلیہ رد نہیں کیا، بلکہ اپنے آپ کو اس آیت کے عموم نص سے قیاس کی بنا پر خاص کر لیا، اور کہا
خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ۔ اور تمام عقلاء اس پر اتفاق ہے کہ شیطان نے قیاس کو نص پر مقدم
کیا اور اس سبب سے ملعون ہو گیا اور یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ قیاس کی بنا پر نص کی تخصیص کرنا حقیقت
میں قیاس کو نص پر مقدم کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ اب اس آیت کے عموم کو قیاس کی بنا پر خاص کرنے
والے اپنے متعلق سوچیں کہ وہ کون ہیں۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابوبکر صدیق سے حضرت عائشہؓ کا رشتہ پوچھا، تو حضرت ابوبکر

جاہل و گمراہ است چنانکہ برما ہران نصوص مخفی نخواہد بود و بنا بران در تفسیر کبیر در سورۂ اعراف
گفتہ کہ لایجوز تخصیص النص بالقیاس انتہی ما فیہ مختصراً۔

پس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بدلیل ہر دو آیت کریمہ مذکورہ از راہ اخوت اسلامی برادر
فلان و زید گشتہ شدند و ہمہ امت مسلمہ برادر خود و کمتر گردیدند من حیث الایمان چہ ایمان
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم الوف الاف از ایمان تمام امت مرحومہ زیادہ و افضل است
کما تقرر فی مقرہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المقبرۃ فقال السلام
علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددت انا قد رأینا اخواننا
قالوا اولسنا اخوانك یا رسول اللہ قال انتم اصحابی واخواننا الذین لم یاتوا بعد
الی اخرہ رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ فی الفصل الثالث من کتاب الطہارۃ - قال
العلامۃ الطیبی فی شرح ہذا الحدیث لیس نفیا لاخوتہم ولکن ذکرہ مزیتہم
بالصحبۃ علی الاخوۃ فہم اخوۃ وصحابۃ واللاحقون اخوۃ کما قال اللہ تعالیٰ
انما المؤمنون اخوۃ انتہی کلام الطیبی فی شرح المشکوۃ۔ ترجمہ حدیث نبوی
بمقابر آمد و گفت سلام بر شما ای کاش من دیدمی برادران خود را یعنی آنہا کہ بعد از من
بیایند گفتند صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را آیا برادران تو نیستیم ما برادران
تو فرمود شما اصحاب منید برادران ما آنہا اند کہ بعد از من بیایند و ایشان ہنوز بعالم وجود
قدم ننہادہ اند انتہی ما فی ترجمۃ الشیخ عبدالحق المحدث الدہلوی در جذب القلوب الخ
و شیخ جلال الدین در جمع الجوامع چند حدیث بدین مضمون آوردہ است و از ینجاست
شیخ محی الدین ابن العربی در باب ... فتوحات مکی نوشتہ فضلت الصحابۃ فی ...

اس کے بعد یہی حدیث ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے مردگان کے لئے دعا فرمائی اور کہا کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں
آپ نے فرمایا تم میرے صحابی ہو میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے بعد میں آئیں گے۔
یہ صحابی بھی ہیں ... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے بھائی ہونے کی نفی نہیں فرمائی [illegible]
فضیلت ... بھائی ہونے کے علاوہ ان کو صحبت کی ... شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات [illegible]
صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی صحبت حاصل [illegible]

چنانچہ بعض اعتقاد فاسد مسلمانان جہلا و بعضے صوفیان صفا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم را از حد
لوازم بشریت و از مرتبہ نبوت و منصب رسالت برداشتہ بمدارج الوہیت و صفات رب العزت
رسانیدہ امور مستحیلہ کہ مختص بذات و صفات و افعال او ذوالجلال لایزال است برسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم نسبت می کنند، و بدان اعتقاد در کفر و شرک می افتند نوشتہ و مطابق کتاب اللہ
تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی نگاشتہ و نقاب غفلت و خذلان از روئے جہلا
برداشتہ و تفصیل و اجمال این بدین منوال است کہ بعضے صوفی جاہل کہ خود را پیشوائے دین
و اسلام می شمارند اعتقاد می کنند یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را اللہ مجسم میدانند و می گویند
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اسم اللہ اند و غیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظاہر اسماء دیگر چون
رحمٰن و رحیم، قاہر و مفضل و مظہر بدان معنی می گویند کہ اسم اللہ متعین شد محمد نام شد، و اگر محمد مطلق شود
اللہ گردد و نعوذ باللہ سبحانہ من ہفواتہم و یہود را ہم و نصاری می گویند ایشان محمد صلی اللہ علیہ وسلم را تحقیق
شاید کہ بہمہ نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسازند و بہ پرستش پردازند، تمام شد کلام مولوی
ظہور الحق صاحب عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ و تنویر الفاظ بات کہ در رد صوفیان جاہلین نوشتہ
و این صریح کفر است بلاریب و جحد و انتحل یا انتحل قول یک فرقہ نصاری یعقوبیہ است چنانکہ
اللہ سبحانہ در قرآن مجید می فرماید

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ
اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ الآية وهذا هو قول اليعقوبية لانهم يقولون ان مريم
ولدت الها ولعل معنى هذا المذهب انهم يقولون ان الله تعالى حل في ذات
عيسى واتحد بذات عيسى ثم حكى تعالى عن المسيح انه قال وهذا تنبيه على
ما هو الحجة القاطعة على فساد قول النصارى وذلك لانه عليه الصلوة والسلام

منسوب کرتے ہیں اور اس طرح کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ لوگ یہاں تک پہنچ گئے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو مجسم خدا سمجھنے لگے اور کہہ دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اسم اللہ کے مظہر ہیں اور دیگر
تمام مخلوقات دوسرے اسماء کے، اور اس میں اتنا غلو کیا کہ کہنے لگے کہ جب اللہ کا اسم متعین ہوا تو اس کا نام محمد ہو گیا
اور اگر محمد مطلق ہو جائے تو اللہ بن جائے نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات، یہود و نصاری تو پیغمبروں کو خدا کا بیٹا کہتے
تھے یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں، اللہ کا بیٹا نہیں کہ یہ قول فرقہ یعقوبیہ کی طرح ہے

الا المختص باللہ تعالیٰ وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی کونی موصوفا بعلم اللہ تعالیٰ وبمجموع ھذین الکلامین حصل انہ لا یدعی الالھیۃ ثم قال ولا اقول لکم انی ملک وذلک لانہ لیس بعد الالھیۃ درجۃ اعلیٰ حالا من الملکیۃ فصار حاصل الکلام کانہ یقول لا ادعی الالھیۃ ولا ادعی الملکیۃ ولکنی ادعی الرسالۃ وھذا منصب لا یمتنع حصولہ للبشر فکیف اطبقتم علی استنکار قولی ودفع دعوای انتہی ما فی التفسیر الکبیر للامام الرازی۔ پس دیدند صاحب تقویۃ الایمان در رد بد عقیدگان انبیاء ہم چو دیدۂ صاحب تفسیر کبیر در ابطال عقیدہ مردمان اشقیاء کما لا یخفی علی اولی الابصار

ومولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ در تفسیر سورۂ جن می نویسند باید دانست کہ ذکر و عبادت مستلزم طلب حضور آن چیز است اگر او را اندکے ہمی کنند و معبودی سازند پس ذکر و عبادت غیر در مقامے کہ خصوصیت بحضرت حق تعالیٰ داشتہ باشد ازان قبیل است کہ مکانے را برائے نزول و قدوم بادشاہے مہیا سازند و ہمراہ او کسے را از رعایائے او نیز دعوت کنند کہ کمال بے ادبی است و انہ لما قام عبد اللہ و آنکہ ہر گاہ بندۂ خیر در بندہ خدا ازان جہت کہ بندہ است و در خواندن خاوند خود مضطر است تا عرض مطلب خود نماید و لہذا برائے این بندۂ خیر لقب او یعنی بخواند خدا را و بسبب ذکر و خواندن او حضرت حق بر قلب او تجلی فرماید و در بہترین مکانات بدنش کہ دل است محل نزول نور الٰہی گردد و او تعالیٰ در ان محل جہان شود کادوا یکونون علیہ لبدا یعنی قریب است کہ آدمیان وجنیان بر آن بندہ ہجوم آوردہ باشند تو بر تو شوند بعضے ازان بندہ طلب فرزند می کنند و دیگرے طلب روزی و دیگرے طلب مقاصد دنیا و دیگرے کشف کونی و علی ہذا القیاس بسبب این ہجوم آوردن ہمہ اوقات او

دیکھئے صاحب تفسیر کبیر کی تقریر بھی تو صاحب تقویۃ الایمان ہی کی طرح ہے اور شاہ عبدالعزیز سورۂ جن کی تفسیر میں لکھتے ہیں جاننا چاہیے کہ ذکر و عبادت کی مثال ایسی ہے کہ جیسے اپنے معبود کو کسی مقام پر بلایا جائے تو جیسے بادشاہ کو کسی جگہ اجلاس کرنے کی دعوت دی جائے اور اس کے ساتھ ہی کسی اور کو بھی دعوت دے دی جائے تو یہ بادشاہ کی انتہائی توہین ہے ایسا ہی اگر خدا تعالیٰ کو پکاریں اور اس کے ساتھ کسی اور کو بھی بلا دیں تو اس سے خدا تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کو کھڑا ہوا تو لوگ اس پر جماعت بنتے

مِن ذُنُوبِهِ مُنْتَقِصًا یعنے وہرگز نخواہم یافت در وجدان خود ہیچ وقت سوائے خدائے تعالیٰ
پناہے و مرجع و میلان تا بسوئے آن رجوع و التجا کنم تمام شد کلام مولانا شاہ عبدالعزیز
در تفسیر عزیزی۔

قولہ اِنِّی لَا اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ومعنی الکلام ان النافع والضار والمرشد
والمغوی ہو اللہ وان احدا من الخلق لا قدرۃ لہ علیہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر
باید دانست کہ روش و طرز بیان صاحب تقویۃ الایمان و نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی مرحوم
در رد اشراک و ابطال عقائد فاسدہ عوام ہمچو روش بیان مولانا شاہ عبدالعزیز و صاحب
تفسیر کبیر است ہیچنانکہ بر ماہران کتب مذکورہ مخفی نخواہد بود باز ثقل و قال کردن بر صاحب تقویۃ
الایمان و صاحب نصیحۃ المسلمین خالی از غباوت و جہالت نیست نعوذ باللہ من الغی الغوی۔

و اصل حدیث کہ معترض بر خاستہ و آن اعتراض بر مولوی اسمٰعیل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کردہ است
نوشتہ فی شرح مشکوٰۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر من
المہاجرین والانصار روایت است از عائشہؓ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بود در جماعت
از مہاجرین و انصار فجاء بعیر فسجد لہ۔ پس آمد شترے پس سجدہ کرد مر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم را فقال اصحابہ پس گفتند یاران آنحضرت یا رسول اللہ تسجد لک البہائم والشجر
سجدہ می کنند ترا چہار پایان و درختان فنحن احق ان نسجد لک پس ما سزاوار تریم باآنکہ سجدہ
کنیم ترا فقال اعبدوا ربکم پس گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کنید پروردگار
خود را واکرموا اخاکم گرامی و عزیز دارید برادر خود را عبادت ذات شریف خود را وقت و
لو کنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا الیٰ آخر ما فی

کہ میرے لئے بھی خدا کے سوا کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔
معترض نے صاحب تقویۃ الایمان مولانا اسمٰعیل شہید کی جس عبارت پر اعتراض کیا ہے وہ اس حدیث کا
ترجمہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے ایک اونٹ نے آکر
آپ کو سجدہ کیا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جانور اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہمارا زیادہ حق ہے
کہ ہم آپ کو سجدہ کریں تو آپ نے فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو
سجدہ کرنے کی اجازت دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے

المشکوٰۃ رواہ احمد۔

وازیں حدیث دو فائدہ مستفاد شد یکے آنکہ صحابہ کرام ؓ بطور رسم و عادت بغرض تعظیم خواستند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را سجدہ کنند لیکن اجازت سجدہ کردن نداد کہ غیر مشروع بود زیراکہ سجود را مقتضی مرتبہ تعظیم است برائے آنکہ اعلیٰ وجہ تعظیم ذاتی را مستر باشد آن مختص بذات پاک رب العالمین است۔

فائدہ دوم: آنکہ قیاس صحابہ بر قیاس سجدہ کردن بہائم و درخت بنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و مقبول نہ شد کہ قیاس مع الفارق بود زیراکہ بہائم و درخت مکلف ہم چو جن و انس بہ احکام شریعت انبیاء علیہم السلام نیستند پس سجدہ آنہا بتسخیر الٰہی می باشد۔ و ایں از مباحث شرعیہ خارج است بخلاف جن و انس کہ بہ احکام شرعیہ بواسطہ انبیاء علیہم السلام مسخر اند کہ ازیں چارہ نیست ایشاں را ولہذا فرمود اعبدوا ربکم پس عبادت مختص بہ پروردگار است و روایت است در صحیح بخاری از حضرت عمر ؓ کہ لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم و قولوا عبد اللہ و رسولہ یعنی در مدح من مبالغہ از حد عبدیت تجاوز مکنید چنانکہ مبالغہ حضرت عیسیٰ ابن مریم از حد عبدیت بمرتبہ الوہیت در مدح کردہ شد و دیگر بدو اعتقاد کنند بندہ او و رسول او، و ازیں مبحث شیخ عبدالحق محدث دہلوی در رسالہ ترجمہ زیر حدیث الدین النصیحۃ از جملہ مکتوبات خود می نویسند کہ جمیع مراتب کمالات صوری و معنوی در عبدہ و رسولہ مندرج است و عبدیت خاصہ مخصوص ذات شریف اوست اگر بندہ حقیقی چو او کس تواند بود خود اعتقاد است و بندہ بندہ او انتہی کلامہ مختصراً

جانور اور درخت چونکہ احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں، انسان اور جن اس سے بچ نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ [illegible] ہیں اور شریعت میں حکم ہے کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے، لہٰذا انسانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کا جانوروں اور درختوں کے سجدہ پر قیاس کر کے خود سجدہ کرنا صحیح و مقبول نہ ہوا کیونکہ یہ قیاس مع الفارق تھا، لہٰذا آپ نے فرمایا اپنے رب ہی کی عبادت کرو۔ اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میری تعظیم میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا کہ ان کو عبدیت کے مقام سے نکال کر الوہیت کے مقام پر پہنچا دیا، مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہو۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی [illegible] کے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ جیسا ایک آدمی ہوں [illegible] عبدیت و رسالت میں سب مراتب [illegible] ہے جو دوسرے لوگوں کو نصیب نہیں [illegible] تمام [illegible] کا اظہار کرتا ہوں۔

ازیں جا فرمودہ اکرموا اخاکم یعنی بسبب منصب رسالت از صفات بشریت ممتاز
بودہ بصفات الوہیت متصف نہ شدہ ام کہ مرا عبادت کنید و سجدہ نمائید انا سید ولد
آدم ولا فخر بدانچہ مرا اکرام کنید و گرامی دانید و اطلاق برادر بجہت بنی آدم بودن و انا بشر
مثلکم است و بزرگ و کلان از نظر اکرام و جملہ انا سید ولد آدم بوجہ حسن سیاق گردید
قال اللہ تعالیٰ لقد جاءکم رسول من انفسکم ای من جنسکم عربی مثلکم انتہی ما فی
البیضاوی۔ قولہ من انفسکم وفی تفسیرہ وجوہ الاول یرید انہ بشر مثلکم کقولہ
تعالیٰ اکان للناس عجبا ان اوحینا الی رجل منہم وقولہ انا بشر مثلکم والمقصود
انہ لو کان من جنس الملائکۃ لصعب الامر بسببہ علی الناس علی ما مر تقریرہ فی
سورۃ الانعام انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا۔

ودر سورہ فصلت فی تفسیر قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی وبیان ہذا الجواب کانہ
یقول انی لا اقدر علی ان احملکم علی الایمان جبرا وقہرا فانی بشر مثلکم ولا امتیاز
بینی وبینکم الا بمجرد ان اللہ اوحی الی وما اوحی الیکم فانا ابلغ ہذا الوحی الیکم
انتہی ما فی التفسیر الکبیر ومد بیضاوی زیر آیت مذکورہ نوشتہ قل انما انا بشر
مثلکم یوحی الی انما الٰہکم الٰہ واحد لست ملکا ولا جنیا لا یمکنکم التلقی منہ
انتہی ما فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر ای مع جماعۃ من
المہاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد لہ ای لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصحابہ
یا رسول اللہ تسجد لک البہائم والشجر فنحن احق ان نسجد لک فقال اعبدوا
ربکم ای بتخصیص السجدۃ لہ فانہ غایۃ العبودیۃ ونہایۃ العبادۃ
واکرموا اخاکم ای عظموہ تعظیما یلیق لہ بالمحبۃ القلبیۃ والاکرام المشتمل علی
الطاعۃ الظاہرۃ ۔۔ الباطنۃ وفیہ اشارۃ الی قولہ تعالیٰ وما کان لبشر ان یؤتیہ
اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن

الجواب: نصیحت المسلمین اس فقیر کی نظر سے نہیں گذری اور نہ اس کے مصنف کا تفصیل حال معلوم ہے، لیکن اگر اس کتاب میں شرک کی برائی کا بیان ہے، تو اس کے اچھے ہونے میں کس کو کلام ہے، اور تقویۃ الایمان کو نظر اجمال سے دیکھا ہے باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے، اور مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا یہ لوگ ان میں سے ہیں کہ جن کے حق میں حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اور نیز إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

ایسے جوان کو کافر و گمراہ کہے، وہ آپ گمراہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ محمد صدر الدین | محمد صدر الدین

سائل کہتا ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب کی اور کتاب نصیحۃ المسلمین مولوی خرم علی صاحب کی جن میں شرک کی برائی کا بیان ہے، الی آخرہ فقط۔

الجواب: سب خاص اور عام پر ظاہر ہے کہ شرک ایسی بری بلا ہے جس کے دفع کرنے اور مٹانے کو اور اس کی مذمت کے بیان کرنے کو سب انبیاء اور رسول حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک علی نبینا وعلیہم السلام بھیجے گئے اور سب صحیفے اور کتابیں آسمانی اور فرامین ربانی تورات سے لے کر فرقان تک اسی شرک کی برائی و مذمت کے بیان میں نازل ہوئیں اور جو شخص زبان دان عربی واقف علوم دین و ماہر قواعد اصول شرع متین اول سے آخر تک قرآن شریف کو غور سے تلاوت کرے اور اس کے مضامین عالی پر اپنے فکر صحیح اور سلیم نظر خرچ کرے اس مطلب کو صراحۃً پاوے گا کہ مراد اور مقصود اور اہم بالشان حضرت رب العالمین جل ذکرہ کا نزول قرآن سے

ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلاویں اور اچھے کام کا حکم کریں اور بری بات سے منع کریں اور ایسے لوگ ہی مراد پانے والے ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے ۱۲

یہی دفع شرک اور اظہار توحید اور اثبات وحدانیت اپنی ذات پاک کا ہے اور یہی خلاصہ
مضمون سب نوشتہ کار اور سب ادیان حقہ اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کا ہے جس کو سب انبیاء
واولیاء مقربین اور صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نفی اور اثبات سے تعبیر
وبیان فرماتے ہیں۔ باقی مضامین اثبات رسالت و احکام معاد و احکام عبادت و معاش
وغیرہ مبادی و دیگر مسائل تکمیل اسی توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب العالمین کے ہیں اور
یہ توحید ذاتی اور صفاتی حضرت رب الارباب کے بلا فرق وتفاوت کے سب دینوں اللہ
مذاہب حقہ میں چلی آتی ہے کسی دین میں اس نے نسخ اور تبدیل ہوا اور کلام برکت التیام
حضرت خیر الاولین والآخرین رسول رب العالمین کا جو حدیث کتابوں وغیرہ میں مندرج ہے جن
کو صحاح ستہ کہتے ہیں وہ سب اسی شرک وبدعت کے دفع کرنے اور اظہار توحید ذاتی
اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں با آواز بلند ناطق ہے اور حضرت
خلفائے راشدین اور سب صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور علمائے مجتہدین اور محدثین
صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دفع شرک وبدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی
اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ میں جس قدر سعی اور کوشش کر گئے ہیں
ان کی کتابوں کے مطالعے سے واضح ولائح ہے شکر اللہ سعیہم

اور متاخرین مثل امام غزالی اور امام رازی اور شیخ محی الدین ابن عربی اور حضرت قطب الاقطاب
عبد القادر جیلانی اور حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ
ولی اللہ صاحب محدث اور شاہ عبد العزیز صاحب وشاہ رفیع الدین وشاہ عبد القادر
محققین زمانے نے بھی اسی دفع شرک اور بدعت میں اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی
میں اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں طرح طرح سے کتابیں
رنگا رنگ بیان فرماتے ہیں جو کچھ شک و شبہ ہو ان سابقین لوگوں کی کتابیں ملاحظہ کرے۔
الغرض اس مضمون شریف یعنی بیان مذمت و ابطال شرک وبدعت اور اثبات توحید ذاتی
اور صفاتی حضرت واجب الوجود اور ناقض الجود اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ

ہیں وحی کے مطابق اور کلام نبوی اور جماہیر اہل سنت و الجماعت از سلف تا خلف متفق اور معتقد ہیں۔ کسی کو اس میں مجال اختلاف اور خورت کا نہیں ہے کیونکہ یہ عین ایمان ہے اس کا خلاف دین و ایمان کا خلاف ہے

مجیب غور کیا چاہیے کہ جب یہ امر بانند آفتاب کے واضح ہو گیا کہ کتاب تقویۃ الایمان تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم کی یا اور کوئی رسالہ مولوی خرم علی وغیرہ کا جس میں دفع شرک اور بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان موافق قرآن مجید اور احادیث حمیدہ کے ہو وہ سراسر مطابق مذہب اہل سنت و جماعت کے ہے اس پر عمل کرنا اور اس کے موافق عقیدہ رکھنا عین ہدایت ہے، مخالفت اس کا مخالفت اہل سنت و جماعت کا ہے مجیب نے تقویۃ الایمان کو اور رسالہ نصیحۃ المسلمین کو مطالعہ کیا اس میں اول سے آخر تک آیات قرآن اور صحاح احادیث نبوی مندرج ہیں اقرار ان پر عین ایمان اور انحراف و اعراض ان سے عین کفر ہے۔

مولوی خرم علی اپنی تحریر رسالہ میں دیباچہ مسائل میں اکثر تابع تحریر اور تقریر مولانا صاحب کے ہے، اور تحریر اور تقریر مولانا صاحب کی تقویۃ الایمان میں مثل تحریر و تقریر امام رازی مفسر تفسیر کبیر کے ہے۔ اور مسائل اور احکام مندرجہ تقویۃ الایمان موافق کتب سلف اہل سنت کے ہیں اور جب کہ یہ مضمون عالی مقصود عظم متفق علیہ جماعت انبیاء اور اولیاء اور علمائے اولین و آخرین کا یعنی مضمون دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احیائے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف مقاصد دینی قرار پایا۔ پھر غور کیا چاہیے کہ جو کتاب محتوی اور حامل اس مضمون شریف کو ہے وہ کس مرتبہ کی اشرف اور لائق تعظیم و تکریم ہوگی، اور تقویۃ الایمان میں اول سے آخر تک یہی مضمون شریف مندرج ہے۔

الحمد للہ اس کتاب کی شرافت کس عالی درجہ کی علی الرغم معاندان ثابت ہو گئی ہے

پس اندریں صورت منکر اور مخالف کتاب تقویۃ الایمان پر جو کہ مضمون توحید ذاتی اور صفاتی حضرت واجب الوجود کا ہے۔ انکار لازم آیا۔ اور جس پر انکار لازم آیا وہ اشد و اغلظ کفار و منافقین میں شامل ہوا۔ پھر کیونکر ایسے بدعقیدہ کے پیچھے اہل سنت کی نماز درست ہو گی۔ ہاں اگر وہ یوں تقریر کرے۔ کہ مجھ کو بعضے مسائل فرعیہ مندرجہ تقویۃ الایمان میں شک و شبہ ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس کے شک و شبہ کو رفع کر دیں گے، اس سے تین برس قبل مفضل امام بدایونی نے تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم تصنیف مولوی اسمٰعیل صاحب مرحوم پر دس شبہات لکھ کر ایک رسالہ معقولات عشر نام شائع کیا تھا سو اس کے جواب اور دفع شکوک میں ہم نے ایک کتاب نثر۔۔ نام فارسی زبان میں لکھدی ہے جس صاحب کو شوق ہو اس کا مطالعہ کرے۔

واضح ہو کہ اس موقعہ پر حضرت مولوی اسمٰعیل صاحب مغفور و مرحوم مصنف کتاب تقویۃ الایمان کے چند اوصاف اور محامد کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس راقم الحروف نے حضرت ممدوح کو بخوبی دیکھا۔ اور فیوض برکات زبانی ان کی صحبت سے اور انوار ایمانی ان کی مجالس وعظ و نصیحت میں پائے، اور ہزاروں منکرین خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور ہزاروں فاسقین وظالم الخمر وزانی بدکاران کی صحبت کی برکت سے تائب اور پارسا ہو گئے۔ حضرت مولانا۔ حافظ قرآن مجید ضابط احادیث رسول حمید، حاجی الحرمین الشریفین، عالم ربانی، باعمل، عارف معارف سبحانی باخبر غازی و مجاہد فی سبیل اللہ، مہاجر فی محبۃ رسول اللہ قاطع بنیان شرک اور بدعت باعث احیائے سنت، حامی دین و ملت تھے۔ غرضکہ اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو اس والا صفات نے محض محبت خدا و رسول میں نثار کر کے رتبہ شہادت کبریٰ حاصل کیا۔ اللّٰھم اوصلہ فی درجات رضوانك بفضلك ورحمتك۔

نزدیک مجیب کے مولانا مرحوم مرتبہ اولیاء کاملین کا سا رکھتے ہیں، ان میں اولیاء

ملہ: اے خدا اپنے فضل اور رحمت سے ان کو [illegible] کے درجات [illegible]

صالحین کے سے اوصاف پائے جاتے ہیں، کیونکہ شرع شریعت کی رو سے خدا کا ولی اور
رسول کا مقبول وہی ہو سکتا ہے، کہ جس کی صحبت میں خدا و رسول کی محبت زیادہ ہووے
اور ایمان میں صیقل پاوے، گناہ چھوٹیں اور عبادت بڑھے اللہ جل شانہ کا خوف اور رسول مقبول کی
راہ کی محبت دل میں پڑے، دنیا سے بیزاری اور آخرت کے کاموں میں شوق زیادہ ہو سو یہ سب
خوبیاں حضرت مولانا ممدوح کی صحبت میں موجود تھیں، اور نیز ان کی مصنفہ کتب میں پائی جاتی
ہیں۔ جن لوگوں کو دیدہ بصیرت اور نور ایمان اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہے، وہ دریافت کر
لیتے ہیں، اور جو لوگ بغاوت اور شقاوت ازلی میں گرفتار ہیں، وہ اس نور کی روشنی سے
محروم اور بے نصیب ہیں، ایسوں کی شان میں یہ صادق ہے أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ
أَضَلُّ[1] اکثر آیات قرآنی و بشارات رحمانی و احادیث صادقہ حضرت رسول مقبول کے مولانا
کے حال صادق پر منطبق و صحیح منطبق ہیں۔ مگر بخوف طوالت بعض کو ذکر کرتا ہوں قال اللہ
تعالیٰ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ
أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ الآية[2] وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ
أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ الآية[3]۔

الغرض مولانا صاحب کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونا، اور عالم دیندار متقی اور پرہیزگار
اور محدث اور حافظ قرآن ہونا آفتاب کی مانند ثابت ہے، اور وہ جو حدیث میں وارد ہے
العلماء ورثة الانبياء[4] وہ ایسے ہی علماء کی شان میں ہے فنعم ما قیل فمن سب
العلماء فكانما سب الانبياء ومن سب الانبياء فدخل في حزب اعداء الله و
رسوله فاولئك حزب الشيطان الا ان حزب الشيطان هم الخاسرون[5] ۔ فقط

---

[1] یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ۱۲ [2] اور جو شخص اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا، پھر اس کو موت نے پا لیا، تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ واقع ہو گیا ۱۲
[3] اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عنایت کیا ہے اس پر خوش ہیں ۱۲ [4] علماء لوگ نبیوں کے وارث ہیں ۱۲
[5] پس بہت اچھی بات کسی نے کہی ہے کہ جس نے علماء کو گالی دی تو گویا اس نے انبیاء کو گالی دی اور جس نے انبیاء کو گالی دی تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے لشکر میں شامل ہوا یہ لوگ شیطان کا لشکر ہیں، خبردار شیطان کا لشکر ہی خسارہ اٹھانے والا ہے ۱۲

در ذرہ ذرہ کند نمی تواند ہم چناں مخلوقات از عرش تا فرش باعتبار قدرت قاہرہ و سلطنت باہرہ ربانی در خلق و تدابیر بر حق حاجتی و لابد است او در ہر وقت خالی بے اختیار در جلب منافع و دفع مضار بمشیت و ارادہ ایزدی مقہور و مجبور بے شمار

تیغ گر زند بلکہ گفت کہ بزم ایزد نیست سر فرو بردم و گفتم کہ ہمہ نام آن ایں ست

قال اللہ تعالیٰ وَإِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ الآیۃ ۔ سے

گر مرا بردار بیند یار بہر امتحان کیست کاں ساعت بہ تیغ اندر ربکشاید مرا

اعلم انہ سبحانہ وتعالیٰ قرر فی آخر ہذہ السورۃ ان جمیع الممکنات مستندۃ الیہ وجمیع الکائنات محتاجۃ الیہ والعقول والہۃ فیہ والرحمۃ والجود والوجود فائض منہ والآیۃ دالۃ علی ان الضر والخیر واقعان بقدرۃ اللہ تعالیٰ وبقضائہ فیدخل فیہ الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان والسرور والآفات والخیرات والآلام واللذات والراحات والجراحات فبین سبحانہ وتعالیٰ انہ ان قضی لاحد شرا فلا کاشف لہ الا ہو وان قضی لاحد خیرا فلا راد لفضلہ البتۃ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصراً۔

ہے۔ پاؤں میں مسل سکتا ہے ریزہ ریزہ کرسکتا ہے، ایسے ہی تمام مخلوقات فرش سے عرش تک خداوندی قدرت کے سامنے مجبور و مقہور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اگر خدا تجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے" تو اس کو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر تیرا بھلا کرنا چاہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے پانچویں پارہ کی اس آیت کے تحت بڑی تفصیل سے اس مضمون کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں کہ تمام ممکنات اسی کی طرف منسوب ہیں، تمام کائنات اس کی محتاج ہے، رحمت، سخاوت اور وجود اسی سے ملتا ہے یہ آیت بیان کرتی ہے کہ نفع اور نقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے کفر و ایمان طاعت و نافرمانی خوشی اور مصیبت خیرات، درد کی لذت و راحت اور زخم و بیماریاں سب اسی نفع و نقصان کی تقدیر میں اور یہ سب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

وورثہ وہ سطر قبل ازیں کی نوشتہ ان من رجع من مولاہ فلو التفت بعد ذلک الی غیرہ کان ذلک شرکا وھذا ھو الذی تسمیہ اصحاب القلوب بالشرک الخفی والقید السادس قولہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ الممکن لذاتہ معدوم بالنظر الی ذاتہ وموجود بایجاد الحق واذا کان کذلک فما سوی الحق فلا وجود لہ الا بایجاد الحق وعلی ھذا التقدیر فلا نافع الا الحق ولا ضار الا الحق فکل شیء ھالک الا وجھہ واذا کان کذلک فلا حکم الا للہ ولا رجوع فی الدارین الا الی اللہ ثم قال فی آخر الآیۃ ﴿فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ الظَّالِمِينَ﴾ من سورۃ یونس یعنی لو اشتغلت بطلب المنفعۃ والمضرۃ من غیر اللہ فانت من الظالمین لان الظلم عبارۃ عن وضع الشیء فی غیر موضعہ فاذا کان ما سوی الحق معزولا عن التصرف فکانت اضافۃ التصرف الی ما سوی الحق وضعا للشیء فی غیر موضعہ فیکون ظلما فان قیل فطلب الشبع من الاکل والری من الشرب ھل یقدح فی ذلک الاخلاص قلنا لا لان وجود الخبز وصفاتہ کلھا بایجاد اللہ وتکوینہ وطلب الانتفاع بشیء خلقہ اللہ للانتفاع بہ لا یکون منافیا للرجوع بالکلیۃ الی اللہ الا ان شرط ھذا الاخلاص ان لا یقع بصر عقلہ علی شیء من ھذہ الموجودات الا ویشاھد بعین عقلہ انھا معدومۃ بذواتھا وموجودۃ بایجاد الحق وھالکۃ بانفسھا وباقیۃ بابقاء الحق فحینئذ یری ما سوی الحق عدما محضا بحسب انفسھا ویری نور وجودہ وفیض احسانہ عالیا علی الکل انتھی ما فی التفسیر الکبیر من الجزء الخامس۔

اور اس سے دو سطر پہلے لکھتے ہیں کہ [illegible] اپنے مولا کو پہچاننے کے بعد غیر کی طرف متوجہ ہو تو [illegible] اللہ کے نزدیک ایسا آدمی مشرک ہے [illegible] کی طرف توجہ کرکے [illegible] مشرک ہے تو جواب یہ ہے کہ [illegible] نہیں ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کی طرف [illegible] صرف اتنا خیال رکھنا چاہیے کہ تمام چیزیں [illegible] معدوم [illegible] تمام مخلوقات اس کی [illegible]

از بیشک ستر زیراکہ ساحت جولان نگاہ قہر وجلال لایزال ایزد متعال تقابل تو بہ شدید الجمال ازیں وسیع و فسیح است زہر گردوران دشت خار بحو مخوار ناپیدا کنار جہالساری اصل خود دریہ وار گرد راہ تسلیم و رضا راکش ، الحاصل بصیرت گر بالعمر بیچ است ۔

شہوار یکہ منم گر دیدہ جولانش آفتاب از ذرہ جاروب کش میدانش

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

حنفی علماء کرام کا فتویٰ

تقویۃ الایمان اور مولانا اسماعیل شہید کی نسبت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کتاب تقویۃ الایمان مولانا صاحب شہید علیہ الرحمۃ کیسی ہے۔ اور درس میں رکھنے کے قابل ہے یا نہیں۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ تقویۃ الایمان گمراہ کرنے والی کتاب ہے۔ اور اس کا پڑھانے والا اور پڑھنے پڑھانے والا گمراہ ہے۔ اور اس کو پھاڑ کر جلا دینا چاہیے۔ شخص مذکورہ کا یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے۔ بلکہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب بھی دے کہ تقویۃ الایمان اگر تمہارے ہاتھ لگے تو جلا کر ثواب پاؤ سو جواب باصواب سے بہت جلد مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ ۱۳۴۴ھ والسلام۔ ابراہیم سیکرٹری مدرسہ محمدیہ شکر گوالیار ۹ ربیع الثانی

الجواب: کتاب تقویۃ الایمان اسم بامسمیٰ کتاب ہے۔ درحقیقت اس سے ایمان قوی ہوتا ہے اس کو پاس رکھنا اور دیکھنا موجب ہدایت و قوت ایمانی ہے ایسی کتاب کو گمراہ کرنے والی کتاب کہنا جہالت و ضلالت ہے۔ یہ صحیح ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۔ قرآن شریف کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا اگر تقویۃ الایمان کو بھی اہل بدعت گمراہ کرنے والی کتاب کہیں تو کیا مستبعد ہے جو شخص اس کتاب کو جلانے اور پھاڑنے کی ترغیب دے وہ خود گمراہ اور دین حق سے منحرف ہے وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی دار العلوم دیوبند۔ دستخط بمعہ مہر ۵ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ

الجواب: یہ کتاب بالکل قرآن و حدیث کے مطابق ہے جس شخص کی بد فہمی نہ ہو کہ نیز عنوان (یعنی صاف اور بے لوث) سے توحش نہ ہو جائے۔ اس کے درس کے قابل ہے جو شخص اس کتاب کو گمراہ کن اور برا کہتا ہے وہ قائل یا جاہل ہے یا معاند فقط۔ (مولوی) اشرف علی تھانوی

الجواب: کتاب تقویۃ الایمان اچھی کتاب ہے اس میں آیات و احادیث بھی بہت ہیں جو شخص از راہ تعصب اس کو جلانے کا حکم دیتا ہے وہ سخت خاطی اور گنہگار ہے اس میں شرک و بدعت سے ممانعت اور صراط مستقیم و سنت کی ہدایت ہے (مولوی) کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب: یہ کتاب تقویۃ الایمان بہت عمدہ کتاب ہے اور راہ حق بتلانے والی کتاب ہے اس کے مصنف مولانا اسماعیل صاحب شہید عالم حقانی ہیں وہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں خدا کی راہ میں انہوں نے جان دی ہے اور شہید ہوئے ہیں ان کی طرف یا ان کی کتاب کی نسبت برے الفاظ کہنے سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ مورد عتاب باری تعالیٰ ہوگا مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے دوست سے دشمنی رکھتا ہے اس کو میں مطلع کرتا ہوں کہ اس سے میری لڑائی ہوگی۔ معاذ اللہ منہ (مولوی) محمد شفیع عفی عنہ ابن مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم دہلی

(مولوی) عبدالوہاب صاحب مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب مرحوم دہلی

الجواب: یہ کتاب مذکورہ مصنفہ شہید علیہ الرحمۃ ایمان کو قوت دینے والی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ترشح ہوتا ہے۔ واقعی ایمان کی تقویت ہی ہے۔ مطالعہ اور درس میں رکھنے کے قابل ہے جو شخص اس کو گمراہی کا ذریعہ کہتا ہے اس کو پھاڑنے جلا دینے کا حکم دیتا ہے۔ (اس سوال میں قبروں پر عرس اور پیر صاحبوں کا۔ اضافہ تھا لہٰذا کل جواب مطابق سوال ہے) یا قبروں کا عرس ان پر چادر چڑھانے کو جائز کہتا ہے مبتدع ہے۔ اس کا یہ عقیدہ اور اس کی ترغیب نادرست ہے۔ شاہ عبدالعزیز چادر چڑھانے کو منع فرماتے ہیں اس طرح قبور پر کھانا مٹھائی وغیرہ لے جانے کو بت پرستوں کے چڑھاوے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزیہ۔ (مولوی) مدرس) ولایت احمد (

(مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی)

الجواب صحیح۔ تقویۃ الایمان قمع بدعات سیئہ رسومات شنیعہ میں بے نظیر کتاب ہے مجالس ابرار کی طرح رد بدعت میں کافی ہے کہ اس کتاب کے زمانے میں کسی نے نکتہ چینی نہیں کی۔ اس زمانہ کے اہل ہوا اپنا گروہ بنانے کے لئے اس کتاب کو برا بتاتے ہیں اس کے مصنف قامع بدعت حامی سنت مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید ہوئے۔ الغرض شاہ صاحب کے مخالف تقویۃ الایمان کو برا کہنے والے مبتدع لوگ ہیں ان کی بات کا اعتبار نہیں۔ فقط (مولوی) محمد اسحاق مدرس مدرسہ حسینیہ دہلی۔

الجواب: یہ کتاب تقویۃ الایمان میں ہدایت و سنت قباحت بدعت و رد شرک کے توحید اور شرک مذکور ہے اس دین متین میں نہایت ہی معقول کتاب ہے۔ جو شخص اس کتاب کی

نسبت کرامات لاعنی یعنی بیہودہ کہتا ہے وہ شخص بدعتی ہے اس سے نفرت و پرہیز کرنا لازم ہے قبور اولیاء وغیرہ کی موضع عبرت ہے نہ کہ موضع میلہ و قوالی امور مخترعہ و بدعات جیسے ان کو ترک کرنا لازم ہے۔

(مولوی) انوار الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی

الجواب: کتاب تقویۃ الایمان اسلامی کتاب ہے۔ اس میں شرک و بدعت کی تفصیل کی گئی ہے۔ مولوی اسمٰعیل شہید کی اردو میں تصنیف کی گئی ہے اس میں شرک کی تفصیل اس طرح ہے کہ دوسری اردو کتابوں میں نہیں ملے گی۔ اس کو گھروں میں رکھنا چاہیئے اور جو شخص اس کو پھاڑ دیتا اور جلا دینا بہتر اور ضروری سمجھتا ہے وہ دین الٰہی سے اور اسلام سے جاہل خود گمراہ اور گمراہی کی تعلیم لوگوں کو کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص سے الگ رہنا اور بچنا ضروری ہے۔ (کتبہ ابو المعقل محمد حفیظ اللہ مہتمم دار العلوم ندوہ لکھنؤ)

الجواب صحیح۔ واللہ اعلم بالصواب ابو العاد محمد شبلی مدرس دار العلوم دیوبند ندوہ لکھنؤ ۱۳ اکتوبر ۲۷ء

الجواب: مولوی اسمٰعیل شہید عالم متقی بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی عمل رہے اور آخرکار جہاد میں کفار کے ہاتھ شہید ہوئے اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اور احادیث سے ہیں اس کا پڑھنا اور رکھنا عین ثواب ہے اور موجب ثواب کا ہے اس کے رکھنے کو جو کفر کہتا ہے وہ خود کافر ہے یا فاسق بدعتی ہے مولوی اسمٰعیل صاحب سے اہل بدعت کو اس واسطے عداوت ہے کہ انہوں نے بدعات کو ظاہر کر کے خوب قلع قمع کیا ہے اہل بدعت کے بازار کو بے رونق کر دیا ہے۔ اس واسطے اس صاحب سے یہ لوگ بدعتی ناخوش ہو گئے اور سب و شتم کرنے لگے جیسا روافض صاحب سنت اور شیخین رضی اللہ عنہ سے عداوت کر کے طعن کرتے ہیں بہرحال یہ لوگ مولوی اسمٰعیل صاحب کے طعن کرنے والے ملعون ہیں۔

(مولوی) رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۲۱]

اخبار محمدی دہلی جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۱۲ بابت ۱۵ مارچ ۱۹۲۹ء

نسبت کلمات لا یعنی بیہودہ کہتا ہے وہ شخص بدعتی ہے اس سے نفرت و پرہیز کرنا لازم ہے پیروں اولیاء و شہیدوں کی موقع عبرت ہے مذکورہ موضع میلہ و فحال امور مخترعہ و بدعات سیئہ ان کو ترک کرنا لازم ہے۔

(مولوی) انوار الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی

الجواب۔ کتاب تقویۃ الایمان اسلامی کتاب ہے۔ اس میں شرک و بدعت کی تفصیل کی گئی ہے۔ مولوی اسمٰعیل شہید کی اردو میں تصنیف کی گئی ہے اس میں شرک کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ دوسری اردو کتابوں میں نہیں ملے گی۔ اس کو درس میں رکھنا چاہیے اور جو شخص اس کو پھاڑ دینا اور جلا دینا بہتر اور ضروری سمجھتا ہے وہ دین الٰہی سے اور اسلام سے جاہل خود گمراہ اور گمراہی کی تعلیم لوگوں کو کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص سے الگ رہنا اور بچنا ضروری ہے۔ (کتبہ ابو المعقل محمد حفیظ اللہ مہتمم دار العلوم ندوہ لکھنؤ)

الجواب صحیح۔ واللہ اعلم بالصواب ابو العماد محمد شبلی مدرس دار العلوم دیوبند ندوہ لکھنؤ ۳۱ اکتوبر ۲۷ء

الجواب۔ مولوی اسمٰعیل شہید عالم متقی بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حال رہے اور آخر کار جہاد میں کفار کے ہاتھ شہید ہوئے اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اور احادیث سے ہیں۔ اس کا پڑھنا اور رکھنا عین ثواب ہے اور موجب ثواب کا ہے اس کے رکھنے کو جو کفر کہتا ہے وہ خود کافر ہے یا فاسق بدعتی ہے مولوی اسمٰعیل صاحب تھے اہل بدعت کو اس واسطے عداوت ہے کہ انہوں نے بدعات کو ظاہر کر کے خوب قلع قمع کیا ہے اہل بدعت کے بازار کو بے رونق کر دیا ہے۔ اس واسطے اس صاحب سے یہ لوگ بدعتی ناخوش ہو گئے اور سب و شتم کرنے لگے جیسا روافض صاحب سنت اور شیخین سے عداوت کر کے طعن کرتے ہیں بہرحال یہ لوگ مولوی اسمٰعیل صاحب کے طعن کرنے والے ملعون ہیں۔

(مولوی) رشید احمد گنگوہی فتاوی رشیدیہ ص ۲۴۳)

اخبار محمدی دہلی جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۱۲ بابت ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ عقیدہ رکھنا کیسا ہے کہ کوئی بشر کچھ نہیں کر سکتا جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ ایک حضرت جاہل مسلمانوں میں نہایت زور کے ساتھ علی الاعلان عقیدہ مندرجہ بالا کو کہتے ہیں کہ خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی عقیدہ عند الشرع درست ہے اور خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے تو سب کو تسلیم کرنا چاہیے۔ اور اگر عند الشرع درست نہیں ہے اور خلاف عقیدہ اہل سنت۔ تو جواب شافی فرمایا جاوے کہ ایسے عقیدے والے کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ غریب ناواقف مسلمان گرداب بلا میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاویں گے۔ یہ معاملہ عقائد کا ہے بینوا توجروا

الجواب: اگر شخص مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ نفع و ضرر حقیقت میں خدا ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ خدا کے سوا کسی اور میں یہ طاقت نہیں ہے کہ کسی کو بغیر اذن خدا کے نفع و ضرر پہنچا دے تو یہ عقیدہ بے شک اہل سنت والجماعت کا ہے اور ایسا ہی عقیدہ ہر مسلمان کو رکھنا چاہیے اس عقیدہ کے حق ہونے پر متعدد آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ صاف اور صریح طور پر دلالت کرتی ہیں قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ[1] اور اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے کہ انسان مجبور محض ہے اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے اس کے [illegible] مثل جمادات کے ہیں تو یہ عقیدہ باطل قطعاً باطل ہے اور یہ عقیدہ فرقہ جبریہ کا ہے ایسے عقیدہ باطلہ سے ہر مسلمان کو بچنا فرض ہے ایسے عقیدے سے ان آیتوں کا انکار لازم آتا ہے هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ[2] فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[3] جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[4]

ایسے عقیدہ باطلہ والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین — فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص [illegible]

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں۔

---

[1] آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے ۱۲

[2] تم صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے ۱۲

[3] پھر جو شخص چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے ۱۲

[4] بدلہ تھا ان چیزوں کا جو وہ کیا کرتے تھے ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ عقیدہ رکھنا ایسا ہے کہ کوئی البشر کچھ نہیں کر سکتا ہو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ ایک حضرت بجاہل مسلمانوں میں نہایت زور کے ساتھ علی الاعلان عقیدہ مندرجہ بالا کو کہتے ہیں۔ کہ خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے پس سوال یہ ہے کہ اگر ایسا ہی عقیدہ عند الشرع درست ہے اور خاص اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ تو سب کو تسلیم کرنا چاہئے۔ اور اگر عند الشرع درست نہیں ہے اور خلاف عقیدہ اہل سنت۔ تو جواب شافی فرمایا جاوے کہ ایسے عقیدے والے کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ غریب ناواقف مسلمان گرداب بلا میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاویں گے۔ یہ معاملہ عقائد کا ہے بینوا توجروا

الجواب: اگر شخص مذکورہ کا یہ مطلب ہے کہ نفع و ضرر حقیقت میں خدا ہی کی جانب سے ہوتا ہے۔ خدا کے سوا کسی اور میں یہ طاقت نہیں ہے کہ کسی کو بغیر اذن خدا کے نفع و ضرر پہنچا دے تو یہ عقیدہ بے شک اہل سنت والجماعت کا ہے اور ایسا ہی عقیدہ ہر مسلمان کو رکھنا چاہئے اس عقیدہ کے حق ہونے پر متعدد آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ صاف اور صریح طور پر دلالت کرتی ہیں قال اللہ تعالیٰ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ[1] ۔ اور اگر شخص مذکور کا یہ مطلب ہے کہ انسان مجبور محض ہے اس کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے اس کے حرکات مثل جمادات کے ہیں تو یہ عقیدہ بالکل غلط و باطل ہے اور یہ عقیدہ فرقہ جبریہ کا ہے ایسے عقیدہ باطلہ سے ہر مسلمان کو بچنا فرض ہے ایسے عقیدے سے ان آیتوں کا انکار لازم آتا ہے هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ[2] ۔ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[3] جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[4]

ایسے عقیدہ باطلہ والے کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین — فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۲۰۱۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں۔

---

[1] آپ کہہ دیجیے کہ میں اپنی جان کے نفع اور نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں۔ مگر جو اللہ چاہے وہ ہی ہوگا ۱۲

[2] تم صرف وہی بدلہ دیے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے ۱۲

[3] پھر جو شخص چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے ۱۲

[4] بدلہ ہے اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے ۱۲

(۱) زید مریض کو دیکھ کر بولا کہ اکثر حاکم حکما یوں کہتے ہیں کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا۔ حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے۔ اس پر خالد نے پنجابی زبان میں بطور استفہام انکاری کے یوں کہا کہ جس کا ترجمہ اردو میں یہ ہوتا ہے کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آیا اس کہنے پر خالد عاصی ہوگا یا نہیں!

(۲) اگر سہواً یا خطاءً کلمہ کفر کسی مومن کی زبان پر جاری ہو، اس کا کیا حکم ہے کافر ہوگا یا نہیں۔

(۳) اگر شخص خالد مذکور کو یا شخص کا ناطق مذکور کو کافر کہے اس کا کیا حکم ہے! بینوا بالدلیل وتوجروا عند الرحمن۔

الجواب (۱) ہرگز خالد عاصی نہیں کیونکہ قول خالد یہاں بطور استفہام انکاری کے ہے اور استفہام انکاری جس پر داخل ہوتا ہے اس کا منفی مقصود ہوتا ہے۔ یعنی اگر مثبت پر داخل ہو تو مراد منفی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ[1] اور اگر استفہام انکاری منفی پر داخل ہو تو مراد مثبت ہوتا ہے جیسا کہ قول اللہ پاک کا۔ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ[2]۔ وقولہ تعالیٰ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ[3]۔ اور جب استفہام بلا قرینہ ہو۔ تو دو احتمال رکھتا ہے تقریری اور انکاری لیکن متکلم جو مراد لے گا وہی متعین ہوگی اس کو متکلم ہی خوب جانتا ہے غیر کو کیا دخل ہے اور اگر قرینہ خواہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو تو مخاطب بھی سمجھ سکتا ہے اس محل میں قرینہ مقالیہ موجود و اظہر من الشمس ہے کیونکہ جب زید بولا کہ اکثر حکما یوں کہتے ہیں۔ کہ ہماری دوا استعمال کرتے ہی اس مریض کو آرام ہوگا حالانکہ آرام نہیں ہوتا ہے اس پر خالد بولا کہ کیا وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ یعنی نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر ہوتے تو آرام کیوں نہیں ہوتا۔ پس کلام زید کا قرینہ ہے اس بات پر کہ کلام خالد میں استفہام انکاری ہے پس جب کہ خالد انکار کر رہا ہے کہ وہ لوگ خدا کے خالہ زاد بھائی نہیں ہیں اور اس کے لئے قرینہ بھی موجود ہے تو خالد اس کلام کے کہنے پر عاصی نہیں ہوگا

---

[1] اپنی نگاہوں کو بار بار لوٹاؤ کیا تو کسی قسم کا نقص دیکھتا ہے ۱۲

[2] کیا یہ خدا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کر سکے ۱۲

[3] کیا خداوند تعالیٰ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے ۱۲

من الانبیاء او تنقص احدا منهم او برئی او شک فی شئی من ذلک فهو مرتد

فقط۔ محمد شفیع — محمد یعقوب

الجواب صحیح

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ)

بائد دانست کہ ازیں حدیث وارد است۔ معونتاً فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی چنانچہ صاحب حصن حصین از طبرانی نقل کردہ کہ استدلال وحجت گیرد درباب استعانت و مدد خواستن بغیر اللہ تعالیٰ جل شانہ از اموات چہ بالی وجائز نیست دمی تواند شد چند وجوہ ملاحظہ کہ موجبات شرک وکفر باشد

وجہ اول۔ آنکہ درسند این حدیث ابن حسان راوی ضعیف است کما قال الہیثمی دیگر راوی دریں حدیث عتبہ بن غزوان مجہول الحال است کما قال فی التقریب من کتب اسماء الرجال۔ پس بنا بر ضعیف ومجہول الحال بودن راوی این حدیث قابل اعتماد نیست

ترجمہ مسئلہ۔ صاحب حصن حصین نے طبرانی کی حدیث نقل کی ہے۔ کہ اگر مدد طلب کرنا چاہئے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اس سے خدا تعالیٰ کے سوا مردوں سے مدد مانگنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے خواہ وہ مردے اعلیٰ مرتبہ کے ہوں یا ادنیٰ درجہ کے اس سے استدلال کرنا کئی طرح سے غلط ہے۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی ابن حسان تو ضعیف ہے اور دوسرا عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے۔

لہ مجہول راوی کسی جرح کو نہ دے۔ یا اس کی توثیق کرے۔ اس کو مستور کہا جاتا ہے اور اس کی روایت قبول کی جائے یا نہ اور امام ابو حنیفہ وغیرہ اور آپ کے شاگردوں کا فتویٰ ہے۔ کہ جو مجہول کسی کی اجلہ سے یا اس کی توثیق کرے یا اس سے بزرگی کا اظہار کرے اس کی حجت قبول کرتے وہ کا فر ہے ۱۲

واحتیاج نماند و فرموده زحیاداظر ملائکه حفاظت کنندگان و نگهبان هستند شده صورات چنانکه در

فیض القدیر شرح جامع صغیر مذکور است حیث قال فی فیض القدیر ان لله ملائکة فی

الارض یسمون الحفظة یکتبون ما یقع فی الارض من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم

عرجة او احتاج الی عون بفلاة من الارض فلیقل اعینونی یا عباد الله رحمکم

الله فانه یعان ان شاء الله رواه ابن السنی والطبرانی من حدیث الحسن بن

عمر وعن ابن حسان عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن ابن بریدة عن ابن

مسعود قال ابن حجر حدیث غریب وفیه معروف وقال الواقدی فیه منکر الحدیث و

قد تفرد به وفیه انقطاع بین ابن بریدة وابن مسعود انتهی وقال الهیثمی فیه معروف بن

حسان ضعیف قال وجاء فی معناه خبر اخرجه الطبرانی باسناد منقطع عن عتبة بن غزوان مرفوعاً اذا

اضل احدکم شیئاً او اراد عوناً وهو بارض لیس بها انیس فلیقل یا عباد الله اعینونی ثلاثاً فان لله عباداً لا نراهم

انتهی ما فی فیض القدیر شرح جامع الصغیر لیس حدیث حجت نبود خواه اثر موقوف ثابت نمی شود و

و دوم آنکه اگر مورد این حدیث نادر جلب منافع و طلب مضار و سبب فراخی فکر و صحت

و مرض و طلب رزق قرض مدد دیگر حاجات از غیر خدا تعالیٰ عمل کنی پس این اصلاً جائز

تجویز نشد زیرا که این معنی را آیات قرآنیه و احادیث صحیحه و اجماع امت قرون ثلثه

وغیره رد می کنند پس این حدیث را حد معارض و مقابل قرآن شریف نمی شود اگرچه این

خبر بسند صحیح باشد چه جائیکه بسند ضعیف و منکر باشد چه خبر الواحد فی معارضة الکتاب

لان الکتاب مقدم لکونه قطعیاً متواتر النظم لا شبهة فی متنه کما فی التوضیح والتلویح

ترجمہ: لہذا یہ حدیث حجت اور استدلال کے قابل نہیں ہے اور اللہ کے نیک بندوں

سے مراد حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں ذکر ہوا ہے جیسا کہ فیض القدیر شرح جامع الصغیر میں

اس کی پوری تشریح اور توضیح کی گئی ہے اور اس حدیث کو ابن السنی نے بھی اسی سند سے روایت کیا ہے

لہذا اس کی ... روایت بھی قابل استدلال نہیں ہے لہذا مردوں سے مدد مانگنے والوں کا اس

حدیث سے استدلال درست نہ ہوا۔

انت تهدي من الضلالة اردد علي ضالتي بقدرتك وسلطانك فإنها من عطائك

وفضلك رواه الطبراني وهكذا رواه ابن ابي شيبة —

پس دریں حدیث بطریق شرط و جزا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز ارشاد فرمودند کہ دریں چہ امور کہ

از او تعالیٰ برائے رد مسترد و آن مدعی خواستہ نیز از او تعالیٰ استعانت باید نمود نہ غیر او

شاید واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد اول ص [illegible] طبع لاہور

سوال۔ یا شیخ عبدالقادر و خواجہ سلیمان وغیرہ کا ورد کرنا جائز ہے یا شرک۔

الجواب۔ ورد کرنا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ وغیرہ کا حرام ہے قاضی ثناء اللہ

پانی پتی نے ترجمہ ارشاد الطالبین میں لکھا ہے "آنکہ جہال می گویند کہ یا شیخ عبدالقادر

جیلانی شیئاً للہ یا خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی شیئاً للہ جائز نیست و اگر روح

حضرت شیخ را متصرف الامور اعتقاد می کند کفر است دیگر است در فتاوی البزازیۃ نقل

من قال ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ واعتقد بذلک یکفر۔ انتہی

سید محمد نذیر حسین

ابو الفیض محمد عبداللہ عفی الجواب صحیح احمد اللہ عفی

ترجمہ طبرانی کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے بالکل مخالف مضمون ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

جس کو طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور حصن حصین میں وہ بھی موجود ہے۔ جس

کا مضمون یہ ہے۔ کہ جب کسی کی کوئی چیز ضائع ہو جائے یا بھاگ جائے تو اللہ تعالیٰ سے

دعا کرے کہ یا اللہ اپنے فضل و کرم سے میری یہ چیز مجھے واپس کر دے اس حدیث میں شرط

اور جزا کے طور پر مضمون ادا کیا گیا ہے یعنی جب بھی کوئی ضرورت پیش آئے۔ تو اللہ تعالیٰ

ہی سے مدد مانگے ۱۲

لہ ورد جو یہ ہے کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ اور یا شیخ شمس الدین ترک پانی پتی شیئاً للہ کہنے جائز
نہیں اور اگر شیخ کی روح کو متصرف فی الامور خیال کرے تو یہ کفر ہے۔ بحر الرائق میں لکھا ہے جو آدمی یہ عقیدہ رکھے
کہ میت اللہ کے سوا امور میں تصرف کر سکتی ہے وہ کافر ہے ۱۲

رشید احمد گنگوہی

الجواب سب صحیح اور درست ہیں

محمد ہاشم | سید محمد عبدالسلام غفرلہٗ | پیر محمد دائم محمد شکر کریمی

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بات میں کہ زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر سکے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت تو ہے مگر موافق اپنے وعدہ کے پیدا نہ کرے گا ان دونوں میں کون سچا ہے

الجواب۔ درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے۔ کہ زید اپنے قول میں جھوٹا ہے اور دعویٰ اس کا مخالف عقائد مسلمین کے ہے۔ اور عمرو اپنے دعویٰ میں سچا ہے اعتقاد اس کا موافق عقائد اہل سنت والجماعت کے ہے اور اعتقاد زید کا گمراہی ہے اور ایسے شخص کو گمراہ اور اہل بدعت سے سمجھنا چاہیے۔ ایسے شخص کے کفر اور عدم کفر میں علماء مختلف ہو رہے ہیں اور قریب کفر کے ہوتے ہیں کچھ شک و شبہ نہیں ہے

واللہ اعلم بالصواب حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین | محمد قطب الدین | خواجہ ضیاء الدین

محمد صدعلی | سید ابوالحسن حفیظ اللہ

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص

سوال جو شخص اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں یعنی اولیاء اللہ سے کہ مومن کامل وہی لوگ ہیں جن کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔ عداوت و دشمنی رکھے اس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب: جس نے اولیاء اللہ کے دوستوں سے اس کی دوستی کی وجہ سے ڈرایا

خبردار! اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی انہیں کوئی غم ہوگا۔ اللہ کے دوست وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

بھی دشمنی رکھی وہ خدا اور رسول کا دشمن ہے۔ بلکہ خداوند تعالیٰ اپنے دوستوں کی تائید فرما کے ان لوگوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اور حکم فرماتا ہے کہ تم میرے دشمنوں سے بوجہ عداوت نہ رکھنے کے گویا مجھ سے لڑائی کرتے ہو۔ حدیث میں آیا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ رواہ البخاری۔ خدا کی پناہ جس کا خدا دشمن ہو اس کا کون دوست اور کہاں ٹھکانا ملے گا۔ پس ایسا شخص مردود و شیطان ہے اور خدا دشمن ہے۔

اہل اسلام کو چاہیے کہ ایسے خدا کے دشمن سے اپنے کو الگ بچائے رکھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ۔ جو ان سے دوستی رکھے گا وہ بھی خدا کے دشمنوں میں محسوب ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو البرکات محمد عبد الحی تخلص مرت صدر الدین احمد حیدر آبادی۔ الجواب صحیح۔ سید محمد نذیر حسین ۱۲۹۸

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۲۳۹)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا یعنی یوں کہنا کہ فلاں کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا۔ جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب فقہاء کے قول سے تحریر فرما دیں۔

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد چاہنا۔ یعنی یوں کہنا کہ فلاں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے کروں گا۔ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے مجمع البحار میں ہے کرہ مالک ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیارۃ صار مشترکا بین ما شرع وما لم یشرع فان منہم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عندہا ویدعو عندہا ویسألہم الحوائج وہذا لا یجوز عند احد من علماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتہی۔

[illegible]

[illegible]

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۳۴

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین۔ اس مسئلہ میں کہ زید یہ کہتا ہے کہ حدیث ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوحکم وابراہیم کابراہیمکم وعیسیٰ کعیسیٰکم ونبی کنبیکم کفر ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہے اور جو اس کے قائل ہیں وہ کافر ہیں۔ اور عمرو کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جو اس کا اعتقاد رکھے وہ مسلم صحیح الاعتقاد ہے۔ اور جو اس کے قائل ہیں وہ ائمہ دین وہداۃ مسلمین ہیں ان دونوں قولوں میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کون غلط۔ اور زید مسلمان ہے یا کافر ہے بینوا توجروا۔

الجواب: زید جھوٹا ہے اور فاسد الاعتقاد۔ اور عمرو سچا ہے اور صحیح الاعتقاد اور اعتقاد زید کا درست نہیں ہے اور جہالت ہے کیونکہ حدیث مذکور مستدرک حاکم وتفسیر ابن جریر وغیرہ میں موجود ہے۔ اور اس کے ائمہ دین مثل ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو الضحیٰ امیر المومنین فی الحدیث اور عطاء بن السائب اور عطاء بن یسار اور عمرو بن مرہ ومحمد بن اسحاق اور عمرو بن علی اور محمد بن جعفر اور عبید بن غنام اور علی بن حکیم وشریک اور حاکم اور بیہقی وجلال الدین سیوطی کہ مستند محققین سے ہیں اور محمد بن جریر طبری کہ بڑے مستند محققین سے ہیں۔ اور ابن ابی حاتم کہ بڑے محدث ہیں اور بیہقی وعبد بن حمید وابن المنذر ہیں اور ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری وغیرہم اس کے قائل ہیں۔ اخرج الحاکم فی المستدرک من طریق عبید بن غنام[2] النخعی عن علی بن حکیم عن شریک عن عطاء بن السائب عن ابی الضحیٰ عن ابن عباس قال فی کل ارض نبی کنبیکم وآدم

---

[1] اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا کی ہیں۔ ہر ایک زمین میں تمہارے آدم جیسا آدم ہے اور تمہارے نوح جیسا نوح اور تمہارے ابراہیم جیسا ابراہیم ہے اور تمہارے عیسیٰ جیسا عیسیٰ اور تمہارے نبی جیسا نبی ہے ۱۲

[2] حاکم نے مستدرک میں عبید بن غنام نخعی کے ذریعے سے روایت کیا ہے اس نے علی بن حکیم سے اس نے شریک سے اس نے عطاء بن سائب سے اس نے ابو الضحیٰ سے اس نے ابن عباس سے انہوں نے کہا کہ ہر زمین میں ایک نبی ہے تمہارے نبی جیسا اور تمہارے آدم جیسا آدم ہے تمہارے نوح جیسا نوح ہے

کہ ہم دیکھیں کون شخص بہتر یعنی اور اچھے عمل کرتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے خَلَقَ الْمَوْتَ
وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورۃ ملک) یہ کشمکش موت و حیات محض اس لیے پیدا
ہوئی ہے کہ تمہارے حسن عمل کی جانچ پڑتال ہو ان آیات بینات سے پتہ چلا کہ دنیا کو پیدا اصل
بنایا گیا ہے زندگی محض اس لیے ملی ہے کہ عمل کی کیفیت آزمائشوں میں انسان کی جانچ ہو کہ
ہو اور دیکھا جائے کہ انسان اس دنیا میں کیا کچھ کرتا ہے لہذا یہ دار الجزاء نہیں ہے جزا سزا کے
لیے اس دنیا کو نہیں بنایا گیا اس کے لیے زمان اور مکان اور ہے جسے اسلامی اصطلاح میں
عالم آخرت کہا گیا ہے اور عالم آخرت کو لانے کے لیے جو انقلاب برپا ہوگا اس کا نام قیامت
ہے عالم دنیا اور عالم آخرت دونوں کے مقاصد و اغراض الگ الگ ہیں جنہیں سمجھنے سمجھانے
کے لیے اسلامی تعلیمات کا محتاج ہونا پڑتا ہے سو اسلام نے بالوضاحت فرما دیا ہے اَلْیَوْمَ یَوْمُ
عَمَلٍ وَّلَا حِسَابَ وَغَدًا یَوْمُ حِسَابٍ وَّلَا عَمَلَ آج کچھ کرنے کا دن ہے حساب اور
سزا کا دن نہیں ہے اور اس دنیا کے بعد حساب و جزا کا دن ہے وہاں عمل نہیں ہو سکے گا ہم دیکھتے
ہیں اس دار العمل دنیا میں کسی نیک کی نیکی کا اسے مکمل معاوضہ نہیں ملا اور نہ کسی بدکار
سرکش کو اس کی بدی کی پوری سزا ملی ہے انبیاء کرام جو صالح ترین مخلوق ہے اور گناہ سے
قطعی محفوظ اور بالکل معصوم ہے بتاؤ اس بہتر صالح نے اپنی صالحیت کا دنیا میں کیا بدلہ
پایا حالانکہ قرآن صاف ناطق ہے مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُولَ
الرَّسُولُ (سورۃ بقرہ) سابقہ صالحین کو پے در پے مصائب و نوائب پہنچے اور متزلزل ہو گئے
حتی کہ رسول اور اس کے سب ساتھی رحمت الٰہی کے لیے پکار اٹھے حدیث پاک میں
آتا ہے کہ انبیاء پیغمبروں کو تمام مخلوق سے زیادہ تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچی ہیں یہ تو پہلے
باتیں ہو لیں آپ اب اپنا روزانہ مشاہدہ دیکھیے کہ صاحب خیال مخلص اخلاص والا چندے
اور دنیا ساز دل کے ہاتھوں کس قدر تکلیف میں ہے حضرات مادی کے علاوہ اس
کی شرافت کو شرارت اس کے سچ کو جھوٹ اس کے اخلاص کو دھوکا و فریب اس
کی ہمدردی کو خود غرضی اس کی خیر سگالی کو مکاری اور اس کے ہر کام کو جاہ طلبی

جاتا ہے یہ غلط ہے اس حدیث کا اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ مطلب اللہ والے تھے یہ کہ دنیا جیل
خانہ کے مشابہ ہے لہذا ثابت ہوا کہ دنیا میں پورا پورا معاوضہ ایک نیک کو اس کی نیکی
کا نہیں ملا اور نہیں مل سکتا آپ دیکھئے کہ کئی صحابہ کرام اولیاء عظام اور اس وقت بھی کئی
علماء دنیا داری اور زر و مال میں پورے طور پر انعام پا رہے ہیں تو معاوضہ مل گیا بلکہ پہلے
ہی کیا کرہ گئی۔ جواب عرض ہے کہ یہی سوال پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا تھا کہ
ایک صحابی کو دنیا کا [illegible] ملنا کہیں اسے پورا پورا معاوضہ دے کر اس کا حساب و کتاب
تو نہیں چکایا جا رہا تو آپ نے جواب میں فرمایا تلک عاجل بشری المؤمن [illegible] مکمل معاوضہ تو آخرت
ہی ملتا ہے یہ تو بطور نمونہ تھے آخرت والے ہے اب ایک بد کو دیکھئے فرعون بدوں کا
سرغنہ تھا سوائے غرقابی کے اس کے ظلم و استبداد و قتل و قتال اور دعوی خدائی کی
اسے کیا سزا ملی اب بھی مشہور ہے کہ رب کا باغی طاغی خوش و خرم ہوتا ہے اور
بغاوت الٰہی سے الٹا مزے اڑاتا اور لطف پاتا ہے چنگیز دیکھئے کیفیت نے ہزاروں لاکھوں
[illegible] ڈالے مگر کسی مقام پر نہ پکڑا گیا اور عیش سے زندگی گزارتا رہا بتائیے اب
اس جرم کی سزا کون اور کب دے گا قاتل قتل کر کے ماخوذ نہیں [illegible] اور اگر پکڑا گیا
تو دے سے کہ بری ہو گیا ظالم شرابی زانی راشی بلیک کرنے والا چور ہر قسم کے
مقدمہ جیتنے والا غاصب وغیرہ بیشتر مجرم دنیوی سزاؤں سے بچ رہے ہیں اور
مزے اڑا رہے ہیں انہیں یہاں تو کچھ نہیں ہو رہا اگر حکومتوں کے قانون سے
بچ رہے ہیں تو خدائی سزا سے بھی اسلام میں کسی کی ٹانگ نہیں ٹوٹی کسی کو بھی
وقت سزا نہیں ملی کہ مظلوم کا دل ٹھنڈا کرنے کا سبب بنتے حالانکہ انصاف کا
تقاضا ہے مجرم کو سزا ملے اور مظلوم کو بدلہ مگر ایسا نہیں ہو رہا آخر یہ کون ہے۔
منکر اسلام لوگ بار بار پیغمبروں سے یہ مطالبہ کرتے تھے فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ
الصَّادِقِينَ اگر سچے ہو تو جیسا کہتے ہو وہ عذاب دے کر ہو ہماری مخالفت کی ہمیں سزا
دلاؤ مگر انہیں یہی جواب ملتا رہا کہ وقت پورا ہو لینے دو وقت آ جائے گا پھر

کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھ سکتا اور اگر رکھے تو مسلمان نہیں رہ سکتا

سوال: قبروں اور مزاروں پر چڑھاوا چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا جائز ہیں یا نہیں

جواب: جائز نہیں ہیں ان کی حرمت محدثین کے نزدیک مسلم ہے دلائل کتاب وسنت میں بکثرت موجود ہیں

از مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۵ ش نمبر ۲۴

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں جب کفار سے حضرت بلال کو بہت ایذا پہنچتی تو آپ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے کیا یہ صحیح ہے

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ اور وضعی چیز ہے۔ بالفرض حضور اپنی زندگی میں راہ چلتے وہاں سے گذرے ہوں تو انہوں نے آپ کو دیکھ کر یاد کر لیا ہو تو یہ ادبا ہے

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد نمبر ۱۲ شمارہ نمبر ۹

از حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب

سوال: راقم کا نام پیدائشی والدین نے غلام نبی رکھا ہے آج کل یہاں ایک اہلحدیث عالم اس نام کو ناجائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں ایک قسم کا شرک ہے اس کو بدل دو نیز وہ عالم صاحب غلام نبی غلام رسول۔ غلام محمد۔ غلام جیلانی وغیرہ تمام ناموں کو ناجائز جانتے ہیں لہذا اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے

سائل غلام نبی طاہری ددکا ندار ریاسی نگر کشمیر

جواب: مولوی صاحب مذکور کا قول ایک حد تک صحیح ہے حقیقی معنی میں سارے انسان صرف اللہ تعالیٰ کے بندے و غلام ہیں اور وہی صرف سب کا حقیقی آقا ہے جملہ انبیاء و رسل وغیرہ بھی اس کے بندے و غلام ہیں لہذا مخلوق کی نسبت صرف حقیقی مالک کی طرف ہونی چاہیے آپ حضرت شہید غازی شاہ اسمٰعیل

کی کتاب تقویۃ الایمان بسر دو حصوں کو پڑھئے حضرت شاہ صاحب نے اس قسم کے ناموں کو ناجائز بتادیا ہے۔

اخبار اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۵ شمارہ نمبر ۱۲

مسئلہ: اَوْلِیَاءُ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُ قول مہمل ہے کسی جاہل کا قول ہے۔ کیونکہ نہ لفظ ٹھیک نہ معنی صحیح اور یہ قول کسی کتاب معتبر حدیث وفقہ بلکہ کتب معتبرہ تصوف میں اس کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی۔ ایسے جاہل لایعقل کی شان میں یہ حدیث صحیح متواترہ ٹھیک آجاتی ہے مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ کما فی الصحاح والسنن وغیرہا۔ اور جو کوئی ایسا عقیدہ رکھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق اطلاق موت اور وفات کا گناہ اور عصیان ہے تو یہ شخص بھی اجہل الناس میں سے ہے۔ اور منکر شرع مبین ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ الآیہ وقال کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ الآیۃ۔ اور صحیح بخاری وغیرہ میں قصہ خطبہ پڑھنے کا ابوبکر صدیقؓ سے منقول وماثور ہے حضرت عائشہؓ سے ان ابا بکر اقبل علی فرس من مسکنه بالسنح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشة فتیمم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو مسجی ای مغطی ببرد حبرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله ثم بکی ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقد متها ثم تولی علی عمر اجلس فتشهد ابوبکر اما بعد من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان منکم یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت قرأ فیه اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ منصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو میری قبر پر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا

---

۱ جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے ۱۲

۲ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں ۱۲

۳ ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے ۱۲

۴ حضرت ابوبکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے گھر سے آئے۔

قوله من مسکنه بالسنح بضم المهملة وسکون النون وبعضها الیمنی بعدها مهملة منازل بنی الحارث وکان ابوبکر متزوجا فیهم ۱۲ الخ محمد شرف الدین

قوله فتیمم ای قصد ۱۲ قوله حبرة بکسر المهملة ثم الموحدة ثوب مخطط ... الخ

جاتا ہوں۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ کتب حدیث سے واضح ہے۔ لیکن کیفیت حیات کی اللہ تعالیٰ جانتا ہے اوروں کو اس کی کیفیت بخوبی معلوم نہیں۔

سید محمد نذیر حسین   فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۲

سوال۔ جو شخص ہمارے نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے کچھ ذرہ بھی عشق رکھے اور تمام جہان پر آنحضرت کے بزرگ وافضل ہونے کا قائل نہ ہو اور شفاعت کا اور آنحضرت کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کرتا ہو وہ کافر ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ جس نے ایسا اعتقاد رکھا وہ کافر ہے۔ جنت اس پر حرام ہے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوست وہ اللہ کا دوست اور کوئی چاہے کہ بعد بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا وساطت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے دوستی رکھے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے واسطے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ[1]۔ اور فضیلت و بزرگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام جہان پر قرآن و حدیث سے صاف ظاہر و باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کسی نبی کو اس لقب سے یاد

---

[1] آپ کہہ دیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا ۱۲

وسیلہ ایک جنت میں منزل ہے [illegible] علیہ السلام [illegible] ۱۲ [illegible] حدیث سے واضح ہے [illegible] رواہ الترمذی [illegible] والبیہقی [illegible] عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ [illegible] الملائکۃ [illegible] فی کتاب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] الحسین [illegible] عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید ابلغتہ قال ابن القیم فی جلاء الافہام [illegible] حدیث غریب جدا [illegible] الحدیث الاول [illegible] فی الباب [illegible] عند البزار وابی الشیخ بن حبان والطبرانی فی الکبیر [illegible] فی الباب شئ [illegible] المعا [illegible] الترغیب والترہیب [illegible] ۱۲

ابو سعید محمد شرف الدین۔

نہیں فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔ اے نبی ہم نے تم کو سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اور صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ میں ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طھورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون وفی روایۃ اعطیت الشفاعۃ۔

اور دوسرے مقام میں ہے انا سید ولد آدم اور خاتم الانبیاء ہونا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل آفتاب نیم روز کے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے واضح ولائح ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ۔ اور صحیح مسلم کے کتاب الفضائل میں ہے باب ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیانا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین وفی روایۃ فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء علیہم السلام۔

اور آنحضرت کا شفاعت کرنا قیامت میں اپنی امت کے لیے بلکہ تمام امتوں کے

۱؎ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مجھے دوسرے انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا کی گئی ہیں جامع کلمات عطا کیا گیا ہوں رعب سے میری مدد کی گئی ہے میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں میرے لئے تمام زمین وضو کے لئے پاک اور سجدہ گاہ بنا دی گئی ہے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ نبیوں کو ختم کیا گیا ہے اور ایک روایت میں ہے مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے

۲؎ میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں ۱۲

۳؎ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں ۱۲

۴؎ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایک آدمی جیسی ہے جس نے ایک عمارت کو بنایا اور اچھا بنایا اور بہت خوبصورت بنایا مگر اس کے کونوں میں سے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی۔ لوگ اس کے گرد گھومتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ لگا دی گئی تو آپ نے فرمایا میں

واسطے قرآن و حدیث سے خوب صاف ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے کچھ پوشیدہ و امر نہیں ہے
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی
حدیث میں ہے۔ وعن عوف بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی آت
من عند ربی فخیرنی بین ان یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت الشفاعۃ و
ھی لمن مات لا یشرک باللہ شیئا رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
شفاعتی لاہل الکبائر من امتی رواہ الترمذی وابو داود وابن ماجۃ عن جابر۔ اور ایک بڑی حدیث میں بخاری و مسلم کے
آیا ہے۔ کہ قیامت یعنی حشر کے روز سب لوگ واسطے طلب شفاعت کے آدم و نوح
و موسیٰ و عیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس جاویں گے وہ سب اپنا قصور بیان کریں
گے شفاعت نہیں کریں گے حضرت عیسیٰ فرماویں گے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس جاؤ۔ حضرت کے پاس آویں گے پہلے دروازہ شفاعت کا ہمارے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھولیں گے۔ بعدہ سب شفاعت کریں گے۔ حضرت کے
آگے کسی کی دم مارنے کی طاقت نہیں رہے گی اللہ تعالیٰ مقرر فرما دے گا
اس کے موافق حضرت بار بار بحکم اللہ پہنچ جاویں گے سجدہ کرتے جاویں گے
اور شفاعت کرتے جاویں گے اور صدہا احادیث اسی مضمون کی صحاح ستہ
وغیرہ میں موجود ہیں جس کا جی چاہے وہ دیکھ لے اور بعد اس کے بھی
جو شخص پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور خاتم ہونے کا اور قیامت

۱۔ بے شک ہو یا نہیں تم امید ہیں ہوں اور ایک روایت میں ہے میں اس اینٹ کی جگہ آ گیا ہوں اور
بھیجنے نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں ۱۲
۲۔ تم کو تمہارا رب مقام محمود میں پہنچا دے گا ۱۲
۳۔ آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۱۲
۴۔ اور عوف بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے
رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا۔ اور مجھ کو اختیار دیا کہ یا تو میری امت کی نصف امت
جنت میں داخل ہو جائے گی اور یا پھر آپ شفاعت کریں۔ سو میں نے شفاعت کو پسند کر لیا اور
وہ ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جو اس حال میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اس کو
ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری
امت کے بڑے گناہوں والوں کیلئے ہوگی اس کو ترمذی ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت
جابر سے روایت کیا ہے ۱۲

میں شفاعت کرنے کا منکر ہو تو بموجب آیت فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ گمراہ کا فر خالد عند الله دوزخ کا کندہ بن رہے گا۔ المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدر الدین حیدر آبادی

الجواب صحیح والذی نجیح ومنکر ہا مردود کافر۔
محررہ العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ دہلوی
فتاوی نذیریہ جلد اول ص۱۱

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہل علم ابتداءً دین محمدی پر تھا۔ رفتہ رفتہ پھرتے پھرتے مرتد ہو کر نصرانیت میں منہمک ہوا اور گاہے مذہب نیچری کو اور گاہے مذہب عیسائی کو ٹھیک بتاتا ہے بعض لوگوں نے اس کو ان کے معابد میں شامل ہوتے دیکھا، اس کا والد کہتا ہے کہ اس کو خفقان ہے۔ اب اس شخص کا کیا حکم ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ شخص اگر توبہ کرے تو اس کے ساتھ سلام وکلام وشادی وغمی میں شامل ہونا درست ہے لیکن سردار اور امام کے ہوتے ہوئے اس کو امام یا سردار بنانا نہ چاہئے اور حدیث شریف اس سے نہ قبول کرنی چاہئے اگر وہ شخص نماز پڑھتا ہوا اور کوئی شخص اس کی اقتدا کرے تو جائز ہے پس ایسے شخص کو سردار وغیرہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جو شخص ادیان باطلہ کفریہ کی صراحۃً تصویب کرے اور ساتھ اس کے ان کے معابد میں بھی شامل ہو تو وہ بالاتفاق اہل علم کافر ہے ایسا شخص اگر توبہ صحیح کرے۔ جس کے آثار علانیہ پائے جائیں۔ تو البتہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگا اور جمیع احکام میں مثل سائر اہل اسلام کے ہوگا اس کے ساتھ سلام وکلام اور اس کی شادی غمی میں شریک ہونا اور نماز میں اس کی اقتدا کرنا وغیرہ سب کچھ جائز و درست ہوگا۔ رہا یہ

امر کہ بعد توبہ صحیح کے اس کو مرد داریا ہے یا نہیں ۔ سو وا ضح ہو کہ
ہر مسلمان سواری و امامت کی قابلیت و اہلیت نہیں رکھتا ہے اس منصب جلیل کی
شرعاً جو اہلیت و قابلیت رکھے ۔ اس کو بنانا چاہیئے ۔ رہی یہ بات کہ شخص مذکور کو خفقان
یا جنون ہے یا نہیں ۔ سو واضح ہو کہ خفقان یا جنون امراض شاہدہ و بدیہیہ سے
ہیں اگر اس شخص میں خفقان یا جنون کے آثار و علامات پائے جاتے ہیں تو یہ
شخص مجنون یا مبتلا بخفقان قرار دیا جاوے گا ۔ ورنہ نہیں واللہ اعلم حررہ

محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ سید محمد نذیر حسین

توضیح الکلام : اگر شخص مذکور میں واقعی توبہ صحیح کے آثار پائے گئے
تو التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ کے مطابق تمام مومنین و مصلین کی طرح ہے

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال : قرب و معیت و احاطہ وغیرہ جو صفات باری تعالیٰ ہیں آیا
یہ بالذات ہیں ۔ یا بالعلم ہیں ۔

الجواب : قرب و معیت وغیرہ صفات میں بہت اختلاف ہے ۔ بعض
بالذات مراد لے کر تاویلات کرتے ہیں ۔ اور بعض بالعلم کہتے ہیں لیکن تحقیق
مذہب جمہور کا یہ کہ جملہ صفات باری کا ایمان بغیر سوال کیف و بلا تشبیہ لانا چاہئے
قال اللہ تعالیٰ لیس کمثلہ شیئ وقال اھل العلم قد ثبتت الروایات فی ھذا ونؤمن بھا ولا
یتوھم ولا یقال کیف ھکذا روی عن مالک بن انس وسفیان بن عیینۃ
وعبد اللہ بن المبارک انھم قالوا فی ھذہ الاحادیث امروھا بلا کیف
وھکذا قول اھل العلم من اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی الترمذی

لہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے ۔ اہل علم نے کہا اس میں جو روایات وارد ہوئی ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں شک نہ کیا جائے کیفیت نہ پوچھی جائے ۔ مالک بن انس ۔ سفیان بن عیینہ ۔ عبد اللہ بن مبارک کا یہی قول ہے کہ ان احادیث کو بلا کیفیت تسلیم کیا جائے ۔ اہل علم اہل سنت کا یہی مذہب ہے ۔

یہ تحقیق مطابق مذہب اہل سنت ہے گو علما نے اس میں سے بہت طوالت کی ہے اور قسم قسم کے رسائل تالیف کئے ہیں۔ لیکن خلاصہ تحقیق محققین یہی ہے اللہ اسی پر اعتقاد رکھنا چاہئے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ العبد الضعیف راجی رحمتہ ربہ القوی ابو محمد عبد العزیز اصلح اللہ تعالیٰ عنہ ولوالدیہ و احسن الیہما و الیہ۔ الجواب صحیح واللہ اعلم۔ محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ھ محمد عبد السلام ۱۲۹۹ھ محمد ابو الحسن ۱۳۰۵ھ

ابو سعید محمد حسین ۱۳۰۵ھ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۳۸

سوال: زید کہتا ہے۔ کہ کنجیاں رزق مخلوقات کی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تفویض کر دی ہیں۔ جس کو جتنا چاہیں دیں عمرو اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کسی کو ایک ذرا بھر اختیار نہیں دیا سب کچھ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے قبضہ میں ہے جس کو چاہے دیوے نہ چاہے نہ دے ان دونوں میں کون سچا ہے۔

الجواب: رزق مخلوقات کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہونے کی یوں بات ہے کہ اس امر میں زید کا قول بالکل غلط ہے۔ زید مذکور نے یا قرآن و حدیث کو دیکھا سنا نہ ہوگا یا جان بوجھ کر ہٹ دھرمی کرتا ہے قرآن حدیث نے تو بڑے زور سے اس بات کی تردید کر دی ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود کے پہلے رکوع میں فرمایا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا یعنی کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے روزی اس کی۔ یعنی چلتا پھرتا جیتا جاگتا جو کوئی ہے سب کو اللہ ہی رزق دیتا ہے اور سورہ فاطر کے پہلے رکوع میں ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یعنی کوئی بنانے والا اللہ کے سوائے جو روزی دیتا ہے تم کو آسمان زمین سے اور سورہ شوریٰ رکوع دوم میں ہے لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ

وَالْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔ یعنی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ پھیلا دیتا ہے روزی واسطے جس کے چاہے اور ناپ دیتا ہے وہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے مطلب یہ ہوا کہ یہ تو رزق کی کنجیاں کسی اور کے ہاتھ میں ہیں اور نہ کسی کو یہ خبر ہے۔ کہ کس کو روزی زیادہ ملنی چاہیے اور کس کو کم۔ اور سورۃ ذاریات کے تیسرے رکوع میں ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ۔ یعنی اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط اور سورۃ ذاریات کے پہلے رکوع میں ہے وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ یعنی اور آسمان میں ہے روزی تمہاری۔ یعنی رزق کا خزانچی اور کفیل اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے سب کی روزی آسمان سے اللہ تعالیٰ اتارتا ہے اور مشکوٰۃ باب الاستغفار میں مسلم کی روایت سے آیا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمته فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوته فاستکسونی اکسکم۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو تم سب کے سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلا دوں پس تم مجھ سے روزی مانگو میں تم کو روزی کھلاؤں گا اور اے میرے بندو تم سب کے سب ننگے ہو مگر جس کو میں پہنا دوں۔ پس تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تم کو کپڑا دوں گا پس قرآن و حدیث میں صاف صاف بیان ہو گیا کہ روزی رزق کی کنجیاں محض اللہ پاک کے ہاتھ میں ہیں اس میں ذرہ برابر کسی دوسرے کا دخل یا تعلق نہیں ہے اور جو صفات ایسے ہیں جو اللہ پاک کے واسطے خاص ہیں ان میں کسی کا دخل یا تعلق سمجھنا شرک ہے ایسے عقیدے سے بہت بچنا چاہیے

حررہ محمد عفی عنہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ — سید محمد نذیر حسین دہلوی

فتاویٰ نذیریہ جلد اول صـ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک
شخص دعویٰ کرتا ہے کہ عیسیٰ موعود میں ہوں اور وہ عیسیٰ مر گئے سو ایسا دعویٰ
کرنے والا کافر ہے یا مومن اور جو ایسے شخص کا معتقد ہو وہ کیسا ہے دیگر جن لوگوں
کی عورتیں بے پردہ رہتی ہیں۔ مگر ناچ۔ تماشہ و تعزیہ وغیرہ بے تکلیف دیکھنے جاتی
ہیں۔ اور شوہر وغیرہ مانع نہیں ہوتے آیا یہ لوگ دیوث ہیں یا نہیں اور ان
عورتوں پر کیسا گناہ ہوگا؟

الجواب: جو شخص اپنے کو عیسیٰ موعود کہتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا
قائل ہے وہ بڑا دجال۔ کذاب۔ منکر قرآن و احادیث متواترہ کا ہے قال اللہ تعالیٰ
وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ۔ ای قبل موت عیسیٰ کما قال
ابن عباس وابو ہریرۃ وغیرہما من السلف وھو الظاھر کما فی تفسیر ابن کثیر و فتح
البیان وغیرہما من التفاسیر یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مرے نہیں
بلکہ زندہ ہے۔ احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ آخر زمانہ میں شام میں ان کا
ظہور ہوگا دجال کو قتل کریں گے۔ لوگوں کو ان کے شر و فساد سے بچاویں گے
ان کی دعا سے یاجوج ماجوج قوم کی ہلاک ہوگی۔ ان کے ہاتھ سے شر و فساد
کا دروازہ بند ہو جاوے گا۔ جمیع اقوام یہود و نصاریٰ وغیرہ اسلام قبول
کریں گے۔ عدل و انصاف سے سارا زمانہ معمور ہو جائے گا سات برس
تک یہی حالت رہے گی۔ پھر آپ دنیا سے رحلت فرماویں گے۔ یہ قصہ
تمام کتب احادیث و عقائد میں مرقوم ہے اور اسی پر تمام اہل سنت والجماعت
کا اعتقاد ہے۔ ہاں بعض فرقہ ضالہ نے احادیث نزول عیسیٰ کو حدیث
وخاتم النبیین سے منسوخ سمجھا اور تناقض خیال کر کے جملہ احادیث صحاح
کو رد کیا۔ ان کی سوجھی نے انہیں چاہ ضلالت میں جا ڈالا۔ فی الحقیقت کوئی
تناقض نہیں کیونکہ اس میں شک نہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں

آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور جو حضرت عیسیٰ کا نزول آخر زمانہ میں ہوگا سو مستقل اور جدید شریعت کے ساتھ نہیں ہوگا۔

بالجملہ جمیع اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور جو شخص ان کی حیات کا منکر اور قتل ہو دو مرے دود کے قتل ہونے کا یا خود بخود فوت ہونے کا قائل ہو اور اپنے آپ کو عیسیٰ کہتا ہو۔ ایسے شخص کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ اور جو شخص ایسے اعتقاد والے کا پیرو ہو وہ بھی احاطہ اسلام سے باہر ہے واللہ اعلم

جواب سوال ثانی۔ وہ عورتیں بڑی گنہگار و فاسقہ ہیں اور ان کے شوہر جو ان کو روکتے نہیں۔ وہ بلا شبہ دیوث ہیں

حررہ عبدالحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۔۔

سوال۔ شخصے در حالت نزع بزبان انگریزی مضمون شہادتین و کلمہ طیبہ ادا کردہ جان بحق تسلیم نمود۔ آیا خاتمہ او با ایمان توان دانست یا نہ بزرگے از جماعت مجوزین قرات کلام المجید بلسان عجم قائل ثبوت ایمان آن کس ست بینوا توجروا۔

الجواب۔ بلا شبہ ایمان پر مرا جیسے اخفیا نا مقام اشکال کے معتبر نہ تھا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔

حررہ ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول

سوال۔ کیا فرماتے ہیں۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ زلزال کے معنی غلط سمجھے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ یوسف نجار کے بیٹے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت رسول

واکرام کو ابن مریم اور دجال کی خبر بتلا دی گئی۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا انتقال ہو گیا کشمیر میں قبر ہے ایسے شخص کی اقتدا موجب نجات ہے یا نار۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا کیسا ہے اور وہ مدعی ہے۔ کہ عیسیٰ موعود میں ہوں اور کوئی عیسیٰ نہیں آئیگا حضرت رسول اکرم خاتم النبیین نہیں۔ اور اس کے اور ایسے صدہا عقیدے ہیں بینوا توجروا۔

الجواب۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا قطعی دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے شخص کی اقتدا سراسر ضلالت و موجب نار ہے جتنی باتیں اس شخص نے سوال میں نقل کی گئی ہیں وہ محض غلط و باطل ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں ہیں۔ اس نالائق شخص نے رسول اللہ تو رسول خود اللہ تعالیٰ کو جھوٹا بنا دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۱؎ اور فرماتا ہے ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ یعنی قرآن کے معنی اور مطلب کا بیان کر دینا اور آپ کو سکھا دینا ہمارے ذمہ ہے اور یہ نالائق کہتا ہے۔ کہ آپ نے سورہ مریم کے معنی غلط سمجھے نعوذ باللہ من ذلک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۲؎۔ یہ آیت اور مثل اس کے اور آیتیں صاف صاف ناطق ہیں۔ کہ عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہوئے اور یہ نالائق کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۳؎ اور یہ نالائق کہتا ہے کہ آپ خاتم النبیین نہیں تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو قسم کھا کر فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور پھر آپ نے ان کے نازل

۱؎ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی وحی ہوتی ہے ۱۲
۲؎ مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا مجھے کسی آدمی نے ہاتھ نہیں لگایا اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا کہ اس کا پیدا کرنا میرے لئے بہت آسان بات ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور ہماری طرف سے رحمت [illegible] یہ بات کا فیصلہ ہو چکا ہے ۱۲
۳؎ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور آخری نبی ہیں ۱۲

ہونے کا پورا قصہ و تیز دجال کا مفصل حال بیان فرمایا ہے کما ھو مروی فی کتب الاحادیث اور یہ نالائق مردود کہتا ہے کہ آپ کو ابن مریم اور دجال کی خبر نہیں دی گئی اور عیسیٰ کا انتقال ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو یہ مردود عیسیٰ موعود بتاتا ہے الحاصل یہ شخص بالکل ملحد دجال و مضل دجال کذاب ہے تمام اہل اسلام کو لازم ہے کہ ایسے شخص سے نہایت ہی احتراز کریں

حررہ محمد علی عفی عنہ　　　سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۱۰۰

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین سوالات مندرجہ ذیل میں

(۱) نحوست انسان بالخصوص عورت از روئے شرع شریف ثابت ہے یا نہیں مثلاً کسی عورت کے کسی حصہ بدن یا مخصوص پشت پر بال یا بھونری ہو جسے عوام جہلا و تقلید مذہب جنوں و سانپنی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرتے ہیں ثابت ہے یا نہیں۔

(۲) بصورت اخیر ایسا اعتقاد کرنا داخل شرک ہے یا معصیت کبیرہ یا صغیرہ

(۳) اگر شرک ہے تو یہ اس قسم کے شرک میں داخل ہے۔ جس کے معتقد کا نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

الجواب: شوم و نحوست کے بارے میں حدیثیں مختلف آئی ہیں ان احادیث مختلفہ کی تطبیق و توفیق کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی ترجمہ میں لکھتے ہیں

بدانکہ احادیث واردہ درباب طیرہ مختلف آمدہ از بعضے نفی تاثیر طیرہ و نہی از اعتقاد و اعتبار آں مطلق مفہوم گردد و ایں بسیار است واز بعضے ثبوت آں در مراۃ و دابہ و دار بعینہ بجزم چنانکہ در حدیث بخاری و مسلم آمدہ انما الشوم فی ثلاث الفرس والمرأۃ والدار و در روایتے ومع وخادم و زمین

سوال کے نحوست ہونے [illegible]

یا بلفظ شرط چنانکہ درین۔

حدیث یعنی حدیث ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ھامۃ
ولا عدوی ولا طیرۃ وان تکن الطیرۃ فی شیء ففی الدار والفرس والمرأۃ
وما مقتضای ظاہر بعضے انکار ثبوت شوم درین سہ چیز مثل سائر امور چنانکہ در حدیث
ابن ابی ملیکہ از ابن عباس آمدہ۔ و در بعضے احادیث آمدہ کہ اعتقاد شوم درین امور
در اہل جاہلیت بود چنانکہ در حدیث عائشہ آمدہ و وجہ تطبیق آنکہ تاثیر بالذات
منفی است و اعتقاد آن از امور جاہلیت است و موثر در کل اشیا اللہ تعالیٰ است
و بمحض خلق و تقدیر اوست و اثبات آن درین اشیا بجریان عادۃ اللہ است کہ
پیدا کردہ درینہا اسباب عادیہ ساختہ و حکمت در تخصیص آن اشیا بخصائص
و احوال موکول و مفوض بعلم شارع است پس نفی راجع بتاثیر ذاتی است و اثبات
بسبب عادی۔ چنانکہ در عدوی و جذام رفتہ شد آن گفتہ اند و بعضے گفتہ اند
کہ مراد آن است کہ تطیر در ہیچ چیز نیست و اگر فرض کردہ شود ثبوت وی
درین اشیا مظنہ و محل آن است و جائے آن خواہد کہ درینہا ثابت باشد
بر طریقہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لو کان شیء سابق القدر لسبقتہ العین
چنانکہ گذشت و برین طریق است کلام قاضی کہ گفتہ بعقب قول وی لا طیرۃ
باین شرط دلالت دارد کہ شوم و تطیر منفی است در آنہا یعنی اگر شوم را وجود
و ثبوتے ... بودے کہ قابل تواند آن را ولیکن وجود و ثبوت نیست در آنہا لیکن
اصلاً وجود ندارد۔ و انتہی۔ و بعضے گویند کہ شوم در زن ناسازگاری او است و آنکہ
و آنکہ زائیدہ نباشد و را طاعت زوج نکند یا مکروہ و مستقبح باشد تر دو سے
و در مرد و خانہ تنگی جا و بدی ہمسایہ و ناخوشی ہوا است و در اسپ حرون
و گرانی بہا و ناموافق غرض و مصلحت و مثل این و در خادم تیز ربا شوم
محمول بر کراہت و ناخوشی است بحسب شرع یا طبع۔ پس نفی شوم و تطیر

پر علوم۔ و حقیقت محمول باشد۔ انتہیٰ کلام الشیخ۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں واختلف العلماء فی ہذا الحدیث ای حدیث الشوم فی ثلاث الی آخرہ فقال مالک وطائفۃ ھو علی ظاھرہ وان الدار قد یجعل اللّٰہ تعالیٰ سکناھا سببا للضرر او الھلاک وکذا اتخاذ المرأۃ المعینۃ او الفرس او الخادم قد یحصل الھلاک عندہ بقضاء اللّٰہ تعالیٰ ومعناہ قد یحصل الشوم فی ھذہ الثلاثۃ کما صرح بہ فی روایۃ ان یکن الشوم فی شیء۔ الخ

حاصل و خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز میں شوم و نحوست نہیں ہے۔ نہ کسی مرد میں اور نہ کسی عورت میں اور نہ کسی چیز میں اور بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عورت اور گھر اور گھوڑا۔ ان تین چیزوں میں شوم و نحوست ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا قول انہیں بعض احادیث کے موافق ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور اس کی قضا سے یہ تینوں چیزیں باعث ضرر یا ہلاکت کا ہوتی ہیں یعنی یہ تینوں چیزیں بذاتہ موثر نہیں ہیں بلکہ موثر بالذات اللہ تعالیٰ ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ہے ان چیزوں کو ضرر یا ہلاکت کا سبب بنا دیتا ہے اور یہ لوگ ان احادیث کثیرہ کو جن سے مطلقاً شوم و نحوست کی نفی ثابت ہوتی ہے تاثیر بالذات پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں کے سوا باقی تمام اہل علم کا قول احادیث کثیرہ کے مطابق ہے یعنی ان کا یہ قول ہے کہ کسی چیز میں شوم و نحوست نہیں ہے نہ عورت میں اور نہ گھر اور نہ گھوڑے میں اور نہ کسی دوسری چیز میں اور یہ لوگ بعض احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کرتے بلکہ ان کی تاویل کرتے ہیں۔ جب یہ سب باتیں معلوم کر چکے تو اب سوالات مذکورہ کا جواب لکھا جاتا ہے۔

جواب سوال ۱ و دوم رسوم شرع شریعت سے کسی شے میں نحوست اس معنی سے ثابت نہیں ہے کہ وہ بذاتہ ضرر پہنچانے والی ہو نہ کسی مرد میں ثابت

اور نہ کسی عورت میں اور نہ کسی اور شے میں پس کسی عورت میں کوئی خاص علامت مثلاً پشت پر بال وبھوری دیکھ کر اس کو اس معنی سے منحوس سمجھنا اور ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو باعث ہلاکت زوج اعتقاد کرنا جیسا کہ ہنود وکفار اعتقاد کرتے ہیں اور ان کی تقلید سے عوام وجہال مسلمان بھی اعتقاد کرتے ہیں۔ بلاشبہ داخل شرک۔ ہاں امام مالک وغیرہ نے عورت اور گھر اور گھوڑے میں جس معنی سے نحوست وشآمت ثابت کیا ہے اس معنی سے ان تینوں چیزوں میں نحوست سمجھنی داخل شرک نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفی اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۳۲۲

اعتقاد کے متفرق مسائل

سوال: اعمال صالحہ ایمان کا عین ہیں یا اس کے اجزاء، نماز ایمان میں داخل ہے یا نہیں

محمد حسین پنجابی آلہ آبادی متعلم مدرسہ دار الحدیث کھنڈیلہ جے پور

جواب: سوال عربی میں ہے جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اعمال صالحہ اس کے اجزاء ہیں مگر ان اجزاء کو یہ اہمیت حاصل نہیں کہ ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے۔ ہاں نماز ایسا رکن ہے کہ اس کے نہ پڑھنے سے ایمان ہی نہیں رہتا۔ عبد اللہ امرتسری ۲ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ

سوال: اصل ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا کمال ایمان میں۔ خوارج اور محدثین کے درمیان تعریف ایمان میں امتیازی کیا فرق ہے؟

جواب: قرآن مجید میں کلمہ شہادت کو شجرہ طیبہ (درخت) سے تشبیہ دی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً الآیہ حدیث شریف میں آیا ہے الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً أَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الحدیث ایمان کی مثال درخت سے دی گئی ہے جس طرح درخت کی جڑ زمین کے اندر پوشیدہ رہتی ہے اور اوپر اس کا تنا اور ڈالیاں اور شاخیں ہوتی ہیں اسی طرح ایمان بھی ظاہر و باطن اور باہر کے مجموعہ کا نام ہے۔ ایمان کی جڑ یا تو مومن کے قلب میں یقین و اذعان کی صورت میں ہوتی اندر پوشیدہ رہتی ہے۔ اور اس کا اصل حصہ یعنی تنہ زبان شہادت ہے اور بقیہ اعمال اس جڑ و تنہ کی شاخ اور ڈالیاں ہیں۔ جس طرح اندر سے باہر تک درخت کے مجموعہ کو درخت کہتے ہیں۔ اگرچہ تفصیل کے وقت کسی کو جڑ کسی کو شاخ اور تنے سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح ایمان اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اور جس طرح بعض شاخ یا تنے کے کٹ جانے سے اصل درخت کا وجود باقی رہتا ہے

مگر اس میں نقص آجاتا ہے۔ اس طرح بعض اعمال کے ضائع ہو جانے سے اصل ایمان کے اندر نقص آجاتا ہے۔ اور اگر کل اعمال متروک ہو جائیں۔ تو اس کی مثال اس درخت ہے۔ جو صرف جڑ ہی جڑ ہے۔ اور درخت کی کوئی حیثیت اس کے اندر موجود نہیں۔ ایسی صورت میں پھر اصل درخت ہی کالعدم بلکہ معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اس اصلاحی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جزو کامل وغیرہ کو جس طرح چاہیں تعبیر کریں ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ

وَكُلٌّ اِلٰی ذَالِكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

شرعی ایمان

پھر ایمان کی یہ تعریف شرعی معنی سے ہے یعنی شریعت کے نزدیک یقین وعمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ لغوی معنی ایمان کے ایک تو امن دینے کے ہیں جس کا مفہوم ان لفظوں میں بتلایا گیا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دوسرے معنی یقین وتصدیق کے ہیں۔ جیسے اخوان یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا کہ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ کیونکہ مومن کے لئے کتاب وسنت کی باتوں اور ان کی خبروں پر یقین کرنا ضروری ہے اور یہی چیز انسان کو عذاب سے امن میں رکھنے والی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کو اس موقع پر دونوں معنی ملحوظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ تصدیق کا ثبوت اعمال سے ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا وجود اس کے تنا و شاخوں سے۔ اس لئے حکیم کامل نے اس کو درخت سے تشبیہ دی اور جس طرح درخت کی ڈالیاں مختلف حیثیت رکھتی ہیں۔ کوئی بہت بڑی جو قائم مقام درخت کے قرار دی جاتی ہے۔ تو کوئی بالکل معمولی اسی طرح اعمال کی نوعیت ہے۔ اور جس طرح درخت کی شاخ اور پتیاں کبھی درخت سے الگ ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی صرف ٹہنیوں اور پتوں کی تازگی اور رونق مفقود ہو جاتی اسی طرح اعمال کا اثر کبھی تو نفس ایمان پر پڑتا ہے۔ کبھی اس کی رونق اور رنگت

پر لہٰذا کبھی اصل ایمان میں نقص آتا ہے۔ کبھی کمال یعنی اس کی رونق و بہجت پر۔

محدثین وخوارج کا تعریف ایمان میں امتیازی فرق

محدثین اعتقاد و اعمال کو ایمان کی تعریف میں لیتے ہوئے پھر بھی ترک عمل کو کفر نہیں کہتے۔ بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک لسان باوجود یقین و اعتقاد کے ترک عمل سے کافر ہو جاتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک ایسے شخص کا شمار کافرین نہیں بلکہ فاسق میں ہوگا، خوارج آیت وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰھُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا خٰلِدُوْا فِی النَّارِ۔ لیتے ہوئے اس کو کافر قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرات محدثینؒ کہتے ہیں کہ یہاں فسق سے مراد ہی کفر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آتا ہے وَقِیْلَ لَھُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اس سے معلوم ہوا ان کے اندر تصدیق ہی سرے سے نہیں تھی کیونکہ عذاب کے مستحق دوزخ کے منکر اور اس کے مکذب تھے۔ اب رہا موحدین مومنین تارکین اعمال کا کافر نہ ہونا اس کی دلیل قوله عزوجل اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ہے کیونکہ یہاں غیر مشرک کے لئے مغفرت مقید بمشیت کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف توحید سے مومن نہیں اور ترک اعمال سے کافر ہو گیا تو اس کی مغفرت کے لئے مشیت الہٰی بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے محدثین کے نزدیک باوجود اعمال کے داخل ایمان ہونے کے ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور خوارج کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے

عبداللہ امرتسری ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ جلد اول ص ۱۶ تا ۱۷

فتاویٰ روپڑی

ایمان کی تعریف

سوال۔ کیا ایمان ایک قسم کی کیفیت ہے یا اس کا تعلق کم (مقدار و عدد) سے ہے؟

جواب۔ ایمان شرعی اعتقاد بالقلب۔ نطق باللسان۔ عمل بالارکان ان تین اجزا

کا نام ہے اور یہ تینوں اس کے لئے اجزاء حقیقیہ ہیں۔ جیسے درخت کے لئے اس کی شاخیں اور پتے اور تنا کے لئے اس کے واجبات اور سنن۔ ایمان کسی ایک مقولہ کے تحت میں نہیں۔ بلکہ کئی مقولوں سے مرکب ہے اس لئے کہ اس کا ایک جزء (اعتقاد) مقولہ کیف سے ہے۔ اور دوسرا جزء (نطق) مقولہ فعل سے ہے اور احادیث شفاعت کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان مقولہ کم سے بھی ہے ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دونوں جزء اعتقاد اور نطق تو اس کے لئے رکن ہیں۔ یعنی ان کے فوت ہونے سے ایمان ہی فوت ہو جائے گا۔ لیکن تیسرا جزء (اعمال صالحہ) ایسا نہیں ہے۔ یعنی اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہو گا۔ اِلَّا الصَّلٰوۃَ فَالصَّلٰوۃُ رُکْنٌ لِلْاِیْمَانِ کَالْاِعْتِقَادِ وَالنُّطْقِ

عبداللہ امرتسری ۲ محرم ۱۳۶۰ھ

محدث روپڑی کے جواب کا خلاصہ ذکر کر کے مولوی آفتاب احمد نے اعتراض کیا ہے

اعتراض ا:۔ سوال یہ ہے کہ ایمان محض فرضی و اعتباری شے ہے یا کوئی واقعی اور نفس الامری حقیقت ہے، ظاہر ہے۔ کہ شق اول باطل ہے اس لئے جب وہ ایک واقعی نفس الامری حقیقت ہے تو اس کا کئی مقولوں سے مرکب ہونا دو وجہوں سے محال ہے اولاً اس لئے کہ کسی حقیقت واحدہ واقعیہ کا اندراج تحت مقولتین ممتنع ہے۔ نقلاً عن المقولات کی تقریر فی عشرہ اور ثانیاً اس لئے کہ آپ نے ایمان کو مقولہ کیف سے مان کر اس کے مقولہ کم سے ہونے کے احتمال کو بھی صحیح مانا ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک اجتماع النقیضین جائز ہے اس لئے کہ کم کا معنی ہے عرض یقبل القسمۃ بالذات اور کیف کا معنی ہے عرض لا یقبل القسمۃ بالذات تو ایک ہی شے بالذات قابل قسمت ہے بھی اور نہیں بھی کیا یہ اجتماع النقیضین نہیں!

جواب:۔ سوال کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ علم ہیئت کا موضوع دوائر وغیرہ یہ سب اعتباری ہیں۔ اسی طرح ہر فن کے مصطلحات اعتبارات ہیں۔ جو اعتبار معتبر پر موقوف ہوتے ہیں۔ یہ باطل اس لئے نہیں کہ ان پر بڑے بڑے فوائد مرتب ہوتے ہیں اور حقائق واقعیہ اور فی نفس الامر اس لئے ہیں کہ اعتبار معتبر پر موقوف ہیں فی نفسہا ان کا کوئی اپنا وجود نہیں جب آپ کی تمہید ہی غلط ہو گئی تو ان پر جن محالات کی آپ نے تفریع کی ہے۔ وہ خود ہی کافور ہو گئے

علاوہ اس کے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حقیقت نفس الامری کا اندراج دو مقولوں کے تحت ممتنع ہے۔ ذرا صدرا وغیرہ میں بحث اثبات ہیولیٰ دیکھیں کہ اشراقیین جسم کا تقوم جوہر اور عرض سے مانتے ہیں حالانکہ عرض عرض میں اتنا بعد نہیں۔ جتنا جوہر عرض میں ہے تو پھر ایک حقیقت کے دو مقولوں کے تحت درج ہونے سے آپ کو کیوں تعجب ہوا، اور اس سے آپ کے تنافی کی حقیقت بھی واضح ہو گئی۔ کیونکہ کیا حرج ہے کہ ایک شے ایک جزء کے اعتبار سے ایک مقولہ کے تحت ہو اور دوسرے جزء کے اعتبار سے دوسرے مقولہ کے تحت ہو۔ پھر آپ کا اجتماع نقیضین کہنا بھی غلط ہے۔ اجتماع متنافیین کہنا چاہئے۔ جو عام ہے کیونکہ متنافیین نقیضین کو بھی شامل ہے۔ اور نقیض اور اس کے اخص کو بھی شامل ہے اور یہاں ثانی صورت ہے کیونکہ لا یقبل القسمۃ بالذات نفی مقید ہے۔ اور نقیض نفی مقید نہیں۔ بلکہ نفی مطلق ہے کتب منطق کا مطالعہ کریں پھر کہیے ؎ وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيحًا وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيمِ۔

اعتراض ۳: اہل فن کے نزدیک یہ مقدمات مسلم ہیں

اول یہ کہ یہ مقولات دسوں تحت ماہیات مرکبہ کے لئے جنس عالی بنتے ہیں۔

ثانی یہ کہ جس ماہیت کے لئے کوئی جنس ہوگی۔ اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہوگی۔

ثالث یہ کہ کسی ماہیت کی جنس و فصل اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء ہیں۔

رابع یہ کہ کسی ماہیت کی جنس و فصل کا تحقق اس کی جمیع ذاتیات کا تحقق ہے۔

خامس یہ کہ کسی ماہیت کی جمیع ذاتیات کا تحقق بعینہٖ ذات اور ماہیت کا تحقق ہے۔

ورنہ محمولیۃ ذاتی لازم آئے گی۔ جیسے حیوان اور ناطق کا تحقق بعینہٖ انسان کا تحقق ہے ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں۔ کہ جب ایمان اپنے ایک جزء یعنی اعتقاد بالقلب کے اعتبار سے مقولہ کیف سے ہوا تو یہ اس کے لئے جنس ہوا اور جب اس کے لئے جنس ثابت ہوگی تو اس جنس میں جو چیزیں ایمان کے ساتھ شریک ہیں۔ ان سے امتیاز دینے والی کوئی فصل بھی اس کے لئے ضرور ہوگی۔ اور مسلم ہے کہ وہ فصل جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو جب یہ جنس اعتقاد بالقلب اس فصل ممیز کے ساتھ کسی شخص میں متحقق ہوگی تو گویا

ایمان کی جمیع ذاتیات اور اس کے پورے اجزا متحقق ہو گئے اور جب اس کے ساتھ کسی شخص میں تحقق اور پورے اجزا کا تحقق ہو گیا تو اب ایمان کا تحقق بھی لازمی ہے اور ورنہ لازم آئیگا۔ تخلف ذات کا ذاتیات سے کل کا اپنے جمیع اجزاء سے والتخلف باطل فالملزوم مثلہ۔

اس اعتراض کو دوسرے واضح لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگر ایمان چند مقولوں سے مرکب ہو تو لازم آئے گا کہ اگر کسی شخص کو جَمِیْعُ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر دل سے اعتقاد ہو لیکن زبان سے ان کا اقرار نہ کرے بلکہ انکار کرتا ہو اور عمل صالح بھی ترک کرتا ہو تب بھی وہ عند اللہ مومن ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان کی جنس و فصل یعنی اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزا کا تحقق پایا جاتا ہے۔ پس ایمان کا تحقق بھی لازم ہے۔

اعتراض کی یہی تقریر نطق باللسان کے اعتبار سے بھی جاری ہو سکتی ہے یعنی جب نطق کے اعتبار سے ایمان مقولہ فعل سے ہوا تو اس کے لئے جنس جا اب اس جنس کے اعتبار سے اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہو گی۔ جب ان دونوں کا تحقق ہو جائے گا۔ تو ایمان کا تحقق بھی ضروری ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے جَمِیْعُ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اقرار تو کرتا ہو لیکن نہ اس پر اعتقاد رکھتا ہو اور نہ اس کے مطابق اچھے اعمال کرتا ہو تب بھی وہ عند اللہ مومن ہو۔ اس اعتراض کے سمجھ لینے کے بعد صاحب ذوق اس لطیف نکتہ سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ کہ فاضل مجیب نے جس مقدمہ سے جواب کی صورت اختیار کی تھی وہی کا بالکل اُلٹا ہو گیا اور یہ دلیل ان کے مدعا کی مثبت ہونے کی بجائے مبطل ہو گی۔ فتفکر۔

جواب:- ہاں تو آپ کا آفتاب احمد سعید لیکن باتیں آپ ظلمت کی کرتے ہیں منطق کی پڑھے ہوئے بچے بھی جانتے ہیں کہ جنس بعید اور فصل سے جمیع ذاتیات کا تحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ جنس قریب اور فصل قریب سے جمیع ذاتیات کا تحقق ہوتا ہے اور اجناس عالیہ اپنے ماتحت کے لئے اجناس بعید ہیں۔ اس بنا پر آپ کے تینوں مقدمات باطل ہو گئے اب تعریفات کا حال خود ہی سمجھ لیں فتامل فیہ۔

علاوہ اس کے جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس کہنا گویا ایمان میں اعمال کو داخل ماننا ہے کیونکہ جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعمال داخل ہیں۔ نیز فصل کا مرکب ہونا لازم آیا حالانکہ فصل مرکب نہیں ہوتی۔ اور یہی اعتراض جاء بجمیع ما جاء بہ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ کو فصل بنانے کی صورت میں ہے۔ نیز جنس و فصل تو ذات پر محمول ہوتی ہیں۔ یہاں حمل نہیں فتامل

اعتراض ۳: ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تینوں عرض ہیں تو ایمان جو ان سے مرکب ہے عرض ہوگا۔ اور عرض اپنے وجود فی نفسہ میں محل اور موضوع کا محتاج ہوتا ہے تو ایمان جو ایک ایسا عرض ہے جو مختلف المحال اعراض سے مرکب ہے اس کا محل کیا ہوگا۔ اس کے اجزاء حقیقیہ میں سے کسی کا محل دل اور کسی کا زبان اور کسی کا جوارح۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ ایمان کا محل ان تینوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو یہ بداہۃً باطل ہے یا یہ کہا جائے کہ انہی تینوں میں سے کوئی ایک ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اور یہ بھی باطل ہے یا یہ کہا جائے کہ تینوں ہیں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں مختلف محلوں کے ساتھ قائم ہو اور جب کہ العرض الواحد بمحلین مختلفین محال ہے تو یہ محال مختلف بطریق اولیٰ محال ہوگا۔ جب ایمان کو مرکب ماننے کے بعد اس کے تحقق کی یہ تمام صورتیں باطل ہیں تو معلوم ہوا کہ اس کا مرکب ہونا ہی باطل ہے۔

جواب: نماز میں قرأت تو زبان وغیرہ سے قائم ہے۔ اور دوسرے ارکان باقی جوارح سے قائم ہے اور مجموعہ کل کہلاتا ہے۔ اسی طرح ایمان کو سمجھ لیں۔ خدا جانے آپ کی بدھی (سمجھ) کو کیا ہوا؟

اعتراض ۴: ایمان جو جنس و فصل سے مرکب ہے۔ ماہیت جنسیہ ہے یا نوعیہ ماہیت جنسیہ ہو تو باطل ہے اولاً اس لئے کہ جنس اس کلی کو کہتے ہیں جو کثیرین مختلفین بالحقائق پر ماہو کے جواب میں بولی جائے۔ اور ایمان ایسی کلی نہیں کیونکہ اس کے ماتحت ایسی مختلف الحقائق ماہیات نہیں ہیں جن سے ماہی کے ساتھ سوال کرنے پر ایمان واقع ہو اور ثانیاً اس لئے کہ ایک کہ یہ ایک ایسی کلی ہے جس کا تحصل افراد مخصوصہ کے ضمن میں ہوتا ہے وکل حقیقۃ بالنسبۃ الی حصصہا نوع کما قال التفتازانی۔ لہٰذا اس کا ماہیت

جنسیہ ہونا باطل اور ماہیت نوعیہ ہونا متعین ہوا تو اب اس کے افراد میں نفس ماہیت کے اعتبار سے
زیادت ونقصان کیسا تو تفاوت نہیں ہو سکتا جیسے ماہیت انسانیہ کے افراد میں نفس حقیقت کے
اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں بلکہ نفس انسانیہ میں سب برابر ہیں، اسی طرح نفس ایمان میں تمام مومن
برابر ہوں گے اگر تفاوت ہوگا تو عوارض وآثار کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں۔ حقیقت
ایمان کے اعتبار سے افراد میں کمی زیادتی ماننا منطقی اصول سے غلط ہے۔ خواہ شرعاً صحیح ہی
ہو یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ اعتراض صرف ایمان کے ماہیت نوعیہ ماننے کی بنا پر ہے۔ نہیں
یہ اعتراض تو جنسی شق پر بھی قائم ہے اس لئے کہ ماہیت جنسیہ کے ماتحت انواع میں گو تفاوت
نفس حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس کی صورت اور ہے ماہیت جنسیہ میں کمی
زیادتی کے اعتبار سے نہیں۔

جواب: اول یہ مسئلہ کہ لا تشکیک فی الماہیات مختلف فیہا ہے۔ اشراقیین اس کے
قائل نہیں۔ دوم اجزاء دو طرح کے ہیں۔ ذہنیہ خارجیہ جن سے مثل اجزاء ذہنیہ میں اور ایمان میں کمی
زیادتی اجزاء خارجیہ کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ درخت اور شاخوں کی مثال سے واضح ہے۔
خیال میں آپ کو کوئی استاد نہیں ملا۔ ورنہ ایسی فاحش اغلاط میں واقع نہ ہوتے۔

اعتراض ۵: احادیث شفاعت کے جن ظاہر الفاظ سے آپ نے ایمان کو مقولہ کم سے
ہونا سمجھا ہے۔ یہ بھی محل نظر ہے اس لئے اگر احادیث میں مراد یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ
ان کو مجسم بنا کر ان میں مقدار اور کمیت پیدا کر دے گا۔ تو ان کو اس موقع پر پیش کرنا اور
ان سے ایمان کے مقولہ کم سے ہونے پر استدلال کرنا بالکل بے محل اور غلط ہے اور اگر
مراد یہ ہے کہ اسی عالم میں یہ ایمان موجود ہے۔ وہ مقولہ کم سے ہے تو بتایا جائے کہ یہ ایمان
بقول آپ کے اعتقاد ونطق عمل تینوں اجزاء حقیقیہ سے مرکب ہے یا یہ مرکب من حیث ہو
مرکب مقولہ کم سے ہے یا اس کا کوئی جزء اگر کسی جزء کے اعتبار سے ہے تو بتایئے کہ ان
تینوں اجزاء میں سے کونسا جزء مقولہ کم سے ہے۔ یا ان تینوں اجزاء کے علاوہ کوئی جزء
ایسا بھی ہے۔ جو ایمان کی حقیقت میں داخل ہے اور وہ مقولہ کم سے ہے۔ اگر کوئی اور

جز متحقق ہو گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعتقاد و نطق و عمل ان تینوں اجزاء کے متحقق ہونے کے بعد بھی ایمان متحقق نہیں ہوگا کیونکہ مرکب کے جمیع اجزاء متحقق نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے اور نیز ایمان کے یہی تین جزو ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جزو بھی مقولہ کم سے نہیں۔ تو پھر مرکب من حیث ہو مرکب مقولہ کم سے کیسے ہوا۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ ایمان اگر مقولہ کم سے ہے تو اس کی قسموں میں کونسی قسم میں داخل ہے۔ کم منفصل ہے یا متصل ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ کم منفصل عدد کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان عدد نہیں لہٰذا وہ کم منفصل بھی نہیں۔ اور کم متصل بھی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ کم متصل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قار الذات دوسری غیر قار الذات۔ غیر قار الذات صرف زمانہ ہے اور قار الذات تین چیزیں ہیں۔ خط۔ سطح جسم تعلیمی۔ ظاہر ہے کہ ایمان ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پس معلوم ہو گیا کہ ایمان کم سے نہیں

ثابت

جواب: میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ طوطی کی طرح جو کچھ آپ کو یاد ہے کہہ دیا مگر کی بنا رکھدی ہے۔ ورنہ یہ کچھ نہیں۔ کم منفصل کو آپ نے عدد میں منحصر مانا ہے حالانکہ علم موسیقی کا موضوع نغمہ۔ خوش آوازی بھی کم منفصل ہے۔ عدد کم منفصل قار ہے اور نغمہ کم منفصل غیر قار ہے۔ اور جب عمل ایمان میں داخل ہوا تو نغمہ بھی داخل ہو گیا کیونکہ نغمہ بھی عمل کی قسم ہے۔ مثلاً قرآن مجید یا کوئی اور ذکر نماز میں خوش آوازی سے پڑھے یا وعظ وغیرہ میں کوئی نظم یا کوئی موزوں کلام خوش الحانی سے ادا کرے تو اس اعتبار سے ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا۔ اسی طرح نماز وغیرہ میں رکعات کی مقدار اور اندازہ یہ کم متصل غیر قار ہے جو عمل کی قسم ہے۔ اور عمل ایمان میں داخل ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا سمجھئے۔ اب تو ہم نے ہندی کی چندی کر دی اب خوب سمجھ آ گئی ہوگی۔ اصل میں ایسی گفتگو کے ساتھ آپ کی حیثیت شاگردانہ ہونی چاہیئے تھی مگر آپ نے خود کو علامہ فہامہ سمجھ کر مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا۔ خیر آپ کی مرضی مگر اصل بات یہ ہے ؎

بہ سخن وا ز نوش و نیش بے خبری

ز سخن ما چہ گوئی ز حسن خواہش بے خبری

اعتراض ١٨: اسی طرح احادیث شفاعت کے بعد دوسرے ظاہر الفاظ کو دیکھ کر آپ نے ایمان
کو کوئی وزن دار چیز سمجھ لیا اور پھر منطقی حیثیت سے اس کو مقولہ کیف سے مان کر اس پر تفریع
بھی کر دی فزیادتہ ونقصانہ من الکیفیات ہے اور شروع نوٹ میں تو صاف طور پر تحریر
ہے کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اس کی کیفیت کی
نوعیت آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ وہ وزنی وزن چیز ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک
اس میں زیادتی ونقصان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے۔ اب یہاں بھی وہی
سوال پیدا ہوتا ہے جو اس سے پہلے نمبر میں گذر چکا ہے یعنی کہ ان احادیث میں مراد یہ ہے
کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو وزن دار بنائے گا۔ اور کسی جسمانی شکل میں ہو کر تولا جائے
گا۔ تو اس موقع پر ان حدیثوں کا ذکر بالکل بے محل اور خروج عن البحث ہے اور اگر مراد یہ
ہے کہ فی الحال جو ایمان اس دنیا میں موجود ہے اور جس سے لوگ بالفعل متصف ہوتے
ہیں۔ وہ وزن دار چیز ہے۔ اور اس میں کمی زیادتی وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے تو اس
کی صورت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب ایمان ۔۔ اعتقاد بالقلب۔ نطق۔ عمل ان تین اجزاء سے مرکب
ہے تو ان میں سے کونسا جز ذی وزن ہے۔ اور جب مرکب اور مجموعہ کے اجزاء میں
سے کوئی جز بھی ذی وزن نہیں تو مرکب کیسے ذی وزن ہو گیا۔ اور اگر یہ تینوں
اجزاء ایمان کے جمیع اجزاء نہ ہوں بلکہ ان کے علاوہ کوئی ذی وزن جزء بھی ہو
تو وہی مستحیل لازم آئے گا۔ جو ابھی نمبر ۵ میں گذرا ہے یعنی یہ اعتقاد بالقلب نطق
باللسان۔ عمل بالارکان بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پائے جانے
پر بھی ایمان نہ پایا جائے لأن الكل لا يتحقق إلا بتحقق جميع أجزائه وعدمه
باطل إجماعا فتأمل.

جواب ۱۸: ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا احادیث شفاعت پر موقوف نہیں کیونکہ
کتب منطق میں اصح مذہب پر اعتقاد کو مقولہ کیف سے لکھا ہے۔ اس اعتبار سے
ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا ظاہر ہے مزید براں ہم نے وزن کی جہت سے بھی مقولہ

کیفیت سے ہونے کا حکم لگایا ہے اس پر جو آپ نے اعتراض کیا ہے وہ کوئی نیا نہیں، اس طرح کے کئی اعتراض ہیں جن سے متعلق کا ذکر ہم "تنظیم" جلد دس نمبر ۲۲ مورخہ یکم صفر المظفر ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۴۲ء میں کرچکے ہیں، یہ اعتراض بھی وہاں مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حدیث میں بھی وزن دار ہونا ثابت ہے مشکوٰۃ باب فی المعراج میں متفق علیہ حدیث ہے۔

عن مالک بن صعصعة ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثھم عن لیلة اسری به بینما انا فی الحطیم وربما قال فی الحجر مضطجعا اذ اتانی آت فشق ما بین ھذہ الی ھذہ یعنی من ثغرة نحرہ الی شعرته فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست من ذھب مملوءا ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید وفی روایة ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ ایمانا وحکمة۔

ترجمہ: مالک بن صعصعہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معراج کا واقعہ بتایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اس وقت میرے پاس ایک آنے والا آیا میرا پیٹ ہنسلی کے گڑھے سے زیر ناف تک پھاڑ دیا۔ پس میرا دل نکال لیا۔ پھر میرے پاس ایک سونے کا تھال لایا گیا ایمان سے بھرا ہوا۔ پس دل دھو کر ایمان سے بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ آب زمزم سے دھو کر ایمان و حکمت سے بھر گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جو شئے وزن دار ہوگی۔ وہ ابھی سے وزن دار ہے۔ جیسا کہ تھال میں رکھ کر لانے سے ظاہر ہے جیسے اخیر تک آپ کی تقریر پر یک لخت پانی پھر گیا۔

اعتراض ۔ ۵ ایمان جو حقیقۃ واحدہ ہے اگر کئی مقولوں سے مرکب ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر مقولہ اس کے لئے جنس ہوگا اور ہر ایک کا قرب اور بعد اس کے لئے ایک ہی درجہ پر ہوگا یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی قریب ہو اور کوئی بعید کیونکہ جنس قریب جنس بعید کے ماتحت ہوتی ہے۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مقولہ دوسرے مقولہ میں داخل ہو۔ وھو محال عند الحکماء۔ پس جب یہ تمام مقولے ایمان کے لئے ایک ہی مرتبہ کے لحاظ سے جنس بنیں گے۔ تو ماہیت واحدہ کے لئے مرتبہ واحدہ میں کئی جنسیں ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس قسم کی دو جنسوں کا

ہونا محال ہے۔ منقولاً عن اجناس متعددة چنانچہ سلم میں ہے و من ههنا يتوهم عدم امکان جنسین فی مرتبة واحدة لماهية واحدة۔

جواب ۸: ایمان کا حقیقۃ واحدۃ ہونا نہ ہونا جواب نمبر ۷ سے معلوم ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حقیقۃ واحدۃ فی نفسہا نہیں اعتبار شرع پر موقوف ہے کیونکہ مصطلحات شرع سے ہے اور ایک مرتبہ میں دو جنسوں کا نہ ہونا بھی آپکی سمجھ میں نہیں آیا ایک قسم کی دو جنسیں ایک مرتبہ میں ہونی منع ہیں مگر جن کے نزدیک تقوم جوہر کا عرض سے ہو سکتا ہے ان کے نزدیک منع نہیں۔ مثال میں آپ کو ذرا تفصیل سے سمجھتا ہوں اس میں شبہ نہیں کہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جوہر جنس عالی ہے اب دیکھنا ہے کہ اس کے نیچے انواع کون کون سے ہیں کچھ شک نہیں کہ ہیولیٰ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت جسمیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت نوعیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ پھر عناصر اربعہ کا ہیولیٰ ایک ہے اور افلاک ہیولیٰ ہر ایک کا الگ ہے۔ نفس ناطقہ بھی جوہر کی ایک نوع ہے عقل بھی علی ہذا القیاس عقول عشرہ بھی اس کے انواع ہیں تعالیٰ۔ غرض جوہر کے تحت بہت سے انواع درج ہیں اور یہ ان کی جنس ہے اب ان انواع کی تمیز فصل سے ہوگی۔ نفس ناطقہ کی فصل الگ ہوگی۔ ہیولیٰ کی الگ ہوگی۔ صورت جسمیہ کی الگ ہوگی۔ عقول عشرہ کی الگ ہوگی۔ بلکہ جن کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک نوع ہے اور اس کلی کی قسم سے ہے جو ہر ایک فرد میں منحصر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک کی الگ فصل ہوگی اب اس بنا پر لازم آیا کہ جسم دو نوع سے مرکب ہو ایک ہیولیٰ دوسرا صورت حالانکہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو نوع سے حقیقت واحدۃ کی ترکیب ہو سکتی ہے پس اگر ایک مرتبہ میں دو جنسیں ہوں تو اس سے بھی زیادہ سے زیادہ یہی بات پیدا ہوگی کہ دو نوع کی ایک حقیقت ہو جائے۔ پس جیسے وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہونی چاہیئے۔

اعتراض ۸: آپ فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دو جزء اقرار و تصدیق کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے گا لیکن تیسرے جزء عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوتا۔ الا اختصارہ۔

میں کہتا ہوں کہ جب ایمان آپ کے نزدیک کئی مقولوں سے مرکب ہے تو ظاہر ہے کہ ہر مقولہ اس کے لئے جنس ہے اور جنس اپنی نوع کے لئے اجزاء ذاتیہ میں سے جزو حقیقی ہے تو جس طرح اعتقاد اور نطق مقولہ کیف اور مقولہ فعل سے ہیں۔ اسی طرح عمل بھی مقولہ فعل سے ہے تو جو نسبت پہلے دو اجزاء کو ایمان کے ساتھ ہے بالکل وہی نسبت تیسرے جزو کی بھی اس کے ساتھ یعنی جس طرح ان دونوں جزؤں کی نسبت ایمان کے ساتھ نسبت الجنس الی النوع یا نسبت الذاتی الی الذات ہے۔ بالکل اسی طرح اس تیسرے جزو کی نسبت بھی اس کے ساتھ ہے۔ پھر منطقی حیثیت سے اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ پہلے دونوں کی جزو تو اس کے لئے ارکان ہوں اور ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے لیکن تیسرا جزو ہی رہ جائے اور اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہ ہو۔

جواب :۔ اس کا جواب نمبر میں آچکا ہے

اعتراض نمبر ۹ :۔ آپ نے اعمال صالحہ کو ایمان کے لئے اجزاء حقیقیہ بتایا ہے۔ اور اس کی تشبیہ درخت کے پتوں اور اس کی شاخوں نیز نماز کے واجبات اور سنن کے ساتھ دی ہے لیکن جو اعمال کی جزئیت کے منکر ہیں وہ تو اسی نظیر سے ان کی عدم جزئیت ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال کی نسبت ایمان کی طرف نسبت الجزء الی الکل نہیں۔ بلکہ نسبت الفرع الی الاصل ہے چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی اس مسئلہ پر ایک مبسوط بحث کرتے ہوئے اخیر میں اپنے مذہب کی توضیح کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

وَحِينَئِذٍ فَالتَّوْفِيقُ الثَّانِي رَأْيُ الْمُتَكَلِّمِينَ بِجُزْئِيَّةِ الْأَعْمَالِ، أَنَّ الْأَعْمَالَ لَيْسَتْ مِنْ أَجْزَاءِ الْإِيمَانِ بَلْ هِيَ ثَمَرَةٌ نَابِتَةٌ مِنْ أَصْلِ الْإِيمَانِ الَّذِي هُوَ التَّصْدِيقُ وَالْإِذْعَانُ الْقَلْبِيُّ كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ الشَّيْخُ وَلِيُّ اللهِ الدَّهْلَوِيُّ فَنِسْبَةُ الْأَعْمَالِ إِلَى الْإِيمَانِ عِنْدَنَا لَيْسَتْ بِنِسْبَةِ الْجُزْءِ إِلَى الْكُلِّ بَلْ نِسْبَةُ الْفَرْعِ إِلَى الْأَصْلِ أَوْ نِسْبَةُ الْبَنَانِ إِلَى الدَّوْحِ، لَمْ يَتَبَيَّنْ لَهُ الْجُزْءُ

(فتح الملہم جلد ۱، ص ...)

اسی طرح جزئیہ حقیقی کی تائید وتشبیہ میں نماز کے واجبات اور سنن کو پیش کرنا بھی محل نظر ہے۔ اس لئے یہ لوگ واجبات و سنن کو نماز کے لئے اجزاء حقیقیہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو متمات و مکملات صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اگر کسی نے ان پر جزئیت کا اطلاق کیا ہے تو علی سبیل المجاز ہے کما یظہر من قولہم الوجوب الی متمات الشیء من الفقہ۔

جواب: نماز کے واجبات اور سنن اگر نماز سے خارج ہوں تو پھر ان میں اگر نقصان آ جائے یا منہ قبلہ رخ نہ رہے یا کوئی اور شرط فوت ہو جائے تو نماز فاسد ہونی چاہیئے۔ کیونکہ نماز میں ان کی شرط ہے نماز سے خارج ہونے کی تو ان کی شرط ہونے کی کوئی دلیل ہے۔ دیکھیئے خطبہ جمعہ دو رکعت کے قائم مقام ہے اس کو حنفیہ وضو جائز کہتے ہیں۔ تو واجبات اور سنن تو بہت ہلکے ہیں۔ جب یہ نماز سے خارج ہیں تو ان کے لئے شرائط نماز بطریق اولیٰ ضروری نہ ہونے پھر لازم آئے گا کہ نماز پڑھتے پڑھتے انسان نئی دفعہ نماز میں داخل ہوا اور کئی دفعہ خارج ہوا۔ پس یہ نماز کے متمات کیا ہوئے حقیقت میں نماز کی ادھیڑ بنت ہوئی نیز اخیر میں سلام کی کیا ضرورت ہے کیونکہ یہاں تو کئی رکن کو ادا کیا گیا نیز قومہ جلسہ درمیانہ تشہد وغیرہ یہ سب سلام ہوئے خدا کی شان حنفیہ کی نماز پہلے ہی پانچ اور چھ اور دو دو رکعت بہتر تھی اب سونے پہ سہاگہ ہو گئی کہ ہر وقت سلام پھر رہتا ہے تعالیٰ پھر درخت کی مثال میں آپ نے شاخوں و پتوں کو فرع بتلایا ہے پھر بتلائیے کہ تمام ٹہنے کاٹ دیئے جائیں اور صرف تنا رہ جائے تو کیا اس کو درخت کہتے ہیں ہرگز نہیں پھر اصل فرع کی نسبت کیسی ہوئی۔ اور جب مجموعہ ٹہنے جزء ہوئے تو اس مجموعہ کا جزئی ایک ایک ٹہنا بھی جزء ہو گیا۔ حالانکہ ایک ٹہنے کی نفی سے درخت کی نفی نہیں ہوتی۔ پھر اصل فرع کی نسبت شاخوں اور پتوں کی جزئیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ فرعیت تنے کے لحاظ سے ہے اور جزئیت درخت کے لحاظ سے ہے جو تنے اور شاخوں سے مرکب ہے پس ایمان کی مثال درخت سے بالکل صحیح ہے علاوہ اس کے اگر ان مثالوں میں آپ کو تردد ہے۔ تو دیوار کی مثال لیجئے یا مکان کی لیجئے ہر ایک اینٹ اس کی جزء ہے

لیکن اس کے نہ ہونے سے مکان کی یا دیوار کی نفی نہیں ہوتی۔

اعتراض ۱۰:۔ سائل نے اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ معلوم کرنے کے لیے اعضائے انسانیہ اور حقیقت انسانیہ کی جو نظیر پیش کی ہے آپ نے اس سے نفیاً یا اثباتاً کوئی تعرض کیوں نہیں کیا اور بجائے اس کے دوسری تنظیروں کی طرف عدول کرنے کی کیا وجہ ہے حالانکہ بظاہر جو صورت شاخوں کی درخت کے ساتھ ہے۔ وہی اعضاء انسانیہ کی انسان کے ساتھ ہے تلک عشرۃ کاملۃ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ۔

جواب:۔ عدول کی وجہ زیادہ وضاحت ہے فاضل ہمارے مضمون کا جواب دیتے وقت ذرا اسلام دین وغیرہ پر بھی روشنی ڈال دیں کہ اعتقاد، نطق، اعمال ان میں داخل ہیں یا نہیں مگر یہ یاد رہے سے

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین عبد اللہ امرتسری ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ

فتاویٰ روپڑی ۲۸۵/۱

سوال:۔ اور حدیث من قال لا الہ الا اللہ کیا معنی ہے۔ کلمہ گو بے نماز بے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ محی الدین بن محمد علی لکھوی

جواب:۔ جس نے لا الہ الا اللہ کہا وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا۔ مگر مراد اس سے یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ اس کی آخری کلام ہو مثلاً مرنے کے وقت اس کی زبان پر لا الہ الا اللہ جاری ہو اور اس کے بعد اس نے کوئی کلام نہ کی اور لا الہ الا اللہ پر خاتمہ ہو گیا۔ وہ ضرور کسی نہ کسی وقت جنت میں جائے گا کیونکہ اس وقت لا الہ الا اللہ پڑھنا یا تو نئے سرے سے ایمان لانا ہے یا پہلے ایمان کو تازہ کرتا ہے پس دونوں صورتوں میں دنیا سے بہتر حالت پر رخصت ہوا۔

جو لوگ بے نماز اور بے زکوٰۃ ہیں اور ان کو نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے کی ترغیب دی جاتی

ہے لیکن وہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پرواہ نہیں کرتے ان سے قطع تعلق ضروری ہے
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بنی اسرائیل
نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے علماء نے ان کو روکا جب وہ باز نہ آئے تو علماء نے ان سے
قطع تعلق نہ کیا بلکہ بدستور ان کے ساتھ بیٹھتے اٹھتے کھاتے پیتے رہے پس خدا نے سب
کے دلوں کو یکساں بنا کر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کروائی
یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ پھر سیدھے
بیٹھ گئے اور فرمایا خدا کی قسم یا تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے اور ظالم کا ہاتھ پکڑو گے
اور اس کو حق پر روکو گے اور ظلم سے منع کرو گے ورنہ خدا تمہارے دل بھی یکساں بنا کر انہی
کی طرح تمہیں لعنتی کرے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ضلع انبالہ ۱۸ شعبان ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۴۰ء
فتاویٰ روپڑی صفحہ ۱۲۹

ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے تو کافروں کو وعظ بیکار ہے

سوال: سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی کافروں کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ایمان نہیں
لائیں گے۔ اس کے آگے ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ
غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کر
دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس
سے ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کا ٹل جانا ممکن ہے مگر ان کا ایمان لانا ناممکن ہے
مگر تاریخ بتا رہی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے کہ وہ
سب منکرین حضور پر ایمان لے آتے ہیں جیسے یہ مسلمہ امر ہے کہ تمام اہل مکہ و

مدینہ حضور پر ایمان نہ لائے تو پھر ختم اللہ علی قلوبہم کا کیا معنی ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ختم کے معنی ہمیشہ کے واسطے مسدود کر دینا منقطع کر دینا کہاں سے نکالے گئے۔ قرآن مجید میں ختم کے مشتقات مختلف مقامات میں استعمال ہوئے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی اس معنوں میں استعمال نہیں ہوئے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر جب اس آیت اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ کو ہم وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی جَہَنَّمَ زُمَرًا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز جب جہنم کے چوکیدار جہنمیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آیا تھا تو الیوم نختم کے قول کے خلاف نظر آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں نختم علی قلوبہم کے ساتھ طبع علیہا بھی قرآن مجید میں ہے جس سے ثابت ہوا کہ طبع اور ختم مترادف الفاظ ہیں۔ پھر ختم کے معنی ہمیشہ کے لئے مسدود کرنا کہاں سے نکالے گئے۔

سید حسنات احمد۔ عابد منزل۔ بلی ماراں دہلی ۲۳ جولائی ۱۹۳۸ء

جواب: اس سوال کا حل اختصار کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں۔ تفصیل دیگر علماء پر چھوڑتے ہیں سائل نے مابعد کی آیات دیکھی ہیں۔ ماقبل کی نہیں دیکھی۔ اس سے قبل خدا فرماتا ہے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی قرآن مجید پرہیز گاروں کے لئے ہدایت ہے پرہیز گاروں سے مراد یہاں مرنے والے یہاں مراد وہ ہیں جن کا خاتمہ پرہیز گاری پر ہونے والا ہے۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے پہلے خواہ کوئی حالت ہو۔ اگر ساری عمر پرہیز گاری میں گزری ہو اور مرنے کے قریب مرتد ہو گیا ہو تو اس کی پہلی پرہیز گاری فائدہ نہیں دے سکتی

قرآن مجید میں ہے۔ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (پارہ ۲ رکوع ۱۱)

ترجمہ: جو تم سے اپنے دین سے پھر جائے پس اسی حالت کفر میں مر جائے۔ تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں حبط ہو گئے اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیچھے خواہ مدت دینداری اور پرہیز گاری میں گزر جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح اگر پیچھے کفر کی حالت ہو اور اخیر میں تائب ہو جائے

تو اس کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۔ پ ۱۹ ۔ ع ۴ ۔ ترجمہ: خدا تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

پس جب مدار خاتمہ پر ہوا، اور اس آیت سے وہی مراد ہوئے جن کا خاتمہ کفر پر ہونے والا ہے تو ان الذین کفروا سے مراد بھی وہی کافر ہوں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہونا لکھا ہے جو خدا کے ہاں ابلیس کی طرح ازلی شقی ہیں۔ پس ان کے حق میں ختم سے مراد یہی ہو گا کہ ان کا راستہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہے اور ختم کے معنی ہمیشہ ایک نہیں بلکہ جیسا مقام ہے ویسے ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اس لئے یہاں یہی مراد ہو گی۔ کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود ہے اور یہ ازلی شقی ہیں۔ پس اب کسی قسم کا اعتراض نہیں رہا۔ کیونکہ اگر مکہ والے یا دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود نہیں ہوا اور ازلی شقی ہو کر ان الذین کفروا الآیۃ کے تحت داخل نہ تھے بلکہ ھدی للمتقین کے تحت تھے پس ان کو ہدایت ہونی ضروری تھی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان الذین کفروا سے ابوجہل وغیرہ خاص کافر مراد ہیں اور ان الذین کفروا میں موصول کی تعریف عہد خارجی کی قسم سے ہے چنانچہ بیضاوی وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے پس اس صورت میں بھی کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر مکہ مدینے والے ایمان لائے ہیں، تو خاص لوگ جو اس آیت سے مراد ہیں۔ جیسے ابوجہل وغیرہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ کفر کی حالت میں رخصت ہو گئے۔ پس آیت اپنی جگہ ٹھیک رہی اور ختم کے معنی بھی یہی ہوئے کہ ان کے لیے ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہے خدا تعالیٰ اس حالت سے بچائے۔ آمین ثم آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

فتاویٰ روپڑی

سوال: ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان بعض علما کہتے ہیں کہ وہ شیطان تھے یا دلائل
یان فرمائیں۔ منیر الدین احمد ڈاکخانہ دبلی دیوان گنج ضلع پورنیہ وسائل عبداللطیف علوی

جواب: ہاروت ماروت فرشتے تھے چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ اس بات کو واضح کر رہے
یں ارشاد ہے وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۔ اس آیت میں ہاروت
ماروت ملکین سے بدل ہے اور معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے اس شئے کی تابعداری کی جو بابل
میں دو فرشتوں ہاروت ماروت پر اتاری گئی اور جو شیطان کہتے ہیں۔ بعض لوگ ملکین
یاطین میں شیاطین سے بدل بناتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس سے بدل ہوتا تو اس کے ساتھ
کر ہوتا نیز کفرو وغیرہ صیغے جمع کے اس کے خلاف ہیں۔ غرض قرآنی روش صاف بتا رہی
ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ جادو سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ کفر نہ کرو اگر وہ شیطان ہوتے تو
فر سے کیوں روکتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اس قسم کی احادیث بھی آئی ہیں۔ جن میں ذکر ہے کہ فرشتوں نے
دا سے عرض کی کہ اگر انسان کی جگہ ہم ہوں تو گناہ نہ کریں اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہاروت ماروت
و خواہشات نفسانی لگا کر بھیجا مگر وہ گناہ سے بچ نہ سکے چنانچہ جامع صغیر اور تفاسیر وغیرہ میں
س قسم کی روایتیں موجود ہیں۔ بیضاوی ہو یا رازی یا کوئی اور جن کا قول مذکور بالا بیان کے خلاف
و وہ صحیح نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ ۲۵ رجب ۱۳۸۰ھ لاہور

فتاویٰ روپڑی ص ۱۳۲

حدیث كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ

سوال: حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ کا کیا مطلب ہے۔ فطرت سے مراد
بیعت سلیمہ ہے یا ملت اسلام اگر اس سے مراد ملت اسلام ہے تو پھر ایک غیر مسلم

کے بچے کا شرعی طور سے جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں ۔

جواب ۔ حدیث کل مولود میں فطرت سے مراد اسلام ہے ۔ لیکن پیدائشی اسلام جزا سزا کا حقدار نہیں بلکہ کسب پر انسان جزا سزا کا مستحق ہوتا ہے ۔ بچوں کا جنت میں جانا بھی خدا کا ابتدائی احسان ہے کسی عمل کی وجہ سے نہیں ۔ جیسے جنت کی حور و غلمان کسی عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں ۔ لیکن چونکہ دنیا میں بچوں کی دنیوی تکلیفیں پہنچتی ہیں اس لئے ان کا درجہ حور و غلمان سے بڑا ہوگا ۔ جس کی بنا پر ماں باپ کی سفارش بھی کریں گے ۔ اور دیگر خصوصیتیں بھی ان کی ہوں گی ۔

رہا جنازہ تو اس میں ماں باپ کے تابع ہیں ۔ اگر ماں باپ مسلم ہیں ۔ تو جنازہ ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ ظاہری احکام میں وہ ماں باپ کے تابع ہیں ۔ اسی لئے جنگ میں غلام لونڈیاں بنائے جاتے ہیں

سوال ۔ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ اور حدیث اَلَا اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَیَمُوْتُ مُؤْمِنًا وَمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَیَحْیٰی کَافِرًا وَیَمُوْتُ کَافِرًا (الحدیث) رواہ الترمذی فی باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو کائن الی یوم القیامۃ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی جلد ۳)

بظاہر آپس میں دونوں حدیثیں متعارض ہیں ۔ ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے ۔ نیز بظاہر شریعت سے تمام بچوں کا جنتی ہونا معلوم ہوتا ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ نے اپنے رویا میں اولاد مشرکین کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس دیکھا ۔ لیکن حدیث ترمذی کہہ رہی ہے کہ بعض مولود کی فطرت اور خلقت ہی کفر پر ہوتی ہے ۔ تو وہ جنتی کیسے ہو سکتے ہیں فرما تحریر سے جواب دیں ۔

حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ پر حافظ ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بڑی بسط سے بحث کی ہے ۔ مگر دونوں صاحبوں نے صرف مذاہب مقرر کر دیئے ہیں فیصلہ کچھ نہیں فرمایا ۔ حافظ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب شفاء العلیل فی القدر والتعلیل میں خوب

لکھا ہے آپ ایک نظر اس کو دیکھ لیں۔ یہ کتاب مصر میں چھپ گئی ہے بمسئلہ تقدیر
میں ایک عجیب تصنیف ہے؟

جواب: حدیث وَمِنْهُمْ مَنْ يُولَدُ كَافِرًا میں بھی اسی کفر مراد ہے کیونکہ کافروں کے بچے
ظاہر کافر ہی شمار ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ کفر پر پیدا ہونے سے یہ مراد ہو کہ سن تمیز
کو پہنچتے ہیں تو کافر ہوتے ہیں۔ یعنی کفر کے کام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں بالغ
ہو جاتے ہیں اور سن تمیز سے پہلے کا زمانہ چونکہ بے خبری کا زمانہ ہے۔ اس لئے اس سن تمیز کے
تابع سمجھا جاتا ہے۔ اگر سن تمیز کا زمانہ کفر کا ہے تو پہلا بھی کفر کا ہے۔ اگر سن تمیز کا زمانہ ایمان
کا ہے تو پہلا بھی ایمان کا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سونے کا وقت بیداری کے
تابع ہے اگر بیداری میں عبادت کرتا ہے تو نیند بھی عبادت سمجھا جاتا ہے اور شاید
یہی وجہ ہے حدیث میں چار صورتوں پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ صورتیں اور بھی نکل سکتی ہیں مثلاً
پیدا مومن ہو زندہ کافر رہے۔ مرتے مومن۔ پیدا کافر ہو، زندہ مومن رہے۔ مرتے کافر
اور پیدا مومن ہو زندہ کافر رہے، مرتے کافر ہو پیدا کافر ہو، زندہ مومن رہے مرتے
کافر۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ چار صورتیں اس لئے ذکر کی ہوں۔ کہ دو ایمانوں کے درمیان
کفر کالعدم ہے۔ جیسے صحابی کی تعریف میں مشہور ہے کہ درمیان ارتداد آ جائے تو وہ
کالعدم ہے اور دو کفروں کے درمیان ایمان کالعدم ہے۔ بلکہ نفاق پر دلالت
کرتا ہے اور سن تمیز سے پہلے کا کفر اور ایمان بھی بغیر کفر اور ایمان سن تمیز کے کالعدم
ہے کیونکہ اس میں کسب کو دخل نہیں۔ پس اکیلا شمار کے قابل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یولد کافرا میں یا تو ماں باپ کی اتباع میں کفر مراد ہے یا سن تمیز کی اتباع
میں کفر مراد ہے اور باقی چار صورتیں نہ ذکر کرنے کی وجہ یا تو یہی ہے کہ سن تمیز کی اتباع کفر
اور ایمان مراد ہے۔ ان چار صورتوں میں سن تمیز سے پہلی حالت ایک نہیں۔ تو پہلی حالت
سن تمیز کے تابع کس طرح ہو۔ یا دو ایمان کے درمیان کفر اور دو کفروں کے درمیان
اور سن تمیز کے کفر اور ایمان کے اور ایمان کے بغیر سن تمیز سے پہلے کا کفر اور ایمان

کا انجام ہے اور کل مولود یولد ... میں پیدائش اسلام مراد ہے۔ جس کو جزا سزا سے کوئی تعلق نہیں
اس میں نہ ماں باپ کی اتباع ہے نہ سن تمیز کی اتباع ہے۔ پس دونوں حدیثوں سے تعارض
رفع ہوگیا۔ اور جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی۔

عبداللہ روپڑی ۲۷ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ
فتاویٰ روپڑی (جلد اول)

طاعون سے موت طبعی واقع ہوتی ہے یا نہیں!

سوال: ایک شخص کہتا ہے۔ کہ جس جگہ طاعون واقع ہوتی ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی طبعی موت سے نہیں مرتے۔ بلکہ طاعون جو غضب الٰہی کی شکل میں وارد ہوئی ہے اس سے مرتے ہیں خواہ ان کی عمر باقی ہو یا پوری کر چکے ہوں۔ اور وہ اس کو بھی مانتا ہے کہ عمر نیکیوں کے سبب بڑھتی ہے اور بداعمالیوں سے گھٹتی ہے جیسا کہ سورۃ نوح کی آیت وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى سے واضح ہے چونکہ طاعون عذاب الٰہی ہے اور عذاب الٰہی سوائے بدعملوں کے نہیں آتا۔ لہٰذا طاعون سے جو متاثر مرتے ہیں۔ یہ سب معذب ہوتے ہیں۔ اور وہ عذاب سے قبل از وقت مر جاتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تقدیر الٰہی میں کسی کے متعلق یہ نہیں لکھا گیا کہ وہ جنتی یا ناری ہے شقی یا سعید ہے۔ اگر ایسا ایمان رکھا جائے تو اعمال کا کیا فائدہ؟ جو عمل کیا جاتا ہے بعد از وقوع وہ لکھا جاتا ہے
دوسرا شخص کہتا ہے کہ طاعون سے جو شخص مرتا ہے اس کی عمر زیادہ نہیں ہوتی اور جس کی عمر باقی ہوتی ہے وہ طاعون سے نہیں مرتا۔ عمر کا کم و بیش ہونا۔ بالکل نہیں ہاں بعض نیک عمل اور بدعمل کی بیشی اور کمی کا سبب ہوتے ہیں مگر یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے قضا مبرم میں نہ معلق ہیں اور ہر آدمی کے متعلق تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ وہ جنتی ہے یا ناری ہے شقی ہے یا سعید ہے۔
ان ہر دو شخصوں میں کون حق پر ہے۔ جو تحقیقات کے بعد حق کو نہ ماننے

دس کو امام بنایا درست ہے　　　　سائل: محمد یوسف از لیتی مالن ڈاکخانہ مخدوم رشید ضلع ملتان ۔ ماسول

جواب: آپ نے جو کچھ سوال کیا ہے۔ اس کا جواب خیر القرون میں دیا جا چکا ہے تاریخ ابن جریر جلد ۴ صفحہ ۲۰۱ میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام کو گئے رستہ میں خبر ملی کہ شام میں طاعون کا زور ہے۔ تو لوگوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ شام جائیں یا نہ پہلے مہاجرین کو بلایا ان کا اختلاف ہو گیا۔ کسی نے کہا جانا چاہیئے۔ کسی نے کہا نہ جانا چاہیئے۔ پھر انصار کو بلایا ان کا بھی اسی طرح اختلاف ہو گیا۔ پھر جنہوں نے پہلے مہاجرین کو بلایا ان سب نے یک زبان ہی کہا کہ نہ جانا چاہیئے آپ نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ ابو عبیدہ بن جراح جو شام میں فوجوں کے سپہ سالار تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے امین کا خطاب فرمایا ہوا تھا انہوں نے حضرت عمرؓ پر اعتراض کیا۔ کہ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ (اس لئے کہ شام میں جا کر مریں گے تو تقدیر الٰہی سے مریں گے) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کاش یہ کلمہ تمہارے جیسے سمجھدار کی زبان سے نہ نکلتا۔ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ یعنی جیسے شام میں جا کر مرنا اللہ کی تقدیر سے ہوگا۔ اسی طرح واپسی کا معاملہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت ابو عبیدہ بن جراح سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنے لگے اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے۔ جو مشورہ کے وقت موجود نہ تھے۔ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ اگر تمہاری آبادی میں پڑ جائے۔ تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو حضرت عمرؓ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میری رائے حدیث کے موافق ہوگی۔ انتہی

اس سے معلوم ہوا۔ کہ طاعون وغیرہ میں مرنا یا بچنا یہ سب تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے اور کسی کا سعید یا شقی لکھا ہونا اس کی بابت تو مشکوٰۃ وغیرہ میں کثرت سے احادیث موجود ہیں اور عمل کی بابت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہو چکا ہے۔ جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

غرض سب معاملہ تقدیر سے ہے۔ لیکن تقدیر جبر کا نام نہیں۔ بلکہ خدا نے اپنا علم لکھ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم ایک چیز ہے اور فعل الگ مثلاً مجھے کشف والہام سے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کل چوری کرے گا۔ اور میں اس بات کو لکھ دوں یا لوگوں کو اطلاع کر دوں پھر وہ شخص چوری کرے تو یہ چوری اسی کا قصور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ فعل چوری کا مجھ سے صادر نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ جاننا یا لکھ دینا الگ چیز ہے اور جو تقدیر پر ایمان نہ رکھے وہ فرقہ قدریہ سے ہے جو گمراہ فرقہ ہے

عبداللہ امرتسری مورخہ ۵ ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۲ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱۲۴

سوال:۔ کسب اور خلق میں کیا فرق ہے!

جواب:۔ خلق نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا۔ کسب کسی امر کا قصد اور ارادہ کرنا اور اس کے قصد و ارادہ کے مطابق خدا تعالیٰ کا اس کے اعضا میں حرکت پیدا کر دینا۔

کسب میں کچھ احتیاجی کا شائبہ بھی ہے یعنی کسی اپنی کمی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ قصد ارادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے خدا کی طرف نہیں ہوتی

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۴ شعبان سنہ ۱۳۵۲ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱۲۴

جب جن اور انسان عبادت کیلئے پیدا کئے گئے تو اسکے خلاف کیوں!

سوال:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہم نے جن اور انسان کو اپنی عبدیت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ کہ اس کے خلاف بہت کچھ ہو رہا

ہے کیوں نہیں علت غائی کا پورے طور پر ظہور ہوا۔

جواب: جن وانسان کی پیدائش کی غرض و غایت اگرچہ عبدیت اور عبادت ہے مگر فعل پر جو غایت مرتب ہوتی ہے کبھی وہ اختیاری ہوتی ہے اور کبھی غیر اختیاری۔ ثانی الذکر چونکہ طبعی شے ہے اس لئے سنت اللہ کے مطابق وہ ضرور مرتب ہوتی ہے اور اول الذکر کے متعلق خدا نے بندے کو اختیار دیا ہے اس لئے اگر وہ اپنا اختیار موافق برتے یا خلاف برتے ہر طرح برت سکتا ہے۔ اور اسی قسم کا اس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً عبدیت اور عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اگر اس نے ایسا عمل کیا جو عبدیت اور عبادت کی قسم سے ہے تو اس کی پیدائش کی غایت حاصل ہوگئی اگر اس نے اس کے خلاف عمل کیا تو غایت فوت ہوگئی اور اسی لئے وہ مجرم کہلایا اور خدا پر ناکامی کا الزام اس لئے نہیں آسکتا کہ خدا ہی نے خود بندے کو اختیار دیا ہے ہاں اگر خدا بندے کو اختیار نہ دیتا تو پھر خدا پر ناکامی کا الزام آسکتا تھا۔ اب نہیں۔

فتاویٰ اہلحدیث جلد اول صفحہ ۱۲۸

جب دو شخص عمر اور جرم میں برابر ہوں تو انکی سزا میں کیوں فرق ہے

سوال: ایک زید اول آفرینش دنیا میں پیدا ہوا اور پچاس ساٹھ برس کی عمر پا کر مر گیا اور عمرو وقوع قیامت سے پچاس ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا اور اتنی ہی عمر پا کر یہ بھی مر گیا اور دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ لہٰذا اسلام کی رو سے زید کو قبر کا عذاب عمرو سے ہزاروں برس زیادہ دیا گیا حالانکہ جرم میں دونوں برابر ہیں۔ یہ کیوں ہے؟

جواب: زید کو جتنا عذاب قبر قیامت سے پہلے ہو چکا ہے اسی قدر میدان حشر میں اور دوزخ میں عذاب کی تخفیف ہو جائے گی یعنی زید کا عذاب ہلکا ہوگا۔ اور عمرو کا عذاب سخت ہوگا آپ نے کمی بیشی عذاب صرف مدت کی کمی بیشی میں سمجھی ہے اس لئے اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ نفس عذاب میں بھی تخفیف اور سختی کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے۔ سو جتنی مدت زید کو زیادہ عذاب ہوا اتنی مقدار سے پھر عمرو کا عذاب سخت ہوگا اور زید کا ہلکا۔ فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ ۱۲۹

موحد غیر مسلم عابد زاہد اور مسلمان بدکردار ہر دو کے ساتھ خدا کا کیا برتاؤ ہوگا؟

سوال: خدا تعالیٰ اپنی کلام پاک میں فرماتا ہے کہ میری رحمت ہر ایک چیز کو پہنچی ہے اور میری تسبیح و تہلیل زمین و آسمان کی ہر ایک چیز کرتی ہے۔ ایک شخص موحد غیر اپنے مذہب کے موافق متقی پرہیزگار عابد و زاہد غیر اسلام پر مرتا ہے اور ایک شخص جو رسالت کا قائل ہے اور الوہیت کے ماننے میں اس کے برابر ہے لیکن وہ نہ عابد ہے اور نہ زاہد اور نہ متقی ہے۔ نہ پرہیزگار نہ نیکوکار ہے ان دونوں کے ساتھ خدا کا کیا برتاؤ ہوگا؟

جواب: جس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت ہر ایک چیز کو پہنچی ہوئی ہے اسی میں یہ بھی ہے کہ وہ رحمت آخر میں کن لوگوں کے لئے خاص ہو جائے گی چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ

میری رحمت نے ہر شے کو گھیر لیا ہے۔ عنقریب میں اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قرآن مجید پر اور رسالت پر ایمان نہ ہو نجات کا مستحق نہیں کیونکہ آگے اس کے آیت میں ان کی صفت میں ارشاد ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

[illegible] ان آیتوں پر ایمان رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول نبی امی پر

پاتے ہیں جس کا ذکر تورات اور انجیل میں ہے ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اور طوق رکھتا ہے جو ان پر تھے پس جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائیں اس کو تائید دیں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی تابعداری کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہ لوگ ہی نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت نے صاف بالکل صاف کر دیا کہ مستحق دین پیغمبر کا وہی ہے جو ان پڑھ رسولؐ پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھے اور وہی مستحق نجات ہے۔ جو مذہب نہ تو مستحق دین پیغمبر کا ہے نہ وہ نجات کا اہل ہے۔ ہاں مسلمان جو رسالت کا قائل ہے اور الوہیت کو مانتا ہے لیکن بدعملی کرتا ہے تو اس کے متعلق قرآن مجید و حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ آخر نجات پائے گا۔ چنانچہ شفاعت کی حدیث میں ہے کہ اہل توحید دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۱۲۲، ۱۲۳

گناہ کی زندگی محدود اور سزا لامحدود

سوال: زید کافر سو برس زندہ رہا۔ اس عرصہ میں گناہ بھی کئے زندگی محدود میں محدود گناہ کئے پھر کیا وجہ کہ اس کافر کو لا الیٰ نہایت دوزخ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا

جواب: آپ کے اس اعتراض کی بنا اس پر ہے کہ جتنی مدت گناہ کی ہو اتنی مدت سزا کی ہونی چاہئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ایک شخص تھوڑی سی دیر میں چوری کرتا ہے اور عمر بھر قید کر دیا جاتا ہے یا ہمیشہ کے لئے اس کو کالا پانی کی سزا دی جاتی ہے پس محدود عمر کی سزا غیر محدود ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے علاوہ جس نے ایمان نہیں لانا ہوتا اگر وہ ہمیشہ زندہ رہے تو ہمیشہ گناہ ہی میں ترقی کرے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کا قصد ہمیشہ جرم کا ہو وہ اپنے قصد کی رو سے ہمیشہ کا مجرم سمجھا جائے گا کے شایان ہو۔ سمجھئے اگر ایک شخص کو حاکم کہے کہ اس جرم سے توبہ کر تو وہ حاکم کو آگے سے جواب دے کہ میں ہمیشہ اسی طرح ہی کروں گا آپ بتلائیے وہ ہمیشہ کا مجرم

سمجھا جائے گا یا صرف اسی وقت کے لئے جس وقت وہ یہ کلمہ کہہ رہا ہے ٹھیک اسی طرح خدائی مجرم کو سمجھیں۔ جس کا قصد ہمیشہ کے لئے جرم کے ارتکاب کا ہے۔

فتاویٰ حضرت روپڑی جلد ۱ ص

نومسلم کا کسی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ کرنا

سوال: ایک ہندو خفیہ طور پر اسلام کو مانتا ہے الوہیت اور رسالت کا قائل ہے وہ مسلمانوں کو اپنی زبان سے کلمہ طیب سنا کر گواہ بناتا ہے لیکن اظہار اسلام اس لئے نہیں کرتا کہ میں اس حالت میں شریف القوم ہوں اگر اسلام ظاہر کردوں تو نومسلم بھنگی چمار وغیرہ کے برابر داخل اسلام ہو کر سمجھا جائے گا اور میری اولاد کا تعلق یا شادی بیاہ کا رشتہ بھی قوموں میں کرنا پڑے گا اس حالت میں اگر یہ شخص مر جائے تو اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہو گا؟

جواب: اس ہندو کی مثال بالکل ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی مثال ہے وہ بھی قومی عار کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اور ویسے کہتا تھا کہ اسلام سچا دین ہے اور سب دینوں سے بہتر ہے چنانچہ اس کا یہ شعر ہے ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

(میں نے جان لیا کہ محمد کا دین تمام دینوں سے بہتر ہے یعنی توحید جو لا الٰہ الا اللہ کا مضمون ہے اس شعر میں ابوطالب کا کلمہ کی بابت اقرار ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کیا جس کی وجہ اگلے شعر میں بیان کی ہے جو یہ ہے ۔

لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

(اگر ملامت اور لوگوں کے طعن و تشنیع کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیرے دین کا خوشی سے اظہار کرتا)

لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع سے یہی مراد ہے کہ لوگ کہیں گے اتنا بڑا

جتنا بڑا ہوکر اپنے بھتیجے کے پیچھے پڑ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ابوطالب نے آپ کی اتنی امداد کی آپ نے اس کو کیا فائدہ پہنچایا؟ آپ نے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس کو نجات تو نہیں دلا سکا لیکن عذاب میں سب کافروں سے ہلکا ہوگا۔ اس کو آگ کا جوتا پہنا دیا جائے گا جس سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح ابلے گا۔ اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا قرابت قوی تعلق کی وجہ سے اسلام کے اظہار نہ کرنے پر ہمیشہ کے لئے جہنمی ہوگیا تو دوسرا کس طرح امیدوار نجات ہو سکتا!

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ ۱۳۱

مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

سوال: مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی صوفیائے کرام کے نزدیک کیا تعریف ہے اور محققین علماء اس سے کیا معنی مراد لیتے ہیں؟ اور یہ توحید وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی زمانہ سلف میں تھی یا نہیں!

جواب: مولینا جامی نے اپنی کتاب نفحات الانس من حضرات القدس فارسی کے صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۲۰ میں بحوالہ ترجمہ عوارف باب اول توحید کے چار مراتب لکھے ہیں۔ اصل عبارت نقل کرکے اس کا ترجمہ کرنے سے تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لئے کسی قدر توضیح کے ساتھ اردو خلاصہ پر اکتفاء کی جاتی ہے جس کو زیادہ تفصیل کا شوق ہو وہ اصل کتاب ملاحظہ کرے۔

اوّل توحید ایمانی
دوم توحید علمی
سوم توحید حالی
چہارم توحید الٰہی

توحید ایمانی عوام کی توحید ہے یعنی کتاب و سنت کے مطابق۔ خدا کو وحدہ لاشریک سمجھنا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ دل میں اس کا اعتقاد رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا۔ اور یہ توحید مخبر صادقؐ کی خبر کے تصدیق کرنے کا نتیجہ ہے اور ظاہری علم سے حاصل ہے۔ اور صوفیا کرام اس توحید میں عام مومنوں کے ساتھ شریک ہیں اور باقی قسموں میں ممتاز ہیں

توحید علمی باطنی علم سے حاصل ہوتی ہے جس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اور وہ اس طرح ہوتی ہے کہ انسان کا یقین اس حد تک پہنچ جائے کہ موجود حقیقی اور موثر مطلق بجز خدا کسی کو نہ جانے۔ تمام ذوات صفات اور افعال کو خدا کی ذات صفات اور افعال کے سامنے ہیچ سمجھے۔ ہر ذات کو اس کی ذات کا اثر خیال کرے اور ہر صفت کو اس کی صفت کا پرتو جانے۔ مثلاً جہاں علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سننا دیکھنا پائے ان سب کو خدا کے علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سننے دیکھنے کے آثار سے سمجھے۔ اسی طرح باقی صفات وافعال کو خیال کرے گویا ظاہری اسباب کا پردہ درمیان نہ دیکھے۔ اور سب کچھ موثر حقیقی کی طرف سے سمجھے یہاں تک کہ ظاہری اسباب سے متاثر نہ ہو۔ مگر چونکہ اس مرتبہ میں حجاب باقی رہتا ہے اس لئے اکثر اوقات نظر ظاہری اسباب کی طرف چلی جاتی ہے۔ جو شرک خفی کی قسم ہے۔

توحید حالی یہ ہے کہ قریب قریب تمام حجابات درمیان سے اٹھ جاتے ہیں اور موحد مشاہدہ جمال وجود واحد کا کرتا ہے جیسے ستاروں کا نور آفتاب کے نور میں غائب ہو جاتا ہے اسی قریب قریب تمام وجودات موحد کی نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ توحید کی صفت کو بھی اسی وجود واحد کی صفت دیکھتا ہے اور اپنے مشاہدہ کو بھی اسی وجود واحد کی صفت دیکھتا ہے۔ غرض اس کی نظر میں وحدت ہوتی ہے۔ دوئی کا وہاں دخل نہیں رہتا۔ اس طریق سے موحد کی ہستی بحر توحید کا ایک قطرہ ہو کر اس میں مضمحل ہو جاتی ہے اور ایسی گھل

مل جاتی ہے کہ وہاں انتشار نہیں رہتا، اسی بنا پر جنید بغدادی (سرتاج صوفیاء) نے کہا ہے

التوحید معنی یضمحل فیہ الرسوم ویندرج فیہ العلوم ویکون اللہ کما لم یزل۔

یعنی توحید ایک معنی ہے جس میں رسمی وجود حقیقی وجود میں مل جاتے ہیں اور علوم اس میں مندرج ہو جاتے ہیں گویا خدا ویسے کا ویسا ہے۔ کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی۔

یہ توحید مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے اور توحید علمی مراقبہ سے۔ مراقبہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر عیاں محبوب کی انتظار ہے اور مشاہدہ محبوب کا دیدار ہے۔ توحید علمی میں اکثر لوازم بشریہ باقی رہتے ہیں اور توحید حالی میں تھوڑے سے باقی رہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں ترتیب افعال اور تہذیب اقوال کے ساتھ مکلف ہے اور مکلف اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ لوازم بشریہ رہیں جن کا اس کو مقابلہ کرنا پڑے اسی بناء پر ابو علی دقاق رحمہ نے کہا ہے

التوحید غریم لا یقضی دینہ وغریب لا یؤدی حقہ

یعنی توحید ایسا قرض خواہ ہے کہ اس کا قرض ادا نہیں ہو سکتا اور ایسا مسافر ہے کہ اس کی مہمانی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

دنیا کی کبھی کبھی خالص حقیقت توحید جس میں یکبارگی آثار رسمی وجود گم ہو جاتے ہیں بجلی کی چمک کی طرح نمودار ہوتی ہے اور فی الفور بجھ جاتی ہے اور رسمی وجود کا اثر دوبارہ لوٹ آتا ہے اور اسی حالت میں شرک خفی کا نام نشان نہیں رہتا۔ انسان کے لئے توحید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ ممکن نہیں۔

توحید الٰہی یہ کہ خدا تعالیٰ خود اپنی ذات میں بغیر اس کے کہ دوسرا اس کی طرف وحدت کی نسبت کرے ازل میں ہمیشہ وحدت سے موصوف رہا چنانچہ حدیث میں ہے کان اللہ ولم یکن معہ شیء یعنی خدا تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی دوسری شے نہ تھی اور اب بھی اسی طرح ہے۔ وہ ابد الآباد تک واحد رہے گا چنانچہ قرآن مجید میں ہے کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی ہر شے ہلاکت والی

مگر خدا کی ذات۔ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ ہر شے ہلاک ہو جائے گی۔ بلکہ ہالک کہا ہے جس
کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت بھی ہلاکت والی ہے یعنی نیست اور فانی ہے اس کی مثال اس طرح ہے
جیسے رسی جلا دی جائے تو اس کے بٹ بدستور نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رسی قائم ہے حالانکہ
حقیقت میں رسی فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اس حالت کے مشاہدہ کے لئے قیامت کا دن
دنیا کے مجوبوں کے لئے ہے ورنہ ارباب البصیرت اور اصحاب مشاہدہ جو زمان و مکان کے
تنگ کوچہ سے گذر کر خلاصی پا گئے یہ وعدہ ان کے حق میں قیامت تک ادھار نہیں
بلکہ نقد ہے یعنی مجوبوں کے لئے جو مشاہدہ قیامت کو ہوگا ارباب البصیرت کے لئے
اس وقت ہو رہا ہے۔

یہ توحید الٰہی نقص و عیب سے بری ہے برخلاف توحید مخلوق کے وہ بوجہ نقص
وجود کے ناقص ہے۔

یہ چار قسمیں توحید کی صوفیاء کے ہاں مشہور ہیں۔ اخیر کی دو وہی ہیں جن کے متعلق
آپ نے سوال کیا ہے یعنی توحید حالی وحدۃ الشہود ہے اور توحید الٰہی وحدۃ الوجود ہے
یہ اصطلاحات زیادہ تر متأخرین صوفیاء (ابن عربی وغیرہ) کی کتب میں پائی جاتی
ہیں۔ متقدمین کی کتب میں نہیں۔ ہاں مراد ان کی صحیح ہے۔ توحید بیانی اور توحید
علمی تو ظاہر ہے توحید حالی کا ذکر اس حدیث میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ
تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ یعنی خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے
نہیں اگر تو نہ دیکھے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ یہ حالت چونکہ اکثر طور پر ریاضت
اور مجاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے یہ عقل سے سمجھنے کی شے نہیں ہاں اس
کی مثال عاشق و معشوق سے دی جاتی ہے۔ عاشق جس پر معشوق کا تخیل اتنا غالب
ہوتا ہے کہ تمام اشیاء اس کی نظروں میں کالعدم ہوتی ہیں۔ اگر دوسری شے کا نقشہ اس کے
سامنے آتا ہے تو محبوب کا خیال اس کے دیکھنے سے حجاب ہو جاتا ہے گویا ہر جگہ اس
کو محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے خاص کر خدا کی ذات سے کسی کو عشق ہو جائے تو پھر تو

تمام اشیاء اس کے آثار اور صفات کا مظہر ہیں اس لیے خدا کے عاشق پر اس حالت کا زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر شے سے اس کو خدا نظر آتا ہے وہ شے نظر نہیں آتی ہے جیسے شیشہ دیکھنے کے وقت چہرے پر نظر پڑتی ہے نہ کہ شیشہ پر۔

شیخ مخدوم علی ہجویریؒ معروف بہ داتا گنج بخش جن کا لاہور میں مزار مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کشف المحجوب باب مشاہدہ میں صوفیاء کے اقوال اس قسم کے بہت لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے جو بیان ہوا ہے کہ غلبہ محبت اور کمال یقین کی وجہ سے ایسی حالت ہو جاتی ہے کہ غیر خدا پر نظر ہی نہیں پڑتی۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خواص کی دو حالتیں ہیں جلوت اور خلوت جلوت لوگوں سے اختلاط اور میل جول کی حالت ہے اور خلوت علیحدگی اور تنہائی کی حالت ہے جس میں ظاہر باطن خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے جلوت میں تبلیغ کا کام ہوتا ہے اور خلوت میں نفس کی اصلاح اور دل کی صفائی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ مزمل کے شروع میں ان دونوں حالتوں کا بیان ہے چنانچہ ارشاد ہے: إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا یعنی رات کا قیام نفس کے پامال کرنے کے لیے سخت ہے اور زبان کو بہت درست رکھنے والا ہے۔ بے شک تجھے دن میں طویل شغل ہے۔

ان دونوں آیتوں میں ان دونوں حالتوں کا ذکر ہے جن کی یہ دونوں حالتیں تام ہیں ان کی تو بس یہی نہیں اول نمبر ان میں انبیاء علیہم السلام کا ہے پھر درجہ بدرجہ ان کے جانشینوں کا ہے۔ جو لوگ ساری عمر خلوت میں گزارتے ہیں اگرچہ ان کی حالت خاص زیادہ ہوتی ہے مگر چونکہ یہ چیز صرف ان کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اس میں متعدی فائدہ نہیں اس لیے وہ علماء ربانیین کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ جیسی میری تمہارے ادنیٰ پر (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲)

پس انسان کو چاہیئے کہ توحید حالی حاصل کرتے ہوئے افضل مرتبہ ہاتھ سے نہ دے۔ جو شخص گوشہ نشینی کو بڑا کمال سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی عمر اسی میں گزار دیتے ہیں وہ علمائے ربانی کی نسبت بڑے خسارہ میں ہیں اگرچہ ذاتی طور پر ان کی طبیعت کو اطمینان و سکون زیادہ ہو۔ اور ذوق عبادت اور حلاوت ذکر میں خواہ کتنے بڑھے ہوئے ہوں مگر علمائے ربانی کا متعدی فائدہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا اصل مقابلہ کرنے والی یہی (علمائے ربانی) کی جماعت ہے عابد ریاضت اور مجاہدہ سے صرف اپنی خواہشات کو دباتا ہے اور یہ جماعت ہزاروں کی اصلاح کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ہزار عابد سے شیطان اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایک عالم سے ڈرتا ہے (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲) خدا ہمیں بھی ربانی علماء سے کرے اور انہی کے زمرہ میں اٹھائے آمین

اب رہی توحید الٰہی سو اس کے متعلق بہت دنیا بہکی ہوئی ہے۔ بعض تو اس کا مطلب ہمہ اوست سمجھتے ہیں یعنی ہر شے عین خدا ہے۔ جیسے برف اور پانی بظاہر دو معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت ایک ہے، اسی طرح خدا اور دیگر موجودات وحدت حقیقی کا عکس ہیں۔ جیسے ایک شخص کے اردگرد کئی شیشے رکھ دیئے جائیں تو سب میں اس کا عکس پڑتا ہے۔ یہی شخص اصل ہے اور باقی اشیاء اس کا عکس ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کلی جزئی کی مثال ہے جیسے انسان اور زید عمر بکر ہیں۔ حقیقت سب کی خدا ہے اور یہ تعینات حوادث ہیں۔ غرض دنیا عجیب گھورکھ دھندے میں پڑی ہوئی ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔

صحیح راستہ اس میں یہ ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ ما سوا خدا کے کوئی شئے حقیقتہ موجود نہیں اور یہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ محض توہمات ہیں جیسے سوفسطائیہ فرقہ کہتا ہے کہ آگ کی گرمی اور پانی کی برودت وہمی اور خیالی چیز ہے تو یہ سراسر گمراہی ہے اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ موجودات انسانی ایجادات کی طرح نہیں کہ انسان کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں بلکہ یہ ان کا وجود خدا کے سہارے سے ہے اگر ادھر سے قطع تعلق فرض کیا جائے تو ان کا کوئی وجود نہیں۔ تو یہ مطلب صحیح ہے اس کی مثال

ایسی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ بیرونی قمقموں کے لئے ہے۔ گویا حقیقت میں اس وقت بھی ہر شے فانی ہے مگر یہ علمی رنگ میں اس کو سمجھنا ہے اور ایک حقیقت کا سامنے آنا ہے۔ علمی رنگ میں تو سمجھنے والے بہت ہیں مگر حقیقت کا اس طرح سامنے آنا جیسے آنکھوں سے کوئی شے دیکھی جاتی ہے یہ خاص ارباب بصیرت کا حصہ ہے گویا قیامت والی فنا اس وقت ان کے سامنے ہے۔ پس آیۃ کریمہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ان کے حق میں نقد ہے نہ ادھار۔

نوٹ: ابن عربیؒ رومیؒ اور جامیؒ وغیرہ کے کلمات اس توحید میں مشتبہ ہیں اس لئے بعض لوگ ان کے حق میں اچھا اعتقاد رکھتے ہیں بعض برا۔ ابن تیمیہؒ وغیرہ ابن عربیؒ سے سخت بدظن ہیں، اسی طرح رومیؒ اور جامیؒ کو کوئی برا کہتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جب ان کا کلام محتمل ہے جیسے جامیؒ کا کلام اوپر نقل ہو چکا ہے اور وہ درحقیقت ابن عربیؒ کا ہے۔ کیونکہ ابن عربی کی کتاب فتوحات، فصوص سے ماخوذ ہے تو پھر ان کے حق میں سوء ظنی ٹھیک نہیں اسی طرح رومیؒ کا خیال کر لینا چاہیے۔ غرض حتی الوسع فتویٰ میں احتیاط چاہیے جب تک پوری تسلی نہ ہو فتویٰ نہ لگانا چاہیے خاص کر جب وہ گزر چکے۔ اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہو چکا تو اب کرید کی کیا ضرورت! بلکہ صرف اس آیت پر کفایت کرنی چاہیے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

نوٹ: ابن عربیؒ وغیرہ کا کچھ ذکر تنظیم جلد ۹ نمبر ۲۲ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء مطابق ۲۰ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ میں بھی ہو چکا ہے اور رسالہ تعریف اہلسنت کے صفحہ ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ میں بھی ہم اس کے متعلق کافی لکھ چکے ہیں زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو وہاں ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص ۱۴۲-۱۵۱

شیاطین کا جلتے جانا اور ستاروں کا ٹوٹنا کیسا ہے

سوال: قرآن شریف میں آتا ہے کہ تارے شیطانوں کے لئے رجم ہیں چونکہ

مارے جاتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ رمضان میں سب شیطان قید کئے جاتے ہیں مگر تارے اسی طرح بدستور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ان کے ٹوٹنے کی وجہ بیان کی جائے!

اللہ دین چک ۱۴۴ ڈاکخانہ خاص ضلع منٹگمری

جواب: حدیث میں ہے سرکش شیطان جکڑے جاتے ہیں۔ سارے نہیں ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب الصوم پس اب کوئی اعتراض نہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۸ محرم ۱۳۵۰ھ مطابق ۱ اپریل ۱۹۳۲ء

فتاویٰ روپڑی جلد نمبر ۱ صفحہ

استخارہ اور الہام

سوال: الہام اور استخارہ میں کیا فرق ہے اور یہ دونوں دلیل ظنی ہیں یا یقینی اور ان کی بنا پر کسی شخص سے متعلق نیک یا بد کا حکم لگانا کس طرح ہے۔

سائل فتح دین

جواب: جو استخارہ سے معلوم ہوتا ہے وہ بیداری میں ہو یا خواب میں ہو اور غیر نبی کا الہام دلیل ظنی ہے اور اس میں شیطان کا دخل بھی ممکن ہے۔ اگر شریعت کے خلاف ہو تو معتبر نہیں اور کسی پر نیک بد کا حکم بھی اسی درجہ کا ہوگا جس درجہ کا الہام ہے اگر کسی کامل بزرگ کا ہے تو وہ زیادہ قابل اعتماد ہے ورنہ معمولی ہے

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۷ محرم الحرام ۱۳۵۰ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۳۱ء

فتاویٰ اہل حدیث روپڑی جلد نمبر ۱ صفحہ

مباہلہ

سوال: کیا مباہلہ میں اس کے نتیجہ کے لئے مدت مقرر کرنی جائز ہے اور کیا نتیجہ وہ معتبر ہے جو مدت مقررہ کے دوران میں واقع ہو؟

جواب: روایات میں جو مدت مباہلہ کے تحت مضمون نے ذکر کی ہیں۔ ان سے زیادہ ایک سال مدت مفہوم ہوتی ہے اور جب مدت مقرر ہو جائے تو مقصد بہ نتیجہ بھی وہی ہے جو اس مدت کے اندر ہو اور اگر مدت گزر کر کوئی نتیجہ نکلے تو اس میں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اتفاقیہ ہے کیونکہ اتفاقات سے بھی دنیا خالی نہیں ہے اگر خدا کو اس سے صداقت کا اظہار مقصود ہوتا تو وہ مدت مقررہ میں اس کو ظاہر کر سکتا تھا۔

سوال: کیا فریق کاذب کے تمام مباہلین کی ہلاکت ضروری ہے یا بعض کی؟ اور اگر فریق صادق سے چند آدمی جو فریق مخالف کے ہلاک شدگان سے کم ہوں ہلاک ہو جائیں تو کیا یہ ضروری بات تو نہیں۔ ابوسعید عبدالرحیم مدرسہ شمسیہ عربیہ دیروال

جواب: دراصل قطعی طور پر فیصلہ کن مباہلہ نبی کا ہوتا ہے اس کے بعد جو بزرگ جیسے کوئی صاحب کمال ہو اس کا مباہلہ صدق کذب کا معیار بن سکتا ہے۔ … کے مباہلہ کا چنداں اعتبار نہیں کیونکہ مباہلہ دربار الٰہی میں ذمہ داری کی حاضری ہے اور جس کی اپنی حالت پست ہو وہ خدا کے ہاں ذمہ داری کا اہل نہیں کہ خدا اس کی رعایت کرتا ہوا دین جیسی اہم شے کو اس سے وابستہ کر دے۔

عبداللہ امرتسری ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص…

سمعلونا کار

سوال: سمعلونا کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اور دوران … کو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ اس کو پڑھ کر دم نہیں کیا جاتا بلکہ باندھ کر اس پر کیل گاڑتے جاتے ہیں؟ محمد سائل

جواب: یہ لفظ اسماعیل کے لفظ سے مشابہ ہے جو عبرانی ہے لوگ … معلوم ہوتا ہے۔ اسماعیل کے معنی مطیع اللہ کے ہیں۔ اس کے معنی بھی اسی قسم

کے ہیں۔ کسی بزرگ کا نام معلوم ہوتا ہے اس قسم کا دم جائز نہیں۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۳۳ء

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ ۱۵۵

خدا کا مخلوق کی قسم کھانا

سوال: خداوند عالم قرآن شریف میں جگہ جگہ اپنی ذات یا دن رات وغیرہ کی قسم کھاتا ہے مگر اپنی مخلوق کو اپنے اور اپنی صفات کے سوا اوروں کی قسم کھانے سے منع کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

محمد عبداللہ چک ادہم گ ب تحصیل منڈری ضلع لائل پور

جواب: ہم غیر اللہ کی قسم کھائیں تو غیر اللہ کی تعظیم کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ عبادت کی قسم سے ہے اس لئے ہمارے لئے منع ہے اور خدا کی قسم کھانے سے اس تعظیم کا شبہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے اس کی محتاج ہے۔ اور محتاج غیر محتاج کی تعظیم کیا کرتا ہے نہ کہ غیر محتاج محتاج کی پس خدا پر شبہ نہیں۔ مثلاً ایک آدمی دوسرے آدمی کے پیر چومے تو اس پر تعظیم کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اگر ماں بچے کے پیر چومے تو یہ تعظیم نہیں سمجھی جا سکتی۔ ٹھیک اسی طرح خدا اور مخلوق کو سمجھ لینا چاہیے۔ تفصیل کے لیے اقسام القرآن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ ملاحظہ ہو۔

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ

نیکی کا معیار

سوال: عمرو زید سے سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اطمینان دلانے کے لیے دنیائے فانی میں نیکی کا کچھ معیار مقرر کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو کس مقدار پر اہل

جواب: اگر ضروری احکام شریعہ کی ادائیگی تسلی بخش ہو تو یہ چیز قابل اطمینان

اور کوئی چیز نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۱۰ اگست ۱۹۶۲ء

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص۱۰۹

عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے؟

سوال: سورہ حاقہ میں آیا ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ، مستدرک حاکم میں صحیح سند سے آیا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اور قیامت کے دن چار بڑھا کر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے اور ابن جریر میں ابو زید سے مرفوعاً روایت ہے یحمله الیوم ویوم القیمة ثمانیة (حاشیہ جامع مشکوٰۃ) اور ابو داؤد میں عون المعبود ص۲۳۳ میں ہے ثم فوق ذالک ثمانیة اوعال بین ظلافهم ورکبهم مثل ما بین سماء الی سماء ثم علی ظهورهم العرش۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا عرش اب آٹھ فرشتوں کی پشت پر ہے اور پہلا اللہ آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ دونوں کی تطبیق کیا ہے؟

عبدالحق از کھیا لوالی ڈاکخانہ کمتہ شیخ فیروز پور

جواب: ابو داؤد کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ آٹھ فرشتوں کی پیٹھ پر عرش ہے کیونکہ دوسری صحیح روایتوں میں چار کی تصریح ہے تو تشبیہ سے مراد بعض ہوں گے پس اب کوئی مخالفت نہیں۔ عبداللہ امرتسری مورخہ ۱۱ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص۱۱۰

لوح محفوظ

سوال: لوح محفوظ کون سے آسمان پر ہے اور کس چیز کی بنی ہوئی ہے عرش عظیم کے اوپر ہے یا نیچے ہے؟ ایک خریدار تنظیم

جواب: بخاری باب قوله تعالیٰ بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ میں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا قَضَی اللّٰهُ الْخَلْقَ کَتَبَ کِتَابًا عِنْدَهُ غَلَبَتْ اَوْ قَالَ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ وَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک کتاب لکھی کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَالْغَرَضُ مِنْهُ اَنَّ اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ فَوْقَ الْعَرْشِ (فتح الباری جلد ۱۳ ص)

یعنی اس حدیث سے امام بخاریؒ کی غرض یہ ہے کہ یہ کتاب لوح محفوظ ہے جو عرش کے اوپر ہے

تفسیر ابن کثیر میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوح محفوظ سفید موتی ہے جس کا طول آسمان وزمین کے فاصلے کے برابر ہے اور عرض مشرق اور مغرب کے فاصلے برابر ہے اس کے کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں۔ اس کے پٹھے رنگین ہیں کے ساتھ جلد ہے اور اس کا اصل فرشتے کی گود میں ہے مقاتلؒ سے روایت ہے کہ عرش کے دائیں طرف ہے۔ ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ لوح محفوظ سفید موتی کی ہے اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم اور اس کا نوشتہ نور ہے ہر دن اللہ تعالیٰ اس میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظر کرتا ہے کسی کو پیدا کرتا ہے کسی کو رزق دیتا ہے۔ کسی کو مارتا ہے کسی کو زندہ کرتا ہے۔ کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ابن کثیر جلد ۴ ص ابن کثیر جلد ص

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۳۴ء

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۱۴۰

معصوم بچوں کو تکلیف کیوجہ

سوال:۔ چھوٹے بچوں کو بیماری ام الصبیان وغیرہ کیوں آتی ہے۔

تنظیم نمبر ۲ جلد ۲۳

جواب: یہ دنیا میں بیماریوں اور تکلیفوں کا سلسلہ غیر معصوموں کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ چھوٹے بچے کیا حیوانات میں بھی جاری ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ان کی تکلیف دوسرے کی تکلیف کا باعث ہوتی ہے جیسے بچے یا مویشی کی تکلیف ماں باپ یا مالکوں کی تکلیف ہے اور کبھی ایک کی تکلیف دوسرے کی عبرت کا باعث بنتی ہے اور بعض دفعہ اور فوائد بھی مدنظر ہوتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں پر امتحانات آتے ہیں تاکہ خدا کے محبوب ہونے کی وجہ سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ان کو خدائی اختیارات مل گئے۔ نیز ان کی حالت دیکھ کر یہ سبق ملتا ہے کہ دنیا آرام کا گھر نہیں۔ اگر ہوتا تو خدا کے پیارے اور معصوم اس کے زیادہ اہل تھے۔ بعض دفعہ کوئی دوسرے اعمال سے ایک درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ خدا مصیبت کے ذریعہ اس کو بڑے درجہ تک پہنچا دیتا ہے چنانچہ احادیث میں صراحۃً آیا ہے۔ اسی طرح معصوموں کو بھی مصیبت کے عوض کچھ نہ کچھ ملے گا بکریاں آپس میں بھڑ جائیں تو حدیث میں ان کے متعلق انصاف کا ذکر آیا ہے کہ کس نے زیادتی کی ہے اس سے دوسری کو بدلہ دیا جائے گا۔ اگر ماں باپ کی شامت اعمال بچہ کی تکلیف کا باعث بنی ہے تو ماں باپ کی نیکیوں میں مزید کمی ہوگی اور بچہ کا درجہ اس سے بلند ہوگا یا خدا اپنے پاس سے بچہ کو راضی کر دے گا۔

بہرصورت دنیا تکلیف کا گھر ہے اس میں دانت نکلنے کی طرح ہوتا یا بچپن ہی میں مر گیا اگر اور تکلیف سے بچ گیا تو موت کے گھاٹ ضرور اترے گا۔ جو اس دار تکلیف کی آخری گھاٹی ہے بلکہ انسان کا دنیا میں داخل ہونا ہی بڑی مصیبت کے ساتھ ہے ماں کو درد زہ کی اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی بچہ کو ہوتی ہے کیونکہ بچہ کو ہوتی ہے کیونکہ بچہ ماں سے زیادہ نازک ہوتا ہے غرض دنیا میں امتیاز نہیں اس لئے ایک دوسرا دن مقرر ہے جس کا نام قیامت ہے اس دن امتیاز بھی ہوگا اور انصاف بھی۔

بحوالہ تنظیم اہل حدیث روپڑ ضلع انبالہ ۱۲ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

فتاویٰ روپڑیہ

ہبوط آدم

سوال : کیا آدم علیہ السلام بوجہ خطا کرنے کے آسمان سے اتارے گئے تھے یا زمین پر کسی باغ میں تھے ؟ ابو سعید عبدالرحیم متعلم شمسیہ عربیہ ویروال ۲۸ فروری ۱۹۳۴ء

جواب : مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ میدان محشر میں اولین و آخرین جب آدم علیہ السلام کے پاس اگر شفاعت کی درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے لئے جنت کا دروازہ کھلوا دیجئے ۔ تو آدم علیہ السلام عذر کریں گے کہ میرے ہی گناہ نے تو تمہیں جنت سے نکالا ہے تو اب میں دخول جنت کے لئے کس طرح سفارش کر سکتا ہوں ۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے جس میں اہل ایمان جانے والے ہیں ۔

قرآن مجید میں ہے : وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ یعنی جنت سے اترنے کا حکم دے کر فرمایا کہ تمہارا زمین ٹھکانا ہے یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے اگر پہلے ہی سے زمین پر ہوتے تو یوں کہتے وَلَكُمْ فِي مَسْكَنِكُمُ الْأَوَّلِ مُسْتَقَرٌّ [illegible] اب دوسری جگہ ہے اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنت میں تھے معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام جس جنت میں تھے وہ زمین پر کوئی باغ تھا ۔ اور اب نیچریوں مرزائیوں کا بھی یہی حال ہے

عبداللہ امرتسری ۲ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۳۴ء

فتاوی روپڑی جلد اول ص ۱۶۲

حضرت آدم ؑ کا حضرت داؤد کو زندگی کا کچھ حصہ دیکر انکار کرنا یہ جھوٹ ہے یا نہیں !

سوال : حدیث ابوہریرہ میں آیا ہے کہ عالم ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے

آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس کی اولاد کو اس سے پیدا کی۔ اور ان کو نور دیا۔ آدم علیہ السلام نے جب حضرت داؤد کا نور دیکھا۔ تو اپنی عمر سے ہزار برس سے چالیس برس اس کو دے دیئے اور فرمایا زِدْهُ مِنْ عُمُرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً مگر بعد میں آدم نے عمر دینے سے انکار کر دیا فجحد آدم فجحدت ذریته الحدیث رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب القدر) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آدم نے باوجودیکہ اپنی عمر چالیس برس دینے سے دیدہ دانستہ کیسے انکار کر دیا۔ حالانکہ فرشتہ نے بھی یاد دلایا۔ انبیاء علیہم السلام تو کذب بیانی سے منزہ اور معصوم عن الخطا ہیں۔ اور اس حدیث سے آدم علیہ السلام کی کذب بیانی تو صریح ظاہر ہے

اس کا معقول جواب درج ہو۔

جواب: دیدہ دانستہ انکار جھوٹ نہیں ہاں اگر یوں کہتے کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں تب جھوٹ ہوتا۔ جحد سے مراد یہاں دینے سے انکار ہے کہ میں نہیں دیتا اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اولاد کو کوئی شے دے کر واپس لے سکتا ہے۔

مسئلہ: جحد سے مراد یہ ہو کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ بھول گیا یاد و فراموش ہیں اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ دوسرے کے یاد دلانے سے بات یاد آ جائے رہی یہ بات کہ پھر عطا کیا ہوا۔ تو اس صورت میں اس کا حدیث مذکور میں کوئی ذکر نہیں ممکن ہے کہ فرشتے کے یاد دلانے سے دینا منظور کر لیا ہو اور ممکن ہے نہ کیا ہو۔

عبداللہ روپڑی ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۳۳۳

خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت دونوں میں کونسی افضل

سوال: کیا خدا کی عبادت افضل ہے یا مخلوق کی خدمت

ایک شخص کہتا ہے کہ خدا ہماری عبادت کا بھوکا نہیں ہے مخلوق ہماری خدمت کی بھوکی اور حاجتمند ہے۔ خدا کی عبادت۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خیرات

سب یک گوشے میں رکھ دیں اور مخلوق کی خدمت شروع کردیں۔

عبداللہ بن محمد سلیمان از ٹیکمگڑھ بستی

الجواب: خدا بے شک ہماری عبادت کا بھوکا نہیں۔ لیکن ہم تو خدا کی عبادت کے بھوکے ہیں۔ جیسے کھائے پئے بغیر ہماری جسمانی حیات قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ہماری روحانی بقا عبادت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ روحانی بقا وصال الٰہی سے ہے اور وصال الٰہی عبادت الٰہی سے ہے۔ پس اس حیثیت سے عبادت الٰہی کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق کی خدمت عبادت الٰہی سے الگ شے نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر خدمت مخلوق کو عبادت الٰہی سے خارج کر دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ انسان ہمدردی کے لئے پیدا نہ ہو۔ حالانکہ اگر انسان کی پیدائش ہمدردی کے لئے نہ ہوتی تو پھر خدا انسان کو اس کا حکم کیوں دیتا؟ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدمت مخلوق بھی عبادت الٰہی میں داخل ہے۔ ہاں اگر سوال میں عبادت سے مراد معروف عبادت ہو تو اس صورت میں بے شک خدمت مخلوق عبادت الٰہی سے الگ شمار کی جاتی ہے مگر جب پیدائش انسان کی دونوں کے لئے ہے تو دونوں ضروری ہوئیں اور ایک کو غیر ضروری کہنا غلطی ہوگی اور مندرجہ ذیل شہادت سے بھی دونوں کا ضروری ہونا ثابت ہے

قرآن مجید میں ہے۔ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔

یعنی خدا کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ قرابتی کے ساتھ احسان کرو۔ نیز یتیموں، مسکینوں کے ساتھ سلوک کرو۔ نیز ہمسایہ قرابتی ہمسایہ بیگانہ، پہلو بہ پہلو کا ساتھی، مسافر، مملوک ان سب کے ساتھ احسان کرو۔ تکبر کرنے والے کو خدا بالکل دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی عبادت بھی ضروری ہے اور مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔ دونوں پر عمل کرنا چاہیے۔ صرف ایک کو افضل سمجھ کر دوسرے میں سستی کرنا جائز نہیں ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ رجب ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۴۲

کیا صحابہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے؟

سوال: مسلم شریف باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک گروہ روکا جائے گا میرے پاس آنے سے اور میں کہوں گا کہ یہ میرے صحابی ہیں۔ اور صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے با ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جس نے حضور کو با ایمان دیکھا اس کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل فرمائیں۔ محمد اشفاق محمد اسحاق

جواب: جس صحابی سے جنت کا وعدہ ہے اس کی یہ تعریف نہیں جو آپ نے کی ہے بلکہ صحابی وہ ہے جس نے ایمان کے ساتھ آپ کی ملاقات کی ہو اور وہ اخیر تک اس ایمان پر قائم رہا ہو۔ اور حدیث مذکور میں جن کا ذکر ہے وہ ایمان پر قائم نہیں رہے لیکن حضور کو اس کا علم نہیں ہوگا کہ یہ قائم نہیں رہے۔ اس لئے آپ کہیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں شاید کہا جائے کہ جو اخیر وقت ایمان پر قائم رہا ہو خواہ صحابی نہ بھی ہو تو بھی اس سے جنت کا وعدہ ہے تو پھر صحابی کی خصوصیت کیا ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خصوصیت دو طرح سے ہے۔ ایک تو ابتداءً جنت میں جانا۔ دوم صحابیت کے شرف سے کوئی خاص عہدہ عطا ہونا وغیرہ۔

ایک اعتراض یہاں اور پڑتا ہے وہ یہ کہ مسلم کے اسی مقام پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دوست رکھتا ہوں

کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔ صحابہؓ نے کہا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا تم میرے صحابہ ہو۔ بھائی وہ ہیں جو بعد آئیں گے۔ صحابہؓ نے کہا۔ بعد والوں کو آپ کس طرح پہچانیں گے؟ فرمایا ان کے منہ اور ہاتھ پاؤں آثار وضوء سے چمکیں گے۔ اور میں حوض پر ان کا پیشوا ہوں گا خبردار کئی لوگ حوض سے روکے جائیں گے۔ میں ان کو آواز دوں گا۔ اور مجھے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین کو بدل دیا میں کہوں گا۔ دور ہوں۔ دور ہوں۔

ایک اور روایت ابوہریرہؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری امت میرے پاس حوض کوثر پر آئے گی اور میں دوسرے لوگوں کو حوض سے اس طرح ہٹاؤں گا جس طرح کوئی بیگانے اونٹ اپنے اونٹوں سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ہمیں پہچانیں گے؟ فرمایا ہاں۔ تمہارے لئے نشانی ہوگی جو کسی اور کے لئے نہ ہوگی تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکیں گے۔ اور ایک جماعت تم سے روکی جائے گی۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میرے صحابہؓ ہیں۔ فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا بدعت نکالی؟

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد والوں کو آپ آثار وضوء سے پہچانیں گے۔ اور دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو بھی آپ آثار وضوء سے پہچانیں گے مگر ان سے وہ صحابہؓ مراد ہوں گے جن سے آپ کا زیادہ تعارف نہیں ہوا۔ یا جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ کی نظر ان پر نہیں پڑی۔ جیسے حجۃ الوداع کے موقعہ پر خلقت ایسی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کا کہنا کیا آپ ہمیں پہچانیں گے اس سے مراد امت ہو جس سے مراد بعد والے ہوں غیر کو بھی یہاں اعتراض پڑتا ہے کہ جب ان کے ہاتھ پاؤں چمکیں گے تو وہ حوض کوثر سے کیوں ہٹائے جائیں گے۔

امام نوویؒ نے شرح مسلمؒ میں اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ پھر تین قول ذکر کئے ہیں جن کا خلاصہ مع زیادت درج ذیل ہے۔

ایک یہ کہ منافق اور مرتد ہوں گے۔ ان کو توبہ ہوگی (مگر پھر بگڑ جائے گا جیسے قرآن مجید کی سورۃ منافقون میں ہے) دوسرا جواب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ جن سے آپ کا تعارف ہے۔ ان پر وضو کا نشان نہیں ہوگا۔ تیسرا جواب یہ کہ اس سے مجرم اور اہل بدعت مراد ہیں۔ جو حد کفر کو نہیں پہنچے۔ پھر ان میں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں چمکیں۔ مگر حوض کوثر سے روکے جائیں گے (آخر کسی وقت ان کی نجات ہو جائے گی۔ جیسے حدیث میں ہے کچھ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ ان کی سجدہ کی جگہ نہیں جلے گی۔ پس حوض کوثر پر جانے کے وقت بھی کسی طرح کا چمکنا ہو سکتا ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مجرم اور اہل بدعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہوں۔ جو آپ کے بعد بھی رہے اور خراب ہو گئے ان کو آپ شکلوں سے پہچانیں گے۔ نہ کہ آثار وضو سے۔ (لیکن اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ یہ صحابیؓ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر ان کے متعلق یہ کہنا کہ حد کفر کو نہیں پہنچے تو ایمان والے ہوئے اور جو ایمان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہو اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو تو وہ صحابیؓ ہوتا ہے اور اگر یہ صحابیؓ ہوں تو معاذ اللہ لازم آئے گا کہ صحابہؓ بھی ہوں اور اہل بدعت اور مرتکب کبائر بھی ہوں جیسے بہت شیعہ یہی خیال رکھتے ہیں۔ حالانکہ اس صورت میں پھر ان احادیث کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ پس صحیح یہ ہے کہ آپ کے زمانہ کے بعد لوگ روکے جائیں گے۔ وہ منافق مرتد ہوں گے اور جو بعد والوں سے روکے جائیں گے وہ منافق بھی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ مجرم اور اہل بدعت بھی ہو سکتے ہیں۔ جو حد کفر کو نہیں پہنچے۔ فقط

عبداللہ روپڑی ۱۴ محرم ۱۳۸۳ھ ۱۹ سی ماڈل ٹاؤن لاہور

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۱۴۱

حضرت عیسیٰ کونسا کلمہ پڑھیں گے؟

سوال: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں

گے تو بطور امتی کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھائیں گے یا نبوتی اور کلمہ!

سائل محمد صدیق۔ بی۔ اے ٹیچر ہائی سکول سندریانوالہ ضلع لائلپور

جواب: قرآن مجید میں ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ (پ۳)

ترجمہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب و حکمت سے عطا کروں پھر تمہارے پاس رسول آجائے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ رسول اس کی تصدیق کرے البتہ تم ضرور اس کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا۔ کیا تم نے اقرار کیا اور کیا تم نے اس شرط پر میرے عہد کا بوجھ اٹھایا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم گواہ ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں سے ہوں۔

یہ وعدہ گزشتہ انبیاء سے لیا گیا۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ جو جیسے باقی انبیاء علیہم السلام کو آنحضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنا ضروری تھا۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ضروری ہوا۔

نتیجہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ پڑھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت کے لئے رسول تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہوں گے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک حیثیت سے رسول ہونا اور ایک حیثیت سے امتی ہونا اس میں کو منافات نہیں۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو كان موسىٰ حيا ما وسعه إلا اتباعي (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ۲)

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ

دو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری ہے تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلمہ پڑھیں گے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی لاہور
۱۰ شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء
فتاویٰ روپڑی جلد اول ص۱۶۷

حضرت خضر علیہ السلام

سوال: کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں ان کے زندہ ہونے کی کیا نوعیت ہے ان کی زندگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں کیا فرق ہے کیا خضر بجسد خاکی زندہ ہیں

عبد المجید متعلم بی۔ اے فوزیہ مشنریکریٹریز بیورو گلی

شاہی بازار حیدرآباد (سندھ)

جواب: حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق کوئی صاف روایت نہیں۔ کہ وہ زندہ ہیں صرف آب حیات کی جگہ رہنے سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اس قسم کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آواز آئی جس میں گھر والوں کو صبر کی تلقین کی گئی۔ اس موقع پر حضرت علی نے کہا۔ یہ آواز دینے والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

(مشکوٰۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ۳ ص۵۴۸)

لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف ہے قابل استدلال نہیں۔ اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس سے زندگی ثابت ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات

انبیاء کرام علیہم السلام کی گفتگو ہوئی ہے حالانکہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باقی انبیاء بالاتفاق فوت ہو چکے تھے سو ایسے ہی اگر فوت شدہ کی آواز زندہ نے سنی ہو تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ یہ چیز کرامت کی قسم سے ہو سکتی ہے۔

عبداللہ روپڑی۔ لاہور

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱۲۴

نیکی اور بدی کا خالق

سوال: نیکی اور بدی کا خالق کون ہے؟ قرآن مجید میں ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلتا تو بدی کرتے ہیں گرفت کیسی۔

جواب: قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی نہیں ہلتا ہاں کفار سے قرآن مجید نے یہ حکایت کی ہے۔

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ۔ (پ ۸)

اگر خدا چاہتا تو ہم شرک کرتے نہ کسی شئے کو حرام کرتے۔

خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۗ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔ (پ ۸)

ترجمہ: پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دے کیا تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو اس کو ہمارے سامنے پیش کرو۔ تم محض گمان کی تابعداری کرتے ہو اور محض اٹکل کے پیچھے جاتے ہو۔

اس آیت میں خدا نے کتنے زور سے تردید کی ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا نہیں کراتا بلکہ یہ محض تمہارا خیال اور محض تمہاری اٹکل ہے اس پر تمہارے کوئی دلیل نہیں، لیکن خدا

ہونا اور شے ہے اور کاسب (کمانے والا) ہونا اور شے ہے۔ خدا خالق ہے بندہ کاسب (کمانے والا) ہے۔ ان دونوں میں جو کچھ فرق ہے اس کو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص۱۲۷

جب ہر نفس کو موت ہے تو جنت دوزخ کس کے لئے؟

سوال: ہر چیز کی خواہش کرنے والا نفس ہے اور نفس ہی کو موت ہے تو بہشت اور دوزخ کس کے لئے ہیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔　فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص۱۲۷

جواب: موت کے چکھنے سے مراد یہ ہے کہ بدن سے جان قبض کی جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا (پ۲۴) ترجمہ: خدا موت کے وقت جانوں کو قبض کرتا ہے۔

نیز جب بہشت دوزخ میں داخل ہونے کا وقت ہوگا۔ روحیں بدنوں میں لوٹائی جائیں گی قرآن مجید میں ہے وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ (پ۳۰) ترجمہ: جب جانیں (بدنوں سے) ملائی جائیں۔

نیز خدا خالق ہے وہ نیست سے ہست کر سکتا ہے تو پھر بہشت دوزخ کس کے لئے کہنے کا کیا مطلب؟

فتاویٰ روپڑی جلد اول

جب اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو بندہ کو ہدایت کیوں نہ ہوئی؟

سوال: اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کن کہتا ہے کیا دنیا کو ہدایت کرنے کا ارادہ کیا تھا یا نہیں؟

جواب: ہدایت دو طرح کی ہے ایک ارادۃ الطریق۔ یعنی رستہ دکھا دینا اور حق ناحق سمجھا دینا۔ اس کا ارادہ اللہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ (پ۵) (ترجمہ: خدا ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرے اور تمہیں پہلے لوگوں کو طریقوں کی ہدایت کرے) اس آیت سے معلوم

جو اگر خدا بندوں کو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ ہو بھی جاتی ہے۔ یعنی بندہ کو حق نا حق کا پتہ لگنے سے پیدا لگ جاتا ہے اسکے خواہ قبول کرے یا نہ، چنانچہ قرآن مجید میں ہے :-

اِنَّا هَدَيْنٰهُ ... یعنی اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (دپ ۲۹)

ہم نے انسان کو ہدایت کی اسکے وہ شکر کرنیوالا ہے یا کفر کرنیوالا ہے۔ یہ ایک طرح کی ہدایت ہوئی مقدم الدلالۃ الموصلۃ یعنی حق کو پہنچا دینا در بندہ کے اختیار کے بغیر دل میں اس کو جگہ دیدینا اس کا اللہ ارادہ نہیں کرتا کیونکہ پھر بندہ فعل مختار نہیں رہتا۔ قرآن مجید میں ہے فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (پ ۸) ترجمہ: خدا چاہتا تو تمہیں سب کو ہدایت کر دیتا۔ یعنی تمہارے اختیار کے بغیر محض قدرت کے تصرف سے تمہیں ہدایت والے بنانا چاہتا۔ جیسے فرشتوں کو ایسے ہی کیا ہے تو تم سب ہدایت والے ہو جاتے لیکن وہ اس طرح نہیں کرتا بلکہ تمہیں اپنے اختیار پر چھوڑتا ہے تاکہ اپنے اختیار سے نیکی بدی کر کے بدلے کے مستحق ہو۔ اگر جبراً ہدایت کر دیتا تو بندہ کے اختیار کو دخل نہ ہوتا تو پھر اس میں بندے کا کیا کمال تھا، اور وہ انعام کا مستحق کس طرح ہو سکتا یہی ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا ارادہ نہ کرے۔

فتاویٰ روپڑی جلد اول

ابلیس جن ہے یا فرشتہ

سوال :- ابلیس فرشتوں میں تھا یا کہ پہلے ہی الگ تھا؟

جواب :- قرآن مجید میں ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ (پ ۱۵) یعنی ابلیس جنوں سے تھا۔ اس میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں فرشتوں کی ایک جماعت ہے ان کو جن کہتے ہیں، ابلیس ان سے تھا۔ بعض کہتے ہیں زمینی جنوں سے تھا۔ پہلے قول کی بنا پر فرشتوں سے تھا۔ دوسرے قول کی بنا پر کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں سے ملا دیا۔　　(فتاویٰ روپڑی جلد اول)

خالق غالب یا مخلوق

سوال:- کیا خالق غالب ہے یا مخلوق؟

جواب:- خالق غالب ہے اگر وہ محض اپنی قدرت کا تصرف کرے تو نہ ابلیس کچھ کر سکتا ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اگر وہ فعل مختار بنا دے تو پھر دوسرے کے اختیار کا بھی دخل ہو جاتا ہے خواہ نیکی کرے یا بدی، جیسے اوپر بیان ہو چکا ہے۔ فقط واللہ اعلم عبداللہ امرتسری روپڑی جنوری ۱۹۳۷ء

جب ہر شے تسبیح کرتی ہے تو پھر کافر کون

سوال:- قرآن کریم میں ہے یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ہر چیز زمین آسمان کی اللہ کی تسبیح بیان کرتی تو کافر کون ہوا۔ کیونکہ وہ بھی زمان کی چیز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا!

جواب:- تسبیح دو طرح ہے ایک زبان قال سے ایک حالی سے۔ تو ثانی اللہ کو تو سب کرتے ہیں اور اول اللہ کو بعض کرتے ہیں بعض نہیں کرتے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (پ ۱۷) ترجمہ آسمان و زمین والے اور سورج، چاند، ستارے درخت اور بہت سے لوگ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت لوگوں پر سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے عذاب الٰہی ثابت ہو گیا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲ شعبان ۱۳۵۵ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱

آفتاب کا کیچڑ کے چشمہ میں غروب اور شیطان کے سینگوں میں طلوع ہونا

سوال:- ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ نماز فجر کے متعلق مسلم کی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ وقت نماز صبح کا فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک

ہے۔ پس جس وقت سورج طلوع ہو تو نماز سے رک جاؤ کیونکہ وہ درمیان شیطان کے دو سینگوں کے طلوع ہوتا ہے۔ (اب اس پر حاشیہ لکھا ہے) سورج کا شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ملاحظہ ہو۔ اب اگر اس حدیث کی بنا پر عیسائی اسلام پر ہنسی اڑائیں تو ان کا کیا قصور ہے۔ سورج بالاتفاق زمین سے بہت بڑا ہے تو خیال کیجئے شیطان کے سینگ کتنے بڑے ہوں گے۔ جن کے درمیان خود اتنا بڑا سورج آ جاتا ہے۔ اور خود شیطان کتنا بڑا ہو گا۔ جس کے اتنے بڑے سینگ ہیں۔ پھر یہ شیطان اہلحدیث کے دلوں میں گھس جاتا ہے اور وسوسے بھی ڈالتا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ شیطان کے سینگ پر سورج کیوں لادا گیا۔ کیسی معقول حدیث ہے اور پھر شرح کیسی معقول ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ کا رسول جو کہ عقل و دانش ہر بات میں اپنے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے۔ ایسی لغو اور بیہودہ باتیں کہے۔ ہرگز نہیں قطعاً نا ممکن ہے۔ ہمارے پیارے نبی کے ذمہ یہ خرافات کسی ایسے شخص نے گھڑ کر لگائے ہیں۔ جو کہ عقل کا لیوا اور آپ کا پکا دشمن ہے۔ کوئی یہودی یا عیسائی ہے ایسا قبیح کام کسی مسلمان با ایمان کا نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے امام مسلمؒ نے بے سوچے سمجھے کسی یہودی یا عیسائی کی حدیث کو جو کہ پیغمبر علیہ السلام کا پکا دشمن ہے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ ورنہ پیغمبر علیہ السلام کی شان نہیں جو ایسی باتیں کہے۔ اس کا مدلل جواب دیجئے؟

محمد اکرم خان ناظر سرکل توپ خانہ صدر [illegible]

جواب: انسان کو چاہیے کہ کسی بات پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کا صحیح مطلب سمجھے کیونکہ بے سمجھی سے اعتراض درحقیقت اس بات پر اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اپنی عقل کی حماقت ہوتی ہے۔ مخالفین قرآن کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ۔ یعنی انہوں نے ایسی شے کو جھٹلا دیا جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا۔ سو جو اس حدیث پر اعتراض کرتا ہے اس کو اس حدیث کا اصل مطلب سمجھ لینا چاہیے ورنہ ویسے تو مخالف قرآن مجید پر بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ یعنی آفتاب کیچڑ والے چشمے میں غروب ہوتا ہے تو کیا

اس مذاق سے قرآن مجید پر کچھ اثر پڑا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ آیت کا مطلب وہ نہیں جو مخالف سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اس کی اور توجیہات بھی ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارے لحاظ سے آفتاب شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۔ یعنی ذوالقرنین نے آفتاب کو ایک قوم پر نکلتے پایا۔ جن کے لئے آفتاب کے ورے ہم نے کوئی پردہ نہیں کیا۔

کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اس قوم پر طلوع کرتا ہے ہم پر طلوع نہیں کرتا ہرگز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ مشرق کی جانب ہماری نسبت سورج کے قریب ہیں۔ تو ہمارے لحاظ سے آفتاب ان پر نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ذوالقرنین نے ایسا پایا۔ نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى یعنی موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ جادوگروں کی رسیاں رسیاں دوڑتی ہیں۔

ٹھیک اسی طرح حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے لحاظ سے سورج شیطان کے سینگوں میں نکلتا ہے۔ سینگوں سے مراد سر ہے۔ سورج نکلتے وقت اور غروب ہوتے وقت سورج کے پوجنے والے سورج کی پوجا کرتے ہیں تو شیطان اس وقت سورج کی طرف شریک ہوتا ہے۔ تاکہ وہ پوجا درحقیقت اس کی ہو۔ جیسے وہ پتھر اور درخت جن کی پوجا ہوتی ہے ان میں شیطان قریب کرتا ہے۔ تاکہ اس کو سجدہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید ہے۔ إِنْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ إِلَّآ إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُوْنَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيْدًا۔ یعنی یہ لوگ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو (دیویوں کو) نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو۔

چونکہ اس حدیث میں توحید کامل ہے۔ اس لئے مشابہت شرک سے بھی منع فرما دیا

۱؎ جیسے معاویہ نے اپنی خلافت کو ثابت کرتے ہوئے کہا میں طلیع لنا کو نہ کرن ہمارے لئے ہی سینگ نکالا ہے یعنی ہمارے مقابلہ میں سر اٹھاتا ہے۔ (۱۲)

جیسے قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔ گھروں میں تصویریں رکھنا منع ہے اسی طرح غروب اور طلوع کے وقت نماز منع ہے تاکہ سورج کے پوجنے والوں سے مشابہت نہ ہو۔ پس اس حدیث کا صرف اتنا مطلب ہے۔ اس کے علاوہ بعض اور وجوہات بھی ہیں۔ مگر کمی فرصت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کی گئی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا؟

سوال: زید کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا چنانچہ بخاری شریف مصری باب السحر جلد ۴ صفحہ ۶۸ مسلم شریف باب السحر ص ۲۲۱ اور نیل الاوطار مصری باب ما جاء فی حد الساحر جلد ۷ ص ۲۰۸ میں مفصل احادیث مسطور ہیں۔

بکر کہتا ہے کہ اپنا مطلب سیدھا کرنے کے لئے یہ بھی گھڑ لیا گیا ہے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی یہودی نے سحر کیا تھا اور آپ نعوذ باللہ مسحور ہو گئے تھے۔ العیاذ باللہ پیغمبر علیہ السلام پر سحر کا عمل ہو جائے اور آپ مسحور ہو جائیں یہ کس طرح ممکن ہے!

(۱) زید اور بکر میں کون حق پر ہے؟ (۲) کیا اس کو انکار حدیث کہہ سکتے ہیں جب کہ بکر کو حدیث بھی دکھائی گئی ہو۔ اور وہ تسلیم نہ کرے؟ (۳) اس کے ساتھ اقتدا یا الصلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ (۴) اس کے اس رسالہ کے پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے جس میں اس نے اسی موضوع پر بحث کی ہو چنانچہ خط کشیدہ عبارت اس کے رسالہ مذکورہ کی ہے (۵) إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا الآیۃ (بنی اسرائیل) اس کا کیا جواب ہے۔ بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

(مستفتی۔ قاضی محمد نواز ساکن داجل ضلع ڈیرہ غازیخاں پنجاب)

جواب: جو لوگ بخاری کی حدیث سے انکار کرتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ آیت ہے۔ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا یعنی کفار کہتے ہیں تم نہیں اتباع کرتے مگر ایک جادو کئے گئے کی۔

آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔ کفار کی مراد مسحور سے دیوانہ ہے، جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو اور حدیث بخاری میں حافظہ پر اثر مراد ہے چنانچہ حدیث میں تصریح ہے۔
حَتّٰی إِنَّهٗ لَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهٗ فَعَلَ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ۔ یعنی یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوتا کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے اور در حقیقت کیا نہ ہوتا۔

ان الفاظ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ جادو کا اثر حافظہ پر تھا عقل پر نہ تھا کیونکہ کام کرنے نہ کرنے سے متعلق یاد رہنا یہ حافظہ کا کام ہے اور حافظہ اور عقل دو قوتیں الگ الگ ہیں۔ دیکھئے بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اور عقل کم اور معمر ہو کر عقل بڑھ جاتی ہے اور حافظہ میں فرق آجاتا ہے۔ پس حافظہ پر اثر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل پر بھی اثر ہو۔

دوسری بات ان الفاظ سے یہ معلوم ہوئی کہ حافظہ پر اثر سے بھی یہ مراد نہیں کہ آپ کو معاذ اللہ قرآن مجید بھول گیا ہو اس طرح کا کوئی اور نقصان ہو گیا ہو بلکہ یہ صرف اس حد تک تھا کہ جزوی فعل میں کبھی بھول چوک ہو جاتی اور جزوی فعل میں بھول چوک معمولی بات ہے۔ مثلاً نماز میں آپ کئی دفعہ رکعتیں بھول گئے اور فرمایا أَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ یعنی جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ بتلائیے! یہ بھولنا کوئی دین میں نقصان دہ تھا؟ پس اگر جادو کے اثر سے عام بھولنے کی نسبت کسی قدر زیادہ بھول چوک ہو جاتی ہو تو یہ بھی دین کے منافی نہیں۔ بلکہ بعض روایات میں اس جزوی فعل کی تعیین بھی آئی ہے۔ فتح الباری میں ہے:

قد قال بعض الناس ان المراد بالحديث انه كان صلى الله عليه وسلم يخيل انه وطئ زوجاته ولم يكن وطئهن وهذا كثيرا ما يقع تخيله في الانسان في المنام فلا يبعد ان يخيل اليه في اليقظة قلت وهذا قد ورد صريحا في رواية ابن عيينة في الباب الذي يلي هذا ولفظه حتى كان يرى انه يأتي النساء ولا يأتيهن وفي رواية الحميدي انه يأتي اهله ولا يأتيهم
(فتح الباری ۔۔۔ جزو ۲۴ ص۲۲۶)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں مراد یہ ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں کے پاس جانے کا خیال

آتا مگر آئے نہ ہوتے اور ایسا خیال خواب میں بہت آتا ہے۔ پس بیداری میں بھی کوئی بعید نہیں (صاحب فتح الباری) کہتا ہوں کہ جو کچھ بعض نے حدیث کی مراد بیان کی ہے یہ بعض روایتوں میں صریحاً آیا ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں کے پاس آنے کا خیال آتا مگر آئے نہ ہوتے۔"

اور فتح الباری کے اسی صفحہ میں ہے۔

وفی حدیث ابن عباس عند ابن سعد مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخذ عن النساء والطعام والشراب فھبط علیہ ملکان (الحدیث)

ترجمہ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ اور عورتوں اور کھانے پینے سے روکے گئے۔ پس آپ پر دو فرشتے اترے (جنہوں نے جادو کرنے والے کا نام اور جن اشیاء میں جادو کیا اور جہاں ان کو دفن کیا سب بتلا دیا۔ آپ نے ان اشیاء کو نکلوایا خدا نے شفا دے دی)

اور فتح الباری میں اس سے چند سطر پہلے ایک روایت کے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حتی کاد ینکر بصرہ۔ یعنی جادو کے اثر سے قریب تھا کہ آپ کی بصارت میں فرق آ جائے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کا اثر آپ کے بدن پر ایسا ہی ہوا تھا جیسے ظاہری امراض سے بدن میں کمزوری آ جاتی ہے اور اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور اشیاء وغیرہ بند ہو جاتی ہیں رہا عقل اور سمجھ کا معاملہ اور وحی تبلیغ کا سلسلہ اس میں کوئی فرق نہیں آیا اسی لئے فرشتے اترے اور انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ یہاں تک کہ خدا نے شفا دے دی۔ اگر وحی میں فرق پڑ جاتا تو فرشتے کس طرح اترتے ! پس واقعہ نبوت کے منافی نہیں بلکہ یہ واقعہ آپ کی نبوت کی مزید تائید ہے۔

فتح الباری میں ہے۔

وقع فی مرسل عبد الرحمن بن کعب عند ابن سعد فقالت اخت لبید بن ... ان یکن نبیا فسیخبر والا فسیذھلہ ھذا السحر حتی یذھب عقلہ

(فتح الباری جزء ۲۴ ص ۲۳۵)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن کعب کہتے ہیں لبید بن اعصم یہودی جس نے جادو کیا تھا اس کی بہن نے کہا اگر یہ نبی ہوگا تو اس کو خدا کی طرف سے اطلاع مل جائے گی کہ فلاں نے جادو کیا اور فلاں تختے میں کیا اور فلاں جگہ دفن کیا، اور اگر نبی نہ ہوا تو یہ جادو اس کی عقل کو نقصان پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی عقل کو لے جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ وحی آئی اور فرشتے اترے اور سب حال کھول کر بتلا دیا کہ فلاں شخص نے جادو کیا اور فلاں فلاں تختے میں کیا اور فلاں کنوئیں میں دفن کیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔ تو لبید بن اعصم کی بہن کے قول کے مطابق یہ واقعہ آپ کی نبوت کی دلیل ہوا۔ اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے جنگ خیبر کے موقعہ پر آپ کو زہر دینے والی یہودیہ عورت نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر یہ نبی ہوگا تو اس کو زہر نقصان نہیں دے گا۔ یعنی اس سے ہلاک نہیں ہوگا۔ ورنہ بدنی تکلیف آپ کو بہت ہوئی اور ہمیشہ ہی یہاں تک کہ آخر آپ نے اسی سے وفات پائی۔ مگر چونکہ یہ وفات آپ کی خلاف معمول عجز تک ہی تھی کیونکہ عادت کے مطابق تو آپ کو اسی وقت ہلاک ہوجانا چاہیے تھا جب کہ زہر کھایا۔ نہ کئی سالوں کے بعد جب کہ نبوت کا مقصد پورا ہوچکا۔ نیز اسی گوشت نے آپ کو خبر دی جس میں زہر ملایا گیا تھا۔ پس جیسے یہ واقعہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے ایسے ہی جادو کا واقعہ ہے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ جادو کرنے والے دشمن تو اس واقعہ کو آپ کی نبوت کی دلیل بناتے ہیں اور آپ کے نام لیوا کلمہ گو مسلمان اس کو نبوت کے منافی سمجھ کر آپ کی احادیث پر اعتراض کررہے ہیں۔ اناللہ۔ سچ ہے۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم   کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

ایسے لوگوں سے بالکل قطع تعلق چاہیے اور امامت وغیرہ سے ہٹا دینا چاہیے۔ مومن کی یہ شان نہیں کہ صحیح احادیث کا انکار کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی تنظیم اہلحدیث روپڑ جلد ۱۹ شمارہ ۶۱

اسماء الٰہی کی حقیقت

سوال: ایک جگہ تفسیر فتح البیان میں الحمد کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اسماء اللہ تؤخذ باعتبار الغایات التی ہی افعال دون المبادی التی ہی انفعالات۔ اس کی پوری تشریح بیان کریں۔ یہ علم کلام کا مسئلہ ہے؟

جواب: مثلاً اللہ تعالیٰ کو رحمٰن رحیم کہا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوئے کہ خدا رحمت سے موصوف ہے اور رحمت کے معنے رقت قلب کے ہیں۔ تو لازم آیا کہ خدا تعالیٰ کے لئے قلب ہو اور قلب گوشت کا ایک لوتھڑا ہے تو معاذ اللہ خدا بھی ایسا ہی ہوگا۔ لیکن یہ خرابی اس صورت میں لازم آتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو باعتبار مبداء مصدری معنی کے رحمٰن رحیم کہا جائے اگر باعتبار غایت اور نتیجہ کے کہا جائے تو پھر کوئی اعتراض نہیں رقت قلب کی غایت اور نتیجہ احسان ہے یعنی جب کسی کی بابت انسان کا دل نرم ہوتا ہے تو اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ تو گویا خدا تعالیٰ کو رحمٰن رحیم کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ خدا اپنے بندوں سے احسان کرتا ہے یہ معنی ہیں فتح البیان کی عبارت کے۔ کہ خدا کے نام باعتبار غایت کے لئے جاتے ہیں۔ نہ باعتبار مبداء کے اس کی زیادہ تفصیل ہم نے اپنے شاگرد مولوی عطاء اللہ کے رسالہ الاہتداء کی تقریظ میں کی ہے۔ جو نہایت مفید ہے

مولوی عطاء اللہ فرید کوٹ کچہری مسجد اہل حدیث

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ ۱۸۶

اولیاء الرحمان اور اولیاء الشیطان میں فرق

سوال: احقر کو چند ایک شبہات نے درطہ اضطراب میں ڈال رکھا ہے یہ جب میرے دماغ میں انتہائی صورت میں مستحکم ہوتے ہیں تو میرا ایمان خطرے میں پڑ جاتا

ہے ۔ مبادا میں کہیں ہلاک ہو جاؤں ۔ آپ میری پوری تسلی فرمائیں ۔ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی
مرحوم مہر شاہ گزرا ہے جس کی کرامات یقینی طور پر آج بھی ظاہر ہیں ۔ جس کا شیطانی اولیاء سے
ظہور پذیر ہونا ناممکن ہے اور یہ شخص شریعت کا سخت دشمن تھا ۔ شراب نوشی کا عادی بن گیا
کار رہا ۔ غرضیکہ کل منشیات اس کا معمول تھا ۔ نماز روزہ ادا کرنا تو کجا بلکہ اس کی مخالفت
کرتا تھا ۔ کتوں کے ساتھ اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا ۔ اس کے بغیر کھاتا ہی نہ تھا ۔
خواہ کتنے روز فاقہ کشی کرنی پڑے ۔ اب میں اس کی کرامات علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہوں ۔

کرامت نمبر۱ : پیر مہر شاہ ایک گاؤں سے گزر رہا تھا ۔ دو عورتوں نے اسے آ گھیرا
اور بہت منت سماجت کی کہ ہمارے گھر اولاد نہیں ۔ ہمیں اولاد دو ۔ پیر صاحب نے ادھر ادھر
دیکھا ۔ تو ایک کاغذ نظر پڑا ۔ اس کو اٹھا کر ویسے ہی ایک کوئلے سے لکھنے لگا ۔ اور دو تعویذ
تیار کیے اور دونوں تعویذ اکٹھا کرتے وقت پھٹ گئے ۔ ذرا ایک ایک کر کے دونوں عورتوں
کو بانٹ دیئے ۔ اور کہا جاؤ تمہارے گھر سال کے اندر ایک لڑکا پیدا ہوگا ۔ مگر ایک ایک
آنکھ سے ہوں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ دونوں لڑکے موجود ہیں جو اس وقت
جوان ہیں پیر کی زندہ کرامت دنیا دیکھ رہی ہے اور ان نے کہا تھا تعویذ پھٹنے کی
وجہ سے کانے ہوں گے ۔ فافہم

کرامت نمبر۲ : پیر صاحب مذکور ایک آدمی کے ہاں وارد ہوئے اور اس کو کہنے
لگے ۔ مجھے دودھ پلاؤ ۔ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کی ۔ پیر جی میری بھینس بھی حاملہ
ہے جب جنے گی تو پلاؤں گا ۔ پیر صاحب خاموش ہو کر چلے گئے ۔ چند دنوں کے بعد پھر پیر صاحب
تشریف لائے تو اس کی بھینس سوئی ہوئی تھی اس نے پیر صاحب کو سیراب کر کے دودھ
پلایا ۔ تو پیر صاحب نے دعا دی کہ جاؤ تمہارے گھر بھینس ہمیشہ مادہ ہی جنا کریں گی
اور بہت بڑھیں گی ۔ چنانچہ اب اس کے پاس چالیس بھینس ہیں اور مادہ ہی جنتی ہیں
اس کے بعد کسی بھینس نے آج تک ایک نر بھی نہیں جنا ۔ فافہم

کرامت نمبر۳ : ایک مرید پیر صاحب کے پاس آیا اور کہا فلاں گھر میری منگنی

زناسے ہوئی ہے اور وہ مجھے اب درشتہ نہیں دیتے پیر صاحب ان کے گھر گئے انہوں نے ترانا پیر صاحب نے بددعا دی کہ تمہاری لڑکی کو بیٹا میری کرنسے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اب وہ زندہ ہے زنا کرنے سے میرا بیٹا ہی نہیں ہوتی جب دیکھو بازار میں پھرتی نظر آتی ہے۔ فافہم

کرامت نمبر ۸ ایک گاؤں میں پیر صاحب گئے وہاں مچھر بہت کاٹتے تھے۔ لوگوں نے شکایت کی پیر صاحب نے کہا مکانوں کے اندر سویا کرو۔ مچھر نہیں کاٹیں گے۔ چنانچہ اب تک ایسے ہی ہوتا ہے جب لوگ اندر سوتے ہیں تو مچھر نہیں کاٹتے جب باہر سوتے ہیں مچھر ویسے ہی کاٹتے ہیں۔

اسی طرح اور بہت سے واقعات خوارق عادات ہیں جن کو میں چھوڑتا ہوں یہ چند بطور مشتے از خروارے پیش کر دیئے ہیں۔ خدا کے دشمنوں سے ایسی کرامتوں کا ظہور پذیر ہونا کیا حکمت ہے نبی علیہ السلام کے کلمات جو متقررشدہ ہیں غلط ہیں؟ مفصل لکھیں اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔ آپ خدا کے فضل سے قرآن و حدیث سے واقف ہیں پھر ایسے تو ہمات میں کس طرح پھنس گئے قرآن مجید میں اولیاء اللہ کی علامت یہ نہیں بتلائی کہ ان سے خرق عادات صادر ہوں بلکہ ان کی علامت ایمان تقویٰ اور پرہیزگاری بتلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ (پ ۱۱) ترجمہ: اولیاء اللہ کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے۔

آیت کریمہ نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا کہ ولایت کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے نہ کہ خرق عادات۔ اگر خرق عادات سے ولایت حاصل ہو سکتی ہے تو پھر دجال سب سے فوق المرتبہ ولی ہے کیونکہ آسمان و زمین اس کے تابع ہوں گے۔ زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا وہ سبزہ اگائے گی۔ آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا۔ زمین سے

خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں ایک طرف کو اکٹھی ہو کر جاتی ہیں جس پر چاہے گا قحط سالی کر دے گا جس پر چاہے گا خوش حالی کر دے گا۔ جنت دوزخ اس کے ساتھ ہوگا۔ باوجود اس کے وہ اشد کافر ہے اور خدا کا دشمن ہے عیسیٰ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔

جو خرق عادات آپ نے ذکر کی ہیں، دجّال کے مقابلہ میں وہ کس گنتی میں ہیں، ایک آدھ خرق عادت کسی سے ہو جائے یا کوئی پیش گوئی درست نکل آئے تو دجال سے بہت کم ہے۔ جب وہ خدا کا دشمن ہے تو دوسرا شرع کے خلاف چلنے والا محض خرق عادات سے کس طرح ولی ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جن شیاطین زمین سے آسمان تک ایک دوسرے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جب آسمان میں خدا کوئی فیصلہ کرتا ہے جو اہل زمین سے متعلق ہوتا ہے جیسے کسی کی موت یا کسی کی ہدایت ضلالت یا امیری غریبی یا اسی قسم کا کوئی اور فیصلہ تو فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا فیصلہ کیا۔ اس موقعہ پر جن شیاطین کوئی بات سن لیتے ہیں اور زمین میں کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سے جھوٹ ملا دیتے ہیں آسمانی بات تو سن وعن صحیح ہو جاتی ہے اس کے ساتھ جھوٹ بھی سچ سمجھے جاتے ہیں حالانکہ شریعت کی رو سے کاہن کافر ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ خرق عادت پر ولایت کا مدار نہیں۔ ہاں ایمان اور پرہیزگاری کے بعد اگر کسی کے ہاتھ سے ایسا معاملہ ظاہر ہو جائے تو یہ اس کی کرامت ہے۔ اگر شریعت کا پابند نہیں اور پھر اس کے ہاتھ پر دجال کی طرح خرق عادت ظاہر ہو جائے۔ یا کاہنوں کی طرح اس کی پیش گوئی پوری ہو جائے یا خبر صحیح ہو جائے تو یہ کرامت نہیں بلکہ اس کو استدراج کہتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ پکڑنا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر خدا کی انعام پورا ہو رہا ہے اور درحقیقت وہ بوجہ گمراہی کے دوزخ کے قریب ہو رہے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (پ۹)۔ ترجمہ: ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑتے

ہیں کہ ان کو خبر نہیں ہوتی؟

اس کے علاوہ اکثر اس قسم کے قصے جھوٹے اور مصنوعی ہوتے ہیں۔ ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی۔ لوگ ایسی متشدد تعبیر شریعت کے مخالف ایسے قصے جوڑ جوڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عوام کالانعام سن سن کر فریفتہ ہوجاتے ہیں۔ آپ خود ہی اندازہ کرسکتے ہیں کہ گدھی کے ساتھ بدفعلی کا قصہ کیسا افترا ہے ایسا فعل کرکے بھی پیر بنا رہا ہے۔ اور اس کی دعا بھی تیر بہدف ہو۔ ایسے قصہ کی مانی سے عامی بھی تصدیق نہیں کرسکتا۔ آپ کے لئے یہ خطرہ کا باعث کس طرح بن گیا۔

اسی طرح پیر صبر شاہ کی کرامت جھوٹ ہے۔ اگر تعویذ کے پھینکنے کا اثر ہوتا تو نصف دم پر پڑتا۔ صرف آنکھ پر پڑنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اصل میں دو اتفاقیہ کاتے ہوگئے۔ شہرت دینے والوں کو ایک بہانہ مل گیا کہ تعویذ پھینکنے کا اثر ہے۔ آپ ہمارا رسالہ سماع موتیٰ ملاحظہ کریں۔ آپ کی پوری تسلی ہوجائے گی انشاء اللہ

امام ابن تیمیہ کا خاص اس موضوع پر ایک رسالہ ہے اس کا نام ہے " الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان " اس کا اردو ترجمہ بھی ہوچکا ہے وہ منگا کر مزید مطالعہ کریں

عبد اللہ امرتسری

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول صفحہ ۱۹۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟

سوال:۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اور دلیل آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔ یعنی اس کو آنکھیں دیکھ نہیں پاتیں۔ پیش کی ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ کا مسلک یہ ہے کہ رَأَى مُحَمَّدٌ رَبَّهُ۔ محمد نے اپنے رب کو دیکھا۔ اور دلیل اس کی آیت فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى اور وہ کمان قدر بلکہ اس سے نزدیک تر ہوگیا پیش کی ہے حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت سے مراد جبریل علیہ السلام سمجھتے ہیں۔

جو لوگ جواز رویت کے قائل ہیں۔ وہ آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ و كا معنی هُوَ الْإِحَاطَةُ بِالشَّيْءِ وَهُوَ قَدْرٌ زَائِدٌ عَلَى الرُّؤْيَةِ بیان کرتے ہیں۔ یعنی کا احاطہ جو رویت سے زائد چیز ہے۔ لیکن بعض لوگ نے وَالْحَاقِّ عَدَمُ بِالْمُرَادِ مِنْ غَيْرِهِ (فتح جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ مصری)

آیت کی مراد سے زیادہ واقف ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل عدم جواز رویت کے لئے قرآن ہے اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو کہ مرفوع ہے اس میں یہ لفظ ہیں فَسَأَلَهُ هَلْ رَأَيْتَ اللَّهَ فَيَقُولُ مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَرَى اللَّهَ (مشکوٰۃ ص) اس کو کہا جائے گا کیا تو نے خدا کو دیکھا ہے پس کہے گا کسی کو لائق نہیں کہ خدا کو دیکھے، یہی قول عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقویت کرتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ آپ ان تمام دلائل پر غور فرما کر اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

عبداللہ لائلپوری

جواب: اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف مشہور ہے۔ ایک طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ دوسری طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رَآهُ بِفُؤَادِهِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔

دل کے دیکھنے سے بظاہر کشف مراد ہے۔ اس صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہیں رہتا کیونکہ جو انکار کرتے ہیں وہ رویت بصری سے انکار کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اختلاف تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا فیصلہ مرفوع حدیث سے ہونا چاہیے۔

فلما اختلفت الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع (فتح الباری جز ص)

جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو گیا۔ تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا۔ اور مرفوع حدیث سے عدم رویت ہی ثابت ہوتی ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے

فرمایا نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ (مسلم) جناب صوفیہ اللہ تعالیٰ نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ جو حدیث آپ نے سوال میں ذکر کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے پس ترجیح اسی کو ہے۔ کہ دنیا میں خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی پٹیالہ ۹ صفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ء

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۲۰۲

کیا حضور جو چاہیں کر سکتے ہیں؟

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب کی رضا کے بغیر خود بخود جو چاہیں کر سکتے ہیں مثلاً آپ نے درختوں کو بلایا۔ بہ سرعت حاضر ہو گئے۔ مٹھی میں روڑے بول اٹھے۔ پچاس نمازوں کے عوض پانچ کر دیں۔

محمد طاہر ولد مولوی محمد صدر الدین سفیر مدرسہ غزنویہ

جواب: خدا کی مرضی کے بغیر نبی کوئی کام نہیں کرتا نہ معجزہ نہ کوئی اور درخت کی حدیث میں باذن اللہ کا لفظ ہے۔

عبداللہ امرتسری ۲ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۲۰۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سے گم ہونا

سوال: ایک مولوی صاحب نے مسئلہ بیان کیا کہ ایک رات بی بی حضرت عائشہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر نہیں ہیں۔ سب بیبیوں کے گھر تلاش کیا نہ ملے پھر مسجد میں دیکھا تو حضور علیہ السلام پیروں میں رسی ڈال کر چھت سے لٹکے ہوئے ہیں مائی صاحبہ نے انہیں اپنی مبارک گود میں اٹھا لیا۔ دیر بعد حضور نے پوچھا کہ تو کون ہے جواب دیا کہ میں عائشہ۔ حضور نے فرمایا کون عائشہ؟ کہا صدیق کی بیٹی فرمایا صدیق

کون؟ امانی صاحب نے صدیق کے والد کا نام لیا پھر فرمایا کہ وہ کون؟ امانی صاحب نے کہا جناب کی بیوی۔ یہ مسئلہ صحیح ہے تو حال کھیلنے والوں پر کیا طعن ہے اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے۔

جواب :- یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔ اصل اس کی صرف اتنی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات بستر سے گم پایا۔ میں نے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں کو لگا آپ اگھر کی مسجد میں تھے۔ دونوں پاؤں کھڑے تھے یعنی آپ سجدہ میں تھے۔ اور یہ دُعا پڑھ رہے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ رواہ مسلم مشکوٰۃ باب السجود

یعنی اے اللہ! میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری عافیت کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تجھ سے تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں کیونکہ تکلیف اور آرام دونوں تیری طرف سے ہیں۔ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہے جیسی تو نے خود اپنی ثنا کی ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۰ھ

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۲۰۳

مذاہب

مرزائی۔ رافضی۔ چکڑالوی وغیرہ کافر ہیں یا نہیں۔

سوال :- معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ، مرزائیہ، چکڑالویہ، رافضیہ، تفضیلیہ وغیرہ وغیرہ فرقے۔ یہ قطعی کافر ہیں یا نہیں۔ نماز میں ان کی اقتدا اور ان سے سلام مصافحہ کرنا روا ہے یا نہیں۔ ان کی وراثت مسلم کو یا مسلم کی وراثت ان کو پہنچتی ہے یا نہیں؟ اور مسلم عورت کو ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان عورت کا خاوند ان

فرقوں میں داخل ہو جائے ۔ مذہب اہل سنت والجماعت بدل لیوے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ بلا طلاق وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

جواب: ان فرق کے گمراہ، زندیق، ملحد، بدعتی ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ البتہ کافر ہونے میں تفصیل ہے۔ مرزائیہ، چکڑالویہ تو بے شک کافر ہیں، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ بھی تقریباً ایسے ہی ہیں۔ لیکن صفات کا انکار ذرا مشکل ہے۔ رافضیہ میں سے غالی قطعاً کافر ہیں۔ جو حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کو مرتد کہتے ہیں اور زیدیہ کافر نہیں۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی امامت غلط نہیں ہے۔ مگر حضرت علیؓ افضل ہیں اور حضرت عثمانؓ کے بارہ میں ساکت ہیں۔ نہ برا بھلا کہتے ہیں۔ نیز

اگر ان فرقوں کی اور ان کے علاوہ باقی فرقوں کی تفصیل مطلوب ہو تو کتاب الملل والنحل ابن حزم اور شہرستانی وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کا بھی ایک رسالہ خبیئة الاکوان اس بارہ میں ہے وہ بھی چھپا ہے

رہا ان لوگوں سے میل ملاپ تو یہ بالکل ناجائز ہے۔ ابن کثیر جلد دوم [illegible] میں مسند احمد وغیرہ سے حدیث ذکر کی ہے کہ جب تم متشابہ آیتوں کے پیچھے جانے والوں کو دیکھو تو ان سے بچو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے ناطہ رشتہ وغیرہ کرنا یا ویسے میل ملاپ رکھنا یا نماز میں امام بنانا یا اس قسم کا تعلق کوئی بھی جائز نہیں بلکہ جو ان میں سے کافر ہیں اگر اتفاقی طور پر ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا غلطی سے ان کے ساتھ نکاح کا تعلق ہو گیا ہو تو نماز بھی صحیح نہیں اور نکاح بھی صحیح نہیں۔ نماز کا اعادہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اگر نکاح پہلا ہوا ہو اور بعد میں ایسی بدعت کے مرتکب ہوئے جو حد کفر کو پہنچ گئی تو بھی نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے طلاق کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا یعنی مشرک مردوں کو نکاح نہ دو اور دوسری جگہ ہے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ یعنی کافر عورتوں کے ساتھ نکاح مت رکھو۔ اگر اسی حالت میں مر جائیں مسلمان ان کے وارث نہیں اور یہ مسلمانوں کے وارث نہیں۔

عبداللہ امرتسری فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول [illegible]

۱؎ [illegible] سعیدی [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں قبریں بلند و پختہ اور ان پر قبے وغیرہ بنانے
اور غلاف و نذر و نیاز و طواف کرنا کیسے ہیں اور جو شخص ان امور کو خلاف شرع جان کر ڈھا کر درست
کر دے وہ کیسا ہے۔ آج کل سلطان عبد العزیز ابن سعود سلمہ اللہ نے مکہ مکرمہ کے قبے گرائے ہیں
کیا یہ درست ہے اور حدیث میں جو آیا ہے کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں قرن الشیطان
ہوگا وہ کونسا نجد ہے۔ کیا یہی نجدی مراد ہیں یعنی سلطان ابن سعود وغیرہ یا اور کوئی بینوا توجروا

جواب: قبر کو پختہ بنانا اور بلند کرنا اور اس پر قبہ وغیرہ بنانا شرعاً ممنوع اور حرام ہے۔ صحیح مسلم
جلد اول ص ۳۱۲ جامع ترمذی جلد اول ص ۱۲۵ مسند احمد جلد اول ص ۱۳۹ میں لکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ بتوں کو توڑ دیجیو اور تصویروں کو مٹا دیجیو اور
بلند قبر کو توڑ کر درست کر دیجیو یعنی بقدر بالشت رکھیو جس سے قبر کا نشان معلوم ہو۔ مسند امام
احمد کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گئے اور یہ سب کام کر کے آئے اور کہا
یا رسول اللہ میں نے سب بتوں کو توڑ دیا اور قبروں کو ڈھا کر درست کر دیا اور تصویروں کو مٹا دیا
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پھر ایسا کام کرے یعنی بت اور تصویر اور بلند
قبر وغیرہ بنا دے اس نے مَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی قرآن شریف کا انکار کیا
صحیح مسلم جلد ص ۳۱۲ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے اور ان
پر کسی قسم کی بنا کرنے اور بیٹھنے اور ان کی طرف نماز پڑھنے سے منع فرمایا نیز صحیح بخاری و مسلم
شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض موت میں فرمایا اللہ تعالیٰ یہود اور
نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا یعنی ان پر قبے وغیرہ
بنائے اور ان پر نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ قرین خالص (ص ۲۰۲) موطا امام مالک وغیرہ میں
حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنائیو کہ اس
کی پرستش کی جائے اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا اس قوم پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں

کو مسجدیں بنالیا دین خالص ص۳۲ ابو داؤد و ترمذی ابن ماجہ اور نسائی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں اور ان پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں
پر لعنت فرمائی مشکوٰۃ شریف ص۶۱ اور کتاب الآثار امام محمدؒ ص۴۵ میں لکھا ہے کہ قبر کو چونا
گچ کرنا اور اس کو لیپنا یا اس کے پاس مسجد یا نشان بنانا یا اس پر اور کوئی مکان بنانا یا پختہ کرنا
مکروہ یعنی ممنوع ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اور کبیری شرح منیۃ المصلی ص۵۹۹
میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ قبر پر مکان قبہ وغیرہ بنانا مکروہ ہے۔ غنیۃ الطالبین
ص۵۹ میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ قبر زمین سے اونچی صرف ایک بالشت کی جاوے
اور اس کو گچ کرنا مکروہ ہے اور مجالس الابرار ص۱۲۹ میں ہے کہ قبروں پر قبے وغیرہ بنانا مکروہ
یعنی ممنوع ہیں۔ فتاوی عالمگیریہ جلد اول مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ قبر پر کسی قسم کی بنا اور
مسجد وغیرہ بنانا مکروہ یعنی ممنوع ہے۔ اور قبر کے پاس وہ چیز جو سنت سے معلوم نہیں
ہوئی مکروہ یعنی ممنوع ہے۔ اور معلوم صرف یہی ہے۔ کہ زیارت اور دعا کرنا یعنی فاتحہ پڑھنا
رد المحتار جلد اول ص۶۰۱ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ قبر پر کسی قسم کی بناء
قبہ وغیرہ بنانا مکروہ یعنی ممنوع ہے۔ اور صحیح بخاری و مسلم شریف میں حدیث ہے۔ کہ
عائشہؓ کہتی ہیں۔ کہ میں نے ایک کپڑا دروازے پر ڈال دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تشریف لائے تو آپ نے کھینچ کر پھاڑ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا
کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں۔ دین الخالص ج۲ ص۳۴۳ اس سے صاف طور پر معلوم
ہوا کہ قبروں پر غلاف ڈالنا شریعت کے خلاف ہے اور قبر کا طواف کرنا نذر دینا تو بحکم
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وغیرہ آیات و احادیث صحیحہ قطعی حرام ہیں جس میں تمام سلف و خلف آئمہ
مسلمین کا اتفاق ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۹۱ میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
مرحوم نے قبروں پر قبے روشنی فرش وغیرہ کو بدعت و ناجائز لکھا ہے۔ خصوصاً مکہ
مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اور جو شخص ان امور ممنوعہ بدعیہ کو توڑ کر درست کرے
وہ بڑا موحد متبع سنت پکا مسلمان ہے۔ اہلحدیث پر کسی قسم کی نکتہ چینی کرے وہ

قرآن و حدیث و اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین سے ناواقف ہے۔ اور مسائل میں
پھوٹ ڈلوانے والا ہے اس کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔ صحیح مسلم جلد اول ص۵۱ میں حدیث
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص تم میں سے کسی منکر یعنی ناجائز امر کو دیکھے
تو اس کو ہاتھ سے بدل دے یعنی مٹا دے۔ اگر ہاتھ سے نہ طاقت ہو تو زبان سے مٹا دے
اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر اسے دل سے برا جانے۔ لہٰذا سلطان عبدالعزیز خلد اللہ
ملکہ و سلطنتہ نے کل بلاد العربیہ سے اگر قبے وغیرہ بدعات کو مٹایا ہے۔ تو اس حدیث و نیز صحیح
مسلم کی دوسری حدیث پر جو پہلے گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو برابر
کرنیکا حکم فرمایا عمل کیا ہے۔ جو موجب ثواب عظیم ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر۔ صحیح
بخاری غزوہ حدیبیہ میں بیعت رضوان کا ذکر ہے۔ کہ ایک درخت کے نیچے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ لوگوں نے اس درخت
کے نیچے مسجد بنا رکھی تھی۔ اور نماز پڑھتے تھے۔ پھر وہ درخت یا اس کی جگہ لوگوں پر
مشتبہ ہو گئی صحیح بخاری کتاب الجہاد باب البیعۃ فی الحرب میں ہے۔ عبداللہ بن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں۔ [illegible] بیعت کی جگہ میں دو آدمی
بھی اس پر متفق نہ ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی فتح الباری جلد ۶ ص۸۴
پارہ ۱۴ میں ابن سعد کی حدیث صحیح سند سے نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ کو جب خبر پہنچی کہ
لوگ وہاں نماز پڑھتے ہیں لوگوں کو دھمکایا اور اس درخت کو کٹوا دیا۔ بخاری میں
سے وہ جگہ مخفی ہو گئی۔ فتح الباری جلد ۳ ص۱۲۲ میں لکھا ہے۔ کہ اس کے کٹوانے
میں حکمت یہ تھی کہ مبادا لوگ غلطی میں نہ پڑ جائیں اور تعظیم کر کے اعتقاد نفع و ضرر کا نہ
کر بیٹھیں یعنی پوجنے نہ لگیں۔ دیکھئے۔ جس درخت کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ
نے کیا اور جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیعت لی اور
اللہ تعالیٰ اس سے ایمان والوں سے راضی ہو گیا اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نشستگاہ تھی اور لوگ وہاں جا کر نماز پڑھتے تھے کوئی برا فعل نہ

تھا مگر تاہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال سے کہ مبادا لوگ یہاں کسی زمانہ
میں اس مکان کی پوجا شروع کر دیں۔ حالانکہ کچھ نفع و ضرر کا ہونا نہ تصور کر بیٹھیں
اس لئے اس کو منہدم کروا دیا اور جگہ مخفی کرا دی یہ ہے۔ حقیقت اسلام یعنی لا الٰہ الا اللہ
کا مطلب ہے یعنی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر عمل لہذا جو جو امور ایسے ہوں ان
کو ضرور مٹا دینا چاہیے اور سلطان عبد العزیز ابن سعود خلد اللہ ملکہ و صانہ اللہ عن الآفات
نے جو ستون قبریں توڑیں نہ اصل مسجد ڈھائیں یہ بالکل جھوٹ اور بہتان ہے جس میں
حجاج سے اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔ اور بعض اخبارات میں بھی صحیح حالات شائع ہو چکے
ہیں۔ ہاں ممکن ہے، بعض مساجد کے کسی حصے میں لوگوں نے کچھ پاکھنڈ روپے وصول
کرنے کے لئے بنا رکھا ہوا اور اس کو توڑتے میں کہیں کچھ مسجد کے حصے پر بھی غلطی سے
کچھ نقصان آ گیا ہو۔ ایک دو یا دو واقعہ ایسا سننے میں آیا ہے اس کی تلافی انشاء اللہ ہو گی
سلطان نے اس کا وعدہ کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جن کو لوگ قبے کہتے جب
سمجھیں کر ڈھا دیئے۔ وہ قبریں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر حضرات کی پیدائش
کے مکانات مشہور تھیں کچھ بھی غلط سلط قبے بنا کر اس کے اندر تابوت بیچ طرح
چوکٹے میں بنا رکھے تھے۔ ان کو لوگ چومتے چاٹتے بوسہ دیتے پیٹھ ہاتھ ٹیکتے
سجدہ کرتے تھے۔ بعض قبے ان میں غیر مسلموں کے بھی تھے جیسے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے والدین ابو طالب عبد المطلب۔ ایسے ہی عرفات میں ایک منار بنا
رکھا تھا جس کے چاروں طرف نماز پڑھتے تھے۔ اور لوگ زیارت کرتے تھے۔ اور مجاور
اس کے ذریعہ سے دام وصول کرتے تھے۔ غرض ایک اور نیا کعبہ بنا رکھا تھا سلطان
ابن سعود خلد اللہ ملکہ نے ایسے مکر و فریب کے داموں اور خلاف شرع امور کو
اٹھا دیا ہے۔ جن بات یہ ہے۔ اور کچھ نہیں۔ ہاں کسی سپاہی سے اگر کچھ غلطی ہو گئی
ہو تو سلطان اس سے بری الذمہ ہیں اور نجد کے متعلق جو سوال ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ یہ لوگ سلطان عبد العزیز خلد اللہ ملکہ وغیرہ نجدی ہیں اور بنی تمیم سے

کو سنا کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ نے اپنے ہاتھ کو مشرق کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے عنقریب ہے آئیگا جہاں سے دو گروہ شیطانی فتنہ ظاہر ہونگے اور تم ایک دوسرے کی گردن مارتے ہو۔ اس سے بخاری کی اس حدیث کی صاف تفسیر ہو گئی کہ نجد سے زلزلے اور فتنے اور شیطانی گروہ ظاہر ہوگا وہ نجد عراق ہے۔ علاوہ اس سے بھی واضح تر طبرانی کبیر میں ابن عباسؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اللھم بارک لنا فی صاعنا ومدنا وبارک لنا فی مکتنا ومدینتنا وبارک لنا فی شامنا ویمننا فقال رجل وعراقنا قال ان بھا قرن الشیطان وتھیج الفتن وان الجفاء بالمشرق انتھی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال جلد ۷ صفحہ ۱۴۲ حاصل یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے صاع کے بارے میں اور شام اور یمن کے بارے میں برکت کی دعا مانگی تو ایک شخص نے عرض کیا اور ہمارے عراق کیلئے بھی فرمایئے آپ نے فرمایا کہ وہاں شیطانی گروہ اور فتنے نکلا ظاہر ہوتا ہے۔ اور ظلم مشرق میں ہے نیز مستدرک حاکم میں حسنؓ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی مدینتنا اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا فقال له رجل یا رسول اللہ فالعراق فان فیھا میرتنا وفیھا حاجتنا فسکت ثم اعاد علیه فسکت فقال بھا یطلع قرن الشیطان وھناک الزلازل والفتن انتھی کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۴۲۔ یعنی حسنؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور شام اور یمن کے لیے دعائے برکت فرمائی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ عراق کے لیے بھی دعا کیجئے کہ اس میں ہمارا غلہ اور ہماری حاجت ہے۔ تو آپ نے سکوت فرمایا سائل نے پھر سوال کیا آپ نے پھر سکوت فرمایا پھر فرمایا کہ اس میں یعنی عراق میں شیطانی گروہ ظاہر ہوگا اور وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے عن ابی شیبة قال اراد عمر ان یاتی العراق مصر امن الامصار فقال له کعب لا تاتی العراق فان فیه تسعة اعشار الشر انتھی مصنف ابن ابی شیبة کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۴۲ حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام شہروں کی سیر کرنی چاہی تو کعب بن احبارؓ نے کہا آپ عراق میں مت جائیں اس لیے کہ اس میں نو حصے شر ہے۔ وعن ابی ادریس قال قدم علینا عمر بن الخطاب الشام فقال انی ارید ان آتی العراق

فقال له كعب لا افعل اعيذك بالله يا امير المؤمنين من ذلك قال وما تكره من ذلك قال بها تسعة اعشار الشر وكل داء عضال وعصاة الجن وهاروت وماروت وبها باض ابليس وفرخ انتهى منتخب كنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۴۵ - حاصل یہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب عراق آنے کا ارادہ کیا تو کعب احبار نے کہا یا امیر المومنین اللہ آپ کو عراق سے محفوظ رکھے حضرت عمرؓ نے کہا اس میں کیا خرابی ہے؟ تو کعب نے جواب دیا کہ اس میں تو فتنے شہر ہے اور ہر سخت بیماری و عیب اسی میں ہے اور نافرمان جن اور ہاروت و ماروت ہیں اور شیطان وہاں انڈے بچے دیئے ہیں اب تو واضح ہو گیا کہ جہاں زلزلے اور فتنے شیطانی گروہ ہو گا وہ نجد عراق ہے۔ اور یہی جیسا کہ صحیح مسلم اور طبرانی اور ابن عساکر اور ابن ابی شیبہ کی حدیثوں سے واضح ہو گیا۔ مزید برآں لکھا جاتا ہے قال الخطابي نجد من جهة المشرق ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة واصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلاف الغور فانه ما انخفض منها وتهامة كلها من مكة من تهامة انتهى فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۳۸ یعنی خطابی نے اسی بخاری کی حدیث کے تحت میں لکھا ہے نجد کس طرف ہے اور جو شخص مدینہ ہو اس کا نجد بادیہ عراق اور اس کے اطراف ہیں۔ اور وہی مدینے والوں کا مشرق ہے۔ اور اصل نجد کا معنے بلند زمین کا ہے۔ جو خلاف غور کا ہے اور غور پست زمین کو کہتے ہیں۔ اور تہامہ سب غور ہے اور مکہ تہامہ سے ہے اور مولانا احمد علی صاحب نے حاشیہ بخاری میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور نیز فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۲ میں جنگ جمل اور صفین و قتل عثمان و قتال نہروان وغیرہ کے بارے میں لکھا ہے۔ واول ما نشأ ذلك من العراق وهي من جهة المشرق انتهى - یعنی ابتداء ان سب فتنوں کی عراق ہے اور وہ مدینہ سے مشرق کی طرف ہے پس اس حدیث میں اور گذشتہ حدیث میں کوئی منافات نہیں بلکہ اتفاق ہے کہ فتنے مشرق یعنی نجد عراق سے اٹھیں گے اور وہی زلزلے ہوں گے اور وہیں شیطانی گروہ ہو گا۔ چنانچہ خارجی، رافضی، معتزلی، ناجی وغیرہ جمیع فرق ضالہ نہیں سے ظاہر ہوئے کیوں نہ ہو جب فتنے شہر عراق میں ہے اور ایک حصہ ساری دنیا میں تو پھر اس سے بڑھ کر فتنہ خیز زمین اور کونسی ہو سکتی

جماعت فقط کتبہ ابو محمد عبد الجبار مدرس مدرسہ حمیدیہ عربیہ دہلی۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب صدر

جمعیۃ العلماء مدرس مدرسہ امینیہ کا فتویٰ

ہو الموفق۔ اونچی قبریں بنانا۔ قبروں کو پختہ بنانا قبروں پر گنبد اور قبے اور عمارتیں بنانا۔ چوب (؟) ڈالنا۔ چادریں چڑھانا نذریں ماننا۔ طواف کرنا۔ سجدہ کرنا۔ یہ تمام امور منکرات شرعیہ میں داخل ہیں۔ شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ان امور سے صراحۃً منع فرمایا ہے۔ احادیث صحیحہ میں اس قسم کے امور کی ممانعت وارد ہے۔ جو شرک یا مفضی الی الشرک ہیں۔ حضور خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں آخری دم تک نہایت اہتمام سے یہ ارشاد بھی فرمایا لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یعنی خدا لعنت کرے یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا اور کتب حدیث میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن میں حضور نے قبروں پر عمارت رکھنے (قبہ) بنانے اور چراغ جلانے سے منع فرمایا کثرت سے موجود ہیں۔ فقہ حنفی میں صراحۃً یہ مسئلہ مذکور ہے۔ کہ قبر کو پختہ نہ بنایا جائے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائی جائے اور صحابہ کرام ائمہ مجتہدین سلف صالحین کا طرز عمل اسی کے موافق تھا۔ قرون اولیٰ میں اس کی کوئی سند موجود نہیں کہ قبروں پر قبے بنائے جاتے تھے یا قبروں کی کوئی ایسی تعظیم کی جاتی تھی جیسی کہ آج کل سے مروج ہے۔ نذر اور طواف اور سجدہ تو عبادات ہیں۔ اور غیر اللہ کے لئے عبادت کی نیت سے ان افعال کو کرنا تو یقیناً شرک ہے اور نیت عبادت نہ بھی ہو تا ہم حرام ہے۔ کوئی تردد نہیں۔ سلطان ابن سعود نے قبے ڈہا دیئے تو ان کے نزدیک چونکہ قبے بنانا ناجائز اور منکر شرعی تھا اس لئے انہوں نے حسب ارشاد نبی من رای منکم منکرا الحدیث اس کا ازالہ کیا معترضین اگر زیادہ سے زیادہ زور لگا کر بعض متاخرین کے قول نقل کردیں تاہم حدیث صریح و تصریحات سلف کے مقابلے میں اور تو یہ اقوال قابل

موجود ہیں۔

(۱) اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ النجد ما ارتفع من الارض والغور ما انخفض منها۔ زمین کے ہر بلند حصہ کو نجد اور پست حصہ کو غور کہتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری کی حدیث ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر مشرق کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا الفتنة ههنا الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان فتنہ اس جگہ سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

(۳) مدینہ منورہ کی سمت مشرق میں عراق اور خلیج فارس کے ساحل والے جزیرۃ العرب کا نقشہ دیکھو۔ طلوع قرن الشیطان کا پہلا مصداق، جسے چالیس سال قبل والی نجدیوں کا حکومت برطانیہ سے معاہدہ تھا اور دوسرا مصداق عراق پر برطانیہ کی حکم برداری ہے۔ جس نے ویل للعرب من شر قد اقترب کی تصدیق کرتے ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرۃ العرب کے متعلق آخری وصیت اور مرکز اسلام کو غیر مسلم اثرات سے پاک رکھنے کی خصوصیت کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) احادیث میں جو کسی حصہ زمین کی مذمت یا تعریف اس سرزمین کے باشندوں کے عملی یا اعتقادی حالت کے لحاظ سے وارد ہے۔ اگر ان کی حالت میں تبدیلی واقع ہو جائے تو اس زمین کی صفت بھی تبدیل ہو جائے گی اگر یہ کہا جائے کہ نجد میں مسیلمہ کذاب جھوٹا نبی پیدا ہوا اس وجہ سے اہل نجد سے تا قیام قیامت کسی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی اور یہ سب و شتم لعن طعن آج بھی افضل عبادت ہے جب کہ خدا کے فضل سے اس سرزمین میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو خدا کیا تھا کسی کو شریک ٹھہرائے تو وجہ معلوم ہونی چاہیے کہ اسود عنسی نبوت کے مدعی کے سبب سے اہل یمن اس لعنت کے مستحق کیوں نہیں ہیں حالانکہ وہ یمن کا باشندہ تھا اور اس طرح منافقین عبداللہ بن ابی، کعب بن اشرف اور دشمن یہود کے باعث جو خدا اور اس کے رسول کے سخت ترین دشمن تھے فضائل مدینہ منورہ پر حرف کیوں نہ آیا اور ابوجہل و ابولہب کے ناپاک وجود نے مکہ مکرمہ کی بزرگی میں فرق کیوں نہ ڈالا اور پھر کیا وجہ ہے کہ تمام

احمد قادیانی کا وجود ہندوستان کے تمام مشنریوں کو خصوصاً پنجاب میں بھی لفظ مجذوب الالقابات کو ملعون اور مطرود کیوں مقرر کرے۔ پس واضح ہوا کہ جن احادیث میں یہ لفظ کے ساتھ مذمت آئی ہے اس کا صحیح مصداق اہل نجد اس وقت تھے جب کہ ان کا خروج اسلام سے اور شرک توحید سے مبدل نہیں ہوا تھا ایک یا چند افراد کی غلط کاری کی یا دائمی طور پر کسی قوم کو مستقل طور پر ملزم اور مجرم قرار دینا اسلامی تعلیم کے لحاظ سے کسی طرح بھی درست نہیں مختصراً تحریر کیا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہمارا۔ باری واللہ اعلم وعلمہ اتم

الجواب صحیح۔ نور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی۔

صحیح الجواب محمد اسحاق عفی عنہ دہلی

مطبوعہ فتاویٰ علماء کرام

پس از تبلیغ اسلام ہدیہ سنت جناب حضرت مجراز امام علیہ الصلوٰۃ والسلام واشتیاق زیارت ایشاں پذیر میشود، کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ودیگر علماء متفقط بر نقص مسئلہ مذکورہ اکتفا فرمودہ اند تناسخ تحریر فرمودہ اند وعبارت ناقل گنگوہی این است۔

الجواب تصور قول کہ مسئلہ تناسخ است نزد اہل سنت والجماعت باطل است ونسبت آن بحضرت شیخ ... بابا فرید گنج شکر پاک پتی علیہ الرحمۃ۔ محض دروغ است ومدعی این نسبت واین مذہب محض جہال است تصدیق وعوام نارواست واقوالش محض شطار ازانکہ مسئلہ تناسخ در جملہ کتب کلام مردود است وکذب این بیان با شارات آیات واحادیث بین وبدیہی است چنانکہ از نقل روایات نیز لہذا بر نقص مسئلہ اکتفا کردہ شد۔ واللہ تعالیٰ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ [رشید احمد]

الجواب ھو الموفق للصواب۔ منکرین قیامت وبعث وحشر دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کا عقیدہ وقول یہ ہے کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا نہیں ہے، نہ قالب اول میں اور نہ قالب آخر میں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کے اس عقیدہ وقول کو بیان فرماتا ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ۔ یعنی بس ہماری پہلی موت ہے۔ جو ہم مرے بس پھر ہم زندہ ہو کر اٹھائے جانے والے نہیں ہیں اور دوسرے مقام میں فرماتا ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۔ یعنی ہماری یہی دنیا ہی کی زندگی ہے پھر ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔

اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو تناسخ کے قائل ہیں جن کا عقیدہ ومقولہ یہ ہے کہ ہم اسی دنیا میں زندہ ہوتے ہیں۔ پھر مرتے ہیں کبھی قالب اول میں مر کر زندہ ہوتے ہیں اور کبھی قالب آخر میں اس دنیا کی زندگی کے سوائے اور کوئی زندگی ہماری نہیں ہے اللہ تعالیٰ سورہ جاثیہ میں ان کے عقیدہ ومقولہ کو بیان فرماتا ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُھْلِکُنَا اِلَّا الدَّھْرُ ...... اور سورہ مومنون میں فرماتے ہیں اِنْ ھِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۔ چونکہ یہ دونوں قسم کے منکرین قیامت انکار

چونکہ تناسخ چونکہ تناسخ کے مسئلہ کو علم کلام کی تمام کتابوں میں بیان کیا گیا ہے ... [illegible] آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے۔
اور جھوٹا ... [illegible] ... اکتفا کیا ہے ... رشید احمد گنگوہی۔
... ہماری یہی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے ہم مرتے ... [illegible] ... ۱۲

حیات اخروی میں ہم عقیدہ و متفق اللسان ہیں اس لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے دو قسم کے لوگوں کا ایک طریقہ سے جواب دیا ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۔ یعنی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارے گا پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کرے گا جس میں کچھ شک نہیں ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ دنیا کی زندگی کے بعد مرنا ہے۔ پھر مرنے کے بعد قیامت کے دن سب کو زندہ ہو کر جمع ہونا ہے۔ پس اس سے قیامت کا بھی ثبوت ہوا اور اس بات کا بھی ثبوت ہوا کہ مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں زندہ ہونا نہیں ہے۔ بلکہ قیامت ہی کے دن اٹھنا ہے۔ چنانچہ اس آیت نے دونوں قسم کے منکرین کی صاف تردید کر دی ہے سورہ طٰہٰ میں فرمایا ہے مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۔ یعنی ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں تم کو پھر لوٹائیں گے۔ اور اسی سے پھر دوسری بار تم کو نکالیں گے۔ اس آیت نے بھی دونوں قسم کے عقیدہ و مقولہ کو صاف باطل کر دیا۔ اور تناسخ کو بھی صاف اڑا دیا۔ سورہ بقرہ میں فرماتا ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۔ یعنی کیونکر تم اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ سو اس نے تم کو زندہ کیا پھر تم کو مارے گا۔ پھر جلائے گا۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے سورہ یٰسین میں فرماتے ہیں۔ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۔ قرآن مجید میں اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ جن سے تناسخ کا بطلان آفتاب کی طرح روشن ہے تناسخ کا بطلان احادیث سے بھی ثابت ہے جن سے صدقات و خیرات وغیرہ دعا وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچنا ثابت ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا کہ بقالب تناسخ لوگ زندہ ہی رہا کرتے۔ تو ان پر نہ میت کا اطلاق ہوتا۔ اور نہ ثواب پہنچتا۔ نیز ان احادیث سے بھی تناسخ

۱؎ ہماری یہ صرف دنیا ہی کی زندگی ہے جو ہم مرتے بھی رہتے ہیں اور زندہ بھی ہوتے رہتے ہیں اور قیامت کو اٹھائے نہیں جائیں گے ۱۲

۲؎ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک کافر جاہل بوسیدہ ہڈی کو لے کر آیا۔ کہنے لگا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ آپ نے جواب دیا کہ ان کو وہ اللہ زندہ کرے گا۔ جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور وہ پیدائش کے تمام طریقے جانتا ہے ۱۲

خدا حاضر ناظر ہے تو وحی کہاں سے آتی ہے؟

سوال: جب خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ بھی ہے تو وحی کہاں سے اترتی تھی؟

جواب: خدا علم قدرت کے ساتھ ہر جگہ ہے بذات عرش پر ہے اور آیت کریمہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ میں علم مراد ہے یا فرشتے جیسے کہتے ہیں فلاں بادشاہ فلاں بادشاہ سے لڑ رہا ہے حالانکہ لڑائی فوج کی ہوتی ہے۔ اگلے فرشتوں کا ذکر ہی ہے جو اعمال لکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۔ یعنی ہم اس وقت شاہ رگ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جب دو لینے والے لیتے ہوتے ہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ [illegible]

مسئلہ حاضر و ناظر

سوال: ایک شخص آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے استدلال کرتا ہے کہ انبیاء کو علم غیب ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ رسول حاضر ناظر ہے اور دلیل یہ دیتا ہے۔ آیت وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا، وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا سے رسول شاہد و شہید ہیں شہود یعنی حضور اور شہادت یعنی حضور اور شہادت یعنی رویت ہیں اس کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے؟

جواب: اس شخص نے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پر عمل کیا ہے وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى چھوڑ دیا ہے۔ آیت لِيُظْهِرَ سے پہلے یہ الفاظ ہیں۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ترجمہ: اے نبی کہہ دے مجھے کوئی پتہ نہیں کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے کچھ مدت مقرر کر دی ہے۔ ان الفاظ کو آیت لِيُظْهِرَ سے ملا کر یہ مطلب ہوا کہ رسول کو کسی بات کا علم ہے اور کسی بات کا پتہ نہیں پس جتنا خدا نے ظاہر کر دیا اتنا ہی علم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

انبیاء واولیاء سے بعد وفات فیوضات روحانی

سوال: انبیاء اولیاء سے بعد وفات فیوضات روحانی حاصل ہوتے ہیں یا نہیں؟ بہت مرتبہ خوابات کے ذریعہ اہل اللہ نے فیوض روحانی پہنچائے ہیں۔ اور کیا اس کا انکار ایک تواتر کا انکار ہے۔ اور کیا اس کا امکان شرعاً ہو سکتا ہے؟ اموات کے لئے سماع وادراک احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: فیض روحانی جس کے اہل حدیث قائل ہیں کہ ان سے استفادہ دو طرح کی جاتی ہے یہ فقط یہی ہیں خوابات میں ملاقات سے انکار نہیں، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے۔ مسائل بھی دریافت کر لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے بزرگ بھی ملتے ہیں مگر یہ شئے اختیاری نہیں۔ جب خدا چاہتا ہے ایسا ہوتا ہے۔ کچھ عام طور پر خوابوں کی حالت ہے۔ اور بعض دفعہ شیطانی دھوکے بھی ہوتے ہیں اس لئے یہ کوئی یقینی دعویٰ والی شئے نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اگرچہ شیطان نہیں آ سکتا مگر پیدا ہے کہ کس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمیز کر سکے اور اگر شاذ و نادر کسی کو معلوم ہو اور اس کو پوری تسلی ہو جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو پھر انکار ہو سکتا ہے مگر خدا جس کو یہ درجہ دیتا ہے وہ عموماً اپنی حالت کو چھپاتے ہیں اس لئے عام دعویٰ کرنے والوں کے دھوکہ میں نہ آنا چاہیے

عبداللہ امرتسری روپڑی صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۳۴ء

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۱۵۵

کچا حمل

سوال: جو روحیں داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ ان کا روح پیدا کیا گیا ہے یا نہیں اور وہ روز حساب زندہ ہو کر جنت یا دوزخ میں جائیں گے یا نہیں؟ اگر ان کا روح پیدا کیا گیا تو جسم طفل کو بعض دفعہ قریب پورا ہو چکا ہوتا ہے اس کے لئے پیدا کرتے سے کیا فائدہ ہے کیا یہ اکارت جائے گا!

خاکسار محمد فرید متعلم

الجواب: اس کا جواب قرآن مجید نے دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی پیدائش

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس حدیث کی صحت کے بارہ میں کہ اللہ عزوجل نے سب سے اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو پیدا کیا۔ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ۔ اور تمام مخلوق کو اس نور سے پیدا کیا گیا کہ مدارج النبوت میں یہ وارد ہے

قولہ: چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ وَبِنُوْرِيْ تَكَوَّنَتْ عُلْوِيٌّ وَسُفْلِيٌّ وزاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ ارواح واشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت ودوزخ وملک وفلک وانس وجن وآسمان وزمین وبحار وجبال واشجار وسائر مخلوقات الی آخرہ۔

کیا یہ اعتقاد رکھنا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اللہ عزوجل کے نور سے پیدا ہوا ہے از روئے شریعت مطہرہ مذہب محدثینؒ کی رو سے یہ روایت صحیح ہے؟

عبدالحق خریدار تنظیم

جواب: یہ حدیث أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ کے متعلق مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی کے رسالہ الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ کے صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ ثابت نہیں۔ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔

يَا جَابِرُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ یعنی خدا نے اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے اس میں تمام عالم علوی وسفلی کا اس نور سے پیدا ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب نے الآثار المرفوعہ کے صفحہ ۴۲ میں بحوالہ فتاویٰ ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع اور جھوٹ ہے۔ تاریخ ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں ابن تیمیہؒ کی بات کو نقل کرکے قائم رکھا ہے گویا وہ بھی اس میں متفق ہیں کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع ہے۔ اگر اس مسئلہ کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ نور محمدی کا مطالعہ کریں۔

عبداللہ امرتسری

۲۶ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۳۹ء (فتاویٰ روپڑیہ)

اتقوا فراسۃ المؤمن کا مطلب؟

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ (رواہ الترمذی) یعنی مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور الٰہی کے ذریعے سے علم مغیبات نہیں رکھتے۔ حالانکہ آپ مجمع النورین تھے۔ ایک نور نبوت اور دوسرا نور ایمانی۔ چنانچہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس کو وہ بات بتائی جو انہوں نے اپنی بیوی ام الفضل سے کہی تھی۔ بدر کے دن جب انہوں نے فدیہ یوم بدر دینے سے عذر کیا۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ علم مغیبات رکھتے تھے اور آپ عالم الغیب تھے۔

جواب: فراست کے معنی ہیں کہ کسی کے رنگ ڈھنگ سے کسی بات کا پتہ لگا لینا سو یہ بہت محدود علم ہے۔ پھر علم غیب کی قسم سے بھی نہیں۔ چنانچہ نمبر اول کے جواب میں علم غیب کی تعریف ظاہر ہے قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (پ ۲۶ رکوع ۷) یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو منافقوں کو طرز بات ہی سے پہچان لے گا۔

دوسری آیت میں ہے وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (منافقون) اے محمد! جب تو منافقوں کو دیکھتا ہے۔ تو ان کے جسم تجھے تعجب میں ڈالتے ہیں۔ اور اگر بات کرتے ہیں تو ان کی بات کو سنتا ہے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں دیوار سے کھڑی کی گئی ہیں۔

تیسری آیت میں ہے وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱ ع ۳) یعنی اہل مدینہ سے کئی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے محمد تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔ پہلی آیت میں پہچان کا ذکر ہے دوسری میں ذکر ہے کہ تو ان کے جسم دیکھ کر ان کو شریف سمجھ کر ان کی بات توجہ سے سنتا ہے حالانکہ وہ کیسے ہیں۔ جیسے دیوار سے کھڑی لگائی لکڑیاں بے کار ہیں۔ تیسری آیت میں صاف ہے کہ کئی منافقوں کا تجھے علم نہیں حالانکہ مدینہ میں بستے ہیں تو سب منافقوں کا کیونکر علم ہو سکتا ہے کہ سب کا علم

حالات مختلف ہیں کہ باقی انسانوں کی طرح ان میں صرف کمی بیشی کا فرق ہے کسی کی فراست زیادہ تیز ہے۔ عقلیں اور قیافہ وغیرہ کا فرق ہے بعض کی فراست قوت ایمانی کی وجہ سے نہایت زیادہ تیز ہو اور کسی کی قوت ایمانی کم ہو پھر ان کی کمی بیشی کے لحاظ تجربات سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لینا چاہیے۔ اگرچہ آپ کی فراست نہایت تیز ہے مگر بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ چنانچہ تحریر آیات سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو علم محدود ہے ہر شے کا علم نہیں۔ دوم علم غیب کی قسم سے نہیں۔ بلکہ اسباب ظاہرہ سے حاصل ہے۔ سوم اس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ فراست ظنی ہے یقینی نہیں کہ صائب ہو۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ چنانچہ سورۃ حشر کے شان نزول کا واقعہ اس قسم کا ہے جس میں ذکر ہے کہ یہود نے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا۔ اور اوپر سے پتھر پھینک کر آپ کا کام تمام کرنا چاہا۔ مگر جبریل نے آ کر اطلاع کر دی۔ اس موقعہ پر ظاہر ہے کہ آپ کی فراست اور آپ کے ساتھیوں کی فراست کچھ کام نہ کر سکی بلکہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ پس اس کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

عبداللہ امرتسری ۱۰ ربیع الاول

فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص ۲۲۲

مطبوعات

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فتاوی علماء حدیث

جلد اول کتاب الطہارت
جلد دوم کتاب الصلوۃ حصہ اول } ۲۵/-

جلد سوم کتاب الصلوۃ حصہ دوم
جلد چہارم کتاب الصلوۃ حصہ سوم } ۳۵/-

جلد پنجم کتاب الجنائز ۳۵/۰۰

جلد ششم کتاب الصیام ۳۵/۰۰

جلد ہفتم کتاب الزکوۃ
جلد ہشتم کتاب الحج } ۴۵/۰۰

جلد نہم کتاب الایمان و العقائد حصہ اول ۴۰/۰۰

جلد دہم کتاب الایمان و العقائد حصہ دوم

زیر طبع

حج نبوی

اسلامی تعلیمات

الادعیۃ الماثورہ

تلقین لعمارہ الاحکام الاشارہ عربی

قربانی کے جانوروں کی عمروں کا مسئلہ
ایک تحقیقی مقالہ

فلسفہ قربانی پر ایک نظر

الجالۃ النافعہ عربی

مسلک حق ثبانی

اسلامی شکل و صورت عرف داڑھی و مونچھ

اسلامی قاعدہ اردو

[illegible] تفسیر

تعلیم الصلوۃ مع شرح

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد صاحب سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ
اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الایمان

دہم

ترتیب

ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

بحسن اہتمام

عبد اللطیف ربانی

ناشر

مکتبہ اصحاب الحدیث

حافظ پلازہ مچھلی منڈی

بالمقابل جلال دین ہسپتال نیو اردو بازار لاہور

ماخذ فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الایمان (جلد نہم)

فتاویٰ نذیریہ دہلی ——— فتاویٰ مجلہ الاعتصام لاہور

اخبار اہل حدیث امرتسر ——— فتاویٰ اخبار اہل حدیث سوہدرہ

اخبار اہل حدیث دہلی ——— تنویر العینین شیخ حسین محسن انصاری بھوپال

فتاویٰ اہل حدیث روپڑی لاہور ——— صحیفہ اہل حدیث کراچی

فتاویٰ غزنویہ امرتسر ——— فتاویٰ اخبار اہل حدیث لاہور

فتاویٰ ستاریہ ——— رسالہ محدث دہلی

فتاویٰ رد شرک و بدعت ——— رسالہ فی مسئلہ علو اللہ تعالیٰ

نام کتاب ——— (جلد نہم) ——— فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الایمان

نام مرتب ——— ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت ——— مولوی نذیر احمد خوشنویس چک ۶۶ بورے والا

طباعت ——— المطبعۃ العربیہ پرانی انارکلی لاہور

حقوق طبع ناشر ——— (۲۰۱۱ء) ——— تمیم احمد ناز

طباعت اول ——— رجب المرجب ۱۴۰۰ھ مطابق مئی ۱۹۸۰ء

طباعت دوم ——— جنوری 2011ء

قیمت کامل سیٹ ——— 6400 روپے

تعداد ——— 300

ناشر: مکتبہ اصحاب الحدیث
حافظ پلازہ مچھلی منڈی
0 4 2 - 3 7 3 2 1 8 2 3
0 3 0 1 - 4 2 2 7 3 7 9

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث جلد دہم

باقی بر صفحہ آئندہ

علم غیب: آنحضرت کو علم غیب ذاتی ہے یا وہبی۔ علم غیب کی تعریف

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ذاتی تھا یا وہبی؟ اور علم غیب کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟

جواب: غیب بمعنی مغیب ہے۔ جیسے خلق بمعنی مخلوق اس کے معنی پوشیدہ شے کے ہیں۔ اس کے علم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا علم اسباب عادیہ سے ہو۔ دوم یہ کہ اسباب غیر عادیہ سے ہو۔ ان دونوں کا حکم الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ اس سے علم غیب کی تعریف بھی واضح ہو جائے گی۔ اور اس کے ضمن میں ذاتی وہبی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اول الذکر کا بیان | اول الذکر علم غیب نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (پ ۲۰) کہہ دے آسمان و زمین میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت میں فرمایا ہے۔ کہ پوشیدہ شے کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ حالانکہ بہت سی پوشیدہ اشیاء ہیں۔ کہ ان کو خدا کے سوا دوسرے بھی جانتے ہیں۔ مثلاً کسی کے پیٹھ کے پیچھے کوئی شے پڑی ہو۔ تو وہ اس سے پوشیدہ ہے۔ اگر وہ اس کو مڑ کر دیکھے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کان میں سونا چاندی وغیرہ پوشیدہ ہے۔ جب انسان کان کھودتا ہے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ تو اگر پوشیدہ شے کا علم مطلقاً علم غیب ہو تو پھر یہ بھی علم غیب ہونا چاہیے۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیت صاف ہے کہ پوشیدہ کا علم صرف خدا کو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پوشیدہ کا علم ایسے اسباب سے ہو جو عام عادت کے موافق ہیں تو اس کو شرعاً علم غیب نہیں کہتے۔

ثانی الذکر کا بیان | قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (پارہ ۲۹ رکوع ۱۲) کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ قریب ہے یا خدا اس کے لئے کوئی مدت کر دے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں

کرتا مگر جس کو پسند کرے رسول سے لیں بے شک خدا تعالیٰ اس کے آگے پیچھے پہرے دار چلاتا ہے تاکہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔ اور خدا نے جو کچھ ان کے پاس ہے گھیر لیا ہے اور گنتی کی مدد سے ہر شے پر قابو پا لیا ہے۔

یہ آیت بظاہر پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ علم غیب سوا خدا کے کسی کو نہیں اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع کر دیتا ہے اور دونوں آیتوں میں موافقت یوں ہوتی ہے کہ فرق کیا ہے کہ پہلی آیت میں علم غیب سے مراد ذاتی ہے۔ یعنی بغیر کسی کے دیئے کے ہے۔ اور دوسری آیت میں وہبی ہے یعنی خدا کے دینے سے ہے۔ ہم کہتے ہیں وہبی سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے کہ جیسے ظاہری آنکھیں ہیں۔ اس طرح رسول کے لئے خدا تعالیٰ باطنی آنکھیں کر دیتا ہے جن سے ہر شے کے لئے رسول پر علم غیب ظاہر ہو جاتا ہے جیسے خدا تعالیٰ کے لئے سب کچھ ظاہر ہے۔ تو یہ اس پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ تفسیر خازن وغیرہ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے

نزلت في المشركين حين سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت الساعة (خازن جلد ۲ ص[illegible])

یہ آیت مشرکوں کے بارہ میں اتری ہے جب کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت سے سوال کیا۔ اس شان نزول سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہ تھا۔ وہبی اور غیر وہبی۔ کیونکہ سوال وہبی ذاتی نہ تھا۔ بلکہ ان کا سوال مطلقاً تھا جس کے جواب میں کہا گیا کہ خدا کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔ اور اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

من زعم انه صلى الله عليه وسلم يخبر الناس بما يكون في غد فقد اعظم على الله الفرية والله يقول قل لا يعلم الآية (تفسیر فتح البیان ج ۹ ص[illegible] بحوالہ بخاری مسلم وغیرہ)

جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات کی خبر دیتے ہیں۔ اس نے خدا پر بڑا افترا کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ۔
یعنی آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا

ظاہر ہے کہ کل کی بات جاننے یا خبر دینے کے لئے وحی کا علم کافی ہے۔ جس سے سب کچھ منکشف ہو جائے گا ذاتی کی ضرورت نہیں۔ پس اس پہلی آیت سے معلوم ہوا۔ کہ اس قسم کا وحی علم مراد لینا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ دوسری آیت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں عذاب قریب یا دور ہونے سے بے خبری کا ذکر ہے نیز وحی کا ذکر ہے جس کے ساتھ پھر بیدار ہوتے ہیں۔ گویا جیسے آپ بے خبر ہیں جب کسی بات کی بابت وحی ہو جاتی ہے تو علم ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات و واقعات اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

اول۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱ ع ۲)

کئی لوگ اہل مدینہ سے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں

دوم۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (پ ۹ ع ۱۳)

اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔

سوم۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (پ ۱۰ ع ۱۳)

خدا نے تجھے معاف کر دیا۔ تو نے ان کو کیوں اجازت دی یہاں تک کہ تیرے لئے سچے ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو تو جان لیتا۔

اس قسم کی آیات و واقعات بہت ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگنے کا واقعہ جو سورۃ نور میں مذکور ہے۔ اور شہد وغیرہ کا واقعہ جو سورۃ تحریم میں مذکور ہے یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا ذاتی علم نہیں۔ کہ خدا نے اس کے باطن کو اس طرح بنا دیا ہو کہ جیسے خدا پر کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اس پر بھی پوشیدہ نہ ہو۔

اور اگر وحی سے یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی رسول کو مطلع کر دیتا ہے۔ تو بے شک یہ دوسری آیت کا مطلب ہے۔ لیکن اس صورت میں رسول پر دوسرے انسانوں کی طرح غیب پوشیدہ ہوگا۔ ہاں کسی بات کے متعلق وحی ہو جائے اس کا علم ہوگا۔ اگر وحی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ اس قسم کا وحی سب مانتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے انکار ہے نہ کسی اور کو پس اس میں تو نزاع ہی فضول ہے۔ ان تمام کا جھگڑا یہ ہے کہ کوئی اس کا نام علم غیب رکھتا ہے اور کوئی نہیں رکھتا۔ تو یہ لفظی اختلاف ہے۔ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں۔ کیونکہ یہ محض لفظی اختلاف ہے۔ مطلب میں سب متفق ہیں۔ اس کو اہمیت نہ دینی چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے

اس دنیا کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ خواہ اس کا نام کوئی علم غیب نہیں رکھے یا علم غیب سے خارج کر کے صرف علم
سے موسوم کرے۔ اگر اس کو علم غیب وہبی کہا جائے تو اس صورت میں علم غیب کی تعریف ہوگی۔ پوشیدہ شئے کا
علم بذریعہ اسباب عادیہ نہ ہو۔ اگر اس کو علم غیب وہبی نہ کہا جائے۔ تو پھر علم غیب کی تعریف مذکورہ میں
اتنا اضافہ کرنا پڑے گا کہ کسی کے بتلانے سے بھی نہ ہو خواہ بتلانے والا وحی ہو یا غیر وحی۔ بعض لوگ علم
غیب کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ پوشیدہ شئے کا علم جو بذریعہ حس و عقل نہ ہو۔ یہ تعریف اگرچہ صحیح ہو سکتی ہے۔
مگر جو لوگ بذریعہ وحی حاصل ہونے والے کو بھی علم غیب کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ وحی
کے ذریعہ جو کچھ آتا ہے اس کا طریق اکثر حس (سماع) وغیرہ ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد اول ص ۲۰۳)

علم مطلق یا مطلق علم

سوال: ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مطلق تھا۔ یا مطلق علم۔ نیز آپ کا علم حضوری تھا یا حصولی؟

جواب: یہ سوال اول میں گزر چکا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے علم نہیں کہ خدا نے آپ
کی طبیعت ہر شے کے لئے شیشہ بنا دی۔ اور جیسے شیشہ پر ہر شے روشن ہے۔ اسی طرح آپ پر بھی روشن ہو بلکہ
آپ کا علم بذریعہ وحی ہے۔ جب وحی ہوتی ہے۔ تو آپ کو علم ہوتا ہے۔ اگر وحی نہ ہو تو علم نہیں ہوتا۔ مثلاً قیامت
کا آپ کو علم نہیں کہ کب ہوگی۔ اسی طرح اور کئی باتوں کا علم نہیں۔ چنانچہ نمبر اول میں بیان ہو چکا ہے۔ پس آپ
کو مطلق علم ہے۔ یعنی اشیاء کا علم ہے۔ نہ علم مطلق یعنی علم کلی۔

منطقی طریق: اگر منطقی طریق سے سمجھنا چاہیں۔ تو یوں سمجھئے کہ کلی کے تین مرتبے ہیں۔ (۱) بشرط
شئی (۲) بشرط لاشئی (۳) لابشرط شئی۔ پہلا مرتبہ خصوص کا ہے۔ دوسرا عموم کا۔ تیسرا جامع بین الخصوص
والعموم ہے۔ پہلے کی مثال حیوان بشرط ناطق دوسرے کی مثال حیوان بشرط لاناطق تیسرے کی
مثال مطلق حیوان یعنی کہ ساتھ ان دونوں شرطوں سے کوئی نہیں۔ اس تیسرے پر خصوص کے
احکام بھی جاری ہوتے ہیں۔ اور عموم کے بھی مثلاً زید مر جائے۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مر گیا
اگر حیوان کے تمام افراد انسان وغیرہ مر جائیں تو بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مر گیا۔ یہی وجہ ہے کہ

مرتبہ موہم اجتماع نقیضین کو ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ حیوان زندہ بھی ہے اور نہیں بھی زندہ اس لئے کہ زید زندہ ہے
اور نہیں اس لئے کہ عمرو مرگیا ہے۔ کیونکہ جب خصوص عموم دونوں کے احکام اس میں جاری ہوتے ہیں۔ تو ایک
فرد کا ایک حکم اور دوسرے کا دوسرا حکم دونوں اس پر جاری ہوں گے اور یہی وجہ ہے کہ جہاں محقق عموم کا
محل ہوتا ہے۔ بہت علماء وہاں اس کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بشرط لاشئی کو لیتے ہیں۔ مثلاً جب کسی شے کی تعریف
یا تقسیم کرنی ہو۔ تو معروف کو یا مقسم کو کس مرتبہ میں اعتبار کریں گے۔ میر زاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ بشرط لا اور دوسرا تیسرا
معتبر ہوگا۔ اور قاضی مبارک وغیرہ کہتے ہیں۔ بشرط لا تجرد کا مرتبہ ہے۔ جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے اور قضیہ طبعیہ میں
حکم افراد کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس لئے تقسیم وغیرہ کے موقع پر بشرط لا معتبر نہیں۔ بلکہ یہی تیسرا مرتبہ لا بشرط
شئی معتبر ہوگا۔ اور موضوع علم جس کے عوارض ذاتیہ سے علم میں بحث ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی تنازع ہے
بلکہ ہر عموم کے محل میں یہی جھگڑا ہے۔ میری تحقیق اس میں کچھ اور ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں خلاصہ
اس کا یہ ہے۔ کہ فریقین کی نزاع لفظی ہے۔ جیسے کل کے تحتے فرد۔ تخصیص میں فرق کرتے ہیں۔ کہ فرد میں قید
تقیید دونوں داخل ہوتی ہیں۔ جیسے مطلق مقید اور حصہ میں صرف تقیید داخل ہوتی ہے۔ جیسے فرس زید
تخصص میں دونوں خارج ہوتی ہیں۔ جیسے زید اس طرح بشرط لا میں اگر قید عنوانی میں داخل ہو۔ اور معنون سے
خارج ہو تو اس صورت میں عموم کے موقع پر بشرط لا معتبر ہونا چاہیے۔ کیونکہ عموم کے موقع پر خصوصی
احکام سے کوئی تعلق نہیں۔ کہ لا بشرط شئے کی ضرورت ہو۔ بلکہ صرف عمومی احکام کے افراد کی طرف منتقل
ہونے کی ضرورت ہے۔ سو یہ اس صورت میں حاصل ہے اگر لا بشرط شئے کا اعتبار کریں۔ تو اس میں اجتماع
نقیضین کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ لا بشرط شئی خصوصی احکام کا بھی محتمل ہے۔ جو عموم کے موقع پر معتبر نہیں
اور اگر بشرط لا میں قید عنوان معنون دونوں میں داخل ہو۔ تو یہ تجرد کا مرتبہ ہے تو اس صورت میں
عموم کے موقع پر لا بشرط شئی معتبر ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس وقت بشرط لا کے احکام افراد کی طرف
منتقل نہیں ہوں گے۔ جیسے الحیوان جنس والانسان نوع وغیرہ۔ غیر فریقین کی نزاع کا ذکر تو
یہاں بالتبع تھا۔ ہمارا اصل مقصد کلی کے تین مراتب کی توضیح ہے۔ سو اس تفصیل سے کافی ہو چکی
ہے۔ اب علم کو لیجئے۔ یہ بھی ایک کلی ہے اس کے لئے بھی یہی تین مرتبے ہیں۔ بشرط شئی تو ایک معین
شے کا علم ہے۔ جیسے قیامت کا علم یا کسی کی موت کا علم وغیرہ اور لا بشرط شئی نفس علم یعنی

میں احتمال ہے کہ بعض کا علم ہو یا کل کا ہو گویا قضیہ مہملہ کا موضوع ہے جو جزئیہ کی قوت میں ہے کیونکہ بعض ہر صورت میں ضروری ہیں۔ اگر بعض ہوئے تو ظاہر ہے اگر کل ہوئے۔ تو اس کے ضمن میں بعض آ گئے یہی مطلق الشئ ہے اور بشرط لا شئ کل اشیاء کا علم ہے۔ جو قضیہ کلیہ کا موضوع ہے اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اشیاء کا علم ہے۔ نہ کل کا پس آپ کا علم مطلق العلم تھا نہ العلم المطلق۔ ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ ہمارا علم بھی مطلق العلم ہے تو پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہوا اس کا جواب یہ ہے۔ چونکہ مطلق العلم میں چونکہ علم بالوحی بھی داخل ہے۔ اس لئے آپ اور ہم میں فرق ہو گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ (پ ۱۶ ع ۳) یعنی اے نبی کہہ دے میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ صرف میری طرف وحی ہوتی ہے۔

اس آیت سے معنوی اور صوری کا سوال بھی حل ہو گیا۔ کیونکہ جب آپ ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ہمارا علم اپنے نفس اور اس کے صفات سے حضوری ہے اور دیگر اشیاء سے حصولی ہے۔ تو آپ کا بھی اسی طرح ہو گا صرف اتنی بات ہے۔ کہ باطن کی زیادہ صفائی ہونے کی وجہ سے آپ کو بذریعہ وحی بھی علم ہوتا تھا۔ جب نہیں ہوتا۔ مگر زیادہ صفائی انسان کو بشریت سے خارج نہیں کرتی۔ چنانچہ آیت مذکورہ اس کی شاہد عدل ہے۔ اور عقلاً بھی یہی بات صحیح ہے کیونکہ زیادہ صفائی کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ قوائے نفسانیہ پر قوت عقلیہ کا پورا تسلط ہو۔ اگر کسی وقت خواہش نفسانیہ سر اٹھائے۔ تو اس کو دبا سکے۔ پھر اس کے مختلف مراتب ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اس کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام میں بھی تفاوت ہے۔ آنحضرت سب سے فوق ہیں۔ ہاں اگر زیادتی صفائی کا یہ معنی ہوتا۔ کہ خواہشات نفسانیہ کا وجود ہی نہ ہو۔ نہ دیگر لوازم بشریہ ہوں جیسے فرشتوں کا حال ہے تو پھر بشریت کی نفی ممکن تھی۔ مگر یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور واقعات کے بھی خلاف ہے مثلاً آپ میں بھول چوک تھی۔ آپ کھاتے پیتے بھی تھے۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ آدم کی اولاد تھے۔ آپ کے ماں باپ بھی تھے اور بدستور بشریت پیدا ہوئے۔ اولاد بھی ہوئی جو نسلاً بعد نسل بدستور بشریت چلی۔ جو اس وقت ہمارے سامنے پوری بشریت کے موجود ہے اور

ہمارے ان کے آپس میں پوری بشریت کے تعلقات ہیں۔ بایں ہمہ اگر کوئی بھی کہتا جائے کہ وہ بشر نہیں تو اس کی مثال اس کوے کی ہے کہ جو کہتا جائے کہ میں کالا نہیں بگلا ہے۔

پھرے زمانہ پھرے آسماں ہوا پھر جائے
بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جائے

نوٹ:۔ علم حضوری اسے کہتے ہیں کہ جس شئے کا علم ہو وہ خود قوت مدرکہ کے سامنے ہو اور حصولی اسے کہتے ہیں کہ جس کا علم ہے وہ خود سامنے نہیں۔ بلکہ اس کی صورت یا اس کا عکس قوت مدرکہ میں حاصل ہو جیسے شیشہ میں زید کا عکس ہوتا ہے۔

فتاویٰ روپڑی جلد اول صفحہ ۲۰۹

آیت فلا یظہر علی غیبہ کا مطلب

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات نہیں تھا تو آیت کریمہ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ دیتی۔ کا کیا مطلب ہے اور آیت میں استثناء اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ متصل ہے یا منقطع اور آیت میں اضافت علی غَیْبِهٖ کونسی اضافت ہے۔ عہدی یا استغراقی یا جنسی اور یہاں غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا نہ کہ کل کا۔ ہاں یہ بات باقی رہی کہ بذریعہ وحی جو علم حاصل ہوا اس کا نام علم غیب رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ سو اس کے متعلق پہلے سوال کے جواب میں تفصیل ہو چکی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا نام علم غیب ہو یا نہ آیت فلا یظہر علی غیبہ احدا میں مستثنیٰ منہ میں من ارتضیٰ من رسول مستثنیٰ۔ داخل ہے۔ پس استثناء متصل ہو گی، شاید کہا جائے کہ استثناء متصل کے یہ معنی ہیں کہ مستثنیٰ منہ کا حکم یہاں اظہار علی الغیب (غیب پر مطلع کرنا) کی نفی ہے۔ اس سے مستثنیٰ کو خارج کیا ہے۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہو گیا۔ اور اظہار علی الغیب کو غیر پر مطلع ہونا لازم ہے اور غیب پر مطلع ہونا ہی علم غیب ہے۔ پس استثناء متصل ہونے کی صورت میں ضروری ہے کہ اس کا نام علم غیب ہو اس

کا جواب یہ ہے کہ وہ اس کا نام علم غیب نہیں رکھتے ان کے نزدیک صرف علم غیب پر مطلع ہونا علم غیب نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ کسی کے بتلانے سے نہ ہو۔ دلیل ان کی یہ آیت کریمہ ہے قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ جو پہلے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔ اس میں مطلقاً علم غیب کی نفی غیر سے کر دی ہے خواہ وہ رسول ہو یا اور ہو۔ نیز علم کل ہو یا جزئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ بذریعہ وحی علم ہوتا ہے اس کا نام علم غیب نہیں۔ اس کے علاوہ نورالانوار اصول فقہ حنفیہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ مستثنیٰ میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے مستثنیٰ منہ کے حکم کا اس کے لئے نہ اثبات ہوتا ہے نہ نفی ملاحظہ ہو نورالانوار بحث اقسام البیان۔ پس یہ کہنا کہ اظہار علی الغیب کی نفی سے مستثنیٰ کو خارج کیا۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہو گیا۔ اصول فقہ حنفیہ کی رو سے غلط ہے اور اپنے اصول سے ناواقفی پر مبنی ہے ہاں شافعیہ کے اصول سے مستثنیٰ میں حکم ثابت ہوتا ہے۔ مگر حنفیہ کو یہ مفید نہیں۔ پس ان کو کسی اور دلیل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی جو کچھ علم ہوتا ہے۔ اس کو علم غیب کہتے ہیں۔ یہ تفصیل استثناء متصل کی بنا پر ہے۔ اور اگر منقطع بنائی جائے تو پھر معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ منہ میں مستثنیٰ داخل نہیں ہوتا۔ تو بذریعہ وحی حاصل شدہ علم کا نام علم غیب کس طرح ثابت ہو گا۔

اگر کہا جائے استثناء میں اصل متصل ہے نہ منقطع پس اس کو استثناء منقطع بنانا ٹھیک نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک استثناء متصل اصل ہے مگر یہاں استثناء منقطع کا قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ اس کے بعد کی عبارت فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا میں ف کو بعض سببیہ کہتے ہیں۔ لیکن سببیت کے معنی واضح نہیں۔ ہاں من ارتضیٰ کا من شرطیہ یا موصولہ متضمن معنی شرط بنایا جائے اور ف جزائیہ تو یہ بالکل ٹھیک ہے اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ۔ اے پیغمبر تو ان پر داروغہ نہیں۔ لیکن جو شخص پھر جائے اور کافر ہو جائے۔ پس خدا اس کو بہت بڑا عذاب دے گا اس آیت میں الا استثناء منقطع ہے اور آیت إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ بھی اس قسم کی ہے۔ پس اس کا استثناء منقطع بنانا بھی ٹھیک ہے۔ رہا مَنْ غَيْبِهِ کی اضافت کے متعلق سوال کہ یہ کیسی ہے سوال کا جواب

بھی نمبر اول میں نقل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا تو معلوم ہوا کہ یہ اضافت جنس ہے کیونکہ جنس ایک فرد میں بھی ہو سکتی ہے اور زیادہ میں بھی عہد ذہنی بھی ہو سکتی ہے جب خارجی اور استغراقی نہیں ہو سکتی۔ استغراقی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل غیبا کا علم نہیں۔ اور عہد خارجی اس لئے کہ رسول کو کسی معین شے کی وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ حسب ضرورت کبھی شے کی وحی ہوتی ہے کبھی کسی شے کی۔ ہاں ایک معنی عہد خارجی ہو سکتی ہے کہ غیب کی دو قسمیں کر دی جائیں ایک وہ جس کو مخلوق میں سے بھی کوئی جانتا ہو جیسے ہر ایک کا مافی الضمیر غیب ہے۔ مگر وہ خود جانتا ہے اور دوم جو مخلوق میں سے بغیر اطلاع خداوندی کوئی نہیں جانتا اور اضافت سے اس خاص کی طرف اشارہ ہو پس اس معنی سے یہ اضافت عہد خارجی ہو سکتی ہے۔

فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۱۲۱

پیشگوئی خبر غیب ہے یا نہیں؟

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ کے واقعات امت کو بتلائے ہیں۔ وہ مغیبات ہیں یا نہیں؟

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آئندہ کے واقعات امت کو بتلائے ہیں۔ وہ مغیبات ہیں مگر اس سے تو بجائے علم غیب ثابت ہونے کے الٹا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پھر امت بھی عالم الغیب ہو گئی۔ اگر کہا جائے کہ امت عالم الغیب اس لئے نہیں کہ ان کو نبی نے بتایا ہے تو اس پر کہا جا سکتا ہے کہ نبی کو وحی نے بتایا ہے پس نبی بھی عالم الغیب نہ رہا۔

فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۲۱۲

آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الآیۃ کا مطلب

سوال: آیت کریمہ۔ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ الآیۃ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ الآیۃ کے قبل نازل ہوئی یا بعد؟ دوسرے علم بالشی

ویستلزم منہ قد قص علیک ما فی قصۃ احد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عالما بانکسار المسلمین ولم یبارزھا کما فی کتب السیر مع انہ لم یقصد علی وجہ ما قد یقال اللہ وجل جرہ مثلا الینا فتعین ان یکون قالہ علی سبیل التواضع والادب

تیسرے آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۔ میں لو شرطیہ ہے تو وقوع جزا شرط کو مستلزم ہے یا نہیں؟ اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی اور منطق آپ اس کو بیان فرمائیں؟

جواب: پہلی آیت سورۃ اعراف کی ہے، اور دوسری سورۃ جن کی دونوں سورتیں مکی ہیں تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ اعراف جن سے پہلے اتری ہے، اور ایک قول کی بنا پر آیت وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ مدینہ میں اتری ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر وَاسْأَلْهُمْ سے لے کر وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ تک مدینہ میں اتری ہے ملاحظہ ہو اتقان صفحہ ۱۳ اور تفسیر جامع البیان میں ایک قول وَاسْأَلْهُمْ سے وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ تک مدنی ہونے کا نقل کیا ہے۔ مگر اس کو قیل کے ساتھ نقل کیا ہے غیر محرر قول صحیح ہو تو پھر آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ بھی مدنی ہوگی۔ کیونکہ یہ وَاسْأَلْهُمْ اور وَإِذْ نَتَقْنَا کے درمیان ہے۔ اس صورت میں آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ پہلے ہوگی۔ مگر اس پہلے ہونے سے سائل کا اگر یہ مقصود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے غیب نہیں تھا۔ پیچھے ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آیت فَلَا يُظْهِرُ سے علم غیب کلی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی بعض باتوں کا اظہار نبی پر کر دیتا ہے۔ سو اس سے کسی کو انکار نہیں، چنانچہ پہلے سوال میں ذکر ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ آیت کریمہ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ سورۃ نمل کی آیت ہے اور نمل سورۃ جن کے بعد اتری ہے۔ چنانچہ تفسیر اتقان کے مشار میں اس کی تصریح ہے پس آیت قُلْ لَا يَعْلَمُ آیت فَلَا يُظْهِرُ کے بعد نازل ہوئی۔ اور اس کے علاوہ دیگر آیات و واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا صرف بذریعہ وحی جس بات کا آپ کو پتہ لگ گیا۔ اس کا علم ہے۔ باقی باتوں میں آپ دیگر انسانوں کی طرح بے خبر تھے

چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بیان ہو چکا ہے۔ اور بخاری شریف جلد ۲ میں حدیث ہے کہ کئی لوگ حوض کوثر پر آئیں گے۔ فرشتے ان کو ہٹا دیں گے۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ ان کو کیوں ہٹایا جاتا ہے؟ میرے جواب میں کہا جائے گا۔ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ یعنی تجھے علم نہیں۔ کہ انہوں نے تیرے بعد دین میں کیا کیا بدعات پیدا کیں۔ پھر میں کہوں گا سُحْقًا لِّمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ یعنی لعنت ہو اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد دین کو بدل دیا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ آپ کو وفات کے بعد بھی علم غیب نہیں۔ چہ جائیکہ زندگی میں ہو۔ لالٹینوں کے پیچھے پیچھے ہونے کا سوال بالکل ویسا ہی سا ہے۔ جس کا کچھ تعلق نہیں۔ اس طرح مسئلہ علم بالشئی قدرت کو مستلزم نہیں۔ اس کا تذکرہ بھی بے محل ہے۔ بلکہ سائل کو مضر ہے۔ ہم تفسیر جمل کی پوری عبارت نقل کئے دیتے ہیں۔ اس طرح ناظرین پر حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔ انشاء اللہ۔

قَوْلُهُ۔ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ لِقَائِلٍ أَنْ يَقُوْلَ لِمَ لَا يَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ الشَّخْصُ عَالِمًا بِالْغَيْبِ لٰكِنْ لَا يَقْدِرُ عَلٰى دَفْعِ السُّوْءِ وَجَلْبِ الْخَيْرِ فَإِذَا الْعِلْمُ بِالشَّيْءِ لَا يَسْتَلْزِمُ الْقُدْرَةَ عَلَيْهِ كَمَا فِيْ قِصَّةِ أُحُدٍ فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَالِمًا بِأَنَّهُ يُصِيْبُ الْمُؤْمِنِيْنَ بَلْوٰى إِذْ أَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِيْ كُتُبِ السِّيَرِ مَعَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ قَادِرًا عَلٰى دَفْعِ مَا قَدَّرَهُ اللّٰهُ وَأُجِيْبَ بِأَنَّ اسْتِلْزَامَ الشَّرْطِ لِلْجَزَاءِ لَا يَلْزَمُ أَنْ يَكُوْنَ عَقْلِيًّا وَلَا كُلِّيًّا بَلْ يَجُوْزُ أَنْ يَكُوْنَ فِيْ بَعْضِ الْأَوْقَاتِ كَمَا هُنَا فَإِنْ قُلْتَ قَدْ أَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُغَيَّبَاتِ وَقَدْ جَاءَتْ فِي الصَّحِيْحِ بِذٰلِكَ وَهُوَ مِنْ أَعْظَمِ مُعْجِزَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَيْفَ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْلِهِ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ قُلْتُ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُوْنَ قَالَهُ عَلٰى سَبِيْلِ التَّوَاضُعِ وَالْأَدَبِ وَالْمَعْنٰى لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا أَنْ يُطْلِعَنِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَيُقَدِّرَهُ لِيْ وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يُطْلِعَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا أَطْلَعَهُ اللّٰهُ أَخْبَرَ بِهِ كَمَا قَالَ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَسُوْلٍ أَوْ يَكُوْنُ خَرَجَ هٰذَا الْكَلَامُ مَخْرَجَ الْجَوَابِ عَنْ سُؤَالِهِمْ

ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى اَشْيَاءَ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَاَخْبَرَ عَنْهَا لِيَكُوْنَ ذٰلِكَ مُعْجِزَةً لَّهٗ وَدَلَالَةً عَلٰى صِحَّةِ نُبُوَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(خازن، تفسیر جمل جلد ۲ ص ۲۲۸)

ترجمہ: آیت کریمہ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔ پر کوئی یوں اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک شخص کو غیب کی بات کا علم ہو مگر خیر و شر کے حاصل یا دفع کرنے کی اس کو قدرت نہ ہو۔ کیونکہ علم قدرت کو نہیں۔ چنانچہ جنگ احد کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست کا علم تھا۔ بوجہ خواب کے جو آپ نے دیکھی جیسے کتب سیر میں ہے۔ مگر باوجود اس کے تقدیر الٰہی کو رد نہیں کر سکے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جزا کا شرط کو لزوم ضروری نہیں۔ کہ عقلی ہو یا کلی ہو بلکہ جائز ہے کہ لزوم فی بعض الاوقات ہو۔ اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی باتوں کی خبر دی ہے، اور اس بارہ میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم معجزات سے ہے اور یہ آیت اس کی نفی کر رہی ہے۔ پس ان دونوں میں موافقت کس طرح ہوگی؟ میں کہتا ہوں، ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ میں غیب جانتا ہوتا تو بہت بھلائی جمع کر لیتا۔ اور مجھے برائی نہ پہنچتی۔ یہ بطور تواضع اور ادب کے ہو مطلب یہ ہو کہ میں غیب نہیں جانتا۔ مگر یہ کہ خدا مجھے مطلع کر دے اور میرے لئے مقدر کر دے اور احتمال ہے کہ آپ کا یہ کہنا اطلاع علی الغیب سے پہلے ہو جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ نے اس کی خبر کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا الآية۔ یا یہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔ کفار کے سوال کے جواب میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کئی غیب کی اشیاء پر مطلع کر دیا۔ پس ان کی خبر دی تاکہ یہ آپ کا معجزہ بن کر آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل ہو جائے۔

اس عبارت میں دو اعتراض کئے ہیں۔

؎ یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ کو خواب میں جنگ احد کی شکست نہیں دکھائی گئی نہ کسی روایت میں یہ آیا ہے بلکہ یہ خواب صلح حدیبیہ والے خواب کی قسم کا ہے جس کا ذکر سورۃ فتح کے اخیر رکوع میں ہے ۱۲۔

سوال: ۱۔ اس آیت میں لَو شرطیہ ہے کیا لَو وقوع جزا و شرط کو مستلزم ہے یا نہیں اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی و متعلق اس آیت کو بیان فرمائیں۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنے کے وقت آپ کو بعض غیب کی باتوں کا علم تھا مگر آپ نے بطور تواضع کے کلی طور پر علم غیب کی نفی کر دی۔

دوم یہ کہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنے کے وقت اگرچہ آپ کو کسی غیب کی بات کا علم نہ تھا۔ پھر خدا نے آپ کو بعض باتوں کی خبر دی۔ جیسے آیت فَلَا يُظْهِرُ سے ظاہر ہے

سوم یہ کہ آپ کا لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنا اپنے طور پر نہیں۔ بلکہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے اس وقت آپ کو کسی بات کی اطلاع نہ تھی۔ جب اس کے بعد خدا نے آپ کو بذریعہ وحی بعض باتوں کی خبر دی۔ تو یہ آپ کی نبوت کی دلیل بن گئی۔

پہلے اعتراض کے جواب سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ آپ کو خدائی اختیارات نہ تھے۔ بلکہ جیسے اور انسانوں کی قدرت ہے اس طرح کی قدرت آپ کی تھی۔ دوم یہ کہ آپ کو تمام باتوں کا علم نہ تھا ورنہ اس قدرت کے ساتھ بہت سی بھلائی جمع کر لیتے اور برائی سے بچ جاتے۔

دوسرے اعتراض کے تینوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی بعض پوشیدہ باتوں کا علم حاصل ہے خواہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنے کے وقت ہو اور بطور تواضع کے کلی کی نفی کر دی۔ ہو اور خواہ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کہنے کے بعد ہوا ہو۔ اور بعد ہونے کی صورت میں خواہ کلام کفار کے سوال کا جواب ہو یا اپنے طور پر۔

خلاصہ یہ کہ دونوں اعتراضوں کے جوابوں سے توحید کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں وہ یہ کہ نہ آپ کو خدائی اختیارات حاصل ہیں۔ نہ آپ کو علم غیب ہے۔ بجز اس کے کہ کوئی بات آپ کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی معلوم کرا دے۔

غرض تفسیر جمل کی عبارت فریق مخالف کو مفید نہیں۔ بلکہ الٹا ان پر حجت ہے۔ مگر یہ بے سمجھے بوجھے پیش کر رہے ہیں۔ اور عموماً ان کی یہی حالت ہے خدا ان کو سمجھ دے آمین۔

یا شرط و جزا کے وقوع کا مسئلہ اور یہ مسئلہ کہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جواب دونوں کی تفصیل یہ ہے

تفصیل اول: عموماً یہ مشہور ہے کہ شرط و جزا کا وقوع ضروری نہیں، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ کلمات شرط کئی ہیں، کسی میں وقوع ضروری ہے، کسی میں وقوع ضروری نہیں۔ مثلاً اِذَا میں وقوع ضروری ہے اِنْ میں ضروری نہیں۔ اہل عربیت کے نزدیک اِنْ شکوک کے لئے ہے اور چونکہ اِنْ شرطوں میں اصل ہے اور مشہور ہے، اس لئے یہ بات مشہور ہو گئی کہ شرط و جزا کا وقوع ضروری نہیں۔ حالانکہ ضروری بھی ہے اور نہیں بھی۔ تو یہیں عدم وقوع ضروری ہے۔ نور الانوار میں یہ ہے:

وھو بمعنی الماضی یعنی ان انتفاء الجزاء فی الخارج ھو فی الزمان الماضی بانتفاء الشرط کما ھو عند اھل العربیۃ او ان انتفاء الشرط فی الماضی لاجل انتفاء الجزاء کما ھو عند ارباب المعقول (نور الانوار بحث حروف شرط ص۱۴۲)

ترجمہ: لَو اہل عربیت کے نزدیک انتفاء جزا کے لئے ہے بوجہ انتفاء شرط کے اور ارباب معقول کے نزدیک انتفاء شرط کے لئے ہے بوجہ انتفاء جزا کے، قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ارباب معقول کے موافق ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (پ۴ رکوع ۷) اہل عربیت کے موافق آئی ہے۔ یعنی اگر تو سخت زبان سخت دل ہوتا ہے تو یہ لوگ تیرے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔

اسی طرح آیت کریمہ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ (پ۵ ر۷) اہل عربیت کے موافق ہے یعنی اگر ہم ان پر لکھتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ، تو وہ یہ کام نہ کرتے مگر ان سے تھوڑے۔

نوٹ: لَو اہل عربیت کے موافق عربی محاورات میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اہل عربیت نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے اور ارباب معقول کا مقصد چونکہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم پر استدلال کرنا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک دوسرا معنی معتبر ہے۔

تفصیل دوم: آیت کریمہ کی ظاہر صورت تو قیاس استثنائی کی ہے۔ اگر قیاس اقترانی بنانا چاہیں تو شکل ثانی کی صورت بن سکتی ہے۔ ہم قیاس استثنائی اور قیاس اقترانی دونوں لکھ کر

یہاں گو پہلے تھوڑی سی تمہید سن لیں۔

تمہید: قیاس استثنائی میں اگر مقدمہ موضوعہ متصلہ ہو تو اس میں ملازمہ کلیہ[1] شرط ہے اور قیاس اقترانی کی شکل ثانی میں اختلاف مقدمتین فی الکیف اور کلیہ کبریٰ شرط ہے پھر ملازمہ کی دو قسمیں ہیں۔ عقلی اور عرفی عقلی جیسے طلوع شمس کو وجود نہار لازم ہے اور عرفی جیسے حاتم طائی کو سخاوت لازم ہے۔ علم الغیب اور استکثار من الخیر کے درمیان میں عرفی لزوم ہے۔ کیونکہ عموماً دستور ہے کہ جب انسان کو خیر و شر کا علم ہوتا ہے تو وہ خیر کو حاصل کرتا اور شر سے بچتا ہے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اپنی ذات سے خیر ہی رہتے ہیں۔ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ایسا کرتا۔ تو علم غیب کی صورت میں اس کا وقوع ضروری ہو گیا۔ ورنہ آپ کی کلام میں کذب لازم آئے گا اور لو کا استعمال بے محل ہو جائے گا۔ جس سے خدا اور رسول دونوں پاک ہیں۔ شاید کہا جائے کہ لو، ان، اذا مہملہ کا سور ہیں، اور مہملہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے تو پھر ملازمہ کلیہ کس طرح ہوا۔ اس کا جواب یہ کہ مجازاً ان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ اصول فقہ میں مسائل طلاق وغیرہ میں لکھا ہے ملاحظہ ہو نور الانوار بحث حروف شرط ص [illegible] اس وقت وہ کلیہ کا سور ہوگا۔ ورنہ وہ اپنے معنی میں کلیہ کا سور نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اس میں ملازمہ کلیہ ہے اگر کلیہ نہ ہو تو یہ توحید کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس طرح آیت زیر بحث کو سمجھنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ لو کا اپنا معنی انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم جو ارباب معقول کے ہاں معتبر ہے ملازمہ کلیہ کو مستلزم ہے اس لئے اس حالت میں مہملہ کا سور نہیں ہوگا۔

قیاس استثنائی۔ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ لَكِنِّي لَمْ أَسْتَكْثِرْ مِنَ الْخَيْرِ وَمَسَّنِيَ السُّوءُ فَلَمْ أَكُنْ أَعْلَمُ الْغَيْبَ ۔

قیاس اقترانی۔ أَنَا لَسْتُ مُسْتَكْثِرًا الْخَيْرَ وَمَسَّنِيَ السُّوءُ وَكُلُّ عَالِمِ الْغَيْبِ مُسْتَكْثِرٌ بِالْخَيْرِ وَلَمْ يَمَسَّهُ السُّوءُ فَأَنَا لَسْتُ عَالِمَ الْغَيْبِ ۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۲۲۱

---

[1] ملازمہ کلیہ سے مراد لزوم کلی ہے ۱۲

آیت وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ کا مطلب

سوال: آیت وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ الآیۃ کا کیا مطلب ہے؟

جواب: مطلب اس کا یہ ہے کہ غیب پر آپ بخیل نہیں۔ یعنی آپ کو جو کچھ بذریعہ وحی معلوم ہوتا ہے آپ اس کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو آگے پہنچا دیتے ہیں۔ جیسے شان نبوت سے ظاہر ہے اس آیت میں وحی غیب ہے جو آیت فَلَا يُظْهِرُ میں مذکور ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۲۲۰

علم ما کان وما یکون

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون تھا یا نہیں؟ حالانکہ ایک روایت میں آتا ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ

حدیث مشکوٰۃ جلد [illegible] ص ۶۹

اس حدیث سے صریح ظاہر ہے کہ آپ کو علم ما کان وما یکون تھا اور آپ عالم غیب [illegible] تھے

جواب: آپ کو علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ نہیں۔ اور حدیث فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى سے صرف آسمان و زمین میں موجود اشیاء کا علم ہی معلوم ہوتا ہے۔ جو ہو چکی ہیں یا آئندہ ہونے والی ہیں ان کا علم ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی مؤید بخاری کی حدیث گزر چکی ہے۔ جو جواب نمبر [illegible] میں گزر چکی ہے اور آیات و روایات اور دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کو بعض اشیاء کا علم ہے نہ کہ خدا کی طرح کل اشیاء کا۔ چنانچہ چند اشکال جواب نمبر ۱۳ میں گزر چکے ہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۲۲۰، ۲۲۱

خداتعالیٰ کا علم اور نبی کا علم

سوال: خداتعالیٰ کے علم اور آنحضورؐ کے علم میں کیا فرق ہے؟

جواب: فرق اس سے معلوم ہو چکا کہ خدا پر کوئی شے مخفی نہیں۔ مگر گذشتہ ارشاد، نمبر ۲ اس کے برخلاف رسول کو بہت سی باتوں کا پتہ نہیں۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۲۲۱

خداتعالیٰ کو عالم الغیب کہنے کی وجہ؟

سوال: خدا کے نزدیک جب کوئی شے پوشیدہ و غائب نہیں ہے۔ تو خدا کو عالم الغیب کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: خدا پر بے شک کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے۔ غیب صرف مخلوق کے لحاظ سے ہے جیسا آیت کریمہ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا۔ میں لعل استعمال مخلوق کے لحاظ سے ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ۲۲۱

آیت إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ کا مطلب

سوال: آیت إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ الآیۃ میں ان پانچ اشیاء کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ان پانچ چیزوں کا علم مخصوص ہے؟ اور باقی اشیاء کا نہیں ہے؟

جواب: ان پانچ کے علاوہ دیگر غیب بھی خدا کا مخصوص علم ہے پانچ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ ان پانچ کی علامات بہت ہیں۔ قیامت کی علامات احادیث میں بکثرت آتی ہیں۔ بارش کے لئے موسم مقرر ہونا خاص ہے۔ خاص قسم کی ہوا کا چلنا۔ بجلی کا چمکنا۔ بادل کا گھر جانا یہ سب علامات ہیں۔ اسی طرح انسان کی رہائش گاہ ایک جگہ ہونا اور ہمیشہ اسی جگہ آمد و رفت یہ اس کی علامات ہیں کہ موت وہی جگہ ہے

اور انسان کا مصمم ارادہ ہوتا کہ میں کل فلاں کام کروں گا۔ اور اس کے لئے پوری تیاری اور اس کا سامان کرتا یہ اس بات کی علامت ہے۔ کہ کل یہی کام ہوگا۔ اور جو علم یقینی ہے وہ اس کی تیاری بارہ علامات اطباء اور ڈاکٹر یوں ہی لکھتے ہیں کہ ایسا ہو تو لڑکا ہوگا۔ اور ایسا ہو تو لڑکی وغیرہ مگر باوجود ان سب علامات کے کسی کو ان پانچ چیزوں کے متعلق پورا علم نہیں ہو سکتا۔ بہت دفعہ خیال کچھ ہوتا ہے۔ اور ہو کچھ جاتا ہے۔ جب ان غیبوں کا یہ حال ہے جن کی بکثرت علامات موجود ہیں۔ تو جن کی علامات سرے ہی سے نہیں یا بہت کم ہیں ان کا علم بطریق اولیٰ مخلوق کو نہیں ہو سکتا۔ جیسے خدا کی ذات کی حقیقت کا علم کہ آئندہ وہ کیا پیدا کرنے والا ہے۔ اور پہلے کیا پیدا کر چکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (پ ۲۳ ع ۲)

فتاویٰ ثنائیہ اہلحدیث جلد اول ص ۲۲۵

معراج جسمانی کا منکر مسلمان ہے یا کافر؟

سوال: ایک آدمی کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج نہیں ہوا صرف بذریعہ خواب معراج ہوا ہے اور عذاب قبر کوئی نہیں۔ منکر نکیر سوال و جواب نہیں کریں گے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ نہیں کرتے تھے۔ دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ حضرت عزیرؑ دوبارہ زندہ نہیں ہوئے تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر ہے!

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی حالت میں ہوا۔ جو شخص معراج جسمانی کا منکر ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ اس کی امامت درست نہیں۔ معراج جسمانی کے ثبوت میں میرا ایک رسالہ ہے۔ جو اس وقت ختم ہے اس کا خلاصہ مولانا ابو السلام محمد صدیق صاحب سرگودھا نے رسالہ کی شکل میں چھپا دیا ہے

فتاویٰ روپڑیہ

غیر اللہ کا نعرہ لگانا کیسا ہے؟

سوال: یا رسول اللہ، یا شیخ عبد القادر، یا علی مولیٰ کے نعرے لگانا جائز ہیں یا نہیں۔

سائل شاہد محمود حسین، جوڑیا بازار کراچی

جواب: یا رسول اللہ، یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ، یا علی مولیٰ، مشکل کشا وغیرہ نعرے لگانا شرک ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا اُدْعُوْا رَبَّكُمْ اپنے رب کو پکارو فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پکارو اور یا آنحضرت ندا کا ہے یعنی غائب کے لیے بلایا جاتا ہے یعنی جو سامنے حاضر ہو۔ حضرت رسول اکرم، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی و حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت دنیا میں حاضر موجود نہیں ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے ہر ایک کی سنتا ہے اور ہر ایک کو دیکھتا ہے۔ غرض غیر اللہ کو مثل اللہ کے پکارنا شرک ہے۔ اس سے انسان مشرک ہو جاتا ہے۔ فقط

خادم شریعت رسول الابرار ابو محمد عبد الستار نائب مفتی مکتب خدمت الاسلامیہ جماعت غرباء اہلحدیث کراچی۔

منقول از صحیفہ اہلحدیث کراچی بابت ۱۵ رمضان ۱۳۹۶ھ جلد ۳۰ نمبر ۲

کیا غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اس مسئلہ میں کہ تعظیمی سجدہ پیر و مرشد کو جائز ہے کہ نہیں۔ قائلین بالجواز کے یہ دلائل ہیں (۱) آدم کو فرشتوں کا سجدہ کرنا۔ (۲) یوسف علیہ السلام کو والدین اور اس کے بھائیوں کا سجدہ کرنا (۳) موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کا سجدہ کرنا۔ (۴) کتاب مظاہر حق مشکوٰۃ شریف فصل ثانی میں حدیث ابن خزیمہ بن ثابت اپنے چچا ابو خزیمہ سے روایت کرتا ہے کہ مجھے خواب آیا کہ آپ کی پیشانی پر سجدہ کیا۔ صبح آپ کو خواب عرض کیا۔ حکم ہوا کہ سچی کر دکھلائے

۱؎ اہل بدعت ہوا کی جو تحریر شائع ہیں کتاب ہدایت التقی میں دیکھیں۔

اپنا ثواب پہنچا کرے۔ آپ میت کے پیشانی پر سجدہ کیا گیا۔ آپ مفصل جواب بدلائل مجیبہ با حوالہ کتب جلد کی عنایت فرمائیے۔ ثواب عند اللہ حاصل فرمائیے۔

سائل (مولانا) محمد یوسف صاحب مقام سلینہ ضلع فیروز پور پنجاب۔

جواب:۔ صورت مرقومہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ سجدہ تعبدی ہو یا تعظیمی بجز باری تعالیٰ کے کسی نبی و ولی پیر مرشد وغیرہ کے لئے جائز نہیں بلکہ شریعت محمدیہ میں قطعاً حرام و [illegible] ہے۔ قائلین یا مجوز کا استدلال دلائل مذکورہ سے کبیت العنکبوت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے فَاسْجُدُوا لِلّٰهِ نیز فرمایا لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ آیات مذکورہ بالا میں لام تملیک و تخصیص ہے جس سے صاف عیاں ہے کہ سجدہ خاصہ خداوندی ہے اور خاصہ حقیقیہ اس کو کہتے ہیں جس کا وجدان دوسری چیز میں مفقود و معدوم ہو۔ خَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يُوجَدُ فِيهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ ملاحظہ ہو حاشیہ کافیہ۔ نیز شرح جامی حاشیہ خاصہ کی تعریف یوں الفاظ مسطور ہے خَاصَّةُ الشَّيْءِ مَا يَخْتَصُّ بِهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ علم معانی میں بھی یہ چیز مشہور و معروف ہے۔ بلغاء عرب و ارباب ادب کے نزدیک بھی یہ امر مسلم ہے کہ کسی چیز میں خاصہ کا ہونا اس کے وجود کی نفی فی الغیر کو مستلزم ہے۔ اور کلام عرب میں لام تملیک و لام تخصیص بھی اسی کا مقتضی ہے۔ چنانچہ حاشیہ شرح جامی میں مرقوم ہے خَاصَّةُ الشَّيْءِ ۲ لِأَنَّ مَعْنَى الِاخْتِصَاصِ نَفْيُ الْوُجُودِ فِي غَيْرِهِ لِأَنَّ الشَّيْءَ رَاجِعٌ إِلَى النَّفْيِ كَمَا هُوَ الْمَعْرُوفُ عِنْدَ أَرْبَابِ الْأَدَبِ وَالْأَعْرَفُ فِي اسْتِعْمَالِ بُلَغَاءِ الْعَرَبِ فَيَكُونُ مَآلُهُ أَنَّهُ يُوجَدُ فِيهِ وَلَا يُوجَدُ فِي غَيْرِهِ الخ۔ جب سجدہ کا خاصہ خداوندی ہونا قرآن مجید سے بالوضاحت و بالبداہت ثابت ہے اور قرآن مجید کا کتب سابقہ متقدمہ کے لئے ناسخ ہونا مسلم فریقین ہے۔ تو

۱؎ یعنی سجدہ کرنے کے لائق وہی ہے جس کو پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ [illegible] ۲؎ [illegible]
[illegible]

واقعات سابقہ و دلیل منسوخہ سے استدلال کرکے قرآن مجید کے ایک محکم و اٹل حصہ کو توڑنا اور منسوخ سے اس کے ناسخ کا مقابلہ کرنا یقینی طور پر اپنی تجہیل و تذلیل کرانا ہے۔

(۱) آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا اور اولاد آدم میں بہن بھائی کا نکاح جو جائز تھا خدائی حکم تھا جس کو بذریعہ شریعت محمدیہ خدا نے منسوخ کردیا قال تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ الآیۃ یعنی اے مسلمانو! تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں حرام ہیں پ ۴ سورۂ نساء۔

سجدہ تعظیمی کے قائلین یا جواز کیا واقعہ آدم علیہ السلام سے بھائی بہن کا آپس میں نکاح کرنا بھی جائز قرار دیں گے، فَإِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ۔ فرشتوں کو خداوند تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا کہ آدم کے لئے سجدہ تکریمی و تشریفی بجا لاؤ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ الآیۃ نیز فرمایا مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ حدیث میں ہے وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالْأَحَادِيثِ۔ پس یہ امر الٰہی کی تعمیل تھی جس کو رسمی و وقتی حکم کی وقتی تعمیل کہا جاتا ہے اس کے بعد خداوند قدوس نے فرشتوں کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ سب کے سب ایک ذات واحد ہی کے لئے سجدہ بجا لاتے ہیں کسی دوسری ہستی کے لئے جائز نہیں سمجھتے چنانچہ سورۂ اعراف پ ۹ میں ارشاد باری ہے إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝ آیت ہذا کے آخری جملہ میں جار مجرور کو فعل پر مقدم کیا ہے حالانکہ حق اس کا تاخیر کا تھا جس میں قرآنی فصاحت و بلاغت کے علاوہ صرف ذات واحد ہی کے لئے سجدہ کی خصوصیت کا پورا ثبوت ہے، عربیت کا قاعدہ مسلمہ ہے تَقْدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّأْخِيرُ يُفِيدُ الْحَصْرَ وَالْقَصْرَ۔ ملائکہ نے اطاعت خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امتثالاً لامر اللہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، خدا کا حکم ماننا شرک نہیں بلکہ عین عبادت ہے اسی طرح اب ہم کو حکم ہے کہ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ۔ یعنی صرف ذات واحد ہی کے لئے سجدہ بجا لاؤ عام اس سے کہ وہ حقیقی ہو یا مجازی، تعبدی ہو یا تعظیمی تشریفی

ہو یا تکریمی۔ یہاں ہمیں بھی چاہیے کہ خدائی احکام کو بجا لاتے ہوئے اسی ذات واحد کے لیے سربسجود ہیں تعظیمی و تکریمی کا قید بیان کرکے غیر اللہ کے سامنے سرنگوں ہونا پیشانی رکھنا یقیناً شرک حرام ہے کیونکہ سجدہ تعبدی تو آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک ہر شریعت و ملت میں حرام رہا بدلیل قولہ تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ نیز فرمایا وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ نیز فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۔ تحت آیت اول تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۱۷۷ میں مرقوم ہے فَكُلُّ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ يَدْعُو إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْفِطْرَةُ شَاهِدَةٌ بِذَلِكَ یعنی ہر نبی مبعوث من جانب اللہ ایک خدا کی عبادت کرانے کے لیے آیا انسانی فطرت بھی اسی کی متقاضی و شاہد ہے۔ وبدلیل قولہ تعالیٰ الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ (متفق علیہ)

صرف سجدہ تکریمی جو بطور تحیت وسلام کے تھا ملل سابقہ وامم سابقہ میں جائز تھا جس کو قرآن نے آکر بالکل منسوخ کردیا۔ لمعات شرح مشکوٰۃ میں تحت حدیث ہذا مرقوم ہے یعنی أَنَّ الشَّرَائِعَ لَمْ تَزَلْ كَانَتْ مُتَعَدِّدَةً مُخْتَلِفَةً لَكِنَّ أَصْلَ دِينِهِمْ وَهُوَ التَّوْحِيدُ وَالطَّاعَةُ وَاحِدٌ۔ یعنی انبیاء سابقین کی شریعتیں گو مختلف و متعدد تھیں مگر عبادت الٰہی توحید و طاعت میں سب متفق تھے۔ حدیث ہذا سے صاف واضح ہے کہ غیر اللہ کے لیے عبادۃً سجدہ کرنا کسی شریعت میں جائز نہ تھا۔ مگر ہاں اگر سجدہ سلامی بعض بعض شریعتوں میں جائز تھا تو شریعت محمدیہ نے آکر اسے بھی منسوخ کردیا جس سے شائبہ شرک کے جواز کی بھی گنجائش نہ رہی اور اس طریق سے قائلین بالجواز کی بیخ کنی ہوگئی فللہ الحمد۔

دفع دخل مقدر۔ رہا یہ اعتراض کہ خدا نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو کیوں سجدہ کروایا تو فرشتوں نے خدا کا حق آدم کو کیوں دیا یہ بالکل بیہودہ اور باطل ہے کیونکہ وہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ اس کی صفت ہے لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ اس کی شان ہے يَحْكُمُ

شریعت محمدیہ میں صرف مقصد اول یعنی عبادت الٰہی کے لئے اس کا استعمال مخصوص کر دیا گیا مقصد دوم کے لئے اس کا استعمال قطعاً ممنوع و داخل شرک قرار دیا گیا چنانچہ مسند احمد میں بروایت عائشہ صدیقہؓ منقول ہے کہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَأَكْرِمُوا أَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا الْحَدِيثَ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ یعنی ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی علیہ السلام انصار و مہاجرین کی جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک اونٹ نے آکر آپ کو سجدہ کیا اس پر صحابہ کرام بولے یا رسول اللہ جب کہ بہائم و اشجار آپ کا احترام و اکرام بذریعہ سجدہ بجا لاتے ہیں تو ہم زیادہ مستحق ہیں کہ ادباً و احتراماً آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا ہماری شریعت میں سجدہ کرنا عبادت ہے لہٰذا اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور چونکہ میں از روئے شریعت تمہارا بھائی ہوں لہٰذا اپنے بھائی کا احترام کرو یعنی، مجھے دل میں میری محبت و عزت رکھو اور ظاہراً و باطناً میرے مطیع و فرمانبردار بنے رہو۔ اگر شریعت محمدیہ میں کسی کے لئے تعظیمی و تکریمی سجدہ جائز ہوتا تو میں مستقل عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو ادباً و احتراماً سجدہ کیا کریں۔

حدیث ہذا کے تحت مرقات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر کی جلد ۳ ص[illegible] میں ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے فَقَالَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ أَيْ بِتَخْصِيصِ السَّجْدَةِ لَهُ فَإِنَّهُ غَايَةُ الْعُبُودِيَّةِ وَنِهَايَةُ الْعِبَادَةِ وَأَكْرِمُوا أَخَاكُمْ أَيْ عَظِّمُوهُ تَعْظِيمًا يَلِيقُ لَهُ بِالْمَحَبَّةِ الْقَلْبِيَّةِ وَالْإِكْرَامِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الطَّاعَةِ الظَّاهِرِيَّةِ وَالْبَاطِنِيَّةِ۔

اسی طرح سنن ابی داؤد میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قَالَ أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ لِي

اَرَاَیْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَآءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُّعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

یعنی قیس بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ملک حیرہ میں جا کر دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے بچہ دھریوں و نمبرداروں کا ادب و احترام بذریعہ سجدہ بجالاتے ہیں۔ پس میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ آپ زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو ادب و احترام کے طور پر سجدہ کیا جائے آپ نے فرمایا کہ میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اگر میری قبر پر تیرا گذر ہو تو کیا تو سجدہ کریگا! میں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اب میری زندگی میں بھی میرا ادب و احترام بجالانے کے لئے سجدہ مت کرو اگر ہماری شریعت میں اس قسم کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں کیونکہ اللہ نے ان کے خاوندوں کا بڑا حق رکھا ہے

حدیث ہذا کے تحت مشکوٰۃ کی شرح مرقات ولمعات میں تحریر ہے کہ قَوْلُهٗ لَا تَفْعَلُوْا اَيْ فِي الْحَيٰوةِ كَذٰلِكَ لَا تَسْجُدُوْا قَالَ الطِّيْبِيُّ اَيْ اسْجُدُوْا لِلْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَلِمَنْ مُّلْكُهٗ لَا يَزُوْلُ - یعنی میرے مرنے کے بعد جیسے میری قبر پر سجدہ جائز نہیں ایسے ہی میری زندگی میں بھی مجھ کو سجدہ مت کرو۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ حدیث ہذا کا مقصد یہ ہے کہ سجدہ صرف الحی القیوم کے لئے سزاوار ہے جس کو کبھی موت نہیں اور جس کے ملک کو کبھی زوال نہیں -

خلاصۃ المرام۔ یہ کہ جب نبی علیہ السلام نے اپنی ذات مبارک کے لئے اپنی امت کو سجدہ تعظیمی کرنے سے منع کر دیا تو پھر وہ کون سا پیر، فقیر، ولی، بزرگ، امام، مرشد، مزار، خانقاہ، تھان، نشان تعزیہ وغیرہ ہے جس کے لئے یہ سجدہ جائز ہو سکے۔ کیا قائلین بالجواز آجکل کے پیروں فقیروں کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر سمجھتے ہیں اذ لیس فلیس -

قائلین بالجواز کی دوسری دلیل اور اسکا جواب

یہاں تو قائلین بالجواز کی پہلی دلیل کا مدلل جواب تھا۔ دوسری دلیل ان کی جانب سے یہ پیش کی جاتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا تھا۔ لہٰذا اب بھی جائز ہوا۔ سو واضح باد کہ

واقعہ لہٰذا سے بھی مستدلین کا استدلال تارِ عنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کا اجمالی جواب تو دلیل اول کے جواب کا بیان کیا جاتا ہے۔ سنیے! جب یوسف علیہ السلام نے اپنے صغر سنی یعنی دس بارہ برس کی عمر میں جمعہ کی رات شب قدر میں خواب دیکھا کہ آسمان سے سورج چاند اور گیارہ ستارے اترے اور میرے آگے سجدہ میں گر پڑے إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ۔ تو اس واقعہ کے تقریباً اسی برس بعد خواب مذکور کی تعبیر ظہور پذیر ہوئی۔ یوسف علیہ السلام مصائب و آلام کے مراحل اور مفارقت ابوین کے سلاسل طے کرنے کے بعد تخت سلطنت مصر پر جاگزیں ہو چکے تو ان کے والدین و گیارہ بھائیوں نے آکر سجدہ کیا چنانچہ ارشاد باری ہے وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۔ اور یہ سجدہ بھی حقیقی تھا۔ بعض لوگوں کا اس کی تاویل کر کے مراد اس سے مطلق ایماء و انحناء و تواضع یا یوسف علیہ السلام کے امر سلطنت میں داخل ہونا بالکل غلط و صراحت قرآن کے سراسر خلاف ہے چنانچہ تفسیر فتح البیان جلد ۵ ص میں تحت آیت اول مرقوم ہے وَالْمُرَادُ حَقِيقَةُ السُّجُودِ وَإِنَّهُ كَانَ التَّحِيَّةَ فِيمَا بَيْنَهُمُ السُّجُودُ ۔ نیز جلد مذکور کے ص میں تحت آیت ثانی مسطور ہے:۔

وَكَانَ ذَلِكَ جَائِزًا فِي شَرِيعَتِهِمْ مُنَزَّلًا مَنْزِلَةَ التَّحِيَّةِ وَقِيلَ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ سُجُودًا بَلْ هُوَ مُجَرَّدُ إِيمَاءٍ وَكَانَتْ تِلْكَ تَحِيَّتَهُمْ وَهُوَ يُخَالِفُ مَعْنَى خَرُّوا لَهُ سُجَّدًا فَإِنَّ الْخُرُورَ فِي اللُّغَةِ الْمُقَيَّدَ بِالسُّجُودِ لَا يَكُونُ إِلَّا بِوَضْعِ الْوَجْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَقِيلَ الضَّمِيرُ فِي لَهُ رَاجِعٌ إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ أَيْ خَرُّوا لِلَّهِ سُجَّدًا وَهُوَ بَعِيدٌ وَقِيلَ إِنَّ الضَّمِيرَ لِيُوسُفَ وَاللَّامُ لِلتَّعْلِيلِ أَيْ خَرُّوا لِأَجْلِهِ وَفِيهِ أَيْضًا بُعْدٌ قَالَ عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ فِي الْآيَةِ كَانَتِ السَّجْدَةُ تَحِيَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَأَعْطَاكُمُ اللَّهُ السَّلَامَ مَكَانَهَا وَعَنْ قَتَادَةَ نَحْوُهُ وَعَنِ ابْنِ زَيْدٍ قَالَ ذَلِكَ السُّجُودُ تَشْرِفَةٌ كَمَا سَجَدَتِ الْمَلَائِكَةُ تَشْرِفَةً لِآدَمَ وَلَيْسَ سُجُودَ عِبَادَةٍ وَكَانَ ذَلِكَ بِأَمْرِ اللَّهِ تَحْقِيقًا لِرُؤْيَاهُ ۔ یعنی یہ سجدہ ان کی شریعت میں بطور سلام و احترام کے جائز تھا۔

جو کسی کی شرافت و عزت کے اظہار و دلدادگی کے لئے کیا جاتا تھا جیسے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو کیا تھا۔ اب تم کو اللہ تعالیٰ نے اس کے قائم مقام لفظ سلام کا عطا فرمایا ہے یعنی اب سجدہ کرنا جائز نہیں، صرف السلام علیکم کہہ دینا کافی ہے۔

نیز شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی تفسیر موضح القرآن میں رقمطراز ہیں کہ اگلے زمانہ میں سجدہ کرنا تعظیم تھی آپس کی۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو کیا تھا۔ اس وقت اللہ نے موقوف کیا وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ الآیۃ اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے کہ کوئی بہن سے نکاح کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے (موضح القرآن دیباچہ صفحہ ۱۲ مطبع فاروقی)۔

بجز ذات باری تعالیٰ ہر مخلوق کو سجدہ کرنا حرام ہے

اسی طرح علامہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۹۰ تحت آیت مذکورہ رقم طراز ہیں وقد كان هذا سائغا في شرائعهم إذا سلموا على الكبير يسجدون له ولم يزل هذا جائزا من لدن آدم إلى شريعة عيسى عليه السلام فحرم هذا في هذه الملة وجعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانه وتعالى هذا مضمون قول قتادة وغيره وفي الحديث أن معاذا قدم الشام فوجدهم يسجدون لأساقفتهم فلما رجع سجد لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما هذا يا معاذ فقال إني رأيتهم يسجدون لأساقفتهم وأنت أحق أن يسجد لك يا رسول الله فقال لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها لعظم حقه عليها وفي حديث آخر أن سلمان لقي النبي صلى الله عليه وسلم في بعض طرق المدينة وكان سلمان حديث عهد بالإسلام فسجد للنبي صلى الله عليه وسلم فقال لا تسجد لي يا سلمان واسجد للحي الذي لا يموت والغرض أن هذا كان جائزا في شريعتهم ولهذا خروا له سجدا الآية یعنی ان کی شریعت میں یہ عام رواج تھا کہ جب کسی بڑے شخص کو سلام کرتے تو اس کو سجدہ بھی کرتے تھے اور آدم

علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک برابر یہ طریقہ جاری و مرتبہ رہا۔ شریعت محمدیہ میں اسے حرام کر دیا گیا اور ہر قسم کا سجدہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ملک شام سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا اے معاذ یہ کیا حرکت ہے انہوں نے عرض کیا میں نے ملک شام کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بڑوں کو اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں آپ چونکہ ہم مسلمانوں کے بڑے ہیں اور زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ہماری شریعت میں یہ سجدہ جائز ہوتا تو بیوی کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جب نئے نئے مسلمان ہوئے تو اپنی لاعلمی کی وجہ سے نبی علیہ السلام کے آگے سجدہ کر بیٹھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً ہی منع کیا اور فرمایا کہ اے سلمان مجھ کو سجدہ نہ کر۔ سجدہ تو اس حی القیوم کو لائق اور زیبا ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔

الغرض یہ سجدہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ امت محمدیہ کہلا کر سجدہ تعظیمی و تکریمی کو غیر اللہ کے لئے جائز سمجھنا درحقیقت شریعت محمدیہ کا انکار ہے قائلین بالجواز کو چاہئے کہ امت محمدیہ نہ کہلائیں بلکہ امت یوسفی یا موسوی یا عیسوی اپنا نام رکھیں نیز سلیمان علیہ السلام نے جب ہدہد جانور کو دعوت اسلام کا خط دیکر ملکہ بلقیس کی طرف بھیجا تو اس نے ملکہ مذکورہ اور اس کی قوم کی بدوقت مراجعت بایں الفاظ مذمت بیان کی کہ وہ لوگ مجھے نالائق ہیں حقانی ارض و سما کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدہ کرتے ہیں شیطان نے ان کے گندے اعمال کو مزین کر کے خدا کے آگے سجدہ کرنے سے ان کو روک دیا ہے وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

تفسیر ابن کثیر وجامع البیان وفتح الرحمان وغیرہ میں تحت کریمۃ ہذا مرقوم ہے کہ

آیت ہذا میں سبیل سے مراد طریق حق ہے اور وہ خالص کرنا ہے سجدہ کا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جامع البیان میں ہے زَيَّنَ لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ لِئَلَّا يَسْجُدُوا یعنی شیطان نے ان کے اعمال کی تزئین کی اور ان کو روکا اس لئے کہ اللہ کو سجدہ نہ کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے یہ معنی لکھے ہیں کہ پس وہ راہ نہیں پاتے سجدہ کرنیکو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سجدہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے چاہیئے۔ اس کے سوا خواہ کوئی ہو سورج ہو یا چاند، نبی ہو یا ولی، درخت ہو یا ستارہ، قبر ہو یا مکان، اس کیلئے سجدہ زنہو تعظیم و تکریم نہ چاہیئے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا شیطان کی تزئین و ابلیس کی تلبیس ہے اور سجدہ کرنے والے شیطان کے مرید و محکوم ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل کے مشرک، بدعتی، قبر پرستوں، پیر پرستوں، تعزیہ پرستوں، غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنے والوں سے جانور ہُدہُد بدرجہا بہتر رہا۔ اس کو اتنی سمجھ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سجدہ کا مستحق نہیں اور ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں۔ سچ ہے صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ یا اگر سمجھ ہے مگر ضد و تعصب کی بنا پر قبول حق سے متنفر اور اتباع ہوا کے عادی ہیں تو سچ ہے فَالْمُتَعَصِّبُ وَإِنْ كَانَ بَصَرُهُ صَحِيحًا فَبَصِيرَتُهُ عَمْيَاءُ وَأُذُنُهُ عَنْ سَمَاعِ الْحَقِّ صَمَّاءُ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص ۱۳۹)

سوال: اکثر حضرات کا خیال ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تو نماز میں آپ کو السلام علیک ایہا النبی (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی!) سے خطاب کیوں کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ ہر نمازی کے پاس ہوتے ہیں اور نمازی آپ کو خطاب کرتا ہے۔

سائل: منشی عبدالعزیز صاحب مالک فرم عزیز محمد پیڈیال فیکٹری کراچی

جواب: قارئین کرام یہاں دو مقام ہیں ایک یہ کہ اگر آپ حاضر و ناظر نہیں تو (تجھ پر) سے کیوں خطاب ہوتا ہے، دوسرا أَيُّهَا النَّبِيُّ (اے نبی!) سے کیوں خطاب ہوتا ہے۔ ہم شق ثانی کا جواب آئندہ بوقت ضرورت عرض کریں گے انشاء اللہ۔ یہاں شق اولیٰ السلام علیک کے جوابات ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

بزرگان ملت یہ بیان فرماتے آئے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی کہ تمام زبانی بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی) چونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اور صحابہ کرام کو تعلیم دیتے وقت حرف خطاب کو اسی طرح کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا برقرار رکھا۔ اور اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اگر کسی وقت کسی شخصیت اور فرد کو اس کی موجودگی اور حاضری میں خطاب ہوا تھا تو آج بھی اسی خطاب کی ضمیر سے اُسے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کو ضمیر خطاب سے یاد کرنے سے اس کا حاضر وناظر ہونا کوئی بھی مراد نہیں لیتا۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو تبلیغ کی۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل کا گستاخانہ الفاظ میں رد کیا۔ فرعون کی اس گستاخی پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل رکوع ۱۱) اور بے شک میں تجھے خیال کرتا ہوں اے فرعون! کہ تو تباہ کر دیا جائے گا۔ اس آیت میں یا فرعون کے جملے کو ذہن میں محفوظ رکھئے تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔ وابستہ ایمان ذرا اتنا ملاحظہ کیجئے کہ آج بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں قرآن مجید پڑھنے والے مسلمان لَاَظُنُّكَ کو خطاب کی ضمیر سے ہی پڑھتے ہیں لیکن اس سے فرعون کو کوئی بھی حاضر وناظر نہیں سمجھتا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام سے جب عزیز مصر کی بیوی نے ایک مخصوص ڈرامہ کھیلنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی طہارت اور عصمت پر عزیز مصر کی بیوی کے خاندان ہی سے ایک شیرخوار بچے کو جب گواہ بنایا اور عزیز مصر پر جب یہ بات واضح ہو گئی کہ بیچارے یوسف علیہ السلام کا بالکل کوئی قصور نہیں بلکہ سارا قصور میری بیوی کا ہے، تو اس نے اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے وَاسْتَغْفِرِيْ

لَذَنۡۢبِكِ‌ۖ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِـئِيۡنَ (پارہ ۱۲ سورۃ یوسف) یعنی اپنے گناہ پر معافی مانگ بیشک تو ہی خطا کاروں میں تھی۔

اس آیت میں بھی ذَنْبِكِ اور اِنَّكِ سے عزیز مصر کی بیوی کو خطاب ہے اور سارے مسلمان اس کو اسی طرح پڑھتے ہیں مگر عزیز مصر کی بیوی کو کوئی بھی حاضر وناظر نہیں جانتا۔ ممکن ہے کہ فریق کرشن کنہیا کا فرکی طرح اس کو بھی حاضر و ناظر جانتے ہوں کیونکہ فریق مخالف کے دلی اور بزرگ تو رحم میں نطفہ پڑتے بھی دیکھتے رہتے ہیں اور جماع کے وقت بھی موجود رہتے ہیں اور اگر یہ بھی سن لیجئے کہ ایک گروہ نے اس بی بی کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے مانا تو تسلیم کیا ہے تو پھر نہ معلوم کہ ایک نیک بی بی اور پیغمبر کی منکوحہ کو دنیا میں حاضر ہو کر لوگوں کو جماع کرتے اور رحم میں نطفے پڑتے دیکھنے کا کیا شوق ہے! لا حول ولا قوۃ! ایسے گندے اور نجس عقیدہ سے۔

(۳) مصر کے جیل میں بے قصور یوسف علیہ السلام کے ساتھ چند دیگر اخلاقی مجرم بھی تھے دو آدمیوں نے خواب دیکھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو تعبیر بتلائی جس قیدی کو رہائی اور نجات ہونے والی تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کہا اُذْكُرْنِىۡ عِنۡدَ رَبِّكَ (میرا ذکر بھی اپنے آقا کے سامنے کر دینا)

اس آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی کو خطاب کیا تھا مگر آج تمام مسلمان عِنۡدَ رَبِّكَ کے الفاظ سے ہی اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اس قیدی کو کوئی حاضر وناظر نہیں کہتا۔

جواب دوم۔ اگر ہم اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ سے حکایت نہ کہیں بلکہ دعا اور انشاء ہی کہیں تو بھی اس سے حاضر و ناظر مراد لینا قطعاً باطل ہے جیسے کہ ہم اپنے خطوط میں دور دراز ملکوں میں اپنے بھائیوں، دوستوں اور کاروباروں کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ لکھا کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ وہ سب ہمارے پاس حاضر و موجود ہوتے ہیں ورنہ ان کو خط لکھنے کی کیا ضرورت! بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب ہمارا خط دوستوں کو پہنچ جائے

گا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائے گا جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ روم کو خط میں لکھا تھا اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ (میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں) اس کے یہ معنی تو نہ تھے کہ ہرقل آپ کے پاس حاضر اور موجود تھا۔ اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھیے کہ ہم جب اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ سے خطاب کرتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ ہمارے پاس موجود ہوتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب سلام آپ تک پہنچ جائے گا تو خطاب ہو جائے گا۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کو سلام کس طرح پہنچایا جاتا ہے بخاری شریف جلد دوم میں حضرت کعب بن عجرہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قرآن شریف میں جو صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا موجود ہے، ہم سلام کے معنی اور مطلب تو سمجھ چکے ہیں (کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ پڑھا جاتا ہے) آپ ہمیں صَلُّوْا کے معنی اور مطلب بتایئے؟ آپ نے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ سے درود کی تعلیم فرمائی جو ہم نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ پر سلام پہنچانے کا وہی طریقہ اور الفاظ تھے جو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ سے پڑھتے تھے۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ملاحظہ فرمایئے	(۱) نسائی جلد اول صفحہ ۱۴۳ ، مسند دارمی صفحہ ۳۴۶ اور مشکوٰۃ صفحہ ۸۶ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ مِنْ اُمَّتِيْ السَّلَامَ۔ (یعنی بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچائیں) اسی طرح کی مضمون کے قریب الفاظ حضرت اوس بن اوس سے بھی روایت موجود ہے جو ابوداؤد جلد اول صفحہ ۱۵۰ ، ابن ماجہ صفحہ ۷۷ ، نسائی جلد اول صفحہ ۱۴۳ ، مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۲۷۸ وغیرہ میں موجود ہے جس کی امام حاکم اور علامہ ذہبی بخاری کی شرط پر

تصحیح کرتے ہیں۔ اسی مضمون کی تیسری روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے جس کی امام فن رجال علامہ ذہبی تصحیح کرتے ہیں۔ میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۱۴۱۔

ضرورت تو نہیں کہ ہم جلیل القدر محدثین کی تصحیح کے بعد کچھ اور بھی عرض کریں۔ لیکن زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی سند کے تمام رواۃ اور ان کی توثیق بھی ہدیہ قارئین کر دیں۔ روات یہ ہیں (۱) عبدالوہاب بن عبدالحکم وراق جو ثقہ تھے (تقریب ص۲۲۴) (۲) معاذ بن معاذ جو ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص۳۴۰) (۳) سفیان ثوری جو ثقہ، حافظ، فقیہ، عابد، امام اور حجت تھے (تقریب ص۱۲۸) (۴) عبداللہ بن سائب ثقہ تھے (تقریب ص۱۷۲) (۵) زاذان، امام ابن معین فرماتے تھے کہ زاذان ایسے ثقہ تھے جن کی مثل سے متعلق سوال نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے تھے۔ محدث خطیب اور عجلی کہتے تھے ثقہ تھے۔ ابن عدی اور ابن حبان ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد سوم ص۳۰۳) (۶) حضرت عبداللہ بن مسعود جلیل القدر صحابی تھے۔

قارئین کرام! ہم نے ایک ایک راوی اور اس کی توثیق اور محدثین سے اس روایت کی تصحیح آپ کے سامنے عرض کر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی طرف سے درود وسلام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے متعین اور مامور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاضر وناظر ہوتے اور خود بہ نفس نفیس درود وسلام سنتے تو فرشتوں کی تعیین کی کیا ضرورت تھی؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ فریق مخالف قیامت تک ایک بھی حدیث صحیح سند کے ساتھ ایسی نہیں پیش کر سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میں درود وسلام خود بلا توسط ملائکہ سن لیتا ہوں وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ۔ اگر فریق مخالف میں جرأت اور ہمت ہے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک ہی ایسی حدیث پیش کر دے جو سند کے ساتھ ہو اور تمام روات ثقات ہوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مرفوع فرمان ہو۔ آہ سچ ہے ؎

گری اسی شاخ پہ بجلی بنایا جس پہ تھا آشیانہ

جواب سوم: ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں موجود ہیں کہ کسی غائب مستحق کا فرضی طور پر تصور کرنے اور تخیل کے طور پر اپنے دل میں حاضر و ناظر سمجھ لینے پر اس سے خطاب کیا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ حقیقتاً حاضر و ناظر ہوتا ہے بلکہ یہ اپنے تخیل پر مبنی ہوتا ہے بجائے اس کے کہ عربی اور فارسی کے حوالہ جات اور محاورات نقل کروں۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے چند نظائر پیش کرنے کے بعد خاں صاحب بریلوی کے بعض اشعار نقل کروں۔

ایک شاعر کہتا ہے ؎

نہیں آتے ہیں وہ، نہ آئیں مرے گھر — تصور میں وہ تو ہیں مہمان دل کے

ایک مجذوب صاحب کہتے ہیں ؎

چھپ سکیں گے تصور میں کیوں کر — جو تصور میں لا کے دیکھ لینا

ان دونوں شاعروں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اگر محبوب ہمارے گھر نہیں آتا تو بھی دل میں تو ہمارا مہمان ہے اور دل میں اس کا تصور تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت خاں صاحب بریلوی حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں (بعض اشعار)

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا — دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے — یا رسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے — اپنا بندہ کر لیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب — تو نہ ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی — یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض — ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا

قارئین کرام! ہم سردست خاں صاحب بریلوی کی شان میں یہی کہہ کر

تو اگر مشرک ہوا پھر ہم کو کیا — بیٹے کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا

عرض کرنا چاہتے ہیں کہ خاں صاحب نے نجدیوں اور دیوبندیوں کو تجھ کو کیا کے الفاظ سے باربار خطاب کیا ہے۔ کیا واقعی تمام نجدی اور دیوبندی خاں صاحب کے پاس حاضر

واقعے تھے؟ یا یہی آپ کہیں گے کہ ان کو تخیل کے طور پر حاضر جان کر ان سے خطاب کیا ہے اسی طرح آپ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ۔ میں خطاب سمجھے یہ ہمارا نرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ آپ کے ہم خیال صاحب سے اس کی تصدیق کرا دیتے ہیں خیال صاحب امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۹۹ مطبوعہ نو لکشور لکھنؤ سے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ۔ کی تشریح نقل کرتے ہوئے کوکبہ شہابیہ صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں۔ معنی بھی خیال صاحب ہی کے ہیں۔

اُحْضُرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَخْصِيَّتَهُ الْكَرِيْمَةَ وَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ ترجمہ۔ التحیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت پاک کا تصور باندھ اور عرض کر سلامتی ہو تجھ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت۔

قارئین کرام! دل میں حاضر کر اور تصور باندھ کے کا معنی تو جانتے ہی ہوں گے اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی طور پر حاضر و ناظر ہیں تو دل میں حاضر کرنے اور تصور باندھنے کا کیا مطلب! اس کو اسی طرح سمجھئے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ حقیقتاً رویت خداوندی دنیا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کو نہیں ہوئی تو کس طرح آپ گویا کہ دیکھنے اور حقیقتاً دیکھنے میں فرق کرتے اور جانتے ہیں اسی طرح حقیقتاً حاضر ہونے اور دل میں حاضر کرنے کا فرق سمجھ لیجئے آپ کو اس میں کیوں تردد اور پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

جواب چہارم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات کے الفاظ جن صحابہ کرام سے مروی ہیں ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن اس کو کیا کریں کہ یہی اکابر صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے اَلسَّلَامُ عَلَى

النبی ورحمۃ اللہ پڑھتے بھی تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

(۱) صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۲۶ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو ہم التحیات میں السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے۔

(۲) اسی طرح موطا امام مالک صفحہ ۱۰۳۔ اور سنن الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۴۲ وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

(۳) سنن الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۱۴۳ وغیرہ میں حضرت قاسم بن محمد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ ہمیں التحیات میں السلام علی النبی ورحمۃ اللہ۔ پڑھایا اور تعلیم دیا کرتی تھیں بلکہ فتح الباری وغیرہ میں حضرت عطاء تابعیؒ سے یہاں تک منقول ہے کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد السلام علی النبی۔ پڑھا کرتے تھے۔

اب غور فرمایئے کہ اگر صحابہ کرامؓ اور خصوصاً ان بزرگوں کا جن سے السلام علیک کے الفاظ سے التحیات منقول ہے یہ عقیدہ ہوتا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و موجود اور حاضر ہیں تو ان کو ضمیر خطاب چھوڑنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی؟ بلکہ انہوں نے امت کی رہنمائی فرمائی کہ اگر امت السلام علیک کو اس عقیدہ سے پڑھے کہ ہم بطور حکایت پڑھتے ہیں یا فرشتے ہمارے سلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں تو پھر خطاب ہو جاتا ہے جیسے خطوط کی مثال ہم نے پیش کی تھی یا اگر تخیل اور تصور میں حاضر سمجھ کر خطاب کرے تو اس کے لیے اس میں گنجائش ہے ورنہ بجائے اس کے السلام علی النبی پڑھیں تاکہ غلط واقع نہ ہو۔[1]

طریق عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

بہرحال جب یہ ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعی السلام علیک ایہا النبی کہنے والوں کی رو سے حاضر و ناظر ہوتے تو ایک کو ۔ ۔ ۔ ساتھ طریق افضل ہی سے

---

[1] اس تخیل و تصور پر شرعی کوئی ثبوت نہیں کسی صحابی سے منقول ہے۔ حسن اوسی غلیلہ البیان مولانا ب حقی

اور ضمیر خطاب وغیرہ کے محل وقوع اور موقع استعمال سے بخوبی واقف تھے اور حضورؐ کی فیض صحبت کی برکت سے قرآن کریم اور حدیث کے مطلب کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے ان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے تھا کہ حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور دوسرے خود حضورؐ کو اگر دوسرے امتیوں سے نہیں تو ان صحابہ کرام سے جو آپ کے نمازی بھی تھے اچھی خاصی واقفیت ہونی ضروری تھی، لیکن قرآن کریم اور حدیث کا علم رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کسی صحابی کا یہ عقیدہ نہ تھا۔

تو جل گیا کہ خانہ امید جل گیا +
دل بجھ گیا ترے سخن دل کشا کے بعد

ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ میں لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے شب معراج میں خلعت انعام ملا تھا اور اسی وجہ سے خطاب ایہا النبی درست و جائز ہوا۔ حکایت معراج کی مراد ہے نہ اور کچھ جیسا کہ قرآن و حدیث میں جا بجا یا فرعون، یا ہامان۔ یا موسیٰ۔ یا رسول اللہ وغیرہ حکایت کے طور پر پڑھا جاتا ہے اور نیز صحیح بخاری فتح الباری وغیرہ حدیث کی کتابوں میں سب بد عقیدگی لوگوں سے عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابہ کرام سے السلام علی النبی پڑھنا ثابت ہے، اور اگر بد عقیدگی نہ ہو تو خطاب کے ساتھ پڑھنا لازم و ضروری ہے کہ اس میں اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم کیا تھا الخ فقط: حقیر سراپا تقصیر بندہ گنہگار ابو محمد عبدالغفار دہلوی نائب مفتی محکمۃ القضاۃ الاسلامیہ جماعت غرباء اہلحدیث کراچی

(فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص ۱۴ ۱۴۹)

سوال ہو کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ فلاں آدمی یزید بن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعنت بھیجتا ہے لیکن زید کہتا ہے کہ ان پر لعنت بھیجنا گناہ ہے اور کہتا ہے کہ ان کے لئے رحمۃ اللہ علیہ استعمال کرنا چاہئے کیا زید اپنے موقف میں سچا ہے؟ مدلل بیان فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اجر پائیں۔ السائل: محمد عبید اللہ ساکن لدھیکے بیجے ضلع لاہور۔

الجواب بعون الوھاب :- واضح ہو کہ زید کا موقف بلاشبہ درست اور صحیح ہے اور وہ اپنے دعوے میں سچا ہے دراصل بات یہ ہے کہ یزید پر لعنت اس لئے روا رکھی جارہی ہے کہ انہوں نے یا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا یا شہید کرنے کا حکم دیا تھا یا اس پر خوش ہوئے تھے مگر ہمارے نزدیک یہ تینوں باتیں غلط ہیں کیونکہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا چنانچہ امام ابن صلاح اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں، لَمْ یَصِحَّ عِنْدَنَا اَنَّهٗ اَمَرَ بِقَتْلِهٖ (فتاویٰ ابن صلاح ص ۱۹) کہ ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا حکم دیا تھا دراصل حکم دینے والا عبید اللہ بن زیاد تھا جو ان دنوں عراق کا گورنر تھا۔

۲: حضرت مجدد ملت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں، اِنَّ یَزِیْدَ لَمْ یَاْمُرْ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ بِاتِّفَاقِ اَهْلِ النَّقْلِ وَلٰکِنْ کَتَبَ اِلٰی ابْنِ زِیَادٍ اَنْ یَّمْنَعَهٗ عَنْ وِلَایَةِ الْعِرَاقِ (منہاج السنۃ ص ۲۲۵ ج ۲)

یعنی مورخین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا البتہ ابن زیاد کو یہ ضرور لکھا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ولایت عراق سے باز رکھے، ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوا کہ نہ تو یزید قاتل حسین رضی اللہ عنہ ہے اور نہ اس نے قتل حسین کا حکم دیا تھا، رہی یہ بات کہ یزید نے قتل حسین پر خوشی کا اظہار کیا تھا تو یہ بات بھی پہلی دونوں باتوں کی طرح بیچارے یزید پر بہتان ہے کیونکہ تاریخ میں صحیح طور پر ثابت ہے کہ یزید نے قتل حسین پر بجائے خوشی کے غم واندوہ اور دکھ کا اظہار کیا تھا چنانچہ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں، وَلَمَّا بَلَغَهٗ ذٰلِكَ یَعْنِیْ اَظْهَرَ التَّوَجُّعَ عَلٰی ذٰلِكَ وَظَهَرَ الْبُکَاءُ فِیْ دَارِهٖ وَاَکْرَمَ اَهْلَ بَیْتِهٖ وَاَجَازَهُمْ (منہاج السنۃ ص ۲۲۶ ج ۲) یعنی جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کا سر مبارک یزید کے پاس پہنچا تو اس نے اس حادثہ فاجعہ پر دکھ اور ہمدردی کا اظہار کیا اور اپنے گھر میں گریہ وبکا ہوا اور گستاخی کا کوئی کلمہ منہ سے نہیں نکالا اور قطعاً کسی کو محبوس نہیں رکھا بلکہ اہل بیت کے اس لٹے پٹے مظلوم قافلے کی تعظیم وتکریم کی انہیں انعام واکرام سے نوازا۔

امام ابن حجر ہیثمی شافعی فرماتے ہیں، إِنَّ أَمْرَهُ بِقَتْلِهِ وَسُرُورَهُ بِهِ لَمْ يَثْبُتْ صُدُورُهُ عَنْهُ مِنْ وَجْهٍ صَحِيحٍ بَلْ كَمَا حُكِيَ ذَلِكَ حُكِيَ عَنْهُ ضِدُّهُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ (الصواعق المحرقہ ابن حجر مکی صـ۱۳۱)
یعنی حکم قتل اور شہادت حسینؓ پر یزید کا اظہار مسرت دونوں باتیں پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتیں،
اسی طرح قاضی ابن العربی مالکی نے بھی جو چھٹی صدی کے مشہور فقیہ اور مورخ ہیں اپنی کتاب العواصم من القواصم صفحہ ۲۳۲ اور ۲۳۳ میں بڑی تفصیل سے یزید کو بدنام کرنے والی کہانیوں کی بڑے زور سے تردید فرمائی ہے ان اصحاب علم و تحقیق کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ شہادت حسینؓ کی ذمہ داری یزید پر عائد نہیں ہوتی جب الزام ہی درست نہیں تو اس پر متفرع لعنت کس طرح جائز ہو سکتی ہے اگر اس الزام کو دو منٹ کے لئے درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی لعنت جائز نہیں کیونکہ قتل ناحق محض حلال گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں بشرطیکہ قاتل قتل ناحق حلال نہ سمجھتا ہو اور کبیرہ گناہ کا مرتکب اہل سنت کے نزدیک کافر نہیں ہوتا چنانچہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں، إِنَّ الرِّضَا بِقَتْلِ الْحُسَيْنِ لَيْسَ بِكُفْرٍ (شرح فقہ اکبر صـ۸۸) کہ قتل حسینؓ پر راضی ہونا کفر نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ محقق علماء نے صحیح بخاری کی ایک حدیث کی رو سے یزید کو جنت کا مستحق قرار دیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں،
أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ (صحیح بخاری صـ۴۱۰ ج۱ بَابُ مَا قِيلَ فِي قِتَالِ الرُّومِ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی اولین فوج جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گی اس کی مغفرت ہو چکی ہے امام ابن حجر شافعی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں، قَالَ الْمُهَلَّبُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ وَمَنْقَبَةٌ لِوَلَدِهِ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا مَدِينَةَ قَيْصَرَ (فتح الباری شرح بخاری صـ۲۲ حاشیہ صحیح بخاری صـ۴۱۰)
اس حدیث سے حضرت معاویہ رضؓ اور ان کے بیٹے یزید کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ بحری غزوہ کا آغاز کرنے والے حضرت معاویہ رضؓ ہیں اور شہر قسطنطنیہ پر غزوہ کرنے والے ان کے بیٹے یزید ہیں اور اس لشکر میں خود حضرت حسین رضؓ نے یزید کی ماتحتی میں شرکت کی تھی، البدایہ والنہایہ صـ۱۵۱ ج۸، بہرحال ہمارے نزدیک یزید کا ایمان محقق ہے اور مومن پر لعنت جائز نہیں چنانچہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں، لَا يَخْفَى أَنَّ إِيمَانَ يَزِيدَ مُحَقَّقٌ وَلَا يَثْبُتُ كُفْرُهُ (شرح فقہ اکبر صـ۸۸)
آخر میں امام غزالی کا فتوے بھی پڑھئے، ... مَا صَحَّ قَتْلُهُ الْحُسَيْنَ وَلَا أَمْرُهُ وَلَا رِضَاهُ بِذَلِكَ،

مُحَمَّلًا لَمْ يَجُزْ ذَالِكَ عَنْهُ لِمَ يَجُوزُ اَنْ يَظُنَّ ذَالِكَ فَاِنَّ اِسَاءَةَ الظَّنِّ بِالْمُسْلِمِ حَرَامٌ (وفیات الاعیان ص۴۵۰ ج۲) کہ حضرت حسینؓ کو یزید کا قتل کرنا، قتل کا حکم دینا اور قتل پر راضی ہونا یہ تینوں باتیں صحیح نہیں ہیں تو بدظنی کو روا رکھا جائے کیونکہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی حرام ہے، موصوف نے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کے تحت یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنے کو درست لکھا ہے چنانچہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔ (صحیح بخاری ص۱۸۷ جلد اول باب ما ینہی من سب الاموات) کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں کو گالیاں نہ دیا کرو کیونکہ وہ اپنے اعمال کی جزا و سزا تک پہنچ چکے ہیں مرقات میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ اَيْ بِاللَّعْنِ وَالشَّتْمِ وَاِنْ كَانُوْا فُجَّارًا وَكُفَّارًا اِلَّا اِذَا كَانَ مَوْتُهُ بِالْكُفْرِ قَطْعِيًّا كَفِرْعَوْنَ وَاَبِيْ جَهْلٍ وَاَبِيْ لَهَبٍ (ص۱۱۵ مشکوٰۃ) یعنی کسی مردے کا نام لے کر گالی گلوچ دینے کی کوشش نہ کرو۔ ہاں اگر فرعون اور ابوجہل کی طرح کسی کی موت یقینی طور کفر پر واقع ہوئی ہو تو پھر اس کا نام لیکر لعن طعن جائز ہے ورنہ نہیں بہرحال یزید کو لعنتی اور برا بھلا کہنا قطعاً جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اہل حدیث کے علاوہ مذاہب اربعہ کے محققین کے نزدیک بھی ایک مسلمان تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

(اخبار اہلحدیث لاہور ۱۶ جولائی ۱۹۷۵ء)

سوال:۔ دولہا دولہن کا فوٹو لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ہر ذی روح کا فوٹو لینا جائز نہیں ہے خواہ وہ دولہا دولہن ہو یا کوئی اور، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ (بخاری) اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عذاب فوٹو کھینچنے والے کو ہوگا۔

سوال:۔ کیا عورت کسی جانور کو ذبح کر سکتی ہے؟

جواب:۔ بوقت ضرورت عورت جانور کو ذبح کر سکتی ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا حلال و درست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے بکری ذبح کر دی تھی آپ نے حلال کا حکم فرمایا تھا (بخاری)

سوال:۔ اگر قرآن مجید ہاتھ سے گر جائے تو اس کا کیا کفارہ ادا کرنا چاہیئے؟

جواب :۔ بغیر قصد اور بغیر ارادہ گر جانے سے شرعاً کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ بے ادبی سے بچانا ضروری ہی ہاتھ سے چھوٹ جانے سے جو بعض لوگ اسے اُٹھا کر چومنے لگتے ہیں اس کا شرعاً ثبوت نہیں ہے۔

سوال :۔ بندوق کی گولی اور غلیل کا شکار حلال ہے یا نہیں؟
جواب :۔ اگر وہ شکار بغیر ذبح کئے ہوئے مر گیا ہو تو محققین علماء کے نزدیک موقوذہ میں داخل ہے جو کہ حرام ہے۔

سوال :۔ مور حلال ہے یا حرام؟
جواب :۔ مور حلال ہے کیونکہ پنجہ دار جانور ہے بلکہ کھانے والا نہیں ہے جس کی ممانعت آتی ہے۔
سوال :۔ سخت بیماری کی حالت میں بعض اس خیال سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کرتے ہیں کہ اس جانور کے بدلے میں مریض کی جان بچ جائے گی ایسا کرنا درست ہے۔
جواب :۔ اس خیال سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے موت کا وقت مقرر ہے اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ ہاں انصدقتہ تدفع (صدقہ رد بلا) کے خیال سے جائز ہے۔

سوال :۔ کیا مردے سنتے ہیں؟
جواب :۔ مردہ بے جان کو کہتے ہیں، اور بے جان میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں حدیث میں جہاں سننے کا ثبوت ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ان کی روح کو سنا دیتا ہے۔
(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۲۳)

سوال :۔ عرسوں تعزیہ کے میلوں اور دیگر میلوں میں جا کر تجارت، اور خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟
جواب :۔ جہاں کفر و شرک اور بدعت وغیرہ جیسے ناجائز کام ہوتے ہوں وہاں جانا ہی درست نہیں ہے اور نہ وہاں جا کر خرید و فروخت کرنا چاہیئے۔ یہ سب مقامات زور کے ہیں، اور قرآن مجید میں مومنین کے اوصاف میں سے بیان کیا گیا کہ " لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ " مومن وہی لوگ ہیں جو ناجائز مجلسوں میں نہیں شریک ہوتے ہیں۔
(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ شمارہ ۱۲)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین شعر ذیل کے بارے میں،

جنت میں جو نکہت ہے جنت کو مزدوران زہ جو جیسی گزر بطحا کے منظر دے ہے دنیا سے بڑھ کر بہار مدینہ جنت نہیں ہے تو مدینہ کیا ہے
بعض سخن ناشناس نافہم اہل علم شعر میں قباحت شرعی کا حکم لگاتے ہیں اور جنت کی بابت اسارت
ووجب وعدہ منت وامانت کا پڑھنا بہلوان کو محسوس ہوتا ہے ان کا یہ خیال کس حد تک صحیح ہے جنت جو ہر
خرابی اور عیب سے منزہ ہے اس کی تحقیر ودوم کا حامل شعر کو قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائل شاعرانہ طرز بیان واسلوب تخیل سے محض ناآشنا اور
تعبیرات ساحرانہ سے بالکل بیگانہ ہے اور حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم
گوش گذار ہوتی تو وہ ایسی جراءت نہ کرتا ، شاعر نے بقوت تخیل ایک قسم کی جنت موہوم پیدا
کی جو اس کی بلبستگی کا منظر نہیں رکھتی پھر اس مفروضہ وخیالی جنت کا مقابلہ بطحا شریف یعنی مکہ
معظمہ کے سواد مقدس سے کیا اور ذہنی تراشیدہ جنت پر اس کو فضیلت دی اس میں وہ شعر او شرعاً
کیوں کر خطاوار ٹھہرایا جا سکتا ہے تخیل شاعرانہ کا میدان نہایت وسیع ہے معترض بیچارہ مذاق
شعری وشرعی نہیں رکھتا ، الحمد و مجیب مس شعر مذکور حضرات مناطقہ کی اصطلاح میں قضیہ متصلہ
لزومیہ ہے اس میں مستلزم محال بھی ہوتا ہے ، اسلوب کلام ربانی وطرز بیان قرآنی پر نظر کرو ارشاد
لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ط یعنی اگر زمین وآسمان میں چند معبود خالق ہوتے تو یہ
فاسد ہو جاتی دوسری جگہ کلام پاک متعلق فرمایا ہے ، ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا
کثیرا یعنی اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے ہوتا ، تو اس میں اختلاف کثیر پایا جاتا یہ طرز بیان قرآنی ہے جو
معجز وبلیغ ہے اور شعر مذکور کا انداز کلام بھی اسی طرز کی تقلید ہے اس میں شک وشبہ صریح کفر وضلالت
ہے نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات و لہاصل شاعر کسی صورت میں مورد ملام نہیں ہو سکتا
ہے ، اور شعر مذکور میں قباحت شعری وشرعی نہیں ہے اور اعتراض محض کم فہمی سے نتیجہ دلیل جہل ہے
(راقم مفتی خلیل الرحمٰن عفی عنہ) (اخبار اہلحدیث دہلی جلد نمبر شمارہ ۷)

سوال:۔ کیا مرنے والے کی روح دنیا میں آتی ہے اور کیا مرنے کے بعد مردہ کی روح چالیس روز
تک اپنے گھر میں رہتی ہے ،

جواب:۔ روحوں کے رہنے کے دو مقام ہیں اگر نیک روح ہے تو علیین میں اور بد ہے تو سجین
میں چلی جاتی ہے قبر میں سوال وجواب کے موقع پر لوٹائی جاتی ہیں اس کے بعد دنیا میں نہیں آسکتیں ۔

مسئلہ تقدیر

سوال: مسئلہ تقدیر کی کیا اصلیت ہے۔ اور کسب اور خلق میں کیا فرق ہے؟ یعنی جن اشخاص کو خدا نے دوزخی بنا دیا ہے۔ اور ان کو اسی کے لئے پیدا کیا تو پھر ان پر کیا الزام ہے؟ اور پھر ان سے انبیاء کی اتباع و تصدیق کا مطالبہ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب: مسئلہ تقدیر کی اصلیت دو چیزیں ہیں ایک علم ایک قدرت۔ علم اس طرح کہ بندے کو جب خدا نے پیدا کیا تو اس نے نیکی کرنی تھی یا بدی۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی تھا۔ سو اس کو لوح محفوظ کی صورت میں پہلے ہی لکھ دیا۔ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا، اس لئے بندے نے کیا یہ غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بندے نے کرنا تھا اس لئے اللہ نے لکھا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے قلم کو حکم ہوا اُکْتُبْ لکھ۔ قلم نے کہا مَا اَکْتُبُ (میں کیا لکھوں) حکم ہوا۔ اُکْتُبِ الْقَدَرَ فَکَتَبَ مَا کَانَ وَمَا هُوَ کَائِنٌ اِلَی الْاَبَدِ۔ ترجمہ: تقدیر لکھ، پس قلم نے جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونا تھا لکھ دیا۔

بتلائیے! اس میں اللہ کا کیا قصور۔ ہاں اگر اللہ کا لکھنا بندے کے لئے رکاوٹ ہوتی۔ تو پھر اعتراض کرنے والا اعتراض کر سکتا تھا۔ کہ بندے کا کیا قصور؟ لیکن جب ایسا نہیں بلکہ بندے نے جو کچھ کرنا تھا قلم نے خدا کے حکم سے وہی لکھا۔ پھر راستے پر بھی بندے کو نہیں پکڑا۔ بلکہ بندے نے جب فعل کر لیا اس وقت پکڑا۔ یہ اب علم کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہ رہا۔ زیادہ وضاحت کے لئے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اگر یہ اعتراض تھا کہ علم نہ ہوتا تو بھی بندے نے نیکی یا بدی کرنی تھی۔ تو اللہ کو علم ہونے سے کون سا جبر آگیا۔

رہا قدرت کا مسئلہ یہ نہایت نازک ہے بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں۔ خدا تعالیٰ بندوں کو طرح طرح سے آزماتا ہے۔ بدنی آزمائشیں بھی آتی ہیں۔ عقلی بھی۔ تقدیر کا مسئلہ عقلی آزمائش ہے مگر اس کو ایسا بھی نہیں کیا کہ بالکل مبہم رکھا ہو۔ بلکہ ایمان کے لئے جس قدر ضرورت تھی اتنا پردہ اٹھا دیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر مخالف موافق اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جبر بھی ایک نقص ہے نقص نہیں ایک تو اس میں حکمت کا خلاف ہے کہ خود ہی ایک فعل کرے اور اس پر سزا دے۔ دوسرے اس میں بندے کو ناحق تکلیف دینا ہے جس کو ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ ایک کی جان

دیکھیں ہو۔ دوسرے کا تماشہ اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مطلق ہے۔ جس کا اثر اس کا خالق ہوتا ہے۔ مگر بندہ بھی فاعل ہو تو یہ شرک فی الربوبیت ہے جو بڑا شرک ہے پس معلوم ہوا کہ بندہ مجبور بھی نہیں اور مختار مطلق بھی نہیں بلکہ اس کی حالت بین بین ہے۔ جس کو کسب اور اکتساب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس ایمان کے لئے اتنی معرفت کافی ہے۔ کیونکہ ایمان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حقیقت شے کا علم ہو تب ایمان لائے۔ دیکھئے روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے لیکن اس کے آثار کی وجہ سے ہم مانتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات و صفات پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن کنہ و حقیقت کا علم نہیں ٹھیک اسی طرح کسب و اکتساب کو سمجھ لینا چاہیے۔ اس سے آگے بحث میں خیر نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں بحث سے منع فرمایا ہے۔ میرے مسودہ میں اس کے متعلق بہت سے مضامین ہیں کبھی موقع ہوا تو تفصیل ہو گی۔ انشاء اللہ العزیز

فتاویٰ اہلحدیث جلد اول ص ۲۴۲

سوال: بزرگ کہتے ہیں کہ بیعت کرنا سنت ہے کیا یہ صحیح ہے

جواب: کسی متقی متورع متدین عالم سے جو بیعت کرنے کو ذریعہ معاش نہ بنائے بیعت ہو جانا یعنی اس کے ہاتھ پر توبہ کرنا اور عمل صالح کی پابندی کا عہد کرنا جائز اور مباح ہے۔ کما یدل علیہ حدیث عبادۃ بن الصامت المروی فی الصحیحین فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد بایع الصحابۃ علی الاصول التی ذکرت فی الحدیث الذی اشرنا الیہ بعد تمام الہجرۃ علی ما حققہ الحافظ فی شرح کتاب الایمان من صحیح البخاری وکما یدل علیہ حدیث عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الا تبایعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرددھا ثلاث مرات فقدمنا ایدینا فبایعناہ فقلنا یا رسول اللہ قد بایعناک فعلام نبایعک قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا والصلوات الخمس واسر کلمۃ خفیۃ ان لا تسئلوا الناس شیئا (رواہ مسلم)

عبید اللہ رحمانی
محدث دہلی جلد ۱۰ ش ۱۲

سجدہ تعظیمی

سوال: سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو یعنی انبیاء اولیاء کو کرنا شرک اکبر ہے یا حرام کبیرہ گناہ؟ اور آدم علیہ السلام کو جو ملائکہ سے سجدہ کرایا گیا وہ سجدہ تعظیمی تھا یا تعبدی؟ اور خدا نے ملائکہ سے سجدہ کیوں کرایا جب کہ اس نے شرک کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا؟

دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا تھا۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ (سورہ یوسف) اس سے ظاہر ہے کہ شریعت یوسفی تک سجدہ تعظیمی جائز تھا اگر شرک ہوتا تو کسی شریعت میں جائز نہ ہوتا کیونکہ شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام تھا۔ جو لوگ سجدہ تعظیمی کو شرک اکبر کہتے ہیں وہ اسلام میں غلو کرتے ہیں یا نہیں؟

جواب: بے شک شرک کفر کسی شریعت میں جائز نہیں مگر اس کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے وقت بہن بھائی میں نکاح جائز تھا اب کوئی شخص جائز کہے تو وہ کافر ہے اور حکم ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ مشرک ہے۔ ٹھیک اسی طرح سجدہ تعظیمی ہو یا تعبدی جب خدا کے حکم سے ہو تو وہ غیر کی عبادت نہیں جب خدا کے حکم کے خلاف ہو تو وہ غیر کی عبادت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ نیز قرآن شریف میں ہے ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾۔ یعنی حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے کیا ان کے لئے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین مقرر کیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

قرآن مجید میں ہے۔

﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾

یعنی سورج چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ذات کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں مطلق سجدہ سے نہی فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا ہے کہ اس ذات کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مخلوق سورج چاند کا حق نہیں بلکہ سجدہ خالق کا حق ہے

مخلوق کا ہیں خواہ سورج چاند ہو یا کوئی اور مخلوق ہو۔ اور اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ سے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سجدہ غیر کو ہو گیا تو پھر خاص خدا کے عابد نہیں رہو گے بلکہ مشرک ہو جاؤ گے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔ یعنی کہہ دے اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے مقابلہ میں کسی اور کی اتباع کرو گے خواہ کسی طرح سے ہو تو پھر خدا کی محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت بالا کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے کہ جب غیر کو سجدہ ہوا (خواہ اس کا نام سجدہ تعظیمی رکھو یا کچھ اور) تم خاص خدا کے عابد نہیں رہ سکتے بلکہ مشرک ہو جاؤ گے گویا ہماری شریعت میں سجدہ مطلقاً حرام کر دیا گیا ہے خواہ اس کا نام کوئی کچھ رکھے۔ اور اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے۔

ما تقبيل الارض ووضع الرأس ونحو ذلك[1] مما فيه السجود مما يفعل قدام بعض الشيوخ وبعض الملوك فلا يجوز بل لا يجوز الانحناء كالركوع كما قالوا للنبي صلى الله عليه وسلم الرجل منا يلقى اخاه اينحني له قال لا ولما رجع معاذ من الشام سجد للنبي صلى الله عليه وسلم فقال ما هذا يا معاذ فقال يا رسول الله رأيتهم في الشام يسجدون لأساقفتهم ويذكرون ذلك عن انبيائهم فقال كذبوا عليهم لو كنت آمرا احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من اجل حقه عليها يا معاذ انه لا ينبغي السجود الا لله۔ واما فعل ذلك تدينا وتقربا فهذا من اعظم المنكرات ومن اعتقد مثل هذا قربة وتدينا فهو ضال مفتر بل يبين له ان هذا ليس بدين ولا قربة فان اصر على ذلك استتيب والا قتل۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد اول صفحہ)

[1] یعنی زمین کو بوسہ دینا اور سر زمین پر رکھنا اور مثل اس کے جن میں سجدہ ہے جو بعض مشائخ کے سامنے کیا جاتا ہے

بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے یہ جائز نہیں بلکہ جھکنا مثل رکوع کے بھی جائز نہیں۔ چنانچہ صحابہؓ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم سے کوئی اپنے بھائی سے ملتا ہے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ تو فرمایا نہ۔ اور جب معاذ رضی
سفر شام سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ فرمایا: اے معاذ! یہ کیا؟ کہا میں نے اہل کتاب کو دیکھا
کہ وہ اپنے علماء کو سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا یہ جھوٹے ہیں۔ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند
کو سجدہ کرے بوجہ حق اس کے کہ اس پر ہے معاذ۔ سوا خدا کے کسی کے لئے سجدہ لائق نہیں اور شرح میں تو یہاں تک ہے کہ سجدہ
کرنا غیر کے لئے کفر ہے جو اس کا اعتقاد رکھے وہ گمراہ مفتری ہے۔ اس کے لئے بیان کیا جائے کہ یہ دین اور شریعت میں
اگر اصرار کرے تو اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے ؎

قریب قریب اسی قسم کی روایتیں مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء وغیرہ میں موجود ہیں۔ کہ سجدہ غیر کو جائز
نہیں اگر جائز ہوتا تو عورت کو خاوند کے لئے سجدہ کا حکم ہوتا۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں آپ کی قبر کو سجدہ کی ممانعت
مذکور ہے اور جب آپ کو یا آپ کی قبر کو سجدہ کی اجازت نہیں تو غیر کے لئے کس طرح اجازت ہوگی۔ بلکہ مشکوٰۃ
باب القیام میں قیام تعظیمی سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے تو سجدہ کس طرح جائز ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ نماز کی مشابہت کسی غیر کے لئے جائز نہیں نہ قیام نہ رکوع نہ سجدہ۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کی گھڑیوں میں
ممانعت ہے تاکہ کفار وغیرہ سے مشابہت نہ ہو اور جب مشابہت منع ہے تو حقیقتاً قیام یا رکوع یا سجدہ غیر کے
لئے کیونکر جائز ہوگا۔

فتاویٰ روپڑی جلد اول ص ۱۵۰، ۱۵۱

سوال: لوگ کہتے ہیں کہ بیعت ہونا ضروری ہے بغیر پیر و مرشد کے قبر اور قیامت میں کوئی دوسرا
حامی و مددگار نہیں ہوگا کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ محض بازاری گپ ہے جس کو ڈاکو پیروں نے اپنا حلوا مانڈہ اور نذرانہ وصول کرنے کیلئے
جاہل مسلمانوں میں مشہور کر رکھا ہے قبر اور قیامت میں انسان کے اپنے نیک اعمال اور فضل الٰہی کے
سوا کوئی بھی کام نہیں دے گا۔ پورا قرآن اور احادیث نبویہ اس مضمون پر روشن دلیل ہیں۔

(عبیداللہ رحمانی دہلی۔ محدث دہلی جلد نمبر ۵)

؎ ملحوظہ: اگر قتل وغیرہ کے ثبوت کا حق ہے تو وہ اس کتاب میں شامل نہیں بلکہ حنفی کے نزدیک جائز ہے۔

فتویٰ ردِ شرک و بدعت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے حامیین ملت بیضاء اسلام ایسے لوگوں کے حق میں جن کے عقائد واعمال حسب ذیل ہوں (۱) انواع واقسام کے مالی وبدنی وقولی شرک کریں جیسے مال وزراعت لغلہ مویشی جانوروں میں اللہ تعالیٰ کا حق فرض ونفل یا منت نذر وغیرہ کے طور مقرر کیا ہے۔ ویسے ہی اپنے اموال میں پیروں فقیروں بزرگوں کا حق مقرر کریں چنانچہ ہر سال میں چورواں حضرت پیر کا کریں یا ٹوپے پڑوپیاں اور مٹھیں آدمیوں اور مال مویشی کی نکالیں اور ہر ماہ میں بلا ناغہ گیارھویں حضرت پیر کی کریں اور عباس کی کڑاہی تقسیم کریں اور ویسے کیسرے باٹیں اور یہ سمجھیں کہ اگر ان میں قصور کریں تو ہمارے گھر یا مال اولاد وغیرہ میں کوئی نہ کوئی نقصان ضرور ہوگا۔ اور اسی طرح بزرگوں کی خوشی منانے کیلئے اور اپنی حاجات بر آنے پر خانقاہوں پر دیگیں چڑھائیں اور گنیاں بانٹیں اور جانور بزرگوں کے نام پر ذبح کریں اور سخی سرور کی قصوری تقسیم کریں اور حاڑی من پھلاویں اور کھیتی باڑی کے غلہ برداشت کرتے وقت سیٹیاں اور ٹوپے فقیروں اور گنیں اور حضرت پیر کے نکالیں اور تعزیوں اور تابوتوں پر پڑے مٹھائی بانٹیں نشان اور شدے چڑھائیں اور جھنڈے بنائیں اور نام وناموس کے لئے شادیوں اور ماتموں پر بیجا مال اڑائیں اور خرچ کریں مثلاً آتش بازی کنجر بھنڈ مراثی ڈوم پر اکیں قوال شرنائی کلہیارے بھانڈے چھتر اسے وغیرہ سنگتوں پر مال کو برباد کریں اور خواہ کتنا ہی مالدار ہوں۔ زکوٰۃ ہرگز نہ دیں۔ قرضہ ادا نہ کریں۔ بیاج اور سود دیتے رہیں۔ مسکینوں محتاجوں طالب علموں اور ناطہ رشتہ والوں محتاجوں کا حق ادا نہ کریں باوجود حج کے مستحق ہونے کے حج نہ کریں سینکڑے روپے نٹوں گھڑولی کے تماشا پر اڑائیں اور اپنے رشتہ دار بھائی مسلمان مقروض دیوالیہ وغیرہ کا قرضہ ادا نہ کریں اور قرآن وحدیث کے طالب علموں کی روٹی کپڑے تک کی پرواہ نہ کریں۔ بلکہ روٹی دینے والوں کو بھی روکیں

اور ستائیں خدا اور رسول کے حکم کے موافق نہ خرچ کریں جس طرح طبیعت چاہے۔ یا جہاں لوگ
خوش ہوں فخر و ریا کے طور پر خرچ کریں اور جیسے نماز بیت اللہ یا مساجد کے آداب ہیں۔ ویسے پیروں
فقیروں یا بزرگوں کے ساتھ اور ان کے مزار و خانقاہ پر بجا لائیں۔ جیسے پیروں کے آگے جھک کر پاؤں پکڑیں
قبروں پر جھک کر سلام کریں اور بوسہ دیں اور ان کی خاک چاٹیں اور چومیں۔ وہاں سے تحفے لاویں اور
سفر کر کے حج کی طرح زیارت کو جاویں۔ درود پڑھیں اور قرآن پڑھیں۔ اور غوث اعظم اور دستگیر اور
گھر داتا اور مشکل کشا وغیرہ نام رکھیں۔ اور شہنشاہ اور بادشاہ اور سلطان کر کے پکاریں اور ان کی نگری مقرر
کریں اور چراغ جلائیں خانقاہوں پر بیت اللہ کی طرح غلاف چڑھائیں۔ اور بار بار طواف کریں اور
خانقاہ کے ارد گرد حرم بنا کر وہاں سے درخت اور لکڑی وغیرہ نہ کاٹیں لیکن اتنا فرق ہے کہ بیت
اللہ کے مجاور بیت اللہ کے حرم کی لکڑی وغیرہ استعمال نہیں کرتے اور یہ مجاور خانقاہوں والے
چاہے ڈوم مراسی وغیرہ ہوں سب گورستان اور غیر گورستان کی لکڑیاں خوب استعمال کرتے ہیں
اور پیروں کے نام کا [illegible] مقرر کریں اور ان پر چھری ... دودھ گھی جا کر چڑھائیں۔ اور جب کسی
کی شادی ہو تو دلہن یا لڑکی کو لے جا کر سجدہ یا چوکھٹ پر کرائیں اور کچھ نذرانہ اور چڑھاوا بھی دیں
اور پیروں کے نام کی لٹیں رکھائیں۔ جیسے چوں گڈو اور ننھے بچوں کو پہنائیں۔ اور مزار پر بیت اللہ
یا مسجد کی طرح وہاں پر بھی گنبد یا گنبد بنا کے مکان وغیرہ بنوائیں اور اعتکاف کی صورت بنا کر
وہاں خانقاہ میں بیٹھیں اور کعبہ کی طرح مجاور بنیں۔ اور ان کا ادب آداب کریں۔ اور
محمد والے مولویوں یا ظاہر طالب علموں کو جو دین الٰہی سیکھتے سکھاتے ہیں ان سے لڑیں
اور جھگڑیں اور ستائیں اور جیسے جمعہ مبارک کی عید کی خوشی اور بڑے جشن پر جمع ہوتے
اور خوشیاں کرتے ہیں۔ ویسے وہ ہر جمعہ شریف کو عورتوں بچوں سمیت خانقاہوں
پر حاضر ہوں اور راستے میں ناچیں اور گائیں اور ڈھول بجائیں اور تالیاں بجائیں۔ اور غیر محرم
آدمیوں کے ساتھ خوب مل جل کر فحش بکیں۔ اور خیرات کھائیں اور اس کو ثواب
اور اچھا کام سمجھیں اور جو عورت نماز و روزہ کی پابند ہیں اپنے گھر یا بستی میں
رب و رسول کا مسئلہ سنیں تو اس کو برا سمجھیں اور ستائیں اور جو عورتیں سنگ

سنی سرور پیر پرائیوں اور غیر پیروں کے ساتھ چلی جائیں۔ یا شادیوں وغیرہ رسوم میں گائیں
اور راگ مجلسیں کو دیں۔ اور بھجن گیت ستائیں یا اور آ جایا اور آ یارا اور آ یارا بھلا اور آ سینا لگا کر
پکار کر سنائیں۔ اس میں عزت نہ کریں۔ اور جو عورت قرآن و حدیث کا ترجمہ سنے
یا پڑھے اور رب سے ڈرے اس سے عزت کریں۔ اور غیر اللہ سے فریاد رسی کریں
جیسے اٹھتے بیٹھتے لیٹتے کے وقت یا پیر فقیر یا حسین یا علی یا پنجتن یا دستگیر یا حضرت
پیر لقمان حکیم یا پیر استاد وغیرہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بجائے کہیں یا خدا کی
قسم کے سوا قسم اٹھائیں۔ بلکہ خدا کی قسم پر اعتبار نہ کریں اور غیر اللہ کی قسم پر اعتبار
کریں۔ جیسے پیر کی قسم پنجتن کی قسم یا پیراں کی قسم تیرے سر کی قسم دودھ پتر کی قسم
وغیرہ وغیرہ اور السلام علیکم کی جگہ یا علی مدد اور پیر مولیٰ علی مدد کہیں اور بول
چال کے وقت انشاء اللہ اور فقیر تیرا بھلا کرے یا اللہ پنجتن تیری مدد کرے یا حضرت پیر یا حسین
تیرا بیڑا کنارے لگائے یا بیڑی پار کرے۔ یا کھیل کود کے وقت یا علی اللہ کہیں یا نعرہ کے
وقت اللہ اکبر کی بجائے یا حیدر یا علی یار مدد یا حق کا نعرہ ماریں یا تسبیح یا علی پڑھیں یا شاہ مردان
شیر یزداں قوت بازوئے علی یا لا سیف الا ذوالفقار پڑھیں یا علی کو سر تحریر سے لکھیں وغیرہ لکھیں اور قرآن شریف کی تلاوت
کی بجائے مرثیہ پڑھیں اور اصحاب ثلاثہ پر سب بکنے کو اچھا سمجھیں اور نماز پڑھ کر
قطب کی طرف منہ کر کے صلوۃ غوثیہ پڑھیں یا ہاتھ جوڑ کر سلام کریں۔ یا قدم چومیں یا
حاضر ناظر سمجھ کر غیر اللہ کو پکاریں یا ایسے درود وظائف پڑھیں۔ جن کا خدا اور رسول
نے حکم نہیں فرمایا اور پیران کو ثواب سمجھیں یا فعال بجا کے سچے مسلمان سنی کہلوائیں
اور زبان سے اپنے تئیں مسلمان مومن اہل سنت پنج تن پاک سنی وغیرہ کہلوائیں اور نہ نماز
پڑھیں اور اگر پڑھیں بھی تو کبھی پڑھیں اور کبھی نہ پڑھیں اور اگر پڑھنے کے لئے اصرار
کیا جائے تو کہیں کہ میاں شیطان نے تھوڑی نمازیں پڑھیں تھیں یا رمضان میں
پڑھیں گے یا جمعہ کی نمازیں پڑھتے ہیں یا میاں گرمیوں میں پڑھیں گے یا یاں
نماز پڑھنا فارغ البال یعنی نکمے کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ پیچھے کریں اور نماز کے پابند

ہوں ان پر طعن کریں۔ اور نہ روزہ رکھے اگر رکھے تو ایک دو رکھ کر چھوڑ جائیں اور
کہیں میاں روزہ رکھنا بھوکا مرنا ہے اور جان کا رکھنا فرض ہے۔ یا میاں روزے رکھنا
ملانوں کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ جیسا کریں اور نہ زکوٰۃ دیں اگر دیں بھی تو پوری نہ دیں
اور کہیں کہ میاں خدا کوئی بھوکا ہے اور نہ حج بیت اللہ باوجود استطاعت کے کریں
اور بچے پیدا ہونے اور مرنے میں رسم و رواج کی پابندی کر کے نام و ناموس کے طور پر بے
جا مال اسراف کریں۔ اور شریعت کی باتوں پر چلیے اور طعنے ماریں اور سودی قرضہ اٹھا
اٹھا کر شادی میں خرچ کریں ناچ بھانڈ آتش بازی وغیرہ کے اکھاڑوں میں شامیں
اور ویلاں دیں۔ اور گانا مہندی چوتھی ڈھول نقارہ سہرے گھوڑے پر برات
وغیرہ رسوم بجا لاویں اور عورتیں اور مرد خوب کھیلیں جائیں اور ناچیں اور
گائیں اور فحش بکیں اور جو آدمی ان رسوم سے منع کرے اس کو برا سمجھیں اور
مسلمان بھی نہ جانیں اور جھوٹے مقدمے اور جھوٹیاں گواہیاں دیں اور چوری
کریں اور ڈاکہ مارنا اور زنا اور دنگا فساد کرنا اور ذرا ذرا سی بات پر لاٹھیاں چلانا۔
بہادری کا کام سمجھیں اور جو منع کرے یا نہ کرے اس کو بزدل اور نامرد خیال کریں
اور بھانڈوں اور میراثیوں سے اپنے باپ دادوں کی خون ریزیاں سن کر فخر
کریں اور تکرار کے وقت کہیں کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں جس نے فلاں بادشاہ
کی لڑائی وغیرہ وغیرہ کہہ کر جوش میں آئیں اور طرح طرح کے جرائم شرعی اور
سرکار کے مرتکب ہوں۔ کسی کا مال مویشی لوٹ لینا یا ناحق کھا دبا جانا اپنی
بڑائی سمجھیں اور خلق اللہ کی عزت برباد کر دینا اور عورتیں نکال لینا اور یتیم
لڑکوں اور لڑکیوں کا مال کھا جانا اپنی عورتوں کو معلق چھوڑنا یعنی نہ بسانا اور
نہ چھوڑنا اور نہ کھانا پینا اور نہ پوشاک دینا اور بیگانی عورتوں سے بدکاری کرنا اور
جھوٹے قصے کہانیاں اور راگ و سرود سننے وغیرہ کو پسند کریں اور اسلام سمجھیں اور
قرآن و حدیث کے وعظ و درس سے بھاگیں اور نفرت کریں۔ میلے اکھاڑوں

اور تماشوں اور فحش مجلسوں میں سب چھوٹے بڑے جمع ہوں اور حاضر ہوں اور خدا اور رسول کے احکام ماننے اور سننے سے دور رہیں اور پرہیز کریں۔ اور زیادتی سے دنیاوی ڈھب لگے رہنا اور اس کی فکر میں پھرنا اور کھانا پینا اور حقہ بڑکا اور لیٹ رہنا۔ ڈاڑھی منڈا کر مونچھیں بڑھانا۔ ٹوپی رکھوانا۔ تلاوہ پہننا کبھی فرصت ہوئی تو اتاب سناب بکواس بک بک کر کے شب کو برات بابا دا گزارتا یا کہیں کھیل کود ہو تو فوراً جا حاضر ہو تا شعار اسلام کہیں مع حیور زنی سے نفرت اور رنڈی بھنگی پوستی شرابی سے عزت بزرگوں کو پوجنا ان کا ماننا جانیں اور تابوت بنانا اور پیٹنا اور سہرا مہندی کا گھوڑا دلدل اور علی اکبر و اصغر کی شادی وغیرہ سوانگ بنا کر نقل بجانا کپڑے سے پھاڑ تا مٹی اڑانا ڈھول نقارہ تو تی بجانا تعزیہ پڑے سے نوش کرنا وغیرہ افعال کو محبت اہل بیت کہیں جو مولوی ملاں یا پیران سب افعال شنیعہ سے چشم پوشی کر کے ان کا طرف دار ہو کر آمین بالجہر کرنے والے اور رفع یدین کرنے والے پر اعتراض کرے جو سنت نبی علیہ السلام پر کرا اور طریق آنحضرت سے جان کر عمل کرتا ہے اس کو برا سمجھے اور وہابی کہے مسلمان نہ جانے اور جھگڑنے کو آئے جو ان کاموں کو برا جانے اور ان سے منع کرے اور خدا و رسول کی اطاعت کی طرف بلائے اس کو منکر اولیاء کہیں اور ان کے کام پسند کرے اور ان کے ساتھ شامل ہو اس کو مولوی و پیر مرشد کہیں وغیرہ ذالک۔

کیا یہ لوگ سنت و جماعت میں داخل ہیں یا مقلد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ یا کس اور فرقہ کے لوگ ہیں۔ اور ان کا نام و درجہ شریعت کی رو سے کیا ہے۔ بَيِّنُوا تُوجَرُوا۔

السائل عبد الجلیل میونسپل اسلام پوری

الجواب بعون اللہ الوھاب

اقول: بعون اللہ وحسن توفیقہ جن لوگوں کے اعمال و عقائد سائل نے تحریر کئے ہیں ایسے ہی لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اور کتابیں بھیجیں اور یہی مرقومہ بالا باتیں موجب فتنہ و فساد تھیں جن کی اصلاح رب العالمین نے نبی بھیج کر کی اور انہی باتوں

سے لوگ ظلم و تعدی بغاوت و عصیان شرارت و طغیان بغض حسد کے چاہ نیران میں گر
رہے تھے کہ پروردگار عالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر اس بلا سے رہائی دلوائی یعنی
مگر جوں جوں زمانہ خیر القرون یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی برکت و خیر کے زمانہ سے دور ہوتا
گیا معروف منکر اور منکر معروف ہوتا گیا اعمال علم قرآن و حدیث سے لوگ روگرداں ہوتے گئے اور آراء رد
احبار و رہبان میں پھنستے گئے یہاں تک کہ بیکار اور فاحش باتوں کو دین سمجھنے لگے بد احسان اور اعمال صالح
کو بے دینی خیال کرنے لگے اور سخت دل ہوگئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ
أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ
یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح کہ جب انکے نبی اور کتاب کو آئے ہوئے زمانہ دراز گزر گیا تو سخت دل
اور بے دین ہو گئے اسے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ایسے مت ہونا لیکن اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوئی کہ
مسلمانوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کو کچھ مدت گزری تو بے دینی اختیار کی
اور قرآن و حدیث کی راہ چھوڑ بیٹھے اور باپ دادے اور پیروں فقیروں اور مولویوں کی تابعداری کرنے
لگے اور انہوں نے اصل دین کو بدل دیا اور یہود و نصاریٰ کی طرح کئی فرقے ہوگئے اور شرک اور بدعات میں
قناعت کرنیوالے بن گئے اور حیوانوں اور مال و متاع میں لگے خدا اور غیروں کے حصے ٹھہرائے جیسا کہ اللہ
نے فرمایا ہے وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا
لِشُرَكَائِنَا۔ یعنی بنائے انہوں نے کھیتوں اور جانوروں میں حصے اللہ تعالیٰ کے اور شریکوں کے
جس طرح کہ ہم کے مسلمانوں نے اپنے اموال و کھیتوں میں حصے مقرر کئے ہیں مدار جہانیاں سالار کے طور پر نیاز کے
ہیں اور یہ سب شرک و حرام ہیں جس طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کو خدا یا خدا کے برابر نہیں سمجھتے
بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اور بندے ہوئے جانتے ہیں اور انکی منت نذر حصے کرتے اس لئے
ٹھہراتے ہیں کہ ان کے ملنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور راضی ہوتا ہے اور خدا نے ان کو سب کچھ اختیار دے رکھا
ہے ویسی ہی مکہ کے مشرک کہا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں یعنی مشرکین مکہ مثلاً
ابوجہل وغیرہ نے کہا کہ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ۔ ہم انکی پرستش نہیں کرتے مگر اسلئے کہ ہمیں
خدا سے ملا دیں اور قریب کر دیں اور یہ ہمارے سفارشی ہیں وغیرہ وغیرہ پس یہ پچھلے مشرک پہلے مشرکوں

سے مل گئے بلکہ بڑھ گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے مضطر ہونے کی حالت کی خبر دی ہے کہ جب دریا وغیرہ میں جا کر غرق یا ہلاک ہونے لگتے تھے تو خالص اللہ کو پکارتے تھے اور پھر شرک کرتے تھے اور یہ مشرک حالت اضطرار میں بھی یا بہاؤ الحق یا حضرت پیر یا مشکل کشا وغیرہ پکارتے ہیں اور جو نام کہ خود رکھ کر مثلاً غوث الاعظم دستگیر یا گنج بخش یا مشکل کشا وغیرہ پکارتے ہیں تو یہ ان میں داخل ہیں اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ یعنی یہ نام ان مشرکوں نے اور ان کے باپ دادوں نے بغیر دلیل قرآن و حدیث کے گھڑ کر رکھ لئے ہیں صرف ظن اور اپنی خواہش کی تابعداری کرتے ہیں اس طرح بغیر حکم خدا کے مال خرچ کرنا اسراف کرنے والے شیطان کے بڑے بھائی ہیں اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ اسی طرح اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارنا شرک ہے اللہ صاحب نے فرمایا ہے۔ وَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔ اور غیر کی قسم کھانا بھی شرک ہے۔ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ رسول اللہ نے فرمایا ہے اور خانقاہوں وغیرہ پر یا بزرگوں کے نام سے ذبح کرنا یا خیرات کرنا شرک ہے اور حرام اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔ یعنی جو چیز سوا اللہ کے دوسرے کے نام پر تعظیم و تقرب یا منت کے طور پر مشہور کیا جائے وہ بھی خنزیر و شراب کی طرح ہے حرام ہے اگرچہ وقت ذبح اللہ کا نام لیں تب بھی تو کچھ فائدہ نہیں جب نیت بگڑی ہوئی ہے تو زبانی بسم اللہ کہنے سے کیا ہے جیسے چوری کا مال حرام چیز بسم اللہ کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی ایسی ہی چوری کا یا رشوت وغیرہ کا مال حلال نہیں ہو سکتا اور اگر کہیں کہ ہم ان کے واسطے کی ارواح کو دیتے ہیں تو یہ دھوکا ہے۔ کیونکہ کیا ضرور ہے کہ سال کے بعد ہی چڑھاوا ہی ہو یا گیارہویں کا دودھ مرغ یا بکری وغیرہ ہو یا مقرر کر لیا اور نذر کرنا اور پھر اس ارواح کو فرض کی طرح ادا کیا بلکہ یہ کھانے پینے والوں کے گھر ہوتے ہیں اگر ان کی نیت ہوتا اور اللہ کی رضا مطلوب ہو تو زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے فقراء و مساکین و یتامیٰ بیوہ گان وغیرہ مستحقین پر مال کیوں صرف نہیں کرتے اور اسی طرح نذر اللہ نیاز حسین کہنا بھی شرک ہے اور جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے وہ ملعون ہے جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ اسی طرح ریا و فخر کے طور پر کھانا پکانا یا مال خرچنا شرک اور حرام ہے جیسے لوگ مرنے یا شادیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی نیت سے یا لوگوں کی عار اور طعنہ کے ڈر سے کھانے پکاتے اور خرچ کرتے ہیں اور رسول ﷺ نے منع فرمایا

ہے ایسے طعام کھانے سے بچنے روایت ہے۔ نھی عن طعام المتباریین ای المتباہیین بالتھور والریاء اور اسی طرح قبور اور خانقاہوں کے معاملہ جو کچھ درج سوال ہوئے ہیں سب حرام اور شرک ہیں اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا لا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من امتي بالمشركين وحتى تعبد قبائل من امتي الاصنام یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت کے قبائل مشرکین سے نہ جا ملینگے اور بتوں کی پوجا نہ کریں گے جیسے تابوت اور خانقاہیں وغیرہ اور فرمایا لا تقوم الساعة حتى تضطرب اليات نساء دوس حول ذي الخلصة یعنی قیامت نہ ہوگی جبتک کہ دوس قبیلہ کی عورتیں ذی الخلصہ کے گرد طواف نہ کریں گی یعنی چوتڑ ہلائیں گی جیسے خانقاہوں اور قبروں پر عورتیں جمع کرلیتی ہیں اور پھرتی ہیں اور جو شخص یا پیر بنانے اسلام کے خرچ لاوے وہ مسلمان ہی نہیں ہیں اور کھیل تماشا اور فواحش میں پھنسنے والوں کی نسبت فرمان ایزدی الذين اتخذوا دينهم لهوا ولعبا یعنی کافروں نے اپنا دین کو کھیل تماشا اور لہو ولعب ہی بنا رکھا ہے اور دین سے غافل ہوا اور کھانے پینے والے اور پیٹ کے دہندے میں لگے والوں کے حق میں فرمایا جو نہ سنیں اور نہ کچھ سمجھیں اولئك كالانعام بل هم اضل کہ یہ لوگ چارپایوں سے بھی بدتر ہیں اور جو مولوی ملاں یا پیرزادے ان افعال کی تخریج کریں اور منع نہ کریں بلکہ ان میں کھانا پینا کریں اور حق چھپائیں اور انہیں کی طرفداری کریں ان کی مثال اللہ پاک نے گدھے اور کتے کی طرح فرمائی ہے اور ایمان کے پیچھان سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے ایسے ہی لوگوں کو فرمایا ہے وكذلك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الانس والجن يوحي بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا یعنی ایسے ہی شیطان جن والانس اللہ کے رسولوں کے دشمن ہوتے ہیں اور جو ملا پیر وغیرہ کو اسلام سمجھیں ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا وزين لهم الشيطان اعمالهم شیطان نے ان کو برے کام اچھے کر دکھائے لعزض یہ سب افعال واعمال جو سائل نے درج کئے موجب فتنہ و فساد ہیں اور باعث اٹھ جانا امن کا بلا امن کے ہیں اللہ صاحب نے فرمایا ہے ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت ايدي الناس یعنی خشکی اور تری میں آدمیوں اور عورتوں کے باعث فساد پھیل گیا اور ایسے ہی لوگوں کی شامت و نحوست سے خلق اللہ ہلاک ہوتی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بدل ڈالیں اور آپ بھی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الم تر الى الذين بدلوا نعمة الله كفرا واحلوا قومهم دار یعنی کیا ان لوگوں کو تو نے نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت یعنی قرآن و حدیث یا ہدایت شریعت و دین الٰہی

تبادُنِیْقَضُوْا کو یعنی آپس سے بدل دیا اور اپنی قوم کو بھی ہلاکی کے گھر میں اتارا اور ایسے لوگوں کے حق میں فرمایا بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کا غضب لیکر پھرے پس جس طرح یہ لوگ علماء و رسول کی تعلیم اور دین کے احکام کو
چھوڑ کر اپنی خواہشات اور رسم و رواج اور فسق و عصیان میں مبتلا ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی
ان پر غضب اتارا کوئی قید میں نالاں ہیں اور کوئی گرفتار ہو کر چالان ہیں اور کوئی فراری ہیں سرگرداں اور کوئی فقر
کے وبال میں پریشان اور کوئی حکومت و سیاست کی سختیوں سے حیران ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا غضب
ہے جب تک رجوع الی اللہ نہ کریں گے ان مصیبتوں سے ہرگز رہائی نہ پائیں گے۔ اور آخرت میں جہنم کی
سیر نصیب ہوگی اور ایسے ہی لوگ آمین اور رفع یدین سے چڑھتے ہیں جو خصلت یہود مردود ہے حالانکہ
یہ فعل سنت نبی علیہ السلام ہے اور چاروں مذہب میں داخل ہے اور چاروں مذہب کے محقق علماء نے
ان کو سنت جانا ہے اور کہا ہے اور حضرت کے صحابہ کو برا کہنے والے لوگ رافضی شیعہ ہیں جو زبان نبی
علیہ السلام سے مطعون ہو چکے ہیں اور فرمایا قیامت کی نشانیوں سے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ آخر اس امت
کی اول اس امت کو گالیاں دے گی اور طعن کرے گی جیسا کہ ظاہر ہے نتیجہ۔ پس یہ لوگ جو شرک و بدعتی
رافضی اسلام سے نکلنے والے فساق و فجار ہیں ان کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ طریقہ بلکہ نیکوں کے نام
کو بدنام کرنے والے اور جو انکی طرفداری کرے وہ نہ مولوی ہے اور نہ پیر ہے بلکہ شیطان اور شریر ہے اور
یہی لوگ نظام میں خلل اور فساد ڈالنے والے ہیں۔ حررہ العاجز احقر العباد ابو محمد عبد الجلیل سامرودی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سوال: یہ مذاہب جو عقائد و اعمال و اقوال لکھے گئے ہیں یہ سب کے سب شناخت مشرکین کی ہیں یا نہیں
کی تردید کے لئے آسمان سے کتابیں نازل ہوئی تھیں جس قدر کتابیں و صحف آئے اور انبیاء و رسل
مبعوث ہوئے کل کے کل انہیں اعمال و اقوال و عقائد کی تردید کرتے کراتے تھے اصل شرک یہی ہے
شرک اکبر اسی کا نام ہے اسی شرک کے بارہ میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے کلام مجید میں خبر دی ہے
وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ اور نیز فرمایا لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ الآیۃ واقعی سوال ہذا
کا جواب موافق ابو محمد عبد الجلیل مدظلہ و ما اتفقنا مولوی صاحب ضلع جھنگ نے بہت صحیح اور ٹھیک اور درست
دیا ہے علماء کو چاہیے کہ شرک وغیرہ تصورات دین کے بارہ میں صاف صاف لفظوں میں بیان کریں

ارشاد و کلام سے کام نہیں بنتا اور نیز علمائے کرام فتاویٰ دینا درحقیقت پر لازم اور واجب ہے کہ کتاب دین خالص مجموعۃ التوحید، فتح المجید شرح کتاب التوحید، وتقویۃ الایمان وغیرہ کتب اور رسائل توحید کا مطالعہ کیا کریں۔

قالہ العاجز ابو محمد عبدالوہاب الملتانی ثم الدہلوی تجاوز اللہ عن ذنبہ المحقق وما یعلی شہر جمادی الثانی سن ۱۳۲۲ھ۔ الجواب صحیح عبدالرحمن صاحب ... ابوتراب عبدالحق ... امام محدث مولانا عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما این مقلدان کفر و بدعت ایشان است نہ شریعت است بلکہ بظاہر کلمہ گویان اند در باطن کفر گویان فقط۔ حررہ الفقیر الی اللہ الغنی عبدالواحد بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب مولوی ابو عبدالمجید عبداللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ کافی ہے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جو امورات تحریر کیے گئے ہیں ان کے جوابات اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہیں مگر ان کی یہ حالت ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدی علماؤھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود رواہ البیہقی فی شعب الایمان اور تصدیق اس کی کتاب اللہ میں موجود ہے قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ وعن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان۔ الحدیث رواہ ابوداؤد والترمذی۔ حررہ العبد ابوالحسن محمد حسن لائل پوری۔ جن افعال کا ذکر سوال میں کیا ہے ان کے مرتکب فاسق فاجر بدعتی اور لامذہب ہیں۔ ان کو حنفی اور امام ابوحنیفہ کا مقلد کہنا غلط ہے۔ ان کی حمایت کرنے والا ہدم اسلام پر اعانت کرتا ہے حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بدعتی کی عزت و تعظیم کرتا ہے۔ تو وہ اسلام کے گرانے اور مٹانے کی کوشش کرتا ہے حررہ ابو عبدالرحمن نور الحسن عفا اللہ عنہ مدرس

مدرسہ اسلامیہ لاہور۔ الجواب صحیح المجیب مصیب الجواب صحیح والمجیب مصیب حافظ محمد حسین
عفان وارد لاہور: جواب بہت صحیح ہے یہ لوگ جن کا بیان سوال میں مفصل ہو چکا ہے کسی
امام اور بزرگ کے تابع اور پیرو نہیں بلکہ اپنے شیطان کے تابع ہیں۔ اور قرآن و
حدیث اور تمام اماموں کے برخلاف ہیں۔ عبدالغفور عفا اللہ عنہ شاہ ولی اللہ صاحب
دہلوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے والد نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے مسلمان
حال مثل مشرکین مکہ کے ہیں۔ یعنی جو کچھ طریق ان کا تھا وہی ان کا ہے وثن پرستی اور باپ
دادوں کی تقلید اور علمائے محققین وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ خلیفہ کو لازم ہے کہ ان نام کے مسلمان
سے بھی جہاد کرے جیسے وہ کفار مشرکین سے کرتا ہے اور من دون اللہ میں بت و قبر و
قبہ سب داخل ہیں اور طاغوت میں کل ما یعبد من دون اللہ داخل ہے پس یہ لوگ
الذین یدعون من دون اللہ۔ میں داخل ہیں جو ان کا حکم سو ان کا حکم۔ انا ابو عبید سید
احمد اللہ عفی عنہ امرتسری۔ جو کچھ اس فتویٰ میں لکھا ہے سب حق ہے اور یہی توحید
اس کے سوائے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا دیکھو اللہ عزوجل نے کس طرح ایک ہی
آیت میں شرک کے بیخ کو نکال دیا ہے۔ قال تعالیٰ قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا
يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ
وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۔ الآیۃ
یعنی اسباب امید کے بھی چار ہیں۔ کہ وہ معبود مشرکین کا سوائے اللہ تعالیٰ کے یا
مالک ہوں یا شریک ہو یا ظہیر ہو یا شفیع ہوں پس اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ
تک ترتیب وار نفی کی اور جس سفارش کو مشرک چاہتا ہے۔ اس کی نفی فرمائی
اور جس شفاعت کو ثابت کیا اس میں مشرک کا کوئی حصہ نہیں یعنی سفارش بلا اذن
اور اس پر اجماع ہے تمام انبیاء اور علماء اسلام کا فقط والحمد للہ رب العالمین کتبہ
اضعف العباد وحید الاحمد خان پوری عفا اللہ عنہ۔ جواب صحیح ہے ابوسعید محمد
شرف الدین دہلی مٹیا محل [ابوسعید محمد شرف الدین مہر] مجید صاحب نے کچھ تحریر فرمایا

ہے وہ کافی وقابل عمل ہے واللہ اعلم بالصواب حررہ السید ابوالحسن عفی عنہ تحریرہ مولانا مولوی
سید محمد نذیر حسین صاحب مرحوم ومغفور دہلوی الجواب صحیح [عبدالجبار عمرپوری] الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار
عمرپوری مہر سید عبدالسلام [سید محمد ابوالحسن] مجیب نے جو لکھا ہے قرآن وحدیث کے موافق لکھا ہے جزاہ
اللہ فی الدارین خیرا احمد سلمہ الصمد مدرس مدرسہ حاجی علی جان مرحوم دہلی [احمد المعروف باحمد اللہ]
الجواب صحیح عبدالرحمن اصاب من اجاب ابوتراب عبدالغنی جودھپوری توحید وشرک مجیب
المجیب حق ابو محمد عبیداللہ عفی عنہ مدرس مدرسہ دارالحدیث دہلی فی الواقع جواب بہت ہی ٹھیک ہے
بعض مسلمانوں نے کفر واسلام اور توحید وشرک میں بھی امتیاز کرنا چھوڑ دیا مندرجہ بالا تمام ممنوعات
ومحدثات صراحتاً یہاں بھی اسیطرح مذکور ہیں واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم
کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم جوناگڑھی ثم الدہلوی دہلی اجمیری دروازہ
مدرس مدرسہ محمدیہ واقعی یہ مضامین بہت صحیح درست ہیں یہ سب کفر وشرک کی ہیں فقط ابوالحسن
محمد صدیق الغازی اکبرآبادی عفا اللہ عنہ مجیب صاحب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے
ان لوگوں میں اور مشرکین مکہ میں کچھ فرق نہیں اگر کوئی نبی آنا ہوتا تو ایسی ہی قوم میں آتا مگر اب کوئی
نبی نہیں آئیگا۔ ابوسعید محمد عبداللہ گورداسپوری ثم سامرودی الجواب صحیح احمد بن محمد ملتانی
عفی عنہ۔ اور جیسے خدا ورسول کی اطاعت چھوڑ بیٹھے ہیں ویسے فرمانبرداران ملک و
حکومت کی اطاعت سے نکلنے والے ہیں نہ دین کے نہ دنیا کے نصیحت مسلمانوں اللہ کے
واسطے اپنی حالت کو سمجھو اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور نیک خلق وعادات وحسن
سیرت وسلوک مروت وہمدردی اختیار کرو اور انسانیت اور ملکیت کے صفات پیشہ ہو جاؤ
کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت موجب امن وامان ہو جناب حب اللہ صاحب نے فرمایا ہے سو آیت
وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا اور فرمایا وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا
يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل
لَّكُمْ أَنْهَارًا مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا الخ وانا العاجز ابو محمد
عبدالوہاب المہاجری الملتانی فی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عن ذنبہ محقق الحق شہر

باب الدجال

سوال۔ پنجاب کے بعض عالم کہتے ہیں کہ دجال کا کچھ وجود نہیں۔ دجال یہی حاکم ظالم ہیں اور جنت و نار دس کی ریل گاڑی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے عیسیٰ موعود مَیں ہوں۔ اس واسطے علمائے دین واہل سنت والجماعت سے استفسار ہے کہ پنجاب کے اس عالم کے یہ قوال صحیح ہیں یا محض غلط۔ بیان کرو تاکہ عوام کا شک و شبہ رفع دفع ہو جائے۔

الجواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بارہ تیرہ صحابی وصحابیہ (۱) حذیفہ بن اسید الغفاری (۲) ابوہریرہ (۳) عمران بن حصین (۴) عبداللہ بن عمرو (۵) انس بن مالک (۶) حذیفہ بن یمان (۷) نواس بن سمعان (۸) ابوسعید خدری (۹) ابی بکرہ (۱۰) فاطمہ بنت قیس (۱۱) جابر بن عبداللہ (۱۲) ابی عبیدہ بن الجراح (۱۳) اسماء بنت یزید بن السکن (۱۴) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ قریب قیامت کے دجال ظاہر ہوگا اور شبیہ مثل عبدالعزیٰ بن قطن کے ہوگا کہ یہ مشرکین میں سے گذرا ہے اور وہ مثل ابر کے تمام دنیا میں پھیل جاوے گا اور قیام اس کا چالیس دن ہوگا۔ ایک دن مثل برس کے اور ایک دن مہینے بھر کا ہوگا ایک دن ہفتہ بھر کا ہوگا باقی دن اپنے حال پر بدستور ہیں گے صحابہ نے عرض کیا کہ برس دن کی نماز کیوں کر ادا ہوگی آیا ایک دن کی نماز کافی ہوگی فرمایا نہیں۔ وقت کا اندازہ کرکے پانچوں نمازیں پڑھتے رہنا۔ اور مشکوٰۃ شریف باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال میں دجال کا احوال دیکھنا چاہیے یہاں ایک دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں اور دجال کے بعد حضرت عیسیٰ اتریں گے۔ اور وہ دجال کو قتل کریں گے۔ اور مشکوٰۃ میں ایک خاص باب نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منعقد کیا ہے سب احوال عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا اس باب میں دیکھنا چاہیے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں مفصل مذکور ہے۔ اور قرآن شریف میں سورہ زخرف سے نازل ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صاف

واضح ہوتا ہے۔ وَاِنَّهٗ۔ ای عیسٰی۔ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ تعلم بنزوله وقرأ ابن عباس بفتحتین
أی العلامة کذا فی الکمالین اور اسی طرح سے تفسیر مدارک وبیضاوی وکبیر ومعالم وغیرہ میں مذکور ہے
وانه۔ بدرستیکہ عیسٰی علیہ السلام۔ لعلم للساعة علم است مرساعت را یعنی بدو پیدا میشود کہ
نزدیک است قیامت چہ یکے از علامات قیامت نزول عیسٰی علیہ السلام است کہ
بعد از تسلط دجال باز آسمان بر زمین فرود آید۔ نزدیک منارہ بیضا در طرف
شرقی دمشق وجامہ رنگین پوشیدہ باشد ہر دو کف دست خود را بر بالہائے دو
فرشتہ نہادہ و در خیارہ مبارکش عرق کردہ چون سر در پیش افگند قطرات از روئیش
ریزان گردد وچون سر بالا کند آن قطرہا بر ریختے وے چون مروارید روان
شود و نفس وے بہر کافر کہ رسد بمیرد و ہر جا کہ چشم وے افتد نفس وے
برسد۔ پس در طلب دجال روان گردد و در باب لد کہ موضعے است در ولایت
شام بدو رسد و اورا بکشد اگر یاجوج ماجوج بیرون آیند و عیسٰی علیہ السلام بکوہ طور برد
مومنان را وآنجا متحصن گردد۔ القصہ چون معلوم شد کہ عیسٰی علیہ السلام نشانہ
قرب قیامت است کذا فی التفسیر الحسینی۔

اور اس آیت کی تفسیر حدیثیں صحاح ستہ کی ہیں کما لا یخفی علی الماہر بهذا الفن۔ پس منکر نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام کا فاسق ہے۔ بلکہ کافر کیونکہ صریح نص کا منکر ہے اور تاویل اس کی مردود و خلاف سبیل مومنین کے ہے
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ الٰی آخر الآیۃ کا مصداق ہے۔

---

[1] اور وہ یعنی عیسٰی علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں آپ کے نازل ہونے سے قیامت کے وقت کا قریب معلوم ہو جائے گا عبداللہ بن عباس علم کو میم زبر کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کمالین میں ایسا ہی منقول ہے ۱۲
[2] جو آدمی ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے۔ اور ایمان والوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے تو ہم اس کو جدھر جاتا ہے جانے دیں گے اور بالآخر اس کو جہنم میں ڈال دیں گے ۱۲

وانه لعلم للساعة وان حملي لعلم للساعة اى شرط من اشراطها تعلم به فسمي الشرط الدال على الشئ علما لحصول العلم به وقرأ ابن عباس لَعَلَمٌ وهو العلامة ـ انتهى ما فى التفسير الكبير مختصرا

وانه لَعِلْمٌ للساعة يعني نزوله من اشراط الساعة تعلم به وقرأ ابن عباس رض وابو هريرة رض وقتادة رض وانه لَعَلَمٌ للساعة بفتح اللام والعين ـ اى امارة وعلامة انتهى ما فى معالم التنزيل ـ

مشکوٰۃ کے باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال میں ہے:۔

عن النواس بن سمعان رضي الله عنه قال ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم الدجال وقال ان يخرج وانا فيكم فانا حجيجه دونكم وان يخرج ولست فيكم فامرأ حجيج نفسه والله خليفتي على كل مسلم انه شاب قطط عينه طافية كانى اشبهه بعبد العزى بن قطن فمن ادركه منكم فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف وفى رواية فليقرأ عليه بفواتح سورة الكهف فانها جواركم من فتنته انه خارج خلة بين الشام والعراق فعاث يمينا وعاث شمالا يا عباد الله فاثبتوا قلنا يا رسول الله وما لبثه فى الارض قال اربعون يوما يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كايامكم قلنا يا رسول الله فذلك اليوم الذى كسنة ايكفينا فيه صلوة يوم قال لا اقدروا له قدره

ل یعنی وہ قیامت کا ایک نشان ہیں یعنی جیسے علامات قیامت کی۔ مثلاً نجوم میں سے ایک نشان ہیں۔ ان کے آنے سے قیامت کا وقت قریب ہونا معلوم ہو جائے گا تفسیر والی علی رازی رحمہ اللہ سے تفسیر کیا ہے کہ ان کے آنے سے قیامت کا علم ہو جائے گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو عَلَم پڑھا ہے۔ جس کے معنی نشانی ہیں۔ تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، قتادہ وغیرہ نے اس کو عَلَم پڑھا ہے جس کے معنی علامت اور نشانی ہے ۱۲۔

قلنا یا رسول اللہ وما اسراعه فی الارض قال کالغیث
استدبرته الریح فیاتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنوا
به فیامر السماء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیهم
سارحتهم اطول ما کانت ذری واسبغه ضروعا وامده
خواصر ثم یاتی القوم فیدعوهم فیردون علیه قوله
فینصرف عنهم فیصبحون ممحلین لیس بایدیهم شیئ
من اموالهم ویمر بالخربة فیقول لها اخرجی کنوزك
فتتبعه کنوزها کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلیا
شابا فیضربه بالسیف فیقطعه جزلتین رمیة الغرض
ثم یدعوه فیقبل ویتهلل وجهه یضحك فبینما هو کذالك
اذ بعث اللہ المسیح بن مریم فینزل عند المنارة البیضاء
شرقی دمشق بین مهزودتین واضعا کفیه علی اجنحة
ملکین اذا طأطأ راسه قطر واذا رفعه تحدر منه مثل
جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسه الا مات و
نفسه ینتهی حیث ینتهی طرفه فیطلبه حتی یدرکه
بباب لد فیقتله ثم یاتی عیسی قوم قد عصمهم اللہ منه
فیمسح عن وجوههم ویحدثهم بدرجاتهم فی الجنة فبینما
هو کذلك اذ اوحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عبادا لی
لا یدان لاحد بقتالهم فحرز عبادی الی الطور فیبعث
اللہ یاجوج وماجوج وهم من کل حدب ینسلون
فیمر اوائلهم علی بحیرة طبریة فیشربون ما فیها ویمر
اخرهم فیقول لقد کان بهذه مرة ماء ثم یسیرون حتی

ينتهوا الى جبل الخمر وهو جبل بيت المقدس فيقولون
لقد قتلنا من فى الارض هلم فلنقتل من فى السماء فيرمون
بنشابهم الى السماء فيرد الله عليهم نشابهم مخضوبة دما و
يحصر نبى الله واصحابه حتى يكون رأس الثور لاحدهم خيرا
من مائة دينار لاحدكم اليوم فيرغب نبى الله عيسى و
اصحابه فيرسل الله عليهم النغف فى رقابهم فيصبحون فرسى
كموت نفس واحدة ثم يهبط نبى الله عيسى واصحابه الى الارض
فلا يجدون فى الارض موضع شبر الا ملأه زهمهم ونتنهم
فيرغب نبى الله عيسى واصحابه الى الله فيرسل الله طيرا
كاعناق البخت فتحملهم فتطرحهم حيث شاء الله وفى رواية
تطرحهم بالنهبل ويستوقد المسلمون من قسيهم ونشابهم وجعابهم
سبع سنين ثم يرسل الله مطرا لا يكن منه بيت مدر ولا وبر
فيغسل الارض حتى يتركها كالزلفة ثم يقال للارض انبتى
ثمرتك وردى بركتك فيومئذ تأكل العصابة من الرمانة
ويستظلون بقحفها ويبارك فى الرسل حتى ان اللقحة من الابل
لتكفى الفئام من الناس واللقحة من البقر لتكفى القبيلة من الناس
واللقحة من الغنم لتكفى الفخذ من الناس فبينما هم كذلك اذ بعث
الله ريحا طيبة فتأخذهم تحت آباطهم فتقبض روح كل مؤمن
وكل مسلم ويبقى شرار الناس يتهارجون فيها تهارج الحمر
فعليهم تقوم الساعة رواه مسلم الا الرواية الثانية وهى قوله تطرحهم
بالنهبل الى قوله سبع سنين رواه الترمذى-

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا۔ پس فرمایا اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوا تو تم سب کی طرف سے میں اس سے جھگڑوں گا۔ اگر میرے بعد نکلا تو ہر ایک شخص خود اس سے جھگڑ لے گا۔ اور اللہ تعالیٰ میرا خلیفہ ہے ہر مسلمان پر۔ وہ دجال جوان ہوگا۔ گھونگر والے بال والا۔ اس کی آنکھ نکلی ہوئی ہوگی۔ یعنی کانا ہوگا۔ پس ایسا ہوگا جیسے عبد العزیٰ بن قطن کو جانتے ہو۔ سو جو اس کو پاوے تو اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں ضرور پڑھے۔ کیونکہ وہ اس کے فتنہ سے اس کو بچائیں گی۔ وہ شام اور عراق کے درمیان میں سے نکلنے والا ہے۔ اور دائیں بائیں۔ کیا بلکہ ہر طرف دوڑنے والا ہے۔ سو اے اللہ کے بندو ثابت رہنا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ زمین میں کس قدر ٹھہرا رہے گا۔ فرمایا چالیس دن ایک دن سال بھر کا۔ ایک دن مہینہ بھر کا۔ ایک دن ہفتہ بھر کا۔ اور باقی دن تمہارے معمولی دن ہوں گے۔ ہم نے عرض کیا یا حضرت تو اس سال بھر کے دن میں ایک کی نماز ہم کو کافی ہوگی یا نہ فرمایا نہیں۔ ان معمولی دنوں کے اندازے سے پڑھتے رہنا۔ اور مہینے اور ہفتے بھر کا دن بھی اسی قیاس پر۔ ہم نے پوچھا حضرت اس کا جلد جلد پھرنا زمین میں کیسا ہوگا فرمایا جیسے ہوا ابر کو پھیلاتی ہے۔ سو وہ دجال ایک قوم کے پاس آئے گا اور ان کو اپنے دین کی طرف بلائے گا۔ وہ اس کا کہنا مان لیں گے۔ تو آسمان کو حکم کرے گا۔ خوب بارش ہوگی۔ اور زمین میں کھیتی خوب اُگے گی اور ان کے مویشی کھا کھا کر خوب پلیں گے۔ اور دودھیلے ہوں گے۔ اور ایک قوم کے پاس آئے گا ان کو اپنی طرف بلائے گا۔ وہ اس کا کہنا نہ مانیں گے۔ وہاں سے چلا آئے گا۔ اور وہاں بارش بند ہو جائے گی۔ اور قحط رہے گا۔ اور کھنڈرات میں جائے گا۔ اس کو کہے گا۔ اپنے سب خزانے نکال۔ تو سب کے سب دفینے نکل کر اس کے [illegible] شہد کی مکھیوں کی طرح ہو لیں گے۔ اور پھر ایک جوان کو [illegible] پھر اس کو تلوار سے مار دو ٹکڑے کر دے گا اور اور

اور وہ مثل نشانے کی طرح پھینک دے گا۔ اور پھر اس کو بلا کر دوبارہ مارے گا۔ اور وہ شخص منہ چمکتا ہوا ہنستے گا۔ سو دجال یہی اسی طرح مصروف ہوگا کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ مسیح علیہ بن مریم علیہ السلام کو آسمان سے اتار دے گا۔ سو وہ زرد رنگین کپڑے پہنے ہوئے دمشق کے مشرقی سفید منارہ پر اتریں گے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے سر کو جھکائیں گے۔

تو پسینے کے قطرے گریں گے اور جب سر اٹھاویں گے تو موتیوں کے قطرے اتریں گے سو جس کافر کو ان کے سانس کی بھاپ پہنچے گی بس مر ہی جائے گا۔ اور جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی وہیں تک ان کا سانس پہنچے گا۔ سو اس کو باب لد پر پا کر مار ڈالیں گے فقط یہ ترجمہ ہم نے نواس بن سمعان کی حدیث کا بقدر ضرورت کیا ہے۔ سو سائل کو ثبوت خروج دجال اعور لعینہ اللہ اور نزول حضرت عیسیٰ مسیح بن مریم علیہما السلام میں کافی و وافی شافی ہے جس کو تفصیل درکار ہو۔ مشکوۃ شریف میں پورے باب کو تحقیق کی نظر سے دیکھ لے یہی خلاصہ صحاح ستہ وغیرہ کتب حدیث کا ہے اگر کوئی نہ مانے تو اس کو اختیار ہے اور وہ بعض عالم پنجاب کے جو اس کے خلاف کے قائل ہیں۔ وہ نادان جاہل مرکب اور کاذب ہیں۔ بلکہ اہل علم کے زمرے کی بو سے بھی بے نصیب اور محروم ہیں اور منجملہ فرق اہل الحاد ہیں نعوذ باللہ منہ۔

حررہ ابو اسمعیل یوسف حسین الخانفوری عفی عنہ

[illegible] تحقیق بہت عمدہ ہے۔ اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام جسد عنصری اٹھائے گئے ہیں قیامت کی یعنی ان کا اترنا آسمان سے ایک نشانی ہے قیامت کی دجال کے پیدا ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور دجال کو قتل کریں گے پھر یاجوج ماجوج پیدا ہو کر سارے عالم کو خراب کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مومنوں کو لے کر کوہ طور پر جا کر چھپیں گے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشانی ہیں قیامت کی تمام ہوئی عبارت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بس پنجاب کا وہ

عالم بلاشبہ نصوص میں مذکورہ بالا کا منکر ملحد ہے بلکہ کافر ہے لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء

حررہ خادم العلماء والطلاب امین فاضل پوری فی الواقع جواب اول و دوم بلاریب صحیح ہے

کیونکہ قرب قیامت کے ظاہر ہونا دجال کا بعد اس کے اترنا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان سے اور قتل کرنا دجال کا برحق ہے۔ اور منکر اس کا ضال و مضل و ملحد و بیدین اور مخالف اجماع مسلمین کے ہے۔ چنانچہ کتب صحاح ستہ و دیگر کتب: اس پر شاہد عادل ہیں اور تاویل مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کی نزدیک اہل حق کے باطل و مردود ہے۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: اذان میں یا کسی اور موقعہ پر لفظ محمد سن کر انگوٹھا چومنا جائز ہے یا نہیں

جواب: لفظ محمد سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا بے اصل اور بدعت ہے انگوٹھے چوم کر ان کو آنکھوں سے لگانے کے بارے میں چند حدیثیں آتی ہیں لیکن سب غیر صحیح بے اصل موضوع جھوٹی اور بناوٹی ہیں علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ صفحہ ۹ میں علامہ محمد طاہر فتنی حنفی نے تذکرۃ الموضوعات میں، ملا علی قاری حنفی نے موضوعات صفحہ ۷۵ میں، حافظ سیوطی نے تیسیر المقال میں علامہ ابوالحسن عبدالغافر الفارسی صاحب مفہم شرح صحیح مسلم نے اقوال الاذکیاء فی ... میں، علامہ ابو اسحٰق بن عبد الجبار نے شرح رسالہ عبد السلام لاہوری میں، علامہ محمد یعقوب بنبانی نے الخیر الجاری شرح صحیح بخاری میں، علامہ حسن بن علی الہندی نے تعلیقات مشکوۃ میں، حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں، اور دوسرے محدثین نے ان احادیث کے بے اصل و بے ثبوت اور موضوع ہونے کی تصریح کر دی ہے اسی لئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے فتویٰ تقبیل العینین میں اس فعل کو بدعت قرار دیا ہے۔ عبیداللہ رحمانی، محدث دہلی جلد ۲ نمبر ۸،

سوال: میلاد و عرس میں شریک ہونا اور قیام کرنا شریعت میں کیا حکم رکھتا ہے؟ کل اسلامی جماعت سے متعلق بعض مرد و عورتیں ان مجالس میں شریک ہوتے ہیں قیام بھی کرتے ہیں ان لوگوں کو دنیا کی رغبت بھی دلاتے ہیں اور اس کی دلیل یہ کرتے ہیں کہ ہماری نیت یہ ہوتی ہے کہ ہم خدا کے لئے قیام کرتے ہیں اس کو شرک نہیں کہا جا سکتا کیا ان کا کہنا صحیح ہے؟ کتاب و سنت سے مدلل فرمائیں۔

جواب: اس قسم کی محافل میں شرکت حرام ہے اور شریک انسان مرتکب الکبیرہ ہے۔

انوار التوحید میں بحوالہ تحفۃ القضاۃ ہے: ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمون ان روحہ یجیء وحاضر فزعمھم باطل بل ھذا الاعتقاد شرک وقد منع الائمۃ یعنی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر سن کر محفل میلاد میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ آپ کی روح تشریف لاتی ہے اور آپ حاضر ہوتے ہیں ان لوگوں کا یہ خیال باطل ہے بلکہ ایسا اعتقاد شرک ہے اور چاروں اماموں نے اس قسم کے عقیدوں سے منع کیا ہے ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے: لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا راوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذلک یعنی صحابہ کرامؓ کو سب سے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کو آپ کا اسے مکروہ سمجھنا معلوم تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا آپ نے اپنی حیات طیبہ میں اپنے لئے قیام کو مناسب نہیں سمجھا اور وفات کے بعد آپ کا ذکر سن کر قیام کرنا بطریق اولیٰ منع ہے پھر قرون مفضلہ میں بھی اس کا نام و نشان تک نہیں ملتا علامہ محمد عبدالسلام خضر الشقیری کی مشہور و معروف تالیف السنن والمبتدعات کے صفحہ [illegible] پر ہے: تا یعتادونہ لیلۃ المولد ومواسم الاحتفال بہ بدعۃ منکرۃ ضلالۃ لم یرد بھا شرع ولا عقل ولو کان فی ھذا خیرا کیف یغفل عنہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وسائر الصحابۃ والتابعین وتابعیھم والائمۃ واتباعھم ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنی جو دین میں نیا کام کرے وہ مردود ہے۔ دوسری روایت میں ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار قرآن مجید میں ہے یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم یایھا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔

عبداللہ بن مسعود کا قول ہے اتبعوا ولا تبتدعوا فقد کفیتم اور عراق میں حدیث ہے ما ترکت من شئ یقربکم الی الجنۃ الا وقد حدثتکم به وما من شئ یبعدکم من النار الا وقد حدثتکم به دوسری حدیث میں ہے: ترکتکم علی البیضاء لیلھا کنھارھا لا یزیغ عنھا بعدی الا ھالک۔ ابن الماجشون کا کہنا ہے میں نے مالک سے سنا من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ یقول الیوم اکملت لکم دینکم فما لم یکن یومئذ دینا لا یکون الیوم دینا السنن والمبتدعات صفحہ ۱۰ پر امام شافعی کا قول ہے: من استحسن فقد شرع یعنی جس نے بدعت کو اچھا سمجھا اس نے نئی شریعت ایجاد کر لی۔ باقی رہا بعض حضرات کا یہ دعویٰ کہ اس قسم کی مجالس میں حاضری وقیام کے باوجود ہماری نیت خالصۃً اللہ کیلئے ہوتی ہے لہٰذا یہ عمل شرک قرار نہیں دیا جا سکتا تو یہ دعوے سراسر غلط اور بے بنیاد ہے سنن ابوداؤد میں ثابت بن ضحاک کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ وہ بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کرے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کو واقعہ کی اطلاع دی آپ نے فرمایا ھل کان فیھا وثن من اوثان الجاھلیۃ یعبد قالوا لا قال فھل کان فیھا عید من اعیادھم قالوا لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوف بنذرک فانہ لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ ولا فیما لا یملک ابن آدم یعنی کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو انہوں نے کہا نہیں فرمایا اپنی نذر پوری کر اللہ کی معصیت میں نذر کی وفا نہیں اور نہ اس چیز میں جس کا انسان مالک ہو نیز مشکوۃ جلد دوم ص ۲۹۷ میں بحوالہ رزین ہے: ان امراۃ قالت یا رسول اللہ انی نذرت ان اذبح بمکان کذا وکذا مکان کان یذبح فیہ اھل الجاھلیۃ... الخ یعنی ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میں نے نذر مانی ہے کہ فلاں فلاں مقام میں ذبح کروں جہاں اہل جاہلیت ذبح کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا وہاں ان کا کوئی بت تھا جس کی پوجا ہوتی ہو کہا نہیں فرمایا وہاں ان کی کوئی عید تھی کہا نہیں فرمایا اپنی نذر پوری کر۔ ان احادیث سے معلوم ہوا شرک و بدعت و خرافات کے اڈوں پر جانا اور مشرکین و مبتدعین کی مجالس میں شمولیت اختیار کرنا منع ہے اگرچہ انسان کی نیت میں کتنا ہی خلوص کیوں نہ ہو لہٰذا اس قسم کی مجالس میں حاضری سے اجتناب لازمی ہے، من تشبہ بقوم فھو منھم

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔ (الاعتصام جلد ۳۲ شمارہ ۳)

سوال: ایک شخص جو جماعت اسلامی سے وابستہ ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ (نعوذ باللہ) ظالم و جابر حکمران اور بدعتی تھے یزید کو بھی گمراہ اور انبیاء علیہم السلام کو غیر معصوم سمجھتا ہے کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب: بشرط صحت سوال، یہ سب باتیں گمراہی کی ہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اور سچے صحابی تھے ان کو جابر (معاذ اللہ) ظالم اور جابر کہنا بحسب تصریح قرآن مجید وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (الحدید) سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (التوبۃ) کا سرٹیفکیٹ انہیں دنیا میں ہی عطا فرما دیا گیا ہے۔ صحابہؓ کے حق میں ایسے الفاظ گستاخی ہیں جن کے مرتکب کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے یزید بھی گمراہ نہ تھا اس کو تابعین میں شمار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کو معصوم سمجھنا اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے اس سے انکار عقیدہ صحیحہ سے انحراف ہے ایسے شخص کو ہرگز امام نہیں بنانا چاہیے۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا ائمتکم خیارکم (او کما قال) امام ایسے شخص کو بناؤ جو تم میں (عقیدہ و عمل میں) سب سے بہتر ہو۔ (الاعتصام جلد ۱۲ ش ۳)

سوال: ایک مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہنا غلط ہے کیونکہ حق خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور یہ گویا حق چار یار کہنا شرک ہوا۔ اس کی وضاحت فرمائیں کہ یہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: وباللہ التوفیق۔ یہ بات ان مولوی صاحب کی درست نہیں جس طرح خلافت راشدہ حق ہے کہنا درست ہے حق چار یار کہنے کا مطلب بھی یہی ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار صرف حضرت علیؓ نہیں تھے بلکہ چاروں خلفاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص قسم کی محبت تھی جو آپ سے صفت مخصوصہ کے باعث باور چاروں خلفاء (سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول، سیدنا عمر فاروقؓ خلیفہ دوم اور سیدنا حضرت علیؓ [illegible]) اہل سنت والجماعت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہاء درجہ کی محبت تھی اور چونکہ حب کا ترجمہ یار یعنی دوست ہے اس لئے ان کیلئے چاروں خلفاء کو چار یار کہہ کر یہ کہہ دیا جائے کہ یہ حق بات ہے کہ چاروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے یار تھے تو اس میں نہ شرک ہے نہ خلاف واقعہ ہے بلکہ یہی لفظ ہے هذا ما عندی واللہ اعلم (الاعتصام جلد ش)

قرآن مجید یا تعویذ وغیرہ کرنے سے فائدہ نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہے کہ قرآن مجید سے فائدہ نہیں ہوا؟

سوال: زید عرصہ سے نزلہ کی تپ دق کی بیماری میں مبتلا ہے۔ ایک عامل نے قرآن مجید سے علاج کیا۔ سورۃ فاتحہ اور آیات شفا لکھ کر پلائیں۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ زید کا خیال ہے کہ ڈاکٹری علاج کرایا جائے۔ مگر عامل نے منع کر دیا کہ قرآن مجید کی تم کو ترک کر کے تم کافر ہو جاؤ گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید ڈاکٹری جیسی علاج کروا سکتا ہے یا نہیں جب کہ قرآن مجید سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ قرآن مجید کی شفاء پر ایمان رکھتے ہوئے حالت کے مطابق یہ کہنا کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کیا اس سے کفر لازم آتا ہے؟

جواب: کتب احادیث میں علاج معالجہ کی بابت بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں علوی روحانی ہر قسم کے معالجات مذکور ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے اور بتلائے ہیں۔ اگر قرآن مجید کے علاوہ اور معالجات کفر ہوتے تو معاذ اللہ یہ کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتا رہا فائدہ نہ فائدہ تو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو قرآن مجید کے ساتھ شفاء بھی خدا کی طرف سے ہے اور غیر قرآن کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے شہد کو شفاء للناس (نحل) فرمایا ہے تو اگر کسی بیمار کو شہد سے فائدہ نہ ہو اور اس بات کو بیان کرتا ہوا کوئی شخص کہہ دے کہ شہد سے فائدہ نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا شفاء للناس کہنا غلط ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس خاص موقعہ پر مشیت ایزدی سے اس کا اثر رک گیا سو اسی طرح قرآن شریف کو سمجھ لینا چاہیے۔ جو شخص کسی خاص موقعہ پر فائدہ کی نفی سے قرآن مجید کے شفاء ہونے سے انکار سمجھتا ہے یہ اس کی بے سمجھی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی تنظیم اہل حدیث ۸ صفر ۱۳۵۲ھ ۲۶ اپریل ۱۹۳۳ء

تعویذات

سوال: آیات قرآنی سے تعویذ لکھ کر ڈالنا یا بازو پر باندھنا جائز ہے یا نہیں

عدم جواز پر قرآن و حدیث سے کیا دلیل ہے؟　　　السائل دھامی ابراہیم حسین سیالکوٹ گکھڑ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۳ء

جواب : مشکوٰۃ میں ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل أعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه وعقابه وشر عبادہ ومن همزات الشیاطین وان یحضرون فانها لن تضرہ وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمها من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منهم کتبها فی صک ثم علقها فی عنقه رواہ ابو داؤد والترمذی وھذا لفظه (مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ ص۲۱۱)

عمرو بن شعیب اپنے باپ وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی نیند میں گھبرائے وہ یہ کلمات پڑھے اعوذ الخ یعنی میں خدا کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس کے غضب سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس سے کہ میرے پاس حاضر ہوں پس وہ خواب اس کو بالکل نقصان نہیں دے گی۔ اور عبداللہ بن عمرو کی اولاد سے جو بالغ ہو جاتا، عبداللہ بن عمرو اس کو یہ کلمات سکھا دیتے اور جو نابالغ ہوتا کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے۔ اس کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے[1]

تمائم جائز کے لئے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ صحابی کا فعل ہے اور صحابہؓ دوسری طرف بھی ہیں تو پھر فیصلہ کیا ہوا؟

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے دین خالص میں پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذ ڈالنا ہو تو نابالغوں کو ڈالو۔ بالغوں کو نہ ڈالو۔ مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ اگر بالغوں کے لئے ناجائز ہوتا تو نابالغوں کے لئے بھی ناجائز ہوتا جیسے سونا چاندی ریشم وغیرہ کیونکہ شرعی حکم بچوں بڑوں کے لئے اس قسم کے احکام یکساں ہوتے ہیں۔ خاص کر جبکہ ان کو بچوں کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ان کو پڑھنا مشکل ہے اس لئے یہ تعویذ لٹکا دے کہ پڑھنا افضل ہے حتی الوسع اس کی کوشش چاہیے۔ منہ

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرقی والتمائم والتولۃ شرک۔ رواہ احمد وابوداؤد۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دم، تعویذ، عمل سب یہ شرک ہے۔"

اس کے بعد اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَقُولُ إِنَّ الْعُلَمَاءَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ اخْتَلَفُوا فِي جَوَازِ تَعْلِيقِ التَّمَائِمِ الَّتِي مِنَ الْقُرْآنِ وَأَسْمَاءِ اللهِ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ يَجُوزُ ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ ظَاهِرُ مَا رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ وَبِهِ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ الْبَاقِرُ وَأَحْمَدُ فِي رِوَايَةٍ وَحَمَلُوا الْحَدِيثَ عَلَى التَّمَائِمِ الَّتِي فِيهَا شِرْكٌ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ لَا يَجُوزُ ذَلِكَ وَبِهِ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ ظَاهِرُ قَوْلِ حُذَيْفَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عُكَيْمٍ وَبِهِ قَالَ جَمَاعَةٌ مِنَ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ أَصْحَابُ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَحْمَدُ فِي رِوَايَةٍ وَاخْتَارَهَا كَثِيرٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَجَزَمَ بِهَا الْمُتَأَخِّرُونَ وَاحْتَجُّوا بِهَذَا الْحَدِيثِ وَمَا فِي مَعْنَاهُ۔

(دین خالص حصہ اول ص۲۱۲)

صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں قرآن مجید اور اسماء اور صفات الٰہی کے تعویذوں کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک جماعت جواز کی قائل ہے، ان سے عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور ابو جعفر باقر بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام احمد سے بھی ایک روایت اسی کے موافق ہے اور حدیث مذکور کو شرکیہ تعویذوں پر محمول کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت عدم جواز کی قائل ہے اور عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس کا بھی یہی مذہب ہے اور حذیفہ اور عقبہ بن عامر اور ابن عکیم کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور ایک جماعت تابعین سے بھی اسی کی قائل ہے ان سے اصحاب ابن مسعود ہیں۔ اور ایک روایت امام احمد سے بھی اسی کے موافق ہے امام احمد کے بہت سے اصحاب نے اسی کو اختیار کیا ہے

اور متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے اور دلیل اس کی حدیث مذکور اور اس کے ہم معنی دیگر روایتیں پیش کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور دونوں طرف صحابہؓ ہیں تو اب فیصلہ کسی اور دلیل سے ہونا چاہیے صرف کسی صحابیؓ کا قول و فعل پیش کر دینا کافی نہیں۔ پس اب سنیے۔

حدیث مذکور میں تین چیزیں ذکر ہوئی ہیں۔ رُقیہ۔ تمیمہ۔ تولہ۔ یعنی دم۔ تعویذ اور عمل حب۔ حدیث میں ان تینوں پر شرک کا حکم لگایا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نفس ان تینوں کا شرک ہے یا ان کی کوئی قسمیں ہیں جیسے بعض شرک ہیں بعض غیر شرک ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ نفس دم یعنی ذات دم کی یا ذات تعویذ یا ذات عمل حب کی شرک نہیں بلکہ ان کی بعض قسمیں شرک ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مشکوٰۃ میں ہے۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ

(مشکوٰۃ کتاب الطب ص۳۸۸)

عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے اس کی بابت دریافت کیا تو فرمایا اپنے دم مجھ پر پیش کرو۔ جب دم میں شرک نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اس کی ہم معنی اور بھی کئی احادیث ہیں جو مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور یہ صرف جاہلیت کے دموں سے متعلق ہیں اور جو دم قرآن و حدیث کے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ نفس دم مراد نہیں بلکہ اس کی بعض قسمیں یعنی کلمات شرکیہ مراد ہیں۔ اور جیسے اس کی بعض قسمیں مراد ہوئیں

لے بعض حدیث مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ پیش کرتے ہیں۔ یعنی جس نے کسی شے سے تعلق پیدا کیا وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تعلق دو طرح کا ہوتا ہے ایک دل سے ایک فعل سے جیسا کہ نواب صاحب نے دین خالص حصہ اول کے ص۲۲۳ میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا تعلق دل سے ہے کہ غیر پر بھروسہ کر لے اور فعل سے یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کرے اس میں ہر قسم کے اسباب حتیٰ کہ دوا تعویذ وغیرہ داخل ہیں پس یہ ممانعت خاص تعویذ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر قسم کے اسباب سے ہے جب کہ ان پر بھروسہ کر لیا جائے۔ ۱۲

تو باقی دو میں بھی بعض مراد ہوں گی کیونکہ جیسے رقی کی بعض قسمیں شرکیہ ہیں بعض غیر شرکیہ اسی طرح باقی دو کا حال ہے پس تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے جو جواز کے قائل ہیں انہوں نے حدیث مذکور کو شرکیہ تعویذوں پر محمول کیا ہے جیسے نواب صاحبؒ کی عبارت مذکورہ میں اس کی تصریح ہے۔

اور تمیمہ اور تولہ کی تفسیر بھی اسی کی مؤید ہے چنانچہ نیل الاوطار جلد ۸ کتاب الطب باب ما جاء فی الرقی والتمائم ص۲۲۳ میں ہے۔

اَلتَّمَائِمُ جَمْعُ تَمِیْمَةٍ وَهِیَ خَرَزَاتٌ كَانَتِ الْعَرَبُ تُعَلِّقُهَا عَلٰی اَوْلَادِهِمْ یَمْنَعُوْنَ بِهَا الْعَیْنَ فِیْ زَعْمِهِمْ فَاَبْطَلَهُ الْاِسْلَامُ۔

یعنی تمیمہ منکے ہیں جو نظر سے بچاؤ کے لئے عرب اپنے اعتقاد کی بنا پر اپنی اولاد کے گلے میں باندھتے تھے۔ پس اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔

اور تولہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قَالَ الْخَلِیْلُ اَلتِّوَلَةُ شَبِیْهَةٌ بِالسِّحْرِ۔ یعنی خلیلؒ کہتے ہیں تولہ جادو کے مشابہ ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جزو ۲۴ باب باب الرقی بالقرآن والمعوذات ص۲۱۹ میں لکھتے ہیں۔

وَالتِّوَلَةُ شَیْءٌ كَانَتِ الْمَرْاَةُ تَجْلِبُ بِهٖ مَحَبَّةَ زَوْجِهَا وَهُوَ نَوْعٌ مِّنَ السِّحْرِ۔

یعنی تولہ ایک شئے ہے جس کے ذریعے عورت خاوند کی محبت کھینچ لیتی ہے اور وہ ایک قسم جادو ہے۔

نیل الاوطار میں خلیلؒ کے قول کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔

وَقَدْ جَاءَ تَفْسِیْرُهٗ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَمَا اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ وَصَحَّحَاهُ اَنَّهُ دَخَلَ عَلٰی امْرَاَةٍ وَفِیْ عُنُقِهَا شَیْءٌ مَعْقُوْدٌ فَجَذَبَهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ قَالُوْا یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ

حاشیہ

۱؎ اصل میں اسی طرح ہے مگر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن مشہور ہے۔ اور نواب صاحب نے بھی دین خالص جلد اول فصل ۳ الشرک فی الرقی والتمائم ص۲۲۵ میں یہ حدیث ذکر کی ہے اس میں یا ابا عبداللہ کی بجائے یا ابا عبد الرحمٰن ہے پس یہی صحیح ہے ۱۲

هذه التمائم والرقى قد عرفناها فما التولة قال شيء يصنعه النساء يتحببن إلى أزواجهن يعني من السحر قيل هو خيطا يقرأ فيه من السحر أو قرطاس يكتب فيه شيء منه يتحبب به النساء إلى قلوب الرجال أو الرجال إلى قلوب النساء فأما ما تحبب به المرأة إلى زوجها من كلام مباح كما يسمى الغنج وكما تلبسه للزينة أو تطعمه من عقار مباح أكله أو أجزاء حيوان مأكول مما يعتقد انه سبب إلى محبة زوجها لما أودع الله تعالى فيه من الخصيصة بتقدير الله لا أنه يفعل ذلك بذاته قال ابن رسلان فالظاهر أن هذا جائز لا أعرف الآن ما يمنعه في الشرع انتهى۔

اور تولہ کی تفسیر تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آئی ہے جس کو حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنی بیوی کے گلے میں کچھ بندھا ہوا دیکھ کر اس کو توڑ دیا اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے رقی اور تمائم اور تولہ شرک ہے۔ لوگوں نے کہا اے ابا عبدالرحمن رقی اور تمائم کو تو ہم جانتے ہیں تولہ کیا شے ہے؟ کہا ایک شے ہے جو عورتیں خاوندوں کی محبت کے لئے بناتی ہیں یعنی جادو کی قسم ہے۔ کہا گیا وہ ایک تاگہ ہے جس پر جادو سے کچھ پڑھا جاتا ہے یا کاغذ ہے جس میں جادو سے کچھ لکھا جاتا ہے جس کے ذریعے عورتیں مردوں کو محبوب ہو جاتی ہیں یا مرد عورتوں کو محبوب ہو جاتے ہیں بہر حال کلام مباح سے عمل حب تو اکثر[1] بیر تبسم کی طرح یا کوئی مباح جڑی بوٹی کھلا کر یا حلال جانور کے اجزاء کھلا کر جن کے متعلق اعتقاد ہو کہ ان میں تقدیر الٰہی کے ساتھ نہ ذاتی طور پر محبت پیدا کرنے کی خاصیت ہے اس قسم کے عمل حب کی بابت ابن رسلان نے کہا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ شریعت میں اس کے منع کی کوئی دلیل میں نہیں جانتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صرف شرک والی صورتیں منع ہیں باقی جائز ہیں۔ ہاں

[1] یہ اس لئے کہا کہ شوکانی کی دلیل جو ادھر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں یعنی کہا گیا ہے کلام مباح سے عمل حب کی مثال ایسی ہے جیسے وہ غنج کہا غنج ناز و نخرے کو کہتے ہیں اور وہ تھے جو عورتیں زینت کیلئے پہنتی ہیں جو کشش کا ذریعہ ہیں ۱۲ منہ

پرہیز افضل ہے جس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اختلافی بات میں اختلاف سے نکل جانا بہتر ہے دوسرا علاج میں زیادہ تر ان باتوں پر عمل درآمد ہونا چاہیے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام طور پر سلف کا عمل ہو یا احادیث میں ان کی ترغیب ہو کیونکہ روحانیات کا تعلق اعتقاد سے زیادہ ہے اور اعتقاد عموماً عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔

نواب صاحب نے بھی جائز قرار دیتے ہوئے آخر یہی فیصلہ کیا ہے کہ پرہیز افضل ہے چنانچہ عبارت مذکورہ بالا (جس میں سلف کا اختلاف ذکر کیا ہے) کے بعد لکھتے ہیں:۔

قال بعض العلماء وهذا أي عدم الجواز هو الصحيح لوجوه ثلثة تظهر للمتأمل الأول عموم النهي ولا مخصص الثاني سد الذريعة فإنه يفضي إلى تعليق من ليس كذلك الثالث أنه إذا علق فلا بد أن يمتهنه بحمله معه في حال قضاء الحاجة والاستنجاء ونحو ذلك قال وتأمل هذه الأحاديث وما كان عليه السلف يتبين لك بذلك غربة الإسلام خصوصا إن عرفت عظيم ما وقع فيه الكثير بعد القرون المفضلة من تعظيم القبور واتخاذها المساجد والإقبال إليها بالقلب والوجه وصرف الدعوات والرغبات والرهبات وأنواع العبادات التي هي حق الله تعالى إليها من دونه كما قال تعالى ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فإن فعلت فإنك إذا من الظالمين وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو وإن يردك بخير فلا راد لفضله ونظائرها في القرآن أكثر من أن تحصر انتهى قلت غربة الإسلام شيء وحكم المسئلة شيء آخر والوجه الثالث المتقدم من منع التعليق ضعيف جدا لأنه لا مانع من نزع التمائم عند قضاء الحاجة ونحوها لساعة ثم يعلقها والراجح في الباب أن ترك التعليق أفضل في كل حال بالنسبة إلى التعليق الذي جوزه بعض أهل العلم بناء على أن يكون بما ثبت لا بما لم يثبت لأن التقوى له مراتب وكذا الإخلاص وفوق كل رتبة في الدين رتبة أخرى و المحسنون بها أحق ولهذا ورد في الحديث في حق السبعين ألفا

يدخلون الجنة بغير حساب انهم هم الذين لا يرقون ولا يسترقون مع ان الرقى جائزة وردت بها الاخبار والآثار والله اعلم بالصواب والمتقي من يترك ما لا بأس به خوفا مما فيه بأس ۔

(فصل رد شرك الرقى والتمائم ص ۲۲۴-۲۵۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ عدم جواز ہی صحیح ہے جس کی تین وجہیں ہیں ایک یہ کہ حدیث مذکور عام ہے اور مخصص کوئی نہیں۔ دوم سد باب کیونکہ تعویذ کی اجازت دی جائے۔ تو لوگ آہستہ آہستہ مشرکیہ یا شرکیہ الفاظ والے تعویذ بھی استعمال کرنے لگ جائیں گے۔ سوم پاخانہ پیشاب کے وقت تعویذ ساتھ لے جانے سے کلام الٰہی اور اسماء الٰہی کی توہین ہو گی۔ اور ان بعض علماء نے کہا ہے کہ ان احادیث میں اور روش سلف میں غور کر کے تیرے لئے غربت اسلام واضح ہو جائے خاص کر جب تو دیکھے کہ خیر قرون کے بعد لوگ کس قدر خرابیوں میں واقع ہو گئے قبروں کی تعظیم ان کو مسجدیں بنانا ان کی جانب سے ان کی طرف آمد و رفت۔ قبر والوں کو پکارنا ان سے امید و خوف رکھنا۔ کئی طرح کی عبادت کرنا جو خاص خدا کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ الٰہی شئے کو نہ پکار جو نہ تجھ کو نفع دے سکے نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالم ہو جائے گا۔ اور خدا اگر تجھے ضرر پہنچائے تو کوئی اس کے کھولنے والا نہیں اور اگر تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں۔ اس قسم کی آیتیں بہت ہیں پہلی وجہ صحیح ہے۔ دوسری کی نسبت کہتا ہوں کہ غربت اسلام علیحدہ شئے ہے اور مسئلہ علیحدہ شئے ہے۔ اور تیسری وجہ بالکل کمزور ہے کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے پاخانہ پیشاب کے وقت تعویذ کھولا جا سکتا ہے اور افضل ترک تعویذ ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور جو ثابت ہے اس کا ترک اس لئے افضل ہے کہ تقویٰ اور احتیاط کے کئی مراتب ہیں اور دین میں ہر مرتبہ کے اوپر دوسرا مرتبہ ہے اور اعلیٰ کے حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ اسی واسطے ستر ہزار کا ذکر ہے جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ وہی ہیں جو دم نہیں کرتے نہ کرواتے ہیں حالانکہ دم جائز ہے چنانچہ اخبار و آثار میں آیا ہے اور متقی وہ ہے جو اس شئے کی وجہ سے جس میں ڈر ہے اس شئے کو بھی چھوڑ دے جس میں ڈر نہیں۔

نواب صاحب مرحوم نے اس عبارت میں بعض علماء کی پہلی وجہ کی طرف اس لئے توجہ نہیں کی کہ وہ ظاہر البطلان ہے کیونکہ دم، تمیمہ، تولہ کی ذات شرک نہیں بلکہ بعض قسمیں شرک ہیں چنانچہ اوپر بیان ہو چکا ہے تو حدیث عموم پر کیسے محمول ہو سکتی ہے۔ دوسری وجہ کو نواب صاحب نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ غربت اسلام علیحدہ شئے ہے اور مسئلہ علیحدہ شئے ہے گویا نواب صاحب نے بعض علماء کا مطلب یہ سمجھا کہ جیسے قبروں کا معاملہ بڑائی کی طرف ترقی کر کے غربت اسلام کا باعث ہو گیا اسی طرح قرآن حدیث کے الفاظ کے ساتھ تعویذ کرتے کرتے کہیں غیر مشروع الفاظ کے ساتھ بھی تعویذوں کا راستہ نہ کھل جائے جو غربت اسلام کا ذریعہ بن جائے۔ نواب صاحب نے اس کا جواب دیا کہ اس طرح کی غربت اسلام اصل مسئلہ میں مخل نہیں۔ مثلاً قبروں میں خرافات ہونے سے مسنون طریق پر ان کی زیارت منع نہیں ہو سکتی۔ ٹھیک اسی طرح تعویذ کا معاملہ ہے۔ تیسری وجہ پر نواب صاحب نے بہت کمزور ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور واقعی وہ بہت کمزور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہنتے تھے۔ بیت الخلاء جانے کے وقت اتار دیتے تھے۔ پھر گر جانے کی صورت میں شاید یہ ادنیٰ ادب ہے۔ بہر صورت جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوں یا ان کے ہم معنی ہوں مشتبہ نہ ہوں لیکن باوجود جواز کے نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ترک افضل ہے کیونکہ حرام سے بچ کر جائز پر اکتفا کرنا اگرچہ تقویٰ ہے مگر تقویٰ اور اخلاص اسی پر ختم نہیں بلکہ اس کے بہت سے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جس کو کم لوگ پہنچتے ہیں۔ اسی لئے بے شمار آدمی جو نہ دم کرتے ہیں نہ کرواتے ہیں حالانکہ دم کے جواز میں احادیث اور آثار سلف بہت آئے ہیں تو اگر تقویٰ کی صورت جواز تک ہوتی تو پھر ترک دم کے ساتھ ان ستر ہزار کی تعریف کیوں ہوتی ہے

ف اس حدیث میں دم سے مراد جاہلیت کے دم ہیں جو کلمات شرکیہ یا کلمات مشتبہ سے ہیں لیکن قرآن و حدیث کے الفاظ نہیں ہے نہ قرآن و حدیث میں ان کی ترغیب یا تعریف آئی ہے ایسے لوگوں کے حق میں بشارت کی یہ فضیلت ہے کہ بغیر حساب کے جنت کا وعدہ ہے۔ رہے وہ دم جن کی قرآن و حدیث میں تعریف یا ترغیب آئی ہے یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا تابعین صحابہ کا ان پر عمل رہا ہے تو ایسے دم کرنے والے کے مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی مثلاً بخاری وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت اخیر کی تین سورتیں پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر بدن پر مل لیا کرتے تھے آپ تین دفعہ اسی طرح کرتے اور مرض الموت میں

اس سے معلوم ہوا کہ عمل تعویذ کی جائز ہونے پر اکتفا کرتے نہیں بلکہ جائز کو بھی چھوڑ کر احتیاط والی صورت اختیار کرتے ہیں پس افضل ترک ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی [illegible] ھ مطابق [illegible] ء

سوال: کیا محرم الحرام کے اول عشرہ میں شادی بیاہ یا کسی قسم کی خوشی کرنی یا اس ماہ کی دسویں تاریخ کو فاقہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

جواب: محرم کے پہلے عشرہ میں یا پورے مہینے میں بغیر قصد اتباع خوارج و نواصب کے شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب و خوشی کرنی بلا شبہ جائز اور مباح ہے قرآن کریم اور حدیث صحیح یا ضعیف تو درکنار کسی صحابی یا امام سے بھی ان دنوں میں شادی بیاہ یا کوئی اور خوشی کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے اسی طرح دسویں تاریخ کو فاقہ کرنا بھی ثابت نہیں۔ البتہ صرف دسویں کو یا نویں دسویں کو یا دسویں گیارہویں کو روزہ رکھنا از روئے احادیث معتبرہ ثابت اور باعث اجر و ثواب ہے۔ آخری چہار شنبہ اور محرم کے متعلق محدث میں متعدد دفعہ مضامین شائع ہو چکے ہیں ملاحظہ کر لیجئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سبب دو بدعتیں پیدا ہو گئیں (۱) علیؓ اور آل علیؓ سے بغض و عداوت رکھنے والوں نے عاشورہ کے دن خوشی اور شادمانی کرنے کی بدعت ایجاد کی یہاں تک کہ اس دن خوشی کرنے کی فضیلت میں حدیثیں گھڑ ڈالیں عاشورہ کے دن سرمہ لگانے غسل کرنے اہل و عیال پر توسعہ اور خلاف معمول بہتر بہتر اور عمدہ کھانے پکانے کو مستحب سمجھنے لگے۔ واضح ہو کہ میرے نزدیک توسعہ علی العیال والی حدیث کی صحت اور حسن کے قابل اعتبار و التفات ہونے میں تامل و تردد ہے (۲) شیعیان علیؓ نے رنج و غم حزن و فزع ماتم و نوحہ گری بے قراری مرثیہ خوانی سینہ کوبی تابوت کشی تعزیہ وغیرہ کی بدعت نکالی اور اس کے متعلق بے شمار حدیثیں گھڑ کر امت کو گمراہی میں مبتلا کر دیا یہ دونوں گروہ اہل ہوا اور اہل بدعت سے ہیں پس ہمیں نہ شیعیان علیؓ کا طریق اختیار کرنا چاہیے اور نہ دشمنان علیؓ کی اتباع۔ نواصب اور شیعوں کی مخالفت کے ارادہ اور قصد سے خاص عاشورہ کے دن خوشی منانی چاہیے یہ ارادہ اور نیت نہ ہو تو شادی بیاہ اور خوشی کرنی بلا شبہ جائز ہے۔

(محدث دہلی جلد نمبر ۱)

باب العرش

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم کہتا ہے کہ جو شخص خداوند کریم کو بلاکیف عرش پر کہے یا جانے وہ کافر ہے۔ پس اس عالم کا یہ قول غلط ہے یا صحیح

الجواب: جو عالم یہ کہتا ہے وہ عالم نہیں ہے بلکہ وہ جاہل ہے اور اس کا یہ قول سراسر غلط و باطل ہے کیونکہ قرآن مجید کی ایک نہیں بلکہ بہت سی آیتوں سے اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ثابت ہے اور اسی طرح بہت سی احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت مجہول و نامعلوم ہے۔ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی قول و اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے اور استواء علی العرش کی کیفیت مجہول و نامعلوم ہے اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلاکیف ہونے کے ثبوت میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اقوال ائمہ دین کو بسط و تفصیل کے ساتھ دیکھنا ہو تو کتاب العلو للعلی الغفار الذہبی کا مطالعہ کرنا چاہیے یہاں دو تین آیتیں اور حدیثیں لکھ دی جاتی ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[1] سورہ اعراف۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[2] سورہ رعد تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى[3] سورہ طٰہٰ۔

---

[1] بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر قرار پکڑا۔
[2] اللہ وہ ہے جس نے بغیر ظاہری ستونوں کے آسمانوں کو بلند کیا پھر عرش پر قرار پکڑا ۱۲۔
[3] یہ قرآن اتارا گیا ہے اس ذات پاک کی طرف سے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ وہ رحمٰن ہے جو عرش پر قرار پکڑا ۱۲۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ فھو عندہ فوق عرشہ۔ متفق علیہ وقال اخطل علی ربی وھو علی عرشہ (بخاری)
ائمہ دین بھی بکثرت ائمہ اربعہ کا قول یہاں نقل کر دیا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رح نے وصیت میں
فرمایا کہ ہم اقرار کرتے ہیں اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے سب اس کے کہ اس کو حاجت
ہو۔ امام مالک رح فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت نامعلوم۔ اور ایمان اس پر واجب۔ اور سوال
اس کی کیفیت سے بدعت طبرانی نے کہا کہ امام شافعی رح قائل ہیں استواء کے۔ امام احمد نے فرمایا
کہ ہم اقرار کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے۔ جس طرح اس نے کہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
وعلمہ اتم۔ حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکپوری عفا اللہ عنہ۔ سید محمد نذیر حسین۔ دہلوی۔

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص

سوال:۔ ایک شخص وہابیہ دانستہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق عبدہ کا
لفظ نہیں پڑھتا اور کہتا ہے کہ عبد کے معنی آدمی کے ہیں اور میں آنحضرت کو عبد (آدمی)
نہیں کہہ سکتا کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب:۔ یہ شخص قطعاً جاہل اور احمق سخت بدعتی اور گمراہ و داخل ہوا ہے۔ آنحضرت کی
بشریت انسانیت عبدیت قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ و تابعین و ائمہ دین بلکہ اجماع
امت سے ثابت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا
أَنَا عَبْدُهُ وَلَكِنْ قُولُوا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ اسی لئے آپ نے التحیات کی خاص طور پر
پابندی کے ساتھ تعلیم دی جس میں صاف مذکور ہے أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ
لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ آپ کی عبدیت و بشریت پر مفصل اور مبسوط
بحث۔ اگست ستمبر اکتوبر نومبر دسمبر ۱۹۳۹ء کے پرچوں میں ملاحظہ کیجئے۔ پس یہ شخص
اپنی جہالت کی وجہ سے قرآن وحدیث و اجماع کا منکر ہے اس لئے اس کو ہرگز امام نہیں
بنانا چاہیئے بلکہ اگر امام ہو تو معزول کر دینا چاہیئے اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔

(محدث دہلی جلد ۹ نمبر ۲)

---

۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس کے پاس عرش پر ہے ۱۲

سوال: عن سلمى قالت دخلت على أم سلمة وهي تبكي فقلت ما يبكيك قالت رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم تعني في المنام وعلى رأسه ولحيته التراب فقلت ما لك يا رسول الله قال شهدت قتل الحسين آنفا (رواه الترمذي) یہ حدیث روایتاً و درایتاً کیسی ہے کیا حضرت ام سلمہؓ کا یہ خواب سچا ہے تفصیل

جواب: یہ حدیث روایتاً سخت ضعیف ناقابل اعتبار بلکہ مردود ہے کیونکہ سلمیٰ البکریہ مجہول الذات والحال ہیں اور مجہول العین کی روایت بالاتفاق غیر مقبول ہے اور اگر بالفرض قابل تسلیم ہو بھی تو حدیث من رآني في المنام فقد رآني کی بنا پر گو یہ حضرت ام سلمہؓ نے آپ کی ہی صورت مثال دیکھی تھی لیکن چونکہ یہ محض ایک خواب ہے اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسئلہ پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ لأن ما يحتج به النبي صلى الله عليه وسلم هو ما ثبت وهو حي ولم يجيء أنه يقول للرائي وكلامه فيما خلا ذلك [illegible] ولا انخاطبه ولا أنه انتقل من مكانه ولا أن أحاط علم المتيقن بذلك الخيال المتلبس وإنما [illegible] ثبت عنه يقظة لا يعارضه ما رأى منامًا وأيضًا المنام ليس على يقين من كلامه ولا من كلام تلك الصورة المرئية وليست تلك صورة صحيحة بدليل رؤيا حليمة وأكثر الناس لا يعرفون حقيقتها ولا يخفى بها أيضًا [illegible] الاستدلال بها لأن من شرط الراوي ضابطًا [illegible] والنائم ليس حال الضبط

پس اس حدیث سے سالار شہیداں رضی اللہ عنہ کا ماتم اور حزن و ملال پر استدلال انتہائی جہالت ہے۔ محدث دہلی جلد نمبر ۲

سوال: مجھ سے ایک آریہ نے سوال کیا کہ تمہارے عقیدہ کی بنا اماں حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئیں تو وہ آدم کی دختر ہوئیں اس سوال کا کیا جواب دیا جائے۔ محمد حیات شاہ پوری

جواب: حوا کا پسلی آدم سے پیدا ہونا ثابت نہیں، حدیث ضعیف ہے اگر صحیح مانا بھی جائے تو لڑکا پسلی سے پیدا نہیں ہوا کرتے، لہذا حوا حضرت آدم کی لڑکی نہ ہوئی واللہ اعلم (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۳ شمارہ ۱)

سوال: حضرت شاہ دولہ صاحب از گجرات کی منت پر جو چوہے جیسے بچے پیدا ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے جبکہ ہوتے کو سماع نہیں ہے تو پھر یہ کرامت تو ظاہر ہے۔

جواب: شاہ دولہ کا چوہا منت ماننے سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ مجاور ایسے چھوٹے سر والے لڑکوں کو دور دور مقام پر تلاش کر کے لاتے ہیں اور مشہور کرتے ہیں کہ منت سے پیدا ہوا ہے علاوہ اس کے یہ کیسی کرامت ہے کہ اچھی صورت کی بجائے بدصورت بچہ پیدا ہو۔ اس لئے یہ محض بناوٹ ہے۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۳ شمارہ ۷)

سوال: زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے، البتہ عالم برزخ میں ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ وہ ہر دو میں، اور روح کی زندگی کے قائل ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ کی زندگی میں کون خصوصیت ہے، بلکہ آپ دنیا میں، صرف کدورت قلبی کی وجہ سے اہل ظواہر کو نظر نہیں آتے،

جواب: زید ٹھیک کہتا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ایک روایت میں ہے مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَبُوْ بَكْرٍ بِالسُّنْحِ (بخاری) بکر کا کہنا کہ اخبار (کافر) بھی عالم برزخ میں زندہ ہیں اور آپ کی زندگی ان کی طرح ہوتی یہ غلط ہے نیک اور نبی اور غیر نبی کی زندگی یکساں نہ دنیا میں ہوتی ہے نہ عالم برزخ وغیرہ میں

(اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۶ نمبر ۳)

سوال: جب یزید نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہی بھیجے تھے تو انہوں نے گرفتار کرنے کی بجائے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، اس کے صلہ میں ان سپاہیوں کو سزا کیوں نہیں دی گئی،

جواب: وہاں جو جنگ ہوئی ہے وہ ایک اتفاقی بات ہے سپاہیوں کا مطالبہ تھا کہ ہم آپ کو گورنر بصرہ و کوفہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہاں یزید کی بیعت کر کے پھر یزید کے پاس آپ کو بھیجا جائے گا، دراصل سپاہی دارالخلافہ دمشق کے نہیں تھے، بلکہ عبید اللہ بن زیاد گورنر کی طرف سے آئے تھے، فوج نے کوفہ لے جانے پر اصرار کیا اور حضرت امام حسین کوفہ جانے کو تیار نہیں تھے، انہوں نے تین تجویزیں پیش کی تھیں جو کہ معقول تھیں،

۱۔ مجھے یزید کے پاس بھیج دو ۲۔ مجھے سرحد میں جانے دو جہاں میں کفار سے جہاد کروں گا یا مجھے واپس مدینہ جانے دو سپاہیوں کو چاہیے تھا کہ ان معقول تجویزوں کو قبول کر لیتے، مگر سپاہیوں نے قبول نہیں کیا اور انہیں گورنر کے پاس لیجانے پر اصرار کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گورنر کے پاس جانے کو تیار نہیں تھے، اس واسطے لڑائی ہوئی ہے اور پھر وہ کچھ ہوا جو ہوا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر کو یزید نے اس طرح سزا دی ہے کہ پہلے وہ دو صوبے (بصرہ و کوفہ) کے گورنر تھے، اب ان کی صرف ایک صوبہ کی گورنری تک محدود کر دیا گیا،

(ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد ۳ شمارہ ۲۴)

اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۲ شمارہ ۱۶

سوال:۔ کیا ولی مردے زندہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (رحمت اللہ گنگن پور)

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مردوں کو زندہ نہیں کر سکتا۔ یہی عقیدہ ٹھیک ہے۔ اسلامی عقیدہ یہی ہے دگر ہیچ۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲)

سوال: نبی علیہ السلام کو حاضر ناظر جاننا کیسا ہے؟

جواب:۔ گناہ کبیرہ ہے کفر ہے شرک ہے ظلم عظیم ہے سوائے خالق کل کے ہر وقت ہر چیز کا علم اور اس کی واقفیت کسی کو نہیں ہے۔

سوال:۔ جناب نبی علیہ السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں۔ (ایضاً)

جواب:۔ برزخی زندگی سے مجال انکار نہیں ورنہ قبر کے مسکہ تو کہ ایک کہانی ہو کر رہ جائیں گے حضور قبر میں زندہ ہیں مگر اس زندگی کو دنیوی زندگی سے وہ حقیقتاً رخصت ہو چکے ہیں یعنی وفات پا چکے ہیں مگر قبر کی زندگی سے ضرور متصف ہیں چونکہ اس زندگی کی سمجھ کسی صورت نہیں آسکتی اس لئے دماغ انسانی ٹامک ٹوئیاں کھاتا اور وہم میں پڑا رہتا ہے۔

(اخبار اہل حدیث جلد ۳ شمارہ ۳)

سوال:۔ یہاں پر یہ کہاوت مشہور ہے کہ کوڑھی (یعنی جس کے جسم پر سفیدی لگی ہو) مرنے کے بعد گلتا نہیں اور اس کے ناخن بال بڑھتے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ یہ کہاوت غلط اور بے اصل ہے ہاں صحیح حدیثوں سے انبیاء کرام کے متعلق ثابت ہے کہ ان کا جسم اطہر محفوظ رہتا ہے۔ وَأَلْحَقَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ بِهِمُ الشُّهَدَاءَ وَالْقُرْطُبِيُّ الْمُؤَذِّنَ الْمُحْتَسِبَ وَزَادَ غَيْرُهُ الصِّدِّيقِينَ وَالْعُلَمَاءَ الْعَامِلِينَ وَحَامِلَ الْقُرْآنِ الْعَامِلَ بِهِ وَالْمُرَابِطَ وَالْمَيِّتَ بِالطَّاعُونِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَالْمُكْثِرَ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَالْمُحِبِّيْنَ لَهُ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ (زرقانی علی الموطا) محدث دہلی جلد ۹ ص ۱۱

توضیح الکلام: نبیوں اور رسولوں کا وجود محفوظ رہنا تو صحیح حدیث سے ثابت ہے لیکن اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہیں جسے چاہے رکھے چاہے نہ رکھے، فقط الراقم علی محمد۔

فاعتقدوا فاسق مدعيه كاسل وفي حضيض ضلال وتضليل

وفي مطعن وبيل وبعيد عن سواء السبيل حتى قال

صاحب التعرف وهو كتاب لم يصنف مثله في التصوف اجمع

المشائخ كلهم على تضليل من قال ذلك وتكذيب من ادعى

هنالك وصنفوا في ذلك كتبا ورسائل منهم ابو سعيد الخراز والجنيد

وصرحوا بان من قال ذلك لم يعرف الله الملك المتعال العزة

الشيخ علاء الدين القونوي في شرحه وقال ان صح عن احد دعوى

نحوه فيمكن تأويله بان غلبة الاحوال تجعل الغائب كالشاهد

اذا كثر اشتغال الشي بشيء واستحضاره له كانه حاضر بين يديه

انتهى ويؤيده حديث ان تعبد الله كانك تراه وكذا حديث عبد الله

بن عمر في حال الطواف كنا نرى الله تعالى ـ

وقال صاحب العوارف المعارف في كتابه علائم الهدى وعقيدة

ارباب التقى ان روية العيان متعذرة في هذه الدار لانها دار

الفنا والآخرة دار البقا والقوم من العلماء نصيب من علم اليقين

في الدنيا وللآخرين من اعلى منهم رتبة نصيب من عين اليقين كما

قال قائل رأى قلبي ربي انتهى. والحاصل ان الرؤية قد اتفقت على

ہے اور دنیا میں رویت ہوسکتی ہے یا نہیں اس کے متعلق اختلاف ہے اکثریت کا خیال کہ یہ جائز ہے دوسرے اس کا
انکار کرتے ہیں۔ لیکن جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔ وہ صرف اس دیت کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
خدا تعالیٰ کو معراج کی رات دیکھا ہے۔ اور دوسرے کسی کے لئے اس کو ثابت نہیں کرتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے دیکھنے کے متعلق بھی سلف میں اختلاف تھا۔ صحیح یہی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ
کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ آنکھ سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ شرح عقائد میں اس کی تصریح ہے۔ اگر کوئی
یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ وہ ظاہری آنکھ سے

۔ انه تعالیٰ لا یراه احد فی الدنیا بعینه ولم یثبت ذلک
فی ذلک لا نبینا صلی الله علیه وسلم عروجه علی ما صرح به فی شرح
عقیدة الطحاوی ثم هذا ان قبل التاویل السابق فیها والا فان کان
مصمما علی مقوله ولم یرجع بالمنقول عن معقوله یجب تعزیره و
تشهیره بما یراه الحاکم الشرعی وقال بعض ارباب المعانی النقلیة
من قال فی الدنیا یراه بعینه فذلک زندیق طغی وتمرد وخالف
الله والرسول وزاغ عن الشرع الشریف قد قال ابن الصلاح و
ابو شامة انه لا یصدق مدعی الرؤیة فی الدنیا حال الیقظة
ومنعته کلیم الله موسیٰ علی نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام ۔ و
اختلف فی المرام لنبینا صلی الله علیه وسلم فی ذلک المقام کیف تسمع
لمن لم یصل الی مقامه انتهی کلامهما وقال الکورشی فی سورة النجم ومعتقد
رؤیة الله تعالیٰ ههنا بالعین لغیر محمد صلی الله علیه وسلم غیر
مسلم وقال الاردبیلی فی کتابه الانوار ولو قال انی رأی الله تعالیٰ
عیانا فی الدنیا کفرا انتهی لکن الاقدام علی التکفیر بمجرد دعوی
الرؤیة من اصحاب الشطحات فان الخطاء فی افتاء الف کافرا هون
من الخطاء فی افتاء مسلم فالصواب ما قدمنا ه انه ان انضم
الی الدعوی ما یخرج من عقیدة اهل الحق فیحکم علیه بانه من

دیکھتا نہیں ہے۔ بلکہ تصورات شاہد اور تمثیلات خیالیہ کا دیکھتا ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ
کی صفات کے مظاہر دیکھے ہیں تو یہ ٹھیک ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے عیاناً خدا تعالیٰ کو
دیکھا ہے تو پرلے درجہ کا بے دین اور گمراہ ہے۔ اس کو تعزیر ملنی چاہیے اور شہر میں پھرانا چاہیے
صاحب تعرف کا قول ہے۔ یہ کتاب تصوف کے معتبرین میں بے مثال ہے مشائخ طریقت
کا اس پر اجماع ہے۔ کہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا البتہ

اھل الضلالۃ والبدع والسلام علی من اتبع الھدیٰ انتھی
ما فی منح الروض شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ....
واظہر من الشمس است کہ این خطاب لن ترانی بموسیٰ علیہ السلام وارد شدہ پس اعادہ امت
بصفت لن ترانی چگونہ موصوف نشود و نعم ما قیل۔

پیلہ بار گران بار کہ بردا شتہ است
گر طاقت کوہ و گر مور یکے است

در منشور لامع النور۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔
ھی وجوہ المؤمنین یومئذ یوم القیمۃ ناضرۃ حسنۃ ناعمۃ
الی ربھا ناظرۃ .... مشعر دیگر بدیدار بے انتظار
در عقبیٰ است یعنی در جنت نہ در دنیا زیرا کہ احساس و قویٰ دنیا از بس ضعیف در معرض فنا
است ازیں راہ گذر دیدار الٰہی بار دنیا متعذر بخلاف احساس و قویٰ دار البقا کہ آنجا قوی
خواہد بود بتقویت رب العزت و قوت اسے برداشت دیدار حضرت کبریا میسر خواہد بود لہٰذا
آں سرور کائنات سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بخطاب عام دربارہ دیدار
یقین الیقین نمودہ ہم صحابہ کرام کہ خلفائے راشدین درین خطاب داخل اند و روایت چنین
فرمودند کہ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا تَرَوْنَهُ فِي الدُّنْيَا پس از آیات و حدیث
واضح گردید کہ در دنیا کسے را قدرت مقام دیدن نیست

و ازینجا تمام اہل سنت و جماعت اتفاق کردند بریں مسئلہ کہ کسے را ازاعادہ است

خداوندی کا محل آخرت ہے دنیا نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے۔ تو وہ زندیق ملحد شریعت کا منکر
اور سنت کا مخالف ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب ملا ہے کہ تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ تو اور کون
ہے جو رویت کا دعویٰ کر سکے۔ ملا علی قاری کی منح الروض شرح فقہ اکبر میں تمام تفصیل موجود ہے۔
پھر یہ بھی روشن ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔
تو رویت کو قیامت کے دن پر معلق کیا اگر دنیا میں بھی رویت ہو سکتی۔ تو قیامت کے دن کی قید باطل ہے

بچشم ظاہری در بیداری در دار دنیا خدائے تعالیٰ را نمی بیند و نخواہد دید و مدعی آں کاذب است

قیدها بالقیامة اشارة الی ان الرؤیة فی الآخرة دون الدنیا کذا فی فتح الباری

وذکر مثله القاری والعینی شرح البخاری - و پارہ حدیث در صحیح بخاری از ابو موسیٰ اشعری

روایت است کہ فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وما بین القوم وبین ان ینظروا الی

ربهم الا رداء الکبریاء علی وجهه فی جنت عدن ای جنة اقامة وهو ظرف للقوم

لا لله تعالی وقوله فی الجنة متعلق بمعنی الاستقرار فی الظرف فیفید المفهوم انتفاء

هذا الحصر فی غیر الجنة والیه اشار الشیخ التوربشتی بقوله یریدان المؤمن اذا

تبوأ مقعده فی الجنة تبوأ والحجب مرتفعة والموانع التی تحجبه عن

النظر الی ربه مضمحلة الا ما یصدهم من هیبة الجلال وسبحات الجمال

وابهة الکبریاء فلا یرتفع ذلک منهم الا برأفته ورحمته تفضلا منه علی عباده

قال الحافظ ابن حجر وحاصله ان رداء الکبریاء مانع لرؤیته فکان فی

الکلام حذف تقدیره بعد قوله الا رداء الکبریاء فانه یمن علیهم برفعه

فیحصل لهم الفوز بالنظر الیه فکأن المراد ان المؤمنین اذا تبوءوا مقاعدهم

من الجنة لولا ما عندهم من هیبة الجلال لما حال بینهم وبین الرؤیة

حائل فاذا اراد اکرامهم حفهم برأفته وتفضل علیهم بتقویتهم علی النظر

الیه سبحانه وتعالی انتهی ما فی ارشاد الساری مختصراً - وقال النووی اعلم ان

مذهب اهل السنة قاطبة ان رؤیة الله تعالی ممکنة غیر مستحیلة واجمعوا ایضا علی وقوعها

کی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھو گے۔
اگر دنیا میں بھی دیدار خداوندی ممکن ہوتا۔ تو قیامت کے دن کی قید لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی
طرح فرمادیتے کہ تم جس طرح دنیا میں خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو، آخرت میں بھی دیکھو گے۔ امام نووی کا
قول ہے کہ تمام اہل سنت کا عقیدہ یہی ہے کہ رؤیت خداوندی دنیا میں ممکن ہے، آخرت میں ہوگی۔ اور
اسی پر متکلمین کے سلف اور خلف بھی متفق ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فی الآخرة ثابتة ورؤیة اللہ تعالیٰ فی الدنیا ممکنة لکن الجمهور من السلف والخلف من المتکلمین وغیرهم ان‌ها لا تقع فی الدنیا انتهیٰ ما فی المرقاة مختصراً واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب فقط۔

حررہ المولی رقم الحقیر
سید شریعت حسین

سید محمد نذیر حسین

سید احمد حسین

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۱۴۸

سوال: حدیث انا من نور اللہ وحدیث لولاک لما خلقت الافلاک صحیح ہے یا ضعیف؟

جواب: دونوں حدیثیں بے اصل ہیں پہلی حدیث کے بابت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ لا اعرفہ تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶ اس حدیث کے موضوع ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت کا قدیم ہونا لازم آئیگا اور اگر یہ مطلب ہے کہ یہ نور خدا کے نور کا جزء ہے تو خدا کی تجزی اور انقسام لازم آئیگا اور اگر یہ مطلب ہے کہ اللہ کا نور آنحضرت کے نور کا خالق ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ کی پیدائش نور سے نہیں ہے بلکہ مٹی سے ہے اور سب کو معلوم ہے فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور آنحضرت کے فرشتہ ہونے کی نفی خود قرآن میں موجود ہے ﴿وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ﴾ اور ہر شخص یہ بھی جانتا ہے کہ آپ حضرت آدم کی اولاد میں ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے بجائے مٹی سے پیدا ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا حضرت عائشہ سے مرفوعاً مروی ہے خلقت الملائکة من نور وخلق الجان من مارج من نار وخلق آدم مما وصف لکم (مسلم) دوسری حدیث کے متعلق علامہ صنعانی فرماتے ہیں موضوع (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۶ الفوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶ الموضوعات الکبیر لملا قاری الحنفی ص ۶۸) اور تقریباً اسی مضمون کو دیلمی اور ابن عساکر نے بالترتیب یوں روایت کیا ہے عن ابن عباس مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا۔ مگر مسند الفردوس دیلمی کی اور ابن عساکر کے مرویات سے بیشتر بے اصل ہے اس لئے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ (عبید اللہ رحمانی دہلی، محدث دہلی جلد نمبر ۲)

کیا اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں ظہور کرتا ہے یا نہیں؟

سوال: صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ بغیر بیعت امام کے جو مر گئے وہ جاہلیت کی موت مرا اس امام سے کونسا امام مراد ہے

جواب: اس امام سے مراد وہ شخص ہے جو صاحب حکومت ہو، اجرائے حدود شرعیہ کی قدرت رکھتا ہو مسلمانوں کے کل امور سیاسی و مذہبی امور کا ذمہ دار ہو اور غیر مسلم حکومت کا محکوم و تابع نہ ہو ارشاد ہے إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ الخ عبید اللہ رحمانی دہلی محدث جلد نمبر ۱۲

سوال: یہ اعتقاد رکھنا کہ وصال کے بعد اولیاء اللہ اپنی کرامت دکھا سکتے ہیں شرک ہے یا نہیں اگر شرک ہے تو منصور کی لاش سے انا الحق کی صدا کیوں کر آتی تھی؟ مجدد الف ثانی نے اپنی تربت سے یہ جواب دیکر امام مرزا شیفتہ یا کیوں کر دیا۔ قصہ اس کا یوں ہے کہ کوئی بزرگ مجدد الف ثانی کی زیارت کو گئے تھے وقت چلنے کے ان سے مرزا مظہر جان نے اپنا سلام کہلا بھیجا تھا جب تاریخ سے فارغ ہو کر ان کا سلام ان کو پہنچایا تو تربت سے یہ آواز آئی تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔

جواب: ایسے اعتقاد کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں منصور اور مجدد صاحب کا قصہ بھی کسی صحیح روایت سے نہیں آیا مریدوں کی خوش اعتقادی ہے (اہلحدیث امرتسر ۲۲ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ۔)

سوال: کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنے صفات میں ظہور کرے اور صفات رحمانیہ تا ریں جلوہ گر ہوں کیا یہ درست ہے اگر ہے تو دلیل قرآن شریف اور حدیث نبوی سے تحریر فرمائی جائے۔

جواب: ۔ اللہ تعالیٰ کے ظہور کرنے سے مراد اگر یہ ہے کہ اس کی صفات کا اثر مخلوق میں پایا جائے مثلاً قدرت کا اثر مقدور میں اور خالق کا اثر مخلوق میں تو ٹھیک ہے چنانچہ دیکھ ہی رہے ہیں اور قرآن مجید صاف بتا رہا بھی ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ وہ خود جلوہ گر ہو جیسا عیسائیوں کا حضرت مسیح کی نسبت اور ہندوؤں کا اپنے بزرگوں کی نسبت جن کو وہ اوتار کہتے ہیں عقیدہ ہے تو یہ عقیدہ قرآن مجید حدیث شریف بلکہ جملہ اہل اسلام کے خلاف ہے واللہ اعلم (اہل حدیث امرتسر ۳۰ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ)

سوال: ۔ حدیث انما الاعمال بالخواتیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار اعمال کا موقوف ہے خاتمہ پر جس کا خاتمہ نیک عمل پر پایا جائے تو وہ سعید ورنہ شقی تو اس جگہ سوال یہ ہے کہ بعض ایسے افراد جو بے نماز نشہ باز وغیرہ وغیرہ دیکھے گئے ہیں جن کا خاتمہ کلمات شہادت کلمات توحید کلمہ نفی اثبات۔ استغفار تکبیرات تسبیحات وغیرہ وغیرہ پر ہوا ہے اور آیات قرآن مجید کو پڑھتے ہوئے ان کی روح پرواز ہوئی ہے اور چہرہ پر علامات سعادت بھی نمایاں ہوتے ہیں تو کیا اس قسم کے لوگ جن کی عمر نشے بازی، تبرا بازی، ابیہ بینی۔ قبر پرستی، پیر پرستی میں صرف ہوگئی ہو بوقت خاتمہ محض کلمات مذکورہ ادا کرنے یا آثار سعادت وغیرہ پائے جانے کی وجہ سے ناجی سمجھے جائیں گے یا نہ؟

جواب: ۔ حدیث کا مضمون یہی ہے اور صحیح ہے کہ اعتبار خاتمہ کا ہے مگر محض کلمات پر خاتمہ مراد نہیں بلکہ ان کلمات کے معانی پر اعتقاد کے خاتمہ ہو چنانچہ دوسری حدیث میں مُطْمَئِنًّا بِهَا قَلْبُهٗ (دل اس کا اس پر مطمئن ہو) یعنی ان کلمات کے ماتحت جملہ بد اعتقادیاں جو ان کے مخالف ہوں ترک کر دے اور اعمال ذمیمہ سے توبہ کرے چنانچہ فرمایا۔ لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ (اہل حدیث امرتسر ۲ مئی ۱۹۲۴ء)؟

سوال: ۔ تعلیم قرآن میں یہ بھی درج ہے کہ تعظیم کیلئے کھڑے ہونا اور پیر چومنا ایک حد تک جائز ہے مگر کرنا نہیں کیونکہ مشابہ سجدے کے ہوتا ہے اگر بوجہ مشابہت کے ہی منع ہے تو انما الاعمال بالنیات کا قائل ہونا کچھ سود مند نہ ہوا۔؟

جواب: ۔ کیوں نہ ہو اگر مشابہت بالمشرکین امر بالشرک تو ممنوع ہے اس لیے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہیے جس میں شرک کی بو آتے۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۸ صفر المظفر ۱۳۴۲ھ)؟

سوال: تعزیہ بنانا کیسا گناہ ہے یعنی کس درجہ کا ہے؟

جواب: تعزیہ پر حکم لگانے سے پہلے بنانے والوں کی نیت اور کام کو جاننا ضروری ہے بعض لوگ تعزیہ اس نیت سے بناتے ہیں کہ یہ امام حسین کی قبر کی نقل ہے اور اس کو کار ثواب جانتے ہیں چونکہ شریعت نے اس کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا نہ اس کو کار ثواب بتایا ہے۔ لہٰذا یہ فعل بدعت موجب گناہ کبیرہ ہے۔ بعض لوگ تعزیہ کے آگے سر جھکاتے اور عرضیاں لکھ کر تعزیہ سے یا امام ممدوح سے حاجات مانگتے ہیں ایسی صورت میں تعزیہ بنانا شرک ہے اس کا گناہ اتنا بڑا ہے کہ بے توبہ نہ بخشا جائے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۔

(اہل حدیث امرتسر ۲۰ نومبر ۱۹۳۲ء)

سوال: اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول خواہد فرمود و باز خواہد آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چگونہ خاتم الانبیاء شدند؟

جواب: معنی خاتم النبیین آنست کہ بعد از نبوت محمدیہ ہیچ نبی پیدا نشود، نبوت سابقہ مستمرہ مخالف ختم نبوت نیست۔

سوال: اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام باز نزول فرماید از عہدۂ نبوت معزول شدہ باز آید یا چہ؟

جواب: نہ زیرا کہ آں نبوت سابقہ حادث شد نبوت محمدیہ ہست؟

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام در ایں وقت از عوارضات انسانی مثل خورد و نوش وغیرہ بے نیاز و حاجت ہا تنہا نمرد حق تعالیٰ در قرآن مجید مے فرماید وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ اینکہ گفتہ شد منافی آیۂ مذکورہ ہست؟

جواب: در ایں باب ہیچ روایت بنظر حقیر نیامدہ البتہ اشکال قوی ہست؟

سوال: در بخاری شریف ہست کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام يَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ و ایں امر از شان نبوت بسے کمتر ہست ایں را حملہ کرنا و لیے دیگر ہست پس اگر احادیث لفظ ابن مریم را ہمچناں تاویل کنند قبول خواہد افتاد یا نہ؟

جواب: در حدیث آمدہ بحق آنحضرت قتل الکلاب یعنی برائے قتل کلاب دستہا حکم فرمودہ اگر ایں فعل قتل کلاب منافی نبوت محمدیہ نبود قتل الخنازیر ہم نباشد؟

سوال: در قرآن مجید ہست وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ۔ الآیۃ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بقید حیات فائز اند پس در کدام سن و سال ایمان بہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آوردہ اند و بہ مدد ایشاں رسیدہ اند؟ بصورت دیگر دعویٰ حیات غیر موقع ہست؟

جواب: بحقیقت ایں جواب ہم نحو الجواب است زیرا کہ ما را علم نیست کہ اطلاع بعثت محمدیہ بعیسیٰ علیہ السلام در کدام ساعت و کدام سال رسیدہ و در وقتیکہ اطلاع بعثت محمدیہ رسیدہ باشد ہموں ساعت ایمان آوردہ باشد واللہ اعلم؟

سوال: آیت کریمہ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ثابت مے کند از قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ حیات ابدیہ ہیچ کس فائز نشدہ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام چہ طور بحیات تسلیم کردہ شود؟

جواب: بحیات ابدی کہ حق عیسیٰ علیہ السلام ہیچ کسی قائل نے لیکن معنے ابد آن ست کہ منتہاش نہ باشد فافہم؟

سوال: مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ مفہوم آیت کریمہ آنست کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشارت داد کہ بعد مردن من رسولے خواہد آمد کہ نامش احمد باشد اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہنوز زندہ است مے باید کہ بنام احمد رسول نیامدہ باشد اگر آمدہ است پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت شد

جواب: در معنے آیت تحریف واقع شد بعد موت ترجمہ نیست بلکہ بعدی زبانی است یعنی از پس من چنانچہ بحق موسیٰ علیہ السلام ہم ہمیں معنے است بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي در پ ع ۹ ای بعد غائبی؟

سوال: از آیت کریمہ وَيُعَلِّمُهُ ... التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ثابت است کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجز توریت دیگر کتاب نخواندہ پس تبلیغ قرآن چگونہ خواہد کرد؟

جواب: بعد نزول از ما بوحی الٰہی تعلیم یابد چنانکہ تعلیم توریت ہم بوحی الٰہی حاصل کردہ بود واللہ اعلم

اہل حدیث امرتسر ۲۴ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ؟

سوال: علماء یورپ نے اپنی جدید تحقیقات سے علم ارواح پایۂ ثبوت کو پہنچایا ہے اور حقیقتاً ارواح سے ملاقات ہوتی ہے اس بات کا مختلف طریقہ سے بیّن ثبوت دیا گیا ہے یہاں تک کہ بعض نصاریٰ کی روحیں بوقت حاضری یہ کہتی ہیں کہ ہم بہت راحت و آرام سے ہیں اس مسئلہ کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے؟

جواب: علماء یورپ نے جو ارواح کے حالات معلوم کرنے کا علم ایجاد کیا ہے یہ ان کی ایجاد نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کو یہ علم خدا کی طرف سے وہبی تھا حدیث شریف میں آیا ہے،

دو قبروں کے پاس سے حضور علیہ السلام گذرے فرمایا: ان کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے اور سخت کام میں عذاب نہیں ہو رہا بلکہ ہلکے کام میں ہوتا ہے ایک حدیث میں فرمایا میں نے دیکھا ہے اس عورت کو جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا یہاں تک کہ بلی بھوک مری تھی اس قسم کی بہت سی روایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح کی حالت آنحضرت پر روشن ہوتی تھی صوفیائے کرام کے ہاں تو کشف قبور کی خاص مشق کرا کر بتایا جاتا ہے۔

اہلحدیث امرتسر ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

سوال: اللہ سبحانہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں سے مدد مانگنا شرعاً شرک اور کفر ہے یا نہیں اور جو شخص ایسا کرے وہ مسلمان ہے یا نہیں، اور ایسے شخص پر شرعاً لعنت بھیجنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جو امور خالق نے عادتاً انسانوں کے بس میں دئے ہیں ان کسی سے مدد چاہنا شرک یا کفر نہیں بلکہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ میں داخل ہے ہاں جو امور قدرت کے قبضہ خاص میں ہیں ان میں کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنا یا مدد مانگنا شرک ہے مثلاً اولاد کی خاطر خاوند یا بیوی کا طبی قانون سے علاج کرنا جائز مگر اولاد کے پیدا ہونے میں کسی غیر اللہ سے سوال کرنا هَبْ لِيْ وَلَدًا شرک۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. ایسا مشرک مسلمان ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان کے دو معنے ہیں عند اللہ وعند القاضی، عند اللہ تو جو مشرک ہے وہ مسلم نہیں تو جانے والا عالم الغیب خدا جل نے اسی طرح ارشاد ہے کلام پاک میں مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ہاں اگر وہ کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتا ہے تو عند القاضی مسلمان ہے مشرک پر لعنت کرنے کی بابت کوئی آیت یا حدیث میری نظر میں نہیں جس میں حکم ہو کہ مسلم مشرک پر لعنت کیا کرے اسی بنا پر حضرت ابو حنیفہ صاحب نے یزید پر لعنت کرنے سے انکار کیا رضی اللہ عنہ۔

اہلحدیث امرتسر ۹ رجب ۱۳۵۴ھ

سوال: اگر کوئی صحیح العقائد شخص اپنے عقیدہ کو اس وجہ سے چھپائے کہ جہاں وہ رہتا ہے وہاں دوسرے عقائد کے لوگ رہتے ہیں اور اس کو صحیح عقیدے کے ظاہر کرنے پر بائیکاٹ کر دینگے اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آئینگے تو کیا وہ منافق ہے؟

جواب: خوف جان ہے تو حکم اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً بچاؤ کرے اور اگر محض منہ

سے تکلیف ہے تو زندگی کا اظہار کرتا رہے ۔

سوال :۔ آیت شریف یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا کا کیا مطلب ہے کیا جمیعا سوائے شرک و کفر کے اور ہر گناہ پر حاوی ہے اگر نہیں تو اس کا مطلب کیا ہے ؟

جواب :۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ شرک و کفر توبہ کے ساتھ بخشتا ہے باقی گناہ جس طرح چاہئے بعض کو توبہ سے بعض کو نیکیوں سے بعض کو دیگر معاصی کے اجتناب سے (اہلحدیث امرتسر ۱۴ رجب [illegible]ھ)

سوال :۔ آدمی ہندو ہو یا مسلمان مرنے کے فوراً اپنے نیک و بد عمل کی سزا و جزا پاتے ہیں یا قیامت میں جنگل؟ اگر فوراً جزا و سزا پاتے ہیں تو نابالغ لڑکا خواہ کافر کا ہو یا مسلمان کا اور جس کی شریعت معلوم نہیں اور جو پاگل و گونگا ہے ان لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کریگا حدیث صحیح سے جواب دیں ؟

جواب :۔ سزا جزا مرتے ہی شروع ہو جاتی ہے نابالغ یا پاگلوں پر سزا جزا نہیں ہے کافروں کے نابالغ بچوں کو سزا نہیں ہوگی وہ مکلف نہیں ہوئے ۔

سوال :۔ جنتی جوان کتنے لانبے ہونگے اور بیوی حوریں کتنی لمبی ہونگی ؟ بعض مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ جنتی جوان ساٹھ گز لانبے ہونگے اور بیوی حوروں کی اونچائی معلوم نہیں ہوئی اور جنتی جوان کیا سورج سے بھی حسن و جمال میں اچھے ہونگے صحیح جواب تحریر فرمائیں ؟

جواب :۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جنتی ساٹھ ہاتھ لمبے قد ہونگے ان کی بیویاں ان کے برابر ہونگی [illegible] قرآن مجید میں آیا ہے جنتیوں کو حسن و جمال بہت ملیگا سورج کے ساتھ برابری کا ذکر نہیں البتہ حسن و جمال خوب ہوگا واللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر یکم شعبان [illegible]ھ)

سوال :۔ حضرت خضر علیہ السلام جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں زندہ تھے اب بھی زندہ حیات ہیں یا انتقال کر گئے ؟ اور جو عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تا قیامت زندہ رہیں گے صحیح ہے یا نہیں امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب الوسیلہ میں لکھتے ہیں کہ خضر علیہ السلام انتقال کر گئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام سے ان کے زندہ ہونے کے ثبوت میں کوئی روایت نہیں ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور آپ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ کچھ منقول ہوتا ۔

جواب :۔ خضر کی زندگی کی بابت کوئی دلیل نہیں بلکہ ایک ضعیف روایت ان کی عام حیات [illegible]

فرمایا لو کان الخضر حیا لزارنی۔ یعنی اگر خضر زندہ ہوتا تو میری (آنحضرت کی) زیارت کرتا۔ یہ روایت شیخ عبدالحق دہلوی نے تکمیل الایمان میں نقل کی ہے؟

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں اسی طرح پھرتا ہے جیسے خون اور انسان کی ناک میں شیطان رات بھر رہتا ہے اور انسان کی تمام شکلیں سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، تبدیل کر سکتا ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کیا وجہ ہے کہ شیطان تمام انسان جن میں اولیاء، انبیاء سب شامل ہیں مگر بعض وقت نور کی شکل بن کر خدائی دعوے کر سکتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بن سکتا اس کا کیا سبب ہے؟

جواب:۔ بے شک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل نہیں بن سکتا کیونکہ اگر بن سکتا تو بہتوں کو خواب میں دھوکہ دیتا۔ (اہلحدیث امرتسر ۹ جمادی الاول ۱۳۴۴ھ)

سوال:۔ بوقت ذکر ولادت باسعادت حضرت خاتم الانبیاء صلعم قیام کرنا با قصد یا بلا قصد اور یہ عقیدہ رکھنا کہ حضور صلعم تشریف لاتے ہیں کیا تعظیماً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے تارک پر طعن و تشنیع کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ سخت بدعت ہے ایسی کہ چاروں مذاہب کے محققین علماء اس کو بدعت سیئہ کہتے ہیں نہ زمانہ نبوت میں یہ رسم تھی نہ زمانہ خلافت میں نہ ائمہ کے وقت تک۔ پیچھے کی ایجاد ہے اس کا ترک کرنا اور اس کو محو کرنا موجب ثواب ہے۔ واللہ اعلم (اہلحدیث امرتسر ۵ رجب ۱۳۴۷ھ)

سوال:۔ سورج اور چاند کے گہن لگنے کے متعلق کلام مجید یا حدیث شریف میں کچھ بتلایا گیا ہے یا نہیں؟ اگر بتلایا گیا ہے تو وہ الفاظ کیا ہیں؟ جواب مع عبارت کے ہو۔

جواب:۔ گرہن کی بابت حدیث میں صرف اتنا آیا ہے کہ اللہ کی قدرت کے نشانوں میں سے نشان ہے یہ ایک جامع لفظ ہے اس سے اچھا کوئی نہیں کہہ سکتا۔

سوال:۔ کیا مومن کیلئے ایمان کے ساتھ عمل بھی لازمی ہے اور کیا ایک بدکار یا بے عمل اہل حدیث (موحد) ایک متقی عابد ذی علم مقلد سے عند اللہ بہتر ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں تو یہ اصول ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ہاں تقویٰ میں توحید جزو اعظم ہے (اہل حدیث امرتسر ۲ر جنوری ۱۹۲۸ھ)

سوال:۔ شرکیہ منتروں سے دم جھاڑ کرنا کیسا ہے اور دم جھاڑ کروانے والا کیسا ہے امام ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب:۔ شرکیہ منتروں سے دم جھاڑ کرنا بصورت علم ہونے کے شرک ہے اور کرنے والا مشرک ہے توبہ نہ کرے تو امامت سے برطرف کئے جانے کا مستحق ہے حدیث میں ہے: اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۰ محرم ۱۳۵۷ھ)

سوال:۔ قرآن مجید پڑھ کر مردے کو ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ حنفی مذہب کے علماء جائز کہتے ہیں، مگر اہل حدیث اس کے قائل نہیں، کیونکہ زمانہ سلف سے یہ ثابت نہیں؟

سوال:۔ انگریزی لباس مع انگریزی ٹوپی کے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ انگریزی طرح لباس یا ٹوپی بذاتہا کوئی منع نہیں ہاں پہننے والا دیکھنے میں اگر انگریز منکر اسلام معلوم ہو تو منع ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ یعنی جو کوئی کسی قوم سے مشابہ ہو جائے پس وہ انہی میں ہوگا ہاں اگر باوجود اس لباس کے کسی قسم کی اسلامی تمیز رکھے تو اس وعید سے بچ جائیگا۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۰ محرم ۱۳۵۷ھ)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے بکر کہتا ہے نہیں وہ انسان تھے زید دلیل لاتا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ مَلَكَيْنِ مذکور ہے بکر کہتا ہے کہ ایک قرأت لام کے زیر کی بھی ہے اب عرض یہ ہے کہ قرأت لفظ ملکین کی صحیح مانی جائے یا ملکین کی؟ دلیل معقول سے بذریعہ اخبار فیصلہ صادر فرمایا جائے؟

جواب:۔ قرأت قرآنی جو قرآن مجید میں ہے وہی مقدم ہے جو متواتر ہے ہاروت و ماروت میری تحقیق میں فرشتے نہ تھے مَا أُنْزِلَ میں مانافیہ ہے واللہ اعلم

(اہل حدیث امرتسر ۲۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ مرحوم اولیاء اللہ سے استمداد کرنے کا حدیث میں حکم آیا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:۔ قرآن یہی مسئلہ سمجھانے کیلئے نازل ہوا کہ جو کچھ مانگو خدا سے مانگو مگر بعض

مسلمانوں کو اس میں شک پڑ گیا ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ لکھا ہے۔ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ (سورۃ انعام و یونس) اگر خدا تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس کی ذات کے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ ترمذی شریف میں جناب پیغمبر خدا کا ارشاد ہے اِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ جب کچھ مانگو تو خدا سے مانگو اور جب مدد چاہو تو خدا۔ سے ہی مدد طلب کرو۔

ایسے واضح ارشادات کو بعض دماغ تو قبول نہیں کرتے مگر ایک ضعیف حدیث پر دل و جان سے نثار ہوتے ہیں جو اس گھر سے ہوئے صاف عقیدہ کو خراب کرنے کیلئے کس بلاکی گھڑی ہے۔ اس ضعیف حدیث کے لفظ یہ ہیں۔ "یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ" اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اس حدیث کی سند میں زید بن علی آیا ہے جس نے حضرت عتبہ صحابی سے روایت کیا ہے۔ علامہ حافظ ہیثمیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ زید اور عتبہؓ کی ملاقات ہوئی ہی نہیں، لہٰذا یہ حدیث ضعیف اور ردی ہے۔

(از اخبار اہل حدیث سوہدرہ)

سوالات

۱۔ شریعت محمدیہ میں پیر و مرشد بنانا کیسا ہے۔

۲۔ اپنے آپ کو کسی پیر کا مرید کہلوانا کیا حکم رکھتا ہے۔

۳۔ پیر کی بیعت کرنی جائز ہے۔

۴۔ بعض مسجدوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر مغرب کے بعد سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور سو دفعہ صرف اِلَّا اللّٰه اور سو دفعہ اللہ۔ اور سو دفعہ ہو کا ورد پڑھتے ہیں، پھر دیر مراقبہ میں خاموش ہو کر پیر کا تصور کرتے ہیں کیا شریعت میں ایسی صورت جائز ہے۔

۵۔ ایسی مسجد جس جگہ نقشہ مندرجہ ذیل ہے نماز جائز ہے یا نہیں۔

قبریں	قبریں		مغرب	قبریں	قبریں
قبریں	جہاں لکیر ہے یہ سب چھوٹے دروازے ہیں		مسجد		
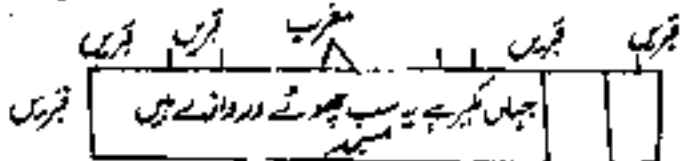
۶:۔ بعض لوگوں میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ اکٹھے ہو کر کسی پیر کے ہاں جا کر دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، جب وہ نکلتا ہے تو تکبیریں کہنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس کے آباء و اجداد کی تعریف میں مدحیہ قصیدے پڑھتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں شعر پڑھتے ہیں اس کے پیچھے پیچھے مسجد تک چلے جاتے ہیں، کیا یہ صورت شریعت محمدیہ میں جائز ہے یا نہیں؛

۷:۔ مذکورہ بالا مسجد کے دائیں طرف حجرہ میں قبروں کے گرداگرد دیوار بنی ہوئی ہے کہیں سے دس فٹ اونچی ہے کہیں سے پندرہ فٹ وغیرہ تو کیا یہ دیوار قبروں کی حفاظت کیلئے جائز ہے یا نہیں؛

۸:۔ ایک پیر نے کہا کہ میرے آباء و اجداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے چلے آتے ہیں، وہ کیا ہے مذکورہ بالا مسجد کے حجرہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد امام و مقتدی داخل ہو جاتے ہیں، اور قبروں پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؛

۹:۔ پیر صاحب مریدوں سے فرماتے ہیں کہ تمہارے مالوں میں سے میرا بھی حق ہے وہ خدا سے ڈر کر اسے دیتے ہیں، اگرچہ وہ غنی یا مالدار ہی کیوں نہ ہو کیا یہ درست ہے؛

(جوابات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد للہ الذی خلق فسوی والذی قدر فھدیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

۱:۔ پیر و مرشد کی دو غرضیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ سیدھا راستہ دکھائے گمراہی سے بچائے دوسری یہ کہ شفاعت کرے، قیامت کے دن بخشوائے سو ان دونوں غرضوں کیلئے آج کل کے مروجہ پیر و مرشد کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ پہلی غرض کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ (مشکوٰۃ) یعنی میں نے تم میں دو امر چھوڑے ہیں جب تک ان دونوں کو تھامے رہوگے، گمراہ نہیں ہوگے؛

جو شخص پڑھا ہوا ہو وہ دیکھ کر عمل کرے، جو ناواقف ہو وہ جس عالم سے موقعہ ملے پوچھ لے، جیسے سلف کے زمانہ میں دستور تھا، قرآن مجید کا ارشاد ہے، فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ (قرآن) اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو؛

دوسری غرض کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَتَانِیْ اٰتٍ مِّنْ رَّبِّیْ فَخَیَّرَنِیْ بَیْنَ اَنْ یُّدْخِلَ اُمَّتِیْ الْجَنَّۃَ وَبَیْنَ الشَّفَاعَۃِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَۃَ وَھِیَ لِمَنْ مَّاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا۔ (ترمذی ابن ماجہ: مشکوٰۃ) میرے پاس خدا کی طرف سے ایک آنے والا آیا ہے۔ مجھے اختیار دیا کہ تیری نصف امت جنت میں داخل کی جائے گی یا تو شفاعت کرے میں نے شفاعت اختیار کر لی۔ شفاعت اس شخص کو پہنچے گی، جو اس حال میں مر گیا کہ اللہ کیساتھ شرک نہ کرتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید والوں کی شفاعت کریں گے پھر اس غرض سے پیر و مرشد کی کیا ضرورت ہے۔ ایک اور حدیث ہے یَشْفَعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثَلَاثَۃٌ الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَاءُ (رواہ ابن ماجہ) قیامت کے دن تین قسم کے لوگ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء۔ ان کے علاوہ بعض اوروں کا بھی ذکر ہے۔ لیکن مروجہ پیر و مرشد کا کہیں ذکر نہیں۔ پھر سفارش کا ذمہ دار بھی وہ شخص ہو سکتا ہے جسے اپنے خاتمہ کا علم ہو اور یہ بھی کہ ہو سکتا ہے، یا جس کی بابت نبی کی شہادت ہو دوسرے کو کیا پتہ ہے کہ میرا خاتمہ کیا ہو گا بڑے بڑے بزرگ اسی فکر میں رہے کہ خدا جانے خاتمہ کس حال پر ہو گا، بلکہ جن کو جنت کی خوش خبریاں ملیں، ان کی کمریں بھی اس خوف سے ٹیڑھی ہو گئیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں رو رو کے کہا کرتے تھے، اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ شَقِیًّا اَوْ مُذْنِبًا فَامْحُہُ فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ فَاجْعَلْہُ سَعَادَۃً وَّمَغْفِرَۃً (ابن کثیر جلد ۳) اے اللہ اگر تو نے مجھ پر بدبختی یا گناہ لکھا ہے تو اس کو مٹا دے کیونکہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے جو چاہتا ہے، اور تیرے پاس ہے ام الکتاب کی، پس اس بدبختی کو دور کر کے نیک بختی کر دے، اور گناہ بخش دے۔

عبداللہ بن مسعود بھی یہی دعا مانگا کرتے تھے بلکہ خاتمہ تو آئندہ کی چیز ہے صحابہ تو اپنی موجودہ حالت پر بھی اطمینان نہیں رکھتے تھے، بخاری کتاب الایمان میں ہے، عبداللہ بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں، میں تیس صحابہ کو ملا ہوں، سب اپنی جان پر نفاق سے ڈرتے تھے جب ان جیسے بزرگوں کی حالت یہ تھی، تو اللہ کون ایسا مرشد و پیر ہے جو شفاعت وغیرہ کی ذمہ داری لے

سکے، یہ بالکل واہی خیال ہے، بلکہ ایک طرح کی دکان داری ہے، خدا اس سے بچائے، اور طریق سلف پر چلنے کی توفیق دے، (آمین)

(۲) جب اس طرح کا پیر پکڑنا شریعت سے ثابت نہ ہو تو نسبت لگانی کیسے درست ہو گی مذہبی نسبت تو ایک ہی پیرو مرشد کی طرف کرنی چاہیے، جو سب کا پیرو مرشد ہے یعنی امام اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حدیث کی طرف یا سلف کی طرف نسبت کرے جن کی اتباع ہم پر واجب ہے مثلاً اہل سنت، یا اہل حدیث یا سلفی کہلانے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجی فرقہ کی علامت یہی بتائی ہے مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ۔ مَا أَنَا عَلَيْهِ حدیث ہوئی اور اصحاب سے مراد طریق سلف ہوا، سو انہی دو سے اپنا تعلق پیدا کرنا مناسب ہے،

۳۔ پیری مریدی، بیعت کا کوئی تسلی بخش مسئلہ نہیں، کیونکہ قرون اولیٰ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا،

۴۔ اس قسم کے اذکار قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، نہ خیر القرون میں کسی نے کئے نہ اماماں دین نے بتائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ۔ یعنی جو ہمارے دین میں نیا کام جاری کرے گا وہ مردود ہے اب جو صورت سوال میں مذکور ہے اس میں بھی کئی باتیں زیادہ کی گئی ہیں، ایک وقت مغرب عشاء کے لئے اپنی طرف سے مقرر کرنا پھر سو کی تعداد پھر حکم کی پہلے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پھر اللّٰهُ هُوَ پھر چپ رہنا، اور مراقبہ میں شیخ کا تصور کرنا یہ کتنی باتیں اپنی طرف سے ملائی ہیں، جن کا شریعت میں نام ونشان بھی نہیں تو کیا ان لوگوں کے سوا خاتم کا ذکر نہیں، خاص کر تصور شیخ تو ایک قسم کا شرک ہے کیونکہ مشکوٰۃ کے شروع میں حدیث ہے، اُعْبُدِ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاكَ۔ الحدیث اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے اگر تجھے یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم تیرے دل میں یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے،

جو تصور شیخ کرتے ہیں وہ عبادت میں غیر اللہ کی صورت بٹھاتے ہیں، اور اس کی مشق اور ریاضت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کی جگہ کسی کو دینی ہی شرک ہے، گو صفائی مقصود ہے تو بدعت طریق سے درحقیقت صفائی نہیں، بلکہ ظلمت ہے خدا اس سے بچائے، آمین۔

۵:۔ عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا الی القبور ولا تجلسوا علیہا (رواہ الجماعۃ الا البخاری) (ابن ماجہ، منتقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو۔

عن ابی سعید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْاَرْضُ کُلُّہَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَۃَ وَالْحَمَّامَ رواہ الخمسۃ الا النسائی۔ (منتقی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام زمین مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِجْعَلُوْا مِنْ صَلٰوتِکُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا (رواہ الجماعۃ الا ابن ماجہ۔ منتقی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نماز گھروں میں بھی پڑھ لیا کرو۔ اور ان کو قبریں نہ بناؤ۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیہود والنصاری اتخذوا قبور انبیائہم مساجد (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں فرمایا، اللہ یہود و نصاریٰ کو لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنایا۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرأ فیہ سورۃ البقرۃ رواہ مسلم (مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن) اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے۔

پہلی حدیث میں قبروں کی طرف نمازیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے، سوال میں جس مسجد کا ذکر ہے اگر اس کے سامنے کے سارے دروازے کھلے ہوں تو نماز قطعاً حرام ہے کیونکہ قبریں سامنے ہیں اگر دروازے بند ہوں، تو بھی ٹھیک نہیں، دروازوں کا قبلہ رخ ہونا شبہ ڈالتا ہے، کہ یہ مسجد قبرستان کے متعلق ہے، کیونکہ دروازے قبروں کی خاطر رکھے ہیں، ایسی مسجد میں نماز ٹھیک نہیں کیونکہ چوتھی حدیث میں قبروں کو مسجد بنانے پر لعنت فرمائی ہے، دوسری حدیث میں قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کے دائیں بائیں قبروں کا ہونا یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ

مسجد قبرستان کا حصہ ہے، اگر بالفرض مسجد پہلے ہو اور قبریں پیچھے بنی ہوں، تو بھی کچھ خلل آ گیا کیوں تیسری اور پانچویں حدیث میں گھروں کو قبریں بنانے سے نہی فرمائی ہے، اور گھر میں قبر کی یہی صورت ہوتی ہے کہ گھر کی حدود اور صحن وغیرہ میں بنا دی جائے، دو تین طرف قبر اس قسم کی معلوم ہوتی ہے اور دوسری قبروں کا حال بھی مشتبہ ہے اس لئے ایسی مسجد میں نماز سے احتیاط کرنا چاہیے مگر قبریں یہاں سے ہٹا دی جائیں اور ہڈیاں دوسری جگہ دفن کی جائیں، تو پھر نماز میں کوئی کھٹکا نہیں لیکن قبریں اس وقت ہٹائی جا سکتی ہیں، جب مسجد پہلے ہو کیونکہ اس صورت میں یہ قبریں خلاف شرع ہوں گی جن کا ہٹانا ضروری ہوگا، ورنہ مسجد کو یہاں سے ہٹانا چاہیے، ہاں اگر مشرکوں کی قبریں ہوں تو ہر صورت میں ہٹائی جا سکتی ہیں، مسجد نبوی اسی طرح بنی تھی، ہاں اگر قبریں حدود سے بالکل الگ ہوں، اور مسجد قبرستان کے حصہ میں نہ ہو، تو پھر ہٹانے کی کوئی ضرورت نہیں مگر قبروں اور مسجد کے درمیان دیوار بنا دینی چاہیے، تاکہ کسی وقت اتفاقیہ مسجد کا دروازہ کھلا رہ جائے، تو نظر پڑے اس مسئلہ کی کچھ تفصیل سوال نمبر کے جواب میں دیکھیے۔

(۲) :- منہ پر تعریف منع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔ (مشکوٰۃ ص ۴۱۲) اگر پیروں کی مجالس میں ان کے سامنے مدحیہ قصائد مبالغہ آمیز پڑھے جاتے ہیں، وہ بجائے منع کرنے کے خوش ہوتے ہیں، بلکہ اکثر کو دیکھا گیا ہے، وہ انعام دیتے ہیں، سو یہ سب حرام کے مرتکب ہوتے۔ ہاں نبی کی تعریف منہ پر درست ہے جس کی دو وجہیں، ایک یہ کہ نبی کو غرور نہیں آ سکتا، اللہ ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے دوسری یہ کہ نبی کی نبوت ایمان اور کفر کی کسوٹی ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے، پس جب اس کو اپنے منہ سے نبوت کے دعویٰ کا حکم ہوا، جو بڑا عالی مقام ہے، تو دوسروں کی مدح معمولی بات ہے، کسی اور کا یہ مقام نہیں، اس لئے خلفاء اور بزرگان دین کے سامنے ایسا کام کبھی نہیں ہوا، پھر اس طرح گھر سے نکلنا اور اپنی تعظیم کرانا یہ بھی خلاف شرع ہے، اور تواضع کے منافی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت حدیث میں آیا ہے، وَلَا يُطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ (مشکوٰۃ ص ۴۵۸) آپ کی ایڑی کو دو آدمی بھی نہیں لتاڑتے تھے۔ یعنی جیسے دنیاداروں کی عادت ہوتی ہے اکثر آگے پیچھے خادم ہوتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہ تھے، بلکہ آپ کی آمدورفت گھر میں سادہ تھی

عن طارق قال خرج عمر الى الشام ومعنا ابو عبيدة فاتوا على مخاضة وعمر على ناقة له فنزل وخلع خفيه فوضعهما على عاتقه فخاض فقال ابو عبيدة يا امير المؤمنين انت تفعل هذا ما يسرني ان اهل البلد استشرفوك فقال اوه لو قال ذا غيرك ابا عبيدة جعلته نكالا لامة محمد انا كنا اذل قوم فاعزنا الله بالاسلام فمهما نطلب العز بغير ما اعزنا الله به اذلنا الله. رواه الحاكم وقال صحيح على شرطهما (ترغيب الترهيب منذری ص)

حضرت عمر فاروقؓ ملک شام کی طرف نکلے ابو عبیدہؓ بھی ساتھ تھے، رستہ میں چھوٹا چھوٹا پانی آیا، حضرت عمرؓ اونٹنی پر تھے، اونٹنی سے اتر کر جوتا اتار کر کندھے پر رکھ لیا، اور اونٹنی کی مہار ہاتھ میں پکڑ لی، ابو عبیدہؓ نے کہا اے امیر المؤمنین آپ ایسے کرتے ہیں مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ اہل شہر آپ کو اس حالت میں دیکھیں فرمایا افسوس ہے ابو عبیدہ اگر کوئی اور ایسی بات کہتا تو اس کو تنبیہ کرتے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عبرت بنا دیتا، ہم بہت ذلیل قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ ہمیں عزت دی پس جب اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں ہم عزت ڈھونڈیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آج کل جس طرح اپنی عزت کراتے ہیں، در حقیقت عزت نہیں بلکہ دو جہاں کی ذلت ہے، اور اسلام کے بالکل خلاف ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

۵: جب گھروں میں قبریں بنانی درست نہ ہوئی تو ان کی حفاظت کیسے ہوگی، بلکہ یہ کام یہاں کرنا چاہیئے، حدیث میں ہے یعنی جو شخص کوئی منکر کام دیکھے، اس کو حتی الوسع مٹا دے، پس یہ قبریں اگر مسلمانوں کی ہیں تو ان کی ہڈیاں نکال کر کسی اور جگہ دفن کر دینی چاہیئے، اگر مشرکوں کی ہیں تو ویسے صاف کر دینی چاہیئے، ہاں اگر مسجد اونچی ہو اور قبریں مسلمانوں کی ہوں تو مسجد کو یہاں سے ہٹا دینا چاہیئے، اور قبروں کے اوپر کی بنا گرا دینی چاہیئے، بلکہ یہ قبریں عام قبرستان کی طرح قبرستان بن جائیں، بلکہ اگر پختہ ہیں تو سرے سے ہی مسمار کرنی چاہیئے جیسے حضرت علیؓ کی حدیث الا سویتہ (مشکوٰۃ) سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، ورنہ کم سے کم سنت کے مطابق کر دی جائیں، کیونکہ حدیث میں ہے، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يجصص القبور وان يكتب عليها وان توطأ (رواه الترمذي، مشكوة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے نیز اس پر لکھنے اور روندنے سے منع کیا ہے

۸۔ بعد ان قبروں کی زیارت کیلئے جانا اس وقت مسنون ہے جبکہ یہ شریعت کے مطابق ہوں، ورنہ منکر کام کے اسباب پیدا کرنا اور ہمیشہ ہر جمعہ کو اجتماعی حالت میں ان کی زیارت کیلئے جانا، جس سے عوام کے دلوں میں ان قبروں کی اچھی حالت پر ہونے کا جذبہ پیدا ہو یہ ٹھیک نہیں ہے۔

۹۔ اس قسم کا دیکھنا، بیداری میں کہیں رہا خواب میں بھی خدا کی طرف سے نہیں ہوتا، خیر القرون میں اور بعد میں بہتیرے بزرگ گزرے ہیں، مگر کسی کو مقررہ طور پر ہمیشہ اس طرح خواب نہیں آیا یہاں تک کہ موروثی ہوگیا ہو، بلکہ بغیر موروثی ہونے کے بھی اس طرح نہیں آیا۔ ان لوگوں کے حیلے اور عملیات ایسے ہوتے ہیں، تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ میں ایک لمبی حدیث ذکر کی گئی ہے،

ہشام بن عاص اموی کہتے ہیں کہ میں اور ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں ہرقل بادشاہ روم کی طرف قاصد ہو کر گئے تو اس دربار میں زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر نکالا یہ کلمہ نکلتے ہی وہ محل اس طرح ہلنے لگا جیسے آندھی سے درخت ہلتا ہے، دو دفعہ اس طرح ہوا، ہرقل نے کہا اپنے گھروں میں جب تم یہ کلمہ پڑھتے ہو اس طرح ہوتا ہے؟ کہا نہیں کہنے لگا اگر تمہارے ہیں ہمیشہ اس طرح ہوتا، تو میں اپنا نصف ملک (خوشی میں) دے دیتا ہم نے کہا کیوں کہا اگر ایسا ہوتا تو یہ نبوت کا اثر نہ ہوتا، بلکہ لوگوں کے حیلوں اور عملیات کی قسم کا ہوتا، جس کا مجھے خطرہ نہیں تھا،

دیکھئے اہل کتاب بھی اس بات سے واقف تھے کہ جو باتیں خدا کی طرف بندے کی بزرگی اور نبوت کے اظہار کیلئے ہوتی ہیں، وہ اتفاقی ہوتی ہیں جیسا کہ صحابہؓ وغیرہ کے حالات سے ظاہر ہے موروثی طور پر خواب کا چلے آنا، یہ عملیات کی قسم سے ہے، پھر اعتبار نہیں کہ کہنے والا سچ کہتا ہے یا جھوٹ اگر سچ کہتا ہے تو اس کو کیا پتہ لگا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل ہے یا کسی اور کی بہرحال یہ کوئی بزرگی کی علامت نہیں ہے،

(۱۰) قرآن و حدیث میں کہیں نہیں آیا کہ پیروں کا حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے بلکہ زکوٰۃ جو سال بسال غنی مسلمانوں پر اللہ نے فرض کی ہے، وہ اہل بیت (قوم سید) پر حرام ہے، (حتیٰ کہ ان کے غلام کیلئے ناجائز ہے) پیر ان لوگوں کے گزارے کو ڈھونگ بنا رکھا ہے، لوگوں کو جھوٹے مسائل بتا کر حرام کھاتے ہیں خدا ان کو ہدایت کرے (آمین)

(از حضرت العلام مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی)

سوال ۔ باعتبار شرع شریف کوئی ایسی قوم ہے جو من حیث القوم خیرات لینے کی مستحق ہو اگر نہیں ہے تو ایسا عقیدہ کیسا ہے سائل مذکور ،

جواب ۔ کوئی قوم یا برادری یا ذات محض مخصوص قوم اور خاص برادری اور ذات ہونے کی حیثیت سے شرعاً خیرات کی مصرف اور مستحق نہیں ہے شریعت نے صدقات وخیرات کو مسلمانوں کی کسی قوم اور ذات و برادری کے ساتھ مخصوص نہیں کیا ہے قرآن کریم نے قبائل وشعوب کی تقسیم محض تعارف اور تواد کے لیئے رکھی ہے ہندوستانی مسلمانوں کی مروجہ قومیتیں خوانیں اور برادریاں (جن کی بنا نسب پر ہو یا پیشہ پر یا کسی اور چیز پر ہے) ہندؤں کے ساتھ ملنے جلنے اور رہنے سہنے کا اثر اور ثمرہ ہیں یہ تقسیم اسلامی تعلیم کے منافی ہے اسلام میں ذات پات کی تقسیم کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا پس کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو من حیث القوم خیرات لینے کی مستحق ہو ایسی حالت میں یہ عقیدہ رکھنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے ،

محدث دہلی جلد نمبر ۱۲

سوال ۔ کیا ہم اہل اسلام اہل ہنود کے کسی ایک مذہبی امور میں ان کی امداد کے لیئے کچھ چندہ وغیرہ دے سکتے ہیں یہاں ایک قریہ میں اہل ہنود بہ تعداد کثیر آباد ہیں اور وہ مندر کی تعمیر کے تحت میں مسلمانوں سے بھی چندہ طلب کرتے ہیں تو کیا از روئے شریعت چندہ دینا جائز ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اہل ہنود کی کثرت کی وجہ سے آئندہ ناجائز سلوک کا خطرہ ہو ،

جواب ۔ ہنوؤں کے مذہبی امور شرکیہ وکفریہ ہوتے ہیں پس ان کے کسی مذہبی کام میں چندہ وغیرہ سے امداد کرنا جائز نہیں ہے مندر کی تعمیر میں چندہ سے امداد کرنا تو شرک و کفر اور بت پرستی کی صراحتاً اعانت وحمایت ہے جو قطعاً حرام ہے ارشاد ربی ہے : تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (قرآن کریم) اکثریت کی طرف سے آئندہ موہومی ناجائز سلوک کے اندیشہ اور خطرہ کی بنا پر شریعت نے شرک و بت پرستی معصیت اور اثم و عدوان کی اعانت وحمایت کی اجازت نہیں دی ہے ایمان عزیز ہے اور آپ مومن کامل ہیں تو ان موہومی خطرات کو خاطر میں نہ لائیے ۔ اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔ (محدث دہلی جلد ۸ صفحہ ۶)

سوال ۔ زید کہتا ہے انسان کو ضرور چاہیئے کہ کسی اچھے پیر مرشد عالم کو اپنا پیر بنا لے اس

کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اور کیا خیال ہے کہ کوئی ضرورت نہیں پیر مقرر کرنے کی بغیر قرآن وحدیث
بے اُستی کو اپنا پیر بنائے کو نسا حق بجانب ہے اور اللہ و رسول کا کیا حکم ہے ۔

جواب :۔ کسی شخص کو پیر بنانا اور اس پر بیعت کرنا کسی مسلمان کے لئے بھی ضروری نہیں ہے
پیری مریدی کے ضروری ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے اور ہندوستان کی موجود
پیری مریدی تو مسلمانوں کی اصلاح و تربیت اور دینی و دنیوی سربلندی کا مرانی کا ذریعہ بننے کے
بجائے بالعموم صدقہ خوری اور نذرانے وصول کر کے غریب مریدوں کی جیبیں خالی کرنے کا ذریعہ
اور پیروں کی عیاشی کا کامیاب وسیلہ ہے حکیم مشرق سر اقبال نے سچ فرمایا ہے ،

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

نذرانہ نہیں سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اللہ اور اس کے رسول کا یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان صرف کتاب اللہ اور سنت محمد کو اپنے لئے مشعل
بنائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ، ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب
اللہ وسنۃ رسولہ (موطا) (محدث دہلی جلد ۹ صفحہ ۷)

سوال :۔ ایک شخص صاحب ہوش اور عیالدار ہے مگر اپنے والد کا نافرمان ہے نہ تو اپنی بیوی
کو خرچ دیتا ہے اور نہ ہی اپنی اولاد کو پوچھتا ہے بلکہ ان کو تنگ کرتا ہے باپ نے بوجہ شفقت
اس کے بال بچوں کے نان نفقہ کا بوجھ اٹھایا ہوا ہے شخص مذکور صوم وصلوٰۃ کا پابند بھی ہے
لیکن والد کا نافرمان ہے کیا از روئے شریعت وہ نجات کا مستحق ہے ،

جواب :۔ ماں اور باپ کی اطاعت و فرمانبرداری جب تک وہ معصیت الٰہی کا حکم نہ دیں فرض
اور ضروری ہے اور ان کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے ، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا انبئکم
باکبر الکبائر قلنا بلیٰ یا رسول اللہ قال الاشراک باللہ وعقوق الوالدین (بخاری) یعنی اللہ تعالےٰ
کا شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کی نافرمانی عظیم ترین گناہ ہے ، والعقوق ھو ایذاؤھما بای نوع
کان من انواع الاذی قل او کثر نھیا عنہ او لم ینھیا عنہ او مخالفتھما

فیما یامرہ ان ادینھیانہ بشرط انتفاء المعصیۃ فی الکل (فتح الباری) بیوی بچوں کا خرچ اور ان کی خبر گیری شوہر کے ذمہ ضروری ہے۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (قرآن کریم) وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (قرآن کریم) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وابدأ بمن تعول تقول المرأۃ اما ان تطعمنی واما ان تطلقنی ویقول العبد اطعمنی واستعملنی ویقول الابن اطعمنی الی من تدعنی (بخاری) پس صورت مسئولہ میں شخص مذکور حقوق العباد ضائع کرنے یعنی ماں باپ کی نافرمانی کرنے اور بیوی بچوں کا خرچ نہ دینے کی وجہ سے بہت بڑا ظالم اور گنہگار ہے۔ وہ مسلمان جو موحد کامل ہے اور جس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور تمام فرائض دینیہ و اعمال صالحہ پر آخر تک کاربند رہا ایسے شخص کے لئے نجات اولی ہے یعنی وہ مرنے کے بعد عذاب قبر و عالم برزخ و عذاب قیامت سے محفوظ رہیگا اور بلا خوف و خطر ابتداءً جنت میں داخل ہوگا اسی طرح اس مسلمان موحد کے لئے بھی نجات اولی ہے جس نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا اور نیک عمل میں کوتاہی اور غفلت کی لیکن صحیح اور سچی توبہ کر کے مرا ایسا مسلمان بھی ہر قسم کے عذاب سے محفوظ رہ کر جنت میں داخل ہوگا (بفضل اللہ ورحمتہ) وہ مسلمان موحد جس نے اپنی زندگی میں برے کام کئے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کی غرض یہ کہ نیک عمل میں غفلت کی اور بغیر ہی توبہ کے مر گیا ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان شاء عفا عنہ ان شاء عذبہ (بخاری) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بغیر کسی قسم کے عذاب میں مبتلا کرنے کے ابتداءً جنت میں داخل کر دے یعنی اس کو بھی نجات اولی حاصل ہو جائے (بفضلہ ورحمتہ) اور اگر چاہے تو گناہوں کی اور اچھے عملوں کے چھوڑنے کی سزا دیکر بہشت میں داخل کرے خواہ صرف عالم برزخ میں سزا دے اور قیامت کے عذاب سے محفوظ رکھے یا عالم برزخ اور قیامت دونوں جگہ عذاب میں مبتلا کیا جائے لیکن بہرحال عذاب کی مدت معینہ ختم ہو جانے کے بعد اس کے لئے بھی نجات یقینی ہے (بفضلہ ورحمتہ)

صورت مسئولہ میں شخص مذکور مرتکب گناہ کبیرہ ہے اگر اپنے عمل کی اصلاح کرے اور سچی توبہ کر کے مرے تو اس کے لئے نجات اولی ہے اگر بغیر توبہ کے مریگا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت

کے ماتحت ہے الفتاء عذابہ وانشاء غفر لہ: محدث دہلی جلد ۹ نمبر ۱

سوال:۔ قبر پر سبز شاخ یا سبز ٹہنی نصب کرنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس سے مردہ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔

جواب:۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحاح ستہ میں اور ابوامامہؓ و ابوبکرؓ و انسؓ سے طبرانی اور مسند احمد میں اور ابن عمرؓ و یعلی بن سیابہؓ سے مسند احمد میں اور ابوہریرہؓ سے مسند احمد و صحیح ابن حبان میں اور عائشہؓ سے طبرانی میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی دو تر ٹہنیاں رکھتے ہوئے فرمایا۔ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْہُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا یعنی جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی عذاب میں تخفیف رہے گی ان احادیث سے قبر پر صرف کھجور کی تازہ سبز ٹہنی رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے لیکن بظاہر یہ آپ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ عذاب میں تخفیف آپ کی دعا اور سفارش سے ہوئی تھی اور اس تخفیف کی مدت کی تعیین ٹہنیوں کی تری باقی رہنے کی مدت سے کی گئی تھی، چنانچہ اوا خر صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی مطول حدیث میں ہے۔ اِنِّیْ مَرَرْتُ بِقَبْرَیْنِ یُعَذَّبَانِ فَاَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِیْ اَنْ یُّرَفَّہَ عَنْہُمَا مَادَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَیْنِ حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اگرچہ دوسرا واقعہ مذکور ہے جو سفر میں پیش آیا تھا لیکن ان کے علاوہ دوسرے صحابیوں کی حدیثوں سے متعلق واقعہ کو بھی حضرت جابرؓ کی حدیث کی روشنی میں شفاعت و دعا ہی پر محمول کرنا قرین قیاس اور راجح ہے اسی لئے امام خطابی فرماتے ہیں۔ محمول علی انہ دعا لہما بالتخفیف مدۃ بقاء النداوۃ لا ان فی الجریدۃ معنی یخصہ ولا ان فی الرطب معنی لیس فی الیابس

پس تخفیف کا اصل سبب آپ کی دعا اور سفارش تھی کھجور کی شاخ یا اس کی تری تخفیف عذاب کا سبب نہیں تھی اس لئے اب قبر پر کھجور یا کسی اور درخت کی تازہ شاخ رکھنی یا نصب کرنی فضول اور بیکار چیز ہے۔ (عبیداللہ رحمانی دہلی، محدث دہلی جلد ۹ نمبر ۲)

سوال:۔ ایک حنفی مولوی صاحب نے دوران وعظ میں بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم یعنی پتلا ابھی پانی میں گیلا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پہلے پیدا ہو چکا تھا اور اسی وقت آپ پیغمبر بھی تھے مولوی صاحب مذکور نے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیا پس کیا ان کا یہ ارشاد اور بیان صحیح ہے؟

جواب :- مولوی صاحب کا یہ بیان درحقیقت اُن دو حدیثوں کا مجموعہ ہے جو عوام خصوصاً بریلوی حنفیوں میں بہت مشہور ہیں (۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (۲) کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ یا کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ مُنْجَدِلٌ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ لیکن یہ دونوں حدیثیں بچند وجوہ مردود ہیں ۔

پہلی حدیث :- مدخل میں ابن الحاج مالکی نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بلا سند ذکر کی ہے اور بے سند حدیث بالاتفاق مردود ہوتی ہے وغیرہ وہ مخالف ہے اس مشہور مرفوع صحیح حدیث کے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ الحدیث (اخرجہ احمد والترمذی وصححہ عن عبادۃ بن الصامت مرفوعاً) وغیرہ وہ معارض ہے ان حدیثوں کے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے پانی پیدا کیا پھر عرش پھر قلم پھر آسمان و زمین وغیرہ (روی السدی فی تفسیرہ باسانید متعددۃ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَخْلُقْ شَیْئًا مِمَّا خَلَقَ قَبْلَ الْمَاءِ قَالَ الْحَافِظُ فِی الْفَتْحِ [۱۴۲/۱۴] ثُمَّ ذَکَرَ وَجْهَ الْجَمْعِ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ حَدِیْثِ عُبَادَۃَ الْمُتَقَدِّمِ فَارْجِعْ اِلَیْهِ ۔

وغیرہ وہ معارض ہے اس حقیقت ثابتہ کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم کی اولاد سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں نہ نور سے اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ خُلِقَ مِنَ التُّرَابِ (ترمذی ابو داؤد ابن حبان) وغیرہ وہ مخالف ہے اس حدیث کے جس میں وارد ہے کہ آدم کی تخلیق آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد ہوئی (مسلم شریف عن ابی ہریرۃ)

دوسری حدیث :- کے متعلق ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں :

وَ اَمَّا مَا یَدُوْرُ عَلَی الْاَلْسِنَةِ بِلَفْظِ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ فَقَالَ السَّخَاوِیُّ لَمْ اَقِفْ عَلَیْهِ بِهٰذَا اللَّفْظِ فَضْلًا عَنْ زِیَادَۃِ کُنْتُ نَبِیًّا وَّلَا مَاءَ وَّلَا طِیْنَ قَالَ وَقَالَ الَّذِیْ قَبْلِیْ لَا اَصْلَ لَهٗ بِهٰذَا اللَّفْظِ اِنْتَهٰی مُخْتَصَرًا وَقَالَ الْعَسْقَلَانِیُّ قَالَ ابْنُ تَیْمِیَّةَ اَلزَّرْکَشِیُّ وَغَیْرُهُمَا مِنَ الْحُفَّاظِ لَا اَصْلَ لَهٗ وَکَذَا کُنْتُ نَبِیًّا وَّلَا آدَمَ وَلَا طِیْنَ (الرد الیسیر [۱۲/۲۲]) وَقَالَ الصَّغَانِیُّ مَوْضُوْعٌ (تذکرۃ الموضوعات) البتہ حدیث کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کئی صحابیوں سے معتبر سند سے مروی ہے (فَاَخْرَجَهُ ابْنُ سَعْدٍ وَّاَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ وَ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِهٖ وَ صَحَّحَهُ الْحَاکِمُ عَنْ مَیْسَرَۃَ الْفَجْرِ مِنْ اَعْرَابِ الْبَصْرَۃِ وَابْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ

أبي الحذعاء والطبراني في الكبير عن ابن عباس وأخرجه الترمذي عن أبي هريرة بلفظ قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال وآدم بين الروح والجسد) قال المناوي يعني أنه تعالى أخبره بمرتبته وهو روح قبل إيجاد الأجسام الإنسانية كما أخذ الميثاق على بني آدم قبل إيجاد أجسامهم وقيل في معناه أنه صلى الله عليه وسلم قد أعطى فاصلة التعليم والتربية ومنح فضيلة الإرشاد والإصلاح في عالم الأرواح فكان في تهذيب الأرواح وتكميلها۔

یعنی قبل اس کے کہ آدمؑ کی روح کا ان کے جسد عنصری کے ساتھ تعلق قائم ہو عالم ارواح میں آنحضرت کی صورت مثالی کو نبی اور رسول بنائے جانے کی اطلاع دی گئی تھی یا عالم ارواح میں آنحضرت کو ارشاد و تربیت کے منصب پر فائز کر دیا گیا تھا اور آپ عالم ارواح میں بھی ارواح کی تہذیب و تکمیل میں مشغول تھے واللہ اعلم۔ وقد بسط معنى ذلك الإمام ولي الله الدهلوي في معناه في فيوض الحرمين وغيره فارجع إليه إن كنت من أصحاب القلوب القدسية والنفوس الزكية حتى لا يأتي نفسك من قبول ظواهره وحتى تقدر على الوصول إلى حقيقة مطالبه۔

عبیداللہ رحمانی محدث دہلی جلد ۳ ش ۵

سوال :- قرآن کریم میں آسمان کے سات طبق کا ذکر صراحتہً موجود ہے اور زمین کے سات طبق ہونے کا کہیں بھی ذکر نہیں پھر لوگ کیوں کہتے کہ زمین کے بھی سات طبق ہیں اور آسمان و زمین دونوں کے کل چودہ طبق ہیں؟

جواب :- ارشاد ہے اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ یعنی اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اتنی ہی زمین اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے یہ اس لئے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے اور اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر لیا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی طرح زمین کے بھی سات طبقے ہیں چنانچہ ترجمان القرآن حبر الامۃ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں أي سبع أرضين۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم، بیہقی، عبداللہ بن حمید، ظاہر آیت اور ابن عباس کی تفسیر کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی

ہے (۱) من ظلم قید شبر من الارض طوقہ من سبع ارضین (صحیحین) وفی روایۃ للبخاری خسف بہ الی سبع ارضین (۲) ما السموات السبع وما فیہن وما بینہن والارضون السبع وما فیہن فی الکرسی الا کحلقۃ ملقاۃ بارض فلاۃ ۔

(۳) لو برز شبر بیزید دخولہا الا قال حین برا ہا اللہم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن الحدیث ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ زمین کے بھی سات طبقے ہیں البتہ ان طبقوں کی کیفیت اور ان میں کسی مخلوق کے ہونے کا علم اللہ ہی کو ہے بغیر کسی مرفوع صحیح غیر متکلم فیہ حدیث کے یا بغیر کسی قرآنی آیت کی تصریح کے اس کی بابت ہمارا بحث کرنا قطعاً نامناسب ہے۔ قال الخفاجی الذی نعتقد ان الارض سبع ولہا سکان من خلقہ یعلمہم اللہ تعالیٰ انتہی قال العلامۃ القنوجی فی تفسیرہ وھذا اعدل الاقوال واحوطہا قال ویکفی الاعتقاد بکون السموات سبعا والارضین سبعا کما ورد بہا الکتاب العزیز والسنۃ المطہرۃ ولا ینبغی الخوض فی خلقتہا وما فیہما فانہ شئ استاثر اللہ سبحانہ وتعالیٰ بعلمہ لا یحیط بہ احد سواہ ولم یکلفنا اللہ تعالیٰ بالخوض فی امثال ھذہ المسائل والتفکر فیہا والکلام علیہا ۔ عبید اللہ رحمانی محدث دہلی جلد ۳ ش ۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و اسلام ایسے شخص کے حق میں جو کہ ایک شخص بنام فضل شاہ سکنہ پیر عبدالرحمٰن تحصیل شورکوٹ کا ہے اور وہ ایسے مسائل بیان کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں وہی احد اور وہی احمد ہے فقط میم کا پردہ ہے ورنہ خدا اور رسول کی ایک ذات ہے اور برابر ہی شان ہے بلکہ اولیاء اللہ بھی خدا ہیں بلکہ تمام مخلوق خدا کا عین ہے ہر چیز میں خدا ہے جیسے بیج (دانہ) جس کو ہندی زبان میں بیج اور پنجابی میں بیوکہتے ہیں کہ اول بیج ہے اور پھر اس سے درخت پھول پھل پتے شاخیں وغیرہ ہے اور پھر کپاس اور اس سے وہی بیج نکل آتا ہے پس اسی طرح تمام مخلوقات اصل میں اللہ ہی ہے صرف نام متفرق طور پر الگ ہوتے ہیں ورنہ وہی ذات ہے اور وہی مخلوق ہے اور جیسے پانی کو قطرہ یا جھاگ کہ حقیقت میں وہی پانی ہے صرف نام کا فرق ہے اسی طرح خدا رسول و رسول خدا ہے اور اسی واسطے سب جہان کا انتظام اولیاء اللہ اور رسول اللہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ خرافات بک بک کرکے خلق اللہ کو گمراہ کرتا ہے اور ریشِ مَطَر

سناتا ہے اور لوگوں کو مرید بناتا ہے اور جو اس کے خلاف ہے مرید ہو کر کہتا ہے کہ یہ قتل کے لائق ہیں ان کو قتل کرو یہ کرو وہ کرو وغیرہ وغیرہ فتنہ و فساد مچاتا ہے اور عورتوں بیبیاں میں مجلس و بیٹھک کرتا ہے اور گلے میں پھول باندھ کر عورتوں کو کافیاں سناتا ہے سنا کر مکر و فریب بہ نہج میں لاتا ہے بینوا توجروا السائل احمد ولد مراد وفات مد بھوانہ و احمد بقام خود

[گواہ شد] گواہ شد [احمد ولد مرید] گواہ شد [کرم خان نمبردار]

جناب عبداللہ محمود پیر بھوانہ کرم خان نمبردار موضع بدھوانہ

جواب مسمی بتردید عقائد فضل شاہ اقول بعون اللہ وحسن توفیقہ وھو سبحانہ تعالیٰ عما یقولون الظالمون علوا کبیرا از روئے کلام اللہ و احادیث رسول اللہ و فقہ و فتاویٰ و عقائد علماء اسلام اہل سنت و جماعت ایسا شخص بیشک و بے شبہ اشد کافر و دجال شیطان لعین مفسد ملحد زندیق ہے اور جو شخص ایسے آدمی سے میل جول کرے یا اس کو اچھا پیر بنائے وہ بھی مرتد و کافر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکاری ہے کیونکہ شریعت کا پہلا رکن یہی کلمہ طیبہ ہے۔ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا یا معبود برحق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں اور اذان و تشہد میں یہی گواہی ہے جو کہ ہر مصلی ہر نماز میں ادا کرتا ہے کہ اشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ یعنی میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک بندے غلام مملوک ہیں اللہ تعالیٰ کے اور رسول اس کے اور اکثر عوام اور خواص بھی ہر رکعت نماز میں سورۂ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ پڑھتا ہے یعنی کہہ تو اے محمد کہ اللہ ایک ہے اور اللہ بے نیاز بے پرواہ ہے نہ اس سے کوئی بنا اور نہ وہ کسی سے بنا اور کوئی بھی اس کے برابر نہیں یعنی نہ ذات میں نہ صفات میں اور اسی لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا ہے کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا یعنی مالک مدبر کا حاکم پالنے والا آسمانوں کا اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ ہے اس کا پس تو اسی کی عبادت کر یک رہ اور صبر سہار کر کیونکہ اس کے نام کا اور کوئی نہیں ہے یعنی وہی اکیلا یکتا خدا وحدہ لاشریک ہے اس کے نام میں بھی جو اللہ ہے کوئی شریک نہیں اور قرآن شریف میں ہے قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ الآیۃ۔ مضمون اس کا یعنی کہہ دے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون شخص ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا تصرف و انتظام ہے اور وہ بچاتا ہے

اور اس سے کوئی چھڑا نہیں سکتا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی جہاں کا منتظم و متصرف نہیں وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے اور اس کی پکڑ سے کوئی چھڑا نہیں سکتا اور فرمایا ہے وھو علی کل شیء قدیر یعنی وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور فرمایا وربک علی کل شیء حفیظا (سبا) یعنی تیرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا قُلْ لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا (پ ۹) اور فرمایا قُلْ لَّا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (الجن) یعنی اے نبی تو کہدے کہ میں اپنے اور تمہارے نفس کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں اور فرمایا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۔ (نساء) یعنی تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا اور فرمایا لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۔ یعنی خداوند تعالیٰ کے امر میں تیرا کوئی دخل نہیں ہے پس مذکورہ بالا تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نام اور ذات اور صفات میں واحد لاشریک تمام مخلوق کا رب ہی مالک منتظم متصرف نگہبان معبود قادر مطلق ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں محض مملوک مجبور ہے اختیار رسول ہیں کہ بغیر حکم و مرضی الٰہی کے کچھ کر نہیں سکتے اور اسی طرح تمام انبیاء و ملائک اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں نہ وہ خدا ہیں اور نہ خدا ہونے کا انہوں نے دعوٰی کیا بلکہ ایک خدا کو خدا منوانے کے لیے تشریف لائے اور جس نے اس بات کو نہ مانا ان کو جہنم رسید کرایا اسے واسطے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور فرشتوں کے حق میں فرمایا کہ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ (انبیاء) یعنی جو شخص ان میں سے اللہ تعالیٰ کے سوائے خدا ہونے کا دعوٰی کرے ہم اس کو جہنم میں دوا دینگے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور فرمایا مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ (آل عمران) یعنی جس وقت یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم تمہاری پوجا کریں اور تم کو خدا کہیں تب پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کسی آدمی کو جس کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے لائق نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ تم میرے پجاری بنو یعنی مجھے خدا کہو بلکہ وہ یہی کہے گا کہ تم سب اللہ تعالیٰ ہی کے بندے بنے رہو اسے کو ایک خدا مانو اور آگے فرمایا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۔ یعنی کیا جب تم ایک خدا کے ماننے والے مسلمان ہو گئے اور پھر وہ تمہیں کفر کا حکم کرے گا ہرگز نہیں کیونکہ اپنے تئیں یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ملک و نبی و ولی کو خدا کہنا کہلوانا امر بالکفر ہے اور اللہ پاک نے

سورۃ بنی اسرائیل میں ذکر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کفار مکہ نے کئی محال باتوں کا سوال کیا جو بشری طاقت سے باہر تھیں تو آپ نے فرمایا کہ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) یعنی پاک ذات ہے رب میرا جس کو ہر طرح اختیار ہے میں تو نہیں ہوں مگر آدمی جو رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور جو حکم ہوتا ہے وہی بجا لاتا ہوں اور آگے فرمایا کہ کافر و مشرک ایمان سے اسی بات نے روکا کہ وہ رسول کو بشر نہ سمجھتے تھے وَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا الآیۃ (تغابن) یعنی انہوں نے کہا کیا ہم جیسا آدمی ہمارا ہادی ہوگا پس کفر کیا اور پھر گئے اور قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا الآیۃ (یٰس) یعنی انہوں نے کہا نہیں ہو تم مگر آدمی مثل ہمارے یعنی انہوں نے انکار کیا کہ رسول آدمی نہیں ہوتے بلکہ فرشتے یا اور کچھ ہوتے ہیں جن پر اللہ پاک نے کئی طرح سے ان پر رد فرمایا اور ثابت کیا کہ رسول بندے ہی انسانی جنس کے آدمی ہوتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے کے لئے برگزیدہ کئے جاتے ہیں اور ان پر انواع و اقسام کے فضل و احسان الٰہی ہوا کرتے ہیں جیسا فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ الآیۃ (ابراہیم) یعنی تمام نبی اپنی قوم کی طرف انہیں کی زبان میں وحی دے کر بھیجے گئے اور فرمایا قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ الآیۃ (ابراہیم) یعنی ان قوموں کے رسولوں نے ان سے کہا نہیں ہیں ہم مگر آدمی مثل تمہارے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس پر چاہے فضل کرتا ہے کہ رسالت کے لئے اس کو منتخب کر لیتا ہے اور ہم بغیر حکم الٰہی تمہارے پاس معجزہ بھی نہیں لا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ الآیۃ یعنی اے نبی تو کہہ دے کہ میں کوئی نئی جنس کا رسول نہیں بلکہ اور رسل کی طرح میں بشر آدمی رسول ہوں اور فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (کہف) یعنی کہہ دے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں مثل تمہارے بشر آدمی ہوں میری طرف وحی آتی ہے اور اللہ پاک نے فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انہیں کی جنس کا رسول انہیں بھیجا اور فرمایا هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک صاحب کرم و فضل ہے جس نے ان پڑھ آدمیوں میں انہی میں سے رسول کھڑا کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی دعا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی اے رب ہمارے ان میں سے ایک رسول کھڑا کر اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ

قَبْلِهِ الرُّسُلُ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہونے کے سوا اور کچھ خدا یا خدا کی شکل یا اس کی جنس وغیرہ نہیں کہ ہمیشہ رہیں بلکہ اور رسل کی طرح یہ بھی فوت ہونگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یعنی بے شک تو بھی مرے گا اور وہ بھی مریں گے اور فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے اور بخاری شریف باب وفات النبی میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور کئی آدمیوں نے آپ کی موت کا انکار کیا تو ابوبکر صدیق نے فرمایا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ یعنی جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا پس اس کا خدا مر گیا اور جو اللہ تعالیٰ کو جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے پوجتا تھا پس اس کا خدا زندہ ہمیشہ قائم ہے اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ یعنی اسی پر بھروسہ کر جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے۔ الغرض مضمون بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام رسل و ملائک اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولیاء اللہ تعالیٰ کے بندے اور آدمیوں کی طرح آدمی ہیں لیکن ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان و فضل ہے کہ ان پر وحی اتری اللہ تعالیٰ کی رسالت کے لیے برگزیدہ کیے گئے اور تمام خلق اللہ کو ان کے تابع ہونے کا حکم دیا اور جو ان کا حکم نہ مانے گا وہ جہنم کی سزا پاوے گا اور اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا اور جو ان کو بندہ اور بشر نہ سمجھے گا خدا یا خدا کی شکل یا اس کی جز سمجھے گا وہ بھی کافر مرتد اللہ کا نافرمان ٹھہرے گا اور وہ تمام لوازمات بشری و اختیار و عجز میں عام آدمیوں کی طرح خداوند تعالیٰ کے محتاج ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم بغیر معجزہ بھی نہیں دکھا سکتے اور تمام آدمیوں کی طرح ان پر بھی موت فوت ہے صرف اعتقاد اللہ واحد لاشریک کو ہے جو کوئی اور سمجھے گا وہ گمراہ منکر قرآن و حدیث و تمام شرع الٰہی ٹھہرے گا بلکہ تمام صحابہ کرام و اہل بیت عظام اور ائمہ مجتہدین علماء اسلام کا اور ان کی کتب کا جھٹلانے والا ہے کیونکہ ان سب کا یہی عقیدہ تھا جو قرآن و حدیث اسلام میں مرقوم ہے کہ تمام انبیاء و صلحاء اللہ کے بندے اس کے محتاج اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور اس کے سامنے سب بے اختیار عاجز ہیں ہر وقت اس سے خائف لرزاں تھے بغیر اس کی مرضی و اذن بول نہیں سکتے تھے اور سب ہی مر گئے یا شہید ہوئے اور قرب جوار رحمت و رضوان الٰہی میں جا بسے جن کے فراق سے مسلمین اور اقربین درد مند ملول ہوئے جن کے وقائع سے تمام کتب وغیرہ بھری ہوئی ہیں

جو شخص ان تمام باتوں کا انکار کرکے سوال مرقومہ بالا کا مضمون بیان کرتا ہے وہ بے شک مفتری علی
اللہ ہے کذاب دجال ہے ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ
مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ (الآیۃ آل عمران) یعنی جو لوگ
کہ ان کے دلوں میں ٹیڑھ ہے یعنی کجی ہے پس وہ متشابہ آیت کے پیچھے لگتے ہیں فتنہ اور اس کی تاویل
بیجا ڈھونڈھتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص متشابہات آیات کے پیچھے
پڑے پس وہی کجی والے لوگ ہیں اور کا قول جیسے کبھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں موجود ہے
اسی لئے ہر چیز کو خدا کہہ سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ جس کا
یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ جس طرف منہ پھیروگے وہیں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہوگی جس کا مطلب
یہ لیتے ہیں کہ ہر چیز میں خدا ہے جس سے کتے گدھے گنہگار کافر چوہڑے چمار مومن مشرک درخت پتھر
وغیرہ کو خدا کہتے ہیں اور اس کو حق تعالیٰ کی ذات سمجھتے ہیں جو سخت درجہ کی اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کرتے
ہیں جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے بلکہ آیت کا مطلب علماء مفسرین نے بیان کیا ہے یہاں وجہ
سے مراد اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے یا جہت و قبلہ ہے کیونکہ آیت کا شان نزول قبلہ کی طرف
کسی عذر سے نماز نہ پڑھ سکنے سے اور کسی اور طرف منہ ہوجانے کے بارہ میں ہوا ہے یا یہ آیت متشابہات
میں داخل ہے کہ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور ہر جگہ سے اللہ تعالیٰ کے
کا علم مراد ہے کہ اس کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے اور ذات اللہ تعالیٰ کی تو وہ بموجب تصریح
قرآن و حدیث و صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین اہل سنت و جماعت کے عرش پر ہے اور تمام مخلوقات
سے جدا ہے اور علی و متعالی اور بلند ہے اور اس کا علم تمام جگہ عرش سے تحت الثریٰ تک موجود
ہے اور حاوی ہے اور یہ تمام متشابہات آیات کا بھی یہی مطلب ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کسی میں حلول
کرتا ہے اور نہ کسی سے متحد ہوتا ہے اور نہ وہ اپنی مخلوق میں سما سکتا ہے بلکہ وہ برتر اعلیٰ اپنی عرش
پر بلا تکییف و مثال خلق ہے بائن موجود ہے اور وہیں سے تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے اور تمام اعمال
صالح اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور جس کو تفصیل مطلوب ہو وہ غنیۃ الطالبین کا مطالعہ کرے
اور اس کی مثالیں مخلوقات سے بیان کرنا باعث کفر کا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَلَا
تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت بیان کرو اور فرمایا لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ

سے مثال یا مشابہت بیان کرے بیشک وہ اللہ جو بڑی عظمت والا ہے کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور وہ بھی کافر ہے جو حضرت علی کو خدا کہے گرچہ قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز بھی پڑھتا ہو (۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ میں مشرکین کے اقسام میں فرماتے ہیں وَمِنْهُمْ مَنِ اعْتَقَدَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّيِّدُ وَهُوَ الْمُدَبِّرُ لٰكِنَّهُ قَدْ يَخْلَعُ بَعْضَ عَبِيْدِهٖ لِبَاسَ الشَّرَفِ وَالتَّاَلُّهِ وَيَجْعَلُهٗ مُتَصَرِّفًا فِيْ بَعْضِ الْاُمُوْرِ الْخَاصَّةِ وَيَقْبَلُ شَفَاعَتَهٗ فِيْ عِبَادِهٖ بِمَنْزِلَةِ مَلِكِ الْمُلُوْكِ يَبْعَثُ عَلٰى كُلِّ قُطْرٍ مَلِكًا الخ۔ یعنی بعض مشرک ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اصل مالک اور مدبر جانتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو شرف اور الوہیت دیکر اپنے بعض کاموں پر ان کو اختیار دے دیتا ہے اور ان کی سفارش قبول کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ اپنی طرف سے اپنے ملک کے کنارہ میں بعض بندوں کو بادشاہ بنا کر بھیج دیتا اور اس ملک میں اکثر امور اُسی کے تصرف میں کر دیتا ہے پس مشرکین اسی طرح بزرگوں کو سمجھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے بزرگوں کی نگرانیاں اور علاقے بنائے ہیں اور ان کو ہر طرح کا اختیار اور تصرف دے دیا ہے اس سبب سے ان کو بندہ کہنا مناسب نہیں سمجھتے بلکہ ان کو خدا کے بیٹے یعنی جگر بند اور خدا کے معشوق اور اس کی سبھا کے رکن سمجھتے ہیں اور اپنے تئیں ان کا بندہ اور غلام کہتے ہیں جیسے عبد المسیح عبد العزیٰ عبد النبی عبد الرسول پیر المرتضیٰ بخش و محمد بخش و غلام جیلانی وغیرہ نام اسی قسم کے ہیں اور یہ بلا تمام یہود و نصاریٰ و مشرکان اور منافقین امت محمدی میں جو آج کل ہیں پھیلی ہوئی ہے اور بعض مشرکین یہ کہتے ہیں کہ بزرگ عبادت کرتے کرتے خدا کی ذات سے مل کر یکذات ہو جاتے ہیں اسی لئے ان کو خدا کہنا درست ہے جیسا مشرکین مکہ کا اعتقاد تھا یہ خلاصہ مضمون حجۃ اللہ البالغہ کا ختم ہوا (۳) شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی مسمی بہ حضرت پیر پیراں کی کتاب غنیۃ الطالبین اقسام روافض کے فصل میں ہوتا ہیں جو مشغلا قریح قول میر یا رفضیوں کے ایک فرقہ کا نام غالیہ ہے جن کے کئی گندے عقائد ہیں اور ایک ان میں یہ بھی ہے اِنَّ الْاِمَامَ يَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ مَا كَانَ وَيَكُوْنُ الخ یعنی امام جو کچھ دین و دنیا سے ہوا یا ہوگا وہ سب جانتے ہیں یعنی اماموں کو علم غیب ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان عَلِيًّا وَسَائِرَ الْاَئِمَّةِ لَمْ يَمُوْتُوْا بَلْ يَبْقَوْنَ اِلٰى اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَةُ الخ یعنی حضرت علی اور تمام امام نہیں مرے اور قیامت تک مریں گے اور نہ موت ان پر راہ پائے بلکہ کہتے ہیں کہ علی نبی ہے تو بعد ازیں یا ایک فرقہ رافضیوں کا یہ بھی ہے

یہ کہتے ہیں اِنَّ جَعْفَرًا هُوَ الَّذِي لَا يَكُونُ شَبِيهٌ بِمَعْنَاهُ الْمُوَيَّدُ یعنی جعفر خدا ہے جو خدا کی صورت میں نمودار ہوا ۔ دوسرا ایک فرقہ اخمسیوں کا ہے جو کہتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي خَمْسَةِ أَشْخَاصٍ الخ یعنی اللہ تعالیٰ پانچ شخصوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی اور عباس اور جعفر اور عقیل میں ہے (۲) اور ایک فرقہ مفوضیہ ہے وہ کہتے ہیں اِنَّ الْمُفَوَّضَ تَدْبِيرُ الْخَلْقِ إِلَى الْأَئِمَّةِ وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَقْدَرَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خَلْقِ الْعَالَمِ وَتَدْبِيرِهِ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کا انتظام اماموں کو سونپ دیا ہے اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت دی ہے (۳) اور بعض کہتے ہیں کہ اِنَّ عَلِيًّا كَانَ إِلٰهًا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَتَكَلَّمَ أَنَّهُمْ ... فِي الْأُمُورِ ... إِلَّا أَنَّهُمْ بَالَغُوا فِي غُلُوِّهِمْ وَتَمَرَّدُوا عَلَى الْكُفْرِ وَتَرَكُوا الْإِسْلَامَ وَفَارَقُوا الْإِيمَانَ وَجَحَدُوا الْإِلٰهَ وَالرُّسُلَ وَالتَّنْزِيلَ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِمَّنْ ذَهَبَ إِلَى هٰذِهِ الْمَقَالَةِ ۔ یعنی تحقیق علی خدا ہیں اللہ تعالیٰ کی اور تمام فرشتوں اور مخلوقات کی قیامت تک ان پر لعنت ہو اللہ تعالیٰ اکھیڑ دے نشانیاں اور نکی اور خراب کرے بستیاں ان کی اور ان کا ایک گھر بھی زمین پر آباد نہ رہے کیونکہ انہوں نے حد سے بڑھ کر محبت میں مبالغہ کیا اور ان کو خدا عالم الغیب متصرف منتظم تدبیر کرنے والے خیال کیا اور کفر پر جھکے اور اسلام کو چھوڑ دیا اور ایمان سے جدا ہو گئے اور انکار کیا خدا اور رسولوں اور قرآن کا پس اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے لوگوں کی بکواسوں سے پناہ میں رکھے سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۱۲ ۔ حررہ العاجز الراجی الی الخیر عبدالحمید بن ابو جھنگوی تلمیذ مجتہد العصر امام غربا جماعت اہلحدیث دہلی ابو محمد عبدالوہاب الملتانی المہاجری نزیل دہلی ۱۲ ۔ الجواب صحیح محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی ۱۲ الجواب صحیح تحریر عبداللطیف عفا عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی ۔ جواب بہت صحیح ہے محمد عبدالقادر عفی عنہ مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی تحریرہ احمد اللہ دہلوی مدرسہ فتحپوری ۱۲ الجواب صواب محمد قاسم عفا عنہ مدرس مدرسہ امینیہ الجواب صواب بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرسہ امینیہ ۱۲ ۔ الجواب صحیح نظام حسین ۔ بیشک عقائد مذکورہ سوال شرکیہ و کفریہ عقائد ہیں ان کا قائل اور معتقد دائرہ اسلام سے خارج اور ملحد زندیق ہے اس سے بیعت کرنا یا اس پر شک سمجھنا بلکہ مسلمان جاننا بھی سخت

غلطی ہے اور گناہ ہے محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی یہ شخص جس کا سوال میں ذکر ہے
کافر مرتد ملحد زندیق ہے جو شخص اس کو مسلمان جانے وہ بھی بے ایمان مرتد ہے ایسے شخص کو کلام حرمت
سے کہ پرستی سے خارج کرنا یا چھپانا نہیں بچانا عین عبادت اور ثواب ہے ایسے ہی شخصوں نے
اسلام کو بدنام کر دیا نعوذ باللہ من ذٰلک ۔ حررہ محمد ابراہیم مفتی دہلوی [خاکسار محمد ابراہیم] جو شخص خالق
اور مخلوق کو واحد بالذات سمجھے اور صفات الٰہیہ میں کسی مخلوق کو شریک سمجھے یا انبیاء و فرشتوں
و اولیاء اللہ و صلحاء کو عالم الغیب یا متصرف خلق الٰہی میں سمجھے یا اللہ پاک کو عرش پر بلا کیف نہ سمجھے
بے شک و بے شبہ ایسے لوگ کافر ہیں دائرہ اسلام سے خارج ہیں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے
قال اللہ تعالٰی إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وقال تعالٰی خَالِدِينَ فِيهَا وقال
تعالٰی إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۔ سوال مذکورہ میں جو شخص اس قسم کے کلمات کہتا
ہے وہ کافر و دجال ہے شیطان صورت میں انسان کے ہے جو اس کی پیروی کرے وہ بھی گمراہ اور
شیطان کا چیلا ہے واللہ اعلم حررہ احمد اللہ سلمہ الصمد مدرس مدرسہ مسجد حاجی علی جان ۲۰ ربیع الثانی
۱۳۳۱ھ عبد الجبار مولوی [احمد] بے شک و بے شبہ ایسا اعتقاد رکھنے والا مشرک ہے اور ایسے شخص
سے زبانی یا تحریری وغیرہ مجادلہ کرنے والا آیت يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ کا عامل اور
حدیث مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ کا حامی ہے تقویۃ الایمان میں مولانا اسمٰعیل شہید صاحب
نے ان مسائل کو بسط کے ساتھ لکھا ہے من شاء البسط فلیطالع واللہ اعلم عبد الستار کلانوری
نزیل دہلی مفتی مدرسہ دار الکتاب والسنۃ دہلی مورخہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ الجواب صحیح ابو الحسن
محمد حسام الدین عفی عنہ الجواب صحیح و المخالف قبیح ابو محمد عبد العزیز عفی عنہ الجواب حسن محمد
اسحاق محمد عبد الرزاق عفی عنہ الجواب صحیح ابو سعید محمد عبد الشکور محمد عبد الغفور عفی عنہ الجواب صحیح بقلم خود
ابو محمد ابرار الجواب صحیح ابو محمد عبد الرحمن محمد شرف الدین مدرس مدرسہ حمیدیہ الجواب صحیح العاجز کفایت اللہ
صحیح وہ شخص جس کا ذکر سوال میں ہے بے شک و شبہ ایسا شخص کافر ہے مشرک ہے کیوں کہ
خدا کی ذات کو جو خالق ہے اس کو مخلوق کے ساتھ ملانا یعنی ان کو خدا کے کاموں میں متصرف جاننا
بھی تو شرک ہے جب خالق اور مخلوق دونوں ایک ہی ہے تو خدا وحدہٗ لاشریک نے قیامت
کا دن حساب و کتاب عذاب و ثواب جنت و دوزخ کے لئے کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی

شخص اپنے بعض اعضاء کو تکلیف میں اور بعض کو عیش عشرت میں رکھے جب وہ ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا کہ خالق مخلوق میں فرق ہے دیکھو اللہ پاک رب العالمین اپنے حبیب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ تو اے محمد کہہ دے کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں آدمی ہوں مثل تمہارے اور دوسری جگہ میں ارشاد ہوتا ہے اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ یعنی اگر تجھ کو اللہ مصیبت میں ڈال دے تو بجز ذات پاک کے کوئی اس کو ٹالنے والا نہیں اسی مضمون کی اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے یہی صاف عیاں ہوتا ہے کہ خالق اور خالق میں فرق ہے اگر سب خدا ہیں اور سب کو تصرف حاصل ہے تو کیوں ایک بیچارہ ٹکڑے کے لئے در بدر پھرتا ہے اور ایک بڑی دھوم دھام سے تخت پر بیٹھا ہے کیوں نہیں سب یکساں ہو جاتے حررہ العاجز الراجی الی رحمۃ اللہ ابوسعید محمد عبد اللہ سہسوانی نزیل دہلی خادم شریعت رسول اللہ ابوسعید محمد عبد اللہ۔ بے شک وشبہ شخص مذکور کل دعاوی میں مشرک کافر بے ایمان مردود کذاب ملعون ملحد مرتد خارج از اسلام ہے اس نے جو عقیدہ اپنا خود اور بقول یعنی خالق اور مخلوق میں فرق نہ کرنا ظاہر کیا ہے یہ وجوہ سے بدترین ہے اور اس کے برخلاف سینکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث آئی ہیں الغرض شخص مذکور کو نہ سلام دیا جاوے نہ دعوت کی جاوے اور جب مر جاوے تو مسلمانوں کی قبروں میں گاڑا جاوے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاوے اس کا نکاح اس کے کلمات مذکورہ کے سبب ٹوٹ گیا اور اس کی عورت آزاد ہے اگر وہ مسلمان ہو تو اور اگر اس کے گھر آباد رہے گی تو وہ زنا کرے گی اور اولاد حرام پیدا ہو گی پس جو شخص مسلمان ہو شخص مذکور سے میل جول برتاؤ رکھے گا وہ بھی خارج از اسلام شمار کیا جاوے گا۔ فقط محمد عبد العزیز قریشی گوجرانوالہ پنجاب واقعی جس شخص کا کہ سوال میں ذکر ہے کہ خالق اور مخلوق کو ایک جانتا ہے کافر ہے جیسے کہ بلکہ وہ دیگر کافروں سے بدتر ہے ہمہ اوست والے ہر شئی کو عین خدا کہتے ہیں خلاف قرآن اور حدیث ویسا ہی یہ شخص کافر و دجال ہے ایسے بہت لوگ ہیں حسب ذیل توجہ کریں کتاب رہبر راہ حق مصنف مولوی محمد دارعال مولا سیف دار خان فرید جانی شہر گردی رجوپلہ لکھتا ہے ؎

انکھ دل کی جب کھلی معشوق اپنے میں ملا جل جلالہ حجاب جب جاگ اٹھا عین دریا ہو گیا

ہیں اور کل ایسی ہی کتابیں ان کی ہیں ۔ شعر

اوہ آکھن بندہ خدا کریندے ہو ذات ربیدی کہی ۔ ویکھ ذات ربیدی خدا کریندے غیر نہ کوئی رہی

اوہ آکھن آپے چکریاں آپے ماہی بنیاں ۔ پراوں کا ہن نے چاک جھوک آکھ عبد اللہ جنیاں

اوس رنگ رنگیلا ہو آکھا میں رنگ سب میں فرق کیتیں صورتاں سب کچھ تیاں منیاں ۔

چکھ بتاں اندر سے کدرت تھے مارے بیتوں ۔ جے شک ہووے تاں کہ سناواں صورت پھر چڑھے میتو

غرض ایسے ایسے کلام ان کی کتابوں میں بہت ہیں اور یہ یقینی کافر ہیں ابو عبد المعز محمد عبد الخالق والا ظفر کا فرقس اہل حدیث بقلم خود عفی عنہ واقع میں ایسے لوگ مشرک وکافر ہیں بلا شک وشبہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب عفی عنہ الملتانی خادم شریعت رسول الوہاب ابو محمد عبد التواب عفی عنہ الجواب صحیح خادم شرع متین ابو الطیب محمد تمیز الدین الجواب صحیح واقع میں ایسے لوگوں کو مشرک وکافر سمجھنا چاہئے الراقم مبارک علی عفی عنہ الجواب صحیح ابو المنصور محمد عبد الباری غفرلہ الکافی رنگ پوری الجواب صحیح والمخالف قبیح العاجز ابو الفتح ثناء اللہ محمد علیم الدین عفی عنہ الجواب صحیح ابو جعفر محمد عبد الستار عفی عنہ بلا ریب شخص مذکور کافر مرتد ہے بلکہ تمام کفار ہنود وترسا سے بڑھ کر اکفر ہے کیونکہ کتے سے بھی بدتر ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان تمام شرکیہ سے پاک ہے وہ ہمیشہ وحدہ لاشریک لہ لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد سے موصوف ہے اس واسطے امام ابو حنیفہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں لَا یُشْبِہُ شَیْئًا مِنَ الْاَشْیَاءِ مِنْ خَلْقِہٖ وَلَا یُشْبِہُہٗ شَیْءٌ مِنْ خَلْقِہٖ لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزَالُ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ ترجمہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی چیز کے مشابہ نہیں چیزوں میں سے اپنی مخلوق سے اور نہ اللہ تعالیٰ جیسی کوئی اور چیز ہے مخلوق میں سے ہمیشہ سے ہے اور وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اپنے ناموں اور صفاتوں کیا ساتھ احمد بن محمد الملتانی عفا اللہ عنہ مدرس بازار دہلی ایسا شخص جو خدا بین خالق ومخلوق فرق تمیز نہیں کرتا بے شک ضال مضل ومفسد معاند ہے یہ شخص ان بہتر فرقوں میں سے ہے جن کی بابت ارشاد نبوی ہے تُرِکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ ۔ ستو کیا خوب کسی نے کہا ہے

شعر ۔ مَا اَفْسَدَ الدِّیْنَ اِلَّا الْمُلُوْکُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُھْبَانُھَا

حررہ ابو محمد عبید اللہ عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ دار الہدیٰ کشن گنج دہلی الجواب صحیح صحیح والقول صریح واضح ابو عمران عنایت اللہ وزیر آبادی عفی عنہ الجواب صحیح والمجیب مصیب عبد الرشید

عبدالحمید مدرس مدرسہ دار الاسلام جو شخص خالق و مخلوق میں فرق نہ کرے وہ ہمہ اوست کا معتقد ہو رہا ہے
بلا ریب و شک وہ مشرک گمراہ خارج عن الاسلام حلال الدم محروم عن و مستحق نار ہے اور حدیث
انا العرب بلا عین بالاتفاق علماء کے موضوع و مخترع محقق ہے کما ہو مصرح فی کتب اہل العلم
بالحدیث واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو محمد عبدالکریم محمد عبدالجلیل سامرودی جس شخص کا یہ مذہب جو سوال میں
مذکور ہے وہ کافر بلکہ وہ یہود و نصاریٰ سے اکفر ہے بلکہ کل کفار سے بدتر ہے کافر حتیٰ کہ دہر
یہ سے بھی بدتر ہے اس واسطے کہ وجودیہ صانع عالم کے منکر اور اس جہان کو قدیمی اور خود بخود
جانتے ہیں اور ازلی و ابدی کیوں کہ ان کے نزدیک یہی خدا ہے اور خدا تو قدیمی ہوتا ہے خلاصہ
ان کے قول کا اور نتیجہ یہی ہے کہ یہ جہان خود بخود ہے اور خالق خود اور یہی قول دہریہ کا
لیکن دہریہ سے یہ بدتر ہیں کیوں کہ دہریہ ان مخلوقات پر اللہ عز و جل کے نام نہیں رکھتے اور یہ
وجودیہ ان پر اللہ تعالیٰ کے نام صریح بولتے ہیں اور دہریہ ان مخلوقات کی پوجا نہیں کرتے اور
یہ وجودیہ تمام مخلوقات کی عبادت کرتے ہیں اور میں نے ان پر مدلل رد لکھا ہے مدفع آہی اور
صمصام میں وہاں سے دیکھ لیں فقط والسلام والحمد للہ رب العالمین عبدالاحد خانپوری عفا
اللہ عنہ آمین مجھ کو تمام جواب دیکھنے کی فرصت نہیں ملی قولی فیما قال عبدالواحد الغزنوی عفا
عنہ اولاً ہو اور اس بیہودہ عقیدہ کا موجد بعض گمراہ صوفی ہے جن کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے
کے بعض چیلے اسلامی طبقہ میں بدنما ہو کر مسلمانوں کو اندر اندر گمراہ کرنا چاہتے ہیں پھر اصل اسی
مذہب والے ہیں مگر جہاں جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا رنگ اختیار کر کے اپنا کام کرتے ہیں مسلمانوں کو ان سے
ہوشیار رہنا چاہئے مسلمانوں کا سچا مذہب قرآن و حدیث ہے جو اس کے مطابق ہو اس کو تو صحیح کہیں
ورنہ غلط ہم جب اس عقیدہ کو قرآن و حدیث کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں تو اس مسئلہ کو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف
پاتے ہیں اگر اس عقیدہ کو اختیار کریں تو قرآن و حدیث اڑ جائے آپ خیال کریں کہ جب تمام مخلوق میں خدا
ٹھہرے تو ہم ایک خدا ہو کر دوسرے کی عبادت کیوں کریں اب قرآن و حدیث کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہی شرک الگ
لازم آیا جو قرآن و حدیث کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے معاذ اللہ یہ تو مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے
ان کے ہاں تو تین سو ساٹھ ہی بت تھے اور یہاں بے انتہا ہر چیز بت بننے کے قابل ہے اور پھر وہ
لوگ اس کو عین خدا نہیں کہتے تھے انہوں نے تو غضب ڈھایا شرک انتہا ہی کر دیا جیسا انہوں نے

بعض نے پیر شہدا دیا خدا کے بیٹے انتہا کا مکٹ نے کر ڈالے اور لطف یہ کہ خدا ہو کر کیا کیا ناپاکیزہ حرکات کرتے ہیں
کہ سبحان اللہ واہ رے میاں خدا بھی خدا کے ایسے ہی ایسے حرکات و افعال ہوتے ہیں اور خدا کی ایسی ہی صورت
و شکل ۔ پس اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے مجرا ان میں جو نہ کہیں تھوڑا ہے ان کے
مالیخولیا کا جب تک پورا علاج نہ ہو اور ان کی چندیا نہ سہلائی جائے ان کا خیال درست والا نہیں ان کا
خیال اگر صحیح مانا جائے تو پھر فرعون اپنے خدائی دعویٰ میں کیوں معتوب ہو گیا اظہار حق یہی عذاب
ہونا ہے اور اب دوزخ کی بھی ضرورت نہ رہی خدا بھی کہیں دوزخ میں جائے گا اور یہی تو ہیں رسول
کی عدم اطاعت کی وجہ سے معذب ہوتے ہیں سب غلط خدا ہو کر اطاعت کیا معنی پس صاف یوں کہو کہ قرآن
وحدیث غلط اور یہ مسئلہ صحیح صحیح نہیں تف ہے ایسی سمجھ پر بیچ ہے اَللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
کتبہ عبد النور مدرس اول مدرسہ دار الہدیٰ ناتی باغ کلکتہ ھو المصوب واضح ہو کہ خالق مخلوق کو ایک
سمجھنا دوسروں کو بتانا یہ عقیدہ اور دعویٰ اہل تثلیث و تمام مذہب کفار سے بدتر ہے اور قرآن کریم کی تعلیم سے
جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ: یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ یعنے اے لوگو اپنے
پالنہار کی بندگی و پرستش کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو بنایا اور یہ اس کو اللہ تعالیٰ نے موجب نجات
ٹھہرایا اگر تمام آدمی مخلوق مربوب عین ذات خدا ہوتے تو ان کو اللہ تعالیٰ اور خالق ہونے کی
حاجت نہ تھی اور نہ اللہ تعالیٰ کو ان پر یہ حق تھا کہ اپنی عبادت کا حکم دیتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ
کل شئی مطلب یہ ہے یعنے ہر چیز کا رب سبحانہ نے والا ہے اور فرمایا اپنے نبی کو مخاطب کر کے ۔
قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ یعنی کہہ دے اے محمد وہ شان والا اکیلا نرالا ہے اَللّٰہُ الصَّمَدُ اللہ تعالیٰ بے
نیاز ہے کسی سے اس کو کوئی حاجت نہیں نہ اس کو کوئی ضرورت ذاتی مثل بھوک پیاس شہوت سونا
پہننا وغیرہ لَمْ یَلِدْ اس نے کسی کو نہیں جنا وَلَمْ یُوْلَدْ اور نہ کسی سے جنا گیا جب ولد و تولد کا تعلق نہیں
ہیں یعنے نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے پھر تجزیہ صاف ہے وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ
نہیں ہے اس کی کوئی ہم جنس غرض کہ حدیث صمدیت کا یہی مقتضا ہے وہ سب سے بے پرواہ اور
مجرد اور سب اس کے محتاج جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ
ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ یعنے اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور بھکاری ہو اور اللہ تعالیٰ ہی بے
پرواہ خوبیوں والا ہے مختصر یہ کہ اگر تمام مخلوقات اللہ ہی کا عین ہے تو یہ خرابیاں اور محتاجیاں

اپنے خالق کی پہچان
سائنس کی روشنی میں

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

اور زمین میں یقین رکھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہو!
رحم مادر کی چند انچ جگہ میں پڑا ہوا ایک جسد بے جان اس قدر چھوٹا کہ خوردبین کے بغیر نظر نہیں آسکتا
مگر تمام انسانی اعضاء کو اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے۔ کیا اتنا بڑا انسان خود بخود بن گیا ہے؟ ——
یقیناً اس کا خالق ہے ——!

ہماری زمین اپنے محور کے گرد ۲۴ گھنٹوں میں ایک چکر پورا کرتی ہے جس سے دن رات
پیدا ہوتے ہیں۔ سورج کے گرد سال میں اپنی ایک گردش پوری کرتی ہے جس سے گرمی، سردی،
خزاں اور بہار چار موسم پیدا ہوتے ہیں —— زمین اپنی تمام گنجان آبادیوں، پہاڑوں اور سمندروں
سمیت خلاء میں ۶۶۶۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے ...... غور کریں ایک
ہلکے بوجھ کو دوسری جگہ لے جانے کیلئے یا ایک ساکن شے کو حرکت میں لاکر اس کی حرکت کو مستقل طور
سے جاری رکھنے کیلئے کس قدر طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، مگر ہماری زمین اور دیگر اجرام فلکی جو فضا میں
گردش کر رہے ہیں، ان کی حرکت کیلئے کتنی بے پناہ قوت کی ضرورت ہوگی اور ان کو حرکت میں رکھنے والا

بالآخر کس قوت کا مالک ہوگا؟ —— وہی ہمارا خالق ہے۔

مختلف اجرام سماویہ کا اپنے مقررہ راستوں پر بالالتزام چلنا کہ انسانی ہاتھوں کی بنی ہوئی
بہترین گھڑیاں جو ہر ہفتہ میں چند سیکنڈ ضرور غلطی کرتی ہیں اور ان کی اصلاح صرف ستاروں کی
گردش کا حساب رکھنے والے سائنسی آلات کی مدد سے ہی ممکن ہے۔ کیا یہ قوانین جو ساری
کائنات پر محیط ہیں اور جن سے کچھ بھی باہر نہیں از خود جاری ہو گئے ہیں؟ —— ہرگز نہیں بلکہ
اس نظام کو چلانے والی ذات ہمارا خالق ہے ——!

اگر چھوٹا سا گلوب از خود تیار ہو کر گردش میں نصب نہیں ہو سکتا تو اتنا بڑا گلوب یعنی ہماری دنیا اور دوسرے انگنت گلوب جن کے مقابلہ میں ہماری دنیا ایک ذرہ خاکی سے بھی کم ہے خود بخود کس طرح پیدا ہو سکتی ہیں ۔ راز ان کو بنانے والا ہمارا خالق ہے ۔

روشنی حاصل کرنے کیلئے یا گرمی حاصل کرنے کیلئے ایندھن سے جلائی ہوئی آگ چند گز تک موثر ہوتی ہے اور تھوڑی سی حرارت پیدا ہوتی ہے ۔ لیکن سورج سے روشنی اور حرارت پیدا کرنے والے دونوں عمال محدود جگہ کے لئے نہیں بلکہ جہانوں کے لئے کس درجہ کمال سے سرانجام پا رہے ہیں اور کروڑہا سال سے نہ اس کی روشنی میں کمی آئی ہے اور نہ حرارت میں ۔ اس نظام کے مالک کو خالق نہ کہیں تو بتایئے اور کیا کہیں ؟

روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے سفر طے کرتی ہے یعنی ایک سیکنڈ میں ہماری دنیا کے گرد سات مرتبہ چکر لگا لیتی ہے اور سال بھر کی مدت میں ساٹھ کھرب میل کی مسافت طے کر لیتی ہے گویا ایک نوری سال ساٹھ کھرب میل کے فاصلہ کے برابر ہے ۔ سائنس والوں کے قول کے مطابق بعض اجرام سماویہ ہماری دنیا سے چالیس لاکھ نوری سالوں کی دوری پر واقع ہے ۔ انسانی عقل ورطہ حیرت میں گم ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے ۔ !

سورج کی روشنی ہم تک ۸ منٹ میں پہنچتی ہے ۔ لیکن ریطا الجوزا ستارے سے سو سال کے اندر پہنچتی ہے اور اس کا قطر ۲۲ کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور بعض عظیم ستاروں کا قطر (یعنی ایک طرف سے دوسری طرف کا فاصلہ) ایک ارب میل سے بھی زیادہ ہے اور بعض ستارے مثلاً C E P H E D اس قدر روشن ہیں کہ ہمارے سورج سے ان کی روشنی ۱۰ ہزار گنا زیادہ ہے ۔ . . . .

پھر ہمارے نظام شمسی کی طرح دوسرے بے شمار نظام ہائے شمسی اور ستارے علاوہ ہیں جو تیر رہے ہیں . . . . . . پھر کہکشاں سے باہر تو ستاروں کے ایسے نہ ختم ہونے والے جزائر اور سلاسل ہیں کہ ان کے مقابلہ میں کہکشاں میں موجود سب کچھ ہیچ ہے . . . . . .

. . . ہر پہلے سے طاقتور دوربین جب انسان بنا لیتا ہے تو اس کی مدد سے اسے خلا میں مزید ستاروں کی دنیاؤں کا سراغ مل جاتا ہے اور یہ سلسلہ دن بدن آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسان

اور علم ہیئت کے ماہرین نے اجرام سماویہ اور کائنات کی وسعتوں کے متعلق تا حال جو کچھ بھی دریافت کیا ہے، وہ اصل حقیقت کا ابتدائی اور وہ عشر عشیر سا اقتصر ہے...... پس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ یہ تمام چیزیں خالق کائنات اور صانع عالم کے وجود پر گواہی دے رہی ہیں......!

نیوٹن NEWTON نے سب سے پہلے اجرام سماویہ کی حرکت کے قوانین دریافت کئے جب وہ ان کو دریافت کر چکا تو بے ساختہ ہو کر پکار اٹھا کہ یہ مادی عالم ایک عظیم الشان اور بہت بڑی قدرتوں والی ذات ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اس کی واضح نشان دہی کرتا ہے اور یہ ذات ہمیشہ سے ہے اور ہر جگہ ہے اور اس عالم کو پیدا کرنے کے بعد اس پر اس کی ایسی کامل حکومت ہے کہ اس کے مقابلہ میں ہمارے جسموں اور اعضاء پر ہماری حکومت بالکل ہیچ ہے۔

ابواب اصول الدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الذکر بلا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی وَبَعْدُ فَقَدْ وَقَعَ السُّؤَالُ مِنْ بَعْضِ أَعْلَامٍ عَنْ رَجُلٍ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ وَیَقُوْلُ فِیْ ذِکْرِہٖ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَأَنْکَرَ عَلَیْہِ بَعْضُ مَنْ لَا مَعْرِفَۃَ لَہٗ بِذٰلِکَ وَقَالَ إِنَّ ذٰلِکَ بِدْعَۃٌ بَلْ شِرْکٌ فَأَفِیْدُوْنَا بِمَا یَشْفِیْ وَیَکْفِیْ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ جُزِیْتُمْ خَیْرًا فَأَجَابَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

واللہ الموفق للصواب إن ھذا الرجل الذی یذکر اللہ عزوجل ویقول فی ذکرہ لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل فی عموم قولہ تعالٰی وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَأَجْرًا عَظِیْمًا وقال صلی اللہ علیہ وسلم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ وافضل الدعاء الحمد للہ فاذا اضاف الذاکر المذکور الی لفظ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فقط فقد اتی بالحسنٰی ، واستحق الثواب ۔

بعض عالموں سے دریافت کیا گیا کہ ایک انسان لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر کرتا ہے کیا یہ درست ہے کسی جاہل عالم نے جواب میں فرمایا کہ صاحب یہ تو درست نہیں، بدعت ہے بلکہ شرک ہے اس لئے اب ہم آپ سے سوال کرتے ہیں آپ ہمیں شافی وکافی جواب کتاب وسنت کی روشنی میں دیں خدا تمہیں اچھا بدلہ دے ۔

بیشک یہ انسان جو اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے اور اپنے ذکر میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے یہ اس جماعت میں داخل ہے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَالذَّاکِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَأَجْرًا عَظِیْمًا (الآیۃ) فرمان نبوی ہے بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہترین دعا الحمد للہ ہے اگر مذکور ذاکر لا إلٰہ إلا اللہ کے ساتھ صرف

فقد أخرج ابن عساكر عن الحسن في قوله تعالى ورفعنا لك ذكرك قال ألا ترى إن الله لا يذكر في موضع إلا ذكر معه نبيه صلى الله عليه وسلم وأخرج البيهقي في شعبه عن الحسن ورفعنا لك ذكرك۔

قال إذا ذكر الله ذكر رسوله وأخرج أبو يعلى وابن جرير وابن أبي حاتم وابن حبان وابن مردويه وأبو نعيم في الدلائل عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أتاني جبريل فقال إن ربك يقول أتدري كيف رفعت ذكرك قلت الله أعلم قال إذا ذكرت ذكرت معي وأخرج ابن أبي حاتم۔

عن عدي بن ثابت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سألت ربي مسألة وددت أني لم أكن سألته قلت أي رب اتخذت إبراهيم خليلا وكلمت موسى تكليما قال يا محمد ألم أجدك يتيما فآويت وضالا

محمد رسول اللہ کا اندر جڑا ہے۔ تو اس نے بہت عمدہ تاویل کی اس کی وجہ سے وہ عمدہ ثواب کا مستحق ٹھہرا۔

ترجمہ ابن عساکر نے اللہ تعالٰے کے قول ورفعنا لک ذکرک کے تحت حضرت حسن سے روایت کی ہے فرماتے ہیں کہ جس جگہ میں اللہ کا ذکر ہے وہاں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر موجود ہے۔ امام بیہقی نے اپنی سنن میں ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر میں حضرت حسن سے نقل کیا ہے۔

کہ انہوں نے فرمایا جہاں اللہ تعالٰے کا تذکرہ ہے وہاں اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تذکرہ ہے ابو یعلی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، ابن مردویہ اور ابو نعیم دلائل میں حضرت ابی سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے کہنے لگے کہ آپ کا پروردگار فرماتا ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے تیرا ذکر کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا اللہ زیادہ جانتا ہے تو خداوند کریم نے فرمایا جب میں یاد کیا جاؤں گا تو تیرا بھی ذکر کیا جائے گا اور ابن ابی حاتم نے

ترجمہ۔ عدی بن ثابت سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے ایک بات پوچھا کاش کہ میں نہ پوچھتا میں نے کہا اے پروردگار تو نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کو کلام کرنے کا شرف بخشا مجھے کیا دیا؟ اللہ تعالٰے نے فرمایا اے محمد میں نے تجھے یتیم پاکر

فهديت وعائلاً فأغنيت وشرحت لك صدرك وحططت عنك وزرك ورفعت لك ذكرك فلا أذكر إلا ذكرت معي واتخذتك خليلاً. وأخرجه أبو نعيم في الدلائل۔

۔۔ عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما فرغت من أمر السموات والأرض قلت يا رب إنه لم يكن نبي قبلي إلا وقد أكرمته اتخذت إبراهيم خليلاً وموسى كليماً وسخرت لداود الجبال ولسليمان الريح والشياطين وأحييت لعيسى الموتى فما جعلت لي قال أوليس قد أعطيتك أفضل من ذلك كله أن لا أذكر إلا ذكرت معي وجعلت صدور أمتك أناجيل يقرؤون القرآن ظاهراً ولم أعطها أمة وأعطيتك كنزاً من كنوز عرشي لا حول ولا قوة إلا بالله. وأخرجه ابن عساكر من طريق الكلبي۔

جگہ دی یتیم ہوا دیکھ کر ہدایت دی اور فقیر پا کر غنی کیا۔ میں نے تیرا سینہ کھولا تیرے بوجھ کو دور کیا اور تیرا ذکر اتنا بلند کیا کہ میرے ذکر کے ساتھ تیرا بھی ہوگا نیز میں نے تجھے اپنا خلیل بنایا (ابو نعیم دلائل میں)

۔۔۔ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے زمین و آسمان کے امور کے متعلق سوالات سے فارغ ہو گیا ہے میرے پروردگار آپ نے مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی آئے ان کو عزت دی ابراہیم علیہ السلام کو آپ نے خلیل اپنا بنایا موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ مطیع کیے سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوا اور شیاطین جن وغیرہ کیے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کی طاقت دی مجھے کیا دیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے تجھے ان سب سے افضل درجہ نہیں دیا کہ جہاں میرا ذکر ہوگا تیرا بھی ساتھ ہوگا اور میں نے تیری امت کے سینوں کو کئی انجیلیں دیں وہ قرآن کو ظاہراً پڑھیں گے کیا میں نے تجھے کچھ نہیں دیا حالانکہ میں نے تجھے اپنے عرش کے خزانوں سے ایک خزانہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ عطا کیا ہے اور ابن عساکر کلبی کے طریق سے لائے ہیں۔

۔۔ عن أبي صالح عن ابن عباس ﴿ورفعنا لك ذكرك﴾ قال لا يذكر الله إلا ذكر معه وفي شعر حسان بن ثابت من قصيدة ما يؤيد ما قلناه ۔

أَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ... مِنَ اللهِ مِنْ نُورٍ يَلُوحُ وَيَشْهَدُ
وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ ... إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ
وَشَقَّ لَهُ مِنْ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ... فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

علہ۔ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ إِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِي عَلٰى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ سِجِلًّا مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ أَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَكَ عُذْرٌ فَيَقُولُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ اللهُ تَعَالٰى بَلٰى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً فَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ لَهُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَيَقُولُ احْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ الْيَوْمَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ وَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حِبَّانَ

علہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے نقل فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میری امت سے ایک انسان کو تمام مخلوق کے سامنے پسند فرمائیں گے اس کے سامنے اس کے اعمال کے ننانوے دفاتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر ایک دفتر کی لمبائی اس کی نظر کی انتہا جتنی ہوگی پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تجھے ان میں سے کسی گناہ کا انکار ہے کیا میرے نگہبان کاتبوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے وہ کہے گا نہیں پروردگار اللہ فرمائیں گے کوئی عذر تیرا ہے تو وہ کہے گا نہیں پروردگار تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے پاس تیری ایک نیکی موجود ہے آج تجھ پر ظلم نہیں ہوگا پس اس کا ایک رسالہ دکنا پھر نکالا جائیگا جس میں کلمۂ شہادتین ہوگا اللہ فرمائیں گے اپنے کام کے تول کے پاس تو خود بیٹھے گا یا اللہ یہ کیا پھر ان دفاتر کے ہوتے ہوئے کیا کفایت کرے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے دا تو بھی آج کے دن تجھ پر ظلم نہ ہوگا تب ان دفاتر کو ایک پلڑے میں رکھے گے اور کلمۂ شہادتین کو دوسرے میں، دفاتر اوپر اٹھ جائیں گے سو وہ کلمہ بھاری ہو جائیگا اللہ کے نام سے بوجھل کوئی چیز نہیں اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کر کے حسن غریب کہا ہے ابن ماجہ، ابن حبان اپنی صحیح میں اور

فِي صَحِيحِهِ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ الْحَاكِمُ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ فَهٰذَا أَيْضًا فِيهِ مِنَ الْحَثِّ أَحَبَّ
مَا يُؤَيِّدُ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْمُتَقَدِّمَةِ بَلْ فِيهِ زِيَادَةٌ عَلَى ذٰلِكَ مِنْ جَزِيلِ
الْأَجْرِ الْعَظِيمِ وَالْفَضْلِ الْجَسِيمِ وَلِلّٰهِ دَرُّ الْقَائِلِ وَأَجَادَ۔

فَهٰذِهِ الْأَحَادِيثُ الْمَذْكُورَةُ نَصٌّ صَرِيحٌ فِي أَنَّ قَوْلَ الذَّاكِرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ
رَسُولُ اللّٰهِ مِنْ جُمْلَةِ الذِّكْرِ بَلْ مِنْ أَفْضَلِهِ وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَى قَوْلِ مَنْ قَالَ بِأَنَّهُ بِدْعَةٌ
بَلْ شِرْكٌ فَإِنَّ ذٰلِكَ نَشَأَ مِنْهُ عَنْ جَهْلِهِ وَفِيهِمَا أَيْضًا زِيَادَةٌ عَلَى مَا فِي السُّؤَالِ وَهُوَ قَوْلُهُ
أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ كَمَا فِي حَدِيثِ الْبِطَاقَةِ
قَالَ الْحَافِظُ الْمُنْذِرِيُّ فِي كِتَابِ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ فِي قَوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
وَمَا جَاءَ فِي فَضْلِهَا۔

حاکم بھی لائے ہیں ہماری مذکورہ احادیث کی تائید کرتی ہیں بلکہ اس حدیث میں بڑا اجر اور بہت فضل
کے جمع کرنے کی زیادتی ہے خدا شاعر کا بھلا کرے اس نے کیا عمدہ شعر کہا ہے،

شعر
مَهْمَا تَفَكَّرْتُ فِي ذُنُوبِي — خِفْتُ عَلَى قَلْبِي احْتِرَاقَهْ
لٰكِنَّهُ يَنْطَفِي لَهِيبِي — بِذِكْرِ مَا جَاءَ فِي الْبِطَاقَهْ

غرض یہ کہ حضرت عباس نے فرمایا اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی ذکر کیا
جائیگا۔ ہمارے کلام کی تائید حضرت حسان بن ثابت کے ایک قصیدے کے اشعار سے بھی ہوتی ہے
(۱) آپ پر مہر نبوت روشن ہے جو کہ خدا کی طرف سے روشنی ہے اور یہ گواہ ہے جو آپ کی رسالت پر، (۲)
خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اپنے ساتھ ملایا ہے، دیکھو پانچوں اذانوں میں موذن اشہد
کہتا ہے (اشہد ان محمدا الخ) (۳) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی عطا کرنے کیلئے آپ کا نام اپنے نام سے
مشتق کیا ہے پس عرش والا محمود اور آپ محمد ہیں، مذکورہ احادیث صراحتاً دلالت کرتی ہیں کہ ذاکر کا قول
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ذکر کے زمرہ سے ہے بلکہ یہ افضل ذکر ہے اور اسے بدعت بلکہ شرک کہنے والے
کا قول قابل توجہ نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی جہالت کا کرشمہ ہے سوال سے زیادہ بھی حدیث میں وارد ہوا
ہے وہ کلمہ شہادت ہے جیسے کہ رسالے والی حدیث میں ہے حافظ منذری اپنی کتاب الترغیب
والترہیب میں لا الہ الا اللہ کی رغبت دلاتے ہوتے اور اسکی فضیلت کرتے ہوئے۔

هٰذَا مَا وَقَفْنَا عَلَيْهِ مِنَ الْأَحَادِيثِ وَفِي ذٰلِكَ كِفَايَةٌ لِمَنْ وُفِّقَ لِلْهِدَايَةِ بِهٖ وَلَهٗ دِرَايَةٌ فَالْحَقُّ أَحَقُّ بِالْاِتِّبَاعِ وَشَرُّ الْأُمُورِ الْاِبْتِدَاعُ وَعَلٰى مَنْ قَالَ إِنَّ ذٰلِكَ بِدْعَةٌ بَلْ شِرْكٌ اَلْإِثْمُ بِذَاكَ عَيْنًا حَتٰى رَمِيْنَهٗ وَالْاِسْتِغْفَارُ وَالتَّوْبَةُ عَمَّا وَقَعَ فِيهِ تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْهُ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ۔ (فتاویٰ نور العین صفحہ ۱۷)

ترجمہ: جب بھی میں ان کتابوں کے متعلق سوچتا ہوں میرا دل جلنے لگ جاتا ہے،

... لیکن کتاب پڑھ لا اور تو میرے ابھرتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیتا ہے یہ ہیں وہ احادیث جن کا ہمیں پتہ چل سکا ہے جو اس مقصد میں کفایت ہے اس انسان کیلئے جس کو توفیق ہدایت کی ملی ہو اور اسے سمجھ بھی ہو بس حق اتباع کا زیادہ مستحق ہے اور بدترین کام بدعت ہوتے ہیں اور جس انسان نے اس ذکر کو بدعت بلکہ شرک کہا ہے اسے یہ لازم ہے کہ اپنے قول سے رک جائے اور خدا تعالیٰ سے اپنے کئے کی وجہ سے استغفار کرے اور توبہ کرے خدا اس سے اور ہم سے درگذر کرے اور اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ عالم ہے اللہ کی بہترین مخلوق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آل اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلامتی ہو۔

فِيْ رَدِّ وَحْدَةِ الْوُجُوْدِ

وَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ جَوَابِ سُؤَالٍ وَرَدَ عَلَيْهِ فِيْ وَحْدَةِ الْوُجُوْدِ وَغَيْرِهَا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِعْلَمْ اَنَّ جَوَابَ هٰذَا السُّؤَالِ لَا بُدَّ فِيْهِ أَوَّلًا مِنْ مَعْرِفَةِ حَقِيْقَةِ التَّوْحِيْدِ فَأَقُوْلُ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ فَتْحِ الْبَارِيْ شَرْحِ صَحِيْحِ الْبُخَارِيِّ فِيْ كِتَابِ التَّوْحِيْدِ قَالَ الْجُنَيْدُ فِيْمَا حَكَاهُ أَبُو الْقَاسِمِ الْقُشَيْرِيُّ فِيْ كِتَابِ الْحُجَّةِ اَلتَّوْحِيْدُ مَعْنًى تَضْمَحِلُّ فِيْهِ الرُّسُوْمُ وَمَعْنٰى وَحَّدْتُ اللّٰهَ اِعْتَقَدْتُهٗ مُنْفَرِدًا بِذَاتِهٖ وَصِفَاتِهٖ لَا نَظِيْرَ لَهٗ وَلَا شَبِيْهَ وَقِيْلَ مَعْنٰى وَحَّدْتُهٗ عَلِمْتُهٗ وَاحِدًا وَقِيْلَ سَلَبْتُ عَنْهُ الْكَيْفِيَّةَ وَالْكَمِّيَّةَ فَهُوَ وَاحِدٌ فِيْ ذَاتِهٖ لَا انْقِسَامَ لَهٗ وَفِيْ صِفَاتِهٖ لَا شَبِيْهَ لَهٗ وَفِيْ اِلٰهِيَّتِهٖ وَمُلْكِهٖ وَتَدْبِيْرِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَلَا رَبَّ سِوَاهُ وَلَا خَالِقَ غَيْرُهٗ انتہیٰ۔

اور مصنفؒ نے مسائل کے وحدت الوجود وغیرہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے کے نام سے شروع کرتا ہوں سب حمدیں اللہ کیلئے ہیں جانو کہ اس سوال کے جواب میں سب سے پہلی توحید کی حقیقت کو پہچان لینا ضروری ہے حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح البخاری کے کتاب التوحید میں فرماتے ہیں کہ ابوالقاسم تیمی اصبہانی کا قول کتاب الحجۃ میں نقل کرتے ہیں، التوحید یہ باب تفعیل کا مصدر ہے اور وحدت اللہ کا معنی ہے میں نے اللہ کے ذات وصفات میں یکتا و بے مثل و بے نظیر ہونیکا اعتقاد رکھا گیا ہے اس کا معنی میں نے اسے یکتا پایا اور جانا ہے اور کہا گیا اس کا معنی ہے کہ میں نے اس سے کیفیت و کمیت کو دور کر دیا پس وہ اپنی ذات میں ایک ہے اس کی تقسیم نہیں ہے وہ صفات میں بے مثل ہے اور اس کی جیسی بادشاہی اور تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں اس کے بغیر کوئی پروردگار اور نہ ہی کوئی خالق ہے

ف:۔ وقال الحافظ ابن حجر في باب ما جاء في دعاء النبي صلى الله عليه وسلم أمته إلى توحيد الله تعالى المراد بتوحيد الله تعالى بأنه إله واحد وهذا الذي يسميه بعض غلاة الصوفية توحيد العامة وقد ادعى طائفتان في تفسير التوحيد أمرين اخترعوهما أحدهما تفسير المعتزلة وقد سمى المعتزلة أنفسهم أهل العدل والتوحيد وعنوا بالتوحيد ما اعتقدوه من نفي الصفات الإلهية لاعتقادهم أن إثباتها يستلزم التشبيه ومن شبه الله تعالى بخلقه أشرك وهم في النفي موافقون للجهمية۔

ثانيهما غلاة الصوفية فإن أكابرهم لما تكلموا في مسألة المحو والفناء وكان مرادهم بذلك المبالغة في الرضا والتسليم وتفويض الأمر بالغ بعضهم حتى ضاهى المرجئة في نفي نسبة الفعل إلى العبد وجر ذلك بعضهم إلى معذرة العصاة ثم غلا بعضهم فعذر الكفار ثم غلا بعضهم فزعم أن المراد بالتوحيد اعتقاد وحدة الوجود وعظم الخطب حتى ساء ظن كثير من أهل العلم بمتقدميهم وحاشاهم من ذلك وقد قدمت من كلام شيخ الطائفة الجنيد وهو في غاية الحسن والإيجاز وقد رد

عَلَيْهِ بَعْضُ مَنْ قَالَ بِالْوَحْدَةِ الْمُطْلَقَةِ فَقَالَ وَهَلْ مِنْ غَيْرٍ وَلَهُمْ فِي ذٰلِكَ كَلَامٌ طَوِيْلٌ يَنْبُوْا عَنْهُ سَمْعُ كُلِّ مَنْ كَانَ عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ انتہٰی۔

ترجمہ:۔ اور حافظ ابن حجرؒ رسول اللہؐ کی امت کو توحید کی دعوت دینے کے باب میں فرماتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی توحید سے مراد یہ ہے کہ وہ یکتا معبود ہے اسی کو بعض متشدد صوفی عام توحید کا نام دیتے ہیں توحید کی تفسیر میں دو گروہوں نے دو مختلف امروں کو ایجاد کیا ہے

ان سے پہلی تفسیر معتزلہ کی ہے اور معتزلہ نے اپنا نام اہل العدل والتوحید و انصاف و توحید رکھا ہے اور وہ توحید سے مراد لیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی صفات نہیں ہیں کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ ان کے ثابت کرنے سے تشبیہ لازم آتی ہے اور جس نے خدا کو مخلوق سے تشبیہ دی اس نے شرک کیا یہ صفات کی نفی کرنے میں جہمیہ فرقے کے موافق ہیں، دوسرا گروہ متشدد صوفیوں کا ہے کیونکہ جب ان کے اکابر نے اپنے نفس کو ختم اور مٹا دینے میں کلام کیا ان کی مراد اس سے خدا تعالےٰ کی رضا اپنے نفس کو اس کی طرف سونپ دینے اور تمام امور کو خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرنے میں مبالغہ تھی، بعض نے اتنا مبالغہ کیا کہ وہ کام کو انسان کی طرف منسوب کرتے ہیں، مرجئہ کے مشابہ ہو گئے اور بعض کو مبالغے نے گنہگاروں کو معذور خیال کرنے تک پہنچا دیا، پھر بعض نے تو اتنا غلو کیا کہ کافروں کو بھی معذور قرار دے دیا اور بعض نے اس قدر زیادتی سے کام لیا کہ انہوں نے خیال کیا کہ توحید سے مراد وحدت الوجود کا اعتقاد ہے اس مسئلہ میں کلام بہت ہوتی حتیٰ کہ بہت سے اہل علم کا اپنے متقدمین کے متعلق بد ظن ہو گیا حالانکہ وہ تو اس سے بالکل پاک ہیں میں نے صوفیوں کے گروہ کے شیخ جنید کا قول ذکر کر دیا ہے وہ نہایت ہی اچھا اور مختصر ہے جو لوگ وحدت الوجود کے قائل ہیں ان میں سے بعض نے ان کی تردید کی ہے اور کہا ہے کیا اس توحید کی اور تعریف نہیں ہے؟ یعنی ہے۔ اور ان کا کلام اس مسئلہ میں بہت طویل ہے ہر مسلمان کے کان اس کے سننے سے پھٹ جائیں گے خدا ہی مددگار ہے:۔

ف:۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا فَالْعَالَمُ نَاطِقُهٗ وَجَمَادُهٗ وَعُلْوُهٗ وَسِفْلُهٗ وَمَا فِيْهِ وَجَمِيْعُهٗ كُلُّهٗ حَادِثٌ وَمَخْلُوْقٌ

لله وكلام السائل كله جهل قبيح وكفر صريح فإن فيه قسمين من الكفر فالأول كفر مطلق وهي الكلمات الكفرية الصريحة والثاني الكفر المقيد وهي القول بوحدة الوجود ومعناها عند جهال الصوفية الملحدين منهم إن الله عين كل موجود تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا إذ كيف يكون الحادث عين القديم. قال العلامة السفاريني من أئمة الحنابلة المتكلمين في منظومته في وصف الله تعالى هو الأول المبدي بغير بداية وآخر ما يبقى مقيما مؤبدا سميع بصير عالم متكلم قدير يعيد العالمين كما بدا إذ الكون مخلوق وربي خالق. لقد كان قبل الكون ربا وسيدا. وقال العلامة ابن رسلان من أئمة الشافعية في منظومته في العقائد. فاعلم يقينا بالفؤاد واجزم بحدث العالم بعد العدم أحدثه لا لاحتياجه الأزل. ولو أراد تركه لما ابتداه. فهو لما يريد فعال. وليس في الخلق له مثال. قدر بكل مقدور جعل. وعلمه بكل معلوم شمل منفرد بالخلق والتدبير جل عن الشبيه والنظير حي مريد قادر علام له البقاء والسمع والكلام. كلامه كوصفه القديم. لم يحدث المسموع للكليم.

ارشاد الٰہی ہے سب تعریفیں جہانوں کے پروردگار ہی کیلئے ہیں اور قربان خدا سے زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس رحمٰن کا مطیع و غلام ہو کر آئیگا، پس جہان کی ہر ایک چیز بولنے والی، جامد، بلند پست معزز اور ذلیل حادث (نو پیدا) ہے اور اللہ کی پیدا کردہ ہے سائل کا کلام سارے کا سارا یعنی وحدت الوجود کا عقیدہ رکھنا، قبیح جہالت اور کفر بواح پر مشتمل ہے کیونکہ اس عقیدہ میں کفر کی دو قسمیں ہیں ایک کفر مطلق، صریح کلمات کفریہ کا نام ہے دوسری، کفر مقید، وحدت کا عقیدہ رکھنا، وحدت الوجود کا معنی ملحد و جاہل صوفیوں کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر موجود چیز کی ذات ہے خدا تعالےٰ ان ظالموں کے قول سے بہت بلند ہے۔ سوچو تو سہی کہ حادث قدیم چیز کا عین و ذات کیسے ہو سکتا ہے، متقدمین حنبلیوں سے علامہ سفارینی نے اپنی نظم میں اللہ تعالیٰ کی

صفت بیان کی ہے (۱) پہلا ایجاد کرنے والا (عالم کا) ہے بغیر کسی کی راہنمائی کے اور وہی مہربانی سے عطا خیر ہمیشہ کیلئے مقیم ہے (۲) وہ سننے والا۔ دیکھنے والا۔ عالم اور کلام کرنے والا ہے، قادر ہے جیسے جہان کو ایجاد کیا ایسے ہی دوبارہ لوٹانے کا (بعث بعد الموت) پر قادر ہے (۳) کیونکہ ہر موجود مخلوق ہے۔ اور میرا پروردگار خالق ہے وہ تو موجود کے وجود سے بھی قبل پروردگار تھا۔

اور شافعیہ کے امام علامہ ابن رسلان اپنی عقائد والی نظم میں فرماتے ہیں (۱) جہان کے نہ ہونے کے بعد پیدا ہونے کے متعلق اپنے دل میں قطعی یقین اور پختگی کرے (۲) خدا تعالیٰ نے اسے اپنی ضرورت کیلئے نہیں پیدا کیا اور اگر خدا تعالیٰ اس حادث کے ترک کا ارادہ کر لیتے تو اس کی ابتدا تک نہ ہوتی (۳) وہ جو چاہے کرنیوالا ہے مخلوق میں اس کی مثال نہیں پائی جاتی (۴) اس کی قدرت نے ہر چیز کو بنایا اور اسکا علم معلوم پر حاوی و محیط ہے (۵) وہ پیدا کرنیوالا اور تدبیر میں یکتا ہے اور مثیل و نظیر سے بلند و برتر ہے (۶) وہ زندہ مدبر کرنیوالا قدرت رکھنے والا ہے اسی طرح کیلئے ہے باقی رہنا اور سننا اور کلام کرنا (۷) اس کا کلام اس کی صفت کی طرح قدیم ہے سنی گئی بات متکلم کو حادث نہیں بنا دیا کرتی ہے۔

(نور العین فتاوی شیخ حسین)

قال العلامة عبد الرؤف المناوي في توجيه عليها: العالم بفتح اللام كما أصله ما يعلم به كالخاتم والقالب غلب على ما يعلم به الصانع وهو ما سوى ذاته سبحانه وتعالى وصفاته من الجواهر والأعراض سمي به لأنه علم على وجود الصانع يعني العدم أي بعد أن لم يكن لأنه إما أعيان أو أعراض لأنه إن قام بذاته فعين وإلا فعرض وكل منهما حادث أما الأعراض فبعضها بالمشاهدة كالحركة بعد السكون والضوء بعد الظلمة وبعضها بالدليل وهو طرو العدم كما في أضداد ذلك لأن القدم ينافي العدم وأما الأعيان فلأنها لا تخلو عن الحوادث وما لا يخلو عن الحوادث حادث فثبت أن العالم حادث وكل حادث من الممكنات لا بد له من محدث أوجده من العدم إذ امتناع ترجح أحد طرفي الممكن بلا مرجح ضروري وذلك المحدث هو الله سبحانه أي الله الواجب الوجود إذ لو كان ممكنا

علامہ عبدالرؤف مناوی اسکی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: العالم لام کے فتح کے ساتھ اسکا اصل معنی یہ ہے کہ وہ چیز جس سے کوئی دوسری معلوم ہو یعنی معلوم کرانے کا آلہ ہو، جیسے خاتم مہر کا آلہ ہے اور عالم صانع پر اسکا غلبہ ہو گیا اس چیز پر جس سے کاریگر (اللہ تعالیٰ) کا پتہ چلے اور عالم خدا کے علاوہ ہر ایک چیز ہے اور اسکی صفات بھی خواہ وہ قائم بالذات ہوں یا قائم بالغیر ہوں اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کیونکہ یہ خدا کے وجود پر نشانی ہیں وہ خدا جس نے ان کو عدم سے وجود میں لایا کیونکہ یا تو یہ جواہر ہوں گی یا اعراض اگر قائم بالذات ہیں تو عین ورنہ عرض اور جوہر و عرض دونوں حادث ہیں بعض عرضی اشیاء تو مشاہدے سے معلوم ہیں جیسے کہ حرکت، سکون کے بعد روشنی اندھیرے کے بعد اور بعض دلیل سے ان پر عدم کا طاری ہونا ہے جیسے کہ گزشتہ مثالوں کے عکس میں ہے حرکت کے بعد چیز کا ساکن ہو جانا یعنی پہلے حرکت موجود تھی اب معدوم ہو گئی یا ختم ہو گئی کیونکہ قدیم ہونا عدم کے مخالف ہے تو ثابت ہو گیا کہ عالم حادث ہے اور ممکنات میں سے ہر ایک حادث کیلئے پیدا کرنیوالا ہونا ضروری ہے جو اسے عدم سے وجود میں لایا کیونکہ ممکن کی دونوں طرفوں (عدم و وجود) میں سے ایک کو ترجیح بلا مرجح لازماً ممتنع ہے اور وہ پیدا کرنیوالا واجب الوجود اللہ تعالیٰ ہے

يلزم كونه من جملة العالم مما هو من جملته لا يخلو محتاً ثانياً عرفت من انه بجميع
اجزائه ممكن ومحدث فلو كان بعض اجزائه محدثاً بكليته للزم كونه محدثاً لنفسه ايضاً
فاستمرار ذاته لا بد للممكنات من واجب وللمحدثات من قديم نظراً الى الدور والتسلسل
وقد شاع في الكتاب الالهي الارشاد الى الاستدلال بالآفاق وبالانفس ذاتها وصفاتها
حدوثها وامكانها سنريهم آياتنا في الآفاق وفي انفسهم والاستكثار من ذلك مما يفضي
الى اليقين ولقد احسن بعضهم حيث قال الحق موجود باقتضاء ذاته ووجوده وهو واجب
الوجود والعالم دليل عليه وهو مدلوله والدليل على نوعين العالم الاكبر
وهو هيأة صورة السموات العلى والملكوت الاعلى الى ما تحت الثرى و
العالم الاصغر وهو انواع العالم كلية وهو الصورة الانسانية وهي ادل عليه
من جميع الدلائل القاطعة والآيات الناطقة الى ان قال فذاتنا دليل على ذاته
وصفاتنا دليل على صفاته انتهى ۔

کیونکہ اگر اس کے بغیر ہو اور ہو تو قدیمی طور پر وہ بھی منجملہ عالم ہوگا اور آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جو جزو عالم ہے وہ پیدا
کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ وہ چیز اپنے تمام اجزاء کے اعتبار سے محدث و ممکن ہے پس اگر اسکے بعض اجزاء
محدث ہیں اسکے کل کیلئے یعنی عالم کیلئے، تو لازم آئیگا وہ اپنے نفس کا بھی پیدا کرنیوالا ہوگا اور اس صورت میں دور اور تسلسل
لازم آتا ہے کیونکہ قطعی طور پر ممکنات کیلئے واجب اور محدثات کیلئے قدیم ہونا ضروری ہے۔ اور کتاب الٰہی میں
آفاق و انفس اور ان کی صفات حدوث اور امکانات سے خدا تعالیٰ پر استدلال کی طرف بہت راہنمائی کی ہے
ارشاد باری ہے عنقریب ہم ان لوگوں کے نفوس اور آفاق میں نشانیاں دکھائیں گے اور استدلال زیادہ کرنا انسان کو یقین تک
پہنچا دیتا ہے اور تحقیق بعض لوگوں نے اس چیز کو پا بھی لیا ہے بعض نے کہا ہے اللہ تعالیٰ اپنے وجود اور ذات کے تقاضا
سے موجود ہے اور وہ واجب الوجود ہے اور یہ عالم اس پر دلیل ہے پس خدا تعالیٰ مدلول ہے اور دال کی دو قسمیں ہیں
۱۔ عالم کبیر: یہ آسمانوں کی شکل اور ملکوتی جانب سے لیکر نیچے کی انتہا تک کو کہتے ہیں۔
۲۔ عالم صغیر: یہ تمام جہانوں سے عمدہ ہے اور یہ صورت انسانی کا نام ہے اور یہ تمام قطعی دلائل اور آیات
ناطقہ سے خدا تعالیٰ کی ذات پر زیادہ دلالت کرتا ہے اسی لئے تو بعض نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ
ہمارا وجود خدا کے وجود کی دلیل ہے اور ہماری صفات اس کی صفات پر دال ہے۔

فاذا کان العالم کلہ حادثا فکیف یکون عین الحق سبحانہ وتعالیٰ کما زعمہ غلاۃ المتصوفۃ ومعنی وحدۃ الوجود ان العالم لیس موجودا ثانیا مستقلا بقسیمہ باحداث اللہ تعالیٰ لہ وایجادہ فکیف یکون عین الحق قال الشیخ العلامۃ ابراہیم بن حسن الکورانی الکردی المدنی فی کتابہ قصد السبیل فی بحث الواجب ولیس معنی وحدۃ الوجود ان العالم عین الحق حتی یتوہم من مقالات المحققین انہم خرجوا عن دائرۃ الشرع وانما المراد ان العالم لیس موجودا ثانیا مستقلا کما تقدم انتہی۔ والحاصل ان الکلام المذکور فی السوال کلام قبیح وکفر صریح فان لم یکن ہذا کفر فلیس فی الدنیا کفر فان القول بان ماسوی اللہ سبحانہ ہو عین اللہ ہو قول یردہ کل ذی عقل سلیم ودین مستقیم واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وہو حسبنا ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔

جب تمام عالم حادث ہو تو یہ خدا تعالیٰ کا عین کیسے ہو سکتا ہے جیسے کہ بعض سرکش صوفیوں کا خیال ہے اور معنی وحدت الوجود کا یہ ہے کہ عالم مستقل بنفسہ ایک دوسرا موجود نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے پیدا اور اختراع کے ساتھ ہے تو پھر عالم خدا کا عین کیسے ٹھہرا علامہ ابراہیم بن حسن کورانی کردی مدنی اپنی کتاب قصد السبیل کی بحث الواجب میں فرماتے ہیں کہ معنی وحدت الوجود کا خدا تعالیٰ کا عین نہیں ہے یہ معنی تسلیم کریں تو بہت سے محققین کی کلاموں سے ان کے شریعت کے دائرہ سے خارج ہونیکا وہم پڑتا ہے تحقیق مراد اس سے یہ ہے کہ عالم کوئی دوسرا مستقل موجود نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ مستقل موجود ہے جیسے پہلے ثابت ہو چکا ہے، تو نتیجہ یہ نکلا کہ سوال میں مذکور عقیدہ رکھنا بہت ہی قبیح اور کفر صریح ہے اگر یہ کفر نہیں تو دنیا میں کفر کی کوئی اور صورت نہیں ہے کیونکہ خدا کے ماسوا کو خدا کا عین کہنا اس کی ہر ایک عقل سلیم والا تردید کرے گا اور دین مستقیم۔ اور اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ عالم ہے اس کا علم کامل و محکم ہے وہی ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز بہترین مددگار اور بہترین مناصر ہے اللہ کے بغیر نا ہونیکی کی قوت اسی خدائے بلند و برتر کی مدد سے ہوگی۔ ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام حمد پہ جہانوں کے پروردگار ہی کیلئے ہیں خدا تعالیٰ مخلوق سے بہترین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آل اور ساتھیوں پر بہت بہت رحمت وسلامتی کرے۔ مصنف کی دعا ہے کہ اللہ ان کو اور تمام مسلمانوں کو خدا اور رسول کے علوم سے نفع عطا کرے

جہان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له الملك الحق المبين وأشهد أن سيدنا محمداً عبده ورسوله الصادق الأمين صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلى التابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد فإنه وقع من بعض المعاصرين عفا الله عنهم موافقة المعتزلة الضالين القول بأن الله سبحانه وتعالى لو عذب عباده المطيعين فرضاً وأنعم على العاصين والكافرين أيضاً فرضاً لكان ذلك منه ظلماً تعالى الله عز وجل عن ذلك وعما يقول الظالمون علواً كبيراً فإنه سبحانه وتعالى مالك الأمر وكل العالمين ملك يده وتحت قهره يفعل فيهم ما يشاء ولا يسأل عما يفعل وهم يسألون ويفعل ما يشاء يعذب من يشاء ويرحم من يشاء وإليه تقلبون ويرحم من يشاء ويعذب من يشاء وهو على كل شيء قدير

اللہ رحمن و رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ سب تعریفیں پروردگار جہان کیلئے ہیں اور آخرت پرہیزگاروں کیلئے ہے اور زیادتی صرف ظالموں ہی پر ہوگی۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے وحدہ لاشریک کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے حقیقی و روشن بادشاہی اسی کیلئے ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد اس کے بندے اور اس کے سچے اور امین رسول ہیں خدا ان پر ان کی آل پر تمام صحابہؓ پر اور ان لوگوں پر جو ان کی اتباع کرنے والے ہیں نیکی کے ساتھ تا قیامت رحمتیں نازل فرمائے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد عرض ہو کہ بعض معاصرین سے خدا بچے اقوال میں معتزلہ (گمراہ فرقہ) کی موافقت کی ہے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ اپنے تابعدار بندوں کو عذاب دے یا گنہگاروں پر انعام کرے اور بالفرض کافروں پر بھی تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے قول اور ظالموں کے اقوال سے بہت بلند و برتر ہے کیونکہ اللہ سبحانہ صاحب الحکم ہے سارے جہان اس کے قبضہ قدرت اور غلبہ کے تحت ہیں جو چاہے کرے ان سے کئے ہوئے کا سوال نہیں ہوگا ان بندوں سے ہوگا جو چاہے کرے جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے رحم کرے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جس پر چاہے رحم کرے اور جس کو چاہے عذاب دے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فالبحث في هذه المسألة أي نسبة الظلم منها إلى رب العالمين مما لا يليق بالمؤمن الصادق في إيمانه لأنه بذلك يوقع في قلوب العوام الجهال ما لا يليق بنسبته إلى رب العالمين ولا شك أن المتقيد بذلك ما قدر الله حق قدره ومما تكاد السموات يتفطرن منه وتنشق الأرض وتخر الجبال هدا فأعاذنا الله من ذلك وجميع إخواننا المؤمنين ورزقنا التسليم لما قاله الله عز وجل في كتابه الكريم وبما ثبتت به سنة رسوله الكريم والقيام له بما يجب علينا من التسليم فإنه بيده ملكوت كل شيء وكل العالمين ملك بيده وتحت قهره وهو على كل شيء قدير.

وقد اتفق علماء الأصول والعقائد وأهل السنة المحققون على استحالة وصفه سبحانه وتعالى بالظلم كما أخبر عن نفسه بقوله تعالى ولا يظلم ربك أحدا إن الله لا يظلم مثقال ذرة إن الله لا يظلم الناس شيئا قال الإمام السبكي في كتابه المسمى جمع الجوامع في الأصول مع شرحه للعلامة الخطيب الشربيني الشافعي رحمهم الله تعالى أجمعين.

اس مسئلہ میں بحث کرنا اور ظلم کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کرنا ایک سچے مومن کیلئے تو لائق نہیں کیونکہ اس کی وجہ سے عام جاہلوں کے دلوں میں وہ اوہام پیدا ہوتے ہیں جن کی نسبت پروردگار عالم کی طرف کرنا حرام ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس کے معتقد نے خدا تعالیٰ کی حقیقی قدر نہیں کی اور یہ اعتقاد اس قسم کا ہے کہ اس سے آسمانوں کے ٹوٹنے زمین کے پھٹنے اور پہاڑوں کے گر کر ریزہ ریزہ ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اور ہمارے مومن بھائیوں کو اس سے بچائے اور خدا تعالیٰ اپنے قرآن کریم اور معتبر حدیثوں کے فرمان پر چلنے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ ہم پر ان پر ایمان لانا لازم ہے کیونکہ ہر چیز پر تسلط وغلبہ خدا تعالیٰ ہی کا ہے اور تمام جہان اس کے قبضہ قدرت اور غلبہ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، تمام علمائے اصول وعقائد اور محققین اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا تعالیٰ کا ظلم کی صفت سے متصف ہونا ممتنع ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ نے خود اپنے متعلق ارشاد فرمایا ہے تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا بیشک اللہ تعالیٰ ایک رائی کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا تحقیق اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا امام سبکی اپنی جمع الجوامع فی الاصول میں فرماتے ہیں اور اس کی شرح علامہ خطیب شربینی شافعی نے کی ہے خدا ان پر رحم کرے۔

واعلم أنه يكون أي يوجد ما أراد الله وجوده فإرادته تعالى تابعة لعلمه هذا مذهب أهل الحق وعند المعتزلة الإرادة تابعة للأمر فقالوا إن الله يريد ما أمر به من خير أو طاعة سواء وقع ذلك أم لا ولا يريد ما نهى عنه من شر أو معصية سواء وقع ذلك أم لا وتظهر فائدة الخلاف في إيمان أبي جهل فعند أهل السنة إيمانه مأمور به وليس مرادا لله تعالى لقوله تعالى ولو شئنا لآتينا كل نفس هداها وكفره منهي عنه ومراد له تعالى لقوله تعالى يريد الله أن لا يجعل لهم حظا في الآخرة وعند المعتزلة بالعكس انتهى۔

وفيه أيضا مع شرحه النبراس ويثيب الله المطيع فضلا منه كما قال أهل السنة لا وجوبا كما قالت المعتزلة بل له سبحانه وتعالى إثابة العاصي وتعذيب المطيع لأنهم ملكه يتصرف فيهم كيف يشاء لكنه لا يفعل ذلك لإخباره عزوجل بإثابة المطيع وتعذيب العاصي انتهى۔

اور یقین کر کہ جس چیز کے وجود کو خدا چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے پس خدا کا ارادہ اس کے علم کے تابع ہے یہ تو مذہب ہے اہل حق کا اور معتزلہ کے ہاں اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے حکم کا تابع ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس بھلائی اور طاعت کا حکم دیتا ہے اسکا ارادہ کرتا ہے خواہ وہ بھلائی وغیرہ واقع ہو یا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے جس برائی اور معصیت سے روکا ہے اسکا وہ ارادہ ہی نہیں کرتا خواہ برائی واقع ہو یا نہ ہو اور اختلاف کا ثمرہ ابو جہل کے ایمان کی بحث میں حاصل ہوتا ہے اہل سنت کے ہاں اسے ایمان کا حکم دیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد مطلوب نہیں ہے کیونکہ ارشاد الٰہی ہے اور اگر ہم ہر نفس کی ہدایت کو چاہتے تو ضرور اسے ہدایت کر دیتے اور اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کو کفر سے روکا ہے اور یہ اللہ کی مراد ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اللہ ارادہ کرتا ہے کہ ان کافروں کیلئے آخرت میں کوئی حصہ بھلائی کا نہ کرے اور معتزلہ کا مسلک اس کے بالکل برعکس ہے۔ اور اسی مسئلہ کی مذکورہ کتاب اور اس کی شرح میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ مطیع کو ثواب دیگا اپنے فضل و کرم کے لحاظ سے اس پر ثواب دینا لازم نہیں جیسے معتزلہ کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگر نافرمان کو ثواب اور تابعدار کو عذاب دیدے تو دے سکتا ہے کیونکہ یہ تمام اسی کے ملک میں ہیں جیسے چاہئے ان میں تصرف کرے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے کریں گے نہیں کیونکہ انہوں نے خود مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب دینے کی اطلاع فرمائی ہے۔

وفيه أيضاً معرض شرح الكوثري وتجلى عليه جميعاً ونعالى صفة الظلم لأنه مالك
الأمر فلا ظلم في يفعل ما يشاء وقد قال تعالى ولا يظلم ربك أحداً وقال تعالى إن
الله لا يظلم مثقال ذرة وقال تعالى إن الله لا يظلم الناس شيئاً وما ربك بظلام
للعبيد انتهى ۔

وقال شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله تعالى في منهاج السنة في الجزء الأول في
صفحة مائة وتسعة وعشرين بعد كلام طويل ولكن لو قدر أن الله عذب من
يشاء لم يكن لأحد منعه كما قال تعالى فمن يملك من الله شيئاً إن أراد أن يهلك
المسيح ابن مريم وأمه ومن في الأرض جميعاً وفي الحديث الذي رواه أبو داود وغيره
إن الله لو عذب أهل سماواته وأهل أرضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم لكانت رحمته خيراً
لهم من أعمالهم قال والتحقيق أنه إذا قدر أنه يفعل ذلك فلا يفعله إلا بحق وهو غير ظالم
انتهى المقصود وقال تلميذه المحقق ابن القيم في كتابه المسمى بالتبيان في أقسام القرآن
في صفحة تسعة وعشرين ۔

اور اسی مذکورہ کتاب اور اس کی شرح میں ہے کہ اللہ ظلم سے متصف ہونا ممتنع ہے کیونکہ وہ ہر ایک امر کا مالک ہے
مطلق ہو جو چاہے کرے فرمایا اللہ تعالے نے تیرا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا نیز فرمایا خداوند کریم نے بیشک اللہ تعالے ذرہ برابر
بھی ظلم نہیں کریگا اور تحقیق اللہ تعالے نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنیوالا نہیں ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ صفحہ ۱۲۹ میں کلام طویل کے بعد فرماتے
ہیں لیکن اگر بالفرض اگر اللہ تعالیٰ عذاب دے جس کو چاہے تو کسی کو روکنے کی طاقت نہیں جیسے خود اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں کون اللہ کے عذاب سے بچانے کا مالک ہے اگر وہ عیسیٰ بن مریم ان کی والدہ اور تمام اہل زمین کو ہلاک
کر دے اور اس حدیث میں ہے جسے امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے ، بیشک اللہ تعالے اگر آسمانوں اور
دنیا والوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہ ہو گا اور اگر ان تمام پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے ان کیلئے
زیادہ فائدہ مند ہو گی امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کرے تو وہ
حق کی وجہ سے کریگا اس حال میں کہ وہ ظالم نہ ہو گا ختم شد اس کا مقصد امام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید محقق
ابن قیم اپنی کتاب التبیان فی اقسام القرآن صفحہ ۲۹ میں فرماتے ہیں :

ولهذا قال لما قال أعلم الخلق بالله عز وجل صلى الله عليه وسلم لن يدخل أحد منكم بعمله الجنة قالوا ولا أنت يا رسول الله قال ولا أنا إلا أن يتغمدني الله برحمة منه وفضل فأخبر أن دخول الجنة برحمة الله وفضله وذلك محض منته عليه صلى الله عليه وسلم وعلى سائر عباده وكما أنه سبحانه وتعالى امتن بإرسال رسله وبالتوفيق لطاعته وبالإعانة عليها فهو امتن بإعطاء الجزاء وذلك كله محض منته وجوده لا حق لأحد عليه بحيث إذا أداه يكون له عليه منة فإن كان في الدنيا ما ثم سائل فمن امتنه فإن قيل كيف تقولون هذا وقد أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن حق العباد على الله إذا وحدوه أن لا يعذبهم وقد أخبر سبحانه وتعالى وكان حقا علينا نصر المؤمنين وهذا من أعظم منته على عباده أن جعل على نفسه حقا بحكم وعده الصادق أن لا يعذبهم إذا وحدوه وحققوه فهذا من تمام منته فإنه لو عذب أهل سماواته وأهل أرضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم

تحقیق فرمایا ہے تمام دنیا سے اللہ کو زیادہ جاننے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے اے صحابہ! تم سے ایک بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا انہوں نے سوال کیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں داخل ہوں گے فرمایا نہیں ہاں مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل شامل حال ہو گیا تو داخل ہو جاؤں گا پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دخول جنت اللہ کے فضل و رحمت سے ہوگا اور اللہ کا فضل و کرم رسول اللہ اور تمام دنیا پر احسان ہے اور جیسے اللہ تعالیٰ اپنے رسول بھیج کر دنیا کو اپنی اطاعت کی توفیق دیکر احسان کی اس معاملہ میں مدد کر کے محسن ہے اسی طرح جزاء دینے میں بھی وہ محسن ہے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی سخاوت اور احسان ہے اس پر کسی کا حق نہیں ہے کیونکہ جب انسان نے اللہ سے وفا کی تو اللہ پر اس کا احسان نہیں بلکہ وہ احسان دیتا ہے ... اور منصف اللہ کی توفیق سے ... حق تعالیٰ پر ان کا حق ... خدا کو ایک تسلیم کریں تو ان کا اللہ پر یہ حق ہے کہ ان کو عذاب نہ کرے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم پر مومنوں کی مدد کرنا واجب ہے تو اس کا جواب یہ ہے اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے کا ... سے سب سے بڑا احسان ہوا کہ اس نے اپنے سچے وعدے سے کہ اگر یہ اس کی توحید بیان کریں اور اسی کی عبادت کریں اپنے پر یہ حق ٹھہرا لیا کہ ان کو عذاب نہ دے گا پس یہ تو اس کا کامل احسان ہوا کیونکہ اگر وہ اپنے زمین و آسمان

لهم ولكن اقتضت منته ان احق على نفسه ثواب عابديه واجابة سائليه .

ما للعباد عليه حق واجب ... كلا ولا سعي لديه ضائع !!

ان عذبوا فبعدله او نعموا ... فبفضله فهو الكريم الواسع

كلام ابن القيم في كتابه المسمى بالاقسام من الله في القرآن بلفظه وقال العلامة الامام النووي في شرح مسلم بعد ايراد حديث لن يدخل احدا عمله الجنة الحديث ما لفظه مذهب اهل السنة انه لا يجب على الله شيء بل العالم ملكه والدنيا والآخرة تحت سلطانه يفعل فيهما ما يشاء ويحكم ما يريد فلو عذب المطيعين والصالحين اجمعين وادخلهم النار كان ذلك عدلا منه واذا اكرمهم ونعمهم وادخلهم الجنة فهو من فضله واذا انعم على العاصين وادخلهم الجنة فمن فضل منه سبحانه وتعالى انتهى .

وقال الحافظ ابن حجر في فتح الباري في كتاب الرقاق في باب القصد بالمداومة على العمل قال ابن

والوں کو عذاب کرے تو وہ ظالم نہ ہوگا لیکن اس کے احسان نے تقاضا کیا کہ اس نے اپنے اوپر اپنے عابدین کا ثواب اور سائلین کے سوال کو قبول کرنا ضروری ٹھہرا لیا (بندوں کا اللہ پر حق واجب نہیں ہے، خبردار! اللہ نہیں برباد کرتا کسی کی اطاعت میں اپنے عمل کو ضائع کرنے والا ، اگر ان کو عذاب دیا جائے تو اسکا انصاف ہوگا یا نعمت دیئے جائیں تو اس کے فضل و کرم کی وجہ سے ہیں ، وہی واسع کریم ہے ، ابن قیم کا کلام ان کی کتاب التبیان فی اقسام القرآن والا انہی کے الفاظ میں ختم ہوگیا ، امام نووی شرح مسلم میں کسی کو اسکا عمل ہرگز داخل نہیں کرے گا (حدیث) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ اللہ پر کوئی حق نہیں ہے بلکہ سارا جہان اس کے قبضہ قدرت میں اور دنیا وآخرت اس کے تسلط و غلبہ میں ہے پس اگر وہ مطیع اور صالح لوگوں کو عذاب دے کر آگ میں داخل کر دے تو یہ اسکا انصاف ہوگا اور جب ان کی عزت کرے اور نعمت ان کو دے کر جنت میں داخل کر دے پس یہ اسکا فضل اور جب گنہگاروں پر انعام کرکے جنت میں داخل کر دے پس یہ اسی سبحانہ تعالیٰ کا فضل ہوگا ان کی کلام ختم ہوئی ، اور حافظ ابن حجر فتح الباری کے کتاب الرقاق کے باب القصد بالمداومۃ علی العمل میں فرماتے ہیں ابن جوزی نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول (اور یہ جنت وہ ہے

الجوزي تحصّل من مجموع قوله تعالى وتلك الجنة التي أورثتموها بما كنتم تعملون۔
الأول: أن التوفيق للعمل من رحمة الله ولولا رحمة الله السابقة بالعبد ما حصل
الإيمان ولا الطاعة التي تحصل بها النجاة. الثاني: أن منافع العبد لسيده فعمله مستحق
لمولاه فإذا أنعم عليه بالجزاء فمن فضله. الثالث: جاء في بعض الأحاديث أن نفس دخول
الجنة برحمة الله عز وجل واقتسام المنازل والدرجات بالأعمال. الرابع: أن أعمال
الطاعات كانت في زمن يسير والثواب لا ينفد فالإنعام الذي لا ينفد في جزاء ما ينفد
بالفضل لا بمقابلة الأعمال۔

وقال الكرماني في قوله تعالى ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون ليست
الباء للإلصاق والمصاحبة أي أورثتموها ملابسة أو مصاحبة أو للمقابلة
نحو أعطيت الشاة بدرهم وبهذا الأخير جزم الشيخ جمال الدين بن
هشام في المغني وقد سبق إليه فقال ترد الباء للمقابلة وهي الداخلة

جنت کے تم وارث اپنے اعمال کی وجہ سے کئے گئے ہو (قرآن) کے مجموعے سے چار دلائل حاصل ہوتے ہیں
پہلی یہ اگر بندے پر خدا کی رحمت پہلے نہ ہوئی ہوتی تو اسے ایمان اور طاعت نہ حاصل ہو سکتے جن کے ذریعہ
سے نجات حاصل ہوتی ہے، دوسری: بیشک غلام کے منافع اپنے آقا کیلئے ہوتے ہیں تو اس کے کام
کا مستحق اسکا آقا ہے پس جب آقا غلام کو اس کام پہ جزا دے تو اسکا فضل ہوگا تیسری: بعض
احادیث میں آیا ہے کہ جنت نفس دخول یہ تو اللہ کی رحمت سے ہوگا اور درجات و مراتب کی اقسام اعمال
کے لحاظ سے ہوں گی چوتھی: بیشک اطاعت کے کام بہت تھوڑے زمانہ میں ہوتے ہیں اور ثواب تو ختم
ہی نہ ہوگا پس ختم ہونیوالی چیز کی جزا ایسی نہ ختم ہونیوالی چیز کا انعام کرنا خدا کے فضل سے ہوگا اعمال کے مقابلہ
کی وجہ سے نہ ہوگا، اور کرمانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قول داخل ہو جاؤ جنت کے اس حال میں اپنے
اعمال کے سبب ہیں باء الصاق اور مصاحبت کیلئے نہیں ہے تو اس وقت معنی یہ ہوگا داخل ہو جاؤ تم وارث
بنائے گئے جنت کے اس حال میں کہ وہ جنت ساتھی بننے والی اور تمہارے ساتھ ملنے والی ہے، اور یہ بھی
غیر درست ہے، اسی طرح یہ باء مقابلہ کیلئے بھی نہ ہوگی، مثال میں نے بکری کو درہم کے مقابلہ میں خریدا اس آخری

عَلَى الْأَعْوَاضِ كَاشْتَرَيْتُهُ بِأَلْفٍ وَمِنْهُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَإِنَّمَا لَمْ نُقَدِّرْهَا
لِلسَّبَبِيَّةِ كَمَا قَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ وَكَمَا قَالَ الْجَمِيعُ فِي لَنْ يَدْخُلَ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ
لِأَنَّ الْمُعْطِيَ قَدْ يُعْطِي مَجَّانًا بِخِلَافِ الْمُسَبَّبِ فَلَا يُوجَدُ بِدُونِ السَّبَبِ قَالَ وَعَلَى
هٰذَا يَنْتَفِي التَّعَارُضُ بَيْنَ الْحَدِيثِ وَالْآيَةِ. وَسَبَقَهُ إِلَى ذٰلِكَ ابْنُ الْقَيِّمِ فِي مِفْتَاحِ
دَارِ السَّعَادَةِ فَقَالَ الْبَاءُ الْمُقْتَضِيَةُ لِلدُّخُولِ غَيْرُ الْبَاءِ الَّتِي نُفِيَ مَعَهَا الدُّخُولُ فَالْمُقْتَضِيَةُ
هِيَ بَاءُ السَّبَبِيَّةِ الدَّالَّةُ عَلَى أَنَّ الْأَعْمَالَ سَبَبٌ لِلدُّخُولِ مُقْتَضِيَةٌ لَهُ كَاقْتِضَاءِ سَائِرِ الْأَعْمَالِ
لِمُسَبَّبَاتِهَا وَالْبَاءُ الَّتِي نُفِيَ بِهَا الدُّخُولُ هِيَ بَاءُ الْمُعَاوَضَةِ وَالْمُقَابَلَةِ الَّتِي فِي نَحْوِ قَوْلِهِمُ اشْتَرَيْتُ
هٰذَا بِهٰذَا فَأَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ دُخُولَ الْجَنَّةِ لَيْسَ فِي مُقَابَلَةِ عَمَلِ أَحَدٍ وَأَنَّهُ
لَوْلَا تَغَمُّدُ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْعَبْدَ بِرَحْمَتِهِ لَمَا أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ فَلَيْسَ عَمَلُ الْعَبْدِ وَإِنْ
تَنَاهَى مُوجِبًا بِمُجَرَّدِهِ لِدُخُولِ الْجَنَّةِ وَلَا عِوَضًا لَهَا فَإِنَّ أَعْمَالَهُ وَإِنْ وَقَعَتْ

معنی کے ساتھ جزم کیا ہے شیخ جمال الدین ہشام نے المغنی میں اور وہ کرمانی سے سبقت لے گئے ہیں فرماتے ہیں
باء مقابلہ کیلئے بھی وارد ہوتی ہے مقابلہ والی کی تعریف یہ ہے جو عوض پر داخل ہو۔ مثال میں نے اس چیز کو ہزار
کے بدلہ و عوض میں خریدا ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل) والی باء بھی اس قسم سے ہے اور باء یہاں
سببیت کا معنی ہرگز نہیں دیتی جیسے کہ معتزلہ نے کہا اور کہ تمام علماء کا کہنا ہے لن یدخل الجنۃ احد بعملہ الحدیث
والی باء کے متعلق کیونکہ دینے والا کبھی کبھی بغیر عوض اور بدلہ کے بھی دیتا ہے بخلاف مسبب کے کہ وہ سبب کے
بغیر نہیں پایا جاتا شیخ صاحب فرماتے ہیں اس صورت میں آیت تلک الجنۃ اور حدیث لن یدخل میں
تعارض ہے وہ ختم ہو جاتا ہے یعنی حدیث والی سبب کا معنی دیتی ہے اور قرآن کریم والی باء مقابلہ کا معنی
دیتی ہے شیخ صاحب سے حافظ ابن قیم سبقت لے گئے اس بارے میں تو حافظ صاحب اپنی کتاب مفتاح دار
السعادۃ میں فرماتے ہیں جو باء دخول جنت کا تقاضا کرتی ہے یہ اس باء کے مخالف ہے جو دخول جنت
کے نفی کے مقام کے ساتھ آئی ہے دخول جنت کے مقام والی باء سببیت کیلئے ہے آیت کا معنی یہ
ہوگا کہ اعمال دخول جنت کا سبب اور اس کے مقتضی ہیں جیسے تمام اعمال اپنے مسببات کو چاہتے ہیں
اور وہ باء جس سے دخول جنت کی نفی کی گئی ہے عوض اور مقابلہ والی ہے جیسے اس قول میں ہے خریدا
میں نے اس کو اس کے عوض و بدلہ میں، پس رسول کریمؐ نے فرمایا کہ دخول جنت کسی کے اعمال کے

مِنهُ شَيءٌ إلّا بِعَمَلِهِ المَرضِيِّ الَّذِي يُحِبُّهُ اللهُ وَبِعَمَلِهِ لا تُقاوِمُ نِعمَةَ اللهِ الَّتِي أَنعَمَ بِها عَلَيهِ فِي الدُّنيا وَلا تُعادِلُها بَل لَو حاسَبَهُ لَوَقَعَت أَعمالُهُ كُلُّها فِي مُقابَلَةِ اليَسِيرِ مِن نِعَمِهِ وَتَبقَى بَقِيَّةُ النِّعَمِ مُقتَضِيَةً لِشُكرِهِ فَلَو عَذَّبَهُ فِي هٰذِهِ الحالَةِ لَعَذَّبَهُ وَهُوَ غَيرُ ظالِمٍ لَهُ وَلَو رَحِمَهُ لَكانَت رَحمَتُهُ خَيرًا لَهُ مِن عَمَلِهِ كَما فِي الحَدِيثِ عَن زَيدِ بنِ ثابِتٍ وَحُذَيفَةَ وَغَيرِهِما مَرفُوعًا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قالَ إِنَّ اللهَ لَو عَذَّبَ أَهلَ سَماواتِهِ وَأَهلَ أَرضِهِ لَعَذَّبَهُم وَهُوَ غَيرُ ظالِمٍ وَلَو رَحِمَهُم لَكانَت رَحمَتُهُ خَيرًا لَهُم مِن أَعمالِهِم قالَ وَهٰذا فَصلُ الخِطابِ بَينَ المُرجِئَةِ الَّذِينَ أَنكَرُوا أَن تَكُونَ الأَعمالُ سَبَبًا فِي دُخُولِ الجَنَّةِ مِن كُلِّ وَجهٍ وَبَينَ القَدَرِيَّةِ الَّذِينَ يَزعُمُونَ أَنَّ الجَنَّةَ عِوَضٌ عَنِ الأَعمالِ وَالحَدِيثُ يُبطِلُ دَعوَى الطّائِفَتَينِ وَاللهُ أَعلَمُ انتَهَى۔

مقابلہ میں نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت بندے کے شامل حال نہ ہو تو اللہ اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا پس صرف بندے کا عمل اگرچہ انتہائی کیوں نہ ہو دخول جنت کو واجب نہیں کرتا اور نہ ہی جنت کا یہ بدلہ ہے کیونکہ بندے کے اعمال اللہ کے پسندیدہ طریقے پر واقع ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قیمت اور اس کے برابر نہیں ہو سکتے جو اس نے بندے پر دنیا میں کی ہے بلکہ اگر خدا اس کا حساب کرے تو انسان کے تمام اعمال اللہ کی معمولی سی نعمت کے مقابلہ میں ہوں گے اور اسکے دوسری باقی نعمیں اللہ کے شکر کیلئے مقتضی ہیں اگر اللہ اس حالت میں بندے کو عذاب کرے تو وہ اس کیلئے ظالم نہ ہوگا اور اگر اس پر ہو تو بخشش کی رحمت بندے کے اعمال سے بہتر ہوگی، روایت ہے زید بن ثابت اور حذیفہ اور ان کے علاوہ سے مرفوعاً طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشک آپ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اگر عذاب کرے آسمان والوں اور زمین والوں کو البتہ عذاب دے ان کو اور وہ نہیں ظلم کرنے والے اور اگر رحمت کرے ان پر البتہ ہوگی اس کی رحمت بہتر ان کیلئے ان کے اعمال سے حافظ ابن حجر صاحب فرماتے ہیں یہ مطلب قول فیصل ہے مرجئہ کے درمیان جن کا انکار ہے کہ اعمال کسی طریق سے بھی دخول جنت کا سبب نہیں اور قدریہ فرقہ کے درمیان جن کا زعم ہے کہ جنت بدلہ ہے اعمال کا اور حدیث ان دونوں گروہوں کے دعاوی کو باطل کرتی ہے اور خدا ہم سے زیادہ عالم ہے

مَا نَقَلَهُ الْحَافِظُ فِي فَتْحِ الْبَارِي عَنِ ابْنِ الْقَيِّمِ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِلَفْظِهِ مُرْتَضِيًا لَهُ وَقَالَ الْحَافِظُ فِي فَتْحِ الْبَارِي أَيْضًا وَجَوَّزَ الْكِرْمَانِيُّ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ أَنَّ الدُّخُولَ لَيْسَ بِالْعَمَلِ وَالْإِدْخَالُ الْمُسْتَفَادُ مِنَ الْإِرْثِ بِالْعَمَلِ وَهٰذَا إِنْ مَشَى فِي الْجَوَابِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَىٰ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ لَا يَمْشِي فِي الْجَوَابِ بَيْنَ الْآيَةِ وَالْحَدِيثِ وَعِنْدِي أَنَّ فِي الْحَدِيثِ جَوَابًا آخَرَ وَهُوَ أَنْ يُحْمَلَ الْحَدِيثُ عَلَى أَنَّ الْعَمَلَ مِنْ حَيْثُ هُوَ عَمَلٌ لَا يَسْتَفِيدُ بِهِ الْعَامِلُ دُخُولَ الْجَنَّةِ مَا لَمْ يَكُنْ مَقْبُولًا فَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ فَأَمْرُ الْقَبُولِ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ وَإِنَّمَا يَحْصُلُ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالَىٰ لِمَنْ يَقْبَلُ مِنْهُ فَعَلَىٰ هٰذَا فَمَعْنَىٰ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ أَيْ تَعْمَلُونَهُ مِنَ الْعَمَلِ الْمَقْبُولِ وَلَا يَضُرُّ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ تَكُونَ الْبَاءُ لِلْمُصَاحَبَةِ أَوْ لِلْمُقَابَلَةِ أَوْ لِلْإِلْصَاقِ وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ تَكُونَ سَبَبِيَّةً ثُمَّ رَأَيْتُ النَّوَوِيَّ جَزَمَ بِأَنَّ ظَاهِرَ الْآيَاتِ أَنَّ دُخُولَ الْجَنَّةِ بِسَبَبِ الْأَعْمَالِ وَالْجَمْعُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْحَدِيثِ بِأَنَّ التَّوْفِيقَ لِلْأَعْمَالِ۔

حافظ صاحب نے جو کلام نقل کی ہے فتح الباری میں حافظ ابن قیم اور دیگر علماء سے وہ ختم ہو گئی یہی پسندیدہ ہے حافظ صاحب کا فتح الباری میں نیز فرماتے ہیں اور کرمانی نے جائز کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ دخول جنت عمل کی وجہ سے نہیں ہے اور جنت میں داخل کرنا یہ عمل کے ساتھ وارث ہونے سے فائدہ حاصل کیا گیا ہے اور یہ جواب اگرچہ اللہ تعالیٰ کے قول اور ثتموھا بما کنتم تعملون (قرآن) میں چل جاتا ہے لیکن آیت اور حدیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کیلئے نہیں چلیگا اور میرے نزدیک حدیث کا ایک اور جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ عمل من حیث العمل ہونیکی وجہ سے عامل اس سے جنت میں داخل ہونیکا فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک وہ عمل مقبول نہ ہو پس جب معاملہ ایسے ہوگا تو قبول والا کام اللہ کے سپرد ہے اور بیشک جنت حاصل ہو گی اللہ کی رحمت کے ساتھ اس انسان کیلئے جس کا عمل قبول ہوا پس اس صورت پر فرمان خدا ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون کہ جو تم مقبول اعمال کرتے تھے اور اس کے بعد با مصاحبت مقابلہ یا الصاق کیلئے بنانا کوئی تکلیف نہ دیگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ با سببیت کیلئے ہے پھر میں امام نووی کو دیکھتا ہوں انہوں نے جزم کیا ہے کہ بیشک ظاہر آیات کا مطلب یہ ہے کہ دخول جنت اعمال کے سبب ہے اور دونوں آیت اور حدیث کے درمیان تطبیق ایسے ہے کہ بیشک اعمال:

وَالْعِبَادَةِ وَقَبُولِهَا إِنَّمَا هُوَ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَيَصِحُّ أَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ بِمُجَرَّدِ الْعَمَلِ وَهُوَ مُرَادُ الْحَدِيثِ وَيَصِحُّ أَنَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِسَبَبِ الْعَمَلِ وَهُوَ مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَرَدَّ الْكِرْمَانِيُّ الْأَخِيرَ بِأَنَّهُ خِلَافُ صَرِيحِ الْحَدِيثِ وَقَالَ الْمَازِرِيُّ ذَهَبَ أَهْلُ السُّنَّةِ إِلَى أَنَّ إِثَابَةَ اللّٰهِ تَعَالَى مَنْ أَطَاعَهُ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَكَذٰلِكَ انْتِقَامُهُ مِمَّنْ عَصَاهُ بِعَدْلٍ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا بِالسَّمْعِ وَلَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنْ يُعَذِّبَ الْمُطِيعَ وَيُنَعِّمَ الْعَاصِيَ وَلٰكِنَّهُ أَخْبَرَ أَنَّهُ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ وَخَبَرُهُ صِدْقٌ لَا خُلْفَ فِيهِ وَهٰذَا الْحَدِيثُ يُقَوِّي مَقَالَتَهُمْ وَيَرُدُّ عَلَى الْمُعْتَزِلَةِ حَيْثُ أَوْجَبُوا أَعْوَاضَ الْأَعْمَالِ وَلَهُمْ فِي ذٰلِكَ خَبْطٌ كَثِيرٌ وَتَفْصِيلٌ طَوِيلٌ انْتَهَى كَلَامُ الْحَافِظِ ابْنِ حَجَرٍ فِي الْفَتْحِ بِلَفْظِهِ. وَقَالَ الْحَافِظُ أَيْضًا فِي كِتَابِ التَّوْحِيدِ بَابٌ فِي الْمَشِيئَةِ وَالْإِرَادَةِ بَعْدَ ذِكْرِ الْآيَاتِ الْغَرَضُ مِنْ هٰذَا الْبَابِ إِثْبَاتُ الْمَشِيئَةِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَقَالَ وَحَرَّفَ الْمُعْتَزِلَةُ الْمَسْأَلَةَ وَقَاسُوا فِعْلَ الْخَالِقِ عَلَى

اور عبادت کی توفیق اور اس کا قبول کرنا سوائے اس کے نہیں یہ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوگا پس صحیح ہوجائیگا کہ خالی اعمال سے جنت میں دخول نہیں ہے اور یہی مطلب حدیث کا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ عمل دخول جنت کا سبب ہو اور یہ اللہ کی رحمت سے ہوگا اور کرمانی نے نووی کے آخری معنی کی تردید کی ہے کہ وہ صریح حدیث کے خلاف ہے مازری کہتے ہیں اہل سنت اس طرف گئے ہیں کہ بیشک اللہ کا اپنے مطیع کو ثواب دینا اس کے فضل سے ہے اور اسطرح اللہ تعالیٰ کا گنہگار سے انتقام لینا اس کا انصاف ہے اور ثواب و انتقام میں سے کوئی ایک چیز بھی شارع علیہ السلام کے بتلانے کے بغیر نہیں ثابت ہوتی اور اللہ کیلئے حق ہے کہ وہ مطیع کو عذاب دیدے اور عاصی کو نعمت دے دے اور لیکن اس نے خود خبر دیدی کہ وہ ایسے نہ کریگا اور اللہ کا خبر دینا سچا اس میں خلاف ہوتا نہیں ہے اور یہ حدیث اہل سنت اور معتزلہ کی تردید کرتی ہے جبکہ معتزلہ نے اعمال کا بدلہ واجب ٹھہرایا اور ان لوگوں نے اس بحث میں ٹامک ٹوئیاں ماری ہیں اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے حافظ صاحب کا کلام فتح الباری میں انہی کے الفاظ میں ختم ہوا حافظ ابن حجر نیز کتاب التوحید باب فی المشیئۃ والارادۃ میں خدا تعالیٰ کے چاہنے اور جو چاہے کر سکتا ہے پر آیات قرآنیہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور معتزلہ نے مسئلہ کی تحریف کر کے خالق کے فعل پر قیاس کیا ہے کیونکہ اگر مخلوق اپنے مطیعوں کو عذاب دیدے تو وہ ضرور ظالم ہوگا لیکن حکم

المخلوق بان المخلوق لو عاقب من يطيعه من اتباعه لكان ظالما لكونه ليس مالكه حقيقة والخالق سبحانه وتعالى لو عذب من يطيعه لم يكن ظالما لان الجميع ملكه يفعل ما يشاء لا يسأل عما يفعل وفي ذلك دلالة على ان الامور كلها موقوفة بمشيئة الله عز وجل وارادته. قال الراغب ويدل على ان الامور متعلقة بمشيئة الله عز وجل وموقوفة عليها ما اجمع الناس على تعليق الاستثناء في جميع الافعال وقد اخرج ابو نعيم في الحلية من طريق ابن اخي الزهري عنه قال كان عمر بن الخطاب رضي الله عنه يأمر بانشاد قصيدة لبيد التي يقول فيها ؎

ان تقوى ربنا خير نفل ۔۔۔ وباذن الله ريثي وعجل

احمد الله فلا ند له ۔۔۔ بيديه الخير ما شاء فعل

من هداه سبل الخير اهتدى ۔۔۔ ناعم البال ومن شاء اضل

والخلاف بين اهل السنة والمعتزلة ان الارادة تابعة للعلم وعند هم الارادة تابعة للامر ويدل لاهل السنة قوله تعالى يريد الله ان لا يجعل لهم حظا في الآخرة انتهى المقصود

وہ اس کا مالک حقیقی نہیں ہے اور خالق سبحانہ و تعالیٰ اگر اپنے مطیع کو عذاب دے تو وہ ظالم نہ ہوگا کیونکہ تمام اس کے تصرف و ملک میں ہے جو چاہے کرے اس سے کام کا سوال نہ ہوگا اور اس میں دلیل ہے اس پر کہ تمام کام اللہ کی مشیت اور ارادہ پر موقوف ہے راغب کہتے ہیں اور دلالت کرتی ہے یہ بات اس پر کہ تمام کام متعلق ہیں خدا کی مشیت کے ساتھ اور موقوف ہیں اس پر جیسے کہ لوگوں کا اجماع ہے اس پر کہ تمام افعال استثناء پر معلق ہیں (ان شاء اللہ پر) ابو نعیم نے حلیہ میں ابن اخی زہری کے طریق سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ بن خطاب لبید شاعر کے اس قصیدہ کو روایت کرنیکا حکم دیا کرتے تھے جس میں لبید نے مندرجہ ذیل اشعار کہے ہیں (۱) بیشک اللہ کا ڈر بہتر عطیہ ہے اور اللہ کے حکم سے ہے میرا دیر کرنا اور جلدی کرنا (۲) میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں پس نہیں ہم نظیر اس کے ہاتھ میں بھلائی اور جو وہ چاہیے کرے (۳) جس کو بھلائی کے راستوں کی طرف راہنمائی کر دے تو وہ ہدایت پائیگا اور اچھے حال ہوگا اور جس کو وہ چاہے گمراہ کر دے معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان اختلاف یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ کا ارادہ علم کے تابع ہے لیکن معتزلہ کے ہاں تابع نہیں، اور اہل سنت کی تائید اللہ تعالےٰ

من مقاله فتح الباری وفیہ کلام طویل فانظرہ ان اردتہ ویؤید ذلک ما اخرجہ الامام احمد وابوداود وابن ماجۃ من حدیث ابن الدیلمی انہ قال وقع فی نفسی شیء من القدر فخشیت ان یفسد علی دینی وامری فاتیت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فقلت یا ابا المنذر انہ وقع فی نفسی شیء من القدر فخشیت ان یفسد علی دینی وامری فاخبرنی بشیء من ذلک لعل اللہ ان ینفعنی بہ فقال لو ان اللہ عذب اھل سماواتہ واھل ارضہ لعذبھم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من اعمالھم ولو کان لک مثل جبل احد ذھبا او مثل احد ذھبا تنفقہ فی سبیل اللہ ما قبلہ اللہ منک حتی تؤمن بالقدر فتعلم ان ما اصابک لم یکن لیخطئک وما اخطاک لم یکن لیصیبک وانک لو مت علی غیر ھذا دخلت النار ولا علیک ان تاتی اخی عبد اللہ ابن مسعود فتسألہ عن ذلک فاتیت عبد اللہ بن مسعود فذکر مثل ما قال ابی بن کعب وقال لا علیک ان تاتی حذیفۃ فسألہ

کے اس قول سے بھی ہوتی ہے اللہ تعالٰے ارادہ کرتا ہے ہود آخرت میں ان کیلئے ۔۔۔ ہ کوئی حصہ نہ کرے فتح کی عبارت سے مقصود ختم ہوا اور اس میں کلام بہت طویل ہے اگر آپ چاہیں تو فتح الباری کو دیکھ لو امام احمد امام ابو داود اور ابن ماجہ جو ابن دیلمی کی حدیث لائے ہیں وہ بھی اسی کی تائید کرتی ہے (حدیث یہ ہے) ابن دیلمی کہتے ہیں میرے دل میں تقدیر کے متعلق کوئی شبہ پیدا ہوا جس سے مجھے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا دین اور میرا معاملہ اسلام والا خراب نہ ہو جائے پس میں ابی بن کعب کے پاس گیا میں نے کہا اے ابا منذر میرے دل میں تقدیر کے متعلق کوئی شبہ ہے میں ڈرتا ہوں کہ وہ میرے دین اور میرے طریق اسلام کو خراب نہ کر دے پس اس لئے تقدیر کے متعلق کچھ خبر دو شاید کہ اللہ مجھ سے یہ شبہ دور کر دے پس اس نے کہا اگر اللہ تعالٰے زمین و آسمان کے اہل کو عذاب دے تو اس کا حق ہے دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہ ہوگا، اور اگر ان پر رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے افضل ہے اور اگر تیرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہو جسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے اللہ تجھ سے قبول نہیں کریگا جب تک تیرا تقدیر پر ایمان نہ ہوگا اور تو نہ جان لے کہ جو مصیبت تجھے نہیں پہنچی وہ تجھے پہنچنے والی ہی نہ تھی اور جو تجھے پہنچ گئی وہ تجھ سے خطا نہیں کر سکتی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر تو اس اعتقاد و ایمان کے بغیر مر گیا تو آگ میں داخل

عَنْ ذٰلِكَ حَتّٰى يُحَدِّثَنِيْ بِمِثْلِ مَا قَالَا وَقَالَ فَلَا عَلَيْكَ اَنْ تَأْتِيَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَاَتَيْتُهٗ
فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهٖ وَ
اَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ كَانَ
مِثْلُ جَبَلِ اُحُدٍ ذَهَبًا اَوْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا تُنْفِقُهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ
حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ فَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ
لِيُصِيْبَكَ وَاَنَّكَ اِنْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا دَخَلْتَ النَّارَ ۔

قَالَ الْعَلَّامَةُ مُلَّا عَلِي الْقَارِيْ فِيْ شَرْحِ الْمِشْكٰوةِ فَصَارَ الْحَدِيْثُ مَرْفُوْعًا مِنْ طَرِيْقِ زَيْدِ بْنِ
ثَابِتٍ وَقَالَ اَيْضًا قَوْلُهٗ اَيْ قَوْلُ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ اَيْ حَزَازَةٌ
وَاضْطِرَابٌ عَظِيْمٌ مِنْ جِهَةِ اَنَّ الْقَضَاءَ وَالْقَدَرَ بِاعْتِبَارِ الْعَقْلِ لَا يُوْجِبُ الْعَقْلَ

ہوگا اور آپ کیلئے کوئی مانع نہیں کہ آپ میرے بھائی عبداللہ بن مسعود کے پاس جاکر اس کے متعلق دریافت
کریں پس میں عبداللہ بن مسعود کے پاس آیا اس نے بھی وہی ذکر کیا جو ابی بن کعب نے کہا تھا اور اس
نے کہا آپ کیلئے کوئی ڈر نہیں کہ آپ حذیفہ کے پاس جاکر اس کے متعلق سوال کریں اس نے بھی ان دونوں
کی طرح ذکر کیا اور اس نے کہا آپ پر کوئی تنگی نہیں کہ آپ زید بن ثابت کے پاس جائیں میں اس کے پاس
آیا پس اس نے کہا سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے تھے اگر اللہ تعالیٰ زمین و آسمان
والوں کو عذاب کرے تو ان کو عذاب کرے گا اور ظالم نہ ہوگا اور اگر ان پر رحم کرے تو اس کی رحمت ان کیلئے
ان کے اعمال سے بہتر ہوگی اور اگر تیرے لئے احد پہاڑ جتنا سونا ہو جسے تو اللہ کی راہ میں خرچ کردے
اللہ تعالیٰ تجھ سے قبول نہیں کریگا جب تک کہ تو تقدیر پر ایمان نہ لائے گا پس جان لے تو جو تجھے مصیبت
نہیں پہنچی وہ تجھے پہنچنے والی نہ تھی اور جو تجھے پہنچ گئی وہ تجھ سے دور اور خطا نہ کرسکتی تھی اور اسمیں
کوئی شک نہیں اور اگر تو اس پر ایمان لانے کے علاوہ مرگیا تو آگ میں داخل ہوگا، علامہ ملا علی قاری مشکوۃ
کی شرح میں فرماتے ہیں پس ہوگئی حدیث مرفوع زید بن ثابت کے طریق سے اور قاری نے یہ بھی کہا
ہے کہ ابن دیلمی کا قول، وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِنَ الْقَدَرِ کا معنی ہے میرے دل میں حرکت اور بڑا اضطراب
واقع ہوگیا قضاء و قدر کے متعلق عقل کے اعتبار سے یہ شبہ تھا نقل کے اعتبار سے نہ تھا اور حافظ ابن

وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ اَيْ مِنْ بَعْضِ شُبَهِ الْقَدَرِ الَّتِيْ رُبَّمَا جَرَّتِ الشَّخْصَ اِلَى الشِّرْكِ فِيْهِ كَاعْتِقَادِ اَنَّ الْاِنْسَانَ يَخْلُقُ فِعْلَ نَفْسِهِ كَمَا قَالَتِ الْمُعْتَزِلَةُ وَاَنَّهُ مَجْبُوْرٌ عَلَى الْفِعْلِ كَمَا قَالَتِ الْجَبْرِيَّةُ فَكَيْفَ يُعَذَّبُ وَاَنَا اُرِيْدُ الْخَلَاصَ مِنْ هٰذَا الْبَحْثِ فَحَدِّثْنِيْ بِشَيْءٍ بِحَدِيْثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُذْهِبَهُ عَنْ قَلْبِيْ اَيْ رَجَاءَ اَنْ يُزِيْلَ ذٰلِكَ عَنِّيْ وَقَالَ اَوَّلًا فِيْ نَفْسِيْ وَثَانِيًا مِنْ قَلْبِيْ اِشْعَارًا بِاَنَّ ذٰلِكَ تَمَكَّنَ مِنْهُ وَاَخَذَ بِمَجَامِعِهِ وَذَاتِهِ وَلِذَا قَالَ الطِّيْبِيُّ وَالْاَظْهَرُ اَنَّ الْحَزَازَةَ تَنْشَأُ مِنَ الْخَطَرَاتِ النَّفْسِيَّةِ وَالثَّبَاتُ وَالْاِطْمِيْنَانُ مِنَ الصِّفَاتِ الْقَلْبِيَّةِ ۔ فَقَالَ لَهُ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُفْتِيًا اِيَّاهُ بِالْبَيَانِ الشَّافِيْ وَنِهَايَةِ الْاِرْشَادِ الْوَافِيْ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوٰتِهِ اَيِ الْمَلٰئِكَةَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَهْلَ اَرْضِهِ اَيِ الْاَنْبِيَاءَ وَالْمُرْسَلِيْنَ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ الْحَدِيْثُ قَالَ الطِّيْبِيُّ وَفِيْ سُؤَالِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ وَاتِّفَاقِهِمْ فِيْ

حجر فرماتے ہیں کہ تقدیر کے متعلق شبہات میں سے کوئی شبہ ، وہ شبہات کہ اکثر اوقات انسان کو اس میں شرک کی طرف تک کھینچ لاتے ہیں جیسے یا تو وہ کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے جیسے کہ معتزلہ نے کہا ہے اور یہ شبہ کہ بیشک انسان کام پر مجبور ہے جیسے کہ جبریہ فرقہ نے کہا ۔ پس اس وقت اسے کیسے عذاب دیا جائیگا اور میں اس بحث سے نکلنے کا ارادہ کرتا ہوں پس اس لئے آپ مجھے کوئی حدیث نبوی بتائیں شاید کہ اللہ تعالٰی اسے میرے نفس سے دور کر دے یعنی اس امید پر کہ اللہ اسے مجھ سے دور کر دے ابن دیلمی نے پہلے فی نفسی (میری جان میں) اور دوسری دفعہ من قلبی (میرے دل سے) کے لفظ یہ معلوم کرانے کیلئے کہے کہ بیشک یہ شبہ اس سے پختہ ہوگیا ہے اور اس کے دل کے تمام گوشوں کو اس نے پکڑ لیا ہے اور اس کی ذات میں داخل ہوگیا ہے اور اسی طرح طیبی نے معنی کئے ہیں ، اور ظاہر بات یہ ہے کہ اس کے نفس خطرات سے حرکت و اضطراب پیدا ہوا اور دل کی صفت ثبات و طمینان تھی ابی ابن کعب نے خدا سے انتہائی شافی بیان کو تلاش کرتے ہوئے اور انتہائی راہنمائی کرکے جواب دیا کہ اگر بیشک اللہ سبحانہ و تعالٰی بالفرض آسمان والوں مقرب فرشتے اور زمین والوں انبیاء و رسل کو عذاب دے تو ان کو عذاب دیگا اور وہ ظالم نہ ہوگا ، الحدیث ، طیبی نے کہا ہے کہ ابن دیلمی کے صحابہ میں سے ایک کے بعد دوسرے سے پوچھنے میں اور ان کے جواب میں متفق ہونے میں بغیر کسی تغیر کے اور پھر آخر کی

الجواب من غير تغيير ثم ترتيبها. الجواب الحديث حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ودليل على ذلك الإجماع المستند إلى النص فمن خالف في ذلك فقد عاند الحق وقوله ولو عذبهم لعذبهم وهو غير ظالم لهم المراد فيه الجائي أي لأنه متصرف في ملكه ومملكته فعذابه عدل وثوابه فضل. وفيه إرشاد عظيم وبيان شاف لإزالة ما طلبه منه لأنه يهدم قاعدة الحسن والقبح العقليين لأنه مالك الجميع فله أن يتصرف كيف يشاء ولا ظلم فيه أشكال وأجيب عنه بأن لو الشرطية غير لازمة الوقوع وفيه دليل إلى أن الأمور الكائنة كلها منه سبحانه وتعالى خيرها وشرها حلوها ومرها نفعها وضرها قليلها وكثيرها كبيرها وصغيرها كلها بقضاء الله سبحانه وتعالى وإرادته وأمره وأنه ليس يحب فيها إلا الكسب ومباشرة الفعل والمراد هنا كمال الإيمان ومنها القبول ثم فقد يؤذن بأن المبتدعة لا تقبل أعمالهم أي لا يثابون عليها ما داموا على بدعتهم ويؤيده حديث أبى الله أن يقبل عمل صاحب بدعة حتى يتوب وفيه بأن المبتدعة ليسوا من المتقين لقوله تعالى إنما يتقبل الله من المتقين وأنه لا يحبهم فإن الله

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے میں دلیل ہے کہ اس کے حدیث ہونے پر اجماع ہے پس جو اس میں خلاف کرے گا اس نے حق سے سرکشی کی اور حدیث کے یہ الفاظ لو عذبہم لعذبہم وھو غیر ظالم میں مراد یہ ہے یعنی یہ ہو گا کیونکہ وہ اپنے ملک اور بادشاہی میں تصرف کرنے والا ہے پس اسلئے اسکا عذاب عدل ہے اور ثواب دینا فضل ٹھہرا اور اس جواب میں بڑی راہنمائی ہے اور بیان شافی ہے اس کی طلب کی گئی چیز کے ازالہ کیلئے کیونکہ یہ جواب عقلی حسن و قبح کے قاعدے کو گرا دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ ہر ایک کا مالک ہے پس اس میں اس کا حق ہے جیسے چاہے تصرف کرے اور ظلم نہ ہوگا اور اس میں ایک اشکال ہے اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لو شرطیہ چیز کے وقوع کو لازم نہیں ہے اور اس میں دلیل ہے اس بات کی طرف کہ بیشک تمام ممکنات امور اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہیں خواہ بہتر ہوں یا برے ہوں شیریں ہوں کڑوے ہوں، نفع مند ہوں ان کی تکلیف کم یا زیادہ ہو اور خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں تمام اللہ سبحانہ کی قضاء و قدر سے ہوتے ہیں اور بیشک بندے کیلئے ارادہ اور حکم ہے بندے کا تو کمانا اور فعل کو ملنا ہے اور یہاں مراد پورا ایمان ہے اور اسکی تائید یہ حدیث کرتی ہے خدا تعالیٰ بدعتی کے قبول عمل سے انکار کرتے ہیں جب تک وہ اپنی بدعت سے توبہ نہ کرے اور اس میں اس بات کا علوم

يجب المتقين انتهى كلام العلامة علي القاري في شرح المشكوة بلفظه۔
وقال العلامة أبو الحسن السندي في حاشيته على سنن ابن ماجة وقال الطيبي وفي الحديث إرشاد عظيم وبيان شاف لإزالة ما طلبه منه لأنه يهدم قاعدة الحسن والقبح العقليين ويبين فيه بأنه تعالى مالك الملك فله أن يتصرف في ملكه كيف يشاء ولا يتصور منه ظلم لأن حقيقة الظلم التصرف في ملك الغير ولا ملك لغير الله تعالى أصلا ثم بين بقوله ولو رحمهم كانت رحمته خيرا لهم من أعمالهم بأن النجاة من العذاب إنما هي برحمة الله عز وجل لا بالأعمال فالرحمة خير منها وقوله ولو كان لك مثل جبل أحد ذهبا أو مثل أحد ذهبا تنفقه في سبيل الله ما قبله الله منك حتى تؤمن بالقدر فيه إشارة إلى أنه لا قبول لعمل المبتدع عند الله وهو مبني على القول بكفر منكره انتهى كلام أبي الحسن السندي في حاشيته على ابن ماجة بلفظه۔

کرانا ہے کہ بدعتی لوگ متقیوں میں سے نہیں ہیں (علامہ قاری ملا علی کا کلام شرح مشکوٰۃ میں انہی کے الفاظ میں ختم ہوا) اور علامہ ابو الحسن سندھی سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں اور طیبیؒ نے کہا ہے اور حدیث میں بھی راہنمائی اور بیان شافی ہے ابن دیلمی کے طلب کردہ سوال کے ازالہ کیلئے کیونکہ اس سے عقلی حسن و قبح والا قاعدہ منہدم ہو جاتا ہے اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ تمام بادشاہی کا مالک ہے پس اس کا حق ہے کہ اپنی بادشاہی میں جیسے چاہے تصرف کرے اور اس سے ظلم نہ تصور کیا جائیگا کیونکہ ظلم کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ وہ غیر کے ملک میں تصرف کرنا اور غیر اللہ کے ملک میں تو بالکل کوئی چیز نہیں پھر آپ نے اپنے اس قول کہ اور اگر اللہ تعالےٰ ان پر رحمت کرے تو اسکی رحمت ان کیلئے اپنے اعمال سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی بیان فرمایا کہ بیشک عذاب سے نجات اللہ کی رحمت سے ہے نہ کہ اعمال کا نتیجہ۔ پس رحمت اعمال سے افضل ٹھہری اور آپ کے اس قول کہ اگر تیرے لئے احد پہاڑ جتنا سونا ہو یا احد کی مثل ہے تو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تب بھی اللہ تعالےٰ اسے قبول نہ فرمائیں گے جب تک تو تقدیر پر ایمان نہ لائیگا اس کی طرف کہ بدعتی کے عمل کا قبول کرنا اللہ کے ہاں نہیں ہے اس کی بنا اس پر ہے کہ تقدیر کا منکر کافر ہے ابوالحسن سندھی کا کلام ابن ماجہ کے حاشیہ والی انہی کے الفاظ میں ختم ہوا)

وفي الموطأ للإمام مالك رحمه الله تعالى عن يحيى بن سعيد الأنصاري قال صليت وراء أبي هريرة على صبي لم يعمل خطيئة قال في شرحه العلامة الزرقاني أي لم يبلغ الحلم مأخوذ من رفع القلم عن ثلاث فعد منها عن الصبي حتى يحتلم وقال عمر رضي الله عنه تكتب له الحسنات ولا تكتب عليه السيئات فسمعته يقول اللهم أعذه من عذاب القبر غير فتنته بدلائل من السنة الثابتة ولو عذب الله عباده أجمعين لم يظلمهم انتهى ملخصه وقال العلامة حجة الإسلام الغزالي في الإحياء في الجزء الأول ولله سبحانه وتعالى إيلام الخلق وتعذيبهم من غير جرم سابق خلافا للمعتزلة لأنه متصرف في ملكه ولا يتصور أن يعدو تصرفه ملكه إلى آخر ما قال به وفيه أيضا وأنه سبحانه وتعالى متفضل بالخلق والاختراع والتكليف لا عن وجوب ومتطول بالإنعام والإصلاح لا عن لزوم فله الفضل والإحسان والنعمة والامتنان إذ كان قادرا على أن يصب على عباده أنواع العذاب ويبتليهم بضروب الآلام والأوصاب ولو فعل ذلك لكان منه عدلا ولم يكن

مؤطا امام مالک میں یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی ایک معصوم بچے پر مؤطا شریف کے شارح علامہ زرقانی فرماتے ہیں کیونکہ وہ بلوغت سے پہلے مر گیا تھا یہ ماخوذ ہے حدیث قلم تین انسانوں سے اٹھالی گئی ہے پس آپ نے ان سے شمار کیا ہے بچہ محتلم ہونے سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور برائیاں نہیں لکھی جاتی پس میں نے حضرت ابی ہریرہ سے سنا آپ یہ دعا پڑھتے تھے یا اللہ اسے عذاب قبر سے بچا دے ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عذاب قبر عذاب قبر کے فتنہ سے الگ ہے اسکے سنت سے بہت دلائل ثابت ہیں اور اگر اللہ تعالےٰ اپنے تمام بندوں کو عذاب دے تو ان پر ظلم نہ کرے گا مقصد پورا ختم ہوا۔ حجۃ الاسلام علامہ غزالی احیاء العلوم جزء اول میں فرماتے ہیں اور اللہ سبحانہ کا حق ہے کہ مخلوق کو عذاب اور درد پہنچائے بغیر کسی پہلے گناہ کے بدلہ میں معتزلہ کے مسلک کے برعکس یہ معاملہ ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے ملک میں متصرف ہے اور اس کا ملک ختم نہیں ہوتا اگرچہ اس کا تصرف کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو جائے اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور اس میں سے اس کا یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہی پیدا کرنے ایجاد کرنے اور تکلیف کرنے کی وجہ سے فضیلت والا ہے یہ چیزیں اس پر واجب

منة منه سبحانه وفضلا كما أنه يثيب عباده المؤمنين على الطاعة بحكم كرمه لا بحكم الاستحقاق
والالتزام لا يجب عليه حق لأحد وإن حقه في الطاعة وجب على الخلق بإيجابه على ألسن أنبيائه
صلوات الله عليهم وسلامه إلى آخر كلام الإمام الغزالي فانظره فإن فيه الشفاء لمن كان على
شفا وأيضا إيلام الأطفال والدواب من غير جرم سابق منهم كما هو مشاهد في الأطفال أقوى
دليل في فعله سبحانه وتعالى ذلك بهم إلى الظلم فالقائلون بأن الله لو عذب عباده
الطائعين وأنعم على العاصين يكون ذلك ظلما منه سبحانه وتعالى عما يقول الظالمون
علوا كبيرا وليس لهم على ذلك دليل صحيح من كتاب الله ولا من سنة رسول
الله صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم وإنما نشأ ذلك من
فهمهم وذلك خلاف ما أخبر به سبحانه وتعالى من إثابة
المطيع وتعذيب العاصي وهو صحيح.

نہیں ہیں اور وہ انعام در صلاح کو زیادہ کرنیوالا ہے پر اس پر لازم نہیں بلکہ اسی کیلئے ہے تفضل کرنا۔ احسان کرنا نعمت
دینا اور نعمت کا جتلانا کیونکہ وہ قادر ہے اس پر کہ اپنے بندوں کو قسم قسم کے عذاب پہنچائے اور ان کو ہر قسم کے درد
اور دائمی بیماریوں سے ابتلا کر دے اور اگر وہ یہ کر دے تو اسکا عدل ہوگا اور یہ فعل اس سے قبیح اور ظلم کیوجہ سے
صادر نہ ہوگا اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ثواب دیگا طاعت کرنے پر کرم کیلئے اور استحقاق و التزام
کے وعدہ کیلئے اور اس پر کسی کا حق لازم نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسکا حق مخلوق پر لازم ہے کہ اس
کی اطاعت کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں کے ساتھ لازم کیا ہے علامہ
غزالی کے کلام آخر تک پس آپ اس کلام کو دیکھیں اس میں اس انسان کیلئے شفا ہے جو گڑھے کے کنارے پر کھڑا
ہو گمراہی کے، اور یہ بھی یاد رکھو اللہ تعالیٰ کا بچوں اور چارپاؤں کو درد پہنچانا ان کے سابق جرم کی وجہ سے نہیں ہے
کیونکہ وہ تو معصوم ہیں، جیسے کہ آپ اسکا مشاہدہ بچوں اور چارپاؤں میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فعل ان
کے ساتھ کرنا ظلم کی طرف منسوب نہ کیا جائیگا پس جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مطیع انسانوں کو عذاب
دے اور نافرمانوں کو انعام دے تو یہ اسکا ظلم ہوگا اللہ تعالیٰ منزہ ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں بہت برتر ہے اور انکی دلیل کتاب اللہ
اور سنت رسول اللہ میں نہیں ہے اور یہ تو صرف انکی اپنی سمجھ کا نتیجہ ہے اور یہ خلاف ہے اسکے جو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے کہ وہ

ولكن ليس ذلك منه على جهة الوجوب عليه سبحانه وتعالى ولانهم يقولون ان ذلك من باب الحسن والقبح العقليين وهذه قاعدة باطلة لا دليل على صحتها وهذه القاعدة هي التي بنى عليها المعتزلة وبعض الحنفية ذلك المذهب وقد قال العلامة المحقق العيني انها قاعدة باطلة ليست بحجة شرعية يجب قبولها كما سيأتي فالحاصل ان الذي نقلناه من كلام الائمة المحققين صريح في بطلان ما قاله المعتزلة وبعض الحنفية من جواز نسبة الظلم الى الله تعالى وهو رب الارباب ومما يدل على نفي وقوع ذلك منه سبحانه وتعالى ردا على النصارى قوله تعالى لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم قال سبحانه وتعالى في الرد عليهم قل فمن يملك من الله شيئا ان اراد الله ان يهلك المسيح ابن مريم وامه ومن في الارض جميعا قال العلامة سليمان الجمل في حاشيته على الجلالين وتفسير الاية ان اهلاكهم [illegible] مع حصول المقصود بالاقتصار على [illegible]

مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب دینا یہ درست ہے لیکن اس کا بطور جزا و سزا دینا واجب کے طور پر نہیں ہے اور چونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ عقلی حسن وقبح کے قبیل سے ہے اور یہ تو قاعدہ ہی باطل ہے اس کی صحت پر کوئی دلیل ہی نہیں علامہ محقق عینی فرماتے ہیں یہ قاعدہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے جس کا قبول کرنا واجب ہے جیسے کہ اس کی بحث عنقریب آئیگی پس حاصل کلام یہ ہے کہ ائمہ محققین کے کلام سے ہم نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ معتزلہ کے قول کے بطلان کیلئے صریح ہے اور بعض احناف کے قول کے بطلان کیلئے بھی صریح ہے جو کہ نسبت ظلم اللہ کی طرف کرتے ہیں حالانکہ وہ رب الارباب ہے اور اس کے وقوع کی نفی کے دلائل میں سے ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے جس میں اللہ تعالیٰ نصاریٰ کی تردید فرما رہے ہیں تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ بیشک اللہ ہی مسیح بن مریم ہے (الآیۃ) ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دے اگر اللہ تعالیٰ مسیح علیہ السلام اور اس کی والدہ اور تمام اہل ارض کو ہلاک کرنا چاہے تو کون انہیں بچھڑانے کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کی سے (الآیۃ) علامہ سلیمان الجمل جلالین کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں [illegible] سے تو تمام کے ہلاک کیلئے باوجودیکہ مقصود تو صرف مسیح ہی پر اقتصار کرنے سے حاصل تھا اس [illegible] کو [illegible] دینے کیلئے اور کمال تعجب کو ظاہر کرنے کیلئے ہے اس کے بیان کے ساتھ [illegible]

وإظهارًا لكمال العجب ببيان أن الكل تحت قهره تعالى وتخصيص أمه بالذكر مع اندراجها في ضمن من في الأرض لزيادة تأكيد عجز المسيح انتهى۔

وقال الإمام فخر الدين الرازي تحت قوله تعالى فمن يملك من الله شيئا إن أراد أن يهلك المسيح ابن مريم وأمه ومن في الأرض جميعا هذه جملة شرطية قدم فيها الجزاء على الشرط والتقدير إن أراد أن يهلك المسيح ابن مريم وأمه ومن في الأرض جميعا فمن ذا الذي يقدر أن يدفعه عن مراده سبحانه وتعالى ومقدوره؟ وقوله فمن يملك من الله شيئا أي فمن يملك من أفعال الله شيئا والملك هو القدرة والمعنى فمن ذا الذي يقدر على دفع شيء من أفعال الله تعالى ومنعه عن مراده تعالى وقوله ومن في الأرض جميعا يعني أن عيسى عليه السلام مشاكل لمن في الأرض في الصورة والجسمية والتركيب وتغير الصفات والأحوال فلما سلمتم كونه تعالى خالقا للكل مدبرا للكل وجب أن يكون سبحانه وتعالى أيضا خالقا لعيسى عليه السلام انتهى كلام الإمام فخر الدين الرازي بلفظه في تفسيره الآية الكريمة۔

جو خبر اس کے ضمن میں ہے اور اس کی والدہ کے ذکر کی تخصیص کرنا مسیح کے عجز کی تاکید کیلئے ہے باوجود کہ وہ من فی الارض میں داخل تھا (انتہی) اور امام فخر الدین رازی اللہ تعالیٰ کے قول (پس کون مالک ہے اللہ تعالیٰ سے چیز اگر وہ ارادہ کرے کہ مسیح علیہ السلام اور اس کی والدہ اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دے) کے تحت فرماتے ہیں جملہ شرطیہ ہے اس میں جزا شرط پر مقدم ہے اور تقدیر یہ ہے اگر ارادہ کرے کہ مسیح علیہ السلام اور اس کی والدہ اور تمام اہل ارض کو ہلاک کر دے پس کون ہے وہ انسان جو دفع کرے اللہ کے ارادہ کو اور اس کی مقدور کو اور اللہ تعالیٰ کا قول فمن یملک من اللہ شیئا یعنی کون مالک ہے اللہ کے افعال میں سے کسی کا اور ملک کا معنی طاقت ہے اور معنی یہ ہے کون ہے جو اللہ کے افعال میں سے کسی فعل کو دفع کرنے اور اس کے ارادہ کو منع کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کا قول اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کی مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اہل ارض کے ہم شکل ہیں صورت، جسمیت، ترکیب، اور صفات و احوال کے تغیر و تبدل میں پس کیوں تم نے اس کو اللہ کیا، غالب اور ہر چیز کا مدبر تسلیم کیا ہے ضروری ٹھہرا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کا بھی خالق ہو ختم شد امام غزالی کا کلام انہی کے الفاظ ہیں)

وممّا قاله العلامة سليمان الجمل في حاشيته على الجلالين والامام الفخر الدين الرازي في
بيان معناها من ان الكل تحت قهره حتى من هو افضل خلقه عيسى عليه السلام وجميع من
في الارض فكيف لا يقدر على فعل ما يريده فيهم اجمعين من حي او من ميت كان الجميع
تحت قهره وفي قبضته وفي ملكه وملكه يتصرف فيهم كيف يشاء ولا يسأل عما يفعل
ويفعل الله ما يشاء فلا خطر فيما يفعله سبحانه وتعالى من تعذيب المطيع واثابة العاصي
ولكنه لا يفعل ذلك بهم تفضلا واحسانا وجودا على عباده لا انه لا يقدر على ذلك فعلم من هذا
انه سبحانه وتعالى اوجب الاشياء ورتبها ترتيبا بديعا محكما لا يتحول عن ذلك الترتيب
لعدم التحول والتبديل في العلم لا انه لا قدرة له سبحانه وتعالى على التحويل و
التبديل والا لزم خروج بعض الممكنات عن حيز قدرته وذلك عجز تعالى الله عن
ذلك علوا كبيرا وعلى كل حال فتطويل الكلام والبحث في هذه المسألة والمناقشة
مع انها قضية فرضية لا وقوعية بالاتفاق تجب على جوازها فرضا لا وقوعا من

پس اس آیت کریمہ کی تشریح میں جو کچھ علامہ سلیمان الجمل نے جلالین کے حاشیہ پر اور علامہ رازی نے فرمایا
ہے کہ بیشک ہر چیز اس کے غلبہ کے تحت ہے حتی کہ اس کی مخلوق کا اشرف فرد عیسیٰ علیہ السلام بھی تابع ہے اور
تمام اہل ارض مطیع جب ہیں پس وہ کیسے طاقت نہیں رکھتا ان تمام کے بارے میں خیر و شر کے ارادہ پر کیونکہ
ہر چیز اس کے تسلط، قبضہ اور ملک میں ہے اور اپنے ملک میں جیسے چاہے تصرف کرے اس کے کام کا اس سے سوال نہ
کیا جائیگا اور اللہ جو چاہے کرے اس کا کام ظلم نہ ہوگا خواہ وہ مطیع کو عذاب دیوے یا عاصی کو ثواب دینا ہی
کیوں نہ ہو لیکن وہ ان پر فضل و احسان اور ان کے سخاوت کرنے کی غرض سے یہ کرے گا نہیں کہ وہ اس پر قادر
نہیں ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی ترتیب کو بڑے عمدہ طور مستحکم اور عجیب بنایا ہے وہ
اشیاء ترتیب سے پھرے گا نہیں کیونکہ اس کے علم میں پھرنا اور تبدیل نہیں ہے نہ کہ اس لئے کہ وہ اس پر قادر
نہیں تحول و تبدیل پر ورنہ بعض ممکنات کا اس کے قبضہ قدرت سے خروج لازم آئیگا اور یہ عجز کی بات ہے
اللہ تعالیٰ عجز سے بہت بلند و برتر ہے بہر حال یہ ایک فرضی قضیہ ہے اس کا وقوع نہ ہوگا اس لئے اس میں
بحث کلام کو طول دینا اور مناقشہ کرنا درست نہیں (اس کے وقوع نہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے) اس فرضی طور
پر جواز کتاب و سنت سے ملتا ہے وقوعی طور پر نہیں ملتا لیکن قرآن کی دلیل، حافظ ابن حجر فتح الباری میں

الکتاب والسنۃ۔ أما الکتاب فنقل الحافظ ابن حجر فی فتح الباری أن أھل السنۃ تمسکوا بقولہ تعالیٰ لا یسئل عما یفعل و یفعل اللہ ما یشاء وأما السنۃ فحدیث ابن الدیلمی الذی تقدم ذکرہ مع ما قال فیہ شراحہ وقال بمضمونہ المحققون من أھل السنۃ کالمازری والمھلب والحافظ ابن حجر وابن عبد البر وأفتی بمضمونہ بعض أجلاء علماء الصحابۃ کأبی بن کعب وحذیفۃ وابن مسعود و زید بن ثابت وعمران بن حصین رضی اللہ عنھم حیث سئلوا عن القدر فأجابوا بمضمونہ من أنہ سبحانہ وتعالیٰ لو عذب أھل سمواتہ وأھل أرضہ لعذبھم وھو غیر ظالم لھم ولو رحمھم لکانت رحمتہ خیرا لھم من أعمالھم وثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسندا وتقدم أن الحافظ ابن حجر قال فیہ إن فیہ حجۃ علی المرجئۃ والمجبرۃ ونقلہ الإمام ابن تیمیۃ فی منہاج السنۃ وتلمیذہ ابن القیم فی

فرماتے ہیں اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کے قول: جس کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے [illegible] لیکن سنت کی دلیل پس وہ حدیث ابن دیلمی کی ہے جس کا ذکر شارحین کی تشریح کے ساتھ گزر چکا ہے اور اس کے مضمون کے مطابق محدثوں نے فرمایا تھا جیسے کہ مازری مہلب حافظ ابن حجر ابن عبدالبر وغیرہ اسی کے مضمون کے مطابق صحابہ میں سے بعض جلیل القدر علماء نے فتویٰ دیا تھا مثلاً ابی بن کعب حذیفہ، ابن مسعود، زید بن ثابت، عمران بن حصین رضوان اللہ علیہم اجمعین، جب کہ ان سے سوال قدر کے متعلق کیا گیا پس انہوں نے اس کے مضمون کے ساتھ جواب دیا کہ بیشک اگر اللہ تعالیٰ زمین و آسمان والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دیگا اس حال میں کہ وہ ظالم نہ ہوگا ان کیلئے اور اگر ان پر رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے ان کیلئے بہتر ہوگی اور یہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع ثابت ہو چکی ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے متعلق فرمایا تھا کہ بیشک اس میں دلیل مخالف ہے مرجئہ اور مجبرہ فرقہ پر اور اس حدیث کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے مفتاح دارالسعادۃ اور التبیان فی اقسام القرآن میں نقل کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے حافظ ابن قیم سے لیکر [illegible]

مفتاح دار السعادة وفي التبيان في أقسام القرآن ونقل الحافظ ابن حجر مرتضيا
له عن ابن القيم كما تقدم من كونه غير قابل للاحتجاج لما قال فيه بأن الوجه في
نسبته وقوع الظلم في ذلك إلى الباري سبحانه وتعالى مما تقشعر منه جلود
الذين يخشون ربهم ومما لا يليق نسبته إلى الباري تعالى فالتسليم بذلك والتفويض
فيه إلى الله عز وجل هو اللائق بالتقي الذي يدعي أنه من أهل السنة فإنه
سبحانه مالك الأمر كله القادر القاهر فوق عباده كل العالمين تحت قهره
وتصرفه يفعل فيهم ما يشاء من الإرادة كما اقتضاه وأراده وارتضاه لا يسأل عما يفعل
ويفعل ما يشاء. وقال العلامة ابن رجب في شرحه على الأربعين الحديث
النووي عند إيراده حديث يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته
بينكم محرما الحديث يعني أنه سبحانه وتعالى منع نفسه عن الظلم لعباده
كما قال وما أنا بظلام للعبيد وقال تعالى وما الله يريد ظلما للعالمين وقال

ہوئے نقل کیا ہے ہیں کہ یہ حدیث دلیل کے قابل نہیں اور وہ لوگ اسکے متعلق کہتے جو انہوں نے کہا ہے اور
یہ ظلم کی نسبت اس کی طرف معاملہ میں اس سے اپنے پروردگار سے ڈرنے والے بندوں کے جسم کے رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف حرام ہے بس اسے تسلیم کر لینا اور اس مسئلہ
میں اللہ ہی کی طرف سونپ دینا ہی لائق ہے ایک متقی کیلئے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اہل سنت سے ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک امر کا مالک اپنے بندوں پر غالب و قادر ہے سارا جہان اس کے غلبہ و تصرف کے
تحت ہے ان میں جو چاہے کرے اس کے فیصلے ارادے اور پسندیدہ کام کو کوئی روکنے والا نہیں اس
سے اس کے کام کے متعلق سوال نہ ہوگا وہ جو چاہے کرتا ہے، اور علامہ ابن رجب حدیث کی کتاب اربعین
نووی کی شرح میں حدیث «اے میرے بندو بیشک میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کیا ہے اور اسے
تم پر حرام ٹھہرایا (الحدیث)» وارد کرنے کے موقع پر فرماتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ظلم کرنے
سے اپنے نفس کو روک لیا ہے جیسے ارشاد باری ہے اور نہیں ہوں میں بندوں پر ظلم کرنے والا اور فرمایا اللہ
تعالیٰ نے: اور اللہ تعالیٰ جہانوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: بیشک اللہ تعالیٰ
ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اور جو بھی مومن ہو کر نیک کام کرے گا پس نہیں

تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وقال تعالى وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا فالهضم ان ينقص من حسناته والظلم ان يعاقب بذنوب غيره ومثل هذا كثير في القرآن وهو مما يدل على ان الله قادر على الظلم ولكن لا يفعله جودا وكرما واحسانا الى عباده وفنا فسر كثير من اهل العلم الظلم بانه وضع الاشياء في غير موضعها واما من فسره بالتصرف في ملك الغير بغير اذنه وقد نقل نحوه عن اياس بن معاوية فانهم يقولون ان الظلم مستحيل على سبحانه وتعالى غير متصور في حقه لان كل ما يفعله فهو متصرف في ملكه وبنحو ذلك اجاب ابو الاسود الدؤلي لعمران بن حصين حين سأله عن القدر واخرج ابوداؤد وابن ماجة من حديث ابي سنان عن وهب بن خالد الحمصي عن ابن الديلمي انه سمع ابي ابن كعب رضي الله عنه يقول ان الله لو عذب اهل سمواته واهل ارضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم كانت رحمته خيرا لهم

ڈرے گا وہ ظلم ونقصان سے پس ہضم کی تعریف یہ ہے اس کی نیکیاں کم کر دی جائیں اور ظلم یہ ہے کہ غیر کے گناہ کے جرم میں اسے سزا دی جائے اور ایسی آیات قرآن میں بہت ہیں اور وہ آیات ان دلائل سے ہیں جو کہ دلالت کرتے ہیں کہ بیشک اللہ ظلم پر قادر ہے لیکن یہ فعل وہ کرم سخاوت اور اپنے بندوں پر احسان کرتے ہوئے نہیں کریگا اور تحقیق اکثر اہل علم نے ظلم کی تعریف کی ہے چیز کا اس کے محل کے بغیر کسی دوسرے محل پر رکھنا اور لیکن وہ انسان جس نے اس کی تعریف کی ہے کہ غیر کے ملک میں اس کے اذن کے بغیر تصرف کرنا یہ تعریف ایاس بن معاویہ جیسے لوگوں سے منقول ہے پس وہ لوگ کہتے ہیں کہ بیشک ظلم اللہ پر محال ہے اس کے حق میں اس کا تصور ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جو بھی کریگا پس وہ اپنے ملک میں تصرف ہوگا اور ابوالاسود دؤلی نے بھی عمران بن حصین کو بھی اسی طرح کا جواب دیا تھا جب کہ اس نے اس سے تقدیر کے متعلق دریافت کیا تھا اور امام ابوداؤد وابن ماجہ حدیث لائے ہیں ابی سنان راوی ہیں وہب بن خالد حمصی سے وہ ابن دیلمی سے کہ اس نے ابی ابن کعب سے سنا وہ فرماتے تھے کہ بیشک اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین وآسمان والوں کو عذاب دے تو وہ انکو عذاب دیگا اور وہ ظالم نہ ہوگا اور ان پر رحمت کرے تو اس کی رحمت ان کیلئے ان کے عمال سے بہتر

مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَأَنَّهُ أَتَى ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ أَتَى زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذٰلِكَ وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَهْبُ بْنُ خَالِدٍ لَيْسَ بِذَاكَ الْمَشْهُورِ بِالْعِلْمِ وَقَدْ يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ لَوْ أَرَادَ تَعْذِيبَهُمْ لَقَدَّرَ عَلَيْهِمْ مَا يُعَذِّبُهُمْ بِهِ فَيَكُونُ غَيْرَ ظَالِمٍ حِينَئِذٍ لِكَوْنِهِ خَلَقَ أَفْعَالَهُمْ وَفِيهَا الظُّلْمُ وَلَا يَقْتَضِي وَصْفَهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بِالظُّلْمِ كَمَا لَا يُوصَفُ سَائِرُ الْقَبَائِحِ الَّتِي يَفْعَلُهَا عِبَادُهُ وَهِيَ خَلْقُهُ وَتَقْدِيرُهُ فَإِنَّهُ لَا يُوصَفُ بِأَفْعَالِ عِبَادِهِ فَإِنَّ أَفْعَالَ عِبَادِهِ مِنْ مَخْلُوقَاتِهِ وَمَفْعُولَاتِهِ وَهُوَ لَا يُوصَفُ بِشَيْءٍ مِنْهَا وَإِنَّمَا يُوصَفُ بِمَا قَامَ بِهِ مِنْ صِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ انْتَهَى كَلَامُ ابْنِ رَجَبٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِلَفْظِهِ وَلٰكِنْ قَوْلُهُ فِي إِسْنَادِ حَدِيثِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ وَهْبُ ابْنُ خَالِدٍ الْحِمْصِيُّ وَلَيْسَ بِالْمَشْهُورِ بِالْعِلْمِ فَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِي التَّقْرِيبِ وَهْبُ بْنُ خَالِدٍ الْحِمْيَرِيُّ أَبُو خَالِدٍ ثِقَةٌ مِنَ السَّابِعَةِ وَقَالَ فِي الْخُلَاصَةِ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِينٍ وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَأَخْرَجَ لَهُ أَبُو

افضل ہوگا۔ اور ابن دیلمی نے ابن مسعودؓ سے جا کر پوچھا انہوں نے ویسے ہی کہا پھر وہ زید بن ثابت کے پاس گیا تو انہوں نے اسے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی اور اس حدیث میں وہب بن خالد راوی علم میں قدرے مشہور نہیں ہے اور اسے اس پر محمول کیا جائیگا کہ اگر وہ ان کی تعذیب کا ارادہ کرے تو وہ ... اپنے ارادۂ تعذیب پر قادر ہے پس وہ ظالم نہ ہوگا اس وقت واسطے اس کے بندوں کے افعال کا خالق ہونے کے اور ان کے افعال میں سے ایک ظلم بھی ہے اور تمام کاموں کا خالق ہونا اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ ظلم اس کی صفت ہے جیسے اور دوسرے کام جن کو اس کے بندے کرتے ہیں اور وہ کام اللہ کی قدرت میں ہیں اور اس کی مخلوق ہیں اس کی صفت نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے افعال سے متصف ہے اپنے بندوں کے افعال سے متصف نہیں ہے کیونکہ بندوں کے افعال تو اس کے مخلوق و مفعول ہیں اور وہ تو صرف ان صفات و افعال کے ساتھ موصوف ہے جن کے ساتھ وہ قائم ہے ابن رجب کا کلام انہی کے الفاظ میں ختم ہوا لیکن ابن رجب کا ابن دیلمی والی حدیث۔ حدیث کے راوی وہب بن خالد حمصی کے متعلق کہنا کہ وہ علم کے ساتھ مشہور نہیں اس میں نظر ہے، حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں، وہب بن خالد حمیری ابو خالد ثقہ ہے ساتویں طبقہ کا انسان ہے اور "خلاصہ" میں فرماتے ہیں اسے ابن معین اور ابن ابی حاتم نے

داود والترمذي وابن ماجة ووثقه أبو داود وسعيد بن سنان الكوفي البرجمي بضم الجيم بينهما راء ساكنة أبو سنان الكوفي الأصغر نزيل قزوين وثقه ابن معين وابن أبي حاتم كذا في الخلاصة وقد أجاب أبو الأسود الديلي حين سأل عمران بن حصين عن القدر كما في صحيح مسلم فقال أرأيت عمران بن حصين أرأيت ما يعمل الناس اليوم ويكدحون فيه أشيء قضي عليهم ومضى عليهم من قدر ما سبق أو فيما يستقبلون مما أتاهم به نبيهم وثبتت عليهم الحجة فقال بل شيء قضي عليهم ومضى فيهم فقال له عمران بن حصين أفلا يكون ظلما فقال أبو الأسود ففزعت من ذلك فزعا شديدا فقلت كل شيء خلق الله وملك يده لا يسأل عما يفعل وهم يسألون قال أبو الأسود فقال لي عمران بن حصين يرحمك الله لم أرد بما سألتك إلا لأحزر عقلك ثم ذكر عمران بن حصين الحديث فاتفق عمران بن حصين أبا الأسود على

ثقہ بتایا ہے اور اسکی حدیث کو امام ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ لائے ہیں اور امام ابوداؤد نے اسے ثقہ بتایا ہے اور سعید بن سنان برجمی (جو اس روایت میں ہے) جیم کے ضمہ کے ساتھ اور ضمہ با کے ساتھ با اور جیم کے مابین راء ساکنہ ہے یہ ابوسنان کوفی اصغر قزوین میں کوچ کرکے آیا تھا اسے ابن معین اور ابن ابی حاتم نے ثقہ بتایا ہے خلاصہ میں بھی اسی طرح ہے اور ابوالاسود دؤلی نے عمران بن حصین کو جواب دیا تھا جب کہ اس سے دریافت کیا تھا جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں ہے عمران بن حصین نے کہا کہ آج کل جو لوگ کاموں میں کوشش کرتے ہیں اور دوسرے کام کرتے ہیں ان کے متعلق تقدیر اور حکم جاری ہو چکا ہے یا یہ وہ کام ہیں جو یہ کریں گے جو ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس لائے اور ان پر دلیل ثابت ہوگی پس ابوالاسود دؤلی نے جواب دیا بلکہ یہ ان کاموں سے ہیں جن کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جن کے متعلق حکم گزر چکا ہے عمران بن حصین نے کہا کیا یہ ظلم نہ ہو جائیگا ابوالاسود دؤلی کہتا ہے کہ میں اس بات سے سخت گھبرا گیا پس اسلئے میں نے کہا ہر چیز اس کی مخلوق اور اس کا ملک ہے اس کے کام سے سوال نہ کیا جائیگا ان لوگوں کے کاموں سے سوال ہوگا ابوالاسود کہتا ہے مجھے عمران نے کہا میں نے تو صرف اپنے سوال سے تیری کل عقل کو آزمانے کا ارادہ کیا تھا پھر عمران بن حصین کا اقرار کرنا عجب ہے کہ اس نے وہ تسلی جو اس کی سمجھ میں آگئی کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق اور اس کا

كما يُعلم بقوله كل شيء خلق الله وعملك بيده لا يسأل عما يفعل وهم يسألون فهذا الحديث أيضا
مما يقوي حديث ابن الديلمي على فرض ضعفه ولا يخفى ما بيّن لك مما ذكرنا من حال رجال
إسناده أنه حديث قابل للاحتجاج به كما قال الحافظ ابن حجر كما تقدم وفي الحديث رد على
المرجئة والقدرية وذكره ابن القيم كما تقدم في مفتاح دار السعادة وفي التبيان في
أقسام الله عز وجل في القرآن وعلى فرض ضعفه فالحديث الوارد في القدر يزيده
قوة لقوله صلى الله عليه وسلم وأن تؤمن بالقدر خيره وشره المروي في مسلم وغيره
المروي في مسلم وغيره والآيات القرآنية كقوله تعالى لا يسئل عما يفعل ويفعل الله
ما يشاء كما أجاب أبو الأسود الدؤلي لعمران بن حصين وقوله تعالى إن الله على كل
شيء قدير وكل ما ذكرنا يقوي حديث ابن الديلمي وقد تقدم أنه صرح بمضمونه
المازري والمهلب وابن عبد البر والحافظ ابن حجر ودعا عمران بن حصين

ملک ہے نہیں سوال ہوگا اس کے کام سے لیکن لوگوں سے ان کے اعمال کا سوال کیا جائیگا ۔ پس یہ
حدیث بھی ان دلائل سے ہیں جو ابن دیلمی کی حدیث کو تقویت دیتے ہیں جس کے رجال کے ضعف
کو تسلیم کرتے ہوئے ورنہ جو ہم نے اس حدیث کے رجال کے متعلق بیان کیا ہے اس سے آپ
کے لئے ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ حدیث قابل حجت ہے جیسے کہ ابن حجر نے کہا ہے جیسے مذکور ہو چکا ہے کہ اس
حدیث میں رد ہے مرجئہ اور قدریہ کا اور اسے ابن قیم نے بھی ذکر کیا ہے جیسے کہ مفتاح دار السعادۃ اور
التبیان فی اقسام اللہ میں گزر چکا ہے اور اس حدیث کے ضعف کو تسلیم کرنے پر بھی پس وہ
حدیث جو تقدیر کے متعلق مروی ہے اسے قوت زیادہ کرتی ہے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کیطرف اور یہ کہ اچھی بری تقدیر پر ایمان لائے ، مسلم شریف میں آتی ہے اور دوسری احادیث اور
آیات قرآنیہ بھی شاہد ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ، اس کے کام سے سوال نہیں کیا جائیگا وہ جو چاہتا
ہے کرتا ہے جیسے کہ ابو الاسود دؤلی نے عمران بن حصین کو جواب دیا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بیشک اللہ ہر
ایک چیز پر قادر ہے پس مذکورہ دلائل میں سے ہر ایک ابن دیلمی والی حدیث کو تقویت پہنچاتا ہے اور
یہ گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے مضمون کے ساتھ تصریح فرمائی ہے مازری مہلب ابن عبد البر اور

لِأَبِي الْأَسْوَدِ بِقَوْلِهِ رَحِمَكَ اللّٰهُ حَيْثُ عَدَّ فِي صِحَّةِ جَوَابِهِ فَلَوْ كَانَ جَوَابُ أَبِي الْأَسْوَدِ
عَلَى عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ لَمَا دَعَا لَهُ وَالْحَاصِلُ أَنَّ حَدِيثَ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ الْمَرْوِيَّ فِي سُنَنِ
أَبِي دَاوُدَ وَمُسْنَدِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ وَسُنَنِ ابْنِ مَاجَهْ حَدِيثٌ قَابِلٌ لِلْاِحْتِجَاجِ بِهِ فَإِنَّ أَقَلَّ
دَرَجَاتِهِ حَسَنٌ لِغَيْرِهِ وَهُوَ مِمَّا يُحْتَجُّ بِهِ كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِي عِلْمِ مُصْطَلَحِ الْحَدِيثِ
وَقَدْ نَظَمَ مَعْنَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ رَسْلَانَ شَارِحُ أَبِي دَاوُدَ فِي سَبْعِ مُجَلَّدَاتٍ تِلْمِيذُ
الْحَافِظِ ابْنِ حَجَرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِقَوْلِهِ۔

قَالَ شَارِحُ هٰذِهِ الْمَنْظُومَةِ وَهُوَ الْعَلَّامَةُ الْمُحَقِّقُ عَبْدُ الرَّؤُوفِ الْمَنَاوِيُّ
أَيْ وَلِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عِقَابُ مَنْ أَطَاعَهُ مِنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ بِفِعْلِ الْمَأْمُورَاتِ
وَتَرْكِ الْمَنْهِيَّاتِ كَمَا لَهُ أَنْ يُثِيبَ مَنْ عَصَاهُ وَأَنْ يُوَلِّيَ عَلَيْهِ أَيْ يُوَلِّيَهُ

حافظ ابن حجر نے اس عمران بن حصین کا ابو الاسود دؤلی کے لیے دعا کرنا جب کہ اس نے اس سے صحیح
جواب پایا پس اگر ابو الاسود کا جواب عمران بن حصین کے خلاف ہوتا تو وہ اس کے لیے دعا نہ کرتے اور
حاصل کلام یہ ہے کہ ابن دیلمی کی حدیث جو سنن ابی داؤد و مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں آتی
ہے وہ قابل حجت حدیث ہے پس کم از کم اس کا درجہ حسن لغیرہ کا ہے اور وہ قابل حجت ہے جیسے کہ
یہ قاعدہ علم اصطلاح حدیث میں ثابت ہے ابی داؤد کے شارح احمد بن رسلان اور ان کے
شاگرد حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے معنی کو تقریباً سات کتابوں میں ان اشعار کے ساتھ نظم بنایا

لَهُ عِقَابُ مَنْ أَطَاعَ كَمَا — يُثِيبُ مَنْ عَصَى وَيُولِي نِعَمًا
كَذَا لَهُ أَنْ يُولِمَ الْأَطْفَالَا — وَوَصْفُهُ بِالظَّالِمِ اسْتِحَالَا

۱: اسے اپنے مطیع کو سزا دینے کا حق حاصل ہے جیسے کہ وہ اپنے عاصی کو ثواب اور نعمتوں کا والی بنا سکتا
۲: اسی طرح اس کا حق ہے کہ بچوں کو درد پہنچائے اور اسے ظالم کے ساتھ موصوف کرنا محال ہے۔
اس نظم کے شارح فرماتے ہیں اور وہ شارح علامہ محقق عبد الرؤف مناوی ہیں فرماتے ہیں یعنی
اللہ سبحانہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اپنے بندوں میں سے مومن اور مطیع کو عذاب دے مامورات کو
کے کرنے سے اور منہی اشیاء سے رکنے سے اس نے اطاعت کی ہو جیسے کہ اسے حق ہے کہ اپنے نامی

نعما كثيرة عظيمة لانه ملكه يتصرف فيه كيف يشاء لكن لا يقع منه ذلك لاخباره سبحانه وتعالى باثابة المطيع وتعذيب العاصي وقول المعتزلة الغرض من التكليف التعريض للثواب من الله عز وجل بدليل قوله تعالى ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجري من تحتها الانهار والاضرار بما ليس باستحقاق ولا منفعة ظلم مردود بانه لا يعقل استحقاق التنعيم الدائم بمجرد كلمة ولا العذاب الشديد بمجرد شرب جرعة من خمر فالثواب انما هو فضل الله عز وجل وقد وعد المطيع بالثواب فهو يفي به من غير وجوب عليه لان الخلف في الوعيد لا يعد نقصا بل كرما يمتدح به كما دل عليه قوله وكذا له ان يؤلم الاطفال اي والدواب من غير جرم سابق ولا ثواب لاحق ومعنى كونه انه جائز عقلا خلافا للمعتزلة حيث لم يجوزوه الا بعوض جرم

کو ثواب دے اور اسے نعمتوں کا والی بنا دے یعنی اسے بے بہا نعمتیں دے کیونکہ وہ اس کا ملک ہے وہ اس میں کیسے چاہے تصرف کرے لیکن یہ کام اللہ سے واقع نہ ہوگا کیونکہ اس نے مطیع کو ثواب دینے اور عاصی کو عذاب دینے کی خبر دی ہے اور معتزلہ کا یہ قول کہ بندوں کو تکلیف دینی کاموں کی اس سے غرض اللہ تعالیٰ کی طرف ثواب کیلئے پیش کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ دلیل، اور جو بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ان باغات میں داخل کریں گے جن کے تحت نہریں جاری ہیں، اور تکلیف دینی بغیر مستحق اور نفع کے تو ظلم ہے، مردود ہے کیونکہ خالی ایک کلمہ شہادت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نعیم میں رہنا غیر معقول ہے اور اسی طرح مجرد ایک گھونٹ شراب کا پینے کی وجہ سے عذاب شدید معقول ہے پس ثواب دینا محض اللہ کا فضل و کرم ہے اور تحقیق اس نے مطیع کو وعدہ دیا ہے پس وہ اپنے وعدہ کو پورا کریگا اس پر واجب نہیں ہے اور وعدہ اخلاف میں وعدہ خلافی کرنا یہ تو کوئی نقص نہیں ہے بل اس کے ساتھ وہ ممدوح ہے جیسے کہ اس پر شاعر کا یہ قول، اور اسی طرح اسے بچوں کو درد پہنچانے کا حق حاصل ہے اور چارپاؤں کو سوائے کسی سابق جرم اور ثواب لاحق کے بغیر اور اس کے ہونے کا معنی یہ ہے کہ عقلاً یہ جائز ہے معتزلہ کے خلاف ہے جبکہ انہوں نے اسے جرم کے عوض کے بغیر جائز نہیں رکھا۔

لا یظلم مثقال ذرة، إن الله لا یظلم الناس شیئا، وما ربك بظلام للعبید، یا عبادی إنی
حرمت الظلم علی، وأما عقلا فلأن الظلم إنما یترتب عن نهی، ولا یتصور من الله عز وجل لأنه
تعالی مالك الأمور كلها یفعل ما یشاء فلا ظلم فی التعذیب ولا الإیلام مرضا ولا یتصور منه وضع
الشیء فی غیر محله وذلك مستحیل علی المحیط بكل شیء علما ومنه عرف أنه سبحانه
تعالی أوجد الأشیاء مرتبة ترتیبا بدیعا لا یتحول عن ذلك الترتیب لعدم
التحول والتبدیل فی العلم والتقدیر لأنه لا قدرة له علی التحویل والتبدیل وإلا
لزم خروج بعض الممكنات عن حیز قدرته، وذلك عجز تعالی الله عن ذلك، فثبت
استحالة وصفه سبحانه وتعالی بالظلم، وأن أفعاله واقعة علی وفق الحكمة. انتهی كلام
العلامة عبد الرؤف المناوی فی شرحه علی منظومة ابن رسلان فی العقائد والفقه. وقال
ابن أبی شریف الحنفی فی شرحه المسمی بالمسایرة علی المسامرة لابن الهمام فی علم العقائد واعلم

کے لحاظ سے سنا تو جیسا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیشک اللہ تعالیٰ ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بیشک
اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا اور تیرا پروردگار اپنے بندوں کیلئے ظالم نہیں ہے، اے میرے
بندوں میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے (حدیث) اور لیکن عقل کے لحاظ سے کیونکہ ظلم منہی کام کا ارتکاب
ہے اور اللہ عزوجل سے اسکا تصور بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام امور کا مالک ہے جو چاہتا ہے کرتا
ہے پس عذاب اور درد قرض طور پر تسلیم کر لینے میں کوئی ظلم نہیں اور اس لئے کہ ظلم چیز کو اپنے محل کے بغیر
میں رکھنے کو کہتے ہیں اور یہ کام اس ذات کیلئے محال ہے جس نے ہر چیز کو علم کے لحاظ سے گھیرا ہوا ہے اور اس
سے معلوم ہو گیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو بڑی عمدہ ترکیب میں مرتب فرمایا ہے وہ اس ترتیب
کو تبدیل نہ کرے گا اور نہ ہی پھیرے گا کیونکہ اس کے علم و قدرت میں تبدیلی و تحویل غیر موجود ہے ورنہ
بعض ممکنات مخلوق کی قدرت کے احاطہ سے خروج لازم آئیگا اور یہ عاجزی ہے اللہ اس سے بلند
و برتر ہے پس ثابت ہو گیا کہ اللہ کی صفت ظلم لانا محال ہے اور اس کے افعال حکمت کے موافق واقع
ہوتے ہیں علامہ عبدالرؤف مناوی کا کلام ابن رسلان کے فقہ و عقائد والی نظم کی شرح والی ختم ہو گئی،
اور ابن ابی شریف حنفی اپنی مسایرہ نامی کتاب جو کہ علامہ ابن الہمام کی کتاب مسامرہ عقائد کے علم
میں شرح ہے اس میں فرماتے ہیں اور جان لو کہ جب احناف نے محال سمجھا کہ اللہ تعالیٰ تکلیف

أن الحنفية لما استحالوا على الله عز وجل تكليف ما لا يطاق فهم أي الحنفية لتعذيب المطيع
الذي استغرق عمره في الطاعة مع حال كونه مخالفا لهواه متبعا في رضا مولاه وسيده أمنع
أي فالحنفية بتعذيب المطيع المؤمن المذكور أي إنهم أولى بالمنع من تكليف ما لا
يطاق فهم أي الحنفية مخالفون للأشاعرة في ذلك القائلين بأن له سبحانه وتعالى
على ما مر تقريره قال الله تعالى لا يسأل عما يفعل ثم منع الحنفية ذلك بمعنى أنه لا
يجب عليه تركه كما تقول المعتزلة بل بمعنى أنه سبحانه وتعالى يتعالى عن ذلك لأنه
غير لائق بها فهو من باب التنزيهات إذ التسوية بين المسيء والمحسن أم حسب
الذين اجترحوا السيئات أن نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصالحات سواء محياهم ومماتهم
قبحه تعالى أي جعل حكمهم بأنهم كالذين آمنوا وعملوا الصالحات في استواء محياهم ومماتهم
المطيع والكافر محكما سيئا أي قبيحا وهذا الذي ذكره المصنف في التجويز أي تجويزا لوقوع

مالا يطاق دے پس اسلئے وہ احناف اشاعرہ کے مخالف ہیں جو کہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ مطیع کو
عذاب اور عاصی کو ثواب دے سکتا ہے اور یہ اس کا ظلم نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کا صدور محال ہے
جیسے کہ ان کی تقریر ہو چکی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سوال کیا جائیگا اس کے کام سے پھر احناف نے
اس معنی کو منع کیا ہے کہ اللہ پر اس کا ترک واجب نہیں ہے جیسے کہ معتزلہ نے کہا ہے بلکہ یہ کام
اسے لائق نہیں پس یہ تنزیہات کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ برے اور خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تصریح
فرمائی ہے کہ یہ قبیح ہے جہاں کہ اللہ نے فرمایا ہے کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے برے
اعمال کیے کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کی طرح کر دیں کہ ان کا مرنا اور جینا برابر
ہو جائے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں وہ بہت برا ہے پس اللہ تعالیٰ نے ان کے حکم کو مومنوں
اور نیک اعمال والوں کے ساتھ موت اور زندگی میں برابر ہو جائیں کو برا حکم ٹھہرایا ہے
یعنی قبیح حکم اور یہ جو مصنف مسامرہ (ابن ہمام) نے اللہ کا محسن کو عذاب دینے کو جواز کا ذکر
کیا ہے یا تو عقلی طور پر ہے اور یہ جائز کرنا ذکر فرمایا ہے اور رہا پھر وقوع اس کا یعنی اس
کا وقوع اللہ تعالیٰ سے پس اس کا نہ ہونا یقینی ہے اتفاقاً، فرق صرف اتنا ہے کہ اشاعرہ
کے ہاں تو اس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی

أي وقوع ذلك منه تعالى فمقطوع بعدمه منه سبحانه وتعالى وفاقا غير أنه عند الأشاعرة
للوعد بخلافه فإنه سبحانه وتعالى وعد في الكتب المنزلة وعلى ألسن رسله بإثابة المطيع
أي ووعده حق لا خلف فيه وعند الحنفية لذلك الوعد وللقبح خلافه أي خلاف
الموعود من الإثابة وقد تقدم أن محل الاتفاق في الحسن والقبح العقليين إدراك
العقل قبح الفعل أي صفة النقص وحسنه بمعنى صفة بمعنى صفة الكمال وكثيرا ما يذهل
أكابر الأشاعرة عن ذلك النزاع في مسألتي التحسين والتقبيح لكثرة ما في أنفسهم
إنه لا حكم للعقل بقبح ولا حسن فذهب لذلك عن خاطرهم محل الاتفاق وهو
الحسن بمعنى صفة الكمال والقبح بمعنى النقص انتهى كلام ابن أبي شريف في المسامرة
مع شرحه المسمى بالمسايرة۔
لكن قول الحنفية لأنه خلاف الموعود يعني لأنه وعد سبحانه وتعالى أهل الطاعة بالثواب وأهل
المعاصي بالعقاب ووعده تعالى صدق لا خلف فيه فهذا القول من الحنفية صحيح من أن يجعل

منزلہ کتابوں اور رسولوں کی زبانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مطیع کو ثواب دے گا اور اللہ کا وعدہ
حق ہے اس میں خلاف نہیں ہے اور حنفیہ کے ہاں وعدہ خلافی کے لئے وقوع معدوم ہے اور
اللہ کے برابری کو قبیح سمجھنے کیلئے کیونکہ وعدہ تو ثواب کا دیا گیا ہے اور تحقیق گزر چکا ہے کہ عقلی حسن
وقبح کا محل اتفاق، یعنی عقل کا فعل کے نقص کو پالینا یعنی اس کے نقص کو پالینا مراد ہے اور اس
فعل کے حسن کو پالینا اس سے مراد اس کی صفت کمال کو پالینا ہے اور اکثر و بیشتر بڑے اشاعرہ
تحسین و تقبیح کے جھگڑے میں غفلت سے کام لیا ہے کیونکہ ان کے نفوس میں عام طور پر یہ چیز ہے
کہ عقل کو اشیاء کے حسن و قبیح میں کوئی حکم نہیں ہے پس اس وجہ سے ان کے دلوں سے محل اتفاق نکل
گیا اور وہ ہے حسن صفت کمال کے معنی میں ہے اور قبیح نقص کے معنی علامہ ابن ابی شریف کا کلام
علامہ ابن ہمام کی کتاب مسامرہ کی شرح مسایرۃ میں ختم ہو گیا لیکن حنفیہ کا یہ کہنا کہ ظلم کا وقوع معدوم
ہے کیونکہ یہ موعود کے خلاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے مطیع کے ثواب اور عاصی کے عقاب کا وعدہ فرمایا ہے
پس اللہ کا وعدہ سچا ہے اس میں خلاف نہیں ہے پس یہ احناف کا قول بالکل صحیح ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے

تعالیٰ صدق لا خلف فیه لکن لیس تمام ذلك بواجب علیه تعالیٰ بل بمحض الفضل والکرم لا بمعنی الوجوب کما تقوله المعتزلة لأنه لا یجب علیه لأحد شيء فلو عذب جمیع عباده الطائعین والعاصین کان عدلا منه ولا یوصف بالظلم بذلك لأن الجمیع ملکه وتحت قهره یفعل فیهم ما یشاء لا یسأل عما یفعل ولکنه قد أخبر أنه لا یفعل ذلك فضلا منه وإحسانا إلی عباده المؤمنین لا أن ذلك واجب علیه سبحانه وتعالیٰ کما تقوله المعتزلة إذ لا یجب لأحد علیه شيء فالنجاة من العذاب والفوز بالجنة إنما هو برحمة الله عز وجل لا بالأعمال وأما قول ابن أبي شریف فذهب عن خاطره أن محل الاتفاق هو الحسن والقبح بمعنی صفة الکمال وصفة النقص فالجواب أن الأشاعرة لا یمیلون إلی هذه القاعدة وکذا المحققون من الحنفیة وإنما یمیل إلیها من الحنفیة من وافق رأیه رأي المعتزلة قال العلامة العیني في شرحه علی البخاري في باب قول الله عز وجل إن رحمة الله قریب من المحسنین حیث ذکر

اس میں خلاف نہیں، بلکہ محض اس کے فضل و کرم کے ساتھ ہے نہ کہ وجوب کے معنی کے لئے جیسے کہ معتزلہ کا کہنا ہے کیونکہ اس پر کسی کیلئے کوئی شی واجب نہیں ہے پس اگر وہ اپنے تمام مطیع و فرمان بردار بندوں کو عذاب کرے اور عاصیوں پر انعام کرے پس یہ اس کا عدل ہوگا اور وہ ظلم کے ساتھ موصوف نہ ہوگا اس کی وجہ سے کیونکہ ہر ایک چیز اس کے زیر دست قدرت کا ملک اور اس کے تسلط میں ہے ان میں جو چاہے کرے لیکن اس نے خود خبر دی ہے کہ وہ ایسے کرے گا نہیں اپنے مومن بندوں پر فضل اور احسان کرتے ہوئے نہ یہ کہ اس پر واجب ہے جیسے کہ معتزلہ کا کہنا ہے کیونکہ اس پر کسی کیلئے کوئی شی واجب نہیں ہے۔ پس عذاب سے نجات اور بہشت سے کامیابی پانا صرف اللہ کے فضل کیوجہ سے ہے نہ کہ اعمال کیوجہ اور لیکن ابن ابی شریف کا کہنا کہ اشاعرہ کے دل سے محل اتفاق چلا گیا ہے یعنی حسن و قبح صفت کمال اور نقص کے ساتھ پس اس کا جواب یہ ہے کہ اشاعرہ اس قاعدہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے اور اسیطرح احناف سے محقق علماء بھی نہیں مائل ہوتے، اور حنفیہ سے تو صرف وہی لوگ اس قاعدہ کی طرف مائل ہوتے ہیں جو معتزلہ کے موافق ہوتے ہیں علامہ عینی اپنی بخاری شریف کی شرح میں فرماتے ہیں اللہ کے قول إن رحمة الله قریب من المحسنین والے باب میں جہاں کہ امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی ہے

البخاري حديث وأما النار فإن الله ينشئ لها من يشاء أي يخلق لها وليوجد لها.

وقال القابسي المعروف في هذا الحديث أن الله ينشئ للجنة وأما النار فيضع فيها قدمه قال ولا أعلم في شيء من الأحاديث أنه ينشئ للنار خلقا إلا في هذا وقيل هذا موضع من الراوي إذ التعذيب على غير ذنب مخالف لكرم الله عز وجل بخلاف الانعام على المطيع وقال الكرماني ولا محذور في تعذيب الله عز وجل من لا ذنب له إذ القاعدة القائلة بالحسن والقبح العقليين باطلة فلو عذب الله المطيع لكان عدلا والانشاء للجنة لا ينافي الانشاء للنار والله يفعل ما يشاء فلا حاجة إلى الحمل على الوهم انتهى كلام العيني بلفظه.

وقال العلامة المحقق علي القاري في شرح المشكوة كما تقدم في الحديث اشارة عظيمة لا زائد ما طلب منه لانه يهدم قاعدة الحسن والقبح العقليين انتهى. ومثل ذلك ذكر ابو الحسن السندي في حاشيته على سنن ابن ماجة كما تقدم في شرحه حديث ابن الديلمي السابق من قريب انتهى والله اعلم وحديث

اور لیکن آگ پس اللہ تعالیٰ اس کیلئے جس کو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے یعنی اس کیلئے ان کو موجود کر دیتا ہے حدیث، فرماتے ہیں اور کہا قابسی نے کہ مشہور تو اس حدیث میں یہی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ پیدا کرے گا جنت کیلئے اور لیکن آگ اس میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک رکھیں گے وہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آگ کیلئے مخلوق کو پیدا کیا گیا ہو جیسے کہ مسلم شریف میں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ مطیع کو عذاب دینا اللہ عزوجل کے کرم کے منافی ہے بخلاف انعام کرنے کے مطیع پر کرمانی کہتا ہے اللہ تعالیٰ کے بےگناہ کو عذاب دینے میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ حسن وقبح عقل کو قبول کرنے والا باطل ہے پس اگر اللہ تعالیٰ نے مطیع کو عذاب دے تو انصاف ہوگا اور جنت کیلئے پیدا کرنا آگ کیلئے پیدا کرنے کے مخالف نہیں ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتے ہے پس اسے راوی کے وہم پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں علامہ عینی کا کلام انہی کے الفاظ میں ختم ہوا اور علامہ محقق ملا علی قاری مشکوٰۃ کی شرح میں فرماتے ہیں جیسے گزر چکا ہے کہ حدیث میں اس کے مطلوب کیلئے بڑی راہنمائی ہے کیونکہ یہ عقلی حسن وقبح کے قاعدہ کو منہدم کر دیتا ہے (ختم ہوا کلام) اور اسی طرح علامہ ابوالحسن سندھی نے ابن ماجہ کے حاشیہ پر فرمایا ہے جیسے ابن دیلمی کی حدیث گذشتہ کی تشریح میں بھی صریح گزر چکا ہے اور اللہ زیادہ

ابن الدیلمی السابق مریح فی انہ لا یجب لاحد من العباد علی اللہ شیء وکذلک الحدیث الوارد فی القدر خیرہ وشرہ من اللہ وان تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ من اللہ ایضا فقد افتی بمضمون حدیث ابن الدیلمی ابی بن کعب وحذیفۃ وعبد اللہ بن مسعود وعمران بن حصین مصرحین برفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ولم یثبت ان احدا من الصحابۃ خالفہم فی ذلک وقد قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری فی کتاب الاعتصام فیتبع فی الاول الکتاب ثم السنۃ فاذا لم یوجد فما قالہ الصحابۃ رضی اللہ عنہم اذ ہم بکتاب اللہ اعلم ونزل بلسانہم وقد وجد بحمد اللہ فی ہذہ المسائل ما قالہ بعض الصحابۃ فلو کان لہم فی ذلک مخالف لنقل والاصل عدمہ فما افتی بہ المذکورون من الصحابۃ واعتقدوہ وارتضوہ لانفسہم ہو اللائق بالاعتقاد وعدم الالتفات الی ما سواہ والآیات القرآنیۃ والاحادیث النبویۃ

عالم ہے اور ابن دیلمی کی سابق حدیث اس معاملہ میں صریح ہے کہ بیشک بندوں میں سے کسی ایک کیلئے اللہ پر کچھ واجب نہیں ہے اور اسی طرح تقدیر والی حدیث ہے اور اس حدیث میں بھی ہے کہ تو بری اور بھلی تقدیر پر ایمان لائے اور ابن دیلمی کی حدیث کے مضمون کے ساتھ ابی بن کعبؓ حذیفہؓ عبداللہ بن مسعود اور عمران بن حصین نے بھی فتویٰ دیا ہے اور حضرت زید بن ثابتؓ نے اس کے مرفوع ہونے کے ساتھ تصریح فرمائی ہے اور پتہ نہیں چلا کہ ان کی صحابہؓ سے کسی نے مخالفت کی ہو اور تحقیق حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کتاب الاعتصام میں فرماتے ہیں کہ پس اتباع کرے انسان کتاب اللہ کی پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پس جب یہ دونوں معدوم ہوں پس صحابہ کے اقوال رضوان اللہ علیہم اجمعین کیونکہ وہ کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں اور انہی کی زبان میں نازل ہے اور الحمد للہ اس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال پائے گئے ہیں پس اگر ان کا کوئی اس معاملہ میں مخالف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور اصل معدوم ہی ہے پس جو مذکور صحابہؓ نے فتویٰ دیا ہے اور جس کے معتقد ہیں اور اپنے لئے جس کو پسند کیا ہے وہ اعتقاد کے لائق ہے اور اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف التفات نہ کرنا اور قرآنی آیات اور احادیث نبوی صریح ہیں کہ اللہ عزوجل کی مشیت اپنے تمام ارادوں میں ہے

المصرحة بأن المشيئة لله عز وجل في جميع ما يريده فوهن حديث ابن التيمي وتقويته
من غرض عدم صلاحيته للاحتجاج ولا ينفي نفي عدم انه قابل للاحتجاج بها والله
عز وجل أعلم۔

واما قول بعضهم ان اهل السنة فرقتان فمختلف فان اهل السنة هم المتمسكون
بما صح في كتاب الله عز وجل وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم وما جاء عن الصحابة رضي
الله عنهم ولا التفات الى ما خالف ذلك ۔ وان جل قدره فانه ليس لهم في
ذلك الا مفاهيم فهموها ليست بحجة في مقابلة النص الصريح في القرآن و
الحديث بأن المشيئة لله عز وجل في جميع ما يريده فالواجب على من يزعم
انه من اهل السنة العمل بما صح في كتاب الله وسنة رسول الله صلى
الله عليه وسلم والقيام بما يجب لله عز وجل وانه يفعل ما يشاء
لانه مالك الامر على الاطلاق بيده الملك لا مانع لما اعطى ولا معطي لما منع لا

وہن دلیل کی حدیث کی تائید کرتی ہیں اور اس کو تقویت پہنچاتی ہیں اگر بالفرض اس حدیث کو قابل احتجاج
تسلیم کریں ورنہ گزر چکا ہے کہ یہ قابل احتجاج ہے اور اللہ عزوجل زیادہ عالم ہے، اور لیکن بعض کا
قول کہ اہل سنت کے دو فرقے ہیں پس یہ چیز ڈرانے والی نہیں ہے بیشک اہل سنت ہی صحیح کتاب
اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوال صحابہؓ کو مضبوط پکڑتے ہیں اور جو اس کے
مخالف ہیں اس کی طرف التفات نہیں ہے اگرچہ اس کی قدرت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو کیونکہ ان کیلئے
چند مفاہیم کے علاوہ کچھ نہیں ہے انہوں نے انہیں سمجھا ہے وہ نص صریح کے مقابلہ میں دلیل نہیں ہے جو قرآن
وحدیث میں ہے کہ بیشک اللہ کی مشیت اس کے ہر ارادہ والے کام میں ہے پس ہر وہ انسان جو گمان کرتا ہے
کہ وہ اہل سنت سے ہے اس پر واجب ہے عمل کرنا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے صحیح ہوا اور عمل کرنا
اس پر جسے اللہ تعالیٰ واجب کرے اور بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے کیونکہ وہ مطلق طور پر تمام امور
کا مالک ہے اس کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں اور اس کی منع کردہ کو کوئی دے نہیں سکتا اور کسی کے
جدہ سے اللہ اس پر کوئی شئی واجب نہیں ہے بلکہ وہی کام کرنیوالا اکیلا ہے اور جو ارادہ کرے اس پر
کام کرنیوالا ہے اور بحوار اس کے خلاف کہتا ہے اس کی طرف کوئی التفات نہیں ہے اور نہ ہی

شَيْءٌ يَجِبُ عَلَيْهِ لِأَحَدٍ مِنْ عِبَادِهِ بَلْ هُوَ الْفَاعِلُ الْمُخْتَارُ الْفَعَّالُ لِمَا يُرِيدُ وَحَسْبُهُمْ
الِالْتِفَاتُ إِلَى مَنْ يَقُولُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ وَلَا إِلَى مَنْ يَقُولُ بِقَاعِدَةِ الْحُسْنِ وَالْقُبْحِ
الْعَقْلِيَّيْنِ فَإِنَّهَا كَمَا تَقَدَّمَ قَاعِدَةٌ بَاطِلَةٌ لَا دَلِيلَ عَلَيْهَا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمَنْ
خَاضَ فِي بُحُورِهَا مَنْ قَالَ بِهَا ارْتَضَاهَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ دَلَائِلِ الشَّرْعِ بَلِ الدَّلِيلُ
مَا وَرَدَ بِهِ السَّمْعُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَإِيَّاكَ أَيُّهَا الْأَخُ الصَّادِقُ وَالْخَوْضَ فِي هٰذِهِ
الْمَسْأَلَةِ عَلَيْكَ بِكَفِّ لِسَانِكَ وَقَلَمِكَ فِيهَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْمَسَائِلِ الضَّرُورِيَّةِ
الَّتِي عَلَيْهَا الْمُعَوَّلُ وَعَلَيْكَ بِالتَّمَسُّكِ لِظَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنَ الدَّلَالَةِ
عَلَى أَنَّ الْمَشِيئَةَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي جَمِيعِ مَا يُرِيدُ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ دَعُوا
كُلَّ قَوْلٍ بَعْدَ قَوْلِ الْمُخْتَارِ فَمَا آمِنٌ فِي دِينِهِ بِمُخَاطِرٍ وَأَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يُوَفِّقَنَا
لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ وَأَنْ يَسْلُكَ بِالْجَمِيعِ طَرِيقَ النَّجَاةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعَالَمِينَ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَصَلَّى
اللّٰهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ
أَجْمَعِينَ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ آمِينَ۔

اس کی طرف التفات ہے جو عقلی حسن و قبح کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ یہ قاعدہ جیسے کہ مذکورہ باطل ہے کتاب و سنت سے
اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور جس نے اس قاعدہ کا اختیار کیا وہ اس کے سمندر میں غرق ہو گیا اور جس نے اسے
پسند فرمایا کیونکہ یہ دلائل شرعیہ سے نہیں ہے بلکہ دلیل وہی ہے جو کتاب و سنت سے منقول ہو پس اے سچے بھائی اس
مسئلے سے دور رہنا اور اس میں داخل ہونے سے بچنا اور اپنی زبان و قلم کو اس میں کلام کرنے اور لکھنے سے روکے رکھنا کیونکہ
یہ کوئی مسائل ضروریہ سے نہیں ہے جن پر اعتبار رکھا جائے اور ظاہر کتاب و سنت جس پر دلالت کرتے ہیں اسے لازم پکڑو
کہ بیشک اللہ کی مشیت اس کے ہر اس کام میں ہے جس کا ارادہ کرے اس کے کام سے سوال نہ ہوگا وہ جو چاہے کرے
مختار معبود کے قول کے سوا ہر قول کو چھوڑ دو پس اللہ کے دین میں خطرے کی جگہ میں رہ کر کوئی ایمان نہیں لایا
میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ ہمیں اپنی محبوب و پسندیدہ توفیق دے اور تمام کو طریق نجات پر چلائے اور سب
تعریفیں پروردگار جہان کے لئے ہیں اور ہمیں کافی ہے اللہ اور اچھا کارساز ہے اللہ ہے اور طاقت کے بغیر قوت نہیں ہے اور اللہ تم
مخلوق سے بہتر خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تمام اصحاب و آل اور احسان کے ساتھ قیامت تک ان کے تابعین پر رحمت نازل فرمائے

جواب عن سؤال تضمن الميل إلى المذهب الحلولية

اس سوال کا جواب جو حلولیہ مذہب کی طرف مائل ہونے پر مشتمل ہے

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين ولا عدوان إلا على الظالمين. الجواب: والله الموفق للصواب لا يخفى إن هذا السؤال قد اشتمل على ألفاظ قبيحة موحشة تدل على الميل إلى مذهب الحلولية مثل قوله إن الله قديم تلبس بالحوادث ثم ومنها إن الله ليس بجسم فإن أراد أنه ليس بجسم كالأجساد فصحيح وأما قوله ولا باسم فإن أراد أن الذات المقدسة ليس لها اسم فغير صحيح لأنه مخالف لصريح الآيات القرآنية والأحاديث النبوية قال الله تعالى ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها وفي الحديث الصحيح إن لله تسعة وتسعين اسما مائة إلا واحدا من أحصاها دخل الجنة ومنها تفسيره لا إله إلا الله بأن الأصنام ذات الله تعالى عن ذلك علوا كبيرا ومنها قوله أي أحبائي بلبابي أعضائي ثم فيها أن معنى قوله صلى الله عليه وسلم إن أمتي ستفترق

میں اللہ رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں سب تعریفیں پروردگار جہان کیلئے ہیں اور عاقبت پرہیزگاروں کیلئے ہے اور زیادتی ظالموں پر ہی ہوگی۔ الجواب: واللہ ہی درستگی تک پہنچنے کی توفیق دینے والا ہے پوشیدہ نہ رہے کہ بیشک یہ سوال تحقیق بہت قبیح الفاظ پر مشتمل ہے جو کہ حلولیہ مذہب کی طرف مائل ہونے پر دلالت کرتے ہیں مثلاً سائل کا قول کہ بیشک اللہ قدیم ہے اور حوادث کے ساتھ ملتبس ہے اور ان میں سے یہ بھی کہ بیشک اللہ جسم نہیں ہے پس اگر اس نے ارادہ کیا ہے کہ وہ دوسرے اجسام کی طرح جسم نہیں تو صحیح ہے اور لیکن اس کا یہ کہنا کہ اللہ نام کے ساتھ نہیں پس اگر اس نے مراد لیا ہے کہ بیشک ذات مقدسہ کیلئے نام ہی نہیں، پس یہ غیر درست ہے کیونکہ یہ صریح قرآن کی آیات اور احادیث نبوی کے مخالف ہے فرمان خدا ہے اور اللہ ہی کے لیئے بہترین نام ہے پس اسے ان ناموں سے پکارو (الآیہ) اور صحیح حدیث میں ہے کہ بیشک اللہ کیلئے ۹۹ نام ہیں ایک کم سو جس نے ان تمام کو شمار کیا جنت میں داخل ہو جائیگا اور انہی میں سے سائل کا لا الہ الا اللہ کی تفسیر کرتا ہے کہ بیشک بت اللہ کی ذات ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے اور انہی میں سے ایک احدٔوا عدی پڑھنا احدی کے

ثنتان وسبعون فرقة كلها في النار إلا واحدة وأن المراد بهذه الفرقة الواحدة
الوجودية أي أهل وحدة الوجود وأن علماء الشريعة العاملين على ظاهر
الشريعة والمنكرين بوحدة الوجود ضلال على ما زعمه وغير ذلك مما حواه
السؤال من الأباطيل المزخرفة فهذا كله يدل على جهله ومما يخشى على
قائله الكفر بذلك إن لم يتب ومنها قوله أن العالم عين ذات الله عز وجل
فإن ذلك كفر صريح للفرق بين القديم والمحدث فإن العالم حادث
وكل حادث كيف يكون عين القديم سبحانك هذا بهتان عظيم
وارتكاب هذه الألفاظ القبيحة الواهية المذكورة في السؤال مبني على القول بوحدة
وأن كل شيء عين الحق تعالى فذلك ضلال مبين وإلحاد صريح وعن معرفته بوحدة
الوجود التي تفوه بها كثير من جهلة الصوفية من غير معرفة حقيقتها فلنذكر ما
قاله المحققون في ذلك حتى يتضح لك جهل مرتكب هذه الأقوال القبيحة فنقول قال

طرح الخ ۔ اور انہی میں سے یہ ہے کہ بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میری امت کی قریب بہتر
فرقے بن جائے گی تمام کے تمام آگ میں ہوں گے مگر صرف ایک کے متعلق کہنا کہ بیشک اس ایک فرقے سے مراد
وجودیہ گروہ ہے یعنی وحدت الوجود کے قائل، اور بیشک علماء شریعت ظاہر شریعت پر عمل کرنے والے اور وحدت
الوجود کے منکر گمراہ ہیں اس کے گمان کے مطابق اور دوسرے باطل خرافات جن پر اس کا سوال مشتمل ہے پس یہ
تمام اس کی جہالت پر دال ہیں اور ان کے قائل پر کفر کا خطرہ ہے ان کی وجہ سے اگر توبہ نہ کرے تو اور انہی میں
سے اس کا کہنا کہ بیشک عالم اللہ کا عین ہے پس اس کا اعتقاد رکھنا صریح کفر ہے کیونکہ قدیم اور حادث میں
بڑا فرق ہے کیونکہ سارا عالم حادث ہے اور ہر وہ چیز جو حادث ہو وہ قدیم کا عین کیسے ہو سکتی ہے پاک ہے
تو اللہ یہ بڑا بہتان ہے اور سوال میں جن بیہودہ اور قبیح الفاظ کا ذکر ہے ان کا ارتکاب کرنا وحدت الوجود کا
اعتقاد رکھنے پر مبنی ہے اور ہر چیز اللہ کا عین ہے کے اعتقاد پر ہیں یہ سب کچھ قبیح گمراہی ہے اور صریح جھوٹ ہے
اور مسائل کا وحدت الوجود کو نہ سمجھنا ہے جس کی حقیقت پہچانے کے بغیر اکثر جاہل صوفی بولتے ہیں اس
بارے میں جو کچھ محققین نے فرمایا ہم اسے آپ کے سامنے پیش کریں گے تاکہ ان قبیح اقوال کے مرتکب
کی جہالت آپ کے لیے واضح ہو جائے پس ہم عرض کرتے ہیں کہ شرح عقائد میں علامہ شیخ ابراہیم فرماتے

العلامة الشيخ إبراهيم الكردي في شرح العقائد ما نصه وقولنا لا إله إلا الله ولا خالق
لما يشاء إلا الله ولا واجب لذاته إلا الله ولا موجود في الأزل إلا الله دال على أن
وجوب الوجود وبقية الكمالات التابعة للوجود كلها لله سبحانه بالذات فقد دلت
على أنه كان ولم يكن شيء غيره وعلى أنه كان قبل كل شيء كما ورد في الصحيح فليس
للممكنات الموجودة شيء في الأزل سوى الثبوت في علم الحق سبحانه وتعالى من غير
افتتاح ولا اختتام بالدوام ولأنه الأول والآخر من غير ابتداء له ولا زوال كما
هو معلومه وهو بكل شيء أزلا وأبدا عليم فالتوحيد إفادة القديم من الحدث
في جميع المراتب وما يتفرع منها التي يتضمنها لا إله إلا الله أما في الأزل فالحق له
الوجود والممكن له الثبوت في علم الله وأما فيما لا يزال فالحق له الوجود لذاته و
الممكن الوجود بالله لا بذاته وليس له من الكمالات كالعلم والقدرة وغيرهما

ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں اور ہمارا کہنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ کے بغیر جو چاہے اسے
پیدا کرنے والا کوئی نہیں اور اللہ کے علاوہ کوئی واجب الذات نہیں اور اللہ کے سوا ازل میں کوئی
موجود نہیں، دلالت کرتا ہے کہ بیشک تمام صفات واجب الوجود ہونا اور دوسرے کمالات جو کہ وجود
کے تابع ہیں اللہ سبحانہ کیلئے بالذات ہیں پس تحقیق ان دلائل نے دلالت کی کہ بیشک اللہ تعالیٰ
تھا اور اس کا غیر نہ تھا اور اس پر بھی کہ وہ ہر چیز سے پہلے تھا جیسے کہ صحیح میں آیا ہے پس اللہ تعالیٰ کے
علم میں ثبوت کے علاوہ ان موجودہ ممکنات میں سے کچھ بھی ازل میں نہ تھی سوائے شروع اور ہمیشہ تک ختم
ہونے کے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی زوال اور ختم کے ہونے بغیر اول و آخر ہیں جیسے کہ وہ معلوم ہیں
اور ہمیشہ ہر چیز کو جاننے والا ہے پس توحید نام ہے قدیم کے حدوث سے تمام مراتب میں اور
تمام ان اشیاء میں جن کو کلمہ شہادت مشتمل ہے متفرق ہونیکا لیکن ازل میں تو اللہ کے لئے
وجود ہے اور ممکن کے لئے علم اللہ میں ثبوت ہے اور لیکن اس میں جو ہمیشہ نہ رہے پس اللہ کے
لئے وجود لذاتہ ہے اور ممکن کا وجود اللہ کے وجود کے سبب سے ہے بذات نہیں ہے اور اس کے
لئے علم و قدرت اور دوسرے کمالات صرف وہی حاصل ہیں، مگر جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیئے
جو اس کیلئے لائق تھے، اللہ کی حکمت میں کیونکہ یہ ممکنات ازل میں حقیقتیں ہیں اللہ سبحانہ کے

وإنما أعطاه الله بحسب ما يليق به في الحكمة الإلهية فإن أعيان الممكنات حقائق في الأزل ثابتة في علم الحق سبحانه متصفة بالعدم الخارجي قابلة للوجود إذا أراد الحق إيجادها فيه و كلما كان كن فكان فلا موجود إلا بالله فالوجود لذلك العين لا له وهو واضح فلا موجود في الحقيقة إلا الله وكلما سواه من الممكنات فإنما هي موجودة به تعالى ولولاه لم يكن فهو معدوم بذاته موجود بالله فلا حول ولا قوة لأحد من الممكنات إلا بالله ولكن لذلك سائر الكمالات و انفراد القديم من المحدث في جميع هذه المراتب التي يتضمنها لا إله إلا الله لا ينافي وحدة الوجود وقول المحققين كالإمام الغزالي وغيره ليس في الوجود غيره المراد منه كما سيتضح أنه ليس معه غيره موجود ثان مستقل بالوجود ولا شك أن وجود الممكن لكونه مفاضا من الحق سبحانه وتعالى ليس وجودا مستقلا ثانيا لوجود الحق حتى يوصف الحق سبحانه وتعالى بأنه معه غيره وإن كان متميزا عنه في الأحكام فإن انفراد القديم من المحدث فيما يقع به التمييز بينهما من الأحكام لا يستلزم أن يكون وجود الممكن مستقلا ثانيا لوجود الحق

علم میں ثابت ہیں عدم خارجی کی صفت سے موصوف ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کے ایجاد کرنے کا ازل میں ارادہ کرے تو وجود کو قبول کرنے والی ہیں اور جب کہ یہ اس طرح ہو گئیں تو ان کا وجود بغیرہ ہوا پس وجود ان کا غیر کے لئے ہوا بذات نہ ہوا اور یہ واضح ہے پس حقیقت میں صرف اللہ ہی موجود ہے اور اس کے سوا تمام ممکنات اللہ کے ساتھ ہیں اور اسی طرح تمام کمالات اور قدیم کا محدث سے ان اشیا و مراتب سے الگ ہونا جن پر لا الٰہ الا اللہ مشتمل ہے یہ وجود کے ایک ہونے کے منافی نہیں ہے اور امام غزالی وغیرہ محققین کا قول کہ وجود میں اس کے سوا کوئی نہیں اس سے مراد یہ ہے جیسے کہ آپ کیلئے واضح ہو گا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا مستقل وجود والا نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی طرف منسوب کرنے کے ساتھ ممکن کے وجود کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے لئے دوسرا مستقل وجود نہیں ہے تاکہ اللہ کی صفت بیان کیا جائے کہ بیشک اس کے ساتھ اس کا غیر بھی ہے اگرچہ وہ اس سے احکام میں الگ ہے کیونکہ قدیم کا محدث سے ان احکام میں جن سے ان کے مابین تمیز واقع ہوتی ہے الگ ہونا ممکن کے ثانی مستقل موجود ہونے کو مستلزم نہیں ہے تاکہ اس کی صفت کہ اس کے ساتھ اس کا غیر ہے صحیح ہو سکے تو یہ اس لئے واجب کہ ازل میں اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں ہے اور وہ محض علم میں موجود ہے

حتى يصح أن يوصف بأنه معه غيره وذلك لأن المراد بالمعية في الأزل إلا الحق وهو متعين
الوجود المحض وكل ما ظهر في الوجود من الممكنات فإنما استفاد الوجود منه يكون
وجودها الفائض من أشعة أنوار وجوده مستقلاً ثانياً لوجوده سبحانه وتعالى وهذا
مما لا خفاء فيه عند الالتفات أصلاً وللإمام الغزالي رحمه الله تعالى في مشكوة الأنوار
كلام يوضح هذا المقام وحاصله أن وجود العالم لكونه ليس وجوداً مستقلاً بل فائضاً منه تعالى
كما لا يتصف بكونه عين الحق بوجه من الوجوه لكن بحيث لا يتصف بأنه غيره مغايرة تامة بحيث
يتصف بأنه موجود ثان مستقل معه فإن الله كما كان في الأزل ولا شيء معه يكون الأول
قبل كل شيء فكذلك الآن كما كان لأن العالم الحادث لكونه فيض وجوده لا يتصف بكونه
موجوداً معه بل موجود به فليس له مرتبة المعية بل رتبة التبعية ولهذا انتفى أن يكون الله
أكبر إن معناه أكبر من غيره إذ نفي غيره معه مستقلاً فمحال أن يكون أفعل التفضيل
بمعناه المعروف من كون المفضل عليه مغايراً للمفضل مغايرة مستقلة بحيث أن

اور ممکنات میں سے جس کا وجود بھی ظاہر ہوا ہے سوائے اس کے نہیں ان سے اس وجود کا فائدہ
حاصل کیا ہے ان ممکنات کا وجود مستقل دوسرا اللہ کے وجود کے انوار کی شعاؤں سے نکل کرنا
التفات کے وقت اس چیز میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے اور مشکوۃ الانوار میں امام غزالی کا کلام
اس مقام کی وضاحت کرتا ہے اور اس کا ماحاصل یہ ہے کہ بیشک عالم کا وجود ہونے کیلئے کوئی مستقل
وجود نہیں ہے بلکہ اسی سے فیض حاصل کرنے والا ہے جیسے کہ یہ عین الحق کی صفت کے ساتھ موصوف
نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ لیکن ایسا وہ کیا ہے جیسے کہا ہے پوری مخالفت کے ساتھ متصف نہیں کر سکتے اس
حیثیت سے کہ اسے موجود ثانی کے ساتھ مستقل متصف کر سکیں پس بیشک جس طرح اللہ ازل میں تھا اور
اس کے ساتھ کوئی شئی نہیں پس اسی طرح اب ہے کیونکہ عالم حادث نے اس کے وجود سے فیض پایا
ہے پس اس سے اسے اس کے ساتھ موجود ہے کی صفت سے موصوف نہیں ٹھہرا سکتے بلکہ اس کے
سبب موجود ہے کی صفت سے موصوف ہے پس حادث کیلئے معیت کا مرتبہ نہیں ہے بلکہ اس کیلئے
تبعیت کا مرتبہ ہے اور اسی لئے اللہ اکبر کا معنی غیر سے اکبر کرنے کی نفی ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی غیر
مستقل ہے ہی نہیں پس افعل التفضیل کا بیان اپنے مشہور معنی مفضل علیہ کا مفضل سے پوری

يتصف بكونه موجودا مع المفضل وإذا انتفت المغايرة التامة المستقلة لم يبق إلا أن يكون
من باب هذا أبرا أطيب منه رطبا ولله المثل الأعلى كما يوضحه قوله تعالى أو لم يروا
أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة مع قوله تعالى أن القوة لله جميعا وقوله تعالى
ما شاء الله لا قوة إلا بالله وليس معنى وحدة الوجود أن العالم عين الحق حتى يتوهم
من مقالات المحققين أنهم خرجوا عن دائرة الشرع وإنما المراد أن العالم ليس موجودا
ثانيا مستقلا كما تقدم انتهى كلام الشيخ بن حسن الكردي رحمهما الله تعالى۔
إذا علمت ذلك اتضح لك أن كل ما سلكه هذا الحديث يعني بالإسلام في هذا السؤال
المذكور كله خبط وترددات وتهتات نشأ من عدم وصوله إلى حقيقة وحدة الوجود وأن العالم
ليس عين الحق كما زعمه وبنى عليه القناطر الواهية وزعم أن معنى لا إله إلا
الله كما زعم تعالى الله عن ذلك علوا كبيرا كلها خيال وأوهام خارجة عن دائرة
الشرع والعبادات بل معنى لا إله إلا الله لا معبود بحق في الوجود إلا الله فالمنفي المعبود
بحق لا نفس المعبود بغير تبيين الحقيقة كما لا يخفى وأما ما سلكه من أن علماء

طور پر مخالف ہوتا اگر اسے مفضل کے ساتھ موجود ہونے کے ساتھ متصف کرنا صحیح ہوا اور جبکہ مستقل پوری
مخالفت ختم ہوگئی تو یہ ہذا ابرا اطیب منہ رطبا و للہ المثل الاعلیٰ کے باب سے باقی رہ گیا جیسے کہ اللہ کا
یہ قول اس کی وضاحت کرتا ہے کہ بیشک ان کو اللہ نے پیدا کیا ہے وہ قوت میں ان سے بڑھ کر ہے اللہ کے
اس قول کے باوجود بیشک تمام قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول جو اللہ چاہے اللہ کے سوا
کوئی طاقت نہیں ہے اور وجود کے ایک ہونے کا معنی یہ نہیں ہے کہ بیشک عالم اللہ کا عین ہے حتیٰ
کہ محققین کے مقالات سے وہم پڑے کہ وہ دائرہ شرع سے نکل گئے ہیں اور سوائے اس کے نہیں اس
سے مراد یہ ہے کہ عالم دوسرا مستقل موجود نہیں ہے جیسے کہ مذکور ہو چکا شیخ ابراہیم بن حسن کردی کا کلام ختم
ہوا۔ اور جب آپ نے یہ جان لیا تو آپ کیلئے واضح ہو جائیگا کہ بیشک ہر وہ چیز تمام تر ادل بدل جھوٹ
اور بہتان ہے جس کو وہ سوال کے جواب میں اس حدیث کو چلایا ہے اور اس انسان کے وحدت الوجود
کی حقیقت کو نہ پہنچ پانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور یہ بھی واضح ہوگا کہ بیشک عالم اللہ کا عین نہیں ہے
جیسا کہ اس نے گمان کیا ہے اور اس پر کمزور پل اس نے بنا ڈالیں اور اس نے بیشک جس طرح

الشرك بعد لم يفهموا معنى لا إله إلا الله فيلزم على ما ذكره أن عباد المشركين بما سوى الله
من الأصنام والملائكة والجن وغيرهم صحيحة وأنهم موحدون لله
عز وجل وأن بعثة الرسل وإنزال الكتب الآمرة بإفراد المعبود ونفي
الشرك وقتال المشركين على عدم تركهم ذلك وأنهم غير موحدين وهذا
باطل لا قائل به سبحانك هذا بهتان عظيم بل كتب الله وبعثة
رسله ناطقة بخلاف ما يدعيه هذا المفتري الضال والله يهدي من يشاء
إلى صراط مستقيم ومن يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي
له والله سبحانه وتعالى أعلم وأما قوله إن سجود المريدين بين يدي
المشايخ جائز فجوابه قد افترى على الله الكذب ومن أظلم ممن افترى على
الله الكذب۔

لا الٰہ الا اللہ کا معنی گمان کیا ہے خدا تعالیٰ اس سے بہت برتر ہے پس یہ تمام دائرہ شرع سے نکلنے والے
اس کے خیالات وادعام ہیں اور عربی زبان سے خارج ہونے والے، بلکہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ
کے بغیر کوئی معبود نہیں پس نفی معبود برحق کی ہوئی ہے نہ کہ حقیقت کی قید کے علاوہ نفس معبود
کی جیسے کہ پوشیدہ نہیں ہے اور لیکن جو وہ اس مسلک پر چلا ہے کہ بیشک علمائے شریعت
نے لا الٰہ الا اللہ کا معنی نہیں سمجھا تو اس کے مسلک کے مطابق تو لازم آتا ہے کہ بیشک مشرکین
کا ماسوائی خدا کے غیر بتوں، فرشتوں اور جنات وغیرہم کی عبادت کرنا صحیح ہے اور بیشک وہ
اللہ عزوجل کی توحید کرنے والے ہیں اور بیشک رسولوں کی بعثت اور کتابوں کا اتارنا جو کہ معبود کو ایک جاننے اور
شرک کی نفی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کے نہ چھوڑنے پر مشرکین سے لڑائی کا حکم دیتے ہیں یہ اپنے
موقع کے علاوہ دوسری جگہ پر واقع ہیں اور یہ بالکل باطل ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں، پاک ہے
تو، یہ بہت بڑا بہتان ہے بلکہ اللہ کی کتب اور رسولوں کی بعثت اس کذاب و گمراہ کے دعویٰ کے خلاف
بولنے والے ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کرتا ہے جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا
نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ عالم ہے اور لیکن اس کا قول
کہ بیشک مشائخ کے سامنے مریدوں کے سجدے جائز ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ تحقیق اس نے اللہ پر جھوٹ

قال العلامۃ ابن حجر المکی فی کتابہ الاعلام بقواطع الاسلام ما نصہ قد صرحوا بان سجود جہلۃ الصوفیۃ بین یدی مشائخہم حرام فی بعض صورہ وفی بعض صورہ ما یقتضی الکفر فعلم من کلامہم ان السجود بین یدی الغیر منہ ما ہو کفر ومنہ ما ہو حرام غیر کفر فالکفر ان یقصد السجود للمخلوق والحرام ان یقصد للہ معظما بہ ذلک المخلوق من غیر ان یقصدہ بہ او لا یکون لہ قصد اشتری واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

فی حکم من امر اتباعہ بالسجود لہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، وبعد فانہ ورد علی الحقیر سوال من بعض الفضلاء

باندھا ہے اور جو اللہ پر جھوٹ باندھے اس سے ظالم کون زیادہ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں تحقیق محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ بیشک جاہل صوفیوں کا مشائخ کے سامنے سجدہ کرنا بعض صورتوں میں حرام ہے اور بعض صورتوں میں کفر کا تقاضا کرتا ہے پس اس کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ بیشک اللہ کے غیر کے آگے سجدہ کرنا ان سے بعض تو کفر ہے اور بعض حرام ہیں لیکن کفر نہیں، پس کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لئے سجدہ کا ارادہ کیا جائے اور حرام سجدہ تعظیم ہے کہ ارادہ تو اللہ کو سجدہ کرنے کا ہو اور اس کی تعظیم کرے لیکن اس کا ارادہ نہ ہو یا اس کے لئے قصد ہو ہی نہ ختم ہوئی۔ اور اللہ سبحانہ زیادہ عالم ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و صحابہؓ پر رحمت کرے (آمین)۔

اس کا حکم جو اپنے مریدوں کو اپنے لئے سجدہ کا حکم کرے

میں اللہ رحمن رحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں سب تعریف پروردگار جہان کے لئے ہے اور رحمت اور سلامتی ہو اشرف انبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و تمام صحابہ کرام پر ہو۔ بعد اس کے بعد پس شان یہ ہے کہ ایک بستی میں اپنے والے آدمی جسے کہا جاتا ہے کے متعلق بعض

فی رجل فی قریتہ یقال لہا کلیاری امر اتباعہ ان یسجدوا لہ ویقبلوا قدامہ فانکر علیہ بعض العلماء من الفضلاء فلم یرتدع فہل ہذا التصنیع من ہذا الجاہل بامر اتباعہ بذلک جائز ام لا وہل انکار بعض العلماء علیہ واقع فی محلہ وہل یجوز علیہ ام لا وما حکم ہذہ السجود الواقع من اتباع لہذا المبتدع الضال ومن ذلک الامر بینوا بذلک تؤجروا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اعلم وفقنا اللہ وایاکم للصواب وجنبنا ما یوجب بہ العذاب ان السجود لغیر اللہ حرام بنص الکتاب والسنۃ اما الکتاب فقال تعالی اسجدوا للہ واعبدوا وقال تعالی لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا للہ الذی خلقہن ان کنتم ایاہ تعبدون فاخبر سبحانہ وتعالی ان السجود لمخلوق سواہ حرام لا یجوز لغیرہ لانہ من خصوصیات الرب سبحانہ وتعالے

فضلاء کی طرف سے مجھ پر سوال وارد ہوا ہے کہ اس نے اپنے لئے سجدہ کرنے کی اتباع کا حکم دیا ہے اور اپنے اقدام کے بوسہ دینے کا۔ فضلاء میں سے بعض علماء نے اس پر انکار کیا پھر بھی وہ رکا نہیں، پس کیا یہ کام اس جاہل سے کہ اس کی اتباع کا حکم جائز ہے یا نہیں، اور کیا بعض علماء کا انکار اس پر اپنے محل میں واقع ہے اور وہ اس پر جائز ہیں یا نہیں، اور اس گمراہ بدعتی کے حکم کی اتباع سے واقع سجدہ کا کیا حکم ہے اور اس طرح لوگوں کو اس کا حکم دینا کیا ہے بیان کرو اجر دیئے جاؤ گے۔

فاقول وباللہ استعین التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق پس میں کہتا ہوں کہ اللہ ہی سے توفیق کی مدد طلب کرتا ہوں اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام ہے۔

میں اللہ رحمن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور تجھے توفیق صواب دے اور جن سے ہم عذاب کے سزاوار ہوں ان سے بچائے، جانو کہ کتاب وسنت کی نص کی دلیل سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے لیکن کتاب اللہ میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے سجدہ کرو اللہ کے لئے اور اس کی عبادت کرو اور فرمایا اللہ تعالے نے سورج وچاند کو مت سجدہ کرو بلکہ جس ذات نے ان کو پیدا کیا صرف اسی کو سجدہ کرو اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو تو پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی کہ بیشک اس کے بغیر مخلوق کو سجدہ کرنا حرام ہے اس کے غیر کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ پروردگار سبحانہ وتعالیٰ

فلا يجوز لنبي ولا لولي ولا لغيره وأما السنة فأخرجه ابن ماجة من حديث عائشة
أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لو أمرت أحدا أن يسجد لأحد لأمرت
المرأة أن تسجد لزوجها الحديث وأخرجه ابن ماجة أيضا من حديث عبد الله
ابن أبي أوفى قال لما قدم معاذ من الشام سجد للنبي صلى الله عليه وسلم
فقال ما هذا يا معاذ قال أتيت الشام فوافقتهم يسجدون لأساقفتهم وبطارقتهم
فوددت في نفسي أن نفعل ذلك بك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا
تفعلوا فإني لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لغير الله لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها
الحديث وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم
وأخرجه الترمذي من حديث أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لو كنت آمر
أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها.

کی خصوصیات سے ہے پس کسی نبی ولی اور ان کے غیر کیلئے جائز نہیں لیکن سنت پس ابن ماجہ
حضرت عائشہؓ کی حدیث لائے ہیں بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو سجدہ
کا حکم دیتا تو میں عورت کو اپنے خاوند کے لیے سجدہ کا حکم دیتا الحدیث اور نیز ابن ماجہ نے عبد اللہ
بن ابی اوفیٰ کی حدیث نکالی ہے فرماتے ہیں جب حضرت معاذؓ شام سے آئے تو انہوں نے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا آپ نے فرمایا معاذ یہ کیا ہے تو اس نے کہا میں شام سے آیا ہوں
پس میں نے ان کو موافقت پایا کہ وہ کاہنوں اور جرنیلوں کو سجدہ کرتے ہیں پس آپ کے
ساتھ یہ کرنے کیلئے میرے نفس نے محبوب جانا ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت
کرو پس بیشک اگر میں کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو اس کے خاوند کے لئے سجدہ کا حکم دیتا۔ الحدیث:
اور امام ترمذی نے حضرت ابی ہریرہ سے
سے روایت کی ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا اگر میں
کسی کو کسی ایک کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو اس کے خاوند کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا،
اور حضرت ابی ہریرہ سے ہی آئی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ایک عورت رسول کریمؐ کے پاس آئی پس
اس نے کہا میں فلاں کی بیٹی ہوں آپ نے فرمایا میں نے تجھے پہچان لیا ہے تجھے کیا ضرورت
ہے میری ضرورت میرے چچیرے عابد کی طرف ہے آپ نے فرمایا میں نے اسے پہچان لیا ہے اس

فَقَالَتْ أَنَا فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانٍ قَالَ قَدْ عَرَفْتُكِ فَمَا حَاجَتُكِ قَالَتْ حَاجَتِي إِلَى ابْنِ عَمِّي الْعَابِدِ قَالَ قَدْ عَرَفْتُهُ قَالَتْ يَخْطُبُنِي فَأَخْبِرْنِي مَا حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى الزَّوْجَةِ فَإِنْ كَانَ شَيْئًا أُطِيقُهُ تَزَوَّجْتُهُ قَالَ مِنْ حَقِّهِ أَنَّهُ لَوْ سَالَ مَنْخِرَاهُ دَمًا وَقَيْحًا فَلَحِسَتْهُ بِلِسَانِهَا مَا أَدَّتْ حَقَّهُ لَوْ كَانَ يَنْبَغِي لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا لِمَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَأَخْرَجَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ جَيِّدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْأَنْصَارِ لَهُمْ جَمَلٌ يَسْنُونَ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ اسْتَصْعَبَ عَلَيْهِمْ فَمَنَعَهُمْ ظَهْرَهُ وَإِنَّ الْأَنْصَارَ جَاؤُا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا إِنَّهُ كَانَ لَنَا جَمَلٌ نَسْنِي عَلَيْهِ وَإِنَّهُ اسْتَصْعَبَ عَلَيْنَا وَمَنَعَنَا ظَهْرَهُ وَقَدْ عَطِشَ الزَّرْعُ وَالنَّخْلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ قُومُوا فَقَامُوا فَدَخَلَ الْحَائِطَ وَالْجَمَلُ فِي نَاحِيَتِهِ فَمَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ صَارَ مِثْلَ الْكَلْبِ الْكَلِبِ نَخَافُ عَلَيْكَ صَوْلَتَهُ

نے کیا وہ مجھ سے منگنی کرتا ہے پس آپ مجھے خاوند کے حقوق جو عورت پر ہیں بتا دیں پس اگر وہ اس قسم کے ہوئے کہ میں ان کے برداشت کرنے کی طاقت رکھوں تو اس سے نکاح کروں گی آپ نے فرمایا بیشک اگر اس کے ناک کے دونوں نتھنوں سے خون اور پیپ بہے اور تو اسے اپنی زبان سے چاٹ لے پھر بھی تو نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر کسی انسان کو حکم ہوتا کہ وہ کسی کے لئے سجدہ کرے تو میں عورت کو اس کے خاوند کے لئے سجدہ کا حکم دیتا جب وہ اس پر داخل ہو جیسے کہ اللہ نے اسے اس پر فضیلت دی ہے الحدیث

اسے بزار اور حاکم نے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اسناد والی ہے اور امام احمد

اسناد جید کے ساتھ انس بن مالک سے لائے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ انصاریوں میں سے ایک گھر والوں کے لئے ایک زیادہ عمر اونٹ تھا اور بیشک وہ ان پر مشکل ہو گیا اور اس نے اپنی پیٹھ ان کے لئے بند ہونے سے روک لی اور انصار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے پس انہوں نے کہا کہ ہمارا ایک عمر رسیدہ اونٹ ہے اور وہ ہم پر سخت دشوار ہے اس نے اپنی پیٹھ ہم سے روک لی ہے اور اس نے کھیتی اور کھجوروں کو پیاسا چھوڑ دیا ہے پس رسول کریم نے اپنے ساتھیوں سے اٹھنے کو کہا پس وہ کھڑے ہو گئے پس آپ دیوار میں سے داخل ہو گئے اور اونٹ ایک کونے میں تھا پس رسول کریم اس کی طرف

فقال ليس علي منه بأس فلما نظر الجمل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل نحوه حتى خر ساجدا بين يديه فأخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بناصيته أذل ما كانت قط حتى أدخله في العمل فقال له أصحابه يا رسول الله هذه بهيمة لا تعقل تسجد لك ونحن نعقل فنحن أحق أن نسجد لك قال لا يصلح لبشر أن يسجد لبشر ولو صلح لبشر أن يسجد لبشر لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها لعظم حقه عليها الحديث وأخرجه البزار بنحوه ورواه النسائي مختصرا وابن حبان في صحيحه من حديث أبي هريرة والأحاديث في هذا الباب كثيرة وفيما ذكرناه كفاية لمن له هداية إذا تقرر لك ذلك علمت أن السجود لغير الله حرام بنص الكتاب العزيز وسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا الرجل المبتدع الذي أمر أتباعه بالسجود له مرتكب معصية عظيمة وخصلة جسيمة إن لم يكن كفرا فلا شك أنها كبيرة من الكبائر فالواجب عليه التوبة من هذه المعصية والرجوع عنها وأما القوم التابعون له فإن كانوا جاهلين فالواجب

چلا پس انصاریوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو کتے کی طرح باؤلا ہے ہم اس کے آپ پر حملہ کرنے سے خطرہ محسوس کرتے ہیں آپ نے فرمایا مجھے اس پر کوئی خطرہ نہیں پس جب اونٹ نے رسول کریمؐ کی طرف دیکھا تو آپ کی طرف چلا حتیٰ کہ آپ کے سامنے سجدہ میں گر گیا پس آپ نے اس کی پیشانی کو پکڑا وہ اس سے پہلے ذلیل نہیں تھا پس آپ نے اسے کام میں لگا دیا پس آپ کے لئے صحابہؓ نے کہا حضرت یہ بے عقل چارپایہ آپ کو سجدہ کرتا ہے ہم باعقل آپ کو کیوں نہ سجدہ کریں ہم تو زیادہ مستحق ہیں آپ کو سجدہ کرنے کے پس آپ نے فرمایا کسی انسان کے لئے درست نہیں کہ دوسرے کے لئے سجدہ کرے اور نسائی اسے مختصراً لائے ہیں اور ابن حبان اپنی صحیح میں ابی ہریرہؓ سے لائے ہیں اور احادیث اس باب میں بہت ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ ہدایت پانے کے لئے کفایت ہے جب آپ کے لئے یہ چیز ثابت ہو گئی تو آپ جان لیں گے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کتاب عزیز اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نص سے حرام ہے پس یہ بدعتی انسان جس نے اپنے لئے سجدہ کرنے کا اتباع کو حکم دیا ہے بڑی معصیت اور بہت بڑی خصلت کا مرتکب ہوا اگر یہ کفر نہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ کبیرہ گناہ ضرور ہے پس اس پر اس گناہ سے توبہ اور رجوع کرنا ضروری ہے اور لیکن اس کو سجدہ کرنے والی قوم اگر وہ جاہل ہیں پس اس کی راہنمائی کرنا ضروری ہے کہ بیشک

اِرْشَادُهُمْ بِأَنَّ السُّجُودَ لِغَيْرِ اللّٰهِ حَرَامٌ بَلْ فِي بَعْضِ صُوَرِهٖ يَكُوْنُ كُفْرًا قَالَ الْعَلَّامَةُ ابْنُ حَجَرٍ الْمَكِّيُّ فِي شَرْحِ أَبِي فَضْلٍ فِي بَابِ سُجُوْدِ الشُّكْرِ وَسُجُوْدُ الْجَهَلَةِ بَيْنَ يَدَيْ مَشَايِخِهِمْ حَرَامٌ اِتِّفَاقًا وَلَوْ بِقَصْدِ التَّقَرُّبِ إِلَى اللّٰهِ وَفِي بَعْضِ صُوَرِهٖ يَكُوْنُ كُفْرًا انْتَهٰى ۔

وَقَالَ أَيْضًا فِي كِتَابِ الْمُسَمّٰى بِالْإِعْلَامِ بِقَوَاطِعِ الْإِسْلَامِ وَقَدْ صَرَّحُوْا بِأَنَّ سُجُوْدَ جَهَلَةِ الصُّوْفِيَّةِ بَيْنَ أَيْدِيْ مَشَايِخِهِمْ حَرَامٌ وَفِي بَعْضِ صُوَرِهٖ يَكُوْنُ كُفْرًا فَعُلِمَ مِنْ كَلَامِهِ أَنَّ السُّجُوْدَ بَيْنَ يَدَيِ الْغَيْرِ مِنْهُ مَا هُوَ كُفْرٌ وَمِنْهُ مَا هُوَ حَرَامٌ غَيْرُ كُفْرٍ فَالْكُفْرُ أَنْ يَقْصِدَ السُّجُوْدَ لِلْمَخْلُوْقِ وَالْحَرَامُ أَنْ يَقْصِدَهُ لِلّٰهِ تَعَالٰى مُعَظِّمًا بِذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَقْصِدَهُ أَوْ لَا يَكُوْنَ لَهُ قَصْدٌ انْتَهٰى

وَفِي الدُّرِّ الْمُخْتَارِ مَا يَفْعَلُهُ الْجُهَّالُ مِنْ تَقْبِيْلِ الْأَرْضِ بَيْنَ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ وَالْعُظَمَاءِ حَرَامٌ وَالْفَاعِلُ وَالرَّاضِيْ بِهٖ آثِمَانِ لِأَنَّهٗ يُشْبِهُ عِبَادَةَ الْوَثَنِ وَهَلْ يَكُوْنُ كُفْرًا فَعَلٰى وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كُفْرٌ وَعَلٰى وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا وَصَارَ آثِمًا مُرْتَكِبًا لِلْكَبِيْرَةِ وَفِي الْمُلْتَقَطِ التَّوَاضُعُ لِغَيْرِ اللّٰهِ حَرَامٌ انْتَهٰى ۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہو جاتا ہے علامہ ابن حجر مکی شرح ابی فضل کے باب سجود الشکر میں فرماتے ہیں اور جاہلوں کا اپنے مشائخ کے سامنے سجدہ کرنا حرام ہے اتفاقاً اگرچہ اللہ کے قریب ہونے کے لئے کیوں نہ ہو اور بعض صورتوں میں کفر ہوتا ہے

نیز وہ اپنی کتاب موسوم بالاعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں اور تحقیق انہوں نے تصریح کی ہے کہ بیشک جاہل صوفیوں کا اپنے مشائخ کے سامنے سجدہ کرنا حرام اور بعض صورتوں میں کفر ہو جاتا ہے پس ان کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ بیشک غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنا اس سے بعض صورتوں میں تو کفر ہے اور بعض حرام ہے کفر نہیں پس کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لئے سجدہ کا قصد کیا جائے اور حرام یہ ہے کہ قصد اللہ کا ہو اور غیر کی تعظیم مطلوب ہو لیکن اس کا قصد نہ کیا جائے یا اس کا قصد ہی نہ ہو اور در مختار میں ہے جو جاہل کرتے ہیں علماء و عظماء کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے اور اس کا کرنے والا اور اسے پسند کرنے والا دونوں گنہگار ہیں کیونکہ بت کی عبادت کے مشابہ ہے اور کیا کفر ہوگا پس عبادت اور تعظیم کے طریق پر کفر ہے اور سلام و تحفہ کے طریق پر کفر نہیں اور ہوگا وہ مرتکب کبیرہ گناہ کا اور ملتقط میں ہے غیر اللہ کی تواضع حرام ہے

قال في الشامي قال الزيلعي وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود لأنه يريد به التحية وقال
شمس الأئمة السرخسي إن كان لغير الله تعالى على وجه التعظيم كفر انتهى قال القهستاني
وفي الظهيرية يكفر بالسجود مطلقا وفي الزاهدي الإيماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود
في المحيط أنه يكره الانحناء للسلطان وغيره انتهى وظاهر كلامهم إطلاق السجود على هذا التقبيل انتهى
وفي الفتاوى الحمادية نقلا عن نصاب الاحتساب إذا سجد لغير الله يكفر لأن وضع الجبهة
على الأرض لا يجوز إلا لله تعالى وإذا قال أهل الحرب لمسلم اسجد للملك وإلا قتلناك فالأفضل
أن لا يسجد لأنه كفر صورة والأفضل للإنسان أن لا يأتي بما هو كفر صورة وإن كان في حالة
الإكراه والانحناء للسلطان أو لغيره مكروه لأنه يشبه فعل المجوس۔ وفي المفاتيح ما يفعله
بعض الجهلة من السجود بين يدي المشايخ فإن ذلك حرام قطعا بكل حال سواء كان إلى القبلة أو إلى

شامی میں کہا ہے اس کے مصنف زیلعی فرماتے ہیں اور صدر نے ذکر کیا ہے کہ اس سجدہ کی وجہ سے
کافر نہ ہوگا کیونکہ اس سے سلام وغیرہ کا قصد ہوتا ہے اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں اگر غیر اللہ
کے لئے ہو تو کفر ہے ختم شد قہستانی نے کہا ہے کہ ظہیریہ میں ہے کہ مطلق سجدہ غیر کو کرنے سے
کفر ہوگا مطلقاً اور زاہدی میں ہے سلام میں اشارہ رکوع کے قریب ہو کر تا سجدہ ہی کی
طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ اور دوسرے کے لئے جھکنا مکروہ ہے ختم شد اور ان
کے کلام کے ظاہر سے تو اس قسم پر سجدہ کا اطلاق ہے۔ اور فتاوی حمادیہ میں نصاب الا
حتساب سے نقل کیا ہے کہ جب غیر اللہ کو کوئی سجدہ کرے تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ غیر اللہ کے
سوا کسی کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا ناجائز ہے اور جب دشمن مسلمان کو بادشاہ کو سجدہ
کا حکم دے اور کہے ورنہ تجھے ہم قتل کر دیں گے پس افضل تو یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کیونکہ یہ
صورۃ کفر ہے اور انسان کو افضل یہ ہے کہ صورۃ کفر والے کام نہ کرے اگرچہ مجبوری کی حالت
میں ہو اور بادشاہ اور اس کے غیر کے لئے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کے فعل
کے مشابہ ہے اور مفاتیح میں ہے جو جاہل صوفی اپنے مشائخ کے سامنے سجدہ وغیرہ کرتے
ہیں پس بیشک یہ قطعاً حرام ہے ہر حالت میں خواہ قبلہ کی طرف ہو یا غیر کی طرف اور خواہ

فيه وهو سواء قصد السجود لله تعالى أو غفل عنه انتهى۔ فالحاصل أن سجود هؤلاء العوام الجهلة المذكور الذين هم كالأنعام للمبتدع الضال المذكور حرام من قسم السجود لتعظيم المخلوق لا من قسم ما يراد بها التحية المسنونة لأن التحية المسنونة قد أرشد إليها الشارع باللسان لا بالانحناء ولا بالسجود فمخالفتهم لما أمر به الشارع الذي جاء بالأحكام وعلمنا ما ينفعنا وحذرنا عما يوجب غضب الله لعامة دليل على قبح فعل الجهال المذكورين وقبح أمر لهم بذلك بل بعد إرشادهم و تعليمهم بأن هذا الفعل حرام وبقاؤهم على فعل هذا الأمر الحرام لا يبعد القول بكفرهم وكفر مرشدهم المبتدع الضال والله سبحانه وتعالى أعلم وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم. ثم بعد تحرير هذا الجواب وإرساله إلى السائل كثر الله فوائده ورد عليه سوال آخر وهو أن قولكم أدام الله فضلكم في تقبيل اليد أمكروه أم لا؟ فقد روى الترمذي في جامعه من حديث صفوان بن عسال أن قوما من اليهود قبلوا يد النبي صلى الله عليه وسلم ورجليه و قال الترمذي حديث حسن صحيح۔

اللہ کو سجدہ کا قصد کرے یا اس سے غافل ہو پس حاصل کلام یہ ہے کہ بیشک ان جاہل عوام کالانعام کا مذکور گمراہ بدعتی کو سجدہ کرنا حرام ہے مخلوق کی تعظیم والے سجود کی قسم سے ہے نہ کہ اس قسم سے جس سے مسنون سلام مراد لیا جاتا ہے کیونکہ مسنون سلام کے لئے شارع علیہ نے زبان کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے نہ کہ جھکنے اور سجدہ کرنے سے پس ان کا شارع علیہ کے حکم کی مخالفت کرنا، شارع علیہ جو ہمارے پاس احکام لائے اور ہمیں فائدہ مند امور سکھلائے اور ہمیں اس چیز سے ڈرایا جو باعث ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بنتی ہے ان جاہل صوفیوں مذکورہ کے فعل کی قباحت پر دلالت کرتی ہے اور اس کے حکم دینے کی قباحت پر دلالت کرتی ہے بلکہ ان کی راہنمائی اور ان کو تعلیم دینے کے بعد کہ یہ کام حرام ہے اور ان کے اس کام پر باقی رہنے کے بعد ان پر کفر کا فتویٰ لگانا۔ اور اللہ سبحانہ عالم ہم سے زیادہ ہے اور خدا تعالیٰ ہمارے سردار محمد اور ان کی آل پر رحمت کرے۔ پھر اس جواب کو تحریر کر سائل کی طرف بھیجنے کے بعد اللہ اس کے فوائد کو زیادہ کرے اس پر دوسرا سوال وارد ہوا کیا آپ کا قول ہے خدا تمہارے فضل کو ہمیشہ رکھے ہاتھ کو چومنے کے متعلق کیا یہ مکروہ ہے یا نہیں اور تحقیق امام ترمذی نے اپنی جامع میں صفوان بن عسال کی حدیث لائے ہیں کہ بیشک یہود کی ایک قوم نے رسول کریم کے ہاتھ کو چوما اور پاؤں کو بھی اور امام ترمذی نے کہا ہے حدیث حسن صحیح ہے۔

يَرْوِي الحَاكِمُ فِي مُسْتَدْرَكِهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرِنِي
شَيْئًا أَزْدَادُ بِهِ يَقِينًا فَقَالَ اذْهَبْ إِلَى تِلْكَ الشَّجَرَةِ فَادْعُهَا فَذَهَبَ إِلَيْهَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوكِ فَجَاءَتْ حَتَّى سَلَّمَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم فَقَالَ لَهَا
ارْجِعِي فَرَجَعَتْ قَالَ ثُمَّ أَذِنَ لَهُ فَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ الحَدِيثَ وَلَا يَخْفَى أَنَّ تَقْبِيلَ الْيَدِ
وَالرِّجْلِ لَا يَحْصُلُ بِدُونِ الِانْحِنَاءِ وَقَدْ ثَبَتَ النَّهْيُ عَنِ الِانْحِنَاءِ كَمَا فِي التِّرْمِذِيِّ عَنْ
أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَيَنْحَنِي
لَهُ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَأْخُذُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ
التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ فَإِذَا كَانَ الِانْحِنَاءُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ مَمْنُوعًا فَمَا التَّوْفِيقُ بَيْنَ
الْأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ بِتَقْبِيلِ يَدِ الرَّجُلِ وَرِجْلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يُمْكِنُ بِدُونِ الِانْحِنَاءِ
وَمَا تَقْبِيلُ الرَّجُلِ وَإِذَا قُلْتُمْ بِجَوَازِهِ فَبِأَيِّ صِفَةٍ يَكُونُ وَهَلْ وَرَدَ فِي كَيْفِيَّتِهِ حَدِيثٌ
بَيِّنُوا تُوجَرُوا

امام حاکم اپنی مستدرک میں لاتے ہیں کہ ایک انسان رسول اللہؐ کے پاس آیا اور اس نے کہا
یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز دکھا دو جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے آپ نے فرمایا اس درخت کے پاس
جا کر اسے پکارو وہ اس کی طرف گیا اور کہا کہ بیشک رسول اللہؐ تجھے بلاتے ہیں پس اس درخت نے آپ کے
پاس آکر آپ کو سلام کیا آپ نے اس کو لوٹنے کا حکم دیا وہ لوٹ گیا راوی کہتے ہیں پھر آنحضرت نے اسے اجازت
دی تو اس انسان نے آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا (الحدیث) اور یہ پوشیدہ نہیں کہ ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ
دینا بغیر جھکنے کے حاصل نہیں ہو سکتا حالانکہ جھکنے سے نہی ثابت ہو چکی ہے جیسے کہ جامع ترمذی شریف میں
حضرت انسؓ سے حدیث ہے راوی کہتا ہے کہ آنحضرتؐ سے ایک انسان نے کہا یا رسول اللہ ہم سے ایک
انسان اپنے بھائی سے ملتا ہے کیا وہ اس کے لئے جھک سکتا ہے آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا پس اسے
چمٹ جائے اور اس کا بوسہ لے آپ نے فرمایا نہیں اس نے عرض کی کیا اس کے ہاتھ کو پکڑ کر مصافحہ کرے فرمایا
ہاں امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے پس جب ہم سے بعض کے لئے جھکنا منع ہے تو ان
احادیث کے درمیان جن میں آدمی کے ہاتھ و پاؤں چومنے کا ذکر آتا ہے کیا تطبیق ہے اور جب تم اسے
جائز کرو تو کس صفت سے ہو گا کیا اس کی کیفیت کے متعلق کوئی حدیث آئی ہے بیان کرو تمہیں اجر

وَرَدَ النَّهْيُ أَيْضًا عَنْ تَحْرِيْمِ التَّقْبِيْلِ مُطْلَقًا سَوَاءٌ كَانَ تَقْبِيْلَ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ أَوْ شَيْءٍ مِنْ
أَعْضَاءِ الْإِنْسَانِ كَمَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِيْ مُصَنَّفِهِ مِنْ حَدِيْثِ أَبِيْ رَيْحَانَةَ
فَتَفَضَّلُوْا بِالْجَوَابِ الشَّافِيْ لَا زِلْتُمْ أَهْلًا لِحَلِّ الْمُشْكِلَاتِ ۔ فَأَقُوْلُ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مُتَوَكِّلًا عَلَيْهِ وَطَالِبًا مِنْهُ التَّوْفِيْقَ لِإِصَابَةِ الصَّوَابِ
اِعْلَمْ أَنَّ أَئِمَّةَ الْأُصُوْلِ وَمِنْهُمُ الْإِمَامُ السُّبْكِيُّ فِيْ جَمْعِ الْجَوَامِعِ وَغَيْرِهِ صَرَّحُوْا بِأَنَّ الْوَاحِدَ
بِالشَّخْصِ لَهُ جِهَتَانِ وَأَوْرَدُوْا لِذٰلِكَ أَمْثِلَةً يُسْتَفَادُ مِنْهُ جَوَابُ مَا اسْتَشْكَلَهُ السَّائِلُ
كَثَّرَ اللّٰهُ فَوَائِدَهُ وَزَادَ فِيْ عِلْمِهِ وَذٰلِكَ أَنَّ الْاِنْحِنَاءَ فِيْ ذَاتِهِ لِلْمَخْلُوْقِ مَمْنُوْعٌ بِنَصِّ
الْحَدِيْثِ الَّذِيْ ذَكَرَهُ السَّائِلُ كَثَّرَ اللّٰهُ فَوَائِدَهُ وَلٰكِنْ حَيْثُ كَانَ غَيْرَ مَقْصُوْدٍ فِيْ ذَاتِهِ بَلْ وَسِيْلَةً
إِلٰى أَمْرٍ مَطْلُوْبٍ لَمْ يَكُنْ مَمْنُوْعًا وَذٰلِكَ أَنَّ تَقْبِيْلَ يَدٍ أَوْ رِجْلٍ وَرِجْلٍ لَا يَحْصُلُ بِغَيْرِ الْاِنْحِنَاءِ
فَلَمَّا كَانَ فِيْ ذَاتِهِ غَيْرَ مَقْصُوْدٍ بَلْ وَسِيْلَةً إِلٰى أَمْرٍ مَطْلُوْبٍ لَمْ يَدْخُلْ فِيْ قِسْمِ الْاِنْحِنَاءِ الْمَمْنُوْعِ

ملیگا اور مخالی بوسہ لینے سے بھی نہی آئی ہے مطلقاً خواہ ہاتھ کا ہو یا پاؤں کا یا انسان کے اعضاء میں سے
کسی اور چیز کا ہو جیسے کہ ابن ابی شیبہ اپنی کتاب میں ابی ریحانہ کی حدیث لاتے ہیں جواب شافی سے
نقل کرو تم ہمیشہ مشکلات کے حل کرنے میں قائل ہو۔

پس میں کہتا ہوں، شروع کرتا ہوں میں رحمٰن ورحیم کے نام سے
اللہ پر توکل کرتا ہوا اور اس سے درستگی تک پہنچنے کی توفیق طلب کرتا ہوں، جان کہ اصول کے ائمہ اور
ان سے امام سبکی نے اور ان کے علاوہ نے تصریح کی ہے کہ کسی انسان کو پانے والے کی دو جہات ہیں
اور انہوں نے کئی مثالیں بیان کی ہیں جن سے جس چیز کو سائل نے مشکل خیال کیا ہے جواب ہو سکتا ہے
اللہ اس کے فوائد کو زیادہ کرے اور اس کے علم میں زیادتی کرے اور یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ کے
سوا مخلوق کی ذات کے لئے جھکنا نص حدیث کے ساتھ ممنوع ہے جیسے سائل نے ذکر کیا ہے خدا اس
کے فوائد کو زیادہ کرے اور لیکن وہ بذات مقصود نہ ہو بلکہ مطلوب امر کے لئے وسیلہ ہو تو ممنوع نہیں ہے
اور یہ اس لئے کہ ہاتھ و پاؤں کا بوسہ جھکنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا پس جب وہ اپنی ذات میں غیر
مقصود ہے بلکہ امر مطلوب کی طرف وسیلہ ہے تو یہ انحناء ممنوع میں داخل نہ ہوا پس ممنوع صرف

فَالْمَمْنُوْعُ هُوَ الْاِنْحِنَاءُ الْمُجَرَّدُ الْمُشَابِهُ لِلْعِبَادَةِ لَا الْاِنْحِنَاءُ الَّذِیْ لَیْسَ مَقْصُوْدًا فِیْ ذَاتِهٖ بَلْ وَسِیْلَةٌ اِلٰی اَمْرٍ مَطْلُوْبٍ کَتَقْبِیْلِ یَدِ الْوَالِدَیْنِ اَوِ الْعَالِمِ اَوِ الْمُرْشِدِ اَوِ الْاِمَامِ الْعَادِلِ وَرِجْلِهٖ اَوِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَمَا کَانَ وَسِیْلَةً اِلٰی اَمْرٍ مَطْلُوْبٍ غَیْرَ مَقْصُوْدٍ لِذَاتِهٖ لَمْ یَدْخُلْ فِیْ قِسْمِ الْاِنْحِنَاءِ الْمُجَرَّدِ الْمَنْهِیِّ عَنْهُ وَقَدْ ثَبَتَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ الْحَجَرَ الْاَسْوَدَ وَسَجَدَ عَلَیْهِ وَشَرَعَ ذٰلِكَ لِاُمَّتِهٖ فَلَمْ یَکُنِ الْاِنْحِنَاءُ لِتَحْصِیْلِ هٰذِهِ السُّنَّةِ مِنْ قِسْمِ الْمَمْنُوْعِ وَمَا نَحْنُ فِیْهِ ذٰلِكَ هٰذَا مَا ظَهَرَ لِلْعَبْدِ الْفَقِیْرِ اَبِی التَّقْصِیْرِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

وَاَمَّا قَوْلُ السَّائِلِ زَادَ اللّٰهُ فِیْ عِلْمِهٖ اَنَّهٗ ثَبَتَ النَّهْیُ عَنِ التَّقْبِیْلِ مُطْلَقًا سَوَاءٌ کَانَ تَقْبِیْلَ یَدٍ اَوْ رِجْلٍ اَوْ شَیْءٍ مِنْ اَعْضَاءِ الْاِنْسَانِ کَمَا فِیْ مُصَنَّفِ ابْنِ اَبِیْ شَیْبَةَ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ رَیْحَانَةَ فَجَوَابُهٗ مِنْ وُجُوْهٍ الْاَوَّلُ اَنَّ السَّائِلَ لَمْ یَذْکُرْ رِجَالَ الْحَدِیْثِ وَلَفْظَهٗ حَتّٰی یُنْظَرَ فِیْ رِجَالِهٖ وَمَتْنِهٖ وَلَیْسَ ابْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ مِمَّنْ شَرَطَ الصِّحَّةَ فِیْ مُصَنَّفِهٖ بَلْ فِیْهِ الصَّحِیْحُ وَالْحَسَنُ وَالضَّعِیْفُ السَّاقِطُ۔

خالی جھکنا ہے جو کہ عبادت کے مشابہ ہے نہ کہ وہ جھکنا جو کہ اپنی ذات میں مقصود نہیں ہے بلکہ امر مطلوب کی طرف وسیلہ ہو جیسے کہ والدین کے ہاتھ یا عالم کے یا مرشد اور امام عادل کے پاؤں کا بوسہ لینا یا حجر اسود کا، پس جو جھکنا امر مطلوب کی طرف وسیلہ ہو اور اپنی ذات کے لئے مقصود نہ ہو وہ اس مطلق انحناء منہی عنہ کی قسم میں داخل نہیں ہے اور تحقیق ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حجر اسود کا بوسہ لیا اور اس پر سجدہ کیا اور اس کو اپنی امت کے لئے مشروع ٹھہرایا، پس جو جھکنا اس سنت کو حاصل کرنے کے لئے ہو وہ ممنوع کی قسم سے نہیں ہے اور جس مسئلہ میں ہم ہیں وہ اسی سے ہے یہ وہ چیز جو مجھ حقیر کی کے قیدی کے لئے ظاہر ہوئی اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زیادہ عالم ہے اور لیکن سائل کا قول، خدا اس کے علم میں زیادتی کرے کہ مطلقاً تقبیل سے نہی ثابت ہو چکی ہے خواہ ہاتھ، پاؤں یا اعضاء انسان میں کسی اور عضو کا بوسہ لینا ہو جیسے کہ ابن ابی شیبہ کی کتاب میں ابی ریحانہ کی حدیث ہے پس اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ سائل نے رجال حدیث کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کے الفاظ کا تاکہ اس کے متن اور رجال کو دیکھا جائے اور ابن ابی شیبہ ان مصنفوں سے نہیں ہے جنہوں نے اپنی کتاب کی صحت کی شرط لگائی ہے بلکہ اس کی کتاب میں احادیث صحیح، حسن اور ضعیف گری ہوئی ہیں

اَلْوَجْهُ الثَّانِي أَنَّ الْأَحَادِيثَ الْوَارِدَةَ فِي تَقْبِيلِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالْبَطْنِ وَالْخَدِّ وَالْفَمِ فِي أَبِي دَاوُدَ - وَمُصَنَّفِ الْحَافِظِ أَبِي سَعِيدٍ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ الْمَعْرُوفِ بِابْنِ الْأَعْرَابِيِّ أَحَدِ تَلَامِذَةِ أَبِي دَاوُدَ وَرَاوِي سُنَنِهِ عَنْهُ تُخَالِفُ مَا نَقَلَهُ السَّائِلُ عَنْ مُصَنَّفِ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ فَهِيَ مُقَدَّمَةٌ وَأَصَحُّ فَنَذْكُرُ مِنْ ذٰلِكَ مَا يَنْشَرِحُ لَهُ الصَّدْرُ إِنْ شَاءَ اللهُ - أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ فِي جَامِعِهِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ وَأَبُو أُسَامَةَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلِمَةَ - عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُودِيٌّ لِصَاحِبِهِ اذْهَبْ بِنَا إِلَى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ صَاحِبُهُ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ فَإِنَّهُ لَوْ سَمِعَكَ كَانَ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ فَأَتَيَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَاهُ عَنْ تِسْعِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ -

فَقَالَ لَهُمْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى ذِي سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ

دوسری وجہ یہ ہے کہ بیشک وہ احادیث جو ہاتھ، پیر، پیٹ، رخسار اور منہ کا بوسہ لینے میں ابی داؤد اور حافظ ابی سعید احمد بن محمد بن زیاد جو کہ ابن الاعرابی کے ساتھ معروف ہیں کی کتاب میں وارد ہونے والی مخالف ہیں سائل کی نقل کی ہوئی ابن ابی شیبہ والی حدیث کے (ابن الاعرابی امام ابی داؤد کے تلامذہ میں سے ہے) پس یہ احادیث مقدم ہیں اور اس سے اصح ہیں پس ہم وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن سے سائل کا شرح صدر ہو جائیگا۔ ان شاء اللہ، امام ترمذی اپنی جامع ترمذی شریف میں لائے ہیں وہ روایت کرتے ہیں ابوکریب عبداللہ بن ادریس سے اور ابو اسامہ شعبہ سے وہ عمرو بن مرہ سے وہ عبداللہ بن سلمہ سے وہ صفوان بن عسال سے راوی کہتا ہے یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا میرے ساتھ اس نبی کے پاس چلو اس کے ساتھی نے کہا نبی مت کہو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اسے سن لے اس کے لئے چار آنکھیں ہیں تو وہ دونوں رسول کریمؐ کے پاس آئے اور آپ سے نو واضح آیات کے متعلق دریافت کیا، آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کسی کو مت ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اور جس جان کو اللہ نے حق کے بغیر مت قتل کرو، اور بری انسان کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ وہ اسے قتل کرے

ولا تسحروا ولا تأكلوا الربا ولا تقذفوا محصنة ولا تولوا يوم الزحف و
عليكم خاصة معشر اليهود أن لا تعتدوا في السبت قال فقبلا يديه ورجليه
الحديث رواه الإمام أحمد والترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح۔
وأخرجه أيضا النسائي وابن ماجة وابن جرير في تفسيره وهو مشكل لأن عبد الله
بن سلمة في حفظه قد تكلموا فيه وبعضهم انقلب عليه التسع بالعشر الكلمات
فإنها وصايا في التوراة لا تعلق لها بقيام الحجة على فرعون انتهى۔
وأخرج أبو داود من حديث الزارع وكان في وفد عبد القيس قال فجعلنا
نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجليه الحديث
وأخرج أبو داود أيضا من حديث عبد الرحمن بن أبي ليلى أن عبد الله بن عمر
حدثه وذكر قصة قال فدنونا يعني من النبي صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده۔
وعن بريدة رضي الله عنه قال جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم

اور جادو نہ کرو اور سود مت کھاؤ اور پاکدامن کو تہمت نہ لگاؤ اور لڑائی کے دن پیٹھ مت پھیرو اور
اے یہود کے گروہ تم پر خصوصا یہ ہے کہ ہفتے کے دن میں زیادتی مت کرو راوی کہتے ہیں ان
دونوں نے آپ کے ہاتھ پیر کا بوسہ لیا اسے امام احمد و ترمذی لائے ہیں اور ترمذی نے فرمایا ہے
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اسے نسائی اور امام ابن ماجہ اور ابن جریر اپنی تفسیر میں لائے ہیں
اور یہ مشکل ہے کیونکہ عبداللہ بن سلمہ کے حافظے میں محدثین نے کلام کیا ہے اور شاید کہ اس پر نو دس
کلمات کے ساتھ بدل گئے ہیں کیونکہ یہ تورات میں وصایا ہیں ان کا تعلق فرعون پر حجت قائم
کرنے سے کیا ہے۔ اور امام ابوداود زارع کی حدیث لائے ہیں اور وہ عبد القیس کے وفد میں
تھا کہ راوی نے کہا پس شروع ہوئے ہم اپنی سواریوں سے سبقت سے جاتے تھے تاکہ ہم رسول
کریم کے ہاتھ پاؤں کا بوسہ لیں۔ امام ابوداود حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن عبداللہ بن عمر
والی بھی لائے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے اسے حدیث سنائی اور ایک قصہ ذکر کیا اس نے ہم رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے اور ہم نے آپ کے ہاتھ اور آپ کے پاؤں کا بوسہ دیا۔
اور بریدہ رضی اللہ عنہ سے بھی لاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک جنگلی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فقال یا رسول اللہ إني أسلمت فأرني شيئا أزداد به يقينا قال ما تريد قال ادع تلك
الشجرة فلتأتك قال اذهب إليها فادعها فقل لها أجيبي رسول الله صلى الله عليه
وسلم فمالت فقطعت عروقها وفروعها حتى أتت النبي صلى الله عليه وسلم
فقالت السلام عليك فقال حسبي قال فمرها فلترجع فرجعت فدلت عروقها في
ذلك المكان ثم استوت كما كانت فقال ائذن لي أن أقبل رأسك ورجليك فأذن
له صلى الله عليه وسلم فقبل رأسه ورجليه قال ائذن لي أن أسجد لك قال لا
يسجد أحد لأحد ولو كنت آمر أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد
لزوجها تعظيما لحقه، رواه الحاكم في المستدرك وابن الأعرابي في رسالته في التقبيل
والمعانقة والمصافحة والحافظ ابن حجر في فتح الباري وقال الحافظ في فتح
الباري وقد جمع الحافظ أبو بكر بن المقرئ جزءا في التقبيل سمعناه وأوردنا فيه

کے پاس آیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میں اسلام لے آیا ہوں مجھے ایسی چیز دکھائیے جس سے میرا یقین
زیادہ ہو جائے آپ نے فرمایا تیرا کیا ارادہ ہے اس نے کہا میں اس درخت کو بلاؤں پس وہ آپ کے
پاس آجائے آپ نے فرمایا اچھا اس درخت کی طرف جاؤ اور اسے کہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب
دے پس وہ درخت جھک گیا تو اس انسان نے اس کی شاخیں اور جڑیں کاٹ کر رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس لے آیا پس جڑوں نے آکر کہا آپ پر سلام ہو اس انسان نے کہا بس مجھے اتنی نشانی
کافی ہے آپ نے فرمایا اسے حکم دے کہ لوٹ جائے پس وہ لوٹ گیا پس اس کی جڑیں اس جگہ میں داخل ہو گئیں
پھر سیدھی ہو گئیں پس اس انسان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے اجازت مرحمت
فرمائیں کہ میں آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دوں اس نے کہا مجھے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت عطا فرمائیں
آپ نے فرمایا کوئی انسان دوسرے کو سجدہ نہ کرے اور اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو میں عورت کو
اس کے خاوند کے لئے سجدہ کا حکم دیتا اس کے خاوند کے حق کی تعظیم کے لئے الحدیث۔ اسے حاکم نے مستدرک
میں نکالا ہے اور ابن الاعرابی نے رسالہ التقبیل والمعانقہ میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بعد
تحقیق حافظ ابوبکر بن المقری جزء فی التقبیل مسمّی نامی رسالہ جمع کیا ہے اور اس میں انہوں نے

أحاديث كثيرة وآثار فمن جيدها حديث الزارع العبدي وكان في وفد عبد القيس قال فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد النبي صلى الله عليه وسلم ورجله أخرجه أبو داود ومن حديث مزيدة العصري مثله. ومن حديث أسامة بن شريك قال قمنا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبلنا يده. وسنده قوي ومن حديث جابر أن عمر قام إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقبل يده۔ ومن حديث بريدة في قصة الأعرابي والشجرة فقال يا رسول الله ائذن لي أن أقبل رأسك ورجليك فأذن له۔ وأخرج البخاري في الأدب المفرد من رواية عبد الرحمن بن رزين قال أخرج لنا سلمة بن الأكوع كفا ضخمة كأنها كف بعير فقمنا إليها فقبلناها۔ وعن ثابت أنه قبل يد أنس وأخرج أيضا أن عليا قبل يد العباس ورجله۔ وأخرج ابن المقري وأخرج من طريق أبي مالك الأشجعي قال قلت لابن أبي أوفى ناولني يدك التي بايعت بها رسول الله صلى الله عليه وسلم

سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان تمام سے عمدہ حدیث زارع عبدی کی ہے اور وہ عبد القیس کے وفد میں تھا راوی کہتا ہے پس شروع ہوئے ہم اپنی سواریوں سے سبقت لے جاتے تھے تا کہ رسول کریمؐ کے ہاتھ و پاؤں کا بوسہ لیں۔ اور امام ابی داؤد مزیدہ العصری کی حدیث اسی طرح کی لائے ہیں اور اسامہ بن شریک بھی وہ کہتے ہیں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے پس ہم نے آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ اور اس کی سند قوی ہے اور جابرؓ کی حدیث ہے کہ بیشک حضرت عمرؓ فاروق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ اور بریدہؓ والی حدیث اعرابی اور شجرہ (درخت) والے قصہ والی اس اعرابی نے کہا، یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے سر اور پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت دیجئے آپ نے اجازت اسے عطا فرما دی۔ اور امام بخاری الادب المفرد میں عبد الرحمن بن رزین کی حدیث لائے ہیں راوی کہتے ہیں ہمارے لیے سلمہ بن اکوع نے ایک موٹی ہتھیلی تھی نکالی ہم اس کی طرف کھڑے ہوئے اور اس کو بوسہ دیا، اور اسے ابن المقری لائے ہیں اور ابی مالک اشجعی کے طریق سے لائے ہیں راوی کہتا ہے میں نے ابن ابی اوفیٰ سے کہا مجھے اپنا وہ ہاتھ پکڑا جس سے آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فدنا إليها فقبلناها وعن عمر أنهم لما رجعوا من الغزو حيث فروا قالوا نحن
الفرارون فقال بل أنتم العكارون وأنا فئة المؤمنين قال فقبلنا يده و
قبل أبو أمامة وكعب بن مالك وصاحباه يد النبي صلى الله عليه وسلم
حين تاب الله عليهم ذكره الأبهري وقبل أبو عبيدة يد عمر حين
قدم وقبل زيد بن ثابت يد ابن عباس حين أخذ ابن عباس بركابه قال
الأبهري وإنما كرهها مالك إذا كانت على وجه التكبر والتعظيم
وأما إذا كانت على وجه القربة إلى الله لدينه أو لعلمه أو لشرفه
فإن ذلك جائز انتهى كلام الحافظ ابن حجر في فتح الباري وقال في
فتح الباري أيضا قال النووي تقبيل يد الرجل لزهده وصلاحه
أو علمه أو شرفه أو صيانته أو نحو ذلك من الأمور الدينية لا يكره

کی ہو تو کیا ہے پس اس نے وہ ہاتھ پکڑا پس میں نے اس کو بوسہ دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ
عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ اس لڑائی سے واپس آئے جہاں وہ بھاگ گئے تھے تو صحابہ رضوان
اللہ علیہم اجمعین نے کہا کہ ہم تو بھاگنے والے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلکہ تم تو
دوبارہ حملہ کرنے والے ہو اور میں مومنوں کے لئے جائے پناہ ہوں (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) پس ہم
نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور ابو امامہ اور کعب بن مالک اور اس کے دونوں ساتھیوں نے جب
کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بوسہ دیا اسے ابہری نے
ذکر کیا ہے اور حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے آنے کے وقت ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا اور
حضرت زید بن ثابت نے حضرت ابن عباسؓ کے ہاتھ کو بوسہ دیا جب کہ انہوں نے ان کے گھوڑے
کی رکاب پکڑی تھی ابہری فرماتے ہیں اور امام مالک نے اسے صرف اس وجہ سے مکروہ خیال کیا
ہے جب کہ یہ بڑا بننے اور تعظیم کے لئے ہو اور لیکن جب یہ نیکی کے لئے ہو اللہ سے اس کے دین
علم اور شرف کی وجہ سے تو تحقیق یہ جائز ہے امام نووی فرماتے ہیں کہ آدمی کے ہاتھ کا بوسہ اس کے
زہد، اصلاح، علم، شرف اور پاکدامنی کی وجہ یا کسی اور دینی کام کی وجہ سے ہو تو مکروہ نہیں بلکہ

بل يستحب فإن كان لغناه أو شوكته أو جاهه عند أهل الدنيا فمكروه
شديد الكراهة وقال أبو سعيد المتولي لا يجوز انتهى ۔ وأخرج أبو داود
من حديث عائشة في قصة الإفك قالت ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم
أبشري يا عائشة فإن الله قد أنزل عذرك وقرأ عليها القرآن فقال أبواي قومي
فقبلي رأس رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت أحمد الله عز وجل لا إياكما
وأخرج أبو داود من حديث الشعبي مرسلا أن النبي صلى الله عليه وسلم تلقى جعفر
بن أبي طالب فالتزمه وقبل ما بين عينيه ۔ وأخرج أبو داود أيضا من
حديث إياس بن دغفل قال رأيت أبا نضرة قبل خد الحسن رضي الله عنه
وأخرج أبو داود من حديث البراء قال دخلت مع أبي بكر أول ما قدم
المدينة فإذا عائشة ابنته مضطجعة قد أصابتها حمى فأتاها أبو بكر فقال
لها كيف أنت يا بنية وقبل خدها ۔

مستحب ہے اور اگر اس کی مالداری شوکت اور مرتبہ کی وجہ سے جو دنیا والوں کے نزدیک ہو پھر سخت مکروہ ہے اور ابو سعید متولی کا تو کہنا ہے کہ یہ جائز ہی نہیں ۔ اور امام ابوداؤد حضرت عائشہ کی حدیث قصہ الافک کے بارے میں لائے ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے عائشہ خوش ہو جا تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیرا عذر اتارا اور آپ نے حضرت عائشہ پر قرآن پڑھا تو میرے والدین نے مجھے کہا کھڑی ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو بوسہ دے تو میں نے عرض کی میں تو اللہ عزوجل کی تعریف کرتی ہوں نہ کہ تمہاری ۔ اور امام ابوداؤد شعبی کی حدیث لاتے ہیں مرسل کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن طالب سے ملے پس اسے چمٹ گئے اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا ۔ اور امام ابی داؤد نیز ایاس بن دغفل کی حدیث بھی لاتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے ابا نضرہ کو حضرت حسن کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا اور امام ابی داؤد براء کی حدیث لاتے ہیں وہ کہتے ہیں جب میں مدینہ میں پہلے پہل آیا تو حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ داخل ہوا اچانک ان کی بیٹی حضرت عائشہ لیٹی ہوئی تھی انہیں بخار ہو گیا تھا تو اس کے پاس حضرت ابوبکر صدیق تشریف لے گئے اور اسے کہا اے بیٹی تیرا کیا حال ہے اور اس کے رخسارے کا بوسہ لیا ۔

وأخرج أبو داود في باب قبلة الجسد من حديث أسيد بن حضير رجل من الأنصار قال بينما هو يحدث القوم وكان فيه مزاح بينا يضحكهم فطعنه النبي صلى الله عليه وسلم في خاصرته بعود فقال أصبرني قال اصطبر قال إن عليك قميصا وليس علي قميص فرفع النبي صلى الله عليه وسلم عن قميصه فاحتضنه وجعل يقبل كشحه قال إنما أردت هذا يا رسول الله.

وأخرج الحافظ أبو سعيد أحمد بن محمد المعروف بابن الأعرابي تلميذ أبي داود راوي سننه عنه في رسالته كتاب القبل والمعانقة والمصافحة من حديث أبي ثعلبة الخشني قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قدم من سفر أو غزو بدأ بالمسجد فصلى ركعتين ثم ثنى بفاطمة رضي الله عنها ثم بأزواجه قال فتلقته فاطمة رضي الله عنها فاعتنقته فجعل يقبل فاه وعينيه قال إن الله بعث أباك بأمر لا يبقى بيت مدر ولا شعر إلا أدخله الله

اور امام ابو داؤد جسم کے بوسہ دینے کے باب میں انصار کے ایک انسان اسید بن حضیر کی حدیث لائے ہیں راوی کہتے ہیں یہ قوم سے بات کر رہا تھا جس میں وضع مذاق تھا جو انہیں ہنسا رہا تھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پہلو میں ایک لکڑی سے ضرب لگائی تو راوی نے کہا مجھے قصاص دیجیے آپ نے فرمایا قصاص لے لو اس نے کہا آپ پر تو قمیض ہے اور مجھ پر قمیض نہیں تھی پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جسم سے کپڑے کو اٹھایا پس وہ آپ سے چمٹ گیا اور آپ کے پہلو کا بوسہ لینے لگا اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے تو اس کام کا ارادہ کیا تھا۔

اور حافظ ابو سعید احمد بن محمد المعروف بابن الاعرابی امام ابی ابو داؤد کے شاگرد اور ان کی سنن کے راوی ان سے، اپنے رسالہ کتاب القبل والمعانقہ والمصافحہ میں ابی ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں راوی کہتے ہیں رسول کریم جب کسی سفر یا لڑائی یا غزوے سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں آتے اور وہاں دو رکعات ادا فرماتے پھر حضرت فاطمہؓ کے پاس پھر اپنی بیویوں کے ہاں راوی فرماتے ہیں آنحضرت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ملیں پس اس جناب سے معانقہ کیا پس آپ اس کی آنکھ اور منہ کو بوسے دینے لگے آپ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے تیرے ابا جان کو ایسے حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ نہ کوئی مکان اور نہ کوئی خیمہ باقی رہے گا حتیٰ کہ اللہ عزوجل اس کی اس میں داخل فرما دے

بِهِ عِزًّا وَذُلًّا حَتّٰى يَبْلُغَهُ حَيْثُ بَلَغَ وَفِيْهِ بِإِسْنَادِهِ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ مِنْ مَغَازِيْهِ قَبَّلَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَفِيْهِ بِإِسْنَادِهِ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اسْتَشَارَ أُخْتَهُ فِيْ شَيْءٍ فَأَشَارَتْ عَلَيْهِ فَقَبَّلَ فَاهَا۔

وَفِيْهِ فِيْ بَابِ قُبْلَةِ الْبَطْنِ وَالْجَسَدِ بِإِسْنَادِهِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَجُلًا مُخْتَضِبًا بِالصُّفْرَةِ وَفِيْ يَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَرِيْدَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُطَّ حُطَّ وَرْسٌ قَالَ فَطَعَنَ بِالْجَرِيْدَةِ فِيْ بَطْنِ الرَّجُلِ فَقَالَ أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هٰذَا فَأَثَّرَ فِيْ بَطْنِهِ حَتّٰى أَدْمَاهُ فَقَالَ الرَّجُلُ الْقَوَدَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْتَصُّ فَقَالَ مَا لِبَشَرَةِ أَحَدٍ فَضْلٌ عَلٰى بَشَرَتِيْ قَالَ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ ثُمَّ قَالَ اِقْتَصَّ فَقَبَّلَ الرَّجُلُ بَطْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَدَعُهَا لَعَلَّكَ تَشْفَعُ لِيْ بِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

عزت یا ذلت دے گا حتیٰ کہ اپنے مبلغ کو پہنچ جائیگا۔ اور اسی میں اسی سند سے عکرمہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض لڑائیوں کے سفر سے واپس تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیتے اور اسی کتاب میں اسی اسناد سے ہے کہ تحقیق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کسی کام سے مشورہ طلب کیا پس اس نے آپ پر اشارہ کر دیا پس حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ کو بوسہ دیا۔ اسی طرح ابو سعید کے رسالے کتاب القبل والمعانقہ والمصافحہ کے باب قبلۃ البطن والجسد میں بمع سند مروی ہے حضرت حسن بن علی کی مرسل روایت ہے کہ آنحضرت ایک ایسے آدمی سے ملے جس نے زرد رنگ استعمال کیا ہوا تھا، آنحضرت کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی آپ نے اسے کہا کہ ورس (دبوٹی) کا اتار دو، اتار دو اور یہ کہتے ہوئے کہ میں تجھے اس رنگ سے روکتا تھا اس کے پیٹ پر چھڑی ماری حتیٰ کہ زخم ہو گیا۔ اس آدمی نے قصاص کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا رسول خدا سے قصاص لوگے کیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ میرے جسم پر کسی کے جسم کو فضیلت حاصل نہیں ہے آنحضرت نے پیٹ ننگا کرتے ہوئے فرمایا کہ قصاص لے لو اس شخص نے بڑھ کر آنحضرت کا پیٹ چوم لیا اور کہنے لگا کہ میں قصاص اس لئے چھوڑ دیتا ہوں کہ آپ اس کے عوض قیامت کو میری شفاعت فرمائیں۔

وَ فِيهِ بَابُ قُبْلَةِ السُّرَّةِ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ كُنْتُ أَمْشِي مَعَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَلَقِيَهُ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَالَ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاكَ إِكْشِفْ لِي عَنْ بَطْنِكَ حَتّٰى أُقَبِّلَ الْمَوْضِعَ الَّذِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُهُ فَكَشَفَ عَنْ بَطْنِهِ فَقَبَّلَ سُرَّتَهُ ۔

فَهٰذِهِ الْأَحَادِيثُ وَالْآثَارُ الْوَارِدَةُ عَنِ الصَّحَابَةِ فِي تَقْبِيلِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالْجَسَدِ وَالْفَمِ وَالْخَدِّ وَالْبَطْنِ وَالسُّرَّةِ وَالْكَشْحِ كُلُّهَا صَرِيحٌ فِي تَقْبِيلِ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ الْمَذْكُورَةِ فَهِيَ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى مَا رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنَ النَّهْيِ عَنْ تَقْبِيلِ عُضْوٍ مِنْ أَعْضَاءِ الْإِنْسَانِ عَلٰى فَرْضِ صِحَّتِهِ أَوْ مَحْمُولٌ عَلٰى مَا إِذَا كَانَ لِغَيْرِ غَرَضٍ دِينِيٍّ أَوْ نَحْوِ أَمْرَدَ أَوِ امْرَأَةٍ أَجْنَبِيَّةٍ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ ۔

وَأَمَّا قَوْلُ السَّائِلِ كَثَّرَ اللّٰهُ فَوَائِدَهُ وَهَلْ وَرَدَ فِي كَيْفِيَّةِ تَقْبِيلِ الرِّجْلِ حَدِيثٌ فَجَوَابُهُ

اسی طرح باب "قبلۃ السرۃ" میں عمیر بن اسحاق کی روایت ہے کہ میں مدینہ منورہ کی کسی گلی میں حسن بن علی کے ساتھ جا رہا تھا راستے میں حضرت ابو ہریرہؓ ملے فرمانے لگے میری جان آپ پر قربان آپ ... پیٹ ننگا کیجئے تاکہ میں اس جگہ بوسہ دوں جہاں نبی اکرمؐ بوسہ دیتے ہوئے میں دیکھا ہے حسن نے اپنا پیٹ ننگا کیا تو ابو ہریرہ نے اس کی ناف کا بوسہ لیا، صحابہ کرامؓ سے مروی یہ احادیث و آثار ہاتھ، پاؤں، جسم، منہ، رخسار، پیٹ، ناف اور کمر کے بوسے کے بارے میں بالکل صریح ہیں اور ان مقامات کے بوسے کے جواز پر دال ہیں ابن ابی شیبہ کی روایت کو بالفرض صحیح بھی مان لیں تو یہ روایات بوجہ کثرت اس پر مقدم ہوں گی، جس میں ہر انسانی عضو کے بوسے کی ممانعت آئی ہے، یا بغیر دینی اغراض اور اجنبی عورت اور امرد لڑکے پر محمول ہوگی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اور یہ سوال کہ پاؤں چومنے کی کیفیت کیا ہے کیا اس بارے میں کوئی حدیث ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ

لم أقف على ذلك لكن معرفة ذلك بالاستقراء غير مخفية وهو أنه لا يحصل إلا بالانحناء وغير أن الفقهاء ذكروا في كيفية تقبيل الحجر الأسود والركن اليماني بأن يضع الرجل شفتيه على ما ذكر من غير دفع صوت به بذلك وذلك لا يحصل بدون الانحناء فيهما كذلك والله سبحانه وتعالى أعلم وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه وسلم۔

حرره المجيب الحقير الفقير إلى إحسان ربه الكريم الباري حسين بن محسن الأنصاري اليماني السعدي الخزرجي عفا الله عنهما۔

أصلين

نور العين فتاویٰ شیخ حسین صـ۲۳تا صـ۲۲

مجھے کسی حدیث کا علم نہیں ہے البتہ استقراء سے اس کی معرفت آسان اور واضح ہے کہ وہ انحناء (جھکاؤ) کے بغیر ممکن نہیں ہے فقہائے حجراسود اور رکن یمانی کے بوسے کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اس پر آدمی اپنے ہونٹ رکھے اور تھوک نہ لگنے دے انحناء کے بغیر تو یہ بھی نہیں ہو سکتا ان کو اسی پر قیاس کیا جائیگا، وصلی اللہ علی خیر محمد وصحبہ اجمعین،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى - اما بعد

فهذه نبذة من ادلة الكتاب والسنة واقوال اهل العلم في مسئلة عدل الله وحكمته وقسطه وتنزيهه تعالى عن الظلم والجور قال ابن جرير الطبري في تفسيره وهو من اجل تفاسير اهل الاسلام تحت قوله تعالى وما كان ربك ليهلك القرى بظلم واهلها مصلحون. يقول تعالى ذكره وما كان ربك يا محمد ليهلك القرى التي اهلكها التي قص عليك نبأها ظلما واهلها مصلحون في اعمالهم غير مسيئين فيكون اهلاكه اياهم مع اصلاحهم في اعمالهم وطاعتهم ربهم ظلما وقال رحمه الله في سورة آل عمران واما قوله ذلك بما قدمت ايديكم اي قولنا لهم يوم القيامة ذوقوا عذاب الحريق بما اسلفت ايديكم واكتسبها آثامكم في الدنيا وبان الله عدل لا يجور فيعاقب عبدا له من غير استحقاق منه العقوبة وقال رحمه الله وخلق الله السموات والارض بالحق لتعدل لا لما حسب الجاهلون بالله من انه يجعل من اجترح السيئات فعصاه وخالف امره كالذين آمنوا وعملوا الصالحات في المحيا والممات اذ كان ذلك

اما بعد یہ ایک مختصر ہے کتاب و سنت سے اور اہل علم کے اقوال سے اللہ عزوجل کے عدل و حکمت و انصاف کے مسئلہ میں اور اس کی تنزیہ و پاکی میں ظلم و جور سے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔ علامہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں جو تفاسیر اسلامیہ سے ایک اعلیٰ درجہ کی معتبر تفسیر ہے آیہ کریمہ وما کان ربک لیہلک القری ظلما واہلہا مصلحون کی تفسیر میں لکھتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرا رب ایسا نہیں کہ صالح بے گناہ لوگوں کو ہلاک کرے کیونکہ صالح بے گناہ بے قصور لوگوں کا ہلاک کرنا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ و مبرا پاک ہے اور سورہ آل عمران میں آیہ کریمہ ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید کی تفسیر میں لکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ عزوجل کافروں کو فرماوے گا کہ تم کو عذاب حریق میں رکھنا تمہارے اعمال کا بدلہ ہے اور اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل عادل ہے ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں کو بے قصور عذاب کرے

اور آیہ کریمہ وخلق اللہ السموات والارض بالحق ولتجزی کل نفس بما کسبت وہم لا یظلمون کی تفسیر میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حق و عدل کے واسطے بنایا ہے نہ اس واسطے کہ مومن اور کافر

مِنْ فِعْلِ غَيْرِ أَهْلِ الْعَدْلِ وَالْإِنْصَافِ يَقُولُ جَلَّ ثَنَاؤُهُ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لِلظُّلْمِ وَالْجَوْرِ وَلٰكِنْ خَلَقْنَاهُمَا بِالْحَقِّ وَالْعَدْلِ وَمِنَ الْحَقِّ أَنْ نُخَالِفَ بَيْنَ حُكْمِ الْمُسِيءِ وَالْمُحْسِنِ فِي الْعَاجِلِ وَالْآجِلِ. أَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا قَالَ لَا يَخَافُ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يُظْلَمَ فَيُزَادَ عَلَيْهِ فِي سَيِّئَاتِهِ وَلَا يُظْلَمَ فَيُهْضَمَ مِنْ حَسَنَاتِهِ وَبِنَحْوِهِ فَسَّرَهُ مُجَاهِدٌ وَقَتَادَةُ وَالْحَسَنُ يَعْنِي لَوْ زَادَ عَلَيْهِ فِي سَيِّئَاتِهِ أَوْ نَقَصَ مِنْ حَسَنَاتِهِ لَكَانَ ظُلْمًا وَاللّٰهُ تَعَالٰى مُنَزَّهٌ عَنِ الظُّلْمِ وَقَالَ ابْنُ كَثِيرٍ فِي تَفْسِيرِهِ تَحْتَ قَوْلِهِ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا أَيْ لَا يُزَادُ فِي سَيِّئَاتِهِ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ حَسَنَاتِهِ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ وَالضَّحَّاكُ وَالْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فَالظُّلْمُ الزِّيَادَةُ بِأَنْ يُحْمَلَ عَلَيْهِ ذَنْبُ غَيْرِهِ وَالْهَضْمُ النَّقْصُ انتهى وَقَالَ تَحْتَ قَوْلِهِ تَعَالٰى أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ أَيْ سَاءَ مَا ظَنُّوا بِنَا وَبِعَدْلِنَا أَنْ نُسَاوِيَ بَيْنَ الْأَبْرَارِ وَالْفُجَّارِ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ.

کر حیوۃ و ممات میں برابر رکھے یہ جاہلوں کا گمان ہے کیونکہ یہ ظلم ہے انصاف کا کام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے آسمان و زمین کو ظلم اور بے انصافی کے واسطے نہیں بنایا بلکہ عدل و انصاف کے واسطے بنایا ہے اور عدل و انصاف سے ہے فرق کرنا درمیان نیکو کار و بدکار کے۔ ابن عباس سے آیہ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن آدم قیامت کے دن اس سے نہیں ڈرے گا کہ میرے حسنات کی کمی یا سیئات کی زیادت کا ظلم مجھ پر کیا جاوے گا۔ اور مجاہد اور قتادہؒ اور حسنؒ نے بھی اسکے قریب قریب تفسیر کی ہے غرض کہ اگر ان کے سیئات میں زیادت یا ان کے حسنات میں نقصان کیا جاوے تو ظلم ہو جاوے گا اور اللہ عزوجل ظلم سے پاک اور منزہ ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سیئات میں زیادت اور حسنات میں نقص ظلم و ہضم ہے مومن اس ظلم و نقصان سے نہ ڈرے۔ اور یہی تفسیر ہے ابن عباسؓ مجاہدؒ و ضحاکؒ اور حسنؒ اور قتادہؒ اور بہت مفسرین کی۔ اور آیہ کریمہ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلهم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاهم ومماتهم ساء ما یحکمون میں لکھا ہے یعنی نیکوں اور بدکاروں کو یکساں سمجھنا ہمارے اور ہماری عدالت پر بدگمانی کرنا ہے۔

قلت لو کان فی مساواتہم عدل لما حکم علیہم بالحکم السیئ والظن السیئ وقال صاحب جامع البیان تحت قولہ تعالیٰ ذلک بما قدمت یداک وان اللہ لیس بظلام للعبید و من العدل تعذیب المسیئ واثابۃ المحسن والظالم قد یترک عقاب المسیئ للعصبیۃ کما یترک اثابۃ المحسن وقال رحمہ اللہ فی قولہ تعالیٰ ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید اشار الی ان من عفی من ہؤلاء الذین ظلموا انفسہم وظلموا عباد اللہ المؤمنین صار مرتکبا کثیرا لظلم بمعنی انہ وضع الشیئ فی غیر محلہ اللائق وبہذا فسرہ اہل اللغۃ وما ورد فی کتاب اللہ الظلم الا بہذا المعنی والعفو فی موضع لا تقتضیہ الحکمۃ ظلم لا محالۃ فیہ ولیس ہذا من الاعتزال فی شیئ اخر منہ وقال رحمہ اللہ تحت قولہ تع ونقول ذوقوا عذاب الحریق ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید ای عدلنا یقتضی تعذیبکم وقال رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ ما یبدل القول لدی لا تبدیل ولا خلاف لقولی وما انا بظلام للعبید فاعذبہم بغیر جرمہم

میں کہتا ہوں اگر مساوات میں بھی عدل ہوتا تو اللہ عزوجل ان پر بدگمانی اور برا حکم کیوں فرماتا اور صاحب تفسیر جامع البیان سورۂ حج میں آیۂ کریمہ ذلک بظلام للعبید کی تفسیر میں لکھتے ہیں بدکار کو عذاب دینا نیکوکار کو نیک بدلہ دینا عدل سے ہے۔ اور ظالم کبھی بدکار کو جانبداری عصبیت سے سزا نہیں دیا کرتا جس طرح کہ نیکوکار کو اس کی نیکی پر بدلہ نہیں دیتا اور سورۂ انفال میں آیۂ کریمہ ذلک بما قدمت یداک وان اللہ لیس بظلام للعبید کی تفسیر میں لکھتے ہیں اس میں اشارہ فرمایا ہے کہ جنہوں نے ان ظالموں سے درگذر کیا جنہوں نے اپنے نفسوں اور اللہ تعالیٰ کے ایماندار بندوں پر ظلم کیا تو بڑا ظلم ہوگا بایں معنی کہ اس نے غیر محل لائق میں شے کو استعمال کیا اور ظلم کی تفسیر اہل لغت یہی کرتے ہیں اور کتاب اللہ میں ظلم کا لفظ بجز اس معنی کے نہیں آیا اور معاف کرنا ایسے موقع میں جہاں حکمت مقتضی نہ ہو بلا ریب ظلم ہے اور اس میں کچھ اعتزال نہیں ہے اور آیۂ کریمہ سورۂ آل عمران ذلک بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی ہماری عدالت تمہارے عذاب دینے کی مقتضی ہے اور آیۂ کریمہ سورۂ ق ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی اپنے بندوں پر ظالم نہیں ہوں کہ انکو بغیر جرم کے عذاب کروں اور آیۂ کریمہ سورۂ طٰہٰ فلا یخاف ظلما ولا ھضما کی تفسیر میں

قال رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ تعالیٰ فلا یخاف ظلما بان یزاد علی سیئاتہ ولا ھضما
بان ینقص من حسناتہ۔ وقال رحمہ اللہ تعالیٰ ام حسب الذین اجترحوا السیئات
ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون
ای بئس حکمھم ھذا وخلق السموات والارض بالحق ای کیف یستوی وقد خلقھما بالحق
المقتضی للعدل ولتجزی کل نفس بما کسبت خلقھما للعدل والثواب لا للعبث وھم
لا یظلمون فاذا استوی المحسن والمسیئ فلا یکون للعدل والجزاء وتحقق الحق مفہوما
وقال تعالیٰ افنجعل المسلمین کالمجرمین ما لکم کیف تحکمون۔ وقال اللہ
تعالیٰ ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل
المتقین کالفجار۔ وقال رحمہ اللہ تحت قولہ تعالیٰ وما کان ربک لیھلک
القری بظلم واھلھا مصلحون ای لا اھلکھم بظلم وھم مصلحون لاعمالہم
فانہ سبحانہ حرم الظلم علی نفسہ وجعلہ بینکم محرما وما ظلمناھم

لکھتے ہیں ظلم یہ ہے کہ کسی کو بغیر گناہ کے اس کے سیئات میں زیادتی کی جائے اور ھضم یہ ہے کہ اس کی نیکیوں میں کچھ کمی کی
جائے اور آیہ کریمہ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملوا الصلحت سواء محیاھم ومماتھم ساء
ما یحکمون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کیا بدعمل لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم ان کو ایماندار اور نیک عمل والوں کی طرح کریں گے
بایں طور کہ ان کی حیات اور ممات یکساں ہو یہ اللہ عزوجل کے بارے میں برا خیال ہے۔ وخلق اللہ السموات والارض
بالحق یعنی نیک اور بد کیونکر برابر ہوں کیونکہ اس نے آسمان اور زمین کو ایسے امر حق کے ساتھ پیدا کیا ہے
جو عدل کا مقتضی ہے۔ ولتجزی کل نفس بما کسبت یعنی دونوں کو عدل اور ثواب کیلئے پیدا کیا ہے
نہ عبث کیلئے وھم لا یظلمون اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا جب نیک اور بد یکساں ہو گئے تو یہ عدل اور جزا کیسے ہو
اور حق کا ظہور کیونکر اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کر دیں تم کو کیا ہوا کس طرح تم حکم
کرتے ہو اور فرماتا ہے کیا ہم ایماندار صالح عمل والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں کی طرح کریں گے اور کیا ہم
متقیوں کو فاجروں کی طرح کریں گے ہرگز نہیں یہ میرے عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ اور آیہ کریمہ وما کان
ربک لیھلک القری بظلم واھلھا مصلحون کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ صالحوں کو اللہ عزوجل ہلاک نہیں کرتا ہے کیونکہ

وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ وَهٰذَا تَوْجِيْهٌ وَجِيْهٌ لَا اِحْتِمَالَ فِيْهِ اِنْتَهٰى وَفِي التَّفْسِيْرِ الْوَجِيْزِ تَحْتَ قَوْلِهٖ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا بِاَنْ يُزَادَ عَلٰى سَيِّئَاتِهٖ وَلَا هَضْمًا بِاَنْ يُنْقَصَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ كَمَا فَسَّرَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ وَالضَّحَّاكُ وَقَتَادَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ السَّلَفِ نَقَلَهُ الْمُفَسِّرُوْنَ وَصَحَّحَهُ الشَّيْخُ النَّاقِدُ عِمَادُ الدِّيْنِ ابْنُ كَثِيْرٍ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ وَمِثْلُ هٰذَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْمَجِيْدِ فِيْ مَوَاضِعَ كَثِيْرَةٍ ۔

وَقَالَ الرَّازِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِهِ الْكَبِيْرِ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلَوْ لَمْ يُوْجَدِ الْبَعْثُ لَمَا كَانَ ذٰلِكَ بِالْحَقِّ بَلْ كَانَ بِالْبَاطِلِ لِاَنَّهٗ تَعَالٰى لَمَّا خَلَقَ الظَّالِمَ وَسَلَّطَهٗ عَلَى الْمَظْلُوْمِ الضَّعِيْفِ ثُمَّ لَا يَنْتَقِمُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ كَانَ ظَالِمًا وَلَوْ كَانَ ظَالِمًا لَبَطَلَ اَنَّهٗ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۔

وَقَالَ تَحْتَ قَوْلِهٖ تَعَالٰى فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا وَالظُّلْمُ هُوَ اَنْ يُعَاقَبَ لَا عَلٰى جَرِيْمَةٍ اَوْ يُمْنَعَ مِنَ الثَّوَابِ عَلَى الطَّاعَةِ اِنْتَهٰى هٰذَا

اللہ عزوجل نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا اور تم پر بھی حرام کیا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے مجرموں کو ظلماً ہلاک نہیں کیا بلکہ وہ اپنے ظلم سے ہلاک ہو گئے اور یہ بہت عمدہ وجہ ہے اس میں کوئی احتمال نہیں انتہی اور تفسیر وجیز میں آیہ کریمہ فلا یخاف ظلما ولا ھضما کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ظلم یہ ہے کہ اس کے گناہوں میں زیادت کی جاوے اور ہضم یہ کہ اسکے نیکیوں میں نقصان کیا جاوے اسی طرح ابن عباسؓ مجاہدؒ اور ضحاکؒ اور قتادہؒ اور بہت سلف نے اس آیت کی تفسیر کی ہے اور مفسرین نے اسکی نقل کی ہے اور عماد الدین ابن کثیر نے جو حدیث کا صراف ہے اسکی تصحیح کی ہے انتہی رازی تفسیر کبیر میں آیہ کریمہ خلق اللہ السموات والارض بالحق کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں اگر بعث بعد الموت نہ ہو تو آسمان اور زمین کی پیدائش بالحق نہ ہوئی بلکہ بالباطل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب ظالم کو پیدا کیا اور مظلوم ضعیف پر مسلط کیا پھر ظالم سے مظلوم کے واسطے انتقام نہ لیا تو معاذ اللہ باللہ تعالیٰ ظالم ہے تو آسمان زمین کی بالحق پیدائش باطل ہوگی اور آیہ کریمہ فلا یخاف ظلما ولا ھضما کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بے قصور کو عذاب دینا یا عمل صالح کا بدلہ نہ دینا ظلم ہے انتہی قرآن مجید کی تفسیر میں یہ تفسیر شیخ رازی کی مختار ہے اگرچہ اپنے اصحاب اشاعرہ کے طرف سے مخالفوں کو جواب بھی دیتا ہے اور اس قسم کی آیتیں قرآن شریف میں

الذي اختاره الرازي في تفسيره نقلا عن ابن الخطيب وإن كان يمثل أجوبة أصحابه الأشعرية في مقابلة المخالفين. قلت وأتعجب من بعض تفاسير أهل السنة يأولون هذه الآيات بأن المراد بفعل ما لو فعله غيره لكان ظلما كما أن المراد من الابتلاء والاختبار فعل ما لو فعله غيره لكان ابتلاء واختبارا وهذا التأويل أقرب بالتحريف من التفسير وفي الصحيحين فقال أهل الكتابين أعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين وأعطيتنا قيراطا قيراطا قال الله هل ظلمتكم من أجركم من شيء قالوا لا قال فهو فضلي أوتيه من أشاء وفيهما في حق الجنة والنار قال الله عز وجل لكل واحد منهما ملؤها فأما النار فلا تمتلئ حتى يضع رب العزة فيها قدمه تقول قط قط قط فهنالك تمتلئ ويزوي بعضها إلى بعض ولا يظلم الله عز وجل ينشئ لها خلقا. فإن الله عز وجل ينشئ لها خلقا فعلم من هذين الحديثين أن الله لو لم يعط أهل الكتابين قيراطهم أو ينشئ بلا جهنم خلقا لكان ظلما تعالى الله عنه وفي الحديث

بکثرت موجود ہیں ہم اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے میں کہتا ہوں کہ اہل سنت کے ان بعض مفسرین سے تعجب ہے جو آیات مذکورہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس قسم کے آیات سے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ایسا کام کرنا کہ اسکے سوا اگر کوئی اور ایسا کرے تو ظلم ہو گا جیسا کہ ابتلا و آزمائش جو منسوب الی اللہ تعالے قرآن شریف میں آئی ہے مراد اس سے کرنا اس کام کا ہے کہ اگر غیر اللہ کرے تو اسکا نام ابتلا و امتحان ہوگا اور یہ تاویل تفسیر سے تحریف کے قریب ہے صحیحین میں ہے کہ اہل کتاب جس وقت امت محمدیہ کے ثواب کی کثرت دیکھیں گے تو رب العالمین کے پاس عرض کرینگے کہ پروردگار ہمارا عمل بہت اور اجر تھوڑا اور ان محمدیوں کا عمل تھوڑا اور اجر تمام - تب وہ خداوند جل شانہ تعالے فرماوینگا کیا میں نے تم پر ظلم کیا اور اجرت مقررہ سے کم دیا کہینگے نہیں تو اللہ عزوجل فرمائیگا یہ میرا فضل ہے جسکو چاہتا ہوں دیتا ہوں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجرت مقررہ کم دیتا تو ظلم لازم آتا تعالی اللہ عنہ اور صحیحین میں ہے کہ جنت دوزخ کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ دونوں کو بھروں گا جنت کے بھرنے کے واسطے اللہ عزوجل اور لوگ پیدا کریگا اور دوزخ میں اللہ عزوجل اپنا قدم رکھیگا پس دوزخ سمٹ جاویگا اور کہیگا بس بس دیکھ میں بھر گیا یہ نہ ہو گا کہ دوزخ بھرنے کے واسطے بھی اور لوگ پیدا کرے جیسا کہ بہشت کے واسطے پیدا کئے گئے۔ تب بھر گیا یہ نہ ہوگا کہ دوزخ بھرنے کے واسطے بھی اور لوگ پیدا کرے جیسا کہ بہشت کے واسطے پیدا کئے گئے کیونکہ بے قصوروں کو

النار فيه يقول الله عز وجل يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا انتهى ما في مسلم. وقال الفاضل العلامة حبر الأمة شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله في كتابه منهاج السنة في الجزء الأول وأما المثبتون للقدر وهم جمهور الأمة وأئمتها كالصحابة والتابعين لهم بإحسان وأهل البيت وغيرهم فهؤلاء تنازعوا في تفسير عدل الله وحكمته والظلم الذي يجب تنزيهه عنه وفي تعليل أفعاله وأحكامه ونحو ذلك فقالت طائفة إن الظلم ممتنع منه غير مقدور وهو محال لذاته كالجمع بين النقيضين وإن كل ممكن مقدور فليس هو ظلما وهؤلاء هم الذين قصدوا الرد عليهم وهؤلاء يقولون إنه لو عذب المطيعين ونعم العصاة لم يكن ظالما.

وقالوا الظلم التصرف فيما ليس له والله له كل شيء أو مخالفة الأمر والله لا آمر له

دوزخ میں ڈالنے سے ظلم لازم آتا ہے۔ اور اللہ عزوجل ظلم سے منزہ اور پاک ہے اور صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اے میرے بندوں میں نے اپنے نفس پر ظلم حرام کیا اور تمہارے آپس میں بھی ظلم حرام کیا پس آپس میں ظلم نہ کرو۔ تعجب ہے کہ جب اللہ عزوجل کے ہاں کسی صورت میں ظلم لازم نہیں آتا اگرچہ وعدہ خلافی کر کے کل انبیاء و اولیاء کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور سب کفار و شیاطین اور مشرکین کے غمخواروں کو ہمیشہ جنت میں رکھے پس وہ کیا چیز ہے جو کہ اللہ عزوجل نے اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب منہاج السنہ جلد اول ص۲۸ میں لکھتے ہیں مثبتین قدر جو امت کے جمہور اور ائمہ امت یعنی صحابہ اور تابعین باحسان اور اہل بیت وغیرہم ہیں ان لوگوں نے اللہ عزوجل کے عدل اور حکمت اور ظلم جس سے عزوجل کی تنزیہہ واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال اور احکام وغیرہ کے تعلیل میں اختلاف کیا ہے ایک طائفہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کا وقوع میں آنا ممتنع ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے کرنے پر قادر نہیں اور جس طرح کہ جمع بین النقیضین محال لذاتہ ہے ہر وہ ممکن جو مقدور الٰہی ہو وہ ظلم نہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے منکرین قدر پر رد کرنا چاہا ہے کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ فرمانبرداروں کو عذاب کرے اور نافرمان کو انعام بخشے تو یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک تصرف فی مال الغیر کو ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کوئی حکم کرنے والا نہیں ہے ظلم کہتے ہیں اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے یا حکم کی مخالفت کو ظلم بتاتے۔ اور یہ بہت اہل کلام

وهذا قول كثير من أهل الكلام المثبتين للقدر ومن وافقهم من الفقهاء من أصحاب الأئمة الأربعة وقالت طائفة بل الظلم مقدور ممكن والله سبحانه لا يفعله لعدله ولهذا مدح نفسه حيث أخبر أنه لا يظلم الناس شيئا والمدح إنما يكون بترك المقدور عليه لا بترك الممتنع قالوا وقد قال الله ومن يعمل من الصالحات وهو مؤمن فلا يخاف ظلما ولا هضما قالوا الظلم أن يحمل عليه سيئات غيره والهضم أن يهضم من حسناته وقد قال ذلك من أنباء القرى نقصه عليك منها قائم وحصيد وما ظلمناهم ولكن ظلموا أنفسهم فأخبر أنه لم يظلمهم لما أهلكهم بذنوبهم وقال تعالى وجيء بالنبيين والشهداء وقضي بينهم بالحق وهم لا يظلمون فدل على أن القضاء بينهم بغير القسط ظلم والله منزه عنه. وقال تعالى ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئا أي لا تنقص من حسناتها فلا تعاقب

مثبتین للقدر کا قول ہے اور جو موافق ہوا ان کے بعض فقہا سے جو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اصحاب ہیں اور ایک طائفہ نے کہا ظلم پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور وہ ممکنات سے ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بسبب عدل کے ظلم نہیں کرتا اس واسطے اپنے نفس کی تعریف کرتے ہوئے خبردار فرمایا کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ذرہ بھر لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اور تعریف مقدور کے ترک پر ہوتی ہے نہ ممتنع کے ترک پر کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو نیک عمل کرے دراں حال کہ وہ مومن ہو پس وہ ظلم اور نقصان سے خوف نہ کرے کہتے ہیں ظلم یہ ہے کہ اس پر غیر کی برائیاں ڈالے اور ہضم یہ ہے کہ اس کی نیکیوں سے کچھ کم کردے اور فرمایا یہ بستیوں کی خبریں ہیں ہم تیرے آگے (اے محمد) بیان کرتے ہیں بعض ان میں قائم ہیں اور بعض کٹی ہوئی ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا سو خبردار فرمایا کہ ان کو ہلاک کرتے وقت ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کیا اور فرمایا انبیاء اور شہداء لائے جاویں گے اور ان میں حق کے ساتھ فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا پس اس سے بطریق دلالت معلوم ہوگیا کہ فیصلہ بین العباد بغیر عدل و انصاف کے ظلم ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ہم انصاف کے ترازو کو قیامت کے دن رکھیں گے پس کسی نفس پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا یعنی اس کی نیکیوں سے کچھ بھی کم نہ کیا جاویگا اور نہ بغیر برائیوں کے عذاب کیا جاویگا اس نے بطریق دلالت بتادیا کہ

بعبیدہم بما فعل من أن ذلک ظلم تنزہ اللہ عنہ ۔

وقال تعالیٰ لا تختصموا لدیَّ وقد قدمت إلیکم بالوعید ما یبدل القول لدیَّ وما أنا بظلام للعبید فأخبر أنہ نزہ نفسہ عن أمر یقدر علیہ لا عن الممتنع لنفسہ ومثل ہذا فی القرآن فی غیر موضع مما یبین أن اللہ ینتصف من العباد ویقضی بینہم بالحق لأن القضاء بینہم بغیر العدل ظلم یتنزہ اللہ عنہ وأنہ لا یحمل علی أحد ذنب غیرہ وقد قال تعالیٰ ولا تزر وازرۃ وزر أخری فإن ذلک یتنزہ اللہ عنہ بل لکل نفس ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت وقد ثبت فی الصحیح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ تعالیٰ یقول یا عبادی إنی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا فقد حرم علی نفسہ الظلم کما کتب علی نفسہ الرحمۃ فی قولہ تعالیٰ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ فی الحدیث الصحیح لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فہو موضوع عندہ فوق العرش إن رحمتی غلبت غضبی والأمر الذی کتبہ علی نفسہ أو حرمہ علی نفسہ لا یکون إلا مقدورا لہ سبحانہ فالممتنع لنفسہ لا یکتبہ علی نفسہ ولا یحرمہ علی نفسہ ۔

ظلم ہے جس سے حق تعالیٰ نے اپنے نفس کو منزہ اور پاک کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ فرماویگا مت جھگڑو میرے پاس میں تم کو آگے عذاب کے وعدے سنا سنا کے بھیج چکا ہوں کوئی بات میرے پاس بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس کو ایسے امر سے منزہ فرمایا جس پر وہ قادر ہے نہ کہ ایسے امر سے جو فی ذاتہ ممتنع ہے اور اس کی مثل قرآن مجید میں کئی جگہ ہے جو یہ بیان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں انصاف فرماویگا اور ان میں فیصلہ عدل کے ساتھ کریگا اور عدل کے سوا ان میں فیصلہ کرنا ظلم ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی پاکی بیان کرتا ہے اور یہ کہ وہ کسی پر غیر کے گناہ نہیں رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان فرمائی بلکہ ہر نفس کیلئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور اس کے ذمہ ہے جو کچھ کیا اور حدیث صحیح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہے اور اسکو تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کرنا ہے جیسا کہ لکھا ہے اپنے نفس پر رحم کو آیۂ کریمہ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ میں ہے حدیث صحیح میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو

وهذا القول قول أكثر أهل السنة والمثبتين للقدر من أهل الحديث والتفسير والفقه والتصوف والكلام من أتباع الأئمة الأربعة وغيرهم۔

وقال العلامة المذكور أيضاً في منهاج السنة ص [illegible] الجزء الثاني وقد قال الله تعالى أم حسب الذين اجترحوا السيئات أن نجعلهم كالذين آمنوا وعملوا الصالحات سواء محياهم ومماتهم ساء ما يحكمون ۔ وهذا استفهام إنكاري يقتضي الإنكار على من حسب ذلك وظنه وإنما ينكر على من ظن وحسب ما هو خطأ وباطل يعلم بطلانه لا من ظن ظناً ليس بخطأ ولا باطل فعلم أن التسوية بين أهل الطاعة وبين أهل المعصية مما يعلم بطلانه وأن ذلك من الظلم الذي ينزه الله عنه ومثله قوله تعالى أم نجعل الذين آمنوا وعملوا الصالحات كالمفسدين في الأرض أم نجعل المتقين كالفجار وقوله تعالى ۔ أفنجعل المسلمين كالمجرمين ما لكم كيف تحكمون دل على أن التسوية بين الأبرار والفجار والمحسنين والظالمين وأهل الطاعة وأهل المعصية حكم باطل يجب تنزيه الله عنه فإنه ينافي عدله وحكمته۔

ایک کتاب میں لکھا جو اس کے پاس فوق العرش رکھی ہے کہ میری رحمت غضب پر غالب آئی ہے وہ امر جسکو اپنے نفس پر لکھا ہے یا اسکو اپنے نفس پر حرام کیا ہے وہ بجز مقدور رب عزوجل کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کیونکہ ممتنع نفسہ امر کو نہ اپنے نفس پر لکھتا ہے اور نہ اسکو اپنے نفس پر حرام کرتا ہے اور یہ قول قول اکثر اہل سنت اور مثبتین للقدر اہل حدیث اہل تفسیر اہل فقہ اہل کلام اہل تصوف ائمہ اربعہ کے اتباع وغیرہم کا ہے۔ یہ انکا بہت بڑا فتویٰ ہے اور یہ استفہام انکاری ایسے شخص پر جو یہ ظن و گمان رکھے مقتضی انکار ہے اور بات یہی ہے کہ یہ اس شخص پر انکار کرتا ہے جو ایسی بات کا ظن و گمان کرے جو وہ خطا اور باطل ہو جس کا بطلان ظاہر معلوم ہو نہ اس شخص پر جو ایسا ظن و گمان رکھے جو خطا اور باطل نہ ہو پس معلوم ہو گیا کہ اہل طاعت اور اہل معصیت کے درمیان تسویہ اور برابری کرنی معلوم البطلان امر ہے اور اس بہت بڑے ظلم سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی پاکی بیان فرماتا ہے اور اسکی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کیا ہم ایماندار نیک چلن نیکوکاروں کو زمین میں فساد کرنے والوں کے برابر کر دینگے

ف انصاف کی نظر سے دیکھا کہ اہل سنت و جماعت کا یہی مذہب ہے پس جو کوئی اسکو خلاف مذہب اہل [illegible] کہے اسکی مثل علی دکوتاہ نظری میں کسی عاقل کو شک نہ رہیگا ۱۲

وأما الحديث الذي رواه أبو داود مرفوعا إن الله لو عذب أهل سمواته وأهل أرضه لعذبهم وهو غير ظالم لهم ولو رحمهم لكانت رحمته خيرا لهم من أعمالهم ففي إسناده أبو سنان سعيد بن سنان قال أحمد ليس بالقوي وقال مرة كان رجلا صالحا ولم يكن يقيم الحديث قال ابن عدي له أفراد وأرجو أنه ممن لا يتعمد الكذب كذا في الميزان وفي التقريب صدوق له أفراد وفي التهذيب قال أحمد ليس بالقوي وفيه محمد بن كثير ومحمد بن كثير اثنان من رجال أبي داود۔

أحدهما الثقفي الصنعاني وهو كثير الغلط كما في التقريب وضعفه أحمد وأبو داود كما في التهذيب وقال البخاري لين جدا كما في الخلاصة وفي الميزان قال عبد الله ابن أحمد ذكر أبي محمد بن كثير المصيصي فضعفه جدا وقال يروي

(یعنی ہرگز ہرگز نہیں کہینگے، تم اگر کہو ہو تم یہ کسطرح (نادر) فتویٰ دیتے ہو خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ نیکوکار اور بدکار اور متقین اور ظالمین اور اہل طاعت اور اہل معصیت میں برابری کرنا باطل حکم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی پاکی واجب ہے کیونکہ وہ اسکے عدل و حکمت کے منافی ہے آگے رہی وہ حدیث جسکو ابوداؤد نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر اہل سموات اور اہل ارض کو عذاب کرے تو انکو عذاب کریگا در ان حال کہ وہ ظالم نہ ہوگا اور اگر ان پر رحم کرے تو انکی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی ضعیف ہے اس میں کئی ایک راوی مجروح ہیں ایک ابوسنان سعید بن سنان ہے جسکے حق میں امام احمد کہتے ہیں وہ قوی نہیں اور ایک دفعہ کہا آدمی نیک صالح تھا مگر حدیث کو ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا تھا ابن عدی نے کہا اس کے تفردات ہیں مگر میرے گمان میں قصداً جھوٹ نہیں بولتا تھا اسی طرح میزان میں ہے اور تقریب میں ہے سچا ہے مگر حدیث میں اس کے تفردات ہیں اور تہذیب میں ہے کہ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ سعید بن سنان قوی نہیں اور اس حدیث کے اسناد میں محمد بن کثیر ہے اور ابوداؤد کے رجال میں محمد بن کثیر دو ہیں۔ ایک ثقفی صنعانی ہے تقریب میں ہے کہ وہ کثیر الغلط ہے اور تہذیب میں ہے کہ امام احمدؒ اور ابوداؤد نے اسکو ضعیف کہا ہے اور بخاری نے کہا کہ نہایت سست ہے خلاصہ اور میزان میں ہے کہ عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ میرے باپ نے محمد بن کثیر کو ذکر کیا پس نہایت ضعیف کہا اسکو اور فرمایا ہے اصل منکرات کی روایت کرتا ہے اور نسائی وغیرہ نے کہا کہ وہ قوی نہیں اور دوسرا مصیصی

اسنا، مناكير وقال حدث بما لم يتابع عليه وقال الساجي ومنكر وليس بالقوي وثانيهما المصيصي
البصري رجحه الحافظ في التقريب توثيقه لكن قال ابن معين لا تكتبوا عنه ليس بالثقة
كذا في التهذيب والميزان فرد الآيات القرآنية والأحاديث الصحيحة النبوية بهذا
الحديث الذي اختلف المحدثون في صحته كهدم الجبال بالإبرة مع أنه تقرر في أصول
الحديث أن الجرح مقدم على التعديل ولو صح فلا يخالف ما ذكرته ولله الحمد
لأن معنى الحديث إن الله لو عذب أهل سماواته وأهل أرضه لقدر لهم ما
يعذبهم عليه فيكون غير ظالم لهم حينئذ كما بينه الحافظ ابن رجب وشيخ الإسلام
ابن تيمية. وقال العلامة المذكور في منهاج السنة في الجزء الأول ص۱۳۱ تحت
هذا الحديث ما التحقيق أنه إذا قدر أن الله تعالى فعل ذلك فلا يفعله إلا بحق
لا يفعله وهو ظالم لكن إذا لم يفعله فقد يكون ظلما تعالى عنه۔

وقال ابن رجب الحنبلي في كتاب جامع العلوم والحكم ص۱۶۰ فقوله صلى الله عليه
وسلم فيما يرويه عن ربه يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي يعني أنه

بصری ہے حافظ نے تقریب میں اس کی توثیق کو ترجیح دی مگر امام ابن معین نے فرمایا ثقہ نہیں اس سے
حدیث نہ لکھو اسی طرح ہے میزان اور تہذیب میں اور یہ معلوم نہیں کہ اس اسناد میں جو محمد بن کثیر ہے ثقفی
مصیصی ہے یا عبدی بصری۔ اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے الجرح مقدم علی التعدیل اس حدیث ضعیف
کے ساتھ آیات قرآنیہ واحادیث صحیح کا رد کرنا سوئی کے ساتھ پہاڑوں کا گرانا ہے بعرض صحت اس حدیث کے
بھی الحمدللہ ہمارے مدعا کے مخالف نہیں حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ عزوجل آسمان اور زمین والوں کو
عذاب کرے تو البتہ مقدر کریگا ان کے واسطے وہ شی جس کے سبب سے ان کو عذاب دیگا پس اس وقت
اللہ پاک عادل ہوگا نہ ظالم جیسا کہ ابن رجب نے جامع العلوم میں اس کے ساتھ تصریح کی اور شیخ الاسلام
ابن تیمیہ نے منہاج میں، علامہ مذکور نے منہاج السنہ جلد اول ص۱۳۱ میں اس حدیث کے یہ معنی لکھے ہیں
تحقیق یہ ہے کہ جب مقدر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ بغیر حق کے نہیں کرتا پس اللہ تعالیٰ
اس کو نہیں کرتا اور ان حال کہ وہ ظالم ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ کام نہیں کیا پس وہ کبھی بے ظلم ہو جاویگا جس
سے اللہ تعالیٰ بالاتر ہے بیشک پاک ہے الحمد للہ علامہ ابن رجب حنبلی اپنی کتاب جامع العلوم والحکم ص۱۶۰ میں لکھا

مَنَعَ نَفْسَهُ مِنَ الظُّلْمِ لِعِبَادِهِ كَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ وَقَالَ وَمَا اللّٰهُ
يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ وَقَالَ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ وَقَالَ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ
وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَقَالَ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا وَالْهَضْمُ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ جَزَاءِ حَسَنَاتِهِ وَالظُّلْمُ أَنْ يُعَاقَبَ
بِذَنْبِ غَيْرِهِ وَمِثْلُ هٰذَا كَثِيرٌ فِي الْقُرْآنِ وَهُوَ مِمَّا يَدُلُّ عَلَى إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلَى الظُّلْمِ
لٰكِنْ لَا يَفْعَلُ فَضْلًا مِنْهُ وَجُوْدًا وَكَرَمًا وَإِحْسَانًا إِلَى عِبَادِهِ وَقَدْ فَسَّرَ كَثِيرٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ الظُّلْمَ
بِأَنَّهُ وَضْعُ الْأَشْيَاءِ فِي غَيْرِ مَوَاضِعِهَا وَأَمَّا مَنْ فَسَّرَهُ بِالتَّصَرُّفِ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ
وَقَدْ نُقِلَ نَحْوُهُ عَنْ إِيَاسِ ابْنِ مُعَاوِيَةَ وَغَيْرِهِ فَإِنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ الظُّلْمَ مُسْتَحِيلٌ عَلَيْهِ
وَغَيْرُ مُتَصَوَّرٍ فِي مِلْكِهِ وَبِنَحْوِ ذٰلِكَ أَجَابَ أَبُو الْأَسْوَدِ الدُّؤَلِيُّ لِعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ
حِينَ سَأَلَهُ عَنِ الْقَدَرِ وَخَرَّجَ أَبُو دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سِنَانٍ
سَعِيدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ وَهْبِ بْنِ خَالِدٍ الْحِمْصِيِّ عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ يَقُولُ

ہیں رسول اللہ صلعم کا اپنے رب سے یہ روایت کرنا کہ اے میرے بندو میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہے اس
سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس کو بندوں کے ظلم سے بچایا ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ میں بندوں پر ظلم نہیں
کرتا ہوں، اور فرمایا اور اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کرتا جہانیوں پر ظلم کرنے کا اور فرمایا تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا
اور فرمایا اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا اور فرمایا اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور فرمایا جو کوئی نیک عمل کرے درآن
حال کہ وہ مومن بھی ہو پس وہ خوف نہ کرے ظلم اور ہضم سے ظلم تو یہ ہے کہ غیر کے گناہوں کے سبب سے عذاب
کیا جائے اور ہضم یہ ہے کہ اس کی نیکیوں کے ثواب میں کچھ نقص کیا جائے اور اس کی مثل قرآن مجید میں بہت آئی ہیں
اس پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر قادر ہے لیکن اپنے فضل اور کرم اور جود و عدل اور اپنے بندوں کے ساتھ احسان
کرنے کی وجہ سے ظلم نہیں کرتا اور بہت علماء نے ظلم کی یہ تفسیر کی ہے کہ اشیاء کو ان کے مواضع لائق کے سوا اور
جگہوں میں استعمال کرنے کو ظلم کہتے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ ظلم غیر کے ملک میں بے اجازت تصرف کرنے کو کہتے
ہیں چنانچہ اس کی مثال ایاس ابن معاویہ وغیرہ سے منقول ہے سو وہ کہتے ہیں کہ ظلم کا اللہ تعالیٰ سے وقوع میں
آنا مستحیل اور اللہ تعالیٰ کے حق میں غیر متصور ہے کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ اس کی اپنی ملک میں تصرف ہوتا

إِنَّ اللهَ لَوْ عَذَّبَ أَهْلَ سَمٰوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ لَعَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ لَكَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَأَنَّهُ أَتَى ابْنَ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ أَتَى زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ ذٰلِكَ وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ نَظَرٌ وَوَهْبُ بْنُ خَالِدٍ لَيْسَ بِذَاكَ الْمَشْهُورِ بِالْعِلْمِ وَقَدْ يُحْمَلُ أَنَّهُ لَوْ أَرَادَ تَعْذِيبَهُمْ لَقَدَّرَ لَهُمْ مَا يُعَذِّبُهُمْ عَلَيْهِ فَيَكُونُ غَيْرَ ظَالِمٍ لَهُمْ وَكَوْنُهُ خَلَقَ أَفْعَالَ الْعِبَادِ فِيهَا الظُّلْمُ لَا يَقْتَضِي وَصْفَهُ بِالظُّلْمِ سُبْحَانَهُ كَمَا أَنَّهُ لَا يُوصَفُ بِسَائِرِ الْقَبَائِحِ الَّتِي يَفْعَلُهَا الْعِبَادُ وَهِيَ خَلْقُهُ وَتَقْدِيرُهُ فَإِنَّهُ لَا يُوصَفُ إِلَّا بِأَفْعَالِهِ لَا يُوصَفُ بِأَفْعَالِ عِبَادِهِ فَإِنَّ أَفْعَالَ عِبَادِهِ مَخْلُوقَاتُهُ وَمَفْعُولَاتُهُ وَهُوَ لَا يُوصَفُ بِشَيْءٍ مِنْهَا إِنَّمَا يُوصَفُ بِمَا قَامَ بِهِ مِنْ صِفَاتِهِ وَأَفْعَالِهِ وَاللهُ أَعْلَمُ۔
وَقَالَ الْعَلَّامَةُ الْحَافِظُ ابْنُ الْقَيِّمِ الْجَوْزِيَّةِ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ طَرِيقِ الْهِجْرَتَيْنِ ص ۱۳۵ لِأَنَّ الظُّلْمَ عِنْدَهُمْ هُوَ الْمُمْتَنِعُ الَّذِي لَا يَدْخُلُ فِي الْمَقْدُورِ وَذٰلِكَ لَا يُمْدَحُ أَحَدٌ عَلَى

اور اس کی مانند ابو الاسود دؤلی نے عمران بن حصین کو جواب دیا جب اس نے اس سے قدر کا مسئلہ پوچھا اور ابو داؤد اور ابن ماجہ ابن الدیلمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے ابی بن کعب سے سنا وہ کہتا تھا اگر اللہ تعالیٰ اپنے آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب کرے تو البتہ وہ انکو عذاب کریگا اور حال یہ کہ وہ انپر ظالم نہ ہوگا اور اگر ان پر رحم کرے تو البتہ اسکی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے بہتر ہوگی اور وہ (ابن الدیلمی) ابن مسعود کے پاس آیا اور انکے مثل اسکو کہا پھر زید بن ثابت کے پاس گیا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکی مانند حدیث سنائی اور اس حدیث (کے صحیح ہونے) میں اہل علم کو نظر ہے اور وہب بن خالد جو اس حدیث کے اسناد میں ایک راوی ہے بچنداں علم حدیث کے ساتھ مشہور نہیں اور یہ حدیث اس معنی پر محمول ہو سکتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا تو ضرور ان کے لئے وہ مقدر کرتا جس کے سبب سے ان کو عذاب کرتا پس اس وقت وہ یعنی اللہ عزوجل ان پر غیر ظالم ہوتا تھا اور علامہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب طریق الہجرتین کے صفحہ ۱۳۵ میں لکھتے ہیں کیونکہ ظلم ان کے نزدیک وہی امر ممتنع ہے جو تقدیر کے نیچے داخل نہیں ہوا اور ایسے ممتنع غیر مقدور امر کے ترک پر کسی کی تعریف نہیں کی جا سکتی اور ہر وہ امر جس کا وجود ممکن ہے وہ ان کے نزدیک عدل ہے سو ظلم ان کے نزدیک مستحیل ہے کیونکہ وہ اس ممتنع لذاتہ

تركه وكل ما أمكن وجوده فهو عندهم عدل فالظلم مستحيل عندهم إذ هو عبارة عن الممتنع المستحيل لذاته الذي لا يدخل تحت المقدور ولا يتصور فيه ترك اختياري فلا يتعلق به وإخباره تعالى عن نفسه بقيامه بالقسط حقيقته عندهم مجرد كونه فاعلا لا أن هناك شيئا هو قسط في نفسه يمكن وجود ضده وكذلك قوله وما ربك بظلام للعبيد نفي عندهم لما هو مستحيل في نفسه لا حقيقة له كجعل الجسم في مكانين في آن واحد وجعله موجودا معدوما في آن واحد فهذا ونحوه عندهم هو الظلم الذي تنزه عنه وكذلك قوله يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما فلا تظالموا الذي حرمه على نفسه هو المستحيل الممتنع لذاته كالجمع بين النقيضين وليس هناك ممكن يكون ظلما في نفسه وقد حرمه على نفسه ومعلوم أنه لا يمدح الممدوح بترك ما لو أراده لم يقدر عليه ولأنه قال وجعلته بينكم محرما والذي حرم على نفسه هو الذي جعله محرما بين عباده وهو الظلم المقدور والذي يستحق تاركه الحمد والثناء والذي أوجب لهم هذا ا

کا نام ہے جو زیر مقدور میں داخل ہوتا ہے اور نہ اس میں ترک اختیاری متصور ہے پس حمد اور تعریف کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ عزوجل نے جو اپنے نفس کے حق میں یہ طریق اخبار فرمایا کہ وہ قائم بالقسط ہے سو اس کی حقیقت ان کے نزدیک صرف یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ اسکا فاعل ہے نہ یہ کہ وہاں کوئی شے ہے جو فی نفسہ قسط و انصاف ہے اور اسکا ضد ممکن الوجود ہو اور اسیطرح اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا ان کے نزدیک ایسے امر کی نفی ہے جو فی نفسہ مستحیل اور اس کیلئے کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ایک جسم کو ایک وقت میں دو مکانوں کے اندر موجود ہونا اور ایک جسم کو ایک ہی آن میں موجود و معدوم کر دینا فی نفسہ مستحیل اور بے حقیقت امر ہے پس یہ اور اس کی مثل ان کے نزدیک وہی ظلم ہے جس سے اللہ عزوجل نے اپنے آپ کو پاک فرمایا ہے اور اسیطرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ میرے بندو تحقیق میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہے اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو جس ظلم کو اپنے نفس پر حرام کیا ہے وہ مستحیل اور جمع بین النقیضین کیطرح ممتنع لذاتہ ہے وہ وہاں کوئی ایسا ممکن نہیں ہے جو فی نفسہ ظلم ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے نفس پر حرام کر دیا ہو اور (یہ) امر معلوم ہے کہ کسی ممدوح کی ایسے امر کے ترک پر تعریف نہیں کی جا سکتی جسکی طرف اگر وہ ارادہ کرے

مناقضة القدرية المجوسية وردّوا أصولهم وهدموا قواعدهم ولكن ردّوا باطلاً بباطل وقابلوا بدعة ببدعة وسلّطوا عليهم خصومهم بما التزموا من الباطل فصارت الغلبة بينهم وبين خصومهم سجالاً مرة يغلبون ومرة يغلبون لم تستقر لهم نصرة وإنما النصرة الثابتة لأهل السنة المحضة الذين لم يتحيزوا إلى فئة غير رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يلتزموا غير ما جاء به ولم يؤصلوا أصلاً ببدعة يسلطون عليهم به خصومهم بل أصلهم ما دلّ عليه كتاب الله وكلام رسول الله وشهدت به الفطر والعقول۔

وقال العلامة المذكور في كتابه الجواب الكافي ص ۱۱ وكذلك لم يقدره حق قدره من قال إنه يجوز أن يعذب أولياءه ومن لم يعصه طرفة عين ويدخل أعداءه دار النعيم وأن كلا الأمرين بالنسبة إليه سواء وإنما الخبر المحض جاء عنه بخلاف ذلك فمنعناه للخبر لا لمنافاته حكمته وعدله وقد أنكر سبحانه في كتابه على من جوز عليه ذلك غاية

تو اس پر قادر نہ ہو سکے اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے اس کو تمہارے درمیان حرام کر دیا پس جس کو اپنے نفس پر حرام کیا ہے اس کو اپنے بندوں کے درمیان حرام کرواتا ہے اور یہ وہی ظلم ہے جس پر اس کو قدرت ہے جس کا تارک لائق حمد و ثنا ہے اور ان کو مجوس قدریہ کے مناقضہ اور ان کے اصول و قواعد کے رد اور ہدم نے ان باتوں پر مجبور کر دیا تھا لیکن انہوں باطل کو باطل کے ساتھ رد کیا اور بدعت کا بدعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے خصم کو بسبب التزام امور باطلہ کے مسلط کیا پس ان میں اور ان کے خصم میں غلبہ ڈول کی طرح ہو گیا کبھی غالب ہوتے ہیں اور گاہے مغلوب ان کیلئے نصرت ثابت و دائم نہ رہی واقعات یہ ہے کہ نصرت ثابت و دائم ان خالص اہل سنت کیلئے ہے جو سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دو فرقوں میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوتے اور وہ سوا اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور کسی امر کا التزام نہیں کرتے اور وہ کسی اصل کو ایسے بدعی اصل کے ساتھ رد نہیں کرتے جس کے سبب سے ان پر ان کے دشمن مسلط ہوں بلکہ ان کا وہ اصل ہے جس پر کتاب اللہ اور کلام رسول اللہ دال ہوں اور فطرت اور عقل اس کے گواہ ہوں اور علامہ مذکور رحمہ اللہ اپنی کتاب الجواب الکافی کے ص ۱۱ میں لکھتے ہیں اور اسی طرح اللہ عزوجل کی قدر دانی نہیں کی جس نے یہ کہا کہ اللہ عزوجل کو اپنے اولیاء کو عذاب کرنے جنہوں نے ایک طرفۃ العین بھی گناہ نہیں کیا تو جائز ہے یا انکو دار النعیم

الإنكار وجعل الحكم به من أسوء الأحكام) وقال العلامة ابن الهمام في المسايرة وشارحه
(ثم قال صاحب العمدة من الحنفية) وهو العلامة أبو البركات النسفي (تخليد المؤمنين
في النار والكافرين في الجنة يجوز عقلا عندهم) يعني الأشاعرة (إلا أن السمع
ورد بخلافه) فيمتنع وقوعه لدليل السمع (وعندنا) معشر الحنفية (لا يجوز) أي كلام
العقوبة مع إيمانه وقوله لا يجوز أي عقلا قال شيخنا المصنف (والأول) يعني قول الأشعرية
(أحب إلي والثاني) يعني قول الحنفية فليس أحب إلي إنما هو رد على ابن الهمام تلميذه
قاسم الحنفي قوله هذا أحب إلي قلت هذا البغض إلي ثم قال الشيخ ابن الهمام وشارح
كتابه (ونحن لا نقول بامتناعه) أي امتناع العفو عن الكفر (عقلا بل نقول بامتناعه
سمعا) كالأشعري (وظنهم) أي الحنفية (أنه) أي العفو عن الكفر (مناف
للحكمة لعدم المناسبة) أي لعدم مناسبة العفو لأنه أعزاز بالكفر (غلط
منهم) ورد عليه العلامة الشيخ زين الدين قاسم الحنفي في حاشيته على المسايرة ص ۱۵۵

بہشت) میں داخل کردے اور یہ دونوں امر عقل کی نسبت یکساں ہیں مگر چونکہ دلیل نقلی اس کے خلاف وارد ہے
اس واسطے ہم اس کو ممتنع جانتے ہیں خاص وجہ سے کہ یہ خلاف عدل وحکمت ہے اور اللہ سبحانہ نے اپنی
کتاب مجید میں ایسے شخص پر بہت سخت انکار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے اسکو جائز جانے اور اللہ سبحانہ
پر اسکا حکم کرنا بدترین احکام سے فرمایا ہے علامہ ابن ہمام اور اس کی کتاب (مسائرۃ) کے شارح لکھتے
ہیں: ابو البرکات نسفی حنفی فرماتے ہیں ہمیشہ رہنا مومنوں کا دوزخ میں اور کافروں کا بہشت میں اشاعرہ کے
نزدیک عقلاً جائز ہے مگر دلیل نقلی کے رو سے ممتنع ہے اور جماعت حنفیہ کے نزدیک عقلاً بھی ناجائز ہے
ابن الہمام کہتے ہیں مجھکو اشعریہ کا قول بہت پسند ہے نہ حنفیہ کا زین الدین قاسم حنفی اس پر لکھتے
ہیں جو قول آپ کو بہت پسند ہے اس قول کو میں بہت برا سمجھتا ہوں پھر ابن الہمام لکھتے ہیں،
کہ ہم اشعری کی طرح کافر کے عفو کو عقلاً جائز جانتے ہیں نہ سمعاً اور حنفیہ کا یہ گمان کہ کافر کا عفو حکمت کا
منافی ہے غلط ہے علامہ زین الدین قاسم حنفی نے اپنے حاشیہ علی المسائرہ کے ص ۱۵۵ میں اسکا رد کیا لکھتے ہیں
انکی کلام جس قدر میرے پاس حاضر ہے ذکر کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ کیا امر اسی طرح ہے جس

قُلْتُ أَذْكُرُ مَا حَضَرَنِي مِنْ كَلَامِهِمْ لِيَظْهَرَ حَالُ الْأَمْرِ كَمَا زَعَمَ أَمْرًا فَأَقُوْلُ قَالَ فِي الْكِفَايَةِ قَالَ أَصْحَابُنَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى أَنْ يَعْفُوَ عَنِ الْكَافِرِيْنَ وَيَجْعَلَهُمْ فِي الْجَنَّةِ وَيَجْعَلَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي النَّارِ لِأَنَّ الْحِكْمَةَ تَقْتَضِي التَّفْرِقَةَ بَيْنَ الْمُسِيْءِ وَالْمُحْسِنِ وَمَا يَكُوْنُ عَلٰى خِلَافِ قَضِيَّةِ الْحِكْمَةِ يَكُوْنُ سَفَهًا وَإِنَّهُ يَسْتَحِيْلُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى كَالظُّلْمِ وَالْكِذْبِ فَلَا يُوْصَفُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكَوْنِهِ قَادِرًا عَلَيْهِ وَدَلَالَةُ ذٰلِكَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَدَّ عَلٰى مَنْ حَكَمَ بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْمُجْرِمِ بِقَوْلِهِ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ وَكَذٰلِكَ قَالَ أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ثُمَّ لَا تَفْرِقَةَ بَيْنَ هٰؤُلَاءِ فِي الدُّنْيَا فَلَا بُدَّ مِنَ التَّفْرِقَةِ فِي الْآخِرَةِ وَلِأَنَّ تَخْلِيْدَ الْمُؤْمِنِ فِي النَّارِ وَتَخْلِيْدَ الْكَافِرِ فِي الْجَنَّةِ يَكُوْنُ ظُلْمًا وَإِنَّهُ يَسْتَحِيْلُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَا بَيَّنَّا وَدَلَالَةُ أَنَّهُ ظُلْمٌ فَإِنَّ الظُّلْمَ وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ وَالْإِسَاءَةُ فِي حَقِّ الْمُحْسِنِ وَالْإِكْرَامُ۔

طرح ابن ہمام کہتا ہے۔ پس میں کہتا ہوں کفایہ میں ہے ہمارے اصحاب (حنفیہ) نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ جائز نہیں کہ وہ کافروں کو معاف کردے اور انکو بہشت میں ہمیشہ رکھے اور مومنین کو ہمیشہ آگ میں رکھے کیونکہ حکمت اس (بات) کی مقتضی ہے کہ بدکار اور نیکوکار کے درمیان فرق ہو اور جو کام قضیۂ حکمت کے خلاف ہو وہ سفہ (بے عقلی) ہے اور اللہ عزوجل سے اس کا صدور ظلم اور کذب کی طرح مستحیل ہے پس اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس پر قادر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر رد فرمایا ہے جو مسلم اور مجرم کے درمیان تسویہ کا فتویٰ دیتا ہے اس آیۂ کریمہ میں کیا مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردینگے (یعنی ہرگز نہیں کرینگے) تم کو کیا ہوا ایسا نا جائز حکم تم (اللہ سبحانہ نے) کس طرح کیا کرتے ہو اور اسی طرح فرمایا ہے کیا ان لوگوں نے گمان کیا ہے جو برائیاں کرتے ہیں کہ ہم انکو ایمانداروں نیکوکاروں کی طرح کردینگے ان کی حیات اور ممات یکساں ہوگی (یعنی ہرگز ایسا نہیں ہوگا کہ مجرم اور محسن برابر ہوں) برا ہے وہ جو (اللہ پر ایسا) فتویٰ دیتے ہیں پھر جب دنیا کے درمیان ان میں تفرقہ نہیں تو ضرور ہے کہ آخرت میں انکے درمیان تفرقہ ہو اور اس لئے کہ مومن کا ہمیشہ آگ میں رکھنا اور کافر کو ہمیشہ جنت میں رکھنا ظلم ٹھہرتا ہے اور اللہ سبحانہ سے اس کا وقوع میں آنا مستحیل ہے چنانچہ

ولا تعامر فی حق المسئی المعلن وضع الشئی فی غیر موضعہ فیکون ظلما مستقیلا من اللہ و مثل ھذا اسفہا فی الشاھد فلا یجوز نسبۃ ذلک الی اللہ تعالی عقلا وقولہ تصرف فی ملکہ قلنا التصرف فی الملک انما یجوز من الحکیم اذا کان علی وجہ الحکمۃ والصواب فاما التصرف علی خلاف قضیۃ الحکمۃ یکون سفہا وانہ لا یجوز الخ وقال العلامۃ الحافظ ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ فی کتابہ شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل فی الباب السابع والعشرون اما القدریۃ والجبریۃ فعندھم الظلم لا حقیقۃ لہ بل ھو الممتنع لذاتہ الذی لا یدخل تحت القدرۃ فلا یقدر الرب تعالی عندھم علی ما یسمی ظلما حتی یقال ترک الظالم وفعل العدل فعلی قولھم لا فائدۃ فی قولہ عدل فی قضائک بل ھو بمنزلۃ ان یقال نافذ فی قضائک ولا بد وھو معنی قولہ ماض فی حکمک فیکون تکریرا لا فائدۃ فیہ وعلی قولھم فلا یکون ممدوحا بترک الظلم اذ لا یمدح بترک المستحیل لذاتہ ولا فائدۃ فی قولہ انی حرمت الظلم علی

ہم بیان کرینگے اور اس بات کی دلیل کہ یہ ظلم ہے یہ ہے کہ ظلم ایک شئی کو غیر موضع میں استعمال کرنا اور نیکوکار کے ساتھ برا کرنا اور بدکار مغفل کے حق میں انعام و اکرام کرنا وضع الشئی فی غیر موضعہ ہے پس یہ ظلم ہے اللہ سبحانہ کے بارے میں مستحیل ہوگا اور عقل کے رو سے ایسا کام سفہ شمار کیا جاتا ہے پس اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف عقلا جائز نہیں اور اسکا یہ قول کہ تصرف اسکی اپنی ملک میں ہے ہم کہتے ہیں حکیم کا تصرف اپنی ملک میں اس وقت جائز ہے جب کہ حکمت اور صواب کے طور پر ہو اور خلاف قضیہ حکمت کے تصرف کرنا سفہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے واسطے جائز نہیں ہے، حافظ ابن القیم اپنی کتاب شفاء العلیل کے ستائیسویں باب میں لکھتے ہیں قدریہ اور جبریہ کے نزدیک ظلم کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ ممتنع لذاتہ ہے جو خدا کی قدرت کے اندر داخل نہیں پس ان کے نزدیک رب تعالیٰ اس پر قادر نہیں جس کو ظلم کہا جاتا ہے تاکہ کہا جاوے کہ اس نے ظلم کو چھوڑ دیا اور عدل کو فعل میں لایا پس ان کے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے میں کہ میرے حق میں تیرا حکم عدل ہے کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ کہنا اور یوں کہنا کہ میرے حق میں تیرا حکم نافذ ہے یکساں ہوا اور نفوذ والی معنے ماض فی حکمک میں ہو چکی تھی پس تکرار بلا فائدہ ہوگا اور ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ترک ظلم کے ساتھ ممدوح نہ ہوگا کیونکہ مستحیل لذاتہ کے ترک کے ساتھ مدح نہیں ہوتی ہے اور اس قول کہ میں نے ظلم کو اپنے نفس پر حرام کیا ہے کوئی فائدہ نہ ہوگا یوں گمان کیا جاتا

نفسي أو ينبغي معناه أني حرمت على نفسي ما لا يدخل تحت قدرتي وهو المستحيلات ولا فائدة في قوله فلا يخاف ظلما ولا هضما فإن كل أحد لا يخاف من المستحيل لذاته أن يقع ولا فائدة من قوله وما الله يريد ظلما للعباد فهو حكم في عباده بملكه وعدله فيهم جميعه وهو سبحانه له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ونظير هذا قوله سبحانه حكاية عن نبيه هود إنه قال إني توكلت على الله ربي وربكم ما من دابة إلا هو آخذ بناصيتها إن ربي على صراط مستقيم فقوله ما من دابة إلا هو آخذ بناصيتها مثل قوله ناصيتي بيدك ماض في حكمك وقوله إن ربي على صراط مستقيم مثل قوله عدل في قضاؤك أي لا يتصرف في تلك النواصي إلا بالعدل والحكمة والمصلحة والرحمة لا يظلم أصحابها ولا يعاقبهم بما لم يعملوه ولا يهضمهم حسنات ما عملوه فهو سبحانه على صراط مستقيم في قوله وفعله يقول الحق ويفعل الخير والرشد انتهى . قال العلامة عبد الرحيم بن علي الشهير بشيخ زاده في كتاب نظم الفرائد ذهب مشايخ الحنفية إلى أنه يمتنع تخلف الوعيد

ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر اس کو حرام کر دیا ہے جو میری قدرت کے اندر داخل نہیں یعنی مستحیل چیزیں اور اس قول میں کہ نہ ڈرے ظلم اور نہ ہضم سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ مستحیل لذاتہ کے وقوع سے کوئی شخص نہیں ڈرتا اور اس قول میں کہ اللہ بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس قول میں کہ میں بندوں پر ظلام نہیں ہوں کوئی فائدہ نہ ہوگا، سو بندوں کے درمیان اللہ کے حکم کا نفوذ اس کے مالک ہونے کے سبب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا عدل ان کے درمیان بسبب حمید ہونے اس کے ہے اور ملک اور حمد دونوں اس کے ساتھ خاص ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی نظیر وہ قول ہے جو اللہ سبحانہ نے اپنے نبی ہود کے بارے میں بطریق حکایت بیان کیا ہے کہ ہود نے کہا میں نے اس اللہ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے کوئی جاندار نہیں مگر اللہ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے بیشک میرا رب راہ مستقیم پر ہے سو یہ کہ کوئی جاندار نہیں مگر اللہ اس کی پیشانی کو پکڑنے والا ہے اس کی مثل ہے جو رسول اللہ نے کہا میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے میرے حق میں تیرا حکم گذر چکا ہے اور یہ قول کہ میرا رب راہ مستقیم پر ہے رسول اللہ کے اس قول کے برابر ہے کہ میرے حق میں تیرا حکم عدل ہے یعنی وہ عزوجل ان پیشانیوں میں بجز عدل اور حکمت اور مصلحت اور رحمت کے تصرف نہیں کرتا نہ ان پیشانی والوں پر ظلم کرتا ہے اور نہ بغیر کیے انکو عذاب کرتا ہے اور نہ انکے

كما يمتنع خلف الوعد كما في العمدة للإمام النسفي والشرح الكبير لإمام اللقاني وشرح الفقه الأكبر للشيخ علي القاري وذهب المشايخ من الأشاعرة إلى أن العقاب عدل أوعد به العاصي وله أن يعفو عنه لأن الخلف في الوعيد لا يعد نقصا كما في المواقف وشرح الشريفي والتفسير الوسيط للإمام الواحدي وشرح الجوهرة للإمام اللقاني احتج مشايخ الحنفية بأن الخلف في الوعيد تبديل للقول وقد قال الله تعالى لا يبدل القول لدي وما أنا بظلام للعبيد وما يلزم من جواز الكذب على الله تعالى في وعيده وقد قام الإجماع على تنزهه عنه وقال رحمه الله أيضا قال الإمام فخر الدين الرازي إذا جاز الخلف في الوعيد لغرض الكرم فلم لا يجوز الخلف في القصص والأخبار لغرض المصلحة ومعلوم أن فتح هذا الباب يفضي إلى الطعن في القرآن وكل الشريعة انتهى بلفظه وقال رحمه الله أيضا ذهب أيضا مشايخ الحنفية إلى أن الله تعالى لا يعذب المطيع ولو فعل لكان ظلما فلا يجوز عقلا تخليد المؤمنين في النار والكافرين في الجنة وذهب الشيخ الأشعري ومن تابعه إلى أن الله تعالى لا يوصف بالظلم ولو فعل لا يوصف به حتى لو خلد الأنبياء في النار

کرو حسنات میں نقصان دیتا ہے پس وہ سچا ہے اپنے قول اور اپنے فعل میں راہ مستقیم پر ہے اور جو کہتا ہے اور خیر و شر کرتا ہے انتہی علامہ عبدالرحیم بن علی معروف شیخ زادہ اپنے کتاب نظم الفرائد میں لکھتے ہیں کہ مشائخ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ مخالفت وعید مثل مخالفت وعدہ کے ممتنع ہے ایسا ہی عمدہ میں امام نسفی نے اور شرح کبیر میں امام لقانی نے شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے اور مشائخ اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ گنہگار کو عذاب کا وعید عدل ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ اسکو معاف کر دے کیونکہ وعید کی مخالفت کو نقصان شمار نہیں کیا جاتا ایسا ہی مواقف اور اسکی شرح شریفی اور تفسیر وسیط امام واحدی اور شرح جوہرہ امام لقانی میں ہے اور مشائخ حنفیہ اسبات کے ساتھ دلیل پکڑتے ہیں کہ مخالفت وعید قول کو بدل ڈالنا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما یبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید یعنی میرا قول بالکل نہیں بدلا جاتا اور نہ میں بندوں پر ظلم کرتا ہوں اور یہ بھی وجہ ہے کہ مخالفت وعید سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لازم آتا ہے اور اجماع اسی بات پر قائم ہے کہ اللہ اس سے پاک ہے اور کہا رحمہ اللہ نے امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ جب مہربانی کی غرض سے مخالفت وعید جائز ہوگی تو قصص اور اخبار میں کسی مصلحت کے واسطے کیوں جائز نہیں ہو سکتی اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر اس بات کا دروازہ کھول دیا جائے تو قرآن مجید اور کل شریعت پر طعن ہو

والکفار فی الجنۃ لا یقبح عندنا کما فی تعدیل العلوم وشرحہ للصدر بالعلامۃ والعمدۃ للامام
النسفی والمسایرۃ للامام ابن الھمام استدل مشایخ الحنفیۃ بان الحکمۃ الالھیۃ تقتضی
التفرقۃ بین المحسن والمسییٔ وما یکون علی خلاف قضیۃ الحکمۃ مستحیل من اللہ تعالی
وکان تخلید المؤمنین فی النار وتخلید الکفار فی الجنۃ وضع الشیٔ فی غیر موضعہ
فھو مستحیل علی اللہ تعالی وقال رحمہ اللہ ایضا ذھب مشائخ الحنفیۃ الی ان العفو
عن الکفر لا یجوز عقلا کما فی التاویلات للشیخ علم الھدی ابی منصور الماتریدی و
العمدۃ للامام النسفی وشرحہ وذھب الشیخ الاشعری ومن تابعہ الی ان العفو عن
الکفر یجوز عقلا کما فی التفسیر الکبیر للامام فخر الدین رازی وکشف الکشاف والمسایرۃ
للامام ابن الھمام استدل مشایخ الحنفیۃ بان حکمۃ اللہ تعالی توجب العقاب علی من اعتقد
الکفر والتزمہ وان لیس فی الحکمۃ عفو عن مثل الجرم وباللہ العجب من قوم یستبعدون کون ھذا

جائز ہو اور کہا رحمہ اللہ نے مشائخ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ قبیح ہی ہوگا اس واسطے مومنوں کا ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اور
کفار کا ہمیشہ جنت میں رہنا ہمارے نزدیک عقلاً بھی جائز نہیں ہے اور شیخ اشعری اور اس کے تابعداروں کا یہ
مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال قبیح کے ساتھ وصف نہیں کئے جاتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس فعل قبیح کو کرے تو
بھی اس کے ساتھ وصف نہیں کیا جاتا گویا یہاں تک کہ اگر بٹھایا مومنوں کو ہمیشہ دوزخ میں اور کفار کو ہمیشہ جنت میں رکھے تو
اسکو بھی اشعری کے نزدیک فعل قبیح نہ کہا جائیگا جیسا کہ تعدیل العلوم اور اسکی شرح صدر العلامہ اور عمدہ امام نسفی
اور مسایرہ امام ابن الہمام میں ہے مشائخ حنفیہ اس بات کے ساتھ دلیل پکڑتے ہیں کہ نیکوکار اور بدکار کے فرق کو
حکمت الٰہی مقتضی ہے اور جو کچھ اقتضائے حکمت کے خلاف ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محال ہے اور یہی وجہ
ہے کہ مومنوں کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اور کفار کا ہمیشہ جنت میں رکھنا وضع الشیٔ فی غیر موضعہ یعنی شے کو اسکے
اصل مقام پر نہ رکھنا ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر مستحیل ہے اور مشائخ حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ کفر سے معافی عقلاً
جائز نہیں ہے ایسا ہی تاویلات شیخ علم الہدیٰ ابی منصور ماتریدی اور عمدہ امام نسفی اور اسکی شرح میں ہے اور
شیخ اشعری اور اسکے اتباع کا یہ مذہب ہے کہ کفر سے معافی عقلاً جائز ہے جیسا کہ کبیر امام رازی اور کشف الکشاف
اور مسایرہ ابن ہمام میں ہے مشائخ حنفیہ اس بات کے ساتھ دلیل پکڑتے ہیں کہ جو کوئی کفر کا معتقد ہو اور اسکا
التزام کرے اس پر حکمت الٰہی عذاب کو واجب کرتی ہے اور ایسی باتوں سے معافی حکمت میں جائز نہیں ہے

الآيات يفعل الله ما يشاء ويحكم ما يريد لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون يعذب من يشاء
ويغفر لمن يشاء وعلى أن الله عز وجل لو خالف وعده الذي وعد المؤمنين بالجنة وأسكنهم
أبدا في النار لكان عدلا وقسطا وهذا غلط وغفلة منهم لأنه ليس في الآيات التي تمسكوا بها ما يدل
على هذا بل المراد من الآيات أن الله يفعل ما يشاء ويحكم ما يريده ولا يسئل عما يفعل ويخالف
الموعد وإدخال المؤمنين في النار ودوام خلودهم لا يشاؤه ولا يريده كما قال وما الله يريد ظلما
للعالمين فلا يفعله ولا يحكم به ولا يسئل عنه ففي الآيات ذكر ما يشاؤه ويريده ويفعله
ويحكم به وليس فيه ذكر ما يشاؤه ولا يريده ولا يفعله ولا يحكم به فهذا لا اختلاف
فيه عند أحد من المسلمين وهذا أمر آخر غير الذي كنا بصدده وأما قوله تعالى يعذب
من يشاء ويغفر لمن يشاء فتفسيره يعذب من يشاء وهم الكفرة والمنافقون ويغفر
لمن يشاء وهم المؤمنون لأن الله عز وجل صرح في كتابه إن الله لا يغفر أن
يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء وقال سواء عليهم أستغفرت لهم أم لم تستغفر لهم

اور تعجب ہے اس قوم سے جو آیہ کریمہ یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید اور آیہ کریمہ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اور
آیہ کریمہ یعذب من یشاء ویغفر لمن یشاء سے استدلال کرتے ہیں اس بات پر کہ اگر اللہ عزوجل اپنے وعدے سے مخالفت
کرکے مومنوں کو ہمیشہ دوزخ میں رکھے اور اپنے وعیدات و اخبارات کے برخلاف کفرہ فجرہ کو ہمیشہ کے واسطے بہشت
دے دے تو یہ عین عدل و انصاف ہے اور یہ ان کی غلطی اور غفلت ہے کیونکہ آیات مذکورہ میں اسکا ذکر ہی نہیں بلکہ آیات
مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ عزوجل جس چیز کو چاہتا ہے اور ارادہ کرتا ہے اور اسکا حکم دیتا ہے اور جس چیز کو کرتا ہے
اس سے پوچھا نہیں جاتا اور اپنے وعدوں و اخبارات سے مخالفت اور ظلم اور مومنوں کا ہمیشہ دوزخ میں رکھنا
اللہ عزوجل اسکو نہ چاہتا ہے اور نہ ان کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے جیسا کہ آیہ کریمہ وما اللہ یرید ظلما للعالمین
میں ہے کہ اسکو کرے یا اسکا حکم دیوے یا اس سے پوچھا جاوے یہاں تو اس چیز کا ذکر ہے جو اللہ عزوجل کرتا
ہے یا اسکا حکم دیتا ہے اور جس چیز کو نہ چاہتا ہے اور نہ اسکا ارادہ کرتا ہے اس کے کرنے یا حکم دینے یا پوچھا جانے
کا ذکر نہیں اور یعذب من یشاء سے کفار مراد ہیں اور یغفر لمن یشاء سے مراد مومن ہیں کیونکہ اللہ
عزوجل نے قرآن شریف میں تصریح کے ساتھ فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء

لن يغفر الله لهم إن تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم وقال وعد الله الذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة وأجر عظيما والذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم مغفرة وأجر عظيم فعلم أن المراد من جملة ويغفر لمن يشاء المؤمنون وأما حديث لن ينجو أحد منكم بعمله قالوا ولا أنت يا رسول الله قال ولا أنا إلا أن يتغمدني الله برحمته فلا يعارضنا لأنا لا نقول بوجوب الأجر والثواب على الله تعالى بالأعمال إنما نقول هو أوجب على نفسه بفضله وكرمه الرحمة وحرم على نفسه الظلم كما نطق به الكتاب والسنة في مثل قوله تعالى كتب ربكم على نفسه الرحمة وقوله وكان حقا علينا نصر المؤمنين وقوله في الحديث الإلهي القدسي يا عبادي إني حرمت الظلم على نفسي وجعلته بينكم محرما وأما أن العباد يوجبون عليه أو يحرمون عليه فممتنع عند أهل السنة كلهم وفي هذا كفاية لمن له بصيرة والرجو من الله أن ينفع به كثيرا من المسلمين والحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على حبيبه سيد المرسلين وآله وأصحابه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين۔

اور فرمایا سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم اور فرمایا ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم اور فرمایا وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات لہم مغفرۃ واجر عظیم اور فرمایا الذین آمنوا وعملوا الصالحات لہم مغفرۃ واجر عظیم

پس آیات مذکورہ سے صاف معلوم ہوگیا کہ جملہ یغفر لمن یشاء سے مراد مشرک و منافق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ میں مشرک کو کبھی نہ بخشونگا اور یغفر لمن یشاء سے مراد مومن ہیں کیونکہ قرآن مجید میں مومنوں کی مغفرت کے واسطے اللہ پاک کا وعدہ ہے اور حدیث لن ینجو احد منکم بعملہ ہمارے مضر نہیں کیونکہ ہم اپنے اعمالوں سے اللہ عزوجل پر وجوب حق کے قائل نہیں بلکہ اللہ عزوجل نے اپنے فضل و کرم سے مومنوں کا حکم اپنے اوپر واجب کر لیا اور ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا جیسا کہ کتاب و سنت اسی پر ناطق ہے كتب ربكم على نفسه الرحمة تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو فرض کر لیا وكان حقا علينا نصر المؤمنين نصرت مومنوں کی ہمارے ذمہ اوپر حق ہے، یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما اے میرے بندو میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام کر دیا اور تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا اور یہ بات کہ بندے اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب کریں یا حرام کریں یہ تمام اہل سنت کے نزدیک ممتنع ہے والحمد للہ رب العالمین

والصلوۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

سوال :۔ (۲) انصار مدینہ کا پیشہ پارچہ بافی تھا اس لئے ہر مسلمان جس کا پیشہ پارچہ بافی ہے انصار کہلایا جا سکتا ہے دہلی جیسے مرکزی شہر میں جہاں تقریباً ہندوستان کے ہر صوبے کے اور ہر قوم کے افراد آباد ہیں اور اسی طرح پارچہ باف برادری کے افراد بھی ہندوستان کے مختلف حصص سے آکر آباد ہو گئے ہیں۔ (بعض راجپوت ہیں اور بعض جاٹ وغیرہ ہیں بہت سے ہندو پارچہ بافوں کی اولاد میں سے ہیں جن کے آباؤ اجداد کسی زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے) اب سوال یہ ہے کہ کیا بغیر پورے ثبوت کے یہ لوگ اپنے تئیں انصار کہلوا سکتے ہیں؟ اور مَنْ نَسَبَ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ اور مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ وغیرہ احادیث کا کیا مطلب ہے بینوا توجروا۔

جواب :۔ (۳) جواب صحیح ہے بے شک جو لوگ انصاری النسل سے نہیں ہیں ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کو انصاری ظاہر کریں اور یہ دعویٰ کہ ہندوستان کے تمام پارچہ باف انصاری ہیں بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم ::

الجواب :۔ (۴) صحیح بلاشک و شبہ نسب اور نسل کا بدلنا حرام ہے پارچہ بافی اسلام میں کوئی حقیر پیشہ نہیں نہ پارچہ بافوں کو اسلام کوئی ذلت ہے سب انسان اسلام کے نزدیک ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں قرآن نے نسلی امتیاز اور ہندو مذہب کی شرافت کا گلا گھونٹ دیا ہے ایک اصلی سید کا اور ایک جولاہا کا جو نئے دلے مسلمان کا اسلام میں ایک ہی حکم ہے ذات پات پر فخر یہ جاہلیت کا کام ہے پھر کسی برادری کو اپنا نصب نامہ گھڑنے کی کیا ضرورت ؟ سوال میں جو حدیثیں لکھی ہیں ان کی بنا پر نسب بدلنا حرام ہے واللہ اعلم۔

صورت مرقومہ و مسئولہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ محض پارچہ بافی انصار مدینہ کی اولاد ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی جو لوگ واقعی ان کی اولاد میں سے ہوں ان کے پاس اس کا ثبوت ہو وہ البتہ اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور جن لوگوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں محض پارچہ بافی کی بنا پر اپنے آپ کو ان کی اولاد میں منسوب کرتے ہیں یہ ان کی فاش غلطی ہے جو شرعاً ہرگز جائز نہیں فقط حررہ العاجز ، حررہ العاجز ابو محمد عبد الستار غفر لہ الغفار

اس نسب نامہ کے گھڑنے کی وجہ دراصل ان مسلمانوں کی تعصب پرستی ہے جو ہندوؤں کی

صحبت میں رہ کر بالکل ہندو بن چکے ہیں جن کی نظروں میں داعی اسلام کے اس فرمان کا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى الْعَجَمِيِّ کے ہوتے ہوئے بھی کسی سید کی شادی کسی دھوبی سقہ جلاہے وغیرہ سے نہیں ہو سکتی دہلی کے ان نوجوانوں کو اپنے قوم کثرین وغیرہ پیشوں کو چلاتا تھا مسلمانوں میں حقارت کے خوف سے انہوں نے اپنے نسب نامہ بدلے بہرحال ان مومن حضرات کو اپنا نسب نامہ نہیں بدلنا چاہیے کیونکہ یہ فعل شرمناک ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوالقاسم ایم اے رزاق منزل لال دروازہ دہلی۔ اخبار محمدی دہلی جلد ۱۰ ش ۲

سوال:۔ سائل یا مسافر یا پڑوسی یا قرابتدار جو غیر متعصب پرہیزگار حنفی ہوں یا بے نمازی ہوں یا تارک نماز شراب خور ہوں ان کے ساتھ کھانا کپڑا پیسہ غلہ وغیرہ کے ذریعہ سلوک اور احسان کرنے سے ثواب ملیگا یا نہیں؟

جواب:۔ بیشک صالح غیر متعصب مسلمان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے سے ہر حال میں ثواب ملیگا۔ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ (قرآن کریم) وغیر ذلک من الآیات۔ اور فاسق فاجر یا بدعتی و مشرک کے ساتھ سلوک کرنے کا ثواب اس وقت ملیگا جب وہ خستہ حال مضطر و پریشان فاقہ زدہ ہو۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ (بخاری)

عبید اللہ رحمانی محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۹

سوال:۔ کیا مندرجہ ذیل دو حکایتیں جن کو بعض مصنفین اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کسی معتبر روایت سے ثابت ہیں (۱) حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو زمین میں بھیجا کہ مٹی لا دے وہ جب زمین میں آیا مٹی کہنے لگی کہ مجھے مت لیجاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے حضرت آدمؑ کو بنائے گا اور ان کی اولاد گناہ کرے گی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں ڈالے گا اس میں مجھے تکلیف ہوگی اسی طرح تین فرشتے آئے اور سب کے سب واپس گئے ان کے بعد عزرائیل آئے اور مٹی لے گئے کیونکہ ان کے دل میں رحم کم ہے۔

جواب:۔ پہلی حکایت حسب ذیل کتابوں میں معمولی اختلاف اور فرق اور تفاوت کے ساتھ مطول قصہ کے ضمن میں مذکور ہے۔ تفسیر فتح العزیز شاہ عبد العزیز الدہلوی صفحہ ۱۵۴ تفسیر روح

البیان، و تفسیر خازن سے ہے (عن وہب بن منبہ التابعی قولہ) سعید بن منصور، وابن المنذر، وابن ابی حاتم (عن ابی ہریرۃ الصحابی موقوفاً علیہ) ابن جریر و کتاب والصفات للبیہقی ص، وابن عساکر (عن ابن مسعود و ناس من الصحابۃ موقوفاً علیہم) ابو الشیخ بسند صحیح (عن ابی بن کعب مرفوعاً) تفسیر در منثور للسیوطی ص ۔ تفسیر السدی (عن ابی مالک وعن ابی صالح عن ابن عباس وعن مرۃ عن ابن مسعود وعن اناس من الصحابۃ مطولاً موقوفاً علیہم) قال ابن کثیر فی تفسیرہ ص ۱۳ ج ۱ بعد ذکرہ فهذا الاسناد الی هؤلاء الصحابۃ مشهور فی تفسیر السدی ویقع فیہ اسرائیلیات کثیرۃ فلعل بعضها مدرج لیس من کلام الصحابۃ او انهم اخذوہ من بعض الکتب المتقدمۃ واللہ اعلم انتہی میرے نزدیک یہ حکایت اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور چونکہ قرآن و صحیح حدیث میں اس کی تفصیل سے سکوت ہے اور ان دونوں سے نہ اس کی تصدیق ہوتی ہے نہ تکذیب اس لئے ہم بھی نہ اس کی تکذیب کریں گے اور نہ تصدیق فلا نؤمن بہ ولا نکذب بہ جیسا۔ عبیداللہ رحمانی محدث دہلی شمارہ ۱۲

سوال:۔ چند سال سے ہندوستان کے کئی مقامات میں رسم شروع ہونے لگی ہے یعنی ۲۷ رجب کو حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا حال پڑھا جاتا ہے اور بڑا مجمع ہوتا ہے اور کثرت سے روشنی کا سامان فراہم ہوتا ہے اور بعض جگہ ایسی مجلس میں بعد بیان معراج شریف قوالی ہوتی ہے اور حال آتا ہے اور روز بروز اس کی ترقی ہے تو براہ مہربانی شریعت کے رو سے اس کے مضار و منافع سے مطلع فرمانے کہ اس کا کرنے والا اور شریک ہونے والا اور مدد دینے والا داخل حسنات ہوگا یا موجب سیئات۔

الجواب:۔ جلسہ ہیئت متعارفہ زمانہ ہذا میں جو منکرات مجتمع ہیں وہ ظاہر ہیں،

(۱) التزام مالا یلزم جس کی کراہت فقہاء کے کلام میں منصوص اور بہت فروع فقہیہ کو اس پر متفرع کیا ہے کما لا یخفی علی الماہر۔

(۲) کثرت روشنی میں اسراف کا ہونا جس کی ممانعت منصوص قرآنی ہے۔

(۳) اور سی:۔ میں قوالی کا اہتمام جو تطوعات کے لئے مکروہ ہے اسی بناء پر جماعت نافلہ کو

مکروہ لکھا ہے اور بعض نے، جس قدر منکرات کو محققین نے مجالس متعارفہ میلاد میں ذکر کیا ہے
اکثر بلکہ کل مع شئی زائد اس میں مجتمع ہیں، بالخصوص اگر اس کے ساتھ قوالی بھی ہو تو منکرات
مضاعف ہو جاوے گے کیونکہ مجالس متعارفہ سماع میں شرائط اباحت مفقود ہیں اور عوارض
مانعہ بکثرت موجود ہیں چنانچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق متعارف پر منطبق کرنے سے
اس کی تصدیق ہو سکتی ہے بنا بر وجوہ مذکورہ جلسہ مذکورہ کے داعی اور ساعی و بانی و معین
و شریک سب کے سب شرعاً قابل ملامت و تشنیع ہونگے طالب حق کے لئے یہ مختصر کافی ہے
اور معاند کے لئے دفتر کے دفتر غیر وافی ہیں۔

سوال: ایک صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ کو تعجب ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اللہ سبحانہ
وتعالیٰ اپنے بندوں کو ماں باپ سے بڑھ کر چاہتا ہے پھر کافروں کو خلود دائمی دوزخ میں کیوں
فرمائے گا اولاد چاہے کیسی ہی بری سے بری ہو لیکن باپ اس کی تکلیف ہرگز گوارا نہیں کرتا اور اس کو
مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا۔

الجواب: یہ سوال خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے کیا تھا حیث
قَالَتْ اَلَیْسَ اللّٰہُ اَرْحَمَ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
بَلٰی قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِیْ وَلَدَھَا فِی النَّارِ فَاَکَبَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبْکِیْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُعَذِّبُ مِنْ
عِبَادِہٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِیْ یَتَمَرَّدُ عَلَی اُمِّہٖ وَاَبٰی اَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا
اللّٰہُ رواہ ابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمر کذا فی المشکوۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ لفظ عباد گو عام ہے
مگر دوسرے دلائل نے اس میں سے بعض کو خاص کر دیا ہے جو ملعون ہو کر دائرہ رحمت سے خود نکل گئے ہیں
پس بندے دو قسم کے ہوئے ایک مرحومین اور ان پر اس قدر رحمت ہے کہ والدہ کو ولد پر نہیں اور دوسرے غیر مرحومین
سو ان پر آخرت میں رحمت ہی نہ ہوگی پھر زیادتی کمی کا کیا ذکر، یا یوں کہو کہ عباد عام نہیں ہے اضافت
تخصیص کو مفید ہے یعنی بندگان خاص جیسے قرآن مجید میں عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کو خاص کیا ہے موصوف
بصفات خاصہ سے، یا یوں کہ والدہ کو تو سب اولاد پر رحمت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کو سب عباد پر کیوں

نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت والدہ کی اضطراری ہے مشیت پر موقوف نہیں اس لئے عام ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اختیاری ہے اور مشیت پر موقوف ہے جس کا سبب ظاہری اعمال صالحہ ہیں اس لئے آخرت میں خاص ہے البتہ دنیا میں عام ہے رہا مرحومین کو تکلیف ہونا سو وہ تہذیب ہے تعذیب نہیں، فقط

واللہ اعلم

سوال: وہابی کی کیا تعریف ہے:

جواب: مخالفین کی رو سے وہابی اس کو کہا جاتا ہے جو مجدد وقت شیخ الاسلام حضرت محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۵ھ — ۱۲۰۶ھ) کا مقلد اور پیرو ہو، جیسے چاروں اماموں کے مقلدین اور پیروؤں کو بھی شافعی حنبلی حنفی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مجدد اور امام علمبردار توحید کی مبارک تحریک کے مخالفین نے سیاسی اغراض و مقاصد کی بنا پر دنیا کے سامنے اپنی غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کے ذریعہ اس تحریک "وہابیت" اور "وہابی" کو نہایت بھیانک اور خوفناک صورت میں پیش کیا تاکہ دنیائے اسلام اس تحریک اور اس کے بانی و حامیوں کی مخالف ہو جائے چنانچہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔

ہندوستان میں ایک زمانہ "وہابیت" نام تھا حضرت سید احمد شہیدؒ (پیدائش ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۶ء شہادت ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک تجدید و امامت کا، "وہابی" نام تھا اس مجاہدانہ تحریک کے بانیوں اور حامیوں کا حالانکہ ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک دعوت و تجدید کو نجدی وہابی تحریک سے دور کا تعلق بھی نہیں یعنی ایک نے دوسرے کی تعلیمات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھایا (ملاحظہ ہو سیرت حضرت سید احمد شہید)

پھر ایک دوسرا دور آیا اس دور میں غلط فہمی سے "وہابیت" اور "وہابی" نام ہو گیا ہندوستان میں برٹش امپیریلزم سے "بغاوت" اور "باغی" کا اس غلط فہمی کی بنا پر مسلمانوں پر وہ سب کچھ گزرا جس کے بیان کرنے کے لئے زبان میں طاقت نہیں اس کے بعد تیسرا دور آیا اب "وہابیت" نام ہو گیا ہے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تقلید و اتباع کا اور تقویۃ الایمان پڑھنے پڑھانے کا اور ان غلط بیانیوں و دروغ بافیوں افترا پردازیوں اور بے سروپا باتوں کا جن کا سلسلہ بریلوی حنفیوں نے اہل حدیثوں کو بدنام کرنے اور جاہل مریدوں کو اندھیرے میں

رکھنے کے واسطے جاری کر رکھا ہے اور اگر حقیقت اور دروغ تعصب کا معاملہ کیا جائے تو انہوں نے وہابیت نام رکھا ہے ۔ اہلحدیثیت یعنی قرآن و حدیث کے اتباع اور اجتناب من البدعات کا اور وہاں وہ نام رکھا ہے اس شخص کا جو بریلوی رضاخانی عقیدہ نہ رکھتا ہو اور ہر کسی قسم کی بدعتوں سے پرہیز کرتا ہو تقلید سے الگ رہ کر صرف قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہو حالانکہ اہلحدیث جس طرح کسی امام کے مقلد نہیں اسی طرح شیخ الاسلام ابن عبدالوہاب کے مقلد اور پیرو بھی نہیں اور نہ ان کی تحریک شیخ الاسلام کی تعلیمات سے ماخوذ ہے اگرچہ دونوں تحریکوں کا ماخذ اور مقصد ایک ہے اسی طرح ان کا دامن ان بہتانات اور خرافات سے بھی پاک اور منزہ ہے جو ان کی طرف ناپاک مقصد کی خاطر منسوب کی جاتی ہے کیونکہ وہ تو صرف قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور بس پس ان کو وہابی کہنا انتہائی ظلم ہے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے صحیح حالات اور ان کی تحریک تجدید امامت کے مستند مفصل کوائف و نتائج معلوم کرنا چاہتے ہوں تو ذیل کی کتابوں کا مطالعہ کریں، پیجیئے

(۱) روضۃ الافکار والافہام لمرتاد حال الامام وتعداد غزوات ذوی الاسلام لابن غنام (عربی)

(۲) عنوان المجد فی تاریخ نجد لعثمان بن بشر النجدی (عربی)

(۳) الہدیۃ السنیۃ والتحفۃ الوہابیۃ النجدیۃ لابن سحمان (عربی)

(۴) تیسیر الشیخین الاماجین (عربی)

(۵) حاضر العالم الاسلامی للامیر شکیب ارسلان (عربی)

(۶) تاریخ نجد ۔ حافظ اسلم جیراجپوری (اردو) ..

(۷) سیرۃ محمد بن عبدالوہاب ۔ مسعود عالم ندوی (اردو)

(۸) اس موضوع پر فلبی وغیرہ کی انگریزی تصنیفات

عبیداللہ رحمانی محدث دہلی جلد نمبر ۵

سوال : زید صحیح العقیدہ ہے لیکن محض اس خیال سے کہ لوگ اس کی بات توجہ سے سنکر اس پر عمل کرتے ہیں اور اس سے نفرت نہیں کرتے بعض رسوم مروجہ مثلاً فاتحہ سوئم و چہلم وغیرہ میں شریک ہو جاتا ہے زید کہتا ہے کہ ان بدعات میں اس نیت سے شرکت کرنے پر اگر کوئی گناہ ہوگا تو مجھ پر ہوگا میرے ان کاموں میں شریک ہونے کی وجہ سے میری تبلیغ

سے لوگ بدعتی نہیں بلکہ تبلیغ کے نتیجہ میں شرکیہ کاموں سے بچ جائیں گے اور راہ راست پر آجائیں گے کیا یہ طرز عمل شرعاً جائز ہے۔

جواب: یہ فی نفسہ سوم، دہم، بستم، چہلم، جیسے پیر کی گیارھویں وغیرہ رسوم مروجہ بلاشبہ کتب فقہ حنفی کی رو سے بھی بدعت ہیں اور ان مبتدعین کا زید کی تبلیغ سے متاثر ہو کر امور شرکیہ (قبر پرستی، تعزیہ پرستی، پیر پرستی، نذر و نیاز لغیر اللہ، اہل قبور سے استمداد و استعانت وغیرہ) سے بچ جانا غیر قطعی بلکہ مشکوک ہے اس لئے محض اس وہم و خیال کی بنا پر امور بدعیہ میں شرکت جائز نہیں ہوگی زید کے اس طرز عمل سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ مداہنت فی الدین کا مرتکب ہے اور دنیا طلبی کے لئے اس چیز کو حیلہ اور بہانہ بنا رہا ہے۔ بس اس کو بدعات و منکرات سے الگ تھلگ رہ کر حکمت عملی سے پند و نصیحت کا وہ ڈھنگ اختیار کرنا چاہئے کہ اس کی تبلیغ مفید و نتیجہ خیز ثابت ہو اور دین بھی مجروح نہ ہو۔

ہاں اگر زید کو اس امر کا قوی اور غالب گمان ہو کہ یہ مبتدعین اس کی تبلیغ کے ذریعہ امور شرکیہ سے توبہ کر لیں گے اور ان کے عقائد کفریہ کی اصلاح ہو جائے گی تو اس شرط کے ساتھ ان رسوم غیر شرکیہ میں علی سبیل الکراہۃ شریک ہو سکتا ہے کہ مناسب موقعوں اور موزوں اوقات میں ان رسوم کا بدعت اور منکر ہونا بھی ان پر ظاہر کرتا رہے یہاں تک کہ وہ ان رسوم بدعیہ کو بھی ترک کر دیں۔

عبید اللہ رحمانی محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۵

علماء حدیث کا عقیدہ

چونکہ عقیدے کی درستی اور صفائی تمام باتوں پر مقدم ہے اسی لئے علماء حدیث کے چند عقائد نہایت اختصار کے ساتھ قلم بند کئے جاتے ہیں انسان کو اس بات کا دل سے اعتقاد کرنا چاہئے کہ اس جہان فانی کا صانع اور موجد اللہ تعالیٰ ہے جس نے اسے عدم سے ایجاد کیا اور تقاضائے حکمت پر مرتب رکھا جیسا کہ فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اور فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ اور فرمایا اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ صانع کے ثبوت صفات پر قرآن مقدس میں تقریباً پانچ سو آیتیں دلیل ہیں :۔

عقیدہ نمبر ۱ :۔ جس قدر مخلوقات ہیں کیا عالم ملک واشباح اور کیا عالم ملکوت وارواح سب کو وہی عدم سے وجود میں لایا۔

عقیدہ نمبر ۲ :۔ وہ تمام صفات و باکمال کے ساتھ متصف ہے مثلاً علم، قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، تکوین، کلام، ترزیق، تخلیق وغیرہ۔ اور اس کے سارے عیوب و نقائص و زوال سے منزہ ہیں جیسے عجز و جہل کذب اور موت وغیرہ،

عقیدہ نمبر ۳ :۔ وہ تمام جزئیات و کلیات ممکنات و مستحیلات معلومات کو جانتا ہے زمین کی تہہ سے آسمانوں کی چوٹی تک جو کچھ ہوتا ہے سب اسے معلوم ہے آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اس سے چھپا نہیں، اگر اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر کالی چیونٹی چلتی ہے تو وہ اسے بھی جانتا ہے ایک ذرہ اگر ہوا میں حرکت کرتا ہے تو وہ اس سے بھی خبردار ہے دل کی مخفی باتوں سے اور سینے کے خطروں کو جانتا ہے،

عقیدہ نمبر ۴ :۔ تمام ممکنات پر اس کی قدرت چلتی ہے کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں،

عقیدہ نمبر ۵ :۔ تمام کائنات اس کے ارادے کے ساتھ وابستہ ہے یعنی تمام ملک و ملکوت میں جو کچھ جاری ہے یا ہوتا ہے تھوڑا یا بہت نیک یا بد نفع یا نقصان، شیریں یا کڑوا تلخ، ایمان

یا کفر ہو یا احسان زیادت یا نقصان طاعت یا عصیان سب اللہ کے ارادے سے ہے اس کی حکمت و تقدیر کے موافق مَا شَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ اگرچہ ساری کائنات جمع ہو کر ایک ذرے کو جنبش دے یا ٹھہرا دے کیا امکان وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ

عقیدہ نمبر ۶ :۔ اس کا کوئی شبیہ اور ضد اور مثل نہیں جس نے کسی مخلوقات کے ساتھ اسے تشبیہ دی کافر ہوا۔ سلف اس کی صفتوں کو ظاہر پر محمول کرتے اور اسے کسی سے تشبیہ نہ دیتے تھے اور تاویل و تعطیل وغیرہ سے بچتے تھے۔

عقیدہ نمبر ۷ :۔ وجوب وجود اور استحقاق عبادت اور خلق و تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں ہستی اسی کی باقی ہے سب کو فنا معبود وہی ہے باقی سب باطل، خالق و مدبر وہی ہے باقی سب مخلوق عاجز۔

عقیدہ نمبر ۸ :۔ وہ اپنے غیر میں حلول نہیں کرتا نہ غیر اس میں حلول کرتا ہے وہ عالم سے جدا عرش پر جلوہ افروز ہے وہ کسی غیر کے ساتھ متحد نہیں ہوتا بلکہ اپنی ذات و افعال میں یکتا ہے

عقیدہ نمبر ۹ :۔ اللہ عرش پر ہے مگر اس فوق اور استواء کی حقیقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہم اس پر ایمان لاتے اور کیفیت اور تاویل سے کچھ غرض نہیں رکھتے۔

عقیدہ نمبر ۱۰ :۔ ایماندار قیامت کے دن اللہ کو آنکھ سے دیکھیں گے جنت میں جانے کے بعد بھی اور پیشتر بھی، جیسے لوگ چودھویں رات کے چاند کو بے تکلف دیکھتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۱ :۔ تمام کفر و معاصی، بڑے ہوں یا چھوٹے اسی کے خلق و ارادے سے ہیں گو وہ کفر و عصیان سے ناراض اور طاعت ایمان سے راضی ہوتا ہے کیونکہ ارادہ اور چیز ہے اور رضا اور شے وہ اپنی ذات و صفات میں سارے جہان سے بے نیاز ہے اس پر کوئی حکم نہیں بلکہ سب پر اس کا حکم چلتا ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۲ :۔ عقل کو اشیاء کے برے بھلے ہونے میں کچھ دخل نہیں نہ اس بات میں کہ فلاں کام ثواب کا باعث ہے اور فلاں عذاب کا موجب بلکہ ہر چیز کی برائی بھلائی اللہ کے قضاء و قدر سے ہے اسی نے لوگوں کو اس کے ساتھ مکلف کیا ہے گو بعض چیزوں کی وجہ اور مصلحت و مناسبت کو ثواب و عذاب عقل سے دریافت ہو جائے اور بعض باتوں کا ادراک و حصول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے بغیر ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا ؛

عقیدہ نمبر ۱۲ :- اللہ تعالیٰ کی ہر ذاتی و فعلی صفت واحد بالذات ہے نہ متکثر و متعدد، وہ ایک ہی فعل ہے تمام مفعولات کرتا ہے، تکثر و تعدد جو سمجھ میں آتا ہے وہ تاثیرات صفات میں ہے نہ نفس صفات میں ،

عقیدہ نمبر ۱۳ :- قرآن مقدس کلام اللہ ہے جو کہ پیغمبر خدا آخر الزمان جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس پر حرف و صوت کا اطلاق کرنا صحیح ہے ؛

عقیدہ نمبر ۱۴ :- معاد جسمانی برحق ہے۔ اجسام کا حشر ہوگا۔ روح بدن میں ڈالی جائے گی یہی اجسام جو یہاں شرعاً و عرفاً ابدان بلا کے جاتے ہیں، وہاں ہوں گے :۔

عقیدہ نمبر ۱۵ :- جزا کا ملنا حساب و کتاب کا ہونا، پل صراط پر چڑھ کر گزرنا، نامہ اعمال کا ملنا اعمال کا ترازو میں تلنا برحق ہے جنت اور دوزخ اس وقت موجود ہیں اور اپنے لوگوں کے سمیت ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گے ان میں کسی کو فنا نہیں۔ کسی نص سے صراحتاً یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ جنت و دوزخ کو زمین کے نیچے بتایا گیا ہے دوزخ و جنت اور معاد جسمانی کا ثبوت توریت و انجیل سے بھی ملتا ہے ؛

عقیدہ نمبر ۱۶ :- جس مسلمان سے کبیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا بشرطیکہ خفی و جلی شرک سے بچ گیا ہو ؛

عقیدہ نمبر ۱۷ :- شفاعت برحق ہے مگر موحد صاحب کبیرہ کی ہوگی نہ کہ مشرک کی ،

عقیدہ نمبر ۱۹ :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول شافع اور اول مشفع ہیں شفاعت کا مستحق وہی گنہگار ہوگا جس نے سچے دل اور سچی زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی گواہی دی ہو اور شرک و کفر سے الگ رہا ہو۔

عقیدہ نمبر ۲۰ :- قبر کا عذاب و ثواب اور منکر نکیر کے سوال و جواب اور ضغطہ قبر برحق ہے علیٰ ہذا القیاس قبر میں روح کا اعادہ برحق ہے۔ موت کے بعد پھر روح کو اپنے جسم سے ایک طرح کا اتصال ہوتا ہے جس کی وجہ سے روح جسم سمیت راحت میں رہتی ہے یا عذاب میں، مومنوں کی روح علیین میں رہتی ہے اور کفار اور منافقوں کی سجین میں رہتی ہے شہیدوں کی روح عرش کے نیچے اور

جنت میں جیتی ہے۔

عقیدہ نمبر ۲۱ :۔ اللہ کا ان رسولوں کو مخلوق کی طرف بھیجنا اور بندوں کو امر و نہی کی تکلیف دینا حق ہے اللہ کے رسول اور تمام لوگوں سے معجزات اور خارق عادات اور سلامت فطرت اور کمال اخلاق حسنہ وغیرہ وغیرہ باتوں میں ممتاز ہوتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۲ :۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور اعمار اثنی عشر بشر ہے معصوم بلکہ گناہگاروں سے بحسب اصل فطرت متنفر ہوتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۳ :۔ ہمارے حضرت خاتم النبیین ہیں ہدایت سے پیشتر کے تمام شرائع کے ناسخ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا آپ اللہ کے بندے اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں آپ نے کبھی نبوت ہو جانے پر شرک کیا نبوت سے پیشتر نہ بعد۔ نہ کسی صغیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے نہ کبیرہ کے آپ کی دعوت تمام جن و انس کو شامل ہے آپ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۴ :۔ کرامات اولیاء برحق ہے اللہ تعالیٰ جس نیک بندے کو چاہتا ہے اس کی عزت و تکریم کرامات سے کرتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ مختص فرماتا ہے۔ ولی کی کرامت درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

عقیدہ نمبر ۲۵ :۔ ہم عشرہ مبشرہ[۱] اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، عائشہ، حسنین علیہ السلام کے قطعی جنتی ہونے کی گواہی دیتے اور صحابہ و اہل بیت کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اسی طرح اہل بدر اور اہل بیعت رضوان کو جنتی کہتے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۲۶ :۔ اس بات کے ہم قائل ہیں کہ خلفائے اربعہ تمام صحابہ سے افضل ہیں پھر بقیہ عشرہ مبشرہ پھر اہل بیت، پھر اہل بدر پھر باقی اہل بیعت رضوان پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔

عقیدہ نمبر ۲۷ :۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبرؓ نے دو برس تین مہینے خلافت کی اور فاروق اعظمؓ نے ساڑھے دس برس

---

[۱] :۔ عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

اور حضرت عثمانؓ نے بارہ سال اور حضرت علیؓ نے چار سال نو مہینے یہ سب نبوت کے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

(الاعتصام کراچی جلد ۵ شمارہ ۲۰)

سوال: سماع موتی یعنی ہر ایک مردہ آدمی اور انتقال شدہ ولی وغیرہ دنیوی باتیں سن سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قرآن مجید کے زمانہ نزول میں مشرکین عرب اور عیسائی وغیرہ جن بزرگوں کو پکارتے تھے ان میں نبی اور ولی بھی تھے ان سب کو ایک جا کر کے فرمایا: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَہٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ ۔ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لَھُمْ اَعْدَآءً وَّکَانُوْا بِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْنَ۔ "یعنی جو لوگ اللہ کے سوا لوگوں سے دعائیں کرتے ہیں ان سے بڑا گمراہ کون ہے جو ایسوں کو پکارا جاتا ہے ، ان پکارنے والوں کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب قیامت میں لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کی عبادت سے صاف انکار کر دیں گے۔"

یہ آیت صاف الفاظ میں بتاتی ہے کہ اولیاء اور انبیاء کو اس دنیا کے واقعات کا علم نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے پکارنے والوں کی پکار سے بھی بے خبر ہیں اور قیامت کے روز جب ان کو خبر ہوگی تو وہ پکارنے والوں کے دشمن اور منکر ہو جائیں گے۔

اخبار اہلحدیث امرتسر
جلد ۳۲ شمارہ ۴۳

كتاب العقائد

باب عقيدة أهل السنة والجماعة في مسئلة الاستواء والمباينة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله العلي الأعظم والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد فقد رأيت بعض معاصرينا رسائل رد فيها قول أهل السنة إن الله بائن من خلقه على العرش بذاته في كل مكان بعلمه قال إنه معنا في الأرض بذاته كما هو على العرش وهذا قول مخترع مبتدع مخالف لعقيدة أهل السنة والجماعة والباعث عليهم أمران انحراف عن اتباع السلف وإعجاب بآرائهم وهما داءان مهلكان قل من ابتلي بهما إلا هلك ومنشأ غلطهم قول من قال إن معيته تعالى في قوله عز وجل وهو معكم أينما كنتم وقربه في قوله تعالى ونحن أقرب إليه من حبل الوريد ووجهه في قوله تعالى فأينما تولوا فثم وجه الله من المتشابهات وهذا القول وإن لقف

بسم اللہ الرحمن الرحیم سب تعریف اللہ بزرگ و برتر کی ہے اور صلوۃ وسلام اس کے بندوں پر جن کو چن لیا۔ اما بعد ہم نے اپنے بعض معاصروں کے رسائل میں دیکھا کہ انہوں نے اہل سنت کے اس قول کو کہ اللہ مخلوق اپنی سے جدا ہے اور عرش پر ہے ذات اپنی کے اور ہر جگہ ہے اللہ ہونے کے علم اپنے کے، رد کیا اور اس بات کے قائل ہوئے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے اللہ رو سے اپنی ذات کے جیسا کہ عرش پر ہے اور یہ قول مخترع مخالف عقیدہ اہل سنت وجماعت کے ہے باعث ان کے اس قول پر دو امر ہیں اتباع سلف سے تنگ رکھنا اور اپنی رائے کو پسند کرنا اور یہ دو مرض ہیں ہلاک کرنے والے جو شخص ان میں مبتلا ہوا ہلاک اور خراب ہوا اور ان کے اس غلط قول کا باعث یہ قول ہے جو بعض نے کہا کہ معیت اللہ تعالیٰ کی اس قول میں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ اور قرب اس قول میں وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور وجہ اس قول میں فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ متشابہات میں سے ہیں اور یہ قول اگرچہ

عن بعض اهل العلم لكن المستدلين به غفلوا عن مراد جمهور وذهلوا عن مطلبهم
بان مقصودهم من ذلك المتشابه المحتمل للمعاني لا المتشابه الذي لا يؤول
ولا يفسر والمحتمل قسم من المتشابه عندهم كما صرح به الطيبي و
القسطلاني والبغوي وغيرهم وحكم هذا النوع من المتشابه الرد الى المحكم
الذي لا يحتمل الا معنى واحدا او قول هذا على ان معيته وقربه ووجهه في هذا
الآيات من المتشابه ثم فسروا المعية بالعلم والقرب بقرب الملائكة او
العلم والوجه بالجهة او المرضاة وتوضيح ذلك ان لفظ مع كما يستعمل
في قرب ذات الشيء بالشيء كذلك يستعمل في غيره كما في قوله عز وجل
واذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم اى في الدين والعقيدة وقوله عز و
جل ان الله مع الصابرين اى في العون والنصر وقوله صلى الله عليه وسلم ان بالمدينة
اقواما ما سرتم مسيرا ولا قطعتم واديا الا كانوا معكم اى بالنية والتمني

بعض اہل علم سے منقول ہے لیکن اس قول کی دلیل لانیوالے اس قائل کے مطلب و مراد سے غافل
و ذاہل رہے ہیں ان کا مقصود اس متشابہ کہنے سے یہ ہے کہ یہ آیتیں معانی کثیرہ کی محتمل ہیں نہ یہ کہ
یہ آیتیں متشابہ ہیں ان کی تاویل و تفسیر نہ کی جائے اور محتمل ان کے نزدیک متشابہ کی ایک قسم ہے تصریح
کی ہے اس کی طیبی اور قسطلانی اور بغوی وغیرہ نے اور حکم اس متشابہ محتمل المعانی کا یہ ہے کہ اس
کو رد کیا جاوے محکم کے طرف جو ایک معنی کے سوا دوسرا احتمال نہ رکھے اسی بنا پر انہوں نے معیت
اور قرب اور وجہ کو ان آیتوں میں متشابہ ٹھہرا کر معیت علم اور قرب ملائکہ یا علم اور وجہ کی جہت یا
خوشی تفسیر کی ہے توضیح یہی ہے کہ لفظ مع کا استعمال جیسا قرب ذات الشئی بالشئی میں ہے غیر ذلک
میں بکثرت مستعمل ہے جیسا خداوند عالم فرماتا ہے واذا خلوا الی شیاطینہم قالوا انا معکم
یعنی جب منافق اپنے سرداروں کے پاس اکیلے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں
یعنی دین اور عقیدہ میں اور قول اللہ تعالیٰ کا ان اللہ مع الصابرین یعنی اللہ صبر کرنے والوں
کے ساتھ ہے یعنی مدد و یاری میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان بالمدینۃ اقواما ما
سرتم مسیرا ولا قطعتم الخ یعنی مدینے میں کئی قوم ہیں کہ نہیں سیر کرتے تم کوئی سیر اور نہیں طے

والدعاء وقوله صلى الله عليه وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام أي في الرتبة والثواب ويستعمل لمعان أخر بحسب القرينة والمقام فإنها ضمير جمع المتكلم متصلا كان أو منفصلا كما يستعمله المعظم المطاع لنفسه كذلك يستعمل في من أرسله ويجري حكمه كما في قوله تعالى إنا نحن نزلنا الذكر وإنا لنحن نحيي ونميت نحن نقص عليك أحسن القصص نتلو عليك من نبإ موسى وفرعون فإذا قرأناه فاتبع قرآنه ونكتب ما قدموا وآثارهم فالإنزال والإحياء والإماتة والقصص والتلاوة والقراءة والكتابة وإن كان فعل الملك لكن أسند إلى نفسه لأنه بالأمر الحاكم فكذلك في قوله عز وجل ونحن أقرب إليه من حبل الوريد وإن كان قرب الملائكة الذين يكتبون الأعمال ويفسرها الآية التي بعدها إذ يتلقى المتلقيان عن اليمين وعن الشمال قعيد ما يلفظ من قول إلا لديه

کرتے تم کو کوئی جنگل گروہ تمہارے ساتھ ہیں یعنی سفر حج وغیرہ میں اور رفیق اور دعاء کے اور قول آنحضرت کا الماہر بالقرآن مع السفرۃ الکرام یعنی جو شخص قرآن سے ماہر و واقف ہے وہ سفرہ کرام کے ساتھ ہے یعنی رتبہ و ثواب میں اور قرینہ اور مقام کے موافق دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے اور یہی ضمیر جمع متکلم متصل ہو یا منفصل بزرگ اور مطاع لوگ جیسا اپنے نفس کے واسطے استعمال کرتے ہیں اپنے قاصدوں کے واسطے بھی استعمال فرماتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ و تقدس کے قول میں ہے إنا نحن نزلنا الذکر تحقیق ہم نے اتارا ہے ذکر کو، وإنا لنحن نحیی ونمیت اور تحقیق البتہ ہم زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں نحن نقص علیک أحسن القصص ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس اچھا بیان نتلوا علیک من نبإ موسیٰ وفرعون ہم پڑھتے ہیں تیرے پاس موسیٰ اور فرعون کی خبر سے فإذا قرأناہ فاتبع قرآنہ پھر جب پڑھنے لگیں ہم اس کو تو ساتھ رہ اس کے پڑھنے کے

ونکتب ما قدموا وآثارہم ہم لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور ان کے پیچھے نشانات ہیں ان سب اتارنا اور زندہ کرنا اور مارنا اور قصص اور تلاوت اور قرات اور کتابت اگرچہ فعل فرشتوں کا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب فعلوں کا استعمال اپنی ذات کی طرف کیا ہے اس واسطے کہ وہ حکم اس کے فرمان سے ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے ونحن أقرب إلیہ من حبل الورید ہم اس کے نزدیک ہیں رگ جان سے اور اس سے قرب فرشتوں کا ہے جو اعمال لکھتے ہیں اور مفسر اس کی وہ آیت جو اس کے بعد ہے یعنی إذ یتلقی المتلقیان عن الیمین وعن الشمال قعید ما یلفظ من قول إلا لدیہ رقیب عتید جب لیتے

رَقِيبٌ عَتِيدٌ وَفِي قَوْلِهِ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ وَإِنْ كَانَ قُرْبُهُ الْمَلَائِكَةُ الْمَوْتَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ سِيَاقُ الْآيَةِ وَسِيَاقُهَا لَكِنْ أَسْنَدَهُ إِلَى نَفْسِهِ بِأَنَّهُمْ الْآمِرُ الْحَاكِمُ وَبِهِ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ الْقُرْبُ بِالْعِلْمِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَأَمَّا قُرْبُهُ مَعَ الدَّاعِينَ وَالذَّاكِرِينَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ۔

وَقَوْلُهُ تَعَالَىٰ فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ وَأَمْثَالُ ذَلِكَ فَقُرْبٌ خَاصٌّ ذَاتِيٌّ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ كَالنُّزُولِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّهُ يَنْزِلُ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَقْرُبُ مِنْ خَلْقِهِ

جاتے ہیں دو لکھنے والے ہر وقت بیٹھا نہیں بولتا کوئی بات مگر اس کے پاس ہے راہ دیکھنا تیار اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ اور ہم اس کے بہت نزدیک ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے اور مراد اس سے قرب ملائکہ موت ہے جیسا کہ آیت کے آگے پیچھے ملانے سے معلوم ہوتا ہے لیکن اس قرب کی نسبت اپنی ذات کی طرف اس واسطے کی کہ وہی آمر اور حاکم ہے اس کا اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مراد اس قرب سے علم ہے اور صحیح تر قول اول ہے اور قرب اللہ تعالیٰ کا دعا کرنے والوں اور یاد کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ اور جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھ کو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جب مجھ کو پکارتا ہے اور اللہ کے اس قول میں فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں۔ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ۔ تحقیق جس کو تم پکارتے ہو یعنی اللہ تمہارے بہت نزدیک ہے سواری کے اونٹ کی گردن سے اور ان کی امثال ہیں، قرب خاص ذاتی ہے بعض وقتوں میں جیسا اترنا آسمان دنیا کی طرف پس اللہ تعالیٰ اترتا ہے جیسا چاہتا ہے اور نزدیک ہوتا ہے اپنی خلق

نثبتها آمنا به كل من عند ربنا وأيضا لفظ الوجه يجيء بمعنى مستقبل كل شيء ونفس الشيء وسيد القوم ولذلك يجيء بمعنى الجهة كما في القاموس والمختار وبهذا المعنى فسر أهل العلم في تفاسيرهم قوله تعالى فثم وجه الله أي جهته التي أمر بها قال العلامة التفتازاني في فاضحة الملحدين ثم إن أولئك الملحدين الذين هم إخوان الشياطين يخدعون الجاهلين بتمسكهم في ذلك الضلال بقوله تعالى ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله فهذا بذات الله موافقا لا بعد بالجهة التي أمر بها ورضيها كما هو الحق المبين والمطابق لقواعد الدين ولإجماع علماء المسلمين انتهى. ولما كانت هذه الآيات محتملة للمعاني عدها البعض من المتشابه ثم فسرها هو وغيره من أهل السنة بالمعنى الذي لا ينافي النصوص التي لا تحتمل إلا معنى واحدا ولو كانت هذه من المتشابه الذي لا يفسر ما فسروها وفي النصوص التي لا تحتمل إلا معنى واحدا قوله عز وجل إليه يصعد الكلم الطيب تعرج الملائكة والروح إليه يدبر الأمر من السماء

سے جیسا چاہیے ہم کو اس کا ایمان ہے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نیز وجہ کا لفظ جیسا معنی میں سامنے ہر چیز کے اور ذات چیز کے اور سردار قوم کے اور جاہ کے مستعمل ہے ویسا جہت کے معنے میں بھی آتا ہے جیسا قاموس اور مختارہ میں ہے اور اسی معنے سے تفسیر کیا ہے اہل علم نے اپنی تفسیر میں قول اللہ تعالیٰ کو فثم وجہ اللہ میں یعنی ہے وجہ اللہ کا معنے جہت جو اللہ نے فرمائی، علامہ تفتازانی نے فاضحۃ الملحدین میں کہا ہے کہ یہ ملحد سب جو شیطان کے بھائی ہیں فریب دیتے ہیں جاہلوں کو اپنی گمراہی میں اللہ کے اس قول سے تمسک کرکے وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ یعنی وجہ اللہ کو ساتھ ذات اللہ کے تفسیر کرتے ہیں نہ ساتھ جہت کے جس کا اللہ نے حکم فرمایا اور پسند کیا جیسا کہ حق ظاہر ہے اور موافق قواعد دین کے اور اجماع علماء مسلمین کے ہے انتہیٰ اور چونکہ یہ آیتیں کئی معنے کی محتمل تھیں لہذا بعض نے ان کو متشابہ کہا اور پھر انہوں ہی نے اور اوروں نے اہل سنت میں سے ان کی تفسیر ایسے معنے سے کی ہے جو مناقض نہیں ہے ان نصوص کے جن کے ایک ہی معنے ہیں اور یہ آیتیں اگر اس متشابہ سے ہوتیں جس کی تفسیر نہیں کی جاتی تو ان کی بھی تفسیر نہ کرتے اور نصوص جن کے ایک ہی معنے ہیں یہ ہیں الیہ یصعد الکلم الطیب اسی کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا اور تعرج الملائکۃ والروح الیہ چڑھتے ہیں فرشتے اور روح اس کی طرف اور یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ تدبیر سے اتارتا ہے کام

إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ
ءَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ
عِبَادَتِهِ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ
أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ وقوله
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثِ الْمِعْرَاجِ فَنَزَلْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى
أُمَّتِكَ قُلْتُ خَمْسِينَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيفَ
فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي وَبَيْنَ مُوسَى حَتَّى قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ
يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ الْحَدِيثَ۔

وقوله صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللهَ لَمَّا خَلَقَ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابٍ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي

آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے طرف اس کی اور انی متوفیک ورافعک الی میں تجھ کو پھیر لوں گا اپنی طرف
اور بل رفعہ اللہ الیہ بلکہ اٹھا لیا اس کو اللہ نے طرف اپنی اور ءَامِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ
الْأَرْضَ کیا نڈر ہوئے تم اس سے جو آسمان پر ہے دھسا دے تم کو زمین میں اور فالذین عند ربک لا یستکبرون
عن عبادتہ یخافون ربھم من فوقھم جو لوگ پاس ہیں تیرے رب کے بڑائی نہیں کرتے اس کی بندگی
سے ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے اور وقال فرعون یا ہامان ابن لی صرحا لعلی ابلغ الاسباب اسباب
السموات فاطلع الی الٰہ موسیٰ وانی لاظنہ کاذبا۔ اور بولا فرعون کہ اے ہامان بنا میرے واسطے ایک محل شاید میں
پہنچوں رستوں میں رستوں میں آسمان کے پھر جھانک کے دیکھوں موسیٰ کے معبود کو اور میری اٹکل میں تو وہ
جھوٹا ہے اور الرحمن علی العرش استوی وہ بڑی مہر والا۔ جو تخت کے اوپر قائم ہوا اور قول آنحضرت
کا حدیث المعراج میں کہ پھر میں اترا موسیٰ کی طرف تو کہا کیا فرض کیا ہے تیرے رب نے تیری امت پر میں
نے کہا پچاس نمازیں ہر رات دن میں کہا پھر جا اپنے رب کی طرف اور تخفیف چاہ اس میں اپنے رب اور
موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک کہ جب پانچ رہیں تو حضرت نے فرمایا کہ اے محمد یہ سب پانچ نمازیں
ہر رات دن میں یعنی اس سے کم نہ ہوں گی۔ ختم قول۔ آنحضرت صلعم کا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا
کیا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اس کے پاس ہے یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے

وقوله صلی الله علیه وسلم یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النهار وعمل النهار قبل عمل اللیل، وقوله صلی الله علیه وسلم ثم یعرج الذین باتوا فیکم فیسألهم ربهم کیف ترکتم عبادی، وقوله صلی الله علیه وسلم الا تأمنونی وانا امین من فی السماء، وقوله صلی الله علیه وسلم لجاریة معاویة بن الحکم وجاریة محمد بن الشرید وجاریة عکاشة وجاریة حاطب وجاریة رجل آخر این الله قلن فی السماء قال من انا قلن انت رسول الله قال لکل واحد منهم اعتقها انها مؤمنة وکل هذا وقائع مختلفة فی مجالس شتی وقوله صلی الله علیه وسلم ینزل ربنا کل لیلة الی السماء الدنیا ۔ وقوله صلی الله علیه وسلم ما من رجل یدعو امرأته الی فراشه فتأبی علیه الا کان الذی فی السماء ساخطا علیها ۔ وقوله صلی الله علیه وسلم فی حدیث الاوعال بین اظلافهم ورکبهم مثل ما بین سماء الی سماء وفوق ظهورهم العرش اسفله واعلاه مثل ما بین سماء الی سماء ثم الله فوق ذلک ۔

اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اٹھایا جاتا ہے اللہ کی طرف رات کا کام دن کے کام سے پہلے اور دن کا کام رات کے کام سے پہلے اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ پھر چڑھتے ہیں وہ فرشتے جو رات کو تم میں رہے تھے تو ان سے رب ان کا پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا اور قول آنحضرت صلعم کا کیا تم مجھ کو امین نہیں جانتے حالانکہ مجھ کو امین جانتا ہے وہ جو آسمان پر ہے یعنی اللہ اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاویہ بن حکم اور محمد بن شرید اور عکاشہ اور حاطب اور ایک شخص اور کی لونڈیوں سے کہ اللہ کہاں ہے سب نے کہا کہ آسمان پر فرمایا کہ میں کون ہوں سب نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ان کے ہر ایک مالک کو کہا کہ اس کو آزاد کر دے وہ مسلمان ہے اور یہ پوچھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف واقعات اور متفرق مجلسوں میں تھا اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہمارا پروردگار ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آدمی اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلاوے اور وہ انکار کرے تو عورت پر غصہ ہوتا ہے وہ جو آسمان پر ہے یعنی اللہ اور قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اوعال یعنی حاملان عرش جو بکری کی شکل میں ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جیسا ایک آسمان تک سے دوسرے آسمان تک اور ان کی پیٹھ پر عرش ہے اس کا نیچا اور اوپر ایسا ہی فاصلہ جیسا آسمان سے آسمان تک پھر اللہ اوپر اس کے ہے ۔

وقوله صلى الله عليه وسلم فى دعاء المريض ربنا الله الذى فى السماء وقوله صلى الله عليه وسلم فى قبض روح المؤمن حين تقول لها الملائكة اخرجي حميدة وابشري بروح وريحان ورب غير غضبان فلا يزال يقال لها ذلك حتى ينتهى بها الى السماء التى فيها الله وامثال ذلك مما لا يمكن ان تحصى فى هذه الوريقات وكل ما ذكرنا من الاحاديث موجود فى الصحاح وغيرها صححها ائمة الحديث وما ذكرنا لك من تفسير الآيات التى استدلوا بها هو قول السلف اهل السنة وخلفهم وهو مذهب جماعة اهل السنة من لدن صحابة النبي صلى الله عليه وسلم الى يومنا هذا كلهم متفقون بلسان واحد معيته تعالى فى قوله عز وجل وهو معكم اينما كنتم معية علمية وقربه فى قوله تعالى ونحن اقرب اليه من حبل الوريد ونحن اقرب اليه منكم ولكن لا تبصرون قرب ملائكته او قرب علمي الا الشواذ النادرة من المتاخرين كالملا جيون الهندي وامثاله وبعض الصوفية ممن لا يعبأ ولا يحتج بهم فى مقابلة السلف قال العلامة التفتازاني فى شرح

اور قول آنحضرت صلعم کا مریض کی دعا میں کہ پروردگار ہمارا اللہ ہے جو آسمان پر ہے اور قول آنحضرت صلعم کا روح مومن کے بیان میں جب فرشتے اسے کہتے ہیں کہ نکل تو اچھی ہے اور خوشخبری ہو تجھ کو ساتھ رحمت اور رزق کے اور پروردگار غیر ناراض کے پس ہمیشہ یہی کہا جاتا ہے اس کو یہاں تک کہ پہنچایا جاتا ہے اس آسمان تک کہ جس پر اللہ ہے اور امثال ان کے اس قدر کہ حصول ان کا ان چند ورقوں میں نہیں ہو سکتا اور جتنی حدیثیں کہ ہم نے ذکر کیں سب صحاح میں اور غیر ان کے میں موجود ہیں اور ائمہ حدیث نے ان کی تصحیح کی ہے اور جن آیتوں کو وہ دلیل لاتے ہیں ان کی تفسیر موافق سلف وخلف واہل سنت کے وہی ہے جو ہم نے ذکر کی جیسے یہ تفسیریں ہیں اہل سنت کی زمانہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک کی سب متفق ہیں ایک زبان سے کہ معیت اللہ تعالیٰ کی وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ میں معیت علمی ہے اور قرب اللہ تعالیٰ کا وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُبْصِرُوْنَ ان دونوں آیتوں میں قرب ملائکہ ہے یا قرب علمی مگر شاذ و نادر بعض متاخرین جیسے ملا جیون ہندی اور مثل اس کے اور بعض صوفی جن کا اعتبار نہیں اور نہ سلف کے مقابلہ میں ان کا قول حجت ہو سکتا، علامہ تفتازانی نے فرمایا

الحموية: المراد بالمعية هنا على ما أجمع عليه المفسرون المعية بالعلم لا نفس الذات ولا يخفى على أحد من التكلف. قال إن الله معنا بذاته في الأرض كما هو على العرش بل نقل كثير من الحفاظ المحدثين كالحافظ أبي عمر الطلمنكي وابن عبد البر وابن بطة والحافظ أبي بكر الآجري وغيرهم من المحدثين إجماع أهل السنة أن معنى قوله وهو معكم علمه كما ستذكر أقوالهم عن قريب و مما استدلوا به أيضا قوله تعالى وهو الله في السموات وفي الأرض يعلم سركم وجهركم وهذه أيضا محتملة للمعاني قال محمد بن جرير الطبري وغيره ما حاصله الوقف على في السموات وفي الأرض يعلم سركم وجهركم جملة عليحدة وقال الزجاج فيه تقديم وتأخير تقديره وهو الله يعلم سركم وجهركم في السموات وفي الأرض وقال بعض المفسرين عامل الظرف محذوف وهو المدبر أي وهو الله المدبر في السموات وفي الأرض وقال الجمهور قوله في السموات وفي الأرض متعلق بالخبر من جهة

الحمویہ میں فرماتے ہیں کہ موافق اجماع مفسرین کے یہاں معیت سے معیت بالعلم مراد ہے نہ معیت بالذات اور سلف سے کسی کو نہ پاوے گا کہ اس نے کہا ہو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اپنی ذات سے زمین میں جیسا وہ عرش پر ہے بلکہ بہت حفاظ محدثین مانند حافظ ابو عمر طلمنکی اور ابن عبدالبر اور ابن بطہ اور حافظ ابو بکر آجری وغیرہ محدثین نے اہل سنت کا اجماع نقل کیا ہے کہ معنے وَهُوَ مَعَكُمْ کے علم ہیں یعنے معیت علمی ہے جیسا کہ ان سب کی تقریریں عنقریب ذکر ہوں گی اور وہ لوگ یعنی بعض متاخرین اس آیت سے بھی دلیل لاتے ہیں وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ اور یہ آیت بھی کئی معنے کے محتمل ہے محمد بن جریر طبری وغیرہ نے کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سموات پر وقف ہے اور وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ جملہ علیحدہ ہے زجاج نے کہا اس میں تقدیم اور تاخیر ہے اصل یوں تھا وَهُوَ اللّٰهُ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عامل ظرف کا محذوف ہے کہ وہ مدبر ہے یعنی وہ اللہ مدبر ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جمہور نے کہا کہ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ متعلق ہے ساتھ خبر کے کہ وہ لفظ

مُلَاحَظَةُ الْوَصْفِ الَّذِي تَضَمَّنَهُ وَهُوَ كَوْنُهُ مَعْبُودًا فَهُوَ الْأَوْلَى لِأَنَّ الْعَلَمَ يَعْمَلُ فِي الظَّرْفِ
لِمَا تَضَمَّنَهُ مِنَ الْمَعْنَى قَالَ الرَّازِيُّ وَكَلِمَةُ هُوَ إِنَّمَا تُذْكَرُ هَهُنَا لِإِفَادَةِ الْحَصْرِ وَهَذِهِ الْفَائِدَةُ
تَحْصُلُ إِذَا جَعَلْنَا لَفْظَ اللهِ اسْمًا مُشْتَقًّا فَأَمَّا لَوْ جَعَلْنَاهُ اسْمَ عَلَمٍ شَخْصٍ قَائِمٍ مَقَامَ التَّعْيِينِ
لَمْ يَجُزْ إِدْخَالُ هَذِهِ اللَّفْظَةِ عَلَيْهِ وَإِذَا جَعَلْنَا قَوْلَنَا اللهُ لَفْظًا مُفِيدًا صَارَ مَعْنَاهُ وَهُوَ
الْمَعْبُودُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ انْتَهَى وَفِيهَا وُجُوهٌ أُخَرُ ذَكَرَهَا الْمُفَسِّرُونَ لَكِنْ مَا رَأَيْتُ قَوْلَ أَحَدٍ
مِنْ سَلَفِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَخَلَفِهِمْ يُوَافِقُ قَوْلَ شُذَّاذِ أَهْلِ عَصْرِنَا فِي هَذِهِ الْآيَةِ وَاسْتَدَلُّوا أَيْضًا بِقَوْلِهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ إِلَى الْأَرْضِ السُّفْلَى لَهَبَطَ عَلَى اللهِ قُلْتُ هَذَا الْحَدِيثُ
لَمْ يَبْلُغْ دَرَجَةَ الصَّحِيحِ كَمَا قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَيُرْوَى
عَنْ أَيُّوبَ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ وَعَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ قَالُوا لَمْ يَسْمَعِ الْحَسَنُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
فَكَيْفَ الْاِعْتِقَادُ عَلَى ظَاهِرِهَا فِي الْاِعْتِقَادِ خُصُوصًا إِذْ كَانَ ظَاهِرُهُ

مبارک اللہ ہے باعتبار ملاحظہ کرنے اس وصف کے جس کو خبر شامل ہے یعنی اس کا معبود ہونا
اور یہی تقریر بہتر ہے اس لئے کہ علم ظرف میں عمل کرتا ہے کیونکہ وہ معنے کو شامل ہے امام رازی نے
کہا کہ لفظ ھو کا یہاں اس واسطے ذکر کیا گیا کہ حصر کا فائدہ دے اور یہ فائدہ جب حاصل ہوگا کہ لفظ
اللہ کو اسم مشتق بناویں معبود کے معنے میں لیں اور اگر اس کو اسم علم شخصی قائم مقام تعیین کے ٹھہراویں
تو اس پر لفظ ھو کا داخل کرنا صحیح نہ ہوگا اور جب لفظ اللہ کا مفید معنے ٹھہراویں تو معنے اس آیت
کے یہ ہوں گے کہ وَهُوَ الْمَعْبُودُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ انتہی اور اس میں وجہیں اور بھی ہیں جو
مفسرین نے ذکر کی ہیں لیکن ہم نے کسی سلف اور خلف اہل سنت کا قول نہیں دیکھا جو اس آیت
میں ہمارے شواذ معاصرین کے قول کے موافق ہو اور اس حدیث کو بھی دلیل لاتے ہیں کہ آنحضرت
نے فرمایا اگر تم سب سے نیچے کی زمین تک رسی کو پھینکو تو اللہ پر جا گرے گی میں کہتا ہوں کہ یہ
حدیث درجہ صحیح کو نہیں پہنچی جیسا کہ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے اس وجہ سے اور مروی
ہے ایوب اور یونس بن عبید اور علی بن زید سے انہوں نے کہا کہ حسن ابو ہریرہؓ سے نہیں
سنا پس اعتقادیات میں اس حدیث کے ظاہر پر کیونکر اعتقاد کیا جاوے خصوصاً جب ظاہر اس کا

مخالفًا للآيات القرآنية والأحاديث الصحيحة، ثم إن هذا الحديث رواه الترمذي وقال
قراءة رسول الله صلى الله عليه وسلم الآية تدل على أنه أراد لهبط على علم الله
وقدرته وسلطانه، وعلم الله وقدرته وسلطانه في كل مكان وهو على العرش كما وصف
نفسه في كتابه. نقل عنه صاحب المشكوة وكذا ثناء الله في المظهري عن الترمذي. ولو طالعت
رسائل معاصرينا الذين ابتدعوا هذه المقالة لما وجدت فيها عن أحد من السلف
قال في هذه الآيات ما قال هؤلاء المخترعون مع أنهم سودوا أوراقًا كثيرة، وجهدوا
في إثبات ما ادعوا جهدًا بليغًا، وأطنبوا إطنابًا كثيرًا لا مزيد عليه، لكن ما أتوا بشيء يجدي
غليلًا أو يشفي عليلًا، بل كلها أدلتهم العليلة فأشبهت الشقية التي لا تسمن ولا تغني من
جوع، خبيثة لا وحسن نبات الأرض من كرم البذر، فقصدت أن أبين للإخوة في الدين مذهب
أهل السنة والجماعة ناقلًا عن أئمة الحديث والفقه، لئلا تغرهم دلائل القوم ومزخرفاتهم.

أقوال الصحابة ومذهبهم

مخالف ہو آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کے۔ نیز امام ترمذی نے اس کو روایت کیا اور کہا کہ آنحضرت صلعم
کا آیت کو پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے ہبط علی اللہ سے علم و قدرت اور سلطان الٰہی مراد
لیا ہے اور اس کا علم اور قدرت اور سلطان ہر مکان میں ہے اور وہ عرش پر ہے جیسا اس نے اپنی
کتاب میں اپنی ذات کی وصف کی ہے۔ اس کو صاحب مشکوٰۃ اور قاضی ثناء اللہ نے تفسیر مظہری
میں ترمذی سے نقل کیا ہے اور اگر تو ہمارے معاصرین اس نئی بات گھڑنے والوں کے رسائل میں
دیکھے تو ان آیتوں کی تفسیر میں کسی سلف سے ان کا قول منقول نہ دیکھا حالانکہ انہوں نے بہت
ورقوں کو سیاہ کیا اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں کوشش بلیغ کی اور بہت ہاتھ پاؤں پھیلائے اور
ہر طرف سے کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا لیکن تب بھی کوئی بات کام کی نہیں لائے جو پیاسے کو سیراب کرے
یا بیمار کو شفا دے بلکہ سب کی سب دلیلیں بیمار اور لنگڑی ہیں ضعیف جن سے بھوک نہیں جاتی
موٹا ہونا تو بہت دور ہے یہ کیوں کر ہو جب اصل تو اچھے ہی بیج سے ہوگا ہیں۔ میں نے چاہا کہ اپنے دینی
بھائیوں کیلئے اہل سنت وجماعت کا مذہب ائمہ حدیث و فقہ سے نقل کر کے بیان کروں تاکہ ان
کے رسائل کے مزخرفات بھائیوں کو دھوکے میں نہ ڈالیں، بیان صحابہ کے اقوال اور ان کے مذہب

فِي هٰذَا قَالَ أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ فِي السَّمَاءِ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيْخِهِ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِخَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ هٰذِهِ امْرَأَةٌ سَمِعَ اللّٰهُ شَكْوَاهَا مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰتٍ أَخْرَجَهُ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ جَاءَ مِنْ وُجُوْهٍ عَنْ عُمَرَ مِثْلُهُ وَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلِمَ اللّٰهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنِّيْ لَمْ أُحِبَّ قَتْلَ عُثْمَانَ أَخْرَجَهُ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رُوِّيْنَا مِنْ وُجُوْهٍ صِحَاحٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ ؎

وَأَنَّ الْعَرْشَ فَوْقَ الْمَاءِ طَافٍ — وَفَوْقَ الْعَرْشِ رَبُّ الْعَالَمِيْنَا

قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ الْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ وَاللّٰهُ فَوْقَ الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِسَالَتِهِ خَلْقِ أَفْعَالِ الْعِبَادِ وَالدَّارِمِيُّ وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ الْإِمَامِ أَحْمَدَ فِيْ كِتَابِ السُّنَّةِ لَهُ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَالْعَسَّالُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَاللَّالَكَائِيُّ

کہ اس مسئلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رض نے فرمایا کہ جو کوئی محمد صلعم کو پوجتا تھا تو وہ فوت ہو گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا تو وہ آسمان پر زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا روایت کیا اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ میں اور حضرت عمرؓ نے فرمایا خولہ بنت حکیم کے حق میں کہ یہ عورت وہ ہے جس کا شکوہ اللہ نے سنا ساتوں آسمان کے اوپر سے روایت کیا اس حدیث کو عثمان دارمی نے ابن عبدالبر نے کہا کہ حضرت عمرؓ سے مثل اس کے کئی طریقوں سے ہم کو پہنچا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ اللہ عرش کے اوپر جانتا ہے کہ میں عثمان رض کے قتل کو نہیں چاہتی روایت کیا اس کو عثمان دارمی نے اور ابن عبدالبر نے کہا کہ کئی صحیح طریقوں سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے کہا ؎

گواہی دیتا ہوں کہ پانی پر عرش برپا ہے — اور عرش کے اوپر رب العالمین ہے

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عرش پانی پر ہے اور اللہ اوپر عرش کے ہے اور تمہارے سب حالات کو جانتا ہے روایت کیا اس کو بخاری نے اپنے رسالہ خلق افعال العباد میں اور دارمی نے اور روایت کیا اس کو عبداللہ بن امام احمد نے اپنی کتاب السنہ میں اور ابن منذر اور عسال اور طبرانی اور لالکائی اور

والطلمنكي والبيهقي وابن عبد البر في تواليفهم بلفظ العرش فوق الماء والله فوق العرش
ولا يخفى عليه شيء من أعمالكم قال الذهبي إسناده صحيح وقال ابن عباس في قوله تعالى وهو
معكم أينما كنتم هو على العرش وعلمه معهم أخرجه ابن أبي حاتم وقال أبو هريرة
لما ألقي إبراهيم في النار قال اللهم إنك في السماء واحد وأنا في الأرض واحد عبد لك
أخرجه الدارمي بإسناد صحيح قاله الحافظ ابن القيم وقال عدي بن عميرة خرجت مهاجرا
إلى النبي صلى الله عليه وسلم فإذا هو ومن معه يسجدون على وجوههم ويزعمون
أن إلههم في السماء أخرجه يحيى بن سعيد في مغازيه وقال ابن عبد البر في التمهيد
وعلماء الصحابة والتابعين الذين حمل عنهم التأويل قالوا في تأويل قوله تعالى
ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم هو على العرش وعلمه في كل مكان وما خالفهم
أحد في ذلك يحتج به وقال ابن وهب المالكي في شرح عقيدة الإمام مالك الصغير عبد الله بن أبي زيد

طلمنکی اور بیہقی اور ابن عبد البر نے ان سب نے اپنی کتابوں میں ساتھ ان لفظوں کے کہ عرش اوپر
پانی کے ہے اور اللہ عرش کے اوپر ہے اور اس پر تمہارے عملوں میں سے کچھ پوشیدہ نہیں کہا ذہبی نے
کہ اسناد اس حدیث کی صحیح ہے اور ابن عباس نے اللہ تعالیٰ کے اس قول وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ
کی تفسیر میں کہا کہ اللہ اوپر عرش کے ہے اور علم اس کا ساتھ ان کے ہے روایت کیا اس کو ابن ابی حاتم نے
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو کہا یا اللہ تو آسمان پر ایک ہے اور میں
زمین پر ایک بندہ تیرا روایت کیا اس کو دارمی نے ساتھ اسناد صحیح کے کہا اس کو حافظ ابن قیم نے اور عدی
بن عمرہ نے کہا کہ میں ہجرت کر کے پیغمبر خدا کی خدمت میں گیا تو آپ اور آپ کے ساتھ کے لوگ سجدہ
کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ان کا معبود آسمان پر ہے روایت کیا اس کو یحییٰ ابن سعید نے اپنی کتاب
مغازی میں اور ابن عبد البر نے تمہید میں کہا کہ علماء صحابہ اور تابعین جن سے تفسیر اور تاویل لی جاتی ہے انہوں
نے اللہ تعالیٰ کے اس قول مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ کی تفسیر میں یوں کہا ہے
کہ اللہ تعالیٰ اوپر عرش کے ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے اور اس میں ان کا کسی نے خلاف نہیں
کیا جس کی حجت پیش کی جائے اور ابن وہب مالکی نے شرح عقیدہ امام مالک صغیر عبد اللہ بن ابی

قول مالک مما فهمه من جماعة ممن ادرك من التابعين. مما فهموه عن الصحابة مما فهموه عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله في السماء يعني فوقها وعليها وقال ابن بطه في كتاب الابانه وكان من كبار الائمة في المائة الرابعة اجمع المسلمون من الصحابة والتابعين ان الله على عرشه فوق سمٰوته بائن من خلقه فاما قوله وهو معكم فهو كما قالت العلماء علمه وقال الحافظ الذهبي في كتاب العلو مقالة السلف وائمة السنة بل والصحابة والله ورسوله والمؤمنين ان الله عز وجل في السماء وان الله فوق سمٰوته وانه ينزل الى السماء الدنيا وقالت الجهمية ان الله في جميع الامكنة تعالى الله عن قولهم بل هو معنا اينما كنا بعلمه۔

اقوال التابعين

قال الضحاك في قوله تعالى ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم هو على عرشه وعلمه معهم اخرجه العسال وابن بطه وابن عبد البر باسناد جيد قال الذهبي وقال مقاتل بن حيان في

ذہبی میں کہا ہے کہ قول مالک کا جو اس نے تابعین سے سمجھا اور انہوں نے صحابہ سے انہوں نے نبی صلعم سے یہ ہے کہ اللہ آسمان میں ہے یعنی اوپر اس کے ہے اور ابن بطہ نے جو چوتھی صدی کے ائمہ کبار سے کتاب ابانہ میں کہا ہے کہ اجماع کیا ہے صحابہ اور تابعین نے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اوپر آسمانوں کے اور مخلوق سے جدا ہے پس قول اللہ تعالیٰ کا وَھُوَ مَعَکُمْ وہ تمہارے ساتھ ہے یعنی علم اس کا جیسا کہ اہل علم نے کہا ہے اور حافظ ذہبی نے کتاب العلو میں کہا ہے کہ قول سلف کا اور ائمہ سنت کا بلکہ صحابہ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور سب مومنوں کا یہ ہے کہ اللہ عرش پر ہے اور یہ کہ وہ اوپر آسمانوں کے ہے اور یہ کہ وہ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اور جہمیہ کہتے ہیں کہ ہر مکان میں ہے پاک اور بلند ہے اللہ ان کے قول سے بلکہ وہ ہمارے ساتھ ہے جہاں ہم ہوں ساتھ علم اپنے کے۔ تابعین کے اقوال ضحاک نے کہا اللہ تعالیٰ کے اس قول مَا يَكُوْنُ مِنْ نَجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ کی تفسیر میں کہا کہ وہ اوپر عرش اپنے کے ہے اور علم اس کا ساتھ ان کے ہے روایت کیا اس کو عسال اور ابن بطہ اور ابو عبدالبر نے ساتھ اسناد جید کے کہا اس کو ذہبی نے مقاتل بن حیان نے اللہ تعالیٰ کے اس قول

قوله تعالى وهو معهم يقول علمه معهم أخرجه البيهقي قال الذهبي ومقاتل هذا ثقة إمام ما هو بابن سليمان ذاك مبتدع ليس بثقة وقال محمد بن كثير سمعت الأوزاعي يقول كنا والتابعون متوافرون نقول إن الله ذكره فوق عرشه أخرجه البيهقي في الأسماء والصفات۔

وروى الأعمش عن إبراهيم قال كانوا في كتاب سير الفقهاء وقال الحافظ ابن القيم هو كتاب عزيز العلم وقال سليمان التيمي لو سئلت أين الله لقلت في السماء أخرجه ابن أبي خيثمة في تاريخه۔

أقوال تابع التابعين۔ قال ابن القيم روى الدارمي والحاكم والبيهقي بأصح إسناد إلى علي بن الحسن قال سمعت عبد الله بن المبارك يقول نعرف ربنا بأنه فوق سبع سماوات على العرش استوى بائن من خلقه ولا نقول كما قالت الجهمية قال الذهبي الجهمية يقولون إن الله في جميع الأمكنة تعالى الله عن قولهم بل هو معنا أينما كنا بعلمه وروى غير واحد عن معدان

وهو معهم کی تفسیر میں کہا ہے کہ علم اس کا ان کے ساتھ ہے روایت کی اس کو بیہقی نے ذہبی نے کہا کہ یہ مقاتل ثقہ اور امام ہے نہ مقاتل بن سلیمان کہ وہ مبتدع ہے اور ثقہ نہیں ہے۔

اور محمد بن کثیر نے کہا کہ میں نے اوزاعی سے سنا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اور بہت سارے تابعین بھی کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اوپر عرش اپنے کے ہے روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں

اور اعمش نے ابراہیم سے نقل کیا کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود کے اس کہنے کو کہ اللہ جہان ہے اور اللہ ہر مکان میں ہے برا جانتے تھے روایت کی اس کو یحییٰ بن ابراہیم نے کتاب سیر الفقہاء میں حافظ ابن قیم نے کہا وہ کتاب کثیر العلم ہے اور سلیمان تیمی نے کہا کہ اگر میں پوچھا جاؤں کہ اللہ کہاں ہے تو کہوں کہ آسمان پر ہے روایت کیا اس کو ابن ابی خیثمہ نے اپنی کتاب تاریخ میں تبع تابعین کے اقوال ابن قیم نے کہا کہ روایت کیا دارمی اور حاکم اور بیہقی نے صحیح تر اسناد سے علی بن حسن تک کہا کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم اپنے رب کو یوں پہچانتے ہیں کہ وہ سات آسمانوں کے اوپر عرش پر قائم ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور نہیں کہتے جیسے جہمیہ کہتے ہیں ذہبی نے کہا کہ جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر مکان میں ہے پاک ہے اللہ ان کے اس قول سے بلکہ وہ اپنے علم سے ہمارے ساتھ ہے جہاں ہم ہوں اور کئی ایک نے معدان سے روایت کیا اس

قال سفيان الثوري عن قوله عز وجل وهو معكم أينما كنتم قال علمه. نقله الذهبي في كتاب العلو. و
قال الإمام أبو حنيفة إن الله سبحانه في السماء دون الأرض فقال له رجل أرأيت قول
الله عز وجل وهو معكم أينما كنتم قال هو كما تكتب إلى الرجل إني معك وأنت عنه
غائب. أخرجه البيهقي مسندًا. ثم قال البيهقي لقد أصاب أبو حنيفة رحمه الله تعالى
فيما نفى عن الله عز وجل من الكون في الأرض وأصاب فيما ذكر من تأويل الآية.

وتبع مطلق السمع بأن الله تعالى في السماء كذا في كتاب العلو للذهبي والجيوش لابن القيم.
وقال الإمام مالك: الله في السماء وعلمه في كل مكان. أخرجه عبد الله بن أحمد بن
حنبل في كتاب الرد على الجهمية وابن عبد البر في التمهيد. وقال الإمام الشافعي: السنة التي أنا عليها
ورأيت أصحابنا عليها مثل سفيان الثوري ومالك وغيرهما الإقرار بأن الله على عرشه في سمائه يقرب من
خلقه كيف شاء وأن الله ينزل إلى السماء الدنيا كيف شاء. أخرجه ابن أبي حاتم.

کہا کہ میں نے سفیان ثوری سے اللہ کے اس قول وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ کی تفسیر پوچھی تو کہا کہ علم
اس کا ساتھ تمہارے ہے نقل کیا اس کو ذہبی نے کتاب العلو میں اور امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آسمان
پر ہے نہ زمین پر تو ایک آدمی نے کہا کہ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ کا آپ کیا جواب دیتے ہیں انہوں
نے کہا کہ وہ ایسا محاورہ ہے کہ جیسا تم ایک آدمی کو لکھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ تم اس سے
غائب ہوتے ہو روایت کیا اس کو بیہقی نے اپنی اسناد سے پھر بیہقی نے کہا ٹھیک کہا ابوحنیفہ نے جو
نفی کی اس بات کو اللہ زمین میں ہے اور آیت کی تفسیر میں بھی ٹھیک کہا اور بغیر تاویل کے قبول کیا
اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے ایسا ہی مذکور ہے ذہبی کی کتاب العلو اور ابن قیم کی کتاب جیوش
میں اور امام مالکؒ نے کہا کہ اللہ آسمان پر ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے روایت کیا اس کو عبداللہ
بن احمد بن حنبل نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں اور ابن عبدالبر نے تمہید میں اور امام شافعی نے
کہا کہ طریقہ میرا اور میرے استادوں کا مثل سفیان ثوری اور مالک وغیرہ کا یہ ہے کہ اقرار کرتے ہیں
اس کا کہ اللہ آسمان پر اپنے عرش کے اوپر ہے قریب ہوتا ہے اپنی مخلوق سے جیسا چاہے اور یہ کہ
اللہ تعالیٰ اترتا ہے آسمان دنیا کی طرف جس طرح چاہے روایت کیا اس کو ابن ابی حاتم نے اور

وقال الامام احمد

في عقيدته فان احتج مبتدع او مخالف بقوله تعالى ونحن اقرب اليه من حبل الوريد وبقوله عز وجل وهو معكم اينما كنتم وبقوله ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم ونحو هذا من متشابه القرآن فقل انما يعني بذلك العلم واخرج الخلال في كتاب السنة قيل لاحمد ابن حنبل ربنا تبارك وتعالى فوق السماء السابعة على عرشه بائن من خلقه وقدرته وعلمه بكل مكان قال نعم هو على عرشه ولا يخلو شيء من علمه وقال ابوطالب سألت احمد بن حنبل عن رجل قال الله معنا وتلا ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم فقال قد   هذا يأخذون بآخر الآية ويدعون اولها هلا قرأت عليه ألم تر ان الله يعلم فعلمه معهم كذا في كتاب العلو للذهبي ومن اطال احمد بن حنبل في هذا في كتابه الرد على الجهمية فمن شاء فليطالعه فانه

امام احمدؒ نے اپنے عقیدہ میں کہا کہ اگر کوئی بدعتی یا مخالف دلیل پکڑے ساتھ اس قول اللہ تعالیٰ کے ونحن اقرب اليه من حبل الوريد یا وهو معكم اينما كنتم یا ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم اور مانند اس کے متشابہ قرآن سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے علم الٰہی ہے اور خلال نے کتاب السنہ میں روایت کیا کہ احمد بن حنبل کو کہا گیا کہ رب ہمارا ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کی قدرت اور علم ہر مکان میں ہے تو کہا کہ ہاں وہ اپنے عرش پر ہے اور علم اس کے سے کوئی چیز الگ نہیں اور ابوطالب نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا کہ ایک شخص کہتا ہے اللہ ہمارے ساتھ ہے اور یہ آیت ما يكون من نجوى ثلثة الا هو رابعهم دلیل لاتا ہے کہا کہ جہمیہ شخص جہمی ہوگیا کہ آخر آیت کو لیتے ہیں اور اول آیت کو چھوڑتے ہیں تو نے اس شخص کو اول سے کیوں نہیں پڑھ سنایا کہ ألم تر ان الله يعلم پس علم اس کا ساتھ ان کے ہے ایسا ہی مذکور ہے ذہبی کی کتاب العلو میں اور امام احمدؒ نے اپنی کتاب الرد علی الجہمیہ میں اس مسئلہ کو بہت طول سے بیان کیا ہے جس کو خواہش ہوا سے مطالعہ کرے وہ ایک بہت

كِتَابٌ مُفِيدٌ جِدًّا وَقَدْ طُبِعَ فِي الْهِنْدِ فِي هَامِشِ جَامِعِ الْبَيَانِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَهٰذَا الْإِمَامُ
وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ تَابِعِي التَّابِعِينَ لٰكِنْ ذَكَرْتُهُ تَبَعًا لِلْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ .
وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ أَخْبَرَنِي صَالِحُ ابْنُ الضُّرَيْسِ قَالَ جَعَلَ عَبْدُ اللّٰهِ
يَضْرِبُ رَأْسَ قَرَابَةٍ لَهُ يَرَى بِرَأْيِ جَهْمٍ فَرَأَيْتُهُ يَضْرِبُ بِالنَّعْلِ عَلَى رَأْسِهِ وَ
يَقُولُ لَا حَتَّى تَقُولَ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ
وَقَالَ الْخَفَّافُ جَاءَ بِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ إِلَى الْقَاضِي أَبِي يُوسُفَ فَقَالَ بِشْرٌ الْمَرِيسِيُّ وَعَلِيٌّ
الْأَحْوَلُ وَفُلَانٌ يَقُولُونَ اللّٰهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ فَقَالَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيَّ بِهِمْ فَانْتَهَوْا
إِلَيْهِمْ وَقَدْ قَامَ بِشْرٌ فَجِيءَ بِعَلِيٍّ الْأَحْوَلِ وَبِالْآخَرِ شَيْخٍ فَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَنَظَرَ
إِلَى الشَّيْخِ لَوْ أَنَّ فِيكَ مَوْضِعَ أَدَبٍ لَأَوْجَعْتُكَ وَضَرَبَ الْأَحْوَلَ وَطُوِّفَ بِهِ
أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ وَقَالَ يَحْيَى ابْنُ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ قُلْتُ لِأَبِي إِنَّ بِشْرًا
الْمَرِيسِيَّ يَقُولُ الْقُرْآنُ مَخْلُوقٌ .

بہت مفید کتاب ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ دہلی میں تفسیر جامع البیان کے ساتھ چھپ چکی ہے
اور یہ امام اگرچہ تبع تابعین سے نہیں ہیں لیکن ائمہ ثلاثہ کے ساتھ اس کا ذکر میں مناسب سمجھا اور
محمد بن یحییٰ ذہلی نے کہا کہ مجھ کو صالح ابن ضریس نے خبر دی کہ عبداللہ اپنے ایک رشتہ دار کو جو جہم کا مذہب
رکھتا تھا جوتی سے پیٹ رہا تھا اس کے سر پر جوتے لگاتا تھا اور کہتا تھا کہ نہیں چھوڑوں گا یہاں تک
کہ تو قائل ہو اس کا کہ اللہ عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے روایت کیا اس کو ابن ابی حاتم نے
اور خفاف نے کہا کہ بشر بن ولید قاضی ابو یوسف کی طرف آیا اور کہا کہ بشر مریسی اور علی احول اور
علی احول اور فلانا شخص یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر مکان میں ہے ابو یوسف نے کہا کہ ان کو میرے
پاس لاؤ جب ان کے پاس گئے تو بشر وہاں سے چل دیا اور علی احول اور دوسرے کو جو بوڑھا
تھا لائے ابو یوسف نے بوڑھے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اگر تجھ میں کچھ طاقت ہوتی تو میں تجھے
چھوڑتا اور شہر میں پھروتا روایت کیا اس کو ابن ابی حاتم نے اور یحییٰ بن علی بن عاصم نے کہا کہ میں
نے اپنے باپ سے کہا کہ بشر مریسی کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ فِي الْاَرْضِ وَكَلَامًا ذَكَرْنَاهُ فَمَا رَاَيْتُهُ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا اشْتَدَّ
فِي اَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ مَخْلُوْقٌ ذَكَرَهُ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ فِيْ كِتَابِ
الرَّدِّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ

اقوال اتباع تابعی التابعین

قَالَ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ الْخُزَاعِيُّ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهُوَ مَعَكُمْ
مَعْنَاهُ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ خَافِيَةٌ بِعِلْمِهٖ اَخْرَجَهُ ابْنُ مَخْلَدٍ وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ
سُئِلَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ وَاَنَا اَسْمَعُ مَا قَوْلُ اَهْلِ الْجَمَاعَةِ قَالَ يُؤْمِنُوْنَ بِالرُّؤْيَةِ
وَبِالْكَلَامِ وَاَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَوْقَ السَّمٰوٰتِ عَلٰى عَرْشِهٖ اسْتَوٰى فَسُئِلَ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى مَا
يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ فَقَالَ اقْرَأْ مَا قَبْلَهُ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَخْرَجَهُ اَبُوْ اِسْمٰعِيْلَ
الْهَرَوِيُّ عَنِ ابْنِ الْمَدِيْنِيِّ شَيْخِ الْبُخَارِيِّ قَالَ الْبُخَارِيُّ مَا اسْتَصْغَرْتُ نَفْسِيْ اِلَّا
بَيْنَ يَدَيِ ابْنِ الْمَدِيْنِيِّ وَقَالَ خَالِدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ الشَّمْنِيَّةُ لِجَهْمٍ

اور اللہ زمین میں اس کے ساتھ ہے اور دوسری باتیں اس کی میں نے ذکر کیں تو اس قدر اس کی کسی
بات سے خفا نہ ہوئے جس قدر کہ ان دو باتوں سے خفا ہوئے ایک یہ کہ اللہ اس کے ساتھ زمین میں ہے
دوسری یہ کہ قرآن مخلوق ہے ذکر کیا اس کو ابن ابی حاتم نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں۔ اتباع تبع تابعین
کے اقوال نعیم بن حماد خزاعی استاذ بخاری نے وَهُوَ مَعَكُمْ کی تفسیر میں کہا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ اس
کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں روایت کیا اس کو ابن مخلد نے اور حسن بن محمد نے کہا کہ علی بن مدینی
سے کسی نے پوچھا اور میں سنتا تھا کہ اہل سنت وجماعت کا ان مسائل میں کیا مذہب ہے کہا کہ ایمان
لاتے ہیں کہ اللہ کو دیکھیں گے ہم اور اللہ کلام کرتا ہے اور اللہ اوپر آسمانوں کے اپنے عرش پر ہے پھر سائل نے یہ
آیت مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ ان کے معنی کی جواب میں کہا کہ اس کے پہلے اَلَمْ
تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ کو پڑھو یعنی ماقبل دلالت کرتا ہے کہ مراد اس سے علم ہے روایت کیا اس کو ابو
اسمٰعیل ہروی نے علی بن مدینی امام بخاری کے استاذ ہیں۔ بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کو کسی کے
سامنے چھوٹا نہیں سمجھا مگر علی بن مدینی کے سامنے اور خالد بن سلیمان نے کہا کہ شمنیہ نے جہم سے کہا کہ

صِفْ لَنَا رَبَّكَ الَّذِي تَعْبُدُ فَقَالَ هُوَ هٰذَا الْهَوٰى مَعَ كُلِّ شَيْءٍ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَخْلُو مِنْهُ شَيْءٌ قَالَ خَالِدُ بْنُ سُلَيْمَانَ كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ فِي السَّمَاءِ عَلَى الْعَرْشِ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ. وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ رَاهُوَيْهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَيَعْلَمُ كُلَّ شَيْءٍ فِي أَسْفَلِ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ قَالَ حَرْبُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ قُلْتُ لِإِسْحَاقَ بْنِ رَاهُوَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالٰى مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ كَيْفَ تَقُولُ فِيهِ قَالَ حَيْثُ مَا كُنْتَ فَهُوَ أَقْرَبُ إِلَيْكَ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَهُوَ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ ثُمَّ ذَكَرَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ قَوْلَهُ هُوَ عَلَى عَرْشِهِ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ أَخْرَجَهُمَا الْخَلَّالُ وَقَالَ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَوْلُ الْأَئِمَّةِ فِي الْإِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ نَعْرِفُ رَبَّنَا فِي السَّمَاءِ عَلَى عَرْشِهِ أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ اِسْمَعْ وَيْحَكَ إِلَى هٰذَيْنِ الْإِمَامَيْنِ كَيْفَ نَقَلَا الْإِجْمَاعَ عَلَى هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ قَالَ مُوسَى الطَّرْطُوسِيُّ قُلْتُ لِسُنَيْدِ بْنِ أَبِي دَاوُدَ هُوَ عَلَى عَرْشِهِ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ قَالَ نَعَمْ أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَهُ تَعَالٰى

وصف بیان کر اپنے رب کے جس کو تو پوجتا ہے کہا وہ یہ ہوا ہے ہر چیز کے ساتھ اور ہر چیز میں اور اس سے کوئی چیز خالی نہیں تو خالد نے کہا جھوٹ ہے اللہ کا دشمن تحقیق اللہ تعالےٰ اوپر آسمانوں کے عرش پر ہے روایت کیا اس کو ابن ابی حاتم نے اور اسحٰق بن راہویہ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحمٰن عرش پر قائم ہوا اہل علم نے اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور ہر چیز کو ساتویں زمین کے نیچے تک جانتا ہے حرب بن اسمٰعیل نے کہا میں نے اسحٰق بن راہویہ سے پوچھا کہ آپ اللہ کے اس قول مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوٰى ثَلٰثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ میں کیا فرماتے ہیں کہا جہاں تو ہو وہ شاہ رگ سے بھی تیرے قریب ہے (یعنی ساتھ علم کے) اور وہ مخلوق سے جدا ہے پھر ابن مبارک کا یہ قول ذکر کیا کہ وہ اپنے عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے روایت کیا ان ہر دو اثر کو خلال نے اور قتیبہ بن سعید نے کہا ائمہ مسلمین اہل سنت وجماعت کا یہ قول ہے کہ ہم اپنے رب کو آسمانوں پر عرش کے اوپر جانتے ہیں روایت کیا اس کو حاکم نے افسوس تم پر بھلا ان دو اماموں کے قول کو گوش ہوش سے سنو کہ انہوں نے اس مسئلہ میں کیسا اجماع نقل کیا ہے موسیٰ طرطوسی نے کہا میں نے سنید بن ابی داؤد سے پوچھا کیا اللہ اپنے عرش پر مخلوق سے جدا ہے کہا کہ ہاں کیا تو نے نہیں سنا اللہ تعالےٰ

وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ أَخْرَجَهُ أَبُوْحَاتِمٍ أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِيْ حَاتِمٍ وَ
شَيْخُ الْإِسْلَامِ بِأَسَانِيْدِهِمَا أَنَّ هِشَامَ بْنَ عُبَيْدِ اللّٰهِ الرَّازِيَّ حَبَسَ رَجُلًا فِي التَّجَهُّمِ
فَتَابَ فَجِيْءَ بِهٖ إِلٰى هِشَامٍ لِيَمْتَحِنَهُ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلَى التَّوْبَةِ۔
فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى عَرْشِهٖ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
عَرْشِهٖ وَلَا أَدْرِيْ مَا بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ فَقَالَ رُدُّوْهُ إِلَى الْحَبْسِ فَإِنَّهٗ لَمْ يَتُبْ
يَعْنِيْ قَالَ الْحَافِظُ الذَّهَبِيُّ هِشَامُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ مِنْ أَئِمَّةِ الْفِقْهِ عَلٰى مَذْهَبِ
أَبِيْ حَنِيْفَةَ تَفَقَّهَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ كَانَ ذَا جَلَالَةٍ عَجِيْبَةٍ وَحُرْمَةٍ
عَظِيْمَةٍ بِبَلَدِهٖ وَقَالَ أَصْبَغُ وَهُوَ مُسْتَوٍ عَلٰى عَرْشِهٖ وَبِكُلِّ مَكَانٍ
عِلْمُهٗ وَإِحَاطَتُهٗ وَأَصْبَغُ مِنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ وَأَفْقَهِهِمْ
نَقَلَهُ الْحَافِظُ ابْنُ الْقَيِّمِ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ سَعِيْدٍ
الدَّارِمِيُّ صَاحِبُ يَحْيَى بْنِ مَعِيْنٍ وَعَلِيِّ بْنِ الْمَدِيْنِيِّ فِيْ كِتَابِ النَّقْضِ
عَلٰى بِشْرٍ وَاللّٰهُ فَوْقَ سَمٰوٰتِهٖ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ

کے اس قول کو وَتَرَى الْمَلٰئِكَةَ حَافِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ روایت کیا اس کو ابوحاتم نے اور روایت کیا ابن ابی حاتم اور شیخ الاسلام نے اپنی سندوں کے ساتھ کہ ہشام عبداللہ رازی نے ایک شخص کو بسبب جہمی ہونے کے قید کیا پھر جب اس نے توبہ کی اور ہشام نے آزمانے کو اپنے پاس بلوایا تو کہا سب تعریف کو ہے جس نے تم کو توبہ کی توفیق دی ہشام نے پوچھا کیا تو اقرار کرتا ہے کہ اللہ عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے کہا کہ اقرار کرتا ہوں کہ اللہ عرش پر ہے لیکن اس کا اقرار نہیں کرتا کہ اپنی مخلوق سے جدا ہے ہشام نے حکم دیا کہ اس کو قید خانہ میں پھیر لے جاؤ ابھی تک اس نے مذہب جہم سے توبہ نہیں کی حافظ ذہبی نے کہا کہ ہشام ابوحنیفہ کے مذہب میں فقہ کا امام ہے امام محمد بن حسن سے فقہ کو حاصل کیا اپنے شہر میں اس کی بڑی جلالت اور عزت تھی اور اصبغ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور علم اور احاطہ اس کا ہر مکان میں ہے اور اصبغ امام مالک کے شاگردوں میں سب سے فقیہ تھا نقل کیا اس کو حافظ ابن قیم نے اور عثمان بن سعید دارمی صاحب یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی نے اپنی کتاب النقض علی بشر میں کہا کہ اللہ آسمانوں پر اپنی مخلوق سے جدا ہے

فمن لم یعرف ذلک لم یعرف الٰہہ الذی یعبدہ وقال فیہ ایضا ولکنا نقول انہ الٰہ السموات والارض علی عرش عظیم مخلوق فوق السماء السابعۃ دون ما سواھا من الاماکن من لم یعرفہ بذلک کان کافرا بہ وبعرشہ قال الذہبی قال ابو الفضل القراب ما راینا مثل عثمان بن سعید ولا رای ہو مثل نفسہ قلت وما ہو فی العلم بدون ابی محمد الدارمی السمرقندی ابنی وقال عبد الوہاب الوراق شیخ ابی داؤد والترمذی والنسائی من زعم ان اللہ ہہنا فہو جہمی خبیث ان اللہ فوق العرش وعلمہ محیط بالدنیا والاخرۃ قال ابن القیم صح ذلک عنہ حکاہ عنہ محمد بن عثمان فی رسالتہ فی الفوقیۃ وقال عبد الرحمن بن ابی حاتم سالت ابی وابا زرعۃ عن مذاہب اہل السنۃ فی اصول الدین وما ادرکا علیہ العلماء فی جمیع الامصار وما یعتقدان فی ذلک فقالا ادرکنا العلماء فی جمیع الامصار حجازا وعراقا ومصرا وشاما ویمنا فکان من مذہبہم ان اللہ تبارک

جس نے یہ نہیں پہچانا اس نے اپنے معبود کو نہیں پہچانا اور اسی کتاب میں کہا ہے لیکن ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ معبود آسمان اور زمین والوں کا عرش پر ہے جو ایک بڑی مخلوق ہے ساتوں آسمان سے اوپر اور سوائے عرش کے اللہ اور کسی مکان میں نہیں ہے جو کوئی اس کو اس طرح نہیں پہچانا وہ منکر ہے اس کا اور اس کے عرش کا ذہبی نے کہا کہ ابو الفضل نے کہا کہ مثل عثمان بن سعید کے کوئی نہیں دیکھا اور نہ اس نے اپنے جیسا کسی کو دیکھا میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ وہ علم میں ابو محمد دارمی سمرقندی سے کم نہ تھا اور عبد الوہاب وراق استاذ ابو داؤد و ترمذی اور نسائی نے کہا کہ جو کوئی قائل ہو اس کا کہ اللہ اس جگہ (زمین میں) ہے وہ جہمی خبیث ہے تحقیق اللہ اوپر عرش کے ہے اور علم اس کا دنیا اور آخرت کو محیط ہے ابن قیم نے کہا کہ یہ روایت صحیح ہے حکایت کیا اس کو اس سے محمد بن عثمان نے اپنے رسالہ فوقیت میں اور عبد الرحمٰن بن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے باپ ابو حاتم سے اور ابو زرعہ سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں اہل سنت کے اصول دین اور تمام علماء کا جمیع شہروں میں کیا مذہب ہے اور کیا عقیدہ رکھتے ہیں دونوں نے کہا کہ حجاز اور عراق اور مصر اور شام اور یمن سب شہروں میں جن علماء کو ہم نے پایا سب کا یہی مذہب تھا کہ اللہ تبارک

وَتَعَالٰی عَلٰی عَرْشِهٖ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ بِلَا كَيْفٍ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا أَخْرَجَهٗ أَبُو إِسْمٰعِيلَ الْأَنْصَارِيُّ وَأَخْرَجَ أَيْضًا عَنْ أَبِي زُرْعَةَ الرَّازِيِّ أَنَّهٗ قَالَ هُوَ عَلٰی عَرْشِهٖ وَعِلْمُهٗ فِي كُلِّ مَكَانٍ مَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَأَخْرَجَ أَيْضًا عَنْ يَحْيَی بْنِ مُعَاذٍ الرَّازِيِّ أَنَّ اللّٰهَ عَلَی الْعَرْشِ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا لَا يَشُذُّ عَنْ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ إِلَّا جَهْمِيٌّ كَانَ يَحْيَی ابْنُ مُعَاذٍ وَأَبُو حَاتِمٍ مِنْ طَبَقَةِ الْبُخَارِيِّ قَالَ الذَّهَبِيُّ أَبُو زُرْعَةَ إِمَامُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي زَمَانِهٖ بِحَيْثُ أَنَّ أَحْمَدَ قَالَ مَا جَاوَزَ الْجِسْرَ أَحَدٌ أَحْفَظُ مِنْ أَبِي زُرْعَةَ وَكَانَ مِنَ الْأَبْدَالِ الَّذِينَ يُحْفَظُ بِهِمُ الْأَرْضُ وَأَبُو حَاتِمٍ مِنْ كِبَارِ أَئِمَّةِ أَهْلِ الْأَثَرِ حَدَّثَ عَنْهُ أَبُو دَاوُدَ وَالْكِبَارُ وَقَالَ الْحَاكِمُ وَجَدْتُ بِخَطِّ أَبِي عَمْرٍو الْمُسْتَمْلِي سُئِلَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَی الذُّهْلِيُّ عَنْ حَدِيثِ لِيَعْلَمِ الْعَبْدُ أَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُ كَانَ قَالَ يُرِيدُ أَنَّ اللّٰهَ عِلْمُهٗ مُحِيطٌ بِكُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ عَلَی الْعَرْشِ انْتَهٰی وَكَانَ الذُّهْلِيُّ شَيْخَ أَرْبَابِ الصِّحَاحِ السِّتَّةِ وَقَالَ إِسْمٰعِيلُ بْنُ يَحْيَی الْمُزَنِيُّ أَجَلُّ تَلَامِذَةِ الشَّافِعِيِّ فِي رِسَالَتِهٖ فِي السُّنَّةِ عَالٍ عَلٰی عَرْشِهٖ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهٖ وَقَالَ أَيْضًا فِيهَا

تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے جیسا کہ اس نے اپنی ذات کو بلا کیف بیان کیا ہے، احاطہ کیا اس نے ہر چیز کا ساتھ علم اپنے کے روایت کیا اس کو ابو اسماعیل انصاری نے اور نیز اس نے روایت کیا ابو زرعہ رازی سے کہ اس نے کہا اللہ اپنے عرش پر ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے جو کوئی سوائے اس کے کہے پس اس پر اللہ کی لعنت ہے اور نیز اسی نے روایت کیا یحییٰ بن معاذ رازی سے کہ اللہ عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، احاطہ کیا اس نے ہر چیز کا از روئے علم کے کوئی اس قول سے انحراف نہیں کرتا مگر جہمی، یحییٰ بن معاذ اور ابو حاتم طبقہ بخاری سے ہیں، ذہبی نے کہا کہ ابو زرعہ اپنے زمانے کے اہل حدیث کا امام ہے چنانچہ امام احمد نے کہا کہ پل بغداد کسی نے عبور نہیں کیا جو ابو زرعہ سے احفظ ہو اور وہ ابدال سے ہے جن کے سبب سے زمین محفوظ ہے اور ابو حاتم بڑے کبار سے ہے ابو داؤد اور بڑے لوگوں نے ان سے حدیث اخذ کی ہے حاکم نے کہا میں نے عمرو مستملی کا لکھا ہوا دیکھا کہ کسی نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے اس حدیث کے معنے پوچھے لِيَعْلَمِ الْعَبْدُ أَنَّ اللّٰهَ مَعَهٗ حَيْثُ كَانَ تو کہا معنے اس کے یہ ہیں کہ اللہ کا علم ہر مکان کو محیط ہے اور وہ عرش پر ہے انتہی اور ذہلی سب صحاح ستہ والوں کا استاذ ہے اسماعیل بن یحییٰ مزنی شاگرد رشید امام شافعی نے اپنے رسالہ سنت میں کہا کہ اللہ عرش سے بلند ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اسی میں کہا کہ اپنے عرش پر

عالٍ على عرشه ودانٍ بعلمه من خلقه وأيضاً قال وهو قريب بالإجابة عند السؤال بعيد بالتعزّز لا ينال على عرشه بائن من خلقه وذكر سائر المعتقد ثم قال وهذه مقالات أجمع عليها الماضون الأولون من أئمة الهدى وبتوفيق الله اعتصم بها التابعون قدوةً ورضاً قال إبراهيم الحربي فيما صح عنه.

قال أحمد بن نصر وسئل عن علم الله فقال علم الله معنا وهو على عرشه. وقال محمد بن أبي شيبة في كتاب العرش كما فسّرت العلماء وهو معكم يعني علمه ثم تواترت الأخبار إن الله تعالى خلق العرش فاستوى عليه فوق العرش متخلّصاً من خلقه بائناً منهم.

أقوال أئمة الحديث والفقه والتصوف والكلام بعد المائة الثالثة إلى تمام المائة السادسة

قال حماد بن هناد هذا ما رأينا عليه أهل الأمصار وما دلّت عليه

بلند ہے اور اپنے علم کے ساتھ مخلوق سے قریب ہے اور یہ بھی کہا کہ وہ دعا کے قبول کرنے سوال کے قریب ہے اور ساخت میں بعید ہے ایسا کہ کوئی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اپنے عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے اور تمام اعتقادیات کو بیان کر کے کہا کہ یہ باتیں جو ہم نے ذکر کی ہیں ان پر پہلے لوگوں ائمہ ہدیٰ یعنی صحابہ کا اتفاق ہے اور اللہ کی توفیق سے تابعین نے بھی جو مقتدا اور برگزیدہ ہیں اس کے ساتھ اعتصام کیا ہے اور ابراہیم حربی نے کہا کہ احمد بن نصر اللہ کے علم سے پوچھے گئے تو کہا کہ علم اللہ کا ہمارے ساتھ ہے اور وہ عرش پر ہے اور محمد بن ابی شیبہ اپنی کتاب العرش میں فرماتے ہیں کہ اہل علم نے وھو معکم میں معیت کی علم سے تفسیر کی ہے اور متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالے نے عرش کو پیدا کیا پھر اس پر قرار پکڑا تو وہ اوپر عرش کے اپنی مخلوق سے علیحدہ اور جدا ہے ائمہ محدثین اور فقہاء اور اہل تصوف اور اہل کلام جو بعد تیسری صدی کے آخر چھٹی صدی تک گذرے ہیں ان کے اقوال کا بیان حماد بن ھناد نے کہا کہ ہم نے سب شہروں کے علماء اہل سنت کو اسی طریق اور

مذاهبهم ودينه وإيضاح مناهج العلماء وصفة السنة وأهلها إن الله فوق السماء السابعة على عرشه بائن من خلقه وعلمه وسلطانه وقدرته بكل مكان أخرجه شيخ الإسلام الهروي، وأخرج الحاكم في علوم الحديث وفي تاريخ نيسابور عن محمد بن صالح يقول سمعت الإمام الأئمة أبا بكر بن خزيمة يقول من لم يقر بأن الله على عرشه بائن من خلقه فهو كافر يستتاب فإن تاب وإلا ضربت عنقه وألقي على مزبلة لئلا يتأذى بريحه أهل القبلة وأهل الذمة كان ابن خزيمة رأسا في الحديث رأسا في العلم من دعاة السنة قال الذهبي وكفى له منقبة أن اشتهر بين المسلمين بإمام الأئمة وقال زكريا الساجي القول في السنة التي رأيت عليها أصحابنا أهل الحديث الذين لقيتهم أن الله على عرشه في سمائه يقرب من خلقه كيف شاء أخرجه ابن بطة قال الحافظ الطبراني الذي قال فيه الذهبي محدث الدنيا انتهى إليه علو الإسناد في كتاب السنة له

باب ما جاء في استواء الله على عرشه بائن من خلقه فساق حديث الأوعال وغيره في الباب

ترجمہ: بیشک اللہ ساتویں آسمان پر اور عرش پر اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کا علم اور قدرت ہر مکان میں ہے روایت کیا اس کو شیخ الاسلام ہروی نے اور حاکم نے علوم الحدیث اور تاریخ نیشاپور میں محمد بن صالح سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ جو کوئی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے تو وہ کافر ہے اس سے توبہ کرے تو بہتر ورنہ قتل کر کے گندگی کی جگہ ڈال دیا جاوے تاکہ اس کی بدبو سے اہل قبلہ و ذمی ایذا نہ پاویں۔ ابن خزیمہ رئیس تھے حدیث میں اور رئیس تھے علم میں سنت کی طرف بلانے والے تھے کہا اس کو ذہبی نے اور ان کی بزرگی کے لئے یہی کافی ہے کہ اہل اسلام میں امام الائمہ کے لقب سے مشہور ہیں اور زکریا ساجی نے کہا کہ قول موافق سنت کے جس پر میں نے اپنے اصحاب اہل حدیث کو پایا اور ان سے ملاقات کی یہ ہے کہ اللہ عرش پر ہے آسمان کے اوپر قریب ہوتا ہے مخلوق سے جس طرح چاہے روایت کیا اس کو ابن بطہ نے حافظ طبرانی جن کے حق میں ذہبی نے کہا کہ وہ استاذ حدیث ہیں سب لوگوں کے علم اسناد انہیں کی طرف منتہی ہے وہ کتاب السنہ میں فرماتے ہیں کہ یہ باب ہے بیان میں کہ اللہ عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے پھر اس باب میں حدیث اوعال کی۔

وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُوْ بَكْرٍ الْآجُرِّيُّ إِمَامُ عَصْرِهِ فِي الْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ فِي كِتَابِ الشَّرِيْعَةِ فَإِنْ قِيْلَ فَأَيُّ شَيْءٍ مَعْنَى قَوْلِهِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ قِيْلَ عِلْمُهُ وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عَرْشِهِ وَعِلْمُهُ مُحِيْطٌ بِهِمْ كَذَا فَسَّرَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْآيَةُ يَدُلُّ أَوَّلُهَا وَآخِرُهَا عَلَى أَنَّهُ الْعِلْمُ وَهُوَ عَلَى عَرْشِهِ هٰذَا قَوْلُ الْمُسْلِمِيْنَ
قَالَ الْحَافِظُ أَبُوْ نُعَيْمٍ صَاحِبُ الْحِلْيَةِ فِي عَقِيْدَتِهِ وَأَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ وَالْخَلْقُ بَائِنُوْنَ مِنْهُ بِلَا حُلُوْلٍ وَلَا مُمَازَجَةٍ وَلَا اخْتِلَاطٍ وَلَا مُلَاصَقَةٍ لِأَنَّهُ الْبَائِنُ الْفَرْدُ وَقَالَ أَيْضًا طَرِيْقَتُنَا طَرِيْقُ السَّلَفِ الْمُتَّبِعِيْنَ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ وَمِمَّا ذَكَرَ اعْتِقَادَهُمْ ثُمَّ قَالَ وَمِمَّا اعْتَقَدُوْهُ أَنَّ اللّٰهَ فِي سَمَائِهِ دُوْنَ أَرْضِهِ وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْمُعْتَقَدِ قَدْ ذَكَرْنَا مِنَ الْآيَاتِ دَلَالَةً عَلَى إِبْطَالِ قَوْلِ مَنْ زَعَمَ مِنَ الْجَهْمِيَّةِ بِأَنَّ اللّٰهَ بِذَاتِهِ فِي كُلِّ مَكَانٍ وَقَوْلُهُ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ إِنَّمَا أَرَادَ بِعِلْمِهِ لَا بِذَاتِهِ شُهْرَةُ الْبَيْهَقِيِّ وَجَلَالَتُهُ تُغْنِي عَنِ التَّعْرِيْفِ

دوسرے مذکور ہو چکی ہے اور کئی حدیثیں بیان کیں حافظ ابوبکر آجری جو اپنے زمانہ میں حدیث اور فقہ کے امام تھے کتاب السنہ میں کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ آیہ ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم کے کیا معنے ہیں تو کہا جائے گا کہ علم اس کا ساتھ ان کے ہے اور وہ عرش پر ہے اور علم اس کا سب کو محیط ہے اہل علم نے اس کی اس طرح تفسیر کی ہے اور آیت کا اول اور آخر بھی دلالت کرتا ہے کہ مراد اس سے علم ہے اور وہ عرش پر ہے یہی قول ہے مسلمانوں کا حافظ ابونعیم صاحب حلیہ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں کہ وہ مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اس سے جدا ہے کسی طرح کا وہ ان میں نہ حلول ہے اور نہ ملا ہوا اور نہ اختلاط اور امتزاج کیونکہ وہ جدا اکیلا ہے اور انہی نے کہا کہ ہمارا طریقہ وہی ہے جو متبعین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت کا تھا اور ان کے اعتقاد کو ذکر کیا پھر کہا کہ ان کے اعتقادوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ آسمان پر ہے نہ زمین پر اور بیہقی نے اپنی کتاب المعتقد میں کہا کہ ہم نے جو آیتیں لکھی ہیں اس پر دال ہیں کہ جہمیہ کا یہ قول کہ اللہ بذاتہ ہر مکان میں ہے باطل ہے اور اس پر دال ہے کہ وهو معكم أينما كنتم میں معیت علمی مراد ہے نہ ذاتی بیہقی کی شہرت اور بزرگی ایسی ہے جو بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

وقال أبو القاسم اللالكائي في كتاب شرح اعتقاد أهل السنة دلت هذه الآيات أنه في السماء وعلمه بكل مكان روي ذلك من عمر وابن مسعود وابن عباس وأم سلمة ومن التابعين ربيعة وسليمان التيمي ومقاتل بن حيان وبه قال مالك والثوري وأحمد وقال أبو عمر الطلمنكي المالكي في كتاب الوصول إلى معرفة الأصول أجمع المسلمون من أهل السنة على أن معنى قوله وهو معكم أينما كنتم ونحو ذلك من القرآن أنه علمه وأن الله تعالى فوق السموات بذاته مستو على عرشه وقال الإمام مالك الصغير عبد الله بن أبي زيد في كتابه المفرد في السنة فصل فيما اجتمعت عليه الأمة من أمور الديانة فذكر سائر المعتقد إلى أن قال وأنه فوق سمواته على عرشه دون أرضه وأنه في كل مكان بعلمه ثم قال وكل ما قدمنا ذكره فهو قول أهل السنة وأئمة الناس في الفقه والحديث على ما بيناه وكله قول مالك

وقال ابن أبي زمنين المالكي في كتاب أصول السنة

ابو القاسم لالکائی کتاب شرح اعتقاد اہل السنہ میں فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ آسمان پر ہے اور علم اس کا ہر مکان میں ہے جیسا مروی ہے حضرت عمر اور ابن مسعود اور ابن عباس اور ام سلمہ سے اور تابعیوں میں ربیعہ اور سلیمان تیمی اور مقاتل بن حیان سے اور یہی قول ہے مالک اور ثوری اور احمد کا ابو عمر طلمنکی مالکی کتاب الوصول فی معرفۃ الاصول میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وھو معکم اینما کنتم اور مانند اس کے اور آیتوں کے یہ معنے ہیں کہ علم اس کا ان کے ساتھ ہے اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر بذاتہ ہے اور امام مالک صغیر۔ یعنے عبد اللہ بن ابی زید اپنی کتاب المفرد فی السنہ میں فرماتے ہیں فصل ان مسائل دینی کے بیان میں جن پر امت کا اجماع ہے پس ذکر کیا سب معتقدات کو جہاں تک کہ کہا اللہ اوپر آسمانوں کے عرش پر ہے نہ زمین پر اور وہ اپنے علم کے ساتھ ہر مکان میں ہے پھر کہا کہ یہ سب مسائل جو ہم نے ذکر کئے اہل سنت کا مذہب ہے اور ائمہ محدثین اور فقہاء اسی پر ہیں اور امام مالک کا بھی قول ہے۔ اور ابن ابی زمنین مالکی کتاب اصول السنہ میں فرماتے ہیں

من قول أهل السنة إن الله تعالى بائن من خلقه محتجب عنهم بالحجب تعالى الله عما
يقول الظالمون علوا كبيرا وقال إمام الشافعية أبو بكر التميمي لا أصلي خلف من ينكر الصفات
ولا خلف من لم يثبت القرآن في المصحف ولا يقر بأن الله فوق عرشه بائن من خلقه
رواه الحافظ عبد القادر مسندا وقال الإمام محمد بن الموصلي الشافعي في كتاب سيف
السنة في قطع رقاب الجهمية إن الله سبحانه قد بين في القرآن غاية البيان
أنه فوق سمواته وإنه مستو على عرشه وإنما بائن من خلقه وإن الملائكة
تعرج إليه وأنه رفع المسيح إليه وأنه يصعد إليه الكلم الطيب إلى سائر ما دلت عليه النصوص
من مباينته لخلقه وعلوه على عرشه وقال أبو الحسن الأشعري إمام الأشعرية في الإبانة
ورأينا المسلمين جميعا يرفعون أيديهم إذا دعوا نحو السماء لأن الله مستو على العرش الذي
هو فوق السموات فلولا أن الله على العرش لم يرفعوا أيديهم نحو العرش وقد قال قائلون
من المعتزلة والجهمية والحرورية أن معنى استوى استولى وإنه تعالى في كل مكان وجحدوا

کہ اہل سنت کا یہ قول ہے اللہ تعالیٰ مخلوق سے جدا ہے اور کئی حجابوں میں ان سے محجوب ہے پاک
ہے اور برتر ہے اللہ اس بات سے جو ظالم لوگ کہتے ہیں اور ابوبکر تمیمی امام الشافعیہ نے کہا کہ میں
منکر صفات کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ اس کے پیچھے جو قرآن کو اس مصحف میں نہیں جانتا اور نہ
اس کے پیچھے جو اقرار نہیں کرتا اس کا کہ اللہ اپنے عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے روایت کیا اس
کو حافظ عبدالقادر نے سند سے اور امام محمد بن موصلی شافعی کتاب سیف السنۃ فی قطع رقاب الجہمیہ میں
فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن میں بہت واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ کہ وہ اوپر آسمانوں
کے ہے۔ اور وہ عرش پر ہے اور مخلوق سے جدا ہے۔ اور یہ کہ فرشتے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور یہ کہ
مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور پاک بات اس کی طرف چڑھتے ہیں اور کئی آیتیں جو دلالت کرتی ہیں کہ وہ
مخلوق سے جدا ہے اور عرش کے اوپر ہے اور ابوالحسن اشعری امام اشعریہ ابانہ میں فرماتے ہیں کہ ہم نے
سب مسلمانوں کو دیکھا کہ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے
جو آسمانوں کے اوپر ہے۔ اگر اللہ عرش پر نہ ہوتا تو اپنے ہاتھ عرش کی طرف نہ اٹھاتے اور معتزلہ اور جہمیہ
اور حروریہ کہتے ہیں کہ معنے استوی کے استولی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے اور انکار کرتے ہیں

أن يكون على عرشه كما قال أهل الحق وقال فيه أيضا ومن دعاء أهل الإسلام جميعا إذا هم رغبوا إلى الله عز وجل في الأمر النازل بهم يقولون جميعا يا ساكن العرش ومن حلفهم جميعا لا والذي احتجب بسبع سموات۔

قلت فيه حديث ابن عمر مرفوعا أن الله خلق سموات سبعا فاختار العليا فسكنها وأسكن سمواته من شاء من خلقه أخرجه ابن خزيمة في كتاب التوحيد قال الذهبي هو حديث منكر وفيه دعاء داود عليه السلام إليك رفعت رأسي يا عامر السماء نظر العبيد إلى أربابها يا ساكن السماء وصله الذهبي إلى ثابت البناني وقال إسناده صالح وفيه دعاء يونس عليه السلام سيدي في السماء مسكنك وفي الأرض قدرتك وعجائبك في سنده أبو حذيفة البخاري كذاب قال الذهبي حديث باطل فمثل هذه الروايات لا يصلح للاحتجاج فإطلاق هذا اللفظ عليه سبحانه عندي والله أعلم

اس کے عرش پر ہونے کا جیسا کہ اہل حق کہتے ہیں اور اس میں کہا کہ سب اہل اسلام وقت نزول بلا کے اللہ کی طرف رغبت کر کے اس کو اس طرح پکارتے ہیں کہ اے ساکن عرش کے اور قسم ان سب کی یہ ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جو سات آسمانوں کا حجاب رکھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں حدیث مرفوع بھی ابن عمر سے مروی ہے کہ اللہ نے سات آسمان بنائے پھر سب سے بلند پر سکونت اختیار کی اور آسمانوں میں خلقت بسائی روایت کیا اس کو ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور اسی کی اطلاق سکونت میں ہے دعا داؤد کی کہ تیری طرف اٹھایا میں نے سر تجھ کو اے آباد کرنے والے آسمان کے مانند نظر بندوں کی طرف مالکوں اپنوں کے اے رہنے والے آسمان کے وصل کیا اس کو ذہبی نے ثابت بنانی تک اور کہا کہ اسناد اس کی صالح ہے اور اسی میں ہے دعا یونس کی کہ اے سردار میرے آسمان پر ہے جائے سکونت تیری اور زمین پر ہے قدرت تیری اور عجب نمونے قدرت تیری کے اس کی سند میں ابو حذیفہ بخاری کذاب ہے تو ذہبی نے کہا یہ حدیث باطل ہے پس ایسی روایتیں حجت کے لائق نہیں اور حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ

مأخوذ من الاستواء كالاستقرار فالاستواء والاستقرار والثبوت بمعنى وقال أبو الحسن الطبري تلميذ الأشعري في كتاب مشكل الآيات في باب قوله الرحمن على العرش استوى اعلم أن الله في السماء فوق كل شيء مستو على عرشه بمعنى أنه عال عليه ومعنى الاستواء الاعتلاء كما تقول العرب استويت على ظهر الدابة واستويت على السطح بمعنى علوته واستوت الشمس على رأسي واستوى الطير على قمة رأسي بمعنى علا في الجو فوجد فوق رأسي إلى أن قال فإن قيل فما تقولون في قوله وهو الله في السموات وفي الأرض۔

قيل لأن بعض القراء يجعل الوقف في السموات ثم يبتدئ وفي الأرض يعلم وكيف ما كان فلو أن قائلا قال فلان بالشام والعراق ملك لدل على أن ملكه بالشام والعراق لا أن ذاته فيهما قال الذهبي الطبري رأس في المتكلمين وقال ابن كلاب لا نجد أحدا إلا الجهمية ينال عن

خوب جانتا ہے لیکن لفظ سکونت کا اللہ تعالیٰ پر یا مثل استقرار کے استواء سے ماخوذ ہے پس استواء اور استقرار اور سکون کے ایک ہی معنے ہیں اور ابو الحسن طبری شاگرد اشعری نے مشکل الآیات میں بیچ باب آیۃ الرحمن علی العرش استوی کے کہا ہے کہ جان اور یقین کر اس بات کا کہ اللہ آسمان میں ہر چیز سے بلند عرش پر مستوی یعنی بلند ہے اور استواء کے معنی اعتلا یعنی بلندی کے ہیں جیسا عرب بولتے ہیں کہ میں دابہ کی پیٹھ پر مستوی ہوا یعنی اس پر چڑھا اور چھت پر مستوی ہوا یعنی چڑھا اور سورج میرے سر پر مستوی ہوا یعنی سر کے برابر چڑھ آیا اور جانور میرے سر کی چوٹی پر مستوی ہوا یعنی اوپر خلا میں میری چوٹی کے برابر قائم ہوا آگے چل کر کہا کہ اگر کوئی کہے کہ اس آیت وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْأَرْضِ میں تم کیا کہو گے تو اولاً تو بعض قراء فی السموات پر وقف کرتے ہیں اور فی الارض یعلم کو ما قبل سے علیحدہ کر کے پڑھتے ہیں ثانیاً اگر وقف نہ بھی کیا جائے تو بھی اگر کوئی کہے کہ فلاں شام اور عراق میں بادشاہ ہے تو اسی پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہی اس کی شام اور عراق میں ہے نہ یہ کہ اس کی ذات ان میں ہے ذہبی نے کہا کہ طبری متکلمین میں سرگروہ ہے اور ابن کلاب نے کہا کہ ہم نے سوائے جہمیہ کے کسی کو نہیں پایا جو اپنے رب سے

فيقول في كل مكان كما يقولون وهم يدعون انهم افضل الناس كلهم فتاهت العقول وسقطت الاخبار واهتدى جهم وخمسون رجلا معه نعوذ بالله من مضلات الفتن نقله ابن فورك فيما جمع من مقالات . وقال شيخ الصوفية الامام العارف معمر الاصبهاني احببت ان اوصي اصحابي بوصية من السنة واجمع ما كان عليه اهل الحديث واهل التصوف والمعرفة فذكر اشياء الى ان قال وان الله استوى على عرشه بلا كيف ولا تشبيه ولا تاويل والاستواء معقول والكيف مجهول وانه بائن من خلقه والخلق بائنون منه فلا حلول ولا ممازجة ولا ملاصقة نقله الحافظ الذهبي وقال شيخ الاسلام الانصاري امام الصوفية في كتاب الصفات له باب اثبات استواء الله على عرشه فوق السماء السابعة بائنا من خلقه من الكتاب والسنة فساق جملة من الايات والاحاديث الى ان قال وفي اخبار شتى ان الله في السماء السابعة على العرش بنفسه وينظر كيف تعملون وعلمه وقدرته واستماعه ونظره ورحمته في كل مكان وقال العارف عبد القادر جيلاني في الغنية وهو بائن من خلقه ولا يخلو من علمه مكان ولا يجوز وصفه بانه في كل مكان بل

پوچھا جاوے تو کہیں کہ وہ ہر مکان میں ہے جیسا کہ یہ کہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سب سے افضل ہیں سب کی عقلوں پر پردہ آگیا اور سب حدیثیں ساقط ہو گئیں اور ایک جہم اور اس کے ساتھ پچاس آدمی ہدایت والے ہوئے اللہ ان گمراہیوں سے پناہ دیوے۔ یہ مجھے نقل کیا ہے ابن فورک نے اس مجموعہ میں جس میں مقالات ابن کلاب کو جمع کیا ہے اور شیخ صوفیہ امام عارف معمر اصبہانی نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے یاروں کو وصیت کروں سنت کی اور جمع کروں جس پر اہل حدیث اور اہل تصوف اور معرفت چلے آتے ہیں۔ پس ذکر کیا کئی چیزوں کو یہاں تک کہ کہا کہ اللہ عرش پر مستوی ہے سوائے کیفیت اور تشبیہ اور تاویل کے استواء معلوم ہے کیفیت اس کی نامعلوم اور وہ مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اس سے جدا۔ یعنی نہ حلول ہے اور نہ ملاؤ ہے اور نہ چپکنا۔ نقل کیا اس کو ذہبی نے اور شیخ الاسلام انصاری امام صوفیہ کے اپنی کتاب الصفات میں فرماتے ہیں کہ باب اس بیان میں کہ اللہ کا عرش ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور اس کا مخلوق سے جدا ہونا جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے پھر کیا آیتوں اور حدیثوں کو یہاں تک کہ کہا کہ کئی حدیثوں میں ثابت ہے کہ اللہ ساتویں آسمان کے اوپر عرش پر ہے۔ اور دیکھتا ہے کیا کچھ کرتے ہو اور اس کا علم اور قدرت اور سننا اور دیکھنا اور رحمت ہر مکان میں ہے عارف شیخ عبد القادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ اللہ مخلوق سے جدا ہے اور اس کے علم سے کوئی مکان خالی نہیں۔ اور جائز نہیں یہ کہنا کہ وہ ہر مکان میں ہے بلکہ یہ کہا جاوے کہ وہ آسمان پر عرش کے اوپر ہے ۔

يقال إنه في السماء على العرش وكونه على العرش مذكور في كل كتاب أنزل على
كل نبي أرسل بلا كيف انتهى مختصرا وقال إسماعيل التيمي في كتاب الحجة قال علماء
السنة إن الله عز وجل على عرشه وبائن من خلقه وقالت المعتزلة هو
بذاته في كل مكان وقد صرح بفوقيته تعالى على العرش ومباينته من
المخلوق ابن وهب المالكي في شرح رسالة ابن أبي زيد وأبو عثمان الصابوني
في رسالته المشتهرة في السنة وإمام الصوفية محمد بن عثمان المكي في كتابه
آداب المريدين ويحيى ابن عمار في رسالته والقرطبي في شرحه و
القاضي أبو بكر الباقلاني في كتاب التمهيد وغيرهم ممن يطول بذكرهم
الوصف وهذا باب لا يمكن استيعابه لكثرة ما يوجد من كلام أهل
السنة فيه وقد ذكرت منه أنموذجا يكون حجة على ما سواه
المنصف يكفيه هذا القليل والمتعصب محروم وإن أقمت عليه
القرآن والتوراة والإنجيل وما نقلت في هذه الورقات فأكثرها من كتاب

اس کا عرش پر ہونا بلا کیفیت کے سب کتابوں میں جو اللہ نے پیغمبروں پر نازل فرمائیں مذکور ہے
اور اسمٰعیل تیمی کتاب الحجۃ میں فرماتے ہیں کہ علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر ہے اور
مخلوق سے جدا ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ بذاتہ ہر مکان میں ہے اور فوقیت اللہ تعالیٰ کی
عرش پر اور مباینت اس کی مخلوق سے ان ہر دو امر کی تصریح کی ہے ابن وہب مالکی نے شرح
رسالہ ابن ابی زید میں اور ابو عثمان صابونی نے اپنے رسالہ سنت میں اور قرطبی نے اپنی شرح میں
اور قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب التمہید میں اور بہت علماء نے جن کے ذکر میں دفتر چاہئے اس
مسئلہ میں کلام اہل سنت کا اس کثرت سے ہے جو استیعاب اس کا ممکن نہیں اور میں نے
بطور نمونہ بہت ہی قلیل نقل کیا ہے تو کہ باقی کے لئے یہ مشتے نمونہ از خروارے ہو اور منصف
کو یہ قلیل بھی کافی ہے اور متعصب حق سے محروم ہے اگرچہ اس کو سب قرآن اور توراۃ
اور انجیل پڑھ سنائیں اور میں نے جو کچھ ان چند ورقوں میں نقل کیا ہے بیں اکثر کتاب حافظ

الحافظ الذهبي والحافظ ابن القيم وبعضها من غيرهما وقليل مما هو قائل لا. قال الحافظ الذهبي في كتاب العلو اما تكفير من قال بخلق القرآن فقد ورد عن سائر ائمة السلف في عصر مالك والثوري ثم عصر ابن المبارك ووكيع ثم عصر الشافعي وعفان ثم عصر احمد بن حنبل وعلي بن المديني ثم عصر البخاري وابي زرعة الرازي ثم عصر محمد بن نصر المروزي والنسائي ومحمد بن جرير وابن خزيمة انتهى۔

حرره عبد الجبار بن عبد الله الغزنوي عفى الله عنهما

ذہبی اور ابن قیم سے ماخوذ ہے اور بعض اور اہل علم سے اور وہ قلیل ہے، فائدہ۔ حافظ ذہبی نے کتاب العلو میں کہا کہ تکفیر اس شخص کی جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے ثابت اور منقول ہے سب ائمہ سلف سے زمانہ مالک اور ثوری میں پھر زمانہ ابن مبارک اور وکیع میں پھر زمانہ شافعی اور عفان میں پھر زمانہ احمد بن حنبل اور علی بن مدینی میں پھر زمانہ بخاری اور ابو زرعہ رازی میں پھر زمانہ محمد بن نصر مروزی اور نسائی اور محمد بن جریر اور ابن خزیمہ میں۔

مسئلہ: کتب الٰہیہ و احادیث نبویہ و اقوال صحابہ و ائمہ اربعہ جمیع اہل سنت سے اللہ عزوجل کا ہونا عرش پر ثابت ہے جیسا کہ جواب سوال میں اس کا مفصل ذکر ہے فتاوی مذکورہ سے بخوبی ثابت ہوا کہ مولوی محمد شاکر صاحب کا رسالہ جس میں اللہ عزوجل کے عرش پر ہونے سے انکار ہے، برخلاف اہل سنت و جماعت ہے معتزلہ اور جہمیہ کی طرز پر ہے ایسے رسائل قابل جلانے و لائق تلف کرنے کے ہوتے ہیں صاحب رسالہ نے تو صحابہ کرام اور سلف صالحین و ائمہ دین اور تمام اہل سنت کو یعنی ذوات کا کافر بنا دیا کیونکہ یہ سب اللہ کے عرش پر بلا کیف ہونے کے قائل ہیں حدیث شریف میں ہے جو کوئی کسی مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے پس جو کوئی اعتزال و جہمیت کا طریق پسند کرے جمیع اہل سنت کو کافر بنا دے اس کا کیا ٹھکانا ہے محمد بن خزیمہ جس کو محدثین امام الائمہ کہتے ہیں اس شخص کے حق میں اللہ عزوجل کے عرش پر بلا کیف ہونے سے منکر ہے لکھتے ہیں کہ وہ کافر ہے اگر توبہ نہ کرے واجب القتل ہے مقابر مسلمانوں میں دفن نہ کیا جائے بلکہ ازدشتی پر ڈالا جاوے۔۔

اخرجه الحاكم في علوم الحديث وفي تاريخ نيسابور عن محمد بن صالح يقول سمعت الامام الائمة ابا بكر بن خزيمة يقول من لم يقر بان الله على عرشه بائن من خلقه فهو كافر يستتاب فان تاب والا ضربت عنقه والقي على مزبلة لئلا يتاذى بريحه اهل القبلة واهل الذمة

قال الامام ابو عمرو بن عبد البر في شرحه على الموطا اهل السنة مجمعون على الاقرار بالصفات الواردة كلها في القرآن والايمان بها وحملها على الحقيقة لا على المجاز الا انهم لا يكيفون شيئا من ذلك ولا يحدون فيه صفة محصورة واما اهل البدع الجهمية والمعتزلة والخوارج فكلهم ينكرها ولا يحملون منها شيئا على الحقيقة ويزعمون ان من

امام ابن عبد البر شرح موطا میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت کا اجماع ہے اس بات پر کہ صفات باری کے معنے حقیقی ہیں نہ مجازی ان معنے حقیقی کرکے بلاکیف کہے اور معتزلہ اور جہمیہ اور خوارج صفات باری کے حقیقی معنے نہیں کرتے ہیں مجازی معنے لیتے ہیں اس واسطے اہل سنت ان کو اللہ عزوجل کے نفی کرنے والے کہتے ہیں اور وہ اہل سنت کو مشبہ کہتے ہیں۔

حاکم نے علوم الحدیث اور تاریخ نیشاپور میں محمد بن صالح سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے میں نے امام الائمہ ابوبکر بن خزیمہ کو یہ فرماتے سنا کہ جو کوئی اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالے اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے وہ کافر ہے اس سے توبہ کرائی جاوے اگر توبہ کرے تو بہتر ورنہ اس کی گردن مارکر اور روڑی پر ڈالا جاوے تاکہ اس کی بدبو سے اہل قبلہ اور ذمی ایذا نہ پاویں عبدالودود عفی عنہ۔

امام عمرو بن عبد البر نے اپنی شرح موطا میں کہا کہ اہل سنت (اللہ تعالیٰ کی) جتنی صفات قرآن شریف میں وارد ہیں سب کے ساتھ اقرار کرنے اور ایمان لانے اور ان کو مجاز چھوڑ کر حقیقت پر حمل کرنے پر مجتمع ہیں مگر وہ ان میں سے کسی کی کیف بیان کرتے ہے بخلاف اہل بدع جہمیہ اور معتزلہ اور خوارج کے وہ سب کے سب (اللہ تعالیٰ کی) صفات سے منکر ہیں اور ان میں کسی ایک کو بھی حقیقت پر حمل نہیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کوئی (اللہ تعالیٰ کی

اَقَرَّ بِہَا مُشَبِّہٌ وَہُمْ عِنْدَ مَنْ یُقِرُّ بِہَا نَافُوْنَ لِلْمَعْبُوْدِ وَالْحَقُّ فِیْمَا قَالَہُ الْقَائِلُوْنَ بِمَا نَطَقَ بِہَا الْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ وَہُمْ اَئِمَّۃُ الْجَمَاعَۃِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

قَالَ یَزِیْدُ بْنُ ہَارُوْنَ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الرَّحْمٰنَ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی عَلٰی خِلَافِ مَا یُقِرُّ فِیْ قُلُوْبِ الْعَامَّۃِ فَہُوَ جَہْمِیٌّ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ یُوْسُفَ مَنْ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ عَلٰی عَرْشِہٖ فَہُوَ کَافِرٌ۔

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اِدْرِیْسَ ہٰؤُلَاءِ (جَہْمِیَّۃ) لَا یُصَلّٰی خَلْفَہُمْ وَلَا یُنَاکَحُوْنَ وَعَلَیْہِمُ التَّوْبَۃُ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ (الْبُخَارِیُّ) نَظَرْتُ فِیْ کَلَامِ الْیَہُوْدِ وَالنَّصَارٰی وَالْمَجُوْسِ فَمَا رَاَیْتُ اَضَلَّ

صفات کا اقرار کرے وہ مشبہ ہے اور وہ اُن لوگوں کے نزدیک جو اللہ کی صفات کا اقرار کرتے ہیں معبود سے منکر ہیں اور حق بات انہی کی ہے جنہوں نے موافق منطوق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کے کہا اور وہ ائمہ اہل سنت والجماعت ہیں، والحمد للہ رب العلمین۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ جو کوئی اللہ عزوجل کے اوپر ہونے سے انکار کرے وہ سچے معبود رب العالمین کی نفی کرنے والا ہے اور یہی مذہب ہے جہمیہ اور معتزلہ کا امام بخاری اپنی کتاب خلق افعال العباد میں یزید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ جو کوئی استویٰ علی العرش، بلند ہوا عرش پر کے معنے جو عامہ کے فہم میں آتا ہے اس سے برخلاف کہے وہ جہمی ہے اور محمد بن یوسف سے روایت کرتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جو کوئی اللہ عزوجل کو عرش پر نہ جانے وہ کافر ہے، یزید بن ہارون نے کہا کہ جو کوئی الرحمٰن علی العرش کے معنے ان معنے کے برخلاف کرے جو عوام کے دلوں میں ہے وہ جہمی ہے اور محمد بن یوسف نے کہا کہ جو کہے کہ اللہ اپنے عرش پر نہیں وہ کافر ہے، اور عبداللہ بن ادریس سے روایت کرتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ جہمیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں عبداللہ بن ادریس نے کہا کہ ان جہمیوں کے پیچھے نہ نماز جائز ہے نہ ان سے نکاح جائز ہے اور ان پر توبہ کرنی لازم ہے امام بخاری خود بھی جہمیہ کو کافر کہتا ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرماتے ہے اور ان کے ذبیح کو حلال نہیں جانتے ہیں اسی خلق افعال العباد میں لکھتے ہیں کہ جو شخص جہمیوں کو کافر نہ جانے وہ جاہل ہے، ابو عبداللہ بخاری نے کہا کہ میں نے یہود اور نصاریٰ اور مجوس کی کلام کو دیکھا ہیں میں نے ان کے کفر میں ان سے بڑھ

فِي كُفْرِهِمْ بِمَنْزِلَةٍ لَا يَسْتَحِلُّ مَنْ لَا يُكَفِّرُهُمْ وَقَالَ مَا أُبَالِي صَلَّيْتُ خَلْفَ الْجَهْمِيِّ وَالرَّافِضِيِّ أَمْ صَلَّيْتُ خَلْفَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَلَا يُسَلَّمُ عَلَيْهِمْ وَلَا يُعَادُونَ وَلَا يُنَاكَحُونَ وَلَا يَشْهَدُونَ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبَائِحُهُمْ۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ ص ۱۲)

عرش مخلوق ہے اور اس کی مخلوقیت پر یہ حدیث دلیل صریح ہے

عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ قَالَ كَانَ فِي عَمَاءٍ مَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَمَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ ثُمَّ خَلَقَ الْعَرْشَ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ كَذَا قَالَ الْإِمَامُ الذَّهَبِيُّ وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ خَلَقَ اللّٰهُ أَرْبَعَةَ أَشْيَاءَ بِيَدِهِ الْعَرْشَ وَالْقَلَمَ وَآدَمَ وَجَنَّةَ عَدْنٍ ثُمَّ قَالَ لِسَائِرِ خَلْقِهِ كُنْ فَكَانَ قَالَ الْإِمَامُ الذَّهَبِيُّ إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ۔

آگر کوئی نہیں دیکھا اور میں اس شخص کو جاہل سمجھتا ہوں جو ان کو کافر نہ کہے یہ پرواہ نہیں کرتا خواہ جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا یہود اور نصاریٰ کے اور نہ ان پر سلام ڈالا جاوے اور نہ ان کی بیمار پرسی کیا جاوے اور نہ ان سے نکاح کیا جاوے اور نہ ان کے جنازہ پڑھا جاوے اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جاوے۔ امام ابو بکر آجری نے اپنی مشہور کتاب عقیدہ کبریٰ میں اہل اسلام کے عقائد میں سے یہ عقیدہ لکھا ہے۔

ترجمہ:۔ ابو رزین عقیلی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارا رب زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا آپ نے فرمایا عماء میں یعنی کوئی چیز ساتھ نہ تھی جس کے اوپر اور نیچے دونوں طرف خلو ہے پھر عرش کو پیدا کیا اور پھر بلند ہوا عرش پر اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور اس کی اسناد حسن ہے امام ذہبی نے ایسا ہی کہا اور مجاہد سے روایت ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ کے ساتھ چار چیزیں پیدا کیں، عرش، اور قلم، آدم، اور جنت پھر باقی مخلوق کو فرمایا کہ ہو جا بس ہو گئی امام ذہبی نے کہا اس کی اسناد کھری ہے:

كَانَ رَبُّنَا عَزَّوَجَلَّ وَحْدَهُ لَا شَيْءَ مَعَهُ وَلَا مَكَانَ يَحْوِيهِ فَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ بِقُدْرَتِهِ وَخَلَقَ الْعَرْشَ لَا لِحَاجَةٍ إِلَيْهِ فَاسْتَوَى عَلَيْهِ۔

امیرالمومنین قادر باللہ کا بھی ایک معتقد مشہور ہے جو بغداد کے اماموں اور عالموں کے سامنے پڑھا گیا اور وہی ہے عقیدہ اہل سنت اور جماعت کا اس معتقد میں لکھا ہے۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الْعَرْشَ لَا لِحَاجَةٍ وَاسْتَوَى عَلَيْهِ كَيْفَ شَاءَ لَا اسْتِوَاءَ رَاحَةٍ۔

ترجمہ - ہمارا رب عزوجل اکیلا تھا نہ کوئی چیز اس کے ساتھ تھی نہ کوئی مکان اس کا حاوی تھا پس اس نے ہر چیز کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور عرش کو پیدا کیا بغیر احتیاج کے طرف اس کا پھر اس پر بلند ہوا۔

ترجمہ - اللہ تعالے نے عرش کو باوجود عدم احتیاج کے پیدا کیا اور اس پر جس طرح چاہا بلند ہوا نہ قرار پکڑنا راحت کا۔

تفسیر قرطبی میں ہے:-

وَلَمْ يُنْكِرْ أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ أَنَّهُ اسْتَوَى عَلَى عَرْشِهِ حَقِيقَةً وَخَصَّ عَرْشَهُ بِذَالِكَ لِأَنَّهُ أَعْظَمُ مَخْلُوقَاتِهِ۔

اللہ تعالے کے عرش پر قائم ہونے کا سلف صالح سے کسی ایک نے انکار نہیں کیا اور عرش کو اس کے لئے اس واسطے خاص کیا کہ وہ اس کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔ حافظ ابن ابی شیبہ کتاب العرش میں لکھتے ہیں:

تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ أَنَّ اللهَ تَعَالَى خَلَقَ الْعَرْشَ فَاسْتَوَى عَلَيْهِ فَهُوَ فَوْقَ الْعَرْشِ۔

متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالے نے عرش کو پیدا کیا پھر اس پر بلند ہوا پس اللہ عزوجل عرش کے اوپر ہے۔ کل اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ عزوجل قدیم ہے۔ جو شخص غیر اللہ کے قدم کا قائل ہو جاوے۔ وہ غیر اللہ عرش ہو یا آسمان و زمین یا غیرہ وہ شخص مشرک کافر ہے کیونکہ قدم صفت مختصہ باری تعالے ہے اس کو غیر کے واسطے ثابت کرنا شرک اور کفر ہے تعجب ہے آج کل کے نو خیز مفسروں سے ایک دھچڑ الوسی، تو کہے کہ عرش صفت باری قدیم غیر مخلوق ہے اور ایک دہتوی، کہتا ہے کہ عرش آسمان و زمین سے بھی پیچھے پیدا ہوا یہ دونوں حضرات بہت باتوں میں

اہل اسلام سے علیحدہ چال چلتے ہیں۔ ہدٰہم اللہ تعالیٰ الی صراط مستقیم۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۵۸

بَابٌ فِیْ مَنِ ادَّعٰی الصُّحْبَۃَ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ

حافظ ابن حجر در نخبۃ الفکر نوشتہ اَلصَّحَابِیُّ مَنْ لَقِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا وَمَاتَ عَلَی الْاِسْلَامِ و در شرح کلام آن است نوشتہ ویُعْرَفُ کَوْنُہٗ صَحَابِیًّا بِالتَّوَاتُرِ اَوِ الْاِسْتِفَاضَۃِ اَوِ الشُّہْرَۃِ اَوْ بِاِخْبَارِ بَعْضِ الصَّحَابَۃِ اَوْ بَعْضِ ثِقَاتِ التَّابِعِیْنَ اَوْ بِاِخْبَارِہٖ عَنْ نَفْسِہٖ اِذَا کَانَتْ دَعْوَاہُ ذٰلِکَ تَدْخُلُ تَحْتَ الْاِمْکَانِ۔ ملا علی قاری در شرح الشرح در تشریح تحت الامکان نوشتہ ای اَلْاِمْکَانُ الْعَادِیُّ وَالْاِمْکَانُ الشَّرْعِیُّ فَمَنِ ادَّعٰی صُحْبَتَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بَعْدَ مُضِیِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِنْ وَفَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ دَعْوَاہُ لِمَا صَحَّ عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنَّہٗ قَالَ لِاَصْحَابِہٖ فِیْ اٰخِرِ عُمْرِہٖ اَرَاَیْتُکُمْ لَیْلَتَکُمْ ھٰذِہٖ فَاِنَّہٗ عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِنْہَا لَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مِمَّنْ ھُوَ الْیَوْمَ عَلَیْہَا اَحَدٌ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ مِنْ حَدِیْثِ ابْنِ عُمَرَ۔ و علامہ جلال الدین سیوطی در تدریب الراوی شرح تقریب النووی نوشتہ فَاِنِ ادَّعٰی بَعْدَ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِنْ وَفَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ لَا یُقْبَلُ وَاِنْ ثَبَتَتْ عَدَالَتُہٗ قَبْلَ ذٰلِکَ لِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں لکھا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہ سے ملاقات کی ہو اور فوت بھی اسلام پر ہوا ہو۔ اور اس کی شرح میں جو کہ اِن نے کی ہے لکھا ہے صحابی کا صحابی ہونا خبر متواتر سے معلوم ہوتا ہے یا شہرت سے یا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یا بعض ثقہ تابعین رحمہم اللہ کی خبروں سے یا وہ اپنے صحابی ہونے کی خود بخود خبر دیوے مگر جب کہ اس کا دعویٰ امکان میں داخل ہو۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح الشرح میں تحت الامکان کی تشریح میں لکھا ہے کہ امکان سے امکان عادی اور امکان شرعی مراد ہے پس جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ نہ قبول کیا جاوے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فِي الْحَدِيثِ أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ فَإِنَّهُ عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ يُرِيْدُ انْخِرَامَ ذٰلِكَ الْقَرْنِ قَالَ ذٰلِكَ سَنَةَ وَفَاتِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علامہ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی شرح تقریب النووی میں لکھا ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سو سال بعد صحابی ہونے کا دعوی کرے تو اس کا یہ دعوی ہرگز قبول نہ کیا جاوے اگرچہ اس دعوے سے پہلے اس کا عادل ہونا بھی ثابت ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو تمہاری اس رات سے خبر دوں کہ آج سے سو سال تک جو کوئی روئے زمین پر ہے کوئی زندہ نہیں رہے گا مراد رکھتے تھے آپ انقطاع اس قرن کا اور آپ نے اپنی وفات کے سال میں یہ فرمایا تھا۔

وشیخ عبدالحی لکھنوی در شرح مختصر سید شریف جرجانی نوشتہ:۔

فَلَوِ ادَّعٰى أَحَدٌ بَعْدَ مُضِيِّ عَشَرَ بَعْدَ الْمِائَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ لَمْ تُقْبَلْ وَلِذَا قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي مِيزَانِ الْاِعْتِدَالِ رَتَنُ الْهِنْدِيُّ وَمَا أَدْرَاكَ مَا رَتَنُ الْهِنْدِيُّ شَيْخٌ دَجَّالٌ ظَهَرَ بَعْدَ سِتِّمِائَةٍ فَادَّعَى الصُّحْبَةَ وَالصَّحَابَةُ لَا يَكْذِبُوْنَ

سے حدیث صحیح میں ثابت ہوا ہے کہ آپ نے اپنی اخیر عمر میں صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تم کو تمہاری اس رات کی خبر دیتا ہوں کہ اس رات سے سو سال تک جو کوئی آج روئے زمین پر ہے کوئی باقی نہ رہے گا اس حدیث کو ابن عمرؓ سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

اور مولوی عبدالحی لکھنوی نے شرح مختصر میں لکھا ہے کہ جو کوئی ہجرت سے ایک سو دس سال بعد صحابی ہونے کا دعوی کرے تو اس کا یہ دعوی نہ قبول کیا جاوے اسی واسطے ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ میں تجھ کو رتن ہندی کی کیا خبر دوں وہ شیخ دجال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال بعد ظاہر ہوا پھر اس نے صحابی ہونے کا دعوی کیا اور صحابہ کرامؓ سے کذب نہیں صادر ہوتا اس

وھذا اجرئ علی اللہ ورسولہ شیخ محمد طاہر مکی در مجمع البحار نوشتہ نوع فیمن ادعی الصحبۃ من المغمورین کذبا فمنھم سرتابک ملک الھند فی بلد قنوجہ قال لی سبع مائۃ وخمس وعشرون سنۃ وادعی رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم ومات سنۃ ثلث وثلاثین وثلثمائۃ ومنھم جابر بن عبد اللہ الیمامی حدث ببخاری بعد المائتین عن الحسن البصری وقال حملونی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنھم جبیر بن الحرث ومنھم رتن الھندی شیخ دجال ظھر بعد الستۃ مائۃ فادعی الصحبۃ وحدث باحادیث رتنیات وتسمی بابی الرضا رتن بن نصر قال کنت فی زفاف فاطمۃ ۔ وھو اما مبتدع لم یخلق او شیطان بدی فی صورۃ بشر او شیخ ضال کذاب وقد اتفقوا علی ان اٰخر من مات فی جمیع الارض من الصحابۃ ابو الطفیل عامر بن واثلۃ سنۃ مائۃ واثنین بمکۃ وقد ثبت انہ قال قبل موتہ بشھر او نحوہ فان علی رأس مائۃ سنۃ لا یبقی علی وجہ الارض احد فانقطع المقال

نے اللہ اور اس کے رسول پر جرأت کی ہے۔ شیخ محمد طاہر مکی نے مجمع البحار میں لکھا ہے کہ یہ نوع ان شخصوں کے بیان میں ہے کہ معمرین میں سے جنہوں نے صحابی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا ایک ان میں سے سرتابک ہے جو کہ ملک ہند کے شہر قنوج میں ہوا ہے اس نے کہا کہ میری سات سو پچیس سال کی عمر ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کا بھی دعویٰ کیا اور تین سو تینتیس سنہ ہجری میں فوت ہو گیا اور ایک ان میں سے جابر بن عبداللہ یمامی ہے اس نے ہجرت کے دو سو سال بخارا میں حسن بصری سے حدیث سنائی کہ مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا کر لے گئے اور ایک ان میں سے جبیر بن حرث ہے اور ایک ان میں سے رتن ہندی ہے جو کہ شیخ دجال چھ سو سال کے بعد ظاہر ہوا اور صحابی ہونے کا دعویٰ کیا اور احادیث رتنیات بیان کیں اور اپنا نام ابی الرضا رتن بن نصر ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں حاضر تھا اور وہ یا تو منتی ہو گا کہ ابھی پیدا نہ ہوا ہو یا شیطان ہو گا کہ انسان کی صورت میں ظاہر ہوا ہو یا بڑا کذاب اور گمراہ ہے اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے تمام روئے زمین پر سب سے پیچھے ابو الطفیل عامر بن واثلہ ایک سو دو ہجری میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ یا کچھ کم زیادہ پیشتر اس بات کی خبر دی ہے کہ آج سے سو سال تک ان لوگوں میں سے کوئی روئے زمین پر نہ رہے گا۔ بس فیصلہ ہو گیا

قال ابن حجر وقد وقع نحوه في المغرب اخبرني ابو البركات بن زين بن ممكا تبة
قال صافحني والدي وقد عاش مائة قال صافحني ابو الحسن علي بن الخطاب وعاش
مائة وثلثين قال صافحني ابو عبد الله معمر وكان عمره اربعمائة سنة قال صافحني النبي
صلى الله عليه وسلم ودعا لي فقال عمرك الله يا معمر ثلث مرات فهذا كلما لا يغتر به من
له عقل قال القاضي محمد الشوكاني فيه جعفر بن نسطور ادعى ان النبي صلى الله
عليه وسلم دعا له بطول العمر وعاش ثلثمائة واربعين سنة قال في الذيل لا وجود
له وهو احد الكذابين الذين ادعوا الصحبة بعد المائتين انتهى .

ابن حجر نے کہا کہ ملک مغرب میں بھی ایسا ہی ظہور میں آیا ہے، مجھ کو ابو البرکات بن زین نے بذریعہ
خط خبر دی اور کہا کہ میرے سے میرے والد نے مصافحہ کیا اور وہ سو سال زندہ رہے اس نے
کہا کہ میرے سے ابو الحسن بن علی بن خطاب نے مصافحہ کیا ہے اور وہ ایک سو تیس سال زندہ
رہے اس نے کہا کہ میرے سے ابو عبداللہ معمر نے مصافحہ کیا اور ان کی عمر چار سو سال کی تھی
اس نے کہا کہ میرے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ کیا اور میرے لئے دعا کی پھر آپ نے
تین دفعہ فرمایا کہ اے معمر اللہ تیری عمر میں برکت کرے جس کو اللہ نے عقل عنایت فرمائی ہے وہ
ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا قاضی محمد شوکانی نے کہا ہے کہ ایک ان دکذابین میں سے جعفر بن
نسطور ہے کہ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے طول عمر کی دعا کی اور وہ
تین سو چالیس سال زندہ رہا ذیل میں کہا کہ اس کا کوئی وجود نہیں اور وہ ان کذابین میں سے ہے جنہوں
نے دو سو سال کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا ہے چونکہ اجماع اہل سنت است کہ ابو الطفیل
عامر بن واثلہ آخر جمیع صحابہ است وسنہ وفات وبعد از وے کسے در اطراف واکناف زمین از صحابہ نماندہ
وحدیث صحیح متفق علیہ شاہد ایں معنی است کہ تا صد سال از سال وفات رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کسے کہ بر روئے زمین خواہد باند لیس حیوٰۃ ابو سعید معمر حبشی تا مائۃ ثامنہ کہ عصر امیر سید
علی ہمدانی ست چگونہ ممکن است کہ ردایں رد حدیث صحیح متفق علیہ واجماع امت است جناب امیر کبیر
ہمعصر مخدوم جہانیاں جہاں گشت بود ولادت مخدوم صاحب در سنہ سبع وسبع مائۃ و وفات او در سنہ خمس

وَمِنْهَا يُوقِمُ دَعَاوِيَ هٰؤُلَاءِ إِجْمَاعُ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلَى أَنَّ آخِرَ الصَّحَابَةِ مَوْتًا فِي جَمِيعِ الْأَرْضِ أَبُو الطُّفَيْلِ عَامِرُ بْنُ وَاثِلَةَ الْجُهَنِيُّ وَكَانَ مَوْتُهُ سَنَةَ اثْنَيْنِ وَمِائَةٍ بِمَكَّةَ۔

وثمانین وسبعمائۃ در تقصار نوشتہ چنین شنیدہ شدہ کہ امیر سید علی ہمدانی بدیدن مخدوم جہانیان جہاں رفت در بیرون حجرہ مخدوم نشست خادم خبر کرد سید علی ہمدانی نشستہ مخدوم فرمود ہمدان خبیر علام الغیوب کسے نیست ایں را گفت واپس آرید و دروں طلبید انتہیٰ جمیع اہل علم اس پر متفق ہیں کہ تمام روئے زمین پر صحابہ کرام میں سے سب سے بعد ایک سو دو ہجری میں ابو الطفیل عامر بن واثلہ جہنی مکہ میں فوت ہوئے ہیں اور اس اجماع سے ان کل کذابوں کے دعویٰ باطل ہو جاتے ہیں چونکہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ آخر صحابہ میں سے ہیں ان کی وفات کے بعد روئے زمین کی اطراف میں کوئی صحابہ زندہ نہیں رہا اور نیز مسلم کی متفق علیہ کی صحیح حدیث شہادت دیتی ہے کہ رسول کریمؐ کی وفات سے سو سال بعد ان لوگوں میں سے جو اس وقت روئے زمین پر تھے کوئی باقی نہیں رہے گا۔ پس ابو سعید معمر حبشی کی حیات جو کہ امیر سید علی ہمدانی کا ہم عصر ہے آٹھ سو سال تک کس طرح ممکن ہے کہ اس میں متفق علیہ کی صحیح حدیث کا اور اجماع امت کا رد ہوتا ہے جناب امیر کبیر مخدوم جہانیاں جہاں کے ہم عصر تھے۔ مخدوم صاحب سات سو سات ہجری میں پیدا ہوئے اور آپ نے سات سو پچاسی میں وفات پائی ہے۔ تقصار میں لکھا ہے کہ سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ امیر سید علی ہمدانی مخدوم جہانیاں جہاں کی زیارت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور مخدوم صاحب کے حجرہ کے دروازہ پر بیٹھ گئے خادم نے خبر کی کہ سید علی ہمدانی بیٹھے ہیں، مخدوم صاحب نے ارشاد فرمایا کہ ہمدان علام الغیوب کے سوا کوئی نہیں ہے یہ کہا اور ان کو اندر بلایا۔ ونیز در تقصار نوشتہ سید اشرف سمنانی در سیاحت رفیق علی ہمدانی بود غرض کہ ایں ہم از اکابر مائۃ ثامنہ اند پس بنظر بر حدیث صحیح متفق علیہ و اجماع امت صحابی بودن معمر حبشی کذاب است و نیز ہذا ما ظہر لی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔ فتاویٰ غزنویہ ص ۵۸

اور تقصار میں لکھا ہے کہ میر سید اشرف سمنانی سیاحت میں علی ہمدانی کا رفیق تھا غرضیکہ یہ سب آٹھویں صدی کے اکابروں میں سے ہیں پس متفق علیہ کی صحیح حدیث اور اجماع امت پر نظر کرنے سے معمر حبشی کا صحابی ہونا باطل معلوم ہوتا ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ط

پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے ۔

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد ۱۱

کتاب الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ

(ترتیب)

ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامع سعیدیہ خانیوال

(ناشر)

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان پاکستان

نام کتاب ـــــــــــ فتاوی علماء حدیث کتاب الاعتصام بالسنہ جلد ۱۱
نام مرتب ـــــــــــ ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت ـــــــــــ مولوی نذیر احمد خوشنویس
طباعت ـــــــــــ حنیف پرنٹنگ پریس کبیروالا
تاریخ اشاعت ـــــــــــ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۱ء
تعداد ـــــــــــ ایک ہزار
ناشر ـــــــــــ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
جلد ـــــــــــ خوب صورت
قیمت ـــــــــــ ۴۰/۰۰ روپے
کل گیارہ جلدیں ـــــــــــ ۲۹۵/۰ روپے
ملنے کا پتہ ـــــــــــ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان پاکستان

ماخذ فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۱
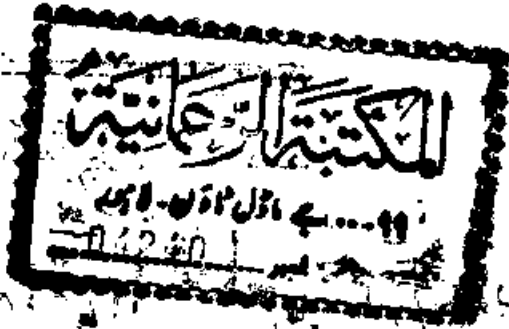
۱۔	فتاویٰ نذیریہ	۸۔	اخبار اہلحدیث دہلی
۲۔	فتاویٰ ثنائیہ	۹۔	اخبار محمدی دہلی
۳۔	فتاویٰ اہلحدیث روپڑی	۱۰۔	اخبار الاعتصام
۴۔	فتاویٰ غزنویہ	۱۱۔	اخبار الاسلام گوجرانوالہ
۵۔	فتاویٰ ستاریہ	۱۲۔	اخبار گزٹ اہلحدیث دہلی
۶۔	اخبار اہلحدیث امرتسر	۱۳۔	نصرۃ الباری فی بیان صحۃ البخاری
۷۔	اخبار اہلحدیث لاہور	۱۴۔	برہان الاسلام

مفتیانِ فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۱

۱۔ مولانا سید نذیر حسین	محدث دہلوی	۱۲۱۔ مولانا [illegible]	دہلوی
۲۔ مولانا سید شریف حسین	// //	۱۲۲۔ مولانا الٰہی بخش	دہلوی //
۳۔ مولانا سید احمد حسن	// // //	۱۲۳۔ مولانا شہاب الدین	// //
۴۔ مولانا تلطف حسین	// // //	۱۲۴۔ مولانا غلام اکبر خان	// //
۵۔ مولانا ابو سعید محمد شرف الدین	// // //	۱۲۵۔ مولانا عبد الغنی مدرسہ امینیہ	دہلی //
۶۔ [illegible]	// // //	۱۲۶۔ مولانا عبد الحی	لکھنوی //
۷۔ مولانا احمد اللہ	// // //	۱۲۷۔ حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ	امرتسری //
۸۔ مولانا محمد یونس	// // //	۱۲۸۔ مولانا عبد الحق محدث	ملتانی //
۹۔ مولانا عبد السلام	// // //	۱۲۹۔ مولانا عبد الرؤف	عظیم آبادی //
۱۰۔ مولانا محمد جونا گڑھی	// // //	۱۳۰۔ مولانا عبد العزیز محدث	// // //
۱۱۔ مولانا محمد داؤد راز	// // //	۱۳۱۔ مولانا عبد الغفار	// // //
۱۲۔ مولانا حبیب احمد	// // //	۱۳۲۔ مولانا نظیر حسین	// // //
۱۳۔ مولانا سید عبد الوہاب	// // //	۱۳۳۔ مولانا مشہود الحق	// // //
۱۴۔ مولانا سید تقریظ احمد	// // //	۱۳۴۔ مولانا عبد الصمد	// // //
۱۵۔ مولانا مفتی کفایت اللہ مدرسہ امینیہ دہلی	//	۱۳۵۔ مولانا عبد القادر	جلیسری //
۱۶۔ مولانا ضیاء الحق	دہلوی //	۱۳۶۔ مولانا عبد الحمید	// //
۱۷۔ مولانا سید لطیف مدرسہ امینیہ دہلی	//	۱۳۷۔ مولانا عبد العزیز فیروز پوری جلال آبادی	//
۱۸۔ مولانا محمد حسین	// // // //	۱۳۸۔ مولانا عبد العزیز محدث عظیم رحیم آبادی	//
۱۹۔ مولانا محمد مہدی حسن	دہلوی //	۱۳۹۔ مولانا عبد الغفار	بنگالی //
۲۰۔ مولانا عبد العزیز فتح پوری	دہلی //	۱۴۰۔ مولانا نصیر الحق	عظیم آباد //

۱۴۱- مولانا نور حسن رر

۱۴۲- مولانا حفیظ اللہ بنگالی ر

۱۴۳- مولانا عبدالغفور ر رر

۱۴۴- مولانا امیر علی لکھنوی ر

۱۴۵- مولانا محمد قاسم شاہ آبادی ر

۱۴۶- مولانا عبدالسبحان خاں شمس آباد ر

۱۴۷- مولانا محمد سعید کنجاہی رر

۱۴۸- مولانا محمد حسین خاں مرادآبادی ر

۱۴۹- مولانا عبدالحق پنجابی ر

۱۵۰- مولانا محمد جمیل اعظم گڑھی رر

۱۵۱- مولانا محمد راج شاہی ر

۱۵۲- مولانا رحیم اللہ صاحب سٹی ر

۱۵۳- مولانا علی حسن خاں حیدرپوری اعظم گڑھی ر

۱۵۴- مولانا عبدالہادی اسلام آبادی رر

۱۵۵- محمد احمد حسن البہاری عظیم آبادی ر

۱۵۶- مولانا محمد نظم الرحمن نصر آبادی ر

۱۵۷- مولانا محمد حسین پنجابی سلطان پوری ر

۱۵۸- مولانا محمد گلزار حسین ر

۱۵۹- مولانا عبدالعزیز مرادآبادی ر

۱۶۰- مولانا حافظ اللہ دیا پنجابی رر

۱۶۱- مولانا نور محمد اعظم گڑھی ر

۱۶۲- مولانا حیدر علی حنفی رر

۱۶۳- مولانا نور الحق ر ر

۱۶۴- مولانا علی احمد رر

۱۶۵- مولانا محمد صدیق ر

۱۶۶- مولانا انعام اللہ ر

۱۶۷- مولانا جعفر علی ر

۱۶۸- مولانا امام الدین ر

۱۶۹- مولانا عبدالمجید خاں ر

۱۷۰- مولانا احمد رضا خاں بریلوی ر

۱۷۱- مولانا حافظ عبداللہ روپڑی ر

۱۷۲- مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ ر

۱۷۳- مولانا غلام محمد اسد جرمن ر

۱۷۴- مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی گوجرانوالہ ر

۱۷۵- مولانا عبدالرحمن پنجابی ر

۱۷۶- مولانا عبدالرحیم اعظم گڑھی ر

۱۷۷- مولانا رشید احمد گنگوہی ر

۱۷۸- مولانا عبدالوہاب ر

۱۷۹- مولانا محمد وسیم الدین ر

۱۸۰- مولانا محمد اسد علی ر

۱۸۱- مولانا عبدالحلیم ر

۱۸۲- مولانا محمد یوسف نظیر منڈپوری ر

۱۸۳- مولانا عبدالرحمن مبارک پوری ر

۱۸۴- مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی ر

۱۸۵- مولانا محمد حسین پنجابی بٹیالوی ر

۱۸۶- سید محبوب علی جعفری رر

۸۷۔ مولانا خواجہ ضیاء الدین
۸۸۔ مولانا قطب الدین 〃
۸۹۔ مولانا عبد القہار 〃
۹۰۔ مولانا حمید الرحمٰن 〃
۹۱۔ مولانا محمد اسحاق بہاری 〃
۹۲۔ مولانا عنایت علی 〃
۹۳۔ ابو البرکات حافظ محمد لکھوی 〃
۹۴۔ مولانا سعادت علی 〃
۹۵۔ مولانا عبد الرب 〃
۹۶۔ مولانا عبد الحمید سوہدروی 〃
۹۷۔ مولانا المحقق فضیلۃ الشیخ [illegible] 〃

۹۸۔ مولانا نیک محمد شیخ مدرسہ غزنویہ امرتسر
۹۹۔ ابو الریحان محمد عتیق الرحمٰن مبارکپوری 〃
۱۰۰۔ مولانا محمد ابراہیم میر [illegible] 〃
۱۰۱۔ مولانا عبید اللہ حنیف لاہور 〃
۱۰۲۔ مولانا حافظ عبد القادر روپڑی 〃
۱۰۳۔ مولانا عبد الرؤف رحمانی نیپال 〃
۱۰۴۔ مولانا عبد القادر حصاری 〃
۱۰۵۔ شیخ عبد العزیز بن باز سعودی عرب 〃
۱۰۶۔ مولانا عبید اللہ مبارکپوری 〃
۱۰۷۔ مولانا محمد شعیب نظری دربھنگوی جامع رحمانیہ

فہرست مضامین فتاویٰ علماء حدیث جلد ۱۱

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۸۹	خواجہ حسن نظامی دہلوی کے سوالات علماء حدیث سے	۶۳
۱۹۹	علمی سوال کا جواب الجواب متعلق تقلید علماء۔	۶۴
۲۰۷	کتاب التقلید والاجتہاد بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں!	۶۵
۲۰۹	عبادات یا معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف صحابہ کرامؓ یا مجتہد کے قول پر عمل کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟	۶۶
۲۰۹	حقیقت تقلید متاخرین حنفیہ کی نظر میں۔	۶۷
۲۱۲	کیا غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں۔	۶۸
۲۱۳	عامی اور غیر عامی پر ایک مذہب کی تقلید واجب ہے یا نہیں!	۶۹
۲۲۵	سوال ایک شخص جمیع ما جاء به الرسول تصدیق کرتا ہے، لیکن اپنے آپ کو حنفی، شافعی وغیرہا کی طرف منسوب نہیں کرتا کیا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں؟	۷۰
۲۲۸	سوال اہل تقلید کسی حجت شرعیہ میں سے ہے یا نہیں کتاب الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ	۷۱
۲۴۲	جو کوئی اسلام علیکم کہنے پر ناراض ہو اور اسلام علیکم کہنے والے کو برا کہے وہ کیسا ہے؟	۷۲
۲۴۳	اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد اسلام علیک کہتے ہیں کیا یہ سنت ہے یا بدعت۔	۷۳
۲۴۳	خلاف سنت عمل پر مصلحت کا بہانہ بنا کر علماء اور عوام اہلحدیث کا خاموش رہنا کیسا ہے؟	۷۴
۲۴۳	بدعات و رسومات محرم مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نظر میں	۷۵
۲۴۳ ۲۴۳	تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا اعراض یا امید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات ماننا کیسا گناہ ہے	۷۶
۲۴۳	محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟	۷۷
۲۴۳	کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں الخ۔	۷۸
۲۴۴	مروجہ ماتم کی حرمت کتب شیعہ سے۔	۷۹
۲۴۹	عاشورہ کے دن کو کشادگی کرنے کی حدیث۔	۸۰
۲۵۰	مولانا احمد رضا خان بریلوی کا فتویٰ۔	۸۱

ختم شد

مقدمہ

(از فاضل جلیل جناب مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْحَيِّ الْعَظِيْمِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ الْهَادِيْ اِلَى الْمَنْهَجِ الْقَوِيْمِ وَعَلٰى اَتْبَاعِهِ السَّادَةِ الْغُرِّ الْهُدَاةِ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْكِبَارِ الْعِظَامِ الَّذِيْنَ كُلٌّ مِّنْهُمْ قَانِتٌ وَّ مُنِيْبٌ۔

عرف میں حدیث کا لفظ قرآن عزیز اور آثار نبویہ پر بولا گیا ہے آنحضرتؐ کے ارشادات اقوال افعال واجتہادات اور خاموشیاں آثار میں شامل ہیں مسائل کے استنباط واستخراج میں ان آثار کو اساسی حیثیت حاصل تھی اور ہے قرآن مجید کے فہم میں آنحضرت صلعم کا جو مقام تھا وہ کسی دوسرے کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا اگر کوئی دوسرا شخص یہ مقام حاصل کر سکے تو آنحضرتؐ کا اصطفاء اور انتخاب عبث ہوگا، نبی اور غیر نبی میں کوئی جوہری امتیاز نہیں رہے گا ارشاد باری وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۔۱۶-۴۴

ہم نے تم پر قرآن صرف اسلئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیان کرو اور لوگ اسے سوچیں لِتُبَیِّنَ میں تعلیل جو حق آنحضرتؐ کو دیا گیا ہے اگر یہ حق کسی کو انفرادا یا چند افراد کو بطور مرکز ملت دیا جائے تو آیت کے دونو فقروں میں ربط نہیں رہے گا تعلیل کا مقصد یکسر ختم ہو جائے گا اس مقام عظیم کا استحقاق نہ کسی قرآنی معاشرہ کو دیا جا سکتا ہے اور نہ فقہی اور اجتہادی معاشرہ کو اس مقام کی وضاحت قرآن عزیز نے مختلف وجوہ سے کی ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں دو اطاعتوں کا تذکرہ عطف کے ذریعہ کیا گیا ہے جس کا اولی مفہوم تغایر اور استقلال ہے یعنی آنحضرتؐ کی اطاعت قرآن عزیز کی نظر میں بالاستقلال فرض ہے صیغۂ امر سے بھی اولاً یہی مفہوم ہوتا ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا، (۴ - ۶۱) جب ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور آنحضرت کی طرف بلایا جائے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ منافق تمہارے نام سے رکتے اور بدلتے ہیں

اس مقصد کی وضاحت سورہ نساء میں ایک انداز سے فرمائی ہے جس میں اخلاق اور تشریع کی حد سے گذر کر تعزیر اور تادیب کا انداز اختیار فرمایا گیا ہے ارشاد ہے، اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا (۱۵۰) اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا (۱۵۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

(۱۵۱-۱۵۲)

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق قائم رہے وہ کہتے ہیں ان میں بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے وہ ایمان اور کفر کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ یقیناً کافر ہیں اور اہل کفر عذاب کی رسوائیوں میں مبتلا ہوں گے اور جو لوگ اللہ کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے بیچ اطاعت وانقیاد میں فرق نہیں کرتے ان کے اجران کو ملیں گے اور اللہ کی رحمت اور بخشش ان کے شامل حال ہوگی ان آیات میں چند مسائل ثابت ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ایمان اور کفر میں یکساں ہیں جو شخص رسول کے ساتھ کفر کرلے وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں ہوسکتا اسی طرح خدا کے ساتھ کفر کرکے پیغمبر پر ایمان ناممکن ہے،

۲۔ ذات کے لحاظ سے خدا اور رسول جدا جدا ہیں اطاعت وانقیاد میں جدائی نہیں ہے اطاعت وانقیاد میں تفریق کو قرآن عزیز نے قطعی کفر فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا

۳۔ منافق رسول کی اطاعت سے انحراف کرکے تیسری راہ بنانا چاہتے ہیں قرآن عزیز کا ارشاد ہے کہ یہاں تیسری راہ کوئی نہیں۔

۴۔ اسی تفریق سے بچنا اور خدا اور اسکے رسول کی بیک وقت یکساں اطاعت یہ اصل ایمان ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غفران اور آخرت کی کامیابی اسی قسم

کے ایمان پر منحصر ہے۔

۵۔ حدیث اور قرآن میں توافق ہو تو حدیث سے انکار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قرآن خاموش ہو یا اس میں اجمال ہو اور سنت اس کی تفصیل کرے یا قرآن حدیث سے متعارض ہو تو تعارض کی صورت میں قرآن پر عمل ہوگا ائمہ سنت اس پر متفق ہیں کہ خاموشی اور اجمال کی صورت میں اہل سنت کے نزدیک سنت پر عمل فرض ہے حجیت شرعی کا یہی مفہوم ہے رسول کا تذکرہ بلحاظ رسول اور بلحاظ اطاعت اور رسول کا اس اطاعت میں استقلال اسکی مخالفت میں تہدید اور کفر کا لزوم اعمال کا حبط عذاب الٰہی کی وعید قرآن پاک میں بار بار آئی ہے لمبی سورتوں میں یہ تذکرہ مختلف عنوانوں سے متعدد مقامات میں آیا ہے سورت اعراف اور سورۃ نسا، سورۃ احزاب میں اطاعت انبیا کی تاکید کثرت سے آئی ہے اس لئے اطاعت کا اسکے سوا کوئی مفہوم نہیں کہ ان کی زبان سے جو ثابت ہو اور صحیح طور پر ہم تک پہنچ جائے اسکے خلاف کوئی محدث ہو یا کوئی مجتہد مجدد ہو یا فقیہ اس کی بات متروک ہے اسی طرح کوئی مرکز ملت ہو یا کوئی خود ساختہ قرآنی معاشرہ یا قرآنی نظام اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی اس دنیا کا کوئی علم علم نبوی سے متعارض اور متصادم نہیں ہوسکتا بلکہ اگر آنحضرتؐ کا ارشاد قرآن کے کسی اجمال کی تفصیل ہو یا کسی حکم کی تشریح اور وضاحت ہو تو آنحضرتؐ کا ارشاد قرآن کے اجمال میں حامی ناطق ہوگا۔

پہلا دور

اسی اصل کی بنا پر زمانہ نبوت ہی میں آنحضرتؐ کے ارشادات کی طرف صحابہ نے توجہ مبذول فرمائی کاروباری لوگ نوبت بنوبت ان دروس اسباب میں شامل ہوتے دروس کے حلقوں میں بیٹھتے احادیث لکھتے املا کی مجالس منعقد ہوتیں احادیث کا سماع اور ضبط ہوتا۔ (مجمع الزوائد للحافظ الہیثمی ص ج ۱) فارغ البال حضرات پورا وقت آنحضرت کی خدمت میں گذار دیتے احادیث لکھتے یاد کرتے عبداللہ بن عمرو بن عاص کی کتاب صادقہ اسی دور کی کتاب ہے جو پوری کی پوری مؤطا اور الجامع الصحیح للامام محمد بن اسمٰعیل البخاری میں آگئی حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب[1] حیدرآباد دکن میں اب چھپی ہے اور عجیب یہ ہے کہ اس نسخہ

[1] یہ صحیفہ ہمام بن منبہ عن ابی ہریرۃؓ کی احادیث حرف بحرف مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں ۱۲۔

میں اوران احادیث میں جو محدثین نے اپنی کتابوں میں منضبط فرمائی ہیں کوئی فرق نہیں یعنی زمانہ نبوت میں جو کچھ لکھا گیا تھا تیسری اور چوتھی صدی تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ بالکلیہ محفوظ تھا۔

مرکز ملت اگر کوئی تجویز ان حضرات کے ذہن میں ہوتی تو حدیث کی جمع و تدوین کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ سارے سیاہ و سفید پر مرکز ملت کا قبضہ ہوتا کیونکہ وہ مختار ہے جب چاہے اساسی اور بنیادی مسائل کو بدل دے نماز روزہ حج زکوٰۃ تمام بنیادی مسائل اور ارکان میں کمی کرے یا اسے بالکل منسوخ قرار دیدے پھر سچ تو یہ ہے کہ قرآن کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ پرویز صاحب کی تفسیر سنئے، نبی اکرم و دور خلافت راشدہ میں خدا اور رسول کی اطاعت سے مفہوم مرکز ملت کے فیصلوں کی اطاعت تھا اور بس (مقام حدیث ص ج ۱) زمانہ نبوت اور خلافت راشدہ تک مرکز ملت کے مجہول نظریہ کا کوئی نشان نہ تھا اسلئے احادیث کے جمع و حفظ اور لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

دوسرا دور قرآن عزیز کی تفسیر اور احادیث کی عملی تشریحات کے لئے صحابہ کے فتوے یعنی موقوف روایات اور مرسل کو بھی جمع کیا گیا موطأ مالک اور مصنف ابن ابی شیبہ کے انداز کی کتابیں تصنیف ہوئیں مگر ان موقوفات کو کبھی حدیث کا ہمپایہ نہیں سمجھا گیا۔ انہیں شخصی آراء کی حیثیت دی گئی حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نَحْنُ رِجَالٌ وَهُمْ رِجَالٌ فرما کر موقوف روایات کی قیمت کو واضح کردیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے كَيْفَ أَتَّبِعُ رِجَالًا لَوْ عَاصَرْتُهُمْ لَحَاجَجْتُهُمْ۔ میں ان لوگوں کی اتباع کیسے کروں اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو ان سے بحث کرتا اس مواد سے صرف اس دور کا انداز فکر معلوم ہوتا ہے طریق استدلال کا پتہ چلتا ہے آج بھی موقوفات اور علماء کے فتوں سے اسی حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے، دُوْنَهٗ خَرْطُ الْقَتَادِ۔

تیسرا دور اس دور میں حدیث کے تمام اقسام صحیح حسن ضعیف مرسل کو جمع کردیا اور تحقیق کے لیے طالب علم کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جیسے مسند جسے اس سے استدلال کرے جو تحقیق کے خلاف ہوا اسے نظر انداز کردے۔ سیوطی، دیلمی ابن عدی طبرانی وغیرہ نے اور بھی اندھیر کیا کہ موضوع اور اور مختلق و خارتک کو جمع کردیا بعض

بقیہ۔۔۔ اس کے سوا کانٹوں پر ہاتھ مارنا ہے۔ ۱۲

کتابوں میں ان پر اجمالی کلام کا بھی احساس نہیں فرمایا اس سے اتنا فائدہ ہوا کہ وضاع بھی مل گئے اور ان کے کرتوت سے بھی آگاہی ہو گئی چور بھی ملا چوری بھی برآمد ہو گئی لیکن یہ فائدہ اہل علم اور رجال سے متعارف لوگوں کو ہوا عوام کے لئے یہ قطعاً غیر مفید ثابت ہوا بریلوی اور شیعہ حضرات کا سارا کاروبار اسی عظیم ذخیرہ سے چلتا رہا۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ

سیوطیؒ تو بہت بعد کے ہیں امام بخاری سے پہلے جرح تنقید کا رواج آئمہ حدیث میں موجود تھا امام بخاری خود آئمہ جرح و تعدیل میں سے ہیں اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کے ارشاد کے مطابق امام بخاری کی توجہ اس طرف ہوئی انہوں نے فیصلہ فرمایا کہ چند شرائط کے مطابق ایک مستند ذخیرہ کا ضعاف اور مراسیل سے الگ کر دیا جائے عمل کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہو گی امامؒ نے یہ مجموعہ الجامع الصحیح سولہ ۱۶ سال میں مرتب فرمایا جہاں تک انسانی مساعی کا تعلق ہے انسانی حدود کے اندر یہ کوشش جید کامیاب ہے اسی محنت کی بدولت امامؒ کو جبل الحفظ اور امام الدنیا، کا خطاب دیا گیا (دنیا کا امام حافظہ کا پہاڑ) ایام تصنیف سے صحیح بخاری علمائے فن کی بحث و نظر کا تختہ مشق رہی موافق مخالف دونوں نے صدیوں اس پر طبع آزمائی کی کسی نے تنقید و استدراک کی چھاج میں پھٹکا کسی نے حمایت کی اور ان جرحوں کا جواب دیا ان تمام مراحل کے بعد اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا۔ نقاد حضرات میں عقل پرست بھی تھے اور حفاظ بھی محدث بھی تھے اور صوفی بھی اس میں اکاذیب کی احادیث بھی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ کا قصہ بھی تھا بقول امام ابن قتیبہ و شوری بعض اہل علم نے احادیث سے استدلال کیا اور بوقت ضرورت کذب و تعریض کی اجازت کا فتاویٰ دیا اس وقت کے بدعت نواز سنت کی مخالفت کے باوجود اس طرح بدزبانی نہ کر سکے جو ادارہ طلوع اسلام اور منکرین حدیث کا طرۂ امتیاز ہو رہی ہے علم و جہل میں بڑی فرق ہے بدملاحظہ ہو مقام حدیث ص۲۰ ج ۱) حدیث پر اعتراضات مختلف ادوار میں ملاحظہ فرمائیں آپ کو تعجب ہو گا کہ ایک عقل پرست اسے خلاف عقل کہتا ہے دوسرا اسے اقتضار وقت کے مطابق سمجھ کر استدلال کرتا ہے ایک صاحب بعض احادیث کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں دوسرے ان کو ہم پایا اور ہم بیشہ صحیح اور عقل

کے بالکل مطابق سمجھتے بہت ان علم وعقل کے یتامیٰ ورمساکین کا ہمیشہ یہی حال رہا اپنی بے علمیوں اور بدعقلیوں کو چھپانے کے لئے سنت پر اعتراضات کرڈالتے ہیں لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ تمہارے علم وعقل کو معیار کی سند کس نے دی ہے غرض امام بخاری نے اپنے وقت کے تمام معیاروں کو سامنے رکھ کر صحیح احادیث کا انتخاب فرمایا۔ حدیثی، فقہی، عقلی۔ قرآنی تمام معیاری چیزیں امام کے سامنے ہیں ان معیاری شروط کو سامنے رکھ کر امام نے قریب چار ہزار حدیث بحذف مکررات انتخاب فرمائی باقی کو مستعد نہیں فرمایا بلکہ ان کا تذکرہ باقی کتب میں فرمایا جس میں یہ کڑی شرائط نہیں ہیں چنانچہ اس دور وا پسیں کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمت اللہ علیہ جنہوں نے ہندوستان کے جہلستان میں کتاب وسنت کو رواج دیا قرآن کی تعلیمات سے لوگوں کو آشنا فرمایا تقلید وجمود کے ظلمستان میں تحقیق کے چراغ جلائے اور بدعت کے اندھیروں کو پارہ پارہ کرکے رکھ دیا صحیحین کے متعلق فرماتے ہیں۔

أَمَّا الصَّحِيحَانِ فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُحَدِّثُونَ عَلَى بِأَنَّ هٰذَا جَمِيعَ مَا فِيهِمَا مِنَ الْمُتَّصِلِ الْمَرْفُوعِ صَحِيحٌ بِالْقَطْعِ وَإِنَّهُمَا مُتَوَاتَرَانِ إِلَى مُصَنِّفِيهِمَا وَإِنَّهُ كُلُّ مَنْ تَكُ بِنْدَى أَمْرِهِمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُتَّبِعٌ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِنْ شِئْتَ الْحَقَّ الصُّرَاحَ فَقِسْهُمَا بِكِتَابِ ابْنِ شَيْبَةَ وَكِتَابِ الطَّحَاوِيِّ وَمُسْنَدِ الْخَوَارِزْمِيِّ تَجِدُ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَهُمَا بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۰۶ ج ۱)

صحیح بخاری کے متعلق محدثین متفق ہیں ان میں متصل اور مرفوع احادیث قطعًا صحیح اور ان کی اسناد ان کے مصنفین تک متواتر ہیں جو ان میں نکتہ چینی کرے اور ان کے مقام کو حقیر سمجھے وہ بدعتی ہے اور اہل ایمان کی راہ سے اس کی راہ جدا ہے اگر آپ کی حق کی مزید وضاحت چاہیں تو مصنف ابن ابی شیبہ معانی الآثار طحاوی اور مسند خوارزمی سے ان کا مقابلہ کریں آپ ان میں زمین آسمان کا فرق پائیں گے اور شاہ صاحب کی اس جچی تلی رائے پر لاکھوں منکرین حدیث قربان کئے جا سکتے ہیں یہ بچارے علم اور بصیرت دونوں سے محروم ہیں تنگ نظری اور ہفوات کے ماہر ہیں ان کے ہاں اسی کا نام علم وبصیرت ہے اس کا نام تجدید و اجتہاد اب شیخ الاسلام

ابن تیمیہ کی رائے پر حمد فرمایئے ولهذا كان اكثر متون الصحيحين مما يعلم علماء الحديث علما قطعيا ان النبي صلعم قاله تارة لتواتره عنْ هُمْ وتارة لتلقي الامة له بالقبول (فتاوی ابن تیمیہ ص۲۰۹ ج۱)

صفات سواء کی بنا پر صحیحین کے اکثر متون کے متعلق قطعی علم ہے کہ آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی ہے یہ قطعیت کبھی تواتر کی وجہ سے ہوتی ہے کبھی امت کی قبولیت کی وجہ سے الخ بلکہ اگر خبر واحد کو بھی امت کی طرف سے قبول عام حاصل ہو جائے تو آئمہ اربع اور اشاعرہ کے نزدیک موجب علم ہوگی الخ (ابن تیمیہ حوالہ مذکورہ)

مقالہ پیش نظر مقالہ میں صحیح بخاری کے فضائل پر سیر حاصل بحث فرمائی گئی ہے منکرین حدیث کا اصل یہ ہے کہ فرمین نبوی کو شرعاً حجت ہی نہیں جانتے مولوی اسلم جیراجپوری اور تمنا عمادی وغیرہ عموماً بحث پھیلانے کے لیئے فنی مباحث کو لے آتے ہیں پرویز وغیرہ اسے پرانا طریقہ سمجھتے ہیں یہ حضرات اپنی عقلوں کو احادیث کی تنقید کے لیے معیار سمجھتے ہیں تفسیر قرآن کے لئے ان کے ہاں معیار صحت وہ مغوات ہیں جو ان حضرات کے قلم سے ٹپک جائیں مولنا علمی اور اصلاحی حیثیت سے اس مقالہ میں کافی حد تک کامیاب ہیں چونکہ اہل قرآن بھی صحیح بخاری پر عموماً اعتراضات کرتے ہیں مولنا نے ان شبہات کو حسب امکان زائل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، لله دراه وعلى الله اجره۔

ایک معیار منکرین حدیث کہا کرتے ہیں کہ صداقت کا سب سے بڑا معیار واقعات ہیں اگر کوئی چیز واقعات کے مطابق ہے تو اس سے بڑھی کوئی سند نہیں اگر یہ معیار درست ہے تو حدیث کی صداقت کے لیے اس روشنی میں غور کرنا چاہیئے حدیث میں آنحضرتؐ کی پیش گوئیاں اہل قرآن کے متعلق منقول ہیں جو پوری کی پوری درست ہوئی ہے ابو رافع مقدام بن معدیکرب عرباض ساریہ کی یہ حدیث مسند احمد ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ بیہقی، دارمی وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ (مشکوٰۃ ص۲۹ ج۱) تم میں سے کوئی آدمی اپنی پلنگ

...ہوگا جب اسے میرا حکم ملے گا جس چیز سے میں نے روکا ہے اسے اس کا علم ہوگا وہ کہے گا ہم نہیں جانتے ہم صرف قرآن کی اطاعت کریں گے اور ہندوستان میں انکار حدیث سب سے پہلے مولوی عبداللہ چکڑالوی نے کیا۔ حدیث میں ان کا حلیہ بتایا گیا ہے ان کی ٹانگیں بے کار ہو گئی چل پھر نہیں سکتے تھے تمام دن چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے یہ عارضہ ان کو زہر کھانے کی وجہ سے ہوا تھا۔ اہل قرآن حضرات غور فرمائیں حدیث واقعات کے کس قدر مطابق ہے امام المنکرین کا حلیہ کس خوبی سے بیان فرمایا ہے اسے تو واقعاتی شہادت کے طور پر ضرور تسلیم کرنا چاہیے دوسری حدیث ہمارے شہر گوجرانوالہ کے متعلق ہے ہم شاہد ہیں ہم نے اس حدیث کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھی وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ، ابی وضاح حضرت حذیفہؓ سے قیامت کی علامات کا ذکر فرماتے ہوئے دو فرقوں کا ذکر کرتے ہیں۔ حَتّٰى تَبْقٰى فِرْقَتَانِ مِنْ فِرَقٍ كَثِيْرَةٍ تَقُوْلُ إِحْدٰهُمَا مَا بَالُ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ لَقَدْ ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا إِنَّمَا قَالَ اللهُ أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ لَا تُصَلُّوْنَ إِلَّا ثَلَاثًا وَتَقُوْلُ الْأُخْرٰى إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ بِإِيْمَانِ الْمَلٰئِكَةِ مَا فِيْنَا كَافِرٌ وَلَا مُنَافِقٌ حَقٌّ عَلَى اللهِ أَنْ يَحْشُرَهُمَا مَعَ الدَّجَّالِ اھ (الاعتصام للشاطبی ج ۱ ص ۹۱) بہت سے فرقوں میں سے صرف دو فرقے باقی رہ جائیں گے ایک کا خیال ہوگا کہ نمازیں صرف تین ہیں پانچ نہیں پہلے والے لوگ گمراہ تھے قرآن میں دن کے دونو طرف اور رات کے بعض حصوں میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے دوسرے گروہ کا خیال ہوگا کہ تمام مومن ایمان میں فرشتوں کی طرح ہیں کوئی کافر یا منافق نہیں اللہ تعالیٰ ان کا حشر دجال کے ساتھ فرمائیں گے۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی پانچ نمازیں پڑھتے ہیں ان کے شاگرد رشید مستری محمد رمضان گوجرانوالہ کہتے تھے کہ نمازیں صرف تین ہیں اس سے زیادہ پڑھنے والا گمراہ ہے ان کے بیان و عمل کی یہاں کی بہت سی جماعت چشم دید شاہد ہے واقعات کی شہادت کی بنا پر کم از کم یہ دو حدیثیں تو یقیناً درست اور سچی ہیں رَبَّنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ اگر یہ حدیث درست ہے اور واقعات سے توافق واقعی صداقت کا معیار ہے تو اہل قرآن کی تحریک کے غلط ہونے

میں کوئی شبہ نہیں میرے محترم دوست مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری نے سنت کی نصرت و حمایت میں قلم اٹھایا ہے اور بڑی چھان پھٹک کر اس کے لئے مواد فراہم کیا ہے اللہ تعالیٰ انکو اس کا اجر دے عامۃ المسلمین کو توفیق دے کر وہ اس سے استفادہ فرما سکیں مخالفین سنت کو توفیق دے کر وہ اپنے انجام پر غور کریں اور ان نتائج کو سوچیں جو ان کی تحریک سے اسلام اور مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے ان کی اس تحریک کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے سلف ائمہ کا ایمان اور دانشمندی مجروح ہوتی ہے کہ انہوں نے سیکڑوں سال ایک ایسے فن پر محنت کی جو در اصل شرعاً کوئی دینی قیمت نہیں رکھتا تھا یہ لوگ اسے ایمان اور دین سمجھتے رہے نیز اس تحریک کا انحصار محض سلبی اقدار پر ہے انکار حدیث میں کوئی ایجابی حقیقت موجود نہیں والسلام علی النبی و آلہ۔

(محمد اسماعیل مرحوم گوجرانوالہ)

نوٹ:۔ مولانا سلفی مرحوم کا یہ مضمون نصرۃ الباری فی بیان صحت البخاری سے اخذ کیا گیا ہے جو مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری کی تالیف ہے جزاہم اللہ احسن الجزاء بعیدہ

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

الحمدللہ کہ رسالہ

برہان الاسلام

(موسوم بہ)

خدا پرستی

(بجواب)

شخصیت پرستی

(مؤلفہ)

حضرت علامہ جامع معقول و منقول مولانا ابو سعید محمد شرف الدین محدث دہلوی

(ناشر)

مکتبۃ السعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

انگریزی تعلیم کی بدولت مذہبی آزادی کی یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ جو جس کے جی میں آوے کہے یا کرے کوئی مواخذہ نہیں۔ قرآن مجید پر اعتراض کرے۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ الغرض اسلام کا مدعی ہو کر خود اسلام ہی کی بیخ کنی کی کوشش کرے لوگ اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ حال ہی میں اپریل ۱۹۴۷ء کے پرچہ رسالہ طلوع اسلام دہلی میں بعنوان حقیقت عزد۔ بے اسلام سب سے چودھری غلام احمد صاحب پرویز نے شخصیت پرستی کے پردہ میں بظاہر تو نصف اسلام (حدیث رسول ؐ) کا انکار کیا ہے۔ مگر حقیقت میں بالکل اسلام (کتاب وسنت دونوں) ہی کی بیخ کنی کی کوشش کی ہے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیا۔

ان کی ساری تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث رسولؐ دین اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا کتب حدیث یک لخت قابل عمل و اعتقاد نہیں۔ دلیل یہ کہ جیسے قرآن قطعی اور محفوظ ہے ایسے ہی حدیث قطعی و محفوظ نہیں۔ اس لئے کہ احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا نہیں ضبط نہیں کرایا۔ اگر کسی نے کچھ لکھ بھی لیا تو حضورؐ نے حکم نہیں دیا۔ پھر وہ الفاظ بھی لوگوں کا اپنا خیال یا فہم ہے۔ نیز بہت سے بہت ثبوت ہے وجوب نہیں۔ پھر وہ نقل بالمعنے ہے حضورؐ کے الفاظ نہیں۔ نقل در نقل میں بہت سے تغیرات ہوئے۔ روایات کل یا اکثر یادداشت پر تھیں لکھی ہوئی نہ تھیں۔ سو سال کے بعد یہ سلسلہ شروع ہوا۔ کئی سو سال بعد قوانین روایۃ مرتب ہوئے۔ جرح و تعدیل کے دفتر کھلے۔ پچھلوں نے صدیوں بعد پہلوں پر جرح کی یا ان کی توثیق۔ لہٰذا اس کا کیا اعتبار؟ اور اگر توثیق کا اعتبار بھی کیا جائے تو یہ کیا ضرور ہے کہ ثقہ نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہو۔ بھول چوک وہم و خطا کا احتمال ہے۔ پھر سب کے سب فقیہہ و صاحب فہم سلیم بھی نہ تھے جس نے جو سمجھا لکھ لیا اب ان کی معلومات کا اعتبار شخصیت پرستی ہے جو باطل ہے۔ اگر احادیث جزو دین ہوتیں تو

تو قرآن کی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو ضبط کراتے ان کی تصدیق کرتے اور پھر یہ سلسلہ تا ابد جاری رہتا اور ایسا ہے نہیں۔ لہذا کتب احادیث کا کوئی اعتبار نہیں۔ محض ایک تاریخی حیثیت ہے کہ ہماری تنقید کے بعد قرآن کے مطابق ہے تو صحیح ہے ورنہ غلط۔ دین وہی ہے جو قطعی ہو۔ سو قرآن قطعی ہے اور احادیث ظنی وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ احادیث کا ذمہ نہ اللہ نے لیا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے لکھنے سے منع کیا اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی منع وارد ہے۔ ابن عباسؓ نے بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے سوا اور (احادیث) کچھ نہیں چھوڑا۔ اور سننے رواۃ میں ہزاروں منافق کذاب بھی تھے۔ جو بظاہر ثقہ اور دریا طن غیر ثقہ لہذا احادیث قابل وثوق نہیں۔

یہ ہے ان کی ساری تحریر کا خلاصہ۔ ضمناً اور باتیں بھی تعقص یا طنز کے طور پر لکھ گئے۔ جو محض ابلہ فریبی اور خلاف واقع ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ احقاق حق کے بعد ابطال باطل میں ان کا ذکر بھی آجائے گا۔

احقاق حق

حضرات! احدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کوئی نئی بات نہیں۔ حضرت علیؓ کے مقابل ایک جماعت اٹھی اس نے بھی حدیث کا انکار کیا اور کہا اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کلمۃ اریدبھا الباطل یعنی ان الحکم الا للہ صحیح ہے مگر اس سے ان کی غرض باطل ہے یعنی انکار حدیث۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے اتباع کی تاکید کی ہے تو پھر انکار حدیث باطل ہے۔

ذیل میں چند آیتیں لکھی جاتی ہیں جن سے ثابت ہے کہ احادیث رسولؐ جزو دین ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہونا فرض ہے۔ اس کے سوا ایمان سلب ہو جائیگا۔

۱۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ	کہدو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تم سے اللہ محبت کرے گا

لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

(پ ٣ ع ١١)

اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے کہہ دو کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو (یعنی میرا) حکم مانو پھر اگر وہ پھر جائیں (تو وہ کافر ہیں)۔

سو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا آپ کی پیروی آپ کے قول و فعل دونوں میں ہے۔"

٢- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (پ ٥ ع ٥)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور مسلم حکام کا کہا مانو پھر اگر تمہارا آپس میں کسی امر میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو (یعنی ان کے کلام سے فیصلہ کرو) اگر تم اللہ اور پچھلے دن یعنی قیامت پر ایمان لائے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔

٣- وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ۝

(پ ٥ ع ٦)

اور جب ان کو اللہ کے اتارے ہوئے یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف بلایا جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ منافق تجھ سے بالکل پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

٤- وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۝ (پ ٥ ع ٦)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کا کہا مانا جائے۔"

٥- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(پ ٥ ع ٦)

سو تیرے رب کی قسم وہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں تجھ کو حاکم بنا کر تیرا حکم نہ مانیں پھر تیرے فیصلہ سے دل تنگ نہ ہوں بلکہ خوشی سے مان لیں۔

٦- مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن

جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو جائز نہیں کہ

يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا. (پ ۲۲ ع ۱۶)

ان کے حکم کے خلاف ان کو کچھ اختیار رہا اور جو اس کے برخلاف کرے اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ کھلا ہوا گمراہ ہو گیا!

۷۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (پ ۲۸ ع ۴)

اے مسلمانو! جو رسول یا حکم تم کو اللہ کا رسول دے اسے لے لو اور تسلیم کرو اور جس امر سے منع کرے اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے!!

۸۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (پ ۲۸ ع ۱۰)

وہ اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ عربیوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پاس اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے یعنی دلائل توحید سے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اپنے اثر صحبت سے ان سے گل کرا کر رذائل سے ان کو پاک کرتا ہے اور قرآن مجید اور حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن مجید کے الفاظ بھی ان کو یاد کراتا ہے اور اس کے معانی و حکم و علم بھی ان کو بتاتا ہے۔

۹۔ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ الآیۃ (پ ۱۴ ع ۱۱)

ہم نے آپ پر اس لئے قرآن مجید نازل کیا ہے کہ آپ اس کی تفسیر کر کے ان کو اس کا مطلب سمجھائیں۔

۱۰۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (پ ۲۱ ع ۱۸)

لوگو! تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی بہت اچھی ہے اس کے لئے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔

تلک عشرۃ کاملۃ

آیات مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں آپ کا قول و فعل دونوں داخل ہیں جن کا ماننا اور ان پر عمل پیرا ہونا امت پر فرض عین ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا انکار کفر۔

دیکھئے آیۃ ۱ میں آپ کی اتباع کے بعد حکم رسول کے ماننے کا حکم ہے اور انکار کفر اور آیۃ ۲ میں بھی حکم رسول کے ماننے کا حکم ہے ورنہ ایمان سب ہو جائیگا ان کنتم تؤمنون میں غور کرو۔ اور آیۃ ۳ میں اولی الامر رسول سے حکم رسول مراد ہے اور اس سے اعراض وانکار کفر و نفاق۔ آیۃ ۴ میں تو رسول کے بھیجنے کی غایت ہی ان کے حکم ماننے کو بتایا ہے۔ آیۃ ۵ میں رسولؐ کے فیصلہ کو خوشی سے ماننے کو لازم فرمایا ہے اور جو نہ مانے تو اس کا ایمان بالکل سلب اور پکا کافر۔ آیۃ ۶ میں بھی فرمایا کہ رسولؐ کے فیصلہ و حکم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح ماننا فرض ہے کسی کو اس کے خلاف کا اختیار نہیں ورنہ وہ گمراہ ہو کر کافر ہو جائیگا۔ آیۃ ۷ میں بھی رسول اللہ کے حکم کی اتباع لازم فرمائی ورنہ جہنم کا عذاب ہے۔

آیۃ ۸ میں ہے کہ رسول اپنی امت کو قرآن مجید کے الفاظ بھی پڑھاتا اور یاد کراتا ہے اور اس کے معانی و حکم بھی بتاتا ہے۔ سو جیسے کہ رسولؐ کے بتائے ہوئے الفاظ کی تحریف کفر ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے معانی و حکم کو رد کرنا بھی صریح کفر ہے اور آپ کے بتائے ہوئے وہ معانی و حکم سوائے حدیث کے ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ الفاظ قرآن مجید میں تو سارا قرآن آ گیا پھر حکمت و معانی کیا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے سوا ہوئے۔ یعنی اس کی تفسیر و شرح قول سے ہو یا فعل سے یا تقریر سے۔ اور یہ بدیہی امر ہے کہ قرآن کے ہر ہر لفظ کی تشریح عمل سے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اس میں جیسے احکام ہیں۔ قصص و امثال و عقائد وغیرہ بھی ہیں۔ جو عمل کر کے نہیں دکھائے جا سکتے۔ ان کی زبانی شرح ہوگی۔ نیز مقدمات کے فیصلے یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہو سکتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال تفسیر قرآن یا فیصلجات و احکام وغیرہ قرآنی الفاظ کے سوا اپنے الفاظ میں ہوئے جن کا ماننا امت پر فرض ہے۔ اور آپ کے انہیں الفاظ کا نام حدیث ہے جن کا انکار کفر ہے اور جیسے قرآن مجید محفوظ ہے ایسے ہی مطلق حدیث نبوی جو قرآن کی تفسیر و شرح ہے وہ بھی محفوظ ہے عہد رسالت سے اب تک امت مسلمہ کا اس پر عمل تواتر سے ثابت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو صحیح طریق سے قرآن پر عمل کیسے ہو سکتا تھا اس لئے کہ ہر شخص اپنی اپنی سمجھ کے موافق معنی کرتا ہے جو باعث اختلاف ہے۔ پھر اس سے قرآن پر عمل کرنا ہی متروک ہو جائیگا۔ پھر تو بعد وفات رسولؐ دین ہی کا خاتمہ ہو جائیگا حالانکہ

ایسا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ جیسے قرآن مجید محفوظ ہے ایسے ہی مطلق حدیث نبوی بھی محفوظ ہے فللہ الحمد۔

آیۃ نمبر ۹ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کا مفسر ٹھہرایا گیا ہے اور اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ سارے قرآن کی تفسیر صرف عمل سے نہیں ہو سکتی۔ ہاں بعض کی ہو سکتی ہے اور بعض کی زبان اپنے الفاظ سے شرح و تفسیر ہو گی اس کا نام حدیث ہے۔

آیۃ نمبر ۱۰ میں اسوۂ حسنہ آپ کی پیروی کا ذکر پیشتر ہو چکا ہے کہ اس میں قول وفعل دونوں داخل ہیں۔ پس حدیث کا ماننا اور اس پر عمل کرنا عین قرآن مجید پر عمل کرنا ہے اور اس کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے جو صریح کفر ہے۔

ابطالِ باطل

منکر حدیث کی تحریر کا مجمل جواب یہ ہے کہ اس نے حدیث کی حیثیت محض تاریخی بتائی ہے اور کہا ہے کہ اس کا ماننا لازم نہیں نہ وہ حجت ہے چاہے کوئی مانے یا تنقید سے رد کر دے۔ اور اس کے اعتراضوں کا مدار کار تاریخ پر ہے جس کا ماننا لازم نہیں اور نہ ہی وہ حجت ہے اور اگر کہیں کسی روایت سے اس نے استدلال کیا ہے تو وہ بھی اس کے نزدیک مثل تاریخ ہے۔ لہٰذا کل کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآن مجید نہیں جو قطعی ہو۔ یہ محض ظنی بلکہ بے ثبوت ہے لہٰذا باطل ہے۔ اب سنئے!

مفصل جواب "احقاق حق" میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع آپ کا اسوۂ حسنہ یعنی آپ کا قول و فعل ہر دو واجب التصدیق اور واجب العمل ہیں۔ رہا یہ امر کہ آیا وہ آپ کا قول و فعل محفوظ ہے یا نہیں اور وہ قطعی ہے یا نہ۔ سو واضح ہو کہ جو امر تواتر قولی یا فعلی سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے یعنی ہر زمانہ و طبقہ میں بالاتصال اسے اتنے لوگ بیان کریں یا عمل کریں کہ عقلاً ان کا کذب پر اتفاق محال ہو اور اس کا منتہا حس و مشاہدہ ہو یہ جماعت کتنی بڑی ہو کوئی تعیین شرط نہیں جس سے عقول سلیمہ کو علم ضروری حاصل ہو جائے یعنی مجبوراً ان کو ماننا پڑے۔ اسی طرح جماعت سے بالاتصال جو امر ثابت ہو مگر وہ جماعت تواتر والوں سے کم اور قریب تواتر کے ہو وہ امر مشہور ہے اور جو امر ایک دو کے ذریعہ ثابت ہو اور وہ لوگ

معتبر، صادق ضابط ہوں وہ خبر واحد ہے۔ اور یہ پچھلے دونوں قسم اگرچہ کلیۃً ضروری نہیں مگر بوجہ قرائن ان سے بھی علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے اور وہ ہر دو بحکم قرآن مجید، صحیح و واجب العمل ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ (پ ۳ ع ۵)	"لوگو! (معاملات میں) اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنا لیا کرو۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔"
الآیۃ (پ ۲۶ ع ۱۴)	

دو گواہوں کی شہادت سے فیصلہ بحکم قرآن مجید لازم ہے۔ حالانکہ ان کے سہو و نسیان خطا غلطی سب کا احتمال ہے۔ دوسری آیۃ سے ثابت ہے کہ ایک مخبر یا راوی اگر فاسق ہے تو بعد تحقیق عمل لازم ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ عادل و صادق ہے تو بلا تردد اس کے قول پر عمل ثابت ہے۔ پس حدیث نبوی کے بھی یہی تین درجے ہیں۔ متواتر۔ مشہور۔ خبر واحد۔ سو قسم اول تو مثل قرآن مجید کے قطعی ہے جس کا علم ضروری ہے۔ اور قسم دوم سوم اگرچہ متواتر کی طرح قطعی ضروری نہیں مگر بوجہ قرائن مرجحہ ان سے بھی علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔ اور بحکم مذکورہ بالا دو آیتوں کے وہ واجب العمل ہیں۔ جن کا انکار حکم قرآنی کا انکار ہے۔ لہذا حدیث نبوی سے انکار کرنے کے لئے یہ عذر کرنا کہ وہ قرآن کی طرح محفوظ نہیں بالکل باطل ہے۔ متواتر، مشہور، خبر واحد صحیح محتف بالقرائن مرجحہ سب مفید علم یقینی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ متواتر کا علم ضروری ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل ہوتا ہے اور مجبوراً ماننا پڑتا ہے اور مشہور اور خبر واحد صحیح مذکور کا علم یقینی نظری ہے جو نظر و استدلال سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کو ہوتا ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نا اہلوں کو چونکہ وہ حاصل نہیں ہوتا وہ انکار کریں تو ان کا اپنا قصور ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔۔۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اور عقل و عرف کے لحاظ سے بھی خبر مشہور و خبر واحد صحیح کا اعتبار ہے اور دینی و دنیوی امور قرض و دام۔ نکاح و طلاق۔ بیع و شرا ر رویت ہلال۔ رضاعت۔ نسب وغیرہ میں انہیں پر مدار ہے۔ کیا کوئی منکر صاحب اپنا نسب باپ دادا وغیرہ کا تواتر سے ثابت کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ پھر کیا اس سے انکار کر کے مجہول النسب بنیں گے۔ اور یہ سلسلۂ نسب تو صرف حسن ظن پر محمول ہے ورنہ جو قواعد جرح و تعدیل

گئے ہیں ان کی رو سے اور مشکل ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر خبر واحد کا مطلقاً انکار کیا جائیگا تو علاوہ دنیوی امور کے بہت بڑا حصہ دینی امور کا بھی ترک کرنا پڑے گا۔ اور قرآنی حکم کا انکار لازم ہوگا جو سراسر کفر ہے اللہ تعالیٰ ایسے فتن سے محفوظ رکھے جو بالکل گمراہی و ضلالت ہے۔

اب رہا احادیث نبویہ کی حفاظت کا معاملہ سو واضح ہو کہ محدثین کرام نے جو قوانین روایۃ قرآن مجید سے استنباط کر کے مقرر کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی جو روایۃ کرے اس کی پوری سوانحعمری معلوم کرے کہ وہ کس کا بیٹا تھا کیا نام تھا کیا عمر تھی کب اور کس سے علم حاصل کیا کہاں کہاں سفر کیا عدالت، صداقت ضبط روایۃ، دیانت وغیرہ سب کا جائزہ لے کر روایۃ کرتے۔ پھر یہ کہ اس کو وہم یا اختلاط یا سوء حفظ وغیرہ تو نہ تھا۔ اور یہ کہ اگر وہم یا اختلاط ہو تو کس زمانہ میں ہوا۔ دائمی تھا یا عارضی۔ پھر روایۃ کس زمانہ میں کی قبل اختلاط یا بعد۔ پھر اگر اس کے مذہب میں کچھ کلام تھا تو روایۃ میں کیسا تھا اور اس کی مخالف روایتوں کے ذریعہ تحقیق کرتے اور جانچتے۔ پھر یہ کہ روایت اس کے مذہب کے موافق ہے یا مخالف اور داعی الی المذہب ہے یا نہیں۔ اس کی روایۃ اور ائمہ حفاظ کے موافق ہے یا مخالف۔ پھر یہ کہ اس کی روایۃ بطور احتجاج کے ہے یا بطور استشہاد و اعتبار و تردید کے۔ اور یہ کہ وہ مدلس تو نہ تھا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ کہ روایۃ میں ارسال انقطاع، شذوذ و اعلال، اعضال وغیرہ تو نہیں۔ نیز یہ کہ وہ روایۃ صریح قرآن و اور قطعیہ اور بداہتہ عقل کے مخالف تو نہیں کہ جس کی بالکل کوئی صحیح توجیہہ نہ ہو سکے۔

ان شروط و قیود و رفع موانع کے بعد وہ حدیث پر حکم لگاتے کہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف وغیرہ۔ پھر ان کے بھی آگے درجے مقرر کئے ہیں۔ صحیح لذاتہ و لغیرہ ایسے ہی حسن کے۔ پھر ضعیف اور شدید الضعف وغیرہ۔ پھر اس کے بعد بھی اور صحیح کے درجات مقرر کئے ہیں۔ خاص ان مسندوں کے لحاظ سے روایۃ میں اتفاق ائمہ کے لحاظ سے مثلاً امام بخاریؒ و مسلمؒ کا کسی حدیث کی روایۃ پر اتفاق وغیرہ وغیرہ۔ پھر بوجہ کثرت اسانید کے جو مختلف طریقوں سے ائمہ حدیث نے اپنی تالیفات میں روایۃ کی ہیں۔ ان میں صدہا حدیثیں متواتر ہیں جو مثل قرآن کے قطعی ہیں اور ہزاروں ہزار اور اس سے بھی زیادہ اخبار احاد جو بالکل صحیح ہیں اور بحکم قرآن مجید واجب العمل ہیں۔ جن پر اسلام و امت محمدیہ کا ساڑھے تیرہ سو برس سے اب تک عمل درآمد چلا آیا ہے اور یہی سبیل المومنین ہے جس کا خلاف سبیل المومنین و اسلام کا خلاف اور گمراہی ہے۔ رہا نقل بالمعنی کا

مسئلہ سوال اول تو نقل بالمعنی قرآن مجید سے ثابت ہے وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ الآیۃ پ ۱۹ ع ۱۶)
اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (پ ۳۰ ع ۱۲)
میں بتائیے نقل بالمعنی ہے یا نہ. کتب سابقہ تو سریانی یا عبرانی وغیرہ میں تھیں اور قرآن عربی میں پھر یہ کہ اس میں فرعون وغیرہ کا کلام بھی منقول ہے اور یعقوبؑ کی زبان بھی اور تھی اور نیز یہ قرآنی فصاحت وبلاغت واعجاز بھی ان کے کلام میں نہ تھا. نیز خود قرآن میں بعض قصص کو دہرایا گیا ہے اور الفاظ میں اختلاف ہے کہیں ایجاز ہے کہیں تفصیل ہے قصہ آدمؑ میں کہیں اِهْبِطُوْا ہے (سورہ بقرہ پ ۱ ع ۳) کہیں اِهْبِطَا ہے (سورہ طٰہٰ پ ۱۶ ع ۱۵)
حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو مکرر سورتوں میں ملاحظہ فرمائیے. الفاظ میں کتنا اختلاف ہے مگر اصل مضمون متحد ہے. پس یہی صحت کی جان ہے اور یہی الفاظ حدیث میں ہے اور وہ بھی عالم باللغۃ سے ثابت ہے نہ غیر سے. پھر جب مختلف طریقوں سے ایک لفظ یا معنی ثابت ہے تو اس کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے ہرگز نہیں. ورنہ جو جواب نقل قرآنی کا ہے وہی حدیث کا ہے پھر اگر کہیں کسی روایۃ میں تفرد بھی ہے تو اول تو خود محدثین نے اس میں کلام کیا ہے اور اور ادلہ سے اس کی تائید لائے ہیں یا توقف کیا ہے وغیرہ وغیرہ. مگر معترض نے اسی کی دو کی روایت کی بنا پر تمام دفاتر احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے جو بالکل انصاف کے خلاف ہے. پھر یہ غلط ہے کہ سب کی سب احادیث نقل بالمعنٰے ہیں. نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں. بعینہٖ الفاظ رسولؐ بھی ثابت ہیں. اور متواتر بھی ہیں جن کا معترض کو علم نہیں. مگر حدیث کے جاننے والوں کو علم ہے جس کے لئے کتب احادیث کا مطالعہ درکار ہے. فتح الباری اور حجۃ اللہ البالغہ ہی کو دیکھ لیجئے. ہاں یہ بھی سخت دلفریب مغالطہ ہے کہ ہر شخص نے ہر زمانہ میں جو چاہا اپنے الفاظ میں جو سمجھ میں آیا نقل کر دیا یا لکھ لیا. کلا وحاشا ایسا ہرگز نہیں ہوا. یہ نقل بالمعنٰے صرف صدر اول صحابہؓ میں ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور آپ کے طرز انداز سے خوب واقف. لغت کے ماہر وعالم تھے. بہت نادر کہیں کہیں تابعین میں بھی پایا گیا. پھر تو اس کی سخت بندش کی گئی اور الفاظ نبوی کو حتی الامکان ضبط کیا گیا. کتب احادیث مدوّن ہوئیں. ذرا کہیں شبہ ہوا تو اس کو بھی بیان کر دیا پھر اس کو اوروں کی روایۃ سے مطابق کر کے اس کی صحت کی گئی جس سے شبہ دور ہو کر صحت

یقینی ہو گئی۔ مگر یہ ہے کہ

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر۔

ان تدوین کتب حدیث کے بارہ میں جو معترض نے مغالطہ دیا ہے اس میں پہلے غور کرنا چاہیئے کہ الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ وغیرہ آیات میں بے شک قرآن مجید کو لفظ کتاب سے ذکر کیا گیا ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ اس آیۃ یا اور آیات کے نزول کے وقت سارا قرآن یکجا لکھا ہوا تھا نیز یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ جو ترتیب قرآنی ہے کیا اسی ترتیب سے نزول ہوا اور کیا سارا قرآن ایک دم نازل ہوا ہے یا ۲۳ سال میں تدریجاً نازل ہوا ہے۔ اور پھر ذٰلک کا اشارہ کس طرف ہے ماقبل کی طرف یا مابعد کی یا کسی اور کی طرف۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو کس آیۃ سے ثابت ہے کہ آپ نے سارا قرآن لکھوا کر یکجا جمع کرا کے امت کے ہاتھوں میں چھوڑا۔ احدیثوں کو تو معترض پیش ہی نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے نزدیک ظنی ہیں ورنہ ان میں تو ہے کہ وہ مختلف کاغذوں، پتوں، ٹھیکروں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا کسی کے پاس تھوڑا کسی کے پاس زیادہ حصہ۔ ہاں حفاظ قرآن ہزاروں تھے۔ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لکھا دیکھ کر پڑھتے یا زبانی آپ کو یاد تھا کیا آپ صحابہ کو زبانی یاد کراتے تھے یا لکھا ہوا دیکھ دیکھ کر اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ الی قولہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۞ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الآیۃ (پ ۲۱ ع ۱) وَإِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۞ (پ ۱۹ ع ۱۴) میں غور کرو۔

امر واقعی یہ ہے کہ جیسے آپ کو جبرئیل علیہ السلام زبانی پڑھاتے آپ بھی ایسے ہی زبانی تعلیم دیتے ان مختلف اشیاء پر لکھوا دیا کرتے تھے مگر یکجا جمع نہ تھا صرف حفظ پڑھاتے تھے۔ یہ باقاعدہ جمع وتدوین آپ کے انتقال کے بعد واقع ہوئی ورنہ معترض کے ذمہ ہے کہ قرآن سے یہ امر ثابت کرے اور ہرگز نہیں کر سکتا۔

اس ساری سمع خراشی سے میری غرض یہ ہے کہ کسی شی کی حفاظت کے لئے یہ لازم نہیں کہ کتاب سے ضبط کرا کر اس کے ہر ایک جزو کی حفاظت کی جائے۔ زبانی روایۃ و یادداشت ضبط

کی تاکید سے بھی حفاظت ہو سکتی ہے۔ جیسے جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوشتہ نہیں لائے تھے صرف زبانی تعلیم کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم دیتے ہاں بطور احتیاط لکھوا بھی دیتے۔ مگر مختلف اشیاء پر الگ الگ متفرق سورتیں یا پارے۔ اور کتاب کا اطلاق جز و کل دونوں پر ہوتا ہے اور جو چیز کتابت کے قابل ہو اس کو بھی پہلے ہی سے کتاب کہا جاتا ہے۔ جو چیز زمانہ آئندہ میں لکھی جانیوالی تھی اس کو کتاب کہا گیا ہے جیسے کہ من قتل قتیلا لہ علیہ بینۃ فلہ سلبہ میں مجاز بالمشارفۃ کا مسئلہ اہل علم میں مشہور ہے کہ قتل ہونے سے پہلے ہی زندہ کو قتیل کہہ دیا اس لئے کہ وہ عنقریب قتل ہونیوالا تھا۔

ایسے ہی "کتاب" کو سمجھ لیجئے کہ الٓم ذلک الکتاب لاریب فیہ کے نزول کے وقت سارا قرآن نہ تو اترا نہ لکھا گیا تھا بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آگے کو لکھا جانیوالا تھا مجازاً اسکو "کتاب" کہا گیا۔ لہذا صرف لفظ کتاب سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ قرآن شریف اول سے آخر تک یکجا لکھا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا یا آپ نے اپنی وفات کے وقت امت کے ہاتھوں میں سارا لکھا ہوا چھوڑا۔

حفاظت بلا تحریر کیلئے ذرا "نماز" کی تفصیل ہی کو لیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حفاظت کی کیا صورت اختیار کی۔ کیا اس کی رکعات اذکار ہیئات ارکان وغیرہ کو ضبط کرا یا لکھوا دیا۔ پھر اس کی حفاظت ہوئی یا نہ۔ اور وہ بھی قطعی ہے یا نہ۔ ایسے ہی "حج" کے ارکان و ترتیب و ہیئات ایسے ہی "زکوٰۃ" کی تفصیل کہ کس کس مال میں زکوٰۃ ہے اور کیا کیا نصاب ہے، اور اوقات وجوب و ادا کیا ہیں۔ بتائیے یہ امور قطعی ہیں یا نہ۔ پھر ان کی حفاظت آپ نے کرائی یا نہ۔ اگر کرائی تو کیا صورت اختیار کی۔

اس ساری تحریر کا خلاصہ یہ کہ کسی امر کی حفاظت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو لکھوا کر ضبط کرایا جائے حفاظت زبانی روایت کی تاکید و فعل سے بھی ہو سکتی ہے جیسے کہ امور مذکورہ میں ہوئی۔ جو معترض منکر کو بھی مسلّم ہے پس اس کا وہ دلفریب مغالطہ باطل ہو گیا کہ حدیث کو چونکہ حضورؐ نے مثل قرآن ضبط نہیں کرایا لہذا محفوظ نہیں اور قابل عمل بھی نہیں۔ اور اس کا وہ مغالطہ بھی باطل ہو گیا کہ آپ نے لکھنے کا حکم نہیں دیا تھا اس لئے کہ جب قول و فعل سے حفاظت ہو جاتی ہے تو پھر اول تو لکھنے کے حکم کی ضرورت نہ تھی مگر پھر بھی آپ نے بہت سی احادیث احکام فرائض و معاہدات وغیرہ حکماً لکھوا دیئے جو اب تک محفوظ ہیں یا بعض تبرکاتی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے ہوئے اور صحابہؓ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نوشتے بعینہ موجود

ہیں۔

اور نقل بالمعنی کے اعتراض کا جواب پہلے ہو چکا ہے کہ جائز ہے قرآن مجید میں بھی ہے اور بیشتر رواۃ کی تحقیق میں معترض کا وہ مغالطہ بھی باطل ہو گیا کہ جس راوی نے جو چاہا اپنے فہم سے لکھ لیا ہرگز ایسا نہیں ہوا۔ وہاں تو حتی الامکان الفاظ نبویہ کی کوشش تھی۔ ہاں صدر اول میں کچھ نقل بالمعنی ہوا اور نادر کالمعدوم تابعین کے زمانہ میں وہ بھی عالم باللغۃ سے۔ ایسے ہی اس دلیل سے سو سال کے بعد سلسلہ روایۃ کا مغالطہ بھی باطل ہو گیا۔ اس لیے کہ نفس روایۃ کا سلسلہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغوا عنی الحدیث (صحیح بخاری) کہکر جاری کر دیا اور حجۃ الوداع میں فرمایا فلیبلغ الشاهد منکم الغائب کتابت حدیث بھی آپ کی اجازت سے شروع ہو گئی تھی۔ اکتبوا لابی شاہ (صحیح بخاری) وغیر ذلک من الاحکام والمراسلات والمعاہدات وغیر ذلک۔ ہاں یہ کتاول فریب مغالطہ ہے کہ پچھلوں نے صدیوں بعد پہلوں پر جرح کی یا ان کی توثیق۔

چو بشنوی سخن اہل حق مگو کہ خطا است — سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

معاف فرمایئے مجھے کہنا پڑا کہ معترض نے فن حدیث اور قوانین جرح و تعدیل کو کسی استاد کامل سے پڑھا ہی نہیں یا سمجھا نہیں۔ ورنہ ایسی بھونڈی اور ناشائستہ لغزش سے وہ دو چار نہ ہوتے۔ (?)

اے جناب! وہاں تو ذرا ذرا بات پر جرح ہوتی ہے کہ فلاں نے فلاں کو دیکھا نہیں۔ پھر اس سے روایۃ کیسی کی اس کی روایۃ صحیح نہیں جب تک کہ اس سے سنی نہ ہو اور خوب یاد نہ ہو پھر وہ بن دیکھے جرح و تعدیل کیسے کر سکتے تھے۔ کلا وحاشا نقاد حدیث نے جو کسی پر جرح کی ہے یا خود مجروح کو دیکھا ہے تجربہ کیا ہے یا اپنے استاد کامل سے سنا ہے۔ پھر اس نے بھی اس تحقیق سے بیان کیا ہے تو خود مجروح کو دیکھا بھالا ہے یا اپنے استاد کامل سے سنا ہے۔ علی ہذا القیاس آخر تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ بتلایئے اس میں کیا قباحت ہے کچھ بھی نہیں۔ یہ عین انصاف و مقتضاء نقل و عقل ہے جس کا خلاف ابلہ فریبی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اور یہ بھی دل فریب مغالطہ ہے کہ ثقہ راوی کی روایۃ میں وہم و خطا و سہو کا احتمال ہے اور فقاہت بھی ہر ایک کی ضروری نہیں لہٰذا اس کا کیا اعتبار۔

اس کا جواب بھی گذشتہ تحریر سے ہو چکا ہے کہ قرآن مجید نے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ

کا مدار کہا ہے۔ حالانکہ دو شخصوں میں بھول چوک سہو نسیان بلکہ کذب سب کا احتمال ہے۔ پھر بھی شرع میں اُن کا اعتبار ہے۔ اور آیۃ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا الآیۃ (پ ۲۶) سے باعتبار مفہوم ایک کا بھی اعتبار ہے۔ جو عادل ہو فاسق نہ ہو۔ ایسے ہی روایۃ حدیث میں سمجھے۔ اور روایۃ میں اوّل تو فقاہتہ یا مساوات شرط نہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ تم سب میری حدیثیں دوسروں کو پہنچا دینا۔ شاید تمہارے شاگرد تم سے بھی حفظ اور فقاہت میں زیادہ ہوں اور قرآن مجید کی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آیات سے بھی ایک ایک کی روایۃ و تبلیغ کا اعتبار ثابت ہے۔ دوم روایۃ میں ضبط ضروری ہے جو ہر معتبر راوی میں پائیں۔ لہذا آپ کی تشکیک باطل۔ اور قرآن کی طرح احادیث کو ضبط کرانیکا مغالطہ اور اس کی تردید پہلے ہو چکی کہ ہر امر قابل حفاظت کے لئے مثل قرآن تحریر ضروری نہیں۔ نیز قرآن مجید کو تحریراً ضبط کرانیکا مسئلہ بھی آپ کو قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے قرآن مجید لکھوا کر ضبط کراتے تھے۔ محض لفظ "کتاب" سے آپ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ دلیل عام ہے اور دعویٰ خاص لہذا تقریب ناتمام۔ یعنی دعویٰ تو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے یا لکھواتے تھے اور دلیل یہ ہے کہ قرآن کو کتاب کہا گیا اور کتاب لکھی ہوئی کو کہتے ہیں۔ اس میں یہ کلام ہے کہ چونکہ قرآن آئندہ لکھا جانیوالا تھا لہذا اس کو کتاب کہا گیا جو نہ الٓمٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ کے نزول کے وقت سارا قرآن کہاں لکھا گیا تھا ہرگز نہیں۔ فافہم و تدبر۔

ہاں احادیث نبویہ کی تاریخی حیثیت بتانا بھی غلط اور بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ آپ نے پہلے ملاحظہ کر لیا ہے کہ احادیث کے ماننے اور ان پر عمل کرنیکا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے اور احادیث صحیحہ در حقیقت قرآن ہی کی شرح ہیں۔ اور نیز یہ کہ رواۃ احادیث کی روایۃ قوانین جرح و تعدیل کے مطابق پوری تحقیق سے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہے۔ اور تاریخ میں جرح و تعدیل کا کوئی قانون نہیں اس کا اکثر حصہ بلا تحقیق ہے۔ بلکہ مجاہیل، فساق فجار، ظالم، بیدین ہر طرح کے لوگوں سے مروی ہے۔ پھر تاریخ میں سلسلہ روایۃ بھی باقاعدہ نہیں۔ ارسال، انقطاع، اعضال وغیرہ تمام عیوب سے پُر ہے اور حدیث ان سب سے پاک۔ پھر حدیث کی تاریخی حیثیت کہاں رہی ہرگز نہیں۔ احادیث صحیحہ میں صدق محض مطلق تاریخ میں صدق و کذب ہر دو موجود۔

یہ سچ ہے کہ دین قطعی ہے مگر اس کی جزئیات کی تفصیل میں یہ صحت شرط ہے جس سے علم ما کی تکلیف شرط نہیں۔ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے کہ دو گواہوں کی شہادت جو قطعی نہیں اس پر قرآن مجید نے معاملات وغیرہ میں فیصلہ کا مدار رکھا ہے اور اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ کی آیت سے بطور مفہوم مخبر صادق عادل واحد کا بھی اعتبار ثابت ہے جو قطعاً قطعی نہیں۔ بس اسی بیان سے حدیث کو ہیچ مدن جو جواب آپ قرآن پر سے اعتراض اٹھا نیکا دینگے اسی قسم سے حدیث کا سمجھ لیجئے بس قصہ ختم۔

اور إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا میں بھی معترض کو مغالطہ لگا ہے۔ ظن کا معنے از روئے لغت عرب یقین یعنے جانب راجح کا بھی ہے اور شک کا بھی۔ اور آیۃ زیر بحث میں ظن یعنے شک ہے۔ بس آپ کا اعتراض اڑ گیا۔ اس لئے کہ اوپر کی آیتوں میں جانب راجح کا اعتبار ثابت ہے۔ قائم و تدبر۔ آپ یہ خوب کہا کہ "قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو خدا نے لیا ہے حدیث کا ذمہ نہ خدا نے لیا نہ رسولؐ نے الخ"۔

اے جناب! آپ نے قرآن مجید ہی میں تدبر نہیں کیا اور حدیث کے تو آپ منکر ہی ہیں اس میں کیا خاک غور کرینگے ورنہ حدیث کی حفاظت کا ذمہ خدا اور رسول دونوں نے لیا ہے سنئے اور غور فرمایئے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (پ ۹ ع ۱۰)	کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔
أُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (پ ۷ ع ۷)	(اے رسول کہہ دو) اس قرآن کی مجھ پر وحی ہوئی ہے کہ اس کے ساتھ تم کو اور جس جس کو (قیامت تک) یہ قرآن پہنچے ڈراؤں۔
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (پ ۴ ع ۲)	اے مسلمانو! تم سب لوگوں میں بہتر امت پیدا کئے گئے ہو کہ بھلی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو (بلکہ کرو گے)۔

ان آیات میں یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور یہ کہ اس قرآن سے آپ سب کو ڈرائینگے اور آپ کی امت کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور کرینگے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے تو دو بنفس نفیس سب کو تبلیغ نہیں کی، بلکہ آپ کی امت نے کی اور کر رہی ہے اور کرتی رہیگی۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے لوگوں کو قرآن کے الفاظ یاد کراتے تھے۔ ایسے ہی ان کے معانی بھی بتاتے تھے۔ انہیں الفاظ و معانی سے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے اس لئے کہ بلا الفاظ کا مطلب بتائے اور بغیر ان کی اصلاح کئے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر ہی نہیں سکتے تھے۔ ورنہ قرآن کے الفاظ تو منکر لوگ سن کر اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ اور اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ اور يَا اَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ وغیرہ کلام سے پیش آتے تھے وہی مطلب و معانی و شرح الفاظ قرآن مجید حدیث رسول و اسوۂ رسول ہے جس کے ذریعہ قیامت تک علماء ائمہ لوگوں کو ڈرا دینگے تاکہ قرآن مجید کی تصدیق ہو۔ اور یہ تبلیغ زبانی اور تحریری دونوں سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ تو اس صورت میں بنا بر تصدیق قرآن مجید قرآن کی طرح حدیث نبوی و شریعت محمدیہ کی حفاظت بھی اللہ تعالے نے اپنے ذمہ لی ہے کہ امت کو یہ توفیق دی اور الہام کیا کہ وہ اس کے لئے جرح و تعدیل کے قوانین و سلسلہ روایۃ سے قرآن مجید کے الفاظ و معانی و تفسیر یا حدیث نبوی و شریعت محمدیہ کی حفاظت کریں جیسے کہ قرآن کے الفاظ کی حفاظت حفاظ قرآن سے کرائی۔ معانی قرآن کی علماء اسلام اور ائمہ محدثین سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی دلیل یہ ہے کہ پیشتر گذر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلغوا عنی ولو اٰیۃ (صحیح بخاری) اور حجۃ الوداع میں آپ نے بیان احکام حج و وعظ و نصیحت فرما کر فرمایا لیبلغ الشاہد منکم الغائب (صحیح بخاری) یہ کہکر آپ گویا سب کو پیش ہو گئے کہ میں اپنا فرض منصبی ادا کر چکا اب تمہارے ذمہ ہے تم پہنچانا پھر فرمایا اللّٰھم اشھد اے اللہ تو گواہ ہو جا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ پس آپ امت کو اپنی تبلیغ قرآن مجید اور اس کی شرح و تفسیر و اسوۂ حسنہ یعنی حدیث کی اشاعت کا حکم فرما گئے۔ عام اس سے کہ یہ اشاعت و تبلیغ زبان سے ہو یا تحریر سے جیسے کہ قرآن مجید کا پڑھانا و محفوظ رکھنا عام ہے کہ زبانی ہو یا ضبط تحریر سے۔

اور معترض کا یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے سے منع فرمایا، تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پیشتر گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث نبوی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے جو تقریر و تحریر دونوں کو شامل ہے اور واقعات کے لحاظ سے پورا بھی ہو رہا ہے لہذا اعتراض

کو قرآن مجید اور واقعات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اوپر یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا ذمہ لیا ہے اور وہ روایۃ و کتابت دونوں کو شامل ہے اور پورا بھی ہو رہا ہے اور آپ نے خود بھی سلسلہ کتابت شروع کرایا اور حکم بھی دیا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ مطلق کتابت حدیث سے منع نہیں کیا تھا بلکہ حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ مخلوط کر کے لکھنے کو منع کیا تھا۔ چنانچہ مسند امام احمد میں ہے کہ راوی نے کہا ہم لوگ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے لکھ لیتے۔ تو آپ نے فرمایا۔

اکتبوا کتاب اللہ امحضوا کتاب اللہ او اخلصوا کتاب اللہ انتہی۔ — کتاب اللہ کو خالص اور علیحدہ کر کے لکھو اور اس میں کسی دوسری چیز کو نہ ملاؤ۔

پھر لوگوں نے حدیث کی روایۃ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا حدثوا عنی ولا حرج۔ مجھ سے روایۃ کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بس صرف قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو مخلوط کر کے لکھنے کو آپ نے منع کیا تھا نہ کہ الگ لکھنے کو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مکتوبات گرامی مراسلات جو سلاطین و امراء کو لکھوائے۔ معاہدات نصاب زکوٰۃ مقتول، و دیات وغیرہ احکام جن کا معترض بھی صفحہ ۳ پر اقرار کر چکا ہے لکھوائے۔ اور معترض نے مسلم کی حدیث تو کہیں سے نقل کر دی مگر اپنے مطلب کے لئے قطع برید کر کے نقل کی۔ صحیح مسلم میں حدیث بایں الفاظ ہے۔

لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ انتہی۔ — مجھ سے سن کر لکھو نہیں اور جس نے مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ لکھا ہو وہ اسے مٹا دے اور مجھ سے حدیثیں روایۃ کرو روایۃ میں کوئی حرج نہیں اور جس نے قصداً جھوٹ میری طرف منسوب کیا اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیا۔

دیکھا آپ نے جملہ حدثوا عنی الخ کو حذف کر دیا جو حدیث کے اثبات پر کھلی ہوئی دلیل تھا کہ آپ نے فرمایا مجھ سے حدیثیں روایۃ کرو اس میں کوئی حرج نہیں اور مسند احمد کی روایۃ میں صاف ہے کہ حدیث کو قرآن کے ساتھ مخلوط نہ کرو علیحدہ لکھو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ معترض نے خود ہی طبقات ابن سعد کے حوالہ سے صفحہ ۳۲ سطر ۱ میں حضرت عمرؓ سے حدیث نقل کی ہے۔ خدا کی قسم کتاب اللہ کو کسی اور چیز کے ساتھ مخلوط نہ کروں گا بس حدیث کو کتاب اللہ کے ساتھ مخلوط کرنا منع ہے تاکہ کتاب اللہ میں تحریف کا دروازہ نہ کھلے

اور الگ الگ لکھنا ثابت ہے۔ اس میں تطبیق ہے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ معترض نے ص۳ میں لکھا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے وقت صرف حسب ذیل تحریری سرمایہ موجود تھا۔

(۱) پندرہ سو صحابہ کے نام ایک رجسٹر میں (۲) مکتوبات گرامی جو حضورؐ نے سلاطین و امراء کے نام لکھے (۳) تحریری احکام و فرامین اور معاہدات وغیرہ (۴) کچھ حدیثیں جو حضرت عبداللہ بن عمروؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ نے اپنے طور پر قلم بند کیں۔ پس ثابت ہوا کہ مطلقاً کتابت حدیث منع نہیں تھی صرف اختلاط بالقرآن منع تھا۔ آگے چل کر معترض نے جو کہا ہے کہ حضورؐ سے ان کی تصدیق ثابت نہیں یا وہ آج کل موجود نہیں۔ تو اول تو یہ اعتراض ہی لغو ہے اس لئے کہ تصدیق تو کتابت قرآن کی بھی حضور سے وہ ثابت نہیں کر سکتا یعنی یہ کہ لوگوں نے جو قرآن مجید کے نسخے لکھے تو اس کی حضور نے تصدیق کی ہو کہ فلاں فلاں کا نوشتہ صحیح ہے۔ پھر حدیث کی کیا خصوصیت ہے اور جب حضورؐ سے اثبات حدیث ہو چکا تو پھر یہ انکار کیسا! رہا ان کا وجود تو کتب احادیث میں ثابت ہے جس کا انکار صرف مکابرہ ہے۔ چھٹا جواب یہ ہے کہ تواتر سے صحابہؓ اور تابعینؒ سے نقل و ضبط روایات کتب حدیث میں ثابت ہے اور بعض کتابوں میں موجود۔ دیکھو توجیہہ النظر جو تطبیق بالا کی بیّن دلیل ہے۔ ساتواں جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ حدیث منع منسوخ ہے ادلہ مذکورہ بالا اس پر شاہد ہیں اور نیز یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا "قلم دوات لاؤ میں تمہیں کچھ لکھدوں" (صحیح بخاری) اگرچہ پھر کسی وجہ سے لکھا نہ گیا مگر آپ کے اس کی خواہش تو کی جو از کی دلیل ہے۔ اور یہ آخری خواہش نسخ کی دلیل ہے۔

آٹھواں جواب اور نسخ کی دلیل یہ بھی ہے کہ منع کی روایۃ ایک ابوسعید سے مروی ہے اور اثبات کتابت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضرت علی اور عبداللہ بن عمرو اور رافع بن خدیج اور ابوہریرہ اور ابن عباس اور جابر اور انس (رضی اللہ عنہم) وغیرہم سے مروی ہے لہذا یہ اثبات مقدم ہے۔

نواں جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض آپ نے حدیث کے لکھنے سے منع بھی کیا ہو تو حدیث کی زبانی روایۃ اور تبلیغ کو آپ نے منع نہیں کیا وہ تو خود اسی حدیث سے ثابت ہے جس کو معترض نے پیش کیا اور حدثوا عنی جملہ کو اپنا خلاف مطلب سمجھ کر حذف کر دیا اور حق کو چھپا دیا۔ جو مقصود تو نفس روایۃ حدیث و تبلیغ حدیث ہے جو خود معترض کی پیش کردہ حدیث اور ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے۔

دسواں جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علاوہ قرآن مجید کے آپ کی حدیثوں کو روایۃ

کرنا جائز یا واجب اور اس کا اعتبار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو یہی ہمارا مدعا ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر حدیث بھی قرآن مجید نہیں۔ پھر اس کا بھی اعتبار نہیں ہونا چاہیئے لہذا اس کا وجود اس کے عدم کو مستلزم ہے اس سے کچھ ثابت ہی نہیں ہو سکتا پس اس سے استدلال باطل۔ اور یہ کہنا کہ یہ قرآن مجید کے منشا کے مطابق ہے۔ بالکل غلط ہے بلکہ یہ قرآن کے منشا کے مخالف ہے۔ پڑھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ط (پ ۳ ع ۲۶)	اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک وقت معین تک دین کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

بتایئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاملہ دین کا لکھوانا ہوتا تو جائز ہوتا یا ناجائز اور وہ حدیث ہوتی یا عین قرآن! اور پڑھیئے۔

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ الآية (پ ۱۸ ع ۹۶)	تمہارے غلاموں میں سے جو آزادی کے لیے لکھت طلب کریں ان کو لکھ دو۔

بتلایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت مکاتبت جائز ہوتی یا ناجائز اور وہ حدیث ہوتی یا عین قرآن! اور یہ کہنا بھی مفید نہیں کہ اگرچہ معترض اس کا قائل نہیں مگر فریق مخالف کا مسلمہ ہے اس لیے کہ فریق مخالف نے اس کا دندان شکن جواب بھی دیدیا ہے۔ اور اول تو ایسی روایت کے نقطہ نظر تو اتنی ہے سے حدیث کی روایت ثابت ہوتی ہے دوم اور ادلہ قطعیہ سے بھی ثابت کیا جا چکا ہے۔

ہاں معترض نے ص۱۲ میں صدیق اکبرؓ سے تذکرہ کے حوالہ سے جو ترک حدیث کی روایۃً نقل کی ہے اس میں بھی دھوکہ دیا ہے کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے ہو اور اس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے الخ۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ دیکھیئے الفاظ روایۃ کے یہ ہیں:۔

انکم تحدثون عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث تختلفون فیھا والناس بعدکم اشد اختلافا فلا تحدثوا الخ	یعنی حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حدیثیں بیان کرتے ہو بجائے فائدہ کے نقصان وہ ہیں۔ لہٰذا مختلف حدیثیں مت بیان کرو اور جہاں روایات آپس میں مختلف ہوں وہاں صرف قرآن پیش کرو۔

پس انہوں نے متناقض روایات بیان کرنے کو منع فرمایا نہ مطلق روایۃ کو۔ سو اس سے کسی کو انکار ہے اور یہ متناقض بھی تاریخ سے لاعلمی اور عدم فہم پر مبنی تھا نہ کہ نفس روایات میں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کو محدثین کی اصطلاح غالباً معلوم نہیں یا دیدہ دانستہ حق پوشی کی۔ اس روایۃ کو امام ذہبی نے من مراسیل ابن ابی ملیکہ۔ کر کے بیان کیا ہے بتا گئے ہیں کہ منقطع ہے لہذا صحیح نہیں۔ توجیہ النظر الی اصول الاثر میں بھی اس روایۃ کو کہا ہے کہ منقطع ہے صحیح نہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اسی کتاب میں اس سے پہلے ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ترکہ جدہ کے بارہ میں لوگوں سے حدیث نبوی سن کر فیصلہ کیا اور اس کے علاوہ بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں آپ سے مروی ہیں جو بالاتصال ثابت ہیں اور آپ کی خلافت کے وقت بھی فیصلہ حدیث ہی سے ہوا تھا جو بالاجماع مسلم ہوا پس اس کا خلاف سبیل المؤمنین اور قرآن کا خلاف ہے۔

اور معترض نے جو حضرت صدیق اکبرؓ کے مجموعہ احادیث کے جلانے کی روایۃ نقل کی ہے۔ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس روایۃ کے آخر میں لکھا ہے فہذا لا یصح یعنی یہ صحیح نہیں ہے غلط ہے پھر غلط سے استدلال بھی غلط اور باطل ہے۔ معترض نے حق پوشی کر کے دھوکہ کیوں دیا؟ قرآن مجید سے معترض نے صرف حق پوشی اور دھوکہ دہی کا سبق لیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام ابن کثیرؒ نے بھی اس روایۃ کے ابطال میں کہا ہے غریب جدا یعنی بالکل صحیح نہیں۔ اور یہ کہ اس کی سند میں علی بن صالح اور مفضل بن غسان دونوں مجہول ہیں۔ خلاصہ یہ کہ روایۃ بالکل صحیح نہیں جو راوی مجہول ہیں اور دلائل قطعیہ سابقہ کے بھی مخالف ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ خود اسی روایۃ میں ہے کہ انہوں نے صرف کسی شخص کی غلطی یا سہو و نسیان کے احتمال کے باعث احتیاطاً ان روایتوں کو محو کیا نہ کہ اصل حدیث سے انکار تھا ورنہ خود کیوں جدہ کے ترکہ میں حدیث کی روایۃ سے فیصلہ کرتے اور خلافت کا بھی حدیث ہی سے آپ نے فیصلہ کیا جو اثر سے ثابت ہے معترض نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ مولانا شبلی نے اس عقیدہ پر کوئی تنقید نہیں کی۔

میں کہتا ہوں اب تو آپ کو خود تذکرۃ الحفاظ ہی سے تنقید مل گئی اور امام ابن کثیر کی تنقید علاوہ اس کے ہے جو کنز العمال وغیرہ میں ہے اور معترض نے حضرت عمرؓ سے جو روایۃ عدم روایۃ حدیث کی نقل کی ہے اس میں بھی سخت دھوکہ دہی اور حق پوشی کی ہے۔ جو عبارت اپنے مطلب

کے خلاف تھی اس کو حذف کر کے صرف اپنے مطلب کی نقل کر دی ہے جو شرعاً سخت حرام ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ کی آیت یاد دلا دی۔ سچ ہے سے

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

دیکھئے عبارت ذیل اصل کتاب تذکرہ میں تھی جس کو معترض نے حذف کر دیا۔

فلا تصدوهم بالاحادیث فتشغلوهم جردوا القرآن واقلوا الروایۃ عن رسول اللہ صلعم وانا شریککم الحدیث۔	یعنی حضرت عمرؓ نے فرمایا کثرت حدیث کی روایت سے لوگوں کو قرآن مجید سے غافل نہ کرنا اور قرآن مجید میں حدیث کی آمیزش نہ کرنا قرآن مجید کو علیحدہ رکھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرنا اور اس میں بھی تمہارا شریک ہوں ۱۲ الخ۔

یہ عبارت جو مثبت حدیث نبوی ﷺ کی تھی اور معترض کے مخالف۔ اس کو حذف کر کے اپنا مطلب جو باطل تھا وہ بنا لیا۔ اور یہ کوئی تعجب نہیں باطل کی حمایت میں حق کو چھپایا ہی جاتا ہے۔ اس روایۃ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی غرض یہ تھی کہ کثرت روایات سے لوگ قرآن مجید کی تلاوت سے غافل نہ ہوں اور نیز یہ کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو مخلوط نہ کریں۔ الگ الگ رکھیں۔ جردوا القرآن کا صاف یہی مطلب ہے۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم بیان کرنا۔ اس لئے کہ کثرت روایت میں غلطی کا احتمال ہے۔ اور فرمایا اس صورت میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ کہئے یہ قول حضرت عمرؓ کا حدیث کا مثبت ہے یا نافی۔ ہاں احتیاط اور کمی کے ساتھ روایۃ کرنے کو فرمایا جس میں صحت راجح ہے جو بالکل صحیح ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کا یہ فرمانا کہ اگر میں ایسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کثرت سے حدیثیں بیان کرتا تو حضرت عمرؓ مجھے دُرّے سے مارتے۔ یہ بھی ان کا اپنا خیال اور قیاس ہے اور ایسا واقع نہیں ہوا۔ اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو الدرداءؓ وغیرہ کے قید کی روایۃ میں یہ کلام ہے کہ ابن حزم اس روایۃ کو توجیہ النظر الی اصول الاثر میں نقل کر کے کہا ہے یہ مرسل مشکوک ہے صحیح نہیں اس کا کذب ظاہر ہے۔ انتہی ملخصاً۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے بطلان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوفہ میں اور ابو الدرداءؓ کو شام میں معلم بنا کے بھیجا تھا اور ان کو لکھ بھیجا کہ تم ان دونوں کی حدیث سے تجاوز نہ کرنا (ازالۃ الخفاء) وہ قرآن کے بڑے

مقرب تھے پھر قید چہ معنی۔ تذکرۃ الحفاظ ص۱۲ میں لکھا ہے کہ حارثہ بن مضرب کہتے ہیں ہمارے پاس حضرت عمرؓ کا خط آیا اس میں لکھا تھا میں نے عمار بن یاسرؓ کو تمہارا امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو وزیر اور معلم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ کے برگزیدہ اصحاب سے ہیں ان کی سننا اور پیروی کرنا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے نفس پر ترجیح دیکر تمہارے پاس عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیجا ہے۔ انتہیٰ۔ بھلا ایسے شخص کو وہ قید کرتے ہرگز نہیں اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کیا جائے تو لفظ حبس کا معنی اگرچہ لغت میں قید کا بھی آتا ہے مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں۔ بلکہ یہاں حبس یعنی روک تھام ہے جیسے کہ آیۃ تحبسونھما من بعد الصلوٰۃ فیقسمان باللہ الآیۃ (پ ۷ ع ۳) اور جیسے کہ آیۃ ولئن اخرنا عنھم العذاب الیٰ امۃ معدودۃ لیقولن ما یحبسہ الآیۃ (پ۱۲ ع ۱) میں۔ یہاں کثرت روایت سے بندش کے معنی ہیں نہ مطلق روایۃ کرنے سے منع کرنے کے۔ اور جیلخانہ میں ڈال کر ان کو عذاب کرینگے۔ کلّا وحاشا۔ اس لئے کہ ان سے تو پیشتر تذکرہ کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ کہا لوگو تم روایۃ کم بیان کرنا اس میں بھی تمہارا شریک ہوں۔ دوم خود بھی ان سے کتب صحاح وغیرہ میں پانسو سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں۔ بعض مشہور بعض متواتر ان کی ساٹھ حدیثیں تو صرف صحیح بخاری میں ہیں۔ (مقدمہ فتح الباری ص۵۱ اور مولانا شبلی نے الفاروق ص۲۰ میں بحوالہ کتاب الآثار امام محمد حضرت عمر زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کا باہم مسائل میں استفادہ نقل کیا ہے یہ بھی معترض کی روایۃ کی تردید ہے۔ سوم ابن عبدالبر کی روایۃ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی اور اس طرح روایۃ کی تو وہ سلامت رہا۔ انتہیٰ۔ پس واضح ہو گیا کہ ان سے ان کی غرض تحقیق اور تثبیت روایۃ تھا نہ ترک روایۃ وہ حدیث نبوی میں کذب کی وعید سے بہت خائف تھے اور فرماتے تھے۔ اخاف ان ازید حرفا او انقص حرفا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب پر وعید فرمائی ہے (مسند امام احمد وغیرہ) ورنہ ویسے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے قیدوا العلم بالکتاب یعنی علم (کتاب و سنت) کو لکھ کر مقید کر دو۔ (مستدرک حاکم و سنن دارمی)

اور معترض نے ص۳۳ میں لکھا ہے کہ امام زہری کو ضبط احادیث بعد کو ناگوار گذرا۔ میں کہتا ہوں یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ اول تو خود معترض نے اسی صفحہ سطر ۹ میں لکھا ہے کہ ان تصانیف

کا مسالہ وہ روایات تھیں جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آتی تھیں۔ دوم یہ کہ امام زہریؒ نے اخیر وقت تک احادیث لکھیں اور روایہ کیں جو کتب حدیث میں جم غفیر کا ان سے روایہ کرنا ثابت ہے پس اس سے معترض کے تمام اولہ باطلہ ہباءً منثورا ہو گئے۔ فللہ الحمد۔

اور یہ بھی بالکل باطل ہے کہ ترک روایہ قرآن کے مطابق ہے۔ کلّا وحاشا۔ ترک روایہ قرآن کے بالکل مخالف ہے چنانچہ پیشتر گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی بڑا دل فریب مغالطہ ہے۔ کہ خلفاء راشدین نے حدیث کا کوئی مجموعہ نہ بنایا تھا اس لئے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ خلفاء راشدین وغیرہ نے احادیث نبویہ سے فیصلے کئے۔ عبادات، معاملات، مغازی وغیرہ میں مکتوبات و فرامین و احادیث نبویہ پر عمل کیا اور خود بھی احادیث نبویہ روایت کیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تفسیر بھی روایہ کی اور تو جان ہے احادیث کے نوشتے بھی بعض کتبخانوں میں موجود ہیں (توجیہ النظر الی اصول الاثر) اور ان کا انکار بداہتہ کا انکار اور مکابرہ ہے فرامین مکتوبات وغیرہ کا کچھ تو معترض نے خود بھی اقرار کیا ہے جس نے اس کی سب کل کی تفصیل خود اسی کی تحریر سے ثابت ہو گئی جس سے اس کا استدلال باطل ہو گیا۔ فللہ الحمد والمنۃ۔

اور یہ کیا ضرور ہے کہ جو امر ضروری ہو وہ نوشتہ ہی ہو۔ کیا زبانی روایہ تواتر یا شہرۃ سے یا تعامل امت کافی نہیں! ضرور کافی ہے! اسوۂ رسولؐ کو خود معترض بھی مانتا ہے۔ پھر کیا اس کے لئے بھی کتابت کا مجموعہ ضروری ہے یا نہ! اور احادیث کی کتابت و ضبط تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرامین و احکام و عقول و دیات و نصاب زکوٰۃ مکتوبات و معاہدات صلح حدیبیہ وغیرہ بات خود لکھوائے اور ان پر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ نے عمل کیا جو تواتر سے ثابت ہے اور وہ نوشتے اب تک کتب حدیث میں بصحت تام موجود ہیں۔ پھر ایسے بدیہی امر کا انکار بجز ہٹ دھرمی، انصاف کشی، شخصیت پرستی، بلکہ نفس پرستی نہیں تو اور کیا ہے! منکر معترض کو احادیث نبویہ کے جزو دین ہونے سے انکار اور اس پر سخت اصرار ہے اور حدیث پر عمل کرنے کو کبھی تو وہ نعوذ اللہ کی شخصیت پرستی بتاتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ اگر وہ جزو دین ہوتیں تو اللہ اور اس کا رسول اس کی ذمہ داری لیتے۔ یا خلفاء راشدین وغیرہ اس کا مجموعہ چھوڑتے جب کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں تو حدیث جزو دین بھی نہیں۔

میں کہتا ہوں اس کے جواب کا کچھ حصہ تو گذر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ کچھ اب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ شخصیت پرستی جب ہوتی کہ ان لوگوں کی ایجاد کو بھی واجب العمل بتایا جاتا یہ تو انہوں نے حدیث رسول کی تبلیغ کی ہے جس پر عمل کرنا فرض ہے جیسے کہ انہوں نے قرآن کی تبلیغ کی۔ اگر یہ شخصیت پرستی ہے تو پھر ان کی یا اور کسی کی قرآن کی تبلیغ بھی شخصیت پرستی ہوگی اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ رواۃ کی خبر و شاہد کی شہادت کو قبول کریگا تو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے واستشہدوا شہیدین من رجالکم الآیۃ (پ۳ ع۶) اگر یہ شخصیت پرستی ہوگی تو دین و دنیا دونوں کے احکام باطل ہو جائینگے۔ رواۃ کی خبر یا شاہد کی شہادت پر عمل کرنا تو قرآن مجید اور بداہتہ عقل کے مطابق اور سبیل المومنین ہے جس سے کوئی ذی عقل و فہم سلیم انکار نہیں کرسکتا اس کو شخصیت پرستی کہنا بالکل باطل ہے۔ تعجب ہے کہ معترض تاریخ کی روایتوں کو بلا تنقید مانتا ہے جن میں اکثر اخبار احاد بلکہ فساق فجار وغیرہ کی روائتیں بھی ہیں ایسی شخصیت پرستی کو وہ صحیح جانتا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ جزو دین نہیں۔ گویا دین میں شخصیت پرستی کو برا جانتا ہے اور بے دینی کی شخصیت پرستی کا حامل ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست !

اور جو گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے بھی ایک طرح سے حفاظتِ حدیث یا شریعت محمدیہ کا ذمہ لیا ہے اور وہ واقعات سے پورا بھی ہو رہا ہے۔ ملاحظہ ہو مضمون سابق اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ نفس حدیث کی روایۃ بلکہ کتابت الفاظ بھی زمانہ نبوی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود فرامین مراسلات مکتوبات اعقول دیات احکام وغیرہ لکھوا لئے۔ پھر اسی طرح خلفاء راشدین اس پر عمل پیرا ہوئے۔ اور یہ کہ وہ نوشتے اب تک بعض کتبخانوں میں موجود ہیں (توجیہ النظر) فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے زمانہ میں وہ نوشتے مثل قرآن مجید متفرق اجزاء میں غیر مرتب تھے بعد میں زمانہ تابعین میں باقاعدہ جوامع و متن وغیرہ کی صورت میں مدون و مرتب ہوئے اور درس و تدریس کا سلسلہ مدارس میں شروع ہوا جس کو معترض اپنی غلط فہمی سے امر جدید خیال کرتا ہوا طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور شر انگیزیاں کر رہا ہے۔

یہ ظلم آرائیاں کب تک یہ شر انگیزیاں کب تک

تعجب ہے کہ معترض ص۲۳ میں لکھتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ و امام زہریؒ کے بعد جب

ں کو قرونِ اولیٰ کے بعد قلم بند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اس دور میں کتبِ سیرت کی تصنیف کی ابتدا ہوئی۔ ان تصانیف کا مسالہ وہ روایات تھیں جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آتی تھیں یہ باتیں اس تمام عہد کو محیط تھیں جن حضرات نے اس وسیع موضوع کو سمیٹا اور صرف انہیں باتوں کو اکٹھا کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ ان باتوں کے مجموعے کا نام کتبِ احادیث ہے۔ اور ص۳۳ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حسب ذیل تحریری سرمایہ موجود تھا: مردم شماری کا رجسٹر۔ حضورؐ کے مکتوبات گرامی سلاطین و امراء کے نام۔ تحریری احکام و فرامین و معاہدات اور کچھ احادیث جو خود بعض صحابہ نے قلمبند کیں۔ الخ۔

تعجب اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبطِ احادیث کے سلسلہ کو بھی تسلیم کرتا ہے اور صحابہ سے حدیث کے لکھنے کو بھی مانتا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہتا ہے یہ سلسلہ کتبِ حدیث ان روایتوں کا مجموعہ ہے جو مسلمانوں میں عام طور پر مشہور چلی آتی تھیں ص۳۲ مثلاً۔ اور آخر میں اپنا وہم پھیلا کے ان کے مدون ہونے سے انکار بھی کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب ان نوشتوں اور مشہور روایات کو باقاعدہ جرح و تعدیل کے قوانین سے تنقید کر کے مدون کر لیا گیا تو پھر ان کی صحت اور حجت و دین ہونے میں کیا کلام ہے! کچھ بھی نہیں! صرف معترض کی سمجھ کا پھیر ہے۔ اور سنئے! معترض نے ایک اور طرح سے وہم پھیلایا ہے۔ ص۴۲ میں لکھا ہے۔ پھر ایک دوسری صورت یہ بھی تھی کہ جس طرح قرآن مجید محفوظ ہے اگر لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو یاد کر لیتے اور وہی الفاظ سینہ بسینہ منتقل ہوتے رہتے اور وہ کتابی شکل میں لکھ لئے جاتے تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ کتبِ احادیث کا مجموعہ ایک یقینی چیز ہے لیکن یہ بات بھی نہیں ہوئی الخ۔

دیکھئے یہ بدحواسی یا وہم نہیں تو اور کیا ہے کہ پہلے تو لکھ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوبات و ہدایات وغیرہ ضبط کرائے۔ اور صحابہ نے بھی احادیث قلم بند کیں۔ پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ علماء نے کتبِ احادیث مدون کیں۔ پھر یہ بھی لکھتا ہے کہ وہ روایات عام طور پر مشہور تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہ کتبِ حدیث صحیح بخاری وغیرہ اب تک بصحت تمام موجود ہیں پھر یہ کہنا کہ روایات لکھی نہیں۔ آپ ہی بتائیے اسے کیا کہا جائے گا یہ بدحواسی اور تناقض نہیں تو اور کیا باطل کی حمایت کا نتیجہ ہے۔ اور سنئے ص۴۶ میں معترض نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ

کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ جب وہ قال رسول اللہ کہتے تھے تو کانپ اٹھتے تھے اور کہتے تھے اس طرح یا اس کے مثل یا اس کے قریب (مسند داری) حضرت عمرؓ اسی خوف سے حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے کہ کہیں مجھ سے حدیث کی روایت کرنے میں کمی بیشی نہ ہو جائے الخ۔ دیکھئے معترض کا خبط یا چالاکی و قطع و برید کہ اس روایۃ میں ہے کہ حضرت عمرؓ روایۃ حدیث کے وقت یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتے من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار انتہی (مسند امام احمد وغیرہ کتب احادیث) اس کو معترض نے حذف کر دیا جس میں حدیث کا ثبوت تھا۔ نیز اس نقل سے تو صحابہ کے الفاظ نبویہ کے ضبط کرنے کی طرف توجہ تام ثابت ہوتی ہے کہ جس میں ان کو ذرا بھی شبہ ہوتا وہاں او کما قال کہدیتے اور جہاں یقین ہوتا وہاں بلا کھٹکا الفاظ نبویہ بیان کرتے۔ پھر اسی طرح آگے تابعین وغیرہ کا سلسلہ چلا۔ لہذا یہ اثبات حدیث کی دلیل ہے نہ نفی کی۔ مگر معترض نے اس کو عدم اثبات میں پیش کیا اور کتب حدیث کے عیوب میں اس کو لایا۔ ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

اور سنئے! معترض نے ائمہ محدثین پر یہ بہتان لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے سے سینکڑوں برس پہلے کے انسانوں کی ثقاہت کے متعلق فیصلے کئے ص۴۵ ۲ یعنی جرح و تعدیل کی۔ میں کہتا ہوں یہ ان پر صریح بہتان ہے اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صحیح سند سے اور سماع و تحقیق سے ہے۔ پہلوں کی جرح و تعدیل نقل کی یا اپنے چشم دید مشاہدہ و معائنہ کی بنا پر حکم لگایا ہے۔ نہ کہ اٹکل پچو۔ معاذ اللہ۔ اور معترض کا یہ بھی مغالطہ ہے کہ رواۃ نے ثقاہت کا سکہ جما کر لاکھوں حدیثیں وضع کیں بعض کا پردہ چاک ہوا۔ ہزاروں نیک نیتی سے حدیثیں وضع کرتے لہذا ان کا کیا اعتبار پھر کتب سابقہ سے تشبیہ دی ہے۔

میں کہتا ہوں ائمہ محدثین نے ایسے لوگوں کی ایک ایک روایۃ کی تنقید کی ہے اور ان کو الگ کر دیا ہے اور مختلف اسانید سے ان کو پرکھا ہے اور معانی کے لحاظ سے بھی جانچا ہے متکلم کی شان اور عادت اور دیگر ادلہ صحیحہ سے تطبیق دی ہے۔ الغرض عقل و نقل کی کسوٹی سے ان کو روایت کیا ہے جو بالکل قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہے مضمون سابق ملاحظہ ہو اور کتب سابقہ یا توراۃ وغیرہ کی مثال بھی دھوکہ دہی سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے بارہ میں تو قرآن و حدیث دونوں ناطق

ہیں کہ وہ محرف ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرتے اور ائمہ جرح و تعدیل کی تنقید و روایت یا شہادت پر عمل کرتا تو قرآن مجید اور عقل دونوں کے مطابق ہے اب یہ کہہ بھی کرتا کہ یہ ان کو بشریت کی سطح سے اوپر لے جاتا ہے بالکل دھوکہ دہی ہے اس لئے کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ روایتیں کے درجات ہیں۔ تواتر۔ شہرۃ۔ خبر واحد اور ہر ایک اپنے اپنے محل پر ہے اور قابل عمل ہے۔ اور پھر جب قرآن مجید سے ایک امر ثابت ہو چکا تو اب اس میں تردد کرنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

معترض کا ایک اور دل فریب مغالطہ سنئے۔ لکھتا ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ [illegible] روایتوں کو ناقابل اعتبار قرار دیا اور بقایا تین ہزار کے قریب اپنی کتاب میں درج کر لیں ان کے پاس کون سی سند تھی کہ ان [illegible] میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر ان کو شخصیت پرستی بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں معترض نے اول تو تعداد حدیث ہی میں غلطی کی ہے۔ اس لئے کہ صحیح بخاری کی احادیث مسندہ سات ہزار دو سو پچھتر ہیں اور مسندہ و معلقہ و مکررہ ملا کر نو ہزار دو سو اسی (۹۲۸۰) ہیں۔

اب لیجئے جواب سنئے امام بخاریؒ کے پاس صحیح کو لینے اور غیر صحیح کو ترک کرنے کی سند یہ تھی بحکم قرآن مجید وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ الآية وَإِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا الآية وبحکم عقل و دانش جو جماعت محدثین جرح و تعدیل تنقید و تحقیق کر چکی ہے کسی صاحب عقل و اہل فہم و علم کو [illegible] صدہا سالہ تحقیق پر صدہا سال کے بعد اب نکتہ چینی کرتے ہیں یہی وہ عقل و نقل کے قواعد سے [illegible] جاتا ہے۔ پس جیسے معترض نے تنقید کی گو اس کی تنقید بھی غلط اور بیجا ہے مگر کی تو سہی۔

پس اسی طرح امام صاحب و دیگر ائمہ نے تنقید کی اور بالکل صحیح اور باقاعدہ کی ہے اس میں کیا اعتراض ہے کچھ بھی نہیں۔ صرف معترض کی سمجھ کا پھیر ہے کہ قرآن مجید کے مطابق عمل کرنے کو شخصیت پرستی ہے قرآن مجید کے مطابق بھی جو ان کے بتلائے ہوئے ہیں ان کو تسلیم کرنا اور جو سلف و خلف سے متواتر و مشہور ہیں ان کو ترک کرنا یہ بھی اول درجے کی شخصیت پرستی ہے۔

مگر منکروں پہ کشادہ ہیں راہیں ٭ یہ ستم کریں [illegible] سے بھی ہاریں۔

ایسی کجروی کو سادہ لوح ان زمانہ آمنا کہتے کو تیار اور رسیدھے راستہ سے انکار۔ سچ ہے!
وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا (پ ۹)
معترض کا ایک اور بہتان عظیم ملاحظہ فرمایئے ص۳۲ میں لکھا ہے امام بخاریؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو بنا بر اختلاف عقیدہ کمی بیشی ایمان ثقہ نہیں قرار دیا اور چونکہ وہ کوفہ کے تھے لہٰذا سب کوفہ والوں کو غیر معتبر بتایا اور چونکہ کوفہ عراق میں تھا۔ لہٰذا سارا عراق اسی زمرہ میں آگیا لہٰذا ان کی سو حدیثوں میں سے ننانوے چھوڑ دو اور جو ایک تو وہ بھی مشتبہ۔

اللہ اللہ لوگوں کو بہکانے اور بدگمان کرنے کے لئے کتنا بڑا بہتان تراشا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہرگز نہیں کیا صرف اعمش کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کان مرجئا سکتوا عن رأیه و حدیثه کہ لوگ مرجی ہونے کے باعث ان کی حدیث سے ساکت رہے۔ ثقہ نہ قرار دیا اور امر ساکت ہو سکوت عن الحدیث اور۔ اور امام نسائی وغیرہ نے صرف سکوت عن الحدیث کی مو حفظ بتائی ہے۔ سو ہو سکتا ہے کہ توثیق باعتبار صدق و دیانت کے ہو اور سکوت عن الحدیث باعتبار سوء حفظ کے۔ پس امام بخاریؒ کی طرف امام اعظم رح کے غیر ثقہ ہونے کی نسبت بالکل بہتان ہے۔ رہ گئے کوفہ والے اور عراق والے کا تو اس سے بھی بڑھ کر بہتان ہے کہ جس کا سر ہے نہ پاؤں۔ اور اس بہتان کی تردید کے لئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ صحیح بخاری میں سینکڑوں راوی کوفی اور عراقی ہیں سفیان ثوری۔ سفیان بن عیینہ ابراہیم نخعی۔ ابراہیم تیمی وغیرہ رواۃ بخاری سب کوفی ہیں۔ معترض کا ایک اور اعتراض سنئے ص۳۵ میں لکھا ہے کہ فرقہ عقیدہ کے اختلاف کی بنا پر امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم جیسے امام بخاریؒ کی ثقاہت پر اعتراض کیا اور ان سے روایت ترک کر دی ہے امام مسلم امام بخاری [illegible] حدیث [illegible] کو [illegible] قرار دیتے ہیں۔

یا اللہ! انہیں ایمان سے پھر نہ [illegible] بزرگوں پر کتنا بڑا بہتان ہے معلوم معترض نے کتب رجال کو پڑھا نہیں یا سمجھا نہیں یا [illegible] دھوکہ دینے کو اور خلق خدا کو گمراہ کرنے کو [illegible] طریق اختیار کر رکھا ہے [illegible] سنئے جواب امام ابوزرعہ اور ابوحاتم نے امام بخاریؒ کے ثقہ ہونے پر کبھی اعتراض نہیں کیا یہ معترض کی اصطلاحات محدثین سے بے خبری کا نتیجہ ہے کہ وہ [illegible] بنا رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ امام بخاری جب نیشاپور گئے تو آپ کی بڑی عزت ہوئی اور اساتذہ کے طلبہ سب آپ ہی کی طرف کھنچنے لگے۔ بعض اساتذہ کو یہ امر ناگوار ہوا ایک حاسد

نے آپ سے آکر مسئلہ پوچھا کہ آپ خلق قرآن کے بارہ میں کیا کہتے ہیں آپ نے کہا غیر مخلوق ہے مگر ہماری آواز ہیں غیر مخلوق نہیں۔ اس کم بخت نے مشہور کر دیا کہ امام صاحب خلق قرآن کے قائل ہیں۔ بس پھر امام ذہلی کو اپنے طلبہ کو روکنے کا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے طلبہ کو روکا تو امام ابوحاتم اور امام ابو زرعہ بھی قبل اس کے امام صاحب سے خود آکر تحقیق کرتے دور سے سن کر بیٹھ رہے بعد کو جب امام صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس کی تردید بھی کر دی معاملہ صاف ہو گیا۔ مگر دشمن کو بھکانے کا موقعہ مل گیا۔ اس زمانہ میں لوگ مذہب کے بڑے پابند تھے وہ ● مذہب کوئی بات نہیں سننا چاہتے تھے۔ امام ابو زرعہ کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی گانا بجانا ہوتا تو کانوں میں انگلیاں ڈال کر بند کر لیتے۔ امام صاحب کے ثقہ ہونے پر انہوں نے اعتراض قطعاً نہیں کیا۔ صرف پڑھنے سے رک گئے ویسے امام صاحب کے علم و فضل و ثقہ ہونے کے قائل تھے۔ اس لئے کہ جب امام ابو زرعہ سے کسی راوی کا حال دریافت کیا گیا تو انہوں نے امام بخاری کا حوالہ دیا کہ انہوں نے ایسا لکھا ہے (تہذیب التہذیب) میں اسی پر کفایت کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک امام بخاری ثقہ اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔ ورنہ غیر ثقہ کی جرح و تعدیل کا کیا اعتبار۔ اور امام ابوحاتم نے تو امام بخاری کو دین کا علم اور حفظ بتایا ہے اس سے بڑھ کر اور تعدیل کیا ہوگی اور کیا عجب کہ معترض کو یا جس سے معترض نے نقل کیا ہے کہیں دھوکہ ہو گیا ہو کیونکہ محمد بن اسماعیل بخاری ایک اور شخص بھی رواۃ میں گذرا ہے جو پانچویں صدی میں امام صاحب کے بعد ہوا ہے گویا کچھ اوپر تین سو سال امام صاحب کے بعد پیدا ہوا وہ البتہ ثقہ نہیں۔ غالباً لوگوں کو اس کا شبہ ہوا ہے ورنہ امام بخاری تو امام الدنیا فی الحدیث مسلم الکل تھے۔ اَلَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

اب امام مسلم کی بابت سنئے کہ معترض نے جو کچھ ان کی نسبت لکھا بالکل جھوٹ ہے بھلا ثابت تو کریں حوالہ تو بتائیں کہ کس کتاب میں ایسا لکھا ہے۔ دشمنان دین سے سنی سنائی ڑٹلیات نقل کر دیں کہیں نہیں لکھا ہے کہ امام مسلم نے امام بخاری کو جھوٹے موٹے حدیث بنا تیوالا کہا ہے۔ کلا و حاشا۔ ہرگز نہیں وہ تو ان کے شاگرد رشید ہیں اور ان کی اتنی تعریف کی ہے کہ اور کوئی کیا کرے گا وہ تو امام صاحب کو استاذ الاساتذین اور سید المحدثین اور طبیب الحدیث فی علله کہتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ علم دین میں آپ کی مثل دنیا میں کوئی نہیں۔ اگر اجازت ہو تو میں آپ کے پاؤں چوم لوں اور یہ کہتے کہ وہ حاسد ہے جو آپ سے بغض رکھے۔ بتائیے وہ جھوٹے موٹے حدیث بنا نیوالے تھے یا منکر معترض حاسد باغض کہ مرمیح

جھوٹ لکھ مارا۔ توبہ توبہ۔ اور بعض محدثین نے تو امام صاحب میں کلام کرنیوالے پر بیشمار لعنت کی ہے۔
مناسب ہے۔ سہ

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ہاں ایک تو شکر معترض نے جھوٹ موٹ بہتان تراش کو لکھ مارا۔ دوسرا انختل الحدیث کا معنی بھی غلط کیا اس کا معنی ضعیف الحدیث ہے نہ کہ جھوٹ موٹ بنا کر بولنا ان دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے مگر اس کو تو اعتراض کرنا تھا حق و ناحق جھوٹ سچ سے غرض نہیں۔ قرآن مجید میں افترا کرنیوالوں کی جو تعریف کی گئی ہے شائد وہ معترض کو یاد نہیں یا پرواہ نہیں۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ۔ (پ ۱۴ ع ۱۹)

جھوٹ افترا وہی کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور وہی لوگ اصل کاذب ہیں ؎

یہاں معترض نے ایک اور نہایت دلفریب مغالطہ دیا ہے کہ سنی شیعہ کے اپنے اپنے راوی ہیں اور ہر ایک کے نزدیک اپنے اپنے ثقہ ہیں اور پھر متناقض بھی لہذا بے اعتبار۔ اور اپنے ہی اہم مسلک کا اعتبار تو بہار شطرنج بازی ہوئی انصاف نہ ہوا۔ سہ

نالۂ بلبل شیدا تو سنا ہنس ہنس کر　　　اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

کیوں جناب معترض صاحب اگر کوئی یوں کہے کہ آپ اور شیعہ دونوں اپنے اپنے خیال کے لوگوں کو ثقہ جانتے ہیں اور دونوں کا قرآن مجید میں اختلاف ہے آپ قرآن مجید کو کامل مکمل جانتے ہیں اور شیعہ اس میں کمی بیشی اور تحریف کے قائل ہیں پھر کس کا اعتبار کیا جائے۔ دونوں متناقض کیا دونوں فریق غلطی پر ہیں اگر بھلا آپ کے ہاتھ میں کیا ہے جو جواب آپ کا ہوگا۔ ایسے ہی آپ قرآن کے ماننے والے اور دیگر غیر مسلم اقوام اہل کتاب آریہ وغیرہ کو قیاس فرما لیجئے۔

اب اور طرح سے سنیئے آپ لوگ بلا کر حدیث کو نہیں مانتے یا جزو دین قرار نہیں دیتے آپس میں معانی قرآن مجید میں سخت مختلف ہیں اور ہر ایک کی دلیل صرف قرآن مجید ہے نمازوں کی تعداد اور اذکار و ہیأت نماز احکام طہارت نکاح طلاق حج کی تفصیل زکوۃ کے احکام کی تفصیل نصاب اجناس مال زکوۃ۔ روزوں کی تعداد و کیفیت و فیصلجات معاملات وغیرہ وغیرہ میں آپ لوگوں میں اختلاف

ہو اور سب ثقہ ہیں اور پھر ایک دوسرے کے مخالف اور اختلاف بھی کس بات میں قرآن مجید میں۔ کسی کو صحیح کہیں کسی کو غلط اور اگر آپ اپنے ہی ہم عقیدہ اور خیال کے لوگوں کی تفسیر و معانی کو صحیح بتائیں اور انہیں کی بات کا اعتبار کریں تو پھر یہ دین نہ ہوا یہ تو پارٹی بازی ہوئی انصاف نہ ہوا۔ اب آیا خیال شریف میں! جواب اپنی طرف سے آپ اس کا دیں گے اسی قسم سے ہمارا بھی سمجھ لیجئے۔ معترض کا ایک اور مغالطہ ملاحظہ ہو کہ جامعین حدیث جن رواۃ کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں پھر انہیں کی روایات اپنے مجموعوں میں درج کر دیتے ہیں ؎

ہر آں کارے کہ بے استاد باشد ٭ یقین میداں کہ بے بنیاد باشد

منکرانِ حدیث چونکہ باقاعدہ فن حدیث کو استاد فن سے نہیں پڑھتے غیروں کے تراجم اعتراضات کا مطالعہ کر کے شر انگیزیاں کرتے ہیں۔ اس لئے متکلم کے کلام کو بگاڑ بگاڑ کر لوگوں کو بہکاتے ہیں غلط معنی بیان کر کر بہتان تراش کر محدثین کو بدنام کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ سنئے قواعد جرح و تعدیل کے درجات ہیں ایسے ہی نقادوں کے درجات ہیں پھر رواۃ کی روایت درج کرنے کے بھی درجات اور اصطلاحات ہیں ہر مقام میں ہر راوی کی روایت کا ایک ہی درجہ نہیں بلکہ ہر ایک کی روایت کا اعتبار بھی لازم نہیں۔ اس کے اغراض مختلف ہیں جن کے بیان کی گنجائش نہیں۔ اوّل تو جس ناقد نے کسی کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا وہ اس کی روایت کو نہیں لایا۔ کوئی دوسرا لایا ہوگا۔ اور اگر کہیں وہ بھی لایا ہے تو اس کی روایت کی حجیت کے اعتبار سے نہیں لایا بلکہ دوسری غرض شواہد و اعتبار و تردید وغیرہ کی غرض سے لایا ہے نہ کہ حجیت کی غرض سے پس تو یہ اعتراض باطل ہو گیا۔

منکر کا ایک اور مغالطہ ملاحظہ ہو وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام بعض بحیثیت رسالت تھے اور بعض بحیثیت ذات پھر کیسے معلوم ہو کہ حضور کے فلاں فلاں کام ذاتی ہیں اور فلاں غیر ذاتی پھر ان کو جزو دین قرار دینا کس قدر زیادتی ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہ لوگ حدیث کو باقاعدہ استاذ حدیث سے نہیں پڑھتے اس لئے ٹھوکر کھاتے ہیں۔

اے جناب! حدیث کے جاننے والے سب جانتے ہیں کہ فلاں فلاں امر حضور کا بحیثیت ذات ہے اور فلاں فلاں بحیثیت رسالت۔ اگر آپ نے کوئی مثال پیش کی ہوتی تو میں جواب دیتا۔ اب کیا دو جہالت کے دلدل سے جانتے ہیں۔ آپ اگر نہ جانیں تو قصور کس کا! ایک اور مغالطہ معترض منکر کا ملاحظہ ہو۔ دفع دخل کے طور پر حدیث اور تاریخ میں فرق بتاتا ہے کہ تاریخ کو میرا دل چاہے مانوں

چاہے قرآن مگر حدیث چونکہ جزو دین ہے اس میں انکار سے ایمان زائل ہوتا ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا جواب پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اب پھر اتنا کہتا ہوں کہ مثلاً شاہان دہلی کا یا بادشاہ اکبر بادشاہ جہانگیر بادشاہ شاہ جہاں وغیرہ گذرے ہیں اور ان کی یادگاریں اور کارنامے بھی ہیں کیا معترض اخبار میں شائع کر سکتا ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے کوئی بھی نہیں گزرا محض افسانے اور ناول ہیں معترض ہرگز یہ نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ بعض امور کے انکار کی گنجائش ہی نہیں آدمی انکار کر ہی نہیں سکتا ورنہ زمانہ اس کا منہ توڑ دیگا۔ ایسے ہی بعض امور کے اثبات کے درجات ہیں کہ بعد ثبوت قطعی انکار کی گنجائش نہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو منکر معترض کا۔ صحیح بخاری کی حدیثوں کو غیر معتبر بنانے کے لئے حضرت ابراہیم کے بارہ میں حدیث پیش کی ہے کہ آپ نے تین جھوٹ بولے۔ منکر یا معترض نے صحیح بخاری کی حدیث کا ذکر کر کے تو اعتراض کیا مگر قرآن مجید کی آیتوں کا ذکر نہ کیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کفار کے بتوں کو توڑنے کا بیان ہے کہ جب وہ لوگ اپنے میلہ کو جانے لگے اور حضرت ابراہیم کو بھی جانے کے لئے کہا تو انہوں نے ستاروں میں نظر کر کے کہا کہ میں بیمار ہوں یا ابھی بیمار ہونیوالا ہوں تو وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے پیچھے ان کے بت توڑ ڈالے۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ الی قولہ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ (پ ۲۳ رکوع ۶) پھر جب انہوں نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا کہ ہمارے بت کس نے توڑے تو آپ نے فرمایا بڑے بت نے قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ الآية (پ ۱۷ ع ۵) لیجئے دو جھوٹوں کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی آگیا باوجودیکہ بیمار نہ تھے۔ ستاروں میں نظر کر کے کفار پر بیماری ظاہر کی اگر فی الواقع بیمار ہوتے تو ستاروں میں دیکھ کر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور آپ نے بت توڑ کر بڑے بت کا نام لے دیا۔ پھر جو توجیہ یا تاویل وہ قرآن مجید کی کریگا اسی قسم سے حدیث کی سمجھ لیجئے گا۔ اور سنئے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا	پھر جب ابراہیم پر رات چھا گئی تو ایک تارے
قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ	کو دیکھ کر کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا
لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَى	تو کہا میں غائب ہونیوالوں کو دوست نہیں رکھتا

القمر بازغا قال هذا ربي فلما افل قال لئن لم يهدني ربي لاكونن من الضالين . فلما رای الشمس بازغة قال هذا ربي هذا اكبر الآية	پھر جب چاند کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہا اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کرے گا تو میں البتہ گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔

(پ ۷ ع ۱۴)

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تارے سورج چاند کو خدا کہا۔ یہاں پر بتایئے تارے سورج چاند کو خدا کہنا سچ ہے یا جھوٹ۔ معترض بری طرح پھنسا اگر اس کو جھوٹ کہتا ہے تو جھوٹ ثابت ہوتا ہے اور اگر اس کو سچ کہتا ہے تو جھوٹ بھی ہے اور شرک بھی بنتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ جھوٹ بھی حقیقی ہے یہ امر دیگر ہے کہ پیچھے انہوں نے اس کی تردید کر دی۔ گفتگو تو اس میں ہے کہ ان کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا جو سچ نہ تھا مگر تاہم ان پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ پیارے معترض حدیث کے ماننے والوں کو تین جھوٹوں کا الزام دے رہا ہے خود اسی پر پانچ ثابت ہو گئے۔ اُلٹے لینے کے دینے پڑ گئے۔ پھر جو تاویل و توجیہ پانچ کی کرے اسی قسم سے ہماری توجیہ سمجھ لیجئے گا۔ بلکہ حدیث میں جن جھوٹوں کا ذکر ہے وہ حقیقی نہیں مجازی ہیں۔ یعنی ذو معنی کلام ہے توریہ ہے اور قرآن مجید والے حقیقی ہیں اور ہم تو اس سے زیادہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ ان مقامات میں صورت کذب کی ہے کذب حقیقی نہیں۔ ظاہر اور متبادر مفہوم ان کا کذب ہے کہ فوری مخاطب جس کو سمجھتا ہے وہ کذب ہے اور در حقیقت وہ کذب نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؓ کو بہن کہا تو مخاطب نے حقیقی بہن سمجھا مگر ان کی غرض دینی بہن تھی انما المؤمنون اخوۃ بلکہ کتب سابقہ سے وہ ان کی چچیری بہن بھی معلوم ہوتی ہیں مگر ظاہری صورت کلام کی کذب کی ہے اور گو اس پر مواخذہ نہ ہو مگر تاہم بڑے لوگوں کو اس سے شرم آتی ہے کہئے اس پر کیا اعتراض ہے جو کچھ بھی نہیں صرف معترض کی بے سمجھی کج فہمی اور بے عقلی ہے ہم چونکہ قرآن مجید میں ہیں اس لئے میں نے ان کی توجیہ نہیں کی تاکہ معترض خود بیان کرے۔

پھر معترض نے ایک اور اعتراض کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو تھپڑ مار دیا۔

کران کی آنکھ پھوٹ گئی۔

میں کہتا ہوں ہاں ایسا ہی ہوا۔ کہئے اس میں کیا اعتراض ہے۔ اس پر کوئی عقلی استحالہ پیش کیا ہوتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت لکھی ہوتی جو اس کے مخالف ہوتی مگر معترض سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ کیا معترض نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے آدمیوں کی شکل میں آئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بچھڑے کا گوشت بھی ان کے کھانے کو لائے۔ ان کے نہ کھانے سے خوف زدہ بھی ہو گئے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کو دیکھ کر قوم کی شرارت سے گھبرا گئے (سورہ ہود) حضرت مریمؑ کے پاس فرشتہ آدمی کی شکل میں آیا تو انہوں نے اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا کہا (سورہ مریم) ایسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس فرشتے آدمی کی شکل بن کے گھر میں آگیا وہ پہچانے نہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہما السلام پہلے پہل نہ پہچانے۔ پھر اگر بے خبری کی حالت میں ایک اجنبی آدمی جان کر تھپڑ مار دیا تو کیا تعجب ہے۔ بہرحال یہ اعتراض نہیں محض ایک وہم ہے۔

معترض نے ص۳۲ میں لکھا ہے کہ آج اگر کسی ایک حدیث کے متعلق بھی یقینی طور پر ثابت کیا جا سکے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ پھر جو اسے دین نہ مانے اسے دین سے کیا علاقہ کہ وہ معصیت رسولؐ ہے جس کی سزا جہنم ہے لیکن جب کسی ایک حدیث کے متعلق بھی یہ شکل نہ ہو تو فرمائیے ایسے ظنی مجموعہ کو دین کیسے ٹھہرایا جائے۔

بس اب مطلع صاف ہو گیا کہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث رسول یعنی آپ کا قول اور فعل و تقریر بعد ثبوت امر دین اور واجب العمل ہے جو نہ مانے وہ بے دین ہے جہنمی ہے بالکل صحیح ہے ہرگز شک اور دکا فر گردد۔

اب رہا معترض کا ثبوت حدیث سے انکار۔ یعنی یہ کہ وہ نوشتے اب محفوظ نہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ پیشتر ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود بہت سی احادیث لکھوائیں اور صحابہؓ نے از خود بھی لکھیں اور یہ کہ وہ نوشتے بوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود بھی تھے معترض خود بھی ص۳۱ میں اس امر کا اقرار کر چکا ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ خلفائے راشدین وغیرہ سلف صالحین و علمائے اسلام کا برابر اس پر عمل درآمد رہا ہے زبانی روایت سے ضبط کتابت

سے عمل سے تا ابن قدم ثابت ہے۔ پھر معترض کا انکار محض ہٹ دھرمی اور ضد و روشن میں سورج کا انکار ہے۔ جس کو کوئی عقل مند باور نہیں کر سکتا۔

اس کے آگے چل کر معترض نے دفع دخل کے طور پر بڑی ہوشیاری کی ہے کہ اسوۂ حسنہ اور عمل متواتر کو تسلیم کیا ہے اور جزو دین مانا ہے۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اس کی غرض تو اس سے یہ ہے کہ قولی حدیثیں حجت نہیں۔ مگر اس کو ماننا پڑے گا کہ بلا قولِ رسول کے اسوۂ حسنہ و عمل متواتر پر عمل مشکل ہے بلکہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس لئے کہ مثلاً نماز ہی کو لیجئے۔ کہ اس کی ظاہری ہیئت تو دیکھنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے اذکار کہ اس میں کیا کیا پڑھا جائے۔ کس قدر پڑھا جائے۔ اور اگر فلاں فلاں ذکر ترک ہو جائے تو کیا کیا جائے کون کون ذکر واجب فرض ہے کون کون سنت مستحب وغیرہ ہے۔ اس کے ارکان کیا کیا ہیں اگر نماز کو وقت سے بے وقت پڑھا جائے تو کیا قباحت ہے۔ اور ترک کرنے میں کیا حرج ہے۔ اگر نماز میں کسی کا گوز نکل گیا ریاح خارج ہو گئے یا قطرہ پیشاب کا آگیا یا تعداد خطا ہو گیا وغیرہ تو کیا کرنا چاہیئے نماز میں باہمی کرنی اور دنیاوی کام جائز یا منع ہیں۔ ایسے ہی پاکی پلیدی طہارت استنجا غسل وغیرہ کی تفصیل کہ کس کس چیز سے پانی یا کپڑا بدن وغیرہ ناپاک ہوتے ہیں کس کس سے کس طرح پاک ہوتے ہیں۔ پاکی پلیدی کے حدود کیا ہیں۔ ناقض طہارت کیا کیا ہیں۔ یہ سب امور بلا قول ناممکن الحصول ہیں۔ ایسے ہی نصاب اور احکام زکوٰۃ و حج و مقتول و دیات و حلال و حرام وغیرہ وغیرہ۔ یہ امور بلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور یہ امور قرآن مجید میں مفصل و مصرح بھی نہیں۔ لہٰذا ان کا علم بلا قول رسولؐ ناممکن ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اسوۂ حسنہ و عمل متواتر کا اکثر حصہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر موقوف ہے۔ اور یہ دونوں باقرار معترض دین ہیں۔ پس قول بھی دین ہے۔ اگر وہ محفوظ نہیں تو دین بھی محفوظ نہیں۔ پس ماننا پڑے گا کہ حدیث رسول محفوظ ہے۔ اور یہ کہ وہ دین ہے اور اس کا انکار بے دینی ہے۔

اس تحریر سے معترض کے ملک کے تجزیہ کا نمبر ۲ بھی باطل ہو گیا۔ جس کا خلاصہ عدم حفاظت حدیث تھا۔ اس لئے کہ اگر حدیث محفوظ نہ ہوتی تو پھر دین بھی محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور نہ

ہی قرآن مجید پر عمل ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ تیسرے کے اعتبار سے اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہیں مگر تفسیر ہر شخص اپنے اپنے مذہب کے موافق کرتا ہے۔ پھر بلا تشریح رسول قرآن مجید پر صحیح طور پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ورنہ معترض کو کیا حق ہے کہ دوسرے پر اعتراض کرے۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنی سمجھ کے موافق قرآن مجید پر عمل کرتا ہے۔ پھر یہ ترجیح بلا مرجح کیسی یہ تو پارٹی بازی ہوئی۔

انصاف نہ ہوا۔

یہاں معترض نے پھر پچھلی باتیں دُھرائی ہیں کہ کتب حدیث دو ڈھائی سو برس بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدون ہوئیں۔ اور یہ کہ وہ نقل بالمعنٰے ہیں۔ اور یہ کہ پچھلوں نے سینکڑوں برس پہلوں پر تنقید کی۔ ان سب کا جواب وندانِ شکن پہلے ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

یہاں ایک امر زائد یہ بیان کیا ہے کہ ان کتب حدیث میں اللہ تعالےٰ کی ذات پر اور انبیاء کرام کی شان میں طعن پایا جاتا ہے۔ پھر صحیح بخاری کا نام لیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ معترض نے یہاں نہ کوئی عبارت نقل کی نہ کسی طعن کی تفصیل کی صرف طعن کا لفظ لکھ دیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ کوئی مثال دیتا۔ یا عبارت یا ترجمہ نقل کرتا۔ تو اس کی قلعی اُتار دی جاتی۔ سو پہلے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ اگر وہی اس کی مراد ہے تو اس کا جواب دندان شکن ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اور اگر کچھ اور ہے تو بیان کرے۔ انشاء اللہ جواب باصواب دیا جائے گا۔ پھر انشاء اللہ اس کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ جیسے پہلے اعتراض میں پڑے ہیں۔ حدیث صحیح میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ منکرین کی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ ع

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ٭ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

علاوہ اعتراض تو صدہا لوگوں نے قرآن مجید پر بھی کئے ہیں۔ جیسے ان کی سمجھ کا قصور ہے ایسے ہی انکار حدیث ان کی سمجھ کا قصور ہے۔

حدیث کے قاضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حدیث رسول قرآن کی تشریح و تفسیر ہے۔ دوسروں کی تفسیر پر تفسیر رسول مقدم ہے۔ وہ مطلب نہیں جو معترض سمجھا ہے۔ معترض نے ص۲۴ میں لکھا ہے کہ جیسے امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے تین ہزار انتخاب کر کے مسترد کر دیں اسی طرح ان

کے مجموعہ سے بھی ایسی حدیثیں الگ کی جا سکتی ہیں۔ جو دین کے معیار پر صحیح ترین الخ۔

میں کہتا ہوں اس سے ثابت ہوا کہ جو معیار دین پر صحیح ترین وہ قابل قبول ہیں۔ اس سے اس کا انکار کلی دعویٰ یہ کہنا کہ تمام کتب احادیث کا مجموعہ محض ظنی ہے جو قابل قبول نہیں باطل ہو گیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو بفضلہ تعالیٰ صحیح بخاری وغیرہ دیگر کتب کی ہزارہا احادیث معیار دین پر صحیح ترین ہیں۔ لہذا وہ قابل قبول و واجب العمل ہیں۔ اور ان کا انکار شریعت اسلام کا انکار ہے۔

معترض صلا پر میں اختلافات دور کرنے کا حل صرف ایک ہی بتایا ہے وہ یہ کہ بعد قیام حکومت اسلامیہ کے مرکز ملت مجلس شوریٰ کی مشاورت سے قرآن کریم کی بنیادوں پر تاریخ کی روشنی میں کسی فیصلہ پر پہونچیں تو وہ فیصلہ است میں نافذ العمل ہو جائے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا!

معترض نے اپنے سارے ساختہ پرداختہ کو خاک میں ملا دیا۔ اور بری طرح شکنجہ میں آ پھنسا۔

کیوں جناب یہ مجلس شوریٰ کا تاریخ کی روشنی میں فیصلہ دینی ہو گا یا بیدینی۔ اگر بے دینی ہے تو آپ کو مبارک ہو۔ اور اگر دین ہو گا تو کیا وہ تاریخ مثل قرآن قطعی ہے۔ اور مشورہ اور غور و فکر لوگوں کا قطعی ہے یا غیر قطعی۔ کیا کوئی اس کو قطعی کہہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر دین ظنی ہوا یا قطعی۔ اور کیا وہ اب محفوظ ہے اور منضبط ہے۔ اور کیا وہ مثل قرآن اب تک محفوظ چلا آتا ہے۔ یا کچھ بھی نہیں۔ اب آپ کی وہ تعلّی وہ ڈینگ کہاں گئی کہ حدیث ظنی ہے۔ لہذا جزو دین نہیں ہو سکتی۔ دین یقینی ہونا چاہیئے۔ پھر بتایئے آپ تو حدیث کو قاضی کہتے سے گھبرا رہے تھے اب آپ نے مجلس شوریٰ کو قاضی بنا دیا۔ اور قرآن مجید کو قاضی نہ سمجھا قرآن مجید کو مجلس شوریٰ کا محتاج بنا دیا۔ کیا یہ شخصیت پرستی نہیں ہے ضرور ہے۔

وہ الزام ہم کو دیتا تھا قصور اس کا نکل آیا

معترض نے ضمناً بہت سی باتیں قابل مؤاخذہ لکھی ہیں۔ میں نے بسبب طوالت ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ورنہ میں اس کے ایک ایک فقرے کو توفیقہ تعالیٰ توڑ پھوڑ باطل کر دیتا۔

آخر میں معترض نے یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ مجھ کو چکڑالوی اہل قرآن منکر حدیث اور نہ معلوم کیا کیا کہیں گے۔ مگر وہ یہ بتائیں کہ اس میں دعویٰ میرے بیان ہیں؟ کہیں غلط بیانی سے کام تو نہیں لیا گیا۔

میں کہتا ہوں بتایئے۔ پھر آپ کو کیا کہیں۔ کیا قائل حدیث یا منکر چکڑالوی اہل قرآن تو منکر حدیث ہیں۔ بتایئے آپ کس گروہ میں ہیں۔ آپ اپنا مذہب بھی نہیں بتاتے۔ حدیث کے انکار سے بھی محروم ہے اور قائل بھی نہیں بیچ میں واسطہ کون سا ہے۔ اور ہاں میں کہتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ بالکل غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ بیان سابق ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہدایت کرے۔

وَاللّٰہُ الْھَادِیْ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا حدیث وحی الٰہی نہیں ہے؟

(از جناب محمد شعیب نظامی ددھنگوی جامعہ رحمانیہ)

خدا کے جانچ تک کوئی انتہا نہیں۔ وہ اپنے بندوں کو مختلف امور سے آزماتا ہے مسلمان شیطان [illegible] کے جال میں آکر کن کن گمراہ کن فرقوں میں پھنس گئے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ماننے [illegible] بھی کوئی تقلید شخصی میں مبتلا ہے۔ کوئی احادیث نبوی کو سرے سے اڑاتا ہے جس کا جو جی چاہتا ہے [illegible] رتا ہے۔ کچھ عرصہ سے ایک نیا فرقہ رونما ہوا ہے، جو منکر حدیث ہے۔ صرف قرآن متلو ہی کو اپنا لائحہ عمل بتاتا [illegible] احادیث صحیحہ کی تردید میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے مگر مسلمانو! یاد رکھو کبھی بھی احادیث نبویہ باطل پرستوں [illegible] زور سے نہیں مٹ سکتیں۔ جس طرح قرآن متلو وحی الٰہی ہے اسی طرح احادیث صحیحہ بھی وحی الٰہی ہیں یہ قرآن [illegible] بالکل خلاف نہیں بلکہ اس کی مفسر ہیں اللہ عزوجل کا فرمان ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ [illegible] اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ اے نبی امی ہم نے آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کر بتائیں [illegible] سے کہ غور و فکر کریں، دوسری جگہ ارشاد ہے: لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ [illegible] فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ اس تبیین اور بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ حضور [illegible] اپنی زبان الہام ترجمان سے قرآن کے معنی و مطالب اور تفسیر و تفصیل کرتے تھے وہ منجانب اللہ [illegible] چونکہ نبی کا ہر فعل و قول امر و نہی بحکم الٰہی ہوتا ہے فرمایا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی آپ [illegible] خواہش نفسانی سے کوئی بات نہیں بناتے بلکہ وہی کہتے ہیں جن کا حکم ہوتا ہے، اسی لئے تو فرمایا لَقَدْ [illegible] فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اے مسلمانوں تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہتر نمونہ ہے، رسول کا [illegible] احادیث ہی میں ملتا ہے آپ مشکل امر کی تفسیر کرتے اور مجمل امر کی توضیح کرتے اللہ جل [illegible] ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ نماز درست کر کے ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو اس کا ذکر متعدد جگہ میں ہے لیکن [illegible] نمازیں کتنی رکعتیں ادا کی جائیں؟ قرآن متلو نہیں بتاتا اسی طرح روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ [illegible] یہ امر بالکلیہ ثابت ہو گیا کہ احادیث صحیحہ بھی منجانب اللہ ہیں تو جس طرح قرآن متلو کا [illegible] باری تعالیٰ ہے اسی طرح احادیث کا محافظ بھی باری تعالیٰ ہے جس طرح قرآن میں [illegible] کا رد و بدل نہیں بعینہٖ اسی طرح احادیث کے الفاظ بھی ثابت ہیں، یہ لوگ حدیث پر

کئی ایک اعتراض کرتے ہیں جو ان کی نافہمی، ورنہ کجروی پر دال ہیں ان شاء اللہ بترتیب ہر اعتراض کا جواب دیتا چلوں گا۔

اعتراض لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رسول سے مراد قرآن ہے یعنی تمہارے لئے اللہ کے قرآن میں بہتر نمونہ ہے اسی طرح قرآن میں جہاں کہیں بھی رسول کا لفظ آیا ہے قرآن ہی کے معنی میں ہیں۔

جواب:۔ اگر رسول سے مراد قرآن ہے تو اس آیت کے کیا معنی ہوں گے هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وہی ذات ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک رسول (قرآن) بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و دانش مندی کی باتیں بتاتے ہیں کیا اس کا یہی ترجمہ ہوگا؟

دوسری جگہ فرمایا۔ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول (قرآن) ہیں اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ بے شک اللہ کے رسول (قرآن) ہیں۔ ع تو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

اعتراض ۲:۔ سورۃ نحل میں فرمان خداوندی ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ یعنی ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور خاص مسلمانوں کے واسطے بڑی رحمت اور خوش خبری ہے، دوسری جگہ فرمایا وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ہم نے لوگوں کی (ہدایت) کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کے (ضروری اور عمدہ) مضامین بیان کئے ہیں تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں تیسری جگہ فرمایا۔ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا اس نے تمہارے پاس ایک کامل کتاب بھیج دی ہے اس کی حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین صاف کردیئے ہیں ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے قرآن ہی کافی ہے اور بس حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔

جواب :- ہاں یہ بجا اور درست ہے ہم کب اس سے انکار کرتے ہیں، واقعی قرآن اللہ کی ...با عظمت کتاب ہے اس میں شک نہیں کہ وہ تمام کتابوں سے افضل اور برتر ہے لیکن بتاؤ ...ں جگہ حضورؐ نے اس قرآن کے خلاف لب کشائی کی ہے انہوں نے بھی تو تم جیسے کم فہم تمام کے ...ناداں کو سمجھانے کے لئے اس کی تشریح کر دی وہی تو حدیث ہے اگر تم اس کو نہیں مانتے تو آؤ ہم ...چند باتیں دریافت کرتے ہیں اللہ پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بھید کی کیفیت ...بیان فرماتا ہے جس کو آنحضورؐ نے اپنی بعض بیویوں سے پوشیدہ رکھا تھا فرمایا: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ ...أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا یہ کون سی بات تھی جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں سے پوشیدہ ...رکھا تھا اور بعض کو جتلا دیا تھا، کیا قرآن نے دوسری جگہ اس بھید کو بتلایا دوسری جگہ فرمایا أَلَمْ ...تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ کیا آپ ان لوگوں پر نظر نہیں فرماتے ...جن کو سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا تھا مگر پھر بھی وہ وہی کام کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا ...گیا تھا وہ کون سی سرگوشی تھی؟ قرآن نے دوسری جگہ کہیں اس کا ذکر کیا ہے تیسری جگہ ارشاد ہے ...وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ (الآیہ)
...جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس کے لئے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون ...ہمارے رسولؐ کی اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ تحویل قبلہ سے پہلے کون سا قبلہ ...تھا اور اس کا حکم کون سی آیت میں ہے۔

اعتراض ۲۲ :- چونکہ حدیثوں میں تقدیم و تاخیر ہے ایک ہی لفظ کو کسی راوی نے مقدم اور ...کسی نے مؤخر کسی نے گھٹا دیا اور کسی نے زیادہ کر دیا یعنی روایت بالمعنی ہے اور یہ جائز نہیں ...اس لئے حدیثیں مانی نہیں جا سکتیں۔

جواب :- اگر واقعی روایت بالمعنی ہی کی وجہ سے حدیث رسولؐ چھوڑی جاتی ہے تو ...میں بھی قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر نقل بالمعنی بتلائے دیتا ہوں، اللہ پاک جادوگروں ...کے کلام کو نقل بالمعنی ہی سے بیان فرماتا ہے سورۃ شعراء میں ارشاد ہوتا ہے فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ ...سَاجِدِينَ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (شعراء ع ۳) پھر تو جادوگر ایسے متاثر ہوئے ...کہ سب کے سب سجدے میں گر پڑے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے کا

مضمون کو سورۃ طٰہٰ میں یوں فرمایا فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ یعنی جادوگر سجدے میں گر گئے اور بہ آواز بلند کہا ہم تو ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لے آئے، صرف لفظی فرق ہے دونوں آیتوں کا مفہوم ایک ہے، وہ تو جادوگروں کا قول منقول تھا اب اپنے نبی کے ایک ہی قول کو مختلف انداز میں نقل فرماتا ہے سورۃ نمل میں فرمایا إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُم بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ سورۃ قصص میں یوں کہا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ سورہ طٰہٰ میں یوں فرمایا۔ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ ناظرین اب آپ ہی پر انصاف کا دارومدار ہے بات تو اتنی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام جب مدین سے واپس ہوگئے تورات کی تاریکی میں راستہ بھول گئے دور سے کچھ روشنی معلوم ہوئی آپ نے اپنے اہل سے فرمایا ہیں ٹھیرو میں آگ دیکھ رہا ہوں یا تو آگ لاؤں گا یا راستہ پوچھ لوں گا، یہ تو نبی کے کلام کی نقل تھی اب آیئے خود باری تعالیٰ ایک ہی امر کی تلقین موسیٰ علیہ السلام کو چند مواضع پر کس طرح کرتا ہے سورۃ طٰہٰ میں فرمایا وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ یعنی تم اپنا داہنا ہاتھ اپنی دبائیں، بغل میں دے تو دیر نکالو) وہ بلا کسی عیب (و مرض) کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اسی مضمون کو سورۃ قصص میں یوں فرمایا۔ اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ سورۃ نمل میں یوں ذکر ہے۔ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ اب بتاؤ کیا قرآن بھی چھوڑ دو گے،

طریقہ نقل قرآن ہی نے بتایا محدثین کرام نے حدیث کی اسناد قرآن ہی سے سیکھی ہے اخبرنا، انبانا کے ذریعہ نقل حدیث کا طریقہ قرآن ہی سے سیکھا ہے سورۂ تحریم میں فرمایا۔ إِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک

بات چھپکے سے فرمائی پھر جب اس بی بی نے وہ بات دوسری بی بی کو تبلادی اور حضور کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے، اس کی خبر کردی آپ نے اس ظاہر کردینے والی بی بی کو تھوڑی سی بات تو جتلادی اور بعض باتوں سے اعراض کر گئے، بی بی نے پوچھا کہ اس خبر آپ تک کیسے پہونچی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے سے خبر رکھنے والے نے خبر کردی۔

طریقہ جانچ قرآن ہی سے اخذ ہے

محدثین کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کا طریقہ بھی قرآن ہی سے اخذ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا (الحجرات) جب تمہارے پاس کوئی فاسق کسی قسم کی خبر لائے تو پرکھ لیا کرو اس سے انہوں نے راویوں کی جانچ کا طریقہ ہم کو بھی سکھا دیا ہے پھر یہ کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے غلط باتیں اکٹھی کردی ہیں، ناظرین اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر ایک پیشگوئی اسی طرح ثابت ہو کر رہی جس طرح آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا بعض تو ایسی ہیں جو آپ ہی کے عہد مبارک میں پوری ہوئیں اور بعض کا وقوع عہد خلافت میں ہوا اور بعض ایسی بھی ہیں جو محدثین کے چل بسنے کے بعد ظاہر ہوئیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ غیب کی خبر اللہ ہی کو ہے کا یُظْهِرُ عَلَىٰ غَیْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ۔ وہ غیب کسی کو ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جس سے وہ خوش ہو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کا رسول جھوٹا نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی وحی کی ہوئی بات لوگوں تک پہونچاتا ہے نمونہ کے طور پر دو چار یہاں بتائے دیتا ہوں۔

۱۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ یَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلے اللہ علیہ وسلم یَدْخُلُ عَلَىٰ أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ أُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صلے اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صلے اللہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ (الحدیث بخاری جلد اول ص۳۹۱) ام حرام بھی صلے اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ ہوتی ہیں حضور اکثر ام حرام کے گھر جایا کرتے تھے وہ ان کو کچھ کھلاتیں پلاتیں پھر آپ سو جاتے یا چلے آتے

ایک روز آپ ان کے یہاں سوئے ہوئے تھے یکایک مسکراتے ہوئے اٹھے ام حرام نے وجہ دریافت کی فرمایا میری امت کے وہ غازی دکھلائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لئے سفر کریں گے وہ اپنے جہازوں پر اس طرح بیٹھے ہوں گے ام حرام نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسولؐ میرے لئے دعا کر دیں کہ اللہ مجھے بھی انہیں میں سے بنائے آپ ان کے لئے دعا کر کے سو گئے پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے ام حرام نے سبب پوچھا فرمایا میرے سامنے وہ جماعت پیش کی گئی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گی پھر ام حرام نے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلے گروہ میں سے ہو۔ آپ کی یہ پیش گوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پوری ہوئی فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِيْنَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ۔ اپنے شوہر عبادہ بن صامت کے ہمراہ عہد معاویہؓ میں جزیرہ قبرس کی لڑائی میں شامل ہوئیں جہاد کی واپسی میں جب جہاز سے اتریں تو ان کے لئے سواری لائی گئی، اس سے گر کر شہید جنت کو سدھاریں دوسری روایت میں ہے کہ ان کو جنت کی بھی خوش خبری مل گئی تھی أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُوْنَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوْا (بخاری جلد اول ص۴۱۰) میری امت کا پہلا گروہ جو سمندر میں جہاد کے لئے جائے گا بے شک وہ جنت کا حقدار ہو گا اور دوسرا گروہ وہ تھا جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوا یہ لڑائی بھی حضرت معاویہ کے زمانہ میں ہوئی جب کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو قسطنطنیہ پر چڑھائی کرنے کے لئے ۵۲ھ ہجری میں بھیجا تھا، دیکھو بخاری پارہ ۱۱ صفحہ ۴۰۹ باب ما قیل فی قتال الروم۔

(۲) آپ کی پیش گوئی تھی اِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (بخاری پ۱۰ ص۵۳۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، جب یہ خبر حضرت معاویہؓ کو شام میں پہونچی تو انہوں نے اس کو پسند نہیں اور لڑائی کا سامان طرفین سے ہو گیا قریب تھا کہ دونوں جماعتوں میں تصادم ہو جائے کہ حضرت معاویہؓ نے صلح کا پیغام عبدالرحمٰن بن سمرہ و عبداللہ بن عامرؓ کی معرفت بھیجا، وہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس روانہ ہوئے اور صلح کا پیغام دیا حضرت حسنؓ نے فرمایا اگر میں واپس چلا جاؤں اور وہ پیچھے سے حملہ کر دیں تو اس کا ضامن کون ہو گا ان دونوں نے کہا اس کے ضامن ہم ہیں، بالآخر صلح کر لیتے ہیں

ملہ: اس سے معلوم ہوا کہ یزید مسلمان اور جنتی ہے ۱۲

اسی وقت حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ بے شک میں نے ابابکرہ سے کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز خطبہ دے رہے تھے اور حسن بن علی آپ کے پہلو میں کھڑے تھے ایک مرتبہ آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور ایک آن کی طرف متوجہ ہو کر فرما رہے تھے اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ بلاشک میرا یہ بیٹا سردار ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ایک دن دو بڑی بڑی مسلمانوں کی جماعتوں میں صلح کرائے گا اس طرح خدا کے رسول کی پیش گوئی (حدیث) بعینہٖ سچی ثابت ہوئی

(۳) آپ نے فرمایا لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ تَكُوْنُ بَیْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِیْمَةٌ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ (دیکھو بخاری) قیامت سے پیشتر دو جماعتوں میں سخت جنگ وجدال ہوگا اور دونوں تھکے دونوں مسلمان ہوں گے چنانچہ حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان عرصہ تک تنازع رہا، اس کے شواہد میں معرکہ صفین پیش نظر ہے جس میں دونوں اپنے کو خلافت کا حقدار تصور کرتے رہے۔

(۴) :۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ كَیْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیْ كِسْرٰی (بیہقی) تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسریٰ بن ہرمز کے کنگن پہنائے جائیں گے، سراقہ وہی سراقہ ہیں جن کو کفار نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جان سے مار ڈالنے کے لئے آمادہ کیا تھا اور انعام بھی مقرر کئے تھے سراقہ نے چند نوجوان کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیچھا کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو آپ سے فرمایا دشمن یہاں تک آپہونچا جواب ملا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ خوف کی کوئی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے ادھر سراقہ اپنے گھوڑے کی باگ تیز کرتے ہوئے بالکل نزدیک پہنچ گئے خدا کی شان کہ یک لخت اُن کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے وہ بہت ہی پریشان ہوئے اور آپ کے نبی ہونے کا یقین ہوگیا اور گویا ہوئے اے محمدؐ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں اب مجھ سے ایسی حرکت نہ ہوگی بلکہ جو شخص میرے پیچھے آپ کی گرفت کے لئے آرہا ہو اس کو بھی واپس کر دوں گا مجھے اس بلا سے نجات دلا دیجئے آپ نے دعا فرمائی وہ نجات پاگئے پھر سراقہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول جب آپ مکہ پر فاتح کی حیثیت سے آئیں گے تو شاید میں آپ کی فوج سے مارا جاؤں اس لئے ایک دستاویز لکھ دیجئے کہ میں اس وقت اس کو دکھلا کر آپ کی فوج میں امن سے رہ سکوں آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا لکھ دو، حکم کی تعمیل کی گئی، سراقہ نے اس کو اپنے گلے کا تعویذ بنالیا جب مکہ

فتح ہوا تو سامنے کے سارے قیدی کے سجا رہے تھے اس وقت سراقہ نے حضورؐ کا دیا ہوا امن نامہ دکھلایا، لوگوں کو بہت تعجب ہوا، اور ان کو پکڑ کر حضورؐ کے دربار میں لائے آپ نے فرمایا میرا ہی دیا ہوا ہے سب ہوں نے ان کو اپنے دامن میں لے لیا اور سراقہ سے فرمایا کَیْفَ بِکَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَیْ کِسْرٰی اب دیکھئے پیشین گوئی ٹھیک اسی طرح ظاہر ہوتی ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۱۶ھ میں ایران فتح ہوا، ایران کے بادشاہ کے خزانے اونٹوں پر لاد کر حضرت عمرؓ کے دربار میں لائے گئے سراقہ رضی اللہ عنہ بھی اس فتح میں پیش پیش تھے بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ سراقہ کو جب ہرمز کے کنگن پہنائے گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ جس نے کسری بن ہرمز جو اپنے کو رب الناس کہلاتا تھا کے کنگن چھین کر سراقہ اعرابی مدلجی کو پہنائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کنگن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق پہنائے گئے اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک زندہ رہے فتح ایران کے چند سال بعد ۲۴ھ میں دنیا سے کوچ کر گئے۔

(۵) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الْعِشَاءَ فِیْ اٰخِرِ حَیَاتِہٖ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ اَرَئَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ ھٰذِہٖ فَاِنَّ رَاْسَ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِّنْھَا لَا یَبْقٰی مِمَّنْ ھُوَ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ (بخاری کتاب العلم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی اہم بات بتانی مقصود ہوتی تو پہلے اکثر سوال کے طریق پر کلام کو شروع فرماتے اپنی آخری حیات میں صحابہ کرام کو عشاء کی نماز کے بعد فرمایا کہ اس تاریخ، اس مہینے کو نوٹ کر لو، کیوں کہ سو سال کے اندر اندر سب دنیا کو خیرباد کہہ دو گے، یعنی تم میں کا ایک بھی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا، چنانچہ آپ کا صحابی فدائی عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ سو سال کے آخری دن بعد عصر اس دنیا سے رحلت کر جاتا ہے سچ ہے ؎

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے ۔۔۔ کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

(۶) آپ نے فرمایا تھا کہ اَلْخِلَافَۃُ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا (احمد، ترمذی) یعنی خلافت[۱] راشدہ تیس[۲] سال تک رہے گی

---

[۱] خلفائے راشدہ پانچ ہوئے ہیں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و حسن رضی اللہ عنہم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی چھ مہینے رہی امام نووی نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ذکر کیا ہے تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۹۸ میں، اسی طرح امام ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۵ میں دیکھو، اسی طرح کل تاریخوں میں مرقوم ہے۔ ۱۲، منہ

اس کے بعد بادشاہت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فوت ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے جوں ہی خلافت کو تیس سال پورے ہوئے حضرت معاویہؓ کے سپرد کر کے دست بردار ہو جاتے ہیں۔

(ے) إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أَرْضًا يُذْكَرُ فِيهَا الْقِيرَاطُ فَاسْتَوْصُوا خَيْرًا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا فَإِذَا رَأَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ عَلَى مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا (مسلم) ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم عنقریب اس ملک کو فتح کرو گے جہاں سکہ قیراط ہے تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کے ساتھ پیش آنا کیونکہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں پھر ابوذرؓ سے فرمایا جب تم دو آدمیوں کو ایک اینٹ برابر زمین پر جھگڑتے دیکھنا تو وہاں سے چلے آنا۔ اس حدیث میں دو پیش گوئیاں ہیں، اول فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کیا تو عمرؓ کے پاس خط لکھا کہ یہاں کے باشندوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا ان کے ساتھ رحما، اچھا برتاؤ کرو، یہ سن کر حضرت عمرو بن عاصؓ سب قیدیوں کو رہا کر دیتے ہیں ذمہ اور رحم اس لئے فرمایا تھا کہ مصر آپ کا داد یہال اور سسرال تھا کیونکہ حضرت ہاجرہ ام اسماعیل علیہ السلام اور ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مصر کی باشندہ ہیں، بیہقی اور ابونعیم میں مصر کا لفظ صراحتہً موجود ہے۔

دوم إِذَا رَأَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ عَلَى مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا فتح مصر میں ابوذرؓ موجود تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ ربیعہ اور عبدالرحمن بن شرحبیل اینٹ برابر زمین کے لئے جھگڑ رہے ہیں، اسی وقت ابوذر وہاں سے چلے آتے ہیں، دیکھا چند ہی سال کے بعد مصر بھی فتح ہوا اور اس کے سارے واقعات سچے ثابت ہوئے، سچ کیوں نہ ہو جب کہ صادق المصدوق کا ارشاد ہے

(۸) دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدینے کے اردگرد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق خندق کھودی جانے لگی، آپ بھی صحابہ کرام کے ہمراہ مٹی ڈھونے میں مصروف تھے اور زبان مبارک سے یہ رجز ادا کر رہے تھے وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا إِنَّ الْأُولَىٰ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اسی اثنا میں ایک بڑا پتھر نمودار ہوا جس پر کدال کا

بالکل اثر نہ ہوتا تھا آپ کو جب خبر ہوئی تو کدال دست مبارک سے تھاما، اور تین ضربیں لگائیں، پہلی میں ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ مجھے ملک شام کے خزانے عطا کئے گئے خدا کی قسم میں وہاں کے سرخ سرخ پتھروں کو دیکھ رہا ہوں پھر دوسری ضرب لگائی ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْیَضَ مجھے ملک فارس کے خزانے یا کنجیاں عطا کی گئیں، واللہ میں مدائن کے سفید محلوں کو دیکھ رہا ہوں تیسری ضرب لگائی، پتھر ریزہ ریزہ ہوگیا اور فرمایا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ اَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَکَانِیْ السَّاعَۃَ مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں واللہ میں اس وقت یہاں سے شہر صنعا کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں (بیہقی و ابونعیم) یہ سارے ممالک خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں فتح ہوئے مگر غور کرنے کی بات کہ اسلام اس وقت بالکل عزبت و کمزوری کی حالت میں تھا پھر اس وقت ان ممالک کی فتوحات کی پیش گوئی کرنا سوائے اللہ کے نبی کے دوسرے کے لب ہلا نہیں سکتا۔

(۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَۃَ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ، قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ذَکَرَ اللّٰہُ اِنْ تَوَلَّیْنَا اسْتُبْدِلُوْا بِنَا ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَنَا فَضَرَبَ عَلٰی فَخِذِ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وَقَوْمُهٗ وَلَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَهْلِ الْفَرْسِ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں سیرت محمدؐ کی یہ آیت تلاوت فرمائی اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ اگر تم اللہ کے حکم سے روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے، صحابہ کرامؓ نے دریافت فرمایا وہ کون حضرات ہیں جن کو اللہ نے ذکر فرمایا کہ اگر روگردانی کریں تو وہ ہم سے بہتر قوم سے آئے گی آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ران پر ہاتھ مار کر بتایا کہ یہ اور اس کی قوم لَوْ کَانَ الدِّیْنُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنَ الْفُرْسِ۔ اگر دین ثریا تک بھی چلا جائے جب بھی فارس کے لوگ اسے ڈھونڈ لائیں گے یعنی اسلام قریب المرگ بھی ہو جہالت پھیل گئی ہو اس وقت دین کا جہاں بھی کچھ چرچا ہوگا فارس کے باشندے اُسے ڈھونڈ لائیں گے۔ اب اس پیشن گوئی کے

مطابق امام بخاری امام مسلم ابوداؤد ترمذی، نسائی، ابن ماجہ رحمتہ اللہ علیہم کے سوانح پر غور کرو کہ وہ سب حضرات ملک فارس کے باشندے ہیں، بخاری کے جامع ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، بخارا مسلم کے ابوالحسن مسلم بن حجاج، نیشاپور ابوداؤد کے جامع ترمذی کے ابوعیسیٰ محمد بن سورہ قریہ بوغ نسائی کے جامع ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، نسا، ابن ماجہ کے ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ ربعی، قزوین کے باشندے ہیں اور یہ سب مقام فارس ہی میں واقع ہیں۔

(١٠) يُوشِكُ الرَّجُلُ مُتَّكِئًا عَلَى اَرِيْكَتِهٖ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثٍ مِنْ حَدِيْثِيْ فَيَقُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَلَالٍ اِسْتَحْلَلْنَاهُ وَمَا وَجَدْنَا فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ حَرَّمْنَاهُ اَلَا اِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مِثْلُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ ابن ماجہ۔ بَابُ تَعْظِيْمِ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے تخت (مسند) پر بیٹھا ہوا ہوگا جب اس کو کوئی حدیث میری حدیثوں میں سے سنائی جائے گی تو وہ کہے گا ہمارے تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی فیصلہ کرنے والی ہے پس جو کچھ ہم اس میں حلال پاویں گے صرف اسی کو حلال جانیں گے اور جو کچھ اس میں حرام پاویں گے اسی کو حرام جانیں گے خبردار (سن رکھو) جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، نے حرام کیا ہے وہ مثل اس کے ہے جو خدا تعالیٰ نے حرام کیا ہے،

اس پیش گوئی کے مطابق ہم مولوی عبداللہ چکڑالوی وغیرہ کو پاتے ہیں جو اپنی مسند پر بیٹھ کر احادیث نبویہ سے انکار کرتے اور ان کی توہین کرتے ہیں اور صرف کتاب اللہ کو بیان شرائع کے لئے کافی خیال کرتے ہیں اور اپنے بے اصول وبے قاعدہ اجتہاد سے جیسی بن آوے ہانک دیتے ہیں

(١١) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلے اللّٰه عليه وسلم اِذْ اَتَاهُ رَجُلٌ فَشَكَا اِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ اَتَاهُ آخَرُ فَشَكَا اِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيْلِ فَقَالَ يَا عَدِيُّ هَلْ رَاَيْتَ الْحِيْرَةَ قُلْتُ لَمْ اَرَهَا وَقَدْ اُنْبِئْتُ عَنْهَا قَالَ فَاِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِيْنَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيْرَةِ حَتّٰى تَطُوْفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ قُلْتُ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ نَفْسِيْ فَاَيْنَ دُعَّارُ طَيِّئٍ الَّذِيْنَ قَدْ سَعَّرُوا الْبِلَادَ (الحدیث) (بخاری پارہ ١٤)

عدی بن حاتم طائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی دوسرا آیا اور اس نے

ڈاکوؤں کی شکایت کی آپ نے فرمایا کہ اے عدی اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لوگے کہ ایک بڑھیا حیرہ، سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی وہ اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتی ہو گی عدی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل ہی میں کہا کہ طے کے ڈکیت کدھر جائیں گے جنہوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے،

پھر فرمایا وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ قُلْتُ كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ قَالَ كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ اگر تیری عمر لمبی ہوئی تم کسریٰ کے خزانے کو کھولو گے میں نے کہا کسریٰ بن ہرمز فرمایا کسریٰ بن ہرمز۔

پھر فرمایا وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيٰوةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يَخْرُجُ مِلْأَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ اگر تیری عمر دراز ہوئی تم دیکھو گے کہ زکوٰۃ کا مال لوگ در در لئے پھریں گے مگر اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ہو گا، عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی دیکھا جو کوفہ سے تن تنہا حج کو آئی تھی اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ تھا میں خزائن کسریٰ کی فتح میں تو شامل ہی تھا۔ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكُمْ حَيٰوةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ النَّبِيُّ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْرُجُ مِلْأَ كَفِّهِ اور تیسری بات بھی اے لوگوں تم دیکھ لوگے امام بیہقی کہتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہو گئی وہ وقت ایسا تھا کہ زکوٰۃ نکالنے والے کو تلاش کرنے پر بھی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال واپس گھر سے جایا کرتا تھا۔

(۱۲) لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ (بخاری ص۵۰) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی جب تک میری امت میں تیس دجال (فریبی)، کذاب (نہایت جھوٹے) نہ ہولیں ہر ایک ان میں سے یہ دعویٰ کرے گا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اس حدیث کے مطابق ہم اپنے زمانے میں مرزا قادیانی کا دعویٰ دیکھتے ہیں جن کی ایک بات بھی صحیح نہیں۔ گذشتہ اقساط میں ۱۲ پیشین گوئیاں درج کی جا چکی ہیں اب اس سے آگے ناظرین کرام مطالعہ فرمائیں اسی کے ضمن میں دوسری حدیث پیش کرتا ہوں اس کے بعد آگے قدم بڑھاؤں گا۔

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَأَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا فَأُوحِيَ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِي فَكَانَ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيَّ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةَ صَاحِبَ الْيَمَامَةِ (بخاری پ۱۷)

صحابہؓ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کی کیفیت بیان فرمائی، فرمایا کہ میں نے آج نیند میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے مجھے اس سے بہت ہی نفرت ہوئی اور بہت شاق گذرا اسی وقت حکم الٰہی ہوا کہ تم ان دونوں کو پھونک دو میں نے ویسا ہی کیا فوراً دونوں مجھ سے دور ہو گئے، پھر اس کے بعد اس کی تاویل بیان فرمائی کہ دو کنگن سے مراد یہ ہے کہ دو کذاب مدعی نبوت میرے بعد ہی نکلیں گے، راوی نے کہا کہ وہ مسلیمہ اور عنسی ہے نیز نفخ سے پتہ چلا کہ وہ دونوں ہلاک ہوں گے اور کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے عنسی کا عروج آپ کی آخری حیات میں ہوا، اور مقام صنعا میں اس کے بہت سے معتقد ہو گئے صنعا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عامل باذان سے ظلماً ان کی بیوی تلف ہو گئی اور یہی اس کے موت کا سبب بنی۔ جب عنسی نے مرزبانہ کو اپنے گھر میں بند کر دیا اور جبراً اس سے نکاح کر لیا تو داویہ نامی ایک آدمی نے کسی موقع سے اس کے گھر میں گھس کر اس کو موت کے گھاٹ اتارا اور مرزبانہ کو نکال کر لے آیا، بالآخر معمولی سے جھڑپ کے بعد اس کے معتقدوں کا بھی کام تمام ہو گیا۔ اسی طرح مسلیمہ کذاب کا عروج خلافت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ہوا، اور اس کے پیروؤں کی تعداد غالباً ایک لاکھ سے زیادہ تھی مسلمانوں سے سخت لڑائی ہوئی اس کو وحشی نے اسی طریق سے مارا جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وحشی نے اس کے بعد کہا کہ میں نے حالت کفر میں مسلمانوں کے خیر انسان کو قتل کیا تو حالت اسلام میں ایک شرالناس کو بھی جہنم رسید کر دیا، حضرات اگرچہ یہ پیش گوئی نہیں تھی تاہم یہ حدیث کے صحیح و ثابت ہونے کی واضح ثبوت ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ کو خواب میں بھی وحی آیا کرتی تھی، قرآن نے تو صاف صاف بتا دیا ہے جیسا کہ فرمایا لَقَدْ صَدَقَ اللهُ الرُّؤْيَا (الآیۃ) پس میرے دوستو! کیا اتنی واضح اور روشن دلیل کے بعد بھی احادیث نبویہ حجت نہ تسلیم کی جائیں گی۔

(۱۳) أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ

الحجاز تضئ اعناق الابل ببصری (بخاری ج ۲ باب خروج النار و مسلم ج ۲ ص ۳۹۳)
قیامت نہیں آنے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ رونما نہ ہو جو بصری کے اونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے یہ پیش گوئی صحیحین میں مرقوم ہے اور ۶۵۴ سال کے بعد ثابت ہوئی یہ آگ پہلی جمادی الثانی ۶۵۴ھ ہجری میں حجاز سے نمایاں ہوئی دوسرے روز بڑے زوروں کا زلزلہ آیا، شدت وحرارت کی روز افزوں ترقی ہوتی رہی اس کا شعلہ بحر موآج سے مقابلہ کر رہا تھا اس کی روشنی بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی حتےٰ کہ بصری کے بدوؤں نے بھی اپنے اپنے اونٹوں کی شناخت اسی روشنی کی بدولت کی حالانکہ حجاز اور بصری کے درمیان کافی دوری ہے اس کی لپیٹ سے کتنے ہی انسان و نباتات جھلس گئے، جمادات پگھل پڑے چرند و پرند کے بھاگنے کا ٹھکانہ نہ تھا، روز بروز اس کی یہ طرح زیادتی ہی نظر آ رہی تھی، اس کا رُخ شہر مدینہ کی جانب بڑھتا گیا، جمعہ کی شب کو باشندگان مدینہ نے مسجد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں بڑے گریہ وزاری اور تضرع کے ساتھ گذاری باوجود اس شدت وجلن کے مدینہ طیبہ بالکل مامون رہا اور اس کا کچھ اثر نہ ہوا اسی شب بصری بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کی شناخت کی اس کے علاوہ اس آتش فشانی کی کیفیت لکھنے والوں نے مختلف انداز میں تحریر کی ہے۔

(۱۴) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلوا الترک صغار الاعین حمر الوجوہ ذلف الانوف کان وجوھھم المجان المطرقۃ (بخاری باب قتال الترک جلد اول و مسلم ج ۲ ص ۳۹۵) قیامت نہ ہوگی جب تک کہ تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرو گے جو چھوٹی آنکھوں والے، سُرخ چہرے والے، پست ناک والے ہونگے اُن کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے، بخاری و مسلم دونوں میں یہ روایت موجود ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی تھی کہ تم ترکوں سے ضرور مقابلہ کرو گے پھر اُن کے حلیہ سے بھی متنبہ فرما دیا تھا چنانچہ ۶۵۶ھ ہجری میں ہلاکو خان کے لشکروں نے خراسان و عراق پر سخت خونریزی اور لوٹ مار کی اس کو بھی ایشیا کو چک میں شکست عظیم ہوئی۔

(۱۵) اترکوا الترک ما ترکوکم فانھم اول من یسلب امتی ملکھم (طبرانی ابونعیم بروایت ابن مسعودؓ) امام طبرانیؒ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک کہ وہ تم سے چھیڑ نہ کریں کیونکہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے اُن کا ملک چھین لے گی، اب دیکھئے یہ واقعہ ساتویں صدی ہجری میں حدیث کے مطابق ظاہر ہوا، اور ان ہی ترکوں نے سلطنت عباسیہ کا خاتمہ کیا اور مستعصم باللہ خلیفہ بغداد مارا گیا کتب خانہ دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا، کہا جاتا ہے کہ مہینوں تک اس کا پانی سیاہ ہو کر بہتا رہا مقام غور ہے کہ سات سو برس پہلے جس واقعہ کا اظہار آپ نے اپنے صحابہؓ سے کر دیا تھا ٹھیک اسی طرح اس کے مطابق ظاہر ہوا اس لئے اس سے الفاظ حدیث کی صحت کا کمال یقین حاصل ہوا

(۱۶) خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا يَا بَنِي أَبِي طَلْحَةَ مِنْكُمْ إِلَّا ظَالِمٌ (استیعاب ابن عبد البر) فتح مکہ ۲۰ رمضان ۸ھ جس وقت کہ مکہ پر مسلمان قابض ہوئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی کلید طلب فرمائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شیبہ کے گھر والے سے کلید لا کر بیت اللہ کھولا اس کے بعد اس کو واپس دینے سے انکار کر دیا حضرت نے علیؓ سے فرمایا کہ اسلام کسی کی حق تلفی کے لئے نہیں آیا ہے اس کا حق تلف نہیں کیا جا سکتا مختصر یہ کہ آپ نے شیبہ کو بیت اللہ کی چابی دیتے وقت فرمایا کہ تم یہ کنجی سنبھالو، ہمیشہ ہمیش کے لئے، تم سے وہی شخص چھینے گا جو ظالم و بدمعاش ہوگا، ہزاروں کی تعداد میں حاجیوں کا گروہ ہر سال بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ شریف جاتا ہے، کوئی دریافت کرے کہ کیا خاندان ابوطلحہ کی نسل باقی ہے یا نہیں! بیت اللہ کی کنجی اُن کے ہاتھ میں ہے یا نہیں، یقیناً اثبات میں جواب پائے گا، دوستو اگر رسول عربی کا کلام غلط ہوتا تو کچھ دیر کے لئے تسلیم کر لیا جاتا مگر نہیں انہوں نے ایک حرف بھی خواہش نفسانی سے نہیں کہا حضرت آج تک ۱۳۵۱ھ ہجری کا عرصہ گذر رہا ہے مگر آج تک ۸ سنہ ہجری کی پیش گوئی برقرار ہے کیا اب بھی ہم احادیث نبوی سے روگردانی کریں گے وکلا وحاشا۔

(۱۷) مسند امام احمد میں اور مسلم (جلد ۲ صفحہ ۳۹۲) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے طول عبارت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا يفتحون قسطنطينية یعنی آپ نے لوگوں کو فتح قسطنطنیہ کی بشارت دی تھی، اسی طرح ابوداؤد (جلد ۲ صفحہ ۲۳۵) میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الملحمة الكبرى فتح القسطنطينية الخ ۸۵۹ سنہ ہجری د ۱۴۵۲ سنہ عیسوی

میں محمد فاتح سلطان نے فتح کیا یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور ساں ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد حضور کے ارشاد کے مطابق لوگوں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، مگر قربان جائیے محدثین کی صداقت و دیانت پر کہ انہوں نے کس وثوق کے ساتھ نبی اکرم کے اس فرمان کو دفتر حدیث میں جگہ دی جو ان سے کئی صدیوں کے بعد سچی ثابت ہوئیں۔

(۱۸) تَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلٰثٍ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً (بیہقی و حاکم و طبرانی) آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے، دیکھئے آج تیرہ سو سال سے زیادہ اس پیش گوئی کو ہو رہے ہیں لیکن اسی طرح یہ حدیث بتا رہی ہے جس طرح آپ نے فرمایا تھا، کیا آپ غور نہیں کرتے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے آغاز تک وہی واحد اور جامع نام سب کا رہا جیسا کہ قرآن حکیم نے بتلایا هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا، لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرق رونما ہونے جیسے منکر حدیث، قادیانی، بریلوی وغیرہ وغیرہ۔ اور سب کو ان ہی ناموں پر ناز ہے۔ یہ پیش گوئی حقیقت میں نصف النہار کی طرح ہدایت و صداقت کے ساتھ بین اور روشن ہے۔ اگر حبیبہ بعد سپرہ چشم چشم، آفتاب را چہ گناہ دوستو! انصاف کے رو سے اس کو حقیقت کی کسوٹی پر پرکھو تو تمہیں اس کی صداقت اچھی طرح معلوم ہو جائے گی اور تعصب کا سد باب ہو جائے گا۔

(۱۹) اسی طرح بہت سی الہامیں پیش گوئی کے باب میں درج ہیں لیکن دو ایک اور بھی ذہن نشین کر لیں، امام بیہقی نے بروایت عبد الرحمن بن عبد البارى بیان کیا ہے کہ جب کسریٰ بن ہرمز بن پرویز نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان دعوت اسلام کو پڑھ کر پھاڑ ڈالا تھا تو آپ نے خبر پاتے ہی اس ناہنجار کے حق میں فرمایا مَزَّقَ كِسْرٰى مُلْكَهٗ یعنی کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا۔

چنانچہ ایسا ہی ہو کر آخری کسریٰ خلیفہ راشد حضرت عثمان ذی النورین کے لشکر سے ہلاک ہوتا ہے اور پھر اس سلطنت کا نام و نشان دنیا سے مٹ جاتا ہے۔

تتمۂ مضمون حدیث :۔ اس کے ثبوت میں ایک ایسی بین واضح حدیث قلمبند کرتا ہوں جو کم فہم و ذی فہم دونوں کے لئے برھان قاطع ہو گی، اور حسن ظن ہے کہ منکر سنت نبویہ راہ راست

پڑھا جائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ممالک کے بادشاہوں کے پاس اسلام کے پیغام ارسال فرمائے تھے ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط جو آپ نے مصر و اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے نام لکھوایا، درج ذیل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ اِثْمُ اَهْلِ الْقِبْطِ وَيَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (زاد المعاد جلد ۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے قوم قبط کے بادشاہ مقوقس کی طرف سلام ہو اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ بعد ازیں یہ کہ میں تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام لے آؤ تو بچ جاؤ گے اور تم کو خدائے تعالیٰ دوگنا ثواب دے گا، اور اگر رو گردانی کرو گے تو ساری قوم قبط کا گناہ تجھ پر ہوگا، اور اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی بھی کسی کو خدا کے سوا رب نہ مانے، پس اگر وہ (اہل کتاب) رو گردانی کریں تو اے مسلمانو! تم کہو (اے لوگو) تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں، اس خط کو آں حضورؐ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی معرفت روانہ کیا، انہوں نے دربار شاہی میں عام مجمع کے سامنے بادشاہ کو مخاطب کر کے نہایت پر تاثیر تقریر کی، اور اس ملک کے بادشاہ فرعون کی طغیانی و سرکشی اور اس کے انجام پر عبرت کی نصیحت کی، بادشاہ نے آں حضورؐ کی صداقت کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ اچھا اس معاملہ پر غور و فکر کروں گا، اس کے بعد آں حضرتؐ کے اس مبارک خط کو ہاتھی دانت کے ایک نفیس ڈبے میں بند کر کے توشہ خانوں میں نہایت ہی حفاظت سے رکھ چھوڑا، اور قاصد کو بہت کچھ تحفے تحائف دے کر واپس کیا یہ خط اسی طرح محفوظ رہا جس طرح انہوں نے رکھا تھا حتیٰ کہ اس کے ظہور کا وقت آیا، اور عیسائیوں کی ایک خانقاہ سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان صاحب کی خدمت میں پہنچا، انہوں نے اس

کا فوٹو چھپا کر تمام اطراف و اکناف میں شائع کرایا چنانچہ مجھے بھی جناب مولانا و استاذنا ابوالقاسم صاحب سیف بنارسی مدظلہٗ نے دکھلایا، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے پاک خلیل سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خط کا نقش دکھایا اور ہم کو اس کے پاک کلمات کے یاد کرنے والوں اور لوگوں تک پہنچانے والوں سے بنایا، یہ نقش احادیث نبویہ کی صحت پر اس طرح شہادت دیتا ہے کہ اس کے الفاظ بالکل وہی ہیں جو کتب حدیث میں حفاظ سے مروی ہیں، اور اس کی دوسری شہادت احادیث نبویہ کی صحت پر یہ ہے کہ صحیح روایتوں میں روایت ہے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف حکمرانوں و بادشاہوں، کے نام خط لکھوانے شروع کئے تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مشورہ دیا کہ عجمی بادشاہ بے مہر خط نہیں پڑھتے تو آپ نے ایک انگوٹھی بنوائی اور اس پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کا نقش تین سطروں میں اوپر نیچے لکھوایا، سب سے نیچے سب سے اوپر اللہ، وسط میں رسول، اور سب سے نیچے محمد تھا، بعینہٖ اسی طرح اس فوٹو میں ہے جس طرح آپ نے بنوایا تھا، ان دونوں شہادتوں سے ہماری تصدیق ہوتی ہے،

مسلمانوں اگر یہ حدیثیں وحی الہی نہ ہوتیں، تو اس طرح آپ کے فرمان کے مطابق نہ ثابت ہوتیں یقیناً یہ خدا کی بتلائی ہوئی باتیں ہیں رسول کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے، تمام پیش گوئیاں اپنے وقت پر ظاہر ہوئیں اور ہوں گی دراصل سچے رسول کے پرکھنے کی یہی ایک کسوٹی ہے،

آخر میں یہ عاجز خدا سے دعا کرتا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اور ہمارے تمام بھائیوں کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر کامل طور سے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین ۔ (اخبار محمدی دہلی جلد ۲۱ ش ۱۲)

لہ یہ نقش نبی مبارک دفتر اخبار محمدی دہلی سے صرف چار آنے قیمت پر آپ طلب فرما سکتے ہیں،

مفتی فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف۔

اسلام میں سنت نبوی کا مقام

مترجم۔ سیف الرحمٰن بی۔ اے۔

سابق مفتی دیار مصر فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف کا فتویٰ اسلام میں سنت نبوی کا مقام نہایت رفیع و اعلیٰ ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی شمع فروزاں سے بے اعتنائی کر کے کبھی جادہ مستقیم پر گامزن نہیں ہو سکتے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ قرآن پاک کی ہدایت کے خدوخال کی نشاندہی کی، اگر ہم سنت نبوی کو یہ کہہ کر دیں کہ ہمیں کتاب مقدس کی ہدایت کے ہوتے ہوئے کسی اور ہدایت یا رہنمائی کی ضرورت نہیں تو سخت غلطی ہے جو سراسر گمراہی کا موجب ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کی تعلیمات اور قرآن کریم کی تعلیمات دونوں اپوزیٹ اور متضاد نہیں جن کا اجتماع ناممکن ہو بلکہ دونوں کی تعلیمات اور ہدایت حقیقتاً ایک ہی ہے کیونکہ سنت نبوی کو قرآن کریم سے الگ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اور کچھ فرمایا وہ کتاب اللہ کی روشنی میں فرمایا، اس امر کی خود قرآن کریم شہادت دیتا ہے۔

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اندریں حالات سنت نبوی کی پیروی، کتاب الٰہی کی پیروی اور سنت نبوی کا انکار کتاب اللہ کے انکار کے مترادف ہے دونوں کی پیروی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے اگر دونوں میں کسی ایک کو ٹھکرا دیں تو ہم اسلام کے جادۂ مستقیم سے کوسوں دور ہو جائیں گے اور ضلالت کے گڑھے میں جا گریں گے بعض لوگوں نے ائمہ کی تقلید کے جال میں پھنس کر سنت نبوی کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہمارے امام صاحب اس حدیث کو بہتر جانتے تھے جب انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ہم کیسے کریں۔ درحقیقت یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا انکار اور سنت نبوی سے روگردانی ہے ان کی قیامت کے روز آنکھیں کھلیں گی جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانوں کے زمرہ میں

شامل کئے جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ الہیٰ! یہ میرے اُمتی کہلانے والے تیری مقدس کتاب اور میری سنت کو پس پشت پھینک کر اپنے علماء کی پیروی میں مگن رہے اس طرح بعض لوگوں نے یہ کہہ کر سنت نبوی سے منہ موڑ لیا کہ آج چودہ سو سال کا ایک طول عرصہ گذر جانے کے بعد ہمیں کیسے معلوم ہو کہ یہ حدیث تاجدار مدینہ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہے یہ کام سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے کیا اور کرنے کو فرمایا۔ اس کے برعکس قرآن کریم محفوظ ہے اور قطعی الثبوت، اس میں شک و شبہات کی گنجائش نہیں اس میں تغیر و تبدل کی جرأت نہ کسی نے کی ہوئی اور نہ ہو گی۔ یہی وجہ ہم قرآن پاک پر عمل کرتے ہیں اور حدیث کی پیروی واجب نہیں سمجھتے، حدیث ظنی ہے یہ شکوک و شبہات سے بالاتر نہیں۔

دراصل یہ لوگ منکرین حدیث ہیں جو مختلف قسم کے بھیس بدل کر عوام کے سامنے آتے رہتے ہیں ائمہ حدیث نے اپنے اپنے وقت میں ان کو مدلل اور مسکت جواب دے کر خاموش کر دیا اور بتایا کہ قرآن کریم کی پیروی بغیر سنت نبوی کی پیروی کے بغیر ناممکنات میں سے ہے اور سنت نبوی کی پیروی حقیقتاً قرآن کریم کی پیروی ہے بلکہ قرآن پاک اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نساء)

آج پھر ایک طبقہ انکار حدیث اور انکار سنت نبوی کے نئے بہانے تراش رہا ہے یہ کہتے ہیں کہ دنیاوی افسروں اور حکام کی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت سے آپ پیغمبرانہ عہدہ جلیلہ پر فائز تھے اس لحاظ سے آپ کے احکام کی پیروی اللہ کی پیروی ہے اور دوسری حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی حیثیت تھی جس کا مطلب یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملک اور معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق کچھ کام سرانجام دیئے، ان کی حیثیت بس ایک ملکی رواج سے زیادہ نہ ہو گی، ایسے امور کو سنت سنت کہہ کر ورد کرنا جہالت اور دیوانہ پن ہے ایسی سنتوں کی پیروی کوئی موجب ثواب نہیں اور ایسی سنتوں کا ترک کرنا موجب گناہ نہیں دراصل ان لوگوں کے ذہن میں انکار حدیث کا بھوت سوار ہے اسی لئے وقتاً فوقتاً نئے شگوفے کھلاتے رہتے ہیں۔ ورنہ ایک پختہ ذہن اور راسخ العقیدہ مؤمن ایسی باتیں کبھی ذہن میں لا ہی نہیں سکتا، ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی دو حیثیتیں

تھیں تو پھر آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کیوں نہ فرمائی اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتوں کے قائل ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرکات و سکنات تک کی پیروی میں عشق کی بازی کیوں لگاتے؟ پھر ہمارے پاس کونسا معیار ہوگا جس کی رو سے ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ یہ حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغمبرانہ حیثیت سے فرمایا اور یہ حکم ملکی رسم و رواج کے مطابق ہے یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے رسول خدا ہونے کی حیثیت سے فرمایا اور یہ حکم حضرت محمد بن عبداللہ کی حیثیت سے دیا ہے یا یہ کام رواجی ہے اور یہ کام شرعی حیثیت کا حامل ہے! اصل بات یہ ہے کہ سنت نبوی کے دشمن اسے ختم کرنے کے درپے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سنت نبوی کی شمع فروزاں کے محافظ ہر زمانہ میں پیدا کرتا رہا ہے اور قیامت تک یہ شمع یونہی فروزاں رہے گی۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

چنانچہ درج ذیل فتویٰ میں محترم جناب حسنین محمد مخلوف سابق مفتی دیار مصر نے سنت نبوی کے تارک کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ (سیف الرحمٰن بی اے)

اللہ تعالےٰ نے خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام دے کر مبعوث فرمایا دین اسلام وہ دین ہے جس کے متعلق ارشاد خداوندی ہے إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ: اللہ کے نزدیک دقابل قبول دین اسلام ہی ہے۔ نیز یہ اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ دین ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا نیز فرمایا وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ جو شخص اسلام کے ماسوا کوئی اور دین تلاش کرے گا اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں اسے خسارہ ہی خسارہ ہوگا۔

اللہ تعالےٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا۔ یہ لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے اور روشنی ہے، اس میں ہدایت کے اور اسلام اور کفر میں امتیاز کرنے والے دلائل موجود ہیں یہ کتاب الہیٰ بتدریج آہستہ آہستہ نازل ہوتی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے ذریعے اپنے دین کی تکمیل کردی اور فرمایا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ) اور اپنی نعمت (قرآن کریم) تم پر مکمل بھیج دیا۔

اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے چمٹے رہنے کا حکم فرمایا۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ (عمران) تم اللہ کے دین کو اکٹھے ہوکر مضبوطی سے تھام لو اور ٹوٹے ٹوٹے مت بنو۔

نیز اپنی اور اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ہر اس کام میں حکم دیا جو اس کی طرف اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا چنانچہ فرمایا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (المائدہ) اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور) اگر تم اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تو صرف احکام الٰہی لوگوں تک پہنچانا ہے رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے تو در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیر لیتا ہے تو کوئی بڑی بات نہیں ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو جاتا ہے اور اس کی (مقرر کردہ) حدود سے تجاوز کرتا ہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ میں داخل کرے گا اور اس میں سے باہر آنے کی امید ہرگز نہیں ہوگی بلکہ اس میں ہمیشہ اور ابدالآباد کے لئے رہے گا، پھر وہاں پر کوئی آرام و آسائش کا سامان نہیں میسر ہوگا بلکہ ذلیل اور رسوا کرنے والے عذاب میں بند ہوگا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کی پیروی کریں، آپ کی منہیات سے باز رہیں اور آپ کے اقوال و افعال کی پوری پوری پیروی کریں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال وحی الٰہی کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں جیسے فرمان ایزدی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم) یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا تکلم اور گفتگو ہمیشہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتی تھی۔

اسلامی شریعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور اوامر و نواہی کو اصول ثانی کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ پہلا بنیادی اصول کتاب الٰہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد بیجا کلمہ کلمہ اور آیت آیت کی شکل میں نازل ہوئی اس لئے تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اسلام ان دو اصولوں پر قائم ہے، جب تک ان دونوں پر ایمان نہ لایا جائے اور تمام حالات اعمال اور اعتقادات میں ان کو ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے اس وقت تک کسی کا ایمان درست نہیں ہوگا۔ مسلمانوں نے اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جو قرآن پاک کی کسی آیت یا کلمہ قرآن کا انکار کرتا ہے یا ایسی سنت کا انکار کرتا ہے جو پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہو جیسے کوئی شخص سفر کے ماسوا عصر کی چار رکعت سنت کا انکار کرتا ہے اور جیسے کوئی عصر کی نماز میں قرات بالجہر پر یقین رکھتا ہے حالانکہ یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعت سنت ہیں اور اس کی فرض نماز میں قرات سری ہے۔

بریں وجہ ہم نے یہ فتویٰ صادر کیا ہے کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کو خواہ قول ہو یا فعل جو قطعی الثبوت ہو، ترک کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ سنتوں کی حیثیت اسلام کے ثابت اور متحقق ہونے کے لئے اصول ثانی کی نہیں اور اس کو ترک کرنا جائز تصور کرتا ہے تو ایسا شخص بالاجماع دین اسلام سے خارج ہے اور اللہ کا نافرمان ہے کیونکہ جہاں اس نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہاں اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو بھی لازم ٹھہراتا ہے۔

دین اسلام امت محمدیہ کے لئے انفرادی اور اجتماعی طور پر حق، ہدایت، علم، نور، فضیلت اور کمالات لے کر آیا اور اللہ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام دے کر تمام روئے زمین کے لوگوں کے لئے جو قیامت تک ہونے والے ہیں مبعوث فرمایا، ایسے نبی کے احکام اور اوامر و نواہی کی تعلیم میں حیلہ سازی کرنا واضح گمراہی اور صریح کفر ہے اس لئے ان دونوں اصولوں کی ترغیب دلانا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان کا علم ہو جائے اور اسلام میں ان کا عقیدہ یہ ہو کہ یہ دونوں (قرآن و سنت) اسلام کے بنیادی اصول ہیں اور ان میں کوتاہی برتنے والے کو ہر ممکن طریقہ سے انتباہ کیا جائے تاکہ حق اور دین اسلام کا قیام ہو اور کفر، گمراہی اور فساد کی بیخ کنی ہو جائے۔ اللہ ہی ان امور کی توفیق دینے والا ہے اور راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

اس عقیدہ کی نشر و اشاعت تمام اسلامی ممالک میں ضروری ہے رہا ہدایت کا معاملہ تو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔

فضیلۃ الشیخ احسنین محمد مخلوف سابق مفتی دیار مصر

ماخوذ از اخبار العالم الاسلامی بابت ۴ دسمبر ۱۹۷۰ء عدد نمبر ۵۰۹

منقول از محدث لاہور جلد ۱ ش ۷ ص ۴۶

سوال: اگر بعد ختم نماز جمعہ چند مسلمان داخل مسجد ہوں تو ان کو نماز جمعہ بجماعۃ ثانیہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب: جائز بلکہ واجب ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ الآیۃ حدیث۔ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً عَبْدًا أَوِ امْرَأَةً أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَرِيضٌ رواہ ابوداؤد من حدیث طارق ابن شہاب (الصحابی الصغیر) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورواہ الحاکم من حدیث طارق ہذا عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصححہ غیر واحد (التلخیص الحبیر)

وجہ استدلال یہ ہے کہ نماز جمعہ جب فرض ہے اور اس کی شرط جماعت ہے جو حدیث بالا میں مذکور ہے تو دوبارہ جماعۃ جمعہ بھی اسی دلیل سے ثابت ہے ہاں اگر اکیلا کوئی شخص بعد نماز جمعہ آوے تو بوجہ عدم شرط جمعہ ظہر پڑھے گا چنانچہ بعض روایات متعارفہ میں صراحتاً بھی آیا ہے۔

ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ ۔ مٹیا محل دہلی،

سوال: زید کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد سکتہ فرماتے اور اس میں اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي الخ دعائے افتتاح پڑھتے جیسا کہ کتب احادیث میں مذکور ہے لہٰذا عیدین کی نماز میں بھی تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے افتتاح پڑھنی چاہئے اس کے بعد تکبیر زوائد بکر کہتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ تکبیر تحریمہ التزوائد متواتر بلافصل کہنی چاہئیں اور اس کے بعد دعائے افتتاح اس لئے کہ امام ابن القیم زاد المعاد جلد اول ص ۱۲۲ میں نماز نبوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ كَانَ يَبْدَأُ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الْأُولَىٰ سَبْعَ تَكْبِيرَاتٍ مُتَوَالِيَةٍ بِتَكْبِيرَةِ الْاِفْتِتَاحِ

زید اس کے جواب میں کہتا ہے کہ یہ مندرجہ ذیل حوالہ کے خلاف ہے:

نیل الاوطار جوم ۳ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَإِسْحَاقُ وَأَبُو طَالِبٍ وَأَبُو الْعَبَّاسِ إِنَّ السَّبْعَةَ فِي الْأُولَى بَعْدَ تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ أَيْ بَعْدَ سَكْتَةِ تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص ۳۷۶ ج ۱ تَكْبِيرَاتٌ غَيْرَ تَكْبِيرَةِ الْإِحْرَامِ كَمَا فِي رِوَايَةٍ۔

اب سوال یہ ہے کہ زید کا قول صحیح اور سنت کے مطابق ہے یا بکر کا؟

اس کے جواب میں حضرت مفتی اہلحدیث صاحب فرماتے ہیں یہ زوائد تکبیر تحریمہ کے ساتھ ملحق ہیں میرے ناقص علم میں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وغیرہ پڑھنے کا محل ان کے بعد ہے اس کے خلاف کوئی صریح حدیث ہو تو اطلاع دیجئے، شکریہ کے ساتھ قبول کی جائے گی۔

آہ! جس کے اسم مبارک کی یاد سے زخم تازہ ہوتا ہے، خطیب ہند مولانا محمد صاحب (نور اللہ مرقدہ) صلوٰۃ محمدی عیدین کی نماز کی ترکیب میں فرماتے ہیں وضو کر کے قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا رفع الیدین کر کے سینہ پر ہاتھ باندھ لے اور اللّٰھُمَّ بَاعِدْ یا اور کوئی شروع کی دعا پڑھ کر قرأت سے پہلے تکبیر تحریمہ کے سات تکبیریں اور کہے اس ترتیب اور ترکیب کا حوالہ مطلوب ہے۔ راقم محمد واجد اللہ عفی عنہ اللہ۔ مدرسہ اہلحدیث، بیرگاچھی مالدہ

جواب:۔ تکبیرات عیدین میں یہ تو بعض روایات ضعاف میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں ماسوائے تکبیر تحریمہ کے بارہ تکبیریں کہیں، دار قطنی ص ۱۸۱ ج ۱ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ بِسَنَدَيْنِ وَالْبَزَّارُ فِي مُسْنَدِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ بِلَفْظِ كَانَ يُكَبِّرُ ثَلٰثَ عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً۔ مجمع الزوائد ص ۲۰۴ ج ۲ گو یہ روایات ضعاف ہیں مگر مختلف اسانید سے ایک دوسرے کو قوت ہوتی ہے جس سے اصل مسئلہ کا اثبات ہوتا ہے لیکن یہ تفصیل مگر افسوس اب تک نہیں معلوم ہوئی کہ یہ بارہ تکبیریں تحریمہ کے متصل بلا فصل ہیں یا بالفصل اور نہ ہی یہ کسی روایت میں نظر سے گذرا کہ عیدین کی نماز میں تحریمہ کے بعد دعائے استفتاح بھی کرتے تھے یا نہیں ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عام قاعدہ کلیہ نماز میں وارد ہے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان سکتہ فرماتے، خود یافت کرنے پر فرمایا کہ میں اس سکتہ میں اللھم باعد بینی الخ پڑھتا ہوں، متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۷۵ اس قاعدے و حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے دستورالعمل سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء استفتاح پڑھ کر پھر تکبیرات زوائد کہنی چاہئیں بنا برآں قول زید کا صحیح ہے۔ رہا قول حافظ ابن القیم کا تو اول تو انہوں نے اس بارے میں کوئی مرفوع حدیث صریح نہیں پیش کی نیز ان کے قول کے بموجب دعاء استفتاح کا بھی ثبوت نہیں ہوتا۔ اور اثر سے جو تمام تکبیرات میں حمد و ثنا و درود نقل کیا ہے یہ بھی ایک قول غریب ہے بہرحال راجح زید کا قول ہے اس لئے کہ وہ سنت محمدیہ کے مطابق ہے لہٰذا واللہ اعلم!

(الراقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی)

(اخبار محمدی دہلی جلد ۱۵ ش ۱۲)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے والدین نے زید سے کہا کہ ہم اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح تیرے ساتھ کر دیں گے۔ لیکن زید کو قرائن سے معلوم ہو گیا کہ میرے ساتھ وعدہ صرف کھانے کیلئے کیا ہے۔ نکاح نہیں کرنے دیں گے۔ اس وجہ سے زید نے ہندہ سے زنا کیا۔ ہندہ حاملہ ہو گئی پھر والدین نے حمل میں قبل وضع حمل پانچ ماہ زید سے ہندہ کا نکاح کر دیا۔

کیا شرعاً یہ نکاح صحیح ہے؟ قرآن و حدیث سے جواب ہو۔

الجواب :۔ امام احمد کے نزدیک یہ نکاح حرام ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ زانی کو حد لگانی واجب ہے۔ جب تک حد نہ لگائی جائے اور توبہ صحیحہ نہ ہو تب تک نکاح صحیح نہیں۔ اور یہ حمل زنا کا ہے۔ اور ولد ولدالزنا ہو گا۔ حاملہ من الزنا کا نکاح حالت حمل میں صحیح اس وجہ سے بھی نہیں کہ یہ عموم وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ میں داخل ہے۔ اخراج اس کا محض قیاس ہے۔ اور نیز زانیہ سے نکاح کرنے والا زانی ہوتا ہے۔ اور جب تک حمل موجود ہے حکم زنا بھی موجود ہے حکم زنا بھی موجود ہے۔ بناء علیہ یہ نکاح حرام ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

ابو اسحٰق نیک محمد عفی عنہ امرتسر ﴿وموقتہ﴾ نکاح زانیہ بزانی میں سلف کا اختلاف ہے بعض قائل بجواز ہیں بعض مانع مگر بعد توبہ صحیحہ نکاح صحیح ہے۔ امام احمدؒ بعد توبہ صحت کے قائل ہیں۔ یعنی حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے عدت میں نکاح درست نہیں۔

نیل الاوطار) اور توبہ مجموعہ شرعی حد پر منحصر نہیں۔ قصۂ افک صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو فرمایا تھا فَاِنْ کُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِی اللّٰہَ وَتُوْبِیْ اِلَیْہِ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔ الحدیث صحت نکاح کی دلیل یہ ہے کہ سورہ نور کی آیت کی منع کی دلیل میں علت منع وصف زنا ہے۔ قضیہ مشروط ہے۔ اور بعد توبہ وصف زنا زائل ہے۔ بحکم حدیث نبوی علیہ السلام اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ (سنن ابن ماجہ وغیرہ) اور عورت کی عدت اصطلاح شرع میں اس مدت کا نام ہے جس میں عورت فراق زوج وفات زوج یا سید کے بعد نکاح یا وطار سے رکی رہتی ہے فتح الباری نیل الاوطار وکذا سبل السلام (قرآن وحدیث میں جن مواقع میں عدت عورت کا ذکر آیا ہے اِسْتِبْرَاءِ اس میں داخل ہے۔ عدت کا تعلق اصل میں زوج یا سید سابق سے ہے۔ سورہ احزاب کی آیت فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا۔ بھی امر مذکور کی دلیل ہے۔ نظر براں اُولَاتُ الْاَحْمَالِ کے عموم میں حامل من الزنا کا دخول محل نظر ہے۔ قطعی نہیں، صرف احتمال ہے۔ جیسا کہ خروج قیاسی کہا گیا دخول بھی قیاسی ہے اور اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ بھی قیاس ہے نص یہ بھی نہیں۔ نیز عموم ہر چیز کا اپنے نوع میں ہوتا ہے نہ غیر میں اور اس عموم کی تصریح صرف مُطَلَّقہ اور متوفی عنہا (جس کا خاوند مر گیا) میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُھُنَّ لِلْمُطَلَّقَۃِ ثَلَاثًا وَلِلْمُتَوَفّٰی عَنْھَا فَقَالَ ھِیَ لِلْمُطَلَّقَۃِ ثَلَاثًا وَلِلْمُتَوَفّٰی عَنْھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِی (نیل الاوطار) اور نکاح زانیہ بعد توبہ زنا نہیں کما تقدم۔ اور اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ الآیۃ اور حدیث لَا یُحَرِّمُ الْحَلَالُ الْحَرَامُ (سنن ابن ماجہ وغیرہ) بھی دلیل مجوزین ہے۔ خلاصہ یہ کہ صورت مسئول منصوص نہیں کتاب وسنت سے استنباط ہے ایسے مسائل میں ترک احوط (بہتر) ہے۔ مختص تجدید نکاح ہو سکتا ہے۔ مگر حمل مذکور صحیح النسب نہ ہو گا۔ ھذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

سید محمد شریف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی۔

(اخبار محمدی دہلی جلد نمبر ۹ اشٹ نمبر ۱۴)

۱؎ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ تھا ہی نہیں۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کہتا ہے کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ وقیامہ وغیرہ کی بعض آیتوں کا جواب جو احادیث سے ثابت ہے مقتدی کے لئے بھی جائز ہے جس طرح امام کے لئے اور حوالہ فتاویٰ نذیریہ سے دیتا ہے اس کے برخلاف عمرو کہتا ہے کہ مقتدی کو بالکل جائز نہیں۔ اب آپ فرمائیے کہ ان دونوں میں کس کا قول سنت کے مطابق ہے؟ اور براہ کرم بالدلیل ارشاد ہو۔ فقط والسلام۔

بینوا بالدلیل وتوجروا بالدلیل

الجواب صورت مسئولہ میں سنت کی تصریح نہ زید کے پاس ہے نہ عمرو کے دونوں کے دلائل قیاسیہ ہیں، زید خارج نماز کی حدیث پر نماز کو اور امام پر مقتدی کو قیاس کر کے جواز کا قائل ہے یہی فتاویٰ نذیریہ میں ہے اور عمرو سنت کی عدم تصریح کے باعث عدم جواز کا قائل ہے چونکہ عمرو کی دلیل عدمی ہے اور زید کی وجودی، اور مقامات مذکورہ سے عمل کا مقتضی بھی وجودی کا مؤید ہے لہٰذا، اگرچہ قیاس ہے لیکن عدم سے بہتر ہے مگر مقتدیوں کا غل وشور بالکل باطل ہے اس کا قیاس امام نہ ہوگا، جیسے تقریر تحریمہ قرأۃ تکبیرات انتقالات سلام امام جہراً کہتا ہے اور مقتدی سراً فافہم وتدبر۔ ھذا واللہ اعلم۔

راقم ابوسعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی۔

الجواب صحیح، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ۔ امام ہر قسم کی اقتدا کے لئے بنایا جاتا ہے ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کو شریعت نے منع کر دیا ہے مقتدی امام کے ہر قول وفعل کی اقتدا کرے، اسی عموم کے ماتحت وہ امام کے تحت امام کے ساتھ سوال کا جواب بھی دے، واللہ اعلم بالصواب سید تقریظ احمد اڈیٹر اخبار محمدی دہلی۔

جواب صحیح اور درست ہے، عبید اللہ مبارک پوری مدرس مدرسہ رحمانیہ دہلی۔

استفتاء۔ کیا مندرجہ ذیل صفات کا امام امامت کے لائق ہے۔

(۱) زنا کار (۲) جواری (۳) اپنی عورتوں کو سینما لے جاتا ہو اور خود جاتا ہو اپنی عورت کا حمل ہر تیسرے مہینے میں ادویات سے گراتا ہو۔

کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہو سکتی ہے۔

الجواب۔ ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنائیے کیونکہ امام اچھے آدمی کو بنانا چاہئے، رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے (ائمتکم خیارکم الحدیث) سید تقریظ احمد اڈیٹر اخبار محمدی دہلی۔ جلد ۲ ش ۱۹ ص ۵۔

قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے کا ثبوت

اہل منطق کا ایک مسئلہ ہے قضایا قیاسا تہا معہا ، یعنی وہ قضایا کہ اپنی صدق کے وجوہات اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہی حال قرآن مجید کا ہے قرآن مجید اپنی صداقت کے دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ تواریخ کے مطالعہ سے کہ اہل عرب اپنی زبان دانی اپنی فصاحت و بلاغت کے سامنے دوسرے لوگوں کو عجم یعنے گونگا کہتے تھے۔ جب اپنے جلسوں و محفلوں میں قصائد پڑھتے تو اس کو پہلے سے سوچتے و مرتب نہ کرتے تھے بلکہ بوقت تقریر شعر برجستہ پڑھتے جاتے تھے غرض یہ کہ وہ لوگ علم و ہنر میں اپنا ثانی دنیا میں نہ رکھتے تھے۔

ایسے وقت میں قرآن مجید ایک اُمّی شخص پر نازل ہونا شروع ہوا۔ قرآن مجید کو سنتے ہی اہل عرب چکرا گئے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید نے ان کی مذہبی و اخلاقی باتوں کی اصلاح و خدا پرستی کی طرف بلانا شروع کیا اور پتھروں و مکڑیوں کی پرستش و آباؤ اجداد کے رسم و رواج پر چلنے سے منع کیا اس واسطے وہ سب کے سب اس کے مخالف ہو کر تکذیب کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ یہ محمد کا بنایا ہوا کلام ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ شاعرانہ ترنگ ہے۔ غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں جب اہل مکہ نے اس قسم کے شکوک پیدا کرنے شروع کیے اور کلام اللہ ہونے کے منکر ہونے اور کلام محمد کہنے لگے تو خداوند عالم نے فرمایا کہ اگر تم قرآن مجید کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام کہتے ہو تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور بشر کا بشر مقابلہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا تم سارے مل کر اس قسم کا کلام بنا دو محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں جھوٹے پڑ جائیں گے چنانچہ فرمایا۔ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿بنی اسرائیل﴾ یعنے اہل مکہ و تمام روئے زمین کے انسان و جن سب مل کر اگر قرآن مجید کے مثل بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ ایک عرصہ تک ان کے سامنے پورے قرآن مجید کی تحدی پیش کر کے کہا گیا کہ اگر تم سے ہو سکتا ہے تو اس کے مثل بنا لاؤ۔ آخر جب وہ عاجز آ گئے تو دس سورتوں کی تحدی کی گئی۔ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ یعنی اگر پورے قرآن کے مثل نہیں لا سکتے تو دس ہی صورتیں سب مل کر بنا لاؤ تاکہ محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ جھوٹا ہو جائے۔ جب دس صورتوں کے بنانے سے بھی

قاصر و عاجز ہوئے تو ایک ہی سورت کی تحدی کی گئی چنانچہ فرمایا وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ (سورۃ بقر) یعنے اے مکہ والو اگر تم کو قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے میں شک ہے تو جاؤ اس کے مثل ایک ہی سورت بنا لاؤ۔ آخر وہ ایک سورت بھی نہ بنا سکے باوجودیکہ ان کی عربی زبان تھی اور نہایت ہی فصیح و بلیغ تھے جب ایک سورت بھی نہ بنا سکے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ باوجود اس کے مثل بنانے سے قاصر ہوتے سے بھی تکذیب سے باز نہیں آتے تو فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔ یعنے اے منکرین قرآن تم پر حجت ختم کر چکا اب تمہارا ٹھکانہ سوائے جہنم کی آگ کے اور کچھ نہیں، چنانچہ آج تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذرا قرآن مجید برابر ڈنکے کی چوٹ سے کہہ رہا ہے کہ جس کو میرے الہامی ہونے میں شک ہو وہ آکر میرا مقابلہ کرے باوجودیکہ آج عیسائی و آریہ و دیگر اقوام اسلام کے مخالف ہیں اور علم کے مدعی ہیں لیکن قرآن کریم کے مقابلہ سے عاجز ہیں اگر کسی بشر کا کلام ہوتا تو اب تک تو کبھی کا مقابلہ ہو چکتا۔ قرآن کریم کے الہام ربانی ہونے کا یہ بھی بین ثبوت ہے کہ باہم آیات کا اختلاف نہیں ہے چنانچہ فرمایا

قرآن کریم کے الہامی کتاب ہونے کی یہ بھی واضح دلیل ہے کہ بندوں کی تمام ضروریات کو کافی و وافی ہے بخلاف دیگر کتب آسمانی منسوخہ مثل بائبل وغیرہ یا جعلی کتابیں مثلاً وید وغیرہ اگر ان کو تھوڑی دیر کے لئے انسان اپنا دستور العمل بھی بنالے تو ان سے ضروریات بشری کا پورا ہونا مشکل ہے نہ ان کتابوں سے ضروریات بشری ہی پوری ہو سکتی ہیں نہ خالق و مخلوق کے باہم تعلقات چل سکتے ہیں بخلاف قرآن مجید کے۔ قرآن مجید نے خالق و مخلوق کے باہم تعلقات کو خوب واضح طرح سے بیان کیا ہے اسی طرح ضروریات بشری مثلاً تہذیب الاخلاق و تدبیر المنزل و سیاست مدنیہ کو اچھی طرح بیان کیا ہے قوانین فوجداری و دیوانی کو مشرح بیان کیا ہے قوانین فوجی و جنگی سے قرآن مجید مالا مال ہے الغرض ان سب باتوں پر نظر ڈالنے سے انسان سلیم الطبع بے ساختہ یہ شعر اپنی زبان سے کہے گا ؎

نظیر اس کی نہیں سنی جہاں میں نظر کو کیا بھلا کیوں ہو نظیر اس کی کلام پاک رحمان ہے

محمد یونس مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلی۔

(اخبار محمدی جلد ۱۹ش ۲)

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سنت پڑھ رہا ہے اور فرض نماز کھڑی ہو گئی اس کا ارادہ چار رکعت ادا کرنے کا ہے ابھی پہلی رکعت میں ہی دو رکعت کے بعد سلام پھیرے یا چار کے بعد: مع حوالہ کتب جواب مرحمت کریں۔

جواب :- بعد اقامت اس کو فوراً سنت ترک کر دینی چاہئے اس امر پہ یہ حدیث دلیل ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قائم کی جائے نماز (اقامت) کوئی نماز (درست) نہیں مگر فرض سنت ترک کر کے فرض میں شامل ہو جائے، فجر کی سنت ہو یا اور کوئی بعد اقامت سنت پڑھنے والا مجرم ہے۔ (مولانا) احمد اللہ

نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے

(شیعہ کو جواب)

بشیر حسین سلمہٗ! بعد دعا کے معلوم ہو کہ خط تمہارا آیا حالات سے مطلع ہوا تم نے جو لکھا ہے کہ کوئی قرآنی آیت ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے بارے میں لکھو، تو اولاً ہر چیز کا حکم قرآن میں بالتفصیل نہیں مثلاً نمازیں صبح کی دو رکعت ظہر و عصر چار چار مغرب کی تین اس کے متعلق قرآن میں کہیں نہ ملے گا اب یہ حکم حدیث کے ذریعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس لئے واجب العمل ہے، قرآن نے تو اتنا بتایا ہے کہ ہم مسلمانوں کو مجرموں کی شکل میں دیکھنا نہیں چاہتے مجرم کچھ تنگ ہاتھ باندھے یا جوڑے ہوئے حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اس کو خداوند عالم اپنے سامنے گوارا نہیں کرتا ہے کہ بندے جب میری درگاہ میں آئیں تو دنیادی طریقہ سے ہاتھ باندھے ہوئے میری عبادت نہ کریں اس لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح ۔۔۔ اب رہ گیا یہ کہ قدرت کے طریقہ پر ہم کو بھی یہی عمل کرنا چاہئے اگر وہ ہم سے سخاوت کو چاہتا ہے تو سخاوت کریں، اگر علم کو چاہتا ہے تو علم حاصل کریں یہاں تک کہ اگر اس نے اپنے متعلق کہد یا ہو کہ میری قدرت کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں تو ہم کو بھی یہی چاہئے کہ ویسے ہی ہاتھ ہم بھی رکھیں چنانچہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ رسول کو خدا فرماتا ہے کہ اے رسول ان سے کہدو کہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جب

اللہ کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں تو پھر اللہ ہی کے طریقہ کو اختیار کریں تاکہ وہ راضی ہو لہٰذا جب ہم خدا کے سامنے نماز میں کھڑے ہوں تو ہاتھ کھلے ہونے چاہئیں۔

تیسرے یہ کہ اسلام فطرتی مذہب ہے یعنی جو ہماری فطرت اور طینت ہے وہی مذہب اسلام ہے تو اب ہم کو اپنے جسم کے اعضاء پر غور کرنا چاہیے چنانچہ سر بلند ہے پیر نیچے ہیں ہاتھ لٹکے ہوئے ہیں جب ہاتھ رانوں پر لٹکے ہوئے ہیں تو پھر نماز میں ہم خلاف فطرت کیوں کریں اس لیے ضروری ہے کہ موافق ہی اس کی درگاہ میں جائیں تاکہ بناوٹ نہ ہو اس وجہ سے نماز میں ہاتھوں کا کھولنا ضروری ہے۔

چوتھے یہ کہ اہل سنت کی کتابوں میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا جائز ہے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے میں شیعہ اور سنی دونوں متفق ہیں اور ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا فقط سنیوں میں ہی پایا جاتا ہے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا دونوں مذہبوں میں تو پھر وہ چیز کہ جس پر دونوں کا اتفاق ہو زیادہ بہتر ہے یا وہ کہ جس پر دونوں کا اتفاق ہو زیادہ بہتر ہے یا وہ کہ جس پر صرف ایک مذہب کا اتفاق ہو۔ اہل سنت کی کتابوں سے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا واجب ہے اور رسول خدا بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے قَوْلُ مَالِكٍ الْعَزِيْمَةُ فِي الْاِرْسَالِ وَالرُّخْصَةُ فِي الْوَضْعِ وَالْاَخْذِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ كَذٰلِكَ وَكَذَا اَصْحَابُهُ حَتّٰى نَزَلَ الدَّمُ مِنْ رُؤُسِ اَصَابِعِهِمْ (کنز الدقائق ص۲۵ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)۔ ترجمہ۔ امام مالک جو چاریعنی امام ابوحنیفہ امام شافعی امام احمد بن حنبل اور امام مالک) نے کہا ہے کہ واجب ہے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا اور اجازت ہے۔ کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے اور ان کے صحابی بھی ایسا کرتے اور اتنی اتنی دیر تک ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے کہ انگلیوں کے پوروں میں خون جمع آتا ہے۔

الجواب اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اما بعد۔ مجیب کا کلام عجیب ہے کہ ایک امر کو پہلے تسلیم کر چکا ہے کہ یہ قرآن میں بالتفصیل نہیں لہٰذا اس کا حدیث سے ثبوت لازم ہے پھر اپنے غلط قیاس سے اس کو قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش کی اور ثابت نہ ہو سکا مجیب کو لازم تھا کہ جب قرآن میں تصریح نہ تھی تو حدیث صریح پیش کرتا جو نہ کر سکا۔ نیز جناب اللہ تعالیٰ پر خلق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ عابد کو معبود پر قیاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ معاذ اللہ! کیا وہ نماز پڑھتا ہے جو اس کے ہاتھوں پر قیاس کیا۔ اتنی دور گئے اور اللہ

قتال کا حکم واضممْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ الآیہ کا خیال نہ کیا کہ ضم کا حکم ہے فافہم ورنہ بدیہہ أَفَنَجْعَلُ
الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ کا مطلب بھی غلط بتایا گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک واقعہ نقل کر کے منکرین کو وعید فرمائی
كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ أَفَنَجْعَلُ
الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ۔
خلاصہ کہ ہم مجرموں یعنے کافروں کو مسلموں کی طرح جنت میں داخل کر کے آرام نہ دیں گے بلکہ جہنم میں
داخل کر کے عذاب کریں گے، اور بس، اس میں ہاتھ چھوڑنے یا باندھنے کا ذکر بالکل باطل خیال ہے اور
بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ اول تو متشابہات سے ہے نیز اس سے دائمی داد و دہش مراد ہے نہ کہ ہاتھ لٹکا کر کھڑے
رہنا یا چلنا پھرنا وغیرہ عجیب نے قرآن مجید میں تدبر ہی نہیں کیا، یونہی سنی سنائی باتوں کو نقل کر دیا۔
جن کا نہ سر ہے نہ پیر ہاتھ باندھ کر دربار میں کھڑے ہونا اعلیٰ درجہ کا ادب و تہذیب ہے اور ہاتھ لٹکانا
ایک گونہ سوء ادبی اور بد تہذیبی ہے جیسے کشتی گیر مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے مگر سیدھے کو الٹا سمجھنا آپ کی
سمجھ کا پھیر ہے اور کچھ نہیں، اے جناب پھر آپ نے وہی غلط قیاس شروع کر دیا، فطرۃ کا ذکر کر کے
بھی آپ کو کچھ حاصل نہوا، آپ کا قیاس ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ فطرۃ نے تو آپ کو شکم مادر سے ننگا
اور خون وغیرہ سے آلودہ اور سر نیچے پاؤں اوپر کی طرف زمین پر اوندھا پیدا کیا پھر آپ کس منہ سے
اللہ کے سامنے نہا دھو باوضو کپڑے پہن کر قبلہ رو سر اوپر اور پاؤں نیچے کر کے کھڑے ہوتے ہیں
اور خط و حجامت و ناخن تراشی وغیرہ بھی نہ تھی، پھر آپ اسی ہیئت سے برہنہ نماز کیوں نہیں پڑھتے
بلکہ ہر وقت ایسے ہی کیوں نہیں رہتے، فطرت کے خلاف کس لئے کرتے ہیں، ہاتھی کے دانت صرف دکھانے
ہی کے لئے ہیں نہ کھانے کے لئے نیز قیام میں تو آپ نے ہاتھ لٹکائے مگر رکوع اور سجود اور قعود میں
کہاں رکھیں گے، پھر ان کے لئے کیا دلائل ہوں گے وہ بھی تو سوچے ہوتے۔ اے جناب ہاتھ باندھنا
بہت سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے جس کا ثبوت تمام کتب صحاح وغیرہ میں موجود ہے اور
سلف اور تمام صلحاء امت کا عمل درآمد ہے اگر آپ کو روز روشن میں کھڑا کر کے کسی دھوپ
کے وقت بھی سورج نظر نہ آئے تو قصور کس کا ہے یہ بھی آپ نے غلط لکھا ہے کہ ہاتھ کھول کر
نماز پڑھنے میں شیعہ و سنی دونوں متفق ہیں، کتب حدیث و شروح حدیث اہل سنت و کتب فقہ
اور شرح وقایہ سعایہ کنز الدقائق وغیرہ میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا سنت ہے ہاں امام مالکؒ کی

طرف لوگوں نے عدم وضع منسوب کیا ہے خود ان سے مؤطا میں منقول نہیں، پھر آپ کی منقولہ عبارت میں بھی وضع اور اخذ کو رخصت و تنامت بتایا ہے اور آپ اس کو بناوٹ بتاتے ہیں، لہٰذا یہ بھی آپ کے خلاف ہے اور احادیث صحیح اور آثار صحابہ و تابعین و عملی امت کے مقابلہ میں ایک مرجوح وبے اصل روایت جس کی کوئی سند بھی نہیں جو امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے کوئی چیز نہیں اور تمام امت کے عمل و روایات کے بھی خلاف ہے لہٰذا باطل ہے اور "وضع الیدین علی الصدر فی الصلوٰۃ سنۃ" (نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے) ھذا ھو الحق

(ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنہ ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ وظیفہ یا مشاہرہ یا تنخواہ لے کر کسی مسجد کا امام بننا یا تنخواہ مشاہرہ وغیرہ دیکر امام مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو اس کی کیا دلیل ہے اور اگر جائز نہیں تو اس کی کیا دلیل ہے؟ بینوا بالادلۃ القاطعۃ توجروا عند اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

الجواب :۔ عہد نبوی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس نماز پڑھایا کرتے تھے پھر خلفاء راشدین پھر حکومت اسلامی میں سلاطین اسلام اس وجہ سے دسوائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اور اسماعیلی کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے بھی فتح الباری) کبھی اس امر میں وظیفہ و تنخواہ کی نہ ضرورت پیش آئی نہ ذکر ہی ہوا، صدیق اکبرؓ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو فرمایا کہ میں اور میرے اہل وعیال میری محنت (تجارت کر باس) سے گذر اوقات کرتے تھے، اب چونکہ میں مسلمانوں کے کام (انتظام خلافت) میں مشغول ہوں لہٰذا میں اور میرے اہل وعیال بیت المال سے کھائیں گے (صحیح بخاری)، اس پر صحابہ کرامؓ نے مشورے سے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا، (فتح الباری) اس اجماع صحابہ سے ثابت ہوا کہ انتظام خلافت و امامت میں اگر منتظم کو تنخواہ کی ضرورت وحاجت ہو کہ بلا اس کے اس کا کام نہیں چل سکتا یا ناقص رہتا ہے تو اس کی تنخواہ مقرر کرنی بھی جائز ہے اور اگرچہ صدیق اکبرؓ کے ذمہ دونوں کام (انتظام خلافت اور جماعت نماز) تھے مگر چونکہ دونوں میں افادہ و اصلاح اہل اسلام ہے اور دونوں امر دینی ہیں لہٰذا دونوں کی علت جامعہ ایک ہے اور حکم بھی ایک کہ اگر کہیں نماز باجماعت کے انتظام میں منتظم کو وظیفہ و تنخواہ کی ضرورت ہو کہ بلا اس کے

خورد و نوش وغیرہ کا کام نہیں چل سکتا یا ناقص رہتا ہے تو اس کا وظیفہ مقرر کرنا بھی جائز ہے اور اگر وہ کامل سرمایہ دار ہے کہ بلا تنخواہ اس کے اور اس کے اہل و عیال کے خورد و نوش وغیرہ ضروریات سب چل سکتے ہیں تو پھر اس کو تنخواہ لینا جائز نہیں رہا اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم تو قسم اول میں تو کلام نہیں کہ جائز ہے دوسری قسم کے امام کے پیچھے نماز تو ایک روایت کے مطابق ہو جائے گی۔ مگر اس کو امام نہ بنایا جائے بحکم حدیث نبوی اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ (دار قطنی بیہقی) وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنْ سَرَّکُمْ اَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُکُمْ فَلْیَؤُمَّکُمْ خِیَارُکُمْ (اخرجہ الحاکم) اور یہ بھی واضح رہے کہ جو امام بلا تنخواہ نماز پڑھائیگا وہ کسی کے دباؤ میں نہ رہے گا بحکم حدیث نبوی اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ (جامع ترمذی وغیرہ) شرع کے مطابق تعین اوقات نماز و حاضری وغیرہ ہر امر میں وہ مختار ہوگا۔ اور اگر متولیان مسجد کسی کو امام نماز مقرر کر کے اپنے نوکر کی طرح اس کو اپنے دباؤ میں رکھیں کہ تبدیل اوقات ایجاز و عدم ایجاز صلوۃ وغیرہ کسی امر میں اس کا دخل نہ ہو ہر وقت یا علاوہ وقت نماز کے بھی اس کی حاضری ضروری ہو یا خدمت مسجد یا حفاظت و درس تدریس وغیرہ بھی اس کے ذمہ لازم ہو تو پھر وہ صرف امام ہی نہیں بلکہ مزدور و اجیر ہے اور بحکم حدیث نبوی اَعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَهُ الحدیث (سنن ابن ماجہ و مسند ابو یعلی) اس کی تنخواہ واجب ہے واللہ اعلم

ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی۔ ۲۲ رمضان ۱۳۵۰ھ اخبار محمدی دہلی جلد ۸ نمبر ۲

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین ذیل کے مسائل میں:۔

(۱) وتروں میں دعاء کے لئے جو رفعیدین ہاتھوں کو اٹھایا جاتا ہے اس کا کیا ثبوت ہے۔

(۲) وتروں میں دعاء قنوت بسند صحیح کونسی ثابت ہے اس کے الفاظ کیا ہیں مع حوالہ کتاب بیان فرمائیں۔

(۳) جب سجدہ تلاوت نماز میں کیا جائے تو رفعیدین و تکبیر کہنی چاہیئے یا نہیں؟ یا بغیر رفعیدین بغیر تکبیر سجدہ میں چلا جائے۔

(۴) تکبیرات عیدین و نماز جنازہ میں رفع الیدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۵) سجدہ تلاوت کے لئے جہت قبلہ اور وضو شرط ہے یا نہیں؟ اور مس قرآن و تلاوت قرآن بلا وضو کرنا شرعی حکم ہے یا نہیں۔

الجواب ۱ ؎ - عَنْ اَبِیْ عُثْمَانَ النَّهْدِیِّ کَانَ عُمَرُ یَقْنُتُ بِنَا فِی الصَّلٰوۃِ الْغَدَاۃِ وَیَرْفَعُ یَدَیْهِ حَتّٰی

بحوزتہ اصبعیہ انتہی وکان ابوھریرۃ یرفع یدیہ فی قنوتہ فی شہر رمضان وعن الاسود ان عبداللہ ابن مسعود کان یرفع یدیہ فی القنوت الی صدرہ انتہی۔ وعن ابی قلابۃ ومکحول انھما کانا یرفعان ایدیھما فی قنوت رمضان انتہی۔ وعن سعید بن المسیب ثلاثۃ مما احدث الناس اختصار السجود ورفع الایدی فی الدعاء ورفع الصوت۔ وعن الولید بن مسلم سالت الاوزاعی عن رفع الیدین فی قنوت الوتر فقال لا ترفع یدیک وان شئت فاشر باصبعک انتہی۔ ما فی قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر للمروزی وفیہ آثار اخری مختلفۃ۔

الحاصل رفعیدین قنوت وتر میں صحابہ تابعین سے آثار مروی ہیں اور اختلاف بھی ہے نیز اس رفع یدین میں اجمال ہے کہ آیا اس رفع سے مد یدین للدعا ہے جیسا کہ اہل حدیث کا آج کل عمل ہے یا حنفیہ کی طرح رفعیدین مثل تکبیر تحریمہ صرف ہاتھ اٹھانا ہے ہر فریق اپنے موافق توجیہ کرتا ہے ابراہیم نخعی کی توجیہ حنفیہ کے موافق ہے جس کی تفسیر وکیع نے کی ہے کہ رافع یدیہ قریبا من اذنیہ قال محمد یرسل یدیہ انتہی ما فی کتاب الوتر المذکور اور فاشر باصبعک کا لفظ بھی اسی کا مؤید ہے اور مطلق دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اہلحدیث کے عمل کا مؤید ہے والامر سہل وواسع لاحجر فیہ واللہ اعلم جزء رفع یدین امام بخاری میں بھی حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے رفع یدین قنوت ثابت ہے۔

(۲) حسن ابن علیؓ کہتے ہیں کہ عقلت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوات کان یدعوبھن وامرنی ان ادعو بھن اللھم اھدنی الحدیث آگے وہی دعا ہے جو اہلحدیث پڑھتے ہیں مگر صیغے سب مفرد ہی کے ہیں، اور یہ حدیث ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ سے بھی مرفوعا مروی ہے، کذا فی قیام اللیل المذکور جمع کے صیغے حضرت عمرؓ سے مروی ہیں۔ عن عمر ابن الخطاب انہ کان یقنت بالسورتین اللھم ایاک نعبد واللھم نستعینک اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علی عدوک وعدوھم اللھم العن الکفرۃ اھل الکتاب الذین یکذبون رسلک ویصدون اولیائک اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم باسک الذی لا تردہ عن القوم المجرمین۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونثنی علیک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یکفرک

[ونترک] من یفجرک) بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد نرجوا رحمتک ونخاف عذابک الجد ان عذابک بالکفار ملحق انتہی مافی قیام اللیل۔

[اس] میں اور بھی اس قسم کے آثار ثابت ہیں حصن حصین میں بھی ہیں اور سب صحیح قابل عمل ہیں۔

(۳) نماز میں بوقت سجدۂ تلاوت رفع یدین کی تصریح مستحضر نہیں، اور غالباً ہے بھی نہیں ایسے ہی تکبیر کی تصریح بھی مستحضر نہیں، مگر حدیث ابن مسعودؓ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکبر فی کل رفع وخفض وقیام وقعود (رواہ احمد والنسائی والترمذی وصححہ) سے تکبیر ثابت ہوتی ہے لہذا کہنی چاہیے۔

(۴) مرفوع روایت معلوم نہیں آثار میں عن نافع عن ابن عمر انہ کان یرفع یدیہ فی کل تکبیرۃ علی الجنازۃ وفی روایۃ اخری ان عبد اللہ بن عمر کان اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیہ انتہی (جزء رفع الیدین امام بخاری) عید کی بابت زاد المعاد میں ہے کان ابن عمر مع تحریہ للاتباع یرفع یدیہ مع کل تکبیرۃ انتہی ص۱۲۴ مطبوعہ مصر جزء رفع الیدین میں قیس ابن حازم اور نافع ابن جبیر اور عمر ابن عبد العزیز اور مکحول اور وہب ابن منبہ اور امام زہری وغیرہ سے بھی ثابت ہے ایسے ہی عیدین کی نماز کی تکبیرات میں رفع یدین کا ابراہیم نخعی کا بھی ایک اثر ہے، رواہ الطحاوی فی معانی الآثار اور بس۔ وفد تجیب سے بھی ثابت ہے کہ وہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا ہم فرضیہ صدقات لائے ہیں حضورؐ نے فرمایا ان کو واپس لیجا کر وہیں کے فقرا پر تقسیم کر دو انہوں نے عرض کی ہم تو وہاں کے فقرا کو دیکر لائے ہیں ان سے جو بچا ہے وہ لیکر آئے ہیں پھر حضورؐ نے سکوت فرمایا انہوں نے آپ سے مسائل دریافت کئے آپ نے ان کو تعلیم دی اور جائزہ بھی دیا صحابہ اور حضورؐ ان سے بہت خوش ہوئے زاد المعاد وعلمنا منۃ رزقنا یعمل ولا ینسی (قرآن)

(۵) سجدۂ تلاوت میں جہت قبلہ اور وضو کی شرط گو ثابت نہیں لیکن اولویت ہے صحیح بخاری میں [کان ابن عمر] یسجد علی غیر وضوء انتہی اور فتح الباری میں بیہقی سے بسند صحیح ابن عمرؓ سے مروی ہے قال لا یسجد الرجل الا وھو طاھر انتہی فتح الباری میں اس کو طہارت کبریٰ پر محمول کیا ہے یا صغریٰ کی حالت اختیار میں اور عدم طہارت ضرورت میں مگر اولویت پر عمل اولیٰ ہے ابو عبد الرحمن سلمی سے بھی عدم طہارت اور عدم توجہ الی القبلہ مروی ہے مگر جہت قبلہ اولیٰ ہے اور نماز میں تو جہت لازم

ہے مسِ قرآن کے بارے میں مرفوع حدیث ہے لَا یَمَسُّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاہِرٌ (معاکا اطبرانی)
لہٰذا بلا وضو مس منع ہے قراۃ بلا وضو کے بارے میں امام بخاریؒ نے امام نخعیؒ سے جواز نقل کیا ہے
مرفوع حدیث سے بھی جواز ثابت ہے جو بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضورؐ نے خواب سے اٹھ کر پہلے چند
آیات قرآنیہ پڑھیں پھر وضو کیا لہٰذا وضو اولیٰ ہے نہ شرط اور لازم۔ احمد اللہ سلمہ غفرلہ پھاٹک حبش خاں دہلی
۱۸ رمضان ۱۳۶۱ھ اخبار محمدی جلد ۱۹ ش ۱۹

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید
مرحوم آٹھ کمرے مکانات اور ۱۳ ۔ ۴ اسو روپے کا قرضدار رہ کر وارثوں میں تین لڑکے دو لڑکیاں چھوڑ
کر انتقال کر گئے اپنے حین حیات میں بہت عرصہ قبل زید مرحوم جب اپنا قدیمی رہائشی مکان مبلغ نو ہزار
روپے میں فروخت کئے تھے اس وقت انہوں نے دین اسلام کی تعلیم و تبلیغی جذبہ کے تحت نیت کر لئے
تھے کہ ان روپیوں میں سے تقریباً انیس سو روپے کا کوئی جائداد خرید کر وقف کر دونگا تاکہ اس کی آمدنی
سے دین اسلام کا تعلیمی و تبلیغی کام انجام دیا جاتا رہے، قدیمی رہائشی مکان فروخت کرنے کے بعد
انہوں نے ایک جامعہ چودہ کمروں کا مبلغ ۴ ہزار روپے میں خریدا۔ اور وہ مذکورہ انیس سو روپے
ملا کر ۴۰۵۰ روپے دیدیا، کیونکہ زید مرحوم کے پاس روپیہ کم تھا یہ جائداد خریدنے کے بعد ہی زید مرحوم
نے ایک وصیت نامہ سپرد قلم فرمایا جس میں ان چودہ کمروں میں تین کمرے وقف کرنے کی وصیت
لکھی تھی لیکن اس جائداد کو قبضہ و دخل حاصل کرنے میں چار کمرے سے زید مرحوم کو دست بردار ہونا پڑا اور ہزار روپیہ
روپے زید مرحوم کے خرچ ہو گئے۔ تب چار دس کمرے زید مرحوم کو ملے اس کے بعد اپنی ناداری و بیماری کی وجہ
سے علاج و دیگر اخراجات کے لئے انہوں نے دو کمرے فروخت کر دیئے۔ اب صرف آٹھ کمرے رہ گئے
زید مرحوم کے انتقال کے بعد ان کا چھوٹا لڑکا جائداد مذکورہ آٹھ کمرے پر ناجائز قبضہ کر کے تین کمرے
فروخت کر دیا اور تقریباً نصف روپے سے زیادہ ضائع کر دیا۔ جو رقم اس کے پاس ہے اس رقم سے نہ
والد صاحب مرحوم کا قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور نہ بھائی بہنوں کو دینا چاہتا ہے، لہٰذا سوال یہ ہے کہ باقی
پانچ کمروں میں صرف ایک کمرہ فروخت کر دیا جائے تو زید مرحوم کا قرض ادا ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔ باقی
چار کمرے میں کتنا وقف کرنا جائز ہے؟ اور وارثوں میں جو دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جن کو کچھ بھی نہ
ملا ہے کتنا کتنا حصہ دیا جائے۔ بدلائل قرآن و حدیث جلد جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں ان تمام قصوں کے بعد زید نے اپنے مرنے پر جس قدر ترکہ چھوڑا ہے سب سے پہلے اس ترکہ سے قرض ادا کیا جائے گا قرض ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس کے ثلث میں وصیت جاری کی جائے گی اس کے بعد ما لبقی بچا ترکہ مندرجہ ذیل طریقہ پر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور جس نے اپنے حصہ شرعی سے زائد نا جائز قبضہ کر رکھا ہے یا فروخت کر دیا ہے وہ اس قدر کا عند اللہ ذمہ دار ہے۔

مسئلہ ۸ ــ زید

پسر	پسر	پسر	دختر	دختر
۲	۲	۲	۱	۱

یعنی ترکہ کے ۸ سہام میں سے دو دو سہام ہر ایک لڑکے کو اور ایک ایک سہام ہر دو لڑکی کو ملے گا

محمد عبد الغنی غفرلہ، مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح ـ عبد السلام بستوی، مدیر الاسلام اردو بازار دہلی۔ مہر دار الافتاء مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ (جلد مدش ےکا)

سوال ـ قصص الانبیاء میں لکھا ہے اور بہت مولویوں سے سنا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں یہ حدیث کیسی ہے اور کیا صحیح ہے یا غلط

جواب ـ یہ حدیث نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نور سے ہیں قصص الانبیاء حدیث کی کتاب نہیں بلکہ معتبر تاریخ بھی نہیں اس لئے اس کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۳ ش ۱۲

سوال ـ ہنود اور مشرکین جہنمی ہیں یا نہیں اور آخر بہشت میں جائیں گے یا نہیں

جواب : کسی کا جنتی یا جہنمی ہونا خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اخبار اہلحدیث جلد ۲۳ ش ۱۲

سوال : اسلام کا ایک فرقہ حضرت عائشہؓ کو لعنت کرتا ہے نعوذ باللہ وہ ابدی جہنمی ہے یا نہیں۔

جواب : جو شخص حضرت عائشہؓ کو یا کسی اور صحابی یا صحابیات کو گالی دے اس کے ایمان کی خیر نہیں۔

باقی علم خدا کو ہے کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۳ ش ۱۲)

سوال ۔ ایک مسلمان قبروں پر جا کر ان سے مرادیں دینا، کشائش رزق، شفائے مرض مانگتا ہے کیا وہ جہنمی ہے یا نہیں۔

جواب ۔ اہل قبور سے مدد مانگنے والا مشرک اور مشرک جہنمی ہے جب تک توبہ نہ کرے اولاد دینا مشکل حل کرنا رزق دینا سب خدا کے کام ہیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا، اس لئے خدا کے سوا کسی اور سے طلب کرنا شرک ہے۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۳ ش ۱۲)

قبروں پر پختہ عمارت بنانا یا میلہ و عرس کا انعقاد۔

جناب محمد امیر ملک ڈسٹرکٹ جج جہلم کا فیصلہ

ترجمہ و ترتیب: جناب ابو سلمان راغب شیخوپوری ایم اے ایل ایل بی

چند ماہ قبل موضع کوملائہ تحصیل جہلم میں دو گروہوں کے درمیان ایک نزاع رونما ہوا، وجہ نزاع یہ تھی، کہ گاؤں کے قبرستان میں ایک بزرگ نامی سید میراں چراغ علی شاہ صاحب کی قبر تھی جس پر شاہ صاحب مرحوم کے ورثاء پختہ قبر تعمیر کر کے اس پر میلہ منعقد کرنا چاہتے تھے، دوسرا فریق دعویدار تھا کہ وہ بشمول اہل گاؤں قبرستان کے مالک ہیں لہذا ان کی اجازت کے بغیر قبرستان میں نہ کوئی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے نہ قبر پر میلہ و عرس منایا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام قبروں پر ایسے افعال کی اجازت نہیں دیتا۔ معاملہ طول پکڑ گیا اور انجام کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ قبرستان میں پختہ عمارت بنانے اور اس پر میلہ لگانے سے روکنے والوں کو فریق ثانی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنا پڑی، معاملہ جناب نبی احمد صاحب سول جج جہلم کی عدالت میں برائے حکم امتناعی تا فیصلہ مقدمہ پیش ہوا مگر عدالت نے اسے منظور نہ کیا اور مقدمہ ۱۲ اپریل ۷۰ کو خارج کر دیا گیا۔ مدعیان نے اس حکم کے خلاف جناب محمد امیر ملک صاحب ڈسٹرکٹ جج جہلم کی عدالت میں اپیل دائر کر دی جو برائے سماعت منظور ہوئی، ازاں بعد عدالت نے جو فیصلہ دیا وہ اسلامی فتاوی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جانے کے قابل ہے یہ فیصلہ کتاب و سنت کے مطابق ہے آئین پاکستان کی صحیح تعبیر و تشریح ہے فقہ اسلامی کے محقق

مندانہ درست اور عمیق شعور و ادراک پر مبنی ہے اور ہر مسلمان کے لئے رہنما ہے۔ لہذا قارئین الاسلام کے استفادہ کے لئے اس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ) بعدالت جناب محمد امیر ملک ڈسٹرکٹ جج جہلم متفرق دیوانی اپیل نمبری ۵۹ سال ۷۶ ۱۹ء تاریخ دعویٰ ۱۰ ارمئی ۷۶ ۱۹ء

مدعیان ۱۔ منظور الٰہی ولد احسان الٰہی ۲۔ بشیر احمد ولد میاں محمد ۳۔ عبد الغنی ولد میاں عبدالمنان قوم گوجر ساکنان کوٹلہ ایمہ تحصیل جہلم۔

بنام

مدعا علیہم ۱۔ محمد یوسف ولد غلام رسول ۲۔ محمد اعظم ولد محمد ۳۔ لال خاں نمبردار۔ ۴۔ سید ولایت حسین شاہ ولد سید مہتاب شاہ ۵۔ مسماۃ ارشاد بیگم بنت محمد شاہ۔

فیصلہ

۱۔ منظور الٰہی وغیرہ مدعیان و اپیل کنندگان نے محمد یوسف وغیرہ مسئول الیہان و مدعا علیہم کے خلاف ایک دعویٰ اس امر کی توثیق کے لئے دائر کیا ہے کہ زیر دعویٰ زمین پیمائش ے کنال شمارہ مرے، خسرہ نمبر ے ۴ الکھیوٹ نمبر ۹ کھتونی نمبر ے ۴ جمع بندی برائے سال ۷۰-۱۹۶۹ء موضع کوٹلہ ایمہ ایک قبرستان ہے اور اہل اسلام گاؤں کے قبضہ میں ہے اور استدعا کی ہے کہ مدعا علیہم کو اس میں عمارت بنانے یا قبرستان کی بے حرمتی کرنے یا اس میں میلہ و عرس منانے سے روکنے کے لئے حکم امتناعی جاری کیا جائے۔ فریقین دعویٰ نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے۔ مدعیان نے بدیں غرض کہ تا فیصلہ دعویٰ قبرستان کی اصل حالت برقرار رکھی جائے۔ ضابطہ دیوانی کے حکم نمبر ۳۹ قاعدہ ۱، ۲ کے بموجب ایک درخواست گذاری جسے فاضل سول جج چوہدری نبی احمد سول جج جہلم نے بحکم مجریہ ۲۶ ر اپریل ۷۶ ۱۹ء مسترد کر دیا،

لہذا اب یہ دیوانی اپیل نمبر ۵۹ سال ۱۹۷۶ء میں اس حکم کے خلاف دائر کی گئی ہے۔

دوران کارروائی ولایت حسین شاہ اور مسماۃ ارشاد بیگم نے عدالت سے استدعا کی کہ ان کو بھی مقدمہ میں فریق بنایا جائے، فاضل سول جج نے ان کی درخواست بحکم مجریہ ۲۶ اپریل ۱۹۷۶ء منظور کر لی۔ اس حکم کے خلاف نظر ثانی کی استدعا نمبر ۳ سال ۷۶ ۱۹ء کے تحت دائر کی گئی۔

۲۔ تجویز کیا جاتا ہے کہ اسی فیصلہ میں اپیل اور نظر ثانی کی استدعا دونوں کو نمٹا دیا جائے۔

۴۔ نیز یہ کہ لازمی حقائق و واقعات تسلیم شدہ ہیں اس لیے مقدمہ کا قطعی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا عدالت کے ابتدائی اختیار سماعت کو استعمال کرتے ہوئے اس مقدمہ کو اس عدالت کی فائل میں منتقل کرتا ہوں۔

۵ منظور الٰہی وغیرہ مدعیان کا دعویٰ ہے کہ جائیداد دعویٰ ایک قبرستان ہے جو اہل گاؤں کی ملکیت ہے اور ان کے قبضے میں ہے۔ یہ شاملات زمین ہے جس کے مدعیان اور دیگر افراد مالک ہیں مدعیان کے آباؤ اجداد جو مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے ان کی قبریں اس قبرستان میں ہیں۔ تقریباً ایک ماہ سے مدعا علیہم بلا اجازت مدعیان و دیگر مالکان گاؤں اس قبرستان میں عمارت تعمیر کرنے اور وہاں میلہ منعقد کرنے پر آمادہ ہیں جو کہ مدعیان کے عقائد کے خلاف ہے۔

۶ مدعا علیہم نے دعویٰ میں ابتدائی اعتراضات کے خلاف دلائل پیش کئے کہ ولایت حسین شاہ اور سماۃ ارشاد بیگم جو کہ صاحب قبر سید میراں چراغ علی شاہ کے وارث ہیں مقدمہ کے ضروری فریق ہیں اور یہ کہ دعویٰ ناقابل فہم و پائیدار نہیں ہے اور یہ کہ مدعیان کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ دعویٰ دائر کرنے کے مجاز نہیں بخلاف آں مدعا علیہم چار دیواری پر صرف چھت ڈالنا چاہتے ہیں چونکہ سید میراں چراغ علی شاہ کی قبر کے گرد اگرد پچاس سال سے ۴/۵ فٹ اونچی چار دیواری جس میں لوہے کا گیٹ نصب ہے موجود ہے اس لئے مدعیان کا اپنا عمل ہی ان کے اس دعویٰ کی نفی کرتا ہے اور ان کی اس نالش کو مانع ہے مدعا علیہم سید میراں حیدر شاہ جن کا مزار ٹھیلیانوالہ گاؤں میں ہے کے لواحقین میں سے ہیں اور سید چراغ شاہ کی قبر اس متنازعہ قبرستان میں ہے جو چار دیواری سے گھری ہوئی ہے اور اس پر صرف چھت ڈالنا مقصود ہے۔

۷۔ یہ حقیقت کہ متنازعہ زمین ایک قبرستان ہے فریقین تسلیم کرتے ہیں لہٰذا مدعیان کا یہ دعویٰ کہ یہ زمین گاؤں کی شاملات ہے یا یہ کہ عمارت تعمیر کرنے کے لئے مدعیان یا دیگر مالکان کی اجازت لینا ضروری ہے بے بنیاد ہے زمین ایک دفعہ بطور قبرستان خاص کر دی جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے لئے قطعی نذر کے طور پر مستقل وقف جائیداد بن جاتی ہے۔

لہٰذا قبرستان اب جملہ مسلمانوں کے استعمال کے لئے ہے، اس بارے میں کسی دلیل و ثبوت کے پیش کرنے یا سوال اٹھانے کی ضرورت نہیں، میرا یہی فیصلہ ہے۔

۸۔ فاضل سول جج نے موقعہ کا معائنہ کیا اور یہ مشاہدہ فرمایا کہ متنازعہ قبر کے گرد اگرد ۴ / ۵ فٹ اونچی چار دیواری موجود تھی اور اس میں لوہے کا گیٹ نصب تھا اور (مدعا علیہم کی طرف سے) یہ اقرار کیا گیا کہ قبر پر کوئی میلہ منعقد کرنے کی ہرگز کوئی نیت نہیں لہذا دعویٰ کا یہ متنازعہ پہلو بھی طے ہوا۔

۹۔ اب صرف یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے کہ متنازعہ قبر واقعتاً کس کی ہے اور فریقین سے اگر کوئی حقوق اس قبر سے وابستہ ہیں تو کیا ہیں؟ لہذا آپئے مدعا علیہم کے نے ایک کمزور ترین پہلو لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ متنازعہ قبر سید چراغ علی شاہ مدعا علیہم کے جد امجد کی ہے جو مع چار دیواری موجود ہے، مدعا علیہم بحیثیت وارثان و پسماندگان سید چراغ علی شاہ اور بایں صورت ملک کے سب مسلمان یہ حق رکھتے ہیں کہ قبرستان کی زیارت کریں اور فاتحہ پڑھیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی قبر خواہ وہ اس کے والد یا کسی اور مسلمان کی ہو، پر کسی قسم کی عمارت تعمیر کریں، ہمیں بحیثیت مسلمان، قرآن پاک سنت نبوی۔ اجماع امت اور قانون ساز اداروں کے منظور کردہ ملکی آئین میں دیئے گئے اصولوں کی اتباع لازم ہے، قرآن پاک کے مطابق مسلمان کو زمین میں دفن کرنا ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کسی دوسری شرط کی قید نہیں شہرہ آفاق مسلمان عالم و مصنف امام بخاریؒ کی ایک مستند حدیث ریکارڈ پر لائی گئی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسے صحیح تسلیم نہ کیا جائے اور وہ حدیث یہ ہے، قبر زمین سے صرف تقریباً ایک فٹ (ایک بالشت) اونچی ہونا چاہیے اور اس پر کسی قسم کی کوئی عمارت تعمیر نہ کی جائے اور نہ اسے عبادت گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے نہ مزار تعمیر کیے جائیں اور نہ اسے عبادت گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ مزارات کی تعمیر اسلامی معاشرہ میں مابعد کی سماجی تاریخی اختراع ہے لیکن کتاب وسنت سے اس کی کوئی ایسی تقدیس ثابت نہیں حتی کہ آئین پاکستان میں بھی قبروں پر مزارات تعمیر کرنے کی کوئی شق نہیں ہے آئین پاکستان میں دیئے گئے ایسی کے بنیادی اصولوں میں بھی یہ تحریر ہے کہ اسلام ریاست کا سرکاری مذہب ہے اور ان کو اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور نظریات کے مطابق بسر کرنا ہو گی، آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۱ میں یہ بھی تحریر ہے کہ ایسی تمام سہولتیں فراہم کی جائیں گی جن سے شہریان قرآن وسنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھنے کے اہل ہو سکیں، لہذا صورت حال بطریق احسن واضح ہے کہ ہر مسلمان کا حق ہے کہ اسے زمین میں دفن کیا جائے اور یہ کہ قبر کی زیارت بغرض فاتحہ

نگرانی کر سکے، لیکن اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قبر کو مزار یا عبادت گاہ میں تبدیل کرے یا اسے میلہ گاہ بنائے، میرا یہی فیصلہ ہے۔

۲: نتیجہ یہ ہے کہ دعویٰ کی ڈگری جاری کی جاتی ہے، مدعیان کے اس حق کی توثیق کی جاتی ہے کہ متنازعہ زمین اہل اسلام کا قبرستان ہے مدعا علیہم کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں کوئی میلہ منعقد کریں یا کسی قبر پر کسی قسم کی کوئی ایسی عمارت تعمیر کریں، جس سے قبرستان کی اصل صورت تبدیل ہو اور وہ از روئے قرآن ناجائز مداخلت کے مترادف ہے کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن کا جواز اسلامی شریعت اور ملکی آئین میں ثابت نہیں اور بالآخر نتیجہ یہ ہے کہ نظرثانی کی استدعا منظور کی جاتی ہے اور فاضل سول جج جہلم کا حکم جس میں ولایت حسین شاہ اور مسماۃ ارشاد بیگم کو فریق بنایا گیا ہے، غیر مؤثر قرار دیا جاتا ہے۔

ضابطہ دیوانی کے حکم نمبر ۲۳ قواعد ۱ اور ۲ کے تحت کی گئی استدعا پر بھی کارروائی تکمیل پذیر ہے کیونکہ اصل دعویٰ پر کارروائی مکمل ہو چکی ہے اور حسب حال اپیل پر بھی ضروری کارروائی مکمل ہو گئی ہے اخراجات کا حکم نہیں دیا جاتا۔ مجریہ ۲۲ جون ۱۹۷۶ء دستخط ڈسٹرکٹ جج جہلم

سوال:۔ کیا ہر مسلمان کے لئے کسی امام کی تقلید خصوصاً امام ابوحنیفہ ہی کی تقلید ضروری ہے اگر کوئی شخص کسی امام کی اقتدا نہ کرے تو کیا اس کی نجات ہو جائے گی، بعض کہتے ہیں کہ آیتہ ﴿وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً﴾ سے امام کی اطاعت ثابت ہو رہی ہے، کیا یہ صحیح ہے اور امام سے مراد ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام ہی ہے؟

جواب:۔ کسی امام کی تقلید نہ فرض ہے نہ واجب، نجات کے لئے تقلید شرط نہیں، بلکہ توحید وسنت کی اتباع شرط ہے، قرآن کریم نے ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کا نہ حکم دیا ہے نہ اشارہ کیا ہے بلکہ ہر امت کا امام اس کے نبی کو قرار دیا ہے ہمارے امام تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام نبیوں کے بھی امام ہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۱۲

سوال:۔ یہاں ایک نرالی مولوی صاحب ہیں جو کہتے ہیں ہمارے چار مذہب ہیں، کیا واقعی مذہب چار ہیں؟ ہم اہلحدیث (یعنی اہل اہل سنت) ان سے خارج ہیں (ایضاً)

جواب:۔ مولوی صاحب کو شدید غلطی ہوئی ہے مسلمانوں نے تو مذہب بنا لئے ہیں چار

مذہبوں والا معاملہ اب ختم ہے مخبر صادق صلعم فرما گئے ہیں، میری امت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سبھی جہنم میں جائیں گے ہاں وہ فرقہ جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ میرے اور میرے صحابہ کے مذہب پر قائم رہے گا وہ جنت میں جائے گا۔

اسلام ایک ہی مذہب ہے جسے جماعت اہلحدیث نے اختیار کر رکھا ہے، اصل اسلام قرآن کریم احادیث نبویہ اور اجماع صحابہ یا اجماع امت ہے، کیونکہ صحابہ فرمان کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ، تم بہترین امت ہو کے پہلے مخاطب ہیں جماعت اہل حدیث انہیں پر سہ اصل الاصول کی پابندی ضروری سمجھتی ہے اور یہ بات ہم نہیں کہہ رہے فقہا حنفیہ خود ہی کہہ گئے ہیں، کتاب نور الانوار صفحہ پر لکھا ہے (اعلم اَنَّ اُصُوْلَ الشَّرْعِ ثَلٰثَۃٌ اَلْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ وَاِجْمَاعُ الْاُمَّۃِ وَالْاَصْلُ الرَّابِعُ اَلْقِیَاسُ فَمَا دَامَ کَانَ الْحُکْمُ مَوْجُوْدٌ فِیْ وَاحِدٍ مِنَ الثَّلٰثَۃِ لَمْ یَحْتَجْ اِلَی الْقِیَاسِ (ترجمہ) یقین جانو۔ کہ شریعت کے اصول تین ہیں، قرآن کریم، سنت رسول کریم، اور امت کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا ہاں چوتھا اصول قیاس (اجتہاد فقہ) بھی ہے، مگر جب تک کوئی حکم شرعی پہلے تینوں اصولوں میں مل جائے تو چوتھے اصول قیاس کی طرف جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہر مقلد بزرگوں کے اسی فرمان کو حرز جان بنا لے تو تمام اختلافات ایک دن میں مٹ سکتے ہیں، ہاں اگر کرانی مولوی صاحب کی چاروں مذہبوں سے مراد حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہے تو یہ ارشاد بھی باطل ہے اس لئے کہ ان ہر چہار مذاہب کے بعض قیاسات میں شدید اختلافات ہے اور کوئی کسی کی نہیں مانتا پھر وہ مذہب اس کا کیسے ہو گیا، مثلاً تین مذہب رفع یدین آمین وغیرہ کے قائل ہیں اگرچہ چوتھا مذہب میں زمانوں پر عامل ہے تو یہ ہم مذہبی کیا ہوئی، یہ ہم مذہبی لا مذہبی کے الفاظ بھی خود ساختہ ہیں مگر ان لوگوں پر بے حد تعجب ہے جو کتاب وسنت پر چلنے والوں کو خارج از مذہب اور انہیں پس پشت ڈالنے والوں کو اصل مذہب والے قرار دے رہے ہیں؟

چند ضروری سوالات از مجمع علماء

اہل حدیث: نمبر ۱۔ احناف دیوبند اور جماعت اہل حدیث کے عقائد میں مسافات ہے یا نہیں؟

نمبر۲۔ تقلید کے معنی اگر بلا دلیل بات ماننے کے ہیں تو علماء مقلدین جو اپنے مسائل پر دلیل لاتے ہیں وہ مقلد ہیں یا غیر مقلد اگر وہ غیر مقلد ہیں تو پھر آپ ان کو مقلدین کیوں کہتے ہیں یا تقلید کے معنی یہ ہیں کہ کسی عالم کی حسن ظن کی بنا پر پیروی کرنا حالانکہ ہم مقلدین کے نزدیک یہی معنی تقلید کے ہیں تو یہ معنے کر کے جماعت اہل حدیث بھی مقلد ہے کیونکہ وہ بھی اپنے اپنے عالموں کے مسائل وغیرہ میں پیرو کار ہیں، اور صحابہ اور تابعین بھی اپنے زمانہ میں ایک دوسرے سے ہر ایک مسئلہ کی دلیل قرآن وحدیث سے دریافت نہیں کرتے تھے، دیکھو آثار صحابہ پھر آپ لوگ مقلد کیوں نہیں ہیں اور ہم مقلد کیوں ہیں

نمبر۳۔ مذاہب اربعہ مقلدین آپ کے نزدیک ناجیہ ہیں یا نہیں اگر ہیں تو پھر انکو مشرک کیوں کہا جاتا ہے اور تقلید کو شرک فی الرسالت کیوں سمجھا جاتا ہے؟ بینوا بالدلیل توجروا اجرا جلیل، السائل شیخ عبد المالک منیلوی بے پوری مدرسہ مصباح العلوم کمنڈ دہلہ۔

اہلحدیث | **جواب نمبر۱۔** بقول مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم اہل حدیث اور مقلدین کے عقائد میں فرق نہیں ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم صفحہ ۲۱

نمبر۲۔ ان سب سوالوں کا جواب بالثواب مولانا نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معیار الحق میں ملتا ہے جس میں تصریح ہے کہ تقلید چار قسموں پر ہے۔ اول تقلید مطلق یعنی عام، دوم تقلید شخصی یعنی ایک ہی عالم کی بات پر ہمیشہ عمل کرے، سوم ایک ہی عالم کی بات کا ماننا واجب شرعی سمجھے، چہارم۔ اس عالم یا مجتہد کے فتوے کے مقابلے قرآن وحدیث کی نصوص کو چھوڑ دے قسم اول اور دوم جائز لکھی ہیں، قسم سوم اور چہارم ممنوع۔

نمبر۳۔ تقلید کی چاروں قسموں مذکورہ بالا کو دیکھ کر خود ہی فیصلہ کریں کہ اہل حدیث کونسی تقلید کو شرک فی الرسالت یا شرک فی النبوت کہتے ہیں۔ (اہلحدیث امرتسر جلد نمبر ۳۱ ش ۳۹)

باب فرقہ الناجیہ سے متعلق سوالات کے جوابات

مولانا عبدالقادر حصاری

سوال اوّل کا جواب یہ ہے کہ حدیث افتراق امت سند کے لحاظ سے حسن یا صحیح ہے ضعیف نہیں ہے مگر اس کا کوئی طریق سند ضعیف ہے تو اس حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا، صحت حدیث کے

لئے اس کے تمام طرق پر غور کرنا اور بعض مسئلہ جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس کو دیگر احادیث صحیحہ کی مدد سے جانچنا ضروری ہے، سو اس اعتبار سے یہ حدیث حسن یا صحیح ہے اور قابل حجت ہے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے بیان کرنے والے چار صحابی ذکر کئے ہیں ابو ہریرہؓ عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعد بن وقاصؓ عوف بن مالک ۔ اور شارح سفر السعادت نے گیارہ اور بتائے ہیں پس یہ حدیث کل پندرہ صحابہ سے مروی ہے اور مجموعی طرق کے اعتبار سے صحیح ہے اور دیگر احادیث صحاح اس کی مؤید ہیں ۔

حدیث ابو ہریرہؓ کو امام ترمذیؒ نے حسن قرار دیا ہے اور حافظ سخاویؒ نے اس کی صحت کو مقاصد حسنہ میں تسلیم کیا ہے اور علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام ص۲۶۲ جلد ۲ میں اس کی صحت کو برقرار رکھا ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کو شرط مسلم پر بتایا ہے (مستدرک حاکم جلد ۱ ص۱۲۸) موضوعات کبیر ص۲۱۳ میں ہے قَالَ الْحَاكِمُ هٰذَا حَدِيْثٌ كَبِيْرٌ فِي الْأُصُوْلِ کہ یہ حدیث اصول دین کے لحاظ سے بہت بڑی ہے اور تذکرۃ الموضوعات ص۱۵ میں حدیث افتراق امت نقل کی ہے جس میں جملہ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي وارد ہے اس پر یہ لکھا ہے حسن صحیح رَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَسَعْدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ وَغَيْرِهِمْ یعنی یہ حدیث حسن صحیح ہے جو ابوہریرہ سعد ابن عمر انس و جابر وغیرہ سے مروی ہے ۔ تنقیح الرواۃ ص۵۲ ج ۱ میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور روایت معاویہ کو بھی حسن کہا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ رَوَاهُ أَيْضًا الْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ وَفِيْهِ زِيَادَةٌ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي الْيَوْمَ یعنی اس حدیث کو امام حاکم نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں جملہ زائد ہے مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي الْيَوْمَ" یعنی وہ فرقہ نجات پائے گا جو اس عقیدہ و عمل پر قائم رہا جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام عہد نبویؐ میں قائم تھے عوف بن مالک کی روایت پر امام حاکم فرماتے ہیں ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے (مستدرک جلد ۴ ص۴۳۰) اور ابوہریرہ کی حدیث پر یہ لکھتے ہیں: هٰذِهِ أَسَانِيْدُ تُقَامُ بِهَا الْحُجَّةُ فِي تَصْحِيْحِ هٰذَا الْحَدِيْثِ یعنی یہ سندیں ایسی ہیں کہ اس حدیث کو صحیح کہنے پر ان سے حجت لی جا سکتی ہے ۔ امام ذہبی نے بھی ان حدیثوں پر سکوت فرمایا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کا بھی اس پر صاد ہے اور پھر وہ حدیث صحیح جس پر یہ جملہ وارد ہے لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَائِمِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ (رواه البخاری و مسلم) یعنی میری

امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ تاقیامت حق پر قائم رہے گا جس کو مخالفین کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اس کی مؤید ہے عزیزی نے سراج منیر میں علامہ علقمی سے حدیث افتراق امت نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام بیہقی نے بھی اس کو حسن صحیح کہا ہے (تاریخ اہل حدیث عربی ص۹۸م) اس تصریح سے یہ واضح ہوا کہ اس حدیث کے مجموعہ اسناد کا اعتبار کیا جائے تو یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سوال دوم کا جواب: دخول نار سے مراد یہ ہے کہ وہ گمراہ فرقے جو اپنے عقائد و اعمال کی رو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے خلاف ہیں اور ان کے عقائد و اعمال میں بدعت پائی جاتی ہے اور اس بدعتی عقائد و اعمال کے اعتبار سے ہی وہ فرقہ ناجیہ سے علیحدہ شمار ہیں، ان کے اوصاف اور ان فرقوں کی ہیئت کذائی گروہ ناجیہ کے بالکل منافی ہے وہ جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ چنانچہ ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت جو حضرت معاویہ سے مروی ہے اس میں بہ صراحت ہے۔ اِثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ یعنی بہتر فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا، دوزخ اور جنت کے تقابل سے تمام تاویلیں۔ بے کار ہو گئیں اور اس سے ثابت ہو گیا کہ اس دخول سے مراد حقیقی جنت اور دوزخ میں جانا ہے پس جو شخص جنت کا داخلہ منظور کرانا چاہتا ہے، اس کو چاہیئے کہ مسلک سنت کو لازم پکڑے اور بدعات سے کلی پرہیز کرے۔ حدیث ناطق ہے مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ) یعنی جو شخص میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے وہ میرے ساتھ محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا۔ تنقیح الرواۃ میں اس حدیث کے تحت یہ لکھا ہے۔ مَعْنَى حُبِّ السُّنَّةِ الْعَمَلُ عَلَى وَفْقِ السُّنَّةِ۔ سنت کی محبت یہ ہے کہ سنت پر عمل کرنا چاہیئے۔

سوال سوم کا جواب: باقی رہا یہ سوال، کہ حدیث كُلُّهُمْ فِي النَّارِ سے دخول خلود ہے، یا غیر خلود سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے کہ جن فرقوں کے عقائد و اعمال حد شرک و کفر کو پہنچ گئے ہیں ان کے لئے تو خلود فی النار ہے اور جن کے عقائد و اعمال حد شرک و کفر کو نہیں پہنچتے، ان کے لئے خلود نہیں ہے صرف ابتداءً دوزخ میں جائیں گے اور سزا بھگت کر انتہاءً نجات

پا جائیں گے

سوال چہارم کا جواب: دیگر یہ جو فرمایا گیا ہے۔ کہ اگر غیر خلود مراد ہے تو فرقہ ناجیہ اور غیر ناجیہ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دخول نار کے مختلف اسباب اور موجبات ہیں۔ مثلاً ایک غیر مسلم کا دوزخ میں داخلہ اور سبب سے ہے۔ اور ایک مسلمان چور، سود خوار، زانی، عاق والدین، قاتل نفس وغیرہ گنہگار کا داخلہ اور وجہ سے ہے۔ بعض لوگ غیر اسلام دین رکھنے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ ان کے لئے جہنم کا طبقہ اور ہوگا اور جو مسلمان گنہگار جائیں گے۔ ان کا طبقہ جہنم میں اور ہوگا۔ کفار کے لئے تو خلود ہے اور مسلمان فساق کے لئے خلود نہیں ہے۔ حالانکہ دونوں گروہ دوزخ میں داخل ہیں لیکن اعتبار اور حیثیت کا فرق ہے۔ چنانچہ ابن کثیر میں ہے کہ طبرانی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کہنے والوں میں سے بعض لوگ بسبب اپنے گناہوں کے جہنم میں جائیں گے۔ پس لات وعزیٰ کے پجاری ان سے کہیں گے کہ تمہارے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے کہنے نے تمہیں کیا نفع دیا؟ تم تو ہمارے ساتھ ہی جہنم میں جل رہے ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ان سب کو وہاں سے نکال لے گا اور نہر حیات میں غوطہ دے کر انہیں ایسا کر دے گا جیسے چاند گرہن سے نکلا ہو۔ پھر یہ سب جنت میں جائیں گے۔ وہاں انہیں جہنمی کہا جائے گا۔ (ابن کثیر اردو ص ۳ پ ۱۴)

اب دیکھئے، کفار مشرکین اور گنہگار مسلمین جہنمی کہلاتے ہیں لیکن اسباب دخول میں اور ان کی میعاد میں فرق ہے اور دوزخ میں ان کے درجات و طبقات میں بھی فرق ہے اسی طرح کفار اور منافقین کے درجات اور طبقات میں بھی فرق ہے۔ پس اسی طرح فرقہ ناجیہ کے بھی دو حصے ہیں، ایک وہ جو مطلقاً ہی دخول نار سے محفوظ ہوں گے وہ تو وہ لوگ ہیں جو من حیث الاعتقاد، اور من حیث العمل بطریق نبوی و صحابہ پورے پابند رہے، جیسے صحابہ کرام و محدثین تھے، دوسرے وہ لوگ ہیں جو تقصیرات اعمال سے گنہگار اور مجرم ہیں ان کو اللہ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو کچھ میعاد تک عذاب کرے اور پھر نکال لے۔

اور غیر ناجیہ فرقہ کے لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے عقائد اور اعمال کے اعتبار سے [illegible] مشرکین کے جرم تک پہنچ گئے ہیں۔ وہ تو ان کے ہمراہ مطلق دائمی جہنمی ہوں گے۔ اور جو حد کفر تک نہیں پہنچے۔ صرف احداث اور افتراق سے گنہگار ہو گئے ہیں تو ان کو گنہگار مسلمانوں کی طرح میعادی عذاب ہوگا لیکن گنہگار مسلمان کا جرم یہ ہے کہ اس نے ایک چیز کو ۔۔۔ گناہ جان کر پھر خواہش نفس سے عمداً وہ گناہ کیا، اور ایک غیر مشروع کو مشروع ٹھہرایا اور ایسا کام کیا جس

کا ثبوت شرع میں نہ تھا اور پھر اس کے کرنے کا ثواب اللہ سے چاہا۔ حالانکہ اللہ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اس کے ثواب دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ یہ ابتداءً ناجیہ نہیں ہے لیکن انتہاءً ناجیہ ہے کیونکہ گنہگار مسلمانوں کی حد میں داخل ہے اور اس نے یہ گناہ کیا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی جماعت اہل اتفاق کا طرز عمل چھوڑ کر یہود وغیرہ گمراہ اقوام اہل افتراق کا طریقہ اختیار کر لیا اور حکم الٰہی تھا۔ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ کہ دین کو اکٹھے ہو کر اتفاق سے بصورت جماعت قائم رکھو اور اس میں باہم تفرقہ پیدا نہ کرو۔ نیز ارشاد ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقہ فرقہ ہو گئے اور انہوں نے باوجود دلائل شرعیہ کے پھر اختلاف کیا اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

مسلمانوں میں جو گنہگار ہیں، وہ بھی دوزخ کی سزا کے مستحق ہیں۔ اب ان کو کفار کے مقابلہ میں جو ناجیہ کہیں گے کیونکہ انتہاءً نجات پائیں گے۔ اور جو ابتداءً نجات پا کر جنت کو گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں دوزخی کہہ سکتے ہیں اور غیر ناجیہ بھی۔ صرف اعتبارات اور حیثیات مختلف ہیں۔

از جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے جوابات سنیے۔ انہوں نے حدیث سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً ج ۲ ص ۲۲ و ۲۵ پر لکھ کر یہ سوال کیا ہے کہ جمیع فرقوں کے فی النار ہونے سے کیا مراد ہے؟ خلود یا غیر خلود؟ اور ناجیہ کے ناجی ہونے سے کیا مراد ہے۔ کیا مطلقاً ہی جہنم میں نہ جائیں گے۔ یا بعض گنہگار جائیں گے، اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے مختلف علماء سے کئی طرح نقل کیا ہے۔

اوّل یہ کہ مراد دخول من حیث الاعتقاد ہے، فرقہ ناجیہ کو اعتقاد کی جہت سے دخول نار بالکل نہیں ہوگا، اگرچہ کچھ میعاد تک تقصیرات اعمال کی جہت سے دخول نار ہوگا۔

دوم۔ جواب جو مختار امام غزالی ہے جس کو محدثین اور محققین نے بھی پسند کیا ہے کہ مراد ناجیہ سے وہ لوگ ہیں کہ جن کو من حیث الاعتقاد اور من حیث الاعمال دخول نار مطلق نہ ہوگا اور وہ ابتداء میں ہی داخل بہشت ہوں گے اور تفسیر فرقہ ناجیہ کی جو یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ یعنی جو لوگ اس عقیدہ و عمل پر ہیں اور میرے صحابہ ہیں وہ ناجی ہے، اس گروہ پر خوب چسپاں ہے

کیونکہ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ میں عقیدہ اور عمل میں کوئی بدعت ظاہر نہ ہوئی تھی،

تیسرا جواب یہ دیا کہ تمام فرقے باطل پر ہیں، اگرچہ ان کا ایک عقیدہ باطل ہے یا دو عقیدے سے ایک عمل باطل ہے یا دو عمل اور فرقہ ناجیہ وہ ہے کہ جن کے عقیدہ اور عمل میں کوئی بطلان نہ ہو۔ اور پھر جواب اول کو ارجح اور اقوی قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ تعریف فرقہ ناجیہ کی یہ عبارت اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلَى مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ دلالت کرتی ہے ایسی چیز پر کہ وہ فرقہ ناجیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کے درمیان مشترک ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ سوائے عقائد کے دوسری کوئی چیز مشترک نہیں ہو سکتی، لہٰذا عقائد کی رو سے یہ فرقہ ناجیہ ہے،

میں کہتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث افتراق میں جب سلسلہ کلام شروع فرمایا تو یہ فرمایا کہ میری امت پر ایک دور ایسا آئے گا کہ وہ بنی اسرائیل کی روش پر چلنے لگیں گے اور بالکل ان کے مطابق ہو جائیں گے، حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے ناجائز فعل کیا ہے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا بُرا فعل کریں گے۔ بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے تھے، میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی اور وہ سب دوزخ میں جائیں گے مگر ایک فرقہ سلامت رہے گا صحابہ نے کہا کہ وہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں (مشکوٰۃ) اس میں ماں سے بدکاری کرنے کا ذکر کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ میری اُمت کی عملی حالت نہایت حیاسوز ہو جائے گی اور بنی اسرائیل کے افتراق سے یہ ظاہر کر دیا کہ میری امت کئی فرقوں میں بٹ جائے گی

سوال پنجم کا جواب:۔ دیگر سوال یہ ہے کہ صحابہ کا سوال فرقہ ناجیہ سے متعلق تھا تو جواب میں صرف مَا أَنَا عَلَيْهِ کافی تھا کیونکہ شریعت الٰہی کا کامل نمونہ اور اسوۂ حسنہ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال ہی تمام امت کے [illegible] ہیں۔ اور کسی کا قول و فعل خواہ صحابی ہو یا تابعی، حجت شرعیہ نہیں ہے۔ پھر اپنے ساتھ [illegible] ناجیہ کی تعریف میں شامل کیوں کیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تعریف میں واصحابی کے الفاظ سے اصحاب کا کوئی جداگانہ طریقہ مراد نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے سوا کوئی اور طریق تھا کہ اس کے مستقل طور پر بیان کرنے کی ضرورت ہوتی۔ بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا طریقہ بالکل واحد تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو اپنی ذات کے ساتھ اپنے صحابہ کو رکھا ہے تو اس کی معقول وجہ اور ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سائل نے اس دَورِ فتن کی جماعت حقہ کی تعیین اور تعریف طلب کی ہے جس کی بُرائی کی آپ نے خبر دی تھی۔ تب آپ نے جواب میں صرف کتاب و سنت پر عمل کرنا معیار نہیں بتلایا، حالانکہ حقیقت میں معیار یہی ہے لیکن یہ جواب اس نازک دَورِ فتن کے مناسب حال نہ تھا کیونکہ اس دورِ فتن میں ہر باطل فرقہ کا یہ دعویٰ ہو سکتا تھا کہ ہم ہی کتاب و سنت کے عامل اور عامل ہیں چنانچہ اب اس زمانہ میں ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس لئے آپ نے اس زمانہ کے مناسب حال تعریف فرمائی اور یہ واضح کر دیا کہ۔ فرقہ ناجیہ وہ ہے جس کا تعامل کتاب و سنت پر اس عملی تصویر اور مکمل نقشہ کے مطابق ہو جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے باہمی تعامل سے تیار کیا ہے۔ آپ نے صحابہ کے تعامل کو بھی اپنے ساتھ ذکر کیا تا کہ امت کو صحابہ کا وقار و احترام بھی ملحوظ رہے اور ان سے بغض و حسد رکھ کر ان پر زبان درازی نہ کریں رسولؐ اور صحابہ کے درمیان عملی اور مذہبی تفریق نہ کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں جو اپنے نبی کی اقتدار کرتے ہیں اور ان پر فدا کار اور جان باز ثابت ہوتے ہیں اور وہ مقاصد شریعت جو نبی نے بیان کئے ہوئے ہیں ان کو بلا واسطہ نبی سے سمجھا ہوتا ہے جن کو انھوں نے اپنے اقوال و افعال سے دوسرے لوگوں تک پہنچانا ہوتا ہے اور وہ اپنے نبی کریمؐ اور دیگر لوگوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں جن پر سبی کو پورا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے آپؐ نے فرقہ ناجیہ کی تعریف میں صحابہ کے تعامل کو بھی ساتھ رکھا۔

اب اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول و فعل کے سمجھنے میں شبہ پیدا ہو تو صحابہ کے تعامل میں اس کا نمونہ دیکھ لیا جائے کیونکہ صحابہ کا مجموعی عمل بھی عین شریعت تھا اور وہ نورِ نبوت سے کامل طور پر متورد تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک موقع پر حیوانات کے کلام کرنے کے مسئلہ میں یہ فرمایا تھا۔ اٰمَنْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ کہ میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ حیوانوں کے کلام کرنے پر ایمان رکھتے ہیں۔ حالانکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اس وقت موجود ہی نہ تھے تو ان کی غیر حاضری میں یہ بیان فرمانا اس مسئلہ کی مزید تصدیق اور ان پر کامل اعتماد ظاہر کرنے کے لئے تھا، اور اسی بنا پر عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بھی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ میں صحابہ کے اوصاف اور تعامل حمیدہ کی تعریف کی ہے اس لئے کہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا عملی نمونہ تھے۔

تھے جس طرح کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم تعلیم و ہدایت الٰہی کے عملی نمونہ تھے۔ پس جب عہد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا شریعت کا عملی نقشہ کھینچنے میں اشتراک تھا تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنے عملی نمونہ پیش کرنے میں ساتھ بیان کرنا عین انصاف تھا۔

نیز یہ واضح ہو کہ اقوال صحابہ کے حجت ہونے میں تو اختلاف ہے۔ بعض حجت قرار دیتے ہیں اور بعض انکار کرتے ہیں لیکن صحابہ کے مجموعی تعامل کو جس کو اجماع صحابہ کہتے ہیں، اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی اَھْلِ الْعِلْمِ بلکہ علامہ ابن حزم باوجود اہل ظاہر ہونے کے طائفہ اہل حق کے اجماع کو حجت قطعی قرار دیتے ہیں، چنانچہ اسلام پر خدمت لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ نقل کرکے یہ فرماتے ہیں فَصَحَّ اَنَّ اَھْلَ کُلِّ عَصْرٍ لَا یَخْلُوْا مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْھِمْ قَائِلٌ بِالْحَقِّ فَاِذَا صَحَّ اِجْمَاعُھُمْ عَلٰی شَیْءٍ فَھُوَ حَقٌّ مَقْطُوْعٌ بِذٰلِکَ اِذَا تَیَقَّنَ اَنَّہٗ لَا مُخَالِفَ یعنی یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی زمانہ اہل حق سے خالی نہیں ہے جب طائفہ اہل حق کسی شئی پر اتفاق کرلیں تو وہ حق قطعی ہے بشرطیکہ یہ یقینی طور پر ظاہر ہو جائے کہ اہل حق تمام اس چیز پر متفق ہیں اور کوئی ان کا مخالف نہیں ہے یہی مطلب لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ کا ہے۔

اخبار الاعتصام جلد ۹ ش ۳

فرقہ ناجیہ اور اصحاب تقلید

(مولانا عبدالقادر حصاری)

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو میری ملاقات جمعیۃ اہل حدیث کے حسب ذیل اکابر علماء کرام سے ہوئی، جناب حضرت مولانا المحترم محمد داؤد صاحب غزنوی صدر الجمعیۃ، جناب مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف۔ جناب داعی اتفاق مولانا محمد اسحاق صاحب مدیر الاعتصام مد اللہ ظلالہم علی رؤس المسترشدین ان بزرگان ملت سے شرف زیارت حاصل کرنے پر جو نور میرے دل پر قصور انس کا سرور اب تک سینہ میں بھولا رہے۔

فللہ الحمد سنا اذا للہ فیوضہم و یدکا تہم۔

اثنائے ملاقات میں بعض مضامین پر گفتگو ہوئی تو حضرت مولانا مدیر الاعتصام نے فرمایا کہ مقلدین کو آپ نے فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دیا ہے، یہ میرے لئے محل تامل ہے کیونکہ

مذاہب اربعہ میں بڑے بڑے اولیاء اور فقہاء گزرے ہیں جن کی بزرگی اور تقویٰ علماء میں مسلم ہے،
کمترین نے اس وقت تو جو مناسب حال تھا جواب دیا لیکن وہ مجمل اور مختصر تھا۔ اب مضمون ہذا میں اس اجمال کی تفصیل کرتا ہوں اور جناب مدیر سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس خادم العلماء کے مضمون ہذا کو اخبار میں درج فرماکر دل بے قرار کو استقرار بخشیں، تمام اسلامی دنیا پر یہ امر بعنہ روشن کی طرح ظاہر ہوچکا ہے کہ تقلیدی مذاہب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی زمانہ مشہود لہا بالخیر کے بعد کے ہیں جناب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے اپنی اپنی تصنیف میں اس کی صاف تصریح کردی ہے۔ حجۃ اللہ و تفسیر مظہری ملاحظہ ہو۔
دوئم یہ کہ تقلید شخصی اور تعیین مذہب کو واجب جان کر اس کا التزام کرنا شریعت اسلامی سے ثابت نہیں ہے یہ چیز بعد میں پیدا ہوکر فرقہ بندی کا موجب ہوگئی ہے،
مسلم الثبوت مع شرح بحر العلوم ص۶۲۸ میں ہے۔ إِذْ لَا وَاجِبَ إِلَّا مَا أَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ وَالْحُكْمُ لَهُ وَلَمْ يُوجِبْ عَلَىٰ أَحَدٍ أَنْ يَتَمَذْهَبَ بِمَذْهَبِ رَجُلٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ فَإِيجَابُهُ تَشْرِيعُ شَرْعٍ جَدِيدٍ
یعنی کوئی چیز واجب نہیں ہوتی مگر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ واجب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی پر واجب نہیں کیا ہے کہ وہ اماموں میں سے کسی امام کا مذہب پکڑے۔ پس اس کو اپنے پر واجب ٹھہرانا اپنی طرف سے نئی شرع ایجاد کرنا ہے۔
جناب علامہ ملا علی قاری وغیرہ اکابر حنفیہ نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کو حنفی، شافعی وغیرہ بننے کا حکم نہیں دیا ہے۔ یہ قصور ائمہ اربعہ کا نہیں ہے۔ بلکہ وہ اس سے منع فرماکر بری الذمہ ہوچکے ہیں۔
دیکھیے، کسی عالم سے یا امام سے مسئلہ پوچھنا، یا کسی امام کے قول پر اس کو درست سمجھ کر عمل کرنا اور چیز ہے۔ اور ایک امام کا انتخاب کرکے اس کی تقلید بالوجوب کرنا اور اس کا التزام کرلینا اور اس کے نام پر فرقہ بنانا اور اپنے امام کے تمام مسائل جمع کرکے ان کو مستند سمجھ لینا اور انہی کتابیں جدا رکھنا اور ان پر ہمیشہ فتویٰ دینا اور چیز ہے۔ اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بٹوارہ کرکے ان میں سے اپنے اپنے اماموں کے اقوال کے موافق تلاش کرنا اور باقی کو متروک کردینا اور چیز ہے۔ متقدمین کا یہی تعامل ہے۔ لیکن،

سلف میں یہ طریقہ تھا کہ جس سے اتفاق پڑتا تھا اس سے خدا و رسول کا حکم دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب بے علم ہوتا عالم سے پوچھ لیتا تھا۔ کسی ایک کا التزام نہ رکھتے تھے کیونکہ جب سب مبتین احکام ہیں اور علم میں ایک کو دوسرے پر فوقیت ہے اور خطا بھی غیر نبی سے ممکن ہے تو پھر ایک کا التزام کیوں کیا جائے ہاں اگر کوئی شخص قرآن و حدیث پر دارومدار رکھ کر ائمہ کے اقوال سے استفادہ کرتا رہتا ہے یا اب کرتا ہے اور کثرت موافقت کی وجہ سے کسی امام کی طرف منسوب ہے یا کسی اور تعلق تلمذ کے سبب سے حنفی شافعی نام سے موسوم کیا گیا ہے اور وہ اس فرقہ بندی کو پسند نہیں کرتا۔ البتہ مسائل غیر منصوصہ میں کسی امام کے مسائل کو لے لیتا ہے لیکن قصداً محض حسن ظنی پر بنا رکھ کر اس کے اقوال اور مذہب کا التزام نہیں کرتا۔ تو وہ صحیح ہے۔ لیکن ایسا آج کون ہے؟

باقی رہا یہ امر کہ ان مذاہب میں بڑے بڑے اولیاء ہوئے ہیں سو اس کے متعلق امام شعرانی میزان کبریٰ جلد ۱ صـ مصری میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْوَلِیَّ الْکَامِلَ لَا یَکُوْنُ مُقَلِّدًا اِنَّمَا یَأْخُذُ عِلْمَہٗ مِنَ الْعَیْنِ الَّتِیْ اَخَذَ مِنْہَا الْمُجْتَہِدُوْنَ۔

یعنی جو شخص ولی کامل ہے وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ وہ اس علم چشمہ سے حاصل کرتا ہے جس سے مجتہدین نے کیا ہے۔

علامہ شیخ کردی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں: اِنَّ الطَّرِیْقَۃَ الْمَشَایِخِ اَئِمَّتِہِمْ فِیْہَا عُمُوْمًا وَطَرِیْقَۃَ الْاَکَابِرِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ خُصُوْصًا اِتِّبَاعُ السُّنَّۃِ وَعَدَمُ التَّقْلِیْدِ بِمَذْہَبٍ مُّعَیَّنٍ — یعنی طریقہ مشائخ صوفیہ کا عموماً اور طریقہ اکابر نقشبندیہ کا خصوصاً اتباع سنت تھا اور وہ کسی مذہب معین کے مقلد نہ تھے۔

اور ملا جیون تفسیر احمدی میں اولیاء کا تعامل یہ بیان فرماتے ہیں۔

یَجُوْزُ لَہٗ اَنْ یَّعْمَلَ بِمَذْہَبٍ ثُمَّ یَنْتَقِلَ اِلٰی اٰخَرَ کَمَا نُقِلَ عَنْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَوْلِیَاءِ وَیَجُوْزُ لَہٗ اَنْ یَّعْمَلَ عَلٰی مَذْہَبٍ وَفِیْ اٰخَرَ کَمَا ھُوَ مَذْہَبُ الصُّوْفِیَۃِ یعنی یہ جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے جیسے بہت سے اولیاء اس طرح کرتے رہے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک مسئلہ میں کسی مذہب پر عمل کرے اور دوسرے میں دوسرے مذہب پر جیسا کہ صوفیہ کا طریقہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہی وجہ ہے کہ طائفہ صوفیہ اور مشائخ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے چنانچہ

هٰذَا الْحَدِيْثُ يَزِيْدُ بْنُ رَبِيْعَةَ مَجْهُوْلٌ وَلَا يُعْرَفُ لَهٗ سِمَاعٌ عَنْ اَبِي الْاَشْعَثِ فَكَانَ مُنْقَطِعًا فَلَا يَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ وَاَيْضًا حُكِيَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مُعِيْنٍ اَنَّهٗ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ وَضَعَتْهُ الزَّنَادِقَةُ وَهُوَ اَعْلَمُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔

ناظرین :۔ غور کیجئے خبر واحد تو صحیح ہوتے ہوئے بھی قابل استدلال و احتجاج نہ ہو اور ایک منقطع باطل اور موضوع حدیث خبر واحد کی عدم حجیت پر قابل استدلال بن جائے علمائے حنفیہ کا یہ فعل کیا تعجب خیز و حیرت انگیز نہیں ہے؛ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

ثانیاً :۔ صاحب اصول شاشی نے جس حدیث تَكْثُرُ لَكُمُ الْاَحَادِيْثُ بَعْدِيْ الخ سے خبر واحد کی عدم حجیت و ابطال پر استدلال کیا ہے خود وہ کتاب اللہ کے حکم عام کے معارض و مخالف ہے اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (ترجمہ) رسول جو تم کو دیں اس کو لیلو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو اس آیت کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث بسند صحیح و معتبر ملے اس کو بلاچون و چرا عمل کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اعلیٰ درجہ کے مفسر اور مترجم قرآن تھے اور آپ جو کچھ کہتے تھے وحی الٰہی سے کہتے تھے پس آپؐ نے قرآنی آیات کا جو معنی و مطلب بیان فرمایا وہی حق اور صواب ہے اس کو چھوڑ کر محض اپنے فہم ناقص کی بنا پر قرآن کے احکام و آیات پر عمل کرنا مومن کی شان نہیں مختصر یہ کہ صاحب اصول شاشی کے اصول :۔ عدم حجیت خبر واحد کی بنیاد جس چیز پر ہے خود وہ باطل اور فاسد ہے کیونکہ کتاب اللہ کے معارض و مخالف ہے۔

ثالثاً :۔ صاحب اصول شاشی کا یہ اصول کہ خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز نہیں ہے خود ان کے امام کے مسلک کے خلاف ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام شافعی امام احمد اور امام مالک (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) کے مسلک کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان ائمہ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ يَجُوْزُ تَخْصِيْصُ الْكِتَابِ بِخَبَرِ الْوَاحِدِ عِنْدَنَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ وَقَالَ قَوْمٌ لَا يَجُوْزُ اَصْلًا اور مولوی عبدالحی صاحب امام الکلام میں لکھتے ہیں، ذَكَرَ ابْنُ الْحَاجِبِ فِيْ مُخْتَصَرِ الْاُصُوْلِ

نہ۔ فی شرحہ ان تخصیص عام القرآن بالمتواتر جائز اتفاقا واما بالخبر الواحد فجوازہ الائمۃ الاربعۃ۔ مختصر یہ کہ جو مسلک آپ کا ہے وہ خلاف ابوحنیفہ ہے پھر مقلد آپ یہ اچھا لطیفہ ہے،

ناظرین کرام :۔ علمائے احناف کا اصول "خبر واحد کی عدم حجیت" ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اس چیز جس چیز پر ہے وہ موضوع اور باطل ہے اس کے علاوہ کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے ائمہ کے مسلک سے بھی خلاف ہے جیسا کہ ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ فوقع الحق وبطل ما کانوا یعملون۔ اخبار محمدی جلد ۱۵ شمارہ ۱۹

سوال :۔ اسلام میں حسب نسب ہے یا نہیں یعنی ایک ذات دوسری ذات سے اشرف دوسری ادنیٰ ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو کونسی اونچی ہے۔

جواب :۔ اسلام میں نسبی فخر کوئی شئی نہیں البتہ قومی امتیاز تو ہے جعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا بڑائی کا باعث عند اللہ صرف ایک چیز ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم الآیۃ۔ اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۲ شمارہ ۱۲

سوال :۔ اسلام میں مساوات ہے یا نہیں، اور مساوات کی تعریف کیا ہے،

جواب :۔ مساوات بوجہ اتم موجود ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک کو اس کا پورا حق دیکر عدل و انصاف ملحوظ رکھنا، مثلاً چند ایک مہمانوں کو جو مختلف طبقات سے ہیں لڑکے، جوان بوڑھے) روٹی دیتے وقت بے دانت بوڑھے کو اس کے موافق نرم غذا (دودھ وغیرہ) اور جوانوں کو ان کے لائق اور بچوں کو ان کے مناسب غذا دینا، یہ نہیں کہ بے دانت کو بھی سوکھی روٹی دیجائے۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۲ شمارہ ۱۲)

سوال :۔ قرآن شریف کا ایک حرف پڑھنے سے جو دس نیکیاں ملتی ہیں اگر قرآن شریف پڑھ کر فوت شدگان کو بخش دیا جاوے تو پھر پڑھنے والے کے پاس بھی وہ نیکیاں رہ جاتی ہیں یا نہیں اور اگر ایک پارہ پڑھ کر آٹھ متوفیان کو بخشا جائے تو ان کو حصہ رسدی ثواب ملیگا اور کیا متوفیان جن کو پڑھ کر ثواب بخشا گیا ہے تو وہ بھی پڑھنے والے کے حق میں دعا کرتے ہیں یا نہیں۔

جواب :۔ محدثین قرآن خوانی کا ایصال ثواب نہیں مانتے، حنفیہ مانتے ہیں اس کی تقسیم

جیسی خدا چاہے ہو جاتی ہے یہ کام ہمارا نہیں اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر یا نفل پڑھ کر حمد و صلوٰۃ کے ساتھ میت یا میتوں کے لئے دعاء مغفرت کرے تو اچھا ہے۔

اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۳۲ شمارہ ۷

سوال:۔ اہل حدیث کس کو کہتے ہیں۔ کیا عوام بھی اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں۔

جواب:۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مجھ پر دین میں اصل اطاعت قرآن اور حدیث صحیح کی فرض ہے چاہے وہ کسی عالم۔ محدث یا مجتہد کی رائے کے موافق ہو یا مخالف وہ اہل حدیث ہے۔ عوام بھی اس عقیدے کے لحاظ سے اہل حدیث میں داخل ہو سکتے ہیں۔ اخبار اہل حدیث امرتسر جلد ۳۳ سن ۴

سوال:۔ اگر کسی مسئلہ کا ثبوت قرآن و حدیث سے نہ ملے۔ اس کا شریعت میں کیا حکم ہے۔

جواب:۔ جس مسئلہ کا حکم قرآن و حدیث میں بوجہ من الوجوہ نہ ملے وہ شرعی نہ ہوگا۔ اخبار اہل حدیث امرتسر جلد ۳۳ ۴

مثال کے لئے بریلوی اور دیوبندی اختلاف دیکھو پھر کیا اس وجہ سے ہم کسی غیر واجب کو واجب قرار دے لیں تقلید شخصی ایک غیر واجب امر ہے۔ فقہاء نے خود اس کی تصریح کی ہوئی ہے رد المختار ملاحظہ ہو۔ لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ الْتِزَامُ مَذْهَبٍ مُعَيَّنٍ اخبار اہلحدیث جلد ۳۳ ۴۔

سوال:۔ اسلام کے ۷۳ فرقوں میں سے کچھ فرقے کیا ابدی جہنمی مثل یہود و نصاریٰ ہوں گے اگر یہ صحیح ہے تو وہ کون ہیں اور جنتی گروہ کون ہیں۔

جواب:۔ حدیث میں آیا ہے کہ کل دوزخ میں جاویں گے صرف ایک جنتی رہے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال پر فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي یعنی جس طریق پر میں اور میرے صحابہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فرقہ قرآن و حدیث کا پابند بطریق صحابہ کرام ہو وہ نجات پاجاوے گا۔ دوسرے گروہ جہنم میں جائیں گے۔

اخبار اہل حدیث امرتسر جلد ۳۳ ص ۱۲

محفل میلاد کا انعقاد کتاب و سنت سے ثابت نہیں

مفتی اعظم سعودی عرب کا مفصل فتویٰ

تحریر سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مدظلہ العالی رئیس العام لادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد بریاض

ترجمہ: جناب مولانا محمد مدنی متعلم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سعودی عرب
بعض حضرت مولانا حافظ عبدالغفور رئیس الجامعۃ العلوم الاثریہ جہلم

جریدہ عکاظ عربیہ ۲۸-۲-۱۹۶۰ء شمارہ ۵۶ میں یہ خبر شائع ہوئی۔

تحریر موعد الاحتفال بالمولد النبوی الشریف عالم اسلام اتوار کے روز ربیع الاول کے چاند نظر آنے پر محفل میلاد منعقد کرے گا اور دار الافتاء نے بیان جاری کیا ہے تاکہ تم لوگ ... میلاد النبی کی مجالس منعقد کرو۔

جریدہ کا یہ بیان کہ دار الافتاء نے ایسا بیان صادر کیا ہے محض جھوٹ اور افتراء پردازی ہے چنانچہ ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد کی انتظامیہ نے اس جھوٹے بیان کی تکذیب کر دی اور اسے تمام مقامی اخبارات میں شائع کروا دیا اور میلاد النبیؐ اور دوسرے بدعتی میلادی۔ بدعات گمراہیوں کی اہمیت کی وجہ اور بعض لوگوں کے اس بارہ میں مشتبہ ہونے کی وجہ سے ہم نے اسے دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تاکہ پورا عالم اسلام اسی قسم کے بدعات سے اجتناب کرے اور اپنے اعمال کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھال لے اور یہ دار الافتاء کی تحریر کا اصل ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد اور ان کے میلاد کی محفل ناجائز ہے کیونکہ دین میں سر نیا بدعت ہے۔ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا اور نہ ہی تابعین رحمہم اللہ نے یہ امور سرانجام دیئے حالانکہ وہ کتاب و سنت کے بہت بڑے عالم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل محبت رکھنے والے شریعت کی پوری متابعت کرنے والے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سند

صحیح کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جو کوئی ہمارے کام (دین) میں نئی بات داخل کرے جو اس میں پہلے نہ تھی وہ مردود ہے یعنی قابل قبول نہیں ہے اور دوسری حدیث میں اس طرح آیا۔
عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

میری سنت اور میرے بعد خلفاء راشدین کے طریقہ کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اسے خوب اپنے دانتوں سے چمٹ جاؤ اور اپنے آپ کو نئے نئے کاموں سے بچاؤ۔ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، ان دونوں حدیثوں میں بدعت کے پیدا کرنے اور اس پر عمل کرنے سے بہت سختی سے ڈرایا و منع کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے۔ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔

جو کچھ تمہیں رسول دے اسے پکڑو اور جس سے روکے رک جاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

ان لوگوں کو اس امر کی مخالفت کرنے سے بچنا چاہیئے کہ انہیں فتنہ یا دردناک عذاب نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں اس شخص کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔
اور فرمایا۔ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

اور سبقت کرنے والے مہاجرین سے پہلے لوگ اور انصار اور جنہوں نے ان کی اتباع کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ بہت بڑی کامیابی ہے، اور فرمایا۔ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ؕ میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔
اور اس معنے میں آیات بہت زیادہ ہیں اور ان میلادوں جیسا نیا کام نکالنا۔ اس سے یہ

سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین کو مکمل نہیں کیا اور رسول کریم نے وضاحت کردہ چیز نہیں پہنچائی کہ اس پر عمل کرے حتیٰ کہ ان متاخرین نے شریعت الٰہیہ میں نئی چیزیں ایجاد کر دیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ ان کو اللہ کے قریب کر دیں گی یہ یقینی طور پر بہت بڑی خطرناک بات ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے دین کو ناقص رہنے دیا تھا اور ہم نے اس کمی و نقص کو پورا کر دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے دین کو مکمل کر دیا اور ان پر نعمت کو پورا کر دیا۔

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا اور تمام ان راہوں کو جو جنت تک پہنچتی ہیں اور ان طریقوں کو جو جہنم سے دور کرتے ہیں، امت پر واضح کر دیئے جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو بھی مبعوث فرمایا اس پر ذمہ داری عائد کی کہ جو کچھ بھی وہ اللہ کی طرف سے جانتا ہے لوگوں کی بھلائی کے لئے سب کچھ بتا دے اور برائی کے راستوں سے انہیں ڈرا دے۔ (مسلم)

یہ تو حقیقت ہے کہ ہمارے نبیؐ افضل الانبیاء اور خاتم الرسل ہیں تمام انبیاء و رسل سے تبلیغ و نصیحت میں کامل ترین ہیں اگر محافل میلاد کا انعقاد اس دین سے ہوتا جو دین اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تو رسول کریمؐ اسے امت کے لئے واضح فرما دیتے یا اپنی مبارک زندگی میں کرتے یا ان کے صحابہ رضہ اسے کرتے جب اس طرح نہیں ہوا بلکہ صحابہ رضہ کے بعد بھی مدت مدید تک اس کا نام و نشان بھی نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو محدثات نے بدعات ہیں جن سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ڈرایا تھا اور اس کی وضاحت سابقہ آیات و احادیث سے ہو چکی ہے اور اسی معنی و مفہوم کی اور بہت سی آیات اور احادیث ہیں جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر خطبہ جمعہ اور دیگر خطبات میں فرمایا کرتے تھے۔

إِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلے اللہ علیہ وسلم وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ - رواہ مسلم۔

بے شک بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہتر راستہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔ اور برے کام محدثات ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے مسلم۔

آیت اور احادیث اس بارہ میں بہت زیادہ ہیں علماء کرام کی کثیر جماعت نے ان میلادوں کے انکار کی وضاحت کر دی ہے ان مذکورہ دلائل اور دیگر دلائل کثیرہ پر عمل کرتے ہوئے امت مسلمہ کو اس بدعت سے بچنے کی دعوت دی، بعض متاخرین نے کتاب و سنت کی مخالفت کی اور اس کی اجازت دے دی جب کہ اس میں منکرات نبی اکرمؐ کی ذات میں غلو (زیادتی) اور عورتوں مردوں کا میل جول اور کھیل تماشہ کے آلات کا استعمال اور دیگر امور جن کا شریعت مطہرہ انکار کرتی ہے شامل نہ ہو اور انہوں نے خیال کیا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جس مسئلہ میں لوگوں کے مابین تنازعہ ہو جائے اسے کتاب اللہ اور سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔

اے ایمان والو اللہ اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور اگر کسی شئی میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور فرمایا، یہ بہتر اور احسن طریقہ ہے، اس مسئلہ محفل میلاد نے ہم نے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا تو ہم نے پایا کہ ہمیں کتاب اللہ، رسول کریمؐ کی اتباع کا حکم دیتی ہے یعنی جو تمہیں اللہ کا پیغمبر حکم دے اس کی اتباع کرو اور جہاں سے روکے رک جاؤ اور مزید خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس کا دین مکمل کر دیا ہے، اس محفل میلاد کا دین اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اس میں ہمیں اتباع الرسول کا حکم ہے۔

تو ہم نے سنت رسول کی طرف رجوع کیا تو ہم نے پوری چھان بین کرنے کے بعد پایا کہ نہ تو رسول کریم نے عمل کیا نہ اس کا حکم دیا اور نہ ہی ان کے صحابہ کرامؓ نے اس فعل کیا تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ دین کامل سے نہیں ہے بلکہ من گھڑت بدعت ہے اور یہود و نصاریٰ کے میلوں اور ان کی عیدوں کی تشبیہ ہے اور اس سے ہر اس آدمی کے لئے واضح ہو جاتا ہے جسے ذرہ بھر بھی حق و انصاف کے طلب کرنے میں بصیرت اور رغبت ہے کہ محفل میلاد کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کا بدعات محدثات کے ساتھ تعلق ہے جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول نے ترک کرنے کا اور ان سے بچنے کا حکم دیا ہے، عقل مند کو لائق نہیں کہ۔

کثیر لوگوں کے اس فعل اور اکثر ممالک میں اس بدعات کے جاری ہونے سے دھوکہ میں پڑ جائے۔ حق کثرت سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ وہ تو شرعی دلائل سے پہچانا جاتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا ہے ﴿وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ اور انہوں نے کہا کہ ہرگز جنت میں نہیں داخل ہوں گے مگر جو یہود ہوگا یا عیسائی۔ یہ ان کی خواہشات ہیں کہہ دیجئے اپنی دلیل لائیے اگر تم سچے ہو، اور فرمایا ﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور تم زمین میں رہنے والی اکثریت کی اطاعت کروگے تو وہ تم کو اللہ کی صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیں گے۔

یہ پر محافل بدعت ہونے کے ساتھ دوسری برائیوں پر بھی مشتمل ہوتی ہیں جیسے عورتوں مردوں کا اختلاط، گانے بجانے کے آلات کا استعمال اور بھنگ اور نشے کی چیزوں کا استعمال وغیرہ پر بھی مشتمل ہوتی ہیں، اور ان میں ان تمام سے بڑی برائی کہ شرک اکبر بھی ہوتا ہے اور یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے علاوہ اولیاء کی مدح میں غلو، اور ان سے استغاثہ فریاد رسی اور مدد طلب کرنا اور یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ غیب جانتے ہیں اور اسی طرح کے کفریہ امور جن کو لوگ نبی کریمؐ اور دیگر نام نہاد اولیاء کی محافل میلاد میں کرتے ہیں، حالانکہ نبی کریمؐ سے صحیح حدیث حضرت عمرؓ اس طرح روایت ہے کہ فرمایا «إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ» دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو کرنے نے تباہ و برباد کر دیا (ھلاک کر دیا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری تعریف کرتے ہوئے مجھے حد سے نہ بڑھا دینا چاہیئے جیسے عیسائیوں نے ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا، میں تو صرف بندہ ہوں پس تم کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔" (بخاری) عجیب و غریب بات ہے کہ کثر لوگ ان بدعات محافل پر غیرت سے حرص ہوتے ہیں اور ان میں حاضر ہونے کے لیے جد و جہد، حالانکہ وہ ان بدعات میں مشغول ہیں اور خیال نہیں کرتے کہ وہ بہت بڑے گناہ میں لگے ہوئے بلاشک یہ ان کے ضعف ایمان، قلت بصیرت کی واضح دلیل ہے اور ان کے دلوں پر گناہ اور نافرمانیوں کی دبیز میل چڑھ گئی ہے ﴿بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیئے معافی کی بھیک مانگتے ہیں۔

یہ بھی انہی بدعات سے ہے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ میلاد کی محفل میں خود

حاضر ہوتے ہیں اس لئے سلام پڑھتے ہوئے اور خوش آمدید کہتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ بہت بڑی جہالت اور بدترین لاعلمی ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت سے پہلے اپنی قبر سے نہیں نکلیں گے نہ کسی آدمی سے ملیں گے اور نہ ہی کسی کے اجتماع میں تشریف لائیں گے بلکہ وہ قیامت تک قبر میں مقیم رہیں گے اور ان کی روح قدس اعلی علیین میں اپنے رب کے پاس ہے جیسے کہ سورۃ مومنون میں آتا ہے ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ، پھر بے شک اس کے بعد تم مر جاؤ گے اور یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے؛

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ میں پہلا ہوں جس کی قیامت کے دن پہلے قبر پھٹ جائے گی اور میں پہلا سفارش کرنے والا ہوں اور پہلا ہوں جس کی سفارش قبول ہوگی ان پر ان کے رب کی افضل صلوٰۃ وسلام ہو۔ یہ آیت کریمہ اور حدیث شریف اور جو ان کے معنی میں دیگر آیات و احادیث ہیں تمام کی تمام اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریمؐ اور دیگر تمام مردے اپنی قبروں سے قیامت کے دن نکالے جائیں گے، یہ ایسا امر ہے جس پر پوری امت مسلمہ کے علماء کرام کا اجماع ہے تمام مسلمانوں کو ان امور سے متنبہ ہو جانا چاہیئے اور جاہل اور بے وقوف لوگوں کی پیدا کی ہوئی بدعات وخرافات سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ ان کی کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمائی۔ یہ محض ان کی نفسانی خواہشات کا نتیجہ ہے۔ اللہ مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے (وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ)

باقی رہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کا افضل ترین ذریعہ ہے اور بہت بڑا عمل صالح ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

ترجمہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریمؐ پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ اور سلام پڑھو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایک بار صلوٰۃ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت کرتے ہیں اور شریعت کے مطابق یہ تمام اوقات میں جائز ہے اور ہر نماز کے آخر میں تاکیداً ہے بلکہ تمام اہل علم کے نزدیک ہر نماز کے آخری تشہد میں واجب ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفلی اور اکثر مواقع پر سنت مؤکدہ ہے اذان کے بعد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کرنے کے بعد اور جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات، جیسے کہ اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

(اخبار الاسلام ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء)

اسلام میں سنّت کا مقام

(مولانا ابوالحسن محمد یحییٰ ...)

اسلام میں سنت (حدیث) کا وہی مقام ہے جو کتاب اللہ کا ہے سنت نبویہ بھی قرآن پاک کی طرح بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے چنانچہ سورۂ نجم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ یعنی پیغمبر خدا اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی آسمانی سے بولتے ہیں۔ اس آیت کا ترجمہ مولانا رومؒ یوں فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس طرح قرآن مجید نے اس کو واضح تر کر دیا۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ سورۂ نساء) ۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اطاعت کرے وہ درحقیقت خداوند کریم کی اطاعت کرے گا۔ دوسرے الفاظ میں ترجمہ یہ ہوا کہ جس نے حدیث پر عمل کیا اس نے قرآن پر بھی عمل کیا۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

حدیث پاک کے وحی خفی ہونے اور منزل من اللہ ہونے پر یہ روایت اظہر من الشمس یعنی روز روشن سے زیادہ واضح ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ عَنْ حَسَّانٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ (دارمی ص) یعنی حضرت حسانؓ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآنی وحی لے کر آتے ایسے ہی سنت کی وحی لے کر آتے۔

اس حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی منزل من اللہ ہے ایسے ہی حدیث پاک بھی منزل من اللہ ہے، مزید تفصیل کے لئے عہد نبوت کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر اوقات حاضر رہتے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتے وہ لکھ لیتے اس پر عوام الناس نے اعتراض کیا کہ ہر بات نہ لکھا کرو فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَلَّمُ فِي

الرضا وما لسخط الحدیث؛ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ خوشی میں کلام فرماتے ہیں، اور بعض دفعہ ناخوشی میں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ آپ ہی فرما دیجئے کہ کون سی بات لکھوں اور کونسی نہ لکھوں، اس پر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اکتب ما اقول فو اللہ ما یخرج منہ الا الحق (الحدیث) یعنی میری ہر بات لکھ لیا کرو، کیونکہ اللہ کی قسم میری زبان سے ہر وقت حق ہی نکلتا ہے، بعض احادیث میں تو سنت کے مطابق فیصلہ کو کتاب اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ کتاب الحدود مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۳۰ میں ایک طویل حدیث ہے،

ان رجلین اختصما الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال احدھما اقض بیننا بکتاب اللہ فقال الاخر اجل یارسول اللہ فاقض بیننا بکتاب اللہ (الحدیث) یعنی دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فیصلہ کرانے کیلئے حاضر ہوئے، ایک نے کہا کہ ہمارا فیصلہ قرآن پاک سے کیجئے دوسرے نے تائید کی کہ کتاب اللہ ہی کے مطابق فیصلہ کیجئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ (الحدیث) یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا فیصلہ کتاب اللہ سے کروں گا، اب جو فیصلہ آپ نے فرمایا، وہ اپنے فرمان یعنی حدیث پاک سے فرمایا جس کا قرآن پاک میں ذکر تک نہیں اس ارشاد نبوی سے معلوم ہوا کہ حدیث کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ فرما رہے ہیں، ایسے سینکڑوں واقعات کتب حدیث میں مرقوم ہیں، لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وَفِیْ ذَالِکَ کِفَایَۃٌ لِمَنْ لَہٗ دِرَایَۃٌ۔

الاستفتاء

مولانا عبید اللہ عفیف فیروزپوری کا ھوسا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے حدیث اس مسئلہ میں کہ حنفیہ عمل بالحدیث کے قائل ہیں یا نہیں، کتب فقہ حنفیہ میں جو احادیث مذکورہ ہیں ان کی حیثیت استنادی کیسی ہے؟ بینوا بالدلیل

آپ کا شاگرد، عنایت اللہ صدیقی بلتستانی فی لاہور۔ اقول وباللہ التوفیق، حنفیہ عمل بالحدیث کی نعمت سے محروم ہیں کیونکہ حنفی بھائی مقلد ہیں اور مقلد کے لئے اپنے مقلد (مقتدیٰ وامام) کی تقلید اصول، فروع میں مکلف ہونے سے لے کر تادم واپسیں ضروری اور فرض ہوتی ہے اور مقلد کسی وقت بھی نار تقلید کو اتار پھینکنے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے اس کے امام کا قول ہی شرعی حکم ہے اور بس، اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ (مسلم الثبوت ص رشیدیہ دہلی) یعنی مقلد کے لئے (قرآن وحدیث کے علی الرغم) اس کے امام کا قول ہی شرعی دلیل ہے اور بس، چونکہ حنفی بھائیوں نے تقلید کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ کو چنا ہوا ہے اور ایسی صورت میں حدیثوں پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے ان قابل احترام بزرگوں نے تقلید شخصی کے تحفظ کے لئے ایسے ایسے فرضی اور خانہ ساز اصول ترتیب دے رکھے ہیں جن کی اوٹ میں پوری بے باکی کے ساتھ احادیث صحیحہ کا بطلان کر دیتے ہیں، چنانچہ شاہ عبد العزیز محدث دھلوی مرحوم نے فتاویٰ عزیزی کے اندر ان نو اصولوں کا ذکر فرمایا ہے اور یوں انکار حدیث کی شناعت سے بچے رہنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے اور وہ فرضی اشکلے اور ڈھکوسلے یہ ہیں:

انکار حدیث اور نو فرضی اشکلے

(۱) خاص۔ خاص کے بارہ میں حکم کردہ صاف طور پر بیان کیا ہوا ہے تو اس حکم کے سوا دوسرا کوئی معنے نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) زیادت کتاب پر بمنزلہ نسخ کے ہے تو یہ زیادت نہ ہوگی مگر آیت صریح یا حدیث مشہور صریح سے۔

(۳) حدیث مرسل (جو کہ ضعیف ہوتی ہے) مانند حدیث مسند کے ہے۔

(۴) ترجیح نہ ہوگی کسی حدیث کو بسبب کثرت راویوں کے بلکہ ترجیح بسبب فقہ راوی کے ہوگی۔

(۵) جرح قابل قبول نہ ہوگی مگر جب اس کی تفسیر کی جائے،

(۶) امام ابن ہمام نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جس روایت کو امام بخاری اور مسلم نے اور ان لوگوں نے جو ان کے مانند ہیں صحیح کہا ہو تو ہم لوگوں پر واجب نہیں کہ ہم لوگ اس کو قبول کریں۔ (العیاذ باللہ) (تیری لن ترانیاں)۔

(۷) کہا بعض صاحب فتاویٰ نے کہ جب کسی مسئلہ میں قول امام اعظم اور صاحبین کا ہو اور اس میں کوئی حدیث بھی ہو اور اس حدیث کے بارہ میں حکم صحت دیا گیا ہو تو واجب ہے کہ امام اعظم اور صاحبین کے قول کی اتباع کی جائے نہ حدیث (صحیح) کی۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ ذٰلِكَ الْجُرْأَةِ۔

(۸) جس روایت کو راوی غیر فقیہ نے روایت کیا ہو اور وہ ایسی روایت ہو کہ اس میں رائے کو دخل ہو سکے تو اس کو قبول کرنا واجب نہیں،

(۹) عام قطعی ہے مانند خاص کے تو تخصیص نہیں ہو سکتی عام میں خاص کے ذریعے، فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۸۹ صفحہ ۲۹۰۔ صفحہ ۲۹۱۔ ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی۔

امام کرخی اور کتاب اللہ کا انکار

امام کرخی کی تلخی کا یہ عالم ہے کہ موصوف نے تقلید کے نشے میں قرآن و حدیث کے انکار سے بھی گریز نہیں فرمایا، فرماتے ہیں، اَلْاَصْلُ اِنَّ كُلَّ اٰيَةٍ تُخَالِفُ قَوْلَ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ اَوْ عَلَى التَّرْجِيْحِ وَالْاَوْلٰى اَنْ تُحْمَلَ عَلَى التَّاوِيْلِ مِنْ جِهَةِ التَّوْفِيْقِ۔ اصول کرخی ملحق باصول بزدوی ص۳۷۳ نور محمد کراچی) یعنی جو آیت قرآن پاک ہمارے ائمہ کے قول کے خلاف ہوگی یا تو ہم اسے منسوخ قرار دیں گے یا اس کی تاویل کریں گے،

امام کرخی اور انکار حدیث

اَلْاَصْلُ۔ اِنَّ كُلَّ خَبَرٍ يَجِيْءُ بِخِلَافِ قَوْلِ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهٗ يُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ اَوْ عَلٰى اَنَّهٗ مُعَارَضٌ بِمِثْلِهٖ ثُمَّ صَارَ اِلٰى دَلِيْلٍ اٰخَرَ اَوْ تَرْجِيْحٍ فِيْهِ بِمَا يَتَرَجَّحُ بِهٖ اَصْحَابُنَا مِنْ وُجُوْهِ التَّرْجِيْحِ اَوْ يُحْمَلُ عَلَى التَّوْفِيْقِ۔

اصول بزدوی صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ نور محمد کراچی یعنی ہر وہ حدیث جو ہمارے اماموں کے خلاف پڑتی ہے ہم اس کو منسوخ قرار دیں گے یا اس کا معارض تلاش کریں گے یا اس کی ہم ایسی توجیح کرنی ہو گی جس سے ہمارے اماموں کا مسلک محفوظ ہو جائے اور بظاہر انکار حدیث سے بھی بچ جائیں ۔

امام کرخی اور انکار اقوال صحابہؓ

اَلْاَصْلُ ۔ اِنَّ الْحَدِیْثَ اِذَا وَرَدَ عَنِ الصَّحَابِیِّ مُخَالِفًا بِقَوْلِ اَصْحَابِنَا فَاِنْ کَانَ لَا یَصِحُّ فِی الْاَصْلِ یُغْنِیْنَا مُعَوْنَتُ جَوَابِہٖ اِنْ کَانَ صَحِیْحًا فِیْ مَوْرِدِہٖ فَقَدْ سَبَقَ ذِکْرُ اَقْسَامِہٖ اِلَّا اَنَّ اَحْسَنَ الْوُجُوْہِ بَعْدَھَا عَنِ الشُّبْہَۃِ اَنَّہٗ اِذَا وَرَدَ حَدِیْثُ الصَّحَابِیِّ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِ الْاِجْمَاعِ اَنْ یُحْمَلَ عَلَی التَّاوِیْلِ اَوِ الْمُعَارَضَۃِ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ صَحَابِیٍّ مِثْلِہٖ ۔ اصول بزدوی صفحہ ۳۷۰ کسی صحابی کی کوئی حدیث اگر مذہب حنفی کے خلاف ہو تو حدیث اگر صحیح نہیں تو جواب کی ضرورت نہیں اگر صحیح ہو تو اس کے رد کرنے کے اقسام (طریقے) گزر چکے ہیں یعنی یا تو اس کی تاویل کی جائے گی یا منسوخ کہا جائے گا یا اس کا معارض تلاش کیا جائے گا ۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا طرز عمل

اس اصولی انکار حدیث کے ثبوت کے بعد عملی طور پر انکار حدیث کے نمونے پیش کرنے کی ہم چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے تاہم حضرت شیخ الہند کے غلو تقلیدی کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے ۔

بَابُ الْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا کی شرح میں موصوف اختلاف مذاہب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام حنیفہ نے اس مسئلہ میں جمہور کی مخالفت کی ہے اور بہت سے علمائے امت نے ان کے رد میں رسائل تصنیف کئے ہیں اور امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دی ہے ۔

وَرَجَّحَ مَوْلَانَا الشَّاہ وَلِیُّ اللّٰہِ الْمُحَدِّثُ الدَّھْلَوِیُّ (الحنفی) فِیْ بَعْضِ رَسَائِلِہٖ مَذْھَبَ الشَّافِعِیِّ مِنْ جِھَۃِ الْاَحَادِیْثِ وَالنُّصُوْصِ وَکَذَالِکَ قَالَ شَیْخُنَا (محمود الحسن) مد ظلہ بِتَرْجِیْحِ مَذْھَبِہٖ فَقَالَ الْحَقُّ وَالْاِنْصَافُ اِنَّ التَّرْجِیْحَ لِلشَّافِعِیِّ فِیْ ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃِ وَنَحْنُ مُقَلِّدُوْنَ یَجِبُ عَلَیْنَا تَقْلِیْدُ اِمَامِنَا اَبِیْ حَنِیْفَۃَ (تقریر ترمذی ص۳۶) مطبوعہ محمد سعید کراچی ۔ حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ حنفی نے بھی احادیث صحیحہ اور نصوص واضحہ کی بنا پر امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور پھر خود (شیخ الہند) فرماتے ہیں کہ حق اور انصاف بھی یہی ہے ،

کہ امام شافعیؒ کا مسلک راجح ہے، بایں ہمہ ہم چونکہ حنفی مقلد ہیں اس لئے واحادیث صحیحہ اور نصوص واضحہ کے علی الرغم، ہم پر امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے، وَا اَسفَا عَلٰی جُرْاَتِہٖ ۔ ے

نہ رکھو تقلید کی کچھ سند پھر اس پر اڑتے ہیں عجب دانا مقلد ہیں کہ بے ہتھیار لڑتے ہیں،

ان اغلوطات، مخترعات، خانہ ساز قواعد اور ہٹ دھرمیوں کی نشان دہی سے حنفیہ کے ان کھوکھلے دعاوی کا نہ صرف پول کھل جاتا ہے بلکہ ان کی حدیث دشمنی اور صاحب شریعت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نام نہاد عقیدت، اور وابستگی کی حقیقت بھی طشت از بام ہو جاتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصول فقہ کے موجودہ دفاتر در اصل انکار حدیث کے اسفار اور ماخذ ہیں چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے بھی بعض احادیث کے انکار میں اسی لٹریچر سے دھوکہ کھایا ہے۔

فقہاء

احادیث کتب حنفیہ کی حیثیت استناد

جواب جزء ۲:- واضح ہو کہ کتب فقہ حنفی کے اندر ہمارے ان واجب الاحترام فقہاء عظام نے اپنے قیاسات اور آراء کی تائید اور تشبیہ میں جن احادیث اور روایات کو درج فرمایا ہے وہ اکثر یا تو موضوع اور خانہ ساز ہیں یا ضعیف اور متکلم فیہا ہیں، جیسے حضرت فقہاء محدثین اور علمائے اصول حدیث نے وضاحت فرمائی ہے،

احادیث عراق ناقابل قبول ہیں

بانی اصول فقہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کُلُّ حَدِیْثٍ جَاءَ مِنَ الْعِرَاقِ وَلَیْسَ لَہٗ اَصْلٌ فِی الْحِجَازِ فَلَا یُقْبَلُ وَاِنْ کَانَ صَحِیْحًا ۔ (تدریب الراوی)

ہر وہ حدیث جو اہل عراق سے مروی ہو اور اہل حجاز کے ہاں اس کی اصل نہ ملے وہ اگرچہ صحیح بھی ہو پھر بھی قابل قبول نہیں،

فقہاء حنفیہ کا کورا پن

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ۔ ھٰؤُلَاءِ اَصْحَابُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ لَیْسَ لَہُمْ بَصَرٌ بِشَیْءٍ مِنَ الْحَدِیْثِ مَا ھُوَ اِلَّا الْجُرْاَۃُ (میزان الاعتدال ۱۳۶)

یہ ہیں اصحاب ابی حنیفہؒ جن میں ماسوائے جرات وجسارت کے حدیث میں کچھ مہارت نہیں ہے

فقہاء کوفہ اور جابر کذاب

حضرت امام وکیع (حنفی) کی تصریح کچھ اس طرح سے ہے قال ابو عیسیٰ سمعت الجارود یقول سمعت وکیعا لولا جابر الجعفی لکان اھل الکوفۃ بغیر حدیث ولولا حماد لکان اھل الکوفۃ بغیر فقہ (ترمذی شریف صفحہ ۵ ج ۱)

حضرت امام وکیع (حنفی) فرماتے ہیں کہ اگر جابر جعفی (کذاب بقول امام ابوحنیفہ) نہ ہوتا تو اہل کوفہ حدیث سے قطعاً محروم رہتے اور اگر حماد نہ ہوتے تو اہل کوفہ فقہ سے بھی ناآشنا ہوتے۔ (وضاحت) حضرت امام وکیع جو حضرت امام شافعیؒ کے استاذ محترم ہیں شہرۂ آفاق فقیہہ، نامور محدثؒ اور عامل بالحدیث تھے مگر احناف کو دعویٰ ہے کہ وہ حنفی بزرگ تھے اس لئے ہیں نے موصوف کو دو نسلما (؟) کے تحت حنفی لکھ دیا ہے ورنہ بینہ وبین الحنفیۃ خرط القتاد۔

مقلدین حنفیہ کو صحیح اور غیر صحیح حدیث میں امتیاز نہ تھا

الاصلاح الایضاح کے مولف علامہ ابن کمال پاشا حنفی رقم طراز ہیں:۔

والطبقۃ السابعۃ ھی طبقۃ المقلدین الذین لا یقدرون علی ما ذکرنا ولا یفرقون بین الغث والسمین ولا یمیزون بین الشمال والیمین یجمعون ما یجدون کحاطب لیل فالویل لھم ولمن قلدھم کل الویل۔ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۸ کراچی نافع کبیر مقدمہ جامع صغیر صفحہ ۷

فقہا حنفیہ کا ساتواں طبقہ ان مقلدین پر مشتمل ہے جنہیں نہ تو اپنی نقل کردہ روایات پر قدرت ہوتی ہے نہ غث وسمین میں فرق کر سکتے ہیں اور نہ دائیں بائیں میں امتیاز نہیں جو کچھ مل جاتا ہے بس اندھا دھند یاد کرنے چلے جاتے ہیں پس ان کے لئے مع ان کے لائی تک تو سے کے تحت خرابی ہو

ہدایہ کالقرآن اور اوھام کا طوفان

علامہ ابوالحسنات لکھتے ہیں:۔ کہ حضرت علامہ شیخ عبدالقادر حنفی نے ہدایہ کے اوہام کثیرہ کو اپنی کتاب عنایہ میں خوب پوست مارٹم کیا ہے اصل الفاظ یہ ہیں فی طبقات القاری قد وقع فی الھدایۃ اوھام کثیرۃ قد نقلھا العلامۃ الفھامۃ الشیخ عبدالقادر الحنفی القرشی فی کتاب المسمی بالعنایۃ۔ الفوائد البہیۃ عبدالحی، یعنی ہدایہ کالقرآن میں بہت سی ایسی وہمی روایات اور مسائل ہیں جن کو علامہ فہامہ شیخ عبدالقادر حنفی نے اپنی عنایہ نامی تصنیف میں تفصیل سے ذکر کیا ہے،

کتب حنفیہ اور من گھڑت حدیثیں رکن الاسلام حضرت امام زادہ حنفی کی تحقیق انیق بھی پڑھتے چلئے موصوف کنز العباد مطالب المومنین وغیرہ کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فَاِنَّ هٰذِهِ الْكُتُبَ مَمْلُوَّةٌ مِنَ الرَّطْبِ وَالْيَابِسِ مَعَ مَا فِيْهَا مِنَ الْاَحَادِيْثِ الْمُخْتَرَعَةِ وَالْاَخْبَارِ الْمُخْتَلِفَةِ۔ نافع کبیر ص۱۳ نافع کبیر کنز العباد مطالب المومنین اور ایسی دوسری کتب رطب و یابس سے بھری پڑی ہیں علاوہ ازیں ان میں بناوٹی اور اختراعی احادیث اور اخبار مختلفہ بھی بکثرت موجود ہیں۔

کنز العباد کی احادیث کا سماع حرام ہے علامہ جمال الدین مرشد حنفی کا بے لاگ تبصرہ یہ ہے ممدوح کنز العباد پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فِيْهِ اَحَادِيْثُ مَوْضُوْعَةٌ لَا يَحِلُّ سِمَاعُهَا۔ نافع کبیر ص۱۳ اس کتاب کے اندر ایسی بودی نکمی اور خانہ ساز حدیثیں ہیں جن کا سننا بھی حرام ہے چہ جائیکہ ان سے استدلال لایا جائے۔

حضرات حنفیہ کی حدیث کیساتھ سرد مہری حضرت امام شاہ ولی اللہ حنفی" علم حدیث سے متعلق حنفیہ کی بے توجہی اور بے اعتنائی کا اس طرح آشکارا فرماتے ہیں وَاَيْتُنَا كُفُرُ بِالْحَدِيْثِ قَلِيْلٌ قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا۔ الانصاف مع ترجمہ کشاف صفحہ ۷۱ محمد حسن نانوتوی حنفی ان الفاظ کا یوں ترجمہ کرتے ہیں حنفی علماء کا مشغول ہونا علم حدیث پہلے اور حال میں کم ہا ہے۔ اَيْضًا مِنْهَا مَا اشْتَهَرَ عَلٰى اَلْسِنَةِ الْفُقَهَاءِ وَالصُّوْفِيَّةِ وَالْمُوَرِّخِيْنَ وَغَيْرِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ اَصْلٌ فِيْ هٰذِهِ الطَّبَقَاتِ الْاَرْبَعِ حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۵ ج اصری اس عبارت کا حنفی ترجمہ یہ ہے فقہاء اور صوفیہ اور مورخین کی زبانوں پر ان کی شہرت ہے اور ان چاروں طبقوں میں ان کی کچھ اصل نہیں ان میں سے بعض ایسی بھی ہیں جن کو ایسے لوگوں نے موضوع کیا ہے جو بے دین تھے اور زبان عربی میں خوب ماہر تھے آیات کاملہ صفحہ ۲۰۷ ج ۱۔

روایات حنفیہ اور زنادقہ علم حدیث کی غیر متداول کتب سے حدیث لینے سے منع کرتے ہوئے سرخیل حنفیہ حضرت ملا علی قاری موضوعات میں لکھتے ہیں۔ اِنَّ نَقْلَ الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ لَا يَجُوْزُ اِلَّا مِنَ الْكُتُبِ الْمُتَدَاوَلَةِ لِعَدَمِ الْاِعْتِمَادِ عَلٰى غَيْرِهَا مِنْ وَضْعِ الزَّنَادِقَةِ وَاِلْحَاقِ الْمَلَاحِدَةِ۔ موضوعات کبیر صفحہ ۸ مجتبائی دہلی۔

علم حدیث کے مشہور متداول ذخیروں (صحاح ستہ وغیرہا) سے باہر کی حدیثوں کو نقل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کتب صحاح کے علاوہ دوسری کتابیں قابل اعتماد نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زندیقوں اور ملحدوں نے بہت سی حدیثیں وضع کرکے غیر مشہور کتابوں میں سمو دی ہیں۔

شارحین ہدایہ محدث اور مخرج نہ تھے

حضرت ممدوح حنفی کتب کی حقیقت اور اصلیت کے متعلق لکھتے ہیں لاعبرۃ بنقل النہایۃ ولا بقیۃ شراح الہدایۃ فانہم لیسوا من المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین (موضوعات کبیرؔ) وعمدۃ الرعایۃ صفحہ ۱۲، نہایہ اور ہدایہ کی دوسری شرحوں کی نقل کردہ حدیثوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ شارحین محدث نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے ان روایتوں کے اصل ماخذوں کا حوالہ دیا ہے،

جامعین کتب حنفیہ حدیث میں سہل انگار تھے

حضرت مولانا عبدالحی صاحب حنفی جو دراصل ترجمان حنفیہ کہلانے کے مستحق ہیں قابل اعتماد کتب حنفیہ کی استنادی حیثیت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں فکم من کتاب اعتمد علیہ اجلۃ الفقہاء مملوءٌ من الاحادیث الموضوعۃ ولا سیما الفتاوی فقد وضح لنا بتوسیع النظر ان اصحابہم وان کانوا من الکاملین لکنہم فی نقل الاخبار من المتساہلین (نافع کبیر ص۱۳) ہمارے بڑے بڑے فقہاء نے بہت سی ایسی کتابوں پر اعتماد کر رکھا ہے جو کثرت اور ناسپتی حدیثوں سے اٹی پڑی ہیں خصوصاً کتب فتاوی اور یہ حقیقت بہ کثرت مطالعہ سے واضح ہوئی کہ اگرچہ ان کتابوں کے مولف اپنے فن فقہ میں کامل تھے، تاہم اخبار و احادیث کی نقل میں بنا رسی اور سہل انگار تھے،

کتب حنفیہ موضوعات کا پلندا ہیں

علامہ عبدالحی صاحب کا اعلان حق پڑھیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ ان الکتب الفقہیۃ وان کانت معتبرۃ فی نفسہا بحسب المسائل الفرعیۃ وکان مصنفوہا ایضاً من المعتبرین والفقہاء الکاملین لا یعتمد علی الاحادیث المنقولۃ فیہا اعتماداً کلیاً ولا یجزم بورودھا وثبوتہا قطعاً بمجرد وقوعہا فیہا فکم من احادیث ذکرت فی الکتب المعتبرۃ وھی موضوعۃ ومختلقۃ۔

اگرچہ فقہی ذخیرے فروعی مسائل میں معتبر ہیں اور ان کے مولف بھی قابل اعتبار اور کامل فقیہ تھے تاہم ان کی نقل کردہ احادیث پر محض اس لئے کہ وہ احادیث ان کی کتابوں میں،

موجود ہیں کلی طور پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صحیح ہونگی کیونکہ ان کتابوں کے اندر بہت سی ایسی حدیثیں مندرج ہیں جو خود ساختہ اور مختلف فیہا ہیں۔

فقہاء حنفیہ حدیث میں ماہر نہ تھے۔ حضرت ابوالحسنات موصوف لکھتے ہیں وَمِنَ الْفُقَهَاءِ مَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَظٌّ إِلَّا ضَبْطُ الْمَسَائِلِ الْفِقْهِيَّةِ لَا يَدْرُونَ الْمَهَارَةَ فِي الرِّوَايَةِ الْحَدِيثِيَّةِ (عمدۃ الرعایہ ۱۳) فقہاء کرام میں بہت سے ایسے بزرگ بھی تھے جن میں ماسوائے فقہی مسائل کے ضبط کے روایت حدیث میں قطعاً مہارت نہ تھی،

ہدایہ کی حدیثیں بے ثبوت ہیں علامہ لکھنوی حنفی فقہاء حنفیہ کی حدیث دانی کا پول یوں کھولتے ہیں۔ اَلَا تَرَىٰ إِلَىٰ صَاحِبِ الْهِدَايَةِ مِنْ أَجِلَّةِ الْحَنَفِيَّةِ وَالرَّافِعِيِّ شَارِحِ مِنْ أَجِلَّةِ الشَّافِعِيَّةِ مَعَ كَوْنِهِمَا مِمَّنْ يُشَارُ إِلَيْهِمَا بِالْأَنَامِلِ وَيَعْتَمِدُ عَلَيْهِمَا الْأَمَاجِدُ وَالْأَمَاثِلُ قَدْ ذَكَرَا فِي تَصْنِيفِهِمَا لَمْ يُوجَدْ لَهَا أَثَرٌ عِنْدَ خَبِيرٍ بِالْحَدِيثِ جو رفاضلہ حنفیوں کے علامہ مرغینانی صاحب ہدایہ اور شافعیوں کے علامہ رافعی اگرچہ گنتی کے جلیل القدر فقہاء میں سے دو بزرگ ہیں اور بڑے بڑے نامور علماء اور فقہاء ان دونوں پر اعتماد کرتے چلے آرہے ہیں لیکن جلالت فقہ مذہب کے باوصف حقیقت حال یہ ہے کہ ان ہر دو بزرگوں نے اپنی کتابوں کے اندر ایسی من گھڑت اور بناوٹی حدیثیں لکھ ڈالی ہیں جن کا کسی بھی عالم حدیث کے ہاں کچھ کھوج اور نشان نہیں ملتا۔

حنفی فقہاء کے فرضی مسائل چونکہ فقہاء حنفیہ کے فرضی مسائل کا ذکر چل نکلا ہے لہذا ترجمان حنفیہ علامہ عبدالحی حنفیؒ کے ریمارکس پیش خدمت ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈالتے چلئے اور ان بے سروپا اور نام نہاد مجتہدات کی صداقت کی داد بھی دیتے چلئے فرماتے ہیں۔ والخامسة لويدل دليل شرعي لاكتاب ولاحديث ولا اجماع ولا قياس مجتهد جلي اوخفي لابالصراحت ولابالدلالة بل هي مخترعات المتاخرين الذين يلدون طرق اباءهم ومشائخهم المتقدمين وحكمها الطرح والجرح (نافع کبیر ص۹ جلد) فقہ حنفی کے مسائل کی پانچویں قسم وہ ہے جن کی دلیل قرآن میں ہے نہ حدیث میں اور نہ اجماع میں نہ کسی مجتہد کے قیاس جلی میں نہ خفی میں صراحت کیساتھ نہ دلالت کیساتھ بلکہ یہ مسائل دراصل ان متاخرین کے ڈھکوسلے اور اٹکلے ہیں جو اپنے اباء اور مشائخ کے تحت مقلد ولائی لگ ستے اور یہ مسائل ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے چاہیں

مقلدین حنفیہ میں جانچ پرکھ نہ تھی ۔

مولانا اعزاز علی دیوبندی حنفی فرماتے ہیں : ۔ الطبقة السادسة المقلدین الذین لایقدرون علی ماذکرنا لایفرقون بین الغث والسمین ولا یمیزون الشمال عن الیمین بل یجمعون مایجدون کحاطب اللیل فالویل لھم ولمن قلدھم کل الویل (تمہید الفارق مقدمہ کنز الدقائق سعید کمپنی کراچی) فقہاء حنفیہ کا چھٹا طبقہ ان مقلدین پر مشتمل ہے جنھیں ذکر کردہ اقوال میں جانچ پرکھ کی مقدرت ہے اور نہ رطب ویابس میں فرق معلوم ہے اور نہ چپ وراست میں امتیاز اور رات کے اندھیرے میں لکڑیاں اکٹھی کرنے والے کی مانند انہیں جو میسا ہو جاتا ہے جمع کرتے چلے جاتے ہیں ، خود ان کو اور ان کے تقلید کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے ، ان بزرگوں کے علاوہ مولانا اشرف علی تھانوی نے فتاوی امدادیہ میں فقہاء کی ان کمزوریوں کا رونا رویا ہے ان تصریحات واضح اعلانات اور حنفی بزرگوں کے برملا اعترافات سے یہ بات محقق ہو جاتی ہے کہ ہمارے حنفی علماء حدیث میں بے بضاعت اور کم مایہ تھے اور جو روایات ان فقہاء نے اپنے مجتہدات کی تائید میں فقہی دفاتر میں درج فرمائی ہیں محققین حنفیہ کے مطابق موضوع اور مختلف فیہا ہیں اور بقول علامہ جمال الدین مرشد حنفی کے ان کا سماع بھی حرام ہے ، شریعت کے احکام کا مدار ہونا تو بہت دور کی بات ہے ۔ لعل فیہ کفایة لمن لہ درایة ۔

ظاہر ہے کہ جو امام جس مذہب کے پیرو ہیں ان میں اتنی صلاحیت نہ تھی کہ اس زمانہ کے مسائل کا صحیح جواب دے سکیں بلکہ
ہے کہ زیادہ سے زیادہ بعض مسائل پر اقوال امام ان حضرات سے منقول ہوں باقی اکثر مسائل پچھلے علماء سے
منقول ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسائل معروف آپ کے زمانے کے علماء نے ہی گھڑے ہوئے ہیں تو پھر
ہم نہیں کہہ سکتے کہ تم حنفی کہاں سے مقلد امام ابوحنیفہ کیسے ہو گئے تم اپنے زمانہ کے موجودہ علماء کے مقلد
ہو گئے تمہارا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ تعلق نہ رہا تو بہتر ہے کہ آپ اپنے زمانے کے علماء کی تقلید چھوڑ
دیں اور براہ راست حدیث رسول پر عمل کریں اس لئے کہ جو آپ تقلید امام سے تو آزاد ہو گئے اور جب
اسے خبر نہیں امام کی تقلید کوئی چیز نہیں تو آج کل کے علماء کی تقلید کس گنتی میں ہے ہم سب مل کر
پکار اٹھیں۔

ما بلبلیم نالاں گلزار یا محمد

ما عاشقیم بیجان دلدار یا محمد

ہم بوجہ کم علمی کے اپنے علماء سے حدیث رسول سن کر اس پر عمل کریں تو اہل حدیث کہلوانے کے
مستحق ہو جائیں اور آپ بوجہ اپنی کم علمی کے اپنے علماء سے اقوال امام سن کر ان پر عمل کریں تو آپ اہل
فقہ کہلوانے کے مستحق کیسے ہو جائیں ہم احادیث رسول کا سوال کر کے اس کا جواب اپنے علماء سے
پا کر ان حدیثوں پر عمل کرنے سے محمدی بن سکیں تو آپ اسی طرح اپنے علماء سے اقوال امام سن کر ان
پر عمل کر کے حنفی کیسے بن جائیں

برادران۔ بات یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں جیسے تم کسی مولوی صاحب سے قول امام دریافت کر لیتے ہو
کیا اچھا ہو کہ بجائے اس کے قول امام الائمہ حضرت پیغمبر خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت
کر لیا کرو آخر یہ تو بتلاؤ۔ قول امام کے حق ہونے پر اور حدیث رسول کے باطل ہونے پر آپ کے
پاس کیا دلیل ہے قول امام اچھی ہیں اور حدیث رسول بری ہیں ان میں کیا آپ کے نزدیک کوئی فرق
ہوا کیسا عجب مطلب ہے کہ قول امام سے تسکین ہو جائے اور حدیث رسول سن کر ہی حنفی کہلوا کر خوش
ہو جاؤ اور محمدی نام سن کر ناراض ہو جاؤ سنو سنو جتنا فرق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں اور
آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہے
اتنا ہی فرق قول امام اور حدیث رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم میں پایا جاتا ہے [illegible]

کو دینا سب کی سب جس طرح کلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھتی ہے کہتا بھی آپ کا ماننے نسبت بھی آپ کی طرف کرے ہم سے یہ صریح ظلم برداشت نہیں ہوتا کہ کلمہ پڑھتے وقت تو حضور کا نام آئے اور عمل کرتے وقت کسی اور ہی کا نام آئے ہم تو اس کے قائل ہیں کہ جن کا کھائے انہی کا گائے جن کے امتی ہیں انہی کے تابع فرمان بن کر رہیں،

محترم بھائیو۔ ہم اماماں دین کے دشمنوں کو خدا کا دشمن سمجھتے ہیں ہم اماماں دین کی بے حرمتی بے ادبی کرنے والوں کو رحمت رحیم سے محروم سمجھتے ہیں لیکن ہم ان کا رتبہ مرتبہ رسول کے برابر کر دینا بھی پسند نہیں کرتے جیسے کلام خدا اور کلام رسول کے ماننے کے ہم مکلف ہیں ایسے ہی اگر کسی امتی کے کلام کے ماننے کا مکلف اپنے تئیں کر لیں تو پھر امتی اور نبی میں ہم نے کیا فرق رکھا۔

بھائیو آؤ ایک منصفانہ کلام سن لو خدائے تعالےٰ عزوجل نے اپنی بات ماننے کا ہمیں حکم دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تابعداری کرنے کا ہمیں حکم دیا کیا اس طرح امام صاحب نے بھی اپنی رائے قیاس کے ماننے کا ہمیں حکم دیکر کہیں فرمایا ہے کہ میری رائے قیاس کو مانو اور کسی کی نہ مانو، میرے مقلد بن کر رہو میرے سوا کسی کی تقلید نہ کر دیا کرو تو تین اماموں میں سے ہی ایک کی کرو تم اپنے تئیں حنفی کہلواؤ محمدی نہ کہلواؤ اگر کہیں آپ کی نگاہ سے یہ حکم گذرا ہے تو ہمیں بھی بتلا دیجئے ورنہ سن رکھے امام صاحب نے تو صاف فرما دیا ہے کہ اُترکوا قولی بخبر الرسول۔ حدیث کے مقابلہ پر میرے قول کو ترک کر دو ہرگز اس پر عمل نہ کرو اُسے نہ مانو اس پر عمل عقیدہ نہ رکھو پس جو امام صاحب نے فرمایا ہے وہی ہماری طرف سے آپ کو دعوت ہے

الشہ بس باقی ہوس۔ اخبار محمدی دہلی جلد ۷ انمبر ۱۲

فقہ حنفی مالکی اور شافعی اور حنبلی کی ابتداء

کتب تاریخ کے کھنگالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد ابو جعفر منصور خلیفہ عباس دوم میں ۱۵۰ھ کے بعد از میلاد میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی کتابیں وضع ہوئیں اور رشدہ شدہ یہ بڑھتی گئیں اور جو آیا اس نے ان زیادتی کی۔

یہاں تک کہ عالمگیر کے زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری لکھا گیا اور دین خدا کو آراء کی شکل میں پیش کرنے کی بنا جو سکھ میں ڈالی گئی تھی اس نے آج بلند اور بظاہر خوشنما شکل میں مکمل ہو کر قرآن حدیث کو بس،

پشت ڈال دیا اور خدا کا یہ فرمان پورا ہو گیا، یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔ یعنی اپنے ہاتھوں کتابیں تصنیف کرتے ہیں اور پھر انہیں دین خدا کی کتابوں کے نام سے مشہور کر دیتے ہیں،

جواب: ان کی دیکھا دیکھی ۳۰۰ھ بعد از میلاد میں شافعیوں نے بھی اپنی فقہ کی کتابوں کی باقاعدہ تصنیف شروع کی اور اُن دو عمارتوں کے مقابلے میں یہ تیسری عمارت بھی کھڑی کر دی گئی حنبلی گو پیچھے رہ گئے تھے لیکن آخری ان سے بھی صبر نہ ہو سکا اور فوراً ہی اس کے بعد ان کی توجہ بھی اس جانب ہوئی اور اسے بھی بلندی تک پہنچایا گیا ان چاروں مذاہب کی فقہ میں جہاں حدیث و قرآن کا صحیح لحاظ ہر موقعہ پر نہ کیا گیا وہاں خود اُن ائمہ کی نصوص کا خیال بھی کچھ ضروری نہ سمجھا گیا بلکہ اُن کے اقوال سے سینکڑوں حصے زیادہ بعد والوں کے اقوال اور مصنفین کے قیاسات کو جمع کیا گیا اور کل مجموعہ کا نام فقہ رکھا گیا رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ اب حدیث و قرآن پر عمل لامذہبی ٹھیرا اور ان مخترعات اور قیاسات پر عمل ہی مسلمانی ٹھیری لطف تو یہ ہے کہ جہاں حدیث و قرآن کا ان کتب فقہ میں احترام نہ کیا گیا جہاں ان کتابوں کا صرف اقوال ائمہ پر ہی انحصار نہ رکھا گیا وہاں خود ان چاروں مذاہب کی فقہ میں آپس میں وہ اختلاف اور کارزار گرم رہا ہے کہ گویا دو متقابل سلطنتیں آپس میں بھڑ گئی ہیں۔

دل فریبوں نے کہی جب بھی نئی بات کہی
ایک نے دن کہا اور دوسرے نے رات کہی
فَاِلَی اللّٰهِ الْمُشْتَکٰی

اخبار محمدی دہلی جلد ۷ نمبر ۱۔

سوال: اگر مقلد کی یہ تعریف ہے کہ وہ قول امام کو بلا دلیل کے مان لے تو صاحبین اور بعض دیگر حنفیہ علماء نے حضرت امام سے کیوں اختلاف کیا۔

جواب: واقعی سوال قابل غور ہے مقلدین اس کے جواب ہیں کہ صاحبین خود مجتہد فی المذہب تھے اس لئے انکو اختلاف کرنے کا حق تھا اس مسئلہ کی تفصیل ہمارے رسالہ تقلید شخصی اور سلفی میں ملتی ہے فتاوی ثنائیہ، صفحہ ۹۸

سوال: کیا واقعی اب ہر قسم کے اجتہاد کا دروازہ بند ہے؟

جواب: اجتہاد ملکہ کسبی ہے اس لئے بند نہیں خود حنفیہ کی تصریح ہے کہ شیخ ابن ہمام

کہ جو اس کو تم نے حرام ہی جان لیا اور جس حرام کو حلال کر دیا اس کو تم بھی حلال ہی جاننے لگے و درویشوں اور علماء کا بھی یہی رب ٹھیرانا ہے

دیگر یہ عمل تقلیدی کسی ایک حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے یعنی عمل بقول اس کے کرنا کہ جس کا قول بلا دلیل شرعی کے حجت نہ ہو اس کو عمل تقلیدی کہتے ہیں، اور تقلید کی تعریف یہ ہے،

اَلتَّقْلِيْدُ اَلْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ مُتَعَلِّقٌ بِالْعَمَلِ وَالْمُرَادُ بِالْحُجَّةِ حُجَّةٌ مِنَ الْحُجَجِ الْاَرْبَعِ كَذَا فِيْ كُتُبِ الْاُصُوْلِ الْحَنَفِيَّةِ وَغَيْرِهَا كَمَا لَا يَخْفٰى عَلٰى اَنْمَاهِرٍ بِالْاُصُوْلِ۔

پس تقلید کی تعریف سے سب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا کہ عمل تقلیدی دلائل اربعہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجماع صحابہ و مجتہدین اور قیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلا نہیں اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں وہ شرعاً مردود اور باطل ہے پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے، الی آخرہ۔

العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین۔ فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۱۰۰

سوال بابت تقلید

سوال :- اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عرصہ چند یوم کا ہوا کہ ایک مولوی صاحب ہمارے قصبہ میں تشریف لائے وہ فرماتے تھے کہ تقلید واجب بالفرض ہے اس واسطے کہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ قرآنی آیت سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیسرے کے حکم ماننے کے واسطے بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ کا عام حکم ہے اور ائمہ اربعہ کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے پس اللہ کا حکم یعنی قرآن اور رسول کا امر یعنی حدیث کے ماننے کے ساتھ ہی ساتھ امام و حاکم کا بھی حکم ماننا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو امام کی بیعت نہ کرے گا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ امام کی بیعت بھی کرنی واجب ٹھیری جب امام کی بیعت کی جائے گی تو اس کی تقلید بھی کرنی پڑے گی یعنی امور دین میں ان کے حدیث و قرآن سے استنباط کئے ہوئے احکام ماننے پڑیں گے جب ان کا حکم مانا گیا تو گویا ان کی تقلید کی گئی جب امام کا حکم

مانا گیا تو یہی مقلد ٹھہرا جب مقلد ہونا ثابت ہوا تو جس کو چاہیے وہ اپنا امام تسلیم کرے اور اس کے کئے استنباط کئے ہوئے مسائل پر عمل کرے ہم احناف سے جدامجد باپ دادا نے امام ابو حنیفہؒ کو اپنا امام تسلیم کیا اور ان کی بیعت کی اور ان کے مقلد بنے زمانہ گذر گیا جب ہم ان کے مکان میں پیدا ہوئے تو فطرتاً انہوں کا ہی مذہب اختیار کرنا پڑا اور آباء کی بیعت کو ہم نے اپنی بیعت سمجھ کر آباء کے امام کی تقلید کرنے لگے جیسے صحابہؓ کی اولاد آنحضرتؐ کے بعد جو پیدا ہوئی انہوں نے حضورؐ سے بیعت نہ کی لیکن اپنے باپ دادا کی بیعت شدہ پر ہی اکتفا کی۔

الجواب:۔ الجواب بعون الوہاب، صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ۔

(۱) تقلید شخصی قطعاً ناجائز ہے قرآن مجید کی آیت اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ سے تقلید کا استنباط قطعاً غلط ہے کیونکہ آیت مذا میں مِنْکُمْ کا لفظ ظاہر ہے جو تم میں سے امیر ہو اس کی اطاعت کرو نہ یہ کہ تقلید کرو آیت فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ نے تقلید کی جڑ کاٹ دی، تقلید کے معنی ہیں بغیر کسی دلیل کے کسی کی بات مان لینا اور اطاعت کے معنی دلیل کے ساتھ ساتھ کسی کا کہنا ماننا ہے امام وقت کی بیعت کر لینے سے لازم نہیں آتا کہ تقلید کرے بلکہ امام وقت اگر قرآن وحدیث کے خلاف کوئی حکم دے تو وہ اس کا حکم چھوڑ دیا جائے کیونکہ حدیث شریف میں ہے لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ جب کہ صحابہ کرامؓ نے خدا اور رسول کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی تقلید نہیں کی تو کسی دوسرے کی تقلید کب روا جائز ہو سکتی ہے یہ بات بھی غلط ہے کہ صحابہؓ کی اولاد نے رسول اللہ کی بیعت نہ کی تھی تو انہوں نے بعد کے لوگوں کی تقلید کی اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ کے بعد کے لوگوں اور خود صحابہؓ نے خدا ورسول کے فرمان کے مطابق امام وقت ابو بکر صدیق وامام وقت عمر فاروق وامام عثمان غنی وامام علی مرتضٰے رضی اللہ عنہم کی اتباع واطاعت کی۔

فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۳

سوال ۲:۔ آپ اہل حدیث لوگ کہتے ہو کہ ہم غیر مقلد ہیں کسی امام کی نہیں ماننے یہ بات غلط ہے ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ امام مولانا عبدالوہاب صاحبؒ دہلی کی بیعت کرنے کرانے کے قائل ہو اگر کوئی نہیں کرتا تو مثل جاہل اور کافر کہا جاتا ہے جیسا کہ فتاویٰ ستاریہ صفحہ ۹ میں ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے جب امام اس زمانہ کی تقلید وبیعت کرنی جائز ہے تو آئمہ اربعہ کی کیوں ناجائز

مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا ۔ دوسرا اہلحدیث امام مولانا عبدالوہابؒ کے بیعت میں اگر ان کے استنباط کئے ہوئے مسائل پر عمل ہوا تو ان کی تقلید ہو گئی جب تقلید کی گئی تو امام آپ کا مقلد ہوا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کی گئی تو امام آپ کا مقلد ہوا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرنے سے حنفی ہو جاتا ہے اور مالک سے مالکی اور شافعی سے شافعی حنبلی وغیرہ ایسا ہی آپ لوگ بھی وہابی بن گئے اور یہ پانچواں مذہب بنا اب اسلام میں یہ مذہب ہوئے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، صدری وہابی چودھویں صدری کی ایجاد باقی سوال تھیرا اہل حدیث مذہب کا تو ائمہ اربعہ خود بھی اہل حدیث تھے جب وہ ہمارے امام اہلحدیث ہیں تو ان کے مقلد بھی اہلحدیث ہو گئے ،

جواب :۔ (۲) مولانا عبدالوہاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ خدا کے فضل سے اپنے وقت کے امام تھے انہوں نے کبھی نہیں لکھا اور نہ کہا کہ جو میری بیعت نہیں کرے گا وہ کافر مرے گا یہ صریح جھوٹ اور تہمت ہے فتاوی ستاریہ کا حوالہ ۲۹ دیا ہے وہ صریح بلکہ جو حدیث شریف میں ہے وہی ہے یعنی جو بغیر بیعت کئے مرا وہ جہالت کی موت مرا یہ لکھا اور جو لکھا کہ حدیث کے مطابق لکھا اور یہ کوئی مولانا مرحوم کی بات نہیں بلکہ خدا ورسول کا فرمان ہے اور اللہ ورسول کا حکم ماننا عین ایمان ہے پھر یہ تقلید کہاں سے ہوئی تقلید تو وہ کہ اللہ ورسول ایک کام کا حکم دیں کرو اور امتیں سے کوئی کہے کہ نہ کرو، اب خدا اور رسول کے حکم کو چھوڑ کر امتی کا حکم ماننا بس یہ تقلید ہے اور حرام ہے فتاوی ستاریہ جلد صفحہ ۱۰۱ ،

سوال :۔ (۳) اگر تقلید واجب نہ ہوتی تو محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ جیسے برگزیدہ اولیاء حنبلی مقلد کیوں ہوتے اور مولانا عبدالحی حنفی، ملا علی قاری حنفی وغیرہ حنفی مقلد کیوں ہوئے غیر مقلد یعنی اہل حدیث کیوں نہیں ہو گئے کیا ان کو بدعت ہوتے اور تقلید شخصی کرنے کا علم سوچا ہی نہ تھا جب کراچی والوں کو سوجھا ہے جو کہتے ہیں کہ مقلد اندھے کے مانند ہیں بغیر تہمت غیر کی تقلید کرتے ہیں وغیرہا مولانا صاحب غصہ میں آکر کہہ گئے کہ یہ اہلحدیث نہیں اہل جنیث ہیں اور ان لوگوں کا دلی مقصد یہ ہے جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث کا پاک نام رکھ کر اپنی قید میں پھنساتے ہیں اپنے مرید بناتے ہیں کچھ وقت کے بعد ان کی باقاعدہ تقلید کی جائے گی جیسے ائمہ اربعہ کی کی جاتی ہے پس ان سے تجدید بیعت کنندوں کی اولاد بھی ان کی تقلید کرے گی اور امام مولانا عبدالوہاب

صاحب دہلی کے نام سے لوگ پکاریں گے وہابی مقلد اگر ایسا نہیں ہے تو امام مولانا عبدالوہاب صاحب کی بیعت کیوں کرائی اور کی جاتی ہے اگر انہیں امام کی بیعت اور مستنبط مسائل کا ماننا لازمی ہے تو ائمہ اربعہ کے مسائل ماننا کیوں لازم نہیں ہے بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا

جواب :۔ (۳) تقلید نہ واجب ہے نہ جائز بلکہ منع ہے اور ناجائز ہے جیسا کہ اماماں دین بھی خود فرما گئے لَا تُقَلِّدُوْنِیْ وَلَا تُقَلِّدُنَّ مَالِکًا وَلَا الْاَوْزَاعِیَّ وَلَا النَّخْعِیَّ وَخُذُوا الْاَحْکَامَ مِنْ حَیْثُ اَخَذُوْا مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ یعنی ہم میں سے کسی کی بھی تقلید نہ کرنا یہ فرما کر انہوں نے اپنا پلہ صاف کر لیا ،

فتاوی ستاریہ جلد ۴ صفحہ نمبر ۱۰

سوال (۴) :۔ اگر امام مولانا عبدالوہاب صاحب دہلی کے مستنبط مسائل پر عمل کرنا ضروری ہے تو ائمہ اربعہ کے مسائل استنباط شدہ پر عمل کرنا فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ کے ناموں سے مروج ہیں ان پر عمل کرنا کیوں ضروری نہیں ہے سوا اس کا کیا جواب ہے براہ کرم جواب مدلل ہونا چاہیئے قرآن وحدیث اور صحیح معتبر کتابوں سے مع حوالہ صفحہ کے ساتھ ،

(نوٹ) :۔ مذکورہ بالا سوالوں کے جواب دو ہفتہ میں دینا چاہیئے کیونکہ مولوی حنفی صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر اس مدت میں (تربت) جواب نہ دیا گیا تو دال میں کالا کالا ہے ،

جواب :۔ ہم مولانا عبدالوہاب مرحوم کے کردہ مسائل کو مانتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے قرآن وحدیث سے ہی مسائل پیش کئے ہیں اپنی طرف سے نہیں بتائے ائمہ کے زمانہ میں قرآن وحدیث ایک جگہ جمع نہ تھے، اس وجہ سے انہوں نے قیاس سے بھی فتوے دیئے اس بنا پر ان کے وہ مسائل جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوتے ہیں ہم اہل حدیث رد کر دیتے ہیں کیونکہ قرآن وحدیث کے خلاف کیسے ہی باشند کوئی ہو کسی کی بات نہیں ماننی چاہیئے بلکہ فرمان نبوی ؐ اگر موسیٰ بھی (بغرض محال) زندہ ہو کر آجائیں تو قرآن وحدیث کے مقابلہ میں موسیٰ کی بات چھوڑ کر حدیث رسول ؐ نبی کی اتباع کی جائے گی ہے ورنہ نہیں فقط ، (فتاوی ستاریہ عبدالقہار جلد ۴ صفحہ ۳۰)

سوال :۔ جس نے اپنی اولاد کو قرآن شریف پڑھایا اس کو آخرت میں ایسی ٹوپی ملے گی جس کی روشنی سورج سے بہت گنا ہوگی تو کیا تاج والے کا جسم کا بدن بھی سورج سے زیادہ روشن ہوگا اور جس نے قرآن کا درس دیا اس کو بھی ملیگا یا نہیں ؟ ۔

الجواب :۔ حدیث کے الفاظ میں تاج کی روشنی کا ذکر ہے بدن کی روشنی کا نہیں لہٰذا یہ غیر ثابت ہے درس دینے والے کا ذکر بھی حدیث شریف میں نہیں ہے امید ہے اس کو بھی ملے گا،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۵۸)

(یہ حدیث مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۶ باب فضائل القرآن فصل ثانی میں معاذ جہنی کی روایت سے مروی ہے)

سوال :۔ قانون فطرت کا متبع خدا کی وحدانیت کا قائل اور اس کی ہستی کا مقر برگزیدہ مرسلان ایزدی کا معترف محض اس بنا پر کہ وہ اپنا طریقہ عبادت طریق اسلامیہ سے جدا رکھتا ہے مشرک کافر دوزخی کہا جا سکتا ہے یا نہیں،

الجواب :۔ قرآن مجید کا منکر دو طرح سے ہے ایک اسکو منزل من اللہ نہ جاننے والا دوسرا اپنے حق میں واجب العمل نہ جاننے والا یہ دونوں کافر ہیں،

قرآن کریم کے متعلق مغربی دنیا کی رائے

قرآن عالم اسلامی کا ایک مشترکہ قانون ہے جو معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی، تقریری معاملات پر حاوی مذہبی ضابطہ جس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا، مذہبی رسوم سے لے کر حیات روزمرہ کے اعمال روحانی نجات سے جسمانی صحت، اجتماعی حقوق سے انفرادی حقوق، شرافت سے، نائب اور دنیاوی سزا سے لے کر اخروی عقوبت تک تمام امور کو سلک ضابطہ میں منسلک کر دیا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انسان کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا تمام مذاہب عالم میں کمل دستور العمل ہونے کا فخر اسلام اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے جس پر ستر کروڑ انسان فخر کر رہے ہیں مغرب کے نامور علماء کی ایک بڑی جماعت اسلام کو دنیا کا سب سے برگزیدہ اور مکمل مذہب مانتی ہے اور جس کی تعریف میں رطب اللسان ہے ان میں سے چند مستشرقین کے خیالات جو بجائے خود ایک ضخیم کتاب کی صورت ہوگی اس لئے بہ اختصار درج کئے جاتے ہیں،

ڈاکٹر موریس :۔ جو فرانس کے مشہور ماہر علوم عربیہ ہیں جنھوں نے بحکم گورنمنٹ فرانس قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا اپنے ایک مضمون میں جو، للبارون فرانس روماں میں شائع ہوا تھا ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سلان ریمناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش،

اسلوبی یکتا اعتبار سے یہ کتاب (قرآن) تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے سارے جہان کے بڑے بڑے انشاء پرداز و شاعر سر جھکا دیتے ہیں، ایک اور جگہ فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی باب دے) روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کی خندق میں گر پڑے تھے کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی بجز اس آواز کے جو غار حرا سے نکلی۔

پروفیسر اڈوائر مونتے ؒ اپنی تالیف اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان (م۱۷ و ۱۸ پیرس ۱۸۹۰ء) میں

لکھتے ہیں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذہب تمام کا تمام ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو معقولیت کے امور مسلمہ پر مبنی ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال جبروت کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی،

ریورنڈ آر بکیوئل کنگ ؒ اپنی تقریر دین اسلام میں جو ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء کو قدیم پریسبائٹرین چرچ نیو نارڈزیں کی گئی فرماتے ہیں۔

اسلام کی آسمانی کتاب قرآن ہے اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اصول و قوانین درج ہیں، بلکہ اخلاق کی تعلیم روزمرہ کے متعلق ہدایت اور قانون ہے اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصنیف سب توریت و انجیل سے لیا گیا ہے مگر میرا ایمان ہے کہ اگر الہامی دنیا میں الہام کا وجود ممکن ہے تو قرآن شریف ضرور الہامی کتاب ہے بلحاظ اصول اسلام مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے،

موسیو اوجین کلاقل ؒ نامور فرانسیسی مستشرق ہیں جنہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں، عیسائیوں کے مذہب کی تحقیق میں

[illegible] فرانسیسی اخبارات میں مضمون شائع کرتے ہیں کہ قرآن مذہبی قواعد و احکام [illegible] بلکہ وہ ایک عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام پیش کرتا ہے،

کونٹ ہنری دی کاسٹری ؒ اپنی کتاب اسلام [illegible] مصنف [illegible] نے ۱۸۹۶ء [illegible]

لکھتے ہیں کہ عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا (قرآن) کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا

ہو اجو بالکل اُمّی تھے تمام مشرق نے اقرار کیا کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے، جو تا حال ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے،

انگلستان کا نامور مورخ

ڈاکٹر گبن اپنی تصنیف انحطاط و زوال سلطنت روما کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں قرآن کی نسبت بحر اطلانتک سے لیکر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی کہ وہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

مسٹر مارماڈیوک پکھتال نے۔

نے، اسلام اینڈ ماڈرنزم، پر لندن میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ قوانین جو قرآن میں درج ہیں اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سکھائے وہی اخلاقی قوانین کا کام دے سکتے ہیں اور اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحہ عالم پر موجود نہیں ہے، گذشتہ چند سالوں میں مسلمانوں نے کسی شیخ الاسلام یا مجتہد کے فتوے کی اندھی تقلید میں قرآن کے اصلی مدعا کو خبط کر دیا ہے حالانکہ اس قسم کے تمامی امور کو قرآن نے بہت مذموم قرار دیا ہے (شیدایان تقلید و مقلد مولوی صاحبان غور کر و دیکھو کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا،

الکس لوازون نے

فرانسیسی فلاسفر اپنی کتاب، لائف آف محمدؐ، میں لکھتے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو فصاحت و بلاغت شریعت کا، دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا وہ مقدس کتاب (قرآن) ہے جو اس وقت تمام دنیا کے لیے حصہ میں معتبر اور مسلم سمجھی جاتی ہے جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزور علم حل کیا ہے یا ہنوز زیر تحقیق ہیں وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں،

موسیو سیدلو

فرانسیسی خلاصہ تاریخ عرب صفحہ ۵۹ و ۶۲ و ۶۳ میں لکھتے ہیں اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کو تاریک ضمیر بتلاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں ہم بزور دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں تمام آداب و اصول حکمت فلسفہ موجود ہیں،

موسیو گاسٹن کارٹا

نامور فرنچ مستشرق کے مضمون کا ترجمہ اسی زمانہ کے بیروت کے مشہور اخبار البلاغ ۱۳ صفر ۱۳۴۴ھ نے شائع کیا ہے لکھتے ہیں کہ اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب ہے جس کو دنیا کی ۲/۳ حصہ آبادی نے حق تسلیم کر لیا ہے اس عاقلانہ مذہب کے قانون (قرآن) میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں جن سے زمانہ حال کا تمدن بنتا ہے اسلام ہی نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لئے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے اگرچہ کوئی ہم میں سے اعتراف ذکر سے مگر امر واقعہ یہی ہے اور سوال کرتا ہے کہ روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا مسلمان نیست و نابود ہو گئے قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا دنیا میں امن قائم رہ سکے گا پھر خود ہی جواب دیتا ہے ہرگز نہیں،

نامور جرمن فاضل

اور مستشرق ڈاکٹر ایکروی ٹوف، جرمن کے رسالہ وی ہالف بابت ۱۹۱۲ء میں اسلام اور حفظ صحت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو حفظ صحت کے اعتبار سے ساری دنیا کی آسمانی کتابوں میں خاص امتیاز حاصل ہے اسلام نے صفائی طہارت اور پاکیزگی کے صاف و صریح ہدایت نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچایا ہے،

محقق علامہ ڈی اش اسرائیلی

کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲ ص ۲۵ میں زیر عنوان اسلام تحریر فرماتے ہیں یہی عرب لوگ، قرآن کی مدد سے، یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے آئے جنہوں نے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ طب اور ہیئت اور دلچسپ فن سکھانے کے لئے آئے اور علوم جدیدہ کے بانی ہوئے،

پروفیسر ڈی ڈبلیو آرنلڈ

اپنی کتاب، پریچنگ آف اسلام، صفحہ ۲۷۳، ۲۸۰ میں لکھتے ہیں مدارس میں قرآن کی تعلیم دی جائے تو کچھ کم ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا، افراد کو ایک یہ بھی فائدہ ہو کر بجائے اپنی رائے سے حکومت کرنے کے انتظام سلطنت کے لئے ایک ضابطہ اور دستور العمل مل گیا مسلمانوں کی تاثیر اور طرز اسلام سے افریقہ کے جنگلوں میں اتنے بڑے بڑے شہر قائم ہو گئے کہ یورپ کو آج ان باتوں کا یقین نہ آیا،

مسٹر ایچ ایس لیڈر۔ بعنوان "مسلمانوں کا احسان تمدن پر" اور نیشنل سرکل لندن میں فرماتے ہیں کہ قرآن حدیث کی تعلیم دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے عرب بحیثیت فاتح قوم امن و ترقی بخش قوم کی شان اختیار کرنے لگے تو اس کے لئے قرآن حدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا،

مسٹر ای ڈی ماریل۔[15] نے ۱۹۱۲ء میں رائل سوکا آف آرٹس میں ایک لیکچر شمالی نائجیریا پر دیتے ہوئے فرمایا کہ قرآن نے نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا، شائستگی کی روح پھونکی سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قیام میں (اسلام) بڑا معاون ثابت ہوا ہے جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی لوگوں کے فائدہ کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس کو (اسلام) قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے

خان جاک ولیک۔[16] مشہور فلاسفر جرمن نے مقامات حریری، تاریخ ابوالفدا اور معلقہ عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اور ان پر حواشی لکھے ہیں لکھتا ہے کہ تھوڑی عربی جاننے والے قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں اگر وہ خوش قسمتی سے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معجز نما قوت بیان سے تشریح سنتے تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتے اور سب سے پہلی آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی ہمارے رسول خدا ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے اور ہمیں اپنے پیروؤں میں شامل کر کے عزت اور شرف دینے میں دریغ نہ فرمائیے،

لندن کا مشہور ہفتہ وار اخبار[17] ہیرا لیسٹ، ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کی اشاعت میں لکھتا ہے قرآن کی حسن و خوبی سے جن کو انکار ہے وہ عقل و دانش سے بیگانہ ہے،

مشہور مسیحی پادری[18] ڈرین ہونیلی، نے مشرقی کلیسا کے ص۹۰۲ میں لکھا ہے قرآن کا قانون بے شبہ بائبل کے قانون سے زیادہ موثر ثابت ہوا ہے،

ایک عیسائی فاضل[19] داؤد آفندی حاعص نے بیروت کے مسیحی اخبار الوطن ۱۹۱۲ء میں دنیا کا سب سے بڑا ہیرو کون

پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے جب کوئی مسلمان قرآن وحدیث کا یکسوئی سے مطالعہ کرے یا اُس پر تدبر کی نظر ڈالے تو اُن میں دین ودنیا کے فلاح وبہبودی کے تمامی اسباب پائے گا،

مسٹر رچرڈسن[۲۰] نے قانون ازالہ غلامی انڈیا کونسل میں پیش کرتے وقت ۱۸۱۰ء میں فرمایا غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر قرآن سے بدل دیا جائے،

کرنل انگرسال امریکہ[۲۱] کے ایک مشہور دھریہ ہیں جن کو اسلام اور عیسائیت اور کیا دنیا کے کسی مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے اس فہرست میں اُن کو خاص طور پر شریک کیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ ہند سے کا رواج، الجبرا، علم المثلثات کے گر، علم پیمائش ستاروں کے نقشے زمین کا حجم، امواج طریق شمس، سال کی صحیح مدت آلات ہیئت وغیرہ مختلف قسم کے کلاک، علم الکیمیا، علم المائعات، علم المناظر وغیرہ جنہوں نے اس قدر ایجادات واختراعات کیں اور علوم وفنون اس قدر نشوونما دی وہ عیسائی نہ تھے ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ سائنس کا سنگ بنیاد پیروان اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے جو کسی مفید کام کے لئے عیسائیت یا کلیا کے منت پذیر نہیں ہیں۔

ہسٹری آف دی مورش ایمپائران یورپ[۲۲] کے مصنف اور مشہور مستشرق جناب ایس پی جناب اس کاٹ لکھتے ہیں ہم کو چاہیئے کہ اس غیر معمولی مذہب (اسلام) کی سرعت ترقی اور اس کے دوامی اثرات کی قدر کریں کہ جو کہ ہر جگہ امن وامان دولت وحشمت فرح وسرور اپنے ساتھ لے گیا،

مشہور فرانسیسی مورخ والیٹر[۲۳] تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے پادریو ذرا بھوا اور جادو دو! اگر تم کو ماہ جولائی میں (جب کہ رمضان المبارک کا مہینہ اُس مہینہ میں آئے، چار بجے صبح سے دس بجے شام تک فسیح) آپ پر کھانے پینے کی ممانعت کا قانون عاید کر دیا جائے کسی قسم کی قماربازی ہو سب سے منع کر دیا جائے اپنی آمدنی کا ۲ فی صدی حصہ محتاجوں میں

تقسیم کر دیں اگر آپ ۱۸ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہوں اور ان میں سے ۴ کو یک لخت کم کر دی جائیں تو کیا آپ ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ اسلام مذہب عیش پرست ہے، میں یہ کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل، ضعیف العقل ہیں جو مذہب اسلام پر اتہامات و الزام عائد کرتے ہیں یہ سب بیجا اور صداقت سے معرا ہیں۔

بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو [۲۴] ان سے کون ناواقف ہے مسجد دوکنگ میں جماعت مسلمین کے روبرو ۲۸ دسمبر ۱۹۱۹ء و میں تقریر کرتے ہوئے کہا (از اسلامک ریویو جنوری ۱۹۲۰ء) قرآن کریم غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ سکھاتا ہے دنیا کے تمام بڑے بڑے مذہب کم و بیش ایثار علی النفس کی تعلیم دیتے ہیں مگر اسلام اس باب میں سب سے آگے ہے بنی نوع انسان کی خدمت تعلیم اسلام کا سرمایہ ناز ہے اسی لئے اسلام نے تمام عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے روبرو پیش کیا ہے دنیا اس اصول کی، پیروی کرنے سے خوشحال ہو سکتی ہیں،

مہاتما گاندھی [۲۵] اپنے مضمون میں جو (خدا ایک ہے) کے موضوع سے، آپ ہی کے اخبار ینگ انڈیا میں شائع ہوا فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے ہندو مسلم اتحاد اور موپلوں کے بلوہ پر گاندھی جی نے ایک مضمون اپنے اخبار میں لکھا کہ پیغمبر اسلام کی تمام زندگی کے واقعات مذہب میں کسی سختی کو روا رکھنے کی مخالفت سے لبریز ہے جہاں تک مجھ کو علم ہے کسی مسلمان نے آج تک زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں کیا اسلام اگر اپنی اشاعت کے لئے قوت اور زبردستی کو استعمال کرے گا تو تمام دنیا کا مذہب باقی نہ رہ جائے گا یہ ہے وہ اسلام،

ماخوذ از پیام امن،۔

آج کل جو لوگ محض ضد اور اندھی تقلید اور زعم باطل کی وجہ سے انصاف سے ہٹ کر مقدس برگزیدہ اسلام پر بیجا الزام تراشتے ہیں جو مشغول ہیں ان کو چاہیئے کہ میدانِ علم میں آنکھ کھولیں اور دیکھیں کہ مشاہیر عالم کے آراء کیا ہیں اور خود اپنے ہاں کے نامور اہلِ قلم چند پال و مسٹر سیو پدرناتھ ناسو اسلام کے متعلق کیا خیال رکھتے ہیں دورِ حاضرہ کی عالمگیر شخصیت کا،

انسان جو مانا گاندھی کے ذریں ارشاد کو بہ نظر غائر دیکھو کہ صداقت اسلام کے وہ کس قدر دلدادہ ہیں کیا وطبقہ جو اسلام پر اعتراض والزام دھرتا ہے یہ جاہل ضعیف العقل وعقل ودانش سے بیگانہ ہیں اس کا جواب فرانس کا مورخ والیٹر ولندن کا مشہور اخبار ہفتہ وار رائیٹر الیسٹ ۱۲ اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں دے چکا ہے کہ بے شک اسلام کو الزام دینے والا جاہل وضعیف العقل عقل ودانش سے بیگانہ ہے، (محمدی دہلی، فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۸۰)

سوال: آپ نے کتاب حضرت محمد رشی علیہ السلام جو لکھا ہے اور ہندوؤں کی مذہبی کتاب سام وید کی عبارات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رشی (رسول) ہونا ثابت کیا ہے سوال یہ ہے کہ کیا وید بھی زبور، توریت، انجیل کی طرح کتب آسمانی میں سے ہے اگر نہیں تو مذکورہ وید کی عبارتیں سے ثابت کرنا اس کتاب کو آسمانی کتب کا درجہ دینا ہوا یا نہیں کیونکہ نبی ورسول کے متعلق بشارات آمد سوائے آسمانی کتب کے دیگر کتب میں ہرگز نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اگر یہ بھی دیگر اگلی آسمانی کتابوں سے ہے تو اس کا ثبوت قرآن مجید واحادیث سے ہونا چاہیئے،

الجواب: ہمارا اعتقاد ہے کہ وید مجموعی طور پر الہامی نہیں لیکن بعض کلام اس میں کسی صاحب باطن ودرج ہو تو ممکن ہے جس کلام سے محمد رشی لکھا گیا ہے وہ کشفی معلوم ہوتا ہے اگر اس جواب سے آپ کی تشفی نہیں ہوئی تو سمجھئے کہ محمد رشی معتقدین وید کے لئے الزامی دلیل ہے جیسے انجیل توراۃ موجودہ کے حوالے الزامی ہیں۔

وید اور اس کے تراجم اور تفاسیر

اسلام پیارا، اسلام، نورانی اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اور اس حیثیت سے دیگر مذاہب کی تسلیم کردہ الہامی کتابوں سے واقفیت رکھنا اس کے مبلغین کے لئے فرض کفایہ ہے ہمارے ملک ہندوستان کے عام باشندے وید کو الہامی کتاب مانتے ہیں اور اس ملک میں فریضہ تبلیغ کے ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کا وید سے واقف ہونا ضروریات دین ہے لیکن آج کتنے مسلمان ہیں جو اس دینی ضرورت کے پورا کرنے والے ہیں ہمارے اندازمیں آٹھ کروڑ میں بمشکل دس بیس صد پچاس مسلمان ایسے نکلیں گے جنھوں نے چار ویدوں یا ان کے ایک معتدبہ

حصے کا مطالعہ کیا ہو،

آج جب کہ ہمارے ملک میں کانگریس کا صرف اشتراکیہ حکومت قائم ہوتی جا رہی ہے اور شدھی یا اشدھی کا سلسلہ بھی مستقل طور سے قائم ہو چکا ہے مسلمانوں کے لئے پہلے سے زیادہ ضروری ہو گیا ہے کہ وہ ویدوں کا مطالعہ کریں جس سے نہ صرف اشاعت اسلام میں مدد ملے بلکہ اغیار کے حملوں کی مدافعت بھی کی جا سکے ہو سکے اسی واسطے اس عاجز کی دلی آرزو ہے کہ مسلمانوں میں کم از کم ایک چھوٹی سی جماعت جس کی تعداد چند سو تک پہنچتی ہو ایسی تیار ہو جائے جو ویدوں سے خاص طور پر واقفیت رکھتی ہو ہمارے بہت سے نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جماعت کے افراد بن جانا کوئی مشکل نہیں ہے کیونکہ اس کام کے لئے سنسکرت کا جاننا چنداں ضروری نہیں رہا ہے وجہ یہ ہے کہ جب تک ویدک دھرم ایک تبلیغی مذہب نہیں کہا جاتا تھا اس وقت تک وید کے پیرو اس شخص سے جو وید کا مطالعہ کرنا چاہئے یہ کہنے کا ایک حد تک حق رکھتے تھے کہ جناب پہلے سنسکرت پڑھ آئیے تب اس مقدس کتاب کو ہاتھ لگائیے گا لیکن اب جب کہ ویدک دہرم تبلیغی مذہب کی شان ہی یہ ہے کہ وہ کسی ایک زبان جاننے والے کے لئے مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان کی کتب مقدسہ کے ترجمے ہر زبان میں پڑھے جا سکتے ہیں اور پڑھے جاتے ہیں۔

غرض کہ سنسکرت کا نہ جاننا ہمارے نوجوانوں کے لئے وید کے مطالعہ کا مانع نہ ہونا چاہیئے بلکہ ان میں سے جو افراد انگریزی یا ہندی سے ایک اچھی حد تک واقف ہوں انہیں ویدوں کو ضروری ہی پڑھنا اور اپنے دیگر بھائیوں کو پڑھانا چاہیئے کیونکہ انگریزی میں بہت پہلے سے اور آج کل ہندی میں بھی ویدوں کے متعلق بکثرت لٹریچر فراہم ہو چکا ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے پیروان وید کا جدید ترین فرقہ (آریہ سماج) اگرچہ انگریزی تراجم اور اکثر ہندی تراجم کو مستند نہیں مانتا لیکن ان کے اس انکار سے انکے مستند ہونے میں فرق نہیں آ سکتا یہ تراجم ہندوؤں کے کثیر طبقہ (سناتن دھرمیوں) کے نزدیک مستند ہیں اور مستند رہیں گے اور اگر کوئی چھوٹا سا طبقہ ان کی صحت سے انکار کرے تو اسے چیلنج دیا جا سکتا ہے کہ ترجمہ میں غلطی ثابت کرے۔

البتہ ایک امر ہے جو انگریزی یا ہندی دان مسلمان نوجوانوں کو شوق رکھنے پر بھی ویدوں کے مطالعہ میں مانع آ سکتا ہے اور آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عزیز مفید کتابوں کے ناموں اور پتوں

سے ناواقف ہیں اور اسی وجہ سے وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے یہ مضمون ہم اسی غرض سے لکھ رہے ہیں کہ ان کتابوں کا تذکرہ ایکجا کیا جائے تاکہ شائقین اُن سے فائدہ اٹھا سکیں ان کتابوں کے پڑھنے سے پہلے جو جو معاملات طالب علم کو ہونے چاہئیں ان کو بھی اس مضمون میں فراہم کر دیا گیا ہے ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جو لوگ انگریزی یا ہندی نہیں جانتے وہ ویدوں کو پڑھیں ان کے لئے ہم نے ویدوں کے ضروری حصص کا ترجمہ اردو میں کر لیا ہے علاوہ وہ دن بھی کب ہے کہ یہ انتخابات کتابی شکل میں طبع ہو کر تمام شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ سکیں،۔

شرتی اور سمرتی کا بیان

واضح ہو کہ برادرانِ ہنود کی کتبِ مقدسہ کی دو قسمیں ہیں ایک شرتی یعنی الہامی کتابیں، دوسرے یعنی کتاب مذاہبات عام ہندؤں یعنی سناتن دھرمیوں کے نزدیک تو بہت سی الہامی کتابیں ہیں لیکن فرقہ آریہ سماج الہام کو صرف چار ویدوں میں محدود مانتا ہے،

رگ وید سام وید یجر وید اتھرو وید

یہ چاروں نظم میں ہیں اگرچہ یجر اور اتھرو وید میں کہیں کہیں نثر کے فقرے بھی پائے جاتے ہیں، وید کی نظم کا اسم شعر منتر یا رچا کہلاتا ہے منتروں کے ایک بڑے مجموعے کو وید کہتے ہیں مجموعہ کے لئے سنسکرت میں سنگھتا کا لفظ ہے اور کبھی کبھی وید کے بعد سنگھتا کا لفظ بھی ملا دیتے ہیں،۔

مثلاً۔ رگ وید سنگھتا، یجر وید سنگھتا۔ یعنی مجموعہ رگ وید مجموعہ یجر وید وغیرہ وید سنگھتا کے بعد ہندؤں کی مقدس ترین کتابیں وہ ہیں جو برہمن گرنتھ کہلاتی ہیں یہ کتابیں وید کی عمدہ ترین تفسیریں ہیں سناتن دھرمی ان گرنتھوں کو الہامی بلکہ ویدوں کے ہی جزو لاینفک کے طور پر مانتے ہیں لیکن آریہ سماجی اُن کو شرتی کا درجہ نہیں دیتے بلکہ سمرتی کے درجہ میں رکھتے ہیں یعنی ان کو غیر الہامی مقدس کتابیں سمجھتے ہیں،

برہمن گرنتھ اگرچہ متعدد ہیں لیکن ان میں چھ زیادہ مشہور ہیں، (۱) تیتریہ برہمن۔
(۲) کوشتکی برہمن یہ دونوں برہمن رگ وید کے متعلق ہیں،
(۳) تانڈیہ مہا برہمن یہ سام وید کے متعلق ہے چونکہ اس میں ۲۵۔ ابواب ہیں اس لئے اس کو پنچ وِنش برہمن بھی بول لیتے ہیں،

(۴) شت پت برہمن ۔
(۵) تیتریہ برہمن یہ دونوں یجروید کے متعلق ہیں ،۔
(۶) گوپتھ برہمن ۔
(۷) یہ اتھروید کے متعلق ہے ،۔

برہمن گرنتھوں کے خاص خاص فلسفیانہ اور صوفیانہ حصص آرنیکوں اپنشدوں کے نام سے مشہور ہیں اس لئے سناتن دھرمیوں کے نزدیک وید گویا چار طرح کی کتابوں کو کہتے ہیں ، یعنی سنگھتا ، برہمن برہمن ، آرنیک اور اپنشدان کے نزدیک سمرتیاں ہیں ہندوؤں کے ہر طبقہ میں اپنشد بڑی مقبول اور خوب پڑی جانے والی کتابیں ہیں عام طور پر ان کو ویدوں کا عطر سمجھا جاتا ہے ،

سمرتیوں میں اگرچہ منوسمرتی بہت مشہور ہے لیکن ہم اس کا ذکر نہیں کریں گے ، کیونکہ ویدوں سے ، اس کا تعلق دور ہے قرب کا نہیں ہے ویدوں سے قریب کا تعلق رکھنے والی وہ سمرتیاں ہیں جو شروت سوتر کے نام مشہور ہیں شروت کے معنے ہیں وہ کتاب جو شرتی سے تعلق رکھے اور سوتر سوت یا تاگے کو کہتے ہیں شروت سوتر بھی متعدد ہیں لیکن ان میں سے چند مشہور سوتروں کے نام یہ ہیں ،
(۱) اشولائن (۲) شانکھاین وہ یہ دونوں رگوید کے متعلق ہیں ، (۳) آپستمپ (۴) بودھاین ، (۵) کاتیاین یہ تینوں یجروید کے متعلق ہیں (۶) لاتیاین سام وید کے متعلق ہے (۷) کوشک
(۸) ویتان یہ دونوں اتھر وید کے متعلق ہیں ۔

وید سنگھتاؤں کی ضخامت اور اُن کے مختلف نسخے

آج کل لوگ عموماً ویدک ینترالیہ اجمیر کے چھپے ہوئے وید دیکھتے جاتے ہیں یہ وید سنگھتائیں معمولی کتابی سائز پر جو ساڑھے چھ انچ چوڑا اور دس انچ لمبا ہوتا ہے چھپی ہیں ہر صفحہ میں ۲۹ سطریں ہیں اور ہر وید کے صفحات کی تعداد حسب ذیل ہیں ،

رگ وید ۹۹۰ صفحات ، سام وید ۱۲۰ صفحات ، یجروید ۱۵۹ ، اتھر وید ۲۹۸ : میزان کل چار ویدوں میں بارہ سو چھتیس صفحات ہے ۔

یہ ضخامت ان ویدوں کی ہے جو آج کل عام طور پر ملتے ہیں اور جو ہر ایک وید

کی مشہور ترین قسم ہے ورنہ ایک ایک وید کئی طرح کا ملتا ہے کہتے ہیں،
کہ قدیم زمانہ میں صرف سام وید صرف ایک ہزار طرح کا یا ایک ہزار شاخوں کا ملتا تھا چاروں ویدوں
کی ایک ہزار ایک سو اکتیس شاخیں مشہور ہیں گویا باقی تین ویدوں کی ملا کر ۱۳۱ شاخیں (شاکھائیں تھیں)
یہ شاخیں اس طرح سے پیدا ہو گئیں ہونگی کہ ایک گھرانا ایک وید کو کسی طرح سے پڑھتا ہوگا دوسرا گھرانا
اسی وید کو ذرا فرق سے پڑھتا ہوگا تیسرے گھرانے میں کچھ اور فرق ہوگا ایک استاد کسی طرح پڑھاتا ہوگا
دوسرا کسی طرح پھر ان کے شاگردوں اور شاگرد در شاگردوں میں اختلاف ہوا ہوگا۔

آج کل بھی بہت سے ویدوں کی کئی کئی شاخیں چھپی ہوئی ملتی ہیں رگ وید پہلے ۲۱ قسم کا ملتا
تھا اب اس کی صرف ایک قسم یعنی شاکل شاکھا (شاخ) ملتی ہے رگ وید کی ایک دوسری شاخ یعنی
واشکل شاکھا کی نسبت معلوم ہے کہ اس میں اور شاکل میں بہت کم فرق تھا یعنی واشکل میں شاکل سے
چند گیت زائد تھے اور بعض کی ترتیب مختلف تھی یہ زائد گیت آج کل بھی ملتے ہیں اور شاکل نسخہ میں عموماً
بطور ضمیمہ شائع کر دئے جاتے ہیں اس طرح گویا رگ وید کی دو شاکھائیں اس وقت موجود ہیں۔

سام وید کی آج کل جو شائع عام طور پر پائی جاتی ہے وہ رانائنی شاکھا ہے سام وید کی ایک دوسری
شاخ کوتھمی ہے رانائنی اور کوتھمی شاخوں میں تھوڑا ہی فرق تھا آج کل کوتھمی شاخ کا صرف ایک حصہ
پایا جاتا ہے ایک تیسری شاخ سام وید کی جےمنی ہے غالباً اس شاکھا کا بھی کچھ حصہ موجود ہے،

یجروید کی بھی متعدد شاخیں تھیں جن میں سے اب پانچ چھ شاخیں ملتی ہیں، اول مادھیندنی جو
عام طور پر ملتی ہے دوم کانوی یہ بھی بمبئی وغیرہ میں چھپ گئی ہے مادھیندنی اور کانوی شاخوں میں
بہت تھوڑا فرق ہے جرمنی کے پروفیسر ویبر نے علماء ہندوستان سے چند سال پیشتر دونوں شاخوں
کو یکجائی طور پر شائع کیا تھا یجروید کی یہ دونوں شاخیں شکل یعنی کہلاتی ہیں شکل یجروید کو واجسنی
سنگتا بھی کہتے ہیں،

یجروید کی تیسری شاخ تیتری سنگتا کہلاتی ہے یہ گورنمنٹ پریس میسور اور دیگر مقامات میں
چھپی ہے اس شاکھا کی ضخامت مادھیندنی ساکھا سے تقریباً دگنی ہے چوتھی شاخ کٹھ اور پانچویں میتر
ونی کہلاتی ہے ان دونوں شاخوں کو پروفیسر شروڈر نے ۱۹۰۸ء کے پس وپیش وائنا دارالسلطنت
آسٹریا سے شائع کیا تھا یجروید کی کپس ہتی شاخ کے کچھ حصص بھی غالباً پائے جاتے ہیں تیتری کٹھ

میتراینی وغیرہ شاخیں کرشن یعنی میاہ یجر وید کہلاتی ہیں ،

کرشن یجروید کا رواج دکھن میں اور شکل یجر وید کا رواج شمالی ہندوستان میں زیادہ ہے اتھر وید کی کسی زمانہ میں نو شاخیں تھی جن میں سے صرف شونک شاکھا ہی آج کل عام طور پر ملتی ہے اس وید کی ایک دوسری شاخ یعنی پپلاد شاکھا کا دنیا میں صرف ایک نسخہ کشمیر میں تھا اس واسطے یہ شاکھا کشمیر شاکھا بھی کہلائی جانے لگی ہے اس نسخہ کے کئی ورق گم ہیں پروفیسر مارلیس بلوم فیلڈ اور پروفیسر رچارڈ گاربے کی حسن سعی سے یہ نسخہ ۱۹۰۱ء میں کرومو فوٹو گرافی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے فاضل محترم کے اس مضمون کی یہ ابتدائی فسطیں ہیں مضمون بہت کافی طویل اور معلومات سے پڑھے جو اہل حدیث کی کئی اشاعتوں سے نکلا ہے مناسب تھا کہ ہم یہ مضمون سارا نقل کرتے مگر فتاویٰ کی محدود ضخامت ہمیں اس کے چھوڑنے پر مجبور کر رہی ہے ، جو صاحب سارا مضمون پڑھنا چاہیں وہ اہل حدیث مرحوم ۵۷ء روڑ شمارے کے فائل بلاحظہ فرمائیں ،

کیا وید الہامی ہیں :-

اس علمی بحث کی تفصیلات کے لئے ۹ رجب ۵۸ھ سے اہل حدیث کے فائلوں کو ملاحظہ فرمائیے افسوس کے ساتھ اس بحث کو بھی بوجہ عدم گنجائش کے یہاں درج نہیں کر سکتے فقط ،

سوال :- کیا کتاب اور شریعت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ،

جواب :- کتاب کے دو معنی ہیں ایک آسمانی وحی جو الہامی لفظوں میں انبیائے کرام پر نازل ہوتی تھی جیسے قرآن، توراۃ وغیرہ اس کے علاوہ انبیاء کے قلب پر مضمون القا ہوتا تھا جیسے وہ اپنے لفظوں میں بیان کرتے تھے اسی کو حدیث انبیاء کہتے ہیں ان معنی سے کتاب خاص ہے اور شریعت عام ہے جو دونوں کو شامل ہے دوسرے معنی کتاب کے ہیں شریعت الٰہیہ جو دونوں حصوں کو شامل ہے ان معنی سے کتاب اور شریعت ایک ہی چیز ہے ،

تشریح :- یہی سنت نبوی کا مفہوم ہے حضرت علامہ سید سلیمان ندوی سیرت نبوی ج ۴ ص ۵ پر لکھتے ہیں کتاب اصولی احکام ہیں اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے کتاب براہ راست وحی الٰہی کا نتیجہ اور سنت ملکۂ نبوی ہے کتاب بلفظ وحی ہے اور سنت بالمعنی پیغمبر کی وحی اور ملکۂ نبوت دونوں کے احکام واجب الاتباع ہیں وحی اور ملکۂ نبوت پر ایک علمی مقالہ اہلحدیث ۶ ربیع الثانی ۳۵ھ میں دیکھئے ، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

سوال :۔ زید کا دعویٰ ہے کہ کوئی شخص ہندو ہو یا عیسائی سکھ ہو یا یہودی غرض کسی مذہب کا، آدمی ہو اور اپنے مذہب پر مختر رہے نماز نہ پڑھے روزہ نہ رکھے غرض کہ اسلام کی کوئی بات بھی نہ مانتا ہو مگر اتنا کہدے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو اس کی نجات لازمی ہے نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ نجات کیلئے نہیں ہیں کیا یہ عقیدہ از روئے قرآن وحدیث صحیح ہے،

جواب :۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں توحید باری والے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی تصدیق کے بعد اسلام کے کسی حکم کا بھی انکار کرنے والا کافر ہے حدیث شریف میں ہے بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله (بخاری مسلم) یعنی اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے خدا کی وحدانیت کی شہادت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی گواہی نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا، اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۱)

سوال :۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ جاؤ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس شخص نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا جنت میں داخل ہو گیا تو بعد حضرت عمرؓ کے کہنے کے آپؐ نے، حضرت ابوہریرہؓ کو منع کر دیا اب مسائل کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے سے حکم دیا تھا یا وحی الٰہی کے ذریعہ سے۔

جواب :۔ نبیؐ کوئی حکم شرعی اپنی رائے سے نہیں دیتا یہ حکم بھی وحی الٰہی سے تھا قرآن پاک میں ارشاد ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے دینی امور میں وہ جو بھی کہتے ہیں سب اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱۔ صفحہ ۱۱۱

توضیح البیان :۔ یہ اعلان خوش خبری کیلئے اور طبعی طور پر تھا آپ کی بہت سی گفتگو خوش خبری اور طبعی طور تھی جیسا کہ کھجوروں کو پیوند کرنے کا حکم وحی والٰہی نہیں تھا اسی طرح چونکہ اس اعلان کا نتیجہ اچھا نہیں تھا اسے حضرت عمرؓ کے کہنے پر اعلان روک دیا گیا تھا ہم تو تنزیل محمد سعیدی۔

سوال :۔ جغرافیہ والے جو بیان کرتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے کیا اس کی بابت قرآن شریف وحدیث میں ذکر ہے۔

جواب :۔ آیت قرآنیہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ دیکھنے والے تو پہاڑوں کو جامد دیکھ رہا ہے، (ایک دن آنے والا ہے کہ یہ پہاڑ) بادلوں کی مثال اڑیں گے

کی ایک تفسیر یہ بھی مضارع حال اور مستقبل دونوں زمانوں کو شامل ہے،

تشریح اشرفیہ اگر زمین سورج کے گرد گھومتی تو پھر سورج سورج ہمارے سر پہ دکھائی نہ دیتا،

وَاِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ۔

(تعاقب) اہلحدیث ۱۰ ارشعبان ۱۳۸۰ھ ہجری جواب میں بیان کیا گیا ہے کہ زمین حول الشمس گھومتی ہے اس کی دلیل آیت قرآنیہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ بیان کی گئی ہے زمین گھومتی ہے یا آسمان یہ بحث حکماء کا ہے، فیثا غورث اور بطلیموس دو یونانی حکماء کے درمیان اختلاف ہے کہ زمین گھومتی ہے یا آسمان ایک زمین گھومنے کے قائل ہیں دوسرا آسمان جس قول کی تائید پر ہدایت الحکمت والے نے لکھا ہے، اِنَّ الْاَفْلَاکَ يَتَحَرَّكُ عَلَى الْاَسْتِدَارَةِ دَائِمًا۔ قانون قدرت الٰہی دونوں قول کے خلاف نعرہ احتجاج بلند کرتا ہوا بانگ دہل پکارتا ہے، وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۔ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۔ جس سے معلوم ہوا کہ چاند سورج اپنے اپنے محور میں متحرک ہیں بندہ کے خیال میں زمین یا آسمان کے متحرک ہونے کا ثبوت قرآن کریم سے نہیں ملتا آیت تَرَى الْجِبَالَ میں احوال قیامت کا بیان ہے جبال کی صورت اول بیان کی گئی ہے، وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ جب جبال کی حالت عہن منفوش کی طرح ہو جائے گی تو وھی تمر مر السحاب کا ہونا اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے علاوہ بریں مر و مرور ایک چیز نہیں دونوں علیحدہ علیحدہ شے ہیں جبال کی جمادت ثقالت و ضخامت سے باوجود ہوں قیامت کی وجہ سے سحاب کی صورت پر فضائے آسمان پر نظر آنے کا بیان ہے فطرت الٰہی یا قانون قدرت کا کرشمہ کا بیان مقصود بالذات نہیں واللہ اعلم،

(راقم میر عبداللہ) بنگالی گور دی۔

اہلحدیث اس امر میں بحث کا مدار یہ ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً میں تحسب کا صیغہ جو فعل مضارع ہے بمعنی مستقبل ہے یا بمعنی حال حضرات مترجمین دونوں طرف گئے ہیں امام غزالیؒ جیسے باریک بین بزرگوں نے اس امر کی تصریح کی ہوئی ہے کہ علوم جدیدہ میں جن امور کا انکشاف ہو اور قرآن شریف سے اس کا تائیدی اشارہ ملتا ہو تو انکار نہیں کرنا چاہئے میرا بھی یہی مسلک ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۱۲)

مسئلہ خلق قرآن کے متعلق

مسئلہ خلق قرآن کے متعلق میرے عنایت فرما کچھ کہتے رہتے ہیں لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ مسئلہ مذا میں میں وہی عقیدہ رکھتا ہوں جو امام بخاریؒ کا ہے۔ (ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

از مولانا محمد صاحب مرحوم۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کی عزت و وقعت دوبالا کرے۔

تشریح:۔ بَابُ مَا جَاءَ فِيْ تَخْلِيْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْخَلَائِقِ وَهُوَ فِعْلُ الرَّبِّ وَأَمْرُهٗ فَالرَّبُّ بِصِفَاتِهٖ وَفِعْلِهٖ وَأَمْرِهٖ وَكَلَامِهٖ هُوَ الْخَالِقُ الْمُكَوِّنُ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ وَمَا كَانَ بِفِعْلِهٖ وَأَمْرِهٖ وَتَخْلِيْقِهٖ وَتَكْوِيْنِهٖ فَهُوَ مَفْعُوْلٌ مَخْلُوْقٌ مُكَوَّنٌ۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۱۱۰)

مقصد امام المحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ آسمان و زمین اور جملہ خلائق اللہ تعالیٰ کے فعل اور امر سے عالم تکوین میں آئی اس لئے یہ سب کچھ مخلوق قرار پائے پس رب تعالیٰ اپنی صفات اپنے فعل اپنے امر اور اپنے کلام کی رو سے خالق ہے غیر مخلوق پس جس طرح وہ خود غیر مخلوق ہے اسی طرح اس کی صفات بھی غیر مخلوق ہے اسی طرح اس کی صفات بھی غیر مخلوق ہیں اور امر و کلام اس کی صفات ہیں لہٰذا یہ غیر مخلوق ہیں اور تخلیق تکوین کے نتائج میں جو کچھ عالم کون میں ہے وہ مخلوق ہے پس بقول علامہ ابن حجر شارح بخاری أَنَّ ذَاتَهٗ وَصِفَاتِهٖ غَيْرُ مَخْلُوْقَةٍ وَالْقُرْاٰنُ صِفَتُهٗ فَهُوَ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ (حوالہ مذکور کا حاشیہ) بے شک اللہ تعالیٰ کی ذات جس طرح غیر مخلوق ہے یہ عقیدہ ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جس کی طرف مولانا مرحوم نے اشارہ فرمایا ہے۔ (از مولانا ظفر عالم صاحب میرٹھی صدر مدرس دار الحدیث مالیگاں)

حدیث بالا کے ماتحت فرقہ ناجیہ کی از قلم حضرت مولانا ابو تمیم محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی

حضرت! فرقہ ناجیہ کا تصور و خیال ایک حدیث شریف سے اخذ کیا ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی ایک فرقہ کے سوائے دیگر سب دوزخ میں جائیں گے اس ایک فرقہ کے قائم رکھنے میں حکمت خداوندی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ساری امت گمراہ نہ ہو جائے اور دین محمدی محرف نہ ہو جائے نیز یہ کہ اس فرقہ حقہ سے دوسروں پر حجت پوری ہوتی رہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں، فَاِنَّ لِلّٰهِ طَائِفَةً مِّن مِّن عِبَادِہٖ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حُجَّةُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ (حجۃ اللہ مصری جلد اول صفحہ ۱۰۵)

یعنی خدا تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک گروہ ہے جن کو وہ شخص جو اُن کا ساتھ چھوڑ دے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور وہ زمین میں خدا کی حجت ہیں۔

اگلے دین اسی سبب سے محرف ہو گئے کہ اختلاف کے وقت اُن میں کوئی فرقہ بھی سنن انبیاء پر قائم نہ رہا تھا یہ امر اس شخص پر بہت آسان ہے جو تاریخ یہود و نصاریٰ اور اُن کی کتابوں کا مطالعہ گہری نظر سے کرے اور ان کے باہمی اختلافات کو فکر صائب سے سوچے،

یہ ایک فرقہ کون سا ہو گا، جن لوگوں کی آنکھ پر تحزب و تشیع کی پٹی بندھی ہے وہ حقیقت کو نہ، دیکھتے ہوئے یہی زعم کریں گے کہ وہ بس وہ فرقہ ہمارا ہی ہے باقی سب فی النار و السقر جیسا کہ اگلی امتوں کے اختلافات کی نسبت ان کے مزعومات کا ذکر کیا فَتَقَطَّعُوا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ۔ (مومنون پ ۱۸)

یعنی انبیائے علیہم السلام کے بعد ان کی امتوں نے دین (واحد) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہر فرقہ اپنے عندیے پر نازاں ہو رہا ہے لیکن قربان جائیں اس رسول پاک صلعم کے کہ آپ نے اس فرقہ ناجیہ کی حقیقت پر کوئی پردہ نہیں رہنے دیا اور اس کی تعیین کے لئے ہمیں بھول بھلیوں میں نہیں چھوڑ گئے کہ ہر کوئی اپنے مزعومات و تخیلات و توہمات پر ڈینگیں مار سکے چنانچہ حدیث مذکور الفوق کا تتمہ، یوں ہے کہ۔

صحابہؓ نے عرض کی حضرت! وہ فرقہ کون سا ہو گا آپ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ یعنی جو اس طریقہ پر ہوں گے جس پر میں ہوں اور تم میرے اصحاب ہو،

پیارے بھائیو۔ حدیث کے پہلے ٹکڑے یعنی اختلاف امت اور مختلف فرقے بن جانے کی تصدیق واقعات نے کر دی اور اب اس کے لئے کسی حالت منتظرہ کا انتظار باقی نہیں ہے لیکن دوسرا ٹکڑا تعیین مصداق کے سوا ہی رہ گیا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ مخبر صادق کی خبر کا ایک جزو تو درست نکلے اور دوسری میں ہم ڈانواں ڈول رہیں اب تعصب کی پٹی کھول کر مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ

کے مطابق اور تعامل صحابہؓ کے موافق ہوں اُسے حق پر جانتے ہوئے اس میں شامل ہو جاتے، بس الحمد اللہ خیر سلا تہ اس میں آپ کو کوئی تردد نہ ہوگا۔ ہونا چاہیئے۔۔

اس حقیقت کو مکدر کرنے کیلئے قرآن وحدیث کے نصوص میں بہت کچھ کھینچ تان کی گئی ہے اور طرح طرح کی تاویلات بلکہ تحریفات سے کوشش کی گئی ہے کہ اپنے مزعومات کو قرآن وحدیث سے ماخوذ بنایا جائے لیکن حضرات! میں یہ مضمون ایک ایسے طریق پر بیان کرتا ہوں جسمیں اپنے اپنے خیال کی پیچ نہیں ہے اور وہ فرقہ بندی کی قید سے آزاد ہے حقیقت مطلوبہ کو نمایاں کرنے کے لئے ایک اور امر کی وضاحت ضروری ہے جس پر اس کی بنیاد ہے وہ یہ کہ صحیح بخاری میں حضرت مغیرہؓ سے اور صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور ثوبانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ رہیگا۔ وہ حق پر ہوکر لڑتا رہے گا حتیٰ کہ خدا کا حکم آجائے اور وہ اسی حالت منصورہ پر ہوگا اس وقت میرا استدلال حدیث کے لفظ "لا تزال" (ہمیشہ رہیگا) سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ہر زمانے میں قائم رہنے کی بشارت سناتے ہیں اس بنا پر ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ کس فرقے کا وجود بلحاظ عقائد وعملیات کے ہر زمانے میں پایا جاتا رہاہے یا یہ کہ کسی روش کے آثار حوادث کی پامال سے کسی زمانہ میں بھی نہیں مٹ سکے سو معلوم ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سال میں ایک یہودی الاصل شخص عبداللہ بن سبا نے آپ کے برخلاف سیاسی ایجی ٹیشن شروع کی جس سے سبائی جماعتیں بن گئیں اور اس کا انجام حضرت عثمانؓ کی شہادت سے ہوا آپ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور سبائی ان کے ساتھ ہوگئے عثمانی حضرات عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ان سے مقابل کھڑے ہوگئے اور باقاعدہ صف آرائی سے جنگ شروع ہوگئی جنگ صفین میں اس بات پر ... ٹھہر گئی کہ ایک منصف حضرت علیؓ کی طرف سے اور ایک حضرت معاویہؓ کی طرف سے مقرر ہو جو ... وہ متفق فیصلہ کریں طرفین منظور کریں سبائی صلح نہیں چاہتے تھے ایک بہانے سے کہ حضرت ... کم ... خدا کو چھوڑ کر ان کو حکم ماننا شرک ہے کوئی بارہ ہزار سبائی ... سے خارج ہوگئے اور ان کا نام خارجی ہوا لوگ حضرت علیؓ کے طرف دار ... مقابلہ ان کا نام شیعہ علی یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت پڑ گیا۔

... تقسیم کے وقت ایک بڑی جماعت جو ... رہی اور انہوں نے کسی طرف بھی

حصہ نہ لیا اس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر فتنے میں حصہ نہ لینے کی بابت حکم دیا تھا رفتہ رفتہ اسی سیاسی فتنے نے مذہبی صورت اختلاف پکڑ لی اور ہر طرح کی عملی اور اعتقادی بدعات شروع ہو گئیں،

جس طرح ایک کثیر جماعت نے سیاسی فتنے میں حصہ نہیں لیا تھا اور ہر طرح سے فتنے سے بچتے رہے تھے اسی طرح ان بدعات کے وقت بھی ایک بھاری جماعت طرز اول اور طرز قدیم پر قائم رہی۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور اس فتنے سے پہلے صحابہؓ کے وقت میں دین کی جو حالت تھی اس پر قائم رہی اور ان کا نام اہل سنت ہوا۔ اہل سنت ان اہل بدعت کی۔ ربدعی روایات کی قبولیت سے پرہیز کرتے رہے چنانچہ محمد بن سیرینؒ تابعی کا قول ہے،

فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ (مقدمہ صحیح مسلم) اس قول سے معلوم ہوا کہ امام محمد بن سیرین کے وقت تک ایک گروہ کا نام اہل سنت پڑ چکا تھا جن کی روایات قابل اعتبار سمجھی جاتی تھیں امام محمد بن سیرین تابعی ہیں۔

اپنے وقت کے امام تھے ۳۳ھ میں حضرت عثمانؓ کی خلافت میں پیدا ہوئے بڑے بڑے مشہور صحابہؓ سے روایت لی مثلاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض، انس بن مالکؓ، ابو ہریرہ رض، عبد اللہ بن عمر رض، عبد اللہ بن زبیرؓ، معاویہ رض، ابو سعید خدریؓ، زید بن ثابتؓ، حذیفہ بن یمان رض، ابو درداء رض، ابو قتادہ رض، امام حسین رض، اور حضرت ابو قتادہ رض اور حضرت حسنؓ (نواسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی وفات ستر سال کی عمر میں ۹ شوال ۱۱۰ھ کو ہوئی اس سے صاف ثابت ہے کہ اہل سنت نام پہلی صدی ہجری ہی میں پڑ چکا تھا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اہل سنت کا مذہب، مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) میں منحصر ہے اور جو کوئی ان چاروں کی تقلید سے خارج ہو وہ اہل سنت سے خارج ہے صریحاً غلط ہے کیونکہ پہلی صدی ہجری میں ان مذاہب اربعہ کا وجود کذائی ہرگز موجود نہیں تھا کیونکہ حنفی امام ابو حنیفہ رح کی طرف منسوب ہیں آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں قید خانہ میں ظلماً زہر سے شہید کئے گئے اور مالکی امام مالکؒ کی طرف

منسوب ہیں اور آپ ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے اور اسی پاک زمین میں ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور شافعی امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی طرف منسوب ہیں اور آپ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں مصر میں فوت ہوئے اور حنبلی امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہیں آپ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے چنانچہ ہم ناظرین کی سہولت اور یک نظر دیکھنے کے لئے ان کی ولادت و وفات کی تاریخ ایک نقشہ میں لکھ دیتے ہیں ،

نقشہ تواریخ ولادت و وفات حضرات ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم

نمبر شمار	نام امام	تاریخ ولادت	تاریخ وفات
۱	امام ابو حنیفہؒ	سنہ ۸۰ھ	سنہ ۱۵۰ھ
۲	امام مالکؒ	سنہ ۹۳ھ	سنہ ۱۷۹ھ
۳	امام شافعیؒ	سنہ ۱۵۰ھ	سنہ ۲۰۴ھ
۴	امام احمدؒ	سنہ ۱۶۴ھ	سنہ ۲۴۱ھ

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ پہلی صدی ہجری میں مذاہب اربعہ کا وجود ہی نہیں تھا۔ تو ان کی تقلید کہاں تھی۔

کہ جو شخص ان کی تقلید سے خارج ہے وہ اہل سنت سے خارج ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ معاذ اللہ صحابہ و تابعین اہل سنت نہیں تھے اور یہ کہ ان سے پیشتر جس قدر ائمہ اہل سنت نہیں تھے یہ کیسی غلط اور بے معنی بات ہے کہ ائمہ اہل سنت اہل سنت نہ تھے۔ ان ائمہ اربعہ رحمہ سے پیشتر ہی مشہور و مروج ہو چکا ہے اب نفی کے کیا معنی۔

صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ... امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ... ان فلا ادری اذکر بعد قرنہ مرتین او ثلاثا الحدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ... کہ میری امت میں سے میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر وہ لوگ جو ان سے ملیں گے حضرت ... صحابی کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے ذکر کے بعد دو،

دفعہ (دو زمانوں کا) ذکر کیا یا تین دفعہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین و اتباع تابعین بہترین امت ہیں اور انہی کو قرون ثلاثہ کہتے ہیں اور چونکہ آنحضرت صلعم نے ان کی خیریت کی شہادت دی ہے اس لئے انہیں مشہود لہا بالخیر کہتے ہیں،

ان تین زمانوں کی حدیں بھی سن لیجئے دیپیارے بھائیو! میں پھر عاجزی سے کہتا ہوں کہ میں کوئی بھی بات اپنی طرف سے بنا کر نہیں کہتا جو کچھ کہتا ہوں صحیح کتابی حوالہ سے کہتا ہوں اور خدا کے فضل سے وہ بات ہوتی بھی حق اور درست اور مطابق واقعہ اور عقل و دین میں مقبول ہے، واللہ الموفق،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ۱۱ھ تک رہا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی۔

(۲) صحابہؓ کا زمانہ ۱۱۰ھ تک رہا کیونکہ آخری صحابی ابو طفیل ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے،

(۳) تابعینؒ کا زمانہ ۱۸۰ھ تک رہا ہے۔

(۴) اتباع تابعین کا زمانہ ۲۲۰ھ تک رہا،

نوٹ:۔ ان زمانوں کی مذکورہ بالا تحدید فتح الباری (ج ۱۴ ص ۲۵۳) اور تدریب الراوی، (صفحہ ۲۴۹ و ۱۵۰ ۲ ر مد) میں مذکور ہے اس سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرون خیار کی میعاد ۲۲۰ھ سے تک یا زیادہ سے زیادہ ۲۲۰ھ تک ہے اور پھر چار مذہب کی تقلید اس میعاد تک نہیں تھی، کیونکہ چوتھے امام احمدؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام احمدؒ کی تقلید اُن کی زندگی میں۔ واجب جانی تھی پس جس طریق پر قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر گذرے وہی طریقہ حق اور موجب نجات ہے،

اور وہ کیا تھا بغیر اپنے ہیچ اور تحقیق تمام کے اور بغیر کسی خاص شخص کی تقلید کے قرآن و حدیث پر عمل کرنا چنانچہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں،

اِعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا قَبْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ غَیْرَ مُجْمِعِیْنَ عَلَی التَّقْلِیْدِ الْخَالِصِ لِمَذْھَبٍ وَاحِدٍ بِعَیْنِہٖ (حجۃ اللہ مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۵۲)

اس بات کو جانے رکھو کہ امت محمدیہ کے لوگ چوتھی صدی (ہجری) سے پیشتر بعینہٖ کسی خاص مذہب کی تقلید پر جمع نہیں تھے،

ان تاریخی حوالوں کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جماعت اہلحدیث کو اہل سنت کا مصداق قرار دینا میرا اپنا اختراع و ایجاد نہیں ہے بلکہ ائمہ محدثین انہی کو قرار دیتے آئے چنانچہ امام ترمذی حضرت قرہ بن ایاسؓ صحابی کی حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ (البخاری) قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْمَدِیْنِیِّ هُمْ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ (ترمذی ج ۲ ص ۴۳) امام بخاریؒ نے کہا کہ (میرے استاد) علی بن مدینی نے کہا کہ وہ اصحاب حدیث ہیں اسی طرح حافظ ابن حجرؒ حضرت مغیرہؓ والی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں،

اَخْرَجَ الْحَاکِمُ فِیْ عُلُوْمِ الْحَدِیْثِ بِسَنَدٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَحْمَدَ اِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اَهْلَ الْحَدِیْثِ فَلَا اَدْرِیْ مَنْ هُمْ۔ امام حاکم نے اپنی کتاب علوم الحدیث میں امام احمد سے بسند صحیح نقل کیا کہ آپ نے فرمایا اگر ان سے مراد اہل حدیث نہیں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون لوگ مراد ہیں،

اور حضرت پیران پیر صاحبؒ فرقہ ناجیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ ان کا نام تو بس اصحاب الحدیث اور اہل سنت ہی ہے (غنیہ ص ۲۱۲ مترجم فارسی)

اسی طرح امام ابن حزم قرطبی فرماتے ہیں، وَاَهْلُ السُّنَّةِ الَّذِیْنَ نَذْکُرُهُمْ اَهْلُ الْحَقِّ وَمَنْ عَدَاهُمْ فَاَهْلُ الْبَاطِلِ فَاِنَّهُمُ الصَّحَابَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَکُلُّ مَنْ سَلَكَ نَهْجَهُمْ مِنْ خِیَارِ التَّابِعِیْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ ثُمَّ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ وَمَنِ اتَّبَعَهُمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ جِیْلًا فَجِیْلًا اِلٰی یَوْمِنَا هٰذَا وَمَنِ اقْتَدٰی بِهِمْ مِنَ الْعَوَامِ فِیْ شَرْقِ الْاَرْضِ وَغَرْبِهَا رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ

اور اہل سنت جن کو ہم اہل حق کے نام سے یاد کریں گے اور ان کے سوا کو اہل باطل کہیں گے پس تحقیق وہ اہل سنت، تو صحابہ ہیں اور نیک تابعین ہیں سے ہر وہ جو ان کے طریق کی پیروی کرے پھر ان کے بعد اصحاب حدیث ہیں اور ہمارے اس زمانہ تک جس قدر فقہاء یکے بعد دیگرے جو ان کے پیرو ہوئے دنیا کے مشرق مغرب تک وہ سب عوام بھی جنھوں نے ان کی پیروی کی ان سب پر خدا کی رحمت ہو۔

اس حوالے سے معلوم ہو گیا کہ لقب اہل سنت کے پورے مستحق اہل حدیث ہی ہیں اور انہی کی بابت آنحضرت صلعم کی نجات کی بشارت سنا رہے ہیں وللّٰہ الحمد۔

دفع دخل بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جماعت اہلحدیث تھوڑے عرصہ سے قائم ہوئی ہے یہ بات بالکل غلط اور تاریخی ناواقفیت کی وجہ سے ہے ہم فقہ کی ایک معتبر اور مشہور کتاب کے حوالہ سے ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت اہلحدیث خدا کے فضل سے قدیمی گروہ ہے، بلکہ ہر چار مذاہب کے قائم ہونے سے بھی پہلے کی ہے چنانچہ شامی شرح دُرِّ مختار میں ہے، حُكِيَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ خَطَبَ اِلٰى رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِيْثِ اِبْنَتَهٗ فِيْ عَهْدِ اَبِيْ بَكْرٍ الْجُوْزَجَانِيْ فَاَبٰى اِلَّا اَنْ يَّتْرُكَ مَذْهَبَهٗ فَيَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ الْاِنْحِنَاءِ وَنَحْوُ ذٰلِكَ فَاَجَابَهٗ فَزَوَّجَهٗ (شامی جلد ۴ صفحہ ۲۹۳) حکایت کی گئی ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی رحمہ کے عہد میں ایک حنفی نے ایک اہلحدیث سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو اس (اہلحدیث) نے انکار کر دیا مگر اس صورت میں کہ وہ (حنفی اپنا) مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے (سورہ فاتحہ) پڑھا کرے اور رکوع جاتے وقت رفعیدین بھی کیا کرے مثل اس کے (اہلحدیث کے دوسرے کام بھی کیا کرے، پس اس (حنفی) نے اس بات کو منظور کر لیا تو اس (اہل حدیث) نے اپنی لڑکی اس کے نکاح میں دیدی۔ اب قاضی ابوبکر جوزجانی رح کا زمانہ دیکھنا چاہیئے کہ کونسا زمانہ ہے آپ تیسری صدی کے قاضی ہیں اور ابوسلیمانؒ کے شاگرد ہیں اور وہ بلاواسطہ امام محمدؒ کے شاگرد تھے (الفوائد البہیہ) اس حوالہ سے صاف ظاہر ہوا کہ، تیسری صدی میں بھی مستقل ایک گروہ موجود تھا جن کو لوگ اصحاب الحدیث یا اہل حدیث پکارتے تھے اور اُن کے امتیازی مسائل میں سے قرأت خلف الامام اور رکوع جاتے وقت رفعیدین بھی تھے کیا اس میں بھی انہی مسائل کی وجہ سے اہل حدیث سے عداوت نہیں کی جاتی جس کے جواب میں ہماری طرف سے صرف یہی مظلومانہ آواز ہے ؎

کش بہ تیغ ستم والہانِ سنت را
نکردہ اند بجز پاسِ حق گناہ دگر

ھذا واللہ الہادی واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ و الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ خاتم النبیین وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ اجمعین الی یوم الدین۔

نیاز مند درگاہ کریم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹۔

س:۔ عامل بالحدیث جو کہ تقلید شخصی کا قائل نہیں جس کے اعتقاد کا مدار فقط حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو اور وہ خود کو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی جانب منسوب نہیں کرتا بلکہ خود کو اہل حدیث کہلاتا ہے کیا یہ بدعت نہیں اور اس سے ایک نیا فرقہ اسلام میں پیدا نہیں ہوتا خدائے پاک نے ہم کو قرآن مجید میں مسلم اور مسلمان کے پیارے لقب سے یاد کیا ہے اتنا بس نہیں کیا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تابعین یا تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی نے آپ کو اہلحدیث کہلایا ہے پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے،

جواب:۔ اہلحدیث ہیں جو لفظ حدیث ہے اس کا مضاف الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس معنی اس لقب کے یہ ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے والے یہی معنی مسلم ہیں دیگر فرقوں کی نسبتیں اس طرف نہیں آپ خود دیکھ لیں حنفی اور شافعی کے کیا معنی ہیں ان بزرگوں کی طرف منسوب ہیں اس لئے یہ لقب ایک جدید فرقہ پیدا کرتے ہیں اہلحدیث کا لقب جدید فرقہ پیدا نہیں کرتا رہا یہ سوال کہ یہ لقب پہلے نہ تھا اب کیوں رکھا گیا اسکا جواب یہ ہے کہ اسلام میں جب مذاہب مختلف ہوئے تو ایک فریق اس وقت بھی ایسا تھا جس کا یہی دعویٰ تھا کہ ہم مذہبی امور میں کسی اور کی ہدایت نہ سنیں گے نہ عمل کریں گے بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورت قرآن وحدیث ہماری نصب العین رہے گی چونکہ قرآن مجید امت میں مشترک تھا اور حدیث ہی مابہ الامتیاز چیز تھی اس لئے اس گروہ نام کا اصحاب الحدیث یا اہلحدیث مشہور ہو گیا پس یہ اہلحدیث عملی امتیازی لقب ہے مسلمان مذہبی لقب ہے درحقیقت دونوں کا مصداق ایک ہے

تشریفیہ:۔ یہ نام مرفوع حدیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے،

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَجِيْءُ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ وَمَعَهُمُ الْمَحَابِرُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ اَنْتُمْ اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ الٰى قَوْلِهٖ اِنْطَلِقُوْا اِلَى الْجَنَّةِ اَخْرَجَهُ الطَّبْرَانِيُّ (القول البديع السخاوی ص ۱۸۹)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اہلحدیث کہا دیکھو اصابہ ج ۴ ص ۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی اہلحدیث کہا گیا ہے دیکھو تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۲۷ ج ۹ (شعار)

حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا اَنْتُمْ خُلُوْفُنَا وَاَهْلُ الْحَدِيْثِ بَعْدَنَا کتاب الشرف للخطیب ص ۱۲) امام شعبی تابعیؒ جنھوں نے سو صحابہؓ کو دیکھا اور ۴۸ صحابیوں سے حدیثیں پڑھی تھیں وہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ اہلحدیث تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۷۹) حدیث مرفوع لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ الخ جس طائفہ حقہ کی بابت حضورؐ نے پیشگوئی فرمائی ہے ابن مدینی جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے اصحاب الحدیث مراد ہیں رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح مشکوٰۃ ص ۵۸۳۔

ایک ضروری سوال۔ ایک مخلص دوست نے سوال کیا ہے کہ اہل حدیث کیوں کہلاتے ہیں چونکہ سوال وجواب عام ناظرین اور جماعت اہلحدیث سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اخبار کئے جاتے ہیں آپ لکھتے ہیں۔

مولانا دام فیوضکم۔۔ السلام علیکم۔۔ آپ کا اور مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی وغیرہم کا دعویٰ ہے کہ ہم اہلحدیث ہیں۔

اہل حدیث کون تھے میرے دل کے خیال میں اہلحدیث وہ لوگ تھے جو کہ کسی خاص مجتہد کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ مسئلہ کو پہلے قرآن مجید حدیث شریف صحابہ کرام کے عمل سے تلاش کرتے پھر مجتہدین کی عرق ریزی سے فائدہ اٹھاتے پھر اپنا دماغ خرچ کرتے،

نوٹ۔ اصل مسئلہ مذہب بھی یہی ہے اصغر بھی اسی کو قابل عمل یقین کرتا ہے،

کیا وہ اہل حدیث کہلائے۔ میرے خیال میں اس درجے کے علماء نے اپنے آپ کو اس نام سے بالکل نہیں گردانا بلکہ دوسرے علماء نے واسطے شناخت ان کا نام ایسا رکھ دیا کیونکہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے مقابلہ میں ان کا نام اہلحدیث رکھا انہوں نے اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ بالکل نہیں لگایا،

کیا عامی لوگ بھی اہل حدیث کہلا سکتے ہیں۔ جوہری وہ ہے جو کہ ہر ایک قسم کے جوہر سے پوری مہارت رکھتا ہو ہر فرد جوہری نہیں ہے مولوی وہ ہے جو کہ علوم شرعیہ عربی فارسی سے واقف ہو ہر آدمی مولوی نہیں کہلا سکتا بالکل اسی طرح اہلحدیث وہ ہے جو کہ مذکورہ تعریف پر پورا اترے جسکو قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا یا بالکل ان پڑھ ہے وہ اہلحدیث کس طرح ہو سکتا ہے،

آج کل کے اہل حدیث دان پڑھ یا معمولی لکھے پڑھے لیاقت کے آدمی کیا ہیں۔ حضرت مولانا

آپ معاف فرمائیں گے اگر حضور آپ کے پیروؤں کو آپ کا مقلد کہتے ہو کر دراصل صحیح ہے کیا وجہ سوال کا جواب یہ ہے کہ میں قرآن مجید کو نہیں جانتا اور نہ ہی حدیث شریف کو لہٰذا امر سے لئے ضروری ہے کہ میں آپ کے علم پر بھروسہ کروں اور آپ سے فتویٰ طلب کر کے اس کے مطابق عمل کروں۔ بس اسی کو مقلد کہتے ہیں لہٰذا اس بات سے بخوبی ثابت ہوا کہ عامی لوگ مقلد ہوتے ہیں خواہ آپ کے یا مولوی ابراہیم صاحب کے یا آپ کے شہر کے قاضی کے۔

کیا آپ کا مقلد اچھا ہے یا ائمہ اربعہ کا! میرے خیال میں ائمہ اربعہ کا مقلد آپ کے مقلد سے اچھا ہے کیونکہ وہ عالم بے بدل فاضل اجل تھے اُن کے علم میں اور تقویٰ میں کسی کو کلام نہیں انہوں نے اپنی زندگیاں فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خرچ کر دیں اور اپنے مرشد کامل و پیر اکمل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے فقہ تدوین کی اور نہایت جانفشانی دیانت داری اور ہر طرح کی مصیبت جھیلنے سے ہر ایک مسئلہ کی بال کی کھال نکالی اور کتابیں تصنیف کیں تاکہ عامہ مسلمین ان کی تصنیفات سے مستفید ہوویں اور جو کچھ کیا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کیا اور آپ بھی اُنہی بزرگوں کے خوشہ چین ہیں۔

نتیجہ لہٰذا صاف ثابت ہوا کہ عام مسلمین کا مقلد ہونا ضروری ہے اور ائمہ اربعہؒ کا مقلد موجودہ عالموں کے مقلدوں سے اچھا اور افضل ہے،

مذاہب خمسہ! مذاہب اربعہ لکھا جاتا تھا تو کہا جاتا تھا کہ ان چاروں اماموں کے مقلدین نے اہل سنت والجماعت کو چار گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے اور یہ تقسیم نہایت ہی بری ہے وغیرہ وغیرہ لیکن جب سے ایک گروہ نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم اہلحدیث ہیں اور ہم ہی اصل مسلمان ہیں اُس سے ہمارے پانچ گروہ ہو گئے ہیں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اہلحدیث اس قسم کے الزام میں جیسے کہ ایک حنفی پر تشنیع کی جا سکتی ہے بالکل اتنی ہی کا اہلحدیث بھی مستحق ہے سرمو فرق نہیں ہے لہٰذا بالکل واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا [illegible] میں شامل ہونے والا اہل سنت والجماعت کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنے والا ہے

ہم کیا کہلانا چاہیئے اس بات میں ہم کو کسی اور شخص عالم، مجتہد، بادشاہ امیر کی طبعداری نہیں کرنی چاہیئے بموجب اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ط ساتھ دنیا کی ساری کتابوں کو الگ کر دیجئے کہ قرآن کریم ہمارا نام کیا رکھتا ہے آیئے قرآن مجید کو کھولئے اور پڑھیئے۔ (۱) وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۱۶-۹۱)
(۲) قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (۶-۱۶۳) (۳) فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (۱۰-۷۲)
(۴) وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ (۲۲-۷۷)

قرآن مجید میں شاید پچاس دفعہ مسلمین کا لفظ آیا ہے اگر اور زیادہ فہرست دوں تو بہت لمبی ہو جاویگی در خانہ اگر کسی ہست یک حرف بس است مولانا آپ عالم فاضل ہیں۔ بلکہ باریک بین ہیں میرے خیال میں یہ بھی ایک ٹھوکر ہے جو کہ ہم نے کھائی ہے اور فرقہ فرقہ مبارک اسلام کو دیا ہے کوئی حنفی کوئی حنبلی وغیرہ وغیرہ۔

نتیجہ ہے۔ ہم کو مسلمان کہلانا چاہیئے اور شرع میں مقدم قرآن مجید پھر حدیث شریف پھر صحابہ کرام کے اقوال وافعال پھر ائمہ مجتہدین کی محنت اور جانفشانی کی قدر کرنی چاہیئے اور دعا مانگنی چاہیئے۔ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ آمین والعلام راحقر العباد غلام حسین کلرک محکمہ نہر۔

اہل حدیث:۔ کچھ شک نہیں کہ مذہب سچا وہی اسلام ہے جس کی تعلیم حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی اور اپنے سامنے عمل کرتے اس کو دیکھا وہ کیا تھا قرآن اور سنت نبی علیہ السلام اصل دین بس یہی دو ہیں، اور بس ان ہی دو کی وجہ سے ہمارا نام مسلمان تھا یعنی تا بعد از آج اگر اس صورت اور شکل کو دیکھنا ہو کہ اسلام جو کچھ حضور علیہ السلام سکھا گئے تھے کہاں ہے تو اس کی پہچان صاف ہے کہ ہر ایک فرقہ کے انتسابات کو دیکھا جائے کہ وہ کس کس طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یعنی جو فرقہ اسلام کی ماہیت میں ایسے کچھ اجزاء داخل کرتا ہے جن کا دخل نہ حضور کے حکم سے ہوا نہ حضور کے زمانہ میں تھا تو سمجھا جائیگا کہ وہ فرقہ اسلام میں بوجہ چند باتیں اضافہ کرنے کے جدید اور جو فرقہ اپنے اندر کسی زائد بات کو یہاں تک کہ اپنی نسبت کو بھی داخل نہیں کرتا وہی اسلام کا نمونہ اور وہی قدیم ہے آج جس فرقہ کا نام اہل حدیث ہے

اس کا دعویٰ ہے،

اصل دیں آمد کلام معظم داشتن
پس حدیث مصطفےٰ برجان مسلم داشتن

یہ فرقہ نہ تو اپنی نسبت کسی غیر کی طرف کرتا ہے نہ کرنا جائز جانتا ہے اس فرقہ کا نام (اہلحدیث) بھی اسی بنا پر ہے کہ یہ لوگ سوائے قرآن پاک کے کسی اور کلام کو حجت شرعی نہیں جانتے ہاں یہ بات میں صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ اس فرقہ کا نام جو اہلحدیث بولا جاتا ہے یہ نام مسلمان کی طرح مذہبی اسم یا لقب نہیں بلکہ عملی طریق کا اظہار ہے اس لیے کوئی شخص اگر قرآن و حدیث پر عمل کرے اور اپنی نسبت کسی غیر کی طرف نہ کرے تو گو وہ اہلحدیث نہ کہلائے تاہم وہ اہلحدیث کی اصطلاح میں اہلحدیث ہے گو وہ اپنا نام مسلمان ظاہر کرے اور مسلمان کے سوا کوئی دوسرا نام اپنے اوپر بولنا پسند نہ کرے اس سے ثابت ہوا کہ اہلحدیث مذہبی نام نہیں مذہبی نام صرف مسلمان ہے اور یہ نام عملی ہے اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک شخص جس کا نام والدین نے ابراہیم رکھا ہے اسکو علمی زندگی کے لحاظ سے اس کو مولوی ابراہیم کہا جاتا ہے اگر وہ اپنے دستخطوں میں صرف ابراہیم لکھے تو بھی وہ مولوی ابراہیم ہے،

عام و خاص میں کیا فرق:۔ ردالمختار میں شامی نے لکھا ہے حنفی وہ ہے جسے مذہب حنفی میں بصیرت اور واقفی ہو جس کو مذہب سے واقفی نہیں اس کا اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا ایسا ہے جیسے وہ اپنے آپ کو نحوی یا منطقی کہنے لگے (جلد ۳ مصری ص۱۹۶) اس تعریف سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان میں حنفیوں کی تعداد ہزار پانسو سے زائد نہ ہوگی کیونکہ ایسے لوگ جو مذہب حنفی میں براہ راست بصیرت رکھتے ہوں اسی قدر ہونگے اللہ اعلم۔
تو کیا ہمارے حنفی بھائیوں کو یہ شمار منظور ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنا شمار کروڑوں تک پہنچاتے ہیں کیوں کہ اس طرح کہ حنفی کی تعریف اُن کے نزدیک ایک تو یہ ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ نے کی ہے یہ اصطلاح خاص میں رکھ کر ایک اور اصطلاح بیان کرتے ہیں حنفی وہ ہے جو امام ابوحنیفہ کی فقہ کا تابع ہو عام اس سے کہ اپنی واقفیت سے ہو یا کسی دوسرے کے تبلانے سے ہو (دست خوب) یہی اصطلاح اہلحدیث کے متعلق ہے ایک تو وہ اصطلاح وہ جو آپ نے لکھی ہے جو قرآن و حدیث کی واقف پر اطلاق باقی ہے دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث کے

تابعداری اپنے نفس پر واجب جان کر عمل کرتا ہو عام اس سے کہ وہ قرآن وحدیث کا خود واقف ہو یا کسی دوسرے کے بتلانے سے واقف ہوا ہو ان معنی سے وہ تمام لوگ بھی جو آج کل اہل حدیث کہلاتے ہیں اہلحدیث ہیں جیسے کہ آج کل عوام حنفی ہیں اسی اصطلاح کو ہم اور ذرا وسیع کریں تو مسلمان پر بھی اس کا اجرا ہوتا ہے مسلمان وہ ہے جو مذہب اسلام میں براہ راست واقفی حاصل کرکے، اس کا تابعدار ہو ان معنی سے مسلمانوں کی تعداد جتنی ہوگی،

عیاں راچہ بیان:۔ دوسرے معنی مسلمان کے یہ ہیں کہ جو شخص اسلام کا تابعدار ہو عام اس سے کہ خود واقف ہو یا کسی کے بتلانے سے واقف ہوا ہو رہا یہ مسئلہ کہ ائمہ اربعہ کے مقلد آج کل کے اہلحدیث سے جو علماء کو پوچھ کر عمل کرتے ہیں اچھے ہیں، قابل غور ہے کسی کی اچھائی اور برائی کا علم تو اللہ کو ہے مگر قواعد علمیہ سے جو معلوم ہوسکتا ہے یہ ہے کہ اصل مقصود حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے یہی معیار ہے اچھائی اور برائی کا پس اس اصول سے معلوم کرنا آسان ہے کہ مقلدین کو اس منزل تک پہنچنے میں کتنے وسائط طے کرنے پڑتے ہیں اور اہلحدیث کو کتنے کچھ شک نہیں آجکل کا مقلد آج کل کے علماء کو پوچھے گا ایک مرحلہ یہ ہوا پوچھے گا تو یہ کہ ہمارے امام نے اس مسئلہ کی بابت کیا ارشاد فرمایا ہے۔ تاکہ ہم اس کی پیروی کرکے اطاعت رسول کی منزل پر پہنچیں یہ دو مرحلے ہیں اہلحدیث کو حضور نبوی میں پہنچنے کے لئے صرف ایک مرحلہ ہے یعنی اپنے زمانہ کے عالم کو پوچھ کر عمل کر لینا۔ بتلائیے بلحاظ بعد وقرب مسافت کون اچھا ہے ہاں یہ خیال آپ کا کہ ائمہ اربعہ موجودہ علماء سے ہر بات میں افضل تھے واجب الایمان اور قابل تسلیم امر ہے لیکن سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ کا مقلد براہ راست تو ائمہ سے نہیں پوچھ سکتا آخر وہ اپنے زمانہ کے کسی عالم سے پوچھے گا کہ کیا موجودہ زمانہ کے مقلد عالم کی، نسبت بھی یہی خیال کرنا چاہیئے کہ اہلحدیث عالم سے ہر بات میں افضل ہے جہاں تک میرا خیال ہے آپ بھی اس کے قائل نہ ہوں گے، مختصر یہ کہ اہلحدیث نہ کوئی نیا فرقہ ہے نہ اس کا نام (اہلحدیث) کوئی مذہبی اسم ہے بلکہ طریق عمل کا نام ہے جو حسب ضروریات رکھ گیا اس فرقہ کے عامی آدمی بھی اپنے خیال اور اعتقاد (اتباع قرآن وحدیث) کی رو سے اہلحدیث ہیں،

کوئی شخص قرآن حدیث پر عمل کرکے اہلحدیث نہ کہلائے تو خدا کے ہاں اس کو کوئی مواخذہ نہ ہوگا اس لئے میں آپ کی دعا میں شریک ہونے کو کہتا ہوں،

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالسُّنَّۃِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اَللّٰھُمَّ اَلْحِقْنَا بِاَھْلِ الْاِسْلَامِ وَالْاِیْقَانِ اٰمِیْن۔

مزید تشریح از مولانا ابو مسعود خاں صاحب قمر بنارسی پروفیسر جنیدی کالج

جس طرح ہمیں قرآن شریف نے مسلم کہا ہے اسی طرح، یہود و نصاریٰ وغیرہ اگلے دین والوں کو بھی مسلم کا خطاب دیا گیا ہے نصرانیوں کے اولین گروہ یعنی حواریوں کا قول قرآن شریف میں ہے، وَاشْھَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ "یعنی گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں" لیکن ان مسلمانوں کو پھر خود فرماتا ہے، وَلْیَحْکُمْ اَھْلُ الْاِنْجِیْلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ یعنی اہل انجیل کو خدا کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی احکام جاری کرنے چاہیئے،

ان دونوں آیتوں سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ مسلمان اپنی کتاب کی طرف بھی منسوب ہو سکتے ہیں عیسائیوں کا مسلم ہونا پھر ان کا اہل انجیل ہونا قرآنی لفظوں سے ثابت ہے ان کی کتاب کا نام انجیل تھا ہماری کتاب کا نام خود کتاب ہی میں حدیث رکھا گیا ہے،

ارشاد ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ دوسری جگہ ارشاد ہے، اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا۔

مختصر۔ یہ کہ قرآن و فرمان و سنت رسول کا نام حدیث ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَاً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا الخ یعنی خدائے تعالےٰ اُسے تر و تازہ رکھے جو میری حدیث کو سنکر یاد کر کے دوسروں کو پہنچا ئے پس ان دونوں کے ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو اہل حدیث کہتے ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرماتے ہیں عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ جَاءَ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ مَا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَمَعَھُمْ مُّحَابِرُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اَنْتُمْ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ کُنْتُمْ تُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ۔

(تاریخ خطیب بغدادی ص۔۔ و صواعق الہیہ و جواہر الاصول)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن آئے گا اہل حدیث، جناب باری کی خدمت میں پیش ہوں گے اور ان کے بکثرت درود لکھنے پڑھنے کی وجہ سے ان سے خدا فرمائیگا کہ تم جنت میں چلے جاؤ، حضرت امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے شرف اصحاب الحدیث کے صـ۲۱ پر ایک روایت بیان کی ہے کہ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ن الْخُدْرِیِّ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا رَاَی الشَّبَابَ قَالَ مَرْحَبًا بِوَصِیَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نُوَسِّعَ لَکُمْ فِی الْمَجْلِسِ وَاَنْ نُفْہِمَکُمُ الْحَدِیْثَ فَاِنَّکُمْ خُلُوْفُنَا وَاَھْلُ الْحَدِیْثِ بَعْدَنَا یعنی حضرت ابی سعید الخدری صحابی رضی اللہ عنہ جب نوجوان طالب علم حدیث کو دیکھتے تو فرماتے تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت مبارک ہو ہمیں اللہ کے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے رکھا ہے کہ تمہارے لئے اپنی مجلسوں میں کشادگی کریں اور حدیثیں سمجھائیں تم ہمارے لئے ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام بھی اپنے کو اہلحدیث ہی کہتے تھے تذکرۃ الحفاظ میں امام شعبی جو پانچ سو صحابہؓ کے شاگرد تھے ایک موقع پر فرماتے ہیں،

لَوِاسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا حَدَّثْتُ اِلَّا مَا اَجْمَعَ عَلَیْہِ اَھْلُ الْحَدِیْثِ، یعنی اگر مجھے پہلے سے یہ نتیجہ معلوم ہوتا تو میں صرف وہی حدیثیں بیان کرتا جن پر اہلحدیث یعنی صحابہؓ کا اجماع ہے اس سے معلوم ہوا کہ تابعین (رضی اللہ علیہم) بھی صحابیوں کو اہلحدیث ہی جانتے اور کہتے تھے نیز کتاب حدائق الحنفیہ مطبوعہ نول کشور صـ۱۳۳ ملاحظہ کیجئے تو معلوم ہو کہ حضرت سفیان بن عیینہ اور خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ بھی اپنے آپ کو اہلحدیث ہی کہا کرتے تھے مندرجہ بالا سے ثابت ہو گیا کہ اہلحدیث نام عملی اور منسوب الی النبیؐ ہے اور نہ خدا و رسول سے ثابت ہے اور جملہ اصحاب و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے کو اہلحدیث ہی کہا کرتے تھے، پس ہم کو اپنے کو اہلحدیث ہی کہنا چاہیے: حنفی، شافعی، وغیرہ منسوب الی الامتی ہے اس لئے محبان رسول کو رسول ہی کی طرف منسوب ہونا چاہیئے: لاغیرع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹،

مولانا عبد العلی بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے،

وَقِيْلَ لَا يَجِبُ الْاِسْتِمْرَارُ وَيَصِحُّ الْاِنْتِقَالُ وَهٰذَا هُوَالْحَقُّ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ اَنْ يُّؤْمِنَ بِهٖ وَيُعْتَقَدَ عَلَيْهِ لٰكِنْ يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا يَكُوْنَ الْاِنْتِقَالُ لِلتَّلَهِّيْ فَاِنَّ التَّلَهِّيْ حَرَامٌ قَطْعًا فِي التَّمَذْهُبِ كَانَ اَوْ غَيْرِهٖ اِذْ لَا وَاجِبَ اِلَّا مَا اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالْحُكْمُ لَهٗ وَلَمْ يُوْجِبْ عَلٰى اَحَدٍ اَنْ يَّتَمَذْهَبَ بِمَذْهَبِ رَجُلٍ مِنَ الْاُمَّةِ فَاِيْجَابُهٗ تَشْرِيْعُ شَرْعٍ جَدِيْدٍ۔

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱)

خلاصہ اس عبارت کا یہ کہ مذاہب مروجہ سے کسی ایک ہی مذہب کو اپنے اوپر لازم کرنا شرعاً کوئی چیز نہیں ہے بلکہ (دلیل حق معلوم ہو جانے پر) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جانا، صحیح ہے، لیکن یہ انتقال محض لہو ولعب کے طور پر نہ ہونا چاہیئے (اس طرح کہ نفسانی خواہش کے لیے کسی صحیح دلیل کو چھوڑ کر کوئی اس کے خلاف ضعیف دلیل پا دیں اور اس کے پیچھے لگ جا دیں) ایسا کرنا قطعاً حرام ہے مذہب کے بارے میں لہو ولعب یا دیگر امور میں بہر حال حرام ہے اور واجب صرف وہی چیز ہے جس کو اللہ نے واجب کیا ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ امت میں کسی آدمی کے مذہب کو لازم پکڑنا اللہ نے ہرگز واجب نہیں قرار دیا ایسا خیال اپنی طرف سے ایک نئی شریعت گھڑنا ہے،

طوالع الانوار میں ہے:۔ وُجُوْبُ تَقْلِيْدِ مُجْتَهِدٍ مُعَيَّنٍ لَا حُجَّةَ عَلَيْهِ لَا مِنْ جِهَةِ الشَّرِيْعَةِ وَلَا مِنْ جِهَةِ الْعَقْلِ كَمَا ذَكَرَهُ الشَّيْخُ ابن الهمام مِنَ الْحَنَفِيَّةِ فِيْ فَتْحِ الْقَدِيْرِ وَفِيْ كِتَابِهِ الْمُسَمّٰى بِتَحْرِيْرِ الْاُصُوْلِ (محمد داؤد راز)

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی اور اہل حدیث

مولانا عبد الحی لکھنوی کا فتویٰ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اکابرین علماء احناف کو جماعت اہل حدیث سے کسی قسم کا اختلاف نہ تھا تعصب اور عناد تو بجائے خود چنانچہ ذیل میں مولانائے مجدد مرحوم موصوف کا فتویٰ نقل کر کے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں تاکہ معلوم ہو احناف کا تعصب اور عناد جو جماعت اہل حدیث سے ہے دور ہو یہ فتویٰ ۱۸۹۰ء میں شائع ہوا

کا ہے شاید احناف کیلئے موجب عبرت ہو سکے وَمَا تَوْفِيْقِىْ إِلَّا بِاللهِ۔ سوالات وجوابات متعلقہ مقدمہ آرہ جو بذریعہ وکیل عدالت چند سوالات بتاریخ ۲۱ جنوری ۱۸۸۱ء میں یا تھا حضرت مولانا استاذنا الحافظ الحاج ابو الحسنات محمد عبد الحی صاحب قبلہ نے جواب اسکا تحریر فرمایا تھا،

سوال نمبر ۱:۔ مسلمان ہونے کے لئے ایک مذہب حنفی شافعی وغیرہ ہونا خدا اور رسول نے شرط کیا ہے یا نہیں اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور اماموں کے وقت میں لوگ حنفی یا شافعی وغیرہ کہلاتے تھے یا نہیں اور اماموں نے اپنی اپنی تقلید کرنے کو کہا ہے یا نہیں اور پیغمبر صاحب کے بعد کئی سو برس تک مسلمان لوگ تقلید ایک امام خاص کی نہیں کرتے تھے، اور وہ مسلمان غیر مقلد اصحاب اور تابعین اچھے سچے مسلمان تھے یا اُن کے بعد کے مقلدین حنفی شافعی کہلانے والے حدیث اور قرآن کے عامل سے ناراض ہونے والے اچھے ہیں اور پیغمبر صاحب نے صحابہ اور تابعین غیر مقلد لوگ کے زمانہ کو اچھا کہا ہے یا نہیں اور اس کے بعد کے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے یا نہیں قوی دلیل سے بیان کیجئے۔

جواب:۔ (۱) نام میرا مولوی عبد الحی ابن مولوی عبد الحلیم صاحب ساکن فرنگی محل عمر تخمیناً ۳۲ سال بقول صالح بیان کرتا ہوں حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا ہے اور پیغمبر صاحب اور اصحاب اور امام کے وقت میں حنفی شافعی وغیرہ سے مسلمان موسوم نہ تھے اماموں نے اپنے قول کی تقلید کی اجازت دی ہے اس حالت میں جب خلاف قرآن وحدیث نہ ہو مسلمان زمانہ اصحاب اور تابعین کے اچھے تھے ان لوگوں سے جو عامل مقلدین قرآن وحدیث سے ناراض ہیں اور پیغمبر صاحب نے زمانہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کو اچھا کہا ہے اور پچھلے زمانہ میں جھوٹ اور گناہ پھیلنے کی خبر دی ہے،

سوال نمبر (۲):۔ اگر کسی ایک امام کا مقلد بادشاہ ہو یا کوئی اور مسجد بنا دے تو وہ مسجد بنانے والے کی ملکیت میں باقی رہتی ہے یا نہیں اور ہر مسجد میں ہر مسلمان اپنے طور پر مشروع پر مستحق نماز پڑھنے کا بیک وقت وبیک جماعت ہے یا نہیں

جواب (۲):۔ مسجد بنانے والے کی ملکیت میں نہیں رہتی اور اس میں مسلمان بطور شرع نماز ادا کر سکتے ہیں اور ایک وقت اور ایک جماعت سے پڑھ سکتے ہیں مگر ایک ساعت میں ایک بھی

مسجد میں تو جماعت نہیں پڑھ سکتے۔

سوال (۳):۔ جو شخص بموجب قرآن و حدیث کے نماز ادا کرے اور مسئلوں میں مقلد ایک امام خاص کا نہ ہوا اور سب اماموں کو برابر حق جان کر جس کا مسئلہ موافق سمجھے عمل کرے تو وہ مسلمان سنت جماعت ہے یا نہیں،

جواب:۔ (۳) ایسا شخص مسلمان سنت جماعت ہے بشرطیکہ قابلیت قرآن سمجھنے کی رکھتا ہو اور تخریب دین اس کو منظور نہ ہو۔

سوال (۴) آمین بالجہر کہنا نماز میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول و فعل ہے یا نہیں اور یہ اسلام کی بات ہے یا کفر کی اور حنفی کتابوں سے اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں اور مسلمانوں کا فعل ہے یا نہیں۔

جواب:۔ (۴) آمین بالجہر کہنا پیغمبر صاحب کا فعل ہے اور یہ اسلام کی بات ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے اور حنفی بھی اس مضمون کو لکھتے ہیں مگر اختلاف ہے اور بہت سے مسلمانان قدیم کا یہ فعل ہے،

سوال:۔ (۵) حنفیوں کی کسی کتاب میں آمین بالجہر کہنے والے کے یا اس کے ساتھ کے نماز پڑھنے والوں کی نماز کا ٹوٹنا اور کسی اور قسم کا حرج اور نقصان ہونا اس کے امام نے لکھا ہے یا نہیں،

جواب:۔ (۵) آمین بالجہر کہنے سے کہنے والے یا اس کے ساتھیوں کی نماز ٹوٹنا یا نقصان ہونا اور پہنچنا کسی کتاب معتبر حنفی میں نہیں لکھا ہے،

سوال:۔ (۶) آمین بالجہر سے ناراض ہونا مسلمان کا فعل ہے یا یہودیوں کا حدیث سے کیا ثابت ہے اور کسی امام یا عالم کے قول سے قرآن اور حدیث پر عمل نہ کرنے والا اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو محبوب سمجھ کر خود عمل نہ کرے اور عمل کرنے والے کو برا جانے وہ از روئے قرآن و [illegible] کیسا ہے

جواب:۔ (۶) باوصف عالم ان امر کے کہ آمین بالجہر کہنا فعل نبوی ہے اس سے ناراض ہونا مسلمان کا کام نہیں ہے اور حدیث کا حال اوپر بیان ہو چکا ہے اور جو قول امام کا یا کسی عالم کا یقیناً، خلاف قرآن اور حدیث کے ہو اس پر عمل کرنا اور قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا مسلمان کا فعل نہیں

ہے اور جو شخص پیغمبر صاحب کے حکم کو باوجود اس بات کے کہ یہ حکم نبوی ہے معیوب سمجھے وہ شخص مسلمان نہیں ہے اور عاملوں کو برا جاننا درست نہیں ہے،

سوال ۷:، امور مذہبی میں شد آمد قدیم ورسم ورواج کو دخل ہے یا نہیں اگر ہے تو زور سے آمین کہنے والا مسلمان آہستہ آمین کہنے والے حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں،

جواب ۷:، امور واحکام مذہبی میں رسم ورواج کو دخل نہیں اور زور سے آمین کہنے والا اگر منظور اس کو اتباع شریعت ہو اور فساد منظور نہ ہو تو حنفیوں کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے

سوال ۸:، اگر کسی کو کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے سے یا اور کسی طرح یاد الہٰی سے روکے تو روکنے والے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بڑا ظالم اور اس کے واسطے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب سخت کا حکم کیا ہے یا نہیں،

جواب ۸:، جو شخص کسی کو مسجد میں نماز پڑھنے سے یا یاد الہٰی سے بغیر وجہ شرعی کے روکے اس کو اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا ہے اور عذاب سخت کا موعود ہے،

سوال ۹:، کسی حاکم کا یہ حکم کہ مسلمان لوگ مسجد میں اندر نماز کے آمین بالجہر نہ کہیں دست اندازی امور مذہبی میں ہے یا نہیں اور آمین بالجہر کہنے والوں کو اس حکم امتناعی سے نقصان دینی ہے یا نہیں ہے اور مسجد میں اذن عام واسطے ہر مسلمان کے اپنے طور پر ہے یا نہیں،

جواب ۹:، آمین بالجہر کو منع کرنا امور مذہبی میں دست اندازی ہے اور آمین بالجہر کہنے والوں کا نقصان دینی ہے اور مسجد میں ہر مسلمان کے واسطے بطور شرعی نماز پڑھنے کی اجازت ہے

(ابوالحسنات محمد عبدالحی عفی عنہ لکھنوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۱

ہندوستان میں مسلک عمل بالحدیث تاریخ کی روشنی میں

بہت سے بھولے بھٹکے عوام اور جعلی مولویوں کا گروہ یہ کہتا رہتا ہے کہ مسلک اہل حدیث ایک نو پیدا شدہ مذہب ہے جو ابھی کل ماضی قریب میں پیدا ہوا تھا جس کے جوابات ہمیشہ ہمارے جماعت کے عالم قدیم اسلامی لٹریچر سے دیتے رہتے ہیں اس کی اس قدر تکرار کی گئی ہے اور اتنی کتابیں اس مضمون پہ لکھی گئی ہیں کہ ہم ان کی تعداد کا اپنے ذہن میں تصور

بھی نہیں لاسکتے مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں سے کوئی نہ کوئی پیر یا مولوی بول ہی پڑتے ہیں اور اس براہ جھوٹ کا اعادہ کرتے رہتے ہیں اسلیئے آج کی صحبت میں پھر ہم اس پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر با ادب درخواست کرتے ہیں کہ جن کو مسند علم پر بیٹھ کر جماعت اہلحدیث اور علمائے محدثین پر ہمیشہ غلط اور پر فریب الزامات لگانے کی عادت ہو چکی ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور یوم الحساب کا تصور کریں کہ جب بارگاہ الہیٰ میں جھوٹے اور پر فریب الزامات کے مقدمات پیش ہونگے اور عاملین بالحدیث اور علمائے محدثین بارگاہ الہیٰ میں یہ فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پاک مولا! ان ہمارے بھائیوں نے ہمارے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح طریقہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہم پر جھوٹے الزامات لگائے بہتان بازیاں کی تھیں اور صرف تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے والوں کو یہ دستار علم دین باندھنے والے گمراہ و بیدین کہا کرتے اور اپنے رائے قیاس والے معمولات و محدثات کو عوام میں پھیلانے کے لئے لمبی لمبی تقریریں کیا کرتے تھے اور مسند تعلیم پر بیٹھ کر اپنی پر پیچ تاویلوں اور لطیفوں اور حیلہ جوئیوں سے حدیثوں کو رد کر دیتے تھے اور اپنے احبار و رہبان کے مذاہب کو رواج دینے کیلئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا کرتے تھے آج جب کہ پریس و طباعت کی آسانیوں. سلسلہ رسل و رسائل کی سہولتوں اور دیگر آمدورفت کے ذرائع نے پونے چودہ سو سالہ اسلامی لٹریچر کو جمع کر دیا ہے کوئی بات اندھیرے میں نہیں رہی بلکہ نقلی اور عقلی علوم جو اب تک نوشتوں کی شکل میں ملتے تھے قطعی طور پر اب سارے کے سارے انسان کے سامنے آچکے ہیں ہم نہیں جانتے کہ ایسا کہنے والے اور غلط الزام لگانے والے کیونکر ایسی جرأتیں، کرتے رہتے ہیں اور حقائق پر پردہ ڈالنے کی کس لئے اس قسم کی بدعنوانیاں اور غلط بیانیاں کرتے رہتے ہیں کیا اب بھی ان کو یہ توقع ہے کہ وہ غلطی خوردہ اور فریب خوردہ لوگوں کو اپنا کر عوام کو اس ... چلے جائیں گے اور پھر ان کو ان سے منوالیں گے ایک دانشمند اور ذی علم انسان سے ... کام نہیں ہو سکتا کہ وہ ایسی جرأت کرے بلکہ ہر ذی ہوش انسان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ... آج تاریخ کا ریسرچ ہو رہا ہے اور قدیم تاریخ کا کھوج لگایا جا رہا ہے جملہ پیروان ... اپنے مذہبوں کی تحقیقات کر رہے ہیں اور اپنے اسلاف کے غلط معتقدات

ومحدثات کو چھوڑ کر اپنے مذاہب کے صحیح حقائق کو تلاش کر رہے ہیں پیر پرستیاں، امام پرستیاں، خویش پرستیاں اور رواج پرستیاں ختم ہو رہی ہیں اور عنقریب مذاہب کی ان غلطیوں کا راز فاش ہو جائے گا جن کی وجہ سے اسلام کے سرسبز و ہرے بھرے باغ قرآن و حدیث کی تکے بوٹیاں کی گئیں، اور قرآن کریم کا یہ فرمان صحیح ہوا وَجَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ بھلا یہ کہیں ٹھکانے لگتی بات ہے کہ جو جماعت اپنے منہ سے ہر وقت اور ہر موقع پر خَيْرُ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ نکالتی ہو اور اس پر اس کا عمل بھی ہو، تو وہ جماعت کیونکر نو پیدا شدہ خیال کی جا سکتی ہے کیا یہ نعرہ آج کسی عامل بالحدیث نے وضع کیا ہے بڑے ہی شرم کی بات ہے کہ جس جماعت کا عمل کتاب و سنت پر ہو اس کو نو پیدا شدہ بتلایا جائے اور جو مذاہب کتاب اللہ کے نزول و تکمیل دین سے صدیوں بعد وضع کیا جائے اور ان کی نسبتیں صدیوں بعد کے امتیوں سے جوڑی جائیں ان کو اصلی و قدیم بتایا جاوے فیا للعجب ثم العجب۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب دوسری صدی میں ان کے شاگردوں نے مدون کیا اور صدہا علماء اور فقہا کے رائے قیاس اس میں شامل کئے گئے پھر اس کی سند کا ابھی کوئی التزام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے اس میں صدہا عالموں نے اپنی رائے و قیاس اور فتووں کو شامل کر دیا اس کو تو صحیح اسلام قرار دیا جاوے اور جس مذہب کا ڈھانچہ کتاب اللہ اور حدیث صحیح سے تیار کیا گیا ہو جس کی صحت اور سند کا التزام اس قدر حزم و احتیاط اور صحیح نقل کے ساتھ کیا گیا ہو کہ اس سے زیادہ صحت اور سند کا التزام آج تک انسانی دنیا نہ کر سکی ہو اس کو نیا جعلی اور بناوٹی مذہب قرار دیا جاوے، اَللّٰهُمَّ اشْفِ صُدُوْرَنَا لِعَلَمِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اس مقام پر ہم نواب محسن الملک سید مہدی علی خان بہادر مرحوم کی مشہور کتاب تاریخ تقلید اور عمل۔

بالحدیث سے تھوڑا سا نقل کرتے ہیں جو عمل بالحدیث اور جدید مذاہب کے حقائق پر روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہے وھو ہذا۔

مذاہب اربعہ کے رواج اور ترک اجتہاد کا سبب

تبع تابعین کے زمانہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم وتعلم کی صورت تو وہی تھی جو تابعین کی تھی لیکن اس وقت میں بسبب کثرت مسلمانوں کے اور شروع ہونے جھگڑے اور فساد اور جاہل ہونے خلفاء وقت کے اور شائع ہونے جھوٹ اور اختراع کے اور واقع ہونے اختلاف کے خدا نے لوگوں کو مسائل کے جمع کرنے اور اصول وقواعد کے منضبط کرانے اور ارکان وآداب وعبادت کی تشریح اور اجتہاد اور استنباط اور استخراج کے قاعدے ترتیب دینے والے راغب کیا اس وقت کے نیک اور پاک لوگوں کو حدیث وفقہ کی تدوین کا شوق دیا چنانچہ دوسری صدی کے اوسط سے جس شہر میں جو نامی اور عالم تھا ان میں بعض نے حدیث کی تالیف اور تدوین پر کمر باندھی اور مسائل کا جمع کرنا شروع کیا چنانچہ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ رح نے اور مدینہ میں امام مالکؒ اور محمد بن عبدالرحمان ابن ابی ذئبؒ نے اور کوفہ میں ثوریؒ نے اور بصرہ میں ربیع ابن صبیح نے اول اول حدیث میں تالیف کی اور امام ابو حنیفہ رح اور امام مالکؒ نے فقہ کی تدوین شروع کی سب سے پہلے حنفی مذہب کی بنیاد پڑی اس لیے کہ امام ابو حنیفہ رح کو خدا نے اجتہاد اور استنباط مسائل اور استخراج فروعات کی ایک خاص قسم کی استعداد دی تھی اور وہ زہد وورع میں بھی کامل تھے پس انھوں نے اپنے شہر کے امام فقیہہ ابراہیم نخعی کی احادیث واقوال وروایات پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کی اور انہوں کے اصول پر استخراج کرنا جزئیات مسائل کا شروع کیا چنانچہ یہ امر بخوبی اس شخص پر ظاہر ہے جس نے امام محمد کی کتاب الآثار اور جامع عبدالرزاق اور مصنف ابی بکر ابن ابی شیبہؒ کو دیکھا ہے اور پھر ابراہیم نخعی کے اقوال کو امام ابو حنیفہ رح کے مذاہب سے ملایا ہے غرض جب امام ابو حنیفہ رح نے اس طور پر فقہ کی تدوین شروع کی تب لوگوں نے ان کی طرف رغبت کی اور ان کے اصول وفروع کو پسند کر کے ان سے سیکھا اور فقہائے کوفہ نے ان کے اجتہاد کو قبول اور ان کے استخراجی مسائل پر عمل کیا اور جب قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دو شاگرد ان کے ہو گئے تب پہلے شاگرد کی امارت اور قضاء کے سبب سے اور دوسرے شاگرد کے علم اور تالیف کی برکت سے امام کا مذہب سارے عراق اور خراسان اور ماوراءالنہر میں پھیل گیا۔

حنفی مذہب کے بعد بنیاد مالکی مذہب کی پڑی امام مالکؒ حدیث اور فقہ وزہد وتقوی میں بہت مشہور تھے ان کو احادیث نبوی بہت سی یاد تھیں اور وہ ان کے ضعف وقوت سے بھی

بحر بی واقف تھے چنانچہ انہوں نے نہایت عمدہ اور صحیح اور جامع کتاب حدیث کی لکھی جس کا نام موطا ہے اس کی مقبولیت اعلیٰ درجہ پر پہنچی اور ہزاروں آدمیوں نے امام مالکؒ سے حاصل کیں ہیں، امام مالکؒ کی اس کتاب کی برکت سے ایسا فائدہ لوگوں نے پایا کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا، پس جہاں جہاں ان کے اصحاب اور شاگرد پہنچے ان کی کتاب کو لوگوں نے دیکھا اور اُن کے مذہب پر عمل کرنا شروع کیا بعد نوں ان کے بعد ان کے مذہب کے اصول اور دلائل کو ترتیب دیا اور ان کی کتاب کے خلاصے کئے ان کے کلام اور فتووں کی شرح کی یہاں تک کہ آخر ان کا بھی ایک جدا مذہب قرار پایا اور نواح مغرب کی طرف جہاں ان کے تلامذہ زیادہ ہوئے مالکی مذہب پھیل گیا ان دونوں مذہب کی بنیاد پڑ چکی تھی کہ امام شافعیؒ پیدا ہوئے انہوں نے دونوں مذہبوں کے اصول وفروع کو دیکھ کر اور ان کے کلیات و جزئیات پر نظر کر کے ان باتوں کو جو ان مذہبوں میں ناقص تھیں پورا کیا اور نئی طور سے اصول و قواعد کو ترتیب دیا امام شافعیؒ نے سب سے اول ایک کتاب اصول کی تالیف کی اور اس میں احادیث مختلف کے جمع کرنے کے قاعدے کئے اور احادیث مرسل اور منقطع پر استناد کرنے کا بغیر پائے جانے کے اس کی شرائط کا التزام ترک کیا، انتہی کلامہ،

یہ تو تھا مذاہب اور تقلید کے متعلق ہمارے زمانہ کے مورخ کا بیان اب ذرا ایک پرانی تاریخ کا بیان بھی ملاحظہ کیجئے ۵۳۵ھ میں عیسیٰ بن مالک نامی ایک بادشاہ بڑی سلطنت والا ابو حنیفہؒ کے مذہب پر تھا اور پرلے درجہ کا متعصب تھا کتاب مسعودی اس کو تمام یاد تھی لوگوں کو حنفی مذاہب اختیار کرنے کی ترغیب دیتا تھا اور کہتا تھا کہ سب کے سب امام ابو حنیفہؒ ہی کے اقوال پر عمل کرو صاحبین یعنی اُن کے شاگردوں کے اقوال پر بھی عمل نہ کرو اور اس کے حکم کے بموجب فقیہوں نے ایک ایسی کتاب اس کو بنادی تھی کہ جس میں بجز اقوال ابو حنیفہ کے اور کسی کا بھی حکم نہ تھا اس کو بھی اس نے یاد کر لیا تھا اور بسبب تعصب اپنے مذہب کے جس قدر شافعیؒ مذہب والے اس ملک میں تھے سب کو قتل کرو الا تاانتہا ملخصا تاریخ ابن خلکان۔

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلی کا معتبر بیان بھی ملاحظہ فرمائیے

آپ تحریر فرماتے ہیں :- اِعْلَمْ اَنَّ النَّاسَ کَانَ قَبْلَ الْمِائَۃِ الرَّابِعَۃِ مُجْمِعِیْنَ عَلٰی

التَّقْلِيْدِ الْخَاصِّ لِمَذْهَبٍ وَاحِدٍ بِعَيْنِهٖ۔

ترجمہ تم اس بات کا یقین کرو کہ مسلمان چوتھی صدی سے پہلے کسی خاص مذہب کی تقلید پر متفق نہ تھے،
مختصر ان حوالہ جات سے یہ بات بخوبی روشن ہوتی ہے کہ مذاہب اربعہ کا رواج کب ہوا اور کسی طرح ہوا
اب ذرا مسلکِ عمل بالحدیث کی دردناک داستان ملاحظہ ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
ہی میں آپ نے مسلمانوں کے دلوں اور دماغوں میں یہ سمو دیا تھا کہ میں دو چیزیں تمہارے لئے چھوڑ
کر جاؤں گا کتاب اللہ و سنت چنانچہ فرمایا،

تَرَكْتُ فِيْكُمْ أَمْرَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ ۔ اور قرآن مجید کا یہ حکم ہر مسلمان سن چکا تھا،
کہ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اس پر تمام مسلمان اور صحابہ عمل پیرا تھے اور مسائل دینی میں
صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت سمجھا جاتا تھا چنانچہ ہمارے زمانے
کے مشہور مورخ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب اپنی کتاب قول حق میں تحریر فرماتے ہیں جو احقاق حق اور
اظہار صداقت کے لئے مرحوم نے تصنیف فرمائی تھی گذشتہ صدی میں اگرچہ دوسرے علوم اور قرآن
مجید کے سوا دوسری کتابوں کے لکھنے اور پڑھنے کی طرف مسلمان متوجہ ہو چکے تھے لیکن آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق ابھی تک یہی دستور چلا آتا تھا کہ تابعی اور تبع تابعی احادیث کو
اپنے حافظے ہی میں محفوظ رکھتے اور زبانی ہی اپنے شاگردوں کو یاد کراتے اور لوگوں کو سناتے تھے اجتہادی
مسائل میں علماء کے فتوے مختلف ہو جاتے تھے یہ اختلاف کبھی تو حدیثوں کے مطالب مختلف ہونے
کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی ایک عالم ایک حدیث کو اپنے فتوے کی بنیاد قرار دیتا اور دوسرا عالم دوسری
حدیث کو اختیار کرتا اس قسم کا اختلاف صحابہ کرام کے زمانہ سے موجود تھا اور اس کو مسلمانوں کے
لئے رحمت بتلایا گیا تھا مسلمان اس کو رحمت سمجھتے بھی تھے ایک دوسرے پر نہ معترض ہوتا اور
نہ کوئی غلطی اور گنہگار خیال کبھی یہ اختلاف ایک ہی حدیث سے دو قسم کے مطالب اخذ کرنے پر
ہوتا تھا مثلاً ایک عالم نے ایک نتیجہ اخذ کیا اور دوسرے نے دوسرا نتیجہ نکالا اس طرح دو
مختلف فتوے صادر ہوئے کہ یہ اختلاف بھی اس پہلی قسم کا اختلاف اور مسلمانوں کے لئے
رحمت تھا کبھی اختلاف کی وجہ یہ ہوتی کہ ایک عالم کو ایک حدیث پہنچی تو اس نے اس حدیث
کے موافق فتویٰ دیا اور دوسرے عالم کو وہ حدیث نہیں پہنچی تو اس نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر فتویٰ صادر

کر دیا یہ اختلاف بھی مسلمانوں کے لئے زحمت اور اذیت کا موجب نہ تھا کیونکہ جو شخص حدیث کی غیر موجودگی میں رائے قیاس سے کوئی فتویٰ دیتا تو یہ شرط لگاتا کہ اگر حدیث مل جائے تو میرا فتویٰ چھوڑ دینا اور حدیث پر عمل کرنا فتویٰ دیتے وقت مذکورہ شرائط کا لگانا اس لئے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث جو صحابہ کرام کے ذریعہ روایت ہو کر لوگوں کو پہنچی ہیں وہ ساری کی ساری ایک جگہ مجتمع نہیں ہیں بلکہ مختلف شہروں اور مختلف عالموں تک پہنچ چکی ہیں اور دوسرے شہروں میں جانے اور دوسرے عالموں سے ملاقات کرنے سے واقفیت بڑھتی رہتی ہے کہ مدینہ، دمشق، قاہرہ، کوفہ، بصرہ وغیرہ صحابہ کرامؓ کے بھی قیام گاہ رہے ہیں اور ان مقامات میں ان کے شاگرد یعنی تابعی لوگ اور تابعیوں کے شاگرد تبع تابعین موجود تھے جن جن صحابیوں کی روایت کردہ احادیث لوگوں کو زیادہ یاد تھیں اور انہیں احادیث کا زیادہ چرچا تھا اور اُن ہی صحابیوں یا اُن کے شاگردوں کے اجتہادی مسائل زیادہ مروّج تھے اور انہیں پر قیاس کر کے نئے نئے اجتہاد بھی کئے جاتے تھے اور اس دوسری قسم کے تمام مسائل فروعی ہوتے تھے باوجود اس اختلاف کے کوئی تفریق اور کوئی گروہ بندی نہ تھی مدینہ والے مکہ والوں کو کوفہ والے بصرہ والوں کو کسی الگ مذہب کا متبع اور دوسرے فرقہ کا پیرو نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ لوگ اختلاف کے اس ناگزیر سبب سے واقف تھے ایک کے ذریعہ دوسرا اپنی واقفیت کو وسیع کرنا چاہتا تھا اور سب کا ایک ہی اسلام تھا جس کے عقائد نہایت صاف اور سادہ اور اعمال نہایت آسان تھے دماغ کو پریشان کرنے والی موشگافیاں اور پیچیدگیاں اعمال و عقائد میں مطلق نہ تھیں ان کا قبلہ قرآن مجید اور اس کے بعد احادیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ تھے کتاب و سنت کے سوا وہ لوگ اسلام کے لئے اور کسی چیز کو ضروری اور لازمی نہ سمجھتے تھے، فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱۔ صفحہ ۱۴۶

خواجہ حسن نظامی دہلوی کے سوالات علمائے اہل حدیث سے

خواجہ صاحب دہلوی نے مختلف فرقوں سے چند سوال کئے ہیں مثلاً شیعوں سے ؛

قادیونوں سے اور علمائے اہلحدیث سے خواجہ صاحب نے جو سوالات کئے ہیں اہلحدیث کی طرف سے ان کے جوابات خواجہ صاحب کو غالباً معلوم ہوں گے چونکہ مذہب اہلحدیث اور اسلام دو مترادف لفظ ہیں اس لئے جواب سے پہلے ہماری گذارش تو یہی ہے،

نئے لوگوں کی کیجے آزمائش ضرورت کیا ہمارے امتحان کی

بہرحال خواجہ صاحب کے سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں۔

پہلا سوال:۔ کیا فرماتے ہیں جماعت اہلحدیث کے علماء اس مسئلہ میں کہ جو مسلمان آیات قرآنی اور احادیث نبوی پر ایمان رکھتے ہیں مگر چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید ان کے ایمان میں کوئی فتور پیدا کرتی ہے یا نہیں!

جواب نمبر ا:۔ اس سوال کا جواب شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی، المعروف میاں صاحب نے اپنی کتاب معیار الحق میں دیا ہوا ہے مرحوم نے مسئلہ تقلید شخص کو چند قسموں میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ایک قسم مباح بتائی ہے یعنی اس پر کوئی گناہ مرتب نہیں ہو سکتا وہ یہ ہے کہ مقلد کسی ایک امام کو محقق سمجھ کر ہمیشہ اسی کی بات مانتا رہے مگر اس تعین کو شرعی حکم نہ سمجھے بلکہ ایسے مقلد کو اگر اپنے امام کے قول کے خلاف کوئی حدیث معلوم ہو جائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کرے اپنے امام کی بات پر اصرار نہ کرے مرحوم نے دوسری قسم کو حرام بتایا ہے یہ وہ تقلید ہے جس میں مقلد اس تعین کو حکم شرعی سمجھے،

اس فتوے میں میاں صاحب مرحوم متفرد نہیں ہیں بلکہ فقہاء حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں رد المختار شامی شرح در مختار میں بالتصریح مذکور ہے۔ لَيْسَ عَلَى الْإِنْسَانِ اِلْتِزَامُ مَذْهَبٍ مُعَيَّنٍ (شامی مطبوعہ مصر جلد ۱ ص۵۲)

بس اس سوال کا جواب تقلید کرنے والوں کی نیت پر موقوف ہے،

سوال نمبر ۲:۔ جو مسلمان اہلحدیث کے عقائد اور اعمال سے الگ ہیں اور کسی امام کی تقلید میں اس طرح ارکان اسلام کو ادا کرتے ہیں جن میں جماعت اہلحدیث کے عقائد اور اعمال کے مقابلہ میں کچھ فرعی فرق اور اختلاف معلوم ہوتا ہے تو ایسے مقلد مسلمانوں سے مزاحمت کرنا ضروری ہے یا یہ ایسی حالت میں کہ وہ مقلد مسلمان غیر مقلد مسلمانوں کے عقائد اور اعمال کے خلاف کچھ نہ کہتا ہو،

جواب نمبر ۲۰: اس کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں آگیا ہے تقلید کرنے والا پہلی دو قسموں میں سے جس قسم میں داخل ہوگا ویسا ہی حکم اس پر لگے گا فقہاء حنفیہ نے تقلید شخص کے متعلق صاف لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی ایک امام کی تقلید اپنے اوپر لازم کرے تو بھی یہ لازم نہیں ہوتی (درد المختار مصری جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)

سوال نمبر ۲۱: کیا علمائے اہلحدیث سیاسی معاملات میں اپنے عقائد کے اختلافات کا محدود رکھنا اور دوسرے فرقوں کے مسلمانوں سے متحد ہوجانا جائز سمجھتے ہیں یا نہیں،

جواب نمبر ۲۱: بے شک جائز سمجھتے ہیں کیونکہ علمائے اہلحدیث از روئے علم منطق جانتے ہیں کہ انواع ممتازہ اپنی جنس اور جنس الاجناس میں ضرور شریک ہوتی ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ اَلْإِنْسَانُ وَالْفَرَسُ وَالْبَقَرُ مَا هُوَ کے جواب میں حیوان آتا ہے،

اگر آپ چاہیں گے تو ہم ان علمائے اہل حدیث کے نام بتا دیں گے جو اس وقت بھی ہندوستان کی سیاسیات میں بلا تکلف شریک ہیں،

خواجہ صاحب: ہم آپ کے سوالات سے فارغ ہوگئے ہیں اب ہمارا بھی ایک سوال حل کر دیجئے اگر آپ اسے حل کر دیں گے تو ہم آپ کے بہت مشکور ہوں گے پس توجہ سے سنئے:۔

آپ جو اپنی تحریر میں جملہ ہو لکھا کرتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اس میں تو شک نہیں کہ ھُوَ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور الکل سے مراد کل کائنات ہے پس ہمارا سوال یہ ہے کہ یہ کل افرادی ہے یا مجموعی۔ افرادی ہونے کی حالت میں کائنات میں سے ہر شئے اسی ھُوَ کی جو مبتدا ہے خبر بنے گی اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے ھُوَ کل شئی جو بحکم حیوان عکس التغیہ یوں بولا جائیگا کل شئی ھُوَ مثلاً انسان چڑیا، کوا۔ طوطا، مینا وغیرہ میں سے ہر ایک اللہ کا مصداق ہوگا یعنی اللہ انسان ہے چڑیا ہے طوطا ہے اور مینا ہے،

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قول کے قائل کے نزدیک ہر ایک جانور طوطا مینا وغیرہ الٰہ (معبود) ٹھہرے گا کیونکہ یہ ھُوَ (مبتدا) کی خبر ہے کل کو مجموعی کہنے کی صورت میں یہ ترجمہ ہوگا کہ کل کائنات کا مجموعہ مل کر معبود ہے جس میں اس قول کا قائل بھی داخل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ معبودیت میں وہ

بھی حضرات ہے آپ خود ہی فرمائیے کہ ان تشریحوں میں سے آپ کی مراد کون سی تشریح ہے ان کے علاوہ اور کوئی تشریح مراد ہے ہم سے پوچھیں تو ہم اپنا عقیدہ مولانا روم رحمۃ اللہ کے الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں جو فرماتے ہیں، سے

اے بروں از وہم ہم وقال وقیل من
خاک بر فرقِ من وتمثیل من

اس مضمون کو آپ کے دہلوی شاعر مرزا غالب مرحوم نے یوں ادا کیا ہے،

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود۔
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ ۱۰۷

تشریح مزید از قلم حضرت العلامہ مولانا مفتی ابو الوفا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آج اسلامی دنیا سے ایک گونج دار آواز آرہی ہے کہ مسلمانوں کو فرقہ بندی نے تباہ کر دیا مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ فرقہ بندی کیا چیز ہے اور اس کی ابتدا مرکب سے ہوئی ہے،

کچھ شک نہیں کہ زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں اسلام ایک ہی شکل میں تھا مسائل میں اختلاف تھا باوجود اس کے فرقہ بندی نہ تھی جس کسی کو ضرورت پیش آتی وہ اپنے ہاں کے جس عالم سے چاہتا مسئلہ پوچھ لیتا شیخ ابن الہمام رئیس الحنفیہ کا قول ردّ المختار شامی میں ایسا ہی منقول ہے (مصری جلد سوم صفحہ ۱۹۶)

اتفاق حسنہ سے رسالہ برھان دہلی بابت جولائی ۵۲ء میری نظر سے گذرا تو اس میں یہ عبارت بالفاظ ذیل بلا مولوی مناظر احسن صاحب حیدر آبادی" یہ لکھتے ہیں کہ عہد صحابہ ہی سے مسلمان ان امور میں مختلف ہوتے رہے لیکن نہ اس اختلاف کو انہوں نے چنداں اہمیت دی اور نہ کبھی ہوا ہی نہیں کہ محض اس اختلاف کی وجہ سے افادنے کے نت نئے پہلو مختلف ادوار میں مسلمان جو پیدا کرتے رہے ان کی ایک حد تک تفصیل سنائی جا چکی ہے،

(برہان دہلی بابت ماہ جولائی)

اہلحدیث | اس کے ساتھ ہی حضرت حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کا بیان ملایا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ فرقہ بندی ارباب تقلید نے پیدا کی ہے حضرت ممدوح حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں تین سو سال تک فرقہ بندی بشکل تقلید نہیں تھی چوتھی صدی کے شروع میں اس کی ابتدا ہوئی انا للہ

نتیجہ صاف ہے | کہ مسائل میں اختلاف ہونے سے فرقہ بندی نہیں ہوتی ہاں فرقہ بندی یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ ہمارا مذہب ہے اور وہ شافعی رح کا اور وہ مالک رح کا یہاں تک کہ طریق استدلال بھی جدا جدا بتایا جائے چنانچہ صاحب توضیح نے حنفی مقلد کا طریق استدلال یوں بتایا ہے هذا ما ادّى اليه رأى ابى حنيفة وكل ما ادّى اليه رأى ابى حنيفة فهو عندى صحيح۔ یعنی یہ مسئلہ ابوحنیفہ رح کی رائے ہے اور جو ابوحنیفہ رح کی رائے ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے یہی حق شافعیوں کو دیا گیا ہے، هذا رأى الشافعي وكل رأى الشافعي فهو عندي صحيح۔

اس فرقہ بندی کی مثال | منطقی اصطلاح میں یوں سمجھنی چاہیے کہ ہر صنف کو نوع بتایا جائے جیسا یہ غلط ہے ویسا ہی فرقہ بندی بھی غلط ہے،

مولانا حالی مرحوم نے ایک بند اس کے متعلق یوں لکھا ہے،

سدا اہل تحقیق سے دل میں بل ہے   حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے،
فتاووں پہ بالکل مدار عمل ہے   ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے،
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی   خدا اور نبی سے نہیں کام باقی۔

تقلید اور اقتدا | اس عنوان سے اخبار سچ، لکھنؤ میں ایک سلسلہ مضمون نکلا ہے فاضل مضمون نگار (مولانا مناظر احسن استاد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کا نام دیکھ کر ہم نے اس مضمون کو بغور دیکھا گمان تھا کہ فاضل موصوف مسئلہ تقلید کو اپنے علم وفضل سے کما حقہ منقح کر کے ناظرین کو مستفید فرمائیں گے مگر سارا مضمون دیکھ کر ہماری تشنگی بحال رہی کیوں، اس لئے کہ بحکم (وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا) مسئلہ تقلید کی تنقیح اور تحقیق کرنے والے کا

فرض ہوتا ہے کہ پہلے تقلید کی تعریف کرے پھر اس کی تقسیم پھر اس کا حکم ہونا چاہیے سلسلہ مذکورہ کو ہم نے اس سے خالی پایا بلکہ مولانا موصوف ان سب مراتب سے آگے جاکر ایک فقرہ لکھ گئے جس کی وجہ سے ہمیں یہ نوٹ لکھنا پڑا ورنہ ہم اس پر توجہ نہ کرتے مولانا موصوف فرماتے ہیں، سچ یہ ہے کہ آئمہ اسلام اصول میں نہیں بلکہ بہت دور کے بعض فروعی مسائل میں باہم کچھ اختلاف ضرور رکھتے ہیں لیکن ان اختلافات کو تم اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو اختلاف جس سے تفرق پیدا ہوتا ہو قابل ملامت ہے ہم سے کہا گیا ہے، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ اللہ نہ ہوجانا ان لوگوں کے مانند جو بکھر گئے اور مختلف ہوئے کھلی باتوں کے آجانے کے بعد۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ حنفیت و شافعیت کے اختلاف نے باہم مسلمانوں کو جدا کیا حنفیوں نے ہمیشہ شافعیوں سے تعلیم حاصل کی شافعیوں نے بسا اوقات حنفیوں کے ہاتھ پر بیعت کی مرید ہوئے اور دیکھو۔ عرب میں عجم میں مصر میں مراکو میں کیا مالکیوں نے حنفی امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھیں، کتنے حنفی تھے جن کو شافعی غزالیؒ نے صوفی بنایا اور کتنے شافعی تھے جو حنبلی شیخ الشیوخ قطب الاسلام گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے توسل سے فلاح و فوز کی بلندیوں تک پہنچ ۔ ص ۱۳۔

اہلحدیث | اس دعوٰی کی تحقیق کیلئے ہم ائمہ اصول کے اقوال سامنے رکھ کر پوچھیں گے کہ خدا لگتا انصاف!

تقلید | کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ۔ اَلتَّقْلِيدُ اَخْذُ قَوْلٍ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةِ دَلِيلِهِ۔ (متن جمع الجوامع للسبکی) یعنی کسی غیر نبی کا قول بغیر اس کی دلیل پہنچانے کے قبول کرنا تقلید ہے اس کا نتیجہ شارح کے الفاظ میں یوں ہے وَاَخَذُ قَوْلِ الْغَيْرِ مَعَ مَعْرِفَةِ دَلِيلِهِ اِجْتِهَادٌ وَافَقَ اِجْتِهَادَ الْقَائِلِ (شرح جمع الجوامع جلد ۲ ص۲۵۱) یعنی کسی غیر نبی کی بات کو اس کی دلیل کے ساتھ قبول کرنا تقلید نہیں بلکہ اجتہاد ہے فاضل مضمون نگار حیدرآباد میں رہتے ہیں اس لیے تعریف تقلید میں حیدرآباد کے ایک بزرگ کا قول ہم نقل کرتے ہیں تقلید کے یہ معنی ہیں کہ کسی شخص کو معتبر سمجھ کر اس کے فعل و قول کی پیروی بغیر طلب دلیل کی جائے۔

(حقیقۃ الفقہ مصنفہ مولانا انوار اللہ مرحوم حیدرآبادی حصہ دوم ص۵۱)

اس تعریف کے بعد تقلید کی تقسیم۔

تقلید مطلق :۔ یہ ہے کہ بغیر تعیین کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کیا جائے جو اہل حدیث کا مذہب ہے ،

تقلید شخصی :۔ یہ ہے کہ خاص ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی بات مانی جائے جو مقلدین کا مذہب ہے یہ ہے تعریف اور تقسیم اب سوال یہ ہے کہ تقلید کا حکم کیا ہے اصحاب تقلید کہتے ہیں کہ تقلید فرض و واجب ہے اس پر غور طلب امر یہ ہے کہ جس صورت میں تقلید کی تعریف میں عدم معرفت دلیل داخل ہے اور ان کے نزدیک دلیل نام ہے قرآن و حدیث اجماع اور قیاس کا تو اس صورت میں تقلید کے فرض و واجب ہونے کا صاف نتیجہ ہے کہ مقلد کو بوقت تقلید قرآن و حدیث وغیرہ کا پڑھنا حرام ہے کیونکہ اس تقلید کی فرضیت میں نقص آتا ہے بالجملہ خیر یہ تو ہے تقلید، تقسیم اور حکم پر بحث اب ہم فاضل نگار کے مقولہ پر متوجہ ہوتے ہیں آپ نے لکھا ہے کہ ائمہ اسلام اصول میں مخالف نہیں تھے حالانکہ علماء اصول کی تصریحات اس کے خلاف علامہ تاج الدین امام صاحب کے اصول میں مخالف تھے ،

مولانا عبدالحی لکھتے ہیں ،

فَاِنَّ مُخَالِفَتَهُمَا لِلْاِمَامِ هُمَا فِی الْاُصُوْلِ غَیْرُ قَلِیْلَةٍ حَتّٰی قَالَ الْاِمَامُ الْغَزَالِیُّ فِی الْمَنْخُوْلِ اَنَّهُمَا خَالَفَا اَبَا حَنِیْفَةَ فِیْ ثُلُثَیْ مَذْهَبِهٖ ۔

(مقدمہ شرح وقایہ صہ) یعنی امام ابو یوسف اور محمد کی امام صاحب سے اصول میں مخالفت بہت زیادہ ہے یہاں تک کہ امام غزالی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں صاحب امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے دو ثلث مخالف ہے ،

قاضی دبوسی نے کتاب تاسیس النظر میں ان کی اصول کی تفصیل دی ہے جن میں شاگرد اپنے استاد معظم کے مخالف تھے اس کے سوا وہ اصول بھی لکھے ہیں جن میں ائمہ اربعہ باہمی مخالف ہیں ،

نوٹ :۔ اس بحث کی تفصیل ہمارے رسالہ تقلید شخصی اور سلفی میں ملتی ہے ۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاضل مضمون نگار نے جو حنفیت اور شافعیت وغیرہ کو موجب تفریق ہونا تسلیم

نہیں کیا ہماری دلی تمنا ہے کہ موجب تفریق نہ ہو مگر علماء اصول کی تصریحات اس کے خلاف ہیں فاضل موصوف سے مخفی نہ ہو گا کہ جن دو فریقوں میں حجت شرعیہ اور طریق استدلال الگ الگ ہو تو ان میں فرق لازمی ہے،

ذرا تفصیل سے سُنئے

علم اصول کی مستند کتاب توضیح کے مصنف صدر الشریعہ حنفی مقلد کی دلیل اور طرز استدلال بتاتے ہیں، هٰذَا عِنْدِیْ صَحِیْحٌ لِاَنَّهٗ اَدّٰی اِلَیْهِ رَاْیُ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ فَهُوَ عِنْدِیْ صَحِیْحٌ۔ (توضیح تعریف علم الفقہ) یعنی حنفی مقلد کی دلیل یوں ہونی چاہیئے کہ یہ قول ابو حنیفہؒ کا ہے اور جو قول ابو حنیفہؒ کا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے شیکلہ اسی طرح شافعیہ کا اصول ہے اور ہونا چاہیئے کہ یہ قول شافعی کا ہے اور جو قول شافعیؒ کا میرے نزدیک وہی صحیح ہے علی ہٰذا دوسرے مقلدین کا، فرمایئے جب ہر فریق کے نزدیک اس کے امام کی شخصیت بانسبت داخل فی الدلیل ہے تو تفریق ہوئی یا وحدت۔

منطقی اصطلاح: میں اس کی مثال یوں ہے کہ جنس فصول مختلف سے مل کر انواع مختلف بنتی ہے اور انواع مختلف قسم ہیں جو یقیناً الگ الگ ہیں اسی دلیل (قرآن اور حدیث) کی حجیت میں جب امام کا فہم داخل ہے تو قرآن اور حدیث بمنزلہ جنس کے ہوئے جو فہم ابو حنیفہؒ اور فہم شافعیؒ وغیرہ سے مل کر انواع بنتے ہیں بس تفریق لازم،

اسی کا نتیجہ: ہوا کہ کعبہ شریف جیسے واحد مرکزی مقام میں چار مصلے بنائے گئے جس کا اثر یہ ہوا کہ ایک گروہ کے جماعت کرا کے گروہ کی جماعت کراتے ہوئے دوسرا اور دوسرے کے کراتے ہوئے تیسرا اور تیسرے کے کرائے ہوئے چوتھا گروہ بیٹھا رہتا تھا حتیٰ کہ کسی عارف نے کہا ہی تو

دین حق را چار مذہب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

خدا جزائے خیر دیے: جلالۃ الملک ابن سعود (ایدہ اللہ بنصرہ) کو جن کی حکمت عملی

سے چار مصلوں کی بجائے ایک ہی جماعت ہو گئی فللہ الحمد فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام و فضلا انام و فقہاء عظام اس مسئلہ میں کہ چار مصلوں کا ایجاد کرنا قرآن شریف و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ائمہ اربعہ سے ثبوت ہے یا نہیں۔ بَیِّنُوْا بَیَانًا شَافِعًا تُوْجَرُوْا عِنْدَ اللّٰہِ اَجْرًا عَظِیْمًا

جواب:۔ چار مصلے قائم کرنا خود ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں نہ ان کے زمانہ میں قائم ہوئے ہیں بلکہ ان کے زمانہ سے بہت دنوں بعد ایک بادشاہ نے قائم کر دیئے ہیں اس میں یہ خرابی تو ظاہر ہے کہ جماعت ہو رہی ہے اور دوسرے مصلے کے لوگ بیٹھے ہیں جماعت اولیٰ میں شریک نہیں ہوتے اسی طرح ان میں اور بھی خرابیاں ہیں بس یہ فعل دلائل شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ہے حرمین شریفین کی وہ باتیں جن میں کوئی مخالفت شرعی موجود ہو قابل حجت اور استدلال نہیں اور خود مذہب اربعہ کے محققین نے ان مصلوں کو ناجائز فرمایا ہے واللہ اعلم اتم و احکم کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ

الجواب صحیح الجواب صواب:۔ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی بندہ محمد حسین مدرسہ امینیہ دہلی سیکرٹری جمعیت علماء صفدر

الجواب صحیح بندہ ضیاء الحق عفی عنہ دہلی الجواب صحیح سید لطیف مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب صحیح اشفر اللہ بن محمد مہدی حسن غفر لہ دہلی الجواب صحیح بندہ عبد العزیز عفی عنہ مدرس فتح پوری دہلی

جواب صحیح ہے مظہر الحسن مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۱

(بحوالہ اخبار محمدی دہلی جلد ۲ ص ۱)

ایک علمی سوال:۔ مولوی محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے جلسہ احناف مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں خطبہ صدارت پڑھا خطبہ میں ساری توجہ مسئلہ تقلید پر مبذول رکھی اور جلسہ امرتسر میں بھی منتظمین نے تقلید کا عنوان داخل کیا ہے اسی لئے میرے دل میں خیال آیا کہ اسی جلسہ میں دیو بندی علماء کی خدمت میں ایک سوال پیش کر کے حل کرواؤں امید ہے کہ علماء ممدوحین اس سوال کو علمی مذاکرہ سمجھ کر تحریری جواب سے خوسند فرمائیں گے۔

تقلید:۔ آپ حضرات سے مخفی نہیں کہ علماء اصول کی اصطلاح میں نفس مسائل شرعیہ کا

جاننا علم نہیں بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جاننا علم ہے اس درجوں کی مثال قدوری اور ہدایہ ہے تقلید کی تعریف میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، (اَلتَّقْلِیْدُ هُوَ قَبُوْلُ قَوْلٍ بِلَا حُجَّۃٍ) کتاب المستصفی مصری جلد ۲ ص ۳۸۷ صاحب مسلم الثبوت لکھتے ہیں (التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ مسلم ص ۲۸۹) علامہ ابن حاجب مصنف کافیہ فرماتے ہیں،

(فالتقلید العمل بقول غیرك من غیر حجۃ (مختصر ابن حاجب ۲ ص ۳۰۵)

جمع الجوامع میں تقلید کی تعریف میں یوں مرقوم ہے، (التقلید اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ)

(حاشیہ نور الانوار ص ۲۱۶ مطبع انوار محمدی لکھنو)

ان سب تعریفات کا مفہوم مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے یوں ادا کیا ہے تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا (الاقتصار ص ۲)

حضرات:۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تقلید کی تعریف میں بالاتفاق دلیل عدم معرفت داخل ہے، گویا وہ فصل مقوم ہے جس کے بغیر تقلید کی ماہیت متقرر نہیں ہو سکتی پس جو شخص مسائل دینیہ کو دین کے ساتھ جانتا ہو نہ صرف جانتا ہو بلکہ تعلیم دیتا ہو بلکہ ان کو حق ثابت کرنے کیلئے ہر وقت مستعد رہتا ہو جیسے آپ حضرات کی ذوات مبارکہ ہیں ایسے شخص کے علم و فضل پر تقلید کی تعریف کیونکر صادق آسکتی ہے اور اس کو مقلد کیونکر کہا جا سکتا ہے اس کے متعلق بھی علمائے اصول کا فیصلہ پیش کر سکتا ہوں

شرح جمع الجوامع میں تقلید کی تعریف پر جو امر متفرع کیا گیا ہے وہ قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں۔ (اخذ قول الغیر مع معرفۃ دلیلہ اجتہاد وافق اجتہادہ) یعنی کسی مجتہد کے مسئلہ کو دلیل کے ساتھ صحیح سمجھنا اجتہاد ہے جو مجتہد اول کے موافق واقع ہے تقلید کی تعریف اور تفریع کے بعد میں آپ حضرات کی علمی حیثیت کا ذکر نا ان میں شک نہیں کہ آپ لوگ مسائل دینیہ کو بالدلیل جانتے ہیں تو کیا آپ حضرات کی علمی پوزیشن کو ملحوظ رکھ کر آپ کو مقلد کہا جائے یا غیر۔

یہ ایک سوال ہے جس کے لئے میں نے آپ حضرات کو متوجہ کیا ہے میں اپنا عندیہ عرض کیے دیتا ہوں کہ کسی شخص کو مقلد کہنا اس کے عالم ہونے کی نفی کے برابر ہے اس لئے آپ حضرات کو مقلد کہنے سے علاوہ تعریفات مذکورہ کے مجھے امام غزالی رح سخت مانع ہوئے ہیں گویا وہ فرماتے ہیں کہ دیوبندی علما رچونکہ مسائل کو دلیل کے ساتھ جانتے ہیں اس لئے ان کو مقلد نہ کہو کیونکہ،

ولیس ذٰلک التقلید طریقا الی العلم لا فی الاصول ولا فی الفروع (حوالہ مذکور) تقلید علم کا درجہ نہیں ہے اور نہ علم کا ہے بلکہ جہالت کا درجہ ہے یہی معنی ہیں علما ر اصول کے اس قول کے انما التقلید وظیفۃ الجاھل۔ پس آپ حضرات ان اصولی تعریفات کے ماتحت، اعلان فرمائیں کہ آپ کو مقلد کہیں یا غیر مقلد بینوا توجروا،

پس اب اس امر کا فیصلہ کہ آپ مقلد ہیں یا غیر آپ حضرات کے جواب پر موقوف ہے،

نوٹ:۔ اس مضمون میں میں نے بوجہ خاص خطاب حضرات دیوبندیہ سے کیا ہے، مگر دراصل یہ خطاب جملہ ان علمار کو ہے جو مسائل حنفیہ کو دلیل کے ساتھ جانتے ہوں خواہ وہ بریلی کے ہوں یا لاہور کے پنجاب کے ہوں یا ہندوستان کے سندھ کے ہوں یا بنگال کے عرب کے ہوں یا عجم کے سب میرے مخاطب ہیں وہ علمار اصول کی تصریحات ملحوظ رکھ کر اپنے لئے جو نام تجویز فرمائیں ہم اسی کو قبول کرلیں گے اس سے زیادہ طول دینا ہم نہیں چاہتے کیونکہ استاد غالب مرحوم کہتے ہیں سے

دیدے ہے کوا کتنا طول غالب مختصر لکھدے کہ حسرت سنج ہوں عرض ستم ہائے جدائی کا

(فتاویٰ ثنائیہ۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۵۲)

علمی سوال کا جواب الجواب متعلق تقلید علماء

علمار سلف میں علمی مذکرات ہوا کرتے تھے جن کو وہ موجب ترقی علم سمجھتے تھے مگر آج ہماری حالت اس کے برخلاف ہے جو نہی کوئی علمی سوال ہمارے سامنے پیش آتا ہے اس کو سائل کی بدنیتی پر محمول کرکے ہم اعلانِ جنگ کر دیتے ہیں یہ طریقہ علمار سلف کا پسندیدہ نہیں ہے اہل حدیث مورخہ دسمبر ۳۲ء میں ناظرین کی نظر سے ایک علمی سوال گذرا ہوگا جو مسئلہ تقلید کے متعلق تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید اپنی جامع و مانع

تعریف کے لحاظ سے علماء مقلدین پر صادق نہیں آتی پھر وہ مقلد کیوں کہلاتے ہیں سوال کی عبارت نہایت شیریں تھی اور مضمون بالکل صاف تھا اس کا جواب جمعیت الاحناف مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ کی طرف سے دیا گیا جن صاحب نے یہ جواب لکھا ہے ہم ان کو جانتے ہیں اس لئے ان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

چھپ نہ تو ہم سے کرا او جبیں دیکھ لیا ناظرین اس اشتہار کا جواب الجواب پڑھیں

امرت سر کے جلسہ احناف منعقدہ ۵ دسمبر ۳۲ء کے موقع پر میں نے ایک اشتہار کے ذریعہ ارباب تقلید سے ایک علمی سوال کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی تعریف جو علماء اصول نے کی ہے، وہ ان علماء پر صادق نہیں آتی جو خدا کے فضل سے علمی استعداد اتنی رکھتے ہیں کہ مسائل فقہیہ کو دلائل کے ساتھ جانتے ہیں جتنے اقوال تقلید کی تعریف میں میں نے نقل کئے تھے ان کا ترجمہ اور مطلب بھی میں نے اپنے الفاظ میں نہیں بیان کیا تھا بلکہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے لفظوں میں بتلایا تھا جو یہ ہیں،

"تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا (الاقتصار ص۱)

اس اشتہار سے میری غرض یہ تھی کہ معزز علماء تقلید کو ان کے علم کی حیثیت سے اطلاع دوں کہ آپ مقلد کے درجہ میں کیوں بیٹھے ہیں جو ادنیٰ درجہ ہے آپ اعلیٰ درجہ میں بیٹھیے جس کا ٹکٹ آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کوئی مسافر جس کے اول یا دوم درجہ کا ٹکٹ ہو وہ تھرڈ کلاس (تیسرے درجہ) میں بیٹھ جائے تو اس کو کہا جائے گا کہ آپ اپنے ٹکٹ کی عزت کیجئے،

میری یہ غرض نہ تھی کہ جماعت مقلدین کی یا کسی خاص شخص کی توہین کی جائے مگر افسوس ہے کہ علماء مقلدین نے میری منشاء بلکہ روش کے بھی خلاف توہین آمیز الفاظ میں ایک اشتہار دیا ہے جو مئو ضلع اعظم گڈھ سے اخبار ۱۶ ستمبر کو میرے پاس پہنچا ہے جس میں میری نسبت بہت سے الفاظ ایسے لکھے ہیں جن سے ان کا غیظ و غضب نمایاں معلوم ہوتا ہے تاہم میں ان کے جواب میں اپنے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتا بقول

مجھے تو ہے منظور ممنون کو لیلیٰ۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

اس لئے میں ان الفاظ کو نہ نقل کرتا ہوں اور نہ جواب دیتا ہوں جواب مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ مجیب نے میری منقولہ تعریفاتِ تقلید کو صحیح مان کر لکھا ہے کہ دلیل کی پوری معرفت ہدایہ وغیرہ پڑھنے سے نہیں ہوتی کیونکہ معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا یا الفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے،

میں کہتا ہوں کہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے مگر مجیب صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفت تامہ رکھتے ہیں اب میں نمونہً چند علماء کے اسماء گرامی بطورِ مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، مولانا انور شاہ دیوبندی مرحوم، مولانا محمود الحسن مرحوم، مولانا حسین احمد سلمہ، مولانا اشرف علی مرحوم، مولانا احمد رضا بریلوی مرحوم (مجدد مائۃ حاضرہ) وغیرہ اکابر علماء حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں کیا ہی لطف ہے کہ درسوں میں اور تصنیفوں میں بڑے زور سے اپنے مسائل کو مدلل بیان کریں اور فریق مخالف (اہل حدیث ہوں یا شافعیہ، مالکیہ ہوں یا حنبلیہ، اشعریہ ہوں یا ماتریدیہ) کے دلائل کی تردید اور اپنی تائید پورے طور پر کریں جس سے معلوم ہو کہ یہ حضرات جو کچھ کہتے اور لکھتے ہیں علیٰ وجہ البصیرت کہتے اور لکھتے ہیں چنانچہ مجیب صاحب خود مانتے ہیں کہ۔

علماء دیوبند اور دیگر علماء مقلدین حدیث کا درس دیتے ہیں اور علل حدیث و رجال پر نہایت محققانہ و عالمانہ گفتگو کرتے ہیں اشتہار مذکور سے معلوم نہیں کہ مجیب صاحب ہماری تائید کرتے ہیں یا تردید مختصر یہ ہے کہ ہماری دلیل کے دو مقدمے ہیں اول یہ کہ آج کل کے اکابر علماء حنفیہ دلائل شرعیہ کی معرفت تامہ رکھتے ہیں دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جس صاحب کو دلیل کی معرفت تامہ حاصل ہو وہ مقلد نہیں مجیب صاحب کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دونوں مقدمے مسلم ہیں اور ہر ایک طالب علم جانتا ہے کہ جس دلیل کے دونوں مقدمے (صغریٰ کبریٰ)

مسلّم ہوں نتیجہ معلوم ہوتا ہے اس لئے مقام شکر ہے کہ ہمارا اور ہمارے مجیب کا دعویٰ کی صحت پر اتفاق ہوگیا۔ ؎

شکر اللہ کہ میان من و صلح فتاد   حوریاں رقص کناں سجدۂ شکرانہ زدند

مقلد کے بعد دوسرا مرحلہ مجتہد کا ہے پہلے اشتہار میں ہم نے اپنا سوال محض تقلید اور مقلد پر مختصر رکھا تھا اب مجیب کی تحریک سے ہم مجتہد کا بھی ذکر کرتے ہیں خدا جانے ان حضرات نے مجتہد کا رتبہ کیا سمجھا ہوا ہے کتب اصول فقہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلالت اربعہ (عبارت النص اشارت النص، اقتضاء النص، دلالت النص، سے کام لینا مجتہد کا کام ہے (نور الانوار ص۱۳ مطبوعہ انوار احمدی لکھنو)

پس مجتہد وہ ہے جو ان دلالت اربعہ سے استدلال کر سکے،

ہمارا خیال ہی نہیں بلکہ یہ امر واقع ہے کہ ہندوستان کے اکابر علماء مقلدین دلالت اربعہ سے استدلال کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں یہ ان پر خدا کا فضل اور علمی نعمت ہے مقلد کہلانے سے اس نعمت کی ناقدری لازم آتی ہے اس بات کا ان کو اختیار ہے کہ خدا کی نعمت کی قدر کریں یا ناقدری ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن۔

دفع خلل:۔ کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ہر علم کی معرفت اس علم کے ائمہ کے اقوال سے ہوتی ہے علم صرف اور نحو کے قواعد علماء صرف اور علماء نحو سے ماخوذ ہوتے ہیں علم لغت کی تحقیق علماء لغت سے ہوتی ہے اس کا نام تقلید رکھ کر تقلید مذہبی کو ثابت کرنا تار عنکبوت سے زیادہ ضعیف ہے پس مجیب کے سوال مندرجہ اشتہار کا جواب مختصر یہی ہے کہ بقول آپ کے جو علماء علی وجہ البصیرت علوم شرعیہ کا درس دیتے ہیں وہ مقلد نہیں ہیں بلکہ میں خواں اصطلاح علم اصول مجتہد کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں ہاں آپ کو اختیار ہے کہ فسٹ و سیکنڈ کلاس (اول و دوم درجوں) کا ٹکٹ رکھنے والوں کو تھرڈ کلاس (تیسرے درجہ) میں بٹھلائیں میں آپ کو اس سے منع نہیں کر سکتا ہاں میں اپنا عندیہ ان لفظوں میں عرض کروں گا ہے

گر برسر و چشم من نشینی نازت بکشم کہ نازنینی

خادم علماء ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

تنقید بر تقلید:- امسال جلسہ احناف مئو ائمہ ضلع الہ آباد میں خطبہ صدارت مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی نے پڑھا قریباً سارے خطبہ میں آپ نے مسئلہ تقلید ہی کا ذکر کیا پھر اس مضمون کو اتنی اہمیت دی کہ رسالہ دار العلوم دیوبند کے خاص نمبر میں اس کو جگہ دی گئی اس لئے فریق ثانی نے بھی بغرض تحقیق ایک علمی سوال کے عنوان سے اشتہار شائع کیا جو ۸ دسمبر ۱۹۴۶ء کو جلسہ احناف امرتسر میں تقسیم ہوا اور اسی تاریخ کے اہلحدیث میں بھی درج کیا گیا سوال اس بنا پر تھا کہ علم معقول میں یہ بات مصرح ملتی ہے کہ ہر تعریف کیلئے ضروری ہے کہ وہ دو اوصاف (جامع مانع) سے موصوف ہو اس لئے ہم نے تقلید کی تعریف علماء اصول کے لفظوں میں بتائی تھی اور امام غزالیؒ سے لیکر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تک اقوال نقل کئے تھے ساری تعریفوں کا خلاصہ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے لفظوں میں یہ بتایا تھا کہ۔

تقلید:- کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا (الاقتصاد ص۱)

بات تو مختصر تھی کہ تقلید کی تعریف جامع و مانع ہونی چاہیئے برادران احناف جو باوجود عالم معلم علی وجہ البصیرت مصنف ہونے کے اور معرفت تامہ رکھنے کے مقلد کہلاتے ہیں اس سے تقلید کی تعریف مانع نہیں رہتی ایسے حضرات کو چاہیئے کہ تقلید کی تعریف پر غائر نظر ڈال کر اپنے کو اس سے علیحدہ رکھیں اس معقول سوال کے جواب میں ایک اشتہار جمعیت الاحناف، مئو ضلع اعظم گڑھ کی طرف سے نکلا جو تردید کی بجائے ہمارے سوال کی تائید میں تھا کیونکہ اس میں لکھا تھا کہ۔

علماء دیوبند جو ہر سال دورہ حدیث پڑھاتے ہیں اور علل حدیث و رجال پر نہایت محققانہ و عالمانہ گفتگو کرتے ہیں اسی طرح ہندوستان کے اور بہت سے علماء ہیں جو اپنی تصانیف میں بہت خوبی سے بحث کرتے ہیں اہل دانش کے نزدیک اس اعتراف سے ہمارا خیال

مزید قوت پائی جو حضرات اتنی قابلیت رکھتے ہیں ان پر تقلید کی تعریف صادق نہیں آتی مگر بغرض مزید توضیح ہم نے ایک مضمون بعنوان جواب الجواب الجدیث مورخہ ۴ مارچ سنہ رواں میں اور بذریعہ اشتہار مورخہ ۱۰ مارچ (سنہ رواں) کو شائع کیا جو ناظرین کے ملاحظہ سے گذرا ہوگا اس کے جواب میں پھر ایک دوسرا اشتہار جمعیت الاحناف مئو نے (بے تاریخ) شائع کیا جو ۲۳ مارچ سنہ رواں کو بذریعہ ڈاک ہمیں ملا اس جواب میں بحث کو اصل مرکز سے دور لے جانے کی کوشش کی گئی ہے جو آداب متعلمین سے بعید ہے اس لئے میں بحث کو مرکز پر لا کر گفتگو کرتا ہوں پس ناظرین اور سامعین غور سے پڑھیں اور سنیں،

خدا جزائے خیر دے علماء :۔ اصول کو جنہوں نے تقلید کی جامع مانع تعریف کرنے کے علاوہ مقلد کے استدلال کا راز وہ ایسے صاف الفاظ میں پیش کیا ہے جو ہمارے اور ہمارے مخاطبوں کے درمیان فیصلہ کن ہیں پس ہمارے مخاطب نظر انصاف سے دیکھیں اور سماع قبول سے سنیں علم اصول میں توضیح چوٹی کی کتاب ہے اس میں مقلد کا طریق استدلال یوں لکھا ہے کہ

هٰذَا رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ وَكُلَّمَا أَدَّى إِلَيهِ رَأْيُ أَبِي حَنِيفَةَ فَهُوَ عِنْدِي حَقٌّ صَحِيحٌ

یعنی مقلد کا استدلال یوں ہے کہ یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ کی رائے ہے اور امام حنیفہ کی جو رائے ہو وہ میرے نزدیک صحیح ہے کہ

برادران احناف :۔ کیا آپ کا طریق استدلال یہی ہے کیا شیعہ کے سامنے مسئلہ خلافت کے ثبوت میں آپ اس طریق پر قناعت کر سکتے ہیں ہاں الجدیث اور شوافع وغیرہ کے مقابلے میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق اتنا ہی کافی جانتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنا امام ابو حنیفہ رحمہ کی رائے ہے اس لئے یہی مسئلہ صحیح ہے واللہ مجھے یقین ہے کہ آپ ہرگز ایسا نہیں کرتے اور نہ کر سکیں گے کیونکہ ایسا کرنا آپ کے نزدیک بھی بجوئے نیرزد کا مصداق ہوگا [illegible] آیات اور احادیث سے استدلال کریں گے اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ استدلال [illegible] بصیرت اور معرفت تامہ کے ساتھ ہوگا یا بے بصیرت اور معرفت ناقصہ کے ساتھ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق آپ لوگوں کے ضمیر سے میری اپیل ہے،

خدا بھلا کرے مولوی خیر محمد :۔ صاحب جالندھری کا جنہوں نے باوجود دیوبندی مقلد

ہونے کے مسئلہ تقلید کا بہت ساحصہ صاف کر دیا آپ اپنے رسالہ خیرالتنقید میں لکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی نصوص میں تقلید نہیں ہے تقلید صرف مسائل استنباطیہ میں ہے،

اس بناء پر جملہ علماء احناف سے پوچھا کرتا ہوں آپ نماز میں جو ارکان ادا کرتے ہیں یہ آپ کے نزدیک منصوص ہیں یا نہیں، مثلاً قیام رکوع سجود اور قعدہ وغیرہ منفرد حالت میں فاتحہ کا پڑھنا مقتدی ہونے کی صورت میں نہ پڑھنا کیا یہ سب افعال منصوص نہیں ہیں، اسی طرح دیگر ارکان سب منصوص ہیں پھر بتائیں کہ ارکان اسلام کے ادا کرنے میں آپ مقلد ہوئے یا محقق،

بس یہ ایک سوال ہے جو قابل غور ہے باوجود اس کے اگر آپ مقلد ہی کہلانا چاہتے ہیں تو ہمارا اس میں کوئی نقصان نہیں البتہ اس سے دو خرابیاں لازم آئیں گی ایک یہ کہ تقلید کی تعریف مانع نہ رہے گی دوسری یہ کہ آپ کا مخاطب آپ کا میدان کلام تنگ کرنے کو کہہ سکتا ہے کہ آپ بحیثیت مقلد پیش ہوئے ہیں تو صرف اپنے امام کا قول پیش کیجئے۔ استدلال بالنص نہ کیجئے

بس یہ ہے مدار گفتگو اور یہ ہے مرکز بحث۔

ناظرین کرام! حضرات مقلدین کی تصنیفات ملاحظہ کیجئے کہ ہر مسئلہ پر نصوص پیش کرتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ وہ نصوص ان کے مدعا کو مثبت ہوں یا نہ ہوں حضرات دیوبند نے کتب حدیث کی جو شرح لکھی ہیں ان پر سرسری نظر ڈال کر دیکھئے تو صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ مصنف جو کچھ لکھتا ہے بڑی بصیرت اور معرفت کے ساتھ لکھتا ہے مگر جب پوچھا جائے تو مجیب صاحب کہتے ہیں کہ ان کو معرفت تامہ حاصل نہیں کیا خوب ہم بہت خوش ہو کر اپنا سوال واپس لیلیں گے اگر حضرات مقلدین یہ اعلان شائع کر دیں کہ ہم نے اپنی تصنیفات میں جو کچھ لکھا ہے یا ہم درس میں اپنے خیالات کی تائید میں جو کچھ کہتے ہیں سب بے بصیرت اور بے معرفت کہتے ہیں اس وقت ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ آپ حضرات ذرا غور فرمائیے کہ ضروری مطلقہ کی نقیض ممکنہ عامہ ہوتی ہے اور یہ منطقی قاعدہ آپ کی جملہ تحقیقات علمیہ کے متنزلزل کرنے کو کافی ہوگا۔ باقی رہی بحث مجتہد کی اس کے لئے محاذ قائم کرنا بھی ہمارا مقصود نہیں وقت آئے پر اس بحث کیلئے بھی ہم تیار ہیں ہم علماء اصول کی تصریحات سے دکھائیں گے کہ اجتہاد کا منصب رسالت کی وہبی نہیں ہے بلکہ کسبی ہے اور یہ کیسی

بند نہیں ہوا بلکہ برابر جاری چلا آیا ہے اگر یار لوگوں نے امام بخاری رح جیسے مجتہد کو بھی مقلد لکھ دیا ہے تو یہ ان کی خوش فہمی اور خوش اعتقادی ہے۔

مجیب نے دوسرے اشتہار میں یہ بھی سوال کیا ہے کہ تم علماء دیوبند میں سے مولانا حسین احمد صاحب سے پوچھو کہ وہ معرفت تامہ رکھتے ہیں یا نہیں؟

مجیب نے اس سوال کو مدار فیصلہ قرار دیا ہے میں کہتا ہوں مولانا حسین احمد (نجاہ اللہ من قید الفرنگ) کو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ نے ان کو درس دیتے ہوئے دیکھا ہوگا اگر نہیں دیکھا تو جب رہا ہو کر آئیں گے تو آپ دیکھ لیجئے گا وہ اپنے مذہب کا اثبات اور فریق مخالف کا ابطال معرفت تامہ سے کرتے ہیں نا معرفت یا غیر تامہ سے۔

اچھا اسے بھی جانے دیجئے میں دو عادل گواہ پیش کرتا ہوں مولانا انور شاہ مرحوم کی درسی نوٹ دو کتابوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں ترمذی کے حواشی عرف الشذی اور بخاری کے حواشی فیض الباری کے نام سے شائع ہوتے ہیں یہ کتابیں بڑے فخر و مباہات کے ساتھ مصر میں چھپوائی گئی ان دونوں کتابوں کو دیکھ لیجئے تو ان کے درس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ مرحوم کس طرح اپنے مسائل کو معرفت تامہ کے ساتھ مدلل بیان کرتے ہیں ہاں اس سوال کا جواب میرے ذمہ نہیں ہے کہ علماء دیوبند وغیرہم باوجود معرفت تامہ رکھنے کے مقلد کیوں کہلاتے ہیں میں کہوں گا یہ ان کی تواضع ہے یا پرانا دستور ہے دیکھنا یہ ہے کہ ان کا طریق عمل کیا ہے اگر ان کا طریق عمل بقول صاحب توضیح محض امام کے قول سے استدلال ہے تو بے شک مقلد ہیں اور اگر اس سے بڑھ کر نصوص کے ساتھ استدلال ہے تو آپ ہی ان کا نام تجویز کیجئے

اطلاع ۔ ہماری یہ گفتگو سر دست محض تقلید کی جامع مانع تعریف پر ہے ابھی مسائل فیصلہ پر نہیں ہے مشتہرین نے مولانا حسین احمد صاحب سے دریافت کرنے کو لکھا ہے اس ... میں ہے ہم مئو ہی کی جماعت احناف کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ وہ اپنا حلفیہ بیان شائع کریں کہ ہمارے علماء کو مسائل شرعیہ کی معرفت تامہ نہیں ہے اس وقت ہم بڑی خوشی سے ... ذیل شعر ان کی نذر کریں گے۔ ؎

...ا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں زلیخا نے کیا پاک دامن ماہ کنعان کا۔ جلد فتاوی ثنائیہ

کِتَابُ التَّقْلِیْدِ وَالْاِجْتِہَادِ

سوال: بعض عالم تقلید کو فرض بتاتے ہیں اور آیت فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ[1] اور آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ[2] میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لیتے ہیں کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: بعض علماء کی یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں سے تقلید کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے، ان دونوں آیتوں میں اہل الذکر اور اولی الامر سے ائمہ مراد نہیں ہیں، بلکہ پہلی آیت میں اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں اور اس آیت کے مخاطب کفار مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو آدمی ہیں پیغمبر کیونکر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کفار کو جواب دیا کہ پہلے بھی جتنے پیغمبر ہوئے سب آدمی ہی تھے، فرشتہ نہ تھے۔ اگر تم کو یہ بات معلوم نہ ہو تو یاد والوں یعنی اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے دریافت کر لو پوری آیت اس طرح پر ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ نحل)[3] شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں، ونہ فرستادہ ایم پیش از تو مگر مردانے را کہ وحی می فرستادیم بسوئے ایشاں، پس سوال کنید از اہل کتاب اگر نمی دانید، اور اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ یعنی پیغمبران سابق آدمی بودند فرشتہ نہ بودند، انتہٰی، اور شاہ عبد القادر صاحب اس

---

[1] اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲ [2] اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو ۱۲

[3] ہم نے آپ سے پہلے آدمی ہی رسول بنا کر بھیجے ہیں، اگر تم کو اس بات کا علم نہیں تو اہل ذکر سے پوچھ لو ۱۲

نمبر[1] شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین نے اردو میں یہ ترجمہ لکھا ہے اور نہیں بھیجے ہم نے پہلے تجھ سے مگر مرد کہ وحی بھیجتے تھے ہم طرف ان کی پس سوال کرو یاد والوں سے اگر ہو تم نہیں جانتے ۱۲ یعنی سابق پیغمبر آدمی تھے فرشتہ نہ تھے ۱۲

اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجے تھے ان کی طرف، سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں اور شاہ صاحب موصوف اس کے فائدہ میں لکھتے ہیں یاد رکھنے والے یعنی اہل کتاب کہ اگلے احوال جانتے تھے،

الحاصل بعض علماء کا اہل الذکر سے ائمہ مراد لینا اور اس آیت سے تقلید کو فرض بتانا نہایت غلط اور واہی بات ہے اور دوسری آیت میں اولوا الامر کے معنی حکومت والے ہیں اور یہی معنے مراد بھی ہیں یعنی بادشاہ اسلام اور حاکم جو صاحب حکومت اور با اختیار ہوتے ہیں شاہ ولی اللہ صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں اے مومنان فرمانبرداری کنید خدا را و فرمانبرداری کنید پیغامبر را و فرمانروایان را از جنس شما اور شاہ عبد القادر صاحب اس طرح لکھتے ہیں اے ایمان والو! حکم مانو اللہ اور اس کے رسول کا اور ان کا جو تم میں سے اختیار والے ہیں اور فائدہ میں لکھتے ہیں، اختیار والے بادشاہ اور قاضی، اور جو کسی کام پر مقرر ہوں ان کے حکم پر چلنا ضرور ہے الخ

پس بعض علماء کا اس دوسری آیت میں اولی الامر سے ائمہ مجتہدین مراد لینا، اور اس سے تقلید ائمہ مجتہدین کی فرض بتانا بالکل غلط ہے کیونکہ ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی صاحب حکومت نہیں تھے اور اگر بالفرض ان میں کوئی صاحب حکومت و با اختیار ہوتا بھی تو بھی اس آیت سے اس کی تقلید کرنے کا ثبوت نہیں ہوتا ہے ہاں اس آیت سے اس کے زیر حکومت رعایا پر اس کے حکم کا ماننا فرض اور ضروری ہوتا ہے اور یہ بھی اس کے حاکم ہونے کی وجہ سے نہ کہ اس کے امام دین ہونے کے سبب سے اور حاکم کا حکم ماننا اور بات ہے اور مسائل دینیہ میں اس کی تقلید کرنا اور بات، دیکھو مثلاً سلطان روم کی تمام رعایا جو ان کے [illegible] ہیں ان کے حکم ماننے کو ضروری سمجھتے ہیں اور مانتے بھی ہیں مگر نہ ان کی تقلید کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کے مقلد ہیں۔

مختصر تقلید نہ تو کسی آیت قرآنیہ سے ثابت ہے اور نہ کسی حدیث سے اور نہ کسی امام نے تقلید کرنے کی اجازت دی ہے تقلید کے بطلان میں بہت اچھے اچھے رسالے تصنیف

اے مومنو خدا کی فرمانبرداری کرو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنی جنس کے بادشاہوں اور حاکموں کی فرمانبرداری کرو۔

ہو چکے ہیں، اس کے بطلان کی وجوہ مفصل طور پر دیکھنا ہو تو ان رسالوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے کتبہ علی محمد عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال۔ عبادات یا معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے یا مجتہدین کے قول پر عمل کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ ہے کہ مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح ناجائز ہے اور گنہگار ہوگا، جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے رسول خدا کے پیروی میں بھلائی فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ الخ ترجمہ میں قسم ہے پروردگار تیرے کی نہیں ایمان لاویں گے یہاں تک کہ بنائیں تجھ کو حکم بیچ اس چیز میں کے کہ پڑے جھگڑا درمیان ان کے۔

سید محمد نذیر حسین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

سازیاد خدایا دل ویرانے را یا مدہ مہر بتان ہیچ مسلمانے را

مخفی نہ رہے کہ حقیقت تقلید کی علمائے حنفیہ متاخرین کے نزدیک عبارت اس سے ہے کہ کلام کسی غیر معصوم کا اپنے اوپر بلا دلیل شرعی کے لازم کر لینا اور اس کو مستحکم پکڑنا حالانکہ یہ طریق مذموم تشریع جدید مخالف حکم خدا تعالےٰ ہے اس لیے کہ بندگان خدا مامور و مجبور ہیں اوپر التزام احکام و کلام خدا و رسول کے نہ غیر کے چنانچہ سورہ یوسف وغیرہ میں خدا فرماتا ہے إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ حکم صرف اللہ تعالےٰ کے لئے ہے، اسی التزام کلام غیر یا اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کو الزام دیا، اور رد کیا چنانچہ سورہ توبہ میں فرماتا ہے اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ علماء الیھود ورھبانھم عباد النصاری اربابا من دون اللہ۔ کذا فی التفسیر الجلالین والتفسیر البیضاوی والتفسیر الکبیر وغیرہ۔

پس عباد اللہ پر اطاعت خدا و رسول کی واجب ہے، نہ غیر کی چنانچہ خدا تعالیٰ سورہ محمد میں فرماتا ہے، أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ اور سورہ نساء میں فرماتا ہے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

---

[1] انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو خدا کے سوا رب بنایا ۱۲ [2] اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو ۱۲ [3] اللہ و رسول اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ و رسول سے کراؤ اگر تم قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو ۱۲

الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الآية اور بغور ملاحظہ کرو کہ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحت اسی آیت مذکورہ کے تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں کہ اطاعت امام[1] مشروط و مقید است بجاں چیزہا کہ معصیت آنہا در شرع معلوم نباشد والا اطاعت فرض نمی ماند رجوع باحکام قرآن و اوامر و نواہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باید شود۔

اور اسی طرح تفسیر عزیزی مطبوعہ لکھنؤ میں مولانا علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں تحت آیت بَلْ نَتَّبِعُ مَا اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا کے[2] کہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے اگر محقق او را نمی شناسی پس باوجود احتمال مبطل بودن او چرا او را تقلید می کنی و اگر محقق بودن او را می شناسی، پس بکدام دلیل می شناسی اگر بتقلید دیگری می شناسی، سخن دران خواہد رفت و تسلسل لازم خواہد آمد، و اگر بعقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نمی کنی و عار تقلید برخود گوارا میداری، طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید می کنی اگر این مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است پس تو و او برابر شدید او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی، و اگر او بدلیل دانستہ است پس تقلید وقتے تمام می شود کہ تو ہم آن مسئلہ را بہماں دلیل بدانی و الا مخالف او باشی نہ مقلد او چون تو

---

[1] امام کی اطاعت ان چیزوں کے ساتھ مشروط ہے جن میں گناہ کا علم نہ ہو ورنہ اطاعت نہیں رہے گی، اور قرآن وحدیث کی طرف رجوع کرنا فرض ہو جائیگا۔ ۱۲

[2] آیت بلکہ ہم نے اسی طریقہ پر اپنے باپ دادا کو پایا کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دو طرح سے تقلید کا ابطال ہے پہلا یہ کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے، کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے اور محقق ہے یا نہیں اگر محقق نہیں ہے تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے اور اگر اس کو محقق سمجھتا ہے تو کس طرح سمجھتا ہے کیا کسی کے بتانے سے یا خود، اگر کسی کے بتانے سے اس کو محقق سمجھتا ہے تو پھر یہی سوال اس کے متعلق ہوگا اور اس طرح دور لازم آنے لگا، اور اگر تو اپنی عقل سے سمجھتا ہے کہ وہ محقق ہے تو اس عقل کو تو معرفت حق میں کیوں خرچ نہیں کرتا اپنے لئے تقلید کی عار گوارا کرتا ہے

دوسرا اس طریق سے کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے اس نے بھی یہ مسئلہ کسی دلیل سے حاصل کیا ہے یا کسی کی تقلید سے تو اگر وہ بھی کسی کی تقلید کرتا ہے تو تو اور وہ برابر ہو گئے اس کے لئے وجہ ترجیح کیا ہے کہ اس کی تقلید کرے اور اگر اس نے اس کو دلیل سے معلوم کیا ہے تو اس کی تقلید تو یہ ہے کہ تو بھی اس کو دلیل

ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد۔ تمام ہوئی عبارت تفسیر عزیزی اور اسی طرح امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں تم بھی تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر کو بچشم خود دیکھنا کہ تم کو یقین ہو جائے۔ ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

تم لوگ ادنیٰ دنیا کے مقدمہ کے لئے تو لندن پہنچتے ہو، اور مقدمہ دین متین سے سراسر غافل نہاد ہو ؎ غم دین خور کہ غم غم دین است

اور مضمون اس آیت کریمہ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ، سے تم سے قیامت میں پرسش ہوگی اور خداوند کریم سورہ قمر میں فرماتا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ الآیۃ، ترجمہ اردو میں ہے اس کے معنی سے واقف ہو جاؤ اور ہم ایسے مقلد مثل شتر بے مہار کے نہیں ہیں کہ ہر کسی کی بات بلا دلیل مان لیں ہم تو رعیت اور محکوم خدا و رسول کے ہیں چنانچہ سورہ حشر میں فرماتا ہے، مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ؎

خیالات نادان خلوت نشین بہم بر کند عاقبت کفر و دین

علامہ محب اللہ بہاری اپنی کتاب اصول مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں۔ لَا وَاجِبَ[1] اِلَّا مَا اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمْ يُوْجِبْ عَلٰى اَحَدٍ اَنْ يَّتَمَذْهَبَ بِمَذْهَبِ رَجُلٍ مِنَ الْاَئِمَّةِ فَاِيْجَابُهٗ تَشْرِيْعُ شَرْعٍ جَدِيْدٍ انتہی ما فی مسلم الثبوت وشرحہ لمولانا بحر العلوم اللکھنوی اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ مجتہد مطلق بلا ریب ہیں لیکن یہ بھی ان کے ساتھ دامن گیر ہے، کہ اَلْمُجْتَهِدُ يُصِيْبُ وَيُخْطِئُ اسی بناء پر یہ مصرع موزوں ہے ؎

متاع نیک ہر دکان کہ باشد

اور جس قیاس کا مقیس علیہ امر واقع ہے وہ قیاس صحیح اور قابل عمل ہے اور جس کا مقیس علیہ صحیح اور امر واقع نہیں ہے وہ حجت اور قابل عمل نہیں، یہ چند سطریں بطور نمونہ مشتے از

سے معلوم کرے ورنہ تو اس کا مقلد نہیں ہوگا بلکہ مخالف ہوگا اور اگر تو بھی دلیل سے معلوم کرے گا تو تقلید ضائع ہو جائے گی ۱۲ جو تم کو رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے باز آجاؤ ۱۲

[1] وہ واجب صرف وہی ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں پر واجب کیا ہے اور اللہ نے کسی آدمی پر یہ واجب نہیں کیا کہ کسی خاص آدمی کا مذہب اختیار کرے اور اس کو خود واجب کر لینا اس کی ایک خود ساختہ شریعت ہے ۱۲

از خطوط سے پیش نظر مولوی احسن الحق صاحب نشو نما ہوں گی سے

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

زیادہ سلام خیر الختام سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں اور مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) تقلید امام اعظم کی کرنا شرک ہے یا نہیں،

(۳) جو شخص یہ کہے کہ غیر مقلد کی نماز مقلد کے پیچھے نہیں ہوتی، اس کے لئے حکم شارع کیا ہے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات حدیث سے ہونے چاہئیں۔

الجواب: ہر مسلمان کے پیچھے نماز ہوتی ہے وہ مقلد ہو یا غیر مقلد بشرطیکہ مشرک اور مبتدع بدعت مکفرہ نہ ہو اس واسطے کہ مشرک کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، اور نہ ہی ایسے مبتدع کے پیچھے نماز ہوتی ہے جس کی بدعت مکفرہ ہو پس جو مقلد مشرک نہیں اور مبتدع بدعت مکفرہ بھی نہیں ہے اس کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز و درست ہے اور ہاں واضح رہے کہ بعض مقلدین کی تقلید مُفْضِیْ اِلَی الشِّرْکِ (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے، سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز جائز نہیں اور تقلید مفضی الی الشرک یہ ہے کہ کسی ایک خاص مجتہد کی اس طرح پر تقلید کرے کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پاوے تو اس کو قبول نہ کرے اور یہ سمجھے بیٹھا ہو کہ ہمارے امام سے خطا اور غلطی ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے اور اپنے دل میں یہ بات جما رکھی ہو کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اگرچہ ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو پس جس مقلد کی ایسی تقلید ہو وہ مشرک ہے شاہ ولی اللہ صاحب عقد الجید میں لکھتے ہیں۔ وَفِيْمَنْ يَكُوْنُ عَامِيًّا وَيُقَلِّدُ رَجُلًا مِنَ الْفُقَهَاءِ بِعَيْنِهٖ يَرٰى اَنَّهٗ يَمْتَنِعُ مِنْ مِثْلِهِ الْخَطَاءُ وَاَنَّ مَا قَالَهٗ هُوَ الصَّوَابُ الْبَتَّةَ وَاَضْمَرَ فِيْ قَلْبِهٖ اَنْ لَا يَتْرُكَ تَقْلِيْدَهٗ وَاِنْ ظَهَرَ الدَّلِيْلُ عَلٰى خِلَافِهٖ وَذٰلِكَ مَا رَوَاهُ

نوٹ: اور اس عامی آدمی کے متعلق جو کسی متعین فقیہ کی تقلید کرتا ہو اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ اس سے غلطی نہیں ہو سکتی جو کچھ کہے صحیح ہے اور اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہو کہ اس کی تقلید کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑوں گا، خواہ اس کے برخلاف دلیل ثابت ہی کیوں نہ ہو جائے، وہی فتویٰ ہے جس کو امام ترمذی نے عدی بن حاتم سے

الترمذی عن عدی بن حاتم انہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ قال انھم لم یکونوا یعبدونھم ولکنھم اذا احلوا لھم شیئا استحلوہ واذا حرموا علیھم شیئا حرموہ (انتہی)۔

(۲) امام اعظم صاحب کی تقلید اگر مفضی الی الشرک ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا تو بے شک امام اعظم صاحب کی یہ تقلید شرک ہے، والا فلا۔

(۳) اس شخص کا علی الاعلان یہ کہنا صحیح نہیں ہے ہاں اگر اس شخص کے اس کہنے سے یہ مراد ہو کہ مقلد مشرک (یعنی جس مقلد کی تقلید مفضی الی الشرک ہو) کے پیچھے غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی تو اس کا یہ کہنا صحیح ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ المجیب محمد عبد الحق ملتانی ماہ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالےٰ عامی اور غیر عامی پر جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہے ایک مذہب کی تقلید کرنا واجب ہے یا نہیں اور جس پر تقلید واجب ہے اگر وہ ایک مذہب معین کی تقلید نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں اور اس کے ساتھ کھانا پینا اور شادی کی رسم جاری رکھنا درست ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ماہران شریعت غراء پر مخفی نہیں کہ جو شخص مومن باللہ والیوم الآخر اور تصدیق ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ضروریات الدین وغیرھا من التفصیلات الشرعیۃ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروریات دین بتلائی ہیں اور شریعت کے فروعات بتلائے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہو) رکھتا ہو، اور ہر صورت سے پابند شرع ہو یعنی حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانتا ہو پس بے شک وہ شخص مسلمان متقی اور اس آیت کریمہ کا مصداق ہے لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتاب والنبیین (الی اخر اولئک الذین صدقوا و

روایت کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ آیت سنی انہوں نے اپنے مولویوں اور پیروں کو خدا کے سوا رب بنا رکھا تھا تو کہا یہ لوگ ان کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تو اس کو حلال جانتے اور حرام کہہ دیتے تو حرام جانتے تھے۔

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ نیک وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتا ہو (آخر آیت تک) یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔ الآیۃ

أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ الآية أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. وَغَيْرِهَا مِنَ الْآيَاتِ الْقُرْاٰنِيَّةِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.

فی الجملہ جو شخص موصوف بصفات دین اسلام اور احکام شرع پر بطریق اہل سنت کاربند ہو، وہ اگرچہ ایک مذہب معین کا مقلد نہ ہو خواہ عامی ہو یا غیر عامی کہ درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو، سو وہ شخص مذکور خاصہ مسلمان اور شریعت محمدیہ کا متبع ہے از روئے شرع شریف اس کی مسلمانی میں کسی طرح کا عیب و نقصان متصور نہیں ہو سکتا بہر حال وہ شخص بمقتضائے اس آیت کریمہ فَإِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ کے برادر دینی ہے گو مذہب معین کا التزام نہ رکھتا ہو پھر جو کوئی اس کو برا کہے، اور شادی غمی میں اس سے نفرت و عداوت کرے اور نہ ملے وہ فاسق و مخالف کتاب و سنت اور مبتدع متعصب اغلظ ہے، ایسے متعصب بدعتی اغلظ سے ملنا ترک کرے، کیونکہ رضا اور رغبت مبتدع سے ملنا ہدم اسلام کا موجب ہے جیسا کہ اس مضمون کی حدیث مشکوۃ وغیرہ میں وارد ہے کیونکہ تقلید شخصی اور التزام مذہب معین پر شارع کا حکم اور خطاب صادر نہیں ہوا، پس جس عقیدہ پر خدا اور رسول کا حکم ناطق نہ ہو، وہ عقیدہ اور عمل مردود اور قبیح ہوتا ہے، قَالَ اللّٰهُ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ

[illegible] کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں وغیرہ قرآنی آیات ہے اور حضرت عباس [illegible] سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کا عہد ہے سو اللہ کے عہد میں خیانت نہ کرو ۱۲۔

[illegible] اگر وہ توبہ کریں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں ۱۲ [illegible] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، تو اس سے قطعاً قبول نہ کیا جائے گا ۱۲ [illegible] اللہ تعالیٰ نے

بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ الآية وَلَيْسَ لِغَيْرِ اللّٰهِ حُكْمٌ وَاجِبُ الْقَبُولِ وَالْأَمْرُ وَاجِبُ الْاِلْتِزَامِ بَلِ الْحُكْمُ وَالْأَمْرُ وَالتَّكْلِيفُ لَيْسَ إِلَّا لَهٗ انتہی ما فی التفسیر الکبیر والنیشاپوری۔

اور سارے اہل اصول حکم کے معنے شرعاً اس طرح پر لکھتے ہیں اَلْحُكْمُ[1] خِطَابُ اللّٰهِ تعالٰی المتعلق بفعل المکلف اقتضاء ای طلبا وھو اما لطلب الفعل حتما او غیرہ او طلب الترک کذلک او تخییرا ای اباحۃ کذا فی مسلم الثبوت فی علم الاصول قالوا ان ثبت الطلب الجازم القطعی لفعل غیر کف فالفرض او لفعل کف فالحرام وان ثبت الطلب لفعل غیر کف بدلیل ظنی فیہ شبہۃ فالواجب او کف فکراھۃ التحریم وان لم یکن الطلب جازما بل راجحا فاما ان یکون لفعل غیر کف کالندب او کف فکراھۃ التنزیہ وان لم یکن الطلب اصلا بل یکون تخییرا بین الفعل وعدمہ فاباحۃ کذا فی شراح المسلم وغیرھا من کتب الاصول۔

پس تقلید شخصی و اقتضا میں داخل نہ تخییر یعنے اباحت میں لان[3] الاباحۃ ای ما یکون فعلہ وترکہ متساویین حکم شرعی لان الاباحۃ من الاحکام ولا حکم الا بالشرع فثبت کون الاباحۃ حکما شرعیا لانہ ای الاباحۃ خطاب الشرع والخطاب حکم شرعی تخییرا ای من الخطاب التخییری کذا فی مسلم الثبوت وشروحہ

نے اس کی کوئی دلیل نہیں اتاری حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے ۱۲ [1] اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور کسی کا امر واجب الالتزام نہیں ہے بلکہ حکم اور امر اور کسی کو مکلف بنانے کا حق صرف اللہ کا ہے تفسیر کبیر اور نیشاپوری کا اقتباس ختم ہوا ۱۲

[2] حکم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا خطاب جو کسی مکلف کے متعلق ہو اگر قطعی دلیل سے حتمی طور پر کرنے کا حکم ہو تو وہ واجب ہے اور اگر ظنی دلیل سے حتمی طور پر روکا جائے تو وہ مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی کام کا کرنا ضروری قرار نہ دیا جائے بلکہ بہتر سمجھا جائے تو وہ مندوب ہے اگر روکا جائے تو وہ کراہت تنزیہی ہے اور اگر کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا جائے تو اس کا نام اباحت ہے شرح مسلم وغیرہ کتب اصول میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲۔

[3] اس لئے کہ اباحت یعنی جس کا کرنا نہ کرنا برابر ہو ایک شرعی حکم ہے کیونکہ احکام سے ہے اور حکم شریعت ہی کی ایک شاخ ہے تو معلوم ہوا کہ اباحت حکم شرعی ہے اس لئے کہ اباحت شرع کا خطاب ہے اور خطاب حکم شرعی ہے یعنی اباحت شریعت کا تخییری حکم ہے مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲۔

اور جب تقلید شخصی خطاب شرع اور تکلیفات شرعیہ میں داخل نہ ہوئی نہ اقتضاءً نہ تخییراً پس بدعت مذمومہ ہے، کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ کما رواھما البخاری فی صحیحہ، اسی نظر سے فاضل جلیل علامہ بنیل محمد اسمٰعیل علیہ الرحمۃ والغفران نے تقلید شخصی والتزام مذہب معین کو بدعات حقیقیہ میں شمار کیا ہے وملا علی قاری بسم القوارض وشرح عین العلم میں اور عبد العظیم ملا ابن فروخ مکی قول سدید میں لکھتے ہیں اعلم ان اللہ لم یکلف احدا من عبادہ ان یکون حنفیا او مالکیا او شافعیا او حنبلیا بل اوجب علیھم الایمان بما بعث بہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم والعمل بشریعتہ انتہی ما فی القول السدید مختصرا۔

ف:۔ اور اس عاجز نے اگرچہ ایک صورت تقلید شخصی کی معیار الحق میں بسبیل تنزل مباح میں درج کی تھی لیکن عند التحقیق الحقیق مباح میں بھی داخل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مباح خطاب شارع میں داخل ہے اور تقلید شخصی خطاب شارع سے خارج ہے، کما لا یخفی علی الماھر المتفطن المنصف وفی التفسیر الکبیر المسئلۃ الثانیۃ الاکثرون من المفسرین قالوا لیس المراد من الارباب انھم اعتقدوا فیھم انھم اٰلھۃ العالم بل المراد انھم اطاعوھم فی اوامرھم ونواھیھم نقل عن عدی بن حاتم کان نصرانیا فانتھی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقرأ سورۃ براءۃ فوصل الی ھذہ الاٰیۃ فقلت لسنا نعبدھم فقال الیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی ہمارے دین میں نیا کام جاری کرے جو اس کا جزو نہ ہو تو وہ کام مردود ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے ۱۲۔

ترجمہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو بھی یہ حکم نہیں دیا کہ وہ حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بنے کیونکہ ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیا ہے ۱۲۔

تفسیر کبیر میں ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اہل کتاب کے اپنے مولویوں اور پیروں کو رب بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اکثر وہ ان کو عقیدۃً خدا سمجھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرتے تھے عدی بن حاتم سے روایت ہے (یہ پہلے عیسائی تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت سورہ براءت کی یہ آیت پڑھ رہے تھے) میں نے عرض کیا کہ ہم تو ان کی عبادت،

يحلون ما حرم الله فتستحلونه فقلت بلى قال فتلك عبادتهم وقال الربيع قلت لأبي العالية كيف كانت تلك الربوبية في بني إسرائيل فقال إنهم ربما وجدوا في كتاب الله ما يخالف أقوال الأحبار والرهبان فكانوا يأخذون بأقوالهم وما كانوا يقبلون حكم كتاب الله تعالى قال شيخنا ومولانا خاتم المحققين والمجتهدين رضي الله تعالى عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت عليهم آيات كثيرة من كتاب الله تعالى في بعض مسائل وكانت مذاهبهم بخلاف تلك الآيات ولم يلتفتوا إليها وبقوا ينظرون إلي كالمتعجب يعني كيف يمكن العمل بظواهر الآيات مع أن الرواية عن سلفنا وردت على خلافها ولو تأملت حق التأمل وجدت هذا الداء ساريا في عروق الأكثرين من أهل الدنيا فإن قيل إنه تعالى لما كفرهم بسبب أنهم أطاعوا الأحبار والرهبان فالفاسق يطيع الشيطان فوجب الحكم بكفره كما هو قول الخوارج والجواب أن الفاسق وإن كان يقبل دعوة الشيطان إلا أنه لا يعظمه لكن يلعنه ويستخف به أما أولئك الأتباع كانوا يقبلون قول الأحبار والرهبان ويعظمونهم فظهر الفرق انتهى ما في الكبير مختصرا من سورة

ملہ نہیں کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا کیا جب وہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال یا حرام نہیں سمجھتے تھے میں نے عرض کیا ہاں تو فرمایا یہی ان کی عبادت تھی ربیع کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے سوال کیا کہ بنی اسرائیل ان کو خدا کس طرح بناتے تھے تو آپ نے کہا وہ کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کے اقوال قبول کر لیا کرتے تھے شاہ ولی اللہ صاحب خاتم المحققین والمجتہدین فرماتے ہیں میں نے فقہائے مقلدین کی ایک جماعت اس طرح کی دیکھی ہے کہ میں نے بعض مسائل میں ان کو قرآن پاک کی آیات پڑھ کر سنائیں، جو ان کے مذہب کے خلاف تھیں تو انہوں نے ان آیات کو نہ تو قبول کیا اور نہ ان کی طرف توجہ ہی کی اور حیران و پریشان دیکھتے رہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے مجتہدین کے اقوال اگر ان کے برخلاف ہوں تو ان ظاہر آیات پر عمل کیسے کر سکتے ہیں اگر آپ اچھی طرح غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بیماری اکثر اہل دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیطان کی پیروی کرنے والے کو تو صرف فاسق کہا جاتا ہے اور مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرنے والوں پر خدا تعالیٰ نے کفر کا فتویٰ کیوں لگا دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ فاسق اگرچہ شیطان کی اطاعت کرتا ہے لیکن اس کو دل سے برا جانتا ہے اس پر لعنت کرتا ہے اور اس کو ذلیل سمجھتا ہے اور یہ لوگ مولویوں اور پیروں کی اطاعت کرتے تھے تو یہ ان کی تعظیم کرتے

تقریر و تقلید مقلدان مذہب بلا دلیل مثل تقریر و تقلید مردمان ایام جاہلیت کے ہے، لہٰذا مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ. یعنی چوں گفتہ می شود ایشاں را کہ پیروی کنید حکم را کہ خدا نازل کردہ است و وسوسہ شیطان و طریقہ آبا و اجداد خود را بگذارید قَالُوا گویند کہ ما پیروی حکم خدائی کنیم زیرا کہ ما را کجا لیاقت است کہ کنہ حکم الٰہی دریافت نمائیم و نیز از کجا بالیقین بہم رسانیم کہ آنچہ شما می گوئید حکم الٰہی است بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا یعنی بلکہ ما پیروی کنیم آں رسم و رواج را کہ یافتہ ایم برآں پدران گذشتہ خود را، آں چیزے را کہ ایشان از قدیم میخوردند می خوریم و آں چیز را کہ ایشان حرام می دانستند می دانیم، زیرا کہ پدران گذشتہ ما از ما دانا تر و عاقل تر بودند اگر دریں رسم و رواج نقصانے می یافتند ہرگز آں را معمول نمی بگذاشتند، و نیز اگر بخلاف آبا و اجداد خود کردہ در خوردن و آشامیدن بیباکی نمائیم مطعون خلائق و خصوصاً اقارب و عشائر خود شویم و ما را از برادری خارج کنند و با ما نشست و برخاست و علاقہ مناکحت و مواکلت موقوف کنند، چنانچہ ہمیں عذر در ہنود ہر قوم از بقال و کالستھ و راجپوت وغیرہم از رواج و رسم خود بر نمی گردند و بعضے از جہال مسلمین نیز آموختی از ایشان در ترک نکاح بیوگان و دیگر رسوم باطلہ ہمیں قسم اعذار بیان می کنند، و ابن اسحٰق و ابن ابی حاتم از ابن عباس آوردہ، کہ روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودیاں

[illegible] ان کو حق پر سمجھتے ہیں، مسلمان دونوں میں یہ فرق ہے

۱؎ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں آیت وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ کے تحت لکھتے ہیں کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ حکم الٰہی کی پیروی کرو اور آبا و اجداد اور شیطان کی پیروی چھوڑ دو تو کہتے ہیں کہ ہم خدا کے حکم کی اطاعت نہیں کر سکتے کیونکہ ہم میں اتنی قابلیت ہی نہیں ہے کہ ہم خدا کے حکم کو سمجھ سکیں اور پھر ہمیں یہ یقین بھی کیونکر آ سکتا ہے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو یہ خداوندی حکم ہے تو اسی رسم و رواج کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے جو وہ کھاتے تھے ہم کھائیں گے جو حرام جانتے تھے ہم اس کو حرام جانیں گے کیونکہ ہمارے باپ دادا ہم سے زیادہ عقلمند تھے اگر اس میں وہ کوئی خرابی دیکھتے تو ضرور اس کو چھوڑ دیتے اور اب اگر ہم ان کے رسم و رواج کے خلاف کھائیں پئیں گے تو تمام آدمی ہم کو طعنہ دیں گے اور خصوصاً برادری ناراض ہو کر ہم کو برادری سے خارج کر دے گی ہم سے تعلقات منقطع کر لیں گے بالکل اسی طرح ہندو بھی اپنے رسم و رواج کو نہیں چھوڑتے اور بعض جاہل مسلمان رسوم باطلہ کے ترک کرنے میں یا بیوہ کا دوسرا نکاح کرنے میں بالکل یہی عذر پیش کرتے ہیں ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ہم کلام شدہ آن حضرت ﷺ ایشان را خوبی ہائے اسلام فہمانیدند و در ترک قبول اسلام آن قدر ایشان را لاجواب کردند کہ ہیچ جائے عذر نماند و منقطع سخن بر ایشان افتاد کہ رافع بن خارجہ و مالک بن عوف و دیگر دانشمندان آنہا گفتند، کہ حقیقت دین شما مسلم لیکن، نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا فَهُمْ كَانُوْا أَعْلَمُ وَخَيْرًا مِنَّا. پس حق تعالیٰ این آیت نازل فرمودہ۔

بعد اس کے شاہ صاحب مرحوم تحت مضامین اس آیت مذکورہ کے فرماتے ہیں،

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہر کرا تقلید می کنی نزد تو محقق است یا نے اگر محقق بودن او را نہ می شناسی پس با وجود احتمال مبطل بودن او چرا او را تقلید می کنی و اگر محقق بودن او را می شناسی پس بکدام دلیل می شناسی اگر بہ تقلید دیگری می شناسی سخن در ان خواہد رفت و تسلسل لازم خواہد آمد و اگر بعقل می شناسی، پس آنرا چرا در معرفت حق صرف نمی کنی و عار تقلید بر خود گوارا می نمائی طریق دوم آنکہ کسے را کہ تقلید می کنی اگر این مسئلہ را او ہم بتقلید دانستہ است، پس تو و او برابر شدید او را چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی، و اگر بدلیل دانستہ پس تقلید وقتے تمام می شود کہ تو ہم آن مسئلہ را ہمان دلیل بدانی

انہوں نے یہودیوں سے کلام شروع کیا ان کو اسلام کی خوبیاں اس طرح سمجھائیں اور اسلام قبول نہ کرنے کے بارے میں ان کو ایسا لاجواب کیا کہ کوئی عذر باقی نہ رہ گیا بالآخر رافع بن خارجہ اور مالک بن عوف نے کہا کہ آپ کے دین کی حقانیت تو مسلم ہے لیکن ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے، کیونکہ وہ ہم سے بہتر بھی تھے اور عالم بھی زیادہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس آیت میں تقلید کے ابطال کی طرف اشارہ ہے دو طریق سے پہلی وجہ یہ ہے کہ مقلد سے پوچھنا چاہیے کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے، وہ تیرے نزدیک حق پر ہے یا نہیں اگر تو اس کے حق پر ہونے کو نہیں جانتا اور اس کے غلطی پر ہونے کے احتمال کو بھی سمجھتا ہے تو اس کی تقلید کیوں کرتا ہے اور اگر اس کا حق پر ہونا جانتا ہے، تو کیونکر جانتا ہے اگر کسی اور کے کہنے پر جیسے اعتبار کیا ہے تو پھر اس کا حق پر ہونا جانا جاتا ہے یا نہیں اس طرح تسلسل اور دور لازم آئے گا اور اگر عقل سے اس کا حق پر ہونا سمجھتا ہے تو اس عقل کو حق کی معرفت میں کیوں استعمال نہیں کرتا بھول اپنے لئے تقلید کی ذلت گوارا کرتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کی تو تقلید کرتا ہے اس نے بھی اس مسئلہ کو تقلید سے معلوم کیا ہے یا دلیل سے اگر اس نے بھی اسے تقلید ہی سے معلوم کیا ہے تو پھر تو اور وہ برابر ہو گئے وہ تجھ سے بہتر کیونکر ہوا اور اس نے اگر اسے دلیل سے معلوم کیا ہے تو اس کی صحیح تقلید تو یہ ہے کہ تو بھی اسے دلیل سے معلوم کر ورنہ تو اس کا

ولا مخالف او باشی نہ مقلد او وچوں تو ہم آں مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد انتہی ما فی العزیزی،

قال فی التفسیر الکبیر المسئلۃ الثانیۃ معنی الآیۃ ان اللہ تعالیٰ امرھم بان یتبعوا ما انزل اللہ من الدلائل الباھرۃ فھم قالوا لا نتبع ذلک وانما نتبع اٰباءنا واسلافنا فکانھم عارضوا الدلالۃ بالتقلید واجاب اللہ تعالیٰ عنھم بقولہ اولو کان اٰباءھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون وفیہ مسائل۔ المسئلۃ الثانیۃ تقریر ھذا الجواب من وجوہ احدھا ان یقال للمقلد ھل تعترف بان شرط جواز تقلید الانسان ان یعلم کونہ محقا ام لا فان اعترفت بذلک لم یعلم جواز تقلیدہ الا بعد ان تعرف کونہ محقا فکیف عرفت انہ محق وان عرفتہ بتقلید اٰخر لزم التسلسل وان عرفتہ بالعقل فذاک کاف فلا حاجۃ الی التقلید وان قلت لیس من شرط جواز تقلیدہ ان یعلم کونہ محقا فاذن قد جوزت تقلیدہ وان کان مبطلا فاذن انت علی تقلیدک لا تعلم انک محق او مبطل۔

وثانیھا ان ذلک المتقدم کان عالما بھذا الشیء اولا انا لو قدرنا ان ذلک المتقدم ما کان عالما بذلک الشیء قط وما اختار فیہ البتۃ مذھبا فانت ماذا کنت

مخالف ہو گا اور مقلد اور جب تو نے اس کو دلیل سے معلوم کر لیا تو تقلید ختم ہو گئی۔

تفسیر کبیر میں کہا ہے دوسرا مسئلہ آیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ خداوند تعالیٰ کی واضح دلیلوں کی پیروی کرو تو انہوں نے جواب کہا کہ ہم اس کی پیروی کریں گے ہم تو اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے گویا انہوں نے دلیل کا مقابلہ تقلید سے کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا اگرچہ ان کے باپ بے سمجھ اور گمراہ ہی ہوں تب بھی انہی کی پیروی کریں گے اور اس میں بہت مسائل ہیں دوسرا مسئلہ اس جواب کی کئی طرق سے تقریر کا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ مقلد سے پوچھنا چاہیئے کیا تو یہ اقرار کرتا ہے کہ کسی انسان کی تقلید کرنے کے لئے اس کے حق پر ہونے کا علم بھی ضروری ہے اگر اقرار کرے کہ ہاں اس کے حق پر ہونے کا علم ضروری ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ تم کو اس کا معلوم ہوا اگر کسی دوسرے کی تقلید سے ہوا ہے تو تسلسل اور دور لازم آئے گا اور اگر تو نے عقل سے اپنے طور پر دلیل تلاش کرنے کے لئے کافی ہے، تقلید کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مقلد کے حق پر ہونے ضروری نہیں سمجھتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے اس کے باطل پر ہونے کے جواز کے باوجود اس کی تقلید اس وقت تم کو یہ معلوم نہ ہو گا کہ تم حق پر ہو یا باطل پر دوسری وجہ یہ ہے کہ فرض کرو جس کی تم تقلید کرتے ہو

تعمل فلا تقلید ان لا یوجد ذلك المتقدم ولا مذهبه كان لابد من العدول الی النظر فکذا ههنا۔

وثالثها انك ان قلدت من قبلك فذلك المتقدم کیف عرفته اعرفته بتقلید ام لا بتقلید فان عرفته بتقلید لزم اما الدور واما التسلسل وان عرفته لا بتقلید بل بدلیل فاذا اوجبت تقلیده ذلك المتقدم وجب ان تطلب العلم بالدلیل لا بالتقلید لانك لو طلبت بالتقلید لا بالدلیل مع ان ذلك المتقدم طلبه بالدلیل لا بالتقلید کنت مخالفا له فثبت ان القول بالتقلید یفضی ثبوته الی نفیه فیکون باطلا انتهی ما فی الکبیر۔

نزلت فی المشرکین امروا باتباع القرآن وسائر ما انزل الله تعالی من الحجج القاهرة والبینات الباهرة فجنحوا الی التقلید وقیل نزلت فی طائفة من الیهود دعاهم رسول الله صلی الله علیه وسلم الی الاسلام فقالوا بل نتبع ما وجدنا علیه آباءنا لانهم کانوا خیرا منا واعلم الی آخر ما فی التفسیر ابی السعود۔

پس آیات کریمہ مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مقلدان زمانہ باوصف درس وتدریس صحاح ستہ وقرآن مجید کے بنا بر اعتماد قواعد مخترعہ متاخرین اور روش وعادت اہل کتاب ونصوص صریحہ قرآن وحدیث سے بلطائف الحیل وتاویلات رکیکہ مقابلہ ومعارضہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو اس قدر فہم وفراست کہاں کہ مقاصد قرآن وحدیث پر عبور کریں جو کچھ اسلاف کرام نے قواعد واصول مقرر کئے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں، پس ان پر فرمودہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اگر اس کو اس مسئلہ کا علم نہ ہوتا یا وہ خود ہی دنیا میں پیدا نہ ہوتا تو تم کیا کرتے یقیناً تم کو کسی اور کی طرف نگاہ اٹھانا پڑتی سو اب بھی ایسا ہی کیوں نہیں کر لیتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ جس پہلے آدمی کی تم تقلید کر رہے ہو اس نے اس مسئلہ کو کیسے معلوم کیا، اگر کسی اور کی تقلید سے معلوم کیا ہے تو دور لازم آئے گی تو معلوم ہو گیا اور اگر اس نے دلیل سے معلوم کیا ہے تو اس کی تقلید تو یہ ہے کہ تم بھی دلیل سے اس کو معلوم کرو ورنہ مخالفت لازم آئے گی تو معلوم ہو گیا کہ تقلید سے کوئی بات کہنا تقلید کی نفی کی طرف لے جاتا ہے پس تقلید باطل ٹھہری تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب ان کو دلائل کے اتباع کی دعوت دی گئی تو وہ تقلید آباء کی طرف جھک گئے بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے حق میں نازل ہوئی ان کو حضور نے اسلام کی دعوت دی تو وہ کہنے لگے ہمارے باپ دادا ہم سے بہتر تھے زیادہ عالم تھے ہم ان کی پیروی کریں گے (ابو السعود)

راست آیا۔ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ ۔ انتهى ما فى صحيح البخارى وغيره من كتب الحديث ۔

ان نافہم مقلدوں کے بچنین طریقہ وشعار پر صد ہزار افسوس ہے کہ ائمہ مجتہدین کے اقوال پر بھی کاربند نہیں ہوتے، بلکہ مقتضائے مضمون آیت کریمہ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ، یعنی وادی جہالت میں سرگردان رہتے ہیں اور بالعدار ان متبعان خدا ورسول کو بزعم فاسد خود سب وشتم وزدوکوب کرتے ہیں اور لا مذہب وبیدین کہتے ہیں، پس ان کے یہ تمام آثار وشعار بہ سبب ہوائے نفسانی وموجب عدم تدبر قرآن وحدیث واقوال سلف صالحین ومتاخرین محققین کے خلاف ہیں اور اقوال بلا دلیل پر نازان وفرحان ہیں مسلم الثبوت میں مذکور ہے،

عَنْ اَئِمَّتِنَا لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يُّفْتِىَ بِقَوْلِنَا مَا لَمْ يَعْلَمْ مِنْ اَيْنَ قُلْنَا انتهى وهكذا فى سمر العوارض للملا على قارى الهروى۔

واسامی کتب اہل اصول مذہب حنفی وغیرہ کے عدم وجوب تقلید شخصی میں یہ ہیں، باب ثامن عشر فتاوے عالمگیری، وفتح القدیر وتحریر الاصول لابن الہمام، وتقریر شرح تحریر صاحب عنایہ وتجیر شرح تحریر ابن الحاج وشرح تحریر سید بادشاہ، شرح منہاج علامہ قاسم ومسلم الثبوت محب اللہ البہاری ومختصر الاصول ابن حاجب وعضدی شرح مختصر الاصول وشرح تحریر ومسلم مولانا نظام الدین وبحر العلوم مولوی عبد العلی، وعقد الفرید شرنبلالی وطحطاوی ورد المحتار، وطوالع الانوار حواشی در مختار ومقتنم الحصول علامہ حبیب اللہ قندھاری وقول سدید شیخ النیلوبخ سید احمد طحطاوی وتحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف شیخ عبد الحق محدث دہلوی وکتاب الرد علی من اخلد الی الارض للشیخ جلال الدین السیوطی وعلامہ عبد البر وقرافی در شرح اصول وعبد الوہاب در میزان دیواقیت وعقد الجید وانصاف وعقد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وسوالات عشرہ شاہ عبد العزیز وقاضی ثناء اللہ پانی پتی

تم پہلے لوگوں کی پوری پوری پیروی کرو گے بالشت بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے بل میں گھسا ہو گا تو تم بھی گھسو گے ہم نے پوچھا اے اللہ کے رسول یہود ونصاریٰ کی پیروی کریں گے آپ نے فرمایا اور کس کی ۱۲ ہمارے اماموں کا قول ہے کہ کسی آدمی کو اس وقت تک ہمارے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے وہ قول کیوں کہا، ملا علی قاری کی سمر العوارض میں بھی اسی طرح ہے ۱۲

کا رسالہ عمل بالحدیث و کتاب فارسی جو گویا ترجمہ مسلم الثبوت ہے تنویر العینین و ایضاح الحق مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی، جیسا کہ واقفان و مزاولان کتب مذکورہ پر مخفی نہیں ہے اس صورت میں مقلدین ہوا پرستان پر واجب ہے کہ بنظر انصاف و تدبر تمام کتب مذکورہ کو ملاحظہ فرما کر افراط۔ تفریط سے باز آویں، تا رضائے مولا پا دیں سے

اندکے باتو بگفتم و بدل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

واضح ہو کہ جاہل ناواقف پر بمقتضائے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ الآیۃ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ الآیۃ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ. وَغَيْرُهَا مِنَ الْآيَاتِ مسائل کا پوچھنا اور سیکھنا شرعاً فرض و واجب ہے یعنی ہر جاہل لاعلمی کے وقت کسی عالم اہل الذکر سے خواہ وہ عالم افضل ہو، خواہ وہ فاضل خواہ مفضول ہو، کیونکہ اہل الذکر عند التحقیق عام ہے مسئلہ دریافت کر لیا کرے خواہ ایک عالم اہل ذکر سے پوچھے یا دو سے، فی الجملہ جس سے تسلی اور دل جمعی ہو، پھر جب ایک سے یا دو سے مثلاً دریافت کر لیا عہدہ تکلیف سے باہر ہو گیا، اس پر شرعاً مواخذہ نہ رہا اور اسی پر قطعاً اجماع ہو چکا،

اِعْلَمُوْا أَنَّ كُلًّا مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَالْعُلَمَاءِ الْكَامِلِيْنَ مِنْ أَهْلِ الذِّكْرِ الَّذِيْنَ وَجَبَ سُؤَالُهُمْ وَاتِّبَاعُهُمْ لِمَنْ لَمْ يَصِلْ إِلَى دَرَجَةِ النَّظَرِ وَالْاِسْتِدْلَالِ فَإِذَا عَمِلَ أَحَدٌ مِنَ الْمُقَلِّدِيْنَ بِقَوْلِ أَحَدٍ مِنْهُمْ فَقَدْ أَدّٰى مَا عَلَيْهِ هٰذَا خُلَاصَةُ مَا يُسْتَفَادُ مِنَ الْقَوْلِ السَّدِيْدِ وَغَيْرِهٖ۔ مسئلہ يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ الْمَفْضُوْلِ مَعَ وُجُوْدِ الْأَفْضَلِ فِي الْعِلْمِ عِنْدَ الْأَكْثَرِ وَعَنْ أَحْمَدَ وَكَثِيْرٍ الْمَنْعُ بَلْ يَجِبُ النَّظَرُ فِي الْأَرْجَحِ ثُمَّ اتِّبَاعُهُ لَنَا أَوَّلًا كَمَا أَقُوْلُ عُمُوْمُ فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ وَثَانِيًا

۱؎ .. اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخ والوں میں سے نہ ہوتے ۱۲ ۲؎ کیا جاہل اور عالم کبھی برابر ہو سکتے ہیں ۱۲ ۳؎ اگر تم کو معلوم نہیں تو اہل ذکر (علم والوں) سے پوچھ لو ۱۲

۴؎ جان لینا چاہیے کہ ہر اس آدمی کے لیے جو درجہ نظر و استدلال تک نہیں پہنچا ہے سارے مجتہد اور علمائے کاملین اہل ذکر ہیں جن سے مسئلہ پوچھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جب کوئی مقلد کسی عالم کے قول پر عمل کرے گا تو اس نے اپنی تحقیق کر لی القول السدید وغیرہ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ افضل اور اعلیٰ کے ہوتے ہوئے بھی مفضول کی تقلید اکثر اہل علم کے نزدیک جائز ہے ہاں امام احمد اور کچھ دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک زیادہ صحیح کی تلاش ضروری ہے،

اَلْقَطْعُ فِیْ عَصْرِ الصَّحَابَةِ بِاسْتِفْتَاءٍ كُلُّ صَحَابِيٍّ مَفْضُوْلٌ فَكَانَ اِجْمَاعًا وَمِنْ ثَمَّ قَالَ الْاِمَامُ لَوْلَا اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ لَكَانَ مَذْهَبُ الْخَصْمِ اَوْلٰى انتہی مافی مسلم الثبوت۔ فَمَنْ اَنْكَرَ عُمُوْمَ اَهْلِ الذِّكْرِ فَاَوْلٰى لَهٗ ثُمَّ اَوْلٰى لَهٗ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَلْبَابِ۔

الراقم عاجز سید محمد نذیر حسین — سید محمد نذیر حسین

ز شرف سید کونین شد شریف حسین	اِ سید احمد حسن	بہ طفیل نبی الٰہی بخش	شہاب الدین

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ فی الواقع یہ رسالہ مسمی بہ ثبوت الحق الحقیق واسطے حق کے کافی ہے اور واسطے ہدایت کے وافی ہے۔

حررہ محمد عبد الرؤف مہدالوی عظیم آبادی — محمد عبد الرؤف — محمد عبد العزیز عظیم آبادی

خادم شریعت رسول الثقلین محمد لطف حسین	عظیم آبادی	ابو النصر محمد عبد الغفار	مہد الوی عظیم آبادی
محمد ظہیر حسن ۱۲۹۶ ابو نعیم	عظیم آبادی	محمد عبد الصمد ابن ملا عبد الواحد خاں	مشہود الحق بتوفیق خدا باد

محمد غلام اکبر خان — عظیم آبادی

محمد ۱۲۹۵ زاحمد شد ابو الحامد	محمد غلام اکبر خان دہلوی	محمد عبد القادر جلیسری
	محمد عبد المجید	محمد عبد الحمید جلیسری

محمد عبد العزیز خادم شرع عزیز	محمد عبد العزیز	محمد عبد الغفار

فیروز پوری ثم الجلال آبادی — رحیم آبادی — بنگالی

نعم المولیٰ ونعم النصیر	ز نور ا ۱۲۹۲ حسن جہاں شد منور	حفیظ اللہ بنگالی	عبد الغفور بنگالی

نصیر الحق عظیم آبادی

محمد بشیر علی عفی عنہ	محمد قاسم عفی عنہ	محمد عبد السبحان خان
[illegible]ی	شاہ آبادی	مئو شمس آبادی

۱؎ ترجمہ۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اولا اللہ تعالیٰ نے اہل الذکر میں عموم رکھا ہے اور ثانیا صحابہ کے زمانہ میں یہ فیصلہ ہو گیا کہ افضل کے ہوتے مفضول صحابہ بھی فتویٰ دیا کرتے تھے تو گویا اس طرح اجماع ہو گیا یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اگر صحابہ کا اجماع نہ ہوتا تو ہمارے مخالفین کی بات راجح ہوتی مسلم الثبوت کا مضمون ختم ہوا سو جو عموم اہل ذکر کا انکار کرے اس کی نہایت ہی افسوس ہے خداوندا ہمیں حق حق دکھا اور باطل باطل ۱۲

محمد عبدالحق پنجابی | محمد جمیل اعظم گڈھی

محمد سعید کنجاہی | محمد حسین خان عفی عنہ ساکن قصبہ مغلپور متعلقہ مراد آباد | محمد راج شاہی ساکن جامریہ | رحیم اللہ عفی عنہ مئوی

علی حسن خان حمید پوری ضلع اعظم گڈھ | عبدالہادی الاسلام آبادی | محمد امیر حسن البہاری عظیم آبادی

محمد ظل الرحیم نصیر آبادی | محمد حسین پنجابی سلطان پوری | محمد گلزار حسین عفی عنہ

محمد عبدالعزیز مراد آبادی | حافظ اللہ دیا پنجابی | نور محمد اعظم المئوی اعظم گڈھی، فتاوی نذیریہ جلد اول

سوال: چہ فرمایند علمائے دین درحق شخصے کہ ایمان بخدا و ملائکہ و کتب منزلہ و پیغمبران و قیامت وتمامی ضروریات ایمان میدارد، و اقرار شہادتین نمودہ ادائے صلوۃ و صوم مینماید و ارادہ ادائے حج و زکوۃ بشرط فرض شدن آنہا میدارد و امیدوار رحمت پروردگار و خائف از عذاب اومی باشد، و مجتنب از ہمہ اقسام مناہی است وعلی الخصوص از منافیات ایمان وتمامی برگزیدگان بارگاہ صمدیت را از صحابہ و تابعین وتمامی مجتہدین و اولیاء اللہ و علمائے ربانی را مقتدائے خود داند، و بر طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ وتابعین عمل می نماید و بہیچ وجہ در عقائد اہل سنت و اعمال نقصان نمی نماید بلکہ بجا آل بپرو خطا در عقائد و عمل دائما استغفار و توبہ ورد زبان میدارد و بالجملہ بجمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق میکند و بحسب استطاعت در اخلاق و اعمال شرعیہ فرو گذاشت نمی کند آیا جامع این اوصاف مسلمان است یا نہ و کسیکہ این چنین شخص را کافر گوید و بطلان اسلامش اعتقاد می کند بہ سبب آنکہ مذہب خود را بسوئے حنفیت و شافعیت و غیرہا نسبت نمی کند حال این تکفیر کنندہ چیست بینوا توجروا

الجواب: در صورت صدق مستفتی ہر کہ این شخص را کافر می گوید، و بطلان اسلامش

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص خدا فرشتوں تمام منزل کتابوں اور پیغمبروں اور قیامت پر یقین رکھتا ہے شہادتین کا اقرار کرتا ہے نماز روزے کا پابند ہے حج اور زکوٰۃ اگر فرض ہو جائے تو ان کے ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا کی رحمت کا امیدوار اور اس کے عذاب سے ترساں ہے تمام برے کاموں سے پرہیز کرتا ہے بزرگان دین صحابہ وتابعین کو اپنا مقتدا جانتا ہے غرضیکہ اہل سنت کے عقاید و عمل سے کسی میں کمی نہیں کرتا، اور اپنی غلطیوں سے ہر وقت استغفار کرتا رہتا ہے حتی المقدور نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہیں کہلاتا ایسا شخص مسلمان ہے یا نہیں اور اگر کوئی اس کو کافر کہے تو اس کا اپنا حال کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: جو شخص ایسے آدمی کو کافر کہے وہ خود کافر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے،

اعتقاد می کند او خود کافر می گردد، در مجمع البحار است در شرح حدیث مَنْ قَالَ لِاَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهٖ لِاَنَّهٗ اِنْ صَدَقَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَافِرٌ وَاِنْ كَذَبَ عَادَ الْكُفْرُ اِلَيْهِ اَیْ كُفْرٌ بِفَرْعٍ مِنْ فُرُوْعِ الْاِيْمَانِ وَلَا يَخْرُجُ عَنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ وَاِنْ كَذَبَ وَاعْتَقَدَ بُطْلَانَ الْاِسْلَامِ رَجَعَتْ اِلَى الْقَائِلِ وَكَذَا اِنِ اسْتَحَلَّهٗ وَاِلَّا فَمُجَرَّدُ تَكْفِيْرِهٖ فِسْقٌ لَا يُوْجِبُ الْكُفْرَ قَالَ لِاَخِيْهِ كَافِرٌ بِالتَّنْوِيْنِ خَبَرُ مُبْتَدَاءٍ مَحْذُوْفٌ اَیْ هُوَ كَافِرٌ وَمَرَّ فِیْ يَا كَافِرُ انتہی۔ وظاہر است کہ نسبت کردن مذہب خود بیکے از ائمہ مجتہدین بالخصوص منافی ایمان نیست تا بسببش ایمان العیاذ باللہ تعالے سلب شود و کافر گردد، و کتاب مسلم در اصول فقہ کہ مثلش درین علم کتابے دیگر نیست، نزد علمائے محققین بر نقط فیہ مافیہ تمام گشتہ مصنف او رحمہ اللہ در حاشیہ این نوشتہ قَالَ الْعِرَاقِیُّ اِنْعَقَدَ الْاِجْمَاعُ عَلٰى مَنْ اَسْلَمَ فَلَهٗ اَنْ يُّقَلِّدَ مَنْ شَاءَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْ غَيْرِ حَجْرٍ وَاَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلٰى مَنِ اسْتَفْتٰى اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ اَمِيْرَیِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهٗ اَنْ يَّسْتَفْتِیَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ وَغَيْرَهُمَا وَيَعْمَلُ بِقَوْلِهِمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ فَمَنْ اِدَّعٰى بِرَفْعِ هٰذَيْنِ الْاِجْمَاعَيْنِ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ ۔

ازیں ہر دو اجماع خصوصًا از اجماع ثانی ثابت شد کہ کسے کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین منتسب نہ کند، کافر نمی گردد، و کسے کہ کافر می گوید بروے لازم می آید کہ او تکفیر صحابہ کرام و تابعین عظام مجتہدین می کند نَعُوْذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ ذٰلِكَ۔ اگر مکفر در جواب بگوید کہ ہر دو اجماع مذکور با

جو اپنے بھائی کو کافر کہے، تو اگر وہ واقعی کافر ہو تو وہ کفر کا فتوی اس پر جاری ہوگا اور اگر وہ کافر نہ ہو تو کہنے والا خود کافر ہو جائیگا۔

اور یہ ظاہر بات ہے کہ اپنے آپ کو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرنا ایمان کے منافی نہیں ہے کہ اس کے سبب سے آدمی کافر ہو جائے ۔مسلم الثبوت اصول فقہ میں ایک نہایت بیش قیمت کتاب ہے اس کے مصنف نے حاشیہ پر لکھا ہے کہ عراقی کہتے ہیں اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو آدمی مسلمان ہو اس کو حق ہے کہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرے اور صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی ابوبکر و عمر امیر المؤمنین سے مسئلہ پوچھے تو اس کو یہ بھی حق ہے کہ ابوہریرہ اور معاذ بن جبل سے بھی مسئلہ پوچھے اور جس کے قول پر چاہے عمل کرے اور اگر کوئی اس کے برخلاف کہے تو وہ دلیل بیان کرے،

ان دونوں اجماعوں خصوصا دوسرے اجماع سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی مجتہد کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا اور اگر کوئی اس کو کافر کہے تو اسے چاہیے کہ پہلے صحابہ اور تابعین پر کفر کا فتوی لگائے، اگر

یا اجماع ثالث کہ بر خلاف ہر دو اجماع مذکور منعقد شدہ منسوخ شدند اجماع ثالث بدین است کہ مذہب خود بیکے از مجتہدین بالعموم یا بالخصوص بیکے از ائمہ اربعہ منتسب کردن از لوازم ایمان است پس نفی لازم نفی ملزوم کہ ایمان است لازم می آید، صدر دریں جواب می گویم کہ اول اجماع ثابت کند بعد ازاں قیل وقال کند، ہرگز ثابت نخواہد کرد زیرا کہ مسئلہ اصول است اَلْإِجْمَاعُ لَا يَكُوْنُ نَاسِخًا وَلَا مَنْسُوْخًا كَذَا فِيْ جَمِيْعِ كُتُبِ أُصُوْلِ الْفِقْهِ، وبر تقدیر ثبوت اجماع ثالث خلاف این مسئلہ اصول لازم می آید والتالی باطل فالمقدم مثلہ۔

اکنون باید دانست کہ دریں زمانہ اخیر دو قسم مردم پیدا شدہ اند یکے بعلمائے مجتہدین سبّ می کنند اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تعالے و می گویند کہ حنفی و شافعی و مالکی مثلا خود را گفتن از شراب نوشی و زناکاری بدتر است، و در حق خود می گویند کہ ما عمل بالحدیث می کنیم، در جواب شان گفتہ شدہ کہ عمل بر حدیث بشرط لیاقت حق است و علی الرأس والعین لیکن سبّ مجتہدین زندقہ و گمراہی است و در مقابل این فرقہ دیگرے اند کہ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تعالے بمجتہدین اساءت ادب می کنند و عمل بر حدیث جائز نمی دارند گو مقرون بشرائط عمل باشد و می گویند کہ اگر کسے خود را حنفی یا شافعی مثلاً نمی گوید مومن و مسلمان نیست، و اگر کسے ارشاد و ہدایت این مسئلہ کند نمی فہمند و از عمل بالحدیث متنفر اند العیاذ باللہ تعالے تا آنکہ اشارہ بسبحہ در تشہد کہ ثابت باحادیث صحیحہ است بہ تقلید

کوئی یہ کہے کہ پہلے دونوں اجماع تیسرے اجماع سے منسوخ ہو گئے کیونکہ مجتہدین اپنے آپ کو کسی طرف منسوب کرنے پر اجماع ہو گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تیسرا اجماع جس کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہاں ہے روئے زمین پر اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پھر علم اصول کا مسئلہ ہے کہ اجماع نہ ناسخ ہوتا ہے نہ منسوخ اگر بالفرض محال تیسرا اجماع ثابت بھی ہو جائے تو یہ فقہاء کا اصول باطل ہو جائے گا اور چونکہ اصول ثابت ہے لہذا یہ دعوی باطل ہے ۱۲

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں دو گروہ پیدا ہو چکے ہیں کچھ تو ائمہ مجتہدین کو گالی وغیرہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو حنفی یا شافعی کہنا شراب نوشی اور زناکاری سے بھی بڑا گناہ سمجھتے ہیں خدا کی پناہ اور اپنے متعلق دعوی کرتے ہیں کہ ہم حدیث پر عمل کرتے ہیں ان کا جواب تو یہ ہے کہ حدیث پر عمل کرنا تو صحیح ہے لیکن ائمہ مجتہدین کو برے الفاظ سے یاد کرنا بے دینی اور گمراہی ہے اور ان کے مقابل دوسرا گروہ ہے جو محدثین کے حق میں زبان درازی اور بے ادبی کرتے ہیں اور حدیث صحیح ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس پر عمل نہیں کرتے اور اگر کوئی ان کو سمجھانے کی کوشش کرے تو بھی نہیں سمجھتے ایسے لوگوں سے بھی خدا کی پناہ، نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ تشہد انگشت کے اشارہ کو خلاصہ کیدانی والے جیسے آدمی کے پیچھے لگ کر حرام کہہ دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث صحیح سے

بہ تقلید شل خلاصہ کیدانی حرام می گویند، و جہل دیگر فرقہ این است کہ با وجود ثبوت اشارہ باحادیث صحیحہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نیز ہست، صَرَّحَ بِہِ الْاِمَامُ مُحَمَّدٌ فِی الْمُوَطَّا، و اگر کسے ہدایت بایں مسئلہ کند بے آنکہ لیاقت فہم و شعور داشتہ باشند نافہمیدہ ہدایت حق حق دلی لی آغاز می کند فَیَتَغَضَّبُوْنَ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ وَاِنْ کَانُوْا یَفْتَخِرُوْنَ عِنْدَ الْجُهَلَاءِ مِثْلَهُمْ و در جواب ایشان استرجاع نمودہ تسلیہ خاطر مضمون این کریمہ نمودہ می آید کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔ مومن را باید کہ اعمال قلبی و قالبی خود را بمیزان شریعت غرا سنجیدہ باشد از تکفیر و تفسیق باطل کسے کفر و فسق لازم نمی آید فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الباری محمد حیدر علی حفظہ اللہ تعالیٰ بِلُطْفِہِ الخفی والجلی ۔

سید محمد نذیر حسین	محمد حیدر علی

علی احمد	الجواب قول فصل وما ہو بالہزل	محمد نور الحق حقی	مسئلہ حق و مستدل بہیں است

جعفر علی	الجواب حق	محمد انعام اللہ	محمد صدیق عفی عنہ	اجاد من اجاب ۔

بتائیدہ تعالےٰ اصاب من اجاب کافر نیست، بشرط مطابقت اعتقاد با عتقاد اہل سنت

عبد المجید خان	الجواب اجود و احکم واللہ بالصواب اعلم	محمد امام الدین

سوال :۔ اضعف العباد نجم الدین مرشدآبادی بحکم آیت کریمہ (حق کو باطل سے نہ ملاؤ) مقلدوں سے سخت ایذا پانے کے بعد نہایت مضطر ہو کر علمائے دین محمدی سے سوال کرتا ہے کہ عمل تقلیدی کسی حجت شرعیہ میں سے ہے یا نہیں بینوا بالحق ولا تکتموا الحق ۔

الجواب :۔ عمل تقلیدی کسی ایک حجت شرعیہ میں سے نہیں ہے یعنی عمل بقول اس شخص کے کرنا کہ جس کا قول بلا دلیل شرعی کے حجت نہ ہو اس کو عمل تقلیدی کہتے ہیں اور تقلید کی تعریف

[illegible] کے قائل ہو رہا کہ [illegible] اس کی تعریف کی ہے [illegible] لوگوں کو دلائل کی بنا پر [illegible] ہوئے [illegible] کرنے [illegible] میں ایسے لوگ جاہلوں ہی کو [illegible] دلیل [illegible] جواب [illegible] وانا الیہ راجعون [illegible] کہ [illegible] شریعت کی [illegible] کسی فاسق و فاجر کے فتویٰ کفر و فسق کی پرواہ نہ کرے ایسے لوگوں کے فتووں سے کوئی آدمی کافر نہیں ہو جاتا ۱۲

[illegible] :۔ مولانا سید محمد حیدر علی صاحب ٹونکی رحمہ اللہ تعالےٰ ۱۲ ۔

یہ ہے التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجۃ متعلق بالعمل والمراد بالحجۃ حجۃ من الحجج الاربع کذا فی کتب الاصول الحنفیۃ وغیرھا کما لا یخفی علی الماہر بالاصول پس تقلید کی تعریف ہے حسب اصطلاح مقلدین کے واضح ہوا کہ عمل تقلیدی دلائل اربع یعنی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجماع صحابہ ومجتہدین وقیاس صحیح مجتہد مسلم الاجتہاد سے خارج ہے اور یہ عمل تکلیفی شرعی اصلاً نہیں اور جو عمل بلا ادلہ اربعہ کے پایا جاوے وہ عمل تکلیفی شرعی نہیں وہ شرعاً مردود وباطل ہے پس عمل تقلیدی بھی مردود اور باطل ہوا الحمد للہ کہ بے اصل شرعی ہونا تقلید کا بموجب اصطلاح مقلدین کے ثابت ہوا اور یہ مقلدین پر سخت حجت ہے کما لا یخفی علی الفطن المنصف الماہر بالشریعۃ المحمدیۃ۔

قال فخر الدین الرازی فی الکبیر ھذہ الایۃ دالۃ علی ان ما سوی ھذہ الاصول الاربع اعنی الکتاب والسنۃ والاجماع والقیاس مردود وباطل و فان امر اللہ تعالیٰ فی کل واحد منھا بتکلیف خاص معین دل ذلک علی انہ لیس للمکلف ان یتمسک بشئ سوی ھذہ الاصول الاربعۃ واذا ثبت ھذا فنقول القول بالاستحسان الذی یقول بہ ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ القول بالاستصلاح الذی یقول بہ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ان کان المراد بہ احد ھذہ الامور الاربعۃ فھو تغییر عبارۃ ولا فائدۃ فیہ وان کان مغائرا لھذہ الاربعۃ کان القول بہ باطلا قطعا لدلالۃ ھذہ الایۃ علی بطلانہ کما ذکرنا انتہی

۱؎ عمل سے متعلق بغیر کسی دلیل کے کسی قول پر عمل کرنے کا نام تقلید ہے اور دلیل سے مراد وہی ادلہ اربعہ ہیں جن کی کتب اصول فقہ حنفیہ میں تصریح کی گئی ہے جیسا کہ ماہران اصول اس کو جانتے ہیں ۱۲

۲؎ جیسا کہ شریعت محمدیہ کے ماہران منصف مزاج پر یہ امر کوئی پوشیدہ نہیں ہے ۱۲

۳؎ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ماسوائے ادلہ اربعہ یعنی کتاب سنت اجماع قیاس کے جو دلیل ہے وہ مردود ہے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق ایک خاص معین ہدایت کی ہے اور کسی مکلف کو جائز نہیں ہے کہ ان چار دلیلوں کے سوا کسی اور چیز سے استدلال کرے جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح کے استحسان اور امام مالک کے استصلاح سے مراد اگر انہیں چاروں امور میں سے کوئی چیز ہے تو یہ صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے اور اگر اس کے سوا اور کوئی چیز ہے

كما في التفسير الكبير تحت آية اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ الخ ۔
اور اسی نظر سے شوکانی نے قول المفید فی حکم التقلید میں لکھا ہے کہ نصوص ائمہ اربعہ کے منع تقلید میں مصرح ہیں، قَالَ الشَّوْكَانِيْ قَدْ ذَكَرْتُ نُصُوْصَ الْاَئِمَّةِ الْاَرْبَعَةِ الْمُصَرِّحَةَ بِالنَّهْيِ عَنِ التَّقْلِيْدِ فِي الرِّسَالَةِ الَّتِيْ سَمَّيْتُهَا الْقَوْلَ الْمُفِيْدَ فِيْ حُكْمِ التَّقْلِيْدِ فَلَا نُطَوِّلُ الْمَقَامَ بِذِكْرِ ذٰلِكَ وَبِهٰذَا تَعْلَمُ اَنَّ الْمَنْعَ مِنَ التَّقْلِيْدِ اِنْ لَمْ يَكُنْ اِجْمَاعًا فَهُوَ مَذْهَبُ الْجُمْهُوْرِ وَيُؤَيِّدُ هٰذَا حِكَايَةُ الْاِجْمَاعِ عَلٰى عَدَمِ جَوَازِ تَقْلِيْدِ الْاَمْوَاتِ وَكَذٰلِكَ عَمَلُ الْمُجْتَهِدِ بِرَأْيِهٖ اِنَّمَا هُوَ رُخْصَةٌ لَهٗ عِنْدَ عَدَمِ الدَّلِيْلِ وَلَا يَجُوْزُ لِغَيْرِهٖ اَنْ يَعْمَلَ بِهٖ بِالْاِجْمَاعِ فَهٰذَانِ الْاِجْمَاعَانِ يَجْتَثَّانِ التَّقْلِيْدَ مِنْ اَصْلِهٖ انتہی ما فی ہدایۃ السائل ۔
اور برعکس وخلاف اس کے ہر مقلد بحر تقلید آباء واسلاف کے فریفتہ اور مغرور ہو کر کتاب اور سنت سے ستیزہ کنان اسی تقلید بلا دلیل پر اڑ رہا اپنے خیال خام اور ہوس نافرجام پر شادان و نازان ہے چنانچہ آیت کریمہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ایسے ہی مقلد متعصب پر مشعر اور مخبر ہے وہ ذرا غور اور فکر نہیں کرتا کہ تقلید بلا دلیل درمیان محق اور مبطل کے امر مشترک فیہ ہے اس لئے کہ ہر فرقہ کہ جس کی تقلید بلا دلیل کرتا ہے اس کو اچھا جانتا ہے اور دوسرا فرقہ فرقہ اولے کے مقابل اس کے برعکس سمجھتا ہے پس اگر یہ تقلید بلا دلیل فی نفسہ مفضی الی الحق والصواب ہو تو شئے اور

تو یہ بالکل باطل ہیں اور آیت اس کے بطلان پر صاف دلالت کر رہی ہے، اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الآیۃ کے تحت تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

لہ ۔۔ امام شوکانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے رسالہ القول المفید فی حکم التقلید میں چاروں اماموں کے تقلید کی ممانعت کے بارے میں اقوال نقل کئے ہیں ہم یہاں اس بحث کو لمبا کرنا نہیں چاہتے اگر تقلید کی ممانعت میں اجماع نہیں ہے تو بہرحال جمہور کا مسلک یہی ہے اور جمہور کا مسلک اس پر اجماع ہے کہ مردوں کی تقلید منع ہے اور مجتہد کو عدم دلیل کے وقت اپنی رائے پر عمل کر لینے کی اجازت ہے اور اس پر اجماع ہے کہ کسی دوسرے کو اس کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں [illegible] کے بیان کے مطابق یہ دونوں اجماع تقلید کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں ۱۲۔

---

(۱) ہذا على التنزل لان اجماع السلف من القرون الثلثة وتعاملهم على عدم جواز التقليد بلا دليل ما انزل الله بها من سلطان كما لا يخفى على اهل الايمان والاتفاق من مرج القرآن من ادعى خلاف [illegible] تحليه البيان بالبرهان كما قال الله تعالى قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ۱۲ منہ

نقیض شئے کا حق اور صواب پر ہونا لازم آتا ہے اور اسی کو اجتماع نقیضین کہتے ہیں کیونکہ ہر شخص اپنے مقلد کو اچھا اور دوسرے کو ناپسند رکھتا ہے اور یہ امر بالبداہت شرعاً اور عقلاً بلاریب باطل ہے، وَلَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ اور اسی سبب سے اللہ جل شانہ نے جا بجا اپنے کلام پاک میں تقلید بلا دلیل کو رد کیا ہے خاص کر سورہ زخرف میں زیادہ تر تقلید بلا دلیل کی شناعت اور مذمت فرمائی ہے،

قَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ وَكَذٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ وَالْمَعْنٰى إِنَّهُمْ وَجَدُوا ذٰلِكَ الْبَاطِلَ فِي كِتَابٍ مُنَزَّلٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ حَتّٰى جَازَ لَهُمْ أَنْ يُعَوِّلُوا عَلَيْهِ وَأَنْ يَتَمَسَّكُوا بِهِ وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ ذِكْرُهُ فِي مَعْرِضِ الْإِنْكَارِ وَلَمَّا ثَبَتَ أَنَّهُ لَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ لَا دَلِيلٌ عَقْلِيٌّ وَلَا دَلِيلٌ نَقْلِيٌّ وَجَبَ أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ بِهِ بَاطِلًا ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ وَالْمَقْصُودُ أَنَّهُ تَعَالٰى لَمَّا بَيَّنَ أَنَّهُ لَا دَلِيلَ لَهُمْ

لہ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا، تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے، ان کو اس کا کوئی علم نہیں وہ محض تک بندی کرتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے جس سے وہ دلیل لیتے ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا سو وہ ان کے کھوجوں کی پیروی کر رہے ہیں ایسا ہی ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ایسا نہیں بھیجا جس کو اس کی امت کے دولت مندوں نے یہ نہ کہا ہو کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے سو وہ اُن کے نشانات کی پیروی کر رہے ہیں کہا اگرچہ میں تمہارے باپ دادا کی راہ سے بہتر راہ تم کو دکھلاؤں کہنے لگے ہم تمہاری تعلیم ہی کے منکر ہیں سو ہم نے ان سے انتقام لیا آخر آیت تک مدعا یہ ہے کہ کیا ان لوگوں نے اس طریقہ باطل کو قرآن سے پہلے کی نازل شدہ کسی کتاب سے معلوم کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اعتماد کئے بیٹھے ہیں اور یہ بطریق استفہام انکاری کے ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس کوئی نقلی اور عقلی دلیل نہیں ہے تو معلوم ہے کہ یہ طریقہ باطل ہے پھر فرمایا انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں

عَنْ صِحَّتِہٖ ذٰلِكَ الْقَوْلِ الْبَتَّةَ بَيَّنَ اَنَّهٗ لَيْسَ لَهُمْ حَامِلٌ يَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ اِلَّا
التَّقْلِيْدُ الْمَحْضُ ثُمَّ بَيَّنَ اَنَّ تَمَسُّكَ الْجُهَّالِ بِطَرِيْقَةِ التَّقْلِيْدِ اَمْرٌ كَانَ
حَاصِلاً مِنْ قَدِيْمِ الدَّهْرِ فَقَالَ وَكَذٰلِكَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ
مِنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَا اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ
مُّقْتَدُوْنَ وَفِي الْاٰيَةِ مَسَائِلُ ۔ اَلْمَسْئَلَةُ الْاُوْلٰى قَالَ صَاحِبُ الْكَشَّافِ قُرِئَ
عَلٰۤى اِمَّةٍ بِالْكَسْرِ وَكِلْتَاهُمَا مِنَ الْاَمِّ وَهُوَ الْقَصْدُ فَالْاُمَّةُ الطَّرِيْقَةُ الَّتِيْ تَؤُمُّ
اَيْ تُقْصَدُ كَالرُّحْلَةِ لِلْمَرْحُوْلِ اِلَيْهِ والامة الحالة التى يكون عليها العام
وهو القاصد۔ المسئلة الثانية لو لم يكن فى كتاب الله الا هذه الأيات
لكفت فى ابطال القول بالتقليد وذلك لانه تعالى بين ان هؤلاء الكفار
لم يتمسكوا فى اثبات ماذهبوا اليه لا بطريق عقلى ولا بدليل نقلى ثم
بين انهم ذهبوا اليه بمجرد تقليد الاباء والاسلاف وانما ذكر تعالى هذه
المعانى فى معرض الذم والتهجين وذلك يدل على ان القول بالتقليد
باطل ومما يدل عليه ايضا من حيث العقل ان التقليد امر مشترك فيه بين
المبطل وبين المحق وذلك لانه كما حصل لهذه الطائفة قوم من المقلدة
فكذلك حصل لاضدادهم اقوام من المقلدة فلو كان التقليد طريقا الى
الحق لوجب كون الشئ ونقيضه حقا ومعلوم ان ذلك باطل انتهى ما فى التفسير

[illegible] پاس ان صاف دلائل کا کوئی جواب سوائے تقلید آباء کے نہیں ہے اور پھر فرمایا کہ یہ جاہلوں کا طریقہ بہت
[illegible] زمانے سے چلا آرہا ہے کہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں ان کو ان کی قوم کے دولت مندول
[illegible] تقلید کا جواب سنایا ہے ،
[illegible] فرماتے ہیں کہ اگر قرآن مجید میں صرف یہی آیات ہوتیں تو بھی تقلید کی تردید کے لئے کافی تھیں
[illegible] فرماتے ہیں کہ ان کفار کے پاس اپنے دین باطل کے اثبات کے لئے سوائے تقلید آباء کے اور
[illegible] نقلی دلیل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اس تقلید کو مذمت کے انداز میں بیان فرمایا ہے اس سے معلوم
[illegible] مسلک باطل ہے اور عقلی حیثیت سے بھی تقلید میں دونوں امکان ہیں ہو سکتا ہے کہ مقلد حق پر ہو
[illegible] باطل پر ہو کیونکہ اقوام عالم ایک دوسرے کے طریق کے بالکل مخالف تقلید کرتے
[illegible] اگر تقلید امر حق ہوتا تو لازم آتا کہ شے اور نقیض شے دونوں حق ہوں اور یہ صریحا باطل ہے

اور دوسری دلیل بطلان تقلید پر یہ ہے کہ قول بوجوب تقلید موجب منع تقلید سے ہوگا اور جو چیز مفضی ہو اس کا ثبوت طرف نفی اس کی کے (یعنی ہر مقلد دوسرے مقلد کی تقلید کو نفی اور ناپسند کرتا ہے) تو وہ باطل ہے اس قول سے بطلان تقلید کا واجب ہوا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ الی آخر الآیۃ اعلم انه تعالی لما بین فی الآیۃ المتقدمۃ انه لیس لاولئك الكفار داع یدعوهم الی تلك الاقاویل الباطلة الا تقلید الاباء والاسلاف ثم بین انه طریق باطل ومنهج فاسد وان الرجوع الی الدلیل اولی من الاعتماد علی التقلید اردفه بهذه الاٰیة والمقصود منها ذکر وجه آخر یدل علی فساد القول بالتقلید وتقریره من وجهین - الاول انه تعالی حکی عن ابراهیم علیه السلام انه تبرأ عن دین اٰبائه بناء علی الدلیل فنقول اما ان یکون تقلید الاباء فی الادیان محرما اوجائزا فان کان محرما فقد بطل القول بالتقلید وان کان جائزا فمعلوم ان اشرف اباء العرب هو ابراهیم وذلك لانه لیس لهم شرف الا بانهم من اولاده فاذا کان کذلك فتقلید هذا الاب الذی هو اشرف الاباء اولی من تقلید سائر الاباء واذا ثبت ان تقلیده اولی من تقلید غیره فنقول انه ترك دین الاباء وحکم بان اتباع الدلیل اولی من متابعة الاباء واذا کان کذلك وجب تقلید

تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔ ے اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں مگر اس اللہ سے جس نے مجھے پیدا کیا وہ میری راہ نمائی کرے گا آخر آیات تک پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان باطل اقاویل کی تائید میں سوائے تقلید اباء کے اور کوئی دلیل نہیں ہے، پھر فرمایا تقلید کی راہ تو باطل ہے اور دلیل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے یہاں ایک اور انداز سے تقلید کی تردید فرمائی ہے اور اس کی تقریر کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت تو یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ دادا کی تقلید کو چھوڑ دیا تھا اور دلیل کی طرف رجوع کیا تھا اور دوسری یہ کہ تقلید کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو تقلید حرام ہوگی یا جائز، اگر حرام مان لیا جائے تو قصہ ختم ہوا اور اگر جائز تسلیم کیا جائے تو پھر بہتر باپ کی تقلید کرنا چاہیئے اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بہترین باپ تھے اور ان کی تقلید یہ ہے کہ تقلید کو چھوڑ کر دلیل کی

تقلید الاباء ووجب تقلید لا فی ترجیح الدلیل علی التقلید و هذا ثبت هذا فنقول فقد ظهر ان القول بوجوب التقلید یوجب المنع من التقلید وما افضی ثبوته الی نفیه کان باطلا فوجب ان یکون القول بالتقلید باطلا فهذا طریق دقیق فی ابطال التقلید انتہی ما فی التفسیر الکبیر۔

ومن سورۃ صٓ وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ الایۃ اقول منشاء التعجب من وجھین الاول ھو ان القوم ما کانوا من اصحاب النظر والاستدلال بل کانت اوھامھم تابعۃ للمحسوسات فلما وجدوا فی الشاھد ان الفاعل الواحد لا تفی قدرتہ وعلمہ بحفظ الخلق العظیم قاسوا الغائب علی الشاھد فقالوا لابد فی حفظ ھذا العالم الکثیر من الھۃ کثیرۃ یتکفل کل واحد منھم بحفظ نوع اٰخر والوجہ الثانی ان اسلافھم لکثرھم وقوۃ عقولھم کانوا مطبقین علی الشرک فقالوا من العجب ان یکون اولئک الاقوام علی کثرتھم وقوۃ

کی طرف رجوع کیا جائے تو معلوم ہوا کہ وجوب تقلید تقلید کی ممانعت کرتا ہے اور جس چیز کا ثبوت اس کی نفی کی طرف لے جائے تو وہ چیز باطل ہوگی، لہٰذا تقلید باطل ہوئی، تفسیر کبیر کا خلاصہ ختم ہوا۔

سورہ صٓ میں ہے کہ ان کو اس بات کا تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان کے پاس آگیا کافروں نے کہا یہ تو جھوٹا جادوگر ہے اس نے اتنے خداؤں کا ایک ہی خدا بنا دیا یہ بڑی عجیب بات ہے سردار اٹھ کر چلے گئے اور کہنے لگے اٹھو اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو اس کی یہ ایک سوچی سمجھی سکیم ہے ہم نے پچھلے دین میں یہ باتیں کبھی نہ سنی تھیں یہ ایک بناوٹی چیز معلوم ہوتی ہے ان کے تعجب کی بنیاد دو چیزوں پر ہے پہلی یہ کہ وہ لوگ نظر و استدلال کے اہل نہیں تھے بلکہ ان کے اوہام محسوسات کے تابع تھے جب انہوں نے مشاہدہ کیا کہ ایک آدمی ایک کثیر تعداد آدمیوں کی حفاظت و نگرانی نہیں کر سکتا ہے تو کہنے لگے کہ ایک خدا اتنی خلقت کی حفاظت کیسے کر سکتا ہوگا، ضروری ہے کہ اتنی دنیا کی حفاظت کے لئے بہت سے خدا ہوں اور دوسری چیز یہ تھی کہ ان کے آباء و اجداد اپنی کثرت تعداد اور قوت عقول کے باوجود شرک پر جمے ہوئے تھے تو کہنے لگے اتنی اقوام اپنی کثرت اور قوت عقول کے باوجود باطل پر کیسے رہ سکتی ہیں اور یہ ایک آدمی

عقولھم کانوا جاھلین مبطلین وھذا الانسان الواحد یکون محقا صادقا واقول لحری لو سلمنا اجراء حکم الشاھد علی الغائب من غیر دلیل وحجۃ لکانت الشبھۃ الاولی لازمۃ ولما توافقنا علی فسادھا علمنا ان اجراء حکم الشاھد علی الغائب فاسد قطعا واذا بطلت ھذہ القاعدۃ فقد بطل اصل کلام المشبھۃ فی الذات و کلام المشبھۃ فی الافعال اما المشبھۃ فی الذات فھو انھم یقولون لما کان فی کل موجود فی الشاھد یجب ان یکون جسما ومختصا بحیز وجب فی الغائب ان یکون کذالک واما المشبھۃ فی الافعال فھم المعتزلۃ الذین یقولون الامر الفلانی قبیح منا فوجب ان یکون قبیحا من اللہ فثبت بما ذکرنا ان صح کلام ھؤلاء المشبھۃ فی الذات و فی الافعال لزم القطع بصحۃ شبھۃ ھؤلاء المشرکین وحیث توافقنا علی فسادھا علمنا ان عمدۃ کلام المجسمۃ وکلام المعتزلۃ باطل فاسد واما الشبھۃ الثانیۃ فلعمری لو کان التقلید حقا لکانت ھذہ الشبھۃ لازمۃ وحیث کانت فاسدۃ علمنا ان التقلید باطل انتہی ما فی الکبیر بلفظہ من عینہ۔

پس قول امام رازی سے صاف واضح ہوا کہ اگر تقلید بلا دلیل صحیح اور حق ہو تو مشبہ فرقہ مجسمہ وکلام معتزلہ کا بھی حق ہو حالانکہ قول و شبہ ان دونوں فرقوں کا باطل ہوا تو تقلید بلا دلیل بھی باطل ہوئی، اور خدا تعالیٰ نے سورہ یونس میں فرماتا ہے، قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا[1]

کیسے حق پر ہو سکتا ہے میں کہتا ہوں اگر شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کیا جائے اور دلیل سے صرف نظر کر لیا جائے تو پہلا شبہ سچا ہوگا اور جب ہم اس کو جھوٹا معلوم کر چکے ہیں تو معلوم ہوا کہ شاہد کے حکم کو غائب پر محمول کرنا درست نہیں ہے جب یہ قاعدہ ختم ہوا، تو ذات اور صفات خداوندی میں مشبہ کا قول باطل ٹھہرا ذات میں تشبیہ کے قائل کہتے ہیں کہ عالم شہود میں ہر چیز کا ایک جسم ہے تو لازم ہوا کہ غیر مرئی خدا بھی جسم ہو اور صفات میں مشبہ کہتے ہیں کہ فلاں کام چونکہ ہماری نسبت سے برا ہے تو ضروری ہے کہ خدا سے بھی وہ کام برا سمجھا جائے ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ذات وافعال میں اگر مشبہ کا قول درست تسلیم کر لیا جائے تو کفار کی بات درست ہوگی اور اس کا باطل ہونا جب معلوم ہوا کہ مجسمہ اور معتزلہ کا کلام باطل ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر تقلید صحیح ہوتی تو یہ شبہ بھی درست ہوتا اور جب یہ باطل ٹھہرا تو لازماً تقلید بھی باطل ٹھہری تفسیر کبیر کا مضمون ختم ہوا۔

[1] کہنے لگے کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم کو ہمارے باپ دادا کے دین سے پھیر دے اور زمین میں

وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ اعلم ان حاصل هذا الكلام انهم قالوا لا نترك الدين الذي نحن عليه لانا وجدنا اباءنا عليه فقد تمسكوا بالتقليد ودفعوا الحجة الظاهرة بمجرد الاصرار انتهى ما في الكبير مختصرا بقدر الحاجة۔

اور سورہ ہود میں فرمایا ہے۔ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ وقد اشاروا فيه الى التمسك بطريقة التقليد لانهم استبعدوا منه ان يامرهم بترك عبادة ما كان يعبد اباؤهم يعني الطريقة التي اخذناها من اباءنا واسلافنا كيف نتركها وذلك تمسك بمحض التقليد انتهى ما في التفسير الكبير مختصرا بقدر الحاجة۔

وایضاً سورہ صافات میں تحت آیت فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ کے امام رازی لکھتے ہیں والمقصود من الاية انه تعالى علل استحقاقهم للوقوع في تلك الشدائد كلها بتقليد الاباء في الدين وترك اتباع الدليل ولو لم يوجد في القرآن آية غير هذه الاية في ذم التقليد لكفى انتهى ما في التفسير الكبير بقدر الحاجة۔

اب تحریر بالا سے ماہران شریعت غرا پر مخفی نہ ہے کہ جب مذمت وقباحت تقلید بلادلیل کی کلام ربانی سے قطعاً ثابت ہوئی تو مسلمان دیندار تقوی شعار پر ازراہ وجوب محبت اطاعت خالق اکبر اور رسول اطہر کی ماننا کلام ربانی کا اور بدل وجان تصدیق کرنا اس کا درباب ذم تقلید بلادلیل کے فرض اعتقادی وعملی ہوا ورلا ساتھ شقاق ونفاق کے منسوب ہوگا۔

تمہاری سرداری قائم ہو جائے سو ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ انہوں نے دلائل کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید سے تمسک کیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنے باپ دادا کی راہ کو نہیں چھوڑیں گے (خلاصہ تفسیر کبیر)
کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نماز یں تجھکو یہی سکھاتی ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور اپنے مال میں حسب خواہش تصرف نہ کریں اس میں انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید کی طرف اشارہ کیا ہے اور تقلید آباء کے ترک پر حضرت شعیب پر خوردہ گیری کر رہے ہیں کہ ہم اس دین کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور محض تقلید سے تمسک ہے ۱۲ تفسیر کبیر۔
ت۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مصائب میں مبتلا ہونے کی علت دین میں تقلید آباء اور ترک دلیل کو قرار دیا ہے اگر قرآن میں اس آیت کے علاوہ اور کوئی آیت نہ ہوتی تو یہی تقلید کی برائی کے لئے کافی تھی (خلاصہ تفسیر کبیر)

اور دائرہ اسلام سے باہر بنا پر اس کے کہ محبت مطیع پر اطاعت وتابعداری محبوب مطاع کی واجب ہے چنانچہ اس پر آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وغیرہا من الآیات شاہد عدل ہیں اور اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فرض ہے اور حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور ہر گاہ حاکم مطلق نے تقلید بلا دلیل کو باطل اور مذموم فرمایا تو مخلوق محکوم پر فرمانبرداری حاکم مطلق کی فرض ہوگی اور بے حکم حاکم کوئی امر اپنی طرف سے نکالنا اور اس کو نیک سمجھنا اور اس پر چلنا تو نہایت قبیح اور فضیح متصور ہوگا اور مشاقت اور مخالفت حاکم کی لازم ہوگی، کیونکہ باذن اللہ نہیں ہے اور قرآن میں فرمایا ہے، وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ای بامر اللہ لان طاعۃ الرسول وجبت بامر اللہ کذا فی المعالم وغیرہ من التفاسیر۔

پس قول بلا دلیل پر تقلید کرنا کسی عالم کی اگرچہ وہ بڑا نامی کامی ہو باطل ہے اور موجب نارضا مندی خدا اور رسول کا ہوگا چنانچہ آیت کریمہ سے اظہر من الشمس ہے اور کور باطن کو نہ سوجھے تو آفتاب عالمتاب کا کیا قصور اسی واسطے سارے اہل اصول لکھتے ہیں۔ الحاکم ھو الذی صدر الحکم منہ ولا حکم الا من اللہ تعالیٰ کذا فی مسلم الثبوت وھکذا فی تحریر ابن الھمام اور حکم خطاب ہے اللہ تعالےٰ کا کہ جو متعلق ہے ساتھ فعل مکلف کے چنانچہ مسلم الثبوت کتب اصول میں یہ تفصیل مذکور ہے اور دلیل اس پر قرآن شریف ہے، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ولیس لغیر اللہ حکم واجب القبول ولا امر واجب الالتزام بل الحکم والامر والتکلیف لتعالیٰ شانہ انتہی ما فی التفسیر الکبیر مختصرا۔

پس آیت کریمہ اور نیز کتب اصول ہر چہار مذہب سے صاف واضح ہوا کہ تقلید بلا دلیل حکم الٰہی سے خارج اور مذموم و قبیح ہے، جیسا کہ اوپر آیت اور تفسیر سے اس کا بیان شافی و کافی ہو چکا تو اب ہر مسلمان طالب حق کو بہت غور و فکر چاہئے کہ مقلدین مقابلین در طرد بابے

لہ۔ ایماندار اللہ کی محبت میں بڑے پختہ ہیں ۱۲ ستہ۔ اللہ کا کہا مانو اور اس کے رسول کا کہا مانو ۱۲ ستہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ اسی لئے بھیجے گئے کہ خدا کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے اس لئے کہ رسول کی اطاعت خدا کے حکم سے واجب ہے ۱۲ ستہ۔ حاکم وہ ہے جو حکم صادر کرے اور حکم صرف اللہ تعالےٰ کا ہے مسلم الثبوت میں ایسا ہی ہے ۱۲ ھ صف۔ حکم صرف اللہ تعالےٰ کا ہے اور اللہ کے سوا کسی کا حکم واجب القبول اور واجب الالتزام نہیں ہے حکم امر اور کسی کو کسی امر کا مکلف بنانا صرف اللہ کا حق ہے (خلاصہ تفسیر کبیر)

تقلید ناپیداکنار میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لغایت حال غرق ہوتے چلے آتے ہیں پھر بھی مقلدین زمانہ حال کے نصوص قرآنی میں نظر کر کے عبرت نہیں پکڑتے اور خواہ مخواہ مصداق آیت کریمہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا الی آخرہ (ان کے ایسے دل ہیں جن سے سمجھتے نہیں ہیں) کے ہوتے ہیں صد حیف کیونکہ تقلید بلادلیل ایسی پوچ ولچر و محض بے اصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے معرفت توحید و رد شرک و کفر و معرفت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجرد تقلید انبیاء سابقین کے اکتفا نہ کیا بلکہ اوپر اثبات صانع ورد شرک و ثبوت نبوت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل قاہرہ گوناگوں جابجا اپنے کلام میں قائم کیئے اور مقلدین متعصبین کو کہ جو دلائل شرعیہ بانزال اللہ پر اصلا نظر وفکر نہیں کرتے تھے طرح طرح کے الزامات دیئے چنانچہ ماہران قرآن شریف پر ہویدا و آشکارا ہے،

اعلم انہ سبحانہ وتعالیٰ لما اقام الدلائل القاہرۃ علی اثبات الصانع وابطل القول بالشریک عقبہ مما یدل علی النبوۃ ولما کانت نبوۃ محمد صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبنیۃ علی کون القرآن معجزا اقام الدلالۃ علی کونہ معجزا فظہر انہ سبحانہ کما لم یکتف فی معرفۃ التوحید بالتقلید فکذا فی معرفۃ النبوۃ لم یکتف بالتقلید انتہیٰ مافی التفسیر الکبیر مختصرا یقدر الحاجۃ تحت قولہ تعالیٰ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا الی آخر الآیۃ۔

اور جو سادہ لوح عالم زمانہ حال کا یہ قول ہے کہ مجھے تقلید کافی ہے اور دلائل میں غور و خوض کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ میں مقلد ہوں اور مقلد کو دلیل سے کیا کام سو یہ قول اس کا اس لیئے باطل و مردود ہے کہ دین میں ہر مکلف مومن باللہ والیوم الآخر پر دلائل کی طرف ضہا امکن بقدر استعداد فکر کرنا ضرور ہے چنانچہ صاحب تفسیر کبیر نے سورہ جاثیہ میں تحت آیت کریمہ۔

لے تفسیر کبیر میں آیت ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا الخ کے تحت لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے وجود صانع پر زبردست دلائل قائم کئے اور شریک کے وجود کو باطل ٹھہرایا تو اس کے بعد نبوت محمدیہ کو ثابت کیا اور چونکہ حضور کی نبوت قرآن کے معجزہ ہونے پر موقوف تھی تو قرآن کے معجزہ ہونے پر دلائل قائم کئے اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید و نبوت کی معرفت میں تقلید کا طریق اختیار نہیں فرمایا ۱۲۰

تِلْكَ آيَاتُ اللهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ

کے لکھا ہے ثم قال تعالیٰ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ یعنی ان

من ینتفع بھذہ الایات فلاشئ بعدہ یجوز ان ینتفع بہ وابطل قول

من یزعم ان التقلید کان وبین انہ یجب علی المکلف التامل فی

دلائل دین اللہ تعالےٰ انتہی ما فی التفسیر الکبیر۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اگر تم کو دلیل ملے

یعنی اگر دلیل شرعی کتاب اور سنت سے تم پر ظاہر ہو تو اس پر عمل کرو اور میرے قول بلا دلیل کو چھوڑ

دو چنانچہ در مختار اور طحطاوی وغیرہ سے واضح ہوتا ہے قال لاصحابہ ان توجہ لکم دلیل

فقولوا بہ انتہی ما فی الدر المختار مختصرا ای ظہر لکم فی المسئلۃ وجہ الدلیل

علی خلاف ما اقول انتہی ما فی الطحطاوی اب جو کوئی کہے کہ یہ آیات کفار کے حق میں وارد ہیں

تو وہ بڑا جاہل اور بے وقوف ہے کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص محال کا جیسا کہ جابجا کتب

احادیث وکتب اصول فقہ واستدلالات صحابہ کرام سے واضح ہوتا ہے اور اس بارہ میں صاحب

تفسیر اتقان نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ الغراء اور کچھ

بطلان کا تفسیر عزیزی سے لکھا جاتا ہے،

چہارم آنکہ درین آیت اشارہ است بابطال تقلید بدو طریق اول آنکہ از مقلد باید پرسید کہ ہر کرا تقلید

می کنی نزد تو محق است یا نے اگر محق بودن او را نمی شناسی، پس باوجود احتمال مبطل بودن او در اجرا تقلیدش می

کنی واگر محق بودن او می شناسی پس بکدام دلیل می شناسی اگر بتقلید دیگری شناسی سخن دران خواہد رفت

و تسلسل لازم خواہد آمد واگر بہ عقل می شناسی، پس آن را چرا در معرفت حق صرف نہ می کنی وعار تقلید بخود دارا

لہ: تفسیر کبیر میں آیت فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یؤمنون کے تحت لکھا ہے کہ جو قرآن کی آیات سے فائدہ اٹھا سکتا ہو اس کو اس کے علاوہ اور کسی چیز سے فائدہ اٹھانا درست نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے قول کی تردید کردی جو کہتے ہیں کہ تقلید کافی ہے اور بیان فرمایا کہ عقل مند کے لئے ضروری ہے کہ دلائل میں غور کرے ۱۲

لہ: آپ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا اگر تم کو کوئی دلیل مل جائے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا کرو (خلاصہ در مختار) یعنی اگر کسی مسئلہ میں میرے قول کے خلاف کوئی دلیل مل جائے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا کرو ۱۲

میداری طریق دوم آنکہ کسے راکہ تقلید می کنی اگر این مسئلہ را ہم بہ تقلید دانستہ است پس تو دو درا بر شدید اوزا چہ ترجیح ماند کہ تقلید او می کنی واگر بدلیل دانستہ است پس تقلید دقتے تمام می شود کہ تو ہم آن مسئلہ را بہمان دلیل بدانی والا مخالف او باشی نہ مقلد او، وچون تو ہم آن مسئلہ را بدلیل دانستی تقلید ضائع شد انتہی ما فی التفسیر العزیزی۔

اے مسلمانو! تم قرآن وغیرہ سے تقلید بلا دلیل کی مذمت اور برائی تو سن چکے اب کتاب وسنت پر بدل وجان مستعد اور مستقیم ہو جاؤ کہ تم کو سرکار عالی جاہ سے جنت نعیم یعنی عیش وآرام ابدی کا مکان عنایت ہوگا، يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا الآية والبرهان هو محمد صلى الله عليه وسلم وانما سماه برهانا لان حرفته اقامة البرهان على تحقيق الحق وابطال الباطل والنور المبين هو القرآن وسماه نورا لانه سبب لوقوع نور الايمان في القلب۔ انتهى ما في الكبير مختصرا۔

تنبیہ: رجوع کرنا طرف قاضی یا فتوی مفتی کے یا حکم کرنا قاضی کا اوپر شہادت شاہدان عدول کے یا اتباع اولی الامر کا بدلیل شرعی ہے اس کو تقلید اصطلاحی مقلدین نہیں کہتے کیونکہ تقلید اصطلاحی یہ ہے کہ گلے میں پٹہ ڈال کر بلا دلیل ایک شخص کا ہو رہنا اور اسی طرح عمل اوپر روایت راوی حدیث متصل مرفوع کے بدلیل شرعی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ الحديث رجو حاضر ہو وہ غائب کو پہنچا دے، اور جو مفتی یا قاضی سے غلطی سے واقع ہو جاوے تو رجوع طرف قرآن وحدیث کے ضرور ہے جیسے کہ فرمایا خدا تعالے نے۔ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ الى آخر الآية۔ وَمَا علينا الا البلاغ والله اعلم۔

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے ایک دلیل آئی ہے اور تمہاری طرف روشن نور نازل فرمایا ہے دلیل سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کا نام دلیل اس لئے رکھا گیا کہ آپ کا مشغلہ ہی حق کے ثبوت اور باطل کے ابطال میں دلائل قائم کرنا ہے اور قرآن نور مبین ہے اس لئے کہ وہ دل میں نور ایمانی کے داخل ہونے کا سبب ہے (خلاصہ تفسیر کبیر) ۱۲

اگر تمہارا کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کے پاس لے آؤ ۱۲

بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب، اللھم لک الحمد علی ما وفقتنی لتحریر ھذہ الرسالۃ المسماۃ بواقعۃ الفتوی ودافعۃ البلوی سنۃ ۱۲۹۷ من ھجرۃ خیر البریۃ علیہ وعلی آلہ وصحابہ الف الف صلوات وتحیۃ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم واغفر لنا وارحمنا انک علی کل شیء قدیر۔

المؤلف العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۱۸۱

کتاب الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ

سوال: جو کوئی السلام علیکم سے ناراض ہو اور سلام کرنے والے کو بد کہے وہ کیسا ہے جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرمادیں اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی کریں تاکہ عوام کو نفع ہو بینوا توجروا۔

الجواب: یہ ہے کہ سلام علیک طریقہ مسلوکہ مرضیہ جمیع انبیاء مرسلین صلعم کا پایا گیا ہے اور جاری رہا ہے اور جاری رہے گا تو جو شخص اس کو برا جانے و استخفاف و اہانت اس کی کرے وہ فاسق ہے بلکہ خارج ہے دائرہ اسلام سے قال اللہ تعالیٰ وَمَن يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا[1] الآیۃ استخفاف الشریعۃ واستہانتہا کفر کذا فی العقائد والفقہ اور فصول عمادیہ اور فتاویٰ عالمگیری اور بحر الرائق میں لکھا ہے:۔ یکفر من لم یرض بسنۃ من سنن المرسلین[2] فقد کفر اور بحر الرائق میں لکھا ہے:۔ یا ستخفاف سنۃ من السنن انتہی کلامہ ؎

خلاف پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

طالب حسنین سید محمد نذیر حسین

فاعتبروا یا اولی الالباب

---

[1] اور جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرے اور مسلمانوں کے رستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ تجویز کرے، تو جدھر وہ جاتا ہے جانے ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بدترین جگہ ہے اور شریعت کی توہین اور استخفاف کفر ہے ۱۲

[2] رسولوں کی کسی سنت سے راضی نہ ہونا کفر ہے ۱۲ [3] پیغمبر کی سنت کا استخفاف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد اسلام علیک کرتے ہیں سنت ہے یا بدعت۔

جواب:۔ ہمیشہ کے لیے اس کا التزام کر لینا بدعت ہے عزیز فتاوی عزیزیہ جلد ۲ ص ۱۰

سوال:۔ خلاف سنت عمل پر مصلحت و اتفاق کا بہانہ بنا کر علماء اور عوام اہلحدیث کا خاموشی اختیار کرنا اور اس میں شریک ہونا کیسا ہے۔

جواب:۔ ایسے موقع پر علماء اور عوام کا خاموش رہنا ایمان کی کمزوری کا نتیجہ ہے حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت برا کام دیکھو اس کو ہاتھ سے مٹاؤ اگر اتنی طاقت نہیں ہے تو زبان سے منع کرو اگر زبان سے منع کرنے کی طاقت نہیں دل سے برا جان کر فوراً وہاں سے الگ ہو جاؤ اور فرمایا تم ایسا نہ کرو تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہ رہے گا۔ العیاذ باللہ۔

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد نمبر ۹ ش نمبر ۱۷۔

بدعات و رسومات محرم

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نظر میں۔

سوال:۔ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا عرائض بامید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات ماننا کیسا گناہ ہے،

جواب:۔ افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت سیئہ و ممنوع و ناجائز ہیں رسالہ تعزیہ داری ص ۱۵۔

سوال:۔ محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ ناجائز ہے وہ مناہی و منکرات سے پر ہوتے ہیں۔ عرفان شریعت جلد اول ص ۱۶

مسئلہ کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل ہیں۔

بعض سنت جماعت عشرہ محرم میں نہ تو دن کو روٹی پکاتے ہیں نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔

(۱) اس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔

(۲) ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے۔

الجواب تمام باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہیں احکام شریعت حصہ اوّل ص۹
اخبار الاعتصام جلد ۲۶ ش ۲۵

مولانا عبید اللہ صاحب عفیف صدر مدرس دار الحدیث مسجد چینیانوالی لاہور

مروّجہ ماتم کی حرمت از کتب شیعہ

سوال (۱) شیعہ بھائی ایام محرم میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد میں تعزیہ نکالتے اور ماتم کرتے ہیں کیا شیعہ لٹریچر میں اس کا ثبوت ہے۔

سوال (۲) سب سے پہلے ماتم کرنے والا کون ہے۔

سوال (۳) قاتلان حسین کون تھے۔ مذمت موجود ہے۔

الجواب بعون الوہاب شیعہ کی معتبر کتب میں ماتم کی سختی سے حرمت اور مذمت موجود ہے
چنانچہ چند شیعی روایات پیش خدمت ہیں۔

(۱) فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قضی وصایاہ لفاطمۃ لا تخمشی علی وجھا وَلَا ترخی علی شعرا وَلا تنادی یاویلاہ وَلا تقیمی علی نائحۃ (فروع کافی ج ۲ ص ۲۲۸)

حضرت فاطمہؓ کو وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد اپنے چہرے کو زخمی نہ کرنا۔ بال نہ نکالنا واویلا نہ کرنا اور نوحہ نہ کرنا۔

(۲) ابن بابویہ بسند معتبر از امام محمد باقر و امام جعفر صادق روایت کردہ است کہ حضرت رسولؐ در ہنگام وفات خود حضرت فاطمہؓ گفت کہ چوں من بمیرم روئے خود را برائے من مخراش و گیسوئے خود را پریشاں مکن و واویلا مگر و برمن۔ نوحہ مکن و نوحہ گراں را مطلب و پیش کن۔ حیات القلوب ص ۶۸۷ جلد ۲ العیون ص ۳۳

شیعی مترجم نے اس عبارت یوں ترجمہ کیا ہے ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت امام محمد باقر سے روائت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے وقت وفات جناب فاطمہؓ سیدہ سے کہا اے فاطمہ جب میں مر جاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان

اور واویلا نہ کرنا اور چہرہ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا، جلاء العیون اردو ص ۲۔

(۳) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبُ الْمُسْلِمِ يَدَهٗ عَلٰى فَخِذِهٖ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ اِحْبَاطٌ (نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۱۴۸)

حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت مصیبت بنزول پر ہاتھ مارنے سے مسلمانوں کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۴) حضرت علیؓ سے ماتم حرمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ چہارم حضرت علیؓ سے بھی ماتم کی حرمت اور مذمت منقول ہے

چنانچہ کتاب فروع کافی میں ہے۔ قَالَ عَلِیٌّ وَرِثْنَا الْعَفْوَ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَوَرِثْنَا الصَّبْرَ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ فروع کافی جلد ۳ ص ۱۱۱ نولکشور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ دشمن کو معاف کرنا آل یعقوب سے اور مصیبت کے وقت صبر کرنا آل یعقوب سے ہم کو ورثہ میں ملا ہے۔

۵ حضرت علیؓ وفات رسولؐ پر فرماتے ہیں قَدِ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا لَمْ يَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَيْرِكَ ... لَوْلَا اَنَّكَ اَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَاَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشُّؤُوْنِ نہج البلاغہ طہران ص ۲۳۵ کہ آپ کی وفات سے وہ امور منقطع ہوئے جو کسی اور نبی کی وفات سے نہ ہوئے اگر آپ نے ہمیں صبر کا حکم اور جزع فزع سے منع نہ کیا ہوتا تو آج ہم آپ کی موت پر رو رو کر آنکھوں کا پانی خشک کر ڈالتے۔

(۶) حضرت علیؓ کا دوسرا فرمان

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النِّيَاحَةِ وَالْاِسْتِمَاعِ مِنْ لَا يَحْضُرُ الْعَقِيْبَةَ۔ (نہج البلاغۃ ج ۴ ص ۲۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے سے اور اسکے سننے سے منع فرمایا۔

(۷) حضرت حسینؓ اور ماتم

فروع کافی میں ہے:۔ لَمَّا اُصِيْبَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نَعَى الْحَسَنُ اِلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَهُوَ بِالْمَدَائِنِ فَلَمَّا قَرَأَ الْكِتَابَ قَالَ مَا مِنْ مُصِيْبَةٍ مَا اَعْظَمَهَا مَعَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اُصِيْبَ مِنْكُمْ مِنْ

مُصِيبَتِهِ فَلْيَذْكُرْ مُصَابَهُ بِيْ فَإِنَّهُ لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ أَعْظَمَ مِنْهَا صَدَقَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فروع کافی ج ۱ صفحہ ۱۱۹ بحوالہ آفتاب ہدایت صفحہ ۲۲۳۔ جب حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی شہادت کی
خبر حضرت حسینؓ کو بھیجی تو انہوں نے خطبہ پڑھ کر فرمایا کہ کتنی بڑی مصیبت کا سامنا ہے لیکن نانا جی صلی اللہ
علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو میری موت کی مصیبت کو یاد کرو کیونکہ مسلمانوں
کے لیے میری موت کی مصیبت سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں آسکتی حضرت حسینؓ نے فرمایا
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل سچا ہے،

۸ حضرت حسین کی آخری وصیت

حضرت حسینؓ نے کربلا میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو فرمایا کہ بہن جو میرا حق تم پر ہے
اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت مفارقت صبر کرو پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ
نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہؓ زہرا کی بیٹی ہو جیسا کہ انہوں نے پیغمبر خداؐ
کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا اسی طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔ انارۃ البصائر صفحہ ۲۹۶ بحوالہ
آفتاب ہدایت صفحہ ۲۲۳

۹ امام زین العابدینؒ

فرماتے ہیں لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا صَبْرَ لَهُ۔
اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۸۹ یعنی مصیبت میں صبر نہ کرنے والا
دولت ایمان سے محروم ہوتا ہے۔

۱۰ جناب جعفر صادق کا فتویٰ

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ قَالَ الصَّبْرُ مِنَ الْإِيمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَإِذَا ذَهَبَ الرَّأْسُ ذَهَبَ
الْجَسَدُ كَذَٰلِكَ إِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْإِيمَانُ (نہج البلاغۃ ج ۲ صفحہ ۱۶۵
اصول کافی صفحہ ۴۸ باب الصبر، جناب جعفر صادق کے فرماتے ہیں کہ صبر ایمان کے لیے سر کے بجائے
ہے جیسے سر کے بغیر بیکار ہے اسی طرح ایمان بغیر صبر کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

۱۱ حضرت جعفرؒ کا دوسرا فتویٰ

عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ قَالَ الصَّبْرُ وَالْبَلَاءُ يَسْتَبِقَانِ إِلَى الْمُؤْمِنِ فَيَأْتِيهِ الْبَلَاءُ وَهُوَ
صَبُورٌ۔ فروع کافی صفحہ ۱۲۱ ج ۱) امام صادقؒ فرماتے ہیں کہ صبر اور مصیبت دونوں مؤمن

کو پیش آتے ہیں لیکن مومن کو جب مصیبت آتی ہے تو صبر اور شکیبائی کرتا ہے اور کافر کو جب گھبراہٹ اور مصیبت آتی ہے تو وہ جزع و فزع کرتا۔

جزع کی تعریف ۱۲

عن جابر عن ابی جعفر قال قلت لہ ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی ومن اقام النواحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقہ

فروع کافی جلد ۱ ص ۱۲۲ امام صادقؒ سے جب جزع کی حقیقت پوچھی گئی تو فرمایا کہ انتہائی جزع ہائے واے چیخ و پکار کرنا گالوں کو پیٹنا سینہ کوبی کرنا بال توڑنا ہے اور جس نے نوحہ کیا اس صبر چھوڑ دیا اور غیر شرعی طریق اختیار کیا۔

سب سے پہلا نوحہ گر ۱۲

جواب سوال ۲ سب سے ماتم اور نوحہ کا بندوبست کرنے والا شیعی کتب کے مطابق خود یزید تھا چنانچہ ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں جب اہل حسینؓ کا قافلہ کوفہ سے دمشق آیا اور یزید کے دربار میں پیش ہوا تو یزید کی بیوی ہندہ نے بے تاب ہو کر بے پردہ مجلس دربار یزید میں چلی آئی یزید دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا کہ گھر میں جا اور آل رسول خدا قریش کے پر بزرگوار پر بد نوحہ و زاری کر کہ عبیداللہ بن زیاد نے ان کے بارے میں جلدی کی میں ان قتل ہرگز راضی نہ تھا۔ جلد ۲ جلاء العیون اردو جلد ۲ ص ۲۲۲

جواب ۳ جب اہل بیت یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہل بیت یزید نے زیور اتار کر ماتمی لباس پہنا صدائے نوحہ و گریہ بلند کی اور یزید کے گھر تین روز تک ماتم برپا رہا۔ اسی طرح اخبار ماتم منتج اور ناسخ التواریخ میں یزید اور خاندان یزید کے ماتم اور نوحہ کا ذکر موجود ہے۔ یہ بعد امت شیعہ ہے مگر ماتم کو یزید کے نوحہ گر ہونے میں تامل ہے،

دوسرا نوحہ گر۔

اور پھر یزید کے بعد مختار بن ابی عبید جو سیاسی شیعہ تھا نے اس رسم کو بہت رواج دیا اور بعد ازاں نبوت کا دعویٰ کرنے پر جناب مصعب بن زبیر کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔

تیسرا نوحہ گر۔

معز الدولہ ہے جو المطیع للہ ابوالقاسم کے عہد اقتدار ۳۳۴ھ تا ۳۶۳ھ

میں بااثر شیعہ تھا اسی غالی شیعہ نے حضرت معاویہؓ پر بعد لعنت کے کتبے بغداد کی مساجد میں لگوائے تھے اور ۳۵۲ھ میں پہلی دفعہ بغداد کے بازاروں میں عاشقان حسینؓ کو دسویں محرم میں مکمل ہڑتال کرکے رونے پیٹنے کا حکم دیا اصل الفاظ یہ ہیں الزم معز الدولۃ الناس بغلق الابواب ومنع الطباخین من الطبخ ونصبوا القباب فی الاسواق وعلقوا علیہا المسوح واخرجوا نساء منتشرۃ الشعور ویلطمن بالشوارع ویقمن الماتم علی الحسین وھذا اول یوم ریح علیہ ببغداد تاریخ الخلفاء ۳۴۲ و ۳۴۳۔

معز الدولہ نے حکم دیا کہ لوگ مکمل ہڑتال کریں اور نانبائی روٹی نہ پکائیں اور بازاروں میں تابوت اور نقلی قبریں تیار کی جائیں اور عورتوں کو بازاروں میں بال کھولے پیٹنے کیلئے بھیجا جائے اور حسینؓ پر ماتم کریں بغداد میں یہ پہلا یوم ماتم کا تھا۔

(اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۷)

سوال :- ایک حدیث مشکوٰۃ شریف میں بروایت ابن مسعودؓ کتاب الزکوٰۃ فی فضل الصدقہ میں آئی ہے کہ جو شخص کشادگی کرے گا اپنے کنبے پر خرچ کرنے میں دن عاشورہ کے کشادگی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر باقی سال اس کے میں کیا عاشورہ کے دن حلوہ مانڈہ پکانا درست ہے یا نہ اور یہ حدیث قابل احتجاج ہے یا نہ۔

جواب :- یہ حدیث ابو ہریرۃؓ سے بھی مروی ہے اس کے کئی طریق ہیں بعض علماء نے بعض طرق کو صحیح کہا ہے امام شوکانی الفوائد المجموعۃ فی بیان الاحادیث الموضوعۃ کے صفحہ نمبر ۱۰ میں امالی امام عراقی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابن الجوزیؒ اور ابن تیمیہ نے اس طریق سے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام سیوطی نے اللآلی میں اس کے کئی طریق ذکر کیے ہیں جو بعض بعض کو تقویت دیتے ہیں۔

اور امام بیہقی سے بھی نقل کیا ہے کہ اس کے کئی طریق ہیں جب بعض بعض سے ملائی جائیں تو کچھ تقویت ہو جاتی ہے اور اس کی ایک سند کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے اس بنا پر اگر کوئی عمل کرے تو رکاوٹ نہ چاہیئے ہاں اس کو بڑی اہمیت بھی نہ دینی چاہیے کیونکہ اس کی صحت کی بابت تسلی نہیں اگرچہ اس کی ایک سند کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے مگر اس میں ابوالزبیر راوی ہے جو جابرؓ سے عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور وہ مدلس ہے اور مدلس عن کے ساتھ روایت کرے تو روایت ضعیف ہے،

علاوہ :- اس کے حافظ ابن حجر لسان المیزان میں اسی سند کی بابت جس کو شرط مسلم پر کہا گیا ہے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت منکر ہے معلوم نہیں کون راوی اس کا مرتکب ہوا ہے پھر کہا ہے اس میں ایک راوی ابو خلیفہ الفضل بن حباب ہے،

اس کی کتابیں جل گئی تھیں شائد اس کے شاگرد محمد بن معاویہ بن الاحمر نے اس سے کتب جلنے کے بعد سنا ہو پس بغیر کتاب حدیث سنانے سے حدیث غلط ہو گئی ملاحظہ ہو اللآلی للامام السیوطی جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۳ و ۱۱۴ جب صحت حدیث کا یہ حال ہے تو اول تو اس پر عمل ہی نہیں چاہیئے اور اگر کوئی کثرت طرق سے تقویت پہنچنے کی بنا پر عمل کرنا چاہے تو اس کو نہایت محتاط رہنا چاہیئے کیونکہ اصلیت تو اس دن کی اتنی تھی کہ اس دن کا روزہ رکھا جائے جس کی فضیلت

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور عموماً روزے کے وقت اچھے کھانے کا خیال ہوتا ہے شاید اس بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال پر فراخی کا ارشاد فرمایا ہو مگر اب اتفاقیہ اس دن عاشورہ میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی سے شیعہ وغیرہ بہت سی خرافات اور بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں تعزیہ نکالنا اور رونا پیٹنا تو درکنار اصلیت ہی بدل ڈالی ہے، روزہ کی بجائے شربت کی سبیلیں جاری کی جاتی ہیں لوگ خوب شربت پیتے پلاتے صدقہ خیرات تو اس دن میں خصوصیت سے کرتے ہیں حالانکہ اپنی طرف سے کسی دن کو کسی عمل کے ساتھ خاص کرنا بدعت ہے جس پر بجائے ثواب کے عذاب ہوتا ہے مثلاً عاشورہ کے دن اور عرفہ کے دن اسی طرح بعض اور دنوں کو روزہ کے لیے خاص کیا ہے ان میں روزہ رکھنا بڑا ثواب ہے اب اگر کوئی جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص کرے اور کہے کہ یہ دن زیادہ فضیلت والا ہے تو اس کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا کیونکہ اس کی فضیلت نماز جمعہ کی خاطر ہے نہ کہ روزہ کی خاطر اسی لئے حدیث میں ہے لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا یکون فی صوم یصومہ احدکم (رواہ مسلم مشکوۃ باب قیام التطوع) یعنی جمعہ کی رات کو راتوں کے درمیان سے قیام کے ساتھ خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو اور دنوں کے درمیان روزے کے ساتھ خاص نہ کرو مگر یہ کہ کوئی روزے رکھتا ہو اور یہ درمیان آجائے،

ٹھیک اسی طرح عاشورہ کے دن کوئی شے اپنی طرف سے خاص نہ کرنی چاہیئے بلکہ اصل شے اس دن میں صرف روزہ ہے یا زیادہ سے زیادہ مذکورہ حدیث کی بنا پر رات کو گھر میں کوئی اچھی شے پکالے اور اس میں ہر طرح سے احتیاط رکھے حلوے مانڈے کی تعیین نہ کرے بلکہ کبھی کوئی شے پکالے کبھی کوئی جیسے عام طور پر افطاری کے لئے ہوتا ہے کیونکہ پہلے یہ حدیث ہی تسلی بخش نہیں پھر اس پر حاشیہ آرائی کرنا خود کو زیادہ خطرہ میں ڈالنا ہے بلکہ بہتر تو یہ ہے مزے سے اچھا کھانا نہ ہی پکائے دیکھئے احادیث میں غیر نبی پر درود پڑھنا ثابت ہے مگر علماء نے لکھا ہے چونکہ درود انبیاء کا شعار ہوگیا ہے اس لیے غیر نبی پر مستقل طور پر نہ پڑھنا چاہیئے اگر پڑھا جائے تو بالتبع پڑھا جائے جیسے صلی اللہ علی النبی وآلہ اور یوں نہ کہے صلی اللہ علی آلہ یا علی

اَصْحَابِہٖ یا عَلَی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر وغیرہ زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نیز حدیث میں ہے اَوْتِرُوْا یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ (مشکوٰۃ باب الوتر) یعنی اے اہل قرآن وتر پڑھو اہل قرآن سے مراد اہل اسلام ہیں یا خاص حافظ ہیں اور خاص حافظ مراد ہونے کی صورت میں وتر سے مراد تہجد ہوگی اور حافظوں کو خاص اس لئے کیا کہ ان کو اس کا زیادہ خیال چاہیئے کیونکہ سینہ میں قرآن ہے اب باوجود اس حدیث میں اہل قرآن آنے کے کوئی اہل قرآن نام رکھے تو یہ اچھا نہیں تاکہ منکر حدیث ہونے کا شبہ نہ پڑے کیونکہ یہ منکر حدیث کا لقب ہو چکا ہے اور کسی پر مستقل طور سے درود پڑھنا بھی اچھا نہیں تاکہ مرزئیوں وغیرہ سے تشبہ نہ ہو کیونکہ جب یہ انبیاء کا شعار ہوا تو خواہ شبہ ہوگیا شاید یہ بھی نئی نبوت کا قائل ہو۔

ٹھیک ہے۔ اہل بدعت نے چونکہ عاشورہ کے دن بہت سی خرافات اور بدعات کے ساتھ صدقے پڑھا دیا ہے جس سے سبیلیں جاری کر دی تو اچھے اچھے کھانے پکانے کھانے کھلانے کا سلسلہ بھی ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے دن سے سوا روزے کے کچھ نہ کیا جائے تاکہ اہل بدعت سے کسی کا شبہ نہ ہو اگر حدیث پوری طرح تسلی بخش ہو تو بھی نبوت کی طرف سے اطمینان نہیں اب ثبوت کے لحاظ سے بھی کھٹکہ رہے اور شبہ کا بھی خطرہ ہے اگر کوئی باوجود خطرات کے اس پر عمل کرنا چاہیے تو کم از کم اتنا تو ضرور کرے کہ اس دن صدقہ خیرات کا خاص اہتمام نہ کرے اور نہ ہمیشہ کے لئے ایک کھانے کی مثلاً حلوے مانڈے کی کرے بلکہ صرف حدیث کے الفاظ پر نظر کرتے ہوئے اپنے اہل کے لئے کوئی اچھی شے پکالے اس سے آگے بڑھ کر زیادہ خطرات کا موجب نہ بنے اللہ ولی الموافق۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۲۲ ش ۱)

توضیح الکلام

مولانا احمد رضا خان کا فتوےٰ

مسئلہ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ ہجری بعالی خدمت امام اہل سنت مجدد دین ملت معروض کہ آج میں جس وقت آپ سے رخصت ہوا اور واسطے نماز مغرب کے مسجد میں گیا بعد از نماز مغرب کے میرے ایک دوست نے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے میں چلا گیا وہاں جاکر کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سے لوگ جمع ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہو رہی ہے ایک ڈھولک اور سارنگی بج رہی ہیں اور چند قوال پیران پیر دستگیر کی شان میں اشعار کہہ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں گا رہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں یہ باجے شریعت میں قطعی حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوتے ہوں گے اور یہ حاضرین جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس طرح کی۔

جواب ایسی قوالی حرام ہے حاضرین گنہگار ہیں اور ان سب کا گناہ ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیر اس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ میں کچھ کمی آئے یا اس کے اور قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے بلایا ان کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا تو یہ ڈھول سارنگی نہ سنانتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا وہ نہ کرتا اور نہ بلواتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا کما قالوا فی مسائل قوی مرق مسوی ان الاخذ والمعطی اثما جمیعاً لو لم یعطوا لما فعلوا لکان الطلو ہو الباعث لهم على الاثم مسائل

فی التکدی والسوال وھذا کلہ ظاہر علی من عرف القواعد الکریمۃ الشرعیۃ وباللہ التوفیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ دَعَا اِلٰی ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اثام من تبعہ لا ینقص ذلک من اثامہم شیئا۔ جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے اس کا اتباع کریں ان سب کی برابر ثواب پائے اور اس سے ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ آئے جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے جتنے اس کے بلانے پر چلے ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف راہ نہ پائے رواہ الائمۃ احمد والدستہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔ باجوں کی حرمت میں احادیث کثیرہ وارد ہیں از انجملہ اجل واعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لَیَکُوْنَنَّ فِیْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو صحیح حدیث جلیل وقد اخرجہ ایضا احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والاسمٰعیلی وابونعیم باسانید صحیحۃ لا مطعن فیہا وصححہ جماعۃ اخرون من الائمۃ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر فی کف الرعاع۔ بعض جہال بدمست کہ نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی باد بدمست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصدًا بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف کے آگے محتمل محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں قول کہا حکایت فعل پھر کجا محرم۔ کجا مبیح ہر طرح یہی واجب العمل لا ترجیح مگر ہوس پرستی کا علاج کسی کے پاس ہے کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذ اللہ اس کی تہمت محبوبان خدا اکابر سلسلہ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔

نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم

کرتے ہیں حالانکہ خود محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنا فوائد الفوائد شریف میں فرماتے ہیں امیر حرم است احکام شریعت ص ۲۲۵ ج ۲۷ یہ فتویٰ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے اس قدر وضاحت کے بعد ہمارے بریلوی دوست نہ سمجھیں تو خدا حافظ دعا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۲ ش ۱۱

نماز عید کے بعد گلے ملنا اور مصافحہ کرنا کیسا ہے

سوال۔ بعد نماز عید آپس میں عید مبارک کہہ کر گلے ملے سکتے یا مصافحہ کر سکتے ہیں اس جواب حدیث سے یا خلافت راشدہ کے زمانے کے عمل سے کوئی روایت ہو تو بتائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوہاب نماز عید پڑھ کر نا واقف لوگ مصافحہ کرتے اور گلے ملتے ہیں حدیث میں اس کا کوئی ثبوت نہیں البتہ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۰۶ میں ہے کہ نماز عید سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کو تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ کہنا مسنون ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری سب کی طرف سے قبول فرمائے البتہ دور سے آنے والا مصافحہ یا معانقہ کرے تو اس کا کوئی مضائقہ نہیں اس لئے کہ یہ مصافحہ یا معانقہ مروجہ عید کیلئے نہیں بلکہ ملاقات کیلئے ہے جو سنت۔ ہیئت اور مقصد بدلنے سے حکم کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ فقط۔ حافظ عبد القادر روپڑی اخبار تنظیم اہلحدیث (لاہور جلد ۲۲ ش ۳۷)

توضیح المرام۔ نماز عید کے بعد مصافحہ یا معانقہ کی اگر قرآن یا حدیث میں ممانعت

آئی ہے تو منع ہے ورنہ حدیث توکتموا ذمتکم کے تحت جائز ہے بدعت وغیرہ نہیں الراقم علی محمد سعیدی خانیوال۔

کیا رسولؐ کی اطاعت وقتی ہے

سوال:۔ کیا رسولؐ کی اطاعت وقتی ہے،

جواب:۔ اس سوال کا صحیح مختصر اور سادہ جواب یہ ہے کہ اگر اطاعت کے متعلقات وقتی ہیں۔ تو اطاعت بھی وقتی ہے اور اگر اطاعت کے متعلقات غیر وقتی ہیں تو اطاعت بھی غیر وقتی ہے مثلا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی وقتی ہے جس کی بنا پر اطاعت مطلوب ہے اگر قرآن کریم اس کے مندرجات اور اس کے اوامر و نواہی وقتی ہیں۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اور جن کی وجہ سے وہ رسول کہلائے اگر دین اسلام وقتی ہے جس کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم اور اپنے اسوہ حسنہ سے فرمائی اور جس کی تسلیم و تعمیل کا دوسرا نام اطاعت رسولؐ ہے اگر مومن اور مسلم کا وجود وقتی ہے جس کی ذات سے اطاعت رسولؐ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جو اس کا براہ راست مکلف ہے، تو پھر اطاعت رسولؐ بھی وقتی ہے اور اگر یہ چیزیں وقتی نہیں بلکہ دائمی ہیں تو اطاعت رسولؐ بھی غیر وقتی اور دائمی ہے یہ بات اتنی صاف واضح اور روشن ہے کہ معمولی عقل کا آدمی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ آئیے اب ان امور پر قرآن کریم کی راہنمائی میں غور کریں فرمایا۔ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (سورہ فرقان) وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندے رسولؐ پر فرقان قرآن کریم نازل فرمایا تاکہ وہ بندہ رسولؐ عالمین کو عذاب الٰہی سے ڈرائے ظاہر ہے کہ کسی چیز سے ڈرانے سے مقصود یہی ہوا کرتا ہے کہ اس کے اسباب اس کی صورت و شکل اور اس کے نتائج سے باخبر ہو کر اس سے اجتناب کے طریقوں کی واقفیت کا کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں اس آیت کریمہ میں رسول کے اس فعل انذار کو

للعلمین سے متعلق فرمایا جو کہ عالم کی جمع ہے اور پھر اس عالمین کو کسی عدد معین یا وقت مخصوص سے متعین نہیں فرمایا بلکہ علی الاطلاق عام رہنے دیا یعنی جب تک عالمین موجود رہیں گے رسولؐ کا عمل انذار بھی موجود رہے گا۔ معلوم ہوا کہ آج بھی عالمین موجود ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اس لئے رسولؐ انذار اور اس کے متعلقات آج بھی موجود ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہیں گے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اے رسولؐ علی الاعلان) کہہ دیجئے کہ اے انسانوں میں تم سب کی طرف اللہ کا رسولؐ (ہو کر آیا) ہوں۔ اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو الناس کیلئے بیان فرمایا اور لفظ جمیعًا سے الناس کے عموم کی تاکید فرما دی یعنی کل انسانوں کی طرف لفظ ناس اور انسان مترادف ہیں جو بھی شخص انسان یا ناس کا فرد کہلاتا ہے خواہ وہ کسی بھی وقت یا زمانہ میں ہو۔ رسول کی رسالت کا اس سے تعلق ہوگا اور وہ اس دعوت کا مخاطب ہوگا۔ قرآن کریم نے لفظ الناس اور جمیعًا کو کسی زمانہ یا وقت کے مخصوص نہیں فرمایا اگر آج ناس اور انسان موجود ہیں اور یقیناً موجود ہیں تو رسولؐ کی رسالت کا ان سے بھی ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ ان انسانوں سے تھا جن کی موجودگی میں یہ آیت نازل ہوئی ان میں تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔

نکتہ۔ پہلی آیت فعل لیکون کے ضمیر فاعل کا مرجع فرقان اور عبد دونوں ہو سکتے تھے اور فی الحقیقت دونوں ثرید ہیں اس لئے وحدت ضمیر اور اثنیت مرجع ایضاح مطلب کیلئے صحیح تھے ان پر اکتفا کیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ آخر زمانہ میں مسلمانوں میں ایک جماعت پیدا ہوگی جو صرف قرآن کریم کی اطاعت کو کافی سمجھے گی اور رسولؐ کی اطاعت کی منکر ہوگی اس لئے وہ اس ضمیر فاعل کا صرف فرقان قرار دے کر عبد رسولؐ) کی اطاعت سے انحراف کی راہ نکالنے کی کوشش کرے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس دوسری آیت میں اپنے رسولؐ کی رسالت کو بتغیر الفاظ اسی انسانی عموم سے متعلق ہونا ذکر فرما کر دین فساد کا ہمیشہ کے لئے سد باب کر دیا والحمد للہ علی ذلک فرمایا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت اور۔ ان دونوں کی

نافرمانی سے بچتے رہو۔ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ اللہ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو اگر تم نے اطاعت سے منہ پھیر لیا تو حرج نہیں) ہمارے رسول کا فرض تو صرف پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بہت سی حیثیتیں اور فرائض بیان کئے ہیں آپ بشیر و نذیر بھی ہیں معلم کتاب و حکمت بھی ہیں مزکی اور متمم مکارم اخلاق بھی ہیں حاکم بھی ہیں آمر مطلق بھی ہیں اور صدر شورائیہ و جمہوریہ بھی ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کا مطالبہ ان حیثیتوں میں مطالبہ صرف آپ کی حیثیت رسالت و نبوت پر کیا ہے قرآن کریم میں جابجا یہی حکم ملتا ہے وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ اس رسول کی اطاعت کرو۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الآیۃ جو لوگ اس رسول نبی اُمی کی اتباع کرتے ہیں (ان پر اللہ کی ضرور رحمت ہوگی) آپ جہاں بھی قرآن کریم میں اطاعت کا حکم پائیں گے اللہ اور اس کے رسول سے متعلق پائیں گے یہاں تک کہ اولی الامر کی اطاعت کو بھی ان کی اطاعت کے تحت رکھا ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا جب اطاعت رسول کی بنیاد رسالت اور نبوت کی حیثیت ہے تو ظاہر ہے کہ جب تک رسول کی یہ حیثیت قائم اور بحال رہے گی اطاعت رسول کا مطالبہ بھی قائم رہے گا۔

تنبیہ: اس موقع پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ کی رسالت وقتی تھی اور آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت رسالت بحال اور قائم نہیں اگر نہیں تو آج آپ کی رسالت پر ایمان اور یقین رکھنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر اور اسے تسلیم کرنے والوں میں کوئی امتیاز اور فرق اسلام کی نظر میں قائم نہیں رہتا جب رسول کی حیثیت رسالت ہی موجود نہیں تو اسے تسلیم کرنے کا کیا معنی۔

اس حالت میں آج دنیا میں اسلام کے نام پر جو کچھ بھی عمل میں آ رہا ہے خواہ وہ منکرین حدیث ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو سب بے سود اور بیہودہ ٹھہرتا ہے (معاذ اللہ)

ہو اگر آپ کی حیثیت رسالت بحال ہے تو مطالبہ اور اطاعت بھی بحال ہے۔

تحقیق: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام دوسری حیثیتوں کو نظر انداز کر کے اطاعت رسول کے مطالبہ کو صرف رسالت کی حیثیت سے ہی مخصوص کر دینے کی کئی وجہیں ہیں اول یہ کہ آں حضرت کی جتنی بھی حیثیتیں ہیں حیثیت رسالت ان سب پر حاوی اور شامل ہے اور رسالت کی اطاعت کا مطالبہ رسول کی تمام حیثیتوں اور فرائض میں اطاعت کے مطالبہ کا متضمن ہے اگر رسول کی اطاعت کسی دوسری حیثیت سے طلب کی تو ممکن تھا کہ بعض منکرین اطاعت رسول اس حیثیت کے علاوہ رسول کی دوسری حیثیتوں میں اس کی اطاعت سے انکار کر دیتے اور اطاعت رسول کی اسی حیثیت سے مخصوص قرار دے دیتے۔ دوسری وجہ یہ کہ بعض دوسری حیثیتیں بھی وقتی تھیں لیکن رسالت کی حیثیت وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے اس لیے جب تک رسول کی حیثیت سے رسالت قائم ہے رسول کی اطاعت کا مطالبہ بھی قائم ہے، چونکہ رسول کی یہ حیثیت ابدی اور قیامت تک ممتد ہے رسول کی اطاعت کا مطالبہ بھی قیامت تک ممتد ہے۔

تیسری: وجہ یہ ہے کہ رسالت کے علاوہ رسول کی دوسری حیثیتیں آپ میں اور آپ کے بعد آنے والے مسلمانوں میں مشترک ہیں اگر کسی اور حیثیت کی بنا پر اطاعت رسول کا مطالبہ کیا جاتا تو بعد میں آنے والے آپ کے جانشین اپنے کو مطاع مطلق قرار دینے کے لیے راہ پیدا کر لیتے مثلاً ہر معلم، ہر حاکم، ہر سپہ سالار، ہر قاضی، ہر امیر رسول کی جانشینی میں اپنے کو مختار مطلق اور مطاع الاطلاق سمجھ لیتا جیسا کہ آج کل اطاعت رسول کے منکر پرویز صاحب حکومت کو مرکز ملت سمجھ کر مطاع اور مختار مطلق قرار دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ کو چونکہ ان حوادث کا پہلے سے علم تھا اس لیے اس نے مطالبہ اطاعت کو حیثیت رسالت پر مبنی قرار دیا کیونکہ رسالت میں آپ کا کوئی شریک نہیں اسی لیے آپ کی طرح کوئی دوسرا فرد مطاع مطلق اور مختار علی الاطلاق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے بعض لوگوں نے مطاع اور مختار مطلق سمجھنے کے لیے رسالت اور نبوت کے دعوے کئے ہیں لیکن معلوم ہے کہ رسالت اور نبوت کے اختتام اور تکمیل اور ان میں شرکت غیر کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ان کو ناکام ہونا پڑا اور وہ دجال کہلائے فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ہم نے جو بھی رسول بھیجا ہے صرف

اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے رسول کو بھیجنے سے اطاعت رسول کے سوا دوسرا کوئی اور مقصد ہی نہیں معلوم ہوا کہ رسالت سے مقصود حقیقی صرف اطاعت رسول ہی ہے اگر رسول کی اطاعت تسلیم اور اختیار نہیں کی جاتی تو رسول کی رسالت کو تسلیم کر لینے کی کوئی وقعت نہیں منافقین کا دعویٰ تھا۔ نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ضرور ضرور اللہ کے رسول ہیں لیکن قرآن کریم بتلاتا ہے، وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں اس لئے کہ وہ رسول کی اطاعت کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ اسے ضروری سمجھتے ہیں یہاں رسالت رسول کے اقرار کے بعد اطاعت رسولؐ سے انکار کو نفاق جو کہ بدترین کفر ہے قرار دیا اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا۔ منافق لوگ آگ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے اور تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے اس سے ظاہر ہے کہ آج سے سو سال یا ہزار سال بعد بھی اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنے کے بعد ان کی اطاعت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ ویسا ہی منافق ہے جیسے منافق وہ لوگ ہے جن سے متعلق یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی اطاعت رسول کو وقتی قرار دینے والے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آج رسول اللہ کی اطاعت پر ان کو عمل پیرا نہ ہونا پڑا اور یہی اطاعت رسول کا انکار ہے جو لوگ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے مسلمان ہونے کے مدعی ہیں ان کو اس انکار اطاعت رسول کی راہ صاف کرنے کے لئے اطاعت رسول کو وقتی قرار دینے سے پہلے اس کے نتائج پر غور کر لینا چاہیئے۔

ثابت ہوا کہ جو بھی رسالت پر ایمان لائے اس پر اطاعت رسول فرض ہے خواہ کسی وقت اور زمانہ میں ہو۔ اطاعتِ رسولؐ کا تعلق ایمان بالرسالت سے ہے نہ کہ وقت سے۔

نکتہ:۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں الفاظ باذن اللہ بڑھا کر منکرین حدیث کے ان ہفوات اور شبہات کو رد کر دیا کہ اطاعت رسول شرک ہے یا اطاعت غیر اللہ ہے وغیرہ وغیرہ اطاعت غیر اللہ اس وقت حرام اور شرک ہو سکتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم کے بغیر ہو۔ یا اس حکم کے خلاف ہو جیسے دوسری جگہ فرمایا:۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۔ جو اطاعتِ اللہ تعالیٰ کے حکم

اور اذن کے ماتحت ہوا سے حرام اور شرک قرار دینا اسی جماعت کے علم وفضل کا کام ہے،
تعجب ہے کہ یہ لوگ ادنیٰ حاکم کے حکم کی نافرمانی تو مرکز حکومت کی نافرمانی اور حکم عدولی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن رسول اللہ کی اطاعت جو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے ہے اس کی مخالفت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حکم عدولی تسلیم نہیں کرتے یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن کی نسبت مرکز حکومت زیادہ وقیع اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نسبت سربراہ حکومت کی اطاعت زیادہ قابل اہتمام ہے مرکز حکومت جس کی اطاعت کا حکم دے اس کی اطاعت فرض ہے،
اور اللہ تعالیٰ جس کی کا حکم دے جس کی اطاعت حرام اور شرک ہے۔
بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۔

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال اور کوشش ضائع نہ کرو۔
معلوم ہوا کہ جو عمل اور کوشش اللہ کی اطاعت اور اسکے رسول کی اطاعت میں نہ ہو وہ ضائع اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اس لئے اس پر کسی موعودہ نتیجہ یا ثمرہ کا مترتب ہونا ضروری نہیں ہے خواہ وہ عمل یا کوشش دینی ہو یا دنیوی اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی اطاعت رسول کا حکم دیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کے خطاب سے یعنی ایمان والوں کو دیا ہے اور ان ایمان والوں کو کسی وقت یا زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں کیا اور نہ کسی مقام اور محل کے ساتھ اس لئے جب تک اور جہاں بھی ایمان والے پائے جائیں وہ اطاعتِ رسول کے مکلف ہیں۔
اطاعت رسول کو وقتی کہنے والے غور فرمائیں کہ وہ قرآن پاک کی بھی وقتی اطاعت کے قائل ہیں یا دوامی کے اگر اس کی اطاعت کو اب بھی فرض سمجھتے ہیں تو فرمائیں کہ وہ اپنے آپ کو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کا مخاطب اور ایمان والوں میں داخل قرار دیتے ہیں یا نہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو قرآن کے حکم واَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی تعمیل ان کا فرض ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو ہم ان کو قرآن کریم کے الفاظ میں دعوت دیتے ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ ۔ اے ایمان کے مدعیو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس

کے رسول کو بھی مانو۔ جو فرض ہے کہ جب تک مومن اور مسلم موجود ہیں رسول کے زمانہ میں تا آج کل یا قیامت تک ان پر اطاعت رسول فرض ہے کیونکہ قرآن کریم ان کو براہ راست اطاعت رسول کا حکم دے رہا ہے جو ان کو قیمتی چیزیں ہیں ان کے عدم کے وقت اطاعت رسول کا حکم ابھی معدوم ہو جاتا ہے فرمایا۔ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ

جو کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دین قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آدمی آخرت میں خسارہ پائے گا۔

اس آیۂ کریمہ میں لفظ من عام ہے جو کوئی بھی ہو اس پر اسلام کی پابندی اور اطاعت لازم ہے اسلام کی نسبت دوسری جگہ فرمایا۔ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

یعنی تمہارا دین کامل کر دیا تم پر اپنی نعمت دین پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا۔

ظاہر ہے اس آیہ کریمہ کے مخاطب مسلمان اور مومن ہیں ایمان کے لئے دین اسلام اللہ تعالیٰ کا تجویز اور پسند کردہ دین ہے اور یہ دین کامل ہے جس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں اب ہم دیکھیں دین اسلام کیا ہے۔ اسلام تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔

(۱) قرآن کریم کے الفاظ (۲) اس کا مفہوم (۳) ان کے احکام پر عمل کرنے کا طریقہ

پہلی دو چیزیں کو قرآن پاک نے وحی قرار دیا ہے اور اس پر لفظ نطق (قول) اطلاق فرمایا ہے جو کہ قرآن کریم کے الفاظ اور ان الفاظ کی تبیین اور تشریح میں نبوی اقوال سب پر حاوی اور شامل ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

آپ کا نطق بالفاظ قرآن یا اس کی تفسیر ہیں۔ قرآن کریم کے نزدیک دونوں وحی ہیں تیسری چیز جو اصطلاح محدثین میں رسول اللہ کا فعل اور تقریر کہلاتی ہے قرآن کریم نے اسے اسوۂ حسنہ کا نام دیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ان تینوں چیزوں کا مجموعہ اسلام کہلاتا ہے۔

ارشاد فرمایا جبکہ قرآن کریم اور اس کا مفہوم وقتی چیزیں ہیں یا اس پر عمل کرنے کا طریقہ یعنی اسوہ حسنہ وقتی چیز ہے یا ان تینوں کا مجموعہ یعنی دین اسلام وقتی چیز ہے؟ اگر یہ سب چیزیں وقتی نہیں تو ان کی تعمیل و پابندی کا اختیار کر لینا جو کہ عین اطاعت رسول ہے کیسے وقتی ہو سکتا ہے اطاعت رسول کے الفاظ میں لفظ رسول سے مراد رسول کے امور بدنی و جسمانی تو نہیں ہیں بلکہ اس منصب رسول کا نطق (قول) اور اعمال ہی مراد ہیں خواہ وہ اعمال آپ کی ذات سے صادر ہوں یا کسی دوسرے شخص سے صدور کے بعد آپ سے سند جواز و قبول حاصل کر لیں جیسا کہ قرآن پاک نے ان کو وحی اور اسوہ حسنہ قرار دیا تو اس حالت میں اطاعت رسول کو وقتی کہنے کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ وحی اور اسوہ حسنہ ایک وقتی چیزیں تھیں اور ان کی اطاعت بھی وقتی چیز تھی منکرین حدیث کا مقصد بھی یہی ہے بلکہ ان کے عوام علی الاعلان تو یہاں کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن خواص اور خبری آدمی مختلف الفاظ میں اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ قرآن اور اسلام وقتی چیزیں ہیں معاذ اللہ۔

نکتہ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لکم سے مخاطب فرما کر اسوہ حسنہ کی اطاعت پر ترغیب دینے کے بعد الفاظ اور خاص صیغے فرمایا۔

لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔

ان الفاظ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہونا اگرچہ تمام مسلمانوں سے مطلوب ہے تاہم عملاً اسے وہی لوگ اختیار کر سکیں گے جن میں یہ تین صفتیں موجود ہوں گی۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر جوابدہی کا یقین۔

(۲) آخرت میں اپنے اعمال پر جزا و سزا پانے پر ایمان۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی ہر وقت کی یاد جس سے اس کا اللہ کے ساتھ شدید مضبوط کا تعلق قائم رہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے جو لوگ رسول کو واجب الاطاعت نہیں سمجھتے یا اس کی اطاعت کو وقتی تسلیم کرتے ہیں وہ ان تینوں صفات سے خالی ہیں جب آپ اس قسم کے لوگوں کی عام حالت پر غور کریں گے تو آپ اس میں رائی برابر فرق نہ پائیں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

رسول کی اطاعت وقتی ہے کے الفاظ میں وقتی مجمل ہے ہو سکتا ہے وقتی سے مراد رسول کی دنیوی زندگی ہو جب تک رسول اللہ دنیا میں زندہ موجود ہے آپ کی اطاعت فرض تھی جب دنیا سے رحلت فرما گئے آپ کی اطاعت فرض نہ رہی منکرین حدیث کے مسلک کے اعتبار سے یہی معنی مراد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ رسول کی اطاعت کو بحیثیت مرکز حکومت بالفاظ دیگر سربراہ حکومت تسلیم کرتے ہیں نہ بحیثیت رسالت اور رسول کی اطاعت کو دوسرے ارباب حکومت کی اطاعت پر قیاس کرتے ہیں جب دوسرے مراکز حکومت کی اطاعت صرف ان کی زندگی تک محدود ہے، تو ان کے نزدیک کوئی وجہ نہیں کہ رسول کی اطاعت اس کے بعد بھی فرض ہو۔ یہ نظریہ جہالت اور ضلالت کا نتیجہ ہے، اول تو قرآن کریم نے اطاعت

ـــــــــــــــــــــــــــــ

ملہ مولانا قاضی عبد الرحیم مرحوم ۱۷ دسمبر ۱۸۸۳ء میں موضع کوٹ قاضی وسطی ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے حساب فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں گھر ہی میں پڑھیں جب عربی عبارت پڑھنے کی استعداد پیدا ہوگئی تو ۱۸۹۵ء میں حضرت مولانا حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور ۱۹۰۲ء میں حضرت مرحوم سے صرف و نحو تفسیر اور صحاح ستہ کی تکمیل کی سند حاصل کی ۱۹۰۴ء میں امرتسر میں حضرت الامام عبد الجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے ان سے صحیح بخاری کا اعادہ کیا اور مولانا مولوی عبد الاول غزنوی مرحوم سے سنن ابی داؤد دوہرائی اسی اثنا میں مولانا محمد معصوم مرحوم سے منطق۔ معانی۔ اور دوسرے علوم کی کتابیں پڑھیں ۱۹۰۶ء میں طبیہ کالج دہلی میں طب یونانی کے حصول کیلئے داخلہ لیا ۱۹۰۸ء میں وہاں سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور گوجرانوالہ میں مطلب کھولا اور اسی میں اپنی زندگی صرف کی۔

قاضی صاحب نے جماعتی اور سیاسی کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آزادی وطن کی مختلف تحریکوں میں قید و بند کی مصیبتیں بھی جھیلیں آپ بڑے منکسر بلند اخلاق اور متواضع بزرگ تھے حضرت الامام عبد الجبار غزنوی سے بہت زیادہ متاثر تھے

علی محمد سعیدی

رسولؐ کا مطالبہ بحیثیت رسالت رسول کیا ہے نہ کہ بحیثیت مرکز حکومت رسالت سے مقام کو مرکز حکومت قرار دینا اور رسالت و حکومت کو ایک مرتبہ پر رکھنا۔ دین اسلام سے بہت بڑی جہالت لغت میں تصرف بے جا اور علم لغت سے لاعلمی ہے،

دوسرا دنیا میں کوئی بھی رسول ایسا نہیں گزرا جس کی اطاعت صرف دنیوی زندگی تک محدود رہی ہو۔ تیسرا ابتدائے اسلام سے آج تک تمام مسلمان اس امر پر متفق چلے آتے ہیں کہ قیامت تک ہر انسان کہلانے والے فرد پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا فرض ہے ایسے متفق علیہ مسئلہ سے انحراف و انکار بلا دلیل شرعی سب سے بڑی ضلالت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سوال میں لفظ وقتی سے سائل کی مراد کچھ ممتد زمانہ ہو۔ یعنی اس وقت تک اطاعت رسول فرض ہے جب کہ دوسرا رسول آئے اور اس کی اطاعت فرض ہو جائے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی نسبت مشہور ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس قسم کی وقتی اطاعت تسلیم کرنے کی بھی گنجائش نہیں اس قسم کی وقتی اطاعت کی بنیاد پہلے رسول کی تعلیم کے فقدان اور دوسرے رسول کی آمد کی بشارت پر مبنی ہے اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں دین اسلام کامل اور محفوظ ہے اس کے معانی و مفہوم محفوظ اس پر عمل کی کیفیت محفوظ بلکہ جس ماحول میں قرآن کریم نازل ہوا۔ وہ ماحول اور اس کا ملحق ماضی بھی محفوظ ہے اور ان شاء اللہ مستقبل بھی تاقیامت محفوظ رہے گا۔ ان حالات میں اطاعت رسولؐ کو وقتی قرار دینے کا باعث خواہش پرستی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے اطاعت رسولؐ چونکہ اتباع ہوٰی سے مانع ہے اس لئے ہوا پرستوں کے نزدیک اس کا ترک ضروری ہے،

ترک اطاعت رسولؐ کے اسباب۔

مثال کے طور پر ذرا غور فرمایئے کتنا عجیب اور پر پیچ ہے ایک جس مرکز حکومت سے تخت پر اجمال ہے انہ سے نہ قرآن کریم کا علم ہے نہ حدیث نبوی کی خبر نہ پابند روزہ ہے نہ حج سے واسطہ نہ زکوٰۃ سے نہ توحید و رسالت پر ایمان ہے نہ آخرت جزا پر یقین شراب کا رسیا ہے زنا کا دلدادہ جوا اور لہو۔ عیش و عشرت میں

نسبت رعایا کی جان و مال عزت و آبرو تکلیف و آرام کا دارومدار اسے خیال ہے تو ان ملک کی پیداوار اور خزانہ کو اپنے باپ دادا کی جاگیر تصور کرتا ہے ہر روز ان ناجائز ارادوں اور لاکھوں سالانہ جیب میں ڈالتا ہے غیر مسلم حکمرانوں کی اطاعت اور تفتیش بدستور اس کا فرض منصبی بنتے اور بہر حال میں ان کی نقل اتارنا اس کا منتہائے نظر اس پر مستزاد یہ کہ وہ ان تمام گندگیوں کو ملک میں رائج کرنا چاہتا ہے اور اس کے مخالف اسباب وقوع عمل میں لاتا ہے۔

اب خوش قسمتی سمجھیے یا بد قسمتی کہ مرکز حکومت خود مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا ہے جس کی رغبت مسلمان واقع ہوئی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے جن میں مرکز حکومت بھی شامل ہے قرآن کریم اور رسول کریمؐ کی اطاعت فرض ہے یہ رعایا جب سربراہ حکومت کے اعمال و افعال کو دیکھتی ہے تو اس کے دل میں مرکز حکومت سے نفرت پیدا ہوتی ہے وہ مرکز حکومت سے ان کے افعال کے ترک اور احکام اسلام کے مطابق اصلاح نفس کا مطالبہ کرتی ہے دوسری طرف سربراہ حکومت محسوس کرتا ہے کہ رعایا خدا پرست اطاعت رسولؐ کی پابند ہے۔

اس لئے ممکن ہے کہ وہ میری موجودہ حالت سے متاثر ہو کر میری اطاعت سے ہی منحرف ہو جائے اور تخت حکومت سے اتار پھینکے وہ اپنے جاہ و منصب کی حفاظت اپنے رعب اور اقتدار کے بقاء اور اپنی اطاعت کے استحکام کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیتا ہے اور چونکہ وہ ابتداء ہی سے یہود و نصاریٰ میں تربیت یافتہ اور علماء یہود و نصاریٰ کا تعلیم دادہ ہے وہ اپنے اساتذہ اور آقاؤں سے اعانت و مدد طلب کرتا ہے یہود و نصاریٰ اور ان کے اطار تو مخرب اسلام کے شائق اور دلدادہ ہی ہیں جھٹ اپنے خزانوں اور لشکر سمیت ان کی مدد کو پہنچے اور ریسرچ اسلام کے رنگ میں تحریف اسلام کا کھیل شروع کر دیتے ہیں کہیں انکار حدیث کا مشغلہ اختیار کیا جاتا ہے کہیں رسولؐ کی حیثیت پر بحث کی جاتی ہے کہیں اس کی اطاعت کو ٹھیرایا جاتا ہے اور کہیں اس کی اطاعت کو وقتی بتا کر اسلام کے حلقہ سے کردار کھینچنے کی کوشش کی جاتی ہے قرآن سے انکار اول تو ناممکن ہے دوسرا اس کے مطالب حسب خواہش بنائے جا سکتے ہیں لیکن رسولؐ کی تفسیر اور تشریح نہ تو قرآن کریم میں تحریف کی گنجائش باقی رہنے دیتی ہے اور نہ خواہشات نفسانیہ کو چلنے دیتی ہے اس لئے اس پر زور سے حملہ آور

غیر مسلم گروہ کا نزلہ رسولؐ اور اس کے اسوہ حسنہ پر گرتا ہے اور اس تمام گمراہی اور ضلالت کو قرآن کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے اس کے نتیجہ میں مرکز حکومت کو اولی الامر بنا کر اس کی اطاعت فرض قرار دی جاتی ہے اور رسولؐ کو اس کے مرتبہ رسالت سے گرا کر ایک چٹھی رساں یا وقتی حکمران کہہ کر اس کی اطاعت سے انکار کر دیا جاتا ہے اور اس کی اطاعت کو شرک ٹھہرایا جاتا ہے یہ یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ کیسا صحیح نمونہ ہے آپ موجودہ اسلامی حکومتوں کے سربراہوں کے حالات پر غور فرمائیں گے تو ان میں سے اکثر کے حالات اسی قسم کے پائیں گے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔ فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔

پہلی آیتوں کی طرح اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اطاعت رسولؐ کا حکم ایمان والوں ہی کو دیا ہے اور اس اطاعت کا مطالبہ رسول کی حیثیت رسالت ہی کی بنا پر کیا ہے نہ کہ اولی الامر یا مرکزی حکومت یا سربراہ حکومت کے اعتبار سے بلکہ اطاعت رسولؐ کے حکم کے بعد سربراہ حکومت کی اطاعت کا علیحدہ مطالبہ کیا ہے،

معلوم ہوا کہ جب تک مومن موجود ہیں اور جب تک رسولؐ کی رسالت بحال ہے اس کی اطاعت مطلوب اور مامور بہا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت رسول الگ چیز ہے اس کے بعد دو چیزیں ایسی ذکر فرمائیں جو اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر کے درمیان حد فاصل ہے اول یہ کہ رسولؐ سے اختلاف اور نزاع جائز نہیں۔ اس لئے کہ اگلے جملہ میں اسے حکم قرار دیا ہے حکم کے ساتھ نزاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اولی الامر کے ساتھ نزاع اور اختلاف جائز ہے،

دوسرا یہ کہ محل نزاع میں حکم کا مقام رسولؐ کو حاصل ہے یہ کہ اولی الامر کو اس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ تَنَازَعْتُمْ باب تفاعل سے آیا ہے جو مادہ میں فاعل اور مفعول کے اشتراک کا مقتضی ہے اس آیت میں تین فریق کا ذکر ہے ایک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ۔ دوسرے مومن يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے مخاطب رعیت سے موسوم اور

اطاعت بجالانے مکلف۔

تفسیر سے اولی الامر جو اس آیت میں مطاع ٹھہرائے گئے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ میں جو نزاع مذکور ہے۔ اس میں ان تینوں گروہوں میں سے کون کون فریق شریک ہو سکتا ہے پہلا فریق یعنی اللہ ورسول تو فریق نزاع بن نہیں سکتے اول تو وہ متکلم ہیں مخاطبین میں شامل نہیں دوسرا اگلے جملہ میں انہیں حکم قرار دیا گیا ہے اور حکم کا مقام (بالخصوص اس قسم کی نزاع میں) کسی فریق کو بھی حاصل نہیں نہ رعیت کو نہ اولی الامر کو آیت کا مطلب صاف ہے کہ اگر مسلمان رعیت اور ان کے اولی الامر کے مابین کسی چیز میں اختلاف اور نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ (قرآن کریم) اور اس کے رسول ﷺ (اسوہ حسنہ) سے لیا جائے جو فیصلہ وہ کریں اولی الامر اور رعیت دونوں اس کو تسلیم کریں اور خوش دلی سے اس کی اطاعت کریں ثابت ہوا کہ نہ تو اولی الامر کی اطاعت کو رسول ﷺ کی اطاعت کا مرتبہ حاصل ہے اور اولی الامر کو رسول ﷺ کا مقام اس حالت میں اطاعت رسول ﷺ کو بحیثیت مرکز حکومت قرار دینا قرآن کریم کی صریح تحریف ہے۔

نکتہ: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ میں ذکر کردہ نزاع کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ افراد رعایا میں نزاع ہو جائے ظاہر ہے کہ اس صورت میں اولی الامر کی طرف رجوع ہوگا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔

اس بنا پر چاہیے تھا کہ مضمون کے اتمام کے نظر جیسے پہلی قسم کے نزاع کی نسبت فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرمایا ہے اس نزاع سے متعلق بھی فرمادیا جاتا۔ فَرُدُّوْهُ اِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ لیکن ایسا نہیں فرمایا بلکہ اس موقع پر اسے نظر انداز کردیا ہے بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں اللہ اور رسول ﷺ کے لیے مقام حکمیت کا اثبات مقصود ہے اگر اس کے ساتھ ہی کسی جہت سے بھی حکمیت اولی الامر کا ذکر کر دیا جاتا تو اولی الامر کی نسبت یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ان کی حکمیت کا مقام اور مرتبہ بھی وہی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی حکمیت کا ہے حالانکہ ان دونوں حکمیتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے واللہ اعلم۔

انسان جب استغنا محسوس کرتا ہے تو سرکشی اور شرارت پر اتر آتا ہے اولی الامر اور

مطاع ہونے کے بعد کسی کی اطاعت اسے کیسے گوارا ہو سکتی ہے خواہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت ہو اسے اپنے وقار کا بھوت نہ رعایا کی سننے دیتا ہے نہ اللہ و رسول کی اسلیے اللہ تعالیٰ نے جو اولی الامر کی ضمیر سے ان کے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان و یقین کے ذریعہ اور دنیا میں اس طرز عمل کے فوائد کی طرف توجہ دلا کر محبت آمیز اور نرم ترین لہجہ میں اس اطاعت کے تسلیم کی اپیل کی فرمایا تمہارا ایمان بھی اس کی تعلیم کا مقتضی ہے اور دنیا میں بھی یہ طریق بہترین نتائج کا حامل ہے فھل من مدکر۔

فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا الخ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امیین پر اپنے فضل کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے ان کے لیے ان ہی میں سے ایک رسول ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات (قرآن) ۔ پڑھتا ہے ان کو روحانی اور اخلاقی برائیوں سے پاک وصاف کرتا ہے ان کو کتاب (قرآن کریم کے مفہوم و معانی) کی تعلیم دیتا ہے اور ان کو اس پر عمل کی کیفیت ۔ حکمت ۔ سکھاتا ہے یہ تمام صفات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اس کے بعد فرمایا یہ رسول وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ کے لیے بھی ہے جو ابھی امیین سے نہیں ملے اور بعد میں آملیں گے ان بعد میں آنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی زمانہ یا مدت نہیں فرمائی کہ کسی وقت تک کے آنے والے اس کی رسول کی امت میں شمار ہوں گے اور اس وقت کے بعد اس رسول کی رسالت اور اس کی امت میں شمول کا وقت جاتا رہے گا اور اس وقت اس رسول ﷺ کی اطاعت ان پر فرض نہ رہے گی بلکہ آخرین کو عالم مطلق رکھا جو لوگ بھی آئیں اور جب بھی آئیں خلفاء راربعہ کے زمانہ میں آنے والے ان میں شامل ہیں بنو امیہ بنو عباسیہ اور ترکوں کے زمانہ میں آنے والے ان میں داخل ہیں آج کل اور آج کے بعد تا طلوع شمس از مغربھا آنے والے تمام افراد انسانی ان میں مندرج ہیں یہ تمام کے تمام وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ ۔ کا مصداق ہیں اور ان کا رسول ﷺ بھی وہی رسول ہے جو امیین میں مبعوث ہوا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت قیامت تک ہے تو یہ کیسے صحیح ہے لیکن اس کی اطاعت کا منکر ہو اور پھر وہ من اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول بھی ہو۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ الآیہ اس آیت کریمہ میں بھی رسولؐ کی حیثیت رسالت ہی کو ذکر فرمایا اور اسی پر تمام احکام مرتب فرمائے گئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اطاعت ہی رسولؐ کی اطاعت ہے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے ان کی مراد مجرد قرآن کریم ہے جس میں وہ تعلق نبیؐ شامل نہیں جو قرآن کریم کی تبیین وتفسیر میں آپ سے صادر ہوا۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی اور مفہوم کو اپنے خیالات فاسدہ کے سانچے میں ڈھال لیں اور قرآن پر ایمان اور عمل کے دعویٰ کے ساتھ ہی خواہشات نفسانیہ کی تکمیل بھی کرتے رہیں رسولؐ نے قرآن کا جو بیان اور شرح کی ہے اگر اسے تسلیم کر لیا تو ہوائے نفس کا ایفا ممکن نہیں رہتا اس کے اشتباہ کے ازالہ کے لیے فرمایا۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا جب ان منکرین حدیث سے کہا جاتا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قرآن کریم اور رسولؐ کے اسوہ حسنہ دونوں کی طرف آؤ اور دونوں سے فیصلہ کرو تو دیکھے گا کہ وہ تیری رسول کی طرف آنے سے رکتے ہیں یعنی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی طرف آنے سے نہیں رکتے۔ لیکن رسولؐ کی طرف آنا ان کو گوارا اور پسند نہیں اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت میں کچھ فرق ہے تب ہی تو وہ ایک کو گوارا اور دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص کہہ دے کہ صلوٰۃ تحریک صلوین سے مشتق ہے جس کے معنی چوتڑ ہلانے کے ہیں اور جو شخص صبح بیدار ہونے سے رات کو سونے تک چوتڑ ہلاتا اللہ کا روبار میں بھاگ دوڑ کرتا رہتا ہے وہ مصلی ہے اور قرآن کے حکم پر عامل ور اس حکم اقامت صلوٰۃ کا مقصد مسلمانوں کو کاروبار میں سعی وکوشش کر کے اپنے اقتصادیات کا مضبوط اور درست کرنا ہے تو بتائیے آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں علی ھذا القیاس زکوٰۃ صوم حج اور توحید کا حال سمجھ لیجئے۔ لیکن جب قرآن کریم کا صحیح مفہوم متعین ہو جائے گا۔ آج منکرین حدیث تمام شرعی احکام اور فرائض کی اسی طرح سے حجامت کر رہے ہے اور دین اسلام کو ایک کھلونے کی صورت دے رہے ہیں اِنَّا لِلّٰهِ اس آیت میں صرف مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ تسلیم کرنے اور رسولؐ سے اعراض کرنے والوں کو منافقین کا نام دیا گیا ہے اَعَاذَنَا اللّٰهُ آخر میں ہم ان لوگوں سے جو اطاعت رسولؐ سے اعراض کرتے اور قرآن کریم کو واجب الاطاعت سمجھتے

...قرآن سے ایک مؤکد حکم کی طرف توجہ دلا کر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں فرمایا۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ ... تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ. لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

یہ آیت کریمہ سورہ حدید کی ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اس وقت تک اسلامی اصطلاحات ...معین ہو چکی تھیں مومن ان ہی لوگوں کو کہا جاتا ہے جو توحید الٰہی اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پر اعتقاد اور یقین رکھتے تھے رسالت کے منکر کافر کہلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے الفاظ ...میں ایمان والوں کو مخاطب فرمایا پھر اِتَّقُوا اللّٰهَ کے جملہ سے مامور بہ کی اہمیت اور اس کی تعمیل کی تاکید پر توجہ دلائی اور اس کے بعد آمِنُوا بِرَسُولِهِ کا حکم دیا اس حکم میں نہ ایمان باللہ شامل کیا نہ ایمان مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ نہ ایمان بالانبیاء اور نہ ایمان بالآخرت بلکہ رسول کے مفرد لفظ کی اپنی طرف اضافت کر کے اس پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ حالانکہ ایمان برسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان میں پہلے سے موجود تھا جب ہی تو وہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا سے مخاطب ہوئے ان کو آمِنُوا بِرَسُولِهِ کا حکم تحصیل حاصل نہیں تو اور کیا ہے معلوم ہوا کہ آمِنُوا بِرَسُولِهِ کے حکم میں ایمان سے مراد اطاعت رسول ہے نہ کہ ایمان قلبی اس کے تو وہ پہلے سے ہی قائل ...ور معترف ہیں اور اطاعت رسول کے مقام پر ایمان بالرسول کا حکم معتبر ہے کہ مجرد ایمان برسالت الرسول کوئی چیز نہیں جب تک کہ اطاعت رسول نہ اختیار کی جائے ایمان بالرسالت اسی وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول معتبر ہے جب کہ اس کے ساتھ اطاعت رسول بھی موجود ہو اس لئے اطاعت رسول درحقیقت ایمان برسالت الرسول ہے کیونکہ اطاعت رسول بغیر ایمان برسالت الرسول ممکن ہی نہیں لیکن ایمان برسالت الرسول کو عملاً اطاعت رسول ...

...الفاظ نداء میں آمنوا صیغہ ماضی سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ مراد لیں لینا ٹھیک نہیں اس لئے کہ دوسرے آیت میں لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى ... مِنْ فَضْلِ اللَّهِ اس کی تردید کرتے ہیں۔ اہل کتاب ہی کو خطاب اور امر برسالۃ الرسول

سے حکم کے بعد ان کی نسبت ہی یہ کہنا کہ ان کے نزدیک فضل الٰہی مسلمانوں کے شامل حال نہیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس حکم وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ کی لم نہیں جو بیان فرمایا گیا ہے وہ اس سے زیادہ قابل توجہ اور غور طلب ہے

۱- يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ۔

۲- وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ۔

۳- وَيَغْفِرْ لَكُمْ۔

۴- لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ دوسری لم میں فرمایا کہ اطاعت رسولؐ ہی تمہارے لئے راہنمائی اور روشنی کا مینار بن سکتی ہے جس کے ذریعہ تم دنیا اور عقبیٰ کے سفر زندگی میں بے خوف و خطر چل سکتے ہو۔

کیا آج تمام اسلامی ممالک اور بالخصوص پاکستان کے حکمران ہر شعبہ زندگی میں مضطرب اور پریشان ہوکر ٹھیک نہیں رہے،

اور کیا اس کی واحد وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے اطاعت رسولؐ سے اعراض اور انحراف اختیار کر لیا بلکہ اطاعت یہود و نصاریٰ کو اس پر مقدم کر رکھا ہے پھر ان کو وہ نور جس سے وہ کامیابی کے راستہ پر چل سکیں کیسے حاصل ہو۔

چوتھی لم علی الاعلان مسلمانوں میں منادی کر رہے ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ۔ کچھ بھی چاہئے اگر تم رمسلمان۔ اطاعت رسولؐ اختیار کرو تو پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل کر دے گا فضل و کرم کا مالک وہی ہے اور اس وقت اہل کتاب کو۔ اس کے نتیجہ میں خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ ان کی کوششیں اور اعمال ضائع ہوئے اور مسلمان ان کے علی الرغم دنیا و عقبیٰ میں کامیاب اور کامران ہو گئے۔

ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اطاعت رسولؐ ہی دنیا اور عقبیٰ میں کامیابی اور فضل الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اگر کوئی شخص مسلم ہو یا غیر مسلم یہ سمجھتا ہے کہ وہ اطاعت رسولؐ کے بغیر قرآن کریم پر عمل یا اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق ہو سکتا ہے تو وہ غلطی پر ہے،

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی چونکہ منافقین موجود تھے جو

رسالت پرایمان کا دعویٰ تو رکھتے تھے لیکن اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضروری نہ سمجھتے تھے جیسا کہ آج کل منکرین اطاعت رسول کی حالت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان خیالات کی ان آیات میں تردید فرمادی حجیت حدیث نمبر ۱۔ (اخبار الاعتصام حجیت حدیث)

مذہب اہل حدیث

سوال :۔ شیعہ اسلام اور مذہب اہل حدیث ہر دو میں فرق ہے یا دونوں لفظ ایک ہی مطلب ادا کرتے ہیں۔

جواب :۔ قرآن میں ہے، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (الآیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم سے ایمان لائے اور اچھے عمل کرے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے پہلے لوگوں کو خلیفے بنایا اور ان کے دین کو جگہ دے گا جو ان کے لئے پسند کیا۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام فصل اوّل میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (رواہ مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی کے دوست اور اصحاب تھے جو اس کے طریق کو لیتے اور اس کے حکم پر چلتے پھر ان کے بعد نالائق پیدا ہو جاتے جو کہتے وہ بات جو نہ کرتے اور کرتے وہ بات جو نہ حکم دیئے جاتے پس جو شخص جہاد کرے ان سے ساتھ ہاتھ اپنے کے وہ مومن ہے اور جو جہاد کرے ساتھ زبان اپنی کے وہ مومن ہے اور جو جہاد کرے ساتھ دل اپنے کے یعنی دل سے برا جانے اور دشمنی رکھے، وہ مومن ہے اور ورے اس کے ایک رائی برابر بھی ایمان

نہیں روایت کیا اس کو مسلم نے ۔
کتاب رزین اور کتاب المدخل للبیہقی میں ہے،

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین ۔

(مشکوٰۃ مع مرقاۃ کتاب العلم فصل ثانی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دینی علم کو ہر خلف سے عدول یعنی ثقہ لوگ اٹھائیں گے جو دور کریں گے اس سے تحریف حد سے بڑھنے والوں کی اور جھوٹ باطل والوں کا اور تاویل جاہلوں کی ۔

صحابہؓ کا طریق اس آیت اور دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طریق پر صحابہؓ تھے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں چھوڑ کر گئے تھے اسی کو اللہ نے پسند کیا

اس آیت سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں خلیفہ بنائے گا اور تمہارے دین کو جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے جگہ دے گا۔ سو یہ وعدہ پہلے صحابہؓ ہی کے ہاتھ پر پورا ہوا ہے اور پہلی حدیث سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ ہر نبی کے حواری اور اصحاب تھے جو اس کے طریق پر چلتے تھے پھر پیچھے نالائق پیدا ہو جاتے ہیں اس سے مقصود آپ کا یہ تھا کہ میری امت میں ایسا ہی ہوگا اسی واسطے اخیر میں فرمایا کہ جو شخص ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے الخ۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں علی العموم فرمایا ہے کہ ہر خلف میں عدول ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد جن کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے وہ سب آپ کے خلف تھے اور صحابہؓ ان کے عدول تھے پس وہ اس حدیث کے اول مصداق ہوں گے پس اس آیت اور ان دونوں حدیثوں اور ان جیسی اور آیتوں و حدیثوں[1] سے ثابت ہوا کہ جس طریق پر صحابہؓ تھے وہی رسول اللہ صلعم لے کر آئے

---

[1] جیسے آیہ کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین اور حدیث من کان مستنا فلیستن بمن قد مات جو گذر چکی ہے اور ایسی اور۔ ۱۲

تھے اور وہی اللہ کو پسند تھا۔

چونکہ اس پر اتفاق ہے اس لئے زیادہ حوالوں کی ضرورت نہیں صرف تنبیہ کے لئے ایک آیت اور دو حدیثیں ذکر کر دی ہیں اب سنیئے صحابہؓ کس طریق پر تھے،

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا طریق

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صہ۳ لغایت صہ۶ میں بحوالہ دارمی لکھتے ہیں۔

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینہم قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسال المسلمین فربما اجتمع علیہ النفر کلہم یذکر من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ قضاء فیقول الحمد للہ الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا فان اعیاہ ان یجد فیہ سنۃ من رسول اللہ جمع رؤس الناس و خیارہم فاستشارہم فاذا اجتمع رایہم علی امر قضی بہ۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی جھگڑا آتا تو اللہ کی کتاب میں نظر کرتے اگر اس میں پاتے تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے اگر کتاب اللہ میں نہ پاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث معلوم ہوتی تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے اگر حدیث بھی معلوم نہ ہوتی تو باہر نکل کر مسلمانوں سے دریافت کرتے دریافت کرنے سے بعض دفعہ کئی شخص ایسے مل جاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ذکر کرتے حضرت ابوبکر صدیق کہتے خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو رسول اللہ صلعم کے فیصلے محفوظ ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی نہ ملتی تو بڑے لوگوں کو اور بہتر ان کے کو جمع کر کے مشورہ لیتے پس جب کسی بات پر ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے،

خلیفہ ثانی عمرؓ بن الخطاب کا طریق

وعن شریح ان عمر بن الخطابؓ کتب الیہ ان جاءک شیء فی کتاب اللہ فاقض بہ ولا یلتفتک عنہ الرجال فان جاءک ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ

فاقض بها فان جاءك ما ليس فى كتاب الله ولم يكن فيه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذ به وان جاءك ما ليس فى كتاب الله ولم يكن فيه سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يتكلم فيه احد قبلك فاختر اى الامرين شئت ان شئت ان تتاخر فتاخر ولا ارى التاخر الا خيرا لك۔

اور شریح سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میری طرف لکھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں ہو تو اس کے ساتھ فیصلہ کرو اس سے تمہیں لوگ نہ پھیریں اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو اور اس کے ساتھ فیصلہ کرو اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ اس میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو جس بات پر لوگوں کا اجتماع ہو اس کو لو۔ اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ اس میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو نہ تجھ سے پہلے اس میں کسی نے کلام کی ہو تو دو باتوں سے جونسی بات چاہو اختیار کرو اگر اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کرکے آگے بڑھنا چاہو تو آگے بڑھو اگر پیچھے ہٹنا چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ لیکن پیچھے ہٹنا میں تمہارے لئے بہتر دیکھتا ہوں۔

عبد اللہ بن مسعودؓ کا طریق

وعن عبد الله بن مسعودؓ قال اتى علينا زمان لسنا نقضى ولسنا هنالك وان الله قدر من الامر ان قد بلغنا ما ترون فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما فى كتاب الله عز وجل فان جاءه ما ليس فى كتاب الله فليقض بما قضى به رسول الله صلعم فان جاءه ما ليس فى كتاب الله ولم يقض به رسول الله صلعم فليقض بما قضى به الصالحون ولا يقل انى اخاف وانى ارى۔

اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم پر ایک زمانہ آیا تھا کہ نہ ہم فیصلہ کرتے تھے نہ فیصلہ کرنے کے لائق تھے اور تقدیر الٰہی میں یہ تھا کہ ہم اس مرتبہ کو پہنچیں جو تم آج دیکھ رہے ہو پس جس کو آج کے بعد کوئی ایسا فیصلہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں ہو تو اس کے ساتھ فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے ساتھ فیصلہ کرے اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا ہو تو نیک لوگوں کے فیصلے کے ساتھ فیصلہ کرے اور

مدلول نہ کہے کہ یہ احتمال اس طرف ہے انتہٰی رائے یہ ہے۔

ابن عباسؓ کا طریق

وکان ابن عباس اذا سئل عن الامر وکان فی القرآن اخبر بہ وان لم یکن فی القرآن وکان عن رسول اللہ صلعم اخبر بہ فان لم یکن فعن ابی بکرؓ وعمرؓ فان لم یکن قال فیہ برأیہ (انتہی ملخصا)

اور ابن عباسؓ جب کوئی مسئلہ پوچھے جاتے۔ جو قرآن مجید میں ہوتا تو اس کے ساتھ خبر دیتے۔ اگر قرآن میں نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا تو اس کے ساتھ خبر دیتے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہ ہوتا تو ابو بکرؓ اور عمرؓ سے خبر دیتے اگر ان سے بھی نہ ہوتا تو اپنی رائے سے کہتے۔

مقلد جاہل ہوتا ہے

علامہ شوکانی القول المفید میں لکھتے ہیں،

قال سند بن عنان المالکی فی شرحہ علی مدونۃ سحنون المعروفۃ بالامھات لفظہا اما مجرد الاقتصار علی محض التقلید فلا یرضی بہ رجل

لے عبداللہ بن عباسؓ کا حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم سمجھنا اس کی وجہ شاید یہ حدیث ہو گی اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ یعنی میرے بعد دو شخصوں کی اقتدا کرو یعنی ابو بکرؓ اور عمرؓ کی ۱۲ پھر ان کی رائے کو مقدم کرنا اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جس بات پر ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں متفق ہوں اس کو اپنی رائے پر مقدم کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ خواہ دونوں متفق ہوں یا صرف ایک ہی کی رائے ہو دونوں صورتوں میں اپنی رائے پر مقدم کرتے تھے اگر کوئی ایسا پہلو مل جاوے جس میں صرف ایک کی رائے معلوم ہو دوسرے کی معلوم نہ ہو اور اس وقت ابن عباس نے اس کی پابندی نہ کی ہو تو پہلا احتمال صحیح ہو گا۔ دوسرا غلط اگر ایسا مسئلہ نہ ملے تو دونوں احتمال صحیح ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ ابن عباسؓ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو اپنی رائے پر اس لئے مقدم سمجھتے ہوں کہ ابن عباسؓ بچے تھے۔ ہجرت سے کل دو سال پہلے پیدا ہوئے تھے تو جو احاطہ آپ کے حالات کا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تھا وہ ابن عباس کو نہ تھا۔ فافہم ۱۲

رشید وقال ایضا نفس المقلد لیس علی بصیرة ولا یتصف من العلم بحقیقة اذ لیس التقلید بطریق الی العلم بوفاق اھل الوفاق وان نوزعنا فی ذلک ابدینا برھانہ فنقول قال اللہ تعالی فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وقال بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ وقال وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ومعلوم ان العلم ھو معرفة المعلوم علی ما ھو بہ فنقول للمقلد اذا اختلفت الاقوال وتشعبت من این تعلم صحة قول من قلدتہ دون غیرہ او صحة قربة علی قربة اخری ولا یبدی کلاما فی ذلک الا انعکس علیہ فی نقیضہ سیما اذا عرض لہ ذلک فی مزیة لامام مذھبہ الذی قلدہ او قربة یخالفھا لبعض ائمة الصحابة الی ان قال اما التقلید فھو قبول قول الغیر من غیر حجة فمن این یحصل بہ علم ولیس لہ مستند الی قطع۔

یعنی محض تقلید پر کفایت کرنا اس کو تو کوئی دانا پسند نہیں کرتا اور مقلد بینائی پر نہیں اور نہ مقلد حقیقت میں علم سے موصوف ہو سکتا ہے کیونکہ تقلید بالاتفاق علم کا راستہ نہیں اگر کوئی دلیل مانگے تو ہم کہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور فرماتا ہے اس شی کے ساتھ فیصلہ کرو جو اللہ تیری رائے میں ڈالے اور فرماتا ہے اللہ پر وہ بات نہ کہو جو تم نہیں جانتے اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم معرفت معلوم کا نام ہے اس حال پر جس حال پر وہ ہو پس ہم مقلد کو کہتے ہیں جب اختلاف ہو جائے تو تجھے اپنے امام کے قول کی صحت اور ایک عبادت کی دوسری عبادت پر ترجیح کس طرح معلوم ہے مقلد آگے سے جواب میں جو کچھ کہے گا وہ اسی پر ٹوٹ جائے گا (کیونکہ جب وہ دلیل دے گا تو اس کو کہا جائے گا کہ جس کے اندر استدلال کا مادہ ہوتا ہے وہ مقلد نہیں ہو سکتا، پس تیرا تقلید پر استدلال کرنا ہی تیرے دعوی کو توڑ رہا ہے) خصوصاً جب کہ ایسی گفتگو مقلد کے امام کی کسی فضیلت میں شروع ہو جائے۔ (کیونکہ کسی امام کی فضیلت بحیثیت مجتہد ہونے کے مجتہد ہی معلوم کر سکتا ہے مقلد کو کیا معلوم کہ میرا امام اجتہاد میں زیادہ تھا یا کوئی اور) یا کسی عبادت میں گفتگو شروع ہو جائے جو بعض ائمہ صحابہ اس کے مخالف ہوں (کیونکہ عبادت کا معاملہ ذرا نازک ہے تو مقلد اس میں نہایت بعید ہے) بہر حال تقلید کہتے ہیں کسی کا قول بغیر دلیل کے لینا پس تقلید علم کا ذریعہ کس طرح بن سکتی ہے (اگر علم ہوتا تو تقلید کی ضرورت ہی نہ ہوتی)

اور نہ تقلید کا اعتماد قطع پر ہے بلکہ شبہ پر ہے۔

تقلید بدعت ہے

وهذا ايضا فى نفسه بدعة محدثة لانا نعلم بالقطع ان الصحابة رضوان الله عليهم لم يكن فى زمانهم وعصرهم مذهب لرجل معين يدرك او يقلد وانما كانوا يرجعون فى النوازل الى الكتاب والسنة او الى ما يتمخض بينهم من النظر عند فقد الدليل۔

اور تقلید فی نفسہ بھی بدعت ہے محدثہ ہے کیونکہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہیں تھا جو اس کو حاصل کیا جائے یا اوس کی تقلید کی جائے اور سوا اس کے نہیں کہ حادثوں میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تھے جب کہ کتاب وسنت میں دلیل نہ ملتی۔

تابعینؒ کا طریق

وكذلك تابعوهم ايضا يرجعون الى الكتاب والسنة فان لم يجدوا نظروا ما اجمع عليه الصحابة فان لم يجدوا اجتهدوا واختار بعضهم قول صحابى فراه الاقوى فى دين الله تعالى۔

اور اسی طرح تابعین کی حالت تھی وہ بھی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تھے پس اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ پاتے تو اُس بات کو دیکھتے جس پر صحابہ کا اجماع ہے اگر اجماع بھی نہ پاتے تو اپنے اوپر اجتہاد کرتے اور بعض ان کے صحابی کے قول کو لیتے پس اس کو اللہ کے دین میں قوی سمجھتے۔

ائمہ اربعہ کا طریق

ثم كان القرن الثالث وفيه كان ابوحنيفة ومالك والشافعى وابن حنبل فان مالكا توفى سنة تسع وسبعين ومائة وتوفى ابوحنيفة سنة خمسين ومائة

وفی هذه السنة ولد الامام الشافعی وولد ابن حنبل سنة اربع وستین مائة وکانوا علی منهاج من مضی لم یکن فی عصرهم مذهب رجل معین یتدارسونه وعلی قریب منهم کان اتباعهم فکم من قولة لمالك ونظرائه خالفه فیها اصحابه ولو نقلنا الک ذلك لخرجنا عن مقصود ذلك الکتاب ما ذاك الا لجمعهم آلات الاجتهاد وقدرتهم علی ضروب الاستنباطات ولقد صدق الله نبیه فی قوله خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ذکر بعد قرنه قرنین والحدیث فی صحیح البخاری۔

پھر تیسرا قرن ہوا اور اس میں ائمہ اربعہ تھے کیونکہ امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے اور اسی سن ۱۵۰ھ میں امام شافعی پیدا ہوئے اور امام احمد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے یہ سب گذشتہ لوگوں کے طریق پر تھے ان کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہ تھا جس کا درس ہو اور ان کے اتباع بھی انہی کے قریب تھے امام مالک کے بہت اقوال اور اجتہادات ایسے ہیں جن میں ان کے اصحاب مخالف ہیں اگر ہم سب اقوال نقل کریں تو کتاب کے اصل مقصد سے نکل جائیں اس کا سبب یہی تھا کہ ان کو اسباب اجتہاد حاصل تھے اور استنباط کی قسموں پر قادر تھے جو لوگ اماموں کے اصحاب کو اماموں کے مقلد کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس قول میں سچا کیا کہ بہتر زمانہ میرا ہے پھر جو ان کے نزدیک ہیں پھر جو ان کے نزدیک ہیں اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے،

اجماع صحابہؓ

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص۲۳۰ میں ہے،

اجمع الصحابة علی ان من استفتی ابا بکر وعمر امیری المؤمنین فله ان یستفتی اباهریرة ومعاذ بن جبل وغیرهما ویعمل بقولهم من غیر نکیر

صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فتویٰ پوچھے وہ ابوہریرہؓ اور معاذ بن جبلؓ اور ان کے سوا اوروں سے بھی فتویٰ پوچھ کر عمل کر سکتا ہے کسی کو اس سے انکار نہیں۔

شاہ ولی اللہ کا فیصلہ

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص۵۹ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الہمام فی آخر التحریر
کانوا یستفتون مرۃ واحدا ومرۃ غیرہ غیر ملتزمین مفتیا واحدا ۱ھ۔
ابن ہمام فرماتے ہیں کہ کبھی کسی سے فتویٰ پوچھتے تھے کبھی کسی سے ایک مفتی کا التزام نہ تھا۔

تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ قال ابو طالب المکی فی قوت القلوب ان الکتب والمجموعات محدثۃ والقول بمقالات الناس والفتیا بمذھب الواحد من الناس واتخاذ قولہ والحکایۃ لہ من کل شئ والتفقہ علی مذھبہ لم یکن الناس قدیما علی ذلک فی القرنین الاول والثانی انتہی اقول وبعد القرنین حدث فیھم شئ من التخریج غیر ان اھل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد والتفقہ لہ والحکایۃ لقولہ کما یظھر من التتبع بل کان فیھم العلماء والعامۃ وکان من خبر العامۃ انھم کانوا فی المسائل الاجماعیۃ التی لا اختلاف فیہا بین المسلمین او جمہور المجتہدین لا یقلدون الا صاحب الشرع وکانوا یتعلمون صفۃ الوضوء والغسل والصلوۃ والزکوۃ ونحو ذلک من آبائھم او معلمی بلدانھم فیمشون حسب ذلک واذا وقعت لھم واقعۃ استفتوا فیہا ای مفت وجدوا من غیر تعیین مذھب

جان لے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ مذہب معین کی تقلید خالص پر جمع نہ تھے ابو طالب مکی قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ کتب اور مجموعات۔ و مذہبی بدعت ہیں اور لوگوں کے اقوال کا قائل ہونا اور لوگوں سے ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا اور اس کے قول کو لینا اور ہر مسئلہ

ہیں اس کے قول کی حکایت کرنا اور اس کے مذہب کی فقہ حاصل کرنا قدیم زمانے کے لوگ اس پر نہ تھے یعنی قرن اول وثانی میں انتہی میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ قرن اول اور ثانی کے بعد ان میں کچھ تخریج (یعنی امام کے اقوال سے مسئلہ نکال کر بتلانا یہ بات ان میں) قدرے پیدا ہو گئی مگر پھر بھی چوتھی صدی کے لوگ اس مذہب کی تقلید خالص پر اور اس کے اندر فقاہت پیدا کرنے پر اور اسی مذہب کے قول کی حکایت کرنے پر جمع نہ تھے جیسا جستجو سے ظاہر ہے بلکہ ان میں علما بھی تھے اور عوام بھی عوام مسائل اتفاقیہ اور جمہوریہ میں سوا صاحب شرع کے کسی کا پٹہ گلے میں نہیں ڈالتے تھے وضو غسل نماز زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ اپنے ماں باپ سے یا اپنے شہروں کے معلموں سے سیکھتے، اور جب کوئی واقعہ پیش آتا تو سوا تعیین مذہب کے جس مفتی سے اتفاق پڑتا مسئلہ پوچھ لیتے۔

اہلحدیث کا مسلک

وکان من خبر الخاصة انه کان اهل الحدیث منهم یشتغلون بالحدیث فیخلص الیهم من احادیث النبی صلعم و اثار الصحابة مالا یحتاجون معه الی شئ اٰخر فی المسئلة من حدیث مستفیض او صحیح قد عمل به بعض الفقهاء ولا عذر لتارک العمل به او اقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعین مما لا یحسن مخالفتها فان لم یجد فی المسئلة ما یطمئن به قلبه لتعارض النقل وعدم وضوح الترجیح ونحو ذلک رجع الی کلام بعض من مضی من الفقهاء فان وجد قولین اختار اوثقهما سواء کان من اهل المدینة او من اهل کوفة وکان اهل التخریج منهم یخرجون فیما لا یجدونه مصرحا ویجتهدون فی المذهب وکان هؤلاء ینسبون الی مذهب اصحابهم فیقال فلان شافعی وفلان حنفی وکان صاحب الحدیث ایضا قد ینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقته به کالنسائی والبیهقی ینسبان الی الشافعی فکان لا یتولی القضاء ولا الافتاء الا مجتهد ولا یسمی الفقیه الا مجتهد ثم بعد هذه القرون کان ناس اٰخرون ذهبوا یمینا وشمالا وحدث فیهم امور منها الجدل والخلاف فی علم الفقه۔

(باب حکایت حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ۱۵۷/۱۵۸)

اور خواص لوگوں سے جو اہلحدیث تھے وہ حدیث کے ساتھ مشغول رہتے احادیث نبویہ اور آثار صحابہ ان کو اس قدر پہنچے کہ کسی مسئلہ میں ان کو اور چیز کی احتیاج نہ رہتی حدیث مشہور یا صحیح پہنچی جس پر فقہاء (مجتہدین) سے کسی نے عمل کیا ہو اور اس کے تارک کے لئے کوئی عذر نہ رہا ہو یا جمہور صحابہ اور تابعین کے اقوال پہنچتے جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں جن کی مخالفت اچھی نہیں اگر کسی مسئلہ میں تعارض نقل کی وجہ سے کسی جانب کو ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے اطمینان قلب نہ ہوتا تو فقہا متقدمین میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کرتے پس اگر دو قول ہوتے تو زیادہ پختہ قول کو اختیار کرتے خواہ مدینہ والوں کا ہو یا کوفہ والوں کا اور اہل تخریج (جو امام کے اقوال سے مسئلہ نکال کر بتلائے) وہ جس مسئلہ میں صریح قول نہ پاتے مذہب میں اجتہاد کرکے مسئلہ بناتے اور یہ لوگ اپنے اماموں کے مذہب کی طرف نسبت کئے جاتے مثلاً کہا جاتا کہ فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی ہے اور کبھی اہلحدیث کو بھی بہت مسائل میں کسی مذہب کے موافق ہونے کی وجہ سے اس مذہب کی طرف نسبت کرتے جیسے نسائی اور بیہقی شافعی کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں پس اس وقت قاضی اور مفتی مجتہد ہی ہوتا تھا اور مجتہد ہی کا نام فقیہ رکھتے تھے پھر ان زمانوں کے بعد اور لوگ پیدا ہو گئے جو دائیں بائیں جانے لگے اور کئی امور ان میں نئے پیدا ہو گئے جن سے جھگڑا اور خلاف بھی ہے جو علم فقہ میں ہے۔

حدیث کے مقابلہ میں مفتی کے قول یا فتویٰ کی کوئی اہمیت نہیں

چونکہ یہ بات (یعنی خیر قرون کا طریق) بھی مسلم ہے اس لئے انہی تین چار حوالہ جات پر اکتفا کر کے یہ بتلاتے ہیں کہ حدیث رسول کے مقابلے میں کسی مفتی کے فتویٰ یا کسی کے قول کی رعایت ہوتی تھی یا نہ شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صفحہ میں لکھتے ہیں۔

وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطا۔

صحابہ و تابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو حدیث پہنچی تو اس پر عمل کرتے بغیر اس کے کہ کسی شرط کی رعایت کریں۔

دارمی کے ص۲ میں ہے،

قال بن عباس اما تخافون ان تعذبوا او یخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال فلان

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ڈرتے نہیں کہ عذاب کیے جاؤ یا زمین و ھسائے جاؤ۔ اس بات پر کہ تم کہتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور فلاں نے کہا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل فلاں کا ذکر کرتے ہو۔

حدیث کے مقابلہ میں ابو بکرؓ اور عمرؓ کی رائے پر عمل کرنا ہلاکت کا سبب ہے،

تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۳۰۵ میں محمد بن عبد الملک کے ترجمہ میں ہے۔

عن ابن عباس قال تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عروۃ نھی ابو بکر و عمر عن التمتع فقال ابن عباس ما تقول عروۃ قال نھی ابو بکر و عمر فقال اراھم سیھلکون اقول قال رسول اللہ صلعم و یقولون قال ابو بکر و عمر قال ابن حزم انھا لعظیمۃ ما رضی بھا قط ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما۔

یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ نے تمتع کیا عروہ نے کہا ابو بکرؓ اور عمرؓ نے تمتع سے منع کیا ابن عباس نے کہا کہ اے عروہ تو کیا کہتا ہے کہا ابو بکرؓ اور عمرؓ نے منع کیا ابن عباسؓ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عنقریب ہلاک ہو جائیں گے میں کہتا ہوں رسول اللہ نے کہا اور یہ کہتے ہیں۔ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے کہا ابن حزم کہتے ہیں یہ بہت بڑی بات ہے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کبھی اس کو پسند نہ کرتے

عبد اللہ بن عمرؓ کی غیرت

ترمذی طبع مجتبائی کے ص۱۰۲ میں ہے،

عن ابن شھاب ان سالم بن عبد اللہ حدثہ انہ سمع رجلا من اھل الشام وھو یسال عبد اللہ بن عمر عن التمتع بالعمرۃ الی الحج فقال عبد اللہ ابن عمر ھی حلال فقال الشامی ان اباک قد نھی عنھا فقال عبد اللہ بن عمر

ارایت ان کان ابی نہی عنہا وصنعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلعم فقال الرجل بل امر رسول اللہ صلعم فقال لقد صنعہا رسول اللہ صلعم۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ نے ایک شخص کو اہل شام سے سُنا کہ عبداللہ بن عمرؓ سے تمتع کی بابت سوال کرتا ہے عبداللہ بن عمرؓ نے کہا حلال ہے سائل نے کہا تیرے باپ (عمرؓ) نے تو اس سے منع کیا عبداللہ بن عمرؓ نے کہا بھلا یہ بتلا کہ میرے باپ نے اس سے روکا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو تو کیا میرے باپ کا حکم مانا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے نیز ترمذی طبع مجتبائی کے صفحہ ۱۱ میں ہے،

سمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرای اشعر رسول اللہ صلعم ویقول ابوحنیفۃ ہو مثلۃ قال الرجل فانہ قد روی عن ابراہیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال فرایت وکیعا غضب غضبا شدیدا وقال اقول لک قال رسول اللہ صلعم وتقول قال ابراہیم ما احقک ان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا۔

میں نے ابوالسائب سے سُنا کہتے تھے کہ ہم وکیع کے پاس تھے وکیع نے ایک شخص اہل رائے کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار[1] کیا ہے اور ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ یہ مثلہ[2] ہے اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی نے بھی اسی طرح کہا ہے وکیع بڑے جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کہتا ہے ابراہیم نے کہا کس قدر لائق ہے کہ تو قید کیا جائے پھر قید سے نہ نکالا جائے یہاں تک کہ اس بات سے توبہ کرے۔

مسلم جلد اول طبع انصاری صفحہ ۳۴ میں ہے،

ان ابا قتادۃ حدث قال کنا عند عمران بن حصین فی رھط منا وفینا بشیر بن کعب فحدثنا عمران یومئذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء

---

[1] اشعار کہتے ہیں قربانی کے اونٹ کی کوہان میں زخم کر کے خون اوپر ملنا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا ہے ۱۲

[2] مثلہ کے معنی ہیں اطراف کا کاٹنا جیسے ناک کان ہاتھ پاؤں وغیرہ ۱۲

خیر کلہ او قال الحیاء کلہ خیر فقال بشیر بن کعب انا لنجد فی بعض الکتب او الحکمۃ ان منہ سکینۃ ووقارا للہ ومنہ ضعف قال فغضب عمران حتی احمرتا عیناہ وقال الا ارانی احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعارض فیہ قال فاعاد عمران الحدیث قال فاعاد بشیر فغضب فما زلنا نقول انہ منا یا ابا نجید انہ لا باس بہ۔

یعنی ابوقتادہ کہتے ہیں کہ ہم عمران بن حصین کے پاس تھے ایک جماعت میں اور ہم میں بشیر بن کعب بھی تھا پس عمران نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حیا سب خیر ہے بشیر نے کہا ہم بعض کتابوں یا حکمت میں پاتے ہیں کہ بعض حیاء اطمینان اور اللہ کیلئے عزت ہے اور بعض حیاء ضعف ہے عمران غضب[1] میں آ گئے یہاں تک کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں اور فرمایا کہ میں رسول کی حدیث سناتا ہوں اور تو اس کا معارضہ کرتا ہے پھر حدیث کو لوٹایا بشیر نے بھی اپنے کلام کو لوٹایا عمران زیادہ غضب میں آ گئے ہم ان کا غضب کم کرنے کے لئے یہی کہتے رہے کہ بشیر ہم سے ہے اس کے ساتھ ڈر نہیں یعنی یہ منافق یا بدعتی نہیں۔

اس قسم کے تشددات سلف کے حدیث کی بابت بہت تھے دیکھئے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر نے عورتوں کے مسجد میں جانے کی بابت حدیث سنائی توان کے بیٹے نے کہا وہ بہانہ بنالیتی ہیں ہم تو روکیں گے بس اتنی بات پر ایسے سخت ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک اس سے کلام نہیں کی کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ نہیں کہ حدیث کے سامنے انسان چون وچرا کرے یا کسی کے قول اور فتویٰ کی رعایت رکھے اسی واسطے

[1] عمران بن حصین کے غضب میں آنے کی وجہ دشتی کہ حیا سے کبھی نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ یہ ایک ظاہر بات ہے کہ بعض دفعہ انسان زیادہ شرم کی وجہ سے مسئلہ نہیں پوچھتا اسی واسطے بخاری کے صفحہ ۲۴ میں لکھا ہے کہ متکبر اور شرم والا علم نہیں سیکھ سکتا پس عمران بن حصین کے غضب میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ حیا کا فائدہ زیادہ ہے اور نقصان شاذ ونادر ہے ایسے شاذ ونادر نقصان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالعدم قرار دیکر حیاء کو مطلق خیر کہا ہے جیسے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلعم سارا شعبان روزے رکھتے تھے حالانکہ کچھ چھوڑ بھی دیتے تھے چنانچہ ترمذی کے صفحہ ۹۲ میں تصریح کی ہے پس جب اس محاورے پر رسول اللہ صلعم نے سب حیاء کو خیر کہا ہے تو اب اس کی تقسیم کرنا اور یوں کہنا کہ بعض اس کا اطمینان اور عزت ہے اور بعض ضعف ہے یہ سراسر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ تقسیم سے برابری کا شبہ ہوتا ہے یعنی اس سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ حیاء میں جیسے فائدہ بہت ہے ویسے نقصان بہت ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بس یہ وجہ تھی عمران بن حصین کے غضب میں آنے کی ورنہ شاذ ونادر نقصان سے کسی کو انکار ہے، فافہم ۱۲

امام مالک کہتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کی ساری باتیں لی جائیں مگر صاحب اس قبر کا یعنی رسول اللہ صلعم ہاں اگر قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو کسی سے پوچھے لیکن التزام ایک کا نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے اور پوچھے بھی یوں کہ اس مسئلہ میں خدا رسول کا کیا حکم ہے نہ یوں کہ فلاں امام کا کیا مذہب ہے کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں ایک مذہب کا التزام نہ تھا نہ کوئی یہ خیال رکھتا تھا نہ قرآن وحدیث میں ایک کی تعیین کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا۔ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما شفاء العی السوال (مشکوٰۃ باب التیمم) یعنی جہالت کی شفا پوچھنا ہے ایک مذہب کی تعیین کرنا اس آیت وحدیث کے خلاف ہے کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعین کی ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ آیت وحدیث میں مطلق ہے تو اب کسی دوسرے کو کیا اختیار ہے کہ وہ تعیین کرے۔

خلاصہ خلاصہ یہ کہ شیعہ اسلام میں تین باتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن وحدیث کا صاف فیصلہ ہوتے ہوئے کسی کے قول یا فتویٰ کی رعایت نہ رکھے **دوسری** یہ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں کے فیصلہ کو اپنی رائے پر مقدم کرے **تیسری** بات یہ ہے کہ اگر خود قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام تعیین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن وحدیث کا پوچھے بس یہی شیعہ اسلام ہے اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے اور اسی پر صحابہ کو چھوڑ کر رخصت ہوئے اب جتنا کوئی اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا اور جتنا اس سے نزدیک ہوگا اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا۔

مسلک اہلحدیث اور شیعہ اسلام میں کوئی فرق نہیں۔

اب ہم بتلاتے ہیں کہ وہ کونسا فرقہ ہے جو اس روش پر قائم ہے

اس کے بتلانے کی ضرورت تو نہ تھی کیونکہ ہر ایک کا طرز عمل ہی اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ میں اس روش سے کتنا دور ہوں اور کتنا نزدیک ہوں لیکن جس فرقہ کو ہم اس روش پر بتلانا چاہتے ہیں اس کے طرز عمل پر چونکہ غور نہیں کیا جاتا اور وہ دور دور ہی سے ان کو لامذہب اور ائمہ دین کے حق میں بے ادب اور گستاخ کہہ کر کوسا جاتا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا طرز عمل تحریر میں لائیں تاکہ کسی بھولے بھٹکے کو اس تحریر کے دیکھنے کا اتفاق ہو تو شاید برا کہنے سے باز آجائے اور اگر زیادہ اس کی خوش قسمتی ہو تو یہی طرز عمل اختیار کرے اگرچہ

اس طرزِ عمل کا کچھ ذکر حجۃ اللہ کی عبارت میں ص۳۲ پر بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں قدرے تفصیل مطلوب ہے لیجئے سنیئے، شاہ ولی اللہ صاحب الانصاف کے ص۳۲ تا ص۳۴ پر اہل حدیث کا طرزِ عمل بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

اہلحدیث کی یہ رائے نہ ہوئی کہ پہلے لوگوں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں کیونکہ وہ دیکھتے کہ پہلے لوگوں میں سے ہر ایک کے مذہب کے خلاف کئی احادیث اور آثار ہیں تو اگر ایک کی تقلید کرتے تو ان احادیث اور آثار کو چھوڑنا پڑتا حالانکہ طالب حق ایسا نہیں کر سکتا، پس انہوں نے ایسے چند قواعد کے ساتھ احادیث اور آثار صحابہ و تابعین و مجتہدین کی جستجو اختیار کی جو انہوں نے اپنے دلوں میں محکم کر رکھے تھے میں ان قواعد کو مختصر عبارت میں تیرے لئے بیان کرتا ہوں وہ یہ ہیں، جب کوئی مسئلہ قرآن میں صراحتہً ہوتا تو پھر کسی اور طرف نہ جاتے جب قرآن میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا تو حدیث فیصلہ کرنے والی ہوتی پس جب کتاب اللہ میں کوئی مسئلہ نہ پاتے تو حدیث کو لیتے خواہ وہ حدیث فقہاء میں مشہور ہو یا ایک شہر والوں نے یا ایک گھر والوں نے روایت کی ہو یا صرف ایک ہی سند سے مروی ہو اور خواہ صحابہ یا فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ اور جب کسی مسئلہ میں حدیث ہوتی تو پھر اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف کسی کے قول یا اجتہاد کی تلاش نہ کرتے اور جب کسی مسئلہ میں باوجود پوری تلاش کے کوئی حدیث نہ پاتے تو جماعت صحابہ کے اقوال اور جماعت تابعین کے اقوال لیتے لیکن ان میں سے کسی ایک قوم کے پابند نہ رہتے جیسے ان سے پہلے لوگ کرتے تھے پس جس مسئلہ پر جمہور علماء اور فقہاء متفق ہوتے اسی کی اتباع کرتے اور جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو خلفاء اور فقہاء میں سے جو زیادہ عالم اور پرہیزگار ہوتا اس کی حدیث کو لیتے یا اس کی حدیث لیتے جو حدیث میں ان کے نزدیک زیادہ ضبط والا یا زیادہ مشہور ہوتا پس اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں دو قول برابر ہوتے (یعنی دلیل کی رو سے ایک دوسرے پر ترجیح نہ ہوتی) تو وہ مسئلہ دو قول والا ہوتا پس اگر اقوال صحابہ و تابعین سے بھی عاجز ہو جاتے (یعنی کسی کا قول نہ پاتے) تو قرآن و حدیث کے عمومات اور اشارات میں اور ان معانی میں جن کو عبارت چاہتی ہے غور کرتے (یعنی قرآن و حدیث میں اجتہاد) اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر حمل کرتے جب کہ دونوں مسئلے سرسری نظر سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے (یعنی آپس میں بہت مشابہ ہوتے، اور دوسرے فقہاء کی طرح اصولیہ کے (مقررہ) قواعد پر اعتماد نہ رکھتے بلکہ جو فہم کی طرف پہنچتا اور جس سے سینہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے (یعنی دل تسلی پکڑتا ہے)

اس پر اعتماد کرنے جیسے کہ تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں نہ نقل کرنے والوں کے اوصاف کا اعتبار ہے، بلکہ جتنے عدد سے یقین ہو جائے (خواہ عدد تھوڑا ہو یا بہت اور نقل کرنے والے عادل ہوں یا غیر عادل) جیسا کہ صحابہ کے حال میں ہم نے اس پر آگاہ کیا ہے (یعنی جیسے صحابہ کی بھی بالکل یہی حالت تھی کہ ان کا مقررہ قواعد پر اعتماد نہ تھا بلکہ جس طرح دل کی تسلی ہوتی اس پر اعتماد کرتے) اور یہ اصول اہلحدیث کے پہلے لوگوں (یعنی سلف) کے طرز عمل اور ان کی تصریحات سے لئے گئے (چنانچہ سلف کے طرز عمل کی تفصیل ہو چکی ہے)

اہلحدیث پر طعن درحقیقت صحابہ پر طعن ہے

ناظرین! اہلحدیث کے اس طرز عمل کا مقابلہ صحابہ کی روش سے کر کے بتلائیں کہ اہلحدیث کیسے صحابہ کے قدم بقدم ہیں حریفوں پر بڑا افسوس ہے کہ وہ اہلحدیث پر طعن کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ہم درحقیقت صحابہ پر طعن کر رہے ہیں ہاں اگر صحابہ کی روش کسی کو پسند نہ ہو تو اس کی مرضی وہ جتنا چاہے طعن کرے ایسے طعن کرنے والے پر کچھ افسوس نہیں کیونکہ وہ تو اپنے اسلام ہی کی خیر منائے بیٹھا ہے لیکن جو صحابہ کو اچھا کہتا ہے وہ خدا جانے کیوں طعن کرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ

بر بزرگاں سخن بسوئے خود است   تف بسوئے فلک بروئے خود است

طائفہ منصورہ اہل حدیث ہیں

اور سب سے بڑھ کر اس شخص پر افسوس ہے جو مذہب اہلحدیث کو نیا سمجھتا ہے حالانکہ جو طرز عمل سلف کے موافق ہو اور عین منشاء اسلام ہو اس کے نیا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں خصوصاً جبکہ حدیث لاتزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق کے مصداق بھی اہلحدیث ہی ہوں اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرقہ کے ہمیشہ حق پر رہنے کی پیشین گوئی فرمائی ہے،

امام بخاری کی شہادت

امام بخاری کہتے ہیں اس سے مراد اہل علم یعنی اہلحدیث ہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک اصل علم حدیث کا علم ہے اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاد علی بن مدینی سے نقل کیا ہے ہم اصحاب الحدیث یعنی اس

سے مراد اہل حدیث ہیں۔

امام احمد کی شہادت

امام احمد کہتے ہیں ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم یعنی اگر اس سے مراد اہلحدیث نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۲۹ صفحہ ۹۷۔

ف ، بعض کہتے ہیں کہ مذہب اہلحدیث نو پیدا ہے مگر نام اہل حدیث نیا ہے تو اس کی بابت عرض ہے کہ نام بھی پرانا ہے کہ یہ لقب خیر قرون سے چلا آتا ہے اور امام احمد اور علی بن مدینی کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ یہ لقب بہت پرانا ہے اس کے علاوہ مسلم کے شروع میں باب الاسناد من الدین میں ہے عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم۔ یعنی محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ اسناد کا سوال نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہو گیا تو کہتے کہ راویوں کے نام بتلاؤ پس اہلسنت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث ترک کی جاتی محمد بن سیرین مشہور تابعی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوتا کہ اہل سنت کا لقب ان سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ ماضی رگذشتہ کا حال سنا رہے ہیں اور سنت اور حدیث ایک شے ہے تو اہل حدیث بعینہٖ اہل سنت ہوئے اسی بنا پر امام احمد اپنے رسالہ کے شروع میں جو عقائد میں انہوں نے لکھا ہے اور ہندوستان میں مترجم ہو کر چھپ چکا ہے فرماتے ہیں ھذہ مذاھب اھل السنۃ واصحاب الاثر واھل السنۃ المتمسکین بعروقھا المعروفین المقتدی بھم فیھا من لدن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا وادرکت علیھا من علماء الحجاز والشام وغیرھم۔ یعنی یہ اہلسنت اور اہلحدیث کے عقائد ہیں اور اہل سنت کے جو سنت کے وستاویز سے تمسک کرنے والے ہیں جو اس میں مشہور اور مقتدی ہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اور جس پر میں نے علماء حجاز اور شام وغیرہ کو پایا۔

اس رسالہ کے اخیر پر فرماتے ہیں۔ یرحم اللہ عبدا قال الحق واتبع الاثر وتمسک بالسنۃ یعنی رحم کرے اللہ اس بندے پر جس نے حق کہا اور اثر کی اتباع کی اور سنت سے استدلال کیا۔

ان دونوں عبارتوں میں اثر سے مراد روایات صحابہ ہیں اور سنت سے مراد حدیث ہے اور اہلحدیث ان دونوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی لئے کبھی ان کو سلفی کہتے ہیں کبھی اہل حدیث کبھی اصحاب الاثر کبھی اصحاب الحدیث وغیرہ پس معلوم ہوا کہ اہلحدیث بعینہٖ اہل سنت ہیں اور یہ لقب حدیث ما انا علیہ واصحابی سے ماخوذ ہے ما انا علیہ احادیث ہیں واصحابی روایات صحابہ ہیں اس کے بعد اصحاب الرائے پیدا ہو گئے جن کا زیادہ تر تقلید تحصیل احادیث اور نقل اخبار کی طرف نہ رہا وہ لقب اہلسنت کے پورے مستحق تو نہ تھے مگر چونکہ عقائد کے رو سے وہ قریب قریب صحابہ کے تھے اس لئے ان کے حق میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہا بس اس طرح سے اہلسنت کا لفظ پھیل گیا

اکابر اہل حدیث

اس کے علاوہ اور سنیئے شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص۳۰ میں لکھتے ہیں۔

فکان رؤس ھؤلاء عبد الرحمن بن مھدی ویحیی بن سعید القطان ویزید بن ھارون وعبد الرزاق وابوبکر بن ابی شیبۃ ومسدد وھناد واحمد بن حنبل و اسحٰق ابن راھویہ والفضل بن دکین وعلی بن المدینی واقرانھم۔

یعنی اہل حدیث کے بڑے یہ لوگ ہیں عبد الرحمن بن مہدی یحیی بن سعید قطان یزید بن ہارون عبد الرزاق ابوبکر بن ابی شیبہ مسدد۔ ہناد احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ فضل بن دکین علی بن مدینی اور ان کی مثل۔

بتلایئے ان لوگوں کا مذہب نیا تھا یا پرانا اصل میں جن لوگوں نے مذہب اہل حدیث کو نیا سمجھا ہے ان کو ہندوستان سے دھوکا لگا ہے کیونکہ ہندوستان میں پچاس ساٹھ سال سے کچھ قبل مذہب اہلحدیث

بقیہ حاشیہ۔ اصل اہلسنت اہلحدیث ہی ہیں کیونکہ اہلسنت درحقیقت وہ ہے جو ہر طرح سے سنت سے تعلق رکھے یعنی اصول فروع عقائد احکام میں ہر طرح سنت کا پابند رہے، جیسے صحابہ کا طرز عمل تھا جو خصوصاً اسابعی اس طرز سے ہٹا وہ اصل اہلسنت کہلانے کا مستحق نہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت جو پیچھے گذر چکی ہے اس میں جملہ وبینھما المحققون من اھل السنۃ کاحمد واسحاق اسی طرف اشارہ ہے پس ثابت ہوا کہ اصل اہل سنت اہل حدیث ہیں اور اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کا لفظ جو اہل بدعت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ پورا اہلسنت بننے کے لئے صرف عقائد ہی کافی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقائد میں صحابہ کے موافق رہتا ہے وہ قدرے قرب میں رہتا ہے نیز اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ وہی اصل لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جب کہ تفریق اسلامی کا نام ونشان تک نہ تھا فرقے وہ لوگ ہیں جو ان سے الگ ہو گئے خواہ عقائد میں الگ ہوئے ہوں یا تحصیل احادیث اور نقل اخبار کا زیادہ قصد نہ کرنے کی وجہ سے الگ ہوئے ہوں ہاں کبھی مجازاً اوروں کے مقابلہ میں ان کو بھی فرقہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہلسنت یا بالفاظ دیگر اہلحدیث اس شاہراہ پر ہیں جو بمنزلہ اصل کے ہے جو کلکتہ سے سیدھی پشاور کو جاتی ہے باقی سب ادھر ادھر کی پگڈنڈیاں ہیں ان اہل حدیث کے مقدمہ قرب میں ہیں اصحاب الرائے وغیرہ ہیں فافہم ۱۲

لے یہ اہل حدیث کے بڑے تو اصل میں صحابہ ہیں تابعین اور اگلوں کو چھوڑ کر اس وقت کے لحاظ سے کہا ہے جب کہ اہل رائے کا چرچا ہوگیا کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کو اہل رائے کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔

فافہم ۱۲۔

کا چنداں چرچا نہ تھا اس سے بعض کوتہ نظروں نے یہ سمجھ لیا کہ مذہب اہل حدیث کی عمر ہی کل پچاس ساٹھ سال کی ہے حالانکہ اس کی عمر سب مذاہب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ سب مذاہب سے پہلے موجود تھا اور جب مختلف مذہب پیدا ہو گئے تو بھی ہر زمانہ میں موجود رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور تقلید شخصی

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو ایک خط لکھا جس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میلاد مروجہ میں ذکر ولادت کے علاوہ بہت سی تخصیصات اور قیودات ہیں جیسے خاص دنوں میں ہونا مجمع میں ہونا اس کے لئے فرش فروش اور روشنی کا انتظام ہونا ذکر کے لئے خاص طریق مقرر ہونا اور پھر ایک موقعہ پر پہنچ کو سب مجمع کا کھڑے ہو جانا اس قسم کی تخصیصات اور قیودات کی وجہ سے مولوی اشرف علی صاحب کو کچھ اشتباہ ہو گیا اس اشتباہ کو دور کرنے کے لئے انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو یہ خط لکھا جس کے ضمن میں تقلید کا ذکر بھی آ گیا یہ خط بہت طویل ہے ہم بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں اس کے بعد مولوی رشید احمد صاحب کا جواب نقل کریں گے ان شاء اللہ

مولوی اشرف علی صاحب کے خط کی نقل

اب اس وقت دو امر قابل عرض ہیں کہ تقلید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جب کہ اس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر مندوب وموجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب وموجب قرب سمجھا جاوے در صورت اولیٰ تقییدات عادیہ میں شبہ ہو گا اور صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناءً علی مصلحۃ تا عادت سمجھا جاوے تو فی نفسہ اس میں قبح نہ ہو گا اگر مودی بفساد عقیدہ عوام جہلاء ہیں قبح بغیرہ ہو گا لیکن اسکا عامل زبان سے اصلاح عقیدہ عوام کا اعلان کرتا ہے اس وقت بھی رہیگا یا نہیں۔ اگر نہ رہیگا فبہا اور اگر رہے گا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو وافراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں

ہیں ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا مثلاً تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل و فتویٰ وجوب ایسی کا مؤید ہے گو خود ان کو علی سبیل الفرض اس قدر غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت و منازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مؤدی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اس کی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے غرض اتفاق و اختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا مترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کرلیں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا اگر اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہب کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائرہ منحصر ان چاروں میں ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوائی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہ ہوا البتہ ایک واقع میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جائے باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان و وجوب مشہور و معمول ہے سو اس کا قیح کس طرح مرتفع ہوگا انتہی بلفظہ

(تذکرۃ الرشید جلد اول صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۱)

مولوی رشید احمد صاحب کا جواب

از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایئے خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے چار مقامات تحریر بندہ کو تسلیم کرلیا اور قبول فرمایا البتہ تقلید

شخصی کی نسبت کچھ تردد آپ کو باقی ہے لہٰذا اس کا جواب لکھوا دیتا ہوں مقید بامر مباح میں اگر مباح تو تھے
نہ گنتے ہے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر دونوں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا اس مقدمہ
کو خوب تسلیم کرتے ہو اب تقلید کو سنو کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے، بقولہ تعالیٰ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ
اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور بوجوہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد
پیدا ہوئے کہ آدمی بسبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتے ہے اور اپنی ہوائے نفسانی کا
اتباع گویا اس میں لازم ہے کہ طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے ان امور کے سبب باہم
نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور
اس بہتان کا مرتکب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع
من اللہ ہوگئی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہوگئی اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی دو نوع ہیں
شخصی و غیر شخصی شخصی بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدون اپنے کسی فرد کے محال ہے پس
جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہو گئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے
فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدون اسی ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ
ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا ان سے واجب ہوگا اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری
نوع اس نقصان سے سالم ہو تو وہی فرد خاص مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان
ہو تو اس نقصان کو ترک کرنا واجب ہوگا نہ اس فرد کا، یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے اسی واسطے
تقلید غیر شخصی کو فقہا نے کتابوں میں منع لکھا ہے مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد
مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کی تقلید غیر شخصی اب بھی جائز
ہوگی مگر اتنا دیکھنا چاہیئے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دونوں
فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل
ہیں پس اس کا حال قیود مجلس میلاد سے جدا ہے بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے
ہیں ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شئے ہے اور فرش فروش روشنی وغیرہ
قیود مجوزہ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدون ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا
ہے سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں معہذا اوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال

معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہو گا تو جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزو بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال وحرام سے حرام ہوتا ہے یہ کلیہ فقہ کا ہے میں امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تقریر کا جواب حاصل ہو گیا ہو گا جو آپ نے دربارۂ تقلید لکھی ہے لہٰذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو انتہی کلامہ (تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳۲۔۱۳۳)

محدث روپڑی صاحب فرماتے ہیں۔

مولوی رشید احمد صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ میں مطلق تقلید کا حکم ہے اور اس کی دو نوع ہیں شخصی اور غیر شخصی۔ غیر شخصی اگرچہ کچھ مدت تک جاری رہی مگر بعد ایک مدت کے اس میں مفاسد پیدا ہو گئے اس لئے یہ ممنوع ہو گئی اور تقلید شخصی واجب ہو گئی کیونکہ مطلق تقلید کے ادا کرنے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے اور اس میں بھی کچھ مفاسد پیدا ہوں تو ان مفاسد کو دور کرنا چاہیئے نہ کہ تقلید شخصی کو حرام کہا جائے۔

ناظرین خیال فرماویں کہ اس جواب میں مولوی رشید احمد صاحب نے کیسے آنسو پونچھے ہیں اتنا خیال نہیں کیا کہ جب تقلید غیر شخصی مفاسد کی وجہ سے ممنوع ہو گئی تو تقلید شخصی کیوں ممنوع نہ ہوگی اور جیسے تقلید شخصی سے پیدا شدہ مفاسد دور ہو سکتے ہیں تو تقلید غیر شخصی سے مفاسد کیوں دور نہیں ہو سکتے ؟ اگر یہ خیال ہو کہ تقلید غیر شخصی میں مفاسد زیادہ ہیں تو یہ بھی خلاف واقعہ ہے چنانچہ ہم نے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۸۲ سے صفحہ ۸۵ تک اس کی کافی تفصیل کی ہے اور مولوی اشرف علی صاحب کا مذکورہ بالا خط بھی اس کا شاہد عدل ہے بلکہ تقلید غیر شخصی میں قطعاً مفاسد نہیں کیونکہ خیر قرون کی روش ہے اور جو مفاسد مولوی رشید احمد صاحب نے ذکر کئے ہیں وہ حقیقت خیر قرون کی روش کی مخالفت کی ہو کر تقلید شخصی شروع کر دی ہو یا اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ قرآن وحدیث کا مطلب سلف کے خلاف سمجھا ہو اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ اپنی پیدائش وفات بیاہ شادی وغیرہ میں افراط وتفریط سے کام لیا ہو بہر صورت سب مفاسد کا منبع مخالفت سلف ہے مذہب سلف اگر مفاسد کا منبع ہو تو ان کو خیر قرون

کہنا ہی صحیح نہیں کیونکہ خیر قرون کے معنے یہ ہیں کہ ان کی روش سب روشوں سے بہتر ہے۔
پھر اخیر میں مولوی رشید احمد صاحب نے میلاد مروجہ اور تقلید میں جو فرق بتلایا ہے کہ ذکر ولادت ان قیود کے بغیر ہو سکتا ہے اور تقلید کا وجود بدوں ان فصول (شخصیت اور غیر شخصیت) کے محال ہے یہ بھی غلط ہے کیونکہ خیر قرون میں (حسب زعم ان کے) تقلید تھی اور شخصیت نہ تھی اور مقلدین میں تقلید ہے اور غیر شخصیت نہیں پس دونوں کے بغیر تقلید کا وجود پایا گیا۔
اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ تقلید کا وجود ہو اور وہاں نہ شخصیت ہو نہ غیر شخصیت تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے شخصیت کے ساتھ غیر شخصیت کو لیا ہے اسی طرح میلاد میں قیود کے ساتھ غیر قیود کو لیا جائے تو تقلید میں اور میلاد میں کچھ فرق نہیں رہے گا یعنی جیسے تقلید میں شخصیت اور غیر شخصیت سے ایک کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ذکر ولادت میں قیود اور غیر قیود سے ایک کا ہونا ضروری ہے پس جیسے شخصیت غیر شخصیت فصل ہیں اسی طرح قیود و غیر قیود بھی فصل ہوں گے۔
یہ جواب تو مولوی رشید احمد صاحب کی روش کے موافق تھا اب اصل تحقیق سنیے۔

اصل تحقیق

مولوی رشید احمد صاحب نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے اور تقلید کی خاصیت ہی ایسی ہے کہ اس کے مرتکب کو سیدھی بات نہیں سوجھتی کیونکہ تقلید خود ایک بڑا مصادرہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شخصیت کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ جب مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو تو کسی شخص سے پوچھے غیر شخص سے نہ پوچھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شخصیت محل نزاع نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا میں جو ہے شخص ہی ہے نہ کہ غیر شخص تو غیر شخص سے پوچھنے کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ پوچھنے کے لئے ایک شخص کو معین کرے یعنی دل میں اس بات کا التزام کرے کہ ہر مسئلہ فلاں شخص سے پوچھوں گا یہ شخصیت محل نزاع ہو سکتی ہے اور ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کا التزام نہ کرے خواہ ایک سے پوچھنے کا اتفاق ہو یا کئی ایک سے اتفاق ہو تو اس کا غیر شخصیت ہونا ظاہر ہے لگر ایک سے اتفاق ہو تو اس کے غیر شخصیت

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے التزام نہیں کیا مثلاً وہ ایک جگہ رہتا ہے اور وہاں ایک ہی عالم ہے تو اسی سے ہمیشہ مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتا ہے مگر دل میں یہ التزام نہیں کہ اگر کوئی دوسرا عالم یہاں آجائے یا مجھے دوسری جگہ جانے کا اتفاق ہو تو پھر بھی اسی کا مسئلہ مانوں گا تو یہ صورت غیر شخصیت ہی ہو گی کیونکہ اس نے شخص معین کا التزام نہیں کیا بلکہ اتفاق ایسا ہو گیا کہ وہ ایک ہی سے پوچھا رہا۔

جب شخصیت کے دونوں معنے معلوم ہو چکے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ دوسرا محل نزاع ہے نہ کہ پہلا تو اب بتلائیے کہ اس التزام کو مسئلہ پوچھنے میں کیا دخل ہے ظاہر ہے کہ کوئی دخل نہیں جیسے میلاد مروج میں ذکر ولادت کے ساتھ قیود زائد لگے ہوئے ہیں جن کو مولوی رشید احمد صاحب نے امور منضمہ کہا ہے اسی طرح کسی سے مسئلہ پوچھنے کے ساتھ اس قسم کا التزام ایک قید زائد یا امر منضم ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ میلاد مروج کو تو بدعت کہا جائے اور تقلید شخصی متنازعہ فیہ کو بدعت نہ کہا جائے۔

منطقی اصلاحات میں ڈبل غلطی

مولوی رشید احمد صاحب نے اس جگہ منطقی اصلاحات میں بڑی ڈبل غلطی کی ہے خدا جانے مہارت ذہنی یا تقلید کے اثر سے ایسا ہوا دیکھئے! شخصیت کے معنے میں دھوکہ کھا کر اس کو فصل قرار دینا تو الگ رہا اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت کو بھی فصل قرار دے رہے ہیں حالانکہ غیر شخصیت مفہوم عدمی ہے جو کسی صورت وجودی شے (تقلید) کا فصل بننے کے قابل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر دیکھئے یہ کس قدر غلطی کی ہے کہ فرماتے ہیں مطلق تقلید مامور ہے بقولہ تعالیٰ۔ فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ

ملہ: اگر کہا جائے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کلام میں شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہے صرف فرق اتنا ہے کہ شخصیت میں اس بات کا التزام ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی سے پوچھوں گا کوئی مسئلہ کسی سے پس جب غیر شخصیت سے مراد بھی التزام ہوا تو بوجہ وجودی ہونے کے اس کا فصل بنا صحیح ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کلام میں غیر شخصیت کا یہ معنیٰ صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ شخصیت غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیران فصول کے محال ہے اگر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہو تو ان دونوں کے بغیر تقلید پائی جاتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ التزام نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے خواہ ایک سے اتفاق پڑے یا کئی ایک سے چنانچہ ابھی تفصیل ہو چکی ہے پس

اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور اس کی حد نوع شخصی اور غیر شخصی قرار دی ہیں؟ اور یہ خیال نہیں کیا کہ جس مطلق تقلید کا امر اس آیت میں ہے وہ غیر شخصی ہے کیونکہ التزام کی قید نہیں اور قرآن و حدیث میں جو قید نہ ہو اس قید کا اضافہ کرنا قرآن و حدیث کی مخالفت ہے تو پھر شخصی اس کا نوع کیسے بنی اگر اس کو اصولی طور پر سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ۔ نورالانوار وغیرہ میں لکھا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اس آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے تو حدیث کے ساتھ اگر فاتحہ کی تعیین کی جائے تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو نسخ ہے پس اسی طرح تقلید شخصی کو فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ کے خلاف سمجھنا چاہیے نہ کہ اس امر میں داخل ہے بلکہ زیادہ خلاف سمجھنا چاہیے کیوں کہ تقلید کی بابت تو کوئی حدیث بھی نہیں آئی۔

اگر اور وضاحت کی ضرورت ہو تو سنیئے۔

عام بول کر خاص من حیث الخاص کا ارادہ کرنا مجاز ہے کیونکہ اس کی حیثیت سے یہ خاص لفظ کا موضوع نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ لفظ کو مجازی معنے پر حمل کرنا اس لفظ کی مخالفت ہے اسی لئے مجازی معنے کے لئے کوئی قرینہ قائم کرنا پڑتا ہے جب خاص کر یہ حالت ہے تو بتلایئے

شخصیت غیر شخصیت فضول ذر ہے کہ بغیر ان کے تقلید کا وجود محال ہو نیز مولوی رشید احمد صاحب نے کہا ہے کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے بقولہ تعالیٰ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور بوجہ نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ انسان بہ سبب اس کے لاابالی بیضدین سے ہو جاتا ہے، یہ عبارت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ غیر شخصیت سے مراد التزام نہیں کیونکہ جو غیر شخصیت پہلے زمانہ میں تھی جب سے بعد ایک مدت کے مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک مفاسد پیدا ہونے شروع ہو گئے، وہ التزام نہ تھی بلکہ وہ یہ تھی کہ جس سے اتفاق پڑتا مسئلہ پوچھ لیتے خصوصاً خیر قرون کے زمانہ میں پس غیر شخصیت سے مراد التزام ہونا مولوی رشید احمد کے کلام میں صحیح نہیں پھر غیر شخصیت بمعنی التزام کو شخصیت کے مقابل قرار دینا فضول ہے کیونکہ فرقہ اہلحدیث اس غیر شخصیت کا قائل نہیں جن کی طرف مولوی رشید احمد صاحب اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے دین سے لاابالی ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس صورت میں جتنے اعتراضات شخصیت پر ہیں وہ سب غیر شخصیت پر بھی ہوں گے مثلاً میلاد مروج کی طرح اور اس میں قید زائد التزام کا ہونا اور بوجہ اس کے اس کا فعل نہ بنتا اور اس کا نوع مامور بہ نہ رہنا اور خیر قرون بلکہ اجماع کے خلاف ہونا بلکہ آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اور حدیث اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ کے بھی خلاف ہونا اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کہ امام نا معلوم ہو کر کسی طرف جھکنے کا التزام نہ کرے، کے بھی خلاف ہونا اور بوجہ بدعت ہونے کے بہت سے مفاسد کا اس پر مرتب ہونا چنانچہ تعریف اہلحدیث میں

کہ تقلید شخصی جس کی حقیقت میلاد مروجہ کی طرح امر منتظم سے پیدا ہوئی ہے، اس آیت میں نوع مامور بہ کس طرح بنی؟ ؎

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر برو نعمانی
چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اسی لئے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۸۲ سے صفحہ ۹۰ تک ہم نے بڑے زور شور سے لکھا ہے کہ تقلید شخصی قرآن وحدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے اور آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ وغیرہ میں جس سوال کا ذکر ہے اول تو وہ تقلید ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی اتباع ہے اگر کوئی زبردستی اس کا نام تقلید رکھے تو اس کی خوشی وہ خواہ مجتہد کو بھی مقلد کہہ دے کیونکہ مجتہد بھی قرآن وحدیث کی اتباع کرتا ہے، سچ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ایک بات یہاں اور سمجھیئے۔ جس تقلید کی نسبت اصل نزاع ہے وہ چار اماموں کی تقلید ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کسی امام سے مسئلہ پوچھنے کے وقت یوں کہا جائے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے اور آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ میں جس سوال کا ذکر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ علم نہ ہو تو کسی علم والے کو کہے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے نہ کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم امام ابوحنیفہؒ کو یا کسی اور امام کو دے کر یوں کہے کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے اب بتلایئے کہ اس آیت کو تقلید متنازعہ فیہ سے کیا تعلق، اگر امام صاحبؒ زندہ ہوتے تو ان سے بھی سوال ہوتا کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے اور اَهْلَ الذِّكْرِ میں ذکر سے مراد کتاب اللہ ہے یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خدا اور رسول ہی کا ارشاد پوچھے بلکہ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے بعد بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ جو ہے وہ بھی اسی طرف ارشاد ہے اور سیاق کی شان بھی یہی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا ارشاد پوچھے نہ یہ کہ کسی امام کے مذہب کا التزام کر کے یوں سوال کرے کہ فلاں امام کا کیا ارشاد ہے پھر خدا لگتے اس آیت کو محل متنازعہ فیہ میں کیونکر پیش کیا

؎ اگر کہا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا قول پوچھنے سے مقصود خدا و رسولؐ ہی کا حکم تو اس کا جواب ہو چکا کہ بحث ربانی [illegible]

جاتا ہے اس آیت میں نہ اس التزام کا کوئی ذکر ہے نہ اس طرح سوال کرنے کا کوئی ارشاد ہے ان باتوں پر اس آیت سے استدلال کرنا الفاظ آیت سے نہایت بعید ہے تعجب ہے کہ اصولِ فقہ میں تو خبرِ واحد سے مطلق کو مقید کرنے کی اجازت نہیں دی یہاں اپنی طرف سے ہی سب تصرفات ہو رہے ہیں۔ ؎

جہاں ہمارا زدا الجلال   گدھا تجربہ سبھی حلال

واللہ اس پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ ایک کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو طرح سے کرتے ہیں جیسے نماز سے سلام پھیر کر کبھی دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا کبھی بائیں طرف اس میں ایک جانب کا التزام تو شیطانی کام ہو جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے اور ایک دوسرا کام جس پر عمل ہونا نہ کچھ قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے بلکہ اصولِ فقہ کے بھی خلاف ہے اس کو آج رحمانی کام کہا جاتا ہے بلکہ اعلیٰ سے بھی اعلیٰ درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یعنی فرض خیال کیا جاتا ہے۔ ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ فقہا کے گدی نشینوں کی بے خبری آج کہاں تک نوبت پہنچا رہی ہے خیر اور علوم خاص کر قرآن و حدیث سے ان کی بے خبری تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ تقلید کی اندھیری کوٹھڑی میں پڑے ہیں مگر جب ہم ان کے اصولِ فقہ میں جو ان کے تقلیدی مذہب کی روح رواں ہے کمزور پاتے ہیں تو بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے،

مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی

شیطان غیر مقلد ہے؟

سوال — مولوی مرتضیٰ حسن نے العمل مجریہ ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھا ہے کہ۔

ونعوذ باصول سے غلطی کی وجہ سے قرآن و حدیث کا خلاف ہو جاتا ہے تو مجتہدین کا ہر قول خدا اور رسول کا حکم کس طرح ہوا۔ پھر جب مقصود خدا و رسول ہی کا حکم ہے تو خدا و رسول ہی کا نام کیوں نہ لے ان کا واسطہ پکڑنے سے کیا فائدہ اگر مقصود یہ اور فقط یہ شرط ہے سے دین کا دارومدار ایک شخص پر کر کر اسی کے مذہب کا التزام کر کے ہر مسئلے میں اسی کا قول پوچھنا اس کا کیا ثبوت بلکہ خیر قرون کی روش کے خلاف ہے پھر یہ کہ یہ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل نہیں بلکہ اسکی مخالفت ہے

قول خدا اور حدیث رسول حکم ہے اور حکم اور ہوتا ہے اور دلیل اور۔ آدم کو سجدہ کرو یہ حکم اپنے نفس کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا جو اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کے لئے دلیل ہے وہ یہاں مذکور نہیں اس وجہ سے اس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی، بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے اور شیطان نے اس حکم کو بلا دلیل نہ مانا غیر مقلد ہو کر کافر و مرتد ہو گیا ان کا یہ لکھنا کس حد تک درست ہے؟

ایک سائل

جواب: شیطان چونکہ بحکم آیت کریمہ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الآیۃ) اپنی ہوا کا مقلد ہے اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو شیطان کا مقلدین کے ساتھ ہونا ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے انہوں نے اس کے غیر مقلد بنانے کی کوشش کی جس کی صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ تقلید کا معنی بدل دیا۔ یعنی یوں کہا کہ اس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے حالانکہ تقلید کا یہ معنیٰ آج تک کسی نے نہیں کیا یعنی تقلید کی تعریف میں یہ کسی نے شرط نہیں کی کہ قول کے ساتھ اسکے واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہ ہو بلکہ اگر قول کے ساتھ دلیل ذکر ہو مگر وہ سمجھ میں نہ آوے اور اس حالت میں اس قول کو بغیر معرفت دلیل کے تسلیم کر لیا جائے تو فقہاء کی تعریف کے مطابق یہ تقلید ہوگی کیونکہ فقہاء کے نزدیک تقلید یہ ہے کہ بغیر معرفت دلیل کے کسی قول کا لینا اور اگر دلیل کے تسلیم کر لیا جائے تو فقہاء، سنتے ہی دلیل کی طرف ذہن منتقل ہو جائے تو ایسی حالت میں یہ قول کا تسلیم کرنا فقہاء کے نزدیک تقلید نہ ہوگی کیونکہ قول کو بغیر معرفت دلیل کے نہیں لیا۔ غرض دلیل کے ذکر و عدم ذکر کو تقلید کی تعریف میں کوئی دخل نہیں۔ قول خدا کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل چونکہ قائل کا خدا ہوتا ہے جس کی طرف ہر ایک کا ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے اس لئے شیطان اگر اس کو تسلیم کرتا تو مقلد نہ ہوتا بلکہ نہ تسلیم کرنے کی صورت میں مقلد ہونا لازم آتا ہے چنانچہ نہ تسلیم کرنے کے بحکم آیہ کریمہ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (الآیۃ) ہوا کا مقلد ہو گیا۔

سوال: مولوی مرتضیٰ حسن نے لکھا ہے کہ:

شیطان یعنی یا تو خداوند کے قول اور اس کی حکومت کی وجہ سے اس کے قول کو مطلقاً واجب التسلیم نہیں جانتا تھا یا جانتا تھا مگر یہ شرط تھی کہ وہ قول موجّہ اور حکمت کے موافق ہو اس کے قول کو عین حکمت نہیں جانتا تھا اور نہ انکار نہ کرتا اور تعمیل بھی کرتا اور نہ اگر تعمیل نہ ہو تو انکار تو

ضرور نہ ہوتا اب ارشاد خداوندی اسجدوا لآدم اس کے نزدیک بے دلیل تھا اب وہ سجدہ کرتا تو تقلید ہوتی اور تقلید اس کے نزدیک ناجائز تھی لہٰذا وہ ترک تقلید کی وجہ سے کافر مرتد سب کچھ ہوا مگر اس نے اس قول کو بلا دلیل تسلیم نہ کیا۔ العدل ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء

مولوی مرتضیٰ حسن کی اس تحریر کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

جواب: مولوی مرتضیٰ حسن کے خیال میں شیطان باوجود خدا کو خدا ماننے کے اور باوجود فرشتوں کا استاد ہونے کے یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا عبث اور بیہودہ سے پاک ہے غلطی سے مبرا ہے جس کا قول عین حکمت ہے دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ شیطان نے انکار کیا اگر خدا کا قول عین حکمت سمجھتا تو انکار نہ کرتا اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس نے سرکشی پر کمر باندھی ہو وہ باوجود علم کے بھی انکار پر تلا رہتا ہے کیا عناد اور ہٹ دھرمی کا بھی کوئی علاج ہے میرے خیال میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے نزدیک شیطان انصاف پرست تھا۔ معاذ اللہ۔

یہ تو ایسا ہوا جیسے آج کل کے متصوفہ (زنادقہ صوفی) کہتے ہیں کہ شیطان بڑا موحد تھا اسی لئے اس نے غیر کو (یعنی آدم کو) سجدہ نہیں کیا گویا خدا نے غلطی کی نعوذ باللہ۔

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب بھلا یہ تو بتلائیے کہ شیطان خدا کو خدا جانتا تھا یا نہ اگر نہیں جانتا تھا تو مدت تک اس کی عبادت کیوں کرتا رہا۔ اگر جانتا تھا تو کیا خدا کی خدائی اس کے نزدیک اطاعت کے لئے کافی نہ تھی۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدا کی خدائی کو عبادت کے لئے کافی سمجھے اور اطاعت کیلئے کافی نہ سمجھے حالانکہ اطاعت کا مرتبہ عبادت سے بہت کم ہے کیونکہ اطاعت تو غیر نبی کی بھی جائز ہے عبادت غیر کی جائز نہیں۔

اس کے علاوہ اگر فرضی طور پر مان لیں کہ شیطان قول خدا کو حکمت کے موافق نہ جانتا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مدلل بھی نہ جانتا ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ محکوم کو حاکم کی اطاعت ضروری ہے اور دلیل اس کی اس کا حاکم ہونا ہے اگر باوجود محکوم ہونے کے کوئی بات حاکم کی مانے دوسری کو نہ مانے مثلاً جو اس کے خیال میں معقول اور اس کی سمجھ میں حکمت کے موافق ہو وہ مانے دوسری کو نہ مانے تو وہ اپنی مرضی کا مالک ہے اس کو محکوم نہ کہنا چاہیئے کیونکہ محکوم کے معنے میں داخل ہے کہ حاکم کے سامنے سر جھکا دے اور اپنا دخل نہ رکھے اب شیطان کا خدا کے حکم کو تسلیم نہ کرنا اس کی یا تو یہ وجہ

ہوگی کہ اس کے خیال میں خدا حاکم نہیں ہوگا اور یہ بداہتہً باطل ہے کہ شیطان کو خدا کے حاکم ہونے کی خبر ہو۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ شیطان کو محکوم کے معنے کا پتہ نہ ہوگا اور اس کا بطلان پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے اب سرکشی اور تکبر کے سوا اور کونسی وجہ عدم تسلیم ہو سکتی ہے پھر معاذ اللہ خدا کی شان ایسی نہ تھی کہ شیطان کو واقعی خدا کے حاکم ہونے کا علم نہ ہوتا یا وہ محکوم کے معنے نہ جانتا تو وہ ارحم الراحمین اس کو انا خیر منہ کا عذر کرنے پر یہ نہ فرماتا کہ فاخرج منہا یعنی اس جگہ سے نکل جا بلکہ پہلے اس کو اس بات سے واقف کرتا جس سے بے علم تھا پھر اس کے بعد اگر وہ نہ مانتا تو جو چاہتا اس کے ساتھ سلوک کرتا خدا کی ذات اس سے برتر ہے کہ وہ ناواقف کو راندے اس سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان بے خبری میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ اس کو سب کچھ پتہ تھا اور آیہ کریمہ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ محکوم کو حاکم کے حکم کی فوراً تعمیل کرنی چاہیئے تھی تجھے اس تعمیل سے کس نے روکا اگر کوئی اور حکم دیتا تو اس میں شبہ بھی ہو سکتا تھا حکم تو خود میں نے دیا ہے پھر تعمیل کیوں نہ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اور اسے أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ کہہ کر ٹال دینے کا نام خدا نے سرکشی تکبر، فسق وغیرہ رکھا ہے جیسے ایک آیت میں فرمایا أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ یعنی انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قول خدا شیطان کے نزدیک مطلقاً دبغیر شرط، واجب التسلیم تھا کیونکہ اس کی دلیل اس کے ذہن میں تھی یعنی قائل کا حاکم بلکہ خدا ہونا مگر تکبر کی وجہ سے اس کو تسلیم نہ کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا اور آیہ کریمہ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ وغیرہ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہی ہیں جس کا خلاصہ شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں یہ ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد   بہ زندان لعنت گرفتار کرد

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تقلیدی اثر ہے کہ اندھا دھند لکھتے چلے جاتے ہیں اور نتائج پر غور نہیں کرتے اس سے بڑھ کر اور سنئے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرنا امت کے حق میں تقلید ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا باری تعالیٰ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا یہ بھی تقلید ہوگا۔

(العدل ۲۸ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۳)

گویا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اعتقاد میں شیطان کی طرح انبیاء علیہم السلام بھی خدا کے قول کو عین حکمت یا حکمت کے موافق نہیں جانتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان تسلیم نہ کرنے سے غیر مقلد ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام تسلیم کر کے مقلد ہو گئے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں کس قدر گستاخی ہے کہ معاذ اللہ ان کا اعتقاد شیطان کا اعتقاد بتایا جاتا ہے سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

تعجب مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس محل میں اصول فقہ کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اصولِ فقہ میں صاف لکھا ہے کہ قرآن و حدیث کا ماننا تقلید نہیں چنانچہ تحریر ابن الہمام کے اخیر میں ہے لیس الرجوع الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم والاجماع منھا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔

خدا جانے یہ لوگ تقلید کی محبت میں کیوں ایسے سرشار ہیں کہ اپنا اصول بھی بھول جاتے ہیں یکے بر سر شاخ و بن مے برید والا مضمون ہے یعنی مذہب کے خیر خواہ بن کر مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ ؎

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

بلکہ خود مولوی مرتضیٰ حسن نے بھی اس کی تصریح کی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

اطاعت تقلید کے معنے سے عام ہے خدائے قدوس اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو تقلید نہیں کہا۔ (العدل ۸ افروری ۱۹۲۹ء ص ۳)

مجتہد کا قول فی نفسہٖ حجت شرعیہ نہیں۔ اور خداوند عالم جل مجدہٗ اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فی نفسہٖ حجت شرعیہ ہے (العدل ۸ فروری ۱۹۲۹ء)

پس مولوی مرتضیٰ حسن نے اپنی تقریر پر خود ہی پانی پھیر دیا اور صاف غیر مقلد ہو گئے نتیجہ یہ کہ تقلید ایک ایسا ٹیڑھا راستہ ہے جس پر چل کر مقلد کبھی منزلِ مقصود پر پہنچ نہیں سکتا۔

اسی وجہ سے دنیا کی مشہور ہستیوں نے تقلید کو گمراہی اور خودکشی سے تعبیر کیا ہے مثلاً مولانا جلال الدین رومی اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں۔ ؎

آں مقلد ہست چوں طفل علیل ÷ گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

حضرت شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

عبادت بتقلید گمراہی است ÷ خنک راہرو را کہ آگاہی است

عصر حاضر کے مشہور شاعر سر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔ ؎

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی

رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقلید کے پھندے سے محفوظ رکھے آمین

(عبداللہ امرتسری مدرسہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ) (فتاویٰ اہلحدیث جلد اول)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترک تقلید اور اہل حدیث

(از مولانا محمد اسماعیل شیخ الحدیث گوجرانوالہ)

مدت سے یہ دونوں لفظ عوام کی زبان پر استعمال ہو رہے ہیں اور انہیں عموماً مترادف سمجھا جاتا ہے ہندوستان میں دونوں لفظ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کی طرف منسوب مسالک کی پابندی کے خلاف استعمال کئے گئے ہیں حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جمود کی مخالفت ان ائمہ کرام اور ان کے اتباع نے بھی کی ہے اس کے بعد محقق اہل علم ائمہ اربعہ کے ساتھ عقیدت اور ان کے علوم سے استفادہ کے باوجود بعض فرعی مسائل میں ائمہ اجتہاد سے اختلاف کا اظہار بھی فرماتے رہے،

امام ابو جعفر طحاوی (۳۲۱ھ) امام ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ المزنی (۲۶۴ھ) شیخ الاسلام محمد بن قدامہ الحنبلی (۶۲۰ھ) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) وغیرہم ائمہ اربعہ سے بعض کی طرف انتساب کے باوجود ان سے اختلاف فرماتے ہیں اور اس نے ان بزرگوں

اور ان کے متوسلین میں کوئی ذہنی تکدر نہیں پیدا ہوتا۔ اور ان کے علم اور دین میں کوئی حرف آتا ہے۔

علامہ ابو زید عبید اللہ بن عمر بن عیسٰی الدبوسی (۴۳۰ھ) کی کتاب تاسیس النظر میں حضرات ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کے اختلافات کی متعدد صورتیں مرقوم ہیں۔

۱۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین میں اختلاف۔

۲۔ حضرات امام صاحب امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۳۔ امام صاحبؒ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ میں اختلاف۔

۴۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ میں اختلاف۔

۵۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمد و حسن بن زیاد اور امام زفرؒ میں اختلاف۔

۶۔ احناف اور امام مالکؒ میں اختلاف۔

۷۔ احناف اور امام ابن ابی لیلیٰ میں اختلاف۔

۸۔ احناف اور امام شافعیؒ میں اختلاف۔

علامہ دبوسیؒ نے ان کے اصول کا بھی ذکر فرمایا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین میں باہم اصولی اختلاف تھے،

پھر یہ خیال کہ امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ امام احمدؒ امام مالکؒ وغیرہم میں تو اصول اختلاف ہے لیکن ان کے تلامذہ میں اصولی اختلاف نہیں۔ سطحی معلوم ہوتا ہے کسی تحقیق پر مبنی نہیں محض خوش فہمی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تلامذہ اپنے اساتذہ سے اسی طرح اختلاف فرماتے جس طرح اساتذہ میں باہم اختلاف تھا۔

حضرات ائمہ اور ان کے تلامذہ کے اختلافات بھی اسی طرح اصولی ہیں جیسے خود ائمہ مجتہدین میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ نوعیت میں فرق نہیں۔

لفظ غیر مقلد کی ایجاد | معلوم ہوتا ہے اس وقت غیر مقلد کا لفظ یا تو ایجاد ہی نہیں ہوا ہوگا۔ یا پھر بطور طعن اس کا استعمال نہیں کیا گیا ائمہ اسلام علماء امت میں مروج نہیں ہوا تھا کوئی سیاسی ضرورت ہی نہ تھی جس کے لیے یہ لفظ ایجاد کیا جاتا۔

اس طرح تقلید بھی کوئی قابل فخر لقب نہیں تھا جس کے ترک کو عیب سمجھا جائے یا اس کے ترک پر کم از کم افسوس ہی کا اظہار کیا جائے ۔ بلکہ ائمہ معقول فلاسفہ و متکلمین کے نزدیک چونکہ منقولات کا مقام کسی طرح بھی ظن و تخمین سے زیادہ نہیں (اس یا اللہ العلم) اسی لئے وہ فقیہ ہوں یا غیر فقیہ، مجتہد ہوں یا غیر مجتہد تقلید کو تنقیص اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان کے ہاں دلیل کا انحصار صرف عقلیات پر ہے امام غزالیؒ فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ میں معتزلہ اور اشاعرہ کے خیالات میں الزامی تقابل اور باہم الزام تکفیر کے تذکرہ میں فرماتے ہیں

فَإِنْ تَخَبَّطَ فِي جَوَابِ هٰذَا وَعَجَزَ عَنْ كَشْفِ الْغِطَاءِ فِيهِ فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ النَّظَرِ وَإِنَّمَا هُوَ مُقَلِّدٌ وَشَرْطُ الْمُقَلِّدِ أَنْ يَسْكُتَ أَوْ يُسْكَتَ عَنْهُ

اگر کوئی ان الزامات کے جواب سے عاجز آ جائے تو وہ مقلد ہے اور مقلد سے گفتگو کی بجائے خاموشی بہتر ہے (رسالہ)

قرون خیر کے بعد عمل و اعتقاد کی دنیا میں عجیب اضطراب معلوم ہوتا ہے تقلید کے وجود کو کیا ہوگا اعتقاد اور فروع کے معاملہ میں فکر و نظر اور فقہ و اجتہاد کی مختلف گوشوں میں نظر آتے ہیں مثلاً عثمان بن ابان کوفی مرجیہ اور فرقہ عنانیہ کے پیشوا اور امام ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے شاگرد ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں (الخطط المقریزی ج ۴ ص ۱۷۱)

اور ایمان کی زیادت اور نقصان کے مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ہم نوا نہیں یعنی ایمان کی زیادتی اور نقصان کے قائل ہیں ۔

فرقہ مریسیہ کے امام بشر بن غیاث مریسی کے متعلق مقریزی لکھتے ہیں ۔

كَانَ عِرَاقِيَّ الْمَذْهَبِ فِي الْفِقْهِ تِلْمِيذًا لِلْقَاضِي أَبِي يُوسُفَ يَعْقُوبَ الْحَضْرَمِيِّ مع امام شافعیؒ سے ملا اور مناظرہ کیا امام نے اس کے خیالات کا مذاق اڑایا ۔ وَكَانَ يَقُولُ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ وَيَنْفِي الصِّفَاتِ وَيُضَلِّلُ مَنْ يَقُولُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ وَخَلْقِ الِاكْتِسَابِ (مقریزی ج ۴ ص ۱۷۱)

امام شافعیؒ نے بشر مریسی سے کہا کہ تم آدھے کافر ہو کہ تم قرآن کو مخلوق سمجھتے ہو اور

صفات باری کی نفی کرتے ہو اور اُمت مومن ہو کیونکہ تم قضاء و قدر کو مانتے ہو۔ اور انسانی اعمال کا خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہو۔

مقلد اور غیر مقلد کی اصطلاح | عقیدت کی اس تقسیم اور عقائد و فروع میں عقیدت کے اس تضاد کے باوجود غیر مقلد یا مقلد کی اصطلاح اس وقت استعمال نہیں ہوئی اور مسائل کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف فتوے بھی استعمال ہوئے، لیکن اشخاص سے عقیدت اور اس کے تغیر کی بنا پر نہ ہی نفرت پیدا ہوئی اور نہ ہی ان جوہری اختلافات کے باوجود تنابز بالالقاب کا شیوہ اختیار کیا گیا۔

حکومت اور مذاہب کی ترویج :۔ تقلید کا رواج پا جانے کے بعد مروجہ مذاہب محض علم و تفقہ یا تعلیم و تلمذ کی بنا پر ہی اختیار نہیں کیے گئے بلکہ اس میں حکومت کے رجحان اور وقت کے سیاسی عوامل کو بھی کافی دخل رہا۔ جیسے قضاۃ کا بھی ان عقائد و خیالات کی ترویج میں کافی حصہ ہے۔ افریقہ میں عموماً سنت اور آثار کی پابندی کا رواج تھا۔ عام لوگ مسلک اہل حدیث کے پابند تھے، لیکن خلیفہ مرتضیٰ بن ہشام بن عبدالرحمٰن (۱۸۰ھ) میں افریقہ کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ کثیر کو افریقہ کا قاضی مقرر کیا۔ یہ امام مالکؒ کے شاگرد اور ابن وہب (۱۹۷ھ) اور ابن قاسم سے بھی ان کو تلمذ حاصل تھا۔ اندلس میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ ان کے حکم کے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ اور یہ انہیں علماء کو منتخب فرماتے جو امام مالکؒ کے عقیدت مند ہوتے۔ مقریزی فرماتے ہیں۔

وعادت الفتيا اليه وانتهى السلطان والعامة الى بابه فلم يقلد في سائر اعمال اندلس قاض الا باشارته واعتنائه فصاروا على مذهب مالك بعد ما كانوا على رأى الاوزاعى (خطط ج ۲ ص ۱۴۴)

فتویٰ کا مدار یحییٰ بن یحییٰ پر تھا۔ سلطان اور عوام ان کے محتاج تھے ان کے خلاف منشا کوئی قاضی مقرر نہ ہوتا تھا۔ اس سے پہلے لوگ امام اوزاعی کے عقیدت مند تھے اب سب مالکی ہو گئے۔

اسی طرح جب ہارون الرشید بغداد میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے

عقیدت امام ابو یوسفؒ کو (۱۷۰ھ) میں پوری قلمرو کا قاضی مقرر کیا۔

فلم یقلد ببلاد العراق وخراسان والشام ومصر الا من اشار به القاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ و ا ... به ھ (مقریزی ص۱۴۴ ج۱۴)

یعنی ہارون الرشید نے ۱۷۰ھ میں محکمہ قضاء کے تمام کے اختیارات قاضی ابو یوسفؒ کے سپرد کر دیے ان کی اجازت کے بغیر کوئی قاضی نہیں بن سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق اور اس طرف سے آنے والے تمام فاتح اور مبلغ امام فقیہ العراق سے متاثر ہو گئے اور فقہی مسائل میں امام ابو یوسف وغیرہم سے وابستہ رہے۔

یہ سیاسی اور معاشی اثرات ہیں جو دلائل کے علاوہ ان مذاہب کی اشاعت میں موثر رہے اور عوام کا تاثر علی العموم انہی وجوہات کا نتیجہ ہے ورنہ عوام فہم و بصیرت اور دلائل کی قوت و ضعف سے چنداں آشنا نہیں ہوتے۔ نہ ہی وہ مختلف فیہ امور میں ترجیح دے سکتے ہیں نہ ہی دلائل میں توازن قائم رکھ سکتے ہیں علماء کو دلائل کی قوت اور ضعف کو سمجھتے ہیں لیکن بیرونی اثرات سے وہ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ مدارس اور مساجد کی تاسیس امراء اور ملوک کی کوششوں سے ہوتی اور علماء کو وہاں کام کرنے کیلئے ارباب اقتدار سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہوتا۔ مقریزی فرماتے ہیں۔

فلما انقرضت الدولۃ الفاطمیۃ علی ید السلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب ابطل مذاھب الشیعۃ من دیار مصر وا قام بھا مذھب الامام الشافعی ومذھب الامام مالک واقتدی بالملک العادل محمود بن زنکی فانہ بنی بدمشق وحلب واعمالھا عدۃ مدارس للشافعیۃ والحنفیۃ (خطط ج۴ ص۱۹۲)

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے سرزمین مصر سے شیعی مذاہب کو ختم کر کے وہاں شوافع اور مالکی مکتب فکر کے مدارس جاری کر دیئے جس طرح نور الدین محمود زنگی نے دمشق اور حلب میں شافعی اور حنفی مدارس قائم کر دیئے تھے۔

اس تاریخی پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہی مکاتب فکر اور عقائد کے اختلافات۔

ہیں جو فرقے نمودار ہوئے ان میں مختلف مؤثرات کا دخل تھا۔ بعض اوقات ان کی تبدیلیاں علم نظر، استدلال اور بحث کی وجہ سے ہوئیں کبھی ان تبدیلیوں کی محرک معاشی مشکلات تھیں کبھی اقتدار اور ارباب اقتدار کے ساتھ تعلق نے مسلک اور خیالات میں تبدیلی کی صورت اختیار کر لی۔ ماحول اور تبدیلی زمانہ میں یہ تبدیلیاں اس کثرت اور اس عجلت سے ہوتی رہیں، کہ ان سے کوئی ہنگامہ بپا نہیں ہوا بلکہ تبدیلی ایک طبعی معمول تصور ہوتا رہا۔ عقائد کی تبدیلیاں بعض اوقات غیر معمولی صورت اختیار کرتی رہیں۔

خصوصاً جب حکومت نے کسی فرقہ کی سرپرستی اور حکومتی سطح پر اس فرقہ کی حمایت کی۔ جیسے مامون الرشید کا طبعی رجحان تشیع اور اعتزال کی طرف ہو گیا۔ اس کے بعد واثق باللہ اور معتصم باللہ نے بھی ائمہ سنت اور علمائے حدیث پر زندگی کی راہیں تنگ کر دیں۔ کچھ لوگ تو خاموش ہو گئے اور بعض نے ظاہراً ان میں ہاں ملانی شروع کر دی اور بعض کھل کر سامنے آ گئے۔

اور سنت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حکومت سے مقابلہ کیا۔ اور قید و بند کیلئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ائمہ حدیث پر یہ مصیبت متوکل علی اللہ کے وقت تک قائم رہی۔ متوکل پہلا آدمی ہے جس نے ائمہ حدیث اور اہل سنت سے پابندیاں اٹھائیں۔ اس کا رجحان بھی تمام تر ائمہ حدیث کی طرف رہا۔ لیکن اس کے باوجود کسی کو مجبور نہیں کیا کہ فلاں رجحانات کو ضرور قبول کرے۔

ان ادوار میں بھی تقلید یا ترک تقلید کے الفاظ کو محبت اور بغض کا معیار نہیں قرار دیا گیا نہ اسے اہمیت دی جو آج کل کے بعض علمی حلقوں میں اسے دی جا رہی ہے۔

صداقت کا معیار

عقول کی صفائی نیتوں اور دیانت کی ان دنوں بے قدری نہیں تھی۔ صداقت کا معیار ائمہ سنت اور علمائے حدیث ہی تھے جس قدر یہ گروہ محدثین اور علماء حدیث سے قریب ہو سکتا اسی قدر وہ اپنی صداقت پر ناز کرتے اور نقل روایت میں ان حضرات پر پورا پورا اعتماد فرماتے۔ جاحظ۔ معتزلی اور ائمہ اعتزال کے امام ہیں۔ لیکن اس وقت کے ماحول میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حامی اور اپنے کو حق پر سمجھتے رہے۔

حضرت عثمان رحمۃ کی حمایت میں انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام العثمانیہ ہے اس کتاب میں علمائے اہلحدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

واصحاب الاثر من شانهم رووا كل ما صح عندهم عليهم كان اولهم (العثمانيه ص۱۵۲)

یعنی اہل حدیث ہر صحیح چیز کو بیان کر دیتے ہیں ان کے حق میں ہو یا ان کے خلاف۔

عقائد اور فروع کے اختلاف اور آراء و افکار کی تبدیلیوں کے باوجود مقلد یا غیر مقلد جیسے القاب کا استعمال بطور واقع تو ہوتا رہا ہے لیکن بطور عیب اور طعن یا تعریف و توصیف بالکل نہیں ہوا۔ غالباً اس لئے کہ اس وقت وہ سیاسی وجوہ موجود نہ تھے جو آج کل اس القاب کا سبب بن رہے ہیں۔ عوام تو عوام ہیں اچھے علماء اور اصحاب التدریس بھی ان القاب کا استعمال مدح اور ذم کی نیت سے فرماتے ہیں۔ قدماء اہل علم میں یہ اجتناب تبھی ہوتا رہا اور ایسے لوگ بھی ہر زمانے میں رہے ہیں جو کتاب و سنت سے براہ راست اپنی بساط کے مطابق استدلال فرماتے اور تقلیدی بندشوں سے بالکل بے نیاز ہوتے تھے۔ ابو جعفر منصور نے امام مالک کے سامنے تجویز پیش کی کہ موطا کو پوری قلمرو میں دستوری حیثیت دے دی جائے۔

امام مالک نے یہ تجویز مسترد کر دی یا صرف فرمایا۔

ان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم تفرقوا في البلاد فلفتي كل في مصره كما رأى فلاهل المدينة قول ولاهل العراق قول تعدى فيه طورهم اه (الديباج المذهب ص۲۵)

یعنی صحابہ مختلف شہروں میں پھیل گئے ہر ایک نے ہر شہر میں اپنی صوابدید کے مطابق فتویٰ دیا۔ اہل مدینہ کا بھی قول ہے اور اہل عراق کی بھی ایک رائے جو ان کے حالات کے مطابق نافذ ہو رہا ہے۔ امام مالک نے شخصی آراء و افکار کی قانونی پابندی کا انکار فرمایا اور مختلف اقوال کی مختلف ممالک میں اجازت دی اور جمود اور شخصی آراء کی پابندی کو پسند نہیں فرمایا خلیفہ ابو جعفر نے اسے معقول سمجھ کر اپنا ارادہ بدل لیا۔

شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن حسین بن خالد ۲۳۵ھ بڑے عالم اور فقیہ تھے

وكان يذهب الى النظر وترك التقليد (دیباج ص۹۴)

شیخ اسماعیل بن اسحاق بن ابراہیم (م ۳۰۸ھ) کے متعلق مرقوم ہے

کَانَ مِنْ اَهْلِ الْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ وَغَلَبَ عَلَيْهِ الْحَدِيْثُ وَكَانَ فتياه بما ظهر من الحديث (دیباچہ ص۹۵)

یعنی شیخ اسماعیل بن اسحاق فقیہ تھے حدیث کی طرف ان کا زیادہ رجحان تھا اور ظاہر الفاظ حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔

شیخ قاسم بن محمد بن قاسم (۲۰۰ھ) کے متعلق مرقوم ہے، کان یذهب مذهب الحجة والنظر اھ یعنی دلیل کے پابند تھے، وقت کے بعض مشاہیر کے خلاف کتاب لکھی اس کا نام رد علی المقلدین رکھا (دیباچہ صفحہ ۲۶) یعنی ابو عبد اللہ بن بشکوال پہلے شافعی تھے پھر اسے ترک کر دیا ان کے متعلق مشہور ہے۔ کانت له مذاهب اختص بها في خاصة نفسه خالف فيها اهل قطره (دیباچہ ص۲۶) ان کے کچھ تفردات تھے جن میں وہ اپنے ہم وطن علماء کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔

شیخ ابو محمد عبد اللہ الاصیلی (۳۹۲) امام دار قطنی کے استاد تھے امام مالک کے مذہب کے حافظ تھے، ترك التقليد وكان من اعلم الناس بالحديث وابصرهم (دیباچہ ص۱۳۹) یعنی آخر میں تقلید ترک کر دی تھی حدیث کے بہت بڑے ماہر تھے۔

طبقات کی کتابوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ کثرت سے ملتے ہیں جو مروجہ تقلید کے پابند نہ تھے دلائل سے تمسک کرتے تھے اور اپنے وقت میں قیادت اور امامت کے مقام پر فائز تھے علماء اور عوام میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے آج کی طرح تنفر تنابز بالالقاب کا رواج اس وقت موجود نہ تھا اہل حدیث، اصحاب الحدیث، اصحاب الآثار وغیرہ ناموں سے بوقت ضرورت ان کا ذکر ہوتا تھا۔

جمود اور تقلید کے متعلق اجماع کا دعویٰ جس کا تذکرہ عام سطحی قسم کے لوگ بلا تحقیق کر دیتے ہیں درست نہیں یہ درست ہے کہ دونوں رجحان موجود ہے اور علم و نظر کی کثرت یا قلت کے سبب ان میں کمی اور بیشی ہوتی رہی۔ طعن و تشنیع کے بغیر لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق عمل کرتے رہے علماء تحقیق بحث و نظر سے مسائل پر گفتگو فرماتے رہے اور ان اختلافات کو برداشت کرتے ہوئے اسلام پر عمل کرتے رہے۔

اس طرز عمل کے سبب:

اس طرز عمل کی رو سے یہ معلوم ہوتی ہے، کہ قرون خیر میں کوئی اعتقادی فتنہ نہ تھا، باہمی رنجشوں سے بعض وقت اختلافات ہوئے لڑائی اور نزاع تک بھی نوبت آئی، لیکن اعتقاد میں کوئی اختلاف نہ تھا شیعہ سنی نزاع میں تفضیل یا طبیعت کے رجحان کے سوا کچھ نہ تھا بعض واقعات سے مختلف طبائع نے مختلف اثر لیئے اور ان اثرات کیوجہ سے کوئی حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور ایسے وقت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خاموشی سے کسی نتیجہ پر پہنچا کوئی حادثہ کربلا اور اس میں صحابہؓ کے طرز عمل سے متاثر ہوا اسلام و کفر یا اعتقاد کے بگاڑ کی حد تک معاملہ نہیں پہنچا۔ ان حالات کی جو اس وقت ہوئے ہر ایک نے اپنی معلومات اور اپنے نقطہ نظر سے توجیہ کی۔

دوسری صدی میں جب یونانی علوم سے مسلمان واقف ہوئے ان سے صفات باری کی وحدانیت میں شبہات پیدا ہوئے ائمہ سنت نے ان پر کڑی تنقید فرمائی مصائب میں مبتلا ہوئے حکومت اور بعض ارباب اقتدار بھی اس رو میں بہہ نکلے ائمہ سنت نے بھی اپنی ذمہ داری کو پورا کیا۔ قید و بند اور کوڑوں کی سزا سے بھی نہ گھبرائے ہر ایک نے فکر و نظر کی ان بدعات سے بچ نکلنے کی کوشش کی ائمہ حدیث اور ارباب سنت کے پاس تو قرآن و سنت موجود تھے، وہ ان اضطرابات سے بہت کم گھبرائے بلکہ مقابلہ کے لیے میدان میں آ گئے اور قرآن و سنت کی ہدایت کے مطابق رہنمائی فرمائی، ہر بدعت کے خلاف مجاہدانہ اقدامات فرمائے ذات اور صفات باری کے متعلق جو ہنگامہ بپا کیا گیا تھا کتاب و سنت کی ہدایت کے مطابق اہل بدعت پر تنقید فرمائی۔ عوام کو بھی سمجھایا کہ وہ ان غلط کار لوگوں سے بچیں۔

جو لوگ کتاب و سنت پر پورا عبور نہیں رکھتے تھے انہوں نے ان بدعات سے ائمہ سنت اور بعض مخصوص علماء کے ساتھ اپنا تعلق پیدا کیا اور ان کے ساتھ اخلاص و محبت کی بنا پر ان کے خیالات کو اپنا رہنما بنایا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ اعتقادی مسائل میں یہ سب حضرات ائمہ متفق تھے اصول عقائد کے سبب سے ان بزرگوں میں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن فروع میں یہ حضرات مختلف تھے عوام ان اختلافات سے متاثر ہوتے اپنے اپنے بزرگوں سے عقیدت کی بنا پر ان فروعی مسائل کا اتباع کرتے رہے بتدریج اس محبت نے جمود اور تقلید کی صورت

اختیار کر لی جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کے خلاف تلخ اور تیز الفاظ کا استعمال ہونے لگا اور نوبت ہو گئے ادب تک بھی پہنچ گئی

متقدمین ائمہ سے متاخرین کی کتابیں اگر آپ مطالعہ فرمائیں گے تو آپکو اس بے ادبی کی بڑی مثالیں ملیں گی اور یہ نا اہم تعصب کے رنگ کے نتائج میں کچھ ملیں گے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابو حامد غزالی کو جاہل تک کہہ گئے ہیں (نور الاوہام) اس تقلید سے اس قدر تو فائدہ ہوا کہ لوگ غلاۃ بدعت معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، مشبہہ، مجسمہ، خوارج، اور روافض سے بچ گئے۔ لیکن آپس میں جس محبت کی ضرورت تھی وہ ختم ہو گئی۔ اتباع ائمہ آخری ادوار میں اس طرح الجھ گئے

کان لم تکن بینہم مودۃ۔

متاخرین کے جمود کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ابتدا میں ائمہ کی اقتداء سے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوا اس دور میں عقیدت ایک بابرکت اور ان ائمہ سے اختلاف بھی ہوتا تھا اس دور کے اہل علم تفرد سے گھبراتے تھے، نہ تلفیق کی آراء پر جمود کی دعوت دیتے تھے، نہ اس تفرد اور تحقیق بالیقین کو تنابز بالالقاب کا موجب بناتے تھے اس تقلید سے اس وقت کے اہل تحقیق کو چنداں اعتراض نہ تھا۔

ائمہ حدیث اس وقت بھی اپنی روش پر قائم تھے اور اس نوع کی تقلید کو بھی اپنے لئے پسند نہیں فرماتے تھے وہ ان تعصبات سے بچنے کے لئے سلف کی روش کو کافی سمجھتے تھے، ان میں سے کسی ایک کی انفرادی یا شخصی پابندی کی بجائے انہوں نے دور صحابہ کے فکر اور انداز فکر کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔ اور اس کھلی فضا میں رہ کر وہ وقت کی بدعت عقیدہ اور عمل کی تحدید سے محفوظ رہے اور جمود کی متعددیوں سے بھی انہیں کوئی گزند نہ پہنچ سکا یہ لوگ حدیث سے براہ راست وابستہ رہے، نصوص کے فہم میں صحابہ اور تابعین کے مقدس دور پر اعتماد فرما کر متاخرین کی فقہی موشگافیوں سے مستغنی ہو گئے اس روش کو تاریخ نے ان کے مخالفین نے غیر مقلد کہا، انہوں نے اس عنوان کے اختیار میں کوئی فخر محسوس فرمایا، دونوں اسے اہل حدیث اصحاب الحدیث، اہل الاثر وغیرہ عنوانات سے تعبیر فرماتے اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کو عزت کی نظر سے دیکھتے درس کی مجالس میں اپنی تحقیق سے طلبہ کو مستفید فرماتے

بنا بر دلائل خود مسلک بدلنے میں تامل نہ فرماتے، اس تبدیلی کے باوجود ایک دوسرے کے متعلق آنکھیں بدلتیں نہ دلوں میں بغض پیدا ہوتے اور اختلافات قائم بھی رہتے گوارا بھی ہوتے اختلاف میں بھی اعتدال قائم رہتا۔

اہل حدیث اور غیر مقلد میں ترادف نہیں۔

اس وقت عموماً حنفی العقیدہ حلقوں میں اہلحدیث اور غیر مقلد دو ہم

اہلحدیث اور غیر مقلد دو ہم معنی لفظ سمجھے جاتے ہیں، اور اہل حدیث حضرات بھی اسے گوارا کرتے ہیں لیکن واقعتاً یہ درست نہیں۔ اعتقادی جماعات کے دور میں ایسے لوگ ملتے ہیں کہ وہ حنفی بھی ہیں معتزلی بھی شافعی مالکی حتیٰ کہ حنابلہ بھی کلام اور فلسفہ سے متاثر ہونے کے باوجود فروع میں اپنے ائمہ سے وابستہ رہے اشعریت یا ماتریدیت کا بھی ان فرعی مسائل سے زیادہ فرق نہ تھا لیکن اس وقت بھی اہل حدیث مروجہ تقلید سے انحراف کے باوجود کلام کی جدید پیچیدگیوں سے چنداں متاثر نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگ ان جدید اعتقادات اور نئی نئی الحادی تعبیرات سے برسرپیکار رہے۔

عقائد اور فروع میں ان کی راہ قدیم اور جدید تشریحات و تصریحات سے مختلف رہی وہ مثبت طور پر اصول اور فروع میں ائمہ سلف کی روش، ان کے ارشادات اور ان کی تصریحات کے پابند رہے اور منفی طور پر وہ کسی خاص فرد یا امام یا مجتہد اس کی آراء کی جامد اور کلی پابندی نہیں فرماتے تھے اس لئے ہر غیر مقلد کو اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ ہر اہل حدیث کے لئے ضروری ہے کہ جمود اور تقلید سے الگ رہے۔

ہمارے قریبی دور کے کچھ ایسے افراد اور طبقات ہیں جن کو ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اہل حدیث نے ان کے خلاف تنقید میں قیادت فرمائی اس لئے ان کا تعلق ائمہ سلف سے قائم نہ رہ سکا یہ لوگ فہم دین میں خیر القرون کے طریق کو ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ اپنی آراء کو بعض دفعہ ترجیح دیتے تھے مثلاً

(۱) سر سید احمد خاں بانی جامعہ علیگڑھ بڑے آزاد خیال تھے، رفع الیدین اور آمین بالجہر بھی سنا ہے بڑے التزام سے کرتے تھے لیکن یورپ کے مستشرقین اور غیر مسلم

مشنریوں اور سماجیوں سے مرعوب تھے وہ اسلامی حقائق کی وضاحت میں تقلیدی افکار و نظریات کے پابند تو نہ تھے۔ لیکن معجزات اور بعض دوسرے مسائل میں ان کی آزادی آوارگی کی حد تک تھی اس لئے وہ غیر مقلد تو ہونگے۔ لیکن وہ اور ان کے ہم خیال ساتھی اہل حدیث نہیں تھے۔ غالباً وہ بھی اس لقب کو پسند نہیں کرتے تھے اور اہل حدیث نے بھی ان کو کبھی نہیں اپنایا۔ بلکہ اشاعۃ السنۃ، ضیاء السنۃ اخبار اہلحدیث میں ان کے خیالات پر مسلسل تنقید ہوتی رہی اس سے قبل حضرت مولانا سید محمد صدیق حسن خانؒ نے اپنی متعدد تالیفات (مثلاً حدیث الغاشیۃ و حجۃ الکلیم) میں بھی موصوف کی گمراہیوں اور کج رویوں پر آگاہ کر دیا تھا۔

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو بریلوی حنفی ظاہر کرتے تھے لیکن حقیقت میں وہ حنفی بھی نہیں تھے اہل حدیث تو کیا ہوتے۔ البتہ غیر مقلد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ نہ فقہ حنفی کے پابند ہیں نہ وہ صحابہ اور تابعین ائمہ سلف کی روش پر چلنا پسند کرتے ہیں تنقید حدیث کے متعلق وہ ائمہ حدیث کی بجائے اپنی ذات کو معیار سمجھتے ہیں۔ اس لئے ترک تقلید کے باوجود اہل حدیث نہیں ہیں۔

۳۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی سنا ہے پہلے رسمی حنفی تھے پھر ترک تقلید کے ساتھ حدیث کیطرف جھکے لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہوا کہ ان کا مزاج حدیث پر مطمئن نہیں ہو گا سنا ہے طبیعت میں غلو اور تقشف تھا اور زیرکی بھی نہیں تھی ایسے آدمی کے لئے اہل حدیث ہونا ممکن ہی نہیں تھا چنانچہ وہ اور مولوی حشمت علی مولوی رمضان گوجرانوالہ رشید الدولہ وغیرہم۔ گجرات ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے منکرین حدیث اور ہمارے ہم عصر غلام احمد پرویز۔ یہ حضرت آوارہ مزاجی کے لحاظ سے صرف غیر مقلد ہو سکتے ہیں بلکہ نفس اسلام کی پابندیوں سے بھی کافی حد تک آزاد ہیں اس لئے وہ احادیث اور ائمہ سلف کی پابندی خود ہی پسند نہیں کرتے بلکہ قرآن کی ترجمہ بھی اپنی خواہش اور زمانے سے فرماتے ہیں ہم بھی انہیں غیر مقلد سمجھنے کے باوجود اہلحدیث نہیں سمجھتے انکار حدیث کے بعد اہل حدیث ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۔ ہمارے پرانے ساتھی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب لائل پوری جماعت اسلامی سے علیحدگی کے بعد جماعت اہل حدیث سے بھی الگ ہو رہے ہیں اور مروجہ تقلیدی مسالک سے بھی ان کا

کچھ نمایاں تعلق معلوم نہیں ہوتا وہ آج کل تقریباً ملاء اعلیٰ کے قریب تشریف رکھتے ہیں وہ کسی بانی قسم کے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا دینا چاہتے ہیں۔ جو موجودہ اسلام پسند اور دین پر درجاتو ملی میں نظر نہیں آتا اس لئے وہ اصل اسلام کے لئے آجکل کافی پریشان ہیں اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی فرمائے ان کے انداز سے معلوم ہوتا ہے وہ اہلحدیث سے کافی چڑے ہوئے ہیں اور اس غریب جماعت سے خاص طور پر آج کل ناراض ہیں لیکن ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں البتہ خطرہ ضرور ہے ان کی اس تلقین سے نہ مقلد پیدا ہوں گے نہ اہلحدیث البتہ غیر مقلد شاید پیدا ہوجائیں ہماری دانست میں وہ اب بھی اہلحدیث ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں میں نہیں ہم انہیں مجبور نہیں کرتے البتہ اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ تفریق عنوان سے نہیں ہوتی۔ معنون سے ہوتی ہے اور یہ تفریق غالباً آپ کی موجودہ دعوت میں بھی موجود ہے،

ہمارے ایک مخلص اور پرانے رفیق گجرات میں تشریف رکھتے ہیں وہ اپنے اسم گرامی کے ساتھ ہمیشہ اثری لکھا کرتے تھے توحید و سنت کی حمایت میں بڑی موثر تقریر فرماتے تھے اہل حدیث مجالس میں بڑے شوق سے شامل ہوتے تھے کچھ عرصہ سے انہیں جدت پرستی کا عارضہ ہوا بعض غیر معروف مسائل میں انہوں نے تفرد ظاہر فرمایا۔ عوام نے ان پر خاموشی کا اظہار کیا اب انہوں نے بعض متواتر اور منصوص مسائل میں جمہور ائمہ اہل حدیث اور اکابر اہل سنت کے خلاف راہ اجتہاد اختیار فرمائی اور محنت کر کے حضرت مسیح کا باپ تلاش کر لیا۔ احباب نے کئی دفعہ مطالبہ کیا کہ جماعت اس کے متعلق رائے کا اظہار کرے میں سمجھتا ہوں یہ شخصی تفردات کتنے ہی گمراہ کن کیوں نہ ہوں اس سے کوئی جماعتی مسئلہ نہیں ہو سکتے متعارف اور مسلمہ مسائل سے اگر انحراف کی کبھی ضرورت محسوس ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب و سنت سے تمسک کیا جائے اور اس کے لئے طریق بھی سلف یعنی صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ کا اختیار کیا جائے۔

جیسا کہ حضرت امام احمدؒ نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا تھا۔

اُصُولُ السُّنَّةِ عِنْدَنَا اَلتَّمَسُّكُ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم والاقتداء بہم۔ وترك البدع .... وترك الجلوس مع اهل الاهواء ....

والسنة تفسیر القرآن وھی دلائل القرآن ... ومن لم یعرف تفسیر الحدیث ویبلغه عقله فقد کفی ذلك واحکم له فعلیه بالایمان به والتسلیم له (طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۳۱)

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اس جماعت کا تعارف ان لفظوں سے کیا ہے۔

ھم الآخذون فی العقیدۃ والعمل جمیعا بما ظھر من الکتاب والسنة و جری علیه جمھور الصحابة والتابعین الخ۔

ہر آدمی چاہتا ہے اس کا نام تحقیق رکھے۔ تو ساری دنیا کے اہل بدعت اور ملاحدہ اصحاب تحقیق قرار پائیں گے۔ اپنے عقائد اور حقائق دونوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کہ ترک تقلید دوسری چیز ہے اور اہل حدیث دوسری چیز۔ انہیں مرادف اور ہم معنیٰ نہیں سمجھنا چاہئے۔

ھذا والسلام

(الاعتصام جلد ۱۳ ش ۴۲ ص ۶ ۱۹۶۲ء)

یہ معنی تو نہیں کہ اس سے فرد کی شخصی آزادی بالکل ختم ہو جاتی ہے ،

اعتراض کی نوعیت بہت پرانی ہے ہمیشہ اسلام دشمن عناصر نے اسکو دہرایا ہے اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے اسباب زوال میں سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ انہوں نے سنت کی اطاعت اور پیروی کے معاملہ میں تشدد اختیار کیا ان کی یہ رائے ہے کہ اسلام کے بارہ میں یہ طرز عمل آئندہ چل کر انسان کی حریت رائے بہت بڑی قدغن ثابت ہو سکتا ہے اور معاشرہ کے طبعی ارتقاء کو روک دینے کا باعث بن سکتا ہے لیکن ہم یہ کہہ دیتے ہیں اس ضمن میں یہ حقیقت جان لینے کی ہے کہ چاہے ہم اس سوال تسلی بخش کا جواب دے سکیں یا نہ دے سکیں اسلام کا مستقبل بہر حال سنت کے صحیح موقف کی تعیین کے ساتھ وابستہ ہے اگر سنت کا مقام و موقف سمجھ میں آ گیا تو اسلام کی روح کو تاریک بنا دینے کے ذمہ دار قرار پائیں گے ہمیں بجا طور پر ناز ہے کہ اسلام دوسرے ادیان کی طرح متصوفانہ اذعان کا قائل نہیں۔ بلکہ اس کے دروازے ہمیشہ بحث و تحقیق کے لئے کھلے ہیں یہی سبب ہے کہ ہم صرف یہ معلوم کرنے پر اکتفا نہیں کرتے کہ سنت نے کن چیزوں کو ہمارے لئے ضروری ٹھہرایا ہے بلکہ ہم اس سے آگے بڑھ کر یہ معلوم کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس کی تہہ میں کیا اسباب و علل کارفرما ہیں اسلام کا مزاج ایسا ہے کہ توحید کو صرف عقیدہ تک محدود نہیں رکھتا ہے۔ بلکہ چاہتا ہے کہ زندگی کے تمام گوشے اسی رنگ میں رنگے جائیں اور عقیدہ و فکر کے دائروں سے نکل کر اس کے تسلط و اقتدار کے دائرے عمل و حرکت کے ایک ایک حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں پھر چونکہ اس مقصد جلیل تک پہنچنے کا تنہا یہی راستہ ہے اس لئے قدرتاً اس کے آغوش میں تمام مدرکات آ گئے ہیں اور اس جامعیت کے ساتھ کہ نہ تو ان پر کسی پھر اضافہ ممکن ہے اور نہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان میں ذرہ برابر بھی کمی کر دی جائے ، انتخابیت

ہیں کام کرتے رہے ہیں اسد صاحب کے اسلوب نگارش کی خوبیوں سے معمولی خوب واقف ہیں اسد صاحب کے اس مضمون کی احادیث موں کے ترجمے سے وہ چند تحریر کی ہے ،۔

قیام پاکستان کے بعد اسد صاحب ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے ثانوی نمائندہ مقرر ہوئے قیام امریکہ کے دوران میں پولر حمیدہ سے شادی کی اور ایک نئی کتاب روڈ ٹو مکہ (ROAD TO MECCA) ۱۹۵۴ء میں امریکہ سے شائع کی آج کل لبنان میں قیام فرما ہیں بفضل خدا اس اسلام مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں بڑے پرجوش اور مخلص مسلمان ہیں کتاب و سنت کے دلدادہ اور عاشق ہیں۔

(ECLETIC ISM) اور پسند کو اس میں دخل نہیں۔ جب ہم نے ان تعلیمات کو تسلیم کر لیا۔ جن کو قرآن حکیم نے ہم تک پہنچایا ہے یا آنحضرتﷺ کو رسالت تک ہماری ان تک رسائی ہوئی ہے تو ہمارے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کو پورا پورا مانیں بغیر کسی استثنا کے سب کی عقلیت پر ایمان لائیں ورنہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ اپنی اصل قدر و قیمت اور افادیت کھو دیگی اسلام کے بارہ میں یہ اصولی اور بنیادی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ چونکہ عقل و دانش کی اہمیتوں کو مانتا ہے اس لئے اس کی تعلیمات کے رد و قبول میں ہر شخص مختار ہے کہ جس جس حصہ کو معقول سمجھے مان لے اور جس کو معقول و دانش کی کسوٹیوں پر پورا اترتا ہوا نہ دیکھے ترک کر دے۔ یہ غلط فہمی اس بنا پر ابھری کہ لوگ موجودہ عقلیت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ موجودہ عقلیت اور چیز ہے اور نفس عقل شے دیگر۔ عقل کا کام ایک طرح کی نگرانی ہے جہاں تک دینی تعلیمات کا تعلق ہے اس کے دائرہ فرائض میں صرف یہ بات داخل ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ اس پر مذہب کی طرف سے عائد کیا جا رہا ہے آیا اس کو یہ آسانی سے برداشت کر سکتی ہے بجز اس کے کہ یہ فلسفہ کے چکروں میں پڑنے اور اس کی سحر طرازیوں سے متاثر ہو اسلام سے متعلق عقل و دانش کا بے لاگ فیصلہ یہی ہے جس کا اظہار کئی مرتبہ ہو چکا ہے کہ یہ اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے لیکن اس کا ہرگز یہ معنی نہیں کہ جو شخص اسلام سے لگاؤ رکھتا ہے وہ اس کی تعلیمات کو ماننے پر خواہ مخواہ مجبور ہی ہے یہ تو اسی شخص کی مزاج و طبیعت پر موقوف ہے اور بالآخر روح و باطن کی بیداری اور قلب و ضمیر کی روشنی و ہدایت کا قصہ ہے وہ اس کو تسلیم کرتا ہے یا نہیں اتنا البتہ صحیح ہے کہ جس شخص کا بھی دامن تعصبات سے پاک ہے وہ اس کی تعلیمات کو عقل و حکمت کے تقاضوں کے خلاف نہیں ٹھہرا سکتا رہی یہ بات کہ اسلام کی بعض حقیقتیں اس کو فہم و ادراک کی معمولی سطحوں سے اونچی نظر آتی ہیں تو یہ ممکن ہے مگر اس کو تناقض نہیں کہیں گے عقل اور فلسفہ عقلیت کے فرق کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لئے اس حقیقت پر غور کیجئے کہ ان کے حدود و فرائض کیا ہیں مذہبی امور میں عقل کا فریضہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آلہ تحلیل کی طرح ہر ہر معاملہ میں جو پیش آئے۔ ہاں۔ یا نہ مثبت کو دے اور اس جب کہ عقلیت

حیثیت ہی تابع محض ہو، جو اس سے آگے بڑھ کر خیال آرائی کے میدانوں میں قدم زن ہوتی ہے
پھر صرف عقل کی طرح اس کی حیثیت ایک مستقل بالذات اور منفرد و ظہور کی بھی
بھی نہیں بلکہ یہ سراسر موضوعی اور مزاج سے تعلق رکھنے والی چیز ہے عقل تو اپنے حدود کو پہچانتی
ہے مگر عقلیت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام عالم اور اس کے اسرار
و رموز اس کی انفرادی حیثیت میں آ جاتے ہیں لیکن فی الواقع اس کا دائرہ حد درجہ تنگ ہے
ایک یہی تضاد عقلیت میں یہ بھی ہے کہ یہ امور دین میں تو ایسے حقائق کو مان لینے پر آمادہ
نہیں جو فکر و اندیشہ کی گرفت میں آنے والے نہ ہوں لیکن جب معاملہ علم کا ہو تو پھر اس کی
رائے یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ نا پیدا کنار ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ اس کی تمام پہنائیاں
انسان معلوم کر ہی لے۔ عقلیت یا فلسفہ عقلی پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہی ایک بڑا
بڑا سبب ہے ابعاد و انکار کا۔ اسی سبب سے بعض عصری مسلمانوں نے آنحضرت پر
پر ایمان لانا غیر ضروری سمجھا لیکن ہم یہ کہے دیتے ہیں کہ یہ حد سے بڑھا ہوا اعتماد صحیح
نہیں بات اتنی واضح اور عقلیت کی بے چارگی اس درجہ مسلم ہے کہ اس کی قطعی ضرورت
محسوس نہیں ہوتی کہ کانٹ عقلیت کے قلعہ پر یہ کہہ کر پھر ایک دفعہ حملہ کرے کہ عقل
کی پرواز حدود و فضاؤں ہی میں ہو سکتی ہے، کیونکہ جہاں تک دماغ و فکر کی افتاد و مزاج
کا تعلق ہے یہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کائنات بسیط و لامتناہی جو ایک طرح کی کائنات جاری
و ساری ہے اس کی حقیقت و کنہ کو معلوم کر سکے۔ ہم جو کچھ معلوم کر سکتے ہیں وہ صرف تفصیلا
و عوارض ہیں از بسکہ ہماری نہایت تنگ ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں ہمارے
علم کی رسائی کا یہ حال ہے کہ ہم اب تک یہ بھی نہیں جان پائے کہ خود یہ طلسم زندگی
کیا ہے؟

وحی حقائق کے معاملہ میں جو کہ فوق الادراک بنیادوں پر قائم ہیں ہمیں ایک ایسی رہنمائی
کی ضرورت ہے جس کی عقلی صلاحیتیں فلسفہ مادی کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ
ہوں اور جو موضوعی عقل سے کہیں بڑھ کر اس کی خوبیاں ہوں۔ جس سے کہ ہم سب بہرہ
مند ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ ہمیں ایک پیغمبر کی ضرورت ہے اگر ہمیں قرآن

کے بارے میں یہ یقین ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے تو نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ عقلاً بھی ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کریں آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ ہم غور وفکر کی صلاحیتوں سے دست بردار ہو جائیں۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا بہترین استعمال کریں۔ اور آنحضرت ؐ کے اوامر ونواہی کے پیچھے جو معانی وحکمت پنہاں ہیں۔ ان کا کھوج لگانے کی پوری پوری کوشش کریں۔ چاہئے ہم اس کھوج اور تفحص میں کامیاب ہوں یا نہ ہو سکیں ناکامی کے بعد بھی اطاعت ہر حال ضروری ہے اس کو ایک سپاہی اور فوجی کی مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

فرض کیجئے۔ کہ سپہ سالار لشکر نے اسے ایک خاص اہمیت کی جگہ پر قبضہ کر لینے کا حکم دیا ہے اس صورت میں اس فوجی کا یہ فرض ہے کہ فی الفور اس جگہ کو گھیرے۔ پھر اگر حکم کی اس تعمیل کے ساتھ ساتھ اپنے افسر کے اس حکم کی جنگی اہمیت کو بھی سمجھتا ہے تو یہ اس کے لئے اور فوج کے لئے بلا شبہ خوش آئند ہے لیکن اگر اس کی جنگی قدر وقیمت اس کی سمجھ میں آئی تب بھی تعمیل حکم اس پر لازم ہے اور اس کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں ہے کہ اس میں رد وقدح کرے یا اس کو ٹال جائے ہم مسلمانوں کا آنحضرت ؐ کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا عقیدہ ہے کہ آپ اس عسکر اسلام اور سپاہ ایمان کے بہترین اور کامیاب ترین سالار وقائد ہیں اور امور دین کے اجتماعی وروحانی پہلوؤں کو اس سے کہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں جتنا کہ ہم سمجھ سکتے ہیں لہٰذا جب آپ ہمیں کوئی حکم دیں گے یا کسی معصیت سے روک دیں گے تو ہم لامحالہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ انسانی اصلاح کے لئے بہرحال ایسا حکم دینا ناگزیر ہے اور اس میں روحانی اجتماعی پہلوؤں کو ملحوظ ومرعی رکھا گیا ہے یہ ممکن ہے کہ یہ پہلو کبھی تو بالکل واضح ہوں اور کبھی ان میں وضوح کی مقدار بالکل کم ہو۔ اور اس شخص کی گرفت میں نہ آسکیں جن کو دینی امور میں زیادہ مہارت نہیں اسی طرح کبھی کبھی تو آنحضرت کے احکام وآوامر میں جو گہری حکمت پوشیدہ ہے وہاں تک انسانی فہم کی رسائی ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف سطحی اسباب وحکم تک ہی نظر وبصر کے دائرے پھیل سکے

رہ جانے تب دونوں صورتوں میں اطاعت وفرمانبرداری کے سوا چارہ نہیں بشرطیکہ ان احکام کا ثبوت مستند ہو پھر ان احکام واوامر کی ایک تقسیم اہم اور نسبتاً کم اہم کی بھی ہے اس صورت میں ہمارے لئے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ اہم کو ترجیح دی جائے لیکن کسی حکم کو بھی اس گمان فاسد کی بنا پر چھوڑ دینا روا نہیں کہ اس میں کوئی بنیادی اہمیت دکھائی نہیں دیتی کیونکہ آنحضرت ﷺ سے متعلق قرآن میں صراحۃً آیا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (نجم) وہ کوئی بات بھی اپنی طرف سے کہنے کے مجاز نہیں اس کے صاف صاف معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس وقت تک کوئی کلمہ نہیں کہتے ہیں جب تک کہ اس کی کوئی مثبت وجہ سامنے نہ آجائے اور یہ کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو مامور نہ فرمائے یہ ہے وہ سبب جس کی وجہ سے قالب وقلب دونوں لحاظ سے ہم سنت کی پیروی پر مجبور ہیں بشرطیکہ ہمارا نقطہ نظر اسلام کے بارہ میں مختلف نہ ہو۔ پھر جب پیروی سنت کے ایجابی تقاضے ابھر کر سامنے آگئے تو یہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہوگیا۔ کہ سنت نے اسلام کی جس اجتماعیت کی تشکیل کی ہے اس کے حکم واسرار پر غور کرے۔ اور یہ بتائے کہ اس تفصیلی نظام حیات کے اندر کیا روح کارفرما ہے جس کو مسلمان ولادت سے لے کر موت تک کے تمام لمحوں میں ملحوظ رکھتا ہے اور جس پر کہ عمل پیرا ہونا اس کے لئے ضروری ہے اس نظام حیات میں وہ مسائل بھی داخل ہیں جو خاص اہمیت رکھتے ہیں اور وہ بھی جنہیں بظاہر کوئی اہمیت نظر نہیں آتی مسلمان کو اس حقیقت کا کھوج لگانا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ہر بات میں اپنے اسوہ کی پیروی واطاعت پر کیوں زور دیا ہے مثلاً اگر میرے دونوں ہاتھ صاف ہیں تو بائیں ہاتھ سے کھا لینے میں کیا مضائقہ ہے یا داڑھی رکھ لینے اور منڈا لینے میں کیا فرق ہے یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل ایسے نہیں کہ جن کا تعلق سراسر صورت وقالب سے ہے کیا ان مسائل کا تعلق انسانی ترقی سے ہے اور اس سے معاشرہ کی فلاح وبہبودی میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اس مرحلہ پر ہمارا فرض ہو جاتا ہے کہ ان سوالات کا متعین جواب دیں۔ کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی ترقی وانحطاط کا دارومدار آنحضرت کی پیروی پر ہے اگر پیروی واطاعت موجود ہے تو ترقی پائی جائے گی۔ اور اگر بدقسمتی سے اطاعت وفرمانبرداری کا داعیہ کمزور ہے تو اسی نسبت سے انحطاط

دتنزل کا پیش آنا لازمی ہے ہمارے نزدیک ہر ہر معاملہ میں سنت کی پیروی کی اہمیت کئی وجوہ سے ہے،

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح انسان کی عادات واطوار کے لئے ایک سانچہ مہیا ہو جاتا ہے اور ہر شخص ایسی زندگی بسر کرتا ہے جس میں شعور کار فرما ہے۔ یہ دراصل جلوہ گر ہے اور ضبط نفس نمایاں ہے وہ کام اور اعمال وافعال جن کی تہہ میں کوئی قاعدہ اور ترتیب نہ پائی جائے فکر و روح کی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہو جاتے ہیں لہٰذا ایسے تمام اعمال وافعال کی مقدار انسانی زندگی میں ممکن حد تک کم ہونا چاہیئے کیونکہ ان سے فکر وروح کا ارتکاز تباہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس لائق نہیں رہتی کہ اپنی صلاحیتوں کو کسی ایک مرکز پر جمع کر سکے اس لئے ہم جو قدم بھی اٹھائیں اور جو کام بھی کریں۔ اس کو ہمارے شعور ارادہ کے مطابق ہونا چاہیئے اور اس پر اخلاق نگرانی جاری رہنا چاہئے مگر یہ اس وقت تک ہونے والا نہیں جب تک کہ ہم اپنے فکر و شعور کی جنبشوں کا کا محاسبہ کرنا نہ سیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اعمال کی اس حقیقت کو اس جامع و مانع جملے میں نہایت کامیابی سے ادا فرمایا ہے حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا اس سے پہلے اپنے محاسبہ نفس سے فارغ ہو جاؤ کہ عند اللہ تمہارا محاسبہ ہو۔ اس سے پہلے ہم اشارۃً بتا چکے ہیں کہ اسلامی نظریہ عبادت صرف عبادات ہی کو اپنے آغوش میں نہیں لیتا ہے۔ بلکہ اس میں ہماری پوری زندگی کا انعکاس ہوتا ہے اور اس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ہماری ذات کے روحانی ومادی دونوں پہلوؤں میں ایک طرح کی وحدت پیدا ہو جائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حیات انسانی میں ان تمام عوامل کو حتی المقدور کم ہونا چاہئے جن میں شعور وضبط نفس کے عناصر کا فقدان ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ محاسبہ ونگرانی کے اس عمل کو ہم جاری رکھیں یہ اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے اور وہ یقینی راستہ ہے کہ جس سے ہم ضبط نفس کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں اگر ہم روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں سنت کی پیروی کا خیال رکھتے ہیں اور مادۃً ہمارے قدم اسی سمت اٹھتے ہیں تو یہ چھوٹے چھوٹے کام بھی بڑی ہی اہمیت کے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان سے محاسبہ نفس اور ضبط ونگرانی کے ذریعے ہمیشہ بیدار رہتے ہیں رہے بڑے بڑے کام تو ان کے متعلق تو شعور کی بیداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو

شعور کے بغیر صادر ہو ہی نہیں سکتے، شعور و ادراک کا دامن تو اس وقت چھوٹتا ہے جب چھوٹے
چھوٹے ناقابل التفات کاموں کا سامنا ہو اس وقت یہ عموماً ہو کر دیتے ہیں اور ذہن و فکر کو غافل
رکھتے ہیں یہاں اگر ان حقیر اور کم درجے کے اعمال میں بھی مراقبہ و ضبط کی عادت قائم رہتی ہے تو پہلی کی
منفعت دو چند ہو جاتے ہیں کیونکہ بظاہر واقعی اس بات میں کوئی اہمیت محسوس نہیں ہوتی
کہ ہم کس ہاتھ سے کھاتے ہیں دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے ہم نے داڑھی بڑھا رکھی
ہے یا منڈا رکھی ہے لیکن اگر ہمارے اعمال میں ایک تنظیم رونما ہے ہم ایک خاص سانچہ میں اپنی
عادات کو ڈھالنے کے عادی ہیں تب انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے
کیونکہ مسلسل ضابطہ و ترتیب کا خیال رکھنا اور اپنے کو قواعد و پابندیوں میں بندا ہوا محسوس کرنا
آسان نہیں اگرچہ انسان اسطرح کی خاص تربیت پاتے ہوئے ہو۔ وجہ ظاہر ہے ذہن انسانی بھی
اسطرح کسل و تساہل کا عادی ہے جس طرح کہ انسانی جسم و عضلات ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ اگر
آپ کسی ایسے آدمی کو پیدل چلنے کی زحمت دیں گے جو اپنے گوشہ عافیت میں پڑے رہنے
کا عادی ہے جو کبھی چلا پھرا نہیں تو وہ چند ہی قدم چل کر تھک جائیگا اور ایک قدم آگے نہیں
بڑھا پائے گا بخلاف اسکے کہ جو میلوں چلنے کا عادی ہے اس سے توقع کی جا سکتی ہے،
کہ وہ طویل سے طویل سفر کو بغیر کسی زحمت کے جاری رکھ سکے گا یہ بھی اگرچہ سفر کی کوفت
محسوس کریگا لیکن گھبرائے گا نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوگا اس کوفت میں بھی لذت کا ایک پہلو پایا
جاتا ہے اور یہ اس سے مانوس ہے یہ فلسفہ سنت کی ہمہ گیریوں کا اور یہ دوسری تعلیل ہے اس
حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کیونکہ سنت زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے،
جب ہم اسی طرح مسلسل مشق و تمرین سے اپنے تمام اعمال و متروکات کو امر و نہی کے
خانوں میں تقسیم کر دیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس شعور میں ضبط و انضباط
کے وہ اعلیٰ راسخ ہو جائیں گے۔ اور زندگی کا یہ نہج طبیعت ثانیہ بن جائیگا یہی
نہیں اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جس نسبت و مقدار سے محاسبہ کی مشق و تمرین کا یہ
سلسلہ دراز ہوتا جائیگا، اسی نسبت سے اخلاقی و ذہنی کسلمندیاں کم ہوتی چلی جائینگی
اور ہم اخلاق و آداب کی منزلوں کے زیادہ قریب ہوتے جاوینگے مشق و تمرین کا نقطہ

چاہتا ہے کہ اس کی تہ میں شعور و احساس کا جذبہ ہمیشہ کارفرما ہے کیونکہ اگر عمل بالسنتہ کی سطح سے اس حد تک آگے نہ بڑھنے دیا جائے کہ ہماری تمام زندگی مکانکی ہو کر رہ جائے اور بے جان مشینری کی طرح انزیات و مہنیات کا عملیہ جاری رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سنت نے اپنی قدر و قیمت کھو دی اور وہ روح ختم ہو گئی جو مقصود اصلی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آخری دور میں کیا ہوا یہی ناکہ ظواہر سنت تو قائم ہے وہ ان کا چرچا بھی ہوا مگر ان کے ساتھ جو احساس محاسبہ اور جذبہ نگرانی وابستہ تھا وہ جاتا رہا صحابہ کی زندگیاں اس انداز کی نہ تھیں ان کی پیروی سنت کا مطالب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر اور شعور و ادراک سے مالا مال ہو کر ایک ہادی اور رہنما کے سپرد کر دیا تھا۔ تاکہ وہ ان کے اعمال کی سمتوں کو قرآن کی وصال کی طرف پھیر دے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سنت کی پیروی سے وہ وہ فوائد حاصل کئے۔ جو دوسرے نہیں حاصل کر سکے۔ اور اس میں خطا اس نظام سنت کی نہیں، ان کے لئے وضع کئے گئے تھے عمل بالسنتہ کی اہمیت کو ختم کرنے والے عوامل میں پہلا جز تصوف کا ہے اس نے ان قوتوں کو کمزور کیا، جن کا تعلق انسانی مغائبت سے ہے اور ان صلاحیتوں کو چمکایا جن کا تعلق انسان کی داخلی تاثر پذیریوں سے ہے عمل بالسنتہ کو عملی زندگی میں ختم کر دینا تو تصوف کے لئے اس بنا پر ممکن نہ تھا کہ ابتداہی سے اس کو اسلامی زندگی میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے لیکن صوفیائے عظام کی کوششوں سے اتنا ضرور ہوا۔ کہ اس کا مزاج اور رخ یکسر بدل گیا اور یہ بجائے ایک فعالی قوت و حرکت ہونے کے محض اخلاطونی رمزیت ہو کر رہ گیا۔ فقہا اور عامۃ الناس کے نقطہ نظر سے بھی اس کو گزند پہنچا ہے، کیونکہ فقہا نے سنت سے یہ مراد لی کہ یہ محض ایک قانون ہے اور سلسلہ ضوابط سے تعبیر ہے اور عوام نے یہ خیال کیا کہ ایک خوبصورت صرف ہے جو معنی کے درمیان سے بالکل تہی ہے لیکن تعجب اس پر ہے کہ مسلمانوں کے تمام گروہوں نے اگرچہ قرآن اور اس کی ان تعبیرات و تشریحات کا حقہ استفادہ نہیں کیا جو سنت میں مذکور ہیں تاہم اسلامی تعلیمات کا وہ سرچشمہ جو سنت سے فیضیاب ہوتا ہے جوں کا توں قائم رکھتا ہے اور اس میں کوئی دشواری حائل نہیں کہ اس کی طرف دوبارہ رجوع کیا جا سکے

پھر سنت جیسا کہ مغرب زدہ معاندین۔ اسلام سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کی کوششوں سے ہم تک نہیں پہنچی ہے جو فریسیوں کی طرح الفاظ پرست اور جامد ہوں بلکہ یہ ان لوگوں کی مساعی جمیلہ کا نسخہ ہے جو بلا کی شعور رکھتے تھے جن میں غضب کی عزیمت اور گہری بصیرت وعمل کے داعی موجزن تھے۔ اس کا صحیح صحیح اندازہ کرنا ہو تو صحابہ کو دیکھو۔ ان میں یہی صفات تھیں جو ان کا طرۂ امتیاز ہیں ان کو تاریخ میں حیرت انگیز کامیابی کیوں نصیب ہوئی۔ اسی بنا پر کہ ان میں ہمیشہ ذہنی شعور زندہ رہا یہ سنت کی ایک ایک جزئی میں جو حکمت وعمل پوشیدہ ہے اس سے یا خبر رہے اور ان ذمہ داریوں سے آگاہ رہے جو مذہب نے ان کے کندھوں پر ڈالیں سنت کی اہمیت کا یہ ہے انفرادی پہلو۔

دوسری وجہ جس سے کہ عمل بالسنۃ کا فلسفہ واضح ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کی برکت سے اجتماعی زندگی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور اجتماعی خیر وفلاح کا ایک نقشہ ترتیب پاتا ہے کبھی آپ نے غور کیا عام انسانوں میں اختلافات کا کیا سبب ہے اور یہ کیونکر رستا اور فروغ پاتا ہے بات یہ ہے کہ چونکہ ہر ہر شخص کے دل میں دوسروں کے اعمال ومقاصد کے بارہ میں ایک طرح کی غلط فہمی پائی جاتی ہے،

اس لئے کوئی بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی سعی نہیں کرتا۔ اور یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ہر ہر شخص کے مزاج وطبیعت کا یہ قدرتی اختلاف صرف معمولی اختلاف میں پیدا نہیں کرتا بلکہ اس سے ہر قوم کی عادات واطوار کے مطابق زندگی بسر کرتے کسی قوم پر ایک عرصہ گذر جاتا ہے تو یہی عادات واطوار کا اختلاف تہذیب وتمدن کا اختلاف بن جاتا ہے، اور باہمی اتفاق واتحاد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے پھر اگر کوئی قوم یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ اس کی زندگی میں ایک اہم اہنگی پیدا ہو جائے۔ اور اس کی عادت واطوار اور تہذیب وثقافت کا ایک متعین قالب تیار ہو جائے تو ان میں باہمی اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے اعمال ومقاصد کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

اسی بنا پر اسلام نے جو انفرادی بہبودی کے ساتھ ساتھ اجتماعی فلاح کا بھی ضامن ہے

اپنی تعلیمات میں اس نکتہ کو بنیادی ٹھرایا کہ معاشرہ کے تمام افراد میں عادات واطوار کی یکسانی پائی جائے اور ان میں سنت کے التزام سے ایسے کوائف بیدار ہو جائیں جو ہر حال میں ان کے تہذیبی و دینی اتحاد کو برقرار رکھیں چاہیے ان کے اجتماعی واقتصادی حالات ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف اور جدا کیوں نہ ہوں یہ سچ ہے کہ بعض لوگ سنت کے اس نظام میں ایک گونہ سختی اور تشدد محسوس کریں گے لیکن اس کی اس خدمت کو کون بھلا سکتا ہے کہ اس نے اسلامی معاشرہ کو استحکام بخشا ہے،

اس کو ایک متعین شکل اور صورت میں ڈھالا ہے، اور ہر ہر نزاع واختلاف کی معزتوں سے بچایا ہے اس کی اس افادیت کو سمجھنے کے لیے ان انقلابات پر غور کیجیے جو مغرب میں معاشرتی اصلاحات کے نام سے وقوع پزیر ہوئے اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ اس طرح کے مسائل کسی قوم میں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہمارے بعض قوانین اور رسم ورواج مکمل نہیں ہیں اس لیے ان میں کچھ تبدیلیاں ہونی چاہئیں اہل مغرب نے چونکہ اپنے ہاں ان نقائص کو پایا۔ اس لیے اصلاح کے درپے ہوئے مسلمان اس صورت حالات پر اس بناء پر محفوظ رہے کہ یہ اپنے آپ کو قرآن کا پابند ٹھراتے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے تمام اعمال آنحضرتؐ کے اسوہ حسنہ کے مطابق ہونے چاہئیں یہ اصول اپنی جگہ ایسا مستحکم اور استوار ہے کہ اس کو اپنانے کے بعد تبدیلی وتغیر کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کہ خود یہ اصول ہی شک وریب کا نشانہ بنیں اور ان کی صداقت ہی محل نظر قرار پائے اس سے ہم مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کے اس امکان کو عملاً نافذ ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس کو بنیاد مرصوص کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے اور اگر ہم اس اصول کو پوری طرح حرز جان بنالیں تو معاشرہ ان تمام بے کار اور طائل کوششوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو فروعی مسائل کے لیے کی جاتی ہیں پھر اگر معاشرہ ان اختلافات سے باز آ ئے جس کو جدل وبحث کے تقاضوں نے پیدا کیا ہے اور اس پریشانی خاطر سے دستکش ہو جائے جس کو کہ کلامی موشگافیوں نے جنم دیا ہے اور اس کے بعد اس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت کی پیروی پر رکھی جائے تو ایسے مواقع نکل آئیں گے کہ معاشرہ اپنی تمام صلاحیتوں کو افراد کی اجتماعی وانفرادی فلاح وبہبودی کے لیے استعمال میں لائیں ہیں

نہیں بلکہ معاشرے کے لئے یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ تمام افراد کے روحانی ارتقاء کے لئے موثر جدوجہد کر سکے۔ انسانی معاشرہ کی تنظیم و اصلاح کا یہی وہ نصب العین ہے جو اسلام کی اصلی غرض و غایت ہے آیئے اب عمل بالسنۃ میں جو تبدیلی بڑی مصلحت ہے اس پر غور کریں یہ تو ظاہر ہے کہ ہم جب عمل بالسنۃ کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی آنحضرتؐ کی اقتدار کو پیش نظر رکھیں گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم عمل کی ہر ہر صورت میں چاہے وہ اختیار پر مبنی ہو چاہے ترک پر۔ آنحضرتؐ کی عملی زندگی پر غور و فکر کرنا کر عادت ڈالیں گے۔ کیونکہ ہمیں اپنے تمام اعمال کا جائزہ لینا ہے۔ اور اپنی پوری زندگی میں دیکھنا ہے کہ آنحضرتؐ کی اطاعت و پیروی کا مقصد پورا ہو رہا ہے یا نہیں اس طرح گویا ایک عظیم ترین انسانی شخصیت کے اثر نفوذ کو ہمارے روزمرہ کے مشاغل میں منعکس ہونے کا موقع میسر آئے گا بلکہ یہی وہ روحانی اثر و نفوذ ہوگا جو ہماری زندگی کی مشینری کو متحرک رکھے گا۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم یہ رائے رکھنے پر مجبور ہوں گے کہ علاوہ اس کے کہ آنحضرتؐ اللہ کے محبوب ترین اخلاقی پیغمبر ہیں آپ ایک مکمل زندگی بخشنے والے بھی ہیں۔ اس مرحلہ پر جب کہ عمل بالسنۃ کی یہ فصل اختتام کو پہنچ رہی ہے ہمیں اس بات کا فیصلہ بھی کر لینا چاہیئے کہ ہم آنحضرتؐ کے منصب و موقف کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں کیا ہم انہیں دوسری مصلحین و حکما کی طرح صرف ایک حکیم مصلح اور فلسفی ہی سمجھتے ہیں یا اللہ کا ایسا فرستادہ خیال کرتے ہیں جو ہر آن وحی و الہام کی روشنی میں اسی کی اطاعت و پیروی میں معروف ہے جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس کا نقطہ نظر اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے اور اس میں کسی غلط فہمی کے ابھرنے کا امکان ہی نہیں کہ اللہ کا یہ بندہ جس کو نبی آخر الزمان قرار دیا گیا ہے اور جس کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ صبح و شام زندگی کے ہر عمل میں اللہ کی وحی اس کے قلب و فکر کو روشنی بخشے اور یہ وحی و ہدایت کے ان انوار سے اس کے بندوں کے لئے اجالوں کا بندوبست کرے۔ اگر آنحضرتؐ کے متعلق یہ وضاحت صحیح ہے تو اس کا انکار یا اس کی تعلیمات کے بعض حصوں کا انکار، اللہ تعالیٰ کا انکار ہوا یا کم از کم اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کی عطاء کردہ ہدایت کی قدر و قیمت گھٹا دی گئی ہے اور اگر یہ وضاحت درست نہیں ہے ہم اس خیال کو

منطقی طور پر آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کوئی آخری فیصلہ نہیں ہیں اور موجودہ مسائل و مشکلات کا کوئی دوسرا معقول حل بھی سوچا جا سکتا ہے تو یہ خیال اور جن نتائج کی طرف بھی لے جائے ممکن ہے اسلام کی روح بہرحال اس سے متفق نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن نے اس معاملہ میں دو ٹوک رائے کا اظہار فرمایا ہے، اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت پورے تمام تک پہنچا دی اور تمہارے لئے ادیان میں اسلام کو پیروی و اطاعت کے لیے چن لیا ہم اسلام کو تمام تمدنی تنظیمات سے بلند اور اونچا مانتے ہیں کیونکہ یہ پوری زندگی سے تعرض کرتا ہے اس میں دنیا کی گتھیوں کو بھی سلجھایا گیا ہے اور عقبیٰ کی پیچیدگیوں کو بھی نفس روح کے مسائل بھی اس کی لپیٹ میں آتے ہیں اور جسم کے تقاضے بھی فردی زندگی کا نقشہ بھی کھینچتا ہے اور اجتماعی زندگی کی تشکیل بھی اس کے فرائض میں داخل ہے یہ صرف اس سے بحث نہیں کرتا کہ انسان کو مادی و طبعی قیود سے آزادی دلائے۔ بلکہ ان مادی و طبعی قیود کا خیال بھی رکھتا ہے یہ انسان سے محالات کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس کا تقاضا صرف اس حد تک محدود ہے کہ انسان میں جس قدر صلاحیتیں مضمر ہیں۔ ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اور ایسی سطح تک پہنچنے کی جد و جہد کی جائے جو حق سے قریب تر ہے جس میں رائے اور عمل بین کامل ترین توافق ہے اسلام صرف ایک راہ نہیں بلکہ تنہا یہی راہ ہے جو حق و صواب کی طرف لیجانے والی ہے اور جو شخص اس دعوت کو لایا ہے وہ صرف ہادی نہیں بلکہ تنہا دی ہادی ہے پس اس کی اطاعت عین اسلام کی اطاعت ہے اور اس کی اطاعت سے روگردانی حقیقت اسلام سے روگردانی کے مترادف ہے،

الاعتصام لاہور

حجیت حدیث

احکام رسولؐ کی حیثیت

از مولانا عبدالرؤف رحمانی (نیپال)

صحابہ کرامؓ کے مقدس دور میں کچھ مسائل میں باہم اگر اختلاف رونما ہوتے تو فرمان رسولؐ معلوم ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ اور خلفاء راشدین فرمان رسالت کے سامنے جھک جاتے اور اختلافات ختم کر کے صرف سنت کی پیروی کرتے اگر خلفاء کے کچھ ایسے مسائل ہوتے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ سے مزاحم نظر آتے تو اجلہ صحابہ کرامؓ اس کی صاف مخالفت اور سنت کے خلاف نہیں مانی جاتی تھی اور نہ ان کا احترام و تقدس اتباع کی راہ میں کچھ حائل ہو سکتا تھا۔ اس سلسلہ کے چند واقعات پیش خدمت ہیں ان سے تقدیم کتاب و سنت کا حال اچھی طرح آپ کو معلوم ہو سکے گا۔

فرمان رسولؐ کی حیثیت

ملا ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حج و عمرہ کے لیے ایک ساتھ تلبیہ کو منع فرما رکھا تھا انہیں کے دور خلافت میں حضرت علیؓ نے دونوں کے ساتھ لبیک کی آواز بلند کی جب حضرت عثمانؓ کو یہ اطلاع کی گئی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنِّیْ قَدْ نُہِیْتُ عَنْ ھٰذَا۔ یعنی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میں نے حج تمتع سے منع کر رکھا ہے فرمایا آپ کے اعلان کا پتہ مجھے ضرور ہے، ولکن لم اکن لادع قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقولك (مسند احمد ج اص ۹) لیکن جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو جانتا ہوں تو آپ کی بات کی وجہ سے حضورؐ کے ارشاد کو ترک نہیں کر سکتا۔

قول رسولؐ کے سامنے قول خلیفہ کی کوئی حقیقت نہیں

ملا ۔ ایک مجلس میں حضرت عبد ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے، اس پر عروہ بن زبیرؓ نے کہا مگر ابوبکرؓ و عمرؓ تو اس سے منع کرتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے غصہ سے فرمایا اے عروہ تو کیا کہہ رہا ہے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے

کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے منع کیا ہے مسند احمد ص ۳۳ ج اول اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ ارشاد نبوت کے مقابلے میں خلفاء راشدین کے کسی قول و عمل کو حجت نہیں قرار دیتے تھے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر عام اعمال کا دارومدار رکھتے تھے،

منع تمتع سے رجوع اور اتباع سنت

مسئلہ۔ حضرت عمرؓ کا اپنے فتویٰ سے رجوع بھی ثابت ہے حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ میرے والد حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو منع کیا کہ آپ کو حج تمتع سے روکنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ حج تمتع کیا ہے لیکن آپ نے ہم کو اس سے روکا یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمایا منتخب کنز العمال ص ۳۳۶ ج دوم

اتباع سنت کا مقام

مسئلہ۔ حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ قربانی کے جانور پر سوار ہونا درست ہے یا نہیں آپ نے فرمایا درست ہے کیونکہ حضورؐ نے ہدی کے جانوروں پر سواری کی اجازت دی ہے اس کے بعد حضرت علیؓ نے سائل سے فرمایا لَا تَتَّبِعُوْنَ شَيْئًا اَفْضَلَ مِنْ سُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم منتخب کنز العمال ص ۳۲۵ ج ۲) نبی کریم کی سنت سے بڑھ کر کوئی چیز قابل اتباع نہیں ہے مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ و روش سے ہٹ کر تقویٰ اور بندگی کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے پس حضورؐ کے ارشاد کے بعد ایسے جانور پر سواری نہ کرنا اتباع سنت کے خلاف ہے،

قول و رائے پر حدیث رسولؐ مقدم ہے

مسئلہ۔ حضرت ابو الجوزاؒ نے حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے معاملہ صرف کے متعلق پوچھا تو بار بار یہی بتاتے رہے کہ جب ہاتھوں ہاتھ نقد لین دین ہو تو ایک کے بدلے دو لینے میں کوئی (حرج) نہیں ہے ایک سال حج کے موقع پر مسئلہ کی توضیح کے خیال سے پھر پوچھا تو فرمایا کہ پورے وزن کے ساتھ برابر برابر لینا ہوگا تو میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے عرض کیا کہ پہلے آپ کا فتویٰ کچھ اور تھا اور اب کچھ اور یہ کیا بات ہے فرمایا میرا پہلا فتویٰ میری رائے تھی اور اب حضرت ابو سعیدؓ اس کے متعلق ایک صاف حدیث بیان کر

کرتے ہیں۔ فَتَرَكْتُ رَأْيِي إِلَى حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم پس میں نے اپنی رائے کو حدیث رسولؐ کے مقابلہ میں پس پشت ڈال دیا ہے،

سنت رسول کی اقتداء

سات۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ کعبہ میں جو خزانہ محفوظ ہے اس کو برآمد کر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے تو شیبہ بن عثمان نے یہ بات سامنے رکھی کہ آپ سے پہلے رسول اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ گذر چکے ہیں اور ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا بے شک میرے لئے ان حضرات کی سنت اور تعامل کی اقتداء کرنی ضروری ہے مسند احمد ۔ ج ۳ چنانچہ آپ نے بھی کعبہ کا خزانہ برآمد نہیں کیا۔

سنت رسولؐ کی تعلیم و تلقین

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے فلاں کے ساتھ نماز پڑھی ہے تو اس نے ۲۲ تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھائی ہے چونکہ وہ شخص اس میں عیب و نقص سمجھ رہا تھا اسلئے عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔

یعنی تجھ پر افسوس ہے تو ۲۲ تکبیروں میں کوئی شرعی نقص کیوں سمجھ رہا ہے اس طرح کی نماز تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عین سنت ہے،

سنت رسولؐ کا مطالبہ

۸۔ فاروق اعظم امیر المومنین حضرت عمرؓ نے جب مسجد نبوی میں اضافہ کرنے کے لئے حضرت عباسؓ کا مکان جو مسجد کے پہلو میں تھا لینا چاہا تو حضرت عباسؓ اپنی زمین کے فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں قطعاً یہ زمین خالی کرنی ہوگی خواہ قیمتاً۔ تو خواہ مسجد کے لئے وقف کر دو، انہوں نے کسی طرح منظور نہ کیا، چونکہ حضرت عباسؓ حضورؐ کے محترم چچا تھے ان کا احترام بھی واجب تھا اور ہر حضرت فاروق اعظمؓ کا حکم بھی وقعت رکھتا تھا اس لئے یہ معاملہ ایک حکم یعنی ایک ثالث کے سامنے پیش ہوا۔ اور یہ دونو بزرگ حضرت ابی بن کعبؓ کے فیصلہ پر راضی ہوئے چنانچہ جب معاملہ حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں پیش ہوا تو معاملہ کی روداد اور تفصیلات معلوم کرنے کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ زمین

والے کی رضامندی کے بغیر کسی کی زمین نہیں لے سکتے حضرت عمرؓ نے اپنے منصف سے پوچھا کہ کتاب اللہ یا سنت رسول کی کونسی دلیل تمہارے پاس ہے حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا "بل سُنّۃ" من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے چنانچہ اس سنت کا علم حضرت عمرؓ کو ہوا تو اپنے اس خیال سے باز آگئے منتخب کنز العمال ص ۲۶۲ ج ۳)

سنت رسول کامل ومکمل ہے

۹:۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ سفر میں دو نماز قصر اب بھی پڑھیں یا کامل اور پوری پڑھیں تو آپ نے فرمایا لیست تقصر ھا و لکن تمامھا و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ منتخب کنز العمال ص ۲۲۹ ج ۳) خلاصہ جواب یہ ہے کہ تم سفر میں نماز قصر کو جیسے حضورؐ نے مسنون کیا ہے کچھ قصر ونقص کی بات نہ سمجھو۔ بلکہ وہ قصر ہو کر بھی کامل ومکمل ہے اور رسول اکرم کی عین سنت ہے،

سنت رسولؐ کی تقدیم

۱۰:۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ان کے بھائی عمرو بن زبیرؓ کے درمیان ایک جھگڑا تھا۔ دونو اپنا معاملہ پیش کرنے کے لئے حضرت سعید بن عاصؓ کے پاس گئے چونکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایک مشہور شخصیت کے مالک تھے اس لئے سعیدؓ نے انکو اپنے ساتھ تخت پر بٹھانا چاہا اور جگہ بنا کر بلایا۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس عزت افزائی کو قبول فرمانے سے انکار کیا اور کہا سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ الْخَصْمَيْنِ يُقْعَدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَكَمِ (مسند احمد ج ۴) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ مدعی اور مدعا علیہ دونو حاکم کے سامنے بٹھائے جائیں ایک حاکم کے ساتھ تخت پر بیٹھے اور دوسرا فرش زمین پر رہے یہ سنت رسول کے خلاف ہے،

سنت رسول اور رائے امام

۱۱:۔ علامہ ابن القیم لکھتے ہیں قال الشافعیؒ اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰى اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهُ سُنَّةُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَمْ يَكُنْ لَهُ اَنْ يَدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ (کتاب الروح ص ۳۲۲)

یعنی امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر اجماع امت ہے کہ جس کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہو جائے پھر اسکی مجال نہیں ہے کہ کسی عالم یا کسی امام کے قول کی وجہ سے سنت رسول چھوڑ دے۔

کتاب وسنت اور اقوال ائمہ

۱۲:۔ علامہ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ حضورؐ کے قول وفعل پر کسی کے رائے وقیاس کو مقدم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے حدیث کی صحت کو روایۃً ودرایۃً معلوم کر لینے کے بعد حدیث رسولؐ سے عدول درست نہیں اگرچہ بفرض محال ایک دنیا اس کی مخالفت پر تل جائے آپ کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں۔ نَنْظُرُ فِي صِحَّةِ الْحَدِيثِ أَوَّلًا ثُمَّ فِي مَعْنَاهُ ثَانِيًا فَإِذَا تَبَيَّنَ لَكَ لَمْ نَعْدِلْ عَنْهُ وَلَوْ خَالَفَكَ مَنْ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَعَاذَ اللهِ أَنْ تَتَّفِقَ الْأُمَّةُ عَلَى مُخَالَفَةِ مَا جَاءَ بِهِ (کتاب الروح ص۳۶۳) پھر حافظ ابن القیمؒ نے یہ بھی یہ بات لکھی ہے کہ کچھ لوگ کتاب وسنت پر کسی امام کی رائے کے خلاف ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کرتے اور یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہمارے امام ان نصوص شرعیہ کو ہم سے زیادہ جانتے تھے لیکن اگر ان کی یہ بات درست ہے تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ جن ائمہ دین نے نص شرعی کی پیروی کی ہے وہ بھی تو ہم سے اعلم تھے پس کیا وجہ ہے کہ تم نے ان کی موافقت نہ کی اگر علم ہونا مدار کار تھا تو وجہ ترجیح کیا ہے پھر ان علماء وائمہ کی تصریحات موجود ہیں کہ نصوص کتاب و سنت کو ہمارے اقوال سے مزاحم دیکھو تو نصوص شرعیہ کتاب سنت کو ہمارے اقوال پر مقدم رکھو۔

سنت رسولؐ مطلوب ومحبوب ہے

۱۳:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے پاس حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بیوی خویلہؓ آئی ہوئی تھیں حضورؐ کی بھی نظر پڑی تو دیکھا کہ کپڑے میلے اور عام حالت خراب وخستہ ہے تو حضرت عائشہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ خویلہؓ کی یہ کیا حالت ہے جواب دیا حضور اس آدمی کی بیوی کی یہ حالت کیوں نہ ہو جس کے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر قیام کرتے ہیں بیوی سے کچھ واسطہ ہی نہیں رکھتے ہیں۔ فَهِيَ كَمَنْ لَا زَوْجَ لَهَا فَتَرَكَتْ نَفْسَهَا وَأَضَاعَتْهَا۔ تو انہوں نے اپنے

نفس کا تزئین چھوڑ دیا اور اپنی حالت کو شوہر کی بے استغناقی کے سبب گرا دیا تو حضورؐ نے
حضرت عثمان بن مظعون کو بلایا اور فرمایا کہ کیا تم میری سنت سے اعراض کرتے ہو انہوں نے
عرض کیا۔ وَلٰكِنْ سُنَّتَكَ اَطْلُبُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یعنی میں تو آپ کی سنت کا ہی طالب
ہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں روزہ کے ساتھ وقت پر سوتا ہوں اور بیبیوں سے بھی تعلق رکھتے
ہوں عثمانؓ اللہ کا خوف کرو۔ اللہ کے حقوق کے ساتھ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے اور تمہارے
اہل و عیال کے بھی حقوق ہیں اس لئے سب امور میں اعتدال ملحوظ رکھو مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۶

سنن نبویہ کی تحصیل کا کامل ذوق

۱۴۔ سلیطؓ نامی ایک بزرگ صحابی گذرے ہیں ان کو حضورؐ نے
ایک زمین بطور جاگیر عطا فرمائی تھی وہ اپنی زمین کی آبادی کے سلسلے میں اپنے موضع میں جایا کرتے
تے اور چند دن گذار کر پھر خدمت نبویؐ میں مدینہ آجاتے تھے لوگ ان سے کہتے تھے کہ
تمہارے جانے کے بعد قرآن کی فلاں فلاں آیتیں اتریں اور حضورؐ نے فلاں فلاں ہدایت فرمائی
اور فلاں فلاں فیصلے نافذ فرمائے تو ان اپنی غیر حاضری کا بڑا غم ہوتا ایک بار انہوں نے
طے کر لیا کہ یہ سب کو تہاں زمینداری کے قضیے کے سبب ہیں تو حاضر ہو کر حضورؐ سے عرض
کرتے ہیں کہ حضور اس جاگیر کی زمین نے مجھے افادات سے محروم کر رکھا ہے براہ کرم مجھ سے
اس جائیداد کو واپس لے لیجئے، فَلَا حَاجَةَ لِيْ فِي الشَّيْءِ يُشْغِلُنِيْ عَنْكَ (کتاب
الاموال ص ۲۷۲) مجھے ایسی کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں ہے جو آپکے سنن و احکام اور آپ کے
افادات سے مجھے محروم رکھے واقعی زمینداری ایک بڑا بکھیڑا ہے اور سخت قضیے کا کام ہے

سنت رسول پر عمل کا جذبہ

۱۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض اصحابؓ نے ذکر کیا کہ کاش ہم لوگ حضورؐ
سے پہلے مر گئے ہوتے اور بعد میں آنے والے ہر فتنہ سے آزاد رہتے ایک صحابی معن
بن عدیؓ نے کہا میں تو آپ کے ارتحال کے بعد بھی زندہ رہنا چاہتا ہوں تاکہ دنیا کو دکھا
دوں کہ جس طرح آپ کی سنت سے زندگی میں ہمیں محبت تھی ویسا ہی عشق و محبت سنن نبویہؐ
سے ہمیں آپ کی موت کے بعد بھی ہے راوی کے الفاظ ہیں۔ حَتّٰى اُصَدِّقَهٗ مَيِّتًا كَمَا

صَنَّ قَتُلُ حَيًّا (صفۃ الصفوہ صـ ۱۸۲ ج ۱)

اہل سنت کی تعریف

۱۶:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا مَنْ اَهْلُ السُّنَّةِ کہ سنت پر عمل پیرا کون لوگ سمجھے جائینگے مَا اَنَا عَلَیْهِ اَلْیَوْمَ وَاَصْحَابِیْ (ملل ونحل شہرستانی صـ ۳۹) یعنی آج میرے زمانہ میں جو طریقہ ان میرا اصحابؓ کا ہے اس پر چلنے والے اور اس کے مطابق عمل کرنے والے اہل سنت ہیں۔

اہل سنت بازبانی حضرت علیؓ

۱۷:۔ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا مَنْ اَهْلُ السُّنَّةِ کہ اہل سنت سے کون لوگ مراد ہیں فرمایا۔ اَلْمُتَمَسِّكُوْنَ بِمَا سَنَّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَاِنْ قَلُّوْا۔ (کنز العمال صـ ۲۱۶ ج ۸) کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو شریعت مقرر کردی ہے اس کے ساتھ تمسک کرنے والے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے والے اہل سنت ہیں خواہ وہ تھوڑے ہی لوگ ہوں۔

سنت سے احکام قرآنی کی توضیحات

۱۸:۔ علامہ ابو عبیدؒ فرماتے ہیں اَلسُّنَّةُ هِیَ الْمُفَسِّرَةُ لِلتَّنْزِیْلِ وَالْمُوَضِّحَةُ لِحُدُوْدِهٖ وَشَرَائِعِهٖ اس کے بعد اس کا مثلہ دیتے ہیں کہ زانی کی حد کوڑے لگانا قرآن سے مقرر کیا بظاہر ہر طرح کے زانی کی یہ سزا معلوم ہوتی ہے، مگر حضورؐ نے کنواروں پر تو کوڑا ہی سزا رکھی مگر شادی شدہ کیلئے کے لئے۔ رجم سنگسار کا حکم لازم فرمایا تو یہ کتاب اللہ کے خلاف نہ سمجھا جائے گا، بلکہ آپ کی اس توضیح سے یہ سمجھا جائیگا کہ آیت میں بکرین (کنوارے) چھوڑے مراد ہیں اسی طرح قرآن نے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ فرما کر ہر اولاد کو وارث بنایا، مگر حضورؐ نے فرمایا لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ تو یہ قرآن کی مخالفت نہیں ہے بلکہ اس سے سمجھا گیا کہ دو مختلف دین والوں میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

اسی طرح وضو بنانے کے لئے قرآن نے پاؤں دھونے کا حکم دیا حضورؐ نے خفین پر مسح کا

حکم دیا تو یہ قرآن کی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ حضورؐ کے قول و عمل سے اس امر کی تشریح ہوگئی کہ غسل اسوقت ہے جب پاؤں ننگے ہوں اور ان پر خف موجود نہ ہوں لیکن جب خفاف مستعمل ہوں تو مسح کافی ہے وھکذا اکثر ابکے مال ۲۲۴ معلوم ہوا کہ سنت رسول کے بغیر قرآنی احکام کی توضیح و تفسیر نہیں ہوسکتی اور ان کے بغیر کتاب اللہ پر صحیح عمل نہیں ہوسکتا۔

سنت رسول سے عملی تشکیلات

۱۹۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ ایک شخص صحابی رسول حضرت عمران بن حصینؓ کے پاس آیا اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ لاتحدثونا الا بالقرآن یعنی ہمیں آپ جو کچھ تعلیم و تبلیغ فرمایئے وہ صرف قرآن ہی سے فرمایئے حضرت عمرانؓ نے اسکو اپنے قریب بلایا اور پوچھا کہ ایسا مطالبہ تم نے کیوں کیا اس نے کہا کہ قرآن ہیں کافی وافی ہے تفصیلا بکل شئی اس کی تعریف میں وارد ہے آپ نے فرمایا ہاں قرآن میں مکمل جامع ہدایات موجود ہیں مگر ان عملی تشکیلات سنت رسولؐ یعنی احادیث نبوی ہی سے معلوم ہوسکتی ہیں اور اگر تم حدیث رسولؐ کی ضرورت نہیں سمجھتے تو بتلاؤ کہ الصلوٰۃ جس کا بار بار مطالبہ قرآن کریم میں مسلمانوں سے کیا گیا ہے اس کی عملی صورت کیا ہوگی۔ اکنت تجد فی القرآن صلوٰۃ الظھر اربعا و صلوٰۃ العصر اربعا و المغرب ثلاثا۔ یعنی کیا نماز ظہر کی چار رکعت اور عصر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت کا تذکرہ قرآن کریم میں ملے گا پھر آپ نے تمثیلاً حج کا ذکر کرکے پوچھا لو وکلت انت و اصحابک الی القرآن اکنت تجد منہ الطواف بالبیت سبعا و الطواف بالصفا و المروۃ سبعا۔ . . . . . یعنی تمہارے و تمہارے دوسرے ہم خیال حضرات سب کے حوالے قرآن کردیا جائے تو کیا بیت اللہ کے سات سات مرتبہ طواف اور صفا و مروہ کے سات سات طوافوں کا مسئلہ قرآن سے دکھا سکتے ہو اسکے بعد دریافت فرمایا کہ چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے، اسلامی سلطنت کے قیام کی صورت میں یہ سزا چور کو ضرور دی جائے گی لیکن یہ بتاؤ کہ قرآن نے اس کی عملی تشکیل نہیں بتلائی تو ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا۔ ولیس مع اثنی تقطعم من ههنا او من ههنا۔ راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ یہاں سے

کاٹا جائے گا پھر کبنی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کہ یہاں سے پھر کندھے کے قریب ہاتھ لے گئے اور پوچھا کہ کیا یہاں سے (الکفایہ للخطیب صفحہ) اس واقعہ کی روشنی میں بلا مزید تبصرہ کے سنت نبویہ کی منزلت اور اہمیت صاف واضح ہے۔

اتباع سنت کا مقام

۲۰۔ مشہور اہل اللہ ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں لَوْ نَظَرْتُمْ اِلٰی رَجُلٍ اُعْطِیَ مِنَ الْکَرَامَاتِ حَتّٰی یَتَرَبَّعَ فِی الْھَوَاءِ فَلَا تَغْتَرُّوْا حَتّٰی تَنْظُرُوْا کَیْفَ تَجِدُوْنَہٗ عِنْدَ الْاَمْرِ وَالنَّهْیِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَاٰدَابِ الشَّرِیْعَۃِ (مرآۃ الجنان) یعنی اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ہوا میں اڑ رہا ہے وہ بڑی بڑی کرامات دکھا رہا ہے تم اس کا ذرا اعتبار نہ کرو یعنی کوئی ولی کامل غوث، قطب اسکو نہ سمجھنے لگ جاؤ بلکہ دیکھو کہ شریعت کے آداب و حدود کی پابندی کے معاملہ میں اس کا کیا حال ہے، اور شریعت و سنت کی تبلیغ اور امر و نہی کے معاملہ میں اس کا کیا رویہ ہے اگر سنت مصطفویہ و شریعت الٰہیہ کا متبع اور مبلغ ہے تو بلا شبہ وہ ولی بھی ہے صوفی بھی ہے لیکن اگر حدود شریعہ سے آزاد ہے تو اسکو معمولی درجہ کا انسان بھی قرار نہ دو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے کہ جو معارف اور احوال بال بھر بھی شریعت (کتاب و سنت) کے مخالف ہوں وہ ایک جو کے عوض بھی خریدے نہیں جا سکتے۔

کتاب و سنت سے اعمال کا تقابل

۲۱۔ عارف باللہ ابو حفص حداد نیشاپوری کا مقولہ ہے مَنْ لَّمْ یَزِنْ اَفْعَالَہٗ وَاَحْوَالَہٗ کُلَّ وَقْتٍ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ فَلَا تَعُدُّوْہُ فِیْ دِیْوَانِ الرِّجَالِ (مرآۃ الجنان صفحہ) اور احوال کا ہر وقت کتاب و سنت کا مقابلہ کرکے اپنے اعمال کو مطابق سنت نہ رکھے خواہ وہ کیسا ہی آدمی ہو اس کو انسان نہ سمجھو اس میں اشارہ ہے کہ بظاہر وہ تارک سنت خواہ ہوا میں اڑے پانی کی چادر پر کرامات دکھائے لیکن بایں ہمہ اس سنت رسولؐ کے تارک و بدعتی کو ولی صوفی تو کیا انسان بھی شمار نہ کرو بقول سعدی علیہ الرحمہ۔

محال است سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز بر پئے مصطفٰے

ترک سنت کا دنیوی وبال

۲۲۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ

شیخهم لا یأمر بالمعروف ولا ینهی عن المنکر السنة فیهم بدعة والبدعة فیهم سنة فعند ذالك یسلط الله علیهم شرارهم فیدعوا اخیارهم فلا یستجاب لهم (مسند احمد ص۲۶ ج۵) کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کا شیخ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر عامل نہ ہوگا سنت کے کام بدعت سمجھے جائیں گے اور بدعت سنت سمجھی جائے گی اس کا وبال یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برے اور ظالم حاکم کو ان پر مسلط کر دے گا اور ان کے صلحاء وابرار دعا کریں گے مگر قبول نہ ہوگی۔

ترک سنت کا اثر

۲۳۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے اسکندریہ کی فتح کے لیے حضرت عمرو بن عاصؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ کیا اس کے فتح ہونے میں کافی تاخیر ہوئی حضرت عمرؓ برابر اس فکر میں رہنے لگے کہ اس تاخیر کا باعث کیا ہے آخر سوچ سمجھ کر سالار لشکر حضرت عمروؓ بن عاص کو ایک خط لکھا اور اس میں واضح کیا کہ اس فتح و تائید الٰہی میں تاخیر کا سبب میرے نزدیک بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے کتاب و سنت کے بتائے ہوئے نمونہ پر اپنے عمل کو قائم نہیں رکھا لہٰذا آپ سب مسلمانوں کو جمع کر کے انہیں بتلاؤ کہ وہ اپنی اپنی زندگی میں معلوم کریں کہ کونسا کام خلاف سنت ہو رہا ہے چنانچہ ہر شخص نے سوچا اور غور کیا تو پتا چلا کہ ایک سنت سے عام طور پر غفلت تھی۔ اس پر اہتمام کے ساتھ عمل کرنا شروع ہوا تو بہت جلد مسلمانوں نے اسکندریہ کو فتح کیا (منتخب کنز جلد سوم ص) حضرت عمرؓ نے نہ فوج کی کمی کو اس کا سبب قرار دیا نہ گولا گولہ مصالحہ بارود و بندوق و توپ کی کمی کو اس کا باعث قرار دیا اور نہ کسی دیگر مادی چیز کو اس باعث گردانا۔ بلکہ سرتاسر تمام تر نصرت و کامیابی کا مدار اتباع سنت پر سمجھا۔ بعد آج ہر ناکامی کو مسلمانوں نے اپنی تعدادی اقلیت اور مادی سروسامان کی قلت پر محمول کرنے کا ایک حیلہ تراش لیا ہے اپنی ایمانی افلاس نے الدین کا کوئی عذر ہی قرار نہیں دیتے یہ حیلہ سازی بجائے خود ایک مستقل فتنہ ہے۔

کتاب و سنت کا علم

۲۴۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ میں مناظرہ ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ میں سے کون

افضل ہے تو امام شافعی نے قسم دیکر امام محمد سے پوچھا مَنْ أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ صَاحِبُنَا أَمْ صَاحِبُكُمْ کہ قرآن کا زیادہ علم کسے ہے امام محمد نے کہا امام مالک کو پھر قسم دے کر پوچھا مَنْ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ کہ سنت نبویہ کا دونوں اماموں میں سے کس کو زیادہ علم ہے امام محمد نے کہا امام مالک کو پھر پوچھا اصحاب رسول کے اقوال کا زیادہ عالم کون ہے انہوں نے کہا امام مالک ہیں اس پر امام شافعی نے فرمایا فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الْقِيَاسُ وَالْقِيَاسُ لَا يَكُونُ إِلَّا عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فَعَلَى أَيِّ شَيْءٍ نَقِيسُ (مرآۃ الجنان صـ۳۷۶ ج۱) کہ جب کتاب و سنت کا زیادہ علم امام مالک کو ہوا تو اب قیاس کے علاوہ کیا باقی رہا اسے پھر قیاس بھی انہی مقامات پر ہوتا ہے اور جب ان کا وسیع علم ہی نہیں تو قیاس بھی بے بنیاد ہوگا۔

کتاب و سنت بہرحال مقدم ہے

۲۵۔ امام شافعی کا ارشاد ہے إِذَا وَجَدْتُمْ فِي كِتَابِي خِلَافَ سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ فَقُولُوا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ وَدَعُوا مَا قُلْتُ (صفۃ الصفوۃ صـ۱۴۲ جلد۲) یعنی تم میری کتاب میں کوئی مسئلہ رسول اللہ کی سنت کے خلاف دیکھو تو میری رائے میرا فانی قول سمجھ کر قطعی چھوڑ دو اور سنت رسول کے مطابق اپنا قول و عمل رکھو۔

سنت رسول کے مقابلہ میں کسی کا قول قابل قبول نہیں

۲۶۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کسی شاگرد نے کتاب المناسک کی ایک حدیث کے آخر میں لکھا ہے قَالَ عَبْدُ اللهِ وَبِهِ نَأْخُذُ، یعنی ہمارے استاد کا یہ خیال ہے اور ہم بھی اس پر عمل کرتے ہیں کسی موقعہ پر یہ عبارت آپکی نظر سے گذری تو خفا ہوئے اور اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا میں کون ہوں جو میرا قول لکھا جائے اور اس پر عمل کا مدار رکھا جائے، (صفۃ الصفوۃ صـ۱۰۹ ج ۴)

(الاعتصام جلد ۱۸ ش ۱ صـ۱۱)

اسلام میں سنت کا مقام

اسلام میں سنت یعنی حدیث کا مقام بہت بلند اور ارفع ہے۔ سنت کو بھی دین حق میں وہی مقام حاصل ہے جو قرآن پاک کو ہے قرآن کریم کی طرح سنت بھی بذریعہ وحی نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۃ نجم) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وحی آسمانی سے بولتے ہیں آیت ہذا کا ترجمہ مولانا روم فرماتے ہیں،

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

قرآن پاک نے بیان کیا۔ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (پ۵ سورہ نساء) یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اسنے خداوندکریم کی اطاعت کی دوسرے الفاظ میں یہ ترجمہ ہوا کہ جس نے حدیث پر عمل کیا اس نے قرآن ہی پر عمل کیا۔ ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفےٰ بر جان مسلم داشتن

حدیث پاک کی منزل من اللہ ہونے پر یہ حدیث اظہر من الشمس ہے، عَنْ حَسَّانَ رضؓ ★ قَالَ كَانَ جِبْرَائِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ (دارمی شریف ص۵۸)

حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآن پاک کی وحی لے کر آتے اسی طرح سنت کی وحی لیکر آتے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضور علیہ السلام سے جو بات سنتے لکھ لیتے خود فرماتے ہیں لوگوں نے مجھے منع کیا کہ ہر بات نہ لکھا کرو۔ فَإِنَّ رَسُولَ صلعم يَتَكَلَّمُ فِي الرِّضَاءِ وَالسَّخَطِ (الحدیث) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خوشی کی حالت میں کلام کرتے ہیں کبھی ناخوشی کی حالت میں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی آپ کی کونسی بات لکھوں اور کونسی نہ لکھوں کس وقت لکھوں اور کس وقت نہ لکھوں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اُكْتُبْ مَا أَقُولُ فَوَاللهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ۔ میری ہر بات لکھ لیا کرو خدا کی قسم میری زبان سے ہر وقت حق اور سچ ہی نکلتا ہے بعض احادیث میں تو سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کو کتاب اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ کتاب الحدود مشکوٰۃ شریف ص۳۰۸ میں

ایک طویل حدیث کا اقتباس ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اِنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ اَحَدُھُمَا اِقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَقَالَ الْاٰخَرُ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہِ۔ (الحدیث)

یعنی دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھگڑا لیکر آئے ایک نے کہا کہ ہمارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق ہونا چاہیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَمَّا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ (الحدیث)

یعنی اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں تمہارا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کروں گا آپ نے جو فیصلہ فرمایا وہ حدیث پاک میں مرقوم ہے جس کا قرآن پاک میں ذکر تک نہیں۔ اس حدیث سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ حدیث پاک کے مطابق فیصلہ کو حضور علیہ السلام قرآن پاک کا فیصلہ فرما رہے ہیں جیسے آپ کے الفاظ ہیں۔ لَاَقْضِیَنَّ بَیْنَکُمَا بِکِتَابِ اللّٰہِ فَہٰذَا ھُوَالْمَقْصُوْدُ ۔ اور سائل کے مطالبہ اقض بیننا بکتٰب اللہ سے ظاہر ہے کہ کتاب اللہ یعنی سے ایسے سینکڑوں واقعات کتب حدیث میں مرقوم ہیں! وفی ذالك كفایت لمن له الهدیٰ۔

الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سالگرہ کرنا اس ہیئت سے کہ اس میں گرہ وغیرہ ڈالی جاوے جیسا کہ دستور ہے بلکہ فقط لڑکے کو نہلا کر نئے کپڑے پہناویں اور کچھ شیرینی مثل بتاشے وغیرہ بلا پڑھنے فاتحہ وغیرہ کے تقسیم کر دیں جائز ہے کہ نہیں اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر ناجائز ہے تو کس دلیل سے، دلیل قرآن و حدیث سے ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہماری شریعت محمدیہ میں سالگرہ کرنا پایا نہیں جاتا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی کی سالگرہ کی گئی اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین رحمہم اللہ علیہم کے زمانہ میں کی گئی لہذا ممنوع ہے فقط مولود و سالگرہ کیا کرنا محض عرفی رسم ہے واللہ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبد الرحمٰن پنجابی۔ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو کھانا اولیاء اللہ کی قبروں پہ جاکر خواہ ایک یا دو مساکین کو کھلاوے اور مساکین وہاں پر موجود نہ ہوں یعنی وہاں نہیں رہتے ہیں محض اس غرض سے دوسری جگہ سے مساکین طلب کر کے قبور مذکورہ پر کھانا کھلانا زیادہ ثواب کا موجب ہوگا۔ درست ہے یا نہیں اور اگر منع ہے تو کہاں تک منع ہے۔

سوال دوم: عصر و مغرب کے درمیان علاوہ رمضان کے پانی پینا درست ہے یا نہیں اور جو لوگ عصر و مغرب کے درمیان پانی نہیں پیتے، ان کو گناہ ہے یا ثواب۔

الجواب۔ مزار اولیاء اللہ کی قبروں پر کھانا لے جانا اور مساکین کو دوسری جگہ سے بلا کر غرض مذکور سے وہاں کھلانا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں اور جب یہ ثابت نہیں تو اس میں ثواب ہی کی امید نہیں ہے چہ جائے کہ زیادہ ثواب ہو، پس اس بے اصل و بدعت بات سے احتراز لازم ہے۔

جواب سوال دوم۔ جیسے اور وقتوں میں پانی پینا درست ہے اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان میں پانی پینا بھی درست ہے اس وقت پانی پینے کی ممانعت شرع میں نہیں آئی ہے پس اس وقت پانی نہ پینا اور نہ پینے کو دین کے اعتبار سے اچھا ضروری سمجھنا جہالت کی بات ہے ہم چنین فہم کے لوگوں کو سمجھانا چاہیے اگر وہ باز آجائیں تو خیر ورنہ وہ ضرور گنہگار ہوں گے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب حررہ عبد الرحیم اعظم گڈھی مبارکپوری ۱۶ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ ہجری۔ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ

سوال۔ ایک شخص فوت ہوگیا اس کے جنازہ کی نماز گزر گئی بعد اس کے اسقاط کی لوگ آپس میں جھگڑنے لگے یہاں اس ملک میں یہ دستور مشہور ہوا ہے کہ ایک قرآن شریف کو جنازہ کے ہمراہ کر

دیتے ہیں جب جنازہ کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو قرآن شریف کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھراتے ہیں ایجاب وقبول جس طرح سے ہوتا ہے اس کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب۔ ہمراہ جنازہ کے قرآن مجید کے جانے اور بعد نماز جنازہ کے اس کو ایک دوسرے کے ہاتھ پھرانے اور ایجاب وقبول کرنے کا جو وہاں دستور ہے وہ بالکل ناجائز وناردست ہے اور بدعت وخرست ہے اس دستور کو مٹانا اور بند کرنا لوگوں کو اس ناجائز دستور سے روکنا اور منع کرنا حسب استطاعت فرض ہے واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد ابوالحسن | سید محمد ابوالحسن | سید محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ ج۱

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندرینکہ در بعض امصار واقطار ایں دیار بکثرت مروج است کہ شخصے از اولیائے میت بعوض فرائض وواجبات متروکہ میت چند کلام مجید خرید علی وجہ المخصوص در کلام ندرنیش چند اشخاص حضور را از حجاج وحفاظ بخوانند می دہد بآں از جانبین ایں چنیں اقوال مع عقائد قویہ مسموع آیند کہ تاحین حیات ایں متوفی ہر چہ صوم وصلوٰۃ وغیرہا عمداً یا سہواً قضا وترک کرد آں معلی بجزم اجزاء واسقاط ایش آں قرآن مذکور می دہد واخذ آں ہم آں چناں عقیدہ علیہا تش قبول نمایند ودر آں ہر خاص وعام چناں معتقد ومتیقن اند کہ ایں مردہ باعطا چندیں کلام مجید یا مدرہ وزنانے خود برگردن گیرندگان آں علیات اند اختہ بری الذمہ شدہ وبعضے علماء ہم باعطاء ہم چنیں اسقاطات مردہ مع عقائد مذکورہ عوام الناس را تاکید بلیغ وزجر بسیار می نہند تا عقیدہ واکثر علی بداں قوی ماند پس ایں چنیں اسقاط حکم جواز وصحت واجزاء دارد یا نہ بینوا توجروا۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس علاقہ میں یہ رواج ہے کہ جب مردہ کو دفن کر چکتے ہیں تو اولیائے میت میں سے کوئی آدمی ایک یا چند قرآن مجید حاجیوں اور حافظوں سے بلا کر کہتا ہے کہ میں نے یہ قرآن مجید اس میت کے متروکہ نماز روزہ کے عوض تم کو دیتا ہوں اور پھر وہ آدمی اسی طرح دوسرے کو وہ قرآن مجید بخشتا ہے اور پھر وہ کسی اور کو علیٰ ہذا القیاس چند بار اس کو پھیر کر پھر اسی آدمی کے پاس پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح کرنے سے ان کا خیال ہے کہ اس کے نماز روزہ جو اس کے ذمہ واجب الادا تھے اس سے ساقط ہو جاتے ہیں اور اس علاقہ کے بعض علماء اس کی عوام کو تلقین کرتے ہیں کیا اس طرح نماز روزہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

الجواب ۔ اسقاط حکم جائز و صحت ندارد لما فی در المختار فی ذکر الفدیۃ ولو قضاها ورثتہ بامرہ لم یجز لانہا عبادۃ بدنیۃ بخلاف الحج لانہ یقبل النیابۃ وفیہ ایضا ولو نذی عن صلوتہ فی مرضہ لا یصح بخلاف الصوم وکذا فی الشامی ان الصلوۃ لا تسقط عن المیت بذلک وکذا الصوم نعم لو صام او صلی وجعل ثواب ذلک للمیت صح لانہ یصح ان لا یجعل ثواب عملہ لغیرہ عندنا قولہ ای الدر المختار لانہ یقبل النیابۃ لانہ عبادۃ مرکبۃ من البدن والمال فان العبادۃ ثلاثۃ انواع مالیۃ وبدنیۃ ومرکبۃ منہما فالعبادۃ المالیۃ کالزکوۃ تصح فیہا النیابۃ حالۃ العجز والقدرۃ والبدنیۃ کالصلوۃ والصوم لا تصح فیہا النیابۃ مطلقا والمرکبۃ منہما کالحج ان کان نفلا تصح فیہا النیابۃ مطلقا وان کان فرضا لا تصح الخ وفیہ ایضا ثم اعلم انہ اذا اوصی بفدیۃ الصوم یحکم بالجواز قطعا لانہ منصوص علیہ واما اذا لم یوص فتطوع بہا الوارث فقد قال محمد فی الزیادات انہ یجزیہ ان شاء اللہ تعالیٰ تعلق الاجزاء بالمشیۃ لعدم النص وکذا علقہ بالمشیۃ فیما اذا اوصی بفدیۃ الصلوۃ لانہم الحقوها

الجواب ۔ اس طرح کا اسقاط جائز نہیں ہے در مختار میں ہے کہ اگر روزہ کے فدیہ کی مرنے والا وصیت کر جائے تو اس کے وارث اگر ادا کر دیں تو اس سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وصیت نہ کرے اور وارث از خود ادا کریں تو یہ صحیح نہیں ہے بخلاف نماز کے کہ وہ بدنی عبادت ہے اور حج میں نیابت جائز ہے شامی میں ہے کہ اس طرح میت سے نماز ساقط نہیں ہوتی اور ایسے ہی روزہ کا حکم ہے ہاں اگر وہ از خود نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں اور اس کا ثواب میت کو بخشیں تو صحیح ہے کیونکہ آدمی اپنا عمل غیر کو ہبہ کر سکتا ہے اور عبادت تین قسم کی ہے مالی بدنی اور مرکب مالی عبادات مثلاً زکوۃ وغیرہ میں نیابت جائز ہے بسبب عجز اس کو قدرت کے اور بدنی عبادات میں نیابت جائز نہیں ہے مثلاً نماز اور روزہ اور مرکب عبادات مثلاً حج وغیرہ میں اگر نفلی ہو تو نیابت جائز ہے اور اگر فرضی ہو تو نیابت جائز نہیں ہے میت اگر روزہ کے فدیہ کی وصیت کر جائے تو درست ہے اور اگر وارث از خود فدیہ دیں تو امام محمد نے زیادات میں کہا ہے کہ امید ہے اللہ اس کو معاف فرمائے گا اور یہ حکم کی حالت میں رہی ہوئی نمازوں کو بھی بعض نے روزہ پر قیاس کیا ہے، لیکن روزہ کے متعلق تو یقین سے کہتے ہیں کہ

بالصوم احتياطا لاحتمال كون النص فيه معلولا بالعجز فتشمل العلة الصلوة
وان لم يكن معلولا تكون الفدية برا مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات فكان
فيها شبهة كما اذا لم يوص بفدية الصوم فلذا جزم محمد بالاول ولم يجزم
بالاخيرين فعلم انه اذا لم يوص بفدية الصلوة فالشبهة اقوى وفيه ايضا
قوله ولو فدى عن صلوته في مرضه لا يصح في التاتارخانية عن التتمة سئل
الحسن بن علي عن الفدية عن الصلوة في مرض الموت هل تجوز فقال لا و
سئل ابو يوسف عن الشيخ الفاني هل تجب عليه الفدية عن الصلوات كما
تجب عليه عن الصوم وهو حي فقال لا (الى) وفي القنية ولا فدية عن الصلوة
حالة الحياة بخلاف الصوم (الى) ومقتضاه ان غير الشيخ الفاني ليس له ان
يفدي عن صومه في حياته لعدم النص ومثله الصلوة (الى) بخلاف الشيخ
الفاني فانه تحقق عجزه قبل الموت عن اداء الصوم وقضائه فيفدي في حياته
ولا يتحقق عجزه عن الصلوة لانه يصلي بما قدر ولو موميا براسه فان عجز
عن ذلك سقطت عنه اذا كثرت (الى) وبما قررنا ظهر ان قول الشارح بخلاف
الصوم اي فان له ان يفدي عنه في حياته خاص في الشيخ الفاني تامل وفي
كتب الاصول ان الفدية في الصوم للشيخ الفاني لما كانت ثابتة بنص غير
معقول ينبغي ان تقتصروا عليه ولم تقيسوا عليه من مات وعليه صلوة
پس ازیں عبارات کثیرہ کتب معتبرہ چون معلوم شد کہ عبادات بدنیہ بجز شخص مخصوص با عطا اموال ساقط
وکافی نمی شود تاہم بطریق اولے آن چنان اسقاطات مروجہ مع خصوصیات ممنوعہ وعقیدہ
مذکورہ عوام این زمان اغذ با عطا روا وجائز نخواہد شد بلکہ اولویت آن است کہ اولیائے میت

وہ فدیہ ہوگا اور نماز کے متعلق توزیع کے الفاظ بیان کرتے ہیں اگر آدمی اپنی بیماری کی حالت میں نمازوں کا فدیہ دے تو یہ
جائز نہیں ہے اگر بوڑھا آدمی جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا اپنے روزہ کا فدیہ دے تو یہ جائز ہے اور عاجز آدمی نماز کا فدیہ نہیں
دے سکتا اگر بیٹھ نہ پڑھ سکتا ہو تو اشارہ سے پڑھے اگر اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو اور جب نمازیں زیادہ ہو جائیں گی تو اس سے ساقط
ہو جائیں گی ہاں روزہ کا فدیہ چونکہ نص سے ثابت ہے اس پر نماز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بدنی عبادات میں نیابت ممنوع ہے
الحاصل یہی اسقاط کتاب وسنت اور فقہ کی کتابوں کے بھی برخلاف ہے خصوصا جب کہ اس کے ساتھ یہ

روزہ داشتہ ونماز گذاردہ بروحش ایصال ثواب نماید چنانکہ بعبارت شامی سابق معلوم شدہ است۔

المستخرج محمد امین الدین عفی عنہ۔

رشید احمد | عبدالوہاب | محمد وسیم الدین | محمد اسد علی

محمد عبدالمطلب | این چنین اسقاط حکم جواز و صحت ندارد | سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ج ۲)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مزارات اولیائے عظام پر بامید صحت بلابی یا دفع جنات شعائر لگانے کسی دوسرے مقصد دنیاوی کے چلہ کرنا کیسا ہے اس مسئلہ کا جواب کتب معتبرہ سے زبان اردو میں تحریر فرمادیں اور جو عبارت کتاب کی ہو اس کا ترجمہ بھی لکھیں تاکہ عوام کو نفع ہو بینوا توجروا۔

الجواب۔ یہ جو ہے کہ اولیاء اللہ کے مزار کے پاس جاکر دعائے حاجت یا چلہ کرنا کہ موثر الی الاجابۃ وحاجت روا ہو غیر مشروع ہے کیونکہ شارع کی طرف سے امر واذن نہیں پایا گیا، اور نہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ عنہم سے منقول ہے بلکہ ممنوع ومحظور ہے شرعاً من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد کما رواہ البخاری وکرہ مالك ان یقول زرنا قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وعللوہ بان لفظ الزیادۃ صار مشترکا بین ما شرع ومالم یشرع فان منھم من قصد بزیارۃ قبور الانبیاء والصلحاء ان یصلی عند قبورھم ویدعو عندھا ویسألھم الحوائج وھذا لا یجوز عند احد من العلماء المسلمین فان العبادۃ وطلب الحوائج والاستعانۃ حق اللہ وحدہ انتھی ما فی مجمع البحار للشیخ العلامۃ المحدث ابن طاھر الفتنی؁

ہر مسلم دیندار شریعت شعار پر فرض ہے کہ ایاك نعبد ایاك نستعین پر متوجہ بدل رہے،

عیدہ بھی شامل ہو جائے کہ اس طرح فرائض ساقط ہو جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ شامی کی عبارت کے مطابق ورثاء خود نماز روزہ ادا کر کے اس کو ثواب پہنچائیں واللہ اعلم ۱۲۔

؁ جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ کام مردود ہے امام مالک اس قول کو کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ زیارت کا لفظ مشروع اور غیر مشروع طریقوں میں مشترک ہو گیا ہے بعض لوگ نبیاء اور صلحاء کی قبروں پر جاتے ہیں وہاں قبر کے پاس جاکر نماز پڑھتے ہیں دعائیں مانگتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور یہ کام کسی بھی مسلمان عالم کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ عبادت اور طلب حاجات اور استمداد صرف اللہ کا حق ہے ۱۲۔

وقال اللہ تعالیٰ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الآیۃ وقال اللہ تعالیٰ أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ الآیۃ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ الآیۃ وَمَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وغیرھا من الآیات الدالۃ علی ان لا یدعو ولا یسأل الحوائج من غیر اللہ تعالیٰ کما لا یخفی علی من تأمل وتدبر القرآن المجید ؎

آن نیاز مریمی بود است و درد — کان چنان طفلی سخن آغاز کرد
ہر کجا دردے دوا آن جا بود — ہر کجا فقرے نوا آنجا بود

قال اللہ تعالیٰ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ الآیۃ ؎

دلے کز نور رحمن نیست روشن — مخوانش دل کہ آن سنگ است و آہن
دلے کز گرد غفلت زنگ دارد — از آن دل سنگ و آہن ننگ دارد

مجالس الابرار میں مذکور ہے، أما الزیارۃ البدعیۃ فھی زیارۃ القبور لاجل الصلوۃ عندھا والطواف بھا وتقبیلھا واستلامھا وتعفیر الخدود علیھا واخذ ترابھا ودعاء اصحابھم والاستعانۃ وسوالھم النصر والرزق والعافیۃ والولد وقضاء الدیون وتفریج الکربات واغاثۃ اللھفان وغیر ذلک من الحاجات التی کان عباد الاصنام یسئلونھا من اصنامھم فان اصل ھذہ الزیارۃ البدعیۃ ماخوذ منھم ولیس

---

[1] جب تم سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو آپ کہدیں میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو فوراً قبول کرتا ہوں ۱۲ [2] بے قرار جب دعا کرتا ہے تو اس کی دعا کون سنتا ہے اور کون تکالیف کو دور کرتا ہے، بتلاؤ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے، آپ کہیں اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو، یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے سوائے نہ کسی کو پکارا جائے نہ سوال کیا جائے ۱۲۔
[3] تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی، ان کو مہلت زیادہ ملی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں ۱۲ [4] اگر کوئی آدمی کسی قبر کے پاس نماز پڑھے طواف کرے اس کو سلام کرے بوسے دے اپنے رخسار اس پر رکھے اس کی مٹی برکت کے لئے لے اور قبر والے سے دعا کی درخواست کرے اس سے مدد مانگے رزق مانگے اولاد مانگے تکلیفوں کے دور کرنے کی درخواست کرے تو یہ زیارت بدعیہ ہے،

بنی من ذلک مشروعا باتفاق علماء المسلمین اذ لم یفعله رسول رب العالمین ولا احد
من الصحابة والتابعین وسائر ائمة الدین انتہی ما فی مجالس الابرار مختصراً۔

ومولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی تحت آیت کریمہ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا کے اپنی تفسیر میں ارشاد
کرتے ہیں کہ منجملہ فرقہائے مشرکین چہارم فرقہ پیر پرستاں گویند چون مرد بزرگے کہ بسبب کمال
ریاضت ومجاہدہ مستجاب الدعوات ومقبول الشفاعت عنداللہ شدہ بود ازیں جہان می گذرد،
روح اورا قوتے عظیم ووسعتے فخیم بہم می رسد، ہر کہ صورت اورا برزخ سازد یا در مکان نشست
ودر خاست او یا بر گور او سجود وتذلل تمام نماید روح او بسبب وسعت واطلاق بر آن مطلع شود،
ودر دنیا وآخرت در حق او شفاعت نماید انتہی ما فی التفسیر العزیزی۔

وقاضی شہاب الدین دولت آبادی صاحب تفسیر بحر مواج در عقیدہ اسلامیہ در بیان الفاظ
کفر نوشتہ ومنہا الاستہزاء بالشریعة واستہانتہا وطلب الحوائج من الاموات انتہی کلامہ
مختصراً۔ حقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله والاستمداد والمعونة انتہی
ما فی التفسیر النیشاپوری۔ الاستعانة نوع تعبد کذا فی معالم التنزیل ولم یکن احد من
السلف یاتی قبر نبی ولا غیر نبی لاجل الدعاء عندہ ولا کان الصحابة یقصدون
الدعاء عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عند قبر غیرہ من الانبیاء و
انما کانوا یصلون ویسلمون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصاحبیہ رض کذا قال
شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم فی صراط مستقیم۔

بت پرست لوگ اپنے بتوں پر جا کر بھی کچھ توڑا کرتے تھے اور یہ بدعت زیارت نبی کے قبروں سے حاصل کرنی شرعاً باتفاق علمائے مسلمین
یہ کام غیر مشروع ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور دین کے اماموں میں سے کسی نے بھی یہ کام نہیں کیا ۱۲
مشرکین میں سے چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ جب آدمی کثرت ریاضت کی وجہ سے مقبول
الشفاعت اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے تو جب وہ اس جہان سے چلا جاتا ہے تو اس کی روح کو بہت زیادہ قوت
[illegible] اس کی نشست وبرخاست کی جگہ پر جا کر سجدہ کرے تو وہ اس سے
مطلع ہو جاتے ہیں اور دنیا وآخرت میں اس کے حق میں شفاعت کریں گے ۱۲
شریعت کو حقیر جاننا اس کی توہین کرنا اور مردوں سے حاجات طلب کرنا یہ سب کفر کے کلمات ہیں۔ تفسیر نیشاپوری
اور معالم التنزیل میں ہے کہ استعانت عبادت کی ایک قسم ہے اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی نبی یا غیر نبی کی قبر پر دعا
کرنے کے لئے نہیں جایا کرتا تھا بلکہ صحابہ تو آنحضرت کی قبر پر بھی نہیں جایا کرتے تھے۔ وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور
شیخین پر صلوٰۃ وسلام کہا کرتے تھے ۱۲

ندارم ہیچ گونہ توشہ لا ... بجز لا تقنطوا من رحمۃ اللہ
تو فرمودی کہ نومیدی میارید ... ز من لطف و عنایت چشم دارید
بدیں معنے ہیں امیدواریم ... بہ بخشائی کہ بس امیدواریم
امید دردمنداں برار داکن ... دل امیدواراں را دوا کن
ذرا سن تو نصیحت اے میری جان ... کہ راضی تجھ سے ہو وہ آفرین جان
خدا کو کیوں نہیں کافی سمجھتا ... کہ بندوں پاس پھرتا ہے بھٹکتا
وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے ... جسے تو مانگتا ہے اولیاء سے
خدا وہ ہے جو چاہے ایک کن سے ... بنا دے لاکھ عالم ایسے ایسے
جہان سارا اگر آمادہ ہو جا ... نہ ہو اک بال بھی ٹیڑھے سے سیدھا
جو خود محتاج ہوا پنی بقا میں ... تصرف کیا کرے گا اور جا میں
جو خود مر جائے جا بر ہو نہ اک دم ... وہ کیوں کر روکے گا جان عالم
جو اپنے رزق میں محتاج ہووے ... وہ کیوں کر بھوک کو بھوکے کی کھووے
ذرا تو خوف کر قہر خدا سے ... حیا کر روئے پاک مصطفےٰ سے،
نبی کرتے رہے تعلیم توحید ... سکھاتے تھے سدا وہ حق کی تمجید
تو سکھلاتا ہے بدعت شرک کی بات ... مسلمانوں پہ نازل کرتا آفات
تصرف کس کا عالم میں بھلا ہے ... خدا نے کس کو قادر ہاں کیا ہے
تدبر سے قرآن پڑھتا نہیں ہے ... سمجھتا مدعا اس کا نہیں ہے
پڑھی ہیں پوتھیاں شاید کہ تو نے ... یہ باتیں شرک کی لی ہیں اسی سے
بھلا کیا زید کے ہاں ڈھیر میں ہے ... مگر توڑوں کے پھیر میں ہے۔
رہ توحید کو کیوں تو نے چھوڑا ... خدا سے کس لئے یوں منہ کو موڑا
خدا نے انبیاء اور اولیاء کو ... بنایا تا نہ چھوڑیں شرک کی بو
یہاں تو نے خدا ان کو بنایا ... نہ تو نے نفع کچھ ان سے اٹھایا
اگر کچھ عقل ہے کافی ہے اتنا ... نہ گر ہے مہر دل پر تو کہوں کیا

بس اب حق سے یہی ہے چاہ اپنی　　دکھادے ہم سبھوں کو راہ اپنی

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامًا عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

طالب حسنین سید محمد نذیر حسین　　زشرف سید کونین شد شریف حسین

محمد عبدالحلیم　　محمد حفیظ اللہ

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

محمد یوسف

جواب مجیب صحیح ہے جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے، خدا نے مہر سے دل پہ لگائی

محمد غلام اکبر خان سنی محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسین قادری و غفوری

فتاویٰ نذیریہ

ہست منصور علی ازا حمد

محمد صدیق

سوال ۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے تو مولود کا نارا کاٹ کر اسی گھر میں جہاں وہ پیدا ہوا دفن کرتے ہیں اور کچھ چھلے وغیرہ آگ میں جلاتے ہیں اور مولود کو سوپ یعنی چھاج میں لٹاتے ہیں سو یہ درست ہے یا نہیں۔

۲: جب عورتوں کے اولاد پیدا ہوتی ہے تو سوا مہینہ کنویں پر جاتا اور اس کو چھونا برا جانتی ہیں جب خون نفاس سے فارغ ہوتی ہیں اور تاریخ ولادت سے چالیس روز گذر جاتے ہیں تو کنویں پر جاتی ہیں اور کنویں میں خواجہ خضر کو سمجھ کر تھوڑا اسند وا دو چاول اور سر سوں اس کنویں پر رکھتی ہیں بعد اس کے پانی بھر کر چلی آتی ہیں اس کو کنواں چھونا کہتے ہیں تو اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں اور یہ رسم کیسی ہے۔

۳: جو عورت ایسا کام کرے کہ اس کا نکاح ٹوٹ جائے تو اس پر طلاق رجعی عاید ہوئی یا بائن اور وہ عورت کس صورت سے اپنے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے،

۴: ایک آدمی نے اپنی عورت کو اسقاط حمل کی دوا دی اس کا حمل گر گیا تو وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں۔

۵: یا اپنی عورت کو ایسی دوا دیتا ہے کہ جس سے حمل نہ رہے اور وہ بانجھ ہو جاوے درست ہے یا نہیں فقط۔

الجواب: جواب سوال اول یہ رسم نادرست و ناجائز ہے اس واسطے کہ محض بے اصل ہے، اس کی شرع سے کوئی سند نہیں ہے اور مولود کو سوپیلا میں ٹانا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ عوام اس فعل کو اس غرض سے کرتے ہیں کہ اس سے مولود زندہ رہے گا لہذا اس فعل سے اجتناب چاہیئے۔

جواب سوال دوم، یہ رسم بالکل جہالت وضلالت کی رسم ہے اس سے بھی احتراز واجتناب لازم ہے سوا مہینہ تک کنویں پر جانے کو اس خیال سے برا سمجھنا کہ کنویں میں خواجہ خضر رہتے ہیں عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے عقل کے خلاف اس وجہ سے ہے کہ جب ایک خاص کنویں میں خضر علیہ السلام کا وجود مانا جاوے گا تو اور کنوؤں میں بھی ان کا وجود ضرور ماننا پڑے گا ورنہ تخصیص بلا مخصص لازم آوے گی اور جب دیگر کنوؤں میں بھی خضر کا وجود مانا جاوے گا تو بہت سے خضر کا ہونا لازم آئے گا کیونکہ شخص واحد کا ایک وقت میں امکنہ متعددہ میں ہونا محال ہے اور حسب تعداد کنوؤں کے بہت سے خضر کا ہونا اور حسب کمی وبیشی کنوؤں کے خضر کا کم وبیش ہونا بالکل خلاف عقل ہے اور خلاف نقل اس وجہ سے ہے کہ کسی نقلی دلیل سے خضر علیہ السلام کا کنویں میں ہونا ثابت نہیں بلکہ کسی دلیل صحیح سے اب ان کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں بلکہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے خضر علیہ السلام کا زندہ نہ ہونا صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عمر رض قال صلی النبی صلی الله علیه وسلم صلوة العشاء فی اخر حیاته فلما سلم قام النبی صلی الله علیه وسلم فقال ارأیتکم لیلتکم هذه فان رأس مائة سنة لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد الحدیث۔

غرض حضرت خضر علیہ السلام کو کنویں میں سمجھنا اور تاریخ ولادت سے سوا مہینہ تک کنویں پر جانا اور اس کے چھونے کو برا سمجھنا اور چالیس دن گذر جانے کے بعد سیندور وغیرہ کنویں پر رکھنا نہایت بری رسم ہے اور سراسر جہالت اور ضلالت کی بات ہے جو عورت یہ کنواں چھونے کی رسم کرے گا وہ بلاشبہ گنہگار ہوگی مگر ہاں اس رسم سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹے گا۔

جواب سوال سوم۔ جو عورت ایسا کام کرے کہ جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جائے تو اس

لہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ حضور نے اپنی آخری زندگی میں ایک عشاء کی نماز پڑھائی آپ سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو اور فرمایا کہ آج کی رات یہ معلوم ہو لے کہ آج سے سو سال بعد تک آج کی دنیا کا کوئی انسان موجود نہ رہے گا۔ ۱۲

طلاق بائن نہیں ہوتی ہے نہ بائن اور نہ رجعی، اور وہ عورت اگر پھر اپنے شوہر کے نکاح میں آنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اس کام سے توبہ کرے، اور اس سے نکاح کرے،

جواب سوال چہارم اگر نفخ روح کے بعد اسقاط حمل کی دوا دی، اور حمل گر گیا، تو وہ بالاتفاق گنہگار ہوگا اور بہت بڑا گنہگار ہوگا۔ اور قبل نفخ روح کے اسقاط حمل کی دوا دی اور حمل گر گیا تو اس صورت میں جن علماء کے نزدیک عزل ناجائز ہے ان کے نزدیک وہ شخص گنہگار ہوگا اور جن علماء کے نزدیک عزل جائز ہے ان کے نزدیک گنہگار نہیں ہوگا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

ینتزع[1] من حکم العزل حکم معالجة المرأة اسقاط النطفة قبل نفخ الروح فمن قال بالمنع هناك ففی هذہ اولی ومن قال بالجواز یمکن ان یقول فی هذا ایضا بالجواز ومن قال بالجواز یمکنه ان یفرق بانه اشد لان العزل لم یقع فیه تعاطی السبب ومعالجة السقط بعد السبب انتهی قال ابن الهمام فی فتح القدیر یباح الاسقاط مالم یتخلق وفی الخانیة لا اقول انه یباح الاسقاط مطلقا فان المحرم اذا کسر بیض الصید یکون ضامنا لانه اصل الصید فاذا کان هناك مع الجزاء اثم فلا اقل ان یلحقها اثم ههنا اذا اسقطت من غیر عذر وقال فی البحر ینبغی الاعتماد علیه لان له اصلا صحیحا یقاس علیه والظاهر ان هذه المسئلة لم تنقل عن ابی حنیفة صریحا ولذا یعبرون بقالوا انتهی۔

جواب سوال پنجم:۔ ایسی دوا دینا جس سے حمل نہ رہے حکم میں اسقاط قبل از نفخ روح کے ہے پس

---

[1] عزل کے حکم سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ جان پڑنے سے پہلے عورت کا حمل گرا دینا بھی جائز ہے اور جو عزل کو ناجائز سمجھتے ہیں ان کے نزدیک حمل گرانا بالاولی ناجائز ہے اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور جو عزل کو جائز سمجھتے ہیں وہ اسقاط کو ناجائز بھی کہہ سکتے ہیں کیوں کہ عزل میں سبب ممانعت کوئی نہیں ہے اور یہاں سبب موجود ہے ابن الہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے جب تک جان نہ پڑے حمل گرا دینا جائز ہے اور خانیہ میں ہے کہ اسقاط حمل کو مطلقاً مباح کہنا درست نہیں ہے کیونکہ محرم اگر کسی پرندہ کا انڈا توڑ ڈالے، تو اس پر ضمان ہے کیونکہ وہ شکار کا اصل ہے اور جس صورت میں وہاں جزا کے باوجود گناہ بھی ہوتا ہے تو بغیر عذر آدمی کے حمل کو گرا دینا اس سے کم تو نہیں ہوگا بحر میں کہا ہے کہ خانیہ کی روایت پر اعتماد کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ سے ثابت نہیں ہے اسی لئے تو اسے قالوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۱۲

جن کے نزدیک وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہے اور جن کے نزدیک وہ جائز نہیں یہ بھی جائز نہیں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ یلحق بھذہ المسئلۃ تعاطی المرأۃ ما یقطع الاصل من اصلہ فقد افتی بعض المتاخرین من الشافعیۃ بالمنع وھو مشکل علی قولھم باباحۃ العزل مطلقا انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ عبد الرحیم عفی عنہ فتاوی نذیریہ ص ۲۰۹ سید محمد نذیر حسین

سوال ۱۔ بتقریب شادی رنگ و تماشہ نمودن و آتش بازی و آرائش وغیرہ جائز است یا حرام۔

۲۔ حکم مرتکبین و فاعلین آنہا چیست۔

۳۔ بجائے کہ این چنین منکر باشد خواہ آن مجلس مجلس ولیمہ یا عقد خوانی باشد یا غیر آن باشد مسلمانان را در آن مجلس شریک شدن جائز است یا نہ واگر نادانستہ حاضر شوند چہ کنند باز آیند یا شریک مجلس باشند۔

۴۔ واگر کسے از مولویان یا کسے دیگر کہ عوام بفعل او حجت گیرند با اقتدا کنند شریک آن مجلس شود و بوقت طلب دلیل روبروئے مردمان گوید دلیلش از کجا آورم خود بانم دلیل است شرعا حکم این چنین شخص چیست و نماز مسلمین در پس او جائز است یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب ۔ بتقریب شادی وغیرہ رنگ تماشہ نمودن و آتش بازی کار کردن ناجائز است عن عقبۃ بن عامرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ

لے۔ اس مسئلہ کے ساتھ یہ بھی ملحق ہے کہ عورت حمل گرانے کے لئے دوائی استعمال کرے شافعیہ میں سے بعض متاخرین نے اس سے منع کیا ہے لیکن عزل کے جواز کا فتوی دے کر اس سے منع کرنا مشکل ہے،

سوال ۔ (۱) شادی بیاہ میں راگ رنگ اور تماشہ، آتشبازی اور زیب و زینت جائز ہے یا حرام؟

۲۔ ان کا ارتکاب کرنے والے کیسے ہیں۔

۳۔ ایسی مجلسوں میں مسلمانوں کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔ اگر کوئی نادانستہ چلا جائے تو پھر اس میں شامل رہے یا واپس آجائے

۴۔ اگر کوئی مولوی یا پیر ایسی مجلس میں چلا جائے کہ لوگ اس کی سند پکڑتے ہوں اور اس سے دلیل طلب کی جائے تو وہ جواب میں کہے اس کی دلیل خود میری زبان ہے ایسا آدمی کیسا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب ۔ شادی میں راگ رنگ اور آتشبازی وغیرہ منع ہے عقبہ بن عامر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا

بقوسه وتاديبه فرسه وملاعبته امرأته فانهن من الحق رواه الترمذی وابن ماجة یعنی ہر چیز کہ بازی کند بآن چیز مرد باطل و ناروا است مگر تیر انداختن او بکمان خود و ادب کردن اسپ خود را و بازی کردن مرد بزن خود را پس بدرستیکہ این اشیاء از جملہ حق است و ثابت است بحقیقت داخل لہو نیستند۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ در بعضے تحریرات وتالیفات خود در بیان رسومات منہیات نوشتہ اند۔ ولا يجوز تضييع المال باحراق الباس ود والكاغذ وماكوب الخيل والطواف بالمبدد من غير حاجة قال الله تعالى وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَاظْهَارِ الْمَعَازِفِ وَالْمَلَاهِي وَاظْهَارِ لَعِبِ اللَّاعِبِينَ وَسَتْرِ حِيطَانِ الْمَيِّتِ بِالثِّيَابِ الْجَمِيلَةِ تَزَيُّنًا وَدُخُولِ النِّسَاءِ الْاَجْنَبِيَّاتِ عَلَى الزَّوْجِ لِيَكُنَّ الْفَرَاغِ مِنَ الْعَقْدِ وَكَلَامِهِنَّ مَعَهُ وَمَسِّ اَنْفِهٖ وَاُذُنِهٖ وَوَضْعِ الْنَبَاتِ عَلٰى جَسَدِ الزَّوْجَةِ وَاَمْرِ الزَّوْجِ اَنْ يَرْفَعَهٗ بِلِسَانِهٖ وَحُفُوفِ النِّسَاءِ حَوْلَ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ عِنْدَ الْخَلْوَةِ كُلُّهٗ مِنَ الْبِدْعَاتِ الْمُحَرَّمَةِ انتهى كذا في المسائل الاربعين لمولانا محمد اسحق الدهلوي رحمة الله عليه۔

وایضا فیہ بر کردن آتش بازی اسراف است در شادی باشد یا غیر آن و اسراف در شرع شریف ممنوع است۔ قال الله تعالى إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۔ انتهى۔

اور ایک تیر کی وجہ سے کئی آدمیوں کو جنت میں داخل کرتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ تمام کھیل ناجائز ہیں سوائے تیر اندازی، اور گھوڑے کو کرتب سکھانے اور اپنی بیوی سے کھیلنے کے کہ یہ تینوں کھیل جائز ہیں شاہ عبدالعزیز نے اپنی تالیفات میں ممنوع رسوم کے ضمن میں لکھا ہے آتشبازی کرنا اور ہاتھی گھوڑے پر سوار کرکے شہر کے گرد چکر لگانا منع ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے فخر اور دنیا کی نیت سے نکلے باجے بجانا دیواروں پر پردے لٹکانا اجنبی عورتوں کا دولہا کے پاس جا کر باتیں کرنا اس کے ناک کان مروڑنا اور دولہن کے جسم پر شیرینی رکھ کر دولہا کو کہنا کہ اس کو اپنے منہ سے اٹھاؤ اور خلوت کے وقت دولہا دولہن کو عورتوں مردوں کا گھیر لینا سب حرام بدعات ہیں۔

مولانا محمد اسحاق دہلوی نے رسالہ اربعین میں لکھا ہے آتشبازی اسراف ہے اور اسراف حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

(۲) مرتکبین آنہا مبتدعین و مسرفین و گنہگار اند۔

(۳) مجلسے کہ این چنین منکر باشد، خواہ آن محفل محفل ولیمہ باشد یا غیر آن باشد مسلمانان را خواہ مقتدا باشند یا غیر مقتدا در ان محفل شریک شدن جائز نیست و اگر ناد انستہ حاضر شوند باز آیند، ہمیں حکم از ظاہر احادیث ثابت می شود و اہل علم درین باب گونہ اختلافے دارند در مسائل اربعین مرقوم است، مدعو اگر قبل از حضور معلوم کند، کہ در انجا منکر است حاضر نہ شود، و اگر او را معلوم نبود و بعد حاضر شدن منکرات پیش آمد پس آن مدعو اگر مقتدا است و قدرت منع آن از دست یا زبان می دارد در کردہ نہ نشیند، و سنت ولیمہ کہ اجابت دعوت است ادا کند و الا از ان مکان بیرون آید و اگر عامی است و قدرت منع بر آن منکرات آنجا نمی دارد پس اگر نشستہ بخورد جائز است زیرا کہ اجابت دعوت سنت است و عامی را ضرر سد کہ بوجود بدعت سنت را ترک نماید چنانچہ در شرح وقایہ مرقوم است اعلم انہ لا یخلوا انہ ان علم قبل الحضور ان ہناک لعبا لا یجوز الحضور ان لم یعلم قبل ذلک لکن ہجم بعدہ فان کان قادرا علی المنع یمنع وان لم یکن قادرا فان کان الرجل مقتدی یخرج لئلا یقتدی الناس وان لم یکن مقتدی فان قعد واکل جاز لان اجابۃ الدعوۃ سنۃ فلا تترک بسبب بدعۃ کصلوۃ الجنازۃ تحضرہا النائحۃ انتہی لیکن عامی را ہم ضرور است کہ کراہت آن بدل دارد فی الحدیث فلم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان .... و اگر کراہت بدل ندارد خوف زوال ایمان است، انتہی ما فی المسائل الاربعین، این مذہب حنفیہ است۔

۲۔ ان کے مرتکب بدعتی، فضول خرچ اور گنہگار ہیں ۱۲۔

۳۔ ایسی مجلسوں میں خواہ وہ ولیمہ ہی کی کیوں نہ ہوں تمام مسلمانوں کو خواہ وہ مقتدا ہوں یا دوسرے عوام شامل ہونا جائز نہیں ہے، اگر نادانستہ چلے جائیں تو واپس آجائیں۔

مسائل اربعین میں ہے کہ اگر جانے سے پہلے علم ہو جائے تو نہ جائے اور اگر جانے کے بعد وقوع میں آجائیں تو اگر مقتدا ہو اور روک سکتا ہو تو روکے اور دعوت ولیمہ میں شامل ہو، اور اگر عام آدمی ہو اور روک نہ سکتا ہو تو وہ ایک بدعت کے لئے سنت نہ چھوڑے، شرح وقایہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور مثال دی ہے کہ جیسے کوئی جنازہ پڑھنا جس کے ہمراہ کوئی نوحہ کرنے والی ہو تو نہیں چھوڑ دینا چاہیئے، لیکن عامی کو بھی ایسی چیزوں کو دل سے برا سمجھنا چاہیئے، ورنہ یہ کمزور ترین ایمان ہے احناف کا یہی مذہب ہے۔

حافظ ابن حجر در فتح الباری گفتہ کہ علماء گفتہ اند کہ دعا بجا ئیکہ مختلف فیہ باشد جائز است و اولے ترک است، و اگر حرام باشد، چون می نوشی پس اگر بندگی ازان کسانی است کہ از حضورش آن حرام رفع کردہ خواہد شد پس باید کہ حاضر شود، و اگرچنین نباشد پس شافعیہ را درین صورت دو وجہ است یکے آنکہ حاضر شود و بحسب قدرت انکار کند، اگرچہ اولے این است کہ حاضر نشود و بیہقی گفتہ کہ این ظاہر نص شافعی است و برہمین وجہ عراقیین از اصحاب او جاری شدہ اند و وجہ دوم آنکہ حضور حرام است زیرا کہ حضور گویا راضی شدن است بمنکر و این وجہ دوم را مراوزہ یعنی اہل مرو صحیح گفتہ اند، و اگر مدعو را معلوم نیست کہ وہان جا منکر است و حاضر شد، پس باید کہ برایشان انکار کند و اگر باز نیایند پس ازانجا رجوع کند مگر وقتیکہ بر نفس خود خوف کند، و برہمین وجہ جاری شدہ اند حنابلہ

قال الحافظ ویؤید منع الحضور حدیث عمران بن حصین نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط ویؤیدہ مع وجود الامر المحرم ما اخرجہ النسائی من حدیث جابر مرفوعا من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقعد علی مائدۃ یدار علیہا الخمر واسنادہ جید انتہی و در منتقی الاخبار است عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجاء فرأی فی البیت تصاویر فرجع رواہ ابن ماجہ و در مشکوٰۃ شریف است عن سفینۃ ان رجلا ضاف علی ابن ابی طالب

ابن حجر کہتے ہیں کہ اگر کوئی دعوت ہو جس میں اختلاف ہے تو اس میں حاضر ہونا جائز ہے اور نہ جانا بہتر اور اگر حرام ہے مثلاً شراب نوشی، تو اگر اس کو روکنے کی طاقت ہو، تو ضرور جا کر روکے، اور اگر روک نہ سکتا ہو، تو شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ جائے اور حسب طاقت انکار کرے اور اگر نہ جائے تو بہتر ہے عراق کے شافعی اسی کے قائل ہیں امرو کے شافعی کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جائے اور اگر علم نہ ہو تو چلا جائے جانے کے بعد وقوع میں آئے تو اس پر انکار کرے ورنہ واپس چلا آئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق کے گھر کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے نسائی کی روایت میں ہے کہ جو آدمی خدا پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے، جس پر شراب نوشی ہو، حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا، آپ نے گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے حضرت فاطمہؓ نے روکنے کی کوشش کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تصویر والے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتا۔

فصنع له طعاما فقالت فاطمة لو دعونا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاکل معنا فدعوه فجاء فوضع یدیه علی عضادتی الباب فرأی القرام قد ضربت فی ناحیة البیت فرجع فقالت فاطمة فتبعته فقلت یا رسول الله ما ردك قال انه لیس لنبی ان یدخل بیتا مزوقا۔ وفی فتح الباری عن ابی مسعود ان رجلا صنع طعاما فدعاه فقال افی البیت صورة قال نعم فابی ان یدخل حتی تکسر الصورة وسنده صحیح۔ وفی صحیح البخاری ودعا ابن عمر ابا ایوب فرأی فی البیت سترا علی الجدار فقال ابن عمر غلبن علیه النساء فقال من کنت اخشی علیه فلم اکن اخشی علیك والله لا اطعم لکم طعاما فرجع۔

ازیں روایات معلوم شد کہ وجہ دوم از دو وجہ شافعیہ کہ آن را مراوزہ صحیح گفتہ اند، و بران حنابلہ جاری شدہ اند، عیان صحیح و حق ست، و مؤید او این آیت کریمہ است فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ والله تعالی اعلم بالصواب۔

(۴) این چنین شخص بلا شبہ فاسق است، و نماز در پس او اگرچہ جائز است، چہ نماز در پس ہر بر و فاجر روا است لیکن اورا برائے امامت مقدم باید نہ کرد و اورا امام نباید ساخت والله تعالی اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکپوری عفا الله عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد سوم

سوال۔ ذکر ولادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جو مجلس مولد میں کھڑے ہو جاتے ہیں تو یہ کھڑا ہونا بایں اعتقاد کہ روح مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں تشریف لاتی ہے اور آں حضرت ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، شرع میں کیا حکم رکھتا ہے، اور بے اعتقاد اس امر کے کیا حکم رکھتا ہے۔

ابو مسعود کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ کی دعوت کی آپ نے پوچھا اس گھر میں تصویریں ہیں، اس نے کہا، ہاں آپ نے فرمایا تصویریں توڑ پھوڑ دو گے تو آجاؤں گا، حضرت عبداللہ بن عمر نے ابو ایوب کی دعوت کی، انہوں نے گھر کی دیواروں پر پردے دیکھے تو روٹی کھائے بغیر واپس آگئے، اور کہا آپ سے یہ توقع نہ تھی، انہوں نے کہا، عورتوں نے زبردستی لٹکا دیئے، کہنے لگے آپ سے یہ امید بھی نہ تھی، ان روایات سے معلوم ہوا کہ مروزی شوافع کا عمل درست ہے۔ قرآن مجید میں بھی آیا ہے کہ یاد آ جانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو۔ واللہ اعلم۔

(۴) ایسا آدمی فاسق ہے اگر کوئی اتفاقی نماز اس کے پیچھے پڑھ لی جائے، تو ٹھیک ہے ورنہ ایسے آدمی کو امام نہیں بنانا چاہیئے، واللہ اعلم ۱۲۔

الجواب : قیام وقت ذکر ولادت کے بغیر اس اعتقاد کے بدعت ہے، اور ساتھ اس اعتقاد کے شرک ہے، اس واسطے کہ صفت حاضر ناظر ہونے کی ہر جگہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی میں پائی نہیں جاتی سے جائے غور ہے کہ اگر مثلاً سو جگہوں میں ایک وقت خاص میں مجلس مولود کی ہو، تو کس طرح اسی وقت خاص میں ہر جگہ روح آپ کی تشریف لائے گی، قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے کتاب تحفۃ القضاۃ میں فرمایا ہے۔ وما[1] یفعلہ الجہال علی راس کل حول فی شہر الربیع الاول لیس بشیئ ویقومون عند ذکر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویزعمون ان روحہ صلی اللہ علیہ وسلم یجئی فزعمہم باطل بل ھذا الاعتقاد شرک وقد منع الائمۃ الاربعۃ مثل ھذا انتہی۔

اور قاضی نصیر الدین نے طریقۃ السلف میں لکھا ہے۔ وقد[2] احدث بعض جہال المشائخ امورا کثیرۃ لا نجد لہا اثرا فی کتاب ولا فی سنۃ منہا القیام عند ذکر ولادتہ سید الانام علیہ التحیۃ والسلام اور سیرت شامی میں مذکور ہے۔ جرت[3] عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما لہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا القیام بدعۃ لا اصل لہا انتہی۔

حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ

ابو الطیب ۱۲۹۵ھ محمد شمس الحق   سید محمد نذیر حسین۔ فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص ۱۳۶

سوال : کیا فرمایند مرکز علمائے متبحر و قطب فضلائے دہر، شمس سمائے شریعت و بدر فلک طریقت شیخ العرب والعجم ہادی الناس الی الطریق الاسلم کریم السجایا، جمیل الشیم قدوۃ البریہ صاحب اخلاق

---

[1] اور جو سال بہ سال جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں اکٹھے ہوتے ہیں یہ بے اصل بات ہے اور پھر آپ کی ولادت کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی روح آئی ہے، تو ان کا یہ عقیدہ شرک ہے اور چاروں اماموں نے اس سے منع کیا ہے۔

[2] آج جاہل پیروں نے بہت سی باتیں ایجاد کر لی ہیں جن کا کتاب و سنت میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا، مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کے وقت اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ۱۲۔

[3] آج بہت سے محبان کی عادت ہو چکی ہے کہ جب آپ کی ولادت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ کھڑا ہونا بدعت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے ۱۲۔

سوال : کیا حکم ہے اس رسم کا کہ نوشے کے گلے میں ہار ڈالا جاتا ہے اور نکاح کے بعد مصافحہ ہوتا ہے، نوشہ حاضرین

الرضیا تمدین مسئلہ محمد کردا کہ متعلقہ و مواضع کثیرہ ہند بسیار عوام الناس داماد حین تمدوج بنگل پوشی اعنی ،
قلادہ گلہا بگلو در انداختن وغیرہ و بعد عقد نکاح معانقہ و تسلیم بر حضار مجلس و پابوسی خسر وغیرہ من الاکابر امری کنند و شب
زفاف بعد ادائے رسم آرسی و مصحف اقارب داماد را بیک طرف بنشانند، و اقارب عروس را بیک جہت دیگر و ان بعد
رسم سلامی بجای آرند، یعنے ہرگاہ کہ از جانبین یا از جانب واحد روپیہ وغیرہ اہدای نمایند باید کہ داماد برخاستہ
یا بحالت قعود تسلیم بنام ہر ہر واہب بجا آرند چون روز جمعہ می شود، داماد را بخانہ مادر زن می طلبند آن را جمعگی موسوم می
کنند آیا ادای این مراسم بوجوہ بالا بدنہا اندرون شریعت مستنیرہ ثابت و جائز است یا نہ و مرتکب و آمر ش سنی
است یا مبتدع و مدعی ترکش طعن کردن کہ اینان سالکان شرع اند وغیرہ من الہذیانات چیست باید کہ بمجرد وصول
این عریضہ باعتنا، تمام جواب صاف دلپذیر زود تحریر بلا تانی و تاخیر بار البعقر اوان منت ممنون و مشکور داران ،
عطوفت مسرور سازند الراقم حاجی محمد معسکر بنگلور مسجد اہلحدیث متصل نیو مارکٹ بنام محمد یعقوب گاڑی قصاب،

الجواب:۔ بر ارباب خبرت کاملہ و بصیرت ناقدہ مکشوف است کہ در عہد سعادت مہد حضرت و بعدہ
من القرون المشہود لہا بالخیر مناکحات بکثرت وقوع یافتہ چنانچہ در اسفار حدیث ذکر شان مذکور است یہ
ہیچ ازان نام و نشان این چنین شنائع و منائع نبود بلکہ انچہ دران ازمنہ ترویج یافتہ، ہمین خطبہ و مہر معجل وغیرہ
امور مشروعہ و مسنونہ بودند پس بحکم حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فہو رد
این ہمہ رسوم بدعت مردودہ خواہند بود بر متدین متبع سنت احتراز از نہا لازم واز خوف طعن و تشنیع عوام
کالانعام بارین چنین جہلاء اتکادن موجب سخط الہ جبار است، و ہیچ یکے ازین رسوم مذکورہ از شریعت
ثابت نیست، بلکہ ہمہ صریحا خلاف نصوص شرعیہ اند مثلا معانقہ و سلام بوقت ملاقات مشروع و مسنون

مجلس کو سلام کرتا ہے اپنے خسر کے پاؤں کو بوسہ دیتا ہے اور شب زفاف کے بعد آرسی اور مصحف کی رسم کے بعد دولہا دلہن کے
اقارب ایک دوسرے کے سامنے بیٹھتے ہیں ایک دوسرے کو روپوں کا تحفہ دیتے ہیں اور دولہا اٹھ کر ہر ایک کو سلام کرتا ہے
اور جمعہ کے دن دولہا کو اپنی ساس کے پاس بلایا جاتا ہے اس رسم کو جمعگی کہتے ہیں۔ آیا یہ رسوم شریعت سے ثابت ہیں یا نہیں ان کا مرتکب
سنی ہے یا بدعتی، اور جو ان رسوم کو ادا نہ کرے اس کو شریعت والا، کا طعنہ دینا کیسا ہے جواب فرما اعطا کر کے ممنون فرمائیں۔
الجواب:۔ اہل علم جانتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور تین بہترین زمانوں میں ان رسوم کا نام و نشان نہ تھا
نکاح ہوتے تھے۔ خطبہ اور حق مہر ہوتا تھا۔ بحکم حدیث "جو ہمارے دین میں نیا کام نکالے وہ مردود ہے" یہ کام بھی مردود
ہیں، متبع سنت کو ایسی بدرسوں سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ ان میں سے کوئی بھی شریعت سے ثابت نہیں ہے لوگوں کے طعن
و تشنیع کے خوف سے خدا کی ناراضگی نہ لینا چاہیئے، سلام اور معانقہ ملاقات کے لئے تو مسنون ہے حاضرین مجلس

است، ونیز از بوسہ دادن حاضرین مجلس ہر پا بوسی مجملہ امور شرکیہ است وہکذا سائر مراسم مذکورہ از باب تشریع مالم یشرعہ اللہ است واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ عبدالحق ملتانی۔ سید محمد نذیر حسین — فتاویٰ نذیریہ ص ۴۶

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین دریں کہ سہرہ گل بستن مباح وجائز است یا غیر مباح وناجائز بینوا توجروا

جواب۔ سہرہ بستن امر مباح است زیرا کہ در اصل اشیاء اباحت است نزد عامہ علمائے حنفیہ، لیکن او لے وبہتر آن ہست، کہ مسلم از سہرہ بستن احتراز نماید، زیرا کہ ایں امور قرون صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم نبودہ لہٰذا در بدعت داخل است، چنانکہ تسبیح وغیرہ ونہ آنکہ صاحب آں مرتکب صغیرہ وکبیرہ است ہمیں مضمون فہمیدہ می شود از اصول فقہ واللہ اعلم بالصواب حاجی قاسم

قیاس ایں قائل سہرہ گل را بر تسبیح کہ بدعت حسنہ ونزد او مباح داخل است، قیاس مع الفارق است زیرا کہ بدعت مباحہ را باید دید کہ از افعال اہل سنت است یا از اہل کفر واہل بدعت، پس مدار کار بر شعار ہا است وپر ظاہر است کہ سہرہ گل وغیرہ ساختہ وپرداختہ ہنود ان است، چنانچہ بالا مقابل تسبیح۔ شعار ایشان بخلاف تسبیح کہ متصرع اہل اسلام وشعار ایشان است وما منع کردہ شدہ ایم از تشبہ باہل کفر واہل بدعت کہ شعار ایشان است، لو کانت البدعۃ مباحۃ سواء کانت من افعال اہل السنۃ او من افعال اہل الکفرۃ واہل البدعۃ فالمدار علی الشعار فانا ممنوعون من التشبہ باہل الکفر واہل البدعۃ فی شعارہم کذا قال الملا علی القاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

کے لیے منع ہے اور پاؤں کو بوسہ دینا مشرکوں کی رسم ہے اور شرک ہے واللہ اعلم۔

سوال۔ دولہا کے سر پر پھولوں کا سہرا باندھنا مباح اور جائز ہے یا غیر مباح وناجائز، بینوا توجروا۔

الجواب۔ سہرہ باندھنا جائز ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اصل اباحت ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ نہ باندھا جائے کیونکہ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا لہٰذا بدعت میں شامل ہے۔ جیسے کہ تسبیح وغیرہ البتہ اس کا مرتکب صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب نہیں ہے واللہ اعلم حاجی قاسم

سہرے کو تسبیح پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کسی کام کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ یہ اہل سنت کے افعال میں سے ہے یا اہل بدعت واہل کفر کے شعار ہے۔ اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ سہرہ ہندوؤں کی رسم ہے اور تسبیح مسلمانوں کا شعار ہے اور ہم کو اہل بدعت واہل کفر کے شعار کے ساتھ تشبیہ کرنے سے روک دیا گیا ہے چنانچہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کی تصریح کی ہے۔

ہرچند اصل اشیاء اباحت است چنانچہ قول قائل است، مگر بسبب تشبہ بکفار امر مباح متشبہ بافعال کفار متروک الاصل و منہی عنہ شدہ باید دانست کہ اصل اشیاء عند التحقیق متوقف است، اگرچہ بعض حنفی مذہب برا باحت ہستند قال فی المدارک قد استدل الکرخی وابوبکر الرازی و المعتزلۃ لقولہ تعالیٰ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا الآیۃ علی ان الاشیاء التی تصلح ان ینتفع بہ خلقت مباحۃ فی الاصل وفی شرح المنار الاشیاء فی الاصل علی الاباحۃ عند بعض الحنفیۃ ومنہم الکرخی وقال اصحاب الحدیث الاصل فیہا الحظر وقال اصحابنا الاصل فیہا التوقف بمعنی انہ لابد لہا من حکم لکن لم نقف علیہ بالعقل انتہی وقال صاحب الدر المختار فی باب استیلاء الکفار الصحیح من مذہب اہل السنۃ ان الاصل فی الاشیاء التوقف انتہی، و ایضا فیہ فی کتاب الطہارۃ المنصور من ان الاصل فی الاشیاء التوقف الا ان الفقہاء کثیرا ما یلہجون بان الاصل الاباحۃ انتہی واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔ کتبہ السید محمد نذیر حسین۔ فتاوی نذیریہ ص۲۱۰ ج۳ سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ برو انشمندان شرع مخفی مبادکہ رسم سہرہ و کنگن بستن در مسلمانان از جملہ رسم وسنت جاہلیت وشعار کفار است، پس ہر کہ شعار کفار را اختیار کند در بجا آرد ابغض الناس الی اللہ خواہد بود بدلیل حدیث ہذا عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ ملحد فی الحرم و مبتغ فی الاسلام سنۃ الجاہلیۃ

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے لیکن کوئی چیز جب اہل کفر کے ساتھ مشابہ ہو جائے تو وہ ممنوع ہو جاتی ہے، اور یہ جو اشیاء میں اباحت کو اصل قرار دیا گیا ہے، یہ بھی متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اکثر کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے اگرچہ بعض حنفی اباحت کے قائل ہیں، کرخی، ابوبکر رازی اور معتزلہ اشیاء میں اباحت کے قائل ہیں اور اہل حدیث اشیاء میں اصل ممانعت سمجھتے ہیں اور اکثر احناف توقف کے قائل ہیں شرح المنار میں ایسا ہی لکھا ہے اور صاحب در مختار نے کتاب الطہارت وغیرہ میں اشیاء کے لئے اصل توقف قرار دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ سید نذیر حسین

مسئلہ۔ شریعت کے واقف لوگوں پر مخفی نہ رہے، کہ سہرا و کنگنا باندھنا مسلمانوں میں ہندوؤں کی رسوم سے آیا ہے اور جو کفار کی رسوم کو اختیار کرے، وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین آدمی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تین آدمی خدا کے نزدیک بدترین آدمی ہیں حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں جاہلیت کی رسمیں اختیار کرنے والا، اور کسی مسلمان

ومصنف درما اذ اسلم بغیر حق لیعرق حمہ دماءہ البخاری کذا فی المشکوٰۃ۔
وشناعت ومذمت سہرا وکنگن حضرت امام ربانی کا مرید ارشد جناب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ
ورخلاصۃ المعارف نوشتہ اند ودر فتاوی مرأۃ الصفا لسنۃ المصطفیٰ وغیرہ نیز شعار کفار ومجوس نگاشتہ،
بعض شاعر فارس ورمذمت سہرا بستن عروس مجوس این بیت گفتہ ؎

ماہ من از حیاء رخش بس کہ بآب وتاب شد
سہرہ چو بست عارضش پنجۂ آفتاب شد

بنا بہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ للہ ورسولہ ولائمۃ المسلمین
وعامتہم کذا فی صحیح البخاری گذارش کردم وما علینا الا البلاغ۔

الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین

سوال: شب ستائیسویں رمضان المبارک میں روشنی کثرت سے کرتے ہیں چراغاں بہت
روشنی کرتے ہیں، پس اس شب میں روشنی کرنے کا کیا حکم شرع شریف میں ہے۔

الجواب: روشنی کثرت سے کرنا مسجد میں یا غیر مسجد میں خواہ شب ستائیسویں رمضان المبارک
ہو، خواہ کوئی اور شب ہو ناجائز ہے، کیونکہ اسراف میں داخل ہے، اور تشبہ ساتھ قوم برامکہ کے ہے جیسا کہ
فقیہ طرطوسی نے تفع المسائل میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور شیخ عبدالحق محدث نے ماثبت
بالسنۃ میں لکھا ہے، اور حموی نے شرح اشباہ ونظائر میں خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ سید شریف حسین عفی عنہ   فتاوی نذیریہ ص۲۱۹ ا   سید محمد نذیر حسین

سوال: مصافحہ با لتخصیص بعد نماز جمعہ یا عیدین کے غیر وقت ملاقات کے کرنا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور
محققین حنفیہ نے اس کو کیا لکھا ہے۔

آدمی کا ناحق خون کرنے والا۔
اور سہرا کنگن کی مذمت آدم ثانی مجدد الف ثانی کے مرید نے خلاصۃ المعارف میں لکھی ہے اور مرأۃ الصفا لسنۃ المصطفیٰ وغیرہ
میں اس کو کفار اور مجوس کی رسم کہا گیا ہے، لہٰذا اس سے پوری پرہیز کرنی چاہیے۔
ف: مصافحہ کرنے کا مقام مسلمان بھائی سے ملاقات کرنے کا وقت ہے نہ کہ نماز کے بعد، اگر کوئی آدمی ایسے مقام پر

الجواب: مصافحہ وقت لقاء کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے اور بالتخصیص بعد نماز جمعہ اور عیدین کے بدعت ہے، کسی حدیث سے ثابت نہیں اور ائمہ دین سے بھی منقول نہیں، جیسا کہ شیخ ابن الحاج نے مدخل میں لکھا ہے۔ وموضع المصافحة فی الشرع انما ھو عند لقاء مسلم لاخیہ لا فی ادبار الصلوة فحیث وضعھا الشارع لا یضعھا فینھی عن ذلک ولیزجر فاعلہ لما اتی بخلاف السنة[1] انتہی اور شیخ احمد بن علی رومی مجالس الابرار میں فرماتے ہیں۔ اما المصافحة فی غیر حال الملاقاة مثل کونھا عقیب صلوة الجمعة والعیدین کما ھو العادة فی زماننا فالحدیث سکت عنہ فیبقی بلا دلیل وقد تقرر فی موضعہ ان ما لا دلیل علیہ فھو مردود ولا یجوز التقلید فیہ[2] انتہی۔

اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے آنکہ بعضے مردم مصافحہ می کنند بعد از نماز عید یا بعد از جمعہ چیزے نیست، و بدعت است از جہت تخصیص وقت، اسی طرح ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں اور ابن عابدین نے رد المحتار میں لکھا ہے۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین	ابو الطیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۲۱۰

سوال: بوقت ذکر ولادت قیام و ہاتھ باندھنا کیسا ہے، و ہجنان مولود و غزلیات کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قیام و ہاتھ باندھنا بوقت ذکر ولادت بدعت و ناجائز ہے، کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت نہیں ہے اگر یہ قیام و ہاتھ باندھنا اس عقیدہ و نیت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ذکر ولادت تشریف لاتے ہیں اور حاضر مجلس میلاد ہوتے ہیں تو یہ شرک ہے اور مولود و غزلیات جو آج کل چھپ کر شائع ہیں، وہ ناجائز مضامین اور روایات موضوعات و مفتریات سے مملو ہیں ان کا پڑھنا اور سننا بلاشبہ ممنوع و ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالحق ملتانی

---

[1] مصافحہ کرنے کا جہاں شارع نے نہیں بتایا تو اس کے فاعل کو روکا جائے گا کیونکہ اس نے سنت کے خلاف کیا ہے۔

[2] ملاقات کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت مثلاً جمعہ یا عیدین کے بعد مصافحہ کرنا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عادت ہو چکی ہے، حدیث اس سے خاموش ہے اور اپنی جگہ پر یہ ثابت ہے کہ جس کام پر دلیل نہ ہو، وہ مردود ہے اور اس میں تقلید جائز نہیں ہے۔

محفل عشرہ۔ **سید محمد نذیر حسین** فتاویٰ نذیریہ۔ جلد ۱ صفحہ ۲۲۱

سوال ۔ ما قولکم رحمکم اللہ فی مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان ھل ھی جائزۃ ام لا ولیکن الجواب مفصلا مع مالہ وما علیہ بینوا توجروا۔

جواب: عقد مجالس المیلاد الشائعۃ فی ھذا الزمان بدعۃ لا مریۃ فی کونہا بدعۃ لان عقدھا امر محدث وکل محدث بدعۃ فعقدھا بدعۃ اما الصغری فظاھرۃ فان ھذہ المجالس لم تکن تعقد فی الزمن النبوی ولا فی زمن من بعدہ من الصحابۃ والتابعین والائمۃ المجتھدین رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین وایضا ھذہ المجالس المشتملۃ علی انواع من المفاسد والبلایا والشرور والرزایا لا یستنبط جوازھا البتۃ لا من کتاب اللہ ولا من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من الاجماع ولا من القیاس الصحیح فھل ھذا الا من محدثات الامور واما الکبری فقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجہ کذا فی المشکوۃ فی باب الاعتصام وایضا قال صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم کذا فی الباب المذکور وقد صنف علماء اھل الحدیث فی الرد علی ھذہ المجالس والانکار علیہا عدیدۃ فمن شاء الاطلاع علی ھذہ المسئلۃ مع مالہا وما علیہا

سوال :۔ آج کل جو مجالس میلاد قائم ہوتی ہیں، کیا یہ جائز ہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب :۔ مجالس میلاد بدعت ہیں، اور ان کے بدعت ہونے میں کسی قسم کا کلام نہیں، کیونکہ یہ دین میں نیا کام ہے اور دین میں نئے کام بدعت ہیں اس مقدمہ کا صغریٰ تو ظاہر ہے کیونکہ یہ مجالس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں ہوتی تھیں اس کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی برائیاں اور مفاسد موجود ہیں جن کو قرآن سنت، اجماع صحابہ اور قیاس صحیح سے استنباط نہیں کیا جا سکتا تو یہ نیا کام ٹھہرا۔ اور کبریٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نئے کاموں سے بچو کہ وہ بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور یہ بھی فرمایا بدترین کام نئے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے لہٰذا یہ بھی گمراہی ہے علماء نے اس کی تردید بہت سے رسائل تصنیف

ولیظ لم تلك الوسائل واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ، فاکثر نذیر علی اِلٰہ حسین محمد نذیر حسین،

سوال:۔ این مجلس متعارف یعنی مجلس مولود کہ در شہرہا ے شود جائز و مستحب است یا بدعت و مکروہ، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ انعقاد این مجلس مولود کہ درین شہرہا شود بدعت و مکروہ است، کدامی دلیل شرعی یعنی کتاب و سنت واجماع و قیاس بر ثبوت این قائم نیست، و ہر امرے کہ چنین باشد آن بدعت سیئہ و نامشروع می شود وادنی درجہ بدعت سیئہ و غیر مشروع مکروہ است قال ابن الحاج فی المدخل ومن جملة ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلك من اکثر العبادات واظہار الشعائر ما یفعلونہ فی شہر ربیع الاول من المولد وقد احتوی ذلك علی بدع ومحرمات انتہی۔ وقال تاج الدین الفاکہانی فی رسالتہ لا اعلم لھذا المولد اصلا فی کتاب ولا سنة ولا ینقل عملہ عن احد من علماء الامة الذین ھم القدوة فی الدین المتمسکون باثار المتقدمین بل ھو بدعة احدثہا البطالون وشہوة نفس اعتنی بہا الا کالون انتہی واللہ اعلم۔ حررہ سید محمد نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد اول ۱۷ صہ ۲۲۲

سید محمد نذیر حسین ۱۲۷۰ھ

ہذا الجواب صحیح، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جناب مرشدنا و مخدومنا قدس سرہ در مکتوب دوبست و ہشتاد و سوم کہ بمیرزا حسام الدین صدور یافتہ تحریر میفرمایند بعد طی مولد حضرت آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرزا حسام الدین استفسار بآن حضرت کردہ بود خلاصہ عبارت این ست، کہ بنظر انصاف ببیند کہ

کرتے ہیں، اگر اس کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ان کا رسالہ ملاحظہ کریں، واللہ اعلم۔

سوال:۔ یہ مجالس میلاد جو ہمارے شہروں میں ہوتی ہیں جائز و مستحب ہیں یا بدعت و مکروہ؟ بیان فرمائیں۔

الجواب:۔ یہ مجالس میلاد مکروہ و بدعت ہیں ان کے انعقاد پر کتاب و سنت، اجماع و قیاس سے کوئی بھی دلیل نہیں ہے اور جو کام اس طرح کا ہو، وہ بدعت سیئہ اور نامشروع ہے، اور اس کا ادنیٰ درجہ مکروہ ہے، ابن حاج نے اپنی کتاب مدخل میں لکھا ہے ان بدعات سے جن کو اکثر لوگ عبادت اور شعائر اسلامی سمجھتے ہیں ربیع الاول کے مہینہ میں مجالس میلاد کا انعقاد ہے، اس میں کئی طرح کی بدعتیں اور حرام امور ہیں، اور تاج الدین فاکہانی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ، اس میلاد کا کوئی اصل نہ تو کتاب و سنت میں ہے، اور نہ ہی سلف صالحین سے منقول ہے بلکہ یہ بدعت ہے جس کو باطل پرستوں اور پیٹ کی پوجا کرنے والوں نے ایجاد کیا ہے۔ سید نذیر حسین

اگر فرضاً حضرت ایشان درین زمان در دنیا زندہ می بودند و این مجلس و اجتماع منعقد می شد آیا بایں امر راضی می شدند و این اجتماع را پسند میکردند یا نہ یقین فقیر آن است کہ ہرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند بلکہ انکار می نمودند مقصود فقیر اعلام بود قبول کنند یا نہ کنند، انتہی کلام العبد محمد مسعود نقشبندی مجددی۔

ھکذا وجدت فی المکتوب الامام الھمام قدس سرہ فاستمع انہ لحق مبین و منکرہ لمن الضالین ونحن علی ذلک من الشاہدین۔

انا العبد اذل الثقلین محمد حسین البنجابی پٹیالوی

سید محبوب علی جعفری ۱۲۷۹ — فقیر خواجہ ضیاء الدین احمد ۱۳۶۱ — محمد قطب الدین ۱۲۷۴
اکمل جمید جمید — محمد حسین ۱۲۷۹ — حسبنا اللہ عبدہ حفیظ اللہ — محمد شاہ صدیقی
محمد ہاشم ۱۲۷۹ — محمد صدیق — خواجہ محمد اشرف علی — محمد عبد الصمد

الجواب صحیح محمد قطب الدین عفا اللہ عنہ بن قاضی محمد سراج الدین مرحوم ساکن سکندر آباد کہ قال استاذی مخدومی مولوی اولاد حسن علی قنوجی ہے

مجلس میلاد جو ایجاد ہے۔ یہ بھی بدعت سے عرض آباد ہے۔

الجواب صحیح — عبد الحمید عفی عنہ — الجواب صحیح — محمد صدیق پشاوری — امیدوار مغفرت غفار
اصاب من اجاب — محمد حسن — ساکن قصبہ ضلع سہارنپور۔ ہذا الجواب صح الاسناد کی سرفراز علی یغفر اللہ۔
ہذا الجواب صحیح — عبد الرزاق — المجیب مصیب — محمد اسمٰعیل — المسکین محمد عبد القادر ساکن ضلع انبالہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کرنا، اور بچوں کو طوق جھیری پہنانا، اور ماتم کرنا، اور سبیل لگانا وغیرہ اور ذکر سوانح و وقائع شہادت وغیرہ میں سامان کرنا اور اس پر رونا، اور رلانا، اور اس کے واسطے انعقاد مجلس تعزیت کرنا موجب ثواب ہے۔ یا باعث عقاب اللہ اور مرثیہ خوانی کرنا کیسا ہے، اور یزید کے بارے میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ تعزیہ داری، علمداری، ماتم کرنا، بچوں کو طوق بیڑیاں پہنانا، فقیر بنانا وغیرہ وغیرہ اور ثلاثہ،

یہ جواب بالکل صحیح ہے، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب ص ۲۳ میں مرزا حسام الدین کو لکھا ہے۔ انصاف کی نگاہ سے دیکھو اگر یہی مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں منعقد ہوتی، تو حضور اس کو پسند فرماتے یا نہ اس فقیر کا یقین ہے کہ آپ اس کو کبھی پسند نہ فرماتے، بلکہ اسے رد کر دیتے، محمد مسعود نقشبندی۔

مشہور لہا بالخیر سے ثابت نہیں، جس کی خبر خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم میں ہے کما رواہ البخاری عن عمران بن حصین نہ کسی اصل شرعی کے تحت میں مندرج ہے، نہ سلف و خلف صالحین کا اس پر عمل ہے، محض بدعت و ضلالت و احداث فی الدین ٹھیرا، جس کے عدم قبول اور رد ہونے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔ اور رونا آنکھوں سے آنسو بہانا خواہ بحالت نہایت مسرت ہو جیسے قدوم قادم کے وقت یا محتاجگی پر رونا، یا بخیال سزائے حاکم یا استاد مربی وغیرہ کے رونا یا کسی کے صدمہ مفارقت جسمانی سے رونا اس میں کوئی مانع شرعی نہیں، محض محبت الٰہی میں رونا اس کے عذاب و عتاب و حساب کے ڈر سے رونا انبیاء مرسلین اور صالحین زاہدین سے ثابت ہے نیز کم ہنسنا اور زیادہ رونا آیۃ کریمہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا سے واضح ہے کسی حالت ملول یا عزیز رشتہ دار یا استاد و شفیق و مرشد برحق و پیشوائے دین کے انتقال و ذکر انتقال سے بوجہ رنج و حزن و ملال رونا یا یاد آخرت سے رونا ممنوع نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات ابراہیم بن ماریہ قبطیہ میں آبدیدہ ہونا منقول ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جنازہ کے ساتھ تشریف لے جانا اور قبر پر بیٹھ کر یاد آخرت و موت پر بہت رونا حضرت براء بن عازب رضہ سے مروی ہے، اسی طرح آیت فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ سنکر آنسو جاری ہونا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے قرآن مجید کی تلاوت میں رونا نہ آئے تو بتکلف رونا اس کا حکم بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ثابت ہے، خدا کے خوف سے ذرا سے آنسو نکل آئے پر جو فضیلت وارد ہے حدیث مروی حضرت عبد اللہ بن مسعود میں موجود ہے بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آنا اور انہیں روتا دیکھ کر دونوں کا رونا روایت حضرت انس رضہ میں مذکور ہے۔ وقت معین پر ایصال ثواب فاتحہ و درود سے کرنا موجب اجر جزیل ہے، مجمع مشروع میں میت کے اوصاف کمال و واقعات مجبر تیجہ خیز مفید وقت بیان کرنا، اور اس سے

لہ۔ میری بہتر جماعت میرے بعد والی ہے اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

لئے نظماً و نثراً مغفرت مانگنا جس کا وہ مستحق ہے، کرنا، کسی زبان میں ہو، اس کے جواز میں کلام نہیں، ہاں نوحہ مشرکین جو عہد جاہلیت میں مروج تھا، وہ ہرگز نہ چاہیئے، وہ نہ میت کے لئے فائدہ رساں ہے اور نہ پس ماندگاں کے لئے مفید، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن المراثی وفی نسخة یعنی النوح۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراثی سے منع کیا، ابن ماجہ کے ایک نسخہ میں ہے، کہ مراد اس سے نوحہ ہے۔

حاصل یہ کہ مراثی سے مطلقاً مراثی مراد نہیں ہو سکتے، ورنہ بہت سے صحابہ، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مراثی لکھے گئے، اور دین اسلام کا کوئی قاعدہ اس کے منع کا مقتضی نہیں ہے اسی بناء پر شیخ جلال الدین ابوبکر رحمہ اللہ تعالےٰ مشہور مصنف اسلام نے مصباح الزجاجہ میں بذیل حدیث مذکور فرمایا ہے۔
قال الخطابی انما کرہ من المراثی النیاحة حتی من هب الجاهلیة فاما الثناء[1] والدعاء للمیت فغیر مکروہ لانه رثی غیر واحد من الصحابة کثیراً من المراثی انتهی
اور کسی سیہ کار کے سوء خاتمہ و حسن خاتمہ کے یقینی علم نہ ہونے پر ہم اس کو کرنے کے لئے مامور و مجاز نہیں ہیں، اور درنج میں ترک لذائذ و تزئین ریا، بغیر خلوص کچھ مفید نہیں اور خلوص کے ساتھ بنظر رد ہو تو اس کا فضل معلوم و مسلم ہے۔ ھذا ما ظھر لی واللہ سبحانہ اعلم وعلمه اتم واحکم
العبد نعمانی عفی عنه۔

ہوالمصوب۔ واقعی رسم تعزیہ داری بدعت ہے، نہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پایا گیا ہے، نہ خلفاء کے زمانہ میں، بلکہ اس کا وجود قرون ثلاثہ میں کہ مشہود لہا بالخیر ہیں منقول نہیں ہوا۔ اور تا این دم حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً میں رائج نہیں ہے، اور نہ کسی اصل شرعی کے تحت میں مندرج ہے، پس یہ بدعت ضلالت ٹھہرا، اور بدعت ضلالت کو اختیار کرنا لعنت خدا و ملائکہ کا موجب اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجیدگی کا باعث ہے۔ روی[2] الطبرانی عن ابن عباس رض

[1] خطابی نے کہا، جاہلیت کے زمانہ کی طرح مرثیہ کہنا حرام ہے اور میت کے لئے دعا کرنا یا اس کی تعریف کرنا مکروہ نہیں کیونکہ ایسے مرثیہ تو کئی ایک صحابہؓ سے بھی منقول ہیں۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور سارے جہان کی لعنت ہے، اللہ نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا نہ فرض، اور فرمایا جو کوئی ہمارے دین میں ایسا کام کرے جو اس کا حصہ نہیں تو وہ کام مردود ہے، اور فرمایا بدترین کام بدعتیں ہیں، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث حدثا او اوٰی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا رواہ البخاری ومسلم وغیرھما من اصحاب الصحاح عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فہو رد وروی مسلم انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

اور سینہ کوبی کرنا، کپڑے پھاڑنا، نوحہ کرنا، خاک اڑانا، بال نوچنا یہ سب افعال منہیات وممنوعات سے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ لیس[1] منا من حلق وسلق وخرق ولیس منا من ضرب بالخدود وشق الجیوب ولعن اللہ النیاحۃ۔ اور نفس بیان وقائع شہادت اور اس پر رونا بشرطیکہ نوحہ وغیرہ سے خالی ہو درست ہے اور اس کے واسطے خاص مجلس منعقد کرنا تشبہ روافض وکراہت سے خالی نہیں، جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ اذا[2] اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض کما فی العون۔

اور صراط المستقیم میں ہے، ذکر[3] قصہ شہادت بعقد مجلس باین قصد کہ مردم بشنوند وتاسفہا نمایند وگریہ وزاری کنند ہر چند در نظر ظاہر قباحتے دران ظاہر نمی شود، واما فی الحقیقت آں ہم مذموم ومکروہ است انتھے۔

اگر مرثیہ میں احوال واقعی ہوں، پس اس قسم کے مرثیوں کو پڑھنا اور سننا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا ہے۔

یزید کے بارے میں بعض کہتے ہیں، کہ باتفاق مسلمانوں کے وہ امیر ہوا تھا، اس کی اطاعت امام علیہ السلام پر واجب تھی، حالانکہ اس کی خلافت پر مسلمانوں کا اتفاق نہ ہوا، اور ایک جماعت صحابہؓ واولاد صحابہؓ نے اس کی بیعت نہیں کی، اور جن حضرات نے بیعت کی بھی تھی، جب ان کو اس کے فسق وفجور کا حال معلوم

---

[1] جو سر کے بال نوچے، سینہ کوبی کرے، اور کپڑے پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا جو رخسارے پیٹے، گریبان پھاڑے، وہ ہم میں سے نہیں ہے اور فرمایا خدا نوحہ کرنے والے پر لعنت کرے۔

[2] جب امام حسین کا واقعہ بیان کرنا چاہے، تو پہلے تمام صحابہ کی شہادت کا تذکرہ کرے تاکہ شیعہ کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

[3] کسی مجلس میں شہادت کا واقعہ اس طرح سے بیان کرنا کہ لوگ سنیں اور افسوس کریں، اور گریہ وزاری کریں بظاہر اس میں کوئی عیب معلوم نہیں ہوتا، لیکن حقیقت میں یہ بھی برا ہے ۱۲۔

چوا، خلع بیعت کر کے مدینہ میں واپس آ گئے، اور بعض قائل ہیں کہ یزید نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، نہ اس فعل سے راضی تھا، یہ بھی باطل ہے۔ قال العلامۃ التفتازانی فی شرح العقائد النسفیۃ والحق ان رضی یزید بقتل الحسین واستبشارہ بذالک واھانۃ اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احاداً انتھی .... اور بعض کہتے ہیں کہ قتل امام رضی اللہ عنہ گناہ کبیرہ ہے نہ کفر اور یہ لعنت مخصوص بکفار ہے، نازم باین فطانت، نہیں جانتے ہیں کہ کفر ایک طرف خود ایذا رسول الثقلین کیا ثمرہ رکھتا ہے قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا اور بعض کہتے ہیں، کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں، شاید اس نے اس کفر و معصیت کے بعد توبہ کی ہو، اور وقت موت کے تائب ہو گیا ہو، امام غزالی کا احیاء العلوم میں اسی طرف رجحان ہے۔

جاننا چاہیئے، کہ توبہ کا احتمال ہی احتمال ہے والا اس بے سعادت نے اس امت میں وہ کچھ کیا ہے، کہ کسی نے نہیں کیا، شہادت امام حسین واہانت اہل بیت کے بعد مدینہ منورہ کی تخریب واہالیان مدینہ کی شہادت وقتل کے واسطے لشکر بھیجا، تین روز تک مسجد نبوی بے اذان و نماز رہی، من بعد حرم مکہ میں لشکر کشی کر کے عین حرم مکہ میں عبداللہ بن الزبیر کو شہید کرایا، اور انہیں مشاغل میں تھا، کہ اس کی موت آ گئی۔ اس جہان کو پاک کیا، اور اس کے بیٹے معاویہ نے برسر منبر اس کی برائیاں بیان کیں، واللہ اعلم بما فی الضمائر اور بعض سلف و اعلام امت سے اس شقی پر لعن تجویز کرتے ہیں، چنانچہ علامہ تفتازانی نے کمال خوش و خروش کے ساتھ اس پر اور اس کے اعوان پر لعنت کی ہے، اور بعضوں نے اس معاملہ میں توقف کیا ہے، پس مسلک اسلم یہ ہے، کہ اس شقی کو مغفرت و ترحم سے ہرگز یاد نہ کرنا چاہیئے۔ اور اس کے لعن سے کہ عرف میں مختص بکفار ہے اپنی زبان کو روکنا چاہیئے، جیسا کہ قصیدہ امالیہ میں ہے ؎

لہ۔ سچ بات یہ ہے، کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل سے یزید خوش ہوا۔ اور اہل بیت کی توہین کی، اگرچہ اس کی تفصیل احاد ہے لیکن اس کے معنی متواتر ہو چکے ہیں ۱۲۔

سلہ۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں، اللہ کی ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہے ۱۲۔

ولم یلعن یزید ا بعد موت سوی المکثار والاعزاء غال ؛
واللہ اعلم بالصواب حررہ تراب اقدام اولیاء الباری محمد عبد الھادی الانصاری
ابن مقبول من رنم السماء بغیدعد مولانا علی محمد بن خاتم الفقہاء والمحدثین
مولانا محمد معین بن سید المخصصین سند المدققین محمد معین ادخلھم
اللہ فی اعلیٰ علیین وافاض علینا من برکاتھم وبرکات مشائخھم الکاملین۔
(محمد عبد الھادی)

تعزیہ بنانا، اس میں شریک ہونا، اس پر چڑھاوا چڑھانا، یا منت ماننا ان ایام عشرہ محرم میں ذکر شہادت حسنین
کرنا، رونا پیٹنا، چلانا، نوحہ کرنا، کپڑے پھاڑنا یہ سب نادرست ہے، اور بدعت سیئہ اور یزید کو
برا کہنا خلاف احتیاط ہے، فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ رشید احمد ۱۳۰۱

تعزیہ داری کرنا وغیرہ امور مذکورہ فی السوال ناجائز و بدعت ہیں، اور موجب عقاب، اور یزید اپنے
کئے کو پہنچ گیا، اب اس پر لعنت کرنا، اس کو گال دینا، برا کہنا نہ چاہیے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا رواہ البخاری کذا فی
بلوغ المرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد عبد السلام غفرلہ
سید محمد عبد السلام فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۷

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی و مدح سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردان خوش الحان خوانندہ ہوں وزیب
و زینت و شیرینی و روشنی بلئے کثیرہ، اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشعار میں مخاطب و حاضر
ہوں جائز ہے یا نہیں، اور قیام ذکر ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے یا نہیں، اور حاضر ہونا مفتیان
کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں، اور نیز بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ کے آب و طعام سامنے رکھ کر
اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا، اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا، اور نیز بروز سوم میت کے
لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی و کلمہ طیبہ پڑھے ہوئے چنوں پر مع پنج آیت کے و شیرینی تقسیم کرنا بحدیث
نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز ہے یا نہیں۔

لے مردوں کو گالی نہ دیا کرو، جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا وہ وصول کر بیٹھے ہیں ۱۲۔

الجواب: انعقاد محفل میلاد اور مقام وقت ذکر پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرون ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا، پس یہ بدعت ہے، اور علی ہذا القیاس بروز عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا، البتہ نیابت عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومہ سوال کے لیئے مساکین وفقراء کو دے کر ثواب پہنچانا، اور دعا، استغفار کرنے میں امید مغفرت ہے اور ایسا ہی حال سوم دہم چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث وکتب فقیہ سے ہے، خلاصہ یہ کہ یہ سب بدعات محرمات ناپسند شرعیہ ہیں۔

سید محمد نذیر حسین	حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ

زشرف سید کونین شد شریف حسین	بہ طفیل نبی الہی بخش

الجواب صحیح۔ محمد محمود دیو بندی

محمد محمود ۱۲۹۰	محمد یعقوب	مدرس اوّل دیو بند

الجواب صحیح کتبہ محمد احسن صدیقی، فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۷۴

محمد احسن صدیقی	محمد عبد الحمید ۱۲۹۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے اور وہ ایک موضع میں رہتا ہے، اور نماز روزہ کبھی نہیں پڑھتا، اور نہ کبھی اس کی زوجہ ہی نماز پڑھتی ہے غرضیکہ دونوں میاں بیوی روزمرہ شراب پینے، اور شرک وبدعت کے کام کرتے ہیں، شرک یہ ہے کہ اس شخص نے ایک ہنود عورت کو مقام ڈیرہ سے بلا کر اسے کہا کہ ہمارے گاؤں بھر میں ڈنگروں میں وکھر یعنی بیماری پھیل رہی ہے، تم اس کو کسی طرح دفع کرو، جواب میں اس عورت نے یہ شرط پیش کی، کہ جس طرح سے میں تم کو بتلاؤں تم کو اس پر کاربند ہونا پڑے گا، اور میں اس بیماری کو دفع کردوں گی، اس مسلمان نے اس کی ہر ایک بات منظور کرنے کا اقرار کرلیا، تب مسماۃ مذکورہ نے کہا، کہ تین روز تک اس گاؤں بھر میں کوئی مسلمان اپنے گھر میں چولہے پر توا نہ چڑھائے یعنی روٹی نہ پکائے اور نہ ہی تین روز تک کوئی دودھ دی جائے چنانچہ گاؤں بھر کے مسلمانوں نے ایسا ہی کیا، پھر اس عورت نے تین روز تک سب مسلمانوں میں جاکر صبح وشام سنکھ بجایا، بعد ازاں اس نے یہ کہا، کہ ایک ان بیاہی بکری یعنے بچہ کے لاؤ، سو اس مسلمان نے ویسا ہی یعنی بکری لا دی گئی، تو عورت نے بکری کو کسی کلہاڑہ وغیرہ سے مار ڈالنے کی ہدایت کی، مسلمان مذکور نے اس بکری کے خون سے تیلی وغیرہ کی قسم کی ایک مورت بنا کر تین روز تک سب مسلمانوں کے گھروں میں بھجوائی، اور حکم دیا، کہ اس مورت کو تمام گھروں کی دیواروں سے چھوا کر واپس لے آؤ، چنانچہ مسلمان مذکور نے ایسا ہی کیا، اور پھر اس عورت نے معہ بکری کے گوشت کے مورت کو ڈنگروں کے

راستہ میں مدفون کرا کر کہا، کہ اب تمہارے ڈنگروں میں کبھی وکھ نہیں آنے پاوے گا، اور اپنا کچھ عقیدہ بتلاکر اپنے مقام ویرہ کو واپس چلی گئی، اور یہ بھی سننے میں آیا ہے، کہ مسلمان مذکورہ کے والدین کا نکاح بھی نہیں ہوا ہے، اور وہ خود بھی زناکار ہے، اور اس نے اپنی دختروں کو ان کے زندہ خاوندوں سے زبردستی چھین کر کسی دوسری جگہ سے سو سو روپیہ لے کر ان کا نکاح کرادیا، حالانکہ ان کے سابق شوہروں نے انہیں آج تک طلاق نہیں دی تو اب فرمایئے، کہ اس کے گھر کا کھانا، اور اس سے سلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔

دوسرے یہ کہ وہی شخص بدعتی و شرابی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ان لوگوں سے جو ان کے پاس بیٹھنے اور کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ مجھ سے تو تم اتنا پرہیز کرتے ہو، مگر جس امام کے پیچھے تم لوگ نماز پڑھتے ہو، اس کی عورت قوم ہنود سے ہے، اور وہ کسی مسلمان کے گھر کی پکی ہوئی چیز نہیں کھاتی، اور اب تک امام صاحب سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اس پر جب لوگوں نے امام صاحب کو بلا کر سب مسلمانوں کے روبرو اس تمام ماجرا کی نسبت دریافت کیا اور یہ بھی پوچھا، کہ جب کہ وہ عورت مسلمان ہو چکی ہے، پھر آپ کا اس کے ساتھ نکاح نہ ہونے کا کیا باعث، جس پر امام صاحب نے یہ جواب دیا کہ جو کچھ یہ شرابی بیان کرتا ہے، سراپا دروغ ہے، اس عورت سے میرا نکاح ہوئے چودہ سال ہو چکے ہیں اور میرے اس نکاح کے گواہ اور وکیل فلاں فلاں شخص فلاں فلاں موضع میں موجود ہیں آپ لوگ ان سے بذریعہ خط و کتابت دریافت کرسکتے ہیں۔ باقی رہا یہ امر کہ میں اور میری عورت بعض لوگوں کے گھروں کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں، تو اس کے لئے صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا، کہ وہ اور ان کی عورتیں شراب پیتی ہیں ان کے گھروں کی پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں، تو اس کے لئے صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہوگا، کہ وہ اور ان کی عورتیں شراب پیتی ہیں، میں ان کے گھروں کا کھانا وغیرہ جائز نہیں سمجھتا، اور گوشت میری عورت کسی بیماری کی وجہ سے نہیں کھاتی، کچھ گوشت پر ہی مسلمانی موقوف نہیں،

اس کے بعد اسی کفر و شرک کرنے والے شرابی شخص نے ایک مولوی صاحب عبد الرحیم نامی ساکن رامپور ضلع سہارنپور سے بغرض حصول فتویٰ اس مضمون کا سوال لکھ کر بھیجا، کہ ایک ایسا شخص جس کی عورت کسی مسلمان کے گھر کا کھانا نہ کھاتی ہو، اور اس کا نکاح بھی نہ ہوا ہو، وہ قابل امامت ہے یا نہیں مولوی صاحب مذکور نے بلا تحقیق طرفین کے لکھ دیا، کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں ہو سکتی،

تاوقتیکہ اس عورت کو کفر سے توبہ کرا کر اس سے نکاح نہ ہو جاوے، اب چند معتبر سے ان لوگوں کے جو امام صاحب کے نکاح میں شامل تھے، جواب لگئے ہیں، ان سب کا بیان امام صاحب کی تائید میں ہے اور خطوط پر ان گواہوں کے نام اس طرح ثبت ہیں، گواہ شد نکاح شہاب الدین ساکن موضع بلاقی والا، گواہ شد نکا ح، خدا بخش سایہ والا، وکیل کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

اس موقعہ پر کچھ امام صاحب کے اوصاف کی نسبت بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں، آپ ابتداء میں پل چمن پر رہتے تھے چودہ پندرہ سال سے یہ وہاں سے اٹھ کر یہاں ان مواضعات وقریات میں چلے آئے، جہاں کہ مسلمان بہت کم آباد تھے اور نہ یہاں کوئی مسجد تھی، امام صاحب موصوف نے آتے ہی تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا، اور بے خبر مسلمانوں کو رفتہ رفتہ سمجھا بجھا کر طریقہ اسلام پر لائے، آخر مسلمان نماز روزہ سے واقف ہو کر نمازیں پڑھنے لگے، اور بدعت وکفر سے الگ ہوگئے، از اں بعد امام صاحب مذکور نے ایک مسجد اور چبوترہ کی تعمیر کے لئے ہندو راجہ سے جو ان مواضعات کے مالک ہیں بذریعہ درخواست منظوری منگوائی، چنانچہ لوگوں کے چندوں اور آپ کی سعی بلیغ سے جب سے مسجد تیار ہوگئی ہے، تب اسلام میں اور بھی زیادہ رونق اور ترقی ہوتی جاتی ہے۔

اب فرمایئے، کہ ایسے پرہیز گار امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کس آیت یا حدیث سے ناجائز ہے، اور نیز یہ بھی لکھیں، کہ جو شخص کبھی نماز نہ پڑھتا ہو، اور روزمرہ شراب پیتا ہوا ور شرک و بدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام علیکم کرنا، اور اس کے گھر کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

سوال دوم، جو امام نماز جماعت میں ہر لحظہ کھانسے آیا نماز مکروہ ہوگی، یا نہیں۔

سوال سوم۔ جو شخص امام ہو کر لوگوں کو قیام مولود، غزلیات، شعر کی رغبت دلائے، تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہے، تو کس دلیل سے، اور کون سی حدیث سے مع حوالہ کتب حدیث وروایات وآیات کے تحریر فرمایئے۔

الجواب: امام مذکور کے پیچھے نماز بلاشبہ جائز ودرست ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو شخص ایسے امام کے پیچھے نماز کو ناجائز بتائے، وہ جاہل ہے اور جو شخص نہ کبھی روزہ رکھتا ہو اور نہ نماز پڑھتا ہو، اور روزمرہ شراب پیتا ہو اور شرک وبدعت کے کام کرتا ہو، تو اس سے سلام و کلام کا ترک کر دینا جائز ہے، مشکوۃ شریف میں ہے۔

عن نافع ان رجلا اتی ابن عمر فقال ان فلانا یقرأ علیک السلام فقال انه بلغنی انه قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرئه منی السلام الخ رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب امام نووی لکھتے ہیں وردت الاحادیث بهجران اهل البدع والفسوق ومنابذی السنة وانه یجوز هجرانهم دائما والنهی عن الهجران فوق ثلاث لیال انما هو لمن هجر لحظ نفسه ومعائش الدنیا واما هجران اهل البدع ونحوهم فهو دائما انتهی اور ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا، اور اس کی دعوت قبول کرنا نہیں چاہیئے، کیونکہ فساق کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت آئی ہے۔

جواب سوال دوم۔ ہر لحظہ کھانسنا اگر عذر کی وجہ سے ہے، تو نماز میں کچھ کراہت نہیں آئے گی اور اگر بلا عذر ہے، تو ظاہر ہے، کہ نماز کے اندر بلا عذر اور بلا ضرورت ہر لحظہ کھانسنا محض لغو حرکت ہے اس سے نماز کا مکروہ ہونا کیا معنے نماز کے فاسد ہونے کا خوف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

جواب سوال سوم۔ قیام مولود و غزلیات مجملہ بدعات کے ہے، بلکہ اگر اس اعتقاد سے قیام کرے، کہ ذکر ولادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوتے ہیں، تو کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے، پس ایسے بدعتی امام کے پیچھے اقتدار کرنے سے احتراز چاہیئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ عبدالحق ملتانی عبدالحق ملتانی۔ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۱۲۴

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین ان مسائل میں کہ عمرو کہتا ہے کفر و شرک کرنے سے اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ و سماع و رقص و مزامیر و ملاہی کی حلت کرنے، اور کل محارم و ممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن و حدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا اور بہتر اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، مناسب و لائق ہے، کہ مرتکب کفر و شرک و محارم و ممنوعات قطعی کا حلال جاننے والا حلال کو حرام جاننے والا، توبہ از کفر و شرک و معاصی و تجدید ایمان و تجدید نکاح کرے، تاکہ داخل اسلام رہے، مگر خالد اور بیر بڑا اس کے یہ کہتے ہیں، کہ کفر و شرک کرنے سے اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ و سماع و رقص و مزامیر و ملاہی کی حلت اور محارم و ممنوعات قطعی کے مرتکب ہونے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان و اسلام میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے، اور نکاح بھی ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹتا، تجدید ایمان و تجدید نکاح کا مسئلہ بے اصل اور محض غلط ہے، تجدید ایمان و تجدید نکاح کا مذکورہ

قرآن وحدیث وفقہ میں کس جگہ اور کہاں آیا ہے، اکثر بندگان دین صاحب علم وعمل واہل کرامت وکشف غیب کی باتیں بتانے والے، اور حالات غیب کے جاننے والے تو مجلس سماع ورقص میں باادب ودست بستہ بیٹھ کر بشوق طبع تمام راگ سنتے ہیں، اور ذرہ بھی انکار نہیں کرتے، اور نہ کسی کو سماع ورقص کے سننے ودیکھنے سے منع کرتے ہیں بلکہ ترغیب دیتے ہیں جس تقریب میں کہ سماع ورقص نہ ہو، مثلاً نکاح وغیرہ میں، تو اس تقریب میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں، کہ بے سماع ورقص کے شریک محفل ہونا بے فائدہ ہے چنانچہ خالد وتابعین اس کی کل تقریبات مشروعہ سے انکار کرتے ہیں، اور جو کوئی تقریب شرعی میں شامل ہو اس سے متنفر رہتے ہیں۔

(۲) عمرو کے پاس زید از خود بارادہ توبہ خالص کرنے کو آیا، اور عمرو سے زید نے کہا کہ جو ترکیب توبہ کرنے کی ہے، وہ مجھ کو تعلیم کر کے توبہ کرادو، چنانچہ عمرو نے حسب طلب زید اس کو دو رکعت نماز توبہ پڑھوا کر بعد سلام دست بردا شتہ بطور استغفار اور جو دعا کہ توبہ کے بارے میں احادیث نبوی سے ثابت ہے پڑھوا کر بعدہ مصحف قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر بطور عہد وپیمان اس سے کہلوایا، کہ جو کچھ کہ اوامر ونواہی قرآن شریف واپنے کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں ان اوامر کو حتی الوسع بجالاؤں گا، اور نواہی سے تابمقدور باز رہوں گا، مگر اب خالد اور اس کے متبع کہتے ہیں، کہ توبہ کرنا، اور ہاتھ میں قرآن شریف لے کر عہد وپیمان اوامر کے بجالانے کا، اور منکرات سے باز رہنے کا نہایت زبون اور بے جا، اور نادرست ہے کیونکہ قرآن شریف کے اوامر ونواہی بجالانا ضبط وطاقت بشریت وانسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے، توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم ومنحوس ونا مناسب ونامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کر کے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ وجذامی وخوار اور ویران ہوجاتا ہے خالد واس کے پیرو عمرو وزید کو بسبب توبہ کرنے اور قرآن شریف کے اوامر ونواہی پر عہد کرنے سے نہایت ذلیل وخوار وحقیر سمجھتے ہیں، اور متنفر وبیزار وکنارہ کش رہتے ہیں، خالد اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے اس کے سب گناہ معاف ہیں، مگر جو تائب ہو کر پھر گناہ کرے، تو وہ گنہگار ہے اس وجہ سے غیر تائب اچھا ہے، تائب بے خوف ہے، توبہ کرنے سے کیا حاصل، اللہ تعالیٰ نے ممنوعات وفواحش کیوں پیدا کئے انسان ہی تو ممنوعات وفواحش وغیرہ کے مستحق ہیں ورنہ فرشتے تو حظ نفس سے مبرا ہیں ورعایت

زندگی مفقود ہے

(۲) عمرو تو توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرتا ہے، اور بدعات اور منکرات سے منع کرتا ہے، اور توبہ کرنا ہر حال میں بہتر و انسب و افضل جانتا ہے، اور تائب سے نہایت خوش و راضی ہوتا ہے، بخلاف اس کے خالد اور اس کے پیرو توبہ کرنے کو مذموم و فعل عبث تصور کرتے ہیں اور تائب کی نہایت مذمت و مذمت بیان کرتے ہیں، اور تائب سے از حد بیزار رہتے ہیں، بلکہ کینہ ور پرخاش اور درپے ازالہ رہتے ہیں، اور ارتکاب بدعات کو موجب فلاح و ثواب دارین تصور کرتے ہیں، اور مرتکب بدعت کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں، اتباع سنت سے بیزار رہتے ہیں، اور متبع سنت کے عدو مبین ہیں۔

اب سوال یہ ہے، کہ عمرو و خالد کے اقوال مذکورہ سے، کس کا قول حق و موافق شریعت کے ہے اور کس کا قول ناحق و خلاف شریعت ہے،

الجواب:۔ عمرو کا یہ قول کہ، کفر و شرک کرنے سے، اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ کی حلت کرنے، اور کل محارم و ممنوعات کو کہ اس کے مرتکب پر قرآن و حدیث میں وعید آئی ہے، ان کے حلال اور اچھا جاننے، اور روا جاننے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، حق اور موافق شریعت کے ہے بے شک جو شخص کل محارم و ممنوعات قطعیہ کو حلال اور اچھا اور بہتر جانے اور حلال کو حرام جانے وہ مرتد اور خارج از اسلام ہو جاتا ہے، اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ایسے شخص کو کفر و شرک سے اور محارم و ممنوعات کے حلال جاننے اور حلال کو حرام جاننے سے توبہ کرنا لازم ہے، اور پھر توبہ نصوح کے بعد تجدید نکاح ضروری ہے ہاں یہ بھی معلوم ہو، کہ وہ محرمات جن کی حرمت میں ائمہ دین مختلف ہوں، اور وہ حلال جن کی حلت میں اہل علم کا اختلاف ہو، سو ایسے محرمات مختلف فیہا کے حلال جاننے سے اور ایسے حلال مختلف فیہ کے حرام جاننے سے نہ نکاح ٹوٹتا ہے، اور نہ خروج از اسلام لازم آتا ہے۔

اور خالد اور اس کے پیرووں کا یہ کہنا کہ کفر و شرک کرنے سے اور ہر حرام و ممنوعات شرعیہ اور محارم قطعیہ کے مرتکب ہوئے اور حلال جاننے سے نہ کچھ ایمان و اسلام میں خلل و حرج واقع ہوتا ہے اور نہ نکاح ٹوٹتا ہے الخ، سراسر ناحق و خلاف شریعت ہے، اور بالکل الحاد و جہالت اور کفر و ضلالت کی باتیں ہیں۔ اور خالد اور اس کے پیرووں نے سند میں جن بزرگان دین کا ذکر کیا ہے وہ بزرگان

دین نہیں ہیں، بلکہ وہ فساق و رہزنان دین ہیں، اس واسطے کہ راگ اور ناچ کی مجلس میں بیٹھ کر بشوق تمام راگ
سننا اور ناچ دیکھنا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا، اور جس تقریب میں ناچ اور راگ نہ ہو اس میں شریک
ہونے سے انکار کرنا بندگان دین کا کام نہیں ہے اور ان فساق و رہزنان دین کو جو خالد اور اس پیروکوں
نے غیب کی بات بتانے والے اور حالات غیب کے جاننے والے کہا ہے سو یہ بھی محض شرک و کفر
کی بات ہے، کیونکہ بجز ذات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کوئی اور غیب کی بات بتلانے والا، اور حالات غیب
جاننے والا نہیں ہے،

(۲) عمرو نے جس طریقہ سے زید سے توبہ کرائی ہے، وہ صحیح اور شریعت کے مطابق ہے، یعنی دو رکعت
زید سے پڑھوانا، پھر بطور استغفار کے ان دعاؤں کو پڑھوانا جو توبہ کے بارہ میں احادیث نبوی سے،
ثابت ہیں، اور پھر زید سے اس کا عہد و پیمان لینا، کہ مامورات شرعیہ کو حتی الوسع بجا لاؤں گا اور منہیات
شرعیہ سے تا بمقدور باز رہوں گا، یہ سب کچھ ٹھیک اور شریعت کے موافق ہے، مشکوۃ
شریف میں ہے۔ عن علی قال حدثنی ابو بکر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یقول ما من رجل یذنب ذنبا ثم یقوم فیتطہر ثم یصلی ثم یستغفر اللہ الا غفر
اللہ لہ الحدیث رواہ الترمذی وابن ماجۃ (مشکوۃ شریف باب التطوع) ونیز
مشکوۃ کے اسی باب میں ہے عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من کانت لہ حاجۃ الی اللہ او الی احد من بنی آدم فلیتوضأ فلیحسن
الوضوء ثم لیصل رکعتین الحدیث۔

ہاں عمرو نے جو مصلیٰ یا قرآن شریف زید کے ہاتھ میں دے کر عہد و پیمان لیا ہے، سو قرآن شریف کو ہاتھ
میں دے کر عہد و پیمان لینا شریعت سے ثابت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اور آپ
کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے، پھر تابعین و تبع تابعین وغیرہم نے بہت سے لوگوں کو شرک و بدعت

ف ۱۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے جو آدمی گناہ کر بیٹھے، پھر وضو کرکے پھر نماز پڑھے
پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ بخش دیتے ہیں، المحدیث ۱۲۔

ف ۲۔ عبد اللہ بن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی بندے کی طرف کوئی کام ہو وہ
اچھی طرح وضو کرے، اور پھر دو رکعت نماز پڑھے ۱۲ المحدیث ۱۲۔

ہے اور معاصی سے توبہ کرائی ہے، اور ماموررات کو بجالانے، اور منہیات سے بچنے کا عہد لیا ہے مگر قرآن ہاتھ میں دے کر عہد لینا کسی سے بھی ثابت نہیں ہے، لہٰذا عمرو کو اس سے احتراز چاہیئے۔

اور خالد اور اس کے متبعین کا توبہ کرانے کو، اور ماموررات کے بجالانے، اور منہیات سے باز رہنے پر عہد لینے کو نہایت زبون اور نادرست کہنا، اور اس کی وجہ یہ ٹھہرانا، کہ اوامر قرآن شریف کو بجالانا اور نواہی قرآن سے باز رہنا ضبط و طاقت بشری و انسانی سے بعید اور غیر ممکن ہے سراسر جہالت اور حماقت ہے، قرآن مجید و حدیث کے جتنے اوامر و نواہی ہیں، سب کے سب سہل و آسان ہیں، ایک بھی طاقت بشری سے بعید و ناممکن نہیں ہے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود فرماتا ہے، مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ یعنے اللہ تعالیٰ نے تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں کی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان الدين يسر الحديث رواه البخاری یعنے بے شک دین اسلام آسان اور سہل ہے، توبہ کرنا شعار اسلام سے ہے، قرآن و حدیث میں توبہ کرنے کا حکم ہے، توبہ اور توبہ کرنے والوں کے فضائل و مناقب کثرت سے ثابت ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا إِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَصُوْحًا یعنے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرو اور فرماتا ہے ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين یعنے اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور محبوب رکھتے ہیں پاکی حاصل کرنے والوں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا إِلَى اللّٰهِ فَإِنِّيْ أَتُوْبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ (رواه مسلم) یعنے اے لوگو! توبہ کرو اللہ کی طرف، بس میں ایک دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں، دیکھو سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو معصوم تھے اور جن کی شان میں لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ[1] وارد ہے، دن بھر میں سو مرتبہ توبہ کرتے تھے، پس خالد اور ان کے متبعین کا توبہ کرنے کو نہایت زبون اور بے جا اور نادرست کہنا شریعت کی صاف مخالفت کرنا ہے، خالد اور اس کے متبعین کو اپنے اس قول سے توبہ کرنی لازم ہے اگر وہ اپنی جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے ایسی بات بولتے ہیں، تو وہ اپنی ناواقفی کی وجہ سے قابل معذور ہو سکتے ہیں، اور اگر دانستہ ایسی بات بولتے ہیں، تو انہیں ذیل کی دونوں آیتوں کے وعید سے بہت ڈرنا چاہیئے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

[1] تاکہ اللہ آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دے ۱۲۔

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (۲) فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

پہلی آیت کا ترجمہ "اور جو کوئی مخالفت کرے رسول کی، جب کھل چکی اس پر راہ کی بات، اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا، ہم اس کو حوالہ کریں جو اس کو پکڑے، اور ڈالیں اس کو دوزخ میں، اور بہت بری جگہ پہنچا" اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے "سو ڈرتے رہیں جو لوگ خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا، کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو دکھ کی مار"

اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا کہ "توبہ کرنا اور قرآن شریف کا اٹھانا نہایت شوم و منحوس و نامبارک ہوتا ہے، جو کوئی توبہ کرکے قرآن شریف کو اٹھاتا ہے، وہ تباہ و جذامی و خوار و ویران ہو جاتا ہے سراسر باطل و مردود ہے، توبہ جیسی مبارک اور محبوب چیز ہے، اس کا حال اوپر معلوم ہو چکا رہا توبہ کے وقت قرآن و حدیث کا اٹھانا، سو اس میں صرف اتنی بات ہے کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے مگر اس کو شوم و منحوس سمجھنا، اور یہ عقیدہ رکھنا، کہ جو قرآن کو توبہ کے وقت اٹھاتا ہے، وہ تباہ و جذامی ہو جاتا ہے، محض باطل و غلط ہے، اور خیال و عقیدہ شرکیہ ہے، صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ رضی سے روایت ہے، قال سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم يقول لا طيرة الحديث یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کسی چیز میں شوم اور نحوست نہیں اور سنن ابی داؤد میں ہے، عن عبد الله بن مسعود رض عن رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال الطيرة شرك قال ثلاثا الحديث یعنے عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شگون بد لینا، اور کسی چیز میں شوم و نحوست سمجھنا شرک ہے، آپ نے اس کو تین بار فرمایا، اور خالد اور اس کے متبعین کا یہ کہنا کہ جو شخص جب تک تائب نہیں ہوتا ہے، وہ بے گناہ اور مرفوع القلم ہے الخ نہایت نادانی کی بات ہے اللہ تعالے ان کو ہدایت کرے، اور ان کی سمجھ کو سیدھا کرے، والله يهدي من يشاء الى صراط مستقيم[1]

(۳) عمرو کا توبہ کو طریقہ اسلام سے شمار کرنا، اور بدعات و منکرات سے منع کرنا، اور توبہ کو اچھا جاننا، اور تائب سے خوش و راضی رہنا حق ہے اور یہی دین اسلام کی تعلیم ہے، اور خالد اور اس

---

[1] اللہ جسے چاہتے سیدھے راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

کے متبعین کا توبہ کو مذموم اور فعل عبث تصور کرنا، اور تائب کی مذلت اور مذمت کرنا، اور ارتکاب بدعات کو موجب فلاح دارین سمجھنا، اور اتباع سنت سے بیزار رہنا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ ان کی وجہ سے خالد اور اس کے متبعین کے ایمان کی خیر نہیں ہے، تائب کی مذلت و مذمت کرنا اور توبہ کو فعل عبث تصور کرنا، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت و مذلت بیان کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فعل عبث کی نسبت کرنا ہے اور اس کا جو نتیجہ ہے، وہ ظاہر ہے، نعوذ باللہ من ذلک اور اتباع سنت سے بیزار ہونے والے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من رغب عن سنتی فلیس منی یعنے جو شخص میری سنت سے بیزار ہو، وہ مجھ سے نہیں ہے اور فرمایا کہ جو شخص میری سنت کو (بیزاری سے) ترک کرے اس پر میں نے لعنت کی، اور ہر نبی نے لعنت کی، کذا فی المشکوۃ باب الایمان بالقدر واللہ تعالیٰ اعلم،

حررہ سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۲۴۳ — سید محمد نذیر حسین

بدنامی کی وجہ سے سنت رسول ترک کرنا کیسا ہے۔

سوال ۔۔ بدنامی کی وجہ سے سنت رسول آمین۔ رفع الیدین ترک کر دینا کیسا ہے۔

جواب ۔۔ ہرگز جائز نہیں نہایت بد دلی اور کج فہمی ہے اس کا مفصل بیان رسالہ آمین اور رفع الیدین میں ہے منگا کر پڑھیں۔ فتاوی ستاریہ جلد ۳ ص ۹۰۔

سوال ۔۔ بخدمت علمائے فضیلت شعار گذارش ہے کہ جواب مسئلہ ہذا سے ممتاز فرما دیں (۱) اگر کوئی شخص بلا دریافت حال ایسے شخص کا مرید ہو جاوے، کہ اس شخص کے ہاں علانیہ شرک و بدعت ہوتا ہو اور چلے خلاف شریعت ہوتے ہوں، تو کیا بعد معلوم ہو جانے حالات مندرجہ کے اس مرشد سے تعلقات مریدی منقطع کر لینے چاہئیں، کیونکہ شریعت کے خلاف کرنا یا دوسروں کو کرتے ہوئے دیکھنا طبیعت کو برا معلوم ہوتا ہے، الحاصل اگر ایسے مرشد سے قطع تعلق اور سلسلہ آمد و رفت کا بند ہو جاوے، تو وہ شخص قابل مواخذہ تو نہیں ہو سکتا، براہ کرم اس عاصی کو جواب باصواب سے سرفراز فرما دیں (۲) برہنہ سر ہو کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جیسا کہ آج کل کے فقیر بوجہ ریا کے ننگے سر نماز پڑھا کرتے ہیں۔

(۲) مسواک اگر گھستے گھستے بالکل چھوٹی ہوجاوے، اور قابل گرفت نہ رہے، تو اس کو کیا کرنا چاہیے اکثر لوگ کہا کرتے ہیں، کہ اس کو زمین میں گاڑ دینا چاہیے کہ قیامت کے دن اس کا سایہ اس شخص پر ہوگا، یہ مسئلہ ثابت ہے یا مصنوعی بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) اس صورت میں اس مرشد سے قطع تعلق کرنا ضروری ہے اور آمدو رفت کا سلسلہ بھی بند کرنا لازم ہے، اور ایسے مرشد کی تابعداری شرعا ہرگز درست نہیں، جیسا کہ مشکوۃ شریف میں ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیة فاذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة متفق علیہ وعن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف، وعن النواس بن سمعان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق رواہ فی شرح السنة۔ سب لوگوں پر عموماً۔ اور علمائے حقانی پر خصوصا ضروری ولازم ہے، کہ عوام الناس کو ایسے مرشد سے ہاتھ سے روکیں اگر ہاتھ سے نہ روک سکیں تو زبان سے، اگر زبان سے بھی نہ روک سکیں۔ تو دل میں تو ضرور بیزار ہوں، مگر یہ اضعف ایمان ہے جیسا کہ مسلم شریف میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان۔ سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۴

(۲) بوجہ ریا برہنہ سر نماز پڑھنا درست نہیں، کیونکہ ریا شرک میں داخل ہے، جیسا کہ مشکوۃ میں

لہ۔ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا کام ہے سننا اور اطاعت کرنا۔ خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند بشرطیکہ وہ کام گناہ کا نہ ہو، اور اگر اسے گناہ کا حکم دیا جائے، تو نہ سننا ہے اور نہ اطاعت حضرت علی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف اچھے کام میں ہے نواس بن سمعان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری نہیں ہے ۱۲۔

ٹہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی برائی دیکھے، اسے اپنی طاقت سے روکے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اگر اتنا بھی نہ کر سکے، تو دل سے اسے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے ۱۲

ہے عن محمود بن لبید ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا یا رسول اللہ وما الشرک الاصغر قال الریاء رواہ احمد، ہاں اگر بلا ریا برہنہ سر نماز پڑھے، تو جائز ہے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیہ منہ شیء۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سر ڈھانپنا ضروری نہیں۔ ہاں یہ ایک مسنون امر ہے، اگر کرے تو اولے ہے نہ کرے تو عقاب نہیں اللہ پاک نے فرمایا ہے۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اس آیت پاک سے ثابت ہوا کہ ٹوپی و عمامہ سے نماز پڑھنا اولےٰ ہے، کیونکہ لباس سے زینت ہے، اگر عمامہ یا ٹوپی رہتے ہوئے تکاسلاً برہنہ نماز پڑھے، تو مکروہ ہے، اور اگر بوجہ عاجزی وانکساری برہنہ سر نماز پڑھے تو بلا شبہ جائز ہے، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ یکرہ الصلوٰۃ حاسرا راسہ اذا کان یجد العمامۃ وقد فعل ذالک تکاسلا وتہاونا ولا باس بہ اذا فعلہ تذللا وخشوعا بل ھو حسن کذا فی الذخیرۃ۔

(۳) یہ مسئلہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ محض مصنوعی ہے واللہ اعلم بالصواب، حررہ حمید الرحمٰن عفی عنہ سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۴

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین کہ تصور شیخ از کتاب و سنت و تعامل صحابہ تابعین و صوفیہ متقدین رحمہم اللہ ثابت است یا نہ، بینوا توجروا۔

لے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ خوف تمہارے لئے چھوٹے شرک کا ہے لوگوں نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا دکھلاوا ۱۲۔

لے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی آدمی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو ۱۲۔ لے اے بنی آدم مسجدوں میں جاتے وقت اپنی زیب و زینت کیا کرو ۱۲۔

لے:۔ اگر کوئی آدمی محض سستی کی وجہ سے پگڑی ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے، تو مکروہ ہے اور اگر خشوع و ذلت اور انکساری کی بنا پر ننگے سر پڑھے، تو یہ بہتر ہے ۱۲۔

سوال:۔ علمائے دین کیا فرماتے ہیں، کہ تصور شیخ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ و تابعین و صوفیہ متقدمین سے ثابت ہے یا نہیں۔

الجواب: در صورت مرقومہ ہیچ دلیل شرعی از کتاب وسنت برآن قائم نیست ونہ از اقوال صحابہ وتابعین وتبع تابعین وصوفیہ کبار متقدمین یافتہ شد پس از احداث وبدعات خالی نخواہد بود زیرا کہ از آداب شریعت غرا خارج است، وامرے کہ از آداب شریعت خارج باشد بلاشبہ محدث وبدعت شود، چونکہ بر دانشمندان ذی انصاف پوشیدہ نیست قال الشیخ الکامل عبد القادر الجیلانی قدس سرہ اتبع الشرع فی جمیع ما ینزل بک موافقا فی الحرکات والسکنات بالشریعۃ فان الشریعۃ اول واجب فلا طریقۃ ولا حقیقۃ ولا کشف الا ببرکات معاملات الشریعۃ انتہی کلامہ وفی رسالۃ القشیری قال ابن عطاء من الزم نفسہ باداب الشریعۃ نور اللہ تعالیٰ قلبہ بنور المعرفۃ فلا مقام اشرف فی مقام متابعۃ الحبیب ولا دلیل علی الطریق الی اللہ تعالیٰ الا بمتابعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اقوالہ واحوالہ وافعالہ انتہی کلامہ، چنانکہ شیخ عبد اللطیف برہان پوری در رسالہ سلوک نوشتہ ونیز ظاہر است، کہ تصور شیخ از اقوال وافعال واحوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وتابعین وغیرہم اصلا مروی نہ شدہ، پس چگونہ روا باشد ونیز مخالف امر قاطع او تعالیٰ جل شانہ است وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ دم علی ذکرہ لیلا ونہارا وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا وانقطع الیہ بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ انتہی ما فی البیضاوی وغیرہ من التفاسیر ودر تفسیر عزیزی مے نویسد کہ فائدہ این قطع وتبتل اول در عین ذکر است، کہ خطرات ماسوی اللہ تعالیٰ در خاطر خطور نہ کند انتہی کلامہ۔

الجواب: تصور شیخ کے لئے نہ تو کتاب وسنت سے کوئی دلیل ہے نہ صحابہ تابعین وتبع تابعین کے اقوال سے یہ آداب شریعت سے خارج ہے، بدعت ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی فرماتے ہیں، تمام حرکات وسکنات میں شریعت کی پیروی کو لازم رکھو، شریعت سب سے پہلا فرض ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی طریقت اور حقیقت نہیں ہے اور نہ کوئی کشف ہے۔ رسالہ قشیری میں ہے۔ کہ شریعت کے آداب کو ملحوظ رکھنے سے دل روشن ہوتا ہے۔ حضور کی اطاعت سے بڑھ کر کوئی بلند مقام نہیں ہے۔ شیخ عبد اللطیف برہان پوری اپنے رسالہ سلوک میں لکھتے ہیں کہ تصور شیخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین سے ہرگز مروی نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور اس کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر دے۔ تو معلوم ہوا کہ ذاکر کو دوسرے

پس تصور شیخ مخل و مانع مداومت ذکر الٰہی خواہد بود و صوفیہ کبار ہم می نویسند کہ مبتدی را طالب را باید کہ مدام بذکر الٰہی مستغرق باشد کہ رفتہ رفتہ بر مقام اعلیٰ برسد قال الامام الغزالی فی اربعینہ فان دام ذٰلك وصار عادة له سخته عروج به الی عالم الاعلیٰ وذٰلك فی الملکیة کذا ذکر الشیخ عبد اللطیف البرهانپوری فی رسالة السلوك وازیں بہت کہ تصور شیخ در قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر رواج نیافتہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید مرحوم در صراط مستقیم ایں را حرام واز بدعات شرکیہ نوشتہ اند زیرا کہ صورت قرطاسی چندان در ذہن مرتسم نمی شود، چنانکہ صورت خیالیہ در ذہن منتقش مے گردد و صورت قرطاسی یعنی تصویر حرام است، پس ہم چنیں صورت خیالیہ حرام خواہد بود انتہٰی خلاصۃ۔

الغرض در جواز دلیل شرعی پر متردد است و نوشتن بعضے اکابر آن را بغیر دلائل و تجویز کردن آن را بلا برہان شرعی بر دیگر حجت نمی شود، لہٰذا اجماع امت لا امرے بغیر مستند شرعی معتبر نمی شود، چنانکہ در اصول فقہ مذکور است، پس تمسک سنت سنیہ را لازم است کہ از امر مشتبہ کہ میان مباح و بدعت دائر باشد مطلقاً احتراز کند، زیرا کہ در کتب فقہ مذکور است کہ چیزے کہ درآں تردد باشد کہ ایں من قبیل سنت است یا از بدعت ترک آں لازم است چنانکہ شیخ ابن الہمام در فتح القدیر حاشیہ ہدایہ بداں تصریح کردہ است و ہم حموی محشی اشباہ و نظائر نوشتہ، واللہ اعلم بالصواب فتاویٰ نذیریہ جلد اول صـ۲۱۲ سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ تصویروں کا پاس رکھنا کر دیواروں پر چسپاں کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ذی روح کی تصویروں کا پاس رکھنا اور دیواروں پر چسپاں کرنا شرعی ممنوع و حرام ہے۔ حررہ السید محمد ابو الحسن سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۳ صـ ۲۹۲

تمام تصورات سے خالی الذہن ہو جانا چاہیے تاکہ کوئی چیز ذکر میں مخل نہ ہو اور تصور شیخ ذکر الٰہی میں مخل ہے۔ لہٰذا باطل ہے شاہ اسمٰعیل شہید نے صراط المستقیم، میں اس کو حرام اور بدعات شرکیہ سے شمار کیا ہے، کیونکہ کاغذ کی تصویر ذہن پر اتنا اثر نہیں کرتی جتنا کہ یک صورت پھر اگر وہ شریعت میں حرام ہے، تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے باقی اگر کچھ لوگوں نے اسے جائز لکھا ہے، تو اس کے جواز پر چونکہ دلیل کوئی نہیں ہے، لہٰذا ان کی پرواہ نہ کرنی چاہیے اور پھر فقہ کے اصول بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ اگر کوئی کام مباح اور بدعت میں دائر ہو، یا سنت اور بدعت میں دائر ہو۔ تو اس کو چھوڑ دینا ضروری ہے، واللہ اعلم۔

سوال: چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ بماہ محرم الحرام شہادت حسنین علیہما السلام حسب روایات کتاب سر الشہادتین روز عاشورا یا غیر آں بیان کردن جائز است یا نہ، وشنیدہ می شود کہ علمائے اعلام از دہلی تا لکھنؤ در عشرہ محرم بیان شہادت امامین ہمامین را معمول خود می دارند وجناب مولانا مرزا حسن علی صاحب محدث علیہ الرحمۃ کہ از اجل تلامذہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ بودند در عشرہ محرم شہادت حسنین علیہما السلام را ہم بیان می فرمودند، وبعضے از اہل علم بیان شہادت را حرام می دانند، وبقول ابن حجر مکی کہ در صواعق محرقہ است تمسک می نمایند عبارتہ. هكذا عن الغزالي وغيره يحرم على الواعظ وغيره رواية قتل الحسين والحسن وما جرى بين الصحابة من التشاجر والتخاصم فانه يهيج الى بغض الصحابة والطعن فيهم۔ وقول مولوی اسمٰعیل شہید مرحوم کہ در صراط المستقیم افادہ فرمودہ اند ہم سند می آرند، خلاصہ ایں است کہ چوں حسنین علیہما السلام بمرتبہ شہادت فائز شدند داخل جنت گشتند پس محل سرور است نہ محل غم، واگر اقربائے شما در چنیں مصائب مبتلا شدہ باشند وکسے آں مصائب را پیش شما بیان کند ہرگز شنیدن آں مصائب را جائز نمیدارید، وہمچنیں آں را از دائرہ محبت خارج می شمارید، پس چیزے کہ در حق اقربائے خود جائز نمیدارید، در حق امام علیہ السلام چگونہ تجویز مے کنید، انتہے بمضمونہ ملخصاً، ونیز می گویند کہ کتاب سر الشہادتین از شاہ عبد العزیز صاحب نیست، بلکہ کدام شیعہ تصنیف کردہ بنام شاہ صاحب مشتہر ساختہ، جواب ہر سوال مفصلاً ومشرحاً ارشاد شود، بینوا توجروا۔

سوال: محرم کے دنوں میں شہادت حسنین کا تذکرہ کرنا حسب روایت سر الشہادتین جائز ہے یا نہیں کہتے ہیں کہ دہلی سے لکھنؤ تک کے تمام اکابر علماء امامین کی شہادت کے تذکرہ کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں اور مرزا حسن علی بھی جو شاہ عبد العزیز دہلوی کے اجل تلامذہ سے ہیں، محرم میں شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں اور بعض اہل علم اس کو ناجائز بتاتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں امام غزالی سے نقل کیا ہے، کیونکہ اس سے صحابہ میں جھگڑا سنا جاتا ہے، اور صحابہ کے متعلق دل میں حسن ظن نہیں رہتا، اور شاہ شہید نے صراط المستقیم میں لکھا ہے کہ وہ امام تو شہید ہو کر جنت میں چلے گئے، یہ خوشی کی بات ہے نہ کہ رونے بیٹھنے کی، اور اگر کوئی کسی شخص کو اس کے اقارب کی درد ناک داستان سنائے اور دونوں کو بتائے کہ اس کو دشمنوں نے اس طرح مارا، تو وہ اس سے ناخوش ہوگا، پھر امامین کے متعلق اس کو کیوں جائز رکھا جائے، اور کتاب سر الشہادتین کہتے ہیں کہ شاہ عبد العزیز کی نہیں ہے۔

الجواب: در صورت مرقومہ رواج در قصہ کربلا امتناع و حرمت است چنانکہ صاحب صواعق و مولوی محمد اسمٰعیل شہید مرحوم افادہ فرمودہ اند، ونیز جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ در قول جمیل ارشاد نمودہ عبارتہ هکذا اما دینا فی سنن ابن ماجة وغیرہ ان القصص لم تکن فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی زمان ابی بکر وعمر ورادینا ان الصحابة کانوا یخرجون القصاص من المساجد فعلمنا ان القصص غیر موعظة وانہ منہی عنہ وامرنا انہا محمودة واما الآفات التی تعتری الوعاظ فی تمامنا قمنہا عدم تمیزھم بین الموضوعات وغیرھا بل غالب کلامھم الموضوعات والمحرفات وذکرھم الصلوات والدعوات التی عدھا المحدثون من الموضوعات ومنہا قصصھم قصة کربلا والوفات وغیر ذلک وخطبھم انتہی ما فی القول الجمیل۔

فی الواقع ذکر قصہ کربلا و وفات ایشان رضی اللہ تعالےٰ عنہم موجب آفات از ارتکاب امور منہی عنہا مانند نوحہ و شیون و ماتم و شور گریہ و زاری و فغان و بے قراری و دران لازم مے آید و شائع است، کہ بیان این قصہ لا محالہ مودی بسوئے امور منکر مذکورہ مے شود و قاعدہ مطردہ فقہاء کرام است کہ ما یفضی الی ما لا یجوز لا یجوز مقتضی و باعث بر منع آن ست کما لا یخفی علی المتامل المنصف، وازین سبب بیان این قصہ باوجود فرط محبت باہل بیت نبوت در قرون ثلاثہ درمیان سلف اخیار و علمائے ثقات بیت متبعان آثار سید الابرار رواج نیافتہ آری استرجاع و دعائے خیر از ایشان رحمہم اللہ تعالےٰ البتہ مروی شدہ کما لا یخفی علی الماھر بالاخبار

بلکہ کسی شیعہ کی تصنیف ہے، جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب: صورت مرقومہ میں بہتر یہی ہے کہ کربلا کے واقعہ کو نہ بیان کیا جائے، جیسا کہ صاحب صواعق اور شاہ اسمٰعیل شہید نے لکھا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے قول الجمیل میں لکھا ہے کہ قصہ گوئی کی رسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں نہ تھی بعد میں اگر کوئی قصہ گو آیا تو اس کو مسجد سے نکال دیا گیا، قصہ گوئی وعظ نہیں ہے یہ اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بری بھی، وہ آفات جو آج کل واعظوں کو پیش آتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اکثر موضوع اور محرف روایات بیان کرتے ہیں، اور ان کی وہ صلوات و دعوات کہ جن کو محدثین نے موضوعات سے شمار کیا ہے، انہی میں سے کربلا کا واقعہ اور میلاد و معراج کی روایات ہیں

قال الشیخ شہاب الدین بن حجر الھیثمی المکی فی الصواعق المحرقۃ اعلم ان ما اصیب بہ الحسین رضی اللہ عنہ فی عاشوراء انما ھو الشہادۃ الدالۃ علی مزید حظوتہ ورفعۃ درجتہ عند ربہ والحاقہ بدرجات اھل بیت الطاھرین فمن ذکر ذلک الیوم مصائبہ لا ینبغی ان یشتغل الا بالاسترجاع امتثالا للامر واحرازا لما رتبہ اللہ تعالیٰ بقولہ اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک ھم المھتدون ولا یشتغل ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذلک واحری او ببدع الناصبۃ المتعصبین علی اھل البیت او الجھال المتقابلین للفاسد بالفاسد والبدعۃ بالبدعۃ والشر بالشر من اظہار غایۃ الفرح والسرور واتخاذہ عیدا واظہار الزینۃ فیہ الی اخر ما ذکرہ الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی رحمہ اللہ فیما ثبت من السنۃ فی ایام السنۃ۔

وسر الشہادتین بلا ریب از تصنیفات جناب مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ است، و امور غامضہ کہ منتہیان اذہان فائدہ گیرند و عبرت پذیرند باعث تصنیف آں بودہ است، نہ برائے عوام کہ از فہم بعض مطالب آں عاری ہستند چہ فہم مطالب مخصوص بقوم جودان قوم است پس بیانش رو بروئے عوام بجز تحریض بر محذورات امرے دیگر مقصود نیست، و فقہاء می نویسند ضرر العام مقدم علی ضرر الخاص دریں صورت بیان قصہ کربلا کہ مہیج بر نوحہ و ماتم و اہانت و ذلت اہل بیت

اور پھر کربلا کے واقعہ کے ضمن میں کئی ناجائز امور کا ارتکاب ہوتا ہے مثلاً نوحہ، شیعوں سینہ کوبی وغیرہ جو کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں باوجود محبت اہل بیت کے نہیں تھے بلکہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا چاہیے اور اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنا چاہیے جیسا کہ صواعق محرقہ کی عبارت سے واضح ہے ورنہ پھر اگر کوئی یہ اچھا کام ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ماتم و نوحہ ہوتا نہ تو رافضیوں کی طرح ان دونوں میں نوحہ و شیون ہونا چاہیے اور نہ ہی خارجیوں کی طرح اس دن خوشی کا اظہار کرنا چاہیے۔

اور سر الشہادتین واقعی شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اس میں منتہی لوگوں کے فائدہ کے لئے روایات لکھی گئی ہیں۔ عوام اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اور عوام کو اس کا مطالعہ بھی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان

باشد بہ نسبت عوام کالانعام ممنوع بلا شبہ خواہد بود، ازیں جہت امام غزالی در بعض تصانیف خودبیان قصہ کربلا را از منہیات شمردہ، واللہ اعلم بالصواب، حررہ سید محمد نذیر حسین۔

فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۲۵۵ سید محمد نذیر حسین

سوال :۔ چہ می فرمایند علمائے محققین اہل سنت، کہ نظر در کتاب و سنت غائر میدارند، درین باب کہ شیعہ بر اہل سنت اعتراض می کنند کہ ایشان روز تولد و وفات نبی و عرس بزرگان راہر سال موجب سرور و حزن گردانیدہ اند و از اتخاذ خوشی عید غدیر و عید بابا شجاع الدین واز ماتم و گریہ وزاری در شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ روز عاشورا بر ما طعن و خندہ می کنند، حالانکہ در اتخاذ عید و سرور و حزن روز تولد و وفات نبی و عرس بزرگے و ماتم ہر سال روز عاشورا بشہادت امام حسین رضہ و عید غدیر اصلا فرق نیست، و دیگر این کہ بر تصویر قبور را ہم خندہ می کنند و از ہیات عید اتخاذ بنا بر آنکہ صورت چیزے را حکم آن چیز دادن از واہیات است، و خود اہل سنت صورت شئے را حکم ذی صورت میدہند کہ تصویر نعل را موجب برکت و دفع شرو بلامی دانند لہذا استفسار از حل این شبہ کردہ می شود، کہ اعتراض ایشان دور شود، و حقیقت این بخوبی واضح گردد۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ اعتراض شیعہ بر اہل سنت محض بے جا است و دفع این شبہ از تحفہ اثنا عشریہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہ در باب یازدہم در خواص مذہب شیعہ در نوع پانزدہم بخوبی نوشتہ اند کہ اذان اعمال فریقین سنی و شیعہ بوجہ اتم معلوم خواہد شد و عبارت

کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، امام غزالی نے اپنی تصنیفات میں اسی لئے کربلا کے قصہ کو منہیات سے شمار کیا ہے کہ اس سے عوام پر برا اثر پڑتا ہے ۱۲۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے محققین کہ شیعہ لوگ اہل سنت پر اعتراض کرتے ہیں، کہ تم نبی کی وفات اور بزرگوں کے عرس کو سال بسال باعث سرور و حزن سمجھتے ہو، اور ہم پر عید غدیر اور عید بابا شجاع الدین اور محرم میں امام حسین کے ماتم کی وجہ سے ہم پر اعتراض کرتے ہو، حالانکہ تمہارے اور ہمارے عمل میں کوئی فرق نہیں، اور ہم پر امام حسین رضہ کے تعزیہ کی وجہ سے اعتراض کرتے ہو، اور اس کو بدعتی چیز بتاتے ہو، اور نعل کی تصویر کو موجب برکت سمجھتے ہو، تمہارا ہمارا کیا فرق ہے اس کو حل فرمائیں ۱۲

الجواب :۔ شیعہ کا اعتراض ہم پر محض بے جا ہے، شاہ عبد العزیز قدس سرہ نے تحفہ اثنا عشریہ کے گیارہویں

تعصب این است.

نوع پانزدہم امثال متجددہ رایک چیز بعینہ دانستن وایں وہم خیلے بر ضعیف العقلاں غلبہ دارد حتی کہ آب دریا وشعلہ چراغ وآب فوارہ را اکثر اشخاص یک آب ویک شعلہ خیال کنند واکثر شیعہ ہم در عادات خود منہمک ایں خیال اند، مثلاً روز عاشورا در ہر سال کہ بیاید آن را روز شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ گمان برند واحکام ماتم ونوحہ وشیون وگریہ وزاری وفغان وبے قراری آغاز نہند، مثل زنان کہ ہر سال بر میت خود ایں عمل نمایند، حالانکہ عقل بالبداہت می داند کہ زمان امر سیال غیر قار است ہرگز جزاو ثبات وقرار ندارد وعادہ معدوم محال وشہادت حضرت امام در روزے شدہ بود کہ ایں روز از آں روز فاصلہ ہزار ودو صد سال دارد، وایں روز با آں روز چہ اتحاد کدام مناسبت در روز عید الفطر وعید النحر بر ایں قیاس نباید کرد، کہ دریں جا مایہ سرور وشادی سال بسال متجدد است یعنی ادائے روزہ رمضان وادائے حج خانہ کعبہ کہ شکر النعمۃ المتجددہ سال بسال فرحت وسرور نو پیدا می شود، ولہذا اعیاد شرائع بریں وہم فاسد نیامدہ، بلکہ اکثر عقلا نوروز ومہرجان وامثال ایں تجددات وتغیرات آسمانی را عید گرفتہ اند، کہ ہر سال چیزے نو پیدا می شود، وموجب تجدد احکام مے باشد وعلی ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین وتعید بعید غدیر وامثال ذلک مبنی بریں وہم فاسد است، ازیں جا معلوم شد کہ روز نزول آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وروز نزول وحی وشب معراج را چرا در شرع عید قرار نداوہ اند وعید الفطر را وعید النحر را قرار دادہ اند، وروز تولد ووفات پیغمبر را عید نہ گردانیدند چہ ادر عموم یوم

ب بھی خاص مذہب شیعہ کی چند بعدیں شق کے تحت لکھا ہے، کہ تعادیر کو بعینہ ایک چیز سمجھنا اور یہ وہم بہت سے
بے وقوفوں پر مسلط ہے، کہ وہ دریا یا فوارہ کے پانی اور چراغ کے شعلہ کی تصویر کو واقعی پانی یا آگ سمجھنے لگتے ہیں شیعہ
بھی ان ہی عادات میں مبتلا ہیں، وہ عاشورا کے روز کو سال بسال امام حسین کی شہادت کا دن سمجھ کر ماتم ونوحہ وشیون
کرتے ہیں، جیسے کہ جاہل عورتیں اپنے عزیزوں کی موت پر سال بسال نوحہ کرتی ہیں ان کو اتنا بھی معلوم نہیں ہوتا، کہ
زمانہ گذرنے والا وقت ہے، جو وقت نکل چکا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا، اور امام حسین کو شہید ہوئے آج بارہ سو
سال گذر رہے ہیں، پھر آج کا دن اس دن سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے، کہ عید کا دن سال بسال
کیوں منایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ ہر سال اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکریہ کے طور پر سال بسال عید
منائی جاتی ہے۔ کیونکہ ہر سال حج وقربانی اور رمضان شریف کے روزے رکھے جاتے ہیں یعنی یہاں سبب خوشی

عاشورا کہ سال اول بموافقت یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجا آوردہ بودند منسوخ شدہ، ودرین ہمہ ہمیں سرایت کردہ ہم را دخلے نباشد بدون تجدد نعمت حقیقت سرور وفرحت نمودن یا ماتم کردن خلاف عقل خالص از شوائب وہم است۔

نوع شانزدہم صورت چیزے را حکم آن چیز دادن واین وہم اکثر راہ بت پرستاں زدہ، آنہا را در ضلالت افگندہ واطفال خورد سال نیز درین وہم بسیار گرفتار می باشند، اسپان وسلاح ودیگر چیزہا از چوب وگل ساختہ خورسندی شوند وحقیقت اسپ وسلاح انگارند، ودختران خورد سال وپسران ودختران از جامہائے منقش ملون ساختہ باہم نکاح آنہا می کنند وشادی می نمایند، ودر شیعہ این وہم خیلے غلبہ کردہ قبور حضرت امامین وحضرت امیر وحضرت زہرا رضی اللہ عنہا تصویر کنند وگمان کنند کہ این قبور حقیقۃ قبور مجمع النوران بزرگواران است تعظیم واقرار نمایند، بلکہ نوبت بسجدات رسانند وفاتحہ خوانند وسلام ودرود در سانند وعکس زنند ومنقش ومزیب گرفتہ گرد اگرد ایستادہ شوند وبرنگ عابدان داد شرک دہند، ونزد عقل در حرکات طفلان وحرکات این پیران نابالغ ہیچ تفاوت نیست انتہی کلام مولانا فی التحفۃ۔

پس از تقریر مولانا مرحوم صاف ہویدا گردید کہ اگر روز تولد ووفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم در شرع شریف سبب سرور وخوشی وعید یا ماتم قرار ندادہ شد، کہ باشند روز عید اہتمام در انعقاد مجلس آن کردہ

ہر سال نیا ہو جاتا ہے، اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز ہر سال نیا سبب پیدا نہیں ہوتا، اور جوگ ہر سال عید جان اور نوروز کی عیدیں منایا کرتے تھے، ان میں بھی نیا سبب ہوتا تھا کہ ہر سال نئے غلے پیدا ہوتے ہیں، اور ان کا عید بابا شجاع الدین اور عید غدیر بھی اسی وہم فاسد پر مبنی ہے اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی کے نزول کے دن اور معراج کی رات کو شریعت نے کیوں عید قرار نہیں دیا، اور نہ ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات و پیدائش کے دنوں کو غم اور خوشی کا دن سمجھا گیا ہے، اور عیدین کے دنوں کو کیوں عید قرار دیا گیا ہے، اور عاشورا کے دن کا روزہ کیوں منسوخ ہو گیا۔

اور سولہویں شق یہ ہے، کہ وہ ایک تصویر کو اصل حقیقت سمجھتے ہیں چھوٹے بچے بھی اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مٹی کے گھوڑے بنا کر ان کو اصل سمجھ کر خوش ہوتے ہیں، اور کپڑوں کی گڑیاں بنا کر ان کی شادی کرتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں اور شیعہ وہیات میں حد سے زیادہ مبتلا ہیں، وہ امامین وحضرت علی وحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی قبروں کی تصویریں بناتے ہیں اور ان کو اصل قبریں قرار دے کر ان کی تعظیم کرتے ہیں، سجدہ میں گرتے ہیں، ان سے کمیاں اڑاتے ہیں اور مشرکوں کی طرح شرک کی داد دیتے ہیں، ان نابالغ پیروں اور چھوٹے بچوں میں کیا فرق ہے!

شود، لہذا این عقد مجلس بہیئت کذائیہ مرسومہ حال از صحابہ کبار و تابعین و ائمہ مجتہدین کہ باتباع شریعت و محبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جان بازی می فرمودند منقول نہ شدہ و مروج نیافت و ہم چنین تعظیم کردن تصویر نعال و موجب برکات و دفع بلیات دانستن آں را از صحابہ اخیار و ائمہ مجتہدین بروایت معتبر ثابت نہ شدہ کہ مورد طعن شیعہ گردد، زیرا کہ اہل سنت و ائمہ دین کہ اولو الامر در دین بودہ اند این کار نہ کردند، و رواج ندادند کہ طعن و اعتراض شیعہ بر ایشان عاید گردد، و ہر گاہ کہ بصورت چیزے را حکم آں چیز دادن از وہمیات شمرند تصویر نعال نیز ازیں قسم البتہ خواہد شد، یعنی از جملہ وہمیات فاسدہ شمردہ خواہد شد، و دریں تقدیر شبہ و اعتراض شیعہ بر اہل سنت وارد نہ شود، و برا تخاذ عرس بزرگان ہر سال نیز شبہ شیعہ بلا ائمہ مجتہدین و مقتدائے دین اہل سلف متوجہ نخواہد شد کہ ایشان این را تجویز نہ فرمودند، والا اتخاذ بعضے سنی کہ از جملہ اولو الامر و پیشوائے دین و اہل اجتہاد نیستند، دریں زمان کہ عقد نمودن مجلس عرس را از جملہ واجبات شرعیہ میداشتند، و بر عدم فاعل آں انکار مثل ترک واجب می شمارند البتہ اعتراض وارد می شود بر ایشان، پس از ورود اعتراض بر ایشان بر علماء مجتہدین کہ مدار کار دین بر تدوین کتب ایشان است، این اعتراض عاید نہ گردد، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم،

الراقم سید محمد نذیر حسین۔

از اکرام علی معروف شد مفتی رحمت علی ۱۲۷۷	سید محمد نذیر حسین نوازش علی

صحت جواب ظاہر است، کہ دریں صورت اعتراض بر ائمہ دین وارد نیست فقط

شد محبوب علی جعفری ۱۲۷۷   فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۲۷۵

سوال:۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین بحق کسانے کہ دعوی اہل سنت و جماعت

ــــ شاہ صاحب کی تقریر سے معلوم ہوگیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا وفات کے دن کو کیوں غمی اور خوشی کا [illegible] نہیں کیا گیا، پوچھا جب ہے، کہ متقدمین سلف صالحین ان مجالس کو کیوں منعقد نہیں کیا کرتے تھے، حالانکہ وہ آپ پر جان قربان کرتے تھے، اور نعل کی تعظیم بھی سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، کہ شیعہ ہم پر اعتراض کریں، کیونکہ اہل سنت کے مقتدا اور ائمہ نے ایسا نہ کیا، اور جب ہم تصویر کو وہمیات سے سمجھتے ہیں، تو اس صورت میں شیعہ کا اعتراض ہم پر کیسے اعتراض ہو سکتا ہے، باقی جو لوگ بزرگوں کے عرس کرتے ہیں نہ ہمارے عقیدہ کے آدمی ہیں نہ ہم ان کو اپنے [illegible] جانتے ہیں شیعہ ان پر جا کر اعتراض کریں ہم پر اعتراض کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں۔

نمودہ محبت حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را وسیلہ گردانیدہ در عشرہ ماہ محرم تعزیہ
پرستی کنند بایں طور کہ بشب تاریخ پنجم دو مشت گل از جائے آوردہ و آں را نعش حضرت حسنین رضی قرار دادہ
با تعظیم و تکریم و حفاظت تمام بالائے چبوترہ نہادہ ہر روز بر آں گل مذکور چیزہائے مثل شربت و مالیدہ
و شیرینی وغیرہ فاتحہ مے کنند و آں گل را باعث نجات و برار مطالب دنیا و عقبیٰ خود دانستہ پیش
آں سجدہ می نمایند و استدعائے مال و دولت و اولاد وغیرہ از آں می نمایند و بشب ہفتم بالطہارت
تمام دستار بستہ و بر آں دستار سہرہ و حمائل گل نہادہ بر چوکی کہ ہر دو طرفش شکل دست می باشد باعزت
و اکرام می نہند و بشب و بشب ہشتم آں چوکی را معہ دستار و شکل بر سر بر داشتہ با ڈھول و تاشہ
ماتم کناں و سینہ کوباں و ہائے حسین گویاں کوچہ بکوچہ می گردانند، و بشب نہم آں دو مشت گل را اول مثل میت
کفن پوشانیدہ بقبریکہ اندرون تعزیہ تیار می کنند مع دستار و سہرہ و مقنعہ داشتہ باجماع کثیر با بسیارے
گریہ و زاری و ہائے حسین گویاں و سینہ زناں و مرثیہ خواناں برائے گشت می برند و یک کس با ادب
و تعظیم تمام مورچھل کناں پس تعزیہ می رود، و بروز دہم بوقت برآمدن قریب یک و نیم پاس روز
آں گل کفن اندودہ را مع ساز و سامان بطریق ماتم زدگان با شور و شیون در کربلائے معہودہ خود بردہ
و قبر کندیدہ مع سہرہ وغیرہ دفن می کنند و بعد دفن بر آں قبر پان و نان و شیرینی کہ ہمراہ بطریق توشہ
می برند، فاتحہ می کنند، و بوقت شام چراغاں بر آں قبر روشن می نمایند و بحق کسانیکہ ضریح از چوب
وارنیز و طلا و نقرہ علی قدر استعداد خود ہا بہ تصویر روضہ مقدسہ حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض آدمی اہل سنت ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور امام حسین رض کی محبت کو
وسیلہ بنا کر عشرہ محرم میں تعزیہ پرستی کرتے ہیں، اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ پانچویں محرم کو کہیں سے دو مشت خاک
لے آتے ہیں اور اس کو امام حسین کی لاش قرار دے کر اس کی تعظیم کرتے ہیں، اور چبوترہ پر رکھتے ہیں پھر ہر روز اس پر شربت
مالیدہ مٹھائی وغیرہ کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اس مٹی کو باعث نجات و مطلب برآری سمجھتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں
اور اس سے مال و دولت و اولاد وغیرہ مانگتے ہیں پھر ساتویں رات کو طہارت کرتے ہیں ایک پگڑی باندھتے ہیں اور
اس پر پھولوں کا سہرہ لٹکاتے ہیں، اور ایک چوکی پر جس کی دونوں طرف ہاتھ کی شکل کی ہوتی ہے وہ دستار بڑی عزت
سے رکھ دیتے ہیں آٹھویں رات کو اس چوکی کو مع دستار کے سر پر اٹھا لیتے ہیں ڈھول بجاتا ہے اور ماتم و سینہ
کوبی کرتے ہوئے گلی کوچوں میں پھرتے ہیں، اور نویں رات کو اس دو مشت خاک کو کفن پہنا کر اس قبر میں جو تعزیہ
کے اندر بنی ہوتی ہے دفن کر دیتے ہیں اور پھر اس کو کندھوں پہ اٹھا کر گریہ و زاری اور سینہ کوبی کرتے

تیار کردہ بخانہ خود با بجائے پاکیزہ و محفوظ میدارند، و بخسر اعتقادے کہ مذکور گردید پرستش آن می نمایند، و بعضے علم شبیہ دست مبارک ساختہ با ضریح بستہ در ہشت ہفتم علم را از ضریح جدا کردہ برائے گشت می برند، و بروز دہم علم مذکور در کربلا بردہ سہرہ و حمائل گل کہ بعلم می باشد قبر کندیدہ دفن می سازند، و در سومات فاتحہ وغیرہ قسمے کہ نوشتہ شد می نمایند و بحق کسانے کہ از ابتدائے شب روایت ماہ عشرہ محرم مجلسے از شیشہ آلات و فروش مکلف با زیب و تکلفات ترتیب دادہ و مردمان کثیر را جمع کردہ مرثیہ و نوحہ متضمن واقعات کربلا می خوانند و حالات ذلت مستورات مطہرات کہ از دست کوفیان و لشکر اعداء در دادہ و نیز چیزے از جانب خود با ابداع و اختراع کردہ بدان مجلس کہ جمعے کثیر مجتمع می باشند بآواز بلند بیان می کنند و حسین حسین کردہ باگریہ وزاری مثل ماتمیان سینہ زنی می کنند و بعدہ چیزے از قسم شیرینی و شربت فاتحہ نمودہ بر حضار مجلس تقسیم می سازند این قسم تعزیہ پرستی نزد اہل سنت و جماعت جائز است یا شرک یا کفر یا گناہ صغیرہ و یا کبیرہ بینوا توجروا۔

الجواب: دعوی سنت و جماعت کسے را میرسد کہ استقامت بران طریقہ داشتہ باشد، کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ما انا علیہ و اصحابی و ارتکاب تعزیہ پرستی و ساختن

ہوئے ہائے حسین ہائے حسین کہتے ہوئے گشت کرتے ہیں، ایک آدمی تعزیہ کے پیچھے مورچھل کرتا جاتا ہے اور دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت اس کفن میں لپٹی ہوئی مٹی کو بعد سازو سامان کے روتے پیٹتے اپنے بنائے ہوئے کربلا میں دفن کر دیتے ہیں اور اس کے بعد کئی چیزوں پر جن کو اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں فاتحہ پڑھتے ہیں اور شام کو اس قبر پر چراغ جلاتے ہیں، اور ان لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی شبیہ اپنی طاقت کے مطابق لکڑی، سونے چاندی سے بناتے ہیں اس کو اپنے گھروں میں نہایت تعظیم سے رکھتے ہیں اس کی پوجا کرتے ہیں، بعض ہاتھ وغیرہ کا علم بنا کر قبر کے ساتھ باندھ دیتے ہیں، اور ساتویں رات علم کو تعزیہ سے جدا کر کے گشت کے لئے لے جاتے ہیں اور دسویں دن علم مذکور کو سہرے وغیرہ پہنا کر تعزیہ کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق کیا حکم ہے جو محرم شروع ہوتے ہی بڑے تکلفات سے کمروں کو آراستہ کرتے ہیں، اور لوگوں کو بلا کر مرثیہ خوانی کرتے ہیں، کربلا کے واقعات سناتے ہیں، مستورات کی بے عزتی کی داستانیں بیان کرتے ہیں اور ہائے حسین کہتے ہوئے ماتم کرتے ہیں پھر شیرینی تقسیم ہوتی ہے، کیا یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں، اور کیا یہ کام جائز ہے یا کفر اور شرک ہے۔ یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ بینوا توجروا۔

الجواب: اہل سنت والجماعت وہ آدمی ہو سکتا ہے جو نبی کریم اور صحابہ کرام کے

ضریح و علم وغیرہ وآوردن از جائے گل و بالائے چبوترہ نہادہ و نعش سبطین رسول الثقلین قرار دادن وتعظیم وتکریم آن نمودہ بسان چیزہائے مثل شربت و مالیدہ و شیرینی و گل و سہرہ داشتہ فاتحہ بر آن نذر و درود خواندن و این امور مذکورہ را موجب نجات اخروی و وسیلہ ترقی درجات و انجاح مقاصد و برآمدن مطالب دنیوی دانستن و دیگر حرکات نا مشروعہ نمودن مستلزم مخالفت و مشاقت جناب سید المرسلین و اتباع غیر سبیل مومنین و اعراض و تولی از طریقہ مسلمین است کہ موجب سخط خدا و مستحق دخول آتش جہنم است، چنانچہ خدا تعالیٰ در قرآن می فرماید: وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا. وقال البيضاوي الآية تدل على حرمة مخالفة الاجماع لانه تعالى رتب الوعيد الشديد على المشاقة واتباع غير سبيل المؤمنين انتهى۔

و نیز ظاہر است، کہ این چنین مردمان در دعوے سنی بودن خود کاذب و مفتری، مستعد و داخل در مضمون آیت يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ و درین امور اتباع سنت و پیروی اجماع امت سلف صالحین از صحابہ و تابعین و مجتہدین کجا است، بہر حال مرتکبان امور مذکورہ از شریعت غرا منحرف اند، چہ ساختن تعزیہ و تربت ہا وغیرہ و خاک از جائے آوردہ پیش آن فاتحہ و درود بر آن خواندن از بدعت و ضلالت و کفر و موجبات لعنت است و در حق مرتکب بدعت ضلالت وعید شدید وارد است، کہ صوم و صلوۃ و حج و زکوٰۃ و دیگر عبادات او مقبول نہ می شود عن حذیفة رض قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلوة ولا صدقة ولا حجة ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا و يخرج من الاسلام كما يخرج الشعر من العجين كذا رواه ابن ماجه و ہم چنین طبرانی بدین مضمون از ابن عباس رض و بزار از ثوبان روایت کردہ است،

امور جو سوال میں مندرج ہیں نامشروع حرکات ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ایمانداروں کی راہ پر نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے، اور ایمانداروں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے تو جدھر جاتا ہے جائے، ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بدترین جگہ ہے امام بیضاوی کہتے ہیں کہ اس آیت سے اجماع کی مخالفت کی حرمت معلوم ہوتی ہے اور ایسے لوگ اہل سنت کا دعویٰ کرنے میں بالکل جھوٹے ہیں، شریعت مطہرہ کے دائرہ سے

وسجدہ بتبدل نام پیش تعزیہ کردن موجب شرک وعبادت غیر اللہ تعالیٰ است لہٰذا جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ در تفسیر عزیزی این را از شرک شمردہ اند عبارتہ ہکذا وانبیاء ومرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہر کس ودر ہر جا وقدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند وملائکہ وارواح انبیاء واولیاء را در پردہ صور تماثیل وقبور وتعزیہ ہا معبود سازند انتہی کلامہ مختصراً وپرستش وسجدہ کردن تعزیہ را از عمل نصب وانصاب است قال اللہ تعالیٰ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ الآية فالانصاب جمع نصب بضمتين او جمع نصب بالفتح والسكون وهو كل ما نصب وعبد من دون الله تعالىٰ من شجر او حجر او قبر وغير ذلك فالواجب هدم ذلك كله كذا في مجالس الابرار وهو كل ما عبد من دون الله قال المجاهد اى ونصب بفتحتين رنج ورنج ديدن وبت وآنچہ برپا کے بہر پرستش کذا فی الرشیدی پس پرستش تعزیہ مخترعہ ہم درین داخل است کما لا یخفی علی المتامل انتہیٰ۔

ودر شرح مواقف نوشتہ کہ سجدہ کردن آفتاب را کفر است پس می گویم در سجدہ آفتاب وتعزیہ ہیچ فرق نیست بریں معنے مسلمانان را واجب است کہ از سجدہ و پرستش تعزیہ مخترعہ اجتناب کنند تا در کفر نیفتند وثواب دانستن در تعزیہ داری از بدعت وضلالت است ازیں نیز حذر واجب ولازم است بہر حال ترک آں واجب است وہر گاہے کہ تعزیہ داران از ممانعت ونہی ازاں ناخوش شوند ومناہی ومانع را دور از صواب ودین دانند وبر تعزیہ داری اصرار نمایند وپرستش وسجدہ آں را نمایند ونماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کہ حکم خدا ورسول است بالائے طاق نہند چگونہ در زمرہ اہل اسلام شمردہ شوند چہ جائے کہ از اہل سنت وجماعت

خارج ہیں، ایسے لوگوں کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا روزہ نماز صدقہ، حج عمرہ، جہاد، نفل اور فرض کچھ بھی قبول نہیں کرتے اور وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال، اسی مضمون کی حدیث ابن ماجہ، بزار اور طبرانی نے بیان کی ہے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے ان امور کو اپنی تفسیر میں شرک کہا ہے اور تعزیہ کو سجدہ کرنا بت کو سجدہ کرنے کے برابر ہے کیونکہ لفظ ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے نصب بت ہے، صاحب مجالس الابرار اور جوہری نے اس کی تصریح کی ہے۔

شرح مواقف میں ہے کہ سورج کو سجدہ کرنا کفر ہے، پھر خود ہی سوچو تعزیہ اور سورج میں کیا فرق ہے۔ مسلمانوں کو ان امور

معدود و محسوب گردند، خدا تعالیٰ ہدایت بخشد ایشان را۔ دو تفسیری از ابی واقد لیثی مذکور است۔ عن ابی واقد اللیثی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خرج الی غزوۃ حنین مر بشجرۃ للمشرکین کانوا یعلقون علیہا اسلحتہم یقال لہا ذات انواط فقالوا یا رسول اللہ اجعل لنا ذات انواط کما لھم ذات انواط فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ ھذا کما قال قوم موسی اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ والذی نفسی بیدہ لترکبن سنن من کان قبلکم رواہ الترمذی۔

پس تعزیہ داری از ہمجا وذات انواط کم نیست، بلکہ ازاں بد است در معصیت کہ بسر حد کفر میر ساند و سبب بربادی ایمان است درین نعوذ باللہ من ہذہ العقیدۃ الفاسدۃ۔

الغرض این ہمہ امور داخل انصاب اند، کہ خدا تعالیٰ آن را رجس فرمودہ و انصاب عبارت از ما نصب للعبادۃ است، خواہ صنم باشد یا وثن یا دیگر مثل اشیا مذکورہ در ما سبق، بلکہ ہر چیز جز خدا تعالیٰ تعظیم و تکریم و خضوع و تذلل از روئے عبادت کردہ شود، براں اطلاق انصاب کردہ خواہد شد، و اگر آن را مساوی ذات و صفات واجب تعالیٰ اعتقاد نمودہ متصرف در امور ممکنات و قادر بر ہر شے و منجح مطالب و مقاصد قرار دہد دراں ہنگام اطلاق ند و شریک باری عزاسمہ کردہ مشود بر ان و مرتکب آن را مشرک و کافر تواں گفت، و در مخاطبین قولہ تعالیٰ فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ داخل تواں کرد۔

و اگر قائلے گوید کہ اہل تعزیہ و ضرائح وغیرہ بلکہ مشرکان عرب چیزے را کہ ساختہ عبادت می بدون اللہ می نمودند چگونہ انداد گفتہ شود، حالانکہ آن چیز را مساوی در ذات و صفات او تعالیٰ زعم نمی

تعزیہ سے پرہیز کرنا چاہیے، تاکہ صحیح مسلمان بن سکیں، ترمذی میں ابو واقد لیثی سے حدیث ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین کو نکلے، تو راستہ میں ایک درخت آیا، جس پر مشرک لوگ اپنی تلواریں لٹکایا کرتے تھے اس کو ذات انواط کہتے تھے، تو مسلمانوں نے کہا یا رسول اللہ ہمیں بھی ایک ذات انواط بنا دیں، آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو قوم موسیٰ کی سی بات ہوئی کہ انہوں نے موسیٰ سے درخواست کی تھی کہ ان کے خداؤں جیسا کوئی ہمیں بھی خدا بنا دیں، خدا کی قسم تم یہود و نصاریٰ کی ضرور پیروی کرو گے۔ پس تعزیہ داری بھی ذات انواط ہی کی ایک صورت ہے، کہ لوگ اس پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں یہ لوگ پورے مشرک و کافر ہیں کیونکہ انہوں نے خدا کے لیے شریک بنا دیئے جس کی مخالفت قرآن مجید کی آیت فلا تجعلوا للہ انداداً میں ہے ۱۲۔

کردند، چہ جائیکہ مسلمانان این چنین خیال فاسد و اعتقاد باطل چگونہ خواہند کرد و در جلب نفع و ضرر بر خلاف
ارادہ و مشیت سبحانہ تعالےٰ قادر و مختار چگونہ تواہند دانست پس دفع آن این است کہ ہر گاہ
کہ ایشان از تعظیم تبارک و تعالےٰ اعراض نمودند، و توجہ کلی بتعظیم و تذلل بتعزیہ نمودند، و افعالے کہ
مختص بذات او تعالےٰ است مثل اطلاع حال جمیع خلائق حاضر و ناظر بودن و انجاح مطالب و مقاصد
و برآوردن حاجات در تعزیہ دانستند، و سجدہ کردن آن را مشابہت تمام باکسانے کہ در شان معبودان
خود اعتقادی دارند، پیدا نمودند، زیرا کہ لوازم الوہیت تعزیہ را ثابت کردند، لا محالہ در زمرہ
ایشان داخل شدہ سزاوار خطاب فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ گشتند قال
البیضاوی تحت ھذہ الآیۃ وتسمیۃ ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ اندادا
وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما
ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموھا آلھۃ فشابھت حالھم حال من
یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنھم باس اللہ
وتمنحھم مالم یرد اللہ بھم من خیر فتھکم بھم وشنع علیھم بان جعلوا
للہ اندادا لمن یمتنع ان یکون لہ ند۔
و باید دانست کہ مدار کار و مناط شعار تعزیہ و گل پرستی غیر از اتباع ہوائی امرے دیگر متصور نمی
شود، چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روایت می کند قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان اخوف ما اتخوف علی امتی الھوی وطول الامل فاما
الھوی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الآخرۃ الی آخر الحدیث
رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذا فی المشکوۃ و این قسم از اقسام الاشراک فی الحکم، است

اگر کوئی آدمی سوال کرے، کہ تعزیہ وغیرہ بلکہ مشرکوں کے بت وغیرہ کو بھی خدا کا شریک کیسے بنایا جا سکتا ہے، جب کہ وہ ان
کو خدا کے برابر نہیں سمجھتے بلکہ اس سے کم تر سمجھتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ جب اپنی توجہات چیزوں کی طرف کر لی گئی ہیں اور ان
سے اپنی حاجتیں مانگنے لگے، اور خدا کی درگاہ چھوڑ دی، تو پھر خواہ زبانی برابری تسلیم نہ کریں، عملی برابری بلکہ اس سے بڑھ کر
ان کو سمجھا جانے لگا، تو ان پر شرک کا لفظ صادق آئے گا، چنانچہ تفسیر بیضاوی میں بعینہٖ یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔
پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے، کہ یہ تعزیہ پرستی وغیرہ تمام امور سوائے نفس اور خواہشات نفسانی کی بنا پر کیے جاتے ہیں اور ہوی
پرستی بھی تو شرک ہے، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں، کیا وہ آدمی بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔

تا کہ اطاعت حکم ہوئی مساوی بلکہ در بعض مواضع فوق اطاعت حکم آلہی دانستہ ترک متابعت ہوئی می کنند و مطاوعت ہوئی می سازند، و ہر گاہے کہ سنگے در نظر ایشان مستحسن می نماید مشغول و مبہوت بعبادتش می شوند، وگاہے دیگرے مثل تعزیہ و گل وغیرہ در نظر ایشان جلوہ ظہور می دہد باستیلاء محبت او گرفتار گرویدہ عبادتش می کنند وچون بعلم آلہی ضلالت ایشان بدرجہ کمال می رسد جوہر بیوع ایشان فاسد و تباہ می گردد، و وادی بیابانے خذلان وحیرانی آن راساختہ مہر برقوت سامعہ وقلب ایشان مے کند، پس بعدم مبالات خذلان وحیرانی آن راساختہ مہر برقوت سامعہ وقلب ایشان مے کند پس بعدم مبالات وعظ ونصیحت وسلب تفکرات مبتلا می سازد، و برقوت باصرہ ایشان پردہ می و کوری انداختہ عین استبصار را وچشم اعتبار را مسدود النظر و معدوم الاعتبار مے گرداند، چنانچہ درکلام معجز نظام خود ارشاد می فرماید أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔

وبعض کسان ازچنین اعتقادات فاسدہ وتخیلات باطلہ بری وخالی الذہن میباشند ولیا ختن تعزیہ وضرائح وعلم وغیرہ وبعض صرف مجالس انعقاد نمودہ طریقہ شیون وماتم ومرثیہ خوانی نہادہ محض رسم آبار واجداد خود دانستہ مرتکب اسراف وتضییع اموال می شوند، در عداد اخوان الشیاطین داخل می گردند، ودر شرع وارد شدہ کہ دعا واستغفار واسترجاع نمودن وصدقات بلا تخصیص ایام برائے شہدا ء کربلا رضی اللہ تعالے عنہم وغیرہم من الاموات دادن نافع وارین است وبکار باواز بلند ونوحہ وضرب حدود وشق جیوب وسینہ کوبی وآہ وفغان وآنچہ واقعہ از اعداء اللہ روز شہادت حسین رضی اللہ عنہ باہل بیت شدہ دربیان آن نہایت حقارت واہانت اہل بیت متصور شود، چنانکہ جہال پورب در عشرہ محرم می کنند ہمہ ممنوع وحرام است، کہ دعوے جاہلیت

اور حدیث شریف میں بھی آیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ مجھے اپنی امت پر ہوائے نفس اور حرص کا خوف ہے، کیونکہ خواہش راہ حق سے روک دیتی ہے، اور لمبی امید آخرت کو بھلا دیتی ہے، اور یہ شرک کی ایک قسم ہے، کہ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہوئی، تو اس کے سامنے جھک گئے

ہاں بعض لوگ ان اعتقادات فاسدہ سے خالی الذہن ہوتے ہیں اور محض آبائی رسم سمجھتے ہوئے اس تعزیہ داری کی رسوم کو بجالاتے ہیں اس صورت میں اسراف اور تضییع مال میں مبتلا ہوتے ہیں، یہ بھی تو شیطان کے بھائی ہیں

است، وآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازین افعال واقوال جاہلیت بیزار ہستند ومرتکبان این امور جاہلیت در وعید شدید داخل خواہند بود، چنانچہ در مشکوۃ شریف وغیرہ مذکور است، وچنین این شعار روافض جہال است، بہرحال ازین حذر باید۔

وبعض کسان این امور را مستحسن دانستہ متوقع ثواب جمیل واجر جزیل می شوند این فرقہ مبتدع بدعت ضلالت مستحق وعید شدید کلام خیر الانام اہل البدع کلاب النار میشوند وبہ نیست ثواب تعزیہ ورتب ازہ بانس وکاغذ ترکیب دادہ فاتحہ ودرودی خوانند وزیارت آن می نمایند وور وعید شدید داخل می گردند چنانچہ در برزخ سلمی از ابن مسعود روایت می کند من زاد بلا مزار فقد ضل ومن طریق آخر لعن اللہ من زار بلا مزار وفی روایۃ من زار سوحا بلا اقاہ اخرجہ ابن ابی الدنیا واخرج الطبرانی والحکیم الترمذی من تام بلا مقبور فکانما عبد الصنم پس تعزیہ داران در وعید آیت کریمہ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا شامل اند، خدا تعالے ہدایت کند ایشان را کہ از تیہ ضلالت بیرون بودہ براہ سنت آیند وبہ کرا از سنت سنیہ وطریقہ صحابہ کرام وتابعین عظام ومجتہدین اعلام وغیرہم من علمائے دین رضی اللہ تعالے عنہم روگردان شود، ورسم تعزیہ پرستی را کہ از بدعات شرکیہ است عمل آرد وپند ونصیحت ناصحان از علماء نشنود، بلکہ بیزار وعصبان گردد پس آں کس فارق الجماعت وخارج از دائرہ اسلام خواہد بود، چنانکہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است عن ابی ذر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ رواہ احمد وابوداؤد وبالجملہ تعزیہ پرستان

پس صحیح طریق صرف یہ ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے، ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے اور یا خیر کو یا صدقہ وغیرہ کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے، وہ بھی بلا تخصیص ایام، باقی رہا سینہ کوبی اور نوحہ وشیون وغیرہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بالکل برخلاف ہے اور یہ اسی طرح تعزیہ وغیرہ بنانا اور اس کی زیارت کرنا لعنت کا موجب ہے حدیث میں آیا ہے اللہ اس آدمی پر لعنت کرے جو کسی فرضی قبر کی جس میں کوئی مردہ دفن نہیں ہے زیارت کرے۔

پس ایسے لوگ جو محض اتباع ہوائے نفس کی بنا پر تعزیہ پرستی وغیرہ کریں، اور سنت کی پرواہ نہ کریں، اہل سنت والجماعت بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہو جائے، اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی، ایسے لوگوں کو شرک وبدعت چھوڑ کر توبہ واستغفار

ازین افعال بدعیہ شرکیہ اجتناب نمودہ توبہ واستغفار نمایند و ایصال ثواب از عبادت بدنیہ و مالیہ بارواح شہیدان کربلا کردہ باشند، سعادت دارین درین حاصل است ما علینا الا البلاغ

واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

سید محمد نذیر حسین

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین

سید احمد حسن	سید شریف حسین	بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسین قادری۔ فتاوی نذیریہ ص ۲۱۵
محمد عنایت علی	محمد اسحاق بہاری	
حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ	محمد غلام اکبر خان محمد اسحق	

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر مسلمان کوئی میلہ کریں جس کی مذہب میں کوئی اصل نہیں، جیسے تعزیہ داری اور کافر اس لحاظ سے کہ میلہ کی تخریب ہو بلکہ اس لحاظ سے کہ مسلمانوں کو بحیثیت مذہب ہزیمت ہو مزاحم ہوں تو ایسی صورت میں میلہ والے مسلمانوں کی شرکت دوسرے مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ درصورت مرقومہ ارباب فطانت و دیانت پر مخفی نہیں، کہ مسلمانوں کو بحیثیت مذہب ہزیمت جب ہو، کہ یہ میلہ تعزیہ داری کا مذہب و ملت یا اونے شعائر اسلام میں بھی داخل ہوتا، حالانکہ داخل نہیں ہے اور جب یہ میلہ مذکورہ داخل ہی نہیں تھا، بلکہ یہ میلہ بعض وجہ سے میلہ منقیہ ہے اور بعض وجہ سے میلہ شرکیہ ہے، تو اس صورت میں مسلمانوں کو من حیث مذہب دینی و ملت یقینی کیوں کر ہزیمت متصور ہوگی، یہ خیال خام بعض بلایان نافرجام ہے، و قول رب العالمین جل شانہ بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا الآية ان يتبعون الا الظن وان هم الا يخرصون مناسب حال و مقال ملایان بدخصال کے ہے پس فذرهم وما يفترون (ان کو اور ان کے بہتانوں کو چھوڑ دو)، شعر حال ڈھال ان کی کا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میلہ تعزیہ داری کا میلہ منقیہ ہے باعتبار اجتماع فساق تماش بین کے، اور یہ میلہ باعتبار بنانے والے اور

کرنی چاہیے، اور عبادات بدنیہ مالیہ کا ثواب ان کو بخشنا چاہیے، تاکہ سعادت دارین حاصل کریں۔ واللہ اعلم ۱۲۔
لہ وہ لوگ ہیں سے بعض بعض کی طرف جھوٹ اور ملمع کی باتیں القا کرتے ہیں، وہ صرف ظن کی پیروی کر رہے ہیں اور ایک اندازہ کر رہے ہیں۔

تعظیم کرنے والے ، اور تقرب بغیر اللہ چاہنے والے کے میلہ شرکیہ ہے، پس صورت اولیٰ میں تماشہ دیکھنا
ان کے میلہ کا اور تماشہ دیکھنا تعزیہ کے میلہ کا دونوں برابر ہیں ، لہو ولعب ولا ینبغی اور غیر مشروع
ہونے میں بموجب اس آیت کریمہ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ کے نیز بدلیل آیت سورہ فرقان کے وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ ہر چند یہ آیت محتمل احتمالات
کثیرہ کو ہے لیکن احتمال اقویٰ یہی ہے۔ یحتمل حضور کل موضع یجری فیہ مالا ینبغی
ویدخل فیہ اعیاد المشرکین ومجامع الفساق لان من خالط اھل الشر
ونظر الی افعالھم وحضر مجامعھم فقد شارکھم فی تلک المعصیۃ انتہی
ما فی التفسیر الکبیر والفصول العمادیۃ اور مدد دینا بنابر تکثیر سواد اور اشاعت و رونق تعزیہ
کی زیادہ تر سخت گناہ ہے حسب منطوق لازم الوثوق کے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا
تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ونیز مطابق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من کثر سواد
قوم فھو منھم الحدیث اور صورت ثانیہ میں یہ میلہ شرکیہ بلا ریب ہے، کیونکہ یہ تعزیہ منصوب بہ
فی ما نصب وعبد من دون اللہ میں داخل ہے کقولہ تعالیٰ كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ
وفی قراءۃ بضم الحرفین شیٔ منصوب کعلم او رایۃ یوفضون یسرعون
کذا فی تفسیر الجلالین۔

پس تعزیہ بنانا اور ساتھ نشان توقیر و تعظیم کے چبوترہ یا کسی بلند مقام پر قائم کرنا اور رکھنا اور
نذر و نیاز بتوقع حصول مطالب دنیاوی و امید حاجت روائی اور فراخی روزی و طلب اولاد

---

[1] یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھو

[2]۔ جو بے ہودہ چیز میں حاضر نہیں ہوتے ۱۲۔

[3]۔ یہ حاضر ہونا ہر اس چیز کو شامل ہے جو لائق و شائستہ نہیں، اس میں مشرکوں کی عیدیں اور فاسقوں کی مجالس بھی شامل ہیں کیونکہ جو بدلوگوں کے پاس جائے گا، ان کے افعال کو دیکھے، ان کی مجلس میں حاضر ہو تو اس نے ان کے گناہ میں شرکت کی ۱۲

[4] نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی میں مدد نہ کرو۔

[5]۔ جو آدمی کسی قوم کی تعداد بڑھائے وہ انہی میں سے ہے۔

[6]۔ جو کھڑا کیا جائے اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت کی جائے ۱۲

[7] گویا وہ اپنے بتوں کی طرف دوڑتے جا رہے ہیں نصب بضم نصبین ہر وہ چیز جو کھڑی کی جائے ، جیسے جھنڈا وغیرہ ۱۲۔

وجاہ ومنصب کے اس پر چڑھانا اور اس کی بے ادبی میں نقصان جان ومال کا اعتقاد رکھنا اور بجہت عقیدہ واجب التعظیم کے سلام اور مجرا اور سجدہ اس کو کرنا جیسا کہ رسم ورواج وعرف وعادت تعزیہ پرستوں کی ہے، صریح بت پرستی ہے، مانند بت پرستی کفار مکہ مکرمہ وغیرہم کے ایام جاہلیت میں کیونکہ کفار مکہ معظمہ نے تین سو بت تقریباً گرداگرد خانہ کعبہ شریفہ کے کھڑے کر رکھے تھے اور نذور ونیاز اور ذبح جانور بنابر تعظیم بتوں کی کیا کرتے تھے، پس درمیان تعزیہ داران اور کفار بت پرستان مکہ مکرمہ وغیرہ کے کچھ فرق نہیں ہے اس لئے کہ تعزیہ دار تعزیہ سے اعتقاد جلب منفعت ودفع مضرت کا رکھتے ہیں جیسے کفار بتوں سے معتقد حصول منافع ودفع مضار کے ہیں جیسے کفار خدا تعالےٰ کو خالق ارض وسما وکل مخلوقات ومدبر امور کائنات کا جانتے ہیں ویسے ہی تعزیہ دار بھی جانتے ہیں۔ پھر کفار کو مشرک وکافر کہنا، اور تعزیہ دار کو نہ کہنا بلا دلیل ہے۔

لقولہ تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ الآیۃ قُلْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ۔ هٰذه الآیات من سورۃ المؤمنون۔

اب اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب کفار اللہ تعالےٰ ہی کو خالق ومالک ورازق ومدبر کل امور ومحی وممیت جانتے تھے، پھر اللہ تعالےٰ نے ان کو کافر اور مشرک کیوں کہا، ان کے اعمال دنیا کے کیوں ہباءً منثوراً اور برباد کر ڈالے، جواب اس کا یہ ہے، کہ جب انہوں نے اللہ تعالےٰ کی عبادت

سلہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان اور زمین کو کس نے بنایا ہے تو کہیں گے اللہ نے الآیۃ ان سے پوچھو کہ یہ زمین اور اس کی مخلوقات کس کی ہے، اگر جانتے ہو تو جواب دو، تو کہیں گے، اللہ کی، آپ کہیں کہ کیا نصیحت حاصل نہیں کرتے ان سے کہیں ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے کہیں گے اللہ، کیا تم ڈرتے نہیں۔ کہیں ہر چیز کا اختیار کس کے قبضہ میں ہے، کون پناہ دے سکتا ہے، اور اس کے برخلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہیں گے اللہ آپ کہیں پھر تم پر کون سا جادو چل گیا ہے۔

خالصاً چھوڑ دی، اور عبادت غیر اللہ حجر و شجر و نشان و جھنڈا و بعض عباد اللہ کا ملین کی کرنے لگے، تو ظاہرا حال کفار کا عبادت غیر اللہ میں مشابہ حال اس شخص کے ہوا کہ جو ما سوائے اللہ کو واجب بالذات قرار دیتا ہو، اور اعتقاد در کنا ہو و الا کفار بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو واجب بالذات و مدبر امور حقیقۃً نہیں جانتے تھے، چنانچہ جا بجا قرآن مجید اور تفاسیر مثل بیضاوی وغیرہ سے صاف مستفاد ہوتا ہے اور ماہران شریعت پر مخفی نہیں۔

وتسمیۃ[1] ما یعبدہ المشرکون من دون اللہ انداداً وما زعموا انہا تساویہ فی ذاتہ وصفاتہ ولا انہا تخالفہ فی افعالہ لانہم لما ترکوا عبادتہ الی عبادتہا وسموہا الہۃ شابہت حالہم حال من یعتقد انہا ذوات واجبۃ بالذات قادرۃ علی ان تدفع عنہم باس اللہ تعالیٰ وتمنحہم مالم یرد اللہ بہم من خیر فتہکم بہم وشنع علیہم بان جعلوا اللہ انداداً لمن یمتنع ان یکون لہ ند کذا فی التفسیر البیضاوی تحت قولہ تعالیٰ فلا تجعلوا للہ انداداً وانتم تعلمون۔

الغرض جو معاملہ کفار اپنے بتوں کے ساتھ کرتے تھے، وہی معاملہ تعزیہ دار تعزیہ سے کرتے ہیں چنانچہ آیت کریمہ وما ذبح علی النصب[2] سورہ مائدہ وغیرہا من الآیات ہمارے قول مصدق اور شاہد عدل ہیں، تفسیر کبیر کی عبارت کو بغور ملاحظہ فرمایئے۔

قال ابن جریج النصب[3] لیس باصنام فان الاصنام احجار مصورۃ منقوشۃ وہذہ النصب احجار کانوا ینصبونہا حول الکعبۃ وکانوا یذبحون عندہا للاصنام وکانوا یلطخونہا بتلک الدماء ویشرحون اللحوم علیہا فقال المسلمون یا رسول اللہ

[1] مشرکوں کے من دون اللہ معبودوں کو انداد کیوں کہا گیا ہے حالانکہ وہ ان کو خدا کے برابر ذات میں سمجھتے تھے نہ صفات میں، تو جواب یہ ہے کہ جب انہوں نے خدا کو چھوڑ کر ان کو پوجنا شروع کر دیا، تو گویا انہوں نے اس شخص جیسا معاملہ کیا جو ان کو معبود مستقل بالذات حیثیت سمجھتا ہو وہ اللہ کے عذاب کو روک سکتے ہیں اور ان کی حاجتیں پوری کر سکتے ہیں، تو ان کو اس کا الزام دیا، اور ان کی برائی بیان کی۔

[2] جو بتوں کے تھانوں پر ذبح کیا جائے ۱۲۔

[3] نصب، صنم، بت، کا نام نہیں، صنم تو وہ پتھر لکڑی وغیرہ تھے جن کی شکلیں تراشی جاتی تھیں اور نصب وہ پتھر ہے جن کو خانہ کعبہ کے گرد اگرد گاڑ رکھا تھا، ان کے پاس بتوں کو خوش کرنے کے لئے جانور ذبح کرتے تھے ان کو خون لگاتے۔

کان اہل الجاہلیۃ یلطخون البیت بالدم فنحن احق ان نلطخہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکرہ فانزل اللہ تعالیٰ لَنْ یَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ وعلم ان قولہ وما ذبح علی النصب فیہ وجہان احدھما وما ذبح علی اعتقاد تعظیم النصب والثانی وما ذبح للنصب فاللام وعلی یتعاقبان قال اللہ تعالیٰ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ای فسلام علیک منھم وقال وان اساتم فلہا ای فعلیہا انتہی ما فی التفسیر الکبیر وما ذبح علی النصب کانت لھم احجار منصوبۃ حول البیت یذبحون علیہا ویلطخونہا بذلک ویتقربون بمالیہا کذا فی المدارک والبیضاوی اور معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ جو جانور ذبح کیا جاوے اوپر کسی نشان اور تھان کے۔ اور دوسری آیت یہ ہے۔ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ اعلم ان فی نصب ثلاث قرات احدھا وھی قراءۃ الجمہور نصب بفتح النون والنصب کل شئ نصب والمعنی کانھم الی علم لھم یستبقون القراءۃ الثانیۃ نصب بضم النون وسکون الصاد والمراد بالنصب الانصاب وھی الاشیاء التی تنصب فتعبد من دون اللہ کقولہ تعالیٰ وما ذبح علی النصب تمام ہوئی عبارت تفسیر کبیر کی بیچ سورہ معارج کے۔ کانھم حال الی نصب وھو کل ما نصب وعبد من دون اللہ کذا فی المدارک۔ ساری آیت یہ ہے یوم یخرجون من الاجداث سراعا کانھم الی نصب یوفضون جس دن نکل پڑیں قبروں سے دوڑتے ہوئے، گویا جیسے کہ نشانہ پر دوڑے جاتے ہیں کذا فی موضح القرآن، اور عبارت تفسیر معالم التنزیل کی یہ ہے۔ وقرأ الآخرون نصب بفتح النون وسکون الصاد یعنون الی شئ منصوب یقال فلان نصب عینی وقال الکلبی الی علم ورایۃ انتہی ما فی المعالم۔

تو مسلمانوں نے کہا اے اللہ کے رسول کافر بتوں کی تعظیم کے لیے مکان کو خون وغیرہ لگاتے ہیں ہمارا زیادہ حق ہے، کہ ہم خدا کو خوش کرنے کے لیے اس کو قربانی کا خون لگائیں، تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ اللہ کے پاس خون اور گوشت نہیں پہنچتا، اس کے پاس صرف پرہیزگاری پہنچتی ہے وما ذبح علی النصب کا ترجمہ دو طرح کا ہے ایک یہ کہ نصب کی تعظیم کے عقیدہ سے کوئی چیز ذبح کی جائے، دوسرا یہ کہ نصب کے لیے کوئی چیز ذبح کی جائے عربی میں لام اور علی ہم معنی استعمال ہوتے ہیں ۱۲ ۔ نصب میں تین قرائتیں ہیں ایک تو یہی جو جمہور کی قرات ہے دوم نُصب اور سوم نَصب اور معنی ایک ہیں یعنی ہر وہ چیز جسے کھڑا کیا جائے مثلاً جھنڈا وغیرہ ۱۲

اور مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر عزیزی میں تحت آیت مذکورہ کے فرماتے ہیں۔ یوم یخرجون یعنی روزے کہ خواہند بر آمد تنہا برہنہ بدن و برہنہ سر و برہنہ پا من الاجداث یعنی از قبرہا سراعا یعنی دوندہ و شتابان بشنیدن آواز نفخ صور حضرت اسرافیل کا نام یعنی گویا کہ ایشان بسوئے بتے کہ برائے زیارت از تہ خانہ بر آوردہ استادہ کردہ اند یوفضون یعنی می دوند و می شتابند بقصد آنکہ پیش از ہمہ زیارت او نمایند و بوسہ و بہند و دست باو رسانند باین طمع کہ ہر کہ درین وقت پیش آمد انتہی مافی التفسیر العزیزی نصب نصب الشئ وضعہ وضعا نابیا کنصب الرمح والبناء والحجر کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب۔

پس آیات و تفسیر سابق سے واضح ہوا کہ نصب بمعنی شئے منصوب کے ہے اور شئی منصوب میں علم دنسان درایت و جھنڈا اور چھڑی اور تعزیہ داخل ہیں بنا بر تعظیم و تقرب لغیر اللہ کے لان حکم المثلین واحد والامور بمقاصدہا میں میلہ راون و میلہ تعزیہ کا برابر ہے کیونکہ دونوں میں تقرب لغیر اللہ پایا جاتا ہے، یعنے جس طرح کفار مکہ نصب سے تقرب چاہتے تھے، اسی طرح سے تعزیہ سے تعزیہ دار ایک دوسرے سے بڑھ کر تقرب چاہتے ہیں، کیونکہ کوئی دو گز کا کوئی پانچ گز کا کوئی دس گز کا اونچا مع آرائش زرق برق کے بنا کر تعظیم تمام و احترام تام چبوترہ پر قائم کر کے نذر و نیاز اس پر چڑھاتے ہیں، اور ساتھ ادب کے سلام و سجدہ کرتے ہیں، تو یہ سارے امور مذکورہ موجب شرک جلی اور شعار مشرکین ہیں کما لا یخفی علی العلماء الماہرین بالشرع یعنی اور طرفہ تماشا یہ کہ دونوں فرقے یعنے راون والے اور تعزیہ والے بناز و خرام و تبختر تمام مقابلہ و لڑنے مرنے پر مستعد ہیں، اور ہر فرقہ اپنی شان و شوکت بڑھانے پر نعرہ ھل من مبارز کا مارتا ہے نعم ما قیل ؎

طرز خرام کرتی ہے سر سیکڑوں قلم   تلوار چل رہی ہے نئی چال ڈھال پر

القاتل والمقتول کلاھما فی النار۔ اللہ ہادی کریم تعالےٰ شانہ سارے مسلمانوں کو ایسے عقیدہ فاسدہ اور عمل مذموم شرکی تعزیہ داری سے محفوظ رکھے، اور دین محمدی پر توفیق رفیق عطا فرماوے، اور جو لوگ خود نہیں بناتے، مگر مددگار امور شرکیہ کے ہوتے ہیں ان کو بھی اس بلائے عظیم تائید شرکی سے توبہ نصیب کرے، کہ امداد غیر مشروع سے باز آویں، اور حسب توضیح

سے قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں

وقیع فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ . . . . کے تعزیہ داری کی صحبت سے احتراز کرتے رہیں کہ غضب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں۔ عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یقبل اللہ لصاحب البدعۃ صوما ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جہادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما یخرج الشعر من العجین رواہ ابن ماجہ اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی احداث بدعت کرے یا محدث کو جگہ دے، یا اس کی تعظیم کرے، اس پر بھی لعنت خدا کی اور اس کے نماز روزہ حج زکوٰۃ مقبول نہیں۔ من احدث حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ عنہ صرفا ولا عدلا رواہ الطبرانی عن ابن عباس ورجالہ النبلاء اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کسی قوم کی کثرت اور بھیڑ بھاڑ اس کی بڑھاوے، یا تشبہ کرے وہ اسی قوم سے شمار کیا جائے گا۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم ومن تشبہ بقوم فھو منھم کما فی المشکوٰۃ ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ او بالفساق او بالصلحاء فھو منھم کذا فی مجمع البحار۔

حاصل یہ کہ مشارکت و مظاہرت صورت سوال میں صورت جمیت جاہلیت اولیٰ کی ہے نہ اسلامی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ الآیۃ۔ فریقین یعنے راون والے اور تعزیہ والے پر حجت قاطع اور برہان ساطع ہے، کیونکہ تعزیہ سازی وثنان و جھنڈا وغیرہ جملہ انصاب عمل شیطانی بلا ارتیاب عند اولے الالباب ہے ؎

دل نے جس راہ لگایا، میں اسی راہ چلا وادی عشق میں گمراہ کو رہبر سمجھا۔

لہ . . . یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھو ۱۲ ۔ سہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بدعتی کا روزہ، نماز، صدقہ، حج، عمرہ، جہاد، فرض اور نفل کچھ بھی قبول نہیں کرتے، وہ اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسا بال آٹے سے ۱۲ سہ جو بدعت جاری کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ، فرشتوں، اور سارے جہان کی لعنت ہے نہ اللہ اس سے نفل قبول کرے گا نہ فرض ۱۲ سہ جو کسی قوم کی تعداد بڑھائے وہ انہی میں سے ہے، جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہی میں سے ہے، یعنی کفار یا فساق یا صلحاء سے لباس وغیرہ میں ۱۲ سہ بتوں کی گندگی سے بچو، اے ایمان والو شراب جوا، بتوں کے تھان اور تیروں کی فال یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ ۱۲

واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین

الأمر كذلك قال الله تعالى وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ وقال الله تعالى وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اخرج الترمذی عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تلحق قبائل من امتی بالمشرکین وحتی تعبد قبائل من امتی الاوثان۔

اور جب تعزیہ پرست تعزیہ کے سبب ظالمین میں داخل ہوئے، تو تعزیہ پرست مثل راون وکالی والوں کے ہوئے، تواب دونوں کی شرکت واعانت مساوی الاقدام ہوئی، بلکہ تعزیہ والوں کی اعانت بدتر ہے، کیونکہ بہ سبب تعزیہ پرستی کے کفار اسلام پر بت پرستی کا الزام دیتے ہیں اور اکثر اوقات مسلمانوں میں تعزیہ پرستی کو دیکھ کر ہدایت سے باز رہتے ہیں، پس جس چیز کے سبب اسلام پر دھبہ لگے اور طریقہ ہدایت کا مسدود ہو، اس چیز کی شرکت واعانت سراسر اسلام پر ظلم کرنا ہے اور کیوں ایسے امر قبیح کو مسلمانوں نے اختیار کیا، جس کے سبب بمقابلہ کفار ہزیمت اٹھانی پڑے، پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ان سب میلوں کی تخریب میں برابر کوشش کرے، بلکہ میلہ تعزیہ داری کے اندر اس تخریب میں زیادہ کوشش کرے، تاکہ اسلام پر الزام نہ آوے، اور طریقہ ہدایت کا مسدود نہ ہو، اور ہزیمت بھی نہ اٹھانی پڑے، اور نیز اہانت توہین اہل بیت رضی اللہ عنہم کی لازم آتی ہے، جیسا کہ ماہرین شریعت غراء پر مخفی نہیں ہے پس پرائے شگون پر ناک کٹانی عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ من لہ عقل سلیم یقتدی بالمصطفی۔ الراقم العاجز تلطف حسین عفی عنہ۔ فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۱۲۷

سوال۔ ہنود کے میلوں میں خواہ بغرض تجارت یا بلا غرض جانا جائز ہے یا ناجائز؟ اور نیز تعزیہ داری کے میلوں میں شامل ہونا کیسا ہے۔

لے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا، اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا ایسے کو پکارے جو قیامت تک اس کو جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے محض بے خبر ہیں اور فرمایا اللہ کے سوا ان چیزوں کو مت پکار، جو تجھے نہ نفع دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں، اگر تو نے ایسا کیا، تو ظالموں سے ہو جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں اور کچھ قبیلے میری امت کے بتوں کی پوجا نہ کرنے لگیں ۱۲

الجواب: ایسے میلوں میں جانا منع ہے ہرگز شامل نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اس قسم کے تمام منکرات کو ہاتھ اور زبان سے مٹانا چاہیئے اگر اس کی طاقت نہ ہو. تو دل سے تو ضرور برا جاننا چاہیے صحیح مسلم میں ابو سعید خدری سے مرفوعاً مروی ہے من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلك اضعف الایمان۔ دیکھو دعوت کا قبول کرنا، اور اس میں شریک ہونا ضروری ہے مگر وہاں بھی اگر منکرات ہوں، تو وہاں نہیں جانا چاہیئے، اور اگر جاوے، اور جانے کے بعد کوئی امر منکر دیکھے تو لوٹ آنا چاہیئے عن علی رضی اللہ عنہ قال صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلعم فجاء فرای فی البیت تصاویر فرجع ۔ پس معلوم ہوا، کہ ایسے حرام و ناجائز و منکر میلوں میں بذریعہ تجارت بھی نہیں جانا چاہیئے. واللہ تعالےٰ اعلم

الجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ . سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد ۳ ص ۲۷۵

سوال: جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب: جو شخص مرثیہ خوانی کرے، اور محفل تعزیہ داری میں جاوے، سو ایسا شخص اگر نماز پڑھا رہا ہو، اور کوئی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاوے، تو اس کی نماز ہو جاوے گی مگر ایسے شخص کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیئے اور نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں کرنا چاہیئے اس واسطے کہ مرثیہ خوانی اور تعزیہ داری بلا شبہ فسق و فجور کے کام ہیں، اور فسق و فجور کے کام سے جو راضی ہو، اور اس کی محفل میں جاوے، وہ بھی فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز تو ہو جاتی ہے مگر اس کو بالقصد امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حررہ عبدالرحیم اعظم گڈھی کوپوی ۔ فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص سید محمد نذیر حسین

سوال: ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں اہل و عیال پر وسعت کرے، آیا اس کا ثبوت کوئی شرعی ہے یا نہیں. بینوا توجروا.

الجواب: محرم کی دسویں تاریخ کو کھانے میں وسعت کرنے کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وسع علی عیالہ فی النفقۃ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر سنتہ۔ قال سفیان انا قد

ـــــــــــــــــــــــــــــ

لـه حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی آپ نے اور گھر میں تصویریں دیکھیں تو واپس چلے گئے

جدبنا ٰہ فوجدناہ کذلک رواہ کذا رزین ورواہ البیہقی فی شعب الایمان عنہ وعن ابی ھریرۃ وابی سعید وجابر وضعفہ۔ (مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ) یعنی ابن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جو شخص عاشوراء کے روز اپنے خیال پر نفقہ میں وسعت کرے۔ اللہ تعالےٰ ایسے شخص کے رزق میں اس سال کے باقی تمام دنوں میں وسعت کرے گا، سفیان نے کہا، کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے پس ایسا ہی پایا ہے روایت کیا اس حدیث کو رزین نے اور روایت کیا اس کو بیہقی نے ابن مسعودؓ سے اور ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ اور جابرؓ سے اور ضعیف کہا اس حدیث کو۔

اس حدیث کو اگرچہ بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل احتجاج اور بعض نے موضوع بتایا ہے مگر حق بات یہ ہے، کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے، اور کثرت طرق کی وجہ سے حسن وقابل احتجاج ہے، حافظ سیوطی تعقبات علی ابن الجوزی صفحہ ۹ میں لکھتے ہیں۔ قلت اخرجہ البیہقی فی الشعب من حدیث ابی سعید الخدری وابی ھریرۃ وجابر وقال اسانیدا کلہا ضعیفۃ[1] ولکن اذا ضم بعضہا الی بعض افاد قوۃ وقال الحافظ ابوالفضل العراقی فی امالیۃ حدیث ابی ھریرۃ رض ورد من طرق صحح بعضہا الحافظ ابوالفضل بن ناصر وسلیمان الذی قال ابن الجوزی انہ مجہول ذکرہ ابن حبان فی الثقات قال فالحدیث حسن علی رأیہ وحدیث ابی سعید اخرجہ ابن راھویہ فی مسندہ والبیہقی من طریق عبد اللہ بن نافع عن ایوب بن سلیمان بن میناء عن رجل عن ابی سعید قال الحافظ ابن حجر ولولا الرجل المبہم لکان اسنادا جیدا لکنہ یقوی بما اخرجہ الطبرانی من طریق محمد بن اسمٰعیل الجعفری عن عبد اللہ بن سلمۃ الرافعی عن محمد بن عبد اللہ بن علی بن عبد الرحمٰن بن صعصعۃ عن ابیہ عن ابی سعید فالجعفری ومن فوقہ مدینون معروفون والجعفری ضعفہ ابوحاتم

[1] اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں ابوسعید خدری، ابوہریرہؓ اور جابرؓ سے روایت کیا ہے، اگرچہ تمام سندیں ضعیف ہیں لیکن ایک دوسرے سے مل کر قوی ہو جاتی ہیں، حافظ ابوالفضل نے کہا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے ان میں سے بعض کی تصحیح ابوالفضل بن ناصر نے کی ہے اور سلیمان کو ابن جوزی نے مجہول کہا ہے حالانکہ

وشیخه ضعفه ابو زرعة قال الحافظ العراقی ورواه البیهقی ایضا من حدیث جابر من روایة ابن المنکدر عنه وقال اسناده ضعیف وقد ورد السنن علی شرط مسلم اخرجه ابن عبد البر فی الاستذکار من روایة ابی زبیر عنه وقد قال البیهقی هذه الاسانید وان کانت ضعیفة فهی اذا ضم بعضها الی بعض احدثت قوة مع کونه لم یقع لہ روایة ابی الزبیر عن جابر التی هی اصح طرق الحدیث قال وقد ورد من حدیث ابن عمر اخرجه الدارقطنی فی الافراد موقوفا علی عمر اخرجه ابن عبد البر بسند رجاله ثقات لکنه من روایة ابن المسیب عنه وقد اختلف فی سماعه منه ورواه البیهقی فی الشعب عن ابراهیم بن محمد بن المنتشر قال کان یقال فذکره قال وقد جمعت طرقہ فی جزء انتهی کلام العراقی والله تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبه محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا الله عنہ۔

سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص۲۷۵

سوال: سوم، چہارم، چہلم وغیرہ کرنا، اور اس کا کھانا کیسا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: سوم، چہارم، چہلم وغیرہ سب بدعات ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی کا نشان قرون ثلاثہ میں نہ تھا، تو بدعات ہوئے، اس سے مسلمانوں کو حذر کرنا بہت ضروری ہے اور اس میں کسی قسم کی شرکت بھی نہ کرنی چاہیے، اللہ تعالےٰ نے فرمایا نیک کاموں میں مدد کرو، اور برے کاموں پر مدد نہ کرو۔ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، اور اس کا کھانا، کھانا بھی نہیں چاہیئے، کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی اعانت ہے، اگرچہ کھانا فی نفسہ حرام نہیں ہے اور امور مذکورہ یعنی سوم ودہم وبستم وچہلم وعرس وغیرہ کے بدعت اور نامشروع ہونے پر یہ حدیث جو صحیح بخاری

ابن حبان نے اس کو ثقات میں بیان کیا ہے بہر حال اس حدیث کو دوسرے طرق سمیت محدثین نے قابل احتجاج سمجھا ہے، گو یہ ضعیف ہے لیکن اس پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں ہے امام بیہقی نے ایک رسالے میں اس کے تمام طرق جمع کئے ہیں، واللہ اعلم ۱۲۔

لہ: یک دوسرے کا نیکی اور تقوے پر تعاون کرو گا، اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو۔

وغیرہ میں مذکور ہے، دلیل صریح و قوی ہے من عمل عملا لیس علیه امرنا فهو رد کما رواه البخاری وغیرہ من المحدثین یعنی جو کوئی عمل کرے، کہ جس پر ہمارا حکم نہ ہوا ہو وہ مردود ہے پس بموجب اس حدیث کے سارے امور مذکورہ بالا بدعت و محدثات میں داخل ہیں۔ اور نیز حضرت نے فرمایا ہے۔ شر الامور محدثاتها کما فی صحیح البخاری وغیرہ، خداوند کریم تمام مسلمان بھائیوں کو بدعت سے بچا وے، وما علینا الا البلاغ والله اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین	سید محمد عبد السلام غفرله ۱۲۹۹	محمد ابراہیم ۱۳۰۲
المعتصم بحبل الله الاحد	محمد یوسف ۱۳۰۰	محمد عبد الحمید ۱۲۹۲
ابوالبرکات حافظ محمد	محمد عبد الغفار	محمد عبد العزیز ۱۲۹۸

سوال :- تیجا کرنا یعنے بعد مرنے مردوں کے تیسرے دن جو لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں، اور چنوں پر کلمہ پڑھ کر تقسیم کرتے ہیں، اور دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھماہی، برسی کرنا کیسا ہے (۲) مردہ کو دفن کرنے کے بعد جمعہ کے دن تک کسی کو قبر پر قرآن پڑھنے کے واسطے بٹھانا اور جب جمعہ کا دن آیا، جمعہ کے سپرد کر کے چلے آنا، اس اعتقاد سے کہ جب تک جمعہ کا دن نہیں آیا ہے قرآن کے سبب سے منکر نکیر نہیں آئیں گے، اور اس پر عذاب نہ آئے گا، یہ فعل شرع سے ثابت ہے یا نہیں، اور مصورت نہ ہونے کے عقیدہ رکھنے والا اس کا کیسا ہے۔

الجواب :- دونوں سوالوں کا یہ ہے کہ تیجا اور دسواں، بیسواں چھماہی، برسی اور گیارھویں اور فاتحہ مروجہ، شب برات کرنا، اور اس طریقہ خاص سے مجتمع ہو کر قرآن اور کلمہ پڑھنا خواہ مکان میں بیٹھ کر، خواہ قبر پر اور مردے کے دفن کے بعد جمعہ تک قبر پر بٹھانا یہ سب بدعت اور گمراہی ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں، اور نہ صحابہ کا اس پر عمل ہوا، اور نہ کسی مجتہد سے استحباب ان افعال کا منقول ہے حاصل یہ ہے، کہ یہ طریقے سب ایصال ثواب کے لئے ساتھ تقید اور تعیین روز ماہ کے اور التزام قیودات مرسومہ کا کسی دلیل سے دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، اور کرنے والا ان افعال کا مبتدع ہے۔

شیخ عبد الحق نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن

لے:- پہلے یہ دستور نہیں تھا، کہ میت کے لئے جمع ہوں، اور قرآن پڑھیں، اور ختم کریں، نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ تمام بدعتیں

خوانند وختمات خوانند بر سر گور و نہ غیر آں واین مجموع بدعت است، نعم برائے تعزیت اہل میت جمع و تسلیہ و صبر فرمودن ایشان را سنت و مستحب است اما این اجتماع مخصوص روز سوم وار تکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است و حرام انتہی، وفقیہ محمد بن محمد کردری نے فتاوی بزازیہ میں لکھا ہے۔

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ بقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام والاخلاص انتہی اور فتاوے جامع الروایات میں ہے۔ فی شرح المنہاج للنووی الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ انتہی۔

شیخ ولی اللہ المحدث رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت نامہ میں لکھا ہے دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم ہا و سوم و چہلم و ششماہی فاتحہ سالینہ و این را در عرب اول وجود نہ بود انتہی بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مذہب یہ ہے کہ قرارۃ قرآن مطلقا قبر کے پاس مکروہ ہے، جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی نے میزان کبری میں تصریح کی ہے، حررہ ابوالطیب، محمد شمس الحق عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین۔ (فتاوی نذیریہ ج ۱ ص) ابوالطیب محمد شمس الحق

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ماتم و تعزیت پرسی کرنے والوں کو اہل میت کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں، اور دوسرے، تیسرے چوتھے دن جو مرد اور عورتیں رسم کے طور سے جمع ہوتی ہیں، اس میں کھانا کھانا اور جمع ہونا درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

یعنی اہل میت کے اقرباء سے تعزیت کرنا، ان کو صبر کی تلقین کرنا سنت اور مستحب ہے اور یہ جو تیسرے روز لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور یتیموں کا مال اگر بے جا صرف کرتے ہیں، یہ سب حرام اور بدعت ہے ۱۲

[1]:۔ پہلے اور تیسرے اور دوسرے روز کھانا پکانا، اور کھانا قبر پر لے جانا، قرآن پڑھنے کے لئے فقرا اور صلحا اور علماء کو جمع کرنا سب حرام ہے۔

[2]:۔ تیسرے روز اکٹھا ہونا اور پھول اور عود تقسیم کرنا اور ایام مخصوصہ میں کھانا پکانا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، دسویں، بیسویں، چالیسویں دن اور چھٹے مہینے یا سال کے بعد یہ سب بدترین قسم کی بدعات ہیں ۱۲۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ ارباب شریعت غرا پر مخفی نہیں، کہ طریق مسنون یہ ہے کہ تعزیت اور ماتم پرسی کرنے والے جو نزدیک اور ایک بستی کے ہوں، ان کو کھانا کھانا اہل میت کے گھر کا نہ چاہیئے کیونکہ یہ امر جاہلیت سے ہے، بلکہ قریب اور پاس والوں کو چاہیئے کہ تعزیت اہل میت کی کرکے اپنے اپنے گھر چلے جاویں، نہ یہ کہ اہل میت کے گھر دھرنا دیں، کھانا کھانے کے لئے اور جو لوگ دور دراز مسافت بعیدہ سے تعزیت کے لئے آویں، ان کو کھانا کھانا اہل میت کے گھر کا مضائقہ نہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے گھر پہنچنا دشوار ہے، اور یہ رسم نامشروع جو مروج ہے، کہ دوسرے دن یا تیسرے دن یا چوتھے دن جو رجال و نسا رکہ برادری وغیرہ کے اہل میت کے گھر جمع ہوتے ہیں، اور اہل میت چار و نا چار، اگر ذی مقدور نہ ہوں، روپیہ سودی یا قرض وام کرکے کھانا پکوا کر حاضرین کو کھلاتے ہیں، سو یہ امور جاہلیت سے ہے اس کو سارے علما رقرناً بعد قرن منع کرتے رہیں، اور نامشروع جانتے ہیں اور جس مقام میں عورتیں رونے پیٹنے کے لئے جمع ہوتی ہیں اور اہل میت ان کے واسطے کھانا پکواتے ہیں، اور کھلاتے ہیں ان کو زیادہ موجب معصیت کا ہے کہ اعانت اوپر نوحہ و معصیت کے کرتے ہیں اور ضیافت شرع شریف میں بروقت سرور اور مقام خوشی کے جیسے تقریب شادی و عقیقہ وغیرہ کے مشروع ہے نہ بروقت شرور و حزن و ماتم و معصیت کے کہ ایسے وقت میں ضیافت کرنی بدعات مستقبحہ سے ہے۔ اتخاذ الطعام من اھل المیت بدعۃ مستقبحۃ لانہ مشروع فی السرور لا فی الشرور کذا فی فتح القدیر والبحر والطحطاوی وغیرہ من کتب الفقہ۔

اسی نظر سے وصیت میت کی جو ایسے کھانے کی کی جاوے باطل ہے تنویر الابصار اور درمختار میں لکھا ہے۔ اوصی بان یتخذ الطعام بعد موتہ للناس ثلاثۃ ایام فالوصیۃ باطلۃ

لہ: میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کا بندوبست ہونا بہت بری بدعت ہے، کیونکہ دعوت خوشی کے وقت ہوتی ہے نہ کہ مصیبت کے وقت فتح القدیر، بحر، طحطاوی وغیرہ کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے ۱۲۔

ٹلہ:۔ اگر مرنے والا وصیت کرے، کہ موت کے بعد تین دن تک کھانا پکانا تو یہ وصیت باطل ہے ابوبکر بلخی اور ابوجعفر نے کہا اگر یہ وصیت کرے کہ تعزیت کے لئے آنے والوں کو کھانا کھلانا، تو یہ وصیت ثلث سے پوری کی جائے گی، اور یہ کھانا ان آدمیوں کے لئے جائز ہوگا جن کو زیادہ دیر ٹھہرنا ہو، یا جن کی مسافت دور ہو، زیادہ دیر ٹھہرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کو واپس نہ جائیں اور ہم نے جو یہ کہا ہے، کہ ماتم اور افسوس کے تین دنوں میں کھانا پکانا منع ہے تو یہ اس لئے ہے کہ وہ

کذا فی الخانیۃ عن ابی بکر البلخی وعن ابی جعفر اوصی باتخاذ الطعام بعد موتہ یطعم الذین یحضرون للتعزیۃ جاز من الثلث ویحل لمن طال مقامہ ومسافتہ لا لمن لم یطل کذا فی تنویر الابصار والدر المختار والفتاوی العالمگیریہ وغیرہا من کتب الفقہ و تفسیر طول المقام ان لا یبیتوا فی منازلہم وانما قلنا یمنع اتخاذ الضیافۃ فی ایام الماتم وھی ثلاثۃ ایام لانہا ایام تاسف والضیافۃ انما تتخذ عند السرور لا فی الشرور وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا کذا فی الغرائب الطعام الذی یصنعہ اھل المیت فیجتمع علیہ النساء والرجال فھو فعل قوم لاخلاق لھم فی الدین وقال احمد بن حنبل ھو من فعل الجاھلیۃ و روی ابن ماجۃ فی سننہ عن جریر بن عبد اللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ انتہی ما فی تذکرۃ القرطبی المالکی، پس بموجب روایات مرقومہ بالا کے ایسے امور جاہلیت کا مٹانا اور موقوف کرنا عین ثواب اور خیر خواہی شرع شریف کی ہے، اور اس سے غفلت اور درگذر کرنا کمال سفاہت اور قباحت ہے واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد نذیر حسین ۔ فتاوی نذیریہ جلد ۱ صہ ۲۸۱

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت مرجاوے، اور کفن وغیرہ کا فکر کیا جاوے، تو ساتھ ہی اس کے جو برادری کے آدمی دفن کرانے کو ہمراہ میت کے جاتے ہیں ان کے کھانے کا بھی انتظام کیا جاتا ہے اور برادری کے آدمی سب مل کر کھاتے ہیں اس کھانے کا نام حاضری رکھا ہے چاہے اس کو مقدور ہو یا نہ ہو ایسا ہی دسواں اور بیسواں اور اس سے زیادہ چالیسواں کر کل برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے اور اگر کسی شخص کے پاس کچھ نہ ہو، اور برادری کو نہ کھلا دے تو برادری کے لوگ زبردستی سے کھانا لیتے ہیں یک

افسوس کے مذہبی اور ضیافتیں تو خوشی کے وقت ہوئی ہیں غمی میں نہیں ہوتیں اور اگر محتاجوں کے لیے کھانا پکانے تو اچھا ہے خزائب میں ہے کہ وہ کھانا جو میت کے گھروالے پکاتے ہیں اور عورتیں اور مرد اس پر جمع ہوتے ہیں یہ اس قوم کا فعل ہے جن کو دین میں کوئی حصہ نہیں ہے امام احمد نے کہا یہ جاہلیت کی رسم ہے جریر بن عبداللہ نے کہا کہ میت کے گھر اکٹھا ہونا، اور کھانا پکانا نوحہ کی ایک قسم ہے ۱۲ ۔

مجبور ہو کر سودی روپیہ لے کر برادری کو کھانا کھلانا پڑتا ہے، ایسا کھانا شرعاً جائز ہے یا مکروہ یا حرام ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اہل موتیٰ کے گھر جو برادری کے لوگ اس دن کھانا کھاتے ہیں، وہ بدعت ہے، شریعت میں کہیں ثابت نہیں، ان کو چاہیے کہ اس سے توبہ کریں۔ بلکہ یہ لوگ خود کھانا پکا کر اس دن اہل موتیٰ کے گھر روانہ کریں، کیونکہ ترمذی شریف میں عبد اللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جعفر کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو لوگوں سے آپ نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے واسطے کھانا تیار کرو، کہ ان کو اس مصیبت میں کھانا پکانے کی فرصت نہیں اور مشکوۃ شریف میں بھی یہ حدیث موجود ہے لفظوں میں کچھ فرق ہے، اسی طرح دسواں، بیسواں، چالیسواں کہ اس کی بھی شریعت میں کچھ اصل نہیں ہے۔ مطلق ثواب پہنچانا میت کے لیے بلا قید ایام مذکورہ کے درست ہے اور شریعت سے ثابت ہے، کہ میت کو سعی احیاء سے دو طرح پر نفع پہنچتا ہے اول یہ کہ خود وہ اپنی حیات میں کوئی سبب اپنے ثواب کا مثل خیرات جاریہ مقرر کر جائے۔ اور احیاء اس کو جاری رکھیں، دوسرے یہ کہ مسلمان اس کو دعائے مغفرت وصدقہ وحج وغیرہ کے ساتھ یاد کریں۔ اتفق اھل السنۃ ان الاموات ینتفعون من الاحیاء بامرین احدھما ما تسبب الیہ المیت فی حیاتہ والثانی دعاء المسلمین واستغفارھم والصدقۃ والحج کذا فی شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاری واللہ اعلم۔ حررہ حبیب احمد دھلوی سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۴۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسم مروج تیجا و دسواں و بیسواں و چالیسواں وچھ ماہی و برسی کہ اہل اسلام میں جاری ہے، عند الشرع جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ در صورت مرقومہ رسومات مذکورہ مکروہ و بدعت ہیں کیونکہ زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہؓ و تابعین و مجتہدین میں ان امور کی کچھ اصل و سند نہیں پائی جاتی، لہٰذا علمائے رحمۃ اللہ علیہم نے ان رسومات کو بدعت ممنوع اور قبیح سے شمار کیا ہے۔ یکرہ[1] اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن

---

[1] تیجہ، پہلا اور ساتویں دن کھانا پکانا، اور اس کو قبر پہ لے جانا قرآن ختم کرانے کے لیے دعوت کرنا، اور علماء صلحاء و فقراء کو قرآن خوانی کے لیے جمع کرنا مکروہ ہے (بزازیہ)

وجمع الصلحاء والفقراء للختم او القراۃ سورۃ الانعام او الاخلاص انتہی ما فی البزازیۃ۔

اور فتاوے جامع الروایات میں شرح منہاج لنووی سے نقل کرتا ہے فی شرح المنہاج للنووی والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوصۃ کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ اور شیخ علی المتقی استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ رد بدعت میں فرماتے ہیں۔

الاول الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص علی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ لانہ لم ینقل فی الصحابۃ رضی اللہ عنہم شیئا انتہی۔

وصاحب قاموس مجدالدین فیروز آبادی نے شرح سفر السعادت کے لکھا ہے کہ عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات کنند نہ بر گور و نہ غیر آن مکان و این بدعت است و مکروہ اور نصاب الاحتساب وغیرہ میں ان امور مذکورہ کے بدعت اور کراہت میں بہت کچھ لکھا ہے، پس تعین اوقات مخصوصہ میں ایصال ثواب کرنا بدعت اور مکروہ ہے اور بغیر قیود مقررہ کے ثواب میت کو پہنچانا درست و جائز ہے، جیسا کہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں رواج تھا، اور رسومات مروجہ اس دیار کے بدعت اور کراہت تحریمی سے خالی نہیں، جیسا کہ علمائے متبعین شرع شریف پر پوشیدہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

محمد قطب الدین	سید محمد نذیر حسین
محمد ہاشم	محمد عبید اللہ	سعادت علی

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۲۸۲

لہ۔ تیسرے روز قبر پر اکٹھا ہونا اور پھول، عود، کھانے کو مخصوص دنوں میں تقسیم کرنا مثلاً تیسرے، پانچویں، نویں، بیسویں، چھٹے مہینے اور سال جو یہ سب بدعت اور منع ہیں۔

لہ۔ میت کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے جمع ہونا خصوصاً قبرستان میں یا مسجد میں یا اس کے گھر پر بدترین قسم کی بدعتیں ہیں کیونکہ صحابہ کرام سے اس میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہے ۱۲

لہ۔ یہ دستور نہیں تھا کہ میت کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھیں ختم کرائیں نہ قبر پر نہ کسی اور جگہ پر یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے ۱۲

لہ۔ اصلی قبر کو بھی جب بوسہ دینا جائز نہیں، جب تو فرضی قبروں کو بوسہ دینا کیسے جائز ہوگا، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

سوال (۱)

الجواب۔ بوسہ قبر حقیقی غیر و غیرہ ہرگاہ جائز نہ شود، چہ جائے کہ قبر و غیرہ۔ در مدارج النبوۃ شیخ عبدالحق محدث دہلوی می نویسند بوسہ دادن قبر را و سجدہ کردن آن را و کلہ نہادن حرام و ممنوع است، و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند و صحیح آن است کہ لا یجوز انتہی و ادنی لا یجوز گناہ صغیرہ است و اصرار بر آن کبیرہ است چنانکہ در کتب فقہ و عقائد مرقوم است، و آنچہ حوالہ ملا علی قاری کردہ در مسائل ہمہ نیز و غیرہ بے فروغ است، چراکہ ہرگاہ ہمہ فقہاء حنفیہ ناجائز و مکروہ نویسند، ملا علی قاری چگونہ جائز خواہد نوشت، چنانکہ در فتاویٰ بزازی و مستملی شرح منیۃ المصلی و تبیین المحارم و غیرہ مذکور است یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او لقراءۃ سورۃ الانعام او الاخلاص ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اہل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الحزن وہی بدعۃ مستقبحۃ کذا فی المستملی شرح منیۃ المصلی وشرح الہدایۃ للعینی وشیخ عبدالوہاب متقی استاذ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی۔

ونیز استاذ ملا علی قاری در رسالہ خود نویسند کہ ختم خواندن قرآن مجید روز سیوم و در ہفتم بعدہ خاص چنانکہ رسم است بدعت است زیرا کہ از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین عظام ثابت نشدہ، و علامہ حسام الدین سنامی در رسالہ خود بست و پنج وجہ مفاسد در باب چہارہ خواندن روز سیوم و چہارم نقل کردہ و در جامع الروایات نیز بوجہ بسط نظر باید کرد، و کتب دیگر مذہب ہم

مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں، قبر کو بوسہ دینا، سجدہ کرنا اس پر رخسار رکھنا حرام و ممنوع ہے، والدین کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت نقل کرتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں ہے اور جائز نہ ہونے کا مطلب کم از کم صغیرہ گناہ ہے، اور اس پر اصرار کرنے سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے، مسئلہ جو ملا علی قاری کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں وہ بھی خالص جھوٹ ہے کیونکہ جب تمام فقہاء اس کو ناجائز لکھتے ہیں، تو ملا علی قاری اس کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں چنانچہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تیسرے اور ساتویں روز کھانا پکانا اور اس کو قبر پر لے جانا، اور قرآن خوانی کے لئے جمعیت کرنا اور فقراء و صلحاء کو ختم قرآن کے لئے بلانا

(۱) اس سوال کی عبارت نہیں مل سکی، جواب سے سوال کی نوعیت ظاہر ہے ۱۲۔

برین منوال است چنانچہ امام نووی شافعی در شرح مہذب و قرطبی مالکی در تذکرہ خود امور مذکورہ را بدعت وکراہت نوشتہ اند و جناب شیخ عبد الحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوۃ شریف و شرح فارسی آن می نویسند کہ اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چنانکہ در کردن است در نا کردن است انتہی یعنی آنچہ کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در آن تابعداری باید نمود، و آنچہ نکردہ درین ہم تابعداری در نہ کردن آن چنانکہ بردانندگان مخفی نیست کہ بزمان برکت نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و مجتہدین مقرر کردن روز سیوم چنانکہ رسم درین زمانہ افتادہ ہرگز نبود، و در ہیچ کتب ائمہ اربعہ و محدثین متقدمین و متاخرین محققین این امر مذکور و مروی نہ شدہ، پس لابد در حیز بدعت وکراہت خواہد بود و درین ولا بسبب فقدان کتب وغیرہ اثنین شہر برین چند سطور مزبورہ اکتفا رفت ان شاء اللہ تعالیٰ از عتبہ درین باب اندوہ دہ وازدہ کتاب فقہ معتبرہ متداولہ عرباً و شرقاً نوشتہ بشرط فرصت خواہم فرستاد و برادران دینی را لازم است کہ ہرچہ از آن سرور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و مجتہدین ماثور و منقول و معمول بہ شدہ اند پیروی و اتباع نمایند، چہ محب را باید کہ اتباع محبوب خود و آنچہ کردہ خود آنچہ نکردہ کنند، و خلاف فعل وے نماید تا اتباع راست آید، واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

نعم التحقیق وجزا التوفیق والحق ان ہذا الشئ عجاب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

محمد عبد الرب | حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ | محمد اسد علی | اسلام آبادی

فتاویٰ نذیریہ جلد [illegible]

سب کو معلوم ہے کہ میت کے گھروالوں سے ضیافت کھانا بھی ناجائز ہے، کیونکہ ضیافت خوشی میں ہوتی ہے نہ کہ غم میں، یہ بدترین قسم کی بدعت ہے احناف میں سے مضمون علامہ عینی، شیخ عبد الوہاب متقی کی، شیخ عبد الحق دہلوی اور ملا علی قاری کی کتابوں میں صراحۃً پایا جاتا ہے علامہ حسام الدین سنامی نے اپنے رسالہ میں میت پر قرآن خوانی کے متعلق پچیس وجہیں اس کے باطل اور ناجائز ہونے کے متعلق لکھی ہیں، جامع الروایات، میں بھی یہی مضمون کو بڑے بسط سے بیان کیا ہے، امام نووی شافعی نے شرح مہذب میں اور قرطبی مالکی نے اپنے تذکرہ میں ان تمام امور کو بدعت سیئہ قرار دیا ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی جیسے اعمال کے بجا لانے میں ہے ویسے ہی منہیات سے اجتناب کرنے میں بھی ہے۔
علمائے کرام جانتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کا نام و نشان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کے زمانے میں نہیں تھا، لہذا یہ بدعت ثابت ہوئے، اور بدعت سے ہر مسلمان کو پرہیز کرنا چاہیے، یہ مختصر جواب ارسال ہے اس کے بعد ان شاء اللہ فقہ کی دس بارہ معتبر کتابوں کی عبارتیں نقل کرکے آپ کو مفصل جواب لکھوں گا، واللہ اعلم۔

سوال ۔ چہ می فرمایند علمائے محققین دین اندریں مسئلہ کہ عبادت شاقہ ونفس کشی در کثرت ثواب وقرب الٰہی افضل واَدُنے واوفق است یا اتباع واقتدائے محبوب رب العالمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم افضل والزم وموجب زیادت قرب الٰہی ست امید وارم کہ بدلائل کتاب وسنت بلا ردورعایت احدی ارشاد فرمایند کہ امت مرحومہ بران کار بند شود، وازا فراط وتفریط باز مانند۔

الجواب ۔ کثرت ثواب وقرب الٰہی در اتباع ومناہجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل خواہد بود، نہ در عبادت شاقہ ونفس کشی کہ خلاف طریقہ مرضیہ آن خیر البریہ صلی اللہ علیہ وسلم باشند، وسوالبت مدد مت بران دشوار تر شود، پس بر نوید جاوید لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ عمل باید کرد وتا دیل فاسدہ بتخیلات نفسانیہ وروان نشاید ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم رب العالمین واحکم الحاکمین بملت حنیفیہ سمحہ سہلہ مبعوث ومامور شدند باشرف احوال چنانکہ فرمان عالی شان فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا الآیۃ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ الآیۃ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وغیرھا من الآیات ، بران شواہد عادلہ مستند ؎

چون طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازین

در صحیح بخاری بابے است دربیان قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ فرمودا محبوب ترین دینہا بسوئے خدا تعالےٰ الحنیفیۃ طریقہ ایست کہ منسوب بسوئے حنیف است یعنے ملت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام وحنیف درلغت بمعنے میل کنندہ است از باطل بسوئے حق

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عبادت شاقہ اور نفس کشی ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہیں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ بہتر ہے۔ امید ہے کہ کتاب وسنت سے اس کا جواب عنایت فرمائیں گے،

جواب ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ثواب زیادہ ہے کہ عبادات شاقہ جو سنت کے خلاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابراہیم حنیف کی پیروی کرو [illegible] دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، الآیۃ ،، اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے ہیں ذکر تنگی ،، وغیرہ، بخاری شریف میں ہے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے پیارا دین حنیف ہے جو آسان ہے مطلب یہ ہے کہ دین کے تمام امور ہی خدا تعالےٰ کو پسند ہیں، لیکن سب سے زیادہ پیارا ۔

السمحۃ طریقہ ایست کہ آسان باشد انتہی ما فی ع البخاری۔

قولہ احب الدین ای خصال الدین لان خصال الدین کلھا محبوبۃ لکن ما کان منھا سمحا ای سہلا فھو احب الی اللہ ویدل علیہ ما رواہ احمد بسند صحیح من حدیث اعرابی لم یسمہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خیر دینکم ایسرہ الحدیث والحنیفیۃ ملۃ ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام والحنیف فی اللغۃ ما کان علی ملۃ ابراھیم وسمی ابراھیم حنیفا لمیلہ عن الباطل الی الحق لان اصل الحنف المیل والسمحۃ ای السھلۃ ای انھا مبنیۃ علی السھولۃ لقولہ تعالٰی وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ الی آخر ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری السمحۃ السھلۃ الا انھا مبنیۃ الحنیفیۃ لادیان بنی اسرائیل وما یتکلفہ احبارھم من الشدائد واحب بمعنی المحبوب لا بمعنی محب وھذا تعلیق اسندہ ابن ابی شیبۃ فیما قالہ الزرکشی والبخاری فی الادب المفرد واحمد بن حنبل فیما قالہ الحافظ ابن حجر وغیرہ وانما استعملہ المؤلف فی الترجمۃ لانہ لیس علی شرطہ ومقصودہ ان الدین یقع علی الاعمال لان الذی یتصف بالعسر والیسر انما ھو الاعمال دون التصدیق انتہی ما فی القسطلانی شرح صحیح البخاری۔

فی المجالس دین سہل تر کہ شائبہ حرج و تنگی درآں نباشد آں ملت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ است زیرا کہ حق تعالٰے در شان آں فرمود وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ واین دین محمدی بہ نسبت تمام ملل وادیان اسہل وارفق است، چنانچہ قول خدا وند کریم از عرض حال وقال بندگان فرمود رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا۔ خبرے دہد یعنی اے رب العالمین

آسان مسلک ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہترین دین وہ ہے جو آسان ہے، اللہ تعالٰی نے بندوں کو تعلیم فرمایا ہے، کہ خدا کے بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔

وارحم الراحمین اعمال شاقہ کہ در امتہائے سابقہ داشتہ بود از ین امت مرحومہ برطرف وموقوف فرمودہ واحکام سہلت الوجود مشروع نمود الاصر فی اللغۃ الثقل والشدۃ انتہی مافی التفسیر الکبیر وغیرہ

وعن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین یسر ہر آئینہ دین وآئین من آسان است آخرین قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ردو انکار نامے شود بر منکران آسان بودن دین محمدی را والتاکید بان رد علی منکریہ ھذا الدین فاما ان یکون المخاطب منکرا او تقدیرا تنزیلہ منزلۃ او علی تقدیر المنکرین من المخاطبین او لکون القصۃ مما یھتم بھا کذا فی القسطلانی شارح صحیح البخاری ولن یشاد الدین الا غلبہ ہرگز مغالبہ ومقابلہ کردہ نشود دین را مگر آن کہ غالب می شود دین آن مقابل را، ودر بعضے روایات آمدہ لن یشاد الدین احد الا غلبہ یعنے تعمق وتکلف نمی کند ہیچ کس در دین بارتکاب اعمال شاقہ وترک افعال سہلہ مگر آن کس عاجز شود ومغلوب گردد، ودین باوجود آنکہ یسر وآسان است بروغالب آید یعنی در آخر الامر مضطر بسوئے عمل برخصت وسہولت خواہد بود، و ترک افضل وقصور در ادائے فرائض وواجبات از وے بوقوع آید، و طلب الکل فوت الکل گردد،

ومقصود الشارع منع الافراط المؤدی الی الملال او المبالغۃ فی التطوع المفضی الی ترک الافضل او اخراج الفرض عن وقتہ کمن بات یصلی اللیل کلہ یغالب النوم الی ان غلبتہ عیناہ فی اٰخر اللیل فنام عن صلوۃ الصبح فی الجماعۃ او الی ان خرج الوقت المختار انتہی مافی الفتح الباری ؎

کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

فسددوا پس لازم گیرید صوابت را در قول وفعل و تجاوز نکنید از حد اعتدال بسوئے افراط و

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دین آسان ہے، اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے، حضور نے فرمایا، جو دین میں سختی اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا، یعنے وہ ریاضات شاقہ سے تھک کر بالآخر رخصت پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائے گا، اور اس صورت میں طلب الکل فوت الکل کا مصداق بن جائے گا، شریعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسی نفلی افراط سے بچنا چاہیئے، جو ترک افضل کرائے یا واجب وفرائض میں خلل ڈالے مثلاً کوئی ساری رات نفل پڑھے اور آخری وقت میں اس پر نیند غالب آجائے، اور صبح کی نماز ضائع ہو جائے، پس تم،

تفریط وقار بوا ونزدیک باشید در طریق ریاضت وعبادت بسہولت کہ بر آں مواظبت می توانید کرد و دور
مقاربت میانہ روی قرب الٰہی بجوئید وَأَبْشِرُوا ومژدہ دہید بثواب جزیل بر عمل دائم اگرچہ قلیل
باشد یا خوش باشید بدان وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وطلب یاری کنید بر دوام عبادت وقیام ریاضت
بہ پگاہ یعنے اول وقت وَالرَّوْحَةِ بآخر وقت بعد زوال وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ وبچیزے از سیر آخر شب، پس
گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایں کلام برکت ایام درین مقام تشبیہ داد عامل را بہ مسافر بر سبیل استعارہ
ومخاطب کرد مسافرے کہ بسوئے یک مقصد سفر نمودہ باشد پس وے را بر اوقات نشاط متنبہ ساخت
زیرا کہ مسافر وقتے کہ تمام شب وروز سیر کند البتہ عاجز می شود وبمقصد خود نمی رسد، وہرگاہ کہ درین اوقات
نشاط سیر کند بلا ریب اندادا ومت بر مسافرت آسان شود، وبمقصد خود واصل گردد، واین استعارہ
باحسن وجہ واقع گردید، زیرا کہ دنیا دار نقل است بسوئے دار آخرت وفی روایۃ ابن ابی ذئب
القصد القصد بالنصب فیہما علی الاغراء القصد الاخذ بالامر الاوسط
ما فی فتح الباری مختصرا ومصنف این حدیث را ازان جہت آوردہ کہ این حدیث مناسب از برائے
احادیث سابقہ است چہ آن احادیث متضمن ترغیب اند در قیام وصیام ودر جہاد وغیرہ پس ارادہ
کرد کہ بیان نماید کہ اولٰے وافضل برائے عامل شریعت آن است کہ درین اعمال حد اعتدال وتوسط بجز
افراط وتفریط اختیار کند، تا دوام بر آن اعمال میسر گردد، واز جہت ملال وکسل ترک آن اعمال بالکل حاصل نیاید
ہذہ خلاصۃ ما فی فتح الباری وغیرہ رواہ البخاری، روایت کرد این حدیث را امام بخاری در صحیح خود،
ونیز در باب دیگرے گوید باب احب الدین الی اللہ ادومہ باب است در بیان آنکہ محبوب
ترین دین وآئین بسوئے خدا ہمیشہ ترین آن دین است ومراد مولف ازین باب استدلال است

افراط تفریط سے بچو، اور ریاضت شاقہ سے بچتے ہوئے سہولت اختیار کرو، کہ اس پر تم مواظبت اختیار کر سکو گے اور لوگوں کو طاعت
پر اجر جزیل کی بشارت سناؤ اور کچھ سفر پہلے پہر کر لیا کرو اور کچھ پچھلے پہر اور کچھ رات کی تاریکی میں۔"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل کو مسافر سے تشبیہ دی، کہ اگر کوئی مسافر دن رات چلتا رہے گا، تو آخر تھک جائے گا، اور اگر کوئی
مسافر کچھ دیر آرام کرے، اور کچھ سفر کرے، تو وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا، اور حضور کی یہ تشبیہ بہت صحیح ہے، کیونکہ دنیا سے آخرت کو چلنا
بھی ایک سفر ہے بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے قیام اور صلوٰۃ وغیرہ کے فضائل کی حدیثیں بیان ہوئی تھیں ان کے بعد
امام بخاری یہ حدیث کو لاتے ہیں، کہ اعمال بجا لانے میں میانہ روی اختیار کرنا چاہیے، بخاری شریف کی دوسری حدیث یہ ہے کہ ما اللہ
کو پیارا دین وہ ہے، جس پر عامل ہمیشہ عمل کر سکے،" اس کا مطلب یہ ہے، کہ انسان ہمیشگی اسی عمل پر کر سکتا ہے جو آسان ہو اور اس حدیث

بر آنکہ اطلاق ایمان بر اعمال می شود، زیراکہ مراد از دین عمل است، ودین حنیفی محمد یا سلام است واسلام مرادف ایمان است، پس مقصود بایں قدر صحیح باشد، وقبل ازیں ذکر حسن اسلام باعمال صالح است، پس درین باب تنبیہ کرد کہ مجاہدہ نفس تا بحد مغالبہ مطلوب نیست شرعاً و بعضے ازیں معنے در باب الدین یسر گذشت وایں خلاصہ فتح الباری است وادومہ افعل التفضیل من الدوام والمراد منہا الدوام العرفی وھو قابل للکثرۃ والقلۃ انتہی ما فی القسطلانی شرح البخاری یعنی دوام قابل از برائے تفضیل نیست زیراکہ آں عبارت از شمول ازمنہ واوقات است پس معنے لفظ ادوم چیست جواب داد شارح کہ مراد از دوام عرفی است نہ حقیقی وآں قابل است از برائے کثرت وقلت۔

عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا۔ گفت حضرت عائشہؓ بدرستیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درآمد بروے وعندھا امرأۃ ونزد وے زنے بود ونام آں زن حولاء بنت تویت بود تائے مثناۃ فوقانیہ بصیغہ مصغر پسر حبیب پسر اسد پسر عبد العزیٰ از گروہ وقوم ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بود فقال پس گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ کیست ایں قالت گفت حضرت عائشہؓ فلانۃ کہ ایں زن فلاں زن است، کنایہ کرد از حولاء اسدیہ وعبد الرزاق در روایت معمر از ہشام زیادہ کردہ است حسنۃ الہیئۃ را تذکرہ او کرد کرد حضرت عائشہؓ وایں بر تقدیر صیغہ مؤنث معروف است ودر بعضے روایات یذکر بصیغہ مذکر مجہول آمدہ وبریں تقدیر لفظ من صلوتہا مفعول مالم یسم فاعلہ وے خواہد بود ودر بعضے روایات آمدہ لا تنام باللیل ودر بعضے روایات آمدہ وزعموا انہا لا تنام باللیل واخرجہ الحسن بن سفیان فی مسندہ من طریقہ ولفظہ کانت عندی امرأۃ فلما قامت قال لہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اعمال کو دین کہا گیا ہے، کیونکہ تنگی یا آسانی تو اعمال میں ہی ہو سکتی ہے، نہ کہ تصدیق میں، ادوام سے مراد حقیقی نہیں ہے کہ ہر وقت عمل ہوتا ہے، بلکہ اس سے مراد دوام عرفی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اور حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، آپ نے پوچھا یہ کون عورت ہے حضرت عائشہ نے جواب دیا، فلاں عورت ہے (یعنی حولاء اسدیہ) ہو رات کو کبھی نہیں سوتی، یہ مدینہ میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والی عورت ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اس بات کو چھوڑو، تم پر اتنا ضروری ہے جس کی تم طاقت رکھو، جب تم اکتا جاتے ہو، تو خدا تعالیٰ بھی اکتا جاتے ہیں اللہ کو سب سے پیارا دین وہ ہے جو آسان ہو (۱۲)

من هذه یا عائشة قال یا رسول الله هذه فلانة وهی اعبد اهل المدینة فذکر الحدیث هذا ملخص ما فی فتح الباری وارشاد الساری قال

فرمود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہ باز ایست و باز مان اے عائشہ و خود را نگہدار ازیں سخن و مہ کلمہ ایست کہ گفتہ می شود برائے زجر و انکار و بعد از آن احتمال دارد کہ این زجر و انکار از برائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باشد و مقصود ازیں کلام نہی و منع آن باشد از آنچہ ذکر کرد از مدح آن زن بکثرت ریاضت و عبادت تمام شب، و احتمال دارد کہ مراد نہی از آن فعل باشد چنانچہ جماعتے از ائمہ دین ہمین احتمال بر سبیل یقین اخذ نمودند و گفتہ اند کہ نماز تمام شب خواندن مکروہ است، چنانچہ دیگر جا بخاری ذکر این خواہد کرد۔ وهذا

الزجر یحتمل ان یکون لعائشة والمراد نهیها عن مدح المرأة بما ذکرت ویحتمل ان یکون المراد النهی عن ذلك الفعل وقد اخذ بذلك جماعة من الائمة فقالوا یکره صلوٰة جمیع اللیل کما سیاتی فی مکانه انتهی ما فی فتح الباری۔ علیکم بما

تطیقون لازم گیرید شما آن چیز کہ طاقت دارید بر مواظبت بر آن و علیکم اسم فعل است بمعنی الزموا و خطاب درین کلام ہمراہ نسا بود لیکن حکم را تعمیم نمود و از جہت شرافت تغلیب داد ذکور را بر اناث و این کلام باعتبار منطوق تقاضا می کند از برائے امر باقتصاد و توسیط کہ مغایر از افراط و تفریط است تا بر آن مواظبت یافتہ شود، قاضی عیاض گفتہ کہ این نہی احتمال دارد کہ بنماز تمام شب باشد و احتمال دارد کہ عام برائے جمیع اعمال شرعیہ باشد۔ قال القاضی عیاض یحتمل ان یکون هذا خاصا بصلوٰة اللیل ویحتمل ان یکون عاما فی الاعمال الشرعیة، قلت سبب ورود که خاص بالصلوٰة لکن اللفظ عام وهو المعتبر وقد عبر بقول علیکم مع ان المخاطب النساء طلبا لتعمیم الحکم فغلب الذکور علی الاناث انتهی ما فی فتح الباری فوالله

پس سوگند است مرا بخدائے تعالیٰ و درین کلام دلالت است کہ سوگند خوردن بغیر طلب روا است بلکہ مستحب است برائے تفہیم و تعظیم امرے از امور دین باشد یا تیز کردن بر آن امر باشد یا برائے تنفیر از محذور باشد، چنانکہ این مسئلہ بمقام خود مصرح است، و بر اہل بلاغت مخفی نیست لا یمل الله حتی تملوا کہ ملال نمی کند خدا تعالیٰ تا آنکہ ملال کنید شما، و مراد از ملال خدا تعالیٰ ترک ثواب

اس حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ تمام رات نماز پڑھنا مکروہ ہے امام نووی

دادن بر عمل است، و مراد از ملال مخاطبین ترک عمل است، و این مجاز از قبیل اسم سبب بر مسبب است
زیرا کہ ملال از شئے سبب ترک آن شئے می شود و توجیہ درین بسیار است، و در شرح فتح بخاری و مسلم
باید دید و کان احب الدین الیہ ہست محبوب ترین دین بسوئے ما دام علیہ صاحبہ یعنی آن چیزیکہ
مداومت و مواظبت نماید بر آن چیز صاحب آن دین و مراد از دین درین جا عمل است چنانکہ سابق
گذشت، و مراد از مداومت مواظبت عرفی است، از جہت آنکہ مداومت حقیقی کہ عبارت از
شمول جمیع از منہ و اوقات است از بشر محال و ممتنع است و زاد المصنف و مسلم من
طریق ابی سلمۃ عن عائشۃ رض ان احب الاعمال الی اللہ ما دوم علیہ وان قل
کذا فی فتح الباری۔

و امام نووی گفتہ کہ اندک از طاعت و قربت بسبب دوام و مواظبت بر کثیر منقطع اضعاف
مضاعف زیادہ می شود، و درین اشارہ است بسوئے قول حق سبحانہ کہ فرمود وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا
كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا الآیۃ و ازین جا است
کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص چون از عمل ضعیف می شد، پشیمان می شد بر تکرار و مراجعتے کہ ہمراہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در باب تخفیف کردہ بود و گفت لیتنی قبلت رخصۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم، و ہرگز قطع نمی شد عملے کہ التزام کردہ بود آن عمل چنانچہ این قصہ در صحیح بخاری
و مسلم وغیرہما بوجہ بسط مذکور است و نیز ظاہر است کہ مداومت و مواظبت بر امر شاق دگران
دشوار است، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از راہ شفقت و رافت امت خود را خصوصاً صحابہ کرام را بر
عمل سہل کہ بر آن مواظبت ممکن باشد بتاکید ارشاد و ہدایت نمود کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالشریعۃ
الغراء۔ قال النووی بدوام القلیل تستمر الطاعۃ بالذکر والمراقبۃ والاخلاص والاقبال
علی اللہ بخلاف الکثیر الشاق حتی ینمو القلیل الدائم بحیث یزید علی

نے کہا ہے کہ تھوڑے عمل کا اجر بسا اوقات ہمیشگی کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے اور زیادہ عمل کا اجر بسبب منقطع ہو جانے عمل کے
گھٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور رہبانیت کو انہوں نے از خود بنایا تھا ہم
نے ان پر اس کو فرض نہیں کیا تھا بالآخر وہ اس کو نباہ نہ سکے الآیہ یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ عمرو بن العاص جب عمل سے تھک جاتے
تو اس تکرار پر بڑے پشیمان ہوتے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تخفیف عبادت کے متعلق کی تھی، اور
کہتے تھے کاش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا، اور اپنے مقرر کردہ عمل میں کبھی کوتاہی نہ کرتا

الکثیر المنقطع اضعافا کثیرۃ انتہی مافی فتح الباری ۔ وفوائد دریں حدیث بسیار است چنانکہ بردانشمند شرع پوشیدہ نیست ،

وعن عائشۃ رض قالت گفت عائشہ رض کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اذا امرھم من الاعمال امرھم بما یطیقون ، وقتیکہ امر می فرمود اصحاب کرام را امری فرمود از جملہ اعمال وافعال بآن چیزے کہ طاقت می داشتند آن چیز را حاصل آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچیزے کہ در تتبع وطاقت مداومت ومواظبت باشد لیکن مداومت وموافقت بروے بحسب عادت محال ودشوار باشد تکلیف نمی فرمود، بلکہ تکلیف بآن چیزے می فرمود کہ مواظبت ومداومت بروے آسان وسہل تر باشد زیراکہ فرمود احب الاعمال الی اللہ ادومہ ، قالوا گفتند اصحاب کرام برائے آن خیر الانام انا لسنا کھیئتک بدرستیکہ مایان نیستیم مثل صورت مبارک تو یا رسول اللہ یعنی حال مایان مثل حال شما نیست زیراکہ ان اللہ قد غفرلک ہر آئینہ خدا تعالے بخشیدہ است ترا فیغضب پس قہر وخشم کرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از قول صحابہ کرام حتی یعرف فی وجہہ الغضب تا آنکہ شناختہ می شد در روئے مبارک آثار قہر وخشم ثم یقول انا اتقاکم پس می فرمود من پرہیز گار تر شما ام ودریں قول اشارہ است بسوئے کمال قوت عملیہ واعلمکم باللہ انا ودانا ترین شما بخدائے تعالے منم ودریں قول اشارہ است بسوئے کمال قوت علمیہ، خلاصہ این کہ من زیادہ تر در تقوے وپرہیز گاری وعلم ودانش از شما ام ہر چہ امر کنم بر آن اقدام کنید، واز رائے وعقل خود دران چون وچرا نہ کنید واز وہم وخیال بر عبادت شاقہ ارادہ نمائید وفرمودہ مرا موجب قرب آلہی دانید، ازینجا است کہ امام بخاری در کراہت عبادت شاقہ بابے جداگانہ نوشتہ باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ عن انس بن مالک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کو کوئی حکم دیتے تو ایسا ہی حکم دیتے جو لوگوں کی طاقت کے مطابق ہوتا، اور فرماتے کہ اللہ تعالے کو پیارا عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم آپ جیسے تو نہیں ہیں، اللہ تعالے نے آپ کے گناہ تو معاف کر دیئے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے یہاں تک کہ آپ کے چہرے پر غضب کے آثار نظر آنے لگے، پھر آپ نے فرمایا میں تم سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں، تم سب سے زیادہ اللہ تعالے کو جانتا ہوں مطلب یہ کہ خداوند تعالے کا قرب حاصل کرنے کے لئے میری ہدایات کو ملحوظ رکھو، اپنے اوپر آسان اعمال رکھو اور اپنے قیاس سے عبادات شاقہ اختیار نہ کرو۔

قال دخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا حبل ممدود بین الساریتین فقال ماھذا الحبل قالوا ھذا حبل لزینب فاذا فترت تعلقت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاحلوہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد۔ وعن عائشۃ قالت عندی امرأۃ من بنی اسد فدخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال من ھذہ قلت فلانۃ ماتنام باللیل فذکرت من صلاتہا فقال مہ علیکم بما تطیقون من الاعمال فان اللہ لا یمل حتی تملوا رواہ البخاری فی الجزء الخامس۔

خلاصہ ترجمہ روایت انس بن مالک این است کہ حضرت زینب کہ یکے از ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند رسن دراز کردہ میان دو ستون بستہ بودند و بروقت کسل و سستی در قیام نماز بر آں رسن می آویختند کہ سستی و غلبہ خواب رفع شود و دور گردد، پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آں را دیدہ فرمودند کہ ایں رسن تنبیدہ درمیان دو ستون بستہ چیست گفتند دیگر مردمان کہ ایں رسن بستہ حضرت زینب است کہ ہرگاہ کہ در قیام نماز فتور و سستی واقع می شود، ایشاں آں رسن را گرفتہ می آویزند کہ ایں سستی و غلبہ خواب دفع شود پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند کہ بکشایید ایں رسن را و دور کنید و ایں نشاید باید کہ تا وقت نشاط نماز خوانند و بروقت فتور و غلبہ خواب نشینند یا بخسپند بعد استراحت از خواب یا از نشست برخواستہ باز نماز خوانند و لفظ لا محتمل است کہ بمعنی نفی باشد ای لا یکون ھذا الحبل فکلمۃ محتمل کہ لائے نہی باشد ای لا تفعلوہ چنانچہ از عینی و دیگر شروح بخاری مستفاد می

چھ: جیسے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق ایک الگ باب باندھا ہے کہ عبادت میں سختی مکروہ ہے اور حدیث بیان کی ہے، انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہے آپ نے فرمایا، یہ رسی کیسی ہے لوگوں نے کہا، یہ زینب کی رسی ہے جب وہ قیام کرتے کرتے تھک جاتی ہے تو اپنے آپ کو باندھ لیتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کھول دو۔ اپنی خوشی تک نماز پڑھنی چاہیے جب تھک جائے تو بیٹھ جائے اور حضرت عائشہ رض نے کہا، کہ میرے پاس بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر داخل ہوئے، آپ نے پوچھا یہ عورت کون ہے میں نے کہا یہ فلاں عورت ہے یہ رات کو کبھی نہیں سوتی، پھر اس کی نماز کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا، اے عائشہ اس بات کو چھوڑ دے، اتنا ہی عمل کیا کرو، جتنی تمہیں طاقت ہو۔ اس وقت تک خدا تعالیٰ بھی نہیں اکتاتے، جب تک کہ تم نہ اکتا جاؤ۔

شود پس ازین حدیث واضح شد کہ عبادت شاقہ مکروہ و خلاف طبع و منع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است زیرا کہ مداومت بر آن دشوار باشد۔

ومنجملہ فوائد این حدیث یکے آن است کہ نفس امارہ را مانع شود از تجاوز حدود و کہ شارع مقرر فرمود از عزیمت و رخصت و اعتقاد کند کہ عمل کردن باسہل وارفق کہ موافق شرع شریف باسداد و ے ، وارفق و افضل است از احتیار اشد کہ مخالف آن باشد چنانچہ خدا تعالے مے فرماید کہ مَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا الآیۃ بہر حال اتباع قول و فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم لازم است نہ بر خواہش نفسانی عمل باید کرد ، امام بخاری و مسلم در باب اعتصام بالکتاب والسنۃ حدیثے آوردہ از انس بن مالک صحابی عن انس قال جاء ثلاثۃ رھط الی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسألون عن عبادۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم گفت حضرت انس رض کہ آمدند سہ تن از صحابہ بسوئے زنان پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم در حالے کہ می پرسیدند از ایشان از عبادت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فلما اخبروا بھا پس چون خبر دادہ شدند بعبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و بیان کردند ازواج مطہرات کہ عبادت ایشان این قدر بود کانھم تقالوھا گویا کہ این سہ تن صحابی کم پنداشتند آن عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فقالوا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد غفر اللہ لہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر پس گفتند کجا ایم ما از مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ما را بجناب فیض مآب وے چہ نسبت اگر عبادت کم کند بود ای رسند ، و حالانکہ ہر آئینہ آمرزیدہ است خدا تعالے مر او را آنچہ پیش گذشتہ است از گناہان و آنچہ پس آمدہ او را فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابدا پس گفت یکے از ان سہ تن صحابی اما من پس عہد کردم کہ نماز بگذارم در شب ہمیشہ یعنی تمام عمر را تمام شب وقال الاٰخر انا اصوم النہار ابدا ، و گفت دیگرے من روزہ می دارم ہمیشہ

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عبادت شاقہ مکروہ و خلاف طبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، کیونکہ ان پر مداومت دشوار ہے ، امام بخاری و مسلم در باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ، میں حضرت انس رض سے حدیث لائے ہیں ، کہ تین آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس آئے ، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہوں نے آپ کی عبادت کے متعلق خبر دی ، تو انہوں نے اس عبادت کو کم محسوس کیا کہنے لگے ہماری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری کیسے ہو سکتی ہے اللہ تعالٰے نے آپ کے سارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا ، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی

ولا افطر و نمی کشایم روزہ را وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا او گفت دیگرے من گوشہ بگیرم از زنان پس نکاح نمی کنم ہمیشہ فجاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیہم فقال انتم الذین قلتم کذا وکذا پس آمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسوئے ایشان پس گفت شمائید کہ چنیں گفتید چناں وچنیں اما واللہ انی لاخشاکم للہ، آگاہ باشید بخدا سوگند کہ بدرستیکہ من ہر آئینہ ترسکار ترین شمائم مر خدائے را واتقاکم لہ و پرہیزگار ترین شمائم خدائے را ولکنی اصوم وا فطر لیکن من روزہ میدارم و مے کشایم نیز روزہ را یعنے گاہے میدارم وگاہے نمیدارم ولفظ لکن استدراک است از محذوف کہ سیاق کلام برآن دلالت می کند، تقریر کلام انچنین است انا وانتم بالنسبۃ الی العبدیۃ سواء و لکنی الخ کذا فی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری واصلی وارقد نماز می خوانم وخواب نیز می کنم واتزوج النساء ونکاح می کنم زنان را وجماع می کنم با ایشان فمن رغب عن سنتی فلیس منی پس کسے کہ اعراض کند از سنت وطریقہ مرضیہ وپسندیدہ من پس نیست آن کس از تابعان من روایت کرد این حدیث را بخاری ومسلم وغیرہما۔

وازین جہت شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ وملا علی قاری گفتند کہ بالجملۃ فالافضلیۃ فی الاتباع لا فیما تخیل النفس انہ افضل نظرا الی ظاہر عبادۃ او توجہ ولم یکن اللہ عزوجل یرضی لاشرف انبیائہ الا باشرف الاحوال انتہی ما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ للملا علی القاری الحنفی مختصرا [۲] پس آنچہ خلاف طبع ووضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد مردود است چنانکہ فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ ازاں مجرد مظہر است

افطار نہ کروں گا، اور تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس طرح کہا ہے خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، اور رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں [illegible] بھی ہوں، اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں، جو شخص میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

[۲] یہی وجہ ہے کہ شیخ ابن الہمام صاحب فتح القدیر محشی ہدایہ اور ملا علی قاری نے کہا ہے، فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے نہ اپنے خیال کے مطابق عبادات شاذ میں جو بظاہر افضل معلوم ہوتی ہیں [illegible] سے افضل نبی کے لئے سب سے اشرف اعمال پسند فرمائے ہیں پس جو [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے

ودر تفسیر معالم التنزیل و تفسیر نیشاپوری مذکور است، کہ روزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پندو وعظ فرمود، واز آفات واحوال قیامت ترسانید و بکا و خوف قیامت اہل مجلس وعظ را بسیار شدہ پس دہ نفر از صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر صدیق و علی مرتضٰے و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمرو وابوذر غفاری و سالم مولے ابی حذیفہ و مقداد بن اسود و سلمان فارسی و معقل بن مقرن وغیرہم در خانہ عثمان بن مظعون کہ برادر رضاعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بودند، جمع شدند، باخودہا مشورہ کردند کہ رہبانیت اختیار کنیم، کہ قطع ذکر کنیم و ہموارہ روزہ داریم و تمام شب نماز خوانیم و خواب نکنیم و مستلذات از قسم گوشت و روغن بخوریم و از نکاح و جماع پرہیز نمائیم و سیاحی اختیار کنیم، پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را خبر شد از احوال ایشان پس فرمود مر ایشان را کہ خبر تداوہ شدہ ام کہ برچنان وچنین اتفاق کردید و عزم نمودید بگفتند آن صحابہ کرام مذکورین آرے چنین عزم کردہ ایم و ازین ارادہ نہ کردہ ایم مگر خیر و حسنات را پس فرمود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ من بان چیزہا کہ شما ارادہ کردید مامور نہ شدہ ام بہرحال نفوس خود را نگاہ دارید، چہ حقوق نفس خود را نیز بشناسید، روزہ دارید وافطار کنید، و نماز خوانید وہم خواب کنید، و لحم و دیگر چیزہائے لذیذ بخورید من رغب عن سنتی فلیس منی ہر کہ اعراض کند از طریقہ مرضیہ من پس نیست آن کس از تابعان من پس جمیع مردمان را جمع نمود و فرمود کہ شیوہ رہبانیت و قسیسین در دین من نیست، پس این آیات نازل شدند. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰہ

خلاف ہے وہ مردود ہے۔ تفسیر نیشاپوری اور معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وعظ فرمایا، قیامت کا حال بیان کیا، لوگوں کی طبیعت نرم ہوئی، اور رونے لگے، تو دس صحابہ کرام حضرت عثمان بن مظعون جی کے گھر جمع ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، اور آپس میں مشورہ کیا کہ ان باتوں پر اتفاق کریں کہ ہم راہب بن جائیں گے، موٹے کپڑے پہنیں گے اپنے آپ کو خصی کر دیں گے، ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، رات کو قیام کیا کریں گے سوئیں گے نہیں روغن اور گوشت نہیں کھائیں، عورتوں کے قریب نہ جائیں گے خوشبو نہ لگائیں گے، زمین میں سیاحت کریں گے جب اس بات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ عثمان بن مظعون کے گھر تشریف لے گئے، وہ تو نہ ملے آپ نے اس کی عورت سے پوچھا کیا جو بات تیرے خاوند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق مجھے پہنچی ہے وہ صحیح ہے اس نے اپنے خاوند کا راز بتانا بھی مناسب نہ سمجھا، اور آپ سے غلط بیانی بھی نہ کرنا چاہتی تھی کہنے لگی یارسول اللہ اگر آپ کو عثمان نے بتایا ہے تو پھر صحیح ہی ہوگا، آپ واپس تشریف لے آئے۔ پھر جب وہ صحابہ آپ سے ملے، تو آپ نے فرمایا مجھے تم سے اس طرح کی بات پہنچی ہے، کیا یہ صحیح ہے کہنے لگے ہاں اے اللہ کے رسول ہمارا ارادہ تو بھلائی کا تھا آپ نے فرمایا مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے تمہاری جانوں کا بھی تم پر حق ہے، روزے بھی رکھا کرو، اور افطار بھی کیا کرو، سویا بھی کرو، اور نماز بھی پڑھا کرو، میں قیام بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت اور روغن بھی کھاتا ہوں، عورتوں سے

لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ الی آخر الآیۃ چنانچہ عبارت بتا مہا نوشتہ می شود از ان مفصل حال واضح خواہد بود۔

قال اهل التفسير ذكر النبي صلى الله عليه وسلم الناس يوما ووصف القيامة فرق لها الناس وبكوا فاجتمع عشرة من اصحابه في بيت عثمان بن مظعون الجمحي وهم ابو بكر الصديق وعلي بن ابي طالب وعبد الله بن مسعود وعبد الله بن عمر وابو ذر الغفاري وسالم مولى ابي حذيفة والمقداد بن الاسود وسلمان الفارسي ومعقل بن مقرن رضي الله عنهم وتشاوروا واتفقوا على ان يترهبوا ويلبس المسوح ويجبوا مذاكيرهم ويصوموا الدهر ويقوموا الليل فلا يناموا على الفراش ولا ياكلوا اللحم والودك ولا يقربوا النساء والطيب ويسيحوا في الارض فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فاتى دار عثمان بن مظعون فلم يصادفه فقال لامرأته احق ما بلغني عن زوجك واصحابه فكرهت ان تكذب رسول الله صلى الله عليه وسلم وكرهت ان تبدي على زوجها فقالت يارسول الله ان كان اخبرك عثمان فقد صدقتك فانصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلقي اصحابه فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم الم انبأ انكم اتفقتم على كذا وكذا قالوا بلى يارسول الله وما اردنا الا الخير فقال صلى الله عليه وسلم اني لم اومر بذلك وقال ان لانفسكم حقا عليكم فصوموا وافطروا وناموا وقوموا فاني انا اقوم وانام واصوم وافطر واكل اللحم والدسم واتي النساء ومن رغب عن سنتي فليس مني ثم جمع الناس وخطبهم فقال ما بال اقوام حرموا النساء والطعام والطيب والنوم وشهوات النساء اما اني لست آمركم ان تكونوا قسيسين ورهبانا فانه ليس في ديني فانما هلك من كان قبلكم

تعلقات بھی رکھتا ہوں جو میری سنت کو حقیر سمجھے وہ میری امت سے نہیں ہے پھر آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے عورت، کھانے، خوشبو، نیند اور خواہشات کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے میں تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا کہ، تم راہب بن جاؤ، یہ میرا دین نہیں ہے پہلے لوگ بھی اپنے اوپر سختی کر کے

الذین یشددوا علی انفسہم فشدد اللہ علیہم فاولئک بقایاہم فی الدیار والصوامع فانزل عزوجل ھذہ الآیۃ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ انتہی ما فی معالم التنزیل مختصرا ومثل ھذا فی التفسیر النیشاپوری۔

وآنانکہ بصیرت شان بکحل شریعت مکحل شدہ می دانند کہ وقوف واطلاع کماحقہ بر حقائق ومصالح شریعت خاصہ نبی است، کہ مورد وحی است نہ ولی، اگرچہ ولی بہ تقوی وطہارت وولایت کامل باشد زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رائے ومصلحت صحابہ کرام کہ افضل واکمل ایشان ابوبکر صدیق وعلی مرتضی بودند ناپسند نمودہ انکار فرمود، حال آنکہ صحابہ کرام مذکورین سراسر نیت خیرات وحسنات وقرب الٰہی داشتہ عزم بر اعمال شاقہ وترک چیزہائے لذیذہ مرغوب کردہ بودند لیکن رائے ومصلحت ایشان پسند خاطر عاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ شد، وائے برحال دیگران کہ از صحابہ کرام فروتر باشند در عبادت شاقہ ایشان وترک لذائذ چگونہ پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باشد کما لا یخفی علی المتامل الماہر بالشریعۃ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ در ارشاد الطالبین کتاب تصوف خود مے فرمایند کہ خواجہ عالی شان بہاؤ الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ وامثال شان حکم کردند کہ ہر عبادت کہ موافق سنت است آن عبادت مفید تر است، برائے ازالہ رذائل نفس وتصفیہ عناصر وحصول قرب الٰہی لہذا از بدعت حسنہ مثل از بدعت قبیحہ اجتناب می کنند کہ رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ پس نتیجہ این حدیث آن است کہ کل محدث ضلالۃ وبدیہی است کہ لا شیٔ من

ہلاک ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی بعد اب گرجوں میں یہ انہی کا بقایا ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اے ایماندارو! اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت ٹھہراؤ۔ اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتے،

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ شریعت کے مصالح وحقائق پر نگاہ رکھنا صرف نبی کا کام ہے نہ کہ ولی کا خواہ وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کی رائے بھی پسند نہ آئی تو دوسرا کوئی ان سے بہتر کون ہوگا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں فرمایا ہے کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند اور ان جیسے بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے، کہ جو عبادت سنت کے موافق ہے، وہ عبادت تزکیہ نفس کے لئے مفید

الضلالۃ بعد ایۃ فلاشئی من الحدث بعد ایۃ ونیز در حدیث آمدہ ان القول لایقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لایقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لایقبل ما لم یوافق السنۃ وچوں اعمال غیر مطابق سنت مقبول نباشد ثواب بر آں مرتب نشود واگر مشقت را در حصول ورفع رذائل مدخلت بودے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازاں منع نفرمودے یعنی محض مقبول نیست بدون عمل کردن وہر دو مقبول نیستند بدون نیت وہر سہ مقبول نیستند تا آنکہ موافق سنت نباشند ، ابوداؤد از انس رضی اللہ عنہ روایت کردہ لاتشددوا علی انفسکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع اگر کسے گوید کہ بسا ریاضت شاقہ کشف کونیہ وخرق عادات وتصرف در عالم کون وفساد از ریاضت دست می دہد ، لہذا حکمائے اشراقیین وجوگیان ہندیاں متصف می شوند واین کمالات از نظر اعتبار اہل اللہ ساقط است بجوے نمی خرند چہ رذائل نفس وقتل شیطان وساوس بے نور سنت ممکن نیست ؎

عمال ست سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز بر پے مصطفا ۔

انتہی ما فی ارشاد الطالبین مختصراً للشیخ القاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ ، واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ ۔ (سید محمد نذیر حسین)

ترجمہ : لہٰذا بدعت حسنہ سے بھی اسی طرح گریز کرنا چاہیئے ، جیسے کہ بدعت سیئہ سے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بدعت گمراہی ہے اور نیز فرمایا ہے کہ گمراہی ہدایت نہیں ہو سکتی ، پھر حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ کوئی قول اس وقت تک قبول نہیں ہو سکتا ، جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور پھر قول و عمل دونوں نیت کے بغیر قبول نہیں ہوتے اور پھر قول و عمل و نیت تینوں اس وقت تک قبول نہیں ہوتے جب تک کہ سنت کے مطابق نہ ہوں ، اور جب اعمال سنت کے مطابق نہ ہوں گے تو ان کا ثواب کیا ملے گا ! اور اگر عبادات شاقہ کو تزکیہ نفس میں کوئی دخل ہوتا ، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس سے منع نہ فرماتے ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اپنی جانوں پر سختی نہ کرو ، ایک قوم نے اپنی جانوں پر سختی کی تھی سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی ، یہ لوگ گرجوں میں انہیں لوگوں کا بقایا ہے ۔ اگر کوئی سوال کرے ، کہ عبادات شاقہ و ریاضات بدنیہ سے ہم ترقی محسوس کرتے ہیں ، مکاشفات اور ترقی باطن نصیب ہوتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ، تو ہم کہتے ہیں واقعی ریاضات سے یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں لہٰذا حکمائے اشراقیین اور ہندو جوگی ان صفات سے متصف ہیں ، یہ کمالات اہل اللہ کی نظر سے ساقط ہیں ان کے نزدیک ان کی قیمت ایک جو بھی نہیں ہے کیونکہ نور سنت کے بغیر رذائل نفس اور وساوس شیطانی کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے واللہ اعلم ۔

پیغمبر خدا علیہ السلام کا صاف صریح صحیح حکم ہوتا ہے اور جس میں اس کے الٹ اور مخالف ایک غیر نبی امتی کا اپنا خیال و قیاس ہوتا ہے مگر ایک کوش فہم و زخواہ نخواہ کا مجبور اور بے بس مقلد ارشاد نبوت چھوڑ کر ایک فرد امت کے حکم کو واجب التسلیم سمجھتا ہے، ایک شاہ ولی اللہؒ کیا کئی بزرگ اور معتمد امام اس قسم کی تقلید کے انشراح قلب سے مخالف ہیں مثلاً۔

سوال:۔ کیا حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ مقلد تھے؟ (غلام رسول ڈسکہ)۔

جواب:۔ آپ کا مقلد ہونا کسی معتبر بیان سے ثابت نہیں ہے آپ علم میں جامع معقول منقول تھے حدیث و فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اٹھو انگریزوں نے ترکی ترکی کتابیں لکھی ہیں جن میں محمد بن عبدالوہاب کو نجد میں شاہ اسماعیل اور سید احمد خاں صاحب کو ہندوستان میں وہابی مذہب کا موجد اور ناشر قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔ یہ لوگ ہمارے مذہب پروٹسٹنٹ کے ہم پلہ ہیں یہ لوگ اپنا ایمان قرآن و حدیث پر رکھتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں احادیث نبویہ کے مطابق کرتے ہیں اس لحاظ سے اپنے کو اہل حدیث لقب سے ملقب کرتے ہیں، اور جہاں تک ان سے ہو سکتا ہے حدیث کی درس و تدریس میں اپنے ذہن اور قوت سے مدد دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ (وہابی کا لفظ صرف بدنام کرنے کے لئے انگریز کا تراشیدہ کردہ اور مشہور نمودہ لفظ ہے جسے انگریز کی تقلید میں خوب رٹا جا رہا ہے اور بے پرکی اڑا کر عقل کا دیوالیہ نکالا جاتا ہے حالانکہ دنیا بھر میں کوئی ایک شخص بھی وہابی نہیں ہے نہ کوئی انجمن وہابیہ ہے اور اس سوال پر تو عقل اپنی کھوپڑی سے بالکل ہی نکل جائے گی کہ انسان تقلید شخصی کا قائل بھی نہیں یعنی غیر مقلد ہے مگر وہ کسی کی تقلید میں وہابی بھی ہے یعنی وہ غیر مقلد ہے اور مقلد بھی ہے، ایسی بات کرنے والے کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیئے کہ وہ بات کیا کر رہا ہے گویا حدیث دشمنی کرتے ہوئے وہ غصہ کے جوش میں ہوش بھی گم کر دیتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۵)

سوال:۔ کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۲۵۵ پر لکھا ہے کہ "تقلید حرام ہے اور مقلد مشرک ہے،" مکمل جواب دیں (ایضاً)

جواب:۔ اندھی تقلید شخصی تو واقعی مشرک بالنبوت بنا دیتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف امام من اللہ

(۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اُتْرُكُوا قَوْلِي بِخَبَرِ الرَّسُولِ (عقد الجید) رسول خدا کی حدیث کے مقابلہ میرے قیاس کو چھوڑ دو۔

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي (ردالمختار شامی) جب صحیح حدیث مل جائے پس وہی میرا مذہب ہے۔ اس سے ثابت ہوا امام موصوف تو اہل حدیث تھے۔

إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ وَكَانَ عَلَى خِلَافِ الْمَذْهَبِ عُمِلَ بِالْحَدِيثِ وَيَكُونُ ذٰلِكَ مَذْهَبَهُ وَلَا يَخْرُجُ مُقَلِّدُهُ عَنْ كَوْنِهِ حَنَفِيًّا بِالْعَمَلِ بِهِ (شامی) اگر کوئی صحیح حدیث ہمارے مذہب کے خلاف آجائے تو اس وقت حدیث پر ہی عمل کرنا چاہیے اور یہی اس مقلد کا مذہب ہوگا۔ (یعنی وہ اہل حدیث ہوگا) اور حدیث پر عمل کر لینے سے وہ تقلید اور حنفیت سے باہر نہیں سمجھا جائے گا۔

(۲) صَحَّ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَقْلِيدِهِ وَتَقْلِيدِ غَيْرِهِ ۔۔۔۔ (عقد الجید ص۲۵) امام شافعی رح سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید اور دوسروں سب کی تقلید سے منع کیا ہے

(۳) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں لَا تُقَلِّدْنِي وَلَا تُقَلِّدَنَّ مَالِكًا وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا النَّخَعِيَّ وَلَا غَيْرَهُمْ (عقد الجید ص۱۹) میری تقلید مت کرو، نہ امام مالک اوزاعی، نخعی اور کسی اور امام کی ہرگز ہرگز تقلید کرو۔

(۴) امام مالک کا ارشاد ہے قَالَ مَالِكٌ كَلَامُهُ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ إِلَّا رَسُولَ اللّٰهِ (عقد الجید) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے سوا دیگر تمام قیاس درانے انہی کے سر پھینک دیے جائیں گے۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۷

سوال: تقلید جائز ہے یا نہیں۔

جواب: تقلید شخصی کا قرآن و حدیث میں کہیں حکم نہیں ہے۔ بلکہ کتاب عقد الجید ص۴۲ پر صاف لکھا ہے

تمام فقہاء نے اپنی اور کسی غیر کی تقلید سے تاکیداً روکا ہے لہذا تقلید شخصی بالکل ناجائز ہے۔

اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۱۴

مضامین فتاوی علمائے حدیث

جلد دہم

جلد یازدہم

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون

اہل علم سے پوچھو، اگر تم نہیں جانتے (القرآن)

فتاویٰ علمائے حدیث

جلد ۱۲

کتاب العلم

(ترتیب)

ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال

(ناشر)

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ملتان پاکستان

فون ۳۱۸

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ)

نام کتاب ______ فتاوی علمائے حدیث جلد ۱۲

نام مرتب ______ ابو الحسنات علی محمد سعیدی

کتابت ______ محمد نذیر منیر (کیلانی)

طباعت ______ حنیف پریس کبیروالا ضلع ملتان

تاریخ اشاعت ______ ماہ محرم [illegible] مطابق [illegible]ء

تعداد ______ ایک ہزار ۱۰۰۰/

ناشر ______ مکتبہ سعیدیہ خانیوال

قیمت ______ ۵ روپیہ

پتہ ______ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فون ______ ۳۱۷
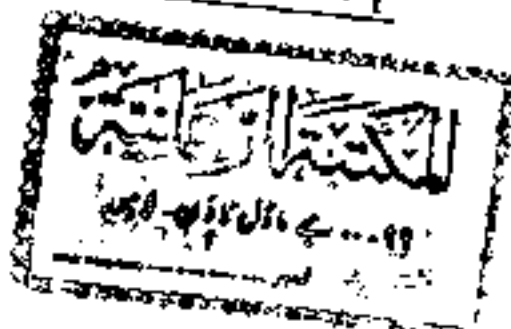
ماخذ فتاوی علمائے حدیث کتاب العلم جلد ۱۱

فتاویٰ نذیریہ	دہلی
فتاویٰ ستاریہ	کراچی
جمع القرآن والحدیث ،	مولانا ابوالقاسم محمد خالق بنارسی رحمہ
تحریک وہابی پر ایک نظر ،	مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ
عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان ،	علامہ شمس الحق رحمہ
اخبار اہل حدیث	دہلی
اخبار اہل حدیث گزٹ	دہلی
اخبار تنظیم اہل حدیث	لاہور
اخبار الاسلام	گوجرانوالہ
اخبار اہل حدیث	امرتسر
اخبار الاعتصام	لاہور
اخبار اہل حدیث	سوہدرہ
اخبار الارشاد	کراچی
ہدیۃ السائل الی ادلۃ المسائل	سید نواب صدیق حسن بھوپالی رحمہ

مفتیان فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۲

۱ مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ

۲ مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسریؒ

۳ مولانا عبدالجلیل کراچی

۴ پیرزادہ اشتیاق ضیاء

۵ قاری عبدالرشید عبیدالرحمٰن فاروقی

۶ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ

۷ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ

۸ مولانا محمد اشرف سندھو کی قصور۔

۹ مولانا عبدالسلام بستوی دہلویؒ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ

۱۰ حافظ محمد اسحٰق صاحب حقانی دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور

۱۱ حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ۔

۱۲ مولانا عبدالستار امیر جماعت غرباء کراچیؒ

۱۳ مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدث دہلویؒ

۱۴ مولانا ابوالبرکات احمد مدرس مدرسہ محمدیہ جی۔ ٹی۔ روڈ گوجرانوالہ۔

۱۵ حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

۱۶ مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ

۱۷ حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ

۱۸ عبیدالرحمٰن فاروقی

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۲

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده

الحمد للہ

رسالہ

تحریکِ وہابیت

جس میں سلسلہ وہابیت اور اس کے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات اور مسئلہ قبہجات کی بابت فتاویٰ درج ہیں۔

مصنفہ

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری (مولوی فاضل)
ناظم اعلیٰ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی

تحریک وہابیت

مصنف
مولانا ابوالوفاء ثناء اللہؒ
امرتسری (مولوی فاضل)

برادران! آج ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ کل اسلامی دنیا میں وہابی تحریک پر گفتگو ہو رہی ہے، ہر فریق اپنے خیال کی تائید اور مخالف کی تردید کر رہا ہے جس سے خلیج مخالفت وسیع بلکہ وسیع تر ہوتی جارہی ہے جو اسلامی اغراض کے لئے مہلک اور غیر اسلامی تحریک کے لئے مفید ہے، اس لئے میں آج اس تحریک کے متعلق ایسی طرز سے چند سطور پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں جس سے انشاء اللہ مخالفت بند نہ ہوگی تو کم ضرور ہو جائے گی۔

بھائیو! واقعات کو ٹھنڈے دل سے دیکھنے اور ان پر غور کرنے سے بسا اوقات مخالفت پیدا ہی نہیں ہوتی، اور اگر ہوتی ہے تو دیر پا نہیں ہوتی، آج جو اختلاف رونما ہو رہا ہے یہ سب کچھ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور انکی تحریک پر مبنی ہے، شیخ موصوف کی شخصیت میں جو اختلاف ہے وہی اس اختلاف کی بنا ہے اس لئے پہلے ہم اس اختلاف کا ذکر کرتے ہیں، پھر اس میں فیصلہ کی صورت بتا کر اصل مسئلہ کی مشکلات کا حل بتا دیں گے،

شیخ معروف کے حق میں جو اختلاف ہے، وہ درج ذیل ہے،

علماء اہل سنت کے دو گروہ ہمارے سامنے ہیں، ایک علماء حدیث، دوم علماء فقہ یعنی حنفیہ کرام، گروہ حنفیہ دو بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک وہ گروہ جن کو اصطلاحاً دیوبندی کہا جاتا ہے دوسرے کو بریلوی، ان میں جو اختلاف مسائل ہے اس کے ذکر کی یہاں جگہ نہیں، ہاں ظاہری علامت ممیزہ ان میں یہ ہے کہ دیوبندی گروہ علم فقہ اور اس کے لوازم کے علاوہ علم حدیث و تفسیر میں توغل رکھتا ہے، اسی لئے انہوں نے حنفی مذہب کو جو رسوم ملکی سے آلودہ ہو رہا تھا رسوم شرکیہ بدعیہ سے نتھار کر خالص حنفی مذہب کی شکل میں دکھانے کی کوشش کی، یعنی دیوبندی چونکہ،

حنفی مقلد ہیں، اس لئے وہ مذہب حنفی وہی پیش کرتے ہیں، جو مذہب فقہ حنفیہ میں ملتا ہے، نہ وہ جس میں بہت سی ملکی اور آبائی داخل کی گئی ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حق میں علماء حدیث بالاتفاق حسن ظن رکھتے ہیں اور ان کو موحد متبع سنت جانتے ہیں، حنفیہ کرام میں سے دیوبندی گروہ بھی شیخ ممدوح کے مداح ہیں چنانچہ اس گروہ کے سرگروہ حضرت سید الطائفہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔

(فتاوی رشیدیہ حصہ اول صہ)

اس کے مقابلہ میں بریلوی گروہ البتہ بدگمان ہی نہیں بلکہ سخت سے سخت ترین شیخ موصوف کے حق میں بدگو ہیں۔

نتیجہ صاف ہے کہ علمائے سنت میں سے ڈیڑھ گروہ شیخ مذکور کے حق میں حسن ظن ہے اور نصف گروہ بدظن بلکہ بدگو جسکو دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہئے کہ امت مسلمہ میں سے علمائے سنت سے اکثر علماء شیخ موصوف کو ممدوح جانتے ہیں اور نصف گروہ ان کو مذموم کہتے ہیں، باقی ناظرین کی رائے پر ہم چھوڑتے ہیں۔

بیرونی شہادت اس اندرونی شہادت کے بعد ہم ایک غیر جانبدار شہادت پیش کرتے ہیں جس کو کسی قسم کا کسی فریق سے خاص تعلق نہیں اور وہ دونوں گروہوں سے بالکل غیر جانبدار ہے اس لئے اس کی شہادت خاص وزن رکھتی ہے۔

ڈاکٹر لوتھر امریکہ میں ایک بڑے ماہر سیاسیات اور مورخ آج بھی زندہ ہیں، انہوں نے اسلام کی تاریخ کو بڑی محنت سے مطالعہ کیا اور اسلام کی ترقی اور تنزل کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ـ (...) یعنی جدید دنیائے اسلام

اس کتاب کا ترجمہ محمد جمیل الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر بدایونی نے کیا ہے[1] فاضل مصنف نے اس کتاب میں بہت سے مفید معلومات جمع کئے ہیں چونکہ اس کتاب کا نام ہی بتا رہا ہے کہ جدید اسلامی تحریک چل گئی ہے جو اسلامی دنیا

---

[1] مصریوں نے عربی میں کر کے چھاپ دیا ہے جو ہندوستان میں آچکا ہے ۱۲

باقی آئندہ

میں کام کر رہی ہے کہیں مراقش میں تو کہیں ترکی میں، کہیں مصر میں تو کہیں افغانستان اور ہندوستان وغیرہ، اِس لئے مصنف کا فرض تھا کہ وہ اِس جدید اسلامی تحریک کی ابتدا بتاتا کہ کس شخص سے اور کہاں سے شروع ہوئی ہے، چنانچہ اس بارے میں فاضل مصنف کے الفاظ یہ ہیں۔

"اٹھارہویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہنچ چکی تھی، صحیح قوت کے کسی جگہ بھی آثار نہیں پائے جاتے تھے، ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے، آداب و اخلاق قابلِ نفرت تھے، عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد وحشیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ ذلت میں زندگی بسر کرتے تھے، تعلیم مردہ ہو گئی تھی، اور چند درسگاہیں جو ہولناک زوال میں باقی تھیں، وہ افلاس و غفلت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں سلطنتیں مطلق العنان تھیں اور اُن میں بدنظمی و خونریزی کا دور تھا جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطان ترکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے، اگرچہ صوبجات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم اور استحصال بالجبر پر مبنی تھیں قائم کرنے کے ہمیشہ کوشاں تھے، اسی طرح اُمراء متواتر سرکش مقامی رئیسوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہنچاتے تھے برسرِ پیکار رہتے، اس منحوس طرزِ حکومت میں رعایا لوٹ مار و ظلم و پامالی سے نالاں تھی، دیہاتی اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہو گئے تھے لہٰذا تجارت اور زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سدِ رمق کے حصول کے لئے کی جاتی تھیں مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا، تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا، مسجدیں ویران و سنسان پڑی تھیں، عوام جُہّال اُن سے بھاگتے تھے، اور تعویذ گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے، اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے، اور اُن کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع اور ولی کے طور پر کی جاتی تھی، کیونکہ اُن جہان کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اُس کی طاعات بلاواسطہ نہیں ادا کر سکتے ہیں، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پسِ پشت ڈال رکھا،

تھا، بلکہ اُس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون وشراب خوری عام ہو رہی تھی زناکاری
کا زور تھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے یہاں
[illegible] غیر کے تصرف میں آگئے تھے اور حج
جس کو رسول اللہ نے فرائض میں تعلیم کیا تھا بدعات کی وجہ سے حقیر ہو گیا تھا، فی الجملہ
اسلام کی جان نکل چکی تھی، اور محض بے روح رسمیات اور تبذل توہمات کے سوا
کچھ نہ رہا تھا، اگر محمد (صلعم) پھر دنیا میں آتے تو وہ اپنے پیروان کے ارتداد اور بت
پرستی پر بیزاری کا اظہار فرماتے، اس جہالت کے زمانہ میں وسیع عربی ریگستان یعنی
نجد اسلام سے مومنین کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے والی صدا پیدا ہوئی، اس
مخلص مصلح یعنی محمد عبدالوہاب نے ایسا نور ہدایت روشن کیا جو اسلامی دنیا کے ہر
گوشہ میں پھیل گیا، اور اسلام کو خواب غفلت سے بیدار کر کے قرون اولیٰ کے جوش کو
تازہ کر دیا، مسلمانوں کی اہم نشاۃ ثانیہ کی پیدائش کا یہیں سے آغاز ہوا "" اس دیرینہ
تر اور بر تر عہد کی فضا میں عبدالوہاب کی صدا پیدا ہوئی، ابتدا ہی سے اُن کو مطالعہ
کتب اور مذہب کا شوق تھا، اور بہت جلد اُن کے علم اور تقدس کی شہرت ہو گئی،
عنفوان شباب ہی میں وہ حج بیت اللہ کو گئے انہوں نے مدینہ میں بھی تحصیل علم کر کے
عراق ایران تک سفر کیا اور بالآخر نجد واپس آگئے، واپسی پر اپنے مشاہدات کے لحاظ سے
اُن کے دل میں غیظ وغضب پیدا ہوا اور انہوں نے بے لوث اسلام کی تبلیغ کا
مصمم ارادہ کر لیا۔ سالہا سال تک وہ اطراف عرب میں گھومتے رہے، اور بالآخر،
انہوں نے قبیلہ سعود کے شیخ محمد کو جو نجد میں سب سے بڑے سردار تھے اپنا ہم خیال
بنا لیا۔ اسی سے عبدالوہاب کو اخلاقی اقتدار اور مادی تقویت حاصل ہو گئی، اور انہوں
نے اس نادر موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ بتدریج عوامی عربوں میں رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی طرح سیاسی اور مذہبی اتحاد قائم ہو گیا، در حقیقت
عبدالوہاب پہلے خلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے سچے پیرو تھے ۱۷۶۵ء
میں جب محمد مرے تو سعود اُن کے قابل جانشین ہوئے جدید وہابی سلطنت قریب

قریب مکہ کی خلافت کا نمونہ تھی، اگرچہ سعود کی فوجی طاقت زیادہ تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو رائے عامہ کا پابند سمجھا اور اپنی رعایا کی جائز آزادی میں کبھی مداخلت نہ کی طرز حکومت اگرچہ سخت لیکن عادلانہ اور اچھا تھا، وہابی قضاۃ لائق اور ایماندار تھے امن عامہ ایسے کامل طور سے قائم کیا گیا تھا، کہ رہزنی کا سد باب ہو گیا تھا تعلیم سرگرمی سے پھیلائی جاتی تھی، ہر نخلستان میں مدرسے تھے، اور بدوی قبائل میں معلم بھیجے جاتے تھے، " تحریکات اخوان دس سال ہوئے وسط عربستان یعنی نجد میں مجہول طور سے شروع ہوئی یہ براہ راست وہابیت کی شاخ ہے جس سے یہ کسی اصول میں مختلف نہیں ہے تحریک اخوان کی ترقی ایسی سرعت سے ہوئی کہ آج کل وہ نجد پر حاوی ہے اور اس کا سرگروہ صحرائے عرب کا سب سے زبردست شیخ ابن سعود ہے، جو اس سعود کی اولاد میں سے ہے جو سو سال ہوئے وہابی تحریک کا سرگروہ تھا، اخوان کا مذہبی جوش غیر معمولی بتایا جاتا ہے اور اس کا مکمل نظام عمل وہی قدیم وہابی خواب یعنی کل دنیا کے مسلمانوں کو خالص مذہب اسلام میں لانا ہے" (صفحات ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۸)۔

برادرانِ اسلام! یہ غیر جانبدار شہادت کس قابل ہے اس کا اندازہ اس مصنف کی شخصیت سے ہو سکتا ہے، نہ یہ شیعہ ہے نہ سنی، نہ حنفی ہے نہ وہابی، بلکہ ایک دور دراز ملک کا ماہر سیاست اور مورخ ہے جس نے اپنی عمر کا بہت سا حصہ اسلامی تاریخ پر صرف کیا ہے،

دوسرا غیر جانبدار گواہ گزشتہ ایام میں انگریزی گورنمنٹ کی طرف سے بغرض تحقیق اسباب بغاوت ایک کمیشن مقرر ہوئی تھی جس کا نام تھا رولٹ کمیٹی، اس کمیٹی کی رپورٹ کتاب کی صورت میں شائع ہوئی تھی، جس کا نام ہے "رولٹ کمیٹی کی تحقیقات" اس رپورٹ میں شیخ محمد عبدالوہاب اور وہابیوں کی بابت بھی چند الفاظ لکھے ہیں جو یہ ہیں:۔

"وہابی سنی مسلمانوں کا ایک ترقی یافتہ فرقہ ہے، یہ لوگ عبدالوہاب کے قائم شدہ اصول کے پیرو ہیں، عبدالوہاب اٹھارھویں صدی میں ایک عرب مصلح تھا، ص۷ اردو۔

غیر جانبدار گواہ

مسٹر بلنٹ انگریز سیاست دان ہے، جو بعض سیاسی اغراض کیلئے ۱۸۷۸ء میں نجد گیا تھا، وہاں کے چشم دید حالات مسٹر موصوف لکھتا ہے،

"میں نے دنیا کے اکثر شہروں کی سیر کی ہے، مگر جو چیز باوجود تلاش و جستجو کے ہمارے مشرق و مغرب کے ان تمام بلاد میں حاصل نہ ہوئی وہ نجد کے گلی کوچوں میں خود بخود مل گئی، اس کے تین بڑے عنوان ہیں جن کا ذکر ہم یورپ کے بسنے والے نہایت، فخر و مباہات سے کیا کرتے ہیں، مگر وہ محض الفاظ ہی ہوتے ہیں، جو کبھی شرمندۂ معنے نہیں ہوتے، لیکن بلاد نجد میں میں نے ان کو حقائق ثابت پایا۔ حریت مساوات اور اخوت،

"فرانس کے تمام در و دیوار پر جلی حروف میں تم ان الفاظ کو لکھا پاؤ گے مگر یہاں نجد میں عملاً ہر شخص ان سے بہرہ اندوز سعادت ہوتا ہے یہی وہ سرزمین ہے جہاں نہ محصول اور لگان نے لوگوں کو تباہ و برباد کر رکھا ہے نہ جبری فوج، خدمت ہے لوگ ہر قسم کے جبر و اکراہ سے پورے طور پر آزاد ہیں، رائے عامہ اس جگہ کا قانون ہے اس جگہ اگر کوئی دستور العمل ہے تو صرف یہ کہ ہر شخص ذمہ دار اور مسئول ہے اس لئے وہ اپنی عزت و خودداری کو اپنے ہر قول و فعل میں پیش نظر رکھتا ہے،

"یورپ میں تخیل پسند ارباب سیاست نے اس قسم کی حکومت کا نقشہ دینی کتابوں میں کھینچا ہے مگر نجد کے صحرا میں ہم نے اس کو حقیقت کا لباس پہنے ہوئے دیکھا یہاں کے رہنے والے مفلس ہیں، مگر قناعت پسند، جب کبھی ان سے پوچھا جاتا تو وہ یہ جواب دیتے، خدا کا شکر ہے کہ ہم دوسروں کی طرح حرص اور جوع الارض میں مبتلا نہیں ہمارے اطمینان کے لئے کافی ہے کہ اس جگہ ہمارے اپنی حکومت ہے،" (منقول از سیکرٹری آف دی انگلش اوکو پیشن اوف ایجپٹ)

ان زبردست غیر مسلم غیر جانبدار شہادتوں کے بعد کسی شہادت کی ضرورت نہ تھی تاہم مذہبی طبقے کے لئے جیسی ایک شہادت مولانا گنگوہی مرحوم کی پہلے درج ہو چکی ہے دوسری

شہادت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی باقی ہے، آپ نے ایک ٹریکٹ شائع کیا ہے جس کا نام ہے نادان وہابی اس میں وہابیوں کے متعلق بہت سی باتیں مخالف بھی لکھی ہیں، قطع نظر بیرونی ثبوت کے خود اندرونی ثبوت ہے کہ آپ وہابی نہیں، چنانچہ آپ نے اپنی وہابیوں کے متعلق بہت لفظوں میں یوں کر دی ہے،

"مجھے صفائی سے لکھ دینا چاہئے کہ میں وہابی تحریک اور نجدی عقائد کا پورا مخالف ہوں میں وہابی نہیں ہوں۔ نہ وہابیت کی مذکورہ شاخوں سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہوں، بلکہ میں اپنے بزرگوں کے تمام عقائد اور اصول مسلمات کو دل وجان سے مانتا ہوں، اور میں قبور اور مزارات کا پختہ بنانا ضروری سمجھتا ہوں (صفحہ ۹،۸)

ایسا اسلامی مذہبی طبقے کا ذمہ دار اور مخالف گواہ بھی تحریک وہابیت کی نسبت یوں گویا ہے۔

"نجدیوں کے عقائد ہندوستانیوں سے پوشیدہ نہیں ہیں، کیونکہ یہاں بھی بہت سے وہابی موجود ہیں۔ اور دن بدن بڑھتے جاتے ہیں، اگر تعصب نہ کیا جائے اور محققانہ نظر سے دیکھا جائے تو وہابی تحریک اصول کے لحاظ سے کوئی بری تحریک نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے اندر ایک نئی زندگی اور نیا جوش پیدا کرنے والی چیز ہے، کیونکہ وہابی ان تمام باتوں سے احتیاط کرنی چاہتے ہیں، جو مسلمانوں میں تمادی ایام کے سبب بعض اقوام کے ذاتی رسم ورواج اور بعض ملکوں کے خاص حالات کی آمیزش سے پیدا ہو گئے ہیں، وہ اپنے ہر دینی اور دنیاوی کام میں قرآن اور حدیث سے سند لینی چاہتے ہیں، اور وہ نماز روزے اور تمام فرائض اسلام کی اس طرح پابندی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام پابندی کرتے تھے، وہابیوں کے اندر غیر مسلم اقوام کے خلاف ایک انقلابی لہر پائی جاتی ہے یہاں تک کہ آج کل کے زمانہ میں اکثر یورپین مورخوں نے لکھا ہے کہ تجدید اسلام کی جس قدر تحریکیں دنیا میں نمودار ہوتی ہیں ان سب کی جڑ بنیاد وہابیت ہوتی ہے اور میں نے جب ان یورپین لوگوں کی کتابوں کے ترجمے پڑھے اور دلائل اور وجوہات

اور قرآن پر جمود کیا۔ تو مجدد کو بھی یورپین مورخین کے اس دعوے میں صداقت نظر آئی،" (ستہ رسالہ ناوان وہابی)۔

تبصرہ ان اسلامی اور غیر اسلامی بانچ شہادتوں سے جو امر ثابت ہوتا ہے، وہ آپ پر مخفی نہیں، ہماری خیال میں ان شہادتوں کی بنا پر وہابی کہہ سکتے ہیں، ؎

لے اُڑی طرزِ فغان بلبل نالاں ہم سے ؛

گُل نے سیکھی روشِ چاک گریباں ہم سے ؛

ان شہادات کے بعد شیخ محمد عبدالوہاب نجدی اور تحریک وہابیت کے متعلق فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہم چھوڑتے ہیں۔

آج اختلاف کا سبب

چند روز کا ذکر ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں (سابق شریف) حسین اور اُس کے بیٹوں کی حکومت تھی جس سے نہ صرف حجاز اور عرب ہی نالاں تھے بلکہ دنیائے اسلام ساری اُن سے بیزار تھی، مذہبی حیثیت سے قطع نظر، انتظامی اور عدلی حیثیت سے بھی سب لوگ تنگ تھے، آخر اسلامی دُنیا کی آہ و بکا کام آئی اور مالک الملک نے نجدیوں کو حرم شریف کی جاروب کشی سپرد کی۔ یہ نجدی کون ہیں؟ اُسی شیخ محمد عبدالوہاب کے اتباع، چنانچہ قادیاں کا اخبار الفضل باوجود مخالف ہونیکے ایک نظم میں یوں اعتراف کرتا ہے: ؎

بدعتوں کا زور تھا مکہ میں آخر نجد سے

یا مگار وہ وہ کو عبدالوہاب آہی گیا۔

(۲۵ اگست ۱۹۲۵ء)

اِس نجدی گروہ نے داخل مکہ ہوتے ہی جو کام سب سے پہلے کیا وہ قبروں پر سے قبے (گنبد) اتارنا تھا، جس جس مشہور قبر پر کوئی قبہ بنا تھا اُس کو خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے انہوں نے گرا کر محض قبر کو چھوڑ دیا اور جو مصنوعی مزارات بنے تھے اُن کو بھی بے نام و نشان کر دیا، بس یہ ہے بنائے اختلاف، اس سے ہندوستانی مسلمانوں کے ایک طبقے میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ وہ اِدھر اُدھر اخباروں، اشتہاروں اور رسالوں میں مضامین تردیدی تائیدی نکلنے شروع ہوئے۔

یہ اختلاف اپنی حد سے بڑھ کر مخالفت اور شقاق تک بلکہ معادات (معاودت) تک پہونچ گیا۔
جس پر مسلمانوں کے حال پر رونا آتا ہے اور بے ساختہ یہ منہ سے نکلتا ہے ؎

فَلْیَبْكِ عَلَی الْإِسْلَامِ مَنْ كَانَ بَاكِیًا[1]

نتیجہ یہ ہوا مخالفانِ نجدیہ نے خدا جانے کس کس جلسے سے جلسوں میں ایسی تجویز بھی پاس کی جو بحیثیت مسلمان ہونے کے ان کو زیبا نہ تھی، مثلاً انگریزی حکومت سے درخواست کی گئی کہ مداخلت کرکے نجدیوں کو مکہ معظمہ سے نکال دے جس پر یہ شعر بالکل چسپاں ہوتا ہے ؎

ہم نہ پہونچیں اپنے مطلب کو نہ پہونچیں پر خدا
یہ نہ منظور ائے کہ مطلب غیر کا پورا ہوا

اس لئے جس طرح ہم نے شیخ محمد نجدی کی شخصیت کے متعلق شہادات معتبرہ کے بعد فیصلہ ناظرین کی رائے پر چھوڑا ہے، اسی طرح مسئلہ ہدم قبجات کی بابت بھی شہادات شرعیہ سامنے رکھ کر فیصلہ ناظرین یا حکین کے سپرد کرینگے

قبروں پر قبوں کے متعلق فیصلہ کُن صورت

علماء حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ایک مسئلہ اصول ہے کہ مسئلہ وہی صحیح ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہو۔ دلیل اس کی معلوم نہو تو بھی واجب العمل ہے، دلیل معلوم ہو تو نور علی نور۔ اصول فقہ کی مستند اور مسلم کتاب توضیح میں حنفی مقلد کا طریق استدلال یوں لکھا ہے۔

أَمَّا الْمُقَلِّدُ فَالدَّلِيلُ عِنْدَهُ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ فَالْمُقَلِّدُ يَقُولُ هٰذَا الْحُكْمُ ثَابِتٌ عِنْدِي لِأَنَّهُ أَدّٰى إِلَيْهِ رَأْيُ أَبِي حَنِيْفَةَ وَكُلُّ مَا أَدّٰى إِلَيْهِ رَأْيُ أَبِي حَنِيْفَةَ فَهُوَ وَاقِعٌ عِنْدِي (توضیح مطبوعہ ہند صلا مطبوعہ مصر صلا)

یعنی حنفی مقلد کی طرز استدلال یوں ہے کہ وہ کہے کہ فلاں مسئلہ میرے نزدیک اس لئے صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے، جو امام نے فرمایا بس وہی میرے نزدیک

[1] جو شخص رونا چاہے وہ اسلام پر روئے!

گیا ہے"

اس اصول کو سامنے رکھ کر برادران حنفیہ امام اعظم ابو حنیفہ کا فتویٰ اس بارے میں سنیں، صاحب ردّ المختار لکھتے ہیں۔

عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ يُكْرَهُ أَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ (اى القبر) بِنَاءٌ مِنْ بَيْتٍ أَوْ قُبَّةٍ أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ لِمَا رَوَى جَابِرٌ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ (مسلم) (شامی مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۶۲۷ باب صلوٰۃ الجنائز)۔

یعنی امام ابو حنیفہ مکروہ جانتے تھے، قبر پر کسی قسم کا مکان یا قبہ بنانا۔ کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے قبروں کو چونہ سے پختہ بنانے اور اُن پر کچھ لکھنے اور عمارت بنانے سے۔

اسی روایت کی بنا پر امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

رَأَيْتُ الْأَئِمَّةَ بِمَكَّةَ يَأْمُرُونَ بِهَدْمِ مَا يُبْنَى (نووی شرح مسلم جلد اول صفحہ ۳۱۲)

یعنی امام شافعی کہتے ہیں میں نے مکہ شریف میں دیکھا ہے کہ قبروں پر جو کچھ بنایا جاتا تھا ائمہ یعنی حکام اس کے گرانے کا حکم دیتے تھے،

حدیث میں جو لفظ آیا ہے جو قبر بلند ہو اُسے گرا دو یہ اس فعل کی تائید کرتا ہے مقلدین خصوصاً حنفیہ کرام میں امام ابو حنیفہ کے قول کی نزدیک نہ شک ہے نہ اس کی تائید کی حاجت، کیونکہ ان کے نزدیک ایک حجت شرعیہ ہے جس سے انحراف کرنے اور تردید کرنے والوں کے حق میں ایک شعر پڑھا جاتا ہے، جو عموماً پختہ مقلدین، غیر مقلدین کو سنا کر پڑھا کرتے ہیں آج ہم ان کو سناتے ہیں وہ یہ ہے ؎

فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ
عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ

یعنی جو امام ابو حنیفہ کا قول رد کرے اس پر ریگ کے ذروں جتنی لعنتیں ہوں۔

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک حنفی مقلد قبوں کے مسئلے میں امام اعظم کا فتوے ہوتے ہوئے

کسی ایسے چیز کی طرف تاکے یا انتظار کرے مثل مشہور ہے سہ

اَلصَّبَاحُ یُغْنِیْ عَنِ الْمِصْبَاحِ

صبح کی روشنی میں چراغ کا کیا کام

حنفی اصول کے مطابق تو یہی خیال ہو سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے فتوے کا کوئی حنفی رد نہیں کر سکتا۔ لیکن امرت سر میں حنفی عالم ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا، اس عالم نے ایک رسالہ شائع کیا ہے جس کا نام "انا الذی ارید" اس میں سوال وجواب کی صورت میں مضمون لکھا ہے جن میں سے ایک سوال مع جواب درج ذیل ہے،

سوال:۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ قبر پر چونہ نہ لگایا جائے، اور مٹی سے لیپائی بھی نہ کی جائے، اور اس پر کوئی بنیاد بھی کھڑی نہ کی جائے،

اس سوال کا جواب فاضل مصنف نے جو دیا ہے، وہ قابل توجہ اہل انصاف ہے فرماتے ہیں

جواب۔ آپ (امام صاحب) کا یہ کہنا بالکل احادیث کے مطابق ہے اور اصل حکم یہی ہے، اور آپ چونکہ نہایت متقی پرہیزگار تھے اس لئے آپ کی روایات اصل احکام پر مشتمل ہیں کہ جن کو اسلام میں عزیمت کہتے ہیں، مگر دوسری قسم کے مسائل بھی ہیں کہ جن میں ضرورت زمانہ اور تبدیل حالات کے مدنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے اس قسم کے احکام رخصت کہلاتے ہیں، دیکھئے وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور عزیمت، موزہ پہننا اور اس پر دھونا کی بجائے مسح کرنا رخصت ہے، مسلم کو غیر مسلم سلطنت کے ماتحت رہنا رخصت ہے اور وہاں سے ہجرت کرنا عزیمت ہے امامت یا تعلیم دینیات کی ملازمت پر تنخواہ حاصل کرنا۔ رخصت ہے اور بغیر تنخواہ یہ کام کرنا عزیمت ہے غرضیکہ قبر کو بالکل سادگی میں رکھنا عزیمت ہے اور اس پر گنبد وغیرہ بنانا رخصت ہے خود ابو حنیفہ کا مقبرہ بغداد میں موجود ہے، اور دوسری صدی ہجری میں آپ کے مقبرہ پر گنبد بنوایا گیا، اس وقت آپ کے سینکڑوں شاگرد موجود تھے، کسی نے آواز نہیں اٹھائی کہ آپ اس کو ناجائز کہتے تھے، کیوں بنایا جاتا ہے اصل بات یہ تھی کہ آپ کی قبر پر لوگ کثرت سے زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے اس لئے

لوگوں کے آرام کے لئے اور قبر کی حفاظت کے لئے یہ سب کچھ سلف صالحین* کے فتوے کے مطابق روا رکھا گیا نہ (ازالۃ الرین والمین ص ۲۰۰)

جواب الجواب قابل مصنف نے اس جواب میں ایک اصولی مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے جو علم اصول میں مذکور ہے آپ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب سے جو روایت پختہ قبر اور قبے بنانے کے منع کی آئی ہے وہ بجائے خود صحیح ہے مگر عزیمت ہے اور قبہ بنانا رخصت ہے،

اس لئے عزیمت اور رخصت کی اصطلاح اور حکم ہم کتب اصول فقہ سے دکھا کر فاضل مصنف کی غلطی پر اطلاع دیتے ہیں۔

علماء اصول نے احکام کی دو قسمیں کی ہیں ایک عزیمت دوسری رخصت عزیمت جس کا دوسرا نام ضروری ہے وہ حکم ہے جس کا سبب موجود ہو اور حکم بحال ہو۔ جیسے اقرار توحید اور ماہ صیام میں روزہ کا رکھنا وغیرہ اس کے خلاف رخصت ہے یعنی وہ حکم جس کا سبب موجود ہو، اور بوجہ کسی عارضے کے وجوب ملتوی ہو۔ جیسے مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کر کے بچ جانا اور سفر میں روزہ نہ رکھنا، ان دونوں قسموں کی بابت علماء اصول کا فیصلہ ہے۔

حُكْمُهٗ اِنَّ الْاَخْذَ بِالْعَزِيْمَةِ اَوْلٰى

(نور الانوار ص ۱۷۱)

یعنی جس جگہ کسی عزیمت کے مقابلہ میں رخصت آئی ہو۔ اس جگہ بھی عزیمت (جانب وجوب) پر عمل کرنا بہتر ہے۔

یہ تو ہے علماء اصول کا فیصلہ، عزیمت اور رخصت کی بابت جس کا نتیجہ صاف یہ ہے کہ قبہ بنانا اگر رخصت بھی ہو تاہم نہ بنانا بہتر ہے، پھر خفگی کیا؟!

اصل جواب مگر اصل بات یہ ہے کہ جس طرح عزیمت کا ثبوت شرع سے ہوتا ہے رخصت کا ثبوت بھی شرع ہی سے ہے۔ یعنی شریعت ہی بتلائے کہ یہ ضروری کام فلاں وقت تمہارے حق میں ملتوی ہے ورنہ اس طرح تو ضروری سے ضروری حکم پر بھی یہ حجت ہو

* منکرین سلف صالحین، صحابہ یا تابعین؟ (   )

سکتی ہے کہ اس کے لئے رخصت بھی ہے، مثلاً نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ افعال ضروریہ کی بابت بھی رخصت کی بیچ نکالی جا سکتی ہے، جو الحاد کا دروازہ کھولتی ہے۔

چونکہ رخصت کے مدعی کے ذمہ رخصت کا ثبوت دینا ضروری ہے، مصنف موصوف نے بھی اس غرض کو خود محسوس کیا ہے، اس لئے اس فرض سے سبکدوش ہونے کی راہ آپ نے وہ اختیار کی جو حقیقتہً اس غرض کی ادائیگی کی راہ نہیں ہے، کیونکہ آپ کا فرض تھا کہ شرع شریف میں قبر پختہ اور قبہ بنانے کی رخصت دکھاتے، کسی آیت یا حدیث سے نہیں تو امام ابو حنیفہ کے قول ہی سے دکھلاتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ہاں جو دکھایا وہ ناظرین نے دیکھا کہ خود امام ابو حنیفہ کا مقبرہ جو بنا ہے تو ثابت ہوا کہ اس کی رخصت ہے، انہی معنے ہیں کسی مشہور ریاضی دان کا قول کہ چاول سفید ہیں۔ لہٰذا زمین گول ہے۔

اے جناب کیا امام ابو حنیفہ سے سالہا سال بعد کا فعل ادلہ شرعیہ میں کوئی دلیل ہے، یہ کہنا کہ امام صاحب کے شاگرد موجود تھے، انہوں نے منع نہیں کیا، خود ثبوت طلب ہے بتلایا جائے کہ کون کون شاگرد تھا، اور اس نے خوشی سے خاموشی کی۔

ایک سوال ایسے رخصتی اصحاب سے ہم ایک سوال کرتے ہیں، کیا آپ لوگ جو مقلد ہیں آپ صرف امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں یا اس تقلید میں کسی اور کی بھی شرکت ہے، حالانکہ مقلد کا یہ اصول ہے ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

ناظرین اجتہاد سری مصنف کا جواب تو آپ لوگوں نے سن لیا۔ آپ سنئے علماء معقول اور منقول حنفیہ کرام کیا فرماتے ہیں۔

فتاوی علماء حنفیہ کرام بابت حرمت قبجات

سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب مرحوم گنگوہی سے سوال ہوا جو مع جواب درج ذیل ہے۔

منقول از فتاوائے رشیدیہ جلد اول صفحہ نمبر ۹

معہ

تصدیق علماء دیوبند، سہارن پور۔ میرٹھ، دہلی وغیرہ

سوال ۔ قبور کا پختہ بنانا اور ان پر عمارات و قبہ وروشنی وفرش وفروش وغیرہ جو کہ لوگ کرتے ہیں قابل بیان نہیں، حالانکہ امور مذکورہ کے منع شدید میں احادیث صحیحہ وارد ہیں، اور فاعلین پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی لعنت فرمائی ہے مگر یہ لوگ تکذیب احادیث کر کے اپنے فعل کی حجت پر قبور انبیاء علیہم السلام بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء کرام صحابہ و ائمہ مجتہدین کو پیش کرتے ہیں اور متبع احادیث و سنت کو منکر انبیاء و اولیاء کہتے ہیں۔ اور در پے ایذا رسانی ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حرمین اور عرب میں جا کر خلاف شرع ان کو نہیں کہتے کہ قرآن وحدیث وہاں پر نہیں ہے لہذا امر حق ہے کہ عرب و حرمین میں اگر علماء امور مذکورہ کا منع ہونا بیان نہ کریں تو یہ کیا حجت کا جواز ہو سکتا ہے،

جواب ۔ ہر گاہ کہ احادیث میں ممانعت ان امور کی وارد ہیں، پھر کسی کے فعل سے وہ جائز نہیں ہو سکتے اور اعتبار قرآن و حدیث و قول مجتہدین کا ہے، نہ افعال خلاف شرع کا، اگر عرب میں اور حرمین میں امور غیر مشروعہ خلاف کتاب و سنت رائج ہو گئے، تو جواز ان کا نہیں ہو سکتا اور جو وہاں ان بدعات کو کوئی منع نہ کر سکے تو یہ حجت جواز کی نہیں ہو سکتی اس پر سکوت کی کوئی وجہ نہیں کتاب و سنت سے رد کرنا چاہیے فقط بندہ رشید احمد گنگوھی۔

تصدیق بر فتویٰ ہذا از علماء دیوبند اور سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند۔

عتیق الرحمٰن عثمانی معین الافتاء بدار العلوم دیوبند۔ سراج احمد مدرس دار العلوم دیوبند۔ مسعود احمد دار العلوم دیوبند اعزاز علی مدرس دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور عنایت الٰہی مہتمم مدرسہ مظاہر علوم۔ الجواب صحیح خلیل احمد مدرس اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) الجواب صحیح ثنار احمد عفا عنہ گنگوھی مدرسہ مظاہر علوم الجواب صحیح بندہ عبد الرحمٰن غفر لہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم

الجواب صحیح منظور احمد عفا عنہ۔

تصدیق علماء حنفیہ شہر میرٹھ

الجواب صواب و منہ کا خطاء کفایت اللہ گنگوہی غفرلہٗ مدرس اسلامیہ عرب میرٹھ ما الجواب صحیح وخلافہ غلط فاحش لا یصغی الیہ لانہ خلاف کتاب اللہ وسنت رسولہ وانکان رواجہا شائعا لکثرۃ الجہال ابو نصر حبیب اللہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد شہر میرٹھ، حشمت علی عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد شہر میرٹھ، ہذا ہو الحق والحق احق ان یتبع محمد مبارک حسین مدرس اوّل مدرسہ دار العلوم شہر میرٹھ جامع مسجد الجواب صحیح السید احمد عفا عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم جامع مسجد میرٹھ، اظہر الدین مدرس دار العلوم میرٹھ جامع مسجد۔

از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی

تصحیح مسئلہ بناء عَنْ جَابِرٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يُكْرَهُ اَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ بِنَاءٌ مِّنْ بَيْتٍ اَوْ قُبَّةٍ اَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ لِمَا رَوٰى جَابِرٌ

ان روایات حدیثیہ وفقہیہ اور خود صاحب مذہب سے اس بناء کی کراہت دممانعت ثابت ہوتی ہے، محمد اشرف علی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر (از فتاوٰی امدادیہ جلد دوم ص ١٥٩)

(حافظ) عبدالرحمٰن مدرس اعلیٰ مدرسہ عربیہ امروہہ۔

علماء حنفیہ دہلی کی تصدیق قبریں پختہ بنانا اور قبروں پر قبے بنانا وغیرہ سب منکرات شرعیہ میں داخل ہیں۔ محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، وحید حید رحسین ایضاً۔ ابو عامر عبدالحکیم صدیقی دہلی دفتر جمعیۃ العلماء، نور الحسن عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی، صحیح الجواب محمد اسحٰق عفی عنہ ولایت احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی۔

(ماخوذ از اخبار الجمعیۃ دہلی مورخہ ٢ ستمبر ١٩٢٥ء ص ۶)

مختصریات یہ ہے کہ قبروں کا پختہ بنانا اور ان پر قبے تعمیر کرنا خلاف قرآن، حدیث اور خلاف مذہب حنفی اور مخالف فتوے علماء کرام ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو کام ناجائز ہے، اُسکا جاری رکھنا بھی ناجائز ہے، جیسے نماز بے وضو پڑھنا،

ناجائز ہے اسی طرح شروع کرکے اسے جاری رکھنا بھی ناجائز ہے۔

تیجہ صاف ہے کہ قبروں پر قبے اگر بنائے گئے ہیں تو با اختیار شخص انکو گرا دے تو حرج نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے ؛

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ وَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ وَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

یعنی جو کوئی ناجائز کام دیکھے، اگر اس کو اختیار اور طاقت ہے تو اسے ہاتھ سے بدلے (یہ درجہ ذی اختیار اشخاص کا ہے جن کے ایسا کرنے پر فتنہ فساد نہ ہو) اور اگر ہاتھ کی طاقت نہیں تو زبان سے منع کرکے روکے (یہ درجہ عالم علماء واعظین کا ہے) اور اگر کسی کے جبر و ظلم کے دباؤ میں زبان سے بھی نہیں روک سکتا تو دل ہی دل میں اس کو برا جانے (یہ سب سے آخری درجہ ہے) اس کے بعد ایمان کی حیثیت سے کوئی درجہ نہیں۔

افواج نجدیہ نے جو کہ معظمہ میں قبروں اور مزارات پر سے قبے گرائے تو اسی حدیث کے ماتحت گرائے ہوں گے، جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا لِجَزَائِهٖ

اُن کو کہا گیا کہ تمہارے ایسا کرنے پر ہندوستانی مسلمان خفا ہوں گے تو انہوں نے کہا ہمیں اس کام میں خدا کی رضا منظور ہے سچ ہے ؎

ہو گا کیا دشمن اگر سارا جہاں ہو جائے گا
جب کہ وہ با مہر ہم پر مہرباں ہو جائے گا

نجد کے لئے دُعا نہ کرنا

آج کل اس بات کا بہت چرچہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لئے دعا نہ فرمائی تھی، اس سے ثابت ہوا کہ نجد کا ملک اور نجدی بہت خراب ہیں۔ بعض احباب کی رائے ہے کہ اس رسالہ میں اس حدیث کی تشریح بھی کر دی جائے۔

اخبار اہلحدیث میں اس سوال کے جواب میں کئی دفعہ مضمون نکلے ہیں سب سے آخری مضمون مولانا محمد شرف الدین صاحب معلم حدیث دہلی کا ہے ہمارے خیال میں

وہی کافی ہے، لہذا اسی کو نقل کر دینے پر کفایت کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے۔

آج کل ہندوستان میں عموماً سلطان عبد العزیز ابن سعود خلد اللہ ملکہ کا چرچا ہے، باخبر اہل اسلام تو ان سے بہت خوش ہیں، اور جو حاجی اس سال آئے ہیں وہ بھی ان کی اتباع سنت کے باعث ان کے بہت مداح ہیں مگر مجاور قبجات بہت نالاں ہیں کہ قبے توڑ دیئے طرح طرح کے الزام ان پر لگائے جاری ہیں کہ الامان الامان بعض لوگ ایک حدیث سے لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، یاد ہو کہ حادثہ ہیں کہ یہ لوگ نجدی ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ نجد میں شیطانی گروہ ہوگا۔ لہذا یہ وہی لوگ ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ صحیح بخاری جلد دوم مطبوعہ مطبع ہاشمی قدیم صفحہ ۱۰۵۰ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے پاس کھڑے ہو کر مشرق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ فتنہ یہیں سے ظاہر ہوگا جہاں سے شیطانی گروہ ظاہر ہوگا۔

یہ بھی دوسری حدیث میں اسی باب میں ہے کہ آپ نے شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا فرمائی تو لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیے۔ آپ نے پھر شام اور یمن کے لئے برکت کی دعا کی تو لوگوں نے پھر وہی عرض کی کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا کیجئے، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور قرن الشیطان یعنی شیطانی گروہ ظاہر ہوگا، سو اس کا مطلب بالکل صاف ہے، کہ آپ نے مدینہ منورہ میں منبر کے پاس مشرق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ فتنہ وہاں سے ظاہر ہوگا۔ اور مدینہ والوں کا نجد مشرق بادیہ عراق ہے، اور نجد بلند زمین کو کہتے ہیں اور ان فتنوں سے مراد واقعہ جمل اور صفین اور ظہور خوارج ہے جو نجد عراق اور اس کے اطراف میں ہوا اور ایسے ہی خروج دجال اور یاجوج ماجوج بھی وہیں سے ہوگا، یہ مطلب مولانا احمد علی صاحب مرحوم حنفی سہارنپوری نے حاشیہ صحیح بخاری کے صفحہ ۱۰۵۱ جلد ۲ پر لکھا ہے، اور ایسے ہی فتح الباری وغیرہ شروح وغیرہ میں ہے نیز صحیح مسلم جلد دوم صفحہ

لہ حاشیہ صحیح بخاری کی عبارت مع ترجمہ یہ ہے۔

والنجد ھو ما ارتفع من الارض والغور ما انخفض منها ومن کان بالمدینۃ الطیبۃ	نجد اونچی زمین کو اور غور پست زمین کو کہتے ہیں جو مدینہ طیبہ میں رہتا ہو اس کا نجد

مسلم میں ہے کہ سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، اے عراق والو! تم چھوٹے چھوٹے گناہوں سے کیسے سوال کرتے ہو، اور بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہو، پھر اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے مذکورہ بالا حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا فتنہ اور شیطانی گروہ وہاں ظاہر ہوگا اور تم ایک دوسرے کی گردنیں ملتے ہو۔
اب تو واضح ہو گیا کہ جس نجد کو آپ نے کہا کہ وہاں شیطانی گروہ ہوگا، وہاں فتنے ہوں گے، وہ نجد عراق ہے اور بس۔

نیز کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد ۱ میں مذکورہ بالا حدیث یوں وارد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینے کے صاع اور مُد کے بارے میں برکت کی دعا کی اور پھر شام اور یمن کے لیے دعا برکت کی تو ایک شخص نے عرض کیا، حضور ہمارے عراق کے لیے بھی دعا فرمائیے، تو آپ نے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور فتنوں کا ظہور ہوگا، اور ظلم مشرق میں ہے۔

صلے اللہ علیہ وسلم کان نجدًا بادیۃ العراق ونواحیہا وھی مشرق اھلہا ولعل المراد من الزلازل الاضطرابات التی بین الناس من البلایا لیناسب الفتن مع احتمال ارادۃ حقیقتہا قیل ان اھل المشرق کانوا حینئذٍ اھل کفر فاخبران الفتنۃ تکون من ناحیتہم کما ان وقعۃ الجمل وصفین وظہور الخوارج فی ارض نجد العراق وما والاھا کانت من المشرق وکذلک یکون خروج الدجال ویاجوج وماجوج منہا باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفتنۃ من قبل المشرق۔ حاشیہ جلد ۲ ص ۱۰۵۰

عراق کا علاقہ ہے اور وہ علاقہ ساکنان مدینہ کا مشرق ہے اور زلزلوں سے مراد شاید پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں جو وہاں لوگوں پر آئیں اصلی زلزلے بھی مراد ہو سکتے ہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس زمانہ میں اہل مشرق کافر تھے تو آنحضرت نے خبر دی کہ فتنہ اُن کی طرف سے ہوگا جیسا کہ جنگ جمل اور جنگ صفین اور خارجیوں کا ظہور ارض نجد اور عراق اور اسکے ارد گرد ہوا، یہ اطراف مدینہ سے مشرق میں ہیں اسی طرح دجال یاجوج ماجوج اسی نجد عراق سے نکلیں گے،
(مولف)

---

[1] جس علاقہ میں بغداد ہے۔

اور مسند ابن عساکر کی حدیث میں یوں وارد ہے کہ کسی نے عرض کیا، کہ عراق میں ہمارا علاقہ حاجت ہے اس کے لئے بھی دعا فرمائیے آپ نے سکوت کرکے فرمایا کہ وہاں تو شیطانی گروہ اور زلزلے اور فتنے ہوں گے۔ (کنز العمال جلد ۷، صفحہ ۱۶۳)

نیز حضرت عمرؓ نے عراق جانیکا قصد فرمایا تو کعب احبار نے کہا آپ وہاں مت جائیں اس میں تو نو حصے شر ہے (مصنف ابن ابی شیبہ کنز العمال جلد ۷، صفحہ ۱۶۴)

نیز ابن عساکر کی حدیث میں یوں وارد ہے کہ حضرت عمر کے عراق کے سفر کے قصد پر کعب احبار نے کہا، اے امیر المومنین! اللہ آپکو عراق سے محفوظ رکھے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا اس میں کیا خرابی ہے، کعب نے کہا اس میں نو حصے شر ہے اور کل سخت عیب اس میں ہیں اور نافرمان جن اور ہاروت اور ماروت اور شیطان نے وہاں انڈے بچے دے رکھے ہیں، انتہی (کنز العمال جلد ۷، صفحہ ۱۶۴)

بس اب تو مطلع بالکل صاف ہو گیا، کہ جائے فتن اور گروہ شیاطین نجد عراق ہے۔ اللہ اعلم وعلمہ اتم۔

حیات ثنائی

حضرت مولنا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے مجدد دین بین الاقوامی عالم گذرے ہیں۔ بریلوی مکتب فکر کے قائد مولنا احمد رضا خاں لاہور شاہی مسجد میں تشریف لائے تو مولنا ثناء اللہ امرتسری بھی انکی ملاقات کیلئے لاہور تشریف لائے تو دوران گفتگو مولنا احمد رضا خان نے فرمایا کہ مولنا آپ صرف جماعت اہلحدیث ہی کے قائد نہیں ہیں بلکہ آپ تو عام مسلمانوں کے بین الاقوامی قائد ہیں نور اللہ مرقدہ (سعیدی)

استفتاء

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حرف "ض" ضاد کا صحیح مخرج اور صفات ذاتیہ کیا ہیں؟ اگر حرف ضاد کو اپنے صحیح مخرج سے صفات ذاتیہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کی آواز سننے میں حرف ظاء کی آواز کے ساتھ مشابہ ہوگی یا حرف دال کی آواز کے ساتھ مشابہ ہوگی؟

ہمارے یہاں کے علمائے کرام اس مسئلہ میں دو فریق ہیں، ایک فریق مشابہ بصوت ظاء پڑھتے ہیں اور دوسرا فریق مشابہ بصوت دال پڑھتے پس ان دونوں فریق میں سے کس کا تلفظ صحیح اور حق ہے اور حضرات ائمہ قراۃ و ائمہ فقہ و محدثین و مفسرین کے قول و تعامل اس مسئلہ میں کیا ہے نیز علمائے مکہ و مدینہ سے واقع ہوئے؟ بَیِّنُوْا بِالدَّلَائِلِ تُوْجَرُوْا بِالْاَجْرِ الْجَزِیْلِ۔

المستفتیین

محمد عبد الغنی عفی عنہ	محمد قطب الدین غفرلہ	محمد عبد الرؤف غفرلہ
محمد عبد الخالق	محمد ایوب علی غفرلہ	محمد عبد الغفور غفرلہ
محمد عبد الغفار غفرلہ	محمد سکندر علی	محمد ظہید علی
محمد عبد النور		محمد الطاف الرحمٰن

الجواب

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

ائمہ قراء کا مسلک: النشر فی القراءات العشر، الرعایۃ، جہد المقل جو کراس

فن قراءات کی نہایت اونچے درجہ کی کتب ہیں ان سب نے متفقہ طور پر "ض" کو ظا کے مشابہ لکھا ہے جب کہ وال یا کسی اور حرف سے مشابہت بھی غلط ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ صحابہ میں کثرت خالص عرب کی تھی اسلئے وہ حرف ضاد کو پوری طرح ادا کرنے میں ماہر تھے بعد کے اوقات میں جوں جوں.. اختلاط عجم بڑھتا چلا گیا توں توں عربی کا تلفظ اعتدال سے خراب ہوتا چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں مصری قراء کا تلفظ قابل اعتبار اور اطمینان نہیں ہے سوائے چند کے چونکہ اب عرب کے علاقوں میں عجمی لوگ ہی تدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے ہیں اس لئے وہاں کے غیر محقق مگر معروف قراء کا تلفظ قابل اعتماد نہیں۔

البتہ محققین قراء مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کے فتاویٰ جولائی واگست کی اشاعتوں میں چھپ گئے ہیں زیر عنوان "علم تجوید وقراءات" جولائی کی اشاعت صفحہ ۲۲ سے مسئلہ ضاد کی بحث ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ فقط والسلام

اَلْعَبْدُ الذَّلِیْلُ رَاجِیْ عَفْوَ رَبِّہِ الْقَادِرِ عَبْدُ الرَّشِیْدِ عُبَیْدُ الرَّحْمٰنِ فَارُوْقِیْ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ خَادِمُ الْقُرْاٰنِ وَالتَّجْوِیْدِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

حرف "ض" کے متعلق کہ اُسے "د" کی طرح ظاہر کیا جائے یا "ظ" کی طرح، اس کے متعلق جمعیت اہلحدیث کراچی کے مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ کے استاذ قاری عبدالرشید عبیدالرحمٰن صاحب فاروقی نے اوپر کافی واضح جواب لکھدیا ہے، اس کے علاوہ اس کی مدلل تفصیل جمعیت اہل حدیث کے رسالہ "الارشاد جدید" جولائی ۱۹۷۸ء میں دیکھیں، علاوہ ازیں دارالعلوم دیو بند کے بانی مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا اسحٰق صاحب بنتھوی نے اسی حرف "ض" کو ظاہر کرنے کے متعلق ایک کتاب "الاقتصاد فی الضاد" میں بہت وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر "ض" کو اصلی مخرج اور آواز سے کوئی نہ نکال سکتا ہو تو "ظ" کے مشابہ آواز میں نکالے "د" کے مشابہ نکالنا غلط ہے، اسی طرح اسی کتاب میں شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا فیصلہ بھی نقل کیا وہ بھی "ظ" کے مشابہ آواز کہتے ہیں مثلاً وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ، ان

آیات میں ناضرہ اور ناظرہ کی آواز ایک جیسی "ظ" ہو تو کوئی حرج نہیں، قاری صاحب نے بھی اپنے جواب میں کئی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، اتنی کافی تفصیل کے بعد انصاف پسند شخص جھگڑا یا، اختلاف نہیں کرے گا بلکہ خاموشی یا اپنی اصلاح کرے گا، نیز اسی حرف کی دو آواز کیوں؟ مخرج و آواز ایک ہی ہوتی ہے عام گفتگو میں وضو۔ رمضان کا مہینہ بولتے وقت "ظ" کے مشابہ آواز ہوتی ہے جب شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ الخ آیت پڑھی جائے تو "د" کے مشابہ آواز، یہ فرق کیوں، کو دلیل چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب عبدالوکیل خطیب کراچی

الارشاد جدید کراچی ۱۲ش ۲۱ ج ۲۲

مطبوعہ فتاویٰ علماء حدیث کی فہرست

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ملتان پاکستان

علم تجوید و قراءات

طریقہ ادائیگی حرکات

حرکات جمع ہے حرکت کی۔ عربی زبان میں زبر زیر پیش تین ہی حرکات ہیں وہ بھی صرف معروف طریقہ پر حالانکہ فارسی اور اسی قبیل کی دوسری زبانوں میں تین حرکات مذکورہ سے زائد حرکات مجہولہ بھی ہوتی ہیں مگر عربی میں خالص معروف ہی حرکت ہوتی ہے، تو پاکستان میں بہت سے حضرات جو قرآن کریم کی تعلیم میں مشغول ہیں چاہئے وہ مفسر ہوں یا مترجم علاوہ قراء کرام کے سب ہی تقریباً حرکات کو مجہول ہی پڑھتے ہیں چونکہ متحدہ ہندوستان میں پہلے فارسی دانوں اور ترکوں کی پٹھانوں کی حکومت رہی اور بعد میں ایک عرصہ سے لشکری زبان یعنی اردو کا رواج عام ہو گیا جو کہ مختلف زبانوں کا مجموعہ تھی اس طرح ہندوستان متحدہ میں عربی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اور بعض ممالک عجم (جہاں اب عربی بولی جاتی ہے اور عرب کہلاتے ہیں) وہاں بھی عجم کے اختلاط کی وجہ سے حرکات کی ادائیگی میں مجہولیت پائی جاتی ہے اور اس طرح سے یہ مجہول ادائیگی کا طریقہ عام ہو کر نہ صرف عوام میں بلکہ خواص اور اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں میں بھی پھیل گیا اور وہ غلطی اب جزو لاینفک ہو کر معروف ادائیگی کو بھی غلط سمجھا جانے لگا، اور یہ غلطی جو دراصل صحیح طریقہ ادائیگی تھا، مفقود ہوتا چلا گیا اور ہوتا چلا جا رہا ہے خصوصاً ان علاقوں میں جہاں علم کی قلت اور فقدان ہے، وہاں تو نہ صرف ان حرکات ہی کو بلکہ "ی و" ساکن کو بھی بہت ہی عجیب طرح سے ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان مدارس عربیہ میں یہ غلطی بہت پائی جاتی ہے جہاں اکثر کتب صرف نحو منطق فلسفہ وغیرہ فارسی زبان میں پڑھائی جاتی ہے۔

حرکت زبر زیر پیش جنہیں عربی میں بالترتیب فتح یا نصب، جر یا کسرہ، ضمہ یا رفع کہا جاتا ہے، ایک فتح آدھے الف کے برابر اور ایک کسرہ آدھی ی کے برابر اور ایک ضمہ آدھے

واؤ کے برابر ہوتا ہے بالفاظ دیگر دو زبر مساوی ہے ایک "مد الف" دو زیر مساوی ایک "ی" اور دو پیش مساوی ہے ایک واؤ کے۔

طریقہ ادا

زبر کو جب کھینچا جائے تو الف بن جائے اسی طرح ضمہ اور کسرہ کھینچا جائے تو واؤ اور ی بن جائے، یعنی فتحہ کی ادائیگی میں انفتاح فم اور آواز میں بھی انفتاح سے ہے کسرہ ساتھ انخفاض فم اور صوت میں بھی اسی طرح ضمہ کے ساتھ انضمام فم اور صوت لازمی ہے، الف کی ادائیگی میں آواز میں ذرا بھی انضمام یا انخفاض ہو جائے تو اس فتحہ میں کسرہ یا ضمہ کی مشابہت پائی جاوے گی، جیسا کہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بعض حضرات الف کو جب صرف مرقق کے ساتھ آجائے تو اس کی ترقیق میں اتنا غلو کرتے ہیں کہ وہ الف مشابہ امالہ صغریٰ کے ہو جاتا ہے اور اس طرح امالہ صغریٰ اختلاس وغیرہ اور الف مرقق کا فرق مشکل ہو جاتا ہے الف کی ترقیق میں انفتاح فم اور صوت ہو تو الف بالکل ٹھیک اور صحیح طریقہ پر ادا ہو جائیگا اسی طرح الف مفخم کی ادائیگی میں ان حروف مفخمہ کو اور الف کو اتنا موٹا کیا جاتا ہے کہ جس سے حرف کی ادائیگی میں واؤ کی بو آجاتی ہے اور اکثر تو بچارے ہونٹوں سے کام لیتے ہیں اور پھر صفت استعلاء اور اطباق کا خیال رکھا ہی نہیں جاتا ہے اور ہر حرف مفخم کو یکساں موٹا پڑھتے ہیں ق ا خ غ را وغیرہ کو بھی اتنا ہی پُر کیا جاتا ہے جتنا طا ظا ص ض کو اس طرح حرف میں اپنی مقدار سے بڑھ کر موٹا پا آجاتا ہے جو حرف کی خوبصورتی کو بگاڑ دیتی ہے یعنی الف کی تفخیم میں ان حروف مفخمہ کی صفات کا خیال رکھ کر ادا کیا جائے تو الف پُر اور خوبصورت ادا ہوگا۔

کسرہ کی ادائیگی میں جب مجہول پڑھا جائے تو وہ سرے سے ہی غلط پڑھا گیا، جب صحیح انخفاض نہ ہو معمولی سی الف اور فتحہ کی بو آنی شروع ہو جاتی ہے اسی لئے ی باوجودیکہ مجہورہ ہے مگر پھر بھی اس کی آواز میں ذرا سی پستی ہوتی جب کہ سکون میں ہو۔

ضمہ کی ادائیگی میں ہونٹ کو گول کرنا چاہئے اسی طرح اسے مجہول پڑھنا اصل کے خلاف،

ہے اکثر مشاہدے میں آیا کہ بعض واؤ مدہ کی ادائیگی میں ہونٹوں کو بعد میں گول کرتے ہیں اس طرح درمیان میں عجیب سی آواز واؤ پیدا ہوتی ہے جو صرف سماع پر ہی اور ادا پر موقوف ہے الفاظ میں نقشہ کھینچنا انتہائی مشکل ہے۔

چونکہ یہ تمام علم تجوید سماع اور ادا پر موقوف ہے اسی لئے اس قسم کی ادائیگی تو استاذ مشاق کے پڑھنے اور اس کے بعد سماع پر ہی موقوف ہے، اس لئے اس قسم کی ادائیگیوں کو بغیر کسی مشاق قاری مقری سے سنے سمجھ میں آنا بہت محال ہے۔

حروف مفخم کی تفخیم کے درجات۔

حروف مفخم کی تعداد کل دس ہے جن میں سے سات حروف کی تفخیم تو لازمی ہے اور تین حروف کی تفخیم عارضی ہے، یعنی سات حروف خص ضغط قظ میں مستقل تفخیم ہے جبکہ تین حروف الف لام را میں عارضی تفخیم ہے اس طرح تفخیم کی ادائیگی دو طریق پر ہے۔

۱۔ حروف کی ذاتی تفخیم۔

۲۔ حروف کی حرکاتی تفخیم

ذاتی طور پر سب سے زیادہ موٹا لفظ اللہ کا لام پڑھا جائیگا جب کہ اس سے ماقبل حرف مفتوح یا مضموم ہو جیسے عِندَ اللہِ اور لَعنَۃُ اللہِ اور اگر مکسور ہو تو باریک پڑھا جائے گا، جیسے بِسمِ اللہِ۔

لفظ اللہ کے لام کے سوا باقی تمام بروایت حفص میں باریک ہی پڑھے جائیں گے باقی قواعد علم قراءات کے ضمن میں لکھے جائیں گے۔

اس مذکورہ لام کے علاوہ حروف میں سب سے زیادہ طا پُر پڑھی جائے گی اس کے بعد ضاص ض چونکہ ان مذکورہ چار حروف میں تفخیم کی قوت صفت لازمہ متضادہ کے لحاظ سے زیادہ ہے اسی لئے یہ حروف ذاتی طور پر بقیہ سے زیادہ پڑھے جائیں گے ان چاروں حروف کے بعد حسب سے زیادہ تفخیم ق کی ہے اور پھر غین اور خا کی سب سے کم تفخیم ذاتی طور "را" کی ہوگی الف تو جس حرف مفخم کے ساتھ آئے گا اسی طرح موٹا ہوگا۔

اسی طرح حرکات کی وجہ سے حروف مفخم کی تفخیم پانچ درجات پر موقوف ہے جس حرف

کے ساتھ الف ہو وہ سب سے زیادہ موٹا ہوگا جیسے قالوا قال. ظالم۔ اَفْطَالَ وغیرہ یعنی اعلیٰ درجہ تفخیم اس کے بعد اس حرف کی تفخیم ہوگی جس پر زبر ہو جیسے ظَلَمُوْا۔ اِنْطَلِقُوْا وغیرہ، اس کے بعد اس حرف کی تفخیم ہوگی جس پر ضمہ ہو مثلاً بہم مُرِضَ وغیرہ ان سے کم موٹا حرف جب پڑھا جائے گا جب کہ حرف کسرہ ہو جیسے مُتَّقِیْنَ، بِخِیْلُ وغیرہ اور سب سے کم درجہ کی تفخیم جب ہوگی جب کہ یہ حروف ساکن ہوں جیسے اَطْغَیْتُہٗ، اُظْلُمْ وغیرہ۔

ان تفخیم درجات کا جب خیال رکھا جاتا ہے تو حروف اتنی مقدار اور درجات سے زائد مفخم ہو کر ماقبل مابعد کو مفخم کر دیتا ہے اور اسی حرف میں تفخیم پڑھ کر وہ واؤ کی آواز دینے لگ جاتا ہے اور خواہ مخواہ ایک حرف کی زیادہ ہو جاتی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے یا پھر اسی طرح اگر ترقیق میں مبالغہ سے کام لیا جائے تب تو حروف ہی بگڑ جاتے ہیں، اور لانے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں وہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

مندرجہ بالا کیفیات کا تعلق محض استاذ فن کے ادا پر موقوف ہے اب صفات عارضہ کا بیان شروع ہوتا ہے، جو کہ صرف امام ابو حفص سلمان بن مغیرۃ الاسدی کی روایت سے متعلق ہیں، یہ صفات صرف آٹھ حروف میں پائی جاتی ہیں جن کا مجموعہ اَوْ یَرْمُلَانَ ہے ان حروف کی صفت ادا نہ ہو تو صرف کراہت ہوتی ہے مگر بہت سے حضرات آج کل ان صفات میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ جہاں نون کا اخفاء ادا نہ ہوا در یا ر۔ الف کا مدلین فوراً فتویٰ جڑ دیتے ہیں کہ غلط پڑھ رہا ہے اور اگر صفات لازمہ میں کسی صفت کی ادائیگی نہ ہو تو اس کا علم ہی نہیں ہے۔

ہمزہ کا بیان

تمام قرآن مجید میں ہمزہ چار قسم پر ہے۔

۰۱۔ ہمزہ محققہ

۰۲۔ ہمزہ مسہلہ

۰۳۔ ہمزہ مبدلہ ۰۴۔ ہمزہ منقولہ۔

۱۔ ہمزہ محققہ: وہ ہمزہ جو اپنے مخرج سے یعنی (اقصیٰ حلق) مع صفات لازمہ کے ادا کیا اور صفت شدت کا غلبہ رہے اس کو ہمزہ محققہ کہتے ہیں۔

۲۔ ہمزہ مسہلہ: وہ ہمزہ جو الف اور ہمزہ کے درمیان والی آواز سے پڑھا جائے نہ ہی مکمل ہمزہ ہو اور نہ مکمل الف ہو۔

۳۔ ہمزہ مبدلہ: وہ ہمزہ جو بالکل الف سے بدل کر پڑھا جائے۔

۴۔ ہمزہ منقولہ: وہ ہمزہ جسے نقل کر کے پڑھا جائے۔

تمام قرآن میں جہاں بھی دو متحرک ہمزے قطعی ایک کلمہ میں جمع ہوں اور کوئی سا ہمزہ بھی وصلی نہ ہو اور دونوں ہمزے خوب تحقیق سے پڑھے جاتے ہیں اور دونوں ہمزوں کو اپنے مخرج سے اور صفات کے ساتھ ادا کریں تو یہی ہمزہ محققہ ہوگا جیسے ءَانتم ءَانکم جہاں دو ہمزے جمع ہوں اور دونوں قطعی ہوں تو تمام قرآن میں ایک جگہ چوبیسویں سپارے میں ایسی ہے کہ اس کلمہ کے دوسرے ہمزہ کو تسہیل سے پڑھتے ہیں ءَاعجمیّ سورہ حم سجدہ رکوع ۵ آیت ۴۴ یعنی پہلے ہمزہ کو خوب تحقیق سے اور دوسرا ہمزہ بین بین پڑھا جائے گا، اس کو مشاق علماء سے خوب سیکھنا چاہیئے، طلبہ کو پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ تمام ہمزوں میں اگر تحقیق نہ بھی رہی ہو تو خواہ مخواہ اس دوسرے ہمزہ کو تحقیق سے پڑھ دیتے ہیں اسطرح سے تسہیل تحقیق میں بدل جاتی ہے، اس لئے خوب احتیاط بلا جھجک ادا کرنا چاہیئے، اس کلمہ مندرجہ بالا کے لئے قرآن مجید میں اور چھ جگہ بھی تسہیل ہے، گو ان میں پہلا ہمزہ استفہام کا ہے دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح ہے اس لئے وصلی کو حذف کرنے کے لئے قراء نے ان جگہوں پر ابدال کو اولیٰ لکھا ہے آٰلئٰن دو جگہ سورۃ یونس گیارہ سپارہ آیت ۵۱، آیت ۹۱ میں تسہیل ہے اور تمام قرآن میں ایک کلمہ ایسا ہے جہاں مد لازم کلمی مخفف ہے ءَآلذّکرین دو جگہ سورہ انعام آٹھواں پارہ آیت ۱۴۳۔

۵ء الله بھی دو جگہ ہے ایک سورۃ یونس سپارہ گیارہواں آیت ۵۹ دوسرا نمل سپارہ انیسواں آیت ۵۹ اگر ان کو تسہیل سے پڑھیں گے تو مد پیدا نہ ہوگی اور اگر ابدال سے پڑھیں گے تو مد لازم کلمی مثقل پیدا ہو جائے گی، چونکہ آج کل مشہور ابدال کے ساتھ پڑھنا ہو چکا ہے، اس لئے ضروری ہے ان چھ ہمزوں کو بھی تسہیل سے پڑھا جائے کیونکہ قراء کرام

سے کھاہے کہ ایک روایت یا طریقہ.. جو علماء القراء ثابت اور مشہور ہو اور عوام میں متروک ہوچکا ہو تو اس کو متروک مشہور قاعدہ کو پڑھنا لازم ہے تاکہ وہ روایت یا طریق بھی زندہ ہوجائے آج کل عموماً روایت امام حفص پڑھانے میں ان طرق کا خیال رکھا جاتا ہے جو علامہ شاطبیؒ سے متعلق ہے اس میں علامہ جزری رحمہ نے جو اختلاف طرق کیلئے وہ خصوصاً فوت ہوچکا ہے اس لئے علامہ جزری رحمہ یا علامہ شاطبی رحمہ کے طرق کے اختلافات سے بھی تلامذہ کو واقف کرانا ضروری ہے۔

جب دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ استفہام کا ہو دوسرا ہمزہ وصلی مفتوح نہ ہو تو دوسرا ہمزہ گرا دیا جاتا ہے اور صرف ہمزہ استفہام کو پڑھا جاتا ہے جیسے اِفْتَرٰی کو اَفْتَرٰی ءَاسْتَكْبَرْتَ کو اَسْتَكْبَرْتَ وغیرہ۔

جب دو ہمزے جمع ہوئے ہوں پہلا ہمزہ متحرک دوسرا ساکن ہو تو دوسرے ہمزے کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق حرف سے بدل دیا جاتا ہے جیسے ءَاْمَنُوْا کو اٰمَنُوْا اِءْمَانٌ کو اِیْمَانٌ اُؤْتُمِنَ کو اُوْتُمِنَ۔

جہاں دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ متحرک وصلی ہو دوسرا ہمزہ ساکن ہو تو جب کسی کلمہ سے پڑھیں گے تو پہلے ہمزہ وصلی تو درمیان کلام میں حذف ہوجائے گا، مگر دوسرا ہمزہ ساکن ماقبل کی حرکت سے نہ بدلا جائیگا جیسے اَلَّذِی اُؤْتُمِنَ ۔ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ اَلْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ، اب یہاں جب ہمزہ وصلی کو ثابت رکھیں گے تو ہمزہ ساکنہ تو ماقبل کی حرکت کے مطابق بدل دیں گے یعنی اَلَّذِی اُؤْتُمِنَ کو جب سے اَلَّذِیْ سے نہ ملائیں تو اُؤْتُمِنَ کو اُوْتُمِنَ بلا ہمزہ پڑھیں گے، ہمزہ کو واؤ سے بدل دیں گے،

تمام قرآن مجید میں لام تعریف کا ہمزہ وصل کی صورت میں حذف کیا جاتا ہے، اور اس ہمزہ کو درمیان میں ثابت رکھنا درست نہیں، مگر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہاں بہت سے غیر قاری صاحبان اس ہمزہ کو بھی نہیں گراتے درمیان کلام میں۔

لام تعریف کا ہمزہ ابتدائے کلام میں ہمیشہ مفتوح پڑھا جائے گا، اسی طرح ہمزہ وصل جب فعل پر تو فعل کے تیسرے حرف کے حرکت کی موافقت ہی پڑھیں گے مثلاً

امتنب میں اگر تیسرا حرف مکسور ہے اُخْشُنْ میں تیسرا حرف مضموم ہے اور اس میں ہمزہ مکسور ہی ہوگا کیونکہ ان کا ضمہ عارضی ہے اصل میں ان پر کسرہ وارد ہوتی ہے۔ اسم کا ہمزہ ہمیشہ مکسور ہوگا مثلاً اِبْنٌ اِثْنَانِ وغیرہ۔

نون کا بیان

نون جب مشدد ہو تو اس میں غنہ ہوتا ہے، غنہ کے متعلق کافی بحث پچھلے شمارے میں کر چکا ہوں اب نون ساکن اور تنوین کا بیان شروع ہوتا ہے۔

تنوین دو زبر دو زیر دو پیش کی حرکات کو کہتے ہیں جس کی آواز نون ساکن کی طرح ہوتی ہے یہ حرکت صرف عربی زبان میں مستعمل ہے ہاں البتہ اردو زبان میں صرف انہی جگہوں پر تنوین کا استعمال ہوتا ہے جہاں کلمات کو عربی سے اردو میں ڈھالا گیا ہے جیسے نسلاً بعد نسل وغیرہ۔

جن حروف پر حرکت تنوین ہو اس حرف کو منون کہتے ہیں۔

تَنْوِیْن اور نُوْن سَاکِن کا فَرق

تنوین	نون ساکن
۱۔ اس کی کوئی خاص شکل نہیں ہے۔	۱۔ نون ساکن کی مخصوص شکل ہے،
۲۔ یہ درمیان کلام میں نہیں آسکتا ہے بلکہ کلمہ کے آخر میں ہی ہوتا ہے۔	۲۔ یہ درمیان کلام اور آخر میں آتا ہے ہاں البتہ ابتدائے کلام میں ناممکن ہے۔
۳۔ یہ اکثر وقف کی حالت میں گر جاتا ہے یا پھر بدل دیا جاتا ہے۔	۳۔ یہ وصل و وقف میں ثابت رہتا ہے،

تنوین کی قسمیں

۱۔ تمکن۔ ۲۔ مقابلہ۔ ۳۔ عوض ۴۔ مناسبت۔ ۵۔ ترنم ہے

۱۔ تمکن۔ جو منصرف اسموں پر لفظاً یا تقدیراً آتی ہے هُدًى وغیرہ۔

۲۔ مقابلہ۔ جو نون کے مقابلہ پر آوے مثلاً مُسْلِمَاتٍ یہ وغیرہ

۳۔ عوض۔ جو کسی کلمہ کے بدلہ میں آوے کَنَسْفَعًا۔

۴۔ مناسبت۔ جو کسی کی مناسبت میں ہوئے جیسے سَلٰسِلًا کی تنوین اَغْلٰلًا کی مناسبت سے ہے۔

۵۔ ترنم۔ وہ تنوین جو اشعار کے آخر میں ترنم کے لئے پڑھا جائے لَقَدْ اَصَابًا۔

تنوین اور نون ساکن کے چار حال ہیں

۱۔ اظہار۔ ۲۔ ادغام۔ ۳۔ اخفاء۔ ۴۔ اقلاب۔
قبل اس کے کہ نون ساکن یا تنوین کے حال پر بحث ہو ان اقسام کی ذات سے باخبر کرتا ہوں کہ اظہار سے مراد کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۱۔ اظہار۔ حروف کو اپنے مخرج سے مع صفات کے ادا کرنا جس کی صوت واضح اور بین ہے۔

۲۔ ادغام۔ ایک حرف ساکن یا متحرک کو دوسرے حرف میں اس طرح داخل کرنا کہ ان پر تشدید پیدا ہو جائے کہ دونوں حروف کی آواز ایک ہو جائے یا مدغم کی آواز کا کچھ حصہ باقی رہے یہ صرف ادغام ناقص میں ہوتا ہے۔

۳۔ اخفاء۔ یہ حالت صرف تنوین اور نون ساکن کی ہے یعنی ان کی آواز کو ناک میں چھپایا جاتا ہے، تو یوں تعریف ہے اَلْاِخْفَاءُ حَالَةٌ بَیْنَ الْاِظْهَارِ وَالْاِدْغَامِ وہ حالت ہے جو اظہار اور ادغام کی درمیانی حالت ہو۔

۴۔ اقلاب۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا پڑھنا۔

الاظہار جب حرف نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف حلقی میں سے کوئی حرف آ جائے تو وہاں اظہار ہوگا جیسے عنہ۔ عاصیا اذا حدد۔ انعمت۔ اجر غیر۔ عفو حلیم۔ وغیرہ مگر یاد رہے اظہار ہونے کے باوجود بھی نون ساکن یا تنوین کی آواز ناک میں معمولی سی ضرور بالضرور جائیگی اگر اس آواز کو ناک نہ لے جایا گیا تو یقیناً نون ساکن یا تنوین اور حرف حلقی کے درمیان سکتہ پیدا ہوگا۔ اس سکتہ سے بچانے کے لئے غنہ آنی کی ضرورت ہوگی۔

اظہار کی وجہ یہ ہے نون اور حلقی حروف میں کافی فاصلہ ہے نون میں متوسط اور مذلقہ کی صفت اور اس طرح اس کی ادائیگی میں زبان کی نوک اور کنارے کا تعلق یہاں سے حروف آسانی سے ادا ہو ہی جاتے ہیں جب کہ حلق سے ادائیگی بہت محال ہے تو اس لئے کہ کہیں ادغام نہ ہو جائیں ان پر اظہار کیا جاتا ہے جو کہ اصل ہے جب کہ ادغام اور اخفاء وغیرہ نقل کی چیز ہے۔

بعض نے الف کو حروف حلقی میں گنا ہے جیسا کہ امام فرا کا مذہب ہے اسی طرح سیبویہ اور شاطبیؒ نے حروف حلقی سات گنے ہیں الف چونکہ خود ساکن ہوتا ہے اس لئے اس کا بیان یہاں درست نہیں وہ تنوین یا نون ساکن کے بعد آ ہی نہیں سکتا ہے۔

اور بعض حروف حلقی کی تعداد سات بتلاتے ہیں مگر غ خ جب کہ تنوین یا نون ساکن کے بعد آویں تو ان کا بھی اخفا کرتے ہیں اس کو امام یزید بن سعدان نے اختیار کیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ "غ خ" چونکہ "ق" کے مخرج کے قریب سے نکلتے ہیں چونکہ "ق" سے قبل کون پر غنہ ہوتا ہے اس لئے اس "ن ساکن" پر بھی ہوگا جو کہ غ خ کے قبل ہوگی، مگر ہم جمہور کے مذہب کے مطابق ذائقہ رکھیں گے۔

الادغام

نون ساکن یا تنوین کے بعد حروف "یرملون"، میں سے کوئی حرف آوے گی تو ادغام ہوتا ہے ہاں البتہ ان چھ حروف میں چار میں ادغام تام ہوگا، اور باقی میں ادغام ناقص ہوگا "ی و" میں ادغام ناقص ہوگا بلکہ بالغنہ ہوگا اسی طرح ل ر ن م میں ادغام تام ہوگا، ہاں فرق اتنا ہے ل ر میں ادغام بالغنہ اور بلا غنہ دونوں جائز ہے جب کہ "ن م"، میں ادغام بالغنہ ہوگا۔ اور "ل ر" میں بلا غنہ ہوگا۔ آج کل یہی طریقہ رائج ہے۔

محققین نے لکھا ہے کہ "ل ر" سے ماقبل ن ساکن یا تنوین آئے اور وہ نون ساکن لکھی ہوئی ہو اور دوسرے حرف سے فصل میں ہو جیسے فَاِنْ لَّمْ غیر مرسوم اور موصول کی مثال ایسی ہے جیسے فَاِلَّمْ (بلا نون مرسوم) جو در حقیقت فَاِنْ لَّمْ ہے مگر ن لکھا ہوا نہیں ہے) تو اس میں ادغام بالغنہ بھی جائز ہے جب کہ مقطوع مرسوم ہو۔ نون ساکن مرسوم مقطوع سے بعد ل ر آوے تو غنہ ہوتا ہے اور ادغام ناقص ہوگا۔ اس طریقہ سے تمام حروف یرملون میں سے چار میں (و ی ل ر)، ادغام ناقص ہوگا اور "ن م" میں ادغام تام ہوگا۔ مثلاً مَنْ یُّؤْمِنُ۔ مِنْ وَّالٍ۔ مِنْ رَّبِّهٖ مِنْ لَّدُنْهُ۔ مَنْ نَّشَآءُ۔ مِنْ مَّآءٍ بعض نے اختلاف کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ن م میں بھی ادغام ناقص ہوتا ہے چونکہ ن، م کے قبل تنوین یا نون ساکن ہے، مگر وہ یہ نہیں سوچتے کہ حروف یرملون میں سے ن م میں ادغام ہونا اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہاں جب ادغام ہو وہ ادغام ناقص ہی ہو بلکہ ن م میں تمام صفات یکساں نہیں دوسرے حروف کا اس کے مثل میں ادغام ہی تام ہوتا ہے اس لئے ن کا ادغام تو "تام" ہوگا اور م چونکہ تمام صفات میں اس کے ہم پلہ ہے اس

لئے اس میں بھی "ادغام تام" ہو گا۔

ادغام تام وہ ادغام ہوتا ہے کہ مدغم اس طرح مدغم فیہ میں داخل ہو جائے کہ مدغم کی کوئی آواز باقی نہ رہے بلکہ مدغم فیہ کی آواز واضح ہو اور اس پر تشدید پیدا ہو جائے یعنی ...

ادغام ناقص جس میں مدغم کی آواز مکمل طور پر مدغم فیہ میں داخل نہ ہو جائے بلکہ کچھ اپنی آواز کا اثر باقی رہے جیسے مَنْ یُّؤْمِنُ۔

تمام قرآن مجید میں اس یرملون کے قاعدے کے تحت چار الفاظ میں ادغام نہیں ہوتا ہے، بوجہ ایں کہ اس ادغام کے لئے شرط ہے کہ حرف یرملون اور نون ساکن یا تنوین جدا جدا کلموں میں ہوں مگر یہاں ایک ہی کلمہ میں ہے ادغام کرنے سے مطلب یوں ہوتا ہے کہ حرف میں غنت پیدا کی جائے تو الفاظ کی ہیئت بالکل بگڑ جائیں گے اور دوسرے محققین اہل ادا نے اس میں اظہار کیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں قِنْوَانٌ۔ بُنْیَانٌ۔ صِنْوَانٌ۔ دُنْیَا سورہ فیہ میں اظہار ہوا ہو سکتے ہے۔

سورۃ یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں بھی ہمارے ہاں اظہار سے پڑھنے کا طریقہ اب تک ہے... یہ مشہور ہو چکا ہے، قریباً ادغام سے پڑھنے کا طریق معدوم ہو چکا ہے اس لئے اساتذہ کرام فن کو چاہیئے ادغام سے بھی پڑھایا کریں یہ ادغام اس طرح پر ہو گا، کہ اگر ہم حروف مقطعات کو جدا جدا کریں یا سین نُوْنْ و اس طریقہ سے ن ساکن کے بعد و متحرک آرہا ہے اور اس میں ادغام لازم ہے،

الاخفاء تنوین یا نون ساکن کے بعد حروف اظہار یعنی حلقی حروف یرملون الف اور "بآ" آویں تو بقیہ پندرہ حروف آویں تو اخفاء ہوتا ہے وہ حروف یہ ہیں ت، ث، ج، د، ذ، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ف، ق، ک، یعنی ادائیگی میں نون ساکن یا تنوین کی آواز مکمل طور سے مخرج کی بجائے ناک سے ادا ہو۔

الاقلاب تنوین یا ساکن کے بعد حرف "با" آوے تو اس تنوین یا نون ساکن "میم" سے بدل کر پڑھتے ہیں اس طرح ادائیگی پہلے دونوں ہونٹ مل جائیں پھر غنہ ہو اور ان کے ہونٹ کھل جائیں، اور ہونٹ کو مضبوط نہ رکھنا چاہیئے اس حروف صاف واضح ادا ہو گا۔

اب مزید مثالیں لکھتا ہوں تاکہ ان چاروں حال کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے۔

اظہار

ہمزہ:۔ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ سُوْٓءًا اَوْاَرَادَ مَنْ اَسْرَفَ۔ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ
ھا:۔ شَیْءٍ ھَالِكٌ مِنْ ھَادٍ مِنْھُمْ۔
ح:۔ نَارٌ حَامِیَةٌ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ تَنْحِتُوْنَ
ع:۔ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ مِنْ عِنْدِهٖ اَنْعَمْتَ
خ:۔ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ كَاذِبَةٍ خَافِضَةٌ مِنْ خَیْرٍ مِنْ خِلَافٍ
غ:۔ اَجْرٌ غَیْرَ اِلٰهٍ غَیْرِیْ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۔

اِدغام

ی:۔ مَنْ یُّؤْمِنُ مَنْ یَّشْتَرِیْ یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ۔ رَجُلٌ یَّسْعٰی
ر:۔ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ مِنْ رِّجَالِكُمْ زَبَدًا رَّابِیًا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ
م:۔ مِنْ مُّعَمَّرٍ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ هُدًی مِّنْ
ل:۔ مَنْ لَّا یُؤْمِنُ لَئِنْ لَّمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ یَوْمَئِذٍ لَّا یُؤْمِنُ
و:۔ مِنْ وَّاقٍ مِنْ وَّلِیِّهٖ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ هُدًی وَّرَحْمَةٌ
ن:۔ مِنْ نَّذِیْرٍ لَنْ نُّؤْمِنَ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ عِظَامًا نَّخِرَةً

اِخفاء

ت:۔ مَنْ تَابَ فَمَنْ تَبِعَنِیْ عَدْنٍ تَجْرِیْ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ
ث:۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ اَلْاُنْثٰی جُزْءًا ثُمَّ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً
ج:۔ مِنْ جُوْعٍ مَنْ جَآءَكُمْ مُؤْمِنٌ جَارِیَةٌ بِكُلٍّ جَعَلْنَا
د:۔ مِنْ دُوْنِ عِنْدَاللّٰهِ صُمٌّ دُعَآءً دَكًّا دَكًّا
ذ:۔ مِنْ ذَالِكَ یُنْذِرُوْنَكُمْ عَزِیْزٌ ذُوْانْتِقَامٍ فَاَنْتُمَا ذَالِكَ

ث:- اَنْزِلَ مِنْ ثَمَرَاتٍ نَفْسًا زَكِيَّةً عَلِيْمًا ثَمَّ كَثِيرًا

س:- اَلْإِنْسَانُ تُنْسٰى بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ اَمْرٍ سَلٰمٌ

ش:- اَنْشَاكُمْ مِنْ شَرِّكَا ئِهِمْ اِذَا شَطَطًا شَيْءٍ شَهِيْدٍ

ص:- فَانْصَبْ اَنْصَارٍ صَفًّا صَفًّا عَمَلًا صَالِحًا

ض:- مِنْ ضَرِيْعٍ مَنْ ضَلَّ قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا

ط:- عَنْ طَبَقٍ اَلْمُقَنْطَرَةِ صَعِيْدًا طَيِّبًا لَحْمًا طَرِيًّا

ظ:- يَنْظُرُوْنَ فَلْيَنْظُرْ مَثَلًا ظِلًّا سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ

ف:- اَلْمَنْفُوْشِ مُنْفَكِّيْنَ مَشْهُوْدٍ قُتِلَ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ق:- اَنْقَضَ مِنْ قُوَّةٍ مَشْهُوْدٍ قُتِلَ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

ك:- مِنْ كُلِّ اِنْ كَذَّبَ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ

اقلاب

ب:- اَنْبِئْهُمْ سُنْبُلَةٍ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اَسْفَارًا بِئْسَ

نونِ ساکن یا تنوینِ اظہار کو مظہرہ نونِ ساکن یا تنوینِ اخفا کو مخفی، نونِ ساکن یا تنوینِ ادغام کردہ اور نونِ ساکن یا تنوینِ اقلاب کو منقلبہ کہتے ہیں۔

میم کے احکام

میم جب مشدد ہوگی تو اس میں "ن" مشدد کی طرح غنہ ہوگا غنہ کی صحیح مقدار ایک الف ہے الف کی صحیح مقدار کا اندازہ محض اساتذہ فن جو مشاق ہوں ان کے پڑھنے پر موقوف ہے جس طرح استاذ فن پڑھے جس تلاوت کے درجہ پڑھے اسی طرح الف کی مقدار بھی کم زیادہ ہوگی، جب ترتیل میں پڑھیگا تو الف کی مقدار علیحدہ ہے، حدر میں اور تدویر میں اور ہوگی الف کی مقدار کو انگلیوں کے کھلنے اور بند ہونے سے سمجھنا مشکل ہے معلوم انگلی ترتیل میں کتنی تیزی سے کھلے جب حدر و تدویر میں آہستہ اس لئے بہتر صورت یہی ہے کہ الف کی مقدار کو مشاق استاذ کے پڑھنے پر محمول کرے اور جو مشاق ہوگا وہ یقیناً صحیح الف کی مقدار کا مکلف ہوگا۔ اور اس ماہر کے پڑھنے اور مقدار جو ماہر ہی خوب سمجھیں گے باقی

(۳) میم ساکن: میم ساکن کے تین حال ہے۔
(۱) ادغام (۲) اخفاء (۳) اظہار

الادغام | جب میم ساکن ہو اس کے بعد بھی میم متحرک ہو تو اس ساکن میم کو اس متحرک میم میں ادغام کر دینگے اور اس طرح سے دونوں میم مل کر ایک میم مشدد بن جائیگی اور اس پر غنہ ہو گا۔

الاخفاء | میم ساکن ہو اس کے بعد ب متحرک ہو تو میم کو اخفاء سے پڑھیں گے، مثلاً ومَا هُمْ بِمَا دِجِيْنَ۔

الاظہار | میم ساکن کے بعد مَ یا ب کے علاوہ جتنے بھی حروف آئیں سب حروف اظہار ہوں گے۔

ہاں البتہ بعض کتب میں دیکھا گیا ہے کہ وہ حروف شفوی میں اخفاء کرتے ہیں یعنی جب میم کے بعد حروف شفوی آئے تو اخفاء کرتے ہیں یا صلہ کرتے یا گونہ حرکت دیتے ہیں اور اس طرح سے پڑھنا کسی معتبر سے ثابت نہیں ہے البتہ بعض چھوٹے رسائل میں ہے ہاں البتہ میم کے ساکن کے "ب" آوے تو اخفاء کرنا تو بعض ضعیف روایات سے ثابت ہے اسی طرح میم ساکن کے کوئی حرف متحرک آوے تو سبعہ قراء میں بعض قراء نے تو صلہ سے میم کو پڑھا ہے مگر میم کے بعد واؤ فا آوے تو کسی نے اخفاء نہیں کیا ہے نہ ہی کسی نے گونہ حرکت دی ہے اس لئے عوام میں "بوف" کا قاعدہ مشہور ہے وہ صرف غلط العوام ہے ورنہ محققین کے نزدیک سرے سے ہی غلط ہے۔

را کا بیان | ر جب متحرک ہو گی تو مفتوح و مضموم حالت میں مفخم پڑھا جائے گا اور مکسور ہونے کی حالت میں رَا ترقیق سے پڑھی جائیگی اور رَا جو مشدد ہو گی، وہ اپنی حرکت کے مطابق پڑھی جائیگی، یعنی رَا پہلی دوسری کے تابع ہو گی جیسے خُذِّ مثلاً وغیرہ پہلی مثال دونوں رَا باریک اور دوسری مثال میں مفخم ہو گی، ہاں البتہ را ساکن ہو تو اس کی مختلف حالتیں ہوں گی۔

(۱)۔ جب را ساکن ہو تو اس کے ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھیں گے یعنی را سے ماقبل

مفتوح و مضموم ہو تو را پُر اور مکسور ہو تو را باریک ہو گی تَرْتِيلًا ۔ أَنْ كُنْتُمَا ۔ تَشْتَبِدُو ۔
(۲) ۔ جب را ساکن ہو اور اس کا ماقبل بھی ساکن ہو تو اس را کو بھی ماقبل کی حرکت کے مطابق پڑھیں گے جیسے اَلْعَصْرِ خُسْرٍ مگر یہ حالت وقف کی ہی صورت میں پیدا ہوا کرتی ہے، مثلاً اور عُسُر کے ماقبل مضموم ہے تو اب ان دونوں راکو پُر یعنی منہ بھر کر ادا کریں گے، اسی جب را کا ماقبل ساکن اور اس کا ماقبل ساکن اس سے قبل حرف پر کسرہ ہو تو را کو باریک پڑھیں گے جیسے حِجْرٍ یہاں وقف کی صورت میں را ساکن ماقبل ج ساکن اور حا مکسور ہے، اسی طرح ۔ ح " ی کی، حرکت کسرہ کے مطابق باریک پڑھی جائے گی، بہت سے مساجد کے ائمہ کرام جب ان سورتوں کو پڑھتے ہیں تو اوقات کی حالت میں را کی ذرا بھی بُو آنے نہیں دیتے ہیں جس سے ایک پورا حرف کا حرف ہی غائب ہو جاتا ہے یعنی وَالْعَصْرِ کی بجائے وَالْعَصْ ہو کر رہ جاتی ہے جس سے یقینی طور پر لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں یا کوئی مہمل بے معنی کلمہ بن کر رہ جاتا ہے اور اس طرح جاننے والے حضرات کی نماز ہی جاتی رہتی ہے چونکہ ہمارے ہاں قرآن کی قراءات کے علم اور تجوید کو بعض محتاط حضرات (جو کہ ضرورت سے زیادہ سنت کے حامل ہیں) وہ بدعت قرار دیتے ہیں اس طرح سے یہ بات عوام میں پھیل کر اب اس فریضہ کو ختم کرنے کے کوشاں ہیں حالانکہ تجوید کے خلاف قرآن مجید پڑھنے والا باوجود مکلف ہونے کے اسے نہ پڑھے تو حق تعالیٰ جل شانہٗ کی ناراضگی کے مستحق ہیں اس ذات بابرکات کی خفگی کسی بڑے سے بڑے نبی کی برداشت سے باہر ہے کجا آج کل کا مسلمان مجسم بدعمل اور گنہگار اور جو حضرات منکرِ تجوید ہیں اور بدعت قرار دیتے ہیں وہ یقیناً قرآن مجید کی آیت وَرَتِّلْنَٰهُ تَرْتِيلًا کو سمجھے ہی نہیں ہیں اور را بھائی کی خبر منائیں اس لیے قرآن مجید کی تلاوت نہایت ہی احتیاط سے خوب حروف کو سنوار سنوار کر ہونی چاہیئے، را کی صفت جہر اور تکرار کا بہت خیال رکھنا چاہیئے جس سے را کی آواز بہت صاف اور واضح ادا ہو گی۔

(۳) ۔ جب را ساکن ہو ماقبل ساکن "ی" ہو تو وہ را ہر حالت میں باریک پڑھی جائیگی یہ حالت بھی وقف کی صورت میں پیدا ہو گی مثلاً لَاخَيْرَ ۔ فِي سَيْرٍ ۔

(۴) ۔ ساکن را سے ماقبل کسرہ عارضی یا ہمزہ وصل ہو تو وہ را بھی پُر پڑھی جائیگی جیسے اَنِ

اَمِ ارْتَابُوْا۔ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔ اِرْجِعِيْ وغیرہ۔

۵:۔ ساکن را کے بعد حرف مستعلیہ آ رہے تو۔۔ استعلاء کی صفت کو اس حرف مستعلیہ میں قائم رکھنے کے لئے اس را ساکن کو بھی پُر پڑھتے ہیں مثلاً مِرْصَادِ۔ فِرْقَةٌ مگر فِرْقٍ کی را میں خلف ہے بعض کی رائے میں پُر ہے بوجہ قاعدہ مذکورہ اور بعض کی رائے میں باریک ہے بوجہ "ق" کے کسرہ کے اب اس کی تفخیم خود ہی بہت کم ہے اس لئے وہ کس طرح دوسرے حرف کو مفخم کر سکے گا بہر حال جس سے جیسے بنے پڑھ سے کیونکہ را کی تفخیم و ترقیق کا تعلق محض صفت عارضہ سے ہے،

اب ان جگہوں کی نشان دہی کی جاتی ہے جو قاعدہ نمبر ۴، نمبر ۵ کے تحت میں آ رہے ہیں کسرہ عارضی ہمزہ وصل والے را آت:۔

اَنِ ارْتَبْتُمْ دو بار پ مائدہ ع ۱۴ پ طلاق ع ۱ اِرْجِعِيْ سورہ فجر پ اِرْجِعْ پ نمل رکوع ۳ اِرْجِعُوْا پ یوسف ع ۱۰ اَمِ ارْتَابُوْا پ نور ع ۶ رَبِّ ارْجِعُوْنِ پ مومنون ع ۶ الَّذِي ارْتَضٰى پ نور ع ۷ مَنِ ارْتَضٰى پ جن ع ۲ لِمَنِ ارْتَضٰى پ انبیاء ع ۲ رَبِّ ارْحَمْهُمَا پ اسرائیل ع ۳۔

حروف مستعلیہ والے

اِرْصَادًا پ توبہ ع ۱۳ مِرْصَادًا پ نباء لَبِالْمِرْصَادِ پ سورہ فجر فِرْقَةٍ پ توبہ ع ۱۵

فِرْقٍ (خلف) پ شعراء ع ۴ قِرْطَاسٍ پ انعام ع ۱۔

ان کے علاوہ قرآن مجید کے کئی کلمات کو رسم الخط کی مطابقت میں پُر پڑھے جاتے ہیں جو درحقیقت باریک پڑھے جانے چاہئے مگر اوزان اور فواصل برابر کرنے کے لئے ان کے آخری "ی" کو گرا دیا جاتا ہے اس طرح بحالت وقف انہیں پُر پڑھانے کا رواج قائم ہو گیا ہے حالانکہ اولیٰ و افضل طریقہ یہی ہے کہ انہیں بحالت وقف پُر نہ کیا جائے، بلکہ ترقیق سے اپنی اصلی کیفیت کے مطابق ادا ہو وہ کلمے یہ ہیں فَاَسْرِ پ سورہ ہود ع ۷ پ حجر ع ۵ اور فَاَسْرِ پ الدخان ع ۱ اَنْ اَسْرِ پ طٰہٰ ع ۴ پ الشعراء ع ۴ اِذَا يَسْرِ پ الفجر ع ۱ نُذُرِ پ القمر کئی جگہ ہے بعض قراء نے لفظ مِصْرَ اور اَفِي عِزْرَ میں را کی باریکی اور پُر کا مسئلہ

رکھا ہے بہتر صورت یہ ہے انقطع اور مصر میں وہی قواعد ہی استعمال ہوں جیسے دوسری جگہوں پر یعنی وصل کی حالت میں مصر کی را باریک نہ ہوں اور وقف کی حالت میں باریک مگر القطر کی را بہر صورت میں ہی باریک ہو۔

۶۔ را ممالہ جو کہ تمام روایت سیدنا امام حفصؒ میں ایک ہی جگہ ہے باریک پڑھی جائیگی را ممالہ کہتے ہیں اس را کو جس پر امالہ کیا جائے۔ (امالہ کی تعریف پہلے تحریر کر چکا ہوں) وہ بارہویں سپارہ سورۃ ہود رکوع ۴ بسم اللہ مجریہا میں را کے الف پر امالہ ہے اس وجہ سے اس را کو باریک پڑھیں گے امالہ کی ادائیگی نہایت ہی کوشش سے کرنی چاہیئے بعض حضرات امالہ صغریٰ اور کبریٰ میں فرق نہیں کر سکتے ہیں۔

۷۔ رائے مرمہ موقوفہ بالروم۔ وہ را جس پر وقف بالروم کیا جائے، روم کہتے ہیں کسی بھی حرف متحرک کے حرکت کے چوتھائی حصہ کو پڑھنا جب کہ اس پر وقف کیا جا رہا ہو۔ روم اتنی ہلکی آواز ہوتی ہے جسے صرف قریب والے ہی سن سکتے ہیں مگر بہرہ انسان نہ سن سکے گا (بقیہ تفصیل باب الوقف میں بیان ہوگا) ایسی را پر چونکہ مکمل طور سے سکون پیدا نہیں ہوا اس لئے اس کو اس کی حرکت کے مطابق ہی پڑھیں گے۔ یاد رہے روم صرف کسرہ اور ضمہ پر ہوگا، فتح پر روم نہ ہوگا، اسی طرح جب تنوین مکسور اور مضموم پر وقف بالروم کرینگے تو ایک ہی حرکت پڑھیں گے تنوین کی آواز پر روم نہ ہوگا۔ جیسے قَدِیْرٌ یا حَمِیْدٌ وقف بالروم کی حالت میں قَدِیْرُ یا حَمِیْدُ

لام کا بیان

جب لفظ اللہ سے ماقبل حرف مفتوح یا مضموم ہو تو وہ لفظ اللہ کا لام مفخم پڑھا جائے گا جیسے من اللہ۔ حواللہ۔ لیعبدوا اللہ فاتقوا اللہ جو مکسور ہو ماقبل اس لام کو اور تمام لاموں کو باریک ہی پڑھیں گے مثلاً بسم اللہِ۔ اَعُوْذُ بِاللہِ۔ اَلَّذِیْنَ۔ اَلصَّلٰوۃَ وغیرہ۔

اوی کا بیان

اوی ساکن ماقبل ان جیسی حرکت ہو یعنی الف ساکن ماقبل مفتوح ی ساکن ماقبل مکسور و ساکن ماقبل مضموم ہو ان کو مد کر کے پڑھیں گے اگر ان کو اشباع سے نہیں پڑھیں تو الف زبر۔ و پیش بنکر رہ جائیگا۔ اس لئے اوی ساکن کی طبیعت اور ذات میں بھی مشابہت ہوئی، اوی کی جو مقدار مد ہے اسے ملاصلی، ذاتی،

طبیعی، طبعی، قصر کہتے ہیں اور یہ مقدار ہر وقت اس کی ذات میں قائم رہے گی ان کے علاوہ جو مقدار کھینچی جائے گی اسے مد فرعی کہتے ہیں، وہ اصل کی ہی قسم ہے،

مد فرعی :۔ مد فرعی تمام قرآن میں دو طرح پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ حرف مدہ کے بعد جب ہمزہ آئے۔

۲۔ حرف مدہ کے بعد سکون ہو۔

(۱) (۱) جب حرف مدہ کے بعد ہمزہ اور وہ ہمزہ اسی کلمہ میں متصل ہو تو اس مد کو مد متصل یا واجب کہیں گے۔

(۲) جب حرف مدہ کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو اسے مد منفصل کہیں گے۔

مد متصل :۔ جَآءَ ۔ سُوٓءٍ ۔ سِیْٓـٴَتْ ۔

مد منفصل :۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ ۔ اَلَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ ۔ اٰمَنُوْٓا اِلَّآ

(۲) ۱۔ جب حروف مدہ کے بعد سکون اصلی ہو اسے مد لازم کہیں گے۔

۲۔ جب حرف مدہ کے بعد سکون عارضی ہو اسے مد عارض کہیں گے۔

تمام قرآن مجید میں مد لازم دو قسم پر ہیں۔

۱۔ مخفف ۲۔ مثقل۔

۱۔ مخفف :۔ وہ مد وہیں یعنی حروف مدہ کے بعد ساکن حروف مجزوم ہو۔

۲۔ مثقل۔ حرف مدہ کے بعد حرف مشدد ہو۔ ۔ ۔ مخفف اور مثقل مد و ایک تو کلمات قرآن میں ہوں گے یہ وہ مد لازم کلی کہلائیں گے اسی طرح جو حروف مقطعات میں ہوں گے، وہ مد لازم حرفی کہلائیں گے جو مخفف ہوں گے وہ مد لازم ۔ ۔ ۔ مخفف اور جو مثقل ہوں وہ مد لازم مثقل ہوں گے۔

جب کسی کلمہ قرآنی پر وقف کیا جائے جب کہ حرف موقوف سے قبل حرف مدہ وقف کی صورت میں چونکہ وہاں عارضی طور پر سکون پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مد پیدا ہوگی، اس مد کو مد عارض وقفی کہیں گے، جب حرف لین کے بعد سکون پیدا ہو تو وہاں مد لین پیدا ہوگا۔ اگر سکون اصلی ہو تو مد لازم لین، اگر سکون عارضی ہو تو مد عارض لین تمام کلمات قرآنی میں کوئی

بھی مدلین لازم نہیں ہے ہاں البتہ حروف مقطعات میں سے مریم سورۃ شوریٰ کے کہیٰعص عسق عسق
عینوں میں ع میں کو کھول کیا جائے تو ی لین کے بعد "ن" کا سکون اصلی ہے اس میں مدلازم لین ہے (
ان کے علاوہ تمام قرآن میں کوئی مدلازم لین نہیں ہے کلمات قرآن میں صرف وقف کی حالت میں ہی
مدعارض لین پیدا ہوتے ہیں۔

مدمتصل :۔ مَاشَآءَ اللّٰہُ۔ لِتَنُوْٓأَ۔ هَنِيٓـًٔا

مدمنفصل :۔ اِلَّآ اِيَّاهُ۔ اَمِ اٰنْتَا بُوْٓا اَمْ تَعَاقُوْنَ۔ يَعْلَمُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ۔ وَلٰکِنِّیٓ اَرٰکُمْ

مدلازم کلمی مخفف :۔ آٰلْـٰٔنَ یہ مد صرف اسی کلمہ میں جو سورۃ یونس پ۱۱ میں دو جگہ پر ہے۔

مدلازم کلمی مثقل :۔ اَتُحَآجُّوْنِّیْ۔

مدلازم حرفی :۔ مدحرفی حروف مقطعات میں پیدا ہوتے ہیں کل تعداد حروف مقطعات کی چودہ
ہے جن کا مجموعہ نقص عسلکم حیی طاھر ان میں سے پہلے آٹھ حروف یعنی نقص عسلکم تین حرفی ہیں
دو گو ظاہر میں الف بھی تین حرفی ہے مگر الف میں نہ ہی محل مد ہے نہ ہی سبب مد ہے البتہ "ن"
کو جب اس کے طریق پر رسم میں لائینگے تو یوں ہوگا نُوْن۔ اس میں و ساکن محل مد ہوا۔ اور ن کا سکون
اصلی سبب مد ہوا اس طرح قاف، صاد وغیرہ سب میں ایک محل مد اور ایک سبب موجود ہے ان آٹھ حروف
کے علاوہ باقی پانچ دو حرفی ہیں ان میں محل ہے تو سبب نہیں الف صرف تین حرفی ہے جو محل اور سبب سے
خالی ہے اب اس طرح تمام طالب ان حروف کو کھولتے ہیں تو ان میں حروف مد کے بعد جہاں سکون اصلی
وہاں مخفف اور جہاں حرف مشدد پیدا ہو جائے وہاں مدلازم حرفی مثقل ہوگا۔ مثلاً الٓمّٓ کو یعنی الف لام میم
لام میں الف محل م ساکن سبب ہے م ساکن کے بعد دوسری میم متحرک ہے اب میم ساکن میم متحرک
میں ادغام ہوگا اور اس طرح سے متحرک پر تشدید پیدا ہوگی تو لام کے الف کے بعد میم مشدد ہو گئی اس
طرح لام کا مد مدلازم کلمی مثقل ہوا۔ اور میم کا مد مدلازم کلمی مخفف ہوا بہت سوں کو ان مدوں میں
مغالطہ رہ جاتا ہے کہ وہ میم کو مشدد دیکھ کر میم کو مثقل کہہ دیتے ہیں اس مغالطے سے بچنا ضروری ہے۔

مدلازم حرفی مخفف :۔ آلٓر۔ نٓ۔ صٓ

مدلازم حرفی مثقل :۔ الٓمّٓ۔ الٓمّٓر۔

مدلازم لین :۔ عٓسٓقٓ۔

مدعارض وقفی ۔ مُكَذِّبَانِ ۔ اَلْمَصِيْرُ ۔ يَعْلَمُوْنَ

مدعارض لین ۔ خَوْفٌ لَاضَيْرَ ۔

مندرجہ ذیل نقشہ سے اُمید ہے اچھی طرح سمجھ جائیں گے اکثر طلبہ کو ہیں نے اسی طرح سمجھا کر تجربہ کیا ہے کہ بہت جلد سمجھ جاتے ہیں ۔

نقشہ مدات

اُ دٗ یٓ ۔ ساکن ماقبل اُن جیسی حرکت ۔

مد اصلی

مد فرعی

- سکون
  - مد لازم
    - ۱ کلمات قرآنی
      - عارض وقفی
      - عارض لین — مثال عَلِيْمٌ ۔ مثال خَوْفٌ
      - مخفف
        - ۱ مدلازم کلمی مخفف — مثال ۔ آلْئٰنَ
        - ۲ مدلازم حرفی مخفف — مثال ۔ حٰمٓ
      - مثقل
        - ۱ مدلازم کلمی مثقل — مثال ۔ دَآبَّةٍ
        - ۲ مدلازم حرفی مثقل — مثال ۔ الٓمّٓ
    - ۲ حروف مقطعات
      - مدلازم لین — مثال ۔ عٓسٓقٓ
- ہمزہ
  - ۱ مدمتصل، مدواجب — مثال جَآءَ ۔ شَآءَ
  - ۲ مدمنفصل، جائز — مثال ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
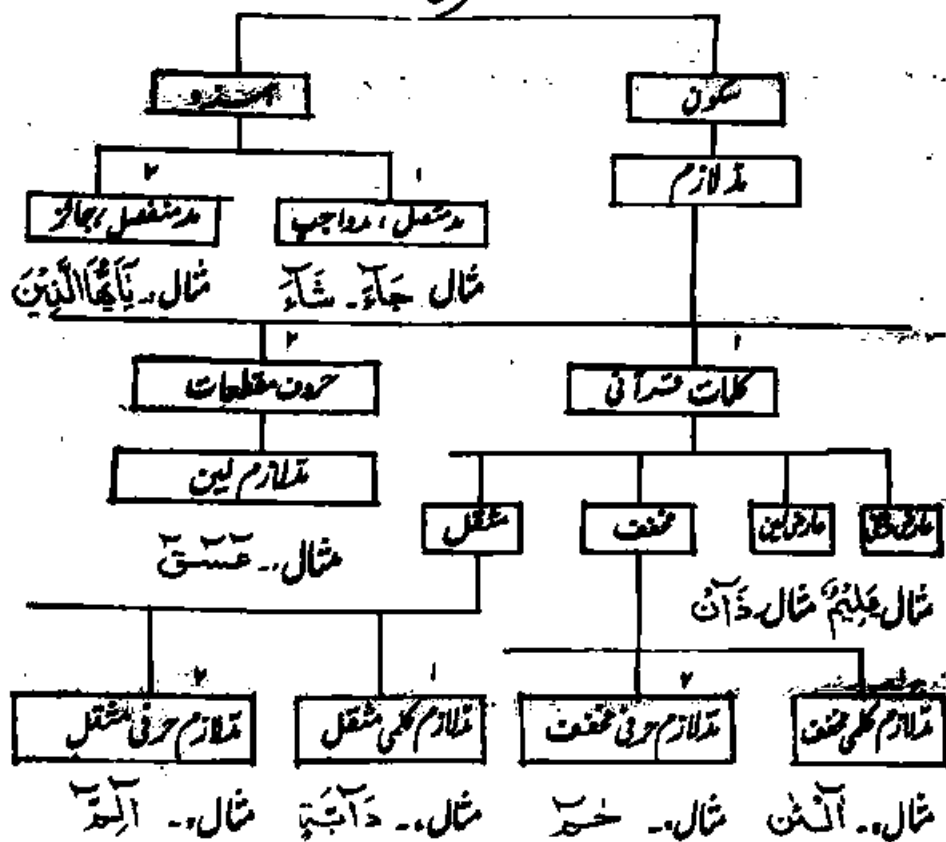
جن مدوں کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ بعض قراء نے مندرجہ ذیل مد کی قسمیں بھی بتلائی ہیں۔

۱۔ مدعوض ۲۔ مدبدل ۳۔ مدفرق ۴۔ مدتعظیم یا توحید ۵۔ مدنفی مبالغہ

۱۔ مدعوض:۔ جب کسی کلمہ کا آخری الف ہو اور اس پر مفتوح تنوین ہو تو اس تنوین کو الف سے بدل کر کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تو اسے مدعوض کہتے ہیں مثلاً خَبِيْرًا ۔ قَدِيْرًا وغیرہ۔

۲۔ مدبدل:۔ جہاں دو ہمزہ جمع ہوں اور پہلا ہمزہ متحرک ثابت رکھ کر دوسرے ہمزہ ساکن کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے مطابق حرف سے بدل کر پڑھتے ہیں تو اس تبدیل حرف مد سے بدل کر پڑھنے کو مدبدل کہتے ہیں مثلاً ءَ ءْمَنُوْا کو اٰمَنُوْا۔ اِءْمَانٌ کو اِیْمَانٌ

۳۔ جہاں دو ہمزے جمع ہوں پہلا ہمزہ استفہام دوسرا ہمزہ خبر کا ہو تو اس ہمزہ کو الف سے بدل کر پڑھتے ہیں تو اسے مدفرق کہتے ہیں (اور اسے ہمزہ کی تسہیل کے باب میں لکھا ہے) مثلاً ءَاللّٰہ کو آللّٰہ وغیرہ۔

۴۔ مدتعظیم یا توحیدی:۔ یہ مد صرف لفظ اللہ کی عظمت اور وحدانیت کو ثابت کرنے کے قراء نے غیر قرآن میں جائز لکھا ہے اور اس کی مقدار سات الف مقدار ہے جیسے اذان میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کے لفظ اللہ پر۔

۵۔ مدنفی یا مبالغہ:۔ یہ مد صرف سیدنا شیخ القراء حضرت قاری حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ لانفی جنس کی وضاحت کے لئے مد کرتے ہیں یہ ہوتا بھی لفظ لا پر ہے، یہ طیبہ کے طریق پر ہے نہ کے شاطبیہ کے۔

مد کے لغوی معنی کھینچنا۔ اصطلاح قراء میں اِطَالَۃُ الصَّوْتِ بِحَرْفٍ مِّنْ حُرُوْفِ الْمَدِّ آواز کو حرف میں سے کسی حرف پر کھینچنا۔

تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ اگر تمام مدوں کے سمجھنے میں اگر مندرجہ ذیل نقشہ کو سمجھ لیا جائے تو بہت آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

نقشہ :- حروف مدہ ا، و، ی ساکن ماقبل ان جیسی حرکات

مد

مدّ اصلی ———— مد فرعی

الف و ی

اسباب مد

سکون ———— ہمزہ

متصل ———— منفصل

یا :- واجب ———— یا :- جائز

مثال مدّ متصل ہمزہ کی

جَآءَ ۔ جِیْٓئَ سُوْٓءَ

مثال مدّ منفصل ہمزہ کی

اِنَّآ اَرَدْنَا ۔ هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ ۔ اِلَّا تَعْلُوْا ...

کلمات ———— حروف مقطعات

مثال :- مثال

۱ :- مدلازم کلمی مخفف اٰلْئٰنَ ۱ :- مدلازم حرفی مخفف الٓمّٓ

۲ :- مدلازم کلمی مثقل دَآبَّةٌ ۲ :- مدلازم حرفی مثقل الٓمّٓ

۳ :- مدعارض وقفی نَسْتَعِیْنُ تَعْلَمُوْنَ نَاصِرِیْنَ ۳ :- مدلین لازم عٓسٓقٓ

۴ :- مدعارض لین :- خَوْفٌ بَیْتٌ

مقدار مد

مد کی مقدار میں تین حالتیں ہیں ۱ :- طول ۲ :- توسط ۳ :- قصر

(۱) طول کی مقدار میں کم از کم تین الف اور زیادہ سے زیادہ پانچ الف ہے ۔

(۲) توسط کی مقدار طول کے مطابقت سے ہوگی یعنی طول اگر تین الف ہے تو توسط دو الف

طول چار الف کو توسط دو یا تین الف اگر طول پانچ الف ہے تو توسط تین یا چار الف ہوگی۔
۲۔ قصر کی مقدار ایک الف ہوگی اگر اس سے بڑھ گئی تو توسط یا طول اگر کم ہو گئی تو حرکت بن کر رہ جائے گی۔

مد متصل میں طول اولیٰ ہے یعنی تین سے پانچ الف تک مگر جب کسی مد متصل پر وقف کیا جائے تو وہاں چونکہ دو قسم کے مد پیدا ہوں گے ایک تو متصل دوسرا مد عارض وقفی پیدا ہوگا، تو اس صورت میں اسے توسط سے پڑھیں گے اور توسط سے پڑھنا اولیٰ وافضل ہے۔

مد منفصل :- میں بھی طول اولیٰ ہے مگر اس میں توسط اور قصر بھی جائز ہے اس لئے قرآن میں جہاں بھی مد منفصل آئے اگر اسے پڑھا ہے تو ہر جگہ پڑھے اگر حذف کیا ہے تو ہر جگہ حذف کرے کیونکہ اس کا حذف کرنا بھی جائز ہے۔

مد لازم کلمی حرفی مخفف ومثقل سب میں طول ہی جائز ہے گو بعض قرآء نے انمیں اختلاف کی کوشش کی ہے مگر جمہور قراء کی رائے پر ان میں طول ہی اولیٰ ہے مدین لازم میں طول اولیٰ ہے جب کہ قصر و توسط بھی جائز ہیں۔

مد عارض وقفی میں طول توسط قصر تینوں جائز ہیں مگر طول اولیٰ ہے،
مدلین عارض میں طول، توسط قصر تینوں ہی جائز ہیں مگر برعکس مد عارض وقفی کے اس میں قصر اولیٰ ہے۔

جب بھی تلاوت شروع کی جائے تو مشاق قراء پر یہ لازم ہے کہ وہ مد کی مقدار شروع سے متعین کریں اور پھر تمام تلاوت میں اسکا التزام کریں اور اس میں فرق نہ آنے دیں یعنی کہ ابتداء میں مد متصل کے طول کی مقدار تین الف رکھی ہے تو تمام تلاوت میں تین الف ہی سے پڑھے اور ایسے ہی مد منفصل کی طول کی مقدار تین الف ہے تو اسے بھی بخوبی نبھائے اور منفصل میں توسط یا قصر کیا ہو تو تمام جگہ اسی طرز و طریقہ کو جاری رکھے نہ کہ کسی جگہ زیادہ کسی جگہ کم کرے۔ اس طرح سے اناڑی پن کا اظہار ہوگا اور تلاوت کی خوبی نمایاں نہ ہوگی بلکہ بھداپن پیدا ہو جائے گا۔

اسی طرح جتنے بھی مد لازم ہوں ان کے طول کو برابر رکھے اور ان کے طول مد متصل

کے طول کے مساوی ہو سکے تاکہ پڑھنے میں آسانی اور خوبصورتی رہے، مد عارض وقفی اور مدلین لازم میں طول کا بھی اہتمام کرے اور مد عارض لین میں قصر کو خوب نمایاں کرے اس طرح وہ باریکیاں بھی واضح ہو جائے گی جو غیر قاری نہیں جانتے اور اپنی لاعلمی اور جہالت کا اعتراف کرنے کی بجائے خواہ مخواہ وہ اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے ہیں جس کا ایک نمونہ درج ذیل ہے،

"فن تجوید نے قرآن کے الفاظ کی صحت میں بے حد مدد دی ہے معلوم ہے کہ قرآن کو درست پڑھنا شرعاً ضروری ہے اس لئے فن تجوید سے استغنا کی بھی کوئی صورت نہیں، فن تجوید کا اصل مقصد الفاظ کے مخارج کی صحت اور صفات حروف اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، لیکن مشکل یہ ہے گانا اور مخارج میں بلا وجہ تکلف تجوید کا جزو بن گیا ہے، قاری کا تلفظ صحیح نہ ہو لیکن اس کی لے اچھی یعنی باندازِ غنا اور موسیقی ہو تو اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے آج کل جو قدر غلطی غیر مجوّد قاری کرتا ہے اسی قدر مجوّد قاری قرآن عزیز کو خراب کرتے ہیں عام قاری الفاظ کے مخارج اظہار۔ اخفیٰ۔ وقف اور ابتدا میں غلطی کھاتے ہیں، لیکن مجوّد قاری الفاظ کے زیر و بم اور لے سے موسیقی کی تانوں میں لے جا کر قرآن کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں اس میں اعتدال کی حد یہ ہے کہ قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے اس کے مخارج درست ہوں لیکن اسے قوال اور راگ کا انداز نہیں بنانا چاہیئے وکان بین ذالك قواما حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔ اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل الکتب واهل الفسق فانه سیجیئ بعدی قوم یرجعون القرآن ترجیع الغناء والرهبانیة والنوح لا یجاوز حناجرهم مفتونة قلوبهم وقلوب من یعجبهم شانهم اھ طس هب جامع الصغیر مع فیض القدیر

قرآن کو عرب کی آواز اور لہجہ میں پڑھو اہل کتاب اور فساق کے لہجہ سے بچو عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو اسے موسیقی کی تانوں میں پڑھیں گے زمزمہ اور رہبانیت کا لہجہ پسند کریں گے قرآن ان کے حلق سے نہیں اترے گا ایسے قرا اور انہیں پسند کرنے والوں کے دل فتنہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ مقدمہ ترجمۃ القرآن از ترجمہ ثنائی مطبوعہ بمبئی ص۲۹۔

الحمد للہ۔ اللہ کا کرم ہے اب علمائے اہلحدیث نے بھی اس فن کی تعریف میں یہ چند الفاظ لکھ دیئے ہیں مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو کہے تو بڑا نیک متقی پرہیزگار ہے مگر "ڈاکو" ہے، اب ایک لفظ ڈاکو اس کے تمام صفات خوباں پر چھا گیا اور سننے والے سب بدظن ہو گئے۔

" اقتباس آج کل جس قدر غلطی غیر مجود قاری کرتا ہے اسی قدر سے مجود قاری قرآن عزیز کو خراب کرتے ہیں۔

اوّل تو سمجھا جائے کہ جو قرآن عزیز کو پڑھنے میں خراب کرتے ہیں وہ قاری مجود بھی ہیں۔ یا نہیں پورے سے کہہ سکتا ہوں

اور وہ حضرات جو فنی باریکیوں سے ناواقف ہیں وہ اپنی کم علمی کم فہمی اور جہالت کی بنا پر ہر اس شخص کو قاری کہہ سکتے ہیں جو قرآن کو گائے مگر مجود قاری کو کبھی گاتے ہوئے نہیں سن سکتے ہیں بلکہ قرآن مجید کو موسیقی کی تان میں باندازِ غنا ہے جانا اور لہجہ میں فرق کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

لہجہ کی تعریف ہے انسان کی طبعی آواز جو ہر وقت نکل سکتی ہے اور مختلف انداز ہیں، خصوصاً بعض لوگ جو نقالی کا مادہ رکھتے ہوں، جب کہ موسیقی کے راگ اور غنا کے اوقات اور انداز مقرر ہیں اور یہ بھی با قاعدہ فنی حیثیت رکھتا ہے، اور اس سیکھنے سکھانے میں بھی بہت سے آزادی پسند لوگ عمر عزیز کو ضائع کرتے ہیں اور قاری کوئی بھی ہو بشرطِ وہ صحیح فن سے واقف ہو تو کبھی موسیقی اور لے کی پرواہ نہ کرے گا، میں سمجھتا ہوں کہ ابھی تک صاحب تحریر نے کسی مجود فنی قاری کا قرآن سنا ہی نہیں ہے اگر وہ سنتے تو ضرور بالضرور معترف ہوتے اور اکثر جلسے جو کہ لائل پور سا گودھا انوالہ وغیرہ میں ہوئے ان میں میں نے بھی شرکت کی تو صرف انہیں قراء کو تلاوت کرتے سنا جو کہ تجوید کے ایک حرف سے بھی واقف نہیں مگر گلے کی رگیں تنی ہوئی ہیں اور سامعین کرام میں سے علماء بھی ہیں کہ اس پر سر دھن رہے ہیں خصوصاً لائل پور کی ایک جامع مسجد کے امام صاحب دراصل وہ خوش آواز حافظ ہیں مگر یار لوگوں نے قاری کا دم چھلا لگا کر خوب مشہور کر دیا ہے اس طرح آج جیسے غلط قرآن پڑھنے والے ہی مجود قاری کہلانے لگے۔

حالانکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں لہجہ سے قرآن پڑھنے کی تاکید ہے۔

زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ (دارمی)

زینت دو قرآن کو اپنی آوازوں سے۔

حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ یَزِیْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا (دارمی ج ۲ ص ۳۴۲)

ترجمہ۔ قرآن مجید اپنی آوازوں سے حسین کرو کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو بڑھاتی ہے،

ان احادیث کی روشنی میں قرآن کے اہل ماہر قراءت نے لکھا ہے کہ تحسین صوت اور خوش آوازی امر زائد محسن ہے اگر قواعد تجوید کے خلاف نہ ہو ورنہ مکروہ اگر لحن خفی لازم آئے اور لحن جلی لازم آئے تو حرام و ممنوع ہے پڑھنا اور سننا دونوں کا ایک حکم ہے، (فوائد مکیہ ص ۳)

اب میں نہیں سمجھتا کہ بلا سوچے سمجھے اس قسم کے اقتباسات کیوں تحریر کئے جاتے ہیں جبکہ اس عظیم فن سے ان کی اپنی ذات شریف بھی واقف نہیں ہے ع مگر ملاآں باشد کہ چپ نہ شود کی مثال کی صداقت کو واضح کرتا ہے۔

صاحب تحریر قبل ازاں حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب حیات تھے سنتے یا اب ان کے تلامذہ ارشد بہت سے حیات ہیں ان کو ہی سن لیتے تو کم از کم اس قسم کی گل افشانی سے اجتناب فرماتے۔

حضرت قاری عبدالمالک رحمہ صاحب اس دور کے سب سے بڑے امام قراءات تسلیم کئے گئے ہیں اور تمام مغربی پاکستان اور متحدہ ہند میں آپ ہی کا فیض ہے یا آپ کے تلامذہ ہی کا فیض ہے آپ کی مکمل زندگی کے حالات کسی اور شمارے میں دیئے جائیں گے،

اوجہ مدّ

تلاوت کے مد کی وجوہات کے متعلق لکھوں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید میں وقف کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ وقف بالاسکان ________

۲۔ وقف بالروم ________

۲۔ وقف بالاشمام

۱۔ وقف بالاسکان۔ جس حرف پر وقف کرنا مقصود ہو اس کی حرکات کو بالکل ساکن کر دیا جائے، جو ہمارے ہاں وقف کرنے کا طریقہ ہے۔

۲۔ وقف بالروم۔ یہ وقف صرف ان کلمات پر ہی کیا جا سکتا ہے جن کے آخر حرف موقوف پر ضمہ یا کسرہ ہو۔ فتح میں یہ وقف نہیں ہوتا ہے وہ اس طرح پر کہ کسرہ اور ضمہ دونوں کی چوتھائی حرکت کو پڑھا جائے جسے صرف قریب کے اشخاص ہی سن سکیں، قراء کے علاوہ دوسرے اشخاص یہ وقف نہیں کر سکتے ہیں۔

۳ وقف بالاشمام، یعنی کلمہ موقوفہ کے آخر کو ہونٹوں سے اشارہ کرنا یہ صرف ضمہ میں ہی ہوتا ہے، کسرہ اور فتح نہیں ہو سکتا ہے، چونکہ ضمہ آدھی واؤ ہے اس لئے اس کی ادائیگی میں بھی ہونٹ گول ہو جاتے ہیں جس طرح واؤ کی ادائیگی میں ہوتے ہیں، یہ بھی عوام کے لئے مشقت کے ذریعہ ہی سے ہے،

اوجہ مد جب حرف موقوف مفتوح ہو اور ماقبل حرف مد یا لین ہو مثلاً تَعْلَمُوْنَ۔ خَيْرٌ وقف کی تین حالتیں ہوں گی، طول مع الاسکان توسط مع الاسکان، قصر مع الاسکان اور تینوں وجہ جائز ہیں البتہ حروف مدہ پر طول مع الاسکان اور حروف لین پر قصر مع الاسکان اولیٰ ہے۔

اگر حرف موقوف مکسور ہے مثلاً الرَّحِيْمِ تو عقلی وجہ چھ نکلتی ہیں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قصر مع الاسکان طول مع الروم قصر مع الروم توسط مع الروم مگر ان میں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قصر مع الاسکان اور قصر مع الروم جائز نہیں باقی طول مع الروم اور توسط مع الروم ناجائز ہیں کیونکہ مد کے اسباب میں حرف آخر کا ساکن ہونا شرط ہے مگر یہاں حرف آخر کی حرکت کا کچھ حصہ پڑھا جا رہا ہے۔ اس لئے طول اور توسط میں مد کا سوال ہی نہ ہوا۔ تو جائز بھی غلط۔

جلد ۱۲ ش ۲۳-۲۴-۲

بغیر وجوہات منزوقفی کو باب الاوقاف والسکتہ میں بیان کروں گا (انشاء اللہ تعالیٰ)

ہا ضمیر کا بیان

جب کسی اسم کو بار بار تحریر میں لانا مقصود ہو تو طوالت کے خوف سے اور بار بار نام کے لکھنے سے عبارت کی دلچسپی اور کشش ختم ہو جاتی ہے اس اسم کی جگہ اسم ضمیر استعمال میں لاتے ہیں جو عربی میں ہائے ضمیر یا ہائے کنایہ کہلاتی ہیں اور یہ ہائے ضمیر صرف صیغہ واحد غائب مذکر میں ہی ۔ استعمال کی جاتی ہے ۔

ضمیر کی ہا کہیں مکسور اور کہیں مضموم کہیں صلہ سے اور کہیں بغیر صلہ سے پڑھا جاتا ہے قاعدہ یوں ہے جب ہا ضمیر سے ماقبل ی ساکن یا کسرہ ہو تو اس ہا کو مکسور پڑھتے ہیں مثلاً علیہ ۔ فیہ ۔ بربہ ۔ قرؤیہ وغیرہ مگر مندرجہ ذیل ہا ضمیر مستثنیٰ ہیں علیہُ اللہ سورۃ فتح پ۲۶ وما انسنیہُ سورۃ کہف پ۱۵ ان میں باوجودیکہ ہا ضمیر سے ماقبل ی ساکن ہے مگر پھر بھی ہا ضمیر پڑھی جا رہی ہے ۔

جب ہا ضمیر سے ماقبل "ی ساکن اور کسرہ" کے علاوہ کوئی حرکت یا سکون ہو تو ہا ضمیر مضموم پڑھی جائے گی ۔ مثلاً اصابہُ ۔ حفظاتہُ وغیرہ مگر مندرجہ ذیل ایک کلمہ اس قاعدہ سے جدا ہے ویتقہِ سورۃ نور پ۱۸ قاعدہ کی رو سے ہا مضموم ہونی چاہئے چونکہ ق دراصل مکسور ہے اس کی اصلیت کی وجہ سے ہ کو مکسور پڑھا ہے ۔

سورۃ اعراف پ۹ ارجہ سورۃ نمل پ۱۹ فالقہ کو امام حفص رحمہ نے ہ کو ساکن پڑھا ہے

جب ہا ضمیر سے ماقبل اور مابعد حرف متحرک ہو تو ہا ضمیر اشباع سے پڑھی جائے گی ۔ جہاں مکسور ہو اسے ی کے مقدار کے برابر کھینچیں گے یعنی کسرہ کو کھڑی زیر اور ضمہ کو الٹی پیش بنا کر پڑھیں گے مثلاً من شیعتہٖ وھذا ۔ من عدوہٖ ۔ فوکزہٗ موسیٰ ۔ ووھبنا لہٗ اسحٰق مگر اس قاعدہ سے مندرجہ ذیل کلمات مستثنیٰ ہیں وان تشکروا یرضہ لکم پ۲۳ زمر فیہ مہانا سورۃ فرقان پ۱۹ میں اشباع کیا ہے جب کہ عدم صلہ ہے ۔

یرضہ لکم کی اصل یرضاہ ہے یہاں الف کو حذف کر کے ض کو صرف مضموم پڑھا اور

اس الف کے سکون کو اصل قرار دیکر اس "ہ" کو بغیر صلہ کے پڑھا ہے۔
فِیْہِ مُہَانًا میں دوسرے قراء مثل امام عبداللہ ابن کثیرؒ کے امام حفصؒ نے بھی صلہ کیا ہے،
جو جمع بین اللغتین ہے۔
عَلَیْہُ اللّٰہ اور وَمَا اَنْسٰنِیْہُ جو کہ ابتدا میں تحریر کر چکا ہوں عَلَیْہُ اللّٰہ میں ھا کی اصل کا خیال رکھا گیا ہے چونکہ ضمیر واحد مذکر غائب جو کہ ھُوَ اور تخفیف کے بعد یعنی واؤ کو حذف کے بعد ھُ رہ گیا تو اسی کا لحاظ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس "ہ" کے بعد لفظ اللہ آرہا ہے جس کا لام اسم الجلالہ تفخیم کو چاہتا ہے تو کوشش بھی ہونی چاہئے، جہاں بھی قاعدہ کی رو سے لام میں تفخیم کی صورت نکلے اسے ہی اختیار کرے تاکہ لفظ اللہ کی جلالت قائم رہے بسبب تفخیم باقی جنہوں نے لکھا ہے عَلَیْہِ کا اصل عَلٰہُ ہے یہ غلط ہے، کیونکہ علی کا رسم اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ اصل ہی علیٰ میں آخری الف نہیں بلکہ "ی" ہے اور اسی ی کو الف سے بدلا گیا ہے، اس لئے علیٰ خود اصل ہے نہ کہ علیٰ۔
البتہ عَلَیْہُ اللّٰہ کی قراءت صرف امام حفصؒ نے جائز رکھی ہے ورنہ باقی سب قراء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے اسے عَلَیْہِ اللّٰہ پڑھا ہے بکسر الہاء چونکہ عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے صحیح بات کو جانتے نہیں ہیں تو بس جس طرح ایک دفعہ رو چل پڑی اسی طرف بہہ نکلے۔
اَرْجِئْہُ پ اعراف، پ نمل فَاَلْقِہْ پ نمل میں جمع لغتین ہے امام حفص نے معتل کو اختیار کیا ہے اور جب کہ مہموز کے تارک ہیں جب کہ امام عبداللہ بن کثیر اور ہشام بن عمار بن نصیر شامی نے مہموز کی لغت اختیار کی ہے یعنی اَرْجِئْہُ وغیرہ چونکہ صیغہ امر کا ہے، جس کی وجہ سے یائے ساکن محذوف ہوگئی ہے اور ی کی جگہ پر "ہ" کر دیا۔ تو یہی صورت فَاَلْقِہْ میں ہوگئی ہے البتہ ابو عمرو بصریؒ اَرْجِئْہُ اور ابن ذکوانؒ اَرْجِئْہِ وغیرہ پڑھا ہے۔

ہاضمیر پر وقف کا بیان

ہاضمیر پر وقف بالاسکان میں سب کا اتفاق ہے البتہ وقف بالروم واشمام میں اکثر مختلف الرائے ہیں، بعض نے تو ہر حال میں وقف بالروم واشمام کو جائز رکھا ہے مگر بعض نے سرے

سے ہی ناجائز قرار دیا ہے اس طرح درمیانی راہ کو ہی اختیار کرنا بہ زیادہ صحیح ہوگا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خیر الامور اوسطہا کے تحت درمیانی راہ کا اختیار کیا ہے جب ہا ضمیر سے ماقبل واؤ اور یا مدہ اور اسی طرح کسرہ اور ضمہ نہ ہو تو اس جگہ پر وقف یا روم اور وقف بلا اشمام ہوگا۔ جیسے وَاجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ باقی جگہوں میں روم اور اشمام جائز نہ ہوگا۔

تمام قرآن مجید میں تین قسم کے ہا ہیں۔

۱۔ ہائے ضمیر

۲۔ ہائے وقفی

۳۔ ہائے مطلق۔

۱۔ ہائے ضمیر کا بیان ہو چکا ہے۔

(۲) ہائے وقفی:۔ وہ "ہا" ہے جو لکھتے ہیں تو تائے مدورہ یا مربوطہ کی شکل میں ہوتی ہے اور وقف کی صورت میں بدل جاتی ہے یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ یہ دراصل کیا ہے "ت" ہے یا "ہا"۔ اس ہا کی تعداد قرآن مجید میں بہت کثرت سے مل سکتی ہے، رَحْمَةً (النمل) جَاءَتْهُمْ (النمل) اَلصَّلٰوةُ اَلزَّكٰوةُ وغیرہ۔

(۳) ہائے مطلق:۔ ایسی ہا جو وقف و وصل دونوں صورتوں میں ساکن رہے۔ ایسی ہا کی کل تعداد تمام قرآن مجید میں ۹ ہے۔

۱۔ لَمْ يَتَسَنَّهْ (البقرۃ پ۳)

۲۔ هُمُ اقْتَدِهْ (انعام پ۷)

۳۔ مَالِيَهْ

۴۔ كِتٰبِيَهْ (دوبار) ۵۔ كِتٰبِيَهْ ۶۔ سُلْطٰنِيَهْ

البتہ سات جگہ قرآن مجید میں ایسی نہیں کہ عربی سے ناواقف وصو کا کھا جاتے ہیں۔ اور ان ہا کو بھی ضمیر کی سمجھتے حالانکہ وہ نفس کلمہ کی ہا ہوتی ہیں۔

۱۔ مَا نَفْقَهُ (سورۃ ھود پ۱۲ ع۸) (۲) لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ (سورۃ شعراء پ۱۹ ع۲)

سورۃ مریم ع اور سورۃ علق پ۳۰

۳۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ ۴۔ فَوَاكِهُ سورۃ مومنون پ ۱۸ ع ۲ صفحت پ ۲۳ ۲۶۔
مَانُفْقِلَهُ اور فَوَاكِهُ میں لام کلمہ کی ہا ہے اور تَنْتَهِ اور يَنْتَهِ میں عین کلمہ کی ہا میں اس
ان پر صلہ نہ ہوگا، یہ تمام ہا وقف کی صورت میں ساکن پڑھی جائیگی اور ان پر وقف بالاسکان روم
اشمام تینوں جائز نہیں۔
بعض لوگ ھا مطلق کو وقف کی حالت میں الف سے بدل لیتے ہیں یہ بالکل غلط ہے کہیں
اس کا ثبوت نہیں ہے البتہ مَالِيَهْ کی ھا میں ادغام بحالت وصل ہوگا مگر سکتہ کرنا افضل
اور اولیٰ ہے۔

ادغام کا بیان

ادغام کے لغوی معنی ہیں ادخال الشئ بالشئ کسی بھی چیز کو کسی بھی چیز میں داخل کرنا۔
روایت سیدنا امام حفص کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے کسی حرف ساکن کو اس کے مابعد
حرف متحرک میں اس طرح داخل کرنا کہ دوسرے حرف پر ایک تشدید پیدا ہو جائے البتہ دوسری
بعض روایات یا قراءت مثل سیدنا حضرت الامام قاری ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ
جو کہ اس فن تجوید و قراءات کے تیسرے بڑے امام ہیں بطریق شاطبیہ) وہ حرف متحرک کو
متحرک میں بہت سی جگہوں پر ادغام صغیر کہلاتی ہے، یہ دوسری قسم (ابو عمرو بصری رح
والی۔ ادغام کبیر کہلاتی ہے یہاں صرف روایت حفص رح کے متعلق ادغام کا ذکر کروں گا۔
ادغام کی تین قسمیں ہیں۔

۱ ادغام مثلین
۲ ادغام متجانسین
۳ ادغام متقاربین

ادغام مثلین:۔ جب پہلا حرف مدغم اور دوسرا حرف مدغم فیہ ایک ہی جیسے ہوں
تو ایک کو دوسرے میں ادغام کر دیتے ہیں مثلاً اِنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ اِذْذَّهَبَ وغیرہ پہلا مدغم
ب ساکن اور ذال ساکن کے بعد بھی ب اور ذال ہی آرہے ہیں تو اسے ادغام صغیر مثلین

کہیں گے۔

ادغام متجانسین:۔ جب مدغم اور مدغم فیہ ہم مخرج ہوں اور صفات میں مختلف ہوں تو اسے متجانسین کہتے ہیں مثلاً ت کا طامیں و تا ت میں وغیرہ۔
وقالت طائفۃ۔ اجیبت دعوتکما وغیرہ۔

ادغام متقاربین:۔ جب مدغم اور مدغم فیہ میں نہ ادغام مثلین کی صورت بنتی ہو اور نہ ہی متجانسین کی تو ادغام متقاربین ہوگا، بعض حضرات نے جو یہ تعریف لکھی ہے کہ جب قریب مخرج یا قریب صفات ہو تو قرب کا ادغام ہوتا ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ جب لام تعریف کا بعض حروف میں ادغام کرتے ہیں تو یہ شرط اور تعریف ٹوٹ جاتی ہے۔

مثال ادغام متقاربین الم نخلقکم ق کا ک میں ادغام، الشمس جو کہ حقیقت میں ال شمس ہے تو ل کا شین میں ادغام ہوا ہے۔

ادغام متقاربین اور متجانسین کی دو اقسام ہیں۔ ۱ تام ۲ ناقص

ادغام تام:۔ مدغم کو مدغم فیہ میں اس طرح داخل کرنا کہ تشدید پیدا ہونے کے بعد مدغم کی ذرا سی بھی آواز نہ آئے صرف مدغم ہی پڑھا جائے جیسے اذ ظلمتم یہاں ذال بالکل ظا میں داخل ہو گیا ہے اور پڑھنے میں صرف ظا کی آواز آئے گی، ذال کی بو باقی نہ رہے گی۔

ادغام ناقص:۔ مدغم کو مدغم فیہ میں اس طرح داخل کرنا کہ مدغم کی کچھ آواز اور بو باقی رہے جیسے فرطتم بسطت وغیرہ لیکن جب مدغم حرف مدہ ہو اور مدغم فیہ بھی اس کا مثل ہو تو ادغام نہ ہوگا جیسے امنوا وانبعتھم۔ یعفوا ویغفوا۔

اس میں ادغام نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف مدہ کی صفت لازمی مدیت نہ فوت ہو جائے اسی مسئلہ پر بھی تمام قراء کرام سبعہ عشرہ کا اتفاق ہے، اسی طرح حروف حلقی میں غیر حرف حلقی یا اپنے مجانس، مقارب میں ادغام نہ ہوگا، ہاں البتہ مثل کا ادغام ہوگا۔ مثلاً یستطع تطلیہ صبغۃ جبھتہ وغیرہ۔ مگر امام القراء سیّد نا ابو عمرو بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حرف حلقی کا مماثل اور مجانس کا ادغام کیا ہے جیسے فاصفح عنھم ومن یبتغ غیر الاسلام لیکن باقی قراء نے اس سے اجتناب کیا ہے، کیونکہ ادغام کا مقصد ہی یہی ہے کہ حروف کے پڑھنے میں خفت پیدا کی جائے، اگر

حروف حلقی کا غیر حلقی میں ادغام کریں تو اول حروف حلقی کا مخرج بہت دور ہے دوسرے ان حروف میں ادغام کرنے سے خفت کی بجائے ثقالت بڑھ جاتی ہے، اہل عرب نے بھی ان حروف میں ادغام نہیں کیا ہے، ان کی عام بول چال میں اس سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

بعض کلمات قرآن میں ادغام صغیر کے لئے غلط ہے ان کا بیان۔

۱۔ يَلْهَثْ ذَّالِكَ (سورۃ اعراف پ۹ ع ۲۲)۔ ۲۔ ارْكَب مَّعَنَا (سورۃ ھود پ۱۲ ع۴)

ان دونوں کلموں میں جنس اور قرب کا ادغام ہے چونکہ آن کل ہمارے ہاں کثرت سے الفاظ میں یہ طریقہ پڑھنے پڑھانے کا رائج ہے۔

۱۔ میں بلا ادغام اور ۲۔ کو بالادغام

چونکہ ان کلمات کو بالادغام اور بلا ادغام دونوں طرح متواتر عندالقرا مشہور اور ثابت ہیں، اکثرت رائے نے اسے متروک بنا دیا ہے اس لئے لازم ہے طلبہ کو دونوں طریقوں سے روشناس کرایا جائے۔

جَعَلْتُ، اَحَطْتُ، فَرَّطْتُ اور اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ میں ادغام تام کو اولیٰ لکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ طا کات میں ادغام ناقص ہے اور ق کا کاف میں ادغام تام اولیٰ ہے۔

ق اور ک کا مخرج اقصیٰ لسان ہے جسے حرکت دینی بہت مشکل ہے جب کہ طا اور ت کے مخرج میں نوک زبان کو دخل ہے جسے حرکت دینی بہت آسان ہے، اس لئے یہاں "ط" کے بعد "ت" کا نکلنا بہت آسان ہے جب کہ "ق" کے بعد "ک" کا نکلنا بہت مشکل ہے اگر زبردستی ادغام ناقص ہی کی کوشش کی جائے تو "ق" اپنی قوت سے "ک" کو ختم کر دیگا۔

قاری عبدالرشید۔ قاری حمید الرحمٰن فاروقی بی اے

(الارشاد جدید کراچی)

جلد ۱۲ ش ۲۳ و ۲۴

حقانیت مسلک اہلحدیث

تاریخی حقائق کی روشنی میں

یہ گرانقدر مقالہ جماعت اہلحدیث کے فاضل گرامی حضرت مولینا ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ نے مارچ ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (مؤتمر ہند) میں بطور صدارتی خطبہ پیش فرمایا تھا اس کی علمی اہمیت کے باعث "فتاویٰ علماء حدیث" میں شامل کیا گیا ہے۔

(علی محمد سعیدی)

حقانیت مسلک اہلحدیث تاریخی حقائق کی روشنی میں

مولانا محمد ابو القاسم بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

اللھم لك الحمد انت قیم السموٰت والارض ومن فیھن ولك الحمد انت نور السموٰت والارض ومن فیھن ولك الحمد انت ملك السموٰت والارض ومن فیھن ولك الحمد انت الحق ووعدك الحق وقولك حق ولقاؤك حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ حق والنبیون حق ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم حق اللھم صل علی محمد النبی الامی وازواجہ امہات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید

خلت الدیار فسدت غیر مسود ومن الشقا تفردی بالسودد

ایھا السادۃ الکرام۔ سلام علیکم طبتم۔

میری عقل اس گتھی کے سلجھانے سے قاصر ہے کہ صدارت کا قرعہ میرے ہی نام پر کیوں ڈالا گیا جبکہ میری صحت کی خرابی علوم اور میری علمی بضاعت کی قلت ظاہر تھی کانفرنس کی صدارت کے لئے ایک ایسے بلند نظر صدر کی ضرورت تھی جو اپنے اندر ایک مدت کے غور و تامل اور تجربہ و مشاہدہ کے باعث اس خوفناک کشاکش جماعت میں جماعت کی صحیح قیادت کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہو میں ان خوبیوں میں سے تہی دامن اور سلیقہ قیادت سے عاری ہوں اس لئے اس انتخاب پر مجھ سے شکریہ کی توقع بے سود ہوگی اگر یہ انتخاب محض نظم جلسہ کے لئے ہوا ہے تو میرے ناتواں ہاتھوں میں اتنی قوت نہیں کہ ایسے بڑے مجمع کو قابو میں رکھ سکوں جب تک کہ مجمع خود ہی احکام صدارت کی تعمیل نہ کرے محض آپ کی معاونت ہی مجھے میرے فرض سے عہدہ برآ کر سکتی ہے۔

آغاز حضرات میں حیران ہوں کہ آپ کے سامنے کون سے حقائق پیش کروں اہل حدیث کانفرنس کے مقاصد حسنہ پر مرحوم قاضی سلیمان صاحب اپنے خطبہ صدارت (اجلاس پانزدہم آگرہ) میں کتاب و سنت سے کافی روشنی ڈال چکے ہیں، کانفرنس کی تاریخ اور اس کے کارنامے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اپنے خطبہ صدارت (اجلاس بستم دہلی کرہ) میں بیان فرما چکے ہیں جماعت اہل حدیث کے فرائض اور بحران سے کوتاہیاں مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم قصوری اپنے خطبہ صدارت (اجلاس بستم ویکم کلکتہ) میں پیش فرما چکے ہیں، بس میرے لئے زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ میں اہل حدیث کے مسلک پر نظر ڈالوں جس کا حامل اور مظہر خود اس کا مبارک نام ہے۔

لقب اہل حدیث

یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے پہلا لفظ "اہل" ہے جس کے معنی ہیں والے صاحب دوسرا لفظ "حدیث" ہے حدیث نام ہے کلام اللہ اور کلام الرسول کا قرآن کو بھی حدیث فرمایا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے مجموعہ کا نام بھی حدیث ہے پس اہل حدیث کے معنی ہوئے "قرآن وحدیث والے" جماعت اہل حدیث نے جس طرح پر حدیث کو اپنا پروگرام بنایا ہے اور کسی نے نہیں بنایا اس لئے اسی جماعت کا حق ہے کہ وہ اپنے کو اہل حدیث کہے۔

لقب کی ابتداء

یہ لقب بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملا ہے حدیث میں آیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ یَجِیْئُ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ وَمَعَھُمُ الْمَحَابِرُ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَھُمْ اَنْتُمْ اَصْحَابُ الْحَدِیْثِ اِنْطَلِقُوْا اِلَی الْجَنَّۃِ اَخْرَجَہُ الطَّبْرَانِیُّ (القول البدیع للسخاوی ص ۱۸۹ من طرق متعددۃ۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن "اہل حدیث" اس حال میں آئیں گے کہ دواتیں ان کے ساتھ ہوں گی اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیگا تم اہل حدیث ہو جنت میں داخل ہو جاؤ۔

باغ فردوس برآں قوم مباح ست کہ خوش
روش راستی از قول پیمبر گیرند

صحابہؓ اہل حدیث تھے

حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اپنے کو "اہل حدیث" کہا ہے (صحابہ ص ۳۵ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹ ج ۱ وتاریخ بغداد ص ۵۰ ج ۹ (۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کو "اہل حدیث" کہا گیا (تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۲۷ ج ۳ وص ۱۵۴ ج ۲) (۳) حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے فرمایا اَنْتُمْ خُلُوْفُنَا وَاَھْلُ الْحَدِیْثِ بَعْدَنَا (کتاب شرف اصحاب الحدیث للخطیب ص ۲۱) یعنی ہمارے بعد تم تابعی لوگ اہل حدیث ہو" معلوم ہوا کہ صحابہ وتابعین رضؓ سب اہل حدیث تھے،

(۴) امام شعبی رحؒ نے دیڑھ سو صحابہؓ کو دیکھا تھا اور ان صحابیوں سے حدیثیں پڑھی تھیں، تمام صحابہؓ کو اہل حدیث کہا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۷۳ ج ۱)

تابعین وتبع تابعین بھی اہل حدیث تھے

جیسا کہ ابھی نمبر ۳ میں گذرا باقی اہل حدیث تابعین کی فہرست خطیبؒ نے اپنی تاریخ بغداد ص ۳ ج ۲ وص ۵۰ ج ۴ میں رقم کی ہے کچھ لوگوں کو اپنی کتاب "شرف اصحاب الحدیث" میں ذکر کیا ہے جو دہلی میں طبع

ہو چکی ہے، امام شعبی تابعی کا اہل حدیث ہونا تاریخ بغداد ص ۲۲ ج ۳ و ص ۲۱۵ ج ۹ میں مرقوم ہے تبع تابعین میں سفیان بن عیینہ کو بھی اہل حدیث میں شمار کیا گیا ہے (تاریخ بغداد ص ۱۸۵ ج ۹) نیز ان کا اہل حدیث ہونا امام ابوحنیفہ کے ذکر میں بھی آئیگا سفیان ثوری تبع تابعی کا اہل حدیث ہونا تاریخ بغداد ص ۱۲۲ ج ۳ و ص ۱۵۹ ج ۹ میں موجود ہے نیز ان کا ارشاد ہے کہ اہل حدیث روئے زمین کے نگہبان ہیں (مفتاح الجنۃ للسیوطی ص ۳۶ و شرف اصحاب الحدیث ص ۴۹)

امام ابوحنیفہ رح کتاب اصول الدین میں ہے اصول ابی حنیفۃ فی الکلام کاصول اصحاب الحدیث (ص ۳۰۶ ج ۱) یعنی امام ابوحنیفہ رح کے اصول (عقائد و ذم تقلید) میں اہل حدیث کے اصول جیسے ہیں، (وہ خود فرماتے ہیں) صَحَّ الْحَدِیْثُ هُوَ مَذْهَبِیْ (شامی مجتبائی ص ۵۰ ج ۱) یعنی صحیح حدیث میرا مذہب ہے، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رح نے اہل حدیث بنایا ہے (یہ الفاظ مولوی خضر محمود جلی حنفی کی کتاب حدائق الحنفیہ ص ۱۳۳ طبع نولکشور کے ہیں) معلوم ہوا کہ امام اعظم اہل حدیث تھے اور دوسروں کو اہل حدیث بناتے تھے، آپ کے زمانہ میں اہل حدیث ہر جگہ موجود تھے جیسا کہ غایۃ الاوطار میں ہے کہ امام اعظم رح جب بغداد آئے تو اہل حدیث نے سوال کیا کہ رطب کی بیع تمر سے جائز ہے یا نہیں؟ (ترجمہ در مختار مطبوعہ نولکشور ص ۱۴۰ ج ۳)

امام ابو یوسف رح ابن معین رح نے آپ کو صاحب حدیث اور صاحب سنت کہا ہے، (تذکرہ ص ۲۶۹ ج ۱) تاریخ بغداد میں ہے یُحِبُّ اَصْحَابَ الْحَدِیْثِ وَیَمِیْلُ اِلَیْهِمْ (ص ۲۵۵ ج ۱۴) آپ اہل حدیث سے محبت رکھتے اور انہیں کی طرف مائل تھے، آپ نے اہل حدیثوں کو اپنے دروازے پر مجتمع دیکھ کر فرمایا مَا عَلَی الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْكُمْ (کتاب الشرف للخطیب ص ۵۹) کہ روئے زمین پر تم اہل حدیثوں سے بہتر اور کوئی نہیں ہے،

امام مالک رح آپ بھی اہل حدیث تھے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ ص ۲۳ میں آپ کو ائمہ اہل حدیث میں شمار کیا ہے اور وہیب نے آپ کو امام اہل الحدیث کہا ہے (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۹۹ ج ۱)

امام شافعی رح منہاج السنۃ میں ہے اَخَذَ مَذْهَبَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ وَاخْتَارَهٗ لِنَفْسِهٖ (ص ۱۴۳ ج ۴) یعنی امام شافعی نے اپنے لئے اہلحدیث کا مذہب پسند کیا تھا، تہذیب نواوی میں ہے کہ نَشَرَ عِلْمَ الْحَدِیْثِ وَاَقَامَ مَذْهَبَهٗ اَهْلِهٖ (ص ۴۴ ج ۱) آپ نے علم حدیث کو پھیلایا اور مذہب اہل حدیث قائم کیا، آپ

لہ اس چند سال ہوئے گوجرانوالہ سے حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے نفیس علمی مقدمے کیساتھ عرف عربی میں بھی چھپ چکا ہے (راز)

لوگوں سے فرمایا کرتے علیکم باصحاب الحدیث فانہم اکثرھم صوابا من غیرہم (تواریخ التاسیس مصری ص ۱۴۰) یعنی تم لوگ اہل حدیثوں کے پاس جاؤ، یہ لوگ دوسروں سے زیادہ صواب پر ہیں۔

امام احمدؒ

آپ کو قتیبہ بن سعید نے اہل حدیث کہا ہے، (کتاب الشرف للخطیب ص ۴۲ اور منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۱۲، ۴۴) میں ہے کانوا من اھل الحدیث اور مختصر طبقات الحنابلہ میں ہے طائفۃ محدثون من اھل الحدیث (ص ۸ طبع دمشق) دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد اہلحدیث کے مذہب پر تھے، آپ نے قول اللہ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین کی تفسیر میں فرمایا کہ، یہ طائفہ اہل حدیث ہے، (کتاب الشرف ص ۲۶) ایک دفعہ آپ سے فرقہ ناجیہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا ان لم یکونوا اصحاب الحدیث فلا ادری (ایضا ص ۱۲) کہ یہ اہل حدیث ہیں اگر یہ فرقہ ناجیہ نہ ہو تو میں نہیں جانتا کہ اور کون فرقہ ہے؟ اسی طرح حدیث نبوی لاتزال طائفۃ من امتی منصورین (میری امت میں ایک گروہ مظفر و منصور رہے گا) کی بابت فرمایا کہ یہ گروہ اہلحدیثوں کا ہے، اگر یہ لوگ مراد نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ اور کون ہیں؟ (کتاب معرفۃ علوم الحدیث للحاکم طبع مصر ص ۲ وکتاب الشرف للخطیب ص ۲۶ و شرح صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲ اور فتح الباری انصاری ص ۲۹۵ پ ۱ و ص ۱۳ پ ۱۴) اور حدیث نبوی لایزال اللہ یغرس فی ھذا الدین غرسا کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہلحدیث ہیں" (مختصر طبقات الحنابلہ ص ۱۲) اور فرمایا لیس قوم عندی خیرا من اھل الحدیث (کتاب الشرف ص ۲۹) کہ میرے نزدیک اہلحدیث سے بہتر کوئی قوم نہیں ہے" ایک بار فرمایا انسان تو صرف اہل حدیث ہی ہیں (کتاب مذکور ص ۱۰ طبقات ص ۲۵) ابدال کی بابت فرمایا ان لم یکن اصحاب الحدیث ھم الابدال فلا اعرف ابدالا (مفتاح الجنۃ ص ۸۰ وکتاب الشرف ص ۲۹) یعنی ابدال صرف اہلحدیث ہوتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو پھر اور کوئی ابدال نہیں ہوگا" ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی نے اہلحدیث کو برا کہا تو آپ نے اس بدگو کو تین بار زندیق (بے دین) فرمایا (طبقات الحنابلہ ص ۱۰ و ص ۳۰ وکتاب الشرف ص ۷۳ وعلوم الحدیث للحاکم ص ۴) کیوں نہ ہو سہ

أَهْلُ الْحَدِيثِ هُمُوا أَهْلُ النَّبِيِّ وَإِنْ لَمْ ۔۔۔ يَصْحَبُوا نَفْسَهُ أَنْفَاسَهُ صَحِبُوا

پیر جیلانیؒ

جیسے پیر شیخ عبدالقادر جیلی نے اپنی کتاب غنیہ میں لکھا ہے کہ "اہل بدعت کی علامت اہلحدیث کو برا کہنا ہے ولا اسم لہم الا اسم واحد وھو اصحاب الحدیث (ص ۹۰ ج ۱ طبع مصر) اور اس جماعت کا سوائے اہل حدیث کے اور دوسرا نام نہیں ہے" آپ کی پیدائش پانچویں صدی کے آخر میں ہوئی ہے،

پانچویں صدی ہجری کے سب سرحدوں کے مسلمان

اسی پانچویں صدی میں تمام سرحدوں کے مسلمانوں کا مذہب اہل حدیث کا پابند ہونا علامہ ابو منصور بغدادیؒ کی کتاب اصول الدین ص۳۱۷ ج۱) سے واضح ہوتا ہے۔
حَیْثُ قَالَ وَبَیَانُ ھٰذَا اَوْ ضَحُ فِیْ ثُغُوْرِ التُّعُوْرِ الْجَزِیْرَۃِ وَثُغُوْرِ الشَّامِ وَثُغُوْرِ اٰذَرْبِیْجَانَ وَبَابِ الْاَبْوَابِ کُلُّھُمْ عَلٰی مَذْھَبِ اَھْلِ الْحَدِیْثِ مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ یعنی روم وشام وجزیرہ اور آذربیجان کی سرحدوں کے باشندے سب کے سب اہلحدیث کے مذہب پر ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں

پانچویں صدی سے پیشتر کا حال بھی سنیئے، غزنی کے دربار میں اہل حدیث عالم موجود تھے، تاریخ فرشتہ میں سلطان محمود غزنویؒ کے وقائع ص۲۹ میں مرقوم ہے کہ سلطان محمود نے ابوالطیب سہل بن محمد بن سلیمان صعلوکی کو جو اکابر اہل حدیث سے تھا۔ برسم رسالت ملک ایلک خاں کے حضور میں بھیجا (تاریخ فرشتہ اردو ص۳۵ ج۱) اور ۳۹۸ھ میں سلطان محمود خود بھی قفال مروزی محدث کے اثر صحبت سے اپنا حنفی مذہب چھوڑ چکا تھا۔ دیکھو امام یافعی کی مرآۃ الجنان جلد سوم کا ص۱۷ و ص۱۸)

ہندوستان

اسی زمانے میں ہندوستان میں بھی اہلحدیثوں کا وجود ملتا ہے، مشہور عرب سیاح بشاری مقدسی جو ۳۷۵ھ میں ہندوستان آیا تھا، اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں سندھ کے مشہور منصورہ کے حال میں لکھتا ہے "یہاں کے ذمی بت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں میں اکثر اہلحدیث ہیں یہاں مجھے قاضی ابو محمد منصوری سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مذہب داؤد ظاہری کے پابند تھے"۔ (تاریخ سندھ ص۲۴۲) اس بیان سے لوگوں کو بہت تعجب ہوگا کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث مولٰنا اسماعیل شہید اور علامہ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کی پیدائش سے بھی ہزار سال پہلے سے موجود ہے کیونکہ مقدسی چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جماعت اہلحدیث (محمدی) ہندوستان میں کوئی نئی جماعت نہیں ہے بلکہ یہ جماعت اس وقت بھی موجود تھی جب کہ وبائے تقلید نے پھیلنا شروع کیا تھا جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں تصریح کی ہے کہ تقلید کا شیوع چوتھی صدی ہجری سے ہوا ہے (ص۱۵۲ ج۱) اسی زمانہ سے مذہبی کشاکش اور ملت کا شیرازہ شروع ہوا، اسلام تلوار سے نہیں پھیلا تھا لیکن تقلیدی مذاہب البتہ بزور شمشیر رائج کیے گئے۔

تقسیم مذاہب اربعہ

ان مذہبوں نے ملک میں جو رواج پایا اس کا حال کتاب الفوائد الالٰہیۃ میں یوں مرقوم ہے۔

امام احمد کا مذہب نواحی بغداد میں پھیلا اور امام مالک کا مذہب بلاد مغرب اور بعض بلاد حجاز و یمن اور اطراف خراسان اکثر بلاد حجاز و یمن اور اطراف خراسان و توران اور بعض بلاد ہند میں اشاعت پذیر ہوا۔ باقی تمام ملکوں میں حنفیت کو عروج ہوا۔ اسی کتاب کی تعلیقات ص۳۱ میں مرقوم ہے قفال کبیر شاشی المتوفی ۳۶۵ھ نے ماوراء النہر میں شافعیت پھیلائی۔ یہ امر سخاوی رحمہ اللہ نے بھی رسالہ الاعلان بالتوبیخ ص۹۰ میں تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دمشق (شام) میں شافعیت ابو زرعہ محمد بن عثمان دمشقی کے ذریعہ سے پہنچی اور عبدان مروزی کی سعی سے مرو میں اور ابو عوانہ اسفرائینی کی کوشش سے اسفرائین میں شافعیت نے قدم جمائے (کتاب مذکور طبع دمشق ص۹۹)

اشاعت بزور سلطنت مذاہب مذکورہ کے بزور ریاست پھیلائے جانے کے چند حوالے سن لیجئے، مقریزی و ابن خلکان دونوں متفق طور سے لکھتے ہیں مذھبان انتشرا فی مبدء امرھما بالریاسۃ والسلطان مذھب ابی حنیفۃ من اقصی المشرق الی اقصی افریقیۃ و مذھب مالک فی بلاد اندلس (وفیات الاعیان ص۲۱۶ ج۲) شروع میں دو مذہب بزور سلطنت پھیلے حنفی مذہب مشرق سے افریقہ تک اور مالکی مذہب اسپین میں، مصر میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی شافعی کے ہاتھ میں عہدہ قضاء کی باگ ڈور دے دی، اس وقت سے مصر میں شافعیت کو بہت کچھ فروغ ہوا (افتراق الامم طبع جدا ثب ص۲۲۳) اور کتاب "اصول الدین" کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ (خلافت عثمانی کا مفتوحہ افریقہ اور اس کی سرحدوں کے مسلمان اہلحدیث کے مذہب پر قائم تھے، پھر کیا ہوا سنیئے، علامہ مقریزی لکھتے ہیں۔

وَكَانَتْ اِفْرِيقِيَّةُ الْغَالِبُ عَلَيْهَا السُّنَنُ وَالْاٰثَارُ اِلٰى اَنْ قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ الْفَاسِيُّ بِمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ ثُمَّ غَلَبَ اَسَدُ بْنُ الْفُرَاتِ قَاضِي اِفْرِيقِيَّةَ بِمَذْهَبِ الْحَنَفِيِّ (کتاب الخطط ص۳۳۳ ج۲) یعنی افریقہ والوں پر اتباع سنت و آثار کا دور غالب رہا یہاں تک کہ عبد اللہ فاسی وہاں حنفی مذہب لے کر پہنچا اور قاضی اسد حاکم افریقہ نے سارے ملک پر حنفی مذہب کو غالب کر دیا۔ فَلَمَّا تَوَلَّى عَلَيْهَا الْمُعِزُّ بْنُ بَادِيْسَ حَمَلَ اَهْلَهَا وَاَهْلَ مَا وَالَاهَا مِنْ بِلَادِ الْمَغْرِبِ عَلَى الْمَذْهَبِ الْمَالِكِيِّ (مقریزی و ابن خلکان ص۱۰۵ ج۲) معز بن بادیس والی افریقہ نے پانچویں صدی کے شروع میں سارے ملک افریقہ کو مالکی مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

اہل حدیث کی حکومت ایک صدی بعد غیرت الٰہی کو حرکت ہوئی اور بلاد مغرب و افریقہ میں موحدین (اہل حدیث) کی حکومت قائم ہو گئی یوسف بن عبد المومن، پھر اس کے بعد اس کے بیٹے یعقوب بن یوسف نے بادشاہت کی، ان دونوں نے مذہب اہل حدیث کی پوری حمایت اور نصرت کی،

ذہبی تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر بن جلاب نے کہا میں امیر المومنین یوسف سے ملنے گیا تو دیکھا کہ ان کے سامنے قرآن مجید اور سنن ابی داؤد اور تلوار رکھی ہوئی ہے، خلیفہ نے ان تینوں چیزوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ سوائے ان تین (قرآن و حدیث اور تلوار) کے باقی سب بے سود ہے، اسی کتاب میں خلیفہ یعقوب کے حال میں مرقوم ہے کہ اس بادشاہ کے زمانہ میں افریقہ سے فقہ کا علم اٹھ گیا، خلیفہ نے کتب فقہ میں اشتغال سے منع کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ لوگ صحاح ستہ اور کتب سنن و مسانید پڑھیں پڑھائیں، خلیفہ خود بھی حدیث پڑھاتا اور حدیث یاد کرنے والوں کو انعام دیتا تھا، یہی وجہ کہ وہاں کے علماء پکے کٹر اہلحدیث اور تقلید کے دشمن ہو گئے تھے جیسے امام ابن حزم، علامہ قرطبی محی الدین ابن عربی وغیرہ ابن خلکان نے اس خلیفہ کے حال میں لکھا ہے، اَمَرَ بِرَفْضِ الْفِقْهِ وَلَا يُفْتُوْنَ اِلَّا بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَا يُقَلِّدُوْنَ اَحَدًا مِّنَ الْاَئِمَّةِ (ص ۳۲۸ ج ۲) یعنی اس نے حکم دیا تھا کہ فقہ چھوڑ دو قرآن وحدیث سے فتویٰ دو اور کسی امام کی تقلید نہ کرو، اس کے بعد وہاں سے مذہبی جھگڑے یکسر ختم ہو گئے،

ردِ عمل

افریقہ سے بھاگے ہوئے متعصب مولویوں نے مشرق میں پناہ لی اور حجاز و عراق نیز دیگر مقامات میں تقلیدی مذہب نے انتہائی تشدد اور عصبیت سے حکم جاری کیا اور یہ قانون بنا دیا کہ مذاہب اربعہ کی تقلید واجب ہے اور ان سے خروج حرام (مقریزی ص ۱۶۱ ج ۲) اور یہ کہ ائمہ اربعہ کے مذاہب علی سبیل البدل حق ہیں، یعنی حق انہیں چاروں میں دائر ہے، اس زمانہ میں عمل بالحدیث حسب پیشگوئی مخبر صادق علیہ السلام (جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی مذکور ہے ص ۲۹) انگارے پر ہاتھ رکھنے سے بھی زیادہ دشوار اور مشکل ہو گیا تھا،

چار مصلے اور مدرسے

ساتویں صدی میں شاہ ظاہر بیبرس نے چاروں مذہبوں کے قاضی اور مدرسے الگ الگ بنا دیئے (مقریزی ص ۱۶۱ ج ۲) اور نویں صدی کے اوائل میں شاہ ناصر فرج بن برقوق چرکسی نے خانہ کعبہ کے حرم مسجد میں مصلے بھی چار علیحدہ علیحدہ بنا دیئے، (البدر الطالع ص ۶ ج ۲)

ممانعت تبدیل مذہب

چار مذہبوں میں حق دائر ماننے کے باوجود ایک مذہب کے التزام پر بھی زور دیا جاتا تھا، اگر ایک مذہب کا مقلد اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب میں چلا جاتا تو وہ سزا کا مستحق ہوتا تھا، سراجیہ میں ہے اِنْتَقَلَ اِلَى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ يُعَزَّرُ (رد مختار نولکشوری ص ۲۰۰ و شامی مجتبائی ص ۱۹۰ ج ۳) پس حنفی کے لئے جب شافعی ہونا منع تھا تو اہلحدیث ہونا کب قابل برداشت ہو سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مقلد پر حق ظاہر ہو جاتا اور وہ اہلحدیث کے طریقہ

پرعمل کرنے لگا تو اس سے دھمکا یا گیا کہ توبہ کرائی جاتی ورنہ قید کردیا جاتا ہے، کیونکہ اس نے تقلید سے رجوع کیا جو مقلدوں کے یہاں بالاتفاق حرام تھا لانتجه مما فَقَدْ فِيهِ إِتِّفَاقًا دتحریر یابن الہام الحنفی)

مصائب اہلحدیث یعنی حضرات مقلدین کا اہل حدیث سے سلوک

فتاوی تاتارخانیہ صلہ وفتاوی حمادیہ قلمی ورق ۱۲۳ وجواہر الفتاوی قلمی ورق ۲۴۴ میں مرقوم ہے کہ ایک شخص حنفی مذہب چھوڑ کر نماز میں قرارت فاتحہ خلف امام اور رفع یدین کرنے لگا وہاں کے ایک بڑے حنفی عالم کو خبر ہوئی تو سخت ناراض ہوئے جا کر حاکم شہر سے اس کی رپورٹ کی کوتوال نے اس شخص کو بلا کر دریافت کیا پھر جلاد سے کہا کہ اسے برسر بازار کوڑے لگائے، کچھ لوگوں کو اس غریب عامل بالحدیث پر رحم آگیا، انہوں نے دوڑ دھوپ کی آخر اس سے توبہ کرائی گئی اور آئندہ کے لئے اس سے عہد وپیمان لے لیا گیا تو اسے رہائی نصیب ہوئی، (انتصار الحق ص۲۵)

حضرت امام شافعیؒ

آپ کا اہل حدیث ہونا اوپر بیان ہوچکا ہے ان پر مالکی مذہب کے ایک مقلد ابن ابی السمع مصری نے شب کی تاریکی میں لوہے کی ایک سلاخ سے حملہ کرکے سر توڑ دیا جس کے باعث آپ کا انتقال ہوگیا (توالی التاسیس ص۸۴)

امام حدیث حضرت بخاریؒ

آپ کو ایک متعصب حنفی ابو حفص کبیر نے پہلے تو بخاری میں فتویٰ دینے سے روکا، پھر شہر بدر کرادیا۔ (الجواہر المضیئہ ص۶۷)

امام حدیث حضرت ابن تیمیہؒ

آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے پہلے فقیہ شافعی محمد صفی الدین پیش ہوا (ورد کا سن ۷۰۵ھ) جب یہ ہار گیا تو اس کا شاگرد ابن زملکانی شافعی مد مقابل بنا۔ (ایضاً ص۲۱ ج۱) آخر میں آپ کو قید کردینے کا مشورہ ہوا اور سزائے قید کا حکم دینے والا مالکی مذہب کا قاضی تھا (ایضاً ص۲۱ ج۱)۔

امام حدیث حضرت یوسف مزیؒ

آپ کو صرف اس قصور پر کہ آپ نے امام ابن تیمیہؒ کی طرف ... [illegible] ... کی کتاب خلق افعال العباد سے استنباط کیا تھا، شافعی مذہب کے قاضی نے قید کی سزا دے دی (درر کامنہ ص۲۷ ج۱ والبدر الطالع ص۳۵۳ ج۲)

حافظ عبد الغنی مقدسیؒ

جو کھلے اہلحدیث تھے چھٹی صدی کے فقہاء نے ان کا خون مباح کردیا تھا پھر

بعض صاحب اثر حضرات کی سعی سے ان کے قتل کا حکم منسوخ ہوا لیکن دمشق سے نکال دیئے گئے، آخر مصر میں گمنامی کی حالت میں اپنی زندگی پوری کی (تذکرۃ الحفاظ ص ۲۹۰ ج ۱)

سید محمد بن اسمٰعیل صنعانیؒ صاحب سبل السلام بجرم انکار تقلید و رفع الیدین فی الصلوٰۃ وغیرہ قید خانہ میں ڈال دیئے گئے یہ واقعہ بارہویں صدی ہجری کا ہے (البدر الطالع ص ۱۳۴ جلد ۲)

شاہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ آپ نے ایک مسئلہ کے ثبوت میں حدیث نبوی پیش کی تھی اس پر قاضی رکن الدین حنفی نے ان کی شکایت بادشاہ غیاث الدین سے کی اور ان کے سخت درپے آزار ہوا (تاریخ فرشتہ اردو ص ۱۱۰ جلد ۲)

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا وعظ جامع مسجد دہلی سے بند کروانے مولانا فضل حق حنفی خیر آبادیؒ تھے جو ریذیڈنٹ دہلی کے سر رشتہ دار تھے (سوانح احمدی ص ۱۲۲ وحیوۃ طیبہ ص ۹۴ وص ۱۰۴)

یہ مختصر سا قصہ تھا ارباب تقلید کے سلوک کا اصحاب حدیث سے۔ سع
یہ پایاں آمد ایں دفتر حکایت ہمچناں باقی

مقلدوں کی مذہبی جنگ اب ان مقلدوں کے باہمی مناقشوں اور مجادلوں کا حال سنیئے اور خود فرمائیے کہ جب یہ حضرات اپنے ہی تقلیدی بھائیوں کا وجود برداشت نہیں کر سکتے تو "غیر مقلد" بیچارے کس شمار و قطار میں ہیں۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فقیہ شافعی عبدالکریم قشیری ۴۶۹ھ میں بغداد میں آئے اور اشاعت مذہب شروع کی تو حنبلیوں سے ان کا مقابلہ ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں شافعیوں اور حنبلیوں میں بڑا کشت و خون ہوا اور دونوں گروہوں سے ایک جماعت قتل ہوئی، آخر نظام الملک نے جھگڑا ختم کرایا (ص ۳۰۱ ج ۱) اور نیشاپور میں حنفی اور شوافع کے درمیان فساد عظیم ہوا۔ فریقین قتل ہوئے اور ان کے مدارس جلائے گئے (مرآۃ الجنان ص ۳۲ ج ۱) اور النہر کے حنفی اور شافعی اس جھگڑے کی قوت باقی رکھنے کے لئے ۱۰ رمضان کے روزے چھوڑ دیا کرتے تھے۔
(میزان شعرانی طبع مصر ص ۴۶ ج ۱)

تقلیدیوں کے بہتانات ایک نے دوسرے پر جو فتنے اور تہمتیں جڑ دی ہیں ان کا نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔

امام مالکؒ پر یہ افترا کیا گیا کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے۔ (دیکھو ہدایہ جلد سوم، کتاب النکاح) ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کا غلط ہونا ثابت کیا (دیکھو صفحہ ۳۶ جلد ۲ طبع نولکشور)

امام شافعیؒ ان پر یہ الزام دھرا گیا کہ انہوں نے شطرنج کھیلنا جائز کر دیا ہے (ہدایہ جلد چہارم کتاب الکراہیہ) حالانکہ امام شافعیؒ نے اباحت شطرنج کا قول امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے، (دیکھو عینی شرح ہدایہ صفحہ ۲۰۲ جلد ۴) کیسے مزے کی بات ہے کہ قول ابو یوسفؒ کا گلے لگا دیا جائے امام شافعیؒ کے اور بندش کا باطل بھی کے سر۔

امام احمدؒ پر تہمت لگائی کہ وہ کہتے ہیں اذا نزل یخلو منہ العرش یعنی نزول باری سے عرش خالی ہو جاتا ہے، حالانکہ امام ممدوحؒ نے جو خط مسدد بن مسرہد کو لکھا تھا اس میں صاف تصریح کی ہے کہ اَنَّهٗ سُبْحَانَہٗ اِذَا نَزَلَ فَلَا یَخْلُوْ مِنْهُ الْعَرْشُ (ہدیۃ البہیہ ص ۱۱) دیکھئے یاروں نے نفی کا اثبات کر دیا۔

امام ابو حنیفہؒ پر یہ اتہام لگایا کہ آپ کرامات اولیاء کے منکر ہیں، شافعی نے اس کا بہتان ہونا ثابت کر دیا ہے (ص ۲۹ جلد ۱)

امام بخاریؒ پر ابو حفص کبیر نے یہ بہتان لگا کر انہیں بخارا سے نکلوایا تھا کہ آپ نے فتویٰ دیا ہے، کہ گائے بکری کا دودھ اگر کوئی لڑکا اور لڑکی پیے تو ان میں رضاعت ثابت ہو جائے گی، (الجواہر المضیہ) حالانکہ امام بخاریؒ نے ایسا کوئی فتویٰ دیا ہی نہیں تھا، یہ ان پر تہمت ہے (دیکھو الفوائد البہیہ ص ۱۳)

امام ابن تیمیہؒ پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے کہا اِنَّ اللّٰهَ یَنْزِلُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا کَنُزُوْلِیْ هٰذَا وَنَزَلَ دَرَجَةً (رحلہ ابن بطوطہ طبع مصر ص ۵۵ ج ۱) یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اس طرح اترتا ہے جیسے میں منبر کے زینے سے اترتا ہوں اور وہ ایک زینہ نیچے اتر گئے، حالانکہ انہوں نے اپنے لامیہ میں صاف فرمایا ہے وَاِلَی السَّمَآءِ بِغَیْرِ کَیْفٍ یَنْزِلُ (رحلہ العینین مصری ص ۳) یعنی نزول بیان نہیں کی جا سکتی، پس دیکھو سیاح ابن بطوطہ نے امام پر کیسا غلط اور جھوٹا الزام لگا دیا ہے۔

جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ

ابن بطوطہ کے اس الزام پر مولانا محمد حنیف ندوی تنقید حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور) صفحہ ۹۳ - ۹۸ قابل مطالعہ ہے (ربانی)

اسی طرح دیگر ائمہ علماء پر بھی جھوٹے بہتان لگائے گئے ہیں۔ دیکھو رسالہ رفع الملام مؤلفہ مولانا محمد یونس صاحب قرشی دہلوی۔

اہلحدیثوں پر افتراء جماعت موحدین اہل حدیث پر بھی بہت سے جھوٹے الزام و بہتان لگائے گئے ہیں، دیکھو جامع الشواہد، انتظام المساجد ابو داؤد ابطیل و وہابیہ وغیرہ سنن مجتبیٰ نسائی کے ایک محشی نے ایک حاشیہ میں لکھا ہے،

ثم یعلمون ان الذین ینسبون دین عبد الوہاب النجدی ویسلکون مسلکہ فی الاصول والفروع ویدعون فی بلادنا باسم الوہابیین وغیر المقلدین ویزعمون ان تقلید احد الائمۃ الاربعۃ شرک وان من خالفھم ھم المشرکون یستبیحون قتلنا اھل السنۃ وسبی نسائنا والی غیر ذالک من العقائد الشنیعۃ التی وصلت الینا منھم بواسطۃ الثقات وسمعنا بعضھا منھم ایضا ھم فرقۃ من الخوارج۔

(نسائی طبع مجتبائی مت ۶ جلد ۱) یعنی جو لوگ ہمارے ملک ہند میں وہابی غیر مقلد کہے جاتے ہیں، وہ عبد الوہاب نجدی کا دین اختیار کر کے اس کے مسلک پر اصول و فروع میں چلتے ہیں، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو شرک اور مقلدوں کو مشرک کہتے ہیں، ہمارے مردوں کا قتل اور ہماری عورتوں کو قید کرنا مباح جانتے ہیں، یہ لوگ خارجیوں کے فرقے سے ہیں" [1]

ان تہمتوں کے جواب میں سوائے لعنۃ اللہ علی الکاذبین المفترین کے اور کیا کہا جا سکتا ہے یہ لوگ اہلحدیث کے مسلک سے یا تو بالکل جاہل اور ناواقف ہیں یا تجاہل عارفانہ کرتے ہیں۔

اہلحدیث کا مسلک جماعت اہل حدیث کا مسلک ان شعروں سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے،

اہل دین را کلام اللہ معظم داشتن	پس حدیث مصطفیٰ برجان مسلم داشتن
وہ چہ خوش باشد ز ابر رحمت قول رسول	گل زمین نکہت و دل سبز و خرم داشتن
از روایت فیض یاب و دل بہ حسن اعتقاد	در حریم کعبۂ اسلام محرم داشتن
گاہ از تذکار "مسلم" جان نمودن مست فیض	گاہ در شوق "بخاری" دل متیم داشتن

[1] متوفی کراچی۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہ (ع۔ح)
[2] یہ محشی مولوی وصی احمد تھے (طبع نظامی کانپور)
[3] ان الزامات کا نا قدانہ جائزہ ہیں خوب لیکھی ہے جو قابل مراجعت و مطالعہ ہے (ع، ح) (طبع المکتبۃ السلفیۃ لاہور)

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے رخصت ہونے کے وقت ارشاد فرمایا تھا مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرٰی اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ (مشکوٰۃ صـ۲۲) آپ نے اس حدیث میں خبر دی ہے کہ میرے بعد امت میں اختلاف کی کثرت ہوگی۔ اس وقت میری سنت اور خلفاء راشدین کی روش اختیار کرنا۔

صحابہؓ کا اختلاف اعتقادی امور میں تو ہو نہیں سکتا تھا، وہ لوگ آپ کی صحبت اور تعلیم کے باعث راسخ الاعتقاد تھے، بالاحالہ یہ اختلاف فروعی ہوگا۔ اس لئے آپ نے حدیث مذکور میں اپنی سنت کی طرف توجہ دلائی ہے پھر خلفائے راشدینؓ کی روش کی طرف۔

خلفاءؓ کی سنت

اب دیکھنا یہ ہے کہ اختلاف کے وقت ان بزرگان خلفاء راشدینؓ کی روش کیا ہوا کرتی تھی۔

(۱) سب سے پہلا اختلاف اس امر میں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موت لاحق ہوئی ہے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا وَاللّٰہِ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بخاری ص ۵۱۷ جلد ۱ اللہ کی قسم آپ مرے نہیں ہیں، حضرت صدیق اکبرؓ نے آیات قرآنیہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ وغیرہ پیش کیں، تو سب کو آپ کی موت کا یقین آگیا (حوالہ مذکور)

دوسرا اختلاف انتخاب خلیفہ کے وقت ہوا انصار نے کہا مِنَّا اَمِیْرٌ وَّمِنْکُمْ اَمِیْرٌ (ایضاً) یعنی ہمارا خلیفہ ہم میں سے ہوگا اور تمہارا تم میں سے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حدیث الائمۃ من قریش سنائی کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیے فَلَمَّا سَمِعُوْا حَدِیْثَ الْاَئِمَّةِ مِنْ قُرَیْشٍ رَجَعُوْا عَنْ ذٰلِکَ وَاَذْعَنُوْا (فتح الباری انصاری صـ۲۵۰ پ ۱۴) یعنی جیسے ہی سب لوگوں نے حدیث مذکور سنی اپنے ارادوں سے باز آگئے اور گردنیں جھکا دیں۔

پھر اختلاف ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے حدیث سنائی کہ میں نے آپ سے سنا ہے مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ (ترمذی و ابن ماجہ) کہ پیغمبر کی جہاں وفات ہوتی ہے، اسی جگہ وہ دفن کئے جاتے ہیں، آخر حجرہ نبویہ میں قبر کھودی جانے لگی۔

(۴) پھر اختلاف ہوا کہ قبر بغلی ہو یا صندوقی؟ (ابن ماجہ) استنے میں بغلی کھودنے والے پہلے پہنچ گئے اور بغلی قبر تیار ہوئی اس طرح حدیث نبوی اَللَّحْدُ لَنَا (ابوداؤد وغیرہ) پر حکمت الٰہیہ سے عمل کرنے کی توفیق

سب کو نصیب ہوئی۔

(۵) استحکام خلافت کے بعد وارثوں نے اپنے اپنے حصے کا مطالبہ شروع کر دیا، ازواج مطہرات ؓ نے اپنے حصے کے لئے حضرت ابوبکر رض کے پاس حضرت عثمان رض کو بھیجنے کا ارادہ کیا (بخاری و مسلم) حضرت فاطمہ رض اور عباس ؓ نے اپنا اپنا حصہ طلب کیا (بخاری پ) حضرت صدیق اکبر رض نے سب کے سامنے حدیث نبوی لانورث ما ترکنا صدقۃ پیش فرما دی، اس پر سب لوگ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رض جنہوں نے پہلے اظہار رنج کیا تھا بعد میں وہ بھی راضی ہو گئیں (بیہقی ص ۳۰۱ ج ۶)

(۶) خلیفہ اول رض نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کرنے کا جب عزم مصمم کر لیا تو حضرت عمر رض مانع ہوئے اور حدیث نبوی اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا (بخاری پ) پیش کی کہ یہ لوگ کلمہ شہادت تو پڑھتے ہیں؟ حضرت ابوبکر رض نے دوسری حدیث سے جس میں بحق الاسلام وارد ہوا ہے استدلال کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خاموش کر دیا کہ زکوٰۃ حق الاسلام ہے فتح الباری

فرماتے ہیں فَلَمْ یَلْتَفِتْ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی مَشُوْرَةِ عُمَرَ اِذَا کَانَ عِنْدَهٗ حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ (صحیح بخاری ص ۱۰۹ ج ۲) یعنی چونکہ حضرت ابوبکر رض کے پاس حدیث نبوی موجود تھی، انہوں نے حضرت عمر رض کا استدلال مسترد کر دیا۔ یہ تھیں پہلے خلیفہ راشد رض کی سنتیں اب خلیفہ دوم کی روش ملاحظہ ہو۔

(۷) حضرت عمر رض سے آخری وقت میں کہا جاتا تھا کہ کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیے تو حضرت ابوبکر رض نے آپ کو مقرر کر دیا تھا تو جواب دیتے ہیں۔ اِنْ لَّا اَسْتَخْلِفْ فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْتَخْلِفْ وَاِنْ اَسْتَخْلِفْ فَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ قَدِ اسْتَخْلَفَ (صحیح مسلم ص ۱۲۰ جلد ۲) یعنی اگر میں خلیفہ مقرر نہ کروں تو میں سنت نبویہ کا عامل ہوں گا۔ اور اگر خلیفہ مقرر کر دوں تو ابوبکر رض کی سنت پر عمل ہو گا۔ چونکہ سنت نبوی پر عمل کرنا ہی افضل ہے اس لئے حضرت عمر رض نے کسی خاص شخص کو خلیفہ مقرر نہیں کیا، چنانچہ ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رض فرماتے ہیں۔ فَعَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ یَکُنْ لِیَعْدِلَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ اَحَدًا وَاَنَّهٗ غَیْرُ مُسْتَخْلِفٍ (حوالہ مذکور) یعنی میں سمجھ گیا کہ حضرت عمر رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کو نہیں ٹھہرائیں گے اور کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کریں گے، معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین ؓ کی سنت کو سنت نبویہ کے خلاف سمجھتے تو اس خلیفہ کی سنت کو چھوڑ دیتے اور سنت نبویہ کو لازم پکڑتے تھے، آگے ایک واقعہ حضرت عثمان رض اور حضرت علی رض کا بھی سن لیجئے کہ یہ بھی خلفاء راشدین سے تھا۔

(۸) ولید بن عقبہ نے کوفہ میں نبیذ پی تو نشہ آگیا، سے کی پکڑے گئے، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقدمہ
کی تحقیقات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دیکھ کر حد شرعی لگائیں، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کوڑے مارنے شروع
کئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمار کرنا شروع کیا، جب چالیس کوڑے لگ چکے تو علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو
منع فرمایا کہ بس قَالَ اَمْسِكْ جَلَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعِيْنَ وَاَبُوْبَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَعُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ
وَهٰذَا اَحَبُّ اِلَيَّ (صحیح مسلم ص ۷۲، ج ۲) یعنی اب ٹھہر جاؤ، عہد نبوی و خلافت صدیق تک حد چالیس
کوڑے رہی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مقرر کی، مجھے عہد نبوی کی مروج حد زیادہ پسند ہے۔ دیکھئے
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کو سنت فرما کر سنت نبوی کو سنت فاروقی پر مقدم کیا، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے ہی اسی کوڑے مقرر فرمائے تھے (موطا، ملاحظہ ہو) نیز حضرت عثمان خلیفہ
راشد نے بھی چالیس پر سکوت فرما کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

نتیجہ مذکورہ سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو تمام اقوال و افعال پر
مقدم کرنا ہی خلفاء راشدین، مجتہدین کا طریقہ تھا، جماعت اہل حدیث کا بھی یہی مسلک ہے، اِذَا
جَآءَ نَهْرُ اللهِ بَطَلَ نَهْرُ مَعْقِلٍ۔

ملاحظہ خلفاء راشدین نے جو کام سیاست یا کسی وقتی ضرورت کے باعث کیا یا کرایا تھا، وہ ہمارے
دیکھو! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے شامیوں کو جب تمتع یا حج کا فتویٰ دیا تو ان
لوگوں نے کہا کہ آپ کے ابا جان تو منع کرتے تھے تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَمْرُ اَبِيْ يُتَّبَعُ اَمْ اَمْرُ النَّبِيِّ صَلَّى
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی) یعنی میرے ابا کی اتباع واجب ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ معلوم ہوا کہ ہر پیش
آنے والے امر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو مد نظر رکھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان
کا فرض ہے۔

ہوتے ہوئے مصطفٰے کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار

خلفاء راشدینؓ ہر پیش آنے والے امر میں حدیث نبوی تلاش کرتے تھے

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس جدہ نے آکر اپنا حصہ دریافت کیا۔ آپ کو اس مسئلہ میں کوئی حدیث نبوی یاد نہ آئی تو صحابہؓ سے دریافت کیا۔ دو صحابیوں (مغیرہ بن شعبہ رضؓ محمد بن مسلمہ رضؓ) نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا تھا۔ ابوبکر صدیق نے اسی حدیث کے مطابق فیصلہ فرمایا (مؤطا و سنن اربعہ) حضرت عمرؓ کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا کہ مقتول شوہر کی دیت سے اس کی بیوی کو حصہ ملنا چاہیے یا نہیں؟ آپ نے فتویٰ نفی کا دیا۔ ضحاکؓ بن سفیان نے سُنا تو منیٰ میں آپ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نوشتہ موجود ہے کہ آپ نے اشیم رضؓ ضبابی کی بیوی کو اشیم رضؓ کے مارے جانے کے بعد اس کی دیت سے حصہ دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمر رضؓ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمایا اور حدیث کے موافق فتویٰ دیا (موطا و سنن اربعہ)

حضرت عثمان رضؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے تو وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ آخر آپ کو حدیث نبوی کی تلاش ہوئی تو ابو سعید خدری رضؓ کی بہن فریعہ رضؓ بنت مالک نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرا شوہر مارا گیا تھا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں عدت کہاں گزاروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ شوہر کے گھر پر۔ حضرت عثمانؓ نے اسی حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔ (موطا و سنن اربعہ) حضرت علی رضؓ کے پاس مرتد لوگ لائے گئے۔ آپ نے ان لوگوں کو آگ میں زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا۔ ابن عباس رضؓ نے سُنا تو یہ حدیث پیش کی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ۔ یعنی وہ ارشاد نبوی یہ ہے کہ مرتدین کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے۔ حضرت علیؓ نے سُن کر فرمایا صدق ابن عباس (ترمذی) یعنی وہ ابن عباس رضؓ نے درست کہا۔ اس طرح کے بہت سے واقعات خلفاء راشدین رضؓ کے کتب حدیث میں موجود ہیں۔

جماعت اہل حدیث کا طریق عمل بھی وہی ہے جو خلفاء راشدین رضؓ و سلف صالحین رحؒ کا تھا۔ ہم حدیث نبوی کے مقابلہ میں کسی رائے اور قول کو نہیں مانتے لیکن ان بزرگوں کی بزرگی اور وقار کے قائل ہیں اور کہتے ہیں ؎

آں امامانِ کہ کردند اجتہاد
رحمت حق بر روانِ آں جملہ باد

تذکرہ شریعت کا مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس شریعت کو بندوں تک پہنچانے والے معصوم پیغمبر ہوتے ہیں۔ غیر نبی چونکہ معصوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کے قیاسی مسائل کی نسبت یقینی طور پر صحت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس پر پیغمبر کی موافقت کی مہر نہ لگ جائے کیونکہ اعمال کا حساب اور اس پر ثواب عذاب

کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے اس نے اپنی محبت اور جنت کو محض اتباعِ پیغمبر علیہ السلام پر موقوف رکھا ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

میں نے اس امر کو بہت بسط سے اپنے اس خطبۂ صدارت میں بیان کر دیا ہے جسے میں سنہ فروری ۱۹۲۵ء میں جمعیت تبلیغ اہلحدیث کلکتہ کے تیسرے سالانہ جلسہ میں پڑھا تھا اور وہ طبع ہو کر شائع بھی ہو گیا تھا۔

اجماع ۔ اہلحدیث کو منکرِ اجماع کہا جاتا ہے اور انصاف نہیں کیا جاتا۔ اجماع خواہ بسیط ہو یا مرکب اہل اجماع کے لئے اتحادِ زمانہ ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ عبارت ہے اتفاق سے۔ پس اختلاف کرنے والوں کے زمانہ کا متحد ہونا لازم ہے۔ ورنہ قیامت تک اجماع کا انعقاد ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے تو امام احمدؒ نے کہہ دیا ہے۔ من ادعی الاجماع فقد کذب (محلی ابن حزم ص ۲۲۱ ج ۲ و شرح مسلم الثبوت ص ۱۹۱) یعنی جو شخص کسی امر میں اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے"۔ ابن عربی صرف صحابہ کرامؓ کے اجماع کو معتبر مانتے ہیں جیسا کہ فتوحات میں لکھا ہے۔ والاجماع اجماع الصحابۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاغیر (ص ۱۸۲ ج ۲) معلوم نہیں کہ قائلین کا امام احمدؒ اور شیخ ابن عربی کی بابت کیا خیال ہے؟

قیاس واجتہاد ۔ اہل حدیث کو منکرِ قیاس بھی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ اہلحدیث اجتہاد و قیاسِ صحیح کے بھی منکر نہیں ہیں بقول امام اوزاعی کنانی (کتاب الرد علی اعداء اہل الحدیث لابن قتیبہ طبع مصر ص ۷۲) اہل حدیث کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ کو مقیس علیہا بنانا چاہیئے۔ اسی سے استنباطِ مسائل کرنا چاہیئے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اصل یکسر چھوڑ دی گئی اور کسی خاص متقدم ہستی کے تراشیدہ اصل کو مقیس علیہ بنا لیا گیا جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ میں تصریح کی ہے (ص ۱۶۰ ج ۱) اور اس کا نام حمل النظیر علی النظیر اور تفریع بر تفریع مقرر کیا گیا۔ اسی اصل پر مسائل کی تخریجات ہونے لگیں جن کا نتیجہ تعمق مذہب کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس امر کی وضاحت کے لئے چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) ایک شخص نے ایک عورت کو بعقد اجارہ مع شرط الزنا رکھا اس کے بعد عورت نے اپنی اجرت لے لی۔ گو یہ اجارہ فاسد ہے اور اجرت کا سبب بھی فعل حرام ہے۔ لیکن چونکہ قاعدہ بن چکا ہے۔ اجر المثل طیب یعنی ہر مثل کا طیب ہوتا ہے اس لئے عورت کو وہ اجرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں اگر بغیر عقد اجارہ

لے جماعت اہلحدیث صحیح اجماع کے وجود کو مانتی اور اس کو حجت گردانتی۔ امام احمد کا یہ فرمان اجماع کے غلط دعاوی کے بارے میں تھا جو اس دور کے بعض فرقے نصوص صریحہ کی مخالفت میں کرتے اور ان کا سہارا لیتے تھے تفصیل کا یہ موقع نہیں حافظ ابن القیمؒ اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہ کی تصنیفات میں بعض جگہ یہ وضاحت ملتی ہے (محمد عطاء اللہ حنیف)

کے لیا ہے تو حرام ہے (شامی مصری ج ۵ طبع ہند) اور پھر مستاجرہ سے زنا کرنے میں حد بھی نہیں ہے (کنز وغیرہ) حالانکہ حدیث صحیح مسلم میں ہر قسم کے مہر بغی کے لئے لفظ خبیث وارد ہوا ہے اور حدیث بخاری میں مہر بغی سے صاف نہی موجود ہے اور دین محمدی میں کوئی ذی عقل زانی حد سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) ایک اصل اور قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ قوی کی بناء ضعیف پر نہیں ہو سکتی پس اگر کسی مسافر امام نے نماز میں قصر نہیں کی بلکہ پوری نماز پڑھ دی تو مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ مسافر امام پچھلی دو رکعتوں میں متنفل تھا چونکہ فرض قوی ہوتا ہے نفل سے لہٰذا فرض پڑھنے والے مقتدی اپنی نماز دہرائیں حالانکہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فرض عشاء پڑھ کر جاتے اور اپنے محلہ کی مسجد میں لوگوں کو دوبارہ وہی نماز امام بن کر پڑھاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ متنفل ہوتے تھے لیکن مقتدیوں کو اپنی نماز کے دہرانے کا حکم دربار رسالت سے نہیں ملا۔

(۳) ایک قاعدہ یہ بنایا گیا ہے کہ کامل کے ساتھ ناقص کا الحاق جائز نہیں یعنی جو چیز کامل واجب ہوگی وہ ناقص سے ادا نہ ہوگی پس کسی نے اگر صبح کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ ایک رکعت کے بعد آفتاب نکل آیا اب وہ دوسری رکعت اگر پڑھے گا نماز نہیں ہوگی۔ حالانکہ حدیث صحیحین میں صاف وارد ہے من ادرک رکعۃ من الفجر قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک جس نے آفتاب نکلنے سے پیشتر نماز فجر کی ایک رکعت پڑھ لی اس کی دوسری رکعت بھی صحیح ہے نماز اس کی ہوگئی۔

اہل حدیث نے ان ہی اصول مخترعہ مستحدثہ کا انکار کیا ہے۔ قرآن و حدیث سے استخراج مسائل کا انکار نہیں کیا ہے۔

دفع الزام | رہا یہ الزام کہ اہل حدیث کے بعض مسائل ائمہ اربعہ کے متفقہ مذہب کے خلاف ہیں محض تعصب کا نتیجہ ہے۔ کیا متاخرین احناف نے مسئلہ تحلیف شہود میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مذہب کے خلاف قاضی ابن ابی لیلیٰ کے مذہب پر فتویٰ نہیں دیا ہے؟ دیکھو ابن نجیم کی کتاب اشباہ و نظائر ص ۱۹۰ طبع ہند پس جبکہ حق دائر تھا ائمہ اربعہ میں جیسا کہ قسم دینی چاروں اماموں کے نزدیک ناجائز۔ ابن ابی لیلیٰ کا مذہب کیوں اختیار کیا گیا۔ حالانکہ ان قاضی صاحب کی چشمک امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ مشہور ہے۔ انہیں ہی کی سعی سے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کو حکومت نے فتویٰ دینے سے روک دیا تھا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

دفع ایراد | اہلحدیث کی جانب سے جب متقدمین کی کتابوں سے وجود اہلحدیث کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حدیثیں روایت کرتے تھے۔ اہلحدیث کوئی مذہب نہ تھا آج تو ان کو اہل حدیث کہا جاتا ہے جو آمین بالجہر، رفع الیدین اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے قائل اور عامل ہوتے ہیں اور کسی امام کی تقلید نہیں کرتے خواہ وہ عامی کیوں نہ ہوں۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے امام شافعی و امام احمد کے بیان میں اوپر جو عبارتیں آپ کو سنائی ہیں ان میں صاف "مذہب اہل حدیث" کا لفظ موجود ہے۔ سہ صدیوں کے مسلمانوں کا "مذہب اہل الحدیث" رکھنا کتاب اصول الدین سے اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ قاضی عیاض مالکی نے امام احمدؒ کے قول ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے انما اراد احمد اھل السنۃ والجماعۃ ومن یعتقد مذھب اھل الحدیث۔ شرح صحیح مسلم ص ۲۰ (ج ۲) قاضی عیاض پانچویں صدی میں پیدا ہوئے تھے اس وقت بھی مذہب اہل حدیث موجود تھا۔ حافظ نووی شافعی جو ساتویں صدی ہجری میں گزرے ہیں اپنی شرح صحیح مسلم میں متعدد جگہ پانچ مذہبوں کا ذکر با ایں الفاظ کرتے ہیں کہ ہمارے شافعی مذہب میں یوں ہے اور مالکی میں یوں، مذہب حنفیہ یہ ہے اور حنبلیہ پھر سب سے الگ اہل الحدیث کا مذہب لکھتے ہیں کہ ان کے یہاں یوں ہے۔ دیکھو جلد اول کا ص ۱۷۰ اور جلد دوم کا ص ۳۲ وغیرہ اور یہاں سے بھی سن لیجئے کہ حیثیت سے اہل حدیث اسی شخص کو کہا گیا ہے جو کسی امام کی تقلید نہیں کرتا اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام و آمین بالجہر و رفع الیدین سنت نبوی سمجھ کر بالالتزام کرتا ہے۔ ایک لطیفہ سنیئے۔ شامی میں ہے۔ ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عہد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترک مذہبہ فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذالک فاجابہ فزوجہ (ص ۴۹۰ ج ۱ طبع مجتبائی) ابوبکر جوزجانی شاگرد ہیں موسیٰ کے جو شاگرد ہیں امام محمد کے ان کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک حنفی نے ایک اہلحدیث کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا تو اہل حدیث نے یہ شرط کی کہ تم اپنا مذہب چھوڑ قراءۃ فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین عند الرکوع کرنا شروع کر دو تو میں اپنی لڑکی تمہاری زوجیت میں دے دوں گا۔ اس حنفی نے مان لیا تو اس کا نکاح ہو گیا۔ دیکھا! اہل حدیث کا وجود اور ان کی پہچان اس وقت بھی یہی تھی۔

امام محمد کے شاگرد ابوحفص کبیر کا واقعہ فتاوی حمادیہ جواہر الفتاوی اور تاتارخانیہ سے اوپر آپ کو سنایا جا چکا ہے کہ ایک حنفی نے اپنا مذہب چھوڑ کر اہل حدیث کا طریقہ اختیار کیا اور قراءۃ فاتحہ خلف الامام ورفع الیدین کرنے لگا تو اس کی کیسی گت بنی؟ حتیٰ کہ اسے توبہ ہی کرنی پڑی۔ یہ واقعات تیسری صدی ہجری کے ہیں۔

بارہویں صدی کا واقعہ صاحب سبل السلام کا اوپر آپ سن چکے ہیں کہ ان کی مصیبت کا سبب ان کی غیر مقلدیت اور نماز میں رفع الیدین عند الرکوع ہوئی تھی۔ اسی زمانہ میں شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی شاگرد شیخ محمد حیات

سنتی مظفر مرحوم دہلی کی جامع مسجد میں آمین بالجہر کرنے کے باعث گرفتار کر لئے جاتے ہیں۔ آخر شاہ ولی اللہ مرحوم کی سفارش سے ان کی خلاصی ہوتی ہے (تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۲ و ص ۳۴۹)

ٹھیک اسی زمانہ میں مرزا جان جاناں (بنام عالمگیر بادشاہ نے لکھا تھا) نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے ہوئے امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ (القصار ص ۲۱۲ و ابجد العلوم ص ۹۰۰) یہی ظاہری عمل اہل حدیث کی شناخت کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد سے کوئی صدی اور کوئی جگہ خالی نہیں رہی۔ گو ایسے لوگ قلیل ماہم کے مصداق رہے حتی کہ مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پیدا ہوئے اور کتاب تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین لکھ کر ایک جماعت کو عامل بالحدیث بنا دیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی ۔۔۔ زمیں ہند کی جس نے ساری ہلا دی

حضرت میاں صاحبؒ سنہ علی الہی پر جب کہ شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ جلوہ افروز ہوئے۔ اس زمانہ میں تنویر العینین کا جواب کسی حنفی نے تنزیہ الحق کے نام سے شائع کیا۔ جناب شیخ نے اس کا جواب معیار الحق کے نام دیا۔ اور اپنے عمل نیز درس و تدریس سے سواد اعظم اہل حدیث بنا دیا۔ آج اس ملک میں حدیث نبوی جو کچھ بھی پھیلا اور اہل حدیث کی کثرت نظر آتی ہے کہ ذات بابرکات کے فیوض کا نتیجہ ہے رہبری تعلیم کی اور اہتمام دونوں آپ ہی سے ہوئی ہیں آپ نے وفات سے ایک مہینہ پیشتر ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۹ھ میں سند حدیث مرحمت فرمائی تھی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ہندوستان میں اشاعت حدیث حضرت میاں صاحب ممدوح اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اصل کی ابتدائی کڑیاں یہ ہیں۔ عہد ۱۵ھ میں عثمان بن ابی العاص ثقفی نے والی بحرین اعمال نے اپنے ایک بھائی مغیرہ کو سندھ کے شہر دیبل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور دوسرے بھائی حکم کو گجرات کے شہر بھروچ پر۔ چنانچہ یہ دونوں مقامات اسلام کے زیر نگیں آ گئے تھے (بلاذری ص ۴۳۰) درحقیقت اسی زمانہ سے ہندوستان میں اشاعت حدیث نبوی کی نیو پڑ گئی تھی۔ سنہ ۹۳ھ میں جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور بہت سے شہر فتح کئے تھے۔ پنجاب میں موسیٰ بن یعقوب ثقفی کو درس حدیث پر متعین کیا تھا۔ جیسا کہ چچ نامہ اور فتوح البلدان سے معلوم ہوتا ہے اس سے پہلے حباب بن فضالہ تابعیؒ نے حضرت انس صحابی سے ہندوستان جانے کی اجازت طلب کی تھی لیکن انہوں نے بنا بر خدمت والدین انہیں اجازت نہیں دی تھی (میزان الاعتدال) ان کے بعد مشہور محدث اسرائیل بن موسیٰ بصری جو امام حسن بصریؒ تابعی کے شاگرد ہیں اور صحیح بخاری میں ان سے روایت کیا ہے۔ ہندوستان میں حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ اس نے ان

کو ذیل الہند کہا جاتا ہے۔ (تقریب وتہذیب) دوسرے تبع تابعی ربیع بن صبیح البصری ہیں جو خلیفہ مہدی عباسی کے زمانہ
میں باراوہ غزوہ ہند تشریف لائے تھے اور فتح اربد میں شریک تھے۔ ۱۶۰ھ میں سندھ میں مدفون ہوئے ہیں انہوں
نے حدیث کی کتاب مبوب لکھی تھی (تقریب وتہذیب ومیزان وتاریخ الخلفاء ابجد العلوم وغیرہ) اسی طرح ابو محمد بن المثنی
اور ابو معشر نجیح بن عبدالرحمن متوفی ۱۷۰ھ یہ سب لوگ سندھ میں کتب حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ دیکھو کتب اسماء
متاخرین میں شیخ محمد عابد سندی اور شیخ محمد حیات گزرے ہیں۔ شیخ حسن بن محمد صغانی جن کی حدیث کی مشارق الانوار
مشہور ہے لاہور میں ۵۷۷ھ میں پیدا ہوئے تھے (ابجد العلوم) اسی طرح شیخ علی اور شیخ علی متقی جونپوری (جو ملا برہان
پوری صاحب کنز العمال (حدیث کی مشہور کتاب ہے) شیخ محمد طاہر شہید گجراتی صاحب مجمع البحار فی لغۃ الحدیث
تذکرۃ الموضوعات وغیرہ وشیخ وجیہ الدین گجراتی شارح نخبہ اور شیخ احمد (مجدد الف ثانی) اور ان کے شیخ الشیخ عبدالحق
بن فدعد کان من کبراء المحدثین بالہند (ابجد) اور اور مجدد صاحب کے بھتیجے خازن الرحمت شیخ محمد سعید محشی مشکوٰۃ اور
شیخ سلام اللہ شارح موطا اور ان کے آباء نیز قاضی بشیر الدین قنوجی شارح موطا۔ اور شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز
دہلوی اور ان کے تلامذہ خصوصاً شاہ محمد اسحاق دہلوی استاد میاں صاحب) ونواب صدیق حسن قنوجی ثم البھوپالی یہ سب
لوگ اپنے اپنے زمانہ میں اشاعت حدیث میں شب و روز مصروف رہا کئے۔ غرض ۱۳۰۰ھ سے پہلے تک ۲۲۱ کتب احادیث
خاص ہند کے علمائے محدثین نے تالیف کیں جن کی تفصیل مع اسمائے کتب ومؤلفین مولوی امام خاں نوشہروی کی ایک مستقل
کتاب میں آپ حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت میاں صاحب مرحوم پھر آپ کے ہزارہا تلامذہ
کی مساعی سے اطراف وجوانب ہند میں عمل بالحدیث کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

اولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلہم	اذا جمعتنا یا جریر المجامع
بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم	فلک را سقف بشگافیم وطرح دیگر اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد	من وساقی بہم سازیم وبنیادش بر اندازیم
ثم الصلوٰۃ علی النبی فانہ	یبھی بہ الذکر الجمیل ویختم
وانا العبد الاثم الاسی	محمد ابو القاسم البنارسی

یہ گرانقدر مقالہ جات اہلحدیث کے [illegible] حضرت مولانا ابو القاسم [illegible] نے [illegible] آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس [illegible]
(منعقدہ ہند) میں بطور صدارتی خطبہ پیش فرمایا تھا اس کی علمی اہمیت کے باعث فتاویٰ علمائے حدیث میں شامل کیا گیا ہے۔
(بشکریہ اخبار الاعتصام لاہور۔ سعیدی)

تاریخ اہلحدیث کا ایک ورق

ہندوستان میں اہلحدیث کیونکر آئے

از

مولانا عبد المجیدؒ، ایڈیٹر اخبار اہلحدیث سوھدرہ

تاریخ اہل حدیث کا ایک ورق

ہندوستان میں اہلحدیث کیونکر آئے

(از جناب مولانا عبدالمجید صاحب ایڈیٹر اخبار اہل حدیث سوہدرہ)

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اہلحدیث کوئی نیا فرقہ نہیں ہے ان کا وصفی نام "اہلحدیث" بتا رہا ہے کہ ان کی نسبت نہ کسی امام کی طرف ہے نہ کسی ولی اور بزرگ کی طرف بلکہ ان کی نسبت حدیث نبوی کی طرف ہے یعنی یہ وہ گروہ ہے جو اقوال الرجال کو چھوڑ کر "ارشادات نبوی" کا گرویدہ ہے اور قرآن کریم کے بعد "حدیث نبوی" ہی کو حجت اور سند مانتا ہے جس طرح دیگر اشخاص نے اپنا انتساب ائمہ کی طرف ضروری سمجھا، اس گروہ نے قطعاً اسے پسند نہیں کیا کہ اپنی نسبت نبی سے توڑ کر غیر کی طرف منسوب کریں، حنفی شخص اس لئے حنفی کہلاتا ہے کہ وہ اپنی نسبت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اور شافعی امام شافعی کی طرف۔ مالکی، حنبلی اپنے اپنے ائمہ کی طرف اسی طرح چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی اپنے اپنے بزرگوں کی طرف منسوب ہو کر گروہ بن گئے ہیں، مگر اہلحدیث نہ گروہ بنا، نہ فرقہ قرار پایا کیونکہ یہ تو اصل اسلام پر قائم رہا اور اس نے نبی سے رشتہ توڑ کر غیر کی طرف جوڑنا، اور دوسروں کی طرف منسوب ہونا کبھی پسند نہیں کیا۔

عوام جو انہیں وہابی کہتے ہیں اور امام محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ ان کی اپنی رائے ہے جو کم فہمی پر مبنی ہے اور از سرتاپا غلط ہے کیونکہ اہلحدیث نے کبھی اپنی نسبت محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب نہیں کی، نہ اس کی تقلید کی، بھلا جس جماعت نے ائمہ اربعہ رح کی تقلید نہ کی، ائمہ حدیث امام بخاریؒ امام مسلم رح ترمذی میں سے کسی کی تقلید نہ کی، وہ امام محمد بن عبدالوہاب رح کی تقلید کیونکر قبول کر لیتے ۔ ۔ اور اگر بقول ان کے اہلحدیث نے محمد بن عبدالوہاب کی تقلید قبول کر لی ہوتی، تو پھر وہ غیر مقلد کیوں مشہور ہوتے، انہیں غیر مقلد کہنے والے بھی یہی لوگ تو ہیں جو انہیں وہابی کہتے ہیں، انہیں خود سوچنا چاہیئے کہ غیر مقلد کیونکر وہابی ہو سکتا ہے اور جو وہابی ہو جائے وہ غیر مقلد کیونکر کہلا سکتا ہے، یہ بجائے خود جھوٹ ہے،

افتراء ہے، بہتان ہے، جو برادران احناف جماعت اہل حدیث پر جوڑتے ہیں، ورنہ اہلحدیث اس سے بری ہیں ذرہ محمد بن عبدالوہاب کی تقلید کرکے وہابی کہلانا پسند کرتے ہیں اور نہ ہی وہ تقلید کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اسے جزو دین یا شعار اسلام قرار دے کر مقلد یا غیر مقلد نام رکھنا فرض واجب یا مستحب سمجھیں، یا کم از کم اسے اوصاف نام ہی کا درجہ دیں، پس جب حقیقت یہ ہے تو پھر خود اپنی کو بھی، اور غیروں کو بھی بیگانوں کو بھی، بیگانوں کو بھی، اس پر غور کرنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ وہ ایسی بات کیوں کہتے ہیں جو محض جھوٹ ہی جھوٹ ہے،

عقائد اہل حدیث: اہل حدیث کے عقائد نہتے واضح ہیں، اور اتنی بار بیان ہو چکے ہیں کہ اب ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں اگر کوئی انصاف سے ان عقائدہ ہی کو دیکھ لے تو وہ خود بخود سمجھ سکتا ہے کہ ان کی نسبت اب کس طرف کی جائے کیا اسلام کے مشہور و معروف فرقوں میں سے کوئی فرقہ ہے جو ان عقائد کا حامل ہو یا ان عقائد کی موجودگی میں اپنی فرقہ وارانہ حیثیت کو قائم رکھ سکتا ہو اگر کوئی فرقہ ایسا ہو تو اس کا نام لیجئے اور پھر انگلی رکھ کر کہیئے کہ اہلحدیث فلاں گروہ یا پارٹی، فلاں فرقہ یا جماعت میں شمار ہو سکتے ہیں، سنئے اہلحدیث کے موٹے موٹے عقائد یہ ہیں،

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی "الٰہ" نہیں نہ حاجت روا ہے، نہ مشکلکشا، نہ کوئی رزق کھول سکتا ہے نہ بند کر سکتا ہے، نہ بیمار کر سکتا ہے نہ شفا دے سکتا ہے نہ مار سکتا ہے نہ پیدا کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے ۹۹۔ اوصاف میں سے کوئی بھی اس کے کسی وصف میں شریک نہیں ہو سکتا ہے،

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور مقبول بندے ہیں، افضل البشر ہیں، معصوم عن الخطا ہیں، واجب الاطاعت ہیں، انکی اطاعت کے سوا کسی امام بزرگ اور ولی کی اطاعت ہم پر واجب نہیں ہے،

(۳) جملہ صحابہ کرام، ائمہ عظام، اولیائے عظام، ذوی الاحترام ہماری آنکھوں کے تارے اور سر کے تاج ہیں ہم جس جس میں جو جو خوبی دیکھیں اس کی قدر کر سکتے ہیں، مگر اسکی تقلید کو واجب نہیں گردان سکتے، کیونکہ امکان ہے اسے خطا ہو جائے، بری عن الخطا صرف محمد الرسول اللہ صلعم کی ذات ہے اور وہی ذات واجب الاطاعت ہے مگر ان بزرگوں میں سے کسی ایک کی بھی تقلید کرنا ہمارے نزدیک گناہ میں داخل ہے،

(۴) دینی احکام اور مسائل میں محمد الرسول اللہ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے، ان فیصلہ وہاں سے نسلے اور کسی صحابی یا کسی تابعی یا امام سے مل جائے اسے قبول کر لینا عادے ایمان میں داخل ہے مگر کسی ایک کا ہو رہنا،

یا تقلید شخصی قبول کر لینا ہمارے ہاں جائز نہیں ہے۔

(۵) جملہ رسومات قبیحہ اور جاہلیہ خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں یا معاشرت سے، تجارت سے متعلق ہوں یا سیاست سے، تمدن سے متعلق ہوں یا تہذیب سے، مرنے جینے سے متعلق ہوں، یا بیاہ شادی سے سب ترک کر دینی چاہئیں اور سلسلہ میں بجز سنت نبویہ کے کسی چیز کو انگیز نہیں کرنا چاہئے اور اس پر شدت سے پابندی کرنی چاہئے اور اسکو تبلیغ و تلقین جاری رکھنی چاہئے خواہ کتنی ہی مشکلات کا سامنا کیوں نہ پیش آئے، تبلیغ ہی کے تحت جہاد باللسان، جہاد بالقلم، جہاد بالسیف، بتدریج واجب قرار پاتے ہیں۔

یہی وہ جملہ عقائد ہیں کی بناء پر ایک مسلمان پکا سچا مسلمان بن سکتا ہے یا یوں کہئے کہ تمام فرقوں سے نکل کر اہلحدیث جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔

ہندوستانی مسلمان

تاریخ ہند کا مطالعہ کرنے سے آپ پر یہ بخوبی روشن ہو جائیگا کہ شاہان مغلیہ کے دور سے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی حالت بہت ہی بگڑ چکی تھی، چنانچہ ایک زمانہ میں اتنی ناگفتہ بہ حالت ہو چکی تھی کہ اسے ذکر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے، یہی وہ دور تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم شروع کر کے جیل کی سختیاں جھیلیں اور آنے والے مسلمانوں کیلئے ایک شاہراہ کھول دی، پھر انکے بعد حضرت شاہ ولی اللہ نے ان کی نیابت فرمائی قرآن کریم کا ترجمہ لکھا اور کفر کا فتوی لیا، حجۃ اللہ لکھی، تفہیمات لکھی ہمعات، سطعات، الانصاف الانتباہ، بدور البازغہ، العقد الجید، خیر کثیر اتنی کتابیں لکھیں اور ہر لائن میں مسلمانوں کو اتنی راہیں دکھائیں کہ اس سے پہلے کوئی نہ دکھا سکا۔

پھر ان کے بعد جہاد بالسیف کا وقت آیا تو انہیں کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ نے اپنے ہی خانوادہ کے تربیت یافتہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں وہ وہ کارہائے نمایاں کئے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔۔ آج ہم انہیں بزرگوں کے کارہائے نمایاں کے سلسلہ میں یہ مضمون قلمبند کر رہے ہیں جن کی تہہ میں ہماری پوری تاریخ کے بہت سے راز و اسرار مضمر ہیں۔

کیا سید احمد اہلحدیث تھے؟

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید اہلحدیث تھے، یا انکو اہلحدیث سمجھ لیا گیا ہے، مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر یہ صحیح ہے

کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو ہر شخص بھی اپنے عقائد اور اعمال سے ہی پہچانا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں شاہ شہید کی تصنیفات تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، الایضاح الحق الصریح، منصب امامت، صراط مستقیم دیکھ لیجئے کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں، اس کے بعد آپ کے مواعظ حسنہ میں شرک و بدعات کی تردید کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی تقریروں میں بھی اتنا نمایاں نہ ہوگا، یہی کیفیت سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں نظر آ رہی ہے اور اسی حقیقت نے اغیار کو مجبور کر دیا کہ وہ انہیں اہلحدیث لکھیں، اہلحدیث سمجھیں، اور وہابی کہیں اور اس تحریک کا نام "وہابی تحریک" رکھیں،

چنانچہ سرکاری جریدہ ماہ نو میں شائع ہونے کے نمبر خاص میں بعنوان "مجدد الف ثانی سے سید احمد شہیدؒ تک" لکھا ہے:۔

"حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی تحریک دونوں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے احیائے اسلام کی اس تحریک کا اثر نہ صرف سولہویں سترھویں صدی عیسوی پر اور انیسویں صدی تک پڑا۔۔۔ بلکہ اسکے بعد بھی اس کا اثر محسوس ہوتا رہے گا ایسی ایسی ہستیاں جیسے خواجہ باقی باللہ حضرت امام کے مرشد روحانی امام الہند شاہ ولی اللہ مولانا عبدالعزیز شاہ عبدالحی (شاہ عبدالعزیز کے داماد) حضرت سید احمد بریلوی جو سلسلہ اہلحدیث کے بانی تھے شاہ اسماعیل شہید۔۔۔ اور دوسری بہت سی ہستیاں حضرت امام ربانی کی تحریک سے بے حد متاثر ہوئیں" (ص)

اس خط کشیدہ عبارت میں سید احمد شہید کو نامہ نگار محمد علی عثمانی نے جو خود اہلحدیث نہیں ہیں سلسلہ اہلحدیث کا بانی قرار دیا ہے یعنی اپنی تاریخی معلومات کی بنا پر یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں اہلحدیث کی ابتدا سید احمد شہید کی تحریک حریت اور تحریک جہاد سے شروع ہوئی اور اس کے بعد ہی عوام کھل کر اہلحدیث کہلانے لگے پھر آگے چل کر مزید ارشاد ہوتا ہے:

"سید احمد بریلوی مجددی دبستان سے تعلق رکھتے تھے اور صوفیائے عظام میں بڑے اونچے درجہ کے مالک تھے، سید موصوف کا اعتقاد تھا کہ انکا تعلق براہ راست رسول اکرمؐ سے ہے اور انہیں حضورؐ ہی سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے انہوں نے ایک نیا طریقہ "طریق نبوت" رائج کیا، باقی تمام طریقے انکے نزدیک "طریق ولایت" قرار پائے انکی خصوصیت یہ تھی کہ مریدی پہلے سختی سے سنت

پر عمل کرے اور پھر "فکر" کی راہ اختیار کرے آپ نے عقیدہ "ہمہ اوست اور وحدت الوجود" کی سختی سے مخالفت کی اور الوہیت کی تعلیم دی، انہوں نے سماع اور وجد کے مقابلہ پر جہاد کی فضیلت بیان کی اور خود نہایت سختی سے کتاب وسنت پر عمل کیا اور تمام بدعات کی بیخ کنی کی، اسی کے باعث انہوں نے مسلمانوں کی تنظیم کی، اور سکھوں کی طاغوتی طاقت کے خلاف جو پنجاب اور سرحد کے مسلمانوں کو غلام بنائے ہوئے تھے، جہاد کیا اور اسی کوشش میں آپ شہید ہوئے۔" (ص ۱۲)

آپ خود ہی انصاف سے کہئے کہ کتاب وسنت پر سختی سے عمل کرنا اور بدعات کی تردید و بیخ کنی کس کا خاصہ ہے اور تمام طریقہائے ولایت سے ایک نئی راہ ولایت جو طریق نبوت سے ملتی جلتی ہو کوئی ایجاد کر سکتا ہے پس سید صاحب اہلحدیث تھے، یقیناً اہلحدیث تھے اور انہوں ہی نے ہندوستان جیسے مشرک ملک میں اہلحدیث کی داغ بیل ڈالی تھی۔

سید صاحب کی روحانیت

ہم اس موقعہ پر سید احمد شہید رحمہ اللہ کی روحانی قوت کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اہلحدیث کی اصل دولت یہی تھی جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اب بالکل ناپید اور گم ہوتی جا رہی ہے اور آج کا اہلحدیث تو اس کا قائل ہی نظر نہیں آتا کہ یہ طاقت بھی کوئی طاقت ہے،

سید صاحب کی زبان میں تاثیر تھی اور بلا کی تاثیر تھی، آپ عالم تھے مگر بہت بڑے عالم نہیں تھے، وعظ فرماتے تھے مگر بہت بڑے واعظ نہیں تھے، جملوں کی ترتیب، الفاظ کی بندش، کلام کی روانی کا قطعاً احساس نہ فرماتے، ہاں جو بات ہوتی وہ دل سے نکلتی اور دلوں پر اثر کرتی تھی، ہزار ہا ہندو آپ کے وعظ سے مسلمان ہوئے لاکھوں گمراہ راہ پر آ گئے، بگڑے ہوئے سلجھ گئے اور سلجھے ہوئے مقام امامت پر پہنچ گئے،

حضرت مولانا عبدالحی (داماد مولانا عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی) جو درسیات میں اپنے زمانہ کی صف اول میں شمار ہوتے تھے اور سرکاری طور پر مفتی مانے جا چکے تھے اور زہد و ورع میں بھی کسی سے کم نہیں تھے، جب سید صاحب سے ملے تو آپ سے "نماز حضور قلب" کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا مولانا باتوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی یہ چیز سمجھانے سے سمجھائی جا سکتی ہے، اٹھئے اور میرے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ لیجئے، مولانا نے آپ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد بیعت کر لی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے سید صاحب کی بیعت مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی (اپنے خسر) کے ارشاد پر کی تھی اور

پھر مولانا سید اسماعیل شہید کو مشورہ دیا تھا کہ وہ بھی بیعت کر لیں۔

چنانچہ دو چار دس بیس نہیں سینکڑوں اور ہزاروں علماء اور فضلاء جو مرتبہ میں آپ سے بہت بڑے تھے، روحانی فیوض حاصل کر کے آپ کے مطیع و منقاد ہو گئے، اسی کو کہتے ہیں ع۔

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا،

جب تزکیہ نفس ہو تو کیفیت بدل جاتی ہے صحابہ کرام کی کیفیت بھی اسی تزکیہ سے بدلتی رہی، کتب احادیث میں ابو محذورہ، ثمامہ بن اثال، ہند بنت ابو سفیان، فضالہ بن عمیر و عمرو بن عاص سینکڑوں صحابہ کے حالات بسند صحیح موجود ہیں کہ ان کی کیفیت حضور صلعم کی ایک ہی صحبت سے پلٹ گئی مگر افسوس ہے کہ آج ہم اس کے قائل نہیں رہے اور تصفیہ قلوب سے بالکل بے نیاز ہو گئے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ع۔۔

زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

امیر المؤمنین کا خطاب

جب ہزارہا علماء فضلاء اور لکھو کھا عوام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور آپ نے کفر کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا تو آپ کو امیر المؤمنین کا خطاب دے دیا گیا اور کیوں نہ دیا جاتا اور کیوں آپ کو امیر نہ مانا جاتا جب کہ امارت کی تمام خوبیاں آپ میں موجود تھیں آپ اپنے متبعین کو صرف درس و تدریس ہی میں مشغول نہ رکھتے، بلکہ ان کو فن حرب کی تعلیم دیتے صرف مراقبہ اور مشاہدہ ہی نہ سکھاتے بلکہ جنگی پریڈ اور قواعد بھی کراتے تھے، انہیں اصلاح عقائد و اعمال ہی کی تبلیغ نہ کرتے تھے بلکہ سپاہ گری کی دعوت بھی دیا کرتے انہیں خلوص اور للہیت پیدا کرتے، ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرتے، مصائب پر صبر و شکیبائی کی تلقین فرماتے، ان میں باہمی انس، محبت، مروت، اخوت پیدا کرتے اور نہ صرف پیدا کرتے، بلکہ کر کے دکھا دیتے اسی معنی میں علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے — حق تجھے میری طرح صاحب اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانہ کا امام برحق — جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست — زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے — فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی — جو مسلمانوں کو سلاطیں کا پرستار کرے

نظم و نسق: امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ایک نظم و نسق استوار کیا

ہم سالہا سال سے اب تک اپنی انجمن سازی نہیں کر سکے مگر حیرت ہے کہ سید شہید نے قلیل سی مدت میں پوری مملکت کا نظم و نسق کیونکر استوار کر لیا، کہیں وفود جا رہے ہیں، کہیں مبلغ پھر رہے ہیں کہیں رقوم جمع ہو رہی ہیں، کہیں لشکر کی فراہمی کا انتظام ہے کہیں پریڈ ہو رہی ہے، اور مجاہدین کو فنون حرب سکھائے جا رہے ہیں الغرض ہر ہر شعبہ کا الگ الگ نظم و نسق ہے اور ایسے معلوم دیتا ہے جیسے باقاعدہ کوئی حکومت ہے جس کے تمام محکمے باقاعدگی سے اپنا اپنا کام چلا رہے ہیں، ڈاکٹر سر ولیم ہنٹر اپنی کتاب "انڈین مسلمانز" کے صفحہ ۲۰ پر سید احمد شہید کے ذکر میں لکھتا ہے۔

"جون ۱۸۳۰ء میں شکست کھانے کے باوجود امام صاحب کی فوج نے بہت بڑی قوت کے ساتھ میدانی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اسی سال کے اختتام سے پہلے خود پشاور کو بھی جو پنجاب کا مغربی دارالسلطنت تھا فتح کر لیا تھا، یہ زمانہ امام صاحب کی زندگی کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا انہوں نے اپنے خلیفۂ اسلام ہونے کا اعلان کر دیا اور اپنے نام کے سکے جاری کر دیئے جن پر یہ عبارت کندہ تھی۔

"احمد العادل محافظ دین الاسلام"

جس کی شمشیر کی چمک کافروں کے لئے پیغام اجل ہے۔"

غور فرمائیے یہ انتظام اور انصرام جس کا انگریز جیسا دشمن بھی اعتراف کرے کوئی معمولی سا کام ہے۔

آپ نے شاہ بخارا کے پاس دعوت جہاد کی غرض سے ایک وفد بھیجا، ایک وفد شاہ چترال کے پاس گیا، ایک وفد حاکم فیض آباد اور حاکم قندر سے ملا، آپ نے بدخشاں، سوات، بنیر کوئی ریاست نہ چھوڑی جس کے امیروں کو خطوط اور دعوت نامے نہ بھیجے پھر ان میں سے بیشتر نے آپ کی مدد بھی کی، یا امانت کا وعدہ کیا اور آپ کی تحریک سے ہمدردی کا اظہار فرمایا۔ عوام میں اور ہندوستان کے کے گوشے گوشے میں تبلیغ جہاد کیلئے مبلغ اور واعظ مقرر کئے گئے جو سپاہی تیار کرتے اور ان کیلئے سامان حرب اور زاد و نفقہ فراہم کرتے، اور یہ کام اس تنظیم اور خلوص سے ہوتا رہا کہ کہیں ایک پائی تک ضائع ہونیکا احتمال نہ تھا، اس کے متعلق لارڈ ہنٹر کا بیان ہے کہ۔

"جہاں تک میرا تجربہ ہے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ایک وہابی مبلغ سب

...سے زیادہ روحانیت رکھنے والا اور سب سے کم خود غرض اور بے لوث ہوتا تھا۔

فنون حرب سید صاحب کی فوج میں بھرتی ہونے والے وہی لوگ تھے جو مسجدوں میں رہتے لمبی لمبی نمازیں پڑھتے، نیلے تہبند پہنے ہوتے، کھدر کے کپڑے استعمال کرتے، فنون حرب سے ناآشنا، اور جنگی کرتبوں سے بے خبر تھے ہاں دل میں ایک جذبہ رکھتے تھے اور اسی جذبہ کے تحت پریڈ کرتے، گتکا کھیلتے، تیراندازی نیزہ بازی سیکھتے اور اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہی میدان جہاد میں کود پڑتے تھے،

(۱) سید ابو محمد ایک مجاہد تھے جنھیں گھوڑا پھیرنے میں خاص کمال تھا وہ ایک میخ زمین میں گاڑ لیتے اور اس پر کوڑی رکھ دیتے، گھوڑا تیز دوڑاتے ہوئے آتے اور میخ سے کوڑی اڑا دیتے اور میخ کو آنچ تک نہ آنے دیتے، اس فن میں انہوں نے وہ کمال حاصل کیا کہ کوئی انکا سہیم نہ بن سکا۔

(۲) ایک مجاہد تیراندازی میں اس درجہ ماہر تھا کہ وہ دور پہاڑی پر ایک بکری کے داہنے سینگ کو نشانہ بنانا چاہتا تو کیا مجال کہ اس کے بائیں سینگ یا جسم کے کسی اور حصہ کو تیر لگنے پاتا۔

(۳) مولوی احمد بیگ ناگپوری قاسم خیل میں گولے تیار کیا کرتے، سید صاحب نے کئی آدمی انکے ساتھ کردیئے انہوں نے گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنایا، جہاں ڈیڑھ ڈیڑھ سیر، تین تین سیر، اور پانچ پانچ سیر کے گولے تیار ہوا کرتے تھے،

(۴) مرزا عبدالقدوس اعلیٰ درجہ کے گھوڑ سوار تھے جب کوئی سکھ گھوڑا دوڑاتا ہوا اُن کی طرف آتا تو اس کے قریب آتے ہی اُچھل کر دوسری طرف ہو جاتے اور قبل ازیں کہ وہ مُڑ کر آتا آپ اس کا سر قلم کر دیتے، ہزاروں کافروں کو آپ نے اسی طرح جہنم رسید کیا۔

غرضیکہ ہر ہر مجاہد جن کی تعداد ہزاروں نہیں لاکھوں تک پہنچ گئی تھی عسکری نظام اور فوجی کاموں سے مہارت حاصل کرنیکے بعد فوج میں شامل ہوتا تھا اور پھر شامل ہوتے ہی اسلامی رنگ میں رنگا جاتا تھا اس میں کبر واستکبار کی بجائے فروتنی اور انکساری تیزی اور جلد بازی کی جگہ حلم و بردباری پیدا ہو جاتی تھی، اطاعت کا جذبہ تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا اور اسی پر انکے نظام کی مضبوطی کا سارا انحصار تھا۔

اسلامی مساوات جماعت مجاہدین میں اگرچہ غرباء کی کثرت تھی یعنی غریب لوگ لاکھوں کی تعداد میں شامل تھے مگر امراء کی بھی کچھ کمی نہ تھی، بڑے بڑے امیر رئیس

جاگیردار، زمیندار اس جماعت میں شامل ہو کر اسلامی رنگ میں رنگے جا چکے تھے اور اپنا آپ کھو چکے تھے یہ وہ کمال تھا جو صحابہ کرام کے بعد غالباً اسی جماعت میں پیدا ہوا اور سید صاحب ہی کے خلوص اور یمن و برکت سے پیدا ہوا کہ ایسا سماں پھر کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔

(۱) شیخ غلام علی پھوندہ (الہ آباد) کے باشندہ اور مہاراجہ بنارس کے تعلقدار تھے بہت بڑے رئیس اور متمول تھے، سید صاحب مع جماعت حج کے لئے جو نکلے، تو آپ نے سید صاحب کو ٹھہرالیا، روزانہ ایک ہزار روپیہ کھانے پر خرچ کرتے اور سینکڑوں روپیہ کے تحائف پیش کرتے، کئی دن کے بعد جب روانگی ہوئی، تو ہر ساتھی کو جو کئی سو تھے دو دو جوڑے کپڑے، ایک ایک جوڑا جوتا، اور کئی تحفے تحائف اور بیس ہزار روپیہ کے قریب نقد پیش کیا اور اس پر معذرت خواہی کی کہ میں اپنے رفقاء کا حق ادا نہیں کر سکا، شیخ صاحب پر سید صاحب کی صحبت کا اتنا اثر ہوا کہ عیش و راحت کی زندگی ترک کر کے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے اور دولت خدا کی راہ میں لٹانے پر اتر آئے آخری دور میں تو سادگی کا یہ عالم تھا کہ موٹے کپڑے استعمال کرنے لگے، چھوٹی سی چارپائی پر سوتے، جس پر کوئی بستر نہ ہوتا تاکہ پاؤں نہ پھیلا سکیں، جلد آنکھ کھل جائے اور رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزار سکیں۔

(۲) شیخ عبداللطیف مرزاپور کے بہت بڑے تاجر تھے سید صاحب کے ساتھ سفر حج میں شریک رہے، راستہ میں سارے قافلہ کی پر تکلف دعوت کرتے رہے اور چار ہزار روپیہ نذر بھی پیش کی۔

(۳) منشی امین الدین احمد ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل تھے مرکزی عدالت میں تمام مقدمے انہیں کی وساطت سے پیش ہوا کرتے تھے، دولت کی فراوانی کا یہ عالم تھا کہ ہر مہینہ کے خاتمہ پر تیس چالیس ہزار روپیہ کی تھیلیاں ہاتھی پر لدوا کر گھر لے جایا کرتے تھے مگر جب سید صاحب کی جماعت سے ملحق ہوئے تو تمام دولت اللہ کی راہ میں وقف کر دی،

(۴) شیخ علی جان دانا پور کے رئیس تھے اپنی دولت جماعت مجاہدین کیلئے وقف کئے بیٹھے تھے ہر ضرورت مند [illegible] کی ضرورت کے مطابق [illegible] کیلئے [illegible] تھے اپنا ایک باغ آنے جانے والے مسافروں کے آرام کیلئے وقف کر رکھا تھا، دوران جہاد میں صوبہ بہار کی تمام اعانتی رقوم آپ ہی کی وساطت سے جمع ہو کر مجاہدین تک پہنچا کرتی تھیں،

(۵) صدر الدین صاحب دانا پور ہی کے ایک متمول بزرگ تھے اور دل کے اتنے سخی تھے کہ سو پچاس آدمی

روزانہ آپ کے ہاں کھانا کھاتے، اور قافلوں کے قافلے اُدھر جاتے ہوئے آپ کے ہاں ٹھہرا کرتے اور آپ ان کی مہمان نوازی سے دلی مسرت اور قلبی راحت محسوس فرماتے، سید صاحب کے ہاں سے جب کوئی آجاتا تو اسے سینکڑوں روپے مستورات کی طرف سے اور ہزاروں روپے اپنی طرف سے بطور نذر پیش کرتے،

(۶) شیخ محمد تقی صاحب یہ انگریزی فوج کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے، انہوں نے اپنی جائداد کا ایک حصہ مجاہدین کیلئے وقف کر رکھا تھا جس کی قیمت کا اندازہ اُس زمانہ میں سوا لاکھ کے قریب تھا اسی جائداد کا ایک حصہ انار کلی لاہور کی وہ عمارت بھی ہے جو سرائے محمد شفیع کے نام سے مشہور ہے اور اب ایک عالی شان ہوٹل کی صورت میں منتقل ہو چکی ہے، شیخ محمد شفیع شیخ محمد تقی کے بڑے صاحبزادہ ہیں جو ۱۸۶۳ء کے مقدمہ اعانت مجاہدین میں ماخوذ بھی ہوئے تھے آپ کے والد شیخ محمد تقی سید صاحب کے بڑے مخلص اور ارادتمند مرید تھے،

(۷) الہداد خاں پٹی فتح پور ہسوہ کے جاگیر دار تھے ان کی امارت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جس خاتون سے نکاح کیا اس کا مہر پانچ لاکھ پانچ اشرفی نقد ادا کیا تھا، مگر جب سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو سب پیر و پیچ بک گئے، دولت تو رہی ایک طرف جان تک دینے سے انکار نہ کیا اور شہادت کے مراتب پر فائز المرام ہو کر رہے،

(۸) نواب امیر الدولہ امیر الملک محمد امیر خاں بہادر شمشیر جنگ والئی ٹونک اور ان کے صاحبزادہ نواب وزیر الدولہ والئے ٹونک کا تذکرہ اس ضمن میں بیان کرنا ان کی شان کے منافی نظر آتا ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں نے تو سب کچھ ہی مجاہدین کیلئے وقف کر رکھا تھا اور ریاست ٹونک کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا تھا کہ یہ ریاست مجاہدین اور مہاجرین کی اعانت میں سب سے پیش پیش رہتی ہے،

الغرض سینکڑوں نہیں ہزاروں امراء پر سید صاحب کا جادو چل چکا تھا اور وہ نہ صرف اپنی دولت ہی نچھاور کر چکے تھے، بلکہ غریبوں کیساتھ رل کر غریبانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اسلامی مساوات کا پورا نمونہ پیش کر رہے تھے ہر مجاہد کو کھانا یکساں ملتا، لباس یکساں ہوتا، بستر یکساں رہتا، کام یکساں کرنا پڑتا تھا، نہ امیر غریب میں تمیز ہوتی، نہ عالم جاہل میں امتیاز روا رکھا جاتا، نماز میں سستی ہوتی، تو یکساں سزا ملتی، احکام میں تغافل کیشی ہوتی تو یکساں تازیانے پڑتے، کوئی تنازعہ یا جھگڑا ہو جاتا، تو کسی قاضی کے ہاں یکساں پیشی ہوتے اور یکساں فیصل ہوتے کسی کے ہاں کسی سے متعلق کسی قسم کی کوئی رعایت روا نہ رکھی جاتی تھی،

ہندوستان میں اہلحدیث کی ابتدا اور انتہا

از

ازمولانا محمد اشرف صاحبؒ سندو بلوکی
ضلع لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں اہل حدیث کی ابتداء و انتشار

(از مولانا عطاء اللہ صاحب سندو بلوکی ضلع لاہور)

عربوں کے تجارتی تعلقات قدیم الایام سے چونکہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے براہ راست چلے آ رہے تھے اس لئے اسلام جب کہ حجاز میں ضو افگن ہوا تو اس کی مقدس و نورانی شعاعوں سے ہندوستان کے ساحل علاقے پہلی صدی ہجری بلکہ عہد خلافت راشدہ ہی سے متعارف ہو چکے تھے، بنا بریں گجرات و سندھ کے مسلمان عرصہ بعید تک خالص حجازی مذہب یا مسلک اہل حدیث ہی کے حامل و علمبردار رہے،

چنانچہ گجراتی مسلمانوں کی خالص اتباع سنت کی نشاندہی کیلئے حضرت علامہ محمد طاہر کی مصنفہ مجمع البحار منہ بولتی زندہ شہادت ہے مزید براں بمبئی میں شوافع کا تاریخی وجود اور ملا بار کی موپلا قوم کا شوافع و موالک مذاہب کی تقلید پر انحصار اس حقیقت کی یادگار ہے کہ جب عرب تقلیدی اثر سے متاثر ہو کر شوافع و موالک پر مشتمل ہو گئے تو اسی نتیجہ میں یہ لوگ بھی ان سے متاثر ان ہی مذہب پر عامل ہو گئے

سندھ میں چونکہ ایک عرصہ تک خالص عربی حکومت قائم رہی لہذا سندھی مسلمان قرامطہ کے بر سر اقتدار آنے سے پیشتر حجازی مذہب یا مسلک اہل حدیث ہی کے علمبردار رہے چنانچہ علامہ بشاری مقدسی جو کہ ۳۷۵ھ میں بغرض سیاحت سندھ میں وارد ہوئے تو انہوں نے اپنی مؤلفہ کتاب "احسن التقاسیم" میں سندھی لوگوں کی مذہبی کیفیت کا نقشہ یوں بیان کیا ہے "جب ہم سندھ کے مشہور شہر "منصورہ" میں وارد ہوئے تو ہندوؤں کو بت پرست اور مسلمانوں کو مسلک اہلحدیث پر اور قاضی شہر علامہ ابو محمد منصوری کو امام داود ظاہری کے طرز کا اہلحدیث پایا۔

قطع نظر! مذکورہ تاریخی شہادت کے "سندھی محدثین" کا وجود گرامی جنھوں نے سندھ سے گزر کر مدینہ منورہ مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پائنتی میں بیٹھ کر پوری دنیا کو خالص اتباع کتاب و سنت کی دعوت کے فرائض انجام دیے، سونے پر سہاگہ کا مصداق ہے،

نجدی دعوت توحید و سنت اور مملکت عربیہ سعودیہ کا وجود! جو عصر حاضر میں پوری دنیا کو عملاً اسلامی آئین اور خالص توحید

کی دعوت دے رہا ہے، یہ حضرت علامہ محمد حیات سندھی محدث رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زندہ یادگار ہے اسلئے کہ امام التوحید حضرت شیخ محمد بن عبدالوہاب نے علامہ سندھی ہی سے فیض تلمذ اور سبق توحید حاصل کرنے کے بعد جب انتہائی جانفشانی سے خالص توحید کا علم نجد میں بلند کیا، اور اہل بدعت کی مسلسل و سرتوڑ انتہائی خطرناک مخالفتوں اور سازشوں کا شکار ہوئے اور ہجرت در ہجرت کرتے ہوئے آل سعود کے مرکزی دارالامارت درعیہ میں پہنچ گئے تو آل سعود کے بلند بخت امیر محمد بن سعود مرحوم نے آپ کی دعوت توحید پر اس مدبر مدقدل سے لبیک کہا کر جان و مال کی پوری قربانی سے دعوت توحید کو کامیاب بنانے کی غرض سے شیخ رحمۃ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس انتہائی مسرت و خوشی میں حضرت شیخ نے امیر موصوف کو آخرت میں نجات و کامیابی اور دنیا میں تاج و تخت کی بشارت دی، پس اس بشارت پر محمد بن سعود نے حضرت شیخ محمدؒ سے وہی اقرار و عہد لیا جو کہ انصار نے بیعت کرتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا، کہ زندگی اور موت ہر حال ہمارے ساتھ ہوگی، چنانچہ امام التوحید نے بھی پورے جزم سے امیر کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا، جس کا نتیجہ ہے کہ آل سعود اور آل شیخ آج بھی اس معاہدہ کی زندہ و مجسم صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں کہ تاج و تخت اگر آل سعود کے قبضہ میں ہے تو افتاء و قضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر آل شیخ فائز ہیں، کیا مجال کہ آل سعود بغیر فتویٰ آل شیخ کے کوئی قدم اٹھا سکیں۔

شمالی ہند کا اسلام

چونکہ خراسانی سلاطین کے ہمراہ فاتحانہ شان سے وارد ہوا اور خراسان کے در بست و کشاد پر عہد ہارون رشید سے حنفی فقہاء ہی مسلط چلے آرہے تھے لہذا شمالی ہند کے مسلمان خراسانی مذہب (فقہ حنفی) ہی کے تابع چلے آئے بلکہ ہندوانہ ملکی و قومی رسومات کے اختلاط سے مسلمان فقہ حنفی کی روایات سے بھی بہت دور ہٹ گئے یعنی حنفی و ہندوانہ رسم و عقیدہ سے مخلوط ایک نیا مذہب شمالی ہند میں جاری ہوگیا، اتمام حجت کے لئے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف اوقات میں مشاہیر اہلحدیث مثل امام فخرالدین رازی وغیرہ بھی ہندوستان میں تشریف فرما ہوئے اور مشاہیر صوفیاء کرام مثل حضرت علی ہجویری لاہوری جو جہلاء میں حضرت داتا گنج بخش کہلاتے ہیں اور خواجہ معین الدین اجمیری جنہیں عوام خواجہ غریب نواز ہند سے یاد کرتے ہیں نے خالص اتباع کتاب و سنت کی آواز بلند کرنے کی انتہائی کوشش فرمائی، مگر کتاب و سنت کے مستقل درس و تدریس کے فقدان کی وجہ سے انکی کوشش و سعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ان کی

خانقاہوں کے مجاورین نے عوام کو قبر پرستی پر مائل کرتے ہوئے اپنی گذران اور عیاشیوں کا مستقل ذریعہ بنالیا۔
حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ نے مذکورہ بدعات کے خلاف پوری جانفشانی سے زبانی وقلمی جہاد کیا لیکن وہ بھی چونکہ باقاعدہ طور پر کتاب وسنت کے درس وتدریس کی صورت میں نہ تھا اس کا انجام بھی یہی ہوا کہ عوام حضرت مجدد ہی کے بھکاری ولپو جاری بن کر رہ گئے۔ علماء میں سے شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے حنفی فقہی طرز پر کتاب وسنت کے فروغ دینے کی قابل قدر سعی فرمائی، جسے آج تک کتاب وسنت کا داعی طبقہ، پورے احترام سے دیکھ رہا ہے مگر شیخ موصوف کی کوشش وسعی بھی ان کے زمانہ تک محدود رہی اور بعد میں اس کو کچھ زیادہ فروغ نہ ہو سکا۔

سلاطین میں فاتح ہند سلطان محمود غزنوی کا شغف کتاب وسنت مشہور ہے اور ان کے اراکین حکومت میں مشاہیر اہلحدیث بھی دکھائی دیتے ہیں بلکہ آخری عمر میں ان کا حنفی مذہب سے رجوع بھی تاریخی حیثیت سے ثابت ہے چنانچہ علامہ دمیری نے حاشیہ حیوۃ الحیوان میں علامہ قفال مروزی کے فیصل کن مناظرہ کی صورت میں تفصیل سے ذکر کیا ہے مگر غازی مرحوم اپنی ملکی جہادوں و معروفیتوں کی مشغولیت کے سبب ہندوستان میں خالص اتباع کتاب کی تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے کوئی مستقل ادارہ یا شعبہ قائم نہ کر سکے،

سلطان محمد تغلق کا شغف کتاب وسنت ضرب المثل ہے اور عملاً کتاب وسنت کو وہ ہندوستان میں جاری وساری کرنیکے خواہشمند بھی تھے لیکن اہل بدعت کی متفقہ سازشوں نے صرف ان کی تحریک ہی کو فیل نہ کیا بلکہ جس بری طرح سے سلطان مرحوم کو بعد اہل دجال شہید کیا اس کی اندوہگین مثالیں کمیاب ہیں۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر نے اسلام کی نشر واشاعت کے لئے انتہائی فراخدلی سے اپنے خزانے کا دہانہ کھول دیا، مگر ہندوستان میں چونکہ فقہ حنفی ہی اصل اسلام کا مظہر سمجھی جا رہی تھی اس لئے اس عہد کے علماء احناف نے متاخرین فقہاء حنفیہ کے اقوال وفتاویٰ کو عالمگیری کی صورت میں مرتب کردیا۔

خلاصہ وماحصل یہ کہ شمالی ہند میں تحریک اہل حدیث کا اجراء مستقل طور پر فروغ جاری نہ پاسکا۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ الآیۃ کے تحت چونکہ ہندوستان میں بھی اتمام حجت کیلئے

خاندان شاہ ولی اللہ خالص اسلام یا مسلک اہلحدیث کا اجراء ضروری تھا بنا بریں اللہ تعالیٰ نے

مسلک اہل مدینہ یا اہل حدیث مذہب کے سب سے بڑی داعی اور کتاب و سنت کے مجسم نمونہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اولاد کو ہندوستان میں بھجوا دیا، اگرچہ مدتوں عجم کی بود و باش اور فقہ حنفی کے زیر اثر زندگی بسر کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے مورث اعلیٰ کی روایات کو ایک حد تک کھو چکے تھے تاہم فاروقی خون اور ابن عمر کا جذبہ اتباع کتاب و سنت ان کے قلوب و اذہان میں اس درجہ موجود تھا کہ کتاب و سنت کی نصوص ناطقہ کی مخالفت سے بیزار فرد عبیزار ہو کر علیحدگی اختیار کرنے پر کاربند ہو جاتے تھے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شاہی اہل علم کی فہرست میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اسم گرامی ممتاز شان سے نظر آتا ہے لیکن جب کہ شاہ عبدالرحیم صاحب نے تدوین عالمگیری کو مدنی فقہ سے مختلف پایا تو چند سے بعد اس کے مرتب کنندگان کی مجلس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

یہی وہ حقیقت ہے!

جیسے شاہ صاحب ولی اللہ رحمۃ اللہ نے اپنی قلم حقیقت آشنا سے یوں اعلان کیا ہے۔

"معنی نماند کہ حضرت والد ماجد اکثر امور موافق مذہب حنفی عمل می کردند الا بعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا وجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند"

(انفاس العارفین ص ۷)

یہ حقیقت ہے کہ میرے والد بزرگوار اکثر امور میں فقہ حنفی کے عامل تھے مگر جب کہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ فقہ حنفی اس امر میں حدیث کے مخالف ہے یا دوسرے مذاہب سے کوئی ایک اس سے صحیح ہے تو فقہ حنفی کے برخلاف حدیث یا دوسرے مذہب کو قبول و معمول فرماتے،

حضرت شاہ ولی اللہ

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ ولی اللہ کو ہندوستان میں خالص اتباع کتاب و سنت کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کیلئے منتخب و نامزد فرما رکھا تھا، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام یوں فرمایا کہ مدینہ منورہ میں بٹھا کر آثار نبوت اور ... کی روایات کے عملی مشاہدات سے نوازا اور پھر واپس ہندوستان بھیجا کر مسلک اہل حدیث کو فروغ دینے پر کاربند کر دیا، چنانچہ شمس الہند حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ بطور اظہار شکر اس انعام خاص کا تذکرہ یوں فرمایا کرتے،

"علم حدیث پدرم من از مدینہ آورد و چار و دہ ماہ حرمین بودہ مسند کردہ" (ملفوظات ص ۹۳)

یہ شرف نصیب ہوا بلند گوہی کو حاصل ہے کہ وہ چودہ ماہ مدینہ منورہ رہ کر علم حدیث کی متاع لازوال سے مالامال ہو کر ہندوستان میں اس کی نشرواشاعت کا موجب ہوئے۔

تحریک ولی اللہی چونکہ اتمام حجت کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وسنت کی جسم وآئینہ دار تھی اسلئے ہندوستان کی سیاست ومذہب میں ایک اچھوتے انقلاب کی صورت میں نمودار ہوئی اور اس انتہا کو پہنچی کہ ایک طرف تو کتاب وسنت کا چشمہ شیریں اس جوش وخروش سے موجزن ہے کہ ہندوستان سے گذر کر عالم اسلام کو سیراب کر رہا ہے اور اندرون ہند جو صدیوں سے فقہی جمود طاری تھا اس کے پردے اس درجہ چاک ہو چکے ہیں کہ جس مسلک کے علمبرداروں نے فتاویٰ عالمگیر کو اصل اسلام کی صورت میں مرتب کیا تھا اسی مسلک کے حامل وعلمبردار اپنی درس گاہوں میں کتب احادیث کو پڑھنے پڑھانے پر اس درجہ مجبور ہیں کہ جب تک بخاری کی سند حاصل نہ ہو اگرچہ رسمی ہی سہی دستار فضیلت سے محرومی ہی سمجھی جاتی ہے،

دوسری طرف! جذبہ جہاد کا جوش وخروش ولی اللہی تحریک نے مسلمانان ہند کے دلوں میں اس درجہ پختہ کر دیا کہ بالاکوٹ وغیرہ میں بدر واحد کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اور پورے ہندوستان میں اسلامی آئین کا نفاذ خلافت راشدہ کے نہج پر جاری وساری کرنے کا عزم بالجزم کیا جا چکا ہے۔

پاکستان کا وجود درحقیقت شاہ ولی اللہی تحریک کا نتیجہ ویادگار ہے [1]۔

صحبت امروزہ! کا موضوع سخن درحقیقت شاہ ولی اللہی سیاسی تحریک ہی ہے۔

مغلیہ خاندان! کی سلطنت کے زوال پر مرہٹوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کا تہیہ کر رکھا تھا اور ان کی تحریک کا اصل منشا ہندوستان سے مسلمانوں کا سیاسی ومذہبی طور پر خاتمہ تھا، حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ روحہ اس منشا سے آگاہ ہو کر انتہائی کرب وبے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں چنانچہ آپ کا وہ سیاسی خواب جس کی مجسم تعبیریں مختلف صورتوں میں مجسم شکل وصورت

[1] یہ بات اُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ یعنی اسلام کے نام پر پرچے ہے کر سیٹوں کی حفاظت۔ ایڈیٹر۔

میں نمودار ہوتا آرہا ہے محتاج تعارف نہیں۔

احمد شاہ ابدالی کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی دعوت و ترغیب کا نتیجہ ہے جس کے اثر میں ہندوؤں کے عزم و ارادے خاک میں مل جاتے ہیں،

انگریزوں اور سکھوں کا برسر اقتدار آنا مغل سلاطین اپنی کم ہمتی اور عیاشیوں میں مبتلا ہو کر جب کہ بیکار محض ہو چکے تو ایک طرف تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں اپنا تسلط جمانا شروع کیا، اور دوسری طرف خود سکھ حکومت جو مسلمان کے انعام کی صورت سے مستقل سلطنت کی شکل میں نمودار ہوئی، اس نے اپنی جنگی طاقت کے بل بوتہ پر ہندوستان کو اپنے تسلط میں لینے کا تہیہ کر لیا۔ حضرت شاہ صاحب اگرچہ ان حالات کے نمودار ہونے سے پیشتر جنت الفردوس کو تشریف لے جا چکے تھے مگر ان کے لخت جگر اور جانشین اور خلیفہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ اپنے والد ماجد کی خلافت کے فرائض سرانجام دینے میں پوری تندہی سے معروف تھے، یعنی کتاب و سنت کے درس و تدریس کے ساتھ ہی سیاسی تحریک کو بھی پورے انہماک سے چلا رہے تھے،

تحریک جہاد کی ابتداء انگریز جب کہ سیاسی عیاریوں اور دولت کے بل بوتے پر ہندوستان پر قبضہ جما رہا تھا تو حضرت شاہ عبدالعزیز نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کہ،

(۱) یا تو ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی دوسرے اسلامی ملک میں سکونت اختیار کرنی چاہئے۔

(۲) یا پھر اپنی قوت کو مجتمع کرتے ہوئے انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہئے۔

دشمن اسلام سر ولیم ولسن ہنٹر نے اپنی مصنفہ تاریخ انڈین مسلمان میں شاہ صاحب کے فتویٰ کا متن اور اس کے متعلق اپنی رائے جس انداز سے درج کی ہے وہ مترجم کے اردو الفاظ میں پڑھئے: "شاہ عبدالعزیز نے ان تمام حالات کو تحریر فرما دیا ہے جن میں (ہر مسلمان پر) ہجرت کرنا ضروری ہو جاتا ہے فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی یہ سب باتیں درج ہیں" (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۲۰۲)

ہندوستان کے تمام وہابی اور دیندار مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس ملک کو دارالحرب قرار دیتی ہے۔ (ص۲۰۲)

اس سے پہلے ص۱۹۰ پر لکھا ہے کہ وہ فتویٰ جو اس وقت کے سب سے بڑے عالم نے دیا ہے،

درج ذیل ہے۔

"مزید صراحت سے لکھتا ہے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے فتوؤں سے دو فتوے یعنی شمس الہند شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرا ان کے داماد مولوی عبدالحی صاحب کا سب سے اہم ہیں،

جب ہم نے نظام حکومت کو بتدریج اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو اس وقت دیندار مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا کہ ہمارے ساتھ ان (انگریزوں) کے تعلقات کیا ہونے چاہئیں لہذا انہوں نے ہندوستان کے سب سے زیادہ مستند علماء سے رجوع کیا اور اوپر کے دونوں مشہور و معروف علماء نے ان کے جواب میں جو فتوے صادر فرمائے وہ حرف بحرف درج ذیل ہیں۔

(۱) شاہ عبدالعزیزؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک اور ملحقہ اضلاع کے مسلمانوں کے لئے یہ ناممکن ہو کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید باقی نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ کافر اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز و ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مالگزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن و امان سے زندگی بسر کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے (اسلامی آئین کے تحت) کرتے تھے تو اس ملک کا سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہو نا کھل کر نمایاں ہو گیا۔

(۲) مولوی عبدالحی صاحب صاف طور پر حکم لگاتے ہیں کہ عیسائیوں کی پوری سلطنت کلکتہ سے لیکر دہلی اور ہندوستان خاص سے ملحقہ ممالک یعنی شمال مغربی سرحدی صوبے تک سب کی سب دارالحرب ہے کیونکہ کفر اور شرک ہر جگہ رواج پا چکا ہے اور ہمارے شرعی قوانین کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، جس ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں وہ دارالحرب ہے،

یہاں ان تمام شرائط کا بیان کرنا جو فتوؤں میں درج ہیں باعث طوالت ہوگا جن کے ماتحت جملہ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کلکتہ اور اس کے ملحقات دارالحرب ہیں

ان فتوؤں سے جو نتائج یوں مرتب ہوئے کہ، وہابیوں نے جن کا جوش ان کے علم کی نسبت بہت زیادہ ہے اس اصول سے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس ملک کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہے۔ (صفحہ ۱۴۰)

اس سے پہلے بھی ہنٹر صاحب صفحہ ۱۰۹ پر لکھ آئے ہیں۔

وہابی اپنی رائے کی ابتداء اس اعلان سے کرتے ہیں کہ ہندوستان اب دارالحرب ہو چکا ہے لہٰذا اس کے انگریز حاکموں کے خلاف جہاد کرنا فرض ہو گیا ہے۔

مسٹر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں، موجودہ حالات میں بغاوت اور بھی ضروری ہو جاتی ہے کیونکہ اگر ہندوستان ابھی تک دارالاسلام ہے تو انگریز حاکموں نے طرح طرح سے اسلامی قوانین میں دخل اندازی کی ہے انہوں نے قاضیوں کو برطرف اور اسلامی دستور العمل کو منسوخ کر دیا ہے اندریں حالات مسلمانوں کے لئے بغاوت کرنا فرض ہے،

ایک غلطی کا ازالہ

(۱) بعض الناس کا خیال ہے کہ مجاہدین کا مقصد سکھوں سے جہاد تھا لیکن ہنٹر جیسے ذمہ دار دشمن اسلام کی صریح تحریر سے ظاہر ہے کہ ہندوستان میں تحریک جہاد کا آغاز وابتدا حضرت شاہ عبدالعزیز رح کے فتویٰ سے ہوا اور خاص کر انگریز ہی کے خلاف ہوا مجاہدین نے جہاد کا آغاز چونکہ سرحد سے شروع کیا جس میں سکھ حکومت راستے کا روڑہ تھی، لہٰذا اس روڑے کو راستہ سے اٹھا کر دور پھینکنے کی غرض سے ابتدا سکھوں سے ضروری ٹھہری۔

بعض الناس

(۲) اس وہم میں بھی مبتلا رہیں کہ تحریک جہاد کا آغاز شاہ عبدالعزیز رح کا فتویٰ یا ولی اللہی تحریک نہیں بلکہ حضرت سید احمد رحمۃ اللہ نے از خود تحریک جہاد کی ابتدا فرمائی ہے ہنٹر کی مذکورہ تحریر سے اس غلطی کا بھی پوری طرح سے ازالہ ہو جاتا ہے کہ تحریک جہاد کی اصل بنیاد شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحی کا فتویٰ ہے ان حضرات کے معتقدین چونکہ شمالی ہندوستان سے اور بنگال تک پھیلے ہوئے تھے، لہٰذا ان کے فتویٰ نے پورے ہندوستان میں ہلچل بپا کر دی اور لوگ جہاد کی قیادت کے منتظر تھے،

سید احمد شہیدؒ:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیادت کے سامان یوں ظاہر ہوئے کہ حضرت سید احمد رحمۃ اللہ اکتساب فیض کی غرض سے حضرت شاہ عبدالعزیز رح کی خدمت میں پہنچے حضرت شاہ صاحب نے ان کی خاندانی وجاہت اور ہونہاری اور ذہانت دیکھ کر ان کو اپنے بھائی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر کی خدمت میں بھیجوا کر تاکید کر دی کہ حتی الامکان ان کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔

چنانچہ سید صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے میزان کافیہ اور مشکوٰۃ وغیرہ ابتدائی درسی کتب پڑھیں ہو کر

انجام یہ ہوا کہ اطراف ہند سے جوق در جوق لوگ سید صاحب کی بیعت کا شرف حاصل کرنے کی غرض سے آنا شروع ہو گئے اور ملک بھر میں سید صاحب سے بیعت کے شوق کی لہر دوڑ گئی بنا بریں دور دراز علاقوں سے عرض نامے موصول ہونے شروع ہوئے کہ سب کا پہنچنا مشکل ہے لہٰذا سید صاحب کو تکلیف فرما کر ہمیں زیارت و شرف بیعت سے سرفراز فرمانا چاہیئے، پس ان تمام عرض ناموں کو سید صاحب نے شہید علیہ الرحمۃ کے ذریعے شمس الہند کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حکم اور مشورہ ہے شاہ صاحب نے جو کہ تحریک جہاد کی ابتداء و آغاز کے انتہائی بیتابی سے منتظر تھے یہ کیفیت دیکھ کر سید صاحب کو بلوا کر بطور تبرک اپنا خاص لباس عنایت فرماتے ہوئے حکم دیا بارک اللہ تم ضرور تشریف لیجائیے اور ساتھ ہی شاہ صاحب نے بعض جگہ اپنے عقیدتمندوں کو زبانی پیغام بھجوائے اور بعض جگہ تحریری خطوط کہ سید صاحب ہمارے خاص آدمی ہیں ان کی تواضع اور خدمت میں کوتاہی نہ ہو۔ شہید علیہ الرحمۃ اور مولانا عبدالحی کی بیعت کی شہرت شاہ صاحب کی خلعت اور پیغامات و خطوط نے دلی الٰہی عقیدتمندوں کے حلقہ میں سید صاحب سے حصول بیعت کا شرف حاصل کرنے میں جو شوق و جذبہ پیدا کیا وہ قلم و زبان کے بیان سے باہر ہے پورے دس سال جو کہ منظم جماعت میں صرف ہو چکے تھے اس لئے سید صاحب کو وطن کی واپسی کا خیال ہوا اور آپ جائے مسکن کی طرف روانہ ہوئے، ابھی آپ راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو اپنے بڑے بھائی حضرت سید اسحاق صاحب کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی اس صدمۂ جانکاہ سے آپ کی طبیعت نڈھال ہو گئی، کیونکہ سید اسحاق صاحب بلند پایہ عالم تھے اور آپ کی عدم موجودگی میں افراد خاندان کی خدمت گذاری کے فرائض بھی انہیں سے متعلق تھے بالآخر آپ انتیس شعبان ۱۲۳۴ھ بریلی تشریف فرما ہوئے۔ چونکہ آپ کی دعوت جہاد کا چرچا عام ہو چکا تھا اس لئے جگہ جگہ عقیدت مندوں نے فنون حرب کی مشق شروع کر دی اور سید صاحب کسی مرکزی مقام کی تلاش اور غور و فکر میں معروف تھے کہ ہجرت کا اعلان کر کے پوری جماعت کو جمع کر کے جہاد کا آغاز کر دیا جائے۔

اہل بدعت نے حج کے منسوخ ہونے کا فتویٰ دے دیا!

ہندوستان کے اسلام اور فقہی طرز کے علماء و فقہا کی عملی اور اعتقادی زندگی کا افسوسناک مظاہرہ اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے جبکہ اہل ہند کو کتاب اللہ کی تعلیم سے آگاہ و آشنا کرنے کے لئے فتح الرحمان نام سے قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر دیا تو فقہاء ہند نے آپ کے کفر و الحاد کا فتویٰ دیتے ہوئے واجب القتل ٹھہرایا اور

حضرت شمس الہند کی صحبت شہید اور مولانا عبدالحی کی رفاقت سے جذبہ جہاد سے سرشار ہو چکے تھے لہٰذا دہلی سے رخصت ہو کر بریلی پہنچے اور چندے قیام کے بعد اس عہد کے غیور حکمران نواب امیر خاں والئے ٹونک کی فوج میں فن سپاہگری کے حصول کیلئے ملازم ہو گئے، اور سات برس مختلف جنگوں میں حصہ لینے کے بعد فوجی ملازمت کو ترک کر دیا اور شمس الہند کو ترک ملازمت کی اطلاع عرض کر دی اور چند ایک روز کے بعد حضرت شمس الہند کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بطور ہدیہ پچیس روپے نقد آپ کی خدمت میں عرض کئے اور شمس الہند نے آپ کے قیام کا اہتمام پھر اسی مسجد میں فرمایا جو مسجد اکبر آبادی قرار دیا جہاں آپ پہلے شاہ عبدالقادر صاحب سے تعلیم حاصل کر چکے تھے، اسی دوران میں حضرت شمس الہند نے خواب دیکھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد دہلی میں تشریف فرما ہیں اور ان گنت وبے شمار لوگ آپ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل کرنے کیلئے برق رفتاری سے آ رہے ہیں آپ کو سب سے اول معانقہ و دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی اور حضور نے ایک عصا دیتے ہوئے حکم دیا کہ مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جایئے اور ملاقاتیوں کا ذکر ہم سے کرتے رہو پس جس کو ہم اجازت دیں اسے ہی ملاقات کیلئے مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دیجئے۔ اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ تحریک جہاد کا آغاز آپ کے مشورہ سے کسی آپ کے ہی عقیدت مند سے ہوگا، جب اس خواب و تعبیر کا حضرت شمس الہند نے ذکر کیا تو شہید رحمۃ اللہ اور مولانا عبدالحی رہ پر بھی یہ حقیقت منکشف ہوگئی، بنا بریں باہم مدتوں بھائیوں میں مشورہ اور مولانا عبدالحی نے اولاً شرف بیعت حاصل کیا اور جو اسرار و رموز آپ پر منکشف ہوئے وہ من وعن حضرت شہید سے عرض کیا۔ پس حضرت شہید نے بھی شرف بیعت حاصل کر لیا، لہٰذا جب کہ عوام و خواص سے شاہ ولی اللہی خاندان کے ان ہونہاروں کی بیعت کا ذکر سنا جن کی نسبت حضرت شمس الہند کی زبانی وہ بایں الفاظ سن چکے تھے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ۔

سب تعریف کا مستحق وہی معبود حقیقی ہے جس نے بڑھاپے کے عالم میں مجھے اسماعیل اور اسحاق ایسے ذی علم عطا فرمائے۔

اور یہ بھی آپ فرمایا کرتے کہ عبدالحی تفسیر قرآن میں میرا مجسم ہے نمونہ ہے اور فقہ حدیث میں سید اسحاق اور شہید علیہ الرحمۃ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا اسماعیل کا علم محدود نہیں وہ میرے عہد شباب کے علوم کے اتم مظہر ہیں۔

فقہائے عقیدت مندوں نے قتل کی سازش کر کے آپ پر حملہ بھی کر دیا، مگر اللہ تعالیٰ کو چونکہ ہندوستان میں خالص اتباع کتاب و سنت کی تحریک کا دوامی طور پر جاری کرنا منظور تھا اس لئے اہل بدعت کی تمام مخالفتیں ناکام ہو کر رہ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے آثار نبوت اور فاروقی خاندان کی علمی و عملی زندگی سے آشنا کرنے کی غرض سے شاہ صاحب کو حج پر آمادہ کر دیا اور فراغت حج کے بعد آپ جوار نبوت میں مقیم ہوئے اور چودہ ماہ کی مسلسل اقامت سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر تعلیم و تربیت کو مکمل کر دیا اور بعد جبکہ سید صاحب نے حج کی تیاری شروع کی تو اہل بدعت یا فقہاء ہند نے سقوط حج کا فتویٰ دے دیا اور دلائل یہ دیئے کہ سمندر میں کشتیوں کا سفر چونکہ موجب خطر جان اور تضیع اوقات ہے اس لئے حج فرض نہیں، یہ فتویٰ جبکہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے شہید اسماعیل اور مولانا عبدالحی کے سامنے پیش کیا اس پر ان بزرگوں نے زبردست دلائل سے مفتیوں کی اسلام سے بے خبری اور لاعلمی ثابت کرتے ہوئے فریضۂ حج کو مستطیع مسلمانوں کے لئے تکمیل ایمان واسلام قرار دیا۔

پھر سید صاحب نے یہ فتویٰ مع دلائل شہید و مولانا عبدالحی و شمس الہند کی خدمت میں بھجوا کر آخری فیصلہ طلب کیا شمس الہند نے جواباً تحریر کیا کہ شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کا علمی پایہ مجھ سے کسی طرح بھی کم نہیں، ان حضرات نے جو لکھا ہے وہ بالکل حق و صواب ہے جن مفتیوں نے آج حج کے منسوخ ہونے کا فتویٰ دیا کل وہ نماز روزہ کو بھی منسوخ کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور زکوٰۃ کی تو ان حضرات کے نزدیک سرے سے رخصت ہے یہ ضرور ہے کہ بعض دفعہ جہاز غرق ہو جاتا ہے مگر اکثر سلامتی و خیر و عافیت سے جاتے اور واپس ہوتے ہیں ایسا اتفاقی واقعہ سے منسوخی حج کا استدلال سراسر باطل و غلط ہے۔

سید صاحب کا ارادۂ حج

اللہ رب العزت کو چونکہ سید صاحب کی آخری تکمیل آثار نبوت سے منظور تھی اس لئے سید صاحب کا ارادہ جہاد کو ملتوی کر کے حج کا پختہ ارادہ ہو گیا۔ پس آپ نے کھلا اعلان کر دیا کہ جن احباب کو ہماری رفاقت منظور ہو وہ سفر حج کے لئے تیار ہو جائیں جو زادِ راہ کا اہتمام کر سکتے ہوں خود کر لیں اور جن دوستوں کے پاس نہ ہو ان کے جمیع اخراجات کا اہتمام ہم خود کر دیں گے جگہ جگہ اس مضمون کے خطوط بھجوا دیئے، جس کے نتیجے میں کم و بیش چار سو افراد پر مشتمل حجاج کا قافلہ تیار ہوا جو کہ شوال کی آخری تاریخ ۱۲۳۶ھ پیر کے دن رائے بریلی سے بارادہ حج روانہ ہوا۔ (منعم ما قال ہ

نہ برگ و بار کی پروا نہ انتظار رفیق   یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
اگر خدا پہ بھروسہ ہے پھر یگانہ رواں   خدا سے بڑھ کر نہیں برگ و ساز کی توفیق

غرضیکہ یہ قافلہ کشتیوں پر سوار روانہ ہوا اور عقیدت مندوں نے اپنی اپنی بساط کے موافق ضروریات سفر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کلکتے پہنچ کر دس جہاز کرایہ پر لئے گئے جن کا کرایہ فی کس بمعہ سامان بیس۲۰ روپے طے ہوا۔ ہر جہازی قافلہ کیلئے ایک ایک ذی علم و متقی اصحاب کو امیر مقرر کر دیا گیا اور ہر طرح کی ہدایات فرما دیں۔

غرضیکہ یا سے دس جہازوں نے لنگر اٹھایا اور سب سے آخر سید صاحب کا جہاز روانہ ہوا۔ خدا کے فضل و کرم سے جہاز سکون اطمینان سے چلتے ہوئے جب عدن کی بندرگاہ سے آگے حدیدہ کی بندرگاہ میں پہنچے تو قافلہ وہاں اترا اور ایسی ہوائیں چل رہی تھیں کہ چونکہ جہاز منتظر بھی تھا لہذا اس لئے ایک ماہ یہاں شہر میں قیام کیا دوران قیام میں سید صاحب کو حضرت علامہ شوکانی کی کتاب "موضوعات" کا علم ہوا تو آپ نے مولانا عبدالحی صاحب کو اس کے حصول پر مامور کیا باوجود تلاش کثیر شہر حدیدہ میں نہ مل سکی، بالآخر قاضی شہر نے عرض کیا آپ ایک خط لکھ دیجئے ہم آپ کی واپسی تک صنعا سے ایک نسخہ نقل کروا کر منگوائیں گے اور آپ کے حوالے کر دیا جائے گا، لہذا اس طرح قاضی صاحب کی موضوعات ہندوستان میں پہنچ گئی والحمد للہ۔

قیام حدیدہ کے بعد روانہ ہوکر قافلہ جدہ پہنچ گیا اور جدہ سے روانہ ہوکر یہ مقدس قافلہ جبکہ مقام "احد ملیا" میں پہنچا تو آثار نبوت سے سرفرازی کیلئے پورا قافلہ کافی دیر تک دعا میں مشغول رہا اور پھر وہاں سے رخصت ہوکر بالآخر مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور آپ بمعہ قافلہ اسی راستہ سے داخل شہر ہوئے جس راستہ سے حضور داخل ہوئے تھے، پھر باب اسلام سے حرم شریف میں داخل ہوکر طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دوگانہ طواف ادا کرنے کے بعد سعی فرماتے ہوئے احرام کھول دیا۔ پھر معمول نبوی کے مطابق احرام باندھ کر ان تمام آثار پر پوری توجہ اور خشوع سے دعا فرماتے ہوئے حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ کو روانگی شروع ہوئی اور منزلیں طے کرتے ہوئے بالآخر منزل مقصود پہنچے پورا ایک ماہ طیبہ میں قیام رہا۔

پر وہ زمانہ تھا   جبکہ ارباب حکومت نجدیوں کا دانت رحمین میں بند کئے ہوئے جس شخص پر وہابیت کا ادنیٰ شبہ بھی ہو جاتا وہ گرفتار کر کے تختہ مشق بنایا جاتا، سید صاحب کے قافلہ کے ایک جو شیلے مولوی عبدالحق صاحب تھے بعض بدعات پر انہوں نے کچھ روک ٹوک کی، بس پھر کیا تھا وہابیت کے جرم میں دھر لئے گئے، چنانچہ مولانا عبدالحی نے ضمانت دیکر رہا کرا دیا اور تاریخی بیٹھی پر صفائی پیش کی کہ ہم تو ہندوستانی ہیں نجدیوں

سے تو ہیں قطعاً انکار اور رسم بھی نہیں پایا لہذا عدالت نے مولوی صاحب کو بری کر دیا۔ اور آخر پورا ایک ماہ قیام اور جمیع تیار دعوت پر جاں فشانی کرنے کے بعد ۹ ربیع الاول ۱۲۳۶ھ کو واپس لوٹے رات ذوالحلیفہ میں گزاری اور عمرے کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور عمرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد واپس وطن لوٹے اور ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۳۶ھ بمبئی اترے۔

عقیدت مندوں کا جھرمٹ

بمبئی میں تشریف فرما ہونے کی خبر بجلی کی رو کی طرح پھیل گئی ملاقاتیوں اور بیعت کنندگان کا ہجوم اس درجہ تھا کہ بیعت و مصافحہ محال تھے، اس لئے آپ نے ایک لمبا کپڑا پھیلا دیا اور فرمایا جس جگہ سے کپڑے کا کوئی حصہ کسی کو میسر ہو پکڑ لے، بس یہی ہمارا ہاتھ ہے وہی پر بیعت ہو جائے گی، غرضیکہ حج سے واپسی پر مریدوں اور عقیدتمندوں کی تعداد میں دن بدن ترقی اور اضافہ ہوتا گیا اور آپ ہمہ تن جہاد کی تیاری اور فراہمی سامان میں معروف ہو گئے اور دعوت جہاد کو عام کرنے کی غرض سے باقاعدہ دور دراز شہروں اور قصبوں میں داعی بھجوائے اور داعیوں کے سرخیل و انچارج شہید علیہ الرحمۃ اور مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ مقرر ہوئے، چنانچہ ان دونوں بزرگوں نے اپنی علمی قابلیت اور سحر بیانی سے ہندوستان کے کونہ کونہ میں مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پروانوں کی طرح وارفتہ ہو کر لوگ شمع جہاد پر قربان ہونے کیلئے پہنچنے شروع ہوئے،

حرمین الشریفین سے واپسی کے بعد ایک برس دس ماہ کی مدت میں معرکہ بدر و احد کی یاد کو ہندوستان میں تازہ کرنے والے قدسیوں کی جماعت تیار ہو گئی۔

جہاد کی ابتداء کہاں سے ہو؟

مجاہدین جبکہ نعرۂ جہاد کی صدا پر شوق شہادت میں مضطرب و بیقرار ہو رہے تھے تاب فیصلہ طلب یہ امر تھا کہ جہاد کہاں سے شروع کیا جائے، کافی غور و فکر کے بعد متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ صوبہ سرحد میں مرکز قائم کر کے وہاں سے جہاد کی ابتداء کی جائے لہذا مجاہدین کو جمع کر کے سرحد کی طرف ۷ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ مارچ کا حکم دیا گیا اس وقت غازیوں کی تعداد پانچ سو سے چھ سو تک بتائی جاتی ہے اور زاد راہ کے لئے صرف پانچ ہزار روپیہ نقد موجود تھا بس رائے بریلی سے روانہ ہو کر گوالیار کے راستہ سے منزل منزل طے کرتے ہوئے ٹونک پہنچ گئے اور پھر یہاں سے روانہ ہو کر اجمیر کے راستہ سے سندھ پہنچے اور حیدرآباد ہوتے ہوئے شکارپور اور کوئٹہ کے راستے سے درۂ بولان سے گذرتے ہوئے قندھار تشریف لے گئے، بطور قصۂ داستان کے یہ سن لینا تو معمولی بات ہے مگر ان

کٹھن راستوں کو پیدل چل کر عبور کرنا سوائے مجاہدین کے کسی دوسرے سخت جان کے لیے ناممکن نہیں تو انتہائی کٹھن و دشوار ضرور ہے اور پھر شوقِ جہاد و شہادت ان کٹھن راستوں کو راحت جان سمجھ کر عبور کرنا یا نہیں اہل اللہ کا کام ہے عامۃ الناس اور اہل دنیا تو اس سفر کو سراسر مجنونانہ حرکت قرار دیں گے۔

قصہ مختصر یہ کہ مجاہدین نے چارسدے میں قیام کیا، سکھ حکومت کو چونکہ مجاہدین کی نقل و حرکت کی اطلاع مل چکی تھی بنا بریں حکومت نے جاسوسی کا خاطر خواہ اہتمام کیا، چنانچہ مجاہدین نے ایک مشتبہ آدمی کو گرفتار کر کے سید صاحب کے سامنے پیش کر دیا پس جبکہ سید صاحب نے اس سے حقیقت واقعہ بیان کرنے کو کہا تو شیر خان نے اصل واقعہ بیان کر دیا کہ فی الواقعہ سکھوں نے جاسوسی پر مجھے مامور کیا ہے اور بدھ سنگھ آپ کے مقابلہ کیلئے خیر آباد میں جرار لشکر لیکر پہنچ چکا ہے پس یہ کیفیت معلوم کر کے سید صاحب نے شیر خان کی جان بخشی فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا یہ پیغام غیر مبہم الفاظ میں بدھ سنگھ کو پہنچانا تمہارے ذمہ فرض ہے کہ جس طرح تو رنجیت سنگھ کا فرمانبردار و اطاعت گذار ہے ویسے ہی ہم بھی اپنے حقیقی مالک کے فرمانبردار اور اس کے حکموں کے پابند عامل ہیں۔

کرشمۂ قدرت

یہی شیر سنگھ جو سکھوں کی طرف سے جاسوسی پر مامور تھا سید صاحب کے اخلاق کی تلوار سے گھائل ہو کر بعد خوشی بیعت جہاد کرتا ہوا شریک مجاہدین ہو گیا اور عرض کیا کہ انشاء اللہ بدھ سنگھ کو آپ کا پیغام لفظ بلفظ پہنچاتا ہوا اس کے لشکر وغیرہ کی پوری کیفیت واپسی پر عرض کروں گا۔ غرضیکہ سکھوں کے جاسوسی کے بجائے اب یہ سید صاحب کا خاص جاسوس ہو گیا۔

ایک غلطی کا ازالہ

جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا کہ سید صاحب کے جہاد کا اصل مقصود و مدعا انگریز کو ہندوستان سے نکال کر خلافت راشدہ کے نہج پر اسلامی آئین کی نظیر حکومت کرنا تھا، مگر ہندوستان ہی میں رہتے ہوئے انگریز سے جنگ ناممکن تھا اسلئے سرحد کو اپنا مرکز قرار دیا، اب چونکہ سید صاحب کے مرکز اور انگریزوں کے درمیان سکھ حکومت حائل تھی اسلئے راستہ صاف کرنے کی غرض سے سکھ حکومت کے وجود کو راستہ سے اٹھا پھینکنا ضروری تھا اسلئے جہاد کی ابتداء سکھوں سے شروع ہوئی، چونکہ سکھوں کی سلطنت کے خاتمہ پر پورے ہندوستان پر انگریزی حکومت مسلط ہو چکی تھی اسلئے عیار انگریز نے تذکرہ نویسوں سے یہ لکھوا دیا کہ مجاہدین محض سکھوں کی ظالم حکومت ہی سے جہاد کے خواہشمند تھے اور انگریزی سلطنت جس میں مسلمانوں کے جان

وہاں محفوظ ہیں کوئی تعرض نہیں چاہتے تھے، یہ محض انگریز کی سیاسی عیاری اور مکاری ہے جس کا شکار بعض مخلص مسلمان بھی ہو گئے اور بعض احباب نے یہ بھی سمجھا ہے کہ سید صاحب کا مقصود و مدعا تو انگریز ہی کو خارج کرنا تھا، مگر انگریز نے عیاری سے سید صاحب کی تحریک کا رخ سکھوں کی طرف پلٹ دیا، یہ اور اس قسم کے دوسرے سب توہمات غلط و باطل ہیں سید صاحب نے راستہ کے رشد کی حیثیت سے سکھوں کے ساتھ جہاد شروع کیا۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑائیوں سے قطع چار لیے مستقل جنگوں سے چھکے چھڑا دیے کہ جن میں سکھوں کی فوج کی تعداد لاکھوں پر مشتمل باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید جنگی سامان سے مسلح تھی، چونکہ سکھ فوج میں تجربہ کار انگریز افسر موجود تھے انہوں نے عیاری و فریب سے سرحدی مسلمانوں کو مال و دولت اور مستقل حکومت وغیرہ کا چکر لالچ دے دلا کر مسلمانوں کو سید صاحب سے علیحدہ کرنے اور خود سید صاحب کو زہر دلانے میں بھی کامیاب ہو گئے مگر باینہمہ چونکہ سید صاحب کے عزم و استقلال میں ایک بال برابر بھی فرق نہ پایا تو مال و زر کا لالچ دے کر منافقین کا ایک ایسا گروہ بھی تیار کر لیا جو بروقت منافقت سے مجاہدین کو شہید کروانے اور سکھوں کو کامیاب کرنے کے فرائض سرانجام دے، چنانچہ اس گروہ کی منافقت سے سید صاحب اور شہید اور ان کے اکثر خاص رفقاء مقام بالاکوٹ میں شہادت سے سرفراز ہوتے ہوئے شہداء و احد کے زمرہ میں شامل ہو گئے رحمہم اللہ۔

کیا سید صاحب اور ان کے رفقاء ناکام رہے؟

ظاہر بین سمجھتے ہیں کہ سید صاحب اپنے مقصد میں ناکام و فیل رہے ہیں لیکن جب سید صاحب رحمۃ اللہ کے مقصد کو بنظر غائر دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ آپ کو فتح و شکست سے کوئی سروکار نہ تھا آپ کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی رضا اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا احیاء تھا جس سے مسلمان غافل ہو چکے تھے، بطور مثال و نمونہ سید صاحب اور ان کے رفقاء کا جذبہ طلب رضاء الٰہی ملاحظہ فرمایئے،

"سید احمد شہید" مصنفہ غلام رسول مہر صفحہ ۱۸۴ میں ہے، جو غازی فوت ہوئے ان کے کفن کیلئے کپڑا میسر نہ تھا شیخ ولی محمد یا تو انہیں کی چادریں اوڑھا دیتے یا جامہ کے ٹکڑے کاٹ کر ان سے کام نکالتے آٹا پیسنے کیلئے چکیاں خرید لی تھیں، حکم یہ تھا کہ جو بھائی چاہے، قیمتاً پسوا لے اور جسے پسند ہو خود پیس لے: ایک روز سید صاحب پھرتے پھراتے اپنی اس جماعت کی طرف نکل گئے جس کے نائب سالار شیخ ولی محمد تھے آپ نے دیکھا کہ مولوی الٰہی بخش رامپوری اپنے ہاتھ سے چکی پر آٹا پیس رہے ہیں۔ سید صاحب بے تکلف ان کے سامنے بیٹھ گئے اور چاہا کہ آٹا پسوانے لگے حتیٰ کہ ایک سیر آٹا پیس دیا جو جگر نماز کے لئے مخصوص تھی وہ محض ایک اعلیٰ

تھا، چھت تھی نہ فرش، نماز پڑھتے وقت غازیوں کو کنکر چبھتے تھے۔ اس لئے ایک دن فرمایا کہ وہ جنگل چلو اور جنگل سے گھاس کاٹ لائیں، خود بھی درانتی لی اور ساتھیوں کے ہمراہ گھاس کاٹ لائے۔ حضرت کی تعلیم کے مطابق کسی صاحب کو کسی کام سے عار نہ تھا۔ سب اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے، کھانا پکاتے، جنگل سے لکڑیاں اٹھالاتے، چکی پیستے، بیماروں اور معذوروں کی خدمت کرتے اور نجاست اپنے ہاتھ سے اٹھا کر باہر پھینکتے، جو لوگ بعد میں آئے انہوں نے پہلوں سے سبق حاصل کیا۔ لشکر بھر کی زبان فحش و دشنام سے بالکل محفوظ تھی (ص ۲۳۰ و ص ۲۴۹)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ قلت غذا کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ فی کس ایک ایک مٹھی جوار ملتی جسے بعض حضرات تو بھون کر چبا لیتے اور بعض پیس کر ستو بنا کر پی لیتے۔ بیماروں کو یہی جوار ابال کر مثل جو آش پلائی جاتی اور بطور دوا جو کچھ دیا جاتا وہ کھٹکل بوٹی جو زمین پر پھیلی ہوتی ہے اکھاڑ کر پسوا کر پانی میں جوش دلا کر اسمیں قدرے نمک کا اضافہ کر کے پلایا جاتا۔

گلہ و شکوہ نہ تھا: ان انتہائی کٹھن و مشکل حالات میں بھی کبھی کسی مجاہد کی زبان سے بے صبری کا اظہار نہ ہوا اور نہ ہی کبھی یہ سننے میں آیا کہ میں غلطی سے غازیوں میں آ گیا ہوں غرضیکہ دکھ سکھ، جنگ و اطمینان ہر حال ہر متنفس طالب رضائے الٰہی بعد خوش و خرم نظر آتا تھا۔

سکھ حکومت: رہی سکھ حکومت کی فتح تو اس کا نتیجہ دنیا کے سامنے ہے کہ مجاہدین کی تلوار نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر کے خانۂ عنکبوت بنا دیا اور انگریز نے ایک ہی حملہ میں اسکو اس بری طرح سے نیست و نابود کر دیا کہ دنیا میں قیامت تک اس کا نام لیوا بھی پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ والئی حکومت کی اولاد سکھ قوم سے متنفر و بیزار عیسائیت کی آغوش انگلستان میں وقت گزار رہی ہے۔

مسلک اہل حدیث کے بارے میں چند اہم سوالات اور انکے جوابات

مسلک اہل حدیث کے بارے میں جناب عبدالخالق صاحب بی اے ایل ایل بی نے چند اہم استفسار شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب سلفی امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث کی خدمت میں ارسال کئے تھے، آپ نے ان کے نہایت تشفی بخش جوابات دیئے ہیں۔

سوالات

۱۔ مسلک اہل حدیث کی بحیثیت فقہی مذہب تعریف کیا ہے؟ مختصر اور جامع الفاظ میں تحریر فرمایئے۔

۲۔ مسلک اہل حدیث کی اصول فقہ، کی کتاب کونسی ہے کتاب کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۳۔ اہل حدیث کے اصول فقہ کونسے ہیں۔

۴۔ مذہب اہل حدیث کے مجتہدین کون سے ہیں، جن کی فقہ اہل حدیث میں جامع تصانیف موجود ہیں؟

۵۔ مذہب اہل حدیث میں مجتہدین کے لئے اقسام ہیں اور ہر قسم کے لئے کون سے اوصاف ضروری اور لازمی ہیں۔

۶۔ مسلک اہلحدیث میں مفتی کے لئے کیا شرائط ہیں، کیا مجتہد ہونا ضروری ہے؟

۷۔ ہندو پاکستان میں ایسے کتنے علماء موجود ہیں جن کو مسلک اہلحدیث کا مجتہد مانا جاتا ہو۔ نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۸۔ کیا مسلک اہلحدیث کی فقہ مدون اور مرتب صورت میں موجود ہے؟ اگر ہے تو اس فقہ کی تدوین کن حضرات نے کی اور کب ہوئی، فقہ اہل حدیث کی کوئی جامع کتاب موجود ہو تو اس کا نام اور مصنف کا نام تحریر فرمائیں۔

۹۔ کیا ایسی مرتب اور مدون فقہ اہل حدیث پر ہمیشہ عمل کرتے رہنا عامی کے لئے حنفی شافعی بننے کے مترادف تو نہیں ہے، ایسے مقلد اور حنفی شافعی میں کیا فرق ہے؟

(۱۰)۔ مسلک اہل حدیث کی فقہ اگر مرتب و مدون نہیں ہے تو علماء اہلحدیث اجتہادی مسائل میں جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچ سکتی ہے کیسے فتوے دیتے ہیں؟ کیا وہ خود اجتہاد کر کے فتوے دیتے ہیں؟ یا کسی

امام فقیہ کے قول وا جتہاد پر فتوے دیتے ہیں؛ اگر دوسری صورت ہے تو کیا یہ اُس امام فقہ کی تقلید کردانی نہیں ہے اگر پہلی صورت ہے تو کیا ایسا کرنے سے اُمت میں وہ نظم اور یکجہتی قائم رہ سکتی ہے جو ایک مسلک متعین کی اتباع میں نصیب ہوتی ہے، کیونکہ مختلف علماء اہل حدیث کا ذاتی اجتہاد باہم دگر مختلف ہو سکتا ہے کیا ایسا کرنے سے اختلاف اور تفرقہ بڑھ تو نہیں جائے گا۔

۱۱۔ ایک اہل حدیث عالم دین کے ذاتی اجتہاد اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ ہم کی مدون اور مرتب فقہ میں سے کونسی چیز عمل کرنے کے لئے افضل ہے اگر عامی اجتہادی مسائل میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امام فقہ کی اتباع کرتا ہے تو کیا ایسا آدمی عامل با لحدیث نہیں ہے، بخصوصاً جب کہ وہ اپنے امام کے خلاف اُن وحدیث مسائل کو چھوڑ دینے کے لئے بھی تیار ہو۔

نوٹ:۔ کتاب معیار الحق مصنفہ سید نذیر حسین محدث دہلوی میں مندرجہ تقلید کے چار اقسام نظر میں رکھیں۔

(۱۲) کیا علماء اہل حدیث ہر فقہی مسئلہ کے لئے قرآن مجید یا حدیث شریف سے نص صریح پیش کرتے ہیں، جیسا کہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کا معمول بتایا جاتا ہے، نیز اہلحدیث اور ظاہریوں کے مسلک میں کیا فرق ہے،

(۱۳) اگر مذکورہ بالا سوال کا جواب اثبات میں ہے تو براہ کرم ہر فقہی مسئلہ کے لئے صریح آیات احادیث پیش کرنے کا اعلان فرمائیں تاکہ مخالفین کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے۔

(۱۴) اگر جواب نفی میں ہے تو پھر آپ کو فقہی مسائل کے بارے میں ایسا اجتہادی فتوے مخالفین کو پیش کرنا ہوگا جو ائمہ اربعہ میں سے کسی سے منقول نہ ہو۔ نیز قرآن وحدیث کے خلاف نہ ہو اور علماء اہلحدیث کا متفق یہ قول بھی ہو۔

اگر آپ ائمہ مجتہدین کے کسی قول کو موافق قرآن وحدیث پا کر اس پر فتوے دینگے تو پھر آپ کو اُس قول کا ماخذ قرآن وحدیث سے ضرور پیش کرنا ہوگا ورنہ اس مسئلہ میں اسی امام کی اندھی تقلید ہوگی؛ بخلاف احناف کے، جو کہ آپ کے نزدیک خود ان ائمہ مجتہدین کے قول دکر دلیل کے بغیر ہمارے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے وغیرہ کے مطابق جائز ہے۔ والسلام (عبد الخالق کندہ کوٹ)

جوابات

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مکتوب گرامی سے مسرت ہوئی، کہ آپ قانون کے ساتھ شغف کے

باوجود مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں سوالات سے ظاہر ہے کہ ان فقہی اختلافیات میں بھی آپ کے مطالعہ کا انداز مناظرانہ ہے آپ نے سوالات کی ترتیب میں قانون اور مناظرہ دونوں کو ملحوظ رکھا ہے نیز سوالات اس ذہن کی غمازی کرتے ہیں کہ اہل حدیث کو آپ ایک ایسا فرقہ سمجھتے ہیں جو ائمہ اجتہاد کی ضد ہے اور شاید ہر مسئلے میں ان سے الگ ہے آج کل دیوبند اور بریلی سے جس طرح جمود کی دعوت دی جاری ہے اور متاخرین شوافع بھی قریبًا اسی انداز سے دعوت دیتے ہیں اس سے تو اہل حدیث کو کلی اختلاف ہے ہم اس جمود کو واقعی قطعًا پسند نہیں کرتے بلکہ اس جمود کو اسلام کی دعوت عام کے بھی خلاف سمجھتے ہیں ایک انصاف پسند طالب علم ان حضرات کی اس تعصب آمیز دعوت سے یہی نتیجہ اخذ کریگا جو جناب نے اخذ کیا ہے۔

لیکن فی الحقیقت اہلحدیث کی دعوت عام اور جامع ہے اس میں مذاہب اربعہ اور دیگر ائمہ اجتہاد کی فقہی مساعی بھی شامل ہیں اس دعوت کا مقصد یہ ہے کہ ان مقدس مساعی کا تحقیقی جائزہ لیا جائے اور انہیں کتاب اللہ اور سنت کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اور ان اختلافات کی تطبیق اور ترجیح کے وقت ائمہ سلف رحمہم اللہ کی روش کو سامنے رکھا جائے۔ مروجہ فقہوں سے اہلحدیث کو جزوی طور پر یقینًا اختلاف ہے لیکن ائمہ اجتہاد کے علوم و آثار سے تحقیقی استفادہ تحریک کا اساسی مقصد ہے یعنی فقہی جزئیات کا ترک یا اختیار علم و بصیرت کی بنا پر عمل میں آئے اس کے باوجود مختلف نظریات کو گوارا کرنا اور ائمہ کے علوم کا احترام اور ان سے استفادہ اس تحریک کی روح ہے اس بنیادی اور اجمالی گذارش کے بعد استفسارات کے جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱:۔ مسلک اہل حدیث ایک ایسی دعوت ہے جس کی بنیاد اصول اور فروع یعنی عقائد اور اعمال میں ظاہر کتاب و سنت اور ائمہ سلف یعنی صحابہ کرام کی روش پر ہے جس میں آنحضرت کے بعد کسی شخصیت کے نام پر دعوت کی بنیاد نہیں رکھی گئی۔

۲:۔ اصول فقہ میں روضۃ الناظر ابن قدامہ الرسالہ للامام الشافعی ارشاد الفحول شوکانی حصول المامول للصدیق الحسن احکام الاحکام ابن حزم احکام للآمدی التوضیح والتلویح تفتازانی کشف الاسرار شرح اصول بزدوی الاحکام فی اصول الاحکام لعز بن عبد السلام القواعد لابن رجب القواعد والفوائد الاصولیہ لعلی بن عباس البعلی ۸۰۳ القواعد النورانیہ لابن تیمیہ موافقات شاطبی وغیرہا۔ قدماء احناف کی کتابیں میں اصول کی حیثیت سے بیان ہوئے ہیں جیسے مسلم الثبوت وغیرہ

متاخرین حنفیہ ملا جیون شاشی وغیرہ کی تصانیف محققانہ نہیں کاتب چلپی حنفی نے کشف الظنون میں فرمایا سب سے پہلے اصول فقہ پر معتزلہ اور اہل حدیث نے لکھا لیکن ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے معتزلہ عقائد میں ہمارے مخالف ہیں اور اہل حدیث فروع میں۔

اصول فقہ میں اختلاف خاص نوعیت کا ہے فن کے ماہر اس سے غلطی نہیں کھا سکتے، اس کے علاوہ بھی اہلحدیث نے اصول فقہ میں کافی ذخیرہ جمع فرمایا ہے ہر حق پسند آدمی کو اس ہی وقت محسوس ہوتی ہے اس لئے کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف کے تلامذہ عام طور پر اعتزال کا شکار ہو گئے، قاضی عیسیٰ بن ابان، بشر مریسی، سرخسی، کرخی، کم و بیش معتزلہ سے متاثر ہیں، جو لوگ اعتزال سے متاثر نہیں ان کی روش اصول میں چنداں غلط نہیں، اس موضوع میں تفصیلاً لکھنا وقت چاہتا ہے نیز یہ مسئلہ تدریسی ہے اخباری نہیں۔

۳۔ مندرجہ سے اس کا جواب کافی حد تک سمجھا جا سکتا ہے اس کا مقصد پہلے جواب میں آچکا ہے۔

۴۔ مجتہدین میں کوئی بٹوارہ نہیں مذاہب اربعہ کے مجتہدین اہلحدیث کے بھی امام اور مجتہد ہیں، ائمہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ، ابن جریر طبری، ابو عبدالرحمٰن اوزاعی، ابو یوسف، محمد یہ سب اہل حدیث کے مجتہدین ہیں الغرض حق کسی میں محصور نہیں۔ نہ کسی کو مقام نبوت ملا ہے نہ مقام عصمت حاصل ہے غزارت علم کے باوجود غلطی ممکن بھی ہے اور واقع بھی اس لئے کسی کے تمام اجتہادات واجب القبول نہیں ہو سکتے، اور نہ واجب الاتباع۔

۵۔ مجتہدین کی تقسیم کوئی شرعی مسئلہ نہیں فوق کل ذی علم علیم کے مطابق اصطلاحی الفاظ وضع کر لئے گئے ہیں تقلید کی حفاظت کیلئے یہ اغلال و سلاسل بنائے گئے ہیں تاکہ ان کے محققانہ اختلافات کو ترک تقلید کا نام نہ دیا جا سکے ورنہ یہ سب اساتذہ اور تلامذہ دلائل کی بنا پر باہم اختلاف فرماتے تھے اور ایک دوسرے کی تقلید سے بے نیاز تھے رحمہم اللہ علیہم

۶۔ مفتی کیلئے ضروری ہے وہ کم از کم آیات احکام . . . اور احادیث احکام کو جانتا ہو مذاہب علماء پر اسکی نظر ہو عربیت سے آشنا ہو اصول فقہ، اصول حدیث پر اسکی فی الجملہ نظر ہو اسکے ساتھ با عمل اور متقی ہو اجتہاد ضروری نہیں۔

۷۔ مجتہدین کی مردم شماری نہ پہلے کبھی ہوئی نہ اب اسکی ضرورت، علمی خدمت تدریس و تذکیر سے خود بخود مقام متعین ہو جاتا ہے سلف مجتہدین کو انکی زندگی میں انکے قرآن استفتے نہیں سمجھتے تھے جسقدر مقام اب انکو حاصل ہے اہلحدیث علماء کا بھی یہی حال ہے مولانا سید نذیر حسین، مولانا شمس الحق، مولانا شرف الحق ڈیانوی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کو شاید انکے لوگ امام سمجھیں اور مجتہد ماننے لگیں ہیں اس معاملہ میں قطعاً مردم شماری یا مجتہد شماری کی ضرورت

نہیں سمجھتا۔ الاناء یترشح وتفوح بما فیہ۔

آپ قانون کے طالب علم ہیں مجتہد شماری سے پہلے اس اصطلاح کے مفہوم پر غور فرمائیں مجتہد کو اصطلاحاً جن علوم کا مکلف قرار دیا گیا ہے اس لحاظ سے تو صحابہ میں کوئی مجتہد معلوم نہیں ہوتا بلکہ تابعین میں بھی کسی کو مجتہد کہنا مشکل ہے حتیٰ کہ مسلمہ ائمہ اجتہاد ان مصطلح راہوں سے مقام اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے عجیب یہ ہے کہ یہ اصطلاحی پابندیاں ائمہ اجتہاد پر وہ حضرات عائد فرماتے ہیں جو خود مجتہد نہیں، آنحضرت نے سچ فرمایا اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا ارباب تقلید ائمہ اجتہاد کیلئے اجتہاد کی راہیں تجویز فرماتے ہیں، پھر کمال مرحمت سے اجتہاد کو کلیتاً بند فرماتے ہیں حالانکہ علوم اجتہاد اب بھی موجود ہیں رسالہ حمیدیہ صفحہ ۲۲۰۔ وَلٰكِنَّ مِنْ عُقُوْلِ بِعَائِذٍ مِنَ الْحُجَّةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا اَزْكَى الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ قَالَ الْعُلَمَاءُ الْاَعْلَامُ كَمَا نُقِلَ عَنْ عُلَمَاءِ الْحَنَفِيَّةِ اِنَّ بَابَ الْاِجْتِهَادِ قَدْ اِنْسَدَّ مِنْ ذٰلِكَ التَّارِيْخِ اھ علماء حنفیہ نے فرمایا کہ چوتھی صدی کے ختم ہوتے ہی اجتہاد کا دروازہ مقفل ہو گیا ہم جب مجتہد کی تقلید ہی پسند نہیں کرتے، ہم مجتہد شماری کی سردردی کیوں اختیار کریں، ہمیں قرون خیر کا ایک غریب مسلمان تصور فرمائیے جو اپنے وقت کے علماء سے بلاتعیین شخص مسائل دریافت کرتا ہے اور اپنے فہم اور بساط کے مطابق ان پر عمل کرتا ہے وہ تقلید کو واجب سمجھے نہ مجتہد کی تلاش میں نکلے۔

۵ مروجہ مذاہب کی فقہیں جاری ہیں، ہم بلا تخصیص وقت کے تقاضوں اور اپنے فہم کے مطابق قرآن و سنت کی رہنمائی میں ان پر عمل کرتے ہیں ایسے مسائل انتخاب کرتے ہیں ایک فقہ کا تعین اصل مرض ہے جس نے تقلید کی بندشوں کو مضبوط کیا، اور فکر و نظر فہم و شعور کے دروازوں کو مقفل کیا، زاد المعاد، نیل الاوطار، فتح الربانی، سبل السلام، دلیل الطالب الی المطالب، فتاویٰ وغیرہ کافی کتابیں اس فقہی نہج پر لکھی گئیں لیکن تقلید نہ ہو سکی وجہ ہے وہ مروجہ فقہوں کا مقام حاصل نہیں کر سکیں نہ ہی حاصل ہونا چاہیئے، علماء کو اپنے علم کے مطابق تحقیق کرنا چاہیے عوام کو بلا تخصیص علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیئے جس طرح قرون خیر میں لوگ کرتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔ وَبَعْدَ الْقَرْنَيْنِ حَدَثَ فِيْهِمْ شَيْءٌ مِنَ التَّخْرِيْجِ غَيْرَ اَنَّ اَهْلَ الْمِائَةِ الرَّابِعَةِ لَمْ يَكُوْنُوْا مُجْتَمِعِيْنَ عَلَى التَّقْلِيْدِ عَلٰى مَذْهَبٍ التَّفَقُّهِ لَهُ وَالْحِكَايَةِ لِقَوْلِهِ كَمَا يَظْهَرُ مِنَ التَّتَبُّعِ بَلْ كَانَ فِيْهِمُ الْعُلَمَاءُ وَالْعَامَّةُ وَكَانَ مِنْ خَبَرِ الْعَامَّةِ اَنَّهُمْ كَانُوْا فِي الْمَسَائِلِ الْاِجْمَاعِيَّةِ الَّتِيْ لَا اخْتِلَافَ فِيْهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ جُمْهُوْرِ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَا يُقَلِّدُوْنَ اِلَّا صَاحِبَ الشَّرْعِ وَكَانُوْا يَتَعَلَّمُوْنَ صِفَةَ الْوُضُوْءِ وَالْغُسْلِ وَالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَمُعَلِّمِيْهِمْ فَيَمْشُوْنَ حَسَبَ ذٰلِكَ وَاِذَا وَقَعَتْ لَهُمْ وَاقِعَةٌ اسْتَفْتَوْا فِيْهَا اَيَّ مُفْتٍ وَجَدُوْا مِنْ غَيْرِ تَعْيِيْنِ مَذْهَبٍ وَكَانَ مِنْ خَبَرِ

الخامسة انه كان اهل الحديث منهم يشتغلون بالحديث يخلص اليهم من احاديث النبی صلعم وما آثار الصحابة مالا يحتاجون معه الی شیء آخر الخ (حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۲ ج۱) دوسری صدی کے بعد تخریج کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، لیکن چوتھی صدی تک لوگ تقلید پر جمع نہیں ہوئے تھے نہ ہی ایک مذہب کی تقلید اور اس پر تفقہ کا خیال اس قدر چلا ہوا تھا، اس وقت علماء بھی تھے اور عوام بھی عوام کا یہ حال تھا کہ اتفاقی مسائل اپنے بزرگوں اور اپنے شہر کے علماء سے دریافت کرتے اور صرف آنحضرت کا اتباع فرماتے، جیسے وضوء، نماز، زکوٰۃ کے متفقہ مسائل اور جب کوئی خاص حادثہ ہو جاتا ہے تو بلا تعیین مذہب کسی مفتی سے دریافت فرما لیتے خواص کا یہ حال تھا یعنی اہلحدیث کو حدیث میں غور و فکر کے بعد ایسی احادیث و آثار ان کو مل جاتے، جس کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی انہیں ضرورت ہی نہ رہتی، یہ صحیح اسلام کی صورت ہی محسوس نہیں ہوتی موجودہ فقہوں پر باتعیین عمل کیا جائے، لوگوں کو ایک مذہب کی پابندی پر خواہ مخواہ تنگ نہ کیا جائے، تو مسلک اہلحدیث کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے،

اسی طرح پر حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیں فانا نعلم بالضرورۃ انہ لم یکن فی عصر الصحابۃ رجل واحد اتخذ رجلا منہم یقلدہ فی جمیع اقوالہ فلم یسقط منہا شیئا واسقط اقوال غیرہ فلم یاخذ منہا شیئا وتعلم بالضرورۃ ان ہذا لم یکن فی عصر التابعین ولا تابعی التابعین فلیکذبنا المقلدون برجل واحد سلک سبیلہم الوخیمۃ فی القرون الفضیلۃ علی لسان رسول اللہ وانما حدثت ہذہ البدعۃ فی القرن الرابع علی لسانہ صلعم ص۲۲ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ایک آدمی بھی اس وقت اس طرح کا مقلد نہیں تھا جو ایک ہی شخص کے تمام مسائل کو قبول کرے اور باقی علماء کے فتووں کو رد کر دے، اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کا بھی یہی حال تھا، ایک ایسے آدمی کا پتہ دے کر حضرات مقلدین ہماری تکذیب کریں جو اسی ناہموار راہ پر چل رہا ہو، یہ بدعت چوتھی صدی کی پیداوار ہے جس کی آنحضرت نے مذمت فرمائی ہے۔

ان گزارشات سے آپ پوری طرح سوچ لیں، کہ مجتہدین کی تقسیم اصول فقہ کی تقسیم کا تصور کہاں سے پیدا ہوا، یہ صرف تار عنکبوت کا ایک حصار ہے جو تقلید شخصی کی کمزور عمارت کو بچانے کیلئے بنایا گیا، جس سے آپ جیسا فاضل کا طالب بھی متاثر ہوئے نہیں بچ سکا مجھے تعجب ہے آپ کا ذہن اس سوال کی طرف منتقل کیونکر ہوا۔

ملا۔ اس کا جواب نمبر ۳ میں ہو چکا ہے، واقعی اگر ان مخصوص فقہوں کی طرح فقہ اہلحدیث کی پابندی واجب قرار دی جاتی، تو یہ بھی تقلید ہی ہوتی۔

ملا۔ میں نے عرض کیا ہے سابقہ ساری فقہیں قابل عمل ہیں، ظروف و احوال کے لحاظ سے اہل علم ان سب پر

بلا تخصیص عمل کرینگے، فرعی اختلافات کو گوارا کرنے کی عادت ڈالیں گے، اس سے قرونِ خیر کی وحدت قائم ہوگی، نزاع تقلید کی پیداوار ہے، جس کی وجہ سے تنگ نظری ہم پر محیط ہو چکی ہے، بیماری کا نام صحت سمجھ لیا گیا ہے آپ اس چار اختلاف کا نام یکجہتی فرماتے ہیں عجیب ہے،

جب چاروں مذاہب حق پر ہیں، اور دنیا میں موجود ہیں تو یک جہتی جناب نے کہاں سے سمجھی بلکہ چار جہتی کو تو سمجھ کر گوارا کیا گیا ہے، اگر اس میں مسلک اہلحدیث کو بھی اسی طرح گوارا کر لیا جائے تو یہ مصلحِ یک جہتی بھی قائم رہے گی، ذرا اس میں وسعت ہو جائیگی کاش کہ حضرات علماء کرام اسے گوارا کریں پہلی بیماری مروج تقلید ہے دوسری بیماری گوارا نہ کرنیکی عادت غرض اس وجوب اور پابندی کو آپ ختم کر دیں، ساری وقتیں مفقود ہو جائیں گی، بعض نظریاتی وقتیں عمل سے خود بخود درست ہو چکا ہے بلکہ اس صدی کے سفر میں بہت کچھ درست ہو چکا ہے اختلاف رائے کو گوارا فرمائیے تفرقہ خود بخود ختم ہو جائے گا، اختلاف اور تفرقہ میں لطیف تفسیری تھیں، بلکہ فقہی اختلاف رہنا چاہیئے، اور تفرقہ کیلئے کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱۔ اجتہاد کسی عالم کا ہو اسے کتاب وسنت پر پیش کرنا چاہیئے، اگر کتاب وسنت میں صراحت موجود نہ ہو تو عام کو کسی کے اجتہاد کا پابند نہ کیجئے، جس پر حسب مصالح عمل کرے اسپر کوئی ملامت اور تفسیق نہ ہونی چاہیئے، بہرحال علماء کی طرف رجوع کرینگے نہیں عادت ڈالنی ہے کہ مشہور مجتہدین یا متعارف فقہوں کی بجائے شریعت کتاب وسنت کے نام سے مسائل دریافت کریں، اور علماء اپنی صوابدید کے مطابق جواب دیں اگر مقلد قرآن وسنت کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید جہل برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں صاحب حافظ ابن قیم نے اسے گوارا فرمایا ہے تجربہ کی بنا پر فروری استفتا مخصوص فقہوں کی بجائے شریعت کی بنا پر کرنا چاہیئے، میاں صاحب معیار کے اس مقام میں یہ شرح فرمادی تھی۔

۱۲۔ ابن حزم قیاس کے بالکل منکر ہیں، اہل حدیث کو مانتے ہیں، نظائر کے حکم میں مساوات کو مانتے لیکن اگر قیاس کہیں قرآن اور سنت سے متصادم ہو تو اہل حدیث نصوص کو مقدم سمجھتے ہیں، مدۃ رضاع کے نزدیک ۲½ سال اور خمر کا سرکہ بنانا نصوص کے خلاف ہے اسمیں نصوص مقدم ہونگی۔

۱۳۔ اسکا جواب ۱۲ میں آچکا ہے، قیاس نصوص تابع ہو تو قابل قبول ہے اس لئے ہر پیش آمدہ مسئلہ متعلق کسی نئے اعلان کی ضرورت نہیں۔

ع۱۱ ۔ سابقہ گذارشات کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فریقین جناب کی قانون دانی کی مرہون ہیں کوشش تو یہی ہے کہ ائمہ کرام کے جو اقوال اختیار کئے حضرت ائمہ کے ارشاد کے مطابق ان کے نظر ہوں اس کے باوجود قصور نظر کا اعتراف ہے غلطی بھی ہو سکتی ہے ممکن ہے ماخذ نہ ملے تو کوئی اور راہ اختیار کرنا پڑے، من ذا الذی ما ساء قط ومن لہ الحسنی فقط قلت فرصت کے باوجود انتہائی اختصار سے بھی گذارشات آپ کے حسب الحکم الاعتصام میں بھیج رہا ہوں امید ہے بعد ملاحظہ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے یہ ملحوظ رہے کہ مناظرانہ انداز سے ان مباحث کو طول نہیں دینا چاہتا، نہ ہی اتنی فرصت ہے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ ان مباحث میں کوئی چیز بھی حرف آخر نہیں کہی جا سکتی، اور مزید در مزید بسط اسی طرح ہو سکتا ہے اعلام الموقعین مترجم مل جائے تو ملاحظہ فرمالیں، اگر عربی زبان پر عبور ہو تو اعلام ابن عبد البر کی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ احکام ابن حزم وغیرہ کتب ملاحظہ فرمائیں اوالسلام۔

(محمد اسماعیل گوجرانوالہ) اخبار الاعتصام ۳/ جون ۱۹۶۳ء

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

سوال :۔ حدیث قدسی کسے کہتے ہیں مفصل جواب عنایت فرمایئے۔

جواب :۔ حدیث قدسی کی دو تعریفیں مشہور ہیں۔
ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف نسبت کریں، خواہ صیغہ غائب ہی ہو جیسے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي الحدیث (مشکوٰۃ باب ذکر اللہ الخ) دوسری یہ کہ خدا براہ راست بندوں کو خطاب کرے، جیسے عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا الحدیث (مشکوٰۃ باب الاستغفار الخ)

نوٹ :۔ اس میں اختلاف ہے کہ الفاظ خدا کے ہوتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہو سکتے ہیں اور مطلب خدا کا، ظاہر یہی ہے کہ الفاظ بھی خدا ہی کے ہوتے ہیں، صرف ان میں اعجاز نہیں ہوتا جیسے قرآن مجید میں اعجاز ہے، اگر الفاظ خدا کے نہ ہوں اور مطلب خدا کا ہو تو پھر حدیث قدسی اور دوسری حدیثوں میں یہ فرق ہوگا کہ حدیث قدسی میں خدا کی طرف نسبت کی تصریح ہوتی ہے جیسے اضافت تشریفی (بیت اللہ، ناقۃ اللہ وغیرہ) ورنہ مطلب کے لحاظ سے سب احادیث خدا کی طرف سے ہیں۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۳)

سوال ۲:۔ کیا حدیث کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

جواب :۔ مطلق حدیث کا انکار کفر ہے یا متواتر کا انکار ہے۔ (اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ ش ۱۳)

سوال ۳:۔ اذان کے وقت قرآن پڑھنے والا تلاوت چھوڑ دے یا نہیں، اسی طرح اذان یا تلاوت میں سلام کا جواب دینا کیسا ہے (ایضاً)

جواب :۔ خواہ تلاوت کرتا ہے یا نہ اذان کے ساتھ مسنون جواب دیتے رہنا چاہیے اذان اور تلاوت میں سلام کا جواب دے دینا جائز ہے۔ (جلد ۱۳ ش ۹)

سوال ۴:۔ گندم کا بھاؤ بازار میں ۴۰ روپے بوری ہے ایک شخص ۵۰ روپے بوری کا بیچتا ہے، کیا یہ جائز ہے (ایضاً)

جواب:- اگر لینے دینے والا راضی ہے تو شرعاً جائز ہے صرف تجارتی نقطۂ نگاہ سے وہ گراں فروش مشہور ہو کر بدنام ہوگا۔ (سیدہ اخبار اہلحدیث جلد ۸ ش ۱۲)

سوال:- میری بیوی بچپن میں ایک سید صاحب سے قرآن شریف پڑھا کرتی تھی، کیا اب بھی اُن سے پڑھ سکتی ہے۔

جواب:- اگر پردہ میں بیٹھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتی ہے، بشرطیکہ گھر کے اور لوگ بھی موجود ہوں تنہائی نہ ہو، اور اگر خاوند یا کوئی محرم پڑھا سکے تو بہت بہتر ہے، اخبار اہلحدیث سوہدری جلد ۹ ش ۱۲)

سوال:- کیا نماز میں کوئی امام قرآن کریم بلا ترتیب یعنی کوئی پچھلی سورت پہلی رکعت میں اور پہلی سورت پچھلی رکعت میں پڑھ سکتا ہے۔ (دیکھے از مہونوالی)

جواب:- ہاں پڑھ سکتا ہے، حدیث سے ثابت ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ ش ۲۲)

سوال:- حرف ضاد (ض) دال سے مشابہ ہے یا ظا (ثناء اللہ گوان آزاد کشمیر)

جواب:- مخارج حروف کا تعلق علم قرأت و تجوید سے ہے ضاد دراصل دال اور طاء کے درمیان ہے جب کہ زبان کو بائیں جانب گھمانا پڑتا ہے، اسے صحیح طور پر پڑھا جائے تو نزاع ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ اصل مخرج سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا، اس لئے کشمکش اور مسلکی افتراق و امتیاز کی علامت بن گیا ہے، اگر اصل مخرج سے آزادرہ کر ہی اسے ادا کرتا ہے ظا کے مشابہ ہی بلا تکلف بولا جاتا ہے،

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ اس ۱۲)

سوال:- چند نفوس کا ایک جگہ بیٹھ کر حصہ داری سے قرآن کریم ختم کرنا کیسا ہے یا پڑھنے کی بجائے آیت پر انگلیاں پھیرتے جانا یا ہر آیت کے بدلے صرف بسم اللہ مکمل پڑھتے جانا اور اس طرح ختم قرآن سمجھنا کیا حکم رکھتا ہے، (ابو محمد سلیم کراچی)

جواب:- یہ سب حیلے بہانے ہیں نہ حضورؐ اور صحابہؓ نے یہ کام کئے نہ ائمہ عظام نے یہ ترکیبیں بتائیں یہ سب امور بدعت اور ایجاد بندہ ہیں اور خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ اس ۱۰)

سوال :۔ ایک امام صاحب نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ والتین پڑھتے ہیں اور دوسری میں الم نشرح پڑھتے ہیں، یعنی تقدم تاخر کر دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے (رخ نمبر ۲۰۲)

جواب :۔ ہاں جائز ہے احادیث سے ثابت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قرأت نماز میں سورتیں آگے پیچھے کی ہیں، احناف بھی اس کے قائل ہیں، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۲ ش ۲۲)

سوال :۔ زینب بچپن میں ایک شاہ صاحب سے قرآن پڑھتی تھی اب اس کی شادی ہوگئی ہے کیا اب بھی وہ شاہ صاحب سے قرآن پڑھ سکتی ہے یا نہیں ؟ (غلام محمد)

جواب :۔ صغر سنی میں تو جائز ہے بلوغت کے بعد جائز نہیں خواہ شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، بہتر یہی ہے کہ وہ کسی عورت سے پڑھے یا کسی محرم سے پڑھے، غیر محرم سے تعلیم حاصل کرنا خطرات سے خالی نہیں

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۲۲)

سوال :۔ ایک امام صرف قرآن پڑھا ہوا ہے نہ ترجمہ جانتا ہے نہ حدیث نہ فقہ، بلکہ بسا اوقات قرآن بھی غلط پڑھتا ہے کیا اس کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہیئے یا نہ

جواب :۔ اگر کوئی اس سے اچھا قرآن پڑھنے والا موجود ہو تو اسے امام نہ بنانا چاہیئے عوام کو ضد نہیں کرنی چاہیئے، نہ امامت کے سلسلہ میں پارٹی بازی ہونی چاہیئے بلکہ امام ہمیشہ ایسا انتخاب کرنا چاہیئے جو ذی علم ہو۔ قرآن اچھا جانتا ہو۔ اچھا پڑھتا ہو اور نیک و پارسا بھی ہو۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۱۹)

سوال :۔ قرآن مجید کی کن کن آیات کا جواب دینا ضروری ہے۔

جواب :۔ قرآن مجید پڑھنے والا سورۃ والتین کے آخر پہ کہے ۔

بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۔

اور سورۃ اعلیٰ میں، سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھے تو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی کہے، مگر یہ جواب ضروری نہیں، اور مقتدی جب یہ سنے تو اس کے متعلق کہیں ذکر نہیں آیا، جو کہتے ہیں کہ مقتدی بھی جواب دے وہ قیاس سے کام لیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ الرحمٰن پڑھی تو صحابہ خاموش ہو کر سنتے رہے، آنحضرت نے فرمایا جن تم سے بہتر جواب دیتے تھے جب

من فبای الاء ربکما تکذبٰن پڑھتا تو کہتے لا بشئی من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد ولک الشکر۔ توضیح۔ جو سنتیں بھی جائے بیٹھیں وہ قیاس نہیں بلکہ فعلی حدیث پر عمل ہے (سعیدی)

سوال:۔ حفظ قرآن مجید کے لئے جو حضور نے حضرت علی کو نماز اور دعا سکھلائی تھی کیا یہ نماز صرف جمعرات کو پڑھنی چاہئے یا اوّل جمعہ سے ساتویں جمعہ تک ہر رات کو پڑھنی چاہئے۔

جواب:۔ یہ دعا صرف جمعرات کو پڑھنی چاہئے، ہر رات نہیں پڑھنی چاہئے۔

سوال:۔ یہ دعا جو خاص حفظ کے لئے ہے، کیا نماز میں التحیات کے بعد سلام سے قبل پڑھنی چاہئے یا سلام کے بعد پڑھیں۔

جواب:۔ تشہد پڑھ کر سلام پھیر کر دعا پڑھیں، اگر سلام سے قبل پڑھے تو بھی صحیح ہے۔

سوال:۔ اگر ام القرآن قرآن میں شامل نہیں ہو سکتی، تو ام الانسان (حوا) انسان میں شامل نہیں ہو سکتی۔

اگر ام القرآن قرآن ہے تو ام الانسان بھی انسان ہے۔

اگر ام انسان بھی انسان ہے، تو ام القرآن بھی قرآن ہے، تو قراءت سے منع کیا گیا، لہذا فاتحہ سے بھی منع کیا گیا، معلوم ہوا کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

(شیخ محمد یوسف ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلحدیث ہڑپہ شہر ضلع ساہیوال)

جواب:۔ ام القرآن قرآن کا حصہ ہے، مگر قرآن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام کے پیچھے اس کو نہ پڑھا جائے، کیونکہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اور حدیث میں فاتحہ قرآن کے ہر حصہ کا عوض بن سکتی ہے مگر قرآن مجید کا کوئی حصہ فاتحہ کی جگہ بدل نہیں بن سکتا، لہذا فاتحہ کو قرآن مجید کے دوسرے حصہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، فاتحہ بے مثل سورۃ ہے، قرآن مجید کی دوسری سورتوں کی طرح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(اخبار اہلحدیث الاعتصام جلد ۲۰ ش ۳۲)

سوال:۔ کیا قرآن و حدیث میں کوئی ایسا عمل ہے جس سے بیماری کی بیماری وغیرہ معلوم ہو جائے۔

جواب:۔ حدیث میں صرف استخارہ کا ذکر ہے مگر استخارہ میں معلوم ہونا ضروری نہیں۔

سوال:۔ کیا کوئی ایسا عمل ہے جس سے رات کی تاریکی میں جادو کرنے والے کی شکل وغیرہ نظر آئے۔

جواب :۔ قرآن و حدیث میں تو اس کا ذکر نہیں مگر فلسفہ اور تعویذات کی کتب میں اس قسم کے عملیات ہیں۔
اخبار الاعتصام (جلد نمبر ۷ ش ۳۰)

سوال :۔ کیا قرآن کی تعلیم و تلاوت کی اجرت لینا جائز ہے۔
جواب :۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے جمہور جواز کے قائل ہیں حنفیہ منع کہتے ہیں مگر متاخرین حنفیہ نے تعلیم کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے بعض حنفیہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے قرون اولیٰ میں علماء کو حذیفہ ملتا تھا اس واسطے ان کو اجرت لینا عوام سے درست نہیں تھا اب چونکہ علماء کو بیت المال سے کچھ نہیں ملتا اس واسطے لے سکتے ہیں۔ (جلد نمبر ۲ ش ۱۹ الاعتصام)

سوال :۔ ابوداؤد وغیرہ میں جو احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم پر اجرت لینا منع ہے اس کا کیا مطلب ہے۔
جواب :۔ جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص نے استاد کو ایک کمان دی آپ نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے آگ کی کمان پہنائی جائے تو قبول کر ابن حزم نے اس حدیث کو بوجہ انقطاع ضعیف قرار دیا ہے جن احادیث میں یہ ذکر ہے قرآن کے ساتھ نہ کھاؤ اس کا یہ مطلب ہے قرآن پڑھ کر سوال نہ کرو۔

حضرت عمرؓ خمین کو مشاہرہ کے طور پر کچھ روپے پیسے دیا کرتے تھے جیسا کہ محلی میں ابن حزم نے ذکر کیا ہے، ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بیت المال سے گذارہ کے لئے لیا کرتے تھے اور خلیفہ کا کام عبادت کی صورت میں ہوتا ہے نماز پڑھانا امر بالمعروف نہی عن المنکر وغیرہ۔
الاعتصام (جلد نمبر ۲ ش ۲۳)

سوال :۔ قرآن و حدیث پڑھا کر تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں۔
جواب :۔ درست ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ (بخاری) جن کاموں پر تم مزدوری لیتے ہو تو قرآن کی مزدوری لینا اس سے زیادہ حقدار ہے اور ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے پر تیس بکریاں اجرت میں لی تھیں، (بخاری) علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ ھٰذَا تَصْرِیْحٌ بِجَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَۃِ عَلَی الرُّقْیَۃِ بِالْفَاتِحَۃِ وَالذِّکْرِ وَاَنَّھَا حَلَالٌ لَا کَرَاھِیَۃَ فِیْھَا وَکَذَا الْاُجْرَۃُ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَھٰذَا مَذْھَبُ الشَّافِعِیِّ وَمَالِکٍ

وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَأَبِيْ ثَوْرٍ وَآخَرِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَنَعَ أَبُوْحَنِيْفَةَ فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَأَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ (نووی) خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ و امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے (واللہ اعلم بالصواب)

(اخبار اہلحدیث جلد ۲۱ ش ۳۷)

سوال (۱) کیا تنخواہ لیکر امامت جائز ہے؟

(۲) کیا کوئی مسلمان کسی نجومی سے کوئی چیز گم ہو جانے پر پوچھ سکتا ہے اگر وہ بتادے تو اس کے کہنے پر قسم کھا کر گم شدہ چیز وصول کر سکتا ہے یا نہیں۔

(۳) غیب تو کسی کو نہیں مگر فرعون کے نجومیوں نے پہلے ہی بتادیا تھا کہ ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا اور وہ بچہ موسیٰ پیدا بھی ہو گئے، یہ کیوں؟

جواب (۱) امامت پر تنخواہ کے عدم جواز پر کوئی صحیح صریح معلوم نہیں، حدیث اِتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلٰى أَذَانِهٖ أَجْرًا أَخْرَجَهُ الْخَمْسَةُ وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ (بلوغ المرام) کے تحت سبل السلام میں لکھا ہے، وَأَنَّهُ لَا يَدُلُّ عَلَى التَّحْرِيْمِ وَقِيْلَ يَجُوْزُ أَخْذُهَا عَلَى التَّأْذِيْنِ فِيْ مَحَلٍّ مَخْصُوْصٍ إِذْ لَيْسَتْ عَلَى الْأَذَانِ حِيْنَئِذٍ بَلْ عَلٰى مُلَازَمَةِ الْمَكَانِ كَأُجْرَةِ الرَّصْدِ (انتہی)

۲-۳۔ اس طریقے سے غیب جیا کرنے والے کو شریعت میں "عرّاف" اور کاہن کہا جاتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ایسے لوگوں کا کافی چلن تھا لہٰذا آپ نے اس فعل سے سختی سے منع فرمایا ہے ایسے لوگوں کی بعض باتیں سچی بھی ہو جاتی ہیں، جس کی وجہ بھی حدیث شریف میں فرمادی گئی ہے ان لوگوں کی بات کی تصدیق تو کجا، ان سے نفس پوچھنا ہی ناجائز ہے، سب اسرائیلی قصے تو اولاً ان کی تاریخی حیثیت کا قابل اعتماد ہونا ضروری نہیں ثانیاً ان سے کوئی مسئلہ نہیں، ثابت کیا جا سکتا ہے، جبکہ ہماری شریعت میں صراحۃ اس سے منع کر دیا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلَ أُنَاسٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ أَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ أُذُنِ وَلِيِّهٖ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ۔ (متفق علیہ) یعنی کچھ لوگوں کے دریافت کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، نجومی کی بعض بات سچی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جن اُچک کر سنا جاتے ہیں، لیکن اس میں سو فیصد جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاؤدَ (مشکوٰۃ)

۳۔ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ) قَالَ الْبَغَوِيُّ الْعَرَّافُ الَّذِي يَدَّعِي مَعْرِفَةَ الْأُمُورِ بِمُقَدِّمَاتٍ يَسْتَدِلُّ بِهَا عَلَى الْمَسْرُوقِ وَمَكَانِ الضَّالَّةِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ (کتاب التوحید ص۴۲ طبع منیریہ مصر)

خلاصہ یہ ہے کہ چوری وغیرہ کے معلوم کرنے کیلئے نجومیوں فال نکالنے والوں اور اس قسم کے اشغال کرنے والے لوگوں کے پاس جانا پھر اس پر کوئی حکم لگانا اور نتیجہ مرتب کرنا شرعاً ناجائز اور ایمان کو خطرے میں ڈالنے والا کام ہے لہٰذا قسم کھا کر گم شدہ چیز کی وصولی جائز نہ ہوگی، افسوس! اس مرض میں ناواقفی کے سبب بعض اہل توحید بھی مبتلا ہو رہے ہیں۔ (جلد ۱۲ ش ۵)

سوال:۔ کیا بخاری و مسلم معصوم عن الخطاء تھے، کیا ان سے حدیثوں کے جمع کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔

جواب:۔ انسانی طاقت کے لحاظ سے بخاری و مسلم کو بھی غلط کہنا صحیح ہے گو امام بخاری اور مسلم معصوم عن الخطاء نہیں تھے۔ (اخبار اہلحدیث جلد ۲۳ امرتسر ش ۵)

سوال:۔ کیا صحابہ سے حدیثوں کے روایت کرنے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔

جواب:۔ صحابہ سے غلطی ہوئی کی اب ہوئی مدونہ باتیں صحیح ہیں بعض اوقات فہم حدیث یا تشریح میں فہم کی غلطی ہو جاتی تھی مگر شاذ (اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۲۳ ش ۵)

سوال:۔ کیا قنوت میں اصدقنی پڑھنا مکروہ ہے۔

جواب:۔ قنوت میں اصدقنی پڑھنا مکروہ نہیں بلکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ صفحہ ۱۲ میں مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی کا قنوت میں امام کے لئے اصدقنی بلفظ مفرد پڑھنا مکروہ بلکہ ممنوع بتانا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی توہین اور جرأت عظیمہ ہے سنت

نبوی کو بنظر کراہیت دیکھنا ہے جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بحالت امام جماعت قنوت میں اھدنی بلفظ مفرد پڑھا جیسا کہ مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ ہدیۃ الثنی میں مولانا عبدالجلیل صاحب سورتی کا تعلیم الدین میں لکھا ہوا ہے اب نبوی فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فِیْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ فِی الرَّکْعَۃِ الثَّانِیَۃِ رَفَعَ یَدَیْہِ فَیَدْعُوْا بِھٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ الخ (مستدرک حاکم) کذا فی التلخیص جلد ۱ ص۹۵۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بحالت امام اھدنی اور عافنی اور تولنی اور بارك لی۔ اور قنی بلفظ مفرد بغیر لفظ جمع کے پڑھتے تھے، اس شرح صاف۔ صریح حدیث کے ہوتے ہوئے امام نوی رحمۃ اللہ کا قول پیش کرنا دوسری جرأت عظیمہ ہے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و قال الصلوٰۃ پر مکروہ و ممنوع کا دھبہ آتا ہے حالانکہ شان رسالت خاص کر احکام الٰہی ان عیوب سے پاک صاف ہے جو کچھ آپ نے کیا پس اہلحدیث کیلئے وہی سنن الھدیٰ وسواء الطریق الی المطلوب واسوۂ حسنہ ہے بارشاد تعالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

نتیجہ | آپ کے عمل کے خلاف اھدنا بلفظ جمع پڑھنا خلاف سنت ہے پس ان اقوال الرجال سے نبوی تعامل زیادہ قابل قدر و لائق عمل ہے ورنہ اتباع سنت کا دعویٰ غلط فقط۔

(العاجز احمد بن محمد مرحوم۔ مفتی اہلحدیث دہلی فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص۵۹)

سوال:۔ تعویذ کا باندھنا گلے میں لٹکانا درست ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اگر تعویذ میں حدیث یا قرآن مجید کی کوئی دعا لکھی ہوئی ہے یا اللہ کا نام لکھا ہوا ہے تو نابالغ بچوں کے گلے میں لٹکانا یا باندھنا درست اور بالغ مرد اور عورتوں کے لئے درست نہیں ہے بالغین کو یہ دعائیں خود ہی پڑھنا چاہئیں، جو تعویذ کے بارے میں ہیں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص خواب میں ڈرے تو اسے یہ دعا پڑھنا چاہیئے۔ اَعُوْذُ بِکَلِمٰتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ تو شیطان کے وسوسوں سے اس کو نقصان نہیں پہنچے گا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے بالغ لڑکوں کو یہ دعا سکھا دیتے تھے اور نابالغ

بچوں کے لئے اس دعا کو لکھ کر گلے میں لٹکا دیتے تھے، ترمذی۔ اس روایت سے نابالغ بچوں کے گلے میں تعویذ کا لٹکانا جائز ثابت ہوتا ہے اور بالغوں کیلئے اس لئے ناجائز ہے کہ پاکی ناپاکی کی حالت میں ساتھ رکھیں گے، جس سے توہین لازم آئے گی۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی مد ظلہ

(اخبار الاعتصام جلد ۱۲ ش ۴۰)

توضیح۔ برائے بالغ تعویذ کو ناجائز قرار دینے کیلئے پاکی ناپاکی کی حالت قرار دینے میں نظر ہے۔ کیونکہ نابالغوں کی نسبت بچوں میں پاکی ناپاکی میں امتیاز کم اور مشکل ہے، تعویذ کو کسی چمڑے وغیرہ میں محفوظ سلا جاتا ہے پھر توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ورنہ لازم آئیگا کہ جس مکان میں قرآن مجید ہو اس مکان میں بچوں کو نہ سلایا جائے کیونکہ وہ شی کر کے بدبو پھیلائیں گے جس مکان میں قرآن مجید ہو اس مکان کے بیت الخلاء نہ ہو نہ کوئی چھت پر جائے کیونکہ بے ادبی ہوگی، بہرصورت تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن قرآن یا اسکی آیت کے اور گندگی کے درمیان چھت ہو یا دیوار یا کوئی اور پردہ ہو تو پھر بے ادبی نہیں جیسا کہ گنبد نما سے کے اوپر مسجد اور مسجد میں نماز اور قرآن مجید ہوتے ہیں۔ بہرحال قرآن اور حدیث کے مطابق تعویذ جائز ہے اگرنہ لکھے اور نہ گلے ڈالے تو افضل ہے۔ باقی تفصیل فتاویٰ علماء حدیث کی جلد میں ہے فافہم وتدبر الراقم علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال۔

سوال:۔ قرآن پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا جا سکتا ہے،

جواب:۔ اس عمل کے لئے قرآن اور صحیح حدیث میں کوئی ثبوت نہیں اس واسطے قرآن پڑھ کر مردے کو ثواب پہنچانے کو سنت نہیں کہہ سکتے،

تحریر۔ مولانا ابو البرکات احمد شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ۔

تصدیق حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی اخبار الاسلام گوجرانوالہ جلد ۱ ش ۲۳)

توضیح بطریق مروجہ قرآن خوانی کے متعلق کوئی صحیح حسن یا ضعیف حدیث بھی مروی نہیں تعامل صحابہ اور تابعین بھی نہیں پایا گیا یہ صرف مدارج ہے لہذا ما عندی واللہ اعلم حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال۔

سوال:۔ قرآن وحدیث پڑھا کر تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں۔

جواب:۔ درست ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مَا اَحَقُّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا کِتَابُ اللّٰہِ (بخاری)

جن کاموں پر تم مزدوری لیتے ہو تو قرآن کی مزدوری لینا اس سے زیادہ حقدار ہے۔ اور ایک صحابی رضی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے پر تیس بکریاں اجرت میں لی تھیں، بخاری۔ علامہ نووی شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ:۔ هٰذَا تَصْرِيْحٌ لِجَوَازِ أَخْذِ الْأُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ أَنَّهَا حَلَالٌ لَا كَرَاهِيَةَ فِيْهَا وَكَذَا الْأُجْرَةُ عَلَى تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَأَحْمَدَ وَأَبِيْ ثَوْرٍ وَآخَرِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَنَعَهَا أَبُوْحَنِيْفَةَ رح فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْآنِ وَأَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ۔

شرح مسلم نووی۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی امام مالک وغیرہ کے نزدیک تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک ناجائز ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(مولنا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاعتصام لاہور جلد ۱۲ ش ۳۵)

سوال:۔ ماہ رمضان المبارک میں جب مساجد میں قرآن مجید ختم ہوتا ہے تو مٹھائی وغیرہ تقسیم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب:۔ بعون الوہاب

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رض نے جب سورۃ بقرہ ختم کی تو دس اونٹ ذبح کئے اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کتاب کے ختم ہونے پر اگر کوئی ایسی خوشی کی جائے تو حرج نہیں۔ لیکن اس کا التزام کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا جیسے آج کل ہوتا ہے یہ طریقہ مناسب نہیں، کیونکہ سلف میں اس قسم کے التزام کا ثبوت نہیں۔

(مولنا حافظ عبداللہ روپڑی)
(تنظیم اہل حدیث، جلد ۱۷ ش ۳۷)

سوال:۔ قرآن کریم کھولتے اور بند کرتے وقت اسے چومنا چاہیئے یا نہیں۔
جواب:۔ نہیں چومنا چاہیئے نہ شرعی مسئلہ ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ حرف ضاد، کس حال سے مشابہ ہے یا ظ۔

جواب:۔ مخارج حروف کا تعلق علم قرأت و تجوید سے ہے ضاد دراصل دال اور طا کے درمیان ہے جبکہ زبان کو بائیں جانب گھمانا پڑتا ہے اُسے صحیح طور پر پڑھا جائے تو نزاع ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ اصل مخرج سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا، اسلئے کشمکش اور مسلکی افتراق و امتیاز کی علامت بن گیا ہے اگر اصل مخرج سے آزاد رہ کر ہی اُسے ادا کرنا ہے تو اردو، فارسی، اور عام عربی بول چال میں حرف ضاد حرف ظاد کے مشابہ ہی بلا تکلف بولا جاتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث ۱۵ جون و یکم جولائی سنہ ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ کیا قرآن مجید کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔

حضرت مولانا مولوی عبدالواحد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

الجواب:۔ الحمد للہ رب العلمین ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى (بخاری)

قبرستان میں دعائے مغفرت کریں یا قرآن کریم پڑھیں، تمہاری نیت کے مطابق مردوں کو تقسیم ہوگی۔ البتہ مشرکوں اور منافقوں کو نہ ملیں گے مشرکوں کے بارہ میں تو قرآنی حکم ہے مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ (الآیۃ) اور منافقوں کے بارہ میں فرمایا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ الآیۃ اور فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ الآیۃ جب اللہ عزوجل کے رسول کی دعائے مغفرت ان کو نہیں پہنچ سکتی ہے تو ہماری دعا اور تلاوت کیونکر پہنچیں گے، اہذا ان کے لئے نیت نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ وہ تو رب عزوجل کو رُبّے لگتے ہیں، پھر ایمان دار جو اللہ ہی کے ساتھ اس کو تعلق و محبت قلبی ہے) کیونکر دعا کرے گا۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۳ ش ۱۵)

۱؎۔ دعا صحیح احادیث سے ثابت ہے قرآن کریم پڑھنے کا مسئلہ ضعف پر مبنی ہے اور تقسیم محض قیاسات پر کتاب الروح الابن القیم سے تفصیل مل سکتی ہے (ع۔ ح)

سوال :- قرآن مجید کی بعض سورتوں کے آخر میں جوابات صرف امام دے یا مقتدی بھی دے سکتے ہیں
جواب :- احادیث میں نص صرف قاری کے متعلق ہے قاری پر قیاس کر کے اگر سامع بھی جواب دے تو اس کی گنجائش ہے۔

تحریر :- مولانا ابو البرکات احمد شیخ الحدیث جامع اسلامیہ گوجرانوالہ۔
تصدیق :- حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی۔

(اخبار الاسلام گوجرانوالہ جلد ۲ ش ۲۳)

توضیح :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل و تقریر امت کے لئے حجت ہیں صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي قاری اور سامع دونوں کو شامل ہے قاری پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں ہذا ما عندی واللہ اعلم

(حررہ علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال)

سوال :- کتب صحاح ستہ کو اگر بنظر عمیق دیکھا جائے، تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دن میں سارا قرآن ختم کرنا خلاف سنت ہے، بخاری شریف میں اس کے متعلق متعدد حدیثیں آئی ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دن سے پہلے قرآن ختم نہ کیا جائے، ابوداؤد میں ہے کہ جس نے تین دن سے پہلے قرآن ختم کیا۔ اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ مگر بعض صحابہ کا عمل اس کے برعکس پایا جاتا ہے حضرت تمیم داری کے متعلق مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے کہ ایک رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ میرے صحابہ مثل آسمان کے تاروں کے ہیں جن کی بھی تم پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے لہذا ان کے عمل کو دیکھتے ہوئے ایک دن، یا ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنا جائز معلوم ہوتا ہے اس کے متعلق جواب کی تحقیق ہوا ارقام فرمادیں۔

جواب :- شریعت اسلام میں سوا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمان کے کوئی تیسری چیز قابل حجت نہیں، قَالَ اللّٰهُ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ جب احادیث نبویہ سے ثابت ہو گیا، کہ تین دن سے قبل قرآن نہ ختم کیا جائے، تو ہمیں کسی اور کے قول و فعل کی پرواہ نہ کرنی چاہیے حضرت تمیم داری کا اور اپنا فعل ہے حدیث اصحابی کالنجوم، قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس سے مراد یہ کہ ان کا عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔

(اخبار اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۳ ش ۱۵)

سوال :۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ یہاں الارض سے کون سی جنت کی زمین مراد ہے۔

جواب :۔ اس آیت کے متعلق حضرت مفسرین کے تین قول ہیں، پہلا قول یہ ہے قِيلَ الْمُرَادُ الْجَنَّةُ یعنی اللہ کے نیک بندے جنت کی زمین کے وارث ہوں گے، دوسرا قول اس طرح ہے هِيَ الْأَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ یعنی اللہ کے نیک بندے ملک شام کی زمین کے ملک ہوں گے۔

تیسرا قول یہ ہے هِيَ الْأَرْضُ الْأُمَمُ الْكَافِرَةُ يَرِثُهَا نَبِيًّا صلی اللہ علیہ وسلم وَأُمَّتُهُ بِفَتْحِهَا۔ یعنی اس سے مراد اگلی امتوں کے ملک ہیں، جن کے وارث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہوگی اس تیسرے قول کو اکثر مفسرین نے ترجیح دی ہے، چنانچہ تفسیر فتح القدیر للشوکانی میں ہے وَالظَّاهِرُ إِنَّ هَذَا تَبْشِيرٌ لِأُمَّتِهِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم بِوِرَاثَتِهِ أَرْضَ الْكَافِرِينَ وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ الْمُفَسِّرِينَ۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۳)

علماء کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کرنا۔

سوال :۔ گذارش ہے کہ آج کل ٹیپ مشین کے ذریعہ علماء کرام کی تقاریر ٹیپ ریکارڈ کی جاتی ہے پھر یہ ٹیپ شدہ تقاریر علماء کی موجودگی میں یا بعد وفات عام لوگوں کو سنائی جاتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز بلکہ شرک ہے اور گانے بجانے کے مشابہ ہے سوال یہ ہے کہ تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرنا اور پھر آگے لوگوں کو سنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے۔

الجواب :۔ بعون الوہاب

شرک و کفر والی اس میں کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ رہا جواز یا عدم جواز۔ اس میں بھی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ نیک چیز کا کسی آلہ کے ذریعے سے ٹیپ ریکارڈ کرکے آگے، پہنچانا بظاہر یہ اچھی چیز ہے، اگر اس آلہ کو نیکی میں استعمال کیا جائے، تو پھر اس کے جواز میں کوئی شبہ ہی نہیں، مگر چونکہ وہ آلہ ٹیپ ریکارڈ کا بھی ذریعہ بنتا ہے اس لئے اس کے متعلق کچھ تردد رہتا ہے اول قرآن وسنت کے مطابق تقریر کو ٹیپ ریکارڈ کرکے لوگوں کو سنانا مفید اور اچھا ہے، اس کو منع کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی سردست اس سے زیادہ اس مسئلہ پر کچھ نہیں لکھا جا سکتا، حالات کے تحت

تفصیل پھر کسی موقع پر خدا کو منظور ہوا تو ہو جائے گی۔

(حافظ۔ عبداللہ امرتسری۔ "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹)

سوال :۔ اگر قرآن مجید ہاتھ سے گر جائے تو اس کا کیا کفارہ ادا کرنا چاہیئے۔

جواب :۔ بغیر قصد اور ارادہ گر جانے سے شرعاً کوئی کفارہ نہیں ہے البتہ بے ادبی سے بچانا ضروری ہے ہاتھ سے چھوٹ جانے سے جو بعض لوگ اسے اٹھا کر چومنے لگتے ہیں اس کا شرعاً ثبوت نہیں ہے۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۳)

سوال :۔ کیا یہ صحیح ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے حضرت علی رض علم کا دروازہ تھے، ایضاً۔

جواب :۔ یہ روایت مشہور تو بہت ہے مگر صحیح نہیں ہے علامہ ابن تیمیہ رح نے اسے موضوع قرار دیا ہے، اور اس کی سند پر کسی کو اعتماد نہیں ہے، نیز علم کا دروازہ ہونا خود بے معنی سی چیز ہے، اگر دروازہ سے یہ مفہوم ہے کہ آپ کے بغیر کسی کو علم ہی حاصل نہیں ہوا تو یہ بھی غلط ہے صحابہ رض کرام نے حضور سے براہ راست علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، حضور کی حدیث جتنی دیگر صحابہ کرام نے پھیلائی۔ حضرت علی رض نے تو ان کا ہزارواں حصہ بھی روایت نہیں کیا، پھر علم لدنی سے مراد اگر وہ علم روحانی یا کشفی مراد ہے جو الہام سے حاصل ہوتا ہے تو بھی بہت سے بزرگوں کو ہوتا رہا اس میں بھی حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے امت محمدیہ میں بے شمار ایسے اولیاء اللہ ہوئے ہیں جن کو الہام اور کشف ہوتے ہیں، حضرت کی فضیلت سے ہمیں انکار نہیں مگر ان کی علمی یا شجاعت کی فضیلت کو ان سے مختص یا مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے صحابہ کرام میں بے شمار ایسے لوگ تھے جو علم میں اور شجاعت میں حضرت علی رض سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے بیشک حضرت علی رض نے غزوات میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے مگر خالد بن ولید، عمرو بن عاص، طارق بھی کچھ کم نہ تھے شیعہ حضرات اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو خود بھی اس کا اعتراف کر لیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۔ ش ۳۱)

سوال :۔ مردہ کیلئے قرآن خوانی کرانا اسے نفع پہنچاتا ہے یا نہیں۔

جواب :۔ قرآن خوانی کے ایصال ثواب کا تذکرہ کسی حدیث میں نہیں آیا اور نہ کسی صحابی سے

سو یہ اجتماع ثابت ہے یہ فرد قرآن خوانی کا مروجہ اجتماع و انصرام غیر شرعی ہے۔
(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۳ ش ۱۷)

سوال :۔ جمع قرآن سے متعلق جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ اگر مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑتا تو وہ آسان تھا اس کام سے کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں۔

اعتراض :۔ اس وقت اکثر صحابہ حافظ قرآن تھے تو قرآن جمع کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ زید بن ثابت جب خود حافظ تھے تو ان کو جمع قرآن کے لیے کیوں اتنی تکلیف پیش آئی۔

جواب :۔ قرآن مجید کے سارے حافظ نہ تھے بلکہ متفرق مقام یاد رکھتے تھے، اور اس لیے جمع کی ضرورت ہوئی اور قرأتیں بھی کئی تھیں اسلئے یہ کام کوئی آسان نہ تھا سہ

واہ پیا جائے یا رہ پیا جائے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۱۳)

سوال :۔ ہمارے ہاں رواج ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو وہ کچھ لوگوں کو بلا کر ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ آیت کریمہ یا درود شریف پڑھاتے ہیں اور انہیں کھانا کھلاتے یا کچھ نقدی بھی دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے اور اس کا ثبوت کتاب اور سنت سے ملتا ہے۔

جواب :۔ یہ محض قیاسی اور رواجی چیز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بعض عاملین کا اپنا عمل اور تجربہ ہے کہ اس سے مقصد براری ہو جاتی ہے ہاں اسے بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسے اسلام کا رکن یا جزو سمجھ کر نہیں کیا جاتا اگر ایسا کرے یا سمجھے تو پھر گنہگار ہوگا۔

دکھ تکلیف اور مصیبت کے وقت آیۃ کریمہ کی تلاوت کو قیاسی اور رواجی کہنے میں نظر ہے، کیونکہ بوقت تکلیف آیت کریمہ کی تلاوت تو قرآن اور حدیث کی نص کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں منصوص ہے جب آیت مذکورہ کا پڑھنا ثابت ہوا تو اجتماعی میں پڑھنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں بلکہ سلف کا تعامل ثابت ہے۔ باقی رہا کھانا کھلانا یا نقدی دینا تو یہ کوئی ضروری بات نہیں ہے گھر والے اخلاقی طور سے کھانا کھلا دیں تو۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ رَبِّ کے تحت

کوئی حرج کی بات نہیں ہذا ما عندی، واللہ اعلم۔ (الراقم علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال)

سوال :۔ کیا "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" حدیث ہے،

سوشلزم کی حمایت میں مولوی صاحبان کا ایک گروہ بھی کافی سرگرم عمل ہے، یہ بزرگ (اپنی) کی تائید میں ایک روایت اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ (علم طلب کرو، خواہ چین جانا پڑے) کا سہارا لیتے اور اسکو حدیث نبوی مشہور کرتے ہیں اس سلسلہ میں ہمارے پاس ایک سوال آیا ہے مع جواب درج ذیل ہے۔

مکرم و محترم جناب حافظ عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی اسلام علیکم امید ہے کہ جناب بخیریت سے ہونگے درج ذیل حدیث کی تحقیق کی خاطر یہ تحریر ارسال خدمت ہے اسناد حدیث کے تحت تحقیقی جواب سے مستفید فرمائیں، شکریہ۔ آج کل ایک گروہ ملک چین کی عظمت ظاہر کرنے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو منسوب کرتا ہے پاکستان میں گروہ اس حدیث کو اپنے جلسوں میں جلی حروف کے ساتھ بینر کے طور پر آویزاں کرتا ہے حدیث یہ ہے۔ "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ" تحقیق حق کی خاطر میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے۔ (قدسی۔ صحیح، موضوع۔ ضعیف، ناقابل حجت باطل یا دیگر اقسام حدیث) نیز حدیث کی کون کون سی کتب میں صحیح اسناد کے ساتھ درج ہے اور ائمہ محدثین کی نظر میں اس حدیث کا کیا مقام ہے کیا اس حدیث کا انکار کرنے والا منکر حدیث شمار ہوگا یا اس کے مؤید اور داعی مغضوب ہیں۔

ڈاکٹر رانا محمد اسحاق تھانہ بازار ننکانہ صاحب والا
ضلع لائلپور۔

الجواب بعون الوہاب

یہ روایت موضوع یعنی من گھڑت ہے اس کا کوئی اصل نہیں اسکو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا نبی جان پر ظلم ہے چنانچہ ائمہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیصلہ اس کے متعلق یہ ہے۔

(۱) علامہ ابن طاہر حنفی کی کتاب تذکرۃ الموضوعات کے صفحہ پر اسکو موضوع لکھا ہے۔

(۲) ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات جلد اول صفحہ ۲۱ پر اسکو موضوع لکھا ہے۔

(۳) علامہ سخاوی کی کتاب المقاصد الحسنۃ کے صفحہ پر اسے موضوع قرار دیا گیا ہے۔

(۴) علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی کتاب الفوائد المجموعہ ص۲۴ مطبوعہ مصر پر اسے موضوع لکھا ہے،
۵۔ تمییز الطیب ص۲۷ پر اسے موضوع لکھا ہے۔
۶۔ اسنی المطالب فی احادیث مختلفۃ المراتب ص۱۸۹ پر اسے موضوع لکھا ہے،
۷۔ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد اول ص۳۱۵ پر ص۳۴ پر اسے موضوع لکھا ہے،
۸۔ تنزیہ الشریعۃ حافظ عراقی کی کتاب ص۲۵۸ پر اسے موضوع لکھا ہے۔
(۹) حافظ عراقی نے تخریج احیاء العلوم جلد اول ص۹ پر اسے موضوع لکھا ہے۔
۱۰۔ یہ حدیث ابو عاتکہ طریف بن سلیمان کی گھڑی ہوئی ہے جس کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیث ہے (التاریخ الکبیر ۲۰۔ ق ۲ ص۳۵۹) (۱۱) علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد۴ ص۱۲۵ میں فرماتے ہیں مُجْمَعٌ عَلٰی ضُعْفِہٖ قَالَ البخاری منکر الحدیث یعنی اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے اور امام بخاری نے اس کو منکر حدیث لکھا ہے۔
۱۲۔ امام سیوطی رحمہ اللہ المصنوعہ جلد۱ ص۱۹۳ پر موضوع لکھا ہے۔
۱۳۔ تہذیب التہذیب جلد۱۲ ص۱۶۴ میں ابو عاتکہ کو من گھڑت حدیثیں بیان کرنے والا لکھا ہے،
۱۴۔ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں باطل لا اصل لہ جلد اول ص۱۹۳)۔
۱۵۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان جلد۱ ص۱۴۳ میں موضوع لکھا ہے
۱۶۔ تاریخ بغداد للخطیب جلد۹ ص۳۶۴ میں ابو عاتکہ والی روایت ذکر کر کے لکھا ہے، یہ ثابت نہیں ہے۔

یہ قابل استشہاد بھی نہیں پس ایسی موضوع۔ من گھڑت روایت کو حدیث رسول اللہ کہنے والوں اور اس کو اپنی تائید میں پیش کرنے والوں کی حالت قابل رحم ہے یہ لوگ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا کرتے ہیں جو سخت خطرناک گناہ ہے اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق بخشے آمین

حافظ عبد القادر روپڑی

(تنظیم اہل حدیث جلد ۱۳ ش ۲)

سوال:۔ قرآن مجید و کتب احادیث کا ادب شرع محمدی نے سوائے عمل کے کہاں تک بتایا ہے اور فی زمانہ جو قرآن شریف و کتب حدیث کا ادب کیا جاتا ہے مثلاً پشت ان کی جانب نہیں کی جاتی اور

ان سے اوپر نہیں بٹھایا جاتا یہ کہاں تک صحیح وقابل عمل ہے۔ (سائل محمد از جودھپور)

جواب:۔ قرآن مجید وکتب حدیث کا سب سے مقدم اور بڑھ کر ادب یہی ہے کہ جو کچھ ان میں اوامر ونواہی ہیں ان کی تعمیل کی جائے اور ان کو بسر وچشم بلا چون وچرا کے قبول وتسلیم کر لیا جائے، اور سب سے بڑی اور مفتر ترے ادبی یہی ہے کہ ان کے احکام کی قبولیت میں کسی شے کو عار سمجھا جائے وہ ادب کہ جو مطلوب من اللہ اور دونوں گروہ ثقلین یعنی انس اور جن جس کے منجانب اللہ مکلف ہیں وہ تو یہی ہے رہا ظاہری ادب سویہ تکلیف مالا یطاق ہے بدلیل لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جو شخص کرے بہت اچھا نور علی نور ورنہ کوئی مواخذہ نہیں ہاں جو شخص بنظر حقارت ظاہری ادب نہ بجا لائے تو بیشک وہ شخص مجرم اور عذاب الیم کا مستوجب ومستحق ہے،

(فتاوی ستاریہ صفحہ ۶۵)

سوال:۔ عورتوں کو خط وکتابت کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں (سائل ٹھیکدار محمد صادق ضلع ڈیرہ غازی خان)

جواب:۔ جائز ہے (کتب حدیث) بشرطیکہ نیت فاسدہ نہ ہو۔

کَمَا هُوَ لَیْسَ بِمَخْفِیٍّ عَلٰی مَاهِرِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ نیز امام بخاری کا فتوی بھی جواز پر ہے

کما بَوَّبَ فِی الْاَدَبِ الْمُفْرَدِ۔ (فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۷)

سوال:۔ قرآن شریف کی آیات پڑھ کر دھاگے پر دم کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو حدیث مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً ثُمَّ نَفَثَ فِیْهَا کما قال کا کیا مطلب ہے،

جواب:۔ جو لوگ دھاگوں میں گرہ دے کر پڑھتے اور ٹوٹکے کرتے ہیں ان کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے ایسے کاموں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے قرآنی آیات کو بھی اسی طرح استعمال کرنا چاہیئے جس طرح سلف سے منقول ہو وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ۔ فقط (مفتی) (فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۲)

سوال:۔ زیر زبر والا قرآن مجید یعنی معرب کی تلاوت کرنا بدعت ہے یا جائز۔

جواب:۔ جو شخص بدعت کہے اس کا قول خود بدعت ہے معرب قرآن شریف کی تلاوت کرنا برابر جائز ودرست ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ (الحدیث) یعنی قرآن پر اعراب یعنی زیر زبر لگاؤ ملاحظہ ہو کتب حدیث (فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۸۲)

سوال: جو لوگ قرآن کی تلاوت کرتے وقت قرآن مجید کو بوسہ دیتے ہیں درست ہے یا نہیں نیز جلسوں میں جب قرآن پاک پڑھا جاتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں درست ہے یا نہیں (مسائل مذکور)

جواب: ہر دو فعل ثابت نہیں خلاف سنت و تعامل صحابہ ہیں۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ا صفحہ ۱۸۲)

سوال: رمضان شریف میں جو حفاظ بوقت ختم قرآن شریف آخری رکعت میں پھر سورۃ بقرہ کو مفلحون تک پڑھ کر آیات دعائیہ پڑھتے ہیں آپ صاحبان کے نزدیک جائزہ ہے یا نہیں،

جواب: اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ رمضان مبارک میں قرآن مجید اثنائے تراویح یا دیگر کسی وقت اور کسی حالت میں ختم کر کے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ از اول تا مفلحون پڑھنی شریعت اسلامیہ سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور زرارہ بن ابی اوفی ہر دو صحابی سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ خدا کے بزرگ و برتر کے نزدیک کونسا عمل زیادہ بہتر اور محبوب تر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا۔ الحال المرتحل قیل وما الحال المرتحل قال صاحب القرآن یضرب من اول القرآن الی اخرہ ومن اخرہ الی اولہ کلما حل ارتحل .... یعنی افضل و محبوب تر عمل اترنا اور کوچ کرنا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا اترنے اور کوچ کرنے کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا وہ صاحب قرآن جو اول قرآن مجید سے پڑھنا شروع کرتا ہے اور آخر تک مسافر کی مانند منزلیں طے کرتا ہوا پہنچتا ہے اور آخر کی طرف سے ختم کر کے پھر اول کی طرف سے پڑھنا شروع کر دیتا ہے الخ اس حدیث کو حضرت امام الحجۃ الاوحد الثقۃ الحافظ المتقن ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی کتاب جامع ترمذی کے ابواب القراءت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جناب الامام الحافظ شیخ الاسلام قدوۃ الجہابذۃ النقاد الاعلام ابو محمد عبدالرحمان دارمی تمیمی سمرقندی اپنی کتاب مسند دارمی کے باب فی ختم القرآن میں اور جناب السید المجتہد المحقق الہمام المؤید من مولاہ القدیر الباری ابوالطیب صدیق حسن قنوجی بخاری والی ریاست بھوپال تفسیر فتح البیان میں لائے ہیں۔ حضرت الفاضل الورع الماہر شمس المفاخر مولانا محمد طاہر صاحب مجمع بحار الانوار میں حدیث مذکور کی مزید تشریح و توضیح یوں فرماتے ہیں۔ الحال المرتحل فی جواب ای الاعمال افضل وفسرہ بالخاتم المفتتح وھو من یختم

الْقُرْآنَ بِتِلَاوَتِهِ ثُمَّ يَفْتَتِحُ التِّلَاوَةَ مِنْ أَوَّلِهِ شَبَّهَهُ بِالْمُسَافِرِ يَبْلُغُ الْمَنْزِلَ فَيَحِلُّ فِيهِ ثُمَّ يَفْتَتِحُ سَيْرَهُ أَيْ يَبْتَدِئُهُ وَكَذَا قُرَّاءُ مَكَّةَ إِذَا خَتَمُوا الْقُرْآنَ ابْتَدَأُوا وَقَرَءُوا الْفَاتِحَةَ وَخَمْسَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْبَقَرَةِ إِلَى مُفْلِحُونَ۔

یعنی کونسا عمل افضل ہے کے جواب میں آپ نے الحال المرتحل فرمایا ہے اور اس کی تفسیر فرمائی ختم کرنے والا اور شروع کرنے والا ایسے طور کے قرآن شریف کو ختم کرکے پھر اول سے تلاوت شروع کردے جیسا کہ مسافر ایک منزل طے کرکے دوسری شروع کردیتا ہے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے حفاظ مکہ مکرمہ قرآن مجید ختم کرکے پھر سورۃ فاتحہ اور پانچ آیتیں سورۃ بقرہ کی مفلحون تک پڑھتے ہیں،

پس علامہ موصوف کی اس تشریح اور مکہ معظمہ کے قراء کے عمل سے بالوضاحت ثابت ہوا کہ قرآن مجید ختم کرکے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ مفلحون تک پڑھنی شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہے ہے اور حفاظ قرآن شریف عمل در آمد کرتے آئے ہیں۔

(فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۹۱)

سوال:۔ احناف میں سے بعض اہل علم میت کے چالیسویں پر قرآن شریف بہ نیت ایصال ثواب پڑھتے ہیں کیا یہ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ سے ثابت ہے۔

جواب:۔ کتاب و سنت و تعامل صحابہ سے یہ فعل بہ ہیئت کذائیہ بالکل ثابت نہیں، تیجہ۔ دسواں چالیسواں کرنا کرانا بدعت ہے حدیث شریف میں ہے، إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ یعنی دین میں نئے کاموں سے بچو پس تحقیق ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم رسید کرنے والی ہے۔

(فتاوی ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۱۰۱)

سوال:۔ کیا فونوگراف سے قرآن مجید کا سننا جائز ہے اور اس کے سننے سے کچھ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

جواب:۔ باجوں کو خریدنا بیچنا سننا منع ہے قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (سورۃ لقمان) وقولہ تعالیٰ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ الآیۃ (بنی اسرائیل) جملہ تفاسیر مبسوطہ میں یہی لکھا ہے۔ (فتاوی ستاریہ جلد اول صفحہ ۱۲)

توضیح فتاوی علماء حدیث: چونکہ باگ خود حرام ہے ا سلئے باجے وغیرہ میں قرآن مجید سننا حرام ہے جب سننا حرام ہے تو اس پر ثواب کا مرتب ہونا محال ہے منذر علی محمد سعیدی خانیوال،

خواتین کی تعلیم اور ملازمت کا مسئلہ

امام غزالیؒ اور علامہ اقبالؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے تھے یہ
غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے کہ وہ خدانخواستہ عورتوں کی تعلیم کے مخالف تھے وہ مخالف ہرگز نہ تھے وہ بس یہ
چاہتے تھے کہ عورتیں صرف وہ تعلیم حاصل کریں جو ان کی فطرت، خلقت اور فرائض مخصوص کے مطابق زندگی میں ان کے
اور خاندان کے کام آئے اور صحیح یہ ہے کہ قدرت نے عورتوں کیلئے الگ دائرہ کار مقرر کیا جس کی تشریح کی
یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار کام ایسے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور لاتعداد
کام ایسے ہیں جو عورتوں کی طاقت سے باہر ہیں لہذا ہر گروہ کو ان کے کاموں کی نسبت سے تعلیم دینی چاہیے یہ
اعلیٰ اور ادنیٰ تعلیم کا معاملہ نہیں بلکہ ہر کسی کو اس کے مزاج اور فطری تقاضوں کے مطابق مناسب تعلیم دینے کا مسئلہ
ہے اور یہ خیالات صرف غزالی اور اقبال ہی کے نہیں خود سرسید احمد خان کے بھی تھے جو مغربی انداز کے ہمارے
یہاں اولین بڑے علمبردار تھے، سرسید احمد خان کی یہ سرگزشت دیکھنی ہو تو ان کا سفرنامہ پنجاب مرتبہ
اقبال علی پڑھیے۔

اور جہاں تک مخلوط کا تعلق ہے مذکورہ بالا بزرگ اور دوسرے ہزاروں علماء و حکماء اسے خطرناک
سمجھتے تھے کیونکہ اس کا ان معاشرتی و اخلاقی احکام سے تصادم ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا جن کا اوپر ذکر
آیا ہے امر عورتوں پر پابندی یا سختی کے ضمن میں نہیں آتا اس میں عورتوں کیلئے برکتیں اور حکمتیں ہیں ان میں سب سے
بڑی حکمت عورتوں کا معاشرتی تحفظ ان کی عزت کی حفاظت اور خاندانی زندگی کا استحکام ہے۔

عورتوں کو ہر سطح تک تعلیم دی جا سکتی ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو گزند نہ پہنچے اور یہ
سب عورتوں کے فائدے کی خاطر ہے، ان پر زیادتی نہیں۔

مخلوط تعلیم اور یکساں نصاب پر بحث کی ضرورت نہیں اس کا نفع نقصان سب کو معلوم ہے اگر تعلیم مخلوط
نہ ہو تو عورتوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ ہر شعبہ تعلیم میں جسے وہ اپنے لئے مفید سمجھتی ہیں داخلہ لیں یعنی ان
سب شعبوں میں جو انہیں اپنے لئے مفید نظر آئیں یا معاشرے کے لئے مفید ہوں لیکن مخلوط ملازمتوں کا
مسئلہ جدا ہے مخلوط ملازمتوں کے سلسلے میں جو قباحتیں ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔

ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے لئے جن مضامین کو مفید خیال کریں گی ان میں اکثر ایسے ہونگے جو مردوں کیلئے بیگانہ اور یا نامانوس ہونگے اس لئے اگر عورتوں کی تعلیم کا نظام یکسر علیحدہ ہو گا تب جا کر انہیں فائدہ ہوگا، اسکا واحد علاج عورتوں کے لئے بالعموم الگ نصابات اور ایک الگ خواتین یونیورسٹی ہے مردوں اور عورتوں کیلئے یکساں نصاب کا فلسفہ غیر قدرتی اور غیر معقول ہے یہ بات اور ہے کہ آج کی دنیا میں اس غیر معقول فلسفے کو اپنایا جا رہا ہے اگرچہ اس میں عورتوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لیکن رواج عام کا غلبہ زبردست شے ہے اسکے سامنے ہر کوئی دب جاتا ہے اس رواج کو تبدیل کرنے کیلئے ایک معاشرتی انقلاب کی ضرورت ہے مگر ایسا انقلاب کوئی آسان کام نہیں سب سے پہلے فکری تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلیاں مغربی معاشرتی فلسفوں پر مسلسل و منظم تنقید کرتے رہنے سے اور عملی تجربوں کے حوالے سے ان کے خطرات سے آگاہ کرتے رہنے سے ممکن ہوں گی جب تک ہمارے یہاں مغربی معاشرتی فلسفہ غالب ہے ہماری سب حیلیں بیکار بے اثر ہونگی لہٰذا بقول علامہ اقبال مغربی معاشرتی حکمت پر بھرپور حملہ دلی ہتھیار سے لازمی ہے۔

ملازمتوں میں عورتوں کی شرکت ایک اہم اور نازک معاشرتی افکار کے زیر اثر نقطہ نظر کے بدل جانیکا نتیجہ ہے اگر ہم اس معاملے میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں سے ہدایت لیں تو ہمیں اس شرکت میں بے شمار قباحتیں نظر آئیں گی بلکہ آج کل کے حالات میں ملازمت بڑی حد تک غیر اخلاقی اور نامناسب نظر آئیگی کیونکہ اسلام کی معاشرتی حکمت میں عورتوں کا فرض بچوں کی پرورش اور خانہ داری ہے اور اس کے بدلے مردوں کا فرض عورتوں (بیویوں) کی معاشی کفالت ہے تاکہ وہ بے فکر ہو کر اپنے دائرے میں خاندان کی خدمت کر سکیں یہ خدمت ایک بہت بڑا منصب ہے اور جیسا کہ بعض "روشن خیال" حضرات باور کراتے ہیں یہ کوئی کمتر فریضہ نہیں بلکہ اصل تعمیر انسانیت اسی فریضے میں مضمر ہے اور اسکی انجام دہی میں مرد کا کام واگر ان اصطلاحوں میں سوچیں تو خادم کا ہے جو بنی نوع کی اس معمار (یعنی بیوی) کو اس کے اہم فریضے کی ادائیگی کے قابل بناتا ہے اس عمل یا دو طرفہ عمل میں عورت کا درجہ بلند ہے شوہر کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے، مگر مغربی معاشرتی تصورات نے اس تقابل کو منقلب کر کے معاملہ زیر و زبر کر دیا ہے۔

یہ تو تھا اصولی جائزہ ایک مسلمان کی حیثیت سے لیکن سوال آج کل کے حالات کا ہے اسلئے موجودہ حالات میں عورتوں کی ملازمت کے جواز یا عدم جواز پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلے اس سوال کا جواب چاہئے کہ عورتیں ملازمتوں کی شائق یا طلب گار کیوں ہیں؟ مغربی ماحول میں

توں کا شوق ملازمت اس لئے ہے کہ وہاں خاندان اور گھر کا تصور ایک فرسودہ عمل ہے عورتیں نہ صرف ہم مرتبہ ہونیکا دعوے کرکے گھریلو آزادی کی طلب گار ہیں بلکہ معاشی طور سے آزاد ہو کر ان تمام بندشوں سے بھی آزاد ہو جانا چاہتی ہیں جو خاندانی زندگی میں ان پر عائد ہوتی ہیں وہ خود کفیل ہو کر ہر رنگ آزاد شہری بننا چاہتی ہیں اس میں انہیں ہزار مشکلات بھی پیش آتی ہیں لیکن وہ آزادی کامل کے لئے ہر مشکل کو برداشت کرتی ہیں۔

لیکن اس میں انہیں ایک آسانی بھی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ معاشرہ اس مسئلے میں ان کا ہم خیال ہے اور ہرچند کہ اس میں بے اخلاقی کے سارے عیب پائے جاتے ہیں لیکن وہ معاشرہ ان خلاف اخلاق باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن ہمارے ملک میں ایک مسلم خاتون کا مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے کے نزدیک ملازمت غیر مردوں سے خلا ملا ہر حال میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت ملازمت کی طرف کیوں راغب ہوتی ہے اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض واقعی قابل توجہ ہیں اگرچہ عمومی سد یہ محض مغرب کی نقالی سے ابھرا ہے مغرب کی تقلید میں ہماری انتہا پسند خواتین عورتوں کی کامل آزادی کی قائل مردوں کی ہر قسم کی بالادستی کی مخالف اور ان کی ہر قسم کی دست نگری سے گریزاں ہیں یہ مغربی تعلیم اور نقالی کا نتیجہ ہے اور نسلی کا پہلو صرف یہ ہے کہ یہ ابھی سرمایہ دار بورژوا اور دانشور طبقے تک محدود ہے اور معاشرے میں ان طبقات کے خلاف یک گونہ تعصب بھی موجود ہے، تاہم عورتوں میں ملازمت کا میلان بڑھ رہا ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں جن میں عورتیں حق بجانب معلوم ہوتی ہیں اور یہ اسباب قابل تجزیہ ہیں۔

ایک بڑا سبب عورتوں کا یہ خوف ہے کہ معلوم نہیں کہ شادی کے بعد مرد حضرات کس وقت ان سے بے وفائی پر اتر آئیں اور دوسری شادی کر کے پہلی بیوی کو بے سہارا چھوڑ دیں اور سچ یہ ہے کہ مردوں کا یہ رویہ اور عورتوں کا یہ خوف ہر دو مفروضے فرنگی تہذیب کے آوردہ ہیں تعدد ازدواج پہلے بھی تھا مگر مردوں کی روش کفالت کے معاملے میں غیر ذمہ دارانہ نہیں تھی، سارا خاندان اسکے باوجود متوازن چلتا تھا شادی ایک مقدس عہد نامہ تھا جسکا ہر حال پاس رکھا جاتا تھا، اور اس کی پاسداری کرانے میں خاندانوں کا بڑا حصہ تھا پہلی بیویاں بے سہارا نہ رہتی تھیں ان کا خاندان کا بڑا حصہ تھا پہلی بیویاں بے سہارا نہ رہتی تھیں ان کی خاندان پرورش کرتے تھے لیکن مغربی فکر میں پلا ہوا مرد انفرادیت اور فردیت کا قائل ہے اور آزاد

انتظام ضروری معلوم ہوتا ہے، یقیناً اس میں کچھ وہم اور کچھ مغربی پروپیگنڈے کا اثر بھی ہے لیکن خوف حقیقی بھی ہے اور اس میں ذمہ داری مردوں کی زیادہ ہے۔

جب تک یہ خوف اور وہم ہے اور اس مغربی رواج کو قبول عام حاصل ہے، جیسے اب ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ طبقے نے مستحکم کر دیا ہے عورتیں ضرورتاً یا بے ضرورتاً ملازمت کی طلب گار رہیں گے خصوصاً جب کہ عورتوں میں اعلیٰ تعلیم کی شرح مردوں کے برابر بلکہ زیادہ ہوتی جاتی ہے ورنہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کی جدوجہد اور مقصد کوئی نہیں انہیں سے اکثر گھریلو زندگی کو بوجھ خیال کرتی ہیں اور سب سے شانہ بشانہ کا افسانہ چلا ہے، ملازمتوں کی ترغیب اور بھی زیادہ ہو گئی ہے اور تعجب یہ ہے کہ صدیوں سے مروج خانگی زندگی میں عورتوں کی اندرون خانہ خدمت اور فرض کی بجا آوری کو بے کاری کا نام دیا جا رہا ہے حالانکہ موجودہ روش درحقیقت بے کاری کے برابر ہے کیونکہ اس سے گھر اور خاندان ویران ہو رہے ہیں!

اگلے زمانے کی عورتیں خاندان (گھر) کی زندگی کا بڑا بوجھ اٹھاتی تھیں اسے بیکار کہنا حماقت وجہالت سے کم نہیں ایک خیال یہ بھی چل نکلا ہے کہ ملازمتوں کے ذریعے گھر کی آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے یہ افسانہ ہے کیونکہ عورتوں کی گھر سے عدم موجودگی کی وجہ سے ملازم رکھنے پڑتے ہیں جو عام خاندانوں کے بس کی بات نہیں ان سب باتوں کے باوجود عورتوں کی ملازمت کا رواج اب جڑ پکڑ چکا ہے اور اسے وعظ وتلقین سے ہٹایا نہیں جا سکتا ضرورت اس امر کی ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیمی نصاب شروع ہی سے اس طرح مرتب کیا جائے کہ ان کے حسب حال ملازمتوں میں ان کے کام آ سکے!

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ خود عورتوں کے اپنے سوچنے کا ہے اس میں مردوں کی مداخلت ناگوار اور ناپسندیدہ ہے معاشرہ اب صنعتی ہے مدعی ہے خاندانی نظام ختم ہو رہا ہے اور خاندانی کفالت ختم ہو چکی ہیں لہذا نئے حالات میں عورتوں کو بھی اپنی تعلیم اور اپنے نظام کفالت پر خود غور کرنے کا موقع دینا چاہیے مجھے امید ہے کہ وہ فضا میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں گی اور ایسی تعلیم اور ایسی ملازمتوں کی خواہشمند ہوں گی جو ان کے لئے مفید اور باوقار ہوں۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین احادیث مذکورہ ذیل کے بارہ میں کہ یہ صحیح ہیں یا ضعیف یا موضوع اور ان میں سے نمبر ا و نمبر ۴ کو حدیث قدسی کہنا کیسا ہے و نیز امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا کیسا ہے اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونیکا دعوے کرنا کیسا ہے وہ حدیثیں یہ ہیں (۱) لولاك لما خلقت الافلاك (۲) من زار العلماء فكانما زارني ومن صافح العلماء فكانما صافحني ومن جالس العلماء فكانما جالسني ومن جالسني في الدنيا اجلس لديوم القيمة (۳) علماء امتي كانبياء بني اسرائيل (۴) انه كان صلى الله عليه وسلم يقول اللهم احيني مسكينا وامتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين (۵) رجب شهر الله وشعبان شهري ورمضان شهر امتي - بينوا توجروا۔

الجواب :۔ ماسوائے حدیث نمبر ۴ کے باقی سب حدیثیں موضوع ہیں، اور حدیث موضوع کو موضوع جان کر بیان کرنا حرام ہے، اور روایت کرنے والا داخل وعید ہے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔

يحرم[1] رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعا او غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثا علم وضعه او ظن وضعه فهو من جملة الوضاعين

ہاں حدیث نمبر ا کی نسبت ملا علی قاری اپنے موضوعات میں لکھتے ہیں :۔ قال[2] الصنعاني انه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح فقد روى الديلمي عن ابن عباس مرفوعا اتاني جبرئيل فقال يا محمد لولاك ما خلقت الجنة ولولاك ما خلقت النار و نیز حدیث نمبر ۲ کی نسبت لکھتے ہیں کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سکوت کیا ہے اور بعد ثبوت وضع حدیث نمبر ا کے اس کو حدیث قدسی کہنا محض خطا ہے۔ و نیز حدیث نمبر ۴ یہ بھی قدسی نہیں ہے، اس لئے کہ عبارت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود دال ہے اس پر کہ یہ قول اللہ عزوجل کا نہیں، کیونکہ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو بواسطہ جبرئیل یا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ سے پہنچی ہو، اسی وجہ سے

---

[1] حدیث موضوع کی روایت کرنا اس آدمی پر حرام ہے جس کو اس کے موضوع ہونیکا علم ہو یا غالب ظن اس کے موضوع ہونیکا ہو اور جو ایسی حدیث جانتے ہوئے روایت کرے جو موضوع یا بظن غالب موضوع ہو تو وعید میں شامل ہے [2] صنعانی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے لیکن اسکا معنے صحیح ہے ابن عباس نے مرفوعا روایت کیا ہے کہ جبرائیل نے میرے پاس آکر بیان کیا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اگر تو نہ ہوتا، تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔

---

(۱) لکن امام شوکانی نے الفوائد المجموعہ میں لکھا ہے قال ابن حجر الزرکشی لا اصل له انتہیٰ ابو سعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

جو حدیث قدسی ہوتی ہے، عبارت اس کی یوں ہوتی ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل۔

امام شوکانی علیہ الرحمۃ کا سماع مزامیر کو جائز کہنا بھلا ہے مگر وہی جس کو شارع نے مباح کہا ہے جیسا کہ نیل الاوطار جلد سادس باب الدف واللھو فی النکاح میں مذکور ہے اور حد مباح سے جو باہر ہے ہر گز جائز نہیں، بلکہ اس پر وعید ہے چنانچہ نیل الاوطار جلد سابع باب ماجاء فی آلۃ اللھو میں مذکور ہے ابن ماجہ کی حدیث میں ہے، لیشربن ناس من امتی الخمر یسمونہا بغیر اسمہا یعزف علٰے رؤسھم بالمعازف والمغنیات یخسف اللہ بھم الارض ویجعل منھم القردۃ والخنازیر، غرضکہ سماع با مزامیر جاوز حد ممنوع ہے جبکہ عدم جواز میں صحیح حدیثیں مروی ہیں، ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، جماعت صوفیہ اباحت مطلقہ کے قائل ہیں اور امام شوکانی بھی انہیں میں سے ہیں، حالانکہ جس حدیث سے اباحت ثابت کی جاتی ہے اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ولیتا بمغنیتین ثبوت اباحت کی نفی کرتا ہے بخاری شریف پارہ ۴ باب سنۃ العیدین میں ہے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت دخل ابوبکر رضی اللہ عنہ وعندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث ولیتا بمغنیتین ونیز بہت سے علماء نے حرام لکھا ہے۔

اور مرزا غلام احمد کا مسیح موعود ہونیکا دعوٰے سراسر غلط اور محض باطل ہے، وہ مسیح موعود نہیں ہے

حررہ عبدالوہاب عفی عنہ

ھو الموفق:۔ حدیث نمبر ۳ کو ابن جوزی نے موضوع کہا ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ حاکم نے مستدرک میں اس کو صحیح کہا ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کی تصحیح کو برقرار رکھا ہے، کما فی الفوائد المجموعۃ للعلامۃ الشوکانی رحمہ، حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر صفحہ ۲۷۰ میں لکھتے ہیں۔ واما الثانی وای حدیث اللھم احینی مسکینا الخ فرواہ الترمذی من حدیث انس رضی اللہ عنہ واستغربہ

[1] میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اور اس کا نام کوئی اور رکھ لیں گے، اور ان کی مجالس میں باجے اور راگ رنگ ہوگا، اللہ بعض کو ان میں سے زمین میں غرق کر دے گا، اور بعض کو بندر اور خنزیر بنا ڈالے گا۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے پاس ابوبکر آئے، اس وقت انصار کی دو چھوکریاں میرے پاس وہ شعر گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث میں کہے تھے، اور وہ پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں۔

[3] اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، الحدیث اس کو ترمذی نے انس سے روایت کیا ہے اور اس کو

واسنادہ ضعیف وفی الباب عن ابی سعید رواہ ابن ماجہ وفی اسنادہ ضعف ایضا ولہ طریق اخری فی المستدرک من حدیث عطاء عنہ وطولہ البیہقی ورواہ البیہقی من حدیث عبادۃ بن الصامت واسرف ابن الجوزی فذکر ھذا الحدیث فی الموضوعات انتہی۔

مجیب نے مسئلہ غناء و سماع میں اجمال سے کام لیا ہے، و نیز علامہ شوکانی کو اباحت مطلقہ کے قائلین سے شمار کیا ہے حالانکہ علامہ ممدوح اباحت مطلقہ کے ہرگز قائل نہیں ہیں علامہ ممدوح نے اس مسئلہ پر نیل الاوطار میں دو مقام میں بحث کی ہے دونوں مقام سے ان کی عبارت مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے، تاکہ اس مسئلہ میں ان کی تحقیق ہے، وہ ظاہر ہو، اور فی الجملہ اس مسئلہ کی توضیح بھی ہو۔ نیل الاوطار صفحہ ۶۰ جلد ۶ باب الدف واللہو میں لکھتے ہیں۔ وفی ذالک دلای فی حدیث فصل مابین الحلال والحرام الدف والصوت فی النکاح دلیل علی انہ یجوز فی النکاح ضرب الادفات ورفع الاصوات بشئ من الکلام نحو اتیناکم و نحوہ لا بالاغانی المہیجۃ للشرور المشتملۃ علی وصف الجمال والفجور ومعاقرۃ الخمور فان ذلک یحرم فی النکاح کما یحرم فی غیرہ وکذلک سائر الملاھی المحرمۃ یعنی اس حدیث میں کہ حلال نکاح اور حرام نکاح دف اور صوت کا فرق ہے دلیل ہے اس بات کی کہ جائز ہے نکاح میں دف بجانا اور آواز بلند کرنا ایسے کلام کے ساتھ جو اتیناکم اتیناکم کے مثل ہو۔ نہ ایسا گیت گانا جو برائیوں کو ہیجان میں لانیوالا ہو۔ یعنی جو بیان حسن وجمال اور فجور و شراب نوشی پر مشتمل ہو اس واسطے کہ ایسا گیت نکاح میں بھی حرام ہے اور غیر نکاح میں بھی اور اسی طرح تمام ملاہی محرمہ نکاح میں بھی حرام ہیں اور غیر نکاح میں بھی حرام ہیں۔

اور نیل الاوطار جلد سابع صفحہ ۱۰۳ میں لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی الغناء مع آلۃ من آلات الملاھی وبدونہا فذھب الجمھور الی التحریم مستدلین بما سلف ذھب اھل المدینۃ ومن وافقھم من علماء الظاھر وجماعۃ من الصوفیۃ الی الترخیص فی السماع ولو مع العود والیراع یعنی غناء کی حلت و حرمت میں علماء کا اختلاف، آلات ملاہی میں سے کسی آلہ کے ساتھ ہو یا بدوں اس کے جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے، اور ان کی دلیل وہ

سند ضعیف ہے نیز ابن ماجہ نے ابو سعید سے روایت کیا ہے اور اسکی سند بھی ضعیف ہے مستدرک حاکم میں اس کے اور بھی طرق ہیں اور بیہقی نے اسکو عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے زیادتی کی جو اسکو موضوع لکھ دیا۔ ۱۲

احادیث و روایات ہیں جو پہلے مذکور ہو چکیں اور اہل مدینہ اور بعض علمائے ظاہر کے نزدیک اور صوفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک جائز ہے اگرچہ عود اور یراع کے ساتھ ہو۔

پھر دلائل طرفین کے مع مالہا وما علیہا بیان کر کے آخر میں لکھتے ہیں۔ واذا تقرر جمیع ما حررناہ من حجج الفریقین فلا یخفی علی الناظر ان محل النزاع اذا خرج عن دائرۃ الحرام لم یخرج عن دائرۃ الاشتباہ والمؤمنون وقافون عند الشبہات کما صرح بہ الحدیث الصحیح ومن ترکہا فقد استبرء لعرضہ ودینہ ومن حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ ولا سیما اذا کان مشتملا علی ذکر القدود والخدود والجمال والدلال والہجر والوصال ومعاقرۃ العقار وخلع العذار والوقار فان سامع ما کان کذلک لا یخلو عن بلیۃ وان کان من التصلب فی ذات اللہ علی حد یقصر عنہ الوصف وکم لہذہ الوسیلۃ الشیطانیۃ من قتیل دمہ مطلول واسیر بہموم غرامہ وہیامہ مکبول نسأل اللہ السداد والثبات ومن اراد الاستیفاء للبحث فی ہذہ المسئلۃ فعلیہ بالرسالۃ التی سمیتہا ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع، یعنی جب فریقین کے دلائل کو مع مالہا وما علیہا ہم تحریر کر چکے تو اب ناظرین پر مخفی نہیں ہے کہ محل نزاع دائرہ حرام سے خارج ہو تو ہو مگر دائرہ اشتباہ سے خارج نہیں ہو سکتا ہے اور مومنین کی شان یہ ہے کہ شبہات کے پاس ٹھہر نہیں جاتے جیسا کہ حدیث صحیح میں اسکی تصریح آئی ہے اور جو شخص شبہات کو ترک کرتا ہے وہ اپنی آبرو اور دین کو پاک کرتا ہے اور جو شخص چراگاہ کے گرد گھومتا ہے اس کا اس میں واقع ہو جانا کچھ بعید نہیں ہے بالخصوص جبکہ غنا مشتمل ہو ذکر قد وقامت اور خد و خال اور بیان حسن و جمال اور ہجر و وصال و غیرہ پر اس واسطے کہ ایسے غنا اور راگ کا سننے والا بلا اور معصیت سے خالی نہیں ہو سکتا اگرچہ نہایت درجہ کا دیندار ہو اور دین میں نہایت سخت ہو اور اس شیطانی وسیلہ کے کتنے قتیل ہیں جن کا خون بہہ رہا ہے اور کتنے قیدی ہیں جو اس کے عشق و شیفتگی میں گرفتار ہیں ہم خدا سے ثبات قدمی کا سوال کرتے ہیں اور اس مسئلہ کی بحث کو پورے طور پر جو شخص دیکھنا چاہے اس کو ہمارا رسالہ موسومہ ابطال دعوے الاجماع علی تحریم مطلق السماع ضرور دیکھنا چاہیے۔

نیل کی ان دونوں عبارتوں سے صاف معلوم ہوا کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت صوفیہ کی طرح

اباحت مطلقہ کے قائل نہیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل اسلام ملک کشمیر کے تنازع در بارہ صحابیت معمر حبشی اور تابعیت علی ہمدانی کے واقع ہو کر دو فریق ہو گئے ہیں، دعوٰی ایک فریق کا یہ ہے، کہ "ایک شخص معمر حبشی نام حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھا، آپ کی دعا کی برکت سے ہمارے حضرت علیہ السلام کے زمانہ بابرکت تک زندہ رہ کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کیا من بعد بدعائے حضرت علیہ السلام لغایت ۷۰۰ھ ہجری تک زندہ رہ کر حضرت علی ہمدانی سے ملاقات کی جس کی وجہ سے فریق مذکور حضرت علی ہمدانی کے تابعی ہونے کا مدعی ہے"، اور فریق ثانی کا دعوی ہے، کہ "معمر حبشی کا حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں میں سے ہونا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک زندہ رہ کر شرف صحبت حاصل کرنا بالکل غلط و باطل ہے کیونکہ یہ بات کسی دلیل سے ثابت نہیں و نیز معمر حبشی کا ۷۰۰ھ ہجری تک زندہ رہنا جو بکر مخالف صحیح حدیث بخاری و مسلم (ما من نفس منفوسۃ یاتی علیہا مائۃ سنۃ الحدیث) کے ہے باطل و مردود ہے، پس جب کہ معمر حبشی کا صحابی ہونا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، تو اس سے علی ہمدانی کا تابعی نہ ہونا بھی اظہر من الشمس ہے"، اور درمیان دونوں فریقوں کے نوبت بایں جا رسید کہ ایک فریق دوسرے کو گمراہ و بے دین تصور کرتا ہے، اب ان ہر دو فریقوں میں سے حق بجانب کس کے ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: ان دونوں فرقوں میں حق بجانب فریق ثانی ہے، اور فریق اوّل کا دعوٰی بلا شبہ باطل و مردود ہے۔ فریق اوّل کا دعوی چار باتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) معمر حبشی کا عیسٰی علیہ السلام کے حواریین میں سے ہونا۔

(۲) حضرت عیسٰی علیہ السلام کی دعا سے ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک اسکا زندہ رہنا۔

(۳) اس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف صحبت حاصل کرنا۔

(۴) بدعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ۷۰۰ھ ہجری تک زندہ رہ کر علی ہمدانی سے ملاقات کرنا۔

ان چار باتوں میں سے ایک بھی کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں، بلکہ چاروں باتیں بالکل غلط و سراسر باطل ہیں بناءً علیہ فریق اوّل کا دعوی باطل و مردود ہے بہت سے معمرین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

بابرکت میں حاضر ہونے اور شرف صحبت حاصل کرنے کا جھوٹا دعوی کیا ہے یا ان کی طرف اس بات کی غلط نسبت کی گئی ہے، ان معمرین کے دعوی کی تردید، اور ان کی طرف اس بات کی نسبت کی تغلیط محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے خوب اچھی طرح سے کردی ہے علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعہ صفحہ ۱۶۴ میں بہت سے معمرین کذابین مدعیان صحبت کا ذکر مع ان کی تکذیب کے کیا ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں۔

ومما یدفع دعاوی ھؤلاء اجماع اھل العلم علی ان اٰخر الصحابۃ موتا فی جمیع الامصار ابوالطفیل عامر بن واثلۃ الجھنی وکان موتہ سنۃ اثنتین ومائۃ بمکۃ انتہی اور علامہ محمد طاہر مجمع البحار صفحہ ۱۶۵ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ وقد اتفقوا علی ان اٰخر من مات فی جمیع الارض من الصحابۃ ابوالطفیل عامر بن واثلۃ سنۃ مائۃ واثنین بمکۃ وقد ثبت انہ قال قبل موتہ بشھر او نحوہ فان علی رأس مائۃ سنۃ لا یبقی علی وجہ الارض فانقطع المقال قال وقد بسطت القول فی المعمرین فی تذکرۃ الموضوعات فطالعہ ینفعک فانہ کتاب نفیس تلقتہ علماء الحرمین بالقبول انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

(سید محمد نذیر حسین)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضوع علم حدیث کا کیا ہے، اور اس کی تعریف اور اس کی غایت کیا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ موضوع علم حدیث کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور موضوع باعتبار شرعی احوال کے ہیں۔ موضوع علم الحدیث ھو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حیث انہ رسول اللہ من الاحوال الشرعیۃ

---

[۱]:۔ ان کے دعویٰ کی تردید کیلئے علماء کا اجماع کافی ہے کہ صحابہ میں آخری صحابی ابو طفیل عامر بن واثلہ جہنی ۱۰۲ھ میں فوت ہوئے ۱۲۔

[۲]:۔ اس پر اتفاق ہے کہ تمام روئے زمین پر آخری صحابی جو فوت ہوئے، وہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ ہیں جو ۱۰۲ھ میں مکہ میں فوت ہوئے اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی موت سے ایک مہینہ پہلے یہ حدیث سنائی تھی کہ آج سے سو سال جب پورے ہوں گے زمین پر آج کا کوئی انسان زندہ نہ رہے گا، اس حدیث سے ساری بحث ہی ختم ہو گئی اور میں نے معمرین کے متعلق موضوعات کے تذکرہ میں بڑے بسط سے کلام کیا ہے اسکا مطالعہ کرو۔ وہ بڑی نفیس کتاب ہے علمائے حرمین شریفین نے اس کو قبول کیا ہے ۱۲۔

اور علم حدیث ان قوانین کا نام ہے جن سے احوال سند اور متن کے باعتبار صحت اور حسن اور ضعف اور علو اور نزول اور کیفیت تحمل اور ادا اور یعنی پڑھنے پڑھانے اور رجال یعنی راویوں کے حالات وغیرہ معلوم ہوں، اور سند متن کے طریق سے خبر دینے کا نام ہے اور متن وہ ہے کہ جس پر کلام ختم ہو سیوطی نے اتمام الدرایہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ علم الحدیث علم بقوانین یعرف بہا احوال السند من صحۃ وحسن وضعف وعلو ونزول وکیفیۃ التحمل والاداء وصفات الرجال وغیر ذلک والسند الاخبار عن طریق المتن والمتن ما ینتہی الیہ غایۃ الکلام انتہی ملخصا من اتمام الدرایۃ اور حدیث کی غایۃ اور فائدہ سعادت دارین کی کامیابی ہے وما غایۃ وفائدتہ فہی الفوز بسعادۃ الدارین۔ سید محمد نذیر حسین۔

بدانکہ حقیقت سحر و وجود آن ثابت است بخلق ایزد پروردگار نزدیک علمائے نامدار کبیر دان مستند سنت سنیہ سید مختار وخیر الابرار چنانکہ صاحب معالم التنزیل کہ یکے از زمرہ مفسرین ذی اعتبار است گفتہ کہ السحر لوجودہ حقیقۃ عند اہل السنۃ وعلیہا اکثر الامم انتہی کلامہ وقال السید وملا علی القاری فی شرح المشکوٰۃ ان للسحر حقیقۃ عند عامۃ العلماء خلافاً للمعتزلۃ وابی جعفر الاستر ابادی انتہی کلامہ۔ می گویم کہ از قصہ ہاروت ماروت وجود سحر و حقیقت صریح معلوم شد چہ او تعالےٰ خود در آن نص فرمودہ کہ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ہو علم السحر ابتلاء للناس من تعلمہ منہا وعمل بہ کان کافرا ان کان فیہ رد ما لزم فی شرط الایمان انتہی۔ و شیخ عبدالحق محدث دہلوی در ترجمہ مشکوٰۃ بیان کردہ کہ تاثیر سحر و وقوع آن بخلق خدا تعالےٰ صحیح است

۱؎ علم حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحیثیت شرعی ہے ۱۲

۲؎ علم حدیث ایسے قوانین کا نام ہے جس سے سند کے حالات، صحت، حسن، ضعف بلندی، پستی اور رد و قبول اور آدمیوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں اور سند طریق متن کی خبر کا نام ہے اور متن وہ ہے جہاں کلام کی انتہا ہو ۱۲۔

۳؎ علم حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں جہانوں میں آدمی کامیاب ہو ۱۲۔

جادو کی حقیقت و وجود علمائے اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے، خدا تعالےٰ کی مخلوق ہے چنانچہ صاحب معالم التنزیل اور ملا علی قاری نے تصریح کی ہے کہ علمائے اہل سنت کے نزدیک جادو کی حقیقت ثابت ہے، معتزلہ اور ابو جعفر استر آبادی اسکے قائل نہیں ہیں، میں کہتا ہوں کہ ہاروت اور ماروت کے قصہ سے اس کی حقیقت ثابت ہوتی ہے، کہ خدا تعالےٰ نے اس پر نص فرمائی ہے،

دوارد گشتہ کہ السحر حق انتہی۔ اما معرفت او بوجہ تفصیل از معنے لغوی واصطلاحی منکشف می شود کہ بندیان ازاں بہرہ گیرند وحظ کافی پذیرند۔

فاعلم ان السحر فی اللغة عبارة عن کل ما لطف، ماخذہ ودق امرہ وخفی سببہ ومنہ الساحر العالم وفی الشرع فی تعریفہ اختلاف کثیر واولاہ منعًا وطردًا ما ذکرہ یعقوب بنیانی فی حاشیة البیضاوی حقیقة السحر علم بکیفیة استعداد یقتدر خارق من مزاولة فعل او قول محرم فی الشرع اجری اللہ تعالی عادتہ بحصولہ عندہ ابتلاء فان کان کفرا کعبادة الکواکب او انضم معہ اعتقاد تاثیر من غیرہ تعالی کفر صاحبہ والا فہو فسق انتہی کلام المحشی وغیرہ وقیل ہو فی الشرع مختص بکل امر یخفی سببہ و یتخیل من غیر حقیقة ویجری مجری التمویہ والخداع ومتی اطلق ولم یقید افاد ذم فاعلہ قال تعالی سَحَرُوْا أَعْیُنَ النَّاسِ یعنی مَوَّهُوْا علیہم حتی ظنوا ان حبالہم وعصیہم تسعی انتہی ما فی نیشاپوری فہذا التعریف بلوازمہ الخارجیة من شرارة الساحر لشرط وجودہ لا من [illegible] الداخلیة وقد یستعمل مقیدا فیما یمدح ویحمد وہو السحر الحلال قال صلی اللہ علیہ وسلم ان من البیان لسحرا سمی بعض البیان سحرا لان صاحبہ یوضح الشیء المشکل ویکشف عن حقیقتہ بحسن بیانہ ولطف عبارتہ ویقدر علی تحسین القبیح و تقبیح الحسن

ماروت پر جادو ہی کا علم ہے جسے لوگوں کی آزمائش کے لئے نازل کیا گیا ہے اگر ایمان کی شرائط کی تردید کرے تو اس کا کرنے والا اور سیکھنے والا کافر ہے شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوۃ میں کہا ہے کہ جادو کی تاثیر اور اس کا وقوع خدا کی تخلیق سے حق اور ثابت ہے جادو کی بالتفصیل معرفت لغوی اور اصطلاحی معانی سے کھل جاتی ہے مبتدی اس سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

لغت کے لحاظ سے سحر (جادو) ہر وہ چیز ہے جس کا ماخذ لطیف ہو اسباب مخفی ہوں، چنانچہ کہتے ہیں کہ عالم آدمی جادوگر ہوتا ہے مطلب یہ کہ بڑی باریک باتیں عالم کو معلوم ہوتی ہیں شریعت کے لحاظ سے اس کی تعریف میں اختلاف ہے سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ سحر ایک ایسا علم ہے جس سے خرق عادت کی قوت پیدا ہوتی ہے کسی قول یا فعل حرام کی ہمیشہ مزاولت سے پھر اگر اس چیز کو جادوگر تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی طرف اس طرح نسبت کرے کہ وہ چیز بالذات [illegible] ہے جیسے کہ ستاروں کو موثر بالذات سمجھ کر ان کی طرف کسی چیز کو منسوب کرے [illegible] اگر ان کو موثر بالذات نہ جانے، اور فعل یا قول حرام سے جادو کرے، تو وہ فاسق ہے اور اگر قول یا فعل حرام نہ ہو۔ اور کسی چیز کو موثر بالذات نہ سمجھے تو وہ مومن ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض بیان

هذا خلاصة ما فی التفسیر النیسابوری وغیرها من حواشی البخاری والمشکوٰة وقال القاضی ناصر الدین البیضاوی ان المراد بالسحر ما یستعان فی تحصیله بالتقرب الی الشیطان مما لا یستقل به الانسان وذلك لا یستتب الا لمن یناسبه فی الشرارة وخبث فی النفس فان التناسب شرط فی التضام والتعاون وبهذا یتمیز الساحر عن النبی والولی انتهی کلامه قال محشیه قوله لا یستتب اشارة الی ان شرارة الساحر من شروط وجود السحر لا من اجزائه الداخلیة فی حقیقة السحر کما یفعله اصحاب الحیل والشعبذة وقوله الادویة کشحم الضفدع اذا وضع فی السراج یری البیت مملوا بالماء ویسمی هذا النوع بالنیرنجات وفی القاموس اخذ السرایم اخذة کالسحر ولیس بہ وکالاخذة بالضرراقیة کالسحر انتهی کلام المحشی۔

پس از تقریر قاضی بیضاوی واضح شده، که درمیان جادو و معجزه و ولایت ہمیں فرق است کہ جادو بتقرب شیطان و بے توسل اسے الرحمن حاصل می شود، پس بالاستقلال تاثیرات آنہا را از غیر خدا ساحران می دانند، و معجزه و کرامت بوسیله کامله و قدرت بالغہ جناب الٰہی کہ موثر حقیقی در ہمہ افعال است دانستہ می شود، و درین جا بایہ الامتیاز در سحر و معجزه و سیله و تاثیرات مستقله است یعنی جلیله ها اگر بسوئے خدا منسوب کرده شود، معجزه گفته آید، واگر تاثیرات مستقله بجانب شیطان و خبیثان و کواکب وغیره گردانیده شود بزعم زاعم جادو گفته نشود، چنانچه درین مقام احسن مرام مولانا جامع کمالات و حامل روایات و درایات حضرت شاه عبد العزیز قدس الله سره العزیز اشکال کرده اند عبارته ہکذا، درین جا شبه ایست، کہ اکثر بخاطر امی رسد، حاصلش آنکه افعال خارقہ عادت کہ محض بقدرت الٰہی صدور می یابند اکثر اوقات از اولیاء بظہور می رسد، مثل تقلیب اعیان و تبدیل صور نہاد ہمیں آن افعال کہ شبیہ معجزات پیغمبران اند مثل احیائے موتیٰ و قطع مسافت طویله در یک ساعت و مانند آن نیز از اولیاء کثیر الوقوع است و احوال نویسان آن اولیاء آن افعال را در کرامات و مناقب آن اولیاء می نویسند می نویسند، پس اگر نسبت فعل الٰہی بغیر کفر باشد،

جادو ہیں، اور یہ سحر حلال ہے کہ اس سے مشکل چیز کی وضاحت ہو جاتی ہے بیان سے قبیح چیز خوبصورت معلوم ہونے لگتی ہے اور خوبصورت قبیح

خرق عادت کئی قسم کا ہے اگر مدعی نبوت ہو اور اس سے خرق عادت ظاہر ہو، تو وہ معجزہ ہے اگر کسی مومن

حقیقتی بناہم کفر باشد، و اگر نظر بسببیت ظاہر کرآن خبردار د کفر نہ باشد، پس در حق ساحران چرا حکم بکفر کردہ اند
بلکہ در حال دعوتیان و عزائم خوانان کہ بسیفی و دعوت و امثال این عجائب بسیار ظاہر می کنند، مشابہت
تمام با ساحران بہم می رسد و بہ فرق چیست، جواب آنکہ افعال خارق عادت خواہ شبیہ معجزات پیغمبران
باشند خواہ از جنس دیگر ہمہ مقدور قدرت الٰہی اند و بارادہ و ایجاد او صادر می شوند، و در افعالے کہ از دست
اولیاء ظاہر می شوند، و افعالے کہ از ساحران صادر می گردند، درین باب فرقے نیست، فرق آن ست کہ اولیاء
و دعوتیان و عزائم خوانان آن افعال را نسبت بغیر خدا نمی کنند بلکہ بقدرت او تعالیٰ یا بخواص اسماء او تعالیٰ
نسبت می نمایند پس شرکے لازم نمی آید، و ساحران آن افعال را و در قالب خود می آرند، و در تمہ خود می آرند و مگر
خود می انگارند و بران اجرت می گیرند و حلوان می خواہند، و تمرد و قربانی برائے آن ارواح خبیثہ و آن افعال
باطلا و در خواست می کنند، پس شرک صریح لازم می آید و موجب کفر می گردد، بشابہ آنکہ افعال عادی الٰہی را
مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق و شفاء مریض و امثال ذلک را مشرکان نسبت بارواح خبیثہ و اصنام
می نمایند و کافر می شوند، و موحدان در ہمہ افعال از تاثیر اسماء الٰہی یا بخواص اسماء می دانند یا از خواص مخلوقات
ہو میدانند از دوا و دعا و تبرکات و بزرگان و صلحاء و بندگان او کہ ہم از جناب او در خواست انجاح مطالب می کنانند می
فہمند، پس در ایمان ایشان خلل نمی افتد، آمدم برآنکہ حقیقت سحر چیست و اقسام او چند است و کدام قسم موجب
کفر است و کدام موجب فسق و کدام مباح کہ در شریعت جائز است تفصیل این بحث طولے می خواہد مجملش آنکہ حقیقت سحر حاصل کردن
قدرت است بر افعال عجیبہ خارقہ عادت بغیر اطلاع اسباب خفیہ بے توسل بجناب الٰہی بدعا یا بتلاوت اسماء او تعالیٰ و بے نسبت آن افعال بقدرت او تعالیٰ
و چون اسباب خفیہ در عالم چند قسم است سحر نیز چند قسم شد، کما فی تصحیح کلام الحدیث الاعلی و ہر کرا استیعاب یک است منظور باشد در تفسیر مولانا مرحوم نظر کند

متقی ہے بغیر و بے جوت بغیر ظاہری اور خفیہ اسباب کے کوئی چیز خرق عادت ہو تو وہ کرامت ہے، اگر مومن سے کوئی
چیز اسباب خفیہ کے ماتحت ظاہر ہو تو وہ جادو حلال ہے، اور اگر عامی آدمی سے خفیہ اسباب کے تحت کوئی خرق عادت ظاہر ہو
اور اسکو غیر خدا کی طرف مجازاً منسوب کرے تو اس کا کرنے والا فاسق ہے، اور اگر حقیقتاً غیر خدا کی طرف منسوب کرے
تو وہ جادو حرام ہے اور اس کا کرنے والا کافر ہے۔

اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ مومن آدمی دوا اور جڑی بوٹیوں سے علاج معالجہ کرتے ہیں، لیکن ان کی تاثیر کو منجانب
اللہ سمجھتے ہیں ان کے ایمان میں کوئی خلل نہیں پڑتا یا کسی نیک آدمی سے دعا کراتے ہیں کہ وہ بھی ایک غیر حسی
علاج ہے اور اس آدمی کو مؤثر بالذات نہیں سمجھتے، تو وہ مومن ہی رہتے ہیں، اور اگر کوئی ادویات کو مؤثر بالذات جانے
یا کسی نیک آدمی یا بد کو مؤثر بالذات سمجھ کر اس چیز کو اسکی طرف منسوب کردے تو وہ کافر ہو جاتا ہے جیسا کہ مشرکین اپنے
بتوں وغیرہ سے جا کر طلب رزق یا فرزند وغیرہ کرتے ہیں۔

پس از کلام معجز نظام مولانا علیہ الرحمۃ معلوم گردید کہ حقیقت سحر و تاثیر او متحقق است چنانکہ معجزہ و کرامت مگر فرق ہمیں است کہ نسبت جادو و تاثیر بالاستقلال بسوئے غیر خدا مانند شیاطین و اصنام و کواکب و ارواح خبیثہ می کنند و نسبت معجزہ و کرامت بطرف حق تعالیٰ و اسمائے کریمہ و صفات شریفہ می نمایند والا باعتبار خرق عادات و تاثیرات ہر دو متساوی اند و بدیں ہم دانستہ شد کہ سحر باعتبار مفہوم جنس است و باعتبار فصول کہ امور خفیہ و اسباب غریبہ تحت او ہستند انواع متعددہ دارد زیرا کہ بعضے از آں کفر و بعضے فسق چنانچہ از تفسیر نیشاپوری نبذے بقلم می آید عبارتہ ہکذا۔

ثم السحر علی اقسام منہا سحر الکلدانیین الذین کانوا فی قدیم الدھر وھم قوم یعبدون الکواکب ویزعمون انہا ھی المدبرۃ لھذا العالم ومنہا تصدر الخیرات والشرور والسعادۃ والنحوسۃ ویستحدثون الخوارق بواسطۃ تمزیج القوی السماویۃ بالقوی الارضیۃ وھم الذین بعث اللہ تعالیٰ ابراھیم علیہ السلام مبطلا لمقالتہم ورادا علیھم من اھبھم ومنہا سحر اصحاب الاوھام والنفوس القویۃ بدلیل ان الجذع الذی یتمکن الانسان من المشی علیہ لو کان موضوعا علی الارض ولا یمکنہ المشی علیہ لو کان کالجسر وما ذاک الا لان تخییل السقوط متی قوی اوجبہ وقد اجمعت الاطباء علی نھی المرعوف عن النظر الی الاشیاء الحمر والمصروع عن النظر الی الاشیاء القویۃ اللمعان والدوران وما ذاک الا لان النفوس خلقت مطیعۃ للاوھام وحکی فی الشفاء عن ارسطو ان الدجاجۃ اذا تشبھت کثیرا بالدیک فی الصوت وفی الحراب

پھر جادو کی کئی قسمیں ہیں، ایک تو کلدانیوں کا جادو تھا، یہ قدیم زمانہ کے لوگ تھے، ستاروں کی پوجا کرتے تھے، ان کو مدبر عالم مانتے تھے، ان کے مقالات کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور جادو کا ایک قسم وہمی لوگوں کی ہے کہ ان پر نفوس قویہ اثر انداز ہوتے ہیں، وہم کی کیفیت کا اثر انسانی طبیعت پر ہوتا ہے، مثلاً اگر ایک لکڑی زمین پر پڑی ہو تو انسان اس کے اوپر آسانی سے چل سکتا ہے اور اگر وہی لکڑی کسی نہر یا دریا پر پل بنا کر رکھ دی جائے، تو اس پر انسان نہیں چل سکتا۔ کیونکہ قوت وہمیہ غلبہ پا لیا کہ میں اس سے گر جاؤں گا، حکماء کہتے ہیں۔ جس کو نکسیر بہتی ہو، وہ سرخ چیزوں کی طرف نہ دیکھے اور مرگی والا چمک دار اور سریع الحرکت چیزوں کو نہ دیکھے کہ قوت وہمیہ اس پر اثر انداز ہوگی، اور بیماری کا حملہ ہو جائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ احوال جسمانیہ احوال نفسانیہ کے ماتحت ہیں یہ تمام امتوں کا اجماع ہے کہ دعا میں قبولیت کا گمان ہوتا ہے بعض اوقات ہوں کہ نام کی بیماری ہوتی۔ حاذق حکیم نے

مع الديك نبتت على ساقها مثل الشئ النابت على ساق الديك وهذا يدل على ان الاحوال الجسمانية تابعة للاحوال النفسانية واجمعت الامم على ان الدعاء مظنة الاجابة وان الدعاء باللسان من غير طلب نفسا في قليل الاثر ويحكى ان بعض الملوك عرض له فالج فدخل عليه بعض الحذاق من الاطباء على حين غفلة منه وشافهه بالشتم والقدح في العرض فاشتد غضب الملك وقفز من مرقده قفزة اضطرارية وزالت تلك العلة المزمنة ومنها الاصابة بالعين مما اتفق عليه العقلاء والتحقيق فيه ان النفس اذا كانت مستعلية على البدن شديدة الانجذاب الى عالم السموات كانت كانها روح من ارواح السماوية وكانت قوية التاثير في مواد هذا العالم اما اذا كانت ضعيفة شديدة التعلق بهذه اللذات البدنية فحينئذ لا يكون لها تصرف البتة الا في هذا البدن فاذا اراد ان يتعدى تاثيرها [illegible] اخر اتخذ تمثال ذلك الغير ووضعه عند الحس فاشتغل الحس به وتبعه الخيال عليه واقبلت النفس الناطقة بالكلية الى ذلك فقوى التاثيرات النفسانية والتصرفات الروحانية ويعضده الانقطاع من المالوفات والمشتهيات وتقليل الغذاء والاعتزال عن الناس ثم ان كانت النفس مناسبة لهذا الامر بحسب ماهيتها وخاصيتها عظم التاثير واما الرقى فان كانت بالفاظ معلومة فالامر فيها ظاهر لان الغرض منها ان حس البصر كما اشتغل بالامور المناسبة للغرض فحس السمع ايضا يشتغل بها فان الحواس متى تطابقت

ہی کر گالی دے کر اس کی حرارت غریزی کو تیز کر دیا تو وہ فوراً تندرست ہو گیا اور نظر کا لگ جانا بھی اسی قبیل سے ہے کہ روح جب بدن پر غالب آ جاتی ہے تو عالم بالا کی طرف جاتی ہے تو وہ روح سماوی کی طرح قوی التاثیر ہو جاتی ہے پھر اگر ان کے بعد [illegible] مل جائے مثلاً غذا کم کھائے اور گوشہ نشین سے خواہشات نفسانی سے آزاد ہو جائے تو اس روح کی تاثیر دوسرے جسم پر بھی [illegible] ہوتی ہے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو تو کم از کم اپنے بدن پر اثر کرتی ہے جھاڑ پھونک ۔ کا [illegible] کیفیت ہے اگر اس میں الفاظ معلوم ہوں تو پھر ان کی تاثیر طبیعت انسانی پر ظاہر ہے ورنہ انسانی طبیعت پر حیرت اور دہشت غالب آ جاتی ہے اور وہ طبیعت پر اثر انداز ہوتی ہے بعض جادو تاثیرات

متوجهة الى الغرض الواحد كان توجه النفس اليه اقوى وان كانت بالفاظ غير معلومة حصلت للنفس هناك حالة شبيهة بالحيرة والدهش و يحصل لها اذ ذاك الجذب والانقطاع عن المحسوسات واقبال على ذلك الفعل ليقوى التاثير النفساني فيحصل الغرض وهكذا القول في الدخن قالوا فثبت ان هذا القدر من القوة النفسانية مستقل بالتاثير فان انضم اليه الاستعانة بالقسم الاول وهو تاثيرات الكواكب قوى الاثر جدا لاسيما ان حصل لهذا النفس مدد من النفوس المفارقة المشابهة لها ومن الانوار الفائزة من النفوس الفلكية ومنها سحر من يستعين بالارواح الارضية وهو المسمى بالعزائم وتسخير الجن ومنها التخيلات الآخذة بالعيون ويسمى الشعوذة وذلك لان اغلاط البصر كثيرة فان راكب السفينة اذا نظر الى الشط رأى السفينة واقفة والشط متحركا والقطرة النازلة ترى خطا مستقيما والعنبة ترى في الماء الزجاجة وترى العظيم من البعد صغيرا وقد لا تقف القوة الباصرة على المحسوس وقوفا تاما اذا ادركت المحسوس في زمان صغير جدا فيختلط البعض بالبعض ولا يتميز فان الرحى اذا اخرجت من مركزها الى محيطها خطوطا كثيرة بالوان مختلفة ثم ادبرت فان البصر يرى لونا واحدا كانه مركب من كل تلك الالوان وايضا النفس اذا كانت مشغولة بشيء فربما حضر عند الحس شيء آخر فلا يشعر الحس به البتة كما ان الانسان عند دخوله على السلطان قد يلقاه انسان ويتكلم معه فلا يعرفه ولا يفهم كلامه لما ان قلبه مشغول بشيء آخر و

مساوی رکھتے ہیں، مثلاً کواکب کی تاثیر اگر قوت نفس کے ساتھ متفق ہو جائے تو وہ قوی التاثیر ہو جاتی ہے اور بعض میں قوت ارضی ہوتی ہے مثلاً جنوں کی تسخیر وغیرہ اور بعض بوجہ عزت نظر کا دھوکا ہوتا ہے اور نظر کے دھوکے عجیب وغریب قسم کے ہوتے ہیں مثلاً گاڑی میں سوار آدمی سب اُ بھرو بھنا ہے ذرا سے دوسری چیز یا ہورتی ہوتی معلوم ہوتی ہیں اور گاڑی کھڑی معلوم ہوتی ہے بارش کے قطرے جب متواتر گرتے ہیں، تو پانی کی ایک مسلسل دھار معلوم ہوتی ہے بڑی چیز دور سے چھوٹی دکھائی دیتی ہے جب انسان ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا ہو تو کسی دوسرے آدمی کی بات

كذا الناظر في المرآة ربما قصد ان يرى سطح المرآة هل هو مستو ام لا فلا يرى فيها شيئا مما في المرآة فالمشعبذ الحاذق يظهر عمل شئ يشغل اذهان الناظرين به و يأخذ عيونهم اليه حتى اذا استفرغهم الشغل بذلك الشئ والتحديق نحوه عمل شيئا اخر عملا بسرعة فيبقى ذلك العمل خفيا لتعاون الشيئين اشتغالهم بالاول وسرعة اتيانه بالثاني ومنها الاعمال العجيبة التي تظهر من الآلات المركبة على النسب الهندسية اولصورة الخلاء كفارسين يقتتلان فيقتل احدهما الآخر ومنه الصور التي يصورها الروم والهند حتى لايفرق الناظر بينها وبين الانسان وقد يصور ونها ضاحكة اوباكية وقد يفرق بين ضحك السرور وضحك الخجل ومن هذا الباب تركيب صندوق الساعات ومنها جر الاثقال وهذا لا يعد في السحر عرفا لان لها اسبابا معلومة يقينية ومنها الاستعانة بخواص الادوية والاحجار ومنها تعليق القلب وهو ان يدعي الساحر انه قد عرف الاسم الاعظم وان الجن ينقادون له في اكثر الامور فاذا اتفق ان كان السامع ضعيف القلب قليل التمييز اعتقد انه حق وتعلق قلبه بذلك وحصل في قلبه نوع من الرعب وحينئذ تضعف القوى الحساسة فيتمكن الساحر من ان يفعل فيه ماشاء وان من جرب الامور وعرف احوال الناس علم ان لتعليق القلب اثرا عظيما في تنفيذ الاعمال واخفاء الاسرار ومنها السعي بالنميمة والتضريب من وجوه خفية لطيفة وذلك شائع في

سنائی نہیں دیتی اور نہ ہی اس کو سمجھ سکتا ہے اگرچہ وہ قریب ہی کیوں نہ ہو۔ ایک کاریگر جادوگر بس یہی دو کام کرتا ہے، کہ لوگوں کے ذہنوں کو کسی دوسری طرف منتقل کر دیتا ہے اور سرعت حرکت سے ایک چیز کر جاتا ہے جس کا لوگوں کو کچھ پتہ نہیں آتی اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جادوگر کسی آدمی کا علاج تو جڑی بوٹیوں سے کرتا ہے لیکن مریض پر اس طرح اثر ڈالتا ہے کہ یہ میرے ماتحت ہیں، یا مجھے اسم اعظم یاد ہے تو مریض کے ذہن پر ان چیزوں کا اثر ہوتا ہے اور قوائے حساسہ کمزور ہو جاتے ہیں، پھر جادوگر جو اثر ان پر ڈالنا چاہے ڈال سکتا ہے۔

جو آدمی لوگوں کے حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کام کے پورا کرنے میں دل کے تعلق کا بڑا اثر ہوتا ہے، مثلاً ایک مریض جب کسی سے تعویذ لیتا ہے، تو اس کے دل میں آجاتا ہے، کہ اب اس پر بیماری کا حملہ

الناس فهذه جملة الكلام فی اقسام السحر وعند المسلمين كلها مستندة الى قدرة الله تعالى فانه لا يمتنع وقوع هذه الخوارق باجر العادة عند سحر السحرة واتفقوا على ان العلم به ليس بقبيح ولا محظور لان العلم لذاته شريف ولعموم قوله تعالى قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ولا الفرق بينه وبين المعجزة يمكن به الا ان اجتنابا اقرب للسلامة كتعلم الفلسفة التى لا يومن ان تجر الى الغواية

واما ان الساحر هل يكفر ام لا فلا نزاع بين الامة فى ان من اعتقد ان الكواكب هى المدبرة لهذا العالم وهى الخالقة لما فيه من الحوادث والخيرات والشرور فانه يكون كافرا على الاطلاق وهذا هو القسم الاول من السحر واما النوع الثانى وهو ان يعتقد انه قد يبلغ روح الانسان فى التصفية والقوة الى حيث يقدر على ايجاد الاجسام واعدامها وتغيير البنية والشكل فالاظهر اجماع الامة ايضا على تكفيره واما سائر انواع السحر فلا شك انها ليست بكفر وحكم من كفر بالسحر حكم المرتد واذا سحر انسانا فمات فان قال انى سحرته وسحرى يقتل غالبا وجب عليه القود وان قال سحرته وسحرى قد يقتل وقد لا يقتل فهو شبه عمد وان قال سحرت غيره فوافق اسمه اسمه فخطأ انتهى كلام صاحب النيشاپورى ونقل الامام

نہیں ہوگا۔ یہ تمام جادو کی قسمیں ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ کی قدرت کی طرف منسوب ہیں، پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جادو کا علم فی نفسہٖ برا نہیں ہے، اور نہ اس کا سیکھنا منع ہے لیکن اس سے بچنا بہتر ہے، بالکل اسی طرح جس طرح فلسفہ کی تعلیم سے بچنا چاہیے کیونکہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔

جو آدمی جادو سے کافر ہو۔ اس کا حکم مرتد کا ہے، اور اگر کسی انسان پر جادو کرے اور وہ مر جائے، تو اگر وہ اپنے جادو کا اقرار کرے، اور یہ کہے کہ میرے جادو سے عموماً آدمی مر جاتا ہے تو اس پر قصاص واجب ہے اور اگر اس کا جادو کبھی مارے اور کبھی نہ مارے تو اس کا حکم شبہ عمد کا ہے اگر کسی اور پر اس نے جادو کیا۔ اور وہ کسی

لہ فيه ما قال الشيخ ابن حجر قد حكينا اختلاف العلماء فيه وحاصل ما هيئنا ان فعله فسق فى الحديث ليس منا من سحر او سحر له ويحرم تعلمه خلافا للغزالى ۱۲ منه

الرازی انه یقتل الساحر وبه قال ابو حنیفة رحمة الله علیه ولا یستتاب ، ولا یقبل قوله انی ترکت السحر لانه ورد فی الحدیث حد الساحر السیف۔

بدانکہ در تمامی اقسام سحر مشکل ترین نوع سحر چاہ بابل بود کہ حکماء در وقت نمرود ساختہ بودند و آن مثل طلسم بود، چنانکہ در مطولات معتبرہ مذکور است، و درین جا گنجائش آن نیست و تحصیل این اقسام مشقت تمام دارد و بعد از مدتے کہ این را تحصیل کردہ بہ صنعت آن قدرت یافت و در این صناعت میسر گردید ہر چہ خواہد بکند از اظہار مخالف عادت یا منع موافق عادت می تواند چنانچہ معالجہ امراضے کہ اطباء از ان عاجز گشتہ اند وی تواند شد، زیرا کہ او باستعانت روحانیات تدبیری کند و طبیب باستعانت جسمانیات، و دگر این مسئلہ آن است ہر گاہ جسم از فلک گرفتہ با عناصر و موالید روحی دارد کہ مدبر او دست، و تاثیرات اجسام ہم بواسطہ روح اند، چون ارواح تمام عالم نزد این کس مسخر شدند گویا مالک جہان گردید، پس بے حارست جنگ و قتال دفع دشمنان از و ممکن است، چنانچہ ارسطو از حکیم برہاطوس و بیدا غوس نقل کردہ کہ در شہر بابل درمیان این ہر دو کس منازعت افتاد، بیدا غوس گفت کہ تو را با من تاب مقاومت نیست کہ مریخ و زحل از مقاومت من عاجز اند، برہاطوس چون این کلام شنید ترنج محرق ساختہ استعانت بروح مریخ نمود و بیدا غوس را بسوخت و بے جنگ و جدال شر او را دفع کرد۔ ہذا خلاصۃ کلام مولانا شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ العزیز۔

دوسرے پر جا پڑا، تو اس کا حکم قتل خطا کا ہے، امام رازی کہتے ہیں، کہ جادوگر کو قتل کر دینا چاہیے، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول ہے اور اس کی توبہ قبول نہ کرنی چاہیے اور اگر کہے، کہ میں نے اب جادو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جادوگر کی حد تلوار ہے،

سب سے مشکل ترین جادو چاہ بابل کا ہے، جس کو حکماء نے نمرود کے وقت بنایا تھا، یہ بھی قسم کا جادو تھا اس جادو کے حاصل کرنے میں بڑی مشقت اٹھانا پڑتی ہے، اور اگر وہ حاصل ہو جائے، تو آدمی جو چاہے، کر سکتا ہے اور خلاف عادات امور کر جاتا ہے، اور عادت کے امور کو روک لیتا ہے بعض دفعہ ایسے بیماروں کا علاج کر لیتا ہے جسکے علاج سے حکماء عاجز آ جاتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی جسم فلکی اختیار کر لیتا ہے، اور عناصر و موالید [illegible] لیتا ہے، اور اجسام کی تاثیرات تمام روح کے ذریعے [illegible] تمام ارواح اسکے ماتحت ہو جاتی ہیں، تو گویا سارے جہاں کا مالک بن جاتا ہے، [illegible] بغیر جنگ و قتال کے دشمنوں کو شکست دیتا ہے چنانچہ ارسطو نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ [illegible] اور بیدا غوس کا شہر بابل میں مقابلہ ہو گا، بیدا غوس نے کہا، کہ تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتا، کہ مریخ اور زحل میرے مقابلہ سے عاجز ہیں، برہاطوس نے جب یہ بات سنی، تو اس نے ترنج جلا کر مریخ کی روح سے مدد حاصل کی، اور [illegible] بیدا غوس کو جلا دیا۔

پس ازیں جا زعم منکران کہ می گویند کہ سحر محض معدوم و موہوم است و در حقیقت تاثیرش نیست مدفوع و مردود شدہ، چراکہ از کتاب و سنت و علمائے اہل سنت و از تکرار غیر ملت وجود و تاثیر آن حقیقۃ ثابت گشتہ ولیس ہذا الامر ازظاہر، و معتزلیان عدم قائل تاثیر سحر و وجودش شدہ اند بنا بر آنکہ امتیاز در میان حد اعجاز و سحر نبود، اگر وجودش در حقیقت و وقوع تاثیرات آن ثابت کردہ شود، لہذا محض موہوم می دانند و جوابہ ماقال فی شرح المواقف وصاحب النیشا بوری وغیرہما من علمائنا اهل المذهب من السنة والجماعة وهوانه لامؤثر فی الوجود الا الله والسحر ونحوه ان لم يبلغ حد الاعجاز الذی هو کفلق البحر واحياء الموتى كما هو مذهب جميع العقلاء فظاهر ای فی الامتياز بين الاعجاز والسحر فان بلغ فاما دون دعوى النبوة والتحدی فظاهر ایضا او معه فحينئذ فلابد من ان لا يخلقه الله تعالى على يده ای الساحر او ان يقدر غيره على معارضته لئلا يحصل التلبيس والاكان تصديقا للكاذب وانه محال فالحق يتميز من الباطل واما اذا ادعى مدعى النبوة فظهرت الخوارق على يده لم يفض ذلك الى التلبيس والمبطل لا يحصل لهذه الاشياء مع ادعاء النبوة فاندفع عن هذا قول المعتزلة انتهى فاذا جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا الاية وسميت هذه الرسالة باقوال الحبر فی احوال السحر۔

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ (سید محمد نذیر حسین)

سوال :- کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف میں، جو یہ آیت ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ اس کے معنی قرآن میں یہ لکھے ہیں کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو[1] اگر کوئی اس کے معنے یوں کہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو پس وہ شخص کس فریق اور کس مذہب کا ہے اور کس دلیل سے معنی کی مخالفت کرتا ہے اس کا جواب بیان کریں، واللہ تعالےٰ اجر دے گا۔

تقریر مقرر جادو کا وجود حق ہے ثابت ہے معتزلی اسکے قائل نہیں ہیں کیونکہ معجزہ اور جادو کے ظاہر حال میں کوئی فرق اور حد فاصل نہیں ہے بنا دوہ اس کے منکر ہو گئے لیکن اہل سنت کے نزدیک جادو موثر بالذات نہیں ہے بلکہ اسکی تاثیر خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور پہلے جو فرق معجزہ اور جادو میں بیان ہو چکا ہے، اس کی بنا پر معتزلہ کا قول رد ہو جاتا ہے واللہ اعلم ۱۲۔

[1] نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں ۱۲

الجواب - باتفاق مفسرین اس آیت کے یہی معنی ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں، برائیوں کو، اور شان نزول سے اور عربیت کے قاعدہ سے بھی اس آیت کا یہی معنی متعین ہے اس آیت کے معنی جو شخص یہ کہے کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو وہ بالکل جاہل اور نالائق ہے کیونکہ جو شخص ذرا بھی عربیت سے واقف ہوگا، وہ ہرگز اس آیت کے یہ معنی نہیں کہے گا، اور اس کو صاف غلط سمجھے گا، جو شخص اس آیت کے یہ معنی کہتا ہے، کہ برائیاں لے جاتی ہیں نیکیوں کو اگر اس کا یہی عقیدہ ہے کہ برائیوں سے نیکیاں جاتی رہتی ہیں، تو ایسا عقیدہ ایک شاخ مذہب خوارج کا ہے، کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معاصی سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے الخوارج[1] یکفرون بالمعاصی انتہی واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ۔ (سید محمد نذیر حسین)

ہوالموفق - جواب صحیح ہے بے شک آیت مذکورہ کے یہی معنے ہیں، کہ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو، یعنی نیکیاں برائیوں کی کفارہ ہو جاتی ہیں اور نیکیوں کی وجہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں مگر ہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ نیکیاں اسی حالت میں برائیوں کا کفارہ ہوں گی، جب کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جاوے گا، اور اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہیں کیا جائیگا تو نیکیاں برائیوں کی کفارہ نہیں ہوں گی، حافظ ابن حجر فتح الباری جزو ۱۹ صفحہ ۲۱۵ میں لکھتے ہیں۔

وتمسک[2] بظاہر قولہ تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ المرجیۃ وقالوا ان الحسنات تکفر کل سیئۃ کبیرۃ کانت او صغیرۃ وحمل الجمہور ھذا المطلق علی المقید فی الحدیث الصحیح ان الصلوۃ الی الصلوۃ کفارۃ لما بینہما ما اجتنب الکبائر فقال طائفۃ ان اجتنبت الکبائر کانت الحسنات کفارۃ لما عدا الکبائر من ذنوب وان لم تجتنبت الکبائر لم تحط الحسنات شیئا وقال اٰخرون ان لم تجتنبت الکبائر لم تحط الحسنات شیئا منہا وتحط

---

[1] خوارج گناہوں کے مرتکب کی تکفیر کرتے ہیں ۱۲ [2] مرجیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول ان الحسنٰت یذھبن السیئات کے ظاہر الفاظ سے تمسک کرتے ہوئے کہا ہے کہ نیکیاں ہر گناہ کا کفارہ بن جاتی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ اور جمہور نے اس مطلق آیت کو، صحیح حدیث سے مقید کیا ہے اک نماز دوسری نماز تک کے گناہوں کا کفارہ ہے جبکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے، پھر ایک گروہ کہتا ہے کہ اگر کبائر سے پرہیز کیا جائے تو نماز صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور اگر اجتناب نہ کرے تو پھر صغیرہ کا کفارہ بھی نہیں بنتی اور دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ صغیرہ بہر حال معاف

وحفظ الصغائر منها انتہی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال :۔ شاہ عبد العزیز و شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادر صاحبان چرا در تفسیر آیات متشابہات مسلک مفسرین متقدمین نہ نمودہ اند۔

الجواب :۔ باید دانست کہ حضرات بابرکات خلاف مفسرین متقدمین و متاخرین محققین متبعین سنت سنیہ در تاویل متشابہات ہرگز نہ کردہ اند، بلکہ بر ظاہر آن کہ الاستواء والیدین والوجہ معلوم والکیف مجہول مطابق مسلک متقدمین اہل سنت مثل امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ وغیرہما من المتقدمین حمل کردہ اند چنانکہ از کتب معتبرہ مانند فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ رح و بزدوی فخر الاسلام و شروح آن و تفسیر مدارک و جلالین و کمالین حاشیہ جلالین وغیرہ ہویدا می شود قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ھو فی اللغۃ سریر الملک استواء یلیق بہ کذا فی الجلالین عن ام سلمۃؓ والامام جعفر الصادق والحسن البصری وعن ابی حنیفۃ ومالک ان الاستواء معلوم والکیف مجہول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ وروی البیہقی عن ابی حنیفۃ ان اللہ تعالیٰ فی السماء دون الارض وعنہ قال من انکر اللہ فی السماء فقد کفر وقال الشافعی ان اللہ علی عرشہ فی السماء یقرب من خلقہ کیف یشاء وینزل کیف یشاء ومثل ذلک قال احمد قال اسحاق انما جمع اہل العلم انہ فوق العرش

ہوجاتے ہیں، کیوں معاف نہیں ہوتے۔ ۱۲

سوال:۔ شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر صاحبان نے آیات متشابہات کی تفسیر میں متقدمین مفسرین کے مسلک کی خلاف ورزی کیوں کی ہے۔

الجواب:۔ ان حضرات نے مسلک اہل سنت والجماعت کے ائمہ اور مفسرین کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کی ہے، بلکہ مسلک متقدمین کے مطابق ان آیات کو ظاہر پر محمول فرمایا ہے، ان کا مقصد تھا کہ "استوا اور ید اور وجہ معلوم ہیں، کیفیت غیر معلوم ہے" امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، چنانچہ بالکل یہی مضمون فقہ اکبر تصنیف امام ابو حنیفہ، بزدوی، تفسیر مدارک، جلالین و کمالین حاشیہ جلالین میں موجود ہے امام جعفر صادق اور حسن بصری، امام مالک، امام ابو حنیفہ کا قول ہے استوار معلوم ہے اسکی کیفیت مجہول ہے اور اسپر ایمان لانا واجب ہے اور اسکے متعلق سوال کرنا بدعت ہے امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ اللہ آسمانوں میں ہے زمین میں نہیں اور جو اللہ کے آسمانوں میں ہونیکا انکار کرے وہ کافر ہے امام شافعی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور آسمانوں پر ہے قرب اور نزول جسطرح چاہے کرتا ہے امام احمد، اسحاق، مزنی بخاری

استوی ویعلم کل شیٔ وھو قول المزنی والبخاری وابی داؤد والترمذی و
ابن ماجۃ وابی یعلی والبیھقی وغیرھم من ائمۃ الحدیث وقال ابراھیم
من الحنابلۃ طریقتنا طریق السلف المتبعین لکتاب والاجماع ومما اعتقدوہ
ان اللہ لم یزل کاملا بجمیع صفاتہ الی ان قال وان الاحادیث التی تثبت
فی العرش والاستواء علیہ یقولون بھا و یثبتونھا من غیر تکییف ولا تمثیل
وانہ بائن من خلقہ وقال الامام الحرمین والذی نرضاہ ونعتمدہ اتباع
السلف الی الانکفاف الی التاویل واجراء الظاھر علی مواردھا وتفویض
معانیھا الی اللہ انتھی ما فی الکمالین مختصرا۔

والمنقول عن الصادق والحسن وابی حنیفۃ ومالک الاستواء معلوم و
التکیف فیہ مجہول والایمان بہ واجب والجحود بہ کفر والسوال عنہ بدعۃ
انتہی ما فی المدارک۔ وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یمین الرحمن ملای سخاء لا یغیضھا اللیل والنھار قال ارایتم ما انفق
منذ خلق السموٰت فانہ لم ینقص ما فی یمینہ وعرشہ علی الماء وبیدہ الاخری
المیزان یخفض ویرفع ھذا حدیث حسن صحیح وھذا الحدیث فی تفسیر ھذہ
الاٰیۃ وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم الاٰیۃ وھذا الحدیث قال
الائمۃ یؤمن بہ کما جاء من غیر ان یفسر او یتوھم ھکذا قالہ غیر واحد
من الائمۃ منھم سفیان الثوری ومالک بن انس وابن عیینۃ وابن المبارک انہ

ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابو یعلی، بیہقی اور دیگر تمام اہل علم کا قول ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، ابراہیم حنبلی کا قول ہے کہ سلف صالحین کا قول تھا اللہ اپنی تمام صفات میں کامل ہے اللہ عرش پر مستوی ہے اس کی کیفیت معلوم نہیں اس کی کوئی مثال نہیں وہ اپنی خلق سے الگ ہے سلف صفات میں تاویل نہیں [illegible]
مفہوم پر ایمان رکھتے تھے اور ان کے معانی اللہ کے سپرد کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے دن رات بخشش کرنے میں معروف ہے جب سے اس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، سخاوت کر رہا ہے اور اس کے بحر کرم سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہوئی اس کا عرش پانی پر ہے اس کے دوسرے ہاتھ میں میزان ہے جسے چاہے، اسے جھکاتا اور اٹھاتا ہے اہل سنت کا مذہب ہے، کہ اس حدیث پر ایمان لایا جائے، اس کی تفسیر کی جائے سفیان ثوری، مالک بن انس [illegible]

نرى هذه الأشياء ونؤمن بها ولا يقال كيف انتهى ما في الترمذي وله

اى لله سبحانه يد ووجه ونفس اى كما يليق بذاته وصفاته فما ذكر الله

في القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس فهو اى جميع ما ذكر اى للحق صفات

متشابهات بلا كيف اى مجهول الكيفيات ولا يقال اى في مقام التاويل كما

عليه بعض الخلق مخالف للسلف ان يده قدرته اى بطريق الكناية

اونعمته واستواءه على العرش استيلاءه ولان فيه اى في تاويله ابطال

الصفة اى في الجملة لانه تعالى حيث اطلق اليد ولم يذكر القدرة والنعمة بلها

والظاهر ارادتها غير معانيها وهو اى ابطال الصفة من اصلها وياسرها قول

اهل القدر اى عموما والاعتزال اى خصوصا ولكن يده صفة بلا كيف اى بلا

معرفة الى كيفيته كعجزنا عن كنه معرفة بقية صفاته فضلا عن معرفة كنه

ذاته انتهى ما في الفقه الاكبر وشرحه لملا على القارى مختصرا وكذلك

اثبات الوجه واليد حق عندنا معلوم باصله متشابه بوصفه ولن يجوز ابطال الاصل

بالعجز عن درك الوصف وانما ضلت المعتزلة من هذا الوجه فانهم ردوا

الوصول لجهلهم بالصفات فصاروا معطلة انتهى ما في البزدوى للامام

فخر الاسلام وعن اصحابنا ان الاستواء على العرش صفة لله بلا كيف انتهى

ما في التفسير البيضاوى مختصرا وحمل الظواهر النقلية اما على التاويل واما

على تفويض علمها الى الله تعالى وهو الحق انتهى ما في المعالم في العقائد

للامام فخر الدين الرازى مختصرا۔

پس ازیں روش حضرات موصولین ہویدا کہ مذکور شد دریں اوراق و دریں ثبوت تجسم و استقرار نمی شود،

ابن مبارک کا یہ قول ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے چہرہ اور نفس کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے، یہ خدا تعالیٰ کی صفات متشابہا ہیں، ان کی کیفیت معلوم نہیں ہے اور ید کی تفسیر قدرت سے کرنا، اور استواء کی غلبہ سے اہل سنت کے مذہب کے برخلاف ہے کیونکہ اس سے صفات کا ابطال ہوتا ہے یہ قدریہ اور معتزلہ کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں ان اہل سنت اقرار اور منزلہ بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ جس طرح ہم ذات الٰہی کی کنہ سے عاجز ہیں، صفات الٰہیہ سے بھی عاجز ہیں۔

ودیچ گونہ شائبہ بدعت وکفر بر حضرات مذکورین عائد نمی گردد، بلکہ بخلاف مسلک مذکور وارد می شود کما لا یخفی علی المتأمل المتقلن الماہر بالنصوص من الکتاب والسنۃ وایں چند سطور برائے تنبیہ نادا قفان از مذہب ومشرب متقدمین کردہان امام اعظم وامام مالک وغیرہما من المتقدمین المتقین من اہل السنت داخل اند نگاشتہ شد کہ متنبہ شوند بریں اعتقاد وارند واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ الراقم العاجز۔ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سوال:۔ ترجمہ قرآن مجید مترجمہ ڈپٹی نذیر احمد خان دہلوی و ترجمہ قرآن مجید مترجمہ [illegible] کرزن گزٹ وسیکرٹری اسلامیہ پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی دہلی میں سے کس کا ترجمہ فصیح ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ترجمہ ہر دو صاحبان مذکور فصاحت اردو میں اچھا ہے، مگر میں نے اول سے آخر تک ترجمہ نہیں دیکھا ہے کہ کس کو ترجیح دوں، مگر ہر دو صاحبان نے فصاحت خرچ کر کے مقاصد ومطالب قرآن کو بگاڑ دیا جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے، قرآن کا ترجمہ شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر وشاہ ولی اللہ صاحب سے بڑھ کر کسی کا نہیں ہو سکتا ہے، ان لوگوں نے الفاظ قرآن ومعانی کی پیروی کی ہے اور ان لوگوں نے فصاحت اردو خرچ کی ہے، تھوڑے دنوں میں قرآن کو مثل انجیل وغیرہ کے کردیں گے واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ السید محمد عبدالحفیظ عفی عنہ۔

سید محمد عبدالحفیظ — ہذا الجواب صحیح — سید محمد عبدالسلام غفرلہ

الجواب صحیح — سید محمد ابوالحسن

یعنی ان حضرات موصوفین کا بھی یہی مسلک ہے، اور اس چیز میں تجسیم وتشبیہ یا کفر وشرک کا شائبہ تک نہیں ہے، جیسا کہ ایک ماہر شریعت پر مخفی نہیں، یہ چند سطور نا واقفوں کی تنبیہ کیلئے اہل سنت اور خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسلک کی وضاحت کیلئے لکھی گئی ہیں واللہ اعلم ۱۲۔

ختم قرآن شریف بشکل مجمع جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ کیا قرآن حکیم کا ختم بشکل مجمع (دوائر) ایک دن میں ہونا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس شکل میں، ناجائز ہے تو کس طرح۔

جواب:۔ الجواب بعون الوہاب بصورت مسئولہ میں واضح باد کہ مجمع ودائرہ کی کوئی شرط نہیں، ویسے قرآن مجید کی تلاوت باعث اجر وثواب ہے۔

(فتاوی ستاریہ جلد چہارم صفحہ)

نوجوان بالغہ لڑکی کا موجودہ سکولوں میں انگریزی تعلیم پانا کیسا ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک نوجوان لڑکی بالغہ کا آج کل کے ماحول میں موجودہ سکولوں میں جا کر انگریزی اور مروجہ سرکاری تعلیم حاصل کرنا کیا ہے شریعت اسلامیہ کی رو سے جائز ہے یا نہیں واضح رہے کہ لڑکیوں کے لئے الگ زنانہ سکول موجود ہیں، جہاں عورتیں ہی ان کو تعلیم دیتی ہیں بدلائل شرعیہ وضاحت سے تحریر فرمائیں (از مولانا شرف الحق محمود)

جواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ دین اسلام پر قائم رہتے ہوئے انگریزی تعلیم حاصل کرنا انہی ضروریات کے لئے جائز ہے بشرطیکہ پردہ وغیرہ کی پابندی ہو۔ اور مخلوط تعلیم نہ ہو، یعنی وہاں لڑکے تعلیم نہ پاتے ہوں اگر ایسی تعلیم سے دین میں کوئی نقصان ہو تو جائز نہیں۔

(فتاوی ستاریہ جلد چہارم صفحہ)

قرآن مجید کو چومنے اور وسیلہ کی بابت سوال

سوال:۔ السلام علیکم۔ التماس ہے مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں۔

(۱) قرآن مجید کو چومنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر دعا کرنی یعنی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ مجھے بخش دے جائز ہے یا نہیں یا شرک ہے؟

جواب ۱: قرآن مجید کو چومنا پڑھتے وقت یا دیتے کسی حدیث صحیح یا عمل صحابہ سے ثابت نہیں۔
۲: دعا کرتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نبی ولی بزرگ کا واسطہ یا وسیلہ یا طفیل وغیرہ کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث سے نہیں ہے قرآنی ادعیہ یا احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں ان میں نہیں واسطہ وسیلہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ لہٰذا اس سے بچنا چاہیئے۔

(فتاویٰ ستاریہ ص۱۶۹)

چند آدمیوں کا ہر ماہ بمقرر ایام قرآن ختم کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ ہم نے ہر ماہ میں تین دن قرآن خوانی کے لئے مقرر کئے ہوئے ہیں اور دس پندرہ آدمی جمع ہو کر ایک قرآن کا ختم کر لیتے ہیں تاکہ کاروبار اور رزق میں برکت ہو اور مصیبتیں تکلیفیں دور ہوتی رہیں۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو پڑھنے اور اس طرح ختم کرنا کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا صحابہ کرام کے زمانہ میں اس طرح قرآن ختم کیا جاتا تھا۔ جواب قرآن و حدیث سے عنایت فرمائیں۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ قرآن مجید کا پڑھنا بغیر اپنی طرف سے قیود و شروط کے باعث خیر و برکت ہے۔

باقی ہر ماہ میں اپنی طرف سے تین دن مقرر کر کے حلقہ باندھ کر اور ایک خاص شکل بنا کر لزوم کے ساتھ پڑھنا عہد نبوی اور عہد صحابہ سے ثابت نہیں، بلکہ مسند دارمی میں ہے کہ عہد نبوی کے بعد چند لوگوں نے مجتمع ہو کر حلقہ باندھ کر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ کا وظیفہ پڑھنا شروع کیا صحابہ رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو جب اس طریقہ کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس حلقہ بندی اور اجتماع سے روکا اور منع کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابھی تک برتن بھی نہیں ٹوٹے یعنی آپ کو گذرے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ تم نے دین میں ابھی سے بدعات جاری کر دیں۔ معلوم ہوا کہ جو کام دلائل شرعیہ سے ثابت نہ ہو۔ اس کو لازم سمجھ کر اپنی طرف سے کرنا درست نہیں۔

عبد القہار نائب مفتی و مدرس مدرسہ دار السلام

دینی تعلیم پر اجرت لینا حلال ہے یا حرام

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ تعلیمات دینیہ قرآن حدیث فقہ وغیرہ پر اجرت لینا حرام ہے یا حلال۔ ایک مولوی صاحب تعلیم دینیات پر اجرت حرام بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو ملاں مولوی تعلیم مذکورہ پر اجرت لیتا ہے وہ حرام کھاتا ہے اور دلیل دی جو کہ ابوداؤد میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ أَهْدٰى إِلَيَّ قَوْسًا مِمَّنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَأَرْمِيْ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنَ النَّارِ فَاقْبَلْهَا۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

اور بیہقی میں ہے: مَنْ أَخَذَ قَوْسًا عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ قَلَّدَهُ اللهُ قَوْسًا مِنْ نَارٍ۔

اب دریافت طلب سائل کی یہ ہے کہ تعلیم علم دین پر اجرت لینا حرام ہے یا حلال اگر حلال ہے تو ان حدیثوں کا کیا جواب ہے۔ جواب سے تسلی فرمائیں۔

الجواب ۔ وھو الموفق للصواب۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ أَمَّا بَعْدُ فَأَقُوْلُ وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ۔

واضح ہو کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں اہلحدیث اور حنفی حضرات کا اختلاف ہے۔ اہل حدیث اور جمہور علما قرآن وحدیث اور دینیات کی تعلیم پر اجرت ومشاہرہ لینا جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اور متقدمین احناف اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور متاخرین حنفیہ اہل حدیث کے متفق ہو گئے ہیں۔ تفصیل اس کی فتاویٰ نذیریہ جلد دوم کتاب الاجارہ۔

اب تو مدت مدید سے اس کے جواز پر قریبا تمام امت محمدیہ کا اجماع ہو رہا ہے عرب و عجم کے تمام علماء تعلیم وتبلیغ بلکہ اذان وامامت نماز پر تنخواہیں لے رہے ہیں کسی کی تنخواہ سرکاری بیت المال سے مقرر ہے اور کسی کی انجمن یا کسی جماعت کی طرف سے معین ہے کسی کو کوئی ایک ہی مالدار شخص تنخواہ دے رہا ہے۔ رمضان شریف میں نماز تراویح میں حفاظ قرآن مجید سناتے ہیں جب آخر رمضان میں ختم کرتے ہیں تو ان کو بہت کچھ دیا جاتا ہے، اہل حدیث اور حنفیہ کا اس پر تعامل ہے کوئی کسی کو حرام خور نہیں کہتا۔ اسی طرح مدارس عرب و عجم میں تعلیم وتبلیغ پر مشاہرے لئے جا رہے ہیں اور دیئے جا رہے ہیں۔ کسی عالم۔ محدث۔ فقیہ نے حرام

کا فتویٰ دیکر اس کے انسداد کی کوشش نہیں کی، فرقہ ناجیہ اہل حدیث کا بھی یہی تعامل چلا آرہا ہے۔
اب مولوی صاحب مذکور کو کونسی وحی نازل ہو گئی، جس کی بنا پر وہ اس تمام سلسلہ کو حرام قرار دے رہے ہیں یا ان کو اتنی علمیت ہے کہ وہ تحقیق مسائل میں محدثین سابقین سے سبقت لے گئے ہوں اور ان کا اتنا تقویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے مسائل مختلفہ میں احتیاط سے کام لیکر شبہات سے بچنے لگے ہوں ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی شہرت کرانے کے لئے تمام علماء دین کو حرام خور کہنے لگے ہوں ورنہ یہ مسئلہ اجماعی اور اتفاق بن رہا ہے اور جو اس کے خلاف ہے شاذ ہے۔
اب اس کی مختصر سی تحقیق سنئے، بلوغ المرام میں حدیث ہے۔
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ (اخرجه البخاری)
حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق بہت ہی لائق چیز جس پر تم مزدوری حاصل کرو اللہ کی کتاب ہے رواہ البخاری۔
یہ حدیث نہایت درجہ کی صحیح ہے اور اس کتاب کی ہے جس کو کتاب اللہ کے بعد تمام روئے زمین کی کتابوں پر فوقیت حاصل ہے، لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ میں حجت قوی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینی جائز ہے۔ بلکہ اس ذریعہ سے اجرت لینے اور تنخواہ وغیرہ حاصل کرنے سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم پر اجرت لینا زیادہ لائق ہے۔
امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ هٰذَا تَصْرِيْحٌ بِجَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلَى الرُّقْيَةِ بِالْفَاتِحَةِ وَالذِّكْرِ وَاَنَّهُ حَلَالٌ لَا كَرَاهِيَةَ فِيْهَا وَكَذَا الْاُجْرَةُ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَهٰذَا مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَاَحْمَدَ وَاِسْحَاقَ وَاَبِيْ ثَوْرٍ وَاٰخَرِيْنَ مِنَ السَّلَفِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَمَنَعَهَا اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِيْ تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَاَجَازَهَا فِي الرُّقْيَةِ۔
یعنی اس حدیث میں صاف صراحت ہے کہ فاتحہ اور دم جھاڑ کر کے اجرت لینا جائز ہے، اور وہ حلال ہے جس میں کوئی کراہت نہیں اور اسی طرح تعلیم قرآن پر اجرت لینا حلال ہے یہی مذہب ائمہ دین شافعی، مالک، احمد، اسحاق، ابوثور اور دیگر علماء سلف و خلف کا ہے اور تعلیم قرآن پر امام ابوحنیفہ منع کرتے ہیں اور دم کرنے پر جائز کہتے ہیں۔ اس تصریح سے واضح ہوا کہ اہل حق کا سواد اعظم اس اجرت کے جواز

کا قائل ہے۔ رئیس المحققین علامہ ابن حزم محلی ج ۸ ص ۱۹۲ میں فرماتے ہیں۔ وَالْاِجَارَةُ جَائِزَةٌ عَلٰی تَعْلِیْمِ الْقُرْاٰنِ وَعَلٰی تَعْلِیْمِ الْعِلْمِ مُشَاهِرَةً وَجُمْلَةً وَکُلُّ ذٰلِكَ جَائِزَةٌ وَعَلَی الرُّقٰی وَعَلٰی نَسْخِ الْمَصَاحِفِ وَنَسْخِ کُتُبِ الْعِلْمِ لِاَنَّهٗ لَمْ یَاْتِ فِی النَّهْیِ عَنْ ذٰلِكَ نَصٌّ بَلْ قَدْ جَاءَتِ الْاِبَاحَةُ کَمَا رَوَیْنَا مِنْ طَرِیْقِ الْبُخَارِیِّ الخ

یعنی تعلیم قرآن اور دیگر علوم کی تعلیم پر اجرت لینی جائز ہے، ماہوار ہو یا یکمشت سب جائز ہے، دم کرنے اور قرآن اور اسلامی کتب تفسیر حدیث کی کتابوں کی کتابت پر مزدوری لینا بھی درست ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، (تو اصل اشیاء میں اباحت) بلکہ اس کے درست ہونے کے متعلق بخاری کی حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا۔

پھر علامہ ابن حزم نے حدیث بخاری کو بروایت ابن عباس نقل کرکے اس سے استدلال کیا ہے، پھر دوسری دلیل یہ پیش کی ہے۔ وَالْخَبَرُ الْمَشْهُوْرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجَ امْرَاَةً مِنْ رَجُلٍ بِمَا مَعَهٗ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَیْ یُعَلِّمُهَا اِیَّاهُ۔ یعنی یہ حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعلیم کے عوض میں ایک مرد سے ایک عورت کا نکاح کرا یا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مسلم شریف کے بَابُ الصَّدَاقِ وَجَوَازِ کَوْنِهٖ تَعْلِیْمَ الْقُرْاٰنِ میں وہ حدیثیں جن میں تعلیم قرآن کے عوض عورت کے نکاح کر دینے کا ذکر ہے، وارد ہے ان میں یہ الفاظ موجود ہیں فَقَدْ زَوَّجْتُکَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ کہ تجھے یہ عورت نکاح کر دی تو اسے قرآن کی تعلیم دے، نیز یہ الفاظ ہیں۔ فَقَدْ مَلَّکْتُکَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ کہ اس عورت کو تیرے قرآن کی تعلیم کے عوض تیری ملک میں کیا جو تیرے یاد ہے ابوداؤد میں ہے عَلِّمْهَا عِشْرِیْنَ اٰیَةً وَهِیَ امْرَاَتُكَ تو اس کو بیس آیتیں پڑھا دے یہ تیری عورت ہے۔

اب مولوی صاحب معلوم کریں کہ نکاح ہو گیا تھا، یا نہیں اور زوجین نے اس پر عمل کیا تھا یا نہیں، اگر جواب اثبات میں ہے۔ تو مدعا ہمارا ثابت ہوا۔ کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی اور عورت سے نکاح کرنا اور دیگر منافع حاصل کرنے جائز ہیں، اگر یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اجرت اور مہر ناجائز چیز کا باندھ دیا گیا، پھر یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت مطہرہ پر حملہ ہے، اور مولوی صاحب کے نزدیک سب حرامکار بنتے ہیں تو ان کو اسلام کا دعویٰ چھوڑ دینا چاہیے، اور کوئی دوسرا مذہب پسند کر لینا چاہیے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

اب اس حدیث پر امام نووی کا فرمان سنئے وہ فرماتے ہیں کہ :۔

وَفِي هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ لِجَوَازِ كَوْنِ الصَّدَاقِ تَعْلِيْمُ الْقُرْاٰنِ وَجَوَازِ الْاِسْتِئْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَكِلَاهُمَا جَائِزٌ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ وَبِهِ قَالَ عَطَاءٌ وَالْحَسَنُ بْنُ صَالِحٍ وَمَالِكٌ وَاِسْحَاقُ وَغَيْرُهُمْ وَمَنَعَهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمُ الزُّهْرِيُّ وَاَبُوْ حَنِيْفَةَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مَعَ الْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ يَرُدَّانِ قَوْلَ مَنْ مَنَعَ ذٰلِكَ وَنَقَلَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ جَوَازَ الْاِسْتِئْجَارِ لِتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ عَنِ الْعُلَمَاءِ كَافَّةً سِوٰى اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِنْتَهٰى (مسلم ج ا ص ۴۵۸)

یعنی اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تعلیم قرآن کا مہر ہونا جائز ہے، اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا بھی جائز ہے، امام شافعی اور عطا اور حسن بن صالح اور امام مالک اور امام اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے ایک شر ذمہ قلیلہ اس سے روکتا ہے جن میں سے زہری اور ابو حنیفہ ہیں یہ حدیث مع حدیث ابن عباس مذکور منع کرنیوالوں کا رد کرتی ہے۔

اور قاضی عیاض نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے والوں کا جواز تمام علماء سے نقل کیا ہے سوائے امام ابو حنیفہ کے محلی ابن حزم میں ہے ج ۸ ص ۱۹۰ عَنِ الْوَضِيْنِ ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَةُ مُعَلِّمِيْنَ يُعَلِّمُوْنَ الصِّبْيَانَ فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَرْزُقُ كُلَّ وَاحِدٍ خَمْسَةَ عَشَرَ كُلَّ شَهْرٍ۔ یعنی وضین بن عطا سے روایت ہے کہ مدینہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت عمر ہر مدرس کو پندرہ (درہم یا دینار) ماہوار دیا کرتے تھے،

نیز لکھا ہے، وَصَحَّ عَنْ عَطَاءٍ وَاَبِيْ قِلَابَةَ اِبَاحَةُ اَجْرِ الْمُعَلِّمِ یعنی عطا اور ابو قلابہ سے بھی معلم کی اجرت جائز منقول ہے، نیل الاوطار میں ہے ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ اِلٰى اَنَّهَا تَحِلُّ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ یعنی جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت یا مزدوری حلال ہے تنقیح الرواۃ تخریج مشکوٰۃ میں ہے، اِسْتَدَلَّ بِهٖ الْجُمْهُوْرُ عَلٰى جَوَازِ اَخْذِ الْاُجْرَةِ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ۔ یعنی حدیث ابن عباس سے جمہور علماء نے استدلال کیا ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینی روا ہے۔

الغرض بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینا جائز ثابت ہوا چنانچہ الفاظ صاف ہیں کہ اللہ کی کتاب سب سے زیادہ حقدار ہے کہ تم اس پر مزدوری حاصل کرو۔

بخاری و مسلم صحیحین کہلاتی ہیں جو طبقہ اولیٰ کی کتابیں ہیں ان کی حدیث سب کتابوں پر مقدم ہے،

ان کے خلاف اگر طبقہ ثانیہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) یا طبقہ ثالثہ (سنن دار قطنی، بیہقی) کی حدیثیں کی جائیں تو ان کے درمیان تطبیق دی جائے گی ورنہ توقف ہوگا۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں، کہ صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے، کہ ان میں جو حدیثیں مرفوع متصل ہیں، وہ سب یقیناً صحیح ہیں یہ کتابیں اپنے اپنے مصنفوں تک متواتر ہیں۔" (حجۃ البالغۃ)

دیگر قاعدہ یہ ہے کہ احکام یعنی فرض واجب۔ حلال حرام میں صحیح حدیث قابل استدلال ہے، اور ضعیف حدیث قابل حجت نہیں ہے، ہاں فضائل اعمال میں حجت ہے چنانچہ صحیح مسلم جلد اول ص۲۱ کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں اِنْ کَانَ یُعْرَفُ ضُعْفُهُ لَمْ یَحِلَّ لَهُ اَنْ یَحْتَجَّ بِهٖ فَاِنَّهُمْ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یُحْتَجُّ بِالضَّعِیْفِ فِی الْاَحْکَامِ۔ یعنی روایت کا اگر ضعیف معلوم ہے تو اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں ہے کیونکہ اکثر ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ہے پس ان دو قاعدوں کو ایک یہ کہ طبقہ اول کی حدیثیں دیگر طبقوں پر راجح ہیں دوم ضعیف حدیث احکام میں حجت نہیں ذہن نشین فرما کر اب تعلیم قرآن پر اجرت لینی حرام کہنے والوں کے دلائل کے جوابات سنئے ایک حدیث وہ ہے جو سائل نے لکھی ہے:۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَهْدٰی اِلَیَّ قَوْسًا مِمَّنْ کُنْتُ اُعَلِّمُهُ الْکِتٰبَ وَالْقُرْاٰنَ وَلَیْسَتْ بِمَالٍ وَاَرْمِیْ عَلَیْهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ اِنْ کُنْتَ تُحِبُّ اَنْ تُطَوَّقَ طَوْقًا مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص نے کمان ہدیہ بھیجی ہے، اور یہ ان شخصوں میں سے ہے کہ جن کو میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیا کرتا ہوں۔ اور کمان کوئی مال نہیں ہے میں اس کے ساتھ راہ خدا میں تیر اندازی کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو یہ دوست رکھتا ہے۔ کہ تجھ کو آگ کا طوق پہنایا جائے، تو اس کو قبول کرے، اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

مانعین اجرت تعلیم اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں پس اس حدیث کے تین جواب ہیں۔

۱۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ کی ہے، اور حدیث ابن عباس صحیح طبقہ اولیٰ کی ہے، لہٰذا اس کے مقابلہ میں مقدم نہ ہوگی۔

۲۔ حدیث ابن عباس گو بلا کلام صحیح ہے، اور حدیث عبادہ ضعیف ہے چنانچہ تنقیح الرواۃ تخریج المشکوٰۃ صفحہ ۷۹ جلد ۲ میں ہے:۔ وَفِيْ إِسْنَادِ الْحَدِيْثِ مُغِيْرَةُ ابْنُ زِيَادٍ مُخْتَلَفٌ فِيْهِ وَثَّقَهُ وَكِيْعٌ وَيَحْيٰى ابْنُ مُعِيْنٍ وَتَكَلَّمَ فِيْهِ جَمَاعَةٌ وَاسْتَنْكَرَ أَحْمَدُ حَدِيْثَهُ وَقَالَ أَبُوْ زُرْعَةَ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيْثِهِ وَنَاقَضَ الْحَاكِمُ فَصَحَّحَ حَدِيْثَهُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَاتَّهَمَهُ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ فَقَالَ يُقَالُ إِنَّهُ حَدَّثَ عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ نُسَيٍّ بِحَدِيْثٍ مَوْضُوْعٍ۔

یعنی اس حدیث کی سند میں ایک راوی مغیرہ ابن زیاد ہے جو مختلف فیہ ہے وکیع اور یحییٰ نے اس کو ثقہ کہا ہے، ایک جماعت نے اس میں کلام کیا ہے یعنی جرح کی ہے چنانچہ امام احمد نے اس کی حدیث کو منکر کہا ہے اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ حاکم نے اس پر مناقضہ کیا ہے مستدرک میں کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہے مگر دوسری جگہ اس کو متہم کیا ہے، کہ وہ عبادہ سے موضوع حدیث بیان کرتا ہے۔ بہرکیف مغیرہ مختلف فیہ ہے اور جرح تعدیل پر مقدم ہے لہذا مغیرہ ضعیف ہے، دوسرا راوی اس حدیث میں اسود بن ثعلبہ ہے اس کے متعلق محلی ابن حزم میں لکھا ہے۔ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ لَا يُدْرٰى قَالَهُ عَلِيُّ ابْنُ الْمَدِيْنِيْ وَغَيْرُهُ ۔ یعنی اسود بن ثعلبہ مجہول ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں ہوا۔ علی ابن مدینی نے کہا ہے۔ مجہول راوی جس روایت میں ہو وہ ضعیف ہوتی ہے تیسرا راوی بقیہ بن ولید ہے جس کے متعلق محلی میں ہے کہ وَهُوَ ضَعِيْفٌ وہ ضعیف ہے پس جس حدیث میں تین راوی ضعیف ہوں وہ قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

امام ابن حزم نے امام ابوحنیفہ کا مذہب نقل کرکے پھر لکھا ہے، کہ وَاحْتَجَّ لَهُ مُقَلِّدُوْهُ بِحَدِيْثَيْنِ یعنی امام ابوحنیفہ کے مقلد اس کی حمایت کیلئے اس حدیث سے حجت لیتے ہیں جو ہم نے روایت کی ہے۔ پھر حدیث قوس وغیرہ لکھ کر انکی تضعیف کی ہے اُبَیّ ابن کعب سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس کے متعلق کہا ہے کہ اس میں ابوادریس خولانی ہے جو اُبی بن کعب سے روایت کرتا ہے، لیکن اس کا سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہے لَا يُعْرَفُ لِأَبِيْ إِدْرِيْسَ سَمَاعٌ مِنْ أُبَيٍّ حدیث اُبی ابن کعب کا ایک اور طریق ہے جس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے ۔ اَمَّا حَدِيْثُ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَأَخْرَجَهُ أَيْضًا الْبَيْهَقِيُّ وَالرُّوْيَانِيُّ فِيْ مُسْنَدِهِ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ مُنْقَطِعٌ۔ یعنی حدیث ابی ابن کعب جس کو بیہقی اور رویانی نے مسند میں روایت

کیا ہے، اس کے متعلق بیہقی اور ابن عبد البر نے کہا کہ وہ منقطع ہے۔

اس میں عطیہ کلاعی اور ابی ابن کعب کے درمیان انقطاع ہے پھر اس میں عبد الرحمٰن بن مسلم نے عطیہ سے روایت کیا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے وَاَعَلَّهُ ابْنُ الْقَطَّانِ بِحَالِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُسْلِمٍ الرَّاوِيْ عَنْ عَطِيَّةَ یعنی ابن القطان نے عبد الرحمٰن کی وجہ سے جو عطیہ سے راوی ہے اس حدیث کو معلول کیا ہے، پھر ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں نیل الاوطار میں ہے ابی کی حدیث کے کئی طرق ہیں، اور ابن قطان نے کہا ان میں کوئی بھی ثابت نہیں۔

ایک حدیث عمران بن حصین کی ترمذی میں ہے جس سے دلیل پکڑی جاتی ہے، امام ترمذی اس کے آخر میں فرماتے ہیں کہ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَالِكَ کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے، عبادہ والی حدیث کا ایک طریق اسماعیل بن عیاش سے ہے اس کے متعلق محلی میں ہے وَهُوَ ضَعِيْفٌ ثُمَّ هُوَ مُنْقَطِعٌ یہ راوی ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی ہے۔ یعنی اس طریق میں وہ راوی ضعیف ہیں۔

اسی طرح ابی ابن کعب کا ایک طریق علی ابن رباح سے آیا ہے اس کے متعلق محلی میں ہے، وَالْاٰخَرُ اَيْضًا مُنْقَطِعٌ لِاَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبَاحٍ لَمْ يُدْرِكْ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ یہ روایت بھی منقطع ہے کیونکہ علی بن رباح نے ابی بن کعب کو نہیں پایا۔

اسی طرح بیہقی اور ابو نعیم نے ابو درداء سے ایک روایت ذکر کی ہے تنقیح الرواۃ میں ہے، فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ کہ اس کی سند میں جرح ہے پھر داری میں ابو درداء سے ایک روایت ہے تنقیح الرواۃ میں ہے قَالَ دُحَيْمٌ حَدِيْثُ اَبِيْ الدَّرْدَاءِ هٰذَا لَيْسَ لَهٗ اَصْلٌ۔ یعنی دحیم نے کہا حدیث ابو درداء کی کوئی اصل نہیں۔

الغرض اجرت منع ہونے کے بارہ میں جس قدر روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کوئی منکر ہے کوئی منقطع کسی کے راوی ضعیف ہیں کسی میں کوئی علت ہے کسی میں کوئی علت ہے لہٰذا مانعین کا دعویٰ دربارہ اجرت تعلیم القرآن و حدیث کئی وجوہ سے قابل قبول نہیں۔

اول۔ یہ حدیث طبقہ ثانیہ یا ثالثہ کی ہیں جو طبقہ اول کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتیں طبقہ اول کو ترجیح ہے۔

(۲) یہ احادیث ضعیف ہیں اور جواز اجرت کی احادیث نہایت صحیح ہیں، ضعیف سے

صحیح کا مقابلہ درست نہیں۔

(۳) احادیث جواز اجرت مثبت ہیں اور احادیث منع اجرت نافی ہیں قاعدہ یہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہے۔

(۴) احادیث منع کی مؤدل ہیں مثلاً حدیث عبادہ وغیرہ جس میں ذکر قوس ہے اس کا مقصد ہے۔ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِمَ أَنَّمَا فَعَلَا ذَالِكَ خَالِصًا لِلّٰهِ فَكَرِهَ أَخْذَ الْعِوَضِ عَنْهُ (نیل الاوطار) یعنی عبادہ اور ابی کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم کر لیا تھا کہ انہوں نے یہ کام خالص لوجہ اللہ کیا ہے اب اس کا بدلہ لینا مکروہ ہے۔ پس اب بھی یہی صورت مراد ہے۔
ایک حدیث تحریم سوال بالقرآن پر دلالت کرتی ہے اس کو مسئلہ مابالنزاع سے کچھ تعلق نہیں (نیل الاوطار)

ایک اور حدیث میں تاکل بالقرآن کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق نیل میں ہے فَهُوَ أَخَصُّ مِنْ مَحَلِّ النِّزَاعِ لِأَنَّ الْمَنْعَ مِنَ التَّأَكُّلِ بِالْقُرْآنِ لَا يَسْتَلْزِمُ الْمَنْعَ مِنْ قَبُولِ مَا دَفَعَهُ الْمُتَعَلِّمُ بِطِيبَةٍ مِنْ نَفْسِهِ یہ حدیث دعوی اور مسئلہ متنازع سے بہت ہی خاص ہے، کیونکہ سننے تاکل بالقرآن سے طالب علم کا اپنی خوشی سے کوئی چیز دینے اور اس کے قبول کرنے سے منع ہونا یا منع کرنا لازم نہیں آتا ہر دو مسئلہ علیحدہ علیحدہ ہیں دعوی اور دلیل میں تقریب تمام کا ہونا لازم ہے اجرت اذان کی ممانعت سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قیاس ہے اور قیاس بھی فاسد الاعتبار اس لئے حجت نہیں نیل الاوطار میں ہے
پھر یہ قیاس بمقابلہ نص ہے جو مردود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث بخاری و مسلم سے مسئلہ جواز اجرت تعلیم کا صحیح ثابت ہوا۔ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ۔

باقی تاویلات مانعین کی نا قابل قبول ہیں کیونکہ سب تاویلات بے دلیل ہیں مثلاً یہ کہ حدیث إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللهِ کی تاویل بعض مقلدین نے یہ کی ہے کہ اس سے اخروی یعنی ثواب آخرت مراد ہے چنانچہ تعلیق صبیح شرح مشکوٰۃ میں مولوی ادریس کاندھلوی نے لکھا ہے کہ قُلْنَا أَرَادَ بِهَا الْأَجْرَ الْأُخْرَوِيَّ یہ تاویل مردود ہے اور یہ تاویل بالأَخْرَوِي

پر اَلْقَائِلُ کی مصداق ہے، کیونکہ مورد کے خلاف ہے اور سباق وسباق کے خلاف ہے۔ کیونکہ مزدوری موجود ہے اور سوال اس کے متعلق ہے۔ اگر جواب اجر آخرت ہو تو سائل کے سوال کا جواب کہاں گیا۔ اور اس چیز کا حکم کیا ہوا یہ تو سوال از آسمان جواب از ریسمان کی مثل ہوگا جو شان نبوت کے خلاف ہے۔ دوم یہ کہا جاتا ہے، اس سے مراد صرف رقیہ پر اجرت لینا ہے تعلیم نہیں میں کہتا ہوں یہ تاویل بھی مردود ہے کیونکہ مورد اگرچہ خاص ہے لیکن جواب عام ہے۔ لفظ ما عموم کے لئے ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اِنَّ الْعِبْرَةَ بِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ السَّبَبِ یعنی لفظوں کے عموم کا اعتبار ہے مورد اور سبب کا اعتبار نہیں اگر صرف رقیہ مراد ہوتا تو حدیث میں خاص ہی لفظ بولا جاتا۔

سوم یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث ابن عباس عام ہے اور حدیث عبادہ خاص ہے۔ عام اور خاص کا مقابلہ ہو تو عام کی تخصیص کی جائیگی، پس حدیث عبادہ حدیث ابن عباس کی مخصص ہے چنانچہ علامہ شوکانی نے یہی کہا ہے میں کہتا ہوں یہ تاویل بھی مردود ہے جس کی کئی وجہیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ عام اور خاص کا مقابلہ اس وقت صحیح ہوتا ہے (جس سے تخصیص کرنی پڑتی ہے۔) جس وقت دونوں یکساں قوی ہوں اگر خاص ضعیف و کمزور ہو تو مخصص نہیں ہو سکتا۔ جب دس مردے ایک زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے دس بیمار ایک قوی صحیح وسالم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ضعیف حدیث صحیح حدیث کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔

(۲) دوم حدیث نکاح بعض تعلیم قرآن اس تخصیص کی تردید کرتی ہے۔

(۳) سوم امت محمدیہ کی اکثریت کا تعامل اور اکابر محدثین کا اس سے استدلال کرنا اس تاویل کو باطل کرتا ہے۔

(۴) چہارم۔ تعامل خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ کَمَا مَرَّ سَابِقًا۔ پنجم یہ کہا جاتا ہے کہ حدیث عبادہ وغیرہ کی منفرد روایتیں تو بیشک ضعیف ہیں لیکن تعدد طرق سے جو مجموعہ تیار ہوجاتا ہے وہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اِنَّ تَقْوِيَ الضَّعِيفِ بِالضَّعِيفِ لَا يُفِيدُ قُوَّةً۔ یعنی ضعیف کو ضعیف سے ملا ناقوت کو مفید نہیں، یہ اسوقت مفید ہے جب ضعف کم ہو اگر زیادہ ہو تو مفید نہیں یہاں یہی معاملہ ہے کتبہ عبدالقادر المہاجر الحصاری (فتاویٰ ستاریہ جلد سوم ص۴۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

سوال

عوام اہل اسلام کہ علوم خمسہ اجتہاد نمی دانند بلکہ چیزے ازاں نمی شناسند اگر بعد تلقی متون احادیث و اعتماد بر ظاہرش بدون معرفت رجال سند و ناسخ و منسوخ و دریافت خاص و عام و مطلق و مقید بداں عمل کنند و گویند قال اللہ تعالیٰ کذا و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا حکم ایشاں چیست این تلقی و اعتمال در صحت ایمان کفایت میکند یا تقلید عالم مجتہد کہ نظر در احادیث کردہ و مدلول و معنی او را شناختہ و ناسخ و منسوخ و مطلق و مقید و عام و خاص را دانستہ و مبادی علوم اجتہاد و مرجح میان ادلہ باعتبار طرق وی گرویدہ و ناگزیر است۔

عامی مسلمان جو اجتہاد کے بنیادی علوم خمسہ تک نہ جانتا ہو بلکہ ان سے بالکل ناواقف ہو اگر وہ متون حدیث پڑھ کر ظاہری معنی پر عمل کرے سند کے رجال کا اس کو پتہ نہ ہو ناسخ و منسوخ کو نہ جانتا ہو عام و خاص مطلق و مقید سے بے خبر ہو صرف قال اللہ وقال الرسول کہہ سکے ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے آیا اس کا یہ انداز صحت ایمان کے لیے کافی ہے یا کسی مجتہد عالم کی تقلید ضروری ہے جس کی نظر علم حدیث پر وسیع ہو وہ مجتہد حدیث کا معنی و مدلول جانتا ہو ناسخ و منسوخ مطلق و مقید عام و خاص کا فرق پہچانتا ہو اجتہاد کے بنیادی علوم کا ماہر ہو اور دلائل شرعیہ میں اسباب ترجیح پر نظر رکھتا ہو۔ آیا صحت ایمان کے لئے ایسے عالم کی تقلید ضروری ہے یا نہیں۔

جواب

ہر کہ حدیث نبوی را کہ در کتب صحیحہ سنیاں ست مثل صحاح ستہ و کتبی کہ برائے معرفت احکام مجرد گردانیدہ شدہ اند مثل منتقی الاخبار و شرح وے نیل الاوطار و بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام و شرح وے مسک الختام و سبل السلام وغیرہا گرفتہ یا ایکے از بنا از مسند احمد و آنچہ مانند نمودہ و لیکن کہ عمل برآں حدیث

جو شخص صحیح حدیث نبوی پر عمل کرے یہ حدیث سنیوں کی کتب صحاح ستہ وغیرہ میں ہو اور ان کتب میں ہو جو محض احکام احادیث پر مشتمل ہیں جیسے منتقی الاخبار ہے یا اس کی شرح نیل الاوطار ہے یا جیسے بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام ہے اور اس کی شرح مسک الختام و سبل السلام وغیرہ ہے یا وہ حدیث مسند احمد اور اس قسم کی کتب حدیث میں ہو تو اس قسم کی حدیث

ماخوذ بلند زیراکہ آئمہ محققین دریں کتب حق تصحیح
اداکردہ اند آں احادیثے کہ دروے ایشان تکلم
کردہ باشند ضعیف یا موضوع گفتہ بودے
عمل نباید کرد مگر وقتیکہ مضطر گردد لسوی
عمل برائے اہل علم کہ دریں وقت
عمل بر حدیث ضعیف نہ بر موضوع
اولیٰ ست عمل برائے مجرد ایہ
ذھب ۔

امام اہل السنۃ احمد بن محمد بن حنبل رضو عن
سائر ائمۃ الحدیث واقوال وفتاویٰ
ایشان دردواوین اسلام مرقوم ست
نقل آں ہمہ دریں جا طول میخواہد باید
معرفت رجال کتب صحاح ستہ واشباہہا
پس این امر سہل ست ۔ اہل معرفت
بعلم حدیث بتدوین رجال و تبیین احوال
ہر یکی پرداختہ اند و کار بر عاملان
سنت آسان ساختہ کتاب تھذیب
وخلاصہ خود دریں زمانہ میسر و
مشہور است اگر تنہا بودے رجوع
کند رجال را متعلقہ ہدا ایشان است
زود تر در یابد ورنہ قول صاحب
بلوغ المرام مثلاً کہ این حدیث صحیح
ست یا حسن یا ضعیف کافی باشد چہ

پر عمل کرنا درست اور صحیح ہے کیونکہ آئمہ محققین نے ان
کتب میں تصحیح حدیث کا حق مکمل طور پر ادا کردیا ہے
ہاں مگر وہ حدیثیں جن پر آئمہ نے کلام کی اور ان کو
ضعیف یا موضوع بتایا ان پر عمل نہیں کرنا چاہیئے (جرح)
اگر مجبوراً اہل علم کی رائے پر عمل کی نوبت آئے تو پھر
ضعیف پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے موضوع پر عمل نہیں کیا
جائیگا (یعنی رائے کے مقابلہ میں ضعیف حدیث پر
عمل کیا جائیگا)

یہی نظریہ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ
کا ہے اور تمام آئمہ حدیث کا ان کے اقوال اور فتاویٰ جات
انکی تصانیف میں موجود ہیں جن کا یہاں نقل کرنا محض
کلام کو طویل کرنا ہوگا جیسے اسمائے رجال اور صحاح ستہ
وغیرہ پر بحث محض تحصیل حاصل ہے اب تو یہ کام
(احوال رجال) محدثین نے آسان کردیا ہے رجال و اسناد
کے بارہ مستقل کتابیں لکھیں جن میں ان کے مکمل حالات
بیان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے لئے روایات
کا سمجھنا آسان کردیا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا
ضعیف اس فن کی کتاب تہذیب التھذیب اور اس
کا خلاصہ تقریب اب بازار سے دستیاب ہیں۔ اگر
صرف ان کتب کا مطالعہ کیا جائے تو رجال کے بارے مفید
باتیں بآسانی مل جاتی ہیں۔ ویسے تو صاحب بلوغ المرام
کا فیصلہ بھی کافی ہے وہ تو خود فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح
ہے حسن یا ضعیف کیونکہ مولف بلوغ المرام وحید عالم ہیں

مؤلفش حبر۔ عادل۔ عارف۔ امام محقق بردہ
است وقبول این حرف از وے داخل
اتباع است نہ تقلید و باب نسخ در کتاب
وسنت وشریعت حقہ شیئے قلیل ست
جمعے از اہل علم بخصوص تتبع آنہا پرداختہ
اند ودر فوز الکبیر فی اصول التفسیر حصر
نسخ در پنج آیۂ کریمہ نمودہ وابن
جوزی وغیرہ دہ حدیث را منسوخ
شمردہ کہ ماورائے آن آیتے یا حدیثے
منسوخ معلوم نیست۔ این قدر قلیل را ہر
واحد از عامی وعالم بر نوک زبان یاد
می تواند گرفت ہلا فادۃ الشیوخ بمقدار
الناسخ والمنسوخ ذکر این آیات
واحادیث منسوخہ کردہ ایم۔ با آنکہ
اصل مطابق اصول عدم نسخ است
پس در عمل بخصوص بحث از ناسخ
ومنسوخ ضرور نیست۔ بلکہ عمل بدان
بغیر این بحث واجب زیرا کہ اصل عدم
نسخ بودہ ست ہمچنین اصل در تخصیص
عدم اوست اگرچہ بسیار باشد تا آنکہ
گفتہ اند ہیچ عامی نیست مگر کہ از وی
تخصیص کردہ اند الا مثل قولہ تعالے
واللہ بکل شیء علیم وقولہ تعالیٰ علیٰ کل شیء قدیر

کہ عادل۔ عارف باحوال رجال امام فن اور
بہت بڑے محقق ہیں تو ان کا یہ فیصلہ اتباع میں داخل
ہے تقلید میں شمار نہ ہوگا کتاب وسنت اور شریعت
حقہ میں نسخ کا باب بہت ہی کم ہے علماء کی
ایک جماعت نے ان کا شمار مکمل طور پر کر دیا ہے
شاہ ولی اللہ دہلوی نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
میں پانچ آیات کو منسوخ بتایا ہے۔ امام ابن جوزی
وغیرہ نے دس احادیث کو منسوخ شمار کیا ہے
ان علماء کی تحقیق میں ان کے علاوہ کوئی آیت یا حدیث
منسوخ نہیں اس قدر قلیل تعداد کو ہر خاص وعام نوک
زبان رکھ سکتا ہے۔ اس طرح وہ آیات واحادیث
منسوخہ اور غیر منسوخہ کو پہچان سکتا ہے میں نے
اپنی کتاب ازادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ
والمنسوخ میں ان آیات واحادیث کا ذکر کر دیا ہے
اصل اصول تو عدم نسخ ہی ہے لہٰذا عمل کرتے وقت
نص کے بارہ ناسخ منسوخ کی بحث غیر ضروری ہے
بلکہ اس سے قطع نظر نص پر عمل واجب ہے کیونکہ احکام
شرع میں اصل سے ہی عدم نسخ ایسے ہی اصل
عدم تخصیص ہے اگرچہ تخصیص کثیر تعداد پائی جاتی
ہے۔ حتی کہ علماء کا قول ہے کہ ہر عام سے
تخصیص ہوتی ہے۔ صرف واللہ
بکل شیء علیم۔ اور واللہ علیٰ
کل شیء قدیر۔ جیسے عام سے

...نیز ملزم تخصیص است پس
عمل بعام هم بغیر بحث از خاص می باید کرد
چنانکه مذهب صحابه است رضی الله عنهم
بلکه مذهب انبیاء علیهم السلام است حق
تعالی فرمود إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ و چون
پسر نوح را غرق کرد نوح علیه السلام گفت إِنَّ
ابْنِي مِنْ أَهْلِي. بنابر عمل بعموم لفظ اهلک
زیرا که اسم جنس مضاف ست حق تعالی
بیان کرد که وی خارج از اهل نیست
ودر حمل کردن وی لفظ اهل را بر عموم عتاب
نفرمود صرف این قدر بیان کرد که مراد
باهل کسے است که ایمان آورده همیں ست
حال حکم مطلق ومقید دریں اینها وعام وخاص
دریں معنی فرقے نیست اگرچه در مفهوم
مختلف بوده اند پس عمل بر مطلق روا باشد
تا آنکه مقید ظاهر شود از اینجا ثابت شد که
هر که حدیث نبوی از کتب مذکوره مثلاً یاد گرفته
وبراں عمل نماید وی مصیب است غیر خاطی
بلکه حق تعالی او را راه راست را نموده۔
بطریق قویم برده واتباع رسول کریم صلی الله
علیه وسلم عطا فرموده بے شبه این کس اقوم
در قیل واهدی بسوئے سبیل باشد از
کسیکه سخن عالمے گوش کرده واستاد آں

جیسے عام سے تخصیص نہیں (اس قول کے باوجود)
ہم کہتے ہیں عام پر عمل کیا جائے اور تخصیص کی
بحث و پیچھے بغیر عمل کیا جائے یہی مسلک صحابہ
کرام کا تھا بلکہ انبیاء علیہم السلام کا یہی مسلک
تھا (غور فرمائیے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں إِنَّا مُنَجُّوكَ
وَأَهْلَكَ (اے نوح ہم تجھ کو اور تیرے اہل کو
نجات دینگے) جب طوفان میں پسر نوح غرق ہوا تو نوح
علیہ السلام نے عرض کی إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي (میرا بیٹا میرا اہل ہے)
لفظ اہل کو عموم پر محمول کیا کیونکہ اہل مضاف ہے اللہ تعالیٰ
نے فرمایا وہ تیرے اہل سے خارج ہے۔ اور حضرت نوح
کے حمل بر عموم پر کسی طرح کا عتاب نہیں فرمایا بلکہ یہی
فرمایا کہ تیرے اہل میں وہی شمار ہوگا جو ایماندار ہوگا
عام وخاص کی طرح ہی مطلق ومقید کا حال ہے اس اعتبار
سے ان میں کوئی فرق نہیں اگرچہ مفہوم آپس میں مختلف
ہیں پس عمل مطلق پر جائز قرار دیا جائیگا جب تک
مقید نہ آئے۔ درج بالا بحث سے پتہ چلا کہ جو
شخص مذکورہ کتب حدیث سے حدیث نبوی یاد کرتا
اور اس پر عمل کرتا ہے اس کا یہ عمل صحیح ہے اس میں
کوئی خطا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے صحیح راستہ
کھول دیا اور راہ مستقیم پر اس کو چلایا ہے اور اس کو
اتباع رسول کی توفیق دی ہے بلاشبہ ایسے کہ شخص
عمل کے اعتبار سے قوی دلیل اور راہ کے لحاظ سے صحیح راہ چلنے
کے ہوتا ہے بخلاف اس شخص کے جو عالم کی بات سنتا ہے اس

قول از آں عالم قائل شناختہ و اگر دانند
کہ از بسیار و یکی از ہزار شناختہ باسباب
وثوق وی چنانکہ می باید راہ نیافتہ
ونمیدانند کہ ایں قائل مجتہد ست یا تقلید وی
کند یا مجتہد نیست کہ تقلیدش نادرست
باشد و نیز اجتہاد و عدالت را کہ
در تقلید شرط کردہ اند نمی شناسند
بخلاف عامل بحدیث نبوی کہ اہل معرفت
بعلم حدیث اوقات خود کل و جل در معرفت
متن و سند و طریق حدیث و جز آں کہ تعلق
بسنن دارد صرف کردہ اند و سرہ را از
ناسرہ جدا ساختہ و اعمار طویلہ و اموال
کثیرہ در سر آں باختہ و اسفار بعیدہ و
مشاق شدیدہ در طلب آں بر خود گوارا
فرمودہ ہر متن صحیح را تا رسول خدا صلی اللہ
علیہ وسلم متصل ساختہ اند و ایں عامی آں حدیث
را از ایشاں شنیدہ و برآں عمل نمودہ است
و میگوید کہ ایں کلام خدا و کلام رسول اوست
صلی اللہ علیہ وسلم و بارک وسلم کہ علمای
عاملین و متبعان تابعین و محدثین مبلغین
بما رسانیدہ اند و من برآں عمل میکنم
چنانکہ غیر من بقول قائل دیگر
عمل میکند حال آنکہ ایشاں اسناد

پر عمل کرتا ہے اور اس کی سند اس عالم اور قائل
سے اس کو معلوم نہیں۔ اور اگر کسی ایک مسئلہ میں اس
کو سند معلوم بھی ہے اور ہزار سے ایک کی خبر مل بھی جاتا
ہے تو باوثوق ذریعے کو وہ نہیں جانتا اور نہ ہی یہ
جانتا ہے کہ آیا اس قول کا قائل مجتہد ہے کہ اس کی تقلید
کی جائے یا مجتہد نہیں کہ اس کی تقلید نہ کی جائے اور نہ
ہی وہ اجتہاد اور عدالت کو سمجھتا ہے جو تقلید کے لئے
بطور شرط موجود ہیں بخلاف عامل بالحدیث کے کہ علماء حدیث
نے تو اپنی تمام زندگی اول تا آخر متون حدیث اسناد
حدیث طرق حدیث کی پہچان میں صرف کر دی اور سنت
کے متعلق باتوں کے جاننے میں گزار دی اور باسند
حدیث کو بے سند سے جدا کر دکھائیں اس مقصد کے
حصول کے لئے انہوں نے اپنی پوری زندگی اور
زر کثیر صرف کر دیں۔ لمبے لمبے سفر بڑی مصیبتیں برداشت
کیں اور ہر صحیح متن کو باسند رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اب یہ عامی مسلمان اس حدیث
کو اپنی علماء سے سن کر عمل کرتا ہے اور ان پر اعتماد
کرتا ہے کہتا ہے یہ خدا تعالیٰ اور اس کے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے جیسا کہ اہل علم اور
متبعین تابعین اور محدثین مبلغین نے ہم تک پہنچایا
ہے تو میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں جیسا کہ
دیگر عوام کسی کے قول پر عمل کرتے ہیں جب
کہ علماء نے میری معمول حدیث کی سند

این حدیث کہ معمول بہ من باشد تا قائل
وی رسانیدہ تعیینش کردہ اند بخلاف آن مسئلہ
کہ شتر بے مہار ست و در بیجا شگفت از
عقل کسی ست کہ با وجود بقاء قرآن کریم تا
روز قیامت و تیسر احادیث رسول
رحیم صلی اللہ علیہ الصلوۃ والتسلیم تا آخر زمان
و عدم تطرق تحریف دران عمل از کتاب
وسنت مرجوح و بر اقوال و آراء رجال
تقلیداً بآراء اسلاف راجح میگوید
حالانکہ زمرہ اہل حدیث بتعدیل رسول
معظم عدول ست و بشہادت وی
ظاہر بر جمیع جمہور و این فضیلتی است
کہ مخصوص این گروہ باشکوہ باشد غیر را
دران گنجائش نیست پس باوجود افضل
اتباع مفضول ہر چند جائز باشد یعنی
چہ والبحث فی ذلک علی وجہ مستوفی
یحتاج الی طول الکلام ولی مؤلف یشفی بالاوام
قد فصلنا المرام فی رسالتنا الجنة بالتفصیل
التام فان کان السائل مسترشدا ففی ہذا الکفایة وان کان متعنتا
فما علینا من سائل یعمل باقوال الحجة علی العباد والمرجو شفاعتہ
فی یوم المعاد فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان
تصیبہم فتنة او یصیبہم عذاب الیم ہدایة السائل
الی ادلة المسائل . . . . .

صحیح آنحضرت تک پہنچائی ہے برعکس ان
مسائل کے کہ جو شتر بے مہار کی طرح ہیں
کی بنا بر عقلا کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن
مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا اور
ان پر مزید احادیث رسول ہیں۔ جو اب ہر مسئلہ
پر میسر ہیں اور آخر الزمان تک رہیں گی
جن میں کسی طرح تحریف کا شبہ نہیں اب یہ
عقلمند کتاب وسنت کو تو عمل میں مرجوح سمجھیں
اور اقوال رجال اور آراء رجال کی محض تقلید
ہار کے ملتی نظر راجح قرار دیں (تو تعجب اس عقل
پر) حالانکہ محدثین کے گروہ عادل گروہ ہیں اس کی شہادت آنحضرت
سے ملتی ہے جو ہر طبقہ محدثین کو شامل ہیں اور یہ فضیلت صرف
اس طبقہ کی شان و شوکت کے لئے ہے کسی اور
کو اس میں گنجائش نہیں تو آپ انصاف کریں)
کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اتباع کیا معنی
اس موضوع پر مفصل بحث طویل کلام کی متقاضی
ہے اور ایسی تالیف کی متقاضی ہے جو پیاس بجھاوے
ہم نے اپنے رسالہ الجنہ میں اس موضوع پر مفصل
بحث کی ہے اگر سائل طالب رشد ہو تو یہ کتاب
اس کے لئے کافی ہے اور اگر اس نے عامل بالحدیث
اور عامل باقوال خیر الوریٰ پر محض طعنہ زنی کرنی ہو
تو پھر قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق یہی
کہیں گے کہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا

قرآن حکیم کی جمع وتدوین

* وحی کا آغاز کب ہوا؟
* نزولِ وحی کے وقت کیا کیفیت ہوتی تھی؟
* جمع وتدوین کا کام کیسے ہوا؟

پروردگارِ عالم نے قرآنِ حکیم سید المرسلین خاتم النبیین سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف اوقات میں تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۳ سال کی مدت میں نازل فرمایا۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید وحیِ الٰہی ہے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر آتے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لفظ بہ لفظ صحابۂ کرام کو سنا دیتے، اور کاتبانِ وحی قلم بند کر لیتے، وحی کے لغوی معنی پیغام دینے، اشارہ کرنے، دل میں کوئی بات ڈال دینے یا چھپ کر کوئی بات کہنے کے ہیں قرآن مجید میں وحی کا لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے، مثال کے طور پر اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ (سورۃ الانعام) اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں سورہ النحل میں یوں ارشاد ہوتا ہے

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اللہ تیرے رب نے شہد کی مکھی کو سکھایا ایک اور جگہ فرمایا۔ وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کو دودھ پلاؤ، ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف معانی کے باوجود وحی کے مفہوم میں خفیہ طور سے اطلاع دینا ایک ایسا مطلب ہے جو مشترک ہے لیکن شرعی اصطلاح میں وحی سے مراد وہ ذریعہ غیبی ہے، جسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کسی نبی کو اپنا علم سکھاتا ہے جس میں پیغام الٰہی اور احکام خداوندی سب کچھ شامل ہوتا ہے۔

وحی کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب اس کی مختلف صورتوں اور قسموں کا ذکر کیا جاتا ہے پہلی صورت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے خوابوں یعنی رؤیائے صادقہ کے ذریعہ کوئی بات بتلائے، جس طرح خلیل اللہ کو بیٹے کی قربانی کا حکم، یا بقول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے، صبح کی سفیدی کی طرح سچا نکلتا، دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ بغیر نظر آئے کوئی بات دل میں ڈالدے جیسے مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس علیہ السلام کو دعا اور توبہ پر آمادہ کرنا وغیرہ تیسری صورت یہ ہے کہ جرس کی صدا بلند ہو۔ اس بارے میں صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کبھی وحی میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے، جو میرے لئے سخت ہوتی ہے جب وحی ختم ہوتی ہے تو مجھے سب کچھ یاد ہو جاتا ہے، چوتھی صورت یہ ہے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل یا انسانی پیکر میں ... پیغام لیکر آئے، جسطرح اکثر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا رہا، پانچویں اور آخری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ براہ راست وحی نازل فرمائے، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طور سینا پر اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ پر شب معراج میں۔

آغاز وحی

وحی کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب نزول قرآن اور آغاز وحی پر روشنی ڈالی جائیگی۔ حضرت خدیجہ رضؓ سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور یکسوئی سے محبت ہو گئی، چنانچہ آپ غار حرا میں جا کر کئی کئی راتیں عبادت میں گزار دیتے خورد و نوش کا سامان

آپ ہمراہ لے جاتے تھے، اور ختم ہو جانے پر دوبارہ گھر سے لے جاتے تھے اسی طرح آپ کی عبادت میں کئی برس گزر گئے، ایک روز اچانک آپ کے سامنے خدا کا فرشتہ ظاہر ہوا، اور کہنے لگا پڑھو، آپ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کے فرشتہ آپ سے بغل گیر ہو گیا۔ اللہ زور سے اتنا دبایا کہ آپ تھک گئے، فرشتے نے دوسری بار چھاتی سے لگا کر آپ کو اور بھی زور سے دبایا۔ اور چھوڑنے کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ (پڑھ اپنے رب کے نام سے) یہ پہلی وحی تھی، جو آپ پر نازل ہوئی، اس وقت آپ کی عمر چالیس برس کی تھی اس وحی کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے، چونکہ زندگی میں اس قسم کا پہلا واقعہ تھا نیز رسالت کی تعلیم اور اسلام کی تبلیغ کا بار عظیم آپ کو سونپا جا رہا تھا، اس لئے آپ کا قلب لرز رہا تھا، اور آپ نے حضرت خدیجہ رضہ سے سہمی ہوئی آواز میں کہا کہ مجھے کمبلی اوڑھا دو۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کر دی۔ کچھ وقفے کے بعد جب خوف و ہراس کم ہو گیا تو آپ نے تمام ماجرا اپنی نیک سیرت شریک حیات سے بیان کر دیا۔ اور کہا کہ مجھے جان کا خطرہ ہے، حضرت خدیجہ رضہ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ خدا آپ کو کسی طور رسوا نہیں ہونے دے گا، کیونکہ آپ اعزا و اقربا سے اچھا سلوک کرتے ہیں، محتاجوں اور بے کسوں کے کام آتے ہیں، مہمانوں کے لئے آرام و آسائش مہیا کرتے ہیں آڑے وقت میں مصیبت زدوں کی امداد کرتے اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عیسائی تھے انجیل اور تورات کے جید عالم تھے، انہوں نے تمام ماجرا سننے کے بعد کہا کہ یہ وہی فرشتہ ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہنے لگے کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب خدا کے اس پیغمبر کو قوم وطن سے نکال دے گی۔

اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اصطلاح میں اسے فترہ وحی کہتے ہیں۔ وحی کے اچانک رک جانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی رنج و ملال ہوا۔ قادر مطلق نے جب دوبارہ وحی بھیجی تو اپنے پیغمبر سے یوں مخاطب ہوا يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اے کملی والے اٹھو اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر) اس کے

چند سبب کریم نے حضور کے وصال تک وحی کا سلسلہ جاری رکھا۔
قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ نبی کریم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے آپ تو وحی الٰہی سناتے ہیں، شروع شروع میں آپ نزول وحی کے موقع پر اپنے لب مبارک تیز تیز ہلایا کرتے تھے تاکہ کوئی چیز رہ نہ جائے، لیکن ذات باری کو یہ گوارا نہ تھا کہ اسکا حبیب اتنی تکلیف بھی اٹھائے، چنانچہ فرمایا آپ اپنی زبان کو قرآن سیکھنے کے لئے جلدی جلدی حرکت نہ دیں، اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارا ذمہ ہے اس فرمان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت ہوگئی کہ جب بھی حضرت جبرائیل امین آتے، آپ بالکل خاموش بیٹھ کر سنتے رہتے، اور پھران کے جانے کے بعد بالکل اسی طرح پڑھتے، جس طرح روح القدس سے سنتے تھے، آخری عمر میں وحی کے نزول کا سلسلہ عروج پر تھا پہلے بتایا جا چکا ہے، کہ آغاز وحی کے وقت آپؐ پر خوف وہراس اور دہشت طاری ہوگئی تھی، لیکن رفتہ رفتہ جب مانوس ہوگئے تو اشتیاق کا یہ عالم ہوا کہ وحی آنے میں ذرا دیر ہو جاتی تو آپؐ بے چین اور مضطرب ہو جاتے وحی کے نازل ہونے کا کوئی وقت یا مقام مقرر نہیں تھا، حسب ضرورت جب چاہتا اور جہاں چاہتا خدا حضرت جبرائیل امین کو حضور صلعم کی خدمت میں بھیج دیتا، البتہ ماہ رمضان میں روح القدس ہر روز حاضر ہو کر آپ سے قرآن مجید سنتے اور خود آپ کو سناتے تھے قرآن الحکیم کے نزول کی مدت جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے تقریباً تئیس ۲۳ برس ہے، اس میں سے پہلے بارہ سال مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے گزرے اس وقت چونکہ اسلام نے ابتدائی منازل میں قدم رکھا تھا، اس لئے مضامین جو قرآن کریم میں نازل کئے گئے وہ بالکل سادہ اور عام موضوعات سے متعلق تھے، لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ایک الگ ریاست قائم ہوگئی اور علیحدہ معاشرہ ظہور میں آگیا۔ تو خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت سے پورے قواعد وضوابط اور رہن سہن کے طریقے بھی وحی کے ذریعہ بھیج دیئے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے پہلی جو کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، انہی کو مکی کہتے ہیں، دوسری جو مدینہ منورہ یا قرب وجوار میں نازل ہوئیں، انہیں مدنی کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کہ جب بھی وحی نازل ہوتی، آپؐ لفظ بالفظ، صحابۂ کرام کو سنا دیتے کئی حاضرین اسے زبانی یاد کر لیتے انہی لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا۔ ہے کہ یہ قرآن روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہے ان لوگوں کے علاوہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چند لکھنے والے بھی مقرر کر رکھے تھے، ان کو کاتبان وحی کے نام سے پکارا جاتا تھا، جب کوئی آیت یا سورت نازل ہوتی تو آپ فوراً لکھوا دیتے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے کہ اس کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھا جائے، لہذا ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کی موجودہ صورت اور ترتیب خود حضور صلعم نے حکم الہٰی سے دلوائی تھی، اور اس میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں ہوا۔ تدوین قرآن کا کام اصل میں عہد نبوی ہی سے شروع ہو چکا تھا، مگر یہ وحی لکھنے کا کام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد تھا، لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا وحی کثرت سے نازل ہونے لگی، چنانچہ مدینہ منورہ میں ان کاتبان وحی کے علاوہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضہ اور حضرت زبیر بن عوام کو بھی اس کام پر مامور کر دیا گیا۔ یہ لوگ تو بارگاہ نبوی کی طرف سے مقرر کئے گئے، اور ان کے علاوہ بھی کئی صحابی ایسے تھے، جن ہوں نے اپنے جذبہ شوق کے تحت قرآن مجید لکھا، عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضہ نے تو سارا قرآن مجید جمع کیا تھا، اور رات بھر پڑھتے رہتے تھے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے اندر ختم کرنے کا حکم دیا، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ شہادت موجود ہے کہ قرآن، کتاب کی صورت میں یکجا جمع ہے، اس کے علاوہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مسلسل حدیثوں سے یہ بات معلوم ہے، کہ صحابۂ کرام میں سے زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو زید رضہ اور معاذ بن جبلؓ نے پورا قرآن الحکیم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر جمع کیا تھا اور کچھ دوسروں سے بھی سنا تھا، لیکن بعد میں اسے کتاب کی شکل میں ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا، قرآن میں کئی جگہ کتاب کا ذکر آیا ہے، ویسے تو شروع ہی میں سورۃ البقرہ میں کہہ دیا کہ اس کتاب میں کوئی شک و شبہ نہیں، لیکن سورۃ الواقعہ میں اور بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے "یہ قرآن عزت والا ہے محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے، اس کو پاک لوگ ہاتھ لگاتے ہیں، بہرحال یہ امر اچھی طرح

واضح ہو گیا ہے کہ تدوین قرآن کا کام عہد نبوی میں سرکاری طور پر شروع ہو چکا تھا جب خدا تعالیٰ نے دیکھا کہ اب دین اسلام کی تبلیغ پوری ہو چکی اور جس مشن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ اس میں مکمل طور پر کامیاب ہو چکے ہیں، تو آپ پر آخری وحی اس طرح نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (آج ہم نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا، اس کے بعد وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال بھی ہو گیا، آپ کے وصال کے بعد عہد خلفائے راشدین کا آغاز ہوتا ہے۔

خلفائے راشدین کے ابتدائی دور میں جب حضرت ابو بکر صدیق رضہ نے خلافت سنبھالی تو ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے بعد قرآن مجید کی حفاظت کا مسئلہ وقت طلب ہو گیا جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی اکثریت شہید ہو گئی، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضہ کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ اگر دوسرے معرکوں میں اسی طرح کثرت سے حفاظ شہید ہونے لگے، تو قرآن مجید کی حفاظت مخدوش ہو جائے گی، انہوں نے حضرت ابو بکر رضہ کے سامنے اس امر پر تشویش کا اظہار کیا۔ حضرت صدیق رضہ نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت زید بن ثابت رضہ کو بلا کر ہدایت کر دی کہ ان حالات کے پیش نظر قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام کیا جائے، یہ بات تو پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ پورے کا پورا قرآن مجید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا ہوا موجود تھا لیکن وقت یہ تھی کہ مختلف چیزوں پر مختلف حصے لکھے ہوئے تھے کھجور کی چھال بڑی بڑی ہڈیوں اور پتھر کے ٹکڑوں پر لکھنے کے بعد اب یہ خطرہ تھا کہ اگر سارے حفاظ شہید ہو گئے، تو پھر ترتیب و تدوین میں رد و بدل کا جائزہ لینے والا کوئی نہ ہو گا، لہذا یہ ضروری ہو گیا کہ حفاظ کی امداد سے مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے قرآن مجید کو عہد نبوی کی ترتیب کے مطابق یکجا کر دیا جائے، تاکہ رد و بدل کا امکان ہی باقی نہ رہے، اور یہی کام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے حکم سے سرانجام دیا، مختلف ٹکڑوں پر لکھے ہوئے قرآن مجید کا حفاظ کے حافظہ سے مقابلہ کر کے از سر نو اکٹھا کر دیا اور ترتیب وہی رکھی جو عہد نبوی میں تھی، یہ پہلا قرآن مجید تھا جو اوراق پر کتابی شکل میں لکھا گیا۔ یہ نسخہ قرآن خلیفہ وقت حضرت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس رکھ دیا گیا، ان کے بعد اسے حضرت عمر فاروق رضؓ کی تحویل میں دے دیا گیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حفاظت میں حضرت عمر نے اپنے دور میں قرآن کریم کے کئی نسخے ملک کے اندر تقسیم کرائے، کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد مصر و شام اور عراق و یمن کے ملکوں میں تقریباً ایک لاکھ افراد کے پاس قرآن مجید کے نسخے موجود تھے، حضرت عثمان کا دور آیا تو حفاظت قرآن کی ضرورت اہمیت اختیار کر گئی کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان جب خلیفہ کے حکم سے آذربائیجان کے صوبہ پر بحیثیت سپہ سالار حملہ کر رہے تھے، تو انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں قرآن مجید تلاوت کرنے کے مختلف طریقے رائج ہیں، انہوں نے واپسی پر اپنے مشیر سعید بن عاص سے بات چیت کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ہر علاقے کے لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے فلاں سے قرآن مجید پڑھنا سیکھا ہے، لہٰذا ہماری قرأت دوسروں سے بہتر ہے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا، کہ بروقت معاملہ پر قابو پا لیا جائے ورنہ علاقائی اختلافات زور پکڑنے کے بعد ہمیشہ کے لئے معاملہ بگڑ جائے گا، اور اس کا صرف یہی حل ہے کہ سرکاری نسخہ شائع کر دیا جائے۔ بات واقعی قابل غور تھی اسلئے حضرت عثمان نے تمام صحابہ کا اجلاس طلب کیا اور حالات سے آگاہ کیا، فیصلہ یہی ٹھہرا کہ سرکاری نسخہ کی اشاعت ناگزیر ہے۔

اس کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضؓ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ والا نسخہ منگوایا گیا، جس کی کئی نقلیں پورے عالم اسلامی میں تقسیم کر دی گئیں، نقل نویسی کے کام کے لئے جس کمیٹی کی تشکیل کی گئی اس کے انچارج حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر ہوئے باقی ممبران میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عاص رضؓ اور عبدالرحمٰن بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے، اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ اختلافی رسم الخط ختم کر دیئے گئے اور قرآن مجید کو قریش کے رسم الخط میں رقم کیا گیا ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر دو چیزوں کی وضاحت ضروری ہو جاتی ہے، اوّل یہ کہ حفاظت قرآن کمیٹی کا انچارج حضرت زید بن ثابت رضؓ کو کیوں مقرر کیا گیا۔

دوم اختلاف قرآت کا مسئلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ وہ نوجوان سمجھ دار اور دانا تھے، اس کے علاوہ چونکہ حضور صلعم کے زمانہ میں قرآن مجید لکھا کرتے تھے، لہذا خلیفہ وقت کو ان پر اعتماد تھا، کہ پوری محنت اور تحقیق کے بعد یہ کام سرانجام دیں گے، امام قرطبی کی رائے میں حضرت زید بن ثابت رضؓ کو دوسرے اکابر صحابہ کی نسبت زیادہ قرآن یاد تھا۔ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں سارا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، ان کے انتخاب کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جب حضرت جبریل امینؑ کے سامنے رکھا گیا، تو وہ خود بھی موجود تھے، نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امینؑ کے ساتھ دورہ قرآن میں شریک تھے یہ وہ شرف تھا جو کسی دوسرے صحابی کے حصہ میں نہیں آیا تھا۔

اسی امتیاز کے پیش نظر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا انتخاب کیا تھا، ظاہر ہے کہ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں حفاظت قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے کسی حصہ کے تلف ہونے کا امکان نہ رہے۔

الارشاد جدید جنوری ۱۹۶۵ء

قال اللہ

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ

اللہ نے فرمایا کہ اس قرآن کی ترتیب و جمع ہمارے ہی ذمہ ہے (پ ۲۹)

للہ الحمد والمنۃ کہ رسالہ نافعہ

موسومہ بہ:

ذخائر المواریث

فی الدلالۃ علی ثبوت

جمع القرآن والاحادیث

از افادات

مولانا الحاج مولوی ابوالقاسم محمد خان صاحب سیف محمدی بنارسی مرحوم

فہرستِ جمع القرآن والحدیث

مضمون	صفحہ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی اورثنا علوم النبی وجعلہ لنا احسن المواریث ، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد الذی اوتی جوامع الکلم وخیر الاحادیث ، وعلی آلہ واصحابہ الذین ورثوا العلم وصاروا بہ ملاویث ، وعلی اتباعھم الذین اشاعوا سنن نبیھم وقمعوا اھل البدع کالبراغیث ، اَمَّا بَعْدُ پہلی امتیں جو آسمانی کتابوں کی وارث بنی تھیں وہی ان کتابوں کی محافظ بھی مقرر کی گئی تھیں، جیسا کہ قرآن کی سورۂ مائدہ میں بیان ہوا ہے اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ (وہی لوگ کتاب اللہ کے محافظ بنائے گئے اور وہی لوگ اس کے کتاب خدا ہونے پر شاہد تھے) لیکن ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیا کی الجھنوں میں پھنس کر ان کتابوں کو پس پشت ڈال دیا تھا جیسا کہ سورۂ آل عمران (آیت نمبر ۱۸۷) میں فرمایا فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (انہوں نے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور اس کے عوض دنیا کی متاع قلیل لے بیٹھے) یہی نہیں بلکہ اس کتاب میں معنوی تحریف بھی کرنی شروع کر دی تھی جیسا کہ سورۂ مائدۃ (آیت نمبر ۱۳) میں ارشاد ہوا ہے، يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (کلمات کو اس کی جگہ سے بدلتے اور جن امور کی نصیحت کیے گئے تھے اس کا بڑا حصہ بھلا بیٹھے تھے) اس لئے اللہ تعالیٰ نے آخر میں ایسی ایک کتاب نازل فرمائی جس کی حفاظت کا بار بجائے اس کے کہ کسی انسان کے کاندھوں پر ڈالا جاتا خود اپنے ذمے لیا اور سورۂ حجر (آیت ۹) میں فرمایا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (بے شک ہم ہی نے اس نصیحت نامہ کو بھیجا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں) پس جب قرآن مجید کا محافظ وہ خود ہوا تو اسی کو اس کا جامع بھی ہونا چاہیئے تھا، چنانچہ اس نے اس کا بھی ذمہ لیا اور سورۂ قیامۃ (آیت ۱۷) میں اعلان فرمایا إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (بیشک ہمارے ہی ذمہ ہے اس کا جمع کرنا اور ترتیب دینا) سبحان اللہ جل جلالہٗ

مسلمان مصنفین اور واعظین نے چونکہ ان امور پر غور نہیں فرمایا اس لئے ان کے قلم اور زبان، سے بکثرت یہ جملہ شائع ہو کر مشہور ہو گیا کہ "قرآن مجید کے جمع کرنیوالے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں" (حالانکہ وہ محض ناقل، اور ملکوں میں اسکو پھیلانے والے تھے) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین اسلام کو ایک سند ہاتھ آئی اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی، عیسائی حضرات نے اس میں سب سے سبقت کی، انہوں نے دیکھا کہ خود تو ہم اصلی صحیفہ زمانہ کھو چکے ہیں، لاؤ مسلمان کی الہامی کتاب قرآن کو بھی ہم غیر اصلی کہنا شروع کر دیں، چنانچہ ان کے پادریوں اور مصنفوں نے شور مچانا شروع کیا کہ قرآن مجید ناقص ہے، یہ انسانوں کا جمع کیا ہوا ہے لہذا یہ بھی غیر معتبر ہے اور ثبوت میں حضرت عثمان رضی کے جامع قرآن ہونے کا حوالہ پیش کیا، چنانچہ زمانہ حال کا مشہور عیسائی مصنف پادری اکبر مسیح، اپنی کتاب تاویل القرآن کے، تیسرے باب ص۲۷ میں تاریخ قرآن پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے،

موجودہ قرآن خلیفہ ثالث حضرت عثمان (رض) کا مرتب کیا ہوا ہے جو کہ اس قرآن کا کچھ تھوڑا سا حصہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اترا تھا، قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ ساقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بدنظمی سے مرتب ہوا۔

اسلام کی نئی مد مقابل سوسائٹی جو آریہ سماج کے نام سے مشہور ہوئی اس نے بھی عیسائیوں کی پوری کاسہ لیسی کی، چنانچہ آگرہ کے اخبار، آریہ مسافر، میں پنڈت بھوجدت آنجہانی ایڈیٹر نے ایک طویل مضمون لکھا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ،

قرآن الہامی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ انسانی دماغ کا نتیجہ ہے اور صحابہ کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے،

اس لئے میں نے مارچ ۱۹۲۲ء میں ایک مضمون جمع قرآن سے متعلق لکھ کر اخبار اہلحدیث امرتسر جلد ۱۹ کے نمبر ۱۷-۱۹-۲۰ میں شائع کرایا اور آخر میں وعدہ کیا کہ اسی چیز کو تفصیل سے رسالہ کی صورت میں شائع کروں گا۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی توفیق بخشی اور مجھے احباب میں سرخرو کیا، میں نے اس کتاب کو دو بابوں میں منقسم کیا ہے، باب اول جو تین فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے اس میں بدلائل واضح ثابت کر دیا گیا ہے کہ موجودہ قرآن مجید اسی ترتیب

کے ساتھ عہد نبوی میں جمع کیا جا چکا تھا، دوسرے باب میں اس امر کا ثبوت ہے کہ احادیث نبویہ آخری زمانۂ رسالت اور عہدِ صحابہ میں کتابی صورت میں جمع کی جا چکی تھیں نہ کہ دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئیں جیسا کہ مشہور ہے۔ والآن اشرع فی المقصود۔ متوکلا علی واھب الخیر والجود :

راقم اثم
محمد ابوالقاسم
ماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ

پہلا باب

جو قرآن مجید اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل ع کی معرفت اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اور اسی ترتیب پر ہے جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد سعادت میں لکھوایا، صحابہ کرام کو یاد کرایا، اور خود پڑھا، نہ اسکے کلمات میں کمی بیشی ہوئی، نہ اس کی ترتیب میں تبدیلی ہوئی، اس دعوے کی دلیلیں ذیل کی فصلوں میں ملاحظہ ہوں۔

فصل اوّل

جامع قرآن (خدائے رحمٰن ہے)

دلائل قرآنیہ

دلیل اوّل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ (القیمۃ ۱۷) اس آیت میں تاکید جملہ کے لئے اِنَّ اور حصر کے لئے عَلَیۡنَا مقدم کیا گیا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جمع قرآن صرف ہمارا ہی کام ہے اور ہم اسے ضرور ضرور کریں گے، جمع کی صورتیں معاد و صرف دو ہی ہیں۔

(۱) جمع صدر یعنی سینوں میں محفوظ ہونا۔

(۲) جمع مکتوبی یعنی تحریر کی صورت میں جمع ہونا۔

اوّلؔ یعنی جمع صدر کی بابت ارشاد ہے، بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ (عنکبوت ۲۶ ، ۴۹) یعنی یہ کتاب روشن آیات کا مجموعہ ہے جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔

دومؔ ۔۔ یعنی جمع مکتوبی (جو ہمارا مضمون ہے اس) کی بابت آیات ذیل ملاحظہ ہوں،

مکی آیات (۱) سورۂ طور میں ارشاد ہے وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ (۲،۲) یعنی

کتاب (قرآن جس کو جمع مکتوبی کے لحاظ سے کتاب، فرمایا) کشادہ اوراق میں لکھی ہے، عربی زبان میں رق پتلے چمڑے کو کہتے ہیں جس پر اگلے زمانہ میں کتابیں لکھی جاتی تھیں، صراح میں ہے رق بالفتح، پوست آہو کہ بروے نویسند۔ قاموس میں ہے رق جلد رقیق یکتب علیہ، باریک کھال جس پر لکھا جاتا ہے، اس کی تائید علامہ بن حجرؒ کی روایت قطع الادیم سے ہوتی ہے جو فتح الباری میں ہے انما کان فی الادیم اولا قبل ان یجمع فی عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ (پ ۲۲ ص ۲۲) یعنی عہد ابی بکر رضی اللہ عنہ کے جمع سے پیشتر قرآن مجید پہلے قطعات ادیم یعنی چمڑہ پر لکھا جاتا تھا۔

(۲) إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (واقعۃ ۷۷۔۷۹) یعنی یہ قرآن عزت والا ہے، محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے اس کو پاک لوگ (صحابہ کاتبان وحی لکھنے کے وقت) چھوتے ہیں، اس آیت میں کاتبین قرآن کی طہارت اور صفائی کا بیان ہوا ہے، جس سے حفاظت کے لئے احتیاط کا بیان کرنا مقصود ہے، اس کی تفصیل تیسری آیت میں ملاحظہ ہو۔

(۳) فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (عبس ۱۳۔۱۰) یعنی یہ قرآن عزت والے بلند قدر، پاکیزہ صحیفوں میں، بزرگ اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھا ہے، اس آیت میں قرآن کے لکھنے والے صحابہ کی نیکی اور بزرگی نیز ان کا عمل و اعتقاد دونوں میں درست ہونا بیان ہوا ہے جس کی وجہ سے کمی بیشی کا شبہ اور خیانت کا احتمال پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔

(۴) بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (بروج ۲۱۔۲۲) یعنی یہ بزرگ قرآن (لکھا جاتا ہے) تختہ استخوان میں جو حفاظت سے رکھا جاتا ہے، لوح کہتے ہیں کاندھے کی چوڑی ہڈی کو، صراح میں ہے لوح کتف و ہر چہ پہن باشد از استخوان و چوب و تختہ، یعنی لوح کہتے ہیں کتف کو اور ہڈی، لکڑی، تختہ سے جو چوڑے ہوں، کتف کی بابت مجمع البحار میں ہے ھو عظم عریض فی اصل الحیوان کانوا یکتبون فیہ لقلۃ القراطیس عندھم یعنی چوڑی ہڈی جس پر لوگ کاغذ کی کمی کی وجہ سے لکھا کرتے تھے کاغذ کا رواج حجاز میں خلیفہ اول کے وقت سے ہوا ہے اور سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضنے پورے [illegible] لکھوایا ہے جیسا کہ مؤطا میں ہے جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس (دیکھو فتح الباری پ [illegible]) لوح و کتف کے بارے میں صحیح بخاری میں آیا ہے کہ جب آیت لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ

آلایۃ نازل ہوئی تو آں حضرت (ص) نے فرمایا اُدْعُوْا لِیْ زَیْدًا وَلْیَجِیْئْ بِاللَّوْحِ وَالدَّوَاۃِ وَالْکَتِفِ (باب کاتب النبی ﷺ) یعنی زید کو بلاؤ اور کہو دوات قلم) اور دوات اور شانہ کی ہڈی لے کر حاضر ہو۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید لوح یعنی چوڑی ہڈیوں پر لکھا جاتا تھا، پھر بحفاظت رکھ دیا جاتا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۔

یہاں تک مکی آیتوں کا ذکر تھا۔ جن سے مکہ معظمہ میں قرآن مجید کی کتابت بحفاظت کا حال معلوم ہوا اور اس کا اقرار کفارِ مکہ کو بھی تھا کہ محمد (ص) قرآن لکھوایا کرتے ہیں جیسا کہ مکی سورت، سورۂ فرقان (آیت ۵) میں اَکْتَتَبَهَا موجود ہے مفصل تیسری دلیل میں ملاحظہ ہو، علاوہ ازیں مکہ میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی وجہ تمام کتب تاریخ و سیر و کتب احوال صحابہؓ میں مرقوم ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور اُن کو لکھا ہوا قرآن پڑھتے ہوئے پایا آخر یہ کہنے لگے۔ اَعْطُوْنِی الْکِتٰبَ الَّذِیْ عِنْدَکُمْ فَاَقْرَءُہٗ (دار قطنی ص۴۳) یعنی یہ لکھا ہوا قرآن جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے دینا میں بھی اُسے پڑھوں۔ معلوم ہوا کہ مکہ سے ہی صحابہ میں قرآن لکھنے کا رواج ہو گیا تھا یہ واقعہ ایسا مشہور ہے کہ سر ولیم میور (انگریز) نے بھی اپنی کتاب لائف آف محمد جلد اول ص۔ مطبوعہ لندن ۱۸۶۱ء میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب اس زمانہ میں قرآن کی نقلیں لکھی جاتی تھیں تو پیغمبر اسلام کے قوت پانے کے بعد قرآن کے نسخے بکثرت بڑھ گئے ہوں گے،

مدنی آیات:۔ اب بعض مدنی آیتیں ملاحظہ ہوں جن میں قرآن کے مکتوب ہونے کا بہت زیادہ ذکر ہے،

(۱) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (بینۃ ۲) یعنی اللہ کے رسول نوشتہ پاک کی تلاوت فرماتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر فتح الباری میں یوں مرقوم ہے، قَدْ اَعْلَمَ اللّٰہُ فِی الْقُرْاٰنِ بِاَنَّہٗ مَجْمُوْعٌ فِی الصُّحُفِ فِیْ قَوْلِہٖ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً الآیۃ وَکَانَ الْقُرْاٰنُ مَکْتُوْبًا فِی الصُّحُفِ (ج۹ ص۱۲) یعنی اللہ نے آیت مذکورہ میں خبر دی ہے کہ قرآن مجید صحیفوں میں مکتوب و مجموع ہے،

(۲) سارے قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر اس کتاب کا نام الکتاب یعنی مکتوب آیا ہے شروع میں ہی ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (بقرہ ۲) اس کتاب میں شک کا دخل نہیں ہے،

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے موافق دونوں مذکورہ صورتوں (جمع صدر جمع مکتوبی) کے ذریعہ سے قرآن کو زمانہ نبوت ہی میں جمع کرا دیا تھا اور ان دونوں صورتوں کو ہم اس لئے مقرر فرمایا کہ بسا اوقات کتابت میں غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی اصلاح ضبط صدر (حافظہ) سے ہو جائے گی اور حافظہ میں نسیان یا بھول واقع ہو تو ضبط کتاب سے غلطی رفع ہو جائے گی، اسی لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حفاظت قرآن کے لئے ہر دو امور (ضبط صدر و ضبط مکتوبی) کا بہت خیال رکھتے تھے، صحابہ کرام کو یاد بھی کرا دیتے (چنانچہ حدیث بئر معونہ میں جو ستر قراء شہید ہوئے ان قراء کی بابت فتح الباری میں ہے اَلَّذِيْنَ اسْتُشْهِدُوْا بِعَشَرَةِ الْقُرْآنِ (پ) یعنی یہ ستر صحابہ، قرآن کے مشہور حافظوں میں سے تھے) اسی طرح ان کو لکھوا بھی دیتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث زید کو لکھنے کے لئے بلانے کی اوپر گزری اور آئندہ بھی مذکور ہوں گی انشاء اللہ۔

دوسری دلیل

سورۂ فرقان (آیت ۳۲) میں فرمایا وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۔ ج یعنی کافروں نے کہا کہ سارا قرآن محمد (ص) پر ایک ہی بار کیوں نہ اتارا گیا؟ اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی دو وجہیں بیان فرمائیں كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (۲۵: ۳۲) اوّل تثبیت فؤاد یعنی ضبط صدر دوم ترتیل یعنی ضبط کتابی، ترتیل لغت میں ہم جنس اشیاء کو عمدہ طور پر با ترتیب رکھنے کو کہتے ہیں قاموس میں ہے الرتل حسن تناسق الشئ، اساس البلاغت میں ترتیل کے معنے حسن تالیف بھی مذکور ہیں، اور حسن تالیف کی ایک صورت یہ ہے کہ انہی کلمات سے کلام مرکب ہو، ان کو مضمون نویسی میں مناسب موقع پر رکھا جائے اور یہی ضبط کتابی ہے،

ترتیب آیات (آیت مذکورہ سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ جمع صدر اور جمع مکتوبی ہر دو میں آیات کی ترتیب بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر فرمائی ہوئی ہے، اس کا بیان اس طور پر ہے کہ آیتوں کا نزول حسب ضرورت ہوا کرتا، لیکن جمع کی ترتیب (جس کا ذکر اس حدیث میں ہے كَانَ النَّبِيُّ مِمَّا تَنَزَّلَ عَلَيْهِ الْآيَاتُ فَيَدْعُوْا بَعْضَ مَنْ يَكْتُبُ لَهُ وَيَقُوْلُ لَهُ ضَعْ هٰذِهِ الْآيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا (رواہ ابوداؤد) یعنی آپ پر جب آیتیں اترتیں تو کاتب کو بلا کر کہتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھو۔ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے القاء ہوتی،

جیسا کہ سورہ نجم (آیت ۳۔۴) میں فرمایا وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی دین سے متعلق جو کچھ آپ فرمائیں وہ سب وحی خدا ہوتا ہے آپ کی خواہش کو اس میں دخل نہیں ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ الآیہ نازل ہوئی فقال جبریل للنبی ضعہا علی راس مائتین وثمانین من سورۃ البقرۃ (خازن ص۲) تو جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اس آیت کو سورہ بقرہ کی دو سو اسی آیت کے بعد لکھوائیے گا موجودہ قرآن میں اس آیت کا نمبر ۲۸۰ ہے، معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت نمبروار اور ترتیب سے ہے نیز یہ ترتیب توقیفی یعنی من جانب اللہ ہے علاوہ ازیں سنن ابی داؤد میں آیا ہے کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف فصل السورۃ حتی تنزل بسم اللہ الرحمن الرحیم یعنی جب تک بسم اللہ نہ اترتی آپ کو سورۃ پوری ہو جانے کا علم نہیں ہوتا تھا (مشکوۃ ص۱۹۱) اس روایت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) ہر سورۃ کی بسم اللہ منزل من اللہ اور آیت قرآنی نیز اس سورۃ کا جزء ہے،

(۲) جب کہ بسم اللہ ایک سورۃ کی انتہا اور دوسری سورۃ کی ابتدا کی علامت ہے تو جب تک ہر سورۃ کی آیتیں شروع سے آخر تک کسی خاص ترتیب میں مرتب نہ ہوں۔ کسی خاص سورۃ کے خاتمہ کا علم نہیں ہو سکتا۔

(۳) سورتوں کا فصل، وحی ربانی سے ہے، اجتہادی نہیں ہے۔

حاصل کلام۔ یہ کہ ترتیب آیات کا مسئلہ خود قرآن سے ثابت ہے قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ وہ زمانہ نزول میں لکھا جا رہا ہے، اور روایت بالا سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ آنحضرت (ص) قرآن کو خود بڑے اہتمام سے لکھواتے تھے، اتقان میں ہے کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ (ص) کان یأمر بکتابتہ (نوع ۱۸) یعنی قرآن کا لکھنا کوئی نئی بات نہیں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے خود اپنے حکم سے لکھوایا تھا۔

تیسری دلیل کفار و مخالفین اسلام کو بھی اس بات کا اقرار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لکھواتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ان کا مقولہ منقول ہے وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (فرقان ۵) یعنی کافر کہتے ہیں کہ یہ

قصے میں پہلوں کے جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے پس یہ لکھ کر سنائے جاتے ہیں آپ کو ہر صبح وشام، طبرانی اوسط میں ہے حضرت زید کاتب وحی فرماتے ہیں فَإِذَا فَرَغْتُ قَالَ اِقْرَأْهُ فَاقْرَأُهُ فَإِنْ كَانَ فِيهِ سَقَطٌ أَقَامَهُ (مجمع الزوائد ص ۱۵۲ ج ۱) یعنی میں جب لکھ چکتا تو آپ فرماتے کہ اسے سناؤ۔ میں پڑھتا، اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس کی اصلاح کرا دیتے، پس دیکھو قرآن مجید کے لکھے جانے کی بابت کافروں نے جو کہا تھا وہ واقعہ کے کس قدر مطابق تھا۔

چوتھی دلیل قرآن مجید میں کسی آیت یا سورۃ کا جو حوالہ دیا جاتا ہے وہ بھی موجودہ جمع و ترتیب کو من جانب اللہ ثابت کرتا ہے چنانچہ سورہ ہود میں فرمایا۔

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ (آیت ۱۳) یعنی لے آؤ دس سورتیں اس کے مثل گھڑ کر۔ یہ حکم سورہ ہود میں دیا گیا ہے جو گیارہویں سورۃ ہے اس سے پیشتر واقعی دس ہی سورتیں ہیں اسی طرح سورۃ نساء میں فرمایا وَمَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ (آیت ۱۲۷) اس آیت میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ علی اختلاف الاقوال آیت میراث یا وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ (آیت ۲) وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ (آیت ۳) ہے اور یہ سب آیتیں اسی سورۃ کی ہیں، اور پہلے واقع ہیں علیٰ ہذا القیاس سورۃ حج میں فرمایا وَأُحِلَّتْ لَكُمُ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ (آیت ۳۰) اس آیت میں جن حرام جانوروں کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سب اس سورۃ سے پہلے کی سورتوں میں واقع ہیں یعنی سورۃ بقرہ، سورہ مائدہ، سورۃ انعام اور سورۃ نحل، اس کے بعد کسی سورۃ میں تا آخر قرآن نہیں ہیں، اسی حسن ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کو کلام موصول بھی فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے، وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (قصص ۵۱۔ متن کو۔

فصل دوم

دلائل از احادیث

دلیل اول: جو قرآن مجید ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بلحاظ کلمات و ترتیب وہی ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حفظ تھا، صحابہ کو حفظ کرایا تھا اور اپنی زندگی میں لکھوایا تھا،

نیز بطور ورد و وظیفہ کے اسی کی تلاوت کرتے تھے، اس دعویٰ کی دلیلیں نمبر وار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مسند احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، وفد بنی ثقیف کے پاس شب کو جا کر ان کو قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے، ایک شب کو آپ معمول کے خلاف دیر کر کے تشریف لائے تو آپ سے دریافت کیا گیا وجہ تاخیر کیا ہے آپ نے فرمایا اِنَّهٗ طَرَءَ عَلَیَّ جُزْئِیْ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَکَرِهْتُ اَنْ اَجِیْئَ حَتّٰی اُتِمَّهٗ قَالَ اَوْسٌ سَأَلْتُ اَصْحَابَهٗ کَیْفَ تُحَزِّبُوْنَ الْقُرْاٰنَ قَالُوْا ثَلَاثٌ وَخَمْسٌ وَسَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰی عَشَرَةَ وَثَلَاثَ عَشَرَةَ وَحِزْبُ الْمُفَصَّلِ وَحْدَهٗ کذا ابوداؤد باب تحزیب القرآن) یعنی کچھ منزل قرآن مجید کی پڑھنے سے رہ گئی تھی تو مجھے پسند نہ آیا کہ اسے ناتمام چھوڑ کر آؤں، اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی راوی حدیث) کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا کہ آپ لوگ قرآن کی منزلیں کیسے پڑھا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری منزلیں یہ ہیں، تین سورتیں فاتحہ سے مائدہ تک، گویا چار سورتیں ہوتی ہیں، لیکن اس میں سورۂ فاتحہ کا ذکر استغناءً نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ اُمّ القرآن (مستقل قرآن) ہے، اور مشہور ہے، پانچ سورتیں (مائدہ سے یونس تک) سات سورتیں (یونس سے بنی اسرائیل تک) نو سورتیں (بنی اسرائیل سے شعراء تک) گیارہ سورتیں (شعراء سے والصافات تک) تیرہ سورتیں (والصافات سے سورۂ قاف تک) اور مفصل سورتیں (قاف سے آخر قرآن تک ۶۵ سورتیں جو مفصل کہلاتی ہیں) سب کی سب ایک دفعہ، انتہیٰ، (دیکھو کتاب المعتصر) اس روایت سے قرآن پاک کی سات منزلیں ثابت ہوئیں جو فمی بشوق کے نام سے مشہور ہیں اور موجودہ قرآن میں اسی طرح ہیں جس طرح صحابۂ کرام عہد نبوی میں قرآن مجید کی منزلیں رکھتے اور پڑھتے تھے، کیونکہ راوی حدیث اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن حذیفہ خود صحابی ہیں اور ثقیف کے اس وفد کے ایک فرد ہیں جو طائف سے مدینہ رمضان ۹ھ میں غزوۂ تبوک کے بعد آیا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم روزانہ شب کے وقت ان کو قرآن مجید کی تعلیم دیا کرتے تھے، چند دنوں کے بعد یہ لوگ واپس چلے گئے پھر عہد نبوی ہی میں دوبارہ مدینہ آئے لہٰذا اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی زمانہ میں ان صحابیوں سے منازل قرآنیہ کو پوچھ لیا تھا، جن کو صحبت پیغمبر علیہ السلام میں کئی سال گزر چکے تھے، نیز اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی التزاماً قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اسی کے آپ مامور بھی تھے قَالَ اللّٰہُ: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ دپ اور چونکہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے اس لئے جب تک کسی خاص ترتیب سے حفظ نہ کریں تلاوت مشکل ہے اسی واسطے مولانا بحرالعلوم شرح مسلّم میں لکھتے ہیں ظَھَرَ مِنْ ھٰذَا اِنَّ التَّرْتِیْبَ الَّذِیْ یُقْرَءُ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ ثَابِتٌ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مطبوعہ مصر ص۱۱ ج ۲) یعنی جس ترتیب سے آج قرآن مجید پڑھا جاتا ہے وہ وہی ہے جس ترتیب سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کیا کرتے تھے،

۲۔قرآن مجید کا ایک خاص ترتیب میں ہونا صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے یُعْرَضُ الْقُرْاٰنُ عَلَی النَّبِیِّ کُلَّ عَامٍ مَرَّۃً فَعُرِضَ عَلَیْہِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ دپ۲ یعنی ہر سال آپ پر ایک بار قرآن سنایا جاتا اور وفات کے سال دو بار سنایا گیا، ظاہر ہے کہ وہ میں جب تک کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہ ہو کسی کتاب کے (جس کے اجزاء متعدد اور مضامین مختلف ہوں) کامل ختم کرنے میں سخت دشواری ہوتی ہے، پس وہ ترتیب وہی ہے جو ابوداؤد کی روایت بالا میں بیان ہوئی اور وہی اس وقت کی بھی موجودہ ترتیب ہے چنانچہ مسند احمد میں بطریق عبیدہ سلمانی مروی ہے اِنَّ الَّذِیْ جَمَعَ عَلَیْہِ عُثْمَانُ النَّاسَ یُوَافِقُ الْعَرْضَۃَ الْاَخِیْرَۃَ (فتح الباری ص۱۸ پ۲۰) یعنی حضرت عثمان رضنے جس ایک قرأۃ پر تمام لوگوں کو اکٹھا کیا وہ قرأۃ اس قرآن کے موافق ہے، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر آخری بار پیش کیا گیا تھا، حافظ ابن کثیر نے بھی کتاب فضائل قرآن میں اسی طرح لکھا ہے، (ص۹۲ مطبوعہ مصر) وجہ اس کی یہ ہے کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثابت جنہوں نے عہد نبوی میں از خود قرآن کو جمع کیا تھا کما سیجیئی اور عہد صدیقی میں بفرمائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحیفہ میں نقل کیا تھا، پھر عہد عثمانی میں بھی انہیں زید نے اس صحیفہ کی متعدد نقلیں کی تھیں) وہ خود اس عرضۂ اخیرہ کے وقت حاضر تھے جیسا کہ قسطلانی شرح بخاری میں ہے، کَانَ زَیْدٌ شَھِدَ الْعَرْضَۃَ الْاَخِیْرَۃَ وَکَانَ یُقْرِئُ النَّاسَ بِھَا حَتّٰی مَاتَ وَلِذٰلِکَ اعْتَمَدَہُ الصِّدِّیْقُ فِیْ جَمْعِہٖ وَوَلَّاہُ عُثْمَانُ کِتَابَۃَ الْمُصْحَفِ (مطبوعہ مصر ص۴۴۴ ج ۷) یعنی زید بن ثابت پچھلے دور (مابین جبریل امین و نبی کریم) میں شریک تھے اور اپنی موت تک اسی کے مطابق لوگوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے، اسی لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کو جمع قرآن کی خدمت سپرد کی تھی اور حضرت عثمان رضی

نے بھی انہی سے قرآن کی کئی نقلیں کرائی تھیں، لطف یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ محض عرضۂ اخیرہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبریل کے دور کو ہی سنا بلکہ اپنا لکھا اور جمع کردہ قرآن بھی اسی وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور اس کا مقابلہ بھی کرتے گئے تھے، جیسا کہ کتاب المعارف لابن قتیبہ میں ہے۔ كَانَ زَيْدٌ اٰخِرُ عَرْضٍ عَلَى النَّبِيِّ الْقُرْاٰنَ مُصْحَفَهُ وَهُوَ اَقْرَبُ الْمَصَاحِفِ مِنْ مُصْحَفِنَا وَكَتَبَ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (مطبوعہ مصر ص۸۰) یعنی زید نے عرضۂ اخیرہ میں اپنا لکھا ہوا قرآن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اور سنایا، وہ قرآن ہمارے موجودہ قرآن جیسا تھا، اور انہی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیکھتے سے عہد صدیق میں خلیفہ کے) لئے قرآن لکھا تھا، یا حضرت عمر رضہ کے لئے خاص ایک نسخہ لکھا تھا (فتح الباری ص۲۲ پ۲)۔

(۳) مسند احمد اور سنن نسائی میں عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے قَالَ جَمَعْتُ الْقُرْاٰنَ فَقَرَأْتُ بِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ فَبَلَغَ النَّبِيَّ فَقَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ شَهْرٍ ۔۔۔ (مسند احمد ص۱۶۳ ج۲) اسنادہ صحیح (فتح الباری ص۱۲ پ) حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبوی میں سارا قرآن جمع کیا تھا اور ہر رات کو سب پڑھ ڈالتا تھا، یہ خبر جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ایک ماہ میں ختم کرنیکا حکم دیا قَالَ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ عِشْرِيْنَ قَالَ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ خَمْسَ عَشَرَ قَالَ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ عَشْرٍ قَالَ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ اِقْرَأْهُ فِيْ سَبْعٍ وَلَا تَزِيْدَنَّ عَلٰى ذٰلِكَ (ابوداؤد ص۱۹۷ و مسند احمد بحوالہ مرقومہ)۔ عبداللہ نے عرض کی کہ مجھے اس سے زیادہ قوت ہے فرمایا تو بیس دن میں ختم کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے فرمایا اچھا پندرہ دنوں میں کہا مجھے اس سے زیادہ استطاعت ہے ارشاد ہوا کہ خیر دس دن میں سہی، عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ سکت رکھتا ہوں، حکم ہوا کہ بس سات شب میں ختم کرو، اس سے زیادہ کم زمانہ میں ختم نہ کرنا، اس روایت سے بھی قرآن مجید کی ایک خاص ترتیب ثابت ہوئی، یا باانہ ختم کے لحاظ سے قرآن پاک کی تقسیم تیس پاروں میں ہوتی ہے، اور ہفتہ وار ختم سے سات منزلیں (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) وہ بھی خاص زبان وحی ترجمان سے اور حقیقت میں یہ سب اللہ پاک کیطرف سے ہے جس نے کہ خود ہی فرمایا ہے وَرَتَّلْنَاهُ

ترتیلا۔ کما مر۔

دوسری دلیل ذرا اُن حدیثوں پر نگاہ ڈالو جن میں صحابہ کو جو قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی ہدایتیں فرمائی گئی ہیں، اور اُن پر ثواب کے وعدے کئے گئے ہیں جو کتب حدیث میں بکثرت روایت کی گئی ہیں، اُن میں سے چند ہم نقل کرتے ہیں۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَعْطُوْا اَعْیُنَکُمْ حَظَّهَا مِنَ الْعِبَادَةِ اَلنَّظْرُ فِی الْمُصْحَفِ وَالتَّفَکُّرُ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ (جامع صغیر للسیوطی مطبوعہ مصر ص ۴۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آنکھوں کی عبادت کا حصہ آنکھوں کو دو، اور وہ قرآن کو دیکھ کے پڑھنا اور اس میں غور و فکر کرنا ہے،

۲۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَلْیَقْرَأْ فِی الْمُصْحَفِ (جامع صغیر ص ۱۷۸ و منتخب کنز العمال ص ۲۳۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنی چاہتا ہے وہ قرآن دیکھ کر پڑھا کرے،

۳۔ عَنْ اَوْسِ الثَّقَفِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِیْ غَیْرِ الْمُصْحَفِ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِی الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰی ذٰلِكَ اِلٰی اَلْفَیْ دَرَجَةٍ رواه البیهقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ ص ۱۸۹ جامع صغیر ص ۶۰ ج ۲، منتخب کنز العمال ص ۳۵۵ و ص ۳۶۲ ج ۱) حضرت اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو وفد ثقیف میں آئے تھے، جنہوں نے صحابہ سے قرآن کی سات منزلیں دریافت کی تھیں جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے انہوں نے اپنی اسی آمد میں یہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بغیر قرآن کے دیکھے (یعنی زبانی) اس کی تلاوت کا ثواب ایک ہزار نیکی ہے اور قرآن کھول کر دیکھ کر پڑھنے کا ثواب دو ہزار ہوتا ہے،

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ قِرَاءَتُكَ نَظْرًا تُضَاعَفُ عَلٰی قِرَاءَتِكَ ظَاهِرًا كَفَضْلِ الْمَكْتُوْبَةِ عَلَی النَّافِلَةِ (جامع صغیر جلد دوم ص ۷۲ و ص ۷۳ وفضائل قرآن لابن کثیر ص ۱۴۱) اوس کے بیٹے عمرو کہتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح فرض نماز کو نفل نماز پر فضیلت ہے اسی طرح قرآن دیکھ کر پڑھنے کو فضیلت ہے زبانی پڑھنے پر۔

(۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَفْضَلُ عِبَادَةِ اُمَّتِیْ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ نَظْرًا

(جامع صغیر ص ۲۳ ج ۱، منتخب کنز ص ۳۴۸ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی افضل عبادت قرآن دیکھ کر پڑھنا ہے،

(۶) عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ادام النظر فی المصحف متع ببصرہ ما دام فی الدنیا (منتخب کنز العمال برحاشیہ احمد جلد اوّل ص ۳۶۲) آپ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو ہمیشہ دیکھ کر پڑھا کرے گا۔ جب تک وہ دنیا میں زندہ رہے گا اس کی بینائی باقی رہے گی یعنی خراب نہ ہو گی۔

(۷) عن عبداللہ ابن الاکبر قال قال النبی من قرء القرآن ناظرا حتی یختمہ غرس اللہ لہ شجرۃ فی الجنۃ (کتاب مذکور ص ۳۶۳ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو شروع سے ختم تک برابر دیکھ کر پڑھے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت میں درخت لگائے گا، سبحان اللہ!

اسی لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی لوگوں سے فرمایا کرتے تھے قال ابن عمرؓ اذا رجع احدکم فلیأت المصحف فلیفتحہ ولیقرء فیہ (کتاب مذکور ص ۳۶۲ ج ۱۔ فضائل قرآن ابن کثیر ص ۱۴۱) یعنی جب تم گھر میں داخل ہو تو سب سے پہلے قرآن کھول کر پڑھ لیا کرو پھر دوسرے کاموں میں مشغول ہو۔ ابن عمر کا خود اپنا عمل بھی اسی پر تھا جیسا کہ خثیمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں دخلت علی ابن عمرؓ وھو یقرء فی المصحف (فضائل قرآن صفحہ ۱۴۱) یعنی میں ابن عمر کے مکان پر گیا تو وہ قرآن کھولے ہوئے تلاوت کر رہے تھے، ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا کما سیجیئی۔

(۸) عن ابی ھریرۃ قال قال النبی الغرباء فی الدنیا اربعۃ مصحف فی بیت لا یقرء فیہ (منتخب کنز العمال ص ۳۶۳ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ دنیا میں وہ قرآن کسی مپرسی کی حالت میں ہے، جو کسی گھر میں ہو اور اس میں پڑھا نہ جائے،

(۹) وعنہ قال قال النبی ان مما یلحق المؤمن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علما نشرہ ومصحفا ورثہ الخ رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ ص ۳۴ جامع صغیر ص ۱۰۳ ج ۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو اس کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں سے جن کا ثواب اُسے ملتا ہے علم ہے کہ اس کو، پھیلایا اور نسخہ قرآن ہے کہ اپنے وارث کے لئے چھوڑ گیا۔

مقام غور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو اپنی زندگی میں قرآن مجید کو گھر میں رکھنے اس کو دیکھ کر پڑھنے اور وارثوں کیلئے اس کو پیچھے چھوڑ جانیکی مؤکد ترغیبیں دلا رہے ہیں، پس اگر ہر صحابی

کے پاس نہیں تو کم از کم اُن کے ہر گھر میں تو ایک ایک نسخہ پورے قرآن مجید کا لکھا ہوا موجود ہوگا، ہاں ہاں یقیناً موجود تھا جیسا کہ صحابہ خود کہتے ہیں بَیْنَ اَظْهُرِنَا الْمَصَاحِفُ وَقَدْ تَعَلَّمْنَا مَا فِیْهَا وَعَلَّمْنَاهَا اَبْنَآئَنَا وَذَرَارِیْنَا وَخَدَمَنَا (مسند احمد ص ۳۳۳ ج ۵) یعنی ہم صحابہ کے درمیان لکھے ہوئے قرآن موجود تھے، جس سے ہم نے سیکھا، اپنے بچوں اور خادموں کو سکھایا، چنانچہ اُن کے بچے بھی قرآن میں دیکھ کر پڑھتے تھے جیسا کہ اسی مسند احمد میں ہے، اِنَّ رَجُلًا جَاءَ بِابْنٍ لَهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِیْ يَقْرَءُ الْمُصْحَفَ بِالنَّهَارِ لخ (فضائل قرآن ابن کثیر مطبوعہ مصر ص ۱۹۹) یعنی ایک صحابی اپنے بچے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور کہا کہ میرا یہ بچہ دن میں قرآن مجید ناظرہ پڑھا کرتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ بھی ذاکرِ خدا ہے،

صحابۂ کرام نے اس کثرت سے قرآن مجید کو لکھا اور لکھوایا اور ناظرہ خوانی شروع کی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خطرہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ اسی لکھے ہوئے قرآن پر بھروسہ کر بیٹھیں اور اسے حفظ کرنا ترک کر دیں، تو آپ نے اُن کے گھروں میں بکثرت لکھے ہوئے قرآنوں کو دیکھ کر یہ بھی فرمایا ہوگا کہ (آلمہ ہے)

(۱۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ لَا تَغُرَّنَّكُمْ هٰذِهِ الْمَصَاحِفُ الْمُعَلَّقَةُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْاٰنَ (منتخب کنز العمال ص ۳۳۳ ج ۱) آپ نے فرمایا کہ تم کو یہ لکھے ہوئے قرآن کے نسخے جو تمہارے گھروں میں لٹکے ہوئے ہیں، حفظ کرنے سے غفلت میں نہ ڈال دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب نہیں کرے گا جس کے دل میں قرآن حفظ ہو۔

اللہ اکبر! معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی میں صحابہ نے قرآن کے بے شمار نسخے لکھ ڈالے تھے، تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؏

تیسری دلیل جب قرآن مجید کتابی شکل میں بکثرت ہو گیا تو ضرور تھا کہ شارع ؑ کی طرف سے اُس کے آداب بھی بتلائے جاتے چنانچہ ارشاد تھا، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ النَّبِیَّ قَالَ لَا تَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاهِرًا (دار قطنی ص ۴۵) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک کو طہارت کی حالت میں چھونا، ظاہر ہے کہ یہ حکم کتابی شکل کے لئے ہے کیونکہ جو چیز ہاتھوں سے چھوئی جا سکے اُسے خارج میں موجود ہونا چاہیئے، لطف یہ کہ یہ حکم نہ محض مدینہ طیبہ کے صحابہ ہی کو دیا گیا، بلکہ دیگر ملکوں میں

جہاں جہاں مسلمان صحابہ موجود تھے یہی حکم تحریری صورت میں بھیجا گیا، چنانچہ یمن والوں کو عمرو بن حزم صحابی کی معرفت جو بہت سے احکام حدیثی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھوا کر روانہ فرمائے تھے (جس کا مفصل بیان اس کتاب کے دوسرے باب میں جمع وکتابت احادیث کی بحث میں آئے گا) اس میں ایک حکم یہ بھی تھا اَنْ لَّا یَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاھِرٌ (مشکوٰۃ ص۴۱ و بلوغ المرام مطبوع مصر ص۱۳) یعنی قرآن کو بجز پاک شخص کے اور کوئی نہ چھوئے۔ معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں یمن والوں کے پاس بھی لکھا ہوا قرآن بکثرت موجود تھا، پھر پایۂ تخت نبوت ودار الحکومتِ اسلام یعنی مدینہ طیبہ کے مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے مکتوبی نسخے کتنی کثیر تعداد میں ہونگے؟

خدا بس خوب می داند شمارِ نسخۂ قرآن

چوتھی دلیل دوسرا ادب قرآن پاک کی بابت یہ بتایا گیا عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی اَنْ یُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ (صحیح بخاری کتاب الجہاد) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ نَھٰی اَنْ یُّسَافَرَ بِالْمُصْحَفِ الخ (فتح الباری انصاری پارہ ۱۲ ص۳۱) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ دشمن کے ملک میں قرآن مجید کو ساتھ لے کر کوئی مسلمان نہ جائے، صحیح مسلم میں اتنا زیادہ ہے مَخَافَۃَ اَنْ یَّنَالَہُ الْعَدُوُّ (ص۱۳۱ ج۲) یعنی اس خوف سے کہ (بصورتِ شکست) دشمن اسے چھین لینگے، اور اس کی توہین کریں گے، دشمنوں کے ہاتھ میں جانے والا قرآن، لکھا ہوا ہی ہو سکتا ہے، ورنہ قرآن کے ساتھ سفر کی ممانعت کے کیا معنے، جو قرآن سینوں میں محفوظ ہے اس کو اعداء چھین نہیں سکتے اسی لیے امام بخاری نے حدیث مذکور کے بعد لکھا ہے،

وَقَدْ سَافَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ الْقُرْاٰنَ (پ ۱۲)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اس حال میں سفر کیا ہے کہ وہ قرآن جانتے تھے یعنی ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔

گذشتہ دلائل نمبر ۱، نمبر ۲، و نمبر ۴ سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ قرآن مجید کے متعدد نسخے صحابہ کرام کے پاس عہد نبوی میں کتابی صورت میں جمع شدہ موجود تھے، وہ لوگ ان نسخوں میں تلاوت کرتے اور ختم کرتے تھے، جیسا کہ مجمع البیان میں ہے اِنَّ الْقُرْاٰنَ کَانَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ مَجْمُوْعًا مُؤَلَّفًا عَلٰی مَا ھُوَ عَلَیْہِ الْاٰنَ وَاِنَّ جَمَاعَۃً مِّنَ الصَّحَابَۃِ خَتَمُوا الْقُرْاٰنَ عَلَیْہِ مَرَّۃً خَتَمَاتٍ

یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ کَانَ مَجْمُوْعًا مُرَتَّبًا۔ یعنی قرآن مجید آج جس ترتیب سے موجود ہے اسی ترتیب سے عہد نبوی میں جمع ہو چکا تھا، اور اسی ترتیب سے صحابہؓ نے آپ پر بہت سے ختم قرآن کے سنائے تھے، امام مالک فرماتے ہیں اِنَّمَا اَلَّفَ الْقُرْاٰنَ عَلٰی مَا کَانُوْا یَسْمَعُوْنَہٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (کتاب فضائل قرآن ابن کثیر مطبوعہ مصر ص۳۵) یعنی قرآن کی ترتیب وہی ہے جو صحابہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے حافظ نووی تبیان میں لکھتے ہیں، اِنَّ الْقُرْاٰنَ کَانَ مُؤَلَّفًا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ عَلٰی مَا ھُوَ فِی الْمَصَاحِفِ الْیَوْمَ (کتاب التبیان فی آداب القرآن) یعنی قرآن آج جس ترتیب سے مصحفوں میں موجود ہے یہ عہد نبوی کا ہی ترتیب دیا ہوا ہے اور تو اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں اِنَّ الْقُرْاٰنَ کَانَ مَجْمُوْعًا مُؤَلَّفًا عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (رسالہ تواتر قرآن) یعنی یہ قرآن عہد نبوی کا ہی جمع کیا ہوا، اور ترتیب دیا ہوا ہے پس یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ ؎

تنہا من دریں میخانہ مستم | جنید و شبلی و عطار شد مست

پانچویں دلیل:۔ ترتیب نبوی سے جب کہ صحابہ کرام کے پاس قرآن مجید کی جلدیں بکثرت موجود تھیں تو کیا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن پاک کی کوئی مکمل جلد موجود نہ ہوگی وہ ضرور موجود تھی، چنانچہ امام بخاری نے اس امر کا ایک خاص باب ہی منعقد کیا ہے، ملاحظہ ہو بَابُ مَنْ قَالَ لَمْ یَتْرُکِ النَّبِیُّ اِلَّا مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ پھر بالاسناد روایت لائے ہیں قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِیَّۃِ مَا تَرَکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ (بخاری باب) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پورا قرآن مجید دو چوبی دفتیوں کے درمیان میں (یعنی مجلد و مرتب) چھوڑا تھا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

کَانُوْا یَکْتُبُوْنَ الْمُصْحَفَ فِی الرَّقِّ وَیَجْعَلُوْنَ لَہٗ دَفَّتَیْنِ مِنْ خَشَبٍ (ص۲۴ پ)

یعنی قرآن مجید چرمی اوراق میں مکتوب تھا دو چوبی دفتیاں اس کے دونوں طرف تھیں اور صحیح مسلم میں ہے، قَالَتْ اُمُّ یَعْقُوْبَ لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَیْنَ لَوْحَیِ الْمُصْحَفِ (بحوالہ ...) یعنی میں نے قرآن مجید پڑھا تھا جو دو تختیوں کے درمیان میں تھا، صحیح بخاری کی روایت مذکورہ اس امر میں نص صریح ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو کل و مرتب و مجلد چھوڑا

۱؎ تفسیر مجمع البیان للطبرسی طبع ایران جلد اول ص۸

تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان کو مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے قرآن مجید اور سنت۔ ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعدھما کتاب اللہ وسنتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض (رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ جامع صغیر سیوطی مطبوعہ مصر) یعنی میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ان کے رہتے تم گمراہ نہ ہو گے قرآن مجید اور میری حدیث۔

فصل سوم

آثار صحابہ

صحیح بخاری میں ہے عن انس جمع القرآن علی عهد النبی ﷺ اربعة کلھم من الانصار ابی ومعاذ وزید بن ثابت وابو زید قلت من ابو زید قال احد عمومتی (مناقب زید) قال انس ونحن ورثناہ (باب القراء) حضرت انس کہتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں چار انصاریوں نے قرآن جمع کیا تھا حضرت ابی ومعاذ وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم، انس سے پوچھا گیا کہ ابو زید کون ہیں، جواب دیا کہ میرے چچا تھے، پھر انس نے کہا کہ ابو زید کا جمع کیا ہوا قرآن مجھے ورثہ میں ملا تھا، انتہی۔

انس کا مقولہ مذکورہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے جیسا کہ بخاری کی دوسری حدیث میں مذکور ہے قال قتادۃ سألت انسا من جمع القرآن علی عهد النبی ﷺ قال اربعة الخ۔ (باب القراء) اس روایت میں القرآن کا الف لام عہدی حضوری ہے جو ہذا کے معنے میں ہے قتادہ تابعی نے انس صحابی سے دریافت کیا کہ یہ قرآن (جو ہمارے زمانہ میں اس ترتیب سے جمع شدہ موجود ہے اس کو) عہد رسالت میں کن لوگوں نے جمع کیا تھا، حضرت انس نے قتادہ کو اسی قرآن زیر سوال کی بابت جواب دیا کہ انصار میں سے چار شخصوں نے، ابی رضی اللہ عنہ ومعاذ رضی اللہ عنہ وزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرت زید کا اپنے لکھے ہوئے قرآن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر عرضۂ اخیرہ میں پیش کرنے کا ذکر کتاب المعارف سے ہم نے صفحہ ۱ پر کر دیا ہے،

حضرت ابوزید سعد بن عبید بن نعمان انصاری کے حال میں اسد الغابہ میں ہے ھو اول

مَن جَمَعَ القُرآنَ مِنَ الاَنصَارِ یعنی انصار میں یہ اول جامع قرآن ہیں۔

حضرت اُبی رضنے قرآن کو سادے طور سے لکھا تھا اور جب عہد عثمانی میں لوگوں نے مُطَلّیٰ و محلّٰی (چاندی اور سونے سے مزین) کیا، جیسا کہ منتخب کنز العمال میں ہے جَمَعُوا القُرآنَ عَلیٰ عَہدِ عُثمَانَ ذَہَّبُوا فَضَّضُوا المَصَاحِفَ (منتخب ج ۱۔ برحاشیہ احمد) تو حضرت اُبی سخت ناراض ہوئے اور فرمایا، قَالَ اُبَیُّ بنُ کَعبٍ اِذَا حَلَّیتُم مَصَاحِفَکُم فَعَلَیکُمُ الدَّمَارُ (کتاب مذکور ص ۱) یعنی تم لوگوں نے اپنے قرآنوں کو مطلّیٰ و محلّٰی کیا ہے اب تمہاری ہلاکت کا وقت آگیا ہے نیز حضرت ابن مسعود رضنے فرمایا (جبکہ) ابنُ مَسعُودٍ بِمُصحَفٍ قَد زُیِّنَ بِالذَّہَبِ فَقَالَ اِنَّ اَحسَنَ مَا زُیِّنَ بِہِ المُصحَفُ تِلَاوَتُہُ (کتاب مذکور ص ۱) جب ابن مسعود کے سامنے ایسا قرآن پیش کیا گیا جو سونے سے مزین تھا تو فرمایا کہ قرآن مجید کی عمدہ زینت اس کی تلاوت کرنی ہے،

یہ عبداللہ بن مسعود بھی قرآن مجید کے لکھنے اور جمع کرنے والوں میں سے ہیں، صحیح بخاری باب تالیف القرآن میں تالیف ابن مسعود کا ذکر موجود ہے، نیز آگے دلائل الخیرات کے حوالے سے منقول ہوگا انشاء اللہ ابن مسعود کے شاگردوں کے پاس بھی لکھا ہوا قرآن موجود تھا، صحیح مسلم میں ہے عَن اَبِی الاَحوَصِ قَالَ کُنَّا فِی دَارِ اَبِی مُوسیٰ مَعَ نَفَرٍ مِن اَصحَابِ ابنِ مَسعُودٍ وَہُم یَنظُرُونَ فِی مُصحَفٍ الخ (منتخب ج ۱) ابوالاحوص کہتے ہیں کہ ہم لوگ ابوموسیٰ اشعری کے گھر میں ابن مسعود کے شاگردوں کے پاس تھے اور وہ لوگ لکھے ہوئے قرآن میں دیکھ رہے تھے، حافظ ابن کثیر فضائل قرآن میں لکھتے ہیں عَنِ ابنِ مَسعُودٍ اَنَّہُ کَانَ اِذَا اجتَمَعَ اِلَیہِ اِخوَانُہُ نَشَرُوا المُصحَفَ فَقَالَ ابنُ مَسعُودٍ اَدِیمُوا النَّظَرَ فِی المُصحَفِ (ص ۱۲ مطبوعہ مصر) یعنی ابن مسعود کے پاس جب لوگ جمع ہوتے تو قرآن کھول کر بیٹھ جاتے، حضرت ابن مسعود ان کو تاکیداً فرماتے کہ ہمیشہ قرآن میں دیکھ کر پڑھا کرو۔ غالباً ابن مسعود کو وہ مرفوع حدیث پہنچ گئی تھی جو فصل دوم کی دوسری دلیل کے [illegible] ہے اور حدیث نمبر ۲ کے تو راوی وہی ہیں (ابن مسعود سے بھی منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے [illegible] مضری (منتخب کنز ص ۲ ج ۱) یعنی قرآن مجید کے لکھنے والے قبیلہ مضر سے ہوں یعنی قریشی ہوں۔

غرض عہد نبوی میں قرآن مجید کو کتابی شکل میں لکھنے والوں میں [illegible]

اُبی رضؓ، معاذ رضؓ، زید رضؓ، ابو زید رضؓ، ابن مسعود رضؓ، چھٹے عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں، ان کا عہد نبوی میں قرآن لکھنا اور جمع کرنا مسند احمد و سنن نسائی کی روایتوں کے حوالہ سے فصل دوم کی پہلی دلیل کے تیسرے پیراگراف میں بیان ہو چکا ہے۔

ساتویں حضرت عثمان رضؓ ہیں، آٹھویں حضرت علی رضؓ ہیں اور نویں حضرت سالم رضؓ ہیں ان لوگوں نے بھی عہد نبوی میں مثل دیگر صحابہ کے قرآن مجید لکھا اور جمع کیا تھا جیسا کہ ازالۃ الخفاء میں ہے، اَخرج محمد عن محمد بن کعب القرظی قال کان ممن جمع القرآن علی عہد النبی ﷺ وھو حی عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبداللہ بن مسعود من المہاجرین و سالم مولیٰ ابی حذیفۃ، (ص ۲ ج ۲) یعنی عہد نبوی میں مہاجرین صحابہ میں سے قرآن جمع کرنے والے حضرت عثمانؓ حضرت علی رضؓ، ابن مسعود رضؓ اور سالم رضؓ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا قرآن جمع کرنا ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد نبوی میں قرآن کا جمع کرنا طبقات ابن سعد میں بھی مذکور ہے، نیز مفتاح السعادۃ میں ہے عثمان بن عفان احد من جمع القرآن علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۳۵ ج ۱) یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا، اسی طرح صواعق محرقہ مصری ص ۹۱ اور تاریخ الخلفاء مصری ص ۱۰۳ میں بھی مرقوم ہے بلکہ حضرت عثمان نے اپنے پڑھنے کے لئے قرآن کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، چنانچہ باغیوں نے آپ کی شہادت کے وقت جب آپ کے ہاتھ پر تلوار ماری ہے تو آپ نے اپنا وہ ہاتھ اٹھا کر فرمایا واللہ انہا لاول ید خطت المفصل (فضائل قرآن ابن کثیر ص ۴۹) یعنی یہ وہ ہاتھ ہے جس نے پہلے قرآن کو لکھا تھا، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عثمان رضؓ اپنے سامنے جس قرآن کو رکھ کر تلاوت فرما رہے تھے وہ [illegible] تھا جو انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا (فضائل ص ۴۹) اس قرآن کی زیارت ابن کثیر نے (جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرے ہیں) اپنی زندگی میں شہر دمشق کی جامع مسجد میں کی تھی (فضائل قرآن مصری ص ۴۹)

حضرت علی مرتضیٰ کا قرآن جمع کرنا علاوہ ازالۃ الخفاء کے فتح الباری میں بھی منقول ہے جمع القرآن فی مصحف (ص ۱۱ پ ۹) بلکہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضؓ سے مروی ہے قال علی ما کتبنا عن

النَّبِيِّ اَلْقُرْآنَ الخ (بخاری احمدی ص ۱۸۷۶) یعنی قرآن کو ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا ہے، صواعق محرقہ میں بھی حضرت علی رض کی بابت مرقوم ہے اَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَعَرَضَہٗ عَلَی النَّبِيِّ ﷺ (مصری ص ۷۲) یعنی حضرت علی رض نے قرآن جمع کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا اسی طرح سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے دیکھو ص ۶۷ مطبوعہ مصر، حضرت علی رض سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ چھوٹی تقطیع میں قرآن کا لکھنا ناپسند فرماتے تھے چنانچہ منتخب کنز العمال میں ہے مَنْ عَلِيٍّ اَنَّہٗ کَانَ یَکْرَہُ اَنْ یُکْتَبَ الْمُصْحَفُ فِی الشَّيْءِ الصَّغِیْرِ (ص ۱۰۵) یعنی حضرت علی برا جانتے تھے اس امر کو کہ قرآن کسی چھوٹی سی چیز پر لکھا جائے اور یہ غالباً اس لئے کہ قرآن مجید ایک چھوٹی سی کتاب معلوم ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی کنز العمال میں منقول ہے،

قرآن مجید کو بعہد نبوی کتابی شکل میں جمع کرنے والوں میں سے نو صحابیوں کا ذکر ہو چکا، دسویں حضرت ابو ایوب انصاری، گیارہویں حضرت عبادہ بن صامت اور بارھویں حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، رَوَی ابْنُ اَبِيْ دَاوٗدَ مِنْ طَرِیْقِ مُحَمَّدِ بْنِ الْقُرَظِيِّ قَالَ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلٰی عَہْدِ النَّبِيِّ ﷺ خَمْسَۃٌ (وَفِیْ طَرِیْقِ الشَّعْبِيِّ سِتَّۃٌ. وَاِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ) مِنَ الْاَنْصَارِ اَبُوْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ وَاَبُو الدَّرْدَاءِ وَعُبَادَۃُ بْنُ الصَّامِتِ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَ اُبَيُّ بْنُ کَعْبٍ، وَاِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔ (فتح الباری انصاری ص ۴۸ پ ۲۰ وتاریخ صغیر للبخاری ص ۱۲۱ وطبقات ابن سعد وغیرہ) یعنی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والے انصاریوں میں سے ابو ایوب و عبادہ رض و ابو درداء رض و معاذ رض و ابی رض ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن جمع کرنا اس فصل کے شروع میں مذکور ہو چکا ہے حضرت عبادہ کے بارے میں تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے ھُوَ اَحَدُ مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ فِیْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ (ص ۱۱۱) یعنی عہد نبوی میں قرآن [illegible] ایک وہ بھی ہیں حضرت ابو درداء کی بابت مفتاح السعادۃ میں ہے اَحَدُ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْآنَ عَلٰی عَہْدِ النَّبِيِّ ﷺ بِلَا خِلَافٍ (ص ۲۵۸ ج ۱) یعنی عہد نبوی میں قرآن جمع کرنے والوں میں سے بالاتفاق ایک ابو درداء بھی ہیں، انہی ابو درداء سے ایک شخص نے کہا کہ میرے

بیٹے نے بھی ایک قرآن لکھ کر جمع کیا ہے تو آپ نے اس کو دعاء مغفرت دی (کتاب الزہد للإمام احمد)
تیرھویں صحابی حضرت ناجیہ رض طفاوی ہیں، طبرانی میں ہے کَانَ نَاجِیَۃُ یَکْتُبُ الْمَصَاحِفَ
(اصابہ و استیعاب) یعنی حضرت ناجیہ قرآن مجید لکھا کرتے تھے،
چودھویں صحابی مشہور شاعر عرب حضرت لبید رض بن ربیعہ عامری ہیں، جن کا قصیدہ مشہور
کتاب سبعہ معلقہ (یا عشرہ معلقہ) میں موجود ہے، ان کا حال سنئے اَنَّہٗ لَمَّا اَسْلَمَ کَانَ یَکْتُبُ الْقُرْاٰنَ
وَتَرَکَ الشِّعْرَ (جمہرۃ العرب ص۲۰) عہد نبوی میں لبید نے جب سے اسلام قبول
کیا اور وہ ہمیشہ قرآن ہی لکھا کرتے تھے،
پندرھویں صحابی حضرت عقبہ رض بن عامر جہنی ہیں، تہذیب التہذیب میں ہے ھُوَاَحَدُ مَنْ جَمَعَ
الْقُرْاٰنَ وَکَتَبَ بِیَدِہٖ وَمُصْحَفُہٗ بِمِصْرَ اِلَی الْاٰنَ بِخَطِّہٖ (ص۲۴۳ ج۲) یعنی عقبہ رض نے عہد نبوی میں قرآن
مجید کو جمع کیا اور اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اور اس کا لکھا ہوا قرآن مجید مصر میں اب تک (حافظ ابن حجر کے
زمانہ تک) موجود ہے حافظ ذہبی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے بلکہ فاضل ابن یونس نے اس قرآن کو
اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ہے قَالَ ابْنُ یُوْنُسَ مُصْحَفُہٗ بِخَطِّہٖ ھُوَ اِلَی الْاٰنَ
مَوْجُوْدٌ (ص۳۰ ج۱) یعنی ابن یونس نے کہا کہ عقبہ رض کا لکھا ہوا قرآن اب تک موجود ہے،
سولھویں صحابیہ حضرت ام سلمہ رض ام المومنین ہیں، کنز العمال میں ہے عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نَافِعٍ قَالَ
اَمَرَتْنِیْ اُمُّ سَلَمَۃَ اَنْ اَکْتُبَ لَھَا مُصْحَفًا (ص۲۲۳ ج۱) عبداللہ بن نافع کہتے ہیں کہ مجھے ام سلمہ رض
نے حکم دیا کہ ان کے لئے ایک قرآن مجید لکھوں۔
سترھویں حضرت حفصہ ام المومنین ہیں کنز العمال میں ہے عَنْ نَافِعٍ اَنَّ حَفْصَۃَ دَفَعَتْ
مُصْحَفًا اِلٰی مَوْلًی لَھَا یَکْتُبُ الخ (ص۲۳۷ ج۱) نافع کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ نے اپنے غلام
کو قرآن (جو ان کے پاس عہد صدیقی کا تھا) نقل کرنے کو دیا۔
اٹھارھویں حضرت عائشہ ام المومنین ہیں، صحیح مسلم میں ہے عَنْ اَبِیْ یُوْنُسَ مَوْلٰی عَائِشَۃَ
اَنَّہٗ قَالَ اَمَرَتْنِیْ عَائِشَۃُ اَنْ اَکْتُبَ لَھَا مُصْحَفًا الخ (ص۲۲۷ ج۱) حضرت عائشہ کے غلام ابو یونس
کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ ان کے لئے ایک قرآن مجید لکھوں۔ اسی قرآن کو سامنے
رکھ کر ان کا دوسرا غلام ذکوان نماز کی امامت کرتا تھا اور نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتا تھا، جیسا

کہ صحیح بخاری میں ہے کَانَتْ عَائِشَةُ یَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ (بخاری احمدیہ ص ۹۶)
یعنی حضرت عائشہ کا غلام ذکوان قرآن دیکھ کر حضرت عائشہ کا امام بن کر نماز پڑھاتا۔ وَعَنْ هِشَامٍ عَنْ
عُرْوَةَ قَالَ قَرَأْتُ فِي مُصْحَفِ عَائِشَةَ الخ (کنز العمال ص ۲۳۲ ج ۱) ہشام کہتے ہیں کہ میں نے
اپنے باپ عروہ کی خالہ حضرت عائشہ کے قرآن مجید میں تلاوت کی ہے، اس قرآن کو دیکھنے کے
لئے ایک شخص ملک عراق سے سفر کرکے مدینہ آیا تھا تاکہ اس کی نقل کرے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے
قَالَ عِرَاقِيٌّ لِعَائِشَةَ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرِينِي مُصْحَفَكِ. الخ (ص ۷۴۶ ج ۲) عراقی نے حضرت عائشہ سے
کہا کہ اے اماں جان مجھے اپنا قرآن مجید دکھائیے میں اس کی نقل کروں گا، عراق پر ہی کیا موقوف ہے ملک
شام سے بھی لوگ بغرض نقل قرآن مدینہ آیا کرتے تھے اِنْطَلَقَ رَكْبٌ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْمَدِينَةِ يَكْتُبُونَ
مَصَاحِفَهُمْ (منتخب کنز العمال ص ۴۸ ج ۱) یعنی ملک شام سے ایک پورا قافلہ مدینہ آیا تھا تاکہ اپنے
لئے قرآن لکھیں، غرض اٹھارہ ہوگئے،

انیسویں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی ہیں جنہوں نے حضرت زید بن ثابت سے قرآن مجید
لکھوایا۔ فتح الباری میں ہے قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ أَمَرَنِي ... فَكَتَبْتُ الخ (ص ۱۱ پ ۲۰) صحیح بخاری
میں ہے فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ
بِنْتِ عُمَرَ الخ (مشکوٰۃ ص ۱۹۳) یعنی زید کہتے ہیں کہ مجھے ابوبکر رض نے قرآن لکھنے کا حکم دیا، پس میں نے لکھا
یہ نسخہ ابوبکر کے پاس ان کے مرنے تک رہا پھر حضرت عمر رض کے پاس آخر حیات تک رہا، پھر اُن
کی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس تھا۔ (اسی نسخہ کی نقل حضرت حفصہ نے اپنے غلام سے کرائی تھی،
جیسا کہ تیسری میں گزرا ہے) اور اسی نسخہ کو حضرت حفصہ سے حضرت عثمان رض نے منگوا کر اس کی
متعدد نقلیں کرائی تھیں جیسا کہ خاتمہ میں بیان ہوگا انشاء اللہ۔

بیسویں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رض ہیں جنہوں نے حضرت زید سے اپنے لئے ایک علیحدہ
نسخہ لکھوایا تھا جیسا کہ فتح الباری میں ہے فَلَمَّا هَلَكَ وَكَانَ عُمَرُ كَتَبْتُ ذٰلِكَ (حوالہ مذکورہ) یعنی جب
ابوبکر صدیق رض فوت ہوگئے اور حضرت عمر رض خلیفہ ہوئے تو پھر میں نے اُن کے لئے قرآن لکھا، معارف
ابن قتیبہ میں ہے كَتَبَ زَيْدٌ لِعُمَرَ (ص ۳۰) یعنی زید نے خاص حضرت عمر رض کیلئے بھی لکھا تھا، اسی
کو کنز العمال میں یوں لکھا ہے فَلَمَّا جَمَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الْمُصْحَفَ (ص ۲۸۱ ج ۱) اسی نسخہ میں

حضرت عمرؓ تلاوت بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس کہتے ہیں اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اِذَا دَخَلَ بَیْتَہٗ نَشَرَ الْمُصْحَفَ فَقَرَأَ فِیْہِ (فضائل قرآن ابن کثیر ص۱۱) یعنی حضرت عمرؓ جب اپنے مکان میں داخل ہوتے قرآن مجید کھول کر پڑھنے لگتے، نیز آپ لکھے ہوئے قرآن مجید کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، چنانچہ منتخب کنز العمال میں ہے اِنَّ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَجَدَ مَعَ رَجُلٍ مُصْحَفًا قَدْ کَتَبَہٗ (الیٰ) کَانَ اِذَا رَأَیٰ مُصْحَفًا سَرَّہٗ (ص۳۹۸ ج۱) یعنی حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے پاس لکھا ہوا قرآن مجید دیکھا اور آپ جب ایسا قرآن دیکھتے تو خوش ہوتے، خلیفہ وقت کی خوشی اور قرآن دیکھ کر پڑھنے کی ترغیب والی حدیثوں کا نتیجہ ہوا کہ قرآن پاک کے نسخے بکثرت لکھے جانے لگے اور عام طور سے بازاروں میں فروخت ہونے لگے تھے، چنانچہ بعض عاشقانِ قرآن کو یہ بات بُری معلوم ہونے لگی تھی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں ہے قَالَ حَنْظَلَۃُ مَرَرْتُ مَعَ طَاوُسٍ عَلٰی قَوْمٍ یَبِیْعُوْنَ الْمَصَاحِفَ فَاسْتَرْجَعَ طَاوُسٌ الخ (ص۲۱۳ ج۴) حنظلہ کہتے ہیں، کہ میں طاؤس کے ہمراہ بازار گیا تو دیکھا کہ لوگ قرآنوں کی بیع وشراء کر رہے ہیں، اس پر طاؤس نے انا للہ پڑھی، آخر طاؤس کے استاد ابن عباس رضؓ سے پوچھا گیا سُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ بَیْعِ الْمَصَاحِفِ قَالَ لَا بَأْسَ (منتخب کنز ص۲۰۲ ج۱) یعنی ابن عباس رضؓ سے دریافت کیا گیا کہ بیع قرآن کی بابت آپ کا فتویٰ کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح ابن عباس سے کتابت قرآن کی اجرت کی بابت پوچھا گیا۔ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ اُجْرَۃِ کِتَابَۃِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَا بَأْسَ (مشکوٰۃ ص۲۴۳) فرمایا کہ کچھ حرج نہیں ہے، پھر تو قرآن مجید کے نسخوں کی اتنی کثرت مختلف ممالک میں ہوگئی کہ ان کا صحیح شمار غیر ممکن ہو گیا علامہ ابن حزم کتاب الفصل میں لکھے ہیں مَاتَ عُمَرُ وَمِائَۃُ اَلْفِ مُصْحَفٍ مِنْ مِصْرَ اِلَی الْعِرَاقِ وَالشَّامِ وَالْیَمَنِ فَمَا بَیْنَ ذٰلِکَ (ملل ونحل ص ج۲) یعنی مصر سے لے کر عراق وشام ویمن تک اور ان ممالک کے درمیان میں حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت قرآن کے ایک لاکھ نسخے موجود تھے،

ادم بر سر مطلب، الغرض عہد نبوی میں قرآن مجید کے لکھنے اور جمع کرنے والوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے علامہ عینی نے شرح بخاری میں کیا خوب لکھا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ جَمَعُوا الْقُرْاٰنَ عَلٰی عَہْدِ النَّبِیِّ لَا یُحْصِیْہِمْ عَدَدٌ وَلَا یَضْبِطُہُمْ اَحَدٌ .... (عمدۃ القاری ص۲۱ ج۹) یعنی عہد نبوی میں جن لوگوں نے قرآن جمع کیا تھا اُن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، بعض نام تو ادپر ہم نے لکھے

تھے، علامہ عینی نے ابوموسیٰ اشعری، مجمع بن جاریہ، قیس بن ابی صعصعہ، قیس بن سکن، ام ورقہ بنت نوفل اور ابنۃ عبداللہ بن حارث کے نام بھی بحوالہ کتب لکھے ہیں، خطیب بغدادی نے ثابت بن بشیر بن ابی زید کا نام بھی لکھا ہے (عمدۃ ج ۹) باقی لوگوں کے نام اور شمار خدا ہی بہتر جانتا ہے،

ایک شبہ کا دفعیہ | روایات مرقومہ بالا میں الفاظ جَمَعَ الْقُرْآنَ یا جَمَعَ الْقُرْآنَ کے جو آئے ہیں ان پر شبہ وارد کیا گیا ہے کہ اس سے مراد جمع صدر یعنی حفظ ہے نہ جمع کتابی اس کا دفعیہ یوں ہے کہ قرآن کے حافظ تو تقریباً سب صحابہ تھے، دیکھو ستر صحابہ جو بیر معونہ میں شہید ہوئے تھے وہ سب حافظ قرآن تھے، اسی طرح جنگ یمامہ میں جو ستر صحابہ شہید ہوئے تھے وہ بھی سب حافظ تھے ان کے علاوہ جو صحابی عہد نبوی میں زندہ موجود تھے اُن میں سے تیس صحابہ کے نام شروح بخاری (فتح الباری وعمدۃ القاری) میں موجود ہیں، اور جب کہ صحابہ کرام نے زبانِ وحی ترجمان سے یہ بشارت سُنی ہوئی تھی کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْآنَ (منتخب کنز ص ج ۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس دل میں قرآن محفوظ ہوگا اس کو عذاب نہیں ہوگا اور آپ نے فرمایا تھا لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ (رواہ الدارمی) (مشکوٰۃ ص ۱) یعنی جس مسلمان (کے بدن) کی کھال میں (یعنی سینہ دل میں) قرآن ہوگا اس کو جہنم کی آگ نہیں جلائے گی، تو بھلا یہ شبہ کسطرح ہو سکتا ہے کہ کوئی صحابی حافظِ قرآن نہ ہوگا، حالانکہ عرب کا حافظہ مشہور عالم ہے، لہٰذا روایات مرقومہ بالا میں جمع سے مراد کتابی ہے بلکہ بعض روایات میں تو کتابت کی تصریح موجود ہے حاکم میں زید کا مقولہ كُنَّا نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ فِي الرِّقَاعِ موجود ہے (اتقان ص) یعنی ہم قرآن کو رقعوں میں لکھ کر جمع کرتے تھے، انہیں رقعوں سے زید نے ابوبکر رض کے زمانہ میں نقل کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے أَجْمَعُهُ مِنَ الرِّقَاعِ (پ ۱۹)، پس جمع فی الرقعہ کی قید مُبطل ہے جمع فی الصدر محض کی، اسی لئے حافظ عسقلانی نے لکھا ہے اَلْمُرَادُ بِالْجَمْعِ الْكِتَابَةُ فَلَا يَنْفِي أَنْ يَكُونَ غَيْرُهُمْ جَمَعَهُ حِفْظًا مِنْ ظَهْرِ قَلْبٍ وَأَمَّا هٰؤُلَاءِ فَجَمَعُوْهُ كِتَابَةً وَحَفِظُوْهُ عَنْ قَلْبٍ انتہی (فتح الباری انصاری پارہ ۲۰ ص) یعنی روایات بالا میں جمع سے مراد لکھنا ہے اس سے دیگر اصحاب کے زبانی یاد کرنے کی نفی نہیں ہوتی لیکن یہ لوگ زبانی بھی یاد رکھتے تھے اور لکھ کر بھی جمع کیا فَافْهَمْ مَا أَوْرَدَهٗ

خاتمہ

(۱) جمع عثمانی کی حقیقت

اوپر یہ لکھا جا چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ایک لاکھ نسخے قرآن مجید کے اطراف و جوانب مدینہ میں شائع و ذائع ہو چکے تھے، تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جامع قرآن کیونکر کہا جا سکتا ہے اگر اس وجہ سے کہ انہوں نے عہد نبوی میں اپنے لئے قرآن مجید کا نسخہ لکھا اور جمع کیا تھا جیسا کہ مفتاح السعادۃ اور ازالۃ الخفاء کے حوالہ سے اوپر نقل ہو چکا ہے تو اس امر میں اُن کی مزیت کیا ہے بہت سے صحابہ نے اسی طور سے لکھا اور جمع کیا تھا کما مرّ واقعہ یہ ہے کہ طرز تحریر یعنی رسم خط سب کے جدا تھے، اس وجہ سے قرائتیں مختلف ہو جاتی تھیں، اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت میں ایک رسم خط اور ایک قراءۃ پر سب کو جمع کر دیا۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے کتاب فضائل قرآن میں لکھا ہے، جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی قِرَاءَۃٍ وَاحِدَۃٍ لِئَلَّا یَخْتَلِفُوْا فِی الْقُرْاٰنِ (مطبوعہ مصر ص۲۲ و ص۲۲) یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو ایک قراءۃ پر جمع کر دیا تھا تاکہ لوگ قرآن پڑھنے میں اختلاف نہ کریں اس لئے وہ جامع الناس الیٰ ہذا القرآن، تو بے شک ہیں، جامع قرآن نہیں ہیں، جیسا کہ حارث محاسبی نے کہا ہے اَلْمَشْہُوْرُ عِنْدَ النَّاسِ اِنَّ جَامِعَ الْقُرْاٰنِ عُثْمَانُ وَلَیْسَ کَذٰلِکَ ۔ (اتقان للسیوطی ص۶۰) یعنی لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ حضرت عثمان قرآن کے جمع کرنے والے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے جو صحیح بخاری میں مروی ہے عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَمَرَ عُثْمَانُ زَیْدَ بْنَ ثَابِتٍ ۔۔۔۔ اَنْ یَنْسَخُوْھَا فِی الْمَصَاحِفِ (پ۲۱ باب نزول القرآن الخ) فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰی حَفْصَۃَ اَنْ اَرْسِلِیْ اِلَیْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُھَا فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔۔ فَنَسَخُوْھَا فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔ حَتّٰی اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِی الْمَصَاحِفِ ۔۔۔ اَرْسَلَ اِلٰی کُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا۔ (پ۲۱ باب جمع القرآن) اَیْ مُتَقَلِّبًا الَّتِیْ نُقِلَتْ فِیْہَا اِلٰی مَصَاحِفَ اُخْرٰی (فتح الباری ص۱۴) یعنی حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت اور چند کاتبوں کو بلوا کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر والا قرآن بھیج دو تاکہ اس کی متعدد نقلیں کرائی جائیں چنانچہ حضرت زید اور دیگر کاتبوں نے کئی نسخے لکھے، جب نقلیں ہو چکیں تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اطراف و جوانب میں بھجوا دیا۔

اس روایت سے آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن صدیقی کی نقل کا حکم دیا تھا نہ جمع کا، یعنی مصحف عثمانی نقل تھا مصحف ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرآن ما بین الدفتین کی، جس کو آنحضرت علیہ السلام چھوڑ گئے تھے اور قرآن نبوی کی ترتیب من جانب اللہ تھی جو کہ آپ کو بر زبان یاد تھا اور جس کی آپ سات منزلیں فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ پیشتر مفصل لکھا جا چکا ہے لہٰذا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا اور اسی ترتیب پر ہے جس ترتیب پر آپ نے خود تلاوت فرمائی اور صحابہ کو یاد کرایا اور لکھوایا۔ وھو المراد۔ والحمد للہ علیٰ ما یراد۔

اعراب قرآن (۲)

مسئلہ جمع قرآن کے متحقق ہو جانے کے بعد ضمناً مسئلہ اعراب قرآن کی بابت بھی ایک ضروری ہے۔ اعراب لگانے والوں نے آیا اپنی رائے سے قرآن کی آیتوں پر زیر زبر پیش لگایا ہے! یا کسی صحابی کے مشورہ سے! یا ضرورت زمانہ سے مجبور ہو کر یا کسی شرعی حکم کے ماتحت! جن لوگوں کو حقیقت کا علم نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ زمانہ کی ضرورت نے اعراب لگانے پر مجبور کیا اور اسے وہ بدعت حسنہ کہتے ہیں لیکن ابو یعلیٰ و بیہقی کی ایک حدیث فیصلہ کر دیتی ہے کہ آیتوں پر اعراب حکم نبوی کے ماتحت لگایا گیا ہے خواہ کسی زمانہ میں لگا۔ لہٰذا جو امر حدیث سے ثابت ہو اس پر بدعت کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ آنحضرت علیہ السلام خود اس کا حکم دے گئے تھے چنانچہ ملاحظہ ہو:- عن ابی هريرة قال قال النبی صلى الله عليه وسلم اعربوا القرآن، رواہ البیہقی وابو یعلیٰ (مشکوٰۃ ص ۱۸۰)

صفحہ ۳۳، منتخب کنز ، تاریخ خطیب ، بغیۃ الوعاۃ ص ، فضائل ابن کثیر)

یہ حکم اپنے عموم کی بنا پر جس طرح شامل ہے تبیین معانی واظہار حروف والفاظ عند التلاوت کو اسی طرح عند الکتابۃ حروف والفاظ پر زبر زیر پیش جزم، مد تشدید لگانے کو بھی پس جن لوگوں نے آیات قرآنیہ پر اعراب لگایا ہے اسی شرعی حکم کے ماتحت لگایا ہے، لہذا یہ فعل بدعت حسنہ کا ثبوت یا نظیر نہیں بن سکتا، مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے ای ایھا العلماء بینوا ما فی القرآن من بدائع الاعراب ( ) یعنی اے جاننے والو! قرآن مجید کے اعراب کو بیان کرو، زبان سے یا قلم سے دونوں مراد ہو سکتا ہے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً۔

تم الباب الاول فی جمع القرآن ۔ ویتلوہ الباب الثانی فی جمع احادیث الرسول النبی الامی علیہ الصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان ؛

دوسرا باب
کتابت احادیث وجمع روایات
فصل اوّل
پہلا ثبوت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے

خاص

(۱) مکہ معظمہ میں قبیلہ خزاعہ سے ایک شخص نے قبیلہ بنو لیث کا ایک آدمی مار ڈالا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ نے مکہ مکرمہ کی عزت وحرمت نیز اس میں قتل وقتال کی ممانعت سے متعلق ایک خطبہ دیا۔ حاضرین میں سے ایک یمنی شخص ابوشاہ نے عرض کی کہ مجھے یہ باتیں لکھوا دیجئے، آپ نے فرمایا۔ اُكْتُبُوْا لِأَبِيْ شَاهٍ (بخاری احمدی ج۱ ص۲۲ مسلم ج۱ ص۴۳۹) یعنی میری یہ حدیث ابوشاہ کو لکھ دو۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رض کو ایک صحیفہ (رسالہ) لکھوایا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنِ النَّبِيِّ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ (ص ۴۵۱ ج۱) اس صحیفہ میں مدینہ کا حرم ہونا، مسائل جراحات، اونٹوں کی عمریں احکام ذمیان، کسی دوسرے کو باپ یا مولیٰ بنانے کی ممانعت، ذبح لغیر اللہ کی حرمت، علامات ارضیہ کی چوری پر لعنت، والدین کو برا کہنے پر لعنت، بدعتی کو ٹھکانا دینے پر لعنت وغیرہ مختلف مسائل مرقوم تھے۔ (صحیح مسلم ص۱۳۳ ج۱، ص۴۹۵ ج۱، ص۱۶۱ ج۲)۔

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رافع بن خدیج کو اپنی تمام حدیثوں کے لکھنے کا حکم دیا تھا۔ طبرانی کبیر میں ہے عَنْ رَافِعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَسْمَعُ مِنْكَ أَشْيَاءَ فَنَكْتُبُهَا؟ قَالَ اكْتُبُوْا وَلَا حَرَجَ (منتخب کنز العمال ص۲۹ ج۴، مجمع الزوائد ص۱۵۱ ج۱) یعنی یا رسول اللہ! ہم لوگ آپ سے سنی ہوئی حدیثوں کو لکھ لیا کریں۔ فرمایا لکھو کوئی حرج نہیں ہے، اس میں حکم کتابت بصیغہ جمع فرمایا ہے، جو سب صحابہ کو شامل ہے، جامع ترمذی میں آیا ہے کہ ایک مرد انصاری (غالباً رافع) کو آپ نے

فرمایا تھا۔ اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ وَاَوْمَأَ بِيَدِهٖ اِلَى الْخَطِّ (ص ۳۸۲) یعنی میری حدیثیں لکھ لیا کرو۔ اور طبرانی میں ہے اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ عَلٰى حِفْظِكَ (کنوز الحقائق ص ۳۵ ج ۱)

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمرو بن عاص کو بھی اپنی تمام حدیثوں کے لکھنے کا حکم دیا تھا اِسْتَأْذَنَ فِى الْكِتَابِ عَنْهُ فَاَذِنَ لَهٗ (مسند احمد ص ۲۰۳ ج ۲۔ استیعاب بر حاشیہ اصابہ ص ۳۴۷ ج ۲ شرح معانی الآثار ص ۳۵۸) چنانچہ آپ کا یہ اذن دینا بصیغہ امر بھی مروی ہے اُكْتُبْ فَوَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ (ابوداؤد مصری ص ۷۷ ج ۲ و مسند احمد مصری ص ۱۶۲ و ص ۱۹۲ ج ۲ و مسند دارمی ص ۶۸ و مستدرک حاکم ص ۱۰۶ ج ۱) یعنی میرے منہ سے حق نکلتا ہے پس اُسے لکھ لیا کرو۔

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا غلام حضرت عداء صحابی کے ہاتھ فروخت کیا تو ایک نوشتہ (بیع) لکھوا کر مرحمت فرمایا تھا۔ چنانچہ عداء کہتے ہیں۔ كَتَبَ لِىْ ... بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ الخ (استیعاب مع الاصابہ ص ۱۶۲ ج ۳ و صحیح بخاری احمدی ص ۲۷۹ ج ۱) حضرت عداء زمانہ تابعین میں اس تحریر کو سب لوگوں کو دکھلاتے اور پڑھ پڑھ کے سنایا کرتے تھے (ترمذی ص ۱۴۷ و استیعاب ص ۱۶۲ ج ۳) یہ تحریر محدثین کے پاس ہمیشہ محفوظ رہی (استیعاب ص ۱۶۱ ج ۳)

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ صحابی کو تحریر بھیجی کہ اپنے ملک (نجد) سے مکہ والوں کے لئے غلہ بھیجنا جاری رکھے كَتَبَ النَّبِىُّ ﷺ اِلٰى ثُمَامَةَ بْنِ اُثَالٍ يُخَلِّىْ بَيْنَ اَهْلِ مَكَّةَ وَبَيْنَ الْحَمْلِ اِلَيْهِمْ۔ (فتح الباری انصاری ص ۱۷ پ ۱۸ و سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۲ ج ۲ و مبسوط سرخسی ابواب السیر)

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بعض سیاسی ضرورتوں کو ملحوظ رکھ کر ان کے ناموں کو لکھنے کا حکم دیا تھا اُكْتُبُوْا لِىْ مَنْ تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ (بخاری ص ۴۳۰ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۲۴۳ ج ۹) قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ كُتِبْتُ فِىْ غَزْوَةِ كَذَا (بخاری حوالہ مذکورہ) یعنی تمام مسلمانوں کے نام لکھو، ایک صحابی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میرا نام فلاں لڑائی کے لئے لکھا گیا ہے۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں شرائط صلح لکھوا کر سہیل بن عمرو کو دی تھیں، یہ صلح نامہ تمام کتب حدیث و سیر میں منقول ہے صحیحین میں وارد ہوا اُكْتُبْ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الخ (بخاری احمدی ص ۳۷۹ ج ۱ و مسلم ص ۱۰۴ ج ۲) اس کی ایک نقل قریش نے لی ایک آپ نے اپنے پاس رکھی (ابن سعد مغازی ص ۷۱)۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے جو صلح کی اُسے لکھوایا کَتَبَ النَّبِیُّ کِتَابًا وَادَعَ فِیْهِ یَهُوْدَ الخ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱) ایک اور بھی صحیفہ اس لکھوا کر یہود کو دیا گیا تھا، سنن ابی داؤد میں ہے کَتَبَ النَّبِیُّ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهُمْ وَبَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَامَّةً صَحِیْفَةً (مصری ص ۲) حضرت سلمان فارسی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لئے اُن کے یہودی مالک کو آپ نے تحریر بھیجی تھی (تاریخ خطیب ص ۱) یہود خیبر کو ایک مقتول صحابی کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کے لئے تحریر بھیجی کَتَبَ النَّبِیُّ اَمَّا اَنْ یَدُوْا صَاحِبَكُمْ وَاِمَّا اَنْ یُؤْذِنُوْا بِحَرْبٍ (بخاری احمدی ص ۱ و ص ۱ مسلم ص نسائی ص ۱، ابوداود مصری ص ۲ ج ۲، ابن ماجہ مصری ص ج ۲) یعنی مقتول کی دیت ادا کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران عرب و شاہان عجم کو دعوت اسلام کی تحریریں بھیجی تھیں، جو کتب حدیث و سیر میں بہ تفصیل مرقوم ہیں، صحیح مسلم میں ہے کَتَبَ النَّبِیُّ اِلٰی کِسْرٰی وَقَیْصَرَ وَالنَّجَاشِیِّ وَاِلٰی کُلِّ جَبَّارٍ یَدْعُوْهُمْ اِلَی اللّٰهِ (ص ۹۹ ج ۲) وَکَتَبَ اِلٰی مَلِكِ اَیْلَةَ (مسلم ص ۲۴۶ ج ۲ وابن ہشام ص ۲) وَکَتَبَ اِلٰی مُلُوْكِ حِمْیَرَ (کتاب الخراج یحییٰ طبوعہ مصر ص ۱) وَکَتَبَ اِلٰی کِسْرٰی (تاریخ خطیب ص) یعنی آپ نے خسرو پرویز، قیصر روم، شاہ حبش، شاہ ایلہ، شاہان حمیر اور ہر صاحب جبروت والی ملک کے پاس اپنی تحریریں بھیجیں، ہندوستان کے راجہ سری بانک کے پاس حذیفہ وا سامہ وغیرہ دس صحابیوں کی معرفت دعوت اسلام کی تحریر بھیجی فَاَجَابَ وَاَسْلَمَ وَقَبَّلَ کِتَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (میزان للذہبی ج ۱ ص ۱ ترجمہ اسحاق بن ابراہیم طوسی) اس راجہ نے دعوت قبول کی اور اسلام لایا اور آپ کی تحریر کو بوسہ دیا اسی طرح منذر و لی عمان کو تحریر بھیجی، واقدی کہتا ہے کہ میں نے یہ تحریر دیکھی ہے (زاد المعاد ص ج ۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تحریروں کی نقلیں زاد المعاد لابن قیم، خاتمہ نصب الرایہ للزیلعی اور اعلام السائلین فی مکاتیب سید المرسلین مطبوعہ مصر میں منقول موجود ہیں فلاتاخ الیھا۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ پیشتر قبیلہ جہینہ والوں کو یہ حدیث لکھوا کر بھجوائی جو کتب حدیث میں ہے قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُکَیْمٍ اَتَانَا کِتَابُ النَّبِیِّ اَنْ لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَیْتَةِ الخ (منتقی ص مشکوٰۃ ص طبرانی صغیر ص ۱۲۵ و ص ۲۱۷، ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد، دارقطنی، بیہقی وابن حبان وغیرہ)۔

(۱۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں، احکام ضروریہ (جزیرۂ عرب سے مشرکین کا اخراج و فودگی خاطر داری، تجہیز جیش اسامہ رضی اللہ عنہ، قبر نبوی کو وثن نہ بنانے، خلافت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ) لکھوانے کو قلم دوات کا غذ طلب فرمایا تھا، قال ائتونی اکتب لکم کتابا (بخاری احمدی ص۴۲۹ ج۱، و مسلم ص۴۳ ج۲ و مسند ص۳۲۴ ج۱)

(۱۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ملک یمن کے شہر جرش والوں کو مسئلہ نبیذ لکھوا کر بھجوایا تھا، کتب الی اھل جرش ینہاھم عن خلیط التمر والزبیب (مسلم ص۱۶۴ ج۲) یعنی کشمش اور خرما کو ملا کر مت بھگوؤ، یہی حکم ہجر والوں کو لکھوا کر بھیجا تھا کتب الی ھجر ان لا تخلطوا الزبیب والتمر جمیعا (نسائی ص۲۹۸)

(۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلم بن حارث تمیمی کو کچھ وصیتیں لکھوا کر مہر کر کے مرحمت فرمائی تھیں قال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما انی ساکتب لک بالوصاۃ بعدی قال ففعل وختم علیہ (ابوداؤد مصری ص۲۱۱ ج۲)

(۱۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس یمن میں تعزیت نامہ لکھوا کر روانہ فرمایا تھا قال عمرو بن لبید مات ابن لمعاذ فکتب الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعزیہ علیہ الحدیث (مستدرک حاکم ص۲۷۳ ج۳ و تاریخ خطیب ص۹۵ ج۲ و طبرانی و ابن مردویہ) یعنی مدینہ میں حضرت معاذ کا لڑکا مر گیا اور معاذ یمن میں تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس تسلی کی تحریر بھیجی تھی،

(۱۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے پاس یمن میں حسب ذیل احکام لکھوا کر بھجوائے تھے، کتب الی معاذ بالیمن ان یاخذ من کل حالم و حالمۃ دینارا (کتاب الخراج یحییٰ مطبوعہ مصر ص۱۲۰ و المراسیل ابی داؤد مطبوعہ مصر ص۱۱ و تاریخ خطیب ص۴۳۵ ج۲) وکتب فیما سقت السماء العشر وما سقی بالغرب فنصفہ (الخراج ص۱۱۵-۱۱۶) وکتب انما الصدقۃ فی الحنطۃ والتمر والشعیر والزبیب (ایضا ص۱۱۸) وکتب معاذ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسالہ عن الخضراوات (ترمذی ص۱۲۱ ج۱ و دار قطنی ص۲۰۴) یعنی ہر غیر مسلم بالغ مرد و زن سے ایک ایک دینار جزیہ لیں، بارش سے جو غلہ پیدا ہو اس میں سے دسواں حصہ لیں ڈول سے جو کھیت سینچا جائے اس سے بیسواں حصہ لیں، صرف چار چیزوں (جو یمن کی خاص پیداوار ہیں) میں زکوٰۃ لیں گیہوں، جو، خرما اور کشمش میں، سبزی اور ترکاری میں زکوٰۃ نہ لیں، یہ مبارک تحریر نبوی، موسیٰ بن طلحہ تابعی کے پاس یادگار کے طور پر محفوظ تھی، (دار قطنی ص۲۰۱)

(۱۷) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو ایک اور حکم بھی تحریر کرا کے روانہ فرمایا تھا جو یہ

ہے عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ اَنْ يُّؤْخَذَ مِنَ الْعَسَلِ الْعُشْرُ رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ (فتح الباری انصاری ص ۱۵۰ پ ۳ و نصب الرایہ للزیلعی ص ۲۲) یعنی شہد جو یمن میں بکثرت پیدا ہوتا ہے کی بھی زکوٰۃ سے دسواں حصہ ادا کریں۔

(۱۸) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ والوں کو دیت کے مسائل لکھوا کر بھجوائے تھے، كَتَبَ النَّبِيُّ عَلٰى كُلِّ بَطْنٍ عُقُوْلَهُ ثُمَّ كَتَبَ اَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَتَوَلّٰى رَجُلَ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهِ وَاِنَّهُ لُعِنَ فِي صَحِيْفَتِهِ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ (صحیح مسلم ص ۴۹۵ ج ۱) یعنی آپ نے ہر اہل قبیلہ کو خون بہا کی تفصیل لکھوائی اور یہ بھی لکھوایا کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان کے آزاد کردہ غلام کا متولی بغیر اجازت معتق کے بن جائے اور جو ایسا کریگا وہ ملعون ہے، وَكَتَبَ النَّبِيُّ لِجَمَاعَةٍ مِائَةً مِنَ الْاِبِلِ (ابوداؤد مصری ص ۲۵۹ ج ۲) یعنی جماعہ صحابی کو اس کے بھائی کا خون بہا سو اونٹوں کا آپ نے لکھ دیا تھا۔

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک صحابی کو لکھا تھا کہ اشیم ضبابی کی دیت سے اسکی بیوی کو ورثہ دے قَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْيَانَ كَتَبَ اِلَيَّ النَّبِيُّ اَنْ اُوَرِّثَ اِمْرَءَةَ اَشْيَمَ الضِّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا (مشکوٰۃ ص ۲۶۳، ترمذی ص ۱۷۶، دار قطنی ص ۵۰۵ ج ۲، ابوداؤد مصری ص ۲۵۹ ج ۲ و تاریخ خطیب بغدادی ص ۳۰۲ و ص ۱۳۳ ج ۸) یعنی بیوی مقتول شوہر کے خونبہا سے حصہ پائے گی۔

(۲۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمر بن زہیر بن اقیش کو بشرط اسلام ایک امان نامہ چمڑی قطعہ پر تحریر فرمایا تھا فَقَالَ رَجُلٌ مَعَهُ قِطْعَةُ اَدِيْمٍ قَالَ لِيْ هٰذِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ الخ نسائی ص ۲۰۹ ابوداؤد مصری ص ۱۵۴ ج ۲) اسی طرح عمیر ذی مُرّان اور حکت ذی خیوان کو بھی امان نامے لکھوا دیئے تھے كَتَبَ النَّبِيُّ اِلٰى عُمَيْرٍ وَحَكَّكٍ الخ (ابوداؤد مصری ص ۲۹ ج ۲ و طبرانی وغیرہ)۔

(۲۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض خیبر کو ۳۶ حصوں میں تقسیم فرما کر نصف یعنی ۱۸ حصے اسلامی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس رکھے اور بقیہ نصف (۱۸ حصے) صحابہ کرام میں تقسیم کر دیئے، ایک حصہ میں سو صحابی، اور ہر بیوی (ام المؤمنین) کو ایک ایک سو وسق (پیمانہ) اناج وغیرہ مرحمت فرمایا، یہ سارا تقسیم نامہ تحریری صورت میں تھا، جیسا کہ محدث یحییٰ بن آدم قریشی اپنی کتاب الخراج میں روایت لاتے ہیں فَكَتَبَ فِيْهَا النَّبِيُّ لِلنَّاسِ (الی) كَتَبَهُ لِكُلِّ امْرَاَةٍ مِنْهُنَّ ثَمَانُوْنَ وَسْقًا تَمْرًا وَعِشْرُوْنَ حَبًّا۔۔۔۔ (مصری ص ۳۶، یعنی صحابہ کے لئے بھی تحریر کر دیا اور اپنی بیویوں کے لئے بھی)

(۲۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علاوہ زمین مذکور کے دوسرے مقاموں کی زمینیں بھی صحابہ کرام کو مرحمت فرمائیں اور ان کو پٹہ لکھ دیا تھا، دیکھو صحیح بخاری احمدی باب اقطاع الارض صفحہ ۳۲۰، دعا النبی الانصار لیکتب لہم بالبحرین الخ (بخاری احمدی صفحہ ۴۴۸) یعنی انصار کو علاقہ بحرین کی زمینیں لکھوائیں، حریث مخزومی کے لیے ارض دہنار لکھنے کا حکم دیا، اکتب لہ یا غلام بالدھنا (ابوداؤد مصری صفحہ ۲۳) بلال بن حارث مزنی کو مدینہ سے قریب ساحلی مقام "قبل" کی پست و بلند زمین اور جبل قدس کے دامن کی زمین لکھ دی تھی کتب لہ النبی الخ (ابوداؤد مصری صفحہ ۲۴، مسند احمد صفحہ ۳۰۶، مستدرک حاکم صفحہ ۴۰۴ ج ۳) -

(۲۳) آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر صحابی رض کو جب وہ اپنے وطن حضرموت کو واپس جانے لگے تھے تین نوشتے مختلف مسائل (نماز، زکوٰۃ، ربوٰ، بیع، نکاح شغار، حقوق یتامیٰ، حرمت اشیاء مسکرہ وغیرہ کے) لکھوا کر مرحمت فرمائے تھے جیسا کہ حضرت وائل خود کہتے ہیں امر لی رسول اللہ بکتب ثلاثۃ الخ (طبرانی صغیر صفحہ ۲۴۲) یعنی میرے لئے تین نوشتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروائے تھے،

(۲۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کے لکھنے والوں کو مغفرت کی بشارت دی ہے قال من کتب عنی اربعین حدیثا رجاء ان یغفر اللہ لہ غفر لہ رواہ ابن الجوزی (منتخب کنز العمال صفحہ ۳۵ ج ۴ بر حاشیہ مسند احمد) یعنی جو شخص میری چالیس حدیثیں بامید مغفرت لکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے بخش دیگا، سبحان اللہ!۔

(۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کو سندوں کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا ہے عن الحسین قال قال النبی اذا کتبتم الحدیث فاکتبوہ باسنادہ الخ (بغیۃ الوعاۃ للسیوطی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۴۹) آپ نے فرمایا تم حدیثیں لکھو تو ان کی سندوں (راویوں کے ناموں) کے ساتھ لکھنا، (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، نیز انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا ہی کہا ہے، کما سیجیئی ۔

عام

احادیث فعلیہ

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اواخر عمر میں تمام ماتحت حاکموں کے پاس بھیجنے کے لیے اپنی وہ تمام حدیثیں جن میں زکوٰۃ کے مسائل مذکور تھے تحریری صورت میں ایک جگہ جمع کرا دی تھیں جس کا نام کتاب الصدقہ تھا (یہ کتاب حدیث کی پہلی کتاب ہے جو بحکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم لکھی گئی)

سنن ابی داود اور بیہقی وغیرہ میں ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ فَعَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ ثُمَّ عَمِلَ بِهِ عُمَرُ حَتَّى قُبِضَ ... وَفِي عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الزُّهْرِيُّ أَقْرَأَنِيهَا سَالِمٌ فَوَعَيْتُهَا وَهِيَ الَّتِي انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ (ابوداؤد مصری ص۵ ج۲ سنن بیہقی ص۸۸ ج۴ مستدرک حاکم ص۳۹۲ ج۱ ص۳۹۳) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی پھر آپ کا انتقال ہو گیا اور کتاب عاملوں کے پاس نہ جا سکی آپ کے بعد اس کا نفاذ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی نے، یہ کتاب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں (محفوظ) رہی، چنانچہ آپ کے پوتے سالم نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھنے کے لیے دی، جسے زہری نے حفظ کر لیا، نیز اس کی نقل خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی کے دو بیٹوں سے لے کر کرائی تھی، انتہیٰ۔

روایت بالا کے فقرہ، عمل بہ ابو بکرہ کی تفصیل صحیح بخاری میں یوں آئی ہے،

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لِأَنَسٍ هَذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ، بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بخاری احمدی ص۱۹۵ ج۱) وعلیہ خاتم رسول اللہ (ابوداؤد مع الامرتسری بیہقی ص۸۹ ج۴ مستدرک ص۳۹۰) یعنی حضرت صدیق اکبر رضی نے حضرت انس رضی کو بحرین بھیجنے کے وقت کتاب الصدقہ دی جس پر مہر نبوی ثبت تھی مرتب غفرلہ

تمیز بیرلا حظہ ہو سنن دار قطنی ص۲۰۲،۲۰۹،۵۱۲ و سنن کبریٰ للبیہقی ص۸۶،۸۵ ج۴۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخر عہد میں حدیثوں کی ایک ضخیم کتاب جس میں تلاوت قرآن مجید، نماز، زکوٰۃ، طلاق، عتاق، قصاص، دیت وغیرہ نیز فرائض و سنن اور کبیرہ گناہوں

کی تفصیل تحریر کرا کے عمرو بن حزم صحابی کی معرفت یمن والوں کے پاس بھجوائی تھی جیسا کہ سنن مجتبیٰ میں ہے
أَنَّ النَّبِيَّ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فِيهِ الْفَرَائِضُ وَالسُّنَنُ وَالدِّيَاتُ وَبَعَثَ بِهِ مَعَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ۔ (۱؎ نسائی ص ۲۲۲ ج ۲، مراسیل ابی داؤد ص ۲۷، سنن دار قطنی ص ۱۴۵ ج ۲، مسند دارمی ص ۲۱،
موطا مالک ص ۳۲۲، مسند شافعی ص ۹۱، کتاب الام للشافعی ص ۴ ج ۲، سنن بیہقی ص ۸۸ ج ۴، مستدرک حاکم ص ۳۹۵ ج ۱، کنز العمال
ص ۱۸۶ ج ۳، منتقی الاخبار ص ۲۵، منتقی ابن الجارود ص ۱۷، مشکوٰۃ ص ۱۵۹، بلوغ المرام ص ۱۲۰، جامع بیان العلم ص ۷۱ ج ۱، تاریخ
بغداد للخطیب ص ۲۲۸ ج ۸، کتاب الخراج لیحییٰ ص ۱۱۵، فتح الباری انصاری پ ۲ ص ۲۰۲، تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۳ ج ۲، مسند
احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان وغیرہ)

جامعیت مسائل کے لحاظ سے اس کتاب کو حدیث کی پہلی کتاب کہنا چاہیئے، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود لکھوائی، اور جب کہ اس کتاب میں اتنے کثیر مسئلوں کی حدیثیں لکھی اور جمع کی گئی تھیں تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ کتاب کافی ضخیم ہوگی۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں هُوَ كِتَابٌ عَظِيمٌ فِيهِ أَنْوَاعٌ كَثِيرَةٌ مِنَ الْفِقْهِ فِي الزَّكٰوةِ وَالدِّيَاتِ وَالْأَحْكَامِ وَذِكْرِ الْكَبَائِرِ وَالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَأَحْكَامِ الصَّلٰوةِ وَمَسِّ الْمُصْحَفِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ لَا شَكَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَهُ (زاد المعاد طبع کانپور ص ۲۲ ج ۱) یعنی یہ کتاب جس کی بابت امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ بلا شک یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی لکھوائی ہوئی ہے ایک بڑی کتاب ہے اسمیں بہت سے مسائلِ شرعیہ لکھے ہوئے تھے، جیسے زکوٰۃ، دیات، کبائر، احکام، طلاق، عتاق، نماز، قرآن چھونے اور بہت سے مسئلے اس میں مرقوم تھے، اللہ اکبر اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہیئے!

احادیث قولیہ

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے علم حدیث کو تحریر میں لانے کا حکم عام مرحمت فرمایا ہے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ النَّبِيُّ قَيِّدُوا الْعِلْمَ قُلْتُ وَمَا تَقْيِيدُهُ؟ قَالَ كِتَابَتُهُ (مستدرک حاکم ص ۱۰۶ ج ۱، تاریخ بغداد للخطیب ص ۴۶ ج ۱۰، جامع بیان العلم ص ۷۲ ج ۱، جامع صغیر للسیوطی ص ۹۱ ج ۲، کنوز الحقائق للمناوی ص ۱۰۳ ج ۲، رسالہ ناسخ منسوخ لابن الجوزی ص ۱۳) آپ نے فرمایا کہ علم حدیث کو قید میں لاؤ۔ صحابی نے پوچھا کہ قید سے کیا مراد ہے، فرمایا قید تحریر میں لانا، اسی طرح کا حکم موقوفاً

حضرت عمر، عبداللہ بن عمر، ابن عباس اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کما مجیئی۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ کو عام طور سے حدیثیں لکھنے کا حکم صادر فرمایا تھا جیسا کہ اوپر سلا میں مذکور ہوا، وہ حکم یہ ہے اُكْتُبُوا وَلَا حَرَجَ (مجمع الزوائد مسند و منتخب کنز صفحہ ۴) یعنی حدیثیں لکھو، اب کوئی حرج نہیں اور پہلے منع تھا جو منسوخ ہو گیا، چنانچہ صحابۂ کرام نے اس پر عمل کیا، اس کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

فصل دوم

دوسرا ثبوت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے

(بعض حدیثوں کا لکھنا)

(۱) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار ایک حدیث لکھ کر بھیجی (بخاری المدی صفحہ ۳۰ ج ۱ و صفحہ ۹۳۳ ج ۲ و مسلم صفحہ ۲۱۸ ج ۱) پھر دوسری بار دوسری حدیث لکھ کر روانہ کی (بخاری صفحہ ۹۵۵ و صفحہ ۹۶۹ ج ۲ و مسلم صفحہ ۷۵ ج ۲)

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کو حدیث شغار لکھ کر بھیجی تھی (ابوداؤد مصری صفحہ ۲۸۰ ج ۱ اور مسند احمد صفحہ ۹۴ ج ۴) نیز زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث سن کر اسے لکھ لینے کا حکم دیا تھا، (ابوداؤد مصری صفحہ ۸۳ ج ۲، مسند احمد صفحہ ۱۸۲ ج ۵، وجامع بیان العلم صفحہ ۴۳ ج ۲)

(۳) فاطمہ بنت قیس صحابیہ رضی اللہ عنہا نے ابوسلمہ کو حدیث لکھوائی تھی قَالَ كَتَبَ اِلَيَّ وَكَتَبْتُ لَهُ اِلٰى عُبَيْدِ اللهِ الخ (صحیح مسلم صفحہ ۴۸۳ ج ۱)

(۴) ابوبکرہ صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے [illegible] کو ایک حدیث لکھی تھی قَالَ كَتَبَ اِلَيَّ وَكَتَبْتُ لَهُ اِلٰى عُبَيْدِ اللهِ الخ (مسلم صفحہ ۷۵ ج ۲)

(۵) عبداللہ بن ابی اوفیٰ صحابی رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبیداللہ کی طرف حدیث تحریر کر کے روانہ کی تھی (بخاری صفحہ ۳۹۴ و صفحہ ۴۲۲ ج ۱)۔

(۶) ابو سعید خدری صحابی رضؓ تشہد والی حدیث تحریر کرنے کے معترف ہیں (ابوداؤد مع عون المعبود صفحہ ۲۰۴ ج ۲)

(۷) جابر بن سمرہ رضؓ صحابی نے عامر بن سعد کو حدیث خلفاء قریش تحریر کر کے بھیجی تھی (مسلم صفحہ ۱۱۹ ج ۲) حدیث ذکر حوض کوثر لکھ کر دوسری بار روانہ کی (مسلم صفحہ ۲۴۵ ج ۲) غالباً انہیں جابر کی بابت حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم میں تحریر کیا ہے قَالَ التَّبِیْعُ رَأَیْتُ جَابِرًا یَکْتُبُ فِی الْاَلْوَاحِ (صفحہ ۷۲ ج ۱) یعنی جابرؓ تختیوں میں حدیثیں لکھتے تھے،

(۸) رافع بن خدیج رضؓ صحابی جنہوں نے حدیث لکھنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی (دیکھو ثبوت اوّل کا نمبر ۲) اُن کے حدیث لکھنے کا ثبوت ملاحظہ ہو، وہ مروان سے کہتے ہیں ذٰلِكَ (الحدیث مکتوب) عِنْدَنَا فِیْ اَدِیْمٍ خَوْلَانِیٍّ اِنْ شِئْتَ اَقْرَأْتُکَهٗ (صحیح مسلم صفحہ ۴۴۰ ج ۱، مسند احمد صفحہ ۱۴۱ ج ۴) یعنی مدینہ کے حرم ہونے کی حدیث میرے پاس خولانی چرم کے فرد پر لکھی ہوئی ہے اگر چاہو تو اسے لا کر تمہیں سنا دوں۔

(۹) حضرت ابن عباس رضؓ حضرت ابورافع رضؓ سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے (ابن سعد صفحہ ۱۲۲ ج ۲) پھر دوسروں کو بھی حدیث لکھ کر دیا کرتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ مدعیٰ علیہ پر قسم کی حدیث ابن عباس نے ابن ابی ملیکہ کو بھیجی (بخاری احمدی صفحہ ۳۶۱ ج ۱) صحیح مسلم میں ہے کہ نجدہ حروری کو ابن عباس نے یہ حدیث لکھی کَانَ النَّبِیُّ یَغْزُوْا بِالنِّسَاءِ (مسلم صفحہ ۱۱۶ ج ۲) چنانچہ ابن عباس کی لکھوائی ہوئی حدیثوں کی کتاب اہل طائف کے پاس موجود تھی (ترمذی صفحہ ۵۶۳) ابن عباس کا یہ قول بھی منقول ہے قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ (جامع بیان العلم صفحہ ۷۲ ج ۱) یعنی علم حدیث کو قید تحریر میں لاؤ۔

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد نبوی میں ایک روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی پھر لکھ کر آپ کو سنائی قَالَ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ فَکَتَبْتُهَا وَعَرَضْتُهَا عَلَیْهِ (مستدرک حاکم صفحہ ۱۰۵ ج ۲) اپنے ایک بیٹے کو بھی ایک حدیث لکھنے کا حکم دیا قَالَ فَقُلْتُ لِابْنِیْ اُکْتُبْهُ (صحیح مسلم صفحہ ۲۳۰ ج ۱) یعنی اے بیٹے! اس حدیث کو لکھ لو۔ اُس نے لکھ لیا۔ پھر اپنے دو بیٹوں کو عام طور سے تمام حدیثوں کو تحریر میں لانے کا حکم دیا، جیسا کہ محدث خطیب

بغدادی نے اپنی کتاب شرف اصحاب الحدیث میں نقل کیا ہے إن أنسا أمر النضر وموسیٰ ابنیہما بکتابۃ الحدیث والاسناد عن النبی (ص) وتعلیمہا (صد مطبوعہ دہلی) یعنی انس رضی نے اپنے دو بیٹوں نضر اور موسیٰ کو حدیث نبوی سیکھنے اور اُن کو سند کے ساتھ لکھنے کا حکم دیا تھا، پھر جب اُن کو اللہ نے بہت سے بیٹے دیئے (بہ دعائے رسول، جن کی تعداد قریب ۱۲۹ کے ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے دفنت لصلبی... بضعۃ وعشرون ومائۃ مطبوعہ احمدی ص۲۶۲ ج ۱) تو اپنے سب بیٹوں کو حدیثیں لکھنے کا حکم دیا۔ وعن انس انہ کان یقول لبنیہ قیدوا العلم بالکتب (دارمی ص۶۸، مستدرک حاکم ص۱۰۶ ج۱، جامع بیان العلم ص۷۳ ج ۱) یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام بیٹوں سے فرماتے کہ علم حدیث کو قید تحریر میں لاؤ۔ ابان کا انس سے حدیث لکھنا دارمی ص۶۹ میں منقول ہے، فتلک عشرۃ کاملۃ۔

صحابہ کا تمام حدیثوں کا لکھنا

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو تمام حدیثیں لکھنے کا حکم (ملنا) ثبوت اوّل کے نمبر ۲ میں بیان ہو چکا ہے، اب اُن کا عمل سنئے،

إن عبد اللہ بن عمرو کان یکتب الخ (بخاری احمدی ص۲۲ ج ۱، ترمذی ص۳۸۶ ج۲، دارمی ص۶۸) حضرت عبداللہ ساری حدیثیں لکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی ص۶۸) ان تمام احادیث کے مجموعہ کا نام انہوں نے صحیفۂ صادقہ رکھا تھا، چنانچہ فرمایا کرتے ما یرغبنی فی الحیوۃ إلا الصادقۃ فہی صحیفۃ کتبتہا من النبی ﷺ (دارمی ص۶۸ ابن سعد ص۱۲۵ ج ۷ جامع بیان العلم ص۷۳ ج ۱) یعنی یہ حدیث کی کتاب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھی ہے اس لئے میری تمنا ہے کہ میں ابھی کچھ دن اور زندہ رہوں تاکہ اس سے فائدہ اُٹھاؤں وہ اس صحیفہ (کتاب) کو مختلف لوگوں کو دکھلایا کرتے تھے، چنانچہ ترمذی میں ہے، ألقی عبد اللہ إلی أبی راشد صحیفۃ فقال ہذا ما کتب لی رسول اللہ قال فنظرت فیہا الخ (ص۱۸۸ ج ۲) یعنی حضرت عبداللہ نے اپنا صحیفہ ابوراشد کو دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا ہے یہ کتاب انکے

پوتے عمرو بن شعیب کے پاس موجود تھی جسے دیکھ دیکھ کر وہ حدیث بیان کرتے تھے اسی لئے سے آپر ضعف کا حکم لگا (ترمذی ص۳۳ و ص۱۳) صحابہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیث کی یہ پہلی کتاب ہے،

(۲) حضرت ابوہریرہ رضہ کے پاس احادیث نبویہ بہت سی کتابوں (جلدوں) میں لکھی ہوئی موجود تھی چنانچہ حسن بن عمرو کہتے ہیں أَرَانَا (أَبُوهُرَيْرَةَ) كُتُبًا كَثِيرَةً مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ وَقَالَ هَذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عِنْدِي (فتح الباری انصاری پارہ اوّل ص۲۰ و جامع بیان العلم لابن عبدالبر ص۷۴) ہم کو ابوہریرہ نے احادیث نبویہ کی بہت سی کتابیں دکھائیں جو اُن کے پاس تھیں، ان کتابوں سے تابعی لوگ حدیثیں نقل کیا کرتے تھے جیسا کہ بشیر بن نہیک کہتے ہیں كُنْتُ أَخُذُ الْكُتُبَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَأَكْتُبُهَا (ترمذی ص۳۹۵، دارمی ص۶۸، شرح معانی الآثار طحاوی ص۲۳۳ج۲، جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) کہ میں ابوہریرہ سے اُن کی کتابیں لے کر اس سے حدیثیں نقل کیا کرتا تھا حضرت ابوہریرہ ۵۳۷۴ حدیثوں کے حافظ تھے دیکھو شرح مقدمہ مسلم ص۸ پس ان کتابوں میں یہی سب حدیثیں کو ایک کتاب میں لکھ رکھا تھا، کا لفظ آیا ہے،

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ نے بھی حدیثوں کو ایک کتاب میں لکھ رکھا تھا جسے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن لوگوں کو دکھایا کرتے تھے، چنانچہ معن کہتے ہیں أَخْرَجَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كِتَابًا وَحَلَفَ لِيْ أَنَّهُ خَطُّ أَبِيْهِ بِيَدِهِ (جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) کہ عبدالرحمٰن نے مجھے حدیث کی ایک کتاب دکھائی پھر قسم کھائی کہ یہ کتاب میرے والد عبداللہ بن مسعود رضہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے،

خلفاء راشدین کا عمل

(۴) خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے ایک کتاب میں پانسو حدیثیں لکھ رکھی تھیں جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں قَالَتْ عَائِشَةُ جَمَعَ أَبِي الْحَدِيْثَ عَنِ النَّبِيِّ فَكَانَتْ خَمْسَ مِائَةِ حَدِيْثٍ (منتخب کنز العمال ص۲۸۵ ج۴ و تذکرۃ الحفاظ ص۵ ج۱) کہ میرے ابا نے آنحضرت کی حدیثیں لکھنی شروع کیں تو اُن کا شمار پانسو تک پہنچا آگے واقعہ تحریق صحیح نہیں)۔

(۵) خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضہ نے عتبہ بن فرقد کے پاس مقام آذربائیجان حدیث،

نَهَى النَّبِيُّ عَنِ التَّصْوِيْرِ لکھ کر بھیجی تھی (صحیح مسلم ص۱۹۱ ج۲) اور تمام صحابہ کو حکم دے رکھا تھا قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ (دارمی ص۴۷، مستدرک حاکم ص۱۰۶ ج۱، جامع بیان العلم ص۷۲ ج۱) یعنی علم حدیث کو قید تحریر میں لاؤ (یہی قول ان کے بیٹے حضرت عبداللہ رض سے بھی دارمی ص۶۸ میں منقول ہے) حضرت عمر رض نے خود بھی تمام حدیثوں کو لکھ کر جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا بلکہ لکھنا بھی شروع کر دیا تھا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ هٰذِهِ الْاَحَادِيْثَ اَوْكَتَبَهَا (جامع بیان العلم ص۶۴ ج۱)۔

(۶) خلیفہ چہارم حضرت علی کا ایک صحیفہ میں حدیثیں لکھنا ثبوت اوّل کے نمبر۲ میں بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ ایک کتاب "قضایا" لکھی تھی جس میں احکام قضا کی حدیثیں جمع کی تھیں (مقدمہ مسلم ص۱۰ ج۱) اور اپنے تحریروں کو حکم دے رکھا تھا کہ اِذَا كَتَبْتُمُ الْحَدِيْثَ فَاكْتُبُوْهُ بِاِسْنَادِهٖ۔ (منتخب کنزالعمال ص۶۵ ج۴) جب تم احادیث نبویہ کو لکھنے لگو تو ان کی سندوں کو بھی ساتھ ہی لکھو جن سے تم نے حدیث سنی ہے (ایسا ہی حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ثبوت اوّل کے آخری نمبر۲ میں نقل ہو چکا ہے) وَلَعَلَّ فِيْمَا نَقَلْنَاهُ كِفَايَةٌ لِمَنْ لَهٗ فَهْمٌ وَدِرَايَةٌ۔

فصل سوم

تیسرا ثبوت تابعین عظام رحمہم اللہ کے عمل سے

(بعض حدیثوں کا لکھنا)

(۱) نافع تابعی حضرت ابن عمر کے سامنے بیٹھ کر ان سے حدیثیں سنتے جاتے اور لکھتے جاتے تھے، يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ (دارمی ص۶۹) پھر دوسروں کے پاس حدیث لکھ کر بھیجتے تھے چنانچہ ابن عون کو نافع نے حدیث غزوۂ بنی مصطلق لکھ کر بھیجی تھی (بخاری احمدی ص۳۴۵ ج۱ و مسلم ص۸۴ ج۲) ایک بار اور بھی انہیں ابن عون کو حدیث نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ نَجِيْبًا والی نافع نے تحریر کر کے روانہ کی [illegible] مسئلہ انفال کی تفصیل کی حدیث،

(۲) [illegible] عبداللہ بن ارقم تابعی نے عبداللہ بن عتبہ کو حدیث عدت حاملہ یعنی قصۂ سبیعہ صحابیہ [illegible] جواب نبوی کے لکھ کر بھیجا تھا۔ (مسلم ص۴۸۷ ج۱)۔

(۳) عبداللہ بن محمد تابعی حضرت جابر رض سے حدیثیں [illegible]

ہیں قَالَ عَبْدُ اللهِ كُنَّا نَأْتِي جَابِرًا فَنَسْأَلُهُ عَنْ سُنَنِ النَّبِيِّ صلعم فَنَكْتُبُهَا (شرح معانی الآثار طحاوی ص ج ۲) ترجمہ بیان ہو چکا۔

(۴) وہب بن منبہ تابعی نے حضرت جابر رض کی تمام حدیثوں کا مجموعہ لکھ کر تیار کیا تھا جو اسمٰعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا، (تہذیب التہذیب جلد اوّل ص۲۱۶)

(۵) سلیمان بن قیس لیشکری تابعی نے حضرت جابر رض کی حدیثوں کا دوسرا مجموعہ لکھ کر بنایا تھا جس سے امام شعبی تابعی وغیرہ نے حدیثیں نقل کی ہیں (تہذیب التہذیب ص۲۱۱ ج ۴)

(۶) سلیمان بن سمرہ تابعی نے اپنے والد سمرہ بن جندب رض صحابی سے حدیثوں کا ایک بڑا نسخہ لکھا جو روایت کیا ہے (تہذیب التہذیب ص۱۹۸ ج ۴)

(۷) عروہ تابعی نے غزوات کی حدیثیں لکھ کر جمع کی تھیں جیسا کشف الظنون میں ہے اَوَّلُ مَنْ صَنَّفَ فِيْهَا عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ (ص ج ۲) اور خلیفہ عبدالملک اموی کو عروہ نے اس کتاب کی ایک نقل دی تھی (طبری ص۱۱۷۰) افسوس اُن کی یہ کتاب جنگ حرہ (مدینہ) میں جل گئی (جامع بیان العلم ص ج ۱)

(۸) طاؤس تابعی نے دیت (خون بہا) کی حدیثیں لکھ کر جمع کی تھیں جیسا کہ بیہقی میں ہے، عَنْ طَاؤُسٍ أَنَّ عِنْدَهُ كِتَابًا مِنَ الْعُقُوْلِ نَزَلَ بِهِ الْوَحْيُ وَمَا فَرَضَ النَّبِيُّ (مفتاح الجنۃ للسیوطی طبع مصر ص۱) یعنی طاؤس کے پاس اُن دیتوں کی کتاب تھی جو وحی سے نازل شدہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ تھیں،

(۹) زہری تابعی نے خلیفہ ہشام اموی کی فرمائش پر اُس کے ولی عہد کے لئے ایک کتاب میں چار سو حدیثیں لکھ دی تھیں، جیسا کہ ذہبی لکھتے ہیں أَنَّ هِشَامَ بْنَ عَبْدِ الْمَلِكِ سَأَلَ الزُّهْرِيَّ أَنْ يُمْلِيَ عَلَى بَعْضِ وَلَدِهِ شَيْئًا فَأَمْلَى عَلَيْهِ أَرْبَعَ مِائَةِ حَدِيْثٍ (تذکرۃ الحفاظ ص ج ۱) ترجمہ بیان ہو چکا،

(۱۰) ابوبردہ تابعی نے اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری رض صحابی سے بہت سی حدیثیں سن کر لکھ ڈالی تھیں جیسا کہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ كَتَبْتُ عَنْ أَبِي كِتَابًا كَثِيْرًا (جامع بیان العلم ص ج ۱) یعنی میں نے اپنے والد سے بہت کچھ لکھا تھا۔

(۱۱) سعید بن جبیر تابعی حضرت ابن عمر رض و ابن عباس رض سے حدیثیں سن کر لکھا کرتے تھے، كُنْتُ أَسْمَعُ مِنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ الْحَدِيْثَ بِاللَّيْلِ فَأَكْتُبُهُ (دارمی ص۶۸) یعنی رات کو حدیث

سن کر لکھتے،

(۱۲) عنترہ تابعی نے حضرت ابن عباس سے حدیث سن کر ان کی اجازت سے تحریر کی عَنْ عَنْتَرَةَ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكُوفِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ بِحَدِيثٍ فَقُلْتُ أَكْتُبُهُ عَنْكَ فَرَخَّصَ (دارمی ص۶۸ جامع بیان العلم ص۲ ۱۵) ابن عباس نے ان کو تحریر حدیث کی رخصت دی۔

(۱۳) بہت سے تابعین حضرت براء بن عازبؓ صحابی کے پاس حدیثیں لکھا کرتے تھے قَالَ عَبْدُ اللهِ رَأَيْتُهُمْ يَكْتُبُونَ عِنْدَ الْبَرَاءِ بِأَطْرَافِ الْقَصَبِ (دارمی ص۶۹ جامع بیان العلم ص۲ ۱۵) یعنی تابعین بانس کے قلموں سے براء کے پاس حدیث لکھتے تھے،

(۱۴) بشیر بن نہیک تابعی حضرت ابوہریرہؓ صحابی سے جو حدیثیں سنتے لکھ لیا کرتے تھے عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ مَا أَسْمَعُ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (دارمی ص۶۸، جامع بیان العلم ص۲ ۱۵) جیسا کہ دوسری فصل میں مفصل گزر چکا ہے،

(۱۵) ہمام بن منبہ تابعی نے ابوہریرہ سے بہت سی احادیث سنی تھیں (تہذیب ص۶۷ ۱۱) ان حدیثوں کا مجموعہ "صحیفہ ہمام" کے نام سے لکھ کر تیار کیا تھا (تہذیب التہذیب ص۶۷ ج۱۱) خلاصہ تذہیب میں ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نُسْخَةٌ صَحِيحَةٌ (ص۴۱۲ طبع مصر) یعنی ابوہریرہ سے سنی ہوئی حدیثوں کا نسخہ ان کا صحیح ہے، امام احمد نے ہمام کا یہ پورا صحیفہ اپنی مسند جلد دوم میں ص۳۱۲ سے ص۳۱۸ تک نقل کر دیا ہے،

تابعین کا تمام حدیثوں کو لکھ کر جمع کرنا

(۱) امام زہری تابعی کی عادت تھی کَانَ يَكْتُبُ كُلَّ مَا سَمِعَ (جامع بیان العلم ص۲ ۷۳) جو کچھ (حدیث و آثر) سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے، چنانچہ انہوں نے تمام سنن نبویہ و آثار صحابہ لکھ کر جمع کر لی تھیں جیسا کہ صالح بن کیسان کہتے ہیں قَالَ لِي الزُّهْرِيُّ تَعَالَ نَكْتُبِ السُّنَنَ فَكَتَبْنَا مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ وَعَنِ الصَّحَابَةِ فَإِنَّهُ سُنَّةٌ فَكَتَبَ (منتخب کنز العمال ص۲ جامع بیان العلم ص۲ ۷۶) یعنی آؤ ہم مل کر تمام احادیث نبویہ و آثار صحابہ کو لکھ ڈالیں کہ ایسا کرنا سنت ہے، پس زہری نے سب [illegible] (جو متعبرہ سے الگ ہے)۔

(۲) خلیفہ [illegible] نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جمع و کتابت احادیث پر خاص توجہ

کی، خود بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب الصدقہ عبداللہ بن عمرؓ کے اشتغل سے نقل کرائی (جیسا کہ اوپر "احادیث فعلیہ" کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے) اور تمام شہروں کے علماء حدیث کو نیز خاص خاص اصحاب حدیث کو جمع وکتابت احادیث کا حکم بھیجا، چنانچہ تمام شہروں کی بات بحوالہ ملاحظہ ہو۔ فتح الباری میں ہے كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلَى الْآفَاقِ اُنْظُرُوْا حَدِيْثَ النَّبِيِّ فَاجْمَعُوْهُ (پہلا پارہ صفہ) یعنی خلیفہ مذکور نے تمام مقاموں میں تحریری حکم جمع احادیث کا بھیجا تھا۔

(۳) خاص نامزد کردہ کے جن علماء کو حکم دیا ان سے میں ایک سعد بن ابراہیم ہیں وہ خود کہتے ہیں، قَالَ سَعْدٌ اَمَرَنَا عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَكَتَبْنَاهَا دَفْتَرًا دَفْتَرًا (جامع بیان العلم صہ ج ۱) کہ ہم نے خلیفہ مذکور کے حکم سے حدیثوں کے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے تھے،

(۴) ان علماء میں سے دوسرے بزرگ ابوبکر بن حزم ہیں امام بخاری فرماتے ہیں، كَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ إِلَى أَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثٍ فَاكْتُبْهُ (بخاری احمدی صہ ج) یعنی خلیفہ مذکور نے ابن حزم کو احادیث نبویہ لکھنے کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے بھی حدیثیں لکھیں۔

(۵) ان محدثوں میں تیسری ہستی امام زہری کی ہے، ابن حجر لکھتے ہیں حَدَّثَ الْحَدِيْثَ اِبْنُ شِهَابِ الزُّهْرِيُّ بِاَمْرِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَكَثُرَ التَّدْوِيْنُ وَالتَّصْنِيْفُ (فتح الباری انعام ب صہ) یعنی امام زہری نے بھی خلیفہ مذکور کے حکم سے (علاوہ ذاتی طور سے احادیث جمع کرنے کے جس کا ذکر اوپر نمبر اول میں ہوا ہے) دوبارہ کتابوں میں حدیثیں مدون اور جمع کیں، (ابن حجر کہتے ہیں) پھر اس کے بعد تو کثرت سے حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں اور تصنیف کی گئیں ان کتابوں کا مفصل حال (جو صحاح ستہ سے پہلے لکھی جا چکی تھیں) کتاب کشف الظنون جلد دوم صہ میں زیر عنوان السنن الموجودۃ قبل الصحیحین مرقوم ہے، ان میں سے مسند ابی داود طیالسی، مسند شافعی، موطا مالک طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں، اور سنن سعید بن منصور، مسند ابو عوانہ مصنف و مسند ابن شیبہ و عبد قلمی ہیں جو مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں،

جب یہ واضح ہو چکا کہ امام زہری کے بعد تدوین احادیث کا سلسلہ بکثرت جاری ہو گیا تھا، تو ہم کو اس امر کی اب کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ تابعین کے بعد والے قرون کی تالیفات کی

فہرس لکھیں، مختصر طور سے یوں سمجھ لینا چاہئے کہ محدثین کرام نے احادیث کی کتابت اور تدوین کے تین دور قائم کئے ہیں، پہلا دور سنہ ۱ھ تک قائم رہا۔ دوسرا دور سنہ ۱۵۰ھ تک، اور تیسرا دور تیسری صدی کے بعد تک قائم رہا۔ پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا، ان دونوں دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزارہا اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے فالحمد للہ تعالیٰ احسانہ، لہٰذا جس قدر ہم لکھ چکے ہیں وہ کافی وافی شافی ہے ؎

در خانہ اگر کس است حرفے بس است

خاتمہ

تحقیق روایت منع کتابت احادیث و دیگر امور

فصول مذکورہ بالا کے پڑھ لینے کے بعد ناظرین بالتمکین کو بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ جن لوگوں کا خیال ہے کہ حدیثوں کی تدوین دوسری صدی ہجری میں ہوئی ہے ان کا یہ زعم کس قدر غلط باطل اور حقیقت سے بعید ہے نیز جن کے نزدیک کتابت و تدوین احادیث "بدعت حسنۃ" کی ایک عمدہ مثال ہے اُن کی نظر کس قدر کوتاہ، اور اُن کی تحقیق کتنی خلاف واقع ہے کیونکہ حقیقتِ اصلیہ تو یہ ہے کہ کتابت و جمع احادیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل نیز صحابہ کے عمل سے ہوئی ہے پہلی اور دوسری فصل کو پھر پڑھئے اور غور سے دیکھئے۔

رہا یہ عمل کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیثوں کے لکھنے سے منع فرما دیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ۔ (مسلم)

یعنی میری حدیث نہ لکھو، جس نے لکھی ہو وہ مٹا دے، سو واضح ہو کہ یہ حکم منع صرف زمانہ نزولِ قرآن تک متعلق تھا اس لئے کہ اُس وقت قرآن لکھا جا رہا تھا، اس کے ساتھ حدیثوں کے رل جانے کا خوف تھا، جب قرآن کتابی صورت میں جمع ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دے دی بلکہ خود بھی لکھوائیں اس طرح پہلی ممانعت کو خود ہی اُٹھا دیا جیسا کہ اس باب (دوم) کی فصلِ اوّل میں مفصل بیان ہو چکا ہے محدثینِ عظام کی تحقیق بھی یہی ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے اَلنَّهْيُ مُتَقَدِّمٌ وَالْإِذْنُ نَاسِخٌ لَهُ (صفحہ ۔۔۔)

منہاج شرح مسلم میں ہے، حدیث اَلنَّهْيِ مَنْسُوْخٌ (صفحہ ۲۶)۔

رسالہ ناسخ منسوخ لابن الجوزی میں ہے:۔ نَهَى فِي أَوَّلِ الْأَمْرِ ثُمَّ أَجَازَ

الکتابۃ (ص۳۱ طبع مصر)۔

ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں نہانی فی اول الامر ان یکتب ثم رأی ان تکتب وتقید (ص۲۸۷ طبع مصر)۔

ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث لکھنے کی ممانعت کا حکم پہلے ہوا تھا بعد میں منسوخ ہو گیا اور حدیث لکھنے کی اجازت ہو گئی،

امام بخاریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ منع کی روایت مرفوع ہی نہیں ہے بلکہ موقوف ہے یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے بلکہ راوی صحابی کا قول ہے جو اجازت کی حدیث مرفوع سے مدفوع ہے۔

فتح الباری میں ہے الصواب وقفہ علی ابی سعید قالہ البخاری وغیرہ (ص۱ پ۱) یعنی روایت مسلم مذکورہ کا راوی ابو سعید پر موقوف ہونا ہی صواب اور درست ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ نے حدیثوں کے لکھنے کے ثبوت میں، قرآن مجید کی ایک آیت سے دلیل پکڑی ہے، طحاوی لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفۃ لما امر اللہ بکتابۃ الدین خوف الریب فی قولہ تعالیٰ ولا تسأموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا الی اجلہ ذلکم اقسط عند اللہ واقوم للشہادۃ وادنی ان لا ترتابوا کان العلم الذی حفظہ اصعب من حفظ الدین احری ان یباح کتابتہ خوف الریب فیہ والشک (شرح معانی الآثار ص۳۳۲ ج۲)۔

یعنی جب کہ اللہ تعالیٰ نے شک و شبہ سے بچنے کے لئے قرض کے لکھ لینے کا حکم اس آیت میں دیا ہے، ارشاد ہے کہ قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو اسے مدت سمیت لکھو، یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک انصاف کی بات ہے اور شہادت کو ٹھیک رکھنے

والا ہے تم شک و شبہ میں پڑ جاؤ گے، تو علم حدیث کا یاد رکھنا قرآن کے یاد رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے، لہٰذا احادیث میں شک و شبہ سے بچنے کے لئے اس کے لکھنے کی اجازت بلکہ زیادہ ضروری ہے، سبحان اللہ کیا خوب استدلال ہے،

علامہ ابو الملیح نے ایک اور بھی آیت سے دلیل پکڑی ہے فرماتے ہیں۔

يَعِيبُونَ عَلَيْنَا الْكِتَابَ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتَابٍ ۔

(دارمی ص۶۸ و جامع بیان العلم ص۳۷ ج ۱)۔

یعنی لوگ ہم محدثین پر حدیثوں کے لکھنے کے باعث عیب لگاتے اور اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ اللہ فرماتا ہے کہ قرون کا علم اللہ کے پاس لکھا ہوا ہے" پس اللہ تعالےٰ جس کی شان یہ ہے لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى (طٰہٰ) جو اُسی آیت کے بعد مذکور ہے کہ وہ نہ غلطی کرے نہ بھولے، پھر بھی وہ لکھتا ہے، تو ہم جو غلطی کرتے اور بھول لیتے ہیں۔ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ مُرَكَّبُ النِّسْيَانِ یعنی آدمی سواری ہے بھول کی، بھول چونکہ انسان پر سوار رہتی ہے تو ہم احادیث کو کیوں نہ لکھ لیا کریں! یہ استدلال بھی خوب ہے،

وَلٰكِنْ هٰذَا اٰخِرُ مَا اَرَدْتُ اِيْرَادَهٗ فِيْ هٰذِهِ الرِّسَالَةِ النَّافِعَةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۔ خَتَمَ اللّٰهُ لِيْ بِالْحُسْنٰى، وَاَذَاقَنِيْ حَلَاوَةَ رِضْوَانِهِ الْاَسْنٰى ؎

يَلُوْحُ الْخَطُّ فِي الْقِرْطَاسِ دَهْرًا
وَكَاتِبُهٗ رَمِيْمٌ فِي التُّرَابِ

تمام شد

فہرست

اسماء، مقامات و کتب وغیرہ

ا

ب

عقود الجمان

فی

جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان

لابی الطیب المدعو بشمس الحق عظیم آبادی، شارح ابی داؤد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ للہ العلی الغفار
والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
سید الابرار وعلی آلہ الاطہار و
اصحابہ الاخیار۔ اما بعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں جو اعلیٰ
مقام والا غفار ہے اور درود و سلام اس کے رسول
پر جو تمام نیکیوں کا سردار ہے۔ اور ان کی آل پر جو
پاکباز ہیں اور ان کے اصحاب پر جو بہترین ہیں۔

ایں رسالہ ایست کہ دربیان جواز تعلیم کتابت نسواں
کہ حسب ایمائے بعض احباب تحریر یافت
اللّٰھم تقبلھا منی انک انت السمیع
العلیم۔

یہ رسالہ عورتوں کو تحریر (کتابت) سکھلانے کے
جواز کے بارہ لکھا گیا۔ بعض احباب کے کہنے پر لکھا گیا
اللہ تعالیٰ ہماری یہ کوشش قبول فرمائے اے اللہ!
تو سننے والا۔ دیکھنے والا ہے۔

سوال: چہ میفرمایند علماء دین اندریں مسئلہ
کہ نسواں را تعلیم خط و کتابت جائز است یا نہ وامر
محقق دریں باب چیست۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ
کے بارہ میں کہ آیا عورتوں کو خط و کتابت کی تعلیم دینا
جائز ہے یا نہیں اور صحیح تحقیق اس مسئلہ میں کیا ہے

جواب: سبحانک لا علم لنا الا
ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم
باید دانست کہ روایات در جانبین یعنی بجواز
وعدم جواز وارد شدہ۔
اما روایات عدم جواز تعلیم کتابت قابل احتجاج نیستند
بہ سبب ضعاف و اباطیل اثبات احکام شرعیہ نتواند شد
وامر محقق دریں مسئلہ ہمیں جواز تعلیم کتابت بہ نسواں است

جواب: (اللہ) تو پاک ہے ہم نہیں جانتے مگر
جو تو نے ہم کو سکھلایا بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے
یاد رہے کہ اس مسئلہ (عورتوں کی کتابت) کے
بارہ میں ہر دو طرح جواز و عدم جواز کی روایات وارد ہیں
مگر عدم جواز کی روایات قابل اعتبار نہیں نیز اس طرح کی ضعیف
اور جھوٹی روایات پر احکام شرع کا مدار بھی نہیں۔ اصل حقیقت
یہی ہے کہ عورتوں کو خط و کتابت کی تعلیم (سکھانا) جائز ہے۔

واما روایات جانبین را باصلہا نقل کنیم۔
تا حقیقت حال منکشف گردد

پس بدانکہ روایات عدم جواز را ابن حبان در کتاب
الضعفاء و حاکم در مستدرک و بیہقی در شعب الایمان تخریج کردہ

امّا روایت ابن حبان این ست۔
اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اِبْرَاہِیْمَ
ثَنَا یَحْیٰی بْنُ زَکَرِیَّا بْنُ یَزِیْدَ الدَّقَّاقُ
ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاہِیْمَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ
الشَّامِیُّ ثَنَا شُعَیْبُ بْنُ اِسْحٰقَ الدِّمَشْقِیُّ
عَنْ ہِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَۃَ
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُوْہُنَّ
الْغُرَفَ وَلَا تُعَلِّمُوْہُنَّ الْکِتَابَۃَ وَعَلِّمُوْہُنَّ
الْمِغْزَلَ وَسُوْرَۃَ النُّوْرِ (انتہی)

در سند این روایت محمد بن ابراہیم شامی است
واو منکر الحدیث است و منجملہ وضاعین است۔

حافظ شمس الدین الذہبی در میزان الاعتدال

درج ذیل ہم ہر دو قسم کی روایات پیش کرتے ہیں
تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

توضیحِ عدمِ جواز کی روایات ابن حبان نے اپنی کتاب
"الضعفاء" میں اور حاکم نے مستدرک میں امام بیہقی نے
شعب الایمان میں ذکر کی ہیں۔

پہلے ابن حبان کی روایات سنئیے وسندیہ ہیں
محمد بن عبداللہ بن ابراہیم نے بتایا کہ ہمیں یحییٰ
بن زکریا بن یزید دقاق نے بتایا کہ ہم کو محمد بن
ابراہیم ابو عبداللہ شامی نے بتایا کہ ہم کو شعیب
بن اسحاق الدمشقی نے بتایا اس [illegible]
عروہ سے اس نے اپنے باپ سے۔ اس نے عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ اس نے
کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان
کو بالاخانوں (چوباروں) میں نہ ٹھہراؤ اور ان
کو لکھنا سکھاؤ۔ اور سکھاؤ ان کو سوت کاتنا اور
سورۃ النور۔ اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم
شامی راوی ہے [illegible]
(جھوٹی باتیں بنانے والوں) سے ہے۔ حافظ شمس الدین
ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس نام کی بحث میں فرمایا
امام دار قطنی اس کو کذاب بتاتے ہیں۔

وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ عَامَّةُ أَحَادِيْثِهٖ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ قَالَ ابْنُ حِبَّانَ لَا يَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ إِلَّا عِنْدَ الْاِعْتِبَارِ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ۔

ابن عدی فرماتے ہیں اس کی اکثر روایات محفوظ نہیں ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس کی روایات تحقیق کے بعد ہی قبول کی جائیں گی کیوں کہ یہ جھوٹی روایات بھی بنا کر بیان کرتا ہے۔

وَرُوِيَ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا لَا تُنْزِلُوْهُنَّ الْغُرْفَةَ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ الْكِتَابَةَ وَعَلِّمُوْهُنَّ الْمِغْزَلَ وَسُوْرَةَ النُّوْرِ۔

شعیب بن اسحاق سے مروی ہے۔ وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ ان (عورتوں) کو بالاخانوں میں نہ ٹھہراؤ اور ان کو کتابت سکھاؤ، ان کو تو سوت کاتنا سکھاؤ اور سورۃ نور پڑھاؤ۔

وشیخ ابن الجوزی در عِلَلِ الْمُتَنَاهِيَةِ فِي الْأَحَادِيْثِ الْوَاهِيَةِ گفتہ هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَصِحُّ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الشَّامِيُّ كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ۔ (انتهٰى)

اس حدیث کے بارہ میں شیخ ابن الجوزی نے اپنی کتاب "العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ" میں فرمایا۔ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس میں محمد بن ابراہیم شامی خود حدیث بنا کر بتاتا یعنی جھوٹی روایات سناتا۔

الیٰ آخرہ

وحافظ ابن حجر در تقریب گفتہ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ الدِّمَشْقِيُّ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّاهِدُ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ (انتهٰى)

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تقریب میں کہا کہ محمد بن العلاء الدمشقی ابو عبد اللہ الزاہدی منکر الحدیث ہے یہی بات کہ علامہ خزرجی نے خلاصہ میں کہا۔

علامہ خزرجی در خلاصہ گفتہ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ الدِّمَشْقِيُّ كَذَّبَهٗ

کہ محمد بن ابراہیم الدمشقی کو ابو نعیم اور دار قطنی نے جھوٹا

أَبُو نُعَيْمٍ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَوَثَّقَهُ أَبُو حَاتِمٍ
وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ عَامَّةُ
أَحَادِيثِهِ غَيْرُ مَحْفُوظٍ انتهى۔

اما قول علامہ خزرجی وثقہ ابو حاتم والنسائی
در محل نظر است زیرا کہ توثیق ابو حاتم والنسائی
اِتحَد ھُو اصحاب کتب رجال نقل نکردہ بل
در تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر و در کاشف
و میزان الاعتدال حافظ ذہبی صرف اقوال
جارحین مذکور ست ذکر توثیق نسائی و ابو حاتم
نیست۔

پس واللہ اعلم ایں از مسامحات علامہ
خزرجی باشد چنانکہ در بعضے مواضع دیگر دریں
کتاب ازو مسامحہ شدہ واگر بثبوت رسد تاہم
تعدیل امامین حافظین نسائی و ابو حاتم معارضہ نہ
کند بجرح حفاظ دیگر را مثل دارقطنی و ابن حبان
و ابن عدی زیرا کہ ایں جرح مفسر است و مبین و جرح
مفسر مقدم باشد بر تعدیل حافظ۔

چنانکہ ابن صلاح در مقدمہ گفتہ اِذَا اجْتَمَعَ فِيهِ
جَرْحٌ وَتَعْدِيلٌ فَالْجَرْحُ مُقَدَّمٌ لِأَنَّ
الْمُعَدِّلَ [illegible]

کہتے ہیں مگر ابو حاتم و نسائی ثقہ کہتے ہیں اور ابن عدی
تو کہتے کہ اس کی اکثر بیان کردہ احادیث غیر محفوظ
ہیں

یہ علامہ خزرجی کا قول بابت توثیق بقول ابو حاتم و
النسائی محل نظر ہے (یعنی غیر صحیح ہے) کیونکہ ابو حاتم
اور نسائی کی توثیق مشہور کتب رجال میں منقول نہیں۔
تہذیب التہذیب میں ابن حجر نے اور امام ذہبی نے
کاشف اور میزان الاعتدال میں صرف جارحین
کے اقوال ملتے ہیں۔ توثیق کا یہ قول امام نسائی
اور ابو حاتم کا کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

اللہ ہی جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ یہ کوتاہی علامہ خزرجی
سے ہو گئی ہو گی جیسے کہ بعض اور مقامات پر جیسے
اسی کتاب میں ان کی لغزشیں موجود ہیں۔ [illegible]
یہ بات ثابت بھی ہو جائے تب بھی ان دونوں کی تعدیل
جرح سے ائمہ فن رجال کی جرح کے مقابلہ میں کوئی حیثیت
نہیں رکھتی جارحین ائمہ یہ ہیں دارقطنی، ابن حبان، ابن عدی کیونکہ
جرح مفسر اور مبین ہے اور مفسر جرح عادل کی تعدیل پر مقدم ہوتی ہے
جیسا کہ امام ابن صلاح نے مقدمہ میں فرمایا۔ پانچویں بحث کے
کہ جب کسی راوی بارے جرح و تعدیل دونوں موجود ہوں تو اس وقت
[illegible]

يخبر عن باطن خفي على المعدل ــــ

فإن كان عدد المعدلين أكثر فقد قيل التعديل أولى والصحيح الذي عليه الجمهور إن الجرح أولى (انتهى)

وئیز در مقدمہ ابن صلاح است إذا قالوا متروك الحديث أو ذاهب الحديث أو كذاب فهو ساقط الحديث لا يكتب حديثه (انتہی)

وعلامہ سخاوی در فتح المغیث شرح ألفية الحديث گفتہ الخامسة في تعارض الجرح والتعديل في راو واحد وقدم جمهور العلماء أيضا الجرح على التعديل مطلقا استوى الطرفان في العدد أم لا وقال ابن الصلاح أنه الصحيح وكذا صححه الأصوليون كالفخر والآمدي بل حكى الخطيب اتفاق أهل العلم عليه إذا استوى العدد وصنيع ابن الصلاح مشعر بذلك۔

وعليه يحمل قول ابن عساكر أجمع أهل العلم على تقديم قول من جرح راويا على قول من عدله لكن تقييد الحكم بتقدم

اور جارح مخفی بات سے مطلع کرتا ہے لہذا جارح کا اعتبار ہوگا ذکر معدل کا۔

اگرچہ یہ قول بھی ہے کہ اگر معدلین کی تعداد (نسبت جارحین سے) زیادہ ہو تو تعدیل اولیٰ ہے مگر صحیح بات جمہور کی ہے کہ جرح ہی اولیٰ ہے (انتہی)

نیز مقدمہ ابن صلاح میں یوں لکھا ہے کہ جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث یا ذاہب الحدیث یا کذاب کہیں تو اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوگی اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائیگی

علامہ سخاویؒ نے اپنی کتاب فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث میں فرمایا پانچویں بحث ہے جب کسی راوی کے بارہ جرح و تعدیل متعارض ہوں تو جمہور علماء تو جرح کو مطلقاً مقدم بتلاتے ہیں خواہ ہر دو کی تعداد مساوی ہو یا مساوی نہ بھی ہو۔ امام ابن صلاح نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا۔ علما اصول نے بھی اسی کو صحیح بتایا مثلاً امام فخر اور آمدی وغیرہ بلکہ خطیب نے تو اہل علم کا اتفاق ہی اس پر بتایا۔ جب تعداد برابر ہو ابن صلاح کا انداز بھی اسی کا مؤید ہے۔

درج بالا بات پہ ابن عساکر کا قول محمول کیا جائے گا۔ جو انہوں نے فرمایا کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ جارح کا قول معدل کے قول پہ مقدم ہوگا۔

الجرح بما اذا فسّر (اتحفی مختصراً)

ملا اکرم سندھی در شرح الشرح گفتہ.....

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة لان مع الجارح زيادة علم لم يطلع عليه المعدل ولان الجارح مصدّق للمعدل فيما اخبر به عن ظاهر الحال وهو يخبر عن امر باطن خفي عن الاخر نعم.

بشرطیکہ جرح مفسر ہو (اتحفی)

شرح الشرح میں ملا اکرم سندھیؒ نے فرمایا جرح تعدیل پر مقدم ہے یہ بات ایک جماعت نے مطلق کہی کیونکہ جارح کو مزید معلومات ہیں جو معدل کو معلوم نہ ہوسکے۔ ویسے جارح معدل کا مصدق ہی ہے ظاہری بات میں اور خود وہ مخفی بات کی خبر دیتا ہے (جو معدل کو معلوم نہیں)

ان عيّن سبباً نفاه المعدل فانهما متعارضان ولكن محله ان صدر مبيناً اي مفسراً بان يقول وجه ضعفه ان راويه فلان متهم بالكذب او هو سيء الحفظ مثلاً،

كذا قال البقاعي في حواشي شرح الفية العراقي۔ واما روایت حاکم این ست

انبانا ابو علي الحافظ ثنا محمد بن محمد بن سليمان ثنا عبد الوهاب بن الضحاك ثنا شعيب بن اسحاق عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة فذكره وقال صحيح الاسناد اخرجه البيهقي في شعب الايمان عن الحاكم

ہاں! اگر وہ کسی ایسے سبب کا ذکر کرے جس کی معدل نے نفی کی تب دونوں متعارض ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ سبب بیان ہو یعنی وہ یوں کہے اس حدیث کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ فلاں راوی متہم بالکذب ہے یا وہ سئی الحفظ (کمزور حافظہ والا) ہے البقاعی نے شرح الفیۃ العراقی کے حواشی میں یوں ہی ذکر کیا اسکی مثال درج ذیل روایت ہے ہمیں حافظ ابو علی نے بتایا اسے محمد بن محمد بن سلیمان نے حدیث سنائی ان کو عبدالوہاب بن الضحاک نے ان کو شعیب بن اسحاق نے وہ ہشام بن عروہ سے بیان کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہؓ سے تمام روایت بتائی حدیث کو محدث مذکور نے صحیح الاسناد بتایا۔ امام

من هذا الطريق - پس در اسناد این عبدالوهاب
بن الضحاک است۔
قال الذهبي في الميزان كذبه ابو حاتم
وقال النسائي وغيره متروك۔

وقال الدارقطني منكر الحديث
وقال البخاري عنده عجائب
انتهى۔
وشیخ جلال الدین سیوطی در اللآلی المصنوعة
في الأحاديث الموضوعة گفته۔ قال الحافظ ابن
حجر في الأطراف بعد قول ذكر الحاكم صحيح
الإسناد بل عبد الوهاب متروك وقد
تابع محمد بن إبراهيم الشامي عن شعيب
بن اسحاق وابراهيم رماه ابن حبان
بالوضع۔
انتهى كلام الحافظ در خلاصه است۔ قال الدار
قطني متروك و در روايت دیگر حافظ البيهقي این است
أنبانا أبو نصر بن قتادة أنبانا أبو الحسن محمد
بن السراج حدثنا مطين حدثنا محمد
بن إبراهيم الشامي حدثنا شعيب بن

حاکم سے یہی سند ذکر کی۔ اس سند میں ایک راوی عبدالوہاب
بن الضحاک ہے۔
اس کے بارہ امام ذہبی میزان میں فرماتے ہیں
اس کو ابوحاتم نے جھوٹا۔ اور امام نسائی اس کو متروک
الحدیث فرماتے ہیں۔
امام دارقطنی اس کو منکر الحدیث فرماتے ہیں اور
امام بخاری فرماتے ہیں اس سے عجیب روایات ہیں

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اللآلی المصنوعہ
فی احادیث الموضوعہ میں فرمایا کہ حافظ ابن حجر نے
الاطراف میں امام حاکم کا قول ذکر کیا کہ یہ سند صحیح
اس کے بعد سیوطی فرماتے ہیں بلکہ عبدالوہاب تو متروک
الحدیث اور اسکی متابعت محمد بن ابراہیم شامی کی جو شعیب
بن اسحاق سے حدیث سناتے ہیں اور ابراہیم وہ کہ
ہیں کہ ابن حبان نے اس پر وضع کا الزام لگایا ہے۔
حافظ صاحب نے خلاصہ میں امام دارقطنی کا قول ذکر
کیا ہے کہ یہ راوی متروک ہے امام حافظ بیہقی کی ایک
دوسری روایت یوں ہے، ہمیں خبر دی ابونصر بن قتادہ
نے۔ انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابوالحسن محمد بن السراج نے اسے
حدیث بتائی محمد بن ابراہیم الشامی نے اسے کہا ہمیں حدیث

بن اسحٰق الدمشقی عن ہشام بن عروۃ عن
ابیہ عن عائشۃ فذکر الحدیث وقال ہٰذا
الاسناد منکر انتہٰی۔

در سند این محمد بن ابراہیم شامی مذکور است واو
قابل احتجاج نیست

ونیز ابن حبان در کتاب الضعفاء باسناد دیگر
روایت کرد حدثنا جعفر بن سہیل حدثنا
جعفر بن نصر حدثنا حفص بن غیاث
عن مجاہد عن ابن عباس مرفوعاً لا تعلموا
نساءکم الکتابۃ ولا تسکنوہن العلالی خیر
لہو المرأۃ المغزل وخیر لہو الرجل السباحۃ
انتہٰی۔

و در سند این جعفر بن نصر است قال الذہبی
فی المیزان جعفر عن حماد بن زید وغیرہ
متہم بالکذب وہو ابو میمون العنبری
ذکرہ صاحب الکامل فقال حدث عن
الثقات بالبواطیل انتہٰی۔

ثم اورد الذہبی بعد ہذا من روایاتہ
[illegible] منہا ہذا الحدیث لابن عباس
ثم قال ہذہ اباطیل [illegible] شیخ ابن الجوزی

بتائی شعیب بن اسحاق الدمشقی نے وہ ہشام بن
عروہ سے وہ اپنے باپ سے وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت
کرتے ہیں تمام حدیث ذکر کی ایسے یہ حدیث سند کے اعتبار سے منکر الاسناد ہے

اس سند میں محمد بن ابراہیم شامی راوی ہے جو
قابل اعتبار نہیں۔

نیز ابن حبان نے در کتاب ضعفاء میں دوسری
سند سے یہ حدیث بیان کی ہے کہا ہمیں حدیث بتائی
جعفر بن سہیل نے اس نے کہا ہمیں حدیث بتائی
کہ عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ۔ اور نہ ان کو بالاخانوں میں
آباد کرو عورتوں کے لیے بہترین شغل چرخہ سوت
کاتنا ہے۔ اور مردوں کا بہترین شغل سفر جنگ کا۔

اس سند میں جعفر بن نصر راوی ہے۔ ذہبی
نے میزان میں کہا کہ جعفر عن حماد بن زید متہم بالکذب
ہے۔ اور وہ ابو میمون العنبری ہے یہ بات الکامل
والے نے ذکر کی کہ یہ ثقہ راویوں کے نام پر باطل روایات
ذکر کیا کرتا ہے۔

اس کے بعد بطور مثال امام ذہبی نے اس کی
روایات بیان کی۔ ان میں درج بالا حدیث ابن عباس
کے نام ایک ہے پھر کہا یہ تمام روایات باطل ہیں

ودر العلل المتناهیه گفته لا یصح

جعفر بن نصر حدث عن الثقات
بالبواطیل۔ انتہی۔

ودر کشف الاحوال فی نقد الرجال است۔
جعفر بن نصر ابو میمون العنبری الکوفی
حَدَّثَ عَنِ الثِّقَاتِ بِالْبَوَاطِيلِ سَمِعَ
حفص بن غیاث وحماد بن زید روی عنہ
جعفر بن سہل۔ انتہی۔

پس این ہمہ روایات مانعین کہ مذکور شدند
بجمیع طرق معلول اند ہیچ یکے ازیں ہم قابل حجت
وتمسک نیست واللہ اعلم واما استدلال مجوزین
پس بحدیث شفاء بنت عبد اللہ است۔

کہ ابو داؤد واحمد بن حنبل ونسائی وطبرانی
روایت کردہ ففی سنن ابی داؤد حدثنا ابراہیم بن
مہدی المصیصی نا علی بن مسہر عن عبد
العزیز بن عمر بن عبد العزیز عن صالح
بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان بن
ابی حثمۃ عن الشفاء بنت عبد اللہ
قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
وَأَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ لِي أَلَا

ابن جوزی نے علل المتناہیہ میں فرمایا یہ حدیث
صحیح نہیں ہے۔

کیونکہ جعفر بن نصر ثقہ راویوں کے نام پر باطل
روایات ذکر کرتا رہتا ہے۔

کتاب کشف الاحوال فی نقد الرجال میں ہے کہ
جعفر بن نصر ابو میمون العنبری الکوفی ثقہ راویوں
کے نام لے کر غلط روایات سناتا ہے جعفر بن
غیاث اور حماد بن زید سے اس نے سنا اور اس
کا شاگرد بھی جعفر بن سہیل ہے

عورتوں کو لکھائی سکھلانے کی مخالفت کرنے
والوں کی مندرجہ بالا روایات دلیل میں جو تمام ہی
ناقابل اعتبار ہیں واللہ اعلم باقی ہے مجوزین تو
ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں شفا بنت عبد اللہ
کی روایت جو حدیث کی مشہور کتب میں سے
ابو داؤد مسند احمد نسائی طبرانی میں ہے
سنن ابو داؤد میں اس کی سند یہ ہے
حدثنا ابراہیم بن مہدی المصیصی نا علی
بن مسہر عن عبد العزیز بن عمر بن
عبد العزیز عن صالح بن کیسان عن
ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمہ عن الشفاء
بنت عبد اللہ قالت دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں

تعلمين هذه رقية النملة كما علمتيها الكتابة - انتهى

*

یعنی گفت شفاء بنت عبداللہ در آمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و حال آنکہ من حاظر بودم -

نزد حفصہ ام المومنین پس فرمود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیا نمے آموزی این یعنی حفصہ را افسون نملہ چنانکہ تعلیم کردی تو او را نوشتن را و نملہ ریشہا است کہ بر پہلو ظاہر میشود و لغایت مولم است و مریض انرا احساس حرکت نمل مے کند و هذا هو الصحیح فی تفسیر النملة وقد فسر بعض التفسیر آخر لیس هو بصحیح واللہ اعلم -

واما رجال هذا الاسناد فابراهیم بن مهدی المصیصی قال فی الخلاصة وثقه ابو حاتم وقال الذهبی المیزان روی عنه احمد و ابو عاصم و قال ثقة وقال العقیلی حدث بمناکیر ثم اسند الی یحیی بن معین انه قال ابراهیم بن مهدی جاء بمناکیر انتهی و فی التقریب هو مقبول من العاشرة انتهی و اگرچہ کلام یحیی بن معین و عقیلی در حق وی مشعر است بحدیث مناکیر گفتہ مگر جرح ثابت نمی شود بلکہ بعض تعدیل کہ ابراہیم بن مہدی راوی ثقہ است چنانکہ ابو حاتم و ابو عاصم مانع ثقاہت نیست زیرا چہ در میان قول محدثین ہو منکر الحدیث و له احادیث مناکیر فرق عظیم است علامہ شمس الدین سخاوی در فتح المغیث گفتہ قال شیخنا قولهم متروك او ساقط او فاحش

تشریف لائے اور میں حفصہ کے پاس بیٹھی تھی آپ نے مجھے فرمایا کیا تو اس (حفصہ) کو زہر کا دم نہیں سکھلاتی جیسے تو نے اس کو لکھنا سکھا دیا ہے -

یعنی شفا بنت عبداللہ بتاتی ہیں کہ آنحضرت تشریف لائے میں اس وقت حفصہ کے پاس موجود تھی -

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اسکو (یعنی حفصہ کو) نملہ کا دم نہیں سیکھاتی جیسے تو نے اس کو لکھنا سیکھایا ہے - نملہ ایک طرح کے زخم ہوتے ہیں جو پہلو پر دیکھائی دیتے ہیں لوہخت تکلیف دہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے مریض چیونٹی کی سی چال چلتا ہے یہ ہے صحیح تعریف جو نملہ کے لفظ مشہور کی ہے اور تعریف بھی کی جاتی ہے مگر وہ صحیح نہیں واللہ اعلم -

اس سند کے راوی ابراہیم بن مہدی المصیصی کے بارہ خلاصہ میں لکھا ہے کہ اس کو ابو حاتم نے ثقہ بتایا امام ذہبی نے میزان میں فرمایا کہ اس سے احمد نے روایات بیان کی ہیں ابو عاصم نے بھی اس کی توثیق فرمائی تمام منکر احادیث جن کے بارہ لفظ منکر استعمال ہوا ہو وہ تمام غیر ثقہ نہیں ہوتیں کیونکہ محدثین کے نزدیک لفظ منکر الحدیث اور لفظ احادیث مناکیر میں بڑا فرق ہے علامہ شمس الدین سخاوی نے

الغلط او منکر الحدیث اشد من قولهم ضعیف او لیس بقوی و فیه مقال وقال العراقی فی الاکبر الاحیاء۔

اپنی کتاب فتح المغیث میں فرمایا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں محدثین کا قول متروک ساقط فاحش الغلط منکر الحدیث یہ جرح میں سخت ہیں نسبت ضعیف اور لیس بالقوی یا فیہ مقال سے امام عراقی احیاء کی تخریج میں فرماتے ہیں

وکثیرما یطلقون المنکر علی الراوی لکونه روی حدیثا واحدا۔ او نحوه وقال الذهبی قولهم منکر الحدیث۔ لا یعنون بذالک کل ما رواه منکرا بل اذا روی الرجل جملة و بعض ذالک مناکیر فهو منکر الحدیث وقال السخاوی قلت قد یطلق ذالک علی الثقة اذا روی المناکیر عن الضعفاء قال الحاکم قلت للدارقطنی فسلیمان بن بنت شرحبیل قال ثقة قلت الیس عنده مناکیر قال یحدث بها عن قوم ضعفاء

لفظ منکر راوی کے بارہ کتنی بار استعمال کرتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ اس نے ایک ہی حدیث بیان کی ہے یا بہت کم روایت بیان۔
امام ذہبی کہتے ہیں محدثین کے ہاں لفظ منکر الحدیث سے یہ مراد نہیں کہ یہ روایت منکر ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ایک راوی بہت سی روایات بیان کرے چند ان میں غیر معروف ہیں تو وہ راوی منکر الحدیث ہوا سخاوی کہتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ لفظ ثقہ راوی پر بھی بولا جاتا ہے جب وہ غیر معروف حدیث کسی ضعیف راوی سے بیان کرے۔
امام حاکم فرماتے ہیں کہ میں نے دارقطنی سے سلیمان بن بنت شرحبیل کے بارہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا وہ ثقہ ہے میں نے کہا کہ کیا وہ منکر ہیں تو فرمایا کہ وہ ضعیف راویوں سے

نا ما ھو.

ھو ثقة وقال ابن دقيق العيد في شرح الالمام قولهم روى مناكير لا يقتضي بمجرده ترك روايته حتى تكثر المناكير في روايته وتنتهي الى ان يقال فيه منكر الحديث

بیان منفرد کرتا ہے مگر خود وہ ثقہ ہے۔

ابن دقیق العید نے اپنی کتاب شرح الالمام میں کہا کہ محدثین کا قول روی مناکیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسے راوی کی احادیث ترک کر دی جائیں جب تک کہ وہ بکثرت منکر روایات نہ بیان کرے، اور اس کو تب کہا جائے گا کہ یہ راوی منکر الحدیث ہے۔

لان منكر الحديث وصف في الرجل يستحق به الترك لحديثه والعبارة الاخرى يقتضي انه وقع له في حين لا دائما كيف وقد قال احمد بن حنبل في ابراهيم التيمي يروي احاديث منكرة وهو ممن اتفق عليه الشيخان واليه المرجع في حديث انما الاعمال بالنيات وكذا قال في زيد بن ابي انيسة في بعض حديثه نكارة وهو ممن احتج به البخاري ومسلم وهما العمدة في ذلك انتهى.

کیونکہ منکر الحدیث ہونا ایک صفت ہے جس کی وجہ سے اس کی بیان کردہ احادیث متروک ہو جاتی ہیں مگر پہلا لفظ (روی مناکیر) کا مفہوم ہے کہ یہ بات اس راوی سے کبھی کبھی ہوتی ہے ہمیشہ نہیں غور فرمائیے کہ امام احمد ابراہیم تیمی کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ یروی کہ وہ منکر روایات بیان کرتا ہے مگر یہ (ابراہیم) شیخین کے راویوں میں سے بلکہ یہ راوی مشہور روایات انما الاعمال بالنیات کا بھی راوی ہے ایسے ہی زید بن ابی انیسہ کے بارہ میں فرماتے ہیں، کہ اس کی بعض احادیث میں نکارۃ ہے۔ اور یہ راوی بھی بخاری مسلم کے راویوں میں شمار ہوتا ہے جن کے تمام راوی قابل احتجاج ہوتے ہیں، اور ثقہ شمار ہوتے ہیں انتہیٰ۔

وقطع نظر ازیں ابراہیم بن مہدی را متابع ہم استاذ یعنی ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق وھو ثقة وروایت ایں در سنن کبری نسائی

درج بالا تفصیل سے قطع نظر ویسے ابراہیم بن مہدی راوی کا متابع بھی موجود ہے۔ یعنی ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق یہ راوی ثقہ ہیں اور

است چنانکہ بیاید۔

ثقہ ثقہ علی بن مسہر القرشی ابوالحسن الکوفی الحافظ فوثقہ ابن معین کذا فی الخلاصۃ وغیرہا من الکتب۔

واما عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز پس راوی ثقہ است و ائمہ ستہ از و روایات کردہ اند در خلاصہ گفتہ وثقہ ابن معین وابوداؤد انتہی و در میزان الاعتدال است وثقہ جماعۃ وضعفہ ابو مسہر وحدہ انتہی۔

وحافظ ابن حجر در مقدمہ فتح الباری گفتہ

عبد بن العزیز عمر بن عبدالعزیز بن مروان الاموی نزیل المدینۃ وثقہ ابن معین وابوداؤد والنسائی وابوزرعۃ وزاد لیس بین الناس فیہ اختلاف وحکی الخطابی عن احمد انہ قال لیس ہو من اہل الحفظ یعنی بذالک سعۃ المحفوظ والا فقد قال یحیی بن معین ہو ثبت روی شیأ یسیرا۔

وقال ابوحاتم یکتب حدیثہ وقال میمون ابن الاصبغ عن ابی مسہر ضعیف الحدیث۔

ان کی روایات سنن کبریٰ نسائی میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں

باقی رہے علی بن مسہر القرشی ابوالحسن کوفی جو الحافظ کے نام سے مشہور ہیں ان کو ابن معین نے ثقہ بتایا کتاب خلاصہ وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

اور عبدالعزیز بن عمر بن العزیز یہ راوی بھی ثقہ ہے اور صحاح ستہ میں اس کی روایات ہیں خلاصہ میں صاحب کتاب نے کہا ہے کہ اس کو ابن معین اور ابوداؤد نے ثقہ بتایا میزان الاعتدال میں ہے اس کو ایک جماعت محدثین کی ثقہ کہتی ہے۔ صرف اکیلے مسہر ضعیف کہتے ہیں انتہٰی۔

حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں فرمایا

عبد بن العزیز عمر بن عبدالعزیز بن مروان اموی جو مدینہ کے رہائشی ہیں ان کو ابن معین اور ابوداؤد نسائی ابو زرعہ نے ثقہ کہا مزید فرمایا لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں (یعنی ان کے ثقہ ہونے میں) خطابی نے امام احمد سے بیان کیا وہ فرماتے ہیں یہ راوی اہل حفظ سے نہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زیادہ باتیں نہ کر سکتے تھے ورنہ یحییٰ بن معین تو کہتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے چند روایات ہی بیان کرتا ہے۔

ابوحاتم کا قول ہے اس کی روایات قابل اعتبار ہیں میمون ابن اصبغ ابو مسہر سے اس کا ضعیف ہونا بتاتے ہیں الحدیث۔

وقال یعقوب بن سفیان حدثنا ابو نعیم حدثنا عبد العزیز وهو ثقة۔

یعقوب بن سفیان نے ابو نعیم سے بیان کیا وہ عبد العزیز سے بیان کرتے ہیں کہ یہ راوی ثقہ ہے۔

پس توثیق عبد العزیز برائے جمہور محدثین است مثل یحیی بن معین و ابو داؤد و نسائی و ابو زرعہ و ابو نعیم و ابو حاتم بلکہ ابن عمار گفتہ کہ در ثقاہت آں علماء را اختلاف نیست پس تضعیف یک کس ابو مسہر بلا حجہ و برہان قابل سمار بنا شد

تو ثابت ہوا عبد اللہ کی توثیق جمہور محدثین سے ہوئی مثلاً یحیی بن معین ابو داؤد نسائی ابو زرعہ ابو نعیم ابو حاتم ..... بلکہ ابن عمار کہتے ہیں کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں صرف ایک ابو مسہر اگر اسکو ضعیف کہتے ہیں، اور وہ بھی بلا دلیل تو ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔

واما صالح بن کیسان المدنی فوثقہ ابن معین واحمد وجماعة وکذا فی إسعاف المبطأ برجال الموطا للسیوطی والخلاصہ وغیرهما۔

صالح بن کیسان المدنی راوی کو ابن معین امام احمد اور ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے یہ بات اسعاف المبطأ برجال الموطأ نامی کتاب میں ہے جو امام سیوطی نے لکھی نیز خلاصہ وغیرہ میں بھی ہے

واما ابو بکر بن سلیمان بن ابو حثمة المدنی ثقة عارف بالنسب کذا فی التهذیب وفی الخلاصہ قال الزهری هو من علماء قریش واما شفاء بنت عبد اللہ پس صحابیہ از مہاجرات اول است کذا جمال الدین المزی در تحفۃ الاشراف گفتہ شفاء بنت عبد اللہ بن عبد الشمس ویقال الشفاء بنت عبد اللہ بن ہاشم بن خلف بن عبد الشمس القرشیہ العدویہ ہی ام سلیمان ابن ابی حثمہ قال احمد بن صالح ... لیلی و غلب

ابو بکر بن سلیمان بن ابو حثمہ المدنی راوی کو ثقہ بتایا گیا یہ عارف النسب ہے تقریب التہذیب میں یہی ہے نیز خلاصہ میں ہے امام زہری کہتے یہ علماء قریش سے ہے حدیث کی راوی شفاء بنت عبد اللہ (حضرت شفاء) تو جلیل القدر صحابیہ ہیں اور مہاجر عورتوں کی صف اول میں شمار ہوتی ہیں حافظ جمال الدین المزی نے اپنی کتاب تحفۃ الاشراف میں فرمایا کہ ان کا نسب یوں ہے شفاء بنت عبد اللہ بن عبد الشمس بعض کہتے ہیں کہ یوں ہے الشفاء بنت عبد اللہ بن

علیہا شفاء وھی من المهاجرات الاول انتهى۔

و حافظ ابن حجر در اصابہ فی معرفۃ الصحابہ گفتہ اسلمت الشفاء قبل الهجرة وهی من المهاجرات الاول وبايعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانت من عقلاء النساء وفضلاءهن وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورها ویقیل عندها فی بیتها وکانت قد اتخذت لہ فراشا وازارا ینام فیہ فلم یزل ذالك عند ولدها حتی اخذه منهم مروان بن الحکم وقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمی الحفصة رقیة النملة کما علمتها الكتابة واقطعها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارا عند الحکاکین بالمدینة فنزلتها مع ابنها سلیمان وکان یقدمها فی الرای ویرعاها ویفضلها وربما ولاها شیئا من امر السوق انتهى۔

ہاشم بن خلف بن عبدالشمس القرشیہ العدویۃ یہ سلیمان بن ابی حثمہ کی والدہ ہیں احمد بن صالح کہتے ہیں کہ نام ان کا لیلٰے ہے مگر شفاء زیادہ مشہور ہے یہ پہلی مہاجر عورتوں میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر رح نے اپنی کتاب الاصابہ فی معرفت الصحابہ میں کہا کہ اسلمت الشفاء قبل الہجرۃ وہی سب سے پہلے مسلمان ہوئی ہیں اسی لئے مہاجرات اوّل میں شمار ہوتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی تھی بڑی سمجھدار اور اچھی عورتوں سے شمار ہوتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کی ملاقات کو تشریف لے جاتے اور اس کے ہاں دوپہر کو آرام فرماتے اس نے آپ کیلئے بستر بنا رکھا تھا اور تہہ بند بھی جو آپ استعمال کرتے وہاں سو جاتے یہ تہہ بند ان کی پاس عرصہ تک رہا پھر ان کے اولاد کے پاس رہا حتّٰی کہ ان سے مروان بن حکم نے لے لیا اسی شفاء سے آپ نے فرمایا تھا کہ حفصہ کو نملہ کا دم بتا دے جیسے تو نے اسکو لکھنا سکھایا ہے آپ نے اس کیلئے حکاکین میں جگہ دے رکھی تھی جو مدینہ منورہ میں ہے یہ وہاں اپنے بیٹے سلیمان کے ہمراہ ہیں آنحضرتؐ اس کی رائے کو دوسروں پہ مقدم قرار دیتے اور اس کی رائے کو پسند کرتے کئی مرتبہ اس کو اہم خدمات پر مامور فرماتے۔

و حدیث شفاء را احمد در مسند خود۔

شفاء کی حدیث امام احمد نے اپنی کتاب مسند میں ذکر کی ہے نیز

روایت کردہ وابوداؤد وعبد العظیم
منذری در مختصر خود بریں حدیث سکوت کردہ
وشوکانی در نیل الاوطار گفتہ وحدیث الشفاء
سکت عنہ ابوداؤد والمنذری ورجال
اسنادہ رجال الصحیح الا ابراھیم بن
مھدی المصیصی وھو ثقۃ انتھی

امام ابوداؤد اور عبد العظیم المنذری نے
بھی اپنی مختصر میں ذکر کی اور کوئی تبصرہ نہیں کیا
بلکہ سکوت ہی فرمایا امام شوکانی نے نیل میں
فرمایا شفاء کی روایت پر امام ابوداؤد اور امام منذری
خاموش رہے اس کی سند کے راوی صحیح کے
راوی ہیں مگر ابراہیم بن مہدی مصیصی اور یہ
راوی بھی ثقہ ہے الخ

وکمال الدین الدمیری در حیوۃ الحیوان
گفتہ روی ابوداؤد والحاکم وصححہ۔

کمال الدین الدمیری نے اپنی کتاب حیوۃ
الحیوان میں فرمایا یہ حدیث ابوداؤد اور حاکم
نے بیان کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔

وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
للشفاء بنت عبد اللہ علمی حفصۃ رقیۃ النملۃ
کما علمتھا الکتابت انتھی۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاء
بنت عبد اللہ سے فرمایا تھا کہ حفصہ کو نملہ کا
علاج بھی سکھاؤ جیسے اس کو کتابت سکھائی ہے انتھی

وحافظ ابن حجر در اصابہ گفتہ واخرجہ
ابونعیم من الطبرانی من طریق صالح بن کیسان
عن ابی بکر بن حثمۃ ان الشفاء بنت عبد
اللہ قالت دخل علی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وانا قاعدۃ عند حفصۃ
فقال ما علیک ان تعلمی ھذہ رقیۃ
النملۃ کما علمتھا الکتابت
انتھی۔

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب اصابہ میں فرمایا
یہ حدیث ابونعیم نے طبرانی سے نقل کی ہے۔
سند یہ ہے صالح بن کیسان عن ابی بکر بن حثمہ
ان شفاء بنت عبد اللہ قالت الخ شفاء کہتی ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف
لائے میں حضرت حفصہ کے پاس بیٹھی تھی
فرمایا تیرا کیا حرج ہے اگر تو اس کو نملہ کا علاج
بتادے جیسے تو نے اس کو کتابت سکھائی ہے انتھی

ونسائی در کتاب الطب سنن کبری روایت
کردہ حدثنا ابراھیم بن یعقوب عن علی

امام نسائی نے سنن کبری کتاب الطب میں
یہ روایت اس سند سے بیان کی حدثنا ابراہیم بن

بن عبداللہ المدینی عن محمد بن بشیر عن عبدالعزیز بن عمر بن عبد العزیز عن صالح بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن الشفاء بالحدیث المذکور۔

یعقوب عن علی بن عبداللہ المدینی عن محمد بن بشیر عن عبدالعزیز بن عمر بن عبد العزیز عن صالح بن کیسان عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن الشفاء مکمل سابقہ حدیث سابقہ الفاظ سے مروی ہے۔

وہمچنین حافظ جمال الدین المزی در تحفۃ الاشراف وعلامہ شوکانی در نیل باین سند از نسائی نقل کردہ واین حدیث ہم صحیح الاسناد است۔

ایسے ہی تحفۃ الاشراف میں حافظ جمال الدین المزی نے اور نیل الاوطار میں امام شوکانی رح نے اسی سند سے بحوالہ نسائی یہ حدیث بیان کی تو یہ حدیث صحیح سند سے مذکور ہے۔

اما ابراھیم بن یعقوب بن اسحاق الجوزجانی ابو یعقوب الحافظ وثقہ النسائی والدارقطنی وقال کان من المصنفین وقد رمی بالنصب وکان احمد یکاتبہ الی دمشق ویکرمہ اکراما شدیدا کذا فی الخلاصۃ وغیرہ۔

امام ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق الجوزجانی کی کنیت ابو یعقوب ہے الحافظ کے نام سے مشہور ہیں ان کو امام نسائیؒ اور دارقطنی نے ثقہ بتایا ہے دارقطنی فرماتے ہیں یہ حفاظ حدیث سے شمار ہوتے ہیں مگر اس کو بدعتی فرقہ نصب سے تعلق کا الزام دیا گیا ہے امام احمد ان سے دمشق میں رابطہ رکھا کرتے اور ان کی بہت عزت کرتے کتاب خلاصہ میں ایسے ہی لکھا ہے۔

ورمی بنصب ضرر نکند چرا کہ حدیث شفاء مقوی مذہب اہل نصب نیست فلا عذر رفیہ کما تقرر فی الاصول واما علی بن عبداللہ المدینی فقال ابن حجر فی التقریب ثقۃ ثبت امام اعلم اھل عصرہ بالحدیث وعللہ حتی قال البخاری ما استصغرت نفسی الا عندہ وقال فیہ شیخہ

باقی رہا ان کے بارہ نصب کا الزام تو یہ ان کیلئے مضر نہیں کیونکہ شفاء کی حدیث اس کے مسلک کی مؤید نہیں بنا بریں کوئی حرج نہیں جیسا کہ کتب اصول میں موجود ہے رہے راوی علی بن عبداللہ المدینی ان کے بارہ امام ابن حجرؒ نے تقریب میں فرمایا یہ ثقہ ہیں اور قابل اعتماد

عينيكنت اتعجب منه أكثر مما يتعجب مني
وقال النسائي كان الله خلقه للحديث وأما
محمد بن بشر العبدي فهو أحد العلماء
الحفاظ وثقه ابن معين كذا في
الخلاصة۔

ہیں اپنے زمانہ میں امام الحدیث تھے جو علل حدیث
کو خوب جانتے تھے حتیٰ کہ امام بخاری نے فرمایا میں نے
خود کو کسی کے سامنے کم علم نہیں خیال کیا مگر ان کے
سامنے خود کو کم علم خیال کیا امام نسائی فرماتے ایسے
معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ابن معین کو خدمت علم
حدیث کیلئے پیدا فرمایا اس حدیث کے ایک راوی
محمد بشر عبدی ہیں یہ بھی حفاظ حدیث میں شمار
ہوتے ان کو ابن معین نے ثقہ بتایا خلاصہ میں
ایسے ہی ہے ۔

وترجمہ باقی رویان بالا گذشتہ پس
اکنوں در صحت حدیث شفاء بنت عبد اللہ
ہیچ کلام باقی نماندہ اما از مجادل مرتاب بعید
نیست کہ این حدیث صحیح الاسناد را رد کند و
حدیث موضوع و باطل را تمسک نماید شیوہ
این ہمہ ناحق شناسان ہمیں است إنا للہ
وإنا إلیہ راجعون واین ہمہ کہ مذکور شد
تحقیق و تنقید

باقی راویان کا تعارف پہلے ذکر ہو چکا
ہے جب سند کے راوی تمام ثقہ ہیں تو حدیث
شفاء بنت عبد اللہ میں کوئی کلام نہیں بنا بریں یہ
حدیث صحیح ثابت ہوئی جس پر اعتماد کر کے مسئلہ
ثابت ہو گیا ہاں ضد اور ہٹ دھرمی کا علاج نہیں
ضد کی بنا پر اگر کوئی اس صحیح حدیث کو بھی رد کرے
تو اسکی مرضی اور اسکے مقابلہ میں کسی موضوع اور باطل
حدیث پر اعتماد کرے یہ شیوہ تو ہمیشہ حق کے دیرینوں کا
رہا ہے (اس پر کوئی تعجب کی ضرورت نہیں) انا للہ
وانا الیہ راجعون اب تک تو احادیث کی تحقیق و تنقید
آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے

احادیث بود اما اقوال ائمہ پس ۔
[illegible] در ازہار شرح المصابیح
[illegible] قال [illegible] علی ان تعلو النار

ائمہ کے اقوال بھی سنیئے ۔
علامہ اردبیلی اپنی کتاب ازہار شرح
المصابیح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں

الکتابة غیر مکروه انتهی - و ما قال ابن القیم منع النساء [illegible] گفته و فی الحدیث الخ دلیل علی جواز تعلیم النساء الکتابة انتهی -

والشیخ العلامه ابن تیمیه در منتقی الاخبار گفته و هو دلیل علی جواز تعلم النساء الکتابة انتهی و از مؤیدات این مسئله از حضرت عائشه است که بخاری در الادب المفرد روایت کرده باب الکتابة الی النساء و جوابهن حدثنا الخ

حدثنا ابو الربیع ثنا ابو اسامة قال حدثنی موسی بن عبد الله قال ثنا عائشة بنت طلحة قالت قلت لعائشة وانا فی حجرها وکان الناس یاتونها من کل مصر فکان الشیوخ ینتابونی لمکانی منها وکان الشباب یتاخونی فیهدون الی ویکتبون الی من الامصار فاقول لعائشة خالة هذا کتاب فلان و هدیته فتقول لی عائشة ای بنیة فاجیبه واثیبیه فان لم یکن عندک ثواب اعطیتک فقالت تعطینی رواه البخاری فی الادب المفرد -

دلیل سے ثابت ہوا کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دی جا سکتی ہے -

علامہ ابن تیمیہ منتقی الاخبار میں فرماتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ عورتوں کو کتابت کی تعلیم دی جا سکتی ہے بلکہ وہ جواب بھی دے سکتی ہیں جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے پتہ چلتا ہے -

ثنا ابو الربیع ثنا ابو اسامة قال حدثنی موسی بن عبد قال ثنا عائشہ بنت طلحہ قالت قلت لعائشہ رض وانا الخ عائشہ رض کی بیٹی کہتی ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رض سے عرض کی جبکہ میں انکی تربیت میں تھی ہر شہر کے حضرت عائشہ رض سے ملنے آتے مصر کے لوگ میرے پاس آتے میری وساطت سے بات کرتے کیونکہ مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رض کا خاص مقام حاصل تھا - نوجوان بھی مجھے بہن خیال کرتے تحائف لاتے اور مجھے دوسرے شہروں سے خطوط لکھتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رض سے آکر عرض کرتی خالہ جان یہ لیجئے فلاں کا خط آیا ہے اور یہ انکا ہدیہ ہے تب حضرت عائشہ رض فرماتیں بیٹی ان کو جواب لکھو اور ہدیہ کے بدلے ہدیہ بھیجو اگر تحفہ کیلئے تمہارے پاس کچھ نہیں تو مجھ سے لے لو پھر مجھے تحائف بھیجنے کے لئے سامان دیا کرتی یہ واقعہ امام بخاری نے المفرد میں ذکر کیا ہے -

از تتبع کتب تواریخ معلوم میشود که در ازمنہ
سابقہ نسواں کتابت میکردند و انکار علمائے وقت
ایشاں برایشاں یافتہ نہ شد بلکہ خود بعض نسواں
کاتبہ صاحب علم و عمل بودند قاضی احمد بن خلکان
در وفیات الاعیان نوشتہ فخر النساء شہدۃ
بنت ابی نصر احمد بن فرج بن
عمر الدینوری الکاتبۃ الدینوریۃ
الاصل البغدادیۃ المولد والوفاۃ
کانت من العلماء وکتبت الخط الجید
وسمع علیہا خلق کثیر وکان لہا السماع
العالی الحقت فیہ الاصاغر بالاکابر سمعت
من الحفاظ نصر بن احمد بن البطر انی
وابی عبد اللہ الحسین بن احمد بن طلحہ
النعالی وطلحۃ بن الزینبی وغیرھم
مثل ابی الحسین بن ایوب وابی الحسین
احمد بن عبد القادر بن یوسف وفخر
الاسلام ابی بکر محمد بن احمد الشاشی
واشتہر ذکرھا وبعد صیتہا وکانت
وفاتہا یوم الاحد بعد العصر ثالث
عشر المحرم سنۃ اربع وسبعین وخمسۃ
مائۃ ودفنت بباب ابرز وقد نیفت علی
تسعین سنۃ من عمرھا رحمہا
اللہ تعالے وعلامہ مقری در جلد

کتب تاریخ کے مطالعہ کی گردانی سے پتہ
چلتا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں عورتیں کتابت کرتی
رہیں اس وقت علماء نے اسکا نہ انکار کیا اور نہ منع
کیا) بلکہ اس دور کی بعض عورتیں کا تب بڑی صاحب
علم تھیں اور با عمل عالمہ تھیں۔ قاضی احمد بن خلکانؒ
نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ فخر النساء شہدہ
بنت ابو نصر انکا نام احمد بن فرج بن عمر الابری (ابری)
کاتبہ تھیں الدینوریہ (ر) کی نسبت سے مشہور تھیں انکی ولادت
اور وفات بغداد میں ہوئی اسلئے بغدادیہ میں بڑی عالم
اور بہترین کاتبہ تھیں تحریر بہترین طور پر لکھتیں کتنے
ہی علماء ان کے شاگرد تھے ان کی وساطت سے سماع
عالی کا درجہ ملتا اور سند میں کم راوی کی بنا پر اصاغر کو اکابر
کی برابری حاصل ہو جاتی انکے اساتذہ میں بڑے مشہور
علماء ہیں [1] نصر بن احمد بن البطروانی [2] ابو عبد اللہ الحسین
بن احمد بن طلحہ النعالی [3] طلحہ بن الزینی وغیرہ تیرہ [4]
ابو الحسن علی بن الحسین بن ایوب [5] ابو الحسین احمد بن
عبد القادر بن یوسف [6] اور فخر الاسلام ابو بکر محمد بن احمد
الشاشی (اس کاتبہ کی علمی طور پر بڑی شہرت ہوئی اور
دور دور تک انکا تذکرہ ہوتا رہا) انکی وفات اتوار کے
دن عصر کے بعد ۱۳ المحرم ۵۷۴ھ کو ہوئی اور بغداد میں
ابی ابرز کے دروازہ کے پاس سپرد خاک ہوئی آپکی
عمر ۹۰ سال کو پہنچ چکی تھی، اللہ تعالےٰ نے رحم فرمائے
علامہ مقری نے اپنی کتاب نفح الطیب کی دوسری جلد

ثانی نفح الطیب تاریخ اندلس نوشته۔

عائشة بنت احمد القرطبية

قال ابن حیان فی المقتبس لم یکن فی زمانها
من حرائر اندلس من یعدلها علما وفهما
وادبا وشعرا وفصاحة تمدح ملوك
الاندلس وتخاطبهم بما یعرض لها من
حاجة وکانت حسنة الخط تکتب المصاحف
وماتت عذراء لم تنکح سنة اربعمائة
وقال فی المغرب انها من عجائب
زمانها وغرائب اوانها وابو عبد الله
الطبیب عمها ولو قیل انها اشعر منه
لجاز انتهی۔

پس ازیں قول بالا صاف ظاہر است
کہ شفاء بنت عبد اللہ تعلیم کتابت بہ حفصہ
کرد و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم ازو راضی شدہ
ولبعد زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابیہ
ہم نسواں کہ از علماء وکملاء بودند صاحب خط و
کتابت بودند واحادیث نہی کل از اباطیل و
موضوعات اند واحدی ہم از علماء تصحیح آن
نکردہ جز حافظ ابو عبد اللہ الحاکم و تصحیح
آن متعقب فیہ است وساہلت حافظ
حاکم درباب تصحیح مشہور بین المحدثین است

میں اندلس کی تاریخ بیان کی اسمیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔
عائشہ بنت احمد القرطبیہ کے بارہ ابن حیان
"المقتبس" میں فرمایا اس دور میں اندلس کی حرہ عورتوں
میں کوئی بھی علیت کے برابر نہ تھی۔ یہ فہم علم اور
علم ادب فن شعر اور فصاحت میں اپنی مثال
نہ رکھتی تھیں اندلس کے حکمرانوں کی مدح میں اس
کا کلام شامل ہوتا حکام سے مطالبات میں بھی
اسکا کلام شامل ہوتا بہترین کتابت کرتیں اپنے قلم
سے مصاحف لکھتیں زندگی بھر کنواری رہیں اور شادی
کیے بغیر ہی سنہ کو فوت ہوئیں المغرب میں لکھا کہ یہ
عائشہ اپنے وقت کی عجیب خاتون تھیں انکا چچا ابو عبد اللہ
الطبیب کے نام سے معروف ہے جو شاعر تھا اگر کہہ دیا
جائے کہ یہ اپنے چچا سے بڑی شاعرہ تھیں تو درست ہے

درج بالا تحریرات سے صاف ظاہر ہوگیا کہ
شفاء بنت عبد اللہ نے حضرت حفصہ کو کتابت سکھائی
اور اس (تعلیم کتابت) پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
رضامند تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کے
دور میں بھی کتنی ہی عورتیں بڑی عالمہ اور کاملہ تھی جو خط و
کتابت کی ماہر بھی تھیں رہی بات (کتابت نسواں کے
احادیث نہی کی تو وہ سب موضوع اور باطل ہیں کسی
عالم نے انکی تصحیح تک نہیں کی اور انکو درست نہیں کہا انکو
صرف امام ابو عبد اللہ الحاکم ہیں جو صحیح کہتے ہیں ان کی تصحیح پر
علماء نے تعاقب کیا امام حاکم کی اسی طرح کی تصحیح میں سست

تاآنکہ دیگر حفاظ موافقت بہ تصحیح آں نکنند وآنکہ گفتہ کہ بیہقی ہم تصحیح حدیث نہی کردہ وشیخ جلال الدین سیوطیؒ تبعیت حاکم و بیہقی نمودہ پس دے بر بیہقی وسیوطی افترائے عظیم بستہ ہر کہ لآلی مصنوعہ را مطالعہ کند ایں معنی پید آشکارا گردد بخلاف حدیث شغار کہ اسناد او صحیح و ثابت است و رجال اسناد او رجال صحیحین اند فلا کلام فی صحۃ اسنادہ الا المجادل عنید۔

روی اور کاہی کلام ہونا مشہور ہے جس کا محدثین اعتبار نہیں کرتے جب تک کوئی اور محدث بھی تصحیح نہ کرے تب تک اسکے فیصلہ پر اعتبار نہیں اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ بیہقی نے احادیث نہی کی تصحیح کی ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے حاکم اور بیہقی کا اتباع کیا ہے یہ ہر دو باتیں غلط اور افتراء محض ہیں اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا اصحاب علم جو سیوطیؒ کی کتاب اللآلی المصنوعہ کا مطالعہ کرتے ہیں ان یہ بات مخفی نہیں (کہ یہ بات غلط ہے) ان پر احادیث موضوعہ کے مقابلہ شغار کی حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ثابت ہے، اور یہ بھی واضح ہے، اس سند کے راوی صحیحین کے راوی ہیں، بنا بریں اس حدیث کی صحت میں تو کوئی شبہ نہیں ہاں مگر شخص جھگڑنے اور دشمنی کرنے والے کا کوئی علاج نہیں ۔

وابوداؤد و منذری بر حدیث شغار سکوت کردہ و بقاعدہ مقررہ سکوت ایں ہر دو حافظ بر حدیثے از احادیث سنن ابی داؤد مقتضی صحت اوست۔

امام ابوداؤد اور منذری نے شغار کی روایت پر جو خاموشی اختیار کی ہے یہ خاموشی بھی ابوداؤد اور منذری جیسے حافظ احادیث کی محدثین کے ہاں صحت حدیث کی دلیل خیال کی جاتی ہے تو مضمون حدیث کیلئے یہ اور مؤید ثابت ہوئی ۔

وابوعبداللہ الحاکم تصحیح آں کردہ وذکر کردن مفسر آں حدیث نہی را در تفسیر سورۃ نور قابل حجت و مقتضی صحت او نیست چرا کہ مفسر آں التزام ایراد احادیث صحیحہ نکردہ اند۔

امام حاکم نے بھی اس حدیث کی صحت بتائی ہے کسی مفسر کا حدیث نہی کو سورہ نور کی تفسیر میں ذکر نا قابل اعتبار اور دلیل صحت نہیں کیونکہ مفسر نے کتاب میں اندراج کے لئے اس کو شرط نہیں قرار دیا۔

بلکہ امام لبغوی کہ مقتدائے اہلحدیث روایت واہیہ منکر وشاذہ ہر قسم در تفسیر خود کہ مسمیٰ بمعالم التنزیل است مے آرد بلا تنقید وکشف احوال رواۃ این معنیٰ از جلالت شان او بنہایت لبعید است البتہ حافظ ابن کثیر متکفل ایں امر شدہ و در تفسیر خود کہ احادیث مے آرد تنقید ہم میکند باین جہت تفسیر او فائق بر جملہ تفاسیر شدہ پس ایراد کردن لبغوی حدیث نہی را برطالب حق حجت نیست خصوصاً لبغوی ہم حدیث نہی را بروایت محمد ابراہیم الشامی عن شعیب بن اسحاق عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ رض روایت کردہ و لبطلان ایں روایت از تحریر ما سبق ظاہر شدہ۔

بلکہ امام لبغوی جو علماء حدیث کے ہاں بڑے جید عالم اور معتقد الخیال سکئے جاتے ہیں وہ بھی نہایت کمزور منکر شاذ قسم کی روایات اپنی تفسیر معالم التنزیل میں بار ہا ذکر فرما دیتے ہیں ان روایات پر تنقید اور بحث رجال پر کوئی حرف تک نہیں لکھتے جب کہ کیفیت ان کی جلیل القدر شان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی تو ثابت ہوا کہ محض تفسیر میں کسی حدیث کو لکھ دینا اسکی صحت کی دلیل نہیں، البتہ حافظ ابن کثیر نے یہ اہتمام کیا ہے وہ اپنی تفسیر میں جو روایت ذکر کرتے ہیں، اس پر جو تنقید ہوتی ہے، وہ بھی ذکر کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے انکی تفسیر دیگر تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے امام لبغوی کا حدیث نہی کو ذکر نا کسی بھی طالب حق پر حجت نہیں خاص کر جب کہ امام لبغوی نے بھی کتابت نسوان کی نہی والی حدیث اس سند سے ذکر کی محمد بن اسحاق عن ہشام بن عروۃ حضرت عائشہ سے مروی ہے درحالیکہ بالا حدیث کے باطل ہونے پر سابقہ تحریر صاف پتہ دیتی ہے۔

وعلامہ علاؤ الدین الخازن ہم در تفسیر خود لباب التاویل حدیث عائشہ رض بلا سند ذکر کردہ پس چگونہ حجت میتواں شد۔

علامہ علاؤ الدین الخازن نے بھی اپنی تفسیر لباب التاویل میں حضرت عائشہ رض کی روایت بلا سند ذکر کی ہے تو یہ بلا سند حدیث کیسے حجت ہو سکتی ہے۔

البتہ اگر مفسرین معتبرین مثل ابن جریر وابن کثیر ولبغوی وسیوطی و خازن امثالہم تصحیح

ہاں اگر معتبر مفسرین ابن جریر ابن کثیر لبغوی سیوطی الخازن جیسے علماء اس کو (یعنی حدیث

این حدیث نہی بجہت ندیافتن تصحیح از حفاظ
دیگر بیشتر سند البتہ لائق استدلال نشدے وقابل
اعتماد واعتبار بودے واذ لیس فلیس۔
واگر گوئی کہ علامہ علی قاری در مرقات المفاتیح
شرح مشکوۃ المصابیح در شرح حدیث
شفاء گفتہ۔
قلت یحتمل ان یکون جائزا
للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی
ھذا الزمان ثم رأیت قال بعضھم
خصت بہذا حفصۃ لان نساء النبی
صلی اللہ علیہ وسلم خصصن باشیاء
قال اللہ تعالی یا نساء النبی لستن
کاحد من النساء الخ۔
وخبر لا تعلموھن الکتابۃ
یحمل علی عامۃ النساء خوفا للافتتان
علیھن انتھی۔
وشیخ عبد الحق دہلوی در اشعۃ اللمعات
شرح فارسی مشکوۃ گفتہ۔
اما تعلیم کتابت مر زنان را در حدیث دیگر
نہی از آں آمدہ چنانکہ فرمود لا تعلموھن الکتابۃ
دانستہ از آں مفہوم گردد [illegible]

ہوتا کہ صحیح کہتے یا دیگر ناقل اس کی تصحیح فرماتے
تو یہ قابل استدلال ہو سکتی تھی اور اس پر اعتماد ہو
سکتا مگر جب ایسا نہیں تو پھر کیسے قبولیت ہو۔
اگر آپ سوال کریں کہ علامہ ملا علی قاری رح
نے مرقات شرح مشکوۃ المصابیح میں شفاءؓ کی
حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے
(ملا علی قاری رح) میں کہتا ہوں کہ کتابت
کی تعلیم نسوانی سلف کیلئے تو جائز ہوگی مگر بعد
والوں کیلئے نہیں کیونکہ اس زمانہ عورتوں کے
حالات خراب ہو گئے پھر میں نے دیکھا کہ بعض کہتے
[illegible]
صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بعض احکام سے مختص ہیں
جیسے اللہ تعالی فرماتے ہیں یا نساء النبی الخ کہ اے نبی کی
بیویو تم عام عورتوں کی طرح نہیں الخ جو حدیث
لا تعلموھن الکتابۃ [illegible]
کہ عورتوں کو کتابت نہ سکھاؤ والی ہے
اس کو فتنہ والے دور پر محمول کیا جائے گا کہ
جب حالات خراب ہوں تو عورتوں کو کتابت نہ سکھائی جائے
[illegible]
اللمعات شرح [illegible]
عورتوں کو تعلیم کتابت سے نہی کی حدیث جو
مروی ہے اس کے مقابلہ میں تعلیم کتابت کی
جواز والی حدیث بھی موجود ہے (جواز کا حکم)

پیش از نہی باشد۔

وبعضے گفتہ اند کہ نساء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مخصوص اند از زناں در بعضے احکام و فضائل ونہی از کتابت محمول بر نساء عامہ است کہ خوف فتنہ در انجا متصور است واینجا چنیں نیست انتہی وہکذا فی شرح المصابیح للشیخ محمد بن عبد اللطیف المعروف بابن الملک۔

نہی سے پہلے کا ہے (یعنی یہ منسوخ ہے)

بعض علماء کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویاں دوسری عورتوں کے مقابلہ میں بعض احکام میں مختص ہیں اور فضائل میں بھی ممتاز ہیں تعلیم کتابت سے عورتوں کو جو منع کیا گیا وہ بھی عام عورتیں مراد ہیں جن کے بارہ فساد کا خطرہ ہو مگر ازواج کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہو سکتا یہی مضمون شرح مصابیح میں ہو کہ شیخ محمد بن عبد اللطیف المعروف بابن الملک نے لکھی ہے

درجہ بالا احتمال کا جواب۔

گویم از یں بزرگان عجب ہا است چرا احتمالات شتی پیدا میکنند خصوصیت جواز کتابت بہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از ادعاء این شراح مشکوٰۃ ہرگز ثابت نخواہد شد۔

بلکہ بر اثبات خصوصیت دلیل محکم باید ورنہ ہر کس مجاز است کہ در ہر مسئلہ کہ خواہد دعوی خصوصیت باحدے دون احدے نماید ودر تنگی بیند افتد و قطع نظر از یں ایں حدیث شفاء حجت است بر مدعیان تخصیص وہادم دعوی الیشان است چہ اگر تخصیص بحضرت حفصہ بود پس شفاء چرا کتابت میکرد وچگونہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اورا اجازت فرمود وایں اول دلیل بر عدم تخصیص است۔

میں عرض کرتا ہوں کہ ان بزرگوں پر تعجب آتا ہے جو مختلف احتمال پیدا کرتے ہیں اور جواز کتابت کو حفصہ رضی سے خاص بتاتے ہیں انکی تحریرات سے قطعاً یہ احتمال ثابت نہیں ہو سکتے۔

خصوصیت ثابت کرنے کیلئے محکم دلیل ہونی چاہیئے ورنہ ہر شخص جب چاہے گا کسی نہ کسی مسئلہ میں خصوصیت کا دعوی کردے گا کہ یہ حکم فلاں سے خاص ہے فلاں سے نہیں اس طرح دین میں تنگی پیدا ہو جائے گی (اور احکام شرع عام نہ رہیں گے) خصوصیت سے قطع نظر یہ بھی یہ حدیث شفاء ان کے خلاف دلیل ہے اسطرح کہ اگر تعلیم کتابت حفصہ رض سے خاص ہے، تو شفاء کس طرح کتابت کرتی تھیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو یہ حکم کیسے دیا کہ تو حفصہ رض کو کتابت سکھا دے) یہ حدیث خود ہی عدم تخصیص کی دلیل ہے۔

واحتمال اینکہ جائز باشد برائے سلف نہ خلف ترجیح بلا مرجح است بلکہ جمیع امت محمدیہ درامر حلت وحرمت متساویۃ الاقدام اند الا من خصہ الشارع ۔

رہا یہ احتمال کہ تعلیم کتابت نسوان سلف کیلئے جائز تھا خلف کے لیے نہیں یہ بھی ترجیح بلا مرجح ہے بلکہ تمام امت محمدیہ احکام شرع حلت وحرمت میں برابر ہیں ہاں اگر شارع خود کسی حکم میں وضاحت سے خاص کر دیں تو درست ہے۔

وخوف فساد نسوان در ازمنہ سابقہ ہم بود شان نزول آیۃ کریمہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ شاہد ایں مدعا است حاصل کلام اینکہ فی نفسہ جواز تعلیم کتابت نسواں ہیچ کلام نیست زنان بالغہ مشتہاۃ از زنان دیگر یا از محرمات خود ونا بالغہ وغیرہ مشتہاۃ از ہر کہ خواہد کتابت بیاموزد و کتابت باعث افتتان آنہا نیست چہ اگر بودے ہرگز شارع علیہ السلام اجازت آں ندادے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا وہر کہ در فتنہ افتادہ از لحوق امور خارجی باشد نہ از تعلیم کتابت واللہ اعلم ۔

حالات کی خرابی تو ہر زمانہ میں رہی ہے حالات کی خرابی تو ہر زمانہ قرآن مجید کی آیۃ کریمہ ولقد علمنا الخ کا شان نزول اس کا واضح ثبوت ہے مندرجہ بالا تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ عورتوں کیلئے تعلیم کتابت جائز اور درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں خواہ وہ عورتیں بالغ ہوں یا نابالغ جس عورت سے چاہیں وہ تعلیم کتاب میں مختار ہیں خواہ ان کی محرمات ہوں یا نہ نیز نفس تعلیم کتابت باعث فتنہ نہیں ہے کیونکہ اگر نفس تعلیم کتابت باعث فتنہ ہوتی تو شارع علیہ السلام کبھی اجازت نہ دیتے کیونکہ رب نہیں بھولتا اور نبی کو رب ہی احکام بتاتا ہے صرف کتابت کی تعلیم باعث فتنہ نہیں واللہ اعلم ۔

وآنکہ علامہ محمد طاہر در مجمع البحار الانوار از علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالی نقل کردہ الا تعلمین ہذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیہا الکتابۃ وہذہ [illegible] النملۃ قروح فی [illegible] وقیل اراد قولا

کتاب مجمع البحار الانوار میں علامہ محمد طاہر نے جو کلام علامہ طیبی سے نقل کیا [illegible] حدیث کے الفاظ الا تعلمین الخ تو اس [illegible] نہیں سکھاتی جیسے تو نے اس کو کتابت سکھائی ر لفظ نملہ کی تشریح نملہ زخم ہوتے ہیں جو بدن پر دیکھائی

يسميها رقية النملة وهي العروس الخ

دیتے ہیں اور اللہ کے اذن سے صحت بھی ہو جاتی ہے بعض نے کہا نملہ سے خاص قول مراد ہے جسے بول کر کنایۃ اس سے دلہن مراد لیتے تھے۔

فادعيه المعاليض بتاديب حفصة حيث اشاعت سره كما رواه علمتيها الاشباع قال لان ما ذهبوا اليه من رقية خرافات ينبغي منها فكيف يامر بتعليمها اقول يحتمل على ارادة الثانية ان يكون تخصيصها على تعليم الرقية وانكار الكتابة الى بعد علمتيها ما ينفعها من الاجتناب من عصيان الزوج كما علمتيها ما يضرها من الكتابة وعلى الارادة الاولى ان يتوجه الانكار على الجملتين جميعا لان الرقية المتعارفة منافية لحال المتوكلين انتهى۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس لفظ سے تعریضا یہی معنی مراد لیا ہے کہ حفصہ کو ادب سکھلانا چاہتے تھے کیونکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کیا تھا اور لفظ یا علمتیہا کی اشباع کیلئے ہے وہ کہتے ہیں کہ جو دم باطل قسم کے ہیں ان سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا اس کے بارہ آپ سکھانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے میں کہتا ہوں کہ دوسرے معنی کے اعتبار پر احتمال ہے کہ رقیہ سکھانے کا حکم خاص ہو اور کتابت سکھانے پر انکار مراد ہو (یعنی اے شفاء) تو نے حفصہؓ کو خاوند کے حکم عدولی سے تو منع نہ کیا جو اس کیلئے مفید تھا اور تو نے اسکو وہ کچھ سکھایا جو اس کیلئے مضر ہے اس سے مراد کتابت سکھانا ہے اور رقیہ کے پہلے معنی کے اعتبار پر انکار کا تعلق ہر دو جملوں سے یکبار ہوگا کیونکہ رقیہ کا عام معنی دم متوکلین کے حالت توکل کے خلاف ہے۔

پس این تاویل قابل قبول نیست ومنشای این تاویل قلت اطلاع وعدم عبور برمتون وطرق احادیث است حافظ ابن حجرؒ دراصابة نوشته۔

درجہ بالا تاویل قابل قبول نہیں اور اس قسم کی تاویلات کا سہارا وہی لیتا ہے جسکو متون احادیث وطرق واسانید حدیث پر کم نظر ہوتی ہے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ میں جو لکھا اسکا مفہوم خود درج ہے ملاحظہ فرمائیں جو درج ذیل ہے

اخرج ابن مندة حديث رقية النملة من طريق الثوري عن ابن المنكدر عن ابي بكر بن سليمان بن ابي حثمة عن حفصة ان امراة من قريش يقال لها الشفاء كانت ترقي من النملة فقال النبي صلى الله عليه وسلم علميها حفصة۔

واخرجه ابن مندة وابو نعيم مطولا من طريق عثمان ابن عمر بن عثمان بن سليمان ابي حثمة عن ابيه عمر عن ابيه عثمان عن الشفاء انها كانت ترقي في الجاهلية وانها لما هاجرت الى النبي صلى الله عليه وسلم وكانت قد بايعته بمكة قبل ان يخرج قدمت عليه فقالت يا رسول الله اني قد كنت ارقي برقية في الجاهلية فقد اردت ان اعرضها عليك قال فاعرضيها قالت فعرضتها عليه وكانت ترقي من النملة فقال ارقي بها وعلميها حفصة۔

پس ازیں روایات تاویل علامہ طیبی باطل شد و جواز تعلیم کتابت بہ نسوان ثابت ماندہ

ابن مندہ نے رقیۃ النملۃ کی حدیث امام ثوری کے واسطے سے ذیل کی سند سے نقل کی ہے عن ابن المنکدر عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن حفصۃ حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت قریشی جس کا نام الشفاء ہے نملہ کا دم کیا کرتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تو یہ دم حفصہ کو سکھا دے۔

ابن مندہ نے ابو نعیم سے مفصل حدیث نقل کی ہے جو یہ ہے بواسطہ عثمان بن عمر بن عثمان بن سلیمان ابی حثمۃ عن ابیہ عمرو عن ابیہ عن الشفاء شفاء راویہ ہیں کہ وہ جاہلیت کے دور میں کچھ دم کیا کرتی تھیں اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کے بعد آئیں وہ پہلے ہی مکہ میں مسلمان ہو چکی تھیں آنحضرت کے ہجرت سے پہلے کو یہ شفاء مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول میں زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتی تھی [illegible] میں وہ دم آپ کے سامنے پیش کرتی ہوں۔ تو آپ نے فرمایا [illegible] (نملہ پھوڑے پھنسی کی بیماری) [illegible] آنحضرت نے [illegible] درست ہے تو خود دم بھی یہ دم کر اور حفصہ کو بھی سکھا دے۔

پس ان روایات سے پتہ چلا کہ علامہ طیبی کی تمام تاویلات باطل ہیں اور عورتوں کو کتابت کی تعلیم دینا جائز اور صحیح ثابت رہا واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

قال العبد الضعيف مؤلف
هذه الرسالة المسماة بعقود الجمان في
جواز تعليم الكتابة للنسوان ابو الطيب
محمد بن امير المدعو بشمس الحق العظيم
آبادي لقد استراح القلم من تحريرها
في ۱۳۰۷ھ من هجرة النبوية على
صاحبها افضل الصلوة والتحية
تمام شد

بندۂ ناتواں گویا ہے جو اس رسالہ موسومہ
"عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان" کا
مولف ہے (اس کا نام) ابو الطیب محمد بن امیر
ہے جن کو عام لوگ شمس الحق عظیم آبادی کے نام
سے جانتے ہیں بندہ عرض گو ہے کہ میں نے
اس رسالہ کو ۱۳۰۷ھ کو میں تحریر کیا اور آخر میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں درود عرض
کرتا ہوں جن کے واقعہ ہجرت پر اسلامی سن کی بنا
پڑی اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الضحایا والعقیقہ

جلد ۱۳

ترتیب : ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال فون ۳۱۷

مراجع فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳

نمبر	کتاب	مقام	نمبر	کتاب	مقام
۱-	فتاویٰ نذیریہ	دھلی	۷-	رسالہ ایام النحر	
۲-	فتاویٰ ثنائیہ	"	۸-	اخبار تنظیم اہل حدیث	لاہور
۳-	فتاویٰ اہل حدیث	روپڑ	۹-	اخبار اہل حدیث	دہلی
۴-	فتاویٰ غزنویہ	امرتسر	۱۰-	اخبار اہل حدیث	لاہور
۵-	فتاویٰ ستاریہ	کراچی	۱۱-	اخبار الاعتصام	"
۶-	ارشاد السائلین عمرپوری		۱۲-	ماہنامہ ترجمان اہل حدیث	"

نام کتاب ______ فتاویٰ علماء حدیث جلد ۱۳

نام مرتب ______ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

کتابت ______ محمد نذیر خوشنویس چک ۵۴۳/ای بی وہاڑی

تاریخ اشاعت ______ ۱۴۰۶ھ محرم الحرام

مطبع ______ حفیظ پرنٹنگ پریس بیروالا

تعداد ______ ایک ہزار ۱۰۰۰

ناشر ______ مکتبہ سعیدیہ خانیوال

ملنے کا پتہ ______ " " "

قیمت ______

پاکستان

مفتیان فتاوی علمائے حدیث جلد ۱۳

۱۔ ابو محمد عبدالستار دہلوی کراچی
۲۔ ابو محمد عبدالغفار دہلوی کراچی رح
۳:۔ عبدالجبار بن مولنا عبداللہ الغزنوی رح
۴:۔ حافظ محمد گوندلوی رح
۵:۔ مولنا عبدالرحمٰن مبارک پوری رح
۶:۔ حکیم عبدالرزاق از رنگون رح
۷:۔ مولنا عبدالسلام بستوی دہلوی رح
۸:۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی رح
۹:۔ مولنا عبدالقادر حصاری رح
۱۰:۔ حافظ عبدالقادر روپڑی
۱۱:۔ مولنا محمد یوسف بکھوی فیروز پوری رح
۱۲:۔ مولنا عطاء اللہ صاحب حنیف لاہور
۱۳:۔ مولنا سید داؤد غزنوی رح
۱۴:۔ مولنا محمد علی جانباز سیالکوٹ
۱۵:۔ مولنا عزیز زبیدی لاہور
۱۶:۔ مولنا شمس رحیم آبادی ۔عظیم آبادی
۱۷:۔ مولنا عبیداللہ مصنف تحفۃ الہند
۱۸:۔ مولنا محمد عبدالحق صاحب
۱۹:۔ ابو محمد عبدالوہاب
۲۰:۔ مولنا امیر الدین دہلوی
۲۱:۔ ابو القاسم عبدالرحمٰن
۲۲ محمد طاہر رح
۲۳:۔ مولنا تلطف حسین دہلوی رح
۲۴:۔ مولنا سید عبدالسلام رح
۲۵:۔ مولنا سید محمد نذیر حسین دہلوی رح
۲۶:۔ سید اقتدار احمد علیگڑھ رح
۲۷:۔ ابو الحسنات محمد عبدالحی لکھنوی رح
۲۸:۔ محمد اسماعیل صاحب علیگڑھ رح
۲۹:۔ مولنا لطف اللہ رح
۳۰:۔ محمد اسد علی اسلام آبادی رح
۳۱:۔ مولنا محمد منفعت علی دیوبند
۳۲:۔ مولنا عنایت اللہ صاحب
۳۳:۔ مولنا خلیل احمد رح
۳۴:۔ مولنا محمد اشرف علی رح
۳۵:۔ مولنا محمد امین الدین رح
۳۶:۔ مولنا عزیز الرحمٰن دیوبندی
۳۷:۔ مولنا محمود حسن دیوبندی
۳۸:۔ مولنا محمد ناظر حسن رح
۳۹:۔ سید ابو الحسن دہلوی رح
۴۰:۔ سید عبدالوہاب رح
۴۱:۔ سید عبدالحفیظ دہلوی رح
۴۲:۔ ابو الخیر محمد انور حسین رح
۴۳:۔ مولنا عبدالجبار کھنڈیلوی رح
۴۴ مولنا محمد علی لکھنوی رح
۴۵ مولنا عبیداللہ خان لاہور

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۳

عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت

جماعت اہل حدیث کے فاضل حضرت مولانا محمد عبید اللہ خان صاحب عفیف تدریسی اور علمی تحقیقی میدان میں منفرد مقام رکھتے ہیں وسعت مطالعہ اور استحضار کا یہ عالم ہے کہ جب قلم اٹھاتے ہیں تو متعلقہ موضوع کے ہر گوشے پر روشنی ڈالتے ہیں کتاب و سنت پر ان کی نگاہ گہری ہے، صحابہؓ، تابعینؒ، اور فقہائے امت کے افکار نظریات اور اقوال مجمل اور طلاقات سے خوب واقف ہیں۔ زیر نظر مضمون موصوف مدظلہ نے قلم اٹھا کر حسب روایات تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے "ترجمان الحدیث" میں کئی قسطوں میں شائع ہوا۔

فتاوی علمائے حدیث میں ہم تشریحات کے عنوان پر قارئین کی خدمت میں گرانقدر اضافہ پیش کر رہے ہیں تاکہ جویانِ حق بھی اس سے مستفیض ہو سکیں

(سعیدی، خانیوال

از مولانا محمد عبیداللہ خان صاحب عفیفؔ لاہور

عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت

بسلسلہ

کیا اسلام میں قربانی جائز ہے

تشکیلِ پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے ملک میں اسلام دشمن **جو اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتے؟** گروہوں نے آپس میں اس امر کے لئے گٹھ جوڑ کر لیا ہے، اور اس کے لئے مسلسل پروپگنڈا شروع کر رکھا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو۔ وہ تین گروہ یہ ہیں۔

(۱) کیمونسٹ (۲) منکرینِ حدیث (پرویزپارٹی) (۳) مرزائی

یہ تینوں ٹولے اسلامی نظام اور اس کی قدری پابندیوں اور اخلاقی اصولوں سے لرزاں اور ترساں ہیں، انہیں قطعاً گوارا نہیں کہ پاکستان میں کوئی ایسا نظامِ زندگی قائم ہو جو خالص کتاب و سنت پر مبنی ہو۔ ان کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے مسلمان اپنی تمام تر عملی کمزوریوں کے باوصف اسلامی نظامِ زندگی اور کتاب و سنت کے ساتھ بے پناہ محبت رکھتے ہیں، اس لئے یہ تینوں ٹولے اسلامی عقائد اور احکام کا برملا انکار کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے۔ بلکہ اسلامی عقائد و اعمال پر مختلف بہانوں سے حملہ کرتے ہیں، اور ان کی اہمیت گھٹانے میں کوشاں اور ان کا مذاق اڑانے میں جتے ہوئے ہیں۔ پاکستان کا خواندہ طبقہ مرزائیوں کے علم کلام اور طریقہ واردات سے اب ناواقف نہیں رہا لیکن انہیں یہ پتہ نہیں کہ کیمونسٹ اور پرویز پارٹی مرزائیوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

کیا عقیقہ جاہلی رسم ہے؟

جن مسائل شرعیہ کو ان دونوں نے اپنی مزعومہ تحقیق و ریسرچ کی آماج گاہ بنا رکھا ہے۔ ان میں عقیقہ اور قربانی کے مسئلے بھی شامل ہیں ان نام نہاد محققین کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ عقیقہ جاہلی رسم ہے عید قربان کے موقعہ پر قربانی کا اہتمام کرنا معاذ اللہ قومی اموال کا بے محابا ضیاع ہے اور قومی دولت کا یہ اسراف ان کے مطابق قومی خیانت کا ارتکاب ہے، جہاں تک اس تحقیق زدہ لوگوں کے دلائل کی معقولیت کا تعلق ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ مرزائی ٹولے کی طرح ان کے ہاں بھی بس چند مغالطے اور مفروضے ہیں، جنہیں نمک مرچ لگا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی طرح کا ایک مضمون ۱۳؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں " کیا عقیقہ دورِ جہالت

کی رسم تھی" کے عنوان سے جناب ایم اشرف صاحب اعظم کلاتھ مارکیٹ کا شائع ہوا ہے۔ جو دراصل جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے، جو گزشتہ سال پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ اس مضمون میں عقیقہ کے عدم جواز کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ کی آڑ لے کر قربانی جیسے مسلمہ شعار اسلام اور چار ہزار سال سے رائج سنت متواتر کی اہمیت اور مشروعیت کو چیلنج کر کے ملت اسلامیہ پاکستان کے ذہنوں میں تشکیک کا زہر گھولنے کی کوشش کی گئی ہے، اس لئے بہت سے احباب نے ہمیں اس مضمون کے تراشے اور فوٹو اسٹیٹ بھیج کر اس کا تحقیقی اور علمی جائزہ لینے کی فرمائشیں کی ہیں مزید برآں جنگ کے اداریتی نوٹ میں بھی اس موقف پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے، چنانچہ پیش نظر مقالہ میں اسی مضمون کا تحقیقی اور علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے، واللہ الہادی۔

وجہ مغالطہ:۔ پروفیسر رفیع اللہ صاحب کے مترجم ایم اشرف صاحب لکھتے ہیں، "پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش پر کوئی قربانی نہیں ہو گی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۷۔

جواب:۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ بوجوہ غلط ہے۔

[illegible] عقیقہ سنت ثابت ہے۔

وجہ اول۔ یہ کہ اگرچہ امام حسن بصری، امام لیث بن سعد داؤد ظاہری، ابن حزم، ابو زناد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقیقہ واجب ہے، لیکن فقہاء محدثین جمہور علماء امت اور ائمہ اہلبیت کے نزدیک عقیقہ سنت ہے، ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷، محلی ابن حزم ج ۷، ص ۵۲۸ و سبل السلام ج ۴ ص ۹۷، اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔

ہمارے نزدیک جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ ثابتہ سے عقیقہ کا سنت ہونا متبادر ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

عقیقہ اور احادیث

۱:۔ حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، ہر لڑکے کے ساتھ اس کا عقیقہ لگا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے عقیقہ کرو، اور اس کے بال بناؤ۔ صحیح بخاری باب اماطۃ الاذی عن الصبی فی العقیقہ ج ۲ ص ۸۲۲ جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۲ و ابوداؤد مع شرح عون المعبود ج ۳ ص ۶۹۔ محلی ابن حزم جلد ۷، ص ۵۲۴، نیل الاوطار جلد ۵ ص ۱۴۹۔

۲:۔ سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے اپنے

عقیقہ میں مرہون (گروی) ہوتا ہے۔ اس کی ولادت کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے، اور اس کا نام رکھا جائے رواہ احمد والاربعۃ وصححہ الترمذی۔ سبل السلام ج ۴ ص ۹۸، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۲۔

۳:۔ لڑکا اور لڑکی کے عقیقہ کی تفصیل:۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرنی چاہیئے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ ام کرز۔ بریدہ، سمرہ۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ انس۔ سلمان اور ابن عباس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۳۶۲۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ۴ ص ۹۷ اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹۔

۴:۔ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک ذبح کرنی ہوگی خواہ عقیقہ کے مویشی مذکر ہوں یا مؤنث دونوں جائز ہیں۔ رواہ احمد والترمذی وصححہ۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹ عون المعبود ج ۳ ص ۶۶ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۶۲ وسبل السلام ج ۴ ص ۹۸۔

اول اور دوم دونوں صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ سنت ثابت ہے، اور سوم چہارم دونوں صحیح احادیث سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ دو بکریاں اور لڑکی کی ولادت پر ایک بکری ذبح کرنی سنت ہے ہاں اعسار (مالی تنگی ترشی) کی وجہ سے لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکری بھی کفایت کر سکتی ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ عقیقہ سنت ثابتہ ہے اور معلق ہے کہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں کسی امام کا قول اور فتویٰ نہ حجت ہے نہ قابل اعتبار۔ کیونکہ حجت فقط کتاب وسنت ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ پھر اگر تم کسی بات پر جھگڑ پڑو تو اس جھگڑے کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جاؤ۔ (سورۃ نساء ۵۹)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام نے صاف صاف لفظوں میں اپنی تقلید کے علی الرغم حدیث پر عمل کرنے کی وصیت فرمادی ہے۔

۱:۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔ اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ رد المختار ج ۱ ص ۶۸۔ جب حدیث مل جائے تو وہ حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

۲:۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا قول وفتویٰ ردّ اور اخذ کی زد سے باہر ہو۔ حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۷۔

۳:۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ جو کچھ حدیث میں ہے بس میرا وہی مذہب ہے۔ حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۷۔

۴:۔ امام احمدؒ بن حنبل :۔ اپنی اور دوسرے مجتہدین کی تقلید سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احکام و مسائل کتاب وسنت سے اخذ کرو۔ ایضاً۔

۵:۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :۔ اگر ہمیں صحیح حدیث مل جائے جو ہمارے امام کے مذہب کے خلاف ہو اور ہم اس حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قیاس و تخمین کی پیروی پر ڈٹے رہیں۔ تو اس صورت میں تو کوئی شخص ہم سے زیادہ ظالم ہوگا اور نہ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے ہماری کوئی معذرت قبول ہوگی۔

۶:۔ امام ابن حزم فرماتے ہیں لا حجۃ فی قول احد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محلی ابن حزم ج ۷ ص ۲۶۶۔ و ص ۳۷۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں کسی بھی اُمتی کا قول حجت نہیں۔ ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا مجتہد اور امام بھی اعتبار کے قابل نہیں۔ خواہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہوں یا کوئی اور صاحب خواہ ایک ہوں یا سینکڑوں بغرضیکہ چونکہ امام ابوحنیفہ کا یہ فتویٰ احادیث صحیحہ غیر منسوخہ کے سراسر خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں تعجب ہے کہ پروفیسر صاحب ایک طرف تو نبی معصوم کی احادیث صحیحہ محکمہ کا انکار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے غلط نظریہ کی تعویت و ترویج میں غیر معصوم امتی (امام ابوحنیفہؒ) کے ایک مشکوک فتویٰ کا سہارا لینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

وجہ دوم :۔ اس فتویٰ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان احادیث صحیحہ کا علم نہ تھا ورنہ وہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر یہ غلط فتویٰ کبھی صادر نہ فرماتے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اس فتویٰ کا نوٹس لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولم یعرف ابوحنیفۃؒ العقیقۃ فکان ماذا؟ لیت شعری اذلم یعرفھا ابوحنیفۃؒ ماھذا بنکرۃ فطالی مالم یعرف السنن محلی ابن حزم جلد ۷ صفحہ ۵۲۹۔

عقیقہ والی صحیح حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم میں نہ تھیں اور ان کو ان احادیث صحیحہ ثابت کا علم نہ ہونا کوئی ان ہونی بات نہیں آپ کو اور بھی بہت سی سنتوں کا علم نہ تھا۔

امام شوکانی اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وھذا ان صح عنہ حمل علی انھا لم تبلغہ الوارد فی ذالك۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔ کہ

اگر واقعی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ تو ان کا یہ فتویٰ مذکورہ احادیث صحیحہ سے بے خبری پر محمول کرنا چاہیئے۔

ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں۔ وفی الباب احادیث کثیرۃ تدل علی مشروعیتھا واستحبابھا بل بعضھا یدل علی الوجوب۔ فلا اقل ان یکون مستحبا بل سنۃ۔ لعلھا لم تبلغ اما منا حیث قال انھا مباحۃ التعلیق الممجد ص ۲۸۹۔ عقیقہ کے بارے میں بکثرت احادیث منقول ہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں بعض تو اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، وجوب نہ سہی عقیقہ کا سنت اور مستحب ہونا تو بلاشبہ ثابت

ہے، ہمارے امام ابوحنیفہ رح نے عقیقہ کو جو مباح کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ احادیث نہیں پہنچی ہوں گی۔
اور یہ قرین قیاس بھی ہے ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عقیقہ کا انکار نہ کرتے واللہ تعالیٰ اعلم

وجہ سوم عقیقہ اور علما احناف :۔ جہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، جیسے ائمہ مجتہدین، فقہاء، محدثین اور جمہور امت نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے عقیقہ کو سنت قرار دیا ہے۔ وہاں تمام علماء احناف نے بھی امام صاحب کے اس فتویٰ کو مسترد کر کے عقیقہ کو بعض نے سنت اور اکثر احناف نے مستحب کہا ہے۔

۱۔ علامہ بدرالدین عینی :۔ امام صاحب کی طرف اس فتویٰ کی نسبت کو چیلنج کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ جھوٹ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عقیقہ کو بدعت وجاہلی رسم کہا ہے، انہوں نے تو اس کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے، حاشیہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۱۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، عقیقہ کو سنت قرار دیتے ہیں، سفر سعادت بحوالہ فتاوی عبدالحی ص ۳۸۸

۳۔ علامہ شامی حنفی کا فتویٰ :۔ فرماتے ہیں جن کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں روز بچے کے بال بنائے جائیں۔ اور اس کا عقیقہ ذبح کیا جائے، جیسا کہ الجامع المحبوبی میں لکھا ہے۔ ردالمختار ج ۶ ص ۲۳۶۔

۴۔ علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی کا وضاحتی بیان۔ فرماتے ہیں کہ جس روایت کی بنیاد پر عقیقہ کو جاہلی رسم کہا گیا ہے، وہ روایت سخت ضعیف

عقیقہ کی مخالف روایت

ہے کیونکہ اس روایت کے دو راویوں مسیب بن شریک اور عقبہ بن یقظان استاد شاگرد دونوں کو فن اور ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی وجہ سے عقیقہ کو جاہلی رسم کہا جائے، علاوہ ازیں اگر عقیقہ منسوخ ہو چکا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ نہ کرتے۔ اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے بعد اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے، جیسا کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ میرے والد عروہ بن زبیر اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ کیا کرتے تھے، خلاصہ کلام یہ کہ عقیقہ کی مشروعیت اور اس کے استحباب پر متعدد احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ضعیف روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ التعلیق الممجد ص ۲۹۱۔

موصوف ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے چاہئیں تاہم استطاعت اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ایک پر بھی اکتفا درست ہے۔ فتاویٰ عبدالحی ص ۳۹۵۔

۵۔ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی :۔ لکھتے ہیں بدائع الصنائع والی روایت سے نفس عقیقہ کا نسخ مراد نہیں بلکہ عقیقہ کے وجوب کا نسخ مراد ہے۔ کیونکہ قربانی ۲ھ میں شروع ہو گئی تھی۔ اور حضرت حسن اور حسین کا عقیقہ ۳ھ اور ۴ھ میں ہوا تھا اسی طرح حضرت ام کرز کعبیہ سے بھی عقیقہ کی صحیح حدیث مروی ہے، اور اس بی بی

نے یہ حدیث صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ اور صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے آخری جگر گوشہ سیدنا ابراہیم بن محمد کا عقیقہ کرنا بھی ثابت ہے، اور یہ واقع ۱۰ھ کا ہے۔ لہٰذا اگر عقیقہ منسوخ ہو گیا ہوتا۔ جیسا کہ اس فتویٰ میں دعویٰ کیا گیا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کا عقیقہ کرتا اور امام کرز کعبیہ کو عقیقہ کا مسئلہ بیان کرنا نا قابل فہم بات ہے، کیونکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے متاخر ہونا ضروری ہے۔ فافہم ولا تکن من القاصرین۔ کشف المغطا حاشیہ موطا امام مالک ص ۲۹۴۔

۶۔ مولانا عزیز الرحمان دیوبندی کا فتویٰ: صحیح یہ ہے کہ مذہب حنفیہ میں عقیقہ مستحب ہے، جواب سوال ۱۷۹۶ عزیز الفتاویٰ المعروف فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۱۶، ج ۱۔

۷۔ حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ رسم عقیقہ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں، عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے تھے۔ اور اس کو لازم اور سنت موکدہ سمجھتے تھے۔ چونکہ اس میں بہت سی مادی، مدنی اور روحانی مصلحتیں کار فرما ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو قائم رکھتے ہوئے، خود بھی اس پر عمل کیا اور امت کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۱۴۴۔ ان سات شہادتوں سے معلوم ہوا کہ خود علماء احناف کے ہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ صحیح نہیں، خلاصہ بحث یہ ہے کہ عقیقہ سنت ثابت ہے، اکثر احادیث صحیحہ ثابت اس پر شاہد عدل ہیں سلف صالحین اور جمہور علماء امت قرناً بعد قرنٍ اسی سنت پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ کی آڑ میں اس کو جاہلی رسم قرار دے کر منسوخ ٹھہرانا نہ صرف حق و انصاف کا خون کرنا ہے بلکہ انکار حدیث کے لئے راہ ہموار کرنا ہے، اعاذنا اللہ منہ۔

قربانی بالاجماع مشروع عمل ہے (مغالطہ ۲) پروفیسر رفیع اللہ شہاب لکھتے ہیں۔ اس نظریہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عقیقہ کو منسوخ کہنے کی وجہ سے عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے متعلق کچھ غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔

جواب: پروفیسر صاحب اور ان کے ہم مشربوں کو قربانی کی مشروعیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو اور بات ہے کہ تحقیق گزیدہ حضرات نے انکار سنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے اسلام کے ان مسائل و احکام میں بھی تشکیک پیدا کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ جن میں مسلمانوں کے درمیان ابتداء سے لے کر آج تک اتفاق موجود ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملت اسلامیہ کی صحیح خیر خواہی بس یہ رہ گئی ہے کہ متفق علیہ مسائل کو بھی کسی نہ کسی طریقہ سے اختلافی بنا دیا جائے۔ اور دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہ چھوڑا جائے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہو کہ سب مسلمانوں کے نزدیک یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ خوش قسمتی سے قربانی کا مسئلہ بھی انہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے ۲ھ کی پہلی عید الاضحیٰ سے آج تک مسلمان اس پر متفق چلے آ رہے ہیں۔ اسلامی تاریخ کی پوری چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشروع، مسنون اور شعائر اسلام میں سے ہونے میں پوری امت متفق ہے، اس میں آئمہ اربعہ اور فقہاء محدثین متفق ہیں، مجتہدین متفق نظر آتے ہیں

شیعہ اور سنی متفق ملتے ہیں حتیٰ کہ آج کے تمام اسلامی فرقے بھی اس کی مشروعیت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ چند تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔

اقوال ائمہ :- (۱) علامہ یحییٰ بن محمد ابن ہبیرہ حنبلی متوفی ۵۶۰ھ تصریح فرماتے ہیں۔ واتفقوا ان الاضحیۃ مشروعۃ باصل الشرع۔ الافصاح علی مذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۳۰۵۔ کہ ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ اصل شرع کی رو سے قربانی مشروع عمل ہے۔

۲۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رقمطراز ہیں، متوفی ۸۵۲ھ ولاخلاف فی کونہا من شرائع الدین الخ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲ ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

۳۔ امام محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں۔ ولاخلاف فی کونہا من شرائع الدین نیل الاوطار ج ۵ ص۱۲۵ کہ اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

۴۔ شیخ اسماعیل انصاری فرماتے ہیں ولاخلاف انہا من شعائر الدین۔ الالمام شرح عمدۃ الاحکام ج ۲ ص۱۵۱۔ ائمہ دین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شعار دین میں سے ہے۔

۵۔ علامہ عبدالرحمان جزیری لکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۷۱۶۔

۶۔ سید محمد سابق مصری لکھتے ہیں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور تمام مسلمان کرتے رہے ہیں۔ اور اس کی مشروعیت پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ فقہ السنۃ ج ۳ ص ۲۷۴۔

ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ قربانی سنت مؤکدہ شعار دین اور شرائع اسلام میں سے ہے اور سلف سے لے کر آج تک کسی اہل علم کو اس کی مشروعیت کے بارے میں نہ صرف کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

مغالطہ ۳ :- پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔ امام ابن حزم نے اعلان کیا کہ قربانی کے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں۔

امام ابن حزم کا نظریہ :- جواب :- یہ امام ابن حزم ایسے جلیل القدر امام اور محدث پر صریح بہتان عظیم ہے کہ انہوں نے قربانی کے متعلق تمام احادیث ضعیف کہہ دیا ہے جیسا کہ ان کی دو کتاب محلی ابن حزم کی کتاب الاضاحی پروفیسر صاحب کے اس ادعا کی تکذیب و تردید کے لئے شاہد عدل ہے "المحلی" کی کتاب الاضاحی ج ۷، ص ۳۵۵ تا ۳۸۸۔ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے ان چونتیس صفحات میں اپنے مخصوص علمی اسلوب اور محدثانہ انداز میں قربانی کے سترہ احکام و مسائل پر زوردار بحث فرمائی ہے، اس علمی بحث میں آپ نے قربانی کے بعض مسائل میں آئمہ اربعہ اور محدثین کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا موقف علیحدہ اختیار کیا ہے اور اپنے موقف کے اثبات میں جا بجا احادیث صحیحہ سے استدلال فرمایا ہے۔ پوری بحث قابل قدر اور دید نی ہے چند مثالیں یہ

۱۔ مسئلہ۔ احناف کے ہاں کھیرے مینڈھے کی طرح کھیرے بکرے کی قربانی جائز ہے، اور جمہور علماء کے نزدیک مینڈھے اور بکرے کا دو دانتا ہونا ضروری ہے تاہم دو دانت نہ ملنے پر جمہور صرف کھیرے مینڈھے کی قربانی کے قائل ہیں، کھیرے بکرے کی قربانی کے قائل نہیں۔ جب کہ امام ابن حزم کے نزدیک بوقت مجبوری بھی کھیرا جانور قربانی کرنا جائز نہیں نہ بکرا اور نہ مینڈھا۔ وہ دو دانت جانور کی شرط عائد کرتے ہیں۔ چنانچہ احناف اور جمہور کے خلاف حجت قائم کرتے ہوئے صحیحین کی درج ذیل احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں۔

۲۔ براء بن عازب کہتے ہیں کہ میرے خالو ابو بردہؓ نے نماز عید سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر ڈالی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک قربانی اور ذبح کرو، تو میرے خالو نے عرض کیا کہ حضرت! اب تو میرے پاس ایک کھیری پٹھیا ہے جو دو بکریوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ نے فرمایا چلو وہی ذبح کر دو، لیکن کھیرا مینڈھا آپ کے بعد کسی اور کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۶۲، صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۴، صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ صحیح مسلم ج ۲ ۱۵۵۲۔

مسئلہ ۲۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قربانی کو واجب کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ کہ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کرے تو وہ ایک اور قربانی ذبح کرے، امام ابن حزم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال سے اختلاف کرتے ہوئے نفس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ محلی جلد ۷ ص ۳۵۷۔

مسئلہ ۳۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مسافر اور حاجی کو قربانی کی چھوٹ دیتے ہیں جبکہ امام ابن حزم مسافر اور حاجی کے لئے بھی قربانی کو سنت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ امام ابوحنیفہ رح کے مسلک پر نکیر کرتے ہوئے اپنے مؤقف کے ثبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث لائے ہیں جو صحیح بخاری میں مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حجۃ الوداع سے واپسی پر سرف کے مقام پر فروکش تھیں تو میرے پاس گائے کا ڈھیر سارا گوشت لایا گیا۔ تو میں نے پوچھا یہ گوشت کیسا ہے۔ تو لانے والوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی دی ہے، محلی ابن حزم ج ۷، ص ۳۷۳ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲، لہٰذا ثابت ہوا کہ حاجی اور مسافر کے لئے بھی قربانی سنت ہے اسی طرح اور مسائل میں بہت سی صحیح احادیث لائے ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر قلمزد کیا جاتا ہے، غرضیکہ ان پانچ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ پروفیسر صاحب کے اس ادعا دیں پشہ کے پر کے برابر بھی صداقت نہیں کہ امام ابن حزم نے قربانی کے متعلق تمام احادیث کو ضعیف کہا ہے، ہاں آپ نے ان پانچ احادیث کو ضرور ضعیف کہا ہے، جن کے قائلین وجوب نے وجوب قربانی پر استدلال کیا ہے اور آپ ان احادیث کو ضعیف کہنے میں متفرد بھی نہیں ہیں۔ دوسرے تمام محدثین شارحین حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے بھی ان احادیث کو یا تو ضعیف قرار دیا ہے، یا پھر وجوب کے استدلال سے اختلاف کیا ہے، ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۱۰ ص ۳/۲، سبل السلام ج ۴ ص ۹۱، اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶۔ ویسے امام شوکانی کا اپنا

[illegible]

رجحان قربانی کے وجوب کی طرف ہے، تفصیل آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

وضاحت: ان پانچ احادیث کو ضعیف کہنے کا یہ مطلب ہونا صحیح نہیں کہ امام ابن حزم سرے سے ہی قربانی کے قائل نہیں جیسا کہ پروفیسر صاحب نے قارئین کو یہ غلط تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے کیونکہ امام موصوف نہ صرف قربانی کو سنت مانتے ہیں بلکہ یہ ان کے نزدیک سنت حسنہ ہے فرماتے ہیں۔ الاضحية سنة حسنة۔ محلی شرح کتاب الاضاحی ج ۷، ص ۳۵۰، کہ قربانی سنت حسنہ یعنی سنت مؤکدہ ہے، اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ نووی ج ۲ ص ۱۵۳ عمدۃ القاری للعینی الحنفی ج ۱ ص ۱۴۴ اور فتح الباری ج ۱۰ ص ۲،۳ پر مرقوم ہے۔ یعنی جمہور اور امام ابن حزم کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے، جمہور قربانی کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں جبکہ امام صاحب اسی مفہوم کو سنت حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ: پروفیسر صاحب نے امام ابن حزم کے حوالہ سے حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کو گمنام شخصیت لکھا ہے، جو صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت مخنف رضی اللہ عنہ صحابی ہیں لہٰذا امام ابن حزم ایسا راسخ العلم اور وسیع المطالعہ شخص انہیں کس طرح گمنام شخصیت لکھ سکتا ہے اصل واقعہ یہ ہے آپ نے ان کے بیٹے حبیب بن مخنف کو گمنام شخصیت لکھا ہے، لہٰذا پروفیسر صاحب اور ان کے فاضل مترجم ایم اشرف صاحب اپنا ریکارڈ درست کر لیں تاکہ انہیں پھر کبھی یہ سبکی نہ ہو۔

مغالطہ ۳: ان فقہاء نے اپنے اپنے مؤقف کی تائید میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کے عملی کردار سے بھی مدد لی ہے۔ ان کے نزدیک اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو قربانی کا حکم فرمایا ہوتا تو وہ کبھی اس حکم کی تعمیل میں ہچکچاہٹ نہ کرتے۔

ایک اور مغالطہ: ہمارے فاضل پروفیسر صاحب نے اپنے اس مغالطہ میں دو دعوے کئے ہیں (۱) کچھ فقہاء ایسے بھی ہیں جو قربانی کے قائل نہیں۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔

جواب: ان کا یہ دعویٰ کہ بعض فقہاء قربانی کے قائل نہیں۔ نرا مغالطہ اور سراسر خلاف واقعہ ہے، کیونکہ ہمارے علم و مطالعہ کے مطابق تمام فقہاء اسلام قربانی کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اگر ان کو اپنے اس ادعاء پر ناز ہے تو پھر ہمیں بھی بتلائیں کہ وہ فقہاء کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سنی ہیں یا شیعہ ہیں، سنی ہیں تو فقہاء اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہاء مذاہب اربعہ میں شمار ہوتے ہیں؟ اور اگر شیعہ ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی چوکٹا کیسا ہے؟ اور ان کا وہ کون سا فقہی سرمایہ ہے؟ جس میں انہوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے۔ تاکہ ہم بھی ان کی تحقیق سے روشناس ہو سکیں مگر ؎

ہم جانتے ہیں تم کو اور تمہاری زبان کو   وعدوں ہی میں گزار دگے موسم بہار کا

یہاں اس پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کا تفصیلی جواب دوسرے دعویٰ کے جواب کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

جواب دعویٰ ثانی: ۔ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا، بوجوہ باطل ہے، اول اس لئے کہ یہ دعویٰ قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے ثانی اس لئے کہ یہ ان احادیث کثیرہ محکمہ کے خلاف ہے جو کتب صحاح میں صحیح اور متصل اسانید کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہیں جو یہ تصریح کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا صحابہ کو حکم دیا خود مسلسل دس سال سفر و حضر میں اس پر عمل فرمایا اور امت میں اس کو سنت اسلام کی حیثیت سے جاری فرمایا ثالث یہ دعویٰ ان احادیث مرفوعہ متصلہ کے بھی خلاف ہے جو عہد صحابہ میں قربانی کے عام رواج اور شیوع پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان تینوں کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

قربانی اور قرآن مجید: ۔ قرآن مجید میں جس مخصوص انداز میں جہاں دوسرے مسائل زندگی کا بیان موجود ہے وہاں قربانی کی مشروعیت، تاریخ اور تفصیل بھی موجود ہے چنانچہ سورۃ حج میں ہے، اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے مویشیوں پر اس کا نام ذکر کریں۔ الحج ۳۴۔

مفسرین کی تصریحات: ۔ امام فخرالدین رازیؒ ۶۰۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر بعد کی تمام امتوں میں قربانی مشروع چلی آرہی ہے اور مَنْسَكٌ ذبح کے ساتھ قربانی کے معنیٰ میں ہے۔ تفسیر کبیر ج ۶ ص ۲۳۲۔

امام ابن کثیرؒ ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہا ہے کہ اس کے نام قربانیاں ذبح کرنا اور خون بہانا تمام امتوں میں ایک مشروع عمل چلا آرہا ہے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۱ .

امام شوکانیؒ ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں، والمنسك ههنا المصدر من نسك ينسك اذا ذبح القربان والمعنی وجعلنا لكل اهل دين من الاديان ذبحا يذبحونه ودما يريقونه فتح القدير ج ۳ ص۳
کہ مَنْسَكْ یہاں نَسَكَ يَنْسُكُ کا مصدر ہے جس کا معنیٰ ہے قربانی ذبح کرنا۔ اور آیت مقدسہ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے تمام اہل ادیان پر قربانی ٹھہرائی جو وہ ذبح کرتے تھے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل تصریح کردی کہ یہاں منسک کے معنیٰ قربانی ہی ہیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رقمطراز ہیں، جتنے مویشی ہیں ان کا حق یہی ہے کہ کام لے لیجئے پھر کعبے کے پاس لے جاکر نیاز چڑھا دیجئے۔ یہ بات دشوار ہے تو یہاں بسم اللہ، اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا یہ نشانی ہے کہ اللہ کی نیاز کعبے کو چڑھایا دور ہو یا نزدیک موضح القرآن ص۔

شاہ صاحب نے اس مختصر سی تفسیر میں قربانی کی پوری حقیقت سمو کر رکھ دی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ قربانی کے اسرار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ الذبح لايكون قربة الابمشابهة الحاج. حجة الله ج ۱ ص ۹۹۔ یہ قربانی حاجیوں سے عملی تشابہ کیلئے ہی تو ہے۔

دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں۔ يوم الاضحى فيه تشبه بالحاج وتعرض لنفحات الله تعالى المعدة لـ

حجۃ اللہ ج ۱ ص ۹۹۔ مکہ مکرمہ سے باہر دوسرے اکناف کے مسلمانوں کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ حاجیوں سے مشابہت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے اس فیضان سے مستفیض ہوں جو ان کے لئے تیار فرمایا گیا ہے۔

قربانی کا یہ طریقہ جس طرح پہلی امتوں کے لئے ہے اسی طرح ہماری شریعت محمدی میں بھی مقرر کیا گیا ہے۔

۲۔آیت نمبر ۲:۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور سب سے پہلے میں سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔ سورۃ انعام ۱۶۲ و ۱۶۳۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ مشرکین پہ واضح کردیں کہ تم جو غیر اللہ کی نماز پڑھتے ہو اور غیر اللہ کے نام قربانی کرتے ہو میں اس طریق عبادت کے سخت مخالف ہوں کہ میری نماز بھی خالصۃً اللہ کے لئے ہے اور میری قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۸ و فتح القدیر ج ۲ ص ۱۸۵۔

۳۔مفسرین کے ارشادات:۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. الکوثر ۲۔ پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

تقریباً تمام قدیم وجدید مفسرین کے نزدیک "النحر" سے مراد دس ذوالحجہ کی قربانی ہے چنانچہ مفسر فخر الدین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ، امام ابن کثیر ۷۷۴ھ، مفسر شوکانی ۱۲۵۰ھ مفسر محمود آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ، مفسر قرطبی مالکی ۶۷۱ھ نواب سید صدیق حسن اور شیخ احمد مراغی ۱۹۴۵ء وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے، ہمیں اعتراف ہے کہ مفسرین نے اس کے علاوہ اور معنی بھی کئے ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ ان دلائل قاطعہ اور نصوص ساطعہ سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ قربانی بلاشبہ مشروع اور شعار اسلام میں سے ہے۔ بلکہ مسئلہ قربانی کے منکرین کے اس مغالطہ کی بھی قلعی کھل گئی کہ قرآن میں جس قربانی کا تذکرہ ہے وہ تو صرف مکہ میں منیٰ کے میدان میں حاجی کے ساتھ خاص ہے، اب یہاں پر تو کوئی حج وغیرہ کا ذکر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ساری امت کو قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا عید الاضحیٰ کی قربانی کا انکار اصل میں قرآن نافہمی کی بات ہے، اعاذنا اللہ منہ

قربانی کے متعلق حضورؐ کے ارشادات و تعامل:۔ قرآن مجید کی تین آیات مقدسہ سے قربانی کا ثبوت ہم پہنچانے کے بعد اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے لئے کیا کچھ ارشادات فرمائے ہیں۔ یوں تو مسئلہ قربانی اور اس کے مفصل احکام تفسیر و حدیث کی کتابوں میں درج ذیل انیس صحابہ کرام سے مروی ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت براءؓ، حضرت زید بن ارقم، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت جبیرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت مخنفؓ بن سلیم، حضرت بریدہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابو رافعؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ثوبانؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت جندبؓ، حضرت عویمر بن اشقر وغیرہ۔ تاہم اختصار کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صرف دس فرامین مقدسہ حوالۂ قرطاس کیے جاتے ہیں۔ پڑھیے اور پروفیسر صاحب کو ان کی ہمہ دانی کی داد دیجئے۔

۱۔ عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام الخ رواہ احمد وابن ماجۃ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۱ ومشکوٰۃ ص ۱۲۹ ونیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۳۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا یہ قربانیاں کیا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔

۲۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما عمل ادمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم الخ ھذا حدیث حسن غریب، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۲ ص ۳۵۲ وابن ماجہ ص ۲۳۱۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے دن کسی شخص کا کوئی عمل اللہ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ خون بہائے۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وجد سعۃ فلم یضحی فلا یقربن مصلانا۔ ابن ماجہ ص ۲۳۲ ورواہ احمد، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۳۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صاحب حیثیت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

۴۔ حضرت براء بن عازب کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عید قربان کے دن خطبہ ارشاد فرمایا۔ ان اول ما نبدا بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا الخ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۴ وصحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۴ ومحلّی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۳۔

آج کے دن ہم پہلے نماز عید پڑھتے ہیں پھر پلیٹ کر قربانی کرتے ہیں، لہٰذا جس نے اس طریقہ کے موافق عمل کیا اس نے ہماری سنت پالی۔

۵۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من ذبح قبل الصلوٰۃ فلیعد کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔

۶۔ حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فلیعد مکانھا اخریٰ۔ کہ جس نے نماز سے قبل قربانی کر لی ہو وہ اس کے بدلے دوسری قربانی کرے۔ رواھما بخاری ص ۸۳۴ جلد ۲۔

۷۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال قحط کی وجہ سے رسول اللہ صلعم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا۔ اگلے سال جب ہم نے پوچھا تو فرمایا کلوا واطعموا وادخروا کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرلو۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ اور موطا امام مالک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی

---

۱ ذخیرہ کرلو۔ بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں صحابہ کی حالت نازک تھی، کئی کئی دن فاقے پڑتے تھے اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (باقی اگلے صفحہ پر)

ایسا ہی مروی ہے ۔ موطا ص ۴۹۶ ۔

۱۸۔ ان عویمر بن اشقر ذبح اضحیتہ قبل ان یغدو یوم الاضحی وانہ ذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فامرہ ان یعود باضحیۃ اخری۔ موطا امام مالک ص ۴۹۵ ۔

جناب عویمر رضی اللہ عنہ نے عید قربان کے دن نماز عید کو جانے سے قبل قربانی کر لی ۔ اور پھر اس بات کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا ۔

۱۹۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ الاضحی یوم تضحون ۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۷ ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ الاضحی یوم یضحی الناس ہیں تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۷ ۔

الاضحی (عید قربان) وہ دن ہے جس میں لوگ قربانیاں کرتے ہیں ۔

۱۰۔ عن حنش قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یضحی بکبشین فقلت لہ ما ہذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ ۔ ابوداؤد مع شرح عون المعبود ج ۳ ص ۵۰ ۔ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۴ ۔ حنش کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی دیتا رہوں ۔ چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیا کرتا ہوں ۔

تلک عشرۃ کاملۃ وھل فیہا کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ ۔

قربانی کے متعلق حضورؐ کا اپنا دس سالہ عمل مبارک ۔ (۱) عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکفا الی کبشین اقرنین املحین فذبحہما بیدہ ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز عید کے بعد) چتکبرے بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں کی طرف لپکے اور ان کو اپنے ہاتھ سے قربان کیا ۔

۲۔ عن ابن عمر قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی ۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال مقیم رہے ، اور ہر سال قربانی کرتے رہے ۔

۳۔ عن نافع ان ابن عمر اخبرہ قال کان رسول اللہ یذبح وینحر بالمصلی ۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳ ، عون المعبود ج ۳ ص ۵۲ ، ۵۸ وابن ماجہ ص ۲۳۵ ۔ نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ ہی میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے ۔

عن ابی رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا ضحی اشتری کبشین سمینین اقرنین املحین ثم یقول ہذا عن محمد وآل محمد فیطعمہما جمیعا للمساکین ویاکل ہو واہلہ منہما رواہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) نے اس کو روا تو رکھا تھا، لیکن یہ بات محل نظر ہے ذخیرہ کرنے کی اجازت سے پتہ چلتا ہے کہ اب فاقوں والی بات نہیں رہی اس سے پہلے برسوں میں بھی قربانی ہوا کرتی تھی کیا وہ سب بھوکوں مر رہے تھے ۔ ؟ (زبیدی)

احمد وابن ماجۃ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۲۔

۴ا۔ حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی دیا کرتے تھے، تو دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے دنبے خریدا کرتے تھے۔ جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہو چکتے تو ایک دنبہ آپ کے پاس لایا جاتا جسے چھری سے خود ذبح کرتے پھر دوسرا پیش کیا جاتا اُسے بھی آپ ہی ذبح فرماتے اور فرماتے یہ محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرف سے ہے تو ان سے خود بھی کھاتے گھر والے بھی کھاتے اور مسکینوں کو بھی کھلاتے۔

۱۵۔ عن عقبۃ بن عامر الجھنی قال قسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ ضحایا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲۔ عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے۔

۱۶۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ازواجہ بالبقر۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲ ومحلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے سفر میں گائے کی قربانی کی۔

۱۷۔ عن جابر بن عبد اللہ قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عید بکبشین، ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے قربانی کئے۔

۱۸۔ عن ابی بکرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ثم نزل فدعا بکبشین فذبحھما ھذا حدیث صحیح تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۴۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کا خطبہ پڑھا پھر منبر سے اترے اور دو مینڈھے منگوائے اور ان کی قربانی کی۔

۱۹۔ عن بریدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یغدو یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحی حتی یصلی فیأکل من اضحیتہ رواہ احمد والترمذی وصححہ ابن حبان سبل السلام ج ۲ ص ۶۵۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عید الفطر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کھائے بغیر نماز عید کے لئے نہیں نکلتے تھے، اور عید الاضحی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھاتے تھے، اور واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔

۱۰۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحیتہ ثم قال یا ثوبان اصلح لحم ھذہ فلم ازل اطعمہ منھا حتی قدم المدینۃ۔ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۹۔ حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں اپنی قربانی ذبح فرمائی، پھر مجھے فرمایا کہ اس قربانی کا گوشت سنبھال رکھو میں آپ کو برابر اس کا گوشت کھلاتا رہا تا آنکہ آپ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

عہد نبوی میں قربانی کا عام رواج:۔ ۱۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے لیے صحابہ رضؓ میں جانور تقسیم فرمائے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۲/ اور ترمذی کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ قربانی کے لیے بکریاں تقسیم فرمائیں تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶

۲۔ عن البراء قال خطبنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی یوم نحر فقال لا یذبحن احد حتی یصلی۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۹۔ حضرت براء بن عاذب رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ نماز عید ادا کرنے سے پہلے کوئی شخص قربانی نہ دے۔

۳۔ عن ابن عباس قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحیٰ فذبحنا البقرۃ عن سبعۃ والبعیر عن عشرۃ رواہ الخمسۃ الا ابا داؤد وحسنہ الترمذی ویشھد لہ مافی الصحیحین من حدیث رافع بن خدیج انہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم فعدل عشرا من الغنم ببعیر۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱۵ و تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶۔ حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ تو سفر ہی میں عید قربان آگئی۔ تو ہم نے گائے میں سات سات اور اونٹ میں دس دس آدمیوں نے مل کر قربانی دی۔

۴۔ قال ابو ایوب کان الرجل فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیاکلون ویطعمون۔ رواہ الترمذی وصححہ ابن ماجۃ تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۲۲۔ وتحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۷۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتا تھا۔ تو اسی سے کھاتے اور کھلاتے تھے۔

قربانی کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثبوت :۔ ۱۔ عن محمد بن سیرین قال سألت ابن عمر عن الضحایا اواجبة، قال ضحی رسول الله صلی الله علیه وسلم والمسلمون من بعده وجرت به السنة ابن ماجة ص ۲۳۲۔ حضرت محمد بن سیرین تابعی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور آپ کے بعد والے مسلمانوں نے قربانی کی اور قربانی کی یادگار جاری ہے۔

۲۔ قال یحیی بن سعید سمعت أبا أمامة بن سهل قال کنا نسمن الأضحیة بالمدینة وکان المسلمون یسمنون۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۳۔ وابن کثیر ج ۳ ص ۲۱۹۔ کہ یحیی بن سعید کہتے ہیں میں نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم (یعنی صحابہ) مدینہ میں قربانیاں موٹی کرتے تھے۔ اور سب مسلمان بھی یہی کرتے تھے۔

۳۔ عامر شعبی ف ۱۰۴ھ جیسے کبیر تابعی جنہیں پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہے فرماتے ہیں ادرکت اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم وهم متوافرون کانوا یذبحون البقرة والبعیر عن سبعة۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۸۲ ۔۔۔۔ میں نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا ہے کہ وہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی مل کر قربانی دیتے تھے۔

۴۔ ابراہیم نخعی تابعی ف ۹۶ھ فرماتے ہیں ۔ کان اصحاب محمد صلعم یقولون البقرة والجزور عن سبعة محلی ج ۷ ص ۳۸۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ، گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔

۵۔ امر ابوموسی بناته ان یضحین بایدیهن۔ صحیح بخاری ج ۲ ۔ص ۸۳۴۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی ذبح کریں۔

۶۔ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ عنہم عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں عید اور قربانی کے مسائل بیان فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ و مسلم ج ۲ ص ۱۵۷۔

۷۔ عن نافع ان عبدالله بن عمر ضحی مرة بالمدینة قال نافع فامرني أن أشتري له كبشا فحيلا أقرن ثم أذبحه يوم الأضحى في مصلى الناس قال نافع ففعلت ثم حمل

عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَکَانَ مَرِیْضًا لَمْ یَشْہَدِ الْعِیْدَ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ موطا امام مالک ص ۴۹۵۔

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں قربانی کی نافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں چنانچہ مجھے حکم دیا کہ میں حضرت کے لیے موٹا تازہ سینگ دار مینڈھا خریدلں پھر اسے عیدالاضحیٰ کے روز عیدگاہ میں ذبح کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر وہ ذبح کیا ہوا مینڈھا آپ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اور آپ اس دن صاحب فراش تھے حتیٰ مسلمانوں کے ساتھ نماز عید میں بھی شرکت نہ کر سکے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی نظر میں قربانی کی کس قدر اہمیت تھی۔ کہ بیماری کی وجہ سے نماز عید میں شریک نہ ہو سکے لیکن قربانی فوت نہیں ہونے دی۔

حاصل احادیث:۔ مذکورہ بالا احادیث صحیحہ اور بکثرت دوسری احادیث جو طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں سب کی سب اپنے مضمون میں متفق ہیں۔ اور ان سے درج ذیل دس نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو عیدالاضحیٰ کی قربانی کا حکم دیا۔

۲۔ خود وفات تک برابر دس سال اس پر عمل فرمایا اور اپنی وفات سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میری طرف سے قربانی کرتے رہنا۔ اللہ اکبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے کس قدر پیار تھا۔

۳۔ مسلمانوں میں اس کو سنت الاسلام اور شعار دین کی حیثیت سے رواج دیا۔

۴۔ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی ذبح کرنا سنت المسلمین ہے۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب صحابہ رضی اللہ عنہ میں قربانی کے جانور تقسیم فرماتے تھے تاکہ وہ بھی اس سنت پر عمل درآمد کی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

۶۔ عید قربان کے دن عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھانا چاہیے اور واپس آکر اپنی قربانی کے گوشت کے ساتھ کھانا تناول کرنا سنت ہے۔

۷۔ سفر کے دوران بھی صحابہ رضی اللہ عنہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی ترک کرنا گوارا نہ فرماتے تھے۔

۸۔ اونٹ کی قربانی میں دس دس اور گائے کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت جائز ہے

۹۔ صحابہ کے زمانہ میں قربانی کا عام رواج تھا۔ اور ان میں قربانی کا شوق اتنا فراواں تھا کہ وہ اپنی قربانیوں

کو خوب موٹا تازہ کرتے تھے۔ گویا قربانی افزائش نسل کا سبب بن گئی۔ آج بھی اس طرز عمل سے مویشیوں کی نسل میں برکت آسکتی ہے۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ صرف شعائر اسلام پر اعتراض کرنا جانتے ہیں نہ عمل کرنا نہیں جانتے۔

۹۔ صحابہ کرام بیماری کے باوصف قربانی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قربانی کے منکرین کے اس دعویٰ میں قطعاً کوئی صداقت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔ فانھو ولا تکن من القاھاین المعاندین۔

ملحوظہ:۔ یہ بھی ملحوظ رہے کوئی ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی کہیں موجود نہیں ہے جو یہ بتاتی ہو کہ عید قرباں کی یہ قربانی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں نہ کوئی عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے اس لیے ان تمام احادیث میں لامحالہ اسی عید اور قربانی کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے ؎

این راہ منزل قدس است میندیش دبیا   میل ازیں راہ خطا باشد بیں تا نکنی

منکرین قربانی سے ایک سوال:۔ سطور بالا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے قول وعمل میں سے ان چند باتوں کو زیب قرطاس بنایا گیا ہے جن سے بسہولت تام یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ، اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں قربانی کا تصور کیا تھا۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ کیا تھا۔ یہ احادیث اصول روایت اور اصول درایت دونوں لحاظ سے اس قدر تسلی بخش ہیں کہ ان پر کوئی نقد وجرح ممکن نہیں۔ اب پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور ان جیسے دوسرے تحقیق گزیدہ دانشور جو آج مسئلہ قربانی کو اپنی نئی نئی تجویزوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کے لیے ایک نیا اختراعی تصور پیش کرنے میں جُتے ہوئے ہیں۔ وہ یا تو ثابت کریں کہ یہ تمام احادیث جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل واضح ہوتا ہے، سرے سے وضعی اور خانہ ساز ہیں۔ اور ان احادیث کو (معاذ اللہ) فلاں مولوی نے فلاں دور میں وضع کیا تھا۔ یا کسی قدیم نوشتہ سے ان کو نقل کیا تھا۔ اور پھر انہیں بڑی چابک دستی کے ساتھ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور دیگر محدثین کے کانوں میں پھونک دیا تھا اور ان نیک دل آئمہ کرام

نے بالاتفاق اور بے چون وچرا بغیر کسی تحقیق وتمحیص کے ان موضوع روایات کو اپنی کتابوں کی زینت بنادیا بس یہ اصلیت ہے۔ موطا امام مالکؒ، کتاب الام الشافعیؒ مسند امام احمدؒ، صحیح بخاریؒ، الصحیح مسلم اور سنن اربعہ کی ان روایات کی، اگر یہ بات ان تحقیق گزیدہ افراد سے ثابت نہ ہوسکے اور وہ سرگز ثابت نہیں کرسکیں گے۔ پھر ہمیں یہ بتانا چاہیے کہ مسئلہ قربانی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے روشن طرز عمل کے ہوتے ہوئے ان کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ قربانی کے متعلق اپنا بنا سبیی متبادل طرز عمل ملتِ اسلامیہ کے سامنے پیش کرتے پھریں ؎

مسلم از سر نبی بیگانہ شد باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد

قربانی اور فقہاء مذاہب کا اتفاق: مسئلہ قربانی کے متعلق فقہائے کرام کی رائے اور ان کے مذاہب مکمل شرح وبسط کے ساتھ ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور قربانی کی مشروعیت یعنی اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام فقہاء اسلام متفق ہیں۔ مولفین صحاح ستہ نے اپنی اپنی صحیح میں قربانی کے لیے مستقل باب باندھے ہیں۔ اور اسی طرح حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور ظاہری مسلک کی کلیدی کتب میں بھی یہی انداز پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب" کتاب الاضاحی یا کتاب الضحایا (قربانیوں کا باب) کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں فقہاء مذاہب ان کی متداول کتابوں میں" کتاب الضحایا" کو کتاب الذبائح (ذبیحوں کا بیان) کے بعد متصل لکھا گیا ہے۔ حالانکہ" باب الہدی (حاجی کی قربانی کا باب) کو تمام فقہاء کتاب الحج میں لاتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہاء مذاہب حاجی کے علاوہ تمام مسلمانوں کے لیے عام قربانی کے بھی قائل ہیں۔ اور کتاب الضحایا میں وہ اسی قربانی کے احکام درج کرتے ہیں۔ اور قربانی کی اس قسم کو وہ حج یا مکہ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ باب بھی کتاب الحج کے ضمن میں مذکور ہوتا۔ اس ضروری وضاحت کے بعد ائمہ مذاہب کی آراء اسلامیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ **امام ابوحنیفہؒ اور قربانی:** صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ اما الوجوب فقول ابی حنیفة ومحمد وزفر والحسن واحدی الروایتین عن ابی یوسف ھدایہ ج ۴ ص ۴۴۳۔ امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، زفرؒ امام حسنؒ اور ایک روایت کے مطابق امام یوسف قربانی کو واجب کہتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۷، بدائع الصنائع للکاسانی حنفی ج ۵ ص ۶۱، ۶۲ و فتح القدیر ج ۸ ص ۴۲۵۔

وردالمحتار ج ۶ ص ۳۱۱ تا ۳۱۳ عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۴۱ -

۲- امام مالک ؒ متوفی ۱۷۹ فرماتے ہیں ا- الضحیۃ سنۃ ولیست بواجبۃ ولا احب لاحد ممن قوی علی ثمنھا ان یترکھا موطا امام مالک ص ۴۹۷ در قربانی سنت ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی خرید کر سکتا ہو اس کے لیے قربانی کا ترک کرنا اچھا نہیں۔

بدایۃ المجتہد لابن رشد مالکی میں ہے وروی عن مالک مثل قول ابی حنیفہ ج ۱ ص ۳۶۴-
اور امام مالک ؒ سے امام ابوحنیفہ کے موافق قول نقل کیا گیا ہے۔

۳- مجدد شریعت امام شافعی ؒ ف ۲۰۴ ھ فرماتے ہیں۔ الضحایا سنۃ لا نحب ترکھا۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۹ ۔ قربانیاں سنت ہیں ہم قربانی کے ترک کو پسند نہیں کرتے مزید تفصیل نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳ و نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴- امام احمد بن حنبل ؒ ف ۲۴۱ کا مذہب قال الشافعی واحمد ھی مستحبۃ الا ان احمد قال لا یستحب ترکھا مع القدرۃ علیھا۔ الافصاح علی المذاہب الاربعۃ لابن ھبیرہ الحنبلی ف ۵۶۰ ھ ج ۱ ص ۳۰۵-

کہ امام شافعی ؒ اور امام احمد بن حنبل ؒ کے نزدیک قربانی مستحب استحبابی ہے تاہم امام احمد نے کہا ہے کہ استطاعت کے ہوتے ہوئے اس کا ترک مستحب امر نہیں۔

شیخ الاسلام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی ف ۶۲۰ ھ نے قربانی کو سنت مؤکدہ لکھا ہے۔ عمدۃ الاحکام مع شرح المقنع ج ۱ ص ۲۸۱-

۵- امام ابن حزم ظاہری ؒ ف ۴۵۶ ھ فرماتے ہیں الاضحیۃ سنۃ حسنۃ ولیست فرضا ومن ترکھا غیر راغب عنھا فلا حرج علیہ فی ذالک۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۵۷ ۔ کہ قربانی سنت حسنہ ہے فرض نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی وقت اس نیت سے چھوڑ دے کہ یہ فرض نہیں تو اس پر کوئی حرج نہ ہو گا۔

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں ا- واما حکمھا فھو السنیۃ فالاضحیۃ سنۃ مؤکدۃ یثاب فاعلھا ولا یعاقب تارکھا وھذا القدر متفق علیہ فی الحقیقۃ ولکن قالوا الحنفیۃ انھا سنۃ عین مؤکدۃ لا یعذب تارکھا بالنار الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۷۱۲ -

کہ قربانی سنت موکدہ ہے قربانی کرنے والے کو ثواب ہوگا۔ اور قربانی سنت مؤکدہ عینی ہے تارک کے لیے عذاب کے وہ بھی قائل نہیں۔

۶۔ **شیخ الاسلام حافظ ابن حجر شافعی** ف ۸۵۲ کا تفصیلی نوٹ:۔ فرماتے ہیں۔ ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع اسلام میں سے ہے اختلاف صرف اتنا ہے کہ شوافع اور جمہور کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور ایک روایت کے مطابق شوافع کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے مگر صرف آسودہ حال پر (مسافر اور حاجی پر نہیں) امام مالکؒ سے بھی یہی قول منقول ہے ایک روایت کے مطابق، لیکن امام مالکؒ کے نزدیک مسافر پر بھی قربانی واجب ہے۔ اور امام اوزاعیؒ۔ امام ربیعہؒ اور امام لیث سے بھی امام مالکؒ کے قول کے مطابق فتویٰ منقول ہے۔ البتہ احناف میں سے امام ابو یوسفؒ اور مالکیہ میں سے امام اشہب نے اپنے آئمہ سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور سے اتفاق کیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا جس شخص میں قربانی دینے کی استطاعت ہو پھر اس کا قربانی نہ دینا مکروہ امر ہے اور امام محمد بن حسن شیبانی سے روایت یوں ہے کہ قربانی سنت ہے۔ لیکن اس سنت کے ترک کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۔ اص ۲۔

۷۔ **شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ** ف ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:۔ و ھی مشروعۃ اجماعا لقولہ تعالیٰ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم عظموا ضحایاکم الخ ونحوہ۔ البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۰۔ کہ قربانی باجماع امت مشروع ہے مزید لکھتے ہیں۔ قلنا اخبارنا دلیل کونہ للندب البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۱۔ ہماری پیش کردہ احادیث کے مطابق قربانی ایک مستحب امر ہے۔

۸۔ **شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ القمی شیعہ** ف ۳۸۱ لکھتے ہیں:۔ عن ابی جعفرؒ قال الاضحیۃ واجبۃ علی من وجد من صغیر او کبیر وھی سنۃ۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۹۲ باب الاضاحی۔ حضرت ابوجعفر باقر فرماتے ہیں کہ قربانی سنت ہے اور چھوٹے بڑے صاحب استطاعت پر قربانی کرنا ضروری امر ہے۔

ان فقہی حوالجات سے معلوم ہوا کہ قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے پر تمام شیعہ سنی فقہاء اسلام کا اجماع و اتفاق ثابت ہے۔ اور کسی ایک فقیہ کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا لہٰذا ثابت ہوا کہ پروفیسر

صاحب کا دعویٰ تو امغالطہ، سراسر دھوکا اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک عامیانہ عبارت ہے اگر اب بھی ان کو اپنے اس دعا پر ناز ہو تو پھر ہمیں بھی اپنے ان فقہاء کا پتہ دیں جو قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے قائل نہیں۔ کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سُنّی ہیں یا شیعہ، سُنی ہیں تو وہ فقہاء اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہاء مذاہب اربعہ میں سے، اور اگر شیعی ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی اور عملی چوکھٹا کیسا ہے؟ ان کا وہ کونسا فقہی سرمایہ ہے جس میں اُنھوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے؟ تاکہ ہم بھی ان کے موقف کا جائزہ لے سکیں۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ ؎

لاؤ تو سہی ذرا میں بھی تو دیکھ لوں ۔۔۔ کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

یہ بھی یاد رکھیے!۔ کہ مذکورہ بالا فقہاء اسلام کا یہ اجماع و اتفاق قربانی کے مشروع و مسنون امر ہونے پر بذاتِ خود ایک مستقل اور ناقابلِ انکار شہادت ہے۔ کیونکہ ان فقہاء کرام کا زمانہ عہد نبوت اور عہد صحابہ رضی سے اتنا قریب تھا۔ کہ وہ بڑی آسانی سے شرعی احکام و مسائل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل معلوم کر سکتے تھے کہ تحقیق و تفحص کے تمام ذرائع موجود تھے۔ دیکھیے ائمہ اربعہ کے زمانہ ولادت و وفات کا نقشہ یہ ہے امام ابو حنیفہ رح ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ امام مالک رح ولادت ۹۳ھ سال وفات ۱۷۹ھ (۳) امام شافعی ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ (۴) امام احمد رح ولادت ۱۶۴ھ اور وفات ۲۴۱ھ ہے۔ مثلاً امام مالک رح نے اسی مسئلہ قربانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث صرف دو راویوں کے واسطہ سے نقل فرمائی ہے۔ یعنی ابن مالک رح نے ابن زبیر مکیؒ سے اُنھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سلمی سے اور اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث سنی۔ موطا ص ۴۹۶۔ اسی طرح امام مالک رح نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رض کے اقوال و آثار صرف ایک واسطہ سے روایت کئے ہیں۔ یعنی امام مالک رح نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا طرزِ عمل اور ان کے آثار صرف ایک تابعی حضرت نافع کے واسطہ سے روایت کیے ہیں۔ موطا ص ۴۹۵ و ۴۹۷۔

امام ابو حنیفہ رح تو امام مالک رح سے تیرہ برس بڑے ہیں۔ آپ کا مولد و مسکن شہر کوفہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ تھا۔ امام ابو حنیفہ رح کی ولادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے درمیان صرف چالیس برس کا فاصلہ ہے۔ امام موصوف کے زمانہ میں ایسے لوگ ہزاروں ہزار موجود تھے۔

جنہوں نے خلفاء راشدین کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اور صحابہ کرام کی صحبت پائی تھی۔
ایسے میں ان فقہائ کے بارے میں کوئی یہ تصور کرسکتا ہے کہ ان کو یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل آڑے آسکتی تھی کہ قربانی کا یہ طرز عمل کب سے اور کیسے رائج ہوا اور کس نے اسے رواج دیا؟
یہی حالت پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تمام فقہاء کی ہے۔ ان سب کا زمانہ عہد نبوت اور عہد صحابہ سے اتنا قریب تھا کہ ان کے لیے سنت اور بدعت کے درمیان تفریق کرنا کوئی بڑا مشکل امر نہ تھا۔ اور وہ آسانی کے ساتھ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکتے تھے۔ کہ جو عمل سنت نہ ہو اسے سنت یاد کر بیٹھیں۔
امت کا تواتر عمل:۔ قربانی کے مشروع ومسنون عمل ہونے پر اس شہادت کے علاوہ ایک اور اہم ترین شہادت امت کے متواتر عمل کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی جس روز سے شروع فرمائی اسی روز سے وہ امت مسلمہ میں عملاً رواج پاگئی اور اس تاریخ سے آج تک دنیا کے تمام اطراف واکناف میں تمام مسلمان ہر سال مسلسل اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس کے چودہ سو سال تسلسل میں کبھی ایک سال کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ ہر نسل نے پہلی نسل سے اس کو سنت المسلمین کے طور پر لیا ہے۔ اور اپنے سے بعد والی نسل کی طرف اسے منتقل کیا ہے۔ یہ ایک ایسی عالمگیر سنت ہے۔ جو ایک ہی انداز میں دنیا کے ہر اس شہر اور قریہ میں ادا ہوتی چلی آرہی ہے۔ جہاں کوئی مسلمان آباد رہا ہے۔ اور یہ ایک ایسا متواتر عمل ہے جس کی زنجیر ہمارے عہد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک اس طرح مسلسل قائم ہے کہ اس کی ایک کڑی بھی کہیں سے غائب نہیں ہوتی۔ دراصل یہ ویسا ہی تواتر ہے جس تواتر کے بہتے ہم نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانا ہے۔ اور عرب کے دُریتیم محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول تسلیم کیا ہے۔ کوئی فتنہ گر اس تواتر کو بھی اگر مشکوک قرار دینے کی ٹھان لے تو پھر اسلام میں کونسی چیز شک سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ ؎

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ   ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

مختصر یہ کہ قربانی کی اصل نوعیت یہ ہرگز نہیں کہ ہماری تاریخ کا کوئی دور ایسا گزرا ہو جس میں کسی معتمد فقیہ نے قربانی ایسی سنت مؤکدہ کو مشکوک ٹھہرایا ہو۔ (والحمد اللہ علی ذالك)

مغالطہ ۵:۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی نے اپنی تمام زندگی بھر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں کی۔ محض اس لیے کہ پیروکار یہ نہ سمجھ لیں کہ قربانی ایک واجب عبادت ہے۔ محلی ابن حزم ج ۷ص ۳۵۸۔

جواب ۱:۔ اس اثر سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک عیدالاضحیٰ کی قربانی کی مشروعیت محل نظر تھی بوجوہ غلط محض اور سراسر خلاف واقعہ ہے۔

۱۔ اول اس لیے کہ چونکہ امام ربیعہ، امام ثوری، امام لیث، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ قربانی کے وجوب ہی قائل تھے۔ لہٰذا امام ابن حزمؒ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ، وغیرہ صحابہ کے یہ آثار پیش کر کے قائلین وجوب کے علی الرغم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں۔ جیسا کہ موصوف اسی صفحہ پر یہ تصریح فرماتے ہیں۔

لا یصح عن احد من الصحابۃ ان الاضحیۃ واجبۃ۔ المحلی ج ۷ص ۳۵۸۔

امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ کتاب الام ج ۲ص ۱۸۹۔ جیسا کہ یہ حقیقت آپ کے پیش کردہ ترجمہ کی خط کشیدہ عبارت سے بھی صاف واضح ہے۔ جس پر آپ نے نہ جانے کیوں غور نہیں فرمایا۔

امام محمد بن اسمٰعیل الامیر ف ۱۱۸۲ھ نے بھی ان آثار کا یہی مطلب متعین فرمایا ہے۔ وافعال الصحابۃ دالۃ علی عدم الایجاب۔ سبل السلام ج ۴ص ۹۱۔ کہ صحابہ کرام کا یہ طرز عمل قربانی کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

قربانی سنت موکدہ ہے:۔ یہ ثانی اس لیے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور فقہاء کی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی کا سنت موکدہ ہونا ثابت ہے، جیسا کہ:۔

۱۔ امام نووی ف ۶۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں کہ صاحب استطاعت پر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی ذبح کرنا سنت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ، اسعید بن مسیبؒ، علقمہ رحمۃ اللہ علیہ، اسود رحمۃ اللہ علیہ، عطاءؒ وغیرہ تابعین

اور امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام مزنی، امام ابن منذر اور امام داؤد ظاہری وغیرہ فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ نووی ج ۲ ص ۱۵۳۔

۲۔ امام ابن قدامہ مقدسی ف ۶۸۲ھ لکھتے ہیں۔ اکثر اہل علم کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، فقہاء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اسحاق وغیرہ فقہاء سے یہی قول مروی ہے۔ مغنی ابن قدامہ مع شرح الکبیر ج ۳ ص ۵۸۱۔

۳۔ شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ ف ۸۴۰ھ لکھتے ہیں مسئلہ (ھ) ابو مسعود البدری۔ بلال۔ سعید بن المسیب عطاء علقمۃ الاسود، ثم ش مد حق س ق) ھی سنۃ مؤکدۃ۔ البحر الزخار ج ۵ ص ۳۱۱۔

کہ حضرت ابو بکر رض، حضرت عمر رض، عبداللہ بن عمر رض، ابو مسعود رض بدری، اور بلال رض، سعید بن مسیب، عطاء، علقمہ، عترت، احمد بن حنبل، اسحاق، شافعی، ابو یوسف اور محمد کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ مزید تفصیل نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ میں پڑھیے۔

۴۔ امام محمد بن اسماعیل الامیر، حضرت ابو بکر رض، حضرت عمر رض، حضرت ابن عباس رض اور بلال رض، کے آثار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ والروایات عن الصحابۃ فی ھذا المعنی کثیرۃ دالۃ علی انھا سنۃ۔ سبل السلام ج ۴ ص ۹۱۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، سے ایسی بہت سی روایات مروی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ عید الاضحیٰ کی قربانی سنت (مؤکدہ) ہے۔

۵۔ ثالث اس لیے کہ آپ کی پسندیدہ کتاب محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ رض اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ۱۳ ذی الحجۃ تک قربانی ذبح کرنے کے جواز کے قائل تھے۔ محلی ج ۷ ص ۳۷۸۔

ب۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔ ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم الذین بالکوفۃ افتونی قالوا نحو قالہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والو بکر وعمر قالہ الشعبی محلی ابن حزم ص ۳۸۲۔ علاوہ ازیں حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم عید الاضحیٰ کے

خطبہ میں قربانی کے مسائل بیان فرماتے تھے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ و صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۷۔
سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی نے اپنی زندگی بھر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی تھی تو پھر وہ تین دن تک قربانی کے قائل کس لیے تھے؟ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کا فتویٰ کس بنیاد پر دیتے تھے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثانی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، خلیفہ ثالث اور حضرت علی خلیفہ رابع عید الاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے مسائل کیوں بیان فرماتے تھے؟ کیا یہ محض دل بہلاوا تھا۔ آپ محلیٰ کی کتاب الاضاحی پر ایک سرسری نظر ڈال لینے کی زحمت گوارا فرما لیتے تو آپ کو ان مغالطوں اور غلط بیانیوں سے نجات مل جاتی۔ اور انکار سنت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے بھی بچ جاتے ؎

خود ہی گلچیں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

رابع اس لیے کہ اس اثر میں ایسا کوئی جملہ موجود نہیں جس کا ترجمہ "زندگی بھر" کیا جا سکے بلکہ یہ الفاظ پروفیسر نے اپنی طرف سے ایزاد کیے ہیں۔ اگرچہ محلی کے الفاظ میں ترک قربانی کی مدت بیان نہیں کی گئی تاہم مبسوط سرخسی میں اس کی کل مدت سال دو سال بیان کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں: وعن ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما کانا یضحیان السنة والسنتین مخافة ان یراھا الناس واجبةً مبسوط ج ۱۲ ص ۸ نیز بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۲ اور فتح القدیر ج ۸ ص ۴۲۸ میں حنفی علماء نے لکھا ہے۔ خامس اس لیے کہ مانا کہ شیخین نے زندگی بھر کبھی قربانی نہیں کی لہٰذا بالفرض تسلیم ان کا یہ فعل چونکہ احادیث صحیحہ مذکورہ بالا کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان کا یہ فعل شرعاً حجت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حزم کو جزائے خیر دے کتنی پتہ کی بات کہہ گئے ہیں۔ لا حجة فی احد دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محلی ج ۷ ص ۳۷۵۔

مغالطہ نمبر ۱: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کبھی قربانی نہیں کی ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے دن ان سے قربانی کے بارہ میں بات کی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے ملازم کو بازار بھیجا کہ دو درہم کا گوشت لے آئے اور سب کو بتا دے کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے۔ جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ (بدایة المجتہد علامہ ابن رشد قرطبی ج ۱ ص ۳۱۴)

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی قربانی نہیں کی ان پر بہتان اور افتراء

ہے۔ علامہ ابن رشد قرطبی ف ۵۹۵ھ کی بدایۃ المجتہد کتاب الضحایا اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے بنظر امعان اور بنگاہِ انصاف اسے متعدد دفعہ پڑھا ہے۔ ہمیں تو اس پوری بحث میں ایسا کوئی جملہ نہیں ملا جس سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ حضرت نے کبھی قربانی نہیں کی۔ اگر پروفیسر صاحب میں اخلاقی جرأت ہے تو اپنے اس ادعاء کا ثبوت پیش فرمادیں ورنہ اپنی خط کشیدہ اختراعی اور وضعی عبارت لینے کا اعلان جاری فرمادیں۔

جہاں تک بازار سے گوشت منگوانے کا تعلق ہے۔ تو اس کے متعلق گزارش ہے۔

۱۔ کہ جہاں ابن عباس رضی اللہ عنہ، قربانی کے وجوب کے قائل تھے بلکہ دوسرے جمہور صحابہ کی طرح وہ بھی قربانی کو سنت مؤکدہ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں ومذھب ابن عباس ان لا وجوب۔ ھدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۴۱۳۔ (۲) پھر یہ اثر بلا سند ہے۔ لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ یہ اثر صحیح ہے یا ضعیف۔ ہاں محلی ابن حزم میں یہ اثر باسند منقول ہے لیکن اس کا ایک راوی ابو معشر نجیح بن عبداللہ ضعیف ہے۔ لہٰذا ایسے ضعیف اثر کو معرض استدلال میں پیش کرنا کارکودکاں اور بچگانہ حرکت ہے۔ (۳) علاوہ ازیں یہ اثر درایت کے لحاظ سے بھی قابل استدلال نہیں کیونکہ قابلِ غور اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انکار سنت کے متعدد مستحکم ادارے سنت کے خلاف معرکہ آرا ہیں۔ اور اپنی تمام فکری اور مادی توانائیاں کو میدان میں جھونک چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی بحمداللہ تعالےٰ نے قربانی کے ایام میں پاکستان کے کسی بازار میں گوشت فروخت ہوتا دیکھنے میں نہیں آیا۔ اندریں صورت صحابہ رضؓ کے عہد کے بارے میں جو کہ سراپا خیر و برکت کا زمانہ تھا یہ باور کر لینا کہ قربانی کے ایام میں بازار میں گوشت فروخت ہوتا تھا۔ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ (۴) حضرت ابن عباس کا یہ فرمانا یہ کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے جو ابن عباس رضؓ نے کی ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں قربانی کا رواج عام تھا۔ (۵) آپ نہ صرف قربانی کو سنت مؤکدہ سمجھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ قربانی کرنے کے اتنے شیدائی تھے کہ سفر میں بھی اس کو ترک نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ "قربانی کا صحابہ سے ثبوت" کے عنوان سے اس کا ثبوت رقم ہو چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۶ وسنن نسائی ج ۲ ص ۱۹۷۔ (۶) یہ بھی ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک گائے کی قربانی میں سات اور ایک اونٹ کی قربانی میں دس یعنی حصہ داروں

کی شراکت کے بھی قائل تھے۔ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۸۲۔

ان چھ قوی ترین نقلی اور عقلی وجوہ کے علی الرغم ہدایۃ المجتہد کے ایک بے سند اور ضعیف اثر کے ہوتے پر عوام الناس پر قربانی سے متنفر کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ایسے متبع سنت صحابی اور ترجمان القرآن کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی قربانی نہیں کی ان پر صریح بہتان نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا پروفیسر صاحب کی خدمت میں بصد ادب یہ گذارش ہے کہ اگر وہ اپنی تجدید پسندی کے پیش نظر قربانی کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تو نہ سہی مگر کم از کم صحابہ کرام کے تقدس کو تو پامال نہ کریں ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

مغالطہ ۶:۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ جو بہت امیر صحابی تھے اور ہزاروں بھیڑوں کے مالک تھے نے کبھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی نہیں کی۔ مبسوط ج ۱۲ ص ۸۔

جواب:۔ نہ جانے پروفیسر صاحب کو لا تقربوا الصلوٰۃ کے روایتی محاورہ سے اتنا عشق کیوں ہے کہ وہ ہر ایک حوالہ کی کتر بیونت کر کے صرف اپنی مرضی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا فرماتے ہیں۔ حسب سابق اس حوالہ میں بھی انہوں نے یہی گیلا مارا ہے۔ کہ مبسوط سے انہوں نے اپنے مطلب کی بات تو لے لی۔ لیکن اس کے آگے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ ایک تو مبسوط میں "کبھی" کا لفظ موجود نہیں دوسرا یہ کہ اس اثر کے آگے اس کی وجہ بھی مرقوم ہے کہ انہوں نے ایسا اس لیے کیا ہوگا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ قربانی اپنی تمام تر اہمیت کے باوصف واجب نہیں مخافۃ ان یراھا الناس واجبۃ۔ مبسوط ج ۱۲ ص ۸ یعنی جمہور صحابہ کی طرح حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی قربانی سنت مؤکدہ تھی۔ جیسا کہ ہم مغالطہ ۵ کے جواب میں نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۵۳، البحر الزخار ج ۵ ص ۱۳۱۱۔ اور نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶ کے حوالجات سے ثابت کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں محلی ابن حزم وغیرہ کتب میں ایسے اور بھی بہت سے حوالجات موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ قربانی کی مشروعیت کے قائل تھے۔ چنانچہ محلی میں ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات حصے داروں کی شراکت کے قائل تھے ج ۷ ص ۳۸۲۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ سرے سے قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے

قائل ہی نہ تھے تو پھر وہ گائے کی قربانی میں سات حصے داروں کی شراکت کے قائل کیوں تھے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر امام ابن حزمؒ نے ان کے اس اثر کو ان صحابہ کرام رضؓ کے آثار کے ضمن میں درج فرمایا ہے جو قربانی کو سنت موکدہ مانتے تھے. جواب ثانی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ان کا اپنا ذاتی قول ہے۔ جو بہر حال کتاب وسنت کا معارض نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی ف، ۵۸ھ لکھتے ہیں قول ابی مسعود رضی اللہ عنہ لا یصلح معارضا للکتاب الکریم والسنۃ بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۳، لہٰذا ان کے اس قول کی وجہ سے ان کے متعلق یہ کہنا کہ "انہوں نے کبھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پہ قربانی نہیں" جہاں ان کے ساتھ صریح ناانصافی ہے وہاں مطلب برآری کی بدترین مثال بھی ہے۔

مغالطہ ۸: صحابہ کرام کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے امام ابن حزم نے فتویٰ صادر فرمایا کہ جانور کی قربانی اسلام میں واجب نہیں۔ المحلی ج ۷، ص ۳۵۷۔

جواب: امام موصوف کا یہ فتویٰ بالکل بجا اور حق ہے۔ لیکن اگر پروفیسر صاحب اس فتویٰ کے ذریعہ یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ابن حزم جیسا جلیل القدر محدث اور نامی محقق بھی قربانی کی مشروعیت کا قائل نہ تھا تو یہ شرمناک علمی خیانت ہے کیونکہ امام موصوف نے اس فتویٰ کی ابتداء میں بڑے صاف اور واشگاف الفاظ میں جانور کی قربانی کو سنت حسنہ لکھا ہے۔ محلی ابن حزم ج ۷، ص ۳۵۷۔ اور اگر نہیں اس فتویٰ کی اوٹ میں نفس قربانی کی مشروعیت سے انکار مقصود ہے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے۔ کیونکہ عدم وجوب سے سنت کی نفی لازم نہیں آتی۔ فافھم وتفکر۔

مغالطہ ۹: سعید بن المسیب جو کہ صحابہ کرام رضؓ کے بہت عقیدت مند تھے نے یہ فیصلہ دیا کہ کسی غریب کی امداد کے طور تین درہم خرچ کرنا عید الاضحیٰ کی قربانی سے زیادہ افضل ہے۔

جواب اول: حضرت سعید بن مسیبؒ کے اس قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ قربانی کی مشروعیت اور اس کی اہمیت کے قائل نہ تھے. محض غرض پرستی پہ مبنی ہے کیونکہ ان کے مذہب میں قربانی سنت موکدہ تھی. جیسا کہ مغالطہ ۵ کے جواب میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ ہاں وجوب کے قائل نہ تھے۔ اور اس کے اظہار کے لیے کئی سال قربانی چھوڑ دی ہو گی چنانچہ امام ابن حزم نے ان کے اس قول کو اسی ضمن میں درج فرمایا ہے۔ جبکہ امام موصوف نے ایک دوسرے مقام پہ حضرت سعید کا معمول یہ لکھا ہے۔ کہ آپ کسی سال اونٹ کی قربانی ذبح کرتے، کسی سال گائے قربانی کرتے اور کسی سال بکری

کی قربانی دیتے تھے۔ اور کبھی ناغہ بھی کر لیتے المحلی ج ۷ ص ۳۴۳۔ مزید برآں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے جواز کے قائل تھے المحلی، ص ۳۸۲۔

ج ثانی :- (۱) ایام قربانی میں صدقہ کرنا افضل عمل نہیں بلکہ قربانی ہی افضل عمل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو کوئی اور عمل اتنا زیادہ محبوب نہیں جتنا اہراق دم (جانور کی قربانی کا) عمل محبوب ہے۔

(۲) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی نیک کام پر چاندی خرچ کرنا اتنا افضل نہیں جتنا عید قربان کے دن جانور کی قربانی پر روپیہ خرچ کرنا افضل ہے۔ لہٰذا ان کا یہ قول احادیث کے مقابلہ میں بطور معارض کے درخور اعتناء ہرگز نہیں۔

ج ثالث :- اگر کسی غریب آدمی کی نقد امداد قربانی کا جانور ذبح کرنے سے افضل ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کبھی نہ کبھی ایسا ضرور کرتے۔ کیونکہ اس دور میں بھی غریب لوگ موجود تھے اور ایسا قطعاً ثابت نہیں۔ چنانچہ شرح کبیر میں ہے۔ ولنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی والخلفاء بعدہ ولو علموا ان الصدقۃ افضل لعدلوا الیھا ولان ایثار الصدقۃ علی الاضحیۃ یفضی الی ترک سنۃ سنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرح علی المغنی ج ۳ ص ۵۸۲۔ ہم کہتے ہیں کہ بطور قربانی جانور کا خون بہانا ہی شرعاً متعین ہے اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا چالیس سالہ عمل مبارک ہے اگر جانور کی قربانی کے مقابلہ میں نقد رقم کا صدقہ افضل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اس سے کبھی نہ چوکتے علاوہ ازیں نقد رقم کے صدقہ کو قربانی سے افضل کہنا اس لیے بھی درست نہیں کہ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت کا ترک لازم آتا ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔

ج رابع :- مسئلہ قربانی کے پس منظر اور اس کے علل و مصالح پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کا رکن اراقۃ الدم یعنی خون بہانا ہے درالمختار قربانی کی تعریف۔ قربانی کے شرائط، قربانی کا وقت ذکر کرنے کے بعد قربانی کا رکن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ورکنھا ذبح ما یجوز ذبحہ من النعم لاغیر فتجب المضحیۃ ای اراقۃ الدم من النعم۔ درالمختار ج ۶ ص ۳۱۲۔

کہ قربانی کا رکن ان جانوروں کا ذبح کرنا ہے۔ جن کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ پس واجب ارافۃ الدم یعنی خون بہانا ہی ہے۔

علامہ شامی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں لان رکن الشئ ما یقف بہ ذالک الشئ والاضحیۃ انما تقوم بھذا الفصل فکان رکنا" ردالمختار ج ۶ ص ۳۱۳۔ اس لیے کہ کسی چیز کا رکن وہی چیز ہو سکتی ہے جن کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ قربانی چونکہ ذبح ہی کے ساتھ وجود پذیر ہوتی ہے اس لیے جانور کا خون بہانا قربانی کا رکن ٹھہرا۔ بالکل یہی عبارت جس میں ذبح جانور قربانی کا ٹھہرایا گیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۱ میں بھی ہے علامہ شامی اراقۃ الدم کے وجوب پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں والدلیل علی انھا الاراقۃ لو تصدق بعین الحیوان لم یجز ج ۶ ص ۳۱۳۔ یعنی اراقۃ الدم کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کا زندہ جانور کسی کو بطور صدقہ دے دے تو یہ شارع کے نزدیک قربانی منصور نہ ہوگی فتاویٰ عالمگیری میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ومنھا انہ لا یقوم غیرھا مقامھا فی الوقت حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لا یجزء عن الاضحیۃ ج ۵ ص ۲۹۳۔ کہ قربانی کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی دوسری چیز ایام قربانی میں قربانی کے قائمقام نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر کوئی شخص زندہ بکری کسی کو صدقہ میں دے دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے تو قربانی اس کے ذمہ میں بحال رہے گی۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ومنھا ان لا یقوم غیرھا مقامھا حتی لو تصدق بعین الشاۃ او قیمتھا فی الوقت لا یجزء عن الاضحیۃ لان الوجوب تعلق بالاراقۃ والاصل ان الوجوب اذا تعلق بفعل معین انہ لا یقوم غیرہ مقامہ۔ بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۶۔ کہ اراقۃ الدم کے سوا نہ تو کوئی چیز قربانی کا بدل ہے اور نہ اس کا کوئی قائمقام ہے یہاں تک اگر کوئی شخص بجائے ذبح کرنے کے زندہ بکری یا اس کی قیمت صدقہ کر دے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی کیونکہ قربانی کے وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ وجوب کا تعلق اگر ایک معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز اس کے قائمقام نہیں ہو سکتی شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں۔ لان الواجب التقرب باراقۃ الدم ولا یحصل ذالک بالتصدق وھذا لانہ لا قیمۃ لاراقۃ الدم واقامۃ المتقوم مقام مالیس بمتقوم لا یجوز واراقۃ الدم خالص حق اللہ تعالیٰ ولا وجہ للتعلیل فیما ھو خالص حق اللہ تعالیٰ۔ ......

مبسوط سرخسی ج ۱۲ ص ۱۴ ۔ یعنی ایام نحر میں جو چیز واجب ہے وہ ہے خون بہا کر تقرب الٰہی کا حصول اور یہ گوہر مقصود قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ اراقۃ الدم کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ لہٰذا محدود قیمت والی چیز کو غیر محدود قیمت والی چیز کے قائمقام بنا دینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اراقۃ الدم (خون بہانا) خالص اللہ کا حق ہے لہٰذا اس میں علت و معلول کا چکر چلانا دین میں مداخلت کے مترادف ہے۔ مختصر یہ کہ احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ متصلہ اور فقہاء کرام کی تحریرات سے یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آگئی ہے کہ قربانی کے ایام میں جانور ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ قیمت تو درکنار خود زندہ جانور کو صدقہ کر دینے سے قربانی کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام سعید بن مسیب بھی جانور کی قیمت صدقہ کر دینے کے برعکس قربانی کا جانور ذبح کیا کرتے تھے جیسا کہ محلی ابن حزم ج ، ص ۳۸۴ کے حوالہ سے اوپر لکھا جا چکا ہے لہٰذا ان کی طرف منسوب اس قول کی کوئی حیثیت نہیں اور اس قول پر کسی اختراعی نظریہ کی بنیاد استوار کرنا پرلے درجے کی نادانی اور خود فریبی ہے۔

فائدہ :۔ بعض احادیث میں ایک اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا جواز مذکور ہے۔ لہٰذا امام شوکانی وغیرہ شارحین حدیث نے اس اختلاف کو یوں حل فرمایا ہے کہ جن احادیث میں سات سات حصہ داروں کا ذکر ہے اس اضحیہ سے مراد ہدی ہے یعنی وہ قربانی مراد ہے جو حاجی صاحبان اپنے ساتھ لے جا کر مکہ میں ذبح کرتے ہیں۔ اور جن احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا بیان ہے اس اضحیہ سے مراد وہ قربانی ہے جو عامۃ المسلمین ایام قربانی میں اپنے اپنے شہروں میں ذبح کرتے ہیں۔ نیل الاوطار۔

مغالطہ ۱۰ :۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نظریہ تھا جب کبھی انہوں نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کی تو انہوں نے ایک مرغ ذبح کر دیا۔

جواب :۔ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ ہرگز نہ تھا کہ وہ جانور کی قربانی کو سنت نہ سمجھتے تھے جیسا کہ مغالطہ نمبر ۵ وغیرہ کے جواب میں مفصل تحریر ہو چکا ہے اگر فاضل پروفیسر صاحب کو اپنے اس ادعا پر اصرار ہو تو "المحلی" وہ عبارت پیش فرمائیں جس سے انہوں نے یہ مزعوم دعویٰ اخذ فرمایا ہے ورنہ اپنی اس خیانت کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

مغالطہ ۱۱ :۔ ان (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کی اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے غرباء اہلحدیث

عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مرغ ہی قربانی کرتے ہیں۔

جواب:۔ کسی فرقہ یا گروہ کا کوئی عمل حجت نہیں۔ کیونکہ حجت صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لہٰذا اگر غرباء اہل حدیث ایسا کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہوسکتا۔

مغالطہ ۱۲:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر دو دنبوں کی قربانی دیا کرتے تھے پہلے دنبہ کو ذبح کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ قربانی میرے اور میرے اہل خانہ کی طرف سے ہے اور دوسرے دنبہ کی قربانی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ میری تمام امت کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اس پر احتکام کرتے ہیں کہ تمام بنی ہاشم قبیلے کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی کو کافی سمجھتے تھے اور ان میں سے کسی نے بھی کبھی جانور کی قربانی نہیں دی نیل الاوطار ج ۵

جواب:۔ جانور کی قربانی کے خلاف اس حدیث سے استدلال کرنا بوجوہ صحیح نہیں۔

۱۔ اس لیے کہ بنو ہاشم کا یہ عمل چونکہ مذکورہ بالا نصوص صحیحہ صریحہ کثیرہ کے خلاف ہے لہٰذا اسے معرض دلیل میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک کنبہ کے سربراہ کی قربانی اس کے اہل وعیال کے لیے بھی کفایت کرسکتی ہے اور وہ ان کو بھی اپنی قربانی کے ثواب میں شریک کرسکتا ہے۔ جمہور علماء امت اسی کے قائل ہیں چنانچہ امام شوکانی فرماتے ہیں۔

والحدیثان یدلان علی انہ یجوز للرجل ان یضحی عنہ وعن اتباعہ ویشرکھم معہ فی الثواب وبہ قال الجمھور۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۵۔

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت سعیدؒ بن مسیب وغیرہ سے جمہور علماء نے اس حدیث سے اور اس مضمون کی دوسری احادیث سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ قربانی واجب نہیں سنت ہے۔

۴۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۶۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بنو ہاشم نے عدم استطاعت کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا۔

۵۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ تفضل اور شفقت اپنی امت کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنے کے ارادہ سے ایسا کیا ہو۔ حاشیہ ابنِ ماجہ ص ۲۲۶۔

۶۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت علیؓ بن حسینؒ کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی لگی ہو۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اپنی پوری زندگی میں بالالتزام کیوں قربانی کرتے رہے کیا وہ بنو ہاشم میں شامل نہیں؟ اور ہاں عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو جانور کی قربانی کی قائل تھی۔ جیسا کہ البحرالزخار ج ۵ ص ۱۲۶

یہ مادیتی، یہ تجدد پسند، یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں؟ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پر دستارِ فضیلت بندھی ہوئی ہو اور منبرِ خطابت کو زینت دے رہا ہو۔ وہ اس قربانی کے فلسفے کو بھی سمجھ سکے۔ ۵

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا است نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

میں مذکور ہے کیا عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم میں شامل نہیں۔ لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر اس حدیث سے جانور کی قربانی کے خلاف استدلال کرنا عوام کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک بھونڈی چال سے زیادہ کچھ نہیں۔

مغالطہ ۱۲:۔ اس موضوع پر جتنی بھی احادیث ہیں۔ ان میں سے مندرجہ بالا کو تمام علماء مستند قرار دیتے ہیں اور عید الاضحیٰ کی قربانی سے اختلاف کرتے ہیں۔

جواب ا:۔ قربانی کے بارہ میں علماء کے ہاں بلاشبہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف قربانی کے وجوب اور عدم وجوب کے بارہ میں ہے نہ کہ اس کی مشروعیت کے بارہ میں۔ کیونکہ تمام علماء سلف وخلف کے نزدیک بالاتفاق قربانی ایک شرعی حکم اور سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ ہم مغالطہ ۲ اور ۴ کے جواب میں امام ابنِ ہبیرہ حنبلی اور شیخ الاسلام ابنِ حجر عسقلانی جیسے اساطین علم کے حوالے سے مفصل بحث مرقوم ہو چکی ہے تعجب ہے کہ اتنی موٹی بات بھی ہمارے زیرک دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آتی یا پھر انہوں نے سمجھنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں فرمائی۔ ان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم۔

مغالطہ ۱۳:۔ حدیث علی بن حسین کے تحت بہت سے اسلامی ممالک عمل پیرا ہیں۔ ان ممالک میں سے ایک ملک الجزائر ہے جہاں پر بہت قدیم سے یہ حکم چل رہا ہے کہ تمام کا تمام محلہ فقط ایک جانور کی قربانی دے

جواب:۔ دعویٰ تو یہ تھا کہ بہت سے اسلامی ممالک ایسا کر رہے ہیں اور ذکر صرف ایک الجزائر کا۔ گویا کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ چلیے مان لیا کہ الجزائر میں ایسا ہی ہوتا ہوگا۔ لیکن پھر بھی آپ کی طرح اہل الجزائر جانور کی قربانی کے منکر تو نہ ہوئے آپ تو جانور کی قربانی کے قائل ہی نہیں ہیں لہٰذا اہل جزائر کا یہ ترمیم شدہ عمل آپ کے خلاف جاتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھیے کہ جمہور اہل علم اور فقہاء اصحابہ کے نزدیک تو اکیلے اہل مدینہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ چنانچہ امام صدیق حسن خان ف ۱۳۰۷ھ تصریح فرماتے ہیں ما جماع اہل المدینۃ علی انفرادھم لیس بحجۃ عند الجمہور لانھم بعض الامۃ حصول المامول من علم الاصول ص ۴۲ طبع مصر۔ کہ تنہا اہل مدینہ کا اجماع جمہور امت کے نزدیک معتبر اور حجت نہیں کیونکہ اہل مدینہ اپنے تمام تر فضل وکمال کے باوصف امت کا ایک حصہ ہیں پوری امت نہیں۔ جبکہ اجماع وہی حجت ہوتا ہے جس کے انعقاد پر تمام ہم عصر مجتہدین متفق ہوں بتایئے اس صورت میں بیچارے اہل جزائر کا یہ خلاف شرع اور غلط عمل حجت شرعی کیونکر ہو سکتا ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۵:۔ پچھلے سال مراکش حکومت نے جانور کی قربانی کلیتہً بند کر دی ہے اور یہ بات اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ مراکش میں بادشاہ مذہب کا مفتی اعظم ہوتا ہے اور اس کا حکم فتویٰ سمجھا جاتا ہے۔

الجواب:۔ اگر واقعی مراکش کے بادشاہ نے اپنے اقتدار اور منصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جانور کی قربانی پر پابندی لگا دی ہو تو چونکہ یہ پابندی کتاب وسنت کی مذکورہ بالا نصوص کثیرہ صریحہ صحیحہ ثابتہ کے صریحاً خلاف ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے حجت نہیں لا حجۃ لاحد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (محلی ابن حزم) مزید برآں مغالطہ نمبر ۱۲ کے رد میں لکھا جا چکا ہے کہ کسی شہر یا کسی ایک ملک کے لوگوں کا اجماع حجت نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ تنہا اہل مدینہ یا اہل مکہ کا اجماع بھی حجت نہیں لہٰذا کسی مسلمان بادشاہ یا نام نہاد مفتی اعظم کا جانور کی قربانی کے خلاف جبری حکم یا فتویٰ جاری کر دینا مداخلت فی الدین کے سوا کچھ نہیں۔ اور معلوم ہے کہ بحکم ام لھم شرکاؤا شرعوا لھم من الدین ما لم یاذن بہ اللہ۔ الشوریٰ ۲۱۔ نہ کسی بادشاہ کو اور نہ کسی مفتی کو منصوص مسائل کے خلاف رائے زنی کرنے کا قطعاً حق حاصل نہیں۔ مزید برآں یہ بات آپ ایسے روشن دماغ سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا کہ زمانہ خیر القرون کے مابعد کے اکثر وبیشتر حکمرانوں نے بالعموم اسلامی احکام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لہٰذا ایسے میں ان دنیادار بادشاہوں اور نام نہاد مفتیوں کے ملحدانہ احکام اور بدعی فتاویٰ کو کتاب وسنت

کے مقابلہ میں پیش کرنا دینِ اسلام سے دشمنی کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

سید داؤد غزنوی ف ۱۶ / دسمبر ۱۹۶۳ء اسی قسم کے ایک غلط فتویٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کوئی مسلمان اس حقیقت سے نا آشنا نہیں ہو گا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی، عیدالاضحیٰ اسی واقعہ عظیم کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال کے قریب گزر گئے، کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آ رہے ہیں۔ اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارضی پر آباد ہیں اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے، کسی واعظ کا وعظ، کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبر و قہر اس سنت ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کر سکتا، کوئی پہاڑ سے ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے کے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے گا۔ ابراہیم علیہ السلام اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عید قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور خوبصورت جانور، موٹے تازے خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح ہوتے رہیں گے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (ترجمان اہلحدیث لاہور)

سوال ۲؎۔ گائے بھینس کے ذریعہ بھی عقیقہ ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا ہے۔ تو اسکی صورت کیا ہوگی؟ آیا قربانی جیسے سات حصے ہونگے اور گائے تین لڑکے اور ایک لڑکی کیلئے کافی ہوگی یا ایک گائے صرف ایک لڑکے کیلئے یا ایک لڑکی کیلئے یا کوئی اور صورت ہوگی بیان فرمایئے اَلْعَقِيْقَةُ كَالْاُضْحِيَةِ کس کی عبارت ہے اور کیا مطلب ہے آیا تشبیہ صرف قربانی کے جانور کے جمیع شرائط کے ساتھ ہے یا حصے وغیرہ کے ساتھ بھی۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب (۲) بھینس کے عقیقہ کی کوئی حدیث نہیں لہٰذا اس سے اجتناب چاہیے ہاں گائے اور اونٹ کو عقیقہ میں ذبح کرنا درست ہے فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اِجْزَاءِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ اَيْضًا وَفِيْهِ حَدِيْثٌ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ وَاَبِي الشَّيْخِ عَنْ اَنَسٍ رَفَعَهُ يُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ... ایک گائے یا ایک اونٹ صرف ایک بچے کی طرف سے ہوگا سات کی طرف سے ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں صرف امام رافعی نے کہا ہے۔ کہ سات بچوں کی طرف سے گائے کافی ہوگی مگر ان کا قول بے سند ہے اَلْعَقِيْقَةُ كَالْاُضْحِيَةِ یہ عبارت فقہاء وغیرہ کی ہے مگر یہ دعویٰ بے دلیل ہے جاموس یعنی بھینس کی جزئی تو واقعی صریح نہیں مگر مصباح منیر میں ہے اَلْجَامُوْسُ نَوْعٌ مِّنَ الْبَقَرِ۔ اور جو لوگ سات مل کر کرتے ہیں وہ قربانی ... (از مولانا عبید اللہ رحمانی دہلی)

سوال:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اور برس روز کا یا زیادہ کا روز کا ہوگیا تو قربانی وعقیقہ اس بچہ کا درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ مشابہ ہرن کے ہے تو اس کی قربانی وعقیقہ ناجائز ہے۔ اور اگر وہ مشابہ ہرن کے نہ ہو تو اس کی قربانی وعقیقہ جائز ہے لیکن وہ دو برس سے کم کا نہیں ہونا چاہیے۔

ہوالموفق ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ بکری ہے تو قربانی درست ہے اور اگر بکری نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں فتاوی عالمگیری میں ہے

یہی قول حق معلوم ہوتا ہے کیونکہ بکری کی قربانی کا حکم ہے اور ہرن کی قربانی جائز نہیں اور اگر ایسا بچہ ہوا نہ اس کو بکری کہہ سکتے ہیں اور نہ ہرن تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکپوری عفا اللہ عنہ

فتاوی نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۴

سوال:۔ قربانی یا عقیقہ کا گوشت سوائے مسلمان کے سب غیر مسلم مانگنے والے اور نہ مانگنے والے سب کو کھلا سکتے ہیں اس میں کوئی قید مومن غیر مومن کی تو نہیں۔

جواب:۔ سب کھا سکتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے

یعنی مانگنے اور نہ مانگنے والے سب کو کھلاؤ اس میں کوئی قید مومن غیر مومن کی نہیں ہے ۲۹ ذ ۱۳۲۰ھ

(فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۴)

باب قربانی

سوال :- کیا بھینس کی قربانی جائز ہے

جواب :- جائز ہے چونکہ بھینس اور گائے کا ایک ہی حکم ہے (فتاوی ستاریہ جلد ۳ ص ۲)

سوال :- بکرا یا گائے قربانی کیلئے خریدی اور وہ جانور کھو یا گیا یا مر گیا تو کیا کرنا چاہئے بکرے کے عوض بکرا خریدے یا گائے میں حصہ ڈالے یا قربانی ہو گئی۔

جواب :- قربانی ہو گئی اس کے عوض بکرا وغیرہ خریدنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں مزید ثواب کیلئے کرے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ (مفتی: ابو محمد عبد الستار فتاوی ستاریہ جلد ۱ ص ۱۱)

سوال :- اگر کوئی مسلمان عید الضحیٰ کی قربانی مورخہ ۱۳/ ذی الحجہ کے دن کرے تو از روئے شرع مطہرہ یہ قربانی ادا ہو گی یا نہیں۔

جواب :- قربانی تیرہ ذی الحجہ کو کرنی جائز و درست ہے جیسا کہ مسند احمد۔ دار قطنی میں جبیر بن مطعم رض سے مرفوعاً ثابت ہے۔ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کُلُّھَا اَیَّامُ ذِبْحٍ۔ یعنی تشریق کے سب دن قربانی کے ہیں امام شوکانی رح تحت حدیث ہذا تحریر فرماتے ہیں:۔ وَھِیَ یَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ بَعْدَہٗ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۱ اسی طرح ابن عباس سے ہے اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ اَرْبَعَۃُ اَیَّامٍ یَوْمُ النَّحْرِ وَثَلَاثَۃٌ بَعْدَہٗ۔ تشریق کے چار دن ہیں یعنی ذی الحج کی ۱۰ تاریخ اور اس کے بعد تین دن قربانی کے ہیں۔ ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۵ مصری نیز طحاوی ج ۱ ص ۲۹۶ میں بھی یوں ہے:۔ اَنَّ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ الثَّلَاثَۃِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ فقط ابو عمار عبد القہار نائب مفتی دار الافتاء جماعت غربا اہلحدیث کراچی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار فتاوی ستاریہ ج ۴ ص ۱۳۵ توضیح ایام قربانی کے متعلق علماء کے چار قول ہیں۔

اول سرف ۱۰ ذی الحجہ ۲- ۱۰-۱۱-۱۲ (۳) ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ (۴) ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ آخر ماہ تک

یعنی۔ اسے ۳۰ ذی الحجہ تک جیسا کہ سہوانی مرحوم کے فتویٰ میں لیکن یہ اقوال کسی مجبوری کی بناء پر ہیں ورنہ قربانی صرف ۱۰ ذی الحجہ کو افضل باقی جواز ہے۔ (الراقم علی محمد سعیدی)

سوال:۔ گھبن وحاملہ جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ گھبن کی قربانی کے متعلق احادیث میں کوئی صراحت نہیں آئی ہاں حدیث میں یہ آیا ہے۔ ذَكٰوةُ الْجَنِيْنِ ذَكٰوةُ اُمِّهٖ ۔ یعنی حاملہ کے ذبح کرنے سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی حلال و ذبح ہوجاتا ہے شریعت نے دودھ والے جانور کو ذبح سے روکا ہے۔ فرمایا اِيَّاكَ وَالْحَلُوْبَ ۔ بچو تم دودھ والے جانور کو ذبح کرنے سے فقط ابو محمد عبد الغفار دہلوی نائب مفتی جماعت غرباء اہلحدیث کراچی پاکستان فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ ص ۵۳

باب سُنِّيَّةِ النَّحْرِ فِي الْمُصَلّٰى وَجَوَازِ فِي غَيْرِهَا۔

سوال:۔ بکر کہتا ہے کہ قربانی صرف بعد نماز عید کے عیدگاہ ہی میں ذبح سنت نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ سوائے یوم النحر کے قربانی کرنا ناجائز اور خلاف سنت اور بدعت ہے آیا یہ بکر کا کہنا قرآن وحدیث کے موافق ہے یا مخالف اور بکر کے حق میں کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ قربانی کو مصلی میں ذبح کرنا سنت ہے اس کی سنیت میں کوئی شک نہیں مگر مصلی پر ذبح کرنا صحت وقبولیت قربانی کے لئے شرط نہیں۔ جیسا کہ عائشہ رض سے روایت ہے:۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اِشْحَذِيْهَا عَلٰى حَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى رَوَاهُ اَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْ دَاؤدَ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گھر کا ہے عیدگاہ پر از دحام وکثرت رجال میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھری مانگنی اور تیز کرانا قرین قیاس نہیں حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاوےٰ غزنویہ ص ۹۶)

سوال:۔ بکرا جو بہت موٹا تازہ ہے مگر اگلے دانت نہیں گرے۔ کیا اس کو عید الضحیٰ میں قربانی کرسکتا ہے۔ اور اس کی عمر ایک سال پونے چار ماہ ہے۔

الجواب:۔ حدیث میں ہے:۔ لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يُعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ ۔ مسلم مسنہ سے کم ہو تو ذبح نہ کرو۔ اگر نہ ملے تو مناں: بھیڑ دُنبہ: جذعہ کر سکتے ہو مُسِنَّةً کے معنی میں اختلاف ہے بعض عمر کا لحاظ کرتے ہیں اُن کے نزدیک ایک سال کا بکرا مُسِنَّةً کہلاتا ہے۔ پس ان کے نزدیک یہ بکر عید کی قربانی میں ذبح ہو سکتا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ مُسِنَّہ میں اگلے دانت گرنے کا لحاظ ہے۔ پس اس صورت میں اس کا ذبح کرنا قربانی میں جائز نہیں ہے۔ جذعہ میں بھی اختلاف ہے۔ مگر صحیح قول یہی ہے کہ جذعہ ایک سال کی عمر والے کو کہتے ہیں۔

حافظ: محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ جس جانور کو دن یا رات کو اس کو نظر نہ آتا ہے۔ کیا وہ قربانی میں لگ سکتا ہے یا کہ نہیں۔

الجواب:۔ دونوں آنکھوں سے بالکل نظر نہ آئے۔ یا ایک آنکھ سے نظر آئے تو وہ جانور قربانی کیلئے جائز نہیں اگر صرف رات نہ دیکھے تو اس کی ممانعت ثابت نہیں اسلئے ایسا جانور جائز ہے۔

حافظ: محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ قربانی کے جانور کے کھال کی رقم اسکی اصل رقم میں ملادی جائے اور عقیقہ کے جانور کی کھال کی رقم اس کی اصل رقم میں ملادی جائے اس کا شرعی کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ کھال خواہ قربانی کی ہو یا عقیقہ کی اس کا بیچنا جائز نہیں

حافظ: محمد گوندلوی

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ غریب امام مسجد عید قربانی کے جانوروں کی کھالیں لے سکتا ہے شرعاً یا نہیں ایک آدمی کہتا ہے کہ قربانی کی کھالیں ماسوائے درس کے کسی

اور جگہ اتنا ثواب نہیں جو آدمی درس کو کھالیں نہ دیں ان کی قربانی نہیں ہو گی۔ ضائع ہو جائے گی۔
شریعت محمدیہ اس بارہ میں کیا حکم دیتی ہے۔

الجواب:۔ غریب امام مسجد قربانی کی کھالیں لے سکتا ہے اس سے قربانی ضائع نہ ہوتی۔

حافظ: محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

توضیح:۔ غریب امام مسجد کو قربانی کی کھالیں نہ دینے میں احتیاط ہے کیونکہ نص صریح سے ثابت نہیں امام مسجد لوگوں کا امام ہے لوگوں کو چاہیے کہ چرم قربانی کے علاوہ اس کی خدمت کریں۔

فقط۔ الراقم علی محمد سعیدی

سوال:۔ قربانی جو میت کی طرف سے کی جائے اس کا گوشت اغنیاء و فقراء دونوں کھا سکتے ہیں یا صرف مساکین ہی کو دیا جائے۔

جواب:۔ قربانی جو میت کی طرف سے اسی طرح ہے جیسے زندہ کی طرف سے جس طرح اسکو سب کھا سکتے ہیں اسکو بھی کھا سکتے ہیں۔ هُمْ سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ۔

تشریح:۔ میرے نزدیک میت کی طرف سے جو قربانی کی جائے اسکا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی کرنیوالے کو کھانا درست ہے۔ نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور آپ کی امت میں بعض لوگ مر بھی گئے تھے۔ لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں کہ یہ گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات کے صدقہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علی کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں۔ رہا فتویٰ عبداللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے اور انکی رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ثالث صفحہ ۵ میں اس کی بحث تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مَنْ شَاءَ الاطلاع علیہ فلیس ارجع الیہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکپوری عفا اللہ عنہ) (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۴۴۴، ۴۲۵)

سوال :۔ زید نے کہا قربانی حاجی پر فرض ہے۔ غیر حاجی مرضی کا مالک ہے کسی اور طریق سے خیرات کرسکتا ہے اول عشرہ ذالحجہ میں نماز سے پہلے حجامت بھی بنوا سکتا ہے۔ مکرر آنکہ مسائل قربانی میں سنا جاتا ہے کہ اگر غیر مستطیع بعد نماز حجامت بنوائے تو ہر بال کے بدلے ایک ایک قربانی کا ثواب ہے یہ مسئلہ فہم سے بالا تر ہے کیا یہ صحیح ہے۔

جواب :۔ غیر حاجی کے حق میں بھی قربانی سنت ہے۔ یہ مضمون احادیث میں ہے۔ جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ وغیرہ اور خود آنحضرت نے حالت حضر میں قربانی کی باقی حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا اللہ اعلم۔ اہلحدیث ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء

تعاقب :۔ اہلحدیث مجریہ ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء میں قربانی غیر مستطیع کے متعلق فرمایا ہے۔ حجامت والا مسئلہ کتابی نہیں خیالی ہوگا۔ غالباً سائل کی نظر اس حدیث پر ہے خیالی نہیں عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔ رواہ ابوداود والنسائی۔

یعنی عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میرے پاس سوائے اس بکری جو عطیہ کی میرے پاس ایک شخص کی ہے کچھ نہ ہو تو اسی کو قربانی کردوں۔ آپ نے فرمایا نہیں (کیونکہ وہ چیز غیر کی ہے تم اس کے مالک نہیں) ہاں اپنے سر کے بال کترو الو حجامت کرالو ناخن ترشوالو۔ مونچھیں ترشوالو زیر ناف مونڈ لو یہی تمہارے لئے پوری قربانی کا ثواب اللہ کے نزدیک ہے۔ اہلحدیث ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء

حکیم عبد الرزاق از رنگون

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۱۵)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سوال :۔ الاعتصام۔ عید قربان نمبر کے۔ مقالہ ؛ قربانی کا دینی موقف اور منکرین حدیث

میں لکھا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتے تھے سوال یہ ہے کہ شیخ عبدالقادرؒ کی طرف سے نیاز دینی کیوں منع ہے (سراج الدین گوجرانوالہ)

جواب: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی کہ میری طرف سے قربانی کیا کرنا۔ سنن ابی داؤد کتاب الاضاحی میں ہے عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ عون المعبود ص ۵۳ ج ۳ میں ہے وَفِي رِوَايَةٍ صَحَّحَهَا الْحَاكِمُ أَنَّهٗ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِكَبْشَيْنِ عَنْ نَفْسِهٖ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ أَبَدًا فَأَنَا أُضَحِّي عَنْهُ أَبَدًا انتهى

خلاصہ یہ ہے کہ اس قربانی کے متعلق سوال ہونے پر حضرت علی رضؓ نے جوابًا فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ میری طرف سے ہمیشہ قربانی ذبح کیا کرنا بنا بریں میں ہمیشہ آپ کی طرف سے قربانی ذبح کرتا ہوں۔ چونکہ یہ قربانی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور وصیت کے موجب تھی اس لئے اس پر سیدنا شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ یا کسی دوسرے بزرگ کی طرف سے نیاز دینے کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اب قربانی دینے کو علماء کرام نے بدعت قرار دیا ہے (فتاویٰ شیخ الاسلام کے حصہ اختیارات ص۵۰ جلد ۲ میں ہے)۔

وَلَا يُسْتَحَبُّ الْقُرَبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ الْمَقْطُوْعُ بِهٖ انتهى۔ یعنی قطعی حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قربانی بدعت ہے (مولانا عطاء اللہ حنیف لاہور اخبار الاعتصام جلد ۷ ش ۶ لاہور)

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری عید الاضحیٰ میں جانوروں کا ذبح کرنا بے رحمی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین تھے۔ جانور کے ساتھ بھی رحم و کرم اور لطف و محبت کا حکم دیا کرتے تھے۔ احادیث میں یا عُمَيْرُ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ کا قصہ مشہور ہے۔ جہاں اس سے بچہ کے ساتھ لطف اور خوش مزاجی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہاں نغیر چڑیا کی حالت بھی دریافت کرنے کا ثبوت ملا۔ اسی طرح ایک اونٹ کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے

کہ ایک جگہ زخمی اونٹ بلبلانے لگا۔ حضورؐ نے اونٹ کے مالک کا پتہ لگا کر اونٹ کے ساتھ ہمدردی کرنے اور دانہ چارہ دینے کیلئے ہدایت فرمائی۔ اس طرح ایک اور واقعہ بھی کتب احادیث میں موجود ہے کہ ایک صحابی کے صاحبزادے چڑیا کے بچے پکڑ لائے اور سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک آ گئے۔ حضورؐ نے دیکھا کہ بچوں کی ماں سر پر منڈلا رہی ہے۔ حضورؐ نے فوراً بچوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ بچے چھوڑ دیئے گئے۔ ایک تقریری حدیث سے بلی کے ساتھ محبت ونرمی کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کا باپ کہا کیونکہ وہ بلی سے زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اکثر اپنے حصہ کا مالیدہ بلی کو کھلا دیتی تھیں بخاری شریف میں ہے کہ ایک بلی کے ستانے پر ہی ایک عورت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی سزا خبر دی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ اِنَّ اِمْرَاَةً عُذِّبَتْ فِیْ هِرَّةٍ لَا تُرْسِلُهَا تَأْكُلُ مِنْ حَشِيْشِ الْاَرْضِ وَحَشَرَاتِهَا لَا تُطْعِمُهُ۔

ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بڑے اجر و ثواب کا مژدہ آپ نے سنایا۔ بخاری اس پر صحابہ کرام نے سوال کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ فِیْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبٍ اَجْرٌ۔ ہر جاندار پر رحم کرنے میں اجر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے جاندار کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا۔ بیں مچھلی وغیرہ کو آگ میں زیرہ ڈال کر نیچے تماشہ دیکھتے ہیں۔ ایسا نہ کرنا چاہیے۔ ان سب واقعات سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی اور اچھے سلوک کی تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔ اس موقع پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بقر عید وغیرہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم کیوں دیا۔ اس سے تو بے رحمی اور سنگ دلی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ آریہ اور منکرین حدیث کہا کرتے ہیں۔ دراصل یہ اعتراض ان لوگوں کے دلوں میں اسلئے پیدا ہوتا ہے کہ وہ خالق و مخلوق یا عابد و معبود کے درمیان جو رابطہ اور تعلق ہے اس کی صحیح حقیقت سے یہ لوگ واقف ہی نہیں ہیں۔ وہ عبودیت و بندگی کے اس ذوق کو کیا سمجھیں کہ جان آفریں کے حکم کی تعمیل کی خاطر چہیتے بیٹے کی گردن پر بھی چھری چلائی جا سکتی ہے اور خود اپنے آپ کو بھی توپ کے دہانے کے سامنے لے جا کر کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ گذارش یہ ہے کہ جس طرح ایک مریض پر ڈاکٹر عمل جراحی کرتا ہے تو اس کو پہلے کلوروفارم جیسی بے ہوش کن چیز سنگھا کر بے ہوش کر دیتا ہے

تب اپریشن کرتا ہے اور عضو عضو کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اسی طرح جب مسلمان جانور کو قبلہ رخ لٹاتا ہے اور گلے پر چھری چلانا چاہتا ہے تو پہلے دو لفظی لاہوتی نغمہ بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ پڑھ کر جانور کو مست و مدہوش کر دیتا ہے اور زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ جس خدا نے تیرے اندر روح پھونکی آج اس نام پر اسی کے حکم سے اسی کا ایک ناچیز اور تیری طرح فانی بندہ روح نکالنے کا موجب بن رہا ہے جس طرح میں خدا کے حکم کی تعمیل کیلئے مستعد ہوں تو بھی اس طرح فرمان بردار ہو جا۔ اس لاہوتی نغمہ کے اثر سے تکلیف و اذیت کا احساس جاتا رہتا ہے۔ خدا کے نام میں یہ تاثیر ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں حضرت اکبر الٰہ آبادی نے ایک عاشق کے متعلق لکھا ہے کہ بحرجہ سے اس کی نظر بوقت قتل لڑ گئی تو اس لذت و مسرت میں اس کو قتل کیے جانے کا الم ہی محسوس نہ ہو سکا۔ چنانچہ عاشق زار کہتا ہے ؎

احساس ہی ایذا کا نہ ہوا.... فریاد و فغاں میں کیا کرتا۔
آنکھ اپنی لڑتی قاتل سے جس وقت نہ خنجر بھا گلا۔

تو اسی طرح جانور کا تعلق خدا جوڑنے اور خدا کی یاد آوری اس کی لذت و مسرت میں محو ط و گم ہو جانے کیلئے یہ لاہوتی نغمہ تجویز کیا گیا ہے۔ چونکہ اسلام نے ہر طرح رحم دلی کا لحاظ رکھا ہے اس لئے پوری شدت کے ساتھ بِسۡمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکۡبَرُ کے نغمہ سے روح کو مدہوش کرنے کے بعد ہی ذبح کرنے کی اجازت دی ہے فرمایا فَکُلُوۡا مِمَّا ذُکِرَ اسۡمُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ. یعنی جو جانور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھاؤ۔

معلوم ہوا کہ صرف جانور کی رگوں سے خون نکالنا مقصود نہیں ہے بلکہ بِسۡمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکۡبَرُ کہنا بھی بالفاظ دیگر اس کلوروفارم، کا سنگھانا بھی ضروری ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ فوج کو میدان کارزار میں اتارنے سے پہلے فوجی بینڈ اور وطنی ترانہ کے ذریعہ مست کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ ان جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے۔ جو بِسۡمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکۡبَرُ پڑھے بغیر ذبح کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَاۡکُلُوۡا مِمَّا لَمۡ یُذۡکَرِ اسۡمُ اللّٰہِ. یعنی جس جانور پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔

آخر اس وصولی عمل کی تاکید اس قدر کیوں ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ اللہ نے بِسۡمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکۡبَرُ کے کلمہ میں کوئی ایسی تاثیر بھی رکھ دی ہے جس سے جانور کو بوقت ذبح اذیت

و تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور جب اس لاہوتی نعمہ کو سنا کے بغیر ذبح کیا جاتا ہے تو جانور کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث کے ذریعہ گوشت بے رحمی کی وجہ سے حرام کر دیا گیا ہے فرمایا مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ ۔ بیہقی جلد نہم۔
یعنی جانور کا جو عضو اس کے زندہ رہنے کی حالت میں اس کے جسم سے جدا کر لیا جائے تو اس ٹکڑے کا کھانا حرام ہے۔ شریعت نے یہاں بھی جانوروں کے گوشت کی حرمت کی وجہ بے رحمی اور سنگدلی کو قرار دیا ہے۔ حالانکہ عرب میں اونٹ کی کوہان اور دنبہ کی چکی کاٹ کاٹ کر کھاتے رہنے کا عام دستور تھا۔ بہر حال اسلام کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بے رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔ بالکل بے بنیاد ہے۔ اسلام نے اگرچہ ذبحہ کی اجازت دی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا ہے کہ۔ اِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ اَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ ۔ بیہقی جلد نہم ص۲۸۰۔

فرمایا کہ کند چھری سے ذبح نہ کرو بلکہ چھری کو تیز کر کے جلد ذبح کر کے ان کو راحت پہنچاؤ۔

(۲) ایسی جگہ بیٹھ کر ذبح کرو جہاں دوسرے جانور کی نظر نہ پہنچ رہی ہو۔
اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِّ الشَّفْرَةِ وَاَنْ تُوَارٰى عَنِ الْبَهَائِمِ بیہقی جلد ۹ ص۲۸۰۔

(۳) جانور جب بالکل ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت کھال اتارو۔

(۴) اِذَا ذَبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجْهِزْ ۔ کہ جب تم جانور کو ذبح کرنا چاہو تو اس سے پہلے سب سامان ذبح درست کر لو۔

ایک واقعہ :۔ حضورؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر جانور کو لٹا کر چھری تیز کر رہا تھا اور جانور کی نگاہ چھری پر جا رہی تھی۔ تو حضورؐ نے فرمایا اَفَلَا قَبْلَ هٰذَا ؟ تم نے یہ تیاری پہلے سے کیوں نہیں کر لی۔

دوسرا واقعہ :۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری ذبح کرنے کیلئے پکڑ کر لایا اور اس کے سامنے چھری تیز کرنے لگا حضرت عمرؓ نے اس کو دُرّہ لگایا اور فرمایا اَتُعَذِّبُ الرُّوْحَ مَرَّتَيْنِ اَلَا فَعَلْتَ هٰذَا قَبْلَ اَنْ تَاْخُذَهَا ۔ تو یہ منظر دکھا کر اس کی روح کو موت سے پہلے ہی تکلیف دے رہا ہے یہ کام تو نے جانور لانے سے پہلے کیوں نہیں کر لیا۔

ایک اور واقعہ بھی حضرت عمرؓ کے متعلق مروی ہے کہ ایک آدمی کو دیکھا کہ بکری ذبح کرنے کیلئے لے جا رہا ہے بکری پیچھے پڑ رہی ہے اور اس کو رسی میں باندھ کر زبردستی کھینچ کھینچ کرلے جا رہا

تو حضرت عمرؓ نے اس پر بھی دُرہ چلایا اور دُرّہ چلانے کے بعد فرمایا سُقْهَا لَا اُمَّ لَكَ اِلَى الْمَوْتِ سَوْقًا جَمِيْلًا: بیہقی جلد ۹ صلا ۲۸۱ - ایسے بے شعور آدمی جانور کو ذبح خانہ میں آرام اور راحت سے لے جاؤ ان تمام حقائق سے مذکورہ بالا الزام کی صاف تردید ہو جاتی ہے: ثابت ہوتا ہے کہ جانور کے ساتھ اسکے ذبح تک کے آداب میں آرام و راحت شریعت کو ملحوظ ہے: پس جو لوگ اس قسم کا اعتراض کرتے ہیں وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ رات دن ان سے بھی لاکھوں جرثوں کی جیو ہتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ موجودہ سائنس ہے کہ ایک مربع انچ فضا میں یا پانی میں کروڑ کے قریب چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جن کو پاؤں سے روندا جاتا ہے۔ کروٹوں سے مسلا جاتا ہے جب آپ پانی پیتے ہیں ہنڈیا پکاتے ہیں۔ گرم پانی سے غسل کرتے ہیں تو یہ سب تلف ہوتے رہتے ہیں تالابوں وغیرہ کا پانی نکال کر کھیتوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ مچھلیاں اور پانی کے بے شمار کیڑے تالاب کے خشک ہو جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔ ہم کھٹملوں اور پسوؤں اور مچھروں کو اپنے فائدے کے لئے مسل دیتے ہیں۔ بیل کے زخموں سے کیڑوں کو اور کروڑوں ٹڈیوں کو زہر دے کر فنا کیا جاتا ہے۔ یہ رحم کے علمبردار ایسے موقعوں پر بالکل خاموش نظر آتے ہیں۔

خدا کو تو تقویٰ درکار ہے۔ گوشت و پوست تو اس کو نہیں پہنچتا اس لئے قربانی کرنا بے سود ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط اور شریعت کے منشاء کے خلاف ہے۔ عید قربانی کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل اہراق دم ہے ایک ایک بال کے بدلہ ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس دن صدقات مالیہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جوہرہ نیرہ جلد ۲ صلا ۲۵۱ میں ہے۔

شِرَاءُ الْاُضْحِيَّةِ بِعَشْرِ دَرَاهِمَ خَيْرٌ مِنَ التَّصَدُّقِ بِاَلْفِ دَرَاهِمَ كَذَا فتاوی عالمگیری جلد ۲ صلا

یعنی قربانی کے جانور پر دس درہم خرچ کرنا ہزار درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے معلوم ہوا کہ قربانی کے دنوں میں صدقات مالیہ مطلوب نہیں بلکہ اہراق دم ہی مقصود ہے۔

جو سائنس دان نباتات میں حیات کے قائل ہیں ان کے لحاظ سے تو ہمارے معترضین کے جیو ہتیاں میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ آپ اپنے فائدوں اور ضرورتوں کے لئے ان درختوں کو

بلا تامل کاٹتے۔ پھاڑتے اور چیرتے ہیں۔ نیز دنیاوی سازوسامان تیار کرتے ہیں۔ پس جب ایسی احساس شعور رکھنے والی چیزوں کی ایذارسانی پر کوئی جواب آپ رکھتے ہیں تو پیش کیجئے اور اسی کو ہماری طرف سے جواب سمجھیں۔ ع

ایں گناہیست کہ در شہر شمار نیز کنند

آخر میں عرض ہے کہ قربانی کے ایام میں صرف قربانی مقصود ہے۔ صدقات مالیہ کے خرچ کو ان کا قائم مقام ٹھہرانا سخت غلطی ہے جیسا کہ منکرین حدیث کہا کرتے ہیں۔ مقصود قربانی ہے اتفاق دراہم نہیں

بعض لوگ قربانی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے سے کیا فائدہ اس کی قیمت ادا کردی جائے اور رقم کو قوم کے کسی تعمیری فنڈ میں لگا دیا جائے ایک شخص پانچ پانچ سو اور ہزار ہزار کے جانور خرید کر ہر سال قربانی کرتا ہے۔

سوال:۔ جس امام کی اجرت مقرر ہو چکی ہے اس کی اجرت کو قربانی کھال سے۔ یا اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کے ذریعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں ہے دلیل رقم فرمادیں۔

جواب:۔ قربانی کی کھال اُجرت میں نہیں دے سکتا کیونکہ قربانی کی کھال یا خود استعمال کرے یا صدقہ کرے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اور اُجرت میں دنیا صدقہ کی صورت نہیں ہے۔

: حافظ: محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث پاکستان

(اخبار الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش $\frac{21}{22}$)

سوال:۔ جانور کے دانت معتبر ہیں یا کہ عمر اگر کسی نے بکرا اپنے گھر میں ابتداء سے پالا ہو سال پورا ہو گیا لیکن دانت نہ گرے ہوں کیا اس بکرے کی قربانی جائز ہے کیا کان پھٹا بکرا قربانی کیلئے جائز ہے

جواب:۔ جانور مسنہ میں دانت دیکھنے چاہیے اور جذعہ میں عمر کا لحاظ ہوتا ہے حدیث میں کان چیرے کی ممانعت وارد ہے۔

حافظ محمد گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۰ ش ۳۷

از مولانا عبدالسلام صاحب بستوی شیخ الحدیث مدرسہ ریاض العلوم اردو بازار دھلی

سوال ۱۔ قربانی کا گوشت شرعاً تین حصے کرنا چاہیئے۔ یا ایسے ہی جتنا چاہے فقراء و مساکین کو صدقہ کیا جائے؟ فقراء و مساکین کا حق متعین فرمائیں۔ نیز قربانی کا گوشت صدقہ ہے یا ہبہ؟ واضح فرمائیں۔ نیز رواج ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ امام کے پاس جمع کرتے ہیں اور اس گوشت کو فقراء و مساکین کو دینے کے بعد جو گوشت بچتا ہے اس کو آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب: قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا خود کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ (سورہ حج) یعنی ان مقرر دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔ ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں۔ پس تم خود بھی اسے کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ تین حصے کرنے چاہئیں۔ تہائی اپنا، تہائی ہدیہ دینے کے لئے اور تہائی صدقہ دینے کے لئے۔ پہلے قول والے اوپر کی آیت کی سند لاتے ہیں اور دوسرے قول والے آیت وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ کو دلیل میں پیش کرتے ہیں جو سورۂ حج میں ہے پوری آیت یہ ہے۔ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ط۔ (سورۂ حج) یعنی قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے نام خدا پڑھ کر نحر کرو۔ پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں تو انہیں خود بھی کھاؤ اور سوال سے رکنے والے اور نہ رکنے والے مسکینوں کو بھی کھلاؤ اسی طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر رکھا ہے تاکہ تم شکر گذاری کرو۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ بعض سلف تو فرماتے ہیں کہ یہ کھانا مباح ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ واجب ہے اور مسکینوں کو بھی وہ خواہ وہ گھروں میں بیٹھنے والے ہوں یا در بدر سوال کرنیوالے یہ بھی مطلب ہے کہ قانع تو وہ ہے جو صبر سے گھر میں بیٹھا رہے اور معتر وہ ہے جو ادھر ادھر آئے جائے لیکن سوال نہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع وہ ہے جو صرف سوال پر بس کرے اور وہ جو سوال تو نہ کرے لیکن اپنی عاجزی اور مسکینی کا اظہار کرے۔ یہ بھی مروی ہے کہ قانع وہ ہے جو مسکین ہو آنے جانیوالا اور معتر سے مراد دوست اور ناتواں

ہے اور وہ پڑوسی جو گو مالدار ہوں لیکن تمہارے یہاں جو آئے جائے اسے وہ دیکھتے ہوں۔ وہ بھی ہیں
طمع رکھتے ہوں اور وہ بھی جو امیر فقیر موجود ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ قانع سے مراد اہل مکہ ہیں۔
امام ابن جریر رح کا فرمان ہے کہ قانع سے مراد تو سائل ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ سوال کیلئے دراز کرتا
ہے اور معتر سے مراد وہ جو پھیرے پھیرے کرے تاکہ کچھ مل جائے۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گوشت کے تین حصے کرنے چاہئیں تہائی اپنے کھانے کو تہائی دوستوں
کو دینے کو تہائی صدقہ کرنیکو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں قربانی
کے گوشت کو جمع کرنے سے منع کیا تھا کہ تین دن سے زیادہ تک نہ روکا جائے اب میں اجازت دیتا ہوں
کہ کھاؤ اور جمع کرو جس طرح چاہو" اور روایت میں ہے کہ کھاؤ جمع کرو صدقہ کرو اور قرآن نے فرمایا خود کھاؤ
اور محتاجوں کو دو اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا سارا گوشت خود کھائے تو ایک قول یہ ہے کہ اس پر کوئی حرج
نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس پر دیسی ہی قربانی یا اسکی ادائیگی ہے بعض کہتے ہیں آدھی قیمت دے بعض آدھا
گوشت، بعض کہتے ہیں کہ اس کے اجزاء میں سے چھوٹے سے چھوٹے جز کی قیمت اسکے ذمہ ہے باقی معاف
ہے۔ صورت مسئولہ میں عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ سے جواز
کی صورت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار اہلحدیث دہلی۔ جلد نمبر ۱ ش ۹)

زندہ جانور وزن کر کے خریدنا کیسا ہے؟
قربانی سے پہلے جانور کی اون اور دودھ کا کیا حکم ہے؟

حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی رح

سوال ۱ :۔ آج کل یہ رواج بہت عام ہو گیا ہے کہ زندہ جانور ترازو میں رکھ کر وزن کر کے وہ سارا وزن
دو روپے یا تین روپے فی سیر خرید لیا جاتا ہے۔ عموماً لوگ قربانی کے جانور بھی اسی طرح خریدتے ہیں
کیا یہ بیع شرعاً جائز ہے۔ اگر ناجائز ہے تو ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے۔؟ مفصل با دلائل تحریر فرمائیں۔
سوال ۲ :۔ قربانی کی نیت سے جانور خریدا جائے تو اسکے ذبح ہونے سے پہلے اس کی اون اتارنا یا دودھ
دوہنا جائز ہے؟ اگر اون اتاری جائے یا دودھ دوہا جائے تو کیا اس کو خود استعمال کر سکتا ہے؟

الجواب بعون الوهاب

جواب ملا، حدیث میں اُون کو جانور کے بدن سے اتارنے بغیر فروخت کرنا منع ہے۔

چنانچہ بلوغ المرام کتاب البیوع ص۵۲ میں حدیث ہے۔ وَلَا یُبَاعُ صُوفٌ عَلٰی ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِی ضَرْعٍ (یعنی اُون جانور کی پیٹھ پر نہ فروخت کی جائے اور نہ دودھ لیوٹی (تھنوں میں)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جانور کے گوشت وغیرہ کا اندازہ کرکے فروخت کرنا اور خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا جب ایسی خرید وفروخت منع ہے تو اسکی قربانی کیسے جائز ہوگی!

جواب ملا، ترغیب وترہیب میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ ادَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهُ لَيَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاَنَّ الدَّمَ يَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِیُّ وقال هذا حديث حسن غريب والحاكم وقال صحيح الاسناد وقال الحافظ رووه من طريق ابى المثنى واسمه سليمان ابن يزيد من هشام بن عروة عن ابيه عنها عن سليمان رواه وقد وثق (ترغیب وترہیب ص۱۸۹)

حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقرعید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی عمل نہیں کیا کہ قربانی سے زیادہ اللہ کو پیارا ہو۔ اور قربانی قیامت کے دن سینگوں۔ بالوں۔ کھروں سمیت آئے گی۔ اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام پر پہنچتا ہے پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کاٹنے چاہئیں۔

جیسے سینگ وغیرہ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی۔ ہاں اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے کا خریدا ہوا ہو۔ اور اُون اتنی بڑی ہوگئی ہو تو پھر بقرعید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ بقرعید کے دن تک کافی بڑھ جائے تاکہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے۔ اس صورت میں کاٹنے سے اس حدیث کی مخالفت نہیں ہوگی اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اُون کاٹے

وہ صدقہ کر دینی چاہیے۔ کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شے استعمال کرنا شبہے خالی نہیں جو قربانی مکہ شریف میں بھیجی جاتی ہے اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر راستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر دو اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو تم اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الہدی فصل اوّل ص۲۳۱)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے للہ ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیئے۔ ہاں لاچاری کی حالت میں سواری کی اجازت آئی ہے چنانچہ مشکوۃ کے اسی باب میں ہے۔

اِرْكَبْهَا بِالْمَعْرُوفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔

یعنی قربانی کے جانور پر سواری کیلئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے یہاں تک کہ اور سواری مل جائے اسی بنا پر امام مالک وغیرہ قربانی کے دودھ کی بھی اجازت نہیں دیتے نیل الاوطار میں ہے۔

وَاخْتَلَفُوْا اَيْضًا فِي اللَّبَنِ إِذَا احْتَلَبَ مِنْهُ شَيْئًا فَعِنْدَ الْعِتْرَةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ يَتَصَدَّقُ بِهٖ فَإِنْ أَكَلَهُ تَصَدَّقَ بِثَمَنِهٖ وَقَالَ مَالِكٌ لَا يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهٖ فَإِنْ شَرِبَ لَمْ يَغْرَمْ۔ (نیل الاوطار جلد ۴ ص۳۴۳)

یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ اہل بیت شافعیہ حنفیہ کہتے ہیں۔ جب کچھ دودھ دوہے تو صدقہ کر دے۔ اگر کہیں پی ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ پینے کی اجازت نہیں لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس پر تاوان کچھ نہیں۔

خلاصہ:۔ یہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شے اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ذبح کے بعد استعمال میں لا سکتا ہے۔ چمڑا استعمال کر سکتا ہے۔ اور اون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کر کے کوئی شے بنانی چاہے تو بنا سکتا ہے۔ لیکن اُن میں سے کسی شے کو فروخت کر کے پیسے کھانے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حدیثوں میں چمڑوں وغیرہ کے فروخت کرنے سے صریحاً منع فرمایا گیا ہے۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۳ ش ص۱۷)

مقروض کے لئے زکوٰۃ اور قربانی کا کیا حکم ہے

سوال، جو شخص مقروض ہو گیا اس پر زکوٰۃ اور قربانی ہے؟ اور جو رقم کسی کو قرض دی گئی ہو اس پر زکوٰۃ ہے؟

الجواب بعون الوہاب:۔ اگر اور جائداد بھی ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

اور جو لوگوں کی طرف قرض ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے مل سکتا ہے اس کی زکوٰۃ دے

اور جو باوجود کوشش کے وصول نہیں ہوتا وہ مال ضمار کے حکم میں ہے۔ اس پر صرف ایک سال کی

زکوٰۃ ہے۔ جب کہ وصول ہو خواہ کئی سال گذر جائیں ملاحظہ ہو موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد ۲ ص ۱۱۴ وغیرہ)

رہا قربانی کا مسئلہ تو اس کا حکم بھی زکوٰۃ والا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب شرط ہے۔

اور قربانی میں نصاب شرط نہیں۔ کیونکہ حدیث میں مطلق آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

علی کل اھل بیت فی کل عام اضحیۃ و عتیرۃ رواہ احمد وابن ماجۃ والترمذی وقال ھذا حدیث حسن غریب

نوٹ! عتیرہ وہ ہے جو ماہ رجب میں ایک جانور ذبح کیا کرتے تھے۔ لیکن یہ حکم دوسری احادیث سے

منسوخ ہے۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۴۷)

مولانا عبد القادر صاحب عارف حصاری

سالم قربانی کرنے والوں اور قربانی میں شریک ہونیوالوں کو انتباہ

حضرات اہل اسلام! اب ماہ ذوالحجہ قریب آرہا ہے، اس کے ابتدائی عشرہ کی بڑی فضیلت اور بزرگی

ہے جن کی سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے، یہ دس ایام دیگر مہینوں کے دس دنوں سے بہت زیادہ درجہ

اور فضیلت رکھتے ہیں، ان دنوں میں ذکر الٰہی، تہلیل، تکبیر، تحمید نہایت کثرت سے کرنے کا حکم ہے، حضرت ابن

عمر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام ان دنوں میں بازاروں میں جاتے، تو تکبیریں کہتے، جن کی تکبیریں سن کر دیگر

لوگ بھی تکبیریں کہتے۔ اعمال صالحہ کا درجہ ان دنوں میں جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ فائق اور اللہ تعالیٰ کو

محبوب ہے، ان دنوں کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر درجہ رکھتا ہے، اور ان دنوں

کی راتوں کا قیام شب قدر کے قیام کا ثواب رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نو ذوالحجہ یوم عرفہ کا روزہ رکھتے اور فرماتے تھے کہ اس دن کے روزے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، پھر ان کے بعد قربانی کا سلسلہ دس تاریخ ذوالحجہ کو شروع ہوتا ہے، سب دنوں سے یوم النحر کی بڑی فضیلت ہے کہ یہ دن اللہ تعالیٰ کو سب دنوں سے زیادہ محبوب ہیں، اس دن کے بعد دوسرے ایام ۱۱/۱۲/۱۳ ذوالحجہ کی فضیلت ہے، ان کو ایام التشریق کہتے ہیں، ان میں روزہ رکھنا منع ہے کہ یہ ایام اکل و شرب کے ہیں، ان میں قربانیاں ذبح کی جاتی ہیں، جس طرح اول وقت نماز افضل ہے، اس طرح دسویں تاریخ کو قربانیاں ذبح کرنا افضل ہے، اکثر اور اغلب عمل قربانی کی وجہ سے اس کا نام یوم النحر ہے، اس دن سب اعمال سے زیادہ موجب ثواب اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اعلیٰ اور عمدہ اور بے عیب جانور کا خون بہانا ہے اور سب جانوروں میں اللہ تعالیٰ کو دنبہ سفید رنگ اور سینگدار اور خوبصورت موٹی آنکھوں والا زیادہ پیارا ہے کہ یہ اوصاف اس دنبہ کے تھے۔ جو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دسویں تاریخ کو ذبح کیا تھا اس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرما کر قربانی کیا تھا، سفید رنگ کی بکری قربانی کرنا دو سیاہ بکریوں کے برابر درجہ رکھتی ہے[1] قربانی کی بڑی فضیلت ہے، قربانی کا جانور قیامت کے روز ترازو اعمال میں ڈالنے کے لیے لایا جائے گا۔ جو سینگوں، بالوں، کھروں، پاؤں، گوشت پوست، ہڈیوں، خونوں، گوبر وغیرہ سمیت حاضر ہوگا اور اسکو دگنا کر کے ترازو اعمال میں ڈالا جائے گا اور ہر بال کے عوض نیکیاں دی جاویں گی، قربانی ضرور کرنی چاہیئے۔ جو شخص قربانی باوجود وسعت مالی کے نہ کرے، ایسے بخیل کو عیدگاہ میں جانا جائز نہیں، قربانی کرنا ایسا عمل ہے، کہ اس کو ذبح کرنے سے جو خون نکلتا ہے اس کے پہلے قطرہ سے ہی تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار قبولیت میں وہ خون پہنچتا ہے، گوشت وغیرہ تو قربانی کرنے والے اور دوسرے لوگ کھا جاتے ہیں۔ قربانی میں جو اخلاص اور تقویٰ اختیار کیا جاتا ہے وہ درگاہ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے، ایسی قربانی جو درگاہ الٰہی میں قبولیت کو پہنچ گئی۔ دن قیامت کے دوزخ کے سامنے ڈھال کا کام دے گی اور اس قربانی دینے والے اور دوزخ کے درمیان پردہ ہو جائے گی، تاکہ اس کو دوزخ کی آگ اور اس کی تپش نہ پہنچے، پھر جب لوگ پل صراط عبور کر کے جنت کو جائیں گے تو یہ قربانی اپنے مالک کے لیے سواری بن جائے گی، اس لیے خوب موٹا فربہ جانور خرید کر قربانی کرو، اور وہ جانور عیوب

[1] اس کا حوالہ ضروری ہے (ادارہ)

مفروضہ سے پاک ہو اور وہ عیوب یہ ہیں جو درج ذیل ہیں:۔
(۱) جس جانور کے کان اُوپر کی جانب سے کٹے ہوں (۲) جس کے نیچے کی جانب سے کٹے ہوئے ہوں۔
(۳) جس کے چیرے ہوئے ہوں، درازی میں۔ (۴) جس کے کان میں سوراخ ہو، گولائی میں۔ (۵) جس کا نصف یا زیادہ سینگ کان اندرونی حصہ سے چلا گیا ہو۔ (۶) لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن صاف ظاہر ہو۔ (۷) اندھا، کانا، بھینگا جس کا کانا پن اور بھینگ صاف نمایاں ہو۔ (۸) بیمار جانور جس کی بیماری صاف ظاہر ہو (۹) لاغر اور دبلا جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (۱۰) جس جانور کا کان جڑ سے اکھاڑ گیا ہو، جس کا سوراخ ظاہر ہو (۱۱) جس کا سینگ جڑ سے نکل گیا ہو (۱۲) کمزور جو ریوڑ کے ساتھ چل نہ سکے۔ (۱۳) جس جانور کو کھجلی ہو، وہ بھی درست نہیں ہے۔ (۱۴) اور جو خصی کیا ہو۔ وہ بھی درست نہیں ہے۔[1]

ان عیوب کے علاوہ کوئی عیب ہو، مثلاً دانت موٹا ہو یا دم کٹی ہو وغیرہ تو ایسے جانور کے ناجائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا ہے کہ یہ عیوب کسی دلیل سے ثابت نہیں ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ایسا جانور پسند نہ کرے اور اس سے بہتر جانور بالکل بے عیب تلاش لے تو یہ افضل ہے، لیکن یہ شرط ہر جانور کے لیے ہے کہ وہ دو دانت ہو، اس سے کم عمر کا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر میسر نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ ایک سال کا جائز ہے، مسنہ ہونے سے پہلے کی عمر سال یا سال سے زیادہ ہو تو وہ جذعہ کہلائے گا، بہر حال ان تمام عیوب سے پاک جانور قربانی کے لیے مشروع ہے، ہاں اگر قربانی کے خریدنے کے بعد ان عیوب سے کوئی عیب پیدا ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، اس کی قربانی جائز ہے[2]، جو جانور قربانی کے لیے نام زد ہو کر معین ہو تو اس کا بدلنا اور بیچنا جائز نہیں ہے۔ اگر قربانی کا جانور وقت سے پہلے ہی بیمار ہو کر قریب ہلاکت کے ہو جائے، تو اس کو ذبح کر کے مساکین کے حوالے کر دے، نہ خود کھائے اور نہ اپنے اہل و عیال کو کھلائے، اگر گابھن جانور قربانی کیا تو جائز ہے اس کے پیٹ سے جو بچہ نکلا، اگر زندہ ہو تو ذبح کر لے، اگر مردہ ہو تب بھی اس کا کھانا جائز ہے، اگر کوئی جانور بمعہ بچہ کے خریدا تو اس جانور کو بمعہ بچہ کے ذبح کرنا چاہیئے۔ قربانی نماز سے پہلے ذبح کرنی منع ہے، اگر نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کی تو قربانی نہ ہوگی۔ اس کو قربانی دوبارہ کرنی پڑے گی۔ اور قربانی عیدگاہ میں کرنی سنت ہے اور گھروں

---

[1] خصی کرنا ایسا عیب نہیں ہے جس سے حدیث میں ممانعت آئی ہو آپ کی نظر میں کوئی حدیث ہو تو مطلع فرمائیے (حافظ عبدالقادر)

[2] فیہ نظر (حافظ عبدالقادر)

میں جائز ہے۔ امام الجماعت کو چاہیے کہ عیدگاہ میں اپنی قربانی سب سے پہلے ذبح کرے، پھر دوسرے لوگ قربانیاں ذبح کریں۔ اگر کسی نے امام الجماعۃ سے پہلے[۱] قربانی ذبح کرلی تو اس کی قربانی نہ ہوگی، اس کو دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی (نیل الاوطار) قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی سنت ہے خواہ عورت ہو، اگر ہاتھ سے ذبح نہ کرسکے تو قربانی کے پاس حاضر ہو کر اس پر اپنا ہاتھ رکھے یا اس کو پکڑ لے، اگر کئی اشخاص ایک قربانی میں شریک ہوں تو سب اس قربانی کو پکڑیں، کوئی اس کی ٹانگ پکڑ لے، کوئی ہاتھ، کوئی سینگ اور ذبح کرے، لیکن تکبیر سب شرکاء پکاریں۔ یہ طریقہ مسنون ہے۔ ہاں اگر عورت شریک[۲] ہو تو صرف پاس کھڑی ہو جائے اور چھری پہلے تیز کرکے رکھنی ضروری ہے، جانور کے سامنے چھری تیز کرنا جائز نہیں اور کسی جانور کو دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور جانور کو قربان گاہ میں نہایت عزت اور وقار سے لے جانا چاہیے، بری طرح کھینچ کرکے جانا منع ہے، جب قربانی کا ارادہ ہو تو شروع چاند سے قربانی کے ذبح تک حجامت کرانی منع ہے اور جو غریب مسکین قربانی نہ کرسکتا ہو، وہ بھی حجامت سے باز رہے، جب لوگ قربانیاں کرکے حجامتیں کرائیں تو وہ بھی حجامت بنوائے اور یہ نیت کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دیتا تو میں بھی قربانی ضرور کرتا۔ اس کو قربانی کا ثواب مل جائے گا۔ نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ قربانی کا جانور سینگدار کرنا بے سینگ سے افضل ہے۔ اور جو قیمت میں گراں خریدا گیا وہ سستے خریدے ہوئے سے بہتر ہے۔ اور خصی جانور بلا خصی سے بہتر ہے۔ میت کی کی طرف سے بھی قربانی کرنی جائز ہے۔ قربانی ذبح کرنے والا پہلے یہ دعا پڑھے۔ جب قربانی جانور قبلہ کی طرف لٹایا جائے تو یوں کہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔

اب آگے قربانی کرنے والا اپنا نام اور اپنے غمخوار کا نام اور اپنے اہل وعیال کا نام لے کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ دے مثلاً اگر راقم الحروف اپنے غمخوار کے ہمراہ قربانی کرے تو یہ کہے گا۔ عن عبدالقادر

---

[۱] امام الجماعت سے پہلے نہیں بلکہ حدیث میں تو قبل از نماز کا ذکر ہے قبل از امام کا ذکر نہیں (سعیدی)

[۲] اگر قربانی گھر میں کرے تو عورت پاس کھڑی ہوسکتی ہے اور پکڑ بھی سکتی ہے اگر کسی اور جگہ کرے جہاں غیر محرم مرد ہوں تو وہاں عورت جانا یا قربانی پکڑنا ضروری نہیں اگر بالکل پاس ہی نہ جائے تو قربانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا (سعیدی)

دشُوْکَانِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ الخ۔ یہ طریقہ مسنون ہے اور قربانی سنت واجبہ ہے کہ آنحضور صلعم مدینہ میں دس سال مقیم رہے تو ہمیشہ قربانی کرتے رہے قربانی کا جانور وقت سے کچھ عرصہ پہلے خرید کر رکھنا اور اس کی پرورش کرنا اور اس کو فربہ کرنا افضل ہے قربانی حلال اور طیب مال سے خریدنی ضروری ہے۔ اگر قربانی میں ایک روپیہ حرام کا شامل ہو گیا تو قربانی مردود ہے اسی طرح قربانی کے جانور میں شریک ہونے والے اشخاص سب متقی۔ نمازی۔ موحد ہونے ضروری ہیں۔ اگر ان میں کوئی شخص حرام کار حرام خور کافر مشرک بے نماز کافر وغیرہ بے دین شامل ہوا۔ تو قربانی سب کی مردود ہو جائے گی۔

قرآن میں ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (اللہ تعالیٰ متقیوں کی قربانی و نیک عمل قبول کرتا ہے۔

یہ اصول اس وقت کا مقرر کردہ ہے جس کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے جب کہ ہابیل اور قابیل کی قربانی کا مقابلہ ہوا تھا۔ حرام مال والا متقی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال۔ پاک عمل کو قبول کرتا ہے۔

مشکوٰۃ میں یہ حدیث ہے کہ اگر کسی شخص نے دس روپے کو کوئی کپڑا خریدا۔ ایک ان میں روپیہ حرام مال کا تھا۔ باقی نو حلال تھے۔ اب اگر اس نے اس کپڑا کو پہن کر نماز پڑھی تو جب تک وہ بدن پر رہا تب تک نماز نہ ہوگی۔ جب ایک حرام کے روپیہ نے نو روپیہ حلال بیکار کر دیا تو قربانی میں سات اشخاص میں سے ایک کا روپیہ حرام کا ہے تو وہ باقی لوگوں کے حلال مال کو بے کار کر دے گا۔ اور قربانی قبول نہ ہوگی۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۲۷ ش ۲۰

مولانا عبد القادر حصاری مرحوم

۱؎ قرآن مجید میں ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ اور حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ان متقی اور پرہیزگار ہونا افضل ہے۔ قبولیت قربانی کیلئے شرط نہیں۔ سعیدی۔

۲؎ ہر شخص کی نیت اپنی ہے ایک بدنیت کا وبال دوسرے پر نہیں ہے۔
(سعیدی)

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی۔

قربانی میں شریک سب حصہ داروں کا اہل توحید ہونا ضروری ہے

قربانی کا جانور دُبلا ہو تو اسے فروخت کرکے اُس کی رقم میں مزید رقم ملا کر اس سے عمدہ یہ جانور خرید کر قربانی کرنا جائز ہے؟

سوال ۱:۔ قربانی کی گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہوں تو کیا ان سب کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ چند حصہ دار موحد، نمازی ہوں اور ان کے ساتھ چند مشرک، بدعتی بے نماز بھی ہوں تو کیا اس صورت میں اہل توحید کی قربانی صحیح ہو گی؟۔

سوال ۲:۔ قربانی کا جانور خرید لیا، بعد خیال ہوا کہ یہ جانور دُبلا ہے اس کو فروخت کرکے جو رقم حاصل ہو۔ اس میں کچھ مزید رقم ملا کر کوئی اور فربہ موٹا جانور خرید کر قربانی کر دیا جائے، کیا یہ جائز ہے؟

عبدالرحمٰن حصاری خطیب جامع اہلحدیث

(چک ۵۵ ب۔ ڈاک خانہ خاص براستہ کنجوانی ضلع لائل پور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الوھاب

جواب ۱:۔ ایک جانور کی جان ایک ہے چاہیئے تھا کہ ایک گائے، ایک ہی شخص یا گھر کی طرف سے قربانی ہو۔ کیونکہ قربانی خون بہانے کا نام ہے، گوشت کے حصوں کا نام نہیں وہ تو انسان خود ہی کھا لیتا ہے اور جان بکری، دُنبے اور گائے کی ایک ہی ہے پس گائے کا سات کے قائم مقام ہونا محض خدا کی مہربانی ہے اسلئے قربانی میں شریک بھی ایک ہی قسم کے ہونے چاہئیں یعنی سب موحد مسلمان ہوں، مشرک نہ ہوں اور نیت بھی سب کی قربانی کی ہو نہ کسی کی نذر یا عقیقہ وغیرہ کی، اسی لئے گائے میں عقیقہ کے سات حصے ہونے میں شبہ ہے کیونکہ عقیقہ کے متعلق حدیث میں صراحت نہیں آئی۔ اور قربانی کی بابت صراحت آگئی ہے کہ سات کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

خلاصہ:۔ یہ کہ جو بات شریعت میں قیاس کے خلاف ہو وہ اسی مقام پر بند رہتی ہے کیونکہ جب علت معلوم نہیں تو اس کا حکم دوسری جگہ کس طرح جاری ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ پر تنظیم اہلحدیث" دسمبر۱۹۷۳ء میں حضرت مولانا عبدالقادر حصاری کا مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"قربانی حلال طیب مال سے خریدنی ضروری ہے۔ اگر قربانی میں ایک روپیہ حرام کا شامل ہو گیا تو قربانی مردود ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور میں شریک ہونے والے تمام اشخاص نمازی موحد ہونے ضروری ہیں اگر ان میں کوئی حرام کار، حرام خور، کافر، مشرک، بدعتی، بے نماز وغیرہ بے دین شامل ہوا تو قربانی سب کی ضائع ہو جائے گی۔

قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (پ) (اللہ تعالیٰ متقین کی قربانی و نیک عمل قبول فرماتا ہے)

یہ اصول اس وقت کا مقرر کردہ ہے ہابیل قابیل کی قربانی کا مقابلہ ہوا تھا جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ حرام کھانے والا متقی نہیں ہے۔

حدیث میں ہے:۔

(اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال، پاک عمل قبول کرتا ہے)

مشکوٰۃ میں حدیث ہے:۔

"اگر کسی نے دس روپے میں کوئی کپڑا خریدا۔ ایک روپیہ ان میں حرام مال کا تھا۔ باقی ۹ حلال تھے جب تک یہ کپڑا بدن پر رہا اور اس کو پہن کر نماز پڑھی۔ نماز قبول نہ ہوگی۔

"جیسے ایک حرام کے روپیہ نے نو روپے حلال کر بیکار کر دیا اسی طرح قربانی میں سات اشخاص میں سے ایک کا روپیہ حرام ہوا تو باقی لوگوں کے حلال کو بیکار کر دے گا اور قربانی قبول نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح سات میں سے ایک شریک قربانی کافر، مشرک، بے نماز، بدعتی ہو تو باقی حصے داروں کی جو اس کے ساتھ شریک ہیں قربانی قبول نہ ہوگی لہٰذا قربانی میں ایسے لوگوں کی شرکت سے پرہیز لازم ہے۔"

[جو]اب ۲:۔ پہلا جانور جو قربانی کی نیت سے خریدا اور نامزد کیا گیا اگر معمولی دبلا ہے یعنی ... قربانی [ہو س]کتا ہے تو اسی پر کفایت کریں، تبدیل کی ضرورت نہیں کیونکہ مقصد حاصل ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص پہلے [وال]ے جانور کی جگہ دوسرا عمدہ، فربہ اور بیش قیمت جانور قربانی کرنا چاہتا ہے تو سوال میں جس صورت کا

...کر ہے وہ جائز ہے کیونکہ ادنےٰ کی بجائے اعلیٰ اور بہتر دیا گیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ا
حدیث میں ہے کہ اگر اونٹوں کی زکوٰۃ میں کسی شخص کے ذمے بنت لبون ہے (مادہ بچہ جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں داخل ہوجائے) لیکن اس شخص کے پاس بنت لبون نہیں ہے بلکہ حقہ ہے (جو تین سال پورے کر کے چوتھے میں داخل ہوجائے) تو اس صورت میں اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا بنت لبون کی جگہ حقہ دینا چاہے تو اس سے لیا جاسکتا ہے۔ ٹھیک اس طرح قربانی میں ادنیٰ جانور کی بجائے اس سے بہتر دینا جائز ہوگا۔ ابن قدامہ جلد ۸ صفحہ ۶۳۵ میں یہ مسئلہ مفصل بیان ہوا ہے، وہاں عبارت بھی ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُبَدِّلَ الْاُضْحِيَّةَ اِذَا اَوْجَبَهَا خَيْرٌ مِّنْهَا هٰذَا الْمَنْصُوْصُ عَنْ اَحْمَدَ وَبِهٖ قَالَ عَطَاءٌ وَمُجَاهِدٌ وَعِكْرِمَةُ وَمَالِكٌ وَاَبُوْحَنِيْفَةَ (مغنی ابن قدامہ)

(قربانی کا جانور اس صورت میں تبدیل کرنا جائز ہے جب اسکی جگہ دوسرا بہتر دیا جائے یہ امام احمدؒ سے منصوص ہے۔ عطاء، مجاہد، عکرمہ، امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔)

مختصر یہ کہ قربانی کا جانور بصورت مسئولہ تبدیل کرنا جائز ہے (تنظیم اہلحدیث ۲۱/دسمبر ۱۹۷۳ء)

(حافظ عبدالقادر روپڑی)

لفظ مُسنّہ کی تحقیق

قربانی کے جانور کے لئے فرمان نبویؐ یہ ہے: لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ۔ (مسلم) یعنی قربانی میں مسنّہ جانور ذبح کرو۔

یعنی لوگ مُسِنَّۃ کا معنی "سال والا" کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ مُسِنَّہ کا نون مشدد ہے اور یہ مسن سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دانت۔ سَنَةً سے مشتق نہیں، جس کے معنی سال ہیں مُسِن باب افعال اَسَنَّ يُسِنُّ۔ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اصل میں مُسْنِنٌ تھا۔ نون کو نون میں ادغام کیا مُسِنّ ہو۔ اس پر "ۃ" نقل کی زیادہ کی تو "مُسِنَّۃ" ہوگیا۔ نقل کی "ۃ" وہ ہوتی ہے جس میں صفت وغیرہ اسمیت کی طرف منتقل ہوجاتی ہے مُسِنٌّ ہر دانت والے کو کہتے ہیں "ۃ" زیادہ کرنے سے اسمیت کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔ یعنی مُسِنَّہ دو دانت والے کا گویا نام ہوگیا جیسے ذبیح ہر ذبح شدہ جانور کو کہتے ہیں اس پر "ۃ" زیادہ کرنے سے ذبیحۃ۔ جانور

ؔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قربانی کا جانور خریدنے کے وقت تمام عیوب سے دیکھ بھال کرنی لینی چاہئے اس میں ہے کہ ایسا لاغر بھی نہ ہو کہ جس میں گودا چربی نہ ہو۔ ایسا جانور خریدنا ہی منع ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اسکو بدلنا منع ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور وہ کتب حدیث میں مشہور ہے (سعیدی)

کے ساتھ خاص ہو کر گویا اس کا نام ہوگیا۔ پس مُسِنّۃ کا معنی دو دانت والا ہوا اس کے معنی سال والا غلط بالکل غلط ہے اور بے فہمی کا نتیجہ ہے "مُسِنّۃ" اور ثنیّ کے اصل معنی دو دانت والا ہیں۔ بعض ائمہ دین سے سالوں کا اندازہ منقول ہے مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خیال ہے کہ بکرا ایک سال کا ہو جائے تو مُسِنّہ اور ثنیّ ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے سال میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح بعض شارحین حدیث اور اہل لغت نے بھی سال دو سال کا اندازہ لکھ دیا ہے مگر یہ کوئی اختلاف نہیں اسکی اصل وجہ مختلف ممالک اور علاقوں کی آب وہوا اور خوراک وغیرہ کا فرق ہے یعنی ملکوں میں دو دانت جلد ہی نکل آتے ہیں اور بعض میں کچھ دیر سے اس لئے ائمہ دین نے اپنے اپنے ملک اور علاقہ کے لحاظ سے سالوں کا اندازہ بیان فرما دیا۔ پس فرمان نبویؐ کی رُو سے بکری، گائے، اونٹ دو دانت سے کم ہرگز قربانی نہیں ہو سکتے۔ (اخبار تنظیم اہلحدیث جلد ۲۶ ش ۲۲)

قربانی کے ذبح کا وقت نماز عید کے بعد ہے پہلے ہرگز جائز نہیں؟

قربانی کے لئے دُنبے اور چھترے کی عُمر کتنی ہونی چاہیئے

مشرقی پنجاب کے ضلع فیروزپور کی تحصیل زیرہ کے قریب چند کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے "بکھیلے والا" ۔ وہ وہاں ایک بڑے صاحب علم وتحقیق بزرگ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی قدس اللہ روحہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے جن کی فقہ متداول اور فقہ الحدیث پر وسیع اور گہری نظر کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ "فتاویٰ نذیریہ" میں بھی آپ کے بعض فتاویٰ موجود ہیں جو حضرت میاں صاحبؒ کے تصدیق فرمودہ ہیں۔

مولانا محمد یوسف رحؒ کے فتاویٰ کا ایک مختصر مجموعہ بھی مولانا علی محمد صاحب سعیدی (خانیوال) کے پاس مخطوطے کی شکل میں موجود ہے جو تنقیح وتحقیق کے بعد قابل اشاعت ہے۔

مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں سے غالباً ذوالحجہ کی مناسبت سے دو مسئلوں پر مشتمل ایک مختصر تحریر "الاعتصام" کے لئے ارسال فرمائی ہے جو موصوف کے شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت ہے (ادارہ)

(۱) اما بعد پس مخفی نہ رہے کہ صلوۃ عید الاضحیٰ سے پہلے قربانی ذبح کرنا احادیث صحیحہ کی رو سے منع ہے نماز سے پہلے ذبح کرنے والے کی قربانی نہیں ہوتی۔ صحیحین کی مرفوع حدیث میں آیا ہے۔

فقال صلی اللہ علیہ وسلم، مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ یُصَلِّیَ فَلْیَذْبَحْ مَکَانَهَا اُخْرٰی ۔ یعنی جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی ذبح کی وہ اور قربانی کرے۔

سبل السلام میں ہے ظاهر الحدیث تدل علی تعلیق الذبح بالصلوٰۃ انتہی وکذا فی فتح العلام ص۲۹۳۔ ظاہر حدیث اس پر دال ہے کہ قربانی کا ذبح کرنا نماز کے ساتھ معلق ہے۔ وعن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم النحر من ذبح قبل الصلوٰۃ فلیعد متفق علیہ کذا فی المنتقی۔

(جس نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی ٹھیک پورے طور سے پوری ہو گئی اس شخص نے مسلمانوں کا طریقہ اختیار کیا یہ احادیث صحیحہ صریح دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا اس کی قربانی ناجائز اور نادرست ہے۔ ان احادیث کے برخلاف ایک کیا اگر ہزاروں فتوے ہوں تو وہ اس لائق نہیں کہ ان احادیث کے مقابلہ میں ان کا نام بھی لیا جائے (حررہ العاجز یوسف عفی عنہ)

۲۔ ضان کہتے ہیں خلاف معز (بز) کو منتہی الارب میں۔ ضان بالفتح میش خلاف معز انتہی۔ مختار الصحاح میں ہے۔ الضان ضد المعز انتہی حیوۃ الحیوان میں ہے۔ الضان ذوات الصوف من الغنم انتہی صراح میں ہے ضان میش خلاف صعز یعنی غنم میں سے پشم دار کو ضان کہتے ہیں" الحاصل از روئے لغت لفظ ضان میش چکی دار اور میش غیر چکی دار ہر دو کو شامل ہے۔ ہر میش پر خواہ چکی رکھتی ہو خواہ نہ رکھتی ہو لفظ ضان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی۔ ترجمہ قرآن مجید میں ضان کے معنی بھیڑ لکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ضان کے ہر جذعہ کی قربانی کرنے کی اجازت آئی ہے۔ پس ضان کے ہر جذعہ کی (خواہ چکی رکھنے والا دنبہ ہو یا بغیر چکی کے چھترا ہو) قربانی جائز ہوگی پس بعض علماء کا ضان کے "جذعہ" کی قربانی کے جواز کو دنبہ پر منحصر کرنا بلا دلیل ٹھہرا۔ جذعہ کی عمر کے تعین میں خواہ وہ دنبہ ہو خواہ چھترا۔ علماء دین کا اختلاف ہے۔ نیل الاوطار صفحہ ۱۱۳ ج ۵ میں ہے۔

الجذع من الضان ماله سنة تامة هذا هو الاشهر عن اهل اللغة و جمهور اهل العلم من غيرهم وقيل ماله ستة اشهر وقيل سبعة وقيل ثمانية وقيل عشرة وقيل ان كان متولدا بين شابين فستة اشهر وان كان بين هر مين فثمانية (انتهى۔

"یعنی" اہل لغت اور جمہور اہل علم کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ ضان کا جذعہ وہ ہے جو ایک سال کا ہو۔

بعض کہتے ہیں۔ چھ ماہ کا ہو بعض کہتے ہیں جو سات ماہ کا ہو بعض کا خیال ہے جو دس ماہ کا ہو۔ بعض نے کہا ہے اگر جوان ماں باپ سے پیدا ہوا ہے تو چھ ماہ کا۔ اگر بوڑھے ماں باپ کا بچہ ہے تو آٹھ ماہ کا احتیاط اسی میں ہے کہ خواہ دنبہ ہو خواہ چھترا ایک سال کی عمر کا ہونا چاہیئے اگر اس سے کم عمر ہو خواہ ششماہی خواہ ہفت ماہی تو عند البعض وہ بھی جائز ہے (حررہ العاجز یوسف عفی عنہ)

واضح رہے کہ "یہ بعض" اس میں کچھ شرطیں بھی لگاتے ہیں جیسا کہ کتب حدیث کی بعض شروح میں اس کی تفصیل مذکور ہے اس لئے مناسب یہی ہے ایک سال سے کم عمر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(خاکسار محمد عطاء اللہ حنیف) الاعتصام جلد ۲۲ ش ۲۶

مولانا عبد القادر صاحب عارف حصاری ساہیوال

بھینس کی قربانی کا حکم

سوال ۱۔ بھینس یا بھینسا جو مشہور جانور ہے کیا اس کی قربانی شریعت سے ثابت ہے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمایئے آپ کی تحقیق مسائل سے میری تسلی ہو جاتی ہے۔

(السائل محمد حسین بن اسماعیل رئیس صدر شعبہ اسلامیات لارنس کالج مری پنجاب)

جواب ۱۔ الحمد للہ رب العلمین۔ اما بعد فاقول باللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ بھینس۔ بھینسا جو مشہور حیوان ہے اور پنجاب وغیرہ ملک عجم میں عام پایا جاتا ہے۔ عہد نبوی و صحابہ میں ملک عرب خصوصاً حجاز میں پایا نہیں گیا۔ کتاب و سنت میں خصوصی طور پر اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ ملک عجم کی پیداوار ہے اس لیے اس کا نام معرب جاموس ہے حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۲۳۲ میں ہے علامہ دمیریؒ یہ فرماتے ہیں "الجاموس واحد الجوامیس فارسی معرب" یعنی جاموس جوامیس صیغہ جمع کا واحد ہے" یہ لفظ فارسی سے معرب ہے جیسے بھیڑ۔ دنبہ۔ بکری کی جنس سے ہیں اس طرح جاموس بقر یعنی بھینس گائے کی جنس سے ہے چنانچہ حیوۃ الحیوان کے صفحہ محولہ میں لکھا ہے "وحکمہ و خواصہ کالبقر" یعنی بھینس کا حکم مثل گائے کے ہے یعنی اس کی جنس سے ہے۔ فقہ کی مشہور درسی کتاب کی جلد ۴ ص ۲۲۹ میں یہ لکھا ہے "یَدْخُلُ فِی الْبَقَرِ الْجَامُوْسُ لِاَنَّہٗ مِنْ جِنْسِہٖ" یعنی قربانی کے بارہ میں بھینس گائے کا حکم رکھتی ہے" کیونکہ یہ اس کی جنس سے ہے۔ امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے کہا باب از کوٰۃ میں زکوٰۃ کے احکام

بیان فرماتے ہوئے کہا۔ کہ ایک جماعت باسناد یوں درج کیا ہے۔ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ عَنْ اَشْعَثَ عَنِ الْحَسَنِ اِنَّهُ یَقُوْلُ الْجَوَامِیْسُ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ۔ یعنی امام حسن بصری رحہ سے روایت ہے کہ بھینس گائے کے درجہ میں ہے" یعنی جیسے تیس گایوں پر زکوٰۃ ہے ویسے ہی تیس بھینسوں پر ہے امام حسن بصریؒ نے بہت سے صحابہ کرام رضہ سے علم قرآن وحدیث کا حاصل کیا ہے انہوں نے بھینس کو گائے کی جنس سے ٹھہرا کر اس پر وہی حکم لگایا ہے امام مالکؒ نے اپنی کتاب موطا کے ص۲۱۳ مع شرح مصفیٰ میں حیوانوں کی زکوٰۃ کا حکم بیان فرماتے ہوئے ایک مقام پر یہ لکھا ہے۔ قَالَ مَالِكٌ فِی الْعِرَابِ وَالْبُخْتِ وَالْبَقَرِ وَالْجَوَامِیْسِ نحو مالك۔ "یعنی امام مالکؒ نے فرمایا کہ جیسے گوسفند اور بکری سے زکوٰۃ لینے کی تفصیل بیان ہوئی ہے ایسے ہی عربی اونٹوں اور بختی اونٹوں اور گائیوں اور بھینسوں سے زکوٰۃ لینی چاہیے"، امام مالک تبع تابعینؒ سے ہیں جو جاموس کو گائے ساتھ شمار کرتے ہیں۔ پس تابعین رحہ اور تبع تابعین رحہ کے عہد میں جاموس گائے کی جنس میں شمار ہوا کنوز الحقائق میں ایک روایت یوں درج ہے۔ اَلْجَامُوْسُ فِی الْاُضْحِیَّةِ عَنْ سَبْعَةٍ یعنی بھینس قربانی میں سات کی طرف سے شمار ہے اس حدیث کی اسناد کا کچھ علم نہیں ہے[1] لیکن جاموس کو گائے کے ساتھ شمار کرنے میں اکابر محدثین کا مسلک ہے۔ چنانچہ مرعاۃ المفاتیح جلد ۲ ص۲۰۲ میں ہے

"لِمَا رَاٰی الْفُقَهَاءُ مَالِكًا وَالْحَسَنَ وَعُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَاَبَا یُوْسُفَ وَابْنَ مَهْدِیٍّ وَنَحْوَهُمْ اِنَّهُمْ جَعَلُوا الْجَامُوْسَ فِی الزَّكٰوةِ كَالْبَقَرِ فَهُوَ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّ الْجَامُوْسَ ضَرْبٌ مِنَ الْبَقَرِ فَخَیْرٌ مِنْ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ نَوْعٌ مِنْهُ"

یعنی فقہاء محدثین امام مالک امام حسن بصری۔ امام عمر بن عبدالعزیز۔ قاضی ابو یوسف۔ امام ابن مہدی وغیرہ جاموس کو گائے کی ایک قسم شمار کرتے ہیں اس لیے زکوٰۃ بھینس کے گائے کے حساب سے بیان کرتے ہیں نیز یہ لکھا ہے۔ اِعْلَمْ اَنَّهٗ لَا یُجْزِیْ فِی الْاُضْحِیَّةِ بِغَیْرِ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی لِیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ وَهِیَ الْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ وَالْغَنَمُ صِنْفَانِ الْمَعْزُ وَالضَّاْنُ۔ یعنی یہ بات جان لینی چاہیے کہ بہیمۃ الانعام کے بغیر کوئی جانور قربانی میں کفایت نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن میں یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا نام قربانی کے مویشیوں پر یاد کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیئے ہیں اور وہ اونٹ۔

---

[1] کنوز الحقائق میں فردوس دیلمی کا حوالہ ہے اور معلوم ہے کہ فردوس کی روایات عموماً کمزور ہوتی ہیں کنز العمال کے مقدمہ میں بحوالہ حافظ سیوطی جن چار کتابوں کی روایتوں کو علی العموم کمزور کہا ہے ان میں اس کا بھی شمار ہے۔ والدیلمی فی مسند الفردوس فهو ضعیف فیستغنی بالعزو الیها اوالی بعضها عن بیان ضعفه۔ (ص۳ جلد اول)۔ ج ح)

گائے غنم ہیں۔ غنم کی دو قسمیں ہیں ایک بکری دوسری بھیڑ۔ ان جانوروں کے بغیر کسی جانور کی قربانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے منقول نہیں ہے پھر لکھتے ہیں وَاَمَّا الْجَامُوْسُ فَمَذْهَبُ الْحَنَفِيَّةِ وَغَيْرُهُمْ جَوَازُ التَّضْحِيَةِ بِهٖ۔ یعنی "مذہب حنفی وغیرہ میں بھینس کی قربانی جائز لکھتے ہیں۔ پھر یہ لکھا ہے۔ قَالُوْا لِاَنَّ الْجَامُوْسَ نَوْعٌ مِنَ الْبَقَرِ وَيُؤَيِّدُ ذَالِكَ اِنَّ الْجَامُوْسَ فِي الزَّكٰوةِ كَالْبَقَرِ فَيَكُوْنُ فِي الْاُضْحِيَةِ اَيْضًا مِثْلُهَا۔ یعنی "فقہاء حنفیہ وغیرہ یہ لکھتے ہیں کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے اور ان کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ بھینس زکوٰۃ کے بارہ میں مثل گائے کے ہے تو قربانی میں بھی اس کی مثل ہے "میں کہتا ہوں کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ بھینس حلال ہے اس کی دلیل کہ سورۂ مائدہ کی آیت ہے اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ (تمہارے لیے چارپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں) تفسیر خازن وغیرہ میں سب چارپائے حیوانوں کو جو مویشی ہیں۔ گھوڑے کی طرح سم دار نہیں اور نہ شکار کرنے والے درندے ہیں سب کو بہیمۃ الانعام میں شمار کیا ہے حتیٰ کہ ہرن اور نیل گائے جنگلی گدھا گورخر وغیرہ کو بہیمۃ الانعام میں شمار کیا ہے تو بھینس بھی بہیمۃ الانعام میں داخل ہے اس لیے یہ حلال ہے اور بہیمۃ الانعام کی قربانی نص قرآن سے ثابت ہے چنانچہ سورۂ حج میں یہ آیت ہے۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ یعنی "ہم نے ہر امت کے لیے طریقہ قربانی کرنے کا مقرر کیا ہے تاکہ اللہ کا نام ذبح کے وقت ان مویشیوں پر ذکر کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیے ہیں اور انہوں نے پال رکھے ہیں۔ موضح القرآن میں بہیمۃ الانعام پر لکھا ہے "انعام وہ جانور ہیں جن کو لوگ پالتے ہیں۔ کھانے کو جیسے گائے۔ بکری۔ بھیڑ جنگل کے ہرن اور نیل گائے وغیرہ اس میں داخل ہیں کہ جنس ایک ہے۔"

بنابریں بھینس بھی بہیمۃ الانعام میں داخل ہے چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفہ ۵۲ میں سوال و جواب ذیل درج ہیں۔

سوال:۔ بھینس کی حلت کی قرآن و حدیث سے کیا دلیل ہے اور اس کی قربانی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قربانی جائز ہو تو استدلال کیا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اجازت فرمائی ہے۔ یا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔

جواب:۔ جہاں حرام چیزوں کی فہرست دی ہے وہاں یہ الفاظ مرقوم ہے۔ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ الآیۃ۔ "ان چیزوں کے سوا جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال ہے بھینس ان میں نہیں (وہ حلال ہے) اس کے علاوہ عرب کے لوگ بھینس کو بقرہ (گائے) میں داخل سمجھتے ہیں (تشریح) حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا پس اس کی قربانی نہ

سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے۔ کما ت الہدایہ، یا عموم بہیمۃ الانعام پر نظر ڈالی جائے تو حکم جواز قربانی کیلئے علت کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بھینس کو بہیمۃ الانعام میں شمار کرنا قیاس نہیں ہے قرآنی نص بہیمۃ الانعام کا لفظ عام ہے جس کیلئے کئے افراد ہیں گائے بکری وغیرہ تو بھینس بھی بہیمۃ الانعام کا ایک فرد ہے۔ بہیمۃ الانعام کی قربانی منصوص ہے تو بھینس کی قربانی بھی نص قرآنی سے ثابت ہوگئی باقی رہی یہ بات کہ سنت رسول سنت صحابہ نہیں ہے تو جواز کو مانع نہیں ہے دیکھئے۔ ریل۔ جہاز۔ سائیکل۔ موٹر کار وغیرہ کا وجود عہد نبوی میں نہ تھا ان کی سواری نہ سنت رسول ہے نہ سنت صحابہ رض کی ہے تاہم یہ سب چیزیں عموم[1] کے تحت آجاتی ہیں اور علماء اسلام ریل۔ موٹر۔ سائیکل۔ وغیرہ پر سوار ہوں گئے یا اونٹ گھوڑے گدھے وغیرہ پر سوار ہوں گئے نیز نماز کی اذان عہد نبوی میں بلند مکان پر پڑھی جاتی تھی اور عہد سلف میں بلند مینار پر پڑھی جاتی تھی اور اس وقت لاؤڈ سپیکر نہ تھا لیکن اب مسجدوں کے اندر لاؤڈ سپیکر نصب ہیں اور اذان مسجد کے اندر کہی جاتی ہے پہلا مسنون طریقہ ہے اور دوسرا امر جہ کو جائز کہا جائے گا۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ بکری گائے کی قربانی مسنون ہے تاہم بھینس بھینسا کی قربانی بھی جائز اور مشروع ہے اور ناجائز لکھنے والے کا مسلک درست نہیں فقط (اخبار الاعتصام لاہور جلد ۲۶ ش ۱۵)

مسئلہ قربانی مرغ

سوال:۔ مدعیان عمل بالحدیث کا ایک گروہ مرغ کی قربانی کو مشروع اور صحابہ کرام کا معمول بہ قرار دیتا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگ بقرہ عید کو مرغ کی قربانی کرتے ہیں اور اس میں احیاء سنت کا ثواب جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام ابن حزم جو بڑے عظیم الشان محدث۔ فقیہ۔ مجدد وقت فخر اندلس رحمہ اللہ تھے۔ اس کے مجوز تھے۔ کیا یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے۔ اگر صحیح ہے تو کتاب۔ و سنت کی روشنی میں اس کا ثبوت کیا ہے اور پھر جماعت اہلحدیث کا اس پر عمل کیوں نہیں ہے بلکہ بعض علماء اہلحدیث اس کا منع کرتے ہیں۔

[1] عموم سے مراد یہ آیۃ ہے وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ اس عہد کی تمام سواریوں کا ذکر کے فرمایا پیدا کرے گا وہ سواریاں جو تم نہیں جانتے (الراقم علی محمد سعیدی)

سیف الرحمٰن فیروزپوری۔

جواب الحمد للہ رب العلمین اما بعد فاقول وباللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ قرآن کریم سورہ حج میں ہے:۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔

یعنی ہر امت کیلئے ہم نے ذبح مناسک کے طریقے مقرر کیے ہیں تاکہ وہ چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو دے رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں قربانیوں کیلئے بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ کا ذکر فرمایا ہے بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ کا اطلاق قرآن وحدیث کی زبان میں بھیڑ۔ بکری۔ گائے بھینس اونٹ اور دنبہ پر آیا ہے اور یہ ازواج ثمانیہ ہیں جن کا ذکر سورہ انعام میں ہے بروئے قرآن وحدیث قربانی انھیں جانوروں سے مخصوص ہے عہد نبویؐ اور قرن سلف وخلف اہل اسلام میں بالاجماع تعامل انہی جانوروں کی قربانی پر چلا آیا ہے اور یہی سنت ابراہیمی ہے۔ زاد المعاد جزء اول ص۲۲۵ ۔ افضل فی ہدیہ میں ہے۔

فی الهدايا والضحايا والعقيقة وهی مختصة بالازواج الثمانية المذكورة فی سورة الانعام ولم يعرف منه صلى الله عليه وسلم ولا عن الصحابة رضی الله عنهم هدى ولا اضحية ولا عقيقة من غيرها۔

یعنی حرم کی قربانیاں اور خانگی قربانیاں اور عقیقہ یہ سب ان چارپایوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو سورہ انعام میں مذکور ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں ان جانوروں کے سوا کسی جانور کی قربانی ثابت نہیں ہے۔ درایہ تخریج ہدایہ ص۳۲۶ میں ہے۔

لم ينقل عن النبی صلى الله عليه وسلم ولا عن الصحابة التضحية بغير الابل والبقر والغنم كما قال قد ثبتت الامور الثلاثة فی الصحيح لم يزد فيه ولا غيره سواها۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے قربانی اونٹ۔ گائے۔ بکری۔ کے بغیر منقول نہیں ہے ان کی قربانی جامع صحیح بخاری کی احادیث سے ثابت ہے۔ اوران کے علاوہ غیرجنس کے جانوروں کی قربانی صحیح بخاری یا کتب صحاح کی حدیثوں سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ممانعت آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لا تذبحوا الا مسنة الا ان يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضان۔

یعنی دو دانت جانور کے بغیر کسی کو ذبح نہ کرو اگر دو دانت والا میسر نہ ہو تو آٹھ دس[1] ماہ کا مینڈھا قربانی کر دو۔

پس پرندے مرغ وغیرہ نہ مسنہ ہیں نہ جذع ہیں اس لئے منع ہیں مرغ کی قربانی کا ثبوت کسی نص قطعی الثبوت اور قطعی الاثبات سے نہیں اور نہ قرون ثلاثہ میں اس پر تعامل پایا گیا ہے اس کو سنت قرار دینا جہالت ہے جس سے بچنا واجب ہے کیونکہ سنت وہ کام ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل پایا گیا ہے جیسا کہ حدیث فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین سے ظاہر ہے جن جانوروں کی قربانی شعائر اللہ میں شمار ہے۔ وہ ازواج ثمانیہ ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ مرغ کی قربانی شعائر اللہ میں داخل نہیں۔ نہ یہ ہدی میں ذبح ہوا اور نہ اضحیہ اور نہ عقیقہ میں۔ یہ بعد زمانے سے ایجاد کیا گیا ہے کہ اس کی قربانی مشروع ہے حالانکہ یہ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِاللَّهِ۔ کا مصداق ہے قرآن مجید میں حاجی کیلئے جو فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کا حکم وارد ہے اس کی تفسیر بھی اونٹ گائے بکری سے کی گئی ہے جامع البیان

مجوزین کا استدلال اور اس پر تنقید

جو مدعیان عمل بالحدیث مرغ کی قربانی کے مجوز ہیں وہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں تلخیص کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ کا اثر پیش کرتے ہیں جس سے یہ دعویٰ ثابت نہیں ہے کیونکہ یہ اثر بے سند ہے جو حجت نہیں ہے تلخیص میں تو اس کا ابوہریرہ رضؓ کی طرف نسبت کرنا ہی مخدوش ہے الفاظ اس کے یہ ہیں وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّهٗ ضَحّٰی بِذَالِكَ وَفِیْ نُسْخَةٍ بِدِیْكٍ تلخیص الجبیر جلد ۲ ص ۳۸۹۔ یعنی اس اثر ابوہریرۃ رضؓ کے الفاظ ضحی آگے دو نسخے ہیں ایک میں بذالک اور دوسرے نسخہ میں بدیک ہے جس مشار الیہ لفظ خیل ہے جو اس سے پہلے سہیلی کی ایک غیر معروف روایت میں وارد ہے اگر دیک کا نسخہ درست ہے تو اس میں مرغ کا ذکر ہے مگر یہ تصحیف ہو گا جو بذالک کا بدیک بن گیا جب یہ شبہ پڑ گیا تو استدلال ساقط ہوا اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ دوسرا ثبوت اس اثر کا سبل السلام سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہاں عبارت یوں ہے ھذا ذدی

---

[1] آٹھ دس ماہ کا مینڈھا قول مرجوح ہے اور ایک سال کا مینڈھا قول صحیح ہے جیسا کہ شروح حدیث میں ہے۔ (سعیدی)

عن ابی ھریرۃ انہ ضحی بدیک، یعنی ابوہریرۃ سے مروی ہے کہ انہوں نے مرغ قربانی دیا سبل السلام کوئی حدیث کی کتاب نہیں ہے صرف بلوغ المرام حدیث کی کتاب کی شرح ہے جس کے شارح علامہ محمد اسماعیل امیر ہیں انہوں نے یہ الفاظ تلخیص ہی سے غالباً نقل کیے ہیں کیونکہ سوائے تلخیص کے کسی معتبر کتاب میں روایت نہیں پائی گئی لہٰذا اس میں لفظ بدیک مخدوش ہے پھر اگر اس لفظ کو بدیک ہی تسلیم کیا جائے تو بھی یہ اثر قبول نہیں کیونکہ بلا اسناد نقل کیا گیا ہے۔ یہ ضابطہ محدثین میں مسلم ہے کہ کوئی حدیث یا اثر صحابی بلا اسناد مقبول نہیں۔

اہل بدعت میں کئی احادیث اور آثار مشہور ہیں اور بعض روایات کتب فقہ میں اور شروح اور حواشی میں بصیغہ مجہول لفظ روی سے منقول ہیں جن کی کوئی سند نہیں ہے اس لئے وہ قابل التفات نہیں جو لوگ حضرت ابوہریرۃ رضی کے اثر کو حجت سمجھتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس کی اسناد پیش کریں ورنہ خرط القتات ہیں جب سند پیش ہوگی تو پھر غور کیا جائے گا کہ وہ صحیح ہے یا ضعیف ہے اسی طرح سہیلی کی روایت نا قابل اعتبار ہے جو بغیر سند ہے لہٰذا امام رافعی کا یہ فرمان سولہ آنہ درست ہے۔ وَلَمْ یُؤْثَرْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنْ أَصْحَابِهِ التَّضْحِیَةُ بِغَیْرِ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ۔ تلخیص بحوالہ مذکور۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اونٹ گائے۔ بکری کے بغیر کسی جانور کی قربانی ثابت نہیں۔

پس لیکھ کہ حافظ ابن حجر نے جو اس اجماع پر قابل نظر ہے جلد ۲ ش ص ۲ وہ ناکام رہے اور یہ مضبوط قلعہ تعامل اجماعی کا بدستور قائم ہے یہی وجہ کہ درایہ میں حافظ نے اس قلعہ میں پناہ لیکر اتفاق کرلیا ہے۔ کما تقدم اگر بالغرض یہ اثر درست ہو تو حجت نہیں کیونکہ اثر ہے جو قرآن واحادیث کے خلاف ہے قرآن وحدیث میں بہیمۃ الانعام کی قربانی وارد ہے۔ مرغ کا قربانی، یا عقیقہ میں ذبح کرنا ثابت نہیں... اول اثر ہے ... دوم بلا سند ہے ... سوم کسی مستند کتاب میں صحیح الفاظ سے ثابت نہیں... تو پھر یہ قابل استدلال کس طرح ہوسکتا ہے؟ اور اس پر سنیۃ کا دارومدار کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟

دوسری دلیل

محلی ابن حزم سے یہ منقول ہے کہ ... من طریق سعید بن منصور نا ابوالاحوص، خبرنا عمران بن مسلم عن سوید بن غفلۃ قال قال بلال ما کنت ابالی لو ضحیت

یدیک ولان اخذ ثمن الاضحیۃ فاتصدق علی مسکین مقستر فھو احب الی من ان اضحی (محلی جلد ۷ ص ۳۵۸)

یعنی بلال رضؓ نے فرمایا کہ اگر میں مرغ قربانی کردوں تو کوئی پروا نہیں اور اگر قربانی کے جانور کی قیمت لے کر کسی مفلس تنگ دست پر صدقہ کردوں تو یہ مجھے قربانی ذبح کرنے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔

دوسری دلیل پر جرح

یہ قول بلال رضؓ بھی مثبت دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں نہ تو مرغ قربانی میں ذبح کرنے کا ذکر ہے اور نہ حکم ہے کہ مرغ قربانی کردو۔ بلکہ اس میں لفظ لَوْ کے ساتھ کلام کی گئی ہے جس کو تمنا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ تمنا کے معنی میں لَوْ کا استعمال آجاتا ہے جس سے تمنا کا مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ فعل تمنا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔۔۔ پس، مقصد حضرت بلال کا قربانی کا عدم وجوب ظاہر کرنا ہے کہ قربانی معروف محض تطوع ہے فرض نہیں اگر مرغ قربانی کر دیتا تو پروا نہ تھی اور قیمت قربانی کی صدقہ کر دیتا تو کیا پروا تھی، یہ بھی اچھا ہوتا۔ چنانچہ اس پر حضرت بلال کا آخری کلام دلالت کر رہا ہے۔

حضرت ابن عباس کا اثر

اور حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ اثر دال ہے۔۔۔ کہ:۔

عن ابن عباس انہ اعطی مولی لہ درھمین وقال اشتر بھما لحما ومن لقیک فقل ھذہ اضحیۃ ابن عباس۔

یعنی ابن عباس رضؓ نے اپنے غلام کو دو درہم دیئے کہ ان کے ساتھ گوشت بازار سے خرید لاؤ اور جو شخص تم کو ملے، اس کو یہ کہہ دو کہ یہ ابن عباس کی قربانی ہے۔

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ قربانی معروف فرض نہیں تطوع ہے۔ عید کے دن گوشت خرید کرنا اور اس کو صدقہ کر دینا ثواب ہے، جیسے کوئی تنگ دست حجامت نہ بنوائے اور عید کے بعد حجامت بنوائے تو قربانی کا ثواب ہے لیکن اصل قربانی نہیں ہے۔۔۔۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے ماں باپ کی طرف دیکھنا حج کرنا ہے اصل حج نہیں ہے یا لَوْ شرطیہ ہے یہ جب ماضی داخل ہوتا ہے۔ تو تعلیق فی الماضی کے لئے آتا ہے۔ جہاں صرف جزا کے وجود کو پختہ کرنا مقصود ہے، خواہ شرط موجود ہو، یا مفقود ہو تو یہاں بلال رضؓ کا قربانی سے لاپروائی ظاہر کرنا ہے کہ یہ فرض نہیں ہے اگر میں مرغ قربانی میں ذبح کر دیتا یا اس قربانی کی قیمت ہی کسی غریب کو دے دیتا تو کوئی مضائقہ نہ ہوتا۔ یہ تعلیق ہے جس پر نہ عمل بلال نے کیا اور نہ کسی اور نے کیا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ: تَصَدَّقُوْا وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ...

یعنی صدقہ دو اگرچہ جلا ہوا پایہ بکری ہو۔

الغرض مَا کُنْتُ اُبَالِیْ کہہ کر مرغ قربانی کرنے اور قیمت قربانی دینے کو یکساں بنانے کی تمنا ظاہر کی ہے۔ جیسے حضرت ابو موسیٰ رضی نے فرمایا کہ مَا اُبَالِیْ شَرِبْتُ الْخَمْرَ اَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُوْنَ اللّٰهِ یعنی میں پروا نہیں کرتا کہ شراب نوش کروں یا اس ستون کی پوجا کروں، یکساں گناہ ہے۔ اس سے گناہ میں یکساں ظاہر کرنا ہے نہ کہ اصل حکم کہ ایک فسق ہے اور دوم شرک ہے، مقصد دونوں سے بچنا ہے۔ اسی طرح حضرت بلال رض کا مطلب نہ مرغ کو قربانی کرنا ہے اور نہ قیمت دینا ہے۔ اس سے اصل مقصد قربانی کی فرضیت سے انکار ہے۔ اگر اس تعلیق فی الماضی سے سنیت کا حکم ثابت کیا جائے تو قربانی نہ کرنا اور اس کی قیمت دینا بھی مسنون اور مشروع ہوگا۔ اور گوشت خرید کر دینا بھی سنت ہوگا۔ جس سے ملحدین کی بات صحیح ثابت ہوگی جو کہتے ہیں کہ قربانیاں نہ کرو۔ اہراق دم ضروری نہیں، قیمتیں صدقہ کردو کہ مہاجرین بہت حاجت مند ہیں۔

چڑیا کی قربانی

نیز عقیقہ میں چڑیا کرنا بھی جائز ہوگا۔ کیونکہ موطا امام مالک باب استحباب عقیقہ میں ہے کہ ابراہیم بن حارث تیمیؒ نے کہا مُسْتَحَبُّ الْعَقِيْقَةِ وَلَوْ بِعُصْفُوْرٍ۔ یعنی عقیقہ مستحب ہے اگرچہ چڑیا ذبح کردو تو کیا چڑیا بھی عقیقہ یا قربانی میں ذبح کی جاسکتی ہے؟

آخری دلیل

ایک دلیل فضیلت جمعہ میں حدیث ساعات پیش کرتے ہیں کہ اس میں كَاَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وارد ہے کہ جو چہارم ساعت میں آئے اس کو مرغی قربانی دینے کا ثواب ہے۔ اس حدیث میں مرغی قربانی دینے کا مطلب مرغی صدقہ کرنے کا ہے۔ .. نیل الاوطار میں ہے، اَیْ تَصَدَّقَ بِهَا کہ اس کو صدقہ کیا۔ اگر قربانی مشہور مراد ہے تو پھر بکروں، بھیڑوں کی جگہ انڈے قربانی ہونے لگیں گے کیونکہ اسی حدیث میں یہ ہے کہ فَكَاَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً۔ پانچویں ساعت میں انڈا قربانی کرنے کا ثواب پائے گا مرغ کی قربانی ثابت نہیں اور نہ اس پر سلف کا تعامل ثابت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ابن حزم گو بہت بڑے عالم ہیں مگر ان کی کوئی بات نصوص قطعیہ کے خلاف اجماع کے خلاف مانی نہیں جاسکتی۔ ان عاملین بالرائے کو جان لینا چاہیے کہ علامہ ابن حزم نے قریش کی ثابت کرکے غیر قریش کی امارت کو باطل قرار دیا اگر اس کو ہم نے مان لیا تو پھر مرغی والوں کی امارت کا کارخانہ ہی منہدم ہوجائے گا۔ اسی طرح

ابن حزم نے مدرک رکوع کو رکعت کے اعادہ کا وجوباً ورنہ نماز باطل ہے۔۔ یہ بھی مانی ہوگی۔ اگر نہیں تو قربانی مرغ میں ان کی بے دلیل بات کیسے مانی جا سکتی ہے۔؟

اور آج کل موسیقی کے جواز میں ابن حزم کو بڑے شد ومد سے عیاش اور بے دین لوگ پیش کر رہے ہیں، کیا یہ حضرات موسیقی کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیں گے! الاعتصام جلد نمبر ۱۱ ش نمبر ۲

مولانا غلام مرشد صاحب کا خطبۂ عید قربان

قربانی پر پابندی عائد کرنے کی تجویز

مولانا سید داود صاحب غزنوی

شاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا غلام مرشد صاحب نے عید کے خطبہ میں قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کرنے کی تجویز پیش کر کے فقہاء کرام کے حوالہ سے یہ اعلان کیا ہے کہ اگر قربانی کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کر دی جائے تو اس رقم کی ادائیگی مذہباً قربانی تصور کی جائے گی (نوائے وقت ۲-۶-۱۹۵۹)

مولانا غلام مرشد صاحب نے اپنا یہ نظریہ پیش کر کے حکومت کو اس کے لئے اُبھارا اور یہ ارشاد فرمایا کہ

ارباب اقتدار کو مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح پاکستان میں جانوروں کی قربانی کی ایک حد مقرر کرنی چاہیئے آپ نے کہا کہ اگر ہماری حکومت منصوبہ بندی کرے تو ملی مفاد کی خاطر لاکھوں جانوروں کی قیمت قربانی کے نام پر وصول کر کے بہت سے ہسپتال، اور تعلیم گاہیں تعمیر کر سکتی ہے (نوائے وقت)

مولانا کے اس خطبہ نے عوام اور خواص میں بے چینی اور اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ دیندار طبقہ مغموم اور متفکر ہے کہ اگر اسی طرح اسلام کے احکام کی قطع و برید ہوتی رہی۔ اور علماء دین کے اثر سے متاثر ہو کر صرف معاشی اقتدار سے احکامِ اسلامی کو تولا گیا تو جو کچھ روس میں ہوا وہی کچھ پاکستان میں ہو کر رہے گا۔

عید کے دوسرے دن حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب (نیلہ گنبد) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو میں دیکھا کہ وہ بہت مغموم اور رنجیدہ ہیں۔ اور مولانا غلام مرشد صاحب کے خطبہ پر انتہائی ناراضگی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ مادیت یا مادہ پرستی کا اس قدر ہمہ گیر اثر ہے کہ عوام تو در کنار علماء بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ مولانا غلام مرشد نے جو کچھ کہا اس کا تعلق اسلام کی روحانیت سے قطعًا نہیں۔ نہ فقہاء نے کہیں اس کی اجازت دی ہے۔ یہ ان کی خالص مادہ پرستی ہے اور سنت ابراہیمی

سنتِ محمدیہ، سنتِ صحابہ کرام اور تمام سلف وخلف کے طریقہ مرضیہ کے خلاف ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کی یہ تقریر اسلام پر شدید حملہ ہے، اسلام تمام مسلمانوں کی مشترکہ میراث ہے اور جب وقت مشترکہ جائداد پر حملہ ہوتا ہے۔ اس وقت اس جائداد کے تمام شرکاء کا فرض ہوتا ہے کہ حملہ آور کا مقابلہ کریں۔ مولانا غلام مرشد نے اسلام کی سیزدہ صدسالہ روایات پر حملہ کیا ہے۔ ہر عالم اور ہر حامی کا فرض ہے کہ اس حملہ کی مدافعت کرے اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو اس الحاد سے پاک رکھنے کی کوشش کرے۔ پھر مجھ سے ارشاد فرمایا کہ

فقہاء کی طرف اس بدعت کی نسبت ظلم عظیم ہے۔ اس مسئلہ کو فقہی نقطہ نظر سے تم لکھو اور شائع کر دو۔ اس کے بعد "نوائے وقت" نے اپنے ایک مقالہ افتتاحیہ میں ایک قابل غور تجویز کا عنوان قائم کر کے علماء کو دعوت دی کہ وہ مولانا غلام مرشد کے اس دعویٰ کو پرکھیں۔

حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اور محترم مدیر نوائے وقت کی دعوت پر یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ ان سطور کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ فقہاء کرام کا اس بارہ میں فیصلہ کیا ہے

فقہاء کرام کا فیصلہ فقہاء کرام نے اضحیہ (قربانی) کی تعریف، شرائط اور رکن بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ... قربانی کے جانور کا ذبح کرنا رکن قربانی ہے اس لئے تضحیہ یعنی اہراق دم (خون بہانا) واجب ہے۔ اور امر وجوب کا تعلق جب کسی معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز یا دوسرا فعل اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اضحیہ یعنی قربانی۔ ایام نحر میں اہراق دم (خون بہانے) سے ہی ہو سکتی ہے اگر کوئی شخص قربانی کا جانور خرید کر زندہ کسی کو صدقہ کر دے۔ تو بھی قربانی ادا نہیں ہو گی چہ جائیکہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی کو صدقہ کر دے۔ فقہاء کرام کا یہ ارشاد قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر مبنی ہے۔

قرآن کریم قرآن کریم میں سورہ انعام کے آخر میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا ونبینا رحمۃ للعالمین وخاتم النبیین کو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ اپنی قوم کو اور تمام امت دعوت کو اعلان کر دیں کہ

مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور وہی راستہ درست اور صحیح دین اور ابراہیم حنیف کا طریقہ ہے جو ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

مشرکین کی عبادت غیر اللہ کے لئے، ان کی نذر ونیاز اور قربانیاں غیر اللہ کے لئے ہوتی ہیں مگر

آپ اعلان کردیں کہ، اِنَّ صَلوٰتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ میری نماز میری قربانی، میری ساری زندگی اور میری موت صرف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

اس آیت میں "نسک" کے لفظ کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں لیکن راجح قول یہی ہے کہ "نسکی" سے مراد قربانی ہے۔ جیسا کہ سعید بن جبیر، قتادہ اور دوسرے تابعین سے مروی ہے لیکن سب سے واضح قرینہ اس کے لئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحاح میں مروی ہے کہ آپ نے دو دنبوں کی قربانی دی۔ جب آپ نے انہیں قبلہ رخ لٹایا تو یہ دعا پڑھی۔

اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا مَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ اس دعا میں "ونسکی" کا لفظ جبھی برمحل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قربانی ہو۔ اور یہی دعا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سکھائی۔ فرمایا اے فاطمہ! اپنی قربانی کے پاس کھڑی ہو، اور قربانی ہوتے دیکھ۔ خون کے ہر قطرہ کے بدلہ میں تیرا گناہ معاف ہوگا اور یہ دعا پڑھ۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الی آخرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ "ونسکی" سے مراد قربانی ہی ہے۔ اس تشریح کے مطابق اس آیت میں نماز اور قربانی کو ایک ساتھ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جس طرح سورہ کوثر میں اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ نماز اور قربانی دونوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یوں حکم دیا گیا کہ اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی دے۔

احادیث

قرآن کریم کے اس حکم فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک کیا تھا؟ وہ متعدد احادیث میں مذکور ہے۔

نمبر۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ۔ (ترمذی) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال اقامت فرمائی۔ ہر سال آپ قربانی دیتے تھے۔

نمبر۲۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا۔ کیا قربانی واجب ہے حضرت

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔ ضحٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضحی المسلمون فاعادھا علیہ فقال اتعقل ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون۔ میاں! اتنا جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی دی اور صحابہ کرام نے قربانی دی۔ سائل نے پھر وہی سوال دہرایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے فرمایا تم سمجھتے نہیں۔ میں نے کیا کہا! میں نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے اور مسلمان قربانی دیتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ میں ان اصطلاحات میں نہیں جاتا۔ سیدھی سادی بات جانتا ہوں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی دیتے رہے، اور مسلمان بھی آپ کے اتباع میں قربانی کرتے رہے۔

نمبر۳: براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین۔ (صحیحین) جس نے نماز کے بعد قربانی کا جانور ذبح کیا اس کی قربانی ٹھیک ہو گئی اور مسلمانوں کی سنت کے مطابق اس کا عمل رہا۔

اس روایت میں مزید الفاظ یوں مروی ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ ان اول ما نبدء بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذالک فقد اصاب سنتنا۔ اس دن (یوم الاضحی) میں ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں۔ پھر گھروں کو لوٹ آئیں اور قربانی کا جانور ذبح کریں۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا۔ یقیناً اس کا عمل ہمارے طریقہ کے مطابق رہا۔

نمبر۴:۔ زید بن ارقمؓ روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے دریافت کیا:۔

یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام۔

یا رسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

کوئی مسلمان اس حقیقت سے نا آشنا نہیں ہوگا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی، عید اضحٰی اس واقعہ عظیمہ کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال کے قریب گزر گئے۔ کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آتے ہیں اور جب تک مسلمان اس کرۂ ارضی پہ آباد ہیں، اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے ــــ کسی واعظ کا وعظ، کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبر و قہر اس سنت ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کرسکتا۔ کوئی پہاڑ سے سر ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آئے

گا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عید قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور، خوبصورت جانور موٹے تازے، خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح ہوتے رہیں گے۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ۔

نمبر ۵:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحاح میں یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی دُنبوں کی قربانی دی اور مسند عبدالرزاق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ اشْتَرَى كَبْشَيْنِ عَظِيمَيْنِ سَمِينَيْنِ ۔ جب آپ قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے موٹے دنبے خریدتے۔

روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ ایک دنبہ اپنی طرف سے اور آل محمد کی طرف سے ذبح فرماتے اور دوسرا دنبہ غرباء امت کی طرف سے ذبح فرماتے۔

اس حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ متعدد جانور قربانی میں دینا پسندیدہ فعل ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔ قَالَ الشَّافِعِيَّةُ إِنَّ الْأُضْحِيَةَ بِسَبْعِ شِيَاهٍ أَفْضَلُ مِنَ الْبَعِيرِ لِأَنَّ الدَّمَ الْمُرَاقَ فِيهَا أَكْثَرُ وَالثَّوَابَ يَزِيدُ بِحَسْبِهِ ۔۔۔۔ (فتح الباری جلد ۲۳ ص۲۲) شافعی علمائے نے یہ تصریح کی ہے کہ سات بکریوں کی قربانی ایک اونٹ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ سات بکریوں کے ذبح میں اراقۃ الدم (خون بہانا) زیادہ ہے اور اسی مناسبت سے ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

نمبر ۶:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک سو اونٹ کی قربانی دی۔ ۶۳ جانور اپنے دست مبارک سے ذبح کئے۔ باقی جانور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے ۔۔ یہ مادیین، یہ تجدد پسند، یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پر دستارِ فضیلت بندھی ہوئی ہو۔ اور منبر خطابت کو زینت دے رہا ہو، وہ اس قربانی کے فلسفہ کو بھی سمجھ سکے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست   نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

نمبر ۷:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سُنئے کہ وہ زبانِ رسالت مآب سے ان اہراق دم (خون بہانے) پر کیا روایت کرتی ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا (ترمذی، ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل قربانی کے جانور کے خون بہانے سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں۔ بالیقین جان لو کہ قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور یہ بھی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں قبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ پس اے قربانی دینے والو! اس عمل کی عظمت وقبولیت پر خوش ہو جاؤ۔

۸:۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رض کو بھی آپ نے قربانی کے خون کی عظمت اور ثواب بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ یا فاطمۃ قومی اِلیٰ اضحیتک فاشہدیھا فان لک بکل قطرۃ من دمھا ان یغفرلک من ذنوبک۔ قالت یارسول اللہ انا خاصۃ اھل البیت اولنا وللمسلمین قال بل لنا وللمسلمین ...... (بیہقی، طبرانی)

اے فاطمہ! اپنی قربانی کے لئے کھڑی ہو جا اور اس کے پاس موجود رہ۔ ہر قطرہ خون کے بدلہ میں تیرے گناہ بخشے جائیں گے۔ حضرت فاطمہ رض نے عرض کیا، کیا یہ ثواب صرف ہم اہل بیت کے لئے ہی ہے یا سب مسلمانوں کے لئے؟ آپ نے فرمایا صرف اہل بیت کے لئے نہیں بلکہ اہل بیت اور تمام مسلمانوں کے لئے ہے

۹:۔ حضرت علی رض کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وصیت کر رکھی تھی کہ میرے بعد میرے لئے قربانی دیتے رہنا۔ حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رض کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ حضرت علی رض نے جواب دیا۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَلَا اَدَعُهٗ اَبَدًا۔ (ابوداؤد، ترمذی) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی دیتا رہوں۔ اس لئے یہ دوسری قربانی حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے دیتا ہوں اور ایک روایت کے مطابق فرمایا میں اسے کبھی ترک نہیں کروں گا۔

۱۰:۔ عقبہ بن عامر کی ایک روایت کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور صحابہ میں تقسیم کئے۔ امام بخاری رح نے اس روایت سے یہ مسئلہ استنباط کیا۔ قِسْمَةُ الْاِمَامِ الْاَضَاحِیَّ بَیْنَ النَّاسِ کہ امام غرباء میں قربانی کے جانور تقسیم کرے تاکہ وہ بھی اس دن قربانی ذبح کر کے سنت ابراہیمی کے ادا کرنے

کے قابل ہو سکیں۔

ذرا غور فرمائیے کہ عہد نبوی میں صورت حال یہ تھی کہ آپ غربار میں قربانی کے جانور تقسیم کرتے تھے کہ وہ بھی قربانی دے سکیں۔ اور آج مولانا صاحب یہ کوشش فرما رہے ہیں کہ خوش حال بھی قربانی نہ دیں۔ بلکہ اس کے بدلے قومی فنڈ میں چندہ دے دیں۔ اتباع سنت کا صحیح تقاضا تو یہ تھا کہ وہ حکومت سے مطالبہ کرتے کہ وہ رقم مخصوص کرے اور اس سے قربانی کے جانور غربار میں تقسیم کرے تاکہ آج بھی سنت محمدیہ کے مطابق غربار قربانی دے سکیں۔

بہر حال ان تمام روایات کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک قربانی کے جانوروں کا ذبح کرنا ہی مطلوب اور سنت ابراہیمی کے ادا کرنے کی صحیح صورت ہے اور کوئی دوسری چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی اور اسی حقیقت کی طرف فقہار کرام نے رہنمائی کی ہے۔

فقہار کرام کی تصریحات

اب آپ کے سامنے فقہار کرام کی تصریحات پیش کرتا ہوں۔ درمختار اور اس کا حاشیہ ردالمحتار فقہ حنفیہ کی مشہور اور مستند کتاب ہے، صاحب درمختار کتاب الاضحیہ کے ذیل میں اضحیہ (قربانی) کی تعریف، قربانی کے شرائط، قربانی کا وقت بیان کرنے کے بعد قربانی کا رکن بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

درمختار وَرُكْنُهَا ذِبْحُ مَا يَجُوزُ ذِبْحُهُ مِنَ النَّعَمِ لَا غَيْرُ فَيَجِبُ التَّضْحِيَةُ أَيْ إِرَاقَةُ الدَّمِ مِنَ النَّعَمِ۔

یعنی قربانی کا رکن ان جانوروں کا ذبح کرنا جن کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ پس واجب اراقۃ الدم یعنی خون بہانا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:۔

لان رکن الشئ مایقوم به ذالك الشئ والاضحیة انما تقوم بهذا الفعل فکان رکنا (رد المحتار ۲۱۹ ص ۵ ج)

اس لئے کہ کسی چیز کا رکن وہی ہو سکتا ہے جس کا قیام اس کے ساتھ ہو۔ قربانی چونکہ ذبح ہی کے ساتھ وجود میں آتی ہے اس لئے ذبح جانور قربانی کا رکن ہوا۔

اس کے بعد علامہ شامی اراقۃ الدم کے وجوب پر لکھتے ہیں:۔

وَالدَّلِيلُ عَلَى إِنَّهَا الدم انه تَصَدَّقَ بِعَيْنِ الْحَيْوَانِ لَمْ يُجْزِ۔ (ردالمحتار صفحہ ۲۲۳ جلد ۵)

یعنی اراقۃ الدم کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زندہ جانور قربانی کا کسی کو بطور صدقہ دے دے

تو یہ قربانی متصور نہ ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری فقہ حنفیہ کے مشہور فتاویٰ عالمگیریہ میں یوں وضاحت کی گئی ہے۔ فرماتے ہیں۔
وَمِنْهَا اَنَّهُ لَا يَقُوْمُ غَيْرُهَا مَقَامَهَا فِي الْوَقْتِ حَتّٰى لَوْ تَصَدَّقَ بِعَيْنِ الشَّاةِ اَوْ قِيْمَتِهَا فِي الْوَقْتِ لَا يُجْزِيْهِ عَنِ الْاُضْحِيَّةِ (ص ۲۹۶ ج ۵)

قربانی کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی دوسری چیز ایام نحر میں اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ بنابریں اگر کوئی شخص زندہ بکری کسی کو صدقہ کر دے یا اس کی قیمت کسی کو صدقہ کر دے تو قربانی اس کے ذمہ بحال رہے گی۔

بدائع الصنائع بدائع الصنائع فقہ حنفی کی بلند پایہ کتاب ہے۔ یہ کتاب ترتیب مضامین اور حسن بیان کے لحاظ سے بے مثل ہے۔ اس کے مصنف امام علاء الدین الکاسانی، ملک العلماء کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ انہوں نے کیفیت وجوب اضحیہ کے ذیل میں متعدد احکام لکھے ہیں زیر بحث مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَمِنْهَا اَنْ لَا يَقُوْمَ غَيْرُهَا مَقَامَهَا حَتّٰى لَوْ تَصَدَّقَ بِعَيْنِ الشَّاةِ اَوْ قِيْمَتِهَا فِي الْوَقْتِ لَا يُجْزِيْهِ عَنِ الْاُضْحِيَّةِ لِاَنَّ الْوُجُوْبَ تَعَلَّقَ بِالْاِرَاقَةِ وَالْاَصْلُ اِنَّ الْوُجُوْبَ اِذَا تَعَلَّقَ بِفِعْلٍ مُعَيَّنٍ اِنَّهُ لَا يَقُوْمُ غَيْرُهُ مَقَامَهُ (جزء ۵ ص ۶۶)

یعنی وجوب قربانی کی کیفیات میں سے ایک یہ ہے کہ قربانی یعنی ذبح جانور کا کوئی بدل یا اس کا قائم مقام کوئی نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص بجائے ذبح کرنے کے زندہ بکری کسی کو صدقہ کر دے یا اس کی قیمت صدقہ کر دے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ قربانی کے وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ وجوب کا تعلق اگر ایک معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد اس سوال کو پیش نظر رکھ کر کہ صدقہ فطر میں جنس کے بجائے قیمت دینا جائز ہے تو قربانی میں بھی یہ صورت جائز ہونی چاہیے۔ کہ بجائے قربانی کے اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے۔ فرماتے ہیں۔ وَهٰهُنَا الْوَاجِبُ فِي الْوَقْتِ اِرَاقَةُ الدَّمِ شَرْعًا غَيْرُ مَعْقُوْلِ الْمَعْنٰى فَيَقْتَصِرُ الْوُجُوْبُ عَلٰى مَوْرِدِ الشَّرْعِ وَبِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ اِنَّهَا تَتَاَدّٰى بِالْقِيْمَةِ عِنْدَنَا لِاَنَّ الْوَاجِبَ

هُنَاكَ مَعْمُولٌ بِمَعْنَى الْاِغْنَاءِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغْنُوهُمْ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فِي مِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ وَالْاِغْنَاءُ يَحْصُلُ بِاَدَاءِ الْقِيْمَةِ ۔ (ص ۶۶ جز ۵)۔

یعنی ایام نحر میں جو چیز واجب ہے، وہ ہے خون بہانا یعنی ذبح جانور۔ شریعت نے اس کی وجہ نہیں بتائی۔ اس لئے وجوب کا حکم مورد شرع کے ساتھ مخصوص ہوگا، بخلاف صدقۂ فطر کے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کر دی کہ مساکین کو عید الفطر کے دنوں میں سوال سے بے نیاز کر دو۔ یہ سوال سے بے نیازی صدقۂ فطر میں جنس کے ادا کر دینے سے بھی ہو سکتی ہے اور اس کی قیمت ادا کر دینے سے بھی ہوتی ہے اس لئے ہمارے نزدیک صدقۂ فطر میں تو قیمت دی جا سکتی ہے لیکن قربانی میں قیمت نہیں دی جا سکتی۔

فقہاء کرام کے فتویٰ کو واضح کرنے کے لئے یہ چند عبارات کافی ہیں ــــ اس میں یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آگئی ہے کہ قربانی کے ایام میں جانور ذبح کرنے سے ہی قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ قیمت تو درکنار خود زندہ جانور کے صدقہ کر دینے سے بھی قربانی کے وجوب سے کوئی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض صورتیں ایسی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایام قربانی میں قربانی نہیں دے سکا اور بعد میں وہ قربانی دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ قربانی کی قیمت بھی دے سکتا ہے اور قربانی بھی دے سکتا ہے ــــ اس کی مختلف صورتیں ہیں جن کو فقہاء نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ ایام قربانی میں قربانی کے جانوروں کی قیمت حکومت وصول کر کے رفاہی کاموں میں خرچ کرے۔

مولانا غلام مرشد صاحب کے پیش نظر فقہاء کی اگر کچھ تصریحات ایسی ہیں جو اُن کی تجویز کے حق میں ہیں ــــ تو وہ پیش کریں ــــ اس کے بعد غور کیا جا سکتا ہے کہ مولانا صاحب کی تجویز کی تائید ان عبارات سے ہوتی ہے یا نہیں۔ ہم کھلے دل سے ان کا مطالعہ کریں گے۔

اگر کتاب و سنت سے اور فقہاء کرام کی تصریحات سے اپنی تجویز کو مؤید کر دیا تو اس کے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

بہر حال ان کے ارشادات کا انتظار رہے گا۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۔ اخبار الاعتصام جلد ۱۵ ش ۳۸

مسائل و احکام

مولینا محمد علی جانباز سیالکوٹ

الاستفتاء

مکرمی جناب مولانا صاحب ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
مندرجہ ذیل سوال کا جواب کتاب و سنت کی روشنی میں مطلوب ہے امید ہے آپ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں گے۔

سوال

(۲) قربانی کی گائے کے حصص میں کیا کوئی بریلوی شریک ہو سکتا ہے جبکہ اس کا عقیدہ شرکیہ ہے اگر اس کی شرکت جائز ہو تو مرزائی کے متعلق کیا خیال ہے؟

جواب نمبر ۲۔ گائے وغیرہ کی قربانی کے حصص میں بریلوی عقیدہ کا شخص شامل ہو سکتا ہے اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس کے عقیدے کی خرابی باقی شرکاء کے حصص کی حلت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی جبکہ وہ بھی قربانی سنت یا واجب سمجھ کر کرتا ہے۔ کسی حدیث میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ منافقین مدینہ کو مسلمانوں کی قربانیوں میں شریک نہ کیا گیا ہو۔ جب منافقین کی شرکت ہو سکتی ہے تو بریلوی عقیدہ والے ان سے بدتر نہیں ہے۔ باقی رہی مرزائی کی شرکت تو اس کے متعلق بھی حرام کا فتویٰ نہیں لگا سکتے۔ بہر حال اگرچہ مرزائی کتاب و سنت کی رو سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے مگر اس کا کفر اس کے اپنے حصے کے لیے خرابی کا سبب بن سکتا ہے۔ باقی لوگوں کے حصوں پر اس کا کفر خارج نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی مرزائی اگر ہمارے پیچھے آکر نماز پڑھ لے تو ہماری نماز اور جماعت میں اس کی شرکت سے کوئی خرابی واقع نہیں ہو گی۔ صرف اس اکیلے کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ وہ کافر ہے اور کفر کے ساتھ کوئی بھی عبادت مقبول نہیں ہوتی (مولنا محمد علی جانباز سیالکوٹ) الحدیث لاہور جلد ۱۰ ش ۹۔

از جناب محمد دین صاحب بٹ چوک شہید گنج - لنڈا بازار لاہور

مشینی ذبیحہ

اسلام کے نام پر حاصل کئے ہوئے ملک پاکستان کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کا جانور ذبح کرنے کے متعلق ۔ فتویٰ

(۱) جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا ضروری نہیں۔

(۲) اسلام میں جو جانور حلال ہیں اگر ان کو ایسی مشینی سے ذبح کیا جائے (یعنی مشین سے جانوروں کا گلا کاٹ دیا جائے) جس سے وہ فوراً مر جائے تو یہ جانور حرام نہیں ہوں گے ان کو حلال سمجھا جائے گا

روزنامہ مشرق لاہور مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء

ماروں گھٹنا پھوٹروں آنکھ۔ ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مفتی اعظم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ چند لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے پاس لوگ گوشت لے کر آتے ہیں جس کے متعلق ہمیں علم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم گوشت پر اللہ کا نام لو اور کھا جاؤ۔

(روزنامہ مشرق مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

مفتی اعظم نے اس حدیث کو جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینے کے لئے حجت قرار دیا ہے۔

لیکن اس حدیث پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ مشرکین سے پاک ہو چکا تھا البتہ منافقین مدینہ طیبہ میں موجود تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان منافقین کے دیئے ہوئے گوشت کے بارے میں غریب لوگوں نے سمجھا کہ کہیں منافقین جانور ذبح کرنے میں بھی منافقت سے کام نہ لے رہے ہوں ورنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اطہر میں جب وحی الٰہی کا نزول ہو رہا تھا اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی رہنمائی فرما رہا تھا۔ اگر ذبح جیسے اہم مسئلہ میں کوئی اختلافی بات ہوتی تو آپ کس طرح لوگوں کو اس طرح گول مول سا جواب دے سکتے تھے جب کہ اسلام کے شیدائی آپ کے ارشادوں پر عمل کرنے ہی میں نجات آخروی سمجھتے تھے ان حالات میں کس طرح یقین

کیا ہے کہ ذبح کے بارے میں قرآن کریم کے واضح احکام کے ہوتے ہوئے (جن کا ذکر آئے گا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کوئی دوسرا حکم دیا ہو اور پھر حدیث مذکورہ کے الفاظ واضح طور پر ثابت کر رہے ہیں کہ یہ حدیث جانور ذبح کرنے بارے میں نہیں بلکہ ایسے گوشت کے استعمال سے متعلق ہے کہ جو لوگ قابل استطاعت ہیں اور وہ ذبح کیا ہوا گوشت ان لوگوں کو دیتے ہیں جو خود جانور ذبح کر کے گوشت کھانے کی استطاعت نہیں رکھتے اور ان لوگوں کو محض شک ہو کہ گوشت دینے والا شخص کہیں منافق نہ ہو اور اس نے گوشت پر خدا جانے تکبیر پڑھی بھی ہے یا نہیں۔ ایسے گوشت کو کھانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی ہوگی۔

اس حدیث میں ایک لفظ بھی ایسا دکھائی نہیں دیتا جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لینے کی ہدایت فرمائی ہو۔ پس ثابت ہوا کہ "ادارہ تحقیقات اسلامیہ" کے مفتی اعظم نے یہ حدیث بے محل پیش کر کے یہ ثبوت بہم پہنچایا ہے کہ جناب اسلامی مسائل سے بالکل ہی ناواقف ہیں اور جس منصب جلیلہ پر آپ کو جلوہ افروز کیا گیا ہے اس کے آپ اہل نہیں ہیں۔ لہٰذا اہل حق اور صاحب بصیرت مسلمان آپ کے ایسے غلط استدلال کو کسی صورت میں بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ ان لوگوں کے مسلک و مذہب کے عین مطابق ہو سکتا ہے جو قرآن حکیم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ ج فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم۝ «سوائے اس کے نہیں کہ تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ چیز کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر پکاری گئی ہو پس جو دھوک سے) لاچار ہو جائے (وہ) تو سرکشی کرنے والا اور نہ ہی حد سے بڑھنے والا ہو تو ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا نہایت رحم والا ہے»!

وہ اس آیت سے استدلال لے کر اور حدود اللہ کو توڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردار اور خون سور اور غیر اللہ کے نام پر پکاری ہوئی چیز کو کھا لینا جائز سمجھتے ہوں اور مسلمانوں کو محض اپنے جیسا گمراہ بنانے کی خاطر کہتے ہیں کہ اسلام نے تو ایسی چیزوں کے کھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔

اہل حق جانتے ہیں کہ اسلام میں ایسا کوئی ضابطہ اور اصول نہیں کہ وہ کسی فرد واحد یا کسی پارٹی یا وقتی حالات کی خاطر قرآن کریم کے کسی واضح حکم کو بدل دے یا تبدیل کر سکے۔ باوجود اس کے ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مفتی اعظم قرآن حکیم کے ذیل کے واضح احکام کے ہوتے ہوئے بھی فرماتے ہیں کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذیل کے احکام وہ فرائض ہیں جن کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا ہر اہل ایمان کیلئے ضروری ہے

ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا شرط ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ «یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبت وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ واتقوا اللہ ان اللہ سریع الحساب» اے رسول تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے فرمایئے تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں اور وہ

جانوروں کا گوشت) جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ، تم انکو سکھاتے ہو اس (علم) سے جو اللہ نے تمہیں سکھایا سو جسکو وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اسمیں سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے،
پھر فرمایا۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیٰتہ مومنین ۔ (الانعام ۱۱۹)

"پس تم کھاؤ اس میں سے جس (جانور) پر اللہ کا نام لیا گیا، سو اگر تم اس کے احکام پر ایمان لانے والے ہو"

مزید فرمایا۔ کہ حج کے دنوں میں۔ لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (الحج ۔ ۲۸)

"جو چوپائے اللہ نے انہیں مسلمانوں کو دیئے ہیں ان پر مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں پھر ان میں خود کھائیں اور محتاج فقیروں کو کھلائیں" (الحج) اس کے بعد فرمایا۔ والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر۔ فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف فاذا وجبت جنوبھا فکلوا منھا واطعموا القانع والمعتر (الحج: ۳۶)

"اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں فائدے بھی ہیں پھر ان پر اللہ کا نام کھڑا کر کے لو پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو انمیں خود کھاؤ اور سوال نہ کرنے والے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ"

جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیطین لیوحون الی اولیئھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون (الانعام ۱۲۱)

"اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اسمیں سے مت کھاؤ، اور (اس کا کھانا) یہ یقیناً (اللہ) کی نافرمانی ہے بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں (وسوسے) ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اور تم انکی بات مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل لغیر اللہ بہ والمنخنقۃ والموقوذۃ والمتردیۃ والنطیحۃ وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب (المائدۃ: ۳)

"حرام کیا گیا ہے (تم پر) وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا اور چوٹ لگ کر مرا ہوا یا بلندی سے گر کر مرا ہوا اور وہ جسے درندوں نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم (اللہ کا نام لے کر) ذبح کر لو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے۔

اللہ تبارک تعالیٰ کے ان واضح احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اسلام کے اصولوں سے بے بہرہ شخص آیات مذکورہ بالا کے مطابق شیطان کے بہکانے میں آکر یہ کہے کہ "جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا بھی ضروری نہیں" تو ان حالات میں سوائے اسکے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ صاحب مسلمانوں کو گمراہ اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان بنانے پر کمربستہ ہے ایسے شخص کے دجل و فریب سے اپنے ایمان کو بچانا مسلمانوں کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اور پاکستان کے سب سے زیادہ ہمدرد اور پاسبان صدر مملکت خداداد پاکستان فیلڈ مارشل جناب محمد ایوب خاں صاحب سے ایسے شخص کو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے اہم عہدے سے برطرف کرنے کے مطالبے کا حق ہر پاکستانی مسلمان کو حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے غیر اسلامی نظریہ یعنی "جانور ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا اور تکبیر پڑھنا ضروری نہیں" کا جواب آپ ملاحظہ فرما چکے۔

اب ہم جناب کے غیر اسلامی اعتقاد یعنی جانور کا مشین سے گلا کاٹے ہوئے جھٹکے پر مختصر سی روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر (البقرۃ ۔ ۱۷۳) "اے ایمان والو حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا"

بلندی سے گر کر مرا ہو یا درندوں کے کاٹنے سے مرا ہو ہر قسم کا حلال جانور اس لیے حرام ہے کہ اس کا خون جسم سے خارج ہونے کی بجائے گوشت میں جذب ہو کر حلال گوشت کو حرام بنا دیتا ہے اور یہ گوشت سوٴر کے گوشت کی طرح حرام ہو جاتا ہے اس بارے میں اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :-

فاذکروا اسم اللہ علیہا صواف ج فاذا وجبت جنوبہا فکلوا منہا ۔ (الحج : ۳۶)

تم قربانی کے اونٹ کو کھڑا کر کے اس پر اللہ کا نام لو (یعنی نحر کرو) اور جب وہ گر پڑے پھر اس کا گوشت کھاؤ ۔

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ جانور کے جسم سے خون خارج کر کے استعمال میں لایا جائے ۔

ذبح کے متعلق صاحب قرآن کے بتائے ہوئے اصول : بخاری میں ہے کہ حضرت جریج! عطاءؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ذبح حلق پر ہوتا ہے اور ذبح لوگوں کا کاٹنا ہوتا ہے میں نے پوچھا کہ رگیں پیچھے چھوڑ دی جائیں یہاں تک کہ نخاع کٹ جائے۔ کہا میرا گمان تو یہ نہیں ہے۔ نافعؓ نے مجھے ابن عمرؓ سے یہ خبر سنائی ہے کہ انہوں نے اس (نخاع) کے کاٹنے سے منع فرمایا ہے اور یہ کہا کہ ہڈی توڑنے کے کام کو چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ جانور تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائے۔

اور ابن عباس کا بیان ہے کہ حلق کے مقام پر ذبح کرنے میں اور نحر سے بھی بدن کا تمام خون نکل جاتا ہے ۔

رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ (بعض اوقات جانور ذبح کرتے وقت) ہمارے پاس چھری نہیں ہوتی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ایسی چیز سے ذبح کیا ہوا جانور جو اسکے جسم سے تمام خون کو نکال دے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو اسکو کھا لینا چاہیے لیکن دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرنا چاہیے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری پارہ ۲۳۔

طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ جانور ذبح کرتے وقت اس کو نخاع تک کاٹ دیا جائے کیونکہ اس سے حرام مغز اور جسم کا تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کے دنوں میں منیٰ میں تمام جگہ یہ اعلان کرایا جانور کے ذبح کی جگہ حلق اور سینے کے درمیان ہے۔ ثابت ہوا کہ اگر جانور کو ذبح کرتے وقت اسکی تمام گردن پوری کی پوری کاٹ کر اسکے جسم کا تعلق حرام مغز سے بالکل ختم کر دیا جائے تو اس سے جانور کی زندگی کی وہ کشمکش ختم ہو جاتی ہے جو ہر جانور اپنے م

قربانی کا جانور بیمار ہونے کی وجہ سے فروخت کر دیا، اب کیا حکم ہے؟

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا حکم؟

کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو جائز ہیں؟

حضرت مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

حسب ذیل مسائل کا فوری جواب عنایت فرمائیں ۔

سوال نمبر ۱:۔ زید نے عید الاضحیٰ سے قریباً چھ ماہ پیشتر قربانی کیلئے ۲۹ روپے میں دنبہ خریدا۔ دو ماہ بعد بیمار ہو گیا جس کو ستر روپے میں فروخت کر دیا۔ کیا زید کو اب دنبہ ہی خریدنا چاہیے یا گائے میں بھی شریک ہو سکتا ہے ۔

سوال نمبر ۲:۔ قربانی کے گوشت اور چمڑوں کا کیا حکم ہے!

سوال نمبر ۳:۔ کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں

الجواب بعون الوہاب

مـ۱ :۔ جتنے روپے میں جانور فروخت کیا گیا۔ وہ قربانی کے علاوہ دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر زید کو اتنی رقم میں دُنبہ وغیرہ نہ مل سکتے تو گائے میں شریک ہو سکتا ہے۔ آج کل گرانی ہے اگر اتنے میں حصے نہ مل سکے تو مزید روپے قربانی ہی میں صرف ہوں گے۔

مـ۲ :۔ قربانی کا گوشت فروخت نہیں کرنا چاہیے۔ خود کھائے۔ کچھ للّٰہ تقسیم کرے۔ عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی جائز ہے۔ قربانی کے گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔ قصاب کو گوشت اُجرت میں نہ دینا چاہیے۔ چمڑہ اور جھول وغیرہ بھی کسی اُجرت میں دینا منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس کی قربانی نہ ہو گی۔

مـ۳ :۔ زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کی کھالیں۔ یہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ یہ صدقات، خیرات کی قسم سے ہیں۔ یہ مسکینوں وغیرہ کا حق ہے۔ ان کی تنخواہ کے قائم مقام قرار دینا۔ اس سے صدقہ، خیرات باطل ہو جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ نہ قربانی اور نہ فطرانہ ادا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں مساکین کو مفت دینی چاہئیں اگر امام مسکین ہے اور امام نہ ہونے کی حالت میں بھی یہ چیزیں امام کو دی جاتی تھیں تو پھر امامت کے وقت بھی جائز ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیہات وغیرہ کا سلسلہ اس قسم کا نہیں۔ وہ امام نہ ہونے کی حالت میں بچوں کو تعلیم نہ دینے کی حالت میں۔ امام کو نہیں دیتے۔ اور امام ہونے کی حالت میں دیتے ہیں۔ اس بنا پر ان لوگوں کے یہ صدقات، خیرات ضائع ہیں (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۴۸ / ۴۹)

جو شخص مقروض ہو گیا اس پر قربانی اور زکوٰۃ ہے؟

حضرت مولانا حافظ عبد القادر صاحب روپڑی

سوال :۔ جو شخص مقروض ہو گیا اس پر قربانی اور زکوٰۃ ہے اور جو رقم کسی کو دی گئی ہو اس میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الوہاب :۔ اس سوال کا جواب حضرت العلام کا رقم فرمودہ درج ذیل ہے :۔

اگر جائیداد بھی ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہے تو زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ ورنہ نہیں۔

اور جو لوگوں کی طرف قرض ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو آسانی سے مل سکتا ہے اس کی زکوٰۃ دے اور جو باوجود کوشش کے وصول نہیں ہوتا وہ مال ضمار کے حکم میں ہے۔ اس پر صرف ایک سال کی

زکوٰۃ ہے جو کہ وصول ہو۔ خواہ کئی سال گذر جائیں۔ (ملاحظہ ہو موطا امام مالک مع شرح زرقانی جلد ۲ ص۶۱ وغیرہ)

رہا قربانی کا مسئلہ تو اس کا حکم بھی زکوٰۃ والا ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ زکوٰۃ میں نصاب شرط ہے۔ اور قربانی میں نصاب شرط نہیں، کیونکہ حدیث میں مطلق آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة و عتیرة رواه احمد و ابن ماجه و الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب (منتقی مع نیل الاوطار ص۳۸۵)

نوٹ:۔ عتیرہ وہ ہے جو ماہ رجب میں ایک جانور ذبح کیا کرتے تھے لیکن اب وہ دوسری احادیث سے منسوخ ہے۔ (اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش ۳۶)

حضرت العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا ذی الحج کا چاند چڑھنے کے بعد قربانی کے جانور کی اون اتارنا یا دودھ دوہنا جائز ہے؟

قربانی کا جانور خرید کر اس میں ایک اپنا حصہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

مفتی زماں حضرت العلام حافظ صاحبؒ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عید الاضحیٰ قریب آ رہی ہے۔ دو مسائل ارسال ہیں ان کے تسلی بخش جوابات ارسال فرمائیں۔

(۱) قربانی کی نیت سے جانور خریدا جائے اور ذی الحجہ کے چاند میں اسکی اون (پشم) اتاری جائے کیا یہ جائز ہے اس سے قربانی میں کوئی نقص تو پیدا نہیں ہو گا؟

(۲) کوئی شخص یکصد روپیہ میں قربانی کے لئے جانور خرید لایا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور باقی چھ حصے بقیمت ایک سو بیس روپے چھ حصہ داران کے پاس فروخت کر دئے گویا اپنی قربانی بھی کر لی اور دنیاوی فائدہ بھی اٹھا لیا۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب بعون الوہاب:۔

(۱) ترغیب ترہیب میں ہے:۔ عن عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم

قال ما عمل ادمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم وانہ لتاتی یوم القیامۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع من الارض فطیبوا بہا نفسا رواہ ابن ماجۃ والترمذی وقال حدیث حسن غریب والحاکم وقال صحیح الاسناد قال الحافظ رووہ من طریق ابی المثنیٰ واسمہ سلیمان ابن یزید عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عنہا وسلیمان رواہ وقد وثق (ترغیب ترہیب ص۱۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بقر عید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی عمل نہیں کیا کہ قربانی سے زیادہ اللہ کو پیارا ہو۔ اور قربانی قیامت کے دن سینگوں، بالوں کھروں سمیت آئے گی اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام میں پہنچتا ہے۔ پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کاٹنے چاہئیں جیسے سینگ وغیرہ۔ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی، ہاں اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے کا خریدا ہوا ہو اون اتنی بڑی ہوگئی ہو تو پھر بقر عید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ بقر عید کے دن تک کافی بڑھ جائے تاکہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے۔ اس صورت میں کاٹنے سے اس حدیث کی مخالفت نہیں ہوگی، اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اون کاٹے وہ صدقہ کر دینی چاہیے۔ کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شے استعمال کرنا شبہ سے خالی نہیں۔

جو قربانی مکہ شریف میں بھیجی جاتی ہے اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر راستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر دو۔ اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو۔ تم اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی نہ کھائے (ملاحظہ ہو مشکوۃ باب الہدی فصل اول ص۲۲۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شے اللہ ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیے۔ ہاں لاچاری کی حالت میں سواری کی اجازت آئی ہے، چنانچہ مشکوۃ کے اسی باب میں ہے:۔

ارکبہا بالمعروف اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَیْھَا حَتّٰی تَجِدَ ظَھْرًا۔

(یعنی قربانی کے جانور پر سواری کیلئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے۔ یہاں تک کہ اور سواری مل جائے

اسی بنا پر امام مالکؒ وغیرہ قربانی کے دودھ کی بھی اجازت نہیں دیتے۔

نیل الاوطار میں ہے:۔ واختلفوا ایضا فی اللبن اذا احتلب منه شیئا فعند العترة والشافعیة والحنفیة یتصدق به فان اکله تصدق بثمنه وقال مالکؒ لا یشرب من لبنه فان شرب لم یغرم (نیل الاوطار جلد ۴ ص۳۲۴)

(یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اہل بیت شافعیہ حنفیہ کہتے ہیں جب کچھ دودھ دوہے تو صدقہ کر دے اگر کہیں پی ہو گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ پینے کی اجازت نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس پر تاوان کچھ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شے اپنے استعمال میں نہ لائے۔ ذبح کے بعد استعمال میں لا سکتا ہے۔ گوشت کھا سکتا ہے۔ چمڑا برت سکتا ہے اور اون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کر کے کوئی شے بنانی چاہے تو بنا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی شے کو فروخت کر کے پیسے کھانے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حدیث میں چمڑوں وغیرہ کے فروخت کرنے سے صراحۃً منع فرمایا گیا ہے۔

۲۔ قربانی:۔ نام ہے اللہ کے لئے خون بہانے اور جان دینے کا، اور یہ شے واحد ہے، اس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص کی نیت گوشت کی ہو اور چھ شخصوں کی نیت قربانی کی ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہو گی کیونکہ خون بہانے اور جان دینے کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ محض اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے خلاف قیاس ایک شے کو سات کے قائم مقام کر دیا ہے اور جو بات خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اپنے محل پر بند رہتی ہے، اب جو شخص قربانی کا جانور خریدتا ہے اگر خریدنے کے وقت اس کی نیت اس میں حصہ رکھنے کی نہ تھی بلکہ خیال تھا کہ یہ سارا منافع پر فروخت کر دوں گا۔ پھر اس کی قیمت بڑھ گئی مثلاً بیس روپیہ کو خریدا تھا، تیس روپیہ قیمت پڑی چھ یا سات حصے پورے ہو گئے ابھی مجلس سے جدا نہیں ہوئے کہ اس کا خیال ہوا کہ ایک حصہ میں رکھ لوں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے سات شخص ایک جانور خرید کر قربانی کریں یا ایک شخص کے گھر کا جانور تھا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور اگر خریدنے کے وقت یا خریدنے کے بعد سودا ہونے سے پہلے اس کی نیت اس جانور میں حصہ رکھنے کی ہو گئی تو اس کے حصے پر منافع نہ ہوا اور چھ حصوں پر منافع ہوا تو یہ تقسیم کی صورت پیدا ہو گئی، اس لئے یہ درست نہ ہو گی۔

اس کے علاوہ اللہ تعالےٰ خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔ اس شخص کی نیت میں خلوص نہیں کیونکہ

پہلے سے اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے حصے کے ٹکے مجھ پر نہ پڑیں۔ دوسروں سے وصول کروں۔ گویا ظاہر باقی حصوں پر منافع لگاتا ہے اور درحقیقت اپنا حصہ فروخت کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے عمل میں خلل آگیا اس لئے ناجائز ہے (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش ۳۶)

از مولانا عبدالقادر حصاری

سوال :۔ کیا حکم ہے شرع محمدی کا اس مسئلہ میں کہ بھیڑ کا جذعہ باوجود مسنہ میسر ہونے کے قربانی کے لئے خریدنا اور ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟ اہل حدیث اور حنفیہ اکثر بھیڑ کا جذعہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور جذعہ آٹھ نو ماہ کے چھترا کو کہتے ہیں کیا یہ ٹھیک ہے کہ آپ سے یہ سنا جاتا ہے کہ اگر مسنہ ملے تو جذعہ کرنا جائز نہیں اس کی دلیل شرعی درکار ہے۔ بینوا توجروا۔ (السائل ماسٹر یحییٰ ساکن چک ۱۲۱ ای۔ بی ساہیوال)

الجواب بعون الوہاب :۔ الحمد للہ رب العلمین اما بعد پس واضح ہو کہ جمہور علماء کا مذہب اس بارہ میں یہی ہے کہ مسنہ ملے یا نہ ملے جذعہ یعنی کھیرا چھترا قربانی کرنا جائز ہے لیکن حدیث صحیح میں مسنہ میسر ہونے پر جذعہ کرنے کی ممانعت آئی ہے اسلئے مسنہ یعنی دو دانت میسر ہونے پر جذعہ قربانی کے لئے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہ ہو گی کیونکہ خلاف فرمان نبوی اس نے قربانی کی ہے اور جس نے خلاف فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عبادت کی تو وہ قبول نہ ہو گی، چنانچہ ثبوت اس کا یہ ہے کہ مشکوۃ میں صحیح مسلم کی یہ روایت وارد ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا تذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان۔ یعنی مت ذبح کرو قربانی میں کوئی جانور مگر یہ کہ وہ جانور جو دو دانت سامنے والے نکال چکا ہو لیکن اگر دو دانت ملنا مشکل اور دشوار ہو جائے تو بھیڑ کا کھیرا چھترا ذبح کر دو۔ یہ حدیث صحیح ہے جس کی صحت قطعی ہے اور قطعی الدلالت ہے کہ جب تک مسنہ میسر ہو اور ملنا دشوار نہ ہو تو مسنہ ہی قربانی کرنا چاہیے۔ ہاں اگر مسنہ خریدنے کی وسعت مالی نہ ہو یا کسی جگہ دو دانت والا جانور نہ ملتا ہو اور قربانی کا وقت آگیا ہو تو پھر جذعہ جو ایک سال کا ہو اور دیکھنے والے کو مسنہ کی مانند لگتا ہو قربانی کرنا جائز ہے۔

سبل السلام جلد ۴ صفحہ ۹۳ میں حدیث مذکورہ پر یہ لکھا ہوا ہے :۔ والحدیث دلیل علی انہ لا یجزئ الجذع من الضان فی حال من الاحوال الا عند تعسر المسنة۔

یعنی یہ حدیث جابرؓ کی روایت کردہ اس مسئلہ پر دلیل ہے کہ بھیڑ کا جذعہ قربانی میں کسی حال اور صورت میں کفایت نہ کرے گا مگر یہ کہ مسنۃ ملنا مشکل اور دشوار ہو تو پھر جذعہ بھیڑ کا جائز ہے۔ پھر جذعہ کے جواز کی علی الاطلاق جو حدیثیں پیش کرتے ہیں ان کا جواب دیا ہے ان ذالک کلہ عند تعسر المسنۃ یعنی یہ سب روائتیں جو مسلم کی قطعی حدیث کے مقابلہ میں کم درجہ کی ہیں اس بات پر محمول ہیں کہ مسنۃ متعسر ہو تو پھر جذعہ جائز ہے، یہ اصول کے مطابق فیصلہ ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے یہ علماء اہل حدیث کا مسلمہ اصول ہے۔ علاوہ ازیں ایک دیگر حدیث سے میرے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے جو مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۲۲ میں مذکور ہے کہ ابوبردہ بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نمازِ عید کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہوا میری زوجہ نے میرے خلاف یہ عمل کیا کہ جب میں نماز کے لئے چلا گیا تو اس نے میری قربانی والا جانور ذبح کر کے کھانا تیار کر لیا۔ جب میں نمازِ عید سے فارغ ہو کر گھر آیا تو اس نے میرے سامنے کھانا حاضر کیا میں نے کہا کہ یہ کہاں سے آیا اس نے کہا کہ یہ آپ کی قربانی کا گوشت ہے ہم نے اس جانور قربانی کو ذبح کر کے کھانا تیار کر دیا تاکہ آپ نمازِ عید سے واپس آکر صبح کا کھانا تناول فرمالیں میں نے کہا کہ قسم بخدا مجھے تو یہ اندیشہ ہو گیا ہے کہ نماز سے پہلے یہ کام کرنا لائق اور مناسب نہ تھا پھر میں دربار رسالت میں حاضر ہوا اور اپنی بیوی کے کارنامے کا سب قصہ سنایا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیست بشئی فضح کر یہ عمل کوئی چیز نہیں ہے قربانی دوبارہ کرو۔ فالتمست مسنۃ فما وجدت قال فالتمس جذعا من الضان میں نے دوسری قربانی کے لئے مسنۃ جانور تلاش کیا وہ مجھے نہ ملا تو آں جناب نے ارشاد فرمایا فالتمس جذعا من الضان فضح بہ یعنی اب تم بھیڑ کا چھترا جذعہ تلاش کر کے قربانی کرو فرخص لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجذع من الضان فضحی بہ حیث لم یجد مسنۃ (رواہ احمد ورجالہ ثقات) یعنی اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا جذعہ قربانی کرنے کی رخصت دے دی پس اس نے جذعہ اس وقت قربانی کیا جب مسنۃ نہ پایا۔ یہ حدیث صحیح وحسن ہے اس نے حدیث مسلم مذکورہ کی پوری تفسیر کر دی ہے کہ مسنۃ نہ ملے تو جذعہ جائز ہے۔ مسلم کی حدیث جابر والی مسند احمد میں بھی ہے اور ابوبردہ کی بھی ہے مسند احمد کی شرح فتح الربانی جلد ۱۳ صفحہ ۹۰ میں حدیث ابوہریرہ پر یہ لکھا ہے وفی ھذا انہ لا یضحی بالجذعۃ من الضان الا اذا لم یجد المسنۃ یعنی اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ بھیڑ کا جذعہ قربانی نہ

کرنا چاہیئے مگر اس صورت میں کہ مسنہ میسر نہ ہو۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ابو بردہ کا قصہ ہے اس کے دوسرے طریق میں جذعہ بکری کا ذکر ہے تو اس سے استدلال درست نہ رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ میں تعدد ہے ایک غلطی اس سے ہوئی اور دوسری غلطی اس کی عورت سے ہوئی چنانچہ فتح الربانی میں ہے۔ یجمع منہما بتعدد الواقعۃ۔ یعنی دو مختلف روایتوں میں تطبیق یوں دی جائے گی کہ یہ واقعہ میں تعدد ہے اور بکری کے جذعہ کی رخصت تو ابو بردہ سے مخصوص تھی اور پھر حکم دیا گیا (لا یجزئ عن احد بعدہ) کہ بکری کا جذعہ اس کے بعد کسی کے لئے کفایت نہ کرے گا یعنی اب جائز نہیں ہے۔ لیکن عورت والے واقعہ میں تو صاف یہ ذکر ہے کہ اس نے مسنہ تلاش کیا نہ ملا تو پھر اس کو یہ رخصت دی کہ اچھا اب بھیڑ کا جذعہ کر دو اور یہ کہا کہ جذعہ تب قربانی کیا گیا کہ جب مسنہ نہ ملا۔ اس سے جمہور علماء کی یہ تاویل کہ یہ حدیث استحباب پر محمول ہے باطل ہو گئی اور ان حدیثوں سے صاف یہ ثابت ہوا کہ مسنہ کے بغیر کوئی جانور ذبح نہ کرنا چاہیے۔ (اہلحدیث لاہور جلد ۲ ش ۶)

حضرت العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قربانی سے پہلے حجامت کا کیا حکم ہے؟

کیا نماز عید سے پہلے قربانی درست ہے

مفتی دوراں حضرت العلام حافظ صاحب۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حسب ذیل مسائل حل فرما کر شکریہ کا موقعہ بخشیں (محمد یوسف بیدیاں)

(۱)۔ اگر کوئی شخص قبل عید الاضحیٰ کے صبح سورج نکلے ناخن یا حجامت بنوالے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲)۔ کیا افعل ولا حرج جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احکام کی تقدم و تاخیر کے متعلق مسائل کو جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں وہ صرف حاجیوں کے لئے تھا یا عام مسلمانوں کے لئے؟

الجواب بعون الوہاب:

(۱) حجامت، قربانی کے بعد مسنون ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محلہ۔ (یعنی قربانی حلال ہونے سے پہلے سر نہ مونڈو)۔ دوسری جگہ قربانی کا ذکر کر کے فرمایا۔ ثم لیقضوا تفثھم۔ (یعنی قربانی کے بعد میل کچیل دور کریں)

"منتقی باب ما یجتنبه فی العشر من اراد التضحیه" میں ہے!۔

ولفظ ابی داؤد وھو مسلم والنسائی ایضا من کان له ذبح یذبحه فاذا اھل ھلال ذی الحجة فلا یاخذ من شعره واظفاره حتی یضحی۔

(یعنی جس کے لئے قربانی ہو وہ ذی الحجہ کا چاند چڑھنے کے بعد حجامت نہ کرائے۔ یہاں تک کہ قربانی کرے)۔ جابرؓ کی لمبی حدیث میں ہے۔ (تنظیم اہلحدیث لاہور ۲/اپریل ۱۹۶۹ء)

جواب ۲:۔ مشکوٰۃ باب فی الاضحیۃ میں حدیث ہے کہ آپؐ نماز عید پڑھ کر فارغ ہوئے تو قربانیوں کا گوشت دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کی گئیں۔ فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ اور ذبح کرے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر حاجیوں سے تقدیم تاخیر ہو جائے تو معاف نہیں۔ ہاں معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو بحکم لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا معاف ہو سکتا ہے۔

جیسے مکمل حجامت کروانے کے بعد قربانی یاد آئی تو اب دوبارہ حجامت بس کی شئے نہیں اس لئے جس حالت میں ہے قربانی کر دے خدا قبول کرنے والا ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ قربانی سے پہلے حجامت حرام ہو۔ اگر حرام نہ ہو تو پھر حجامت کے بعد قربانی کرنے مستحب کا خلاف ہے قربانی میں کوئی خلل نہیں لیکن نیل الاوطار جلد ۴ ص۲۲۲ میں حرمت کو ترجیح دی ہے۔ اسلئے حتی الوسع قربانی سے پہلے حجامت کرانے میں احتیاط چاہیے (عبداللہ امرتسری (روپڑی) (تنظیم اہلحدیث ۲/اپریل ۱۹۶۹ء)

مولینا حافظ عبدالقادر روپڑی

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کیا حکم ہے!

محترم مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،!

"تنظیم اہلحدیث" میں یہ مسئلہ شائع ہوا ہے کہ جانور کے سینگ سے ٹوپی اتر جائے تو وہ قربانی میں جائز نہیں۔ اس پر سوال یہ ہے کہ اگر جانور قربانی کے لئے کئی ماہ پہلے خریدا ہوا ہو اور خریدنے کے بعد سینگ کی ٹوپی اتر جائے یا کوئی اور عیب پیدا ہو جائے تو وہ جائز ہے یا نہیں۔ قربانی کا وقت قریب آ رہا ہے لہذا جواب سے جلد سرفراز فرمائیں۔ (اللہ بخش جالندھری چک ۲۹۴)

الجواب بعون الوہاب !۔ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کے بعد اگر اس میں نماز عید سے پہلے کوئی ایسا عیب پیدا ہوجائے جو قربانی سے مانع ہو تو اس کو بدل لینا چاہیے۔ کیونکہ عید سے پہلے کسی عیب کا پیدا ہوجانا ایسا ہی ہے جیسے عید سے پہلے ذبح ہونا۔ اور حدیث میں ہے۔

ایک شخص نے غلطی سے عید سے پہلے جانور ذبح کردیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ عام گوشت کی بکری ہے اور اس کے عوض دوسرا جانور قربانی کرنے کا حکم فرمایا۔

نیز حدیث میں ہے جو قربانی مکہ معظمہ بھیجی جائے اگر وہ راستہ میں رہ جائے تو اسکو اسی جگہ ذبح کردیا جائے۔ علمائے کرام کا فتویٰ ہے کہ اس کے عوض دوسرا جانور قربانی کرنا پڑے گا۔

غلط فہمی کا ازالہ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایک دُنبہ کی چکی بھیڑیا لے گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قربانی کی اجازت دے دی۔ بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ قربانی کے لئے نامزد ہونے کے بعد اگر جانور میں کوئی عیب پیدا ہوجائے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ استدلال صحیح نہیں!۔

اول — اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

دوم — چکی کا ہونا قربانی کے شرائط میں نہیں۔ یعنی چکی نہ ہو یا چکی میں کوئی نقص واقع ہوجائے تو بھی قربانی ہوجاتی ہے۔ جیسے دانت ٹوٹ جائے تو قربانی ہوجاتی ہے۔ ہاں اگر عید پڑھنے کے بعد کوئی عیب پیدا ہوجائے تو قربانی کو مانع نہیں کیونکہ آیت کریمہ۔ حتی یبلغ الھدی محلہ کی بناپر قربانی اپنے حلال (ذبح) ہونے کے وقت کو پہنچ گئی۔ فقط (حافظ عبدالقادر روپڑی) تنظیم اہلحدیث ۲/اپریل ۱۹۶۵ء

سوال نمبر ۱۔ قربانی کا چمڑا جانور ذبح کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب نمبر ۱۔ قربانی کرنے والا نہ ذبح کرنے سے پہلے چرم قربانی بیچ سکتا ہے نہ ذبح کرنے کے بعد بلا بغیر فروخت کئے ہوئے چمڑے سے فائدہ اٹھالے یا فقراء مساکین کو دیدے کہ وہ جس طرح چاہے اسکو اپنے تصرف میں لائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں استمتوا بجلودھا ولا تبیعوھا (احمد عن ابی سعید) ذکرہ الحافظ فی الفتح ولم یتعقبہ مع جری عادتہ تبعقب مافیہ ضعف بل عند الحنفیہ۔ چرم قربانی فروخت کرکے اسکی قیمت صدقہ کرنی جائز ہے۔ وقال ابوحنیفۃ یبیع ماشاء منھا ویتصدق بثمنہ (مغنی ص ۱۱۵/۱۱) محدث دہلی جلد ۸ء

حضرت العلام حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کیا اونٹ گائے میں قربانی کا ایک حصہ ایک بکری کا حکم رکھتا ہے؟ کیا ایک حصہ قربانی سب اہل خانہ کی طرف کافی ہے اور ثواب میں مستقل جانور کے برابر ہے؟

سوال نمبر ۱:۔ قربانی کے لئے گائے یا اونٹ میں ایک حصہ سب اہل خانہ کی طرف سے کافی ہوگا یا نہیں؟
سوال ۲:۔ نیز ایک حصہ اور سالم جانور ثواب میں دونوں برابر ہیں یا ان میں فرق ہے؟ ۔

(حافظ محمد علی خریدار تنظیم اہل حدیث)

الجواب بعون الوهاب:۔ عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ رجل فقال ان علی بدنة وانا موسر ولا اجدها فاشتریها فامرہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یبتاع سبع شیاہ فیذ بحهن رواہ احمد وابن ماجه منتقی باب ان البدنة من الابل والبقر من سبع شیاہ وبالعکس۔

(ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا میرے ذمہ ایک بَدَنَہ (اونٹ یا گائے کی قربانی) ہے اور میں صاحب وسعت ہوں۔ لیکن بَدَنَہ ملتی نہیں جو خرید لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سات بکریاں خرید کر ذبح کردے۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک گائے یا اونٹ سات بکریوں کے قائم مقام ہے اور اس حدیث میں اگرچہ ضعف ہے کیونکہ اس میں عطا خراسانی راوی ہے جو ابن عباس رضؓ سے روایت کرتا ہے۔ لیکن ابن عباس رضؓ کا فتویٰ اس حدیث کے موافق ہے اسلئے یہ حدیث قوی ہوگئی ہے۔

مسند احمد میں شعبہ سے روایت ہے۔

قال سمعت ابا جمرۃ الضبعی قال تمتعت فنهانی ناس عن ذلک فاتیت ابن عباسؓ فسألته عن ذالک فامرنی بها قال ثم انطلقت الی البیت فنمت فاتانی آت فی منامی فقال عمرۃ متقبلة وحج مبرور۔ قال فاتیت ابن عباس فاخبرته بالذی رأیت فقال اللہ اکبر اللہ اکبر سنة ابی القاسم صلی اللہ علیہ وسلم وقال فی الهدی جزور او بقرۃ او شاۃ او شرک فی دم (مسند احمد جلد اول ص۲۴۱)

یعنی شعبہ کہتے ہیں۔ میں نے ابا جمرہ سے سنا اس نے کہا میں نے حج تمتع کیا یعنی عمرہ کرکے حلال ہوکر پھر حج کا احرام باندھا، لوگوں نے مجھے اس سے منع کیا میں ابن عباس رضہ کے پاس آیا اور پوچھا تو انہوں نے مجھے اس کا امر فرمایا میں بیت اللہ میں پہنچا۔ وہاں مجھے نیند آگئی خواب میں دیکھتا ہوں ایک شخص مجھے کہتا ہے عمرہ مقبول ہے اور حج اخلاص والا ہے میں ابن عباس رضہ کے پاس آیا اور ان کو یہ خواب سنایا تو انہوں نے خوشی میں یا تعجب کے طور پر دو دفعہ اللہ اکبر کہا۔ پھر کہا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور قربانی کے بارے میں فرمایا ایک اونٹ ہے یا گائے یا بکری ہے، یا اونٹ گائے میں حصہ ہے۔

ابن عباس رضہ کے اس فتوٰی میں ایک حصہ کو بکری کے قائم مقام ذکر کیا ہے اس کے علاوہ یہ جمہور کا مذہب ہے کہ اونٹ گائے سات بکری کے قائم مقام ہے صرف اختلاف اس میں ہے کہ اونٹ دس کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ امام اسحاق بن راھویہ وغیرہ فرماتے ہیں "ہوسکتا ہے"۔ دوسرے کہتے ہیں: نہیں ہوسکتا؛ نیل الاوطار میں ہے۔

استدل بہ من قال عدل البدنۃ سبع شیاہ وھو قول الجمہور وادعی الطحاوی وابن رشد انہ اجماع ویجاب عنھما بان الخلاف فی ذلک مشہور حکاہ الترمذی فی سننہ عن اسحٰق بن راھویۃ وکذا فی الفتح وقال ھو احدی الروایتین عن سعید بن المسیب والیہ ذھب ابن خزیمۃ (نیل الاوطار جلدہ صــ)

جو اونٹ گائے کو سات بکریوں کے برابر کہتے ہیں وہ ابن عباس رضہ کی حدیث مذکور سے استدلال کرتے ہیں اور جمہور کا قول یہی ہے اور طحاوی اور ابن رشد نے اس پر اجماع کا دعوٰی کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اونٹ میں اختلاف مشہور ہے۔ ترمذی نے سنن میں اسحاق بن راھویہ سے اس کو نقل کیا ہے (کہ اونٹ دس کی طرف سے کافی ہے) فتح الباری میں بھی اسی طرح ہے نیز فتح الباری میں ہے کہ سعید بن مسیب سے بھی ایک روایت دس کی ہے اور ابن خزیمہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

خلاصہ: یہ کہ اس میں شبہ نہیں کہ اونٹ اور گائے کا ایک حصہ ایک بکری کے قائم مقام ہے اب بکری کا حکم سنیے۔

عن عطاء بن یسار قال سألت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عھد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال کان الرجل فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ فیاکلون

ویطعمون حتی تباهی الناس فصار کما تری. رواه ابن ماجه والترمذی وصححه وعن الشعبی عن ابی سریحة حملنی اهلی علی الجفاء بعد ما علمت من السنة کان اهل البیت یضحون بالشاة والشاتین والآن یبخلنا جیراننا رواه ابن ماجه۔

(منتقی باب الاجتزاء بالشاة لاهل البیت الواحد)

عطاء بن یسار کہتے ہیں، میں نے ابوایوب انصاری سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تم میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں فرمایا۔ آپؐ کے زمانہ میں ایک بکری ایک شخص سے اور اس کے اہل بیت سے کافی ہوتی تھی کھاتے اور کھلاتے یہاں تک کہ لوگ فخر کرنے لگے مگر اب یہ حالت ہے کہ جو تو دیکھتا ہے اور شعبی ابی سریحہ سے روایت کرتے ہیں کہ سنت مان لینے کے بعد میرے اہل نے مجھے بے وقوفی پر آمادہ کیا ایک گھر والے ایک (کبھی) دو بکریاں قربانی کرتے اب ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل بتاتے ہیں۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ ایک بکری ایک گھر کی طرف سے کافی ہے اور ایک حصہ بھی ایک بکری کے قائم مقام ہے پس وہ بھی ایک گھر کی طرف سے کافی ہوگا اس کے علاوہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے علی کل اهل بیت فی کل عام اضحیة (ہر گھر والوں پر سال پر ایک قربانی ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ اونٹ گائے کا ایک حصہ قربانی ہے پس وہ ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہوگا۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ عید الاضحیٰ آگئی۔ ہم سات گائے میں اور دس اونٹ میں شریک ہوئے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سفر میں ایک گھر کے سات سات آدمی بعید ہیں اور یہ کسی روایت میں نہیں کہ انہوں نے گھر والوں کی طرف سے الگ قربانی کی بلکہ اگر الگ کر سکتے تو شرکت کی ضرورت نہ تھی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اونٹ گائے کا ایک حصہ ایک بکری کا حکم رکھتا ہے اور بکری کی طرح ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھی سات کی طرف سے ہے اور اونٹ بھی سات کی طرف سے ہے یہ ارشاد آپ کا عام ہے اس میں ایک گھر کے سات

آدمی کی شرط نہیں پس جیسے یہ عام ہے ویسے عام ہی رہنا چاہیئے۔

نیز مشکوٰۃ وغیرہ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امر فرمایا کہ اونٹ گائے میں سات سات شریک ہوں۔ نیز جابرؓ کہتے ہیں کہ عمرہ حدیبیہ میں ہم نے ستر قربانیاں کیں ہر ایک میں سات سات شریک تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مختلف گھروں کے سات سات شریک ہوئے کیونکہ ستر گھر اور ہر گھر کے چھوٹے ستلے سات سات آدمی حضر میں بھی بعید ہیں سفر میں کس طرح تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ اونٹ گائے کا ایک حصہ ایک بکری کے قائم مقام ہے۔

جواب ۲ ۔ قربانی خون بہانے کا نام ہے، گوشت کے کھانے کا نام قربانی نہیں ہے اونٹ کا دس اور اور گائے کا سات کے قائم مقام ہونا یہ محض خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مستقل خون بہانا یعنی سالم جانور قربانی کرنا شرکت کی صورت میں خون بہانے سے بہتر اور افضل ہے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش $\frac{38}{39}$)

حضرت حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی

قربانی کا جانور بیمار ہونے کی وجہ سے فروخت کر دیا، اب کیا حکم ہے؟

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا حکم؟

کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو جائز ہیں؟

حضرت مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی . . . . . . السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

حسب ذیل مسائل کا فوری جواب عنایت فرمائیں۔

سوال ۱ ۔ زید نے عیدالاضحیٰ سے قریباً چھ ماہ پیشتر قربانی کیلئے ۲۹ روپے میں دنبہ خریدا۔ دو ماہ بعد

بیمار ہو گیا۔ جس کو ستو روپے میں فروخت کر دیا۔ کیا زید کو اب دُنبہ ہی خریدنا چاہیئے یا گائے میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔

سوال ۲:۔ قربانی کے گوشت اور چمڑوں کا کیا حکم ہے؟

سوال ۳:۔ کیا قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دینی جائز ہیں۔

الجواب بعون الوھاب:۔

۱:۔ جتنے روپے میں جانور فروخت کیا گیا۔ وہ قربانی کے علاوہ دوسری جگہ صرف نہیں ہو سکتے لہٰذا اگر زید کو اتنی رقم میں دُنبہ وغیرہ نہ مل سکے تو گائے میں شریک ہو سکتا ہے آج کل گرانی ہے اگر اتنے میں حصے نہ مل سکے تو مزید روپے ان میں شامل کرے۔ بہر صورت قربانی کے روپے قربانی ہی میں صرف ہوں گے۔

۲:۔ قربانی کا گوشت فروخت نہیں کرنا چاہیئے۔ خود کھائے کچھ للّٰہ تقسیم کرے۔ عزیز رشتہ داروں کو دینا بھی جائز ہے۔ قربانی کے گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ بھی کر سکتے ہیں۔ قصاب کو گوشت اُجرت میں نہ دینا منع ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی قربانی نہ ہو گی۔

۳:۔ زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی کی کھالیں۔ یہ کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ یہ صدقات، خیرات کی قسم سے ہیں۔ یہ مسکینوں وغیرہ کا حق ہے ان کی تنخواہ کے قائم مقام قرار دینا، اس سے صدقہ، خیرات باطل ہو جاتا ہے۔ نہ زکوٰۃ نہ قربانی اور نہ فطرانہ ادا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں مساکین کو مفت دینی چاہئیں۔ اگر امام مسکین ہے اور امام نہ ہونے کی حالت میں بھی یہ چیزیں امام کو دی جاتی تھیں تو پھر امامت کے وقت بھی جائز ہو سکتی ہیں۔ لیکن دیہات وغیرہ کا سلسلہ اس قسم کا نہیں۔ وہ امام نہ ہونے کی حالت میں، بچوں کو تعلیم نہ دینے کی حالت میں۔ امام کو نہیں دیتے۔ اور امام ہونے کی حالت میں دیتے ہیں۔ اس بنا پر ان لوگوں کے یہ صدقات، خیرات ضائع ہیں۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۳۸/۳۹)

از قلم حضرت شیخ العلامہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی محدث امرتسری

الاستفتاء

* عمر قربانی کی تحقیق * قربانی کا چمڑہ
* چرم قربانی ۔ مساجد اور مدارس ۔
* چرم قربانی اور امامانِ مساجد ۔
* ایک گائے میں متفرق سات اشخاص کی شرکت

سوال :- صحیح مسلم کی حدیث لَا تَذْبَحُوا اِلَّا مُسِنَّةً میں لفظ مُسِنَّہ کے شرعی اور لغوی معنی کیا ہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں کہ مُسِنَّہ کے معنی دو دانت والا جانور ہے ۔ برس دو برس کی کوئی قید نہیں ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دو برس کا ہو کر تیسرے سال میں لگا ہو ۔ عام ازیں کہ دانت ہوں یا نہ ہوں ۔ ان دونوں میں سے کونسا قول از روئے تحقیق صحیح و قابل قبول ہے مع دلیل بیان فرمادیں !

جواب :- مجمع البحار میں ہے وَالْمُسِنَّةُ تَقَعُ عَلَى الْبَقَرَةِ وَالشَّاةِ اِذَا اَثْنَيَا وَتُثْنِيَانِ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ وَلَيْسَ مَعْنَى اِسْنَانِهَا كِبَرُهَا كَالرَّجُلِ الْمُسِنِّ وَلٰكِنْ مَعْنَاهُ طُلُوْعُ سِنِّهَا فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ (مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۱۳۶)

یعنی مُسِنَّہ کا لفظ گائے، بکرے دونوں پر بولا جاتا ہے جب کہ دانت نکالیں ۔ اور گائے بکری دونوں تیسرے سال میں دانت نکالتی ہیں اور ان کے مسنہ ہونے سے یہ مراد نہیں جیسے کہتے ہیں فلاں آدمی مُسِن ہے ۔ یعنی بڑی عمر کا ہے ۔ بلکہ گائے بکری کے مُسِنَّہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تیسرے سال میں ان کے دانت نکلیں ۔

نہایہ میں ہے اَلْبَقَرَةُ وَالشَّاةُ يَقَعُ عَلَيْهِمَا اسْمُ الْمُسِنِّ اِذَا اَثْنَيَا وَتُثْنِيَانِ فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ وَلَيْسَ مَعْنَى اِسْنَانِهَا كِبَرُهَا كَالرَّجُلِ الْمُسِنِّ وَلٰكِنْ مَعْنَاهُ طُلُوْعُ سِنِّهَا فِي السَّنَةِ الثَّالِثَةِ (نہایہ ج ۲ صفحہ ۲۰۲)

اس عبارت کا ترجمہ اور مطلب بھی وہی ہے جو اوپر مجمع البحار کی عبارت کا گزر چکا ہے ۔

صحاح جوہری میں ہے:۔ الثنی الذی یلقی ثنیتہ ویکون ذلک فی الظلف والحافر فی السنۃ السادسۃ وفی المحکم الثنی من الابل الذی القی ثنیتہ وذلک فی السادسۃ ومن غنم الداجن فی السنۃ الثانیۃ تیسا اوکان کبشا وفی التھذیب البعیر اذا استکمل الخامسۃ وطعن فی السادسۃ فھو ثنی وھو ادنی ما یجوز فی سن الابل فی الاضاحی وکذلک من البقر والمعز فاما الضان فیجوز منھا الجزع فی الاضاحی وانما سمی البعیر ثنیا لانہ القی ثنیتہ (تاج العروس جلد ۱ ص ۱۳۱)

محکم میں ہے ثنی اس اُونٹ کو کہتے ہیں جو سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری میں دوسرے سال میں ہوتا ہے بکرا ہو یا دنبہ۔ اور تہذیب میں ہے اُونٹ جب پانچ سال ختم کر کے چھٹے سال میں قدم رکھتا ہے تو وہ ثنی ہے اور اس سے کم عمر کا اُونٹ قربانی میں جائز نہیں اسی طرح گائے بکری ثنی سے کم عمر جائز نہیں۔ ہاں دنبہ جائز ہے خواہ وہ جذع ہو۔ اور اُونٹ (وغیرہ) کو ثنی اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے سامنے کے دانت ڈال دے۔

فتح الباری میں ہے:۔ وحکی ابن التین عن الداؤدی ان المسنۃ التی سقطت اسنانھا للبدل قال اھل اللغۃ المسن الثنی الذی یلقی ویکون فی ذات الخف فی السنۃ السادسۃ وفی ذات الظلف والحافر فی السنۃ الثالثۃ وقال ابن فارس اذا دخل ولد الشاۃ فی السنۃ فھو ثنی ومسن (فتح الباری ص ۱۳ جلد ۱۰)

"ابن التین نے داؤدی سے نقل کیا ہے کہ مسنہ وہ ہے جس کے سامنے کے دانت بدلے تبدیلی گر جائیں اہل لغت کہتے ہیں۔ جو اپنے سامنے کے دانت ڈالدے اور یہ اُونٹ میں چھٹے سال میں ہوتا اور بکری گائے میں تیسرے سال۔ اور ابن فارس کہتے ہیں بکری کا بچہ دوسرے سال میں داخل ہو جائے۔ جس کو ثنی بھی کہتے ہیں اور مسنہ بھی۔"

ثنی وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈال دے اور یہ بکری دنبہ اور گائے میں تیسرے سال ہوتا ہے۔ اونٹ میں چھٹے سال میں محکم میں ہے ثنی اُونٹوں سے وہ ہے جو سامنے کے دانت ڈالدے اور یہ چھٹے سال میں ہوتا ہے اور بکری دنبہ سے دوسرے سال میں ہوتا ہے۔ اور تہذیب میں کہ اُونٹ جب پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں داخل ہو۔

ان عبارتوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مسنہ (یا ثنی) اس کو کہتے ہیں جس کے دانت نکلیں بغیر دانت نکلے مسنہ (یا ثنی) کہنا صحیح نہیں۔ دوسرے یہ کہ سالوں کی تعیین ملکوں کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ ان

عبارتوں میں کہیں کہا ہے گائے بکری تیسرے سال میں دانت نکالتی ہے۔ کہیں کہا ہے گائے بکرے دوسرے سال میں دانت نکالتی ہے۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بکرے کے دانت دوسرے سال میں نکل آتے ہیں۔ اور اسی بنا پر امام احمد وغیرہ نے دوسرے سال میں مسنہ یا ثنی کہا ہے۔ اور امام شافعی وغیرہ نے تیسرے سال میں ملاحظہ ہو عون المعبود جلد ۳ ص ۳ پس اصل یہی ہے کہ دو دانت نکلے بغیر قربانی نہ کیا جائے خواہ سال سے اوپر ہو۔ اور خواہ کتنا موٹا تازہ ہو ورنہ قربانی شکی ہوگی۔

سوال:۔ چمڑہ قربانی بصورت چمڑا ادا کرنا ضروری ہے یا فروخت کرکے اس کی قیمت بھی صدقہ ہوسکتی ہے اگر دونوں صورتیں جائز ہیں تو بہتر کونسی ہے؟

جواب:۔ دونوں طرح جائز ہے بہتر صورت وہ ہے جو مساکین کے حق میں بہتر ہو۔ کیونکہ صدقہ کی غرض مساکین کو فائدہ پہنچانا ہے۔

سوال:۔ مساجد اور مدارس دینیہ کی تعمیر یا طلبہ مدارس دینیہ کے اخراجات اور مدرسین کی تنخواہوں میں چرم قربانی صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مساجد یا مدارس دینیہ کی تعمیر میں یا کسی اور مد میں جو وقف ہو، زکوٰۃ، عشر، فطرانہ اور قربانی کا چمڑہ لگانا جائز نہیں ہاں مدارس دینیہ کے طلباء کے اخراجات اور مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں خرچ ہوسکتا ہے طلباء مدارس دینیہ مساکین میں شامل ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ۔ مدرسین اور مبلغین اسلام عاملین میں شامل ہیں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عاملین کی طرح اپنی محنت کا معاوضہ لیتے ہیں۔

سوال:۔ اور امامانِ مساجد کو دینا جائز ہے یا نہیں۔ آج کل عام دستور ہے کہ دیہات وغیرہ میں امامانِ مساجد کو مقرر کرتے ہوئے لوگ یہ شرط کرلیتے ہیں کہ دیگر خدمات کے علاوہ صدقہ فطر اور قربانی کے چمڑے بھی تمہیں دیئے جائیں گے۔ کیا یہ صورتیں شرعاً صحیح ہیں؟

جواب:۔ امامانِ مساجد کو زکوٰۃ، عشر اور چمڑہ قربانی دینا منع ہے۔ کیونکہ حدیث میں اذان پر اجرت لینی منع آئی ہے۔ اذان امامت کے لئے ہوتی ہے، تو امامت پر اجرت بطریق اولیٰ منع ہوئی امام کی ڈیوٹی صرف وقت کی حاضری ہے۔ اور مؤذن کی ڈیوٹی اس سے زیادہ احتیاط والی ہے۔ کیونکہ اصل وقت کی اطلاع وہی دیتا ہے۔ جب اذان پر اجرت منع ہوئی تو معلوم ہوا کہ عبادت کے لئے وقت

کی حاضری اجرت کا سبب نہیں ہے اور اس میں امام بھی شامل ہے پس محض امامت پر اُجرت کسی طرح بھی جائز نہ ہوئی۔

ہاں بچوں کی تعلیم وغیرہ پر جو محنت ہے اس کی اجرت جائز ہے۔

کیونکہ اس صورت میں یہ عاملین کے حکم میں ہوگا۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آج کل عموماً دیہات وغیرہ میں بچوں کی تعلیم کے لئے صدقہ فطر عُشر، زکوٰۃ اور چمڑہ قربانی وغیرہ جس صورت سے دیئے جاتے ہیں یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس طرح گھر کی چیز گھر ہی رہ جاتی ہے، یعنی لوگوں کے اپنے ہی بچے ہوتے ہیں۔ اور اپنے ہی صدقات ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ یہ سب چیزیں نظام امارت کے سپرد ہو کر بیت المال میں جمع ہو جائیں تو اس بیت المال سے اس گاؤں کے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے۔

صحیح معنوں میں شرعی بیت المال کی صورت یہ ہے کہ:

جماعت کا امیر ہو اس کے ماتحت دیہات وغیرہ میں مقامی امیر ہوں جن کے ماتحت مقامی بیت المال ہو، ان کا نظام امیر جماعت کے تحت ہو۔ اس صورت میں عُشر زکوٰۃ، فطرانہ اور چمڑہ قربانی کا تعلق دینے والوں کے ساتھ نہیں رہتا بلکہ ان کے قبضہ و تصرف سے نکل کر امیر کے اختیار میں ہو جاتا ہے۔ اب گھر کی چیز گھر میں رہنے والی صورت نہ ہوگی، بلکہ حسب ضرورت یہاں خرچ ہوگا اور باقی جہاں ضرورت ہوگی وہاں منتقل ہو جائے گا۔"

مختصر یہ کہ صدقہ فطر، عُشر، زکوٰۃ اور قربانی کے چمڑے یہ سب چیزیں ادا کرنے کے بعد ان کو اپنے قبضہ و تصرف میں رکھ کر اپنے ہی بچوں وغیرہ کی تعلیم پر صرف کرنا جیسے عموماً دیہات وغیرہ میں رواج ہے یہ صورت جائز نہیں۔!

نوٹ:۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعتی دینی ادارے جو زکوٰۃ عشر اور چرم قربانی وغیرہ دینے والوں سے آزاد ہیں، ان پر اُن کا تصرف و اختیار نہیں ہوتا ان میں دینے سے یہ چیزیں ادا ہو جاتی ہیں۔

(اخبار تنظیم اہلحدیث ۲۷/مئی ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا عزیز زبیدی صاحب ۔ وار برٹن

قربانی سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوالات :۔ ۱ :۔ قربانی سب گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے یا صرف کرنیوالے کی طرف سے ہوتی ہے؟ ۔

۲ :۔ قربانی فرض ہے یا سنت؟

۳ :۔ کیا قربانی اپنے ہی ہاتھ سے ہو سکتی ہے ۔ دوسرے کے ذریعے نہیں ۔

۴ :۔ "بقر عید" کو کیوں "عید الاضحیٰ" کہتے ہیں اور اس کا صحیح تلفظ کیا ہے؟

۵ :۔ حاجی عام طور پر زمزم، مٹی، کھجوریں اور غلاف کعبہ کے ٹکڑے بطور تبرک لاتے ہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

۶ :۔ کہتے ہیں حضرت اسمٰعیل ع کی جگہ دنبہ یا مینڈھا رکھ دیا گیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

۷ :۔ اہل حدیث اور اہل ہوی لوگوں کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ ۔

جواب مدلل ہو ۔ (محمد سعید پاکستی ۔ کراچی شہر)

جواب ۱ :۔ سب گھر والوں کی طرف سے ہو جاتی ہے ۔ وہ بکرا چھترا ہو یا اونٹ اور گائے ۔ حضرت ابو ایوب انصاری رض فرماتے ہیں کہ ہمارا یہی دستور اور تعامل ہے کہ ایک شخص اپنی اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری بکرے کی قربانی دیا کرتا تھا ۔ بعد میں فخر و مباہات کا سلسلہ جاری ہو گیا، تو ایک ایک کی طرف دینے لگ گئے! كُنَّا نُضَحِّي بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ يَذْبَحُهَا الرَّجُلُ عَنْهُ وَعَنْ أَهْلِ بَيْتِهِ ثُمَّ تَبَاهَى النَّاسُ بَعْدَ ذَلِكَ فَصَارَتْ مُبَاهَاةً (موطا محمد ص۲۲۶ وغیرہ عن عطاء)

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک عہد کی بات ہے، دوسری روایات میں اس کی تصریح آگئی ہے عن عطاء بن یسار قال سألت ابا ایوب الانصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کان الرجل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یضحی بالشاة عنه وعن اهل بیته الحدیث اخرجه ابن ماجه ص۲۳۳ والترمذی وصححه ۔

حضرت عبد اللہ بن ہشام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بکری اپنے سب گھر والوں کی طرف

سے قربانی دیا کرتے تھے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عن جمیع اھلہ رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد۔

احناف کے نزدیک ایک بکرا چھترا سب گھر والوں کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ (ہدایہ ص۲۲۳ جلد ۴) امام ابن رشد فرماتے ہیں کہ یہ بطور کراہت کہتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ قربانی سب کی طرف سے ہوتی ہی نہیں۔

خالف فی ذلک ابوحنیفۃ والثوری علی وجہ الکراھۃ لا علی وجہ عدم الاجزاء و بدایۃ المجتہد (ص۴۳۳ ج ۲) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ کراہت کے ساتھ لیکن کہ ایک گھر کی قربانی سب کی طرف سے حنفیہ کے نزدیک بھی ہو جائے گی۔

دلیل میں وہ قیاس پیش فرماتے ہیں۔ والقیاس ان لا تجوز الا من واحد لان الاراقۃ لان الواقعۃ واحدۃ وھی القویۃ (ہدایہ ص ۴۲۲ جلد ۴) لیکن یہ صریح حدیث کے خلاف ہے لہٰذا احادان کا قیاس ممنوع کوئی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس کے علاوہ انہوں نے حسب عادۃ احادیث کی تاویلیں کرڈالی ہیں، جو صرف تاویلیں ہیں، دلائل نہیں ہیں امام ابن القیم رح فرماتے ہیں کہ:۔ حضور کا یہی اسوہ حسنہ ایک بکری ایک شخص اور اس کے اہل بیت کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی:۔ وکان ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشاۃ تجزی عن الرجل ومن اھل بیتہ ولو کثر عددھم زاد المعاد فصل ہدیہ ان یضحی بالمصلی ص۲۲۶ ج۲) امام خطابی رح فرماتے ہیں کہ (حدیث) تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد "اس امر کی دلیل ہے کہ ایک بکری آدمی اور اس کے اہل بیت سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے، خواہ وہ کثیر ہی ہوں۔ دلیل علی ان الشاۃ الواحدۃ تجزئ عن الرجل واھلہ ان کثروا (دار تحفۃ الاحوذی ص ۳۵۸ ج ۲) امام شوکانی فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ گھر کے افراد سو سے بھی زیادہ ہوں تو بھی ایک بکری ان سب کے لیے کافی ہے۔

والحق انہا تجزئ عن اھل البیت وان کانوا مائۃ نفس او اکثر (نیل ص۱۲۰ ج ۵) حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک بھی یہی ہے واد ضحیۃ مسنتہ من معز من جذع من ضان فی کل اھل بیت (حجۃ اللہ البالغہ ص۳۴ ج۲ باب العیدین)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے برادران احناف اپنے نظریہ کی وجہ سے گھاٹے میں جارہے ہیں۔ کہ گھر سارا اسی شرف اور فضیلت سے قاصر اور محروم رہے؟ تمام حیرت ہے، یہاں تک کہ صدقہ فطر میں تو گنجائش دیکھی گئی تھی کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی "فطرانہ" ادا کیا جائے۔ ویخرج عن اولادہ الصغار (ہدایہ باب صدقۃ الفطر ص۱۸۰ ج ۱) لیکن قربانی کے سلسلے میں فتویٰ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی قربانی دینا ضروری نہیں

ہے۔ انہ لا یجب من ولدہ وھو ظاھر الروایۃ (ھدایۃ ص۲۳۲ جلد۴) مثلہ الفتوی کذا فی فتاوی قاضی خان (بین السطور ھدایۃ ملخصا ص۲۳۲ جلد۴)۔

حضرت ابو سریحہ فرماتے ہیں، سنت کے معلوم ہونے کے بعد مجھے میرے خاندان نے مجھے کم عقلی پر آمادہ کیا، حالانکہ ایک گھر والے ایک او دو بکریاں قربانی دیا کرتے تھے۔ اب ہمارے پڑوسی ہمیں کنجوس بتاتے ہیں حملنی اھلی علی الجفاء بعد ما علمت من السنۃ کان اھل البیت یضحون بالشاۃ والشاتین والآن یبخلنا جیراننا۔ (ابن ماجہ ص۲۳۳ باب من ضحی بشاۃ من اھلہ۔

غرض اسی قسم کے اعتراض پہلے بھی کیا کرتے تھے، پر اصحاب الحدیث نے اس طعن و تشنیع کی کبھی پرواہ نہیں کی اور نہ کبھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ حجۃ الوداع میں حضورؐ نے ازواج مطہرات کی طرف سے بھی گائے قربانی دی تھی امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ حضورؐ کا آخری عمل ہے (وھذا فی حجۃ الوداع وھو اٰخر عملہ علیہ السلام (محلی ص۳۵۸ ج ۷)

جواب ملا۔ جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے واجب نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عمر رضؓ۔ حضرت بلال رضؓ حضرت ابو مسعود بدری رضؓ حضرت سعید بن المسیبؒ، علقمہ رحؒ اسود رحؒ امام ابو حنیفہ رحؒ کے شیخ حضرت عطاء، امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف، امام اسحٰق بن راہویہ حضرت ابو ثور امام مزنی، امام ابن المنذر و امام داود ظاہری وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے (نووی شرح مسلم، کتاب الاضاحی و باب وقتہا ص۱۵۳ ج ۲)

امام ابن حجر عسقلانی رحؒ کہتے ہیں کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کبھی کبھی قربانی نہیں بھی کیا کرتے تھے کہ کہیں لوگ اسے فرض نہ تصور کرلیں۔ بل صح عنھما انھما کانا لا یضحیان مطلقا احیانا خشیۃ ان یظن وجوبھا (درایۃ ص۳۲۵ تحفۃ الاحوذی ... بحوالہ بیہقی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں اماماں دین کا اسی پر عمل ہے کہ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور یہی قول ہے امام ثوری اور امام ابن المبارک کا۔

والعمل علی ھذا عند اھل العلم ان الاضحیۃ لیست بواجبۃ ولکنھا سنۃ من سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحب ان یعمل بھا وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک (ترمذی ص۱۸۰ ج ۱)

حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ حضرت امام اوزاعی، امام ربیعہ ابو اللیث اور بعض مالکی فرماتے ہیں واجب ہے ہر دولتمند پر امام محمد کہتے ہیں جو شہروں میں مقیم ہیں ان پر واجب ہے حضرت امام ابو حنیفہ

کے نزدیک دولتمند کی نشانی اس کا مالک نصاب ہوتا ہے (نووی شرح مسلم ص ۳ ۵ ا ج ۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ:۔

کیا قربانی واجب ہے؟ تو جواب دیا کہ:۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں نے قربانی دی۔ پھر اس نے یہی سوال کیا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا پھر فرمایا کیا عقل ٹھکانے ہے؟ حضور اور مسلمانوں نے قربانی دی تھی۔ (ترمذی ص۲۵۳ مع تحفۃ الاحوذی)

مقام عزیمت اور عبدیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس بحث میں پڑے بغیر، قربانی دی جایا کرے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ، خدا خوش ہو جائے، اور وہ "تو نے" بغیر سمجھتا ہے۔

ہاں علمی حد تک اگر اس کی وضاحت آپ ضرور ہی چاہتے ہیں تو ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ ا نظریہ وجوب احوط ہے، عدم وجوب کے دلائل بیان کر کے حضرت امام شوکانی بیان فرماتے ہیں۔ مفید مطلب نہیں ہیں، آخر میں فرماتے ہیں۔ ہاں ام سلمہ والی روایت اس کے لیے مفید ہو سکتی ہے کیونکہ تفویض اور تعلیق عدم وجوب پر دال ہوتی ہے۔ لمریات بعدم الوجوب بما یصلح للصرف کما عرفت فعر حدیث ام سلمۃ الاتی قریبا ربما کان صالحا للصارف لقولہ، واراد احدکم ان یضحی لان التفویض الی الارادۃ یشعر بعدم الوجوب (نیل الاوطار ص۹۵ ج۵) ہمارے نزدیک ہر تعلیق اور تفویض خیار پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اپنے پس منظر کے تابع ہوتی ہے، جیسے اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ۔ میں ہے۔ اگر ذمے واجب ہے تو تعلیق "عند التعمیل" سے متعلق ہو گی جیسا کہ یہاں، بہرحال جو قربانی دے سکتا ہے وہ ضرور دے، جو غیر مستطیع ہے، نہیں دے سکتا نہ دے حضور ﷺ سے اس کا ترک ثابت نہیں ہے، اگر یہ سنت ابراہیمی ہے، تو وہ واجب تھی۔ کیونکہ آپ مامور تھے۔

یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (اے میرے ابا! آپ کو جو حکم ہوتا ہے کر ڈالیے!) پ ۲۳۔ الصفت ع۴)

ہمیں حکم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ کے طریقے کی پیروی کرو کیونکہ خدا نے اس "سنت" کو آنے والوں کے لیے بھی باقی رکھا ہے۔ وترکنا علیہ فی الاخرین (ایضا) فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا (پارہ ۴ ص۳ العمران ع ۱۰) تو اس ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو جو سب طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کا ہو رہا تھا"

جو طریقہ رب کی طرف سے شروع ہوا اس کو "ملت" کہا جاتا ہے۔ قربانی حضرت ابراہیم کے لیے مشروع تھی۔ آپ اس کے مامور تھے۔ لہٰذا وہی طریقہ ہمارے لیے بھی مشروع ہے اور ہم بقدر طاقت اس کی تعمیل کے

پابند ہیں۔ ہاں جو نہیں دے سکتے اور غیر مستطیع ہیں۔ وہ مستثنیٰ ہیں لیکن مستطیع اور دے سکنے والے کی نشانی صاحب نصاب ہونا نہیں، بلکہ دل اور ہمت کی بات ہے، حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق حضورؐ تو کبھی مستطیع (صاحب توفیق (صاحب نصاب) نہیں ہوتے تھے لیکن بات دل کی تھی، حبیب کے حضور نذرانہ پیش کرنا ہو پھر "نصاب" کے پیمانوں کا ہوش بھی رہے، یاری نہیں گذارہ ہے۔

جواب ۳۔ کوئی خاص مجبوری ہو۔ مثلاً ذبح کرنا نہیں آتا یا حوصلہ نہیں پڑتا اور اناڑی پن کی وجہ سے بکرے چھترے کو تکلیف زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر دوسرے سے بھی ذبح کرایا جاسکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیا جائے۔ حضورؐ نے زیادہ اپنے ہاتھ سے قربانی دی ہے۔ ہاں ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا ہے۔ ثم قال اشحذ یھا علی حجر ففعلت ثم اخذھا و اخذ الکبش فاضجعہ الحدیث (رواہ مسلم)، ذبحھا بیدہ (بخاری)

حضرت خلیل اللہ نے بھی اپنے ہاتھ سے دی تھی۔ فلما اسلما وتلہ للجبین (الصفت)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی نے اپنی صاحبزادیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ امر ابوموسیٰ بناتہ ان یضحین بایدیھن (بخاری) باب من ذبح اضحیۃ غیرہ)

معلوم ہوا کہ عورتیں بھی ذبح کرسکتی ہیں بلکہ ہوسکے تو اس "سنت" کا احیاء ضرور کیا جائے! ہاں سلیقہ یا ہمت نہ ہو تو پھر خیر ہے۔

دوسرے کو بھی ساتھ لگا سکتا ہے۔ وامان دخل ابن عمر فی مدتتہ (ایضا)

حبیب کے حضور ہدیہ پیش کرنا ہو، اور پھر اپنے ہاتھ سے اور خود حاضر ہو کر پیش نہ کیا جائے، بڑی بے ذوقی کی بات ہے۔ ہاں واقعی مجبوری امر دیگر ہے۔!

جواب ۴۔ عام طور "عید الضحیٰ" مشہور ہے جو غلط ہے۔ ہمارے ہاں دو لفظ زیادہ مشہور ہیں۔ اُضحی یا اضحیۃ۔ اصل میں اضحیۃ اضحویۃ۔ تھا صرفی قاعدے کے مطابق، واو کو یا سے بدل کر اسی میں مدغم کردیا گیا تو وہ "اضحیۃ" ہوگیا۔ اس کی جمع "اضاحی" ہے۔ اضحی، اضحاۃ کی جمع ہے، بنو قیس اس کو مذکر بولتے ہیں لیکن بنوتمیم مؤنث، اس کے علاوہ اس کا تلفظ یوں بھی ہے۔

اِضحیۃ، ضَحِیّۃ جس کی جمع ضَحَایا آتی ہے (نووی ص۱۵۲ ج۲) اِضحِیَۃ، ضَحِیۃ، اِضحاۃ (التنقیح حاشیۃ الدرر ص۲۳۸) ہی کو "اضحی" اس لیے کہتے ہیں کہ "قربانی" "چاشت" (ایک پہر دن چڑھے) کے وقت کی جاتی ہے۔

اور عربی میں اس ٹائم کو "ضحی" کہتے ہیں، اس لیے عید الاضحی اس کا نام پڑگیا ہے۔

(ضحی اضحاۃ کی جمع ہوئی تو "عید الاضحیٰ" کے معنی ہوئے۔ "قربانیوں کی عید" (کہ اس میں جانوروں کی قربانیاں اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہیں) تو پھر قربانی کا یہ عمل چاشت (ضحیٰ) کے وقت شروع ہوتا ہے (یعنی ایک پہر دن چڑھے) شاید یہی وجہ تسمیہ ہو۔

جواب ۵:۔ ماء زمزم۔ (زمزم کا پانی) متبرک ہے:۔

زمزم انها مباركة. (طيالسي ابواب فضائل الامكنة والازمنة ص ۲۰۳ ج ۲)

یہ جبریل امین کا کھودا ہوا کنواں ہے اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کے پلانے کو مہیا کیا گیا تھا۔

وهي هزمة جبريل وسقيا اسمعيل (دارقطني)

غذا بھی ہے اور شفا بھی۔

اسے بطور تبرک لے جانا صحیح ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یحملہ (ترمذی)

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔ یہ روایت باہر لے جانے کی دلیل ہے۔

فيه دليل على انه لا باس بحمل ماء زمزم الى المواطن الخارجة عن مكة (نيل الاوطار ص۵۲ ج ۵)

کھجوریں۔ عجوہ مدینہ منورہ کی خاص کھجوریں ہیں، حضور ﷺ نے ان کو شفاء اور تریاق فرمایا ہے۔

ان في عجوة العالية شفاء وانها ترياق ص۱۸۱ ج ۲)

لیکن یہ ایک طبی خاصیت ہے۔ اس حد تک جو ان سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے، باقی رہا تبرک؟ حدیث سے ثابت نہیں، جذبات اور خوش فہمی الگ بات ہے۔

مٹی:۔ کسی بیمار کے پھوڑا یا زخم ہوتا تو لعاب مبارک سے انگلی تر کر کے مٹی لگاتے پھر متعلقہ مقام ماؤف پر انگلی رکھ کر یوں دعاء کرتے تھے۔ بسم اللہ تربة ارضنا بريقة بعضنا يشفى به سقيمنا باذن ربنا

(مسلم باب استحباب ص۲۲۲ ج ۲ بخاری باب رقیۃ النبی ﷺ)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی خاک جو ہماری تھوک ہے ہمارے بیمار کو شفاء ہوگی ہمارے رب کے حکم سے ائمہ نے لکھا ہے ارض (زمین) سے مراد روئے زمین ہے۔ فرمایا سرزمین مدینہ کی خاک بھی ہو سکتی ہے (نووی ملخصاً)

برکت ہی سہی، بہرحال ایک خاص مقصد کی حد تک، جو بہرحال مٹی لانے والوں کے سامنے نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں، زمزم کے پانی کے سوا مٹی اور کنکر غیرہ لانا وہ مناسب نہیں ہے، امام ابوالفضل بن عبدان فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کے ٹکڑے لے جانا بھی جائز نہیں، اس کا بیچنا یا خریدنا بھی جائز نہیں فرماتے ہیں، غلاف کعبہ کی جو بھی چیز لے جائے گا۔ اس کو واپس کرنا ہوگا۔ امام نوویؒ نے اس کی تائید کرتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اسی طرح غیر حرم کی مٹی اور پتھر، حرم میں لے جانا بھی جائز نہیں ہے امام ابن الصلاح فرماتے ہیں، یہ بات خلیفہ وقت کی صوابدید پر منحصر ہے تاہم اگر کہنہ ہو کر ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر غلاف کعبہ کو کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ و بہ قال ابن عباس و عائشة وام سلمة (روضة الطالبین ص۱۶۸ ج ۳ للنووی)

اصل عبارت یہ ہے یکرہ نقل تراب الحرم واحجارہ الی سائر البقاع ولا یکرہ ماء زمزم قال الشیخ ابوالفضل بن عبدان. ولا یجوز قطع شئ من ستر الکعبة ونقله وبیعه وشراؤہ... ومن حمل انه شیئا لزمه ردہ... قلت الاصح انه لا یجوز اخراج تراب الحرم وبهذا قطع صاحب المهذب والمحققون من اصحابنا.... وقال الشیخ ابوعمرو بن الصلاح... الامر فیها الی الامام یصرفها فی بعض مصارف بیت المال بیعا وعطاء واحتج بما رواہ الازرقی صاحب کتاب مکة ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان ینزع کسوة البیت کل سنة فیقسمها علی الحاج وهذا الذی اختارہ الشیخ من متعین لئلا یتلف بالبلی وبه قال ابن عباس وعائشة وام سلمة (روضة الطالبین ص۱۶۸ ج ۳)

اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کیا بھی جائے تو بطور تبرک نہیں بلکہ اس لیے کہ ضائع نہ ہو، کام آجائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس، عائشہ اور ام سلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ یہ کپڑا (غلاف کعبہ) جس کو مل جائے وہ جنبی ہو یا حائضہ یا کوئی اور، بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

قالوا ویلبسها من صارت الیه من جنب وحائض وغیرهما (الخ)

نیز فرمایا، کعبہ کی خوشبو بھی نہیں لانی چاہیے، ہاں اپنی خوشبو لے جا کر اس سے ملا کر استعمال کر سکتا ہے ولا یجوز اخذ طیب الکعبة فان اراد التبرک... اتی بطیب من عندہ فمسحها به ثم اخذہ واللہ اعلم (روضة الطالبین حذوی ص۱۶۸ ج ۳)

گو ان چیزوں کو عظیم شعائر اللہ سے ایک نسبت ہے۔ لیکن اس لیے نہیں کہ، ان کا استحصال کیا جائے۔ جذبات کی بات اور ہے لیکن مسئلہ کی الگ ہے۔ مسئلہ یہی ہے کہ ان کو بطور تبرک گھر میں لا کر لپیٹ، بت خانوں (فضائے حرم کے مخالف فضاؤں) میں لا کر بسانا۔ احترام نہیں، بے ادبی ہے، یا سستی بخشش اور ارزاں خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک عامیانہ اسلوب بہت سے لوگ

تو ان کو "دنیا" بنانے کی تمنا لے کر لاتے ہیں گویا کہ وہ شعائر دین کو دنیا کے لیے استعمال کرتے ہیں خیال فرمائیے کہ یہ حضرات دین و ایمان کا کس قدر اس طرف کرتے ہیں؟ حرم کی مٹی کو لا کر گھر کو "حرم" بنانا یوں ہے جیسے ابرہہ نے صنعاء میں ایک جعلی "حرم کعبہ" بنا ڈالا تھا۔ جو بہرحال برا ہے پرہیز اچھا ہے واللہ اعلم۔

انسان کو بعض مقامات سے گہرا قلبی تعلق ہوتا ہے، لیکن بعض لوگ غلو عقیدت میں ان مقامات سے جو کچھ ان میں دیا بطور "عقیدت" لے آتے ہیں تاہم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے بعض حضرات کی دنیا ہی کچھ اور ہوتی ہو۔ جو سمجھ کی بات نہ ہو بلکہ وہ اپنے قلبی سکون کیلئے چارہ سازی کرتے ہوں۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں تو حرم میں یقیناً عہد رہتے ہیں "پیشاب یا خانہ" کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ جو انتہائی دشوار بات ہے۔ حضرت زجاج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حرم میں پاخانہ نہیں کیا کرتے تھے۔ وکان لا یتغوط فی الحرم (منیرۃ الحکومۃ) مگر ان تبرکات کی بھرمار کرنے والوں کے "عشق" کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر سب کچھ کرتے ہیں اور حج ادا کرنے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی بھی کرتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی کیسے کرے کہ یہ محض عقیدت بلا جذبات پر مبنی بات ہے۔

جواب ۶: ابن ابی حاتم وغیرہ نے مسند احمد وغیرہ سے کچھ اس قسم کی روایات نقل ان کی روایاتی حیثیت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے حضرت امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات حضرت ذبیح کی جگہ مینڈھا قربان ہوا تھا باطل ہے۔

• واما الاحتجاج بانہ فدی الذبیح بکبش فباطل وما صح قط (المحلی ص ۳۷۷ ج ۷)

بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں معروف معنی میں "اضحیہ" جیسی قربانی والی بات ہی نہیں تھی۔ تو اس سے اس کے تلاپے لانے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔

ولو کان امر ابراھیم علیہ السلام اضحیۃ فلا تدخل للاضاحی فیہ (محلی ص ۳۷۷ ج ۷)

کبش ابراہیمی (مینڈھے) والے واقعہ کو وہ "ظن کاذب" کہتے ہیں لا بالظن الکاذب فی کبش الذبیح دابیغوا

ترمذی کی ایک روایت میں ان "ضحایا" (قربانیوں) کو سنت ابراہیمی کہا گیا ہے۔

یا رسول اللہ ما ھذہ الاضاحی؟ قال سنۃ ابیکم ابراھیم۔ (ترمذی عن زید) لہذا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں ان کا کوئی مذکور نہیں تھا تو کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابن حزم کے ارشاد کی کوئی اہمیت نہ رہتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ

روایت بالکل بیکار ہے اس کے دو راوی بس سبحان اللہ ہیں (۱) ابو معاذ حائز المجاشعی، امام ابوحاتم اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں، اس کی حدیث صحیح نہیں امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے روایت صرف سلام بن مسکینی نے کی ہے (میزان) سلام قدری تھے (میزان)

دوسرے راوی ابو داؤد نفیع بن الحارث الاعمی صمدانی ہیں۔ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں یہ شخص حدیثیں وضع کیا کرتا تھا (خلاصہ تہذیب الکمال) امام عقیلی فرماتے ہیں غالی رافضی تھا۔ امام نسائیؒ اور امام دارقطنیؒ کے نزدیک متروک ہے امام ابو زرعہ کا ارشاد ہے کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں، امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں۔ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے یہ شخص واعظ بھی تھا اور بھکاری بھی، حضرت قتادہؒ نے اسے جھوٹا کہا ہے (میزان ص۲۷۲ ج ۴) یہ حدیث ضعیف المخرج اور اس کی اسناد لغو ہی ہے۔

ناحدیث ضعیف المخرج اسنادہ واہ کما قال المنذری۔ الدوا یۃ ص۲۱۲ ج ۱)

اس لیے مینڈھے کی قربانی والی بات صرف کہانی ہے اور وہ بھی اسرائیلی دراصل یہ ساری خرابی وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ میں ذبحہ کی تعیین کرنے کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ کتاب وسنت جب یہ پردہ نہیں اٹھاتے تو پھر دوسری سب ٹامک ٹوئیاں والی بات ہے جس طرح حضرت سارہ کو بہن کہنے کے اسباب متعین کرنے کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے بخاری کی روایت کا حال ہوا ہے وہی یہاں ہو رہا ہے۔ بہرحال وہ "ذبح عظیم" صرف مینڈھا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایک عام شئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کچھ اور حقیقت ہے جو ذبح کا عظیم بدل قرار پائی ہے اور وہ کیا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔ کیونکہ قرآن وحدیث اس بارے میں بالکل خاموش ہیں اس لیے آپ بھی خاموش رہیں۔ اسرائیلی روایات کی تصدیق اور تکذیب دونوں ممنوع ہیں (مشکوٰۃ) جس ذمہ داری کے بوجھ سے آپ کو آزاد رکھا گیا ہے۔ آپ اس کو لینے کی کوشش نہ کریں، کیوں کہ ذمہداری بہت بڑی آزمائش ہے جوانکے ہے۔ ان کی قربانیوں کا متقبل نہیں رہا۔ کیونکہ ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العٰلمین ولا شریک لہٗ ۔ ۔ (پ۔ الانعام ع ۲۰) "بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں"۔

قربانی کی بنیادی اساس ہے جس سے زندگی مالا مال ہونی چاہیئے خاصکر ذبح کے وقت مندرجہ ذیل اعلان اور دعا کا بھی یہی تقاضا ہے کہ قربانی دینے والا اس وقت بالکل یکسو ہو صرف خدا کی طرف

اس کا رخ ہو جہاں شرک و بدعت کا کوئی شائبہ نہ ہو دعا یہ ہے۔ انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ (ابن ماجہ وغیرہ)

سلف اہل تفسیر تقریباً "ذبح عظیم" کی اس تفسیر پر نظر آتے ہیں کہ وہ مینڈھا تھا جس روایت جامع ترمذی کی فاضل مفتی نے تضعیف فرمائی ہے وہ اس قسم کی دوسری روایات کے مفاہیم کی تائید سے اس "اجماع کی سند" کی حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔ رہے ہمارے امام حافظ ابن حزمؒ تو انہوں نے جس بنا پر مجہول مرفوع روایت کو "باطل" ٹھہرایا ہے وہ اپنی جگہ شاید درست ہو۔ وہ ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں جو مینڈھے کو اونٹ اور گائے کی قربانی سے اس طرح کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے افضل قرار دیتے ہیں حافظ ابن حزم کا موقف یہ ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی افضل ہے۔

لہٰذا نفس اتنی بات بہرحال صحیح ہے کہ "ذبح عظیم" سے مراد مینڈھا ہے اور حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "فدیہ اسماعیلؑ" کے طور پر مینڈھا ہی عطا فرمایا گیا تھا باقی تفصیلات کے بارے میں جو چاہیں رائے رکھ لیجئے (ع، ح)

"میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور صرف اس کا ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ سات حصہ داروں میں سے اگرچہ نصرانی ہوں یا صرف ایک شخص گوشت کی نیت رکھتا ہو تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

وان کان شریک الستۃ نصرانیا او رجلا یرید اللحم لم یجز عن واحد منہم۔ (ہدایہ ص ۴۲۹ ج ۴ کتاب الضحایا)

نصرانیت شرک کی واضح مثال ہے اور "گوشت خور" اور جو لوگ سراپا "بدعتی یا مشرک اور نرے دنیا دار" ہوں، ان کی قربانی کے سلسلے میں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے۔

خود حضورؐ نے بھی اپنی امت کی طرف سے جو قربانی دی تھی اس میں بھی یہ شرط رکھی۔ من شہد لک بالتوحید (مسند احمد وغیرہ) کہ جو موحد ہو۔ معلوم ہوا جو موحد اور بعقیدہ حنیف نہیں بلکہ ہرجائی ہے اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں دل بہلانا یا خوش فہمی کی اور بات ہے۔ بہرحال انہیں سب سے پہلے بدعات اور شرکیہ رسومات سے توبہ کرنا چاہیئے، ورنہ قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار الاعتصام سنہ ۱۹۷۲ء)

سوال :- احکام قربانی کے کیا کیا ہیں تفصیلا بیان فرما دیں ۔

الجواب :- اُضحیۃ یعنی قربانی میں اختلاف ہے کہ واجب ہے یا سنت مؤکدہ مگر مذہب صحیح و محقق یہی ہے کہ سنت مؤکدہ ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بخاری نے ایک باب اس کی سنیت کا منعقد کیا ہے ۔ اور یہی دلائل اس کی سنیت پر ہیں بخوف تطویل اختصار کیا ۔ واجب نہیں ہے کیونکہ وجوب پر کوئی دلیل نہیں اور نہ کسی صحابہ سے وجوب منقول ہے اور حدیث جو ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص باوجود قدرت کے قربانی نہ کرے وہ ہمارے مصلی میں نہ حاضر ہو ۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (رواہ ابن ماجۃ) اول تو اس کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے ۔ اصوب یہی ہے کہ موقوف ہے دوسرے اس سے وجوب نہیں نکلتا بلکہ تاکید نکلتی ہے جیسا کہ کچے پیاز وغیرہ کے کھانے میں فرمایا کہ مسجد میں کھا کر نہ آوے حالانکہ بالاتفاق اس سے حرمت نہیں نکلتی اسی واسطے حضرت سے حلت ثابت ہے کما لا یخفی من لہ فہم سلیم ۔ اور سنیت دلائل سے ثابت ہے جنکی تفصیل یہاں اختصاراً نہیں کی گئی قال الحافظ بن حجر فی فتح الباری وکانہ ترجم بالسنۃ اشارۃ الی مخالفۃ من قال بوجوبھا قال بن حزم لا یصح عن احد من الصحابۃ انھا واجبۃ وصح انھا غیر واجبۃ عن الجمھور وعن محمد بن الحسن ھی سنۃ غیر مرخصۃ فی ترکھا وقال الطحاوی وبہ ناخذ ولیس فی الآثار مایدل علی وجوبھا انتھی ۔ واقرب مایتمسک بہ للوجوب حدیث ابی ھریرۃ رفعہ من وجد سعۃ فلم یضح فلا یقربن مصلانا اخرجہ بن ماجۃ واحمد ورجالہ ثقات لکن اختلف فی رفعہ ووقفہ والموقوف اشبہ بالصواب ۔ قالہ الطحاوی وغیرہ ومع ذلک فلیس صریحا فی الایجاب انتھی ملخصا ۔

اور اس کے لئے صاحب نصاب زکوۃ ہونا بھی شرط نہیں کیونکہ کوئی دلیل اس شرط پر نہیں ہے ۔ بلکہ صرف استطاعت یعنی قدرت ہونی چاہیئے جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رض مذکور ہے کما لا یخفی اور اقامت یعنی مسافر نہ ہونا بھی شرط نہیں کیونکہ اس پر بھی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ بخاری نے مسافر کی قربانی کرنیکا ایک باب منعقد کیا ہے اور اس میں حدیث لایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر مکہ میں قربانی کی باب الاضحیۃ للمسافر والنساء

فیہ اشارۃ الی خلاف من قال ان المسافر لا اضحیۃ علیہ انتہی ما فی فتح الباری۔
اس سے صراحۃً مستفاد ہوتا ہے کہ اقامت شرط نہیں ہے کما لا یخفی۔ اور مذہب حنفی میں واجب ہے صاحب نصاب زکوۃ پر جیسا کہ صدقہ فطر میں شرط اس کے کہ مسافر نہ ہو۔

الاضحیۃ واجبۃ علی کل مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی علی نفسہ وعن ولدہ الصغار والنسا ولما روینا من اشتراط السعۃ ومقدارہ ما یجب بہ صدقۃ الفطر انتہی۔ ما فی الھدایۃ ملخصا۔ بقدر الحاجۃ۔

اور شخص قربانی کرنیکا ارادہ رکھے اس کو چاہئے کہ جب سے ذالحجہ کا چاند دیکھے تب سے قربانی تک سر و ریش کا بال و ناخن وغیرہ نہ لے

عن ام سلمۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رأیتم ھلال ذی الحجۃ و اراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ رواہ الجماعت الا البخاری کذا فی۔ اور وقت اس کا بعد نماز کے ہے قبل نماز کے نہیں جائز اور اگر کوئی قبل نماز کے کریگا تو صحیح نہ ہوگا دوسرا کرنا ہوگا کیونکہ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھے پھر قربانی کرے۔ اور جس نے پہلے نماز کے قربانی کی اس کی قربانی صحیح نہ ہوئی وہ اس کے کھانیکا گوشت ہے دوسری قربانی کرے

عن البراء قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اول ما نبدأ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر من فعلہ فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما ھو لحم قدمہ لاھلہ لیس من النسک فی شئی الحدیث رواہ البخاری۔ اور حنفی مذہب میں بھی یہی وقت ہے مگر دیہاتی لوگوں کیلئے وقت الاضحیۃ یدخل بطلوع الفجر من یوم النحر الا انہ لا یجوز لاھل الامصار الذبح حتی یصلی الامام العید فاما اھل السواد فیذبحون بعد الفجر۔ کذا فی الھدایۃ۔

اور سن بکری کا ایک سال یعنی ایک پورا اور دوسرا شروع اور گائے اور بھینس کا دو سال یعنی دو سال پورے اور تیسرا شروع اور اونٹ کا پانچ سال اور چھٹا شروع ہونا چاہئے۔ اور بھیڑ ایک سال

لہ یعنی بکری دوسرے سال میں اور گائے بھینس تیسرے سال اور اونٹ چھٹے سال میں عموماً دو دانت ہوتے ہیں اسلئے بکری کیلئے دو سال۔ گائے کیلئے تین سال اور اونٹ کیلئے چھٹے سال کا ذکر کیا ہے۔

سے کم کا بھی جائز ہے بشرطیکہ خوب موٹا اور تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سال سے کم عمر کی قربانی نہ کرو۔ اور ضرورت کے وقت بھیڑ کا جذعہ کر لو۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان رواہ الجماعۃ الا البخاری کذا فی منتقی الاخبار۔

اور مسنہ پر جانور میں سے ثنی کو کہتے ہیں اور ثنی کہتے ہیں بکری میں سے جو ایک سال کی ہو دوسرا شروع اور گائے بھینس میں جو دو سال کی ہو تیسرا شروع اور اونٹ کا جو پانچ سال ہو چھٹا شروع ہو۔

قولہ الا مسنۃ قال العلماء المسنۃ ہی الثنیۃ من کل شیء من الابل والبقر والغنم انتہی ما فی نیل الاوطار والثنی من الشاۃ ما دخل فی السنۃ الثانیۃ کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب القاسم الحسین وھو المقدم علی الغزالی والقاضی ناصر الدین البیضاوی منتہی المعرب میں ہے ثنی گفتی شتر در سال ششم در آمدہ انتہی والثنی منہا ومن المعز بن سنۃ ومن البقر بن سنتین ومن الابل بن خمس سنین ویدخل فی البقرۃ الجاموس لانہ من جنسہ انتہی ما فی الھدایۃ

اور جذعہ بھیڑ میں سے اس کو کہتے ہیں جو سال سے کم ہو۔

الجذع من الضان ما تمت لہ ستۃ اشہر فی مذہب الفقہاء وذکر الزعفرانی رحمۃ اللہ علیہ انہ ابن سبعۃ اشہر انتہی ما فی الھدایۃ مگر بشرط مذکورہ قالوا ھذا اذا کانت عظیمۃ بحیث لو خلط بالثنایا یشتبہ علی الناظر من بعید انتہی ما فی الھدایۃ لہ۔

اور شرط یہ ہے کہ جانور قربانی اتنے عیوب سے خالی ہو۔ اور یہ کہ سینگ اسکا آدھا یا آدھے سے زیادہ نہ کٹا ہو۔ دوسرے اسی طرح کان نہ کٹا ہو تیسرے کانا یا اندھا نہ ہو۔ چوتھے یہ کہ ظاہر لنگڑا نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ بہت بیمار نہ ہو۔ چھٹے یہ کہ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اسکی ہڈی کا گودا نہ باقی رہا ہو۔ ساتویں یہ کہ اس کا کان نہ چِرا ہو۔

لہ یہ سب فقہی عبارتیں جمع کی گئی ہیں لغت عرب اور محدثین کی تحقیق مقصود ہو تو قربانی کے جانوروں پر ایک تحقیقی مقالہ جو آگے آرہا ہے اس کا غور سے مطالعہ کریں (سعیدی)

عن علی علیہ السلام قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یضحی باعضب القرن والاذن قال قتادۃ فذکرت سعید بن المسیب فقال العضب النصف فاکثر من ذلک رواہ الخمسۃ وصحہ الترمذی ولکن ابن ماجۃ لم یذکر قول قتادۃ الی آخرہ وعن البراء بن عازب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع لا یجوز فی الاضاحی العوراء البین عورھا. والمریضۃ البین مرضھا والعرجاء البین عرضھا والکسیر التی لا تنقی رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار وعن علیؓ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلۃ ولا مدابرۃ ولا شرقاء ولا خرقاء رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی والدارمی. وابن ماجۃ وانتہت روایتہ الی قولہ والاذن کذا فی المشکوۃ ۔

اور حنفی مذہب میں بھی ان سب عیوب سے خالی ہونا چاہئے اور سوا ان کے دم بھی اس کی نصف سے زیادہ نہ کٹی ہو مگر یہ کہ سینگ کٹے ہوئے ہوں یا کان پھٹا یہ حنفی مذہب میں عیب نہیں ہے اور کان آدھے سے زیادہ کٹا ہو تب عیب ہے ورنہ نہیں ۔

ولا یضحی بالعمیا والعوراء والعرجاء التی لا تمشی الی المنسک ولا العجفاء ولا تجزی مقطوعۃ الاذن والذنب ولا التی ذھب اکثر اذنھا وذنبھا وان بقی اکثر الاذن والذنب جاز ویجوز ان یضحی بالجماء انتہی ما فی الھدایہ ۔

اور یہ عیوب جب معتبر ہیں کہ وقت خریدنے کے موجود ہوں اور جب وقت خریدنے کے جمیع عیوب مذکورہ سے مبرا تھا اور بہ نیت قربانی کے جمیع عیوب سے سالم خرید لیا تب کوئی نیا عیب حادث ہو تو اس کی قربانی صحیح ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ۔

وعن ابی سعیدؓ قال اشتریت کبشاً اضحی بہ فعدی الذئب فاخذ الالیۃ قال فسألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح بہ رواہ احمد وھو دلیل علی ان العیب الحادث بعد التعین لا یضر انتہی کذا فی المنتہی ۔ اور حنفی مذہب میں امیر تو دوسری بدل لے اور غریب کیلئے وہی صحیح و کافی ہے ۔ وھذا الذی ذکرنا اذا کانت ھذہ العیوب قائمۃ وقت الشراء ولو اشتراھا سلیمۃ ثم تعیب بعیب مانع ان کان غنیا علیہ غیرھا وان کان فقیرا تجزیہ ھذہ لان الوجوب علی الغنی بالشرع

ابتداء ولا بالشراء فلم تتعین به وعلی الفقیر بشرائه بنیة الاضحیة فتعینت انتہیٰ ما فی الھدایہ
اور خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی کی قربانی کی ہے.
وعن عائشة قالت ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین سمینین عظیمین املحین
اقرنین موجوئین رواہ احمد انتہیٰ ما فی منتقی الاخبار . اور بہت
سی حدیثیں اس مضمون کی آئی ہیں بخوف تطویل ایک ہی پر اکتفا کیا حنفی مذہب میں ہے
ویجوز ان یضحی بالجماء والخصی لان لحمها اطیب وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ضحی بکبشین املحین موجوئین انتہیٰ ما فی الھدایہ ملخصاً بقدر الحاجة. اور قربانی میں سے
از روئے قرآن وحدیث کے خود کھائے اور فقیروں محتاجوں کو کھلائے کوئی قید نہیں کہ کس قدر
کھائے کس قدر فقیروں کو دے ۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کلوا منها واطعموا القانع والمعتر ۔
ترجمہ کھاؤ ان میں سے اور کھلاؤ بے سوال فقیر اور سوال کرنیوالوں کو ۔ اور حنفی مذہب میں مستحب
ہے کہ تہائی فقیروں محتاجوں کو دے یاکل من لحم الاضحیة ویطعم الاغنیاء والفقراء و
یدخر ویستحب ان لا ینقص الصدقة من الثلث انتہیٰ ما فی الہدایة ملخصاً۔
اور قصاب کی اجرت قربانی میں سے نہ دے اپنے پاس علیحدہ دے عن علیؓ قال بعثنی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم فقمت علی البدن فامرنی فقسمت لحومها ثم فقسمت جلالها و
جلودها وقال سفیان حدثنی عبد الکریم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن علیؓ قال امرنی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ان اقوم علی البدن ولا اعطی منها شیئا فی جزارتها رواہ البخاری ۔
ترجمہ : حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا آپ نے بھیجا مجھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
پس کھڑا ہوا میں قربانیوں پر پس حکم کیا مجھ کو پس تقسیم کیا میں نے گوشت ان کا پھر حکم کیا مجھ کو
پس تقسیم کی میں نے جھولیں ان کی اور چمڑے ان کے اور کہا سفیان رحمہ اللہ ... نے حدیث
سنائی مجھ کو عبد الکریم نے مجاہد سے اور اس نے عبد الرحمٰن بن ابی لیلی سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
سے فرمایا حضرت علیؓ نے حکم کیا مجھ کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ کھڑا ہوں میں قربانیوں پر اور نہ دوں
ان سے قصائی کی اجرت میں کچھ ... اور قربانی کے چمڑوں کو یا تو صدقہ کر دے جیسا کہ حدیث
مذکورہ بالا سے ظاہر ہے یا اس سے کوئی چیز استعمال کی مثل مشک ڈول وغیرہ کے بنالے۔

بیچے ہیں جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے اور حنفی مذہب میں بھی یہی ہے۔

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا او یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت

کالنطع والجراب والغربال وغیرھا انتہی مافی الھدایۃ واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز

المھین محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ۔ عبد الحمید عفا اللہ عنہ۔

محمد عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند۔

فقیر محمد عبد الحق ۱۲۹۵

خادم شریعت رسول الاداب
ابو محمد عبد الوھاب ۱۳۰۰

امیر الدین ۱۳۰۱ یہ جواب صحیح ہے حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمٰن الاعظم گڈھی

المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ نعم الجواب ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ۔

محمد طاہر ۱۳۰۴

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین

سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبد السلام غفرلہ ۱۲۹۹

فتاوی نذیریہ جلد ۲ ص $\frac{52}{53}$

۱۔ مشہور تین دن تک ہے

۱۰ ۔ ۱۱ ۔ ۱۲ اور بعض احادیث سے چار دن ۱۳ تک ہے اور بعض نے آخر ماہ تک جواز بتایا ہے دیکھو کتاب سے پہلے کا دوسرا ورق میں نے اسپر مختصر بتایا ہے

سید اقتدار احمد
سہوانی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کے جانوروں کی عمریں
ایک تحقیقی مقالہ

ترتیب

ابوالحسنات علی محمد سعیدی

خانیوال

جذعہ ضان کے سوا قربانی کے جانور کا دانت ہونا ضروری ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم شریف کی روایت ہے لاتذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان یعنی قربانی میں صرف مسنہ ذبح کرو لیکن اگر میسر نہ ہو تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو۔

چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بھیڑ کا جذعہ ذبح کرو اس سے معلوم ہوا کہ اور جانوروں کا مثلاً اونٹ بکری، گائے کا جذعہ جائز نہیں ہے بلکہ ان جانوروں کا مسنہ ہی کرنا چاہیئے۔ اب ہم جذعہ اور مسنہ کی لغوی تحقیق اور شراح حدیث کی تشریحات ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کے معنی اور مطالب بخوبی واضح ہو جاویں چونکہ جذعہ ضان کی کھلی ہوئی اجازت موجود ہے اس لئے ہمیں اس کی نسبت ائمہ حدیث کی تشریح وتحقیق نقل کرنے کے بعد جذعہ معز (بکری کے جذعہ) جذعہ بقر (گائے کے جذعہ) جذعہ ابل (اونٹ کے جذعہ) کی نسبت بھی ائمہ حدیث کی تحقیقات لکھ دینی چاہئے تاکہ پورے طریق سے مسئلہ کی وضاحت ہو جاوے۔

فاقول وباللہ التوفیق۔

جذعہ ضان کی عمر کی نسبت جمہور اہل علم اور ائمہ لغت کی تحقیق

فتح الباری میں ہے :۔ الجذع من الضان ما اکمل سنة ودخل فی الثانية وهو الاصح عند الشافعية وهو الاشهر عند اهل اللغة (فتح الباری پ ۲۳ صفحہ ۳۲۹) (۲) نووی میں ہے :۔ الجذع من الضان ماله سنة تامة هذا هو الاصح عند اصحابنا وهو الاشهر عند اهل اللغة وغيرهم (نووی شرح مسلم جلد ثانی صـ ۱۵۵)

(۳) نیل الاوطار میں ہے :۔ الجذع من الضان ماله سنة تامة هذا هو الاشهر من اهل اللغة وجمهور اهل العلم من غيرهم (نیل الاوطار جز ۵ صفحہ ۲۰۲)

(۴) تحفۃ الاحوذی میں بحوالہ نہایہ ابن اثیر لکھا ہے :۔ ومن الضان ماتمت له سنة (تحفہ جلد ثانی صفحہ ۳۵۵)

(۵) مجمع البحار لغت حدیث میں ہے :۔ الجذع من الضان ما تمت له سنة (مجمع جلد اول صفحہ ۱۸۱)

(۶) بذل المجہود میں ہے :۔ فی اللغة ماتمت له سنة (بذل جلد رابع صـ ۷۱)

ان سب سے معلوم ہوا کہ بھیڑ کا جذعہ وہ بچہ کہلاتا ہے جو پورے ایک سال کا ہو، نیز یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلک جمہور اہل علم اور اماماں لغت کا ہے۔ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قول کو جمہور اہل

علم کی طرف منسوب فرمایا ہے، ملاحظہ ہو من الضان ما اکمل السنة وھو قول الجمھور (فتح پ ۲۳)
لیکن اور مسائل اختلافیہ کی طرح اس میں بھی حنفیہ نے اختلاف کیا ہے جس کا ذکر خود ائمہ حدیث
نے اور فقہ کے مصنفین نے بھی کیا ہے۔

جذعہ ضان کی عمر میں حنفیہ اور حنابلہ کا اختلاف اور جمہور اہل علم اور ائمہ لغت سے ان کا شذوذ

(۱) ہدایہ میں ہے: والجذع من الضان ما تمت له ستة اشھر فی مذھب الفقھاء (ہدایہ مع کفایہ جلد رابع ص۳۴)
(۲) نووی میں اس طرح ذکر ہے: قیل ماله ستة اشھر (نووی جلد ثانی ص۱۵۵)
(۳) فتح الباری میں اس طرح ہے: وثانیھا تمت سنة وھو قول الحنفیة و حنابلہ (فتح پ ۲۳ ص۳۲)
(۴) بذل المجہود میں ہے: فسنه فی شرح المنتقی شرعا یما اتی علیه اکثر الحول (بذل جلد رابع ص۷۱)

تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک جذعہ ضان بھیڑ کا وہ بچہ ہے جو پورے ۶ ماہ کا یا اس سے کچھ زیادہ عمر کا ہو، چونکہ یہ قول لغت کے خلاف تھا اس لئے ہدایہ میں جذعہ ضان کی تشریح کرتے ہوئے فی مذھب الفقھاء کی قید لگادی تاکہ یہ ظاہر ہو کہ ائمہ لغت کی یہ تشریح نہیں ہے کفایہ میں ہے۔ قید بمذھب الفقھاء احترازا عن قول اھل اللغة ✧ ✧ (کفایہ جلد ۴ ص۳۴) اسی طرح بذل المجہود میں ہے وفیه بقوله شرعا انه فی اللغة ما تمت له سنة۔ (بذل جلد ۴ ص۷۱)

معلوم ہوا کہ ائمہ لغت کی تصریح احناف کے مذہب کے یکسر خلاف ہے اور یہ کہ صحیح مسلک وہی ہے۔ جسے ہم نے امام شوکانی ؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ کی تصریحات سے جمہور اہل علم کی تحقیق کے مطابق یکسالہ بچہ کا قول نقل کیا ہے اس بارہ میں اور بھی شاذ اقوال ہیں جنہیں قیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ جمہور اہل علم کے خلاف ہیں اور ائمہ مذاہب میں سے کسی مشہور مذہب کی طرف منسوب بھی نہیں۔ اس لئے ہمیں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اعلام: حسب تصریح حافظ ابن حجرؒ وغیرہ جذعہ ضان وہی ہے جو یکسالہ ہو، پس بعض کتب اہلحدیث میں بھیڑ کے چھ سات ماہ والے بچہ کے قربانی کی نسبت جو اجازت ملتی ہے وہ دراصل فقہی اجتہادی قول حنفیہ کے مطابق ہے جو کہ جمہور اہل علم اور ائمہ لغت کے خلاف ہے۔

جذعہ معز کی اجازت ایک صحابی کو

جذعہ ضان کی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم جذعہ معز کی نسبت ائمہ حدیث کی کتابوں سے نقل کر کے یہ ثابت کریں گے کہ "جذعہ معز" اور کسی کے لئے جائز نہیں صرف ایک صحابی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص اجازت دی تھی اور اس موقعہ پر ہم جذعہ معز کی نسبت بھی

شراح حدیث کی تصریحات کو نقل کریں گے۔

بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر ڈالا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاتك شاة لحم کہ پہلے کر ڈالنے سے تو صرف گوشت خوری کا فائدہ ہو گا قربانی تو نہ ادا ہوئی، تو حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے کہا میرے پاس معز کا جذعہ موجود ہے۔ حکم ہو تو اس کی قربانی کر دیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اذبحها ولا تصلح لغيرك (ملاحظہ ہو بخاری پ۲۳) مسلم شریف میں اسی طرح ہے کہ انہوں نے کہا تھا هي خير من مسنة۔ اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ان کا یہ مقولہ ہے هي احب الي من شاتين مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جذعہ معز کے لئے اجازت طلبی کے موقعہ پر کہا کہ میرا جذعہ معز اس قدر فربہ اور تیار ہے کہ مسنہ سے بھی بہتر اور دو بکریوں سے بھی عمدہ ہے، تب حضور علیہ السلام نے فرمایا خیر تم اس کو ذبح کر دو لیکن دوسرے کیلئے یہ جائز نہیں۔

(مسلم جلد ثانی ص۱۵۴) مسلم اور بخاری کی متفق علیہ روایت سے ظاہر ہے کہ جذعہ معز دوسرے کے لئے جائز نہیں۔ چنانچہ امام نووی شارح مسلم نے اپنی فوائد میں لکھا ہے:۔ وفيه ان جذعة من المعز لا تجزى في الاضحية وهذا متفق عليه اور امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔ وفيه دليل على ان جذعة المعز لا تجزى في الاضحية قال النووى وهذا متفق عليه. (نیل الاوطار جز خامس مصری ص۲۰۲) صاحب عون لکھتے ہیں:۔ ان الجذع من المعز لا يجزى عن احد ولا خلاف ان الثنى من المعز جائز۔ (عون المعبود جلد ثالث ص۵۹)

اب ہم شراح حدیث اور ائمہ لغت کی تصریحات جذعہ معز کی نسبت نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ جس جذعہ معز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کی عمر کیا ہے۔ جذعہ معز کی نسبت (۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے فهو ما دخل في السنة الثانية۔ (فتح الباری پارہ ۲۳ ص۳۲۳)

(۲) تحفۃ الاحوذی میں نہایہ ابن اثیر کے حوالے سے یہ عبارت ہے:۔ الجذع من البقر والمعز ما دخل في السنة الثانية (تحفہ جلد ثانی ص۳۵۵)

(۳) منتہی الادب میں ہے:۔ جذع آنچہ پیش از ثنی باشد یعنی گوسپند گاؤ بسال دوم درآمدہ (منتہی الادب جلد اول صفحہ ۱۹۱)

(۴) فقہ اللغۃ میں ہے:۔ كل من اولاد المعز والضان في السنة الثانية جذع. فقه اللغة وسر العربية للامام اللغوى الثعالبي ص۱۵۰

(۵) مجمع البحار میں ہے :- الجذع من البقر والمعز ما تم له سنة وطعنت فی الثانیة (مجمع جلد اول ص۱۸۱)

(۶) بذل المجہود میں ہے :- واما الجذع من المعز فهو ما دخل فی السنة الثانیه (بذل جلد۴ ص۲ نقلا عن الحافظ)

ان تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ بکری کا وہ بچہ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں داخل ہو وہ جذعہ معز کہلاتا ہے اب ظاہر و باہر ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ پس کسی صورت میں بکری بکرا، خصی، بدھیا جو پورے ایک سال کے ہوں قربانی کے لئے درست نہیں۔

عتود یعنی بکری کے یکسالہ بچہ کی اجازت ایک اور صحابی کو | بخاری شریف میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے کچھ جانور صحابہ کرام میں تقسیم کرنے کے لئے حضرت عقبہ بن عامر کے سپرد فرمائے تو انہوں نے تقسیم کر دیئے باقی صرف ایک عتود رہ گیا تو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے لئے تو کچھ نہیں رہا صرف ایک عتود باقی بچتا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ضح به انت کہ تم اسی کی قربانی کر دو۔ (بخاری شریف پارہ ۲۳ کتاب الاضاحی)

یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رح نے فتح الباری میں اس روایت کی شرح میں لکھا ہے کہ امام بیہقی رح نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رض کے اسی واقعہ کے متعلق حضور کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں :- ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَلَا رُخْصَةَ فِيْهَا لِاَحَدٍ بَعْدَكَ ÷ (فتح پ ۲۳ ص ۳۲۷)

مسلم کے شارح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- روی البیہقی باسناد الصحیح عن عقبة بن عامر قال اعطانی رسول الله صلی الله علیه وسلم غنما اقسمها ضحایا بین اصحابی فبقی عتود منها فقال ضح به انت ولا رخصة فیها لاحد بعدك ÷ . امام بیہقی رح کی روایت صحیحہ کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام نے یکسالہ بکری کی قربانی کی اجازت صرف عقبہ بن عامر رض کو دی تھی اور سد الباب فرما دیا کہ تمہارے سوا اور کسی کے لئے اس کی اجازت نہیں ہو سکتی۔

ناظرین کرام! بخاری اور مسلم کی ہر دو روایات گذشتہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور نے اس قسم کی اجازت دو صحابیوں کو دی تھی، ایک حضرت ابو بردہ بن نیار رض کو دوسرے حضرت عقبہ بن عامر کو، چنانچہ امام نووی فرماتے ہیں :- قال البیہقی وسائر اصحابنا وغیرهم کانت هذه رخصة لعقبة بن عامر کما کان مثلها رخصة لابی بردة بن نیار۔ (نووی ص۱۵۵) حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں :- فلم یثبت الاجزاء لاحد ونفیه عن الغیر الا لابی بردة وعقبة بن عامر یعنی ابو بردہ بن نیار کی طرح عقبہ بن عامر کو بھی رخصت مل گئی تھی

اور ان دونوں کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں (فتح پارہ ۲۳ صفحہ ۳۲۹ وکذافی زرقانی جلد ثانی صفحہ ۲۴۳)

اسی طرح امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں والتاویل الذی قالھا لبیہقی وغیرہ متعین والی المنع من التضحیۃ بالجذع من المعز ذھب الجمھور۔ (نیل الاوطار مصری جز خامس صفحہ ۲۰۲ روایت عقبہ بن عامر)

یعنی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجیہ کی ہے وہی درست ہے صرف انہیں دونوں کے لئے رخصت تھی ان کے ماسوا اوروں کے لئے عتود (جذعہ معز) کی قربانی نادرست ہے جیسا کہ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ اب ہم عتود کی تشریح نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حضورؐ نے جس عتود سے منع کیا ہے اسکی عمر کیا ہے،

عتود کی تشریح ائمہ حدیث ولغت کے اقوال سے | فتح الباری میں ہے وھو من اولاد المعز ما قوی ورعی واتی علیہ حول۔ (فتح پارہ ۲۳ صفحہ ۳۲۷)

(۲) نووی میں ہے:۔ قال اھل اللغۃ العتود من اولاد المعز خاصۃ قال الجوھری وغیرہ ھو ما بلغ سنۃ (نووی جلد ثانی صفحہ ۱۵۵)

(۳) عون المعبود میں بحوالہ "نہایہ" یہ عبارت ہے۔ العتود من اولاد المعز اذا قوی واتی علیہ حول (عون المعبود جلد ثالث صفحہ ۵۳)

(۴) نیل الاوطار میں ہے: قلت والعتود من ولد المعز ما رعی وقوی واتی علیہ حول۔ (نیل جزء ۵ صفحہ ۲۰۳)

(۵) تیسیر الوصول میں ہے العتود من اولاد المعز ما اتی علیہ حول" (ملاحظہ ہو کتاب الاضاحی فصل ثالث فیما یجزئ من الاضاحی۔

(۶) زہر الربی میں ہے: العتود ھو الصغیر من اولاد المعز اذا قوی ورعی واتی علیہ حول۔ (زہر الربی علی النسائی للعلامہ جلال الدین السیوطی صفحہ ۲۰۳)

(۷) کشف الغمہ میں ہے:۔ والعتود من اولاد المعز ما رعی وقوی واتی علیہ حول۔ (کشف الغمہ مصری للامام الشعرانی جزء اول صفحہ ۱۸۹)

(۸) مجمع البحار میں ہے، ھو الصغیر من اولاد المعز اذا قوی واتی علیہ حول۔ (مجمع جلد ۳ صفحہ ۲۱۵) (۹) منتہی الارب میں ہے: عتود بزغالہ یکسالہ (منتہی الارب جلد سوم صفحہ ۹)

ناظرین کرام! ان حوالجات بالا سے ظاہر ہے کہ عتود جس کی اجازت حضرت عقبہ بن عامر کو تنہا ملی تھی اور دوسروں کے لئے ممنوع کر دیا گیا ہے وہ بکری کا یکسالہ بچہ ہے۔ پس اس روایت سے بھی ظاہر

واظہر ہوا کہ بکری، بکرا خصی، بدھیا جو یکسالہ ہوں ان کی قربانی درست نہیں ۔

چونکہ حضور علیہ السلام نے جذعہ ضان کی اجازت جذعہ کے ساتھ ضان کی قید لگا کردی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سوا جذعہ ضان کے جذعہ معز، جذعہ بقر، جذعہ ابل کی اجازت نہیں ہے۔ جذعہ معز کی نسبت تو پہلے مفصلاً بیان ہو چکا ہے اب جذعہ بقر اور جذعہ ابل کی عمروں کی نسبت لکھا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس عمر کی گائے اور اونٹ بھی نادرست ہیں ۔

جذعہ بقر کی عمر | تحفۃ الاحوذی میں نہایہ کے حوالہ سے ہے :- الجذع من المعز والبقر ما دخل فی السنۃ الثانیۃ (تحفہ جلد ثانی ص۳۵۵)

(۲) کفایہ میں بحوالہ مغرب لکھا ہے :- الجذع من البھائم ما قبل الثنی ومن البقر والشاۃ فی السنۃ الثانیۃ (کفایہ جلد رابع ص۳۴)

جذعہ ابل کی عمر | فتح الباری میں ہے :- الجذع من الابل ما دخل فی الخامسۃ (فتح پ ۲۲ ص۲۴)

(۲) کفایہ میں بحوالہ مغرب منقول ہے الجذع من البھائم ما قبل الثنی الا انہ من الابل فی السنۃ الخامسۃ (کفایہ جلد رابع ص۳۴)

(۳) فاذا کان الابل فی الخامسۃ فھو جذع (فقہ اللغۃ للامام اللغوی الثعالبی ص۲۱)

(۴) منتہی الارب میں ہے، شتر یسال پنجم درآمدہ (منتہی الارب جلد اول ص۱۹۱)

حوالجات بالا سے معلوم ہوا کہ "جذعہ بقر" گائے کا وہ بچہ ہے جو دوسرے سال میں داخل ہوا اور "جذعہ ابل" اونٹ کا وہ بچہ ہے جو چار سال ختم کرکے پانچویں میں داخل ہو۔ پس جس طرح جذعہ معز (بکری کا یکسالہ بچہ) قربانی کے لئے درست نہیں ہے اسی طرح جذعہ بقر اور جذعہ ابل بھی قربانی کے لئے جائز نہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب مسوی شرح موطا میں لکھتے ہیں :- لا یجوز من الابل والبقر والمعز دون الثنی (مسوی جلد اول ص۱۸۱)

اور بذل المجہود میں مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری لکھتے ہیں لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف (بذل المجہود جلد ۴ ص۷۱)

مطلب یہ ہے کہ جذعہ معز و بقر و ابل بالاتفاق ناجائز ہے۔ ہاں بقر و ابل اور معز کی قربانی جائز ہے مگر اس وقت جبکہ یہ مسنہ (ثنیہ) ہوں ورنہ نہیں۔ اب ہم ذیل میں مسنہ کی نسبت علماء حدیث واہل

لغت کی تحقیقات لکھیں گے۔ تاکہ معلوم ہو کہ مسنہ جو قربانی کے لائق ہے اس سے شارع کی مراد کیا ہے؟

مسنہ کی تعریف شارحین حدیث واماماں لغت کی زبان سے۔ (۱) امام نووی رح نے لکھا ہے:۔ قال العلماء المسنة هي الثنية من كل شئ من الابل والبقر والغنم فما فوقها۔ الثنية اكبر من الجذعة بسنة (نووی جلد ثانی صـ۱۵۵)

(۲) امام شوکانی رح نے لکھا ہے: المسنة هي الثنية من كل شئ من الابل والبقر والغنم فما فوقها۔ (نیل الاوطار جز خامس صـ۲۱۲)

(۳) حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے: قال اهل اللغة المسن الثني الذي يلقي سنه و يكون في ذات الظلف والحافر في السنة الثالثة وقال ابن عباس اذا دخل ولد الشاة في الثالثة فهو ثني ومسن (فتح الباری پارہ ۲۳ صـ۲۲۸)

(۴) علامہ امیر یمانی نے لکھا ہے: المسنة الثنية من كل شئ من الابل والبقر (سبل السلام صـ)

(۵) صاحب فتح العلام نے لکھا ہے: الثنية من الغنم ما دخل في السنة الثالثة ومن البقر كذالك ومن الابل في السادسة (فتح العلام مصری جلد ثانی صـ۲۹۵)

(۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح نے لکھا ہے: الثني من الابل ما استكمل خمس سنين ومن البقر والمعز ما استكمل سنتين وطعن في الثالثة مسوی شرح موطا صـ۱۸۱)

(۷) صاحب تیسیر الوصول نے لکھا ہے: الثني من ذوات الظلف والحافر ما دخل في السنة الثالثة ومن ذوات الخف ما دخل في السنة السادسة (تیسیر الوصول خلاصہ تجرید الاصول مولفہ قاضی القضاۃ شرف الدین البارزی باب الهدی والاضاحی)

(۸) علامہ شیخ محمد طاہر نے لکھا ہے: الثنية من المعز ما دخل في السنة الثالثة وكذا من البقر ومن الابل ما دخل في السادسة (مجمع البحار جلد اول صـ۱۶۶)

(۹) صاحب عون نے بحوالہ نہایہ لکھا ہے: الثنية من الغنم ما دخل في السنة الثالثة ومن البقر كذالك ومن الابل ما دخل في السادسة (عون المعبود جلد ثالث صـ۵۳)

واضح ہو کہ غنم معز اور ضان یعنی بکری اور بھیڑ دونوں کو بولا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد ثانی صـ۵۹ وكذا في بذل المجهود الغنم صفات المعز والضان (بذل جلد رابع صـ۱۷)

خُفّ دو حافر بے چرے ہوئے کھُر کو کہتے ہیں مگر خُف اونٹ کے لئے بولا جاتا ہے اور حافر گھوڑے کے لئے (ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد اوّل ص۳۶) اور ظِلف چرے ہوئے کھُر کو کہتے ہیں جو کہ گائے اور بکری اور بھیڑ وغیرہ میں ہوتا ہے۔ مجمع میں ہے: والظلف هو المنشق من القوائم للبقر والغنم كالحافر للفرس والخف للبعير (مجمع البحار جلد ثانی ص۳۳۲)

ان حوالہ جات بالا سے یہ چند امور ظاہر ہوئے اوّل یہ کہ مُسِنّہ اور ثَنِیّہ ہم معنی اور مترادف الفاظ ہیں۔ دوم یہ کہ ثنیہ معز، ثنیہ ضان، ثنیہ بقر ہم عمر جانوروں کا نام جیسا کہ ہمارے حوالہ جات کے ۳ ۵ ۷ ۸ کے رو سے ظاہر و باہر ہے۔ سوم ثنیہ معز و ضان اور ثنیہ بقر اور ثنیہ ابل کی عمروں کی تعیین معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس کو تفصیل کے ساتھ نیچے لکھا جاتا ہے۔

ثنیہ اِبل: اونٹ کا وہ بچہ ہے جو پانچ سال پورا کر کے چھٹے سال میں قدم رکھے۔ ثنیہ بقر: گائے کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ ثنیہ معز بکری خصی وغیرہ کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ ثنیہ غنم۔ بھیڑ یا مینڈھا کا وہ راس ہے جو دو سال پورا کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ جب اونٹ یا گائے یا بکری ثنیہ ہو جاوے یعنی وہ ان عمروں کو پہنچ جائیں جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تب یہ جانور قربانی کے لائق ہوتے ہیں۔

محدثین کرام شکر اللہ سعیہم کی روش مُسِنّہ کی تشریح میں مختلف رہی ہے۔ بعضوں نے مُسِنّہ کی تشریح میں جانور کے ساتھ اُس کے اس عمر کی قید لگا دی ہے کہ جس عمر میں وہ جانور مُسِنّہ ہوتا ہے اور بس اور بعضوں نے دانت نکلنے کو اصل سمجھ کر عمر کا ذکر تبعاً کیا ہے۔ چنانچہ ہم اب اسی کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) فتح الباری میں ہے: وحكى ابن التين عن الداودي ان المسنة التي سقطت اسنانها للبدل وقال اهل اللغة المسن الذي يلقي سنه ويكون في ذات الخف في السنة السادسة وفي ذات الظلف والحافر في السنة الثالثة (فتح پ ۲۳ ص۳۲۸)

(۲) عون المعبود میں ہے: الثني من الابل الذي يلقي سنه وذالك في السادسة ومن الغنم الداخل في السنة الثالثة۔

بحوالہ محکم اور بحوالہ صحاح یہ عبارت ہے۔ الثني الذي يلقي ثنيته ويكون ذالك في الظلف والحافر في السنة الثالثة وفي الخف في السنة السادسة (عون جلد ۳ ص۳۵)

(۳) سندھی علی حاشیہ النسائی میں ہے: مسنة اسم فاعل من اسنت اذا طلع سنها وذالك بعد

المسنین ومن اسن الرجل اذا کبر۔ (منقولہ علامہ سندھی حنفی علی النسائی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳)

(۴) تیسیر الوصول میں ہے: المسنة التی لہا سنون (تیسیر الوصول فصل ثالث فیما یجزی من الاضاحی)

(۵) مجمع البحار میں ہے: والمسنة تقع علی البقرة والشاة اذا اثنیا ویثنیان فی السنة الثالثة (مجمع جلد ثانی صفحہ ۱۴۱)

(۶) منتہی الارب میں ہے: ثنیہ کہ دندان پیش برآمدہ ای ناقہ در سال ششم در آمدہ گوسپند وگاؤ در سوم در آمدہ (منتہی الارب جلد اول صفحہ ۱۴۰)

(۷) فقہ اللغت میں ہے: والابل اذا کان فی السادسة والقی ثنیۃ فہو ثنی صفحہ ۱۴، وولد البقرة الاھلیة فی السنة الثالثة ثنی (صفحہ ۱۴۹) وکل من اولاد الضان والمعز فی السنة الثالثة ثنی (صفحہ ۱۵۱) ملاحظہ ہو فقہ اللغة وسر العربیة للامام اللغوی الثعالبی۔

(۸) منجد میں ہے: الثنی الذی یلقی ثنیۃ وھی اسنان مقدم الفم۔ (منجد بحث ثنی)

ناظرین کرام! ان حوالہ جات مذکورہ بالا سے یہ ظاہر ہوا کہ مسنہ یا ثنیہ اونٹ یا گائے یا بکری ہے کہ جس کے دودھ کے دانت آگے کہ نوجوانانہ دانتوں کے نکلنے کے سبب گرگئے ہوں اور بلحاظ عمر وہ اونٹ ثنیہ ہے۔ جو چھٹے سال میں قدم رکھے اور اسی طرح وہ گائے یا بکری ثنیہ (مسنہ) ہے۔ جو تیسرے سال میں قدم رکھے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ بقر (گائے) اور معز (بکری) جب ثنیہ ہوتے ہیں۔ تو دونوں ہم عمر ہوتے ہیں۔ یعنی بکری بھی اپنے دانت ہونے کے وقت تیسرے سال میں داخل ہولیتی ہے اور گائے بھی اپنے دانت ہونے کے وقت تیسرے سال میں داخل ہولیتی ہے۔ جیسا کہ یہ مسئلہ ہمارے پہلے قائم کردہ حوالہ جات کے علاوہ مندرجہ بالا حوالہ جات کے ۱، ۲، ۵، ۶، ۷ سے ظاہر و باہر ہے۔ مسنہ کے متعلق مذکورہ بالا مباحث جو عرض کئے گئے ہیں۔ وہ سب تقریباً کتاب الاضاحی سے متعلق ہیں۔ اب ہم مسنہ کی تشریح میں کتاب الزکوٰۃ سے جو ملتی ہے اس کو بھی عرض کرتے ہیں۔ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ البقر میں ومن کل اربعین بقرة مسنة کے حدیث میں مسنہ کا لفظ وارد ہے اس کی تشریح شارحین حدیث نے جو فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) زرقانی شرح موطا میں ہے: مسنة التی دخلت فی الثالثة۔ (زرقانی جلد ۲ صفحہ ۵۰)

(۲) مصفی میں ہے: مسنہ آنست کہ گذشتہ باشد بروے دو سال و داخل شدہ در سال سوم (مصفی اصفحہ ۲۰۲)

(۳) مسوّٰی میں ہے۔ والمسنۃ التی طعنت فی الثالثۃ (مسوّٰی جلد اول ص۲۵)

(۴) سندھی حاشیہ نسائی میں ہے: مسنۃ ای مادخل فی الثالثۃ (مقولہ علامہ سندھی حنفی نسائی ص۳۳۹)

(۵) تحفۃ الاحوذی میں ہے: مسنۃ ای ماکمل لہ سنتان وطلع سنہا ودخل فی الثالثۃ تحفہ کتاب الزکوٰۃ ص۲

(۶) بذل المجہود میں ہے۔ مسنۃ وھی التی طعنت فی الثالثۃ سمیت بذالک لانہا طلعت سنہا (بذل المجہود جلد ثالث کتاب الزکوٰۃ ص۱۰)

(۷) ہدایہ مع کفایہ میں ہے: وھی التی طعنت فی الثالثۃ (کتاب الزکوٰۃ فصل فی البقر ص۲۳۱)

ناظرین کرام! حوالہ جات مندرجہ بالا سے ظاہر و باہر ہے۔ کہ مسنہ گائے کی وہ راس کہلاتی ہے جس کے دانت نکل آئے ہوں اور دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں قدم رکھے۔ واضح رہے عون المعبود، سبل السلام فتح العلام کے کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ البقر میں مسنہ کی تشریح میں "ذات الحولین" لکھا ہے مگر یہ اگلی تشریحات کے معارض نہیں۔ کیوں کہ جو راس دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھے۔ وہ "ذات الحولین" تو بہر حال ہے اس کے علاوہ یہ بھی بات ہے کہ عون المعبود اور فتح العلام کے کتاب الاضاحی کے اندر تحت لفظ مسنۃ انہی شارحین نے مسنہ بقر اُسے قرار دیا ہے جو دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھے۔ کما تقدم آنفاً پس ان کے ہر دو مقام کی تشریح میں کوئی تعارض پیدا کرنے کی بجائے وہی تطبیق دینی چاہیے جو کہ میں نے عرض کی ہے۔ بہر حال کتاب الزکوٰۃ کے اندر واقع شدہ لفظ مسنہ کے وہ تشریحات جو بحوالہ تحفہ و سندھی و بذل و مسوّٰی وغیرہ کے عرض کیے گئے ہیں۔ اُن تشریحات کے بالکل مطابق ہیں جو کتاب الاضاحی کے لفظ مسنہ کے ماتحت پہلے عرض کیے جا چکے ہیں۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ اونٹ اور گائے اور بکری اس وقت قربانی کے قابل ہوں گے جب کہ ان کے دودھ کے دانت نوجوانانہ دانتوں کے نکلنے کے سبب گر جاویں اور اونٹ پانچویں سال سے نکل کر چھٹے سال میں قدم رکھ لے اور گائے و بکری دو سال پورے کر کے تیسرے میں قدم رکھیں کہ دانت کا نکلنا ہی اور مذکورہ بالا عمروں مذکورہ بالا جانوروں کا پہنچنا ان کے ثنیہ اور مسنہ ہونے کا وقت ہے۔

واضح ہو کہ جانوروں کے ثنیہ ہونے کے لئے صرف ان کے دانت کا نکلنا ضروری ہے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کسی سرزمین کے آب و ہوا کی تاثیر ایسی ہو کہ وہاں مذکورہ بالا جانور مذکورہ بالا عمروں میں پہنچنے سے کچھ پہلے ہی مسنہ (ثنیہ) دانت والے ہو جاویں۔ تو ایسے موقعہ پر اعتبار دانت کے نکلنے کا ہی رہے گا۔

کیوں کہ دراصل مطمحِ نظر ہر ایک کا دو دانت ہے اور عمروں کی نسبت جو تفصیلات ہیں، وہ محدثین کرام کے تجربہ اور پیش آمدہ اندازہ ہیں۔ اس لیے ناقص راقم الحروف کی رائے میں بغرض سہولت قربانی کے جانوروں کی شناخت کا دار و مدار اگلے دانتوں کے نکلنے کے موقع پر عمروں کی جو تعین فرمائی ہے، وہ بہت بڑی حد تک ان کے صحیح تجربہ پر مبنی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل | عن نافع ان عبداللہ بن عمر کان یتقی من الضحایا والبدن التی لم تسن یعنی عبداللہ بن عمرؓ احتراز مے کرد از قربانیہا اشتران ہدے چیزے کہ دنداں نہ برآوردہ۔ (مصفیٰ جلد اول ص۱۸۱)

زرقانی میں ہے، الا یضحی الا مثنی المعز والضان والابل والبقر (زرقانی ص۷۳) مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے میں سے ہر ایک چیز کی قربانی اس وقت کرتے تھے جبکہ ان کے دانت نکل آئیں اگرچہ بھیڑ کا جذعہ یعنی بے دانت والا حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز ہے مگر وہ بھیڑ کا دانتا ہی قربانی میں کرتے تھے۔ بہرحال جذعہ ضان کے سوا اور جانوروں کی قربانی کے لئے دانت ہونا ضروری ہے۔ صرف دانت کی شرط ضروری قرار دینے سے جیسا کہ محدثین اعلام کی تصریحات سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ جماعت اہل حدیث اور احناف میں جو اس کے اندر اختلاف ہے وہ بھی رفع ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مسنہ وہ ہے جو دانت والا ہو (ملاحظہ ہو بذل المجہود کتاب الزکوٰۃ ص۱۰۱) اور (ملاحظہ ہو مقولہ علامہ سندھی حنفی علی النسائی جلد ثانی ص۲۰۳۔ اور ملاحظہ ہو مجمع البحار جلد ثانی ص۱۸۱) اور جماعت اہل حدیث بھی یہی کہتی ہے کہ مسنہ وہی ہے جو دانتہ ہو۔ پس اختلاف کہاں رہ گیا! ؎ کون کہتا تھا کہ ہم تم میں جدائی ہو گی ۔۔ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔

ہم صاحب بذل کی اس تشریح پر کہ مسنہ وہ ہے جس کے دانت نکل آئے ہوں، خوش ہو رہے تھے، لیکن قدوری و بدائع کے حوالے سے آپ کے اس لکھنے پر کہ الثنی من المعز والضان ابن سنۃ سے ہماری خوشی مبدل بہ حیرت ہو گئی کہ کہاں تو دانت نکلنے کی قید تھی اور کہاں اب ابن سنۃ؟ کیوں نہ ہو یہ تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے:

والمعز ما تمت لہ سنۃ (ملاحظہ ہو مسوی جلد اول ص۱۸۱ والثنی عند ابی حنیفۃ من الضان اور ہدایہ میں ہے: والثنی من الضان والمعز ابن سنۃ (ملاحظہ ہو ہدایہ مع کفایہ جلد ۴ ص۳۲

(وکذا فی کنز الدقائق ملا) پس انحصار مذہب میں اگر قلم کا رُخ اِدھر بھی پھر گیا تو کیا بے جا ہوا؟ ہاں مولانا کے رنگین قلم سے حیرت افزا متضاد تشریح پڑھ کر مجھے یہ شعر یاد آیا ؎

معشوق ما بمذہب ہر کس برابر است ✣ با مطرب شراب خورد، با زاہد نماز کرد

بعد التیاد انتہی خلاصہ معروضات یہ ہے کہ قربانی کے لئے جانور کا دانتہ ہونا ضروری ہے۔ ہاں بھیڑ، مینڈھا اگر دانتہ نہ ہوں تو بھی جائز ہیں، بشرطیکہ جمہور اہل علم کی تشریح کے مطابق وہ ایک سال کے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ بعضے عالم بنگلہ کے کہتے ہیں کہ جو کوئی خصاء بہائم ماکول لحم ہو یا غیر ماکول لحم ہو کریگا وہ فاسق ہے اس سے ترک اکل و شرب و ملاقات واجب ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز۔ علمائے شرع برائے خدا جواب باصواب ارشاد فرمادیں ثواب اس کا عند اللہ تعالیٰ پاویں۔

الجواب:۔ درصورت مرقومہ اولاً مدعی مذکور پر ثبوت پہنچانا حدیث نہی خصاء بہائم کے بسند صحیح متصل الاسناد مطابق شرائط الحدیث وفقہ کے واجب ہے لان الاسناد من الدین کمانی

مقدمۃ صحیح مسلور فیہ ھا والمدعی مطالب بالبرھان ۔ ثانیاً بعد ثبوت حدیث صحیح متصل الاسناد کے اس کی تعمیم میں کلام ہوگا کہ یہ نہی خصاء کے غیر ماکول لحم میں وارد ہے نہ ماکول لحم میں اب ہم قطع نظر صحت حدیث وعدم صحت سے کر کے کہتے ہیں کہ نہی خصاء بہائم کے ساتھ جانور غیر ماکول لحم کی خاص ہے جیسے خر و خچر وغیرہ اور ماکول لحم اس نہی میں شامل نہیں بدلالت نص قرآنی کے ۔ کیونکہ مقصود اعظم چارپایہ ماکول لحم سے اکل ہے قطع نظر دیگر منافع عام سے چنانچہ خدا تعالیٰ نے سورۃ انعام فرماتا ہے ۔ وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ انتھی ما فی سورۃ

اور جانور ماکول میں لحم لذیذ و مرغوب فیہ اور مشتہی خصی اور موجوء کا ہوتا ہے ۔ اور اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کبش موجوئین کی قربانی کی عن جابر قال ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین الی آخرہ رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارمی کذا فی المشکوٰۃ اور لحم نہیں یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا بدبو دار اور بدمزہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ ارباب طباع سلیمہ اور لطیفہ پر مخفی نہیں ۔ تو لحم نہیں اور فحل غیر خصی کا جب مستلذات و مشتہیات سے نہ ہوا تو مستلذات سے خارج ہوا اور قسم ضد طیب میں داخل ہوا اور حال یہ کہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو مستلذات کھانے کا ارشاد فرمایا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اول سورۃ مائدہ میں فرمایا أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ ۔ یعنی اس آیۃ کریمہ میں اللہ جل شانہ نے انہیں جانوروں کے اکل کا حکم ہے فرمایا کہ جن کے اکل کا حکم سورۃ انعام میں صادر ہوا ۔ بعد ازاں اسی سورۃ مائدہ میں پھر فرمایا يَسْأَلُونَكَ ، یا محمد ، مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ من الطعام قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ المستلذات ۔ جلالین ۔ پس اس آیۃ میں خدا تعالیٰ نے ہر قسم مطعومات و ماکولات مستلذات کے کھانے کا امر فرمایا اور شرح ان آیتوں کی تفسیر کبیر سے بخوبی لکھی جاتی ہے قولہ تعالیٰ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وھذا متصل بما تقدم من ذکر المطاعم والماکل المسئلۃ الثالثۃ العرب فی الجاھلیۃ کانوا یحرمون اشیاء من الطیبات کالبحیرۃ

والسائبة والوصيلة والحام فهم كانوا يحكمون بكونها طيبة الا انهم كانوا يحرمون اكلها بشبهات ضعيفة فذكر تعالى ان كل ما يستطاب فهو حلال واكد هذه الاية بقوله قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ وبقوله وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ واعلم ان الطيب في اللغة هو المستلذ والحلال الماذون فيه يسمى ايضا طيبا تشبيها بما هو مستلذ لانهما اجتمعا في انتفاء المضرة فلا يمكن ان يكون المراد بالطيبات ههنا المحللات والا لصار تقدير الاية قل احل لكم المحللات ومعلوم ان هذا ركيك فوجب حمل الطيبات على المستلذات المشتهى فصار التقدير احل لكم ما يستلذ ويشتهى ثم اعلم ان العبرة في الاستلذاذ والاستطابة باهل المروة والاخلاق الجميلة فان اهل البادية يستطيبون اكل جميع الحيوانات و يتاكد دلالة هذه الاية بقوله تعالى خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فهذا يقتضي التمكن من الانتفاع بكل ما في الارض الا انه تعالى ادخل التخصيص في ذلك العموم فقال وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ونص في هذه الايات الكثيرة على اباحة المستلذات والطيبات فصار هذا اصلا وقانونا مرجوعا اليه في ما يحل ويحرم الاطعمة انتهى ما في التفسير الكبير بقدر الحاجة۔

اب دانشمندان شرع شریف غور فرماویں اس مقام میں کہ اصل غرض ومطلب تحریر آیات بینات مذکورہ بالا سے یہ کہ رب العباد نے اپنے بندگان مسلمین کو اذن واجازت کھانے پینے مستلذات کی فرمائی اور ہدایت کی زیادہ تر طعام خوردنی روزمرہ عرب وعجم کا گوشت اونٹ اور بقر وغنم کا دستور العمل رہا اور غنم اور بقر میں خاص کر گوشت خصی کا لذیذ اور بکمال مرغوب ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل مذاق صافی طبع اس کو خوب جانتے ہیں اور گوشت تیس یعنی بوک اور فحل غیر خصی کا نہایت بدبودار اور مکروہ ہوتا ہے کیونکہ تیس میں گونہ خبث پائی جاتی ہے[1]۔ کہ استیفائے منافع کما حقہ اسے حاصل نہیں ہو سکتا اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زکوٰۃ میں دینے سے منع فرمایا۔

ولا يخرج في الصدقة المفروضة هرمة الكبيرة التي سقطت اسنانها ولا ذات عوار بفتح العين والف بعد الواو اي معيبة بما ترد به في البيع ولا تيس وهو فحل الغنم او مخصوص بالمعز بقوله تعالى ولا تيمموا الخبيث منه تنفقون كذا في ارشاد الساري شرح صحيح البخاري للعلامة القسطلاني۔ غور کرو کہ قسطلانی علیہ الرحمۃ نے تیس کو افراد خبیث میں شمار کر کے مصداق آیت کریمہ مذکورہ کا ٹھیرایا اور عمدۃ القاری شرح

[1] کیونکہ کثرت شہوت کی وجہ سے اکثر آلۂ تناسل کو چوستا ہے: سعیدی)

شرح صحیح بخاری میں کہا وتیس وھو غیر مرغوب فیہ لنتنہ ۔ انتہی ۔ خبیث پلید ضد طیب ونتن بوے ناخوش ۔ صراح ۔ الخبث والخبیث مایکرہ ردا ءۃ وخساستہ محسوسا کان او معقولاً واصلہ الردی الجاری مجری خبث الحدید واصل الطیب ما یستلذہ الحواس وما یستلذہ النفس و طعام مطیبۃ للنفس اذا طاب کذا فی مفردات القرآن للامام الراغب خبث الحدید ریم آہن ۔ مرام اور اگر بزعم فاسد مدعی ناہی غنم اور بقر میں دستور خصی اور وجاء کرنے کا نہ ہوتا تو کوئی قسم مستلذات کی غنم وبقر میں نہ پائی جاتی حالانکہ شارع لطیف خبیر نے بندوں کو مستلذات کھانے کا حکم فرمایا اور جو کوئی خصی اور وجاء کرنے سے مانع ہو اور فاعل اس کے گنہ گار جانے وہ مخالف حکم الٰہی کا ہو گا بنا بر انکار دلالت نص قرآنی مذکورہ بالا کے اور بسبب خبث بدبوئے لحم تیس کے علمائے ماہران نصوص قرآنی کے نہی خصاء بہائم میں غیر ماکول لحم کے قائل اور مجوز ہوئے اور ماکول لحم کو نہی سے خارج کیا کہ خبث بدبوئے کی خصاء اور وجاء کرنے سے زائل ہو اور طیب ومستلذ خالص ہو جاوے بحکم شارع عزوجل کے اور جو تمام نر غنم اور بقر تیس ہے اور فحل ہے بزعم زاعم زمانہ آنحضرت صلعم میں رہتے اور خصی اور موجوء نہ ہوتے تو زکوٰۃ دینے میں ممانعت خاصی[1] کی کیوں ہوتی اس لیئے کہ اگر تمام غنم وبقر غیر خصی ہوتے تو زکوٰۃ انہیں غیر خصی میں سے دیجاتی بنا بر اس کے کہ جس صفت کے جانور ہوں اسی صفت زکوٰۃ دیجاتی ہے شرعًا ۔ مثلاً اگر سب جانور عیب دار ہوں تو زکوٰۃ لینے والا ہوے ایک جانور عیب دار اوسط درجہ کا چنانچہ تشریح اس کی شروح حدیث اور فتاوی مطولات ہر مذہب میں بوجہ بسط وتفصیل مذکورہ ہے کما لا یخفی علی الماہر المسائل الشرعیۃ اور عرف عام اور عادت معہودہ قدیم الایام سے جاری بھی ہے ۔ بقدر تعداد ریوڑ غنم اور گلہ بقر کی تیس اور فحل غیر خصی بقصد احبال اور گابہہ کی دو چار رہتے ہیں ۔ اور باقی سارے خصی اور موجوء ہوا کرتے ہیں اور بنا پر اسی اسم ورواج قدیم کے معمول تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ دو کبش موجوء خرید کر کے ہر سال قربانی کیا کرتے تھے ایک کبش موجوء امت کیطرف سے اور ایک اپنی طرف اور آل اطہار کیطرف سے چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ۔ یا ابو ہریرۃ سے روایت کی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا محمد بن یحیی

[1] یعنی خصی کیا ہوا ۔ سعیدی ۔

ثنا عبد الرزاق ابنا سفیان الثوری عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن عائشۃ و
عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد ان یضحی اشترکبشین اقرنین املحین
موجوئین فذبح احدھما عن امتہ لمن شہد للہ بالتوحید وشہد لہ بالبلاغ وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد صلعم رواہ ابن ماجۃ فی سننہ۔
پس حدیث ابن ماجہ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ عادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی
ہر سال دو کبش موجو یعنی خصیہ سودہ دکوفتہ قربانی کیا کرتے تھے چنانچہ ترکیب کان اذا کی عادت
معہودہ پر دال صریح ہوتی ہے۔ کان اذا اتی مریضا او اتی بہ قال اذھب الباس رب الناس الی آخرہ متفق علیہ
عن عائشۃ ۔ کان اذا اتی باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجہہ الی آخر ما رواہ ابو داؤد واحمد کان اذا اتی الفیئ
قسمہ فی یومہ فاعطی الآھل حظین واعطی العزب حظا کما رواہ ابو داود وکان اذا اتی بطعام سال عنہ اھدیۃ ام صدقۃ الی آخر
ما رواہ الشیخان والنسائی عن ابی ہریرۃ کان اذا اخذ مضجعہ من اللیل وضع یدہ تحت خدہ ثم یقول باسمک اللھم احیی وباسمک اموت
رواہ مسلم واحمد والنسائی عن البراء والبخاری عن حذیفۃ کان اذا اراد ان ینام وھو جنب غسل فرجہ وتوضأ للصلوۃ کما رواہ الشیخان وابو داؤد والنسائی کان
اور نظائر ترکیب۔ کان اذا کے بہت چند نظیریں واسطے تنبیہ ناواقفوں کے لکھ دیں اور جو خصی اور
غیر موجود کرنے کا دستور نہ ہوتا تو ہر سال آنحضرت صلعم موجو خرید کر کے کہاں سے قربانی کرتے
اور خصی کرنا بزعم زاعم مُثلہ اور منہی عنہ ہوتا شرعًا تو زمانہ نزول وحی فَاَقْتَدِرُوْا یَا اُولِی الْاَلْبَابِ
میں منع ہوتا۔ جیسے سرور کائنات نے نماز جنازہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی پڑھی تو اس پر نہی وارد
ہوئی ولا تصل علی احد منھم الآیۃ ۔ اور خصا کرنے میں نہی وارد نہ ہوئی بلکہ اس کا رواج مستمر رہا
پس اس میں جواز خصا کی پائی گئی نہ انکار وقد استدل جابر وابو سعید الخدری علی جواز العزل بانہم
کانوا یفعلون والقرآن ینزل ولو کان مما ینھی لنھی عنہ القرآن کما فی کتب الحدیث فثبت بالتعامل
والرواج فی زمن النبی صلعم تقریر جواز الاختصار والوجاء قطعا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ وما
اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَھُوَ الآیۃ فبدلالۃ النص السابق وبعد الوجہ الوجیہ قال العلماء الخصاء وھو
نہی تحریم بلا خوف فی بنی آدم قال القرطبی الخصاء فی غیر بنی آدم ممنوع فی الحیوان الا لمنفعۃ حاصلۃ فی ذلک کتطیب
اللحم او قطع ضرر عنہ وقال النووی یحرم خصاء الحیوان غیر الماکول مطلقا اما الماکول فیجوز فی صغرہ ویحرم
فی کبرہ انتہی ما فی فتح الباری شرح صحیح البخاری مختصرا بقدر الحاجۃ فان الاختصار فی الآدمی حرام صغیرا کان او کبیرا
قال البغوی وکذا یحرم خصاء کل حیوان لا یوکل اما الماکول فیجوز فی صغرہ ویحرم فی کبرہ کذا فی المرقاۃ واللمعات

...ان علی ان الذکر فی الضان والمعز افضل لکنه مقید بما اذا کان موجوءًا ای مرضوض الانثیین ای مدقوقهما قال العلامة ابن عبد البر ومفهومه انه اذا لم یکن موجوءًا لا یکون ویفضی بالجار والحنفی کذا فی الدر المختار قوله الخصی (ای) من الامام انه اولی لان لحمه اطیب وقد صح انه علیه الصلوٰة والسلام ضحی بکبشین املحین موجوئین کذا فی الطحطاوی والشامی الخصی لان لحمها اطیب وقد صح ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین املحین موجوئین انتہی ما فی الهدایه -

اور جو چند اشخاص سلف سے تفسیر آیت کریمہ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ میں خصار مروی ہے سو مرفوع نہیں اور غیر مرفوع حجت نہیں ہے۔ عند المحدثین کما لا یخفی علی الماهر اصول الحدیث وا لفقہ ۔ پس اگر خصار شنیع ہوتا تو رسول خدا صلعم اس پر نہی اور ممانعت فرماتے اور حدیث ابن ماجہ سے کبش موجور کا قربانی کرنا مرفوعًا ثابت ہوا اور جب موجور مرغوب اور مطبوع ہوا تو اصل فعل خصار اور وجار بطریق اولیٰ مرغوب اور مطبوع ہوگا۔ کیونکہ حسنیۃ ومشروعیت ومحمودیت مشتق کی اوپر جواز اور مشروعیت ومحمودیت مشتق منہ کے موقوف ہے

مثلاً واصل رحم محمود ہے باعتبار صلہ رحمی کے کما لا یخفی علی المتامل الذکی ۔ امام محی السنہ بغوی نے معالم میں تفسیر فلیغیرن خلق اللہ کے عکس اشخاص سابقین کے نقل کی ہے قال ابن عباس والحسن ومجاهد وقتادة وسعید بن المسیب والضحاک یعنی دین اللہ نظیرہ لا تبدیل لخلق اللہ ای دین اللہ بتحلیل الحرام وتحریم الحلال انتہی ما فی المعالم مختصرًا ۔ اہل فطانت اور دیانت پر واضح ہو کہ ہرگاہ نہی خصار بہائم سامحہ جانور غیر ماکول لحم کے مختص اور متعین ہوئی عند العلماء المحققین اور اباحت خصا ووجاء کی بقصد نفع اعظم تطییب لحم وازالہ خبث بدبوئی پائی گئی چنانچہ تشریح وتفصیل اس کی بوجہ احسن سابق مذکور ہو چکی پس اس صورت میں خصا ووجاء کرنے والے کو منسوب بفسق ومعصیت کرنا اور محل استعجاب ہے شرعًا بلکہ بغور قواعد شرعی قائل اس کا خود مخالف شرع اور مورد ملامت متصور ہوتا ہے یا اهل الکتاب لا تغلوا فی دینکم الآیۃ ما علینا الا البلاغ فاعتبروا یا اولی الابصار حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

زہے شرف سید کو جن شد شریف حسین ۔ ما احسن هذا الجواب القرین بالصدق والصواب ویؤیدہ ما اخرجہ عبد الرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وغیرهم ان ابا التیاح سأل الحسن البصری عن اختصاء الغنم فقال لا باس بہ واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ۔ (ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی)

جواب صحیح است ورائے نجیح در ینکہ نہی خصار بہائم مخصوص بغیر ماکول لحم است چنانکہ

رائے صاحب محی السنہ بغوی و علامہ قرطبی و علامہ نووی و شیخ بن حجر عسقلانی وغیرہ است و مؤید و شاہد ابن ماجہ در مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ است۔ حدثنا اسحٰق بن یوسف ثنا سفیان عن عبد اللہ بن عقیل عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ ان عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکر نحوہ۔ و نیز در مسند احمد مذکور است حدثنا وکیع عن سفیان عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ و عائشۃ و بہذا السند رواہ الحاکم فی المستدرک و روی البیہقی ایضا عن طریق سفیان عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل و نیز در مسند احمد و اسحاق بن راہویہ و معجم طبرانی مذکور است عن شریک عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن علی بن حسین عن ابی رافع قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین املحین موجوئین خصیین و در مسند ابن ابی شیبۃ ثنا عفان حدثنا حماد بن سلمۃ انا محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عقیل عبد الرحمن بن جابر بن عبد اللہ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بکبشین املحین عظیمین اقرنین موجوئین فاضجع احدہما وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللہم عن محمد وآل محمد ثم اضجع الآخر الحدیث وکذالک رواہ اسحاق بن راہویہ وابو یعلی الموصلی فی مسندیہما و حافظ ابن حجر عسقلانی در تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر گفتہ حدیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم ضحی بکبشین موجوئین رواہ احمد وابن ماجۃ۔ والبیہقی والحاکم من حدیث عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن عائشۃ او ابی ہریرۃ ہکذا الروایۃ الاخری ورواہ زہیر بن محمد عن ابی رافع اخرجہ الحاکم ورواہ حماد بن سلمۃ عن ابن عقیل عن عبد الرحمن بن جابر عن ابیہ ولہ شاہد من حدیث ابی عیاش عن جابر رواہ ابوداؤد والبیہقی ورواہ احمد والطبرانی من حدیث ابی الدرداء قال ضحی رسول اللہ صلعم بکبشین جزعین موجوئین رواہ احمد فی مسندہ والطبرانی۔

پس از روایت ابن ماجۃ وغیرہ ہویدا گردید کہ مرغوب خاطر عاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم در قربانی گوسپند موجود خصی بود لہذا وقت ارادہ قربانی گوسپند موجوء خصی بود و خصی خرید فرمودہ قربانی می کردند و رغبت بسوئے شئی نمی باشد مگر بعد وجدان شئی۔ پس اگر دستور و رواج خصی کردن و وجاء نمودن نبودے چگونہ رغبت بآن شئی شدے و اگر نہی عنہ بودے نہی ازاں می فرمودند بحکم رسالت چنانکہ عادت شریف آنحضرت صلعم بود کہ وقتیکہ چیزے منہی عنہ میشد غصہ و ناخوشی بودہ بر سبیل عموم ارشاد می فرمودند کہ ما بال الناس یفعلون کذا وکذا و چوں دو بز موجوء و خصی بر فاعلش نہی و زجر نفرمودند پس در چیز اباحت بلا ریب داخل شد قطع نظر از سنت و مستحب بودن و سکوت و تقریر بران مستلزم جواز اباحت لامحالہ خواہد بود کما لا یخفی علی الماہر بالشریعۃ المحمدیہ علی صاحبہا الف صلوٰۃ و تحیۃ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

اجاد المجیب فیما افاد وللہ درہ فیما افاد وقد ثبت ان النبی صلعم ضحی بالموجوء ولو ثبت النہی منہ صلعم فیہ فہو تقریر منہ صلعم ولو کان هذا منهیا عنه لکان فی سکوته صلی اللہ علیه وسلم فی هذا وارتکابه بنفسه بتضحیة فتح الباب وهو لا یلیق بعظیم شانه صلی اللہ علیه وسلم وایضا فیه تطییب لارزاق الناس ومنافع لهم واستلذاذ لهم واعدام البهائم فکیف یکون باطلا منهیا عنه فقط۔ حررہ العبد الذلیل محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ۔ [محمد اسمٰعیل] علیگڑھ اصاب من اجاب

[محمد لطف اللہ] علیگڑھ [محمد اسد علی] اسلام آبادی۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۴۶۱ / ۴۶۲

سوال:۔ دعوے قربانی گاؤ کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کتاب مذکور میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں ہے۔ مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے۔ فقط چونکہ یہ بیان ان کا متعلق قرآن شریف مسائل مذہب کے ہے لہٰذا علماء کی خدمت میں استفتاء ہے کہ یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیان ہنود سراسر غلط ہے ہم مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ ارشادات سے قربانی گائے کی اجازت بخوبی ثابت ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے سترہویں پارے بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ ۖ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿﴾ ترجمہ" اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں سے تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے تو اللہ کا نام لو ان پر کھڑے ہوئے۔ پھر جب گر جائیں گردنیں ان کی تو خود کھاؤ اُن میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے اور مانگنے والے کو یوں ہی تمہارے بس میں کر دیا ہے ہم نے ان جانوروں کو تاکہ احسان مانو، قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہیں تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی آئی ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی۔ اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار چھاپی تھی اس کی جلد دوم طبع ششم سطر اخیر ص ۹۷ وسطر اول ص ۹۸ میں آیت کے

ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا وَالْبُدْنَ اور اونٹ گائے جو قربانی کے واسطے ہانکے لئے جاتے ہیں۔ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ۔ کر دیا ہم انہیں یعنی ان کے ذبح کو تمہارے واسطے مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ دین الٰہی کے نشانوں میں سے اور بیشک ہم حنفی مذہب والوں کے تینوں امام یعنی ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے سب پیروؤں کا یہی مذہب ہے کہ۔ بُدْنہ۔ یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں انہیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں جاری ہے اور یہاں انہیں کے مذہب پر فتویٰ و عمل ہوتا ہے۔ ہدایہ۔ دُرمختار۔ قاضی خان۔ عالمگیری وغیرہ مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں۔ درمختار مطبع ہاشمی جلد ۲ صفحہ ۵۸۸ سطر ۱ میں ہے بُدْنَةٌ هِيَ الْإِبِلُ وَالْبَقَرُ سُمِّيَتْ بِهِ لِضَخَامَتِهَا۔ ترجمہ بدنہ۔ اونٹ اور گائے ہے ان کے ڈیل دار ہونیکے سبب ان کا یہ نام ہوا۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد اول صفحہ ۲۴۷ میں ہے والبدن من الابل والبقر الخ وفیہ ایضا ان البدنة تنبئ عن البدانة وهي الضخامة انتهى مختصرا۔

ترجمہ۔ اور بُدن اونٹ اور گائے ہے الخ تحقیق بدنہ بدانت سے خبر دیتا ہے اور وہ فخامت ہے۔ یعنی ڈیل دار ہونا ہے فتاویٰ عالمگیری مطبع احمدی جلد اول صفحہ ۹۴ میں ہے۔۔ البدنة من الابل والبقر۔ ترجمہ بدن اونٹ اور گائے دونوں سے ہے اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عنقریب مذکور ہوگا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ اسی رکوع کے شروع میں فرماتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔ ترجمہ۔ اور ہر گروہ کیلئے ہم نے مقرر کر دی قربانی کہ اللہ کا نام لیں۔ چوپاؤں کے ذبح پر جو اللہ انہیں دیئے یہاں فرمایا کہ چوپاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قربانی کیلئے بنایا ہے اور آٹھویں پارہ چھٹی سورہ سورہ انعام کے سترھویں رکوع میں چوپاؤں کی تفصیل یہ بیان فرمائی ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ (الی قولہ تعالیٰ) وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ۔ ترجمہ چوپائے آٹھ نر و مادہ ہیں۔ بھیڑ سے دو۔ اور بکری سے دو۔ اور اونٹ سے دو۔ اور گائے سے دو۔ تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا دونوں مادہ نے: ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ گائے بکری بھیڑ سب کی قربانی اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے اس لئے تفسیر مذکورہ فرمائیں نولکشور کی جلد مستورہ صفحہ ۵۳ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپاؤں پر اللہ کا نام لینے کے

تفسیر میں لکھا ہے زبان چار پاؤں میں سے یعنی اونٹ۔ گائے بکرا اس سے قربانی مراد ہے کہ خدا کے نام پر ذبح کریں اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے بیل بچھیا بچھڑا سب کا کھانا حلال ہے۔ جسکی علت خود قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے اللہ تعالیٰ پہلے پارے دوسری سورۃ سورۃ بقرکے آٹھویں رکوع میں فرمایا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔
ترجمہ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمہیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو اور ساتویں پارے چھٹی سورۃ سورۃ انعام کے دسویں رکوع میں موسیٰ وہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر کرکے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔
ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ٹھیک راستہ پر چلایا تو تو انہیں کی راہ چل اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جب تک ہماری شریعت اسے منسوخ نہ فرما دے تو گائے کی قربانی کرنے کی اجازت یوں بھی ہمیں ثابت ہوئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ کئی شریعتوں سے چلا آتا ہے تفسیر مذکور فرمائیشی نولکشور جلد اول کے صفحہ ۵۵ سطر اخیر وصفحہ ۱۸ سطر اول میں اس حکم الہٰی ذبح گاؤ کی حکمت یوں لکھی۔ اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا کہ گوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو انہیں دکھا دیا کہ جسے تم پوجا وہ ذبح کرنے کے قابل ہیں عبادت اور مدح کے لائق نہیں (۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں اگر گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انہیں احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے اللہ فرماتا ہے۔ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ ترجمہ جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لو اور جس سے روکے اس سے بچو۔ اور فرماتا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ترجمہ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور فرماتا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى۔ ترجمہ: یہ نبی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ تو صرف خدا کا حکم ہے جو لے بھیجا جاتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گائے قربانی کی اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں سب سے زیادہ مشہور و مستند ہیں جنہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائه بالبقرة۔ ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔ صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبقرة كل سبعة منا فی بدنة۔ ترجمہ۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔ صحیح مسلم شریف میں انہیں سے روایت ہے۔ اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج والعمرة كل سبعة منا فی بدنة فقال رجل لجابر ایشترك فی بدنة ما یشترك فی الجزور قال ما هی الا من البدن وحضر جابر الحدیبیة قال نحرنا یومئذ سبعین بدنة اشترکنا کل سبعة فی بدنة اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحضر الاضحی فذبحنا البقرة عن سبعة۔ ترجمہ۔ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ بقر عید آئی تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی سبحان اللہ جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور ہمیں اس کا حکم دیا اسے مذہب اسلام کے خلاف جاننا یا مذہب اسلام میں اس کی اجازت و ہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) اس بیان میں ایک بڑی ناانصافی یہ ہے کہ ہمارے تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا۔ جو ہم روشن طور پر ادا کر چکے اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا وید کا نام کیوں نہ لیا جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں اگر سچے ہیں تو اب اپنے وید سے گائے کی قربانی کی ممانعت ثابت کریں اور شاستر کو بنائے مذہب رکھتے ہیں تو ہماری بھی کتب فقہ کو بنائے مذہب جانیں۔ ہدایہ۔ درمختار۔ قاضی خاں۔ عالمگیری وغیرہا ہزار دو ہزار جس قدر کتابیں چاہیں دیکھ لیں جن میں قربانی کا باب مذکور ہے ان سب میں قربانی گائے نہایت صریح طور پر مسطور ہے تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے (۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کر دیا کہ مورتی پوجن اور بتوں کے آگے گھنٹا بجانا سنکھ پھونکنا مہادیوں پر پانی ٹپکانا ہولی دوالی وغیرہ وغیرہ

صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی اپنی مذہبی ٹھہرا رکھی ہیں جن کا ذکر اُن کے وید میں کہیں نہیں سب ان کے خلاف مذہب ہیں کہ میں کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے اس کا پتہ نہیں دیتے پچھلے ہنود نے محض براہ حیلہ انھیں مذہبی بنا رکھا ہے۔

(۷) سب سے زائد یہ ہے کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے خود صاف صاف قربانی گائے کی اجازت دے رہا ہے اخبار پائینر صفحہ ۷ کالم ۴ مطبوعہ ۱۱/ اپریل ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون چھپا ہے کہ ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی۔ اس میں وید سے نقل کیا ہے اے اگنی یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں اور تمنا ہے کہ یہ سانڈ اور گنیاں تجھے پسند آویں رگ وید ۱۶۔۴۱۔ ۷ ہم میں نہ دل سے سونا کا عرق پینے والی اگنی خالق کی جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل گنیاں اور منت کے میڈھے چڑھائے جاتے ہیں۔ ستائش کروں گا۔ رگ وید ۱۰-۹۱-۱۴ اسی اخبار میں برہمنہ پران اور ستیارتھ پرکاش اور ترتیا برہمن جلد ۲ باب ۸ اور منو کی ساہمتی ۱۵ الم وغیرہا کتب مذہب ہنود سے ہندوؤں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت ہے۔ اسی طرح یہ امر مہارت وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔ فیصلہ ہائیکوٹ مقدمہ قربانی ۷۸۶ میں تاریخ ہنود زمانہ پیشین سے حکام ہائیکوٹ نے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنے دینی رسوم میں گئو میدھ یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے اور متقدمین حکمائے نے اس کی تاکید کی تھی تو ثابت ہوا کہ ہندو اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گائے کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں یہ مزاحمت بیجا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جن کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح انہیں اختیار نہیں واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم جواب بہت درست ہے۔ عنایت الٰہی عفا اللہ عنہ۔ جواب صحیح ہے۔ محمد منفعت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔ [مہر: محمد منفعت علی] جواب صحیح حق ہے خلیل احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند فی الواقع قربانی گائے کی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ محمد اشرف علی عفی عنہ۔

[مہر: از گروہ اولیا اشرف علی]

اصاب من اجاب ابوالحسن بندہ محمد امین الدین عفی عنہ | لاشک فیہ۔ محمد امین است |

الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ۔ قربانی گائے کی قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جواب مجیب حق صریح ہے اور بیان ہنود غلط فقط۔ واللہ اعلم بالصواب العبد عزیز الرحمن دیوبندی عفی عنہ | توکل علی العزیز الرحیم | یہ جواب قرآن وحدیث کے سراسر مطابق اور مذہب اہل اسلام کے بلا تامل موافق ہے فقط۔ العبد محمود حسن عفی عنہ دیوبندی | محمود حسن |

یہ بیانات اصول اسلام یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف اور کتب فقہ کے موافق ہیں کوئی مبالغہ یا خلاف کتاب بات نہیں فقط حررہ محمد ناظر حسن عفی عنہ دیوبندی | محمد ناظر حسن |

بیان ہنود محض غلط اور سراسر کذب ہے۔ قرآن مجید۔ واحادیث سے بلاشبہ گائے کی قربانی ثابت ہے۔ فقط حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ ۱۲۸۱ | محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۵۶ تا ۵۷

سوال: گائے میں سات آدمی اور اونٹ میں دس آدمی کے شریک ہونے کا حکم خاص ہدی میں ثابت ہے یا قربانی بھی ثابت ہے بینوا توجروا۔

جواب: قربانی میں بھی ثابت ہے سبل السلام جلد ۱ ص ۱۷۶ میں ہے یندب لبس احسن الثیاب والتطیب بأجود الاطیاب فی یوم العید ویزید فی الاضحی الضحیۃ بأسمن ما یجد لما اخرجہ الحاکم من حدیث الحسن السبط قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العیدین ان نلبس اجود ما نجد وان نتطیب باجود ما نجد وان نضحی باسمن ما نجد البقرۃ عن سبعۃ والجزور عن عشرۃ وان نظہر التکبیر والسکینۃ والوقار قال الحاکم بعد اخراجہ من طریق اسحق ہذا لولا جہالۃ اسحق لحکمت للحدیث بالصحۃ قلت لیس بمجہول فقد ضعفہ الازدی ووثقہ ابن حبان ذکرہ فی التلخیص انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفی عنہ۔ | سید محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۱۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کہ کھال قربانی کی قیمت سے مسجد کی مرمت کرانی یا فرش بنوانا درست ہے یا نہیں اور زیادہ تر والنسب کیا ہے مسکین کو دینے میں یا مسجد کی مرمت اور فرش کے بنوانے میں یا مدرسہ اسلامیہ میں داخل کر دینے میں؟

جواب: کھال قربانی کے مصرف و مستحق فقراء اور مساکین ہیں بلوغ المرام میں ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اقسم لحومہا

وبجورها وجلالها على المساكين ولا اعطى فى جزارتها منها شيئا متفق عليه قال فى سبل السلام الحديث دل على انه يتصدق بالجلود والجلال الى قوله وحكموا لاضحية حكم الهدى فى انه لا يباع لحمها ولا جلدها وانه لا يعطى الجزار منها شيئا اجرة انتهى والله اعلم بالصواب حرره السيد ابوالحسن عفى عنه۔

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۴۲۶

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں لانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: قیمت کھال قربانی کی اپنے مصرف میں ہرگز نہیں لانا چاہیے یہ حق فقرا و مساکین کا ہے بلکہ اس میں سے قصاب کو اجرت بھی نہیں دینا چاہیے واللہ اعلم بالصواب حررہ سید ابوالحسن عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ کھال قربانی کی قیمت اپنے مصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص قربانی کی کھال کو فروخت کریگا (یعنی اپنے مصرف میں لانیکے لئے) تو اس شخص کی قربانی ہی نہیں درایہ تخریج ہدایہ میں ہے حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ له الحاکم والبیہقی من حدیث ابی هریرة بهذا اورده الحاکم فی تفسیر سورة الحج درایہ کے حاشیہ میں ہے۔ ای صححه الحاکم وصححه لکن فیه عبداللہ بن عیاش قال الذهبی فی مختصره ضعفه ابوداود انتہی ہاں قربانی کی کھال کو بغیر فروخت کے اپنے مصرف میں لانا ہر طرح درست و جائز ہے مثلاً اس کا بستر ابنانا اور مشک اور ڈول بنوانا اور اپنے مصرف میں لانا بلا شبہ درست ہے منتقی میں ہے۔ عن ابی سعید ان قتادة بن النعمان اخبره ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فقال انی کنت امرتکم الحدیث وفیه واستمتعوا بجلودها ولا تبیعوها الخ رواه احمد قال الشوکانی قال فی مجمع الزوائد انه مرسل صحیح الاسناد انتہی۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۴۲۴

سوال: کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے جو وارث لوگ قربانی بقرعید میں دیتے ہیں۔ اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور میت کے وارثوں کو کھانا بموجب شرع شریف کے درست ہے یا نہیں۔

الجواب: جامع ترمذی میں عبداللہ بن مبارک کا فتویٰ لکھا ہے کہ اگر میت کی طرف سے قربانی کی جاوے تو قربانی کرنیوالا اس میں سے کچھ نہ کھاوے بلکہ کل گوشت کو صدقہ کر دے۔ واللہ اعلم

بالصواب المجیب سید عبدالوہاب عفی عنہ ۔ میرے نزدیک میت کی طرف جو قربانی کی جائے اس کا گوشت صاحب نصاب کو اور قربانی دینے والے کو کھانا درست ہے نادرست ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اور اپنی آل کی طرف سے اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور آپ کی امت میں بعض لوگ مر بھی گئے تھے لیکن یہ ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کا گوشت خود نہ کھایا اور کل گوشت یا بقدر حصہ اموات کے صدقہ کر دیا حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قربانی کرتے تھے لیکن حضرت علی کا اس قربانی کے گوشت کو خود نہ کھانا اور کل گوشت کو صدقہ کر دینا ہرگز ثابت نہیں رہا فتویٰ عبداللہ بن مبارک کا سو یہ ان کی رائے ہے اور ان کی اس رائے پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۵۰ میں اس بحث تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ من شاء الاطلاع علیہ فیراجع الیہ واللہ اعلم کتبہ عبدالرحمٰن مبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۴ ۔

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس میں کہ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اور برس روز کا یا زیادہ کا ہو گا تو قربانی و عقیقہ اس بچہ کا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ مشابہ ہرن کے ہے تو اس کی قربانی و عقیقہ ناجائز ہے اور اگر وہ مشابہ ہرن کے نہ ہو تو اس کی قربانی و عقیقہ جائز ہے لیکن دو برس سے کم کا نہیں ہونا چاہیئے۔ ولا یجزی دون الثنی من المعز وھو ما استکمل سنتین وطعن فی الثالثۃ کذا فی الروضۃ الندیۃ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید عبدالحفیظ عفی عنہ۔ سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۲)

ہو الموفق واضح کہ ہرن اور بکری سے جو بچہ پیدا ہوا اگر وہ بکری ہے تو قربانی درست ہے اور اگر بکری نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ وقیل اذا نزا الظبی علی شاۃ اھلیۃ فان ولدت شاۃ تجوز التضحیۃ وان کانت ظبیا لا تجوز انتہیٰ ۔ یہی قول حق معلوم ہوتا ہے کیونکہ بکری قربانی کا حکم ہے اور ہرن کی قربانی جائز نہیں اور اگر ایسا بچہ پیدا ہوا کہ نہ اس کو بکری کہہ سکتے ہیں اور نہ ہرن تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۴۲۱

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز و درست ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: واضح ہے کہ میت کی طرف سے قربانی جائز و درست ہے۔ یدل علیہ ما روی عن عائشة رضہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطأ فی سواد ویبرک فی سواد وینظر فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ قال لہا یا عائشة ھلمی المدیة ثم قال اشحذیہا بحجر ففعلت ثم اخذہا واخذ الکبش فاضجعہ ثم ذبحہ ثم قال بسم اللہ اللہم تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد ثم ضحی بہ رواہ مسلم وفی المشکوٰة وفی روایة لاحمد وابی داود والترمذی ذبح بیدہ وقال بسم اللہ واللہ اکبر اللہم ھذا عنی وعمن لم یضح من امتی انتہی اور ظاہر امت کا لفظ شامل ہے حی ومیت دونوں کو کما قال صاحب رد المختار وسیاتی قولہ فانتظر + اور نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے حسب وصیت آنحضرت صلعم کے کذا فی المشکوٰة عن حنش قال رأیت علیا یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ رواہ ابو داود وروی الترمذی نحوہ انتہی۔ اور لفظ ترمذی کا یہ ہے۔ عن حنش عن علی انہ کان یضحی بکبشین احدہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والآخر عن نفسہ فقیل لہ فقال امرنی بہ یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادعہ ابدا انتہی وقال فی الہدایة واذا اشتری سبعة بقرة لیضحوا بہا فمات احدہم قبل النحر وقالت الورثة اذبحوہا عنہ وعنکم اجزاہم وان کان شریک الستة نصرانیا او رجلا یرید اللحم لم یجز عن واحد منہم ووجہہ ان البقرة تجوز عن سبعة لکن من شرطہ ان یکون قصد الکل القربة وان اختلفت جہاتہا کالاضحیة والقران والمتعة عندنا لاتحاد المقصود وہو القربة وقد وجد ہذا الشرط فی الوجہ الاول لان التضحیة عن الغیر عرفت قربة الا تری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی عن امتہ علی ما روینا من قبل ولم یوجد فی الوجہ الثانی لان النصرانی لیس من اہلہا وکذا قصد اللحم ینافیہا واذا لم یقع البعض قربة والاراقة لا تتجزی فی حق القربة لم یقع الکل ایضا فامتنع الجواز وہذا الذی ذکرہ استحسان والقیاس ان لا یجوز وہو روایة عن ابی یوسف لانہ تبرع بالاتلاف فلا یجوز عن غیرہ۔ لان فیہ الزام الولاء علی المیت۔ انتہی۔ وقال فی الدر المختار وان مات احد السبعة المشترکین للاضحیة وقال الورثة اذبحوا عنہ وعنکم صح عن الکل استحسانا لقصد القربة من الکل انتہی۔ وقال ابن عابدین تحت ہذا قولہ وجہ الاستحسان قال فی البدائع لان الموت لا یمنع التقرب عن المیت بدلیل انہ یجوز ان یتصدق عنہ ویحج عنہ وقد صح ان رسول اللہ صلعم ضحی بکبشین احدہما عن نفسہ والآخر عمن لم یذبح من امتہ وان کان منہم من قد مات قبل ان یذبح انتہی ثم قال در نوع من

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ نفسہ من التصدق والاکل والاجر للمیت والملک للذابح انتہی وفی الفتاوی عالمگیری

یہ احادیث مذکورۃ اور روایات فقہیہ جواز قربانی از طرف میت پر صاف دلالت کرتی ہیں کما لا یخفی علی من

لہ ادنی درایۃ فی الفقہ والروایات واللہ اعلم بالصواب ورمضان ۱۲ ام الکتاب فقط المجیب العبد المجیب الواجی فضل ربہ

الثقلین ابو المنیر محمد انور حسین بن السید محمد عنایت حسین المھدوی المونگیری صانہا اللہ تعالیٰ عن موبقات الدارین

سید محمد نذیر حسین — فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۹

حضرت مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی

قربانی کی کھالوں کا مصرف

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرح متین اندریں مسئلہ کہ چرم قربانی کا مصرف کون لوگ ہیں۔ اور زمانہ نبوت میں چرم قربانی کن کو دیا جاتا تھے۔

جواب: بعد حمد و صلوٰۃ کے صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو کہ چرم قربانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فقراء و مساکین پر صدقہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک روایت منتقی وغیرہ میں ہے المساکین یعنی صحابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم چرم قربانی مساکین پر صدقہ کیا کرتے تھے اور بخاری شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جلود قربانی کو تقسیم کر دو یعنی صدقہ کر دو بخاری شریف صفحہ ۲۳۲ جلد ۱ اور مساکین و فقراء مقامی زیادہ مستحق ہیں ہاں طلبہ مدرسہ جو فقراء و مساکین ہیں وہ بھی چرم قربانی کے مستحق ہیں لیکن کسی ادارہ خاص کو قربانیوں کی کھالیں و چرم دے دینا اور فقراء و مساکین مقامی کو محروم کرنا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے۔ اور پھر جو ادارہ خاص اس چرم قربانی کو لیتا ہے وہ اس کے مصرف شرعی پر خرچ بھی نہیں کرتا بلکہ مدرسہ میں جو ملازمین و مدرسین ہیں ان پر چرم قربانی کی قیمت جو صرف کی جاتی ہے وہ صدقہ نہیں ہے بلکہ ان کی محنت کا عوض حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت قصاب میں گوشت قربانی کا دینا بھی منع فرمایا ہے تو پھر چرم قربانی جو صدقہ برائے مساکین و فقراء ہے اس کو کسی عمل کے عوض میں ملازمین مدرسہ کو دیا جائے یہ اس کا مصرف شرعی نہیں ہے پس مسلمانوں کو چرم قربانی دینے میں مصرف شرعی

کا خیال کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کوئی ادارہ مدرسہ چرم کو طلبہ فقراء پر خرچ کرے تو اس صورت میں ادارہ کو دے سکتے ہیں بشرطیکہ مقامی فقراء و مساکین کو مقدم رکھا جائے واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔ حضرت مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اخبار الاعتصام لاہور جلد ۷ش ۱

حضرۃ العلام مولانا محمد علی لکھوی (مدینہ منورہ)

قربانی کی کھال کا صحیح مصرف اہل حدیث کے نقطہ نظر سے

اخبار "الاعتصام" لاہور مورخہ ۱ر صفر ۱۳۷۴ھ میں قربانی کی کھال کے مصرف پر ایک سوال کا جواب نظر سے گزرا جو مسلک اہلحدیث کے مخالف ہونے کے علاوہ ناقص اور تقریب ہی غیر تام بھی ہے کیونکہ مصرف کا ایک ہی حصہ بیان کیا گیا ہے یعنی صدقہ کرنا اور مصرف کے دوسرے حصہ سے واللہ اعلم کیوں بالکل خاموشی اختیار کی گئی ہے، حالانکہ دوسرا حصہ مصرف کا عہد نبوی میں زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بہ تھا جو بقول خود صحابہ حدیث صحیح میں ہے:۔ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودک (بخاری ومسلم مختصراً)۔۔ یعنی صحابہؓ قربانی کی کھال سے مشکیزے بنا کر استعمال کر لیتے تھے اور ان میں چربی پگھلا کر رکھتے تھے۔۔۔ اور دوسری قولی حدیث میں ہے:۔ واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا۔ (امام احمدؒ)۔۔۔ یعنی قربانی کی کھال سے (اپنی ضروریات میں) فائدہ اٹھا لیا کرو۔ بیچو مت۔

پھر اس ناقص جواب کی ایک سند کا منتقیٰ وغیرہ کا بلا پتہ حوالہ دیا ہے جو کہ اس میں نہیں مل سکتا اور دوسری سند بخاری کی جو کہ ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنا دیا گیا ہے۔ لہذا نہ تو یہ تقریب تام ہے نہ جواب باصواب۔ یہ جملہ بھی (کہ "یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے") غلط ہوا جبکہ بخاری، مسلم اور امام احمد کی روایات سے ثابت ہوا کہ کھال سے مشکیزے بنا لیتے تھے۔ صدقہ نہیں کرتے تھے تو کیا صحابہ کرام رض بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔ ولیتذکر اولوالالباب۔

پھر کسی ادارہ خاص کو کھال دے دینے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ "یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا" یہ جملہ بھی صحیح نہیں جبکہ خود جواب میں حضرت علی رض کا ثبوت ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ بعینہ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتمم کو بھی وکیل بنا دیا

جاتا ہے نہ یہ کہ اس کی ذات کے لئے کھال دی جاتی ہے ... لہٰذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں ثابت ہوا اور اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔

آخر میں دینیات کے مدارس میں مدرسین اور خدام پر خرچ کرنے پر نزلہ گرایا گیا ہے کہ یہ مصرف شرعی نہیں" یہ بعینہ زکوٰۃ میں برادران احناف کرام کا مسلک ہے اور برادران اہلحدیث کرام اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ہر دو جماعتوں کے درمیان متنازعہ فیہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ اول الذکر اس کو خاص بحق غازیان اسلام مقید کرتے ہیں اور موخر الذکر اس کو عام تمام خیراتی کاموں پر شامل گردانتے ہیں۔ احناف کرام واقعہ کو قاعدہ کلیہ کا حکم دیتے ہیں، جیسے جواب میں حکم دیا گیا ہے مگر اہلحدیث کرام نے اس کو عام کہا ہے، جیسا کہ کتاب و سنت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتاب اللہ میں ساٹھ سے زائد آیات میں فی سبیل اللہ کا استعمال اپنے عام معنوں میں اس طرح مستعمل ہے کہ وہاں غازیوں کے لئے ہونا محال ہے، اگرچہ بعض جگہ غازی کے لئے بھی ہے الحاصل یہ کہ گویا قرآن کی اصطلاح میں یہ لفظ عام ہی ہے کتاب اللہ کے بعد سنۃ کو دیکھیں تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ "فی سبیل اللہ" کا لفظ عام مطلق ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ کے بارہ میں سوال کے جواب میں روایت ہے ــــ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان الحج من سبیل اللہ (ابوداود مختصراً) اور الحج والعمرۃ فی سبیل اللہ۔ (امام احمد مختصراً) یعنی حج اور عمرہ فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اس لئے حج کو جانے والے پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے (تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر جامع البیان وغیرہ) وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص ویدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من تکفین الموتی وبناء الجسور والحصون وعمارۃ المساجد وغیر ذالک والاول اولی لاجماع الجمہور علیہ۔

یعنی لفظ فی سبیل اللہ عام ہے۔ کسی خاص قسم (مثلاً فقراء) کے لئے خاص نہیں بلکہ تمام خیر کے کام اس میں داخل ہیں مثلاً مردوں کے لئے کفن دینا۔ پلیں اور قلعے اور مساجد کی تعمیر کرنا (حاشیہ جامع البیان) اگرچہ محشی نے اس کو صیغہ تضعیف سے بیان کیا ہے مگر مذکورہ بالا احادیث بحوالہ ابوداود اور امام احمد اور اصطلاح کتاب اللہ سے یہ تضعیف خود بذاتہ ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر فتح البیان تصنیف امام اہلحدیث نواب سید صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے اور جمیع وجوہ الخیر پر شامل اور حاوی ہے۔

الحاصل جبکہ فرضی صدقات (زکوٰۃ) میں علماء محققین مخلصین سلفی اہلحدیث کا یہ مسلک عام ہے تو نفلی

صدقات قربانی کی کھال وغیرہ میں بطریق اولیٰ داخری مسلک عام ہے، ایک ہی نوع کی تخصیص کی کوئی دلیل نہ فرضی صدقات میں، نہ نفلی میں ہرگز موجود نہیں۔ فرضی یا نفلی صدقات میں تخصیص کرنا مقلدین کا مسلک ہو تو ہو، محققین اہلحدیث کا یہ مسلک ہرگز نہیں۔

(حررہ محمد علی محی الدین لکھوی علوی مدرس بالمسجد النبوی علیٰ صاحبہ الف الف الصلوٰۃ والتسلیمات)

مورخہ ۳۰/ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ اخبار الاعتصام جلد ۸ ش ۲۵۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی

قربانی کی کھالوں کا مصرف

اخبار "الاعتصام" لاہور مورخہ ۲۶/جمادی الاول ۱۳۷۴ھ ۲۰ جنوری ۱۹۵۵ء) میں بعنوان "قربانی کی کھال کا مصرف اہل حدیث کے نقطہ نظر سے مولانا محمد علی لکھوی مدینہ منورہ کا مقالہ شائع ہوا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے جس فتویٰ پر مولانا نے تنقید فرمائی ہے اس کو انہوں نے غور سے نہیں پڑھا بلکہ اپنی خوش فہمی سے اس کو مسلک اہلحدیث کے مخالف اور تقریب غیر تام کا فتویٰ لگا دیا ہے خیال ہے کہ کوئی ذی علم، منصف مزاج ہر دو مضمون پڑھیے گا تو مولانا موصوف کے مضمون کو مسلک اہلحدیث کے خلاف اور تقریب غیر تام پائے گا۔ اس لئے ہم مولانا موصوف کے مضمون پر تنقیدی نظر ضروری سمجھتے ہیں

آپ فرماتے ہیں، مصرف کا ایک ہی حصہ بیان کیا گیا یعنی صدقہ کرنا اور مصرف کے دوسرے حصے واللہ اعلم ہوں بالکل خاموشی اختیار کی گئی۔ حالانکہ دوسرا حصہ مصرف کا عہد نبوی میں زیادہ تر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معمول بہ تھا جو بقول خود صحابہ رض حدیث صحیح میں ہے۔

ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون فیھا الودک۔ (بخاری مسلم مختصراً)
نے صحابہؓ قربانی کی کھال سے مشکیزے بنا کر استعمال کرتے اور ان میں چربی پگھلا کر رکھتے تھے۔

اور دوسری قولی حدیث میں ہے: واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا۔ (الحدیث امام احمد)
اس کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

اولاً عرض ہے کہ جواب مطابق سوال کے تھا، مصرف تمام صورتیں بیان کرنا مفتی کا مقصود نہ تھا لہٰذا مصرف بعض صورت کا ذکر نہ کرنا کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے ثانیاً جس کو آپنے مصرف کا دوسرا حصہ قرار دیا ہے مصرف عام نہ تھا۔ عام مصرف تو مساکین پر صدقہ کرنا تھا کے بیان کردہ مصرف کے عام نہ ہونے پر خود حدیث یا دلالت کرتے ہیں، کیونکہ لفظ الناس معرف باللام حدیث میں آیا ہے جو عہد خارجی ہے یعنی اپنی ضرورت سے بعض صحابہ رضؓ غربت کی بناء پر چرم قربانی کو استعمال کرلیا کرتے تھے۔ اسی غربت کو مدنظر رکھ کر شارع علیہ السلام نے ان کو استمتعوا اجازت دی ہے — چنانچہ آپ نے بھی ترجمہ حدیث کا ضروریات میں فائدہ اٹھا لیا کرو کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ مصرف عام واکثر نہ تھا۔ صرف بوجہ ضرورت کی بناء پر تھا۔

ثالثاً آپ نے حدیث کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں — وہ ان کی حیثیت میں صحابہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف کے الفاظ حدیث اس طرح سے ہیں:

قالوا یارسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویجملون منھا الودک فقال رسول اللہ ماذاک (الحدیث مسلم ص۱۵۸ جلد ۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی صریح حکم نہیں فرمایا، ضمناً اس کا جواز کو سمجھا گیا ہے مگر افسوس آپ نے حدیث کے الفاظ اس طرح سے نقل فرمائے ہیں کہ صحابہ رضؓ عام طور سے چرم قربانی کے مشکیزے بنالیا کرتے تھے اور وہ چرم قربانی کو صدقہ نہیں کرتے تھے۔

رابعاً۔ حدیث میں استمتعوا ولا تبیعوا کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ استمتاع ضرورت کی بناء پر تھا۔ کوئی عام مصرف چرم قربانی کا یہ نہیں تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چرم قربانی کے بیچنے سے ہی منع فرمایا۔

خامساً۔ حدیث احمد کے رجال سند کو آپ نے ذکر نہیں کیا اور نہ کسی محدث سے اس کی تصحیح و تحسین بیان کی۔ جب تک اس روایت کی تحسین و تصحیح کسی محدث معتبر سے نہ ہو، حدیث قابل حجت نہیں ہو سکتی، نہ اس سے مصرف عام سمجھا جائے گا — آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

دوسری سند بخاری کی جو ایک خاص واقعہ ہے جس کو قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ تقریب تام ہے، نہ جواب باصواب، یہ جملہ بھی کہ "یہ فقراء مقامی پر ظلم ہے" غلط ہوا جبکہ بخاری مسلم اور امام احمد

کی روایت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کھال سے مشکیزے بنا لیتے تھے، صدقہ نہیں کرتے تھے تو صحابہ کرام بھی فقراء پر ظلم کرتے تھے۔ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ آپ کا حدیث بخاری کو ایک خاص واقعہ کہنا اور اس کو عام حکم نہ سمجھنا اس پر کیا دلیل ہے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات وحکم کے لئے امر کرنا یہ کلیہ قاعدہ وعام حکم نہیں ہوتا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چرم قربانی مساکین پر صدقہ کر دینے کا حکم فرمایا۔

رواہ البخاری، وابن خزیمۃ لکن البخاری روی بغیر لفظ علی المساکین وابن خزیمۃ روی من ھذا الوجہ بلفظ علی المساکین ـــــ پس اب بھی آپ اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ کہیں گے؟ اگر آپ کا استدلال اور روایات کے متعلق ایسا ہی رہا جس کو آپ نے اختیار فرمایا ہے تو ہو سکتا ہے کہ کل آپ احادیث رفعیدین وآمین بالجہر کو بھی ایک خاص واقعہ کہہ کر اس سنت نبوی ؐ کے تارک ہو جائیں۔ فرمائیے کیا کسی محدث یا اہل حدیث نے اس امر نبوی ؐ کو خاص واقعہ کہہ کر اس حدیث کو متروک العمل قرار دیا ہے! پھر آپ نے جو اس جملہ کو ـــ "کہ فقراء مقامی پر ظلم ہے" ـــ غلط فرمایا ہے۔

اگر آپ اس پر غور کرتے تو اس کو ضرور بہ ظلم کہتے کیونکہ حدیث بخاری وغیرہ میں آیا ہے۔

توخذ من اغنیاء ھم وترد علی فقراء ھم۔ (الحدیث) پہلے فقراء مقامی صدقہ کے حق دار ہیں مگر ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ رفاہ عام کی خدمت والے ادارے چرم قربانی کو جمع کر کے ادارے اور مہتمین ملازمین کو دیتے ہیں جو عام طور پر بطور مصرف صحیح خرچ نہیں کرتے بلکہ اس میں سے بطور معاوضہ خدمت اپنے ملازمین پر خرچ کرتے ہیں۔ صدقہ کی حیثیت سے خرچ نہیں کرتے جو شرعاً درست نہیں۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُجرت قصاب قربانی کے جانور سے دینا منع فرمائی، کیونکہ یہ معاوضہ ہے پس جو چیز مقامی فقراء کے حق کی ہے، دوسری جگہ لے جائی جائے گی تو یہ ظلم ہوگا یا نہیں! اگر کسی صحابی نے اپنے قربت سے کوئی مشکیزہ بنا لیا تو یہ فقراء پر ظلم کیسے ہوا؟

پھر مولانا فرماتے ہیں کہ کسی ادارہ خاص کو کھال دے دینے پر یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ یہ طریقہ زمانہ نبوت میں نہیں تھا۔ یہ جملہ بھی صحیح نہیں بلکہ خود جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ثبوت ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر تقسیم کرنے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ بعینہٖ اسی طرح کسی ادارہ خاص کے ناظم اور مہتمم کو بھی وکیل بنا دیا جاتا ہے، نہ یہ کہ اس کی ذات کے لئے کھال دی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقہ زمانہ نبوت میں

ثابت ہوا اور اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوا۔ آخر میں دینیات کے مدارس میں مدرسین اور خدام پر خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ یہ مصرف شرعی نہیں۔ یہ بعینہٖ زکوٰۃ میں برادران احناف کرام کا مسلک ہے اور برادران اہل حدیث کرام اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ہر دو جماعتوں کے درمیان متنازعہ فیہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ اول الذکر اس کو خاص بحق غازیان اسلام مقید کرتے ہیں اور موخر الذکر اس کو عام خیراتی کاموں پر شامل گردانتے ہیں الخ

جواباً عرض ہے کہ مولانا نے جو حضرت علی رضؓ پر مہتم مدرسہ وناظم کو قیاس کرکے وکیل بنایا ہے یہ آپ کا قیاس قیاس مع الفارق ہے کیونکہ قربانی کرنے والے کسی ناظم ومہتم مدارس کو اپنا وکیل نہیں بناتے ہیں کہ یہ ناظم ہماری کھالوں کو غرباء پر صدقہ کردیں بلکہ وہ لوگ کھالوں کو بطور صدقہ لے کر اُن کو فروخت کرکے خود بھی اُن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے ملازمین اور مدرسین کی تنخواہوں پر بطور معاوضہ کے دیتے ہیں ہاں کچھ حصہ طلبہ پر بھی خرچ کردیتے ہیں جس کا کسی کو انکار نہیں ہے۔ کیا حضرت علی رضؓ نے وکیل بن کر قربانی کی کھالیں خود فروخت کرکے کسی معاوضہ میں صرف کی تھیں یا انہوں نے وکیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بن کر صرف مساکین پر چرم قربانی کو صدقہ کیا تھا؟ کیا صاحب قربانی اور اس کا وکیل قربانی کی کھالوں کو فروخت کرسکتا ہے؟ اور کیا حضرت علی رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھالوں کا مطالبہ کیا تھا؟ اور کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو کھالیں بطور صدقہ کے دی تھیں۔ پس مولانا کیا زمانہ نبوت میں آپ ایسی نظیر پیش کرسکتے ہیں کہ قربانی کے چرم کو بطور معاوضہ کسی صحابی نے کسی ذی ثروت یا غریب شخص کو دی ہو دوسرے چرم قربانی کو مساکین پر صدقہ کرنا کسی فقیہ نے اس کو احناف کا مذہب کہا ہے۔ کیا اہلحدیث قربانی کی کھالوں کو مساکین پر صدقہ کرنا جائز نہیں سمجھتے اور کیا مساکین پر صدقہ ان کا مذہب نہیں ہے آپ نے آٹھ مصارف میں مصرف فی سبیل اللہ کے عام کرنے پر بڑی فقاہت کو خرچ کیا ہے مگر افسوس آپ نے مصرف فی سبیل اللہ پر غور نہیں کیا۔ اگر فی سبیل اللہ سے مراد عام ہوتا تو پھر باقی مصارف سبعہ کا ذکر کرنا ہی بیکار ہو جاتا ہے آیت میں فی سبیل اللہ سے مراد خاص ہے اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہوسکتا اور دلیل اس پر ایک تو اتفاق مفسرین ہے جو فی سبیل اللہ کی تفسیر جہاد سے کرتے ہیں اور دوسری حدیث صحیح ہے چنانچہ حدیث صحیح میں جہاد کو فی سبیل اللہ کہا ہے

وَجَاءَ فِي حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ

فِی سَبِیْلِ اللہِ اَوِ الْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا ۔ الحدیث۔ کذا فی المحلی لابن حزم ص۱۵۱ ج ۵ وَفِیْ سَبِیْلِ اللہِ یَعْنِیْ اَلنَّفَقَۃَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَاَرَادَ الْخُرُوْجَ اِلَی الْغَزْوِ الخ تفسیر خازن ص۱۲۲ ج ۲ مطبوعہ مصر اسی لئے تفسیر خازن میں قول عموم فی سبیل کو مرجوع قرار دیا ہے اور قول خصوص غزوہ کو فی سبیل اللہ سے مراد لینا راجح بتایا ہے کما قال وَالْقَوْلُ الْاَوَّلُ ھُوَ الصَّحِیْحُ لِاِجْمَاعِ الْجُمْھُوْرِ عَلَیْہِ مولنا اس کی تضعیف کرنا بے دلیل ہے کسی مفسر متقدمین نے آیت میں فی سبیل اللہ کو عام نہیں بیان کیا اس لئے علامہ ابن حزم محلی میں لکھتے ہیں وَاَمَّا سَبِیْلُ اللہِ فَھُوَ الْجِہَادُ حَقًّا (الی ان قال) قُلْنَا نَعَمْ وَکُلُّ فِعْلِ الْخَیْرِ فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اِلَّا اَنَّہٗ لَا خِلَافَ فِیْ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمْ یُرِدْ کُلَّ وَجْہٍ مِنْ وُجُوْہِ الْبِرِّ فِیْ قِسْمَۃِ الصَّدَقَاتِ فَلَمْ یَجُزْ اَنْ تُوْضَعَ اِلَّا حَیْثُ بَیَّنَ النَّصُّ وَھُوَ الَّذِیْ ذَکَرْنَا کذا فی المحلی ص۱۵۱ ج ۵ اس سے ظاہر ہوا کہ آیت میں فی سبیل اللہ سے عام قسمت صدقات مراد نہیں ہے بلکہ اس فی سبیل اللہ سے مراد وہ خاص مصرف ہے جو نص سے ثابت ہے پس چرم قربانی کا مساکین کے علاوہ کسی مسجد یا مدرسہ میں مصرف کرنا بطور معاوضہ کسی نص قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اور مولنا کا فی سبیل اللہ کے عام مطلق ہونے پر استدلال حدیث ابی داود و امام احمد سے کرنا جن میں حج و عمرہ کو فی سبیل اللہ کہا ہے۔ قابل غور ہے اولاً تو یہ روایتیں ضعیف و مضطرب ہیں۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں، حدیث ام معقل اخرجہ، ابوداود والنسائی والترمذی وابن ماجۃ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ رَجُلٌ مَجْھُوْلٌ وَفِیْ اِسْنَادِہٖ اَیْضًا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ مُھَاجِرِ بْنِ جَابِرٍ الْبَجَلِیُّ الْکُوْفِیُّ وَقَدْ تَکَلَّمَ فِیْہِ غَیْرُ وَاحِدٍ وَفِیْ عَوْنِ الْمَعْبُوْدِ شَرْحِ اَبِیْ دَاوٗدَ تَحْتَ حَدِیْثِ اُمِّ مَعْقِلٍ طُرُقٌ وَاَسَانِیْدُ لَا تَخْلُوْا مِنَ الْاِضْطِرَابِ فِی الْمَتْنِ وَالْاِسْنَادِ وَقَالَ صَاحِبُ الْعَوْنِ الْمَعْبُوْدِ فِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَحَدِیْثُ اُمِّ مَعْقِلٍ فِیْ اِسْنَادِہٖ اَیْضًا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ مُھَاجِرٍ الْبَجَلِیُّ الْکُوْفِیُّ وَتَکَلَّمَ فِیْہِ غَیْرُ وَاحِدٍ - (عون المعبود ص۱۵۱ ج ۲) مولنا نے جو الفاظ حدیث کے نقل کئے ہیں وہ حدیث معقل کے ہیں دیکھو نیل الاوطار ص۱۴۵ ج ۴ دوسرے حج و عمرہ کو آپ نے جہاد فرمایا ہے۔ دیکھو ابن ماجہ بخاری وغیرہ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللہِ عَلَی النِّسَاءِ جِہَادٌ قَالَ نَعَمْ عَلَیْھِنَّ جِہَادٌ لَا قِتَالَ فِیْہِ اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَۃُ رواہ ابن ماجۃ وَفِیْ رِوَایَۃِ الْبُخَارِیِّ فَقَالَ لٰکِنَّ اَحْسَنَ الْجِہَادِ وَاَجْمَلَہُ الْحَجُّ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ وَ رٌ - الحدیث دیکھو عون المعبود ص۱۷ ج ۲ پس ان روایات کی رو سے فی سبیل اللہ کے لفظ کو عام مطلق کیسے کہا جا سکتا ہے تیسرے اگر حج و عمرہ کو فی سبیل اللہ فرد قرار بھی دیا جائے تو وہ نص حدیث سے

ہ اس کی توضیح آگے آرہی ہے۔

نہیں پھر بھی ان روایات متکلم فیہ سے نقطہ۔ فی سبیل اللہ کو عام مطلق کہنا صحیح نہیں حدیث بخاری
کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ کی قربانی کی کھالوں کو مساکین پر صدقہ کرنا بامر نبوی رضی
بین دلیل ہے کہ چرم قربانی کے مستحقین مساکین ہیں۔ لہذا کسی ادارہ کا جو مسکین نہ ہو اس کو اپنے مصرف
یا ملازمین اور مدرسین مدرسہ پر جو مساکین نہیں ہیں۔ ان کو معاوضہ کے طور پر چرم قربانی کا مصرف ٹھہرانا
کسی حدیث میں نہیں آیا من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان ففیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ اخبار الاعتصام جلد ۲ ش ۱۳
توضیح؛ قرآن مجید میں ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ - - - - - -
پھر اگر کسی معاملہ میں تم میں جھگڑا پڑے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو اگر تم اللہ اور قیامت پر
ایمان رکھتے ہو، پ ۵۔ پ ۳ میں ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا
فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا۔
۔ ان محتاجوں کو دو جو اللہ کی راہ میں بند ہو رہے ہیں زمین میں سفر نہیں کر سکتے (علم دینی پڑھنے کی وجہ سے)
ناواقف لوگ ان کو نہ مانگنے سے مالدار جانتے ہیں مگر تو ان کے چہرہ سے ان کو پہچان لیتا ہے وہ
لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے، ترجمہ ثنائی تفسیر مدارک میں ہے۔ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔
یعنی دین کے کسی کام میں گھر گئے ہیں اور اب آزادی سے کسب معاش نہیں کر سکتے اصل مراد یہاں مجاہدین
ہیں احصار میں بڑی گنجائش ہے یہ گھر جانا خواہ وقت کے لحاظ سے ہو یا جسم کے لحاظ سے سب اس کے
تحت میں آجاتا ہے علیٰ ہذا فی سبیل میں بھی بڑی وسعت ہے دین کا کوئی سا کام ہو سب کے سب اس
میں شامل ہو سکتے ہیں گو اصل مراد جہاد ہے مفسر تھانوی نے کہا ہے کہ آیۃ کے مصداق ہمارے ملک
میں سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دین میں جس مشغولی وانہماک کی ضرورت ہے اسکے ساتھ
اگر معاش کی مصروفیت کو جمع کر لیا جائے تو علم دین کی خدمت ناتمام رہ جائے گی۔ م ماجدی =
حاشیہ ترجمہ ثنائی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں مفسر القرآن حضرت مولانا شیخ الاسلام ابو الوفاء ثناء اللہ رحمۃ اللہ
امرتسری اسی آیۃ کے تحت فرماتے ہیں۔ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أي حبسوا أنفسهم في سبيل تعلم الدين أو
الجهاد أو تبليغ الأحكام أو غير ذلك من أمور الدين يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً
لا يستطيعون ضربا في الأرض للتجارة وغيرها لشغلهم ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے عشر۔ زکوٰۃ۔ و چرم ہائے
قربانی کے مستحق مجاہدین اور دینی سرحد کے محافظ علماء اور طلباء ہیں جو دین سیکھتے اور سکھلاتے ہیں اللہ

اسلامی سرحد کے محافظ ہیں اگرچہ اپنے اپنے گھروں میں وہ دولت مند بھی ہوں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے جب مسند خلافت پر بیٹھے تو فرمایا کہ پہلے میں بذریعہ تجارت بال بچوں کی پرورش کرتا تھا اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں اب میں اور میرا بال بچہ بیت المال میں کھائیں گے ظاہر ہے کہ بیت المال میں عشر۔ زکوٰۃ وغیرہ تمام قسم کے مال ہوتے فتاویٰ غزنویہ میں امام عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کہ صدقہ فطر اپنے گاؤں کے مساکین پر صرف کرنا افضل ہے یا غیر پر تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر اپنے گاؤں کے فقراء مساکین افضل ہیں اور اگر غیر گاؤں کے مساکین اپنے گاؤں سے زیادہ نیک ہیں تو غیر گاؤں کے فقراء زیادہ مستحق ہیں۔ ظاہر ہے۔ علماء اور طلباء جو قرآن و حدیث کے درس و تدریس میں مشغول رہتے ہیں یہ دیگر غرباء اور مساکین سے زیادہ نیک ہیں اگرچہ موجودہ زمانہ کے طلباء اور علماء میں بھی بہت سی لغزشیں داخل ہو چکی ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ عربی مدارس میں عشر و زکوٰۃ اور چرم ہائے قربانی کو جمع کرنا جائز بلکہ افضل ہے کیونکہ عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر غرباء مساکین اور فقراء ہی ہوتے ہیں جن کے لئے بہ مندرجہ ذیل اشیاء کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ۱ خورد و نوش۔ کموجات۔ کتابیں چارپائیاں ترپائیاں۔ بستر ے۔ روشنی۔ اور اساتذہ وغیرہ ضروریات تعلیم اگر تمام اشیاء تیار رہیں لیکن معلم اور استاد نہ ہو تو فقراء اور مساکین تعلیم حاصل نہیں سکتے

فقط و اللہ اعلم

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب عندہ علم

الکتاب سورہ کا ابوالحسنات علی محمد سعید ی

جامعہ سعیدیہ خانیوال پاک۔

ذبح سے پہلے کھال کی قیمت مقرر کرنا

سوال:۔ ایک گائے یا بکری وغیرہ کو پانچ آدمی مل کر کھانے کیلئے ذبح کریں۔ ذبح کے پیشتر کھال اور گوشت کی قیمت معین کر سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب:۔ حدیث میں ہے لَا یُبَاعُ صُوْفٌ عَلٰی ظَهْرٍ وَلَا لَبَنٌ فِیْ ضَرْعٍ ۔ بلوغ المرام: یعنی اُون بھیڑ اور دُنبے کی پیٹھ پر نہ بیچی جائے، اور دودھ لیوٹی میں نہ بیچا جائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شئے پیدائشی طور پر دوسری شئے سے ملی ہوئی ہو اور اس وقت جدائی کے قابل ہو تو اس کو ملی ہوئی شکل میں فروخت نہ کرنا چاہئے بلکہ جدا کر کے فروخت کی جائے۔ پس کھال اور گوشت وغیرہ کی قیمت ذبح سے پہلے معین کرنی ٹھیک نہیں۔ بلکہ کھال اتار کر اور گوشت کاٹ کر قیمت لگائی چاہئے۔ عبداللہ امرتسری ۳ ذالحجہ ۱۳۵۲ھ فتاوی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۲۰/۲۱ ۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ

عید اضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں اہل علم اس مسئلہ میں کہ عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کرنا کتنے دن تک درست ہے؟ مذہب ائمہ اور احادیث سے اس کی وضاحت فرمائی جاوے۔

جواب:۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے قریباً سات قول ہیں عید کے بعد دو دن۔ امام مالکؒ امام ابوحنیفہ رح امام احمدؒ کا جو مسلک ہے۔ عید کے بعد تین دن، عطاء، حسن بصری، امام اوزاعیؒ امام شافعی رح ابو ثور وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ (۳) عید کے بعد چھ دن تک یہ قتادہ کا مذہب ہے (۴) دس دن تک، یہ ابن تین کا خیال ہے۔ (۵) ذوالحجہ کے بیس دن یعنی آخر ماہ تک (حسن بصری محمد بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبدالرحمان (۶) عام شہروں میں صرف ایک دن اور منیٰ میں تین دن سعید بن جبیر جابر بن زید)۔

(۷) صرف عید کے دن (ابن سیرین۔ حمید بن عبدالرحمان محمد القاری ص۱۱۱ ج ۲۱۔ نیل الاوطار ص۲۱۶ ج۵

مغنی ابن قدامہ مع شرح صلا۱۱ ج ۱۱ فتح الباری ص۳۲۵ ج۲۲

ان مذہب سے سب سے پہلا اور دوسرا مذہب معمول بہا ہے فقہاء حنفیہ کا رجحان پہلے مسلک کی طرف ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ عام لوگ حنفیہ ہیں اور وہ دوسرے مسلک کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے ضرور ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دوسرے مسلک کی وضاحت کی جائے تاکہ کم علم اور جاہل لوگ عامۃ المسلمین میں منافرت پھیلا نہ سکیں اور مسلمان جس مسلک پر چاہیں عمل کریں۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔ الأضحية جائزة يوم النحر وأيام منى كلها لأنها أيام النسك الخ۔
قربانی منی کے تمام دن جائز ہے کیونکہ یہ حج کے ایام ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

فان قال قائل فی الحجة فان ایام منی ایام اضحی کلها قیل کما کانت الحجة بان یومین بعد یوم النحر یومی اضحیة فان قال قائل فکیف ذالك قیل نحر النبی صلعم وضحی فی النحر فلما لم یحظر علی الناس ان یضحوا بعد یوم النحر بیوم او بیومین لم نجد الیوم الثالث مباینا للیومین قبله لانه ینسك فیه ویرمی کما ینسك ویرمی فیهما فان قیل فهل فی هذا من قیل نعم عن النبی صلعم فیه دلالة سنة ا ھ کتاب الحج ج ۲ صا۱۹

اگر پوچھا جائے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ سارے ایام منیٰ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ تک میں قربانی درست ہے جواب یہ ہے کہ عید کے دو دن قربانی جس دلیل سے درست ہے اسی دلیل سے تیسرے دن بھی جائز ہے۔ آنحضرت نے خود تو قربانی عید کے دن فرمائی اس کے بعد دو دن کے لئے قربانی سے روکا نہ تیسرے دن کے لئے یعنی تیرہ تاریخ کے لیے گیارہ اور بارہ سے کوئی الگ حکم نہیں دیا بلکہ جب احکام حج میں وہ ان کے ساتھ برابر ہے تو قربانی میں ان سے بلا دلیل الگ کیوں کیا جائے۔ اگر پوچھا جائے کہ اس کے متعلق کوئی حدیث ہے تو جواب یہ ہے کہ ہاں آنحضرت سے سنت میں اس پر دلیل موجود ہے۔ مختصر مزنی صا۲۱۲ ج۵ برحاشیہ کتاب الام میں بھی مختصراً اس کی تائید موجود ہے، ابن قدامہ مغنی میں اس مسلک کے متعلق فرماتے ہیں۔ وروی عن علی آخره آخر ایام التشریق وهو مذهب الشافعی وقول عطاء والحسن لانه روی عن جبیر بن مطعم ان النبی صلعم قال ایام منی کلها منحر ـــــــــ صلا۱۱ ج۱۱ ذبح آخر ایام تشریق تک درست ہے۔ امام شافعی، عطاء حسن بصری کا یہی مذہب ہے اور ان کی دلیل جبیر بن مطعم کی حدیث ہے۔

امام شوکانی جبیر بن مطعم کی حدیث پر گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:۔

وقد استدل بالحدیث علی ان ایام التشریق کلہا ایام ذبح وھی یوم النحر وثلثہ ایام بعدہ وقد تقدم الخلاف فیہا فی کتاب العیدین وکذا الخ روی فی الہدی عن علی علیہ السلام انہ قال ایام النحر یوم الاضحی وثلثۃ ایام بعدہ وکذا حکاہ النووی عنہ فی شرح مسلم وحکاہ ایضا عن جبیر بن مطعم وابن عباس وعطاء والحسن البصری وعمر بن عبد العزیز وسلیمان بن موسی الاسدی فقیہ اہل الشام ومکحول والشافعی وداؤد الظاہری وحکاہ صاحب الہدی عن عطاء والاوزاعی وابن المنذر ثم قال روی من وجہین مختلفین یشد احدھما الاخر عن النبی صلعم انہ قال کل منی منحر وکل ایام التشریق ذبح وروی من حدیث جبیر بن مطعم وفیہ انقطاع ومن حدیث اسامہ بن زید عن عطاء عن جابر قال یعقوب بن سفیان اسامۃ ابن زید عند اہل المدینۃ ثقۃ مامون الخ

یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ تمام ایام تشریق میں ذبح درست ہے یعنی یوم النحر اور اس کے بعد تین دن زاد المعاد میں حضرت علی سے منقول ہے کہ قربانی عید کے بعد تین دن درست ہے اس طرح نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے اور جبیر بن مطعم اور ابن عباس عطاء حسن بصری، عمر بن عبد العزیز سلیمان موسی اسدی سے جو شام کے فقیہ ہیں۔ مکحول امام شافعی اور داؤد ظاہری سے نقل کیا ہے۔ ابن قیم نے عطاء، اوزاعی اور ابن منذر کا مذہب بیان کیا ہے۔ پھر فرمایا یہ حدیث دو طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کے لئے تقویت کا موجب ہے۔ جبیر بن مطعم کے طریقہ میں انقطاع ہے جابر کی حدیث اسامہ بن زید کے طریق سے مروی ہے کہ اسامہ بن زید اہل مدینہ میں بہت ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ قال ابن بطال تبعا للطحاوی لم ینقل من الصحابۃ غیر ھذین القولین اھ صحابہ سے ان دو مذاہب کے سوا کوئی منقول نہیں اور دوسرے قول (یعنی قربانی چار دن ہے) کو جمہور کا قول فرماتے ہیں۔

وحجۃ الجمہور حدیث جبیر بن مطعم رفعہ فجاج منی منحر وفی کل ایام التشریق ذبح اخرجہ احمد لکن فی اسنادہ انقطاع ووصلہ الدارقطنی ورجالہ ثقات اھ (فتح الباری جلد ۲۳ ص ۲۲۵)

جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی حدیث ہے۔ سارے ایام تشریق میں ذبح کرنا درست ہے۔ اسے امام احمدؒ نے معاذ فرمایا اس کی روایت میں انقطاع ہے۔ دارقطنی نے اسے موصول بیان فرمایا ہے

اس کے رجال ثقہ ہیں۔

زیلعی نصب الرایۃ میں اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں ص۲۱۲ ج۴:۔

الحدیث السابع قال علیہ السلام ایام التشریق کلھا ایام ذبح قلت رواہ احمد فی مسندہ و ابن حبان فی صحیحہ فی النوع الثالث والاربعین من القسم الثالث من حدیث عبدالرحمان بن ابی حسین عن جبیر بن مطعم عن النبی صلعم قال کل ایام التشریق ذبح عرفۃ کلھا موقف الخ وقد ذکرنا بتمامہ فی الحج ورواہ البزار فی مسندہ وقال ابن ابی حسین لم یلق جبیر بن مطعم ورواہ البیھقی فی المعرفۃ ولم یذکر فیہ انقطاعا واخرجہ الدارقطنی فی سننہ عن ابی معید عن سلیمان بن موسیٰ عن عمرو بن دینار عن جبیر بن مطعم مرفوعًا وابو معید بمثناۃ فیہ لین واخرجہ ھو والبزار عن سوید بن عبدالعزیز عن سلیمان بن موسیٰ عن نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ مرفوعًا قال البزار لا نعلم قال فیہ عن نافع بن جبیر عن ابیہ الا سوید بن عبدالعزیز وھو لیس بالحافظ ولا یحتج بہ اذا انفرد الخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس حدیث کو احمد نے مسند میں ابن حبان نے صحیح میں ذکر کیا ہے، لیکن اسی انقطاع ہیں عبدالرحمان بن ابی حسین جبیر بن مطعم سے نہیں، بیہقی نے اسے معرفۃ السنن والاثار میں ذکر فرمایا ہے اور انقطاع کا ذکر نہیں فرمایا دارقطنی نے ابوسعید کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ ابوسعید میں معمولی ضعف ہے۔ دارقطنی اور بزار، سوید بن عبدالعزیز کے طریق سے ذکر کیا ہے لیکن سوید ثقہ نہیں انفراد کی صورت میں یہ حجت نہیں۔ احمد اور بیہقی نے سلیمان بن موسیٰ کے طریق سے روایۃ کی ہے یہ بھی منقطع ہے۔ ابن عدی نے کامل میں بواسطہ معاویۃ بن یحییٰ صدفی ابوسعید عذری سے نقل فرمایا۔ معاویۃ بہت ضعیف ہیں۔ اس سند کو بعض نے موضوع کیا ہے۔

جبیر بن مطعم کی حدیث مختلف طرق سے منقول مرفوعہ تمامات متفاوت سے مروی ہے تمام طرق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے مگر اس کے باوجود مجموع طرق سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کی کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ اس لئے ائمہ حدیث کا رجحان اسی طرف ہے کیونکہ باقی مسلک یا تو بالکل بے دلیل ہیں۔ یا ان کی بنیاد محض آثار صحابہ پر ہے۔ چنانچہ احناف کے مسلک کا بھی یہی حال ہے۔ اور پھر ان آثار میں غرابت بھی ہے چنانچہ زیلعی نصب الرایہ میں حضرت عمر و ابن عباس کے آثار کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں قلت غریب جداً　بہت ہی غرابت ہے ص۲۱۲ ج۲

ظاہر ہے امام شافعی رحمۃ اللہ کا مسلک جمہور کا مسلک کے ہونے کے علاوہ دلیل کے لحاظ سے بھی نسبتہً مضبوط ہے اس لئے اس مسلک پر عمل درست ہے اور انکار جہالت۔

امام بیہقی نے جبیر بن مطعم کی حدیث کے تمام طرق کا ذکر کیا ہے اور معاویہ بن یحییٰ صدفی کے طریق میں ابوسعید اور ابوہریرہ دونوں سے نقل کیا ہے ابن عباس حسن عطاء عمر بن عبدالعزیز سلیمان بن موسیٰ اور مکحول کے آثار کی رسانید بھی ذکر کی ہیں جن سے مجموعی طور پر اس مسلک کے ماخذ کی قوت معلوم ہوتی ہے (سنن بیہقی ص۲۹۵ ج ۲)

علامہ ترکمانی حنفیہ کے لئے متعصب مشہور ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں لم یصح فی ھذا الباب عن النبی صلعم شیئ ص۲۹۶ ج ۲۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں دونوں طرف کوئی حدیث ثابت نہیں سارا مدار آثار صحابہ پر ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی مسلک پر انکار دیانت کے بھی خلاف ہے

علامہ　جبیر بن مطعم کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں رواہ احمد ورواہ الطبرانی فی الاوسط عنہ ایام

" التشریق کلھا ذبح ورجال احمد وغیرہ ثقات (مجمع الزوائد ص۲۴ ج ۴)

احمد اور طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کا ذکر کیا اور احمد وغیرہ نے رجال ثقہ ہیں۔

حافظ دارقطنی نے حدیث جبیر بن مطعم کو مرفوعاً ذکر فرمایا ہے اور صاحب، تعلیق المغنی نے نصب الرایہ کا اقتباس نقل فرمایا ہے جس سے حدیث جبیر بن مطعم کا مقام ظاہر ہوجاتا ہے اور اس کے ساتھ احناف کے مسلک اور ان کے دلائل کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے دیانتدار آدمی کے لئے دونوں مسلکوں میں ترجیح کے وجوہ آشکار ہوجاتے ہیں معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں مگر تنگدل اور متعصب کے لئے نصوص بھی کفایت نہیں کرسکتے۔

حافظ ابن القیم فروع میں فرماتے ہیں اور حنابلہ کا مسلک اس مسئلہ میں احناف ہی سے ملتا ہے۔ مگر دلیل کی قوت کے پیش نظر ان کی رائے کا رجحان امام شافعی اور ائمہ حدیث کی طرف ہے وہ پوری جرأت کے ساتھ اس مسلک کی حمایت کرتے ہیں۔ مختصر بحث کے بعد فرماتے ہیں:۔

وقد قال علی ابن ابی طالب ایام النحر یوم الاضحیٰ وثلثۃ ایام بعدہ وھو مذھب امام اھل البصرۃ و الحسن وامام اھل مکۃ عطاء ابن ابی رباح وامام اھل الشام الاوزاعی وامام فقھاء اھل الحدیث الشافعی واختارہ ابن المنذر ولان الثلاثۃ مختص بکونھا ایام منیٰ وایام الرمی وایام التشریق و

یجزم بیانہا فہی لغوۃ فی ہذا الاحکام فکیف تمسک فی جواز الذبح بغیر قطعی ولا اجماع وروی من وجہین مختلفین یشد احدہما الاخر عن النبی صلعم انہ قال کل منی منحر کل ایام التشریق ذبح وروی من حدیث جبیر بن مطعم وفیہ انقطاع ومن حدیث عطاء عن جابر قال یعقوب بن سفیان اسامۃ بن زید عند اہل المدینۃ ثقۃ مامون زاد المعاد ص ۳۲۰ جلد ۲

بعض کم فہم اور متعصب حضرات سارا زور جبیر بن مطعم کی حدیث اور اس پر جرح میں صرف کر دیتے ہیں حالانکہ جبیر بن مطعم کی حدیث استدلال کی بنیاد نہیں بلکہ موید ہے۔ اصل بنیاد دونوں مسلکوں میں مشابہت ہے جہاں دونوں کا ذکر ہے وہاں تیسرے سے روکنے کا کوئی قرینہ نہیں اور ایام منیٰ میں تشابہہ اور مضافات ظاہر ہے۔ اس لئے حافظ رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم کی حدیث کا ذکر صرف تذکرۃ اور تائیداً کیا ہے اسے اساس استدلال قرار نہیں دیا یہ وہ انصاف پسندی ہے جو تقلید اور جمود کے بعد کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ وہ امام احمد کے مسلک کو جانتے ہیں مگر دلائل کے ساتھ جا رہے ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں جن سے ایمان اور دیانت کی سرزمین ہمیشہ سرسبز شاداب رہے گی۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

الحافظ ابن تیمیہ نے جبیر بن مطعم کی حدیث کے بعض طرق ذکر کرکے فرمایا۔

ہذا الطرق التی سبق بیانہا کلہا منقطعات ولکن رواہ ابن حبان فی صحیحہ موصولا بنحو ہذا المتن (منتقی الاخبار ص ۳۲ جلد ۲)

یہ تمام طرق منقطع ہیں، لیکن ابن حبان نے یہ متن موصول بیان کیا ہے۔ یہ عبارت منتقی کے مصری نسخہ میں ہے غالباً ہندوستانی نسخہ میں نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ابن حبان نے اس متن کو موصولاً بیان کیا ہے۔ گویا انقطاع کی علت جاتی رہی۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو یہ مسلک بہت حد مضبوط ہو جائے گا۔

اس وقت کسی مسلک پر تنقید کرنا مقصود نہیں ویسے بھی موضوع بہت طویل ہو گیا ہے۔ تلخیص الحبیر الدرایہ نے تخریج احادیث الہدایہ سے استفادہ اسی لئے نظر انداز کر دیا ہے۔ لیکن علامہ ترکمانی کی روش عجیب ہے وہ اپنے مخالف کو بھی نہیں بخشتے اور نہ ہی کسی کو جائز رعایت دینے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے مسلک کی تمام کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش فرماتے ہیں حقیقت یہ ہے جیسے بقول ابن قیم و علامہ ترکمانی اس موضوع پر کوئی حدیث مرفوع نہیں ملتی آیا یہ جرح سے خالی نہیں علامہ طحاوی کا اسناد ابن عباس کے قول کی سند جید ہے یہ بھی

محض تسکین قلب کا سامان ہے ورنہ ابن حزم چونکہ یقینیہ ذوالحجہ میں قربانی کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے دونوں مسلک کے آثار پر بھی گفتگو فرمائی ہے ان کی رسانید کا جائزہ لیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مسلک کو بھی دوسرے پر اعتراض کا حق نہیں امت کا تعامل دونوں مسلک پر عمل کرتے تھے۔ بلکہ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر سے دونوں مسلک مروی ہیں (محلی ج ۷ ص ۳۷۷ آثار کی رسانید پر بحث فرمائی من شاء فلیرجع الیہ زرقانی نے شرح موطا میں امام شافعی رح کا مسلک ذکر فرما کر ابن حبان کی حدیث کو ذکر کیا ہے اس کی سند پر جرح نہیں کی۔ البتہ اپنے مسلک کے مطابق اس کی توجیہ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے (زرقانی مطبوعہ مصر ص ۹۷ ج ۳) اخبار الاعتصام لاہور جلد ۲ ش ۲

مولنا عطاء حنیف لاہوری

اگر قربانی کے جانور کے سینگ کا خول اتر جائے؟

سوال:۔ میں نے قربانی کرنے کے لئے ایک مینڈھا خریدا تھا مینڈھا تندرست اور قربانی کی شرائط کے مطابق تھا۔ لیکن اب وہ دوسرے مینڈھے سے ٹکرا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ میرے مینڈھے کے ایک سینگ کا پورا خول اتر گیا ہے اور نیچے کا حصہ بدستور موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ مینڈھا قربانی کے قابل ہے یا نہیں؟ سینگ کا خول اتر جانے سے قربانی کی شرائط میں کوئی نقص پیدا ہو گیا ہے یا نہیں ــــ؟ (عبدالغنی پٹیالوی لیہ ضلع مظفر گڑھ)

جواب:۔ حدیث میں قربانی کے جانور کی جو شرائط وارد ہیں، ان کی رو سے اس کا ان سات عیوب سے مبرا ہونا ضروری ہے:۔

۱۔ آدھا یا آدھے سے زیادہ سینگ کٹا ہوا نہ ہو۔

۲۔ آدھا یا آدھے سے زیادہ کان کٹا ہوا نہ ہو۔

۳۔ کانا یا اندھا نہ ہو۔

۴۔ اتنا لنگڑا نہ ہو کہ اس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

۵۔ بہت بیمار نہ ہو۔

۶ ۔ اتنا بوڑھا نہ ہو کہ اس کی ہڈی کا گودا باقی نہ رہا ہو۔

۷ ۔ اس کا کان پھٹا ہوا نہ ہو۔

لیکن ان شرائط کا تعلق جانور خرید کرنے سے قبل سے ہے۔ یعنی قربانی کرنے کے لئے ایسا جانور خرید کیا جائے کہ ان سات عیوب سے پاک ہو، اور اگر ... نقص خریدنے کے بعد پیدا ہو جائے تو اس جانور کی قربانی کرنا شرعاً درست ہے۔ اس کی دلیل مسند امام احمد، ابن ماجہ اور بیہقی کی یہ حدیث ہے:

عن ابی سعید قال اشتریت کبشا اضحی بہ فعدا الذئب فاخذ الالیۃ قال فسالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ضح بہ۔ ترجمہ:۔ ابوسعید رضی اللہ تعالے کہتے ہیں کہ میں نے قربانی کرنے کے لئے ایک دنبہ خریدا، اس پر بھیڑیئے نے حملہ کر دیا اور اس کی چکی زخمی کردی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اسی کی قربانی کردو۔

امام ابو البرکات ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جانور میں قربانی کے لئے تعیین کرنے کے بعد عیب پیدا ہو جائے تو وہ قربانی کے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکت۔ البتہ احناف کا یہ خیال ہے کہ امیر کو نیا جانور خرید کرنا چاہیئے۔ اور غریب کے لئے وہی صحیح اور کافی ہے۔ (ہدایہ)

اوپر حضرت ابوسعیدؓ کی جو روایت ذکر کی گئی ہے، نواب صدیق حسن خانؒ نے مسک الختام میں اس پر خاصی بحث کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "اس کی سند میں جابر جعفی ایک راوی ہے جس کے استاد محمد بن قرظہ مجہول ہیں"۔

لیکن اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "بیہقی کے نزدیک ان کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس لئے امام ابو البرکات ابن تیمیہ رح نے لکھا ہے کہ اگر عیب تعیین کے بعد رونما ہو تو کوئی مضائقہ نہیں"۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی حضرت علی سے مروی روایات کے ضمن میں اس پر بحث کی ہے جس کا مقام یہ ہے اگر جانور کے سینگ کا اوپر کا حصہ (خول) اترا ہوا تو قربانی میں خارج نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ محدثین اور فقہاء کے نزدیک اگر نصف یا اس سے کم ٹوٹا ہوا ہو۔ تو ایسا جانور

قربانی کے لئے خریدا بھی جا سکتا ہے۔
اور اگر خرید اور تعیین کے بعد سینگ ٹوٹا ہو تو قربانی درست ہے۔ لہٰذا آپ اپنا مینڈھا قربانی دے سکتے ہیں قربانی کی رو سے اس میں نقص وارد نہیں ہوا۔
(اخبار الاعتصام جلد نمبر ۷ ش ۳۳)

چوتھے دن قربانی

کسی عذر کے بغیر قربانی چوتھے روز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوتھے دن قربانی: كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ۔ ترجمہ: تشریق کے دن، تیرہ تاریخ تک، قربانی کے ہیں بعض کا کہنا ہے کہ یہ منقطع ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسے موصولاً بیان کیا ہے (عزیز زبیدی ماہنامہ ترجمان اہلحدیث لاہور جلد نمبر ۱۵ شمارہ نمبر ۵)

توضیح البیان: چوتھے دن قربانی جائز ہے کسی عذر کی بناء پر یا روزانہ مسلسل قربانی کرنے کی وجہ سے کسی عذر کے بغیر چوتھے دن قربانی کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بلا عذر نماز آخر وقت میں پڑھے تو اس سے حکماً نماز ادا ہو جائیگی لیکن جو شان اور فضیلت اول وقت میں ہے اس سے محروم ہے۔

قرآن مجید میں السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی حدیث سے روز اول کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا روز اول قربانی افضل ہے اور کسی عذر کی بناء پر تیسرے چوتھے روز جائز ہے۔

هٰذا ما عندی
واللہ اعلم وعلمہ اتم
الراقم علی محمد سعیدی
جامعہ سعیدیہ خانیوال

از قلم مولانا سید ابوالقاسم احمد مرحوم سہوانی

ایام نحر کے تحقیقی مقالہ پر تشریحات

اب سے چالیس سال پیشتر یعنی دس ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ ہجری میں استاذی مولانا محمد بشیر محدث سہوانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ تعین ایام نحر کی بابت تحریر فرمایا تھا جس میں ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ذی الحجہ کی تعین کے خلاف آخر ذی الحجہ تک جواز کا ثبوت تھا۔ وہ فتویٰ بشکل اشتہار وحید المطابع واقع محلہ دارانگر بنارس میں طبع ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا مرحوم کا قیام ریاست بھوپال میں تھا۔ اشتہار کے اندر وعدہ کیا گیا تھا مسئلہ مسئولہ مع جملہ مالہا وما علیہا بڑے رسالہ کے اندر چھپے گا۔ جب مولانا مرحوم کا قیام دہلی میں ہوا تو اس بڑے رسالہ کو بہت سے لوگوں نے مولانا کے پاس دیکھا چنانچہ میں نے بھی دیکھا کہ وہ رسالہ پورا ضخیم بلکہ خاصی کتاب تھی۔ مگر افسوس اس کتاب کے چھپنے سے پیشتر مولانا نے جہان فانی کو الوداع کہا اور اہل علم وتحقیق چشم براہ رہ گئے تلامذہ ومعتقدین نے بہت کچھ جستجو کی لیکن رسالہ ہاتھ نہ لگا۔ مرحوم کا کتب خانہ تو حاجی عبدالغفار مرحوم دہلوی علی جان والے نے ان کے بیٹے مولوی محمد مرحوم سے خرید لیا تھا۔ لیکن یہ رسالہ اس کتب خانہ میں نہ تھا۔ اب بعض عزیزان وطن سے مسلسل سن رہا ہوں کہ وہ رسالہ مولانا کا علمی میرے ہی وطن سہوان میں میرے ہی ایک عزیز کے پاس موجود ہے جس کا انہوں نے خود ذکر کیا ہے مگر اب وہ کسی مصلحت یا غرض سے نہ تو رسالہ کسی کو دکھاتے ہیں نہ اپنے پاس موجود ہونے کا اقرار کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب بہر کیف اگر یہ رسالہ دستیاب ہو گیا ہوتا تو کبھی کا چھپ چکا ہوتا یا اب دستیاب ہو جائے تو چھپ کر اہل علم وتحقیق کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ قبل از طبع اشتہار، جب مسئلہ کی شہرت ہوئی اور شیخ حسین یمنی محدث مرحوم مقیم بھوپال نے یہ مسئلہ سنا تو بہت متعجب ہوئے اتفاقاً ایک روز مسجد میں ملاقات ہوئی تو مولوی محمد بشیر مرحوم سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ جب تک مسئلہ ہمیں نہ سمجھا دو گے ہم مسجد سے باہر نہ جانے دیں گے۔ ابتداً تو مولوی محمد بشیر مرحوم نے پاس ادب اور لحاظ استادی سے گریز کیا اور دوسرے وقت پر ٹالا مگر جب شیخ حسین صاحب نہ مانے تو مولوی محمد بشیر بھی مسجد میں بیٹھ گئے اور اکثر و بیشتر نمازی بیٹھ کر لطف مکالمہ اٹھانے لگے۔ دونوں محدثوں یا استاد وشاگرد کی عالمانہ ومحدثانہ مگر مہذبانہ ومخلصانہ گفتگو تقریباً دو گھنٹے جاری رہی آخر میں شیخ صاحب نے فرمایا۔

مولوی محمد بشیر! اب ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں اب ہم نے مان لیا۔ بیشک تم حق پر ہو۔ اس واقعہ کے بعد فتویٰ چھپا لیکن کوئی رسالہ یا فتویٰ مخالفت میں مولینا مرحوم کے پاس نہ آیا۔ نہ اب تک میرے علم میں آیا۔ اشتہار مولہ بھی قریب قریب ناپید ہو چکا ہے۔ ممکن ہے کسی کے پاس ہو۔ میرے پاس صرف ایک کاپی موجود ہے جو امتداد زمانہ سے نہایت بوسیدہ حالت میں ہے کاغذ اپنی عمر ختم کر چکا جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے بعض بعض الفاظ بمشکل تمام پڑھے جا سکے۔ ایسی صورت میں اشتہار کے احیاء ثانیہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے لوگوں کی فرمائش سے دوبارہ طبع کرایا جاتا ہے۔ اور اس فتوے کا نام ایام النحر من عاشر ذی الحجۃ الیٰ آخر الشہر رکھدیا ہے والسلام

سید اقتدار احمد سہسوانی
مقیم محلہ نبی اسرائیلان علیگڑھ
مکان مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم
۶/جون ۱۹۲۹ء

توضیح المفید بمد فتاویٰ علماء حدیث: اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایام نحر قربانی کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف ہے اس میں سے مصنف کا رسالہ بھی ہے شیخ الشیخ مرحوم نے قرآن اور حدیث کے عموم سے ثابت کیا ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ سے آخری الحج تک قربانی کا وقت ہے لیکن اس پر تعامل امت نہیں پایا گیا میرے نزدیک اس کی مثال نمازوں کے اوقات کی ہے، مثلاً نماز ظہر کا وقت دلوک الشمس سے ایک مثل تک اور عصر کی نماز کا وقت غروب الشمس تک ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین و محقق محدثین کا تعامل اول وقت کا ہے آخر وقت عادت بنالیں نماز تو ہو جائے گی، لیکن منافقانہ نماز ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ہے اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰۰ اونٹ قربانی کیا تھا، لیکن ۱۰ تاریخ کو سب کے سب قربانی کئے اگر سارے ماہ میں مساوی ہوتا تو متفرق ایام میں آپ قربانی فرماتے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ ۔ اس مسئلہ میں کہ اضحیہ آخر شہر ذوالحجہ تک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب وہو الموفق للصواب

اضحیہ آخر شہر ذوالحجہ تک جائز ہے۔ دلیل اس پر یہ آیۃ سورۂ حج کی ہے لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام ج یہ نص مطلق ہے لیکن حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو صحیح مسلم میں مروی ہے ان النبی صلعم اذا رایتم ھلال ذی الحجۃ واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعرہ واظفارہ ۔ نص مطلق قرآنی کو شہر ذی الحجہ کے ساتھ مقید کر دیا۔ اور اول وقت اضحیہ کی تعیین احادیث صحیحہ نے کر دی جو صحیحین وغیرہما میں مروی ہیں ان میں سے ہے حدیث براء رضی اللہ عنہ کی قال قال النبی صلعم ان اول ما نبدأ بہ فی یومنا ھذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعلہ فقد اصاب سنتنا ومن ذبح قبل فانما ھو لحم قدمہ لاھلہ لیس من النسک فی شئ۔ ان دو قیدوں میں جو ان احادیث سے سمجھی جاتی ہیں کسی کا خلاف نہیں ہے اور آخر وقت اضحیہ کی تعیین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے کیونکہ ادلہ جو اس باب میں کتب میں منقول ہیں وہ تین ہیں ۔ اول دلیل داؤد ظاہری وغیرہ کی جن کا یہ مذہب ہے کہ قربانی خاص ہے شہر ذی الحجہ کی دسویں روز کے ساتھ ۔ ان کی بڑی قوی دلیل حدیث الیس ھذا یوم النحر ۔ ہے۔ پس اول تو اس حدیث کی دلالت اختصاص پر غیر مسلم ہے ۔ بر تقدیر تسلیم حدیث کے ایسے معنی کرنا چاہیے جو موافق ہوں آیت کے ۔ ظاہر آیۃ کا تو صاف دلالت کرتا ہے اس پر کہ اضحیہ ایام معلومات میں چاہیے جس کا اقل تین یا دو ہیں علی اختلاف القولین فی اقل الجمع اور داؤد ظاہری جو معنی حدیث میں آخر وقت اضحیہ کی تعین پر کوئی دلیل نہ ہوئی ۔ دوسری دلیل مالکیہ وحنفیہ وحنابلہ کی ہے ان کی بڑی قوی دلیل اثر ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے جو موطاء مالک میں مروی ہے الاضاحی یومان بعد یوم الاضحی یہ قول صحابی ہے اور قول صحابی بید ہانے بالغ اسے میں جمہور محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے اور مالا یدرک بالرائے ہونا اس کا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ ابن عمر رضی نے استنباط اس تحدید کا آیت سے کیا ہو اس طرح پر کہ آیت میں لفظ ایام لفظ جمع ہے اور اقل جمع تین ہیں اس لئے تین دن اضحیہ کے ہوئے اور اس تحدید کے باب میں صراحۃً کوئی حدیث مرفوع

ان کے پاس نہ ہو۔ فلا بد لنفی ہذا الاحتمال من دلیل ومن یدعی کونہ منہا لا یدرک بالہٰہ فعلیہ الدلیل
تیسری دلیل امام شافعی کی ہے ان کی دلیل حدیث جبیر بن مطعم ہے جس میں یہ زیادت ہے وفی کل ایام
تشریق ذبح جمہور محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ زیادت غیر محفوظ ہے اس حدیث کی سند میں اختلاف
ہے اگر کسی طریق کو ترجیح دی جائے تو اضطراب رفع ہوجاتا ہے لیکن انقطاع باقی رہتا ہے کیونکہ
کوئی طریق راجح انقطاع سے خالی نہیں ہے اور اگر کسی طریق کو ترجیح نہ دیجائے تو اضطراب
ثابت رہتا ہے اگر کوئی شبہ کرے کہ حافظ نے تخریج ہدایہ میں لکھا ہے واخرجہ الدارقطنی من
وجہین آخرین موصولین فیہما ضعف انتہی۔ پس دونوں طریق کی وجہ سے اس حدیث کی تقویت
ہوجائے گی تو جواب یہ ہے کہ یہ طریق کوئی جدید نہیں ہیں بلکہ طرق موجبہ اضطراب میں جو سبب
ضعف ہیں داخل ہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ اس باب میں ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے بھی
روایت ہے یہ دونوں روایتیں حدیث جبیر بن مطعم کی تقویت کے لئے کافی ہیں تو جواب یہ ہے کہ
حدیث ابوہریرہ وابوسعید رض موضوع ہیں یا شدید الضعف اس لئے تقویت نہیں کرسکتی ہیں اور
منقطع ومضطرب جمہور بلکہ کل محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آخر وقت اضحیہ
کی تعین پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ پس آیۃ مذکورہ آخر وقت اضحیہ کے بارہ میں اپنے اطلاق پر باقی
رہی کیونکہ تقیید مطلق کی بغیر دلیل کے جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ اضحیہ آخر شہر ذی الحجہ تک جائز
ہے اور مؤید ہے اس کی حدیث ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن وسلیمان بن یسار جس کو ابوداؤد نے مراسیل میں
روایت کیا ہے۔ جمال الدین مزی تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف میں لکھتے ہیں:۔ حدیث ابی سلمۃ
بن عبدالرحمٰن وسلیمان بن یسار انہ بلغہما ان رسول اللہ صلعم قال الاضاحی الی ھلال المحرم
اذا اراد ان یستانی ذلک اخرجہ ابوداؤد فی المراسیل عن موسیٰ بن اسمٰعیل عن ابان عن یحییٰ عن
محمد بن ابراھیم عن سلیمان بن یسار مولیٰ میمونۃ وابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انتہی اس مرسل کے سب رجال رجال
صحیحین ہیں۔ اور دارقطنی نے بھی اس کو اپنے سنن میں روایت کیا ہے لفظ اس کا یہ ہے حدثنا ابوبکر
النیسابوری نا احمد بن سعید بن صخر نا حبان بن ھلال انا ابان بن یزید نا یحییٰ نا ابن کثیر عن محمد بن ابراھیم
حدثنی ابوسلمۃ وسلیمان بن یسار انہ بلغہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الضحایا الی آخر الشہر لمن اراد ان
یستانی ذالک انتہی۔۔۔ سب رجال اس کے رجال صحیحین ہیں سوائے ابوبکر

نیساپوری کے ان کی توثیق پر علماء کا اتفاق ہے۔ نووی تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں
ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد بن واصل بن میمون النیسابوری قال الدارقطنی ما رأیت احفظ
منہ وقال الدارقطنی ایضاً کنا ببغداد فی مجلس فیہ جماعۃ من الحفاظ یتذاکرون فجاء رجل من الفقہاء
فسألہم من روی عن النبی صلعم جعلت لی الارض مسجدا وجعلت تربتہا طہوراً فقالت الجماعۃ
روی ہذا الحدیث فلان وفلان فقال السائل ارید ہذا اللفظ یکن من احد منہم جواب قالوا لیس
لنا غیر ابی بکر نیسابوری فقاموا کلہم الیہ فسالوہ عن ہذا اللفظ فقال نعم حدثنا فلان
عن فلان وساق فی الوقت الحدیث من حفظہ واللفظۃ فیہ ہذا آخر ما ذکرہ الشیخ ابو اسحق
واتفق العلماء علی توثیق ابی بکر ہذا واثنوا علیہ واکثر الدارقطنی عنہ فی سننہ انتہی۔
زیلعی تخریج ہدایہ احادیث مس المراۃ کے ذکر میں لکھتے ہیں والنیسابوری امام مشہور۔ دارقطنی
نے ابوبکر نیساپوری کی روایت کی چند جگہ اپنی سنن میں تصحیح کی ہے۔ یہ مرسل اگرچہ جمہور محدثین کے
نزدیک قابل احتجاج نہیں ہے مگر تائید کے لئے کافی ہے اور ائمہ اربعہ اور اہل حدیث کی ایک
جماعت کثیرہ اور جمہور اصولیین کے نزدیک قابل احتجاج ہے اور شیخین وابن خزیمہ اور حاکم کا میلان
بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ ماہر علم اصول حدیث پر یہ بات مخفی نہیں اس لئے اتباع آئمہ اربعہ
وغیرہم کو اس کا تسلیم کرنا ضرور ہے اور مرسل مذکور کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے جیسا کہ
عبارت فتح الباری سے جو آگے انشاء اللہ تعالیٰ نقل کی جائیگی ظاہر ہوگا۔ اور یہی موید اس کی ہے
حدیث ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی جس کو بخاری اپنے صحیح میں تعلیقاً لائے ہیں لفظ ان کا یہ ہے وقال یحیی
بن سعید سمعت ابا امامۃ بن سہل قال کنا نسمن الاضحیۃ بالمدینۃ وکان المسلمون یسمنون۔ اور ابونعیم
نے مستخرج میں اس کو موصول کیا ہے فتح الباری میں قول مذکور کے تحت میں ہے وصلہ ابونعیم فی المستخرج
من طریق احمد بن حنبل عن عباد بن العوام اخبرنی یحیی بن سعید وہو الانصاری ولفظہ کان المسلمون
یشتری احدہم الاضحیۃ فیسمنہا ویذبحہا فی آخر ذی الحجۃ انتہی۔
یہ ابوامامہ وہ شخص ہیں جن کی صحابیت من حیث الروایۃ میں اختلاف ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ
من حیث الروایۃ تابعی ہیں اور من حیث الرؤیۃ ان کی صحابیت متفق علیہا ہے اور تابعین میں سے
عمر بن عبدالعزیز و ابوسلمہ بن عبدالرحمن و سلیمان بن یسار و ابراہیم نخعی کا یہ مذہب ہے اور ابن حزم نے بھی اسی

کو اختیار کیا ہے۔ فتح الباری میں ہے۔ وقیل إلی آخر الشھر وھو عن عمر بن عبد العزیز وأبی سلمۃ بن عبد الرحمن وسلیمان بن یسار وغیرھم وقال بہ ابن حزم متمسکا بعدم دلیل نص بالتقیید وأخرج ما رواہ ابن أبی شیبۃ من طریق أبی سلمۃ بن عبد الرحمن وسلیمان بن یسار قالا عن النبی صلعم مثلہ قال وھذا سند صحیح الیھما لکنہ مرسل فیلزم من یحتج بالمرسل ان یقول بہ قلت وسیاتی من ابی امامۃ بن سھل فی الباب الذی یلیہ شیء من ذالک انتھی ... ۔ اور تفسیر ابن کثیر میں ہے وقیل ان وقت الذبح یمتد إلی آخر ذی الحجۃ وبہ قال ابراھیم النخعی و۱۴ اور زیادہ تحقیق اس مسئلہ اور اس کے مالہا وعلیہا کی بڑے رسالہ میں ہے جو طیار ہو کر عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ چھپنے والا ہے فانتظروھا ایھا المنتظرون ۔

المجیب محمد بشیر عفی عنہ

تصدیع! خدمت میں ان علماء کی جن کی نظر سے یہ فتویٰ گزرے یہ ہے کہ بعد غور کامل کی موافقت یا مخالفت رائے سے احقر کو مطلع فرمائیں اور در صورت مخالفت اس کی وجہ بھی بیان کیجائے ۔

(۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۰ھ یہ رسالہ مکتبہ سعیدیہ خانیوال میں موجود ہے)

باب ذبح

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کے نام ذبح کرنا عبادت ہے اس کی کیا دلیل ۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے پ سورہ انعام میں فرمایا ہے۔

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ

بے شک میری نماز۔ میری قربانی۔ میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ رب العلمین کیلئے ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی بات کا مجھے حکم ملا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں ۔

حدیث میں ہے۔ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔ جو شخص غیر اللہ کیلئے جانور ذبح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے۔ (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۲۲)

سوال:۔ ذبح سے کیا مراد ہے ۔

جواب:۔ ذبح سے مراد وہ جانور مراد ہے جو کسی بزرگ یا پیر کا تقرب حاصل کرنے کیلئے ذبح کیا جاتا ہے۔ ایسا جانور حرام ہے اور ذبح کرنے والا مشرک ہے۔ اس لئے کہ تقرب اور احترام

کیلئے جانور ذبح کرنا عبادت ہے۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو جانور کسی مہمان یا بزرگ کی آمد پر اس کے کھانے کیلئے ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ مہمانی میں داخل ہے اور مہمانی سنت ہے۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۶ ش ۲۲)

توضیح: مہمان نوازی بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔ (سعیدی)

سوال:۔ آیا عورت جانور ذبح کر سکتی ہے۔

جواب:۔ عورت کا ذبح کردہ جانور حدیث کی رو سے جائز ہے۔

(مولانا ابو البرکات احمد گوجرانوالہ اہلحدیث لاہور جلد ۳ ش ۱۵)

سوال:۔ سخت بیماری کی حالت میں بعض اس خیال سے کوئی جانور ذبح کر کے صدقہ کرتے ہیں کہ اس جانور کے بدلے میں مریض کی جان بچ جائے گی ایسا کرنا درست ہے۔

جواب:۔ اس خیال سے ذبح کرنا جائز نہیں ہے موت کا وقت مقرر ہے۔

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۔ إِنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ ۔

صدقہ رد بلا خیال سے جائز ہے (مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی اخبار اہلحدیث جلد ۹ ش ۳۰)

سوال:۔ ایک بھینس بیمار تھی وہ مرنے لگی تقریباً چالیس افراد کی موجودگی میں اس کو ایک بے نماز تارک صلوٰۃ نے ذبح کیا کیونکہ وہ بیمار ہو گئی تھی اب سوال یہ ہے کہ تارک نے جونکہ یہ ذبح کی تھی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔

جواب:۔ بھینس کو حرام موت بچانے کی غرض سے شخص مذکور کا ذبحہ جب کہ اس نے تکبیر بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ کہہ کر ذبح کیا ہے حلال ہے اگر بھول سے تکبیر بھی نہیں کہی تو بسم اللہ پڑھ کر اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کا کھالینا جائز درست ہے البتہ آئندہ احتیاط کی جائے کہ نمازی لوگ موجود ہوتے خود ذبحہ کریں بے نماز کو ذبح نہ کرنے دیں۔ فقط راقم الحروف

عبدالقہار غفرلہ الجواب صحیح ابو محمد عبدالستار دہلوی (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ صفحہ ۱۹)

سوال:۔ اگر ایک مسلم سہواً ذبح کے وقت تکبیر بھول گیا تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام اور تکبیر نے ساتھ إِنِّي وَجَّهْتُ الخ پڑھنا ضروری ہے۔

جواب:۔ مسلم بسم اللہ بھول جائے تو معاف ہے حدیث میں آیا ہے کہ مسلم کے دل میں بسم اللہ ہے

عند الذبح اِنِّیْ وَجَّهْتُ پڑھنا مسنون ہے (اہلحدیث ۲۴ جون ۱۹۳۲ء)

شرفیہ:- قولہ مسلم بسم اللہ بھول جائے الخ حرام ہے اس لئے کہ یہ نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ الآية... پ ۸ ع ۱۔ یہ ایسا ہے جیسے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الآية پ ۲ ع ۷ اور جس حدیث کا مولانا نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں وہ ابن عباس سے مروی ہے بلفظ الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسَمِّ ثُمَّ لِيَأْكُلْ أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَفِيهِ رَاوٍ فِي حِفْظِهِ ضَعْفٌ وَفِي إِسْنَادِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ وَهُوَ صَدُوقٌ ضَعِيفُ الْحِفْظِ وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا عَلَيْهِ وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ فِي مَرَاسِيلِهِ بِلَفْظِ ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَمْ لَمْ يُذْكَرْ وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ انْتَهَى مَا فِي بُلُوغِ الْمَرَامِ وَقَالَ فِي تَقْرِيبِ التَّهْذِيبِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَالْحَدِيثُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ مَوْصُولًا وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ الْأَصَحُّ وَقْفُهُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ مُنْكَرٌ أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَفِيهِ مَرْوَانُ بْنُ سَالِمٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ انْتَهَى مَا فِي تَلْخِيصِ الْحَبِيرِ ص ۲۸۳ - وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلْ الحدیث متفق علیہ كذا فِي بُلُوغِ الْمَرَامِ۔

پس کتاب اللہ اور حدیث سے بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ذبیحہ کیلئے شرط ہے فَإِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ۔ نص کتاب و سنت کے مقابل قول صحابی حجت نہیں اور مرفوع روایت جو خلاف ہے اول تو صحیح نہیں دوم نص صریح کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ لہذا قابل عمل نہیں۔ اور کتاب و سنت صحیحہ کے ہوتے ہوئے کسی کا قول حجت نہیں

ابوسعید شرف الدین (محدث، دہلوی)
فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۰

توضیح

حافظ ابن کثیر رحمہ نے اس بارہ میں علماء کے تین قول نقل کئے ہیں اول یہ کہ ایسا ذبیحہ حرام ہے

خواہ بسم اللہ کو بوقت ذبحہ عمداً ترک کرے یا سہواً یہ مروی ہے عبد اللہ بن عمر۔ نافع۔ عامر شعبی۔ ابن سیرین سے اور وہ مروی ہے۔ امام مالک اور امام احمد سے اور ایک جماعت اصحاب اسکے سے متقدمین اور متاخرین اور یہی مختار ہے ابو ثور اور داؤد ظاہری کا۔ اور یہی مختار ہے۔ متاخرین شافعیہ کا جیسا کہ محمد بن محمد متاخرین شافعیہ سے اور دلیل انکی آیۃ ہے وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ۔

مذہب ثانی یہ ہے کہ بسم اللہ بوقت ذبحہ شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اگر عمداً یا نسیاناً رہ جائے تو کوئی مضر نہیں یہ مذہب ہے امام شافعی اور اسکے تمام اصحاب کا اور ایک روایت میں امام مالک اور احمد بن حنبل کا بھی ہے اشہب بن عبد العزیز نے اسکے اصحاب سے نقل فرمائی ہے حضرت ابن عباس۔ ابو ہریرۃ۔ اور عطاء بن ابی رباح سے یہ مروی ہے وحمل الشافعی واصحابہ الاٰیۃ الکریمۃ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَىٰ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللهِ۔

مذہب تیسرا ترک بسم اللہ عند الذبحہ نسیاناً کوئی مضر نہیں دیدہ دانستہ حلال نہیں۔ یہ مشہور ہے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ رح اور اسکے اصحاب واسحاق بن راہویہ کا۔ اور وہ مروی ہے حضرت علی۔ ابن عباس۔ سعید بن المسیب عطاء۔ طاؤس۔ حسن بصری۔ ابی مالک۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ۔ جعفر بن محمد۔ ربیع بن ابی عبد الرحمن وغیرہ سے امام ابو الحسن مرغینانی نے اپنی کتاب میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطاء اور نسیان کو معاف کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اگر روزہ دار بھول چوک سے کھا پیں لے تو معاف ہے روزے میں نقص نہیں ہے اگر کوئی نماز کو بھول جائے جب یاد آئے پڑھے اس کا وہی وقت ہے۔ کھانے اور پینے میں بسم اللہ بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے اسی طرح بوقت ذبحہ بسم اللہ بھول جائے یاد آنے پر پڑھ لے شیخ الاسلام حضرت مولنا ابو الوفاء ثناء اللہ مرحوم کا فتویٰ تیسرے مذہب کے مطابق ہے اور حضرت ابو سعید محمد شرف الدین مرحوم کا فتویٰ مطابق مذہب اول کے ہے۔ شیخ الاسلام کا فتویٰ جواز پر ہے اور مفتی ثانی کا فتویٰ احتیاط پر ہے۔ دلائل کی رو سے تیسرا مذہب قوی ہے۔

ہذا ما عندی اللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب تحفۃ الحسنات علی محمد سعیدی

(جامعہ سعیدیہ خانیوال)

الاستفتاء

(متعلق ذبیحہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصاب نے بوقت ذبح گھنڈی کو بجانب سینہ کردیا ہے ایک مولوی صاحب کہتے ہیں۔ کہ ذبیحہ حلال ہے۔ کیونکہ

ھدایہ میں ہے :- وھی اختیاریۃ کالجرح فیما بین اللبۃ واللحیین ج ۴ ص ۴۸ اور دوسرے جگہ ہے والاصل فیہ قولہ علیہ السلام الزکوۃ ما بین اللبۃ واللحیین و لانہ مجمع المجاری والعروق فیحصل بالفعل فیہ انہار الدم علی ابلغ الوجوہ فکان حکم الکل سواء ج ۴ ص ۴۲۱۔ اور عینی شرح بخاری جلد ۱۰ صـــ۳۷ میں ہے :- و فی المبسوط ما بین اللبۃ واللحیین واللبۃ راس الصدر واللحیان الذقن اور کنز کی شرح میں ہے :- وفی البنایۃ ھذا صحیح لانہ لا اعتبار ان یکون العقدۃ من فوق او من تحت الدنوی الی قول محمد بن الحسن فی الجامع الصغیر لا باس بالذبح فی الحلق کلہ اسفلہ ووسطہ واعلاہ فاذا ذبح فی الاعلی لابد ان تبقی العقدۃ من تحت ولم یلتفت الی العقدۃ لا فی کلام اللہ ولا فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل الزکاۃ بین اللبۃ واللحیین بالحدیث۔ کتاب الذبائح۔ اور عینی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۳۷، اور ہدایہ جلد ۴ صـــ۴۲۱ میں ہے، وفی الجامع الصغیر لا باس بالذبح فی الحلق کلہ ووسطہ واعلاہ واسفلہ اور شرح وقایہ کے حاشیہ میں ہے وقال الشامی لکن روایۃ الامام الرستغفنی تخالف ھذہ حیث قال ھذا قول العوام ولیس بمعتبر فتحل سواء بقیت العقدۃ مما یلی الراس او الصدر لان المعتبر عندنا قطع اکثر الاوداج وقد وجد وکان شیخی یفتی بھذہ الروایۃ ویقول الرستغفنی امام معتمد فی القول والعمل ولان اخذنا یوم القیمۃ للعمل بروایۃ فاخذہ کما اخذنا وذکر فی البنایۃ اما الحدیث دلیل ظاھر لھذا الروایۃ وروایۃ المبسوط تساعدھا وما فی الذخیرۃ مخالف لظاھر الحدیث

اور نیز جو عروق فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے ذبح کیوقت کٹنے کی لکھی ہیں وہ دو ودج ایک حلقوم اور مری ہیں اور امام علیہ الرحمۃ کے نزدیک تین پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ہدایہ جلد ۴ ص۴۲ میں ہے۔ فالحاصل ان عند ابی حنیفۃ اذا قطعت الثلاث ای ثلاث کان یحل۔

اور دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ذبیحہ حرام ہے۔ کیونکہ گھنڈی کے اوپر حلقوم اور مری نہیں لہٰذا دو رگیں کٹیں۔ پس ذبیحہ موافق مذہب امام ابی حنیفہ رح حرام ہوا۔ کیونکہ کاٹنا اکثر کا شرط ہے اور شرح وقایہ میں ہے۔ فلم یجز فوق العقدۃ اگرچہ شرح میں ہے والبعض افتوا بالجواز لقولہ علیہ السلام الذکوٰۃ بین اللبۃ واللحیین اور متن شرح پر مقدم ہے۔ اور حدیث جو ذکر کی ہے وہ ضعیف ہے۔ شامی اور ذخیرہ میں اسی طرح ہے اب سوال یہ ہے کہ کس کا فتویٰ ازروئے شرع شریف مذہب اہل سنت میں صحیح اور درست ہے؟ اور فوق العقدۃ حلقوم اور مری اور دیگر رگیں ہیں یا نہیں اور فوق العقدۃ ذبح ہوتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

عدد ۲۲۳۳ / ۱۲۲ ۲۲ محرم ۱۳۵۸ھ / ۱۴ مارچ ۱۹۳۹ء یوم سہ شنبہ

مستفتی (مولوی) عبدالرزاق (صاحب مدرس سوم مدرسہ سعیدیہ) موذن مسجد الخالق پل بنگش دھلی

مندرجہ بالا استفتاء حضرت مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی نے خود مولوی عبدالرزاق صاحب کے نام سے بھیجکر جواب حاصل کیا تھا تاکہ احناف پر حجت قائم رہ سکے (سعیدی)

الجواب

ذبیحہ فوق العقدہ کی حلت کے بارے میں پہلے مولوی صاحب کا بیان و تحریر صحیح ہے (والذبح بین الحلق واللبۃ وفی الجامع الصغیر لاباس بالذبح فی الحلق کلہ وسطہ واعلاہ واسفلہ) واتی بلفظ الجامع الصغیر لان فیہ بیانا لیس فی روایۃ القدوری ای الذبح بین الحلق واللبۃ ولیس بینھما مذبح غیرھما فیحمل علی ما یدل علیہ لفظ الجامع الصغیر والاصل فیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الذکاۃ ما بین اللبۃ واللحیین وھو یقتضی جواز الذبح فوق الحلق قبل العقدۃ لانہ وان کان قبل العقدۃ فھو بین اللبۃ واللحیین وھو دلیل ظاھر للامام الرستغفنی رحمہ اللہ تعالی فی حل ما یقع عقدۃ الحلقوم مما یلی الصدر وروایۃ المبسوط ایضا تساعدہ ولکن صرح فی ذبائح

الذخیرۃ ان الذبح اذا وقع اعلی من الحلقوم لا یحل وکذلک فی فتاوی سمرقند لانہ ذبح فی غیر المذبح وھو مخالف لظاہر الحدیث کما تری ولان مابین اللبۃ واللحیین مجمع العروق والمجاری فیحصل بالفعل فیہ انھار الدم علی ابلغ الوجوہ وکان حکم الکل سواء ولا معتبر بالعقدۃ» عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش تکملۃ فتح القدیر الجزء الثامن ص۵۷

دوسرے مولوی صاحب کا اس حدیث مذکورہ کو ضعیف ٹھیرانا بغیر بیان کرنے وجہ ضعف کے صحیح اور قابل اعتبار نہ ہوگا۔ فقہائے عظام رضی اللہ عنہم کا استدلال اس حدیث سے اس حدیث کے معتبر وقابل استدلال ہونے کی دلیل ہے تو ضعیف ٹھیرانے کا دعویٰ بغیر بیان کرنے وجہ ضعف کے صحیح ہوگا فقط واللہ اعلم۔

مدرسہ امینیہ | ۱۳۳۲ھ | دارالافتاء | ۱۹۱۴ء | اسلامیہ دہلی

اجابہ، وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی (الفتہر)

الجواب صحیح

(مفتی) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی

سوال :- میں ایک ٹھاکر کے یہاں ملازم ہوں کھانا بھی ان کے یہاں سے آتا ہے گوشت انکے یہاں پکتا ہے جسکے متعلق مجھے تردد ہے گوشت یا تو وہ شہر سے منگاتے ہیں یا مجھ سے بکرا ذبح کراتے ہیں میرے خیال میں جب کبھی گوشت ان کے یہاں پکتا ہے میرا ہی ذبح کیا ہوا پکتا ہے لیکن چونکہ وہ گوشت نظروں سے غائب ہوجاتا ہے اور گھر کے اندر سے پک کر آتا ہے اسلئے میں نہیں کھاتا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انکا یہ کہنا کہ اسی گوشت میں سے ہے دیانت میں داخل نہیں اور اسکا کھانا جائز ہے پکا ہوا کھانا دیتے وقت وہ کچھ بھی نہیں کہتے دریافت کرنے پر بھی کہتے ہیں کہ آپکا ذبح کیا ہوا گوشت ہے یا قبل اسکے اور کوئی بات بہرحال مجھکو کیا کرنا چاہئے آیا گمان غالب پر کھا لینا چاہئے کیونکہ معلوم ہے۔ کہ میرے ہی ہاتھ کا ذبیحہ گھر میں سے پک کر آتا ہے قاضی خاں وغیرہ نے توان شبہات کو رفع کیا ہے یعنی اگر وہ یہ کہائیں کہ یہ گوشت اسی میں کا ہے تو معاملہ ہے اور اگر کہیں کہ یہ تمہارا یا کسی مسلم کا ذبیحہ ہے تو دیانت ہے لیکن مجھکو ابھی اطمینان نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا مفصل جواب مرحمت فرمادیں۔

الجواب :- فی الدر المختار ویقبل قول کافر ولو مجوسیا قال اشتریت اللحم من کتا

فیحمل اوقال اشتریتہ من مجوسی فیحرم ولا یردہ یقول الواحد واصلہ ان خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات اھ۔

پس کافر کا یہ کہنا کہ یہ اسی ذبیحہ کا گوشت ہے منجملہ دیانات متعلقہ حل وحرمت ہے لہٰذا حسب روایات بالا اس کا قول مقبول نہیں جیسا ظاہر ہے۔

قلت ھذا ھو القول المشھور وفیہ سلامۃ العوام لکن کانت فیہ دقیقۃ وھی ان ھذا اذا لم یقم علی کونہ ذبیحۃ للمسلم دلیل الا قول الکافر فیقتصر فیہ الحکم اما اذا حفت بہ قرائن قویۃ تفید الطمانیتہ بکونہ ھو فھو حلال بلا تلعثم لان العمل فی ھذہ الصورۃ یکون بالدلیل غیر قول الکافر نظیرہ ما ورد فی الاحادیث ان بعض من صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما حولت القبلۃ شھد قباء وقت الفجر وشھد ان القبلۃ تحولت فتحولوا عن اخبرھم مع خبر الواحد ظنی والقبلۃ السابقۃ کانت قطعیۃ فکیف رأوا الظنی معارضا للقطعی فذلک الذی ذکرت ھو الوجہ فی ھذا الحدیث فان الکلام فی الصورۃ المنقولۃ لا باس بہ بشرط شھادۃ القلب انہ ھو فقط۔

واللہ اعلم

سوال (۱) اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا (بخاری)

مرزائی ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہمارے جیسی نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمارا ذبیحہ بھی کھاتے ہیں، کیا اس حدیث کے پیش نظر وہ مسلمان تصور ہوں گے؟ اگر نہیں تو حدیث کا کیا منشاء ہے۔؟

سائل:۔ صدیق الحسن فاروقی

الجواب : قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ مسئلہ ختم نبوت تواتر سے ثابت ہے۔ اور اس پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ جو بھی شرعی مسئلہ تواتر سے ثابت ہو، اس کا انکار یا اس کے خلاف عقیدہ رکھنا صریح کفر ہے، کیونکہ شرعا کفر کی تعریف یہ ہے:۔

انکار ما علم بالضرورۃ مجیئ الرسول بہ۔ شریعت میں جو بھی مسئلہ تواتر سے ثابت ہو، اس کا انکار کفر ہے، مرزائی چونکہ ختم نبوت کے منکر ہیں جو کہ تواتر سے ثابت ہے اور مرزا غلام احمد کو نبی تسلیم کرتے ہیں۔

اس بدعقیدہ کی بناء پر مرزائی مطلقاً کافر ہیں۔

مندرجہ حدیث میں لفظ صلوٰۃ، قبلہ، ذبیحہ کی اضافت لفظ "نا" کی طرف ہے جس کا مدعا یہ ہے کہ جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہوئے آپ کی بتائی ہوئی نماز پڑھے اور آپ کی تصدیق کی رو سے ہی قبلہ خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کی اطاعت اور ہدایت کی بناء پر ہی مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے، وہ صحیح العقیدہ مسلمان تصور ہوگا۔

لیکن مرزائیوں کا معاملہ سراسر مندرجہ حدیث کے مفاد کے برعکس ہے۔ مرزائی دنیا جس حد تک شرائع اسلام کی قائل یا عامل ہے اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کا اتباع ہے۔

چونکہ متنبی قادیان کے پاس کوئی اصلاحی اور تعمیری پروگرام نہ تھا، اس لیے اسی میں عافیت سمجھی کہ گمراہ عوام کو شرائع اسلام کی تلقین کی جائے اور یہی فارمولا ان کے سامنے رکھا جائے چنانچہ مرزائی دنیا نماز روزہ وغیرہ شرائع اسلام کی اس لیے قائل ہے کہ ان کے جھوٹے نبی کی یہی ہدایت ہے۔

اگر مرزا دجال اپنے پیروکاروں کو شرائع اسلام سے منع کر دیتا تو یقیناً اس کے متبعین سب احکامات کو خیرباد کہہ دیتے۔ اس کی زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ سے جہاد کی اہمیت اور قیامت تک اس کا دوام ثابت ہے۔

ہماری شریعت نے اسلام کی سربلندی اور امتِ مسلمہ کی خوشحالی کو جہاد سے ہی وابستہ فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الجهاد ماض الی یوم القیامة لا یبطله عدل عادل ولا جور جائر آپ نے فرمایا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اسے کسی انصاف پسند بادشاہ کا عدل یا ظالم کا ظلم نہیں مٹا سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جھوٹی نبوت کا نصب العین ہی یہ بتایا ہے کہ مجھے ابلیس لعین نے محض جہاد کو منسوخ کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ اس جھوٹے بے حیاء نے علی الاعلان کہا کہ جہاد منسوخ ہے۔ اور اب کوئی بھی اس کے جواز کا عقیدہ نہ رکھے۔

آج جس حد تک مرزائی دنیا موجود ہے، مرزا غلام احمد کی اطاعت کی بناء پر ان کا عقیدہ ہے کہ جہاد منسوخ ہے۔ گو قرآن و حدیث کی نصوص اس کے منافی ہیں۔

اسی طرح اگر قادیان کا متنبی یہ کہہ دیتا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں اور خانہ کعبہ ہمارا قبلہ نہیں۔ نہ نماز ہے اور نہ ہی روزہ وغیرہ

احکامات، تو مرزائیوں نے جھوٹے مدعی نبوت کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے سب کچھ قبول کر لینا تھا۔

اس سے بالکل عیاں ہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اتباع کا ذکر ہے اور مرزائی غلام احمد کے اطاعت گزار ہیں لہٰذا مذکورہ حدیث کی بنا پر ان کو مسلمان تصور کرنا انتہائی جہالت ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات پر بھی غور ضروری ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا گروہ موجود تھا، وہ ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ہمارے جیسی نمازیں بھی پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کا ذبیحہ بھی کھا لیتے، جنگوں میں شریک ہوتے۔ اس کے باوجود قرآن مجید نے ان کو بدترین قسم کا کافر قرار دیا ہے۔ اور مندرجہ بالا احادیث کے پیش نظر ان کے مسلمان ہونے کے بارہ میں کسی کو وہم و گمان تک پیدا نہیں ہوا۔ مرزائی ختم نبوت کے منکر ہیں اس کے باوجود بعض علم و فضل کے مدعی مرزائیوں کو مندرجہ بالا احادیث کی رو سے مسلمان ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ اور بعض اقتدار کے حریص اور عوام کے ووٹوں کے بھوکے یہ نظریہ بنائے ہوئے ہیں کہ جو مرزائی ہمیں (مسلمانوں) کو کافر کہیں گے تو ہم بھی ان کو کافر کہیں گے ورنہ نہیں۔ بات صاف ہے کہ جن وجوہات سے منافقین کافر ہیں، انہیں کی بنا پر مرزائی بھی کافر ہیں۔ مذکورہ حدیث میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی بظاہر امتیازی علامات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر ان کے کسی ایسے اعتقاد کا انکشاف ہو جائے جو کہ صریحاً کفر ہے تو بلاشبہ وہ کافر ہوں گے۔ ہفت روزہ الاسلام لاہور۔

سوال:۔ کوئی شخص گائے یا بکرا یا مرغ کسی شہید یا ولی کے نام ذبح کرے اس مسئلہ میں کیا حکم ہے

جواب:۔ ذبح کرنا جانور کو بنام غیر خدا حرام ہے وہ غیر خدا خواہ پیغمبر ہو خواہ ولی ہو خواہ شہید خواہ غیر انسان ہو اور اگر بقصد کے تقرب کے ان لوگوں کے نام پر جانور ذبح کیا جاوے تو وہ جانور حرام و مردار ہو جاتا ہے اور ذبح کرنے والا مرتد ہو جاتا ہے اس فعل سے پرہیز لازم ہے چنانچہ تفسیر کبیر اور تفسیر نیشا پوری اور دوسری تفسیروں میں مذکور ہے۔ قَالَ الْعُلَمَاءُ لَوْ اَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَقَصَدَ بِذَبْحِهِ التَّقَرُّبَ اِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَذَبِيْحَتُهُ ذَبِيْحَةُ مُرْتَدٍّ انتھی۔

یعنی علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کوئی جانور ذبح کرے اور اسکے ذبح سے تقرب غیر اللہ کا مقصود ہو تو وہ مسلمان مرتد ہو جاویگا اور اس کا ذبیحہ مانند ذبیحہ مرتد کے ہو جاویگا یہ مضمون کتب تفاسیر کی عبارت مذکور ہے (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح فتاویٰ عزیزی جلد ۱ صہ ۹۷)

سوال:۔ کیا عورت کسی جانور کو ذبح کر سکتی ہے۔

جواب:۔ بوقت ضرورت عورت جانور کو ذبح کر سکتی ہے اور اس کا ذبح کیا ہوا حلال و درست ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت نے بکری ذبح کر دی تھی آپ نے حلال کا حکم فرمایا تھا۔ (بخاری شریف)

از مولانا عبد السلام بستوی دہلوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۳ صہ ۱۶

توضیح:۔ بوقت ضرورت کی قید اتفاقی ہے ورنہ مطلقاً عورت جانور ذبح کر سکتی ہے ممانعت پر دلیل نہیں۔ (سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال)

سوال:۔ بوقت ذبح گردن الگ ہو جائے تو ذبیحہ حلال ہو گا یا حرام۔

عمداً اس طرح ذبح نہ کرنا چاہئے۔ اگر تیز چھری سے اتفاقیہ ایسا ہو جائے تو جانور حرام نہیں ہوتا کیونکہ حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ جب اللہ کا نام لیا گیا اور خون جاری ہو گیا اور رگیں کٹ گئیں جن سے خون حرام نکل گیا تو جانور حلال ہے قرآن مجید میں حکم ہے۔ كُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ یعنی جس جانور کے ذبح پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو اس کو کھالو۔ جو شخص حرام کہتا ہے اس سے دلیل طلب کرو۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب (کتبہ عبد القادر الحصاری غفرلہ الباری)

الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار دہلوی (فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص ۱۵۷)

سوال: ایک شخص نے دو مرغ ذبح کیے مگر ناواقفی کی وجہ سے ان کی گھنڈی کا کچھ حصہ زبان کا کٹ کر نیچے آگیا۔ کیا یہ حلال ہے یا حرام

جواب:۔ حلال۔ اس قسم کی بھول چوک معاف ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۱۶ دہلی)

زندہ جانور سے کوئی حصہ کٹ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

سوال:۔ ایک بھینسا گاڑی کی زد میں آکر پچھلا حصہ کٹ گیا اسے موقعہ پر ہی ذبح کر لیا گیا۔ پچھلا حصہ جو ذبح کرنے سے پہلے کٹ گیا تھا اسے کھانا جائز ہے

(چوہدری اللہ دتہ موضع نیامی اوکاڑہ)

الجواب بعون الوہاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قُطِعَ مِنَ الْبَہِیْمَۃِ وَھِیَ حَیَّۃٌ فَھُوَ مَیْتَۃٌ۔

ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابو واقد لیثی رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چار پائے کے جسم سے جو حصہ ایسے حال میں کٹ جائے کہ چوپایہ زندہ ہو تو وہ کٹا ہوا حصہ مردار ہے۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ اس بھینسے کا جو حصہ گاڑی کی زد میں آکر کٹ گیا ہے وہ مردار اور حرام ہے اور باقی ذبح شدہ حلال ہے۔

(حافظ عبد القادر روپڑی
اخبار تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش ۲۶)

باب عقیقہ

سوال : کیا بڑی عمر میں عقیقہ کیا جا سکتا ہے جب کہ علم ہی نہ ہو کہ میرا عقیقہ کیا ہے یا نہیں۔

الجواب بعون الوہاب صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عقیقہ کیا جا سکتا ہے کوئی حرج نہیں۔ عقیقہ اگر پہلے ہو گیا ہے تو صدقہ ہی ہو جائے گا ورنہ عقیقہ۔ قربانی علیحدہ ہو یا شرکت میں ہو کر سکتا ہے فقط۔ عبدالقہار غفرلہ ۲۲ صفر ۱۳۸۲ھ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۵۲)

سوال : قربانی کی طرح عقیقہ کی گائے میں تو غالباً سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

جواب : گائے سات بکریوں کے قائم مقام ہے۔ سات لڑکیوں یا دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ ہو سکتا ہے۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ۔ مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۶۵)

سوال : کیا صرف گائے ذبح کرنے سے عقیقہ ہو جائیگا۔

جواب : بنیت عقیقہ گائے ذبح کرنے سے عقیقہ ہو جائے گا۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۳)

سوال : کیا ایک گائے سات بچوں کی طرف سے عقیقہ میں ہو سکتی ہے۔

جواب : ایک گائے شرعاً سات بکریوں کے قائم مقام ہوتی ہے لہٰذا ایک گائے تین لڑکوں اور ایک لڑکی یا صرف سات لڑکیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۳)

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ زید سفر میں ہے زید کے گھر لڑکی لڑکا پیدا ہوا زید سفر میں عقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں از روئے قرآن و حدیث حوالہ تحریر کریں۔

جواب : بحکم وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ۔ عقیقہ کرنا والد کے ذمہ ہے وہ اپنا ذمہ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ دہلی
جلد ۲ ص ۱۲۳

سوال :۔ لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ کس طرح کیا جائے۔ کتنے دن کے بعد کرنا سنت ہے ہم نے سوانح میں دیکھا ہے کہ بعد ہفتہ کے کرنا سنت ہے۔ اگر ہفتہ کو نہ کر سکا تو کب تک کر سکتے ہیں۔ کتنے بکرے لڑکی کے واسطے اور کتنے لڑکے کیلئے۔ بعد ذبح کس کس کو حق ہے کہ گوشت عقیقہ کا تقسیم کیا جائے۔ اور کون کون لوگ عقیقہ کا ذبیحہ کھانے کے مستحق ہیں۔ اور کھانا کھلانا بھی سنت یا نہیں؟ کیا عقیقہ کے ذبیحہ کی ہڈی توڑی نہیں جا سکتی تفصیل و تشریح سے جواب دیں۔

جواب :۔ عقیقہ کا حکم مثل قربانی کے ہے۔ جتنی عمر کا جانور قربانی میں ہو سکتا ہے اتنی ہی عمر کا عقیقہ میں جس طرح قربانی کی تقسیم ہے اسی طرح عقیقہ کی۔ عقیقہ کا اصل وقت پیدائش سے ساتواں دن ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بطور قضا کے چودھواں۔ اکیسواں اقوال ہیں۔ عقیقہ کا گوشت جو اپنے اور برادری کے حصہ کا ہو اسکو پکا کر کھلا دے تو منع نہیں جائز ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

(فتاویٰ ثنائیہ دہلی جلد ۱ ص ۵۶۶)

سوال :۔ گائے کا عقیقہ جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو سات حصے شمار کئے جائیں گے یا نہیں۔

جواب :۔ گائے کا عقیقہ کسی حدیث میں مجھے یاد نہیں۔ پھر شرکت تو اور بھی قابل ثبوت ہے۔ قربانی میں گائے لگتی ہے مگر عقیقے کا حکم خاص ہے جس کی بابت فرمایا عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ لڑکے سے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ ۲۰ ذی قعدہ سنہ ۱۳۲۹ھ۔

تعاقب :۔ بقر و ما جزائے بقر عقیقہ میں آپ کو تردد ہے لہٰذا ثبوت پیش خدمت ہے۔

باب العقیقۃ عن المجموع ص ۱ حدیث عند الطبرانی و ابی الشیخ عن انس رفعہ یعق عنہ من الابل والبقرۃ والغنم ونقلہ ابن المنذر ص ۶۵ عن حفصۃ بنت عبد الرحمن بن ابی بکر الجہود علی اجزاء الابل والبقر فتاوی

[illegible] باب العقیقۃ میں ابن حجر (منفی) [illegible]

از حکیم عبد الرزاق آسنول دمولنا ابو القاسم بنارسی مرحوم مفتی۔ اس اطلاع کیلئے آپ اور مولوی ابو القاسم بنارسی شکریہ کے مستحق ہیں گائے کا عقیقہ جائز ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۵۲ء)

تعاقب۔ بر تعاقب اور پھر اس کا جواب۔

نوٹ .... بھی چونکہ جواب تعاقب میں آگیا ہے۔ اس لئے اس کی نقل ضروری نہیں سمجھی گئی (راز) از قلم جناب مولنا ابو القاسم صاحب بنارسی:

اخبار اہلحدیث ۱۰ اکتوبر ۱۳ پر ایک طویل تعاقبی مضمون شائع ہوا ہے جس میں طبرانی صغیر کی حدیث دگائے اونٹ عقیقہ میں ذبح کرنے جواز والی : کے ہر راویوں پر جرح نقل کی گئی ہے یہ ساری بحث ایک اردو رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔ جو اس باب میں کچھ عرصہ ہوا ایک مولوی صاحب نے بنگال میں شائع کیا تھا۔ یہی جرحین مولوی عبد المنان صاحب دلالپوری نے بھی ۱۹۲۱ء میں اخبار اہلحدیث میں شائع کرائی تھیں۔ میں نے انہی دنوں اس مسئلہ پر ایک لبسط مضمون اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا تھا جس میں نہایت تفصیل سے ان تمام اعتراضوں کا جواب دیا تھا جن کو اب مولوی عین الحق صاحب دلالپوری نے دوبارہ اخبار اہلحدیث میں شائع کرایا ہے اور اسکے وَمَالَهُ وَمَا عَلَيْهِ پر معقول بحث کی جا چکی ہے۔ میں نے لکھا تھا کہ حافظ ابن حجر جو اصول حدیث کے بھی مصنف ہیں اور اسماء الرجال کے بھی جن کی شرح نخبہ سے اب بھی تعاقب نے استدلال کیا ہے جنہوں نے ذہبی کی میزان الاعتدال پر لسان میزان لکھی ہے اور اس میں ان راویوں پر وہ تمام جرحین مرقوم ہیں جو متعاقب نے لکھی ہیں باوجود اس بات کے علم کے وہ حدیث مذکور کو فتح الباری میں نقل کرتے ہیں اور کسی راوی پر کوئی جرح نہیں کرتے اور مقدمہ میں لکھ چکے ہیں کہ شرح بخاری میں جن احادیث کو میں بغیر جرح کے نقل کروں گا وہ صحیح ہوگی یا حسن۔ علاوہ ازیں اسی حدیث کے راوی انس اپنے بچوں کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ ابوبکر صدیق بھی عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ دیگر صحابہ کا بھی یہی تعامل رہا ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم نے تحفۃ الودود باحکام المولود میں بالتفصیل نقل کیا ہے۔ پھر جمہور محدثین کا بھی یہی تعامل رہا ہے اور دلیل وہی ہے۔ حدیث آخر حضرت میاں صاحب کا بھی (فتویٰ (فتاویٰ نذیریہ جلد دوم ص۲۲۵ راز) بھی یہی ہے اور جرحین سب کی سب مبہم اور غیر مفسر ہیں۔ تو کیونکر حدیث مذکورہ مردود ہوگی یہ ساری بحثیں اخبار اہلحدیث جلد ۱۹ ص۲ ۲۳ دسمبر ۱۹۲۱ء ص۵ ۳۲ ۳۴ ص۳۵ ۳۶ ص۳۷ و ص۳۹ از ۹ جون ۱۹۲۲ء تا ۲۸ جولائی ۳۲ میں

شائع ہو چکی ہیں۔ جن صاحبوں کے پاس مذکورہ پرچے موجود ہوں وہ ان دلالپوری صاحب کے اعتراض کا شافی جواب ملاحظہ کریں اور حضرت فاضل مدیر اہلحدیث اگر مناسب سمجھیں تو اس مضمون کو کسی پرچہ میں شائع کر دیں۔ غرض متعاقب کے تعاقب سے کوئی صاحب دھوکہ نہ اٹھائیں ان کی ساری حجتیں مرفوع ہیں۔

نوٹ:۔ کوئی صاحب متعاقب کا اصل مضمون ملاحظہ کرنا چاہئیں تو وہ اہلحدیث ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۰ء پرچہ ۱۷۔ اکتوبر ۳۰ ملاحظہ کریں: راز مرحوم۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۹۶/۵۹۷ دہلی)

سوال:۔ عقیقہ کیلئے گائے ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں اور ایک گائے دو لڑکوں اور تین لڑکیوں کی طرف سے کافی ہوگی یا نہیں۔

جواب:۔ جائز ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بچوں کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرتے تھے جس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں بَابُ الْعَقِیْقَةِ عَوْنُ الْمَعْبُوْدِ ص ۷۵ حدیث عند الطبرانی وابی الشیخ عن انس رفعه یُعَقُّ عَنْهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرَةِ وَالْغَنَمِ ونقله ابْنُ الْمُنْذِرِ ص ۷۵ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَالْجُمْهُوْرُ عَلَی الْاِجْزَاءِ بِالْاِبِلِ وَالْبَقَرِ ابن حجر هیثمی۔ الشرح القویم فی شرح مسائل التعلیم ص ۷ میں فرماتے ہیں سُبْعُ الْبُدْنَةِ وَالْبَقَرَةِ کَشَاةٍ اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الودود باحکام المولود ص ۳۷ میں فرماتے ہیں وَذٰلِکَ اِخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ هَلْ یَقُوْمُ غَیْرُ الْغَنَمِ مَقَامَهَا فِی الْعَقِیْقَةِ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْعَقِیْقَةِ بِغَیْرِ الْغَنَمِ فَرُوِّیْنَا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ کَانَ یَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ الْجَزُوْرَ [illegible] عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ جَزُوْرًا فَاَطْعَمَ اَهْلَ الْبَصْرَةِ ثُمَّ سَاقَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ کَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ یَعُقُّ عَنْ وَلَدِهِ الْجَزُوْرَ ثُمَّ ذَکَرَ مِنْ حَدِیْثِ یَحْیَی بْنِ یَحْیٰی اِبْنَا هُشَیْمُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ وُلِدَ لَهُ اِبْنُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَکَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ بِالْبَصْرَةِ فَنَحَرَ عَنْهُ جَزُوْرًا فَاَطْعَمَهُ اَهْلَ الْبَصْرَةِ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَیَحْتَمِلُ مِنْ حُجَّةِ مَنْ زَعَمَ اَنَّ الْعَقِیْقَةَ تَجْزِیْ بِالْاِبِلِ وَالْبَقَرِ قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَةٌ فَاَهْرِیْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَلَمْ یَذْکُرْ دَمًا دُوْنَ دَمٍ فَمَا ذُبِحَ عَنِ الْمَوْلُوْدِ عَلٰی ظَاهِرِ هٰذَا الْخَبَرِ یُجْزِیْ۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے سے عقیقہ کرنا درست ہے

[illegible] میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ تو عقیقہ بھی سات ان بچوں کی طرح سے جائز ہے جبکہ ساتوں لڑکیاں ہوں اور تین لڑکے اور ایک لڑکی کی طرف سے اونٹ یا ایک گائے درست ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(مولانا) عبدالسلام بستوی دہلوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۹ ش ۱

سوال:۔ گائے یا اونٹ میں عقیقہ کے سات حصے رکھنے جائز ہیں یا نہیں با دلیل بیان فرما دیں۔

الجواب:۔ گائے یا اونٹ میں عقیقہ کا ذکر صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ صرف قیاس ہے اور قیاس صحیح ہے کیونکہ اونٹ گائے کا ہر حصہ ایک بکری کی طرح ہے۔

حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ۔ الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ قربانی کے جانور گائے وغیرہ میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے یا نہیں۔ عقیقہ میں جانور کی عمر کا لحاظ ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ مگر قیاس سے جواز ثابت ہوتا ہے حدیث عمر کی تصریح میں آیا ہے صرف عقیقہ میں شَاتَانِ مُكَافِئَانِ کا لفظ آیا۔ جس سے بعض علماء یہ معنی اخذ کرتے ہیں۔ کہ عقیقہ کے جانور قربانی کے برابر ہونے چاہئیں۔ احتیاط اسی میں ہے کہ عقیقہ میں بھی قربانی کے شرائط ملحوظ رکھے جانے ہیں۔

حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ۔ الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال:۔ عقیقہ کا گوشت کچھ کھلایا جائے کچھ غریبوں میں تقسیم کیا جائے اگر باقی گوشت بچ جائے تو فروخت کر کے غریبوں میں رقم تقسیم ہو سکتی ہے یا کہ نہیں اس کا شرعی کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ عقیقہ کا حکم اضحیہ کا ہے اس کا گوشت بیچنا نہیں چاہیے۔

حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲ ش ۳۳/۳۴

سوال: عقیقہ میں لڑکے کے لئے دو بکری اور لڑکی کیلئے ایک تو ثابت ہے اگر کسی وجہ سے دو سے زائد بکریاں ذبح کی جائیں تو درست ہے یا نہیں۔

جواب: صحاح ستہ میں جسقدر روایتیں عقیقہ کے بارہ میں وارد ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ فرزند کے واسطے دو بکری یا دو دبنے اور دختر کے واسطے ایک بکری یا ایک دبنے ذبح کرنا چاہیے لیکن امام شوکانی رح نے نیل الاوطار جلد ۵ صـ۳۹۲ میں طبرانی سے حضرت انس رض کی ایک روایت کی ہے قَالَ رَسُوْلُ یُعَقُّ عَنْہُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ۔ ....

اس سے معلوم ہوا کہ عقیقہ میں اونٹ اور گائے کا ذبح کرنا مسنون ومشروع ہے شارع علیہ السلام نے ایک گائے کو سات سات بکریوں کے قائم مقام فرمایا ہے اس واسطے ایک گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہوسکتی ہے اس لحاظ سے بعض ائمہ محدثین نے ایک گائے میں سات شخص عقیقہ والوں کی شرکت جائز رکھی ہے چنانچہ نیل الاوطار میں مذکور ہے وَذَکَرَ الرَّافِعِیُّ اَنَّہٗ یَجُوْزُ اِشْتِرَاکُ سَبْعَۃٍ فِی الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ کَمَا فِی الْاُضْحِیَّۃِ وَلَعَلَّ مَنْ جَوَّزَ اِشْتِرَاکَ سَبْعَۃٍ یُجَوِّزُ ھٰھُنَا۔ انتہیٰ امام احمد کے نزدیک بھی گائے اور اونٹ عقیقہ میں کافی ہوسکتے ہیں امام مالک سے اس بارہ میں مختلف روایتیں منقول ہیں امام شافعی نے اس بارہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی خلاصہ جواب یہ ہے کہ اگر کبھی دو بکری سے زائد ذبح کی جائیں تو کوئی قباحت نہیں واللہ اعلم۔

تالیف مولانا مولوی: محمد عبدالجبار مرحوم عمرپوری ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین صـ۲۵-۲۶

سوال: زید کہتا ہے کہ عقیقہ کیلئے جانور موٹا تازہ ہو تو سات حصے ہوسکتے ہیں اور دانتوں کی شرط نہیں مگر قربانی میں دانتوں کی شرط ہے۔ بخلاف اس کے بکر کہتا ہے کہ عقیقہ کا جانور بھی قربانی کے جانور کی طرح دو دانت ہونا ضروری ہے اب زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا

جواب: گائے میں سات حصے ہوسکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے اَلْبَقَرَۃُ عَنْ سَبْعَۃٍ۔ بلوغ المرام ۱ صـ۱۶۷ فتح الباری پ۲۲ صـ۱۸۰ کتاب العقیقہ میں ہے وَالْجُمْھُوْرُ عَلٰی اِجْزَاءِ

الاِبِلِ وَالبَقَرِ اَیضًا وَفِیہِ حَدِیثٌ عِندَ الطَّبرَانِی وَاَبِی الشَّیخِ عَن اَنَسٍ رَفَعَہٗ یُعَقُّ عَنہُ مِنَ الاِبِلِ وَالبَقَرِ وَالغَنَمِ ۔۔ ۔ یعنی طبرانی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقیقہ میں اونٹ گائے بکری تینوں جانور ہو سکتے ہیں ۔

علامہ رافعی رح فرماتے ہیں کہ گائے میں جیسے قربانی کے سات حصے ہو سکتے ہیں ویسے ہی عقیقہ میں بھی ہو سکتے ہیں وَذَکَرَ الرَّافِعِیُّ بَحثًا اَنَّہَا تَتَاَدّٰی بِالسُّبعِ کَمَا فِی الاُضحِیَۃِ ۔ فی زماننا بعض احباب کا یہ کہنا کہ اول تو گائے عقیقہ میں جائز نہیں اگر جائز بھی ہو تو گائے صرف ایک بکری کے قائم مقام ہو سکتی ہے ۔ بلا دلیل ۔ اور اَلدِّینُ یُسرٌ کے خلاف ہے ۔ بجانب خود دین میں تنگی پیدا کرنا ہے ۔ اگر کسی روایت میں صراحت ہوتی تو ایسا کہنا بجا تھا اِذ لَیسَ فَلَیسَ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط بطور افضیلت کے ہیں نہ وجوبًا

(فتاوی ستاریہ جلد ۴ صفحہ ۵۰)

سوال: کیا مولود تاریخ عقیقہ سے قبل فوت ہو جائے تو اس کے عقیقہ کیلئے خریدے ہوئے جانور کو لواحقین فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں ۔

الجواب بعون الوہاب: حدیث شریف میں ہے عَنِ الحَسَنِ عَن سَمُرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَلغُلَامُ مُرتَہَنٌ بِعَقِیقَتِہٖ تُذبَحُ عَنہُ یَومَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُحلَقُ رَاْسُہٗ رَوَاہُ اَحمَدُ وَالتِّرمِذِیُّ ۔ مشکوٰۃ باب العقیقۃ ص ۳۶۲ ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ بچہ اپنے عقیقہ میں رہن ہوتا ہے ۔ ساتویں روز اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور ساتویں روز ہی اس کا سر مونڈا جائے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عقیقہ بچہ کی پیدائش سے ساتویں روز لازم ہوتا ہے ۔

سو جو بچہ اس سے پہلے فوت ہو جائے اس کی طرف سے عقیقہ چونکہ لازم ہی نہیں ہوا لہٰذا اس کیلئے جو جانور خریدا گیا اس کو جس طرح چاہیں استعمال کریں شرعًا کوئی حرج نہیں ۔ صدقہ کر دیں تو بھی جائز ہوگا ۔ حافظ عبد القادر روپڑی ۔

(تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۲۳ ش ۶)

عقیقہ کے جانور کی شرائط

سوال:- کیا جو شرائط قربانی کے جانور کی ہیں وہی شرائط عقیقہ کے جانور میں بھی ہونی لازمی ہیں؟

الجواب بالصواب - عقیقہ کے بارہ میں حدیث میں مُکَافِئَتَانِ کا لفظ آیا ہے یعنی ہر دو جانور ہم عمر ہونے ضروری ہیں اس کا مطلب علماء کرام نے یہ بیان کیا کہ بھیڑ اور دنبہ کے علاوہ باقی جانور دو دانت ہوں اسکے علاوہ جو شرائط قربانی کے جانور کی ہیں ان کا عقیقہ کے جانور میں ہونا ضروری نہیں فقط (حافظ عبدالقادر روپڑی اخبار تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۷ ش ۲۸)

توضیح - جو شرائط جانور قربانی کے ہیں وہ ہی شرائط جانور عقیقہ میں ہونے افضل ہیں کیونکہ عقیقہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْسُکَ فَلْیَنْسُکْ - اور علامہ شمس الحق ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عقیقہ پر ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام رکھا ہے نسیکہ جب حدیث اور علماء کرام کی اصطلاح میں عقیقہ کو نسیکہ یعنی قربانی فرمایا ہے۔ تو عقیقہ میں قربانی کے شرائط ہونے ضروری ہیں - واللہ اعلم

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کرنا واجب ہے یا سنت یا مستحب اور کیا کیا اسکے احکام ہیں بینوا توجروا

الجواب:- عقیقہ جمہور کے نزدیک سنت ہے واجب نہیں اور امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک مستحب ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک واجب ہے مگر قول جمہور اصح اصوب ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ ثابت ہے اور اس کا ترک ثابت نہیں ہے اور وجوب کی کوئی دلیل نہیں ہے تو سنت ہوا اسلئے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیز ثابت ہے بغیر ترک کے وہ سنت ہے جب تک کوئی دلیل وجوب کی نہ ہو اور یہ جو حدیث میں لفظ امر آیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے عقیقہ کرو عن سلیمان بن عامر الضبی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دما واميطوا عنہ الاذی رواہ الجماعۃ الا مسلما کذا فی المنتقی انتہای -

یہ امر وجوب عقیقہ پر دلیل لائی جائے کیونکہ دوسری حدیث میں (جو آگے آتی ہے) کہ جو شخص

عقیقہ کرنا چاہے کرے اس اختیار دینے سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ واجب نہیں تو ضرور ہوا کہ حدیث سابق کے امر کو وجوب کیلئے نہ لیں تاکہ دونو حدیثوں میں مطابقت ہو جائے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس بات پر کہ عقیقہ مستحب ہے سنت نہیں مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اختیار کسی فعل میں شارع کی طرف سے مخالف اس کی سنت کے نہیں ہے اس لئے کہ سنت میں ہی اختیار حاصل ہوتا ہے بلکہ مستحب وہ ہے جسکو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو کما لا یخفی علی الماہر بالاصول فلمنا ہر لقوا عنہ رما تمسک بھذہ او لبقیۃ الاحادیث القائلون بانہا واجبۃ وھو الظاہر یۃ والحسن البصری وذھب الجمھور من العترۃ وغیرھم الی انہا سنۃ وذھب ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ الی انہا لیست فرضا ولا سنۃ وقیل انہا عندہ تطوع احتج الجمھور بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب ان ینسک عن ولدہ فلیفعل وسیاتی وذلک یقتضی عدم الوجوب لتفویضہ الی الاختیار فیکون قرینۃ صارفۃ للاوامر ونحوھا عن الوجوب الی الندب وبھذا الحدیث احتج علی عدم الوجوب والسنیۃ ولکنہ لا یخفی انہ لا منافاۃ بین التفویض الی الاختیار وبین ۲ مافی نیل الاوطار اور لڑکے کے پیدا ہونیکے ساتویں دن یا چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے۔ عن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل غلام رھینۃ بعقیقۃ تذبح عنہ یوم سابعہ ویسمی فیہ ویحلق راسہ رواہ الخمسۃ وصححہ الترمذی کذا فی منتقی الاخبار ودلیل علی ذلک ما اخرجہ البیہقی عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ[1] تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی وعشرین اور اگر اکیسویں دن نہ کرے اس سبب سے کہ اسکو مقدور نہیں یا اور کسی دوسرے سبب سے تو جب مقدور ہو کرے کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ اور بعد بلوغ کے باپ وغیرہ سے طلب کرنے کا حق نہیں خود آپ اپنی طرف سے کرے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد بعثت کے اپنا عقیقہ کیا ہے العقیقۃ سنۃ مؤکدۃ ووقتہا من

---

[1] قولہ العقیقۃ تذبح الخ اخرجہ ایضا الطبرانی فی الاوسط والضیاء و ضعفہ فی فتح الباری وجامع الصغیر والسراج المنیر لانہ تفرد بہ اسمٰعیل بن مسلم وھو ضعیف متروک رواہ کما فی میزان وغیرہ ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنہ۔

الولادة الی البلوغ ویسقط الطلب عن الاب وا لحسن ان یعق عن نفسه بدنیوت لما رواه البیهقی وتلم یعق احدا بعد هذا الخبر وسبح البدنه والبقرة کشاة انتهی مافی شرح القیم فی شرح مسائل التعلیم لابن حجر الهیثمی الشافعی۔
اور لڑکے کیطرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکرا کرنا چاہیئے عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال سئل رسول الله صلعم عن العقیقة فقال لا احب العقوق وکانه کره الاسم فقالوا یا رسول الله صلعم انما نسئلك عن احدنا یولد له قال من احب منکم ان ینسك عن ولده فلیفعل عن الغلام شاتان مکافاتان وعن الجاریة شاة رواه احمد وابو داؤد والنسائی کذا فی منتقی الاخبار وعن ابن عباسؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم عق عن الحسنؓ والحسینؓ کبشا کبشا رواه ابو داؤد والنسائی وقال کبشین کذا فی منتقی الاخبار۔
اور جمیع احکام اس کے مثل احکام جانور قربانی کے ہیں کیونکہ حدیث سے کچھ فرق دونوں میں ثابت نہیں ہوتا مگر جن جن عیوب سے جانور قربانی کا مبرا یعنی پاک ہونا ضروری ہے جسکی تفصیل گذر چکی ان سے جانور عقیقہ کا مبرا ہونا ضروری نہیں کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔
الثانی هل یشترط فیها ما یشترط فی الاضحیة وفیه وجهان للشافعی فقد استدل باطلاق الشاتین علی عدم الاشتراط وهو الحق لکن لا لهذا الاطلاق بل لعدم ورود ما یدل ههنا علی تلك الشروط والعیوب المذکورة فی الاضحیة وهی احکام شرعیة لا تثبت بدون دلیل انتهی مافی نیل الاوطار اور اس کے کھانے کا بھی حکم گوشت قربانی کا حکم ہے یعنی کہ خود کھاوے اور دوسروں کو کھلاوے یہ جو مشہور کہ ماں باپ عقیقہ کا گوشت نہ کھاویں بالکل بے اصل ہے اور اسی طرح سے عقیقہ میں سے دائی کو دینا جیسا کہ مروج ہے ضروری نہیں ہے لیکن وہ اگر محتاج ہو تو بذمرہ محتاجان وہ بھی مستحق ہے چنانچہ اس بارہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فتویٰ ایسا ہی ہو چکا ہے اور لڑکے

---

[1] جب گذشتہ احادیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ عقیقہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمایا ہے تو احکام عقیقہ الگ بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے

[2] اقول روی الحاکم من حدیث علی امر رسول الله صلی الله علیه وسلم فاطمةؓ فقال زنی شعر الحسین وتصدقی بوزنه فضة واعطی القابلة رجل العقیقة رواه حفص بن غیاث عن جعفر بن محمد عن ابیه مرسلا انتهی تلخیص الحبیر مشتا ابوسعید محمد شرف الدین عفی عنه ۱۲۔

کا سر منڈا دے اور اس کے بالوں کے برابر چاندی تول کر کے خیرات کرے اور اسی دن نام رکھے یہ بھی سنت ہے اور عقیقہ کے لوازمات میں سے ہے وعن ابی رافع ان الحسن بن علی رضی اللہ عنہما لما ولد ارادت امہ فاطمة ان تعق عنہ بکبشین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعقی عنہ ولکن احلقی شعر راسہ فتصدقی بوزنہ من الورق ثم ولد حسین رضی فصنعت مثل ذالک رواہ احمد کذا فی منتقی الاخبار ...... اور حضرت فاطمہ رض کو حضرت حسن [illegible] کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا عقیقہ کر [illegible] جیسا کہ حدیث سابق میں گذرا قولہ لا تعقی عنہ قیل یحمل ھذا علی انہ قد کان صلی اللہ علیہ وسلم عق عنہ وھذا ھو التعیین لما قدمنا فی روایة الترمذی والحاکم من علی علیہ السلام انتہی مافی نیل الاوطار وعن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمیة المولود یوم سابعہ ووضع الاذی عنہ والعق وقال حدیث حسن غریب کذا فی ... اور عقیقہ کے مناسبات سے یہ بھی ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں کہ لڑکے کے پیدا ہونیکے دن کان میں اذان دینی چاہیئے۔ وعن ابی رافع رض قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذن فی اذن الحسین حین ولدت فاطمة بالصلوة رواہ احمد وکذالک ابوداؤد والترمذی وصححہ وقال الحسن کذا فی منتقی الاخبار۔ حررہ ابوالخیر محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی عفی عنہ

نازل شدہ درشان محمد یٰسین	فقیر محمد عبد الحق ۔ ۱۲۹۵

الجواب صحیح حمید اللہ عفی عنہ۔ مدرس مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی۔ محمد عبید اللہ مصنف تحفۃ الہند۔ | محمد عبید اللہ ۱۲۹۱ |

اصاب من اجاب۔ حسبنا اللہ یٰسین حفیظ اللہ۔

عقیقہ سنت ہے اگر کیفیت وکمیت میں سہولت ہے | امیر احمد | پشاوری۔ یہ جواب صحیح ہے۔ حررہ ابو العلی محمد عبد الرحمٰن الاعظم گڈھی المبارکپوری عفی عنہ۔+

الجواب صحیح والمجیب نجیح حررہ ابوعبداللہ فقیر اللہ متوطن ضلع شاہپور پنجاب مجیب صاحب نے جواب محققانہ دیا ہے اور بہت صحیح ہے ولیکن یہ ضرور معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ جو عوام الناس بلکہ بعض بعض خواص میں بھی مشہور ہو رہا ہے کہ لڑکے کیلئے نر چاہیئے اور لڑکی کیلئے مادہ

سو یہ بات بالکل غلط اور بے اصل ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کچھ حرج ومضائقہ نہیں خواہ نر ہو یا مادہ اور اذان کا حکم یہ ہے کہ دہنے کان میں اذان کہنی چاہیئے۔ اور بائیں میں تکبیر حضرت فرماتے ہیں کہ مولود ام صبیان سے محفوظ رہے گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا یغرکم ذکرانا واناثا کذا فی ابی داؤد والترمذی والنسائی والمشکوۃ وغیرہا وکذا فی الشرح الکبیر حاشیہ فتح الباری وغیرہا۔ فی مسند ابی یعلی الموصلی عن الحسین مرفوعاً من ولد له ولد فاذن فی اذنه الیمنی واقام فی اذنه الیسری لم تضرہ ام الصبیان رواہ فی جامع الصغیر وکذا فی المرقاۃ وفی شرح السنۃ ان عمر بن عبد العزیز کان یؤذن فی الیمنی ویقیم فی الیسری اذا ولد الصبی انتہیٰ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی

خادم شریعت رسول الاداب
ابو عبد الوہاب ۱۳۰۰

الجواب صحیح۔ محمد امیر الدین حنفی واعظ جامع مسجد دہلی

محمد امیر الدین

خادم شریعت رسول الثقلین
محمد تلطف حسین ۱۲۹۲

الجواب صحیح۔ عبد اللطیف عفی عنہ سہسوری

عبد اللطیف ۱۲۹۵

الجواب صحیح۔ ابو محمد عبد الرؤف بہاری عفی عنہ

عبد الرؤف ۱۳۰۳

۱۲۹۹ محمد عبد السلام غفرلہ

عبد الجلیل

محمد شمس الدین ۱۳۰۵

ابو محمد عبد الحق لودہانوی ۱۳۰۵

اصل عقیقہ ساتویں ہی روز ہے

سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص ۱۴۷

تم المشتاق محمد عبد الحی تجاوز اللہ عنہ

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

عقیقہ کے باب میں ایک تحقیقی بحث

سوال:۔ (۱) اگر بچہ پیدائش کے بعد ساتویں دن سے پہلے ہی وفات پاگیا ہو، اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو کیا اس کی وفات کے بعد عقیقہ ہو سکتا ہے؟

(۲) عقیقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۳) اگر بچہ پیدائش کے چند ماہ بعد فوت ہو گیا ہو، اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو اب اس کی وفات کے بعد اس کے عقیقہ کا جانور ذبح کر دینا عقیقہ کا مکمل ثواب رکھتا ہے؟

(۴) مسمی بکر کا عقیقہ پیدائش کے بعد مسنونہ ایام میں نہیں کیا گیا۔ کیا وہ شخص اپنے سن بلوغت کے بعد اپنے عقیقہ کا جانور ذبح کرا دے تو عقیقہ کا مکمل ثواب ملے گا؟

(۵) مندرجہ بالا صورتیں بوجہ مفلسی بچوں کے والدین کو پیش آئی ہیں اس لئے والدین بچوں کی زندگی میں عقیقہ کی سنت ادا نہیں کر سکے۔

جواب:۔ (۱) شریعت مطہرہ میں عقیقہ کا دن ساتواں مقرر کیا گیا ہے۔ حضرت سمرہ کی روایت میں ہے كُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ الحدیث اخرجه الخمسة وصححه الترمذی وغیرہ۔

غالباً اسی بنا پر امام مالک کا فیصلہ ہے کہ ساتویں دن سے پہلے اگر بچہ فوت ہو جائے تو اس کا عقیقہ نہیں ہے منتقی شرح موطا للعلامۃ القاضی ابی الولید سلیمان بن خلف الباجی الاندلسی المتوفی ۴۹۴ھ میں ہے:

قال مالک فی المبسوطان مات صبیٌّ قبل السابع فلیس علیهم ان یذبحوا عنه فاقتضیٰ ذالك ان وقت ثبوت حكمها هو الوقت المذكور من اليوم السابع فان ادرك الصبيُّ ذالك الوقت ثبت حكمها وان مات قبل ذالك بطَلَ حكمه اھ۔ نیل الاوطار میں ہے: وفيه دليل على ان وقت العقيقة سابع الولادة وتسقط ان مات قبله اھ (ملحص ص۱۱۳ ج۵)۔

خلاصہ یہ کہ جب بچہ پر ساتواں دن آیا ہی نہیں، تو ادائے حکم کا وقت نہ آیا پھر عقیقہ کیسا!

(۲) اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ عقیقہ ضروری ہے یا استحبابی۔ حافظ ابن حزم رح اور ان کے ساتھی وجوب و فرضیت کے قائل ہیں (محلی ص ۵۲۵ ج ۷) لحدیث کل غلام رہینۃ بعقیقۃ اخرجہ الخمسۃ وصححہ الترمذی عن سمرۃ وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر بتسمیۃ المولود والعق اخرجہ ترمذی وحدیث عائشۃ اخرجہ ابی شیبۃ عن عما لشتۃ کذا فی تحفۃ الودود

دوسری طرف ایک جماعت کثیرہ ہے کہ عقیقہ واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے امام مالک رح۔ احمد بن حنبل رح اسی طرف ہیں۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے، امر مذکورہ کا صارف عن الوجوب - من احب منکم ان ینسک عن ولدہ فلیفعل اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کذا فی المنتقی لابن تیمیہ واخرج مالک وبیقین منصوبہ من وجہ آخر عن رجل من بنی ضمرۃ

پہلی روایات کا ماحصل آنحضرت ؐ کا تاکیدی حکم ہے کہ عقیقہ کیا جائے دوسری روایات کا منشایہ ہے کہ اگر کوئی چاہے تو عقیقہ کر سکتا ہے۔ قال فی النیل (ص ۱۱۲ ج ۵) بعد ذکر منہ الروایۃ وذلک یقتضی عدم الوجوب لتفویضہ الی الاختیار فیکون صارفۃ للاوامر ونحوھا عن الوجوب الی الندب ---- امام بخاری رح نے بھی عدم وجوب کا مسلک ہی اختیار فرمایا ہے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رح نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن ابی موسیٰ، عبداللہ بن طلحہ اور ابراہیم بن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیقے منقول نہیں ہیں (ص ۲۷۷ ج ۵ مطبوعہ انصاری) اگرچہ یہاں کہا جا سکتا ہے کہ عدم ذکر عدم حکم کو مستلزم نہیں۔

حافظ ابن القیم نے تحفۃ الودود باحکام المولود (ص ۱۶ - ۱۸) میں دونوں فریق (قائلین وجوب وسنت) کے دلائل تفصیل سے ذکر فرمائے ہیں۔ ان کا ایثار رجحان آخر الذکر کی طرف معلوم ہوتا ہے، اور یہی راجح بھی ہے۔ ہاں امام احمد رح کے مسلک میں یہ ہے کہ قرض اٹھا کر بھی اس فضیلت سے محروم نہیں رہنا چاہیے کیونکہ عقیقہ کو رواج دینا ایک سنت کا احیاء ہے۔

لرجوان استقرض ان یعجل اللہ لہ الخلف لانہ احیی سنۃ من سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ

علیہ وسلم (تحفۃ الودود ص۲۱)

(۴) کسی صحیح حدیث میں اس کا صاف ذکر نہیں ہے کہ عقیقہ کا دن گزرنے کے بعد بھی عقیقہ ضروری ہے۔ بنابریں علماء کرام کی رائیں اس بارے میں مختلف ہو گئیں۔

(الف) امام مالکؒ کا ایک فتویٰ یہ ہے کہ ساتویں دن کے بعد وقت ختم ہے اس کے بعد عقیقہ کا ثواب نہیں ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ ۷۔ ۱۴۔ ۲۱ تک گنجائش ہے اس کے بعد وقت ختم۔ ابن وہب عن مالک من ترک ان یعق عن ابنہ فی یوم سابعہ فانہ یعق فی السابع الثانی فان ترک ذلک ففی الثالث فان جاوز ذلک فقد فات وقت العقیقۃ وروی ابن حبیب عن مالک لا یجاوز بالعقیقۃ الیوم السابع۔ (المنتقی للباجی ص۱۰۲ ج۳)۔ اس دوسرے قول کی بنیاد ممکن ہے یہ حدیث ہو۔ عن عبد اللہ ابن بریدۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العقیقۃ تذبح لسبع اولاربع عشرۃ اواحدی وعشرین (اخرجہ البیہقی ص۳۰۳ ج۹) لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن مسلم ایک راوی جو ضعیف ہے اور اس حدیث کا دارومدار اسی پر ہے (فتح الباری ص۲۸۱ ج۵) یہ ضرور ہے کہ اس پر اہل علم کا عمل امام ترمذی نے نقل فرمایا ہے تحفۃ الودود (۱۹) میں ہے۔ وھو قول عائشۃ و عطاء واحمد واسحق۔ یعنی حضرت عائشہ رضؓ، عطاءؒ، امام احمدؒ، اسحاق رحؒ کا یہ مسلک ہے۔

(ب) امام ابن حزم رحؒ کی رائے ہے کہ ساتویں دن اگر میسر نہ ہو سکے تو دوسرے کسی وقت میں جب ممکن ہو اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فان لم یذبح فی الیوم السابع ذبح بعد ذلک متی امکن فرضاً (محلی ص۵۲۳ ج۷)

امام لیثؒ فرماتے ہیں ساتویں پر مہیا نہیں ہو سکا تو اس کے بعد ضروری نہیں ہے تاہم اگر بعد میں عقیقہ کر دیا جائے تو ٹھیک ہے۔۔ فان لم تتہیا لھم العقیقۃ یوم سابعہ فلا باس ان یعق عنہ بعد ذلک ولیس بواجب ان یعق عنہ بعد سبعۃ ایام۔ (تحفۃ الودود ص۱۹)

بلکہ امام محمد بن سیرین تو یہاں تک فرماتے ہیں اگر مجھے پتہ چلے کہ میرا عقیقہ نہیں ہوا تو میں خود اپنا عقیقہ کروں گا۔ لو اعلم انی لم یعق عنی لعققت عن نفسی (فتح ص۲۸۱ ج۵)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ کسی واقعی عذر کے بغیر ساتویں دن کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ یہ ایک تعبدی چیز ہے اور عبادت سمجھ کر ہی اسے بجا لانا ضروری ہے۔ یہ تقریب نہیں ہے

کہ تقریب کے لوازم پورے کرنے کے لئے ساتواں دن ضائع کر دیا جائے اسی صورت میں خطرہ ہے کہ عقیقہ کی اصل غرض ادائے شکر جس کا نتیجہ ثواب ہے) حاصل نہ ہو، لیکن اگر کسی واقعی عذر (افلاس وغیرہ) کی وجہ سے ساتویں تاریخ رہ گئی ہے تو پھر ممکن حد تک جلدی کرنے کی صورت میں عقیقہ کا ثواب پانے کی قوی امید ہے۔ دلیل اس آیات قرآنی کا عموم ہے۔ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن) ﴿وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ (سورہ طلاق) واللہ اعلم بمانی نفوسکم۔

(۴) جہاں تک ظاہر حدیث کا تعلق ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کی ذمہ داری جیسی کچھ بھی ہے والد پر عائد ہوتی ہے یجب علی الاب وھو منصوص عن احمد (تحفتہ الودود صـ۱) ۔ امام احمد کا یہی مسلک ہے۔ البتہ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا تھا لیکن وہ روایت کمزور ہے حافظ ابن حجر رحمہ نے فتح الباری صـ۲۸۲ ج ۹ اور تلخیص الجبیر صـ۳۸۱ میں اس کا ضعف اور عدم ثبوت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اس پر مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی لیسے کوئی اپنے طور پر کر دے تو امام ابن سیرین رحمہ نے اپنا خیال ظاہر کر ہی دیا ہے۔

(۵) ایک قرض تو معتاد قسم کا ہوتا ہے اِدھر لیا اُدھر دے دیا ایسا قرض تو اس قسم نیک کام خیر سے مانع نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت حسن بصری رحمہ فرماتے ہیں قرض لیکر احیاء سنت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا اور زیادہ عنایت فرمائے گا وانی لاحب ان تحیی ھذہ السنۃ ارجوا ان یخلف اللہ علیہ .... تحفۃ الودود صـ۱ لیکن خدا نہ کرے اگر قرض ہی ایسا ہو جس سے کمر توڑ رکھی ہو تو حق تعالیٰ سے درگزر کی توقع ہے۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ (بقرہ) ... گروی کا مطلب شفاعت ہی ہو تو ایسا قوی عذر مانع شفاعت نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ۔ لیکن کل غلام مرتھن بعقیقتہ ... یہ مشہور مطلب بعض علماء نے بیان فرمایا ہے لیکن اس کے اور معانی بھی ہیں۔ حافظ ابن القیم نے تحفۃ الودود میں بڑی تفصیل سے اس پر بحث فرمائی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ عقیقہ کا فائدہ بچے کی روحانی پائیدگی ہے عقیقہ نہ ہونے

کی صورت میں شیطان اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے درپے رہتا ہے مگر
جب اس کی طرف سے ایک جانور حق تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیا جاتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ شیطان
بند کھولنے کا سبب بنا دیتا ہے

اخبار الاعتصام جلد ۱۵ ش ۱۳ لاہور

از حضرت العلام حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی

الاستفتاء

گائے کے عقیقہ کا کیا حکم ہے، عقیقہ میں قربانی کے شرائط ہیں یا نہیں؟ عقیقہ واجب ہے یا سنت؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ گائے کا عقیقہ کرنا قرون ثلاثہ
سے اصح الحدیث والاثر کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں۔ ماسوا طرانی کی روایت کے جو نیل الاوطار
میں ہے اور آنحضرت سرور کائنات ﷺ نے جو لفظ عقیقہ کو مکروہ جان کر اس کا نام نسیکہ رکھا ہے
اس سے ثابت ہوتا ہے؟ کیا جو شرائط قربانی میں ہیں۔ اس میں بھی مشروط ہیں یا نہ۔ یعنی عیب اور
نقصان وغیرہ سے جانور کا بری ہونا اور دو دانت ہونا۔ اور گائے کا سات سات کی طرف سے
مشروع ہونا شرط ہے یا نہیں۔ اور امام مالک رحمہ اور رافعی رحمہ وغیرہ کا مذہب کہاں تک صحیح ہے
اور جمہور کے پاس کیا دلیل ہے جو گائے کے عقیقہ کے بھی قائل ہیں۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

جواب:۔ (۱) طرانی اور ابوالشیخ کی روایت جو نیل الاوطار میں ہے اسکے سوا اور کوئی روایت یاد نہیں
(۲) مشکوۃ میں ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيقَةِ

فقال لا یحب اللہ العقوق کانہ کرہ الاسم وقال من ولد لہ ولد فاحب ان ینسک عنہ فلینسک عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ ابوداؤد والنسائی۔ (مشکوۃ باب العقیقۃ فصل ۲ ص ۳۶۳)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا خدا عقوق کو پسند نہیں کرتا۔ گویا کہ آپؐ نے عقیقہ کا نام مکروہ سمجھا اور فرمایا کہ جس شخص کے ہاں اولاد ہو اور وہ نسیکہ کرنا دوست رکھے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔

منتقیٰ میں ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقۃ فقال لا احب العقوق وکانہ کرہ الاسم وقالوا یا رسول اللہ انما نسئلک عن احدنا یولد لہ قال من احب منکم ان ینسک عن ولدہ فلیفعل عن الغلام شاتان مکافئتان وعن الجاریۃ شاۃ رواہ احمد وابوداؤد (منتقی کتاب العقیقۃ)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال ہوا فرمایا میں عقوق کو دوست نہیں رکھتا۔ گویا آپ نے عقیقہ نام مکروہ سمجھا۔ لوگوں نے کہا یا رسول ہمارا سوال اس شخص سے ہے جس کے ہاں اولاد ہو فرمایا جو دوست رکھے۔ کہ اپنی اولاد کا عقیقہ کرے تو وہ دو بکریاں ہم عمر لڑکے کی طرف سے کرے اور ایک لڑکی کی طرف سے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نسیکہ کہنے کی یہ وجہ نہیں کہ اس کے احکام قربانی کے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیقہ چونکہ عقوق سے ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں اور اسی سے عاق ہے، اس لیے عقیقہ کے نام کو مکروہ جانا اور اس کی بجائے نسیکہ نام پسند کیا۔ پس اس سے قربانی کے احکام سمجھنا غلطی ہے۔ علاوہ اس کے قربانی میں تو ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔ اور عقیقہ میں ایک بکری ایک لڑکے کی طرف سے کافی نہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں دو بکریاں بتلائی ہیں تو پھر اس سے قربانی والے احکام کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں۔ ہاں بعض اور روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمر قربانی والی ہونی چاہیے۔

نوٹ:۔ عقیقہ کے نام سے کراہت تنزیہی مراد ہے یعنی یہ نام بہتر نہیں۔ اگر بالکل منع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا استعمال نہ کرتے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ وغیرہ۔

نوٹ :۔ عقیقہ کے واجب غیر واجب ہونے میں اختلاف ہے ۔ حسن بصری تابعی اور ظاہریہ وجوب کے قائل ہیں ۔ اور جمہور کہتے ہیں سنت ہے ۔ اور امام ابوحنیفہ رح کہتے ہیں نہ فرض ہے نہ سنت ۔ اور کہا گیا ہے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نفل ہے اور امام ابوحنیفہ رح کے شاگرد امام محمد رح کے نزدیک قربانی کے ساتھ منسوخ ہوگیا ۔ اور امام ابوحنیفہ رح سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ جاہلیت کی رسم تھی اسلام نے اس کو مٹا دیا ۔ شاید امام حنیفہ رح کو عقیقہ کی احادیث نہ پہونچی ہوں ۔ یہ تمام اقوال امام شوکانی رح نے نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۶ میں ذکر کیے ہیں ۔ امام شوکانی رح کا میلان جمہور کے مذہب کی طرف مائل معلوم ہوتا ہے ۔ جمہور کی دلیل حدیث مذکور پیش کی ہے ۔

اس حدیث میں مَنْ اَحَبَّ (جو دوست رکھے) کا لفظ چاہتا ہے کہ عقیقہ ضروری نہ ہو مگر دلیل کمزور ہے ۔ کیونکہ دوسری احادیث سے ضروری ثابت ہوتا ہے ۔ کیونکہ بعض روایتوں میں صیغہ امر آیا ہے اَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا "اس سے خون بہاؤ" آیا ہے ۔ جو وجوب کے لیے آیا ہے ۔ اور بعض میں "رَهِينَةٌ" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ عقیقہ نہ ہو تو بچہ ماں باپ کی شفاعت نہیں کر سکتا ۔ یا عقیقہ ایسا لازمی ہے جیسے کوئی شئے گرد ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی کے بغیر چھوٹ نہیں سکتی اور بعض نے اس کے معنی کیے ہیں کہ وہ گرد کی طرح بند ہے جب تک عقیقہ نہ کیا جائے نہ نام رکھا جائے نہ بال اتارے جائیں نام رکھنے یا بال اتارنے سے تو چارہ نہیں ۔ پس عقیقہ بھی ضروری ہو گیا ۔

اور بعض روایتوں میں اَمَرَنَا کا لفظ آیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عقیقہ کا حکم دیا اس سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے ۔

امام شوکانی رح نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں ۔ اگرچہ یہ الفاظ اصل میں وجوب کے لیے ہیں مگر مَنْ اَحَبَّ کا لفظ قرینہ صارفہ ہے ۔ اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے وجوب مراد نہیں ۔ بلکہ امر استحبابی مراد ہے لیکن امام شوکانی کا یہ کہنا ٹھیک نہیں ۔ کیونکہ امر کا صیغہ یا امر کا لفظ تو کبھی قرینہ کے ساتھ استحباب کے لیے آجاتا ہے لیکن رھینۃ کے معنی استحباب کے مشکل ہیں ۔ علاوہ اس کے مَنْ اَحَبَّ کا لفظ استحباب کے لیے تسلی بخش دلیل نہیں ۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے : قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ ۔ کہدے اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو

میری اتباع کرو، اس آیت میں وہی محبت کا لفظ ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ کی اتباع ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح حدیث مذکور کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اصل بات یہ کہ:

شرط ہوتی ہے ویسے ہی اجزا کا حکم ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت چونکہ ضروری ہے اس لیے آپ کی اتباع بھی ضروری ہے اسی طرح عقیقہ چونکہ ضروری ہے جیسے کہ ابھی بیان ہوا ہے، اس لیے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ہم عمر[1] اور لڑکی کی طرف سے ایک ضروری ہے۔ یعنی کم نہ کریں اگر حدیث یوں ہوتی کہ۔ جو عقیقہ کرنا دوست رکھے وہ عقیقہ کرے تو پھر یہ حدیث استحباب کی دلیل بن سکتی تھی اب نہیں۔

علاوہ اس کے محبت کے لفظ سے خلوص مقصود ہے۔ پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا!

جو اخلاص سے عقیقہ کرے وہ دو بکریاں ہم عمر لڑکے کی طرف کرے۔ اور ایک لڑکی کی طرف سے اور ظاہر ہے کہ:

اخلاص ضروری ہے۔ پس عقیقہ خود ہی ضروری ہوگیا۔

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۳ ش ۱۲)

از حضرت العلامہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

کیا عقیقہ کے جانور میں قربانی کی شرائط ہیں؟

سوال:۔

حضرت العلام حافظ صاحب۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ تحریر فرمادیں کہ عقیقہ کا جانور کس عمر کا ہو کسی حدیث سے معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ صاحب سبل السلام

---

[1] ہم عمر سے مراد یہ ہے کہ دونوں جانور مسنہ ہوں۔

سے کہا ہے کہ شرائط اس کے صحیح حدیث ثابت نہیں بالقیاس ہیں از محمد یوسف خریدار تنظیم اہلحدیث

جواب:۔ مولنا حکیم محمد یوسف صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا لفافہ ملا مافیہا سے اطلاع پائی عقیقہ کے جانور کے متعلق کسی حدیث میں تصریح نہیں آئی صرف مُکَافِئَتَانِ کا لفظ آیا ہے ۔ جس کے معنی کتب لغت حدیث ۔ نہایہ ۔ مجمع البحار وغیرہ میں : مُسِنَّہ وغیرہ کے لکھے ہیں مجمع البحار میں ہے ۔ وَفِیْ حَدِیْثِ مِنَ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافِئَتَانِ یَعْنِیْ مُتَسَاوِیَتَیْنِ فِی السِّنِّ اَیْ لَا یُعَقُّ عَنْہُ اِلَّا بِمُسِنَّۃٍ وَاَقَلُّہٗ اَنْ یَّکُوْنَ جَذَعًا کَمَا تُجْزِئُ فِی الضَّحَایَا وَقِیْلَ مُکَافِئَتَانِ اَیْ مُتَسَاوِیَتَانِ اَیْ مُتَقَارِبَتَانِ اَوْ یَکُوْنُ مَعْنَاہُ مُعَادِلَتَانِ لِمَا یَجِبُ فِی الزَّکٰوۃِ وَالْاُضْحِیَۃِ مِنَ الْاَسْنَانِ وَیَحْتَمِلُ مَعَ الْفَتْحِ اَنْ یُّرَادَ مَذْبُوْحَتَانِ مِنْ کَافَأَ الرَّجُلُ بَیْنَ بَعِیْرَیْنِ اِذَا نَحَرَ هٰذَا ثُمَّ هٰذَا مَعًا مِنْ غَیْرِ تَفْرِیْقٍ کَاَنَّہٗ یُرِیْدُ شَاتَیْنِ یَذْبَحُهُمَا مَعًا ج اَرَادَ التَّکَافُؤَ فِی السِّنِّ اَیْ تَکُوْنَانِ تُجْزِیَانِ فِی الضَّحَایَا لَا یَکُوْنُ اَحَدُهُمَا مُسِنَّۃً وَالْاُخْرٰی غَیْرَهَا (مجمع البحار ص۲۱۶ ج ۳)

ترجمہ:۔ دونوں بکریاں سن میں برابر ہوں ۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ عقیقہ کا جانور مسنہ ہونا چاہیئے اور اقل درجہ یہ ہے کہ دنبہ؛ جزع جیسے قربانی جزع کفایت کرتا ہے ؛ دنبہ چھ[1] سات ماہ کا بھی کافی ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ آپس میں برابر ہوں دونوں میں عمر کے لحاظ سے بڑا فرق نہ ۔ یا یہ معنی ہے کہ زکوٰۃ اور قربانی کے جانور کے برابر ہوں اور فا کی فتح کے ساتھ یہ معنی ہو سکتے یکے بعد دیگرے جلدی ذبح کی جائیں ۔ ایک کے ذبح کے بعد دوسری کے ذبح کرنے میں تاخیر نہ کی جائے ۔ عرب کہتے ہیں : کَافَأَ الرَّجُلُ بَیْنَ بَعِیْرَیْنِ پے در پے دو اونٹ ذبح کئے یہ اس وقت کہتے ہیں ۔ جب ایک بعد متصل دوسرا اونٹ ذبح کیا جائے ۔

اور شرح جامع الاصول میں ہے کہ :۔ مسنہ ہونے میں مساوات مراد ہے یعنی بکریاں ایسی ہوں جو قربانی میں کفایت کرسکیں ۔ یعنی ایک مسنہ اور دوسری غیر مسنہ نہ ہو "

---

[1] جزع کا راجح معنی ایک سال کا ہے جیسا کہ جمہور علماء محدثین اور اہل لغت اور علامہ سندھی حنفی نے حاشیہ ابن ماجہ میں ایک سال کو ترجیح دی ہے اور چھ سات کو مرجوع قرار دیا ہے (سعیدی)

- اس سے معلوم ہوا کہ مُکَافِئَتَانِ کے معنیٰ میں اختلاف ہے۔
- کوئی کہتا ہے کہ، قربانی کے جانور کے برابر۔
- کوئی کہتا ہے: ایک دوسرے برابر۔
- کوئی کہتا ہے: قربانی اور زکوٰۃ کے جانور کے برابر

کوئی کہتا ہے ذبح ہوتے میں برابر۔ یعنی ایک دوسرے کے متصل ذبح کی جائیں۔

جب اس لفظ کا ایک معنیٰ "قربانی کے جانور کے برابر"، ہونا بھی ہے۔ تو ایسے موقع پر احتیاط اسی میں ہے کہ، مسنّہ اور دانت، ذبح کرے۔ تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔

بلکہ: احتیاطاً مناسب ہے کہ باقی شرائط قربانی کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

میرا اپنا عمل اسی پر ہے۔ اور ایک سال سے کم کا جانور تو دنبہ کے سوا کسی صورت جائز ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث میں شاۃ کا حکم۔ بکریوں کی جنس میں چھوٹی عمر کے لیے، عناق۔ عتود، کا لفظ بولتے ہیں۔

جیسے انسان میں چھوٹی عمر کے لیے: "جارب، ولد، صلیہ، وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

جب بلوغ کا زمانہ آجاتا ہے۔ تو مرأۃ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور ہمارے محاورے میں عورت کہتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح عربی محاورہ میں شاۃ کا لفظ ہے۔

اور بکری عموماً سال کے اندر بچہ جننے کے قابل نہیں ہوتی۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ:

سال سے کم تو کسی صورت جائز ہی نہیں۔ اور قربانی کے جانور کے برابر ہو۔ یعنی مسنہ ہو۔ اور باقی شرائط قربانی کے جانور کے بھی پائے جائیں۔ تو یہ اسلم طریق ہے۔ اس میں کسی قسم کا شبہ اور تردد نہیں رہتا۔

حدیث میں ہے:

دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ یعنی "شک والے کام کو چھوڑ کر وہ کام کرو جس میں شک نہ ہو۔" (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۳ ش ۱۹)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمار دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ اگر سات روز میں کسی باعث سے نہ ہو سکا تو بعد اس کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ جامع ترمذی میں ہے کہ اہل علم ساتویں روز عقیقہ کرنیکو مستحب جانتے ہیں اگر ساتویں روز نہ ہو سکا تو چودہویں روز کرنا چاہیئے۔ اور اگر چودہویں روز نہ ہو سکا تو اکیسویں روز کرنا چاہیئے قاضی شوکانی نیل الاوطار میں ترمذی کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں ویدل [illegible] البیہقی عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیه عن النبی صلی اللہ علیه قال العقیقة تذبح لسبع ولاربع عشرۃ ولاحدی وعشرین۔ یعنی اس قول پر حدیث دلالت کرتی ہے۔ جس کو عبد اللہ بن بریدۃ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عقیقہ ذبح کیا جائے ساتویں روز اور چودہویں روز اور اکیسویں مگر شوکانی نے نہ اس کی سند لکھی ہے اور نہ اس کا صحیح یا ضعیف ہونا ظاہر کیا ہے۔

سبل اسلام ص۲۰۸ میں ہے۔ قال النووی انه یعق قبل السابع وکذا من الکبیر فقد اخرج البیہقی من حدیث انس ان النبی صلی اللہ علیه وسلم عق عن نفسه بعد البعثة ولکنه قال منکر وقال النووی حدیث باطل۔ یعنی نووی نے کہا کہ ساتویں روز کے قبل بھی عقیقہ کرنا درست ہے اور اسی طرح بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ کرنا درست ہے اس واسطیکہ بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ بعثت کے بعد کیا ہے لیکن بیہقی کے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے اور نووی نے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے الحاصل عقیقہ کا وقت جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ ساتواں روز ہے پس ساتویں ہی روز عقیقہ کرنا متعین ہے ہاں بریدۃ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ اگر صحیح دلائق اعتبار تو چودہویں روز اور اکیسویں روز بھی عقیقہ کرنا حدیث سے ثابت ہوگا اور اکیسویں روز کے بعد یا بڑے ہونیکے بعد عقیقہ کرنا کسی حدیث معتبر سے ثابت نہیں اور علمار کی رائیں اس بارہ مختلف ہیں بعض کہتے کہ اکیسویں روز کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں واللہ اعلم بالصواب

کتبه عبد الرحمٰن المبارکفوری

فتاویٰ نذیریہ جلد ۲ ص۲۲۶

مشینی ذبیحہ

ایڈیٹر الاعتصام کے پریس نوٹ کا مکمل متن

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے ترجمان ہفت روزہ "الاعتصام" کے ایڈیٹر نے ایک بیان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس فتویٰ کی تردید کی کہ مشین کے ذریعے ذبیحہ حلال ہے، آپ نے کہا کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حلت حرمت کا معیار اسلام میں وہی ہے جسے قرآن وسنت نے مقرر کیا ہے۔ دوسری کوئی بات معیار نہیں بن سکتی، دین اسلام محمد اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو گیا ہے، اس میں اب کسی قسم کے تبدل وتغیر کی گنجائش نہیں اور نہ کسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس میں اب کسی قسم کی کوئی تبدیلی کرے۔ آپ نے کہا کہ یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک ایسے ادارے کا سربراہ، جو اسلام کے نام پر قائم کیا گیا تھا ایسے فتوے شائع کر رہا ہے، جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دین میں ایسی چیزیں داخل کرنا چاہتا ہے جو دین کے بالکل منافی ہیں۔

آپ نے کہا کہ قرآن کریم میں رب العزت کا واضح ارشاد ہے "تم اس جانور کا گوشت مت کھاؤ جسے اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کیا گیا" اور ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں، کہ اس کا کھانا جائز ہے، قرآن ایک چیز کو جائز کہے اور ڈاکٹر صاحب اس چیز کو اسلام کا نام لے کر جائز بتلا دیں یہ روش قابل مذمت ہے۔

ایڈیٹر "الاعتصام" نے فرمایا، تعجب خیز بات یہ ہے کہ اپنی مطلب برآری کے لئے یہ لوگ حدیث پاک کا نام لینے سے بھی نہیں چوکتے، حالانکہ عمومی حالات میں حدیث کے انکار میں یہی لوگ پیش پیش ہوتے ہیں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا مسلک اس بارے میں بالکل واضح ہے۔ لیکن اب انہوں نے اپنے فتوے تائید میں ایک حدیث کا سہارا لیا ہے۔ حالانکہ حدیث کا جو مفہوم انہوں نے لیا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے، اپنے بیان میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث پیش کی ہے کہ لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بعض اوقات انہیں ایسا گوشت دیا جاتا ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس پر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا بھی گیا تھا کہ نہیں، تو آں حضرت نے فرمایا کہ تم خدا کا نام لے لو اور کھا لو، آپ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ تاثر دینا کہ اس میں عدم تسمیہ کی دلیل ہے نادرست ہے کیونکہ اس حدیث میں ہے، کہ وہ ذبیحہ مسلمانوں کا ہوتا تھا، اور ظاہر ہے کہ مسلمان ذبح کرتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" ضرور پڑھتا ہے اور اس کا ذبیحہ اس پر محمول ہوگا شک کی مشروعیت نہیں، اس لئے آں حضرت نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر کھا لیا کرو، تحقیق کی ضرورت نہیں، کیونکہ ذبیحہ مسلمان کا ہے اور آج بھی یہی حال ہے کہ مسلمان بازار سے گوشت خریدتے [illegible] بات کی تردید نہیں کرتے کہ اس پر "بسم اللہ" پڑھی گئی ہے یا نہیں،

مشینی ذبیحہ

مفتی محمد شفیع صاحب کراچی

کراچی (ج ک) ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے تازہ ترین بیان کا جواب دیتے ہوئے مولانا مفتی محمد شفیع نے آج یہاں واضح طور پر کہا کہ ذبیحہ کے بارے میں میرے اور مفتی محمود کے فتوے میں کوئی اختلاف نہیں انہوں نے کہا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن اختلاف کا ذکر کر کے یہ تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ذبیحہ کے مسائل میں علماء میں کچھ اختلاف ہے جبکہ ہمارے فتوے انکے سامنے ہیں اور وہ خوب جانتے ہیں کہ وہ ہماری ایک فنی بحث ہے جو اسلامی مسائل میں علماء کی بے لاگ تحقیق و تنقید کی مثال ہے مشینی طریقہ ذبح کے ناجائز ہونے اور بغیر بسم اللہ کے ذبح حرام ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں مفتی محمد شفیع نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ ملک کے علماء میں موجودہ زمانہ کی ضروریات و مشکلات کا پورا احساس ہے اور مشینی دور کے پیدا کردہ نئے مسائل میں باہمی بحث و تمحیص اور شرعی حدود کے اندر گنجائشوں کے تلاش کا سلسلہ جاری رہتا ہے فنی اور فقہی بحثیں درمیان میں آتی ہیں اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ سب علماء کی رائیں سامنے آجائے اور بہ اتفاق آراء کوئی فیصلہ مسلمانوں کے سامنے دکھا جائے اس کام کے لئے کراچی میں اہل فتوے علماء کی جماعت کام کر رہی ہے مفتی محمد شفیع نے ڈاکٹر فضل الرحمان کے بیان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ خود اپنے تازہ بیان میں اس امر کا اعتراف کر چکے ہیں کہ ذبح کرنے یا کروانے کے لئے مسلمان یا پاکستانی ہونا شرط ہے جبکہ اس سے پہلے بیان میں انکے لفظ یہ تھے ہر شخص کے ہاتھ کا ذبح خصوصاً اہل کتاب کا جائز ہے مگر اسکے ساتھ ہی بعض ضعیف روایات اور باتفاق امت مرجوح اقوال کا سہارا لے کر اس پر اب بھی اصرار کیا ہے بسم اللہ کے بغیر ذبح حلال ہو جاتا ہے مفتی صاحب نے کہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب خود ذرا غور کریں کہ کتابی مسلمان کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ لوگ بسم اللہ کے بغیر ذبح کو حرام سمجھتے ہیں ورنہ چھری پھیرنے میں مسلمان اور کافر میں کیا فرق انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں کہا ہے کہ خاتم الانبیاء صلعم ہمیں کسی اندھیرے میں چھوڑ کر تشریف نہیں لے گئے اور اگر وہ زمانے کے پیدا کردہ نئے مسائل کا شرعی حل تلاش کرنا چاہتے ہیں تو اصولی طور پر وہ اس بات کو سامنے رکھیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتا گئے ہیں واضح ہدایت یہ ہے کہ اہل فتوی اور اہل تقوی علماء کے مشورے سے ایسے مسائل کا حل تلاش کیا جائے جو کتاب و سنت میں مذکور نہیں انہوں نے کہا کہ شخص اور انفرادی رائے کا مسلمانوں پر مسلط کرنا حرام اور تاریخ شاہد ہے کہ شرعی مسائل وہی حل امت میں قابل قبول ہوتا ہے جو اہل فتوی اور اہل تقوی علماء کی رائے سے حاصل ہوا ہو اسکے خلاف کوئی فیصلہ نہ کسی جباروی سے امت قبول کر سکتی ہے نہ کسی حکومت اور طاقت سے ان پر مسلط کیا جا سکتا ہے اکبر کے دین الٰہی اتاترک کے جاری کردہ قوانین سے عبرت حاصل کریں یہود و نصاریٰ کی تحقیقات و روایات سے زیادہ اہل تقوی علماء کی تحقیقات پر اعتبار کریں جو پورے ملک کے علماء ان کا ہاتھ بٹائیں گے اور وہی آپ کے ادارہ کی صحیح خدمت اور نیک نامی کا ذریعہ ہوگا۔

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدیؒ

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصلوٰۃ

حصہ دوم

ترتیب : ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر
المکتبۃ الرحمانیۃ

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ دوم

۱	فتاویٰ نذیریہ	۱۱	الاعتصام لاہور
۲	فتاویٰ ثنائیہ	۱۲	اہلحدیث سوہدرہ
۳	فتاویٰ غزنویہ	۱۳	اخبار توحید لاہور
۴	فتاویٰ عزیزیہ	۱۴	اہلحدیث دہلی
۵	فتاویٰ نواب صدیق حسن خان	۱۵	اہلحدیث گزٹ دہلی
۶	فتاویٰ ستاریہ	۱۶	نزہۃ الخواطر
۷	فتاویٰ عمرپوری	۱۷	بہار شریعت
۸	فتاویٰ مفید الاحناف	۱۸	اہلحدیث لاہور
۹	اخبار محمدی	۱۹	ہدایۃ السائل الیٰ ادلۃ المسائل
۱۰	تنظیم اہلحدیث لاہور	۲۰	دلیل الطالب علی ارجح المطالب

۲۱ برہان العجاب

نام کتاب ——— فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ دوم

نام مرتب ——— علی محمد سعیدی خانیوال

کتابت ——— قاسمی خوشنویس خانیوال کالونی ۲/۱

طباعت ——— الارشاد پریس اُردو بازار لاہور

تاریخ اشاعت ——— ماہ صفر ۱۳۹۴ھ مطابق مارچ ۱۹۷۴ء

قیمت ——— -/15 روپے

تعداد ——— ایک ہزار (۱۰۰۰)

ناشر ——— مکتبہ سعیدیہ خانیوال۔

ملنے کا پتہ ——— مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)

مفتیانِ فتاوے

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ
۲۔ مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ
۳۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنویؒ
۴۔ حضرت والاجاہ نواب صدیق حسن خانؒ بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ
۵۔ مولانا عبدالجبار غزنوی عرف امام صاحبؒ متوفی ۱۹۱۳ء
۶۔ مولانا ابو محمد عبدالوہابؒ پنجابی نزیل دہلی
۷۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناءاللہ امرتسریؒ متوفی ۱۹۴۸ء
۸۔ مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانویؒ شارح ابوداؤد متوفی ۱۳۲۹ھ
۹۔ خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین دہلویؒ
۱۰۔ السید عبدالسلام دہلویؒ متوفی ۱۳۳۵ھ
۱۱۔ مولانا ابوسعید محمد شرف الدین محدثؒ دہلوی متوفی ۱۹۶۱ء
۱۲۔ مولانا ابویحییٰ محمد شاہ جہانپوریؒ متوفی ۱۳۳۸ھ
۱۳۔ حضرت مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ کراچی متوفی ۱۴۱۸ھ
۱۴۔ حضرت مولانا عبدالکریم پنجابیؒ
۱۵۔ محمد مسعود نقشبندی دہلویؒ
۱۶۔ حضرت مولانا عبدالحق ملتانیؒ
۱۷۔ ابوالمجد عبدالصمد بہاریؒ
۱۸۔ ابوظفر محمد عمر ارلیسویؒ
۱۹۔ سید شریف حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۰۴ھ
۲۰۔ محمد اسد علیؒ

۲۱۔ عمّنا اللہ لیس حفیظ اللہ دہلویؒ متوفی ۱۳۰۹ھ
۲۲۔ محمد عبیداللہؒ متوفی ۱۳۵۶ھ
۲۳۔ میر محمد پشاوریؒ
۲۴۔ مولانا عبدالرؤف البہاریؒ
۲۵۔ مولانا محمد یٰسین رحیم آبادیؒ
۲۶۔ مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ متوفی ۱۳۷۹ھ
۲۷۔ حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑیؒ متوفی ۱۳۸۴ھ
۲۸۔ مولانا عبدالسلام بستویؒ متوفی ۱۳۹۴ھ
۲۹۔ مولانا محمد علی فیروزپوریؒ
۳۰۔ مولانا سید عبدالحفیظ دہلویؒ متوفی ۱۳۴۹ھ
۳۱۔ مولانا عبدالرؤف مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۵۳ھ
۳۲۔ مولانا ابومحمد عبدالستار المعروف امام صاحبؒ
۳۳۔ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ
۳۴۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ
۳۵۔ مولانا عبدالحق صاحبؒ
۳۶۔ مولانا عبدالقادر صاحبؒ
۳۷۔ مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی متوفیؒ ۱۳۱۱ھ
۳۸۔ مولانا محمد بن عبداللہ مدراسیؒ
۳۹۔ ابوالبرکات محمد عبدالحی تعلق عرف صدرالدین احمد حیدرآبادیؒ
۴۰۔ مولوی محمد جانباز خان محمدی حیدرآبادیؒ

(۴۱) شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی

(۴۲) مولانا محمد طاہر سلہٹی رح

(۴۳) مولانا عبداللطیف رح

(۴۴) مولانا منصور الرحمٰن رح

(۴۵) مولانا نجیب اللہ خاں رح

(۴۶) مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اوکاڑہ رح

(۴۷) مولانا عبدالجبار عمرپوری متوفی ۱۳۳۴ھ

(۴۸) شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ رح

(۴۹) مولانا محمد صاحب جوناگڈھی رح

(۵۰) سید محمد داؤد غزنوی رح متوفی ۱۹۶۳ء

(۶۱) مولانا عین الدین رح

(۶۳) محمد عبدالرب رح

(۶۵) سید ابوالحسن علی بن سید عبدالحی ناظم ندوۃ العلماء
متوفی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء

(۵۱) مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی لاہور

(۵۲) مولانا حافظ محمد اسحاق لاہور شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ

(۵۳) مولانا حافظ محمد گوندلوی

(۵۴) مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری

(۵۵) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور

(۵۶) مولانا عزیز زبیدی وار برٹن شیخوپورہ

(۵۷) مولانا عبدالغفور رمضان پوری بہاری رح

(۵۸) مولانا ابوحفص عثمانی ڈیرہ غازیخان سلمہٗ

(۵۹) مولانا عبدالقہار دارالسلام کراچی

(۶۰) مولانا عبدالجلیل سامرودی رح

(۶۲) مولانا ابوعبداللہ محمد ادریس رح

(۶۴) سید احمد حسین رح

(۶۶) مولانا محمد یعقوب صاحب رح

(۶۷) مولانا خرم علی بلہوری لکھنؤ متوفی ۱۲۶۰ھ

۶۸ مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی رح متوفی ۱۳۲۶ھ

فہرست

تکملہ

پیش لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ سوائے قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب و سنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اسی اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب و سنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علماء حدیث کے فتاوی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاوی اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ صلحائے امت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال و فتاوے کو کتاب و سنت پر پیش کرو، اگر خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نا اہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نا اہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل و کرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے سے

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ✽ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاوی میں خطا معلوم ہو تو بجائے طعن و تشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے، افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطاء ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطیوں کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ۵)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر یقین ہے ؎

اصل دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن ۔۔۔ پس حدیث مصطفےٰ بر جاں مسلّم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

علی محمد سعیدی

جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتاویٰ علمائے حدیث

جرائد اہلحدیث کی نظر میں

ترجمان اہلحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاویٰ کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے ابھارا اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور [illegible] کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے ان فتاوے کو جمع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ [illegible]

اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوے نذیریہ تھا۔ جو شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ [illegible] یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاویٰ ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری [illegible] کے فتاوے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاویٰ [illegible] اور یہ گراں قدر گہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص [illegible] مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل [illegible] سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوے مثلاً فتاوی نذیریہ، فتاوے غزنویہ، فتاوے ثنائیہ، فتاوے ستاریہ سے، تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، الاعتصام [illegible]

اہلحدیث گجرنوالہ، اخبار محمدی اٹک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسلک کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ پیش و افتادہ
مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت و کتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور
سفید کاغذ پر حسین و جمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔

جیم تمیم

قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے اس سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاہور ہندوپاک میں علماء اہلحدیث کی گرانقدر علمی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی
تک کسی بالغ نظر اور دیدہ ور مؤرخ کی نگاہ والتفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی
علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن و حدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔
اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقہی حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علماء نے ان
کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی
دکھائی، نتیجتاً اس طرح بہت سی علمی و قیمتی تحریرات و دستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف
کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن و قلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین
محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی
قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا تکاد ان تحصی ولو
انہا جمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں
حد شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتیں (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۵۰۰ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)
حضرت میاں صاحب کے فتوؤں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث
کا بھی کا و بیش یہی حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل
تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث
کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ
سعیدیہ خانیوال نے مرتب کیے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی [illegible] مولانا [illegible] صاحب گوندلوی، امام [illegible] مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی [illegible] مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور دیگر علمائے کرام و مشاہیر کے فتاویٰ شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آ جائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں، اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اہلحدیث لاہور۔ ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق [illegible] اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشۂ نشینی میں رہ کر بھی کتاب و سنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں مال سے تعاون کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" [illegible] کہ "برصغیر پاک و ہند میں علماء اہلحدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں [illegible] کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ [illegible] جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے، اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے [illegible] اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت سے دلائل پیش کیے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں پانی [illegible] قضائے الحاجت، مسواک، حیض و نفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے۔ فاضل مرتب [illegible]

ـــــ بحمد اللہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم طبع ہو کر اہل فکر و نظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ ستاریہ، فتاویٰ علمائے حدیث، فتاویٰ عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاویٰ تنظیم اہلحدیث، فتاویٰ الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان کے اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گزارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں، نیز ہر اہلحدیث کے لیے ایسی کتابوں کا ہونا از حد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب

شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

الحمد للہ وحدہ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد! "فتاویٰ علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گزرا۔ بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا جو ایک طرف عوام کے لیے نور بصیرت ثابت ہوگا تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین

مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ کلمہ نکلتا ہے جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

فقط والسلام

سلطان محمود بقلم خود

الجامعۃ السلفیہ لائلپور

۲۸ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۷۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الصلوٰۃ

حصہ دوم

باب الجماعت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز با جماعت میں الزاق الکعبین ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونا اہلحدیث کا مسلک ہے، لیکن کسی مرفوع روایت سے الزاق الکعبین کا ثبوت صریح نہیں ہے۔ صرف بخاری شریف و ابوداؤد میں نعمان بن بشیر صحابی ؓ سے اتنا آیا ہے یا رأیت الرجل منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ سو یہ کسی ایک صحابی کا فعل ہے کوئی قول یا فعل مرفوع حدیث نہیں ہے، پھر اس میں یہ بھی نہیں آیا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ایسا ہوتا ہے اور آپ ؐ نے اس کو دیکھ کر سکوت فرمایا جس سے یہ حدیث تقریری ہو جائے نیز الرجل منا پر الف لام عہد خارجی ہے جس سے عمومیت اس فعل کی نہیں سمجھی گئی۔ فقط

بعض صحابی کا صف بندی کرتے ہوئے یہاں تک اہتمام تھا۔" وفی روایۃ احدنا "

وہاں بھی اضافت سے تعیین ہی مراد ہے۔ نیز الزاق الکعبین پر جیسا دہلی وغیرہ میں عمل ہوتا ہے، کہ پاؤں پر پاؤں چڑھا دیتے ہیں اور ٹخنے کو ٹخنے سے رگڑا جاتا ہے اور پاؤں کو قبلہ رخ سے ٹیڑھا کر دیا جاتا ہے۔ اس ہیئت کذائیہ کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ہے۔ دوسرے الزاق کعبین میں بار بار رکوع و قیام میں حرکت کی جاتی ہے۔ جو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی ہے۔ تیسرے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ الزاق کعبین صرف بوقت قیام ہی ہوتا تھا، یا بوقت رکوع و سجود بھی ہوتا تھا۔

میرے خیال میں حدیث کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ اہلحدیث نے سمجھا ہے۔ بلکہ شارع علیہ السلام کا مقصود صرف التصاق فی الصف ہے۔ وہ قدم سے قدم ملانے سے ہو سکتا ہے۔ جو حدیث میں یلزق کعبہ بکعب صاحبہ اس سے مراد فقط محاذات اور قرب فی الصف ہے اس طور سے کہ "فرجہ ما بین الصف" نہ ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا مقصود صرف وصل صف و سد فرجہ کما قال سدوا الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان الحدیث اسی لیے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس اثر نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ پر جو تبویب باندھی ہے وہ یہ ہے الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم (بخاری ص۔۔۔) بخاری رح نے یلزق کعبہ بکعب صاحبہ سے الزاق کعبین جو ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے تبویب میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں فقہ البخاری فی تراجمہ۔ صرف الزاق القدم بالقدم ہی سے سمجھا۔ لیکن آپ اس مسئلہ پر بخوبی روشنی ڈالیں۔

الجواب:

شرح نخبہ میں جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کنا نعزل والقرآن ینزل ہم عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا، کو مرفوع تقریری حکماً میں شمار کیا ہے۔ یعنی صحابی اگر کہے کہ ہم ۔۔۔ کے زمانے میں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا عہد نبوی میں فلاں کام کرتے تھے یا اس قسم کی کوئی اور عبارت ہو جس کا مطلب یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل یہ کام ہوتا تھا۔ تو یہ بھی مرفوع ۔۔۔ کی قسم سے ہے۔ سو اس بنا پر نعمان بن بشیر کی روایت مرفوع ہوئی۔ پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ الزاق الکعبین (ٹخنوں سے ٹخنے ملا کر کھڑے ہونے کا مسئلہ) مرفوع حدیث نہیں۔

اس کے علاوہ نعمان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں پہلے یہ الفاظ ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا صفیں ٹھیک کرو، ورنہ خدا تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دیگا۔

اس کے بعد نعمان کہتے ہیں فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبۃ صاحبہ و کعبہ بکعبہ (ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف) پس میں نے دیکھا ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے اور گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنہ سے ٹخنہ۔

اس عبارت میں فرأیت کے لفظ میں فاء بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل انہوں نے اس طرح سے کی کہ ایک دوسرے سے کندھے، گھٹنے اور ٹخنے ملا کر کھڑے ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ان کی طرف متوجہ تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل کی صورت اختیار کی ہے۔ تو یہ حدیث گویا بھی مرفوع ہو گئی اور انسؓ کی حدیث میں ہے جو بخاری کے اسی باب میں ہے۔

اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظہری وکان احدنا یلزق منکبہ بمنکبہ وقدمہ بقدمہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک کرو، کیونکہ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم سب ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتے اور قدم سے قدم ملاتے۔

اس حدیث میں پیچھے سے بھی دیکھنے کا ذکر ہے پس آپ کا اس کو مرفوع شمار نہ کرنا ذہول نفسی ہے۔ اور نعمان بن بشیر کی حدیث میں الرجل کے الف لام کو عہد خارجی بنانا اور انسؓ کی حدیث میں احدنا سے ایک معین فرد مراد لینا یہ بھی آپ کی ذہول نفسی ہے۔ کیونکہ الف لام عہد خارجی تب ہوتا ہے جب نعمان بن بشیرؓ کا مقصود خبر ایک شخص کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا جو متکلم مخاطب کے درمیان متعین ہوتا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ایک بات کو دستور کے رنگ میں بیان کر رہے ہیں۔ کہ ہم جماعت میں اس طرح مل کر کھڑے ہوتے کہ ایک دوسرے سے ٹخنے ملاتے۔ یہاں تک معین شخص سے کچھ مطلب ہی نہیں۔

اسی طرح انسؓ کی حدیث میں احدنا ... ایسا ہی ہے جیسے فاتحہ خلف الامام کی حدیث میں ہے فلیقرأ احدکم فاتحۃ الکتاب فی نفسہ" چاہیے کہ ایک تمہارا آہستہ فاتحہ پڑھے۔ اور بعض جگہ کتے کے منہ ڈالنے کی صورت میں ہے طہور اناء احدکم یعنی برتن ایک تمہارے کی" وغیرہ۔ رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی کہ قدم مراد ہے کیونکہ جب تک پاؤں ٹیڑھا نہ کیا جائے ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں مل سکتا۔ تو گویا دونوں پاؤں ٹیڑھے کرکے کھڑا ہونا پڑے گا جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے دوم انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہتیں۔ سوم اس لئے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خشوع کے منافی ہے چہارم

اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لیے ٹخنہ سے ٹخنہ مراد نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قدم مراد ہے۔

اور انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میں ٹخنہ کی جگہ قدم مراد ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ مراد قدم ہی ہے۔ اسی لیے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب بھی قدم ہی کا باندھا ہے۔ اور بعض لوگ قدم زیادہ چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں جس سے کندے نہیں ملتے۔ وہ غلطی کرتے ہیں کیوں کہ اس حدیث میں جیسے قدم ملانے کا ذکر ہے کندے ملانے کا بھی ذکر ہے پس قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ کندھوں میں ہے تاکہ دونوں مل جائیں

(حضرت العلام مولانا) عبداللہ روپڑی تنظیم اہلحدیث

سوال: کسی مسجد میں عورتیں اندر کرہ میں نماز پڑھتی ہیں، فرش سے دائیں طرف آگے ہو اور امام باہر فرش پر نماز پڑھائے۔ کیا اس صورت میں عورتوں کی نماز ہو جائے گی؟

الجواب بعون الوہاب:

عورتوں کو مردوں کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیے چنانچہ مسلم میں حدیث ہے کہ انس بن مالک کے گھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھی تو انس اور ایک یتیم لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے اور انس کی والدہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ مصنف عبدالرزاق اور طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے أَخِّرُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللهُ عورتوں کو پیچھے کرو جیسے ان کو اللہ تعالےٰ نے پیچھے کیا۔ مذکورہ بالا ودیگر روایت سے ظاہر ہے کہ نماز میں عورتوں کو مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ البتہ اگر مجبوری ہو تو دائیں بائیں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال میں روایت ہے کہ حارث بن معاویہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تین مسئلے دریافت کرنے کے لیے آئے ان میں سے ایک یہ مسئلہ تھا کہ اکثر میں اور میری بیوی ایک مختصر مکان میں ہوتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے اگر میں اور وہ دونوں مکان کے اندر نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہو جاتی ہے۔ اگر میرے پیچھے نماز پڑھے تو مکان سے باہر ہو جاتی ہے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا درمیان میں کپڑے سے پردہ کرلے۔ پھر وہ تیرے برابر کھڑی ہو کر نماز پڑھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں اس روایت سے ظاہر ہے کہ مجبوری کی وجہ سے عورت پیچھے کی بجائے امام کے دائیں بائیں بھی نماز پڑھ سکتی ہے۔ بشرطیکہ درمیان میں پردہ ہو۔

حافظ عبدالقادر روپڑی (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۱۷)

سوال ۱۱: جمعہ، عیدین اور تراویح پڑھنے کی صورت میں مستورات کی جگہ امام کے دائیں طرف ہو یا بائیں۔ اور اگر بائیں طرف نہ ہو سکے تو دائیں طرف مستورات کے لیے جگہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں ہے آخِّرُوْهُنَّ حَيْثُ أَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو جہاں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا ہے۔ اور لیکن مجبوری ہو تو دائیں بائیں بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال میں ذکر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا خیمہ چھوٹا ہے۔ اگر عورت کو پیچھے کھڑی کروں تو وہ خیمہ کے باہر ہو جائے گی (سردی گرمی کی تکلیف ہوتی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا درمیان میں پردہ کر کے ایک طرف کھڑی کر لیا کر۔ از حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی رحمہ اللہ "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۱ ش"

سوال: میاں بیوی مل کر باجماعت نماز فریضہ یا نوافل ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کس ترکیب سے؟ یعنی بیوی ساتھ کھڑی ہو یا پیچھے؟ جواب مدلل اور مفصل بحوالہ احادیث نبویہ تحریر فرمائیں؟

(محمد بن مولوی محمد حسین حیدرآبادی)

جواب: حدیث اول: عن انس رضی اللہ عنہ قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وام سلیم خلفنا رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب الرکعت فصل ثانی) ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اور ایک یتیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور ام سلیم (میری والدہ) ہمارے پیچھے اکیلی تھی۔ حدیث دوم: وعنه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی به وبامه اوخالته قال فاقامنی عن یمینه واقام المراة خلفنا (رواہ مسلم) یعنی انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اور اس کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی پس مجھ کو دائیں طرف کھڑا کیا اور میری والدہ یا خالہ کو پیچھے کھڑا کیا۔

حدیث سوم: عن الحارث بن معاویة الکندی انه رکب الی عمر بن الخطاب یسأله عن ثلاث خلال فقدم المدینة فقال له عمر ما اقدمك قال رجا لا سألك عن ثلاث ... والمراة فی بیتها بنی فیضیق المصلی فان صلیت انا وهی کانت بحذائی وان صلت خلفی خرجت من البناء فقال عمر تستر بینك وبینها بثوب ثم تصلی بحذائك ان شئت وان الرکعتین بعد العصر فقال نهانی عنهما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ ص۳۴ جلد ۲

قال وعن القصص فقال ارادوني على القصص فقال ما شئت كانه كره ان يمنعه، قال انما اردت ان انتهى الى قولك قال اخشى عليك ان تقص فترتفع عليهم فى نفسك ثم تقص فترتفع حتى يخيل اليك انك فوقهم بمنزلة الثريا فيضعك الله تحت اقدامهم يوم القيمة بقدر ذالك رحم رف؛ منتخب کنز العمال جلد ۳ ص۲۰ ترجمہ حارث بن معاویہ کندیؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس تین باتوں کے متعلق سوال کرنے کے لیے مدینہ شریف میں آئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کس طرح تشریف لائے؟ کہا: تین باتوں کے متعلق سوال کرنے کے لیے، فرمایا، وہ کیا ہیں؟ کہا: میں اور میری بیوی تنگ خیمہ میں ہوتے ہیں، پس نماز کا وقت ہو جاتا ہے اگر میں اور میری بیوی ایک ساتھ نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہو جاتی ہے اگر پیچھے کھڑی ہو تو باہر نکل جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اپنے اور اس کے درمیان کپڑے کا پردہ کر دے پھر وہ تیرے برابر نماز پڑھے۔ اور عصر کے بعد دو رکعتوں سے سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ اور وعظ سے سوال کیا کہ میری قوم سے وعظ کی خواہش کرتی ہے۔ فرمایا: جو کچھ تیری مرضی۔ گویا کہ حضرت عمرؓ نے اس کو روکنے سے اچھا نہ سمجھا اور وعظ کو پسند بھی نہ کیا۔ حارثؓ نے کہا، میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کے قول کے مطابق عمل کروں۔ فرمایا: میں ڈرتا ہوں کہ تو وعظ کرے اور تیرے دل میں بڑائی کا خیال آجائے پھر وعظ کرے اور پھر خیال آجائے یہاں تک کہ تو اپنے خیال ہی میں ستارہ ثریا کی بلندیاں تک پہنچ جائے پھر آسمان کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے قدموں کے نیچے کر دے۔

ان تینوں حدیثوں سے مسئلہ واضح ہو گیا کہ عورت کو جماعت میں ساتھ کھڑا نہ کرنا چاہیے خواہ ماں ہو یا خالہ، بہن یا بیوی، بلکہ وہ اکیلی پیچھے کھڑی ہو، نماز خواہ فرض ہو یا نفل۔ خواہ لڑکا نابالغ ہی ہو، اس کے برابر بھی کھڑی نہیں ہو سکتی چنانچہ پہلی حدیث اس کی وضاحت ہے۔ ہاں ضرورت کے وقت برابر کھڑی ہو سکتی ہے جیسا کہ تیسری حدیث سے معلوم ہوا۔ حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ۸ ش ۵۲"

جماعت ثانیہ

سوال، جماعت ہو جانے کے بعد اگر دو چار آدمی آجائیں تو وہ اپنی علیحدہ جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں مختلف اظہار رائے کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ اسی مسجد میں دوسری جماعت جائز نہیں کوئی کہتا ہے کہ جماعت میں سے الگ کر کوئی آدمی جماعت کرائے۔ جماعت کرانے والوں کا کوئی حق نہیں، کوئی کہتا ہے کہ

کرا سکتے ہیں مگر امام کی جگہ پر نہیں، کوئی کہتا ہے کہ اگر امام بعد میں آئے تو کرا سکتا ہے، دوسرا نہیں، وغیرہ وغیرہ جس طرح جائز ہو حکم فرمائیں۔ (سید احمد شاہ بخاری)

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم منتقی میں ہے:۔ عن ابی سعیدؓ ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال من یتصدق علی ذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم رواہ احمد وابوداؤد والترمذی بمعناہ (منتقی باب من صلی فی المسجد جماعۃ بعد امام الحی)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون اس پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے پس ایک شخص قوم سے کھڑا ہوا۔

مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث ہے اس کے اخیر میں ہے فقام رجل فصلی معہ (مشکوٰۃ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق) یعنی ایک شخص کھڑا ہوا پس اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں نماز ہو چکی ہو اسی میں دوسری نماز بھی درست ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو نماز پڑھ چکے ان میں سے کوئی کرا لے آنے والوں سے نہ کرائے یہ حدیث سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے، لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ باب من صلی صلوٰۃ مرتین۔

اس حدیث میں دوبارہ نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے مگر باجماعت کے دوسرے کو جماعت کا ثواب دلانے کی خاطر دوبارہ نماز جائز ہوگی تو باہر سے آنے والا جس نے نماز ابھی نہیں پڑھی اس کو بطریق اولیٰ جائز ہوگی اور جگہ بدلنے کی شرط کرنا یہ بے ثبوت بات ہے۔ مسجد سب یکساں ہے جہاں چاہے جماعت کرائے خواہ پہلی جگہ جہاں جماعت ہو چکی ہو یا دوسری جگہ۔ اسی طرح یہ شرط کرنا کہ امام بعد میں آئے تو کرا سکتا ہے۔ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ اوپر کی حدیث میں اس کی تردید ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل امام تھے، مسجد میں نہیں آئے بلکہ ایک اور امام آیا ہے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ آنے والا شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ (ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۳۲) فقط

(عبداللہ امرتسری روپڑی) (تنظیم اہلحدیث لاہور جلد ۱۵ ش ۱۴)

سوال : میری دکان سے سو گز کے فاصلے پر دو جامع مسجدیں ہیں۔ میری دکان ڈاکٹری کی ہے میں نے اپنی دکان میں ہی دو نمازوں کا انتظام کر لیا ہے ، ایک حافظ قرآن مقرر کر رکھا ہے جو مجھے اور میرے تمام عملے کو نماز ظہر اور عصر با جماعت پڑھاتے ہیں۔ دکان اتنی بڑی ہے کہ بیس آدمی با جماعت نماز پڑھ سکتے ہیں کیا ہماری نماز ہو جائے گی ؟ کیا ہم اپنی ہی دکان پر نماز با جماعت پڑھ سکتے ہیں ؟ مسئلہ بحوالہ شرع متین ہو۔ آپ "توحید" میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

جواب : مسجد کو چھوڑ کر گھر یا دکان میں نماز پڑھنے کا معمول بنا لینا اگرچہ جماعت کے ساتھ ہی ہو ، خلاف سنت ہے۔ احادیث میں اس کے متعلق بڑی وعید آئی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے میں چاہتا ہوں کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔"

ایسے ہی ایک نابینا نے آپ سے گھر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے پوچھا "تمہیں اذان سنائی دیتی ہے" ؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا : پھر مسجد میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔" ہاں آندھی ، بارش ، بیماری یا دشمن سے خوف کے وقت گھر یا دکان میں فرداً یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو شرعاً اجازت ہے۔ تمام عملے کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا یا دکان میں بیس تیس آدمیوں کے مل کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہونا مسجد میں نماز ترک کرنے کا شرعی عذر نہیں۔ خصوصاً جب کہ ایک چھوڑ دو جامع مسجدیں نزدیک ہی ہیں۔

اس بارہ میں آنحضرتؐ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فتوٰی ملاحظہ فرمایئے ، لکھتے ہیں :

من سرہ ان یلقی اللہ غدا مسلماً فلیحافظ علی ھؤلاء الصلوات حیث ینادی بھن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الھدی وانھن من سنن الھدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم وما من رجل یتطھر فیحسن الطھور ثم یعمد الی مسجد من ھذہ المساجد الا کتب اللہ لہ بکل خطوۃ یخطوھا حسنۃ ویرفعہ بھا درجۃ ویحط عنہ بھا سیئۃ ولقد رایتنا وما یتخلف عنھا الا منافق معلوم النفاق ولقد کان الرجل یؤتی بہ یھادی بین الرجلین حتی یقام

فی الصف۔ (صحیح مسلم ص۲۳۲ جلد ۱)

جو شخص یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل مسلمان ہونے کی حیثیت سے ملاقات کرے تو اس کو بلاناغہ مسجدوں میں جہاں اذان ہوتی ہے، نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے جاری کیے ہیں اور مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ہدایت کا طریقہ ہے اگر اس جماعت کو چھوڑ کر گھر نماز پڑھنے والے (غالباً منافق) کی طرح تم بھی گھروں (یا دکانوں) میں نماز پڑھنا شروع کر دو گے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے یاد رکھو! مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بڑی خیر و برکت کا باعث ہے۔ جو شخص گھر سے اچھی طرح وضو کر کے آس پاس کی کسی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اس کیلئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور ایک گناہ معاف فرما دیتا ہے میں نے اپنے رفقاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ان کا معمول تھا۔ سوائے منافق کے کوئی آدمی جماعت سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔ حتیٰ کہ بیمار بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آتا اور اسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔"

ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں ہے:۔

وَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَلَهُ مَسْجِدٌ فِي بَيْتِهِ وَلَوْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَتَرَكْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَكَفَرْتُمْ (باب التشدید فی ترک الجماعۃ)

تم میں سے ہر فرد نے اپنے گھر میں مسجد بنا رکھی ہے اگر اسی طرح تم گھروں میں نماز پڑھنے لگے اور مسجدوں میں آنا چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے اور اگر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی تو کافر ہو جاؤ گے۔

اس فتوے سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا کتنا اہتمام فرماتے تھے اور بلا عذر گھر نماز پڑھنے والے کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے،

عذر کی وجہ سے تخفیف اگر واقعی عذر معقول ہو تو شریعت اسلام نے مراعات دینے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا اور بے جا سختی پر کبھی اصرار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عام ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (قرآن) اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی طاقت سے باہر تکلیف نہیں دیتا۔

چنانچہ یہاں جماعت کے سلسلے میں بھی تخفیف سے کام لیا گیا ہے اور صاحب عذر کے لیے

سہولت کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔

ایک بدری صحابی حضرت عتبان بن مالک جو مسجد میں نماز باجماعت کے پابند ہی نہ تھے، بلکہ اپنی قوم کے امام بھی تھے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا! یا رسول اللہ! میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں میری نظر کمزور ہو گئی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان واقع ہونے والی وادی بہنے لگتی ہے۔ اس وقت میرے لیے مسجد میں آنا جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یا حضرتؐ! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرے گھر کے ایک کونے میں نماز پڑھیں۔ میں اس کو نماز کے لیے مخصوص کر لوں گا۔ اور ہنگامی حالات میں وہاں نماز ادا کر لیا کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ بہتر! میں کسی روز ان شاء اللہ تمہارے گھر آؤں گا۔ حضرت عتبانؓ کا بیان ہے کہ ایک دن سورج نکل کر کچھ اونچا ہی آیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب وعدہ تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آتے ہی آپ نے اجازت طلب کی، میں نے اجازت دی، بجائے اس کے کہ آپ ذرا آرام فرماتے، مکان کے اندر داخل ہو کر پوچھا "کہاں نماز پڑھوں"؟ میں نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، آپ نے وہاں قبلہ رو ہو کر تکبیر کہی، ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھ لی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد صحن میں تشریف لائے، کھانا تناول فرمایا اور دیر تک گفتگو کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ (صحیح مسلم ص۲۴۴)

صورتِ مسئولہ میں بھی مسنون طریقہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا ہے کسی عذر شرعی کے وقت گھر میں یا دکان میں جماعت کے ساتھ یا فرداً فرداً نماز پڑھ لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(مولانا حافظ) محمد اسحاق مدرس دار العلوم تقویۃ الاسلام۔ لاہور ہفت روزہ توحید لاہور ج ۷ ش ۱

سوال: اگر ایک مکان میں کئی عورتیں ہوں، تو نماز فرض کے لیے کیا آپس میں مکان کے اندر جماعت کرا سکتی ہیں؟

جواب: مکان کے اندر عورتیں آپس میں مل کر ایک عورت کو امام بنا کر نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں، اس صورت میں ان کو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت ام سلمہؓ آپ کے مکان میں کل ازواج مطہرات کو ہمراہ لے کر امامت کرتی تھیں۔ تلخیص الحبیر

مولانا محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۵ ش ۳)

سوال، جو شخص اذان کی آواز سنے اور بغیر عذر شرعی کے جماعت میں نماز کے لیے حاضر نہ ہو تو اس کی نماز بعد میں اکیلے پڑھنے سے نہیں ہوتی۔ ایک فریق کا یہ بیان ہے اور دوسرا فریق کہتا کہ اگر دکانداری یا نوکری وغیرہ کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہو تو بعد میں اکیلے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن جماعت کی فضیلت اور خوبی سے محروم ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ دونوں میں سے حق بجانب کون ہے ؟

جواب : اقول باللہ التوفیق : نماز با جماعت کے لیے احادیث میں جس قدر تاکید ہے اس کی بنا پر صحابہ کرام اور علمائے سلف نے نماز با جماعت کو واجب بلکہ فرض لکھا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے سائل کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ جماعت چھوٹ جانے سے صرف اتنا ہی نہیں کہ ایک خوبی اور سنت سے نمازی محروم ہوگیا، بلکہ ترکِ واجب سے ایک معصیت کا مرتکب ہوگیا۔

سب سے پہلے صحیح بخاری کو دیکھیے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے یہ عنوان قائم ہے باب وجوب صلاۃ الجماعۃ اس باب میں امام بخاری نے ایک تو حضرت حسن بصری کا ایک قول نقل کیا ہے۔ مختصراً جس کو حافظ ابن حجرؒ نے مفصلاً یوں نقل کیا ہے۔ ایک شخص نے حسنؓ سے دریافت کیا کہ ایک شخص نفلی روزہ رکھتے اور اس کی والدہ اس کو روزہ توڑنے کا حکم دے تو کیا حکم ہے انہوں نے کہا کہ روزہ توڑ دے ، اور اس شخص پر روزہ کی کوئی قضا نہیں بلکہ اس کو روزہ کا ثواب بھی ملے گا ، اور مزید برآں یہ کہ والدہ کے حکم کی اطاعت کا ثواب بھی ملیگا۔ پھر ان سے یہ سوال کیا گیا کہ والدہ اگر اپنے بیٹے کو شفقتِ پدری کی وجہ سے عشاء کی نماز با جماعت مسجد میں جا کر پڑھنے سے منع کرے۔ تو کیا کرے، کہا کہ والدہ کو یہ حق حاصل نہیں۔ کیوں کہ نماز با جماعت فرض ہے۔ اس کے بعد امام بخاریؒ نے وہ مشہور حدیث ذکر کی ہے جس میں جماعت سے غیر حاضر رہنے والوں کے مکانات کے جلا دینے کی تہدید مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

واما حدیث الباب فظاهر فی کونها فرض عین لانها لو کانت سنة لم یهدد تارکها بالتحریق ولو کانت فرض کفایة لکانت قائمة بالرسول ومن معه اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ والی القول بانها فرض عین ذهب عطاء والاوزاعی واحمد وجماعة من محدثی الشافعیة کابی ثور وابن خزیمة وابن المنذر وابن حبان وبالغ داؤد ومن تبعه فجعلها شرطا فی صحة الصلوٰة۔ (فتح جلد دوم صفحہ ۸۵ امصر)

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی مشہور تصنیف کتاب الصلوٰۃ میں اس مسئلہ پر نہایت مفصل بحث کی ہے۔

شاید ایسی مفصل اور جامع بحث کسی دوسری کتاب میں نہ ہو۔

اس کے متعلق حافظ ابن قیم صاحب نے خود ہی پہلے یہ سوال کیا ہے کہ جو شخص نماز با جماعت ادا نہیں کرتا ہے یعنی کوئی شرعی عذر نہیں ہے اور پھر وہ نماز با جماعت نہیں ادا کرتا اور اکیلے پڑھتا ہے کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے؟ پھر خود ہی اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

کہ یہ مسئلہ دو چیزوں پر مبنی ہے ایک تو یہ کہ نماز با جماعت فرض ہے یا سنت اور اگر فرض ہے تو کیا یہ صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نماز بغیر جماعت کے ہو جاتی ہے لیکن ترک جماعت کی وجہ سے وہ گنہگار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد دونوں صورتوں کے متعلق علماء سلف کا اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اما المسئلة الاولى فاختلف الفقهاء فيها فقال بوجوبها عطاء بن ابی رباح والحسن البصری وابو عمرو الاوزاعی وابو ثور والامام احمد فی ظاهر مذهبه ونص عليه الشافعی فی مختصر المزنی فقال واما الجماعة فلا رخص فی تركها الا من عذر وقالت الحنفية والمالكية هی سنة مؤكدة ولكنهم يؤثمون تارك السنن المؤكدة ويصححون الصلاة بدونها والخلاف بينهم وبين من قال انها واجبة لفظی وكذا الذی صرح بعضهم بالوجوب۔
(کتاب الصلوۃ امام ابن قیم ص۵۹ تا ص۶۵ مصری)

فرضیت یا وجوب نماز با جماعت پر حافظ ابن قیم صاحب نے قرآن و حدیث سے بارہ دلائل اس کے ذیل میں لکھے ہیں۔ اور منکرین وجوب کے دلائل اور اعتراضات کا مفصل اور شافی جواب تحریر کیا ہے اور نصوص کتاب و سنت کے علاوہ حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، علیؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور امام حسنؒ کے صریح اقوال وجوب جماعت کے متعلق ذکر کیے ہیں۔ یہ تمام تفصیل مصری ٹائپ کے ۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد دوسرے مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جماعت صحت نماز کے لیے شرط ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں جو علماء اور ائمہ دین وجوب جماعت کے قائل ہیں ان میں اختلاف ہے دو گروہ ہیں:

احدهما انها فرض يأثم تاركها وتبرأ ذمته بصلاته وحده۔ وهذا قول اكثر المتأخرين من اصحاب احمد فی رواية حنبل فقال اجابة الداعی الی الصلاة فرض ولو ان رجلا قال هی عندی سنة اصليها فی بيتی مثل الوتر وغيره لكان خلاف الحديث وصلاته جائزة وفی رواية ثانية ذكرها ابو الحسين الزعفرانی فی كتاب

الاتباع انہا شرط للصحۃ فلا تصح صلاۃ من صلی وحدہ حکاہ القاضی من بعض الاصحاب واختارہ ابو الوفا ابن عقیل وابو الحسن التمیمی وھو قول داؤد واصحابہ۔

اور اسی طرح امام ابن تیمیہ نے "اختیارات العلمیہ" میں تحریر کیا ہے۔ واذا قلنا ھی واجبۃ علی الاعیان وھو المنصوص عن احمد وغیرہ من ائمۃ السلف وفقہا الحدیث فھولاء تنازعوا فی اذا ترکوا بغیر عذر ھل تصح صلاۃ علی قولین احدھما لا تصح وھو قول طائفۃ من قدماء اصحاب احمد والشافی تصح مع اثمۃ بالترک وھو الاکثر من احمد وقول اکثر اصحابہ (کتاب اختیارات ابن تیمیہ ص۳۳ مصر)

حافظ ابن قیم نے کتاب الصلوۃ میں امام ابن منذر کا یہ قول نقل کیا ہے۔ فلا ارخص لمن قدر علی صلاۃ الجماعۃ فی ترک اتیانہا الا من عذر وان تخلف احدھما فصلی منفردا لم تکن علیہ اعادتہا صلی ھا قبل الامام او بعدہ الا صلاۃ الجمعۃ فان من صلی ھا ظھرا قبل صلاۃ الامام کان علیہ اعادتہا لان اتیانہا فرض (کتاب الصلوۃ ص۷۵)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری باب وجوب الجماعۃ کے ذیل میں اختلاف ائمہ ذکر کرتے ہوئے امام احمدؒ کا قول صرف وجوب کا ذکر کیا ہے نہ کہ شرطیتہ کا۔

وبالغ داؤد ومن تبعہ فجعلہا شرطا فی صحۃ الصلاۃ قولہ لما کان الوجوب قد ینفک عن الشرطیۃ قال احمد انہا واجبۃ غیر شرط (جلد اول ص۱۱۸)

خلاصہ اس تمام تفصیل کا ماحصل یہ ہوا کہ سوال کا دارومدار دو سوالوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ نماز با جماعت ادا کرنی واجب ہے۔ یا صرف افضل اور موجب ثواب ہے۔ اور اگر واجب ہے تو کیا یہ صحت نماز کے لیے شرط ہے۔ یعنی جماعت کے بغیر نماز نہیں ہوتی یا شرط نہیں، یعنی نماز تو ہو جاتی ہے لیکن ترک جماعت کی وجہ سے معصیت اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اول مسئلہ کے متعلق امام بخاریؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ، ابن المنذرؒ، حسن بصریؒ، ابن خزیمہؒ ابن حبان، ابو ثور، عطا ابن ابی رباح اور اوزاعی کا فتوے یہ ہے کہ نماز با جماعت واجب ہے اور بغیر عذر شرعی کے جماعت کا چھوڑنا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی چھوڑ دے تو نماز ادا تو ہو جائے گی، لیکن ترک جماعت کی وجہ سے مرتکب معصیت کا ہوگا کیوں کہ ترک واجب معصیت ہے۔

وجوب جماعت کے جو لوگ قائل ہیں ان میں سے صرف داؤد ظاہری اور بعض حنابلہ کا یہ قول ہے کہ جماعت واجب اور صحت نماز کے لیے شرط ہے اگر جماعت فوت ہو جائے تو نماز اکیلے نہیں ہوگی۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسی واسطے اس کا ذکر اس طریق پر کیا ہے۔ کہ بالغ داؤد ومن تبعہ فجعلہا شرطا فی صحۃ الصلوٰۃ۔ یعنی داؤد ظاہری نے وجوب جماعت میں مبالغہ کر دیا۔ اور اس کو صحت نماز کے لیے شرط قرار دیا۔ بعض حنابلہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن امام احمد بن حنبل کا قول جیسا کہ امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے۔ یہی ہے کہ وہ وجوب جماعت کے قائل ہیں۔ لیکن جماعت کو صحت نماز کے لیے شرط نہیں مانتے، تو گویا بقول حافظ ابن حجرؒ جس طرح نماز جمعہ کی صحت کے لیے جماعت شرط ہے اس طرح پانچوں وقت کی نمازوں کی صحت کے لیے شرط نہیں البتہ ترک جماعت بہت بڑی معصیت اور گناہ ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت وعید اور تہدید فرمائی ہے۔

دوسرا گروہ علماء کا وہ ہے جو نہ وجوب جماعت کا قائل ہے نہ جماعت کو شرط صحت نماز قرار دیتا ہے۔ یہ گروہ حنفی اور مالکی علماء کا ہے۔ یہ جماعت کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ سنت مؤکدہ کا تارک گنہگار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اختلاف کوئی زیادہ اہم نہیں بلکہ جیسا کہ حافظ ابن قیمؒ نے کہا ہے یہ لفظی اختلاف ہے۔

اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ سوائے ظاہریہ اور بعض حنابلہ کے اکثر ائمہ دین علماء سلف اور صحابہ کرام کا فتویٰ اس بارہ میں یہی ہے کہ نماز با جماعت بغیر عذر شرعی کے چھوڑنے والا گناہ گار اور عاصی ہوگا۔ لیکن نماز اس کی منفرد ہو جاتی ہے۔ سوائے نماز جمعہ کے کہ وہ بلا جماعت ہوتی ہی نہیں۔

لیکن ترک جماعت کیسی معصیت ہے اور اس معصیت کا درجہ کس قدر ہے یہ معلوم کرنے کیلئے امام احمدؒ کی بعض تحریروں کی طرف توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ امام احمدؒ نے نماز کی طرف سے عام لوگوں کی بے توجہی اور غفلت کو دیکھتے ہوئے ایک رسالہ "الرسالۃ السنیۃ" کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں [illegible] کی طرف سے بے اعتنائی اور سستی اور اوقات نماز کی طرف سے غفلت اور ارکان نماز کی صحیح ادائیگی میں کوتاہی اور حضور جماعت سے تخلف پر بعض ایسی دردناک تحریریں سپرد قلم کی ہیں کہ ان کے مطالعے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے لوگوں کی بے دینی کو بڑے درد و کرب کے ساتھ دیکھا ہے اور اسی سے متاثر ہو کر یہ تحریریں قلم بند کی ہیں اس لیے ہر وہ شخص جس کے دل میں دین کی غربت اور اسلام کے ضعف کا درد ہے

وہ آنسو بہائے بغیر ان تحریروں کو نہیں پڑھ سکتا، خدا کرے کہ آپ کے سوالات کے جوابات اس میں موجود ہوں اور آپ بھی ان سے اسی طرح متاثر ہوں، جس طرح کہ اللہ کے بندے اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

فاصبروا رحمکم اللہ بالصلوۃ فی المساجد من تخلف عنہا وعاتبوھم اذا تخلفوا عنہا وانکروا علیھم بایدیکم فان لم تستطیعوا فبالسنتکم واعلموا انہ لا یسعکم السکوت عنھم لان التخلف عن الصلاۃ عظیم المعصیۃ فقد جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال (لقد ھممت ان امر بالصلاۃ فتقام ثم اخالف الی قوم فی منازلھم لا یشھدون الصلوۃ فی جماعۃ فاحرقھا علیھم) فھدد ھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحرق منازلھم فلولا ان تخلفھم عن الصلوۃ فی المسجد معصیۃ کبیرۃ عظیمۃ لما ھددھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحرق منازلھم وجاء الحدیث (لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد) وجار المسجد الذی بینہ وبین المسجد اربعون دارا۔ فالصلوۃ اول فریضۃ فرضت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی اخرما اوصی بھا امتہ عند خروجہ من الدنیا وھی اخرما یذھب من الاسلام لیس بعد ذھابھا اسلام ولا دین۔

شرعی عذر باقی رہا یہ امر کہ تخلف عن الجماعت کے لیے کون کون عذر ہیں، جنہیں شریعت صحیح عذر قرار دیتی ہے اور ان عذروں کے ہوتے ہوئے تارک جماعت مرتکب معصیت نہیں ہوتا، سو اس کے متعلق عرض ہے کہ کتاب صحاح میں جو روایات اس بارہ میں موجود ہیں ان سب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱) بیماری (۲) خوف (۳) بارش (۴) سردی (۵) بھوک (۶) پیشاب پاخانہ کی حاجت (۷) جسم کا موٹاپا جس سے نقل و حرکت مشکل ہو جائے (صحیح بخاری) (۸) امام اس قدر لمبی نماز پڑھائے کہ مقتدیوں کے لیے ضرر بن جائے۔ اس حالت میں تخلف عن الجماعت موجب معصیت نہیں ہے۔ (۹) دکاندار جس کے مال کی حفاظت کرنے والا ملازم نہ ہو، جیسا کہ امام ابن حزمؒ نے محلی میں حدیث نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اضاعۃ المال سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خوف، اضاعت مال کے خیال سے اگر جماعت سے متخلف ہو جائے تو اس کو بھی معذور سمجھا جائے گا۔ باقی رہا یہ امر کہ وہ دکاندار جو اضاعت مال کے خیال سے اگر بلکہ صرف دکانداری کے لالچ میں بیٹھا رہے ان لوگوں کی فہرست میں داخل نہیں ہو سکتا جو شرعاً معذور سمجھے جاتے ہیں۔ البتہ ملازم معذور ہے۔ اور اس کا آقا اگر مسلمان ہے۔ اور پھر اس کو جماعت میں شامل نہیں ہونے

دیتا تو اس کا بوجھ آقا کی گردن پر ہے۔ لیکن اگر ملازم دکان کی حفاظت کرتا ہے اور آقا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم

حضرت مولانا سید محمد داؤد الغزنوی رحمة الله علیه الاعتصام گوجرانوالہ ج ۲ ش

سوال: ایک شخص نے اکیلے نماز فرض پڑھ لی ہے بعد سلام کے فرض نماز باجماعت تیار ہو گئی ہے تو کیا اب اس شخص کو دوبارہ فرض نماز اس جماعت کے ساتھ پڑھ لینی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: دوبارہ نفلوں کی نیت سے پڑھ لی جائے تو جائز ہے۔ صبح اور عصر کے بعد بھی، مغرب میں بے تو چار رکعت کی نیت کرے۔

تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی بعد میں دیکھا کہ دو شخص نماز جماعت میں شامل نہیں ان سے کہا تم جماعت میں کیوں نہ ملے عرض کیا حضور ہم اپنے ڈیرے میں پڑھ کر آئے ہیں فرمایا ایسا کیا کرو جب بھی تم گھر میں نماز پڑھ کر آؤ اور جماعت ہو رہی ہو تو پھر اس نماز کی جماعت میں مل جایا کرو، یہ دوبارہ کی نماز باجماعت تمہارے نفل ہو جائیں گے، رواہ الترمذی وابوداؤد، والنسائی۔ مشکوۃ ص۱۰۳۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صبح کی نماز کے بعد بھی صورت مذکورہ یعنی ملنا ثابت بلکہ لازم یا افضل ہے: یہ خاص صبح کا واقعہ ہے اور اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما مسجد جماعة فصليا معهم فانها لكما نافلة انتہی لفظ اذا محاورہ شرع میں عموم کے لیے ہے، موجبہ کلیہ ہے۔ ہر نماز کو شامل ہے۔ لہٰذا اس میں مغرب بھی داخل ہے[1] چوتھی رکعت بھی ملانا لازم نہیں، بلا دلیل علی لزوم من ادعی فعلیہ البیان بالبرہان نفل تین بھی جائز ہیں منع کی دلیل نہیں اور قول ابن عمر خلاف حدیث مرفوع ہے لہٰذا حجت نہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد بعض امراء نماز کو بے وقت پڑھائیں گے تم اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا پھر ان کے ساتھ جماعت میں دوبارہ پڑھ لینا نفل بن جائیں گے۔ مسلم شریف ص۲۴۷ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۳۵۳)

سوال: کیا امام مقتدیوں سے ایک ہاتھ اونچا کھڑا ہو سکتا ہے؟

جواب: امام کو مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہونا بجز کسی خاص اہم ضرورت کے جائز نہیں۔ دارقطنی میں

[1] اس حدیث کے عموم میں بھی نماز مغرب داخل ہے۔ تاہم وتر کی طرح (راشد)

روایت ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام فوق شئی والناس خلفہ یعنی اسفل منہ. یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام مقتدیوں سے اونچا کھڑا ہو. فتاویٰ ثنائیہ

سوال: امام اور مقتدی شروع تکبیر سے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو جائیں یا جب تکبیر "حی علی الصلوٰۃ" پر پہنچے؟

جواب: کسی حدیث میں میں نے یہ ترتیب نہیں دیکھی علما کی ذہنیت ہے جس پر عمل کرنا نہ واجب ہے نہ لازم۔

تشریح: یہ بریلوی علماء کی ایجاد ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حدیث صحیح سے امام کا بعد تکبیر موذن یعنی تکبیر پوری کہنے کے بعد اپنی جگہ مصلیٰ پر کھڑا ہونا اور تکبیر تحریمہ کہنا ثابت ہے۔ اور مقتدیوں کا امام سے بھی پہلے اپنی اپنی جگہ پر کھڑا ہونا ثابت ہے۔ "حی علی الصلوٰۃ" سے نماز کا بلاوا ہے اور "قد قامت الصلوٰۃ" کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لیے جلد آؤ نماز قائم ہونے کو ہے۔ ماضی بمعنی مضارع ہے۔ اور کلام میں بھی آتی ہے۔ اور مجاز بلا شک بھی مسئلہ ہے حدیث یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان الصلوٰۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاخذ الناس مصافھم قبل ان یاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ رواہ مسلم وابو داؤد وعن ابی ہریرۃ قال اقیمت الصلوٰۃ وعدلت الصفوف قیاما قبل ان یخرج الینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فخرج الینا فلما قام فی مصلاہ الحدیث متفق علیہ ولا خلاف بینہ وبین الحدیث الثانی اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی قد خرجت اخرجہ مسلم واصحاب السنن والبخاری مختصر نیل الاوطار ج۳ ص۱۹۲ لان المنع قبل الخروج من البیت والجواز بعد الخروج ورؤیتہم للمصلی اللہ علیہ وسلم۔ الغرض یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ مقتدیوں کے لیے لفظ "قد قامت الصلوٰۃ" کا لفظ سننے سے پہلے جماعت کی صفیں سیدھی کرنے کے لیے کھڑا ہونا حرام ہو جو ایسا کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ ص۱۲۰

سوال: عصر کی جماعت ہو رہی ہے ایک آدمی ہے ابھی ظہر پڑھنا باقی ہے وہ جماعت کے ساتھ مل کر کون سی نماز ادا کرے؟

جواب: حدیث میں آیا ہے لا صلوٰۃ الا التی اقیمت یعنی اس وقت وہی نماز جائز ہے جس کے لیے تکبیر کہی گئی ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کی نماز امام ظہر کے پیچھے پڑھ لیں تو جائز ہے۔

تشریح: پوری حدیث یہ ہے، اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت رواہ احمد والطبرانی فی الاوسط التلخیص الحبیر وکنوز الحقائق علی حاشیہ جامع الصغیر وقال فی نیل الاوطار بعد ذکر حدیث ابی ھریرۃ وفی الباب عن ابن عمر عند الدارقطنی فی الافراد مثل حدیث ابی ھریرۃ قال العراقی اسنادہ حسن انتھٰی۔ بہ الغرض مولانا نے جو فرمایا ہے۔ ٹھیک ہے اس وقت عصر ہی کی نماز پڑھنی ہوگی۔ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۔۔۔)

سوال: ایک آدمی نماز با جماعت شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا ہے۔ ابھی پہلی ہی رکعت شروع ہوئی ہے اس پہلی رکعت میں کس وقت تک شامل ہو جائے کہ اس کی نماز پوری با جماعت تصور کی جا سکے اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہو سکا ہے تو جماعت کے بعد بقیہ ایک رکعت نماز کس طرح ادا کرنے یعنی سبحانک الخ سے لے کر سورہ فاتحہ اور کچھ حصہ قرآن مجید پڑھے یا کچھ کم و بیش؟

نیز چوتھی رکعت میں شامل ہونے والا آدمی جب باقی تین رکعت نماز اکیلا شروع کرتا ہے۔ ان رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں جو حقیقت میں اس کی دوسری رکعت ہے التحیات میں بیٹھے یا نہ بیٹھے؟

جواب: شخص مذکورہ فاتحہ پڑھ لے تو پہلی رکعت مکمل شمار ہو گی، دوسری تیسری چوتھی میں شامل ہونے والا بقیہ کو پہلا حصہ مان کر نماز پوری کرے۔ یعنی سبحانک نہ پڑھے اور پہلی دو یا ایک رکعت میں جو باقی ہے صرف سورہ فاتحہ پڑھے اور جو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں ان کو پہلی سمجھے یعنی ترتیب ملحوظ رکھے۔ اگر چوتھی رکعت میں ملا ہے تو اٹھ کر پہلے جو رکعت پڑھے اس کو دوسری رکعت سمجھ کر اس کے بعد التحیات پڑھے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۔۔۔)

سوال: نماز فجر کی جماعت کھڑی ہو تو آنے والا فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو یا بعد ادا کرے، از روئے حدیث شریف بیان فرما دیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ جب نماز جماعت کھڑی ہو جاوے تو سوائے نماز فریضہ کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ دارقطنی کی ایک روایت میں ہے۔ فلا

صَلٰوۃَ اِلَّا الَّتِیْ اُقِیْمَتْ جماعت کھڑی ہونے پر اس نماز کے سوا جس کی اقامت کہی گئی ہے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۳۴۴

سوال: نماز ظہر یا عصر ہر ایک مسجد کی پابندی وقت پر ادا ہو چکی ہو، دس پندرہ منٹ کے اندر اور پانچ دس اصحاب جمع ہو گئے، کیا دوسری جماعت جائز ہے؟

جواب: جائز ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلکہ آپ کے حکم سے جماعت ثانیہ ہوئی۔ (ترمذی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۳۴۵

سوال: کسی مسجد میں وقت معینہ پر مصلیوں نے نماز با جماعت ادا کرلی، پیچھے سے چند نمازی اور بھی مسجد میں آئے تو وہ لوگ نماز جماعت سے ادا کریں یا فرداً فرداً پڑھ لیں اور اگر نماز با جماعت بنا کر پڑھیں تو اس موقعہ پر اقامت کہنی چاہیے یا نہیں اس کے خلاف بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ اقامت ضروری نہیں ہے؟

جواب: جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ رابعہ بھی جائز ہے۔ ترمذی میں حدیث ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جماعت ثانیہ ہوئی۔ تکبیر حاضرین کو جمع کرنے کے لیے ہے۔ کہے تو مستحب ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱

سوال: ایک شخص پنجوقتہ نماز اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔ ـــــــ اور کہتا ہے کہ دنیوی کاموں کی وجہ سے میرا مسجد کو جانا نہیں ہو سکتا پس اس صورت میں اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ یہ شخص ادائے نماز کے لیے ہمیشہ برابر مسجد میں آیا کرتا ہے۔ اور نماز جمعہ با جماعت مسجد میں ادا کرتا ہے، پنجوقتی نماز اپنے گھر میں پڑھتا ہے۔

جواب: فرض ادا ہو جائیں تو تعجب نہیں، لیکن مسجد اور جماعت کی غیر حاضری کا گناہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو لوگ جماعت میں شریک نہیں ہوتے، میرا جی چاہتا ہے ان کے مکانوں کو آگ لگا دوں مگر خورد سال بچوں کا خیال ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۲۹۶)

سوال: گھر میں نماز کس قسم کے عذر کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟

جواب : جس عذر سے مسجد میں نہ آسکتا ہو جس کی بابت یہ لفظ آئے ہیں۔ (حبسہم العذر) عذر نے ان کو روک رکھا ہے۔ مثلاً سخت بخار یا کوئی اور کسی قسم کی تکلیف ہے۔ جو مسجد تک پہنچنے میں مانع ہو، اس صورت میں گھر میں پڑھنے سے مسجد اور جماعت کا ثواب پاوے گا۔ انشاء اللہ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۲۹۶)

سوال : میاں بیوی مل کر جماعت کر لیویں تو سنت ہے یا نہیں؟

جواب : میاں بیوی اگر جماعت کر لیویں جائز ہے۔ مگر بیوی پیچھے کھڑی ہووے برابر کھڑی نہ ہو۔ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی (فتاوٰے غزنویہ ص۴۲)

سوال : ایک دفعہ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ عورتوں کو عید کی نماز کرانی جائز نہیں۔ تحریر فرمایئے کہ دوسری نماز کی جماعت جدا اُن کو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : متعلق امامت اور جماعت کرانا عورتوں کو منع نہیں عورتوں کے واسطے عورتوں کی امامت جائز ہے۔ مگر آگے کھڑی نہ ہوئے سب کے بیچ کھڑی ہووے، عید عورتوں کو علیحدہ پڑھنی خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وسلف صالحین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہی تاکید ہے کہ عورتیں بھی عیدگاہ میں حاضر ہو جاویں اور مردوں کی نماز میں شامل رہیں حیض والی بھی دعا اور تکبیرات میں شامل رہیں مگر نماز کی جگہ سے جدا رہیں، صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں دیکھو۔ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی (فتاوٰے غزنویہ ص۴۲)

سوال : اگر کوئی شخص صبح یا عصر کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے اور پھر بعدہ اگر اسی نماز کی جماعت ہووے تو وہ دوبارہ ساتھ جماعت کے مل کر وہی نماز پھر پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب : صبح یا عصر کی نماز کوئی شخص پہلے تنہا پڑھ چکا ہے اور پھر اسی نماز کی جماعت ہووے تو اس کو دوبارہ اس جماعت کے ساتھ مل کر بھی وہی نماز مکرر پڑھ لینی چاہیے اور وہ اس کے واسطے نفل ہے۔ عن یزید بن الاسود قال شهدت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ فصلیت معہ صلوٰۃ الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلوتہ انحرف فاذا ھو برجلین فی اخری القوم

لم يصليا فقال على بهما فجئ بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصليا معنا فقالا يا رسول الله انا كنا قد صلينا فى رحالنا قال فلا تفعلا اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما مسجد جماعة فصليا معهم فانها لكما نافلة رواه الخمسة منتقى الاخبار وقال جمهور الفقهاء انما يعيد الصلوة مع الامام فى جماعة من صلى وحده فى بيته او فى غيره۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی　　فتاویٰ غزنویہ ص ۲۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نماز جماعت ہوگئی، اس کے بعد مسجد میں نماز پڑھنے اور مکان پر نماز پڑھنے میں کوئی فرق ہے یا دونوں صورتیں برابر ہیں اور در صورت اول کونسی افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ایسی صورت میں گھر پر اور مسجد میں دونوں جگہ نماز پڑھنا مساوی ہے اور ظاہر الروایت میں فضیلت کسی جگہ کو نہیں۔ فى الخانية رجل فاتته الجماعة فى مسجد حية فان ذهب الى مسجد اخر وصلى فيه بجماعة فهو حسن وان صلى فى مسجد حية وحده فهو حسن وان دخل منزله وصلى فيه باهله فهو حسن والله اعلم بالصواب وعنده ام الكتاب۔ محمد اعظم عفی لہ

(ترجمہ: محلہ کی مسجد میں اگر کسی آدمی کی جماعت فوت ہو جائے تو پھر اگر کسی [illegible] جا کر نماز پڑھے تو بھی ٹھیک ہے اور اگر محلہ کی مسجد میں اکیلا نماز ادا کرے تو بھی ٹھیک ہے۔ اور اگر اپنے گھر جا کر [illegible] نماز پڑھ لے)

ترجمہ: یزید بن اسود سے روایت ہے۔ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں حاضر تھا پس میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی پس جب آپ نماز پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ دو آدمی جنہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی سب لوگوں سے پیچھے علیحدہ ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو میرے پاس لاؤ جب وہ کانپتے ہوئے سامنے لائے گئے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ آئے تھے آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو جب کبھی تم اپنے ڈیروں میں نماز پڑھ کر کسی جماعت والی مسجد میں آؤ تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ جو نماز تم جماعت کے ساتھ پڑھو گے، وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ روایت کیا اس حدیث کو احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، نسائی اور حاکم نے۔ اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی اپنے گھر یا ڈیرے میں اکیلا نماز پڑھ کر آیا ہو (اور اس کو جماعت مل جاوے) تو وہ جماعت میں شامل ہو کر دوبارہ نماز پڑھے۔ ۱۲

تو یہی ٹھیک ہے، مخفی نہ رہے کہ صورت مسئولہ میں تامل سے ثابت ہوتا ہے کہ چار صورتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک مسجد و مکان میں دونوں جگہ تنہا پڑھے، دوسری دونوں جگہ جماعت سے پڑھے، تیسری مسجد میں جماعت سے اور گھر میں تنہا، چوتھی برعکس اسکے یعنی مسجد میں تنہا اور گھر میں جماعت سے، تو خانیہ کی عبارت سے اگر ثابت ہوتا ہے۔ تو اس صورت اخیر کا حکم ثابت ہوتا ہے اور پہلی تین صورتیں جو باقی ہیں ان کا حکم ظاہر نہیں ہوتا، اور اصل مسئول صورت اول ہی ہے، تو واضح رہے کہ ان تینوں صورتوں میں مسجد ہی افضل ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم، حررہ ابو محمد یحییٰ شاہجہانپوری

درصورت تنہا پڑھنے کے ہر دو جگہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے، فضیلت مسجد میں جو احادیث متعلق وارد ہیں، قطع نظر جماعت سے وہ دال ہیں، اور اقوال فقہا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسجد میں داخل ہو جائے تو اس کو وہاں سے دوسری مسجد میں جماعت کے واسطے بھی نہ جانا چاہیے اگرچہ مسجد اول میں جماعت ہو چکی ہو، قال صاحب فتح القدیر واذا کان مسجدان یختار اقدمهما وان استویا فالاقرب وان صلوا فی الاقرب وسمع اقامة غیره فان کان دخل فیه لا یخرج والا یذهب الیه انتهی، پس جب مسجد میں آن کر دوسری مسجد میں جماعت اولیٰ کے لیے اجازت نہیں دیتے تو گھر کو کیا مناسبت ہے، بقیہ صورتیں چونکہ سائل کو مطلوب نہیں، لہذا جواب نہیں لکھا اور خود سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ قصہ مسجد اقرب کا ہے۔ فقط عبدالکریم پنجابی محمد یعقوب

مسجد اور گھر ادائے صلوٰۃ کے واسطے مساوی خیال کرنا مجیب صاحب ہی کا کام ہے فقہاء کرام نے کہیں نہیں لکھا ہے کہ مسجد اور گھر صلوٰۃ کے واسطے مساوی ہیں اور جو روایت مجیب نے نقل کی ہے اس کا مطلب انہوں نے نہیں سمجھا، کما لا یخفی، معلوم کرنا چاہیے کہ گھر اور مسجد ادائے صلوٰۃ منفرد کے حق میں بلکہ اور اذکار کے حق میں بھی مساوی نہیں، بلکہ مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے باعتبار گھر کے، عن ابی هریرة[1] قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غدا الی المسجد او راح اعد اللہ له نزله فی الجنة کلما غدا او راح متفق علیه حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت میں لکھتے ہیں

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی پہلے پہر یا پچھلے پہر مسجد کی طرف جائے تو جب وہ مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی تیار کرتے ہیں ۱۲

وظاہر الحدیث حصول الفضل لمن اتی المسجد مطلقا ولکن المقصود منہ اختصاصہ بمن یاتیہ للعبادۃ والصلوۃ راسہا انتہی حررہ سید محمد عبد الحفیظ عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۳۰۴

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پر دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے یا نہیں؛ اور جو لوگ کہ مکروہ بتلاتے ہیں اور منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے روی عبد الرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج من بیتہ لیصلح بین الانصار فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی منزل بعض اہلہ فجمع فصلی بہم جماعۃ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر نہ مکروہ ہوتا تکرار جماعت کا تو اسی مسجد میں آں حضرت نماز پڑھتے، نہ پڑھنا حضرت کا خود دلالت کرتا ہے مکروہ ہونے تکرار جماعت پر۔ اب مستفتی سوال کرتا ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں اور مخرج اس کا کون ہے اور درصورت صحت حدیث کے استدلال کراہت تکرار جماعت ایک مصلی پر ٹھیک ہے یا نہیں اور علمائے حنفیہ رحمہم اللہ کا اس میں کیا فتوے ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اگر جماعت اہل محلہ نے ہمراہ امام معین کے کرلی ہو تو اسی اہل محلہ کے باقی ماندہ کو اسی مسجد محلہ میں بہیئت اولیٰ تکرار جماعت مکروہ ہے یعنی مسجد محلہ میں ساتھ اذان اور تکبیر کے اسی مصلے پر جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ کی مکروہ ہے اور اگر بغیر اذان کے یا بتبدیل مصلے جماعت ثانیہ اسی اہل محلہ نے کی تو بلاکراہت درست اور جائز ہے اور اگر غیر اہل محلہ نے اول جماعت ساتھ اذان اور اقامت کے کرلی تھی تو اہل محلہ کو ساتھ اذان اور جماعت ثانیہ جائز ہے۔ اور جو مسجد شارع عام ہو اس میں تکرار جماعت مطلقاً خواہ ساتھ اذان کے ہو یا بہ تبدیل مصلی ہو یا نہ ہو ہر طرح درست ہے۔

ل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں صلح کرانے کے لیے اپنے گھر سے نکلے واپس آئے تو مسجد میں جماعت ہو چکی تھی آپ اپنے کسی حجرہ میں چلے گئے اور اپنے گھر والوں کو اکٹھا کرکے ان کی جماعت کرائی۔

ویکرہ[1] تکرار الجماعت باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام لہ ولا مؤذن درمختار قولہ باذان و اقامۃ الخ عبارتہ فی خزائن اجمع مما ھنا ونصہا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان و اقامۃ الا اذا صلی بہما فیہ اولا غیر اھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اھلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامۃ علیحدۃ کما فی امالی قاضی خان ونحوہ فی البدائع والمراد بمسجد المحلۃ مالہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرہا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیر اذان حیث یباح اجماعا انتہی ما فی الشامی اور اسی طرح سے بدائع اور ظہیریہ اور عالمگیریہ اور شرح منیہ وغیرہم میں لکھا ہے کہ تبدل محراب اور مصلے میں ہیئت جماعۃ اولیٰ بدل جاتی ہے اور جماعۃ ثانیہ غیر مصلے اول پر بلا کراہتہ ہو جاتی ہے وفی[2] شرح المنیۃ عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا لم تکن الجماعۃ علی الہیئۃ الاولی لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الہیئۃ الاولی کذا فی البزازیۃ انتہی وفی التتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ انتہی ما فی الشامی اور حدیث مندرجہ سوال کو شارحین کتب فقہ نے بلا اسناد اور بلا مخرج باختلاف الفاظ بیان کیا ہے۔ اور

---

[1] محلہ کی مسجد میں اذان اور اقامت سے بار بار جماعت کرانا مکروہ ہے۔ اگر کسی راستہ پر مسجد ہو یا ایسی مسجد ہو کہ اس میں کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہو تو اس میں تکرار جماعت اذان اور اقامت سے بھی مکروہ نہیں ہے بلکہ افضل ہے۔ اگر محلہ کی مسجد میں پہلے بغیر اذان کے جماعت ہوئی ہو تو دوسری جماعت اذان اور اقامت سے مکروہ نہیں ہے۔ اور محلہ کی مسجد وہ ہے جس کا امام اور مقتدی معلوم اشخاص ہوں۔

[2] امام یوسف کہتے ہیں کہ اگر دوسری جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ ورنہ مکروہ ہے۔ اور اگر محراب کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر جماعت کھڑی ہو جائے۔ تو اس سے ہیئت بدل جاتی ہے۔

کتب صحاح میں صحیح سنداس کی کا پتہ نہیں لگتا، پس قطع نظر اس کے کہ صحت اور عدم صحت حدیث میں
بحث کی جائے مطلب اس حدیث کا یہ نہیں ہے۔ کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں مکروہ ہے بلکہ اس
حدیث سے تاکید جماعت ثابت ہوتی ہے کیوں کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے
تو کوئی دوسرا نمازی نہیں پایا۔ اسی واسطے گھر میں جاکر ساتھ اہل اپنے کے نماز پڑھی اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی
نمازی دوسرا ہوتا تو ضرور ہے کہ ان کو جماعت سے محروم نہ کرتے یا مسجد میں جماعت کرلیتے یا بیرون مسجد
جیساکہ حدیث ترمذی سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال جاء رجل وقد
صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی ھذا فقام رجل وصلی معه رواه الترمذی
وھو قول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرھم من
التابعین قالوا لا باس ان یصلی القوم جماعة فی مسجد قد صلی فیه وبه یقول احمد
واسحاق اور ابوداؤد میں اس طرح سے آئی ہے عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معه پس جب کہ
آں حضرت نے واسطے فضیلت حاصل کرنے جماعت کے اس شخص کو حکم شامل ہونے کا دیا کہ پہلے نماز پڑھ چکا
تھا۔ تو جن اشخاص نے کہ نماز نہ پڑھی ہو ان کو بالاولیٰ جماعت دوسری کرنی بلا کراہت ایک مسجد میں جائز ہوئی
اور یہ امر نہیں ہوسکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کو جماعت دوسری کا حکم فرماویں اور آپ نہ کریں
پس متحقق ہوا کہ حدیث مذکور فی السوال کا مورد یہ ہے کہ اس وقت دوسرا نمازی کوئی نہ تھا اگر ہوتا تو ضرور
مسجد ہی میں نماز پڑھتے کیوں کہ جماعت کی بہت تاکید احادیث میں آئی ہے ماسوا اس کے چونکہ امر کو ترجیح
اور غلبہ ہے فعل غیر ہمیشگی پر۔ اس لیے حدیث ترمذی پر عمل کرنا اولیٰ اور اقدم ہوا اور تیسری وجہ یہ کہ حدیث
ترمذی کی نص صریح ہے۔ واسطے جماعت دوسری کے اور حدیث مذکورہ فی السوال سے دلالتاً نکلتا ہے

لہ ایک آدمی مسجد میں آیا۔ جماعت ہو چکی تھی۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے۔
تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ صحابہ اور تابعین میں سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے کہ دوبارہ
جماعت کرالینا درست ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمد و اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا! کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز
پڑھے۔

اور اصول فقہ میں مندرج ہے کہ بحالت تعارض عبارۃ النص ودلالۃ النص کی عبارت کو ترجیح دیتے ہیں دلالۃ النص پر اور چوتھی وجہ یہ کہ نہ پڑھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسپر دلالت نہیں کرتا کہ جماعت دوسری مکروہ ہے۔ بلکہ دیگر امورات عارضہ پر بھی دلالت کرتا ہے بس اختیار امر واحد کا بلادلیل قابل اعتبار نہیں اور صحیح بخاری میں آیا ہے۔ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے اور جماعت ہو چکی تھی۔ پس اذان کہی اور تکبیر کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔ جاء انس بن مالک الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری پس امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و فعل اصحابہ اور تابعین سے متحقق ہوا کہ جماعت دوسری مسجد واحد میں بلا کراہت صحیح و جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ واجابہ خاکسار محمد مسعود نقشبندی دہلوی ۲۹ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ

سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے ایک مصلے پر ہو خواہ ایک مصلے پر نہ ہو۔ جامع ترمذی کی حدیث مذکور اور انس رضی اللہ تعالےٰ کا اثر مذکور جواز پر صاف دلالت کرتا ہے۔ اور مطلقاً تکرار جماعت کا مکروہ ہونا یا ایک مصلے پر نہ ہو تو مکروہ نہ ہونا سو اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ اور اسی طرح مجیب نے جو تحقیق شامی سے نقل کی ہے اس کی کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ واللہ اعلم اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ کی حدیث جو سائل نے نقل کی ہے وہ بالکل غیر معتبر و ناقابل احتجاج ہے کیونکہ نہ اس کے مخرج کا پتہ اور نہ اس کی سند کا حال معلوم فقہائے حنفیہ یوں ہی بلا سند و بلا ذکر مخرج اس کو ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل احتجاج ہے تو اس سے تکرار جماعت کی کراہت ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ (فتاویٰ نذیریہ اول جلد ص ۲۵۶)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب نے ایک وقت میں دو جماعت کے ساتھ امامت کرائی نماز جماعت ثانیہ خلف اس کے روا و صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: روا و صحیح ہے بموجب ان حدیثوں کے کہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں فی المشکوٰۃ

---

۱ انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں آئے وہاں جماعت ہو چکی تھی۔ آپ نے اذان اور تکبیر کہہ کر جماعت کرائی۔

عن جابر قال كان معاذ بن جبل يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم يأتي قومه فيصلي بهم متفق عليه وعنه قال كان معاذ يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم العشاء ثم يرجع الى قومه فيصلي بهم العشاء وهي له نافلة رواه البخاري والبيهقي اقول الاظهر والانسب ارجاع الضمير الى الاقرب فيفهم منه صحة اقتداء المفترض بالمتنفل كما هو المعول عند المتأمل فعليك بالانصاف فانه من خير الاوصاف قال النووي في هذا الحديث جواز صلوٰة المفترض خلف المتنفل لان معاذا كان يصلي الفريضة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسقط فرضه ثم يصلي مرة ثانية بقومه هي له تطوع ولهم فريضة وقد جاء هكذا مصرحا به في غير مسلم وهذا جائز عند الشافعي وآخرين رحمهم الله تعالى استدلالا بهذا الحديث والتاويلات دعاوي لا اصل لها فلا يترك بها ظاهر الحديث قال صاحب التوضيح صلوٰة معاذ بقومه فيه دلالة على صحة صلوٰة المفترض خلف المتنفل الخ في المرقاة قال القاضي الحديث يدل على جواز اقتداء المفترض بالمتنفل فان من ادى فرضا ثم اعاد يقع المعاد نفلا قال ابن المبارك ومن قال الشافعي الخ في المشكوٰة عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بالناس صلوٰة الظهر في الخوف ببطن نخل فصلى بطائفة ركعتين ثم سلم ثم جاء طائفة اخرى فصلى بهم ركعتين ثم سلم رواه في شرح السنة في المرقاة لا اشكال في ظاهر الحديث على مقتضى مذهب الشافعي رحمة الله عليه فانه محمول على حالة القصة وصلى بالطائفة الثانية نفلا الخ قال النووي وكان صلى الله عليه وسلم متنفلا في الثانية وهم مفترضون وبه استدل الشافعي واصحابه على جواز صلوٰة المفترض خلف المتنفل وحكوه عن الحسن البصري

معاذ بن جبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کو نماز پڑھاتے۔ حضرت معاذ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم میں واپس آتے اور ان کو آکر عشاء کی نماز پڑھاتے اور یہ نماز ان کی نفل ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اس کے برخلاف جو دعاوی تاویلات پیش کیے جاتے ہیں ان کا کوئی اصل نہیں ہے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف کے وقت بطن نخل میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں۔ اور سلام پھیر دیا، پھر دوسری جماعت کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر سلام پھیر دیا۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ (بقیہ آگے)

موجزا اقول وهكذا افاده السيد فى شرح المشكوة وهو المرام لما فى الصحيحين وغيره فى المقام فكانت له صلى الله عليه وسلم اربع ركعات وللقوم ركعتان كما يظهر صريحا من سنن ابى داؤد وغيره وتكميل المقال لا يليق بتعليل تقليل المجال والتضييق والله اعلم بالصواب حرره سيد محمد نذير حسين عفى عنه

سید نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۴۷

سوال ، ما قول السادة العلماء الكرام فى رجل صلى مع جماعة ثم ادرك جماعة اخرىٰ يصلون تلك الصلوة هل له ان يصلى معهم ثانيا ۔ بينوا توجروا ۔

الجواب : نعم جاز له ان يصلى معهم ثانيا لحديث يزيد بن الاسود قال شهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم حجته فصليت معه صلوٰة الصبح فى مسجد الخيف فلما قضى صلوٰته انحرف فاذا هو برجلين فى اخرى القوم لم يصليا فقال على بهما فجئ بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصليا معنا فقالا يا رسول الله انا كنا قد صلينا فى رحالنا قال فلا تفعلا اذا صليتما فى رحالكما ثم اتيتما المسجد جماعة فصليا معهم فانها لكما نافلة رواه خمسة الا ابن ماجة وفى لفظ لابى داؤد واذا صلى احدكم فى رحله ثم ادرك الصلوٰة مع الامام فليصلها معه فانها له نافلة كذا فى المنتقى قال الشوكانى فى النيل ص ۲۲ ۔ الحديث اخرجه ايضا الدارقطنى وابن حبان والحاكم وصححه ابن السكن وقال الترمذى

تکبیر صاحب امام شافعیؒ کے مذہب پر تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ نفل کے پیچھے فرض کی نیت صحیح جانتے ہیں اور آنحضرت نفل پڑھ رہے تھے پہلی دو رکعت جو آپ نے دوسری جماعت کو پڑھائیں وہ آپ کی نفل نماز تھی، حسن بصری اور عبداللہ بن مبارک بھی یہی کہتے ہیں

سوال ، اگر کوئی آدمی جماعت سے نماز پڑھ لے پھر دوسری جماعت اس کو مل جائے تو کیا وہ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : ہاں ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے ، یزید بن اسود نے کہا، میں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ، صبح کی نماز مسجد خیف میں پڑھی ، جب فارغ ہوئے تو آپ نے دیکھا دو آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں ۔ انہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی ، آپ نے فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ ، وہ آئے ، تو ان کے کندھے کانپ رہے تھے ، آپ نے فرمایا ، تم نے کیوں

حسن صحیح وقال قوله فانهما لكما نافلة فيه تصريح بان الثانية فى الصلوٰة المعادة نافلة وظاهره عدم الفرق بين ان تكون الاولى جماعة او فرادى لان ترك الاستفصال فى مقام الاحتمال ينزل منزلة العموم فى المقال انتهى. ولحديث ابى سعيد قال صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل رجل فقام يصلى الظهر فقال الا رجل يتصدق على هذا فيصلى معه اخرجه الترمذى وحسنه وابن حبان والحاكم ولحديث محجن بن الادرع قال اتيت النبى صلى الله عليه وسلم وهو فى المسجد فحضرت الصلوٰة فصلى يعنى ولم اصل فقال لى الا صليت قلت يا رسول الله قد صليت فى الرحل ثم اتيتك قال فاذا جئت فصل معهم واجعلها نافلة رواه احمد. قال الشوكانى فى النيل ص ۲۳ ج ۲ وحديث محجن اخرجه ايضا مالك فى المؤطا والنسائى وابن حبان والحاكم فان قلت قال ابن عبد البر قال جمهور الفقهاء انما يعيد الصلوٰة مع الامام فى جماعة من صلى وحده فى بيته او فى غير بيته واما من صلى فى جماعة وان قلت فلا يعيد فى اخرى قلت او كثرت ولو اعاد فى جماعة اخرى لاعاد فى ثالثة ورابعة الى مالا نهاية له وهذا لا يخفى فساده قال وممن قال بهذا القول مالك وابو حنيفة والشافعى واصحابهم وحجتهم قوله صلى الله عليه وسلم لا تصلى صلوٰة فى يومين مرتين انتهى قلت من صلى صلوٰة فى جماعة

- بقیہ ص ... تم نے ہمارے ساتھ نماز کیوں نہ پڑھی؟ کہنے لگے، ہم اپنے خیموں میں نماز پڑھ آئے تھے۔ آپ نے فرمایا! ایسا نہ کرو جب تم اپنے خیموں میں نماز پڑھ لو، پھر تم جماعت والی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لو، وہ تمہارے نفل نماز بن جائے گی۔ امام ترمذی نے کہا، دوسری نماز جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے گی، وہ نفل ہوگی، اور پہلی فرض ہوگی، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھی یا اکیلے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا چکے تھے۔ ایک آدمی آیا، آپ نے فرمایا کوئی آدمی ہے۔ جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھی ہو، تو بھی دوسری جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے محجن بن ادرع مسجد میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جماعت کھڑی ہوئی، تو انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ آپ نے پوچھا، تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ انہوں نے کہا میں پڑھ چکا ہوں، آپ نے فرمایا، جب ایسا واقعہ بنے، تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو۔ یہ نماز تیرے لیے نفل ہو جائے گی۔ اگر کوئی آدمی گھر میں پہلے اکیلا نماز پڑھے اور پھر اس کو جماعت کے ساتھ نماز مل جائے، تو دوبارہ پڑھ لے۔ اور اگر پہلے بھی جماعت ہی سے نماز پڑھی ہو، اور پھر دوسری

جماعة ثم جماعة يصلون تلك الصلوة فاعادمعهم تلك الصلوة فلا يلزم عليه محذورسا
لان هذا امراتفاقي وقلما يتفق مروره الى ثالثة اورابعة فماظنك بخامسة اوسادسة
فمادعى فيه الفساد ليس فيه فساد واما قوله صلى الله عليه وسلم لا تصلى صلوة في يوم مرتين
فلا يدل على ما ادعى قال الشوكاني في النيل ص ۳۳ ج ۳ قوله لا تصلوا صلوة في يوم مرتين لفظ
النسائي لا تعاد الصلوة في يوم مرتين قد تمسك بهذا الحديث القائلون ان من صلى في
جماعة ثم ادرك جماعة لا يصلي معهم كيف كانت لان الاعادة لتحصيل فضيلة الجماعة وقد
حصلت له وهو مروي عن الصيدلاني والغزالي وصاحب المرشد قال في الاستذكار
اتفق احمد بن حنبل واسحق بن راهويه ان معنى قوله صلى الله عليه وسلم لا تصلوا
صلوة في يوم مرتين ان ذلك ان يصلي الرجل صلوة مكتوبة عليه ثم يقوم بعد الفراغ
منها فيعيدها على جهة الفرائض ايضا واما من صلى الثانية مع الجماعة على انها
نافلة اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم في امره بذلك فليس ذلك من اعادة الصلوة
في يوم مرتين لان الاولى فريضة والثانية نافلة فلا اعادة حينئذ انتهى. والله تعالىٰ اعلم

كتبه محمد عبد الرحمن المباركپوري عفا الله عنه سيد محمد نذیر حسین

فتاوی نذیریہ جلد ۱ ص ۲۸۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں نماز مغرب باجماعت ہو چکی ہے، جب وقت قضا ہوا اور عشاء کی نماز کا وقت آگیا، تو دو شخص اس مسجد میں آئے اور مغرب کی نماز قضا باجماعت مع اذان و اقامت کے پڑھی، ایسی صورت میں ان کو نماز قضا باجماعت پڑھنی چاہیے، ساتھ اذان و اقامت کے یا بغیر جماعت کے، بینوا توجروا۔

الجواب: کسی مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ہو چکی تھی، تو اس میں پھر اس نماز کو یا اس کی قضا کو

مرتبہ جماعت سے تو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام مالک، ابو حنیفہ، اور شافعی کا یہی مذہب ہے اور امام احمد، اسحٰق بن راہویہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ پھر دوسری جماعت میں بھی شامل ہو جاوے۔ اور جو حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک نماز دو مرتبہ نہ پڑھی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ دونوں مرتبہ فرض کی نیت کر کے نہ پڑھے۔ بلکہ دوسری مرتبہ نفل نماز کی نیت کیجیے

جماعت سے پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہے، بلکہ جواز ثابت ہے۔ ابوداؤد و ترمذی میں ابوسعید سے مروی ہے۔ انّ[1] رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتصدق علی ھذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ نیل الاوطار میں ہے، وقد استدل الترمذی بھذا الحدیث علی جواز ان یصلی القوم جماعۃ فی مسجد قد صلی فیہ قال وبہ یقول احمد واسحاق اھ تعلیق المغنی علی الدارقطنی میں ہے، انّ[2] تکرار الجماعۃ فی المسجد الذی قد صلی فیہ مرۃ واحدۃ او ثنتین او ثلاثۃ او اکثر من ذلک بلا کراھۃ جائز وعمل علی ذلک الصحابۃ والتابعون ومن بعدھم وما القول بالکراھۃ فلم یقم دلیل علیہ بل ھو قول ضعیف انتہیٰ پس صورت مسئولہ میں ان کو نماز باجماعت پڑھنی چاہیے، رہی یہ بات کہ اذان و اقامت ہو یا نہ ہو، سوادائے جماعت ثانیہ کے لیے اذان کا ہونا اس مسجد میں جس میں پہلی جماعت کے لیے اذان ہو چکی ہو، کسی حدیث مرفوع سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں فعل حضرت انسؓ سے ثابت ہوتا ہے، کہ ہونا چاہیے صحیح بخاری میں ہے۔ جاء انس رض الی مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ رواہ البخاری معلقا۔ یعنی حضرت انسؓ ایک مسجد میں آئے جس میں نماز ہو چکی تھی، پس اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی، اور قضا فوائت کی جماعت کے لیے اذان کا ہونا حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث لیلۃ التعریس و حدیث یوم الخندق میں مصرح ہے، فامر[3] بلالا فاذن واقام۔ نیل الاوطار میں ہے، استدل[4] بالحدیث علی مشروعیۃ الاذان والاقامۃ فی الصلوۃ المقضیۃ وقد ذھب الی استحبابھا فی القضاء الھادی والقاسم والناصر وابوحنیفۃ واحمد بن حنبل وابوثور عالمگیریہ میں ہے من فاتت صلوۃ فی

---

[1] ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا، جماعت ہو چکی تھی آپ نے فرمایا، کوئی اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے تو ایک آدمی نے اٹھ کر اس کے ساتھ نماز پڑھی امام ترمذی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس مسجد میں جماعت ہو جائے، اس میں کوئی قوم دوبارہ جماعت کرا سکتی ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ [2] جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو اس میں دو تین یا زیادہ مرتبہ جماعت کی تکرار بلا کراہت جائز ہے۔ اسی پر صحابہ تابعین اور بعد کے لوگوں کا عمل رہا ہے۔ اور مکروہ کہنے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔ [3] بلال کو حکم دیا اس نے اذان کہی اور تکبیر کہی۔ [4] اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جماعت ہو جانے کے بعد اذان اور اقامت مشروع ہے، امام ابوحنیفہ،

وقتها فقضاها اذن لها واقام واحد اکان او جماعة کذا فی المحیط۔ اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ جس مسجد میں قضا فوایت ہوتی ہے، اذان ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، تاکہ یہ نماز قضا موافق ادا کے ہو۔ واللہ اعلم

حررہ محمد عبد الحق ملتانی عفی عنہ   سید محمد نذیر حسین   فتاویٰ نذیریہ ص ۴۹۶ ج ۱

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدی کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، جب دوسرا مقتدی آن کر ملا تو امام دونوں پاؤں اٹھا کر دا سہ پر جا کھڑا ہوا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب قدس سرہٗ نے درس عام میں فرمایا تھا کہ اگر امام کا نماز میں پاؤں اٹھے تو نماز جاتی رہے گی۔ پس درصورت مرقومہ بالا نماز رہی یا نہیں؟ فقط

الجواب: درصورت مرقومہ اگر امام ایک یا دو قدم آگے بڑھ گیا، تو نماز نہیں جاتی، جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لو مشی فی صلوته مقدار صف واحد لم تفسد صلوته ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعة واحدة فسدت صلوته وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لا تفسد کذا فی فتاوی قاضیخان اور اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں مرقوم ہے۔ وعن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علیہ مغلق فجئت فاستفتحت پس طلب کردم کشادن دررا فمشی ففتح لی پس رفت آنحضرت پس بکشاد در را برائے من یعنی ازاں جا کہ برائے نماز ایستادہ بود قدمے چند زد و بکشاد در را ثم رجع الی مصلاہ پس باز گشت بجائے کہ نماز میں گذارد و ذکرت ان

نا صرو قاسم، ہادی، احمد بن حنبل اور ابو ثور اس کو مستحب جانتے ہیں۔ لے اگر نماز کی حالت میں ایک صف کے برابر چلے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر دو صف کے برابر ایک ہی دفعہ چلے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک صف کے برابر چل کر ٹھہر جائے پھر ایک اور صف آگے بڑھ جائے تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

لے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کہتی ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز میں مشغول ہوتے اور دروازہ بند ہوتا، میں آ کر دروازہ کھٹکھٹاتی، تو آپ چند قدم چل کر دروازہ کھول دیتے اور پھر اپنے جائے نماز پر واپس چلے جاتے، مکان کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا۔ یعنی آگے بڑھنے اور واپس آنے میں منہ قبلہ ہی کی طرف رہتا اور مکان تنگ

الباب کان فی القبلة و ذکر کرد عائشہ کہ در خانہ بود در جانب قبلہ یعنی نزد آمدن آنحضرت بکشادن در تحول از قبلہ لازم نیامد بر گشتن بمصلا بازپس رفتن بود پس در آمدن و بر گشتن استقبال قبلہ بحال خود بود، و نیز گفتہ اند کہ خانہ تنگ بود و گنجائش زیادہ بر یک دو خطوہ نداشت رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وروی النسائی نحوہ و نیز نقل از خلاصہ کردہ است کہ اگر مردے امامت می کند یک کس را و درین میان ثالثہ در آمد و اقتداء کرد و پیشتر رفت، اگر مقدار آنچہ میان صف اول و امام می باشد رفت فاسد نمی گردد، و نیز اگر در نماز مشی کند، اگر مقدار صف واحد رود فاسد نمی گردد، و اگر مقدار دو صف رود بدفعہ واحد فاسد گردد و اگر مشی مقدار یک صف گردد بایستاد و باز تا صف دیگر رفت باز بایستاد و فاسد نمی شود و از فتاوی ظہیریہ آوردہ است، کہ مختار آن است، کہ اگر بسیار گردد فاسد است و در حاشیہ شمنی بعلامت ظہیریہ نوشتہ است، کہ اگر نماز در دادگاہ در آمد گرمی آن ایذا می کند اگر بجانب سایہ رود بقدر دو گام فاسد نہ گردد، کذا فی المشکوٰۃ و اشعۃ اللمعات، تصنیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

اور فرمانا مولانا محمد اسماعیل صاحب محدث علیہ الرحمۃ کا بجا اور راست ہے۔ مطلب ان کے بیان کا یہ ہے، کہ ایک دو قدم سے زیادہ اگر امام آگے بڑھے، تو نماز فاسد ہے، اور ایک دو قدم عفو میں داخل ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور مشکوٰۃ شریف اور اشعۃ اللمعات سے واضح ہو چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب

سید محمد نذیر حسین (فتاوے نذیریہ جلد اول ص)

سوال: کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواز تکرار جماعت مسجد واحد میں حدیث صحیح سے ثابت ہے یا نہیں اور فقہاء حنفیہ کی اس میں کیا رائے ہے؟

جواب: بلاشک و شبہ فضیلت و ثواب جماعت اولیٰ کا زیادہ ہے، بہ نسبت جماعات اخریٰ کے، مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے، کہ تکرار جماعت بعد جماعت اولیٰ ناجائز ہو جاوے، اور کراہت بھی اس کی کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ جواز تکرار جماعت فی مسجد واحد حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور صحابہ و

تھا۔ یعنی ایک دو قدم چلتے تھے، اور ظہیریہ میں ہے کہ اگر سورج بادل سے نکل آئے اور گرمی زیادہ ہو جائے تو سایہ کی طرف نمازی ایک دو قدم چل کر جا سکتا۔ واللہ اعلم

تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ دیکھو روایت کی ابوداؤد نے سنن میں۔ باب فی الجمع فی المسجد مرتین حدثنا موسی بن اسمٰعیل ثنا وهیب عن سلیمان الاسود عن ابی المتوکل عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابصر رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه یعنی ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا، تو فرمایا کیا کوئی شخص اس کو صدقہ نہیں دیتا یعنی جو اس کے ساتھ نماز پڑھے، گویا پچیس نمازوں کا ثواب اسے صدقہ میں دیا۔ اس واسطے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں ستائیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

اور روایت کیا ترمذی نے باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد قد صلی فیه مرۃ عن ابی سعید قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل وصلی معه وفی الباب عن ابی امامۃ وابی موسیٰ والحکم بن عمیر قال ابوعیسیٰ وحدیث ابی سعید حدیث حسن یعنی روایت ہے ابوسعیدؓ سے کہ آیا ایک شخص اور نماز پڑھ چکے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کون تجارت کرتا ہے اس شخص کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ شریک ہو جاوے، تو جماعت کا ثواب دونوں پاویں، سو کھڑا ہوا ایک مرد اور نماز پڑھی اس کے ساتھ اور مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:۔ عن ابی امامۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی وحدہ فقال الا رجل یتصدق علی هذا فیصلی معه فقام رجل فصلی معه فقال هذان جماعۃ کذا فی فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ اور ایک روایت میں مسند کے اس لفظ کے ساتھ وارد ہے صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابه الظهر فدخل رجل وذکر کذا فی المنتقی اور کہا حافظ جمال الدین زیلعی نے تخریج احادیث ہدایہ میں رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم فی صحاحهم قال الحاکم حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ انتہی

اور روایت کیا بیہقی نے سنن کبیر میں عن[1] محمد بن الحسن الاسدی عن حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس ان رجلا جاء وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقام یصلی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا کوئی ہے جو اس آدمی پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھی آپ نے فرمایا، یہ دونوں جماعت ہیں [2] ایک آدمی آیا اور آنحضرتؐ

وحدہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یتجر علی ھذا فیصلی معہ کہا زیلعی نے اس حدیث دارقطنی کے بارے میں وسندہ جید انتہی اور بھی روایت کیا دارقطنی نے عن[1] عصمۃ بن مالک الخطمی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی الظہر وقعد فی المسجد اذ دخل رجل یصلی فقال علیہ السلام الا رجل یقوم فیتصدق علی ھذا فیصلی معہ اور یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر چنداں مضر نہیں، کیونکہ طرق متعددہ سے یہ حدیث ثابت ہے۔ اور روایت کیا بزار نے مسند میں حدثنا الھیثم ثنا ابو جابر ثنا محمد بن عبد الملک ثنا الحسن بن ابی جعفر عن ثابت عن ابی عثمان عن سلمان ان رجلا دخل المسجد والنبی صلی اللہ علیہ وسلم قد صلی فقال الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کذا فی نصب الرایۃ للحافظ الزیلعی اور یہ شخص جو شریک ہوئے اس شخص کے ساتھ نماز میں وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہا دارقطنی نے وفی روایۃ البیہقی ان الذی قام فصلی معہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کہا علامہ جلال الدین سیوطی نے قوت المغتذی میں قال[2] ابن سید الناس ھذا الرجل الذی قام معہ ھو ابو بکر الصدیق رواہ ابن ابی شیبۃ عن الحسن مرسلا انتہی

پس ثابت ہوا، کہ مسجد واحد میں تکرار جماعت جائز و درست ہے، کیوں کہ اگر تکرار جماعت مسجد واحد میں جائز نہ ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیوں ارشاد فرماتے الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ یہاں پر اقتداء متنفل کی مفترض کے ساتھ پائی گئی، اور اس میں کلام نہیں، گفتگو اس میں ہے کہ اقتداء مفترض کی مفترض کے ساتھ مسجد واحد میں بہ تکرار جماعت جائز ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ وایکم یتجر علی ھذا۔ ومن یتجر علی ھذا فیصلی معہ۔ والا رجل یقوم فیتصدق

صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے، وہ اکیلا نماز پڑھنے لگا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جو اس سے تجارت کرتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ ایک آدمی داخل ہوا اور نماز پڑھنے لگا، آپ نے فرمایا، کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔

[2] ابن سید الناس نے کہا وہ آدمی جو اس کے ساتھ کھڑا ہوا تھا، ابو بکر صدیق رض تھے۔

علی هذا فیصلی معهم پر دلالت کرتا ہے، خواہ مقتدی متعدد و متفرق ہو یا متعرض اور اگرچہ اس واقعہ خاص میں متصدق اس کا منتقل ہو، مگر یہ خصوص مورد قادح عموم لفظ کا نہ ہوگا، اور اول دلیل اس پر یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک جو من جملہ رواۃ اس حدیث کے ہیں، انہوں نے بھی یہی عموم سمجھا، چنانچہ انہوں نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جماعت ثانیہ ساتھ اذان و اقامت کے قائم کی، اس مسجد میں جہاں جماعت اولیٰ ہو چکی تھی۔ صحیح بخاری کے باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ میں ہے۔ وجاء انس الی مسجد قد صلی فیه فاذن واقام وصلی جماعة انتهی[1]

کہا حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں وجاء انس الخ وصله ابو یعلی فی مسنده من طریق الجعد ابی عثمان قال مرّبنا انس بن مالک فی مسجد بنی ثعلبة فذکر نحوه قال وذلک فی صلوٰۃ الصبح وفیه فامر رجلا فاذن واقام ثم صلی باصحابه واخرجه ابن ابی شیبة من طریق عن الجعد وعند البیهقی من طریق ابی عبد الصمد العمی عن الجعد نحوه وقال مسجد بنی رفاعة وقال فجاء انس فی نحو عشرین من فتیانه انتهی[2]

حاصل کلام کا یہ ہوا کہ یہ سات صحابہ حضرت ابو سعید خدری و انس بن مالک و عصمۃ بن مالک و سلمان و ابو امامہ و ابو موسیٰ اشعری و الحکم بن عمیر رضی اللہ عنہم نے اس واقعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بموجب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ اس کے نماز پڑھنے لگے، اس مسجد میں جہاں جماعت اولیٰ ہو چکی تھی اور اطلاق اس پر جماعت کا ہوگا، کیونکہ الاثنان فما فوقهما جماعة اور حضرت انس نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل کیا، جیسا کہ روایت سے مسند ابو یعلی موصلی و ابن ابی شیبہ و بیہقی کے معلوم ہوا اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور یہی مذہب صحیح و قوی ہے کہ تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے اور فقہاء حنفیہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ تکرار جماعت ساتھ اذان ثانی کے اس مسجد میں کہ امام و مؤذن وہاں مقرر ہیں مکروہ ہے اور تکرار اس کا بغیر اذان کے مکروہ نہیں، بلکہ امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو تو کچھ کراہت نہیں، اور محراب سے عدول کرنے میں ہیئت بدل جاتی ہے،

---

[1] حضرت انس مسجد میں آئے جماعت ہو چکی تھی آپ نے اذان اور اقامت کہی اور جماعت سے نماز پڑھی۔

[2] انس بن مالک بنو ثعلبہ کی مسجد میں آئے، صبح کی نماز پڑھی جا چکی تھی، آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا اس نے دوبارہ اذان کہی اور اقامت پڑھی، پھر اپنے ساتھیوں سمیت نماز پڑھی۔

بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں ہے ومنہا حکم تکرارہا فی مسجد واحد ففی المجمع لا یکررہا فی مسجد محلۃ باذان ثان وفی المجتبی ویکرہ تکرارہا فی مسجد باذان واقامۃ انتہی مختصراً اور شرح منیۃ المصلی میں ہے[1] واذا لم یکن للمسجد امام ومؤذن راتب فلا یکرہ تکرار الجماعۃ فیہ باذان واقامۃ عند نابل ہو الافضل اما لو کان لہ امام ومؤذن فیکرہ تکرار الجماعۃ فیہ وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ اذا لم تکن علی ھیئۃ الاولی لا یکرہ والا یکرہ وھو الصحیح ۔ اور طوالع الانوار حاشیہ درالمختار میں ہے کراہۃ الجماعۃ فی غیر مسجد الطریق مقیدۃ بما اذا کانت الجماعۃ الثانیۃ باذان واقامۃ لا باقامۃ فقط وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ اذا لم تکن علی ھیئۃ الاولی لا تکرہ والا تکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ انتہی اور ردالمختار حاشیہ درالمختار میں ہے ۔ یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الا اذا صلی بہما فیہ اولا غیر اہلہ او اہلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولو کرر اہلہ بدونہما اوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولا مؤذن انتہی اور یہی ردالمختار میں ہے قد علمت بان الصحیح انہ لا یکرہ تکرار الجماعۃ اذا لم تکن علی الھیئۃ الاولی انتہی مختصراً ۔ پس ان روایات فقہیہ سے صاف معلوم ہوا کہ جب جماعت ثانیہ میں عدول محراب سے ہو جاوے یا تکرار اس کا بغیر اذان کے ہو تو بلا کراہت جائز ہے اگرچہ اقامت اس میں کہی جاوے ، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہوا کہ انہوں نے تکرار جماعت ساتھ اذان واقامت دونوں کے کیا ۔

واللہ اعلم بالصواب حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق — سید محمد نذیر حسین — للہ در من اجاب حررہ ابو المحمد عبد الصمد بہاری غفرلہ ولوالدیہ

ابو المحمد عبد الصمد ما احسن ہذا الجواب المقرون بالصدق والصواب حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی

---

[1] اور اس میں سے ایک ہی مسجد میں تکرار جماعت کا مسئلہ بھی ہے ۔ مجمع ہے محلہ کی مسجد میں دوسری اذان کہہ کر دوبارہ جماعت نہ کرائی جائے ، مجتبی میں بھی ایسا ہی ہے ۔ [2] جب کسی مسجد کا کوئی امام اور مؤذن مقرر نہ ہوں ، تو اس میں اذان اور اقامت سے جماعت مکرر نہیں ہے ، بلکہ افضل ہے ہاں اگر امام اور مؤذن مقرر ہوں ، تو تکرار جماعت مکروہ ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اگر پہلی ہیئت پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے ۔ ورنہ مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے ۔

[2] کتبہا وزاد اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

اصاب من اجاب حررہ محمد حمایت اللہ جلیری۔ صح الجواب الفقیر امیر علی عفا اللہ عنہ للہ در المجیب حیث اتی بدلائل شافعۃ وبراھین قاطعۃ التی زال عنہا شبھۃ المعارضین ود فع بہا شکوک المجادلین فلیعمل العاملون حررہ عاجز البشر ابوظفر محی الدین عفی عنہ۔ ابوظفر محمد عمر فتاوی نذیریہ ص ۲۸۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد قائم ہونے جماعت فرض صبح کے دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد کے اندر خواہ قریب صف کے یا دور صف سے پڑھنی مکروہ ہیں یا نہیں، حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے زبان اُردو میں جواب ادا فرمادیں اور اس باب میں کوئی حدیث صحیح جو کہ دلالت کرے کراہت پر وارد ہوئی ہے یا نہیں؟ بیان کرو ثواب پاؤ گے۔

الجواب: جب مسجد میں جماعت قائم ہو، تو بعد اس کے سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنی مکروہ ہیں، خواہ صف کے پاس پڑھے، یا دور صف سے پڑھے، دونوں صورتوں میں مکروہ ہے۔ کیوں اس میں مخالفت پائی جاتی ہے کیونکہ امام جماعت کرا رہا ہے اور یہ شخص جدا جماعت سے سنت پڑھ رہا ہے، جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر حاشیہ ہدایہ اور در مختار اور فتاوی ولواجیہ اور فتاوے عالمگیری اور حمیدار ضوی وغیرہ سے سمجھا جاتا ہے اور ہدایہ فقہ حنفی میں بہت معتبر کتاب ہے اور فتح القدیر بھی بہت معتبر ہے چنانچہ علمائے حنفیہ پر مخفی نہیں اور قریب صف کے پڑھنے میں اشد کراہت ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا، جیسا کہ لکھا ہے ایسا ہی فتح القدیر میں مذکور ہے اور دلیل کراہت کی بموجب حدیث کے ہے۔ بیان حدیث کا آگے آوے گا۔ عبارت ہدایہ کی یہ ہے۔ ومن انتہی الی الامام فی صلوۃ الفجر وھو لم یصل رکعتی الفجر ان خشی ان تفوتہ رکعۃ ویدرک الاخری یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل وان خشی فوتہما دخل مع الامام لان ثواب الجماعۃ اعظم والوعید بالترک الزم والتقیید بالاداء عند باب المسجد یدل علی الکراھۃ فی المسجد اذا کان الامام فی الصلوۃ جو شخص مسجد میں آیا اور امام جماعت کرا رہا ہے اور اس شخص نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی، پس اگر خوف ہو، کہ ایک رکعت جاتی رہے گی اور دوسری رکعت ہاتھ آوے گی، تو سنت فجر کی نزدیک دروازہ مسجد کے اگر جگہ ملے تو ادا کرکے جماعت میں مل جاوے اور جو خوف ہو کہ سنت پڑھنے میں دو رکعتیں فرض کی جماعت سے فوت ہو جاویں گی، تو جماعت میں مل جاوے اور سنت کو اس وقت چھوڑ دے، اس لئے کہ ثواب جماعت کا بہت بڑا ہے اور اس کے ترک میں سخت وعید لازم آتی ہے اور قید ادا سنت کی نزدیک دروازہ مسجد کے دلالت کرتی ہے اوپر کراہت

پڑھے سنت کے مسجد میں جس وقت کہ امام جماعت کراتا ہو، ترجمہ ہدایہ کا تمام ہوا اور ایسا ہی فتح القدیر اور درمختار وغیرہ کا مطلب ہے۔ اور مراد نزدیک دروازہ مسجد سے خارج مسجد ہے یعنی خارج مسجد میں قریب دروازہ کے مسجد کوئی جگہ اگر ہو، تو وہاں سنت ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جاوے اور جو کوئی جگہ نہ ہو، تو جماعت فرض میں مل جاوے، اور سنت مسجد میں نہ پڑھے کہ سنت مسجد کے اندر ادا کرنے میں کراہت لازم آوے گی۔ کیوں کہ ترک مکروہ کا مقدم ہے ادائے سنت پر، جیسا کہ فتح القدیر اور درمختار وغیرہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ قوله والتقييد بالاداء عند باب المسجد يدل على الكراهة في المسجد اذا كان الامام في الصلوة لما روى عنه عليه الصلوة والسلام اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الا المكتوبة ولانه يشبه المخالفة للجماعة والانتباذ عنهم فينبغي ان لا يصلي في المسجد اذا لم يكن عند باب المسجد مكان لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة غير ان الكراهة تتفاوت فان كان الامام في الصيفي فصلوته اياها في الشتوي اخف من صلوتها في الصيفي وعكسه اشد ما يكون كراهة ان يصليها مخالطا للصف كما يفعله كثير من الجهلة انتهى ما في فتح القدير۔ واذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة اكمل والا بان رجا ادراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر لكن ضعفه في النهر لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا والا تركها لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة كذا في الدر المختار قوله عند باب المسجد اى خارج المسجد كما صرح به القهستاني كذا في الشامي يصلي كرهتي

لے اور مسجد کے دروازے کے پاس سنتیں ادا کرنے کی قید دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں ان کا ادا کرنا مکروہ ہے جب کہ امام نماز پڑھ رہا ہو کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جب جماعت کھڑی ہو جائے تو فرضوں کے علاوہ اور کوئی جماعت نہیں ہوتی، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی جماعت سے علیحدہ ہے اور اگر مسجد کے دروازہ کے پاس کوئی جگہ نہ ہو تو پھر سنت نہ پڑھے، کیوں کہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے اور کراہت کے درجات متفاوت ہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی جماعت کی صف کے پیچھے اگر سنت ادا کرنے لگے تو اس کی کراہت بہت زیادہ ہوگی۔ جیسا کہ آج کل بعض جاہل لوگ کرتے ہیں۔ اگر سنت پڑھتے فرض جماعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو سنت نہ پڑھے اور اگر آخری رکعت مل جانے کی توقع ہو اور بعض کے نزدیک آخری تشہد کی توقع ہو، تو

الفجر عند باب المسجد ثم یدخل کذا فی العالمگیریۃ وذکر ابو الیسر اما م یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم لا یکرہ وقال بعضھم یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف المشائخ فالاحتیاط ان لا یفعل انتھی ما فی البحر الرائق

اور دلیل کراہت کی سنت فجر کے پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے نزدیک صاحب ہدایہ کے اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے یہ حدیث ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ جب قائم ہو جاتے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے، تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے، جیسا کہ نقل کیا، اس حدیث کو مسلم اور ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی اور احمد بن حنبل اور ابن حبان نے اور بخاری ترجمہ باب میں اس حدیث کو لائے ہیں اور ابن عدی محدث نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے۔ اے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی یعنی کسی نے پوچھا، کہ اقامت کے وقت سنت فجر کی بھی نہ پڑھے، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے، تو سنت فجر کی بھی نہ پڑھے، اور مؤطا امام مالک میں اس طرح پر روایت ہے، کہ چند شخص مؤذن کی اقامت سن کر دو رکعت سنتیں فجر کی مسجد میں پڑھنے لگے، پس گھر سے مسجد میں تشریف لائے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرمایا، کیا دو نماز سنت اور فرض اکٹھے ایک وقت خاص میں، کیا دو نماز سنت و فرض اکٹھے ایک وقت خاص میں یعنی از راہ انکار و توبیخ و سرزنش کے یہ فرمایا کیا دو نماز سنت و فرض اکٹھے پڑھتے ہو تم لوگ بعد اقامت کے، جیسا کہ محلی شرح مؤطا میں نقل کی ہے۔

اور دوسری حدیث انکار سنت فجر کی پڑھنے میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ یصلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاث بہ الناس فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتصلی الصبح اربعا

تو مسجد کے دروازہ پر یعنی مسجد کے باہر سنت ادا کرے، اگر آخری رکعت کی بھی توقع نہ ہو، تو سنت نہ پڑھے یا اگر مسجد کے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو بھی سنت نہ پڑھے کیونکہ مکروہ کا ترک سنت کے فعل پر مقدم ہے۔ درمختار، قہستانی، شامی عالمگیری میں ایسا ہی ہے۔ بحر الرائق میں ہے، امام صبح کی نماز مسجد کے اندر پڑھا رہا ہو، ایک آدمی مسجد کے باہر آ کر سنت پڑھنے لگے، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک مکروہ نہیں اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ اس لئے کہ

رواہ البخاری عن عبد اللہ بن بحینۃ ترجمہ مقرر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کہ سنت فجر کی پڑھ رہا ہے، وقت قائم ہونے جماعت کے پھر جب فارغ ہوئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز فرض سے تو گرد ہوئے لوگ اس کے ساتھ، پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے توبیخ اور انکار فرمایا، کہ کیا چار رکعت صبح کی تو پڑھتا ہے۔ اس کو روایت کیا امام بخاری نے عبد اللہ بن بحینۃ صحابی سے، اور صحیح مسلم وغیرہ میں عبد اللہ بن بحینۃ سے یوں روایت ہے قال اقیمت صلوٰۃ الصبح فرای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی والمؤذن یقیم فقال اتصلی الصبح اربعا۔ ترجمہ کہا عبد اللہ بن بحینہ نے اقامت ہوئی نماز صبح کی پھر دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو، کہ سنت فجر کی پڑھنے لگا، اور مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ انکار کے کیا پڑھتا ہے تو چار رکعت صبح کی۔

اور صحیح مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ میں عبد اللہ بن سرجس صحابی سے یوں روایت ہے قال دخل رجل المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاتک وحدک ام بصلوتک معنا۔ کہا عبد اللہ بن سرجس صحابی نے کہ داخل ہوا، ایک شخص مسجد میں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ نماز صبح کے تھے۔ یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں امامت کرا رہے تھے، پھر اس شخص نے دو رکعت سنت فجر کی بیچ ایک جانب مسجد کے پڑھی، پھر داخل ہوا وہ جماعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھر جب سلام پھیرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے کونسی نماز کو فرض میں شمار کیا تو نے آیا جو نماز تنہا پڑھی تو نے اس کو فرض ٹھیرایا یا جو نماز ہمارے ساتھ پڑھی تو نے اس کو فرض شمار کیا یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزنش اور انکار کی راہ سے یہ بات فرمائی ابن کوپس اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سنت کا پڑھنا وقت قائم ہونے جماعت کے مکروہ اور ممنوع ہے اور ایک روایت عبد اللہ بن بحینہ سے صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں اس طرح سے ہے:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر برجل یصلی وقد اقیمت صلوٰۃ الصبح فکلمہ بشئ لا ندری ما ھو فلما انصرفنا احطنا بہ نقول ماذا قال لک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال لی یوشک ان یصلی احدکم الصبح اربعا۔ ترجمہ۔ مقرر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد کے پاس سے گزرے کہ وہ پڑھتا تھا سنتین فجر کی اس حال

تھی کہ جماعت نماز صبح کی قائم ہوئی تھی پھر کلام کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کہ ہم نے نہیں معلوم
کیا کہ کیا فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے پھر جب ہم لوگ نماز جماعت سے فارغ ہوئے تو گرد ہوئے
اس مرد کے اور کہا ہم نے کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو کہا اس مرد نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھے قریب ہے کہ پڑھے گا ایک تمہارا فرض صبح کی چار رکعت یعنی پڑھنا سنت کا وقت قائم ہونے جماعت
کے برابر فرض کے ٹھیراتا ہے آخر سنت کو ہوتے ہوتے بمنزلہ فرض کے اعتقاد کروگے تو اس طرح کا اعتقاد سنت
کو درجہ فرض کے پہنچا دیگا سنت اور فرض میں امتیاز نہ رہے گا اور ایسا اعتقاد خلاف مرضی میری ہوگا اور جو
اعتقاد کسی کا خلاف میری مرضی کے ہوگا وہ مردود اور بدعت اور ضلالت ہے۔ اذا [لہ] اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ
الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ
المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص وزاد ابن عدی بسند
حسن قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر توربشتی وھکذا فی القسطلانی
[illegible] عن شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلوتان ای السنۃ والفرض معا ای صلاۃ فی وقت واحد
صلوتان معا وذلک فی صلوٰۃ الصبح فی الرکعتین اللتین قبل الصبح اعلم انہ قد اختلف
فی اداء سنۃ الفجر عند الاقامۃ فکرھہ الشافعی واحمد عملا بتلک الاحادیث وقالت المالکیۃ
لا یبتدء الصلوٰۃ بعد الاقامۃ لا فرضا ولا نفلا لحدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا
المکتوبۃ واذا اقیمت وھو فی الصلوٰۃ قطع ان خشی فوت رکعۃ والا لا اثم واستدل بعموم
الحدیث من قال بقطع النافلۃ اذا اقیمت الفریضۃ وبہ قال ابو حامد وغیرہ ورخص
الخروج النھی عن ینشاء النافلۃ عملا بقولہ ولا تبطلوا اعمالکم ثم ان مسلم بن خالد عن
عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل

لہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی یہ مرفوع حدیث ہے دوسرے لفظ یہ ہیں کہ جب مؤذن
اقامت شروع کر دے تو وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کیا صبح کی سنتیں
بھی نہ پڑھی جائیں آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہ پڑھی جائیں اقامت ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو
دیکھا کہ وہ سنتیں پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتے ہو؟ اور یہ صبح کی نماز کا وقت تھا۔ اقامت کے وقت

یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی ہذہ الزیادۃ لا اصل لہا کذا فی المحلی عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ وفی الباب عن ابن بحینۃ وعبد اللہ بن عمرو وعبد اللہ بن سرجس وابن عباس وانس قال ابو عیسیٰ حدیث ابی ہریرۃ حدیث حسن وکذا روی ایوب وورقاء ابن عمرو وزیاد بن سعد واسماعیل بن مسلم ومحمد بن جحادۃ عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وروی حماد بن زید وسفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار ولم یرفعاہ والحدیث المرفوع اصح عندنا وقد روی ھذا الحدیث عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر ھذا الوجہ رواہ عیاش بن عباس القتبانی المصری عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم والعمل علی ھذا عند اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہم اذا اقیمت الصلوٰۃ ان لا یصلی الرجل الا المکتوبۃ وبہ یقول سفیان الثوری رحمہ اللہ علیہ وابن المبارک والشافعی واحمد و اسحاق انتہی ما فی الترمذی عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ وحدثنیہ محمد بن حاتم وابن رافع قال حدثنا شبابۃ قال حدثنی ورقاء بہذا الاسناد وحدثنی یحیی بن حبیب الحارثی قال حدثنا روح قال حدثنا زکریا بن اسحاق قال حدثنا عمرو بن دینار قال سمعت

فجر کی سنت ادا کرنے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ مالکی کہتے ہیں کہ اقامت ہو جانے کے بعد کوئی نماز شروع نہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل اگر پہلے سے نماز شروع کر رکھی ہو اور اقامت بعد میں ہو تو اگر رکعت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو نماز توڑ دے اور اگر رکعت مل جانے کی امید ہو، تو نماز پوری کرے کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اپنے عملوں کو ضائع نہ کیا کرو، باقی رہا الا رکعتی الفجر (مگر صبح کی دو سنتیں) کا استثناء امام بیہقی نے کہا یہ زیادت صحیح نہیں ہے۔ محلی میں بھی یہی ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اس مضمون کی حدیثیں ابن بحینۃ ابن عمرو، ابن سرجس، ابن عباس، انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے امام ترمذی نے کہا ابو ہریرۃ کی حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کو کئی راویوں نے مرفوعاً بیان کیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے موقوفاً۔ سفیان ثوری۔ ابن مبارک، شافعی۔ احمد۔ اسحٰق سب کا یہی مذہب ہے کہ فرض کے شروع

عطاء بن یسار یقول عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ حدثنا عبد ابن حمید قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا زکریا بن اسحق بھذا الاسناد مثلہ وحدثنا حسن الحلوانی قال حدثنا یزید بن ھرون قال اخبرنا حماد بن زید عن ایوب عن عمرو بن دینار عن عطاء بن یسار عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمثلہ قال حماد ثم لقیت عمرا فحدثنی بہ ولم یرفعہ کذا فی صحیح مسلم مختصرا قولہ قال حماد ثم لقیت عمروا فحدثنی بہ ولم یرفعہ ھذا الکلام لا یقدح فی صحۃ الحدیث ورفعہ لان اکثر الرواۃ رفعوہ وقال الترمذی وروایۃ الرفع اصح وقد قدمنا فی الفصول السابقۃ فی مقدمۃ الکتاب ان الرفع مقدم علی الوقف علی المذہب الصحیح وان کان عدد الرفع اقل فکیف اذا کان اکثر انتہی ما قال النووی فی شرح مسلم وھکذا فی تدریب الراوی اور معلوم ہوا کہ جو ابراہیم حلبی شارح منیۃ المصلی شاگرد ابن الہمام وغیرہ نے طحاوی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو الدرداؓ صحابیوں میں سے اور مسروق وحسن بصری وابن زبیر وغیرہ تابعین میں سے بعد قائم ہو جانے جماعت کے سنت فجر کی گوشۂ مسجد میں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوئے سو اس نقل سے سنت کا پڑھنا مسجد میں بعد اقامت صلوۃ کے جائز معلوم ہوتا ہے پس یہ نقل صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر و در مختار وغیرہ کی تقریر اور تحریر سے صحیح اور ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ جو ثابت ہوتی تو صاحب ہدایہ و فتح القدیر کہ محقق مذہب حنفی کے ہیں ضرور نقل کرتے اس کو حالاں کہ اس کو نقل نہیں کیا بلکہ خلاف اس کے بلحاظ حدیث اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ کے سنت فجر کی مسجد میں پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، چنانچہ بخوبی پہلے مذکور ہو چکا تو اس سے معلوم ہوا کہ قول طحاوی وغیرہ کا جو ابراہیم حلبی مذکور نے نقل کیا ہے نزدیک صاحب ہدایہ اور صاحب فتح القدیر وغیرہ کے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے ورنہ وہ ضرور نقل کرتے اور نیز فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مخالف فعل عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے منقول ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ایک شخص سنت فجر کی پڑھ رہا ہے وقت قائم ہونے جماعت کے تو اس کو مارا اور تعزیر دی اور عبد اللہ بن عمر

ہو جانے کے بعد کوئی اور نماز نہیں ہوتی۔ امام ترمذی نے کہا مرفوع روایت صحیح ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحیح مذہب پر رفع وقف سے مقدم ہوتا ہے۔ اگرچہ رفع کی روایات کم ہوں اور اگر رفع کی روایات وقف سے زیادہ ہوں تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا۔

نے دیکھا ایک شخص کو کہ وقت اقامت مؤذن کے سنت فجر کی پڑھنے لگا تو اس کو کنکر مارا جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا اور در
محلی شرح موطا میں مذکور ہے اور اگر بالفرض عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ نے سنت فجر کی پڑھی ہو تو جواب اس کا یہ
ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ وغیرہ کو حدیث نہی کی نہیں پہنچی اور حدیث نہی کے نہ پہنچنے میں کچھ تعجب نہیں کیوں کہ مخفی رہا
عبداللہ پر ہاتھ کا گھٹنوں پر رکھنا رکوع میں اور وہ ہمیشہ دونوں ہاتھ ملا کر رانوں میں رکھتے تھے موافق پہلے دستور
کے اور مخالفت کی عبداللہ بن مسعود نے سب صحابہ سے اس مسئلہ میں، چنانچہ صحاح میں مذکور ہے حالاں کہ رکھنا دونو
ہاتھوں کا ملا کر رانوں میں منسوخ ہو چکا مگر عبداللہ بن مسعود کو نسخ کی حدیث نہیں پہنچی حالاں کہ رکوع میں ہاتھ
رکھنا گھٹنوں پر ہر وقت کا مدام معمول ہے ہر نماز میں اور یہ فعل ایسا مشہور عبداللہ بن مسعود پر مخفی رہا پس اسی طرح
حدیث نہی سنت فجر کے پڑھنے میں بیچ مسجد کے وقت قائم ہونے جماعت کے عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداؓ
کو نہ پہنچی اور اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوالدرداؓ بجائے قرأت وما خلق الذکر والانثی کے والذکر والانثی پڑھتے
تھے حالاں کہ وما خلق الذکر قرأت متواترہ جمہور صحابہ کے نزدیک ہے۔ اور یہی قرأت متواتر تمام قرآن مجید میں اور
مصحف عثمانی میں اسی طرح سے مذکور ہے اور عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداؓ کو یہ قرأت متواترہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے نہ پہنچی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں یہ قصہ مذکور ہے پس بسبب لاعلمی اس حدیث نہی کے عبداللہ بن
مسعود اور ابوالدرداء نے سنت فجر کی بیچ مسجد میں بوقت قائم ہو جانے جماعت کے اگر پڑھی ہو تو معذور ہیں گے
اور ہم پر ان کا پڑھنا بمقابلہ حدیث صحیح کے کہ چھ سات صحابی سے منقول ہے حجت نہیں ہو سکتا بموجب اس آیت
کریمہ کے وما آتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا ترجمہ۔ جو چیز دی تم کو رسولؐ نے پس لے لو اس کو اور
عمل کرو اس پر اور جس چیز سے منع کیا تم کو پس باز رہو اس سے اور نہ کرو اس کو پس قول و فعل اور تقریر رسول مقبول
صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب الاتباع ہے امت پر وقد روی عن عمرؓ انہ کان اذا رأی رجلا یصلی وھو یسمع
الاقامۃ ضربہ وعن ابن عمرؓ انہ کان اذا ابصر رجلا یصلی رکعتین والمؤذن یقیم فحصبہ
کذا فی المحلی اور بعض علمائے حنفی جواب میں حدیث نہی کے یوں تقریر کرتے ہیں کہ اس شخص نے کنارہ مسجد کے
یا اوٹ کے میں نہیں پڑھی تھی اس واسطے انکار اور زجر فرمایا اور اگر دور یا اوٹ میں پڑھتا تو مضائقہ نہیں تھا۔
تو حدیث صحیح مسلم کی ان کے قول کو رد کرتی ہے جیسا کہ محلی میں موجود ہے ، ومن الحنفیۃ من قال انما انکر

ـلـہ حضرت عمرؓ جب کسی آدمی کو اقامت ہو جانے کے بعد نماز میں مشغول پاتے تو اس کو مارتے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک آدمی کو اقامت
کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو کنکریاں ماریں۔ ـٰـہ بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آدمی پر انکار کر

النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال الصبح اربعا لانہ علم انہ صلی الفرض اولان الرجل صلیہا فی المسجد بلا حائل فشوش علی المصلین ویرد الاحتمال الاول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کما فی الکتاب اصلوتان معا ورہا الطبرانی عن ابی موسی انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یصلی رکعتی الغداۃ والمؤذن یقیم فاخذ منکبیہ وقال الا کان ھذا قبل ھذا ویرد الثانی ما فی مسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وھو صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوۃ الغداۃ فصلی رکعتین فی جانب المسجد ثم دخل مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما سلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم .... قال یا فلان بای الصلوتین اعتددت ابصلوتک وحدک ام بصلوتک معنا انتہی فانہ یدل علی ان اداء الرجل کانت فی جانب لا مخالطا للصف وفی المحیط الرضوی اختلفوا فی الکراھۃ فیما اذا صلی فی المسجد الخارج والامام فی الداخل فقیل لا یکرہ وقیل یکرہ لان ذلک کلہ کمکان واحد فاذا اختلف المشائخ فیہ کان الاحوی ان لا یصلی کذا فی المحلی ، پس احادیث مذکور بالا سے صاف واضح ہوتا ہے کہ سنت فجر کی بعد کھڑے ہو جانے جماعت فرض کے مطلقاً نہ پڑھے نہ مسجد میں اور نہ خارج میں اور یہی مذہب ہے سارے اہل علم اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہا و ابن مبارک اور احمد شافعی اور اسحاق کا ہے جیسا کہ ترمذی سے واضح ہے ، اور مالکی مذہب سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے جیسا کہ محلی شرح موطا سے معلوم ہوتا ہے اور ہدایہ و فتح القدیر و درمختار سے پہلے مذکور ہو چکا کہ وقت اقامت کے مسجد میں سنت پڑھنی مکروہ ہے اور خارج مسجد میں پڑھنی درست ہے بشرطیکہ دونوں رکعت فرض کی فوت نہ ہو جاویں لیکن مضمون حدیث سے مطلق معلوم ہوتا ہے نہ پڑھنا سنت کا خواہ مسجد میں ہو خواہ خارج مسجد کے ہو وقت قائم ہونے جماعت کے. فیہ دلیل علی انہ لا یصلی بعد

کے بعد فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے یہ اس لیے کہا تھا کہ آپ نے سمجھا کہ اس نے پہلے بھی فرض ہی پڑھے ہیں یا پھر سنتیں مسجد میں بغیر کسی اوٹ کے پڑھی ہوں گی پہلے احتمال کو یہ حدیث رد کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا وہ صبح کی دو سنتیں پڑھ رہا ہے موذن نے اقامت کہی آپ نے کندھوں سے پکڑا اور فرمایا اس سے پہلے سنتیں کیوں نہ پڑھیں اور دوسرے احتمال کا جواب یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اس نے مسجد کے گوشے میں دو رکعت سنت پڑھیں. پھر نبی کریم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوا آپ نے فرمایا اے فلانے ان دونوں نمازوں میں سے تو نے کون سی نماز شمار کی ہے. کیا اپنی اکیلے کی نماز یا وہ نماز جو تو نے ہمارے ساتھ پڑھی یہ حدیث دلیل ہے کہ اس نے مسجد کے گوشے میں سنتیں پڑھی تھیں. محیط میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ جب امام مسجد کے اندر

الاقامۃ نافلۃ وان کان یدرک الصلوٰۃ مع الامام ورد علی من قال ان علم انہ یدرک الرکعۃ الاولی اوالثانیۃ یصلی النافلۃ انتہی۔ ما قال النووی فی شرح مسلم اور نہ پڑھنے سنت میں وقت قائم ہونے جماعت کے یہ حکمت ہے کہ دل جمعی سے ابتدا جماعت فرض میں مل جاوے اور ثواب تکبیر اولی اور تکمیل فرض کی حاصل ہو اور صورت اختلاف کی نہ ظاہر ہووے پس محافظت فرض کی اوپر وجہ کمال کے مقتدی کو ضرور ہے ؎ ان الحکمۃ فیہ ان یتفرغ للفریضۃ من اولہا فیشرع فیہا عقیب شروع الامام واذا اشتغل بنافلۃ الاحرام وفاتہ بعض مکملات الفریضۃ فالفریضۃ اولی بالمحافظۃ علی اکمالہا قال القاضی وفیہ حکمۃ اخری وھو النہی عن الاختلاف علی الائمۃ کذا قال الامام النووی فی شرح مسلم اب آگے باقی رہا کلام اس میں کہ سنت فجر کی بعد طلوع آفتاب کے پڑھے پس عبداللہ بن عمرؓ سے دونوں طرح منقول ہے خواہ بعد طلوع آفتاب کے یا قبل طلوع کے مالک انہ بلغہ ان عبد اللہ بن عمرؓ فاتہ رکعتا الفجر فقضاھا بعد ان طلعت الشمس کذا فی موطا امام مالک وھکذا اسندہ ابن ابی شیبۃ عن نافع عن ابن عمر جاء الی القوم وھم فی الصلوٰۃ ولم یکن صلی الرکعتین فدخل معھم ثم جلس فی مصلاہ فلما اضحی قام فصلاھما ولہ من طریق عطیۃ قال رأیت ابن عمرؓ قضاھا حین سلم الامام صلی اور نیز حدیث مرفوع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درباب قضاء سنت بعد طلوع آفتاب کے ابی ہریرۃ رضؓ

نماز پڑھ رہا ہو اور باہر کوئی آکر سنتیں پڑھے تو یہ مکروہ ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ مکروہ نہیں ہے اور بعض نے اسے مکروہ کہا ہے اس لیے کہ مسجد حقیقت میں ایک ہی مکان ہے اور جب مشائخ کا اختلاف ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ نہ پڑھے۔

۱؎ اس میں دلیل ہے کہ اقامت کے بعد کوئی نفل نماز نہ پڑھی جائے اگرچہ وہ امام کے ساتھ نماز کو پا سکتا ہو اور اس میں اس آدمی کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اگر اسے ایک رکعت یا دونوں رکعت مل جانے کی توقع ہو تو سنتیں پڑھ لے۔

۱؎ اس میں حکمت یہ ہے کہ وہ فرضوں کے لیے فارغ ہو جائے گا جب امام نماز شروع کرے گا تو وہ بھی شروع کرے گا۔ اور اگر نفل میں مشغول ہو گیا تو اس سے تکبیر تحریمہ اور بعض حصہ فرائض کا بھی فوت ہو جائے گا۔ تو فرائض کی محافظت ضروری ہے۔ قاضی عیاض نے کہا اس میں حکمت بھی ہے۔ کہ ائمہ کی مخالفت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ۲؎ امام مالک کو خبر پہنچی کہ عبداللہ بن عمر کی صبح کی سنتیں رہ گئی تھیں۔ ان کی قضا آپ نے سورج نکلنے کے بعد کی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن عمرؓ مسجد میں آئے لوگ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ ان کے ساتھ شامل ہو گئے پھر اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہے جب ضحیٰ کا وقت ہو گیا تو اٹھے اور ان کی قضا دی۔ عبداللہ بن عمر نے ایک دفعہ صبح کی سنتوں کی قضا امام کے سلام پھیرنے کے بعد دی۔

سے ترمذی میں موجود ہے۔ اور کہا ترمذی نے اور اس پر عمل ہے اہل علم کا اور یہی قول سفیان ثوری اور شافعیؒ اور احمد و ابن المبارک و اسحاق کا ہے۔ عن ابی ھریرۃ مرفوعاً من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس قال الترمذی والعمل علیٰ ھذا عند اھل العلم وبہ یقول الثوری والشافعی واحمد وابن المبارک واسحاق انتھٰی ما فی الترمذی اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے بعد فرض قبل طلوع آفتاب کے بھی پڑھنا سنت فجر کا واضح ہوتا ہے۔ کہ قیس بن عمرؓ صحابی وقت اقامت جماعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں شامل ہوئے اور بعد ادائے فرض کے سنت فجر کی جلدی سے پڑھنے لگے اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جماعت سے فارغ ہوئے اور پایا قیس کو سنت پڑھتے ہوئے تو فرمایا اے قیس ٹھہر جا آیا دو نماز اکٹھی پڑھتا ہے تو قیس نے کہا اے رسول خدا کے میں نے سنت فجر کی پہلے نہیں پڑھی تھی سو میں نے یہ دو رکعت سنت فجر کی پڑھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس نہیں مضائقہ اس وقت یعنی جب کہ پہلے تو نے سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی اور بعد ادائے فرض کے تو نے پڑھی تو اس کے پڑھنے کا مضائقہ نہیں ، تو اس کلام سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور واضح ہوا کہ بعد فرض صبح کے سنت فجر کی پڑھنا روا ہے اور نفل پڑھنا مکروہ ہے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو حدیث نہی سے سنت فجر کی مستثنیٰ اور خارج ہوئی اور نہی اس پر وارد نہیں ہوتی کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیس کے سنت پڑھنے پر خاموش ہے اور ایک روایت میں یوں فرمایا کیا مضائقہ اور ایک روایت میں مسکرائے اور اسی واسطے جماعت علماء مکہ معظمہ کی حدیث قیس پر عمل کرنے کو روا رکھتی ہے۔ پس جو شخص بعد ادائے فرض کے سنت فجر کی پڑھنے کو شدت سے منع کرتے ہیں تو قول ان کا بموجب حدیث قیس کے مقبول نہ ہوگا کیوں کہ اس میں وسعت پائی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت کا اس حدیث کو مرسل کہیں گے اور حدیث مرسل حنفی مذہب اور مالکی مذہب میں حجت ہے جیسا کہ نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں مذکور ہے۔ باب من فاتتہ متی یقضیھا حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ نا ابن نمیر عن سعد بن سعید حدثنی محمد بن ابراھیم عن قیس بن عمرو قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یصلی بعد صلوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انما

لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھیں تو آپؐ نے فرمایا صبح کی نماز تو دو ہی رکعت ہے۔ تو نے یہ کیا کیا ہے؟ اس نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کر سکا تھا وہ اب پڑھی ہیں تو آپ خاموش رہے

اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلہما فصلیتہما الآن فسکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا حامد بن یحیی البلخی قال قال سفیان کان عطاء بن ابی رباح یحدث بھذا الحدیث عن سعد بن سعید قال ابوداؤد وروی عبد ربہ ویحیی ابنا سعید ھذا الحدیث مرسلا ان جدھم زید اصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتھی ما فی ابی داؤد باب. ما جاء فیمن تفوتہ الرکعتان قبل الفجر یصلیھما بعد صلوٰۃ الصبح حدثنا محمد بن عمرو السواق حدثنا عبد العزیز بن محمد عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم عن جدہ قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا قال ابو عیسی حدیث محمد بن ابراھیم لا نعرفہ مثل ھذا الا من حدیث سعد بن سعید وقال سفیان بن عیینۃ سمع عطاء بن ابی رباح من سعد بن سعید ھذا الحدیث وانما یروی ھذا الحدیث مرسلا وقد قال من اھل مکۃ بھذا الحدیث لم یروا باسا ان یصلی الرجل الرکعتین بعد المکتوبۃ قبل ان تطلع الشمس قال ابو عیسی وسعد بن سعید ھو اخو یحیی بن سعید الانصاری وقیس ھو جد یحیی بن سعید ویقال ھو قیس بن عمرو ویقال ھو قیس بن فھد واسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس وروی بعضھم ھذا الحدیث عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج فرأی قیسا انتھی ما فی الترمذی ھکذا رواہ ابن ماجۃ فقط اور سنت فجر کی قضا نہیں ہے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے اور ابویوسفؒ کے اور نزدیک امام محمدؒ کے تا زوال قضا کرے اور بعضے کہتے ہیں کہ جو قضا کرے گا تو نفل ہوں گے نزدیک شیخین کے اور محسوب سنت ہوں گے نزدیک امام محمدؒ کے قضا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ولا یقضیھما ای سنت الفجر الا حال کونہ تبعا للفرض قبل

حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کھڑی ہو گئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی پھر جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے؟ میں نے کہا میں پہلے سنتیں ادا نہیں کر سکا تھا آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن مرسل حدیث احناف اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور اسی حدیث کی بنا پر اہل مکہ کا فتویٰ ہے کہ اگر نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے صبح کی سنتیں ادا کرے (بقیہ)

الزوال اوبعدہ علی اختلاف المشائخ کمافی التمرتاشی وقیل یقضی بعدہ اجماعا والکلام مال علی انہا اذافاتت وحدہا لاتقضی عندہما و اماعند محمد فیقضیہا الی الزوال استحسانا وقیل لاخلاف فیہ فان عندہ لولم یقض فلا شئ علیہ واماعندہما فلوقضی لکان حسنا وقیل الخلاف فی انہ لوقضی کان نفلا عندہما سنۃ عندہ کمافی جامع الرموز واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ السید شریف حسین۔ محمد اسد علی　سید محمد نذیر حسین

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ　　فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۴۳

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب جماعت نماز فجر کی کھڑی ہوجائے اسوقت دو رکعت سنت فجر کی پڑھ لے یا شامل جماعت ہوجاوے اگر شامل جماعت ہوگیا تو بعد نماز فرض کے طلوع آفتاب سے قبل نماز سنت کو پڑھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب اس وقت سنت نہ پڑھے جماعت میں شامل ہوجاوے بموجب فرمودہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ جس وقت جماعت نماز کی کھڑی ہوجاوے تو اس وقت سوائے نماز فرض کے اور کوئی نماز نہیں ہے دوسری حدیث ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی بسند حسن اور بخاری میں عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا وقد اقیمت الصلوٰۃ صلی رکعتین فلما انصرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصبح اربعا الصبح اربعا عن ابن عمر انہ ابصر رجلا یصلی الرکعتین والمؤذن یقیم فحصب فقد روی عن عمر انہ کان

(بقیہ ص) تو ٹھیک ہے۔ ۱؎ جب نماز کھڑی ہوجائے تو پھر فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں ہوتیں۔ ۲؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے ایک آدمی کو دیکھا اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور نماز کھڑی ہوچکی تھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا صبح کی چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ صبح کی چار رکعت پڑھتے ہو؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا وہ دو رکعت پڑھ رہا

اذا رای رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ ضربہ عن طریق عطیۃ قد رأیت ابن عمر قضاھما حین سلم الامام اور قیس سے روایت ہے خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یا قیس اصلوتان معا قلت یا رسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا۔ قیس سے روایت ہے کہ قیس نے کہا کہ حضرت باہر تشریف فرما ہوئے اور نماز فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی بعد سلام پھیرنے کے حضرت نے مجھ سے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا۔ ٹھیر جا اے قیس کیا تو دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں نے دو رکعت سنت فجر کی نہیں پڑھی تھی تو حضرت نے فرمایا اگر ایسا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں ان روایات مذکورہ بالا سے وقت کھڑی ہو جانے جماعت فرض کے شامل ہونا جماعت میں ضرور ہے اور پڑھنا سنتوں کا بعد جماعت کے قبل طلوع آفتاب کے یہ بھی ثابت ہو گیا اگر کوئی بعد طلوع آفتاب کے سنتیں پڑھے گا تو بھی درست ہے۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبید اللہ

محمد عبید اللہ ۱۲۹۹ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ نص است وبمقابلہ نص تعلیلات قیاسیہ باطل است فقیر عبد الحق ۱۲۹۵ میر احمد پشاوری واقعی ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ مانع جواز پڑھنے سنت کے ہے مگر بعد فرضوں کے بلاشبہ درست ہے۔

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ قد ثبت فی الصحیحین وغیرھما انہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ وزیادۃ الا رکعتی الفجر لا اصل لھا قالہ البیہقی ونقل عنہ فی المحلی شرح للموطا واللہ اعلم بالصواب

حررہ ابو محمد عبد الرؤف البھاری عبد الرؤف ۱۳۰۳

الجواب صحیح والرائے نجیح نمقہ محمد یٰسین الرحیم آبادی عفی عنہ۔ مجیب صاحب نے بیت

تھا اور موذن اقامت کہہ رہا تھا آپ نے اس کو کنکریاں ماریں حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا اور اقامت کی آواز سنی جا رہی تھی آپ نے اس کو مارا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد قضا دی۔ قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے نماز کی اقامت ہوئی میں نے آپ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے سنتیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا اے قیس ٹھہر جا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھتا ہے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں نے پہلی سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے۔

لے صحیحین میں ثابت ہے۔ کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔

کی عمدہ جواب دیا ہے حقیقت میں وقت اقامت ادائے سنت فجر ناجائز و نادرست از رو ئے حدیث صحیح السند کے ہے اور کتب فقہ میں بھی اس طرح سنت پڑھنے کو کہ جس طرح آج کل فی زمانا جہال پڑھتے ہیں یعنی قریب صف کے اور مسجد میں ممنوع لکھا ہے اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ اس طرح سے جیسا کہ آج کل مروج ہو رہا ہے سنت فجر پڑھتے ہیں بہت سخت مکروہ ہے اور وہ بڑے اجہل ہیں اور ہدایہ مع الکفایہ میں لکھا ہے کہ سنت فجر وقت اقامت مسجد میں ممنوع و نادرست ہے اگر پڑھے تو خارج از مسجد پڑھے اور مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفی نے عمدۃ الرعایہ صفحہ ۲۳۸ و تعلیق الممجد صفحہ ۱۸۱ میں خوب واضح کر کے لکھا ہے کہ از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ سنت فجر وقت تکبیر نہ پڑھنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب حررہ العاجز الاثیم عبدالوہاب الفنجابی نزیل دہلی خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰ھ

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی ۱۳۰۴ اکثر جاہل لوگ جو وقت اقامت فرض صبح کے سنتیں پڑھتے ہیں یہ درست نہیں پس جماعت میں شامل ہونا چاہیئے۔ حنفی واعظ جامع مسجد دہلی۔

سید نذیر حسین خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲ سید عبدالسلام غفرلہٗ ۱۲۹۹ الجواب صحیح عبداللطیف ۱۲۹۵

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۵۲۳)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ میں لفظ اذا عموم زمان کے لیے ہے اور فلا صلوٰۃ میں صلوٰۃ عام ہے جو ہر نماز فرض وغیرہ کو شامل ہے۔ کیونکہ نکرہ نفی میں عموم کا فائدہ دیتا ہے پس اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اور جس وقت کسی نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو بجز نماز مکتوبہ مقام لہا کے کوئی اور نماز پڑھنی نہیں چاہیئے نہ فرض اور نہ غیر فرض، پس سوال یہ ہے کہ جب اکثر مصلین کسی نماز فرض سے فارغ ہو کر عازم نوافل راتبہ کو ہوویں اسی اثنا میں چند اشخاص مسبوقین جماعت ثانیہ کی اقامت کہہ کر فرض نماز میں شامل ہووے پس ان عازمین نوافل کو بوقت اقامت ان مفترضین کے بحکم حدیث مذکور نوافل پڑھنا چاہیئے یا نہیں یا نوافل چھوڑ کر جماعت ثانیہ میں شریک ہو جانا چاہیئے؟ بینوا توجروا

الجواب: معلوم کرنا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں جملہ (فلا صلوٰۃ) کا نفی کرتا ہے جملہ صلوٰۃ کا خواہ فرض ہوں خواہ نافلہ اور مستثنیٰ ثابت و واجب کرتا ہے صلوٰۃ مکتوبہ مقام لہا کو پس یہ وجوب دو حال سے خالی نہیں آیا، یہ وجوب بوجہ اقامت کے ہوا ہے یا قبل سے اس پر واجب تھا صرف اقامت نے بفور

بدون تراخی کے ادا کرنے کو واجب کر دیا صورت اولیٰ کا کوئی قائل نہیں کہ بوجہ اقامت کے وجوب صلوٰۃ ہوتا ہے ومن ادعی فعلیہ البیان بالبرھان باقی رہی صورت ثانیہ تو اس سے وہ افراد مصلین نکل گئے جو کہ اپنی صلوٰۃ مکتوبہ کو ادا کر چکے ہیں تو مطلب حدیث شریف کا یہ ہوا اذا اقیمت الصلوٰۃ وکنتم تریدون المکتوبۃ التی وجبت علیکم فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ واللہ اعلم حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ ولوالدیہ

سید نذیر حسین

ھوالموفق جب کہ اکثر مصلین اپنے فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہوں اور عازم نوافل راتبہ ہوں اور اسی اثنا میں اشخاص مسبوقین کی جماعت ثانیہ کے لیے اقامت کہی جائے تو ان عازمین نوافل کو نوافل پڑھنا جائز ہے اور ان کو نوافل کو چھوڑ کر اس جماعت ثانیہ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے رہی حدیث مذکور سو اس میں جملہ اذا اقیمت الصلوٰۃ میں صلوٰۃ سے مطلق ہر نماز مراد نہیں ہے بلکہ وہ فرض نماز مراد ہے جو ادا نہیں کی گئی ہے اور خلاصہ مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ اے نمازیو جب اس فرض نماز کے لئے اقامت کہی جاوے جس کو تم نے ابھی ادا نہیں کیا ہے۔ تو بجز اس فرض نماز کے تم کو کوئی اور نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔ پس صورت مسئولہ حدیث مذکور کے حکم سے خارج ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۲۱۴)

سوال: ادا کرنا سنتوں فجر کا وقت ہونے جماعت فرضوں فجر کے اسی مسجد اور مکان میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: متبعان سنت نبوی پر مخفی نہ رہے کہ صحیح مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ ترجمہ: جب قائم کی جاوے نماز یعنی جب مؤذن اقامت شروع کرے تو اس وقت نماز پڑھنی درست نہیں سوائے فرض کے اور ابن عدی نے ساتھ سند حسن کے آگے اس کے یہ نقل کیا ہے کہ لے رسول خدا کے اور نہ دو رکعت سنت فجر کی۔ یعنی کسی نے پوچھا کہ اقامت کے وقت سنت فجر بھی نہ پڑھے فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اقامت ہونے لگے تو سنت فجر کی بھی نہ پڑھنی چاہیے اور اس مضمون کی حدیث اور بھی محلی شرح موطا میں مذکور ہے اب معلوم کرنا چاہیے کہ جب رسول خدا نے سنت فجر کی پڑھنے کو وقت اقامت کے منع فرمایا تو پھر اوسکے کہنے یا لکھنے کا کیا اعتبار ہے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اطاعت پیغمبر خدا کی لازم کر دی چنانچہ فرماتا ہے:۔

ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ترجمہ جو چیز تم کو رسول دے یا کوئی کام ارشاد کرے پس اس کو لے لو یعنی قبول کرو اور بجا لاؤ اس کو تو جب حضرت نے سنت پڑھنی وقت قائم ہونے جماعت فرض کے منع کر دیا تو امت کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے یعنی نہی فرمانے پر آں حضرت کے عمل کرے یعنی جماعت کے قائم ہونے کے وقت سنت نہ پڑھے ورنہ مخالفت پیغمبر ہوگا۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

قال اللہ تعالیٰ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ فرمایا خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہ کہہ دے تو اے رسول اگر خدا تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو دوست رکھے گا تم کو خدا۔ محلی شرح موطا میں ہے۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ حدیث مرفوع اخرجہ مسلم والاربعۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن حبان بلفظ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ واحمد بلفظ فلا صلوٰۃ الا التی اقیمت وھو اخص وزاد ابن عدی بسند حسن قیل یا رسول اللہ لا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر توربشتی وھکذا فی القسطلانی فی مالک عن شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر انہ سمع قوم الاقامۃ فقاموا یصلون ای التطوع فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصلاتان ای السنۃ والفرض معا ای موصولا فی وقت واحد اصلاتان معا وذلک فی صلوٰۃ الصبح فی الرکعتین اللتین قبل الصبح ثم زاد مسلم بن خالد عن عمرو بن دینار فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر اخرجہ ابن عدی وسندہ حسن واما زیادۃ الا رکعتی الصبح فی الحدیث فقال البیہقی ھذہ الزیادۃ لا اصل لھا قال البیہقی وقد روی ان عمر کان اذا رأی رجلا یصلی وھو یسمع الاقامۃ

ہ جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ اور کوئی نماز نہیں ہوتی" یہ مرفوع حدیث ہے ایک لفظ یہ ہیں "تو صرف وہی نماز ہوگی جس کی اقامت ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہئیں؟ آپ نے فرمایا صبح کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہئیں کچھ لوگوں نے اقامت کی آواز سنی اور سنتیں پڑھتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھی جا رہی ہیں؟ اور یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے امام بیہقی نے کہا یہ جو بعض لوگوں نے الا الفجر (مگر صبح کی سنتیں پڑھنی جائز ہیں)، اس کا بالکل کوئی اصل نہیں ہے۔ حضرت عمر اگر اقامت کے بعد کسی کو الگ نماز پڑھتے دیکھتے تو اس کو مارتے۔ اقامت ہوگئی ایک آدمی سنتیں پڑھتا رہا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو کنکریاں کھینچ کر

ضربه وعن ابن عمر انه ابصر رجلا یصلی الرکعتین والمؤذن یقیم فحصبه وقالت الحنفیة له ان
یصلیهما خارج المسجد او خلف اسطوانة لا مخالطا فی الصف اذا تیقن بادراك الرکعة الاخیرة
مع الامام ومن الحنفیة من قال انما انکر النبی صلی الله علیه وسلم وقال الصبح اربعا لانه علم انه
صلی الفرض او لان الرجل صلاهما فی المسجد بلا حائل فتشوش علی المصلین ویرد الاحتمال الاول قوله
صلی الله علیه وسلم کما فی الکتاب اصلاتان معا ورواه الطبرانی عن ابی موسی انه صلی الله علیه وسلم
رأی رجلا یصلی رکعتی الغداة والمؤذن یقیم فاخذ منکبیه وقال الا کان هذا قبل هذا ویرد الثانی
ما فی المسلم عن ابن سرجس دخل رجل المسجد وهو صلی الله علیه وسلم فی صلوة الغداة فصلی رکعتین
فی جانب المسجد ثم دخل مع النبی صلی الله علیه وسلم فلما سلم النبی صلی الله علیه وسلم قال یا
فلان بای الصلوتین اعتددت بصلوتك وحدك ام بصلوتك معنا انتهی فانه یدل علی ان
اداء الرجل کان فی جانب لا مخالطا للصف بلا حائل وفی المحیط الرضوی اختلفوا فی الکراهة
فیما اذا صلی فی المسجد الخارج والامام فی الداخل فقیل لا یکره وقیل یکره لان ذلك کله کمکان واحد
فاذا اختلف المشائخ فیه کان الاحوط لا یصلی تمام ہوئی عبارت کل شرح موطا تصنیف مولانا سلام الله
خلف شیخ الاسلام شیخ عبدالحق محدث دہلوی وذکر ابو الوالجی امام یصلی الفجر فی المسجد الداخل فجاء
رجل یصلی الفجر فی المسجد الخارج اختلف المشائخ فیه قال بعضهم یکره لان ذلك کله کمکان
واحد بدلیل جواز الاقتداء لمن کان فی المسجد الخارج بمن کان فی المسجد الداخل واذا اختلف
المشائخ فالاحتیاط ان لا یفعل انتهی ما فی البحر الرائق الراقم محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

منصور الرحمن انصاری — محمد نجیب خان — محمد اسماعیل — محمد عبدالقادر

فتاویٰ نذیریہ ص ۵۲۵ جلد اول

ہیں کہ اگر آخری رکعت مل جانے کا یقین ہو تو کسی ستون کے پیچھے یا مسجد کے صحن میں صبح کی سنتیں پڑھ لے اور بعض احناف کہتے ہیں کہ
نہ پڑھے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو روک دیا تھا اور فرمایا تھا کیا دو نمازیں اکٹھی ہو رہی ہیں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ
ایک آدمی کو اقامت کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو اس کو کندھوں سے پکڑ کر کہا یہ سنتیں اس سے پہلے پڑھ لی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک آدمی آیا اس نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا
ان دونوں نمازوں میں سے تو نے کونسی نماز پسند کی ہے۔ کیا اپنی اکیلی نماز یا ہمارے ساتھ نماز، اگر امام مسجد کے اندر نماز پڑھا رہا ہو اور
کوئی آدمی باہر صحن میں سنتیں پڑھے تو بعض نے کہا ہے یہ جائز ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ نہ پڑھے کیوں کہ مسجد کا اندر اور باہر ایک ہی

سوال فرضوں کی جماعت میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب بعون الوہاب : بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے ۔ چنانچہ نسائی میں حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی اور فرمایا یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے ۔ بسم اللہ نماز میں بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ، احادیث میں دونوں طرح ثابت ہے ۔ (حافظ عبدالقادر روپڑی)

(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۶ ش ۴۵)

سوال : مستورات کی امامت جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو درمیان میں کھڑی ہو یا آگے ؟ جمعہ، عیدین اور تراویح پڑھنے کی صورت میں مستورات کی جگہ امام کے دائیں طرف ہو یا بائیں اور اگر بائیں طرف نہ ہو سکے تو دائیں طرف مستورات کی جگہ بنائی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے، لیکن درمیان کھڑی ہو۔ مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں ہے۔ کہ اَخِّرُوْهُنَّ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللهُ یعنی عورتوں کو پیچھے رکھو جہاں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے رکھا ہے۔" اور لیکن مجبوری ہو تو دائیں بائیں بھی کھڑی ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ منتخب کنز العمال میں ذکر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب ؓ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میرا خیمہ چھوٹا ہے، اگر عورت کو پیچھے کھڑی کروں تو وہ خیمہ کے باہر ہو جائے گی (سردی گرمی کی تکلیف ہوتی ہے) حضرت عمر ؓ نے کہا درمیان میں پردہ کر کے ایک طرف کھڑی کر لیا کرو۔

تنظیم اہلحدیث ۷ر فروری ۱۹۶۳ء

سوال : ہمارے یہاں ملتان میں ایک حنفی مولوی نے فتوے دیا ہے کہ مسجد کی چھت پر نماز اور جماعت درست نہیں، حوالہ عالمگیری کا دیا ہے ۔ کیا یہ فتوے درست ہے ؟

جواب : مسجد کی چھت پر نماز درست ہے بخاری شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ ؓ نے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی مع صلوٰۃ امام ۔ مولوی صاحب کی بات بلا دلیل ہے ۔ اور کتب احادیث سے ناواقفی کا ثبوت ہے ۔

عبدالقہار غفرلہ مدرس مدرسہ دارالسلام کراچی (ماخذ فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۶)

(بقیہ صفحہ) مکان کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اگر امام اندر کھڑا ہو تو صحن میں کھڑی ہونے والی صفوں کی نماز اس کی اقتداء میں ہو جاتی ہے اگر یہ دو جگہیں الگ الگ سمجھی جائیں تو باہر کے لوگوں کی نماز نہ ہوتی لہٰذا احتیاطاً اسی میں ہے کہ نہ پڑھی جائیں محلی شرح موطا اور بحرالرائق میں بھی اسی طرح ہے۔

باب السترہ

سوال ۔ بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی رخصت ہے یا نہیں ؟

الجواب بعون الوھاب ۔ بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گذرنا درست ہے۔ منتقی میں حدیث ہے۔ مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں، باب بنی سہم کی جانب سے یعنی حجر اسود کے سامنے نماز پڑھتے تھے اور لوگ آگے سے گذرتے تھے آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میں سترہ کا حکم نہیں اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں ہر وقت طواف ہوتا اور ہر وقت نماز ہوتی ہے اور ہجوم رہتا ہے۔ اس لئے سترہ کا انتظام مشکل ہے۔ اور اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن سب مذاہب کا تعامل اس کا مؤید ہے اور اس کے ساتھ مجبوری کو بھی شامل کر لیا جائے کہ ہجوم کی وجہ سے سترے کا انتظام وہاں مشکل ہے تو اس سے اور تقویت ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کی بنا پر بیت اللہ شریف سترے کے حکم سے مستثنیٰ ہوگا۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۹ ش ۲۹

سوال ۔ سترہ کتنا ہونا چاہیئے (۲) کتنی دور سے گزرنے سے نماز میں خلل نہیں پڑتا (۳) اگر سترہ کے لئے کوئی چیز پاس نہ ہو تو کیا کرے ؟

الجواب بعون الوھاب ۔ سترہ وہ شے ہے جو نمازی، نماز کے وقت اپنے آگے کھڑی کر لیتا ہے تاکہ کسی کے آگے سے گذرنے سے نماز میں خلل واقع نہ ہو، اس کا اندازہ کم از کم ایک ہاتھ قدر ہے خواہ سوٹی ہو یا اور شے ... کوئی شے نہ ملے، تو ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ "خط ہی کھینچ لے" نمازی کو چاہیئے کہ وہ سترہ کے قریب کھڑا ہو، نیز سترہ میں ناک کی سیدھ پر نہ ہو، بلکہ ذرا سا کنارے آنکھوں کی سیدھ پر ہونا چاہیئے۔
نماز خواہ مسجد میں پڑھے یا جنگل میں .... کوئی چیز سامنے ضرور کر لے۔ مسجد میں ستون وغیرہ کے سامنے کھڑا ہو جائے، جو شخص سترہ کے اندر سے گزرنا چاہے تو اُسے ہاتھ سے ہٹائے۔ اگر نہ ہٹے تو دھکا دیکر

بتلائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والا اگر جانتا کہ آگے سے گزرنے کا کتنا گناہ ہے تو چالیس سال ایک جگہ کھڑا رہنا پسند کرتا مگر آگے سے نہ گذرتا۔" اور ایک روایت میں سو سال بھی ہے۔ ۲ اگر پتھر پھینکنے قدرے دور سے گذر جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت العلام حافظ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۲

سوال ، مغرب کی جماعت ہو رہی تھی ایک کتا باہر سے آکر مسجد میں داخل ہو گیا ، ہر چند روکا ، مگر نہ رکا۔ آخر کار جماعت کے آگے سے گذر گیا۔ پھر دوبارہ اسی طرف لوٹ آیا لیکن امام کے آگے سے نہیں گذرا اور کتے کا رنگ سُرخ تھا۔ کیا نمازیوں کی نیت ٹوٹ گئی یا نہ ؟

الجواب بعون الوھاب : نماز نہیں ٹوٹی ، البتہ سیاہ کتے ، عورت اور گدھے کے گذرنے سے حدیث میں آیا ہے کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر اکثر علماء کے نزدیک اس سے مراد بھی بالکل ٹوٹنا نہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ خشوع ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ نماز کو کوئی شے نہیں توڑتی۔ (مشکوٰۃ باب السترہ)

حضرت العلام حافظ صاحب رح تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۹

مسئلہ ، امام و منفرد جب صحرا میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھیں جہاں سے لوگوں کے گذرنے کا اندیشہ ہو تو مستحب ہے کہ سُترہ گاڑیں اور سُترہ نزدیک ہونا چاہیئے۔ سُترہ بالکل ناک کی سیدھ پر نہ ہو بلکہ دائیں یا بائیں بھوں کی سیدھ میں ہونا افضل ہے۔ اگر سُترہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے اور اس کے پاس کتاب یا کپڑا موجود ہے تو اسی کو سامنے رکھ لے۔

مسئلہ ، امام کا سُترہ مقتدی کے لئے سُترہ ہے اس کو جدید سُترہ کی حاجت نہیں۔ (رد المختار)

مسئلہ ، اگر سُترہ کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ تو خط کھینچ دے خواہ طول میں ہو یا محراب کی مثل۔ مسجد الحرام شریف میں نماز پڑھتا ہو تو اس کے آگے طواف کرتے ہوئے لوگ گزر سکتے ہیں۔

(بہار شریعت حصہ چہارم)

لہ اس پھینکنے سے بعض دو انگلیوں کے درمیان پھینکنا مراد بتلاتے ہیں۔ ۱۲

باب الصف

سوال: پہلی صف میں بڑوں کے ساتھ بچے بھی کھڑے ہوں تو بعد میں بڑا آدمی آنے والا کسی بچے کو پیچھے ہٹا کر خود اس کی جگہ پر کھڑا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلی صف میں اگر جگہ ہو تو بچے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ بلکہ بچہ اگر زیادہ پڑھا ہوا ہو اور باقی لوگ پڑھے ہوئے نہ ہوں، تو بچہ امامت بھی کرا سکتا ہے۔ (مشکوٰۃ) مشکوٰۃ شریف میں یہ بھی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قریب بالغ اور عقلمند یعنی اہل علم کھڑے ہوں۔ ایک صحابی نے اس حدیث کی بنا پر ایک بچے کو پیچھے کر دیا۔ (مشکوٰۃ) (از حضرت العلام حافظ صاحب محدث روپڑی)

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۳۵

سوال: جماعت کی پہلی صف پوری ہونے کے بعد ایک شخص آیا اور اس نے پہلی صف سے ایک آدمی کو پیچھے ہٹا لیا، اور دو چار مزید آدمی دوسری صف میں آکر کھڑے ہو گئے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا پہلی صف والا آدمی اپنی اصلی جگہ پر جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: جب پہلی صف سے کسی شخص کو پیچھے ہٹا یا جائے تو ان لوگوں کو آپس میں مل جانا چاہیے اور وہ جگہ خالی نہیں رہنے دینی چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے، جب وہ جگہ پُر ہو جائے گی، تو اس آدمی کو اپنی اصل جگہ کی طرف لوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

(مولانا) عبدالمجید سوہدروی　　　اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۱۶

سوال: اکیلا شخص صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ صف میں کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے اس مسئلہ کے متعلق حدیث کا کیا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص بغرض جماعت مسجد میں آئے اور پہلی صف مکمل ہو چکی ہو تو وہ کیا کرے؟ اکیلا کھڑا ہو جائے یا پہلی صف میں سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے؟ ان دونوں امور میں سے کون سا فعل افضل ہے؟ اگر اکیلا کھڑا ہو جائے ....

تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ نیز اگر کسی کو کھینچے تو درمیان میں سے کھینچے یا ایک طرف سے؟ مدلل بیان فرمائیں؟ قدرت اللہ فوق متعلم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ

جواب: بعد حمد و صلوٰۃ صورت مسئولہ میں واضح ولائح ہو کہ اگر کوئی شخص مصلی بعد اتمام صف صلوٰۃ مسجد میں آیا اور صف میں اس نے کوئی جگہ نہیں پائی تو وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ کسی شخص کو اطراف صف سے کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے۔

بحدیث علی بن شیبانؓ مرفوعاً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یصلی خلف الصف فوقف حتی انصرف الرجل فقال له استقبل صلوٰتک فلا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف اسنادہ حسن (کذا فی تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۹۳) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا کہ وہ اکیلا صف کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے پس ٹھہرے آپ یہاں تک کہ اس شخص نے اپنی نماز پڑھ لی۔ پس فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تو اپنی نماز نئے سرے پڑھ کیوں کہ منفرد کی نماز صف کے پیچھے نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی اسناد حسن ہے اور اس حدیث کی تائید حدیث طلق سے بھی ہوتی ہے جس کو مرفوعاً ابن حبانؒ نے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلوٰۃ لمنفرد خلف الصف (کذا فی النیل)

اب رہا یہ سوال کہ اب وہ اس وعید سے بچنے کے لیے کیا کرے؟ سو دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اطراف صف میں سے کسی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے۔ چنانچہ مراسیل ابوداؤد میں ایک مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ان جاء رجل فلم یجد احدا فلیختلج الیہ رجلا من الصف فلیقم معہ فما اعظم اجر المختلج الحدیث ایسے ایک روایت بیہقی و طبرانی اوسط میں مرفوع آئی ہے: انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل صلی خلف الصف ایہا المصلی هلا دخلت فی الصف او جررت رجلا من الصف اعد صلاتک الحدیث و لکن فیہ السری وضعیف کذا فی تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۹۵

اس حدیث کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بعد اتمام صف کے آئے تو وہ صف میں سے کسی شخص کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا لے کیوں کہ منفرد شخص کی نماز نہیں ہوتی۔

باقی رہا یہ امر کہ اگر کسی شخص کو صف سے کھینچا جائے گا تو قطع صف لازم آئے گا اور یہ منع ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت اس سے خاص ہے مامن عام الا خص منہ البعض مشہور قاعدہ

پھر مقتدی اپنی صف کو ملائیں ایسی حرکت نماز میں درست ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں حضرت ابن عباسؓ کو اپنی بائیں جانب سے پکڑ کر اپنی داہنی جانب کر لیا اور نماز خوف میں بھی ضرورت کی بنا پر صفیں متاخر متقدم ہوتی ہیں۔ یہ صورتیں قطع صف سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز ایک صحابی ابی بن کعبؓ نے ایک رجل غیر ذوی الاحلام کو صف سے کھینچ کر پیچھے کر دیا اور آپ اس کی جگہ کھڑا ہو گیا۔ (نسائی ص ۱۳۰)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے صف میں سے کسی شخص کو کھینچ لینا درست ہے، قطع صف ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔ پس اگر کسی مسلمان کی نماز کسی کو کھینچ کر درست ہو جائے ایسی قطع صف سے جس کا پھر وصل ہو سکتا ہے۔ بطور خیر خواہی مومن کے درست اور جائز ہے۔ ہذا ما عندی من الجواب واللہ اعلم بالصواب

(حضرت مولانا) عبد الجبار کھنڈیلوی — الاعتصام لاہور جلد ۷

۱۹۵۵ء بمطابق ۱۳۷۵ھ

سوال: حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ مقتدی صف میں تنہا نہ کھڑا ہو بلکہ اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملا دے اس سے کیا مراد ہے آیا صف کے درمیان سے کھینچے یا کنارہ صف سے اور اگر کنارہ صف سے تو اسکو وسط میں صف کے لا دے یا وہیں کنارہ پر کھڑا ہو؛

الجواب: ایسی حالت میں مقتدی کو چاہیے کہ صف کے کنارہ سے کسی کو کھینچ کر اپنے ساتھ شامل کرے کیونکہ اگر درمیان صف سے کھینچے گا تو صف میں خلل اور فصل واقع ہو گا۔ سنن ابوداؤد میں ابن عمرؓ سے مروی ہے:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولا تذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوف کو درست کرو اور مونڈھوں کو برابر رکھو اور درمیان میں جو فاصلہ ہو اس کو بند کرو اور شیطان کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اس کو ملا دے گا اور جس نے صف کو قطع کیا اللہ اس کو قطع کرے گا۔ یہ حکم یعنی صف کے پیچھے تنہا نہ کھڑا ہونا بلکہ دوسرے کو شامل کرنا خاص مرد کے لیے ہے، اگر عورت ہے تو اس کو تنہا کھڑا ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں انس ابن مالکؓ سے مروی ہے قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامی خلفنا ام سلیم یعنی میں نے ایک یتیم کے ساتھ اپنے مکان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی میری والدہ ام سلیم پیچھے کھڑی تھیں۔ فتح الباری میں تحت اس حدیث کے مرقوم ہے۔ الاقرب ان الجعار

قصد ان يبين ان هذا مستثنى من عموم الحديث فيه لا صلوة لمنفرد خلف الصف يعني انه مختص بالرجال واستدل به ابن بطال على صحة صلوة المنفرد خلف الصف خلافا لاحمد لانه لما ثبت للمرئة كان للرجال اولى ولكن لمخالفه ان يقول انما ساغ ذلك لامتناع ان تصف مع الرجال بخلاف الرجل فانه له ان يصف معهم وان يزاحمهم وان يجذب رجلا من حاشية الصف فيقوم معه فافترقا انتهى صفحہ ۱۵۱ پارہ سوم عینی بخاری کا مقصود اس امر کا بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صف کے پیچھے تنہا شخص کی نماز نہیں اس حکم سے عورت مستثنیٰ ہے، یہ حکم خاص مردوں کے لیے ہے ابن بطال نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس امر پر کہ صف کے عقب اکیلے آدمی کی نماز جائز ہے خواہ مرد ہو یا عورت کیوں کہ جب عورت کے لیے یہ حکم ثابت ہوا تو مرد کے لیے بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ لیکن مخالف یہاں پر کہہ سکتا ہے کہ عورت کے لیے تنہا کھڑا ہونا اس لیے جائز ہوا کہ اس کو مردوں کے ہمراہ صف میں شامل ہونا جائز نہیں اور مرد کو درمیان میں داخل ہونے اور صف کے کنارے سے کسی کو کھینچنے کی گنجائش ہے پس دونوں میں فرق ہوگیا۔ چونکہ جماعت کی ابتدا صف کے وسط اور درمیان سے قائم ہوتی ہے۔ اس لیے صف کے درمیان لاکر کھڑا ہونا چاہیے۔

(مولانا) عبدالجبار عمرپوری (ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین ص ۵۰۶)

سوال: نماز با جماعت میں کم عمر بچوں کو نیت بندھی حالت میں صف میں سے پیچھے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ آیا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

جواب: صف مقدم میں جب بڑے آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ نہ ہو تو بچہ کو پیچھے ہٹا کر صف مؤخر میں کھڑا کر دینا اور آپ صف مقدم میں کھڑا ہوجانا جائز و درست ہے جس پر حدیث قیس بن عباد کی صریح دال ہے جو کہ سنن نسائی[1] کی جلد اول ص ۱۲۸ میں موجود ہے۔ ہاں اگر پہلی صف میں جگہ باقی ہو تو بچوں کو پیچھے کھڑا کرنا درست نہیں لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام اَتِمُّوا الصُّفُوفَ الْاَوَّلَ اَوْ كَمَا قَالَ ملاحظہ ہو کتب حدیث۔

(مفتی) ابو محمد عبدالستار غفر لہ و لوالدیہ الغفار آمین

فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص ۱۱۸

---

[1] یہ تالیف ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی کی ہے۔ متوفی ۱۳ صفر ۳۰۳ھ (سعیدی)

سوال قیام نماز میں مقتدیوں کو پیر کے انگوٹھے سے انگوٹھا ملانا اور ایک شانے سے دوسرا شانہ ملانا چاہیئے لیکن رکوع سجود کے وقت پہلی جگہ سے فرق ہو جاتا ہے تو دوسری رکعت کے قیام کے وقت پیر کو سرکا کر ملا لینا کیسا ہے؟ یہ فعل کبیرہ میں داخل ہے کہ نہیں اور اس فعل سے نماز میں حرج ہونا واقع ہوتا ہے کہ نہیں یا خواہ مخواہ ملانا کوئی ضروری امر ہے۔ لوگوں کو بار بار پیر کا سرکانا، ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

جواب اس کے متعلق حدیث کے الفاظ یہ ہیں کان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ (صحیح بخاری ص۱۰۰) یعنی صحابی کہتا ہے۔ ہم اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پیر اپنے ساتھی کے پیر سے ملایا کرتے تھے، یہ طریق سنت ہے۔

تشریح : ہاں ضروری امر ہے اس لئے کہ فصل میں درمیان میں شیطان آجاتا ہے۔ یہ خواہ مخواہ کے ڈھکوسلے وہی وسوسے لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ یہ امر ضروری نہیں کیا کرو گے اس سے اس کا کام بنتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بحالت جماعت بیچ میں فصل نہ چھوڑو فرمایا۔ اقیموا صفوفکم وتراصوا الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۹۸ اس پر صحابہ نے عمل کیا جو مولانا نے نقل کیا ہے اور حرج کچھ بھی نہیں سمجھ کا پھیر ہے اور حجت بازی ورنہ اکیلا نمازی بھی تو بعد سجدہ پاؤں کو باقاعدہ کرتا ہے ویسے ہی جماعت میں کر سکتا ہے اور اگر پہلے ہی سے برقرار رکھے تو بھی رکھ سکتا ہے۔ یہ اور بھی اچھا ہے

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم ابو سعید شرف الدین دہلوی

نماز میں پیروں کا ملانا : پرچہ اہلحدیث نمبر ۳۴ مجریہ ۱۲ رجون ۱۹۳۶ء سے الزاق القدمین کا مضمون مولوی محمد سراج کی جانب سے تخمیناً تین پرچوں میں شائع ہوا۔ متبع سنت کے لئے تو اس پر کسی کے اقوال کی ضرورت نہیں مگر ہمارے محترم فریق مقابل امام رازی و ابن تیمیہ و ابن القیم اگرچہ آیات قرآنیہ و احادیث صحاح الکتاب بھی پیش کی جاویں التفات نہ کریں گے، حتیٰ کہ ان کے معتقد و مستند کو نہ پہنچے۔ اور یہ امر بدیہی ہے آدمیوں کا صفوں میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ میرے علم میں کسی ایک آدھ حنفی متقدم سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں سب کے سب اس امر میں متفق ہیں یہ کتب متداولہ فقہ و شروحات فقہ شب و روز مزاولت کی جاتی ہے کسی ایک میں اس کے برعکس دکھانے کی جرأت کسی کو ہے۔ یہ مرض ایسا مرگ عام کی طرح پھیلا ہوا ہے کہ جس میں جاہل تو ایک طرف رہے علماء بھی مبتلا ہیں۔ جیسے انسان اچھوتوں سے اپنے جسم کو محفوظ رکھتا ہے اور علیحدہ سرک جاتا ہے جہاں کسی انسان نے پیر لگایا جھٹ اچھل یا کھسک

دو رجا پہنچے، حضرت انس بن مالک خادم نبوی فرماتے ہیں ہم صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے شانہ اور قدم سے اپنے شانہ اور قدم کو ملا ملا کر کھڑے ہوتے تھے آپ کے زمانہ میں جیسا کہ بخاری باب الزاق المنکب میں ہے۔ مستخرج اسمٰعیل میں اس حدیث میں اتنے الفاظ اور وارد ہیں تتمہ کے طور سے چنانچہ فتح الباری ص۴ جلد ۲ میں ہے، و لو فعلت ذلك باحد هم اليوم لنفر كانه بغل شموس. اگر میں آج یہ فعل کرتا ہوں ان کے ہمراہ تو اس طرح بھاگتے ہیں جیسے سرکش خچر۔ لہٰذا اپنے گریبان میں ہر کس مونہہ ڈال کر غور کر کے بتا سکتا ہے کہ یہ فعل کس درجہ مذموم ہوگا، حالاں کہ امام محمد کتاب الآثار ص۲۱ باب اقامۃ الصفوف میں لکھتے ہیں۔ عن ابراهيم انه كان يقول سووا صفوفكم وسووا مناكبكم وتراصوا ليتخللنكم الشيطن الخ قال محمد وبه نأخذ لا ينبغي ان يترك الصف وفيه الخلل حتى يسووا و هو قول ابي حنيفة ابراہیم نخعی فرماتے ہیں صفیں اور شانہ برابر کرو اور گچ کرو ایسا نہ ہو کہ شیطان بکری کے بچہ کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جائے امام محمد کہتے ہیں ہم بھی اس کو لیتے ہیں صف میں خلل چھوڑ دینا لائق نہیں حتیٰ کہ ان کو درست نہ کر لیا جائے اور یہی ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

فتاویٰ غرائب باب ۳ فی فصل الصفوف عن الفتاوی سمرقندی ينبغي ان يتراصوا في الصفوف لقوله عليه السلام تراصوا في الصفوف لئلا يتخلل الشيطان۔

شمنی کراس نے شرح نقایہ میں نیز بحر الرائق ورق ص۲۶۲ عالمگیریہ مطبوعہ کلکتہ ص۱۲ درمختار مع الشامی ص۵۹۵ ہے، ينبغي للماموميين ان يتراصوا وان يسد والخلل في الصفوف وان يسووا مناكبهم وينبغي للامام ان يامرهو بذلك وان يقف وسطهم وفي الفتاوى التاتاخانيه واذا قاموا في الصفوف تراصوا وسووا بين مناكبهم۔ یعنی مقتدیوں کو چاہیے کہ خوب گچ کریں اور درز کو صفوف میں بند کر دیں اور شانوں کو ہموار رکھیں بلکہ امام کو لائق ہے کہ انہیں اس امر کا حکم کرے پھر بیچ میں کھڑا ہو، فتاویٰ تاتارخانیہ میں کہ جب صفوں میں کھڑے ہوں تو گچ کریں اور کندھے ہموار کر لیں شامی ص۵۹۵ جلد ا میں ہے کہ اگر آدمی دوسری صف میں ہے اور پہلی میں ایک آدمی کی جگہ ہے تو چل کر پہلی میں اس خالی جگہ کو پر کر دے نماز میں کچھ خرابی نہ آئے گی۔ لانه مامور بالمراصة قال عليه السلام تراصوا الصفوف ذكره الذخيرة شامی خلل کا ترجمہ فرماتے ہیں۔ هو الفراج بين الشيئين، یعنی دو چیزوں میں جو فاصلہ اور شگاف ہو اسے کہتے ہیں منتہی الارب میں ہے، خلل محرکہ کشادگی میان دو چیز از رص۳۶ جلد ا میں ہے، رص الشئ بالشئ برهم چفسانید یکے را با دیگرے و استوار کردن او

تراصص میں لکھتے ہیں۔ بریکہ گچ چپیدن مردم ورصف یقال تراصوا فی الصف اذا تلاصقوا وانضموا۔

فتح القدیر۔ شرح ہدایہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۸ جلد ۱ میں ہے وانسق نبذ ۃ من سنن الصف تکمیلا من سنۃ التراص فیہ والمغاربۃ بین الصف والاستھزاء فیہ۔

(۲) اس جگہ ہم قدرے رشحات صف کے آداب میں احادیث نبویہ سے تحریر میں لاتے ہیں۔ جس سے مسنونیت گچ اور صفوں کے نزدیک اور برابر کرنے کی بھی تکمیل ہو جاوے۔ فاضل شارح تین امر میں قلم فرسائی کا ارادہ کرتے ہوئے ہر سہ اوعاؤں کو مدلل با احادیث نبویہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ففی صحیح ابن خزیمۃ عن البراء کان علیہ السلام یاتی ناحیۃ الصف فسوی بین صدور القوم ومناکبہم ویقول لاتختلفوا فتختلف قلوبکم ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی الصف الاول

براء بن عازب سے صحیح ابن خزیمہ میں ہے آپ صف کے کناروں سے آتے اور لوگوں کے سینہ اور کندھوں کو ہموار کرتے اور فرماتے کہ آگے پیچھے نہ ہو ایسا نہ ہو کہ اللہ میاں تمہارے دلوں میں اختلاف نہ ڈال دیں یہ شق ثالث کی دلیل بیان کی ہے۔

وروی الطبرانی من حدیث علی علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الاتصفون کما تصف الملائکۃ عند ربہا قال اتموا الصفوف الاول وترصون فی الصف وفی روایۃ للبخاری فکان احدنا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ طبرانی میں علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

مرفوعاً آپ نے فرمایا تم ملائکہ جیسی صف کیوں نہیں بناتے جس طرح وہ اپنے پروردگار کے حضور میں بناتے ہیں صحابہ نے دریافت کیا وہ کس طرح تو فرمایا وہ اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں گچ کرتے ہیں۔ اس گچ کی توضیح کے لئے فاضل شرح بخاری کی روایت بیان کرتے ہیں کہ بخاری میں ہے کہ ایک ہمارا کندھے کو اپنے ساتھی کے کندھے اور پیر کو اس کے پیر سے ساتھ ملاتا تھا۔ یہ نمبر اول وثانی کی دلیل ہے

اور فرمایا، وروی ابوداؤد والامام احمد عن ابن عمر انہ علیہ السلام الصلوٰۃ قال اقیموا صفوفکم وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم لاتذروا فرجات الشیطان من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ وروی البزار باسناد حسن عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من سد فرجۃ فی الصف غفر اللہ لہ وفی ابی داؤد عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال خیارکم الینکم مناکب فی الصلوٰۃ۔

ابوداؤد و امام احمد میں ابن عمر سے مرفوعاً ہے آپ نے فرمایا صفیں قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور جو سوراخ دو کے درمیان ہو اسے بند کر دو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو اور شیطان کے لئے سوراخ کی جگہ نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا خدا اس کو بھی ملا دے گا اور جو صف کو قطع کرے گا خدا اس کو بھی قطع کرے گا۔ بزار میں سند حسن سے ہے کہ جس نے صف کے دراڑ کو بند کیا خدا اس کو بخشے۔ ابوداؤد میں ہے تم میں بہتر وہی ہے کہ نماز میں کندھوں کو آپس میں ملائے رکھے۔ منتہی الارب میں ہے۔

فرجۃ بالضم رخنہ و شگاف من فرجۃ الحائط۔ یہ تینوں کی تائید میں بیان کی۔ للہ درہ مولانا مولوی اشرف علی تھانوی (دیوبندی) بہشتی گوہر تتمہ حصہ دوم کے ص۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"صف میں ایک دوسرے سے مل کر کھڑا ہونا چاہیے درمیان میں خالی جگہ نہ رہنا چاہیے۔"

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوۃ فارسی باب تسویۃ الصف میں فرماتے ہیں "مراد بتسویہ صف آنست کہ متصل بایستند و درمیان فرجہ نگذارند و پس و پیش نہ ایستند و ہموار بایستند۔"

میرے علم میں تو کسی ایک آدھ حنفی المذہب کے متقدمین سے اس کے خلاف ثابت نہیں، بڑے بڑے محقق فقیہہ و ارباب الترجیح نے اس امر کو بالکل واضح کر دیا نہ معلوم کہ عمل میں کیوں قاصر اہل مذہب پائے جاتے ہیں۔ کیا مولانا اشرف علی (دیوبندی) کا فرمان واضح نہیں کہ مل کر کھڑا ہونا چاہیے درمیان میں جگہ نہ رہنا چاہیے۔ اس سے بھی واضح لفظوں کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے علماء احناف ان نصوص فقیہہ پر بذات خود عمل کر کے ان عوام کو دکھاویں تو امید ہے کہ یہ نفرت ان کے دلوں سے بالکلیہ طور پر زائل ہو جاوے اس وقت تو کیا علماً کیا جہلاً مسجدوں میں نماز کے وقت جا کر دیکھئے کہ صف کی کیسی مٹی پلید کی جاتی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

"مسلمانی در گور یا در کتاب"

کیا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں ان بے چارے فقہا کا کچھ قصور ہے حاشا و کلا بلکہ یہ خلف نا اہل کے کرشمہ کا مظہر ہے جو نمازوں کو برباد کرتے ہیں اور اپنی بھی کرتے ہیں۔ "اقامۃ الصفوف" کو تمام صلوۃ فرمایا ہے۔ "رصوا" بصیغہ امر ارشاد ہے۔ اس کی بڑی شدومد سے وعید شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے وارد ہے ہر فرد مقلد متبع امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملتمس ہوں کہ آپ حضرات بیک زبان ہو کر یہ فرمائیں کہ یہ ہماری کتابوں میں غلط لکھ دیا گیا ہے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ہمارا عمل درآمد ہے اور اس کی صحت پر فلاں فلاں کتاب کی فلاں فلاں عبارت فلاں فلاں فقیہہ و امام کی نص موجود ہے۔ عدم ترصیص میں واللہ خود بھی عامل ہوں اور لوگوں کو بھی عمل

کی تعلیم دیں بیچارے جاہل تو اچھوت سے زیادہ علیحدہ کھڑے ہونے کو پسند کرتے اور مل کر کھڑے ہونے سے نفرت بلکہ لڑنے مرنے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔

خاص بمبئی میں ایک مولوی صاحب کو صرف اسی جرم پر کہ انہوں نے مل کر کھڑے ہونے کو فرمایا تھا۔ ضرب شدید سے بعد نماز مرمت کی کہ انہیں چار و ناچار اور وجع فتق کر کے وطن سدھارنا پڑا اور وہیں اس صدمے سے دار البقا کا سفر کرنا پڑا۔ مولانا بھی حنفی ہی مذہب کے آدمی تھے دوست تک دشمن ہو گئے۔ یہ فرمائیے خون کا ذمہ دار کون؟ یہی حضرات علماء۔ واللہ علی ما نقول وکیل وہو حسبی ونعم الوکیل۔ وانا الراجی رحمۃ ربہ۔

ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامروری (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۶۹)

مسئلہ، حنفی بریلوی مسلک کی مشہور کتاب "بہار شریعت" حصہ سوم میں بھی تسویۂ صفوف کی سنت تاکید کی گئی ہے فرماتے ہیں، امام احمد و ابوداؤد و نسائی و ابن خزیمہ و حاکم ابن عمرؓ سے راوی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جو صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا۔ اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے قطع کرے گا" مسلم و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں کیوں نہیں اس طرح صف باندھتے ہو جیسے ملائکہ اپنے رب کے حضور صف باندھتے ہیں عرض کی یا رسول اللہ کس طرح ملائکہ اپنے رب کے حضور صف باندھتے ہیں۔ فرمایا اگلی صفیں پوری کرتے ہیں اور مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ابن ماجہ ام المؤمنین صدیقہؓ سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں جو کشادگی کو بند کرے گا اللہ اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اور طبرانی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے۔ کہ اس کے لیے جنت میں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک گھر بنائے گا۔ سنن ابوداؤد و نسائی و صحیح ابن خزیمہ میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور ہمارے مونڈھے یا سینے پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے مختلف کھڑے نہ ہو کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ طبرانی ابن عمرؓ سے اور ابوداؤد براء بن عازبؓ سے راوی کہ فرماتے ہیں کہ اس قدم سے بڑھ کر کسی قدم کا ثواب نہیں جو اس لئے چلا کہ صف میں کشادگی کو بند کرے۔ اور بزار باسناد حسن ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ جو صف کی کشادگی کو بند کرے گا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ (بہار شریعتؒ حصہ سوم ص۱۴۰، ۱۲۸)

۱؎ یہ کتاب مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ مرحوم کی مصدقہ ہے۔ (سعیدی)

بَابُ النِّيَّةِ فِي الصَّلٰوةِ

سوال ۱: نماز شروع کرتے وقت یعنی تکبیر تحریمہ سے پہلے زبان سے نیت کرنا جیساکہ عام رواج ہے کہ نیت کی ہے میں نے چار رکعت فرض ظہر نماز کی پیچھے اس امام کے، یہ مسنون ہے یا بدعت؟

۲: میں نے مولانا ...... کو تکبیر تحریمہ سے پہلے بجائے مروجہ نیت کے یہ دُعا بالجہر پڑھتے سُنا " انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لاشریک له وبذلک امرت وانا من المسلمین " اس روز سے میں یہ دُعا تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھتا ہوں، مگر بعض علماء سے سُنا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے یہ دُعا ثابت نہیں، اس بارہ میں رہنمائی فرمائیں؟

جواب: "نیت" کا لفظ قابلِ غور ہے۔ نیت کا معنی ہے مقصد اور ارادہ۔ اور تمام اہل علم اور ارباب دانش و بینش کا اتفاق ہے کہ قصد اور ارادہ دل کا فعل ہے نہ کہ زبان کا۔ اس لیے اگر دل سے نمازی نے نماز کی نیت کرلی تو آئمہ اربعہ بلکہ تمام آئمہ دین کے نزدیک اس کی نیت صحیح ہوگی، اور نماز کے لیے زبان سے نیت کا اظہار نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ خلفاء راشدین اور دوسرے اصحاب کرام سے اور نہ آئمہ دین سے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت صحابہ کرام نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے۔ اور صحابہ کرام کی نماز بھی تابعین نے بیان کی ہے۔ اہل علم سے یہ مخفی نہیں کہ کسی سے یہ ثابت نہیں کہ نیت کا تلفظ ادا کرتے تھے بلکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جس نے نماز جلدی جلدی پڑھی، نماز کا طریقہ سکھلاتے ہوئے فرمایا: اذا قمت الی الصلوٰۃ فکبر ثم اقرا ما تیسر معک من القرآن یعنی جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو تکبیر کہو اس کے بعد جو قرآن یاد ہو اور آسانی سے پڑھ سکتے ہو، وہ پڑھو۔ (الیٰ آخرہ) اور تمام حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ تحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم یعنی نماز میں داخل ہوجاتا ہے نمازی تکبیر تحریمہ کے کہنے سے اور نماز سے باہر ہوجاتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے سے۔

(۳) حضرت عائشہؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے۔ کان یفتتح الصلوٰۃ بالتکبیر والقراۃ بالحمد للہ رب العالمین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اکبر" سے نماز شروع کرتے اور نماز میں قرأت الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے۔" اور کوئی ایسی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے اس مضمون کی ثابت نہیں نہ صحیح نہ ضعیف کہ وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے نیت کا تلفظ کرتے تھے نہ سراً نہ جہراً۔ اس لئے شرعاً یہ ثابت نہیں۔ بلکہ علماء نے اسے بدعت قرار دیا ہے اور اس پر شدید انکار کیا ہے۔

عقلاً بھی یہ بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ذرا غور فرمائیے کہ ایک شخص گھر سے نماز کے ارادہ سے چلا ہے۔ مسجد میں آکر اس نے وضو کیا۔ اب رو بقبلہ ہو کر نماز پڑھنے لگا ہے اب اس کا تلفظ سے نیت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ کہے "میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کھانا کھاؤں تاکہ پیٹ بھر جائے اور بھوک جاتی رہے۔ یا کپڑا پہنتے ہوئے یوں کہے میں نیت کرتا ہوں کہ یہ کپڑا پہنوں تاکہ میں اس سے بدن ڈھانکوں یا اس سے سردی سے بچاؤ حاصل کروں یا دھوپ کی تمازت سے بچ جاؤں۔ کیا کوئی عقلمند اس قسم کی نیتوں کو جو دل میں موجود ہیں ان کے تلفظ کو صحیح اور قرین دانش سمجھے گا۔

بدعت حسنہ: بعض متاخرین فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے چونکہ ان کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث یا صحابہ کا عمل بلکہ ائمہ دین میں سے کسی کا فتویٰ بھی ان کے پاس نہ تھا اسلئے اس کو بدعت حسنہ کہہ کر اس کے جواز کا فتوےٰ دیا۔ اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب درج کرنا اہل انصاف کے لئے موجب بصیرت ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ، حضرت مجدد صاحبؒ اپنے مکتوب کے دفتر اول حصہ سوم مکتوبؒ میں فرماتے ہیں: "گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ، حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آنحضور و خلفاء راشدین علیہ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت نمید و سیئہ آنکہ رفع سنت باشد۔ ایں فقیر را ہیچ بدعتے از بدعتہا حسن و نورانیت مشاہدہ نمیکند و بجز ظلمت و کدورت احساس نمے نماید" اس کے بعد فرماتے ہیں کہ علماء اور مشائخ نے بعض بدعات کو بدعت حسنہ قرار دیا ہے لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعات بھی رافع سنت ہیں اس کے بعد اس دعوے کی تائید میں کچھ مثالیں بیان کی ہیں ایک مثال اسی زیر مسئلہ بحث کی دی ہے۔ فرماتے ہیں: "و ہمچنیں است آنچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادہ قلب بزبان نیز باید گفت و حال آنکہ از آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح و نہ بروایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت

ے گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد " صفحہ ۲۰۲، ۳۰۳ ۔ طبع امرتسر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی " اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (فارسی) میں فرماتے ہیں، " اختلاف کردہ اند علماء در نیت نماز، بعدا ز اتفاق ہمہ برآں کہ بجہر گفتن آں نا مشروع است کہ تلفظ نیت شرط صحت نماز است یا نہ بہ صحیح آنست کہ شرط نیست و شرط دانستن آں خطا است " اس کے بعد لکھتے ہیں کہ فقہا نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نیت کا تلفظ کرے تو بہتر ہے تاکہ زبان دل کے موافق ہو جائے لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے نیت کا تلفظ کیا ہو۔ آخر میں فرماتے ہیں، پس طریقہ سنت و اتباع آنست کہ ہم بر نیت بدل اختصار کند، و اتباع ہم چنانکہ در فعل واجب است در ترک نیز مے باید پس آنکہ مواظبت نماید بر فعل آنچہ شارع نکردہ باشد مبتدع بود (ص ۱۹) یعنی طریقہ سنت اور صحیح اتباع سنت کا تقاضا یہی ہے کہ صرف دل سے نیت کرنے پر کفایت کی جائے اور اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کسی کام کے کرنے میں واجب ہے اسی طرح نہ کرنے میں بھی واجب ہے پس جو شخص ایسا کام ہمیشہ کرتا ہے جو شارع علیہ السلام نے نہیں کیا ہے، وہ بدعتی ہوگا۔

نیت ضروری ہے : اس ساری بحث میں اس سے غافل نہیں ہونا چاہیئے کہ نیت دل سے بھی نہ کی جائے تکبیر تحریمہ سے پہلے حضور قلب سے نیت نماز کی کرنی چاہیئے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔ والمعارفۃ المشروطۃ قد تفسر بوقوع التکبیر عقیبۃ النیۃ وھذا ممکن لاصعوبۃ فیہ بل عامۃ الناس ھکذا یصلون بل ھذا لضروری وقد تفسر بحضور جمیع النیۃ مع جمیع اجزاء التکبیر و ھذا قال نوع فی امکانہ فمنھم من قال انہ غیر ممکن ولا مقدور للبشر فضلا عن وجوبہ (مختصر الدر المنیہ من الفتاوی العربیہ ص ۱۵)

یعنی تکبیر اور نیت ساتھ ساتھ کی جائے کی تشریح بعض نے تو یہ کی ہے کہ پہلے نیت حضور قلب سے کی جائے۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی جائے۔ فرماتے ہیں یہ تو ممکن ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں بلکہ عام طور پر لوگ اسی طرح نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ ضروری ہے بعض نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ اللہ اکبر کے الفاظ ادا کرتے ہوئے ساتھ ساتھ نیت نماز کی جائے۔ اس تشریح کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ ممکن نہیں اور انسان کی قدرت سے باہر ہے، چہ جائے اسے واجب کہا جائے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ اکبر کے معانی کا استحضار کرے اس وقت نمازی کا دل اللہ عزوجل کی کبریائی کی طرف مشغول ہونا چاہئے اس کے علاوہ فرماتے ہیں کہ نیت شرط نماز

نماز ہے اور یہ طہارت کی طرح عبادت سے مقدم ہونی چاہئے کہ دل سے نیت ضروری اور شروط نماز سے ہے، پس پوری توجہ اور حضور قلب سے رو بقبلہ ہو کر جو نماز بھی پڑھیں اس کی نیت دل سے کریں۔ اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہیں اور ساری نماز اسی طرح حضورِ قلب اور توجہ سے پڑھیں۔

تکبیر تحریمہ سے پہلے مروجہ نیت کے بجائے انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض ۔ کا پڑھنا صحیح نہیں ہے جن روایات میں اس دعا کے پڑھنے کا ذکر ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ دعا تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی گئی۔ جن مولانا صاحب کا آپ نے ذکر کیا ہے ان سے تسامح ہوا ہے۔ یہ مولانا صاحب حنفی مسلک کے ہیں اور امام طحاوی نے امام ابو یوسف سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ مشہور دعا استفتاح "سبحانک اللہم وبحمدک" کے بعد اور تعوذ (اعوذ باللہ) سے پہلے "وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض" الی آخرہ پڑھتے تھے امام طحاوی نے امام ابو یوسف کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ ہمارا بھی فتویٰ یہی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: وکان ابو یوسف قد قال بآخرہ فیما حدثنہ اصحاب الاملاء انہ یقول قبل التعوذ ایضا وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض (الی اٰخرہ) یقدم ما شاء من "سبحانک اللہم وبحمدک" ومن وجہت وجہی" یذہ الاخری قال ابو جعفر وبہ نأخذ (مختصر الطحاوی) امام ابو یوسف اور امام طحاوی کے فتویٰ کے مطابق یہ دونوں دعائیں تکبیر تحریمہ کے بعد اور تعوذ سے پہلے پڑھی جائیں ان میں سے کسی ایک دعا کو پہلے اور دوسری کو بعد میں پڑھ لے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے بعض علماء کا تکبیر تحریمہ سے پہلے مروجہ نیت کے بجائے "وجہت وجہی" دعا کا پڑھنا ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اسے ترک کر دیجئے اگر پڑھنا چاہیں تو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھیں۔ (الاعتصام لاہور جلد ۱۹ ش ۱)

سید داؤد غزنوی رح

سوال: نماز کی صحیح نیت کیا ہے؟ مروجہ چار رکعت نماز فرض منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام وقت ظہر کو لوگ بدعت کہتے ہیں۔ (صوفی محمد شریف چک ۲۵۴)

جواب: نیت کا تعلق دل سے ہے زبان سے نماز کی نیت کرنا ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ (الاعتصام جلد ۲ ش ۱)

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ

سوال: تکبیر اولیٰ سے قبل نیت نماز ضروری ہے یا نہیں۔ مثلاً یہ کہے میں فلاں وقت کی فلاں نماز فرض یا نفل پڑھتا ہوں انی وجہت الخ ایک عالم صاحب نیت نماز کو زبان سے کہنا غیر ضروری فرماتے ہیں اور جب نیت کے لیے آیت قرآن شریف "انی وجہت" قبل از تکبیر اولیٰ پڑھتے ہیں تو اس آیت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا کیوں ناجائز

جواب: تکبیر اولیٰ سے پہلے دل سے نیت ضروری ہے۔ زبان سے نیت ثابت نہیں، بلکہ نیت فعل ہی دل کا ہے نہ زبان کا۔ کیوں کہ نیت کے معنی قصد اور ارادے کے ہیں۔ قصد اور ارادہ دل کا فعل ہے اور انی وجہت نیت کے لیے نہیں پڑھی جاتی۔ کیونکہ اس میں کسی خاص عبادت کا ذکر نہیں اور نیت خاص عبادت کی ہوتی ہے۔ نیز انی وجہت کا تکبیر اولیٰ سے پہلے پڑھنا اس کا تسلی بخش کوئی ثبوت نہیں بلکہ بعض روایتوں سے تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب القراءۃ بعد التکبیر میں وہ روایت موجود ہے۔ پس صحیح بعد پڑھنا ہے اور نیت پہلے ہوتی ہے۔ تو اس کا نیت کے لئے پڑھنا ثابت نہ ہوا۔ رہا اس سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنا تو اس کا جواب وہی ہے جو دوسرے سوال کا۔ (حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی) تنظیم اہلحدیث ۲۲ جولائی ۱۹۶۱ء

سوال: نماز میں نیت زبان سے کرنا بدعت ہے یا نہ؟

جواب: بدعت ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم میں تحریر فرماتے ہیں "و ہمچنیں است آنچہ علما در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ با وجود ارادہ قلب بزبان نیز باید گفت و حالاں کہ از آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ نہ بروایت صحیح و نہ بروایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد آہ" اور مولانا محمد عبدالحیؒ نے عمدۃ الرعایہ میں لکھا ہے "محصلہا الاکتفاء بنیۃ القلب مع تجریؔ اتفاقا وھو الطریقۃ المشروعۃ الماثورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فلم ینقل عن احد منھم التکلم بنویت او انوی صلوٰۃ کذا فی وقت کذا او نحو ذالک کما حققہ ابن الھمام فی فتح القدیر وابن القیم فی زاد المعاد اہ" اور مولانا محمد عبدالحیؒ نے آکام النفائس میں ارقام فرمایا ہے (تنبیہ) کثیراً ما سئلت عن التلفظ بالنیۃ ھل ثبت ذالک من فعل

لہ جس کا حاصل اکتفا کرنا ہے ساتھ نیت دل کے اور دل کی نیت کافی ہے باتفاق اور یہی طریقہ مشروع و منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے اور ان میں سے کسی ایک سے بھی منقول نہیں ہوا کہ انہوں نے زبان سے یوں کہا ہو کہ نیت کی میں نے یا نیت کرتا ہوں میں فلاں نماز کی فلاں وقت میں اور نہ مثل ان الفاظ کے اور کوئی لفظ کہتے۔ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اور ابن قیم نے زاد المعاد میں ایسا ہی تحقیق کیا ہے۔

لہ زبانی نیت کرنے کا مسئلہ مجھ سے بہت دفعہ پوچھا گیا کہ آیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے ثابت ہے یا نہیں، اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وھل لہ اصل فی الشرع فاجبت بانہ لم یثبت ذلک من صاحب الشرع ولا من احد من اصحابہ الخ اور مولانا محمد عبدالحی مغفور نے سعایہ میں تحریر فرمایا ہے نقل[1] فی المرقاۃ عن زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن القیم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام الی الصلوٰۃ قال اللہ اکبر ولم یقل شیئا قبلھا ولا تلفظ بالنیۃ ولا قال اصلی صلوٰۃ کذا مستقبلا للقبلۃ اربع رکعات اماما او ماموما ولا قال اداء ولا قضاء ولا فرض الوقت وھذہ بدع لم ینقل عنہ احد قط لا بسند صحیح ولا بسند ضعیف ولا مسند ولا مرسل بل ولا عن احد من اصحابہ ولا استحبہ احد من التابعین ولا الائمۃ الاربعۃ الخ وفی فتح القدیر قال بعض الحفاظ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح ولا ضعیف انہ کان یقول عند الافتتاح اصلی کذا ولا عن احد من التابعین بل المنقول انہ اذا قام الی الصلوٰۃ کبر وھذہ بدعۃ۔ فتاویٰ مفید الاحناف[2] ص۳

آیا شرع میں اس کی کوئی اصل بھی ہے۔ تو میں نے یہی جواب دیا کہ نہ تو شارع علیہ السلام ہی سے ثابت ہوا اور نہ ان کے صحابیوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوا۔ ۱۲

[1] یعنی مرقاۃ میں ابن قیم کی کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے اور اس سے پہلے کچھ نہ فرماتے اور نہ یوں کہتے کہ میں فلاں نماز کی چار رکعت کعبہ کی طرف منہ کر کے امام یا مقتدی ہو کر پڑھتا ہوں اور نہ ادا یا قضا یا فرض کا نام لیتے اور یہ سب بدعات ہیں۔ کسی نے آپ سے نقل نہیں کیا۔ نہ سند صحیح سے اور نہ سند ضعیف سے اور نہ مسند سے اور نہ مرسل سے بلکہ آپ کے صحابہ میں سے بھی کسی سے منقول نہیں ہوا اور تابعین میں سے بھی کسی نے اس کو مستحب نہیں کہا اور نہ چاروں اماموں نے الخ اور فتح القدیر میں ہے کہ بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو صحیح طریق سے ثابت ہے اور نہ ضعیف سے کہ آپ شروع نماز کے وقت کہتے ہوں کہ میں فلاں نماز پڑھتا ہوں اور نہ تابعین میں سے کسی سے ثابت ہوا بلکہ آپ سے تو یہی منقول ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے۔ لہذا یہ بدعت ہے۔ ۱۲

[2] یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد عبدالغفور صاحب رمضانپوری بہاری کا ہے۔ ہر خاص و عام کے لئے نافع ہے۔ اور اس میں ان کتابوں کی عبارات جمع کی گئی ہیں جن کے مصنف حنفی المذہب تھے۔ اور انہیں نہیں کے اقوال و افعال درج کئے گئے ہیں جو صوفی مشرب تھے اس تالیف سے لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان کا قول یا فعل مطابق اس رسالہ کے پایا جائے، وہ مورد لعن وطعن نہ بنایا جائے۔ ۱۲ (سعیدی)

باب وضع الیدین علی الصدور

سوال : حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی سے تا وفات شریف نماز میں ہاتھ سینے پر باندھتے اور رفع یدین کرتے اور آمین بالجہر فرماتے رہے یا نہیں ؟

الجواب : سینے پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری اور مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں ان دونوں فعلوں کو ناجائز کہنا صحیح نہیں، علمائے حنفیہ مثلاً مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم بکثرت اور مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم بھی ان کے قائل تھے۔

شرفیہ : دوام کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نماز پڑھنے پر دوام کیا ہے اور یقیناً کیا ہے تو پھر ان امور مذکورہ بالا پر جو احادیث متفقہ سے ثابت ہے دوام ان کا بھی ثابت ہے۔ ورنہ تفریق بذمہ مدعی ہے فعلیہ البیان بالبرہان ورنہ خرط القتاد اور سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث بحوالہ صحیح ابن خزیمہ بلوغ المرام میں بھی ہے ،، ابوسعید شرف الدین دہلوی)

تشریح از قلم حضرت مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث مبارکپوری

علمائے اہلحدیث نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کرتے ہیں پہلی حدیث ان کے نزدیک صحیح مرفوع متصل غیر معلل اور غیر شاذ ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں بلفظ فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ مروی ہے۔

حافظ ابن حجر درایہ اور بلوغ المرام وغیرہ میں اور حافظ زیلعی نصب الرایہ جلد اول ص۳۱۴ میں اور دوسرے مصنفین اپنی کتابوں میں اس حدیث کو ابن خزیمہ کی روایت بتلاتے ہیں لیکن اس کی سند نہیں نقل کرتے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک بظاہر صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حسب ذیل سند سے مروی ہے عن عفان عن ھمام عن محمد بن جحادۃ عن عبدالجبار بن وائل عن علقمۃ بن وائل ومولی لھم عن ابیہ انتھی اور اسی سند سے مسلم شریف میں یہ متن بغیر زیادت

علی الصدر کے باین الفاظ مروی ہے ثم وضع یدہ الیمنیٰ علی الیسریٰ جلد اول ص۱۲۸ مولوی انور شاہ کشمیری نے فیض الباری جلد ۲ ص۲۶۷ میں نیموی نے آثار السنن ص۶۲ میں مولوی خلیل احمد نے بذل المجہود جلد ۲ ص۲۵ میں، مولوی ذکریا نے الاوجز میں علی الصدر کی زیادتی کو معلل شاذ وغیرہ کو محفوظ اور حدیث کو مضطرب المتن بتایا ہے وجہ معلل ہونے کی مولوی انور شاہ مرحوم کے لفظوں میں یہ ہے۔ لانہ لم یعمل بہ احد من السلف ولا ذھب الیہ احد من الائمۃ انتہیٰ اور زیادت مذکور کے غیر محفوظ اور شاذ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابن خزیمہ کے علاوہ اس حدیث کو احمد نسائی ابو داؤد ابن ماجہ وغیرہ نے مختلف طریق سے روایت کیا ہے لیکن کسی طریق میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں والحاصل ان روایۃ وائل رواھا غیر واحد ولم یروھا احد علی لفظ ابن خزیمۃ وانما زادھا راوی بعد مرور الزمان فھو ساقط قطعاً فلا یجھل علیہا معرفتہ ان العمل بہ انتہیٰ اور مضطرب المتن ہونے کی وجہ نیموی کے لفظوں میں یہ ہے، اخرج ابن خزیمۃ فی ہذا الحدیث علی صدرہ والبزار عند صدرہ واخرج ابن شیبۃ تحت السرۃ انتہیٰ۔ زیادت مذکور کے شذوذ و حدیث مذکور کے اضطراب کا جواب تحفۃ الاحوذی جلد اول ص۲۱۶ اور ابکار المنن ص۱۰۱ تا ص۱۰۳ میں بسط و تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور معلل ہونے کی وجہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں جبکہ امام شافعی سے ایک روایت علی الصدر کی آتی ہے جیسا کہ حاوی میں مصرح ہے اور اگر بالفرض کوئی اس کا قائل نہ بھی ہو تو یہ اس کے معلل اور غیر محفوظ اور ساقط الاعتبار ہونے پر دلالت نہیں کرتا لانہ یحمل علی انہ لم یبلغ الحدیث المذکور لاحد من الائمۃ الاربعۃ وغیرہم ہم المشہورون واما ان کون الحدیث متروک العمل بہ فی قرن الصحابۃ اوالتابعین علامۃ نسخہ اوضعفہ کما یدل علیہ کلام المنار کما صرح بہ فی التلویح فھو مما لا یلتفت الیہ وقد رد علیہ الشوکانی فی ارشاد الفحول والعلامۃ جمال الدین القاسمی فی قواعد التحدیث۔

دوسری حدیث :۔ حدیث مسند احمد میں بسند ذیل مروی ہے جو عند الحنفیہ بھی حسن ہے قال الامام احمد فی مسندہ حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان ثنا سماک بن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ نیموی نے اس حدیث کو بھی علی صدرہ کو غیر محفوظ بتایا ہے جس کا جواب حضرت شیخ نے تحفۃ الاحوذی اور ابکار المنن میں بالتفصیل مرقوم فرمایا ہے۔ تیسری حدیث مراسیل ابی داؤد میں مروی ہے۔

(مرسلہ مولانا محمد بن عبد اللہ ہرنی مدراس) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۴۳)

سوال ، صدر یعنی سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب ؛ سینہ پر ہاتھ باندھنا نماز میں صحیح احادیث سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت ہے۔

حدثنا یحیی بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن شماله ویضع هذه علی صدره ووصف یحیی الیمنی علی الیسری فوق المفصل رواه الامام احمد فی مسنده اخبرنا ابو سعید احمد بن محمد الصوفی قال انبانا ابو احمد بن عدی الحافظ انبانا ابن سعد حدثنا ابراهیم بن سعید حدثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنی سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رسول الله صلی الله علیه وسلم نهض الی المسجد ثم رفع یدیه بالتکبیر ثم وضع یمینه علی الیسری علی صدره رواه البیهقی فی السنن الکبری ان روایات سے سینہ پر ہاتھ باندھنا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ثابت ہو گیا ۔ واللہ اعلم المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحیٰ لقی عرف صدرالدین احمد حیدر آبادی الجواب صحیح والرای نجیح ، فتاوٰی نذیریہ جلد اول ص ۳۰۳

سید محمد نذیر حسین

فتاوٰی ثنائیہ ص ۴۴۵

سوال ، ہاتھ چھاتی پر باندھنے کی دلیل قوی ہے یا ناف تلے ؟

الجواب ، نماز میں ہاتھ زیر ناف باندھنے کی حدیثیں امام احمد اور ابوداؤد نے بیان کی ہیں لیکن اس کے ساتھ دونوں حضرات نے ان کو ضعیف بھی بتلایا ہے اس بارے میں کوئی ایک حدیث مرفوع اور صحیح ثابت نہیں لیکن سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور اس کو صحیح بھی بتلایا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبیصہ بن ہلب سے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے یہ حدیث حسن ہے صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے ۔ اللہ اعلم

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مزید تحقیق

(۱) عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره رأیته یضع یده علی صدره الخ قبیصہ بن ہلب سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز سے فارغ ہونے کے بعد) دائیں بائیں طرف پھرتے اور (نماز میں) سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا (مسند احمد بن حنبل) (۲) عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فوضع

یدہ الیمنی علی الیسریٰ علی صدرہ : یعنی وائل بن حجر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ سینہ پر رکھا (صحیح ابن خزیمہ)

ف : یہ حدیث بمقابل حدیث زیر ناف زیادہ صحیح اور موثق ہے۔ چنانچہ علامہ عینی حنفی جو اپنے مذہب کی تائید میں بڑے مستعد ہیں اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری میں اعتراف فرماتے ہیں : احتج الشافعی بحدیث وائل بن حجر اخرجہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ ویستدل لعلمائنا الحنفیۃ بدلائل غیر وثیقۃ۔ یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وائل والی حدیث سے حجت پکڑی ہے جس کو ابن خزیمہ نے صحیح میں روایت کیا ہے (اور وہ روایت یہ ہے کہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور سینہ پر باندھا اور ہمارے علماء حنفیہ ایسے دلائل سے حجت پکڑتے ہیں جو موثق نہیں ہیں۔ (عمدۃ القاری) اور ابن امیر الحاج حنفی شرح منیہ میں بایں الفاظ معترف ہیں ان الثابت من السنۃ وضع الیمین علی الشمال ولم یثبت حدیث تعین المحل الذی یکون فیہ الوضع من البدن الا حدیث وائل ملخصاً۔ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ سیدھا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا سنت ہے مگر ایسی کوئی حدیث پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس کی رو سے بدن کے کسی خاص مقام پر ہاتھوں کا رکھنا واجب ہو سوائے وائل کی حدیث کے۔ (وضع الایدی علی الصدر)

علاوہ ازیں وائل ابن حجرؓ کی حدیث ابن خزیمہ کی ہے اور ابن خزیمہ کو احادیث میں جو وقعت اور جو درجہ حاصل ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے بیان سے ظاہر ہے چنانچہ مولانا موصوف رسالہ "فیما یجب للناظر" میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ "جمع الجوامع" میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کے پانچ مراتب ہیں۔ ایک تو اس مرتبہ کی ہیں جن میں فقط صحیح صحیح حدیثیں ہیں ان میں ایسی حدیثیں نہیں ہیں جن کو ضعیف کہہ سکیں موضوع کا تو کیا ذکر ہے۔ مثلاً موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح حاکم، مختار ضیا مقدسی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن عوانہ، صحیح ابن سکن، منتقی ابن جارود کی۔

لہٰذا اس حیثیت سے بھی ہماری پیش کردہ حدیث صحیح ابن خزیمہ لائق استدلال اور قابل عمل ہے۔ پس از روئے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ یہ بات مسلم ہو چکی ہے سینہ پر ہاتھ باندھنا موثق اور صحیح ہے۔ اور بمقابل اس کے حدیث زیر ناف موثق نہیں ہے تو حضرات اہل سنت والجماعت کو چاہیے کہ حکم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنی طبیعت کو منعطف کریں۔ کیوں کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد ضد اور تعصب کی وجہ سے اپنی خواہش کی پیروی کرنا ایمان کے منافی ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہشات کو میری شریعت کا تابع نہ کر دے۔ (شرح السنۃ) اَللّٰھُمَّ اھدنا لما اختلف فیہ من الحق فانک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم۔

(از قلم مولوی محمد جانباز خان محمدی حیدرآباد دکن) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۲۸۳)

سوال: قرآن سے ہاتھ سینہ پر یا زیر ناف باندھنا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ شیعہ لوگ ہم سے قرآن سے دلیل مانگتے ہیں؟

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (سورۂ کوثر) کا معنی کرتے ہیں کہ نماز پڑھو اور سینے پر ہاتھ باندھو۔ اللہ اعلم (فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۳۳۳)

سوال: نماز کے وقت سینے پر ہاتھ باندھنا یا زیر ناف ان دونوں میں سے کون صحیح ہے؟

جواب: سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہے۔ بلوغ المرام ص۱۲ و تخریج زیلعی ملاحظہ ہو۔

(فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۳۴۲)

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں کبھی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی؟

جواب: کسی حدیث میں نہیں ملتا۔ اللہ اعلم فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۳۴۲

سوال: نماز میں دونوں ہاتھ سینہ پر باندھنا کسی معتمد صوفی حنفی کا فعل ہے یا نہ؟ جواب مولوی شاہ نعیم اللہ بہرائچی نے شیخ مرزا مظہر جانجاناں کے معمولات میں لکھا ہے۔ دو دست را برابر سینہ می بستند و میفر مودند کہ ایں روایت ارجح است از روایت زیر ناف۔ (مفید الاحناف ص۲۲)

لے حضرت شیخ الشیوخ حضرت عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رح نے بھی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے فصل لربک وانحر و دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھ۔ عوارف المعارف ص۲۹۳ (سعیدی)

بَابُ القرأت

سوال : امام اپنی قرأت میں تین آیت یا اس سے زیادہ پڑھ کر بموجب متشابہ بھول گیا ہے۔ اگر مقتدی اس کو لقمہ دے تو آیا وہ نماز مکروہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟ گل فردوسی والے نے مکروہ لکھا ہے۔ ہمارا یقین و عمل حدیث پر ہے۔ لہٰذا حدیث کی روشنی میں جواب عطا فرمایا جائے؟

جواب : امام نماز فرض میں قرأت قرآن شریف میں کہیں بھول جائے تو مقتدی کا اس کو لقمہ دینا جائز ہے، مطلقاً خواہ امام تین آیات پڑھ چکا ہو یا کم و بیش، اور اس بات کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ اگر تین آیات پڑھ کر امام پر قرأت مشتبہ ہو جائے تو پھر لقمہ دینے سے نماز مکروہ ہو جاتی ہے بلکہ حدیث نبوی علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے اطلاق ثابت ہے۔

وعن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فیہا فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا؟ قال نعم۔ قال فما منعک رواہ ابوداؤد و فی روایۃ ابن حبان قال فما منعک ان تفتحہا علی وقال الحافظ وقد صح عن ابی عبد الرحمن السلمی قال قال علیؓ اذا استطعمک الامام فاطعمہ عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترک ایۃ فقال لہ رجل یا رسول اللہ ایۃ کذا وکذا قال فھلا ذکرتمنیہا رواہ ابوداؤد وعبد اللہ بن احمد فی مسند ابیہ۔

عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز میں اونچی قرأت پڑھی تو آپ پر قرأت مشتبہ ہو گئی۔ پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو ابی کو کہا کہ تو نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا، ہاں! تو آپ نے فرمایا پس کس چیز نے روکا تجھ کو لقمہ دینے سے،؟ روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے اور ابن حبانؒ کی روایت میں (یوں) ہے کہ آپ نے فرمایا پس کس چیز نے روکا تجھ کو کہ تو بتلاتا مجھ کو، اور حافظ ابن حجرؒ نے کہا کہ ابو عبد الرحمٰن سلمیؒ سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ فرمایا علی بن ابی طالبؓ نے کہ جب امام تجھ سے لقمہ چاہے تو تو اس کو بتلا دے۔ مسور بن یزید مالکیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے

نماز میں ایک آیت چھوڑ دی تو ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ فلاں آیت آپ چھوڑ گئے، آپ نے فرمایا پس کیوں نہ یاد دلائی تو نے مجھ کو روایت کیا ہے اس حدیث کو ابوداؤد نے اور عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کی مسند میں اور حدیث، یا علی لا تفتح علی الامام فی الصلوٰۃ۔ اے علی نہ لقمہ دے تو امام کو نماز میں۔ کی اسناد میں حارث اعور ہے۔ قال المنذری والحارث الاعور قال غیر واحد من الائمۃ انہ کذاب منذری نے کہا کہ کئی اماموں نے حارث اعور کو کذاب کہا ہے۔

اور کل فردوسی وغیرہ کا قول کراہت نماز پر بلا دلیل ہے۔ وتقیید الفتح بان یکون علی امام لم یؤد الواجب من القراۃ وباخر رکعۃ مما لا دلیل علیہ وکذا تقییدہ بان یکون فی القرأۃ الجھریۃ والادلۃ قد دلت علی مشروعیۃ الفتح مطلقا فعند نسیان الامام الایۃ فی القرأۃ الجھریۃ یکون الفتح علیہ بتذکیرہ تلک الایۃ کما فی حدیث الباب وعند نسیانہ لغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء منتقی الاخبار مع شرحہ نیل الاوطار۔

بعض لوگوں نے جو قید لگائی ہے کہ لقمہ اس امام کو دینا چاہیے جو قرأت بقدر واجب نہ پڑھ چکا ہو اور پچھلی رکعت میں ہو اور قرأت بھی جہریہ ہو تو اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے بلکہ دلائل صحیحہ سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے۔ بغیر کسی شروط کے، پس وقت بھولنے امام کے آیت کو قرأت جہریہ میں لقمہ یعنیہ اسی آیت کے یاد دلانے سے ہوگا۔ جیسا کہ اسی باب کی حدیث میں ہے اور اگر کسی اور قسم کا نسیان ہو تو لقمہ مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنے سے ہوگا اور عورتوں کے لیے تالی بجانے سے۔

حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہفت روزہ "توحید" لاہور جلد ا ش

سوال: اگر چار رکعت سنتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھی جائیں تو چاروں رکعتوں میں علاوہ سورۃ فاتحہ کے اور کوئی سورۃ یا آیت ملائی جائے یا صرف دو رکعت اول میں؟

جواب: سنتوں اور نفلوں کی چاروں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اور کوئی سورۃ یا آیتیں ملانی ضروری ہیں، اور فرضوں کی دونوں اخیر رکعت میں صرف فاتحہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔

مولانا محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۱۳)

سوال ۔ (۱) بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ (۲) کسی صحابی یا ان کے زمانے کے کسی فرد سے سورہ فاتحہ کا نہ پڑھنا ثابت ہے؟ (۳) کیا امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے؟

جواب ۔ (۱) بغیر سورہ فاتحہ نماز نہیں ہوتی خواہ امام ہو یا مقتدی (۲) کسی صحابی یا ان کے زمانے کے فرد سے فاتحہ نہ پڑھنا ثابت نہیں (۳) امام کی قرأت علاوہ سورہ فاتحہ کے مقتدی کو کافی ہے۔

فتاویٰ ستاریہ جلد ۴ ص ۳۵

سوال ۔ بعض دفعہ مجھے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جو جہری قرأت میں تو خوب ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھتا ہے۔ لیکن اسی نماز کی آخری رکعتوں میں یعنی سری قرأت میں اس قدر جلد پڑھتا ہے کہ میں پوری سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا، بمشکل آدھی سورۃ فاتحہ پڑھ سکتا ہوں کہ امام رکوع میں چلا جاتا ہے ایسی صورت میں میری نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

جواب ۔ اہلحدیث کے نزدیک بموجب احادیث صحیحہ مرفوعہ سورۃ فاتحہ رکن نماز ہے اگر ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جو اس قدر جلد قرأۃ کرتا ہے کہ آپ پوری تمام بھی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھ سکتے تو نماز نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں نماز کا اعادہ کیا جائے۔ مولانا سید داؤد غزنوی ؒ الاعتصام جلد ۱۱ ش ۲۵

سوال ۔ زید کہتا ہے کہ قرآن مجید نماز میں جہاں سے جی چاہے پڑھ سکتا ہے اور بکر کا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید ترتیب وار پڑھے، سورتوں کو موجودہ ترتیب سے آگے پیچھے کر کے نہ پڑھے اگر سورتیں آگے پیچھے پڑھی جائیں تو مکروہ ہے اور سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔ اور زید کہتا ہے نماز تراویح ہو یا کوئی اور نماز اس میں قرآن مجید کی سورتیں آگے پیچھے کر کے پڑھ سکتا ہے۔ عرض ہے کہ آپ ان دونوں کا تصفیہ از روئے کتاب و سنت فرمائیں؟

جواب ۔ بخاری شریف میں باب باندھا ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب سے آگے پڑھ سکتا ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں آگے پیچھے پڑھنے سے سجدہ سہو پڑ جائے گا۔ مگر ثبوت نہیں۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۲۴

حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی ؒ

سوال ۔ قرآن مجید کی جن سورتوں کے آخر میں جوابات دینا احادیث میں آیا ہے، کیا وہ جوابات صرف امام کو دینے چاہئیں یا مقتدی کے لئے بھی جائز و مستحب ہیں؟

جواب ۔ قرآن مجید کی جن سورتوں کے جوابات حدیثوں میں آگئے ہیں وہ جس طرح امام کے لئے جائز و مستحب

ہیں اسی طرح مقتدی کے لئے بھی جائز و مستحب ہیں، بلکہ مندرجہ ذیل واقعہ سے جو حدیث میں آیا ہے ثابت ہوتا ہے، کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامعین کا جواب دینا بہت محبوب تھا چنانچہ مشکوۃ باب القراۃ فی الصلوۃ میں ہے۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیہم سورۃ الرحمٰن من اولہا الی اٰخرہا فسکتوا فقال لقد قرأتہا علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردودا منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای اٰلاء ربکما تکذبان. قالوا لا بشیء من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد۔

(رواہ الترمذی وقال ہذا الحدیث غریب مشکوۃ) یعنی ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے پاس آئے اور سورۂ رحمٰن ساری پڑھی، صحابہ خاموش سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا میں نے سورۂ رحمٰن جنوں پر لیلۃ الجن میں پڑھی تھی، جب بھی میں آیت "فبای اٰلاء ربکما تکذبان" پر پہنچا تو وہ نہایت اچھا جواب دیتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت پیاری لگتی تھی کہ سامعین بھی جواب دیں۔ لہٰذا مقتدی کو جواب دینا چاہیئے۔ حافظ محمد عبداللہ روپڑیؒ　　(تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ س ۲۳)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کا خلاف ترتیب قرآن پڑھنا تقدیم تاخیر سے درست ہے یا نہیں؟ اور فرض نماز میں کبھی ایک مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثنائے سورتوں متفرق رکوعات پڑھنا ثابت ہے۔ یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر آج کل پوری سورتیں نہ پڑھنا اور صرف درمیان سورت سے یا اول آخر سورت سے پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب: امام کا موجودہ ترتیب قرآنی کے خلاف تقدیم و تاخیر سے پڑھنا یا اثنائے سورتوں سے متفرق رکوعات کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ (ملاحظہ ہو بخاری جلد اول ص ۱۰۶ باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ والقراءۃ بالخواتیم وبسورۃ قبل سورۃ وباول سورۃ. یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے۔ کہ دو سورتیں ایک رکعت میں، یا سورتوں کی آخری آیتیں، یا موجودہ ترتیب کے خلاف سورتوں کا پڑھنا، یا سورتوں کی پہلی آیتوں کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اب ذیل کے دلائل سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جائز ہے ملاحظہ ہو۔ **حضرت انسؓ کی حدیث** عن انس کان رجل من الانصار کان یؤمہم فی مسجد قباء۔

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری مسجد قباء میں امامت کراتا۔ سورۃ فاتحہ کے بعد پہلے قل ہو اللہ احد پڑھتا۔ بعدہ کوئی سورۃ ملاتا۔ اس پر اس کی قوم ناراض ہو کر اسے کہنے لگی۔ تم قل ہو اللہ احد پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ

ایک اور سورت ملاتے ہو یہ ٹھیک نہیں، یا تو صرف قل ھو اللہ احد پڑھا کرو یا قل ھو اللہ احد پڑھنا چھوڑ دو، کوئی دوسری سورت پڑھا کرو، امام نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے تمہاری مرضی ہو تو امامت کراؤں، ورنہ چھوڑ دوں۔ قوم مجبور تھی کیونکہ ان میں افضل یہی تھا۔ جب اس قوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں نے اپنے امام کی حالت بیان کی، آپ نے فرمایا تو اپنے مقتدیوں کی بات کیوں نہیں سنتا۔ اور تو نے ہر رکعت میں اس سورت کو اپنے اوپر کیوں لازم کر لیا ہے۔ جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں اس سورت کو دوست رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا تیری یہ دوستی تجھ کو جنت میں داخل کرے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث۔ حدثنا آدم قال حدثنا شعبة قال حدثنا عمرو بن مرة قال سمعت ابا وائل قال جاء رجل الی ابن مسعود فقال قرأت المفصل اللیلة فی رکعة فقال هذا کهذ الشعر لقد عرفت النظائر التی کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرن بینهن فذکر عشرین سورة من المفصل سورتین فی کل رکعة۔ حدیث بیان کی آدم نے شعبہ سے اس نے عمرو بن مرہ سے کہا عمرو بن مرہ نے، سنا میں نے ابو وائل سے وہ کہتے تھے کہ ایک آدمی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس آ کر کہنے لگا۔ کہ میں نے آج کی رات ایک رکعت میں مفصل سورتیں پڑھی ہیں اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یہ پڑھنا تیرا جلدی جلدی مثل شعر گوئی کے ہوگا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفصل کی دو سورتیں ایک رکعت میں پڑھتے تھے اور میں ان سورتوں کو جانتا ہوں۔

سورتوں کی تعیین ابوداؤد جلد اول ص۲۰۰ مجتبائی میں مذکور ہے ملاحظہ ہو عن علقمة والاسود قالا اتی ابن مسعود رجل فقال انی اقرأ المفصل فی رکعة فقال اهذا کهذ الشعر ونثرا کنثر الدقل لکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ النظائر السورتین فی رکعة والنجم والرحمن فی رکعة واقتربت والحاقة فی رکعة والطور والذاریات فی رکعت واذا وقعت ونون فی رکعة وسأل سائل والنازعات فی رکعة وویل للمطففین وعبس فی رکعة والمدثر والمزمل فی رکعة وهل اتی ولا اقسم بیوم فی رکعة وعم یتسائلون والمرسلات فی رکعة والدخان واذا الشمس کورت فی رکعة قال ابوداؤد هذا تالیف ابن مسعود رحمه اللہ یعنی علقمہ اور اسود فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس ایک آدمی آ کر کہنے لگا کہ میں ایک رکعت میں مفصل پڑھتا ہوں آپ نے فرمایا کہ یہ مثل شعر گوئی کے ہے اور مثل گرنے ردی کھجور کے ہے۔ لیکن نبی صلے اللہ علیہ وسلم دو سورتیں مقدار میں برابر کی ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔ سورۃ نجم

والرحمٰن ایک رکعت میں، سورۃ اقتربت والحاقہ ایک رکعت میں طور و ذاریات ایک رکعت میں، واقعہ و نون ایک رکعت میں، سأل سائل اور نازعات ایک رکعت میں، مطففین وعبس ایک رکعت میں مدثر و مزمل ایک رکعت میں ہل اتی و لااقسم ایک میں وعم و مرسلات ایک میں اور دخان اذا الشمس ایک میں کہا ابوداؤد نے یہ عبداللہ بن مسعود کے مصحف کی بناء پر ہے" اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے ایک یہ کہ دو سورتوں کا، جمع کرنا ایک رکعت میں۔ دوسرا یہ کہ موجودہ ترتیب قرآنی کے خلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا ثابت ہوا۔ کیوں کہ ابن مسعودؓ نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اسی طرح اپنی مصحف میں جمع کر دیا۔ نمبر ۲ کی دلیل یعنی نماز میں سورتوں کے اخیر پڑھنے کا ثبوت، وقال قتادۃ فیمن یقرأ بسورۃ واحدۃ فی رکعتین او یردد سورۃ واحدۃ فی رکعتین کل کتاب اللہ عزوجل، یعنی قتادہ نے کہا کہ جو شخص ایک سورۃ کو دو رکعتوں میں پڑھے یا ایک ہی سورۃ دو رکعتوں میں جائز ہے کیونکہ ہر ایک سورۃ میں کتاب اللہ ہی کا پڑھنا ہے۔

وجہ استدلال یوں ہے کہ جب ایک سورت کو دو رکعتوں میں یعنی آدھا آدھا کر کے پڑھے گا تو لامحالہ اخیر کی رکعت میں سورۃ کا آخیر ہوگا۔ جب ایک رکعت میں ایک سورۃ کا آخیر جائز ہوگا تو دونوں رکعتوں میں دو سورتوں کی اخیر کی آیتیں یعنی قراۃ بالخواتیم کی عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بھی کتاب ہی کا پڑھنا ہوتا ہے جو عین مقصود شارع ہے یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا۔

نیز مسلم جلد اول صفحہ ۲۷۱ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آخیر بقرہ کی دو آیتیں رات کو پڑھے گا۔ اس کو رات کی عبادت کے لئے کافی ہیں۔

یہ حدیث عام ہے نماز، غیر نماز دونوں کو شامل ہے۔ نمبر ۳ کی دلیل یعنی موجودہ ترتیب کے خلاف تقدیم و تاخیر کرنا سورتوں کا نماز میں جائز ہے۔ قرأ الاحنف بالکہف فی الاولی وفی الثانیۃ بیوسف او یونس وذکر انہ صلی مع عمر الصبح بہما۔ یعنی احنف بن قیس نے پہلی رکعت میں سورۃ کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس (شک راوی) پڑھی اور ذکر کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی حضرت عمرؓ نے بھی اسی طرح یعنی پہلی رکعت میں کہف اور دوسری میں یوسف یا یونس پڑھی۔

لہذا موجودہ ترتیب کے خلاف پڑھنا جائز ہو گیا۔ اس پر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس وقت حضرت عثمان کی ترتیب نہ تھی اس لئے جائز تھی اب جائز نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدم جواز کی کیا دلیل ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ عدم جواز کی دلیل نہ تو قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ اگر قرآن و حدیث میں ترتیب عثمانی

کے وجوب کی دلیل من جانب اللہ ہو، تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف نہ کرتے، جیسا کہ مصحف ابن مسعودؓ میں ہے۔ نہ اجماع سے عدم جواز ثابت ہو سکتا ہے کیوں کہ ترتیب عثمانی پر اجماع نہیں ہے اگر ہوتا تو عبداللہ بن مسعود کا مصحف نہ ہوتا حالاں کہ اب تک ان کا مصحف ہے۔ علاوہ اس کے تقدیم تاخیر کی وجہ سے کتاب اللہ سے خارج نہیں ہو سکتا، جب کتاب اللہ ہے تو جائز ہے اور یہی مقصود شارع ہے یعنی نماز میں قرآن کا پڑھنا۔

نمبر۳ کی دلیل، یعنی رکعتوں میں سورتوں کی پہلی آیتوں کا پڑھنا۔ عن عبد اللہ بن السائب قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون فی الصبح حتی اذا جاء ذکر موسیٰ وھارون او ذکر عیسیٰ اخذتہ سعلۃ فرکع وقرأ عمر فی الرکعۃ الاولیٰ بمائۃ وعشرین من البقرۃ وفی الثانیۃ بسورۃ من المثانی وقرأ ابن مسعود باربعین اٰیۃ من الانفال وفی الثانیۃ بسورۃ من المفصل۔ یعنی عبداللہ بن سائب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں سورۃ مومنون پڑھی جب آپ آیت ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ہارون یا آیت وجعلنا ابن مریم وامہ پر پہنچے تو آپ کو کھانسی ہو گئی پس رکوع کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے پہلی رکعت میں انفال اور دوسری میں مفصل کی ایک سورت پڑھی۔

ان دونوں حدیثوں سے نماز میں اوائل سورتوں کا پڑھنا ثابت ہو گیا۔ وجہ استدلال یوں ہے کہ جب پہلی رکعت میں اوائل سورتوں کا پڑھنا ثابت ہو گیا تو دوسری میں اختیار ہے خواہ بقیہ کو پڑھے یا کسی اور سورت کا پہلا حصہ پڑھے یا اخیر کا حصہ پڑھے، بہر صورت مقصود کتاب اللہ کا پڑھنا ہے۔ جو مقصود شارع ہے

حضرت العلام محدث روپڑی رحمہ اللہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۲ ش ۳۵)

سوال: قرآن مجید کی وہ آیتیں جن میں استفہام وسوال ہے جیسے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ و اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی وغیرہم یا دیگر آیتیں جن میں حساب وکتاب کا ذکر ہو جیسے اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ وغیرہ جب پڑھی جائیں تو کیا ان کے جوابات یا دعائیں حسب موقع صرف پڑھنے والا ہی دے سکتے ہیں یا سننے والے بھی جوابی دعائیں پڑھیں اور نماز میں صرف امام ہی جواب دے سکتا ہے یا مقتدی کو بھی جواب دینا چاہیے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جوابی دعا بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ اور یہ جواب دینا مستحب ہے یا فرض وسنت؟

جواب: آیاتِ مذکورہ کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہیے اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوقتِ قراءت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے اور آپ کا ہر قول و فعل امت کے لیے ہر وقت دستور العمل ہے تاوقتیکہ اس کی تخصیص وقت خاص یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور سبابہ فی التشہد اور جلسۂ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قراءت کے اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ یا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ یا اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ پڑھنا یا رکوع میں سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِکَةِ وَالرُّوْحِ۔ اور سجدہ میں لَکَ سَجَدَ وَجْهِیْ وعظمی و مخی پڑھنا وغیر ذالک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لیے یہ افعال مسنون ہیں خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی، خواہ منفرد ہو، حالاں کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہو یا عام طور پر حکم دیا ہے۔ پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لیے اسی وجہ سے عام رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی تم اسی طرح نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے پڑھتے دیکھتے ہو اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ پس بنا بر تقریر ہذا آیات مسئولہ کا جواب ہر شخص کو دینا چاہیے عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع، نماز میں ہو یا غیر نماز میں، اتباعاً لفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَرَاَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی قَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" اور ایک روایت میں ہے کہ عن موسیٰ بن عائشۃ قال کَانَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَوْقَ بَیْتِهٖ وَکَانَ اِذَا قَرَاَ اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی قَالَ سُبْحَانَکَ فَبَلٰی فَسَاَلُوْهُ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ بیہقی میں ہے عن علی اَنَّهٗ قَرَاَ فِی الصُّبْحِ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی فَقَالَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (الحدیث) ابوداؤد میں عوف بن مالک الاشجعی سے روایت ہے کہ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْلَةً فَقَامَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ لَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَاَلَ وَلَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ قَالَ ثُمَّ رَکَعَ بِقَدْرِ قِیَامِهٖ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ قِیَامِهٖ ثُمَّ قَالَ فِیْ سُجُوْدِهٖ مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ قَامَ فَقَرَاَ بِاٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَرَاَ سُوْرَةً (الحدیث) ترمذی میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز صحابہ کرام کے سامنے سورۂ رحمٰن شروع سے آخر تک

پڑھی، صحابہ چپ رہے اس پر آپ نے فرمایا کہ یہی سورت لیلۃ الجن میں جنات پر جب میں نے پڑھی تو انہوں نے تم سے بہتر اس کا جواب دیا۔ جب بھی میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پڑھتا تو جنات ان لفظوں کے ساتھ اس کا جواب دیتے "لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقعہ کے لحاظ سے ہے جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، گویا آپ نے اس طرح کرکے صحابہ کو تعلیم دی کہ اس قسم کی آیتوں سے جب تمہارا گذر ہو تو اس کا جواب ضرور دو۔ اسی طرح آیت اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى اور اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ۔ سننے والے کو اس کا جواب لفظ "بلیٰ" سے دینا چاہیے۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى میں حکم ہے کہ رب کی پاکی بیان کرو۔ اس کے جواب میں قاری کو بھی اور سامع کو بھی "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنا چاہیے۔ اسی طرح جب عذاب کی آیت پڑھی جائے تو عذاب نار سے پناہ مانگنا چاہیے اور اگر رحمت کی آیت تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس کو طلب کرنا چاہیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی دستور تھا۔ ہم کو بھی اسکے مطابق عمل کرنا چاہیے (اسی قسم کا بیان امام نووی کی کتاب الاذکار میں موجود ہے۔) واللہ اعلم بالصواب

مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی یکم فروری ۱۹۵۴ء)

سوال : نماز میں قرأت کے وقت امام بھول جائے تو اس کو لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا لقمہ وہی شخص دے سکتا ہے جو امام کے ساتھ نماز میں شامل ہے، یا جماعت سے باہر والا بھی لقمہ دے سکتا ہے؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص باہر سے لقمہ دے تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیا یہ خیال درست ہے؟ محمد صدیق بکس میکر شاہ عالم مارکیٹ لاہور

جواب : یہ فتویٰ "تنظیم اہلحدیث" جلد ۱۴ شمارہ ۲۷، ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء میں تفصیلاً شائع ہو چکا ہے، کہ نماز میں امام کو لقمہ دینا جائز ہے، دو احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ **اول** ابوداؤد مع عون المعبود جلد اول باب الفتح علی الامام فی الصلوۃ میں حدیث ہے، عن یحیی الکاھلی عن المسور بن یزید المالکی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یحیی ربما قال شھدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوۃ فترك شیئا لم یقرأہ فقال له رجل یا رسول اللہ ترکت آیة کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا۔ یعنی مسور بن یزید مالکی سے روایت ہے کہ میں رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز میں قرأت فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان سے کچھ چھوڑ دیا۔ نماز کے بعد ایک آدمی نے کہا، یا رسول اللہ! آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ تم نے کیوں نہ یاد دلا دیا"؟ **دوم** عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فیھا فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک۔ عبد اللہ بن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرأت مشتبہ ہوگئی یعنی بھول گئے یا آگے پیچھے ہوگئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی بن کعب (حافظ قرآن) کو فرمایا کہ تم نے میرے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ جواب دیا ہاں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا تم نے مجھ کو لقمہ کیوں نہ دیا، کس چیز نے تجھے منع کیا؟ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں والحدیثان یدلان علی مشروعیۃ الفتح وتقییدہ بان یکون علی امام لم یؤد الواجب من القرأۃ وباخر رکعۃ مما لا دلیل علیہ۔ یعنی دونوں حدیثیں جواز لقمہ پر دلالت کرتی ہیں اور جواز لقمہ کو مقید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ جب امام بقدر واجب من القراۃ بھول گیا ہو اور رکعت آخری ہو، یہ قول بلا دلیل ہے۔ پھر صاحب عون المعبود فرماتے ہیں، والادلۃ قد دلت علی مشروعیۃ الفتح مطلقاً فعند نسیان الامام الآیۃ فی القرأۃ الجھریۃ یکون الفتح علیہ بتذکیرہ تلک الآیۃ کما فی الحدیث الباب وعند نسیانہ لغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء یعنی احادیث سے جواز لقمہ مطلقاً ثابت ہوتا ہے خواہ بقدر واجب من القراۃ میں بھولے یا زیادہ میں اور فتح کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ ایک جہری نماز میں اگر امام بھول جائے تو مقتدی خواہ مرد ہو یا عورت، امام کو بھولی ہوئی آیت بتلا دے ۲۔ اگر قرأت کے علاوہ سجدہ یا قعدہ وغیرہ بھول جائے تو مقتدی مرد امام کو اطلاع دینے کے لئے سبحان اللہ کہے اور عورت اطلاع دینے کے لئے تالی بجائے یعنی ایک ہاتھ پر رکھ کر دوسرا ہاتھ مارے۔

احناف کا یہ کہنا کہ امام اگر بھول جائے تو اس کو لقمہ نہ دیا جائے، صرف سجدہ سہو کرنا کافی ہے اس کی دلیل کتب فقہ میں کہیں نہیں ہے بیان کا زبانی قول بلا دلیل مردود ہے کتب فقہ اس کے خلاف ہیں۔ ذیل میں چند حوالجات درج کئے جاتے ہیں۔ (۱) شرح وقایہ جلد اول ص۱۷۰ مطبع یوسفی باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیھا وفتح علی غیر امامہ قال بعض المشائخ اذا قرأ امامہ مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ او انتقل الی اٰیۃ اخری ففتح تفسد صلوٰۃ الفاتح وان اخذ الامام منہ تفسد صلوٰۃ الامام ایضاً وبعضھم قالوا لا تفسد فی شیء من ذالک وصححت ان القول علی ذالک۔ یعنی نمازی اگر غیر امام کو لقمہ دے تو نماز

فاسد ہو جائے گی، اگر نمازی اپنے امام کو لقمہ دے تو جائز ہے نماز فاسد نہ ہوگی، بعض مشائخ کا قول ہے کہ امام اگر تین آیتیں پڑھ کر بھول گیا، یا دوسری آیت شروع کر دی اس صورت میں لقمہ دینے والی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگر امام نے لقمہ لیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اور بعض فقہائے نے کہا کہ کسی کی بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔

عبداللہ بن مسعود تاج الشریعہ صاحب شرح وقایہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے استادوں اور مشائخوں سے سنا ہے کہ فتوے اسی آخری قول (کسی کی بھی فاسد نہ ہوگی) پر ہے۔ شرح وقایہ کے حاشیہ پر مولانا عبدالحی حنفی محشی نے بھی ابو داؤد کی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ لقمہ دینا جائز ہے۔ ؎ ہدایہ مع نہایہ جلد اول ص۲۳ مطبوعہ احمدی میں ہے، وان فتح علی امامہ لم یکن کلاما یعنی اگر امام کو لقمہ دیا جائے تو وہ کلام میں شمار نہیں، جس سے نماز فاسد ہو جائے" اس عبارت کی شرح میں لکھتا ہے کہ ''قولہ وان فتح علی امامہ لم یکن کلاما واطلاق هذا دلیل علی ان ما اذا قرأ الامام مقدار ما یجوز به الصلوٰۃ وبا اذا ما لم یقرأ لاتفسد صلوٰۃ الفاتح ولا صلوٰۃ الامام بالاخذ۔" یعنی شارح کہتے ہیں کہ مصنف کا کلام ہے مطلق اور یہ مطلق اس بات کی دلیل ہے کہ خواہ امام مقدار ما یجوز بہ الصلوٰۃ کے پڑھنے کے بعد یا اس سے کم میں بھولے ہر دو صورت میں اگر مقتدی لقمہ دے اور امام لقمہ قبول کرے، نہ تو امام کی نماز فاسد ہوگی، نہ مقتدی کی اور جو شخص نماز میں شریک نہیں وہ بھی لقمہ دے سکتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ عن البراء بن عازبؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اول ما قدم المدینة نزل علی اجداده او قال اخواله وانه صلی قبل بیت المقدس ستة عشر شهراً وكان یعجبه ان یکون قبلته قبل البیت وانه صلی اول صلاة صلاها صلاة العصر وصلی معه قوم فخرج رجل ممن صلی معه فمر علی اهل مسجد وهم راكعون فقال اشهد بالله لقد صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم قبل البیت.

(بخاری ج ا باب الصلوٰۃ من الایمان ص۱۰) براء بن عازبؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مدینہ میں تشریف لائے تو انصار سے اپنے ننھال یا ماموؤں میں اترے اور سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور بیت اللہ کی طرف منہ کرنا آپ کو پسند تھا۔ پہلی نماز جو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ نماز عصر ہے اور آپ کے ساتھ ایک جماعت نے نماز پڑھی ان میں سے ایک آدمی بعد فراغت نماز نکلا اور ایک مسجد والوں کے پاس سے گذرا، وہ رکوع کی حالت میں تھے، اس نے کہا میں خدا کے نام کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھی ہے۔ مسجد

والے رکوع ہی کی حالت میں بیت اللہ کی طرف پھر گئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا، لقمہ دینے کے لئے داخل نماز ہونے کی شرط باطل ہے، جو شخص نماز میں شامل نہ ہو، لقمہ دے سکتا ہے۔ اسی کے قریب ایک حدیث بخاری جلد اول باب ماجاء فی القبلۃ الخ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے اور مسلم میں بھی ہے۔ اس پر فتح الباری میں لکھا ہے۔ وفیہ جواز تعلیم من لیس فی الصلوٰۃ من ھو فیہا وان استماع المصلی لکلام من لیس فی الصلوٰۃ لا یفسد صلوٰتہ (فتح الباری ص۳۴۶) یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر نمازی کا نمازی کو تعلیم دینا جائز ہے اور نمازی کا غیر نمازی کے کلام کو سننا اور اس پر عمل کرنا اس کی نماز کو فاسد نہیں کرتا۔" اور جب دوسری باتوں میں باہر کا لقمہ صحیح ہوا تو قراۃ قرآن مجید میں بطریق اولیٰ صحیح ہوگا اور اسی حدیث کی بنا پر ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی غلطی سے کسی دوسری طرف نماز پڑھ رہا ہو اور اس حال میں اس کو کوئی شخص غلطی پر متنبہ کرتا ہوا قبلہ کا پتہ دے دے تو اس کو نماز ہی میں فوراً قبلہ کی طرف پھر جانا چاہیئے چنانچہ اصل عبارت ہدایہ کی یہ ہے، وان علم ذالک فی الصلوٰۃ استدار الی القبلۃ لان اھل قباء لما سمعوا بتحول القبلۃ استداروا کھیئتھم فی الصلوٰۃ (ھدایہ باب شروط الصلوٰۃ ص۸۳) یعنی اگر نماز میں قبلہ کا علم ہو جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے کیوں کہ اہل قباء نے جب سنا کہ قبلہ بیت اللہ ہو گیا ہے تو نماز ہی میں فوراً پھر گیا" حاشیہ ہدایہ میں اسی مقام پر لکھا ہے، قولہ لان اھل قباء الخ اخرج البخاری ومسلم عن مالک عن عبداللہ بن دینار عن عبداللہ بن عمر قال بینا الناس فی صلوٰۃ الصبح بقباء اذجاء ھم فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد انزل علیہ اللیلۃ قرآن وقد امران یستقبل القبلۃ فاستقبلوھا وکانت وجوھھا الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ انتھی ۱۲ (تخریج زیلعی ج۱ ص۳۵) یعنی بخاری ومسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ مسجد قبا میں نماز صبح پڑھ رہے تھے اس حال میں ان کے پاس ایک شخص آیا پس کہا، آج رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا اور آپ کو بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا پس وہ فوراً بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور ان کے منہ شام کی طرف ہو گئے"

اس بنا پر اگر امام مثلاً سجدہ سے سر اٹھائے اور کسی مقتدی کو پتہ نہ لگے کہ امام نے سر اٹھا لیا ہے وہ بدستور سجدہ میں پڑا رہے اس وقت کسی شخص نے اس کو غلطی پر متنبہ کرتے ہوئے اطلاع دے دی اور اس پر اس نے سر اٹھا لیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہونی چاہیے۔ خاص کر جب اللہ اکبر کہہ کر متنبہ کرے تو اور اچھا ہے، تاکہ اسی ذکر سے آگاہ ہو جائے جس سے امام نے آگاہ کرنا تھا۔ دیکھئے کیسی صفائی سے ثابت ہو گیا کہ لقمہ دینے کے لئے داخل نماز ہونے

کی شرط صحیح نہیں ہے۔ ازحضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی (الاعتصام لاہور جلد ۶ ش ۱)

سوال ،کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضوں کی با جماعت نماز میں سورۃ فاتحہ کا تکرار فرمایا ہے یعنی آپؐ نے مدینہ منورہ میں تقریباً ۰۰۰ ۲۷ مرتبہ سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھائی، اس عرصہ میں کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ کی کسی آیت کا تکرار فرمایا۔ **واقعات** ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب سورۃ فاتحہ کا تکرار فرما رہے ہیں اور دلیل کے طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد میں سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی آیات کا تکرار بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ دیگر خلیفہ سوم کی نماز صبح کو سورۂ یوسف کی آیات کا تکرار بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ محترم! ہمارا سوال صرف سورۂ فاتحہ کا ہے اور وہ بھی باجماعت۔ دلیل نمبر ا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد میں سورۂ فاتحہ کا تکرار فرمایا اور وہ بھی ایسی صورت میں کہ آپؐ باجماعت نماز ادا نہیں فرما رہے تھے۔ دلیل نمبر ۲ میں حضرت عثمان رضؓ نے بھی سورۂ یوسف کی آیات کا تکرار فرمایا نہ کہ سورۂ فاتحہ کا۔

ایک صحابی کا فعل اگر بطور دلیل مان لیا جائے جس سے یہ بھی ثابت نہ ہو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا یا فرمایا تو پھر سخت مشکل پیش آئے گی، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رفع الیدین یا سورۂ فاتحہ وغیرہ وغیرہ۔ محترم! صرف اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل مطلوب ہے آیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یا نہیں؟

مولوی محمد یوسف صاحب گکھڑوی نے تکرار آیات سورۃ فاتحہ جامع اہل حدیث مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ میں کیا ہے اور مولوی اسماعیل صاحب ان کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالہ جات سے اسے جائز فرماتے ہیں۔ جواب سے سرفراز فرمائیں، جواب جریدہ تنظیم اہل حدیث میں شائع فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ آپ کا خیر اندیش

محمد حسین ڈار فارڈار برادرز (رجسٹرڈ) گوجرانوالہ

الجواب بسم اللہ الرحمن الرحیم، تکرار کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انسان عام طور پر تکرار کو مسنون سمجھے اور اس بنا پر تکرار کرے تو یہ بدعت ہے اور تعامل نبویؐ اور سلف کے خلاف ہے اور ایک یہ ہے۔ کہ اتفاقی طور پر انسان کے دل پر رقت پیدا ہو جائے اور بار بار پڑھنے سے لذت آئے تو ایسے اتفاقی تکرار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد میں یا کسی صحابی کا تکرار اسی بنا پر ہے۔ رہا فاتحہ کا فرق، سو یہ بے دلیل ہے کیوں کہ جو جواز کی وجہ ہے وہ دونوں میں موجود ہے خواہ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ۔

(تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ ش ۳۱)

سوال: امام ابوداؤد باب ما جاء من جهر بها میں لکھتے ہیں قال ابو داؤد وقال الشعبی وابو مالک وقتادة وثابت بن عمارة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم حتی نزل سورة النمل هذا معناه ترجمہ: ابوداؤد نے کہا کہ شعبیؒ، ابو مالکؒ، قتادہ اور ثابت بن عمارہؒ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ نہیں لکھی یہاں تک کہ سورہ نمل اتری۔ اس سے جہر بسم اللہ فی الصلوٰۃ پر کیسے استدلال ہو سکتا ہے۔ دوسرے اس سے کتابت بسم اللہ فی المکتوب فی الرسائل کا ثبوت ہے نہ کہ مکتوب ہونا بسم اللہ کا فی اول السور کیونکہ انفصال سور کا آپ کو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ اتری تھی۔ تیسرے یہ روایات مرسلہ معارض بھی ہیں اس روایت کے کہ جس میں آتا ہے کہ آپ کو فصل سورت از سورت قرآن معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جب تک کہ نزول بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ ہوتا۔

الجواب: ابوداؤد یہ حدیث اس سے پہلی حدیثوں کا مطلب بتانے کے لئے لاتے ہیں پہلے دو حدیثیں ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کانوا یفتتحون القراءة بالحمد للہ رب العالمین (یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے) دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتتح الصلوٰة بالتکبیر والقراءة بالحمد للہ رب العالمین (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءۃ الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے)۔

یہ دونوں حدیثیں بظاہر ان لوگوں کی دلیل ہیں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً نہیں پڑھتے ابوداؤد نے باب تو انہی کے مطابق باندھا ہے مگر ضمناً اصل مطلب کی طرف بھی اشارہ کر دیا وہ یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مجھ پر ایک سورت اتاری گئی ہے سورت "انا اعطینا" بسم اللہ سے شروع کی جس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ بھی اس میں داخل ہو گئی اس بنا پر ہر سورۃ کے شروع کی بسم اللہ اس سورت میں داخل ہو گی۔ جس میں فاتحہ بھی آجاتی ہے پس الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرنے کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ سورۃ الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کی اور سورۃ الحمد للہ رب العالمین میں بسم اللہ بھی داخل ہے پس اس کا پڑھنا بھی ثابت ہو گیا۔

چونکہ یہاں شبہ ہوتا ہے کہ انا اعطینا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بسم اللہ اس میں داخل ہو ممکن ہے بطور تبرک پڑھی ہو اس کا جواب اگرچہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ ظاہر کے خلاف

میں امام سورۃ ختم کرے، تو اس کے ساتھ مقتدی بھی جوابی الفاظ کہیں؟

جواب : سورۃ الرحمان میں "فبای الاء ربکما تکذبان" کا جواب جنوں نے دیا تھا۔ حضرت امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ دوسری آیتوں میں بھی سننے والا جواب دے سکتا ہے۔ اس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن امام شافعیؒ کے استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل عمل ہے، خاص کر فضائل اعمال میں، رہی یہ بات کہ نماز غیر نماز میں کوئی فرق ہے یا نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا، یہ ایسا ہی سمجھنا چاہیئے جیسے امام کی آمین کے ساتھ آمین کہی جاتی ہے کیوں کہ سماع قرأت کو مخل نہیں، پس اس کا آمین پر قیاس صحیح ہے۔ حافظ محمد عبد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۳ ش ۹)

سوال، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں کیا کیا دلیلیں ہیں حوالہ سمیت تحریر فرمائیے اور اگر کوئی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے تو اس کے منہ میں آگ کا انگارا بھرا جائے گا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے اس کا مدلل جواب دیا جائے۔

الجواب :۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اس سلسلہ میں دس حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں ان کو غور سے پڑھو اور عمل کرو، پہلی حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ "کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی" اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیوں کہ حکم عام ہے۔

دوسری حدیث عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوۃً لَمْ یَقْرَأْ فِیْہَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَہِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثًا غَیْرُ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِقْرَأْ بِہَا فِیْ نَفْسِکَ الحدیث رَوَاہُ مُسْلِمٌ ص ۱۶۹ یعنی ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی نماز پڑھے کہ اس میں سورۃ فاتحہ

نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے پوری نہیں ہے پس ابوہریرہؓ سے کہا گیا کہ ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو ابوہریرہؓ نے کہا پڑھ سورۂ فاتحہ کو آہستہ، روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔

تیسری حدیث: عن عبادة بن الصامت قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح فثقلت عليه القرأة فلما انصرف قال إني اراكم تقرؤن خلف امامكم قال قلنا يا رسول الله اى والله قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها رواه الترمذي وقال حسن وابوداؤد والنسائي وغيره " یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی پس بھاری ہوئی آپ کو قرأت پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوتے تو فرمایا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم لوگ اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو، ہم لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ، قسم اللہ کی، آپ نے فرمایا نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ اس واسطے کہ نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ حسن ہے۔ اور ابوداؤد و نسائی وغیرہ نے۔

چوتھی حدیث عن زيد بن واقد عن حرام بن حكيم ومكحول عن نافع بن محمود بن الربيع كذا وقال انه سمع عبادة بن الصامت يقرأ بام القرآن وابو نعيم يجهر بالقرأة فقلت رأيتك صنعت في صلاتك شيئا قال وماذاك قال سمعتك تقرأ بام القرآن وابو نعيم يجهر بالقرأة قال نعم صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بعض الصلوات التي يجهر فيها بالقرأة فلما انصرف قال منكم من احد يقرأ شيئا من القرأة اذا جهرت بالقرأة قلنا نعم يا رسول الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا اقول مالي انازع القرآن فلا يقرأن احد منكم شيئا من القرآن اذا جهرت بالقرأة الا بام القرآن رواه الدارقطني وقال هذا اسناد حسن ورجاله ثقات كلهم " یعنی نافع بن محمود سے روایت ہے کہ انہوں نے عبادہ بن صامت سے سُنا کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں حالاں کہ ابونعیم جہر سے قرأت کر رہے تھے پس کہا کہ میں نے آپ کو نماز میں ایک شے کرتے دیکھا ہے۔ عبادہؓ نے کہا کہ وہ شے کیا ہے کہا آپ کو میں نے سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے سُنا۔ حالاں کہ ابونعیم جہر سے قرأت رہے تھے، عبادہؓ نے کہا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بعض وہ نماز پڑھائی جس میں جہر سے قرأت کی جاتی ہے پس جب آپ نماز سے فارغ ہوئے فرمایا کوئی تم میں سے کچھ پڑھتا ہے جبکہ میں جہر سے قرأت کرتا ہوں، ہم لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ پس فرمایا کیا ہے مجھ کو کہ میں منازعت اور کشاکشی کیا جاتا ہوں قرآن میں،

پس ہرگز نہ پڑھے تم میں سے کوئی کچھ قرآن جبکہ میں با جہر سے قرات کروں مگر سورۃ فاتحہ، روایت کیا اس حدیث کو دارقطنی نے اور کہا کہ یہ اسناد حسن ہے اور اس کے کل راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث سے بھی صراحتاً معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

پانچویں حدیث عن محمد بن عائشۃ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلکم تقرؤن والامام یقرأ قالوا انا نفعل قال لا الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب رواہ احمد والبیہقی والبخاری فی جزئہ وفی روایۃ البخاری الا ان یقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ ونحوہ فی روایۃ البخاری قال ھذا الاسناد صحیح واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھم ثقۃ فترک ذکر اسمائھم فی الاسناد ولا یضر اذا المرء ما ھو اصح منہ وقال الحافظ فی التلخیص ثم اسنادہ حسن۔

یعنی محمد بن عائشہؓ نے ایک صحابیؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تم لوگ پڑھتے ہو جب کہ امام پڑھتا ہے لوگوں نے کہا بیشک پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں مگر سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھنا چاہیے، روایت کیا اس حدیث کو احمدؒ نے بخاریؒ نے جزء القراۃ میں اور کہا بیہقیؒ نے یہ اسناد صحیح ہے اور کہا حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر میں کہ اسناد اس حدیث کی حسن ہے۔ اس حدیث سے بھی صراحتاً معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

چھٹی حدیث عن انس کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی باصحابہ فلما قضی صلوتہ اقبل علیھم بوجھہ فقال اتقرؤن فی صلاتکم والامام یقرأ فسکتوا فقالھا ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلا تفعلوا ولیقرأ احدکم بفاتحۃ الکتاب فی نفسہ رواہ البخاری۔ اس حدیث کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو نماز پڑھائی، پس جب نماز سے فارغ ہوئے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کیا تم لوگ اپنی نماز میں پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھتا ہے پس صحابہ چپ رہے آپ نے اس بات کو تین بار فرمایا ایک شخص یا کئی شخصوں نے کہا بیشک ہم لوگ پڑھتے ہیں فرمایا آپ نے ایسا نہ کرو اور سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھو روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے۔

ساتویں حدیث قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقرؤن خلفی قالوا نعم انا

لتفعل هذا قال فلا تفعلوا الا بام القرآن رواہ البخاری فی جزء القراۃ صفحہ ۵ حاصل اس حدیث کا یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ ہم لوگ جلدی جلدی پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ، روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے جزء القراۃ میں۔

آٹھویں حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام۔ یعنی عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ (بیہقی)

نویں حدیث من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب؛ عبادہ بن صامت سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص نماز پڑھے امام کے پیچھے تو اس کو سورۂ فاتحہ پڑھنا چاہئے۔ روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں اور کہا بیہقی نے کل راوی اس حدیث کے سچے ہیں اس حدیث سے بھی قراۃ فاتحہ خلف الامام کا وجوب بصراحت ثابت ہے۔

دسویں حدیث، من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج یعنی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے کہ جو شخص ایسی نماز پڑھے کہ اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے، روایت کیا اس حدیث کو ابن ماجہ اور طحاوی نے؛ اس سے معلوم ہوا کہ چاہے مقتدی ہو یا غیر مقتدی نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی وجہ سے منہ میں انگارے رکھنے کی کوئی حدیث نہیں ہے بعض لوگوں کا قول ہے اور وہ بھی ضعیف ہے قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی کا قول قابلِ حجت نہیں ہے آپ کی تسلی کے لیے ذیل میں اس قول کو نقل کر کے اس کا جواب دیا جاتا ہے۔

مؤطا امام محمد صفحہ ۹۸ میں ہے، قال محمد اخبرنا داؤد بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انہ ذکر لہ ان سعداً قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ۔ یعنی سعد بن ابی وقاصؓ کی بعض اولاد نے داؤد بن قیس سے ذکر کیا کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے کہا کہ میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارا ہو۔

الجواب، سعد بن ابی وقاص کا یہ اثر صحیح نہیں ہے تعلیق الممجد حاشیہ مؤطا امام محمد صفحہ ۹۹ میں ہے، قولہ بعض ولد بضم الواو وسکون اللام ای اولادہ ولم یعرف اسمہ قال ابن عبد البر فی الاستذکار

ھذا حدیث منقطع لا یصح انتھی یعنی بعض اولاد سعد بن ابی وقاص کا نام معلوم نہیں ہوا ہے کہا حافظ ابن عبدالبر نے استذکار میں یہ حدیث منقطع ہے صحیح نہیں ہے اور حافظ ممدوح تمہید میں لکھتے ہیں وامامار وی عن سعد بن ابی وقاص انہ قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ فمنقطع لا یصح ولا نقلہ ثقۃ انتھی۔ یعنی لیکن وہ اثر جو سعد بن ابی وقاص ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارہ ہو سو وہ منقطع ہے صحیح نہیں ہے اور کسی ثقہ نے اس کو نقل نہیں کیا ہے۔ امام بخاری جزء القراۃ صـ میں لکھتے ہیں۔

وروی داؤد بن قیس عن ابن نجاد رجل من ولد سعد عن سعد وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ وھذا مرسل وابن نجاد لم یعرف ولا سمی ولا یجوز لاحد ان یقول فی فی القاری خلف الامام جمرۃ لان الجمرۃ من عذاب اللہ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولا ینبغی لاحد ان یتوھم ذالک علی سعد مع ارسالہ وضعفہ انتھی۔

یعنی داؤد بن قیس نے ابن نجاد سے جو سعد بن ابی وقاص ؓ کی اولاد سے ایک شخص ہیں روایت کیا سعد بن ابی وقاص ؓ نے کہا میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں انگارا ہو اور یہ مرسل ہے اور ابن نجاد پہچانا نہیں جاتا ہے اور نہ اس کا نام لیا گیا ہے اور کسی کو یہ جائز نہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے والے کے منہ میں انگارا ہو کیونکہ انگارا اللہ کے عذاب سے ہے اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب سے عذاب نہ کرو اور کسی کو لائق نہیں کہ سعد بن ابی وقاص ؓ پر اس بات کا وہم کرے کہ انہوں نے ایسا کہا ہوگا اور ساتھ اس کے یہ اثر مرسل اور ضعیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مولانا عبدالسلام صاحب بستوی (مدرسہ ریاض العلوم دہلی) اخبار اہلحدیث دہلی جلد نمبر ؟

سوال: بسم اللہ الرحمن الرحیم کا جس طرح قبل سورۃ فاتحہ کے نماز میں پڑھنا سنت ہے اسی طرح نماز میں اس کا درمیان فاتحہ اور سورۃ کے پڑھنا حسن ہے یا نہ؟

جواب: حسن ہے۔ رد المحتار کے صفحہ ۱۱۰ میں ہے صرح فی الذخیرۃ والمجتبیٰ بانہ ان سمی بین الفاتحۃ والسورۃ المقروءۃ سرا او جھرۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ورجحہ المحقق ابن ھمام وتلمیذہ الحلبی لشبھۃ

الاختلاف فی کونہا آیۃ من کل سورۃ (ص ۱۰۱) (تصریح کی ہے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں اس بات کی کہ اگر بسم اللہ پڑھے درمیان سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے جو پڑھی گئی آہستہ یا جہر ہوگا بہتر نزدیک امام اعظم کے اور ترجیح دیا ہے اس کو محقق ابن ہمام اور شاگرد ان کے حلبی نے واسطے شبہ اختلاف کے بیچ ہونے بسم اللہ کے آیت ہر سورۃ کے نقل کیا ہے اس کو بحر الرائق سے) اور عمدۃ الرعایہ میں ہے اما عدم الکراھۃ فمتفق علیہ ولہذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبیٰ بانہ لو سمی بین الفاتحۃ والسورۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ سواء کانت السورۃ مقروءۃ جہرا او سرا الخ (اما مکروہ ہونا بسم اللہ کے پڑھنے کا پس اتفاق کیا گیا ہے۔ اس پر اور اسی لئے ذخیرہ اور مجتبیٰ میں تصریح کی ہے یہاں تک کہ بسم اللہ پڑھے درمیان سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے ہوگا بہتر نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے خواہ وہ سورت پڑھی گئی ہو بآواز یا آہستہ)

(فتاویٰ مفید الاحناف ص ۳۱)

سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: قرأۃ فاتحہ خلف الامام کو کتب فقہیہ میں احتیاطاً مستحسن لکھا ہے چنانچہ مجتبیٰ شرح قدوری میں ہے، فی شرح الکافی للبزدوی ان القرأۃ خلف الامام علی سبیل الاحتیاط یحسن عند محمد ویکرہ عندھما وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ لا باس بان یقرأ الفاتحۃ فی الظہر والعصر وما شاء من القرآن اھ (بزدوی کی شرح کافی میں یہ ہے کہ پڑھنا سورۃ فاتحہ کا پیچھے امام کے احتیاطاً حسن ہے نزدیک امام محمد کے اور مکروہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اور روایت ہے ابوحنیفہؒ سے یہ کہ نہیں مضائقہ ہے۔ اس میں کہ پڑھے سورۃ فاتحہ ظہر اور عصر میں اور جو کچھ چاہے قرآن سے الخ) اور بنایہ شرح ہدایہ میں ہے، ویستحسن ای قرأۃ المقتدی الفاتحۃ احتیاطاً ورفعا للخلاف فیما روی بعض المشائخ عن محمد رحمہ اللہ وفی الذخیرۃ لو قرأ المقتدی خلف الامام فی صلوۃ لا یجہر فیہا اختلف المشائخ فیہ فقال ابو حفص وبعض مشائخنا لا یکرہ فی قول محمد واطلق المصنف کلامہ ومرادہ فی حالۃ المخافتۃ دون الجہر وفی شرح الجامع للامام رکن الدین علی السعدی عن بعض مشائخنا ان الامام لا یتحمل القرأۃ عن المقتدی فی صلوۃ المخافتۃ اھ (مستحسن ہے یعنی پڑھنا مقتدی کو سورۃ فاتحہ احتیاطاً اور واسطے دور کرنے خلاف کے اس میں کہ روایت کیا ہے بعض مشائخ نے محمدؒ سے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر پڑھے مقتدی پیچھے امام کے اس نماز میں جس میں جہر نہیں کیا جاتا ہے۔ اختلاف کیا مشائخ نے بیچ اس کے پس کہا ابوحفص اور مشائخ نے ہمارے نہیں مکروہ ہے بیچ قول محمد کے اور مطلق ذکر کیا مصنف نے کلام کو اپنے اور مراد اس کی حالت قرأت سری میں ہے نہ جہری میں۔ اور امام رکن الدین علی سعدی کی شرح جامع میں ہے کہ ہمارے بعض مشائخ سے مروی ہے کہ نماز سری میں امام مقتدی کی قرأت کو اس کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا۔) اور ہدایہ میں ہے ویستحسن علی سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمد رحمہ اللہ اھ (احتیاط کی نظر سے پڑھنا مستحسن ہے بموجب اس قول کے جو امام محمدؒ سے مروی ہے۔) اور عینی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے وبعض مشائخنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط

فی جمیع الصلوٰۃ وبعضھم فی السریۃ فقط وعلیہ فقہاء الحجاز والشام اھ (یعنی بعض مشائخ ہمارے مستحسن سمجھتے ہیں پیچھے امام کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو از راہ احتیاط کے سب نمازوں میں سے اور بعض مشائخ نماز آہستہ والی میں اور اسی پر ہیں فقہاء حجاز و شام کے الخ) اور ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے الامام محمد من ائمتنا یوافق الشافعی فی القراءۃ خلف الامام فی السریۃ اھ (امام محمد ہمارے اماموں سے موافقت کرتے ہیں امام شافعی کی بیچ پڑھنے سورۃ فاتحہ کے پیچھے امام کے نماز سریہ میں) اور عبدالوہاب شعرانی نے میزان الکبریٰ میں لکھا ہے لابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ قولان احدھما عدم وجوبھا علی المأموم ولا یسن له وهذا اولهما القديم وادخله محمد في تصانيفه القديمة وانتشرت النسخ الى الاطراف وثانيهما استحسانها على سبيل الاحتياط وعدم كراهتها عند المخافتة للحديث المرفوع لا تفعلوا الا بام القرآن وفي رواية لا تقرؤا بشئ اذا جهرت الا بام القرآن وقال عطاء كانوا يرون على المأموم القراءة فيما يجهر فيه الامام وفيما يسر فرجعا من قولهما الاول الى الثاني احتياطاً اه (امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے دو قول ہیں ایک نہ واجب ہونا قرأت کا اوپر مقتدی کے اور نہ مسنون ہونا واسطے اس کے اور یہ قول قدیم ہے اور دونوں کا اور داخل کیا اس کو محمدؒ نے اپنی تصانیف قدیمہ میں اور مشتہر ہوئے نسخے اطراف میں، دوسرا مستحسن ہونا قرأۃ فاتحہ کا از راہ احتیاط کے اور نہ مکروہ ہونا وقت آہستہ پڑھنے کے بسبب حدیث مرفوع کے کہ نہ کرو قرأت مگر ساتھ سورۃ فاتحہ کے اور ایک روایت میں ہے نہ پڑھو کچھ جس وقت باآواز پڑھوں میں قرأت مگر سورۃ فاتحہ اور کہا عطاء نے تھے یعنی صحابہ قائل اس بات کے کہ مقتدی قرأۃ کرے اس نماز میں کہ باآواز بلند پڑھتا ہے امام اور اس میں کہ آہستہ پڑھتا ہے۔ پس رجوع کیا دونوں نے یعنی ابوحنیفہؒ اور محمدؒ نے اپنے قول اول سے طرف قول ثانی کے احتیاطاً الخ) اور ملا جیونؒ نے تفسیر احمدی میں تحریر کیا ہے فان[1] رأیت الطائفۃ الصوفیۃ والمشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قرأۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمد ایضاً احتیاطاً اور حضرت شاہ شیخ فریدالدین بہاری قدس سرہ کے ملفوظات مسمی بخوان پر نعمت میں ہے۔ از اینجا باز بیچارہ عرضداشت کہ قرأت فاتحہ خلف الامام مقتدی را جائز است آنجا چہ کند فرمود فاتحہ بکنند و مشائخ ہم میخواندہ الخ اور مجمع العلوم میں تحت ترجمہ حضرت میرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ تعالیٰ کے لکھا ہے ویقوی[2] قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام عمدۃ الرعایہ میں مولانا محمد عبدالحی لکھنوی مغفور تحریر فرماتے ہیں ومنھم من تفوہ[3] بفساد صلوٰۃ المقتدی

---

[1] پس اگر دیکھے تو گروہ صوفیاء اور مشائخین حنفیہ کو دیکھے گا تو ان کو کہ اچھا جانتے ہیں پڑھنا سورۃ فاتحہ کا واسطے مقتدی کے جیسا کہ مستحسن جانا سورۃ فاتحہ پڑھنے کو امام محمدؒ نے بھی از روئے احتیاط کے۔

[2] قوت دیتے تھے پڑھنے سورۃ فاتحہ کو پیچھے امام کے۔

[3] اور بعض فقہا میں وہ شخص ہے کہ بکواس کی ہے اس نے ساتھ فاسد ہونے نماز مقتدی کے بسبب قرأۃ فاتحہ کے اور یہ قول شاذ و مردود ہے۔

بها وهو قول شاذ مردود وروی عن محمد انه استحسن قرأة الفاتحة للمؤتم في السرية وروی مثله عن حنيفة
صرح به في الهداية والمجتبی شرح مختصر القدوری وغيرهما وهذا هو مختار كثير من مشائخنا وعلى هذا
فلا يستنكر استحسانها في الجهرية ايضا اثناء سكتات الامام بشرط بان لا يخل سماع الخ فتاوی مفيد الاحناف

سوال: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا خواہ صلوٰۃ سریہ میں ہو یا جہریہ میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے
عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب رواه
البخاری ومسلم عن ابی هريرة رضی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى صلوة ولم يقرأ فيها
بام القرآن فهي خداج غير تمام ثلاثا فقيل لابی هريرة رضی انا نكون وراء الامام فقال اقرأ بها
في نفسك الحديث رواه مسلم عن عبادة بن الصامت قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصبح
فثقلت عليه القرأة فلما انصرف قال انی اراكم تقرؤن خلف امامكم قال قلنا يا رسول الله ای
والله قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها رواه الترمذی وقال حديث عبادة
حديث حسن (عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو الحمد نہ پڑھے اس کی نماز
نہیں ہے، ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جو بغیر فاتحہ کے نماز پڑھے وہ نماز
ناقص ہے پوری نہیں ہے تین مرتبہ فرمایا، ابوہریرہ سے سوال کیا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا اپنے
دل میں آہستہ پڑھو، عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی، تو
آپ پر قرأت بوجھل ہو گئی جب فارغ ہوئے تو فرمایا! میں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو، ہم نے
کہا ہاں اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا! ام القرآن کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو، کیوں کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی)
اور روایت کی گئی ہے حدیث اس باب کی حضرت عائشہ وانس وابوقتادہ وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے، اور ای

اور روایت کیا گیا ہے امام محمد سے کہ مستحسن جانتے ہے انہوں نے پڑھنا سورۂ فاتحہ کا واسطے مقتدی کے نماز آہستہ میں اور روایت کیا گیا ہے مثل اس
کے امام ابوحنیفہؒ سے تصریح اس کی ہدایہ و مجتبیٰ شرح مختصر قدوری میں اور یہ قاعدہ ہے نزدیک اکثر مشائخ ہمارے کے اور بنا بر اس کے پس
نہیں انکار کیا جا سکتا مستحسن ہونا فاتحہ کا پڑھنا نماز جہریہ میں بھی درمیان سکتات امام کے بشرطیکہ خلل نہ ہو سننے میں ۱۲

پر عمل ہے بہت سے صحابہ اور تابعین اور محدثین کا، جیسا کہ جامع ترمذی میں مسطور ہے باقی رہا حکم اس کا پس بعض قائل فرضیت کے ہیں اور بعض قائل استحباب کے ہیں، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنی جامع میں فرماتے ہیں، قد اختلف اهل العلم فی القرأة خلف الامام فرای اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم والتابعین ومن بعدهم القرأة خلف الامام وبه یقول مالك وابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق وروی عن عبد الله بن المبارك انه قال انا اقرأ خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین واری من یقرأ صلوته جائزة وشدد قوم من اهل العلم فی ترك قرأة فاتحة الکتاب وان کان خلف الامام فقالوا لا تجزئ صلوة لا بقرأة فاتحة الکتاب وحدا کان او خلف الامام وذهبوا الی ما روی عبادة بن صامت عن النبی صلی الله علیه وسلم وقرأ عبادة بن صامت بعد النبی صلی الله علیه وسلم خلف الامام انتهی

(امام کے پیچھے الحمد پڑھنے میں علما کا اختلاف ہے صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت الحمد پڑھنے کے قائل ہیں، امام مالک، احمد بن حنبل، ابن مبارک، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے، عبداللہ بن مبارک نے کہا، میں امام کے پیچھے الحمد پڑھتا ہوں اور دوسرے تمام لوگ بھی، ما سوائے کوفیوں کی ایک جماعت کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں، میں اس آدمی کی نماز کو جائز سمجھتا ہوں جو امام کے پیچھے الحمد نہیں پڑھتا، لیکن اہل علم کی دوسری جماعت تو اس مسئلہ میں بڑی سخت ہے۔ وہ ایسی نماز کو صحیح نہیں سمجھتے جس میں فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو۔ ان لوگوں نے عبادہ بن صامت کی حدیث اور ان کے طرز عمل سے استدلال کیا ہے۔) اور دلائل دونوں طرف کے اپنی جگہ پر مذکور ہیں اور وہ روایات جو درباره عدم جواز قرأت کے مروی ہیں وہ مقابلہ ان روایات صحیحہ کا نہیں کر سکتی ہیں۔

حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۳۹۲

سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے؟

الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے۔ بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی۔ تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

سید محمد ابو الحسن

سید محمد عبد السلام غفرلہ

فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۳۹۵

سوال: اگر عورت گھر میں نماز فرض پڑھے تو نماز جہریہ میں قرأت بالجہر کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: بے شک کر سکتی ہے مخالفت کی کوئی دلیل نہیں۔ مولانا محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۸ ص ۱۴)

سوال: دن کی نمازوں میں قرأت بالسر کرنے کا حکم ہے اور رات کی نمازوں میں بالجہر، اس کی کیا حکمت ہے نیز نماز جمعہ و عیدین میں اس کے برعکس کیوں ہے، بیان فرمادیں۔ سائل فضل الرحمان از چپارن

جواب: ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں، جہری، سری۔ رات کو قرأت بالجہر رکھی گئی ہے اور دن کو بالستر تاکہ مصلی دونوں قسم کے ذکر کا جامع ہو۔ ماہر اسرار شریعت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی قابل قدر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں، چونکہ دن کے وقت شور و شغف زیادہ رہتا ہے ایسی حالت میں قرأت بالجہر مفید نہیں پڑتی۔ اس لیے دن کے وقت آہستہ قرأت کا حکم دیا گیا، رات کا وقت سکون کا ہوتا ہے، لوگ جہر سے مستفید ہوتے ہیں اس لیے رات کو بالجہر قرأت کا حکم رکھا گیا، جمعہ و عیدین میں چوں کہ مجمع کثیر ہوتا ہے اس لیے مجمع کا لحاظ رکھتے ہوئے جہر مناسب ہے۔ مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۸، ص ۱۴)

سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

الجواب: بغیر سورۃ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی ہے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس صورت مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی۔ اس کو دہرانا چاہیے۔

عن ابی ہریرۃ رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القراۃ[1] نیل الاوطار میں ہے وقد حکی ھذا المذھب البخاری فی جزء القراۃ عن کل من ذھب الی وجوب القراۃ خلف الامام وحکاہ فی الفتح عن جماعۃ من الشافعیۃ وقواہ الشیخ تقی الدین السبکی الخ[2] واللہ تعالیٰ اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی

سید محمد نذیر حسین — فتاوی نذیریہ جلد اول ص ۳۹۸

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کو رکوع میں پایا وہ اس کے ساتھ رکعت ادا کرے اور اس رکعت کو لوٹائے ۱۲

[2] امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جزء القراۃ میں ہر اس آدمی سے یہی بیان کیا ہے جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہے۔ شوافع کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور سبکی نے اسی کو قوی کہا ہے ۱۲۔

سوال، حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم وآنجناب کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ودیگر ائمہ وبزرگان دین جن کے اسم ہائے مبارک ذیل میں درج ہیں۔ ان کی نسبت جواب کو سوال کے مطابق ارقام فرمائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

۱۔ بحالت نماز جماعت خلف امام سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے یا نہیں؟

۲۔ آیا آپ بحالت نماز جماعت ختم قرأت فاتحہ آمین بالجہر کہتے تھے یا نہیں؟

۳۔ آیا بحالت نماز رفع یدین کے عامل تھے یا نہیں، آیا بحالت نماز ہاتھ زیر ناف باندھتے تھے یا سینہ پر؟

۴۔ ماہ رمضان المبارک میں تراویح معہ وتر کتنی رکعت پڑھتے؟ بحوالہ کتب معتبرہ شرعیہ سے تحریر فرمایا جاوے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ، حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ، حضرت احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام غزالی رضی اللہ عنہ۔

از مولوی نور الٰہی صاحب نور محمد جامعی خطیب شیخوپورہ ۱۴ دسمبر ۱۹۳۲ء

جواب، قرآن مجید بتا رہا ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم اپنی مرضی سے نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ وہی فرماتے تھے جس کا حکم اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتا تھا۔ (۲) رسول خدا احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خدا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو ارشاد فرمایا۔ لا تقرؤا بشيء من القرآن اذا جهرت الا بام القرآن (ابوداود) جب میں جہری نمازوں میں قرأت پکار کر پڑھوں تو تم اس وقت سوائے سورۃ فاتحہ کے اور کوئی سورت قرآن کی میرے پیچھے نہ پڑھا کرو۔

۳۔ فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کیوں کہ جو شخص سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصلوٰۃ)

۴۔ آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے پیارے رسول کے احکام عالیہ کی تعمیل بڑے تپاک سے کرتے تھے۔ آپ کا فرمان سن کر حاضرین میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو فاتحہ خلف الامام کا قائل نہ ہو۔

۵۔ چنانچہ امام ترمذی حدیث عبادہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ والعمل علی ھذا الحدیث فی القراءۃ خلف الامام عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول مالک ابن انس

وابن المبارك والشافعي واحمد واسحق يرون القراءة خلف الامام۔
اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا عمل فاتحہ خلف الامام پر تھا اور امام مالک اور شافعی اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سب فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ (ترمذی)

۳ حارث اور یزید بن شریک فرماتے ہیں۔ امرنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قرأۃ خلف الامام کہ ہم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ امام کے پیچھے پڑھا کریں۔ (جزء القراۃ للبیہقی ص۹۵، مستدرک حاکم ص۲۳۹، کنز العمال)

۴ وعن علي انه كان يأمران يقرأ خلف الامام اور حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی فاتحہ خلف الامام کا حکم کیا کرتے تھے۔ (جزء القراۃ ص۱۲)

۵ وعن الحسن انه يقول اقرؤا خلف الامام في كل صلوة بفاتحة الكتاب في نفسك، اور امام حسنؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے ہر ایک نماز (خواہ سری ہو یا جہری) سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ (جزء القراۃ)

۶ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی۔ (دیکھو احیاء العلوم مصنفہ امام غزالیؒ)

۷ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی سری نمازوں میں فاتحہ کے جواز کے قائل تھے اور جہری نماز میں بھی اگر سکتات میں پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ (عمدۃ الرعایہ ص۱۴۳)

۸ ملا جیون حنفی مصنف نور الانوار اپنی تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں، فان الطائفة الصوفية والمشائخين الحنفية تراهم يستحسنون قرأة الفاتحة للمؤتم كما استحسنه محمد احتياطا فيما روي عنه، صوفیہ کرام اور مشائخ حنفیہ بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح فاتحہ خلف الامام کو مستحسن اور اچھا سمجھتے تھے احتیاطاً جس طرح ہدایہ وغیرہ میں بھی ہے۔

۹ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہی مذہب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی اور جمہور علماء صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا (نووی شرح مسلم)

۱۰ پیر عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ ارکان نماز میں سے ہے۔ (غنیہ ص۶) اور اگر کوئی رکن جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول جاوے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (لہذا فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے) (غنیۃ الطالبین ص۱۲)

۱۱ عبد اللہ بن مبارک شاگرد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، انا اقرء خلف الامام والناس يقرؤ

الا قوم من الکوفیین کہ میں امام کے پیچھے پڑھتا ہوں اور تمام لوگ پڑھتے ہیں مگر کوفیوں کی قوم نہیں پڑھتی (تمنہ)

۱۶ خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالےٰ صحابہ کرام کو فرمایا میرے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھا کرو۔ ورنہ تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ حکم سُن کر تمام جاں نثار فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے، خصوصاً حضرت عمر فاروق رضؓ و علی المرتضیٰ وغیرہ تو علماً پڑھوایا کرتے تھے اسی طرح تابعین بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے اور ائمہ کرام میں سے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور امام غزالیؒ اور امام حسینؓ اور دیگر ائمہ بھی فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

۱۷ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آمین بالجہر بعد قرأت فاتحہ کہا کرتے تھے۔ وائل بن حجر کہتے ہیں :۔

صلیت خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال امین ومد بھا صوتہ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جب کبھی نماز پڑھی آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین درازا واز سے کہی۔ (ترمذی ص۳۴ ابوداؤد ص۱۳۶ ابن ماجہ، تخلیص الجیر ص۸۹، منتقی ص۵۹، دارمی ص۱۶۱، دارقطنی ص۱۲۷، مشکوٰۃ ص۸۰)

۲ ایک روایت ہے، اذا قرأ ولا الضالین قال آمین رفع بھا صوتہ، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فاتحہ ختم کی تو آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔ (ابوداؤد ص۱۳۶ وعون المعبود ص۳۵۱)

۳ ایک روایت میں ہے، انہ صلی خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجھر بآمین کہ وائلؓ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (ابوداؤد ص۱۳۶)

۴ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ وسندہ صحیح اور سند اس کی صحیح ہے۔ وصحہ الدارقطنی اور صحیح کہا اس کو دارقطنی نے۔ (تلخیص الجیر ص۸۹)

۵ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث وائل ابن حجر حدیث حسنؒ کہ حدیث وائل ابن حجرؒ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آمین پکار کر کہنے کا ذکر ہے۔ حسن ہے۔ (ترمذی ص۳۴)

۶ اس حدیث کے آگے امام ترمذی فرماتے ہیں، وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدھم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیھا وبہ یقول الشافعی واحمد واسحق۔

اور بہت سے اہل علم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین فرماتے ہیں کہ آمین پکار کر کہی جاوے۔ اور آہستہ نہ کہی جائے۔ اور اسی طرح امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰق فرماتے ہیں کہ آمین بالجہر

کہنی چاہیے۔ (ترمذی ص۳۴)

۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرء ولا الضالین رفع صوتہ بآمین۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین بلند آواز سے پکار کر کہتے۔ (اعلام الموقعین جلد۲ ص۲۰۰، کنز الاعمال ص۹۶ جلد۴ ۱۸۵)

۸ اور تحفۃ الاحوذی میں مولانا عبدالرحمٰن فرماتے ہیں: ولم یثبت من احد من الصحابۃ الاسرار بالتامین بالسند الصحیح۔ کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے بھی صحیح سند سے آمین آہستہ کہنا ثابت نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی ص۲۰۹)

۹ حضرت عطا فرماتے ہیں ادرکت مأتین من الصحابۃ اذا قال الامام ولا الضالین رفعوا اصواتھم بآمین۔ کہ میں نے مدینہ منورہ کی مسجد میں دو سو صحابہ کو دیکھا کہ جب امام سورۃ فاتحہ کو ختم، تو سب کے سب بلند آواز سے آمین کہتے اور مسجد میں گونج پیدا ہوتی۔ (بیہقی جلد۲ ص۵۹ اعلام جلد۲ ص۸ قسطلانی ص۵۵)

۱۰ پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والجھر بالقرأۃ والامین کہ جہری نمازوں میں جب قرأۃ بلند آواز سے پڑھی جائے اس میں آمین بھی پکار کر کہی جائے۔ (غنیۃ الطالبین ص۱۰)

۱۱ امام غزالی آمین بالجہر کو سنت قرار دیتے ہیں۔ (احیاء العلوم)

۱۲ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نمازوں میں سورۃ فاتحہ ختم کرنے کے بعد آمین پکار کر کہا کرتے تھے۔ اور آپ کے صحابہ کرام کا یہی دستور تھا۔ ائمہ اسلام متبع سنت اسی طرف گئے ہیں۔ امام حسن و حسین و زین العابدین رضی اللہ عنہم اپنے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا حال مجھے معلوم نہیں۔ کسی صاحب کو معلوم ہو تو لکھ دیں۔

آمین بالجہر کے متعلق زیادہ تفصیل منظور ہو تو میرا رسالہ "اثبات آمین بالجہر" جس میں تین سو حوالے دیئے گئے ہیں۔ مطالعہ فرمائیں۔

لہ یہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک السلمی البوغی کی تالیف ہے۔ یہ امام بخاری کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ لہ یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک بن احمد بن محمد بن محمد بن الحسین قسطلانی مصری شافعی کی تصنیف ہے۔ متوفی محرم ۹۲۳ھ (سعیدی)

نقل فتوے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ

دربارہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین
اما بعد نالائق وناکارہ خلائق محمد غلام اکبر خان عفا عنہ الرحمٰن سنی محمدی بھائیوں کی خدمت بابرکت میں عرض کرتا ہے۔ کہ یہ فتویٰ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ کا ہے کہ جسے عُلماء کلکتہ نے ۱۲۵۴ھ میں جناب مرزا کریم بیگ صاحب مرحوم کے اس مجموعے میں جس میں انہوں نے تمام خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی رحمۃ اللہ علیہ کے فتووں کو جمع کیا ہے، چھاپ کر عالم میں شائع کیا تھا۔ اس عاجز نے اس فتوے کو واسطے فائدہ عام مومنین کے بخواہش چند احباب دین باعانت بھی سراج دین و مشفقی میاں انعام اللہ صاحب کے ۱۲۹۸ھ میں طبع کرا دیا۔ خدا تعالیٰ عام مومنین کو اس سے فائدہ بخشے۔ اور رسالہ مذکورہ مطبوعہ کلکتہ عاجز کے پاس موجود ہے، جن حضرات کو اس میں کچھ شک واقع ہو، وہ اس رسالہ کو بذاتِ تکلیف فرما کر چشم خود دیکھ جاویں۔

سوال: اور قرأۃ سورۃ فاتحہ، مقتدی را باقتدائے امام در نماز بملاحظہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب وآیہ کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا چہ شد خواہد شد واز قول ابی حنیفہؒ چناں معلوم شد کہ خواندن فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را ممنوع است ونزد شافعیؒ بغیر خواندن فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ قرار یافتہ چہ باید کرد، وعمل بر فتوے کدام بزرگ دریں امر مستحسن است۔ بینوا توجروا فقط

جواب: از مولانا شاہ عبد العزیز صاحب، خواندن سورہ فاتحہ باقتدائے امام مقتدی را نزد ابو حنیفہؒ ممنوع است ونزد شافعیؒ بدوں خواندن سورہ فاتحہ عدم جواز الصلوٰۃ ونزد فقیر ہم قول شافعیؒ ارجح است واولیٰ چرا کہ بملاحظہ حدیث لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب بطلان نماز ثابت می شود۔ وقول ابو حنیفہؒ جا بجا وارد است کہ جائیکہ حدیث وارد شود وقول من خلاف افتد، قول ما را ترک باید نمود وبر حدیث عمل باید کرد۔ وحال آیہ کریمہ فاذا قرئ القرآن الخ ایں است کہ ہرگاہ امام سورہ دیگر ضم کند۔ مقتدی خاموش گردیدہ سماعت کند۔ نہ کہ برائے سورہ فاتحہ کہ ام الکتاب است مستثنیٰ است۔ از مفہوم بعض احادیث صحیحہ علماء محققین ومحدثین ومفسرین دریں باب بسیار گفتگو می کردہ اند۔ منتج بریں معنی گردید کہ سورہ فاتحہ در پس امام باید خواند۔ بایں طور کہ ہرگاہ امام نفسا لحہ سکتہ نماید

مقتدی بشنود و بگوید الحمد للہ تا آخر سورۃ ہمیں طور باخفا ضم کردہ باشد۔ و ہرگاہ امام بآمین برسد ہمہ مقتدیان بگویند بالمد و الجہر آمین و دریں باب ہم در صحیح بخاری حدیثے وارد شدہ است الحال شان نزول موافق بیان و تحقیقات الشیخ الاکمل شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی دریافت باید کرد کہ پیغمبر خدا صلعم در مسجد مدینہ نماز ادا مے فرمودند صحابہ نیز باقتدائے آنحضرت صلعم نمازے خواندند و سر سورۃ را کہ پیغمبر خدا صلعم بجہر ضم مے فرمودند و مقتدیان آں را نیز مے خواندند ہرگاہ الحمد تمام نمودہ شروع سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِیْ الخ فرمودند صحابہ نیز بمتابعت شروع سورۃ مذکورہ نمودند۔ پس در ہمیں اثنا ایں نازل گردید وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ پیغمبر خدا صلعم فرمودند قراءۃ الامام قراءۃ لہٗ ازیں جا صاف شد کہ آیت مذکورہ برائے ممانعت سورۃ دیگر وارد گردید نہ برائے سورۃ فاتحہ باز ہمہ صحابہ بہ تبعیت رسول اللہ صلعم سورۃ فاتحہ ہمیشہ ادا مے نمودند گاہے رسول اللہ صلعم ممانعت نہ فرمودند۔ لہذا لازم است کہ ضم فاتحہ مقتدی بہ تبعیت امام نیز کردہ باشد۔ و داخل تا بعان مفسرین و محدثین خواہد شد و ازیں معنی از ترک فاتحہ خلاف حدیث صحیح عملش واقع خواہد شد و چہ عجب کہ صحت ایں حدیث با امام ابو حنیفہ رح رسیدہ باشد۔ ہرگاہ کہ الحال از صدہا و ہزارہا مردم علماء محققین مثل امام بخاری رح و صاحب مسلم رح وغیرہم صحت ایں حدیث ثابت شد از ترکش ملام و مطعون خواہد شد۔ فقط

مختصر ترجمہ یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں، مقتدی کا امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

فتوے خاندان دہلوی بابت فاتحہ خلف الامام

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوے کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ آپ کا اصل فتوے فارسی میں ہے۔ جو اوپر لکھا گیا۔ فقط راز

سوال: سورہ فاتحہ پڑھنی مقتدی کو امام کے پیچھے بہ لحاظ حدیث "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" اور بلحاظ آیۃ شریف وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ کیا حکم ہوگا اور امام ابو حنیفہ رح کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ الحمد پڑھنا امام کے پیچھے منع ہے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک بدون پڑھے نماز جائز نہیں۔ کیا کرنا چاہیئے۔ اور کس کے فتوے پر عمل بہتر ہے؟

جواب: پڑھنا سورۃ فاتحہ کا مقتدی کو امام کے پیچھے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک منع ہے اور امام محمد رح کے

نزدیک امام کے آہستہ پڑھنے میں (نماز سریہ میں) جائز بلکہ اولیٰ ہے۔ اور نزدیک امام شافعیؒ کے بغیر سورہ فاتحہ پڑھے نماز جائز نہیں اور نزدیک فقیر کے بھی قول امام شافعیؒ کا ترجیح رکھتا ہے اور بہتر ہے کیوں کہ بلحاظ حدیث صحیح "لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" کے نماز باطل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور قول امام ابو حنیفہؒ کا جا بجا وارد ہے کہ جس جگہ حدیث صحیح وارد ہو اور میری بات اس کے خلاف پڑے تو میرے قول کو ترک کر کے حدیث پر عمل کرنا چاہیے اور مطلب آیت کریمہ کا یہ ہے کہ جس وقت امام دوسری سورۃ ملاوے تو مقتدی چپ رہے اور سنے تاکہ سورۃ فاتحہ کے لئے کہ اُم الکتاب ہے۔ اور مستثنیٰ ہے بعض احادیث صحیحہ کے مفہوم سے اور علماء محققین و محدثین و مفسرین نے اس باب میں بہت گفتگو کی ہے۔ بالآخر تجویز یہ ہوئی کہ سورۃ فاتحہ پیچھے امام کے مقتدی پڑھے اس طور کہ جس وقت امام لفظ الحمد پڑھے مقتدی سنے اور کہے الحمد للہ آخر سورۃ تک اسی طور سے باہستگی ملاوے اور جب امام آمین پر پہنچے تو سب مقتدی پکار کر آمین کہے اور اس باب میں صحیح بخاری میں بھی ایک حدیث وارد ہے۔ اب شان نزول موافق بیان اور تحقیقات شیخ کامل شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی کے معلوم کرنا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور جس سورۃ کو آپ جہر سے پڑھتے مقتدی بھی آہستہ اس کو پڑھتے جب سورۃ فاتحہ پڑھ کر "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي الخ" شروع کیا تو صحابہ بھی بنظر اتباع پڑھنے لگے اسی اثنا میں یہ آیت نازل ہوئی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قرأۃ امام قرأۃ مقتدی کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ آیت دوسری سورۃ کے منع میں نازل ہوئی نہ کہ سورۃ فاتحہ کے لئے۔ اور پھر سب صحابہ پیچھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سورۃ فاتحہ ہمیشہ ادا کرتے رہے کبھی آپ نے منع نہ فرمایا پس لازم ہے کہ سورہ فاتحہ کو مقتدی امام کے پیچھے پڑھا کریں تا بعد ازاں میں مفسرین اور محدثین کے داخل رہیں۔ اور سورہ فاتحہ کے چھوڑنے میں خلاف حدیث صحیح کے ہوگا۔ اور کیا تعجب ہے۔ کہ صحت اس حدیث کی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ پہنچی ہو اور جب کہ صدہا اور ہزارہا علماء محققین مثل امام بخاری و صاحب مسلم وغیرہ رحمہم اللہ پر صحت اس کی ثابت ہوگئی تو اس کے چھوڑنے میں مطعون ہوگا۔ انتہیٰ"

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ شاہ عبد العزیزؒ و شاہ ولی اللہ صاحب کہاں تک حق بجانب ہیں کیا ان کا یہ قول قابل عمل نہیں؟ سلیم الطبع حضرات فوراً اس پر عمل پیرا ہو کر ثواب دارین کے مستحق ہونگے لیکن جو لوگ تقلید کے پیچھے اپنی قوت مدرکہ سلب کر چکے ہوں اور ہٹ دھرمی کا مادہ جن کے رگ و ریشہ میں پیوست ہے۔ وہ کسی حالت سے اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اور ایسے لوگ میری تحریر سے

مستثنیٰ ہیں یہ تو ان لوگوں کیلئے لکھا گیا جنہیں حق کی تلاش منظور ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ میں فرماتے ہیں وروی عن محمد انه استحسن قرأۃ الفاتحة خلف الامام فی السریة وروی مثله عن ابی حنیفة صرح به فی الهدایة والمجتبیٰ شرح مختصر القدوری وغیرهما وهذا هو مختار کثیر من مشائخنا" یعنی امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو سری میں مستحسن بتایا ہے۔ اور اسی طرح امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی کو ہمارے بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے۔

عبداللہ بن مبارک (شاگرد امام اعظم) فرماتے ہیں انا اقرء خلف الامام والناس یقرؤن الا قوم من الکوفیین میں اور لوگ امام کے پیچھے پڑھتے ہیں مگر کوفے والوں میں سے ایک قوم (یہ اشارہ ہے امام اعظم صاحب کی طرف) علامہ شعرانی لکھتے ہیں، لابی حنیفة ومحمد قولان احدهما عدم وجوبها علی الماموم ولاتسن وهذا قولهما القدیم وادخله محمد فی تصانیفه القدیمة انتشرت النسخ الی الاطراف وثانیهما استحسانها علی سبیل الاحتیاط وعدم کراهتها عند المخافتة للحدیث المرفوع لا تفعلوا الابام القرآن وفی روایة لا تقرؤا بشئ اذا جهرت الابام القرآن وقال عطاء کانوا یرون علی الماموم القرأۃ فی ما یجهر فیه الامام فی مالیس فرجعا من قولهما الاول الی الثانی احتیاطا انتهی کذا فی غیث الغمام حاشیة امام الکلام۔ خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رح کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مقتدی کو الحمد پڑھنا نہ واجب ہے اور نہ سنت اور ان دونوں آئمہ کا یہ قول پرانا ہے۔ اور امام محمدؒ نے اپنی قدیم تصنیفات میں اس قول کو درج کیا ہے۔ اور ان کے نسخ اطراف وجوانب میں پھیل گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مقتدی کو نماز میں الحمد پڑھنا مستحسن ہے احتیاطاً اس واسطے کہ حدیث مرفوع میں ہے آواز بلند قرأت کروں تو تم لوگ کچھ نہ پڑھو مگر سورۃ فاتحہ اور عطاؒ نے کہا (عطاء کے متعلق امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں " ما رایت فیمن لقیت افضل من عطاء یعنی عطاء سے افضل میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ (تخریج زیلعی ش ۲۴۳ ج ۱) کہ لوگ (صحابہؓ وتابعینؒ) کہتے تھے کہ نماز سری وجہری دونوں میں مقتدی کو پڑھنا چاہیئے۔ پس امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے احتیاطاً اپنے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کیا"

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری میں لکھتے ہیں، "بعض اصحابنا یستحسنون ذلک علی سبیل الاحتیاط فی جمیع الصلوۃ وبعضهم فی السریة فقط وعلیها فقهاء الحجاز والشام کذا فی غیث الغمام۔"

یعنی ہمارے بعض فقہاء حنفیہ نے ہر نماز میں خواہ سری ہو یا جہری امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو احتیاطاً مستحسن بتاتے ہیں اور بعض فقہاء فقط سری میں مکہ اور مدینہ اور ملک شام کے فقہاء کا اسی پر عمل ہے اور شیخ الاسلام مولانا عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں۔ لو کان فی فمی یوم القیامۃ جمرۃ احب الی من ان یقال لا صلوٰۃ لک اگر قیامت کے روز میرے منہ میں آگ ہو تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہا جائے کہ تیری تو نماز ہی نہیں ہوئی مولانا موصوف کے اس کلام سے اشارہ ہے اس گھڑی اور ضعیف حدیث کی طرف کہ جو شخص امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے گا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ بھرا جائے گا۔

ملا جیون صاحب نور الانوار تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں: فان رایت الطائفۃ الصوفیۃ و المشائخین الحنفیۃ تراھم یستحسنون قرأۃ الفاتحۃ للمؤتم کما استحسنہ محمدؒ ایضا احتیاطاً فیما روی عنہ انتہی اگر جماعت صوفیا اور مشائخین کو دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ لوگ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو مستحسن بتاتے ہیں جیسا کہ امام محمدؒ استحسان کے قائل تھے۔ اور مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو افضل بتایا ہے۔ دیکھو ..... حجۃ اللہ البالغہ اور اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔ "مخفی نماند کہ حضرت ایشاں دراکثر امور موافق مذہب حنفی عمل مے کردند الابعض چیزہا کہ بحسب حدیث یا با وجدان بمذہب دیگر ترجیح مے یافتند ازاں جملہ آنست کہ دراقتدا رسورۂ فاتحہ می خواندند ودر جنازہ نیزؒ" اور مولانا محمد اسماعیل صاحب برادر زادہ شاہ عبدالعزیزؒ تنویر العینین میں فرماتے ہیں۔

یظھر بعد التامل فی الدلائل ان القرأۃ اولیٰ من ترکھا فقد قولنا فیہ علی قول محمدؒ۔ تامل کے بعد دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا بہتر ہے نہ پڑھنے سے پس اس مسئلہ میں ہمارا قول امام محمدؒ کے قول کے موافق ہے۔

لباب الالباب حنفی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں انہ لم یعتبر محمدؒ بخلاف من قال تفسد صلوٰۃ المقتدی بقرأۃ خلف الامام لانہ بعید عن قواعد الشرع انتہی " زبدۃ الالباب" یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں اعتبار کیا اس شخص کا خلاف کرنے کا جو کہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ بات قواعد شرع سے بعید ہے۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نقل فرماتے ہیں، وافقنا ابو حنیفۃؒ فی ان القرأۃ خلف الامام لا تبطل الصلوٰۃ انتہی ہماری موافقت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کی اس بات میں کہ

الحمد امام کے پیچھے پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

فتویٰ مذکور کی سند

فتوے مذکور کی سند کے متعلق مولوی محمد سعید صاحب بنارسی مرحوم تعلیم المبتدی میں لکھتے ہیں کہ یہ فتوے میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم دیو بندی مجموعہ قلمی میں جو انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحب مرحوم سے اخذ انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نواسہ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا بچشم خود دیکھا تھا اور نیز علما کلکتہ نے ۱۲۵۵ھ میں بزمانہ شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی" مجموعہ مرزا کریم اللہ صاحب بیگ و مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب مرحوم سے جو انہوں نے مولانا عبدالحی صاحب مرحوم سے حاصل کیا تھا نقل ہے کر طبع کرایا تھا۔ اور نیز مولانا جلال الدین احمد صاحب مرحوم اپنے رسالہ زبدۃ الالباب میں جو بزمانہ مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب مرحوم دہلوی ۱۲۵۵ھ میں طبع ہوا تھا۔ فتوے مذکور کی سند نقل فرماتے ہیں۔ انتہی نسیم الانصاری مؤ ناتھ الہ آبادی (رسالہ علوم حاضرہ) مؤ ائمہ اعظم گڑھ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۹۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو کہتا ہے۔ کہ آیت أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ وغیرہ آیات کا جواب جس طرح قاری کو دینا چاہیے، اسی طرح سامع کو بھی دینا چاہیے اور زید کہتا ہے کہ ان آیات کا جواب صرف قاری کو دینا چاہیئے، پس ان دونوں میں سے کس کا قول حق و صواب ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئول عنہا میں عمرو کا قول اقرب الی الصواب ہے۔ یعنی آیات مذکورہ کا جواب جس طرح سے قاری کو دینا چاہیے، اسی طرح سے سامع کو بھی چاہیئے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت قرأت ان آیتوں کا جواب دینا ثابت ہے۔ اور آپ کا کل قول و فعل امت کے لئے ہر وقت دستور العمل ہے۔ تا وقتیکہ اس کی تخصیص کسی خاص وقت یا شخص خاص یا حالت خاص کے ساتھ ثابت نہ ہو۔ مثلاً رفع الیدین اور وضع الیدین علی الصدر اور رفع سبابہ فی التشہد اور جلسہ استراحت اور تورک اور قبل افتتاح قرأت کے اللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

یا انی وجہت وجہی للذی فطر السموٰت والارض الخ یا اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب الخ پڑھنا یا رکوع میں سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح اور سجدہ میں للہ سجد وجھی وعظا بھی وغیرہ پڑھنا وغیر ذلک یہ ایسے افعال ہیں جن کی مسنونیت میں کسی طرح کا شک نہیں ہو سکتا ہے اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص کے لئے یہ افعال مسنون ہیں۔ خواہ وہ شخص امام ہو یا مقتدی خواہ منفرد ہو، حالانکہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقتدیوں کو ان امور کی تعلیم فرمائی ہے یا عام طرح پر فرمایا ہے کہ جو شخص جب نماز پڑھے تو ایسا کرے، پھر بھی یہ احکام ہر شخص کے لئے اسی وجہ سے عام ہے کہ قول وفعل پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم تمام افراد امت کے لئے دستور العمل ہوتا ہے جب تک حدیث مرفوع ہی سے تخصیص ثابت نہ ہو قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] الآیۃ پس بنا بر تقریر ہذا ان آیات کا جواب دینا ہر شخص کو چاہیے، عام ازیں کہ قاری ہو یا سامع نماز میں ہو یا غیر نماز میں، امام ہو یا مقتدی یا منفرد۔ اتباعا للفعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما رواہ ابوداؤد عن ابن عباس[2] ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلیٰ قال سبحان ربی الاعلیٰ وروی ایضا عن موسیٰ بن عائشۃ قال کان رجل یصلی فوق بیتہ وکان اذا قرأ الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال سبحانک فبلی فسالوہ عن ذلک فقال سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروی البیہقی عن علی انہ قرأ فی الصبح بسبح اسم ربک الاعلیٰ فقال سبحان ربی الاعلیٰ الحدیث وروی ابوداؤد عن عوف بن مالک الاشجعی قال قمت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ فقام فقرأ سورۃ البقرۃ لا یمر بآیۃ رحمۃ الا وقف فسأل ولا یمر بآیۃ عذاب الا وقف فتعوذ قال ثم رکع بقدر قیامہ یقول

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

[2] آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تھے تو سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے۔ ایک آدمی اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتے پڑھا۔ تو کہا سبحانک فبلی، لوگوں نے اس بارے میں اس سے پوچھا تو اس نے کہا، کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ بیہقی میں روایت ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا، تو فرمایا سبحان ربی الاعلیٰ، عوف بن مالک کہتے ہیں۔ کہ ایک

فی رکوعہ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ ثم سجد بقدر قیامہ ثم قال فی سجودہ مثل ذلک ثم قام فقرأ بآل عمران ثم قرأ سورۃ الحدیث واخرجہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ بنحوہ مختصرا ومطولا وروی الترمذی عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی علیہ وسلم علی اصحابہ فقرأ علیہم سورۃ الرحمن من اولہا الی اخرہا فسکتوا فقال لقد قرأتہا علی الجن لیلۃ الجن فکانوا احسن مردودا منکم کنت کلما اتیت علی قولہ فبای الاء ربکما تکذبان قالوا لا بشیئ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد انتہی۔

اس حدیث ترمذی سے یہ امر بھی معلوم ہوا کہ اس قسم کی آیتوں کا جواب قاری یا مصلی کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ خود اس کلام پاک کے معنی اور موقع کے لحاظ سے ہے۔ جب ہی تو آپ نے صحابہ کرام کے سکوت پر اعتراض فرمایا اور جنات کے جواب دینے کو مدحیہ طور پر ذکر فرمایا، حالاں کہ آپ نے اس واقعہ سے قبل صحابہ کرام کو اس جواب کی تعلیم نہیں فرمائی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جن جن آیتوں کا جواب دیا ہے۔ وہ اس خصوصیت سے نہیں کہ آپ امام تھے یا قاری تھے، بلکہ ان آیتوں کا معنی اور موقع ہی ایسا تھا کہ جب وہ آیت پڑھی جاوے تو پڑھنے والا اور سننے والا ہر شخص ان کا مناسب جواب جو احادیث سے ثابت ہو دیوے۔

قال المناوی فی شرح الجامع الصغیر کان اذا قرأ قولہ تعالی الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی قال بلی واذا قرأ الیس اللہ باحکم الحاکمین قال بلی لان قولہ بمنزلۃ سوال فیحتاج الی الجواب ومن حق الخطاب ان لا یترک المخاطب جوابہ فیکون السامع کہیئۃ الغافل او کمن لا یسمع

رات آپ نے نماز میں سورۃ بقرہ شروع کی، جب آپ کوئی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور خدا سے رحمت کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اس سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے قیام کے برابر رکوع کیا اور اس میں سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پڑھتے رہے۔ پھر سجدہ بھی قیام کے برابر کیا۔ اور اس میں بھی رکوع والی دعا پڑھتے رہے۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو سورت آل عمران اور سورت پڑھی۔ جابر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ پر سورۃ الرحمٰن پڑھی وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ آپ نے فرمایا! میں نے جنوں کی رات میں یہی سورۃ جنوں پر پڑھی تھی وہ تم سے جواب دینے میں اچھے رہے۔ جب بھی میں پڑھتا، فبای آلاء ربکما تکذبان تو وہ جواب دیتے اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول الیس ذلک

ذی بوالمس مر بآیۃ رحمۃ ان یسأل اللہ الرحمۃ او عذاب ان یتعوذ من النار او بذکر الجنۃ بان یرغب الی اللہ فیہا او النار ان یستعیذ منہا انتہی ثم قال اذا قرأ سبح اسم ربک الاعلی سبحان ربی الاعلی کما سمعت فیما قبلہ واخذ من ذلک ان للقاری او السامع کلما مر بآیۃ تنزیۃ ان ینزہ اللہ او تحمید ان یحمدہ او تکبیر ان یکبرہ وقس علیہ انتہی اور شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے ، اذا مر بآیۃ فیہا تسبیح سبح واذا مر بسوال سأل واذا مر بتعوذ تعوذ فیہ استحباب ھذہ الامور لکل قاری فی الصلوۃ او غیرھا ومذھبنا استحبابہ للامام والماموم والمنفرد ۔ انتہی وھکذا فی کتاب الاذکار للنووی ۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب ۔ حررہ ابو محمد عبد اللہ عبد الجلیل عفی عنہ ۔ سید محمد نذیر حسین (فتاوی نذیریہ ص ۴۳۳)

علمائے احناف اور فاتحہ خلف الامام

(۱)

شیخ نظام الدین اولیا بدایونی دہلوی ؒ انہ کان حنفیا ولکنہ کان یجوز القرأۃ بالفاتحۃ خلف الامام فی الصلوۃ وکان یقرأھا فی نفسہ فعرض علیہ بعض اصحابہ ما روی ؓ الی ورد ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ فقال وقد ورد عنہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فالحدیث الاول مشعر بالوعید والثانی ببطلان الصلوۃ عن لم یقرأ بالفاتحۃ وانی احب ان احمل الوعید ولا استطیع ان تبطل صلوتی علی انہ تقرر فی الاصول ان الاخذ بالاحوط والخروج من الخلاف اولی وکان رحمہ اللہ یجوز صلوۃ الجنازۃ علی ویستدل علیہ بالحدیث المشہور نزہۃ الخواطر ص ۱۳۶ ج ۲

بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھے ۔ تو کہے بلی ، اور جب الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو بلی کہے ، کیونکہ ان میں سوال کیا گیا ہے جس کا جواب دینا چاہیئے ۔ انخطاب کا حق ہے ۔ کہ مخاطب کلام کا جواب دیگا ۔ اگر نہ دے گا تو سامع بے خبروں کی طرح ہوگا ۔ یا جیسے کوئی جانور جو آواز تو سنتا ہے ، لیکن مطلب نہیں سمجھتا ، یا کسی اندھے ، گونگے ، بہرے کی طرح جسے کچھ سمجھ نہ آئے ۔ یہ حالت تو بہت بڑی حالت ہے ، پھر مستحب ہے کہ رحمت کی آیت سے گذرے ، تو رحمت کا سوال کرے ۔ عذاب کی آیت سے گزرے تو پناہ مانگے ، جنت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے ۔ دوزخ کا ذکر ہو تو پناہ مانگے ۔ اگر تنزیہ کی آیت ہو ، تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرے ۔ تعریف کی آیت ہو ، تو اللہ کی تعریف کرے ۔ علی ہذا القیاس لے جب تسبیح کی آیت سے گذرے تو تسبیح بیان کرے ۔ جب سوال کا ذکر ہو ، تو سوال کرے اور جب تعوذ سے گذرے تو پناہ مانگے نمازی قاری کے لئے یہ سب امور مستحب ہیں ۔ اور ہمارے امام اور مقتدی ، اور منفرد کیلئے مستحب ہیں

۲۔ عالم فقیہ محدث شیخ جلال الدین بن احمد بخاری اُوچ شریف ؒ متوفی ۹۸۰ھ

جو اصول اور فروع میں حنفی المذہب تھے ان کے مختارات فی المذہب ہے: وکان یجوز القرأۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ کما فی جامع العلوم۔ نزھۃ الخواطر ص۲۹ ج۴

۳۔ شیخ محمد ارشد جونپوری ؒ متوفی ۱۱۱۳ھ

کان یقرأ الفاتحۃ فی صلوٰۃ السریۃ۔ نزھۃ الخواطر ص۲۴۳ ج۶

۴۔ شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری ؒ مصنف رشیدیہ (فن مناظرہ) متوفی ۱۰۸۳ھ

ومن مختاراتہ انہ کان یقرأ الفاتحۃ خلف الامام فی صلوٰۃ السریۃ نزھۃ ص۲۶ ج۵

۵۔ شیخ احمد فیاض امیٹھوی ؒ

احد الفقہاء المشہورین فی مصرہ وکان یقرأ الفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰت نزھۃ ص۳۲ ج۶

۶۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلوی ؒ

ویقوی قرأۃ الفاتحۃ الکتاب فیما لا یجھر الامام فیہ بالقرأۃ وکان علی مذھب الحنفی نزھۃ الخواطر

۷۔ سید محمد اسمٰعیل شہید دہلوی ؒ

وفی مسئلۃ القرأۃ خلف الامام دلائل الجانبین قویۃ والاظھر ان القرأۃ اولیٰ۔ نزھۃ الخواطر ص۵۹ ج۷

۸۔ مولانا خرم علی بلہوری ؒ

ولہ رسالۃ فی قرأۃ الفاتحۃ خلف الامام فی الصلوٰۃ۔ نزھۃ الخواطر ص۱۵۸ ج۷

باب التامین

سوال: ایک شخص امام کے ساتھ اس وقت شامل ہوا، جب امام غیر المغضوب پڑھ چکا تھا۔ اب یہ مقتدی امام کے ساتھ آمین کہے یا پہلے اپنا الحمد ختم کرے؟

جواب: دونوں باتوں پر عمل کرے امام کے ساتھ بھی آمین کہے اور اپنی فاتحہ ختم کرکے بھی آمین کہے۔ پہلی آمین جو امام کے ساتھ کہتا ہے اس کی دلیل یہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ امام آمین کہے تو تم آمین کہو اور دوسری آمین کی دلیل یہ ہے کہ: ایک شخص نے بہت عاجزی سے دعا کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے جنت کو یا قبولیت دعا کو (اپنے لئے) واجب کرلیا.... اگر ختم کیا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ کس چیز کے ساتھ ختم کیا؟ فرمایا: آمین کے ساتھ (مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصلوٰۃ فصل ۲ صہ ۲)

چوں کہ فاتحہ بھی دعا ہے اس لئے اس کو بھی آمین کے ساتھ ختم کرنا چاہیئے تاکہ قبولیت کے مقام کو پہنچ جائے یا اس کے لئے جنت واجب ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی آمین امام کی فاتحہ پر ہے جس کی دلیل پہلی حدیث ہے۔ دوسری آمین اپنی فاتحہ پر ہے جس کی دلیل دوسری حدیث ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہوگیا، بلکہ تینوں حدیثوں پر، تیسری حدیث میں ہے کہ "فاتحہ کے بغیر نماز نہیں"۔

از حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ　　تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۴۶

مسئلہ: اخرج[1] البخاری عن عطاء تعلیقا امّن ابن الزبیر ومن خلفہ حتی ان للمسجد للجۃ وروی ابن حبان فی کتاب الثقات فی ترجمۃ خالد بن ابی نوف عنہ عن عطاء ابن ابی رباح قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد یعنی المسجد الحرام اذا قال الامام ولا الضالین

---

[1] امام بخاری علیہ الرحمۃ نے عطاء سے تعلیقاً روایت کی ہے کہ ابن زبیر اور اس کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج اٹھی اور ابن حبان نے کتاب الثقات میں خالد ابن ابی نوف کے حالات کے بیان سے اسی خالد سے روایت کی ہے کہ خالد نے عطاء ابن

رفعوا اصواتہم بآمین واخرج النسائی وابن خزیمۃ عن نعیم المجمر قال صلیت وراء ابی ہریرۃ فقرأ بام القرآن حتی بلغ ولا الضالین فقال آمین وقال الناس آمین ویقول اذا سلم والذی نفسی بیدہ انی لاشبہکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ابو ہریرۃ ینکر علی من یترک الجہر بالتامین کما فی روایۃ ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ قال ترک الناس التامین وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اہل الصف الاول فیرتج بہا المسجد وکیف یظن بالخلفاء الاربعۃ ان یجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن خلفہ حتی یکون للمسجد ارتجاج ویخالفہم الاربعۃ ...... وہل ہذا الا مکابرۃ او جہالۃ ولہذا اصرح المولوی عبد الحی اللکھنوی فی التعلیق الممجد والانصاف ان الجہر قوی من حیث الدلیل ۔ حررہ عبد الجبار بن مولانا الامام المحدث العارف باللہ القائم بامر اللہ المولوی عبد اللہ رحمہ
فتاویٰ غزنویہ ص۲۹

سوال : آمین بالجہر کسی کتاب فقہ حنفی سے ثابت ہے یا نہ؟

جواب : ثابت ہے امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے ولو کان الی فی ہذا شیء لوفقت بان روایۃ الخفض یراد بہا عدم القرع العنیف وروایۃ الجہر بمعنی قولہا فی زیر الصوت وذیلہا اہ (اگر میری طرف سے اس میں کوئی شے ہوتی یعنی اگر اس کا فیصلہ میرے سپرد کیا جائے تو میں یوں مطابقت دیتا کہ آہستہ کہنے کی روایت سے مراد یہ ہے کہ کڑکی بات نہ ہو اور روایت جہر کی معنی کہنے آمین بیچ نرم آواز ذیل اس کے) اور امیر ابن الحاج نے حلیہ شرح منیۃ المصلی میں تحریر کیا

ابن ماجہ سے روایت ہے کہ عطاء نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو صحابہؓ کو مسجد حرام میں امام کے ولا الضالین کہنے کے وقت بلند آواز سے آمین کہتے ہوئے پایا۔ نسائی اور ابن خزیمہ نے نعیم مجمر سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوہریرہؓ کے پیچھے نماز ادا کی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی جب ولا الضالین پر پہنچے تو ابوہریرہؓ اور سب لوگوں نے آمین کہی اور ابوہریرہؓ سلام پھیر کر فرماتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تحقیق میں تم سب سے بڑھ کر رسول اللہؐ کے ساتھ نماز میں مشابہ ہوں۔ اور ابوہریرہؓ آمین بالجہر نہ کہنے والے پر انکار کرتے تھے جیسے ابن ماجہ میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا لوگوں نے آمین کہنی چھوڑ دی حالانکہ رسول اللہ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو اس قدر بلند آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف والے سن لیتے اور مسجد ہل جاتی۔ جب کہ رسول اللہ اور آپ کے مقتدیوں نے اس قدر بلند آواز سے آمین کہی کہ مسجد کانپ اٹھی تو خلفاء اربعہ پر یہ بد گمانی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے آپ سے مخالفت کی ہو اگر کوئی ایسا کہے تو صریح سینہ زوری اور جہالت ہے۔ اسی لئے مولوی عبد الحی لکھنوی نے تعلیق ممجد میں تصریح کی ہے کہ دلیل کی رو سے اونچی آمین کہنا قوی ہے۔"

ہے در ترجیح مشائخنا المذھب بما لا یعری عن شئی لما   فلاجرم ان قال شیخنا ابن الھمام ولو کان الی
شئی لوفقت بان روایۃ الخفض یراد بھا عدم القرع العنیف وروایۃ الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت و
ذیلھا اھ اور مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی نے ارکانِ اربعہ میں ولم یرد فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ
بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی
بھا صوتہ وھو ضعیف الخ لکھ کر یہ تحریر کیا ہے ولکن الامر فیہ سھل فان السنۃ التامین اما الجھر
والاخفاء فندب اھ اور طحاوی حاشیہ درمختار میں ہے فعلی ھذا سنیۃ الاتیان بھا تحصل ولو مع الجھر
(ابو سعود اھ) اور مولانا عبد الحی نے تعلیق الممجد میں لکھا ہے والانصاف ان الجھر قوی من حیث الدلیل
اور سعایہ میں مولانا ممدوح فرماتے ہیں فوجدنا بعد التامل والامعان القول بالجھر بآمین ھو
الاصح لکونہ مطابقاً لما روی عن سید بنی عدنان وروایۃ والخفض عنہ صلعم ضعیفۃ لا توازی
روایات الجھر ولو صحت وجب ان تحمل علی عدم القرع العنیف کما اشار الیہ ابن الھمام ای
ضرورۃ داعیۃ الی حمل روایات الجھر علی بعض الاحیان او الجھر للتعلیم مع عدم ورود شئی ذلک
فی روایۃ والقول بانہ کان فی ابتداء الامر ضعیف لان الحاکم قد صحح من روایت وائل بن حجر وھو انما
اسلم فی اواخر الامر کما ذکرہ ابن حجر فی فتح الباری واما اثر ابراھیم النخعی ونحوہ فلا تعارض الروایات
المرفوعۃ اور مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوۃ میں لکھا ہے والظاھر الحمل علی کلا
العملین تارۃ فتارۃ۔   (فتاوی مفید الاحناف صک)

ا۔ ترجیح دی ہے ہمارے مشائخ نے اس کو واسطے مذہب کے ساتھ اس چیز کے کہ نہیں خالی ہے کسی شے کے واسطے تامل کرنے والے کے اس
کے پس ضرور ہے جو کہا ہمارے شیخ ابن ہمام نے اگر ہوتی ہماری طرف کوئی شے البتہ مطابقت دیتا میں اس طرح پر کہ روایت آہستہ کہنے سے
ارادہ کیا جاتا ہے کہ کوئی سختی نہ ہو اور روایت بآواز کہنے کا معنی کہنا اس کے بیچ نرم آواز اور ذیل اس کے ۲۔ نہیں آیا ہے آمین آہستہ کہنے میں مگر
وہ کہ روایت کی حاکم نے علقمہ بیٹے وائل سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ سے کہ نماز پڑھی انہوں نے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پس جبکہ پہنچے ولا الضالین
کہا انہوں نے آمین اور پست کیا آمین کہنے میں آواز اپنی کو اور یہ روایت ضعیف ہے۔ ۳۔ لیکن بات اس میں آسان ہے اس لئے کہ سنت آمین کہنا ہے لیکن بآواز
کہنا یا آہستہ پس مستحب ہے۔ ۴۔ پس سنت اس بنا پر آمین کہنے کی حاصل ہوتی ہے اگرچہ ساتھ آواز کے ہو۔ ۵۔ انصاف یہ ہے کہ آمین بآواز کہنا قوی ہے
باعتبار دلیل کے۔ ۶۔ تو بعد تامل اور غور کرنے کے ہم نے پکار کر آمین کہنے کو ہی صحیح پایا کیونکہ وہ سید بنی عدنان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے
ہے اس کے مطابق ہے اور پست آواز کی روایت ضعیف ہے۔ پکار کر کہنے کی روایتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو واجب ہے کہ

سوال: آمین بالجہر امام ماموم و منفرد کے لیے صلوٰۃ جہریہ میں کہنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آمین بالجہر کہنا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔
عن ابی ہریرۃ رضی قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ[1] من قراءۃ القرآن رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی وحسنہ والحاکم وصححہ۔ کذا فی بلوغ المرام۔ عن[2] وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال آمین ومد بھا صوتہ۔ رواہ الترمذی پس ان حدیثوں سے آمین بالجہر کہنا امام کو ثابت ہوا لیکن منفرد، پس حکم منفرد اور امام کا ہر چیز میں واحد ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوا، پس جب کہ ثابت ہوا واسطے امام کے ثابت ہوا واسطے منفرد کے۔ باقی رہا حکم مقتدی کا پس لکھتا ہوں میں کہ مقتدی کا بھی آمین پکار کے کہنا حدیث مرفوع سے مستنبط ہے اس واسطے کہ روایت ہے ابن[3] عباس سے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیھود علی شیء ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجہ یعنی فرمایا حضرت نے کہ نہیں حسد کیا یہود نے تم لوگوں کے ساتھ کسی فعل کے کرنے سے جس قدر کہ حسد کرتے ہیں تم لوگوں کے آمین کہنے سے، پس بہت کثرت کرو آمین کہنے کی، اور ظاہر ہے کہ جب تک آمین بالجہر کہی نہ جاوے اور کانوں تک یہود کے آواز نہ پہنچے تب تک صورت حسد کی نہیں ہو سکتی، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب جہر الماموم بالتامین میں روایت

دیکھیں اور کچھ پچھلی کوتاہی کا سبب ہو گا جیسا کہ ابن حبان نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روایات جہر کو بعض اوقات تعلیم پر محمول کیا جائے باوجودیکہ کسی روایت میں نہیں آیا اور یہ کہنا کہ جہر ابتدا امر میں تھا ضعیف ہے اس لیے کہ حاکم نے اس کو وائل بن حجر کی روایت سے صحیح کہا ہے اور وائل صحابی آخر زمانہ آنحضرت میں مسلمان ہوئے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے اور ابراہیم نخعی اور مثل ان کے سے جو منع کرنا منقول ہے۔ تو ایسے اثر رسول اللہ کی احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مخالف ظاہر عمل کی ہے۔ اور پھر وہ قول عمل آہستہ آواز کے کہیں بھی ہے کہیں ۱۲ و ۱۳

[1] حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرأت فاتحہ سے فارغ ہوتے، تو بلند آواز سے آمین کہتے۔

[2] وائل بن حجر کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو میں نے خود سنا، کہ آپ نے بلند آواز سے آمین کہی۔

[3] حضرت عبداللہ بن عباس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محترم چچا کے بیٹے ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ امت محمدیہ کے بڑے عالم اور بہترین شخاص میں سے ہیں۔ بمقام طائف ۶۸ھ میں بزمانہ ابن الزبیر وفات پائی۔ (راشدی)

کی ہے عن[1] ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ رواہ البخاری۔ پس لفظ قولوا سے جہر قول بالتامین مراد ہے اور مؤید اس کے ہے عمل حضرت ابو ہریرہ کا۔ ذکر روایت کیا اس کو شیخ بدرالدین عینی نے کتاب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بیہقی سے وکان[2] ابو ہریرۃ مؤذنا لمروان فاشترط ان لایسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ قد دخل فی الصف فکان اذا قال مروان ولا الضالین قال ابو ہریرۃ امین یمد بہا صوتہ وقال اذا وافق تامین اہل الارض تامین اہل السماء غفرلہم رواہ البیہقی کذا فی العینی اور امام ترمذی بعد روایت حدیث وائل بن حجر کے فرماتے ہیں قال[3] ابو عیسی حدیث وائل بن حجر حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین ومن بعدہم یرون ان یرفع الرجل صوتہ بالتامین ولا یخفیہا وبہ یقول الشافعی و احمد واسحق انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ　　سید محمد نذیر حسین　　فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۴۳

سوال ۔ایک شخص آمین جہر سے کہتا ہے اور امام نماز مغرب میں سورہ فاتحہ غیر المغضوب تک جہر سے کہہ کر قرأۃ کو اخفا کر کے دوسری سورۃ شروع کردے اس غرض سے کہ مقتدی آمین جہر سے نہ کہنے پاوے اس امام کو کیا کہنا چاہیئے اور نماز اس کے پیچھے پڑھنا درست ہے یا نہیں کیونکہ سنت کو حقیر سمجھتا ہے؟

الجواب ۔آمین بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے پس اس سنت کو حقیر اور برا سمجھنا اور اس سے چڑھنا اور ضد رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ بلکہ یہود کا کام ہے۔ اور پھر اسی چڑھ اور ضد کی بنا پر اس غرض سے کہ مقتدی جہر آمین نہ کہنے پاوے، نماز مغرب میں سورہ فاتحہ کو غیر المغضوب علیہم تک تو جہر سے پڑھنا۔ اور

---

[1] حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے متفق ہو جائے گی اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

[2] حضرت ابوہریرہ مروان کے مؤذن تھے آپ نے اس سے شرط کر لی تھی کہ مروان اس وقت تک ولا الضالین نہ پڑھے گا۔ جب تک کہ ابوہریرہ صف میں شامل نہ ہوں گے۔ جب مروان ولا الضالین کہتا تو حضرت ابوہریرہ بلند آواز سے آمین کہتے اور کہتے فرمایا جب زمین والوں کی آمین آسمان والوں کی آمین سے مل جاتی ہے تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ [3] امام ترمذی کہتے ہیں وائل بن حجر کی

والضالین کو اتفاقاً کرکے دوسری سورۃ شروع کر دینا بڑا گناہ ہے۔ ایسے امام کو نماز کے اندر اس نیت سے ایسی حرکت کرنے سے توبہ کرنا لازم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو حقیر سمجھے اور اس سے چڑھ رکھنے میں ایمان کی خیر نہیں ہے۔ فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے اور نفرت رکھے وہ مجھ سے نہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہو جاوے گی۔ مگر ایسے امام کو قصداً امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حررہ محمد علی فیروزپوری سید محمد نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۴۳۴

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین آیا کسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے یا نہیں اور امام پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ امام بہت سی چیزوں کو بالجہر کہتا ہے، مثلاً تکبیر و قرأت و سلام وغیرہ، آیا کسی حدیث سے یہ ثابت ہے یا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کسی مقتدی نے آمین بالجہر کہی ہے یا نہیں؟

سوال ۲: آمین بالجہر علی الخصوص نماز جہری میں کیوں خاص کی گئی ہے آیا کسی حدیث صحیح مرفوع سے تخصیص صلوٰۃ جہری و نفی صلوٰۃ سری کی بصراحت تام وارد ہے یا نہیں۔ اگر وارد ہے تو براہ مہربانی دونوں سوالوں کا جواب حدیث مرفوع متصل الاسناد سے مع روایات و اسامی کتب کے تحریر فرمایا جاوے، بوجہ تنزل میں اس کی بھی اجازت دیتا ہوں کہ حدیث حسن یا ضعیف قابل عمل ہی سے لکھا جاوے۔ واضح رہے کہ آثار صحابہ سے استدلال نہیں چاہتا ہوں؟

الجواب: ہاں آمین بالجہر خاص مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر محتمل المعنیین ایسی حدیث صحیح مرفوع متصل الاسناد سے ثابت ہے وہ حدیث یہ ہے، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ قول الملائکۃ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ اخرجہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، جس کا قول فرشتوں سے موافق ہو جائے گا، اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے)

---

(۱) یہی صحیح ہے جیسا کہ بہت سے اہل علم صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کا یہی ارشاد ہے کہ آدمی بلند آواز سے آمین کہے، آہستہ نہ کہے، امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔

اس حدیث میں لفظ فقولوا کا مصدر قول ہے جو متضمن معنیین یا معانی چند کا ہرگز نہیں ہے اور جب مشترک نہیں ٹھہرا تو متحمل معنیین کا نہیں ہو سکتا، غایت مافی الباب لفظ قول چونکہ مطلق ہے اس وجہ سے اس کے افراد نکلیں گے اور کم از کم اس کے دو فرد نکلیں گے، قول بالجہر و قول بالسر، پس اس حدیث متفق علیہ سے جو مرفوع متصل الاسناد اور نہایت صحیح ہے آمین بالجہر مقتدیوں کے واسطے بالفاظ صریح غیر متحمل المعنیین ثابت ہوا، اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی آمین بالجہر کہتے تھے کیوں کہ لفظ قولوا کے اصل مخاطب صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے جان سے حاضر رہتے تھے اگر تم یہ کہو کہ جب قول مطلق ہے اور اس کے دو فرد ہیں، قول بالجہر و قول بالسر تو اس حدیث سے جیسے مقتدیوں کے لئے آمین بالجہر کہنا صراحتہً ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ان کے لئے آمین بالسر کہنا بھی صراحتہً ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس حدیث میں لفظ قولوا مطلق واقع ہے۔ اور بالجہر بالسر کی قید نہیں ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جب لفظ مطلق علی الاطلاق بلا کسی قید کے استعمال کیا جاتا ہے تو اس مطلق سے اس کا فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ علامہ صدر الشریعت توضیح میں تحریر فرماتے ہیں لان[1] المطلق لایتناول رقبۃ و هو فایت جلس المنفعۃ و هذا ما قال علماؤنا ان المطلق ینصرف الی الکامل انتہیٰ اور علامہ محب اللہ البہاری سلم الثبوت میں لکھتے ہیں فان[2] انتقال الذھن من المطلق الی الکامل ظاهر انتہیٰ اور ملا جیون نور الانوار میں لکھتے ہیں و[3] تنافی هذا المقام ضابطتان احدهما ان المطلق یجری علی اطلاقہ والثانیۃ ان المطلق ینصرف الی الفرد الکامل فالاول فی حق الاوصاف کالایمان والکفر و الثانی فی حق الذات کالزمانۃ والعمی انتہیٰ مختصراً۔ ان تمام عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ جب مطلق کا استعمال بلا کسی قید کے ہوتا ہے تو اس کا صرف وہی فرد مراد ہوتا ہے جو کامل ہوتا ہے اور بالکل ظاہر ہے کہ مطلق قول کے دونوں فرد قول بالجہر و قول بالسر میں سے قول بالجہر ہی فرد کامل ہے اور مطلق قول سے اسی قول بالجہر ہی کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے، بنا بر علیہ حدیث مذکور میں لفظ فقولوا آمین سے آمین بالجہر کا مراد ہونا متعین ہے اور

---

[1] اس لئے کہ مطلق ایسے غلام کو شامل نہیں ہوگا جس میں نفع کی جنس مفقود ہو، ہمارے علماء نے کہا ہے کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔

[2] ذہن کا مطلق سے فرد کامل کی طرف پھرنا ظاہر بات ہے۔

[3] ہمارے اس مقام میں دو قاعدے ہیں ایک یہ کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ مطلق فرد کامل کی طرف پھرتا ہے۔ پس پہلا تو صفات کے حق میں ہے۔ جیسے ایمان اور کفر اور دوسرا ذات کے حق میں ہے جیسے نابینا ہونا وغیرہ۔

مطابق قاعدہ مذکورہ کے آمین بالسر مراد لینا جائز نہیں ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ عند الحنفیہ یہ قاعدہ مسلم ہو چکا ہے کہ فعل صحابی مطلق یا عام کا مخصص ہوتا ہے مسلم الثبوت میں ہے فعل الصحابی العادل العالم[1] مخصص عند الحنفیة والحنابلة خلافا للشافعیة والمالکیة انتھی مختصرا۔ اور اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کا فعل آمین بالجہر ہی تھا، امام کے پیچھے صحابہ آمین بالجہر کہا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے أمن[2] ابن الزبیر ومن وراءہ حتی ان للمسجد للجة وکان ابو ہریرة ینادی الامام لا تفتنی بامین فتح الباری میں ہے وصلہ[3] عبد الرزاق عن ابن جریج عن عطاء قال قلت له اکان ابن الزبیر یؤمن علی أثر ام القرآن قال نعم ویؤمن من وراءہ حتی ان للمسجد للجة ثم قال انما آمین دعاء قال وکان ابو ہریرة یدخل المسجد وقد قام الامام فینادیه فیقول لا تسبقنی بامین وروی البیهقی من وجه آخر عن عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی هذا المسجد اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لهم رجة بامین: پس جب ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے آمین بالجہر کہتے تھے تو صحابہ کا یہ فعل مطابق قاعدہ مذکورہ حنفیہ کے حدیث مذکور میں لفظ فقولوا آمین کا مخصص ہوگا، یعنی اس سے صرف آمین بالجہر مراد ہوگی۔ اور انہی آثار صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آمین بالجہر کہیں اور ابن زبیرؓ وغیرہ امام کے پیچھے آمین بالجہر کہیں اور یہاں واضح رہے کہ کسی صحابہ سے آمین بالسر کہنا بسند صحیح ثابت نہیں ہے اور بعض آثار جو آمین بالسر کے بارے میں منقول ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

جواب سوال دوم: احادیث سے صرف نماز جہری میں آمین بالجہر کہنا ثابت ہے اور نماز سری

---

[1] عادل، عالم صحابی کا فعل حنفیوں اور حنبلیوں کے نزدیک حدیث مطلق کا مخصص ہے برخلاف شافعیہ اور مالکیہ کے ۱۲

[2] ابن زبیر اور ان کے مقتدیوں نے آمین کہی تو مسجد گونج اٹھی، حضرت ابوہریرہ امام کو آواز دیا کرتے تھے کہ مجھے آمین کہہ لینے دینا ۱۲۔

[3] ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے سوال کیا، کیا عبد اللہ بن زبیرؓ آمین کہا کرتے تھے، کہا ہاں آپ کے مقتدی بھی آمین کہتے تھے تو مسجد گونج اٹھتی تھی۔ پھر فرمایا کہ آمین دعا ہے اور فرمایا کہ ابوہریرہ مسجد میں آتے اور جماعت کھڑی ہو چکی ہوتی تو امام کو آواز دیتے میری آمین نہ نکل جائے۔ عطاء کہتے ہیں۔ کہ میں نے دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس مسجد میں اس حال میں دیکھا کہ جب امام ولا الضالین کہتا، تو ان کی آواز سے مسجد گونج جاتی ۱۲

میں آمین بالجہر کہنا ثابت نہیں ہے اسی لئے آمین بالجہر نماز جہری کے ساتھ خاص کی گئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ ولوالدیہ — سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ بے شک حدیث متفق علیہ مذکور سے صاف اور صریح طور پر مقتدیوں کے واسطے آمین بالجہر ثابت ہے، امام بخاری نے مقتدی کے واسطے آمین بالجہر کے لئے باب بایں لفظ منعقد کیا ہے باب جھر المأموم بالتامین، اور اس باب میں اسی ابوہریرہؓ کی حدیث مذکور کو ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قال الزین بن المنیر[1] مناسبة الحدیث للترجمة من جهة ان فی الحدیث الامر بقول امین والقول اذا وقع به الخطاب مطلقا حمل علی الجھر ومتی ارید به الاسرار وحدیث النفس قید بذلك وقال ابن رشید تؤخذ المناسبة منه من جهات منها انه قال اذا قال الامام فقولوا فقابل القول بالقول والامام انما قال ذلك جھرا فکان الظاهر الاتفاق فی الصفة ومنها انه قال فقولوا ولم یقیده بجھر ولا غیره وھو مطلق فی سیاق الاثبات وقد عمل به فی الجھر بدلیل ما تقدم یعنی فی مسئلة الامام والمطلق اذا عمل به فی صورة لم یکن حجة فی غیرها باتفاق ومنها انه تقدم ان المأموم مامور بالاقتداء بالامام وقد تقدم ان الامام یجھر فلزم جھره بجھره وھذا الاخیر سبق الیه ابن بطال وتعقب بانه یستلزم ان یجھر المأموم بالقراءة لان الامام جھر بھا لکن یمکن ان ینفصل عنه بان الجھر بالقراءة خلف الامام قد نھی عنه فبقی التامین داخلا تحت عموم الامر باتباع الامام ویتقوی ذلك بما تقدم عن عطاء ان من خلف ابن الزبیر کانوا یؤمنون جھرا وروی البیھقی من وجه ان عطاء قال ادرکت مائتین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا المسجد

---

[1] زین بن منیر کہتے ہیں کہ حدیث سے ترجمہ باب کی مناسبت کئی طرح سے ہے، حدیث میں آمین کہنے کا حکم ہے اور قول کے ساتھ جب خطاب مطلق واقع ہو تو اسے جہر پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر اس سے سر مراد ہو، تو اسے مقید طور پر بیان کیا جاتا ہے، دوسرا یہ کہ آپ نے قال کے مقابلہ میں قولوا فرمایا ہے اور جب قول، قول کے مقابل ہو تو اس سے وہی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ جو پہلے کی ہو، تو جب امام ولا الضالین بلند آواز سے کہے گا۔ تو آمین بھی بلند آواز سے ہوگی، تیسری یہ کہ قولوا کا لفظ مطلق واقع ہوا ہے اور اس پر جہر کی صورت میں عمل ہوا ہے تو مطلق پر جب ایک صورت میں عمل ہو جائے تو وہ بالاتفاق دوسری صورت میں حجت نہیں رہتا، چوتھی یہ کہ مقتدی کو امام کی اقتدا کا حکم ہے اور چونکہ امام جہر سے قرأت کرتا ہے لہٰذا مقتدی بھی جہر سے آمین کہے گا۔ اس پر اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ امام قرأت جہر سے کرتا ہے اور مقتدی جہر سے نہیں کرتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرأت بلند آواز سے نص صریح سے بند ہو گئی، لیکن آمین چونکہ قرأت نہیں تھی۔ وہ اپنے حال

اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لهم رجة بامین والجهر بالماموم ذهب الیه الشافعی فی القدیم وعلیه الفتویٰ وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلة قولان اصحهما انه یجهر انتهیٰ۔ واللہ اعلم۔

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۳۳

سوال: مسبوق نے امام کی اقتدا اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا ہے۔ اور مقتدی نے الحمد شروع کی، یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی الحمد چھوڑ کر آمین کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا، تو پھر اپنی الحمد پوری کرکے آمین کہے یا نہیں، اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئے گا، ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد ختم فاتحہ اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے گی۔ اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے۔ اب کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑھتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔

(سائل مولوی سید اللہ دیا صاحب نصیر آبادی)

جواب: اس کا نام تحریف نہیں بلکہ اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور پھر الحمد ختم کرکے بھی کہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ، یعنی امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے اس کی اقتدا کی جائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ کَیْ صْنَعُوْا یعنی جو امام کرے تم بھی وہی کرو۔

تیسری حدیث میں ہے اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْن۔ یعنی جب امام ولا الضالین کہے (عام اس کے کہ تمہاری الحمد آدھی ہوئی ہو یا پوری) تم آمین کہو۔ ما هو جوابکم فهو جوابنا۔

مفتی، ابو محمد عبد الستار غفرلہٗ ولوالدیہ الغفار

(فتاوےٰ ستاریہ جلد اول ص۱۵۳)

پہلا قول رہی اوراس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ابن زبیر اور ان کے مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے عطا کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے۔ مسجد گونج جاتی تھی۔ امام شافعی کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

باب الرکوع والسجود

سوال: اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے؟

الجواب بعون الوهاب: دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے، تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کرکے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث روپڑی — "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹"

سوال: مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے۔ اور رکوع و سجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟

جواب: خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی — (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۵)

سوال: یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے حنفی بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟

جواب : حدیث سے اس طرح کا ثبوت نہیں ہے اگر وہ حدیث کی دعائیں ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب مولانا عبدالسلام صاحب بستوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۶ ش ۱۰

سوال : درباره جواز رفع سبابہ ہر رکعت کے مابین السجدتین تحقیق کرتا ہوں چنانچہ اس حدیث سے جواز ثابت ہوتا ہے[1] حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا عبد الرزاق انا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فرفع یدیہ حین کبر یعنی استفتح الصلوٰۃ ورفع یدیہ حین کبر ورفع یدیہ حین رکع ورفع یدیہ حین قال سمع اللہ لمن حمدہ وسجد فوضع یدیہ حذاء اذنیہ ثم جلس فافترش رجلہ الیسری ثم وضع یدہ الیسری علی رکبتہ ووضع ذراعہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ثم اشار بالسبابۃ ووضع الابہام علی الوسطی وقبض سائر اصابعہ ثم سجد الخ۔ ھکذا فی مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صہ ۳۱۷ اس حدیث سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ ہر رکعت میں مابین السجدتین جائز ہے یہ حدیث صحیح الاسناد و قابل عمل ہے یا نہیں بالتشریح والتصریح تحریر فرماویں اگر یہ حدیث صحیح متصل الاسناد ہے تو فہو المرام اگر ضعیف ہے تو وجوہات ضعف تحریر فرماویں؟

جواب : اشارہ سبابہ بین السجدتین کی حدیث جو مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ میں مروی ہے اس میں عاصم بن کلیب ایک راوی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: کان من العباد الاولیاء لکنہ مرجی وثقہ یحیی بن معین وغیرہ وقال ابن المدینی لا یحتج بما انفرد بہ اور تقریب میں لکھا ہے[2] صدوق من الثانیۃ اور خلاصہ میں لکھا ہے وقال الامام ابو داؤد عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ

---

[1] حدیث سنائی ہم کو عبداللہ نے کہا حدیث سنائی مجھ کو باپ میرے نے کہا حدیث سنائی ہم کو عبدالرزاق نے کہا خبر دی ہم کو سفیان نے عاصم بن کلیب سے اس نے باپ اپنے سے اس نے وائل بن حجر سے کہ دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں تکبیر اولیٰ پڑھتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا اور دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ کانوں کے برابر رکھے پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ گئے اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں کو داہنی ران پر پھر انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے اشارہ کیا اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا اور باقی سب انگلیوں کو بند کر لیا پھر (دوسرا) سجدہ کیا۔ مسند امام احمد بن حنبل کی چوتھی جلد ۳۱۷ میں بھی اسی طرح ہے۔ [2] عاصم بن کلیب ولیوں میں سے تھا لیکن مذہب مرجیہ کا رکھتا تھا یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ بیان

باب الرکوع والسجود

سوال: اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے؟

الجواب بعون الوھاب: دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے، تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کر کے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب محدث روپڑی — تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹

سوال: مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے۔ اور رکوع و سجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟

جواب: خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت مولانا عبد السلام صاحب بستوی — (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۳)

سوال: یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے مخفی بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟

اذا قال الامام ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بامین والجھر بالماموم ذھب الیہ الشافعی فی القدیم وعلیہ الفتوی وقال الرافعی قال الاکثر فی المسئلۃ قولان اصحھما انہ یجھر انتھی. واللہ اعلم.

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۴۴

سوال: مسبوق نے امام کی اقتدا اس وقت کی کہ امام نصف الحمد پڑھ چکا ہے۔ اور مقتدی نے الحمد شروع کی، یہ نصف الحمد تک پہنچا تھا کہ امام نے ولا الضالین کو پڑھا تو مقتدی الحمد چھوڑ کر آمین کہے گا یا نہیں۔ اگر کہے گا، تو پھر اپنی الحمد پوری کرکے آمین کہے یا نہیں، اگر کہے گا تو دوبارہ کہنا لازم آئے گا، ایک درمیان فاتحہ دوسرے بعد ختم فاتحہ، اور اگر نصف الحمد میں آمین کہے گا تو یہ تحریف لازم آئے گی۔ اور تحریف کلام اللہ میں حرام ہے۔ اب کوئی ایسی حدیث ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ مسبوق الحمد پڑھتا رہے آمین نہ کہے یا الحمد چھوڑ کر آمین کہے۔

(سائل مولوی سید اللہ دیا صاحب نصیر آبادی)

جواب: اس کا نام تحریف نہیں بلکہ اتباع امام ہے۔ امام کی متابعت کی وجہ سے اگر نصف الحمد میں آمین کہے اور پھر الحمد ختم کرکے بھی کہے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حدیث میں ہے اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِہٖ، یعنی امام تو اسی لیے بنایا گیا ہے اس کی اقتدا کی جائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ فَاصْنَعُوْا یعنی جو امام کرے تم بھی وہی کرو۔

تیسری حدیث میں ہے اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ۔ یعنی جب امام ولا الضالین کہے (عام اس کے کہ تمہاری الحمد آدھی ہوئی ہو یا پوری)، تم آمین کہو۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

(مفتی) ابو محمد عبد الستار غفرلہ ولوالدیہ الغفار

(فتاویٰ ستاریہ جلد اول ص۱۵۳)

یہ باقی رہی اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ... مقتدی بلند آواز سے آمین کہتے تھے عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کو اس مسجد میں بلند آواز سے آمین کہتے دیکھا ہے۔ ... امام شافعی کے نزدیک مقتدی بلند آواز سے آمین کہے، رافعی کہتے ہیں اکثر اس مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں ان سے زیادہ صحیح یہ ہے، کہ بلند آواز سے آمین کہے۔

باب الرکوع والسجود

سوال: اگر کسی رکعت میں سہواً بجائے دو سجدوں کے ایک سجدہ ہو جائے تو کیا سجدہ سہو لازم آئیگا یا رکعت کا اعادہ لازم ہے؟

الجواب بعون الوهاب: دو سجدوں میں سے ایک سجدہ رہ جائے۔ تو جس رکعت میں رہا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک سجدہ پہلے ہو چکا ہے ایک اور کر کے اس کے بعد کی رکعتیں پڑھ لے، پھر اخیر میں التحیات کے بعد سلام سے پہلے یا بعد سجدہ سہو کرے۔ کیونکہ دونوں سجدے رکن ہیں ایک چھوٹنے سے نماز نہیں ہوتی۔ نماز کے مفصل مسائل ہماری کتاب "تعلیم الصلوٰۃ" میں پڑھیں۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب محدث روپڑی　　"تنظیم اہلحدیث جلد ۱۹ ش ۱۹"

سوال: مسجد کے امام جب سجدے اور رکوع میں جاتے ہیں تو اس طرح گڑگڑاتے ہیں کہ مقتدی بھی ان کے رونے کی آواز سن لیتا ہے۔ اور رکوع و سجود میں دعا زور زور سے پڑھتے ہیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟

جواب: خوف الٰہی سے رونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی　　(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۵)

سوال: یہاں پر ایک پیش امام صاحب حالت نماز میں رکوع اور رکوع کے بعد اور سجدہ میں ان کے مقام کی تسبیح کے بعد رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ پڑھا کرتے ہیں کیا پڑھنا صحیح ہے؟ نیز التحیات کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے بھی بہت سی دعائیں پڑھتا ہے اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: حدیث سے اس طرح کا ثبوت نہیں ہے اگر وہ حدیث کی دعائیں ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

والله اعلم بالصواب مولانا عبدالسلام صاحب بستوی اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۷ ش ۱۰

سوال: دوبارہ جواز رفع سبابہ ہر رکعت کے مابین السجدتین تحقیق کرتا ہوں چنانچہ اس حدیث سے جواز ثابت ہوتا ہے
حدثنا[1] عبدالله حدثنی ابی ثنا عبد الرزاق انا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال
رأیت النبی صلی الله علیه وسلم کبر فرفع یدیه حین کبر یعنی استفتح الصلوة ورفع یدیه حین کبر ورفع
یدیه حین رکع ورفع یدیه حین قال سمع الله لمن حمده وسجد فوضع یدیه حذو اذنیه ثم جلس
فافترش رجله الیسری ثم وضع یده الیسری علی رکبته ووضع ذراعه الیمنی علی فخذه الیمنی ثم
اشار بالسبابة ووضع الابهام علی الوسطی وقبض سائر اصابعه ثم سجد الخ۔ هکذا فی مسند امام
احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۱۷ اس حدیث سے صاف مفہوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ ہر رکعت میں مابین
السجدتین جائز ہے یہ حدیث صحیح الاسناد وقابل عمل ہے یا نہیں بالتشریح والتصریح تحریر فرمادیں اگر یہ حدیث صحیح
متصل الاسناد ہے تو فہو المرام اگر ضعیف ہے تو وجوہات ضعف تحریر فرمادیں؟

جواب: اشارہ سبابہ بین السجدتین کی حدیث جو مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۱۷ میں مروی ہے اس میں
عاصم بن کلیب ایک راوی ہے جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: کان من العباد
الاولیاء لکنه مرجی وثقه یحیی بن معین وغیرہ وقال ابن المدینی لا یحتج بما انفرد به اور تقریب میں لکھا
ہے صدوق[2] من الثامنة اور خلاصہ میں لکھا ہے وقال الامام ابوداؤد عاصم بن کلیب عن ابیه عن جده

---

[1] حدیث سنائی ہم کو عبداللہ نے کہا حدیث سنائی مجھ کو باپ میرے نے کہا حدیث سنائی ہم کو عبدالرزاق نے کہا خبر دی ہم کو سفیان نے
عاصم بن کلیب سے اس نے باپ اپنے سے اس نے وائل ابن حجر سے کہ دیکھا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے شروع میں تکبیر اولیٰ پڑھتے
وقت اور رکوع کرتے وقت اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا اور دیکھا کہ آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہاتھ کانوں
کے برابر رکھے پھر بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھ گئے اور بائیں ہاتھ کو بائیں گھٹنے پر رکھا اور دائیں کو داہنی ران پر پھر انگوٹھے کے پاس کی انگلی سے
اشارہ کیا اور انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر رکھا اور باقی سب انگلیوں کو بند کر لیا پھر (دوسرا) سجدہ کیا۔ مسند امام احمد بن حنبل کی چوتھی جلد
صفحہ ۳۱۷ میں بھی اسی طرح ہے۔ [2] عاصم ابن کلیب ولیوں میں سے تھا لیکن مذہب مرجیہ کا رکھتا تھا یحییٰ ابن معین وغیرہ نے اس کا ثقہ ہونا بیان

پس بشق الغرض عاصم بن کلیب مختلف فیہ ہے بعض اہل علم اس کو ثقہ کہتے ہیں اور بعض ضعیف اور بقاعدہ مسلمہ اصول حدیث الجرح مقدم علی التعدیل جس روایت کے ساتھ عاصم بن کلیب منفرد ہو جائے وہ لائق احتجاج کے نہیں ہے۔ اور تعدیل کلیب کی ساتھ لفظ صدوق کے ہے اور یہ لفظ مرتبہ خامسہ سے ہے اور اہل مرتبہ خامسہ کے لائق احتجاج کے نہیں ہیں امعان النظر شرح نخبۃ الفکر میں ہے ثم الحکم فی اھل ھذہ المراتب الاحتجاج بالاربعۃ الاول منہا واما التی بعدھا فانہ لا یحتج باحد من اھلہا لکون الفاظہا لا تشعر بشریطۃ الضبط بل یکتب حدیثہ ویختبر اور قرون خیر صحابہ کرام و تابعین و ائمہ اسلام سے بھی اس موقعہ پر اشارہ مسایہ ثابت نہیں ہے پس متروک العمل ہونا بھی اس حدیث کے ضعف کی دلیل ہے۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما — فتاویٰ غزنویہ صـ۲۵ تا صـ۲۶

سوال: عورتوں کو نماز میں انضمام کرنا چاہیے یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب وھو الموفق للصواب: ابوداؤد اپنے مراسیل میں اور بیہقی سنن کبریٰ میں یزید بن ابی حبیب مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض وان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل واخرج البیہقی مرفوعا اذا جلست المرأۃ الصقت بطنہا فخذیہا کاستر ما یکون لہا۔ اور اسی پر تعامل اہل سنت مذاہب اربعہ وغیرہ سے چلا آیا ہے

(بقیہ صـ) کی ہے اور ابن مدینی نے کہا کہ جس حدیث کو وہ اکیلا ہی بیان کرے اس سے دلیل نہ پکڑی جاوے۔ ۳؎ سچا اور دوسرے درجہ کا آدمی ہے۔ ۱۲ ۴؎ امام ابوداؤد نے کہا کہ عاصم بن کلیب جو حدیث اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے روایت کرے، وہ لائق اعتبار نہیں ہے ۱۲ ۵؎ اگر کسی راوی پر کسی قسم کا طعن یا عیب لگ چکا ہو اور بعض نے اس کی توثیق اور عدالت بھی بیان کی ہو تو اس پر جرح لگنے کا اعتبار ہوگا یعنی وہ ضعیف گنا جاوے گا۔ ۱۲ ۶؎ امعان النظر میں بہت سے اہل مراتب کا بیان کرکے فرماتے ہیں کہ حکم ان مرتبہ والوں کا یہ ہے کہ ان میں سے پہلے چار کے ساتھ دلیل پکڑنی صحیح ہے اور ان چار کے بعد والوں میں کسی ایک کے ساتھ بھی دلیل نہیں پکڑی جا سکتی اس لئے کہ ان کے الفاظ شروط ضبط کی صفت پر مشترک نہیں بلکہ ان کی حدیث لکھ کر اس میں تحقیق کی جاتی ہے۔ ۱۲ ۷؎ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو آپ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو سمٹ کر سجدہ کرو کیونکہ عورت اس فعل میں آدمی کی طرح پر نہیں ہے اور بیہقی نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا لے اس میں زیادہ پردہ ہے ۱۲ فتاویٰ

حافظ ابن القیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں ولھذا اشرع فی حق الاناث من الستر والخفر ما لا یشرع مثلہ للذکور فی اللباس وارخاء الذیل شبرا او اکثر وجمع نفسہا فی الرکوع والسجود دون التجافی. شرح وقایہ ہدایہ وغیرہ کتب حنفیہ میں لکھا ہے والمرأۃ تنخفض فی السجود وتلزق بطنہا بفخذیہا ابن ابی زید مالکی نے اپنے رسالہ میں جو مذہب امام مالکؒ میں متون معتبرہ سے ہے لکھتے ہیں وھی (ای المرأۃ) فی ہیئۃ الصلوٰۃ مثلہ (ای مثل الرجل) غیر انہا تنضم ولا تفرج فخذیہا ولا عضدیہا وتکون منضمۃ منزویۃ فی جلوسہا وسجودھا وامرھا کلہ ۱ امام نووی منہاج میں (جو فقہ شافعیہ میں معتبر متن ہے) لکھتے ہیں وتضم المرأۃ و نعنثی شہاب الدین احمد رملی شافعی نہایۃ المحتاج میں منہاج کی اس عبارت مذکورہ پر لکھتے ہیں فیضم کل منہما بعضہ الی بعض فی ولو فی خلوۃ فیما یظہر لان فی تفریقہما من التشبہ من الرجال شرح اقناع (جو حنابلہ کی معتمد کتاب ہے) میں لکھتے ہیں والمرأۃ کالرجل فی ذلک لانہا تجمع نفسہا فی الرکوع والسجود وجمیع احوال الصلوٰۃ وتجلس متربعۃ او تسدل رجلیہا عن یمینہا وھو افضل لانہ غالب فعل عائشۃ واشبہ بجلسۃ الرجل انتہیٰ اور دونوں پاؤں کو دائیں طرف نکال کر بیٹھنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قعدہ اخیرہ میں ثابت ہے جب مردوں کے واسطے اس کی ممانعت نہیں تو عورتوں کے واسطے بسبب تستر کے بالاولیٰ ممانعت نہیں ابوداؤد صفت صلوٰۃ نبویہ میں ابوحمید سے مروی ہے فاذا کان فی الرابعۃ افضی بورکہ الیسریٰ الی الارض واخرج من ناحیۃ واحدۃ غرض کہ عورتوں کا انضمام وانخفاض نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہے اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔ واللہ اعلم　حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ ص۲۷، ۲۸)

---

۱ عورتوں کے لئے (نماز میں) لباس کے ساتھ اور پلو ایک بالشت یا زیادہ چھوڑنے کے ساتھ پردہ کرنا اور اپنے بدن کو رکوع اور سجدہ میں اکٹھا کرنا اور جھکانا اس قدر شروع ہے۔ جو مردوں کے لئے اتنا نہیں ۱۲ ۲ اور عورت سجدوں میں جھک جائے اور اپنے پیٹ کو رانوں سے ملائے ۳ اور عورت صورت میں نماز مرد کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ عورت سمٹ کر رہے اور اپنے بازو اور رانوں کو کشادہ نہ رکھے۔ بلکہ اپنے سجدے اور بیٹھنے اور نماز کے سب کاموں میں مل کر رہے۔ ۴ عورت اور مخنث (نماز) میں سمٹ کر رہیں ۱۲ ۵ پس ہر ایک عورت اور مخنث (نماز میں اپنے) بعض (جسم) کو بعض سے ملائے اگرچہ خلوت میں ہو ظاہر یہی ہے اس لیے کہ بعض جسم کو علیحدہ رکھنے میں مردوں سے مشابہت ہوتی ہے ۱۲ ۶ عورت نماز میں مرد کی طرح ہے مگر عورت اپنے جسم کو رکوع اور سجدہ اور نماز کے تمام احوال میں اکٹھا رکھے اور (بیٹھنے کے وقت) چوکڑی مار کر بیٹھے یا اپنے دونوں پاؤں کو اپنی دہنی طرف نکال کر (بیٹھا کرے)

مسئلہ : سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے۔ اس کے متعلق شیخ البانی نے فرمایا حدیث: "یضع رکبتیه قبل یدیه" موضوع ہے۔ خاص کر جب اس کے مقابلہ میں صحیح حدیث موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فلا یبرك كما یبرك البعیر" یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے اونٹ کی طرح نہ بیٹھو۔" اونٹ گھٹنے پہلے رکھتا ہے اس کے برعکس یہ ہے کہ "ہاتھ پہلے رکھیں جائیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ جاتے وقت ہاتھ پہلے رکھے یا گھٹنے؟ شیخ البانی کا خیال ہے کہ "ہاتھ پہلے رکھنے گھٹنے پہلے رکھنے کی حدیث موضوع ہے۔" حضرت العلام فرماتے ہیں: "اس روایت پر موضوع کا حکم لگانا ٹھیک نہیں۔" البتہ ہاتھ رکھنے کی حدیث راجح ہے۔ کیونکہ اس کا شاہد موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں حدیثوں میں موافقت بھی ہو سکتی ہے۔" اس سے آگے حضرت العلام نے موافقت کی صورتیں بیان فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :- للحکم بوضع الحدیث لیس بجید ففی باب صفة الصلوة من بلوغ المرام عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا سجد احدکم فلا یبرك كما یبرك البعیر ولیضع یدیه قبل رکبتیه اخرجه الثلاثة وهو اقوی من حدیث وائل بن حجر رأیت النبی صلی الله علیه اذا سجد وضع رکبتیه قبل یدیه اخرجه الاربعة فان الاول شاهد من حدیث ابن عمر صححه ابن خزیمة وذکره البخاری معلقا موقوفا۔ انتہی

ویمکن الجمع بینهما ان الثانی محمول علی الکبر فان وائل بن حجر جاء النبی من الیمن ویمکن ان یکون فعله للجواز کما فی حدیث الوتر اجعلوا اخر صلوتکم ..... فی اللیل الوتر مع حدیث ان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی رکعتین بعد الوتر جالسا۔

تنظیم اہلحدیث ج ۱۳

سوال : درمیان دونوں سجدوں کے اللھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : جائز ہے۔ یہ مسئلہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب رد المختار ص ۳۳۳ پر موجود ہے۔

فتاوٰی مفید الاحناف ص ۹

(بقیہ ص ... بیٹھے اور یہ دوسری صورت ، بہتر ہے اس لئے کہ یہ بائی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثر یہی طریقہ تھا اور یہ صورت امر کے بیٹھنے کے ساتھ بھی بہت مشابہ ہے۔ آنحضرت ﷺ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو اپنے بائیں طرف مبارک زمین سے لگاتے اور دوسری طرف سے اپنے پاؤں مبارک نکال دیتے " علق

باب رفع الیدین

سوال : وتر کی تیسری رکعت میں مروجہ رفع الیدین جائز ہے یا ناجائز اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

جواب : وتروں کی دعا قنوت میں جو تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھاتے ہیں بعض صحابہ سے اس کا ذکر آیا ہے۔ اور بعض لوگ جو ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھتے ہیں اس کا ذکر بھی بعض صحابہ سے آیا ہے۔ امام بخاریؒ نے رفع الیدین میں ذکر کیا ہے۔

از حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی — الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۱۹

سوال : چہ میفرمایند عالمان دین و مفتیان شرع متین درین مسئلہ کہ رفع الیدین عند الرکوع و عند رفع الراس منہ و عند القیام للرکعۃ الثالثۃ از سنن مؤکدہ است کہ تارکش معاتب و معاقب خواہد شد یا از سنن زوائد کہ فاعل آں مثاب باشد و تارکش ملام و معاتب نخواہد شد وان ترک مدۃ عمرہ کما حققہ الشہید رحمہ اللہ فی رسالتہ تنویر العینین۔

الجواب : حافظ ابن قیمؒ در زاد المعاد نوشتہ من الاختلاف المباح الذی لا یعنف فیہ من فعلہ ولا من ترکہ وھذا کرفع الیدین فی الصلوٰۃ وترکہ وکالخلاف فی انواع التشہدات وانواع الاذان والاقامۃ وانواع النسک من الافراد والقران والتمتع شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے رسالہ سنت الجمعہ میں لکھتے ہیں فان السلف فعلوا ہذا وھذا وکان کلا الفعلین مشہورا بینہم کانوا یصلون علی الجنازۃ بقرأۃ وبغیر قرأۃ کما کانوا یصلون تارۃ بالجہر بالبسملۃ وتارۃ بغیر جہر وتارۃ باستفتاح وتارۃ بغیر استفتاح وتارۃ برفع الیدین فی المواطن

ﻪ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ وقت رکوع کو جانے اور رکوع سے اٹھنے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے رفع یدین کرنا سنتوں مؤکدہ سے ہے کہ اس کا تارک وہی عتاب و عقاب کا ہو جاتا ہے یا سنتوں زائدہ سے ہے کہ ان کا کرنے والا ثواب کا لائق ہوتا ہے یا جیسا کہ ان کا تارک ملامت اور عتاب کے قابل نہیں ہوتا اگرچہ عمر بھر نہ کرے جیسا کہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ تنویر العینین میں بیان کیا ہے

لہ حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قنوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اور یہ اختلاف مباح ہے جو اس کے کرنے والے

الثلاثة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسر وتارة لا يقرءون وتارة يكبرون على الجنازة سبعا وتارة خمسا وتارة اربعا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة كما ثبت عنهم ان فيهم من كان يرجع في الاذان وفيهم من لم يرجع فيه وفيهم من يوتر الاقامة وفيهم من كان يشفعها وكلاهما ثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم شيخ الاسلام ابن تيمية. (فتاوی غزنویہ)

سوال: زید حنفی ہے وہ کہتا ہے کہ رفع الیدین کرنا جائز ہے بلکہ امام صاحب بھی رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے تو پھر ہم کیوں کر کریں اور کہتا ہے کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب کہ اہل عرب نماز پڑھتے تو منافقان عرب اپنی آستین میں بت بنا کر بحالت قیام رکھ دیتے تھے جو باعث تکلیف ہوتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ لوگ رفع یدین کرتے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین میں تھے اب کرنے کی کیا ضرورت اور امام صاحب کو رفع یدین نہ کرنے یعنی حنفی میں لاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اور رفع الیدین کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: زید کا یہ کہنا کہ حنفی مذہب میں سنت ترک ہے صحیح ہے مگر یہ کہنا کہ عرب آستینوں میں بت رکھا کرتے تھے محض بے ثبوت بات ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں۔[1] (فتاوی ثنائیہ جلد ۱)

[1] اور اسی طرح رفع الیدین کے سنت ہونے سے انکار کرنا بھی دلائل صحیحہ کی رو سے غلط ہے۔

(بقیہ) اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے جیسے نماز میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا اور مانند اختلاف تشہدات اذان اور اقامت کے اور مانند اختلاف حج کے جو افراد اور قران اور تمتع ہے۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے۔ اور دونوں فعل ان میں مشہور اور معروف تھے۔ بعض سلف صالحین نماز جنازہ میں قراءت پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے جیسے کہ بسم اللہ کو نماز میں کبھی اونچے پڑھتے اور کبھی آہستہ دعا افتتاح پڑھتے کبھی نہ پڑھتے اور کبھی رفع یدین رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے تینوں وقت کرتے کبھی نہ کرتے کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے کبھی ایک طرف کبھی امام کے پیچھے قراءت پڑھتے کبھی نہ پڑھتے اور نماز جنازہ میں کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ کبھی چار سلف صالحین میں ہر ایک کے کرنے والے موجود تھے یہ سب اقسام اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہیں چنانچہ بعض صحابہ کرام اذان میں ترجیع کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے بعض اقامت اکہری کہتے بعض دوہری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرح ثابت ہے ۱۲ علوی

سوال: کیا حکم ہے ایسے شخص کے حق میں جو چند ایک نمازیوں کی موجودگی میں طنزاً یا استہزاً یا حقارتاً رفع الیدین کے بارے میں کہے کہ یہ لوگ روتے بیٹے ہیں اور ساتھ ہی حقارت کے طور پر ہاتھ سے اشارہ بھی کرے جواب مدلل ہو؟ (حافظ عبداللہ)

جواب: شخص مذکور جہالت کرتا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے اسے انکار ہے تو کیا حضرت پیر جیلانی رح کی کتاب غنیۃ الطالبین بھی اس نے نہیں دیکھی، اسے دیکھے اور آئندہ ایسی جہالت کے الفاظ نہ کہے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

تشریح از قلم حضرت مفتی مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب قدس سرہ العزیز

اہل حدیث کا مذہب ہے کہ نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ مثل تکبیر تحریمہ کے کانوں تک اٹھانے مستحب ہیں کیوں کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے:۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا کبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع فعلھما کذلک (متفق علیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر کہتے تب بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے۔" چونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفع الیدین کرنے میں کسی فریق کو اختلاف نہیں حنفیہ بھی مانتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین عند الرکوع کیا، مگر منسوخ کہتے ہیں لہذا ہمیں زیادہ ثبوت دینے کی اس موقع پر حاجت نہیں بلکہ فریق ثانی کے ذمہ ہے کہ وہ نسخ کا ثبوت دیں، اس لئے بجائے مزید ثبوت دینے کے حنفیہ کرام کے دعوے نسخ کی پڑتال مناسب ہے۔

ان دعوے پر حنفیوں کی سردفتر دو حدیثیں ہیں ان میں سے بھی ایک اول اور ایک دوم درجہ کی ہے اول سردفتر حدیث روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جو ترمذی میں ہے جس کے الفاظ مع ترجمہ یہ ہیں، قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اول مرۃ (ترمذی) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتلاؤں؟ یہ کہہ کر انہوں نے نماز پڑھی تو سوائے اول مرتبہ کے رفع الیدین نہ کیا" اس سے معلوم ہوا کہ رفع الیدین منسوخ ہے۔ جب ہی تو ایسے بڑے جلیل القدر صحابی نے رفع الیدین نہ کی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود کی حدیث سے نسخ ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ ممکن ہے

ابن مسعود کے نزدیک جیسا کہ ہمارا مذہب ہے رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ علاوہ اس کے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک امر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایات صحیح ثابت ہو وہ صرف کسی صحابی کے نہ کرنے سے منسوخ قرار دیا جائے حالانکہ وہ حدیث[1] بقول عبداللہ ابن مبارک جیسے جلیل القدر محدث کے ثابت بھی نہیں اگرچہ بقول تحقیق امام ترمذی حسن ہے تو بھی صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی، خصوصاً جس حال میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کا اس پر عمل عام طور پر ثابت ہے۔ تو دعوئے نسخ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے غور سے سنئے: عن ابی حمید الساعدی قال فی عشرۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ان قال ثم یقرؤ ثم یکبر ویرفع یدیہ حتی یحاذی بہما منکبیہ ثم یرکع الی ثم سمع قالوا صدقت ھکذا کان یصلی (رواہ ابوداؤد والدارمی والترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)۔

ابو حمید ساعدی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دس صحابہ کی مجلس میں دعویٰ کیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں ان کے کہنے پر اس نے بتائی تو رکوع کرتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے دونوں وقت رفع یدین کی اور ان دسوں صحابہ کرام نے تصدیق کی کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

یہ روایت اور دس صحابہؓ کی تصدیق ملانے سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ جن روایتوں میں آیا ہے کہ کسی ایک آدھ صحابی نے رفع یدین نہیں کی ان کو نماز کے ضروری ضروری ارکان خصوصاً قومہ جلسہ اعتدال وغیرہ (جن میں لوگ عموماً سستی کیا کرتے ہیں، چنانچہ حدیث مسیئ الصلوٰۃ سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ ارکان صلوٰۃ میں سستی کرتے تھے ان) کی نسبت حاضرین کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے نہ کہ امور مستحبہ کا بیان بھی۔

علاوہ اس کے اگر کسی امر میں جو سرور کائنات علیہ افضل التحیۃ والصلوٰۃ سے ثابت ہو، کسی ایک صحابی کے ذکر نہ کرنے سے نسخ ہو سکتا ہے تو بھی ابن مسعودؓ رکوع کے ———— وقت یوں کہ تطبیق کرتے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوؤں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہ مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس فعل کی تاکید مزید کیا کرتے تو لامحالہ اس وقت جب کہ انہوں نے رفع یدین نہ کی ہوگی، زانوؤں پر ہاتھ بھی نہ رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ دوسری روایتوں سے ان کا مذہب یہی ثابت ہوتا ہے تو پس چاہیئے کہ رکوع

[1] یعنی حدیث مذکورہ عبداللہ بن مسعود

کے وقت زانوؤں پر ہاتھ رکھنے بھی منع ہوں حالاں کہ کسی کا مذہب نہیں اور تو کسی کا کیا ہوتا خود حنفیہ کا بھی نہیں بلکہ اگر اس قسم کی روایات خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اول رفع کے رفعیدین نہیں کی تو بھی نسخ نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ سنت خاصکر مستحب امر کے لئے تو دوام فعل ضروری نہیں، دوام تو موجب وجوب ہے۔ سنت یا مستحب تو وہی ہوتا ہے کہ فعل مرۃً وترکہ اخریٰ دیکھی گیا ہو اور کبھی چھوڑ دیا ہو جس کو اہل معقول کی اصطلاح میں مطلقہ عامہ کہنا چاہیے اور یہ تو ظاہر ہے کہ مطلقہ عامہ نقیض نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل نسخ پر یہ ہے جسے آج کل بڑے زور سے بیان کیا جاتا ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے جس کے الفاظ مع مطلب یہ ہیں مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس (مسلم) رسول پاک نے صحابہؓ کو نماز میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو فرمایا کیا سبب ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے ہو گویا وہ مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس حدیث سے رفعیدین کا نسخ ثابت ہوتا ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر ہاتھ اٹھانے سے منع فرمایا ہے تو ہر قسم کی رفعیدین جو نماز کے اندر ہوگی منع ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ روایت مجمل ہے مفصل خود اس شبہ کا جواب دیتی ہے چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکنا اذا سلمنا قلنا بایدینا السلام علیکم فنظر الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما شانکم تشیرون بایدیکم کانها اذناب خیل شمس اذا سلم احدکم فلیلتفت الی صاحبه ولا یومی بیده (مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ) میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو ہماری عادت تھی کہ جب ہم اخیر نماز کے سلام پھیرتے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کرکے السلام علیکم کہا کرتے تھے آں حضرت نے ہمیں دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہوا کہ ایسے اشارے کرتے ہو گویا مست گھوڑوں کی دمیں ہیں۔ جب کوئی سلام دیا کرے تو وہ اپنے ساتھی کی طرف دیکھا کرے اور اشارہ نہ کیا کرے۔"

پس یہ مفصل روایت ہی کافی جواب دے رہی ہے کہ بات کچھ اور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے محل رفعیدین سے منع فرمایا ہے جو سلام کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے نہ کہ عندالرکوع والی رفعیدین سے علاوہ اس کے نسخ میں تقدم تاخر قطعی ہونا چاہیے جو یہاں پر نہیں بھلا اگر یوں کہدے کہ یہ روایت (بشرطیکہ اسکو رفعیدین عندالرکوع سے تعلق ہو) خود ابن عمر کی روایت مذکورہ سے منسوخ ہے کیوں کہ ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رفعیدین بعد انتقال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمل کرتے رہے تو اس کا جواب شاید قائلین

نسخ پر ہم سے زیادہ مشکل ہو تاخیر میں ہم اپنے بھائیوں کو فخر المتاخرین استاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کا اس مسئلہ میں فیصلہ سنا کر بحث ختم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا ہے وَالَّذِیْ یَرْفَعُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّنْ لَّا یَرْفَعُ فَاِنَّ اَحَادِیْثَ الرَّفْعِ اَکْثَرُ وَاَثْبَتُ (حجۃ اللہ البالغہ از کار و ہیات) یعنی جو لوگ رکوع کو جاتے ہوئے اور سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرتے ہیں وہ نہ کرنے والوں سے مجھے زیادہ پیارے ہیں۔ چونکہ رفع الیدین کی حدیثیں تعداد میں زیادہ ہیں اور ثبوت بھی پختہ۔ مزید بحث رفع یدین کی دیکھنی ہو تو رسالہ "تنویر العینین" مصنفہ مولانا اسمٰعیل دہلوی یا ہمارا رسالہ آمین رفع یدین مطالعہ کریں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۶۶ تا ص ۵۷۴)

سوال، عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع الیدین کرنا چاہیئے یا نہ کرنا چاہیئے اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے؟

جواب؛ کرنا چاہیئے۔ حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔

فتویٰ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز میں زوائد تکبیرات کے اندر اکثر اہلحدیث رفع یدین کرتے ہیں، بالخصوص شہر دہلی میں جو علمائے ہر فریق اہلحدیث کا مرکز ہے۔ وہاں بھی یہ عمل دیکھا گیا ہے احادیث و آثار سے اس پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب، اہل حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔ التلخیص الحبیر میں صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات کے وقفہ کے متعلق ہے...... الیٰ قولہ۔ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی تکبیرات۔ رواہ البیہقی الخ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے پہلی میں عبداللہ بن لہیعہ وہ صدوق ہے خلط بعد احتراق[1] کا راوی ہے۔ مسلم نے بھی اس سے مقروناً روایت کی ہے (تقریب التہذیب) دوسری میں بقیہ ابن ولید ہے۔ وہ بھی مسلم و سنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً روایت کی ہے "صدوق کثیر التدلیس عن الضعفاء ہے۔ (التقریب التہذیب) یہاں اس کا شیخ محمد بن ولید زبیدی ثقہ اور صحیحین کا راوی ہے۔ اگرچہ ان دو میں کچھ کلام ہے۔ مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے۔ گویا ہر واحد "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔ خصوصاً امام بیہقی و امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے اور نماز یعنی مطلق نماز میں رفع یدین تو اللہ کی تعظیم اور سنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[1] کتب جلنے

ہے۔ قالہ الامام الشافعی (فتح الباری)

ونقل ابن عبد البر عن ابن عمرؓ انہ قال رفع الیدین زینۃ للصلوٰۃ وعن عقبۃ بن عامر قال لکل رفع عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ (فتح الباری انصاری صفحہ ۱۴۴ جلد اول) بہرحال یہ فعل تعظیم الٰہی اور اس کی توحید فعلی باعث ثواب ہے اور یہ فعل حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے (وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ وعمرؓ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰) واللہ اعلم بالصواب (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ

سوال، رفع الیدین کے متعلق عورت کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب، وہی حکم ہے جو مرد کو ہے یعنی سنت ہے نماز وغیرہ افعال شرعیہ میں جو افعال مردوں کے ہیں جب تک ان کی خصوصیت کا ثبوت نہ ہو عورتیں بھی ان میں شریک ہیں۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۳۸۵

اکابر علماء احناف اور رفع یدین

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی مالابد منہ میں رفع یدین کی بابت لکھتے ہیں کہ اکثر فقہاء و محدثین اثبات آں مے کنند۔ اور مولوی عبد المومن صاحب مرحوم دیوبندی مولانا عبد الحیؒ صاحب لکھنوی کے شاگرد تھے ان کی روایت تھی کہ مولانا رفع یدین کیا کرتے تھے۔

مولوی عبد الحق صاحب ملتانی مولانا انور شاہ صاحب دیوبندی مرحوم کے شاگرد ہیں ان کی روایت ہے کہ میں نے شاہ صاحب کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ اسی طرح شاہ صاحب کے اور شاگردوں سے بھی سننے میں آیا ہے کہ فرمایا کرتے تھے، رفع یدین عمر بھر میں کبھی کر لینا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس سنت کے متعلق سوال ہو۔ مولانا انور شاہ مرحوم بھی (رفع یدین) کے منسوخ کے قائل نہیں ہیں بلکہ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ گاہے بگاہے اس پر عمل کر لینا چاہیئے تاکہ قیامت میں یہ سوال نہ ہو کہ اس سنت کو کیوں چھوڑ دیا۔ اس کے گواہ مولوی عبد الکبیر صاحب کشمیری حال امرتسری ہیں۔

آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کو بنظر حقارت دیکھنا درست نہیں کیوں کہ بہت سے صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین ان کو سنت سمجھتے ہیں۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب صحیح (سید سلیمان ندوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۸

نوٹ: امام ابو یوسف بھی شروع میں رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ طبقات قاری سے ترجمہ حنفیہ میں ہے۔ (سعیدی)

سوال ، رفع الیدین رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھا کر اور دوسری رکعت سے کھڑے ہو کر کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر منسوخہ سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب ، رفع یدین تینوں حالتوں میں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے [1] عن نافع عن ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوٰۃ کبر ورفع یدیہ واذا رکع رفع یدیہ واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ واذا قام من الرکعتین رفع یدیہ ورفع ذلک ابن عمر الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رواہ البخاری۔ اور سوائے حضرت ابن عمرؓ کے روایت کیا حدیث رفع یدین کو حضرت عمرؓ و علیؓ و وائل بن حجر و مالک بن الحویرث و انس و ابو ہریرہ و ابو حمید و ابو سعید و سہل بن سعد و محمد بن مسلمہ و ابو قتادہ و ابو موسیٰ اشعری و جابر و عمر و اللیثی رضی اللہ عنہم نے اور اکثر صحابہ و تابعین و محدثین کا اسی پر عمل ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں مذکور ہے اور اس کا نسخ کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں ہے پس جب کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت پایا گیا اور اصحاب حضرت بھی اس کو عمل میں لائے تو بے شک اس صورت میں اس پر عمل کرنے والا ماجور اور مصیب ہوگا ، شیخ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں [2] والذی یرفع احب الی ممن لا یرفع انتہی۔ حررہ ابو الطیب محمد شمس الحق عفی عنہ سید نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۵۱

سوال ، نماز عیدین میں ہر تکبیر میں رفع یدین ہونا چاہیئے یا بعد تکبیر اولیٰ کے ہاتھ باندھنا چاہیئے یا چھوڑ دینا چاہیئے سنت سے کیا ثابت ہے ۔ بینوا توجروا۔

الجواب ؛ تکبیرات عیدین میں رفع یدین نہ کرنا چاہیئے کیوں کہ ثابت نہیں ہے اور خود حنفیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس سے ثابت نہیں ہوتا ، کیوں کہ اس میں رفعیدین کا ذکر ہی نہیں ہے چنانچہ حدیث مذکور کے بارے میں اور نیز عدم ثبوت کے بارے میں یوں مرقوم ہے ؛ [3] وذکر من جملتھا تکبیرات

---

[1] عبداللہ بن عمر جب نماز شروع کرتے ، تکبیر کہتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے ، رکوع کو جاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور جب دوسری رکعت سے کھڑے ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے اور عبداللہ بن عمر اس فعل کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ [2] رفع یدین کرنے والا بنسبت نہ کرنے والے کے مجھ کو زیادہ پیارا ہے ۔ [3] اور انہی میں سے عید کی تکبیروں کا باقیہ آگے)

الاعیاد تقدم للحدیث فی باب صفة الصلوٰة ولیس فیه تکبیرات الاعیاد واللہ اعلم کما روی عن ابی یوسف انه لا ترفع الایدی فیها لا یحتاج فیه الی القیاس ولا تکبیرات الجنائز بل یکفی فیه کون المحقق من الشرع ثبوت التکبیر ولم یثبت الرفع فیبقی علی العدم الاصلی انتہی مختصر اور بعد تکبیرات کے ہاتھ باندھنے چاہئیں کیوں کہ ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اصل ہاتھ باندھنا ہے پس تا وقتے کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو اسی اصل پر عمل ہوگا اور اس اصل کے خلاف نہیں، لہٰذا اسی اصل پر عمل چاہیے۔

واللہ اعلم حررہ عبدالحق سید محمد نذیر حسین فتاوی نذیریہ جلد اول ص۴۵۲

هو الموفق: عیدین کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت نہیں ہے ہاں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہر تکبیر میں رفیدین کرنا بسند صحیح ثابت ہے۔ مگر یہ حضرت ابن عمرؓ کا فعل ہے۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۴۴۷ میں ہے۔

واما رفع الیدین فی تکبیرات العیدین فلم یثبت فی حدیث صحیح مرفوع و انما جاء فی ذالك اثر قال البیهقی فی المعرفة باب رفع الیدین فی تکبیر العید قال احمد البیهقی ورویناه عن عمر بن الخطاب فی حدیث مرسل وهو قول عطاء بن ابی رباح وقام والثنی علی رفع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یدیه حین افتتح الصلوٰة وحین اراده ان یرکع وحین رفع راسه من الرکوع ولم یرفع فی السجود قال فلما رفع یدیه فی کل ذکر کان حین یذکر اللہ قائما اورافعا الی قیام

ترجمہ: دشمنوں کی بھی ہے۔ پہلے باب صفۃ الصلوٰۃ میں حدیث گزر چکی ہے۔ اور اس میں عید کی تکبیروں کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ابو یوسف سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ عید کی تکبیروں میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ اور نہ ہی جنازہ کی تکبیروں میں، بلکہ اس میں اتنا ہی کافی ہے کہ عید کی تکبیریں ثابت ہیں اور ان میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔

لہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اپنے والد کے ساتھ کم سنی میں ہی ایمان لائے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ بڑے علم، زہد، تقوے، پرہیزگاری والے تھے۔ معاملات میں بڑی دیکھ بھال اور احتیاط کرتے تھے۔ نزول وحی سے ایک سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ اور ۷۳ھ میں ابن الزبیر کے قتل کے تین ماہ بعد اور بقول بعض چھ ماہ بعد وفات پائی۔ (بقیہ کا)

من غیر مجود لم یجز الا ان یقال یرفع المکبر فی العیدین یدیه عند کل تکبیرۃ کان قائما فیھما انتھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

ترجمہ: عیدین کی تکبیرات میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں کسی صحیح مرفوع حدیث سے۔ محض ایک صحابی حضرت ابن عمرؓ کا اثر ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اس بارے میں حدیث مرفوع تو ہے نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے دوسری نماز کے قیام اور رکوع کی تکبیروں پر اس کو قیاس کرکے کہا ہے۔ کہ سجدہ کے علاوہ جب بھی آپ نے تکبیر کہی تو رفع یدین کیا۔

سوال: چہ مے فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در مسئلہ رفع یدین و آمین بآواز بلند در نماز سہ گانہ درست یا نہ؟ و ہر آن شخص کہ بر ہر دو مسئلہ مذکورہ عمل کند آن شخص از مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بیرون شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: در صورت مرقومہ بر علمائے حقانی پوشیدہ نیست کہ در رفع یدین بوقت رفتن در رکوع و وقت برداشتن سر از رکوع منازعت و مخاصمت و مشاتمت و مناقشت کردن خالی از تعصب مذہبی و جہالت نخواہد بود۔ زیرا کہ رفع و عدم رفع در ہر دو مقام باوقات مختلفہ از آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت است چہ دلائل طرفین دریں باب موجود، لہٰذا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ در شرح سفر السعادت بعد بیان دلائل طرفین نوشتہ اند کہ چارہ نیست از قول سنیت ہر دو فعل انتہی کلامہ۔ و ہم چنیں مولانا عبدالعلی حنفی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ در ارکان اربعہ بعد بیان دلائل طرفین نیز میفرمایند ان ترک فھو حسن و ان

۱؎ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی مولانا حافظ عبدالرحیم تھا۔ آپ کے والد مرحوم قاضی شیخ محمد مچھلی شہری کے شاگرد تھے ابتدائی کتب مولوی خدا بخش اعظم گڑھی اور مولانا محمد سلیم چریا کوٹی سے پڑھیں۔ حضرت حافظ صاحب غازی پوری سے ادب و معانی ہیئت تفسیر حدیث، فقہ اور معقولات پڑھے۔ میاں صاحبؒ کے خاص شاگردوں سے ہیں متوفی ۲۲ جنوری ۱۹۳۴ء ۔۔۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز میں رفع یدین کرنا اور تینوں جہری نمازوں میں بلند آواز سے آمین کہنا درست ہے یا نہیں اور جو شخص ان دونوں پر عمل کرے وہ امام اعظم کے مذہب سے باہر ہو جاتا ہے۔ یا نہیں؟ الجواب: علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے کیوں کہ مختلف اوقات

فعل فلا باس به انتہی کلامہ واگر بنظر انصاف پرسی تا رفع در ہر دو موضع از بسیارے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم ثابت گردیدہ بعضے از پنجاہ صحابہ نقل کردہ اند چنانکہ عراقی در شرح تقریب گفتہ ومولوی سلام اللہ حنفی کما زادہ واجداد شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہستند در محلی شرح موطا افادہ فرمودہ اند و بعضے از بست وسہ صحابہ روایت کردہ چنانکہ شیخ جلال الدین سیوطی نقل کردہ ونزد بعضے چہار صد خبر واثر از حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ وسلف رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین دریں باب ورود یافتہ چناں کہ مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس در سفر السعادت گفتہ است ودعوی نسخ آن بے دلیل است کما لا یخفی علی الماہر النبیل۔

اعلم انہ قد روی الرفع عند الرکوع والرفع منہ غیر ابن عمر ووائل بن حجر ومالک بن الحویرث عند الشیخین وابو ہریرۃ وعلی وابو حمید الساعدی وابن عباس عند ابی داؤد وانس وجابر و صہیب عند ابن ماجہ والبیہقی وابو موسی عند الدارقطنی وابو سعید وسہل بن سعد ومحمد بن مسلمۃ وابو قتادۃ وابو موسی الاشعری وعمر واللیثی کما ذکر الترمذی قال الشافعی فی الام یروی ذلک عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعۃ عشر من الصحابۃ ویروی عن اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر وجہ و ذکر البخاری انہ رواہ ستۃ عشر رجلا من الصحابۃ وذکر الحاکم ممن رواہ العشرۃ المبشرۃ وذکر الولی العراقی انہ تتبع من رواہ من الصحابۃ فبلغوا خمسین رجلا فروی عبد الرزاق عن ابی حمزۃ مولی بنی اسد قال رایت ابن عباس اذا افتتح الصلوۃ یرفع یدیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع

یعنی رفع الیدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شرح سفر السعادت میں طرفین کے دلائل بیان کرکے لکھا ہے کہ دونوں طریقوں کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے مولانا عبد الحی لکھنوی ارکان اربعہ میں طرفین کے دلائل لکھ کر فرماتے ہیں اگر نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر کرے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بہت سے صحابہ کرام سے رفع یدین کرنا ثابت ہے چنانچہ عراقی نے شرح تقریب میں اور مولوی سلام اللہ حنفی نے شرح موطا میں پنجاہ صحابہ سے رفع یدین نقل کی ہے۔ سیوطی نے تئیس صحابہ سے روایت نقل کی ہے اور مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس نے سفر السعادت میں لکھا ہے کہ مرفوع احادیث اور آثار اس بارہ میں اس کے متعلق اکٹھے کئے جائیں تو ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے اور رفع یدین کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا حضرت ابن عمر رضہ کے علاوہ مالک بن حویرث ابوہریرۃ علی ابو حمید ساعدی ابن عباس انس جابر صہیب ابو موسیٰ ابو سعید سہل بن سعد محمد بن مسلمہ ابو قتادہ ابو موسیٰ اشعری عمر لیثی وغیرہ

وروی ابن ابی شیبۃ عن عطاء قال رأیت ابا سعید الخدری و ابن عباس و ابن الزبیر یرفعون ایدیہم اذا افتتحوا الصلوٰۃ وحین رکعوا بعد ما رفعوا وعن اشعث کان الحسن یفعلہ وعن ابن سیرین انہ کان یرفع وذکر الترمذی ممن یقول بالرفع جابر وانس وابو ہریرۃ وعطاء وطاؤس ومجاہد ونافع وسالم وسعید بن جبیر وبہ قال الشافعی واحمد واسحٰق والمحدثون وقال الامام ابو حنیفۃ لا یرفع الا فی تکبیرۃ الاحرام وہو روایۃ ابن القاسم والشافعی عن مالک وقال ابن دقیق العید ہو المشہور عند اصحاب مالک والمعمول بہ عند المتأخرین واحتجوا بما رواہ ابو داؤد والترمذی من طریق وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن علقمۃ قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلی ولم یرفع یدیہ الا مرۃ واحدۃ مع تکبیرۃ الافتتاح قال ابو داؤد وہذا حدیث مختصر من حدیث طویل لیس ہو بصحیح علی ذلک اللفظ قال الحافظ ابن حجر فی تخریج الرافعی قال ابن المبارک لم یثبت عندی وضعفہ احمد وشیخہ یحییٰ بن آدم والبخاری وابو داؤد ابو حاتم والدارقطنی والدارمی والحمیدی الکبیر والبیہقی وقال ابن حبان ہذا احسن خبر روی لاہل الکوفۃ وہو فی الحقیقۃ اضعف شئی یقول علیہ لان لہ علۃ توہنہ وذکر فی الخلاصہ للنووی حکایۃ الاتفاق علی تضعیف ہذا الحدیث انتہیٰ وقال

صحابہ سے حدیث کی مختلف کتابوں میں منقول ہے۔ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں چودہ صحابہ سے رفع یدین کی روایتیں نقل کی ہیں۔ امام بخاری نے رفع یدین کو سولہ صحابہؓ سے روایت کیا ہے، حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جس کو عشرہ مبشرہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ولی عراقی کہتے ہیں کہ میں نے تتبع کیا تو پچاس صحابہ رفع یدین کی روایت نقل کرنے والے ملے، ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ عطا کہتے ہیں کہ میں ابو سعید خدری، ابن عباس اور ابن زبیر کو رفع یدین کرتے دیکھا، امام حسن اور ابن زبیر رفع یدین کرتے تھے امام ترمذی، احمد، اسحاق اور تمام اہل حدیث رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ اور مالک کی ایک روایت رفع یدین نہ کرنے کے متعلق ہے اور دلیل میں ابن مسعودؓ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر دکھائی اور تکبیر تحریمہ کے سوا اور کسی جگہ رفع یدین نہ کی، ابو داؤد نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ امام احمد یحییٰ بن آدم، امام بخاری، ابو داؤد، ابو حاتم، دار قطنی، دارمی، حمیدی، بیہقی، ابن حبان سب نے اس حدیث کو ضعیف کہا

ابن القطان هو عندی صحیح ولا یقول ثم لا یعود فقد قالوا ان وکیعا کان یقول من قبل نفسه وکذا قال الدارقطنی انه صحیح الا هذه اللفظة وذکره الحافظ فی تخریج الهدایة لکنه قال الترمذی انه حسن وبه یقول غیره واحد من اصحابه صلی الله علیه وسلم وصححه ابن حزم ذکره الزرکشی فی تخریج الرافعی فغایة ما فی الباب ثبوت الرفع وعدمه کلاهما عنه وهی انما یدل علی نفی وجوب الرفع لا علی عدم مذهب و ترك ابن عمر للرفع لا یفید نسخ الندب قال البیهقی وقد یمکن الجمع بینهما ان ما رآه ثابت بانه غفل عنه فلم یره وغیره رآه وغفل عنه ابن عمر فلم یفعله مرة او مرات اذ کان یجوز ترکه ففعله یدل علی انه سنة وترکه یدل علی انه لیس بواجب علی فنقول وردت فی الرفع المذکور احم مائة خبر بین مرفوع واثر علی ما قال مجد الدین فیروزآبادی فی السفر فالحدیث متواتر معنی رواه خمسون من الصحابة فیهم العشرة المبشرة علی ما قاله العراقی فی شرح التقریب وعده السیوطی رحمه الله تعالی من جملة الاحادیث المتواترة فی کتابه المسمی بالازهار المتناثرة فی اخبار المتواترة ونسبه الی روایة ثلاثة وعشرین من الصحابة فقال حدیث رفع الیدین فی الاحرام والرکوع والاعتدال اخرجه الشیخان عن ابن عمر ومالك بن الحویرث ومسلم یعنی فی افراده عن وائل بن حجر والاربعة فی اصحاب السنن الاربعة عن علی وابوداؤد یعنی فی افراده عن سهل بن سعد وابن الزبیر وابن عباس ومحمد بن مسلمة وابی اسید وابی حمید وابی قتادة وابی هریرة وابن ماجة یعنی فی افراده عن انس وجابر بن عبدالله وعمرو اللیثی واحمد عن الحکم بن عمیر والاعرابی والبیهقی عن ابی بکر الصدیق والبراء والدارقطنی عن عمر بن الخطاب وابی موسی الاشعری والطبرانی عن عقبة بن عامر ومعاذ بن جبل انتهی کلامه - ثم استمر علیه دابه صلی الله علیه وسلم حتی فارق الدنیا وهو فی زیادة البیهقی علی الحدیث المتفق علیه عن الزهری عن سالم

ہے ۔ امام نووی نے کہا اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے ابن قطان نے کہا "ثم لا یعود" (پھر نہ کرتے) کے الفاظ وکیع نے اپنی طرف سے کہے ہیں ۔ دارقطنی نے کہا یہ لفظ لا یعود صحیح نہیں ہیں ۔ امام ترمذی کہتے ہیں ، کچھ صحابہ سے رفع یدین نہ کرنا بھی ثابت ہے ۔ ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ترمذی نے حسن ۔ قصہ مختصر رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہے اس اختلاف سے وجوب کی نفی تو ثابت ہو سکتی ہے ۔ اس کی عدم سنیت ثابت نہیں ہوتی اور عبداللہ بن عمر کا رفع یدین نہ کرنا اس کے مستحب ہونے کے منافی نہیں ۔ اور ہو سکتا ہے کہ ابن عمر نے کبھی خیال نہ کیا ہو ، تو استمرار رفع یدین سے انہوں نے انکار کیا ہو اور اس سے زیادہ سے

عن ابن عمرؓ فما زالت تلك صلوته حتى لقى الله تعالى قال ابن المديني في حديث الزهري عن سالم عن ابيه هذا الحديث عندي حجة على الخلق وكل من سمعه فعليه ان يعمل به لانه ليس في اسناده شئ حكاه الحافظ في تخريج احاديث الرافعي ولكونه لم ينسخ بعد صحته وتواتره وروايته عن جم غفير من الصحابةؓ كان معمولا في الصحابة بعد النبي صلى الله عليه وسلم كذا في دراسات اللبيب في الاسوة الحسنة بالحبيب للعلامة معين الدين السندي۔

واگر تحقیق زیادہ تر ازیں در ثبوت رفعیدین منظور باشد پس در تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین کہ یکے از مصنفات نفیسہ جناب مولانا محمد اسماعیل محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ است نظر کنند کہ حق تحقیق بروظاہر شود واز عمل کردن بریک دو مسئلہ خلاف مذہب حنفی از مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقول ہمیں امام عالی مقام بیرون نخواہد بود، چنانچہ تحقیق این مسئلہ در معیار الحق[1] بوجہ بسط مذکور است، ہر کرا شک وشبہ باشد، در معیار الحق بیند تا تشفی خاطرش بخوبی شود۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔

جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ دلیل جمہور اور اکثر علما کی اوپر جہر کرنے آمین کے حدیث ابوہریرہؓ کی ہے جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کی، عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قرأ

زیادہ نفی وجوب رفع تو ثابت ہو سکتی ہے عدم سنت نہیں، رفعیدین کے اثبات کی مندرجہ بالا تقریر سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ فیروزآبادی کے قول کے مطابق چار سو حدیثیں، آثار واخبار اس کے ثبوت میں موجود ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری زندگی تک رفع یدین کرتے رہے ہیں، چنانچہ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت ابن عمرؓ سے حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے وقت تک آپ کی نماز رفع یدین سے ہوتی رہی، عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک ہر اس آدمی پر حجت ہے جو اس کو سنے، رفع الیدین اپنی صحت اور تواتر اور ایک جم غفیر سے روایت کے بعد منسوخ نہیں ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہ صحابہ اور تابعین کا معمول رہا ہے۔ جیسا کہ معین الدین سندھی نے دراسات اللبیب میں بیان کیا ہے۔ اور اگر اس کی زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو مولانا اسماعیل دہلوی کی کتاب تنویر العینین ملاحظہ فرما دیں۔ آپ پر حق واضح ہو جائے گا۔

اور ایک دو مسائل میں امام صاحب کے قول کو چھوڑ کر دوسرے اقوال پر عمل کرنے سے کوئی آدمی ان کے مذہب سے خارج نہیں ہو جاتا، چنانچہ اس مسئلہ کی پوری تحقیق معیار الحق میں موجود ہے۔ اس کو ملاحظہ کر کے تسلی کریں۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جمہور اکثر علماء کے نزدیک آمین بالجہر کہنا سنت ہے اور ان کے دلائل حسب ذیل

[1] شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی تصنیفات سے ہے۔ (سعیدی)

غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین ورفع بہا صوتہ رواہ ابوداؤد عن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول رواہ ابوداؤد وعن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من القرأۃ ام القران رفع صوتہ وقال آمین رواہ الدارقطنی وحسنہ والحاکم وصححہ ذکرابن حجر العسقلانی فی بلوغ المرام وقال الحاکم اسنادہ صحیح علی شرطہما وقال البیہقی حسن صحیح وحدیث وائل اخرجہ من طریق الثوری بلفظ صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین ومد بہا صوتہ رواہ ایضا ابن ماجۃ من طریق اخری عنہ بلفظ قال آمین فسمعنا ھا منہ ورواہ احمد والدارقطنی من ھذہ الطریق بلفظ مد بہا صوتہ کذا قال شارح بلوغ المرام القاضی حسین بن محمد بن سعید بن عیسی المغربی . . . . وعن وائل بن حجر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین ومد بہا صوتہ رواہ الترمذی وعن ابی ہریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اھل الصف الاول فیرتج بہا المسجد رواہ ابن ماجۃ وعن علی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال ولا الضالین قال آمین رواہ ابن ماجۃ وعن عبدالجبار بن وائل عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما قال ولا الضالین قال آمین فسمعناھا منہ وعن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما حسدتکم الیہود علی شیٔ ما حسدتکم علی السلام والتامین وعن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو بلند آواز سے آمین کہتے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آپ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے حتی کہ پہلی صف والے سن لیتے، ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جب آپ الحمد کی قرأت سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے آمین کہتے، اس کی سند بخاری مسلم کی شرائط پر ہے، وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو جب آپ نے ولا الضالین کہا تو بلند آواز سے آمین کہی، دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نے آپ کی آمین سنی، وائل بن حجرؓ کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے ولا الضالین کے بعد آمین بلند آواز و مد کے ساتھ کہی ابوہریرہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے ولا الضالین کہا تو اتنی آمین کہی کہ پہلی صف والوں نے سن لی، پھر صحابہ کی آمین سے مسجد گونج

ما حسدتکم الیہود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین رواہ ابن ماجۃ اور مقتدی کے حق میں فرمایا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ رواہ الترمذی وابوداؤد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجہ۔

پس مقتدی کو چاہیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے یعنی جس طرح سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمین پکار کر کہتے تھے اسی طرح مقتدی بھی پکار کر کہے کہ اقتدا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پائی جاوے کیوں کہ رسول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (ترجمہ یعنی پڑھو نماز جیسا کہ مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا تم نے۔ قال الاکثرون یجہر بالتامین کذا قال النووی وغیرہ من المحدثین مولانا عبد العلی حنفی در ارکان اربعہ می فرمایند کہ در باب آہستہ گفتن آمین ہیچ وارد نشدہ مگر حدیث ضعیف اما تامین الامام والماموم فلما روی مسلم عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ واما الاسرار بالتامین فہو مذہبنا ولم یرو فیہ الا ما روی الحاکم عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ انہ صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما بلغ ولا الضالین قال آمین واخفی بہا صوتہ وہو ضعیف وقد بین فی فتح القدیر وجہ ضعفہ لکن الامر فیہ سہل فان السنۃ التامین اما الجہر والاخفاء فادب کذا فی الارکان الاربعہ۔

حاصل کلام کا یہ ہے کہ تامین بالجہر نماز جہریہ میں امام شافعی و امام احمد و جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو حنیفہ و دیگر اہل کوفہ کے نزدیک تامین نماز جہری میں سراً مطلق جائز ہے۔ اور استدلال جمہور کا حدیث وائل سے ہے واستدل الجمہور مع ما فی حدیث الباب بما رواہ ابوداؤد عن ابی ہریرۃ کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول کذا فی المصفی شرح الموطا لمولانا سلام اللہ الحنفی و مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ در رسالہ تنویر العینین می فرمایند، کہ بجہر آمین گفتن اولے

یعنی حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جب ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے، ابن ماجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ولا الضالین کے بعد آپ کی آمین سنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود تمہاری آمین اور سلام پر حسد کرتے ہیں اتنا اور کسی چیز پر نہیں کرتے سو تم آمین بلند آواز سے کہا کرو اور فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے آمین کہتے تھے تو ہمیں بھی بلند آواز سے کہنا چاہیے کیوں کہ آپ نے فرمایا ہے، جیسے

است از آہستہ گفتن و عبارتہ ھکذا والتحقیق ان الجھر بالتامین اولیٰ من خفضہ انتھی کلامہ واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ [سید محمد نذیر حسین]

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح محمد عبد القادر المجیب مصیب ولہ اجر نصیب خادم عباد اللہ الجلیل محمد اسماعیل [محمد اسماعیل]

فائدہ: در مستدرک حاکم است حدثنا ابوبکر احمد بن سلمان الفقیہ ببغداد ثنا الحسن بن مکرم البزاز ثنا روح بن عبادۃ ثنا شعبۃ واخبرنی عبد الرحمن بن الحسن القاضی بھمدان ثنا ابراھیم بن الحسین بن دیزیل ثنا آدم بن ابی ایاس ثنا شعبۃ عن عاصم بن سلیمان ان ابا عثمان النھدی حدثہ عن بلال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یستبقنی بامین ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ وابو عثمان الھندی مخضرم قد ادرک الطائفۃ الاولی من الصحابۃ وھذا الخلاف مذھب احمد بن حنبل فی التامین لحدیث ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا امین وفقھاء اھل المدینۃ قالوا بحدیث سعید وابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رض اذا امن الامام فامنوا انتھی ما فی المستدرک۔

واضح باد کہ در روایت بلال در لفظ حدیث حاکم دو غلطی واقع شدہ، یکے آنکہ مقولہ بلال را منسوب بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردہ دوم آنکہ بجائے لفظ لا تسبقنی لا یستبقنی واقع شدہ وصحیح روایت ایں است حدثنا اسحق بن ابراھیم بن راھویہ انا وکیع عن سفیان عن عاصم عن ابی عثمان عن بلال انہ قال یا رسول اللہ لا تسبقنی بامین کما رواہ ابوداؤد فی سننہ (ترجمہ) بلال گفت اے رسول خدا در آمین گفتن سبقت نفرمایند

قم بچھنا فرشتے دیکھئے جو دس پہ نماز تم بھی پڑھا کرو۔ (اکثر علما نے کہا آمین بلند آواز سے کہنا چاہیے، مولانا عبد الحئی ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں آمین آہستہ کہنے کے بارے میں صرف ایک حدیث ہے۔ اور وہ بھی ضعیف ہے۔ آہستہ آمین کہنا ہمارا مسلک ہے مگر اس کے متعلق سوائے وائل کی حدیث کے کوئی حدیث نہیں ہے اور وہ حدیث ضعیف ہے لیکن صاف آسان ہے آمین کہنا سنت ہے اور آہستہ بلند کہنا مستحب ہے۔ مولانا اسماعیل تنویر العینین میں فرماتے ہیں کہ آمین آہستہ کہنے سے بلند آواز سے کہنا بہتر ہے۔

فائدہ: مستدرک حاکم میں ہے، بلال کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا یستبقنی بامین" یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے گو انہوں نے اس کو روایت نہیں کیا۔ امام احمد بن حنبل ابوہریرہ کی حدیث کی بنا پر بلند آواز سے آمین کہتے اور

چیزے بعد قرأت فاتحہ آہستگی نماند کہ من ہم بمفارقت آمین شما شریک شوم زیراکہ مراد اقامت وتسویہ صفت من وجہ دیگرے میشود، ونظیر قول بلال قول ابوہریرہ در صحیح بخاری مذکوراست وکان ابوھریرۃ ینادی الامام ھو العلاء بن الحضرمی کما عند عبد الرزاق لاتفتنی من الفوات ولابن عساکر لاتسبقنی بآمین من المسبق وعند البیہقی کان ابوھریرۃ یؤذن لمروان فاشترط ابوھریرۃ ان لایسبقہ بالضالین حتی یعلم انہ دخل فی الصف وکانہ کان یشتغل بالاقامۃ وتعدیل الصفوف وکان مروان یبادر الی الدخول فی الصلوۃ قبل فراغ ابی ھریرۃ نہاہ عن ذلک انتہی مافی ارشاد الساری وغیرہ من الشروح البخاری۔

حاصل معنی روایت حاکم ایں است کہ مقتدی بعیت امام بلا مہلت آمین گوید، زیراکہ بعدہ می گویند کہ ھذا بخلاف مذھب احمد بن حنبل اہ یعنی نزد احمد تقدم امام وتاخر مقتدی بترتیب بلا مہلت باید، بقرینہ فارفقولوا وفاء متواتر زیراکہ مقتضی فاء ترتیب بلا مہلت است چناں کہ بر متامل ذکی مخفی نمی باشد، ولفظ لاتسبقنی من الفنا فہمیدن عبارت لاتسبقنی را معنی تیغنی قرار دادن یعنی لاتجہر بآمین مراد گرفتن بنا رفاسد علی الفاسد خواہد بود، زیراکہ استعمال بمعنی تغنی در لغت عرب مستعمل نشدہ ومن ادعی فعلیہ البیان بلکہ بلاشبہ از غلطی کاتباں بجائے لاتسبقنی لاتستغنی واقع شدہ چہ روایت ابوداؤد برآں شاہد عدل است، وہم قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مقوی ومساعد است آں را چناں کہ از صحیح بخاری سابق مذکور گردید، ودر روایت مستدرک شعبہ است ودر روایت ابوداؤد سفیان است قائم مقام شعبہ باقی عاصم وابی عثمان نہدی از بلال در مستدرک وابوداؤد متوافق اند پس اگر غلطی آں محمول بر کتابت نقل کنندگان نباشد، دریں صورت مقابلہ شعبہ با سفیان خواہد بود، درمیان اختلاف روایت حاکم وابوداؤد پس چناں کہ سنن ابوداؤد مقدم تر خواہد بود بر مستدرک حاکم چناں سفیان مقدم شد بر شعبہ در صورت اختلاف، چنانچہ در باب الرجحان فی الوزن مستفاد میشود وحدثنا ابن ابی رزمۃ قال سمعت ابی یقول قال رجل لشعبۃ خالفک سفیان حدثنا احمد بن حنبل ناوکیع عن شعبۃ قال کان سفیان احفظ منی انتہی مافی سنن ابی داؤد۔

ورنہ کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔ واضح ہو کہ حاکم نے جو بلال سے روایت نقل کی ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بلال کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی یہ حدیث حقیقت میں موقوف ہے جسے مرفوع بنا دیا گیا ہے اور دوسری غلطی یہ ہے کہ "لاتسبقنی بآمین" (مجھ سے آمین کہہ لینے دینا) کے الفاظ کو "لاتستغنی بآمین" بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ صحیح روایت میں "لاتسبقنی بآمین" کے الفاظ آئے ہیں۔ اور اس کی نظیر ابوہریرہ کی حدیث ہے۔ جسے بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امام علاء بن حضرمی کو آواز دیا کرتے تھے۔ کہ میری آمین فوت نہ ہونے دینا۔ ابن عساکر کی روایت میں ہے۔ کہ مجھ سے آمین پہلے نہ کہہ لینا۔ اس کی وجہ

خلاصہ کلام دریں مقام این است کہ ہر کہ بروایت مستدرک حاکم مانع جہر آمین شود مخطی است چہ از ین روایت نفی جہر آمین اصلاً مترشح نیست وصلاحیت ندارد، چناں کہ از ما سبق بوضوح پیوست وما علینا الا البلاغ المبین

حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین | فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۴۱

سوال :۔ رفع یدین سنت وجائز ثابت ہے یا نہ؟

جواب :۔ ثابت ہے مولانا عبد العلی نے ارکان اربعہ میں لکھا ہے "ان ترک فھو حسن وان فعل فلا باس به" ۱ھ اور مولانا عبد الحی نے تعلیق الممجد میں تحریر فرمایا ہے "ولو رفع لا تفسد صلاته كما في الذخيرة وفتاوى الولوالجي وغيرهما من الكتب المعتمدة" اور مولانا ممدوح مغفور نے سعایہ میں لکھا ہے "والحق انه لا شك في ثبوت رفع اليدين عند الركوع والرفع منه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وكثير من اصحابه بالطرق القوية والاخبار الصحيحة" اور محی الدین عربی نے دراسات اللبیب میں نقل کی ہے "رفع اليدين في كل رفع وخفض" ۱ھ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت میں لکھا ہے "مارا ازیں چارہ نیست کہ اقرار سنیت ہر دو فعل کنیم" ۱ھ" اور عصام ابن یوسف بلخی حنفی ہو کر رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ طبقات قاری سے تراجم حنفیہ میں منقول ہے۔ "وفي طبقات القاري عصام بن يوسف البلخي كان حنفيا روى عن ابن المبارك والثوري وشعبة وكان صاحب حديث يرفع يديه عند الركوع وعند رفع الراس منه" ۱ھ۔

(فتاویٰ مفید الاحناف ص)

یہ تھی کہ ابو ہریرہ مروان کے مؤذن تھے ابو ہریرہ نے مروان سے شرط کر لی تھی کہ میں اس صورت میں مؤذن بنوں گا کہ ولا الضالین میرے نماز شروع کرنے سے پہلے نہ کہہ دینا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کے ذمہ بحیثیت مؤذن یہ ڈیوٹی بھی تھی کہ صفوں کو درست کریں اور اقامت وغیرہ کہیں۔ اور مروان ابو ہریرہ کے فارغ ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دیا کرتا تھا۔ تو ابو ہریرہ نے اس لئے یہ شرط کی تھی۔ خلاصہ یہ کہ مستدرک کی روایت سے جو آمین بالجہر کی ممانعت ثابت کرے وہ غلطی پر ہے۔ واللہ اعلم

[1] اگر چھوڑ دے رفع یدین کو پس نہیں حرج ہے اور اگر کرے رفع یدین کو پس نہیں مضائقہ ہے ساتھ اس کے ۱۲ [2] اور اگر رفع یدین کیا نہیں فاسد ہوگی نماز اس کی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاویٰ الولوالجی وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے۔ ۱۲ [3] اور حق یہ ہے کہ شک نہیں ہے ثبوت رفع یدین میں وقت رکوع اور کھڑا ہونے کے رکوع سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور بہت صحابہ سے ان کے ساتھ طریقوں قوی اور خبروں صحیح کے الخ ۱۲ [4] اور طبقات قاری میں ہے کہ عصام ابن یوسف تھے حنفی، روایت کیا ہے ابن مبارک اور ثوری اور شعبہ سے اور تھے محدث، اٹھاتے تھے دونوں ہاتھوں اپنے کو وقت رکوع اور وقت اٹھانے سر کے اس سے ۱۲

باب مدرک الرکوع

سوال: مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟

جواب: اس مسئلہ کی بنیاد مقتدی کے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر ہے۔ اسحٰق بن راہویہ، احمد، مالک اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا خیال ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے جہری قرأت والی نمازوں میں کچھ نہ پڑھے اور احناف کے نزدیک جہری اور سری دونوں میں کچھ نہ پڑھے۔ چونکہ ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث میں آیا ہے (انما جعل الامام لیؤتم بہ الخ) یعنی امام اقتدا کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ جب تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ (امام) پڑھے تم چپ رہو۔ رواہ الخمسۃ الا الترمذی۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (واذا قرأ فانصتوا) کی زیادتی محفوظ نہیں ہے بلکہ ابو خالد سے وہم واقع ہو گیا ہے۔ لیکن منذری نے امام ابو داؤد کے قول کو محل نظر قرار دیا ہے۔ چونکہ امام مسلم نے اسے صحیح کہا ہے۔ لہٰذا اس زیادتی کی صحت کو ترجیح حاصل ہے مگر اس سے مراد فاتحہ کے علاوہ ہے۔ چونکہ متعدد صحیح اور حسن احادیث میں وارد ہو چکا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ احناف کی دلیل ایک یہ حدیث بھی ہے (من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ) یعنی مقتدی کے لئے امام کی قرأۃ ہی کافی ہے۔ امام شوکانی کہتے ہیں ضعیف ہے۔ اس سے استدلال ٹھیک نہیں۔ نیز قرآن کی آیت (فاستمعوا لہ وانصتوا) کو بھی احناف بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اول تو یہ آیت نماز کے بارے میں نہیں ہے اگر نماز کے متعلق بھی مان لی جائے تو جہری کے متعلق ہے نہ کہ سری کے۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مسلک وجوب فاتحہ خلف الامام ہے۔ بغیر سری اور جہری کے مابین فرق کئے، خواہ مقتدی امام کی قرأۃ سنتا ہو یا نہ سنتا ہو۔ ان کی دلیل اس باب میں وارد عبادہ بن صامت کی حدیث ہے۔ پہلے شوافع کے قول کا جواب اس طرح دیا ہے۔ کہ وہ احادیث عام ہیں اور عبادہ کی حدیث خاص ہے اور عام پر خاص کی ترجیح ضروری ہے۔ جیسا کہ اصول میں مقرر ہے علامہ شوکانی نے "ارشاد الفحول" میں اور ہم نے "حصول المامول" میں بیان کر دیا ہے۔ احادیث کثیرہ بھی امام شافعی کے قول کی تائید کرتی ہیں۔ کہ ہر رکعت میں فاتحہ واجب ہے خواہ مقتدی ہو یا امام۔ ان احادیث سے راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی مگر احادیث کثیرہ کے ساتھ تمسک عمومی دلائل کے ساتھ۔

پھر شافعیہ میں اختلاف ہے کہ فاتحہ سکتات امام میں پڑھی جائے یا امام کے ساتھ، ظاہر احادیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ہی پڑھی جائے لیکن اگر سکتات امام میں پڑھی جا سکے تو یہ زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ قول اوّل والوں کے نزدیک بھی یہ جائز ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنے والا اجماع پر عامل ہوگا۔ امام کی قراۃ کے وقت یا سورۃ پڑھنے کے وقت فاتحہ نہ پڑھنے پر کوئی دلیل وارد نہیں، بلکہ تمام صورتیں جائز اور سنت ہیں۔

القصہ حق بات یہ ہے کہ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مأموم دونوں پر ہر رکعت میں واجب ہے اور قراۃ فاتحہ صحت صلوٰۃ کی شروط میں سے ہے۔ اور جس شخص نے گمان کیا ہے کہ کوئی نماز یا کوئی رکعت بغیر فاتحہ کے بھی ہو سکتی ہے۔ وہ اثبات حجت کا محتاج ہے۔ دونہ خرط القتاد

اس بحث سے جمہور کے مسلک کا ضعف خود بخود ظاہر ہو گیا۔ جمہور کا خیال ہے کہ اگر مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا اور ساتھ شامل ہو گیا اس کی وہ رکعت بھی ہو جائے گی اگرچہ اس نے بالکل قراۃ نہ کی ہو۔ اور ان کی دلیل ابوہریرہ کی روایت ہے۔ مَنْ أَدْرَكَ الرُّكُوْعَ مِنَ الرَّكْعَةِ الْأَخِيْرَةِ فِيْ صَلٰوتِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا رَكْعَةً أُخْرٰى جس شخص نے نماز جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ دوسری کو اس کے ساتھ ملا لے۔ دار قطنی نے اسے روایت کیا ہے۔ اور اس میں یاسین بن معاذ متروک الحدیث راوی ہے۔ نیز دار قطنی سے ہی مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمُ الرَّكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ وَإِذَا أَدْرَكَ رَكْعَةً فَلْيَرْكَعْ إِلَيْهَا الْأُخْرٰى یعنی جس نے نماز جمعہ کی دو رکعتیں پالی ہیں تو ٹھیک لیکن اگر ایک رکعت پڑھی ہے تو اسے ایک اور ساتھ ملا لینی چاہیے۔ مگر اس کی سند میں بھی سلیمان متروک الحدیث اور صالح ضعیف راوی موجود ہیں۔ دونوں روایتوں میں جمعہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر جمعہ کی نماز اس کے خلاف ہے اور اسی طرح دوسری روایت میں ایک رکعت کی قید مزید مدعا کے خلاف ہے۔ چونکہ رکعت اصل میں پوری رکعت کو کہتے ہیں نہ کہ رکوع یا اس کے بعد کے کسی حصے کو جیسا کہ صحیح مسلم میں براء کی روایت کے الفاظ ہیں، فوجدت قيامه فركعته فاعتدل الله فسجدته۔ چونکہ رکوع کا سجدے اور قیام کے برابر واقع ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پہلی روایت میں رکعت سے مراد رکوع ہے۔ اور حدیث مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ مِنْ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ چند طرق سے بھی آتی ہے۔ ان میں کوئی کلام سے خالی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ابن ابی حاتم نے علل میں اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ لا اصل لهذا الحديث انما المتن مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا، یعنی اس حدیث کا اصل نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ جس شخص نے نماز سے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔ اسی طرح دار قطنی اور عقیلی نے کہا ہے۔ ابن خزیمہ نے ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ جس نے ایک

رکعت امام کے سیدھا ہونے سے قبل اس نے نماز پالی (یعنی ثواب) یہ حدیث بھی ان کے مدعا پر دلالت نہیں کرتی۔ حقیقت عرفیہ اور شرعیہ جو حقیقت لغویہ پر مقدم ہیں جیسا کہ اصول کا مسئلہ ہے۔ دونوں میں رکعت جمیع اذکار وارکان کا نام ہے پس ابن خزیمہ والی اور اس سے قبل واقع حدیث کو اپنے حقیقی معنی سے پھیرنا صحیح نہیں ہے۔ اور حدیث میں جو قبل ان یقیم الامام صلبہ (یعنی امام کے سیدھا ہونے سے پہلے رکعت پالے) کی قید وغیرہ ہوتی ہے۔ تو یہ دفع وہم کے لئے ہے یعنی وہ شخص جس نے تمام قرأت امام کے رکوع جانے سے قبل پڑھ لی مراد ہے۔ اگر کسی کے فاتحہ سے فارغ ہونے سے قبل امام نے رکوع کر دیا وہ بھی غیر مدرک رکعت ہے۔ یہاں سے یہ سمجھنا بالکل آسان ہے کہ مدرک رکعت صرف وہ ہے جس نے مکمل رکعت مع تمام اذکار وارکان کے پالی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت بھی ہے۔ انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم من ادرک الامام فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ یعنی جو شخص امام کو رکوع میں پائے تو اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور رکعت کو لوٹائے۔ نیز امام بخاری نے جزء القراۃ خلف الامام میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ اگر تو قوم رکوع پائے تو اس رکعت کو شمار نہ کرے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بات صحیح ہے یعنی ابوہریرہ کی موقوف روایت لیکن (مذکورۃ الصدر مرفوع) کا اصل نہیں ہے۔ اور رافعی امام صاحب کی اتباع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ابو عاصم عبادی ابن خزیمہ سے حکایت کرتے ہیں کہ وہ ابوہریرہؓ کی (مرفوع) حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔

اور امام بخاریؒ نے قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے ہر قائل وجوب سے یہ مسلک نقل کیا ہے۔ علامہ ابن حجرؒ نے شافعیہ کی ایک جماعت سے اس مذہب کی حکایت کی ہے۔ شیخ تقی الدین سبکیؒ وغیرہ نے محدثین شافعیہ سے روایت کی ہے تقبل نے بھی اسی مذہب کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ میں نے اس مسئلہ کو خوب کھنگالا ہے۔ فقہ اور حدیث دونوں کی رو سے اس پر نظر کی ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوا، جو میں نے ذکر کر دیا ہے (یعنی رکعت شمار نہ کی جائے) عراقی نے اپنے شیخ سبکی سے شرح ترمذی میں حکایت کی ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اسے رکعت شمار نہ کرے۔ تعجب تو اس پر ہے جس نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے۔ (باوجود ان آئمہ کبار کے واضح خیالات کے) جو مدرک رکوع کی عدم رکعت کے قائل ہیں۔ جمہور کا ابی بکرہ کی روایت سے استدلال کہ ایک شخص نے دور سے نماز شروع کر دی تو آں حضرت نے اسے فرمایا زادک اللہ حرصا ولا تعد یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا۔ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے۔ جو جمہور کے مسلک کی مؤید ہو، جیسے اس میں اعادہ کا حکم مذکور نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ آپ نے

اس رکعت کو رکعت شمار کیا ہو۔ دعا صرف اس کی حرص میں اضافہ کے لئے ہے اور ممانعت صرف دوڑ سے نیت باندھنے سے ہے، باقی مقتدی امام کے ساتھ مامور بہ ہے۔ خواہ وہ چیز قابل اعتماد ہو یا نہ ہو۔ جیسے حدیث میں ہے اذا جئتم الی الصلوٰۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوھا شیئا یعنی اگر کوئی شخص اس وقت جماعت سے ملا ہے۔ جب امام سجدے میں ہے تو اسے سجدہ کرنا ہوگا اور وہ سجدہ رکعت میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اخرجہ ابوداؤد وغیرہ۔ نبی علیہ السلام نے ابوبکرہ کو صرف ایسے فعل سے روکا ہے۔ اس سے یہ استدلال کہ آپ نے رکعت لوٹانے سے روکا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن حزم نے محلی میں اس حدیث پر اس طرح نوٹ دیا ہے۔ جمہور کے لئے اس حدیث میں ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ اس میں مذکور نہیں ہے کہ آپ نے اس رکعت کو کافی سمجھا تھا۔ ابن حزم نے قیام اور قراۃ فاتحہ کے لازم ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا اور جزماً کہا ہے کہ رکعت اور رکن رکعت کے فوت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چونکہ جملہ ارکان کی تکمیل کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی اور حدیث کا کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز امام پہلے ادا کر چکا ہے اسے پورا کیا جائے۔ اس حکم سے کسی رکن کو خارج کرنا مناسب نہیں ہے اس کے بعد ابن حزم فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (وھو کاذب فی ذالک) یعنی اجماع کا مدعی جھوٹا ہے۔ چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے مروی ہے۔ کہ ایسی رکعت شمار نہ کی جائے کہ جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے، نیز حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ اگر سوال کیا جائے کہ آدمی کھڑا ہو کر تکبیر کہے اور رکوع میں شامل ہو جائے کیا اسے مدرک رکعت کہیں گے تو یہ ایک دوسری نافرمانی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم صرف یہ ہے۔ کہ آدمی جب نماز میں داخل ہو تو صرف اسی حالت میں داخل ہو جس میں امام اس وقت (یعنی اگر امام رکوع میں ہے تو رکوع میں اور اگر کسی دوسری حالت میں ہے۔ تو اسی حالت میں) ہے۔ نیز یہ کہ کسی نماز کے حصے کی قضا امام کے سلام سے قبل ہرگز جائز نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جمہور کی سب سے بڑی دلیل ابوہریرۃ کی وہ روایت ہے جس میں "قبل ان یقیم صلبہ" کے الفاظ ہیں اور اسے ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے حالاں کہ وہ ان کے مطلب پر دلالت نہیں کرتی، نیز امام ابن خزیمہ کا مذہب بھی دوسرا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ ابن خزیمہ کے نزدیک یہ روایت صحیح ہو، اور اس کا مذہب اس کے الٹ ہو اور ہماری منجملہ دلیلوں کے ابوہریرہؓ اور قتادہ کی وہ روایات ہیں جو متفق علیہا ہیں۔ (یا ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا) حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں رقم طراز ہیں کہ وہ اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے وہ اس رکعت کو شمار نہ کرے، چوں کہ اس کا قیام اور قراۃ فوت ہو چکے ہیں پھر ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل ابوبکرہ کی روایت ہے اور اس کا جواب آپ

پڑھ چکے ہیں۔ صاحب شرح منتقی فرماتے ہیں کہ سید علامہ محمد بن اسمٰعیل الامیر نے اس موضوع پر ایک رسالہ تالیف کیا ہے اور اس نے جمہور کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور میں نے اس کے جواب میں چند بحثیں لکھی ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ مدرک رکوع مدرک رکعت نہیں ہے اور بغیر قراۃ فاتحہ کے رکعت نہیں ہوتی (ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ص۱۸۹)

سوال: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مدرک رکعت کی رکعت ہو جانے کے متعلق اہلحدیث حضرات میں اختلاف پایا جاتا ہے اس سلسلہ میں میں مضطرب ہوں کہ درست بات کون سی ہے۔ بعض احباب نے آپ کا نام کہا ان سے مسئلہ پوچھنے بنا بریں میں آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔ عبدالمجید ملتان شہر

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رکوع میں ملنے سے رکعت کے ہو جانے میں زمانہ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض علماء نے طرف گئے ہیں کہ رکعت نہیں ہوتی اور بعض علماء کے نزدیک رکوع میں ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ میری تحقیق ناقص میں اول الذکر فریق کے دلائل قوی ہیں اور یہی صحیح ہے۔ حدیث میں ہے:۔ ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا الحدیث جتنا حصہ امام کے ساتھ پا لو پڑھ لو اور جس قدر رہ جائے امام کی نماز کے بعد پورا کر لو۔ تو ضروری ہے کہ رکوع پانے والا امام کی نماز ختم ہونے پر قیام اور سورہ فاتحہ اٹھ کر پڑھ لے اور باقی رکعت جو اس نے رکوع کے بغیر پائی ہے وہ بھی پڑھے کیونکہ نماز ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ابو حفص عثمانی خطیب جامع اہلحدیث بلاک جی ڈیرہ غازیخان ۲۳ جولائی ۱۹۸۳ء مطابق ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ

نے یہ کتاب علامہ الدہر نواب صدیق حسن مرحوم کی ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید اولاد حسن تھا۔ جنہوں نے منجملہ اساتذہ کے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے اکتساب علم کیا۔ سید احمد بریلوی کے خلفاء میں سے تھے۔ اپنے برادر بزرگ سید احمد حسن عرشی، سید احمد علی فرخ آبادی، ملا محمد مراد بخاری، مولوی محمد محب اللہ پانی پتی اور مولانا مفتی صدر الدین صاحب دہلوی سے علم حاصل کیا۔ ۲۱ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے دہلی سے اپنے وطن قنوج میں واپس آئے۔ صاحب کثیر التصانیف تھے۔ حضرت والا نے تقریباً ۲۲۲ کتابیں لکھیں جن کی ضخامت لاکھوں صفحات تک ہے۔ ان میں عربی۔ فارسی اور اردو ہر زبان میں بہتر سے بہتر تصانیف ہیں۔ ان تصانیف میں اکثر کتابیں اس مرتبہ کی ہیں جن سے مبتدی اور منتہی دونوں کو شاید عقدہ ہوگا۔ آپ نے ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۰۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔ (سیدتک)

باب التشہد

سوال ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ التحیات میں ایہاالنبی پڑھنا چاہیے یا علی النبی ، بندہ کا اکثر حنفیوں سے جھگڑا ہوتا رہتا ہے جواب دیکر تسلی فرمادیں ؟

جواب ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ اور اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ پہلی صورت میں استحضار خیالی کی صورت ہوگی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال میں لاکر مخاطب کیا گیا ہے۔ نہ کہ حاضر وناظر سمجھ کر۔ حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب الاعتصام جلد ۱۲ ش ۱۲

سوال ، عورت نماز کا سجدہ باتباع سنت اس طرح کرے کہ اسکی کہنیاں اس کے پہلوؤں سے الگ اور پیٹ رانوں سے جدا ہو، جیسا کہ حدیث ابوداؤد عن میمونہ وحدیث مسلم وبخاری عن عبداللہ بن بحینہ سے ظاہر ہے یا اپنی کہنیوں کو رانوں سے ملا کر زمین سے اس طرح مل جائے کہ گویا کہ وہ اس سے چمٹ گئی۔ جیسا کہ حدیث عن یزید بن حبیب انہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذالك لیست کالرجل۔ رویٰ ابوداؤد فی مراسلہ ورواہ البیہقی من طریقین موصولین لکن فی کل منہما متروک ؟

جواب ، عورت مردوں کا نماز پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ صلوا کما رأیتمونی اصلی رواہ البخاری ، اور بخاری باب سنۃ الجلوس فی التشہد میں ہے کانت ام الدرداء تجلس فی صلاتها جلسة الرجل وکانت فقیهة ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح بیٹھیں اور یہ حدیثیں بیہقی اور ابوداؤد کی مذکور فی السوال میں وہ ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔

اخبار اہل حدیث دہلی
۱۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء

مسئلہ : شیخ البانیؒ نے درمیانی تشہد میں درود پڑھنے کا ثبوت پیش کیا کہ مسند ابو عوانہ ج ۲ میں صحیح حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بیان فرماتی ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں کان یصلی تسع رکعات یجلس فی الثامنۃ ویدعوا ویصلی علی نبیہ اور جو لوگ درمیانی تشہد میں درود نہ پڑھنے پر ابوداؤد باب تخفیف القعدہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشہد میں ایسے بیٹھتے جیسے آگ کے انگاروں پر۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیوں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عبیدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان کی ملاقات اپنے والد سے نہیں، اس لئے درمیانی تشہد میں درود کی نفی پر اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں...... اور اگر حدیث کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخری تشہد کی نسبت کم بیٹھتے، یہ مطلب نہیں کہ درود نہ پڑھتے اور اگر درود پڑھ لیا تو صلوٰۃ بیکار (ذم کئی نماز) ہو جائے گی جیسے امام شافعی کا قول ہے یا جیسے حنفیہ کہتے ہیں کہ سجدہ سہو لازم آئے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے التحیات میں درود شریف اور دعا پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

شیخ البانی کا خیال ہے پڑھ سکتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ "مسند ابو عوانہ میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعت وتر پڑھتے تو آٹھویں رکعت میں التحیات میں بیٹھتے، دعا مانگتے اور درود شریف پڑھتے"

حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ "اس دلیل سے شرح صدر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ نماز وتر کی بعض خصوصیات ہیں جو دوسری نمازوں میں نہیں، شاید یہ بھی نماز وتر کی خصوصیت ہو۔

نیز مسند ابو عوانہ کے حوالہ پر اکتفا ٹھیک نہیں، یہ روایت ابن حبان اور مسلم شریف میں بھی ہے لیکن مسلم شریف میں درود شریف کا ذکر نہیں صرف دعا کا ذکر ہے" (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۹ ش ۳۸)

؎ شیخ البانی جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے صدر مدرس ہیں۔ شیخ موصوف نسلاً البانوی ہیں آپ کا خاندان جب مسلمان ہوا تو حنفی مذہب اختیار کیا۔ شیخ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں کمال بخشا۔ اپنی تحقیق سے اہلحدیث ہو گئے۔ ملک شام میں درس و تدریس کا سلسلہ کیا۔ آپ کو علم حدیث میں خصوصاً اسماء الرجال میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ ممالک عربیہ میں آپ کی علمی قابلیت مسلّم اور مشہور ہے کہ علم حدیث میں ان سے زیادہ تحقیق کسی کو نہیں۔ میر [illegible] کی مختصر مجلس میں شیخ البانی سے تفصیلی گفتگو ہوا جس کو تنظیم اہلحدیث میں شائع کیا گیا ہے جس پر حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کا محاکمہ بھی شائع ہوا۔ سعیدی

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اٹھانا سبابہ کا تشہد میں کتب احادیث سے کب تک ثابت ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب : واضح ہو کہ اٹھانا سبابہ کا آخر تشہد تک کتب احادیث سے ثابت ہے جیسا محلی شرح موطا میں مرقوم ہے ہو نقل عن بعض ائمۃ الشافعیۃ والمالکیۃ انہ یدیم رفعہا الی آخر التشہد واستدل لہ بما فی ابی داؤد انہ رفع اصبعہ فرأیناہ یحرکہا ویدعو وفیہ تحریکہا دائما اذ الدعاء بعد التشہد قال ابن حجر ولیس ان یستمر الرفع الی آخر التشہد کما قالہ بعض ائمتنا واعترضہ بجر بان الاولی عند الفراغ اعادتہا انتہی قال علی القاری والاول ہو المعول لان الاعادۃ یحتاج الی روایۃ وقال ابن حجر ایضا انہ لیس رفعہا مع المنائہا قلیلا لخبر صحیح فیہ الی جہۃ القبلۃ کذا فی المصفی شرح الموطا لمولانا سلام اللہ الحنفی من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی واللہ اعلم بالصواب سید نذیر حسین   فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۳

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ انگشت شہادت اٹھانی وقت تشہد یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کے مذہب حنفی میں سنت مستحب ہے یا حرام مکروہ ہے اور جو کوئی یہ بات کہے کہ رفع سبابہ میں انگلی کاٹنی آتی ہے وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب : درصورت مرقومہ معلوم کرنا چاہیے کہ امام ابو یوسف امالی کتاب اپنی میں اور امام محمد موطا میں دونوں صاحب کہ جو شاگرد رشید امام اعظمؒ کے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع سبابہ مروی اور منقول ہے اور ہم لوگ بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور یہی قول ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے چنانچہ فتح القدیر و عینی و امیر الحاج و زیلعی و البحر الرائق و نہر الفائق و ملتقط و شمنی و نجم الدین الزاہدی و علامہ حلبی و بہنسی و ابراہیم حلبی وغیرہ نے روایۃ و درایۃ رفع سبابہ کو نقل کیا ہے اور اس باب میں علما کوفہ و علمائے مدینہ وغیرہ سے بہت سے اخبار و آثار مروی اور منقول ہیں۔ اور ملا علی

لہ شافعی اور مالکی بعض ائمہ سے منقول ہے کہ تشہد کے آخر تک سبابہ انگلی اٹھائے رکھے اور انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کو اٹھایا تو ہم اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے ابن حجر کہتے ہیں کہ مسنون ہے کہ تشہد کے آخر تک انگلی اٹھائے رکھے جیسا کہ ہمارے ائمہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد پھر اس کو نیچے کرے۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ پہلا قول معمول ہے کیونکہ اعادہ تب ہی ہوگا جبکہ اس کو نیچے رکھا جائے گا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ انگلی اٹھائے تو کچھ جھکا کر قبلہ رخ رکھے۔

قاری اور ملا عابد سندھی و زین الدین شامی نے اٹھائیس صحابہ سے روایت کی ہے اور رفع سبابہ میں ائمہ اربعہ و علمائے متقدمین اہل مذاہب کے سب متفق ہیں۔ اس میں ائمہ اربعہ وغیرہ کا اختلاف نہیں اور منع رفع سبابہ میں کوئی قول صحابی مذکور اور منقول نہیں تو اٹھانا اس کا مستحب آکد اور موجب ثواب کثیر ہے اور خلاصہ کیدانی والے سے یا اور علماء سے اس باب میں خطا واقع ہوئی ہے۔ اس کے حرام مکروہ لکھنے میں تو قول مانعین کا اور حرام مکروہ کہنے والے کا از روئے دلائل شرعیہ کے محض باطل ہے نزدیک علمائے محققین حنفیہ کے اور جو شخص بعد مطلع ہونے کے روایات فقہیہ اور احادیث نبویہ کے حرام کہے اور منع کرے وہ مردود اور گمراہ ہے، خوف کفر کا ہے اس پر از روئے اہانت اور حقارت کے، قال[1] الله تعالى ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا الاية وصحح في فتح القدير القول بالاشارة وانه مروى عن ابى حنيفة كما قال محمد فالقول بعدمها مخالف للرواية والدراية ورواه فى صحيح مسلم من فعله صلى الله عليه وسلم وفى المجتبى لما اتفقت الروايات عن اصحابنا جميعا فى كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الاخبار والآثار كان العمل بها اولى كذا فى البحر الرائق وقال فى الدر المختار واحترزنا بالصحيح عما قيل لا يشير لانه خلاف الدراية والرواية وفى العينى عن التحفة الاصح انها مستحبة وفى المحيط انها سنة كذا فى الدر المختار مختصر المعنى ما صحح الشراح لاسيما المتأخرون كالكمال والحلبى والبهنسى والباقلانى وشيخ الاسلام وغيرهم انه يشير لفعله صلى الله عليه وسلم ونسبوه لمحمد والامام وقال محمد فى المؤطا بعد حديث الباب وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهو قول ابى حنيفة وذكر ابو يوسف فى الامالى كما نقله الشمنى وغيره انه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الابهام والوسطى ويشير بالسبابة وهذا فرع تصحيح الاشارة وفى المنافى الاشارة

---

[1] جو تم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز آجاؤ، فتح القدیر میں لکھا ہے انگلی سے اشارہ کرنا درست ہے۔ اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے جیسا کہ امام محمد نے بیان کیا ہے اور اس کی ممانعت کرنا روایت اور درایت دونوں کے برخلاف ہے مجتبیٰ میں ہے اس کے سنت ہونے پر تمام روایات متفق ہیں۔ کوفی اور مدنی لوگوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے اور احادیث و آثار اس کے متعلق بہت زیادہ ہیں۔ عینی نے اس کو مستحب کہا ہے۔ اور صاحب محیط نے سنت، در مختار میں ہے کہ یہی صحیح ہے کہ یہ سنت ہے۔ متاخرین شراح مثلاً کمال، حلبی، بہنسی، باقلانی، اور شیخ الاسلام وغیرہ نے اس کی خوب تحقیق کی ہے۔ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ کی سنت ہے۔ اور امام محمد، امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، خانیہ میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کے وقت انگلی اٹھانا

عندلا الہ الا اللہ حسن لا خلاف فیہ وھکذا فی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فان قیل الیس قاعدۃ الکیدانی ذکر فی الغوائب وغیرھا من المحرمات قلنا قولھم فی مقابلۃ النص واقوال الائمۃ مردود لایعبأ بہ ولیس فی ھذا الجانب حدیث ولا اثر یعتمد علیہ ولا یستند قولھم بقول ابی حنیفۃ وصاحبیہ وقولھم انہ لاخلاف ظاھر اصول اصحابنا غیر مقبول ففی العنایۃ والذخیرۃ والمحیط والخزانۃ عن التاتارخانیۃ انہ لم یذکر محمد تلک المسئلۃ فی الاصل لا نفیا ولا اثباتا فلم یوجد لنا نص علیہ محمد رحمۃ اللہ علیہ فی مؤطاہ معارض من ظاھر الروایۃ وقد روی الاشارۃ بالسبابۃ عند التشھد عن جملۃ من الصحابۃ انتھی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامۃ سلام اللہ من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدھلوی وقال العلامۃ عابد السندی فی طوالع الانوار شرح الدر المختار ان الاشارۃ قد رویت عن سبعۃ وعشرین صحابیا وھکذا ذکر الملا علی قاری الھروی فی الرسالۃ۔ پھر جو کوئی باوجود احادیث اور اقوال و افعال صحابہ کرام و مجتہدین عظام اور دیگر علمائے اعلام کے حرام کہے اور انگلی کاٹنے کا قائل ہو، اور اعتقاد رکھتا ہو مردود اور بڑا جاہل بے وقوف ہے۔ ایسے جاہل کے قول کا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے اور اس قدر دیندار منصف کو کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم العاجز محمد نذیر حسین عفی عنہ فی الدارین [سید محمد نذیر حسین]

[اسد علی] ———— فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۰۲ ————

مسئلہ: رفع سبابہ نماز میں سنت ہے۔ یعنی التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت انگشت شہادت یعنی کلمہ کی انگلی اٹھانا سنت ہے۔ اور یہ علماء حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی ؒ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی

سنت ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ آخری دو انگلیاں بند کرے۔ اور انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ کیدانی نے غرائب میں اس کو افعال محرمہ سے شمار کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص اور اقوال ائمہ کے برخلاف ان کا قول مردود ہے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جائے گی اور اس کی موافقت میں کوئی حدیث قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور امام صاحب اور صاحبین کے قول کے برخلاف ان کے قول کی کیا حقیقت ہے۔ در مختار کی شرح طوالع الانوار میں ہے کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے متعلق ستائیس صحابہ سے روایات منقول ہیں۔ ملا علی قاری نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔

ہے وہ عبارت یہ ہے۔ وَيُسَنُّ اَنْ يَكُوْنَ رَفْعُهَا اِلَى الْقِبْلَةِ لِحَدِيْثٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاَنْ يَنْوِيَ بِرَفْعِهَا التَّوْحِيْدَ وَالْاِخْلَاصَ لِحَدِيْثٍ فِيْهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَاَنْ لَا يُجَاوِزَ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ لِاِتِّبَاعِ الْمَرْوِيِّ وَاَنْ يَخُصَّ الرَّفْعَ بِقَوْلِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَمَا فِيْ رِوَايَةِ الْمُسْلِمِ وَاَنْ يَسْتَمِرَّ عَلَى الرَّفْعِ اِلٰى اٰخِرِ التَّشَهُّدِ كَمَا قَالَهُ الْبَعْضُ وَاحْتَرَزَ بِهٖ عَنْ قَوْلِ جَمْعٍ بِاَنَّ الْاَوْلٰى عِنْدَ الْفَرَاغِ اِعَادَتُهَا انتہٰی وَالْاَوَّلُ هُوَ الْمَنْقُوْلُ لِاَنَّ الْاِعَادَةَ يَحْتَاجُ رِوَايَتُهٗ یعنی اور مسنون یہ ہے کہ اٹھائی جاوے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور مسنون ہے کہ جب انگشت شہادت کو اٹھاوے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے۔ اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقیؒ نے روایت کی ہے اور مسنون یہ ہے کہ تجاوز نہ کرے نظر مصلے کی اس کے اشارہ سے تا حدیث کی اتباع ہو وے اور خاص اسوقت انگشت شہادت کو اٹھاوے جب لا الٰہ الا اللہ پڑھے اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے، اور بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک برابر انگلی اٹھاوے رہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہووے تو پھر دوبارہ انگلی اٹھاوے اور عمل اول قول پر ہے اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضرور ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہیئے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۲۴۷)

مسئلہ: روایت کی امام ربانی محمد بن شیبانی نے اپنے موطا یعنی موطا امام محمدؒ میں امام مالکؒ سے اور انہوں نے روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبدالرحمٰن معاوی سے کہ علی بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں سنگریزوں سے کھیل رہا تھا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو عبداللہ بن عمر رضؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے میں نے کہا! کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے تو عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں کو بند کرتے تھے اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اس سے اشارہ کرتے تھے اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے۔ امام محمدؒ نے کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔ موطا امام محمدؒ کی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔ اور بدائع اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مشیخہ میں اشارہ کرنے کے لیے تصریح کی ہے اور وہ اس بارہ حدیث لائے ہیں۔ کہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور ہمارا یہی قول ہے اور ذخیرہ اور شرح زاہدی میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور میرا یہی قول ہے اور کفایہ اور تاتارخانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے۔ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور عنایہ میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مشیخہ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے اور وہ اس بارہ میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے اور امام محمد اور ابن السکیتؒ نے بھی اپنے صحاح میں عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاشارۃ بالاصبع اشد علی الشیطان من الحدید یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلی سے اشارہ کرنا لوہے سے زیادہ شیطان پر سخت گزرتا ہے اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیان کی انگلی پر رکھتے تھے اور عبدالرزاق نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبری کے ستر جز ہیں ایک جز سحری کھانے میں دیر کرنا ہے۔ اور دوسرا جز افطار کرنے میں جلدی کرنا ہے۔ اور یہ بھی ایک جز ہے انگلی سے نماز میں اشارہ کرنا اور حاکم نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے عوض میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر ایک انگلی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اشارہ کی بہت فضیلتیں ہیں اس مختصر میں ان کی گنجائش نہیں اس کے حال پر افسوس ہے جو اشارہ نہیں کرتا اور ان فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے اور ملتقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے میں علماء کا اختلاف نہیں اور خانیہ میں لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماء کے ثابت ہے کہ التحیات میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہیئے اور کفایہ میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا قول ہے کہ بالاتفاق اس بارہ میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علمائے کوفہ اور علمائے مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارہ میں بہت اخبار و آثار ہیں تو ان پر عمل کرنا بہتر ہے یعنی

اشارہ کرنا چاہیے، امام ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہی قول ہے اور محقق حلبی نے غنیۃ المستملی میں لکھا ہے اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت انگلیوں کو بند کرے، اور اشارہ کرے تاکہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے۔ اور امام ابو یوسف نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کر دے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے اور شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک اسی طور پر اشارہ کرنا ثابت ہے اور صاحب ہدایہ نے مختارات النوازل میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ جب پڑھے اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ اشارہ نہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اس واسطے کہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا، اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے بلکہ قیاس ہے اور جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود ہو تو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا اس کو صحیح حدیثیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی روایتوں کو نہ جانا۔ ورنہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارہ میں یہ کہے کہ یہ فعل سکون اور وقار کے خلاف ہے خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارہ میں ایسا کہے تو وہ شخص بلا اتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ اور صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماء متقدمین کی سنت ہے، علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا ہے کہ علمائے متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہیے۔ پہلی بات جو یہ ہے۔ کہ علماء متاخرین نے اشارہ کو کرنے منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل امام اعظم کے اصول کے خلاف ہے اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے اور جب صحیح حدیث موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے دوسری بات یعنی یہ کہ علماء متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو تیسری بات یعنی یہ کہ علماء متاخرین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہیے اس واسطے علماء متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہیے، رافضیوں کا جو فعل فی الواقع سنت ہے اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہیے۔ اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جاوے گی تو اس میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جاوے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ رافضی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتے ہیں تو رافضیوں کے یہ افعال ہیں، درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد و ثنا کرنا، وضو میں پے در پے بدن کو دھونا اور ناخن کتروانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف کے بال مونڈنا اگر اس غرض سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو سنتوں کو چھوڑنا ضروری ہو تو سنیوں کو چاہیئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہو اکثر سنتوں کو ترک کریں جو عادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے آپ کو سنی کہیں یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے اور محیط میں لکھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں تو بات طویل ہو جاوے گی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے جو دلیل یا کسی کے گمان کی بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں۔ سنی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام صاحب کے خلاف مذہب اس کا اصل ہے۔ فتاویٰ عزیزی جلد اول صہ۱۲

سوال: تشہد میں انگلی کب اٹھانی چاہیئے اور کب تک اٹھانی چاہیئے اور کس موقع پر متحرک کرے؟

جواب: جس وقت تشہد میں بیٹھے تو بیٹھتے ہی مثا انگلی کو جس کو سبابہ کہتے ہیں۔ اٹھا لینا چاہیئے اور تا وقتیکہ سلام نہ پھیرے۔ اٹھائے رکھے اور جس وقت تشہد پڑھتا ہوا لا الہ الا اللہ پر پہنچے تب انگلی کو متحرک کرے۔ واللہ اعلم کما لا یخفی علی ماہر الکتاب (فتاویٰ ستاریہ جلد اول صہ۱۲)

مسئلہ شہادت پر انگلی سے تشہد میں اشارہ کرنا سنت ہے۔ لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے اور إلا پر رکھ دے اور سب انگلیاں سیدھی کرے۔ حدیث میں ہے جس کو ابوداؤد و نسائی نے عبد اللہ بن زبیرؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے (تشہد میں کلمۂ شہادت پر پہنچتے) تو انگلی سے اشارہ کرتے اور حرکت نہ دیتے۔ نیز ترمذی و نسائی و بیہقی ابوہریرہؓ سے راوی کہ ایک شخص کو دو انگلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا فرمایا توحید کر توحید کر (ایک انگلی سے اشارہ کر)

(نوٹ: یہ مسئلہ حنفی بریلوی مسلک کی معتبر کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔ دیکھو بہار شریعت ۳/۳ (سعیدی)

باب السہو

سوال : ایک امام مسجد نے قرأت پڑھتے ہوئے قرآن مجید کی ایک آدھا آیت بھول جانے پر نماز کو پورا کرنے کے بعد دہرایا۔ مقتدیوں نے اس کے ساتھ نماز پورا کرنے کے بعد دہرائی۔ کیا واقعی قرأت پڑھتے ہوئے کوئی آیت غلط پڑھی جائے یا بھول کر رہ جائے تو نماز دہرانی پڑتی ہے یا سجدہ سہو کرنا ضروری ہوتا ہے؟

جواب : بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ منتقی میں ہے، عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترك اٰية فقال له رجل يا رسول الله تركت اٰية كذا وكذا قال فهلا ذكرتنيها رواه ابوداؤد وعبدالله بن احمد فی مسند ابیه۔ وعن ابن عمران النبی صلی الله علیه وسلم صلی صلوٰة فقرا فیها فلبس علیه فلما انصرف قال لاُبیّ اصلیت معنا قال نعم قال فما منعك۔ رواه ابوداؤد (منتقی باب الفتح فی القراۃ علی الامام وغیرہ)

مسور بن یزید مالکیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ ایک آیت چھوڑ دی، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، آپ نے فرمایا: تونے مجھے یاد کیوں نہ دلایا: اس کو ابوداؤد نے اور عبداللہ بن احمد نے اپنے والد کی مسند میں روایت کیا ہے۔" اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اس میں قرأت پڑھنی بھول گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت ابی کو فرمایا: تونے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ کہا: "ہاں" فرمایا! تو نے مجھے بتا کیوں نہ دیا؟

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت میں کسی آیت کے ترک ہونے یا بھول جانے سے نہ نماز لوٹانے کی ضرورت ہے نہ سجدہ سہو پڑتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز لوٹاتے یا سجدہ سہو کرتے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو لقمہ ضرور دینا چاہیئے جو لوگ لقمہ دینے سے منع کرتے ہیں ان کا خیال ان احادیث کے خلاف ہے۔ ہاں ایک حدیث منع کی بھی آئی ہے مگر اول تو وہ منقطع ہے اس میں ایک راوی

ابواسحاق ہے جس نے حارث اعور سے یہ حدیث نہیں سنی، نیز حارث اعور کذاب ہے۔ پس یہ حدیث بالکل قابلِ استدلال نہیں۔ خاص کر مذکورہ بالا احادیث کے مقابلہ میں کیوں کہ وہ قابلِ استدلال ہیں۔

(ملاحظہ ہو نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۲۳) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۳

سوال: چار رکعتوں کے درمیان التحیات بھول جائے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: فرضوں میں اگر درمیانی تشہد بھول جائے تو حدیث میں سجدہ سہو آیا ہے۔ نفلوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے کیوں کہ جس مسئلے میں نفلوں کو فرضوں سے علیحدہ نہیں کیا، ہم علیحدہ نہیں کر سکتے۔ پس نفلوں میں بھی سجدہ سہو کافی ہے۔ از حضرت العلوم محدث روپڑی تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۱۹-۲۰

سوال: سجدہ سہو کس طرح کیا جاتا ہے کیا رکعت کی کمی بیشی پر ہی سجدہ سہو ہو سکتا ہے؟ محمد سرور خانیوال

الجواب: سجدہ سہو رکعت زیادہ ہو جائے تو کرنا چاہیے، اگر کم ہو تو کمی پوری کرے، یہاں تک کہ سمجھے کہ نماز کم تو نہیں ہے۔ پھر اس کے لئے بھی سجدوں کی تعداد دو ہے۔ درمیانہ تشہد رہ جائے تو سجدہ سہو کرے۔ (سلام کے بعد بھی کر سکتا ہے، سلام سے پہلے بھی) حضرت العلام حافظ محمد صاحب الاعتصام جلد ۲ ش ۲۷

سوال: ایک مسجد کے امام نے مغرب کی نماز پڑھائی، سلام پھیرتے وقت ایک مقتدی نے اللہ اکبر کہا دوسرے نے چپ سبحان اللہ، امام کھڑا ہو گیا اور ایک رکعت پڑھی پھر ایک سلام کیا پھر دو سجدے سہو کے، پھر التحیات درود، دعا کے بعد سلام پھیرا، مقتدیوں نے کہا: نماز پوری ہو گئی تھی، آپ نے ایک رکعت زائد پڑھا دی، پھر امام صاحب نے فرمایا نماز غلط ہو گئی۔ پھر جلد جلد دہرا دی۔ عرض خدمت یہ ہے کہ کیا نماز غلط ہو گئی یا دو سجدے سہو کے کافی ہیں؟

الجواب: پہلی نماز سجدہ سہو کے ساتھ پوری ہو چکی ہے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی، اگر اس میں کوئی غلطی ہو گئی تھی تو دو سجدے سہو کافی ہیں۔

مولانا عبدالسلام صاحب بستوی مدرسہ ریاض العلوم دہلی اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۱۹

سوال ۔ اگر امام قرأت میں کسی جگہ پر بھول جائے یا درمیان میں کوئی آیت چھوڑ جائے اور مقتدیوں میں سے لقمہ دینے والا کوئی نہ ہو تو سجدہ سہو کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب : حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے اس لئے قرأت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے۔

تعاقب : اخبار اہلحدیث مجریہ ۱۵ محرم سنہ حال میں سوال کا جو یہ جواب تحریر فرمایا گیا ہے کہ حدیث شریف میں ہر بھول پر سجدہ کا حکم ہے، اس لئے قرأت بھول جائے تو بھی سجدہ سہو کرے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اولاً ہر بھول پر سجدہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ بلوغ المرام میں ہے عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لکل سھو سجدتان بعد ما یسلم رواہ ابوداؤد وابن ماجہ بسند ضعیف، ثانیاً قرأت بھول جانے کی حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت نہیں ہے سنن ابوداؤد میں ہے عن ابی المسور بن یزید المالکی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فترک شیئا لم یقرأہ فقال لہ رجل یا رسول اللہ ترکت آیۃ کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھلا ذکرتنیھا قال کنت اراھا نسخت وفی روایۃ ابن حبان فقال ظننت انھا نسخت قال فانھا لم تنسخ۔ یعنی مسور بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قرأت پڑھ رہے تھے پس کچھ چھوڑ دیا اور اس کو پڑھا نہیں تو ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ آپ نے فلاں فلاں آیت چھوڑ دی، تب آپ نے فرمایا! مجھے کیوں یاد نہیں دلایا۔ اس مرد نے کہا میں نے گمان کیا کہ وہ آیت جس کو آپ نے چھوڑ دیا اور پڑھا نہیں، منسوخ ہو گئی ہے آپ نے فرمایا منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ و نیز سنن ابوداؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ فقرأ فلبس علیہ فلما انصرف قال لابی اصلیت معنا قال نعم قال فما منعک الخ یعنی عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پس آپ نے قرأت کی تو آپ پر قرأت ملتبس ہوئی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ابی بن کعب سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کس چیز نے لقمہ دینے سے تم کو روکا۔ یہ دونوں حدیثیں فتاویٰ نذیریہ جلد اسے منقول ہیں۔

الحاصل احادیث سے نماز کی کمی وزیادتی کی حالت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سہو کرنا ثابت ہے مگر قرأت بھول جانے پر سجدہ سہو کرنا حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ دونوں مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر ہے۔ پس اگر امام نماز میں کوئی آیت بھول کر چھوڑ جائے تو اس کو سجدہ سہو نہیں کرنا چاہیے

هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

جواب تعاقب: آپ نے جو تعاقب کیا ہے۔ یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ لکل سہو سجدتان سجدے کی نفی نہیں عدم ذکر ہے، عدم ذکر سے نفی لازم نہیں آتی، علاوہ اس کے مسئلہ زیر بحث میں علماء کے متعدد اقوال ہیں آپ نے جو اختیار کیا ہے وہ بھی ایک مذہب ہے۔ اور ایک مذہب یہ بھی ہے کہ جن جن مقامات میں آپ نے سجدہ سہو کیا ہے صرف وہی قابل سجدہ ہیں، دوسرے نہیں۔ سفر السعادت میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ زیادہ قابل بحث نہیں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۴۳۳)

سوال: امام نے بھول کر چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھ دیں اور مقتدیوں نے لقمہ بھی نہ دیا۔ بعد فراغت امام صاحب کو جتلایا گیا کہ آپ نے ایک زائد رکعت پڑھ لی ہے تو آپ نے جواب میں کہا۔ اگر لقمہ دیتے تو میں ایک رکعت اور پڑھ لیتا پھر سجدہ سہو کر لیتا۔ اس طرح سے چار فرض ادا ہو جاتے اور دو رکعت نفل ہو جاتیں لیکن اب سجدہ ہی کرنا کافی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ امام مذکور کا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے پانچ پڑھنے والا ایک اور ملا لے۔ اس کے دو نفل ہوں گے۔ اگر پانچ پر سجدہ سہو کرے تو دو سجدے ایک رکعت کی طرح پانچویں سے مل کر دو رکعت کا ثواب دلوا دیں گے انشاء اللہ۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص۲۵۹ جلد اول)

سوال: فرضوں کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اگر کوئی سورت وغیرہ پڑھی جائے تو کیا سجدہ سہو لازم ہے؟

جواب: فقہا ایسی صورت میں سجدۂ سہو کرنے کا حکم دیتے ہیں میرے ناقص علم میں سجدۂ سہو واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

تشریح: یہاں سجدہ سہو کرنے کے لیے فقہا کا اتباع صحیح نہیں مسی الصلوٰۃ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے فرائض و آداب بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا ثم اقرأ بام القرآن وبما شاء اللہ هذا لفظ المصابیح ولابی داود وابن حبان بما شئت کذا فی بلوغ المرام ص۱۹ ومشکوٰۃ جلد اول ص۔۔۔ پھر آپ نے یہ بھی فرمایا ثم افعل ذلک فی صلاتک کلها اخرجه السبعة واللفظ للبخاری بلوغ المرام ص۱۹ ہمارے لیے محل استدلال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہی لفظ مبارک ہیں۔ جن سے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کچھ اور بھی قرآن شریف سے پڑھنا ثابت ہوا لہٰذا سجدہ سہو کا حکم جو فقہاء کرام دیتے ہیں ہے۔ باطل ہے۔ (ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱)

باب المسبوق

سوال : مسبوق کو اگر امام بنا کر اس کی اقتدا کی جائے، تو جائز ہے یا نہیں۔ اگر حدیث شریف سے ایسی امامت کا ثبوت ہو، تو ارقام فرما کر مطمئن فرما دیں؟

جواب : مسبوق کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے، کہ آج کل بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ نماز با جماعت میں ایک دو رکعت ہو جانے کے بعد شامل ہوتے ہیں۔ سلام پھیرنے کے بعد ایک مسبوق آگے ہو کر امام بن جاتا ہے۔ اور دوسرے مسبوق مقتدی بن جاتے ہیں۔

یہ صورت شرع سے ثابت نہیں، صحابہ کرام آپ کے زمانہ میں ایسا کبھی نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ صلوٰۃ الخوف موجود ہے۔ آپ حاضرین کے دو گروہ کر دیتے تھے ایک گروہ کو ایک رکعت پڑھا دیتے تھے، پھر وہ دشمن کے مقابل میں جا کھڑے ہوتے تھے، پھر دوسرے گروہ کو ایک رکعت پڑھا دیتے تھے اور خود سلام پھیر دیتے اور لوگ اپنی رکعت باقی ماندہ کو اکیلے اکیلے پڑھتے تھے حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ فقام کل واحد منھم فرکع لنفسہ رکعۃ یعنی ہر ایک ان میں کھڑا ہو جاتا اور اپنے لیے الگ نماز پڑھتا۔ اس حدیث سے امامت مروجہ مسبوق کی پوری تردید ہوتی ہے۔ وللتفصیل مقام آخر۔ مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث دہلی)

سوال : جو آدمی آخری چوتھی رکعت میں امام سے ملے اس کی وہ رکعت پہلی ہے یا پچھلی ہے اور فاتحہ کے بعد قرأت ترک کرے تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب : مسبوق جس رکعت میں ملے وہ اس کی پہلی رکعت ہوتی ہے، سورۃ ملانا الحمد کے ساتھ دوسری، تیسری رکعت میں ضروری ہے۔

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی عنہما

(فتاویٰ غزنویہ ص ۳۲)

باب الوتر

سوال۔ ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ تین رکعت وتر کی صحیح وراجح صورت کیا ہے؟

جواب۔ الحمد للہ رب العلمین اکثر روایات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تین رکعت وتر پڑھنا ثابت ہے اخرج النسائی عن ابی بن کعب ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی وفی الرکعة الثانیة بقل یا ایہا الکافرون وفی الثالثة بقل ھو اللہ احد ولا یسلم الا فی اٰخرھن قال الشوکانی فی نیل الاوطار (ص۲۹ جلد ۳) الحدیث رجالہ ثقات الا عبد العزیز وھو مقبول وحدیث الباب یدل ایضا علی مشروعیة الایتار بثلاث رکعات متصلة۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ (سبح) دوسری میں سورۃ کافرون اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ اور تینوں رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھا کرتے تھے۔

ایک معتبر روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع لا تشبھوا بصلوٰة المغرب (اخرجہ الدارقطنی) ورواتہ کلھم ثقات واخرج محمد بن نصر المروزی (فی قیام اللیل ص۱۲۴) من طریق عراك بن مالك عن ابی ھریرة مرفوعا وموقوفا لا توتروا بثلاث تشبھوا بصلوٰة المغرب صححہ الحاکم وابن حبان والعراقی وسکت علیہ الحافظ (فتح الباری ص۳۹۶ و شوکانی نیل الاوطار ص۳۳) وقال الحاکم ھذا صحیح علی شرط الشیخین واخرجہ ایضا مجد الدین الفیروزآبادی فی سفر السعادة واشار الی صحتہ الحافظ ابن القیم فی الاعلام (ص۲۵۹ جلد ۱)

یعنی تین وتر نہ پڑھو۔ پانچ یا سات پڑھو، نماز مغرب سے مشابہ نہ کرو۔

یہ حدیث بہ حیثیت مجموعی صحیح ہے، بہت سے محققین اور فحول علماء اس کی صحت کی تائید میں ہیں چونکہ بادی النظر میں پہلی روایات اور اس روایات میں تعارض معلوم ہوتا ہے لہٰذا محدثین کرام نے اس میں تطبیق دینی چاہی کہ تعارض بالکل نہ رہے۔

فرمان واجب العمل والاذعان پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے صرف مشابہت نماز مغرب سے منع فرمایا ہے۔ پس ایسی صورت میں کہ جس سے مشابہت نہ رہے، نہی وارد نہیں ہو سکتی، علامہ ابن حجر کا خیال ہے کہ اگر وتروں میں درمیان کا التحیات (جو آج کل مروج ہے) نہ پڑھا جائے اور صرف ایک ہی تشہد پر اکتفا کیا جائے تو پھر نماز مغرب سے مشابہت نہیں رہتی اور یہی دونوں طرف کی روایات کا مطلب ہے، سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۱۳۵ جلد اول میں ہے۔ وقد جمع بینہما الحافظ (فی فتح الباری ص۳ جلد ۲) بان النہی عن الثلاث اذا کان یقعد للتشہد الاوسط لانہ یشبہ المغرب واما اذا لم یقعد الا فی اٰخرھا فلا یشبہ المغرب وھو جمع حسن۔

یعنی جب (تین رکعت وتر) دو تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت تین رکعت وتر منع ہیں۔ (اور یہی مطلب حدیث دارقطنی وغیرہ کا ہے۔) اور جب ایک ہی تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت کوئی حرج نہیں۔ (اور یہی روایات ثابتہ کا مطلب ہے)

مرفوع حدیث حافظ صاحب ممدوح کی اس تقریر کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے، جس میں تصریح ہے۔ کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تین رکعت وتر کی نماز ایک ہی (یعنی آخری) تشہد (التحیات) سے ہوا کرتی تھی۔ (فتح الباری جلد ۲ ص۳۳)

قال فی سبل السلام (ص۱۳۵ جلد ۱) وقد ایدہ حدیث عائشۃ عند احمد والنسائی والبیہقی والحاکم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یجلس الا فی اٰخرھن ولفظ احمد کان یوتر بثلاث لا یفصل بینھن ولفظ الحاکم لا یقعد۔ انتہی ملخصاً وحدیث عائشۃ ھذا اوردہ الزرقانی فی شرح المواھب وصاحب السبل فی حاشیۃ زاد المعاد (نادی نذیریہ جلد ۱ ص۳۰) واوردہ ایضاً الذھبی فی تلخیصہ للمستدرک وسکت علیہ وسکوتہ دال علی تصحیحہ او تحسینہ وبالجملۃ ھذہ القرائن تدل علی کون ھذہ الروایۃ فی النسخ الصحیحۃ للمستدرک واللہ تعالیٰ اعلم۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر صرف ایک ہی تشہد سے پڑھا کرتے تھے اور درمیان تشہد میں نہیں بیٹھتے تھے۔

ایک قرینہ تین رکعت وتر کو ایک ہی تشہد سے پڑھنے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ جن سے تین رکعت وتر سے نہی ثابت ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین

رکعت وتر کے راوی ہیں۔ جیسے حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ (ملاحظہ ہو صحیح مسلم صفحہ ۲۵۴ جلد ۱)

تو معلوم ہوا کہ انہوں نے انہی تین رکعت وتر سے منع کیا ہے جو نماز مغرب کے مشابہ ہوں (یعنی دو تشہد سے ادا کیے جائیں) اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کے اثر سے بھی ہوتی ہے جو محلی میں ہے۔ عن ابن عباس انہ قال الوتر کصلوۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ (ص ۳ ج ۳)

سلف کا مسلک بہت سارے سلف سے بھی بالتصریح مروی ہے کہ وہ تین رکعت وتر کو ایک ہی تشہد سے ادا کیا کرتے تھے ....، حضرت فاروق اعظم بھی ایک ہی تشہد سے تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے، عون المعبود شرح سنن ابی داود صفحہ ۵۳۵ جلد ۱ میں ہے۔

وقد فعلہ السلف ایضا فروی محمد بن نصر (قیام اللیل ص ۱۲۶) من طریق الحسن ان عمر بن الخطاب کان ینہض فی الثالثۃ من الوتر بالتکبیر یعنی اذا قام من سجودہ لرکعۃ الثانیۃ قام مکبرا من غیر جلوس للتشہد یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ وتروں میں دوسری رکعت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور تشہد کے لیے نہیں بیٹھتے تھے۔ حضرت طاؤس، حضرت عطا، ایوب وغیرہ کا بھی یہی عمل تھا۔ قیام اللیل ص ۱۲۳ میں ہے۔ عن طاؤس انہ کان یوتر بثلاث لا یقعد بینہن یعنی حضرت طاؤس تین وتر پڑھا کرتے تھے اور درمیان کا (التحیات) نہیں بیٹھتے تھے۔

وعن عطاء انہ کان یوتر بثلاث رکعات لا یجلس فیہن ولا یتشہد الا فی آخرہن یعنی حضرت عطا تین رکعت وتر کے درمیان نہ بیٹھتے تھے نہ التحیات پڑھتے تھے۔

وقال حماد کان ایوب یصلی بنا فی رمضان فکان یوتر بثلاث لا یجلس الا فی آخرہن۔ حماد کہتے ہیں حضرت ایوب ہمیں رمضان میں (نماز تراویح) پڑھا کرتے تھے اور تین رکعت وتر میں درمیان کا التحیات نہیں بیٹھتے تھے۔ بلکہ آخری رکعت پر بیٹھتے تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ تین رکعت وتر ایک ہی تشہد سے پڑھنے مسنون ہیں اور تین رکعت وتر دو تشہد سے کسی حدیث مرفوع، صریح، صحیح یا حسن سے ثابت نہیں۔ باقی رہا اقوال و افعال صحابہ سے استناد و استدلال سو ان میں اولاً تو دو تشہد کی صراحت کا ثبوت مشکل ہے کیوں کہ صرف تثلیث نماز مغرب سے تو دو تشہد ثابت نہیں ہو سکتے۔ لاحتمال ان یکون التثلیثۃ فی العدد او عدم التسلیم (۱) اور اسی احتمال کی بنا پر

کہ ان کے اقوال میں تثلیث صوری مراد ہو، یا عدم تسلیم۔

ثانیاً افعال و اقوال صحابہ بخلاف مرفوع بالاتفاق حجت نہیں ہیں۔ ثالثاً: جن صحابہ سے یہ صورت مروی ہے ممکن ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین وتر سے منع کی حدیث نہ پہنچی ہو۔ قال الحافظ فکانہم لم یبلغہما النہی المذکور (فتح الباری جلد ۲ ص۳۸۵ طبع انصاری)

تطبیق کا دوسرا طریقہ

ہاں اگر دو تشہد سے تین وتر پڑھے جائیں تو دو سلام سے۔ چنانچہ بعض محدثین نے مذکورہ بالا احادیث میں یوں بھی تطبیق دی ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی جو امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ان کا عقیدہ بھی یہی ہے ان کے نزدیک متصل تین رکعت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچیں۔ قیام اللیل میں ہے۔ لم نجد عن النبی خبراً ثابتاً مفسراً انہ اوتر بثلاث موصولة (نیل الاوطار ج ۳ ص۳۱) اور اکثر شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ شرح مہذب میں امام نووی فرماتے ہیں واذا اراد الایتان بثلاث رکعات ففی الافضل اوجه الصحیح ان الافضل ان یصلیها مفصولة بسلامین لکثرة الاحادیث الصحیحة فیه والیه ذهب الامام احمد یعنی جب تین ہی رکعت وتر کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دو سلام ہوں اس لیے کہ زیادہ حدیثیں اسی طرح کی ہیں۔ اس کی دلیل میں یہ دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔ عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفصل بین الوتر والشفع بتسلیمة ویسمعناها رواہ احمد وابن حبان وقواہ احمد (تلخیص الحبیر ص۱۱۶) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر اور اس کے قبل کی دو رکعتوں کے درمیان سلام کے ساتھ فصل کر لیا کرتے تھے۔

عن عائشةؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی الحجرة وانا فی البیت فیفصل عن الشفع والوتر بتسلیم یسمعناه اخرجه احمد وفیه انقطاع لکن یکفی للتائید۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ سلام اپنے کمرے میں سنتی تھیں۔

مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی — الاعتصام — جلد ۳۲ ش ۱۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین از روئے دین محمدی اس مسئلہ میں کہ سائل کے ہاں آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھ کر تین وتر اس شکل میں پڑھے جاتے ہیں کہ دوسری رکعت پر تشہد کے لئے بیٹھا جاتا ہے۔ تشہد سے اٹھ کر تیسری رکعت کے لئے رکوع سے پہلے دعا قنوت ہاتھ باندھ کر پڑھی جاتی ہے۔ سائل با دلائل بالوضاحت دریافت کرتا

چاہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ثابت ہے ؟ آیا مندرجہ بالا شکل میں وتر درست ہیں یا نہیں ؟

جواب : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی تعداد کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں ۔ ایک ، تین ، پانچ ، سات ، نو ، تیرہ تک آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ادا فرمائی ہیں عموماً دو ، دو رکعت ادا فرمانے کے بعد آخر میں ایک رکعت پڑھ کر سلام کرتے اور وتر ختم کر دیتے تین اور پانچ میں درمیان میں تشہد نہیں پڑھتے تھے ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ مرفوعاً فرماتے ہیں ، من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحدۃ فلیفعل ص۲۰۳) جن میں قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد عموماً پڑھتے رکوع سے پہلے پڑھنے کے متعلق امام ابو داؤد فرماتے ہیں لیس ھو بالمشھور من حدیث حفص ویسے بھی یہ حدیث ضعیف ہے ۔ مستدرک حاکم جلد ۱ ص۳۰۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لا یسلم الا فی اخرھن " تین وتر پڑھتے اور آخری رکعت میں سلام کہتے ۔" حضرت عطاء سے مروی ہے ۔ انہ کان یوتر بثلث لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی اخرھن (مستدرک جلد ۱ ص۳۰۴) تین رکعت وتر پڑھتے ، درمیان میں نہ تشہد پڑھتے نہ بیٹھتے ۔" اس لئے بہتر یہی ہے کہ تین وتر میں تشہد نہ کیا جائے ۔ رکوع کے بعد قنوت پڑھے ، اس میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بخاری رحمہ اللہ کے رسالہ جزء رفع الیدین میں ذکر فرمایا ہے ۔ عون المعبود جلد ۱ ص۵۳۳ میں ہے ۔ ویستحب رفع الیدین فیہ " یعنی قنوت میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ۔"

محمد اسماعیل خطیب جامع اہلحدیث گوجرانوالہ ۱۸ رمضان ۱۳۸۲ھ

جواب ۲ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین وتر دو طرح آئے ہیں ۔ ایک اس طرح کہ درمیان تشہد نہ بیٹھے اور آخر میں سلام پھیرے جیسا کہ فتح الباری میں ہے اور مستدرک حاکم کی روایت کے نیچے علامہ ذہبی نے لکھا ہے ،

اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھے جیسا کہ فتح الباری میں ہے ۔ اور یہی بہتر ہے ۔ کیوں کہ ایک حدیث میں تین رکعت پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ فتح الباری میں ہے ۔ اس حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے ، کہ ایک سلام سے تین رکعت نہ پڑھے ۔

اور دعائے قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح صحابہ سے مروی ہے جزء رفع الیدین اور رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعا کرنا بھی بعض صحابہ سے آیا ہے ۔ قیام اللیل) العبد محمد گوندلوی گوجرانوالہ (۱۳۸۲ھ)

جواب ۳ نماز وتر ایک سے زائد ہیں اور پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں ۔ تین وتر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ تین وتر ایک تشہد اور ایک سلام سے پڑھے ، دو پر قعدہ نہ کرے ۔ یعنی تشہد نہ بیٹھے ، دوسری صورت یہ ہے

کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر ایک رکعت اکیلی پڑھے۔ عبداللہ ابن عمرؓ کا عمل اسی پر تھا اور دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہیے کیوں کہ حدیث میں وتر کے متعلق صراحت آئی ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں ہے۔

عن الحسن بن علی علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقولھن فی وتر اذا رفعت راسی ولم یبق الا السجود الحدیث" یعنی حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات (اللھم اھدنی الخ) سکھائے کہ ان کو وتر میں پڑھوں جبکہ رکوع سے سر اٹھاؤں، اور صرف سجدہ باقی رہ جائے" اگرچہ یہ استحبابی ہے لیکن جب پہلے پڑھنے میں کوئی زیادہ سہولت نہیں اور پیچھے پڑھنے میں کوئی زیادہ تکلیف نہیں، تو پھر بلاوجہ استحباب کو کیوں ترک کیا جائے ہاں جزا آدمی کبھی تعلیم دینے کے لئے ترک کر سکتا ہے اگر یہ وجہ نہ ہو تو پھر استحباب پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ "تعداد رکعت وتر" اور "امتیازی مسائل" اور قیام اللیل امام محمد بن نصر مروزی وغیرہ دیکھیں۔ فقط عبداللہ امرتسری روپڑی (تنظیم اہلحدیث جلد ۵ ش ۱۳)

سوال: وتر کی نماز ایک رکعت یا تین رکعت، بغیر دعائے قنوت پڑھنے سے وتر کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: ایک رکعت بھی ہے تین رکعت بھی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر کو اگر چاہو تو ایک رکعت پڑھو چاہو تو تین رکعت پڑھو ابوداؤد ونسائی۔ اور بغیر قنوت پڑھے نماز وتر ہو جائے گی۔[1] کیوں کہ قنوت کا پڑھنا فرض اور ضروری نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ش ۲)

سوال: حضرت العلام حافظ صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گزارش ہے کہ نماز وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرمائیں۔ ہم اکثر تین وتر پڑھتے ہیں دوسری رکعت میں تشہد نہیں بیٹھتے اس کی دلیل سے مطلع فرمایا جائے۔

الجواب بعون الوھاب: تین وتر ایک سلام سے پڑھے جائیں تو ان میں دوسری رکعت پر تشہد نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلث لا یسلم الا فی اٰخرھن۔ (مستدرک حاکم جلد اول ص ۳۰۴) یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے اور سلام آخری رکعت میں پھیرتے" اور محلی ابن حزم جلد ۳ ص ۴۸ میں ہے، عن عبدالرزاق عن المعتمر بن سلیمان التیمی عن لیث عن عطاء عن ابن عباس قال الوتر کصلوٰۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں مگر وتر دو

---

[1] نماز تو ہو جائے گی لیکن دعائے قنوت کا پڑھنا سنت ہے۔ سنت کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ (سعیدی)

میں تشہد آخر میں تیسری رکعت میں بیٹھے" حضرت عطا سے مروی ہے کان یوتر بثلاث لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی اخرھن (مستدرک حاکم جلد اول ص۳۰۴) یعنی تین وتر پڑھتے اور درمیان تشہد نہ بیٹھتے" پانچ وتر ایک سلام سے ہو سکتے ہیں، درمیان میں تشہد نہ بیٹھے" چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے: حدثنا ابن نمیر حدثنا ابی قال حدثنا هشام عن ابیه عن عائشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة یوتر من ذالك بخمس لا یجلس فی شیئ الا فی اخرھا (مسلم شریف جلد اول ص۲۵۴) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعت پڑھتے ان میں سے پانچ وتر پڑھتے اور صرف آخر تشہد بیٹھتے۔ فقط حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ (تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش ۳۰)

سوال: تین رکعت وتر کس طرح پڑھنی چاہیئے؟

جواب: تین رکعت وتر پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ دو رکعت پڑھ کر التحیات وغیرہ کے بعد سلام پھیرے پھر ایک رکعت بعد میں پڑھے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلسل تین رکعت پڑھ کر صرف اخیر میں بیٹھے اور التحیات وغیرہ کے بعد سلام پھیرے، البتہ نماز مغرب کی طرح نہیں پڑھنی چاہیئے کہ دو رکعت کے بعد التحیات پڑھ کر بغیر سلام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ کیونکہ وتر میں نماز مغرب کی مشابہت سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر غلام سے کہا پالان باندھ، پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھی اور خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی اسناد قوی ہے۔

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں۔ واصرح من ذالك مارواہ سعید بن منصور باسناد صحیح عن بکر بن عبد الله المزنی قال صلی ابن عمر رکعتین ثم قال یا غلام ارحل لنا ثم قام فاوتر برکعة۔ وروی الطحاوی عن سالم عن ابیه انه کان یفصل بین شفعه ووتره بتسلیمة واخبران النبی صلی الله علیه وسلم کان یفعله واسناده قوی (تعلیق الممجد ص۱۴۱)

تحفۃ الاحوذی میں ہے: وحدیث عبد الله بن عمر قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یفصل بین الوتر والشفع بتسلیمة ویسمعناها قال الحافظ فی التلخیص بعد ذکرہ رواہ احمد وابن حبان وابن السکن فی صحیحیهما والطبرانی من حدیث ابراهیم الصائغ عن نافع عن ابن عمر به وقواہ احمد انتهی (تحفۃ الاحوذی ص۳۳۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین رأوا ان یفصل الرجل بین الرکعتین والثالثۃ یوتر برکعۃ وبہ یقول مالک والشافعی واحمد واسحق۔ یعنی بعض صحابہ اور تابعین اسی کے قائل ہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور تیسرے رکعت الگ پڑھے، امام مالک اور شافعی واحمد واسحاق کا یہی مسلک ہے۔ مسلسل تین رکعت پڑھ کر اخیر میں بیٹھنا اور سلام پھیرنا بھی مرفوع حدیث اور آثار صحابہ اور تابعین سے ثابت ہے۔ تحفۃ الاحوذی میں ہے۔ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یقعد الا فی اٰخرھن وھذا وتر امیر المؤمنین عمر بن الخطاب وعنہ اخذہ اھل المدینۃ رواہ الحاکم فی المستدرک من طریق ابان بن یزید العطار عن قتادۃ عن زرارۃ بن اوفی عن سعد بن ھشام عنھا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں میں صرف اخیر میں بیٹھتے تھے حضرت عمر کا بھی طریقہ یہی تھا اہل مدینہ کا تعامل بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب حنفی لکھنوی مختلف احادیث اور آثار صحابہ وتابعین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ قول فیصل اس مقام میں یہ ہے کہ اس امر میں صحابہ مختلف ہیں بعض تو صرف ایک ہی رکعت پر اکتفا کرتے تھے، بعض تین رکعت دو سلام سے پڑھتے تھے اور بعض تینوں رکعتیں صرف ایک سلام سے پڑھتے تھے اور مرفوع حدیثیں بھی اس بارہ میں مختلف ہیں لہذا یہ سب طریقے جائز اور ثابت ہیں۔ القول الفیصل فی ھذا المقام ان الامر فی ما بین الصحابۃ مختلف فمنھم من کان یکتفی علی الرکعۃ الواحدۃ ومنھم من کان یصلی ثلاثا بتسلیمتین ومنھم من کان یصلی ثلاثا بتسلیمۃ والاخبار المرفوعۃ ایضا مختلفۃ بعضھا شاھدۃ للاکتفاء بالواحدۃ وبعضھا بالثلاث والکل ثابت لکن اصحابنا قد ترجحت عندھم روایات الثلث بتسلیمۃ بوجوہ لاحت لھم فاختاروہ وحملوا المجمل علی المفصل (التعلیق الممجد) (اخبار اہلحدیث جلد ۲ ش ۵)

سوال: ایک شخص ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح آٹھ رکعت باجماعت پڑھ کر وتر اس نیت سے چھوڑ دیتا ہے۔ کہ آخر رات میں تہجد کے نوافل پڑھ کر بعد میں وتر پڑھوں گا۔ کیا یہ طریقہ مطابق سنت ہے؟ اور ماہ رمضان میں نماز تراویح کے بعد عموماً نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ کیا وتر اس جماعت کے ساتھ پڑھنے بہتر ہیں یا آخر رات میں اکیلے پڑھنا زیادہ ثواب ہے؟ (عبدالغفور بن اسماعیل گوجرانوالہ)

جواب: تراویح اور تہجد ایک ہی نماز کے دو نام ہیں اول رات میں پڑھیں تو تراویح کا نام ہوگا، آخر

رات پڑھیں تو اس کو تہجد کہا جاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ میں باب ماجاء فی قیام شہر رمضان کے تحت ایک طویل روایت ہے۔ اس کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم (صحابہ کرام) نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے آخری دہاکے کی تین طاق راتوں میں ہمیں قیام اللیل (نماز تراویح) پڑھائی پہلی رات اوّل حصہ میں پڑھائی۔ یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔ دوسری رات نصف شب تک پڑھائی ہم نے بقیہ آدھی رات بھی تراویح پڑھانے کے لیے عرض کیا۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ قیام کیا اس کو پوری رات کے قیام کا ثواب ملے گا۔ تیسری رات حضور علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا۔ دوسرے لوگ بھی حاضر ہو گئے، سب کے ساتھ نماز تراویح پڑھی، یہاں تک کہ ہمیں سحری کا وقت گزر جانے کا اندیشہ ہوا" اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کو رات کے تینوں حصوں میں پڑھا اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے آخر رات تک ہے۔ جب نماز تراویح آخر رات تک پڑھائی، تو پھر بتایئے باقی کونسا وقت رہا جس میں تراویح کے بعد فجر سے پہلے کوئی اور نماز پڑھی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی رات میں تراویح اور تہجد الگ الگ پڑھنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں پس تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص آٹھ رکعت تراویح کے علاوہ رات کے کسی حصہ میں مزید نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے لیکن رات کے اوّل حصہ میں پڑھی اور آخری حصہ میں پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو قیام اللیل ہی کہا جائے گا۔ کیوں کہ بعض نے سینتالیس نفل تک پڑھے ہیں۔ اور اہل مدینہ چھتیس نفل تک پڑھتے رہے ہیں۔

پہلی رات اور پچھلی رات کی نماز کو الگ الگ شمار کرنا کسی روایت سے ثابت نہیں اور وتر پچھلی رات میں پڑھنا[1] بہتر ہے۔ از حضرت العلام حافظ عبداللہ صاحب روپڑی "تنظیم اہلحدیث جلد ١٥ ش ٣٥"

سوال: محترم قبلہ حافظ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

١٠ ‏ اگست کے "تنظیم اہل حدیث" میں وتر کی دوسری رکعت میں بیٹھنا جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔ یہ تو پتہ چلتا ہے کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر تیسری رکعت پڑھے یا تینوں رکعت کے آخر ہی میں سلام پھیرے۔ (١) وَيَفْصِلُ بَيْنَ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ بِتَسْلِيمَةٍ يُسْمِعُنَاهَا (احمد)

(٢) اَوْلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي آخِرِهِنَّ (نسائی، ابن سنی)

لیکن دوسری رکعت کے بعد سلام پھیرے بغیر التحیات نہ پڑھنے کا مثبت ثبوت درکار ہے؟

[1] بہتر طریقہ تراویح پہلی رات پڑھے اور وتر تراویح کے ساتھ پڑھنا افضل ہے جیسا کہ پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔ (سعیدی)

الجواب: نماز وتر میں کئی ایک پہلوؤں میں اختلاف ہے مثلاً ۱ ان کی کل کتنی رکعتیں ہیں؟ ۲ ان میں سے کونسا عدد زیادہ محبوب ہے؟ ۳ فرض ہیں یا نفل؟ ۴ ان کی قضا ہے یا نہیں؟ ۵ دعائے قنوت واجب ہے یا نہ؟ ۶ اس کے الفاظ کیا ہیں؟ ۷ قنوت رکوع سے پہلے ہے یا بعد؟ ۸ وقت ان کا کہاں تک ہے؟ ۹ مکرر پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ ۱۰ وتروں کے بعد نوافل ہو سکتے ہیں یا نہ؟ ۱۱ ان کے لیے بہتر وقت کونسا ہے؟ ۱۲ سواری پر وتر جائز ہیں یا نہ؟ ۱۳ ان میں کونسی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں؟ ۱۴ حضور علیہ السلام نے کن اوقات میں پڑھے تھے؟ ۱۵ قنوت میں رفع یدین؟ ۱۶ قنوت کے لیے تکبیر؟ ۱۷ قنوت آہستہ پڑھی جائے یا اونچی آواز سے؟ قنوت میں امام کے پیچھے آمین کہنا! وغیرہ وغیرہ اسی طرح اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ ۱ وتر کی تین رکعتیں جائز ہیں یا نہ؟ ۲ اگر جائز ہیں تو موصولا (ملا کر) پڑھنی چاہئیں یا مفصولا (یعنی جدا کر کے) دو الگ اور ایک رکعت الگ پڑھنی چاہیے ۳ ملا کر پڑھنے کی صورت میں التحیات پڑھنی چاہیے یا نہ؟ اگر مؤخر الذکر تینوں امور کو سمجھ لیا جائے تو بات نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ: نماز وتر، تین رکعتیں ہی ہیں، موصولا بھی جائز ہیں اور مفصولا بھی، موصولا (ملا کر) پڑھنے کی صورت میں قعدہ اولیٰ (التحیات پہلے) نہیں کرنا چاہیئے۔ تفصیل یہ ہے:-

تین رکعتیں: عن ابی بن کعب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یوتر بثلاث رکعات۔ (سنن نسائی ص۲۴۸) حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ وتر کی تین رکعت نہیں ہونی چاہئیں: لا توتروا بثلاث (دارقطنی عن ابی ہریرۃ وقال اسنادہ ثقات ص۱۷۱) نماز وتر میں تین رکعتیں نہ پڑھو" جو ذات کریم قول و فعل کے تضاد سے بلند ہے جب ہم نے ان کے عمل اور قول کے اس تضاد کا گہرا مطالعہ کیا تو اس کی وجہ اسی حدیث میں ہمیں مل گئی اور بات بالکل صاف ہو گئی۔ فرمایا لا تشبہوا بصلوۃ المغرب (سبل السلام بحوالہ حاکم ص۱۳ دارقطنی ص۱۷۲) (اسے (نماز وتر کو) نمازِ مغرب سے مشابہ نہ کرو)

پہلی التحیات نہیں بیٹھے۔ محدثین نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ اگر تین رکعت موصولا (ملا کر) پڑھنی ہوں تو قعدہ اولیٰ (یعنی پہلی التحیات) ترک کیا جائے۔ (ملاحظہ ہو سبل السلام شرح بلوغ المرام لامیر الیمانی ص۱۳ و فتح الباری ص۳۸۵ ج۲)

اس توجیہہ کی تصدیق کے لیے جب ہم نے احادیث اور آثار کا مطالعہ کیا تو اسے صحیح پایا۔ ملاحظہ

التحیات اور قعدہ اولیٰ کے بغیر عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يقعد الا في اخرهن وهذا وتر امير المومنين عمر بن الخطاب رض وعنه اخذه اهل المدينة . برواية ابان بن يزيد عن قتادة (رواه الحاكم في المستدرك والبيهقي في معرفة السنن والآثار، التعليق المغني ج۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے، اور التحیات کیلئے صرف آخر میں بیٹھا کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رض کی نماز وتر بھی اسی طرح تھی، اور اہل مدینہ نے بھی آپ سے ہی یہ نماز لی تھی۔ (یعنی سیکھی تھی)

ازالہ: ابان کی بجائے سعید بن عروبہ اور چند دوسرے رواۃ نے قتادہ سے جو روایت کی ہے اس میں "لا یقعد" کے بجائے "لا یسلم" (یعنی سلام نہیں پھیرا کرتے تھے) اس لئے امام بیہقی کی تصریح کے مطابق "یقعد" والے الفاظ کو خطا اور غلطی تصور کرنا چاہیئے۔ ("لا یسلم" والی روایت نسائی ص و مؤطا محمد ص میں ہے)

دراصل یہ اعتراض اس وقت ہونا چاہیے جب ان کے درمیان کوئی تعارض فرض کیا جائے ورنہ نہیں، ہمارے نزدیک ان کے مابین کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ یقعد، لا یسلم، لا یجلس اور لا یفصل ایک ہی مفہوم کے لئے روایت میں آئے ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ متعدد روایات میں ان کو ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ مسند احمد میں لا یسلم اور لا یقعد کی جگہ "لا یفصل بینھن بسلام" آیا ہے خود مستدرک حاکم کے مختلف نسخوں میں "لا یسلم" ہے اور دوسرے میں یقعد (البنیة الالمعی علی نصب الرایة ج۲)

ایک روایت میں ہے۔ اوتر بسبع رکعات لم یجلس الا فی السادسة والسابعة اسی مضمون کے سلسلہ میں ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں، صلی بسبع رکعات لا یقعد الا فی اخرھن۔ (اعلام الموقعین ص) بعض کے الفاظ یہ ہیں، یوتر بخمس وبسبع لا یفصل بینھا بسلام ولا بکلام (نسائی ص) بعض میں یہ الفاظ ہیں۔ کان یوتر بخمس ولا یجلس الا فی اخرھن (حوالہ مذکور) بعض کے یہ الفاظ ہیں:۔ اوتر بسبع رکعات لا یقعد الا فی السادسة (حوالہ مذکور) بعض میں یہ الفاظ ہیں، یصلی تسع رکعات لا یجلس بینھن (حوالہ مذکور او مسند ابو عوانہ ج۲) بعض میں ہے، اوتر بتسع رکعات لم یقعد الا فی الثامنة (ایضاً) خمس یوتر ولا یسلم فی شیء من الخمس حتی یجلس فی الاخرة و یسلم (مسند ابو عوانہ ج۲) عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بخمس رکعات لا یجلس ولا یسلم الا فی الاخرة منھن۔ (مسند ابی عوانہ ج۲)

ان تمام روایات سے اندازہ ہو گیا ہے کہ مذکورہ بالا چار الفاظ یعنی لا یقعد، لا یسلم، لا یجلس، اور لا یفصل "صرف ایک ہی مفہوم کے لئے اس جگہ مروی ہیں اس لئے ایک دوسرے کی جگہ آئے ہیں یعنی دوگانہ پر نہ قعود ہے اور نہ سلام۔ وتر کے بعد کی روایات کے مجموعی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کے بعد وتر کے سلسلہ میں استفسارات کا ہجوم ہو گیا تھا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ تین یا پانچ یا سات یا نو رکعتیں وتر ہوں تو اس سے پہلے دوگانہ پر سلام پھیر کر الگ رکعت تنہا ادا کرنی چاہئے یا صرف ان کے آخر میں تشہد پڑھ کر سلام پھیرنا چاہئیے، اسلئے ان کے جواب میں مندرجہ بالا الفاظ ذکر کئے گئے ہیں اور اس کی مختلف شکلیں بیان کی گئی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ سلام نہ پھیرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی التحیات ہی نہ بیٹھے تو اس کا اندازہ ان روایات کے گہرے مطالعہ سے ہو گا۔

مذکورہ بالا الفاظ کا ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہونا اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ دوگانہ پر صرف سلام کی نفی نہیں بلکہ قعود کی بھی نفی ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابان والی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نماز وتر بھی یہی تھی اور حضرت عمرؓ کے متعلق آتا ہے، کان ینھض فی الثانیۃ بالتکبیر (نصب الرایۃ ج۲) حضرت عمر دوسری رکعت میں تکبیر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے (یعنی التحیات کے لئے نہیں بیٹھتے تھے) عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابا بکر فقال انی لم اوتر، فقام وصففنا وراءہ فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن (نصب الرایہ ج۲ بحوالہ طحاوی) مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ نے کہا میں نے تو وتر نہیں پڑھی، پھر وہ کھڑے ہو گئے اور ہم نے ان کے پیچھے صف بنالی، چنانچہ انہوں نے تین رکعتیں پڑھیں اور نہ سلام پھیرا مگر ان سب کے آخر میں۔ نوٹ:۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مذہب معلوم ہے کہ وہ وتروں میں قعدہ اولیٰ نہیں کیا کرتے تھے اور مندرجہ بالا روایت میں اس کے لئے لم یسلم الا فی آخرھن " آیا ہے تو معلوم ہوا کہ لم یسلم یا لا یسلم سے قعدہ اول کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔

ہمیں روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین رکعت وتروں میں اگر دوگانہ پر سلام پھیر کر الگ رکعت نہیں پڑھنا ہوتی تھی تو وہاں پہلی التحیات کے لئے قعدہ کیا ہی نہیں کرتے تھے گویا کہ سلام اور قعدہ اولیٰ لازم و ملزوم تھے، سلام ہوتا تھا تو قعدہ اولیٰ بھی ہوتا تھا اگر سلام پھیرنا منظور نہیں ہوتا تھا تو قعدہ اولیٰ بھی نہیں کیا کرتے تھے۔

جن اکابر نے تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اسم گرامی کی بالا جیتا شریعۃ کر رکھا ہے ان کو تو کم از کم اس پر ضرور ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ دوسری شہادت اور قرینہ یہ ہے کہ

مسند ابی عوانہ میں یہ تصریح موجود ہے کان یوتر بخمس رکعات ولا یجلس ولا یسلم الا فی الآخرۃ (ص۳۲۴ ج۲) یعنی آپ پانچ رکعت وتر میں آخری رکعت سے پہلے نہ بیٹھتے تھے اور نہ سلام پھیرتے تھے۔" گو اس میں پانچ وتر وں کا ذکر ہے لیکن کیفیت دونوں کے بیان کی ایک ہے۔ صحاح ستہ اور دوسری بیشتر کتب حدیث میں صرف لا یجلس آتا ہے۔ مسند ابی عوانہ میں لا یسلم اور کہیں لا یجلس ولا یسلم آیا ہے تو معلوم ہوگا کہ دوگانہ پر عدم سلام کا جہاں ذکر ہے وہاں قعدہ اول کی بھی نفی ہو جاتی ہے۔

ایک اور شہادت۔ محدثین کا یہ کہنا کہ مغرب کی نماز سے مشابہت سے بچنے کے لئے "قعدہ اولیٰ" نہ کیا جائے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کا بھی یہی ارشاد ہے۔ قال لوتر کصلوۃ المغرب الا انہ لا یقعد الا فی الثالثۃ (التعلیقات ص۲۲ السلفیۃ علی النسائی بحوالہ المحلی لابن حزم ص۴۸ ج۳)

حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ نماز وتر، نماز مغرب کی طرح ہیں۔ اں آخری رکعت سے پہلے قعدہ (التحیات) نہ کیا جائے۔" غالباً اس کی یہی وجہ ہے کہ ابن عباس سے تین رکعت وتر کی کراہت مذکور ہوتی ہے۔ (لاتجب ثلثا بتراً) (قیام اللیل مروزی ص۱۲۵) بعض اکابر نے اس تشبہ سے بچنے کے لیے یہ کہا ہے کہ وتر سے پہلے دوگانہ ضرور پڑھا جائے۔ کیوں کہ مغرب کی نماز سے پہلے دوگانہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیحین کی تصریحات کے خلاف ہے کیوں کہ مغرب سے پہلے دوگانہ مسنون ہے۔ صحابہ پڑھا کرتے تھے (بخاری، مسلم)

اس کے علاوہ یہ بھی مفروضہ غلط ہے کہ پہلے دوگانہ ہونا چاہئے کیونکہ ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور علیہ السلام نے جگایا اور انہوں نے اٹھ کر وتر پڑھے، اگر یہ ضروری ہوتا تو حضورؐ ان کو ضرور فرماتے۔ ویسے بھی تشبہ کے سلسلہ میں کوئی داخلی امر اختیار کرنا چاہئے خارجی سے مطلب حاصل نہیں ہوگا۔

باقی رہا دعا قنوت کا فرق؛ سو یہ احناف کے نزدیک لازمی ہو تو ہو، دوسروں کے نزدیک ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ دعا قنوت، دوسری نمازوں میں پڑھنا ممنوع نہیں ہے بلکہ ہنگامی حالات میں تو یہ پانچوں نمازوں میں مسنون ہے۔ اس لئے اس سے بھی کام نہ چلے گا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شیخ الاستاذ، عن عطاء انہ کان یوتر بثلاث رکعات لا یجلس فیھن ولا یتشھد الا فی آخرھن (قیام اللیل مروزی) حضرت تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اخیر سے پہلے ان کے درمیان نہ قعدہ کیا کرتے تھے اور نہ تشہد پڑھا کرتے تھے۔" حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری و عائشہ صدیقہ جیسے اکابر صحابہؓ کے شاگرد اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے

اُستاذ ہیں، تشبیہ والی روایت کے حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں اور حضرت عطاؒ ان کے شاگرد حضرت ابوحنیفہؒ ان کے متعلق فرماتے ہیں، مَا لَقِیْتُ اَفْضَلَ مِنْهُ میں اس سے افضل آدمی سے نہیں ملا (یعنی سب سے افضل ہیں۔ تقریب التقریب ص۲۳۱) الغرض تین رکعت وتر والی روایت کے راوی حضرت عائشہؓ ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ ہیں اور حضرت عطا ان کے شاگرد اب خود فیصلہ کر لیجئے کہ کیا صحیح ہے؟

حضرت حماد، حضرت کیسان اور حضرت ایوب کا بھی یہی مذہب ہے (ملاحظہ ہو مروزی ص۱۲۷)

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے تشبیہ سے بچنے کے لئے دوگانہ پر سلام پھیر کر پھر ایک رکعت پڑھنے کو پسند کیا ہے، امام مروزی فرماتے ہیں، وکرہ غیر واحد من الصحابة والتابعین الوتر بثلاث بلا تسلیم فی الرکعتین کراھة ان یشبھوا التطوع بالفریضة" قیام اللیل مروزی ص۱۲۳)

لیکن صحیح وہی ہے جو حضورؐ کے عمل سے ثابت ہو یعنی ملا کر (بغیر قعدہ اولیٰ کے) بھی جائز اور دوگانہ الگ اور رکعت الگ بھی جائز۔ خلاصہ تین رکعت بھی ملا کر پڑھ سکتے ہیں (ابی بن کعب، نسائی) وتر کی نماز، نماز مغرب سے مشابہ نہیں چاہیئے (ابوہریرہ، دارقطنی) محدثین نے لکھا ہے کہ تشبیہ والی روایت کے معنی ہیں۔ قعدہ اولیٰ نہ کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں حضورؐ تین رکعت وتر میں قعدہ اول (پہلا التحیات) نہیں کیا کرتے تھے۔ (مستدرک) حضرت عمرؓ اور آپ کی وساطت سے اہل مدینہ کا اسی پر عمل تھا (مستدرک) حضرت ابن عباسؓ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اُستاذ اور دوسرے اجلہ ائمہ کا یہی مذہب تھا۔ لایقعد، لایجلس، لایسلم، اور لایفصل چاروں ایک ہی مفہوم اور مقصد کے لئے ادل بدل کر آئے ہیں۔ از جناب مولانا عزیز زبیدی صاحب (واربرٹن) "تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش۱۴"

لے اسم گرامی عطاء۔ ابورباح کے صاحبزادے ہیں۔ کنیت ابومحمد ہے۔ جلیل القدر فقیہ اور مکہ کے تابعین میں سے تھے امام اوزاعی کا قول ہے۔ ان کی وفات جب روز ہوئی انہوں نے اس شان سے وفات پائی۔ کہ اس روز لوگ دنیا کے ہر شخص سے زیادہ ان سے خوش تھے۔ سلمہ بن کہیل نے فرمایا میں نے ایک شخص بھی ایسا نہیں دیکھا جس کے علم کی غرض صرف خدا کی ذات ہو۔ ہاں تین شخص ایسے ضرور تھے۔ عطاء، طاؤس، مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ۱۱۵ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی۔ ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے صحابہ کرام سے حدیث کی سماعت کی۔ اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔ (سعیدی)

باب القنوت

سوال : نماز وتر میں دعائے قنوت، رکوع سے پہلے پڑھی جاتے یا بعد، اور دعائے قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہیے یا باندھ کر؟ آپ کا خادم عبداللہ خان پنانگ ملک ملایا

جواب : عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يقنت بعد الركعة وابوبكر وعمر حتى كان عثمان قنت قبل الركعة ليدرك الناس وعن العوام بن حمزة سألت اباعثمان النهدي عن القنوت فى الصبح فقال بعد الركوع قلت عمن قال عن ابى بكر وعمر وعثمان وعن ابن سيرين كان ابى يقوم للناس على عهد عمر فاذا كان النصف جهر بالقنوت بعد الركعة وعن ابى عبدالرحمن ان عليا كان يقنت فى الوتر بعد الركوع وعن ابراهيم كنت امسك على الاسود وهو مريض فاذا فرغ من القراة فى الركعة الثالثة من الوتر دعا بعد الركوع، عن الاسود ان عمر بن الخطاب قنت فى الوتر قبل الركوع وفى رواية بعد القراة قبل الركوع وعن عبدالله بن شداد صليت خلف عمر وعلى وابى موسى فقنتوا فى صلوة الصبح قبل الركوع وعن حميد سألت انسا عن القنوت قبل الركوع وبعد الركوع فقال كنا نفعل قبل وبعد وقنت الاسود فى الوتر قبل الركعة وسئل الحسن عن القنوت فى الوتر قبل الركوع ام بعده وهل ترفع الايدى فى الدعاء فى الوتر فقال القنوت بعد الركوع ويرفع يديه وذلك على قياس فعل النبى صلى الله عليه وسلم فى القنوت فى الغداة وبذلك قال ابوايوب۔ (انتهى ملخصا قيام الليل ۱۳۳) انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ و عمرؓ رکوع کے بعد قنوت پڑھتے رہیا تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی، انہوں نے رکوع سے پہلے شروع کردی تاکہ لوگ رکعت پالیں۔ اور عوام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابوعثمان ہندی سے صبح کی قنوت سے سوال کیا تو فرمایا کہ رکوع کے بعد ہے۔ میں نے کہا کہ کس سے نقل کی ہے؟ فرمایا، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان

سے اور ابن سیرین کہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت میں ابی رض لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھاتے جب نصف رمضان ہو جاتا تو رکوع کے بعد بلند آواز سے قنوت پڑھتے اور ابو عبد الرحمٰن کہتے ہیں، حضرت علیؓ وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے اور ابراہیم نخعی کہتے ہیں، اسودؒ کے لئے میں قرآن مجید تھامے رکھتا وہ بیمار تھے جب وتر کی تیسری رکعت سے فارغ ہوتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے۔

اسودؒ سے روایت ہے کہ عمرؓ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور ایک روایت میں ہے۔ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے اور عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں میں نے عمر رض علی رض اور ابو موسیٰ کے پیچھے نماز پڑھی ہے انہوں نے صبح کی نماز میں قنوت، رکوع سے پہلے پڑھی اور حمید سے روایت ہے کہ میں نے انسؓ سے قنوت کی بابت سوال کیا کہ رکوع سے پہلے ہے یا بعد تو فرمایا کہ ہم پہلے بھی پڑھتے تھے اور پیچھے بھی۔ اور اسودؒ نے رکوع سے پہلے قنوت پڑھی اور امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ قنوت وتر رکوع سے پہلے ہے یا پیچھے اور قنوت وتر میں ہاتھ اٹھائے جائیں یا نہ؟

آپؒ نے فرمایا کہ قنوت رکوع کے بعد پڑھنی چاہیئے اور قنوت وتر میں ہاتھ اٹھائے جائیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے۔ آپ فجر کی نماز میں اسی طرح کیا کرتے تھے اور ابو ایوب اور ابو خیثمہ اور ابن ابی شیبہؒ کا یہی مذہب ہے۔

فجر کی نماز میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں مگر زیادہ تر رکوع کے بعد کی ہیں۔ اس لئے امام احمدؒ نے رکوع کے بعد کو ترجیح دی ہے۔ رہا ہاتھوں کا اٹھانا تو اس کی بابت بھی روایتیں آتی ہیں، قیام اللیل میں ہے، عن الاسود ان عبد اللہ بن مسعودؓ کان یرفع یدیہ فی القنوت الی صدرہ وعن ابی عثمان النھدی کان عمرؓ یقنت بنا فی صلوٰۃ الغداۃ ویرفع یدیہ حتی یخرج ضبعیہ وعن خلاس رأیت ابن عباس یمد ضبعیہ فی قنوت صلوٰۃ الغداۃ الی وکان ابو ہریرۃ یرفع یدیہ فی قنوتہ فی شھر رمضان۔ (قیام اللیل ص۱۳۳)

اسودؒ کہتے ہیں، عبد اللہ بن مسعودؓ قنوت میں سینے تک ہاتھ اٹھاتے اور ابی عثمان نہدی کہتے ہیں حضرت عمر رض صبح کی قنوت میں اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ بازوں کے اندر کی طرف ظاہر ہو جاتی اور خلاس کہتے ہیں۔ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا انہوں نے صبح کی نماز میں اپنے بازو لمبے کئے اور ابو ہریرہؓ ماہ رمضان میں اپنی قنوت میں دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ جب امام کے ساتھ پڑھنے کا موقع ہو، تو مقتدی صرف آمین کہے سنت

طریقہ یہی ہے، حدیث میں ہے: عن ابن عباس قال قنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء والصبح اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الآخرۃ یدعو علی احیاء من بنی سلیم علی رعل وذکوان وعصیۃ ویؤمن من خلفہ قال عکرمۃ ھذا مفتاح القنوت وقیل للحسن انھم یضجون فی القنوت فقال اخطأوا السنۃ کان عمر یقنت ویؤمن من خلفہ وقال معاذ القاری فی قنوتہ اللھم قحط المطر فقالوا آمین فلما فرغ من صلوتہ قال قلت اللھم قحط المطر فقلتم آمین الا تسمعون ما اقول ثم تقولون آمین۔ (قیام اللیل ص۱۳۷)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر نماز ظہر، عصر، مغرب، عشا، فجر میں قنوت پڑھی جب آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو قبائل بنی سلیم پر بددعا کرتے اور پچھلے لوگ آمین کہتے۔

عکرمہ کہتے ہیں آمین قنوت کی چابی ہے یعنی امام درمیان میں وقفہ کرے جب مقتدی پہلے کلمہ پر آمین کہے تو پھر امام اگلا کلمہ شروع کر دے۔

حسن کو کہا گیا: لوگ قنوت میں شور ڈالتے ہیں یعنی سارے دُعا پڑھتے ہیں۔ فرمایا، یہ سنت کے خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ قنوت پڑھتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اور معاذ قاریؒ نے دعاء قنوت میں کہا! یا اللہ بارش بند ہوگئی" لوگوں نے اس پر آمین کہی۔ جب معاذ نماز سے فارغ ہوئے تو کہا میرے اس لفظ پر کہ "اے اللہ! بارش بند ہوگئی" تم نے آمین کیوں کہی؟ کیا تم سنتے نہیں کہ میں کیا کہتا ہوں۔

(پھر فرمایا) "آمین تو" ایک دُعائیہ کلمہ ہے میرا یہ کلمہ کہ بارش بند ہوگئی۔ یہ تو صرف خُدا کے سامنے مصیبت کا اظہار ہے۔ کلمہ دُعائیہ کا محل اس کے بعد تھا۔ مثلاً اظہار مصیبت کے بعد یہ کہا جاتا کہ یا اللہ! اس مصیبت کو دور کر۔ یہ کلمہ دُعائیہ ہے۔ تم اس پر آمین کہتے۔ تم ویسے ہی آمین کہہ دیتے ہو۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مقتدی آمین کہیں۔ دوسری یہ کہ کلمہ دُعائیہ پر آمین کہیں بے محل آمین نہ کہیں جیسے کہ آج کل رواج ہے۔ ویسے ہی بے سمجھے ہر کلمہ پر آمین کہے جاتے ہیں۔ یہ خیال نہیں کرتے کہ امام کیا کہہ رہا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضروری اور ہمیشہ کی دُعا کا ترجمہ ضرور سیکھنا چاہیئے تاکہ پتہ لگے کہ امام کیا کہہ رہا ہے۔

عوام اس معاملہ میں بہت کوتاہی کرتے ہیں بلکہ سرے سے ساری نماز ہی بے سمجھی میں پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ترجمہ نہ جاننے کی وجہ سے انہیں کچھ معلوم تو نہیں ہوتا کہ ہماری زبان سے کیا نکل رہا ہے۔

حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ غافل دل کی سنتا ہی نہیں (مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل ثانی) تو بھلا ایسی بے سمجھی کی نماز خدا کے ہاں کیا قبول ہوگی؟ نیز اس سے معلوم ہوا کہ امام کے دور ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مقتدی امام کی آواز نہ سن سکے یا سمجھ میں کچھ نہ آئے تو آمین کہنے کی بجائے اپنے طور پر دعا مانگے۔ قال ابو داؤد سمعت احمد سئل عن القنوت فقال الذی یعجبنا یقنت الامام ویؤمن من خلفه قال وکنت اکون خلفه فکنت فی القنوت فلم اسمع منه شیئا قلت لاحمد اذا لم اسمع قنوت الامام ادعو قال نعم، امام ابوداؤد کہتے ہیں۔ امام احمدؒ سے قنوت کی بابت سوال ہوا، فرمایا جو شئے ہمیں پسند ہے وہ یہ ہے کہ امام قنوت پڑھے اور مقتدی آمین کہیں۔ امام ابوداؤد کہتے ہیں میں کبھی امام کے پیچھے ہوتا ہوں اور اس کی آواز کے لئے کان لگاتا ہوں لیکن سنائی کچھ نہیں دیتا، تو میں نے امام احمدؒ سے کہا، جب میں امام کی قنوت نہ سنوں تو اپنی دعا پڑھوں...؟ فرمایا: "ہاں"!

از حضرت العلام حافظ محمد عبداللہ صاحب محدث روپڑیؒ تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش

سوال، کیا وتر اور نازلہ کے وقت قنوت ہاتھ اٹھا کر پڑھنی چاہیئے یا باندھ کے، وتر میں قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا بعد رکوع، ہاتھ اٹھا کر یا چھوڑ کر، جو لوگ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں وہ قنوت کے وقت ہاتھ اٹھا کر پھر باندھ لیتے ہیں یہ طریقہ صحیح ہے اور وتر میں قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانے کی کوئی حدیث ہے اور صحیح بھی ہے؟

جواب، صحیح حدیث سے صراحتہً ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر قنوت پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ دعا ہونے کی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اولیٰ ہے رکوع کے بعد قنوت پڑھنا مستحب ہے بخاری شریف میں رکوع کے بعد ہے۔ اگر پہلے پڑھ لے تب بھی جائز ہے کیوں کہ بعض روایات میں قبل الرکوع بھی آیا ہے ہاتھ اٹھا کر باندھ لینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۲ ش ۴

سوال: قنوت نازلہ کیا ہے؟ وہ کن حالات میں اور کیسے پڑھنی چاہیے؟ کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائی جائے؟

جواب: نازلہ مصیبت کو کہتے ہیں اور قنوت دعا کو، اس لئے قنوت نازلہ کا معنی ہے۔ مصائب میں گھر جانے اور حوادث روزگار میں پھنس جانے کے وقت نماز میں، اللہ تعالیٰ سے بہ زاری والحاح ان کے ازالہ

وغیرہ کی التجا کرنا اور عجز و انکساری ان سے نجات پانے کے لئے دعائیں مانگنا۔

پھر مصیبتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ مثلاً دنیا کے کسی حصہ میں اہل اسلام کے ساتھ کفار کی جنگ چھڑ جانا ان کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بن جانا، قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہونا، وباؤں اور زلزلوں اور طوفان کی زد میں آجانا وغیرہ۔ ان سب حالتوں میں قنوت نازلہ پڑھنی مسنون ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف امت کا معمول، اس کا مقصد فقط یہی ہے کہ مسلمان اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ خدا سے معافی مانگیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اہل اسلام پر رحم و کرم فرماتے اور ان کو ان مصائب اور تکالیف سے نجات دے۔

قنوت نازلہ کا طریقہ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ فرض نماز کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ الخ سے فارغ ہو کر بلند آواز سے دعاء قنوت پڑھے اس کے ہر جملہ پر سکوت کرے اور مقتدی پیچھے پیچھے باآواز بلند آمین کہتے رہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ سے یہی طریقہ ثابت ہے۔ تفصیل آرہی ہے۔

کس نماز میں قنوت نازلہ پڑھی جائے: مصیبت اور رنج و الم کی شدت اور ضعف کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بعض نمازوں میں قنوت فرمائی ہے اور کبھی پانچوں نمازوں میں۔ چنانچہ صحیح مسلم ص۲۳۷ میں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ بخدا! میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (عملاً پڑھا کر) تمہارے ذہنوں کے قریب کرنا چاہتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز ظہر، عشاء اور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے یَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَلْعَنُ الْکُفَّارَ جس میں اہل ایمان کے حق میں رحم و کرم کی دعا مانگتے اور کفار پر لعنت بھیجتے تھے۔ صحیح مسلم کے اسی صفحہ پر حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بنو سلیم کے چند قبائل رعل، ذکوان اور عصیہ نے ستر قاری صحابہ کو قتل کر دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہینہ بھر یہ معمول رہا کہ آپ لگاتار ظہر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازوں میں ہر نماز کی آخری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ الخ کے بعد ان کے حق میں بددعا کرتے، ان پر لعنت بھیجتے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے آمین آمین کہتے تھے۔ (سنن ابوداؤد ص۲۰۳)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ بعض اسیران بلا کی نجات کے لئے آپ نے صرف عشاء

کی نماز میں قنوت پڑھنے کا معمول بنایا۔ جب احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک نماز میں کبھی دو تین اور کبھی پانچوں نمازوں میں قنوت فرمائی ہے تو ہمیں بھی واقعات اور حالات کے تقاضے کے مطابق ایسا ہی کرنا چاہئے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک دشمنوں کی مکمل طور پر سرکوبی نہیں ہو جاتی اور مسلمانوں کے مصائب و آلام میں تخفیف نہیں ہوتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ برابر ایک مہینہ تک نماز عشاء کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد اور سجدہ کرنے سے پہلے ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور دیگر ستم رسیدہ مکزور مسلمانوں کے حق میں نجات کی دعا مانگتے اور کفار کے لئے سخت نفرت کی، جو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی سی قحط سالی کی صورت میں ہوا کرتا تھا، ایک دن آپ نے عشا کی نماز پڑھائی اور قنوت نہ کی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: وَمَا تَرَاهُم قَدْ قَدِمُوا۔ تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہماری دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور وہ سب نجات پاکر مدینہ میں آگئے ہیں۔ (صحیح مسلم ص۲۳۷ ج ۱، سنن ابوداؤد ص۲۰۴)

موجودہ وقت میں چونکہ ہم اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور اور سفاک و خونخوار دشمن ہندوستان سے برسرپیکار ہیں۔ نیز ہمارے کشمیری مسلمان بھائی بھی متواتر اٹھارہ سال تک اس کے جور و جفا کی چکی میں پسنے کے بعد میدان کارزار میں نکل آئے ہیں۔ اس لئے جہاں ہم دشمن کی سرکوبی کے لئے جہاد بالسیف جیسی دوسری تدابیر اختیار کر رہے ہیں وہاں ہمیں قنوت نازلہ جیسے مجرب اور بے آواز ہتھیار سے بھی کام لینا چاہیئے یاد رکھئیے یہ وہ ہتھیار ہے جس کا وار کبھی خطا نہیں گیا۔ بارہا ہم نے اس کا تجربہ اور مشاہدہ کیا ہے۔ بس ضرورت لیقین اور جذبہ صادق کی ہے۔

کیا قنوتِ نازلہ کے لئے کوئی مخصوص دعا ہے؟

قنوت نازلہ سے مقصود یہ ہے کہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کی نصرت و کامیابی اور خونخوار و سفاک دشمن کی تباہی و بربادی کے لئے دعا کی جائے۔ اس لئے جو دعا اس مقصد کو پورا کرے وہ قنوت نازلہ میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے کوئی مخصوص دعا اس طرح متعین نہیں کہ اس کے بغیر قنوت ہو ہی نہ سکے۔ ہاں بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب تک مشہور دعا اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ (جو جماعت کی صورت میں جمع کے الفاظ سے بدل کر اور اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت کہہ کر پڑھی جاتی ہے) نہ پڑھی جائے قنوت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ قنوت کرنا مستحب ہے۔ شرط نہیں۔ یہ پوری تفصیل امام نووی نے شرح مسلم میں بیان

بیان فرمائی ہے، والصحیح انه لایتعین فیه دعاء مخصوص بل یحصل بکل دعاء وفیه وجه انه لا یحصل الا بالدعاء والمشهور اللهم اهدنی فی الی اخره والصحیح ان هذا مستحب لا شرط (ص ۲۳۳)

لیکن انسب اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ دعا بھی پڑھی جائے اس کے بعد وہ دعائیں پڑھی جائیں جو اس مضمون کی قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ پہلی امتوں کے مسلمانوں نے اپنی نصرت اور دشمن کی ہلاکت کے لئے ہم سے یوں دعا کی اور ہم نے اسے شرف پذیرائی بخشا۔ اس کے بعد وہ دعائیں پڑھی جائیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور سلف امت کا معمول تھیں چنانچہ یہ دعائیں مع ترجمہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں سب یا ان میں سے بعض پڑھ لی جائیں تو قنوت نازلہ کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

قنوت نازلہ کی قرآنی دعائیں

- رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کئے۔ اب اگر ہمیں تو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو یقیناً ہم گھاٹے میں رہیں گے
- رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔
- رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں صبر ڈال، دشمن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کفار پر فتح و نصرت عطا فرما۔
- رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ اور معاملات میں ہماری زیادتیاں بخش دے۔ دشمن کے مقابلہ میں ہمارے قدم جما دے اور کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔
- رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت خاص کے ساتھ ہمیں کافروں کے ظلم سے نجات دے۔
- رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی بھروسہ کیا اور سب طاقتوں سے منہ موڑ کر تیری طرف ہی لوٹے اور تیری طرف ہی پھرنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے ہاتھوں فتنہ میں مبتلا نہ کر اور ہمیں بخش دے۔ اے ہمارے رب! تو ہی غالب آنے والا حکمت والا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی ہلاکت کے لئے یہ دُعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اللھم اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك من شرورھم۔ اے اللہ! کتاب کو اتارنے والے بجلد حساب لینے والے، دشمن کی فوجوں کو شکست فاش دے الٰہی ان کو شکست دے اور میدان جنگ میں اُن کے قدم اکھاڑ دے۔ الٰہی! ہم تجھے ہی ان کے مقابلہ میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔

یہ دُعا بھی پڑھ سکتے ہیں، اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات والف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم وانصرھم علی عدوك وعدوھم۔ اللھم العن الکفرۃ الذین یصدون عن سبیلك ویکذبون رسلك ویقاتلون اولیاءك اللھم خالف بین کلمتھم وزلزل اقدامھم وانزل بھم بأسك الذی لا تردہ عن القوم المجرمین۔ اے اللہ! سب ایمان والے مسلمان مردوں اور ایمان والی مسلمان عورتوں کو بخش دے اور ان کے دلوں میں اُلفت و محبت ڈال دے اور ان کے آپس کے معاملات درست فرما دے اور ان کے اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد فرما۔ اے اللہ! اُن کافروں پر لعنت فرما جو تیری راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں اور تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیرے نیک بندوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اے اللہ! ان کے منصوبوں میں تو اختلاف ڈال دے اور ان کے قدم ڈگمگا دے۔ اور ان پر اپنا وہ عذاب نازل کر جس کو تو مجرم قوم سے کبھی نہیں ہٹاتا۔

• ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین (قرآن حکیم) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کا ارتکاب کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔ اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر کوئی ایسا شدید بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا۔ اے ہمارے رب! اور ہم سے وہ چیز نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں ہے۔ ہمیں معاف کر، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم و کرم کی نظر ڈال، صرف تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ لہٰذا کفار پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما۔

• ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنك ولیا واجعل لنا من لدنك نصیرا۔ (قرآن حکیم) اے ہمارے رب! اس ملک (ہندوستان) کے ظالموں کے ظلم سے ہمیں نجات دے اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی کھڑا کر دے اور اپنی طرف سے ہی ہمارا کوئی مددگار بنا دے

• اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ (قرآن حکیم) اے اللہ! آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے چھپی اور ظاہر چیزوں کے جاننے والے! تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کے اختلافات اور باہمی جھگڑوں میں فیصلہ کرتا ہے۔ (اس لئے) اے ہمارے رب! تو ہمارے درمیان اور ہمارے اہل ملک (ہنود) کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کردہ دعائیں

۱۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ (کتب حدیث)

اے اللہ! جن لوگوں کو تونے ہدایت دی ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی ہدایت دے اور جن کو تو نے صحت بخشی ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی صحت بخش اور جن کو تو نے دوست بنایا ہے ان کے ساتھ ہمیں بھی اپنا دوست بنا اور جو انعامات تو نے ہمیں عطا کیے ہیں ان میں برکت دے اور جو فیصلہ تو نے کیا ہے اس کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ کیونکہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً وہ ذلیل نہیں ہو سکتا جس کو تو دوست بنائے اور وہ عزت نہیں پا سکتا جس کو تو دشمن رکھے۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا اور عالی قدر ہے۔ ہم تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔ (مشکوٰۃ) اے اللہ! ہمیں بڑھا اور کم نہ کر ہمیں عزت دے اور ذلیل نہ کر اور اپنے انعامات اور فتح و نصرت ہمیں عطا فرما اور محروم نہ رکھ ہمیں ترجیح دے اور ہم پر کسی کو ترجیح نہ دے ہم کو اپنے سے راضی کر دے اور تو بھی ہم سے راضی ہو جا۔

۳۔ اَللّٰهُمَّ نَجِّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (مِنْ اَهْلِ الْكَشْمِيْرِ) وَاشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ مِنْ مُشْرِكِي الْهِنْدِ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيِّ يُوْسُفَ (بخاری شریف، ابو داؤد) اے اللہ! اہل کشمیر کے کمزور ایمانداروں کو نجات دے ان پر ظلم ڈھانے والے مشرکین ہند کو بھی طرح روند ڈال اور سختی

کے ساتھ کچل دے اور ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی سی قحط سالی مسلط کر۔
یہ دعا آپ مہینہ بھر عشاء کی نماز میں بطور قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کمزور مسلمانوں کو کفار مکہ کے ظلم و استبداد سے نجات بخشی اور وہ بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بتقاضائے حال ترتیب میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۷ اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مَصَائِبَ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا أَکْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا

(مشکوٰۃ شریف) اے اللہ! اپنا ڈر ہمیں اس قدر دے جس کے ذریعے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی فرمانبرداری کی اتنی توفیق عطا فرما جس کے ساتھ تو ہمیں جنت میں پہنچا دے اور اتنے یقین سے نواز جس کے باعث تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے اور جب تک ہمیں زندہ رکھے ہمیں اپنے کانوں، آنکھوں اور دوسری قوتوں سے متمتع ہونے کا موقع دے۔ اور ان قوتوں کو آخر دم تک قائم رکھ کر ہمارا وارث بنا۔ جن لوگوں نے ہم پر مظالم توڑے ہیں ان سے ہمارا انتقام لے اور جنہوں نے ہم سے دشمنی کی ہے ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ ہمارے دین کی وجہ سے ہم پر مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو ہمارا بڑا مقصد اور منتہائے علم نہ بنا اور بے رحم اور ظالموں کو ہم پر مسلط نہ کر۔

میدان جنگ میں پڑھنے کی دعا

غزوہ خندق میں جب عرب کے تمام قبائل اور خیبر کے یہودیوں نے مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو سراسیمہ اور دہشت زدہ صحابہؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! کوئی دعا ہے جو ہم اس موقع پر پڑھیں، مارے خوف کے ہمارے کلیجے منہ کو آگئے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں یوں کہو، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔ الٰہی! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے (ہمارے دفاع کے کمزور پہلو دشمن کی نگاہ سے اوجھل رکھ) اور ہماری گھراہٹیں امن سے بدل دے۔
صحابی کا بیان ہے، ہم نے یہ دعا پڑھی اللہ تعالیٰ نے ہماری غیبی امداد فرمائی اور اتنے زور

آندھی چلائی کہ دشمن بے بس ہو کر پسپا ہونے پر مجبور ہو گیا۔ (رواہ احمد، مشکوٰۃ شریف ص۲۱۶)

اس حدیث کی تائید قرآن حکیم سے بھی ہوتی ہے، فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

چنانچہ ہم نے کفار کی فوجوں پر آندھی اور ایسے غیبی لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔

یہ دعا قنوتِ نازلہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ بہتر یہ ہے کہ ہر مجاہد بلکہ ہر مسلمان اس مختصر کلمہ سے ہر وقت اپنی زبان تر رکھے۔ چلتے پھرتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں پڑھتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق[1] میں کفار کے حق میں یہ دعا بھی فرمائی، مَلَأَ اللّٰهُ بُیُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا، اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری شریف)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دشمن سے جنگ کرنے کے لئے نکلتے تو اللہ تعالیٰ سے یوں فریاد چاہتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَنَصِیْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف ص۲۱۶) الٰہی! تو ہی میرا قوتِ بازو اور مددگار ہے۔ تیری اعانت سے میں دشمن کی عیاری و مکاری دفع کرتا ہوں۔ تیرے بھروسہ پر میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں لڑتا ہوں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب لاہور۔ توحید لاہور جلد ۱ ش ۹

---

[1] غزوہ خندق شوال یا ذیقعدہ ۵ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان اموی وغیرہ کے درمیان مدینہ منورہ کے قریب کوہ سلع کے قریب ہوئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورہ سے سلع کے قریب خندق کھودی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائیوں کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔ جبکہ دشمنوں کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب بنی نضیر جلاوطن کئے گئے حیی بن اخطب بنی نضیر میں بڑا مفسد تھا۔ یہ خیبر میں جا رہا تھا۔ چند مفسدوں کو لے کر مکہ پہنچا اور قریش کو آپ کی لڑائی کے واسطے آمادہ کیا۔ اور تدبیر اور آدمیوں سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ مختلف قبائل مل کر دس ہزار ہو گئے۔ اور مدینہ منورہ کو چلے آئے۔ تقریباً ایک ماہ تک دشمنانِ اسلام نے محاصرہ رکھا۔ پھر پیچھے سے واپس چلے گئے۔

اس جنگ میں چھ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ دس کفار کو نارِ جہنم کی طرف روانہ کیا۔

سورۂ احزاب کے اندر اسی غزوۂ خندق کا ذکر ہے۔ اور اسی غزوہ کے متصل ہی غزوہ بنی قریظہ ہوا۔

مفصل حالات معلوم کرنے کے لیے "رحمۃ للعالمین" مصنفہ قاضی محمد سلیمان سلمان[رح] کا مطالعہ فرمادیں۔ (راشدی)

باب الدعا بعد الصلوٰۃ

سوال : بعد نماز فرض یا سنت ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟
جواب : نماز فرض وسنت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں، اس کے جواب پر قولی وفعلی اور اثری بہت سی دلیلیں ہیں جن کو بطور نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔ اور عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں ۔

عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الھی والہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی عن الاسود والعامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ

ترمذی، ابوداؤد اور بیہقی میں مالک بن یسار سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا (ابوداؤد) عن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفراً (ترمذی، ابوداؤد، بیہقی) واللہ اعلم (اخبار اہلحدیث جلد نمبر ش ۲۱)

سوال : بعد نماز فرائض وسنت ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں ؟
جواب : نماز فرض وسنت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب پر قولی فعلی اثری بہت سی دلیلیں ہیں۔ جن کو نمونتاً ذیل میں درج کیا جاتا ہے ۔ عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰة ثم یقول اللّٰھم الٰھی واله جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیه خائبتین ۔

رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیه ودعا الخ اور حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں روایت کیا ہے ، عن محمد بن یحیی الاسلمی قال رایت عبد اللہ ابن الزبیر وراٰی رجلا رافعا یدیه قبل ان یفرغ من صلوٰته فلما فرغ منها قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلوٰته رجاله ثقات ۔ عن مالك بن یسار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوه ببطون اکفکم ولا تسئلوه بظهورها ۔ ابوداؤد عن عمرؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه ۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا (ترمذی ابوداؤد بیہقی ،

علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا پہلے نبیوں کی شریعت سے ثابت ہے چنانچہ بخاری ص۴۷۵ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مکہ میں حضرت ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے تو جب کہ ثنیہ کے پاس پہنچے تو قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی ۔

امام نووی صاحب عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں هذا الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد ومنها استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتهی

ادب المفرد میں ہے ص۸۹ عن عکرمة عن عائشة انه سمع منها انها رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا رافعا یدیه یقول اللّٰھم انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین اذیته او شتمته فلا تعاقبنی فیه ۔

وعن ابی هریرة قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیها فاستقبل النبی صلی اللہ علیہ وسلم

القبلۃ ورفع یدیہ فظن الناس انہ یدعوا علیھم فقال اللّٰھم اھد دوسا وأت بھم رھکذا فی فتاوی نذیریہ) اخبار اہلحدیث دہلی ۱۰ رابیع ۱۳۵۵ھ

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگی ہے؟

جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے۔ حافظ ابوبکر بن السنی نے فرمایا ہے۔ عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا رواہ ابی شیبۃ فی مصنفہ اور حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعا میں روایت کیا ہے محمد بن یحییٰ اسلمی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے ہاتھوں کو دعا میں مگر جب کہ فارغ ہوتے نماز سے اور کہا کہ اس حدیث کے جتنے راوی ہیں سب ثقہ ہیں۔ عن محمد بن یحییٰ الاسلمی قال رایت عبداللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منھا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی فرغ من صلوتہ رجالہ ثقات نیز ابوداؤد میں ہے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تو سوال کرے اللہ تعالیٰ سے سوال کر اندرونی ہتھیلیوں سے اور نہ سوال کر اس سے الٹے ہاتھوں کے ذریعہ عن مالک بن یسار قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا وفی روایۃ ابن عباس سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوا بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم رواہ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو۔ عن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ رواہ الترمذی اور نیز مشکوٰۃ ص۱۹۵ میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بندہ ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے تو اللہ شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ کو خالی پھیرے عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردھما صفرا رواہ الترمذی وابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا پہلی شریعتوں سے بھی ثابت ہے چنانچہ بخاری ص۴۷۵ میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ کو میدان مکہ میں چھوڑ کر چلے اور ثنیہ کے پاس پہنچے تو قبلہ کی طرف منہ

کر ہاتھ اُٹھا کے دُعا مانگی۔ امام نووی صاحب عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ھذا الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد منھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہیٰ اور ادب المفرد کے ص۹ میں ہے عن عکرمۃ عن عائشۃ انہ سمعہ منھا انھا رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا رافعا یدیہ یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین اذیتہ شتمتہ فلا تعاقبنی فیہ وعن ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیھا فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ورفع یدیہ وظن الناس انہ یدعوا علیھم فقال اللھم اھد دوسا وائت بھم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگتے تھے اور دُعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے اور اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۲۴۲ تا ص۲۴۴ پر اور رسالہ فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء للسیوطی ملاحظہ فرمائیں۔ (اخبار اہلحدیث دہلی یکم دسمبر ۱۹۵۳ء)

سوال: کیا صحابہ کرام نے بھی سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگی ہے؟

جواب: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو صحابہ کرام بھی اس پر عامل ہوں گے۔
(اخبار اہلحدیث دہلی یکم دسمبر ۱۹۵۳ء)

لے یہ ابو الفضل عبد الرحمٰن ابن کمال ابوبکر جلال الدین حضرمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ مادر علم قاہرہ میں ۸۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ کا سایہ بچپن میں ہی اٹھ گیا۔ تاہم آپ شاہراہ علم پر تیزی سے گامزن رہے آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر عمدہ، منہاج، الفقہ والاصول اور الفیہ ابن مالک حفظ کر لیں۔ ۸۷۱ھ میں مسند افتاء پر متمکن ہوئے۔ اور پھر میدان تصنیف میں جو اد قلم کو دوڑایا تو ہر غایت کو عبور کر گئے۔ آپ کی جملہ تصانیف پانچ سو سے زائد ہیں۔

آپ کو آٹھ علوم میں تبحر اور کمال تھا یہ وہ علوم یہ ہیں۔ حدیث، فقہ، نحو، معانی، بدیع، بیان، لغت۔ آپ کی آخری تصنیف "تفسیر جلالین" جو کہ درس نظامی کے نصاب میں داخل ہے۔ یہ شہیار اعظم ۹۱۱ھ میں اس دار فانی سے دار البقا کو کوچ کر گئے۔ (سعیدی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں۔

الجواب: ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے۔ کتاب عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی میں ہے حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰہی والٰہ ابراہیم واسحٰق ویعقوب والٰہ جبریل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلیٰ وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنا الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین یعنی انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ ہر نماز کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلائے پھر کہے اللھم الٰہی والٰہ ابراہیم الخ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو نامراد نہیں پھیرتا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا، کہ بعد فرض نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔ اس حدیث کے راویوں میں ایک راوی عبد العزیز بن عبد الرحمٰن اگرچہ متکلم فیہ ہے۔ جیسا کہ میزان الاعتدال وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کا متکلم فیہ ہونا ثبوت جواز و استحباب کے منافی نہیں، کیوں کہ حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ قال فی فتح القدیر فی الجنائز والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع الخ

تفسیر ابن کثیر میں ہے: قال ابن ابی حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدہ بعد ما سلم وہو مستقبل القبلۃ فقال اللھم خلص الولید بن الولید وعیاش بن ابی ربیعۃ وسلمۃ بن ہشام وضعفۃ المسلمین الذین لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا من ایدی الکفار ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر آیۃ الا المستضعفین من الرجال والنساء والولدان لا یستطیعون حیلۃ ولا یہتدون سبیلا یعنی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد سلام پھیرنے کے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا، اور آپ قبلہ رو تھے پس کہا، اللھم خلص الولید بن الولید الخ اس حدیث کے راویوں میں علی بن زید ہے۔ جس کو حافظ ابن حجر نے تقریب میں ضعیف کہا ہے۔ لیکن اس کا ضعیف ہونا ثابت جواز و استحباب کے منافی نہیں ہے۔ کما مر مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن الاسود بن عامر عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث یعنی عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو قبلہ کی طرف سے منحرف ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی۔ ان احادیث سے بعد نماز فرض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قولاً فعلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العاجز عین الدین عفی عنہ، سید نذیر حسین فتاویٰ نذیریہ

مسئلہ: چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعائے کہ بعد اولئے نماز کردہ می شود بچناں کہ معمول اکثر دیار است از احادیث قولیہ یا فعلیہ ثابت است یا نہ ہر چند کہ فقہاء ایں را مستحسن می نویسند و احادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد اند لیکن دریں خصوص ہم حدیثے وارد است یا نہ، بینوا توجروا۔

ہوالمصوب: دریں خصوص نیز حدیثے وارد است چنانچہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق بن السنی در کتاب عمل الیوم واللیلۃ می نویسند۔ حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو اسحق یعقوب بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبد العزیز بن عبد الرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللھم الھی والہ ابراھیم واسحق ویعقوب والہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین۔ اگر گفتہ شود کہ در سند ایں روایت عبد العزیز بن عبد الرحمن است، و آں متکلم فیہا است، چنانکہ در میزان الاعتدال وغیرہ مصرح است گفتہ خواہد شد کہ حدیث ضعیف برائے اثبات استحباب کافی است، چنانچہ ابن ہمام در فتح القدیر در کتاب الجنائز می نویسد والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

سید نذیر حسین　　ابو الحسنات محمد عبد الحی　　حسبنا حفیظ اللہ

الجواب صحیح والرای نجیح۔ ویؤیدہ مارواہ ابو بکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما انحرف رفع یدیہ ودعا الحدیث فثبت بعد الصلوٰۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعا عن سید الانبیاء واسوۃ الاتقیاء صلی اللہ علیہ کما لا یخفی علی العلماء الاذکیاء حررہ السید شریف حسین عفاء اللہ عنہ ق الدین۔ سید شریف حسین۔

سید محمد نذیر حسین　　حسبنا حفیظ اللہ　　محمد عبد الرب　　سید احمد حسین

(فتاوی نذیریہ ص ۵۶۶)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا بدعت، زید کہتا ہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے بینوا توجروا۔

الجواب: صاحب فہم پر مخفی نہ رہے، کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز و مستحب ہے۔ اور زید مخطی ہے۔ عن[1] انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ ثم یقول اللھم الٰھی والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسئلک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین رواہ الحافظ ابوبکر بن السنی۔ عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف ورفع یدیہ ودعا الخ رواہ الحافظ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ اور حافظ جلال الدین* نے اپنی کتاب فض الوعا فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء میں روایت کیا ہے۔ محمد بن یحییٰ اسلمی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اٹھاتے تھے اپنے ہاتھ کو دعا میں مگر جب فارغ ہوتے نماز سے اور کہا ہے اس حدیث کے راوی جتنے ہیں سب ثقہ ہیں۔ عن[3] محمد بن یحییٰ الاسلمی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورای رجلا رافعا یدیہ قبل ان یفرغ من صلوٰتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوٰتہ ورجالہ ثقات[4] اور نیز ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب سوال کرو اللہ تعالےٰ سے تو سوال کرو بطون کف اپنے کے ساتھ اور نہ سوال کرو اس سے ساتھ ظہور کف اپنے کے۔ عن مالک بن یسار قال قال رسول اللہ صلی اللہ

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو آدمی نماز کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر کہے، اے میرے، اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل کے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، کہ تو میری دعا کو قبول فرما، میں بے قرار ہوں، میرے دین کو محفوظ رکھ میں فتنوں میں مبتلا ہوں، مجھے اپنی رحمت میں لے لے، میں گنہگار ہوں، میرے فقر کو دور کر دے میں مسکین ہوں۔ تو اللہ تعالےٰ پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے۔ لے اسود عامری کے باپ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز صبح پڑھی، جب آپ نے سلام پھیرا تو رخ ہماری طرف کیا، اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگی۔ لے عبداللہ بن زبیر نے ایک آدمی کو دیکھا، اس نے پوری نماز پڑھنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا

* سیوطی

علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم رواہ ابوداؤد۔ اور ترمذی میں ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب ہاتھ دعا میں اٹھاتے تو نہیں چھوڑتے تھے یہاں تک کہ مسح کرتے اپنے منہ کو۔ عن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ رواہ الترمذی[2] اور نیز مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۸۱ میں ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے، تو اللہ شرم کرتا ہے کہ اس کے ہاتھ خالی پھیر دے۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیہ ان یردھما صفرا رواہ الترمذی وابوداؤد والبیہقی[3]

مانگا گیا۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔ حاشیہ سابقہ صفحہ

(۱) اس کی سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمن قرشی ضعیف ہے۔ ۱۲ ابوسعید محمد شرف الدین۔

(۲) میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو صاحب مجمع الزوائد نے بھی نقل کیا ہے۔ حیث قال عن محمد بن ابی یحیی قال رأیت عبداللہ بن الزبیر ورأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلوتہ فلما فرغ منہا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن یحیی الاسلمی عن عبداللہ بن الزبیر ورجالہ ثقات انتہی۔ مجمع الزوائد مصری جلد ۱۰ ص ۱۶۹ کتاب الادعیۃ باب ماجاء فی الاشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین۔ وعن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلیتم الصبح فافرغوا الی الدعاء وباکروا فی طلب الحوائج اللھم بارک لامتی فی بکورھا انتہی۔ اس حدیث کو علی متقی نے کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ میں بحوالہ مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ وعن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح غیر عمار بن خالد الواسطی وھو ثقۃ، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۹۔ کنز العمال ج ۱ ص ۱۰۰ افضل الدعاء ۔۔۔ وفی روایۃ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا عند ابن ماجۃ اذا دعوت اللہ فادع ببطن کفیک الحاصل ان حدیثوں کا یہ ہے کہ آپ نے فرمایا، صبح کی نماز کے بعد یعنی فرض نماز کے بعد دعا مانگو، اور جب دعا مانگو تو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، نتیجہ یہ ہوا، کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو، وھو المدعی، واللہ اعلم۔ ابوسعید محمد شرف الدین مع فتاویٰ ثنائیہ

(۱) سندہ ضعیف واخرجہ ایضا الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک عن ابن عباس مرفوعا کنز العمال۔ ابوسعید محمد شرف الدین۔

(۲) اخرجہ ایضا الحاکم فی المستدرک وقال الترمذی ھو غریب ۱۲ کنز العمال۔ ابوسعید محمد شرف الدین۔

(۳) اخرجہ ایضا احمد وابن ماجہ وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین الترغیب والترھیب وکنز العمال ۱۲۔

۔ ابوسعید محمد شرف الدین۔

فی الدعوات الکبیر۔ علاوہ اس کے دعا میں ہاتھ اٹھانا شریعت من قبلنا سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری کی ص ۴۷۵ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے پھر جب کر ثنیہ کے پاس پہنچے، تو قبلہ کی طرف منہ پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی، امام نووی صاحب عبد اللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ھذا[1] الحدیث مشتمل علی کثیر من الفوائد ومنھا استحباب رفع الیدین فی الدعاء انتہیٰ اور ادب المفرد کے صفحہ ۹۴ میں ہے۔ عن[2] عکرمۃ عن عائشۃ انہ سمعھا انھا رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعو رافعا یدیہ یقول اللھم انما انا بشر فلا تعاقبنی ایما رجل من المومنین اذیتہ اوشتمتہ فلا تعاقبنی فیہ۔

وعن[3] ابی ھریرۃ قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان دوسا عصت وابت فادع اللہ علیھا فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القبلۃ ورفع یدیہ فظن الناس انہ یدعو علیھم فقال اللھم اھد دوسا وأت بھم۔ پس ان احادیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ اور دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ محمد عبد الغفور عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۔ سید محمد عبد السلام غفرلہ سید محمد ابو الحسن فتاوی نذیریہ ص ۵۴۶

---

[1] یہ حدیث بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ اس سے دعا میں ہاتھ اٹھانے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔

[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا۔ آپ کہہ رہے تھے۔ اے اللہ میں بھی ایک آدمی ہوں۔ اگر میں نے کسی مومن کو کوئی تکلیف دی ہو، یا کوئی سخت کلامی کی ہو تو مجھے معاف کر دینا۔

[3] طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول دوس نے نافرمانی کی اور دین حق کا انکار کیا، آپ ان پر بددعا کریں۔ تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے ہاتھ اٹھائے۔ لوگوں نے سمجھا کہ آپ ان پر بددعا کریں گے۔ آپ نے فرمایا! اے اللہ دوس کو ہدایت دے۔ اور ان کو میرے پاس لا۔

سوال : قرآن کی موجودہ ترتیب کے خلاف نماز میں سورتوں کی قرأت جائز ہے یا نہیں؟

جواب : قرآن کریم کی رائج الوقت ترتیب بلاشبہ منزل من اللہ نہیں ہے۔ چونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ سب سے پہلے "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" نازل ہوئی ہے۔ پھر اس کے بعد سورۃ مدثر اور آخر میں "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ" الخ نازل ہوئی ہے۔ نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب سے بلکہ بحسب نزول پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے۔ انسان جہاں سے چاہے نماز میں قرأت کر سکتا ہے پہلی دوسری رکعت میں مقدم و مؤخر سورۃ کی قراۃ سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۱۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص صحابی اپنی ہر نماز میں قل ھو اللہ سے شروع کرتا بعد ازاں کوئی دوسری سورۃ پڑھتا اور ہر رکعت میں وہ اسی طرح کرتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کی امامت پر مامور فرمادیا۔ اخرجہ الترمذی وقال حسن صحیح والبخاری تعلیقاً والبزار والبیہقی والطبرانی من حدیث انسؓ

اس سے واضح ہے کہ وہ صحابی قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے مطابق نہیں پڑھتا ہوگا ورنہ وہ صرف معوذتین ہی پڑھ سکتا تھا۔

۲۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سورۃ بقرہ پھر نساء اور پھر آل عمران پڑھی۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب علماء کے اجتہاد کا نتیجہ ہے۔ نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب، بلکہ آپ نے یہ کام اپنے بعد امت کو سونپ دیا تھا۔ یہی امام مالک اور جمہور کا قول ہے۔ اسے ہی قاضی ابوبکر باقلانی نے اختیار کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ دونوں کے احتمال کے باوجود اصح القولین یہی ہے (کہ یہ امت کا اجتہاد ہے)

قاضی عیاض مزید فرماتے ہیں کہ ہمارا قول کہ سورتوں کی ترتیب قراۃ، کتابت، نماز، درس تعلیم اور تلقین میں ضروری نہیں ہے اور یہ کہ نبی علیہ السلام سے اس پر نص نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کی مخالفت حرام ہے۔ اسی لیے مصحف عثمان سے قبل تمام مصاحف کی ترتیب مختلف تھی۔ اور بعض اہل علم کا یہ خیال کہ مصحف عثمان کی ترتیب نبی علیہ السلام کی ہے اور آپ کا بقرہ پھر نساء اور پھر آل عمران پڑھنا اس کی تاویل کی گئی ہے کہ یہ ترتیب سے قبل کی بات ہے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ ہم نے اس مذہب کے فساد کو وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ کہ یہ صحابہ کی تلاوت کی کیفیات سے نا واقفیت کا نتیجہ ہے۔

۳۔ قاضی عیاض نے عمل غیر ترتیب سورتوں کو قراۃ پر اجماع نقل کیا ہے۔ جو شخص اس کے

عدم جواز کا قائل ہے۔ وہ اجماع کا مخالف قرار پائے گا۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۲۸۹ ۔ ص۲۹۰)

سوال: دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کی بجائے تسبیح پر اکتفا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس کے ساتھ مزید کوئی سورۃ پڑھ سکتا ہے اس کے لئے فاتحہ چھوڑ کر تسبیح پڑھنے کے جواز کا کوئی وجود نہیں ہے۔ مجھے تو معلوم نہیں ہو سکا کہ بعض اہل علم جنہوں نے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ اور تسبیح میں اختیار دیا ہے ان کی بنیاد کس چیز پر ہے۔

چونکہ تسبیح کے جواز کی جو احادیث یا دلائل ہیں وہ صرف اس شخص کے لئے ہیں جو قرأت نہیں کر سکتی مثلاً عن رفاعة بن رافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم رجلا الصلوۃ فقال ان کان معك قرآن فاقرأ والا فاحمد اللہ وکبرہ وہلله ثم ارکع اخرجه ابوداؤد والترمذی وحسنه والنسائی۔

مذکورہ حدیث میں نمازی کے ساتھ قرآن نہ ہونے کی قید ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت، جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا استطیع ان آخذ شیئا من القرآن فعلمنی ما یجزئنی فقال قل سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارقطنی وابن الجارود وابن حبان والحاکم۔

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن اسمٰعیل سکسکی ہے۔ اگرچہ یہ رجال بخاری میں سے ہے۔ مگر محدثین نے امام بخاری پر اس کی حدیث لانے پر اعتراض کیا ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ ایک قوم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور اس کی روایت قابل حجت نہیں ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی کوئی منکر المتن حدیث بھی نہیں پائی۔ نووی نے ضعیف رواۃ کی فصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کے ساتھ ابراہیم منفرد نہیں ہے۔ بلکہ طبرانی اور ابن حبان نے اسکی روایت طلحہ بن مصرف عن ابی اوفیٰ کے طریق سے ذکر کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں فضل بن موفق ہے۔ ابو حاتم اور ابن حجرؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث بھی آدمی کے قرآن کریم کو بالکل یاد نہ کر سکنے کی صورت

لے ابراہیم بن اسمٰعیل کی ضعف کی وجہ جہول ہے۔ اس کا رجال بخاری سے ہونا صداقت اور حجت کی بین دلیل ہے اس حدیث میں جب لا استطیع کی نفی موجود ہے تو حدیث کی سند پر جرح کی کیا ضرورت ہے۔ (ستیاؔ)

میں ہے۔ اس سے حافظ فاتحہ کے لئے نہ پڑھنے کے جواز کا استدلال درست نہیں ہے۔ شوکانی نے فتح الربانی میں ذکر کیا ہے کہ جس نے مذکورۃ الصدر احادیث سے استدلال کیا اس نے صریح غلطی کا ارتکاب کیا۔

شارح مصابیح فرماتے ہیں کہ ضروری نہیں ہے کہ یہ صورت ہر وقت جائز ہو چوں کہ جو شخص کلمات تسبیح حفظ کر سکتا ہے وہ فاتحہ بھی یاد کر سکتا ہے۔ بلکہ اس کی صحیح تاویل اس طرح ہوگی۔ ایک آدمی مسلمان ہوا ہے اتنی جلدی وہ قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں کر سکتا اور نماز کا وقت آچکا ہے۔ جبھی وہ اس نماز سے فارغ ہوگا تبھی اسے فاتحہ یاد کرنا ہوگی۔

اور یہ دونوں حدیثیں اس مسئلہ میں نہایت شافی فیصلہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اگر ہم فرض کرلیں۔ کہ ان دو مقید احادیث کے علاوہ کوئی مطلق بھی موجود ہے تو بھی اسے ان مقید احادیث پر محمول کریں گے چوں کہ صورت فاتحہ کی قراۃ ہر رکعت میں ثابت ہے۔ جس کے دلائل علامہ شوکانی نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں ذکر کیے ہیں۔ دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۲۸۰ تا ص۲۹۱

سوال: حدیث "من کان له امام فقراۃ الامام له قراۃ" مرفوع ہے یا نہیں؟

جواب: دارقطنی اپنی سنن میں حدیث عن عبد اللہ بن شداد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان له امام فقراۃ الامام له قراۃ۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ اس حدیث کو موسیٰ بن ابی عائشہ سے ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے علاوہ کسی نے مسند ذکر نہیں کیا اور یہ دونوں حضرات ضعیف ہیں۔

نیز فرمایا کہ اس حدیث کو سفیان ثوری، شعبہ، اسرائیل، شریک، ابو خالد الدالانی، ابو الاحوص، سفیان ابن عیینہ، اور جریر بن عبد الحمید وغیرہم نے عن موسیٰ بن ابی عائشہ عن عبد اللہ بن شداد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسلاً بیان کیا ہے، اور یہی درست ہے۔ اور مجد الدین ابن تیمیہ نے المنتقی میں لکھا ہے۔ کہ یہ روایت کئی طرق سے مسنداً مروی ہے۔ لیکن وہ تمام طرق ضعیف ہیں۔ درست بات یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حفاظ حدیث کے نزدیک معلول ہے۔ اور انہوں نے اس کے مرسل ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ اور مرسل ضعیف کی اقسام میں سے ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کثرت طرق کی بنا پر حدیث قوی ہو گئی ہے۔ پھر بھی یہ عام ہے کیوں کہ مصدر مضاف ہونے کی صورت میں بھی عموم کے الفاظ میں سے ہے۔ جیسا کہ کتب اصول سے واضح ہے اور قراۃ الامام

لے قراۃ [illegible] میں اور [illegible] امام ہے جیسا کہ علم النحو اور معانی کا اصول ہے کہ مراجع اقرب زیادہ موزوں ہوتا ہے۔ مراجع البعید سے کو مطلب [illegible] امام ہی ہے۔ جیسا کہ قراۃ الامام کی اضافت میں عموم ہے۔ لہٰذا مقتدی کو امام کی قراۃ فرموداں ہے۔ مرفاۃ [illegible]

میں لفظ قرأۃ امام کی طرف مضاف واقع ہوا ہے۔ پس یہ تمام قرأتوں کو شامل ہوگا۔ اور یہ عموم احادیث صحیحہ کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت قال صلی بنا رسول اللہ علیہ وسلم الصبح فثقلت علیه القرأۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرؤن خلف امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال فلا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا اخرجه ابوداؤد والترمذی والنسائی واحمد والبخاری فی جزء القرأۃ والدارقطنی وصححه البخاری وابن حبان والحاکم ۔ اور اس حدیث کے شواہد بکثرت موجود ہیں اور اسی معنی میں متعدد دیگر احادیث بھی مروی ہیں۔ کہ جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے۔

امام شوکانیؒ نے بالتفصیل اس کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ہم نے اپنی کتاب ہدایۃ السائل عن ادلۃ المسائل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

آپ نے اس سے معلوم کیا ہوگا کہ وہ نمازیں جن میں امام جہری قرأۃ کرتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کا ان میں پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اور سری نمازوں میں تو بالاولیٰ ہی ضروری ہوگا۔ اگر اس بحث کو کما حقہ پھیلایا جائے تو کلام طویل ہو جائے گی۔ علامہ شوکانیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ نیز انہوں نے وبل الغمام اور سیل الجرار وغیرہ تصانیف میں بھی بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ اور منع قرأۃ کے قائلین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور احادیث قرأۃ تمام کی تمام صحیح اور معمول بہا ہیں۔ ولا ملجئ الی التاویل ففیه ترك العمل بالدلیل وعدول عن الملق الحقیق بالقبول الی الطل الاباطیل واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وفی ھذا کفایة لمن له تعلق بنجم الھدایة ۔ (دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۲۶۲)

سوال۔ نماز میں امام کے پیچھے ترجمہ اور استعاذہ کی قرأۃ بھی جائز ہے۔ یا صرف فاتحہ خاص ہے؟

جواب۔ جس قدر بھی احادیث مقتدیوں کے امام کے پیچھے قرأۃ سے ممانعت کی وارد ہوئی ہیں۔ وہ نفس قرآن کی قرأۃ سے خاص ہیں۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت کی روایت کے الفاظ ہیں۔

انی اراکم تقرؤن وراء امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوٰۃ لمن یقرأ بھا اخرجه ابوداؤد والترمذی واحمد والبخاری فی جزء القرأۃ وصححه۔ وصححه ایضا ابن حبان والحاکم والبیھقی وفی لفظ فلا تقرؤا بشیئ

۱؎ فلا تقرؤا بشیئ کی نفی میں عموم ہے۔ اس عموم سے قرأۃ فاتحہ مستثنیٰ ہے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی قرأۃ خواہ قرآن مجید ہو۔ استعاذہ ہو یا کوئی اور بشیئ کی نفی میں سب شامل ہیں۔ لہٰذا اس کا پڑھنا حرام قرار پاتا ہے۔ فاسد نہیں ہے۔ فافہم وتدبر (سعیدی)

اذا جهرت به الا بام القرآن اخرجه ابوداؤد والنسائی والدارقطنی وقال رجاله کلهم ثقات وفی لفظ لعلکم تقرؤن والامام يقرأ قالوا انا لنفعل ذالك قال لا الا ان يقرأ احدکم بفاتحة الكتاب اخرجه من تقدم ذکره - حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کی تمام ترسندیں حسن ہیں اور ابوہریرہ کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فیما جهر فيه حين سمعوا ذالك اخرجه فی الموطا والنسائی وابی داؤد والترمذی وحسنه والدار قطنی میں ان الفاظ سے ہے۔ واذا جهرت بقرأتی فلا يقرأ معی احد اور جیسی دیگر روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نہی عنہ امام کی قرأۃ کے وقت نفس قرآن کریم ہے۔ اور یہ نہی قرأۃ توجہ اور استعاذہ کو مشتمل نہیں ہے چنانچہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ توجہ اور استعاذہ کی قرأۃ کے بارے میں جمہور سلف و خلف بلکہ کسی صحابی و تابعی اور تبع تابعی سے عدم جواز منقول نہیں ہے اسی طرح کسی صاحب مذہب اور اہل علم سے بھی منقول نہیں ہے۔ مگر ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے توجہ اور استعاذہ کی قرأۃ سے باز رہنا چاہیے چونکہ اس میں قرآن کے بعض حصے ہیں اور نبی علیہ السلام نے تمام القرآن کے علاوہ امام کے پیچھے قرآن کریم کی قرأۃ سے منع فرمایا ہے۔ علامہ شوکانی علیہ الرحمۃ الربانی فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن حزم کا فاسد ہے چونکہ اگر ان قول سے مراد ہر توجہ ہے جس آپ جانتے ہیں اکثر توجہ قرآن نہیں ہے اور اگر اس سے مراد صرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ ہے جس میں انی وجهت وجهی للذی الخ وارد ہے تو صرف یہ توجہ محل نزاع نہیں ہے۔ دیگر متعدد توجہات ہیں جن میں قرآن کریم نہیں ہے چنانچہ ان کے قاری کو اس قول سے عذر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور مانعین قرأۃ توجہ یہ اعتراض کریں کہ آیت واذا قرئ القرآن الخ اور حدیث انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه واخرجه ایضا احمد ورجال اسناده ثقاة عموم کا فائدہ اور یہ اعتراض کہ واذا قرأ فانصتوا زیادتی صرف ابوخالد احمر سے ہے۔ اس لیے مرفوع ہے۔ کہ ابوخالد ثقات اثبات میں سے ہے بخاری مسلم نے اسے قابل حجت قرار دیا ہے اس صورت میں اس کا تفرد بھی نقصان دہ نہیں ہے۔ اور پھر وہ اکیلا ہی اس زیادتی کے ساتھ متفرد نہیں ہے بلکہ ابوسعید محمد بن سعد انصاری شہلی مدنی بھی اس زیادتی میں اسکا تابع ہے۔ ابوسعید کے طریق سے اس زیادتی کو امام نسائی نے نکالا ہے۔ نیز اسی زیادتی کو مسلم نے اپنی صحیح میں ابوموسیٰ اشعری سے بیان ———— کیا ہے میں کہتا ہوں یہ دونوں عموم جو آیت قرآن اور حدیث رسول میں ہیں یہ مخصوص ہیں ایسے قول سے جیسے شریعت مقتدی کے

لیے نماز میں مشروع قرار دیا ہے۔ اور انہیں سے فاتحۃ الکتاب بھی ہے اور اس کی تخصیص کی تائید میں احادیث ہیں۔ جن میں قرآن کی قرأت خلف امام کی نہیں۔ بتصریح وارد ہوئی ہے۔ واللہ اعلم
(دلیل الطالب علیٰ ارجح المطالب ص۲۹۲ تا ص۲۹۵)

سوال: سجدوں میں رفع یدین ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: وہ تمام روایات جو صحابہ کے ایک جم غفیر کے راستے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان میں صرف تین جگہ رفع یدینؔ کا ذکر ہے اول تکبیر تحریمہ کے وقت دوم رکوع جاتے وقت سوم رکوع سے اٹھتے وقت اور کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے رفع یدین کا سجدوں میں ذکر کیا ہو بلکہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ لم یفعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یعنی آپ نے سجدے میں رفع یدین نہیں کیا۔ اور اسی طرح نفی کا ذکر بھی غیر ابن عمر سے آتا ہے۔

الحاصل کہ اسلام کے ذخیرہ کتب میں خواہ وہ کتب اصول ہو یا کتب فروع سجدوں میں رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تمام روایات میں رفع یدین کا ذکر تین جگہوں پر ہے۔ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اگر ثقہ کی روایت بھی ہے تو وہ شاذ ہے اور شاذ ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ اور اگر غیر ثقہ کی روایت ہے۔ تو وہ منکر ہے۔ اور منکر کا ضعف تو شاذ سے بھی اشد ہے۔ اور اسی شاذ روایت سے پیدا شدہ غلطی کا ازالہ ہوگیا۔

اگر مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو سنئے کہ نسائی نے اپنی سنن میں باب رفع یدین للسجود میں مالک بن حویرث کی روایت نقل کی ہے۔ کہ انہ رأی النبی صلے اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی صلوٰتہ وفیہ اذا کان یرفع رأسہ من السجود ثم ذکر مسندہ من طرق ثانیۃ ومن طرق ثالثۃ فی ہذا الباب وہی کلہا من طریق نصر بن عاصم الانطاکی عن مالک بن الحویرث ثم ذکر النسائی فی باب الرفع من السجدۃ الاولیٰ عن مالک بن الحویرث مثلہ۔ اور یہ روایت بھی نصر بن عاصم کے طریق سے ہے۔ پس مالک بن حویرث کے چار طریق ہیں۔
اور چاروں نصر بن عاصم سے ہیں۔ اور یہ نصر بن عاصم ضعیف ہے (لین الحدیث) لیے راوی سے حجت قائم نہیں ہو سکتی، اگرچہ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ چنانچہ امام نسائی رح نے حدیث نقل کی ہے۔ جس کی سند اور متن اس طرح ہیں۔ عن عبد الاعلیٰ قال حدثنا خالد قال حدثنا شعبۃ عن قتادۃ عن نصر عن مالک ان رسول اللہ

لہ جواب صحیح ہے رفع الیدین چار جگہ ہے۔ تکبیر تحریمہ۔ بوقت رکوع۔ عند رفع الراس بعد الرکوع۔ وا ذا قام من الرکعتین جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ ائمہ حدیث نے اسی پر تبویب کی ہے۔ باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے [illegible] بیتی بہا [illegible] اذا قام من التشہد الاول وہذا القول ہو الصواب فقد صح فیہ حدیث ابن عمر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان یفعلہ [illegible]

صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا صلی رفع یدیہ حین یکبر حیال اذنیہ واذا اراد ان یرکع واذا رفع رأسہ من الرکوع صرف انہی مواضع میں رفعیدین کا ذکر آیا ہے اور سجدہ میں رفعیدین کا ذکر نہیں ہے۔ اسی طرح امام نسائی نے اپنی سنن میں یعقوب ابن ابراہیم کی روایت عن ابن عیینۃ عن ابن ابی عروبۃ عن قتادہ عن نصر بن مالک نقل کی ہے۔ اس میں بھی رفعیدین فی السجود کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ مالک بن حویرث کی روایت میں اضطراب ہے۔ اور یہ اضطراب ضعف روایت کا باعث ہے۔ چونکہ اس کا دارومدار نصر بن عاصم پر ہے۔ اور وہ ضعیف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نسائی نے باب رفعیدین بین السجدتین میں انہی الفاظ کی حدیث مالک بن حویرث کے طریق کے علاوہ اور طریق سے بھی تخریج کی ہے۔ فرماتے ہیں اخبرنا موسیٰ ابن عبداللہ بن موسیٰ البصری قال اخبرنا النضر بن کثیر ابو سہل الازدی قال صلی الی جنب عبداللہ بن طاؤس منی فی المسجد الخیف فکان اذا سجد السجدۃ الاولیٰ فرفع الرأس منہا رفع یدیہ تلقاء وجہہ فانکرت انا ذالک فقلت لوہیب بن خالد ان ہذا یصنع شیئا لم ار احدا یصنعہ فقال لہ وہیب تصنع شیئا لم ار احدا یصنعہ فقال عبداللہ بن طاؤس رائیت ابی یصنعہ وقال عبداللہ بن عباس رائیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنعہ ہم کہتے ہیں کہ یہ نضر بن کثیر وہی سعدی بصری ہے کہ ابو حیان ؒ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ ثقات کی طرف موضوعات منسوب کرتا ہے۔ اس کے ساتھ حجت پکڑنا قطعاً درست نہیں ہے۔ انتہیٰ کلام ابو حیان۔

لہٰذا کوئی سنت نضر بن کثیر جیسے کذاب اور نصر بن عاصم جیسے مختلف فیہ الراوی سے ثابت نہیں ہوسکتی اور یہ اس وقت ہے کہ اس کذاب اور ضعیف آدمی کی روایت قوی رواۃ کی روایتوں کے منافی نہ ہو، حالانکہ یہ روایت صحابہ کے ایک گروہ کی روایات کے منافی ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے۔ کہ پچاس سے زیادہ صحابہ نے اس روایت کے مخالف حدیث بیان کی ہے۔ یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ ایک اور حدیث میں ہے۔ کما نہ کان یرفع فی کل خفض ورفع کیونکہ اگر یہ روایت درجہ صحت تک کو پہنچ بھی جائے تو اس خفض ورفع کو جمہور کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ کذاب اور ضعیف کی روایت پر محمول نہ ہوگا کیونکہ یہ زیادتی اتنی اہم نہیں ہے۔ کہ اس سے عمل واجب ہوجائے گا۔ کسی زیادتی سے وجوب عمل پر استدلال نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ اس زیادتی پر حجت قائم ہوکر وہ قابل اخذ ہوجائے۔ ایسی زیادتیوں کے ساتھ حجت پکڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ حافظ ابن قیم ہدی نبوی میں فرماتے ہیں کہ رفعیدین فی السجود کی روایت میں وہم ہے۔ وفی ہذا کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔

دلیل الطالب ص۲۹۵ تا ص۲۹۶

مصنف نواب صدیق حسن خان مرحوم رح

سوال: بغیر نماز کے صرف سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سجدہ بغیر نماز کے بذات خود ایک مستقل عبادت ہے اور اللہ رب العزت اپنے بندوں کو اس عبادت پر اجر وافر عطا فرماتے ہیں، اور اس پر دلالت کرنے والی نصوص قرآن کریم میں معروف ہیں اور ان میں سے بعض نصوص کو نماز کے سجود یا نفس نماز پر محمول کرنا مجازی ہے۔ اور مجازی معنی استعمال کرنے کے لئے کوئی قرینہ یا دلیل ہونی چاہیئے اور منجملہ ان کے تلاوت کے سجدے بھی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا منفرد سجدوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اسی طرح سجدہ تلاوت ہے۔ اسے بھی منفرد سجود پر محمول کیا جائے گا۔ اور سجود منفردہ پر دلیل معدان بن طلحہ یعمری کی روایت ہے۔ جو صحیح میں ہے۔ قال لقیت ثوبان مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اخبرنی بعمل اعمله یدخلنی اللہ به الجنة او قال قلت باحب الاعمال الی اللہ عزوجل فسکت ثم سألته فسکت ثم سألته الثالثة فقال سألت عن ذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال علیک بکثرة السجود للہ فانک لا تسجد للہ سجدة الا رفعک اللہ بها درجة وحط عنک بها خطیئة ثم لقیت ابا الدرداء فسألته فقال لی مثل ما قال ثوبان وهذا لفظ مسلم۔

اور عربی آپ کے الفاظ سجدہ سے سوائے منفرد سجدہ کے اور کچھ نہیں سمجھے گا۔ جو سجدے نماز میں ہوتے ہیں ان کا اجر تو نماز کے اجر میں داخل ہوتا ہے۔ نیز صحیح میں ربیعہ بن کعب اسلمی کی روایت ہے۔ قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتیته بوضوءه وحاجته فقال لی سل فقلت اسألک مرافقتک فی الجنة فقال او غیر ذالک فقلت هو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرة السجود وهذا لفظ مسلم۔ اور ان الفاظ سے مراد منفرد سجود حقیقی ہوگا۔ ایسی ہی روایت حضرت عائشہ کی صحیح میں ثابت ہے۔

انها فقدت رسول اللہ لیلة من الفراش فالتمسته فوقعت یدها علی بطن قدمیه وهو فی المسجد وهما منصوبتان وهو یقول اللهم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اسی طرح ابو ہریرہ کی روایت بھی سجود منفرد پر صادق آتی ہے قال اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا الدعاء حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی احدی عشرة رکعة فیما بین ان

یفرغ من صلوٰۃ العشاء الی صلوٰۃ الفجر سوی رکعتی الفجر ویسجد قدر ما یقرأ احدکم خمسین آیۃ شوکانی فرماتے ہیں کہ صاحب "عدۃ حصن حصین" نے غلطی کی ہے۔ کہ یہ سجود موضوع ہیں اور میں نے عدۃ کی شرح میں اس پر تنبیہ کر دی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف میں ابو سعید سے روایت نقل کی ہے، انہ قال ما وضع رجل جبہتہ للہ ساجدا فقال یا رب اغفرلی ثلاثا الا رفع راسہ وقد غفرلہ۔ یہ حدیث اگرچہ ابو سعید پر موقوف ہے لیکن رفع کے حکم میں ہے چونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی۔ اسے طبرانی نے عن ابی مالک عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ طبرانی نے اسے معجم کبیر میں محمد بن جابر عن ابی مالک کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے۔ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد یسجد للہ سجدۃ الا کتب اللہ بھا حسنۃ ومحا عنہ بھا سیئۃ ورفع بھا درجۃ فاستکثروا من السجود۔ ابن ماجہ اور احمد نے جید سند کے ساتھ ابو فاطمہ سے روایت کی ہے۔

قال قلت یا رسول اللہ اخبرنی بعمل استقیم علیہ واعمل قال علیک بالسجود فانک لا تسجد للہ سجدۃ الا رفعک اللہ بھا درجۃ وحط عنک بھا خطیئۃ اور احمد کے الفاظ اس طرح ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا ابا فاطمۃ ان اردت ان تلقانی فاکثر السجود۔ طبرانی نے اوسط میں ثقہ رجال کی سند سے حذیفہ کی حدیث ذکر کی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من حالۃ یکون العبد احب الی اللہ من ان یراہ ساجدا یعفر وجھہ فی التراب۔ احمد اور بزار نے ابو ذر کی روایت سند صحیح سے نکالی ہے۔ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سجد للہ سجدۃ کتب اللہ لہ بھا حسنۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ ورفع لہ بھا درجۃ واضح ہو کہ ان احادیث میں مذکورہ سجود سے مراد منفرد سجود ہی ہیں۔ جو کہ حقیقی معنی ہے۔ اور ان سے مجازاً نماز کے سجدے مراد لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ مجازی معنی لینے سے حقیقی معنی و معا پر بھی اثر نہیں پڑے گا۔

الحاصل کہ سجدہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جیسے بندے کو نماز سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح سجدے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام سے اس کی ترغیب اور اس پر

اجر جزیل کے وعدے منقول ہیں۔

نبی علیہ السلام کا فعل بعض انواع سجود کو مانع نہیں ہے۔ آپ کے غیر کے لئے جیسا کہ ترغیب آپ کے اقوال سے ثابت ہے۔ اور اقوال پر اقوال کی ترجیح کسی پر مخفی نہیں ہے پس مومن کو چاہیے کہ جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے (اوقات ممنوعہ کے علاوہ) سجدے کرے۔ جو شخص اس بات کا انکار کرتا ہے۔ وہ مذکورۃ الصدر احادیث کو یا تو جانتا نہیں ہے یا اگر سمجھتا نہیں ہے کہ ان سے کم تر احادیث سے سجدے کی مشروعیت ثابت ہو سکتی ہے کہاں احادیث صحیحہ کا انبوہ کثیر اور جو شخص یہ کہے کہ صرف سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے انواع ہی مشروع ہیں۔ اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے۔ کہ یہ شق نماز میں بھی لازم آتی ہے۔ پس اسے منتقل ہو جانا چاہیے مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع شدہ نفل کے ساتھ اور منقول اس میں عدد یا صفت میں زیادتی نہ کی جائے اور صرف اس وقت سرانجام دی جائے جس وقت نبی علیہ السلام نے سرانجام دی اور ظاہر ہے کہ یہ قول سراسر جہالت ہے۔ چونکہ نماز کے بارے میں واردشدہ ترغیبات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز نفل زیادہ سے زیادہ پڑھنا سنت ثابتہ اور شریعت قائم ہے بشرطیکہ اس کی ادائیگی کا وقت مکروہ اوقات میں سے نہ ہو۔ یہی صورت مجرد سجود کی ہے کہ ساجد کے لئے ترغیب اور اجر جزیل ثابت ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے۔ اور خصوصاً جب کہ یہ سجدہ رب العزت کے قرب کے اسباب میں سے ہو جیسا کہ زبان نبوی ہے۔ "اقرب ما یکون العبد من ربه وهو ساجد" اور پھر اس قرب رب العزت دعا کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔ کس قدر زیادہ حق دار ہے قبولیت کا وہ شخص اجازت کا دروازہ اس حالت میں کھٹکھٹاتا ہے۔ جب وہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہے۔ اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں وہ رحمت جن کے ساتھ دعائیں قبول ہوتی ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور غلطیاں مٹ جاتی ہیں۔ چونکہ انسان اس وقت اپنے رب العزت کے قرب بلکہ اقرب القرب مقام میں ہوتا ہے۔ یہ امام شوکانی کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ اور امام شوکانی اپنے آخری ایام زندگی میں کثرت کے ساتھ طویل ترین سجدے کیا کرتے تھے۔ اور کس قدر اچھے امام بیہقیؒ کے اشعار اس بات

ے　من اعتز بالمولی فذاک جلیل　　ومن رام عزا من سواہ فهو ذلیل

ولو ان نفسی مذ براها ملیکها　　مضی عمرها فی سجدة لقلیل

احب مناجاة الحبیب باوجه　　ولکن لسان المذنبین کلیل

اللّٰھم وفقنا لکثرۃ السجود لک وارزقنا بہ مرافقۃ نبیک فی جنتک انک علی ما تشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر۔

دلیل الطالب علی ارجح المطالب از ص۲۹۶ تا ص۲۹۹

سوال: نماز میں نبی علیہ السلام پر درود پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: نماز میں درود کے وجوب کے قائلین کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے:
کیف نقول اذا نحن صلینا علیک فی صلاتنا فقال قولوا الحدیث۔ اخرجہ ابن حبان والحاکم وابن خزیمۃ والدارقطنی
ہم کہتے ہیں کہ کسی چیز کی کیفیت کی تعلیم اور اس کا امر کیفیت کا امر نہیں ہے تاکہ ہم صرف وجوب کے ساتھ اسکو مقید کریں اور یہ معنی لغۃً شرعاً اور عرفاً مشہور ہے اور یہ محاورہ سنتِ رسول میں بکثرت وارد ہوا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مسئول عنہا کی کیفیت ہی نماز کے درود کی کیفیت ہے کہ اس کا حکم اور تعلیم واقع ہوئی ہے۔ اور وجوب کا بیان ہے مجمل۔ چونکہ صلوا علیہ کے مجمل ہونے کو اصول مانع ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وجوب کا بیان مجمل ہے تو طبری نے اس پر اجماع کی حکایت کی ہے۔ اس صورت میں مجمل مندوب کا بیان ہوگا کیونکہ مجمل واجب کا۔ اور اگر ہم واجب تسلیم کر لیں تو پھر بھی ایک بار بالفعل اس عہدہ سے خروج حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتب اصول سے واضح ہے پس تکرار کہاں ہے۔ چلو یہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ تکرار بھی موجود ہے۔ مگر اس [illegible] اقیموا الصلوٰۃ اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کے بیان پر زیادتی نہیں ہے۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ اقیموا الصلوٰۃ اور صلوا کما رأیتمونی اصلی کا آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال سے بیان ہے۔ نیز وہ امر جو حدیث مسیئ الصلوٰۃ میں نہ ہو واجب نہیں ہو سکتا، یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور اگر بالفرض ہو بھی تو مسئلہ متنازعہ فیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال تشہد میں درود پڑھنے کا ہے۔ کسی حدیث میں خصوصیت سے تشہد میں درود پڑھنے کا ذکر نہیں مطلق نماز میں ہے اور اس میں تنازع نہیں۔ اگر اس حدیث سے استدلال کریں کہ "البخیل من ذکرت عندہ فلم یصل علی۔ اخرجہ الترمذی" تو یہ دلیل ناممکن ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیں کہ بخل صرف ترک واجبات ہی کا نام ہے تو پھر یہ استدلال درست ہو سکتا ہے لیکن واضح ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اہل لغت اہل شرع اور اہل عرف اسکا اطلاق غیر واجب پر کرتے ہیں۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ مسند الیہ معروف باللام ہے اسلئے حصر کا معنی ہوگا۔ اس لیے یہ اسناد ہے تاکیدی۔ اسی لیے صاحب تحقیق ایسی عبارت لائے ہیں جو تقلیل پر دال ہے وہ فرماتے ہیں اثنا فی قدر تفید نفی الجنس مگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں تو اگر بخل کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں تو وہ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مروت سے متعلق امور میں بخل کرے۔ (دلیل الطالب ص۲۹۹)

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع یعنی امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہو جاتی ہے یا نہیں ؟ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ رکوع پانے والے نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی احادیث صحیحہ کی روشنی میں جواب دیا جائے ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب بعونه الصواب ، سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہر نمازی پڑھنا وہ امام ہو یا مقتدی ، منفرد ہو یا مدرک رکوع ، نماز فرض ہو یا سنت یا نفل ، سورۃ فاتحہ پڑھنی فرض ہے ۔ اس کے بغیر پڑھے کسی کی کسی صورت میں نماز نہ ہوگی ۔ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہے ۔ اس کے متعلق بے شمار حدیثیں ہیں ، ان میں سے چند حدیثیں ہدیۂ ناظرین ہیں جن کو غور سے پڑھیں ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بخاری مسلم ، ترمذی ، ابن ماجہ و دیگر کتب حدیث ، یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ، نہیں نماز ہوتی اس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی ۔

جزء القراءۃ للامام بخاری و نیز دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں بھیج کر آواز لگوادی تھی کہ لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب یعنی سن لو ، بغیر الحمد پڑھے کسی کی نماز نہ ہوگی ۔ اس قسم کی سیکڑوں حدیثیں صحاح وغیرہ میں موجود ہیں ۔ جن کو بخوف طوالت یہاں نظر انداز کیا جاتا ہے ۔ ان حدیثوں کے عموم پر غور کرنا چاہیے ۔ اگر مدرک رکوع کی نماز ہو جاتی ، تو حضور صاف فرما دیتے کہ نماز بغیر الحمد کے نہیں ہوتی ، مگر رکوع پانے والے کی ہو جاتی ہے ۔

جس طرح حضرات احناف ان حدیثوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مقتدی کی نماز بغیر فاتحہ پڑھے ہو جاتی ہے ، اور طرح طرح کی تاویلات و دلیلیں پیش کرتے ہیں ، چاہے ان سے ان کا مدعا ثابت ہو یا نہ ہو ، اسی طرح بعض مدعیان اہلحدیث بھی مدرک رکوع کی رکعت ہو جانے پر اڑے ہوئے ہیں ۔ اور جو دلائل اس کے متعلق پیش کرتے ہیں اکثر تو محدثین کے نزدیک بکر و ضعیف ہیں اور جو صحیح ہیں ان سے ان کا ہر گز یہ مدعا ثابت نہیں ہوتا ۔ ان کی تفصیل ملاحظہ ہو ۔

پہلی دلیل حدیث ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جو علاوہ کتب حدیث کے صحیح بخاری

میں بھی موجود ہے۔ اس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں ایسی حالت میں پہنچے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رکوع میں جا چکے تھے۔ ابو بکرہؓ صف کے پیچھے سے رکوع کر کے نماز میں شریک ہو گئے بعد فراغت نماز آپ نے ان سے فرمایا "زادک اللہ حرصا ولا تعد" اللہ تمہارا شوق زیادہ کرے۔ لیکن یہ حرکت آئندہ نہ کرنا۔ کہ بغیر صف کے پہنچے ہی رکوع میں چلے جاؤ۔

اس حدیث میں کہیں نہیں ہے کہ ابو بکرہؓ کی رکوع والی رکعت ہو گئی۔ یہ بعض لوگوں کو دھوکہ ہی ڈالنا ہے کہ لا تعد سے مراد رکوع والی رکعت کا عدم اعادہ ہے۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے خود اس کے متعلق جزء القراۃ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اور اس کے معنی خود ہی بیان کر دیئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں "لیس لاحد ان یعود لما نہی النبی صلے اللہ علیہ وسلم عنہ ولیس فی جوابہ انہ اعتد بالرکوع" یعنی حدیث ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کسی کو جائز نہیں ہے۔ کہ حضور کے منع کرنے کے بعد صف کے پیچھے سے رکوع کرتا ہوا امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ابو بکرہؓ نے رکوع کی رکعت کو شمار کیا ہو۔ سبحان اللہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو فرمائیں کہ ابو بکرہؓ کی حدیث سے یہ نہ سمجھنا کہ رکوع والی رکعت کو انہوں نے شمار کیا ہے۔ اور یہ حضرات حدیث کو الٹ پلٹ کر اس سے رکوع کی رکعت ثابت کرنے کے فکر میں ہیں۔

امام بخاریؒ کی اس تصریح کے بعد اس حدیث سے رکوع کی رکعت مراد لینا گویا امام بخاری کو جھٹلانا ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی روایت کردہ حدیث خوب سمجھتے تھے۔ صاحب البیت ادری بما فی بیتہ" ونیز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جزء القراۃ میں ابو بکرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے حدیث کا یہ ٹکڑا بھی نقل کرتے ہیں۔ کہ حضورؐ نے ابو بکرہؓ سے فرمایا واقض ما سبقک یعنی ابو بکرہ اپنی رکوع والی رکعت کو پھر سے پڑھ لو۔ یہ روایت طبرانی میں بھی اسی طرح ہے۔ لو اب تو معاملہ بالکل ہی صاف ہو گیا۔ ونیز صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں حضور علیہ السلام کا صاف فرمان موجود ہے۔ "ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا" یعنی لوگو، نماز میں بھاگ کر نہ ملو جو امام کے ساتھ پاؤ اسے پڑھ لو، اور جو حصہ فوت ہو جائے اس کو بعد سلام پھیرنے امام کے پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے نیچے فتح الباری میں لکھتے ہیں:۔

واستدل بہ علی ان من ادرک الامام راکعا لم تحسب لہ تلک الرکعۃ للامر باتمام ما فاتہ

لانہ فاتہ الوقوف والقراۃ فیہ وہو قول ابی ہریرۃ وجماعۃ بل حکاہ البخاری فی القراۃ خلف الامام عن کل من ذہب الی وجوب قراۃ خلف الامام" یعنی اس حدیث میں دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں۔ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت شمار نہ ہوگی۔ اس لیے کہ آپ نے فرمایا کہ فوت شدہ حصہ کو پڑھ لو، چونکہ اس صورت میں قیام اور قراۃ فوت ہو چکے ہیں اس لئے اس رکعت کا اعادہ ضروری ہے۔ یہی قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ کا ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو صحابہ قراۃ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں۔ وہ سب اسی طرح کہتے ہیں۔ اس حدیث کے ہوتے ہوئے اور امام بخاری وغیرہ کی اس تصریح کے بعد معلوم ہوا کہ رکوع کی رکعت لینے والے حدیث کے خلاف کرنے میں کس قدر بے باک ہیں۔

دوسری دلیل جو مدرک بالرکوع کی صحت نماز کے متعلق پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ جسے ابوداؤد نے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ "من ادرک الرکعۃ فقدا ورک الصلوٰۃ" اس کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے۔ جس نے رکعت پائی اس نے نماز پائی۔ رکعت کہتے ہیں قیام اور قرأت اور رکوع و سجدہ کے مجموعے کو۔ یہاں رکعت کے معنی رکوع کے لینا سراسر غلط ہے۔ عون المعبود شرح ابوداؤد" میں ہے۔ وما ھنا لیست قرینۃ تصرف عن حقیقۃ الرکعۃ فلیس فیہ دلیل علی ان مدرک الامام راکعا مدرک لتلک الرکعۃ یعنی اس مقام پر حقیقی معنی رکعت کے ہیں اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ مدرک الرکوع کی رکعت ہو جاتی ہے۔ یہ تو اس کے معنی کے متعلق بحث تھی، اب اس کی سند کے متعلق سنئے۔ یہ حدیث سرے سے ضعیف ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ جزء القراۃ میں لکھتے ہیں کہ اس میں ایک راوی یحییٰ بن سلیمان ہے۔ وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے۔ اور اس نے یہ روایت اپنے استاذ زید اور ابن المقبری سے نہیں سنی، اور اس حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ جزء القراۃ صفحہ ۲۶۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ امام بخاری جیسا جلیل القدر محدث دنیا میں ایک بھی نہیں گزرا جب وہ اس حدیث کو ضعیف اور منکر بتلاتے ہیں، تو اب کس کی مجال کہ اس کو صحیح سمجھے اور اس سے مدرک بالرکوع کی صحت نماز کا فتویٰ دے۔

ونیز شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ثانی متاخرین محدثین میں اب تک کوئی نہیں پیدا ہوا۔ ان کے فتاویٰ میں مع ان کی تعلیم و مہر مرقوم ہے۔

حدیث میں "من ادرک الرکعۃ" میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں کیونکہ یہ معنی مجازی ہے۔ اور لفظ کا معنی مجازی مراد لینا بلا قرینہ کے جائز نہیں، اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ فتاوے نذیریہ صفحہ ۲۸۹۔ اسی لیے مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث رکوع کی رکعت کے سرے سے قائل نہ تھے، جیسا کہ عون المعبود میں ہے۔ و ہذا ای لبعدم اعتداد و ہو قول شیخنا العلامۃ السید مولانا نذیر حسین الدہلوی متعنا اللہ بطول حیاتہ عون المعبود شرح ابو داؤد صفحہ ۳۳۴۔ یعنی رکوع کی رکعت کے نہ ہونے کے قائل ہیں شیخ علامہ نذیر حسین محدث دہلوی و نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ جو اس حدیث کے راوی بیان کیئے جاتے ہیں۔ ان کا فتوے اس طرح ہے۔ عن ابی ہریرۃ من ادرک فی الرکوع فلیرکع معہ ولیعد الرکعۃ رواہ البخاری فی جزء القراۃ خلف الامام علیہ یعنی جس نے رکوع پایا اس کو وہ رکعت لوٹانی ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ کے اس فیصلہ کے بعد ان کی روایت کردہ حدیث میں رکوع مراد لینا سراسر نافہمی کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل مدرک بالرکوع کی صحت نماز کے لیئے یہ پیش کی جاتی ہے۔ اس کو ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ من ادرک الرکعۃ من الصلوٰۃ فقد ادرکہا قبل ان یقیم الامام صلبہ یعنی جس نے رکوع پالیا امام کے سر اٹھانے سے پہلے اس نے اس رکعت کو پالیا۔ اس روایت کے متعلق حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کی تنقید و تضعیف جزء القراۃ میں اس طرح ہے اما یحیٰی بن حمید فمجہول لا یعتمد علی حدیثہ .... فلیس ہذا مما یحتج بہ اہل العلم یعنی اس حدیث میں ایک راوی یحیٰی ابن حمید ہے۔ اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور نہ اہل علم نے اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے لہٰذا اس روایت سے قائلین مدرک بالرکوع کا استدلال کرنا غلط ہوا۔

چوتھی دلیل قائلین صحت نماز مدرک رکوع کی یہ ہے جس کو دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ "من ادرک الرکوع من الرکعۃ الآخرۃ یوم الجمعۃ فلیضف الیہا الاخریٰ والا فلیصل اربعا" یعنی جس شخص نے جمعہ کی نماز کی پچھلی رکعت کا رکوع پالیا۔ اس کو چاہیئے کہ دوسری رکعت پڑھ لے۔ اس کا جمعہ ہو گیا۔ اس روایت کے متعلق معلوم ہونا چاہیئے کہ اس میں ایک راوی سلیمان بن داؤد حرانی ہے۔ اس کے متعلق امام بخاریؒ جزء القراۃ میں لکھتے ہیں، منکر الحدیث یعنی اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔ منکر روایت محدثین کے نزدیک انتہا درجہ کی ضعیف ہوتی ہے۔ ابن حبانؒ نے فرمایا

وکیح یہ (تعلیق المغنی) یعنی اس کی روایت قابل حجت نہیں۔

حضرات! ان لوگوں کی یہی چند دلیلیں تھیں جن کی حقیقت آپ کے سامنے کھل گئی۔ حضرت امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث نے جو ان کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب کس شخص کی مجال ہے کہ ان صحیح دلیلوں کو ضعیف بتلائے۔ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹانا ممکن ہے مگر امام بخاری کی بربع کو ہٹانا بہت مشکل اور دشوار ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے فن حدیث میں ملکہ دیا ہے وہ خوب جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قائلین صحت نماز مدرک رکوع کے پاس چند قیاسات فاسدہ ہیں۔ جن کی بنا فاسد علی الفاسد ہے اس لیے ان کے جواب کی سردست ضرورت نہیں۔ حضرات! یہ ساری عمر کی نماز کا معاملہ ہے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے عمر بھر کی نماز کی بربادی یقینی ہے۔ آگے تمہیں اختیار ہے۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ محمد یونس غفرلہ قریشی دہلوی مدرس دار الحدیث رحمانیہ

(مطبوعہ رسالہ اہل حدیث سوہدرہ بازار کراچی ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ)

مدرک رکوع کی حدیث اور اس کی حقیقت: حدیث ابو ہریرۃ جس کو ابو داؤد نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔ رکعت کے دو معنی ہیں حقیقی اور مجازی۔ حقیقی معنی رکعت ہے۔ اور مجازی معنی رکوع ہے۔ حقیقت مجاز پر مقدم ہے۔ جب حقیقت متعذر ہو تو مجاز مستعمل ہوتی ہے۔ تعین مجاز کے لیے قرینہ صارفہ کی ضرورت ہے۔

قرینہ صارفہ کی مثال: جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں براء بن عازب سے مروی ہے۔ فَوَجَدْتُ قِيَامَهٗ فَرَكْعَتَهٗ فَاعْتِدَالَهٗ فَسَجْدَتَهٗ تو یہاں رکوع رکعت قیام اعتدال اور سجدہ کے مقابل قرینہ صارفہ ہے۔ اس مقام میں رکعت سے مراد رکوع ہے اور حدیث ابو داؤد میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں جو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرے پس معنی حدیث یہ ہو گا مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ جس شخص نے ایک رکعت با جماعت پالی اس نے نماز با جماعت کا ثواب پا لیا۔

اس حدیث پر چند وجہ سے کلام ہے۔ اوّل اس میں یحییٰ بن ابی سلیمان راوی ضعیف ہے۔ تقریب میں ہے یحییٰ بن سلیمان بن المدینی ابو صالح لین الحدیث ہے۔ کاشف میں ہے قال البخاری منکر الحدیث۔ خلاصہ میں ہے یحییٰ بن ابی سلیمان عن سعید المقبری وعنہ شعبۃ قال البخاری منکر الحدیث۔ حاشیہ خلاصہ پر لکھا ہے عن التہذیب مستور ہے۔ وقال ابو حاتم مضطرب الحدیث یکتب حدیثہ لیس ممن یکذب۔ میزان میں ہے۔ قال ابو حاتم یکتب حدیثہ لیس ہو بالقوی وقال البخاری منکر الحدیث۔ امام بیہقی معرفت میں لکھتے ہیں۔ تفرد بہ یحییٰ بن ابی سلیمان ہذا ولیس بالقوی اور امام بخاری جزء القراءۃ میں فرماتے ہیں۔ ویحییٰ ہذا منکر الحدیث وثقہ ابن حبان والحاکم وذکرہ ابن حبان فی الثقات خلاصہ یحییٰ بن ابی سلیمان کی توثیق ابن حبان اور حاکم نے کی ہے۔ اور اس کی تضعیف ایک جماعت کثیرہ سے منقول ہے۔

وجہ دوم: اس حدیث میں یہ زیادتی اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْھَا شَیْئًا غیر محفوظ و منکر ہے۔ ایک جماعت کثیرہ نے حدیث ابوہریرہ کو روایت کیا ہے۔ مگر سوائے یحییٰ ابن ابی سلیمان کے کسی نے اس زیادت کو روایت نہیں کیا اس جماعت کی حدیث کو امام بخاری جزء القراءۃ میں لائے ہیں۔ اور دس رواۃ یہ ہیں، امام مالک، عبیداللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید، ابن الہاد، یونس، معمر، ابن عیینہ، شعیب، ابن جریج، عراک بن مالک۔ تک عشرہ کا ملہ کے خلاف یحییٰ بن ابی سلیمان کی یہ زیادتی غیر محفوظ اور منکر ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب : اگر کہا جائے کہ اس حدیث پر ابوداؤد اور منذری کا سکوت صحت حدیث پر قوی دلیل ہے تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ سکوت ابوداؤد و منذری لاحتجاج کا اصل اکثری کلیہ ہے۔ نہ کلی۔ ورنہ ابوداؤد میں بیسیوں ایسے مقام ہیں جن پر ابوداؤد [illegible] نے سکوت کیا ہے۔ اور وہ حدیث عند المحدثین قابل حجت نہیں۔ چنانچہ ابوداؤد کے باب سجدتی السہو فیہما تشہد و تسلیم میں عمران بن حصین کی روایت میں ذکر تشہد محفوظ نہیں اور ابوداؤد کا اس پر سکوت ہے۔ اس کی ایسی اور بھی مثالیں موجود ہیں جن کو امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔ **حدیث دارقطنی اور ابن خزیمہ کی تحقیق** : عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرکہا قبل ان یقیم الامام صلبہ اخرجہ" الدارقطنی وابن خزیمۃ" مگر اس میں [illegible] وجوہ کلام ہے۔ اول اس میں قرۃ بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ دوسرے قرۃ بن عبدالرحمٰن کے شاگرد یحییٰ بن حمید [illegible] امام بخاری نے جزء القراءۃ میں مجہول کہا ہے۔ اور کہا ہے ولیس ہذا مما یحتج بہ اہل العلم۔ اور میزان الاعتدال میں قال [illegible] فی حدیثہ وضعفہ الدارقطنی دوم یہ حدیث غیر محفوظ و منکر ہے۔ قَبْلَ اَنْ یُّقِیْمَ الْاِمَامُ صُلْبَہٗ کا لفظ یحییٰ بن [illegible] نے ثقات اثبات مذکورین کے روایت کیا ہے۔ قرۃ بن عبدالرحمٰن ضعیف راوی کے متعلق تقریب میں یوں قال [illegible] صدوق لہ مناکیر الخ ترغیب میں ہے۔ قال احمد منکر الحدیث جداً وضعفہ ابن معین وقال ابن عدی ارجو انہ لا باس بہ وصحح حدیثہ ابن حبان واخرجہ مسلم مقرونا بعمرو بن الحارث وغیرہ انتہیٰ کاشف میں ہے۔ ضعفہ ابن معین وقال احمد منکر الحدیث جداً انتہیٰ۔ میزان میں ہے۔ خرج لہ مسلم فی الشواہد وقال الجوزجانی سمعت احمد منکر الحدیث جداً۔ وقال یحییٰ ضعیف الحدیث وقال ابو حاتم لیس بالقوی۔ وقال ابن عدی روی الاوزاعی عن قرۃ [illegible]

پس ثابت ہوا کہ دارقطنی اور ابن خزیمہ کی روایت بھی [illegible]

عمل جائز ہے کیوں کہ ان کے مصنفین نے ان حدیث کی صحت پر [illegible]

[illegible] ضرورت ہے۔ (بحوالہ الجواب الصحیح ترجمہ کشف الحجاب) **تمت بالخیر** ۔ والحمد

گر آج فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ کی تکمیل سے فراغت ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دینی علمی مجموعہ کو قبولیت عامہ عطا فرمائے۔ معاونین اشاعت اور علمائے سنت کی علمی باقیات الصالحات کو دوام نصیب کرے۔ علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ صفر ۱۳۹۷ھ مطابق مارچ ۱۹۷۷ء

الجامعۃ السعیدیۃ خانیوال

رفقاء کرام ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ "جامعہ سعیدیہ" ایک مشہور جامعی علمی مدرسہ ہے۔ جہاں سے قرآن و حدیث اور دیگر علوم و فنون کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر ارض پاکستان کو سیراب کر رہے ہیں، جس کی بنیاد شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۰ھ پل بنگش دہلی میں رکھی تھی ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب تک سینکڑوں علمائے کرام فیض یاب ہوئے، دوران انقلاب آپ دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ کی بنیاد چیچہ وطنی میں رکھی۔ تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور کارکنان کے خلوص و ایثار سے "جامعہ سعیدیہ" ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا، متفرق شعبہ جات میں تقسیم ہوا۔ حفظ القرآن اور پرائمری کے علاوہ درس نظامی کے فارغ التحصیل علمائے کرام پاکستان کے مرکزی مقامات پر درس و تدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ "برق اسلام" "اسلامی شکل و صورت" اور "تہذیب النسواں" جیسی بڑی اور چھوٹی کتابوں کی اشاعت کی جا چکی ہے نیز "فی الحال سلسلہ حدیث کتاب الزکوٰۃ، کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم شائع ہو چکے ہیں۔ اور کتاب حصہ سوم زیر طبع ہے۔

جامعہ سعیدیہ کی ایک شاخ خانیوال میں ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے بجنوب مشرق خانیوال ایک وسیع میدان میں سات کمرے اور ان کی چار دیواری مکمل ہو چکی ہے بجلی اور پنکھے اور پانی کی موٹر کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔ مدرسۃ البنات جامعہ سعیدیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے۔ مدرسہ کا سالانہ حساب شائع کیا جاتا ہے۔ جامعہ سعیدیہ کا تعمیری حصہ کافی حد تک باقی ہے۔ مسجد، مہمان خانہ، لائبریری اور اساتذہ کے تعلیمی کمرے

(مولانا) علی محمد سعیدی، مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاوی علمائے حدیث

کتاب الصلوٰۃ

حصہ سوئم

ترتیب : ابو الحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

(شاہ اینڈ سنز پریس پرنٹرز لاہور)

ماخذ فتاوٰے علمائے حدیث جلد پنجم

۱ ۔	الاعتصام لاہور	۱۱ ۔	فتاوٰے نذیریہ
۲ ۔	فتاوٰے غزنویہ امرتسر	۱۲ ۔	فتاوٰے ثنائیہ
۳ ۔	فتاوٰے محمدپوری	۱۳ ۔	فتاوٰی ستاریہ
۴ ۔	اخبار مرکزی اہلحدیث لاہور	۱۴	اہلحدیث سوہدرہ
۵ ۔	اہلحدیث گزٹ دہلی	۱۵	ترجمان دہلی
۶ ۔	تنظیم اہلحدیث لاہور	۱۶	الدلیل الطالب
۷ ۔	محدث دہلی	۱۷	اخبار محمدی دہلی
۸ ۔	فتاوٰے مفید الاحناف	۱۸	فتاوٰے امامیہ دہلی
۹ ۔	مکاتیب شرفیہ قلمی	۱۹	فتاوٰے اہلحدیث روپڑی
۱۰ ۔	اہلحدیث دہلی	۲۰	اخبار اہلحدیث امرتسر
		۲۱	ستہ ضروریہ

نام کتاب	فتاوٰے علمائے حدیث کتاب الصلوٰۃ حصہ سوئم
نام مرتب	علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت	محمد صدیق نقشبندی فانی خوشنویس خانیوال کالونی ملا
طباعت	www.KitaboSunnat.com
تاریخ اشاعت	ماہ صفر ۱۳۹۵ھ مطابق مارچ ۱۹۷۵ء
تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)
ناشر	مکتبہ سعیدیہ خانیوال
ملنے کا پتہ	مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)
قیمت مجلد	۲۰/- روپے

مفتیان فتاویٰ

۱۔ مولانا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۳۹ھ

۲۔ شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۰ھ

۳۔ السید النواب صدیق حسن خاں رئیس بھوپال رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۷ھ

۴۔ شیخ الحدیث مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری المتوفی ۱۳۳۷ھ

۵۔ شیخ الحدیث مولانا مولوی عبدالرحمن مبارکپوری مصنف تحفۃ الاحوذی وغیرہ المتوفی ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۵ء

۶۔ شیخ الحدیث مولانا ابوالطیب شمس الحق ڈیانوی شارح ابوداؤد المتوفی ۱۳۲۹ھ

۷۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۴۸ء

۸۔ بیہقی زماں علامہ دوراں جامع معقول ومنقول حضرت مولانا ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی بانی مدرسہ جامع سعیدیہ المتوفی ۱۳۸۱ھ

۹۔ شیخ الحدیث المعروف بامام عبدالجبار غزنوی امرتسری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء

۱۰۔ شیخ الحدیث مولانا اشرف الحق ڈیانوی مصنف غایۃ المقصود شرح ابوداؤد رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۶ھ

۱۱۔ مناظر اسلام مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادی رحمہ اللہ

۱۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام مبارکپوری مصنف سیرۃ البخاری رحمہ اللہ

۱۳۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۴ھ

۱۴۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید عبدالحفیظ محدث دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۴ھ

۱۵۔ خادم شریعت رسول الثقلین مولانا تلطف حسین محدث دہلوی

۱۶۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد حسن دہلوی مصنف احسن التفاسیر رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۸ھ

۱۷۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی

۱۸۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی مدیر اخبار محمدی دہلی رحمہ اللہ المتوفی

۱۹۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار عمرپوری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۴۳ھ

۲۰۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس پرتاب گڑھی دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۸ھ

۲۱۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی مصنف کتاب مستطاب جواب فصل الخطاب وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۴ھ

۲۲۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالاسحاق نیک محمد مدرس مدرسہ غزنویہ امرتسر رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۸ھ

۲۳۔ فقیہ زماں مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۹۰۵ء

۲۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۳ھ

۲۵۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۷۹ھ

۲۶۔ شمس العلماء حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی مدیر اشاعۃ السنۃ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۸ھ

۲۷۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالہ سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان متوفی ۱۳۸۷ھ

۲۸ شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام صاحب بستوی دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۴ھ

۲۹ حسب اللہ لیبی حفیظ اللہ دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۹ھ

۳۰ شیخ الحدیث مولانا سید عبدالسلام دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۳۳ھ

۳۱ شیخ الحدیث مولانا محمد بشیر سہسوانی مصنف برہان العجاب فی
فرضیت ام الکتاب وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۲۶ھ

۳۲ شیخ الحدیث حضرت مولانا ابو محمد عبدالستار حسن پوری رحمہ اللہ

۳۳ شیخ الحدیث مولانا ابوالبشارت امیر احمد سہسوانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۶ھ

۳۴ شیخ الحدیث مولانا حفیظ اللہ خاں دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۶۳ھ

۳۵ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبدالتواب غزنوی [illegible] رح

۳۶ قاضی محمد سلیمان منصور پوری پٹیالوی مصنف رحمۃ للعالمین

۳۷ وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۴۹ھ

۳۸ حضرت مولانا سید داؤد غزنوی امرتسری سابق امیر جمعیت اہلحدیث
مغربی پاکستان . رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۸۳ھ

۳۸ شیخ الحدیث مولانا عبدالغفور بہاری رمضان پوری
مصنف عقیدہ احناف وغیرہ رحمہ اللہ

۴۰ خادم شریعت رسول الاداب ابو محمد عبدالوہاب دہلوی

۴۰ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق [illegible] رحمہ اللہ

۴۱ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد طاہر سلفی رحمہ اللہ المتوفی

۴۲ شیخ الحدیث مولانا عبدالتواب ملتانی مترجم بلوغ المرام
وغیرہ رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۶۶ھ

۴۳ شیخ الحدیث مولانا محمد حسین خان (خواجہ) جلد شہر المتوفی ۱۳۰۷ھ

۴۴ مولانا قادر بخش صاحب مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی رح

۴۵ شیخ الحدیث مولانا محمد حیات اللہ عفا اللہ عنہ

۴۶ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب ضلع کرنال رحمہ اللہ

۴۷ حضرت مولانا سید محمد اسمٰعیل فرید آبادی رحمہ اللہ

۴۸ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ پنجابی ضلع شاہ پور

۴۹ حضرت مولانا محمد [illegible] ملک بنگالہ ضلع فرید پور

۵۰ مولانا محمد ثابت صاحب ضلع اعظم گڑھ رحمہ اللہ

۵۱ حضرت مولانا سید محمد ابوالحسن رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۴ھ

۵۲ حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۲۵ء

۵۳ مولانا ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی رحمہ اللہ

۵۴ حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رحمہ اللہ

۵۵ حضرت مولانا عبدالرب دہلوی رح

۵۶ حضرت مولانا محمد قطب الدین خاں دہلوی رح

۵۷ خادم شریعت محمد حسین دہلوی

۵۸ حضرت مولانا ابوالبرکات حافظ محمد اعظم رح

۵۹ مولانا غلام محمد اکبر خان محمد [illegible] رح

۶۰ حضرت مولانا محمد عبدالحمید صاحب رح

۶۱ حضرت مولانا ابو عبداللہ محمد یٰسین رحم

۶۲ حضرت مولانا محمد داؤد راز مترجم بخاری شریف حفظہ

۶۳ حضرت مولانا ابو محمد عبداللہ المعروف بامام الزہاد
رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۹ء

۶۴ حضرت مولانا ابوالبشیر عبدالغنی [illegible] رح

۶۵ مولانا حافظ محمد اسحاق دہلوی شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ لاہور

۶۶ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ہاشمی . [illegible] مکی رح
المتوفی ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء

۶۷ - حضرت مولانا عبدالعلی المدراسی رحمہ اللہ
۶۸ - حضرت مولانا عبدالحی الکھنوی رحمہ اللہ
۶۹ - حضرت مولانا وصیت علی رحمہ اللہ
۷۰ - جہاں شہ منور نور الحسن رحمہ اللہ
۷۱ - مولانا سید امیر حسن رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۹۱ھ
۷۲ - مولانا سید محمد حسن رح
۷۳ - مولانا حسن علی خان رحمہ اللہ
۷۴ - مولانا عبدالعزیز رح
۷۵ - حضرت مولانا محمد جمیل رحمہ اللہ
۷۶ - حضرت مولانا عبدالوہاب آروی مدظلہ
۷۷ - مولانا سید عبدالغفار رضوی محوی فرخ آبادی رح
۷۸ - مولانا ابو تراب عبدالحق جودھپوری رح
۷۹ - حضرت مولانا محمد امین صاحب امرتسری رح
۸۰ - مولانا محمد یوسف شمس محوی فیض آبادی المتوفی ۱۳۰۴ھ
۸۱ - مولانا سلیم الدین پرتاب گڑھی رح
۸۲ - مولانا محمد عبدالغنی چک رجاوری رح

۸۳ شیخ الاساتذہ مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی مدظلہ گوجرانوالہ
۸۴ شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مصنف مرعاۃ شرح مشکوٰۃ مدظلہ
۸۵ شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد مدظلہ آف گوجرانوالہ
۸۶ شیخ الحدیث محمد ابوالقاسم بنارسی رح
۸۷ مولانا حافظ قاری حاجی نثار احمد حنفی کانپوری مفتی آگرہ
۸۸ مولوی احمد صاحب رح
۸۹ مولانا عبدالرحمٰن صاحب المتوفی ۱۳۵۳ھ
۹۰ مولانا خلیل الرحمٰن صاحب رح
۹۱ مولانا ابو عبداللہ عبدالرحمٰن ولایتی رح
۹۲ مولانا محمد اسمٰعیل مبارک پوری رح
۹۳ مولانا حافظ ثناء اللہ سرپالوی فاضل مدینہ یونیورسٹی لاہور
۹۴ مولانا عبیداللہ حنیف فیروزپوری مسجد چینیانوالی لاہور
۹۵ مولانا حکیم عبدالرزاق از رنگون رح
۹۶ فیض الکریم سندھی از یاردشاہ ضلع نوابشاہ رح
۹۷ مولانا محمد علی قریشی میر واعظ پنجاب رح

۹۸ مولانا محمد عبداللہ ثب لسانی رح
۹۹ مولانا غلام اکبر حصاری رح
۱۰۰ مولانا عبدالرزاق مالدھی رحمہ اللہ
۱۰۱ مولانا عبدالمجید رحمہ اللہ
۱۰۲ مولانا عبدالرحمٰن مدرس مدرسہ علیمیان رح
۱۰۳ مولانا نجم الدین ماجشاہی رحمہ اللہ
۱۰۴ مولانا اسمٰعیل بستوی رح
۱۰۵ مولانا عبدالرشید مدرس مدرسہ مشتاب رح

۱۰۶ مولانا عبدالستار کلانوری رح مفتی مدرسہ عربیہ حمیدیہ دہلی
۱۰۷ مولانا عبدالرحمٰن بن علی بن حسن العربی آلی علی دہلی رح
۱۰۸ مولانا محمد بن ناصر عرب کھدی مسجد میاں صاحب دہلی
۱۱۰ مولانا محمد قنبر رحمہ اللہ
۱۱۱ مولانا ابو محمد عبیداللہ مدرس مدرسہ کشن گنج دہلی
۱۱۲ مولانا محمد عبدالعزیز رح

فہرست

باب العیدین

باب الکسوف

باب التہجد

ضمیمہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشادِ خداوندی ہے اِتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچاکر صرف کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اسی اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علماء حدیث کے فتاوی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاوی اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ صلحائے امت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوے کو کتاب وسنت پر پیش کرو، اگر خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی، ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کرسکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کردیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں۔ فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ٭ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاوی میں خطا معلوم ہو تو بجائے طعن وتشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہ ہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے۔ افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب واحترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا حضرت انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس وناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتوی میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتوی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالے اور قیامت پر یقین ہے ۔

اصل دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاوی کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

علی محمد سعیدی
جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتاویٰ علمائے حدیث

جرائد اہلحدیث کی نظر میں

ترجمان اہلحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن وسنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاوٰی کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِ مو تجاوز نہ کرتے تھے۔ بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اُجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب وسنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے اُن فتاوٰے کو جمع کر دیا۔ تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوٰے نذیریہ تھا۔ جو شیخ کل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰی یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاوٰی ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوٰے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوٰی ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گہر پارے جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوٰے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوٰے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوٰے مثلاً فتاوٰی نذیریہ فتاوٰے غزنویہ، فتاوٰے ثنائیہ، فتاوٰے ستاریہ سے نے کر تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی

اہلحدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسلک کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل و براہین کے ساتھ مفید و افادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت و کتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور اسے سفید کاغذ پر حسین و جمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔
ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاہور ہندوپاک میں علماء اہل حدیث کی گرانقدر علمی و دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ ور مورخ کی نگاہ و التفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن و حدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقہی حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی و قیمتی تحریرات و دستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن و قلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا یکاد ان تحصی ظنی انھا لو جمعت لبلغت الی المجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ صفحہ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء) حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کئے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب امبارک پوری، مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور دیگر علمائے مرحومین و موجودین کے فتاویٰ شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِخیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اہلحدیث لاہور ، ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر ہی کتاب و سنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا اولیں فریضہ ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوےٰ تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہ راست کتاب و سنت سے دلائل پیش کیے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب و سنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض و نفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

ے بحمد للہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول دوم طبع ہو کر اہل فکر و نظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوٰے عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوٰے نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاوٰے تنظیم اہلحدیث، فتاوٰے الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گزارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

الحمد للہ وحدہٗ والسلام علیٰ من لانبی بعدہٗ۔ اما بعد! "فتاوٰے علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گزرا۔ بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نور بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ انشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود معلم و المحدث الجامعۃ السلفیہ لائلپور ۱۲ فروری ۱۹۷۰ء

تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوٰے علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوٰے سے مدلل فتاویٰ نذر پیش کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسان عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو مشعل راہ بنائیں گی کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب و سنت تھا خواہ اس کے مخالف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاص کر اس دور میں جب کہ جدید علماء کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوٰے کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیق مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اجر عظیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب) مدرسہ دار الحدیث اوکاڑہ ضلع ساہیوال

فتویٰ پوچھنے کا طریقہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے، فَكَانَ وَظِيفَةُ اَنْ يَسْأَلَ فَقِيهًا مَا حُكْمُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْئَلَةٍ كَذَا وَكَذَا فَإِذَا اُخْبِرَ تَبِعَهُ. یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے کہ کسی عالم سے پوچھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ جب خبر پاوے اس پر عمل کرے۔

فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رح نے احیاء العلوم میں لکھا ہے، اگر پوچھا جاوے عالم سے وہ مسئلہ جس کو بتحقیق وہ جانتا ہے۔ ساتھ حکم قرآن شریف کے یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوے دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا۔

فتویٰ پر عمل کرنیکا طریقہ

شیخ ابن عربی رح نے فتوحات میں لکھا ہے، کہ اگر تجھ کو مفتی بتلاوے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے۔ تو اس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میری رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے، جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوے مختلف دیا۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پر دل کا میلان ہو اس پر عمل کرے

(رسالہ تقریر ہدایہ ص۴)

باب الجمعة

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ گاؤں میں ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ ہمارے ہاں بعض لوگ گاؤں میں نا جائز کہتے ہیں۔ اگر یہ غلط ہے تو کیوں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب : وباللہ التوفیق جمعہ شہر اور دیہات میں جہاں ادا کرنا ممکن ہو فرض ہے۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (جمعہ)

عام اہل ایمان کو مخاطب فرمایا گیا ہے کہ جمعہ کے دن جب اذان ہو تو کاروبار (تجارت، زراعت) چھوڑ کر نماز کے لیے توجہ اور پوری کوشش سے آؤ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر ہو تم جانتے۔ (سورہ جمعہ) اس اذان سے مراد وہی اذان ہے جو جمعہ کے دن بوقت خطبہ دی جاتی ہے۔

حافظ ابن العربی فرماتے ہیں ، قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ كَوْنُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ هٰهُنَا مَعْلُوْمٌ بِالْاِجْمَاعِ لَا مِنْ نَفْسِ اللَّفْظِ وَعِنْدِیْ اَنَّهٗ مَعْلُوْمٌ مِنْ نَفْسِ اللَّفْظَةِ وَهِیَ قَوْلُهٗ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ وَذٰلِكَ یُفِیْدُهٗ لِاَنَّ النِّدَاءَ الَّذِیْ یَخْتَصُّ بِذٰلِكَ الْیَوْمِ هُوَ نِدَاءُ تِلْكَ الصَّلٰوةِ فَاَمَّا غَیْرُهَا فَهُوَ عَامٌّ فِیْ سَائِرِ الْاَیَّامِ وَ لَوْ لَمْ یَكُنِ الْمُرَادُ بِهٖ نِدَاءَ الْجُمُعَةِ لَمَا كَانَ لِتَخْصِیْصِهٖ بِهَا وَاِضَافَتِهٖ اِلَیْهَا مَعْنًی وَلَا فَائِدَةٌ اھ اَحْکَامُ الْقُرْآنِ لِابْنِ الْعَرَبِیِّ

صہ ۲۵۶ جلد ۲ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں سے نماز جمعہ مراد لینا الفاظ کا مفاد نہیں بلکہ اجماع سے ثابت ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ الفاظ آیت کا مفاد یہی ہے کیوں کہ اذان کے ساتھ یوم الجمعہ کی تخصیص کا مقصد یہ ہے کہ اس سے مراد وہ اذان ہے جس کا تعلق نماز جمعہ سے ہے باقی اذانیں سب دنوں میں عموماً ہوتی رہتی ہیں۔ اگر نماز جمعہ مراد نہ ہوتی تو اس تخصیص اور تعیین کا کوئی فائدہ نہیں ، اسی طرح بیع کا تذکرہ بھی ایک ضروری اور اہم شغل کے طور پر کیا گیا۔ اگر جمعہ کی اذان کے وقت کھیتی باڑی یا کوئی دوسرا کام کر رہا ہو

اسے بھی ترک کرنا ضروری ہے۔ ابن العربی نے بعض ائمہ کے اختلاف کا ذکر فرمایا ہے کہ نکاح، ہبہ، صدقہ وغیرہ امور اذان جمعہ کے وقت فسخ نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں وَالصَّحِيْحُ فَسْخُ الْجَمِيْعِ لِأَنَّ الْبَيْعَ إِنَّمَا مُنِعَ لِلْاِشْتِغَالِ فَكُلُّ أَمْرٍ يَشْتَغِلُ مِنَ الْجُمُعَةِ مِنَ الْعُقُوْدِ كُلِّهَا فَهُوَ حَرَامٌ شَرْعًا احکام القرآن صفحہ ۲۷۵ جلد ۲ صحیح یہ ہے کہ جس قدر امور عقود وغیرہ جمعہ سے مشغول اور غافل کریں وہ شرعاً حرام ہیں۔ قَالَ عَطَاءٌ تَحْرُمُ الصِّنَاعَاتُ كُلُّهَا صفحہ ۱۷۵ صحیح بخاری مع قسطلانی جلد ۲ قسطلانی فرماتے ہیں يَحْرُمُ الْبَيْعُ وَنَحْوُهُ مِنَ الْعُقُوْدِ مِمَّا فِيْهِ تَشَاغُلٌ عَنِ السَّعْيِ صفحہ ۱۷۵ ج ۲

غرض جہاں بھی جمعہ فرض ہوگا بیع و شراء عقود زراعت وغیرہ جملہ مشاغل ممنوع ہوں گے۔ بیع سے خرید و فروخت بلحاظ شغل مقصود ہے شہر یا دیہات اور قصبات میں جو مشاغل ادا و جمعہ سے مانع ہوں وہ فَاسْعَوْا کے منافی ہیں وَذَرُوا الْبَيْعَ سے ان کا ترک مقصود ہے مناظرات کے دور کی یہ نکتہ نوازی ہے کہ بیع سے مراد صرف خرید و فروخت بلکہ دیہات کے رہنے والوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ اس لیے کہ دیہات میں خرید و فروخت نہیں ہوتی۔ آنحضرت نے جمعہ کے متعلق احادیث میں تاکید فرمائی ہے اس میں بھی شہر اور دیہات میں امتیاز نہیں فرمایا عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیہ وسلم على اعواد منبره لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (مسلم) آنحضرت نے منبر پر فرمایا لوگ جمعہ کا ترک چھوڑ دیں ورنہ ان کے دلوں پر مہر کی جائے گی اور انہیں غافلوں میں شمار کیا جائے گا۔ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیہ وسلم مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهِ۔ (ابوداؤد و نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، منتقی ص ۲۶۷) جو آدمی متواتر تین جمعے سستی سے چھوڑ دے اس کے دل پر مہر کر دی جاتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صلی اللّٰه علیہ وسلم الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ (ابوداؤد)، جو جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ فرض ہے۔

عن طارق بن شهاب قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیہ وسلم الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلٰى أَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ أَوِ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيْضٍ (ابوداؤد، منتقی ص ۲۶۸) جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے غلام، عورت، بچے اور بیمار پر فرض نہیں۔ اعذار کے لحاظ سے بعض لوگوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے لیکن ظرف و مکان کے لحاظ سے کوئی استثناء نہیں فرمایا۔ حالانکہ اس قسم کے استثناء کے لیے

یہ مناسب موقع تھا۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا مَرِيْضٌ أَوْ مُسَافِرٌ أَوْ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنَى بِلَهْوٍ أَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰہُ عَنْهُ وَاللّٰہُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (دارقطنی) جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان ہے جمعہ کے دن اس پر جمعہ فرض ہے۔ بیمار، مسافر۔ عورت۔ بچے اور غلام اس سے مستثنیٰ ہیں، جو آدمی غفلت یا کاروبار کی وجہ سے استغنا کرے، اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضرت نے جمعہ سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلا دینے کا قصد فرمایا۔ (مسلم منتقی ج۲)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں جو بلا عذر جمعہ ترک کرے اس کا نام منافقوں کی کتاب میں درج کیا جاتا ہے پھر اسے مٹایا نہیں جاتا۔ (شافعی)

ایک مناظر ذہن کے لیے بحث کی گنجائش ہے کہ ان احادیث میں دیہات کا تذکرہ صراحۃً نہیں، لیکن احادیث کے مقاصد پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت جمعہ کی نماز اور اس میں وعظ و تذکیر کو زیادہ سے زیادہ عام فرمانا چاہتے ہیں اور اس سے اغماض کرنے والوں سے نفرت فرماتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ هَلْ عَسَى أَنْ يَتَّخِذَ أَحَدُكُمُ الصُّبَّةَ مِنَ الْغَنَمِ عَلَى رَأْسِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ فَيَتَعَذَّرُ عَلَيْهِ الْكَلَأُ فَيَرْتَفِعُ ثُمَّ تَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلَا يَشْهَدُهَا وَتَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلَا يَشْهَدُهَا وَتَجِيءُ الْجُمُعَةُ فَلَا يَشْهَدُهَا حَتَّى يُطْبَعَ عَلَى قَلْبِهِ۔ ابن ماجہ

تم سے کوئی میل دو میل دور اپنی بکریوں کا ریوڑ لے جائے پھر گھاس نہ ملنے کی وجہ سے وہ اوپر چلا جائے اور تین جمعے غیر حاضر رہے ایسا نہیں ہونا چاہیے، ایسے آدمی کے دل پر مہر کر دی جائے گی۔

ان احادیث میں صحیح، ضعیف روایات موجود ہیں مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے کی مؤید ہیں ان میں ہر آدمی کے لیے جسے جمعہ ادا کرنا ممکن ہو حاضر ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہی ان احادیث کا منشا ہے

دیہات اور فقہاء حنفیہ

مذاہب ائمہ کی تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ اہل دیہات

کو جمعہ کی حاضری سے مستثنیٰ فرماتے ہیں، بلکہ سختی سے رد کرتے ہیں۔ غلام مریض اور مسافر کے متعلق خود فقہاء رحمہم اللہ کی تصریح موجود ہے کہ اگر یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو جائیں تو ظہر ان سے ساقط ہو جائے گی۔ مگر دیہات کو جمعہ سے محروم رکھنے پر معلوم نہیں کیوں اصرار ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد مولوی الیاس صاحب کے معتقدین جہاں اقامت پذیر ہوئے ہیں ان کا دیطرہ ہے کہ وہ جمعہ کو روکنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں اگر اہل دیہات کو مسافر وغیرہ کی طرح اجازت دے دی جائے کہ وہ دیہات میں جمعہ ادا کریں تو ان سے ظہر ساقط ہو جائے گی۔ تو شرعی احکام سے قطع نظر اس میں تھوڑی سی معقولیت ہوتی، لیکن بعض دیہات میں تو ان تبلیغی حضرات نے ہنگامہ برپا کر دیا، پارٹیاں بن گئیں، حالانکہ اہل دیہات کی جمعہ کی فرضیت کے متعلق قرآن وحدیث میں کافی ذخیرہ موجود ہے اور جمعہ سے روکنے کے لیے تو کچھ بھی نہیں۔

امام بخاری صحیح میں فرماتے ہیں باب الجمعۃ فی القری والمدن عن ابن عباس ان اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔ یعنی مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ قبیلہ عبد القیس کے مقام جواثی میں پڑھا گیا جو علاقہ بحرین کا ایک گاؤں ہے۔ وکیع فرماتے ہیں قریۃ من قری البحرین (صحیح بخاری مع الفتح ص۲۵۹ ج۲)

حافظ فرماتے ہیں اشارۃ الی خلاف من خص الجمعۃ بالمدن دون القری وھو مروی عن الحنفیۃ واسندہ ابن ابی شیبۃ ..... عن حذیفۃ عن علی اھ حوالہ سابق۔ امام بخاری نے ان حضرات سے اختلاف فرمایا ہے۔ جو صرف شہروں میں جمعہ جائز سمجھتے ہیں دیہات میں درست نہیں سمجھتے ابن ابی شیبہ نے حضرت حذیفہؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہی مسلک نقل فرمایا ہے اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت عمرؓ کا اثر ذکر فرمایا ہے، انہ کتب الی اھل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم اھ بحرین والوں کو فرمایا جہاں ہو جمعہ ضرور پڑھو (ابن ابی شیبہ وصححہ ابن خزیمۃ)

بیہقی نے لیث بن سعد سے نقل فرمایا ہے کل مدینۃ اوقریۃ فیھا جماعۃ امروا بالجمعۃ فان اھل مصر وسواحلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر وعثمان بامرھما وفیھما رجال من الصحابۃ وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انہ کان یری اھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم (فتح الباری صفحہ ۲۵۹ جلد ۲) لیث بن سعد فرماتے ہیں ہر بستی اور شہر میں جہاں مسلمانوں کی جماعت ہو وہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے۔

اس کے بعد امام نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ الخ
تم سب اپنے حلقہ اقتدار میں ہو اور تمہیں تمہاری رعیتہ کے متعلق بازپرس ہو گی۔ ابن منیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جمعہ کے لیے نہ امیر شرط ہے نہ شہر بلکہ دیہات میں جمعہ کی اجازت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح اسعد بن زرارہ کی روایت سے ظاہر ہے وہ نقیع الخضمات میں جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ بستی مدینہ منورہ سے قریباً ایک میل ہے۔ ان آثار کا تذکرہ حافظ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور حضرت مولانا شمس الحق نے عون المعبود میں بھی فرمایا ہے۔ امام بیہقی نے ان آثار کا تذکرہ سنن کبریٰ میں ج ۳ صفحہ ۱۸۰،۱۷۹ میں اپنی سند سے فرمایا ہے۔ ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے اسوقت عام دیہات بلکہ ڈیروں میں بھی جمعہ بلانکیر ہوتا تھا۔ صحابہ میں گو حضرت علی وغیرہ اس کے خلاف تھے لیکن وہ روکنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ غالباً یہ سنت حضرات دیوبند سے شروع ہوئی ہے جس کا احیاء جا بجا مولوی الیاس کی تبلیغی جماعت کر رہی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ
حافظ خطابی معالم السنن صفحہ ۱۰ جلد ۲ میں اسعد بن زرارہ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں
وفی الحدیث من الفقہ ان الجمعۃ جوازھا فی القری کجوازھا فی المدن والامصار لان حرۃ بنی بیاضۃ یقال قریۃ علی میل من المدینۃ اھ اس حدیث کی فقہ میں سے یہ ہے۔ کہ دیہات میں جمعہ اسی طرح جائز ہے جس طرح چھوٹے اور بڑے شہروں میں۔ کیونکہ حرہ بنی بیاضہ مدینہ سے ایک میل پر ایک گاؤں ہے جہاں اسعد بن زرارہ آں حضرت کی تشریف آوری سے پہلے جمعہ پڑھایا کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے تہذیب السنن میں اس کی صراحت فرمائی ہے صفحہ ۱۰ جلد ۲ حرہ بنی بیاضہ کا تذکرہ شرح حدیث سبل السلام فتح العلام عون المعبود وغیرہ میں مرقوم ہے۔ یہ واقعی چھوٹی سی بستی ہے اور یہ خیال کہ یہ امر آنحضرت سے مخفی رہا ناممکن ہے۔ اسعد بن زرارہ نے آں حضرت کی ہجرت سے چند روز پہلے جمعہ پڑھایا تھا اس کے بعد آں حضرت تشریف لے آئے۔ مشکل ہے اتنی جلدی کا واقعہ آں حضرت کے سمع گرامی تک نہ پہنچا ہو۔ صحابہ کرام کی عادت تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی دین کی باتیں آں حضرت سے ضرور ذکر فرماتے تھے۔ اتنا اہم واقعہ آں حضرت تک نہ پہنچا ہو ناممکن ہے۔

اسعد بن زرارہ کی حدیث کے متعلق ابن حزم فرماتے ہیں اما الشافعی فانہ احتج بخبر صحیح رویناہ من طریق الزھری اھ محلی ص جلد ۵

صحیح احادیث سے صراحتہً اور قرآن عزیز اور اقوال صحابہ سے دیہات میں جمعہ کا ثبوت ملتا ہے اور بعض اہل علم تک یہ اطلاع نہیں پہنچی یا وہ اسے اس طرح نہیں سمجھ سکے جس طرح باقی آئمہ نے سمجھا

ہے تو ان کے مقلدین کو دیہات میں جمعات روکنے کا حق نہیں وہ خود بپابندی تقلید نہیں پڑھنا چاہتے تو وہ مختار ہیں۔

مذاہب آئمہ : ابن حزم فرماتے ہیں یصلیھا المسجونون والمختفون رکعتین فی جماعۃ بخطبۃ کسائر الناس وتصلی فی کل قریۃ صغرت ام کبرت اھ محلی جلد ۵ صفحہ ۴۹ قیدی مفرور لوگ دو رکعت خطبہ کے ساتھ ادا کریں اور بستی چھوٹی ہو یا بڑی اس میں جمعہ درست ہے۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں قال بعض الحنفیین لوکان ذٰلک لکان النقل بہ متصلا اھ اگر جمعہ دیہات میں جائز ہوتا تو تواتر اور تعامل سے اس کا ثبوت ملتا۔ ابن حزم اس کے جواب میں فرماتے ہیں فیقال لہ ثم قد کان ذٰلک حتی قطعہ المقلدون بضلالھم عن الحق وقد شاھدنا جزیرۃ میورقہ یجمعون فی قراھا حتی قطع ذٰلک بعض المقلدین لمالک وباء باثم النھی عن صلوٰۃ الجمعۃ ورویناان ابن عمر کان یمر علی المیاہ وھم یجمعون فلا ینھاھم عن ذٰلک عن عمر بن عبد العزیز انہ کان یأمر اھل المیاہ ان یجمعوا ویأمر اھل کل قریۃ لا ینتقلون بان یؤمر علیھم امیر یجمع بھم محلی جلد ۵ ص۵۲ ان حضرات سے کہنا چاہیے کہ واقعی جمعہ تمام دیہات میں ہوتا تھا اور اس کا تعامل موجود تھا۔ یہاں تک کہ بعض غلط کار مقلدین نے اسے بند کرا دیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ جزیرہ میورقہ کے تمام دیہات میں جمعہ ہوتا تھا۔ امام مالکؒ کے مقلدین نے اسے بند کرا دیا اور جمعہ سے روکنے کی معصیت اپنے ذمہ لے لی۔ ابن عمر پانیوں اور ڈیروں پر لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے اور منع نہیں فرماتے تھے، عمر بن عبد العزیز نے اہل میاہ کو جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا اور ہر بستی کو جس کی اقامت مستقل ہو حکم دیا کہ ان کا امیر جمعہ پڑھائے۔

پھر صفحہ ۵۴ جلد ۵ میں فرماتے ہیں ومن اعظم البرھان علیھم ان رسول اللہ صلعم اتی الی المدینۃ وانما ھی قری صغار مفرقۃ بنو مالک بن النجار فی قریتھم حوالی دورھم اموالھم ونخلھم وبنو عدی بن النجار فی دارھم کذٰلک وبنو مازن بن النجار کذٰلک وبنو سالم کذٰلک وبنو ساعدۃ کذٰلک وبنو الحارث بن الخزرج کذٰلک وبنو عمرو بن عوف کذٰلک وبنو عبد الاشھل کذٰلک وسائر بطون الانصار کذٰلک فبنی مسجدہ فی مالک بن النجار وجمع فیہ فی قریۃ لیست بالکبیرۃ ولا مصر ھنالک فبطل قول من ادعیٰ ان لا جمعۃ الا فی مصر وھذا امر لا یجھلہ احد لا مؤمن ولا کافر بل ھو نقل الکواف من

شرق الارض الی غربہا وباللہ تعالیٰ التوفیق ا ھ محلی جلد ۵ ص۵۴ دیہات میں جمعہ سے روکنے والوں کے خلاف بڑی عظیم الشان دلیل ہے کہ جب آنحضرت مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہ خود چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں تھی بنو مالک بن نجار کا مال اور کھجوروں کے باغ الگ تھے، بنو عدی بن نجار اور بنو مازن کے اموال اور زمینوں کا بھی یہی حال تھا بنو سالم بنو ساعدہ بنو حارث بن خزرج اور بنو عمرو بن عوف اور بنو اشہل بھی اسی طرح الگ الگ دیہاتی زندگی بسر کرتے تھے انصار کے تمام قبائل اسی طرح قبائلی زندگی گذارتے تھے، آنحضرت نے مسجد کی بنیاد بنو مالک بن نجار میں رکھی اور جمعہ قائم فرمایا یہ چھوٹی سی آبادی تھی یہاں کوئی شہر آباد نہ تھا۔ یہ صورت حال ہر مسلمان اور کافر پر ظاہر ہے بلکہ مشرق و مغرب کے مورخین نے اسے نقل کیا ہے۔

ہجرۃ کی طویل حدیث سے جسے ابن سعد ابن کثیر ابوالقاسم سہیلی وغیرہ نے تفصیلاً نقل فرمایا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کی ناقہ جب قبیلہ کے میدان کے سامنے سے گذری تو ہر قبیلہ نے آں حضرت کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی آں حضرت نے فرمایا ذروھا فانہا مامورۃ اسے چھوڑ دو یہ حسب الحکم جارہی ہے چنانچہ ناقہ پہلے بنو مالک کی بستی میں سہل اور سہیل کے دو یتیم بچوں کے مربد کے سامنے بیٹھ گئی انہوں نے پالان اٹھا کر رکھ لیا پھر ابو ایوب انصاری کے صحن کے سامنے بیٹھ گئی اور آں حضرت یہیں بطور مہمان فروکش ہوئے (ابن سعد، البدایہ والنہایہ، الروض الانف سہیلی، ابن ہشام)۔

اس سے ظاہر ہے کہ مدینہ خود مصر جامع نہیں تھا اور حضرت علی کے اثر کے مطابق تو بر سول اس پر مصر جامع کی تعریف صادق نہ آسکی وکل مدینۃ جامعۃ فہی الفسطاط ومنہ قیل المدینۃ مصر التی بناھا عمرو بن العاص الفسطاط ھ (فرائد اللغۃ ص۲۹۱) مدینہ جامعہ مصر ایسے شہر کو کہا جاتا ہے جس کی بنا عمرو بن عاص نے رکھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہل توحید میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، جمعہ کے اجتماعیہ اور فی الجملہ مدینۃ کا تذکرہ فرمانے کے بعد لکھتے ہیں اقول وذالک لانہ لما کان حقیقۃ الجمعۃ اشاعۃ الدین فی البلد وجب ان ینظر الی تمدن وجماعۃ والاصح عندی انہ یکفی اقل ما یقال فیہ قریۃ لما روی من طرق شتی یقوی بعضہا بعضا خمسۃ لاجمعۃ علیہم وعد منہم اہل البادیۃ قال صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ واجبۃ علی کل قریۃ الخ (حجۃ اللہ البالغہ ص۲ جلد ۲) جمعہ کا مقصد شہر آبادیوں میں دین کی اشاعت ہے اس لیے جماعۃ اور

مدینہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہوا میرے نزدیک کم از کم جسے قریہ کہا جائے جمعہ کے لیے کافی ہے آنحضرت سے باختلاف طرق مروی ہے (جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں) پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ فرض نہیں، ان میں خانہ بدوش، بادیہ نشینوں کو شمار فرمایا۔ آنحضرت نے فرمایا پچاس آدمیوں پر جمعہ فرض ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں اسی تعداد پر قریہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے ہر بستی پر جمعہ واجب ہے۔

ایک تلخ حوالہ بھی سن لیجئے۔ "ازینجا معلوم شد کہ اشتراط شی زائد بر نماز ہائے فرض برائے این نماز مثل امام اعظم و مصر جامع و عدد مخصوص و نحو آں مستند صحیح ندارد دلیلے بر استحباب ش نیست چہ جائے وجوب تا بشرطیت چہ رسد" (الدلیل الطالب الی ارجح المطالب صفحہ ۲۶۳) جمعہ کے لیے امیر مصر جامع اور عدد معین کے لیے کوئی دلیل ثابت نہیں ہوئی وجوب یا شرط تو بڑی بات ہے ان کے استحباب کی بھی کوئی دلیل نہیں ملی۔

جمعہ سے روکنا اور اس قسم کی دھاندلی کی جرأت فرقہ وارانہ دھڑے بندیوں ہی سے ہو سکتی ہے اس لیے مناسب ہے کہ بعض دوسرے فقہاء مذاہب کی آراء پر بھی غور کر لیا جائے۔ مغنی ابن قدامہ کے شارح فرماتے ہیں واهل القرية لا يخلون من حالين اما ان يكون بينهم وبين المصر اكثر من فرسخ لم يجب عليهم السعي الى الجمعة وحالهم معتبر بانفسهم فان كانوا اربعين اجتمعت فيهم الشرائط فعليهم اقامة الجمعة ولهم السعي الى مصر والافضل اقامتها في قريتهم لانه متى سعى بعضهم اخل على الباقين اقامة الجمعة واذا اقاموا حضروها جميعا الخ الشرح الكبير للمغني ابن قدامہ صفحہ ۱۷۴

اسی کے قریب قریب ابن قدامہ نے مغنی میں ذکر فرمایا ہے۔ (صفحہ ۱۷۱ جلد ۲)

اگر بستی اور شہر میں ایک فرسنگ کا فرق ہو تو ان کے لیے شہر جانا ضروری نہیں۔ بلکہ ان کے ذاتی حالات کی بنا پر فیصلہ ہو گا، اگر وہ چالیس ہوں تو ان میں جمعہ کی شرائط پائی جائیں گی۔ ان پر جمعہ فرض ہو گا۔ اگر پسند کریں تو شہر میں پڑھیں، افضل یہ ہے کہ وہ گاؤں میں پڑھیں کیوں کہ اگر شہر چلے جائیں تو باقی لوگوں کے جمعہ میں خلل واقع ہو گا۔ اگر گاؤں میں پڑھیں تو سب لوگ جمع ہو جائیں گے۔

ابن رشد مالکی شروط جمعہ کے ذکر میں فرماتے ہیں، طبری کا خیال ہے کہ ایک امام اور ایک مقتدی ہو تو ان پر جمعہ فرض ہے بعض نے فرمایا ہے امام کے علاوہ دو آدمی ہوں تو جمعہ فرض ہو گا۔ حضرت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین ہوں تو جمعہ فرض ہوگا۔ امام احمد و شافعی فرماتے ہیں چالیس ہوں تو جمعہ فرض ہوگا۔ بعض نے تیس کا تعین فرمایا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ومنھم من لم یشترط عددا ولکن رأیھم انہ تجوز بما دون الاربعین ولا یجوز بالثلاثۃ والاربعۃ وھو مذھب مالک وحدھم بانھم الذین تتقری بھم قریۃ اھ (بدایۃ المجتھد ج۱ ص۱۲۳) بعض نے کوئی عدد متعین نہیں فرمایا لیکن انکا خیال ہے کہ چالیس آدمی ضروری نہیں۔ لیکن تین اور چار افراد سے جمعہ نہیں ہوگا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور یہ تحدید اس لیے ہے کہ اس مقدار سے قریہ کا مطلب پورا ہوجاتا ہے۔

باجی موطا کی شرح میں استیطان کی تفصیل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں واما موضع الاستیطان فانما یعنی بہ المصر والقریۃ اھ باجی ص۱۹۶ جلد ۱ ایضاً بحوالہ مذکور اما القریۃ فان مالکا رحمہ اللہ جعلھا فی ذلک بمنزلۃ المصر اھ امام مالک رحمۃ اللہ شہر اور دیہات کو جمعہ کے معاملہ میں مساوی سمجھتے ہیں۔

امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں سمعت عددا من اصحابنا یقولون تجب الجمعۃ علی اھل دار مقام اذا کانوا اربعین رجلا وکانوا اھل قریۃ فقلنا بہ (الی ان قال) وروی انہ کتب الی اھل قری عرینۃ ان یصلوا الجمعۃ والعیدین الخ (کتاب الام ص۱۶۹ جلد ۱) ہمارے رفقاء کا یہ خیال ہے کہ جس بستی میں ۴۰ آدمی اقامت پذیر ہوں اس گاؤں والوں پر جمعہ فرض ہے مجھے اس کے خلاف کوئی حدیث نہ ملی۔ اس لیے میں نے یہی قول پسند کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں تجب الجمعۃ علی من اقام فی غیر بناء کالخیام وبیوت الشعر ونحوھا وھو اخذ من قول الشافعی وحکی الازجی روایۃ عن احمد لیس علی اھل البادیۃ جمعۃ لانھم ینتقلون فاسقطھا عنھم وعلل بانھم غیر مستوطنین قال ابو العباس فی موضع اخر یشترط مع اقامتھم فی الخیام ان یکونوا یزرعون اھل القریۃ اھ (اختیارات العلمیۃ ص۴۰)

اہل خیام اگر خیموں وغیرہ میں اقامت اختیار کرلیں تو ان پر جمعہ واجب ہوگا۔ یہ امام

شافعی ہی کے قول سے ماخوذ ہے۔ اذرعی نے امام احمد سے روایت فرمایا ہے۔ اہل بادیہ پر جمعہ فرض نہیں، کیوں کہ وہ مختلف مقام میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ابوالعباس فرماتے ہیں اگر وہ زراعت کا کام شروع کریں تو وہ مقیم تصور ہوں گے۔

میں نے ائمہ اجتہاد اور ان کے بعض متبعین کے اقوال دو مقاصد کے لیے نقل کیے ہیں۔ اول یہ کہ اس اختلاف میں ائمہ کا موقف اور ان کے دلائل معلوم ہو جائیں۔ دوم ایسے اختلافات میں جہاں ہر امام یا عالم کے پیش نظر کچھ دلائل اور نظریات ہوں وہاں ایک مقلد یہ تو کر سکتا ہے کہ اپنی کم علمی کی وجہ سے اپنے مسلک کی پابندی کرے، لیکن دوسرے کو روکنا دھاندل کرنا نہ شرعاً درست ہے نہ عرفاً جیسے کہ دیہات میں بعض مقامات پر ہو رہا ہے۔ نیز ایک امام کے اتباع اگر جبراً اپنا مسلک منوانے کی کوشش کریں تو دوسرا بھی یہی روش اختیار کرے تو ملک کا امن تباہ ہوگا۔ باہمی آویزش بڑھے گی اور یہ ہنگامے کسی امام کے نزدیک بھی درست نہیں۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک جب چار آدمی جمعہ پڑھ سکتے ہیں تو شہر پر زور دینا اور اس کیلئے ہنگامہ برپا کرنا غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔ شہر کی شرط کا حاضری پر کچھ اثر ہونا چاہیے۔ چار آدمی تو چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی جمع ہو سکتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ ؒ کے مسلک کے مطابق ان دونوں باتوں میں تو تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

جمعہ کب فرض ہوا

عموماً فقہاء حنفیہ اور شوافع رحمہم اللہ نے فرضیت جمعہ پر سورہ جمعہ کی آیت یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا نُودِیَ لِلصَّلَاةِ مِن یَوْمِ الْجُمُعَةِ الخ سے استدلال فرمایا۔ سورۃ جمعہ جمہور ائمہ اسلام کے نزدیک مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جیسے زرکشی اور سیوطی اور مصنف البنانی نے مقدمہ تفسیر میں ذکر فرمایا۔ اس لیے بعض علماء کا خیال ہے کہ جمعہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ حرہ بنی بیاضہ میں آں حضرت کی آمد سے قبل اسعد بن زرارہ نے جمعہ پڑھایا آنحضرت نے عمرو بن سالم کی بستی میں جمعہ پڑھایا ہے۔ بنو مالک بن نجار کے ڈیرہ پر مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی۔ اس وقت حسب ارشاد ائمہ تاریخ و سیر مدینہ خود ایک گاؤں تھا اس کے بعد جواثی میں جمعہ ہوا، جو بحرین کا ایک گاؤں ہے۔ بظاہر اس وقت یہ جمعے سب دیہات ہی میں پڑھے گئے۔ ان آثار سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ جمعہ کی فرضیت کہیں ہو لیکن مکہ میں اس کی اقامت کا موقعہ نہ مل سکا۔ اسعد بن زرارہ نے ہجرت

کے بعد حرۃ بنو بیاضہ میں نماز جمعہ ادا فرمائی اور اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کہ یہ مقام شہر ہے یا گاؤں اسعد بن زرارہ نے کعب بن لوی کی عادت کے مطابق پڑھا ہو یا آں حضرت کے ارشاد کے مطابق، بہر حال حرۃ بنی بیاضہ شہر نہیں۔

قریہ، مدینہ، مصر

علامہ قسطلانی ارشاد الساری میں فرماتے ہیں القریۃ واحد القری کل مکان انصلت فیه الابنیة واتخذ قراراً ویقع علی المدن وغیرها والامصار المدن الکبار واحدها مصر والکفور القری الخارجة عن المصر واحدها کفر بفتح الکاف (ص۱۱ ج۲) قریٰ قریہ کی جمع ہے یہ اسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں مکان باہم ملے ہوئے ہوں۔ لوگ وہاں قرار پذیر ہوں۔ کبھی قریہ کا لفظ قصبہ وغیرہ پر بھی بولا جاتا ہے اور مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے۔ شہر سے باہر کی بستیوں کو کفر کہتے ہیں۔

فرائد اللغت میں اماکن اور ان کے امتیازات کی زیادہ وضاحت کی ہے القریۃ کل مکان انصلت فیه الابنیة واتخذ قراراً ویقع ذلك علی المدن وغیرها والامصار المدن الکبار واحدها مصر والمدرة القریة والمدینة یقال فلان سید مدرة۔ والکفور القری الخارجة عن المصر والی، والقصبة المدینة او معظم المدن والقریة والبلد کلاهما اسم لما هو داخل الربض وکل مدینة جامعة فهو فسطاط الخ ص۲۸ ان عبارات سے ظاہر ہے کہ یہ نام الگ ہیں ایسے اماکن کے ناموں کے متعلق لغت میں کوئی قطعی حد نہیں اس لیے کسی وقت بعض ناموں کا استعمال دوسرے ناموں کی جگہ ہو جاتا ہے لیکن یہ اطلاق حقیقی نہیں ہوگا۔ بلکہ تسامح کے طور پر ہوگا۔ بحث کو طول دینا مطلوب ہو تو علماء کے لیے چنداں مشکل نہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ قریہ کا لفظ مدینہ سے چھوٹی بستی پر بولا جاتا ہے۔ مدینہ عموماً قصبہ کے مرادف ہے۔ خصوصاً جب قریہ کا لفظ مدینہ کے بالمقابل بولا جائے، تو اس سے مراد یقیناً گاؤں ہی ہوگا، حضرت علیؓ کے اثر لاجمعة ولاتشریق الافی مصر جامع (عبدالرزاق) کے مطابق جس سے یہ اختلاف شروع ہوا ہے جمعہ نہ دیہات میں ہو سکتا ہے نہ قصبات میں نہ چھوٹے شہروں میں، اس کے لیے تو مصر جامع یعنی فسطاط کے سوا کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا۔ احناف رحمہم اللہ نے اس میں لچک کہاں سے پیدا فرمائی۔ لغت کے لحاظ سے تو مصر جامع بغداد لاہور، دہلی ایسے شہروں پر بولا جانا چاہیے۔ حضرت علی کے اثر کا مفاد تو اس چھوٹے شہروں میں پورا نہیں ہو سکتا۔

احناف کرام کا موجودہ طرز عمل نہ قرآن عزیز کے مطابق ہے نہ احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے اس اثر سے یہ مطلب حاصل ہوتا ہے ۔ یہ بظاہر کچھ وقتی مصالح پر مبنی معلوم ہوتا ہے ۔ حضرات علماء نے جس طرف چاہا مسئلہ کا رُخ پھیر دیا ۔ اثر حضرت علی ؓ صرف بحث و نظر کیلئے ہے عمل کے لیے نہیں یہی حال حضرات احناف کا خطبہ جمعہ کے متعلق ہے وہ عربی کے سوا خطبہ درست نہیں سمجھتے لیکن جب وقت کی مصالح نے مجبور کیا تو دو کی بجائے تین خطبے وضع فرما لیے ، دو عربی میں تیسرا خطبہ وقتی مصالح کی نذر کر دیا گیا ۔ اس بدعت کے لیے اسی طرح گنجائش ہوگی ۔ جس طرح اثر حضرت علی میں توسیع سے پیدا کر لی گئی ۔

مصر کیا ہے اس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصر جامع کی تعریف کیا ہے ۔ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کے ہاں اب تک اس کا مفہوم متعین نہیں ہو سکا ۔ والمصر عند ابی حنیفة رحمه الله کل بلدة فیها ملك واسواق ولها رساتیق ووال لرفع الظلم وعالم یرجع الیه فی الحوادث وعند ابی یوسف رحمه الله کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام وهو مختار الکرخی وایضا ان یبلغ سکانه عشرة آلاف اھ (ارشاد الساری ص۱۶۲) المصر هو مالا یسعهم اکبر مساجد اهله المکلفین بها ۔ ایضاً وظاهر المذهب انه کل موضع له امیر وقاض یقدر علی اقامة الحدود (در المختار ج۱ ص۵۸۰) ، شامی پہلی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں هذا یصدق علی کثیر من القری ۔ (ص۵۸۰)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں اما المصر الجامع فقد اختلفت الاقاویل فی تحدیدها ذکر الکرخی ان المصر الجامع ما اقیمت فیه الحدود ونفذت فیه الاحکام وعن ابی یوسف روایات ذکر فی الاملاء کل مصر فیه امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود فهو مصر الجامع تجب علی اهله الجمعة وفی روایة قال اذا اجتمع فی قریة من لا یسعهم مسجد واحد بنی لهم الامام جامعاً ونصب لهم من یصلی بهم الجمعة وفی روایة لو کان فی القریة عشرة آلاف او کثر امرتهم باقامة الجمعة فیها وقال بعض اصحابنا المصر الجامع ما یتعیش فیه کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی الانتقال الی حرفة اخری وعن ابی عبد الله البلخی احسن ما قیل فیه اذا کانوا بحال لو اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لم یسعهم ذلك حتی احتاجوا الی بناء مسجد الجمعة فهذا مصر

تقام فیہ الجمعۃ قال سفیان الثوری المصر الجامع ما یعدہ الناس مصرا عند ذکر الامصار المطلقۃ قال ابوالقاسم الصفار حد المصر الذی تجوز فیہ الجمعۃ فقال ان تکون لھم منعۃ لو جاءھم عدو قدروا علی دفعہ الی ان قال) وروی عن ابی حنیفۃ انہ بلدۃ کبیرۃ فیھا سکک واسواق ولھا رساتیق وفیھا وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمہ وعلمہ او علم غیرہ اھ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی ص ۲۵۹ ج ۱)

مصر جامع کی تعریفیں مختلف ہیں۔ کرخی فرماتے ہیں جس میں حدیں جاری ہوں اور احکام نافذ ہوں۔ امام ابو یوسف سے کئی روایات ہیں۔ جس میں منبر ہو اور قاضی ہو اور حدیں نافذ ہوں۔ جس کی مسجد میں وہاں کے لوگ نہ سما سکیں، جس کی آبادی دس ہزار کی ہو یا اس سے بھی زیادہ، بعض اصحاب نے فرمایا، جس میں صنعت کار یا کاریگر اپنی صنعت پر پورا سال گذر اوقات کر سکے جس میں وہاں کی بڑی مسجد میں وہاں کے رہنے والے نہ سما سکیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں جس کا ذکر مطلقاً شہروں کے تذکرہ میں آجائے ابوالقاسم صفار فرماتے ہیں جہاں دشمن کے دفاع کے لیے سامان موجود ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس میں بازار کوچے اور محلے ہوں اور بادشاہ ہو جو ظالم اور مظلوم میں دادرسی کر سکے۔

اس اختلاف سے ظاہر ہے نہ شارع نے یہ شرط لگائی ہے نہ مصر کی کوئی جامع تعریف فرمائی۔ نہ ہی اس کی ضرورت تھی۔ علماء نے اپنے ماحول کے لحاظ سے یہ تعریفات کی ہیں اس لیے یہ اختلاف اور دھاندلی بالکل قدرتی ہے اس میں اہل علم پر کوئی الزام نہیں۔ تخمین و تخمین کا ہمیشہ یہی حال ہوتا ہے۔ پانی نکالنے کے ڈول کا بھی قریباً یہی حال ہے۔

گزارش اس قدر ہے جب ایک چیز کی حقیقت متعین ہی نہیں اس کے متعلق یہ تشدد کیوں ہو ان تعریفات میں بعض ایسی ہیں جو آج کل بڑے بڑے شہروں پر صادق نہیں آتیں۔ اور بعض چھوٹے سے چھوٹے گاؤں پر صادق آتی ہیں۔ گویا شہر کو گاؤں بنانا یا گاؤں کو شہر بنانا ان تعریفات کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

خطبہ کا مقصد

احادیث میں آیا ہے کہ آں حضرت خطبہ میں وعظ اور نصیحت فرماتے تھے کہ جمعہ کے اجتماع سے یہ فائدہ حاصل کرنا خطبہ جمعہ کا اہم مقصد ہے۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ اشتد غضبہ وعلا صوتہ خطبہ میں آں حضرت کی آواز بلند ہو جاتی۔ اور چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار نمایاں ہو جاتے، گویا آپ کسی لشکر کو آنے والے خطرات سے ڈرا رہے ہیں۔ اگر یہ مقصد درست ہے تو معلوم

نہیں، عورتوں اور اہل دیہات کو اس فیضان سے محروم رکھنے کی کیوں کوشش فرمائی جاتی ہے کبھی زمانہ میں مسلمان بادشاہ پر زور رہتا پھر عورتوں کو روکنے پر زور رہتا۔ اب یہ دونوں چیزیں مدھم پڑگئی ہیں۔

حضرات دیوبند جو فقہ حنفی پر عمل کے زیادہ مدعی ہیں ان کے ہاں بھی بعض جگہ جماعات میں عورتیں آنے لگی ہیں اور عام مجالس میں تو اب کوئی پابندی نہیں، تعجب ہے دیہات کی آبادی سے دونوں حضرات نا واقف ہیں تبلیغی مجالس میں دیہاتی شریک ہوتے ہیں لیکن جمعہ کے لیے ان پر پابندی بدستور ہے۔

حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، دقتِ نظر، وسعتِ ادراک، اسلام اور اس کی مصالح کے متعلق ان کے گہرے احساسات تاریخ اور علم رجال کی ایک مسلّم حقیقت ہے، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ جمعہ کے مسئلہ میں دیہات پر یہ سختی کیوں ضروری سمجھی گئی۔ دیہاتیوں کے کاروبار کا یہی تقاضا ہے کہ ان کو اگر انتظام ہو سکے تو وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ وہ اگر شہر میں آئیں تو انہیں میلوں کا سفر طے کر کے آنا ہوگا۔ اہل شہر کے لیے کاروبار کے معاملہ میں یہ ترجیح سمجھ میں نہیں آتی، معلوم ہے کہ اہل شہر کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے وہ اگر دن کا کچھ حصہ عبادت میں صرف کریں، اس کے لیے سفر کر کے دوسری جگہ چلے جائیں، تو اس میں معقولیت اور سنجیدگی معلوم ہوتی ہے، دیہاتی بیچارے میلوں شہر کی طرف بھاگیں عقلاً اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اب ان کے لیے حنفی کی رو سے دو ہی راہیں ہیں یا وعظ و نصیحت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں پورے ماہ میں چار دفعہ بھی کلمۂ حق نہ سن سکیں، یا پھر کاروبار کا نقصان برداشت کریں اور میلوں کا سفر کریں جانوروں کو بھوکے ماریں۔

معلوم ہوتا ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کرام نے یہ حکم بعض مصالح کی بنا پر دیا ہوگا۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی عمر کا آخری حصہ دور فسادات اور ہنگاموں کا دور تھا ممکن ہے عراق کی دیہاتی آبادی کے لیے یہ حکم اس لیے دیا گیا ہو کہ وہ مفسدانہ اجتماعات سے بچے رہیں۔ اموی مبلغین کی آتش بیانیاں دیہاتی ذہن کو ماؤف نہ کر سکیں۔ ان حالات میں لاجمعۃ ولاتشریق إلاَّ فی مصرجامع وقتی مصالح کے مطابق ہو سکتا ہے لیکن فقہاء کرام کا اسے دائمی اور شرعی حکم قرار دینا قطعی سمجھ میں نہیں آتا۔ عفا اللہ عنا وعنہم۔ البتہ وقتی حکم ہو تو سمجھ میں آتا ہے حضرت امام رحمہ اللہ کا زمانہ بھی اموی حکومت کے زوال اور عباسی حکومت کی آمد ہے۔ ایسے اوقات میں دیہاتی آبادی کے لیے مناسب ہے کہ اس میں ہنگامے نہ ہوں۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت امام علیہ الرحمۃ کے اتباع کو یہ تو حق ہے کہ وہ جمعہ نہ پڑھیں، لیکن جو لوگ پڑھنا چاہیں انہیں روکنا کسی طرح مناسب نہیں، خصوصاً جب کہ قرآن عزیز کی صراحت میں کوئی استثناء نہیں سنت مرفوعہ صحیحہ میں اس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں۔ ائمہ ثلثہ بلکہ تمام ائمہ اہل دیہات پر جمعہ فرض سمجھتے ہیں۔ فقط فقہاء حنفیہ سے بھی عوام اور متاخرین ہی اس قسم کی بے دلیل باتوں پر زور دیتے ہیں۔ حضرت امام علیہ الرحمۃ اور ان اصحاب سے بھی اس تشدد کی کوئی سند نہیں ملتی۔

شبہات مناسب ہے ان شبہات کا بھی مختصر تذکرہ آجائے جن کی بنا پر متاخرین کو اس نامناسب تشدد کی جرأت ہوئی۔ انہوں نے دیہات کے اہل اسلام کو قرآن و سنت کے فیوض سے محروم رکھنے کی جرأت مندانہ کوشش کیوں کی!

قباء میں جمعہ سیوطی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ومن امثلتہ ایضاً آیۃ الجمعۃ فانہا مدنیۃ والجمعۃ فرضت بمکۃ (اتقان ص۳۵)

جن آیات کا حکم پہلے تھا سورۃ جمعہ کی آیت اس کے بعد نازل ہوئی۔ یہ سورۃ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکا تھا۔ فقہاء حنفیہ کا خیال ہے کہ جمعہ جب مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکا تھا۔ تو آپ نے ہجرت کے بعد قبا میں خود جمعہ کیوں نہ پڑھا اور اہل قبا کو کیوں جمعہ کا حکم نہ فرمایا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قبا گاؤں تھا۔ وہاں جمعہ فرض ہی نہ تھا۔

جواباً گذارش ہے کہ آپ کی ارشاد فرمودہ تعریفات کے پیش نظر تو اس وقت مدینہ منورہ بھی دیہات ہی تھا اسے شہر کہنا مشکل ہے۔ آں حضرت کے منبر کے تذکرہ میں صراحۃً آیا ہے کہ جب آں حضرت کو منبر کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت مدینہ منورہ میں ایک ہی بڑھئی تھا عمارہ بن غزیہ فرماتے ہیں۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الی خشبۃ فلما اکثر الناس قیل لہ لو جعلت منبراً قال وکان بالمدینۃ نجارٌ واحد یقال لہ میمون (فتح الباری ص۲۸۶) ان دنوں مدینہ میں لکڑی کا کام کرنے والا ایک ہی آدمی تھا۔ یہ واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے اس وقت بھی اس گاؤں میں ایک ہی نجار تھا۔ اس سے اندازہ فرمائیے یہ کتنا بڑا شہر ہوگا۔ اس لیے قباؑ اور مدینہ منورہ کے متعلق قریہ یا شہر کی بحث قبا میں جمعہ نہ پڑھنے کی علت قریہ کو قرار دینا اس میں کوئی استدلالی اہمیت معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ بحث کو لمبا کیا جاسکتا ہے۔

اس سے قبل ابن حزم نے وہاں کی قبائلی زندگی کا تفصیلی تجزیہ فرمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ چند قبائلی ڈیروں کے مجموعہ کا نام تھا جو الگ الگ اپنی اپنی زمینوں پر آباد تھے۔ یہ آبادی کا انداز پہاڑی علاقوں میں خاص دیہاتی قسم کا ہے۔ آج بھی آزاد کشمیر میں ایسے دیہات موجود ہیں جو میلوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور وہ حقیقتاً گاؤں ہی کہلاتے ہیں۔

قبا میں قیام آں حضرت کے سفر ہجرت میں قیام قباء کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں بضع عشرۃ (دس سے اوپر) حضرت انس کی روایت میں چودہ دن مرقوم ہے۔ کلبی اور ابن حبان کی روایت میں جزماً چار دن فرمایا ہے، بعض روایات میں تین دن بھی آیا ہے۔ بنی عمرو بن عوف کے بعض بزرگ بائیس دن قیام کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ امام زہری سے تین دن کا قیام منقول ہے ابن اسحاق پانچ دن فرماتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ صہ ۲۴۷، ۴۱۳)

ابن قیم فرماتے ہیں، ثم قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ فاقام بقباء فی بنی عمرو بن عوف کما قالہ ابن اسحاق یوم الاثنین ویوم الثلاثاء ویوم الاربعاء ویوم الخمیس اسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ فادرکتہ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی وکانت اول جمعۃ صلاھا فی المدینۃ وذلک قبل تاسیس مسجدہ (زاد المعاد ج۱ ص۹۹) آں حضرت مدینہ منورہ میں حسب روایت ابن اسحاق بنو عمرو بن عوف کی بستی میں سوموار سے خمیس تک رہے اور مسجد قباء کا سنگ بنیاد رکھا۔ جمعہ کے دن وہاں سے رخصت ہوئے اور سب سے پہلا جمعہ بنو سالم ابن عوف میں پڑھا۔ یہ مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلا جمعہ تھا۔

ابن سعد فرماتے ہیں قالوا اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین عمرو بن عوف یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس وخرج یوم الجمعۃ فجمع فی بنی سالم ویقال اقام فی بنی عمرو بن عوف اربع عشرۃ لیلۃ (طبقات ابن سعد ص۲۳۶ جلد ۱) (مطبوعہ بیروت جدید) آں حضرت بنو عمرو بن عوف میں سوموار سے خمیس تک رہے۔ جمعہ کے دن نکلے، جمعہ بنو سالم میں پڑھا اور کہا گیا ہے کہ بنو عمرو بن عوف میں چودہ دن قیام فرمایا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی یہ تمام روایات ذکر فرمائی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ص۱۹۵ ج ۳۔ ایضاً

ص۲۱۲ جلد ۳ ابن کثیر نے جہاں آپ نے بنو سالم میں جمعہ ادا فرمایا تھا اس مقام کا نام وادی رانوناء لکھا ہے۔

مسعودی ۳۴۶ھ فرماتے ہیں وکان مقامہ بقباء یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس وسار یوم الجمعۃ ارتفاع النہار والی ان قال حتی ادرکتہ الصلوۃ فی بنی سالم فصلی بھم یوم الجمعۃ (مروج الذہب ص۲۸۴) مسعودی نے باقی روایات کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ ابوالقاسم سہیلی نے بھی قریباً سابقہ روایات کا ذکر فرمایا۔ اور خلافِ عادت ان روایات میں تطبیق کی کوشش نہیں فرمائی (روض الانف جلد ۲ ص۲۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان تواریخ کو مرتب کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ لیکن تطبیق دینے کی طرف توجہ نہیں دی۔ انہوں نے واقعات اس طرح مرتب فرمائے ہیں۔ آنحضرت کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ۲۴ صفر، غار ثور سے نکلنا یکم ربیع الاول، قبا میں پہنچنا ۸ ربیع الاول، قباء میں قیام ۱۴ دن، مدینہ منورہ میں داخلہ ۲۲ ربیع الاول، حسب روایات کلبی مدینہ ۱۲ ربیع الاول (فتح الباری جلد ۷)

اخباری نقطۂ نظر سے کلبی کی روایت وزنی معلوم ہوتی ہے، آں حضرت جن مقاصد کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے تھے ان کی اہمیت کے پیش نظر بنو عمرو بن عوف میں دو ہفتے قیام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ دو چار دن ستانے کے بعد ممکن عجلت کے ساتھ حضرت کو منزلِ مقصود پر پہنچ کر کام شروع کرنا چاہیے، اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کر دینا چاہیے۔ یہ مقصد ابن سعد کی روایت سے بہت حد تک مطابقت رکھتا ہے۔ اس روایت کے مطابق کوئی جمعہ ضائع نہیں ہوتا اور پہلا جمعہ پانچویں دن بنو سالم میں آیا۔ جو قریباً ایک سو صحابہ کی معیت میں ادا ہوا۔

محدثانہ نقطۂ نظر سے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے۔ رہا جمعہ کا سوال تو ظاہر ہے کہ آں حضرت مسافر تھے عرب کی قبائلی آبادی ان کی تعداد، جنگی قوت، جرات اور حوصلہ مندی کا جائزہ لینا ضروری تھا، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قبیلہ خواہشمند تھا کہ آں حضرت ان کے محلہ میں قیام فرمائیں، اس لیے یہ سوچنا بھی ضروری تھا کہ حضرت کا قیام کہیں قبائلی رقابت کو بیدار نہ کر دے۔ یہی رقابت باہمی عداوت کی آگ کے لیے ہوا کا کام نہ دینے لگے۔ یہ سوچنا از بس ضروری تھا کہ غلط مقام، غلط رفقاء کا انتخاب ساری عمر کے لیے مصیبت نہ بن جائے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ ایام آں حضرت نے بطور مسافر تذبذب میں گذارے۔ جب اقامت ہی یقینی نہ ہو جمعہ کیسے فرض ہوا اور اس کی ادائیگی کیوں کر ضروری ہو

مشہور قول کے مطابق جمعہ مکہ میں فرض ہوا۔ لیکن ناہموار حالات کی وجہ سے ادا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اہل قباء کو ممکن ہے ابھی فرضیت کا علم ہی نہ ہو۔ اس لیے یہ خیال کہ دیہی آبادی کی وجہ سے جمعہ نہیں پڑھا گیا، بالکل بے معنی سی بات معلوم ہوتی ہے جبکہ اسعد بن زرارہ کے جمعہ کے متعلق اہل علم کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ جمعہ فرضیت کی بنا پر نہیں پڑھا۔ بلکہ یہ کعب بن لوی کی سنت کے طور پر تھا جو عروبہ کے نام سے ہر ہفتہ میں ایک بار اجتماع قرار پاتا تھا۔ اس لیے اہل قباء یا آنحضرت اگر نہ پڑھیں تو اس کی وجہ سفر یا لاعلمی تو ہو سکتا ہے لیکن قرویت نہیں۔ اگر جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ میں ہو تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

ان روایات میں اختیاری نقطہ نظر ہو یا محدثین کا نقطہ نظر احناف کے مسلک کی تائید کے لیے اس میں کوئی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔

یہ بالکل ایسا ہے جیسے عرفات اور منیٰ میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا۔ نہ آں حضرت نے پڑھا نہ آپ کے رفقاء نے۔ اس لیے کہ حاجی مسافر ہوتے ہیں۔ ان مقامات میں سفر کے لیے جمع تقدیم کی بھی اجازت ہے۔ اور جمع تاخیر کی بھی ——— بعض حضرات نے عرفات اور منیٰ کو دیہات سمجھ کر عموم آیت .... یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآیة کے لیے مخصص قرار دیا ہے، اب تو عرفات اور منیٰ میں آبادی ہے۔ حجۃ الوداع میں ترک جمعہ کی وجہ یا تو شغل ہوگا یا سفر، دیہات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غرض یہ ہے کہ آپ بنی عمرو بن عوف کے محلے ۲۲ دن قیام کو قبول فرمائیں یا ابن سعد کی روایت کو، احناف کے مسلک کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔

علامہ سمہودی ۱۱۰۱ھ نے وفاء الوفا باخبار المصطفیٰ جلد اوّل کے کئی اوراق میں ان اجتہادی اور محدثانہ روایات کو پھیلا دیا ہے جس سے اس مقدس سفر کے کئی گوشے جستجو کی دعوت دیتے ہیں آں حضرت کی دوراندیشی، معاملہ فہمی، علم تاویل الاحادیث میں اس کامل البشر علیہ الف تحیۃ وسلام کی مہارت تامہ معلوم ہوتی ہے۔ اور علوم نبوت کے عملی آثار و عواقب کا پتہ چلتا ہے۔ جس طرح مکہ مکرمہ سے ہجرت کا مرحلہ کئی سال کی سوچ و بچار کے بعد عمل میں آیا تھا۔ پوری عمر اقامت کے لیے جو مقام اختیار کیا جانے والا تھا اس کے نشیب و فراز پر غور بھی اسی طرح اور اسی قدر ضروری تھا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ کی ابدی صداقت کے لیے جس قدر تقدیری ذرائع مہیا کیے جا سکتے تھے۔

آنحضرت فداہ ابی وامی نے اپنی خداداد صلاحیت کو اس کے لیے صرف فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَمَا اَغْبَرَّتِ الْغَبْرَاءُ سمہودی نے زیادہ تر حافظ ابن حجر وغیرہ کا تتبع فرمایا ہے۔ کچھ نے معلومات بھی فراہم کیے ہیں، ان سے ان مشکلات کا پتہ چلتا ہے کہ جن کے عبور میں اتنا وقت صرف ہونا کوئی بڑی بات نہیں۔

سمہودی بحوالہ تاریخ صغیر بخاری حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں حتی اقبل ھو وصاحبہ فکمنا فی بعض جوانب المدینۃ وبعثا رجلا من اھل البادیۃ یوذن بھما۔ دوسری روایت میں ہے فکمنا فی خرب المدینۃ (وفاء الوفا جلد ۱ ص ۱۸۲) یعنی آنحضرت مدینہ منورہ پہنچ کر مدینہ کے بعض ویرانوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ایک بدوی کو بھیجا کہ انصار کو آں حضرت کے آنے کی اطلاع دیدے (انصار نے تمام خطرات پر بقدر ضرورت قابو پالیا تھا اس لیے) قریباً پانچ سو آدمی آں حضرت کے استقبال کے لئے آگئے۔ اس کے باوجود آں حضرت نے مدینہ کی بجائے قباء میں بنو عمرو بن عوف کے پاس قیام فرمایا۔

سمہودی فرماتے ہیں جب آں حضرت کی ناقہ ابوایوب کے مکان کے سامنے بیٹھ گئی (یہ مکان بالکل اسی جگہ کے سامنے تھا جہاں مسجد نبوی تعمیر ہوئی۔) تو جبار بن صخر خفیہ طور پر پاؤں سے ناقہ کو ٹھکور رہے تھے جنہیں حضرت ابوایوب نے تاڑلیا اور ترشی سے انہیں روک دیا اور فرمایا یا جبار لولا الاسلام لعلوتک بالسیف۔ اور اگر اسلام کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں تمہیں تلوار سے درست کر دیتا۔ تم ناقہ کو اس لیے کچھتے ہو کہ آگے چلی جائے۔

سمہودی نے ایک اور خطرہ کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ لما نزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بنو عمرو بن عوف وکان بین الاوس والخزرج ما کان من العداوۃ وکانت الخزرج تخاف ان تدخل دار الاوس کانت الاوس تخاف ان تدخل دار الخزرج (وفاء الوفا ص ۱۸۴) آں حضرت بنو عمرو بن عوف کے ہاں تشریف فرما تھے اوس اور خزرج میں باہم عداوت تھی۔ خزرج کو خطرہ تھا کہیں اوس کے ہاں نہ اُتر جائیں۔ اوس ڈرتے تھے کہیں خزرج کے ہاں نزول نہ ہو جائے۔ آنحضرت کی توجہات سے ان کا دھڑا بھاری ہو جائے۔ ان قبائلی رقابتوں کے ہوتے ہوئے ظاہر ہے کہ آنیوالے مہمان کے لیے کس قدر دوراندیشی اور معاملہ فہمی کے علاوہ نفسیاتی رجحانات کے متعلق سوچنے کی ضرورت ہے۔

اسعد بن زرارہ آنحضرت سے چند روز قبل مدینہ منورہ تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بعاث کے ہنگامہ میں نبیل بن حارث کو قتل کیا تھا آنحضرت نے دریافت فرمایا کہ اسعد بن زرارہ کہاں ہے۔ سعد بن خیثمہ وغیرہ نے عرض کیا کہ حضرت اس نے ہمارا آدمی قتل کیا تھا حسب قاعدہ وہ ہمارا مفرور ہے۔ چنانچہ رات کے دھندلکے میں اسعد بن زرارہ تشریف لائے انہوں نے اپنا سر منہ لپیٹا ہوا تھا۔ حضرت نے فرمایا تم رات کو آئے ہو۔ حالاں کہ اپنے ہمسائے قبیلہ کے ساتھ تمہارے تعلقات کافی ناخوشگوار ہیں۔ اسعد نے فرمایا حضرت جناب کی آمد کی خبر پا کر صورت حال کچھ بھی ہو، مجھے خدمت گرامی میں پہنچنا تھا۔ چنانچہ حضرت اسعد بن زرارہ وہیں شب باش ہوئے۔ اور صبح واپس چلے گئے۔ آں حضرت نے سعد بن خیثمہ رفاعہ اور مبشر ابنائے منذر سے فرمایا کہ اسعد بن زرارہ کو پناہ دے دو۔ انہوں نے ازراہ کرامت فرمایا کہ آپ ان کی پناہ کا اعلان فرمائیں ہماری طرف سے خود بخود پناہ ہو جائیگی۔ آں حضرت نے فرمایا، آپ ہی لوگوں کو پناہ کا اعلان کرنا چاہیے چنانچہ سعد بن خیثمہ نے پناہ کا اعلان کیا۔ اور صبح اسعد بن زرارہ کے گھر چلے گئے اور ان کی کمر میں ہاتھ ڈالے ظہر کے وقت بنو عمرو بن عوف میں لے آئے۔ یہ دیکھ کر قبیلہ اوس نے ایک اجتماعی اعلان کیا قالوا یا رسول اللہ کلنا لہ جار (ہم سب نے اسعد کو پناہ دے دی)

اس صلح و سلام کے پیغامبر نے یہ پندرہ دن آئندہ کے لیے زمین ہموار کرنے میں صرف فرمائے فکان شغلہ صلی اللہ علیہ وسلم من عبادۃ فی عبادۃ۔ اتنے مقدس اوراہم التواء کو شہر اور گاؤں کی بحث بنانا ان مقدس خدمات کو کوڑیوں کے نرخ بیچنے کے مترادف ہوگا۔

اور ابھی تک چونکہ جمعہ کی فرضیت کا اعلان بھی خاص اہمیت سے نہیں ہوا تھا، اس لیے اہل قبا نے اگر جمعہ نہ پڑھا ہو تو اسے جرم کیا فروگذاشت بھی قرار نہیں دیا جا سکتا، گو سمہودی نے سرسری طور پر ایک روایت ذکر فرمائی ہے۔ قیل انہ کان یصلی الجمعۃ فی مسجد قباء فی اقامتہ ھناک واللہ اعلم ص۔ آں حضرت جب تک قبا میں رہے مسجد قبا ہی میں جمعہ ادا فرماتے رہے۔

بعض حضرات نے قبا میں اقامت کو دیہات میں عدم فرضیت جمعہ کے متعلق بڑی مستند دستاویز سمجھ کر ذکر فرمایا ہے۔ حضرات واسطے مجھے کسی قدر تفصیل سے ان کے متعلق تدابیر کا ذکر کرنا پڑا، ورنہ قبائی حالات کو دیکھئے۔ حضرات فقہائے عراق رحمہم اللہ کا یہ استدلال چنداں پختہ معلوم نہیں ہوتا۔

حالات کی سازگاری، آں حضرت نے جب یہاں کے حالات کو ہموار فرما کر اصل منزل کی طرف کوچ

فرمایا۔ اب چونکہ اقامت کا مسئلہ طے ہو چکا تھا کہ قباء کی بجائے مدینہ منورہ میں ہو گا۔ جمعہ کا وقت بنو سالم میں آیا۔ آں حضرت نے بلا توقف جمعہ ادا فرمایا۔ کیوں کہ اب یہ عظیم الشان مسافر اقامت کا فیصلہ فرما چکا تھا۔ (صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ) بنو سالم سے چلنے کے بعد ناقہ نے بنی الحبل کا رُخ کیا۔ تو عبد اللہ بن ابی نے بڑی ثقاہت سے کہا۔ اذھب الی الذین دعوک فانزل علیھم (وفاء ص۱۸۳) ان کے ہاں اترو۔ جن لوگوں نے تمہیں بلایا ہے۔ اس شریر النفس کے علاوہ زمین ہموار ہو چکی تھی۔ تمام قبائل نے اقامت کے لیے پیش کش فرمائی۔ ناقہ چلتی گئی۔ آنحضرت فرماتے رہے دعوھا فانھا مامورۃ۔ اسے چھوڑ دو۔ یہ حسب الحکم جا رہی ہے۔ چنانچہ موجودہ مسجد نبوی کے پاس حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے بالمقابل ناقہ ٹھہر گئی۔ آں حضرت اتر گئے۔ ابو ایوب نے سامان اپنے مکان میں رکھ لیا۔ .... یہ دو منزلہ مکان بقول بعض مؤرخین تبع الاول نے آنحضرت ہی کے لیے بنایا تھا۔ آں حضرت نے فرمایا الرجل مع رحلہ آدمی اپنے سامان کے ساتھ ہوتا ہے۔ ابو ایوب کے گھر چلے گئے۔ اور یہ فقرہ ایک ضرب المثل بن گیا۔

گذارش

فقہی اختلاف رہے ہیں۔ اور رہیں گے، افہام اور طبائع کے اختلاف کا یہ قدرتی نتیجہ ہے۔ ہر فریق کو حق ہے کہ اپنے مکتبِ فکر کے لیے حمایت حاصل کرے۔ لیکن اس کش مکش میں نبوت اور اس کے عالی قدر مقاصد کو اپنی پستیوں کے ساتھ ملانے کی سعی مناسب نہیں۔ قبل کی اقامت، اس کی مدت، مدینہ کے ماحول اور قبائلی زندگی ایسے مسائل ہیں۔ جو آں حضرت کی نبوت کے ساتھ حکمت کا پتہ دیتے ہیں۔ جو کتاب کے ساتھ آں حضرت کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اسے فقہی موشگافیوں کی نذر کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔

لا جمعۃ ولا تشریق اور عدد کی تخصیص

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ احناف اور شوافع نے اس پر خوب خوب زور آزمائیاں فرمائی ہیں۔ احناف کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن اور سنت کی عام اور صریح نصوص کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے اثر کی روشنی میں کیا جائے۔ اس لیے کبھی وہ اسے حکماً مرفوع فرماتے ہیں کبھی قرآن وسنت کو مجمل قرار دے کر اثر علی کو بطور تفسیر ان پر مسلط فرمانا چاہتے ہیں۔ معلوم ہے یہ سب ہاتھ کی صفائی ہے۔ یا زبان کی ساحری اور اصطلاحات کی ہیرا پھیری۔ شوافع کا اعتراض واقعی وزنی تھا۔ کہ آپ حضرات قرآن کی تخصیص کے لیے خبر واحد صحیح کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ ادھر اپنا کام آیا تو سارا کام حضرت

علیؓ کے اثر سے لے لیا۔ اس الزام سے بچنے کے لیے یہ تمام حیل تراشے گئے۔ والحقیقۃ وراء ذالک کما ھی تنظرنا دمۃ خزیاتہ۔

ادھر شوافع اسی اثر کو قطعیٔ خارج البلد کرنا چاہتے ہیں اور اس معاملہ میں ائمۂ حدیث سے بھی انہیں خاصی مدد ملی ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ آثار سے تائید تو حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن مسائل کا ثبوت تو بہرکیف کتاب وسنت ہی کا مرہونِ منت ہونا چاہیے۔ اثر علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ بصورت ثبوت بھی اس کی حیثیت صحابہ کے بعض تفردات کی ہوگی، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تشبیک یا فاتحہ اور معوذتین کے متعلق قرآن سے علیحدگی کا خیال، ابنِ عباس کے نزدیک متعۃ النکاح کا جواز، حضرت عمرؓ کی متعۃ الحج سے رکاوٹ، حضرت عثمان کا اتمام صلوٰۃ فی السفر، حضرت علیؓ کا مبتدعین کو جلانا، ابوذر کا اکتناز کے متعلق تشدد، ایسے تفردات کو اساس قرار دے کر ظواہر کتاب وسنت کی تاویل تحقیقی مشغلہ نہیں ہے۔ اس لیے شوافع حضرات یہاں تک تو حق بجانب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن بعینہٖ اسی قسم کی جمعہ کے متعلق چالیس کے عدد کی پابندی خود حضرات شوافع کے ہاں موجود ہے۔ جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں دونوں طرف بزرگ ہیں، اہلِ علم ہیں ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ اثر کی حقیقت صرف اس قدر ہے الحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاجمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع قلت غریب مرفوعاً۔ اس کے بعد اثر کی مختلف اسانید کا ذکر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں وھذا انما یروی عن علی موقوفا فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ لا یروی عنہ فی ذالک شئی (زیلعی ۲۵)

حدیث لا جمعۃ ولا تشریق اثر علیؓ مرفوعاً آں حضرت سے ثابت نہیں۔ آں حضرت سے اس مفہوم کی کوئی روایت ثابت نہیں۔ حضرت علیؓ سے موقوفاً یہ اثر ثابت ہے۔ حافظ عینی اور امام بیہقی اپنے اپنے مکاتب فکر کی تائید و حمایت میں جس قدر سرگرم ہیں وہ معلوم ہے، لیکن اس مسئلہ میں امام بیہقی نے حضرت علیؓ کے اثر کی جو توجیہ فرمائی ہے اس سے ان کی محتاط روش کا پتہ چلتا ہے۔ وہ حضرت علیؓ کے اثر کو باقی آثار کے ساتھ تطبیق دیتے وقت مصر جامع اور قریہ کے معنی میں توازن فرمانا چاہتے ہیں۔ قال الشیخ والاشبہ باقاویل السلف و افعالھم فی اقامۃ الجمعۃ فی القری التی اھلھا اھل قرار لیسوا اھل عمود ینتقلون ان ذالک مراد علی بن ابی طالب۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا اثر مع سند نقل فرمایا ہے لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع (سنن بیہقی ص۱۷۹ ج۳) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے متعلق ائمہ اسلام کے

قول وفعل سے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ جمعہ اس قریہ میں ہونا چاہیے جہاں لوگ اقامت پذیر ہوں، خیموں کی طرح نہیں اکھیڑ کر جا بجا منتقل ہونے کے عادی نہ ہوں۔ حضرت علیؓ کے اثر لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع میں مصر جامع سے اسی نوعیت کے قریے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مقصد معلوم ہوتے ہیں۔ احناف رحمہم اللہ کے ملفوظات میں بھی تاحال نہ قریہ کی تعریف طے ہو سکی ہے نہ مصر جامع کی۔ اگر امام بیہقی کی تفسیر قبول کر لی جائے تو ممکن ہے کہ معاملہ ختم ہو جائے۔ میری ناقص رائے میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے، کہ جمعہ میں اجتماعیت قائم رہے۔ اسی لیے بعض نے مصر جامع کا ذکر فرمایا۔ بعض نے چالیس کے عدد پر زور دیا۔ بعض نے ضروری سمجھا کہ مکانات کی دیواریں باہم ملی جلی ہوں۔ نقطہ نظر یہ ہے کہ اجتماع ہو سکے۔ اگر شرائط کا زور خطیب کی اہلیت اور طریق خطابت پر ہوتا تو یہ مقصد بہتر طور پر حاصل ہوتا۔ اچھا خطیب چھوٹی بستی میں اپنی جاذبیت سے اجتماع کی صورت بنا لیتا ہے۔ کم فہم خطیب مصر جامع میں بھی انتشار پیدا کر سکتا ہے۔ شرائط جمعہ میں خطیب کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔ حالانکہ اچھا خطیب اجتماعیت کی روح ہوتا ہے۔

میں نے اثر حضرت علیؓ کے متعلق گذارشات کو طول نہیں دیا۔ امام احمد اسے ضعیف فرمائیں اور ابن حزم اسے صحیح فرمائیں۔ بہرحال وہ ایک صحابی کا فتوےٰ ہے اس سے ہوگا کیا؟ خود احناف کے نزدیک بھی ایسے آثار مذہب کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ خصوصاً جب باقی صحابہ سے اس کا خلاف بھی ثابت ہو۔ عموم قرآن اور سنت صحیحہ مرفوعہ سے بھی اس کی تائید نہ ہوتی ہو ایسے اثر کے متعلق طویل بحث سے کیا فائدہ؟

جمعہ کے دن عوالی سے آنا

عن عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی فیاتون فی الغبار الخ (صحیح البخاری ط۴۴ مع الفتح مطبوعہ ہند ابوداؤد مع عون ص۴۱۷)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور قریبی گاؤں سے پے بہ پے آتے۔ ان کے پاؤں پر غبار جم جاتا۔ الخ بعض حضرات کو شبہ ہوا ینتابون کا معنی باری باری آنے کا ہوگا۔ اگر جمعہ دیہات پر فرض ہوتا تو سب آتے یا پھر سب وہاں جمعہ ادا فرماتے۔ بعض روایات میں یتناوبون کا لفظ بھی آیا ہے۔ لوبت بنوبت آنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جمعہ ان پر فرض نہیں۔ کوئی آیا کوئی نہ آیا۔ مسئلہ کو ایک طالب علم کی طرح سوچا جائے تو زیادہ مشکل نہیں۔ حدیث میں منازل اور عوالی بواسطہ عطف ینتابون کا ظرف ہیں۔ عوالی وہ بستیاں ہیں جو تین سے آٹھ میل تک مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں تھیں۔ منازل سے مراد وہ مکان ہیں جو اہل مدینہ کے مہاجر

اور انصار بطور مسکن استعمال فرماتے تھے۔ اگر تناوب کا مفہوم وہی لیا جائے جو علمائے احناف مراد لیتے ہیں تو جمعہ مدینہ میں بھی فرض نہ ہوگا۔ کیوں کہ اپنے گھروں سے بھی لوگ باری باری آتے ہوں گے اور یہ فرضیت کے منافی ہے۔

لغت کی رو سے انتیاب کا معنی ہے پے بہ پے آنا یعنی عجلت کے ساتھ ہر آدمی ایک دوسرے کے پیچھے علی التوالی چلا جائے۔ انتابت السباع المنھل رجعت الیہ مرۃ بعد اخریٰ۔ (مصباح المنیر) درندے گھاٹ پر پہلے بعد دیگرے آتے جاتے رہے۔ انتابھم انتیابا اتاھم مرۃ بعد اخریٰ (اقرب الموارد ج ۲) وہ ان کے پاس بار بار آیا۔

وَانْتَابَهُمْ اِنْتِيَابًا اتاھم مرۃ بعد اخریٰ (قاموس المحیط ج ۱) تناوب میں تقسیم اور نوبتہ کا مفہوم غالب ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وحدت ماخذ کی وجہ سے دونوں لفظ ایک دوسرے کے مفہوم میں مستعمل ہوں۔ لیکن اس حدیث میں دونوں کا معنی مرۃ بعد اخریٰ ہوگا۔ کیونکہ منازل سے آنے میں کسی کا نہ آنا سمجھ میں نہیں آسکتا۔

اس مفہوم کے مطابق یہ حدیث فرضیت جمعہ کی دلیل ہوگی۔ فرق محل کا ہوگا۔ عوالی اور قریے پر جمعہ فرض ہوگا۔ جو لوگ مدینہ منورہ پہنچیں جو ایسا نہ کرسکیں انہیں لازماً اپنی جگہ پر فرض کو ادا کرنا ہوگا۔ یہ بحث کہ عوالی میں غیر مستطیع حضرات نے جمعہ ادا فرمایا یا نہیں اس پر برائے بحث تو جھگڑا جا سکتا ہے لیکن معقولیت کا تقاضا نہیں بعض ائمہ نے قریب اور بعید عوالی میں بھی فرق فرمایا ہے یعنی قریب کے لوگ شہر پہنچنے کی کوشش کریں۔ ورنہ کے لوگ اپنی اپنی جگہ جمعہ ادا فرمائیں۔ اس میں بھی معقولیت معلوم ہوتی ہے لیکن اہل قریہ کو صرف قریت کی وجہ سے محروم رکھنا اور فریضہ جمعہ میں انہیں نظر انداز کرنا کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ یقیناً جو لوگ مدینہ منورہ میں نہیں آسکے وہ گاؤں میں جمعہ ادا کریں گے۔

مسئلہ جمعہ میں مد و جزر

ہمارے ملک میں ابتداء میں جمعہ سے اس لیے انکار کیا گیا۔ کہ اس میں حاکم مسلمان نہیں۔ جب ملک میں جمعہ شروع ہوگیا۔ تو یہ شرط بھی ڈھیلی کر دی گئی۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ آنادو علاقہ میں چوں کہ کوئی مستند حکومت نہ تھی۔ مرحوم ملا مفیدی صاحب کو اسی لیے وہاں فرمایا گیا کہ وہ جمعہ پڑھتے تھے اور تشہد میں رفع مسبحہ فرماتے تھے۔

پھر زور دیا گیا کہ خطبہ عربی میں ہونا چاہیئے۔ ترجمہ کرنا درست نہیں۔ مگر کچھ لوگ خطبہ عربی زبان میں دیتے رہے اس لیے ایک نئی بدعت ایجاد فرمائی گئی یعنی تین خطبے دیئے جانے لگے۔ ایک اردو میں

دو عربی میں ۔ لیکن اس مدوجزر میں عورتوں کے لیے جمعہ اور عید کی حاضری بدستور شجر ممنوعہ رہی ۔ لیکن بعض لوگوں نے حسب ارشاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو اجازت دی ۔ اب مجبوراً یہ شرط بھی استرخا کی نذر ہو رہی ہے ۔ بعض مساجد میں عورتیں آتی ہیں ۔ بریلوی مساجد میں چونکہ وعظ میں موسیقی کی سی حالت پائی جاتی ہے ۔ اس لیے وہاں کثرت سے عورتیں شریک ہوتی ہیں ۔

اب بحمد اللہ دیہات میں اکثر جمعہ ہو رہا ہے ۔ لیکن بحث کے لیے ابھی یہ موضوع شاید کچھ کارآمد ہو اسلئے بہرحال دیوبندی حلقوں میں اس کا خاصا چرچا ہے ۔ ہندوستان میں سب سے قبل حضرت شیخ الکل امام المحدثین حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب نے فتوےٰ دیا کہ دیہات میں جمعہ درست ہے ۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اوثق العرےٰ لکھی اور حضرات احناف رحمہم اللہ کے متعارف مسلک کی تائید فرمائی اسکے جواب میں کسر العرےٰ مولانا محمد سعید صاحب بنارسی نے لکھی اور مولانا ابوالمکارم مئوی نے ہدایت الوریٰ ارقام فرمائی ۔ ان دونوں کے جواب میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القرےٰ کافی گرم کتاب لکھی ۔ ادلہ سے زیادہ طعن و تشنیع پر زور دیا گیا یہ مولانا کا جوانی کا شاہکار ہے ۔ مالٹا سے واپسی کے بعد مولانا نے یہ مباحث بالکل ترک فرما دیے تھے ۔ بلکہ حسب روایت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب قصوری ان مسائل پر تاسف فرماتے تھے ۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ ، احسن القرےٰ کا جواب مولانا عبدالرحمٰن صاحب بقا غازی پوری نے لکھا ۔ اس کتاب کا نام ، سُر من رائی فی بحث الجمعۃ فی القرےٰ ۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے ۔ عموماً کتاب کے انداز تحریر میں متانت ہے ۔ کہیں معمولی تیزی آگئی ہے ۔ ورنہ خوب کتاب ہے ۔ اس کے بعد خاموشی ہوگئی کوئی قابل اعتنا اور علمی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ جس سے علمی حلقوں میں کچھ حرکت پیدا ہو ۔ اب ۱۹۴۷ء کی ہجرت کے بعد گوڑگانواں اور علاقہ میوات کی تبلیغی جماعت کے مہاجر حضرات کہیں کہیں حرکت پیدا کر دیتے ہیں ۔ ورنہ جمعہ بتدریج اپنی رفتار سے بڑھ رہا ہے ۔ لوگ اپنے حلقوں میں تبلیغ کا فرض ادا کر رہے ہیں ۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۔

(الاعتصام لاہور شمارہ ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۲ ، ۳۳ جلد ۱۱)

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شیخ الحدیث گوجرانوالہ
المتوفی ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء مطابق ۱۳۸۷ھ

شہروں اور دیہاتوں میں جمعہ کا پڑھنا

عن ابن عباسؓ قال اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ صلعم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین رواہ البخاری وابوداؤد وقال جواثی قریۃ من قری البحرین یعنی اول جمعہ جو پڑھا گیا مسجد نبوی کے جمعہ کے بعد مسجد جواثی میں تھا۔ جو بحرین کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے وعن طارق ابن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعۃ حق واجب فی جماعۃ علی کل مسلم الا اربعۃ عبد مملوک او امراۃ او صبی او مریض رواہ ابوداؤد اگر گاؤں میں جمعہ کی فرضیت نہ ہوتی تو حدیث میں غلام وصبی وعورت ومریض کی طرح گاؤں کیوں مستثنیٰ نہ ہوا اور ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کتب الی اہل البحرین ان جمعوا حیث ما کنتم وھذا یشمل المدن والقری وصحح ابن خزیمۃ وروی البیہقی عن اللیث بن سعد ان اہل مصر وسواحلھا کانوا یجمعون علی عہد عمر وعثمان بامرھما وفیھا رجال من الصحابۃ واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر باسناد صحیح انہ کان یری اہل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون

۱؎ بخاری اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں پڑھا گیا اور اس کے بعد پہلا جمعہ وہ ہے جو ایک بستی جواثی نام علاقہ بحرین کی مسجد عبدالقیس میں پڑھا گیا اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے۔ کہ جواثی میں جو بحرین کی بستیوں میں ایک بستی ہے۔ ۱۲ع

۲؎ اور ابوداؤد میں طارق بن شہاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا غلام اور عورت اور چھوٹے بچے اور بیماران چاروں کے سوا سب مسلمانوں پر جماعت کے ساتھ جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ ۱۲

۳؎ اور عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے بحرین والوں کی طرف لکھ بھیجا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو۔ وہاں نماز جمعہ پڑھ لیا کرو، اور حضرت عمرؓ کا یہ حکم بستیوں اور شہروں سب کو شامل ہے اور ابن خزیمہ نے اسکو صحیح کہا ہے۔ اور امام بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ مصر اور اس کے گرد و نواح والے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں آپکے حکم سے جمعہ پڑھتے تھے اور وہاں چند اصحاب ؓ بھی موجود تھے (لیکن کسی نے انکار نہ کیا) اور عبدالرزاق نے عبداللہ بن عمرؓ سے صحیح سند سے روایت کی

فلا یجیب علیہم۔ دلائل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جمعہ جیسا شہروں میں پڑھا جاتا ہے اسی طرح دیہات میں بھی پڑھا جاوے علماء حنفیہؒ کا فتویٰ ہے۔ جو گاؤں کہ مسافت میں شہر سے ۴۸ میل سے کم ہو وہ بھی شہر کا حکم رکھتا ہے۔ مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان میں لکھا ہے ویوجبہا ابو یوسف[1] علی من کان داخل حد الاقامۃ الذی من فارقہ یصیر مسافرا ومن وصل الیہ یصیر مقیما وھو الاصح اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ قال فی معراج الدرایۃ[2] انہ اصح ما قیل فیہ اور پنجاب میں کم ایسی بستی ہوگی کہ شہر سے اڑتالیس میل کے فاصلہ پر ہو۔ اور علمائے حنفیہ کے نزدیک شہر وہ موضع ہے کہ باشندہ اس کے اس شہر کی بڑی مسجد میں نہ آسکیں درمختار میں ہے۔ المصر[3] ھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبی اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے[4] وفی الولوالجیۃ وھو الصحیح اور شرح وقایہ میں ہے[5] وما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر فقط

حررہ عبد الجبار بن الشیخ العارف باللہ عبد اللہ الغزنوی (عفی اللہ عنہما)

فتاویٰ غزنویہ ص ۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ جو قریہ حکم مصر کا رکھتا ہو یا متعلقات مصر سے ہو اس میں جمعہ واجب ہے علی القول الصحیح مصر کی تعریف بقول راجح یہ ہے کہ مسلمان مکلف اس موضع کے اس قدر ہوں جو مسجد جامع میں نہ آسکیں ردمختار

(بقیہ ص ۴۷) ہے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی والوں کو جمعہ پڑھتے ہوتے دیکھتے ان کو منع نہ فرماتے ۱۲ ع

[1] اور ابو یوسفؒ اس شخص کے لیے (جمعہ) کو واجب کہتے ہیں جو (شہر کے گرد نواح کی) اس حد میں داخل ہو کہ جس سے گزرنے سے آدمی مسافر ہو جاوے اور اس میں آنے سے مقیم بن جاوے اور یہ بہت صحیح ہے۔ ۱۲ ع

[2] اور معراج الدرایہ میں ہے کہ (ابو یوسفؒ) کا قول اس بارے میں سب قولوں سے بڑھ کر ہے۔ ۱۲ ع

[3] مصر وہ ہے کہ جس کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس شہر کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب ہے نہ سما سکیں ۱۲ ع

[4] اور ولوالجیہ میں ہے کہ یہی معنی صحیح ہیں ۱۲ ع [5] جس جگہ کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس جگہ کے رہنے والے نہ سما سکیں وہ مصر ہے ۱۲ ع

میں ہے المصر[1] وھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء مجتبیٰ اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے وفی الولوالجیۃ[2] وھو الصحیح اور شرح وقایہ میں ہے، وما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ اور سلطان کا ہونا شرط نہیں، عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ وھذا[3] یرشدک الی ان اشتراط السلطان انما ھو علی سبیل الاولویۃ حیث لا یتعدد الجمعۃ وحیث تعددت فلا حاجۃ الی ذلک اور جامع الرموز میں ہے المراد[4] بالسلطان الوالی الذی لیس فوقہ وال عادلا کان او جائرا و الاطلاق مشعر بان الاسلام لیس بشرط وھذا اذا امکن استیذانہ والا فالسلطان لیس بشرط فلو اجتمعوا علی رجل وصلوا جاز کما فی صلوۃ الجنازۃ وغیرہ شیخ عبدالحق دہلوی نے فتح المنان میں لکھا ہے۔ وظاہرہ[5] یفید الاولویۃ والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوۃ بدون السلطان شرعا اور مولانا بحر العلوم لکھنوی حنفیؒ نے رسائل الارکان میں لکھا ہے ثم[6] اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الہدایۃ رای لا یثبت بہ الا الاشتراط لاطلاق نصوص الجمعۃ اور فتاوے عالمگیریہ میں ہے ناقلا[7] عن التہذیب ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز اور مجمع الفتاوے میں ہے غلب[8] علی المسلمین ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اور عمدہ

[1] مصر وہ ہے کہ جس کی سب مسجدوں سے بڑی مسجد میں اس جگہ کے رہنے والے جن پر جمعہ واجب ہے نہ سما سکیں اور اکثر فقہا کا فتویٰ اسی پر ہے۔ ۱۲ ع [2] اور ولوالجیہ میں ہے کہ (مصر کی) یہی تعریف صحیح ہے۔ ۱۲ ع [3] اور جس جگہ کے لوگ سب سے بڑی مسجدوں میں سما نہ سکیں وہ مصر ہے۔ [4] اور یہ تجھے اسبات کی طرف راہ دکھاتا ہے کہ سلطان کی شرط لگانا بطریق اولویت ہے۔ جہاں جمعہ متعدد جگہ نہیں ہوتا ہو۔ اور جہاں متعدد ہوں وہاں شرط لگانے کی حاجت ہی نہیں۔ ۱۲ ع

[5] سلطان سے مراد وہ حاکم ہے کہ جس کے اوپر کوئی اور حاکم نہ ہو خواہ وہ عادل ہو یا ظالم اور حکم کا مطلق بیان کرنا (کہ خواہ عادل ہو یا ظالم) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جمعہ کے واجب ہونے میں) اسلام کی کوئی شرط نہیں اور یہ اس وقت ہے جب ممکن ہو ورنہ سلطان کا ہونا کوئی شرط نہیں پس اگر کسی ایک آدمی پر اتفاق کریں اور نماز پڑھ لیں تو یہ ان کے لئے جائز ہوگا جیسا کہ صلوۃ الجلالی وغیرہ میں بھی ہے۔ ۱۲ ع [6] ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی شرط لگانے میں عقل کی رو سے بہتر ہے اور احتیاط ہے نہ یہ کہ سلطان کی شرط لگانا اور نماز جمعہ کا بغیر سلطان کے جائز نہ ہونا امر شرعی ہے ۱۲ ع [7] مجھے میں نے ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھی کہ جس (بقیہ ص...)

حاشیہ شرح وقایہ میں ہے۔ لاشك فی وجوب الجمعة وصحة اداءها فی بلاد الهند التی غلبت علیه النصاری وجعلوا علیها ولاة کفارا وذلك باتفاق المسلمین وتراضیهم ومن افتی بسقوطها لفقد شرط السلطان فقد ضل واضل اور وہ موضع کہ مسافت میں شہر سے ۴۸ میل سے کم ہو۔ اگرچہ وہ قریہ چھوٹا ہی ہو وہ بھی مصر کا حکم رکھتا ہے۔ مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان میں لکھا ہے۔ ویوجبها ابو یوسف علی من کان داخل حد الاقامة الذی من فارقه یصیر مسافرا ومن وصل الیه یصیر مقیما وهو الاصح اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے ۔قال فی المعراج الدرایة انه اصح ماقیل فیه اور احتیاطی پڑھنا ظہر کا جمعہ کے بعد کچھ ضروری نہیں۔ اور نہ اس پہ کوئی دلیل شرعی ہے۔ درمختار میں ہے۔ دفی البحر وقد افتیت مرارا بعدم صلوٰۃ الاربع بعدها بنیة اخر الظهر خوف اعتقاد عدم فی منیة الجمعة وهو الاحتیاط فی زماننا۔

(بقیہ ص ۴۹) سے (نماز جمعہ کے وجوب کے لیے) سلطان کی شرط لگانا معلوم ہوا اور جو کچھ ہدایہ میں ہے وہ ایک ایسی رائے ہے کہ جس سے بوجہ مطلق ہونے نصوص کے جمعہ شرط لگانا ثابت نہیں ہوتا ۱۲ ع ہے اور فتاویٰ عالمگیریہ میں تہذیب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر امام سے اجازت لینی ناممکن ہو اور لوگ کسی ایسے آدمی پر اتفاق کریں جو ان کو نماز جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے۔ ۱۲ ہے مسلمانوں پر حکام کفار غالب ہو گئے مسلمانوں کے لیے جمعوں اور عیدوں کا قائم کرنا جائز ہے اور ان کی رضامندی سے جو قاضی مقرر ہو جا دے وہ قاضی ہے ۱۲ ہے ملک ہند کے ان شہروں میں جن پر نصاریٰ نے غلبہ پایا اور ان پر کافر حاکم مقرر کیا جب مسلمانوں کے اتفاق اور تراضی سے ہو ان میں جمعہ کے وجوب اور ادا ہو میں کوئی شک نہیں۔ اور جس کسی نے بوجہ مفقود ہونے شرط سلطان کے جمعہ کے موقوف ہونے کا فتویٰ دیا تو وہ خود بھی گمراہ ہوا اور اوروں کو بھی اس نے گمراہ کیا ہے۔ ۱۲۰ علوے

لے اور ابو یوسفؒ اس شخص کے لیے جمعہ کو واجب کہتے ہیں۔ (جو شہر کے گرد و نواح کی) اس حد میں داخل ہو کہ جس کے گزرنے سے آدمی مسافر ہو جائے۔ اور اس میں آنے سے مقیم بن جائے۔ اور یہ بہت صحیح ہے۔ ۱۲ علوے

ہے اور معراج الدرایہ میں ہے کہ (ابو یوسفؒ کا قول اس بارے میں سب قولوں سے بڑھ کر صحیح ہے ۱۲ علوے

ہے اور میں نے جمعہ کے بعد چار رکعت بنیت ظہر احتیاطی کے ناجائز ہونے میں بارہا فتویٰ دیا ہے اس ڈر سے کہ (لوگ پھر) جمعہ کو فرض نہیں جانیں گے اور ہمارے زمانے میں اسی میں احتیاط ہے ۱۲

اور صاحب در مختار نے ان لوگوں کا قول جو قائل ہیں احتیاطی کے نقل کر کے لکھا ہے۔ وکل[1] ذلك خلاف المذ ھب فلا یعول علیه محقق شامی نے رد المحتار میں احتیاطی پڑھنے کے بارے میں کچھ اقوال اہل علموں کے ذکر کر کے اخیر پر لکھا ہے۔ قال المقدسی[2] نحن لا نامر بذلك امثال ھذه العوام بل ندل علیه الخواص۔ پس معلوم ہوا کہ جو علماء کہ قائل ہیں احتیاطی پڑھنے کے ان کے نزدیک یہ حکم عواموں کے واسطے نہیں بلکہ خواص کے واسطے ہے۔ ھذا وللتفصیل موضع اٰخر واللہ اعلم حررہ عبدالجبار ابن الشیخ العارف باللہ عبداللہ الغزنویؒ فتاوےٰ غزنویہ ص ۱۱

سوال: عید اور جمعہ دونوں جمع ہوں تو رخصت کس میں ہے اگر جمعہ میں رخصت ہے تو ظہر ادا نہ کرنے سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: عید و جمعہ کے مجتمع ہونے کے وقت ترک جمعہ کے لیے رخصت اور اجازت ہے اور ظہر کے لئے بھی یہی رخصت ہے۔ ابوداؤد و ابن ماجہ میں زید بن ارقم سے مروی ہے۔ ساله معاویة هل شهدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عیدین اجتمعا قال نعم صلی العید اول النهار ثم رخص فی یوم الجمعة فقال من شاء ان یجمع فلیجمع یعنی زید سے معاویہ نے سوال کیا کہ تم کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی حالت میں حاضر ہوئے جب کہ عید اور جمعہ دونوں حاضر ہوئے ہوں انہوں نے اقرار کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید شروع میں ادا فرمائی پھر جمعہ کے لئے رخصت فرمائی۔ اور ابوداؤد میں عطا سے مروی ہے قال اجتمع یوم الجمعة ویوم الفطر علی عهد ابن الزبیر فقال عیدان اجتمعا فی یوم واحد فصلی هی رکعتین بکرة لم یزد علیهما حتی صلی العصر یعنی ابن زبیر کے زمانہ خلافت میں جمعہ و عید الفطر ایک روز جمع ہوئے انہوں نے کہا دو عیدیں ایک دن میں جمع ہوگئیں پس شروع دن میں دو رکعتیں پڑھیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں پڑھا یہاں تک کہ نماز عصر ادا فرمائی۔ ابن زبیر کے اس فعل پر کسی صحابی سے انکار نہیں پایا گیا، امام شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں قوله لم یزد علیهما حتی صلی العصر ظاهره انه لم یصل الظهر وفیه ان الجمعة اذا سقطت بوجه من الوجوه لم یجب

[1] اور یہ سب مذہب حنفی کے خلاف ہے پس اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ۱۲

[2] مقدسی نے کہا کہ ہم عواموں کو احتیاطی کا حکم نہیں دیتے بلکہ خواص کو اس پر مطلع کرتے ہیں ۱۲ ع

علی من سقطت عنه ان یصلی الظهر یعنی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن زبیر نے ظہر بھی ادا نہیں فرمائی اس سے معلوم ہوا جب کسی وجہ شرعی سے جمعہ ساقط ہو جائے تو ظہر بھی واجب نہیں ہوتی کیوں کہ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم　(مولانا) عبد الجبار کھنڈیلوی　(ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین ص)

توضیح الکلام: جمعہ اور عید دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو جمعہ کی رخصت پر نص موجود ہے لیکن نماز ظہر کی رخصت پر کوئی نص نہیں۔ صرف عبداللہ بن زبیر کے واقعہ میں عدم ظہر کا احتمال ہے اور احتمالات دلیل بلا تعیین حجت نہیں ہوتی۔ عون المعبود شرح ابوداؤد میں ہے۔

فالجزم بان مذهب ابن الزبير سقوط صلوٰة الظهر في يوم الجمعة يكون عيدا على من صلى صلوٰة العيد لهذه الرواية غير صحيح لاحتمال انه صلى الظهر في منزله بل في قول عطاء انهم صلوا وحدانا اى الظهر ما يشعر بانه لا قائل بسقوطه ولا يقال ان مراده صلوٰة الجمعة وحدانا فانها لا تصح الا جماعة اجماعا ثم القول بان الاصل في يوم الجمعة صلوٰة الجمعة والظهر بدل عنها قول مرجوح بل الظهر هو الفرض الاصلي المفروض ليلة الاسراء والجمعة متاخرة فرضها ثم اذا فاتت وجب الظهر اجماعا فهي البدل عنه وقد حققناه في رسالة مستقلة انتهى كلام محمد بن اسماعيل الامير۔

عون المعبود ص ۴۱۶ ج ۱

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ظہر اصل ہے اور جمعہ بدل ہے۔ جمعہ کی رخصت سے ظہر کی رخصت نہیں مطابق قول عطاء کے، تمام صحابہ اور تابعین جو جمعہ کے لئے حاضر ہوتے تھے سب نے نماز ظہر الگ الگ پڑھی۔　هذا ما عندي والله اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب

حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال۔

سب نے نماز ظہر الگ الگ پڑھی۔ اس بارہ میں حافظ عبداللہ صاحب مرحوم کا فتوٰی مفصل اور مکمل ہے۔ جو صفر ۱۹۲ پر منقول ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب وعنده علم الكتاب　حررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال ، نماز جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر کرنے کے بعد از سر نو خطبہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں، آج کل حنفیہ حضرات تقریر کے بعد خطبہ پڑھتے ہیں ان کا ایسا کرنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب ، خطبہ جمعہ سے پہلے جو تقریر کا رواج ہے اس رواج کا کوئی ثبوت نہیں۔ (مولانا حافظ) محمد گوندلوی

(الحدیث لاہور جلد ۲ ش ۳۶)

سوال ، اگر جمعہ کا خطبہ ہوتا ہو ایسی حالت میں کوئی شخص مسجد میں آئے تو کیا وہ خطبہ سننے لگے یا سنت پڑھ کر سنے؟

جواب : اگر خطبہ جمعہ ہوتے ہوئے کوئی شخص مسجد میں آئے تو پہلے دو رکعت پڑھ لینی ضروری ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ [اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین (بخاری شریف)

مفتی مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۵ ش ۱۲)

سوال ، آج کل یہ خیال عام ہے کہ عید اور جمعہ ایک دن اکٹھے آجائیں تو اس کو بدشگونی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور عام لوگوں میں مشہور ہے کہ دو خطبوں کا ایک دن اکٹھے ہو جانا مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔ خصوصاً حکومت وقت پر اس کا بوجھ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شرعی لحاظ سے یہ خیال کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب بعون الوہاب ، یہ خیال بالکل غلط بے اصل اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح خلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں عید اور جمعۃ المبارک ایک ہی دن اکٹھے آگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو فرمایا [اجتمع عیدان فی یومکم ھذا] (ابن ماجہ) تمہارے لیے آج کے دن دو عیدیں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ عید خوشی کے دن کو کہتے ہیں۔ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ آج تمہارے لیے دو خوشیاں ہیں۔

عید اور جمعۃ المبارک :۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عید اور جمعۃ المبارک کا ایک دن میں جمع ہونا نیا وہ خیر و برکت اور خوشی کا موجب ہے نہ کہ نحوست اور بے برکتی کا۔ اور اس زمانہ میں حاکم وقت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی تھی۔ تو کیا معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ چیز نحوست اور بے برکتی کا باعث ہو سکتی ہے۔ ایسا خیال غلط اور وہم فاسد ہے۔ تنظیم اہلحدیث جلد ۱۱ ش ۴۹ ص ۳

سوال: ایک گاؤں میں صرف سات بالغ فرد رہتے ہیں۔ کیا ایسے گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنی جائز ہے۔ بعض لوگ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاطاً ظہر پڑھ لیا کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ عبدالعزیز فرید پور پٹیالہ

جواب: جمعہ کی نماز کے لئے جماعت ضروری ہے اور جماعت صرف دو آدمیوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ الاثنان فما فوقہما جماعۃ اس لیے صورت مسئولہ میں گاؤں والوں پر جمعہ کی نماز بلاشبہ فرض ہے۔ ان پر اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا لازم ہے۔ جمعہ کی نماز کے لئے کسی معین تعداد چالیس یا پندرہ کا ضروری ہونا کسی معتبر حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھنی بدعت اور ضلالت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث اور عمل صحابہ سے نہیں۔ مولانا عبیداللہ رحمانی (محدث دہلی)

سوال: ایک اہل حدیث عالم ایک گاؤں میں جمعہ پڑھاتے تھے اور کئی گاؤں آس پاس والے میل دو میل نصف میل تک وہاں آتے تھے۔ مگر بہت لوگ بوجہ سستی حاضر جمعہ نہیں ہوتے تھے۔ اب بعض دوسرے گاؤں میں بھی جمعہ شروع کیا گیا ہے۔ اب پہلے جمعہ والے عالم نے فتوے دیا ہے۔ کہ دوسرا جمعہ ان گاؤں میں حرام ہے۔ صرف اسی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔ جس میں پہلے شروع کیا گیا تھا۔ دلیل اس کی عوالی مدینہ والی حدیث ہے۔ جو بعض عوالی آٹھ میل تک تھے وہ سب مدینہ میں حاضر ہوتے تھے۔ کیا واقعی پہلے جمعہ کے بعد دوسرے گاؤں میں جو میل دو میل تک ہوں بلکہ آٹھ میل تک ہے۔ جمعہ حرام ہے۔ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قال اللہ تعالیٰ یَا اَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین یسر یہ مولوی صاحب غالی ہیں اور ایسے جمعہ کو حرام کہنا فی الحقیقت جمعہ فی القریٰ کی حرمت ثابت کرنا ہے۔ جو آج تک اہلحدیث اور احناف کا موجب تنازعہ ہے۔

عوالی سے بطور فضیلت آپ کے عہد و خلفاء کے عہد میں حاضر ہوتے تھے۔ کیونکہ خلیفہ ثانی امیرالمؤمنین عمر بن خطاب کا فرمان عام ہے کوئی استثناء نہیں ہے اَنْ جَمِّعُوْا حَیْثُ مَا کُنْتُمْ یعنی جہاں پر ہو جمعہ پڑھا کرو۔ یہ استثناء نہیں کہ صرف ایک ہی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔ دوسرے گاؤں میں جمعہ مت پڑھو۔ لہذا دوسرے گاؤں میں بھی جمعہ درست ہے۔ گو افضل یہی ہے کہ سب جمعہ ایک ہی جگہ ادا کریں۔

لوگوں کو فتووں سے اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرنا فضول ہے۔ قُلْ لَّهُمْ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِیْغًا پر عمل کرتے ہوئے اور پُر تاثیر خوش بیانی سے لوگ خود بخود گرویدہ ہو سکتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا لوگوں کو خوشخبری سناؤ نفرت مت دلاؤ۔ کیا جمعہ کو حرام کہنے سے نفرت ہوگی یا بشارت۔ خصوصاً جب کہ اہل علم اسے جائز کہتے ہوں۔ محل مسائل میں ایسا تشدد درست نہیں ہے۔ وفی ھذا کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ اعلم۔ (از مولانا شیخ محمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ امرتسر　　الاعتصام گوجرانوالہ ۵ ستمبر ۱۹۵۱ء)

سوال: سب سے پہلے جمعہ کی نماز کب اور کہاں پڑھی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جمعہ کا خطبہ کب اور کہاں فرمایا؟

الجواب: آپ سوموار سے جمعرات تک قبا میں بنی عمرو بن عوف کے پاس رہے۔ اور ورود مدینہ کے پانچویں دن بنی سالم بن عوف کی مسجد میں جو جبل غیر متصل وادی میں تھی وہاں نماز جمعہ ادا کی اور جمعہ کا پہلا خطبہ بھی وہیں ہوا۔

(شیخ الحدیث مولانا) ابو البرکات احمد گوجرانوالہ　　اہلحدیث لاہور جلد ۱ ش ۳۳

سوال: ظہر احتیاطی پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، خاص ایسے وقت جب اور جگہ جمعہ جماعت نہ ملے؟

الجواب: بوقت ضرورت اس کے پیچھے جمعہ جماعت درست ہے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی (فتاوٰے غزنویہ ص ۳۴)

سوال: آیا جمعہ کی نماز فرض ہے اور منکر اس کا کافر اور کیا بعض جاہل حنفی کہتے ہیں کہ جمعہ فرض نہیں۔ اور آیا جمعہ بدل ظہر کا نہیں بلکہ جمعہ نماز مستقل ہے۔

جواب: ہاں در مختار ص ۱۳۳ میں ہے، اَلْجُمُعَۃُ فَرْضُ عَیْنٍ یُکَفَّرُ جَاحِدُھَا لِثُبُوْتِھَا بِدَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ رد المحتار ص ۱۳۳ میں ہے۔ وھو قولہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اٰیۃ وبالسنۃ۔ والاجماع اھ در مختار میں ہے وَھِیَ فَرْضٌ مُسْتَقِلٌّ آکَدُ مِنَ الظُّھْرِ لَیْسَتْ بَدَلًا عَنْہُ اھ رد المحتار میں ہے، لِاَنَّہٗ وَرَدَ فِیْھَا مِنَ التَّھْدِیْدِ مَالَمْ یَرِدْ فِی الظُّھْرِ مِنْ ذٰلِکَ قَوْلُہٗ

لہ جمعہ فرض ہے قطعی دلیل کے ساتھ اس کا منکر کافر ہے۔ ۲ے اے ایمان والو! جب جمعہ کی اذان کہی جائے تو ذکر اللہ کی طرف جلدی آؤ۔ ۳ے اور ثبوت جمعہ کے فرض ہونے کا سنت اور اجماع ہے ۱۲ ۴ے اور جمعہ فرض مستقل ہے۔ مؤکد زیادہ ہے ظہر سے اور جمعہ بدل ظہر کا نہیں ہے ۱۲ ۵ے اس لئے جمعہ میں جیسے تہدید وارد ہوئی ہے۔ ویسی ظہر میں نہیں اس تہدید سے ہے قول (بقیہ ص۵۵)

صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ رواہ احمد والحاکم وصححہ فیعاقب علی تَرْكِهَا أَشَدَّ مِنَ الظُّهْرِ وَيُثَابُ عَلَيْهَا أَكْثَرَ اھ وَإِنَّمَا أَكْثَرْنَا فِيْهِ نَوْعًا مِنَ الْأَكَاذِيْبِ لِمَا سَمِعْنَا عَنْ بَعْضِ الْجَهَلَةِ إِنَّهُمْ يَنْسِبُوْنَ إِلٰى مَذْهَبِ الْحَنَفِيَّةِ عَدَمَ افْتِرَاضِهَا اھ

——— فتاویٰ مفید الاحناف ص۱

سوال: کیا مصر کی تعریف اکثر قریہ پر صادق آتی ہے؟

جواب: ہاں آتی ہے درمختار صفحہ ۵۳۲ میں ہے، المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا ھذا المختار الثلجی وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظھور التوانی فی الاحکام وھو یصدق علی کثیر من القری مصر وہ ہے کہ جس کے بڑی مسجدوں میں وہاں کے مرد عاقل بالغ نہ سما سکیں۔ اس کو ثلجی نے اختیار کیا ہے اور اس پر بہت فقہا کا فتوے ہے۔ چونکہ احکام شرعیہ میں سستی آگئی اور یہ صادق آتا ہے بہتیرے دیہاتوں پر۔ مولانا عبد الغفور رمضان پوری بہاری (فتاویٰ مفید الاحناف ص۱)

سوال: کیا جو حدیث جمعۃ المبارک کے حق میں آئی ہے۔ اس کو عید الاضحیٰ پر چسپاں فرماتے ہیں۔ اور قربانی ایک انڈا۔ پاؤ بھر گوشت۔ ایک مرغ پر اکتفا کرتے ہیں۔

جواب: ہم انڈا وغیرہ دے کر قربانی سے سبکدوش نہیں ہوتے بلکہ دنبہ، بکرا، گائے، اونٹ وغیرہ حیوانات سے جو میسر ہو قربانی کرتے ہیں۔ مفلس نادار راغب طلب ثواب کے لیے مرغ کی قربانی جائز جانتے ہیں۔ (فتاویٰ ستاریہ ج۲ ص۱۴۳) **توضیح الکلام:** کیا اچھا ہوتا کہ مفتی صاحب اس پر کوئی دلیل قرآن و حدیث سے دیتے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے گائے۔ اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ اور گھوڑے کے علاوہ قربانی سنت اور ثابت نہیں۔ (تلخیص ص۳۸۲) سعیدی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس نے چھوڑ دیا جمعہ تین مرتبہ بغیر ضرورت کے مہر کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر ۱۲۔

۲ پس زیادہ معذب ہوگا۔ جمعہ کے ترک پر ظہر کے ترک سے اور زیادہ ثواب پاویگا جمعہ کے پڑھنے پر ۱۲

۳ جمعہ کے فرض عین ہونے میں ایک طرح سے زیادہ کہا کرتا ہوں، چوں کہ میں نے سنا کرتا ہوں بعض جہلا حنفی سے کہ وہ مذہب حنفی کی طرف جمعہ کے فرض نہ ہونے کی نسبت کیا کرتے ہیں ۱۲ سعیدی

سوال : کیا جمعہ کا خطبہ منبر پر بیٹھ کر کہنا جائز ہے۔ ہمارے یہاں ایک مولانا اس کے جواز کا فتوےٰ دیتے ہیں۔

الجواب : جمعہ کے خطبہ میں قیام ضروری ہے۔ جس طرح فرض نماز کے لئے قیام ضروری ہے۔ بلا عذر شرعی کے قیام کا چھوڑنا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر قیام ہی کے ساتھ جمعہ کا خطبہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :۔ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۔ اس آیت میں قائم کا لفظ ہے۔ جس سے محدثین نے جمعہ کے خطبہ میں قیام کو ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ وَهُوَ قَائِمٌ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوسٍ (بخاری و مسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر (جمعہ کے) دو خطبے دیتے تھے۔ اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :۔ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ (مسلم ۔ ابوداؤد ۔ نسائی) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے پھر بیٹھ جاتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے۔ جو شخص تجھ سے یہ کہے کہ حضور نے بیٹھ کر جمعہ کا خطبہ دیا ہے۔ اس نے جھوٹ بولا۔ علامہ نووی[1] شرح مسلم میں ان دونوں حدیثوں کے تحت لکھتے ہیں :۔ فِي هٰذِهِ الرِّوَايَةِ دَلِيْلٌ لِمَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَالْأَكْثَرِيْنَ إِنَّ خُطْبَةَ الْجُمُعَةِ لَا تَصِحُّ مِنَ الْقَادِرِ عَلَى الْقِيَامِ إِلَّا قَائِمًا فِي الْخُطْبَتَيْنِ وَلَا تَصِحُّ حَتّٰى يَجْلِسَ بَيْنَهُمَا وَإِنَّ الْجُمُعَةَ لَا تَصِحُّ إِلَّا بِخُطْبَتَيْنِ وَقَالَ الْقَاضِيْ

[1] یحییٰ بن شرف نووی الحزامی ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے بعد ۶۴۹ھ میں تشریف لے گئے اور مذہب شافعی پڑھا۔ دو برس تک وہیں قیام کیا۔ شب و روز تعلیم میں منہمک رہتے تھے۔ روزانہ مختلف علوم و فنون کے بارہ اسباق پڑھتے تھے۔ زیادہ تر استفادہ کمال الدین مغربی سے کیا۔ آپ نہایت دیندار متقی اور زاہد شب زندہ دار تھے۔ چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک ہی مرتبہ عشاء کی نماز کے بعد کھانا تناول فرماتے۔ آپ کو شادی کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۶۶۵ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے متولی قرار پائے۔ آپ نے کبھی دارالحدیث کی خدمت پر معاوضہ وصول نہیں کیا تھا۔ نہایت پر وجاہت اور باوقار چہرہ تھا۔ ۶۷۶ھ میں اپنے والدین کی موجودگی ہی میں بیمار ہوئے۔ ۲۴ رجب منگل کی رات وفات پا گئے۔ آپ نہایت منصف مزاج اور شستہ قلم مصنف تھے۔ اپنی تصانیف میں شافعی المسلک ہونے کے باوجود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال نقل کرتے تھے۔ عبدالرشید اظہر مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

ذَھَبَ عَامَّۃُ الْعُلَمَاءِ اِلٰی اِشْتِرَاطِ الْخُطْبَتَیْنِ لِصِحَّۃِ الْجُمُعَۃِ وَحَکٰی اِبْنُ عَبْدِ الْبَرِّ اِجْمَاعَ الْعُلَمَاءِ عَلٰی اِنَّ الْخُطْبَۃَ لَا یَکُوْنُ اِلَّا قَائِمًا لِمَنْ اَطَاقَہٗ۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور دیگر اکثر علماء کا یہی مذہب ہے کہ جو شخص قیام پہ قدرت رکھتا ہو اس کا خطبہ جمعہ بغیر قیام کے صحیح نہ ہوگا۔ دونوں خطبے کھڑے ہو کر یہ دونوں خطبے اسی وقت ظہور میں آئیں گے جب کہ درمیان میں بیٹھا بھی جائے اگر بیٹھ کر خطبہ دیا جائے تو ایک ہی خطبہ شمار ہوگا۔ قاضی عیاضؒ رو بھی یہی کہتے ہیں کہ عام علماء کے نزدیک جمعہ بغیر دو خطبوں کے صحیح نہ ہوگا۔ اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے کہا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص طاقت رکھتا ہو اس کو کھڑے ہو کر خطبہ دینا چاہیے۔ مسلم شریف میں کعب بن عجرہ سے یہ واقعہ مروی ہے دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَکَمِ یَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی ھٰذَا الْخَبِیْثِ یَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللہُ تَعَالٰی وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَنِ انْفَضُّوْا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَائِمًا۔ یعنی کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس خبیث کی طرف کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے نبی کے خطبے کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ جمعہ کا خطبہ دیتے وقت کھڑے رہتے ہیں پس ہمیں اپنے نبی کی اتباع کرنی چاہیے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ" اور فرمایا مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (کذا فی النووی فی شرح مسلم ص۲۸۴) یہ فتوےٰ دینا کہ خطبہ جمعہ بیٹھ کر دینا جائز ہے یا بغیر خطبہ کے بھی جمعہ کی نماز صحیح ہو جاتی ہے سنت قدیمہ کے خلاف ہے۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی ریاض العلوم دہلی　(ترجمان ۱۰ شوال ۱۳۸۰ھ)

مسئلہ برخوردار مولوی علی محمد سلمہ اللہ وعافاہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! خط بلا حال معلوم ہوا۔ مسند امام احمد کی روایات جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ صحیح نہیں، دو راوی ابراہیم بن عباس اور بقیہ بن ولید ضعیف ہیں۔ قابل احتجاج نہیں اور علی سبیل الفرض التسلیم توجیہ وہی ہے، جو حافظ ابن قیمؒ نے کی ہے جمعہ کی دوسری رکعت کے تشہد میں ملنے سے جمعہ نہیں ہوتا ظہر پڑھنی ہوگی۔ قائل کی توجیہ غلط ہے۔ وللتفصیل مقام آخر مَنْ اَدْرَکَ مِنَ الصَّلٰوۃِ رَکْعَۃً فَقَدْ اَدْرَکَھَا الحدیث کو غور سے پڑھو۔ باقی خیریت ہے۔ فقط والسلام الراقم ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی ۲۰ شعبان ۱۳۴۰ھ

(نقل از مکاتیب شریفیہ)

جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور آنیوالوں کو درجہ بدرجہ لکھتے رہتے ہیں۔ سب سے اول آنیوالے کی مثال ایسے ہے۔ جیسے کسی نے اونٹ کی قربانی دی ہو اور اس کے بعد آنیوالے علی الترتیب گائے، مینڈھا، مرغی اور انڈے کا ثواب پاتے ہیں جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے۔ تو وہ اپنے دفاتر بند کر کے ذکر اللہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اس تمثیل سے مراد یا تو یہ ہے کہ جیسے اونٹوں اور گائے کے چرواہوں میں مراتب کا فرق ہے۔ اسی طرح ان میں فرق ہے۔ یا یہ کہ اگر ثواب مجسم ہوں۔ (جیسے قیامت کو ہوں گے) تو پہلے کو اونٹ کا وزن اور دوسرے کو گائے کا ملے گا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ یہ فرشتے کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں۔ وگرنہ کراماً کاتبین کبھی دفتر بند نہیں کرتے۔ فقط عبدالرشید اظہر مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال: (۱) اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن جمع ہو جاویں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں زید ایسے دنوں میں جمع نہیں ادا کرتا، اور کہتا ہے کہ میں ایک سنت مردہ کو زندہ کرتا ہوں، یہ کہنا اس کا کیسا ہے؟

(۲) خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟

الجواب: جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں، تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی چاہے نہ پڑھے، اور ایسے دنوں میں زید جو نماز جمعہ ادا نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے۔ منتقیٰ میں ہے عن[1] زید بن ارقم رضـ سأله معاوية هل شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيدين اجتمعا قال نعم صلى العيد اول النهار ثم رخص فى الجمعة فقال من شاء ان يجمع فليجمع رواه احمد وابوداؤد ابن ماجة وعن ابى هريرة رضـ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال قد اجتمع فى يومكم هذا عيدان فمن شاء اجزاه وانا مجمعون رواه ابوداؤد وابن ماجة. وعن وهب بن كيسان رضـ قال اجتمع عيدان على عهد ابن الزبير رضـ

---

[1] زید بن ارقم رضؓ سے امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی ایسے موقع کی حاضری تم کو ملی ہے جب کہ جمعہ اور عید اکٹھے ہو گئے ہوں۔ زید نے کہا ہاں! آپ نے دن کے پہلے حصے میں عید کی نماز پڑھی۔ پھر جمعہ کے متعلق رخصت دے دی کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے، پڑھ لے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں۔ جو چاہے اس کے لئے عید کافی ہے، اور ہم جمعہ پڑھیں گے۔ عبداللہ بن زبیر رضؓ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے ہو گئے آپ جمعہ کے لئے دیر سے نکلے، خطبہ دیا اور نیچے اتر آئے عید کی

[illegible] جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو جمعہ [illegible] البتہ امام کو ضرور پڑھنا چاہیے جیسا کہ حدیث ابوہریرہ سے ثابت ہے۔ وانا مجمعون (سیتوری)

فلخر للخروج حتی تعالی النہار ثم خرج فخطب ثم نزل فصلی ولم یصل للناس یوم الجمعۃ فذکرت ذلک لابن عباس فقال اصاب السنۃ رواہ النسائی وابوداؤد بنحوہ لکن من روایۃ عطاء انتہی

۲؎ خطبہ جمعہ کے لئے عصا یا قوس کا لینا ضروری نہیں ہے بلکہ مندوب و مستحب ہے عن حکم بن الحزن شہدنا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی العصا او قوس رواہ ابوداؤد یعنی حکم بن حزن سے روایت ہے کہ ہم لوگ جمعہ میں حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو آپ عصا یا قوس پر ٹیک دے کر کھڑے ہوئے، روایت کیا اسکو ابوداؤد نے قال فی سبل السلام تحت ھذا الحدیث وفی الحدیث دلیل انہ یندب للخطیب الاعتماد علی عصا او نحوہ وقت خطبتہ والحکمۃ ان فی ذلک ربط القلب ولتعمد یدیہ علی العبث ومن لم یجد ما یعتمد علیہ ارسل یدیہ او وضع الیمنی علی الیسری او علی جانب المنبر ویکرہ دق المنبر بالسیف اذا لم یؤثر وھو بدعۃ۔ واللہ اعلم　　(فتاوٰی نذیریہ جلد اول ص ۵۲۳)

سوال ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور اس کے تارک کو ملوم جانتے ہیں ۔ اور یہاں تک پابندی اس کی ہو گئی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں، آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے یا نہیں، اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو، مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے یا نہیں اور اگر وہ پڑھے گا، انہی میں داخل ہو گا یا نہیں، اور بصورت عدم پابندی و اصرار کا وجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے۔ جس نے اس کو نکالا تھا کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھتا تھا اور اب کس درجہ میں پہنچا اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا بعض علماء بھی پڑھتے ہیں، واللہ اعلم ان کے پاس کون سی دلیل کتاب و سنت و قیاس و اجتہاد سے ہے ، اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے ، کہ اگر جمعہ نہ ہوا ، تو ظہر ہو جائے گی ، آیا قیاس اس کا صوم یوم شک پر ہو سکتا ہے یا نہیں اور من جملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے یا نہیں ، بالکل جواب اس مسئلہ کا صاف صاف مدلل شرعیہ مزین بمہر و دستخط خاص آنجناب عنایت فرما دیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب ؛ مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر یعنی شہر اور ہونا امام یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چونکہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بہ سبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا ، تو بنا بر مذہب حنفیہ یہ جمعہ نہ ہوا ،

نماز پڑھی اور لوگوں کو جمعہ نہ پڑھایا ابن عباس سے اس کا تذکرہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا اس نے سنت کے مطابق کیا۔ ۲؎ اس حدیث میں دلیل ہے کہ خطیب کو عصا پر ٹیک لگانا مستحب ہے اور اس میں یہ حکمت ہے کہ اس سے دل جمعی رہتی ہے ، جو عصا پر ٹیک نہ لگائے ، وہ کبھی ہاتھوں کو

بقیہ ملا　　لے :۔ رخصت قبول کرنے کو سنت کہا ہے ۔ (سعیدی)

اور چونکہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی، تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے، مگر چوں کہ دوسری خرابی یہ ہو گئی، کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہو سکتا، کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے۔ اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کی تھا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا، تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی اور جو جمعہ ادا ہو گیا تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی۔ یہ اصل اس کی ہے، مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں، اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے، دوسرے بیضاد الی النزاع یعنی آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے، اگر درجہ احتیاط و استحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علماء سے شرطیت وجود امام و نائب دریافت ہوئی ہے وہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اگر امام و نائب سے تعذر ہو، تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے ادا کریں، پس حسب اس روایت سب جگہ امام موجود ہوتا ہے۔ تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہو گیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ساقط ہو چکا، پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جن لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں، تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے، چاہیے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں، یہ کیا بے موقع بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادیٰ یعنی تنہا تنہا پڑھیں یہ سخت خرابی ہے۔ پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تردد درست نہیں، تو دیدہ و دانستہ اس حرکت لایعنی وبے فائدہ کو کیوں اختیار کیا، واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جمعہ کو ادا کریں، الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پرواہی دین سے ہونے کا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (رشید احمد)

الجواب صحیح۔ محمد امیر الدین پٹیالوی، واعظ جامع مسجد دہلی (محمد امیر الدین ۱۳۰۱)

طلع الحق حق الطلوع وسطع الصدق حق السطوع فما قال ملك العلماء سلطان الاتقياء، زين المفسرين، رئيس المحدثين فمان اوانا مجدد زماننا نائب رسول الله الصمد عليه صلوات من الله الاحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشيد احمد مد الله ظلال فيوضه على رؤس الصالحين اللهم امين فهو حق والحق احق بالاتباع وادلى لان الحق يعلو ولا يعلى۔ حرره

(بقیہ) چھوڑ دے گا کبھی اِدھر لے گا۔ اور تعداد سے منبر کو کھٹکھٹانا مکروہ ہے ۱۲

اوّل تلامذتہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ | فقیر محمد حسین ۱۲۵۸ | قادر بخش عفی عنہ ۱۳۰۴ مدرس مدرسہ حسین بخش

جواب ہذا صحیح ہے، حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ۔ محمد ساکن درگاہ سلطان نظام الدین اولیاء ضلع دہلی،

الجیب مصیب محمد حسین خان خورجوی بقلم خود، اصاب من اجاب محمد حیات اللہ عفا اللہ عنہ،

جواب بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور خلاف اس کا ضلالت و بدعت سیئہ ہے، کیونکہ اس فعل نامقبول کو کسی نے بھی اختیار ہی نہیں کیا ہے، کما فی البحر وتاتارخانی وغیرہا من کتب الفقہ اور اصل میں یہ یعنی نماز احتیاط الظہر بدعت ہے ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب وعجم وغیرہ کا بادشاہ تھا اس کی نکالی ہوئی ہے، حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے۔ جواب یہ کہ وہ نہ حنفی ہے نہ مالکی نہ شافعی نہ حنبلی بلکہ معتزلی مذہب ہے، اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز احتیاط الظہر کل جگہ جاری کی جائے جو اس کو نہ کرے اسے تعزیر لگائی جائے جو مولوی اس وقت میں عبدالدینا والدرہم تھے اس کو قبول کیا اور فتووں میں درج کر گئے اور حنفی مذہب بالائے طاق رکھا اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق کے ساتھ لکھا ہے، کذا فی تفسیر المحمدی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد جمعہ کے پڑھتے تھے، فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز محمد عبدالوہاب پنجابی نزیل دہلی | خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبدالوہاب ۱۳۰۰

سید محمد عبدالسلام غفرلہ ۱۲۹۹ | ابو محمد عبدالحق ۱۳۰۵ | لودیانوی

الجواب صحیح محمد طاہر سلہٹی مسکین عبدالغنی ضلع کرنال

ہذا الجواب صحیح | سید محمد اسماعیل ۱۲۸۱ | فریدآبادی | سید محمد نذیر حسین

جواب صحیح ہے محمد عطاء اللہ پنجابی ضلع شاہ پور۔ محمد کلم ملک بنگالہ ضلع فرید پور، رضا بولپ محمد حمید ثابت ضلع اعظم گڑھ

سوال : جمعہ کے روز جب امام خطبہ پڑھتا ہو اور کوئی شخص باہر سے آکر السلام علیکم کہے، تو یہ السلام علیکم کہنا یا اس کا جواب دینا جائز ہے یا منع ہے؟

الجواب : جس وقت خطیب خطبہ دے رہا ہو اس وقت سلام نہیں کہنا چاہئے کیونکہ سلام کہنا سنت ہے اور خطبہ کا سننا فرض ہے، تو سلام کہنے والے نے فرض کو ترک کیا، لہٰذا خطبہ کے وقت سلام نہیں کہنا چاہئے۔ اور اگر کسی نے سلام کہا تو سننے والا چپکے سے جواب دے دے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبدالحفیظ عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ | سید محمد عبدالسلام غفرلہ | سید محمد ابوالحسن ۱۳۰۵

فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل صفحہ ۵۵۸

سوال ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹا گاؤں جس میں جمعہ درست نہیں اس کی کیا تعریف ہے۔ اور بڑا گاؤں جس میں جمعہ درست ہے، وہ کتنے آدمیوں کا ہوتا ہے اور اگر چھوٹے گاؤں میں پڑھیں تو پھر ظہر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں اور بڑے گاؤں میں جمعہ کے بعد ظہر پڑھیں یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب ، واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے۔ خواہ شہر ہوں یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں، چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ، یعنی اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جاوے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، ظاہر ہے کہ اس آیت میں جناب باری تعالیٰ نے عام طور پر ہر مسلمان کو فرمایا کہ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان ہو، تو لوگ فوراً حاضر ہوں۔ لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے کسی قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے اس قدر آدمی ہونے چاہئیں، کہ جماعت ہو جاوے چنانچہ منتقی میں ہے، عن طارق بن شہاب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض رواہ ابوداؤد انتہی۔ مختصراً۔ یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے، کہ جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، مگر چار شخص غلام مملوک، عورت اور لڑکا، اور مریض یعنی ان چار شخصوں پر نماز جمعہ فرض نہیں، پس جمعہ کے لئے اتنے آدمی ہونے چاہئیں کہ جن سے جماعت ہو جاوے اور جماعت کے لئے کم از کم دو شخص ہونا چاہیے، نیل الاوطار میں ہے،۔ واما الاثنان فبانضمام احدہما الی الاخر یحصل الاجتماع وقد اطلق الشارع اسم الجماعۃ علیہما فقال الاثنان فما فوقہما جماعۃ کما تقدم فی ابواب الجماعۃ خلاصہ یہ کہ دو شخصوں سے جماعت ہو جاتی ہے۔ اب آیت اور حدیث دونوں کے ملانے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمعہ کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ بقدر جماعت آدمی ہونے چاہئیں جس کا کم سے کم درجہ دو عدد ہے، لہٰذا ان دلیلوں کے بموجب اگر کوئی ایسی بستی ہو کہ اس میں صرف دو ہی مسلمان ہوں تو ان پر بھی جمعہ فرض ہے۔ ہاں البتہ حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یعنی شہر کا ہونا شرط ہے اور اس کے ثبوت میں حضرت علیؓ کے اس قول سے لاجمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع لیکن واضح ہو کہ حضرت

لے اور دو جب ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تو اجتماع حاصل ہو جاتا ہے اور شارع نے اس پر جماعت کا اطلاق کیا ہے، فرمایا دو اور اس سے اوپر جماعت ہے

علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور خود حنفیہ کے اصول و قواعد کی رو سے بھی ثابت نہیں ہوتا، اس واسطے کہ آیت قرآن اور احادیث صحیحہ مرفوعہ اس قول کی صاف نفی کرتی ہیں، کیونکہ آیت و احادیث مرفوعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مصر کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ صحیح و درست ہے، مصر ہو خواہ مصر نہ ہو، اور حنفیہ لکھتے ہیں کہ جب حدیث مرفوع صحابی کے کسی قول کی نفی کرے، یعنی صحابی کا قول حدیث مرفوع کے خلاف ہو، تو وہ قول حجت نہیں ہے۔ فتح القدیر میں ہے قول الصحابی حجة فیجب تقلیدہ[1] عندنا اذا لم ینفہ شیء اخر من السنة انتہی۔ بناء علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مذکور حجت نہیں ہو سکتا، لہذا اس قول سے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ٹھہرانا خود حنفیہ کے اصول سے بھی باطل ہے، اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ کسی دلیل شرعی سے جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ثابت نہیں اور جو لوگ جمعہ کے بعد ظہر پڑھنے کے قائل ہیں، وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ دیہاتوں میں جمعہ کے فرض ہونے میں شک ہے اس وجہ سے احتیاطاً ظہر پڑھ لینا چاہیے، سو یہ وجہ بالکل غلط اور باطل ہے کیونکہ قرآن و احادیث سے دیہات اور غیر دیہات میں جمعہ کا فرض ہونا نہایت صاف اور صراحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس میں کسی قسم کا ذرا بھی شک و شبہ نہیں، پس جمعہ کے بعد ظہر کو جائز بتانا بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب، حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ ۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۱۲ھ

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق: فی الواقع قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہے، کہ ہر جگہ اور ہر مقام میں اقامت جمعہ درست ہے۔ چھوٹے اور بڑے گاؤں کی تفریق نہیں آئی ہے کہ بڑے گاؤں میں تو جمعہ درست ہو اور چھوٹے گاؤں میں نادرست بلکہ ہر جگہ اور ہر گاؤں میں خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اقامت جمعہ درست ہے، اور علمائے حنفیہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے جو مصر کا ہونا شرط لکھتے ہیں سو ان کی یہ بات بالکل بے دلیل ہے اور ساتھ اس کے مصر کی تعریف میں انہوں نے بڑا ہی اختلاف کیا ہے، کوئی مصر کی تعریف کچھ لکھتا ہے اور کوئی کچھ اور ان کی تعریفات متخالفہ و متناقضہ میں سے کوئی تعریف بھی نہ لغت سے ثابت ہے اور نہ قرآن و حدیث سے بلکہ فقہائے حنفیہ نے محض اپنی اپنی رائے سے لکھی ہیں اور جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا ہرگز جائز نہیں نہ چھوٹے گاؤں میں اور نہ بڑے گاؤں میں اور نہ کسی اور مقام میں، رسالہ تحقیقات العلے میں مرقوم ہے کہ نماز جمعہ فرض عین ہے۔ فرضیت ظہر اس سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ صلوۃ جمعہ قائم مقام صلوۃ ظہر ہے پس جس شخص نے ظہر احتیاطی ادا کی اس نے ایک صلوۃ مفروضہ کو دوبارا یک دن،

[1] ہمارے نزدیک صحابہ کا قول حجت ہے۔ اور اس کی تقلید ضروری ہے جب کہ اس سے کسی حدیث کی نفی نہ ہوتی ہو۔

ایک وقت میں بلا اذن شارع ادا کیا اور یہ ممنوع ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تصلوا صلوۃ فی یوم مرتین رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی پس جب جمعہ بالکل قائم مقام ظہر کے ہوا تو اب جمعہ کے بعد ظہر پڑھنا جائز نہ ہوا اور کسی سلف صالحین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین و ائمہ مجتہدین اور محدثین رحمہم اللہ سے یہ ظہر احتیاطی منقول نہیں، نہ ان میں سے کسی نے پڑھا اور نہ پڑھنے کا حکم دیا، بلکہ یہ ظہر احتیاطی بدعت و محدث فی الدین ہے۔ پڑھنے والا اس کا عاصی و آثم ہوگا، کیوں کہ یہ ایک بدعت نکالی گئی ہے۔ دین میں بعض متاخرین حنفیہ نے اس کو نکالا ہے، جیسا کہ بحرالرائق میں ہے وقد افتیت مرارا بعدم صلوۃ الاربع بعدھا بنیۃ ظہر خوف اعتقادھم عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا اور بھی بحرالرائق میں ہے لہٰذا اطال فی فتح القدیر فی بیان دلائلھا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع من بعض الجہلۃ انھم ینسبون الی مذھب الحنفیۃ عدم افتراضھا الی قولہ اقول قد اکثر ذلک من جہلۃ زماننا ایضا ومنشاء جہلھم صلوۃ الاربع بعد الجمعۃ بنیۃ الظہر وانما وضعھا بعض المتاخرین عند الشک فی صحۃ الجمعۃ بسبب روایۃ عدم تعددھا فی مصر ولیست ھذہ الروایۃ بالمختارۃ ولیس ھذا القول اعنی اختیار صلوۃ الاربع بعدھا مرویا عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ انتہیٰ کلامہ پس مرد متبع سنت وہ ہے جو کہ اس بدعت و محدث فی الدین کی بیخ کنی کرے اور لوگوں کو اس ظہر احتیاطی کے پڑھنے سے روکے۔ انتہیٰ ما فی تحقیقات العلےٰ مختصراً۔ واللہ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۵۰۰)

لہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ہی دن میں ایک ہی نماز کو دو مرتبہ مت پڑھو۔

لہ میں نے کتنی مرتبہ فتوے دیا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے جائز نہیں جس کو ہمارے زمانہ میں احتیاطی کہا جاتا ہے۔

لہ فتح القدیر میں اس کے دلائل کو بسط سے بیان کیا ہے پھر کہا ہم نے اس بحث کو اس لیے طول دیا ہے کہ بعض جاہلوں سے سننے میں آتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں اور جمعہ کو فرض نہیں سمجھتے، میں کہتا ہوں ہمارے زمانہ میں جاہلوں کی اکثریت ہے اور ان کی جہالت کی دلیل یہ ہے کہ وہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھتے ہیں، جس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے جاری کیا ہے اور شک اس بنا پر ہے کہ ایک شہر میں متعدد جمعے جائز نہیں اور یہ روایت صحیح نہیں اور نہ ہی چار رکعت کا ثبوت بعد جمعہ کے امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے مروی ہے۔

لہ متوفی ۱۳۵۳ھ

یہ فتویٰ گو ناتمام ہے اور سوال ہی مذکور نہیں، چوں کہ اس کا مضمون نہایت ہی مفید معلوم ہوتا ہے اس لئے بغرض حصول ثواب و افادہ عام و خاص جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے، ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے، وہو ہذا۔

سوال:۔ . . . .

الجواب: در ہدایہ مرقوم است لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع. والمصر الجامع کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وهذا عن ابی یوسف وعنه انهم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجدهم لم یسعهم الاول اختیار الکرخی وهو الظاهر والثانی اختیار البلخی ولا تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان لانها تقام بجمع عظیم وقد تقع المنازعة فی التقدم والتقدیم وقد یقع فی غیره فلا بد منه تتمیما لامرها انتهی وشیخ عبد الحق محقق، محدث دہلوی در فتح المنان فی تائید مذہب النعمان می فرماید هذا تقریر الهدایة وظاهره یفید الاولویة والاحتیاط عقلا لا الاشتراط وعدم جواز الصلوٰة بدونه شرعا وقال الشیخ ابن الهمام حقیقة هذا الوجه لاشتراط السلطان لئلا یودی الی عدمها کما یفیده قوله تتمیما لامرها انتهی

ودریں جا تقریر دلپذیر بحر العلوم مولانا عبد العلی مرحوم کہ در ارکان اربعہ می فرماید ملاحظہ باید کرد، ومنها السلطان او امره باقامة الجمعة عند الحنفیة خاصة لا عند الشافعیة فانهم یقولون اذا اجتمع مسلموا بلدة وقدموا اماما وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة والمامور من قبل السلطان افضل ولم اطلع علی دلیل یفید اشتراط امر السلطان وما فی الهدایة لانها تقام بجماعة فعسی ان تقع منازعة فی التقدم والتقدیم لان کل انسان یطلب لنفسه رتبة فلا بد من امر السلطان

الجواب:۔ ہدایہ میں ہے جمعہ مصر جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں اور بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں، آپ کا فرمان ہے، جمعہ تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا جائز نہیں، مصر جامع ہر وہ جگہ ہے جہاں کوئی امیر یا قاضی ہو، جو احکام کا نفاذ کرے، حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب بڑی مسجد میں جمع ہو جائیں تو اس میں سما نہ سکیں، امام کرخی نے اسی کو پسند فرمایا ہے۔ اور دوسرے قول کو بلخی نے پسند کیا ہے۔ نیز جمعہ بادشاہ قائم کرے یا اس کا نائب کیوں کہ اس وقت مجمع کثیر ہوتا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فتح المنان میں بیان کیا ہے کہ ہدایہ کی اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ بادشاہ حاضر ہو، لیکن شرعی طور پر اس کی عدم موجودگی جواز صلوٰۃ میں

لیدفع ھذہ المنازعۃ فھذا رأی لا یثبت للاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعۃ ثم ھذہ المنازعۃ تندفع باجماع المسلمین علی تقدیم واحد کما ان ثبتۃ السلطان یطلبھا کل احد من الناس فعسی ان تقع المنازعۃ فلا یصح نصب السلطان لکن تندفع ھذہ المنازعۃ باجماع المسلمین علی تقدیم واحد فکذا ھذا وکما فی جماعۃ الصلوۃ عسی ان تقع المنازعۃ فی تقدیم رجل لکن تندفع باجماع المصلین فکذا فی الجمعۃ ثم الصحابۃ اقاموا الجمعۃ فی زمان فتنۃ بلوی امیر المومنین عثمان وکان ھو اماما حقا محصورا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامۃ الجمعۃ بل الظاھر عدم الاذن لان ھؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشر لم یرخصوا ذلک فعلم ان اقامۃ الجمعۃ غیر مشروطۃ عندھم بالاذن لعل لھذہ الواقعۃ یرجع المشائخ عن ھذا الشرط فیما تقدم من الاستیذان وافتوا بانہ تنعقد الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم کذا فی العالمگیریۃ ناقلا عن التھذیب انتہی

واگر مخالفین استدلال نمودہ اند بحدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث بر شرطیت مصر آں قابل احتجاج واستدلال نمی تواند شد زیرا کہ ضعیف است باتفاق قال الامام النووی حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث متفق علی ضعفہ وامام احمد نیز تضعیفش نمودہ و گفتہ رفع او صحیح نیست، وابن حزم جزم بوقف او نمودہ واجتہاد را دراں دخل است، پس متتبعین نمودہ گفتہ احتجاج نمی شود، حالاں کہ ذکر می شود ضعف حدیث لا جمعۃ ولا تشریق بتفصیل تام فاستمعوا نصف ولا تتعصب اذاقک اللہ رحیق التحقیق باب صلوۃ الجمعۃ والحدیث الاول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع قلت غریب مرفوعا وانما وجدناہ موقوفا علی علیؓ رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ اخبرنا معمر عن

ملخص یہ ہیں، مولانا عبد العلی مرحوم ارکان اربعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک اقامت جمعہ میں سلطان یا اس کے نائب کا ہونا شرط ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک شرط نہیں وہ کہتے ہیں کہ کسی شہر کے لوگ جمع ہو جائیں اور ایک امام ان کو جمعہ پڑھا دے تو یہ جائز ہے۔ لیکن سلطان وقت کی طرف سے کسی کا مقرر ہونا افضل ہے مگر مجھے کوئی ایسی دلیل نہیں ملی اور ہدایہ میں جو مذکور ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ اکٹھے ہوں گے اور امامت جمعہ کے لئے تنازع پیدا ہوگا۔ اس لئے سلطان وقت کا ہونا ضروری ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں کیوں کہ لوگ اجماع کے ساتھ کسی ایک کو جمعہ کے لئے مقرر کر لیں گے۔ اس طرح جماعت کی امامت میں بھی تنازع پڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ نمازیوں کے اجماع سے رفع ہو جاتا ہے اسی طرح جمعہ بھی ہو سکتا ہے اور حضور سلطان کی شرط کی ضرورت نہیں، صحابہ نے حضرت عثمان کے محاصرہ کے زمانہ میں جمعہ پڑھ لیا تھا۔ حالانکہ حضرت عثمان خلیفہ برحق تھے۔ اور کہیں یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اقامت جمعہ کے لئے حضرت عثمانؓ سے اجازت طلب کی، بلکہ فتنہ پرداز

ابی اسحٰق عن الحارث عن علیؓ قال لا جمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع انتہی ورواہ ابن ابی شیبة فی مصنفه حدثنا عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیؓ قال لا جمعة ولا تشریق ولا صلوٰة فطر ولا اضحٰی الا فی مصر جامع او فی مدینة عظیمة انتہی ورواہ عبدالرزاق ایضا انا الثوری عن زبید الایامی به عن سعد بن عبیدة عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علیؓ قال لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع واخرجه البیہقی فی المعرفة عن شعبة عن زبید الایامی به قال وکذلک رواہ الثوری عن زبید به وھذا انما یروی عن علیؓ موقوفا فاما النبی صلی اللہ علیه وسلم فانه لا یروی عنه فی ذلک شئ انتہی کلامه۔ تخریج ھدایة للزیلعی۔

باید دانست کہ در روایت عبدالرزاق وابن ابی شیبہ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق مروی است بر روایت حارث از علی رضی اللہ عنہ امام مسلم در مقدمہ جامع صحیح خود صفحہ چہار دہم ویا نزدہم نوشتہ حدثنا شیبة بن سعید قال

لوگ اس بات کی رخصت بھی کب دیتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر یا سلطان کی شرط نہیں، لیکن بعض مشائخ اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس وقت استیذان متعذر تھا اور اس حالت میں انہوں نے اس بات کا فتوے دے دیا ہو کہ کوئی ایک شخص باتفاق تمام نمازیان کو ان کے اجازت سے جمعہ پڑھا دے تو جائز ہے۔ کذا فی عالمگیریہ ناقلا عن التہذیب انتہی۔

نیز مخالفین نے جس حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ سے استدلال کیا ہے، تو باتفاق محدثین ضعیف ہے امام نووی کہتے ہیں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق کے ضعف پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ امام احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے کہ اس کا مرفوع کرنا صحیح نہیں، ابن حزم نے اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ اب اس کی صحت اور عدم کے متعلق تفصیل سے سنیئے۔ حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الخ عبدالرزاق کہتے ہیں۔ کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور مرفوع صحیح نہیں ابن ابی شیبہ نے عباد بن عوام عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ بیہقی نے معرفت میں عن شعبة عن زبید الیامی کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوف روایت کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں کچھ ثابت نہیں۔ (تخریج الہدایہ)

عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں حدیث لا جمعۃ ولا تشریق حارث عن علیؓ کی روایت سے مروی ہے۔ لیکن امام مسلم رح نے اپنی جامع صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ کہ شعبی کہتے ہیں کہ حارث اعور بڑا کذاب تھا، نیز انہوں نے سند کے ساتھ مغیرہ سے بیان کیا ہے۔ کہ انہوں نے کہا میں نے شعبی سے سنا وہ کہتے تھے کہ مجھ سے یہ حدیث اعور نے بیان کی، لیکن وہ ایک جھوٹا آدمی ہے، نیز

---

[1] قال ابو داؤد فی مقدمته واما ابو اسحاق عن الحارث عن علیؓ فلم یسمع ابو اسحاق من الحارث الا اربعة احادیث لیس فیها مسند واحد انتہی

حدثنا جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال حدثنی الحارث الاعور وکان کذابا۔ حدثنا ابو عامر عبد اللہ بن براد الاشعری قال حدثنا ابو اسامۃ عن مفضل عن مغیرۃ قال سمعت الشعبی یقول حدثنی الاعور وھو یشھد انہ احد الکاذبین وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم قال قال علقمۃ قرأت القرآن فی سنتین فقال الحارث القرآن ھین والوحی اشد وحدثنا حجاج بن الشاعر قال حدثنا احمد یعنی ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن الاعمش عن ابراھیم ان الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین او قال الوحی ثلاث سنین والقرآن فی سنتین وحدثنی حجاج بن الشاعر قال حدثنی احمد وھو ابن یونس قال حدثنا زائدۃ عن منصور والمغیرۃ عن ابراھیم ان الحارث اتھم وحدثنا قتیبۃ بن سعید قال حدثنا جریر عن حمزۃ الزیات قال سمع مرۃ الھمدانی من الحارث شیئا فقال اقعد بالباب قال فدخل مرۃ واخذ سیفہ وقال واحس الحارث من الشرفذ ھب انتھی ما فی مقدمۃ صحیح مسلم

وقال الامام الحافظ الذھبی فی میزان الاعتدال روی مغیرۃ عن الشعبی حدثنا الحارث الاعور وکان کذابا وقال منصور عن ابراھیم ان الحارث اتھم وروی ابو بکر بن عیاش عن مغیرۃ قال لم یکن الحارث یصدق عن علی فی الحدیث وقال ابن المدینی کذاب وقال ابن معین ضعیف و قال الدارقطنی ضعیف قال ابن عدی عامۃ ما یرویہ غیر محفوظ وعن الشعبی ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علی علیؓ وقال ایوب کان ابن سیرین یری ان عامۃ ما یروی عن علیؓ باطل وقال الاعمش عن ابراھیم عن الحارث قال تعلمت القرآن فی ثلاث سنین والوحی فی سنتین وقال مفضل بن مھلھل عن المغیرۃ سمع الشعبی یقول حدثنی الحارث واشھد انہ احد الکذابین وروی محمد بن شیبۃ الضبی عن ابی اسحاق قال زعم الحارث الاعور وکان کذوبا

تیقیبہ بواسطہ مغیرہ ابراہیم سے بیان کرتے ہیں کہ علقمہ کہنے لگے۔ میں نے قرآن دو سال میں حفظ کیا۔ یہ سن کر حارث کہنے لگا کہ قرآن تو بہت آسان ہے اور وحی بہت سخت ہے۔ نیز اس روایت کو زائدہ نے اعمش سے اس نے ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ حارث کہتا تھا کہ میں نے قرآن تین سال میں سیکھا اور وحی دو سال میں، ابراہیم کہتے ہیں کہ حارث متہم ہے۔ حمزۃ الزیات کہتے ہیں کہ ہمدانی نے ایک مرتبہ حارث سے کچھ سنا اور کہا دروازے کے باہر بیٹھو، وہ اندر گیا اور پیچھے سے اس کی تلوار پکڑلی۔ حافظ ذہبی نے شعبی سے ذکر کیا ہے کہ شعبی اسے کذاب کہا کرتے تھے، ابوبکر بن عیاش مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حارث حضرت علیؓ سے روایت بیان کرنے میں سچا نہیں،

۱۲ میزان، قال ابن حبان وکان الحارث غالیا فی التشیع واھیا فی الحدیث وھو الذی روی عن علی
قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یفتح علی الامام فی الصلوۃ رواہ الفریابی ۱۲ میزان ایضا
باقی حدیث ثوری و بیہقی آں مضطرب است ازانکہ بعضے جائے یعنی در روایت ثوری شعبہ مروی عنہ است،
و بعضے جائے یعنی در روایت بیہقی شعبہ است راوی ایں است حال مروی عنہ و نیستی و مسند شدن ایں حدیث را
بسیارے از علما انکار نمودہ اند، چنانچہ عبارت ذیلی متقدم بر وے شاہد است وعن ابن عباس ؓ اول جمعۃ جمعت
فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین رواہ البخاری وابوداؤد
وقال جواثی قریۃ من قری البحرین ۱۲ منتقی الاخبار وقال الامام الشوکانی فی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار
واحتجوا بما روی عن علی مرفوعا لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع وقد ضعف احمد رفعہ وصحح
ابن حزم وقفہ وللاجتہاد فیہ مسرح فلا ینتہض للاحتجاج وقد روی ابن ابی شیبۃ عن عمر
انہ کتب الی اھل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم وھذا یشمل المدن والقری وصححہ ابن خزیمۃ
وروی البیہقی عن اللیث بن سعد ان اھل مصر وسواحلھا کانوا یجمعون علی عہد عمر وعثمان
بامرھما وفیھا رجال من الصحابۃ واخرج عبد الرزاق عن ابن عمر باسناد صحیح انہ کان یری
اھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیہم فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع
الی المرفوع ویؤید عدم اشتراط المصر حدیث ام عبد اللہ(۱) الدوسیۃ المتقدم ۱۲ انتہی، حدیث
علی لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ضعفہ احمد والاخرون ۱۲ بدر المنیر فی تخریج الاحادیث

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین میں قریہ جواثی میں عبد القیس نے ادا کیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ جواثا بحرین میں
ایک قریہ (بستی) ہے۔ جو لوگ حضرت علیؓ کے اس اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ اور عید صرف شہر میں ہو سکتا ہے۔ یہ روایت صحیح طرق ضعیف
ہے۔ خود حضرت عمرؓ نے اہل بحرین کو کہا کہ جہاں کہیں ہو جمعہ ادا کیا کرو۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جمعہ اور تشریق مصر جامع میں ہو مگر یہ حدیث پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ امام
بیہقیؒ نے معرفۃ السنن میں روایت کی ہے کہ آنحضرت نے سفر ہجرت میں جب محلہ بنی سالم سے گزرے تو وہاں جمعہ ادا کیا اور
ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کمان کے سہارے پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے "سویدا" میں جمعہ
پڑھا، آپؒ نے خطبہ دیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ واللہ اعلم

(۱) حدیث ام عبد اللہ الدوسیۃ المتقدم ایں است: وعن ام عبد اللہ الدوسیۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ واجبۃ علی اہل کل قریۃ وان لم یکونوا الا ثلاثۃ رابعہم امامہم ... الدارقطنی ... تخریج الرافعی انتہی۔

والآثار الواقعة في الرافعي الكبير للشيخ سراج الدين بن الملقن وفي تحرير شرح احاديث الوجيز للرافعي
قال في البدر ولا يصلح الاحتجاج به للانقطاع وضعف اسناده ١٢ وروى البيهقي في المعرفة عن
معاذ بن موسى بن عقبة ومحمد بن اسحاق ان النبي صلى الله عليه وسلم حين ركب من بني عمرو بن
عوف في هجرته الى المدينة مر على بني سالم وهي قرية بين قباء والمدينة ادركته الجمعة فصلى فيهم
الجمعة وكانت اول جمعة صلاها حين قدم ووصله ابن سعد من طريق الواقدي باسانيد له
فيه انهم كانوا يومئذ مائة رجل وذكر عبد الرزاق في مصنفه عن ابن جريج انه صلى الله عليه وسلم
جمع في سفر وخطب على قوس وروى عبد الرزاق ايضا ان عمر بن عبد العزيز كان متبديا
بالسويداء في امارته على الحجاز فحضرت الجمعة فهيئوا له مجلسا من البطحاء ثم اذن بالصلوة
فخرج وخطب وصلى ركعتين وجهر وقال ان الامام يجمع حيث كان وروى البيهقي في المعرفة
من طريق جعفر بن برقان ان عمر بن عبد العزيز كتب الى عدي بن عدي انظر كل قرية اهل قرار
ليسوا هم باهل عمود ينتقلون فامر عليهم اميرا ثم مره فليجمع بهم وقال ابن المنذر في الاوسط
روينا عن ابن عمر انه كان يرى اهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب ذلك عليهم
ثم ساقه موصولا وروى سعيد بن منصور عن ابي هريرة رض ان عمر كتب اليهم ان جمعوا حيث
ما كنتم وحديث لا جمعة ولا تشريق الا في مصر ضعفه احمد كذا في تلخيص الحبير في تخريج احاديث
الرافعي الكبير للحافظ ابن حجر العسقلاني واي سند احمد ثنا جرير عن منصور عن طلحة بن سعد
عن عبيدة بن عبد الرحمن اگر صاحب شرح وقایہ آوردہ قابل احتجاج نمودہ شود کہ راوی ایں
عبیدہ بن عبد الرحمن ضعیف است عبيدة بالفتح وقيل بالضم هو عبيدة بن عبد الرحمن ابو عبد الجليل
ذكره ابن حبان بالوجهين فقال روى عن يحيى بن سعيد الانصاري حديثا عن حرمي بن
حفص يروي الموضوعات عن الثقات ۔ ميزان الاعتدال ولما قدم رسول الله صلى الله
عليه وسلم المدينة اقام يوم الاثنين والثلثاء والاربعاء والخميس في بني عمرو بن عوف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل میاہ کو لکھا کہ جہاں بھی ٹھہرو جمعہ پڑھ لیا کرو اور حدیث
لا جمعہ لا تشریق ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں تصریح کی ہے۔ اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ
نے سفر ہجرت میں محلہ بنی سالم بن عمرو بن عوف میں جمعہ ادا کیا اور یہ پہلا جمعہ ہے جو آپ نے ادا کیا۔

واسس مسجدهم ثم خرج من بعدهم فادركته الجمعة فى بنى سالم بن عوف فصلاها فى المسجد الذى فى بطن الوادى فكانت اول جمعة صلاها بالمدينة اقام يوم الاثنين والثلثاء والاربعاء والخميس فى بنى عمرو بن عوف ثم خرج من عندهم فادركته الجمعة فى بنى سالم بن عوف فصلاها فى المسجد الذى فى بطن الوادى وكانت اول جمعة صلاها النبى صلى الله عليه وسلم انتهى وروى عبد الرزاق باسناد صحيح عن ابن سيرين قال جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها النبى صلى الله عليه وسلم وقبل ان ينزل سورة الجمعة فقالت الانصار ان اليهود لهم يوم يجتمعون فيه بعد سبعة و للنصارى كذ لك فلنجعل يوما لنا نذكر الله تعالى ونشكر ونصلى فيه فجعلوه يوم العروبة واجتمعوا الى اسعد بن زرارة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة وانزل الله تعالى بعد ذلك واذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة والحديث وان كان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابوداوٗد عن كعب بن مالك و صححه ابن خزيمة وهو اول من صلى الجمعة بالمدينة قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ابن حجر ولا يمنع ذلك انه صلى الله عليه وسلم علمه بالوحى وهو بمكة فلم يتمكن من اقامتها ثمه ولذلك جمع لهم اول ما قدم المدينة ويدل على ذلك ما اخرجه الدارقطنى عن ابن عباس رضى الله عنه قال اذن النبى صلى الله عليه وسلم قبل ان يهاجر ولم يستطع ان يجمع بمكة فكتب الى مصعب بن عمير اما بعد فانظر اليوم الذى يجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وابناءكم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال فتقربوا الى الله بركعتين قال فهو اول من جمع حتى قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر انتهى ما فى المحلى شرح الموطا للعلامة سلام الله من اولاد الشيخ عبد الحق محدث دهلوى وقال فى تفسير النيشاپورى روى ان الانصار اجتمعوا الى اسعد بن زرارة وكنيته ابوامامة وقالوا هلموا نجعل لنا يوما نجتمع فيه فنذكر الله تعالى ونصلى فان لليهود السبت وللنصارى الاحد فاجعلوه يوم العروبة فصلى بهم يومئذ ركعتين وذكرهم فسموه يوم الجمعة لاجتماعهم فيه وانزل الله اية الجمعة فهى اول جمعة كانت فى الاسلام قبل مقدم النبى

ایک روایت میں ہے کہ آں حضرت کے مدینہ پہنچنے سے پہلے اہل مدینہ نے جمعہ ادا کیا اور اسعد بن زرارہ نے ان کو جمعہ پڑھایا۔ آنحضرت نے مکہ میں جمعہ اس لئے نہیں پڑھا کہ مکہ کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور جمعہ ادا کیا۔

صلی اللہ علیہ وسلم واما اول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھی انہ لما قدم المدینۃ مہاجرا نزل قباء فی بنی عمرو بن عوف واقام بھا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدہم ثم خرج یوم الجمعۃ عامدا المدینۃ فادرکتہ صلوٰۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن واد لھم فخطب فصلی الجمعۃ انتہی ما فی النیشا فوری واول جمعۃ جمعہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قباء واقام بھا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار لبنی سالم بن عوف انتہی ما فی البیضاوی۔ وپس ازیں قصہ مذکورہ ہویدا شد کہ مدینہ منورہ درابتدا نزول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوکت وغلبہ اہل اسلام وظہور ونفاذ حدود وقصاص نبود باوجود آں جمعہ گذاردہ شدہ پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق برتقدیر و فرض ثبوت از قبیل احاد است وخبر واحد معارض دلیل قطعی نمی تواند شد ونہ مخصص عام کما تقرر فی اصول الحنفیۃ من التوضیح والبزودی ومسلم الثبوت والحسامی والمنار والشاشی وغیرہ ذلک پس تخصیص آیت مذکورہ بر مذہب مخالفین جائز نیست۔ چہ جائیکہ خبر واحد بثبوت نرسد، اما الحدیث الضعیف فکذب روایہ وفسقہ لایجبر بتعدد طرقہ کذا فی خلاصۃ الطیبی والسید وغیرہما من کتب الاصول پس حدیث لاجمعۃ ولاتشریق بسبب کذب وفسق راوی ضعیف شد ومعہذا موقوف است بر حضرت علیؓ والموقوف ھو مطلقا ما روی عن الصحابی من قول اوفعل متصلا کان او منقطعا وھو لیس بحجۃ علی الاصح کذا قال السید جمال الدین وھو لیس بحجۃ کذا فی مجمع البحار۔ فتاوی نذیریہ جلد اول ص۵۸۱

شیخ محمد نذیر حسین

سوال: اگر ایک گاؤں میں دو مسجدیں ہوں تو ان میں علیحدہ علیحدہ نماز جمعہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں، یا ایک ہی میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

الجواب: جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے تاکہ جماعت بڑی ہو۔

واللہ اعلم بالصواب، حررہ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۵۹۰)

معلوم ہوا کہ آنحضرت کے مدینہ پہنچتے ہی اسلام کو غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی حدود وقصاص کا اجرا کیا گیا تھا۔ لہٰذا حدیث لاجمعہ ولاتشریق سے استدلال بے محل ہے۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور اخبار آحاد دلیل قطعی کے نہ معارض ہو سکتی ہے اور نہ مخصص ہو سکتی جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں تصریح کی گئی ہے۔

سوال : اگر عیدین کے روز جمعہ پڑھا جائے تو جمعہ کی نماز درجہ معافی میں ہے یا جمعہ کی نماز عیدین کی نماز کے بعد پڑھنا ہوگا۔

جواب : یہ حدیث واقعی ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حکم دیہاتیوں کے لئے ہے۔ شہریوں کے لئے جمعہ فرض ہے۔ محدثین کہتے ہیں جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے پڑھنا جائز ہے۔ میرا بھی یہی مسلک ہے۔

شرفیہ : یہ بعض محدثین کا مسلک ہے۔ مگر دلائل میں کلام ہے بعض دلائل یہ ہیں : اجتمع عیدان علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم واحد فصلی لعید اول النہار فقال یا ایھا الناس ان ھذا یوم قد اجتمع لکم فیہ عیدان لمن احب ان یشھد معنا الجمعۃ فلیفعل ومن احب ان ینصرف فلیفعل رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ واحمد والحاکم من حدیث زید بن ارقم انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی العید ثم رخص فی الجمعۃ فقال من شاء ان یصلی فلیصل صحہ علی بن المدینی رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم من حدیث عطاء ان الزبیر فعل ذالک وانہ سأل ابن عباس فقال اصاب السنۃ وقال المنذر ھذا الحدیث لا یثبت وایاس بن ابی رملۃ راویہ عن زید مجھول ورواہ ابوداؤد وابن ماجۃ والحاکم من حدیث ابی صالح عن ابی ھریرۃ انہ قال قد اجتمع فی یومکم ھذا عیدان فمن شاء اجزاہ عن الجمعۃ وانا مجمعون وفی اسنادہ بقیۃ رواہ عن شعبۃ عن المغیرۃ الضبی عن عبد العزیز بن رفیع عن ابی صالح وصحح الدارقطنی ارسالہ لروایۃ حماد عن عبد العزیز عن ابی صالح وکذا صحح ابن حنبل ارسالہ ورواہ البیہقی من حدیث سفیان بن عیینۃ عن عبد العزیز موصولا مقیدا باھل العوالی واسنادہ ضعیف ووقع عند ابن ماجۃ عن ابی صالح عن ابن عباس بدل ابی ھریرۃ وھو وھم نبہ ھو علیہ ورواہ البخاری من قول عثمان ورواہ الحاکم من قول عمر بن الخطاب انتہی ما فی التلخیص الحبیر ص ۱۴۲ حاشیہ پر قول عثمان پر لکھا ہے مقید باھل العوالی یعنی اذن اہل عوالی کو دیا تھا نہ سب کو۔ اور قول عمر پر بدر کی تصریح لکھی ہے مگر حاکم کی روایت کو ابن منذر نے تو کہا ہے "لا یثبت فیہ راو مجھول" زید بن ارقم کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ ہے جو مجہول ہے اسی لئے ابن منذر نے اس کے بارے میں لا یثبت کہا ہے اور عطا والی روایت میں اسباط بن نصر کو کثیر الخطا یغرب لکھا ہے (تقریب التہذیب) نیز اسی میں سلیمان بن مہران اعمش مدلس ہے اور روایت عن سے ہے اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں کما فی اصول الحدیث اور عطا کی روایت ابن جریج سے بھی آئی ہے۔ اور ابن جریج بھی مدلس ہے اور روایت عن سے ہے لہٰذا غیر مقبول ہے " کان یدلس ویرسل " (تقریب التہذیب)

* عن ابی صالح بہ وتابعہ زیاد بن عبد اللہ البکائی * ایضا من حدیث ابن عمر واسنادہ ضعیف ورواہ الطبرانی من وجہ ...

ما اور ابوہریرہ والی روایت میں بقیہ بن ولید کثیر التدلیس من الضعفاء ہے۔ اور مغیرۃ الضبی بھی مدلس ہے اور روایت بھی عن سے ہے۔ تحدیث نہیں۔ نیل الاوطار میں عطاء والی روایت کے بارے میں رجالہٗ رجال الصحیح لکھا ہے مگر اعمش اور ابن جریج کی تدلیس اور منعنہ کا جواب کچھ نہیں دیا۔ لہٰذا اعتراض بحال رہا اور فعل ابن زبیر اور قول ابن عباس والی روایت کو نیل میں رجالہٗ رجال الصحیح لکھا ہے۔ مگر تقریب میں اس کو بخاری کی معلق روایات میں لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے صدوق رمی بالقدر ربما وہم من السادسۃ انتہیٰ لفظ ربما وہم سے کثیر الوہم ثابت ہوتا ہے۔ رب للتکثیر کثیر وللتقلیل قلیل اور یہ مقام بھی اسی قسم کا ہے اس لئے کہ عبداللہ بن زبیر کے وقت صدہا صحابہ موجود تھے، پھر جب ابن زبیر نے جمعہ نہ پڑھا باہر نکلے اور لوگوں نے تنہا تنہا اپنی اپنی نماز پڑھی کما فی روایۃ ابی داؤد اور کسی نے بھی ان کو مکان پر جاکر مطلع نہ کیا اور نہ انکی وجہ دریافت کی اور انہوں نے بھی عید کی نماز پڑھ کر لوگوں کو اس امر پر مطلع نہ کیا اور پھر عصر کے وقت بھی ان سے دریافت نہ کیا حتیٰ کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہ طائف سے واپس آئے تب دریافت کرنے سے انہوں نے "اصاب السنۃ" کہا گویا سب کے سب صحابہ اور تابعین صدہا بلکہ ہزاروں کی تعداد میں سب ہی بے خبر تھے صرف ابن الزبیر اور ابن عباس ہی اتنے بڑے واقعہ سے خبردار تھے۔ وہٰذا من العجائب اس لیے اس مسئلہ میں محدثین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی وجماعۃ من المحدثین اس کے خلاف ہیں۔ قال فی سبل السلام ذہب الشافعی وجماعۃ الی انہا ای صلوٰۃ الجمعۃ لاتصیر رخصۃ مستدلین بالدلیل وجوبہا عام لجمیع الایام وما ذکر من الاحادیث والآثار لا یقوی علی تخصیصہا لما فی اسانیدہا من المقال ثم قال صاحب السبل قلت حدیث زید بن ارقم قد صححہ ابن خزیمۃ ولم یطعن غیرہ فیہ فہو یصلح للتخصیص انتہی اقول قد تقدم انہ ضعفہ ابن المنذر وقال لا یثبت وفی سندہ ایاس ابن ابی رملۃ مجہول کیف وقد نقل صاحب سبل ایضاً قبلہ انہ قد ضعف الامام الشافعی وجماعۃ من المحدثین ہذہ الاحادیث والآثار لما فی اسانیدہا من المقال انتہی فکیف یقول صاحب السبل لم یطعن غیرہ فیہ وکیف یصلح للتخصیص کلا وحاشا وقد قال اللہ تعالیٰ لا تقف مالیس لک بہ علم ثم ذکر ولا علم فیہ قطعاً فلا یصلح للتخصیص اور جو فتاوے میں کہ حنفیہ کہتے ہیں یہ حکم دیہاتیوں کے لئے ہے الخ میں کہتا ہوں یہ حنفیہ ہی نہیں کہتے امام شافعی اور ایک جماعت محدثین بھی یہی کہتے ہیں اور خود صحیح بخاری میں حضرت عثمانؓ سے یہ امر مصرح ہے۔ صحیح بخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منہا میں ہے فی اثناء حدیث فقال ابو عبید ثم شہدت مع عثمان

ابن عفان وكان يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال يا ايها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان ينتظر الجمعة من اهل العوالي فلينتظر ومن احب ان يرجع فقد اذنت له قال ابو عبيد ثم شهدت مع علي بن ابي طالب فصلى قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهاكم ان تاكلوا لحوم نسككم فوق ثلاث الحديث قال في فتح الباري تحت هذا الحديث قوله ومن احب ان يرجع فقد اذنت له استدل به من قال بسقوط الجمعة عمن صلى العيد اذا وافق العيد يوم الجمعة وهو محكي عن احمد واجيب بان قوله اذنت له ليس فيه تصريح بعدم العود وايضا فظاهر الحديث في كونهم من اهل العوالي انهم لم يكونوا ممن تجب عليهم الجمعة لبعد منازلهم المسجد وقد ورد في اصل المسئلة حديث مرفوع انتهى ج ۱ ص ۲۲۲ میں کہتا ہوں اس سے واضح ہو گیا کہ چونکہ یہ دن عیدالاضحیٰ کا تھا اور اہل عوالی چار چار پانچ پانچ میل سے آٹھ آٹھ میل تک مدینہ منورہ آتے تھے اور جمعہ کی نماز بوقت ظہر مدینہ میں پڑھ کر آٹھ آٹھ میل تک جا کر قربانی کرنا اور پھر بطریق مسنون قربانی کے گوشت سے کھانا کھانا بہت ہی تکلیف دہ تھا اس لئے حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو اجازت دی کہ تم جاؤ جا کر قربانی کر کے نماز پڑھنا جیسے جمعہ کی نماز بھی بارہا وہیں پڑھا کرتے ہو پڑھنا اور پنج وقتہ جماعت بھی تو ہمیشہ وہیں کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ عوالی مدینہ سے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری جایا کرتے تھے جمعہ ہو یا ویسے ہی اخبار وحی کے معلوم کرنے کے لئے روزانہ نہیں جایا کرتے تھے۔ باب التناوب فی العلم الخ عن عمر قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیة بن زید وهی من عوالی المدينة وكنا نتناوب النزول على رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو ينزل يوما وانزل يوما فاذا نزلت جئته بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيرها واذا نزل فعل مثل ذلك الحديث ج ۱ ص ۱۹ وایضا فی ج ۱ ص ۳۳۳ و ج ۲ ص ۷۳۰

پس ثابت ہوا کہ چونکہ اہل عوالی سب ہی ہر جمعہ کو نہیں آیا کرتے تھے بعض آتے اور بعض اپنی اپنی بستیوں میں پنج وقتی نماز اور جمعہ پڑھتے تھے۔ پس انہیں کو آپ نے حکم دیا تھا کہ جاؤ قربانی میں بہت تاخیر ہو جائے گی تم اپنے گھروں میں اپنی بستیوں میں جمعہ پڑھنا اور ہم یہاں پڑھیں گے اور روایات مذکورہ بالا مرفوعاً اگر صحیح تسلیم کی جائیں تو ان کا مطلب بھی یہی ہو گا پس اسقاط جمعہ غلط اور فرضیت پہلے ہی ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے پھر وہ ایسے مشکوک ویے ثبوت دلائل سے کیسے ساقط ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔ لعل فیه کفایة لمن له درایة

واللہ یھدی من یشآء الی صراط مستقیم۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی کان اللہ لہ) فتاویٰ ثنائیہ ص۵۷۱

سوال: نماز جمعہ کے لئے خطیب دوسرا ہو سکتا ہے اور امام دوسرا۔

جواب: خطیب صاحب کو نماز جمعہ پڑھانے میں کوئی عذر ہو تو دوسرا شخص اس کی اجازت سے نماز پڑھا سکتا ہے بحکم قرآن مجید لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۷۶

سوال: جمعہ کے لئے امام خطبے پر کھڑا ہو تو سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے جب تم خطبے کی حالت میں آؤ تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔ (صحیح مسلم)

فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۸۵

سوال: دیہات کی مساجد میں نماز جمعہ ہونی چاہیے یا نہیں الخ

جواب: حنفی مذہب میں منع[1] ہے حدیث کی رو سے جائز ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۸۶

سوال: آلۂ آواز جس کو انگریزی میں لاؤڈ سپیکر کہتے ہیں وعظ اور خطبہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: لاؤڈ سپیکر رکھنا جائز ہے وہ انسانی آواز ہے جو بلند ہوا کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ علمائے کرام! امور مندرجہ ذیل کی اباحت وجواز یا حرمت کے متعلق تشریح فرماویں نیز ان مسائل کے بارے میں علمائے دین کا اگر کوئی فیصلہ ہو تو وہ بھی تحریر فرما دیں۔ جوابات مختصر نمبر وار ہوں۔ بینوا توجروا۔ ۱۔ موجودہ دور کی ایجادات زمن کے استعمال سے ارکانِ اسلام کی ادائیگی میں خلل کا اندیشہ نہ ہو، سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

۲۔ بدعت اور سنت میں کیا فرق ہے اگر زمانہ نبوی کے بعد کی ہر نئی چیز یا نیا کام بدعت ہے تو مسلمانوں کو عہد نبوی کے بعد کی اشیاء کا استعمال کیسا ہے اور ہر چیز میں اصل اباحت ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔

۳۔ مسلمانوں کو زمانہ نبوی سے مختلف زبان، لباس، خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت اختیار کرنے کے جواز پر کیا دلیل ہے؟

۴۔ دیگر قومیں اپنے خیالات و عقائد و مذاہب کی اشاعت کے لئے لاؤڈ سپیکر استعمال کرتی ہیں تاکہ ان کی آواز

[1] عدم جواز کی کوئی قطعی دلیل نہیں قرآن اور حدیث کے عمومات سے دیہات اور شہر سب مساوی ہیں جیسا کہ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل صاحب کے طویل مضمون میں گزر چکا ہے۔ (الراقم علی محمد سعیدی)

دور تک زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کانوں میں پہنچ سکے اور کچھ عرصہ سے مسلمان بھی اپنے مذہبی جلسوں میں استعمال کرتے ہیں اگر اسے جمعہ و عیدین کے خطبات میں بھی استعمال کیا جائے تاکہ خطبوں کی افادیت وسیع تر ہو سکے تو کیا یہ ناجائز ہے؟ اور کیا لوگوں کو ایسے جلسوں میں جانا بند کر دیا جائے جہاں علماء کے وعظ کے لئے لاؤڈ سپیکر لگا ہوا ہو۔

جواب ، منجانب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مدرس وخطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ

الجواب وباللہ التوفیق:۔ ۱ ایجادات سے استفادہ بلا کراہت درست ہے۔ ریل، ہوائی جہاز، ٹیلیفون لاؤڈ سپیکر وغیرہ اسی نوعیت کی اشیاء ہیں۔ جہاں تک اسلام اور دین کی اشاعت میں استفادہ ممکن ہو ان کا استعمال بلا نکیر درست ہے۔

۲ سنت اور بدعت میں فرق ایک مبسوط بحث ہے جس کے لئے شاطبی کی الاعتصام اور سید اسماعیل شہید کے رسالہ متعلقہ احکام تجہیز و تکفین کی طرف رجوع فرمائیں۔ مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ بدعت کا تصور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد الحدیث یعنی جو شخص امور دین میں اضافہ کرے اور دین کی متعین مقداروں پر اضافہ کرے اسے بدعت فرمایا گیا ہے۔ ایجادات حالیہ عن راسہا دین ہی نہیں۔ اس لئے ان سے استفادہ قطعاً بدعت کی تعریف میں نہیں آسکتا بلکہ ان کا تعلق انتم اعلم بامور دنیاکم سے ہے یہ دنیوی چیزیں ہم بطور افادہ دینی امور میں استعمال کر سکتے ہیں۔ سامان حرب میں دنیا بدل چکی ہے آج پرانے ہتھیاروں سے لڑنا اپنی موت کے محضر پر تصدیق کے مرادف ہے۔

۳ زبان، لباس، خوراک، طریقہ تجارت میں اسلام کی اساسی ہدایات کو پیش نظر رکھ کر ساری چیزیں استعمال ہو سکتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل والبس ما شئت ما اخطاتک اثنتان سرف ومخیلۃ (بخاری) کبر و اسراف سے بچتے ہوئے ہر چیز استعمال فرما سکتے ہیں۔ الحلال بین والحرام بین وسکت عن اشیاء من غیر نسیان۔ البتہ طریقہ معاشرت ایک عام لفظ ہے معلوم نہیں آپ کی کیا مراد ہے ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر اس سے مراد ہندوانہ بود و باش ہے تو یہ درست نہیں۔ اوضاع و اطوار میں دینی اوضاع کی پابندی ضروری ہے۔ دوسرے اوضاع کی طرف رجحان ذہنی شکست کی دلیل ہے۔

۴ لاؤڈ سپیکر کا استعمال تقاریر اور خطبوں میں یقیناً درست ہے۔ ہم لوگ تو یہاں نماز میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ بظاہر اس کے خلاف موہوم خطرات کے علاوہ کوئی شرعی دلیل میری نظر سے نہیں گزری۔ سنا ہے بعض علمائے دیوبند نے نماز میں استعمال کی مخالفت کی ہے۔ میری نظر سے ان کے دلائل نہیں گزرے۔ والسلام

محمد اسماعیل مدرس و خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ

جواب از مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی جے پوری شیخ الحدیث مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ

الجواب ۱ موجودہ دور کی ایجادات جن کا شرعاً استعمال کرنا درست نہ ہو وہ استعمال کر سکتے ہیں لقولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا الآیۃ یعنی جو چیزیں زمین میں پیدا کی گئی ہیں وہ سب تمہارے فائدے کے لئے ہیں۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ الآیۃ یعنی اللہ تعالیٰ وہ وہ سواریاں اور چیزیں پیدا کرے گا جن کا تم کو علم نہیں ہے۔ اس آیت میں آئندہ کی ایجادات موٹر، ہوائی جہاز، ٹینک، ریڈیو وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲ بدعت وہ عمل ہے جو دین میں ثواب سمجھ کر کیا جائے۔ ہر نئی ایجادات بدعت نہیں۔ لقولہ علیہ السلام من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد الحديث رواه البخاری۔ یعنی بدعت وہ امر ہے جو ہمارے دین میں نیا نکالا جائے جیسے بدعت عید میلاد و بدعات محرم و بدعت تقلید وغیرہ اور سنت وہ کام ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً وعملاً کیا ہو اور اس کو امت کے لئے دین قرار دیا ہو۔ اور آپ کا اسوۂ حسنہ ہو۔ لہٰذا مطلق نئی چیز بعد نبوت بدعت نہیں۔

۳ ہر ایک لباس خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت جو شرعاً منع نہ ہوں اور ان سے تشبہ بکفار لازم نہ آئے درست ہے۔ لقولہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ یعنی اے ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ ہیں ان کو اپنے پر حرام مت کرو۔ اور حکم خدا سے تجاوز نہ کرو اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے، كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا۔ الآیۃ اسلام کسی ہیئت لباس و خوراک و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت کلی سے نہیں روکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعاً کسی صورت ممانعت خاص کے تحت نہ ہو، اسلام نے کسی خاص ہیئت لباس و خوراک خصوصی و ذرائع تجارت و طریقہ معاشرت کو محدود و معین نہیں کیا ہے۔ ہاں تشبہ بالکفار والنسواں و اسبال وغیرہ سے منع کیا ہے۔ اس کا خیال رہے۔

۴ لاؤڈ سپیکر کو امتدادِ صوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جس جلسہ وعظ میں لاؤڈ سپیکر لگایا ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔ بیت اللہ میں بھی لبقوتے علاً لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ نماز و خطبہ ہوتا ہے۔ لاؤڈ سپیکر سے مقصود صرف آواز خطیب و واعظ پہنچانا ہے۔ یہ کوئی بے جا نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابو محمد عبدالجبار الکھنڈیلوی الجیفوری المدرس بدار العلوم الاحمدیۃ السلفیہ لہریا سرائے بدر بھنگہ۔

سوال: لاؤڈ سپیکر پر خطبہ دینا اور امام کا قرأت نماز ادا کرنا جائز ہے یا ناجائز نیز اگر ایسا کرے تو اس کی اور جماعت کی نماز ہو سکتی ہے یا نہ؟ (عبدالخالق سری نگر)

جواب: نیک نیتی سے جائز ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔

شرفیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے بڑا اجتماع حجۃ الوداع کا تھا اس میں آپ نے عید کے دن خطبہ فرمایا۔ تو آپ تقریر فرماتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ترجمان اور مبلغ تھے۔ عن رافع بن عمرو المزنی قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس بمنیٰ حین ارتفع الضحیٰ علی بغلۃ شہباء وعلی رضی اللہ عنہ یعبر عن الناس بینہ قائم وقاعد انتہی سنن ابی داؤد ص۲۷۱ وقال فی التنقیح رجالہ موثقون واخرجہ ایضا النسائی ص۳۸ سنت تو یہ تھی مگر چونکہ آج کل جدید لذیذ کی بلا عموم البلوٰی ہے اور بعض اصحاب نے جدل سے اباحت فرمائی ہے۔ خیر سنت نہ سہی اباحت ہی سہی مگر بیامر امام کو نماز میں جائز نہیں اس لئے کہ خطبہ میں تو مقصود اسماع سامعین ہے یعنی سب کو سنانا مقصود ہے اور نماز میں قرأت یا تکبیر میں بعض کا اسماع کافی ہے۔ اس لئے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور کی علالت کے وقت آپ امام تھے اور صدیق اکبر مکبر تھے کیونکہ آپ کی آواز پست تھی تکبیر بھی سب کو نہ سنی جاتی تھی اور حجۃ الوداع میں تکبیر کا ثبوت نہیں، ثابت ہوا کہ امام کی قرأت و تکبیر کا سب کو سنانا ضروری نہیں لہذا بلا ضرورت ایک چیز کو مقصود بنانا نماز میں لاؤڈ سپیکر لگانا تشریع جدید ہے۔ نیز آگے چل کر خطرہ جدید ہے کہ لوگ مقتدی اور امام اپنے اپنے گھروں میں اس کی اقتداء کر کے مساجد کو معطل کر دیں اور نماز کھیل بن جائے۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

لاؤڈ سپیکر کے جواز پر علمائے کرام کا عام طور پر اتفاق ہو چکا ہے، عدم جواز کے قائلین اس کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اس کے عدم جواز پر ممانعت پر کوئی دلیل ملتی ہے۔ (مفتی اہلحدیث سوہدرہ پنجاب پاکستان ص۴۴ ۱۹۵۱ء)

فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۹۰

سوال: ایک شخص جمعہ کے روز گھر سے مسجد میں آتے ہی چار رکعت صلوٰۃ التسبیح پڑھتا ہے اور دو رکعت سنت کو جمعہ سے پہلے نہیں پڑھتا آیا اس کو دو رکعت سنت پڑھنا ضروری ہے یا صلوٰۃ التسبیح؟

جواب: صلوٰۃ التسبیح کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے نہیں اور دوگانہ مسجد کا ثبوت صحیح روایت سے ہے یہاں تک کہ خطبہ کی حالت میں بھی پڑھ لینے کا حکم ہے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۹۱)

سوال: دیہات میں جمعہ پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ (شبیر علی)

جواب: جمعہ دیہات میں وجوباً و فرضاً پڑھنا چاہیے۔ اس لئے کہ ادلہ مثبت وجوب جمعہ عام ہیں جیسے قولہ علیہ السلام الجمعۃ واجب علی کل محتلم الحدیث رواہ ابوداود والنسائی شروط جمعہ جن سے دیہات کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے ثابت نہیں ہیں۔

شرفیہ: جمعہ اہل دیہات پر بھی فرض ہے اس لئے کہ آیت شریفہ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ الآیۃ میں شہری اور دیہاتی سب ہی شامل ہیں ایسے ہی حدیث نبوی لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات ..... او لیختمن اللہ علی قلوبھم الحدیث (صحیح مسلم) اس میں سب لوگ شامل ہیں، دیہاتی بھی شہری بھی سوائے عورت بچے مریض غلام کے سب پر جمعہ واجب یعنی فرض ہے۔ ابوداود، مشکوٰۃ ص ۱۲۱ ج ۱) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلا اور مدینہ کے درمیان ایک بستی رنگا وں میں جمعہ پڑھا۔ (سنن بیہقی وابن سعد) ایک مرسل میں ہے جمع فی سفر و خطب (مصنف عبدالرزاق) اور جواثی میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ آپ کے زمانہ میں صحابہؓ نے پڑھا تھا۔ (صحیح بخاری ص ۱۲۲ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمال کو خط لکھا ان جمعوا حیث ما کنتم اخرجہ سعید بن منصور انتہی روایات مذکورہ ملاحظہ ہوں۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۳۲ جلد اول و ص ۱۳۳) ابوسعید شرف الدین دہلوی (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۱۳)

سوال: حالت خطبہ میں بوجہ گرمی کے پنکھا کر لینا جائز ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے ایسا کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔

جواب: ایک حدیث میں آیا ہے بعض صحابہ گرمی میں مٹھی میں مٹی بھر لیتے اور سجدہ کرتے وقت ماتھے کے نیچے رکھ لیتے تاکہ ماتھے کو آرام پہنچے، اس حدیث سے اگر استنباط کیا جائے تو پنکھے سے آرام حاصل کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں ۱۳۳۲ھ میں کتب خانہ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی کے پاس جب میں ٹھہرا ہوا تھا کچھ آثار صحابہ یا تابعین میں نے قلمی کتابوں سے نقل کئے تھے جو اس وقت موجود تھیں۔ وہی کتب میں رہ گئے ان سے جواز ثابت ہوتا تھا۔ واللہ اعلم ابوسعید شرف الدین دہلوی (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۱۱)

سوال: جمعہ میں ایک شخص خطبہ پڑھ جائے اور دوسرا شخص نماز پڑھا دے (اور ایسا کبھی کبھی کرتے ہیں) تو ایسا کر سکتے ہیں اس کے ثبوت میں کوئی صحیح حدیث ہے اگر نہیں ہے تو ایسا کرنا بدعت ہے یا نہیں؟

جواب : ضرورت ہو تو جائز ہے، منع پر کوئی دلیل نہیں نہ اس کی مثال ملتی ہے اس لئے معفو عنہ ہے۔
(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۰۹)

سوال خطبے میں بزبان دیسی وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں ؟
جواب : ہے۔ حضور علیہ السلام خطبہ میں وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۶۰۹)

خطبہ جمعہ بجواب "حمایت اسلام" لاہور

اخبار حمایت اسلام لاہور میں ایک سوال چھپا تھا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ علماء کرام توجہ فرمائیں۔
"حمایتِ اسلام" کے کسی صفحہ پر یہ عنوان تھا "خطاب ترکی زبان میں" یہ خبر درج ہے کہ قسطنطنیہ کے پانچ علماء کی ایک جمعیت نے بزبان ترکی عیدین اور جمعہ کے دو خطبے تیار کئے ہیں جن کو آئندہ خطیب مساجد میں پڑھیں گے ان خطبات عالیات میں آیات و احادیث حمد و شکر کے بعد مسلمانوں کو شرعی احکام کی بنا پر اس امر کا جوش دلایا گیا کہ وہ ہوائی کمیٹی یتیم خانوں، شہداء کے بچوں، جمعیت حمایت اطفال، اور جمعیت ہلال احمر وغیرہ نیک کاموں کی طرف متوجہ ہوں، کہا جاتا ہے کہ وزیر دینیات کی منظوری کے بعد عنقریب ہی سرکاری فرمان جاری کر دیئے جائیں گے کہ تمام قلمروئے ترکیہ میں متفقہ خطبے پڑھے جائیں۔ اس خبر سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ (۱) علماء ترکیہ کے نزدیک خطبوں کا اس زبان میں ہونا لازمی اور لابدی ہے۔ جس کو سامعین سمجھ سکیں۔ ۲۔ خطبات میں ضروریات کا بیان ضروری جزو ہے۔ ہم اپنے علمائے کرام کی خدمت اقدس میں بصد آداب و نیاز گذارش کرتے ہیں کہ وہ اس امر پر غور فرمائیں کہ وہ ان دونوں باتوں میں سے ایک یا دونوں ہی اپنے ملک میں رائج کر سکتے ہیں یا نہیں یہ خیال ہے کہ یہاں خطبہ اردو زبان میں ہونا چاہیئے یا عربی میں۔ اس کا تعلق عالموں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان مادری زبان میں زیادہ سہولت سے سمجھ سکتا ہے۔ معاملہ بالکل صاف ہے۔ ہمارے دینی پیشوا اگر تھوڑی سی توجہ مبذول فرمائیں تو وہ چند ہفتوں میں ایسے خطبات تیار فرما سکتے ہیں جو قوم کو موجودہ مشکلات کے حل اور ضروریات کی تکمیل پر مائل و راغب کر سکتے ہیں۔ اُمید ہے کہ دیگر علماء کرام بالعموم اور جمعیت علماء بالخصوص ہماری عاجزانہ اور عامیانہ درخواست کو اپنی توجہ مبارکہ سے مشرف فرمائیں" (حمایت اسلام ۱۳ جنوری ۱۹۲۷ء ص۵)

اہلحدیث: مسلمانوں کی خوش قسمتی سے خطبہ کے متعلق بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ اس میں دیسی زبان میں وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں، حالانکہ خطیب کی ہیئت کو قبلہ کی طرف پیٹھ اور سامعین کی طرف منہ، ہاتھ میں عصا، سر و قد کھڑے ہو کر ایہا الناس ایہا الناس کہنا۔ اس پر شریعت کا یہ حکم کہ اثنا خطبہ میں خاموش رہ کر سنتے رہو، جو بولے وہ سخت گنہگار ہوگا۔ قطع نظر اور دلیل کے یہ صورت کہ دائی ہی بتا رہی ہے کہ خطیب کا خطبہ بغرض تفہیم ہے۔ اس شہادت اور قرینہ حالیہ کے بعد ہم اسوۂ حسنہ (سنت نبویہ) پر نظر کرتے ہیں تو وہاں ایک عجیب طریق خطبہ کا پاتے ہیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یقرأ القرآن ویذکر الناس (مشکوٰۃ باب الخطبہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے ان میں آپ قرآن شریف پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرماتے تھے۔"

یہ حدیث اپنا مضمون بتانے میں صاف اور صحیح ہے جو کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ خطبہ میں حضور علیہ السلام قرآن مجید پڑھ کر وعظ فرماتے تھے۔

یہ تو ہر ایک واقف اور ماہر قرآن پر واضح ہے کہ قرآن مجید میں ہر ضرورت کو پورا کرنے اور ہر مرض کی دوا بتائی گئی ہے۔ پس خطیب کو چاہیئے جیسا موسم اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق قرآن مجید سے حکم اور حکمت کی آیات پڑھ کر خطبہ میں وعظ فرما دیں اور بس، چنانچہ اہل حدیث کی مساجد میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بہت سے علمائے کرام نے سال بھر کے خطبے بھی بنائے ہیں۔ لیکن جن خطیبوں نے قرآن شریف بامعنی پڑھا ہو ان کو کوئی ضرورت نہیں ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ؛ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ایڈیٹر صاحب "حمایت اسلام" سے امید ہے کہ اس جواب کو اپنے پرچہ میں نقل کریں گے۔ ۲۳ رجب ۱۳۳۳ھ

مذاکرہ علمیہ بابت ترجمہ خطبہ

از مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری

مذاکرہ علمیہ بابت مسئلہ وعظ جمعہ مندرجہ اہلحدیث ۱۳؍ جلد ۹ مورخہ ۵ صفر ۱۳۳۱ھ۔ اس مسئلہ میں جہاں تک مجھے معلوم ہے، یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن مجید پڑھتے اور تذکیر فرماتے یعنی وعظ کہتے۔ جابر بن سمرہؓ سے صحیح مسلم میں مروی ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینهما یقرأ القرآن ویذکر الناس۔ اہلحدیث اور میری نظر سے یہ کہیں نہیں گزرا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد وعظ کہتے اور لوگوں کو اس کے لیے ٹھہراتے اور صیغہ امر آیت کریمہ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا میں ویسا ہی

ہے جیسا کہ آیت کریمہ فاذا حللتم فاصطادوا میں ہے یعنی اباحت کے لئے۔ وجوب کے لئے نہیں ہے، پس بعد نماز جمعہ ہر شخص کو مباح ہے کہ چلا جائے یا ٹھہرا رہے نہ چلا جانا ہی واجب نہ ٹھہر جانا ہی واجب اور نہ کوئی ان میں سے ممنوع۔ وعظ و تذکیر بعد نماز جمعہ کا وہی حکم ہے جو اور وقتوں کا ہے تو جس طرح اور وقتوں میں وعظ و تذکیر جائز ہے اسی طرح بعد نماز جمعہ بھی جائز ہے۔ تو اگر کوئی شخص بعد نماز جمعہ محض جواز کے خیال سے وعظ کہے اور دوسرے لوگ وعظ سننے کے لئے ٹھہر جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن جو شخص اس وعظ میں شامل نہ ہو اور بعد نماز جمعہ چلا جاوے اس کو زجر کرنا البتہ بیجا اور نا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبد اللہ از دہلی فتاویٰ ثنائیہ جلد اول

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ خطبہ جمعہ وغیرہ میں واسطے سمجھانے عربی نہ جاننے والوں کے خطبہ عربی کا اردو و پنجابی یا فارسی میں حسب حاجت ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اول وباللہ اصول ماہران شریعت پر مخفی نہیں کہ خطبہ لغت عربیہ میں وعظ و نصیحت کو کہتے ہیں جیسا کہ عبارات کتب لغت سے ظاہر ہے۔ الخطب والمخاطبة والتخاطب المراجعة فی الکلام و منه الخطبة و الخطبة لکن الخطبة تختص بالموعظة و الخطبة للطلب المرأة انتهی ما فی مفردات القرآن للامام راغب بن الحسین مختصر۔ خطبة بالضم، کلام کہ در ستائش خداوند نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم و موعظت خلق باشد نثر مسجع انتہی ما فی منتہی الارب الوعظ والموعظة هو مقترن بتخویف وقال الخلیل هو التذکیر بالخیر فیما یرق به القلب قال اللہ عزوجل یعظکم لعلکم تذکرون وقال قد جاءتکم موعظة من ربکم الی آخر ما فی مفردات القرآن۔ پس یہ بات ثابت ہوئی کہ خطبہ وعظ کو کہتے ہیں اور غرض و غایت درس و وعظ قرآن مجید و حدیث شریف سے یہ ہے کہ سامعین وعظ سن کر اس سے پند پذیر و عبرت گیر ہوں اور مطلب و معنی آیت وما انزلنا علیك الکتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه ومعنی الایة وانزلناه الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور وغیرها کے اسی پر دال ہیں کہ سامعین غیر عربی دان کو بدون سمجھانے معنی اور واقف کرانے اس کے عبارت درس و وعظ سے کچھ حاصل نہیں اسی لحاظ سے خدائے تعالیٰ نے فرمایا وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم الایة وبیان مستلزم تفہیم و تفہم کو ہے اور بغیر قصد تفہیم و تفہم کے درس و وعظ معرے عن المقصود ہوگا۔ کما لا یخفی علی المتامل اما بالنسبة الی عامة الخلق فهو انه تعالیٰ ذکر انه ما بعث رسولا الی قومه الا بلسان اولئك القوم فانه متی کان الامر کذلك کان فهمهم لاسرار تلك الشریعة

ودوقوفهم على حقائقها اسهل وعن الغلط والخطاء ابعد انتهى ما فى التفسير الكبير مختصرا قوله ليبين لهم ما امروا به فيتلقون منه بيسر وسرعة انتهى ما فى تفسير ابى السعود (الى ان) ثم ينقلوه و يترجموه لغيرهم انتهى ما فى البيضاوى اور فرمایا سورۂ نحل میں ان الله يامر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى يعظكم لعلكم تذكرون قوله لعلكم تذكرون ليس المراد منه الترجى والتمنى فان ذلك محال على الله تعالى فوجب ان يكون معناه ان الله تعالى يعظكم لارادة ان تذكروا طاعة انتهى ما فى التفسير الكبير لعلكم تذكرون طلبا لان تتعظوا بذلك انتهى ما فى تفسير ابى السعود۔ پس ان تفاسیر سے صاف ظاہر و واضح ہوا کہ بدون سمجھے معنی کے تذکر و اتعاظ متعذر و دشوار ہے۔

بنا بر اس کے ترجمہ وعظ و درس و خطبہ کا غیر عربی دان کے واسطے ضرور چاہیے اور وعظ و خطبہ بدون ترجمہ کے واسطے سامعین غیر عربی دان کے برائے نام ناکام و غرض ناتمام ہوگا۔ کیوں کہ درس و وعظ و خطبہ واسطے تفہیم و تفہم سامعین کے موضوع و مقرر ہوتا ہے کہ سامع بوجہ و سمجھ کر متنبہ ہو جاوے اور براہ راست آ جاوے اسی نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حج وغیرہ میں فرمایا فلیبلغ الشاهد الغائب اور بے سمجھے کیا پہنچاوے گا۔ قاضی بیضاوی نے لیبین لھم کے تحت تصریحا لکھ دیا فیتفهموه ثم ينقلون ويترجموا لغيرهم محض اس لئے کہ جب تک واعظ و خطیب کا وعظ و بیان سامعین کے مرکوز خاطر نہ ہوگا۔ محض لغو و بیکار ہوگا کیوں کہ جو غرض شارع کی اس خطبہ و وعظ سے تھی، وہ فوت ہوگئی۔ کما لا يخفى على المتأمل المتفطن اگر کوئی کہے کہ نماز میں بھی قاری کو چاہیے کہ مقتدی کے واسطے ترجمہ قراۃ کا کرے تاکہ وہ اس کے معنی سمجھ بوجھ لے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے کیوں کہ قرآن کا پڑھنا امام و مقتدی دونوں پر نماز میں واجب ہے۔ جب ارشاد خداوندکریم کے فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ پس امر وجوبی صیغہ فاقرؤوا سے واضح ہو کہ ہر قاری کو خواہ امام ہو یا مقتدی نظم قرآن کو خاص عربی منظم کا نام ہے جو بنقل و تواتر ہم تک پہنچا، پڑھنا ضرور و لابد ہے۔ اور زبان فارسی وغیرہ میں ترجمہ اس کا نماز میں کرے تو منقول خاص متواتر باقی نہ رہے گا۔ کیوں کہ اس پر اطلاق قرآن کا نہ ہوگا تو خلاف ماموربہ کا لازم ہوگا۔ پس اسی سبب سے ترجمہ قرآن کا نماز میں پڑھنا ممنوع و محظور ہوگا۔ کما لا يخفى على ماهرى الشريعة علاوہ ازیں نماز ذکر ہے اور خطبہ تذکیر ذکر اور تذکیر کا حکم ایک کب ہو سکتا ہے احناف کرام نے بھی خطبہ کو بزبان عربی منحصر نہ کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین اس پر متفق ہیں، و بعض حنفیہ نے لکھا ہے۔ کہ صاحبین نے وقت عجز جائز رکھا نہ بلا عجز۔ لیکن قول امام اعظم صاحب کا معتمد ہے۔

ثم لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلوة من انها غير شرط ولو

مع القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لھما الا عند شرطا ھا حیث عند العجز انتہی مافی الشامی قولہ وشرطا عجزہ للمتعین قولہ ای الامام ابی حنیفۃ انتہی مافی الطحطاوی۔ اگر ہر گاہ نص مذکور مساعد ترجمہ کا واسطے غیر عربی دان کے ہوا تو پھر اگلے پچھلے سے ہم کو باک نہیں۔ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون۔ واللہ اعلم وھو الموفق للصواب فلیعتبروا اولوا النھی والالباب۔

سید محمد نذیر حسین　　سید عبد السلام　　سید محمد ابو الحسن　　ھذا الجواب صواب لامریۃ فیہ واما

احتجاج المانعین للجواز بانہ لم ینقل الینا عن احد من السلف انہ ترجم بلسان الاعاجم فمنقوض بانہ لا یلزم من عدم النقل عدم الثبوت علی ان ما رواہ مسلم عن جابر بن سمرۃ من انہ کانت للنبی صلعم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القراٰن ویذکر الناس وفی روایۃ یعظھم صریح فی الجواز فان اثر الوعظ والتذکیر فی بلاد العجم لا یمکن حصولہ الا بالترجمۃ۔ عبد التواب

چونکہ خطبہ میں شارع کی طرف سے کوئی تعین کلمات کی وارد نہیں ہوئی بلکہ فقط حمد وثنا ربا ہوا لہ اور تذکیر بالقرآن اور امر بالمعروف وارد ہوا ہے اور تذکیر عوام اہل ہند کو بغیر ترجمہ کے ممکن نہیں اس لئے بموجب دلائل فوق سے بالاخطبہ میں ترجمہ قرآن کا کرنا اور وعظ کہنا اور امر بالمعروف کرنا زبان ہندی میں جائز ہے۔ فقط حررہ محمد تغمدہ اللہ الصمد بالرحمۃ والفضل المؤید　　خادم شریعت رسول الاواب ابو محمد عبد الوہاب

مقصود شارع کا شریعت خطبہ سے صرف پند وموعظت ہی ہے پس جب خطبہ اس مقصود سے خالی ہوگا، تو حقیقت میں وہ خطبہ ہی نہیں یوں ہی برائے نام بطور رسم سمجھا جائے گا، بیشک خطبہ میں وعظ جس زبان میں حاجت پوری کر سکتے ہیں کریں۔ جو لوگ خطبہ میں وعظ بزبان عجمی کرنے کے باوجود دوائی شدیدہ کے منع کرتے ہیں وہ مقصود خطبہ سمجھے سے بے خبر ہیں۔ فقط حررہ محمد ابراہیم بن مولوی احمد ساکن جزیرہ صبشان۔ جواب بہت ہی صحیح ہے۔ عبد الرحمن بن عبد الکریم

جواب: خطبہ جمعہ کا ہو خواہ کسی اور محل کا مقصود صرف وعظ وتذکیر ہے۔ پس اگر یہ وعظ تذکیر صرف عربی عبارت سے ہو سکے اور اس کو اکثر مخاطبین وحاضرین مجلس سمجھیں تو عربی پر اکتفا کرنا اولیٰ ہے۔ اور اگر اکثر مخاطب عربی نہ سمجھیں تو اس کا ترجمہ ہندی میں اور دوسری زبانوں میں جو مخاطب سمجھیں ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ سے روایت ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القراٰن ویذکر الناس نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ فیہ دلیل للشافعی فی انہ یشترط للخطبۃ الوعظ والقراۃ جو لوگ ہندیوں میں عربی نہ سمجھتے ہوں، صرف عربی خطبہ کو اکتفا کرنے کو واجب جانتے ہوں اور ترجمہ کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، وہ

خطبکی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور مقصود شرع سے بے خبر ہیں۔ اس باب میں ایک مفصل اشاعۃ السنۃ شائع ہوگا۔ اس لئے اس مقام میں زیادہ تفصیل نہیں ہوئی۔ (ابو سعید محمد حسین)

ان الحکم الا للہ اگر کوئی شخص اس طور پر خطبہ پڑھے کہ اس میں عبارات عربی مثل آیات قرآنی اور احادیث اور ادعیہ ماثورہ کچھ نہیں ہوں تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔ اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ عبارات عربیہ کو بھی پڑھے۔ اور اس کے بعد اس کا ترجمہ کر دے تاکہ عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچے یہ صورت جواز کی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القران ویذکر الناس۔ جب تک ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ تو عوام الناس کیوں کر سمجھیں گے اور تذکیر کا اختصاص بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس مقام میں کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کافی ووافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق العظیم آبادی عفی عنہ

ابو الطیب محمد شمس الحق   محمد اشرف عفی عنہ   ابو عبد اللہ محمد ادریس

شرفیہ: خطبہ جمعہ کا مقصد حاضرین نمازیوں کی زبان میں ان کو اللہ و رسول کی باتیں قرآن پاک و احادیث سے سنانا ہے جس پر یہ حدیث دال ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القران ویذکر الناس رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۱۲۳ ج ۱) اور یہ بدیہی امر ہے کہ تذکیر بلا تفہیم سامعین نہیں ہو سکتی اس لئے جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں عربی سے ان کی تفہیم کا حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ جب تک آیات قرآنی کا مطلب خود ان کی زبان میں ان کو نہ سمجھایا جائے لہذا ایسا خطبہ جس کو سامعین سمجھ ہی نہ سکیں فضول ہے اور خلاف شرع بھی کیوں کہ شارع علیہ السلام کا جو مقصد عظیم ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ لہذا دیسی زبان میں سمجھانا لازم ہے اور خلاف اس کا باطل۔ (ابو سعید شرف الدین دہلوی) فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۲۸

سوال: ظہر احتیاطی کیا ہے وہ کب پڑھنی چاہیئے؟

جواب: ظہر احتیاطی یہ ہے کہ جمعہ کے دوگانہ کے بعد چار رکعتیں اس نیت سے پڑھتے ہیں کہ جمعہ اگر جائز نہ ہو تو یہ چار رکعتیں ظہر کی ہو جاویں یہ بدعت ہے اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے نہیں، فقہ کی معتبر کتاب درمختار میں منع لکھا ہے۔ (نوٹ) ۱۳ مارچ ۱۹۲۵ء کے اہلحدیث میں حضرت مرحوم کے اس فتوے پر مولانا محمد شفیع صاحب نے ایک طویل تعاقب فرمایا اور آیات قرآنیہ کی روشنی میں اس پر عالمانہ تنقید فرمائی ہے۔ حضرت مرحوم نے مولانا

محمد شفیع صاحب کے تعاقب پر جو فاضلانہ نوٹ دیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

اتباع نبی ہر طرح سے فرض ہے اس میں کوئی کلام نہیں مراتب احکام کا لحاظ بھی اتباع میں داخل ہے۔ کیا مسواک اور فرض نماز دونوں باتباع نبی نہیں کیے جاتے لیکن ایک کا ترک جائز ہے بلکہ ہم روزانہ (فی وقت ما) کرتے ہیں مگر دوسرے (نماز) کا نہیں کرتے تو کیا اتباع سنت کے یہ معنی ہیں کہ مسواک کا ترک کسی حال میں جائز نہیں۔ اب سنئے میری دلیل۔ عن ابی ھریرۃ قال اتی اعرابی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل اذا عملتہ دخلت الجنۃ فقال تعبد اللہ ولا تشرک بہ شیئا وتقیم الصلوٰۃ المکتوبۃ (متفق علیہ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا اللہ کی عبادت کرنے سے تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ہذا ما ادعیت فالحمد للہ فافہم (۱۲ / مارچ ۱۹۲۵ء) اسی فتوے پر دوسرا تعاقب از قلم مولانا عبید اللہ صاحب اہلحدیث ۲۷ / جون ۱۹۲۹ء میں ملاحظہ فرمائیے۔ چونکہ حضرت الاستاذ مولانا شرف الدین صاحب نے حق تنقید ادا کر دیا ہے۔ اور حضرت مفتی مرحوم بھی بہترین فاضلانہ نوٹ ان تنقیدات پر حوالہ قلم فرما چکے ہیں اس لئے ان تنقیدی مضامین کو حسب ارشاد حضرت مولانا شرف الدین صاحب مدظلہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ ۱۲ محمد داؤد راز فتاوٰے ثنائیہ جلد اول صـ ۴۲۴

سوال: زید کہتا ہے جب امام خطبہ دے رہا ہو جمعہ کے دن اس وقت کوئی آ جائے تو اس کو چاہیے بموجب حدیث شریف دو رکعت پڑھ کر بیٹھے۔ بکر کہتا ہے خطبہ کی حالت میں جمعہ کے دن نماز پڑھنی منع ہے۔

جواب: بکر کا قول غلط اور مخالف حدیث ہے۔ زید کا قول صحیح ہے۔ حدیث شریف میں ہے :۔ اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَالْاِمَامُ یَخْطُبُ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ وَلْیَتَجَوَّزْ فِیْھِمَا (مسلم صـ ۲۸۷ جلد اول) یعنی جو شخص تم میں سے مسجد میں جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ سنا رہا ہو تو دو رکعت ہلکی پڑھ کر بیٹھے۔ نسائی اور ترمذی میں ہے کہ نبی علیہ السلام جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص آیا اور ویسے ہی بیٹھ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے دو رکعتیں پڑھ لیں؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لے۔ پھر خطبہ سننے کے لئے بیٹھ۔ ان تمام تصریحات کے بموجب بکر کا قول باطل اور زید کا قول صحیح ہے۔ (فتاوٰے ستاریہ جلد اول صـ ۳۹)

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یا صحابہ کرامؓ و تبع تابعینؒ و ائمہ دینؒ کے زمانے میں عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کرتی تھیں یا نہیں؟ اگر ان کی عید و جمعہ مردوں سے علیحدہ پڑھنا ثابت نہیں تو اب جو عورتیں مردوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز مردوں کی طرح خطبہ پڑھ کر پڑھتی پڑھاتی ہیں کیا ان کا یہ کام سنت کے موافق ہے یا بدعت؟ اگر بدعت ہے تو بتلایئے اب عورتیں کس جگہ جمعہ یا دونوں عیدوں کی نماز پڑھا کریں؟

بینوا توجروا۔ (محمد داؤد دو نوٹیاں والی ضلع شیخوپورہ)

الجواب بعون الوهاب : جمعہ کی نماز چونکہ پانچ وقتی نمازوں میں داخل ہے اس لئے اس کا حکم پانچ نمازوں کا ہوگا سوائے باتوں کے جن کی خصوصیت حدیث نے کر دی، جیسے جمعہ کے لئے جماعت ضروری ہے۔ پانچ وقتی نمازیں اگر جماعت نہ ملے تو اکیلا ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے جن جن باتوں کا ذکر احادیث میں آگیا ہے ان میں نماز جمعہ باقی نمازوں سے ممتاز ہوگی۔ ان کے علاوہ سب باتوں میں نماز جمعہ کا حکم وہی ہوگا۔ جو پانچ نمازوں کا ہے۔ اب پانچ نمازیں عورتوں کے لئے گھر میں بہتر ہے۔ اگر دوسری جگہ پڑھیں تو جائز ہیں خواہ کسی مرد کے ساتھ پڑھیں یا کسی عورت کے ساتھ کیوں کہ عورتوں کی امامت آپس میں صحیح ہے۔

رہا عید کا حکم، تو اس کی تاکید حدیث میں بہت آئی ہے۔ اس لئے گھر میں نہیں پڑھنی چاہیئے بلکہ جہاں سب جاتے ہیں وہاں چلے جانا ہی بہتر ہے۔ اور نماز عید وہاں ہی ادا کرنی چاہیئے۔

حضرت العلام محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ تنظیم اہلحدیث جلد ۲ ش ۳۲

نماز جمعہ کی فضیلت

جمعہ کا دن نہایت بزرگ ہے۔ اور اس کی فضیلت بہت بلند ہے۔ اور مومنوں کے لیے عید ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ کہ جس نے تین جمعہ بلا عذر ناغہ کیے اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور اس کے دل کو زنگ لگ گیا۔ (کیمیائے سعادت صفحہ ۲۱۱)

(مؤلف امام غزالی علیہ الرحمۃ)

سوال : زید کہتا ہے کہ آدمی جنگل میں یا کھیت میں سخت ضرورت کے سبب گاؤں میں حاضر نہ ہو سکتا ہو۔

تو اپنے کھیت میں اکیلا جمعہ پڑھے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔
اوّل، عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ امام شوکانی کشف الغمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ ابن عباس سے کسی نے سوال کیا کہ اگر کوئی آدمی اکیلا اپنے کھیت میں جمعہ پڑھے تو کیا حکم ہے آپ نے فرمایا لا حرج۔ ابن زبیر کے زمانہ میں عید و جمعہ اکٹھے آگئے تو ابن زبیر جمعہ کو زوال کے پڑھ لیا۔
ابوداؤد اور بخاری میں ہے کہ جمعہ کے دن بارش ہوئی تو ابن عباسؓ نے مؤذن کو کہا الصلوٰۃ فی بیوتکم کہو۔ شاید انہوں نے اپنے گھروں میں ہی جمعہ پڑھا ہو۔
تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ بکریوں والا جو پہاڑی پر رہتا تھا، ہو سکتا ہے کہ وہ جمعہ اکیلا پڑھ لیتا ہو۔
واختلفوا فی مصداق لفظ الجماعۃ قال الحافظ فی فتح الباری شرح البخاری فیہ خمسۃ عشر مذہبا احدہا تقوم من الواحد نقلہا ابن حزم والیہ ذہب القاشانی والحسن بن صالح الخ دلیل آیت شریفہ کفرتم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانہم کانوا مجرمین۔ اس آیت میں ایک آدمی کو اللہ تعالےٰ نے جماعت فرمایا ہے۔ زید یہ دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اشد ضرورت والا اپنے کھیت میں یا اکیلا آدمی ہے۔ اس کے گاؤں میں بالکل جمعہ ہوتا ہی نہیں اور دوسری جگہ جا نہیں سکتا تو ایسی ضرورت میں اکیلا جمعہ کی تکبیر بلند کہہ کر بطور جماعت کے پڑھ لے۔ تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔
عمرو کہتا ہے کہ ایک آدمی کو مطلقاً ہرگز ہرگز جمعہ جائز نہیں۔ تمام اہل اسلام کے برخلاف ہے اجماع کے برخلاف ہے۔ آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی برخلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے۔ دو ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے۔ اکیلا ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔ فقط
سوال یہ ہے کہ زید و عمرو دونوں میں سے حق پر کون ہے۔ اکیلا جمعہ پڑھے تو جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب؛ مشکوٰۃ میں ہے۔ عن طارق بن شہابؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا علی اربعۃ عبد مملوك او امرأۃ اوصبی او مریض رواہ ابو داؤد وفی شرح السنۃ بلفظ المصابیح عن رجل من بنی وائل (مشکوٰۃ باب وجوبہا)
یعنی نبی علیہ السلام نے فرمایا چار کے سوا ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ حق واجب ہے۔ صرف غلام عورت، لڑکا۔ بیمار اس حکم سے خارج ہیں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت ضروری ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لا مستند لصحتہا من الواحد المنفرد واما من قال انھا تصح باثنین فاستدل بان العدد واجب بالحدیث والاجماع ورای انہ لم یثبت دلیل علی اشتراط عدد مخصوص وقد صحت الجماعۃ فی سائر الصلوات باثنین ولا فرق بینہا وبین الجماعۃ ولم یات نص من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بان الجمعۃ لا تنعقد الا بکذا و ھذا القول ھو الراجح عندی (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱) یعنی اکیلے کے جمعہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اور جو کہتے ہیں کم از کم دو کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے (اوپر کی) حدیث اور اجماع سے استدلال کیا ہے۔ حدیث اور اجماع دونوں سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور کسی حدیث میں عدد کی تعیین نہیں آئی۔ اور باقی نمازوں میں دو کی جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ کی بھی ادنیٰ درجے سے جماعت ہو جائے گی۔ اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔

نیز امام شوکانی دراری المضیہ شرح درر البہیہ میں اور نواب صدیق الحسن روضۃ الندیہ شرح درر البہیہ لکھتے ہیں:۔ لولا حدیث طارق بن شہاب المذکور قریبا من تقیید الوجوب علی کل مسلم بکونہ فی جماعۃ ومن عدم اقامتہا صلی اللہ علیہ وسلم فی زمنہ فی غیر جماعۃ لکان فعلہا فرادی مجزئا کغیرھا من الصلوات (ص ۹۵)

یعنی اگر طارق بن شہاب کی حدیث نہ ہوتی جس نے جمعہ کو جماعت میں واجب کہا ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ پڑھنے کا ذکر نہ ہوتا تو جیسے اور نمازیں اکیلے اکیلے ہو جاتی ہیں۔ جمعہ بھی اکیلے اکیلے جائز ہوتا مگر حدیث مذکور اور آپ کا ہمیشہ جماعت میں پڑھنا اکیلے کے جمعہ صحیح ہونے سے مانع ہے۔

زید نے اپنے دعوے کے جتنے بھی دلائل دیے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اس بارہ میں صریح نہیں کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ عید جمعہ کے اکٹھا ہونے کے دن ابن زبیر رضؓ کے جمعہ پڑھنے کا کہیں ذکر نہیں پھر صحابی کا قول فعل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔ اسی طرح بارش کی روایت میں اور پہاڑی پر رہنے والے کی حدیث میں جمعہ پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں پھر گھروں میں کئی آدمی ہوتے ہیں۔ اکیلے ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

رہا ابن عباس کا قول جو کشف الغمہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے امام شوکانی رحہ کے نزدیک صحت کو نہیں پہنچا۔ ورنہ نیل الاوطار کی عبارت میں جماعت کی شرط پر اجماع نقل نہ کرتے۔ پھر یہ حدیث کے خلاف ہے اسلئے بھی اس کا اعتبار نہیں۔ اس کے علاوہ کشف الغمہ میں جو ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکیلے کا حقیقت میں جمعہ نہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک جو جمعہ نہ پائے وہ دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور چار بھی پڑھ سکتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک جس کو جمعہ نہ ملے اس پر چار رکعت ضروری نہیں۔ چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ سئل ابن عباس رجل صلی الجمعۃ فی بستان فرادی فقال لا حرج اذا قام شعار الجمعۃ بغیرہ (کشف الغمہ ص۱۳۳)

یعنی ابن عباسؓ سے ایک شخص کی بابت سوال ہوا جو اکیلا اپنے باغ میں جمعہ پڑھے تو فرمایا کوئی حرج نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بغیر جمعہ کا شعار قائم ہو۔ جمعہ کا شعار قائم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باجماعت خطبہ کے ساتھ اس کے بغیر وہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس صورت میں (بوجہ دوری) کے باغ میں اکیلا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔

اس عبارت کا مطلب صاف ہے۔ کہ اس کی دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہیں۔ ورنہ اس کے بغیر جمعہ کے شعار قائم ہونے کی شرط قائم نہ کرتے۔ ابن عباسؓ نے یہ شرط اس لئے کی ہے کہ اس کے اکیلے خطبہ پڑھنے کا تو کچھ معنی ہی نہیں۔ کیونکہ خطبہ خطاب سے ہے۔ جو مخاطب کو چاہتا ہے تو صرف دو رکعت بغیر جماعت کے ہوئیں۔ پس جب یہ دو رکعت حقیقت میں جمعہ نہ ہوئیں تو یہ کہنا کہ ابن عباسؓ کا مذہب ہے۔ کہ اکیلے کا جمعہ ہو جاتا ہے یہ صحیح نہ ہوا بلکہ اس کا مآل اس طرف ہوا کہ جو جمعہ نہ پا سکے وہ جمعہ کے دن کتنی رکعت پڑھے۔ ابن عباسؓ کا مذہب ہے کہ دو رکعت پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں۔ چار پڑھے اور حدیث کی رو سے یہی صحیح ہے ملاحظہ ہو (مشکوۃ باب الخطبہ)

اور زید کا یہ کہنا کہ جماعت کا استعمال ایک میں بھی ہوتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ جس کی کئی وجہیں ہیں ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث ہے۔ اثنان فما فوقھما جماعۃ یعنی دو۔ پس دو سے زیادہ جماعت ہیں اور بخاریؒ نے اس پر باب باندھا ہے۔

دوم، جماعت کا لفظ اجتماع کو چاہتا ہے۔ ایک شے کے اجتماع کا کچھ معنی نہیں۔ اور آیت مذکورہ میں حالانکہ لفظ اجتماع کو نہیں چاہتا۔ اس لئے اس کا استعمال ایک میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے اصل معنی متکفل کے ہیں۔ خواہ ایک شخص ہو یا زیادہ ہوں۔

سوم، طارق بن شہابؓ کی حدیث میں جماعت کی شرط کرنا فضول جاتا ہے۔ اگر ایک کا جمعہ ہو جاتا، تو جماعت کے لفظ کی ضرورت نہ تھی۔

چہارم، طارق بن شہاب کی حدیث میں کلمۃ فی ہے۔ جس کے معنی اندر کے ہیں۔ اور اندر تبھی ہوگا،

جب کم سے کم دو ہوں۔ گویا ایک یہ ہوا اور ایک دوسرا ہو تو دونوں کے مجموعے سے جماعت بن گئی۔ اب ہر ایک کو اس جماعت کے اندر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے نحوی کہتے ہیں " الکلام ما تضمن کلمتین " یعنی کلام وہ ہے جس کے اندر دو کلمے ہوں حالانکہ کلام اصل میں دو کلموں سے بنتی ہے۔ تو یہاں اندر کہنے کی وجہ یہی ہے کہ اکیلا اکیلا کلمہ دو کے مجموعے کے اندر ہے بس اسی طرح اس حدیث میں سمجھنا چاہیئے۔ اگر کوئی صاحب کہیں کہ فرشتے اور جن شریک ہو جاتے ہیں اس سے جماعت کا حکم ادا ہو جاتا ہے۔ جیسے بعض روایتوں میں اس شخص کی نسبت اللہ کے لشکر فرشتوں، جنوں کے ساتھ ہونے کا ذکر آیا ہے جو جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے۔ ملاحظہ ہو ترغیب منذری (باب الصلوٰۃ فی الفلاۃ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد ثواب جماعت ہے۔ جیسے حدیث میں آتا ہے۔ کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے۔ یعنی حج کا ثواب مل جاتا ہے نہ یہ کہ حج کا فرض اس کے ذمہ سے اتر گیا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں کے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ نیز فرشتوں جنوں کا شریک ہونا ایک باطنی معاملہ ہے۔ ظاہری احکام کا تعلق اس سے نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ ایک شخص ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا۔ اس خیال سے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا کہ فرشتے اور جن آملیں گے۔ اسی طرح کوئی شخص اکیلا صف کے پیچھے کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سے کوئی ہے۔ جو ثواب حاصل کرے یعنی اس کے ساتھ شامل ہو کر جماعت کرا دے تو حضرت ابو بکر رضؓ کھڑے ہو کر شامل ہو گئے۔ (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۹)

اسی طرح اگر ہمارے احکام فرشتوں، جنوں سے تعلق رکھتے تو حضرت یا کسی اور کے ساتھ شامل ہونے کی ضرورت نہ ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ نے شرط کی ہے کہ شعار جمعہ کسی اور سے قائم ہو۔ اگر فرشتوں اور جنوں سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا تو اس شرط کی کیا ضرورت تھی؟ اور حدیث میں بھی جماعت کے شرط کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ کیونکہ جب جن فرشتے شامل ہو جاتے ہیں اور ان کے شامل ہونے سے جماعت کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ تو آپ کا یہ فرمانا فضول ہے۔ کہ ہر مسلمان پر جماعت میں جمعہ واجب ہے۔ غرض جنوں فرشتوں کا شامل ہونا ایک باطنی معاملہ ہے ظاہری احکام کی بنا اس پر نہیں رکھی جا سکتی۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے۔ کہ کوئی شخص جنگل میں اذان دے کر نماز پڑھے تو اس کی حرص کی وجہ سے فرشتوں، جنوں کا شامل ہونا اس کیلئے جماعت کے ثواب کا سبب بن جاتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں صبح کی نماز سے آفتاب نکلنے تک ذکر الٰہی کرنے والوں کے ساتھ بیٹھوں تو میرے نزدیک اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کرنے

سے بہتر ہے۔ اسی طرح عصر سے مغرب تک فرمایا۔ (مشکوۃ باب الذکر بعد الصلوۃ)

حاصل کسی کے ذمہ غلام کا کفارہ ہو تو وہ اس ذکر سے ادا نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح فرشتوں جیتوں کے شریک ہونے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے۔ جماعت کا حکم ادا نہیں ہوتا۔

(مولانا) عبد اللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث ص۳۴۲)

سوال: قریہ واحد میں متعدد جگہ جمعہ پڑھنا اور خطبہ جمعہ میں تیسیر تذکیر بالقرآن والحدیث بعض سورۃ قرآنیہ واشعار پنجابیہ جن میں مسائل مفیدہ موعظہ بطرز شاعر ہوتے ہیں۔ پڑھ کر اکتفا کرنا اور جامع مسجد جو اکبر المساجد ہے اس میں حاضر ہو کر ذکر اللہ نہ سننا یہ طریق جائز و درست ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مولوی عبد القادر حصاری نے تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو دلیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ اہل عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ لہٰذا ایک شہر میں یا قریب قریب دیہات میں الگ الگ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ اس سے پہلے یہ لکھا ہے کہ تعامل قرون ثلاثہ کا اس امر کی تصریح ہے کہ جہاں اقامت جمعہ ہو وہاں سب کے سب مسلمانوں کی جماعت یکجا ہو کر جمعہ پڑھے جہاں دو ہوں وہاں دو پڑھیں کیوں کہ "الاثنان فما فوقهما جماعة۔" یعنی دو یا دو سے زیادہ جماعت ہیں۔ جہاں دو سے زیادہ تین یا پانچ حتیٰ کہ پچاس یا سو یا دو سو یا ہزار تک ہوں گے۔ اس جماعت پر بحالت مجموعی جمعہ فرض ہوگا۔ فرداً فرداً گروہ ہو کر اپنے گھروں اور محلوں میں پڑھنا جائز ہوگا۔ بلکہ سب جماعت اسلامی کو جمعہ کی مسجد دوسری مسجدوں سے ممتاز اور ایک جدا معین کرنے پڑے گی جس میں مسلمانوں کو ایک نماز پڑھنے سے پانچ سو نمازوں کا ثواب ہوگا۔ یہ نہیں کہ ہر محلہ میں جامع مسجد ہوگی کیوں کہ جامع مسجد کا لفظ عبادۃ حدیث میں ہے کل مسجد پر بولا گیا ہے۔ جو غیریت کو چاہتا ہے اور مفہوم ہوتا ہے کہ جمعہ ایک جامعین ہونا مشروع ہے۔ اور جمعہ کے معنی بھی جمع ہونے کے ہیں۔ کہ اس روز اہل اسلام کا اجتماع خاص ہوتا ہے یعنی سب یکجا جمع ہوتے ہیں۔ منتشر ٹکڑا ٹکڑا کہ وہ اجتماع خاص نہیں ہے۔ (ملخص)

جواب: محدث روپڑی فرماتے ہیں کہ بڑی دلیل تعدد جمعہ کے عدم جواز کی جو آپ نے پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں جمعہ ایک جگہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ عوالی بھی جمعہ آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سو یہ دلیل اس صورت میں مکمل ہو سکتی ہے۔ کہ فعل سے شرط ہونا ثابت ہو جائے گا مگر ظاہر ہے کہ فعل شرط

ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر شرط ہونے پر دلالت کرتا تو حضرت علیؓ کمزوروں کو مسجد میں الگ عید پڑھانے کے لئے کسی کو مقرر نہ کرتے کیوں کہ اس سے پہلے کمزوروں کی رعایت سے عید دو جگہ نہیں ہوتی مگر حضرت علیؓ نے دو جگہ کردی۔ پس ثابت ہوا کہ ایک جگہ ہونا شرط نہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ فعل شرط پر دلالت نہیں کرتا۔ ذی الحلیفہ مدینہ منورہ سے سات میل ہے اور بعض عوالی آٹھ میل تھے اور چار میل تک تو کثرت سے ہیں چنانچہ عون المعبود وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے۔ تو اب تین صورتیں ہیں کہ اتنی دور سے جمعہ کو آنا یا تو اس لئے ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں یا اس لئے کہ آٹھ میل تک تعدد جمعہ جائز نہیں یا وہ لوگ جمعہ پڑھنے فضیلت کے لئے آتے تھے۔ پہلی صورت صحیح نہیں کیوں کہ گاؤں میں جمعہ صحیح ہے اور دوسری بھی صحیح نہیں کیوں کہ حدیث میں آیا ہے:۔

الجمعة علی کل من سمع النداء (ابوداؤد) یعنی جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جو اذان سنے۔

اور قرآن مجید میں ہے:۔ یاایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع یعنی اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو۔ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ اس آیت سے جمعہ کو آنا اس وقت لازم ہے جب اذان ہو جائے۔ اگر سات آٹھ کوس سے جمعہ کو آنا ضروری ہو تو پھر صبح سے چلنا ہوگا۔ حالاں کہ یہ آیت کے خلاف ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری جزء ۳ صفحہ ۱۹۸

پس جب پہلی دو صورتیں صحیح نہ ہوئیں تو تیسری صورت متعین ہوگی کہ فضیلت کے لئے آتے تھے پس ثابت ہوا کہ تعدد جمعہ جائز ہے۔ نیز مسلم میں حدیث ہے:۔

کان الناس ینتابون الجمعة من منازلھم ومن العوالی (مسلم صفحہ ۲۸۰)

یعنی لوگ اپنے گھروں سے اور عوالی سے یکے بعد دیگرے جمعہ کو آتے تھے۔

اس حدیث میں عوالی سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ اور گھروں سے آنے کا الگ ذکر ہے۔ گھروں سے آنے والوں میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں جب اہل عوالی کا محض فضیلت کے لئے آنا ثابت ہوا تو تمام اہل مدینہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے آکر جمعہ پڑھنا بھی محض فضیلت کے لئے ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک شہر میں بھی تعدد جمعہ جائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں دو جگہ جمعہ نہیں ہوا یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تعدد جمعہ ثابت ہے۔

رسائل الارکان میں ہے:۔

ولنا ما صح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یتعدد الجمعة وھذا الاثر

صححہ ابن تیمیۃ فی منہاج السنۃ (رسائل الارکان ص۱۱)

یعنی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعدد جمعہ کا امر فرمایا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ ابن تیمیہ نے اس کو منہاج السنۃ میں صحیح کہا ہے۔

نواب صاحب السراج الوہاج شرح مختصر صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

فاما تعدد الجمعات فی مصر واحد فہذہ المسئلۃ قد اشتہرت بین اہل المذاہب وتکلموا فیہا وصنف فیہا من صنف وہی مبنیۃ علی غیر اساس ولیس علیہا اثارۃ من علم قط وماظنہ بعض المتکلمین فیہا من کونہ دلیلا علیہا ہو بمعزل عن الدلالۃ وما اوقعہم فی ہذہ الاقوال الفاسدۃ الا ما زعموہ من الشروط التی اشترطوہا بلا دلیل ولا شبہۃ دلیل فالحاصل ان صلوٰۃ الجماعۃ صلوٰۃ من الصلوات یجوز ان تقام فی وقت واحد جمع متعددۃ فی مصر واحد کما تقام جماعات سائر الصلوٰت فی المصر الواحد ولو کانت المساجد متلاصقۃ ومن زعم خلاف ہذا کان مستند زعمہ مجرد الرای فلیس ذالک حجۃ علی احد وان کان مستند زعمہ الروایۃ فلا روایۃ ہذا ما افادہ العلامۃ الشوکانی فی کتاب السیل الجرار رحمۃ اللہ (السراج الوہاج ص۲) یعنی ایک شہر میں تعدد جمعہ کا مسئلہ اہل مذاہب میں بہت مشہور ہے اس لئے انہوں نے بحث کی ہے اور کتابیں لکھی ہیں اور یہ مسئلہ کسی بنیاد پر قائم نہیں ہوا نہ اس پر کوئی دلیل ہے اور جس کو بعض نے دلیل خیال کیا ہے وہ دلیل ہونے سے دور ہے اور اس قسم کے فاسدہ اقوال کے وہ صرف اس لئے قائل ہوئے ہیں کہ انہوں نے حسب زعم جمعہ کو کئی شرطوں سے مشروط کر رکھا ہے۔ حالاں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل کا شائبہ بھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ نمازوں سے ایک نماز ہے۔ اس کے جواز تعدد میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے باقی نمازوں کی متعدد جماعتیں جائز ہیں۔ اگرچہ مسجدیں قریب قریب ہوں اور جس نے اس کے خلاف خیال کیا۔ اگر اس کا اعتماد صرف رائے پر ہو تو کسی پر حجت نہیں۔ اور اگر کسی روایت پر اعتماد ہو تو ایسی کوئی روایت نہیں جو تعدد کو منع کرے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے السیل الجرار میں اس طرح لکھا ہے۔

نواب صاحب اور علامہ شوکانی ؒ کے لکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سب کا مل کر جمعہ پڑھنا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اہل عوالی کو مدینہ اگر جمعہ پڑھنے کی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کہہ سکتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے براہ راست وعظ سننے اور احکام سیکھنے کے لئے

آتے تھے۔ بعد کے زمانہ میں تو بڑی وجہ فضیلت ہی بنتی ہے پس نواب صاحب اور علامہ شوکانی فضیلت کی نفی نہیں کر سکتے بلکہ ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک جگہ پڑھنا شرط نہیں۔ جیسے دوسری نمازوں میں یہ شرط نہیں اگر کہا جائے کہ پانچ نمازوں کا ایک جگہ ہونا یہ بھی فضیلت ہے۔ تو پھر اہل عوالی اور مدینہ کی دوسری مسجدوں والے پانچوں نمازیں ایک جگہ کیوں نہیں پڑھتے تھے ؟ تو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دور دور سے ہفتہ میں ایک دفعہ اکٹھے ہونا تو معمولی بات ہے۔ روزمرہ اور دن بھی پانچ وقت اکٹھے ہونا مشکل ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے اپنی نمازوں میں سے کچھ گھروں میں کرو۔ (مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی فرض مسجدوں میں پڑھو اور نفل گھروں میں۔ اس طرح خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ محلہ محلہ میں اذان ہو۔ اور جماعتیں قائم ہوں۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان ینظف وان یطیب مشکوٰۃ باب المساجد) یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور ان کو صاف رکھنے اور خوشبو لگانے کا ارشاد فرمایا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جمعہ کا ایک ہونا اگرچہ شرط نہیں لیکن وعظ وغیرہ کے اہتمام کے لئے سب کا ایک جگہ جمعہ پڑھنا ایک اہم امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ وقتی نماز کی جماعت نہ ملے تو اکیلے کی بھی ہو جاتی ہے لیکن جمعہ اکیلے کا نہیں ہوتا۔ پس جب جمعہ میں وعظ وغیرہ کی خاطر جماعت کا اہتمام زیادہ ہو تو اس میں اکٹھ کی اہمیت زیادہ ہوگی اس لئے اہل عوالی اور مدینے والے دور دور سے آکر شریک ہوتے اور حضرت عمر رضہ نے بھی اسی اہتمام کی وجہ سے ابو موسیٰ رضہ وغیرہ کو لکھا کہ جمعہ کے دن اکٹھے ہو جایا کرو۔ اور اہل قباء کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد نبوی میں آنے کا ارشاد فرمایا اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اس کی وجہ بھی یہی زیادت اہتمام ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمعہ کا ایک جگہ ہونا ایک اہم امر ہے۔ اور اس کی فضیلت بڑی ہے۔ لیکن شرط نہیں۔ راجح مذہب یہی ہے ہاں کوئی احتیاط کرے تو الگ چیز ہے۔ واللہ الموفق عبداللہ امرتسری

فتاوٰے اہل حدیث ص۴۲۹

سوال: ایک صحابی جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہیں تو دوسرے صحابی فرماتے ہیں کہ آج کا تمہارا خطبہ نہایت فصیح و بلیغ تھا مگر مختصر۔ اگر میں ہوتا تو اس کو بہت طول کرتا۔ اس کے جواب میں خطیب صحابی نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ خطبہ جمعہ کو مختصر کرو اور نماز کو طول کرو۔ اور یہ کہ خطبہ کو مختصر کرنا خطیب کی دانائی کی علامت ہے۔ لہٰذا جواباً تحریر فرمادیں کہ مقدار وقت کے لحاظ سے صحیح طور سے خطبہ کس قدر ہونا چاہیے ؟ اور

نماز جمعہ روزانہ ظہر کی نماز کے اوقات میں ہونی چاہیے یا اس سے پہلے یا اگر دیر میں ہو تو یہ سب سنت کے مطابق نماز ہوگی۔ اور خطبہ مختصر کے ساتھ ہی نماز کو طول کرنے کے بیان کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر نماز میں بیس منٹ کی ہو تو خطبہ اس سے دو چار منٹ چھوٹا ہونا چاہیے یا اس کے سوا کوئی مطلب ہو سکتا ہے۔ آج کل اکثر جگہ اہلحدیث میں یہ طریق رائج ہے۔ کہ جمعہ کا خطبہ قریب قریب ایک گھنٹہ کے ہوتا ہے۔ اور نماز تمام دس منٹ میں ہو جاتی ہے۔ کیا اس قسم کا خطبہ سنت کے مطابق ہوگا۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟ (جواب مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری)

جواب ۔احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ مختصر پڑھتے تھے اور کسی حدیث صحیح وصریح سے خطبہ جمعہ کا طویل پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے۔

عن جابر بن سمرة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه كان لا يطيل الموعظة يوم الجمعة انما هي كلمات يسيرات. یعنی جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ کو طویل نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کا خطبہ جمعہ صرف چند کلمات سہل اور آسان ہوتا تھا۔

صحیح مسلم ہے۔ قال ابو وائل خطبنا عمار فاوجز وابلغ فلما نزل قلنا يا ابا اليقظان لقد ابلغت واوجزت فلو كنت تنفست فقال اني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة

یعنی ابو وائل نے کہا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ہم کو خطبہ دیا جو مختصر اور بلیغ تھا۔ جب وہ ممبر سے اترے تو ہم نے کہا کہ اے ابوالیقظان آپ نے خطبہ نہایت بلیغ فرمایا۔ مگر مختصر پس آپ اگر خطبہ کو طول کے ہوتے تو خوب ہوتا۔ تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے۔ کہ آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے پس نماز کو طویل کیا کرو۔ اور خطبہ کو مختصر۔

یہ حدیث اگرچہ مطلق خطبہ کے بارے میں ہے اور اس میں جمعہ کے خطبہ کی قید نہیں ہے لیکن یہ حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی مختصر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور سائل نے جو اس حدیث کے ترجمہ میں خطبہ جمعہ کی قید لگائی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور واضح ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث مرفوع میں مطلق خطبہ اور وعظ کا مختصر کرنا اور مطلق نماز طویل کرنے کا ذکر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ خطیب کو مطلق خطبہ کا جمعہ ہو یا غیر جمعہ کا مختصر دینا

چاہیئے اور مطلق نماز جمعہ کی ہو یا غیر جمعہ کی، طویل کرنی چاہیئے۔ میرے نزدیک اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز جمعہ کو بہ نسبت خطبہ جمعہ کے طویل کرنا چاہیئے اور خطبہ جمعہ کو بہ نسبت نماز جمعہ کے مختصر کرنا چاہیئے۔ نیز واضح رہے کہ اس حدیث میں اگرچہ مطلق خطبہ کے مختصر دینے کا حکم ہے مگر خاص ضرورت کے وقت طویل خطبہ دینا بھی غیر نماز جمعہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور جب جماعت میں بوڑھے، ضعیف، بیمار لوگ موجود ہوں تو امام کو نماز میں تخفیف کرنے کا حکم ہے۔ الحاصل خطبۂ جمعہ کا طویل پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نفی ثابت ہے۔ ہاں جابر بن سمرہ کی حدیث سے مطلق خطبہ کا متوسط ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:۔ عن جابر بن سمرة قال کنت اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکانت صلاته قصدا وخطبته قصدا۔

یعنی جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز متوسط ہوتی تھی یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل آپ کا خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا۔ یعنی نہ بہت مختصر نہ بہت طویل۔

پس جابر بن سمرہؓ کی اس حدیث کے اطلاق سے خطبہ جمعہ کا بھی متوسط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو کچھ احادیث صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ زوال آفتاب کے بعد خطبہ شروع کرنا چاہیئے اور مختصر یا متوسط خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ پڑھنی چاہیئے۔

عبدالرحمٰن مبارکپوری (شارح ترمذی)

محدث روپڑی

محدث روپڑیؒ نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے جواب میں بہت تفصیل کی ہے اور بتلایا ہے۔ کہ خطبہ چھوٹا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ عام وعظوں کی نسبت چھوٹا ہونا چاہیئے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کیوں کہ ہفتہ کے بعد ایک دن اسی خاطر مقرر کیا گیا ہے اگر آٹھ دس منٹ پر اکتفا کی جائے تو بہت لوگ خطبہ سے محروم رہ جائیں گے۔ کسی کے وضو کرتے کرتے خطبہ ہو جائے گا کسی کے دو رکعت پڑھتے پڑھتے خطیب فارغ ہو جائے گا۔

مسلم میں حدیث ہے کہ جب خطبہ کی حالت میں کوئی آئے دو رکعت ہلکی پڑھ لے اگر خطبہ دو رکعت سے لمبا نہ ہو تو اس حکم کی تعمیل مشکل ہے۔ نیز خطبہ کے دو حصے کر کے درمیان میں بیٹھنا یہ بھی چاہتا ہے کہ خطبہ نماز سے چھوٹا مراد نہیں کیوں کہ یہ بیٹھنا راحت کا ہے۔

نیز مشکوٰۃ باب الخطبہ میں حدیث ہے کہ خطبہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی۔ اور بہت جوش میں آجاتے اور ظاہر ہے کہ ایسا جوش آٹھ دس منٹ میں پیدا ہونا مشکل ہے۔ نیز مسلم میں حدیث ہے ابو رفاعہؓ کہتے ہیں۔ میں نے خطبہ میں سوال کیا کہ میں دین سے ناواقف ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے آپ کے لئے کرسی لائی گئی آپ نے اس پر بیٹھ کر مجھے کچھ باتیں سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی تھیں پھر واپس آکر خطبہ پورا کیا۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کچھ لمبا ہوتا ہے۔ اگر آٹھ دس منٹ ہوتا تو فارغ ہو کر ابو رفاعہؓ کی حاجت روائی کرتے خطبہ توڑنے کی ضرورت نہ تھی۔[1]

نیز مشکوٰۃ باب التنظیف میں حدیث ہے۔ جب جمعہ کے دن نیند آئے تو اپنی جگہ بدل دے۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ میں کچھ طول دے کیوں کہ نیند عموماً زیادہ دیر تک بیٹھنے سے آتی ہے اس کے علاوہ اس کی مؤید دارمی کی حدیث اس بارہ میں صریح آئی ہے جو مع سند مندرج ذیل ہے۔

اخبرنا محمد بن حميد ثنا تميم بن عبد المؤمن ثنا صالح بن حيان حدثني ابن بريدة عن ابيه قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب قام فاطال القيام فكان يشق عليه قيامه فاتى بجذع نخلة فحفر له واقيم الى جنبه قائما للنبي صلى الله عليه وسلم اذا خطب فطال القيام عليه استند اليه فاتكأ عليه فبصر به رجل كان ورد المدينة فرآه قائما الى جنب ذلك الجذع فقال لمن يليه من الناس لو اعلم ان محمدا يحمدني في شيء يرفق به لصنعت له مجلسا يقوم عليه فان شاء جلس ما شاء وان شاء قام فبلغ ذالك النبي صلى الله عليه وسلم فقال ائتوني به فأتوه به فامر ان يصنع له هذه المراقي الثلث او الاربع هي الآن في منبر المدينة فوجد النبي صلى الله عليه وسلم في ذالك راحة فلما فارق النبي صلى الله عليه وسلم الجذع وعمد الى هذه التي صنعت له جزع الجذع فحن كما تحن الناقة حين فارق النبي صلى الله عليه وسلم بزعم ابن بريدة عن ابيه ان النبي صلى الله عليه وسلم حين سمع حنين الجذع رجع اليه فوضع يده عليه وقال اختر ان اغرسك في المكان الذي كنت فيه فتكون كما كنت وان شئت ان اغرسك في الجنة فتشرب من انهارها وعيونها فيحسن نبتك وتثمر فيأكل اولياء الله من ثمرتك ونخلك فعلت فزعم انه سمع من النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول له نعم قد فعلت مرتين فسأل النبي صلى الله عليه وسلم فقال اختار ان اغرسه في الجنة۔ (باب اکرم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحنین المنبر)

[1] یہ خطبہ مطلق ہے خطبہ جمعہ کا [illegible] ۱۲

یعنی ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تو بہت دیر کھڑے رہتے اور اس سے مشقت پاتے۔ آپ کے لئے ایک تنا کھجور کا لایا گیا اور گڑھا کھود کر ایک طرف کھڑا کیا گیا جب آپ خطبہ پڑھتے اور دیر تک کھڑے رہتے تو اس سے ٹیک لگا لیتے۔ ایک شخص مدینہ میں آیا۔ اس نے یہ حال دیکھ کر اپنے پاس کے لوگوں کو کہا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آرام کی شے کو پسند کریں گے تو میں آپ کیلئے ممبر تیار کر دوں۔ جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھیں اگر چاہیں کھڑے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو اس کو بلا کر ممبر بنانے کو کہہ دیا۔ جب ممبر تیار ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دور ہو گئی اور آپ ممبر پر بیٹھے تو تنہ آپ کی جدائی میں رو دیا۔ جیسے اونٹنی درد سے آواز نکالتی ہے۔ آپ ممبر سے اتر کر تنہ کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا دو باتوں سے ایک بات پسند کر لے۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے وہیں گاڑھ دوں گا جہاں پہلے تھا اور پہلے کی طرح کھجور کا درخت ہو جائے گا۔ اور اگر تو چاہے تو میں تجھ کو جنت میں لگا دوں اور جنت کی نہروں اور چشموں سے پیئے گا۔ اور بہت عمدہ اُگے گا۔ اور پھلدار ہو جائے گا۔ اور تیرے پھل اور کھجور سے اولیاء اللہ کھائیں گے راوی بریدہ کہتے ہیں تنے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر دو مرتبہ کہا مجھے منظور ہے۔ راوی نے حضور سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تنا نے اس بات کو پسند کیا کہ میں اس کو جنت میں لگا دوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ آپ بہت دیر تک قیام کرتے اور خطبہ میں طول دیتے پس خطبہ کے چھوٹا ہونے کا یہ معنی لینا کہ خطبہ نماز سے چھوٹا ہو یہ کسی صورت صحیح نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ عام دنوں کی نسبت خطبہ چھوٹا ہونا چاہیئے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاوٰی اہلحدیث ص۳۵۳

سوال۔ ایک مولوی صاحب سے سوال کیا گیا کہ اگر جمعہ فرض ہوتا تو اس کی عدم ادائیگی پر قضا لازم آتی۔ یعنی کسی آدمی کا جمعہ رہ جاتا تو وہ جمعہ کی قضا بھی کرتا۔ حالاں کہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ظہر پڑھتا ہے معلوم ہوا جمعہ فرض نہیں۔

میں نے جواب دیا کہ اس کی فرضیت کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجماع امت سے ہو چکی ہے جو تمہارے گھر کی ہی کتابیں ثابت کر رہی ہیں۔ دوسرا اس کی فرضیت کے لئے جماعت شرط ہے۔ جیسا کہ حدیث طارق بن شہاب الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ موجود ہے یعنی ہر مسلمان پر جماعت میں حق و واجب ہے۔ اور شرط و مشروط لازم و ملزوم ہوا کرتی ہیں۔ جہاں شرط وہاں مشروط۔ جیسا کہ وضو نماز کے واسطے

شرط ہے۔ بلا وضو نماز نہیں ہوتی اسی طرح ایک نفر کا جمعہ نہیں ہوتا کیوں کہ جماعت کی شرط موجود ہے۔ یہ جواب ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب: قضا جمعہ کے متعلق جو کچھ آپ نے فرمایا ہے نہایت معقول ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ قضا اس شے کی ہوتی ہے جس کا بدل نہ ہو مثلاً ظہار میں روزے نہ رکھ سکے تو اس کے عوض ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے۔ گویا کھانا روزوں کے قائم مقام ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس کا جمعہ رہ جائے اس کو ظہر کا حکم ہے۔ کیوں ظہر اس کا بدل ہے۔ اب قضا کی ضرورت نہیں۔ دواؤں میں بھی اگر ایک دوا نہ ملے تو بہت دفعہ اس کا بدل دوسری دوا کام دے جاتی ہے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاویٰ علمائے حدیث ص۳۵۸

سوال: جمعہ قبل از زوال درست ہے یا نہیں؟

جواب: اس مسئلہ میں ائمہ دین میں سے امام احمد اور امام اسحاق اور ان کے بعض اتباع بدلیل مفہوم احادیث صحیحہ ومنطوق آثار صحابہ رضی اللہ عنہم جواز کی طرف گئے ہیں چنانچہ سید عبدالقادر جیلانی جمعہ کی نماز کا قبل از زوال صحیح یا درست ہونا بدیں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں:۔ ووقتها قبل الزوال فی الوقت الذی تقام فیه صلوٰۃ العید (غنیہ)

یعنی وقت جمعہ کا زوال سے پہلے وہی وقت ہے جس میں عید کی نماز ادا کی جاتی ہے۔

علماء اہل حدیث میں سے شیخ محی الدین مؤلف البلاغ المبین بحوالہ دراری المضیہ مجتہد یمانی امام شوکانیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں اور تحقیق وارد ہوئی وہ چیز کہ دلالت کرتی ہے۔ اس بات پر کہ تحقیق جمعہ پڑھنا کفایت کرتا ہے قبل زوال کے جیسا کہ بخاری میں روایت ہے۔ انس بن مالک سے اور مثل اس کی حدیث سہل بن سعد کی ہے۔ صحیحین میں اور ثابت ہوا بیچ صحیح کے تشریح ہے۔ کہ تحقیق صحابہؓ نماز پڑھتے تھے جمعہ کی قبل ڈھلنے سورج کے۔ پس تحقیق گئے ہیں طرف اس بات کی احمد بن حنبل اور حق یہی ہے۔ (البلاغ المبین)

سید علامہ نواب صدیق حسن خان مسک الختام میں فرماتے ہیں کہ حدیث جابر بروایت مسلم دلیل واضح ہے۔ امام احمد کے مذہب پر اور مولانا وحید الزمان صاحب محدث حیدر آبادی شارح صحاح ستہ تیسیر الباری شرح صحیح بخاری میں حدیث انسؓ اور حدیث سہل بن سعدؓ کی دو توجیہیں بیان کرتے ہیں ایک موافق مذہب امام احمد کے دوسری موافق جمہور کے باب وقت الجمعہ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول ہے کہ جمعہ زوال کے پہلے بھی درست ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور کئی صحابہ سلف سے

ایسا منقول ہے اور حدیث حین تمیل الشمس کی تشریح لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ آنحضرت اکثر ایسا کیا کرتے مگر یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زوال سے پہلے جمعہ درست نہیں۔

انوار اللغۃ حصہ دوم ص۳ میں لکھتے ہیں کہ حنابلہ اور بعض اہلحدیث کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے بھی درست ہے اور خلفاء راشدین سے بھی ایسا ہی منقول ہے اور حصہ پنجم ص۶ میں تحریر فرماتے ہیں کہ محققین اہلحدیث نے اس کو جائز رکھا ہے خصوصاً جب گرمی کی شدت ہو یا کوئی عذر ہو۔

زبدۃ المرام ترجمہ عمدۃ الاحکام میں جس کی تصدیق حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی نے فرمائی ہے۔ حدیث سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی تحت میں لکھا ہے۔ کہ قبل از زوال جمعہ ادا کرنا بھی بعض کا مذہب ہے۔ امام احمد اور امام اسحاق بھی اس طرف گئے ہیں۔ الی قولہ حدیث میں غور کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض جمعہ مثلاً ہر دو خطبہ یا ایک یا بعض اس کا ضرور قبل زوال ہوتا تھا۔ (صفحہ ۹ کتاب مذکور)

مولوی سید محمد حسین شاہ صاحب مرحوم سرگروہ اہلحدیث کشمیر اپنی کتاب صلوٰۃ المحدثین میں لکھتے ہیں:۔

کہ اے نمازی تجھے اختیار ہے کہ جمعہ چاہے زوال سے پیچھے پڑھ لے یا پہلے اور نواب صاحب موعظۃ الحسنہ میں قبل از زوال نماز جمعہ کا ثبوت فرماتے ہیں اور شوکانی صاحب نیل الاوطار میں اور ابن قیمؒ ہدی میں خوب وضاحت فرماتے ہیں۔ پس انہی جیسے بزرگوں کی شہادت پر اعتماد کر کے میرے والد ماجد سلمہ اللہ نے اس کو جائز مان لیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ اب اتنے بزرگوں کو العیاذ باللہ بے عقل یا نادانی کی طرف منسوب کرنا اہل علم و عقل سے بمراحل بعید ہے اور خلاف جمہور کا الزام دینے والا مسئول ہونے کے وقت بیسیوں مسائل میں خود ملزم ثابت ہو جائے گا۔ (ابو البشیر عبد الغنی الشوپیانی)

محدث روپڑی

مولوی عبد الغنی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کہ امام احمدؒ وغیرہ قبل از زوال جمعہ کے قائل ہیں اور بعض اہلحدیث بھی اس طرف گئے ہیں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور دلیل ان کی وہی روایات ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اگر کوئی قبل از زوال جمعہ پڑھ لے تو اس پر طعن نہ کرنا چاہیے کیوں کہ یہ اختلاف سلف کی حدود میں ہے۔ ہاں احتیاط اسی میں ہے۔ کہ بعد از زوال پڑھا جائے کیوں کہ جمعہ فرض ہے اور فرض کا معاملہ نازک ہے اور جن احادیث سے امام احمدؒ وغیرہ استدلال کرتے ہیں ان میں بعد از زوال کا بھی احتمال ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام احمدؒ وغیرہ اگرچہ قبل از زوال کے قائل ہیں لیکن بعد از زوال کے بھی قائل ہیں تو گویا بعد از زوال

متفق وقت ہے۔ اور قبل از زوال اختلافی ہے۔ اس لئے احتیاط بعد از زوال ہی میں ہے۔ تاکہ فرض کی ادائیگی میں کوئی کھٹکا نہ رہے۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری فتاوٰے اہلحدیث ص۳۵۸

سوال: خطیب خطبہ کر رہا ہو۔ اس حالت میں السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہ؟

جواب: خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے۔ حالتِ وضو میں بات چیت کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی۔ ہاں فضول باتوں سے پرہیز بہتر ہے۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث ص۳۶۵)

سوال: خطبہ جمعہ کی نسبت امام نووی اذکار ص۵ میں لکھتے ہیں:- ویشترط کونھا بالعربیۃ ھکذا فی منہاج الطالبین ص۱۵ اور شیخ الاسلام زکریا انصاری متن المنہج ص۱۹ میں لکھتے ہیں وشرط کونھما عربتین اور ان کے سوا اور علمائے شافعیہ فرماتے ہیں اور حنابلہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلی مصفی ص۱۵۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کا رواج عربی میں ہمیشہ سے ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

"عربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق و مغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند"

اب سوال یہ ہے کہ ان عبارات سے غیر لسان عرب میں خطبہ جمعہ پڑھنا ایک فعل محدث ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ نمبر۲ بہتیرے امور محدثہ کہے جاتے ہیں وہ اسی وجہ سے کہ وہ از منہ مشہود لہا بالخیر سے متواتر نہیں۔ پس خطبہ جمعہ غیر لسان عرب میں جو از منہ مشہود لہا بالخیر سے متواتر ہے۔ اس کو کیوں محدث نہیں کہا جا سکتا؟ نمبر۳:- یہ اردو خطبہ کس وقت سے جاری ہوا؟

نمبر۴: یہ عربی خطبہ جو ہمیشہ سے جاری ہے جس کو عوام نہیں سمجھتے، شرعاً ادا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

نمبر۵:- نماز میں علاوہ دعا ماثورہ اگر کوئی شخص اپنی زبان اردو یا فارسی میں کوئی دعا پڑھے تو یہ جائز ہے یا نہیں، دونوں شقوں کا جواب مدلل مطلوب ہے؟

جواب، ہر محدث کام بدعت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دین میں داخل ہو۔ اگر دین میں داخل نہ ہو تو وہ بدعت نہیں۔ جیسے علم معانی۔ بیان، عروض وغیرہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہ ہو۔ اگر شریعت میں اس کا ثبوت ہو تو وہ بھی بدعت نہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی نے تراویح کی بابت فرمایا۔ نعمت البدعۃ ھذہ۔ یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات پڑھ کر فرضیت کے خوف سے ترک کر دی تھیں۔ اسی طرح تعدد جمعہ (یعنی شہر میں کئی جمعہ پڑھنے) کی بابت صحیح مسلک یہی ہے کہ درست ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی کے زمانہ میں اور حضرت عمر رضی کے زمانہ میں اور حضرت عثمان رضی کے زمانہ میں ایک ہی جگہ ہوتا رہا متعدد جگہ نہیں ہوا۔ اسیطرح خطبہ جمعہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت علی رضی سے متعدد جمعہ کی بابت مروی ہے کہ انہوں نے تعدد جمعہ کا حکم کیا۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں ذکر کیا ہے۔ اس لئے یہ محدث نہ رہا۔ بخلاف خطبہ کے غیر عربی ہونے کی کونسی روایت ہے تو جواباً عرض ہے۔ کہ خطبہ جمعہ غیر عربی میں ہونے کی بابت ارشاد نبوی موجود ہے۔ مسلم وغیرہ میں حدیث خطبہ جمعہ میں ہے۔

یقرأ القرآن ویذکر الناس (منتقی)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو وعظ کرتے۔

اور ظاہر ہے کہ افہام (سمجھانا) نہ ہو تو وعظ ہی نہیں۔

اس کے علاوہ مسلم اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ کرتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ غصہ سخت ہو جاتا اور آواز بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ فوج دشمن سے ڈرانے والے ہیں۔ جو کہتا ہے صبح کو لوٹا تمہیں شام کو لوٹا تمہیں۔

اسی بنا پر نواب صاحب روضۃ الندیہ کے صفحہ ۹۰ میں لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان الخطبۃ المشروعۃ ھی ما کان یعتادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترغیب الناس وترھیبھم فھذا فی الحقیقۃ روح الخطبۃ الذی لاجلہ شرعت واما اشتراط الحمد للہ او الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او قراءۃ شئی من القرآن فجمیعہ خارج من معظم المقصود من شرعیۃ الخطبۃ۔ انتہی

یعنی مشروع خطبہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو رغبت دیتے اور ڈراتے۔ پس یہ درحقیقت خطبہ کی جان ہے جس کی خاطر خطبہ کا حکم ہوا۔ اور خدا کی تعریف کی شرط

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کی شرط اور قرآن مجید پڑھنے کی شرط اصل مقصود خطبہ سے خارج ہے۔ جب اصل مقصد ہی لوگوں کو وعظ ہے تو مخاطب لوگوں کی زبان کا لحاظ ضروری ہوا۔ بلکہ خود خطبہ کا لفظ بھی اسی کو چاہتا ہے کیوں کہ مخاطب سمجھتا نہ ہو تو اس کو مخاطب کرنے کے کچھ معنی ہی نہیں بعض لوگ جو خطبہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں اور دلیل اس کی حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت پیش کرتے ہیں جو مصنف ابی ابن شیبہ میں ہے کہ انما جعل الخطبۃ مکان الرکعتین یعنی خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو یہ ان کی غلطی ہے کیوں کہ ایک شے کا دوسرے کے قائم مقام ہونا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر طرح اس کے حکم میں ہو جائے۔ مثلاً بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ نماز پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھی جب آپؐ نے ہجرت کی تو چار رکعت ہو گئی مگر سفر کی بدستور دو رکعت ہی رہی اور مغرب کی تین رکعت رہی کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی دو رکعت رہی کیوں کہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ دیکھئے اس حدیث میں لمبی قرأۃ کو دو رکعت کے قائم مقام دیا قرار دیا ہے۔ حالانکہ دو رکعت جو زیادہ ہوئی ہیں وہ فرض ہیں اور فجر میں کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں بلکہ خود حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کے ساتھ پڑھائی ہے ٹھیک اسی طرح خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر حکم میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں بلکہ بعض باتوں میں ہے۔ مثلاً ضروری ہونے میں نماز کی طرح ہے۔ یعنی خطبہ کے بغیر نماز جمعہ نہیں ہو سکتی یا جیسے نماز میں دوسرے سے بات چیت منع ہے اور کوئی فضول حرکت جائز نہیں اسی طرح خطبہ کے سننے کے وقت کسی سے کوئی بات چیت نہیں کر سکتا نہ کوئی فضول حرکت کر سکتا ہے یا جیسے نماز میں وضو ضروری ہے اسی طرح خطبہ میں باوضو بیٹھنا چاہیئے تاکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وضو کرتے کراتے جمعہ نہ رہ جائے یا یہ مطلب کہ دو رکعت سے طلبا نہ ہو یا یہ مطلب کہ ثواب میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے یعنی ظہر کی نسبت جو دو رکعت کی کمی ہو گئی ہے ان کا ثواب خطبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔ بغرض ساری باتوں میں خطبہ دو رکعت کے قائم مقام نہیں اگر ایسا ہوتا تو جو شخص خطبے میں شامل نہیں ہوا بلکہ نماز میں آکر ملا اس کا جمعہ نہ ہونا چاہیئے تھا چار پڑھے۔ کیوں کہ اس کا خطبہ جو دو رکعت کے قائم مقام ہے رہ گیا ہے حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص جمعہ کی پہلی رکعت میں مل جائے اس کا جمعہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ دوسری رکعت پوری پالے تو بھی ایک ہی اٹھ کر پڑھے گا نہ تین۔ پس معلوم ہوا کہ خطبہ ساری باتوں میں دو رکعت کے قائم مقام نہیں، نیز اگر ایسا ہوتا تو خطیب کے ساتھ کسی کو یا خطیب کو کسی کے ساتھ بات چیت جائز نہ ہوتی حالاں کہ یہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔

(۱) بخاری، مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے ایک اعرابی

آیا اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحط سالی سے مال ہلاک ہو گئے۔ رستے بند ہو گئے بارش کی دعا کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے ہاتھ اٹھائے اور بارش کی دعا کی۔ ایک ہفتہ تک برابر بارش ہوتی رہی دوسرے جمعہ پھر وہی یا دوسرا اعرابی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کثرت بارش سے مال ہلاک ہو گئے اور رستے بند ہو گئے۔ دعا کیجئے اللہ تعالےٰ بارش بند کر دے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ارد گرد بارش برسا ہم پر نہ برسا اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرتے جدھر جدھر اشارہ کرتے بادل پھٹتا جاتا یہاں تک کہ مدینہ ایسا ہو گیا جیسے تاج میں ہوتا ہے یعنی مدینہ خالی تھا اور ارد گرد بادل تھا۔

(ب) نیز بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رض خطبہ پڑھ رہے تھے اس حال میں ایک صاحب (حضرت عثمان) آئے حضرت عمر رض نے کہا یہ کونسی گھڑی ہے یعنی اتنی دیر کر کے کیوں آئے۔ عثمان نے کہا کہ میں ایک کام میں تھا اور اس سے فارغ ہو کر گھر میں نہیں پہنچا تھا کہ اذان سُنی پس وضو کے سوا کوئی کام نہ کیا۔ حضرت عمر رض نے کہا کہ یہ دوسرا قصور ہے کہ وضو پر کفایت کی۔

(ج) ترمذی، نسائی اور ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ حسن حسین رضی اللہ عنہما آئے ان پر سرخ کرتے تھے۔ چلتے اور ٹھوکریں کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر ان کو اٹھا لیا۔ اپنے آگے رکھ لیا۔ پھر کہا اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ ترجمہ: یعنی تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ میں ان دونوں کو ٹھوکریں کھاتا دیکھ کر صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات درمیان چھوڑ کر ان کو اٹھا لیا۔

(د) مسلم وغیرہ میں ہے ابو رفاعہ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ میں نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص مسافر ہے اپنے دین کے متعلق سوال کرتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ چھوڑ کر میرے پاس آئے۔ پھر ایک کرسی لائی گئی مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے آپ اس پر بیٹھ کر مجھے ان باتوں سے سکھاتے رہے جو آپ کو اللہ تعالےٰ نے سکھائی تھی۔ پھر مجھ سے فارغ ہو کر واپس آ کر خطبہ اپنا پورا کیا۔

تخلیص الحبیر کے صفحہ ۱۳۳ میں ہے:۔

البیہقی من طریق عبد الرحمن بن کعب ان الرھط الذین بعثھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الی ابن ابی الحقیق بخیبر لیقتلوہ فقتلوہ فقدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو قائم علی المنبر یوم الجمعۃ فقال لھم حین رآھم افلحت الوجوہ فقالوا افلح وجھک یا رسول اللہ قال اقتلتموہ قالوا نعم فدعا بالسیف الذی قتل بہ وھو قائم علی المنبر فسلہ فقال اجل ھذا طعامہ فی ذباب سیفہ الحدیث قال البیہقی مرسل جید وروی عن عروۃ نحوہ ثم رواہ من طریق ابن عبد اللہ ابن انیس عن ابیہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ابن ابی الحقیق نحوہ انتہی یعنی بیہقی نے عبدالرحمن بن کعب کے طریق سے روایت کیا ہے کہ جس جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں ابن ابی الحقیق (یہودی) کے قتل کے لیے بھیجا تھا اُس جماعت نے اس کو قتل کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ جمعہ کے دن منبر پر تھے جب آپ نے اُن کو دیکھا تو فرمایا چہرے کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کہا یا رسول آپ کا چہرہ کامیاب ہو۔ پس فرمایا کیا تم نے ان کو قتل کر دیا؟ کہا ہاں۔ پس منبر پر کھڑے پھر تلوار میان سے نکال کر فرمایا ہاں تم نے اس کو قتل کر دیا، تلوار کی دھار پر اس کا کھانا لگا ہوا ہے۔ بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے کھری ہے۔ اور عروہ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ پھر عبداللہ بن انیس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابن ابی الحقیق کی طرف بھیجا۔

(ز) بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص (سلیک غطفانی) جمعہ کے دن آیا اور آپ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ وہ بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا کھڑا ہو اور دو رکعت ہلکی پڑھ۔

(ح) ابو داؤد و نسائی۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص لوگوں کی گردنوں سے گذرتا ہوا آگے آ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جا تو نے ایذا دی اور مسند احمد میں ہے، تو نے ایذا دی اور دیر کی۔ (منتقی)

(ط) بخاری مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ پر ہوتے۔ پس اُن کو وعظ کرتے اور وصیت کہتے اور حکم دیتے اگر کسی لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے یا کسی اور شے کا حکم دینا ہوتا تو فرما دیتے پھر لوٹ جاتے۔

یہ سات روایتیں ہیں اس قسم کی اور بھی بہت ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ کا حکم نماز کا نہیں

بلکہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ جو ہر زبان میں درست ہے۔ اس میں ہر قسم کی بات چیت درست ہے اس میں درمیان چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کر کے پورا کر سکتے ہیں اور رفاعہؓ کو آپ نے خطبہ چھوڑ کر دین سکھایا۔ حسن حسینؓ بچے تو آپ منبر سے اُترے اور لا کر آگے بٹھا لیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ خطبہ جمعہ کی بابت تاکید بہت آئی ہے کہ سامعین توجہ سے سنیں اور فضول حرکت نہ کریں تاکہ کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ کان میں وعظ کی آواز پڑے جس سے دل نرم رہیں اگر ایسا نہ ہو تو دل مردہ ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خطبہ عیدین کے لئے اتنی تاکید نہیں آئی پس جب خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے۔ صرف خطبہ جمعہ میں ایک خاص وجہ سے سننے کی تاکید ہے اور خطبہ عیدین میں یہ بھی نہیں تو پھر اس کو نماز پر قیاس کرنا کیوں کر صحیح ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک بات ہے کہ جب لشکر وغیرہ بھیجنے کا کام خطبہ میں درست ہے تو یہ مخاطب لوگوں کی زبان میں ہی ہو سکتا ہے پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان کی پابندی ضروری ہے۔ غرض نماز پر خطبہ کا قیاس بالکل صحیح نہیں کیوں کہ خطبہ خطاب ہے۔ اور خطاب پر پابندی زبان کی اصل مقصود کو فوت کرتی ہے۔ جو خطاب سے مقصود ہوتا ہے یعنی سامعین کو اپنی بات پہنچانا۔ بر خلاف نماز کے کہ وہ خطاب نہیں۔ بلکہ مقصود اس سے خدا کا ذکر اور قرأۃ قرآن پاک ہے چنانچہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔

ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شئ من کلام الناس انما ھی التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن۔

یعنی نماز میں بات چیت درست نہیں یہاں تک کہ چھینک لینے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی جائز نہیں کیوں کہ نماز صرف تسبیح تکبیر اور قرأۃ قرآن ہے یعنی اصل مقصود یہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ تو اس حیثیت سے نہیں پڑھا جاتا کہ وہ مقتدیوں کو خطاب ہے بلکہ اس طرح سے پڑھا جاتا ہے کہ جیسے کسی کو محبوب کا کلام پیارا معلوم ہوتا ہے تو اس کا ورد کرتا ہے۔ یا جیسے پڑھنے والے سے خدا باتیں کرتا ہے۔ اور وہ اپنے کو اس کا مصداق سمجھتا ہے جس سے اس کے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں جو بعض نمازوں کی بابت خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے جیسے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورۃ دہر اور جمعہ کی نماز میں سورۃ ھل اتاک یا سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون اور عیدین کی نماز میں سورۃ قٓ اور سورۃ اقتربت اور سورۃ اعلیٰ اور سورۃ ھل اتاک اور جمعرات کو مغرب کی نماز میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد تو اس کی وجہ بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے پڑھنے سے پڑھنے والے کے اعتقاد کی اصلاح ہے یا اس کو رقت اور نرمی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے دل پر ایک خاص اثر

ہوتا ہے اور اس سے مقتدیوں پر بھی خاص اثر پڑتا ہے۔ اور نماز میں بھی خشوع خضوع بڑھتا ہے اور دل زیادہ لگتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص نماز سے باہر امام کی قرأۃ سن لے تو اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ نماز سے اصل مقصود کیا ہے دوسرے کو وعظ ہے یا اپنی حالت کی اصلاح ظاہر ہے کہ اپنی حالت کی اصلاح ہے برخلاف خطبہ کے کہ اس میں دوسرے کو وعظ خطاب مقصود ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض احادیث میں بعض سری نمازوں کی بابت اور بعض نوافل کی بابت بھی خاص سورتوں آیتوں کا ذکر آیا ہے۔ حالانکہ وہاں دوسرے سے تعلق نہیں، جیسے مشکوٰۃ باب القرأۃ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں سورۃ واللیل اذا یغشیٰ پڑھا کرتے تھے اور ایک روایت میں سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ آئی ہے اور فجر کی سنتوں میں آیت قولوا اٰمنا باللّٰہ وما انزل الینا اور آیت قل یا اہل الکتاب تعالوا پڑھا کرتے تھے تو گویا یہ ایسا ہو گیا جیسے نماز کے علاوہ خاص خاص وقتوں میں اپنی اصلاح کے لئے خاص خاص آیتوں اور خاص خاص سورتوں کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ جیسے سوتے وقت آیۃ الکرسی اور سورۃ سجدہ، سورۃ ملک اور وہ سورتیں جن کے شروع میں سبح یا یسبح ہے اور جمعہ کے دن سورۃ کہف سورۃ ہود اور سورۃ آل عمران وغیرہ اور ہر روز شروع دن میں سورۃ یٰسین اور ہر رات آخر رکوع آل عمران اور سورۃ واقعہ وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز اور خطبہ کی اصل غرض دیکھتے ہوئے کوئی شخص خطبے کو نماز کا حکم نہیں دے سکتا اور نہ نماز کو خطبے کا حکم دے سکتا ہے۔ بلکہ نماز کی ہیئت ہی وعظ کی ہیئت کے خلاف ہے۔ چنانچہ گذر چکا ہے کہ خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور بہت جوش اور بہت غصہ میں آجاتے اور آواز بلند ہو جاتی جیسے کوئی دشمن کی فوج سے ڈراتا ہے تمہیں صبح کو لوٹ لیا یا شام کو لوٹ لیا۔ نماز کی حالت ایسی نہیں بلکہ وہ عاجزی اور انکساری کی حالت ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کے پیٹ میں ہنڈیا کے پکنے کی آواز تھی اور ایک روایت میں ہے میں نے آپکو نماز پڑھتے دیکھا آپ کی سینہ کی آواز چکی کی آواز تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ ادھر ادھر گردن موڑنا اور دیکھنا منع ہے نیز نماز کی ہیئت قیام اور نیچے اوپر ہونا اور مقتدیوں کا اس میں امام کی تابعداری کرنا یہ بھی وعظ کے خلاف ہے۔ کیونکہ خطبہ اور دیگر وعظ کلام میں سامعین کی ایسی حالت ہوتی ہے۔ جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوتا ہے۔ اور وہ اس کو پکڑنا چاہتا ہو۔ جیسے مشکوٰۃ میں براء بن عازب سے روایت ہے:۔

جلسنا حولہ کان علیٰ رؤسنا الطیر

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سر پر پرندے ہیں۔ پھر عذاب

قبر کا حال سنایا۔

خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں۔ کیوں کہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے۔ کیوں خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے۔ نماز پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔ کیوں کہ نماز مناجات ہے۔ خطبہ مناجات نہیں۔ خطبہ کی ہیئت عام وعظوں کی ہے۔ نماز کی اس طرح نہیں خطبہ میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ نماز میں جائز نہیں۔ صرف خطبہ جمعہ کے سننے کی تاکید آئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دل کی کھیتی کو پانی ملتا ہے تاکہ خشک نہ ہو جائے۔

اعتراض

اگر کہا جاوے کہ غیر عربی میں خطبہ پڑھنا خیر قرون کے خلاف ہے۔ چنانچہ سائل نے شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کیا ہے کہ ہمیشہ سب جگہ خطبہ عربی میں ہوتا رہا اور جو بات خیر قرون کے خلاف ہو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ خیر قرون کے خلاف اس وقت ہوتا جب خیر قرون سے کسی کا اس پر فتوےٰ نہ ہوتا جب خیر قرون سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ خطبہ غیر عربی درست ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ صاحب کا یہی مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں دو وجہیں ہیں۔ ایک جائز ہونے کی اور ایک ناجائز ہونے کی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو خیر قرون کے اختلافی مسائل سمجھ کر دلائل سے راجح مرجوح کا فیصلہ کریں گے سو دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے کہ غیر عربی میں درست ہے۔ علامہ زبیدی شرح احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:۔

وهل يشترط ان تكون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراطه فان لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها و يجب عليهم التعليم والا عصوا ولا جمعة۔

(شرح احیاء العلوم ص ۳۳۶ ج ۳)

یعنی خطبہ کے عربی ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ عربی میں ہونا چاہیئے دوسری یہ کہ شرط نہیں صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی اچھی طرح عربی نہ جانے تو غیر عربی میں خطبہ پڑھے اور لوگوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے ورنہ گنہگار ہو جائیں گے۔ اور ان کا جمعہ نہیں۔

شرح احیاء العلوم کے دوسرے مقام میں ہے:۔

قال الرافعی وھل یشترط ان تکون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان صحیح اشتراطہ فان لم یکن فیھم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا وقال اصحابنا ان الخطبۃ بالفارسیۃ وھو یحسن العربیۃ لا یجزیۃ (شرح احیاء العلوم ص؟)

یعنی رافعی کہتے ہیں کہ خطبہ کے عربی ہونے کی دو وجہیں ہیں (ایک یہ کہ عربی میں شرط ہے۔ دوسری یہ کہ شرط نہیں) صحیح یہ ہے کہ شرط ہے پس اگر کوئی ٹھیک عربی نہ جانتا ہوں اس کو کافی نہیں ہوگا۔

ان دونوں عبارتوں میں امام شافعیؒ کے مذہب میں دو وجہیں بتلائی ہیں (ایک عربی میں ضروری ہونے کی اور ایک غیر ضروری ہونے کی) مذہب میں وجہ سے مراد فقہاء کی یہ ہوتی ہے کہ صریح قول امام کا اس بارے میں کوئی نہیں۔ امام کے اقوال سے یہ بات سمجھی جاتی ہے۔ کبھی امام کے اقوال سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں تو وہ مذہب میں دو وجہیں ہو جاتی ہیں۔ جیسے خطبہ کے عربی ہونے اور نہ ہونے کی بابت دو وجہیں ہیں۔ شرح احیاء العلوم میں اگرچہ عربی میں ضروری ہونے کی وجہ کو صحیح کہا ہے۔ لیکن درحقیقت صحیح دوسری ہے چنانچہ اوپر دلائل سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے پس جب امام شافعی کے مذہب میں ایک وجہ ہوتی تو اس کو خیر قرون کے خلاف نہیں کہہ سکتے کیوں کہ امام شافعی تبع تابعین سے ہیں اور تبع تابعین خیر قرون سے ہیں۔

رد المختار میں ہے:

لم یقید الخطبۃ بکونھا بالعربیۃ اکتفاء بما قدمہ فی باب صفۃ الصلوٰۃ من انھا غیر شرط ولو مع القدرۃ علی العربیۃ عندہ خلافا لھما حیث شرطاھا الا عند العجز کالخلاف فی الشروع فی الصلوٰۃ (رد المختار جلد اول ص؟)

یعنی مصنف نے خطبہ کے عربی میں ہونے کی قید نہیں لگائی کیوں کہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شرط نہیں خواہ عربی پر قادر ہی ہو۔ برخلاف صاحبین کے کیوں کہ ان کے نزدیک عربی میں ہونا شرط ہے مگر عربی سے عاجز ہو تو پھر صاحبین کے نزدیک بھی غیر عربی میں جائز ہے۔ جیسے شروع نماز (تکبیر تحریمہ) میں امام ابو حنیفہؒ صاحب اور ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے کہ عربی میں جائز ہے یا نہیں (ایسے ہی یہ اختلاف ہے)

امام ابو حنیفہ صاحبؒ کی بابت بعض کا خیال تو تابعی ہونے کا ہے لیکن تبع تابعین سے ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں تو جب ان کا فتوےٰ خطبہ کے غیر عربی ہونے کی بابت موجود ہے تو اس کو خیر قرون کے خلاف کس طرح

کہہ سکتے ہیں پس یہ سلف کے اختلافی مسائل سے ہوا۔ جس کا فیصلہ دلائل کے رُو سے یہی ہے کہ خطبہ غیر عربی میں درست ہے چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی اور جو لوگ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک درست تو ہے لیکن مکروہ ہے تو یہ غلط ہے کیوں کہ وہ صرف اس بات پر کہتے ہیں کہ خیر قرون میں سے کسی نے غیر عربی میں نہیں پڑھا۔ ورنہ امام ابو حنیفہؒ سے کراہت کی تصریح موجود نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ خیر قرون میں غیر عربی میں کسی نے پڑھا نہیں اس میں بھی شبہ ہے۔ کیوں کہ جب فتوےٰ دیا گیا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کے لئے سوال کیا ہوگا کیونکہ خیر قرون میں تکلف نہیں تھا کہ فرضی صورتیں گھڑا کریں اور زمان کی یہ شان تھی بلکہ واقعات پیش آنے کی صورت میں بھی بہت ان سے ایسے تھے کہ احتیاط کرتے اور مسئلہ نہ بتاتے اور ایک دوسرے کا سہارا لیتے۔ یعنی یہ چاہتے کہ کوئی دوسرا مسئلہ بتلا دے چنانچہ اعلام الموقعین وغیرہ میں اس قسم کی روایتیں بہت موجود ہیں پس صرف صراحۃً نقل نہ ہونے سے عمل کی نفی سمجھ لینا اور جو بات قرین قیاس ہو اس کو نظر انداز کر دینا یہ مناسب نہیں۔ اس کے علاوہ جب ایک بات کی بابت خیر قرون میں فتوےٰ ہو گیا اور فتوےٰ میں کراہت کا ذکر نہ آیا تو صرف عمل نہ ہونے سے کراہت سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھئے تراویح باجماعت پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں عمل نہ ہوا۔ پھر حضرت عمر رضہ کی شروع خلافت میں بھی عمل نہیں ہوا اس کے بعد ہوا۔ اسی لئے حضرت عمر رضہ نے اس کو بدعت کہا۔ چنانچہ گذر چکا ہے۔ اور تعدد جمعہ پر حضرت علیؓ کی خلافت تک عمل رہا ہوا۔ چنانچہ یہ بھی گذر چکا ہے۔ اور علاوہ خطبہ جمعہ اور خطبہ عیدین کے بھی غیر عربی میں وعظ پر عمل خیر قرون میں صحیح سند سے مروی نہیں ہوا۔ اسی طرح خیر قرون میں کسی نے کوئی تصنیف غیر عربی میں نہیں کی۔ نہ کسی نے تفسیر غیر عربی میں لکھی نہ کوئی اور دینیات کی کتاب غیر عربی میں لکھی بلکہ خیر قرون کے بعد میں مدت تک غیر عربی میں تصنیف کرنے کا ثبوت نہیں ملتا جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عربی کا اس وقت زور تھا کیوں کہ سلطنت اسلامی تھی۔ دین و دنیا سب کچھ عربی میں تھا۔ دوسرا کثرت میل جول سے اتنا اثر ضرور ہو گیا تھا کہ اگر غیر عرب عربی بولنے پر قادر نہ تھے تو اکثر کچھ کچھ سمجھ لیا کرتے۔ اس لئے غیر عربی میں تصنیف کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ پس یہی وجہ بعینہٖ خطبہ وغیرہ کی ہو سکتی ہے اور ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ امام جمعہ اور عیدین عموماً اس وقت امیر ہوتے تھے تو ان کے خیال میں خطبہ عربی میں بہتر یا ضروری ہو تو اس وجہ سے وہ عربی میں پڑھتے رہے۔ اور جن کے نزدیک مخاطب کا لحاظ رکھنا مناسب تھا ان کو امیر بننے کا اتفاق نہ ہوا۔ یا یہ وجہ ہو کہ عربی زبان کی اس وقت ابھی پوری حفاظت نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے حتی الوسع وہ غیر عربی سے دور رہتے تھے تاکہ عربی کا زور ہو کر اس کی پوری حفاظت

ہوجائے اور اس کے ہر قسم کے قواعد بن جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اگر قرآن کو توجہ نگی زبانوں کی طرف رہتی تو آج ہمیں عربی زبان کے قواعد اور اس کی حفاظت کا یہ نظارہ نصیب نہ ہوتا جو دیکھ رہے ہیں۔ کہ خدا کے فضل سے کوئی زبان قواعد میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ جو کچھ تھوڑے بہت قواعد دوسری زبان کے تیار ہوئے اس کی خوشہ چینی میں ہوئے غرض اس قسم کے بہتیرے وجوہ اس وقت خطبہ کے عربی میں پڑھنے کے ہو سکتے ہیں جو اس وقت نہیں پس غیر عربی میں اس وقت کسی نے خطبہ نہیں پڑھا تو کوئی حرج نہیں۔ عمل کا اصل جو ہمارے ہاتھ میں موجود ہے یعنی فتویٰ اس سے سب عقدے حل ہو سکتے ہیں۔

دوسرا ثبوت یا تائید

جو لوگ خطبہ کے غیر عربی میں ہونے کے قائل نہیں عاجز ہونے کے وقت وہ بھی قائل ہیں یعنی اگر عربی میں قائل نہ ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ کچھ عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں کچھ اور ملاحظہ ہوں۔

کشاف القناع میں ہے:۔

(ولا تصح الخطبة بغير العربية مع القدرة) عليها بالعربية (كقرأة) فانها لا تجزئ بغير العربية وتقدم (وتصح) الخطبة بغير العربية (مع العجز) عنها بالعربية لان المقصود بها الوعظ والتذكير وحمد الله والصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم بخلاف لفظ القرآن فانه دليل النبوة وعلامة الرسالة ولا يحصل بالعجمية (غير القرأة) فلا تجزئ بغير العربية لما تقدم (فان عجز عنها) اى عن قرأة (وجب بدلها) ذكرا على الصلوٰة (كشاف القناع عن متن الاقناع للشيخ منصور بن ادريس الحنبلي جلد اول ص۳۶۳)

یعنی باوجود قدرت کے خطبہ غیر عربی میں صحیح نہیں جیسے قرأۃ القرآن (خطبہ میں) غیر عربی میں صحیح نہیں۔ اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں صحیح ہے کیوں کہ خطبہ سے مقصود وعظ و نصیحت کرنا ہے اللہ کی تعریف کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بخلاف قرآن کے کہ وہ غیر عربی میں درست نہیں کیوں کہ لفظ قرآن کے نبوت کی دلیل ہیں اور رسالت کی علامت ہیں اور عربی زبان سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی پس قرأۃ غیر عربی میں کفایت نہیں کرے گی۔ پس اگر قرأۃ سے عاجز ہو جائے تو اس کے عوض ذکر واجب ہوگا جیسے نماز میں قرأۃ سے عاجز ہو جائے تو اس کے عوض میں ذکر واجب ہوتا ہے۔

شرح منتہی الارادات میں ہے۔

(وهى) اى الخطبة (بغير العربية) مع القدرة (كقراءة) فلا يجوز وتصح مع العجز غير القراءة فان عجز عنها وجب بدلها ذكر (شرح منتہی الارادات ص۳۰ للشیخ منصور بن یونس بہوتی الحنبلی جلد اول)

یعنی عربی میں قدرت ہونے کی صورت میں غیر عربی میں خطبہ جائز نہیں جیسے قرأت جائز نہیں اور عربی سے عاجز ہونے کی صورت میں خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ قرأت جائز نہیں۔ قرأت کے عوض ذکر واجب ہوگا۔ ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ خطیب جب عربی پر قادر نہ ہو تو خطبہ غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ آج کل عموماً خطیبوں کو اتنی لیاقت نہیں کہ عربی میں تقریر یا تحریر کر سکیں پس غیر عربی میں جائز ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ کسی کا بنا ہوا خطبہ یاد کر لیں یا دیکھ کر پڑھ لیں تو اس کی بابت عرض ہے کہ اگر کسی کا بنا ہوا یاد کر کے پڑھ لینا یا دیکھ کر پڑھ لینا درست ہے تو غیر عربی میں بطریق اولیٰ درست ہے کیونکہ دوسرے کا یاد کر کے سنانا یا دیکھ کر سنانا اس کی بابت تو خیر قرون میں نہ کسی کا عمل ثابت ہے نہ فتوےٰ اور غیر عربی میں پڑھنے کی بابت اگر عمل صراحۃً منقول نہیں ہوا تو فتوےٰ تو ہے اس کے علاوہ یہ بات ظاہر ہے کہ قرآن مجید کافی وعظ ہے لیکن اوپر کی عبارتیں دلالت کرتی ہیں کہ عربی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں جائز ہے۔ تو اس باقی خطبہ سے عام وعظ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن خود عام وعظ ہے۔ تو قرآن کے علاوہ غیر عربی میں جائز کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی پس اس سے مراد خاص ہوگا یعنی جہاں کوئی رہتا ہے ان لوگوں میں جیسی کوئی خرابی دیکھتا ہے اس کے موافق خطبہ کرتا ہے تاکہ ان کی اصلاح ہو کہ وہ خرابی دور ہو جائے اور ایسی خرابیاں بے شمار ہوتی ہیں اور حسب موقعہ ان کی اصلاح کے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اس کے لئے لوگوں کے بارہ بارہ کے بنے ہوئے خطبے یا صرف قرآن پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا پس جب قرآن کے علاوہ خطبہ میں خاص وعظ مراد ہے تو عموماً خطیب ملکی زبان ہی میں کر سکتے ہیں تو غیر عربی میں خطبے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نووی شرح مسلم میں حدیث یقرأ القرآن ویذکر الناس میں لکھتے ہیں:۔

فيه دليل للشافعى فى انه يشترط فى الخطبة الوعظ والقراءة قال الشافعى لا يصح الخطبتان الا بحمد الله تعالىٰ والصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم والوعظ وهذه الثلاثة واجبات فى الخطبتين وتجب قراءة اية من القران فى

احد یہما علی الاصح و یجب الدعاء للمومنین فی الثانیۃ علی الاصح (نووی شرح مسلم طبع مصر جلد ۶ ص)

یعنی اس حدیث میں امام شافعی کی دلیل ہے کہ خطبہ میں وعظ اور قرأۃ قرآن شرط ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ دونوں خطبے الحمد للہ اور درود اور وعظ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے اور یہ تینوں اشیاء دونوں خطبوں میں واجب ہیں اور ایک آیت دونوں خطبوں سے ایک میں واجب ہے۔ (خواہ پہلے خطبہ میں پڑھے یعنی بیٹھنے سے پہلے یا دوسرے میں یعنی بیٹھ کر کھڑا ہونے کے بعد) امام شافعی کے قول سے بھی اس بات کی تائید ہو گئی کہ خطبہ میں وعظ الگ ہے قرآن مجید الگ ہے پس حسب ہر قوم وعظ مراد ہوگا جو ملکی زبان ہی میں ہو سکتا ہے۔

تیسرا ثبوت یا تائید

یہ بات ظاہر ہے کہ خطبہ کا تعلق جیسے خطیب سے ہے ویسے ہی سامعین سے ہے اگر بالفرض کوئی سننے والا نہ ہو تو خطبہ نہیں ہوگا۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کسی کو اس پر اختلاف نہیں جو عربی پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان ہی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے جن کی عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں تمثیلاً ہم نے ایک دو کتابوں کی عبارت حاشیہ میں نقل کر دی ہے پس جب خطیب عربی نہ جاننے کی صورت میں غیر عربی پڑھ سکتا ہے تو سامعین کے ناواقف ہونے کی صورت میں بھی غیر عربی میں جائز ہونا چاہیئے۔ مثلاً دو چار پائے سامنے بٹھا کر کوئی شخص خطبہ پڑھے تو یہ خطبہ نہیں کیوں کہ چارپاؤں کے کانوں تک صرف آواز پہنچتی ہے۔ سمجھتے نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس خطبہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ جو بالکل عربی سے ناواقف لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ (مولانا) عبد اللہ امرتسری روپڑ

دو سوال اور اُن کا جواب

مولوی محمد علی صاحب ابو المکارم ساکن مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ نے دو شبہ اور پیش کئے ہیں ایک

لے کشاف القناع میں تیسری شرط یہ ہے۔ الثالث حضور اربعین فاکثر من اہل القریۃ بالامام (وکان بعضہم خرسا او صما لا نہم من اہل الوجوب (ولا) تصح (ان کان الکل کذالک) ای خرسا او صما اذا کانوا کلہم خرسا مع الخطیب فلفوات الخطبۃ صورۃ ومعنی فیصلون ظہرا وان کانوا صما فلفوات المقصود من سماع الخطبۃ د علم من ذلک انہم ان کانوا خرسا الا الخطیب او کانوا صما الا واحدا یسمع صحت جمعتہم (کشاف القناع ق) شرح منتہی الارادات میں ہے۔ (الثالث حضورہم) ای الاربعین من اہل وجوبھا یعنی

شبہ یہ ہے انہوں نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا فتوے سے میری تشفی نہیں ہوئی۔ میری تشفی کی صورت یہ ہے کہ جو فتویٰ خود میں نے لکھ کر بذریعہ رجسٹری آپ کے پاس بھیجا ہے اس پر بحث کرکے بھیج دیں اور ایک صورت تشفی کی یہ ہے کہ آپ سابقین اہل حدیث سے اردو خطبہ کا جواز ثابت کریں۔ آخر جماعت اہلحدیث تو ایک زمانہ سے چلی آتی ہے۔ لہٰذا آپ اس جماعت کے چند اشخاص کے نام تحریر فرمادیں اور ان سے اس مسئلہ کو ثابت فرمائیں۔ اگر سابقین اہل حدیث سے غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں تو کیوں ان کا قول قابل عمل نہیں۔ کیا اتباع سلف خلاف کوئی چیز نہیں۔

خاکسار ۱۲۹۸ھ سے لے کر ۱۲۹۹ھ تک کامل ڈیڑھ برس تک جناب میاں صاحب کی خدمت میں رہا۔ آپ کے صاحبزادے مولوی شریف حسین ہمیشہ خطبہ عربی میں پڑھا کرتے تھے اور اس وقت تک کوئی جھگڑا اور اختلاف اس مسئلہ میں نہ تھا۔ خدا جانے کون اس کا موجد ہے۔ دہلی کے بزرگان دین جیسے جناب شاہ ولی اللہ و مولانا عبدالعزیز، مولانا اسماعیل وغیرہم سے بھی غیر عربی میں پڑھنا ثابت نہیں بلکہ مصفی میں تو شاہ صاحب نے صاف تحریر فرمادیا ہے۔ کہ اس کا پڑھنا عربی میں ہمیشہ سے مروّج ہے۔ اور ایسا ہی جناب نواب سید محمد صدیق نے بدور الاہلہ میں تحریر فرمایا ہے۔

سوال دوم

امام نووی اذکار ص۲۲ میں لکھتے ہیں:۔ باب نھی العالم وغیرہ ان یحدث الناس بما لا یفھمونہ قال اللہ تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم۔

اور خطبہ جمعہ کی نسبت کتاب مذکور کے ص۳ پر لکھتے ہیں:۔

ویشترط کونھا بالعربیۃ

امام نوویؒ کے ان قولوں میں مطابقت کی کیا صورت ہے۔

(بقیہ ص) الخطبة والصلوٰة (ولو كان فيهم صم) والخطيب ناطق (او) كان فيهم (صم) لوجود الشروط ولا كلام (اي ان كانوا كلهم خرساً حتى الخطيب اوكانوا كلهم صماً لم تصح جمعتهم لفوات الخطبة صورة في الاولى وفوات المقصود منها في الثانية (شرح منتهى الارادات ص۲۹۶)

جواب نمبر اوّل

عالمانہ اور منصفانہ بات تو یہ ہے کہ جس بات کی بابت سلف میں اختلاف ہو اُس کی بابت دلیل سے فیصلہ کیا جائے جو جانب دلیل کی رو سے راجح وہ پہلے خواہ ائمہ مجتہدین سے کسی کا مذہب اس مسئلہ کی نسبت معلوم ہو یا نہ ہو اہلحدیث کا اصل مذہب یہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں جہر فی القراءۃ کی بابت لکھتے ہیں۔

فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الى المرفوع

یعنی جب صحابہ کا اختلاف ہوا تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہوا۔

مگر آپ باوجود اس کے مصر ہیں کہ کسی اہل حدیث کا مذہب بتلائیں۔ سو لیجئے امام شافعیؒ سرگروہ اہلحدیث ہیں ان کے مذہب میں ایک وجہ جواز غیر عربی کی بھی ہے اور میں نے اس فتوے میں لکھا تھا کہ دلیل کی رو سے راجح یہی ہے تو سامعین اہلحدیث سے بھی ثبوت ہو گیا پھر تردد کے کیا معنی؟

رہے امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ اور دیگر محدثین تو ان سے نہ جواز کا قول منقول ہے نہ عدم جواز کا بلکہ سکوت محض ہے۔ پس غیر عربی میں پڑھنے کو ان کے مخالفین کہہ سکتے ہیں یہ تو متقدمین اہل حدیث کا ذکر ہوا اب متاخرین اہل حدیث جن کا زمانہ ہم سے زیادہ قریب ہے۔ امام شوکانیؒ پھر نواب صدیق حسنؒ یہ دونوں بزرگ خطبہ ہی کو جمعہ کے لئے شرط نہیں مانتے چہ جائیکہ عربی ہونا شرط ہو ملاحظہ ہو دراری المضیئہ اور روضۃ الندیہ حضرت مولانا نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے کا اُن کی زندگی میں خطبہ عربی میں پڑھنا تو اُس وقت ذکر کرتے جب کوئی یہ کہتا کہ کسی نے عربی میں پڑھا ہی نہیں۔ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے جو آپ نے عمل مستمر نقل کیا ہے اوّل تو اس کی بابت اطمینان نہیں کیوں کہ سلف میں جب اس کی بابت فتوے ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ کسی نے عمل کی غرض سے فتوے پوچھا ہے چنانچہ اس کی تفصیل ہم نے کر دی ہے۔ دوسرے اگر عمل نہ ہوا ہو تو بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس کے نظائر موجود ہیں اور اس کے وجوہات بھی منقول ہیں چنانچہ اس کا ذکر بھی فتوے میں کر دیا ہے۔

جواب نمبر دوم

اس بات پر سب متفق ہیں کہ اگر سماع نہ ہو تو خطبہ نہیں مثلاً سامعے بہرے ہوں تو اُس کو خطبہ نہیں کہہ سکتے جو عربی ہونے کی شرط کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ بعض عبارتیں ہم فتوی

میں نقل کر چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ سماع سے مقصود فہم ہے اگر فہم نہ ہو تو بھی خطبہ نہیں کہہ سکتے چنانچہ اس کا بیان بھی فتویٰ میں ہو چکا ہے پس اب تو یہ بعید ہے کہ امام نوویؒ کے نزدیک خطبہ جمعہ میں فہم شرط نہ ہو۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ امام نوویؒ کے خیال میں ایک دو کا فہم کافی ہو اور عموماً ایسے مجمع ایک آدھ سے خالی نہیں ہوتے خاص کر امام نوویؒ کے زمانہ میں کیوں کہ اس وقت علم کا زور تھا۔ اس بنا پر امام نوویؒ نے خیر قرون کی عمل حالت سے متاثر ہوتے ہوئے خطبہ جمعہ کے عربی ہونے کی شرط کر دی لیکن ہم نے فتوے میں لکھ دیا ہے کہ خیر قرون کی عمل حالت میں شبہ ہو کیوں کہ جب فتویٰ ہو چکا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ فتوائے عمل کی غرض سے پوچھا گیا ہے۔ چنانچہ فتوے میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے دوسرے اس عمل کے کئی ایک وجوہات بھی ہیں اور اس کے نظائر بھی ہیں۔ پس ایسی حالت میں عمل سے شرطیت پر استدلال صحیح نہیں۔ اس کی بھی بقدر ضرورت فتوے میں تفصیل ہو چکی ہے۔

(مولانا) عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاوے اہلحدیث ص۳۷۱

سوال: عید کی نماز تاخیر سے پڑھی گئی۔ عید گاہ ہی میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اگر جامع مسجد پہنچ کر جمعہ پڑھیں تو وقت نہیں رہے گا۔ کیا عید گاہ میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: حدیث میں ہے۔ جعلت لی الارض کلها مسجدا الحدیث
اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ جہاں وقت ہو جائے نماز پڑھ لی جائے۔ مسجد میں پہنچنے کی خاطر قضا نہ کی جائے۔ نہ اول وقت ضائع کیا جائے۔ جس میں خدا کی رضا ہے۔

(مولانا) عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاوے اہلحدیث ص۴۸

سوال: عورتیں علیحدہ کسی کے گھر کسی عورت کی امامت میں جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کے زمانہ میں یا بعد کسی زمانہ میں عورتوں کی امامت میں الگ جمعہ پڑھا ہو؟

جواب: جمعہ کے متعلق خاص واقعہ تو ملنا بہت مشکل ہے۔ ہاں پنجوقتی نماز سے استدلال ہو سکتا ہے کیوں کہ جب ایک نماز میں ایک چیز ثابت ہو جائے تو سب نمازیں اس میں یکساں ہوتی ہیں جب تک کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً پنجوقتی نماز جوتہ کے ساتھ پڑھنے کا ذکر آجائے تو یہی جمعہ۔ عیدین۔ نماز کسوف وغیرہ کے لئے کافی ہے۔ اس کے لئے الگ واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے اگر ایسا نہ ہو تو بہت

گزشتہ ہوگی۔ مثلاً رفع یدین آمین وغیرہ۔ ایک نماز میں ثابت ہو جائے تو یہ سب میں جاری ہوگا۔ نماز جمعہ وغیرہ میں الگ جس دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کم علم لوگوں کا کام ہے۔ کہ بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ خاص کر جمعہ تو پانچوقتی نماز میں شامل ہے کیوں کہ ظہر کے قائم مقام ہے تو اس میں عورت کی امامت بدعت نہیں ہو سکتی۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑی   فتاویٰ اہلحدیث ص۱۲۱

سوال: جس وقت امام خطبہ پڑھے اس وقت منبر کو کونسی جگہ پر رکھا جائے۔ محراب کے عین درمیان میں یا دائیں جانب؟

جواب: مسجد نبوی میں منبر کی جگہ دائیں طرف ہے اور منبر سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنا سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے جس کا مقام قریباً محراب کے قریب پڑھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حسب ضرورت ادھر اُدھر ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری روپڑ   فتاویٰ اہلحدیث ص۳۹۶

سوال: ایک گاؤں میں تین جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب: گاؤں اگر اچھا قصبہ ہے اور مساجد فاصلہ پر ہیں تو تعدد کی گنجائش ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اگر گاؤں چھوٹا ہے تو پھر ضد لگانے، نفسانیت کا معاملہ ہے۔ ضد سے تعدد ٹھیک نہیں بلکہ تعدد کی رخصت ضرورت کی بناء پر ہے۔ مثلاً مساجد ذرا فاصلہ پر ہوں۔ ایک مسجد میں سب کی گنجائش نہ ہو، کمزوروں کو وہاں پہنچنا تکلیف دہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ ویسے تعدد اور نفسانیت کی وجہ سے اچھا نہیں۔

(مولانا) عبداللہ امرتسری   فتاویٰ اہلحدیث ص۳۹۶

سوال: عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعۃ لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم (رواہ مسلم) یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنی جگہ کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لیے حکم کروں اور خود جا کر ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دوں جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اس طرح کی حدیث جماعت کے بارہ میں بھی آئی ہے، وہاں کہہ دیتے کہ جماعت فرض نہیں، اب حدیث سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جمعہ فرض نہیں۔ اس کا جواب تسلی بخش لکھیں؟

جواب: یتخلفون عن الجمعۃ والی حدیث مسلم باب فضل الجماعۃ میں موجود ہے اور ہمارے نزدیک جمعہ جماعت دونوں فرض ہیں مگر اہم کام کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز ہے۔ خاص کر جب اس سے مقصود اسی فرض کی تکمیل ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پہرے پر مقرر کیا۔ وہ صرف پہرے کی وجہ سے فجر کی نماز میں شامل نہیں ہوا بلکہ بغیر سخت مجبوری کے گھوڑے کی پیٹھ پر سے نہیں اترا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو وہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خوشخبری دی کہ اس کے بعد اگر تو عمل نہ کرے تو ضرر نہیں۔ اس طرح نماز میں سکون فرض ہے۔ لیکن بچہ کے رونے سے تشویش قلب کا خطرہ ہو تو بچہ کو اٹھا کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نواسی امامہ کو لے کر امامت کرائی۔ اس طرح تعلیم کے لئے آپ نے ممبر پر نماز پڑھائی اور سجدہ ممبر سے نیچے اتر کر کیا۔ اسی طرح ایک صحابی کے ہاتھ میں گھوڑا تھا مگر نماز پڑھی۔ حالانکہ گھوڑا ان کو کھینچے لے جا رہا تھا۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث صفحہ ۳۹۵)

سوال: مفتی خیر المدارس ملتان کی طرف سے ایک فتویٰ موصول ہوا ہے جو حسب ذیل ہے:۔

صورت مسئولہ میں چونکہ یہ گاؤں قریہ کبیرہ یا شہر نہیں، نماز باجماعت ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس میں ادائیگی جمعہ جائز نہیں، تبلیغ کی یہ صورت کی جائے لیکن نماز دو رکعت جمعہ کی بجائے چار رکعت ظہر ادا کی جائے یا روزانہ صبح کو درس قرآن شریف کر دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم بندہ عبدالستار نائب مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح عبداللہ عفی عنہ مفتی خیر المدارس ملتان مہر مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

یہ فتویٰ آپ کی خدمت میں ارسال ہے مکمل حوالجات سے جواب تحریر فرمائیں۔

جواب: گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے متعلق اس قسم کا ایک سوال موضع کتلوانی تحصیل قصور ضلع لاہور کی طرف سے بھی آیا ہے۔ افسوس ہے کہ دیوبندی حضرات نے دیہات میں جمعہ بند کرنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ ہمارے مقلد بھائیوں پر تقلید کا اثر غالب ہے۔ اس لئے مفتی خیر المدارس نے بلا دلیل ہی جواب لکھ دیا ہے۔ تاکہ لوگ تقلید پر ہی جمے رہیں نیز ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کشتی کا زمانہ ہے۔ اور ہر زمانہ کم و بیش روشنی کا ہوتا ہے۔ اس لئے بغیر

دلیل کے جواب لکھنا علماء کی شان کے خلاف ہے۔ ساتھ ہی ایک اور بدعت کا اضافہ کر دیا کہ ظہر بھی پڑھی جائے اور خطبہ بھی ہو، جیسے آج کل شہروں میں یہ بدعت جاری ہے۔ کہ دو خطبے پڑھتے ہیں، ایک پہلی اذان کے بعد اردو دوسرا دوسری اذان کے بعد عربی میں۔

اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائے اور سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے جواز کے دلائل ذیل میں پڑھیے:۔

دلیل اول، سورہ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے، تو ذکر الٰہی کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (سورہ جمعہ پارہ ۲۸)

یہ آیۃ ہر ایمان والے کو شامل ہے، خواہ وہ شہر میں ہو یا گاؤں میں اور خرید و فروخت سے مراد ہر قسم کا کاروبار ہے۔ کیوں کہ اگر خاص خرید و فروخت ہی مراد ہو تو لازم آئے گا کہ جمعہ صرف خرید و فروخت کرنے والوں پر ہو، اور باقی کاروبار کرنے والے خواہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں، جیسے لوہار، بڑھئی، راج، مزدور کپڑا وغیرہ بننے والے، کھیتی باڑی کرنے والے۔ باغات کے مالی وغیرہ یہ سب جمعہ سے سبکدوش ہوں۔

علاوہ ازیں قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع گیارہ میں پانچ نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ کے ساتھ تجارت اور فروخت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ

یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی نماز اور زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

اب غور فرمایئے۔ کیا باقی نمازیں اور زکوٰۃ وغیرہ صرف شہر والوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بس اسی طرح نماز جمعہ کو سمجھ لیں۔

دلیل دوم، ابوداؤد میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الا على اربعة عبد مملوك او امرأة او صبي او مريض۔ یعنی ہر مسلمان پر (خواہ وہ شہر میں ہو یا قریہ میں) جمعہ واجب ہے، جماعت میں، مگر چار پر واجب نہیں، ۱۔ غلام ۲۔ عورت ۳۔ لڑکا ۴۔ بیمار

دوسری حدیث میں مسافر کا بھی ذکر ہے کہ اس پر بھی جمعہ نہیں۔

دلیل سوم: سائی شریف میں ہے رواح الجمعة واجب على كل محتلم۔

یعنی ہر بالغ پر جمعہ کے لیے جانا واجب ہے۔

دلیل چہارم: بخاری اور ابوداؤد میں ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ پہلا جمعہ مسجد نبوی کے بعد جواثی میں پڑھا گیا ہے جو بحرین کے دیہات سے ایک گاؤں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ابن تین نے ابوالحسن اللخمیؒ سے روایت کیا ہے کہ جواثی شہر ہے۔ مگر جو نفس حدیث میں آگیا ہے وہ مقدم ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جواثا گاؤں ہو۔ اور ابوالحسن اللخمیؒ کے زمانہ میں اس کی آبادی بڑھ جانے سے یہ شہر ہوگیا ہو۔

نیز حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ جوہریؒ، زمخشریؒ اور ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے۔ کہ جواثا قلعہ کا نام ہے۔ لیکن یہ گاؤں ہونے کے منافی نہیں (کیوں کہ عرب میں اس وقت کوئی مستقل حکومت تو تھی ہی نہیں۔ جو لوگ زیادہ محفوظ تھے ان کے گاؤں بھی قلعوں کی شکل کے تھے۔

دلیل پنجم، بخاری شریف میں ہے کہ زریقؒ اپنی زمین میں رہتے تھے اور وہاں حبشیوں وغیرہ کی ایک جماعت بھی رہتی تھی۔ زریقؒ نے جو شہر ایلہ کے حاکم تھے ابن شہاب زہریؒ کو جو اس وقت وادی القریٰ میں تھے۔ لکھ کر مسئلہ دریافت کیا کہ میں اپنی زمین میں جمعہ پڑھوں۔ ابن شہاب زہریؒ نے اُن کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ حدیث لکھی۔

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم سب راعی ہو اور اپنی اپنی رعیت سے پوچھے جاؤ گے۔

مطلب ابن شہابؒ کا یہ تھا کہ تو اس وقت امیر ہے۔ رعیت کی ہر قسم کی دینی و دنیوی ذمہ داری تجھ پر ہے۔ جس سے جمعہ بھی ہے۔ پس جمعہ پڑھنا چاہیے۔

دلیل ششم

فتح الباری شرح بخاری میں ہے عبدالرزاق نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ مکہ مدینہ کے درمیان پانی پر اُترتے ہوئے لوگوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے اور ان پر اعتراض نہ کرتے۔

دلیل ہفتم

حافظ ابن حجرؒ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں کہ ابو رافع سے روایت ہے۔ ابوہریرہ رضؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اور وہ بحرین میں تھے پس حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ جَمِّعُوا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ۔ یعنی جہاں ہو، جمعہ پڑھو۔ یعنی جمعہ کسی جگہ کے

کے ساتھ خصوصیت نہیں، شہر ہو یا گاؤں سب جگہ جمعہ پڑھو۔ جیسے قرآن مجید میں ہے:

حیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہٗ

یعنی تم جہاں ہو نماز کے وقت ، قبلہ رخ منہ کرو۔

ابن خزیمہؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ اور بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے کہ یہ روایت اچھی سند والی ہے۔

دلیل ہشتم

بیہقی میں ہے۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں۔ میں نے لیث بن سعدؒ سے (گاؤں میں جمعہ کی بابت) سوال کیا تو فرمایا ہر شہر یا گاؤں میں جس جگہ جماعت ہو، جمعہ پڑھنے کا حکم دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اہل مصر اور گرد و نواح کے لوگ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جمعہ پڑھتے تھے۔ اور ان میں کئی صحابہ بھی تھے۔ لیث بن سعدؒ نے اگرچہ صحابہ کا زمانہ نہیں پایا۔ کیونکہ تبع تابعی ہیں، مگر جن لوگوں میں جمعہ ہوتا تھا ان کے بیچ میں۔ مصر کے رہنے والے ہیں نیز حنفیہ کے نزدیک مرسل تبع تابعی (جس میں تابعی اور صحابی کا ذکر نہ ہو) معتبر ہے۔ (نور الانوار وغیرہ) اور اس میں صرف تابعیؒ کا ذکر نہیں۔ پس یہ بطریق اولیٰ معتبر ہوگی۔ اس کے علاوہ رد المحتار وغیرہ میں ہے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ حدیث کی تصحیح ہے۔ پس لیث بن سعدؒ کے استدلال کرنے سے اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی۔ نیز یہ روایت باقی دلائل کی تائید ہے اور تائید میں تو تبع تابعی کا اپنا قول بھی معتبر ہے چہ جائیکہ اس کو صحابہ کی طرف نسبت کرے۔

دلیل نہم

گاؤں میں جمعہ پڑھنے کے دلائل کتب حنفیہ میں بھی بہت ہیں۔ بطور نمونہ ایک حوالہ پڑھیے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے۔ کہ یہ بات صحت کو پہنچ گئی ہے کہ ربذہ میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) حضرت عثمانؓ کے ایک غلام امیر تھے ان کے پیچھے دس صحابہؓ نے جمعہ وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن حزم نے محلی میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے انہی دلائل پر اکتفا کی ہے۔ ورنہ دلائل اور بھی بہت ہیں۔ جیسے بنی سالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ پڑھنا۔ اور حرہ بنی بیاضہ میں صحابہؓ کا جمعہ پڑھنا اور یہ دونوں گاؤں مدینہ سے ایک ایک کوس (دو میل) کے فاصلہ پر ہیں۔ پہلی روایت مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے احسن القریٰ کے ص۳۸ میں بحوالہ اہل سیر ذکر کی ہے۔ اور دوسری روایت مولوی عبد الرشید صاحب گنگوہی نے اوثق العریٰ کے ص۳ میں بحوالہ ابوداؤد اور مولوی ظہیر احسن نیموی نے جامع الآثار کے ص۲۲ میں بحوالہ ابن ماجہ ذکر کی ہے۔

اسی طرح عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جنگل میں جمعہ پڑھا ہے۔ اور انسؓ نے زاویہ میں نماز عید پڑھی اور زاویہ بصرہ سے چھ میل دور ہے۔ اور عید و جمعہ کا حنفیہ کے نزدیک ایک ہی حکم ہے۔

غرض اس قسم کے دلائل بہت سے ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب اظفار الشمعہ میں ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مولانا) عبداللہ روپڑی فتاویٰ اہلحدیث ص۳۰۲

سوال ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین غیر مقلدین ومانع ظہر بعد الجمعہ اس مسئلہ میں کہ :۔

۱ نماز جمعہ عین ظہر ہے یا غیر ظہر ، اگر عین ظہر ہے تو اس میں تخالف کیوں ہے مثلاً

(۱) غلام ، مسافر، قیدی عورت ، نابینا ، لنگڑا ۔ بیمار ، بیمار کی خدمت کرنے والا ۔ جنازہ کرنے والا ، بوقت بارش دیہاتی صحرائی پر جمعہ فرض نہیں مگر ظہر ان سب پر فرض ہے۔

(۲) جمعہ بلا شرط خطبہ ادا نہیں ہوتا مگر ظہر بلا خطبہ ادا ہوتی ہے ۔

(۳) جمعہ بلا جماعت نہیں مگر ظہر اکیلے بھی درست ہے۔

(۴) جمعہ بلا شاہ اسلام نہیں مگر ظہر بغیر اس کے فرض ہے۔

(۵) جمعہ اپنے وقت سے باہر فرض نہیں مگر ظہر اپنے وقت اور خارج از وقت برابر فرض ہے۔

(۶) جمعہ بغیر عذر کے ترک ہو جائے تو ایک دینار دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ مگر ظہر کے لئے یہ شرط نہیں۔

(۷) جمعہ دو رکعت اور ظہر چار رکعت ، ظہر میں قرأۃ آہستہ اور جمعہ میں بلند پھر اس پر حکم ظہر!

(۸) نماز پنجگانہ روزانہ اور ہر مومن و مومنات پہ فرض ہے یا نہیں اگر فرض ہے تو کتنی رکعت ؟

(۹) پانچ نمازیں پہلے فرض ہوئیں یا جمعہ ؟ اگر پنجگانہ پہلے فرض ہوئیں تو بروز جمعہ ترک ظہر کے لئے کونسی دلیل ہے ؟

(۱۰) اگر جمعہ پہلے فرض ہوا ہے تو قبل از فرضیت صلوٰۃ خمسہ حضور علیہ السلام کہاں پہ جمعہ ادا فرماتے تھے ، اکیلے اکیلے یا جماعت کے ساتھ۔

(۱۱) بروز جمعہ ظہر فرض ہے یا جمعہ ۔ اگر ظہر فرض ہے تو کتنی رکعت اگر جمعہ فرض ہے تو کتنے رکعت۔

اگر جمعہ فرض ہے ۔ تو جس کو جمعہ نہ ملے ، تو وہ جمعہ پڑھے یا ظہر اگر جمعہ پڑھے تو اس کی دلیل تحریر ہو۔ اگر ظہر پڑھے تو کیوں ؟ اس روز تو بقول آپ کے اس پر جمعہ ہی فرض نہ تھا ، نہ ظہر فرض تھی ۔

۱۲۔ ہر نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔ اگر بقول آپ کے خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے تو اس میں تو تو قبلہ کیوں نہیں اگر نماز مشرق کی طرف منہ کر کے پڑھیں تو کیا نماز ادا ہو جائے گی۔

۱۳۔ اگر کسی کا نصف خطبہ ترک ہو جائے تو بعد سلام امام یا مقتدی ایک رکعت اٹھ کر ادا کرے یا نہیں۔

۱۴۔ جمعہ کی ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے یا نہیں۔

۱۵۔ جماعت ظہر میں ایک رکعت پانے والا بعد سلام امام مقتدی تین رکعت ادا کرے گا یا نہیں۔

۱۶۔ جمعہ مشروط با شرائط ادا ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ایک شرط کے فوت ہونے سے جمعہ ادا ہو جائے گا۔ یعنی فرض وقتی سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر مشروط نہیں تو اکیلے جہاں چاہے آبادی ہو یا جنگل سواری ریل ہو یا کشتی جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

۱۷۔ جس مسجد میں جمعہ ہو چکا ہو، وہاں ایک دو نمازی بعد میں آئیں تو ظہر پڑھیں یا جمعہ، اگر جمعہ پڑھیں تو اذان و اقامت سے ادا کریں یا نہیں۔

یہ تمام سوالات ایک حنفی مقلد نے کیے ہیں۔ (راقم محمد از کھپانوالی ڈاکخانہ مکتسر ضلع فیروزپور) ۲ ر شوال ۱۳۴۳ھ

جواب: جمعہ کے عین ظہر ہونے سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ احکام میں فرق نہیں تو اس معنی سے عین ظہر نہیں بلکہ غیر ظہر ہے۔ کیوں کہ ظہر اور جمعہ میں کئی احکام میں فرق ہے۔ چنانچہ سوال میں ذکر ہے اگرچہ سوال میں بعض ایسے احکام بھی ذکر ہیں جو صحیح نہیں۔ جیسے بادشاہ کی شرط کرنا یا بلا عذر ترک کی صورت میں بغیر توبہ کے ایک دینار سے معاف ہو جانا لیکن بعض کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے خطبہ جمعہ وغیرہ

اگر عین ظہر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے تو یہ بے شک صحیح ہے۔ دلیل اس کی قرآن و حدیث ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ اس آیت میں نماز سے مراد بالاتفاق جمعہ کی نماز مراد ہے۔ شان نزول بھی جمعہ کی نماز میں ہے اس کے بعد فرمایا:

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾

یعنی جب نماز جمعہ سے فراغت ہو جائے تو زمین میں روزی تلاش کے لئے پھیل جاؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن ظہر نہیں۔ مشکوٰۃ وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں کہ رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص تین جمعہ متواتر چھوڑ دے اس کے دل پر مہر ہو جاتی ہے نیز اوپر کی آیت بھی دلالت کرتی ہے کہ جمعہ کے دن نماز ضروری ہے۔ سب کاروبار چھوڑ کر نماز جمعہ کو حاضر ہونا چاہیے

پس جمعہ کے دن نماز مزید ہوتی تو اب ظہر کا حکم نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ چھ نمازیں فرض ہوں، معاذ اللہ خدا ایسا نہیں کہ پچاس نمازوں کی پانچ کر کے چھ کر دے، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ندا آئی۔ امضیت فریضتی وخففت عن عبادی متفق علیہ (مشکوٰۃ باب المعراج) یعنی میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔

اور بعض روایتوں میں مایبدل القول لدی بھی آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ اب یہ بات میرے نزدیک بدل نہیں جائے گی، پانچ نمازوں سے نہ کم ہوں گی اور نہ زیادہ۔

اس تمہید کے بعد اب ہر سوال کا جواب نمبر وار سنئیے۔

احکام میں فرق ہونے کی وجہ سے جمعہ غیر ظہر ہے اور ظہر ساقط ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ عین ظہر ہے۔ سنت مؤکدہ سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک رکوع سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے تو ظہر اور جمعہ میں تو اتنا فرق نہیں، اس سے جمعہ کا ساقط ہونا معمولی بات ہے۔ ظہر ساکت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رات دن میں صرف پانچ نمازیں فرض ہیں۔ چھ نہیں، چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ نیز وہ حدیث بھی دلیل ہے جو جواب نمبرا میں آئی ہے۔

۲ روزانہ پانچ نمازیں ہی فرض ہیں۔ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہیں۔ اور باقی دنوں میں سترہ۔ کیوں کہ جب جمعہ سے ظہر ساقط ہو گئی تو ضرور ہے کہ جمعہ کے دن پندرہ رکعتیں فرض ہوں۔ ۹۔ ۱۰ حدیث میں ہے کہ پہلے نماز دو۔ دو رکعت فرض ہوئی۔ پھر ہجرت کے بعد چار رکعت ہو گئی۔ اور سفر کی نماز اسی حالت پر رہی۔ اور خوف کی نماز ایک رکعت ہو گئی بلوغ المرام میں ہے مغرب کی نماز چار رکعت نہیں ہوئی اس لیے کہ وہ دن کے وتر ہیں۔ اور فجر کی نماز بھی چار رکعت نہیں ہوئی کیونکہ اس میں قرأت لمبی ہے۔ نیز ہجرت سے پہلے وضو کے فرض ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ جس آیت سے وضو کی فرضیت ثابت ہوتی ہے اس طرح سے آہستہ آہستہ نمازوں کے احکام میں فرق پڑتا رہا۔ اس فرق سے بعض نمازوں کے نام میں بھی فرق پڑ گیا مثلاً نماز سفر، نماز خوف، نماز جمعہ وغیرہ۔

اب سوال میں نماز جمعہ کو نماز پنجگانہ سے الگ کر کے یوں سوال کرنا کہ نماز پنجگانہ پہلے فرض ہوئی یا جمعہ اس سے کیا مراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ نماز جمعہ نماز پنجگانہ سے الگ ہے تو یہ بالکل غلط ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز خوف وغیرہ بھی الگ ہو، کیوں کہ معراج کی رات یہ قسمیں نہ تھیں۔ اور اگر یہ مراد ہے۔ کہ نماز جمعہ پانچ نمازوں میں داخل ہے۔ لیکن ظہر میں جمعہ کے دن کچھ تفصیل آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن کی ظہر کو نماز جمعہ نام رکھ دیا تو یہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس صورت میں پہلے اور پیچھے کا سوال فضول ہے۔ اگر پیچھے ہو اور حقیقت میں ہے بھی پیچھے کیوں کہ آیت جمعہ پیچھے اتری ہے۔ تو اس

۱۰ وہ مدنی ہے۔

میں کوئی حرج نہیں، عموماً عبادات میں ایسا فرق پڑتا رہا۔ دیکھئے زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی لیکن سونا، چاندی، اونٹ، بکری کی تفصیل سے اور ہر ایک کا الگ نصاب یہ سب کچھ مدینہ میں ہوا پہلے محرم کا روزہ تھا۔ پھر رمضان اترا جس میں روزہ کی جگہ فدیہ (ایک مسکین کو کھانا دینے) کا بھی اختیار تھا پھر اس کے بعد روزہ رکھنا لازم ہو گیا۔ اس طرح سے بہت سے احکام بدلتے رہے۔ ٹھیک اس طرح ظہر میں کچھ کمی بیشی کر کے نماز جمعہ ہو گئی، زید کا اگر ہاتھ کٹ جائے یا کوئی جگہ اس کی سوج جائے یا بچہ سے جوان یا بوڑھا ہو جائے تو کیا وہ کوئی اور شخص ہو جایا کرتا ہے۔ یہ کیسا فضول سوال ہے۔ جس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے۔

۱۱ جمعہ کے دن جمعہ ہی فرض ہے لیکن اگر جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھے۔ مشکوٰۃ باب الخطبۃ والصلوٰۃ میں حدیث ہے۔ جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ دوسری ساتھ ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو گئیں وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے اس کی موید اور روایتیں بھی ہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار وغیرہ۔

۱۲ ہم یہ نہیں کہتے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے۔ کہ خطبہ دو رکعت کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعض احکام میں فرق کر دیا گیا ہے۔ جیسے ظہر جمعہ میں فرق ہے۔ کیوں کہ دو رکعتیں ظہر کی کم کر کے ان کی جگہ خطبہ رکھا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ سامعین کو وعظ ہو، اور وعظ کی اصل صورت یہ ہے کہ سامعین کی طرف منہ ہو۔ اس لیے قبلہ رخ ہونے کی شرط اٹھا دی، جیسے صلوٰۃ خوف کی بعض صورتوں میں جس طرف منہ ہو۔ اسی طرف درست ہے۔ اسی طرح سفر میں وتر اور نفل سواری پر جس طرف منہ ہو درست ہیں۔ اس طرح فجر کی نماز میں لمبی قرأت دو رکعت کے قائم مقام ہے۔ لیکن لمبی قرأت ضروری نہیں، اس طرح صدقہ فطر روزہ کی کمی اور نقصان کو پورا کرتا ہے۔ مگر احکام الگ ہیں۔ اور صدقہ فطر کے الگ اور نماز میں بھول کر پانچ رکعت پڑھی جائیں تو سجدہ سہو ایک رکعت کے قائم مقام ہو جاتا ہے اسی طرح سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات میں پڑھے تو قیام لیل کا کام دے سکتی ہیں اسی طرح سورہ آل عمران کا آخری رکوع حالاں کہ قرآن مجید میں قبلہ رخ ہونا شرط نہیں، غرض یہاں رائے قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ حکم کی تعمیل ہے۔ جس طرح وارد ہوا اسی طرح کرتے جانا چاہیئے۔ مومن کا کام آمنا وصدقنا ہے، نہ چون وچرا۔ اور اگر آپ ضرور کرید ہی کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کی مثال آپ یوں سمجھے کہ تھانیدار کی عدم موجودگی میں تھانیدار کا کام منشی کرتا ہے۔ حالاں کہ ویسے ان میں بڑا فرق ہے۔

(۱۳، ۱۴، ۱۵) ان تینوں نمبروں کا جواب نمبر ۱۱ میں آچکا ہے۔

(۱۶) جو شرائط قرآن وحدیث میں آچکے ہیں، وہ بسروچشم منظور ہیں اور ان کے فوت ہونے سے جمعہ نہیں ۔۔۔ جیسے جماعت۔ ہاں کسی شرط کی بابت حدیث میں آجائے کہ اس کے نہ پانے کی صورت میں بھی جمعہ ہو ۔۔۔ تو ۔۔۔ صورت میں

جمعہ ہو جائے گا۔ جیسے ۱ میں گزر چکا ہے۔ کہ ایک شخص نے صرف ایک رکعت پائی نہ خطبہ پایا نہ پہلی رکعت میں شامل ہوا تو وہ ایک رکعت اور ملا لے۔ گویا خطبہ فوت ہونے سے اس کے جمعہ میں فرق نہیں آیا۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے شافعیہ کہتے ہیں۔ رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ ان کے نزدیک فاتحہ واجب ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک بھی رکوع میں رکعت ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ ان کے نزدیک قیام فرض رہ جاتا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم تکبیر کہہ کر قیام کر کے امام کے ساتھ ملتے ہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہے۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ امام کو جس حالت میں پاؤ۔ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ اس لیے اگر امام سجدہ میں ہو تو کوئی شخص رکوع کر کے سجدہ میں امام سے ملے تو اس کا نہ شافعیہ اعتبار کرتے ہیں نہ حنفیہ۔

(۷) نمبر ۱ میں اس سوال کا جواب آچکا ہے۔ کیوں کہ نمبر ۱ میں جو حدیث گذری ہے۔ وہ عام ہے۔ ایک کو بھی شامل ہے۔ زیادہ کو بھی۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ اِلَيْهَا اُخْرٰى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْقَالَ الظُّهْرَ۔ یعنی جو جمعہ کی ایک رکعت پائے وہ ساتھ دوسری ملائے اور جس سے دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار پڑھے یا فرمایا ظہر پڑھے۔

اس حدیث میں کلمہ مَنْ ہے جس میں ایک بھی داخل ہے اور زیادہ بھی داخل ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں ہے۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله وباليوم الآخر وما هم بمؤمنين۔

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن آخرت پر لیکن حقیقت میں وہ سب ایمان والے نہیں۔

نوٹ: جمعہ اور ظہر اور دیہات میں جمعہ کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ہمارا رسالہ اظفار الشمعو ملاحظہ کریں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ　　فتاوے اہلحدیث ص ۳۳۶ ج ۲

سوال: (۸) کیا نماز جمعہ ظہر ہے یا ظہر کا بدل؟

جواب: جمعہ ایک لحاظ سے ظہر ہے۔ ایک لحاظ سے ظہر کا بدل ہے۔ اگر یہ لحاظ کریں کہ جمعہ میں اور باقی دنوں کی ظہر میں فرق ہے۔ تو اس کو بدل کہہ سکتے ہیں۔ اور اگر یہ لحاظ کریں کہ بعض باتوں کے بدلنے سے اسم نہیں بدلتا تو اس کو ظہر کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سب نمازیں پہلے دو دو رکعت فرض ہوئیں تھیں، مدینہ منورہ میں آکر چار رکعت ہو گئیں۔ اور پہلے نماز میں کلام جائز تھی۔ پھر حرام ہو گئی۔ اس طرح اور بہت سی باتوں میں فرق پڑ گیا۔ مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ صلوٰۃ

کی رات جو پانچ نمازیں فرض ہوئیں تھیں وہ نہیں رہیں۔ بلکہ ان کی جگہ پانچ نئی فرض ہوگئیں۔ ٹھیک اسی طرح جمعہ کو سمجھ لینا چاہیے البتہ باقی دنوں میں ظہر فرض ہے۔

سوال (۱)، کیا نماز جمعہ صلوٰۃ خمسہ فرضیہ میں سے ہے۔ یا علیحدہ مستقل نماز۔ اس کی وجہ کسی صحیح حدیث سے ثابت کرو؟

جواب: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رات دن میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ جمعہ پانچ نمازوں میں سے ایک ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ جمعہ کے دن چھ نمازیں فرض ہیں۔

سوال (۲)، نماز جمعہ فرض مطلق ہے یا مقید۔ اس کی تعریف کسی دلیل شرعیہ سے کرو؟

جواب: اگر مقید سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی قید یا استثناء ہو تو سب نمازیں ایسی ہی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، واقیموا الصلوٰۃ۔ اس سے نفاس والی مستثنیٰ ہے یا یوں کہو کہ فَتَوَلَّوا اَیْنَمَا تُوَلُّوْا قَانِتِیْنَ سے بیمار مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کو قیام معاف ہے۔ اور اگر مقید سے یہ مراد ہو کہ باقی نمازوں کی قیود اور شروط کے علاوہ کچھ اور بھی ہوں تو اس لحاظ سے جمعہ میں قید نہیں کیونکہ جمعہ میں دو رکعت ہی پڑھی جاتی ہیں۔ اور ظہر وغیرہ میں چار۔ اور اگر یہ مراد ہو کہ جمعہ کی شروط گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہوں تو یہ سائل کی غلطی ہے۔ کیونکہ اس کو مطلق مقید نہیں کہتے اس لیے کہ مطلق مقید میں داخل ہوتا ہے۔

سوال (۳)، جس شخص کو نماز جمعہ با جماعت نہ مل سکے۔ تو وہ کیا کرے، چار رکعت پڑھے یا دو۔ اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو؟

جواب: چار پڑھے۔ کیونکہ کفایہ شرح ہدایہ اور ازالۃ الخفاء میں نقلاً من مصنف ابن ابی شیبہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ خطبہ جمعہ قائم مقام دو رکعت ظہر کے ہے۔ پس ضرور ہوا کہ جس کا جمعہ رہ جائے وہ چار پڑھے۔

سوال (۵)، نماز جمعہ کا اجراء مکہ مکرمہ میں ہوا۔ یا مدینہ منورہ میں فرض ہوا۔ اور اس نماز کا حکم باقی نماز ہائے فرضیہ کے ساتھ ہوا یا بعد میں، اگر بعد میں ہوا تو اس کی وجہ کسی حدیث صحیح سے ثابت کرو۔ کہ یہ حکم بعد میں کس بنا پر صادر ہوا۔

جواب: جس کو عرف میں جمعہ کہا جاتا ہے۔ وہ مدینہ منورہ میں فرض ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے سب دلائل مدنی ہیں۔ آیت بھی اور احادیث بھی۔ ہاں اصل ظہر مکہ مکرمہ ہی میں فرض ہو چکی تھی۔ کیونکہ معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ جن میں ظہر بھی داخل ہے۔ اس کی دو رکعت کم ہو کر جمعہ بن گیا۔

سوال (۶)، اگر فرض مطلق ہے۔ تو اس سے عورت اور صبی (بچہ) اور مریض اور مسافر اور معذور کیوں مستثنیٰ ہے۔

باوجودیکہ یہ نماز دو رکعت ہے۔ اور جو نمازیں کہ چار چار رکعت ہیں۔ اور ہر روز پانچ دفعہ پیش آتی ہیں۔ ان میں ان کی کیوں رعایت نہیں کی گئی۔ اگر فرض مقید ہے۔ تو اس کی تشریح اس آیت سے کی جائے جس سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

جواب : جواب نمبر ۲ میں گزر چکا ہے۔ کہ مقید سے کیا مراد ہے۔ جب مقید کا معنی متعین نہ ہوا تو مطلق جو اس کے مقابل ہے۔ اس کا معنی بھی متعین نہ ہوا۔ پس یہ سوال قابل جواب نہیں۔ ہاں اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جمعہ کی قیود گنتی میں باقی نمازوں سے زیادہ ہیں۔ اور اس کے پڑھنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے۔ خصوصاً جب کہ سب بستی کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ تو اس حالت میں مشقت کے علاوہ بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اس لیے حدیث میں ضعفاء کو اور ضرورت والوں کو مستثنٰی کر دیا۔ جن کا سوال میں ذکر ہے۔

سوال (۱) جمعہ کی فرضیت سورۃ جمعہ سے بیان ہوتی ہے۔ لیکن مطابق تعریف لاشہ فیہ کے چند شبہات اس میں ظاہر ہیں۔

شبہ نمبر ۱ یا ایھا الذین امنوا میں حکم عام ہے تو اس حکم سے مذکورہ اشخاص عورت وغیرہ کیوں مستثنٰی ہے

شبہ ۲ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ میں من ظہر الجمعۃ نہیں آیا۔ ظہر کی خصوصیت اس سے ثابت نہیں ہوتی۔ یوم سے مراد سالم دن ہوتا ہے۔

شبہ ۳ فاسعوا الی ذکر اللہ سے مراد خدا کو یاد کرنا ہے۔ یعنی ذکر بمعنی یاد کرنے کے ہے۔ چاہیئے تھا کہ فاسعوا الی صلوٰۃ الجمعۃ درج ہوتا۔

شبہ ۴ وذروا البیع کا لفظ صاف ثابت کرتا ہے کہ یہ حکم صرف ان ہی نمازیوں کے واسطے تھا، جو اس وقت بیع شراء کے خیال سے خدا کے ذکر کو چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے رہنے والے تھے۔ تو اب ان شبہات سے معلوم ہوا کہ مطابق تعریف فرض کے یہ فرض مطلق نہ ہوا۔ کیوں کہ ہر ایک شے اپنی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔

جواب (۱) پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک حدیث سے کتاب اللہ کی تخصیص ہو سکتی ہے۔ اس لیے عورت وغیرہ کی حدیث نے تخصیص کر دی۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل براوری بالاجماع مخصوص ہیں تو یہ آیت عام مخصوص منہ البعض ہو گئی جو ظنی ہے۔ پس حدیث سے تخصیص ہو گئی۔

دوسرے شبہ کا جواب بھی یہی ہے کہ حدیثوں میں ظہر کا وقت آ گیا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ فاسعوا الی ذکر اللہ میں صلوٰۃ کے لفظ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ نودی للصلوٰۃ میں صلوٰۃ کا لفظ آ چکا ہے۔

چوتھے شبہ کا جواب یہ ہے کہ خصوص مورد کا اعتبار نہیں، عموم لفظ کا اعتبار ہے۔ یہ اصول مسئلہ ہے جس کو سائل سمجھا نہیں۔

رہی یہ بات کہ بیع سے کیا مراد ہے۔ سو اس کا سائل نے سوال نہیں کیا۔ لیکن ہم جواب دے دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ میں روایت ہے کہ شاید کہ ایک تمہارا بکریاں لے کر مدینہ سے ایک دو میل کے فاصلہ پر جا رہے۔ پس گھاس مشکل سے ملے، پھر ذرا اور دُور چلا جائے۔ پس جمعہ کو حاضر نہ ہو پھر جمعہ آئے تو حاضر نہ ہو۔ یہاں تک کہ اللہ اس کے دل پر مُہر کر دے۔

اس حدیث سے اور اس جیسی اور احادیث سے معلوم ہوا کہ بیع سے ہر کام مراد ہے۔ صرف شانِ نزول کے لحاظ سے بیع کا لفظ بولا گیا۔ جیسے وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا میں شانِ نزول کے لحاظ سے تحصن کی شرط ذکر کر دی ہے۔

سوال ۸ اگر ایسے حکم سے جمعہ کی فرضیت ثابت ہے تو اور بہت سے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں، جن پر عملدرآمد نہیں کیا جاتا۔ ہم وہ جملہ احکام مفصل بیان کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ معترض کو ان کے ماننے میں کوئی عذر نہ ہو۔

جواب: اگر ایسے احکام ہوتے تو سائل ڈر کر پردہ نہ ڈالتا بلکہ ان کی تصریح کرتا۔

سوال ۹ اگر فرض مطلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد چند در چند مقامات پر جمعہ کیوں نہیں پڑھا۔ معاذ اللہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ نماز کو ترک کر دیتے ہرگز نہیں۔

جواب: جب مطلق مقید کی مراد ہی معین نہیں تو سوال فضول ہے۔ پھر جن شروط کے ساتھ فرض ہے۔ اگر چھوڑا ہے تو ان ہی میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی صورت میں چھوڑا ہوگا، جیسا کہ حجۃ الوداع میں سفر کی وجہ سے ترک کیا تھا۔

سوال ۱۰ بالفرض اگر اس ملک میں نمازِ جمعہ ادا کی جائے تو اس کے بعد نمازِ ظہر کیوں نہ پڑھی جائے۔

کیونکہ جمعہ نمازِ ظہر کا مسقط کسی طرح نہیں بن سکتا۔ جمعہ اور ظہر میں اختلاف بہت ہے۔

اوّل یہ کہ جمعہ دو رکعت ہے اور ظہر چار رکعت۔

دوم جمعہ میں تین اذان شرط ہیں اور ظہر میں دو اذان۔

سوم جمعہ معذوروں کو معاف ہے۔ اور ظہر معاف نہیں۔

چہارم: جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور ظہر میں نہیں۔

پنجم: جمعہ قبل از زوال بھی جائز ہے۔ اور ظہر جائز نہیں۔

ششم: جمعہ صلوٰۃ قصر میں سے بروئے حدیث ایک علیحدہ نماز ہے۔ اور ظہر علیحدہ نہیں۔

جواب: بعض باتوں میں فرق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل غیر ہو جائے۔ چنانچہ نمبر اول میں گزر چکا ہے۔ پھر حدیث میں ہے۔ کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اگر جمعہ مسقط ظہر نہ ہو تو نمازیں چھ ہو جائیں گی۔ اور اس حدیث سے مخالفت لازم آئے گی۔

سوال ۱۱: جب کہ جمعہ کی فرضیت میں شک ہے تو مشکوک نماز فرض عین کا مسقط ہرگز نہیں ہو سکتی۔

جواب: جب فرضیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو مشکوک چہ معنی دارد۔

سوال ۱۲: آیت شریف کا مبین اگر حدیث شریف بیان کرے تو اس قسم کی چند آیات مع حدیث کے ہم آپ کو بتلا سکتے ہیں۔ جن پر آپ کا کوئی عملدرآمد نہیں۔ اگر آپ جمعہ ادا کریں گے تو باقی احکام کی تعمیل بھی آپ پر فرض ہوگی۔

جواب: اگر ایسی آیات مع احادیث ہیں تو آپ بیان کرتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سائل ایسے فقروں سے محض مفروضہ رعب ڈالنا چاہتا ہے۔ ہاتھ پلے کچھ نہیں۔ خیر اللہ معرفت دے اور ضد و عناد سے دور رکھے۔ آمین

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ فتاوےٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۳۴۰

سوال: ابو داؤد مسلم شریف میں ہے۔ صليت معه الجمعة فى المقصورة۔ مقصورہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: قال القارى المقصورة موضع معين فى الجامع وقال ابن عابدين الظاهر ان المقصورة فى زمانهم اسم لبيت فى داخل الجدار القبلى من المسجد كان يصلى فيها الامراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو انتهى وقال اول من عملها معاوية بن ابى سفيان حين ضربه الخارجى۔

محدث دہلی جلد نمبر ۸ ش ۵

مسئلہ: مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما۔ یعنی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا جب تم میں سے کوئی آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو ہلکی ہلکی دو رکعتیں

پڑھ لے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اول خطبہ کی یا دوسرے کی کوئی شرط نہیں بلکہ جب آئے پڑھ لے۔ مسلمان کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اپنی طرف سے ذرا کم و بیش نہ کرے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان یہی تھی جیسے مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں فرمایا "اجلسوا" یعنی بیٹھ جاؤ، عبداللہ بن مسعود آ رہے تھے۔ مسجد کے دروازہ میں تھے کہ یہ ارشاد ان کے کان میں پڑا، وہیں بیٹھ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبداللہ آگے آجا، پھر آگے آگئے۔ سو مسلمان کی یہی شان ہونی چاہیے کہ فرمان نبوی کے سامنے ذرا چوں چرا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں سنت نبوی کا شوق دے تاکہ تغیر کمی و بیشی کے عامل ہو جائیں۔ آمین

حافظ عبداللہ روپڑی　　　　رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص۵

مسئلہ ظہر احتیاطی کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جمعہ کے شرائط میں شک ہے۔ اس لیے جمعہ پڑھ کر ظہر بھی پڑھ لینی چاہیے۔ اگر بالفرض جمعہ صحیح نہ ہوا تو ظہر ہو جائے گی۔ مگر یہ بات ظاہر ہے۔ کہ جب ایک شے کے لیے کوئی شرط ہو اور شرط کے نہ ہونے کا ہمیں یقین ہو جائے تو اس میں شک کرنا فضول ہے۔ اور اگر اس کا شرط ہونا ہی معلوم نہیں، تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو ایک مثال سے سمجھائیں۔ مثلاً ہم نماز کے لیے وضو کرنا چاہتے ہیں، مگر وضو کے لیے جو پانی ملا ہے۔ اس کے نجس ہونے کا ہمیں یقین ہے تو اس صورت میں ہم تیمم کریں گے، کیوں کہ تیمم وضو کا نائب ہے۔ اب بتلائیے پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کی ضرورت کیوں ہوئی۔ اس لیے کہ پانی کے لیے طہارت شرط ہے جب پانی میں طہارت نہ ہونے کا یقین ہو گیا تو تیمم کے مسئلہ پر عمل کر لیا۔ اور اگر ہمیں پانی کے لیے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہ ہو یعنی کسی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ کہ وضو کے پانی کے لیے طہارت شرط ہے اور یہ مسئلہ معلوم ہے کہ وضو کرنا فرض ہے تو کیا ہم اس صورت میں صرف وضو کریں گے یا وضو اور تیمم دونوں کو جمع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ وضو پر اکتفا کریں گے کیوں کہ تیمم اس وقت ہوتا ہے۔ جب وضو نہ ہو، اور جب پانی کے لیے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہیں تو نجس سے وضو صحیح ہو گا۔ پھر تیمم کا کیا محل جب مثال سمجھ میں آگئی تو اب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جمعہ کے لیے شہر کی شرط یا سلطان کی شرط یا شہر میں ایک جگہ ہونے کی شرط ہے یا نہ، اگر شرط ہے تو جہاں یہ شرائط ہوں گے، وہاں جمعہ صحیح ہو گا۔ جہاں نہیں ہوں گے، جمعہ نہیں ہو گا۔ جمعہ پڑھ کر ظہر پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں، اور اگر شرط نہیں یعنی کسی دلیل سے ان کا شرائط ہونا معلوم نہیں۔ اور خدا حکم دیتا ہے کہ جمعہ پڑھو تو پھر جمعہ صحیح ہے۔ اس میں شک ہو کر ظہر پڑھنا اس کا کیا مطلب، اللہ اور اس کا رسول تو ایک فرض کرے اور ہم دونوں جمع کر لیں۔ یہ تو ایسا ہوا جیسے ظہر کے چار فرضوں کی بجائے چھ پڑھ لیں، اسی واسطے امام ابو حنیفہ ؒ

اور باقی تین اماموں سے ظہر احتیاطی کی کوئی روایت نہیں حتی اگر کوئی چار اماموں سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کردے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ یہ ثابت نہیں۔ ہم نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کو زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو منگا کر دیکھے اس میں نہایت عجیب پیرائے میں اس مسئلہ پر اور دیگر شرائط جمعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ (رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ملا)

سوال: یہ سب شرطیں نماز جمعہ کی جواز کے واسطے جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان کی کوئی سند ہے یا نہیں؟

جواب: جمعہ کی نماز اور فرض نمازوں کی مثل ہے۔ جو کچھ ان میں شرط ہے، جیسے پاک ہونا بدن کا اور کپڑے کا اور جگہ کا وغیرہ ذلک اس نماز میں بھی شرط ہے اور اس کے پہلے دو خطبوں کا مشروع ہونا اسمیں زیادہ ہے۔ اور نماز دل کی نسبت اور اس نماز کی اور نمازوں سے مخالف ہونے کے لیے کوئی دلیل نہیں آئی۔ اس جگہ سے معلوم ہوگیا کہ اس نماز میں اور نمازوں سے زیادہ مثل امام اعظم اور مصر جامع اور عدد مخصوص وغیرہ کے شرط ٹھہرانے کے لیے کوئی سند صحیح نہیں، اس لیے کہ اس کے مستحب ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ واجب ہونا تو رہا اور شرطیت تو چیز دیگر ہے بلکہ دو شخصوں کا ایسی جگہ میں جہاں ان کے سوا کوئی موجود ہو جمعہ کا ادا کرلینا ان سے واجب کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور اگر ایک نے ان میں سے خطبہ بھی پڑھ لیا تو سنت پر عمل کیا اور اگر نہ پڑھا تو خطبہ ایک سنت ہی ہے یعنی واجب نہیں ہے۔ بلکہ اگر نماز جمعہ میں جماعت کے واجب ہونے کی دلیل وارد نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کو جماعت کے بغیر کبھی ادا کرنا ثابت ہوتا تو ایک آدمی کا بھی جمعہ کو ادا کرلینا اور نمازوں کی طرح کافی ہو جاتا و لیکن حدیث طارق بن شہاب میں آیا ہے۔ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ رواہ ابو داؤد یعنی جمعہ کا ادا کرنا جماعت میں ہر مسلمان پر حق واجب ہے۔ اور اس سے جماعت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور مذہب والوں کے نزدیک جمعہ کی شرطوں میں سے عمدہ دو شرطیں ہیں۔ ایک عدد مخصوص دوسرا مصر جامع اور خلاف اس مسئلہ میں نہایت پھیلا ہوا ہے۔ حافظ نے فتح الباری میں عدد معین کے اعتبار میں پندرہ مذہب ذکر کیے ہیں۔ اور کہا ہے کہ پندرہواں مذہب یہ ہے کہ جماعت کثیر ہو بلا قید، اور سیوطی رح نے اسی کو امام مالک سے نقل کیا۔ اور دلیل کی رو سے انسب ہے کہ یہی مذہب اخیر قوی ہو انتہی شوکانی رح نے نیل الاوطار میں کہا جس طرح کہ تنہا ایک کے لیے جمعہ کے صحیح ہو جانے کی کوئی سند نہیں اسی طرح اسی یا تمیں یا بیس یا نو یا سات نفر کی شرط ہونے کی کوئی سند نہیں۔ اور جس نے کہا کہ دو آدمیوں کے ساتھ جمعہ صحیح ہے اس کی دلیل واجب ہے حفظ عدد کا ہے۔ حدیث اور اجماع سے اور کسی عدد مخصوص کی شرط ہونے کی دلیل سے نہ ثابت ہونا اور سب نمازوں میں

دو کی جماعت کا صحیح ہونا اور جمعہ اور باقی جماعتوں کا یکساں ہونا اور بغیر اس عدد یا اس عدد کے جمعہ کے نہ منعقد ہونے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی نہ ہونا اور میرے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ انتہیٰ حاصل کلام یہ ہے کہ شارع نے جماعت کا اطلاق دو پر اور دو سے زیادہ پر کیا ہے۔ اور باقی سب نمازیں باتفاق علماء دو سے منعقد ہو جاتی ہیں۔ اور جمعہ بھی ایک نماز ہے۔ تو جب تک کوئی دلیل خاص کرنے والی نہ ہو اور نمازوں کے خلاف کسی حکم سے مختص نہ ہوگا۔ اور جو عدد کہ اور نمازوں میں معتبر ہے۔ اس کے علاوہ جمعہ میں اعتبار کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ عبدالحق نے (جو قدمائے اہلحدیث سے ہیں) کہا کہ جمعہ کے عدد میں کوئی حدیث ثابت نہیں اور سیوطی نے کہا کسی حدیث سے عدد مخصوص کی تعیین ثابت نہیں انتہیٰ اور جو احادیث عدد مخصوص کی اعتبار پر دلالت کرتی ہیں، سب ضعیف ہیں۔ اور حفاظ حدیث نے ان میں کلام کی ہے پس وہ استدلال کے لائق نہ رہیں۔ اور ان سے حجت قائم نہ ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس مصر جامع کے نہ شرط ہونے پر، حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جمعہ ہونے کے بعد پہلا جمعہ موضع جواثا (جو بحرین کے ملک میں ہے) عبدالقیس کی مسجد میں پڑھا گیا۔ (رواہ البخاری) اور جواثا ایک گاؤں کا نام ہے۔ بحرین کی بستیوں میں سے اور ظاہر یہ ہے کہ عبدالقیس نے اس جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر قائم نہ کیا ہوگا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی۔ کہ نزول وحی کے زمانہ میں کسی چیز کی مشروعیت کا فتویٰ اور نہیں مانگتے تھے۔ اور اپنی طرف سے اسے مشروع نہیں ٹھہرایا کرتے تھے پس اگر یہ جمعہ جائز نہ ہوتا تو ضرور اس کے بارے میں قرآن کریم نازل ہوتا: چنانچہ جابرؓ اور ابو سعیدؓ نے عزل (یعنی انزال کے وقت ذکر کو نکال کر باہر انزال کرنا تاکہ علوق حمل نہ ہو جائے) کے جواز پر استدلال کیا اس سے کہ انہوں نے زمان نزول وحی میں عزل کیا اور اس کی ممانعت نہ آئی۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث لَا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ (یعنی جمعہ اور عید کا پڑھنا مصر جامع کے سوا درست نہیں) کو امام احمد نے ضعیف کہا اور کہا کہ اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ اور ابن حزم نے اس کے موقوف ہونے کا جزم کیا ہے۔ اور یہ موقوف مرفوع حکمی بھی نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے پس حجت اس سے قائم نہ ہوگی اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحرین والوں کو لکھا کہ جس جگہ ہوا کرو جمعہ ادا کر لیا کرو۔ اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا۔ اور یہ بستیوں اور شہروں کو شامل ہے۔ اور بیہقی نے لیث بن سعد سے روایت کی کہ حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اہل مصر اور اطراف مصر کے رہنے والے انکے حکم سے جمعہ ادا کرتے تھے اور ان میں ایک جماعت صحابہ کی بھی موجود تھی۔ اور عبدالرزاق نے صحیح سند کے ساتھ ابن عمر رضہ سے روایت کی ہے۔ کہ وہ مکے اور مدینہ کے بیچ کے گاؤں والوں کو جمعہ پڑھتے دیکھتے تھے اور ان پر کچھ عیب

نہیں کرتے تھے۔ اور صحابہ کے اختلاف کے وقت مرفوع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور اسباب میں اور بھی حدیثیں ہیں اور جب بستیوں میں جمعہ پڑھنا ثابت ہوگیا۔ تو امام اعظم (یعنی بادشاہ) شرط ہونا بے اصل ہوگیا، کیوں کہ بادشاہ بستیوں میں نہیں رہا کرتا۔ اور علی القیاس مسجد بھی شرط نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور باقی علماء بھی یہی فرماتے ہیں کیوں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور یہی قول قوی ہے۔ اور اہل تواریخ کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان کے بیچ جمعہ پڑھنا مروی ہے۔ اور ابن سعد نے بھی اس کو روایت کیا۔ اور اگر اسکی صحت کو نہ مانیں تب بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف مسجد میں جمعہ ادا کرنا مسجد کے شرط ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم مجموعہ فتاوٰی جلد دوم ص۱۲ (مولفہ نواب صدیق حسن خان ؒ)

سوال ؛ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جب امام جمعہ کی دونوں رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھتا ہے اس وقت زید اگر جماعت میں مل گیا بعد پھیرنے سلام امام کے اب زید کو دو رکعت جمعہ ادا کرنی چاہیے یا چار رکعت ظہر کی، کیوں کہ اب وہ اکیلا نماز پڑھتا ہے اور جمعہ کی نماز اکیلے نہیں ہوتی۔ از روئے قرآن و حدیث جواب سے سرفراز فرمائیں۔

جواب ؛ چار رکعت پڑھے نہ دو۔ (قال اللہ تعالیٰ ؛ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (وقال تعالیٰ ؛ مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؛ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرَى (زاد فی روایۃ ابی نعیم ؛ وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ فِي التَّشَهُّدِ صَلَّى أَرْبَعًا (رواہ عن ابی هریرۃ (قال ك صحیح واقرہ فی التلخیص کذا فی التیسیر شرح جامع الصغیر

فتاوٰی ستاریہ جلد اول ص۱۸

سوال ؛ ایک شخص سے ایک جمعہ جماعت کی غیر حاضری ہوگئی بسبب نہانے دھونے کپڑے وغیرہ کے اور نماز ان کی آواز سنی جاتی تھی۔ اس جگہ جہاں مذکورہ بالا کام میں مشغول تھا۔ لہٰذا اپنے وقت کے اندازے پر بہت کچھ دوڑا بھاگا۔ جمعہ نہیں آیا ہاتھ۔ اب شریعت محمدیہ اس شخص کے حق میں کیا حکم عنایت کرتی ہے؟

جواب

وسعت ہو تو تین روپے ورنہ ڈیڑھ روپیہ کفارہ دے۔

فتاوٰی ستاریہ جلد اول ص۹۲

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱؎ جمعہ دیہات میں پڑھا جاوے یا نہ اگر پڑھا جاوے تو احتیاطاً ظہر یا غیر۔

۲؎ جواثی قریہ ہے یا شہر اس میں جمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا، یا اصحابوں نے رضوان اللہ علیہم

۳؎ وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے کتنے فاصلے پر ہے؟

۴؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے تشریف لے گئے تو اس وقت بادشاہ تھے یا نہیں؟

۵؎ حضرت علی رضہ کا قول لاجمعۃ ولا تشریق الخ کیا صحیح ہے یا ضعیف ہے؟

۶؎ حدیث ابن ماجہ جس سے جمعہ ہونے کے لئے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے، وہ کیا ہے اور کیسی ہے، صحیح ہے یا ضعیف اور قرآن سے بادشاہ کا ہونا نکلتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جمعہ دیہات میں وجوباً و فرضاً پڑھنا چاہیے، اس واسطے کہ ادلۂ ثبت وجوب جمعہ عام ہیں۔ جیسے آیت اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الایۃ اور حدیث الجمعۃ واجب علی کل محتلم رواہ ابوداؤد والنسائی ادلۂ مثبت وجوب جمعہ سے جیسے شہر میں جمعہ واجب و فرض ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح دیہات میں بھی، اور عام جب تک اس کے مقابل کوئی خاص موازن اس کی صحت میں نہ پایا جاوے، اپنے عموم پر محمول ہوتا ہے اور ادلۂ مثبت وجوب کی اپنے عموم پر باقی رہنے کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے جن کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔ عن عمر انہ کتب الی اھل البحرین ان جمعوا حیثما کنتم قال الحافظ وھذا یشمل المدن والقری قال اخرجہ ابن ابی شیبۃ ایضا من طریق ابی رافع عن ابی ھریرۃ عن عمر وصححہ ابن خزیمۃ وروی البیھقی من طریق الولید بن مسلم سألت اللیث ابن سعد فقال کل مدینۃ او قریۃ فیھا جماعۃ امروا بالجمعۃ فان اھل مصر و سواحلھا کانوا یجمعون الجمعۃ علی عھد عمر و عثمان بامرھما وفیھما رجال من الصحابۃ وعند عبد الرزاق باسناد صحیح عن ابن عمر انہ کان یری اھل المیاہ بین مکۃ والمدینۃ یجمعون فلا یعیب علیھم کذا فی فتح الباری جزء ۲ ص ۳ مطبوعہ مصر۔ ان روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو ادلۂ مثبت وجوب جمعہ کے عموم پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱؎ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ اور حدیث جمعہ ہر جوان آدمی پر واجب ہے۔

۲؎ حضرت عمر رضہ نے اہل بحرین کو لکھا کہ جہاں بھی تم ہو جمعہ پڑھا کرو۔ حافظ نے کہا یہ شہروں اور بستیوں دونوں کو شامل ہے۔

۲ جواثی قریہ ہے، شہر نہیں ہے، صحیح بخاری میں ہے عن ابن عباس قال اول جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین وفی روایۃ لابی داؤد قریۃ من قری البحرین یعنی مسجد نبوی میں جمعہ ہونے کے بعد اول جمعہ مقام جواثی میں ہوا اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، دیکھو ابوداؤد کی نفس روایت سے جواثی کا قریہ ہونا نصاً وصراحتاً ثابت ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں قولہ بجواثی من البحرین وفی روایۃ وکیع قریۃ من قری البحرین وفی اخری عنہ من قری عبد القیس یعنی وکیع کی روایت میں ہے کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے اور ان کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جواثی عبد القیس کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ بحرین ایک شہر[1] ہے اور اس شہر کے متعلق متعدد قریے ہیں، انہی قریوں میں سے جواثی بھی ایک قریہ ہے۔ اور علامہ جوہری اور زمخشری اور ابن الاثیر نے جو لکھا ہے کہ جواثی بحرین کا ایک قلعہ کا نام ہے سو یہ جواثی کے قریہ ہونے کے منافی نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ شہر بحرین کا جواثی ایک قریہ ہے اور اسی قریہ میں قلعہ ہے۔ پس جواثی کو قریہ کہنا بھی صحیح ہے اور جواثی کو قلعہ کہنا بھی صحیح ہے، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، وحکی الجوھری والزمخشری وابن الاثیر ان جواثی اسم حصن بالبحرین وھذا لاینافی کونھا قریۃ اور علامہ ابن التین نے ابوالحسن لخمی سے جو نقل کیا ہے کہ جواثی ایک شہر ہے، سو ابوالحسن کا یہ قول قابل اعتبار اور لائق اعتماد کے نہیں ہے۔ کیونکہ جب خود حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جواثی بحرین کے قریوں میں سے ایک قریہ ہے، تو بمقابلہ اس کے ابوالحسن کا یہ قول کہ جواثی ایک شہر ہے کب قابل التفات ہو سکتا ہے۔ علاوہ اس کے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد جواثی قریہ سے شہر ہو گیا ہو، اسی بنا پر ابوالحسن نے جواثی کو شہر کہا ہو، جیسے مرور زمانہ کے بعد بہت سے قریہ آباد ہوتے ہوتے شہر بن جاتے ہیں اور بہت سے شہر ویران ہوتے ہوتے قریہ ہو جاتے ہیں۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:۔ وحکی ابن التین عن ابی الحسن

ولید بن مسلم نے کہا، میں نے لیث بن سعد سے پوچھا کہ انہوں نے کہا، ہر شہر یا بستی جس میں کوئی جماعت ہو وہ ان کو حکم دیا گیا ہے، اہل مصر اور دریا کے کنارے پر رہنے والے حضرت عمر و عثمان کے زمانہ میں ان کے حکم سے جمعہ پڑھا کرتے تھے، حالانکہ ان میں بعض صحابہ بھی موجود تھے، حضرت عبداللہ بن عمر مکہ اور مدینہ کے درمیان چشمے والوں کو دیکھتے کہ وہ اپنے خیموں میں جمعہ پڑھتے تھے اور عبداللہ بن عمر ان کو منع نہ کرتے تھے۔ ۱ جوہری و زمخشری اور ابن اثیر نے بیان کیا کہ جواثی بحرین میں ایک قلعہ کا نام ہے اور یہ

---

(۱) صراح میں ہے کہ بحرین نام شہر ہے ۱۲۔

اللغنی انہا مدینۃ وما ثبت فی نفس الحدیث من کونہا قریۃ اصح مع احتمال ان تکون فی الاول قریۃ ثم صارت مدینۃ انتہی اور قریہ جواثی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ نہیں پڑھا ہے بلکہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے پڑھا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ صحابہؓ نے جواثی میں آپ کے حکم سے جمعہ پڑھا، اس واسطے کہ صحابہ کی یہ عادت تھی، کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کام شرعی اور دینی محض اپنی طرف سے قائم وجاری نہیں کرتے تھے، امام بیہقی معرفۃ السنن میں فرماتے ہیں ؎ کانوا لا یستبدون بامور الشرع بجمیل نیاتہم فی الاسلام فالاشبہ انہم لم یقیموا فی ہذہ القریۃ الا بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتہی حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں، والظاہران عبد القیس لم یجمعوا الا بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما یعرف من عادۃ الصحابۃ من عدم الاستبداد بالامور الشرعیۃ فی زمن الوحی ولانہ لوکان ذلک لایجوز لنزل فیہ القرآن کما استدل جابر وابو سعید علی جواز العزل فانہم فعلوہ والقرآن ینزل فلم ینہوا عنہ انتہی واللہ اعلم

؎ وادی بنی سالم بن عوف مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر یا ایک میل سے کچھ کم یا زیادہ پر واقع ہے اس واسطے کہ وادی بنی سالم مدینہ اور قبا کے درمیان واقع ہے۔ اور قبا مدینہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تلخیص الحبیر میں ہے روی البیہقی فی المعرفۃ عن المغازی ابن اسحق وموسی بن عقبۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین رکب من بنی عمرو بن عوف فی ہجرتہ الی المدینۃ مر علی بنی سالم وہی قریۃ بین قباء والمدینۃ فادرکتہ الجمعۃ فصلی فیہم الجمعۃ وکانت اول جمعۃ صلاہا حین قدم اور مجمع البحار میں ہے۔ قبا بضم قاف وفتح موحدۃ ممدود وقصر موضع بمیلین او ثلاثۃ من المدینۃ۔ واللہ تعالی اعلم

(بقیہ) بستی ہونے کے منافی نہیں ہے ابوالحسن لخمی کہتے ہیں کہ جواثی شہر ہے اور جو حدیث میں بستی کا لفظ آیا ہے ممکن ہے کہ پہلے وہ بستی ہو اور بعد میں شہر بن گیا ہو ۱۲ ؎ اپنی نیتوں کے اچھا ہونے کے باوجود وہ شرعی کاموں کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے تو گمان یہی ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جمعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے شروع کیا ہوگا۔ ؎ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جمعہ شروع کیا تھا کیونکہ صحابہ کی عادت معلوم ہے کہ وہ امور شرعیہ کو از خود شروع نہیں کیا کرتے تھے، اور اگر بستی میں جمعہ ناجائز ہوتا، تو قرآن نازل ہو رہا ہے اس میں اس کی مخالفت نازل ہو جاتی، جیسا کہ عزل کے جواز میں جابر اور ابو سعید نے قرآن ... سے استدلال کیا تھا۔ ؎ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو عمرو بن عوف کے محلے سے ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو بنی سالم کی بستی میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اور یہ بستی قبا اور مدینہ کے درمیان تھی (بقیہ)

(۴) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سے مبعوث ہوئے اسی وقت سے آپکو نبوت اور حکومت وسلطنت عطا ہوئی، مگر زمانہ ہجرت تک آپ کو غلبہ نہیں تھا اور اسلام میں اس وقت اور اس کے بعد کچھ اور دنوں تک ہر طرح کی عزت تھی۔

(۵) حضرت علی رضہ کا یہ قول صحیح ہے، ابن حزم نے اس قول کی تصحیح کی ہے، جیسا کہ نیل الاوطار صفحہ" جلد ۳ میں علامہ شوکانی نے لکھا ہے اور حافظ ابن حجر درایہ میں لکھتے ہیں حدیث[1] لاجمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع لم اجده وروی عبد الرزاق عن علی موقوفا لا تشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع و اسناده صحیح انتہی اور فتح الباری صفحہ ۳۰۳ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ومثل[2] ذلك حدیث علی لاجمعة ولا تشریق الا فی مصر جامع اخرجه ابو عبید باسناد صحیح الیه موقوفا۔ مگر یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت علی رض کے اس قول سے (جس میں قیاس واجتہاد کو دخل ہے، اور ساتھ اس کے آیت قرآن واحادیث صحیحہ کے اطلاق وعموم کے خلاف ہے۔ ونیز اقوال وافعال دیگر صحابہ کے معارض ہے ونیز معلوم نہیں کہ اس قول میں مصر سے ان کی کیا مراد ہے اور اس قول سے ان کا اصل مقصود کیا ہے،) صحت جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا اور اس قول سے آیت قرآنیہ واحادیث مرفوعہ کی ہرگز ہرگز تخصیص نہیں ہوسکتی۔

(۶) ابن ماجہ کی وہ حدیث یہ ہے۔ حدثنا[3] محمد بن عبد اللہ بن نمیر ثنا الولید بن بکیر حدثنی عبد اللہ بن محمد العدوی عن علی بن زید عن سعید بن المسیب عن جابر بن عبد اللہ قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اتعلمون ان اللہ قد افترض علیکم الجمعة فی مقامی هذا فی یومی هذا فی شهری هذا من عامی هذا الی یوم القیمة فمن ترکها فی حیاتی او بعدی وله امام

(بقیہ) وہاں آپ نے جمعہ پڑھایا اور یہ ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ تھا۔ تا مدینہ منورہ سے دو یا تین میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے ۱۲

[1] یہ حدیث کہ جمعہ تشریق اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ بڑے شہر میں ہوتی ہے یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی گئی ہاں حضرت علی رض کا قول ہے یعنی حدیث موقوف ہے اور سند صحیح ہے۔

[2] حدیث لاجمعة ولا تشریق حضرت علیؓ کا موقوف قول ہے۔ اور اس کی سند صحیح ہے ۱۲

[3] جابرؓ نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ کہا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر جمعہ کو فرض کیا ہے، میرے اس مقام اس دن، اس شہر، اس سال میں اور قیامت تک فرض ہے۔ جس نے اس کو میری زندگی یا وفات کے بعد چھوڑ دیا، اور اس کا کوئی امام عادل یا ظالم ہو، الحدیث ۱۲

عادل او جائر للحدیث یہ حدیث بالکل ہی ضعیف ہے ۔ اس حدیث کا راوی عبداللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث ہے ۔ امام وکیع نے فرمایا ہے کہ یہ عبداللہ بن محمد العدوی جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے یعنی اس شخص سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں ہے ۔ ابن حبان نے فرمایا کہ اس شخص کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں ہے ۔ تقریب التہذیب میں ہے ۔ عبد[1] اللہ بن محمد العدوی متروک الحدیث رماہ وکیع بالوضع انتہی میزان الاعتدال میں ہے ۔ قال البخاری منکر الحدیث وقال وکیع یضع الحدیث وقال ابن حبان لا یجوز الاحتجاج بخبرہ انتہی اور میزان میں ابان بن جبلہ کے ترجمہ میں مرقوم ہے نقل[3] ابن القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ انتہی اور عبداللہ بن محمد العدوی کے علاوہ اس حدیث کے بعض اور راوی بھی ضعیف ہیں ۔ خلاصہ یہ کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث بالکل ضعیف اور نا قابل احتجاج ہے اور قرآن سے صحت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا نہیں نکلتا، بلکہ قرآن سے یہ نکلتا ہے کہ اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز و درست ہے ، دیہات ہو یا شہر بادشاہ ہو یا نہ ہو، اور اقامت جمعہ کے لئے بادشاہ کا ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں، واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب ، کتبہ محمد عبدالحق ملتانی عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین (فتاوے نذیریہ جلد اول ص)

سوال : از فقیر حقیر ابو تراب محمد عبدالرحمٰن گیلانی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، بخدمت شریف شیخ العرب والعجم ، محی السنۃ وقامع البدعۃ ، شمس العلماء جناب حضرت مولانا مولوی سید محمد نذیر حسین صاحب دام فیضہم واضح رائے عالی باد، میں نے ایک رسالہ مسمی بازالۃ الشبہۃ عن فرضیۃ الجمعۃ مع ترجمہ، مطبوعہ احمدی لاہور کو اول سے آخر تک دیکھا اس رسالہ کے صفحہ ۴ میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ۔ وقال[4] ابن ابی شیبۃ حدثنا جریر عن منصور عن طلحۃ عن سعد بن عبیدۃ عن ابی عبد الرحمٰن انہ قال قال علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ذکرہ العینی فی عمدۃ القاری وسندہ صحیح اب التماس ہے ۔

---

۱ عبداللہ بن محمد عدوی متروک ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں بناتا تھا ۔

۲ بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے وکیع نے کہا یہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا ۔ ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے استدلال جائز نہیں ۔

۳ امام بخاری نے کہا ہر وہ آدمی جس کے متعلق میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے ۔

۴ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کہ جمعہ اور تشریق بڑے شہر ہی میں ہے ۔

کہ اس ناچیز کے پاس اسماء الرجال میں تین ہی کتابیں ہیں، میزان الاعتدال، تقریب التہذیب، خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال راقم خاکسار کے مسکن کی جگہ بہت چھوٹی سی بستی ہے، بھائی احناف اس رسالہ کو دیکھ کر مجھ پر بڑا اعتراض کرکے کہتے ہیں کہ تم ایسی بستی میں کیوں جمعہ پڑھتے ہو، کتب مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جریر جو اس میں راوی ہے منصور سے اگرچہ رواۃ صحاح سے ہے لیکن متکلم فیہ ہے اور منصور ان کا استاذ ہے، لیکن ان کے ہم نام بہت سے راوی ہیں کوئی ثقہ ہے اور کوئی ضعیف اور یہ معلوم نہیں کہ طلحہ سے کون منصور روایت کرتا ہے اور طلحہ کے بھی ہم نام بہت سے ہیں، کوئی ثقہ کوئی ضعیف اور معلوم نہیں، کہ کون طلحہ سعد بن عبیدہ سے روایت کرتا ہے اور سعد بن عبیدہ ثقہ ہیں، لیکن ابی عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور ابی عبدالرحمٰن کے ہم نام بھی بہت ہیں کوئی مجہول اور کوئی غیر مجہول، لیکن جو ابی عبدالرحمٰن حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں ان کا پتہ ان کتابوں سے نہیں لگتا ہے، الحاصل جریر کو منصور سے تلمذ ضرور ہے لیکن منصور کو طلحہ سے اور طلحہ کو سعد بن عبیدہ سے اور سعد بن عبیدہ کو ابی عبدالرحمٰن سے اور ابی عبدالرحمٰن کو حضرت علی رضہ سے ہرگز تلمذ نہیں معلوم ہوتا ہے اب التماس یہ ہے کہ عینی نے سند مذکور کو جو صحیح کہا ہے، آیا یہ کہنا ان کا صحیح ہے یا نہ، کتب مذکورہ و دیگر کتب رجال سے سند مذکور کی تنقید فرمائی جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ، علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اثر علیؓ کی سند مذکور کو صحیح کہا ہے سوال کا یہ کہنا صحیح ہے، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار صفحہ[۱] جلد ۳ میں لکھا ہے کہ ابن حزم نے اثر علیؓ کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر درایہ صفحہ[۱۳۱] تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں حدیث[1] لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا في مصر جامع لم اجده

وروى عبد الرزاق عن علي موقوفا لا تشريق ولا جمعة الا في مصر جامع واسناده صحيح ورواه ابن ابي شيبة مثله وزاد ولا فطر ولا اضحى وزاد في اخره او مدينة عظيمة واسناده ضعيف ، اور فتح الباری صفحہ ۴۰۹ جلد دوم مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں ومن[2] ذلك حديث علي لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع اخرجه ابو عبيدة باسناد صحيح اليه موقوفا اگر دامنگیر رہے کہ حضرت علیؓ کے اس اثر کے

[1] حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الحدیث میں نے کہیں نہیں دیکھی عبدالرزاق نے اس کو حضرت علی رضہ سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، ابن ابی شیبہ میں او مدینۃ عظیمۃ (یا کسی بڑے شہر میں) کے الفاظ زائد ہیں ۱۲

[2] اور اس سے حضرت علی کی موقوف حدیث ہے، لا جمعۃ ولا تشریق جس کو ابو عبیدہ نے صحیح سند سے موقوفاً روایت کیا ۱۲۔

(۱) قول صحیح ہے، اقول، اس لیے کہ سند مذکور میں منصور ابن المعتمر ہے اور طلحہ ابن مصرف ہے اور ابو عبدالرحمٰن سلمی ہے جن کا نام عبداللہ بن حبیب ہے اور یہ سب راوی ثقہ از رجال صحیحین وغیرہ میں سے ہیں۔ البتہ جریر بن عبدالحمید مذکور کو اخیر عمر میں وہم ہو گیا تھا۔ اور علاوہ

صحیح ہونے سے قریٰ اور بستیوں میں نماز جمعہ پڑھنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، اولاً اس وجہ سے کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ایک ایسا قول ہے، جس میں قیاس و اجتہاد کو دخل ہے اور صحابی کا ایسا قول بالاتفاق حجت نہیں ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں وللاجتهاد فيه مسرح فلا ينتهض للاحتجاج به انتہی ثانیاً اس وجہ سے کہ آیت قرآنیہ واحادیث مرفوعہ مطلق وعام ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مصر اور غیر مصر ہر مقام میں اقامت جمعہ جائز و درست ہے، پس یہ نصوص مطلقہ وعامہ حضرت علی رضہ کے اس قول کے منافی ہیں اور صحابی کا ایسا قول جس سے احادیث مرفوعہ و آیات قرآنیہ سے نفی ہوتی ہو، وہ قول بالاتفاق حجت نہیں، فقہائے حنفیہ کو بھی اس کا اعتراف ہے، ثالثاً اس وجہ سے کہ آیت يا ايها الذين آمنوا اذا نودى للصلوٰة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله ہر مکلف کو عام ہے اور ہر مکان مصر وغیر مصر کو شامل ہے، پس اس آیت قرآنیہ کے عموم سے مصر وغیر مصر، ہر جگہ و ہر مقام میں اقامت جمعہ کا جائز و درست ہونا صاف و روشن ہے۔ علامہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ودليل الافتراض من كلام الله تعالىٰ على العموم فى الامكنة انتہی

پس اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ بستیوں اور دیہاتوں میں اقامت جائز نہیں، بلکہ فقط مصر ہی میں جائز ہے، تو حضرت علیؓ کے اس قول سے آیت قرآنیہ کی تخصیص لازم آتی ہے حالانکہ صحابی کے قول سے قرآن کی تخصیص بالاتفاق جائز نہیں ہے، نہایت تعجب ہے علمائے حنفیہ سے کہ ان کے تمام اصول کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اخبار احاد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے چنانچہ توضیح میں ہے لا يجوز تخصيص الكتاب بخبر الواحد لان خبر الواحد دون الكتاب ولانه ظنى والكتاب قطعى فلا يجوز تخصيصه لان التخصيص تغيير والتغيير لا يكون الا بما يساويه او يكون فوقه انتہی یعنی خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں کیوں کہ خبر واحد کا درجہ قرآن کے درجے سے ادنیٰ ہے۔ اس لئے کہ خبر واحد ظنی ہے اور قرآن قطعی ہے

لے اے ایمان والو جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان کہی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ لے اللہ تعالیٰ کے قول سے جمعہ ہر جگہ فرض ہونے کی دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عموم الامکنہ کے لئے فرض کیا ہے۔ ۱۲

بقیہ حاشیہ

طریق معروف کے ہر ایک راوی کو اپنے استاذ سے تلمذ اور سماع ثابت ہے اور طریق معروف کی، اگرچہ سعید بن عبیدہ سے سماع کی تصریح نہیں، مگر سماع ممکن ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں تابعی کوفی ہم عصر ہیں اور ہر طلحہ باوجود ثقہ اور غیر مدلس ہونے کے روایت بھی کرتا ہے تو سماع ضروری ہوا مزید براں عبدالرزاق کی صحیح روایت میں زبید یامی نے طلحہ کی متابعت بھی کی ہے۔ لہٰذا یہ سند کو بقول امام مسلم صحیح کہنا صحیح ہے۔

واللہ اعلم ہذا ملتقط من تہذیب التہذیب ونصب الرایہ - ابو سعید شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ

پس خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں، اس وجہ سے کہ تخصیص کے معنی ہیں متغیر کر دینا اور بدل دینا اور کسی شے کا متغیر کرنا اور اس کو بدل دینا اسی چیز سے ہوگا، جو اس شے کے مساوی ہو یا اس سے بڑھ کر ہو، یہی مضمون اصول فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے مگر باوجود اس کے وہ حضرت علیؓ کے قول مذکور سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے۔ آیت مذکورہ کی تخصیص کرتے ہیں اور اس کے حکم عام کو اس قول سے منسوخ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقامت جمعہ فقط مصر میں درست و جائز ہے اور غیر مصر میں ناجائز و نادرست، دیکھو علمائے حنفیہ کا یہ منہج کس قدر قابل تعجب ہے، وایضاً اس وجہ سے کہ اگر حضرت علیؓ کے قول سے غیر مصر میں جمعہ کا ہونا ناجائز نکلتا ہے تو حضرت عمر و عثمان و ابو ہریرہؓ و ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم کے افعال و اقوال سے غیر مصر میں جمعہ کا جائز و درست ہونا ثابت ہوتا ہے پس چونکہ ان اصحاب رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کا لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا ترک کرنا لازم ہے یا حضرت علیؓ کے قول کو اور ان صحابہؓ کے اقوال کو ترک کرنا اور قول اللہ اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا لازم ہے قال اللہ تعالٰی فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[1] اور جب کہ ہم نے اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یعنی قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا، تو ثابت ہوا کہ اقامت جمعہ مصر و غیر مصر ہر جگہ جائز و درست ہے پس اسی کو لینا اور اسی پر عمل کرنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم وعلمہ اتم

کتبہ عبدالرحمٰن عفا اللہ عنہ　　　سید محمد نذیر حسین　　　(فتاوٰے نذیریہ جلد اول ص۵۹۵)

سوال: احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق ساکنان ضلع ڈھاکہ بحکم آیت کریمہ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، بخدمت علمائے محققین و دیندار دین سوال می کنند کہ درین ولا بعضے عالم ایں اطراف فتوٰے بعدم فرضیت جمعہ و عدم صحت آں میدہند ازیں باعث بسیارے عوام ترک جمعہ کردند و مسک بعض علمائے این جا بہذا یہ است، کہ لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام

---

[1] اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں تمہارا جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول کے پاس لے آؤ، اگر تم اللہ تعالٰے اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہت بہتر ہے اور اسی کا انجام اچھا ہے۔

سوال: احقر العباد سلیم الدین و عباد الحق علمائے محققین کی خدمت میں التماس ہے کہ بعض عالموں نے اس علاقہ میں عدم فرضیت جمعہ کا فتوٰے دے رکھا ہے اور اس وجہ سے بہت سے عوام نے جمعہ چھوڑ رکھا ہے اور وہ استدلال میں ہدایہ کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ جمعہ مصر

[2] آیت مذکورہ اور احادیث مرفوعہ کے موافق ہیں لہٰذا ان میں صحابہ کے اقوال و افعال

لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا اضحى الا فى مصر جامع والمصر الجامع كل موضع له امير وقاض ينفذ الاحكام ويقيم الحدود وهذا عن ابى يوسف رحمه الله عليه وعنه انهم اذا اجتمعوا فى اكبر مساجدهم لم تسعهم والاول اختيار الكرخى وهو الظاهر والثانى اختيار الثلجى انتهى ما فى الهداية پس بموجب اختیار کرخی فتوے در عدم جواز جمعہ در دیہا می فرمایند، ولہذا اکثر مردم جمعہ را گذاشتند و اختیار ثلجی را اعتبار نمی کنند با وجودیکہ صاحب شرح وقایہ و در مختار اختیار ثلجی را اختیار نمودند، وہمیں را مذہب اکثر متاخرین گفتہ وقطع نظر ازیں فرضیت جمعہ بدلیل قطعی است وشرط مصر جامع بصفات مذکورہ ووجود سلطان از خبر احاد استنباط کردہ اند، واکثر ائمہ دیگر در دیہات جمعہ را روا می دارند، ودر اصول حنفیہ مثل شاشی ونور الانوار وتوضیح وغیرہ می نویسند ان خبر الواحد يرد فى معارضة الكتب لان الكتب مقدم لكونه قطعيا متواتر النظم لا شبهة فى متنه كذا فى التوضيح وغيره لہذا نیت دل را در جواز وضو شرط می گویند وہمچنیں دیگر جزئیات فقیہ براین شاہد است، پس مصر جامع کہ دران قاضی وحاکم تنفیذ احکامات کند قرار دادہ اند، چناں کہ مسلک کرخی است چگونہ شرط ادائے جمعہ بخبر واحد گردد وبفوت ایں شرط جمعہ فوت شود، چہ بریں تقدیر زیادت خبر واحد بر کتاب اللہ لازم می آید وایں مخالف قاعدہ کلیہ حنفیہ می شود، پس قبول در وجوب ادائے جمعہ بر روایت کرخی می باید بر روایت ثلجی دریں دیار فتوے دادن لازم است۔ بینوا توجروا

جامع یا شہر کی عیدگاہ کے علاوہ جائز نہیں ہے اور بستیوں میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے۔ کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع کے سوا جائز نہیں ہے اور مصر جامع ہر وہ مقام ہے جہاں کوئی امیر اور قاضی ہو جو احکام جاری کرے اور حدود قائم کرے، یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے اور امام صاحب کے نزدیک مصر جامع وہ ہے کہ اگر وہاں کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو اس میں سما نہ سکیں ابو یوسف کے مذہب کو کرخی نے اختیار کیا ہے اور دوسرے کو ثلجی نے۔

پس کرخی کی روایت کی بنا پر آج علما عدم جمعہ کا فتوے دے رہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ جمعہ چھوڑ رہے ہیں۔ اور ثلجی کی روایت کو اختیار نہیں کرتے، حالانکہ صاحب شرح وقایہ ودر مختار نے ثلجی کے پسندیدہ قول کو پسند کیا ہے۔ اور متاخرین میں سے اکثر کا مذہب بھی بیان کیا گیا ہے۔ اس سے قطع نظر جمعہ کی فرضیت آیت قرآن سے ثابت ہے۔ اور اصول فقہ کی کتابوں مثلاً اصول شاشی، نور الانوار اور توضیح میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے۔ کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی اور یہاں اپنے ہی اصول کے برخلاف ان شرائط کو جو مرفوع حدیث بھی نہیں ہے۔ کیوں کر قرآن کا مخصص قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا جائے اس ملک میں کرخی کے قول کے مطابق فتوے دینا چاہیے یا ثلجی کے مطابق۔

الجواب: درصورت مرقومہ باید دانست کہ شرائط صحت ادائے جمعہ در مذہب حنفی شش چیز است اول مصر وفنائے آن، دوم وجود سلطان، سوم وقت ظہر، چہارم خطبہ بقدر یک تسبیح، پنجم جماعت واقل آن یک امام وسہ نفر مقتدی ومحل اختلاف فرض بودن جمعہ وعدم فرضیت آن درین دیار تمام ہندوستان باختیار کردن مسلک کرخی است ودر تعریف مصر پس درمقامیکہ تفسیر مصر بہ مسلک کرخی یافتہ شود جمعہ فرض گردد، ودران مقام وجایکہ نیافتہ شود، فرض دران جا نخواہد بود، وحالانکہ جمعہ مطلقاً فرض است بقطع از شرط مصر ووجود سلطان بدلیل قطعی لقولہ تعالیٰ:۔

یاایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ الآیۃ وبرفرضیت آن اجماع واقع گشتہ، وشرط مصر ووجود سلطان دران حسب اختیار مسلک کرخی ظنی ومختلف فیہ است، وامر ظنی امر قطعی را فی الواقع معارض نمی تواند شد، وظنی مختلف فیہ چگونہ معارض گردد امر قطعی را چہ اکثر ائمہ این ہر دو شرط را اصلاً وجوباً نمی کنند ولہذا ادائے جمعہ در دیہات وقرے نیز تجویز می نمایند، بدلیل اینکہ اسعد بن زرارہ قبل تشریف آوری آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مدینہ منورہ جمعہ نموادہ بود در مدینہ مطہر بحکم ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از مکہ معظمہ چنانکہ از تفسیر نیشاپوری وغیرہ ہویدا می گردد، واز بحر الرائق وشمنی شرح نقایہ ومحلی شرح موطا مولوی سلام اللہ صاحب وغیرہ نیز مستفاد می شود، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روز دوشنبہ در مدینہ منورہ رونق افروز شدند وچہار روز بخانہ بنی عمرو بن عوف اقامت فرمودند، ودر روز جمعہ از خانہ بنی عمرو تشریف فرما بودند بسوئے بنی سالم بن عوف آمدند، ودر مسجد بنی سالم کہ متصل وادی بود نماز جمعہ نمودند، وہنوز مسجد نبوی تعمیر نشدہ بود وتسلط تمام اہل اسلام برا اجرا وتنفیذ احکام حدود وقصاص در مدینہ ابتداء واقع نگردیدہ بود اصلاً بلکہ نفس احکام حدود وقصاص ہنوز شروع نگشتہ بود چنانکہ تفصیل این اجمال عنقریب می آید پس دریں صورت مسلک بلخی را اختیار کردن واجب است درین دیار چہ روایت بلخی موافق قضیہ صحیحہ مذکورہ بالا است ونیز شامل اکثر بلاد وقصبات راست بخلاف مسلک

الجواب: جاننا چاہیے کہ جمعہ ادا کرنے کے لئے احناف کے نزدیک چھ شرطیں ہیں، شہر یا اس کا میدان، وجود سلطان، وقت ظہر، خطبہ بقدر ایک تسبیح، جماعت اور کم از کم امام کے علاوہ تین آدمی ہوں۔ ہندوستان کے تمام علاقوں میں جمعہ کی فرضیت یا عدم فرضیت کا اختلاف کرخی کی روایت پہ ہوگا۔ پس جس جگہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر (شہر) کی تعریف صادق آئے گی، وہاں جمعہ درست ہوگا اور جہاں وہ تعریف صادق نہ آئے گی، وہاں جمعہ درست نہ ہوگا۔ حالانکہ جمعہ مطلقاً فرض ہے۔ اس میں مصر اور سلطان کی کوئی شرط نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب جمعہ کی نماز کے لئے اذان ہو تو ایمان والو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور جمعہ کی فرضیت پہ اجماع واقع ہے اور مصر اور وجود سلطان کی شرائط ظنی اور مختلف فیہ ہے اور امر ظنی امر قطعی کا معارض نہیں ہو سکتا، اور پھر اگر ظنی بھی

کرخی، و ظاہر است کہ جمعہ از عمدہ شعائر اسلام است و بر مسلک کرخی و رہم و برہم می شود، لہذا اکثر متاخرین حنفیہ مسلک بلخی را واجب العمل والستہ مختار نوشتہ اند، چنانکہ از تنویر الابصار، و در مختار و ملتقی و شرح وقایہ وغیرہ واضح می شود، و از ارکان اربعہ مولانا عبد العلی الکنوی قوت وضعف مسلک کرخی برائے مستفتی منکشف خواہد بود، ویشترط لصحتہا المصر وھو ما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بہا وعلیہ فتوی اکثر الفقہاء لظہور التوانی فی الاحکام کذا فی تنویر الابصار والدر المختار ومنہج الغفار وشرح الوقایۃ و مختصر الوقایۃ ومولانا عبد العلی در ارکان اربعہ می فرمایند اختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاہر الروایات ھو بلدۃ لہا امام وقاض یصلح لاقامۃ الحدود وفی فتح القدیر بلدۃ فیہا سکک واسواق ووال ینتصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ فی الحوادثات وھذا اخص وحملوا قول امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ علی ما رواہ عبد الرزاق لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع علی ھاتین الروایتین فان المصر الجامع لا یکون الا ما ھذا شانہ وعلی التفسیر الاول المصر الذی والیہ کافر لا تجب فیہ الجمعۃ وعلی التفسیر الثانی لا تجب فی المصر الذی والیہ ظالم لا ینتصف المظلوم من الظالم ویرد ھذین الروایتین ان الصحابۃ والتابعین لم یترکوا الجمعۃ فی زمان یزید الشقی مع انہ لا شبہۃ فی انہ کان من اشد الناس ظلما بالاجماع لانہ ھتک حرمۃ اھل البیت بقی

مختلف فیہ ہو تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ کہ اکثر ائمہ کے نزدیک ان شرائط کا اعتبار نہیں ہے اور اسی بنا پر انہوں نے دیہات میں جمعہ کا فتوے دیا ہے اور ان کی دلیل اسعد بن زرارہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے حضور کے حکم سے مدینہ میں جمعہ پڑھایا۔ تفسیر نیشاپوری، بحر الرائق اور شمنی وغیرہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ مولانا اسلام اللہ محل میں لکھتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوموار کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے، چار روز بنی عمرو بن عوف کے پاس گذارے اور جمعہ کے دن بنی عمرو سے بنی سالم کی طرف آئے اور مسجد بنی سالم میں جو کہ وادی کے متصل تھی، جمعہ کی نماز ادا فرمائی ابھی مسجد نبوی کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ اہل اسلام کا مدینہ پر پورا تسلط نہیں تھا۔ تنفیذ احکام و اجرائے حدود کا ابھی وجود بھی نہ تھا۔ پس اس صورت میں بلخی کا مسلک اختیار کرنا ضروری ہے جو کہ واقعہ کے مناسب ہے اور اکثر شہروں اور قصبوں میں اس سے جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جمعہ اسلام کے عمدہ شعائر میں سے ہے۔ اور کرخی کے مسلک سے یہ درہم اور برہم ہو جاتا ہے لہذا اکثر متاخرین فقہا نے بلخی کا مسلک اختیار کیا ہے۔ مولانا عبد العلی نے کرخی کے مسلک پر ایک عمدہ تبصرہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمادیں۔ جمعہ کی فرضیت کے لئے ایک تو مصر کی شرط ہے اور شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے رہنے والے نہ سما سکیں اسی پر اکثر فقہا نے فتوے دیا ہے۔ کیونکہ آج کل احکام

مُصِرًّا عليه ولم يمر عليه وقت الاركان الا هو بصدد الظلم من اباحة دماء الصحابة الاخيار ولما
انصاف المظلوم من الظالم فبعيد منه كل البعد فافهم وفي رواية الامام ابي يوسف المصر موضع
يبلغ المقيمون فيه عددا لا يسعهم اكبر مساجده اياهم في الهداية هو اختيار البلخي وبه افتى
كثير من المشائخ لما رأوا فساد اهل الزمان والولاة فان شرط اقامة الحدود وانصاف
المظلوم من الظالم ينفي وجوب الجمعة مع انها من شعائر الاسلام ونحن نقول قد وقع التهاون
في اقامة الحدود وانصاف المظلوم من الظالم في امارة بني امية بعد وفات معاوية الا في زمان عمر
بن عبد العزيز قدس سره وفي امارة بعض العباسية ولم يترك الجمعة احد من الصحابة والتابعين
وتبعهم فعلم انهما ليسا بشرطين فاذن قابل الفتوى في مذهبنا الرواية المختارة للبلخي ومنها
السلطان او امره باقامة الجمعة عند الحنفية خاصة لا عند الشافعية فانهم يقولون اذا اجتمع
مسلموا بلدة وقدموا اماما وصلوا الجمعة خلفه جازت الجمعة والمامور من قبل السلطان افضل ولم
اطلع على دليل يفيد اشتراط امر السلطان وما في الهداية لانها تقام بجماعة فعسى ان تقع منازعة
في التقدم والتقديم لان كل انسان يطلب لنفسه رتبة فلا بد من امر السلطان ليدفع هذه
المنازعة فهذا راى لا يثبت الاشتراط لاطلاق نصوص وجوب الجمعة ثم هذه المنازعة تندفع
باجماع المسلمين على تقديم واحد كما ان رتبة السلطان يطلبها كل احد من الناس فعسى
ان تقع المنازعة فلا يصح نصب السلطان لكن تندفع هذه المنازعة باجماع المسلمين على تقديم
واحد فكذا هذا وكما في جماعة الصلوة عسى ان تقع المنازعة في تقديم رجل لكن تندفع

میں سستی پائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق ہمارے مذہب کی روایات میں اختلاف ہے ظاہر روایت یہ ہے کہ شہر وہ ہے جس میں کوئی امام
یا قاضی ہو جو حدود قائم کر سکے۔ فتح القدیر میں ہے شہر وہ ہے جس میں کوچے اور بازار ہوں جس میں حاکم ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکے
جس میں کوئی بڑا عالم ہو جو مسائل بتلا سکے [illegible] رہے کے اور یہ اس سے خاص ہے حضرت علی کے قول لا جمعۃ ولا تشریق الا فی
جس کو عبدالرزاق نے بیان کیا ہے [illegible] مطلب بیان کئے گئے ہیں تو مصر جامع وہ ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں۔ پہلی تفسیر کے مطابق
جس شہر کا والی کافر ہو جمعہ فرض نہ ہوگا۔ اور یہ دونوں شرطیں مردود ہیں صحابہ نے یزید کے زمانہ میں جمعہ نہ چھوڑا حالانکہ اس
کے ظالم ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔ اس نے اہل بیت کی حرمت ختم کی اور مدینہ پر چڑھائی کی [illegible] گیا اس کے
ظالم ہونے میں شک ہے؟ اور پھر صحابہ نے ان دنوں میں جمعہ کیوں نہ چھوڑ دیا۔ اب [illegible] اس بنا پر بلخی کی روایت قبول ہے

باجماع المصلین فکذا فی الجمعة ثم الصحابة اقاموا الجمعة فی زمان فتنة بلوی امیر المومنین عثمان وکان ھو اماما حقا محصورا ولم یعلم انھم طلبوا الاذن فی اقامة الجمعة بل الظاھر عدم الاذن لان ھؤلاء الاشقیاء من اصحاب الشرایر حصروا ذلک فعلم ان اقامة الجمعة غیر مشروط عندھم بالاذن ولعل لھذہ الواقعة رجع المتاخرعن ھذا الشرط فیما تعذر الاستیذان وافتوا بانہ ان تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم کذا فی العالمگیریة ناقلا عن التھذیب انتھی۔

کلام مولانا المرحوم فی الارکان الاربع۔

پس بر متبحران شریعت غرا مخفی مباد کہ از تقریر مولانا مرحوم صاف واضح میشود کہ شرط مصر موافق مسلک کرخی وشرط وجود سلطان از دلائل شرعیہ مضبوط نیست کہ بفوت آنہا جمعہ فوت گردد وصحیح نشود وچناں کہ بر متاملان نصوص پوشیدہ نباشد قطع نظر ازیں اذن سلاطین سابقہ درادائے جمعہ برائے اماماں وقاضیان ایں دیار نسلا بعد نسل واقع است پس اذن جدید ضرور نیست چناں کہ از درمختار وغیرہ ایں حکم مستفاد میشود۔ کما لا یخفی علی المتامل المنصف ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینة اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف واسس مسجدھم ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعة صلاھا بالمدینة انتھی ما فی البحر الرائق وقال الشمنی لما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة اقام یوم الاثنین والثلاثاء والاربعاء والخمیس فی بنی عمرو بن عوف ثم خرج من عندھم فادرکتہ الجمعة فی بنی سالم بن عوف فصلاھا فی المسجد الذی فی بطن الوادی فکانت اول جمعة صلاھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کہ لوگوں میں سستی پیدا ہوچکی ہے۔ اور مظلوم کا ظالم سے انصاف نہیں دلایا جاتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ سستی اور بے انصافی تو امیر معاویہ کے بعد خوامیہ کے دور میں شروع ہوچکی تھی سوائے عمر بن عبدالعزیز کے اور پھر عباسی خاندان میں بھی رہی تو کیا کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے کبھی جمعہ چھوڑا! معلوم ہوا کہ یہ دونوں شرطیں غلط ہیں اور ایک شرط بادشاہ کی لگائی گئی ہے یا اس کے امیر کی اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو ممکن ہے جمعہ پڑھانے کے متعلق اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو جائے ایک عالم کہے کہ میں جمعہ پڑھاؤں گا اور دوسرا کہے میں جمعہ پڑھاؤں گا۔ لیکن یہ اختلاف تو تمام جماعتوں میں بھی ہو سکتا ہے وہاں بادشاہ یا امیر کی شرط کیوں نہیں لگائی گئی اس کا حل یہ سوچ لیا گیا ہے کہ جس امام کو لوگ متفق ہو کر امام بنا لیں وہ جماعت کرائے تو یہی فیصلہ جمعہ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور پھر حضرت عثمانؓ کا جب محاصرہ ہوگیا تھا اس وقت جمعہ چھوڑ دینا چاہیے تھا لیکن صحابہ نے نہیں چھوڑا بلکہ حضرت عثمانؓ سے اجازت بھی نہیں لی گئی اور جمعہ ہوتا رہا ایسی

انتہی ، وروی عبدالرزاق باسناد صحیح عن ابن سیرین قال جمع اهل المدینة قبل ان یقدمها النبی صلی الله علیه وسلم وقبل ان ینزل سورة الجمعة فقالت الانصار ان الیهود لهم یوم یجتمعون فیه بکل سبعة وللنصاری کذلك فلنجعل یوما لنا نذکر الله تعالی ونشکر ونصلی فیه فجعلوه یوم العروبة واجتمعوا الی اسعد بن زرارة فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعة وانزل الله تعالی بعد ذلك واذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة والحدیث وان کان مرسلا فله شاهد حسن اخرجه ابوداؤد عن کعب بن مالك وصححه ابن خزیمة واول من صلی الجمعة بالمدینة قبل الهجرة اسعد بن زرارة قال الحافظ ولا یمنع ذلك انه صلی الله علیه وسلم علمه بالوحی وهو بمکة فلم یتمکن من اقامتها ثمه ولذالك جمع بهم اول ما قدم المدینة ویدل علی ذلك ما اخرجه الدارقطنی عن ابن عباس قال اذن النبی صلی الله علیه وسلم للجمعة قبل ان یهاجر ولم یستطیع ان یجمع بمکة فکتب الی مصعب بن عمیر اما بعد فانظر الیوم الذی یجهر فیه الیهود بالتوراة فاجمعوا نساءکم وابناءکم فاذا مال النهار عن شطره عند الزوال یوم الجمعة فتقربوا الی الله تعالی برکعتین قال فهو اول من جمع حتی قدم النبی صلی الله علیه وسلم المدینة فجمع عند الزوال من الظهر انتهی ما فی المحلی شرح المؤطا للعلامة سلام الله من اولاد الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی وقال فی التفسیر النیشاپوری روی ان الانصار اجتمعوا الی اسعد بن زرارة وکنیته ابوامامة وقالوا هلموا نجعل لنا یوما نجتمع فیه فنذکر الله تعالی ونصلی فان للیهود السبت وللنصاری الاحد فاجعلوه یوم العروبة فصلی بهم یومئذ رکعتین وذکرهم فسموه یوم الجمعة لاجتماعهم فیه وانزل الله اٰیة

وہ یہ ہے کہ شارع نے بادشاہ یا اس کے امیر کی شرط نہیں رکھی ۔ یہ شرط صرف حنفیہ کے نزدیک ہے عالمگیری اور تہذیب میں اسی طرح ہے ۔ مولانا کی مندرجہ بالا تقریر سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کرخی کے مسلک کے مطابق مصر یا بادشاہ کی جو شرطیں لگائی گئی ہیں یہ صحیح نہیں ہے ۔ کہ ان کے فقدان سے جمعہ نہ پڑھا جائے ۔ اور پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ سلاطین سابقہ نے جمعہ کے ادا کرنے کے لئے اماموں اور قاضیوں کو نسلاً بعد نسل اجازت دے رکھی ہے ۔ ہر وقت نئی اجازت کی ضرورت نہیں ۔

عبدالرزاق نے ابن سیرین سے بسند صحیح روایت کیا ہے کہ مدینہ والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے اور سورۃ جمعہ نازل ہونے سے پہلے مدینہ میں جمعہ پڑھا اس طرح کہ انصار اسعد بن زرارہ کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ یہودیوں نے بھی ایک دن عبادت کے لئے مقرر کر رکھا ہے جس میں تورات پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور نصرانیوں نے بھی ایسا ہی کر رکھا ہے ہم کو بھی

الجمعۃ فھی اول جمعۃ کانت فی الاسلام قبل مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما اول جمعۃ جمعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھی انہ لما قدم المدینۃ مھاجرا نزل قباء علی بنی عمرو بن عوف و اقام بھا یوم الاثنین والثلثاء والاربعاء والخمیس واسس مسجدھم ثم خرج یوم الجمعۃ عامدا للمدینۃ فادرکتہ صلوٰۃ الجمعۃ فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادیھم فخطب وصلی الجمعۃ انتھی ما فی النیشاپوری واول جمعۃ جمعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ لما قدم المدینۃ نزل قباء واقام بھا الجمعۃ ثم دخل المدینۃ وصلی الجمعۃ فی دار لبنی سالم بن عوف انتھی ما فی البیضاوی.

پس ازیں قصۂ صحیحۂ مذکورہ ہویدا گردید کہ مدینۂ منورہ در ابتدائے نزول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دار شوکت وغلبۂ اسلام وظہور ونفاذ حدود وقصاص ہرگز نبود باوجود ایں جمعہ گذاردہ شد دریں حالت دریں صورت مسلک کہ مخالف ایں قصۂ مذکورہ است پس ناگزیر مسلک حنفی کہ موافق ومطابق ایں قصہ است واجب العمل باید دانست کہ بنا بر آں اختیار کردن مسلک حنفی را واجب انی وکما لا یخفی علی المتأمل المتفطن الماھر بالنصوص وبالفرض والتقدیر اگر دریک شرط فتور وشک واقع شود امر قطعی ازاں چہ گونہ مرتفع شود لہذا قال فی فتح القدیر فی بیان دلائلھا ثم قال انما اکثرنا فیہ نوعا من الاکثار لما نسمع عن بعض الجھلۃ انھم ینسبون الی مذھب الحنفیۃ

کوئی دن مقرر کرنا چاہیے کہ جس میں ہم خدا کی عبادت کریں حمد کریں اور شکر ادا کریں چنانچہ انہوں نے یوم العروبہ کو عبادت کا دن مقرر کر لیا اور بعد ازاں اسی دن کا نام یوم الجمعہ ہو گیا اسعد بن زرارہ نے ان کو دو رکعت نماز پڑھائی اور بعد ازاں خدا تعالیٰ نے سورۃ جمعہ نازل فرمائی اگرچہ حدیث مرسل ہے لیکن اس کا ایک شاہد ابوداؤد حدیث میں موجود ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا حکم وحی کے ذریعے مکہ میں معلوم کر لیا ہو لیکن وہاں آپ جمعہ قائم نہ کر سکے جیسا کہ یہاں درج ہے کہ آپ نے مدینہ آتے ہی پہلا جمعہ پڑھایا اسے ضائع نہ ہونے دیا اور اس پر دارقطنی کی عبداللہ بن عباس سے نقل کردہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ہی مصعب بن عمیر کو حکم بھیج دیا تھا کہ جمعہ پڑھیں عورتوں اور بچوں کو جمع کریں جب سورج ڈھل جائے تو دو رکعت نماز پڑھیں یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو مدینہ میں پڑھا گیا۔ مصفیٰ شرح موطا کا خلاصہ ختم ہوا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ سب سے پہلے انصار نے اسعد بن زرارہ کے ماتحت جمعہ پڑھا اور پھر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آتے ہی سب سے پہلے جمعہ بنی سالم کے پاس بطن وادی میں پڑھایا، تفسیر بیضاوی میں اسی طرح ہے اس صحیح واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب مدینہ میں جمعہ کی ابتدا ہوئی اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی حکومت اور غلبہ نہیں تھا حدود وقصاص کا اجرا نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود جمعہ پڑھا گیا تو اس صورت میں حنفی مسلک کی روایت ہی قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے۔ اسی کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر ان شرائط کو بفرض محال صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو ایک شرط کے ارتفاع سے ایک حکم قطعی کیسے اٹھ جائے گا۔

عدم افتراضها ومنشاء غلطهم ما سياتي من قول لقد ورى ومن صلى الظهر فالمرمة لترك الفرض و صحت الظهر لما سنذكر وقد صرح اصحابنا بانها فرض آكد من الظهر وباكفار جاحدها انتهى قول قد كثر ذلك من جهلة زماننا ايضا ومنشاء جهلهم صلوة الاربع بعد الجمعة بنية الظهر وانما وضعها بعض المتاخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول اعني اختيار صلاة الاربع بعدها مرويا عن ابي حنيفة وصاحبيه انتهى ما في البحر الرائق ونيز فقہاء می نویسند کہ در مقامیکہ ولاۃ کفار و غلبہ ایشان باشد واجب است کہ یکے را والی و قاضی گردانند و حکم او جمعہ و اعیاد گزارند قال في مجمع الفتاوى غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين اقامة الجمعة والاعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما انتهى ما في مفتاح السعادة هكذا في الطحطاوي ولو مات الوالي اولم يحضر لفتنة ولم يوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة يتصب العامة لهم خطيبا للضرورة كما سياتي مع انه لا امير ولا قاضي ثمه اصلا وبهذا ظهر جهل من يقول لا تصح الجمعة في ايام الفتنة مع انها تصح في البلاد التي استولى عليها الكفار كذا في رد المختار حاشية در المختار۔

پس ازیں روایات ہم واضح گردید، کہ ادائے جمعہ بہر طور باید ترک آں نشاید، و چگونہ ترک کردہ شود کہ یکے از عمدہ شعائر اسلام است، دریں صورت بر علمائے دیندار واجب و لازم کہ بر دلائل قطعیہ جمعہ نظر فرمایند، و حکم گزاردن آں بوجہ وجوب بروایت بلی نمایند کہ ایں روایت مؤید بدلائل شرعیہ است چناں کہ بیانش گذشت تا نزد کہ موجب وبال اخروی گردد، وما علینا الا البلاغ فقط الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین

فتح القدیر میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں۔ اور تفصیل سے کئے ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے۔ کہ ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے کیوں کہ سننے میں آتا ہے۔ کہ بعض جاہل لوگ جمعہ کی عدم فرضیت امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ان کو قدوری کی عبارت سے ٹھوکر لگی کہ اس نے لکھا ہے کہ جو آدمی ظہر پڑھے، تو ظہر صحیح ہے، کیوں کہ فرض کو چھوڑنا حرام ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے تصریح کی ہے کہ جمعہ فرض ہے اور یہ مؤکد ہے ظہر سے اور اس کا منکر کافر ہے میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے جہلا بھی ایسے ہی ہیں ان کی جہالت یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کو بعض متاخرین نے جمعہ میں شک کی وجہ سے ایجاد کیا ہے۔ کہ ایک ہی شہر میں متعدد جمعہ نہیں ہونے چاہئیں۔ اور یہ قول مختار نہیں ہے۔ اور یہ احتیاطی کی چار رکعت پڑھنا نہ تو امام صاحب سے مروی ہے اور نہ صاحبین سے۔

هذا الجواب صحيح لما في المجتبى عن ابي يوسف رحمة الله عليه انه ما اجتمعوا في اكبر مساجدهم
للصلوٰة الخمس لم يسعهم وعليه فتوى اكثر الفقهاء وقال ابو شجاع هذا احسن ما قيل فيه وفي الولوالجية
وهو صحيح كذا في البحر الرائق وغيرها من كتب الفقه فقط حررہ حفیظ اللہ خان

هذا الجواب صحيح عند اهل النظر وعند اولي الالباب بلا ارتياب فعلى المرء ان لا يترك
الجمعة لانها من اعظم شعائر الاسلام وكان لمن تركها عذاب يوم الحسرة والندامة من الديان
كما تدين تدان ۔ حررہ کریم اللہ

نماز جمعہ را ہرگز ترک نباید کرد ۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة حق واجب على كل مسلم
في جماعة الحديث رواه ابو داود فقط کتبہ محمد قطب الدين الدهلوي

بعد حمد و نعت باید دانست، کہ نماز جمعہ را ہرگز ہرگز بدین شبہات کہ دشمنان دین می اندازند ترک نباید
کرد لقوله عليه الصلوٰة والسلام من ترك الجمعة ثلث مرات من غير ضرورة طبع الله على قلبه
رواه احمد والحاكم وصححه ۔ در روایت کرخی را بنا بر خوف این وعید شدید باید گذاشت و بر روایت بلخی کہ
فتوےٰ اکثر فقہاء بر آن است عمل باید فرمود المصر هو ما لا يسع اكبر مساجده اهله المكلفين بها وعليه
فتوى اكثر الفقهاء مجتبى هكذا في الدر المختار ثم اختلفوا في تفسير المصر الجامع يجوز فيه اقامة الجمعة
فقال بعضهم ما يعيش فيه كل محترف بحرفة في سنته الى سنة من غير ان يحتاج الى حرفة اخرى واختار
البعض ما ذكره المصنف في المتن وقيل احسن ما قيل فيه اذا كانوا بحال لو اجتمعوا في
اكبر مساجدهم لم يسعهم ذلك حتى احتاجوا الى بناء مسجد الجمعة كذا في البناية وشرح الوقاية
انتهى ما في المستخلص شرح كنز الدقائق، پس بدین عبارت ہم واضح و لائح است، کہ روایت بلخی
احسن است از روایت کرخی بلکہ آن را مختار بعض قرار دادہ اگرچہ روایت دیگر فتاوےٰ مثل قاضی خان و شرح

اور اس کے علاوہ فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی ملک کا خلیفہ ہو یا والی مر گیا ہو یا فتنہ کی وجہ سے وہ ظاہر نہ ہو سکتا ہو تو مسلمانوں کو
چاہیے کہ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے باہمی طور پر کسی کو اپنا امیر، امام، یا قاضی مقرر کرلیں۔ اور اس کی سرکردگی میں جمعہ اور عیدین ادا کریں۔ مفتاح السعادت
طحطاوی اور درمختار میں بھی ایسا ہی ہے۔ پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ جمعہ ہر حال ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ شعار اسلامی
ہے اس صورت میں علماء کا فرض ہے کہ فرضیت جمعہ کے دلائل پر غور فرمائیں اور علمی مسلک کے مطابق جمعہ ادا کرنے کا حکم دیں۔
کہ یہ روایت شرعی دلائل سے مؤید ہے۔

وحاویہ وقنیہ وشروح وحواشی کتب فقہ دال برین ہستند وخواستہ بودم کہ تحریرش نمایم مگر چوں کہ حضرت مجیب اول دریں چیزے نگذاشتہ اند وتحقیق بلیغ نمودہ اند بنا بر آن بریں کلمات اکتفا رفتہ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الرب

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ھ — حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۸۱ھ محمد قطب الدین خان — محمد عبد الجبار

محمد اسد علی ۱۲۸۱ — محمد کریم اللہ — فتاویٰ نذیریہ جلد اول صہ ۵۹۸

سوال : وقت نماز جمعہ کا نزدیک اہل حدیث کے کب تک رہتا ہے اور جمعہ کی نماز میں خطبہ کس قدر اور نماز کس قدر چاہیے، اور ایک شخص نے بارہ بجے سے خطبہ شروع کیا اور دو بجے خطبہ ختم کیا اور کل بارہ منٹ نماز و دعا میں ختم کیا۔ یہ موافق سنت کے ہوا یا خلاف سنت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب : وقت نماز جمعہ بعینہ وقت ظہر ہے پس جب تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے اسی وقت تک جمعہ کا بھی وقت باقی رہتا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے : ان مالکا یقول ببقاء وقتھا الی الغروب قال ویجاب بان شرعیۃ الجمعۃ مقام الظھر علی خلاف القیاس لان سقوط اربع برکعتین فتراعی الخصوصیات التی ورد الشرع بھا اھ۔ اور امام شوکانی در بہیہ میں فرماتے ہیں : ووقتھا وقت الظھر لکونھا بدلا عنہ پس ثابت ہوا کہ سوائے سایہ اصلی کے ایک مثل تک نماز جمعہ کا وقت رہتا ہے اور نماز جمعہ کا لمبا کرنا اور خطبہ کا مختصر ہونا، حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے، مسلم شریف میں عمار بن یاسر سے مروی ہے : ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ الحدیث پس ثابت ہوا کہ

نماز جمعہ کو دشمنان دین کے شبہات کی وجہ سے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی بغیر عذر کے تین جمعہ چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتے ہیں۔ پس اس وعید شدید کی بنا پر حنفی کی روایت کو چھوڑ کر یہی کی روایت پر عمل کرنا چاہیے کہ اکثر فقہاء کا فتویٰ اسی پر ہے۔ کہ شہر وہ ہے جس کے رہنے والے سب سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں درمختار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ بعض نے شہر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں ہر طرح کے پیشہ ور آدمی موجود ہوں اور سال بھر تک اپنے پیشے ہی کی روزی کما سکیں کسی اور پیشے کے محتاج نہ ہوں، بدائع شرح وقایہ مستخلص، فتاویٰ قاضی خان سراجیہ، حاویہ قنیہ وغیرہ شروح اور حواشی کتب فقہ میں بلخی کی روایت ہی کو مختار سمجھا گیا ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

لے امام مالک کہتے ہیں جمعہ کا وقت غروب آفتاب تک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کو خلاف قیاس ظہر کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کی دو رکعتوں نے ظہر کی چار رکعتیں ساقط ہوئی ہیں۔ تو انہی خصوصیات کی رعایت کی جائے گی جو شریعت نے

صورت مذکورہ فی السوال بالکل مخالف حدیث و مناقض سنت سنیہ ہے۔ فالحذر الحذر　　فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۹۹

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین القائم الشداللہ یوم الدین اس مسئلہ میں کہ درمیان خطبہ جمعہ کے واسطے پند و نصائح سامعین کے جو عربی زبان نہیں جانتے کچھ اشعار یا نثر بزبان سامعین کہ جن کا مضمون باحادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پڑھنا درست ہے یا نہیں اور شعروں کے بارہ میں کیا حکم ہے شرع کا۔ بینوا توجروا

الجواب : درست ہے کیوں کہ پند و نصیحت خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح مسلم کی روایت سے مشکوٰۃ کے باب الخطبہ میں جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قال کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبتان یجلس بینھما یقرأ القرآن ویذکر الناس یعنی انہوں نے بیان کیا ہے کہ پڑھا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ اور بیٹھتے درمیان دونوں خطبوں کے اور خطبہ میں قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے وعظ کا فائدہ جبھی ہوتا ہے کہ سننے والے کی بولی میں ہو اسی واسطے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ ابراہیم میں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم یعنی نہیں بھیجا ہم نے کسی نبی کو مگر اس کی قوم کی بولی میں تو کہ وہ اچھی طرح سمجھا سکے ان کو پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوا کہ نصیحت سامعین کی بولی میں ہو کہ وہ سمجھیں اور یہ اعتراض کہ خطبہ میں نصیحت بزبان اردو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں بیجا ہے کیوں کہ اس بارہ میں کسی زبان کی خصوصیت نہیں صرف یہ ثبوت چاہیے کہ خطبہ میں آپ نصیحت کرتے تھے یا نہیں سو اس کا ثبوت حدیث صحیح میں موجود ہے اور یہ خطبہ ہی پر حصر کیوں رکھا قرآن و حدیث کا ترجمہ اور وعظ کرنا بھی تو بزبان اردو وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ سے ثابت نہیں ہے پھر وہ کیوں منع نہیں۔ غرضیکہ وعظ بزبان سامعین دین میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث دنیا میں اسی واسطے آئے ہیں کہ سب جہان کے لوگ سمجھیں اور شعر کے بارے میں یہ ہے ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشعر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو کلام فحسنہ حسن وقبیحہ قبیح رواہ الدارقطنی وحسنہ۔[1]

اور بالا بمنزلہ ہے شعر کلام است محمل حسن او حسن است وقبیح او قبیح[2] لیکن بیشتر اشاعت وقت وہاں

متفرق کیا ہیں۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا وہ بھی ایک کلام ہے جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا شعر ہے اور جس کا برا ہے وہ برا ہے۔ [2] شعر ایک موزوں کلام ہے جو اچھا ہے سو اچھا ہے اور جو برا ہے سو برا ہے لیکن اس میں زیادہ وقت صرف کرنا مکروہ ہے۔

مکروہ است اور اس کے حاشیہ میں ہے یعنی اگر مضمونش مشتمل باشد بر حمد خدا یا نعت رسول یا تحریض بر ذکر خدا و عبادت یا مسئلہ دینیہ پس گفتنش و خواندنش ہر دو موجب ثواب و اجر است واگر مشتمل باشد بر امر مباح پس مباح است واگر متضمن باشد بر امور ممنوعہ مثل بیان سراپا و خدوخال مردے یا زنے صاحب حسن کہ دراں شہر زندہ موجود باشد یا ہجو مسلمانے غیر ظالم پس انشاء دش ہر دو حرام کذا فی العینی شرح الکنز واللہ اعلم بالصواب حررہ خادم العلماء محمد حسن عفا اللہ عنہ وعن جمیع المؤمنین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق اس مضمون میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شعر ایک کلام ہے کہ جس کا مضمون اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جس کا برا ہے وہ برا ہے مگر ساتھ اس کے خطبہ میں کبھی شعر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت نہیں، خطبہ نبویہ وخطبات خلافت راشدہ اشعار سے خالی ہوتے تھے۔ واتباع سنتہ صلی اللہ علیہ وسلم وسنۃ خلفائہ الراشدین المھدیین اولی ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ فتاویٰ نذیریہ ج اول ص ۹۱

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے یا نہیں اور خطبہ داخل نماز جمعہ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: نماز جمعہ بغیر خطبہ کے ہو جاتی ہے اور خطبہ داخل نماز جمعہ نہیں ہے اس لئے کہ خطبہ سنت مؤکدہ اور شعائر اسلام سے ہے۔ نہ واجب اور نہ شرط، مگر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ اور نہ تابعین وغیرہ سے منقول بلکہ خطبہ پر مواظبت ومداومت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ وغیرہ سے پائی گئی ہے چنانچہ تفصیل ذیل سے واضح ہوگا۔ پس ترک کرنا اس کا ہرگز نہیں چاہیئے اگرچہ اس کے ترک سے جمعہ میں کچھ خلل شرعی نہیں واقع ہوتا ہے۔ جیسا کہ فتح الربانی فی فتاوے الشوکانی وسیل الجرار المتدفق علے حدائق الازہار وروضۃ الندیہ میں مذکور ہے۔

لم یتقرر لدینا دلیل صحیح معتبر یدل علی وجوب الخطبۃ فی الجمعۃ حتی یکون شہودھا

۱؎ اگر شعر کا مضمون حمد ثنا اور نعت رسول یا ذکر خدا و عبادت کی ترغیب پر مشتمل ہو یا اس میں کوئی دینی مسئلہ بیان کیا گیا ہو تو اس کا کہنا اور پڑھنا موجب ثواب ہے۔ اور اگر مباح امر پر مشتمل ہو تو مباح ہے۔ اور اگر امور ممنوعہ پر مشتمل ہو، مثلاً کسی مرد یا عورت کے خدوخال کی تعریف یا کسی عادل مسلمان کی ہجو ہو تو اس کا کہنا اور پڑھنا دونوں حرام ہیں۔ ۲؎ ہم نے آج تک کوئی ایسی صحیح و معتبر دلیل نہیں دیکھی

واجبا والفعل الذی وقعت المداومۃ علیہ لا یستفاد منہ الوجوب بل یستفاد منہ ان ذلک الفعل علی الاستمرار سنۃ من السنن المؤکدۃ فالخطبۃ فی الجمعۃ سنۃ من السنن المؤکدۃ وشعار من شعائر الاسلام لم تترک منذ شرعت الی موتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا اقیمت صلوۃ جمعۃ بغیر خطبۃ وھکذا بعد عصرہ فی الاقطار الی ھذا العصر لم تترک فی قطر من اقطار المسلمین ولا اھملت فی عصر من العصور الاسلامیۃ واما کونھا واجبۃ مفترضۃ فلم یات فی کتاب اللہ سبحانہ ولا فی سنۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ما یدل علی ذلک ولا بلغ الینا ما یفید الوجوب کذا فی فتح الربانی انتھی ما فی الموعظۃ الحسنۃ وغیرھا واما فی کون الخطبۃ شرطا للصلوۃ فعدم وجود دلیل یدل علیہ لا یخفی علی عارف فان شان الشرطیۃ ان یؤثر عدمھا فی عدم المشروط فھل من دلیل یدل علی ان عدم الخطبۃ یؤثر فی عدم الصلوۃ کذا فی الروضۃ الندیۃ شرح الدرر البھیۃ۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ السید شریف حسین عفی عنہ — سید محمد نذیر حسین — شبلی احمد حسن ۱۲۸۹

زشرف سید کونین شد — ابو البرکات حافظ محمد المعتصم — خادم شریعت رسول الثقلین

شریف حسین ۱۲۹۳ — عجل اللہ الاحد ۱۲۹۲ھ — تلطف حسین ۱۲۹۲ھ

محمد غلام اکبر خان محمدی السنی ۱۲۸۹ — محمد عبد الحمید ۱۲۹۳

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۶۱۶

سوال ، اہل حدیث کے نزدیک گاؤں میں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ مگر کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بذات خود کسی گاؤں میں جمعہ پڑھا یا ہو یا کسی بستی یا گاؤں والوں کو جمعہ پڑھنے کا حکم دیا ہو اور نہ آپ کے زمانہ میں مدینہ شریف کے گرد و نواح میں نزدیک یا دور کسی گاؤں میں۔

جس سے خطبہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے ، ہاں ایسا فعل جس پر ہمیشہ سے عمل ہوتا رہا ہو ، اس سے سنت مؤکدہ کا تو ثبوت مل سکتا ہے ۔ نہ واجب کا ، سو جمعہ میں خطبہ سنت ہے ۔ اور اسلام کا شعار ہے جب سے جمعہ شروع ہوا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اور اس کے بعد بھی کسی زمانہ میں اسے نہیں چھوڑا گیا ، لیکن اس کا واجب یا فرض ہونا ، نہ تو کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ، رہ خطبہ یہ ہے کہ خطبہ کا نماز کے لیے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے ۔ کیونکہ شرط کا عدم مشروط کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے ۔ تو کیا کوئی ایسی دلیل مل سکتی ہے ۔ کہ عدم خطبہ عدم نماز میں مؤثر ہے۔

جمعہ پڑھنا پایا گیا ہے۔ بلکہ جو لوگ دیہات میں جمعہ پڑھنا چاہتے تھے وہ بھی مدینہ میں آکر جمعہ پڑھ جاتے تھے اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو قبا میں تین دن رہے اور ایک مسجد بھی وہاں بنوائی مگر جمعہ کے دن قبا میں جمعہ نہیں پڑھایا اور وہاں سے روانہ ہوکر مدینہ میں آکر جمعہ پڑھایا، بلکہ قبا والوں کو حکم دیا کہ مدینہ میں آکر جمعہ پڑھا کرو اس سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔

جواب: دیہات میں جمعہ کے جواز میں امام بخاریؒ نے دو روایتیں لکھی ہیں، ایک ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مسجد نبوی میں جمعہ قائم ہونے کے بعد جواثی (گاؤں) میں جمعہ قائم ہوا تھا گو اس روایت میں اس بات کا ذکر نہیں کہ با اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا۔ مگر صحابہ کرام کی عام عادت یہ تھی کہ اس قسم کے کام اجازت ہی سے کیا کرتے تھے، دوسری حدیث امام ممدوح لائے ہیں جس کا مضمون ہے کہ تم مسلمانوں میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک کو محکوم سے سوال ہوگا۔ میں کہتا ہوں جمعہ کی فرضیت بالاتفاق ہے ہاں اسکے بعض شرائط میں اختلاف ہے۔ منجملہ شہر کا ہونا بھی شرط لگائی جاتی ہے اس کا ثبوت کسی صحیح حدیث مرفوع سے نہیں ہے۔ لہٰذا جمعہ ہر مسلمان بالغ مرد پر فرض ہے۔ رہا یہ کہ گاؤں والے مدینہ میں آکر جمعہ پڑھتے تھے، بہ نیت فرض نہ آتے تھے بلکہ بہ نیت حضور جماعت نبویہ در مسجد نبوی۔ لاغیر ایام قیام قبا میں جمعہ فرض نہ ہوا تھا۔ اللہ اعلم

جمعہ فی القریٰ (از قلم مولوی محمد عبد السلام صاحب مبارکپوری)

آیت جمعہ سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا یا کسی اور مقام کا۔ اور اقامت جمعہ ہر مقام میں جائز ہے۔ خواہ شہر ہو یا قریہ یا صحرا۔ کیوں کہ آیت جمعہ ہر مکلف کو عام ہے۔ اور بلا تخصیص ہر مقام کو شامل۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ دلیل الافتراض من کلام اللہ تعالٰی علی العموم فی الامکنۃ انتہی اور حدیث لاجمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع سے قریہ میں اقامتِ جمعہ کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ حدیث موقوف (یعنی حضرت علیؓ کا قول) ہے، ساتھ اس کے محتمل بھی ہے اور ایسی حدیث جو مشہور ہو اور ساتھ اس کے محتمل بھی ہو تو اس سے عند الاحناف زیادت علی الکتاب جائز نہیں ہے۔ علامہ عینی رحنفی نے بنایہ میں حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ جواب دیا ہے۔ ولئن سلمنا انہ مشہور فالزیادۃ بالمشہور انما تجوز اذا کان محکما اما اذا کان محتملا فلا وھذا الحدیث محتمل لنفی الجواز و یستعمل لنفی الفضیلۃ لقولہ علیہ السلام لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد یعنی اگر ہم تسلیم کرلیں کہ یہ حدیث مشہور ہے تو حدیث مشہور سے زیادۃ علی الکتاب اسی صورت میں

جائز ہے کہ حدیث محکم ہو لیکن جب محتمل ہو تو جائز نہیں ہے اور یہ حدیث محتمل ہے۔ کیوں کہ اس میں احتمال ہے کہ نفی جواز مراد ہو اور احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو جیسے حدیث لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ پس جب عند الاحناف حدیث مشہور سے زیادۃ علی الکتاب اسی صورت میں جائز ہے کہ حدیث محکم ہو تو اولاً حدیث لَا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِیْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ حضرت علی کا قول ہے حدیث تو درکنار خبر واحد بھی نہیں ہے۔ ثانیاً محکم بھی نہیں ہے کیوں کہ احتمال ہے کہ نفی فضیلت مراد ہو یعنی اس کا مطلب یہ ہو کہ شہر میں نماز جمعہ اولیٰ و افضل ہو اور قریہ میں جائز و درست بلکہ یہی متعین ہے.... کما قال شیخنا العلامۃ عبد الرحمٰن المبارکپوری رح لا تشریق ولا جمعۃ علی وجہ الکمال الا فی مصر جامع جمعا بینہ وبین الاحادیث والآثار (ابکار المنن)

غرض حدیث لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع احناف کے نزدیک بھی پایۂ استدلال سے ساقط ہے۔ تعجب ہے کہ احناف حضرت علیؓ کے قول سے جو خبر واحد کے درجہ میں بھی نہیں ہے آیۂ جمعہ کی تخصیص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اقامت جمعہ فقط شہر ہی میں جائز ہے اور دیہات میں ناجائز۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

و نیز واضح ہو کہ حضرت علی رض کا قول مذکور ان احادیث صحیحہ کے معارض و مخالف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ ہر مسلمان پر بجز پانچ اشخاص کے (غلام، عورت، مریض، لڑکے، مسافر) کے فرض ہے اور ہر مقام پر اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے عن طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْجُمُعَۃُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ جَمَاعَۃٍ اِلَّا اَرْبَعَۃً عَبْدٍ مَمْلُوْکٍ اَوِ امْرَاَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ اَوْ مَرِیْضٍ۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ حق واجب ہے۔ مگر چار شخص پر غلام، عورت، لڑکے، بیمار پر نہیں۔ بعض روایات صحیح سے مسافر کا مستثنیٰ ہونا بھی ثابت ہے۔ مگر اہل قریہ کا استثناء کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نسائی وغیرہ میں ہے

عن نافع عن ابن عمر عن حفصۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْجُمُعَۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُحْتَلِمٍ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر مرد بالغ پر نماز جمعہ واجب ہے۔ دیہات میں نماز جمعہ پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امام ابن حزم محلی ص۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں ومن اعظم البرھان علیھم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی المدینۃ وانما ھی قری صغار متفرقۃ (الی) فبنی مسجدہ فی بنی مالک بن النجار وجمع فیہ قریۃ لیست بالکبیرۃ ولا مصر

ل یعنی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب

ھنالک فبطل قول من ادعی ان لا جمعۃ الا فی مصر وھذا الا یجھلہ احد لا مؤمن ولا کافر الخ
یعنی دیہات میں اقامت جمعہ کے جائز ہونے کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ شہر نہ تھا، چند متفرق بستیاں تھیں، وہاں آپ نے بنو مالک بن نجار میں مسجد کی بنیاد ڈالی اور اس قریہ کے اندر جمعہ کی نماز پڑھی، وہ کوئی بڑا قریہ نہ تھا اور نہ وہاں شہر تھا پس ثابت ہوا کہ اس شخص کا قول باطل ہے جو دعوے کرے کہ "شہر کے سوا اور کہیں جمعہ پڑھنا جائز نہیں" اور یہ ایسا امر ہے جو کسی مومن اور کافر سے مخفی نہیں" الحاصل آیت جمعہ اور احادیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ بجز پانچ اشخاص مذکورین ہر مکلف پر جماعت کے ساتھ نماز جمعہ فرض ہے۔ اور ہر مقام میں اس کا ادا کرنا جائز و صحیح ہے شہر ہو یا قریہ۔ اور کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں کہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں بلکہ نماز جمعہ دیہات میں پڑھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کما مر اور بالتفصیل معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علیؓ کا قول لا جمعۃ ولا تشریق الا فی مصر جامع ناقابل احتجاج و استدلال ہے۔ ھذا آخر الکلام وخلاصۃ المرام واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب (فتاوے نذیریہ جلد اول ص۵۱۰)

سوال ، نماز جمعہ میں لوگ اکثر علی کا خطبہ پڑھا کرتے ہیں جس کے اندر اشعار بھی ہوتے ہیں جو ما سند گا نے کے پڑھا جاتا ہے کیا اس طرح کے اشعار راگ کے ساتھ خطبہ کے وقت پڑھنا یا سننا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ مسنونہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے کانت لرسول اللہ خطبتان یقرأ القران ویذکر الناس خطبہ مسنون یہ ہے کہ قرآن شریف کے ساتھ نصیحت کرے اس کے سوا خطبہ محض نظم میں ہو یا محض نثر میں غیر مسنون ہے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۲۹)

سوال ، جمعہ کے دن بھی زوال ہے بموجب فتوے اہلحدیث بحوالہ کتب احادیث بخاری و مسلم اور اس کے خلاف بروایت مشکوٰۃ کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہے اور اس پر مولانا حمید اللہ صاحب کا فتوے ہے یہ حدیث مشکوٰۃ قابل عمل ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس کی وجہ؟
اب سوال یہ ہے کہ اگر زوال جمعہ کے دن بھی ہے تو زوال کا وقت کب تک رہتا ہے اور جمعہ کے دن کیا بوقت زوال سوائے فرضوں کے نوافل بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں

تو اس کی کیا دلیل ہے ؟

جواب : زوال روز ہوتا ہے، مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنے جائز ہیں زوال اس کو کہتے ہیں جب مسجد کی دیوار میں سایہ ہو ایک انگل بھر باہر نکل آوے تو نماز جائز ہے۔

شرفیہ : جمعہ کے روز زوال کے وقت نماز نفل پڑھنے کا مسئلہ بعض روایات میں ہے مگر صحیح نہیں ایک روایت ابو ہریرہؓ سے مسند شافعی میں رفعاً مروی ہے بلفظ نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس الایوم الجمعۃ انتہی اس میں اسحٰق اور ابراہیم دو راوی ضعیف ہیں۔ ثقہ نہیں۔ بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں واقدی متروک ہے، دوسرے طریق میں عطا بن عجلان متروک ہے۔ طبرانی نے بسند واہی واثلہ سے روایت کیا ہے۔ یہ سب غلط ہیں۔ امام شافعیؒ نے ثعلبہ بن ابی مالک سے روایت کرکے تائید کی ہے کہ صحابہؓ نصف النہار یوم جمعہ نفل پڑھتے تھے مگر ثعلبہ مذکور تبع تابعی ہے۔ اس کا صحابہ سے لقا نہیں لہٰذا یہ بھی ثابت نہیں اور سنن ابی داؤد میں اور اثرم نے بھی ابو قتادہؓ سے روایت کیا ہے وقال مرسل ابوالخلیل لم یسمع عن ابی قتادۃ وفیہ لیث بن ابی سلیم ضعیف وقال الاثرم الخ (التلخیص الحبیر) اور صحیح مسلم میں ہے عن عقبۃ ابن عامر قال ثلث ساعات کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینھانا ان نصلی فیھن او نقبر فیھن موتانا حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس وحین تضیف للغروب حتی تغرب۔ انتہی مشکوٰۃ ص۹۴ وفی موطا ما للثٖ عن الصنابحی۔ ط مطبوعہ دہلی۔

پس ثابت ہوا کہ زوال کے وقت نماز پڑھنی منع ہے، خواہ یوم جمعہ ہو یا کوئی اور یوم۔ اس لئے کہ منع کی حدیثیں صحیح ہیں اور جواز کی صحیح نہیں۔ صحیح کے مقابل غیر صحیح پر عمل باطل ہے۔ ہذا۔ واللہ اعلم

ابو سعید شرف الدین دہلوی۔ فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۳۴۳

سوال : اور جو خطبہ جمعہ کا ترجمہ کرتے ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ حدیث میں یا قرون صحابہ میں کہیں یہ ثابت نہیں ہے جو لوگ ان کے ساتھ نماز جمعہ میں شامل ہو جاتے ہیں اپنی نماز کو ضائع کر دیتے ہیں ان لوگوں سے الگ رہو یہ لوگ اہل ہوا ہیں، اہل حدیث نہیں اور دعوے سے کہتا ہوں کہ میں ان سب مسائل میں ان کا جھوٹا ہونا ثابت کروں گا۔

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وعظ کیا کرتے تھے (یذکر الناس) اور نصیحت تب ہی ہوتی ہے جب سامعین سمجھیں، اگر غیر زبان مثلاً (عربی) میں خطبہ ہو تو پنجابی یا کشمیری بھی کہیں گے ؎

زبان شوخ من ترکی است من ترکی نمی دانم

باقی جماعت کو بُرا کہنا یہ کوئی بات نہیں۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ الآیۃ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۵۲)

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں خاموشی اختیار کرنے کے متعلق نہایت تاکید فرمائی ہے۔ از راہ نوازش آپ بیان فرمادیں کہ انسان پنکھا کا استعمال دوران خطبہ میں کر سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ایک صاحب اس پر مصر ہے کہ خطبہ میں پنکھے کا استعمال قطعاً ناجائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ اَنْصِتْ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو کے متعلق ہے۔ پنکھا وغیرہ اس سے خارج ہے جواب مدلل تحریر فرمادیں۔

جواب: اپنی جسمانی راحت کے لئے خطبہ میں ایسی حرکت منع نہیں جس سے سامع میں خلل واقع نہ ہو جیسے نماز میں صحابہ کرام شدت گرمی کے باعث کنکریاں لے کر ماتھے کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۵۳)

سوال: کوئی شخص نماز جمعہ میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد شامل ہو تو آیا وہ نیت جمعہ کی کرے یا ظہر کی؟ علمائے سلف کا فتوے ہے جمعہ کے دوسرے رکوع کے بعد ملنے والا نماز ظہر پڑھے اور نیت جمعہ کرنے کو حکم دیتے ہیں کیا نیت جمعہ واسطے نماز ظہر کے کفایت کر سکتی ہے؟

جواب: حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کی ایک رکعت پاؤ تو جمعہ پڑھو ورنہ نماز ظہر کی نیت کر کے نماز ظہر پڑھو۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۵۵)

سوال: منبر پر عصا لے کر خطبہ پڑھتے ہیں خطیب لوگ۔ اس کی سند قرآن اور حدیث سے ثبوت درکار ہے۔ اور اگر ثبوت ہے تو کونسی حدیث میں ہے۔ بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ کونسی حدیث سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ اخبار اہل حدیث میں شائع کر دیں۔ (محمد عبدالرزاق از برما)

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقت خطبہ عصا یا کمان ہاتھ میں رکھا کرتے تھے کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ لیتے۔ (مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین) (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۵۵۶)

باب العیدین

سوال: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، کہ ایک شہر میں باوجود ایسی عیدگاہ تیار ہونے کے کہ سارے شہر کے نمازیوں کی اس میں بخوبی گنجائش ہے۔ پھر بھی نماز عید بعض لوگ عیدگاہ میں پڑھتے ہیں اور بعض مسجد میں پس ان میں افضل و بہتر کون سا طریقہ ہے۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب: وھو الموفق للصواب، شہر کے سب مسلمانوں کو نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا بہتر اور افضل ہے بشرطیکہ کوئی عذر شرعی مثل بارش و بہ وجہ شدید و ضعف پیری و بیماری وغیرہ نہ رکھتے ہوں، اور اس میں کئی خوبیاں ایسی مخصوص ہیں کہ کوئی ان میں سے اور جگہ نماز پڑھنے میں حاصل نہ ہوں گی۔ پہلے تو اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیروی خلفاء راشدین کی۔ اس واسطے کہ آپ ہمیشہ مع صحابہ کرام باوجود گنجائش مسجد نبوی کے نماز عیدین عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج[1] یوم الفطر والاضحیٰ الی المصلی ای الی الجبانۃ وھی الصحراء خارج المدینۃ ومسیرتھا من الحجرۃ الشریفۃ الف خطوۃ۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدید کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ انہ[2] اصابھم مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العید فی المسجد رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ، اور آپ کو جب رؤیت ہلال شوال کی خبر پہنچی، تو آپ نے روزے افطار کرائے اور صبح کو عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے۔ فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم اور شرح السنۃ میں مرقوم ہے ان یخرج الامام لصلوٰۃ العید الی الجبانۃ اور فرمایا ابن ہمام نے سنت یہ ہے کہ نکلے امام عیدگاہ کی طرف اور کسی کو اپنا خلیفہ کر جاوے، تاکہ وہ ضعیفوں اور معذوروں کو شہر میں نماز پڑھا دے۔ وھکذا فی الخلاصۃ و[3]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے، مدینہ سے باہر جاتے اور وہ حجرہ شریف سے ایک ہزار قدم کا فاصلہ رکھتی تھی۔ [2] ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔

[3] خلاصہ اور خانیہ میں (بقیہ آگے)

الثانیة السنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء اور اسی طرح خروج الی الجبانہ کا مسنون ہونا کتب فقہ معتبرہ مثل در مختار و ہدایہ و کنز و عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے۔ فمن شاء الاطلاع علیہا فلیراجع الیہا۔ اور ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ حکم خروج الی الجبانہ کا واسطے امام کے سوائے مسجد اقصیٰ اور مسجد حرام کے ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں مسجدیں بیت المقدس اور مکہ معظمہ کی عیدگاہ سے افضل ہیں۔ اور سوا ان کے عیدگاہ مساجد دیگر سے افضل ہے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی سے بھی، ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد چھوڑ کے عیدگاہ تشریف نہ لے جاتے۔ بہرحال عیدگاہ میں نماز پڑھنا سنت ٹھہرا اور تارک اس کا تارک سنت ہوا جیسا کہ طحطاوی حاشیہ در مختار میں مرقوم ہے۔ فلو لم یتوجہ الیہا فقد ترک السنة اور تارک سنت بلا عذر شرعی ملعون اور محروم الشفاعت اور قابل ملامت و عتاب اور مستحق عذاب و ضلالت ہے۔ اس واسطے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی کما ورد فی الحدیث ستة لعنتہم ولعنہم اللہ وکل نبی یجاب یعنی چھ شخصوں پر لعنت کی میں نے اور اللہ نے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہے، منجملہ ان کے چھٹا شخص آپ نے فرمایا والتارک لسنتی، فرمایا ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے ترکا سلاعاص واستخفافا کافر یعنی جو کوئی از راہ سستی کے سنت کو چھوڑ دے وہ گنہگار ہے اور جو محقر سمجھ کر اس کو ترک کرے وہ کافر ہے، عیاذا باللہ من ہذا الوعید۔ وفی الصبح الصادق شرح المنار انہ یستوجب لوما فی الدنیا وحرمان الشفاعة فی العقبی لورودہ مرفوعا من ترک سنتی لم ینل شفاعتی وفی شرحہ فتح الغفار وتارکہا یستوجب اساءة ای التضلیل واللوم وفی غایة البیان السنة ما فی فعلہ ثواب وترکہ عقاب وفی التلویح ترک السنة المؤکدة قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعة وفی رد المختار حاشیہ رد المختار الاصح انہ یاثم بترک السنة المؤکدة کالواجب حق تعالیٰ ہم سب کو طریقہ مسنونہ پر چلا دے اور مواخذہ ترک سنت سے بچا دے۔

(بقیہ) ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام عیدگاہ کی طرف باہر نکلے اور پیچھے کسی آدمی کو مقرر کر دے۔ جو کمزور اور معذور لوگوں کو نماز پڑھا دے۔ ؎ صبح صادق شرح المنار میں ہے کہ اس سے دنیا میں ملامت اور آخرت میں شفاعت سے محرومی نصیب ہوگی، کیونکہ مرفوع حدیث میں ہے کہ جس نے میری سنت چھوڑ دی اسے میری شفاعت سے حصہ نہ ملے گا۔ شرح غفار میں ہے۔ سنت کا تارک سزا اور ملامت کا مستحق ہے۔ غایۃ البیان میں ہے۔ سنت وہ جس کے کرنے میں ثواب ہے اور چھوڑنے پر عتاب ہے۔ تلویح میں ہے۔ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے قریب ہے۔ اس سے شفاعت سے محرومی نصیب ہوتی ہے۔ رد المختار میں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سنت مؤکدہ کے چھوڑنے سے آدمی ایسا ہی گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ واجب کے چھوڑنے

دوسرے کثرت جماعت کا ثواب بے حساب ہے۔ اس واسطے کہ نماز جماعت کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس حصے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بخمس وعشرین درجۃ رواہ البخاری ومسلم اور بعض روایات میں ستائیس درجے آیا ہے بہر حال یہ ثواب جماعت کا اقل عدد جماعت سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک سوائے امام کے تین شخص ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو شخص اور جس قدر اس پر زیادہ ہوں گے اسی حساب سے ثواب بھی بڑھتا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جو گنجائش کثرت جماعت کی میدان عیدگاہ میں ہوگی وہ کسی مسجد میں ممکن نہیں، پس ثواب نماز عیدگاہ کا بسبب زیادہ ہونے نمازیوں کے زیادہ ہوگا، جیسا کہ تنویر الحوالک شرح موطا امام مالکؒ میں بروایت ابن عباس مروی ہے۔ فضل صلوٰۃ الجماعۃ علی صلوٰۃ الواحد خمس وعشرون درجۃ فان کانوا اکثر فعلی عدد من فی المسجد فقال رجل وان کانوا عشرۃ آلاف قال نعم وان کانوا اربعین الفا ھذا یدل علی ان التضعیف المذکور فی الجماعت مرتب علی اقل عدد یحصل بہ الجماعۃ فیزید بزیادۃ المصلین نظر بریں اگر سب مساجد شہر کی جماعتیں ٹوٹ کر عیدگاہ جاویں تو کس قدر کثرت جماعت سے ثواب بے حساب اور اجر کثیر پاویں۔

تیسرے فی نفسہٖ عیدگاہ میں نماز پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اس واسطے کہ موافق اس حدیث کے۔ صلوٰۃ فی مسجدی ھذا خیر من الف صلوٰۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام مسجد نبوی کی ایک نماز کا ثواب سوائے نماز مسجد کعبہ کے اور مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل اور بڑھ کر ہے۔ مثلاً دو رکعتیں عید کی مسجد نبوی میں پڑھی جاویں تو دو ہزار رکعت کا ثواب ملے گا، پھر باوجود ایں ہمہ فضیلت و کثرت ثواب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز پڑھتے تھے تو بیشک یہاں ان دو رکعتوں کا ثواب دو ہزار رکعت سے بھی زیادہ ہوگا اور اجر کثیر ملے گا۔

چوتھے جو شخص محض اتباع سنت نبوی عیدگاہ جائے گا، یقینی وہ سو شہیدوں کا ثواب پائے گا، کہ حدیث شریف میں وارد ہے من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید۔

ــــــــــــــــــــ

؎ لہ جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے کی نماز سے پچیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر آدمی زیادہ ہوں تو ان کی تعداد کے مطابق ثواب بڑھتا ہے۔ کسی نے کہا اگر بالفرض دس ہزار نمازی ہوں تو دس ہزار گنا ثواب ملے گا؟ انہوں نے کہا اگرچہ چالیس ہزار ہوں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ پچیس گنا اجر سب سے کم درجہ جماعت پر ملتا ہے۔ اور نمازیوں

پانچویں جو کوئی بھائی مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلائے گا، وہ برابر ان لوگوں کے ثواب پائے گا جو اس نیک کام میں اس کے تابع ہوئے ہیں، چنانچہ مسلم میں حدیث وارد ہے۔ من دعا الی الھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لا ینقص ذلك من اجورھم شیئا اور مضمون حدیث من دل علی خیر فلہ اجر مثل فاعلہ کا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

چھٹے جو کوئی واسطے نماز کے جس قدر دور سے چل کر آوے گا۔ اتنا ہی ثواب زیادہ پائے گا، کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ان اعظم الناس اجرا فی الصلوۃ ابعدھم فابعدھم ممشی یعنی بڑا لوگوں میں از روئے ثواب کے نماز میں جو دور ان کا ہے پھر دوران کا ہے۔ چلنے میں یعنی جس کا گھر دور ہو مسجد سے بلکہ نماز کے واسطے جس قدر زیادہ چلنا ہوگا ہر قدم پر ایک ایک درجہ ثواب کا بڑھتا جاوے گا اور ایک ایک گناہ اس کا مٹتا جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے من یذھب الی المصلی لم یخط خطوۃ الا رفعہ اللہ بھا درجۃ وحط عنہ بھا خطیئۃ" .... پس ظاہر ہے کہ عیدگاہ جو باہر آبادی سے ہوتی ہے لامحالہ بہ نسبت مساجد شہر کے دور ہوگی۔ پس ثواب اس کا بہ سبب زیادہ ہونے بعد مسافت اور قدموں کے بھی زیادہ ہوگا۔

ساتویں ایک جگہ شہر کے کنارے عیدگاہ میں سب دیندار بھائی جمع ہو کر نماز پڑھیں گے تو کس قدر شوکت وشان دینی اور ترقی ورونق اسلامی ظاہر ہوگی اور کیسا کچھ مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد باہمی ایک دوسرے کی ملاقات سے بڑھے گا اور اظہار فرحت وسرور ہوگا کہ یہ باعث ہے نزول انوار رحمت کا اور سبب ہے حصول خیر وبرکت کا اور وسیلہ ہے قبول حاجات کا اور ذریعہ ہے اجابت دعوات کا کہ حق تعالیٰ اس روز اپنے بندوں کی طرف جو عیدگاہ میں جاتے ہیں متوجہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے تمام ماہ رمضان کے روزے رکھے اور ہماری اطاعت کی آج کا دن ان کی مزدوری لینے کا ہے جو یہ مانگیں گے دوں گا۔ اور ان کی دعا کو قبول کروں گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب حررہ العبد الآسی محمد عبد العلی المدراسی تجاوز اللہ عن جمیع المعاصی محمد عبد العلی المدراسی

ما احسن ہذا التقریر المتضمن للخیر الکثیر فی الواقع عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے اور ترک اس کا بلا عذر شرعی باعث ملامت ہے۔ حق جل شانہ اہل اسلام کو توفیق اس سنت کے اجرا کی دیوے اور مخالفت سنت سے محفوظ رکھے۔ حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی ابو الحسنات محمد عبد الحی

بسعملہ سے بڑھ جاتا ہے بندہ جو کوئی بھلائی کی طرف راہنمائی کرے اس کو بھلائی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔

حامداً ومصلیاً مسلمان دیندار پر واضح ہو کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے کہ نماز عیدین باہر نکل کر عیدگاہ میں پڑھنی چاہیئے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] الآیۃ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ الآیۃ اسی لئے تعالیٰ خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام و تابعین و مجتہدین و محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی پر چلا آیا ہے۔ بنا براں کے تمامی فقہائے متقدمین و متاخرین لکھتے چلے آتے ہیں کہ باہر جا کر جبانہ یعنی عیدگاہ میں نماز ادا کرنا سنت و شعائر اسلام سے ہے اگرچہ جامع مسجد گنجائش نماز کی رکھتی ہو۔ والخروج الیہا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ وان وسعہم المسجد الجامع الی اٰخرہ[2] فی تنویر الابصار والدر المختار والکنز والہدایۃ وغیرہا من المتون والشروح والفتاوی۔

والله اعلم الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین عفی عنہ | سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ | فتاوی نذیریہ ج۱ ص۶۲۳

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اگر نا جائز ہے تو مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنے والے کو بدعتی کہہ سکتے ہیں یا نہیں اور مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا بدعت ہے یا نہیں اور اگر جائز ہے تو میدان و مسجد میں کیا فرق ہے اور کون افضل ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عیدین کی نماز بالعذر مسجد میں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حدیث ابوداؤد وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدون عذر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا نہیں گیا مسجد میں جو لوگ عید کی نماز ادا کرتے ہیں تو البتہ تارک السنت ہیں بدعتی نہیں کہے جاسکتے کیوں کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالعذر پایا گیا ہے۔ و نیز حضرت علی رضی نے بوڑھے و ضعیف وغیرہ کو مسجد میں پڑھنے کی اجازت دی تھی میدان میں پڑھنا سنت ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے لہٰذا میدان میں پڑھنا اولیٰ و افضل ہوگا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں پڑھتا۔ لولا انہ السنۃ لصلیت فی المسجد[3] هکذا فی سبل السلام

والله اعلم حررہ السید محمد عبد الحفیظ | سید محمد نذیر حسین | فتاوٰے نذیریہ جلد اول ص۶۲۵

---

[1] تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ الآیۃ اور جس نے رسول کی پیروی کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

[2] عید کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف باہر نکلنا سنت ہے۔ اگرچہ جامع مسجد میں تمام لوگ سما سکتے ہوں۔ تنویر الابصار و در المختار، کنز، ہدایہ وغیرہ میں، متون اور شروح اور فتاوے میں ایسا ہی ہے۔

[3] اگر میدان میں پڑھنا سنت نہ ہوتا تو میں عید کی نماز مسجد میں پڑھتا۔

سوال ، بارہ تکبیریں جو عیدین میں ہوتی ہیں یہ مع تکبیر تحریمہ و تکبیر قیام کے ہیں یا کہ ان کے علاوہ ہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب : عیدین میں بارہ تکبیروں کی جو روائتیں آئی ہیں ان میں بعض روایتوں میں لفظ سوی تکبیر الافتتاح واقع ہوا ہے۔ اور بعض میں سوی تکبیرتی الرکوع وارد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیدین کی بارہ تکبیریں تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہے۔ اور امام مالک اور امام احمد وغیرہما کے نزدیک یہ بارہ تکبیریں مع تکبیر تحریمہ کے اور ان بارہ تکبیروں میں تکبیر قیام اور تکبیر رکوع کسی کے نزدیک داخل نہیں۔ قال النووی واما التکبیر المشروع فی اول صلوٰۃ العید فقال الشافعی ھو سبع فی الاولی غیر تکبیرۃ الاحرام وخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام وقال مالک واحمد وابو ثور کذلک ولکن سبع فی الاولی احداھن تکبیرۃ الاحرام کذا فی عون المعبود صفحہ ۴۴۴ ج ۱ اور نیل الاوطار صفحہ ۱۸۵ جلد ۳ میں ہے۔ وقد تقدم فی حدیث عائشۃ عند الدارقطنی سوی تکبیرۃ الافتتاح وعند ابی داؤد سوی تکبیرتی الرکوع وھو دلیل لمن قال ان السبع لا تعد فیھا تکبیرۃ الرکوع واحتج اھل القول الثانی باطلاق الاحادیث المذکورۃ فی الباب واجابوا عن حدیث عائشۃ بانہ ضعیف انتہی حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں۔ والفقہاء علی ان الخمس فی الثانیۃ غیر تکبیرۃ القیام کذا فی التعلیق الممجد فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۶۲۹ ج ۱

سوال ، عیدین کی تکبیریں حدیث شریف سے کس قدر ثابت ہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب ، حدیث شریف سے نماز عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل قرأت کے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قرأت کے اور یہی قول ہے اکثر اہل علم صحابہ و تابعین

ے مشروع تکبیریں عید کی پہلی رکعت میں شافعی کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ سات ہیں اور دوسری میں تکبیر قیام کے علاوہ پانچ ہیں۔ امام مالک احمد ابو ثور بھی پہلی رکعت میں سات کے قائل ہیں لیکن وہ تکبیر تحریمہ سمیت سات کہتے ہیں ے عائشہ کی حدیث میں ہے کہ تکبیر افتتاح اور رکوع کی تکبیروں کے علاوہ اور وہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے کہ ان سات میں تکبیر تحریمہ اور رکوع اور پانچ میں تکبیر رکوع شمار نہیں کی جائے گی۔ اور دوسرے قول والے مطلق احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور فقہا کہتے ہیں کہ دوسری میں پانچ تکبیریں تکبیر قیام کے علاوہ ہیں۔

ے یہ تکبیر تحریمہ اور رکوع کے علاوہ سات اور پانچ کہنے میں احتیاط ہے۔ (سعیدی)

اور ائمہ کا اور یہی مروی ہے حضرت عمر اور ابوہریرۃ اور ابوسعید اور جابر اور ابن عمر اور ابن عباس اور ابوایوب اور زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے اور یہی قول ہے مدینہ کے فقہاء سبعہ مشہورین کا اور یہی قول ہے امام مالکؒ اور امام اوزاعی اور امام احمد اور امام اسحاق کا کما ذکر فی النیل صفحہ ۱۸۲ جلد ۳ منتقی الاخبار میں ہے۔ عن[1] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی کبر فی عید ثنتی عشرۃ تکبیرۃ سبعا فی الاولیٰ وخمسا فی الاخرۃ ولم یصل قبلھا ولا بعدھا رواہ احمد وابن ماجۃ قال احمد انا اذھب الی ھذا وفی روایۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم التکبیر فی الفطر سبع فی الاولیٰ وخمس فی الاخرۃ والقرأۃ بعدھما کلتیھما رواہ ابوداؤد والدارقطنی قال القاضی الشوکانی فی النیل ص ۱۸۲ جلد ۳ حدیث[2] عمرو بن شعیب قال العراقی اسنادہ صالح ونقل الترمذی فی العلل المفردۃ عن البخاری انہ قال انہ حدیث صحیح انتہی وقال الحافظ ابن حجر فی التلخیص ص ۱۴۲ ورواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والدارقطنی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وصححہ احمد وعلی والبخاری فیما حکاہ الترمذی انتہی مؤطا امام مالک صفحہ ۶۴ میں ہے عن[3] نافع مولی عبداللہ بن عمر انہ قال شہدت الاضحیٰ والفطر مع ابی ھریرۃ فکبر فی الرکعۃ الاولیٰ سبع تکبیرات قبل القرأۃ وفی الاخرۃ خمس تکبیرات قبل القرأۃ قال مالک وھو الامر عندنا انتہی الحاصل حدیث صحیح مرفوع سے عیدین میں بارہ تکبیریں ثابت ہیں اور بارہ تکبیروں کے سوا اور اس سے کم وبیش تکبیرات کے بارے میں جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ ضعیف ہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب حررہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ

سید محمد نذیر حسین	ابوالعلےٰ محمد عبدالرحمٰن

فتاوےٰ نذیریہ ص۴۳۰ ج۱

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں پڑھیں، سات پہلی میں اور پانچ دوسری میں اور اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نماز نہیں پڑھی امام احمد کا یہی مذہب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا عید الفطر میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں ہے اور پانچ دوسری میں اور دونوں رکعتوں میں قراۃ تکبیروں کے بعد ہے۔

[2] عراقی نے کہا اس کی سند اچھی ہے۔ امام بخاری نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] نافع عبداللہ بن عمر کے غلام کہتے ہیں کہ میں نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضرت ابوہریرۃ کے پیچھے پڑھیں، آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں قراۃ سے پہلے کہیں اور دوسری قراۃ سے پہلے پانچ تکبیریں، امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے۔

سوال : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل پڑھنا عیدگاہ میں قبل نماز عید کے یا بعد نماز عید کے ثابت ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب : درصورتِ مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عیدگاہ میں نفل پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلہا ولا بعدہا رواہ البخاری ومسلم کذا فی المشکوٰۃ (ترجمہ) ابن عباسؓ سے ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھیں دن فطر کے دو رکعتیں نہ پڑھی پہلے ان کے اور نہ پیچھے ان کے روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور امت کو کرنے نہ کرنے دونوں میں اقتداء واتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1] الآیۃ ونیز فرماتا ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واحسن الکلام کلام اللہ وخیر الھدی ھدی محمد [2] الحدیث۔ وما علینا الا البلاغ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ واضح ہو کہ عیدگاہ میں نفل پڑھنے کی بابت علماء کا اختلاف ہے علمائے سلف کوفہ کے قبل نماز عید کے عیدگاہ میں نفل پڑھنا جائز نہیں رکھتے اور بعد نماز کے جائز رکھتے ہیں اور علمائے بصرہ کے قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں۔ اور بعد نماز کے جائز نہیں رکھتے اور علمائے مدینہ منورہ کے نہ قبل نماز عید کے جائز رکھتے ہیں اور نہ بعد نماز عید کے۔ ان تینوں مذہبوں میں مذہب علمائے مدینہ منورہ کا مطابق فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے نفل پڑھی ہے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز کے نہ بعد نماز کے اور نہ صحابہ کرام سے کبھی پڑھنا منقول ہے۔ پس یہی مذہب حق ہے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ کہ اتباع سنت وترک سنت نبویہ امت مرحومہ کو نصیب ہوا اور اتباع واقتدار آنحضرت صلعم کے فعل وترک فعل دونوں میں ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اسوۃ حسنۃ الآیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ گھر میں قبل نماز عید کے

---

[1] جو رسول تمہیں دے اسے لو اور جس سے روکے باز آجاؤ۔

[2] بہترین کلام اللہ کا کلام ہے۔ اور بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے۔

نفل پڑھے اور نہ عیدگاہ میں نہ قبل نماز عید اور نہ بعد نماز عید کے۔ تو جو کوئی برخلاف اس کے کرے یعنی عیدگاہ میں قبل نماز کے یا بعد نماز کے نفل پڑھے یا گھر میں نفل پڑھ کر عیدگاہ میں جاوے سو وہ حدیث من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد کا مصداق ہوگا اور بسبب عدم ثبوت نفل کے عیدگاہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما عیدگاہ میں نفل پڑھنے سے لوگوں کو منع کرتے تھے روی سعید بن منصور فی سننه عن ابن سیرین ان ابن مسعود وحذیفة قاما ونهیا الناس ان یصلوا یوم العید قبل خروج الامام الی المصلی واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد نذیر حسین عفی عنہ　سید محمد نذیر حسین

ھوالموفق: فی الواقع عیدگاہ میں نفل پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں نہ قبل نماز عید کے اور نہ بعد نماز عید کے بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح قبل نماز عید کے گھر میں بھی نفل پڑھنا ثابت نہیں ہاں بعد نماز عید کے گھر میں آکر دو رکعت نفل پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ بلوغ المرام میں ہے عن ابی سعید قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یصلی قبل العید شیئا فاذا رجع الی منزله صلی رکعتین رواه ابن ماجه باسناد حسن وقال فی السبل ص ۲۰۰ جلد اول اخرجه الحاکم واحمد وروی الترمذی عن ابن عمر نحوہ انتہی کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفی عنہ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۴ جلد اول)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کے کہ عورتوں کو اس زمانہ میں نماز عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے، تو اس اثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا جواب ہے عن عائشة قالت لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد رواه البخاری یعنی فرمایا حضرت عائشہؓ نے کہ اگر پاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احداث کیا ہے عورتوں نے، تو بے شک منع فرماتے ان کو مسجدوں سے الخ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

الجواب: عورتوں کا بروز عیدین عیدگاہ میں جانا حدیث صریح صحیح مرفوع سے بلانکیر ثابت ہے۔

۱؎ جو کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا حکم نہیں ہے۔ تو وہ کام مردود ہے۔ ۲؎ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت حذیفہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لوگوں کو عید کے دن امام کے نکلنے سے پہلے نفل پڑھنے سے روکنے لگے ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز سے پہلے کچھ نہیں پڑھتے تھے اور جب گھر آتے تو دو رکعت پڑھتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں اہتمام بلیغ تھا، یہاں تک کہ حائضہ اور بن کپڑے والی کو بھی عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم فرماتے، بخاری ومسلم میں ہے، عن ام عطیة قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین ودعوتهم وتعتزل الحیض عن مصلاهن قالت امرأة یا رسول الله احدنا لیس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها یعنی ام عطیہ سے روایت ہے کہ کہا انہوں نے کہ حکم کئے گئے ہم لوگ کہ نکالیں حیض والیوں کو عیدین میں اور پردہ دار کو پس حاضر ہوں مسلمانوں کی جماعت میں اور ان کی دعا میں، اور علیحدہ بیٹھیں حیض والیاں اپنی نمازیوں کی صف سے کہا ایک عورت نے کہ یا رسول اللہ اگر نہ ہو کسی عورت کے پاس چادر، فرمایا تب چاہیئے کہ اوڑھا دے اس کو ساتھ والی اس کی اپنی چادر سے، اور ایک روایت میں ہے حیض کے، کہ جائیں حیض والیاں عیدگاہ میں، پھر رہیں پیچھے لوگوں کے، اللہ اکبر کہیں ساتھ ان کے، نووی شارح مسلم نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے، کہ حضرت ابوبکر رضہ وعلی رضہ وابن عمر رضہ وغیرہ کے نزدیک ضرور تھا نکلنا عورتوں کا عیدین میں اور تحت میں قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لتلبسها کے نووی کہتے ہیں کہ وفیه حث علی حضور العید لکل احد وعلی المواساة والتعاون علی البر والتقوی۔ یعنی حضرت کے اس فرمانے میں کہ بے کپڑے والی کو اس کے ساتھ والی کپڑا اڑھا دے جانے شوق دلانا ہے عیدین میں حاضر ہونے کے لئے ہر ہر شخص کو، اور سا اوپر احسان اور مدد کرنے کے نکوئی و پرہیزگاری پیار یہاں شیخ عبدالحق دہلوی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔ واگر عاجہاز قادر و استعارہ نماید وسوال کند نیز جائز است، کہ وسیلہ امر خیر است، اور شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں ولذلك استحب خروج الجمیع حتی الصبیان والنساء وذوات الخدور والحیض یعنی اسی واسطے شوکت اسلام کے لئے مستحب ہے جانا ہر ہر شخصوں کا عیدگاہ میں حتی کہ لڑکے اور عورتیں اور پردہ دار اور حیض والیاں اور بخاری میں ہے۔ قلت لعطاء اتری حقا علی الامام الآن ان یاتی النساء فیذکرهن حین یفرغ قال ان ذلك لحق علیهم ومالهم ان لا یفعلوا، یعنی کہا جریج نے عطا تابعی سے کہ کیا گمان کرتے ہیں آپ ضرورت امام پر اس زمانہ میں اس بات کی، کہ آوے امام پاس عورتوں کے، پھر وعظ کہے نماز سے فارغ ہو کر، کہا عطاء نے یہ البتہ بے شک ضرور ہے اماموں پر اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ کریں۔

اور جواب اثر حضرت عائشہ رضہ کا اولاً یہ ہے کہ غرض ان کی امتناع احداث عورتوں کا ہے، جو کچھ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا کر رکھا تھا۔ من الزینة والطیب وحسن الثیاب ونحوها کذا فی العینی نفس

۱؎ اگر کوئی غریب عورت امیر عورت سے چادر مانگ لے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ نیک کام کا وسیلہ ہے۔

حضوری مسجد، چنانچہ لفظ ما احدث النساء کا دلیل روشن ہے اس معنی پر اور وہ بے شک ممنوع و موجب فساد ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طیبا رواہ مسلم ، یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوے کوئی عورت مسجد میں پس خوشبو نہ لگاوے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے، اور ابو داؤد میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قبول ہوتی نماز اس عورت کی جو خوشبو لگائے مسجد کے لئے، یہاں تک کہ غسل کرے غسل کرنا ناپاکی کا۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استاذنکم نساؤکم بالليل الى المسجد فاذنوا لهن یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ اجازت مانگیں تم سے عورتیں تمہاری مسجد کی رات کو، پس اجازت دو ان کو، اس حدیث میں اجازت کو رات سے ساتھ مقید فرمایا، غرض جو امر باعث فساد ہے اس کی اصلاح شارع سے خود ثابت ہے، اس کی اصلاح بقدر نقصان کرنا چاہیے نہ کہ معدوم کر دینا اصل امر شرعی کا یہ اصلاح نہیں ہے۔ بلکہ افساد ہے حج کے لئے عورتیں جب سے گھر چھوڑ کر نکلتی ہیں، تو ابتدائے روانگی سے کیا کیا حالتیں ریل و جہاز و ادنٹ پر ان کی بے پردگی کی پیش آتی ہیں پھر مکہ معظمہ میں وقت طواف و سعی وغیرہ کے کس مرتبہ کا اختلاط مردوں سے رہتا ہے کہ مارے دھکوں کے گر گر جاتی ہیں نعوذ باللہ من ذلک، اور یہ صریح حرام ہے تو اس بہت سے عورتیں حج سے باز رکھی جاویں گی، بلکہ اختلاط رجال اور دوسرے منہیات سے تاکید لازم ہو گی، ہاں جمعیت عورت و مرد خلاف شرع البتہ باعث فساد ضرور ہوتی ہے اس کا انسداد لازم ہے، جیسے مردوں کا سامنے اپنے غیر محرمات مثل بجاوج و سالیاں و سمرہجین وغیرہ کے آیا کرنا، ان سے دل لگیاں ہونا، کشف عورت رہنا، جیسا کہ اکثر بلکہ تمام ہند میں وائر و سائر ہے اس کو ضرور مسلمانوں کے گھر سے موقوف ہو جانا چاہیے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہو گئے ہیں اور شرعاً و عقلاً کسی طرح جائز نہیں ہے غرض جس مجمع خلاف شرع میں کہ فساد واقع ہو رہا ہے اس سے چشم پوشی کرنا اور مجمع موافق شرع کو موقوف کر دینا فقط تقاضائے شرافت و امارت و اغوائے شیطانی ہے اس سے پرہیز ناگزیر ہے۔

ثانیاً اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ غرض حضرت عائشہ رض کی مطلقاً منع حضوری ہے مسجد، پس اس میں صریح تخصیص مسجد کی موجود ہے، قیاس امتناع حضوری عیدگاہ اس پر درست نہیں ہے اس لئے کہ حضوری مسجد عورتوں کو جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ گھر میں نماز ادا کریں چنانچہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیر لھن رواہ ابوداؤد یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکو اپنی عورتوں کو مسجدوں سے اور گھر ان کے بہتر ہیں ان کے لئے بخلاف نماز عیدین کے کہ اس میں یہاں تک تاکید فرمائی، کہ حائضہ

اور بے کپڑے والی محتاج اوروں کے کپڑوں میں عید گاہ آئیں، عذر سے بھی اس دن خانہ نشینی کی اجازت نہ دی۔ تعلقاً آپ منع کہاں فرماتی ہیں، وہ تو اپنا فہم ظاہر کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس احداث کو دیکھتے، تو میرے نزدیک یہ ہے کہ عورتوں کو مسجد سے روکتے، اور یوں فرمانا اس سبب سے تھا کہ مطابقت فہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ فہم اپنے کے ضروری جانا، یا ترک ادب سے ڈریں کہ اپنی رائے سے حکم صریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیوں کر اٹھایا جا سکتا ہے یا آپ مختار حلت و حرمت ہی کی نہ تھیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقتضائے حیا و بیان صریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ بیوتھن خیر لھن عورتوں کا مسجد میں جانا مکروہ جانتے تھے، پر منع کرنے میں دم نہیں مارتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اجازت دینے کا حکم فرمایا کہ لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ تو اب کون اس اجازت کو اٹھا سکتا ہے، بخاری شریف کے صفحہ ۱۲۳ میں ہے۔ عن ابن عمر قال کانت امرأۃ لعمر تشھد صلوۃ الصبح والعشاء فی الجماعۃ فی المسجد فقیل لھا لم تخرجین وقد تعلمین ان عمر یکرہ ذلک ویغار قالت فما یمنعہ ان ینھانی قال یمنعہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ رواہ البخاری یعنی حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ تھیں بی بی حضرت عمرؓ کی کہ نماز صبح اور عشاء کی جماعت سے ادا کرنے کو مسجد میں جایا کرتے تھے، کسی نے ان سے کہا کہ تم کیوں نکلتی ہو جب کہ جانتی ہو کہ عمر رضؓ مکروہ جانتے ہیں نکلنا عورتوں کا، اور غیرت کرتے ہیں کہا ان کی بی بی صاحبہ نے پس کس چیز نے منع کیا عمر رضؓ کو کہ مجھے منع کر دیتے، کہا اس شخص نے کہ باز رکھا عمر رضؓ کو تمہارے روکنے سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ نہ روکو اللہ کی لونڈیوں کو اللہ کی مسجدوں سے۔ روایت کیا اس حدیث کو بخاری نے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس سے منع کرنے پر اپنے بیٹے کو اس قدر سخت و درشت کہا کہ کبھی کسی کو نہ کہا تھا اور مرنے کو مر گئے پر بیٹے سے پھر بارے غصہ کے بات نہ کی۔ عن بلال بن عبد اللہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا النساء حظوظھن من المساجد اذا استاذنکم فقال بلال واللہ لنمنعھن وفی روایۃ سالم عن ابیہ قال فاقبل علیہ عبد اللہ فسبہ سبا ما سمعتہ سبہ مثلہ قط وقال اخبرک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و

۱ہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر عورتیں تم سے اجازت مانگیں تو ان کو مساجد کے حصے سے منع نہ کرو۔ بلال نے کہا خدا کی قسم ہم تو ان کو روکیں گے تو حضرت عبداللہ نے کہا میں کہہ رہا ہوں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اور تو کہتا ہے۔ ہم ان کو روکیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ اس پر متوجہ ہوئے اور اس کو ایسی گالیاں دیں کہ پہلے کبھی نہ دی تھی اور کہا میں آنحضرت

فقول واللہ لفظ من رواہ مسلم اور احمد کی روایت میں ہے فما کلمہ عبد اللہ حتی مات کذا فی المشکوٰۃ ہرگاہ نماز وقتیہ میں یہ معاملہ گذرے جس کا گھر میں ادا کرنا خود حدیث صریح صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا، بلکہ اس کو بہتر فرمایا ہے، پس نماز عیدین سے کہ جس کے لئے عیدگاہ میں جانے کی تاکید شدید واہتمام بلیغ موجود ہے اور کوئی حدیث ضعیف بھی اس کے خلاف نہیں آئی۔ اور یہ نماز گھر ادا بھی نہیں کی جاتی ہے۔ اور اس مجمع کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر فرمایا ہے۔ کس حجت سے بھلا کوئی عورتوں کو منع کرے۔

رابعاً یہ کہ ولو فرضنا تو یہ حضرت عائشہ رضی اپنے فہم سے فرماتی ہیں اور فہم صحابہ حجت شرعی نہیں ہے۔ کما ثبت فی اصول الحدیث

خامساً یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے، کہ مقصود حضرت عائشہ کا امتناع عام ہے۔ تو یہ اثر کب معارض ہو سکتا ہے حدیث صریح صحیح مرفوع کا اور ناسخ بھی کلام معصوم کا نہیں ہو سکتا پس حکم رسول اللہ علیہ وسلم درباب حضوری عورتوں کے عیدگاہ میں اسی اہتمام کے ساتھ بحال خود رہا، اور جانا ان کا عیدگاہ میں ثابت ہوا۔ پھر اب جو شخص بعد ثبوت قول رسول وفعل صحابہ کی مخالفت کرے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ الآیۃ جو حکم صراحۃً شرع شریف میں ثابت ہو جائے اس میں ہرگز ہرگز رائے وقیاس کو دخل نہ دینا چاہیئے کہ شیطان اسی قیاس سے کہ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ حکم صریح الٰہی سے انکار کر کے ملعون بن گیا ہے اور یہ بالکل شریعت کو بدل ڈالنا ہے۔ عورت ومرد کے اختلاط کا فتنہ کچھ اسی زمانہ میں پیدا نہیں ہوا ہے۔ ازل سے ابد تک رہا ہے اور رہے گا جس کی حکایتیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں اس لئے شارع[1] نے سلسلے فساد کو خود دفع کر دیا ہے۔ پھر بھی اس کو اصلاح طلب ہی سمجھنا قولہ تعالیٰ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ کے وعید میں داخل ہونا ہے، ہاں یہ زمانہ بھی فساد کا ہے، ہر شخص اپنی عورتوں کا نگران رہے، بے پردہ بن ٹھن کر خوشبو لگا بجتے گھنے زیور پہن کر ہرگز نہ جانے دے، ان کو مردوں سے الگ بٹھائیے غرض اصلاح فساد ساتھ بقائے حکم شرع جس طرح ممکن ہے کرے اور حکم شرع کو ہرگز ہاتھ سے نہ دے۔

واللہ اعلم بالصواب اللھم ارزقنا اتباع سنن سید الموجودات وجنبنا عن المبدعات آمین المجیب

وصیت علی　　　الجواب صحیح والرای نجیح

ذوشرف سید کونین مشہد شریف حسین　　　سید محمد نذیر حسین

[1] یہ تو نخالفوں نے اس بات کو بدل دیا جو ان کو کہی گئی تھی۔

اور روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ باب صلوٰۃ العیدین۔ قد اختلف اہل العلم ہل صلوٰۃ العید واجبۃ ام لا والحق الوجوب لانہ صلی اللہ علیہ وسلم مع ملازمۃ لہا قد امرنا بالخروج الیہا کما فی حدیث امرہ صلی اللہ علیہ وسلم للناس ان یغدوا الی مصلاہم بعد ان اخبرہ الراکب برؤیۃ الہلال وہو حدیث صحیح وثبت فی الصحیح من حدیث ام عطیۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نخرج فی الفطر والاضحی العواتق والحیض وذوات الخدور فاما الحیض فیعتزلن الصلوٰۃ و یشہدن الخیر ودعوۃ المسلمین فالامر بالخروج یقتضی الامر بالصلوٰۃ لمن لا عذر لہا بفحوی الخطاب والرجال اولی من النساء بذلک انتہی پس میلان خلفائے ثلاثہ یعنی ابوبکر و عمر و علی رضی اللہ عنہم کا بھی واجب کی جانب تھا اور اسی بات کی تائید کرتی ہے حدیث ابن عباسؓ جو ابن ماجہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ازواج و بنات کو عیدین میں لے جاتے تھے پس یہ عموم شامل ہے جوان و بڑھیا دونوں کو، ہکذا فی بدر التمام شرح بلوغ المرام اور ہدیۃ المقبول من شرائع الرسول میں مرقوم ہے۔ اس طور سے، و زنان را بر آمدن سوئے عیدگاہ از برائے نماز و شرکت در دعا مسلمین مشروع است و سنت صحیحہ بداں وارد گشتہ و نماز فرادی ہم صحیح است

خادم شریعت رسول الثقلین محمد تلطف حسین ۱۲۹۲	نعم المولیٰ و نعم النصیر ۱۲۹۲	جہاں شد منور زنور الحسن ۱۲۹۲

امیر حسن سکنہ سہسوان
محمد عبد العزیز۔ محمد جمیل
سید محمد حسن۔ علی حسن خاں
فتاوائے نذیریہ جلد اول ص ۶۱۸

سوال: کوئی شخص عورتوں کو عیدگاہ میں لے جانے کی کوشش کرے تو اس کی مخالفت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہرگز مخالفت جائز نہیں۔ فتاوائے ثنائیہ جلد اول ص ۶۰۳

لے علماء کا اختلاف ہے۔ کہ عید کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ صحیح یہ ہے کہ واجب ہے کیوں کہ حضور علیہ السلام نے خود بھی اس پر ہمیشگی کی ہے۔ اور ہم کو بھی حکم عید کی نماز کے لئے باہر نکلنے کو کہا ہے۔ جب کہ ایک قافلہ نے آکر اطلاع دی کہ ہم نے کل رات چاند دیکھا تھا تو حکم دیا کہ کل لوگ عید کی نماز کے لئے باہر نکلیں اور ام عطیہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحی میں باہر نکلیں، حائضہ عورتیں بھی، پردہ نشین بھی، حائضہ عورتیں نماز سے الگ رہیں اور دعا وغیرہ میں شامل ہو جائیں اور باہر نکلنے کا حکم نماز کے حکم کا تقاضا کرتا ہے۔ جن کو شرعی عذر نہ ہو اور یہ حکم عورتوں کی نسبت مردوں کو زیادہ شامل ہوگا۔

سوال: جس مسجد میں سب لوگ جمع ہو سکیں اس مسجد میں نماز عیدین صحرا سے افضل ہے یا صحرا ہی میں افضل ہے؟

جواب: جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی وہاں ہی افضل ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۴۰۱

سوال: عیدین کی نماز میں ہر تکبیر پر رفع یدین کرنا چاہیے یا نہیں کرنا چاہیے اور محدثین کا عمل کیا رہا ہے؟

جواب: کرنا چاہیے حدیث لا ترفع الایدی الا فی سبع مواطن گو ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔ حنفی مذہب میں بھی رفع یدین سنت ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۴۰۶

سوال: عید کی نماز بدون بارش یا بدون کسی عذر شرعی کے مسجد میں پڑھنے کا ثبوت اور عید کی نماز کے بعد چندہ کرکے یا وقف کردہ زمین کے اخراجات سے کھانا تیار کرکے کھانا اور کھلانا اور اس کو لازم ضروری جاننا شرع میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بغیر عذر کے نماز بستی میں پڑھنی خلاف سنت ہے۔ چندہ اگر کھانے کے لئے ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے۔ اور اگر سالار غرض کے لئے ہے تو اسی غرض میں لگانا ضروری ہے۔ ایسا ہی وقف زمین بھی اگر دعوت مسلمین کے لئے موقوف ہے تو اس کا کھانا کھلانا جائز ہے اور اگر وہ کسی خاص غرض کے لئے وقف ہے تو اسی غرض میں اس کو استعمال کرنا چاہیے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۴۰۶

سوال: عید کے روز بعد نماز سب لوگ معانقہ مصافحہ کرتے ہیں جس سے اظہار خوشی ہوتی ہے اور بعض لوگوں میں جو خفیف رنجش رہتی ہے اس ذریعہ اکثر دور ہو جاتی ہے اس کو سنت سمجھ کر نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف اظہار خوشی کے لئے۔ بعض لوگ اس کو منع کرتے ہیں۔ عید کا معانقہ مصافحہ بعد نماز کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: مصافحہ بعد سلام آیا ہے۔ عید کے روز بھی بنیت تکمیل سلام مصافحہ کریں تو جائز ہے بنیت خصوص عید بدعت ہے۔ کیونکہ زمانہ رسالت اور خلافت میں مروج نہ تھا۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل ص۴۰۵

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز میں زوائد تکبیر کے اکثر اہلحدیث رفع یدین کرتے ہیں۔ بالخصوص شہر دہلی میں جو علمائے ہر فریق اہل حدیث کا مرکز ہے وہاں بھی یہ عمل دیکھا

گیا ہے۔ احادیث و آثار سے اس پر کیا دلیل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اہل حدیث اس بارے میں دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔ التلخیص الحبیر میں صلوٰۃ العیدین میں تکبیرات کے وقت وقفہ کے متعلق ہے۔ الی قولہ۔ عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرات۔ رواہ البیہقی الخ دونوں روایتوں میں ایک ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ پہلی میں عبداللہ بن لہیعہ وہ صدوق ہے، خلط بعد احتراق کتبہ سنن کا راوی ہے۔ مسلم نے بھی اس سے مقروناً روایت کی ہے۔ (تقریب التہذیب) دوسری میں بقیہ ابن ولید ہے، وہ بھی مسلم و سنن اربعہ کا راوی ہے۔ امام بخاری نے بھی تعلیقاً روایت کی ہے۔ "صدوق کثیرانہ لیس عن الضعفاء" ہے۔ (التقریب التہذیب) یہاں اس کا شیخ محمد بن ولید زبیدی ثقہ ہے۔ صحیحین کا راوی ہے۔ اگرچہ ان دونوں میں کچھ کلام ہے، مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی ہے گویا ہر واحد "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہے۔ لہٰذا قابل عمل ہے خصوصاً امام بیہقی و امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔ اور مطلق نماز میں رفع یدین تو اللہ کی تعظیم اور سنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ قالہ الامام الشافعیؒ (فتح الباری) ونقل ابن عبد البر عن ابن عمر انہ قال رفع الیدین زینۃ للصلوٰۃ وعن عقبۃ بن عامر قال لکل رفع عشر حسنات بکل اصبع حسنۃ (فتح الباری انصاری ص۲۰۳ جلد اول) بہرحال یہ فعل تعظیم الٰہی اور اس کی توحید فعل باعث ثواب ہے اور یہ فعل حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ (وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص۵۶۰) واللہ اعلم بالصواب (ملخص)

(ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۰۵)

سوال

نماز عید مسجد میں پڑھنی جائز ہے؟

جواب: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید مسجد میں پڑھائی۔ (مشکوٰۃ) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عید کی نماز میدان میں پڑھنی چاہیے۔ البتہ اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو۔ تو عید کی نماز مسجد میں پڑھنی جائز ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ج۲ ص۴۱۶)

سوال : عیدین میں نماز و خطبہ ختم ہونے کے بعد امام کا معہ مقتدی دعا مانگنا یا مقتدیوں کا فرداً فرداً الگ الگ دعا مانگنے کا حکم ہے یا دعا مانگنے کی مطلق ممانعت ہے ؟

جواب : عیدین میں بوقت خاص دعا کا ذکر میرے ناقص علم میں نہیں ہاں عام طور پر دعا کا حکم اور ثبوت ملتا ہے ۔ میری سمجھ سے یہ امر باہر ہے کہ ایسے امر کی بابت اتنی کرید کیوں کی جاتی ہے ؟

شرفیہ : اصل بات یہ ہے کہ حدیث نبوی ہے الدعاء هو العبادة الحديث رواه احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وغيره وصححه الترمذی وفی ادب المفرد قال صلی الله عليه وسلم الدعاء مخ العبادة رواه الترمذی وفی ادب المفرد للبخاری بلفظ اشرف العبادة الدعاء انتهى (تنقیح الرواة ج۲) نماز کے بعد وقت مبارک اور قبولیت دعا کا ہے ۔ اس لئے شیطان ایسے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے ۔ تاکہ وسوسوں میں مبتلا ہو کر یہ دعا مانگنے سے محروم ہو جائیں اس لئے ایسے لوگ بیچارے مجبوری یہ کرید میں رہتے ہیں اور شیطان کا مقصد پورا ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ شیطانی وساوس سے سب کو محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے ۔ آمین   فتاوی ثنائیہ جلد اول ص۵۲۸

توضیح الکلام عیدین میں دعا کا ذکر ام عطیہ کی روایت سے صحیحین میں موجود ہے ۔ عن ام عطية قالت امرنا ان نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض عن مصلاهن الخ مشکوٰۃ شریف ص۱۲۵ اس حدیث میں مذکورہ دعا کا ذکر ہے ورنہ اور کوئی دعا نہیں جس دعا میں حیض والی عورت کو شمولیت کا حکم ہو ۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب ۔ سعیدی

سوال : ہمارے ہاں ایک امام نے عید پڑھائی اور دوسرے شخص نے خطبہ پڑھایا اس طرح جائز ہے ؟

جواب : عند الضرورت جائز ہے کوئی حرج نہیں ۔   اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ ش ۲۸

سوال : امام نے عید کا خطبہ ایک ہی پڑھا دوسرا نہیں پڑھا کیا خطبہ ہو گیا ؟

جواب : مسنون یہی ہے کہ خطبے دو ہوں ۔ مگر بھول کر ایک ہی پڑھا گیا تو کوئی حرج نہیں ۔

اہلحدیث سوہدرہ ج ۴ ش ۲۸

نہ جو لوگ ایک خطبہ کو ذکر سوال میں نہیں لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ۔ عیدین میں جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھنا افضل ہے ۔ الراقم سعیدی

سوال، امام نے خطبہ عید میں مصلیٰ چھوڑ کر دوسری جگہ خطبہ پڑھا۔ نیز بہت لمبا خطبہ پڑھا جس سے لوگ اکتا گئے کیا یہ جائز ہے؟

جواب؛ جگہ بدلنے میں کوئی ہرج نہیں، مگر خطبہ میں اتنی طوالت کہ لوگ اکتا جائیں، ممنوع ہے، خطیب کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ اہل حدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۲۸

سوال؛ عیدگاہ میں نماز عید سے قبل کسی قسم کا نماز پڑھنا، یا وعظ و نصیحت کرنا یا تبلیغی خدمات کے لئے عیدگاہ میں کوئی اجتماعی کاروائی کرنا۔ چندہ جمع کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب؛ عیدگاہ میں نماز عید سے قبل یا بعد کوئی نماز نہیں ہے، وعظ و نصیحت یا تبلیغی مہم کے سلسلے میں کوئی مذاکرہ کرنا یا کار خیر کے لئے چندہ جمع کرنا جائز ہے: لیکن مقصد اولین دوگانہ نماز اور اس کے بعد خطبہ کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آنا چاہیئے۔ (حضرت مولانا) عبدالوہاب آروی ترجمان دہلی جلد ۷ ش ۱۱

سوال، عیدالاضحیٰ کی نماز سے قبل گھر سے کھا پی کر نکلنا چاہیئے یا نہار منہ عیدگاہ جانا چاہیئے؟

الجواب، عیدالاضحیٰ کی نماز کے لئے گھر سے نہار منہ نکلنا مسنون ہے۔

(مولانا) عبدالوہاب آروی ترجمان دہلی جلد ۷ ش ۱۷

سوال؛ عیدالاضحیٰ کی نماز ہندوستانی مروجہ وقت کے لحاظ سے کتنے بجے کے اندر پڑھنا مسنون ہے؟ زیادہ دیر کرکے نماز عیدالاضحیٰ ادا کرنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

الجواب؛ عیدالفطر کی نماز کا مسنون وقت وہ ہے جب آفتاب افق سے تقریباً سوا نیزہ بلند ہو اور نماز عیدالاضحیٰ کا مسنون وقت جب آفتاب افق سے ایک نیزہ بلند ہو، اس سے زیادہ دیر کرکے عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کی جائے تو نماز تو ہو جائے گی، مگر مسنون وقت وہی ہے جو لکھا گیا ہے۔

(مولانا) عبدالوہاب آروی ترجمان دہلی جلد ۷ ش ۱۷

سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی

نماز بلا عذر مسجد میں یا محدود و محصور عمارت کے اندر خواہ تنہا یا جماعت پڑھی ہے۔ اور کیا ابن ماجہ کی وہ روایت جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مستر میدان میں عید کے دن نماز عید پڑھنا مروی و مرقوم ہے قابل تعامل و تسلیم ہے اور یہ کہ نماز عیدین میدان غیر مستر میں آبادی سے باہر آبادی سے دور پڑھنا مشروع ہے یا کہ مسجد میں۔ اور کیا آبادی کے باہر آبادی سے دور باغ یا جنگل میں درختوں کی آڑ میں پڑھنا بھی ثابت اور جائز ہے۔ جواب احادیث صحیحہ سے مطلوب ہے۔

محررہ السید عبد الغفار رضوی محمدی صمدنی الفرخ آبادی مقیم لکھنؤ

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عیدین کی نماز میدان میں پڑھتے تھے کبھی چار دیواری یا مسجد وغیرہ میں آپ نے نہیں پڑھی باوجودیکہ مسجد نبوی میں ایک رکعت کا ثواب پچاس ہزار رکعتوں کا ملتا ہے۔ مگر آپ نے مسجد اپنی میں نماز عید نہ پڑھی (بجز عذر بارش) لہٰذا مسنون طریقہ کے مطابق نماز عید کسی میدان یا جنگل میں پڑھنی چاہیے۔ آنحضرت نے کبھی کسی چار دیواری میں عیدین کی نماز نہ پڑھی۔ روایت مندرجہ فی السوال قابل عمل ہے اس کے متعلق تفاصیل کتب صحاح وغیرہا میں موجود ہے۔ واللہ اعلم ابو الزبیر محمد یونس غفرلہٗ مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحبؒ دہلی۔

۲۔ بےشک عیدین کی نماز بلا عذر مسجد میں ادا کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔ (مولانا حکیم) عبید الرحمٰن عمرپوری نزیل میرٹھ

۳۔ الجواب صحیح (مولانا) ابو تراب عبد الغنی جودھپوری

۴۔ الجواب صحیح (مولانا) محمد مدرس مدرسہ محمدیہ و مدیر اخبار محمدی دہلی

۵۔ جواب صحیح ہے۔ (مولانا) محمد داؤد غزنوی (نبیرہ علامہ فاضل اجل مولانا سید عبد اللہ صاحب غزنوی علیہ الرحمۃ مدیر "توحید" امرتسر)

۶۔ الجواب صحیح (مولانا) سید ابو الحسن عفی عنہ (نبیرہ شمس العلماء حضرت مولانا مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی) بستی کے باہر میدان صحرا میں پڑھنا مسنون ہے باغ بھی حکم صحرا میں ہے۔ جواب مجیب کا صحیح ہے۔ فقط

واللہ اعلم حررہ (مولانا) احمد اللہ مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

۷۔ جواب صحیح ہے۔ (مولانا) محمد امین امرتسری

۹۔ الجواب صحیح (مولانا) محمد یوسف شمس محمدی فیض آبادی

۱۰۔ الجواب صحیح (مولانا) سلیم الدین پرتاب گڑھی

۱۱۔ قد اصاب من اجاب (مولانا) محمد عبد الغنی چک رجاوری

۱۲۔ الجواب صحیح (مولانا) ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری

۱۳ عید کی نماز حضور علیہ السلام نے بغیر عذر کے کبھی گھر میں نہیں پڑھی، ہمیشہ جنگل کو تشریف لیجایا کرتے تھے۔
(مولانا حافظ القرآن والحدیث تقریباً پچاس ہزار حدیث کے حافظ) عبدالتواب غزنوی علیگڑھی

۱۴ جواب صحیح ہے (مولٰنا قاضی سید محمد سلیمان) سلیمان عفی عنہ منصور پوری پنشنر شش جج ریاست پٹیالہ و
پریذیڈنٹ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس آگرہ

۱۵ والامر کما قالوا　(مولٰنا) محمد ابوالقاسم البنارسی

۱۶ الجواب ہو الجواب (مولٰنا حافظ قاری حاجی) نثار احمد عفی عنہ حنفی کانپوری مفتی آگرہ جامع مسجد

کتبہ العاجز الفقیر السید محمد ابوالمحامد عبدالغفار مقیم شہر لکھنؤ　　　اخبار محمدی جلد ۵ ش ۱۸

سوال ۔ عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے دو پڑھے جاویں یا صرف ایک پڑھنا چاہیے؟

الجواب : جمعہ کے خطبہ کی طرح عیدین کے بھی دو خطبے ہیں جابرؓ نے کہا کہ تشریف لے گئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم دن عید الفطر کے یا عید الضحیٰ کے (عیدگاہ میں) پس کھڑے ہو کر خطبہ سنایا پھر تھوڑا سا بیٹھ گئے، پھر دوبارہ کھڑے ہوئے، اور نوویؒ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ عیدین میں دو خطبوں کا سنانا بایں طور کہ درمیان خطبہ کے کچھ تھوڑا سا بیٹھ کر پھر کھڑا ہو جائے مسنون ہے۔ اگرچہ سب روایتیں ضعیف ہیں مگر عیدین کے خطبہ کو جمعہ کے خطبے پر قیاس کرنا اور کل اہل اسلام کا تعامل ان روایتوں کا مؤید اور صحیح ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کی ہے۔ کہ عبیداللہ نے فرمایا کہ عیدین میں دو خطبوں کا ہونا بایں طور کہ درمیان خطبہ کے کچھ تھوڑا سا بیٹھ جائے مسنون ہے۔ حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　فتاویٰ غزنویہ ۹۸/۹۹

سوال : نماز عید بلا عذر از روئے قرآن و حدیث مسجد میں سنت ہے یا جنگل میں، جو حکم خدا اور رسول کا ہو بیان فرمائیے؟

الجواب : بلا عذر مسجد میں نماز عید کی پڑھنی خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ آپ نے مسجد میں عید کی نماز پڑھی ہو، ہاں ایک حدیث ضعیف میں وارد ہے کہ بارش کے عذر سے آپ نے مسجد میں عید کی نماز پڑھی، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن ان پر مینہ برسا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عید کی نماز مسجد میں پڑھائی، اس کو ابوداؤد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد و منذری

نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے لیکن تخلیص میں اس کی اسناد کو ضعیف کہا ہے۔ چونکہ یہ حدیث معمول بہا امت کا ہے لہٰذا باوجود ضعف کے قابل استدلال ولائق حجت ہے۔ ہر چند سنت وافضل عید کی نماز صحرا میں ہے مگر مسجد میں پڑھنے کا جواز بلاخلاف ہے۔ لہٰذا حرمین شریفین میں قدیم الایام سے یہی متعارف ہے۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی عنہما　　فتاوٰے غزنویہ ص۹

سوال: اس زمانہ میں عورتوں کو عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ میں لے جانا سنت ہے یا نہیں اور اگر سنت ہے تو اگر کوئی عمداً ترک کرے یا اس سے انکار کرے تو اس شخص کے حق میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب وھو الموفق: عید کی نماز کے واسطے عورتوں کا جانا بلاریب سنت ہے اس میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ اس سنت کا ترک کرنا بلاضرورت شدیدہ نہیں چاہیئے ہاں جس عورت سے خوف فتنہ کا ہو یا اس پر خوف فتنہ کا ہو یا راستہ میں تزاحم رجال ہو یا عیدگاہ میں مردوں کا اژدحام ایسا ہو کہ بالکل مردوں اور عورتوں میں اختلاط ہو تو اس موقع پر نہیں جانا چاہیئے کیونکہ اس میں گناہ ہے اور تعمیل سنت کے واسطے گناہ کا مرتکب ہو جانا جائز نہیں کہ ترک سنت میں صورت مذکورہ میں گناہ لازم نہیں آتا اور جانے میں مرتکب گناہ ہوتا ہے۔ خیر الخیرین کو کرنا اور شر الشرین کو چھوڑنا فقاہت فی الدین ہے۔ جو اس میزان سے بے خبر ہیں اس کو دین میں فقاہت نہیں۔ جو لوگ بسبب فساد اہل زمانہ کے اس سنت کے تارک یا اس سنت کے مانع ہیں جیسا کہ عروہ، یحییٰ انصاری، قاسم، مالک، ابو یوسف اور ابو حنیفہ فی قول ہیں اور بی بی عائشہ کے اس قول سے تمسک کرتے ہیں لَوْ اَدْرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا اَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ کَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تو وہ لوگ ماول ہیں اور ماول پر مسائل فرعیہ میں خطا اجتہادی کا حکم ہوتا ہے۔ ان کو بدعتی یا فاسق یا گمراہ کہنا سلف الصالحین کے طریق سے بالکل خلاف ہے۔ حررہ الراجی الی رحمۃ ربہ القوی ابو داؤد عبدالجبار الغزنوی　　فتاوٰے غزنویہ ص۹

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس میں کہ ایک شخص تکبیرات عیدین سات تکبیر قبل قراۃ کہتا ہے۔ سوا تکبیر تحریمہ کے اس طریق پر کہ اول تکبیر افتتاح کی کہتا ہے بعد اس کے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ یا غیرہ پڑھتا ہے پھر

لے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ وہ حالت جو انہوں نے نئی نکالی ہے۔ دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روکتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئی تھیں۔ ۱۲۔

سات تکبیریں کہہ کر قراۃ شروع کرتا ہے اور متصل تکبیر افتتاح کے وضع دست ماست برچپ کرلیتا ہے اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قبل قراۃ کہہ کر چھٹی تکبیر رکوع کی جب کہتا ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ اور محمد بن اسمٰعیل نے کہا اور دوسرا شخص سات تکبیریں مع تکبیر افتتاح کے کہتا ہے اور متصل تکبیر افتتاح کے چپ تکبیر کہتا ہے۔ اور بعد تکبیروں سبعہ کے قراۃ شروع کرتا ہے۔ اور سبحانک اللھم نہیں پڑھتا اگر پڑھنے کا قائل بھی ہے تو بعد سات تکبیر متصل کے اور وضع یدین نہیں کرتا وقت تکبیرات سبعہ کے بلکہ ارسال کرتا ہے جب قراۃ ثانیا پڑھے تو وضع یدین کرتا ہے تکبیروں میں قول ابن قیم کا پیش کرتا ہے۔ اور ارسال میں قائل ہے بسبب نہ پانے دلیل جدید کے، دونوں میں کس کا قول قرین ثواب ہے؟ بینوا توجروا

الجواب : حدیثوں کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں مع تکبیر افتتاح کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الضحٰی میں اور اول رکعت میں سات تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں پانچ، اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور تکبیر افتتاح کے سات تکبیروں کے خارج ہونے کے واسطے کوئی بین دلیل چاہیے اور جب کوئی دلیل بین (ظاہر) نہیں پائی جاتی۔ تو صاف ظاہر ہے کہ تکبیر افتتاح انہی سات تکبیروں میں داخل ہے۔ زاد المعاد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر افتتاح کے سمیت سات تکبیریں پے درپے کہتے تھے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔ ابن قدامہ مقدسی حنبلی نے عمدہ میں لکھا ہے کہ آپ پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ کے سات تکبیریں کہتے تھے اور دوسری رکعت میں تکبیر قیام کے سوا پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ ابن ابی زید مالکی جو کہ اکابر متقدمین مالکیہ سے ہیں اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ نمازی پہلی رکعت میں مع تکبیرات تحریمہ کے سات تکبیریں کہے اور دوسری میں تکبیر قیام کے سوا پانچ تکبیریں۔ اور تکبیر تحریمہ کے بعد دعا استفتاح پڑھنے کے وقت ہاتھ باندھنا افضل اور بہتر ہے۔ جس طرح سے کہ اور نمازوں میں کیا جاتا ہے حنفیہ اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ کبیری شرح منیہ میں لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو زیر ناف رکھے اور دعا استفتاح شروع کرے، شرح منہاج میں امام نوویؒ شمس الدین محمد بن احمد شافعی نے لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر سینہ کے نیچے رکھنا مستحب ہے جیساکہ تکبیر تحریمہ میں کیا جاتا ہے۔ حنابلہ نے ہر قیام میں ہاتھ باندھنے کو اختیار کیا ہے۔ قیام بعد الرکوع میں بھی حنابلہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام ابوالقاسم رافعی نے شرح وجیز غزالیؒ میں لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی آیت کی مقدار ٹھہرنا چاہیے یہ شافعی کے لفظ ہیں، ابن مسعودؓ کا قول اور فعل بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے

حافظ ابن حجر رحمہ نے تلخیص میں لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے موقوف روایت کیا ہے اور سند اس کی قوی ہے اور اسی بارہ میں حذیفہ رض اور ابی موسیٰ رض سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ علامہ ابن قدامہ مقدسی نے عمدہ میں لکھا ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاوے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان اللہ کی حمد کرے اور رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی کتاب مختصر میں لکھا ہے دعا افتتاح (یعنی سبحانک اللھم وغیرہ پڑھی جاوے اول ان کے ہیں اور درمیان ہر دو تکبیروں کے اللہ کی حمد کی جاوے اور ثنا کہی جائے اس پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔ منہاج میں لکھا ہے کہ ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک درمیانی آیت کی مقدار ٹھہرے اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور اللہ کی بڑائی اور بزرگی بیان کرے۔ اور تحفہ شرح منہاج میں لکھا ہے کہ اس کو بیہقی نے عبد اللہ بن مسعود سے قولاً و فعلاً نقل کیا ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کا پڑھنا اچھا ہے۔ اور تحفہ شرح منہاج میں لکھا ہے کہ اگر یہ پڑھے جس کو لوگ پڑھتے ہیں اور وہ یہ ہے اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا تو بہت اچھا ہے۔ ابن الصباغ نے اس کو کہا ہے۔ اور روض شرح زاد میں لکھا ہے اور ہر دو تکبیروں کے درمیان یہ کہے اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلًا وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا کیونکہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ بن مسعود سے سوال کیا کہ تکبیرات عید کے بعد کیا کہے تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اس کو اثرم اور حرب نے روایت کیا اور امام احمد نے اسی کے ساتھ حجت پکڑی ہے۔

خلاصہ جونکہ ثنا اور حمد کا پڑھنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مثل عبد اللہ بن مسعود و حذیفہ اور ابو موسیٰ سے قولاً و فعلاً صحیح اسنادوں کے ساتھ ثابت اور دوسری نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا اور حمد پڑھنے کے وقت ہاتھوں کا باندھنا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس پر قیاس کر کے اور جمہور امت کی اقتدا کے لحاظ سے قول راجح ہاتھوں کا باندھنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　　　　فتاویٰ غزنویہ ص ۹۲ / ۹۲

مسئلہ عیدین میں لڑکیوں یا بہنوں کو خوشی سے نقدیا اور کچھ تحفہ دینا نہ لازم ہے نہ ممنوع، مباح ہے بدعت کسی امر غیر مشروع کو امر شرعی بنا کر باعث ثواب قرار دینا ہے۔ سو یہ اس سے خارج ہے۔ خلاصہ یہ کہ زید

کی بات غلط اور باطل ہے وہ بالکل کج رو ہے۔ طالب دنیا معلوم ہوتا ہے۔ نہ طالب حق۔ فقط والسلام

الراقم ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ دہلی ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۳۶ھ نقل از مکاتیب شریفیہ

سوال: نماز عید کا سلام پھیرنے کے بعد ہی خطبہ کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیے دعا نہ کرنا اور خطبہ ایک ہی پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: اس بارہ میں صراحتاً کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ سلام پھیرنے کے بعد ہی فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہونا چاہیے یا کچھ دیر بعد، لیکن صحیحین میں ابو سعیدؓ سے مروی ہے قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ الْاَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَامَ فَوَعَظَ النَّاسَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن مصلیٰ میں نماز پڑھائی پھر وہاں سے علیحدہ ہو کر کھڑے ہو کر لوگوں کو وعظ فرمایا۔ اس حدیث میں لفظ ثم دلالت کرتا ہے کہ نماز کے بعد آپ نے کچھ تاخیر فرمائی اور فی الفور خطبہ کے لئے کھڑے نہیں ہوئے۔ مگر دعا وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں، لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ دعا کرنا ہر نماز کے بعد ثابت ہوا ہے۔ خواہ عید ہو یا غیر عید ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے، صلوٰۃ عید کو بھی اس میں شامل ہونا چاہیے، عیدین میں دو خطبوں کا پڑھنا کسی حدیث سے صحیح ثابت نہیں، صرف اس قدر ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز عید خطبہ پڑھا اور وعظ فرمایا۔ دو خطبے پڑھنے والے جمعہ پر قیاس کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

فتاوٰی عمر پوری ؒ **توضیح** ایک خطبہ کی بھی صراحت موجود نہیں، ہاں ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں عید کے دو خطبوں کی نص موجود ہے اگرچہ اس کی سند میں کچھ کلام ہے لیکن قیاس کے موافق ہے اور تعامل امت سے تقویت حاصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہٗ علم الکتاب۔

حررہ علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال: نماز عیدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میدان میں ہوتی یا نخلستان میں؟

الجواب: آپ نے ہمیشہ عیدین کی نماز صحرا (میدان) میں پڑھی ہے۔ جیسا کہ احادیث صحاح سے ثابت ہے وَکَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی اَیْ اِلَی الْجَبَّانَۃِ وَهِیَ الصَّحْرَاءُ خَارِجُ الْمَدِیْنَۃِ وَمَسِیْرُهَا مِنَ الْحُجْرَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَلْفُ خُطْوَۃٍ۔ مگر ایک مرتبہ آپ نے بوجہ بارش شدیدہ کے نماز عید مسجد نبوی میں ادا فرمائی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اَنَّہٗ اَصَابَھُمْ مَطَرٌ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَصَلّٰی بِھِمُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلٰوۃَ الْعِیْدِ فِی الْمَسْجِدِ

رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ۔ (مولانا) عبدالسلام بستوی دہلوی اہل حدیث دہلی جلد ۷ ش ۲۴

سوال ، جمعہ کی طرح عیدین میں بھی دو خطبے اولی وثانیہ پڑھنا مسنون امر ہے یا صرف عیدین میں ایک ہی خطبہ پر اکتفا کیا جائے ۔ زید کہتا ہے کہ عیدین میں بھی جمعہ کی طرح دو خطبے ہیں مگر بکر کہتا ہے کہ عیدین میں صرف ایک ہی خطبہ ہے اور دوسرا خطبہ پڑھنا بدعت ہے۔ دونوں میں کونسا صحیح ہے۔ پہلا قول زید کا کہ عیدین میں جمعہ کی طرح دو خطبے ہیں۔ اگر صحیح ہے تو اس کی دلیل کتاب وسنت سے تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمایئے ؟ بینوا توجروا

جواب ؛ دو خطبے ہونے چاہئیں۔ حضرت عبیداللہ فرماتے ہیں۔ السنۃ ان یخطب الامام فی العیدین خطبتین یفصل بینھما بجلوس ۔ (دارقطنی) اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۱ ش ۳

سوال ؛ عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنی افضل ہے۔ یا چھ تکبیروں سے ، و نیز تکبیر تحریمہ کے علاوہ بارہ تکبیریں ہیں یا تکبیر تحریمہ سمیت ؟

جواب ؛ عیدین کی نماز بارہؔ تکبیروں سے پڑھنی سنّت ہے۔ اس پر حدیث ذیل دلیل ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ کبر فی العیدین سبعا قبل القرأۃ وفی الاٰخرۃ خمسا قبل القرأۃ (ترمذی ، ابن ماجہ ، دارمی) یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں سات تکبیریں پہلی رکعت میں کہیں اور پانچ تکبیریں دوسری میں قرأۃ سے قبل۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ اور یہی مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا ودیگر اجلہ صحابہ کرام کا ہے حضرت امام مالک امام شافعی وامام احمد وغیرہ رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک ہے ۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف وکتب شروح حدیث چھ تکبیروں والی روایت سنداً سخت ضعیف ہے۔ اور عملی پر غیروالی ہے اس لئے قابل عمل نہیں ہے۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ بارہؔ تکبیریں ہونی چاہئیں۔

مولانا محمد یونس دہلوی مدرس مدرسہ حضرت میاں صاحب

اہل حدیث گزٹ دہلی

جلد ۸ شمارہ ۱۴

بزرگانِ دیوبند اور اہلحدیث

حضرات ناظرین! آج کل دیوبندی حضرات کی تحریرات و تقریرات سن کر اور دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جس وقت وہ جماعت اہلحدیث کے مخصوص مسائل پر مذہبی تنزل کرتے ہیں اور ان کو لامذہب و غیر مقلد ظاہر پرست وغیرہ کے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ حالاں کہ یہ مسائل وہ ہیں مقبول و مسلم جن کو بزرگانِ دیوبند جیسے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی و مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی تسلیم کر چکے ہیں۔

آہ کیا وہ متبعین علمار دیوبند جو نسبت حنفیت کے ساتھ اپنا رشیدی و محمودی ہونا بھی فخر سمجھتے ہیں۔ آج کیا ان اقوال بزرگانِ دیوبند سے انحراف و اعتساف کو عمل فرما کر اپنے بزرگوں سے منہ پھیریں گے؟ ہمارا فرض ہے۔ کہ ایک مرتبہ آپ کے بزرگانِ دیوبند کے وہ اقوال جو حق پر مبنی ہیں اور مسائل بخصوص اہلحدیث کی اپنے اقوال حق میں تصدیق حق فرما چکے تھے آپ کے گوش جان کر دیئے جائیں۔ ؎

گر قبول افتد زہے عسز و شرف

سنیئے! سر گروہ دیوبند حضرت مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ایک مرید خاص بھوپال سے استفتا بھیجتے ہیں۔

کہ اہل بھوپال تکبیرات عیدین خلافِ مذہب حنفیہ کہتے ہیں ان کی اقتدا کریں یا نہیں؟

مولانا رشید احمد صاحب جواب میں لکھتے ہیں:۔

کہ عیدین میں جس قدر تکبیرات امام وہاں کا کہا کرے تم بھی باتباع اس کے اسی قدر کہا کرو، یہ مسئلہ صحابہؓ میں مختلف ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تین تکبیروں کو پسند کیا اور دیگر ائمہ نے زیادہ کو قبول کیا۔ اہل بھوپال تیرہ تکبیر کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ تم خلاف مت کرو۔ امام کی اطاعت کرو۔ ایسی صورت میں اطاعت امام ضروری ہے۔ (دیکھو مکاتیب رشیدیہ ص ۹۶) کتبہ ابو محمد عبد الجبار کھنڈیلوی حال دہلوی فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۶۴۸

سوال: کیا مکہ میں حاجیوں کے لیے عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لمبی حدیث میں ہے:

اتی الجمرة التی عند الشجرة فرماها بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة منها مثل حصى الخذف

رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلثا و ستین بدنۃ بیدہ - (مشکوٰۃ باب قصۃ حجۃ الوداع صفحہ ۲۱۶)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے قریب ہے۔ اس کو چھوٹے سات کنکر مارے جو دو انگلیوں سے مارے جاتے ہیں۔ پھر قربان گاہ کی طرف لوٹے پس تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی پر نماز عید نہیں۔ اگر نماز عید ہوتی تو آپ جمروں سے فارغ ہو کر نماز عید پڑھ کر قربانی کرتے، کیوں کہ قربانی نماز عید کے بعد ہوتی ہے۔ (فتاوےٰ اہلحدیث صفحہ ۱۷۵)

سوال ؛ ہمارے یہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ کہ عید کی نماز مسجد میں پڑھنی چاہیے یا میدان میں، فریقین نے اپنے اپنے دلائل بیان کیے جو حسب ذیل ہیں۔

زید کے دلائل ؛ کھلے میدان میں نماز عید ادا کرنی مسنون ہے۔ کسی عذر یا خوف بارش وغیرہ کے بغیر مسقف مسجد میں عید پڑھنا درست نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کھلے میدان میں عید پڑھتے رہے۔ لہٰذا میدان میں نماز پڑھنی مسنون و افضل ہے۔

بکر کے دلائل ؛ میدان میں بعض وقت نجاست بھی ہوتی ہے۔ جب مسجد (جو مسقف ہو یا غیر مسقف) کافی سے زیادہ جگہ کی گنجائش ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ میدان میں نمازیں پڑھی جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان میں نماز عید گزارنا صرف اس وجہ سے تھا کہ مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی تھی۔ اور قرب و جوار کے لوگوں کا اجتماع صلوٰۃ عیدین کے لیے کثیر ہوتا تھا اس لیے حضور علیہ السلام نے میدان میں نماز عید ادا کی۔ ورنہ جس مسجد میں ایک رکعت پر پچاس ہزار رکعتوں اور دو رکعتوں پر ایک لاکھ رکعتوں کا ثواب ملتا ہو۔ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کو اتنے کثیر ثواب سے ہرگز محروم نہ فرماتے۔ اگر صلوٰۃ عیدین میدان ہی میں پڑھنا افضل ہوتا تو وہ اہل مکہ کو حکم فرماتے کہ مسجد حرام میں نماز عید نہ پڑھا کرو۔ بلکہ بیرون شہر میدان میں جایا کرو۔ نہ خلافت راشدہ میں ممانعت ہوئی، نہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے نو سالہ عہد خلافت میں ایسا حکم ہوا۔ آج تک مسجد حرام میں صلوٰۃ عیدین برابر ادا کی جاتی ہے۔

جواب ؛ امام شافعی رح اور امام مالک وغیرہ کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعی رح کہتے ہیں مسجد فراخ ہو تو مسجد بہتر ہے۔ دلیل یہی دیتے ہیں جو بکر نے دی ہے یعنی مکہ شریف کے لوگ باہر نہیں نکلتے۔ اور امام مالک رح وغیرہ کہتے ہیں، میدان افضل ہے۔ اور اس پر دو دلیلیں دیتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عید کی نماز میدان میں پڑھی ہے۔ اور جس کام پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشگی کریں۔ وہ مقام افضلیت سے نہیں اتر سکتا۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان کی طرف نکلے اور فرمایا۔

لَوْ لَا اَنَّهُ السُّنَّةُ لَصَلَّيْتُ فِي الْمَسْجِدِ۔ (سبل السلام)

یعنی اگر میدان کی طرف نکلنا مسنون نہ ہوتا تو میں نماز مسجد میں پڑھتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ باہر پڑھنے کی وجہ بیان کرنا کہ مسجد تنگ تھی یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔ صرف مکہ کی حالت دیکھ کر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ مکہ کے باہر نزدیک کوئی فراخ میدان نہیں۔ یہ اہل مکہ کے لیے معقول عذر ہے۔ اس لیے اہل مکہ کی حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر نماز پڑھنے کی وجہ مسجد کی تنگی بیان کرنا درست نہیں۔

اس کے علاوہ جمعہ میں ہجوم کم نہیں ہوتا تھا۔ مگر باوجود اس کے جمعہ آپ مسجد ہی میں پڑھتے رہے۔ رہا بکر کا یہ کہنا کہ مسجد نبوی میں پچاس ہزار نماز کا ثواب ہے۔ اگر مسجد کی تنگی کی وجہ نہ ہوتی تو اتنے بڑے ثواب سے کیوں محروم رہتے؟ اس کی بابت عرض ہے کہ بعض دفعہ اور وجوہات پیدا ہو جاتی ہیں جن سے غیر بہتر عمل بہتر ہو جاتا ہے۔ مثلاً مسجد سب جگہوں سے بہتر ہے۔ مگر نفل نماز گھر میں افضل ہے۔ جس میں اہل مدینہ بلکہ اہل مکہ بھی داخل ہیں۔ پھر حضرت علی کا ارشاد مذکور اس بارہ میں صاف ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں کوئی تسلی بخش دلیل نہیں جس کی بنا پر ہم صحابی سے آگے بڑھیں۔ پس ترجیح اسی کو ہے کہ نماز عید باہر پڑھی جائے۔ ہاں اگر کوئی عارضہ ہو جیسے سوال میں ذکر ہے۔ کہ میدان میں نجاست ہے تو پھر کوئی حرج نہیں مسجد میں پڑھ لی جائے۔ مگر نجاست ایسی ہو کہ صاف نہ ہو سکے۔ اگر صاف ہو سکے تو میدان بہتر ہے۔ ہاں زید کا کہنا کہ مسجد میں درست نہیں یہ بے دلیل ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افضلیت ہی سمجھی ہے۔ چنانچہ "لولا انه السنة لصليت فى المسجد" کے الفاظ سے واضح ہے۔ نیز سبل السلام میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے۔ واستخلف من يصلى بضعفه الناس فى المسجد یعنی حضرت علی کرم وجہہ نے ضعیف عورتوں اور بوڑھوں وغیرہ کے لیے ایک خلیفہ مقرر کیا۔ جو ان کو مسجد میں نماز پڑھائے۔ حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ سب باہر جاتے تھے۔ نیز یہ کسی کا مذہب نہیں جو زید نے اختیار کیا ہے۔ صرف افضلیت اور غیر افضلیت میں اختلاف ہے۔ جواز عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس زید کا مذہب سلف کے بالکل خلاف ہے۔ البتہ [illegible] نہ ہونے کے نماز عید ہمیشہ مسجد میں پڑھنا، اس میں مکروہ کی صورت ضرور پائی جاتی ہے۔ کیونکہ [illegible] افضلیت کا ہمیشہ ترک کرنا ہے۔

چنانچہ شاہ جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے۔

والاولی ان تقام فی الصحراء وتکرہ فی الجامع الا لعذر (غنیۃ)

یعنی عید کی نماز جنگل میں پڑھنی چاہیئے اور جامع مسجد میں بلا عذر عید پڑھنی مکروہ ہے۔

عبداللہ امرتسری فتاوی اہلحدیث ص ۴۳

سوال: عید کے دن جمعہ کی رخصت ہے تو کیا نماز ظہر بھی معاف ہے یا صرف جمعہ کی رخصت ہے۔ ہمارے ہاں دو صاحب علم بزرگوں کے ارشادات اس سلسلہ میں جداگانہ ہیں۔

ایک صاحب فرماتے ہیں۔

عید کے دن صرف جمعہ کی رخصت ہے نماز ظہر پڑھنی ضروری ہے۔

دوسرے صاحب فرماتے ہیں۔

جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے جب عید کے دن جمعہ معاف ہے۔ تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔

اس مسئلہ میں صحیح رہنمائی فرمائی جاوے۔

جواب: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عید اور جمعہ اکٹھے آگئے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عید پڑھائی اس کے بعد عصر تک گھر سے نہیں نکلے۔

اس واقعہ سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عید کے دن نماز ظہر بھی نہیں پڑھی۔ لیکن یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ اور یہ اصول مسلم ہے کہ "وقائع الاعیان لا یحتج بہا علی العموم" یعنی خاص واقعہ سے عام استدلال نہیں ہوسکتا۔ اس میں احتمال ہے کہ شاید گھر میں اکیلے یا باجماعت نماز پڑھ لی ہو، اور مسجد میں آکر نمازیوں کے ساتھ باجماعت اس لیے نہ پڑھی ہو کہ عام طور پر جو لوگ پیچھے آتے ہیں۔ اور خطبہ نہیں پاتے ان کو اشتباہ نہ پڑے کہ جمعہ پڑھا گیا ہے۔ یا ممکن ہے کہ گھر سے نہ نکلنے کی کوئی اور وجہ ہے۔ اس قسم کے بعض استدلال اور بھی ہیں۔ جو تسلی بخش نہیں اور معاملہ فرض کا ہے۔ اس لیے احتیاطاً نماز ظہر پڑھنی چاہیئے۔

رہی یہ بات کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے۔ جب جمعہ معاف ہے تو نماز ظہر بھی معاف ہونی چاہیئے۔ یہ الٹا استدلال ہے کیوں کہ قائم مقام کے جانے سے اصل آجاتا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پائے، وہ دوسری ساتھ ملائے اور جس کو ایک رکعت بھی نہ ملے وہ

ظہر پڑھے۔

اس بنا پر جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں جیسے عورت، مسافر، غلام وغیرہ ان کو نماز ظہر پڑھنے کا حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قائم مقام یعنی جمعہ کے جانے نماز ظہر کی نفی نہیں ہوتی۔ پس عید اور جمعہ ایک دن اکٹھے آجائیں تو ایسی صورت میں جمعہ کی رخصت ہے پڑھے یا نہ پڑھے اگر جمعہ نہ پڑھے تو ظہر ضرور پڑھنی چاہیئے۔ بہتر جمعہ پڑھنا ہے۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا: "وانا مجمعون انشاء اللہ" یعنی ہم جمعہ پڑھیں گے۔ انشاء اللہ

نوٹ :۔ اس مسئلہ میں دو فریق اور ہیں۔ ایک فریق کہتا ہے جمعہ کے دن اصل جمعہ فرض ہے۔ اور ظہر اس کا بدل ہے۔ اس لیے اگر جمعہ معاف ہوا تو ظہر بھی معاف ہے۔ لیکن مشکوٰۃ کی مذکورہ بالا حدیث اس کی تردید کرتی ہے۔ اس میں جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن پر جمعہ فرض نہیں اُن کو ظہر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ ظہر کی دو رکعت کم کر کے اُن کے قائم مقام خطبہ کر دیا گیا ہے۔ یہ صاف دلیل ہے کہ نماز ظہر اصل ہے اور جمعہ اس کا بدل ہے۔

ظہر احتیاطی

دوسرا فریق کہتا ہے کہ جمعہ کے دن دو فرض ہیں۔ جمعہ اور ظہر اس بنا پر وہ جمعہ کے بعد بھی ظہر پڑھتے ہیں اس کا نام احتیاطی رکھتے ہیں۔ یہ مذہب بھی غلط ہے۔ کیوں کہ قرآن مجید میں نماز جمعہ ہونے کے بعد کاروبار کے لیے جانے کی رخصت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض۔

اس کے علاوہ تعامل خیر القرون بھی اس کے خلاف ہے۔ اس میں سے کسی سے بھی جمعہ کے بعد نماز ظہر پڑھنا ثابت نہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلے مذہب کو ہر صورت ترجیح ہے۔ یعنی جمعہ قائم مقام ظہر ہے۔ اگر کسی وجہ سے جمعہ نہ پڑھے تو نماز ظہر ضرور پڑھنی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ عید کے بعد جمعہ کے لیے بھی حاضری ضروری ہوتی تو عید کی خوشی میں رکاوٹ اور بے لطفی سی پیدا ہو جاتی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاوے اہلحدیث ص۔۔

سوال : نماز عید میں کتنی تکبیرات کہی جاتی ہیں اور ان کا محل کیا ہے؟

جواب :۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ کہیں۔ (مشکوٰۃ)

۲۔ جعفر بن محمد سے مرسل روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رض، عمر بن عبدالعزیز نے عیدین میں اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت میں سات دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی اور قرأت بلند آواز سے پڑھی (مشکوٰۃ)

اس میں اختلاف ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں تکبیر تحریمہ کے ساتھ مراد ہیں یا تکبیر تحریمہ کے بغیر لیکن ظاہر حدیث سے دوسری صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ہاں حضرت عائشہ صدیقہ رض سے دارقطنی میں حدیث ہے۔ سوی تکبیرۃ الافتتاح یعنی رکوع کی تکبیروں کے سوا۔ لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

چونکہ صریح صحیح دلیل کسی طرف نہیں۔ اس لیے اس میں تشدد نہ کرنا چاہیے۔ کوئی تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کے سوا سات پانچ کہے یا اس کے ساتھ ابن عبدالبر کہتے ہیں، پہلا امام شافعی رح کا مذہب ہے۔ دوسرا امام مالک رح کا تحفۃ الاحوذی صہ ۳۷۳۔ سعید بن عاص رض کہتے ہیں۔ میں نے ابوموسیٰ رض اور حذیفہ رض سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور فطر میں کس طرح کہتے تھے۔ ابوموسیٰ رض نے کہا جیسے جنازہ پر چار تکبیریں کہتے ہیں۔ اس طرح چار کہتے تھے حذیفہ رض نے تصدیق کی کہ ابوموسیٰ رض نے سچ کہا۔

مگر اس حدیث کی اسناد میں عبدالرحمٰن بن ثوبان راوی ضعیف ہے۔ اور دوسرا راوی ابو عائشہ ہے۔ وہ مجہول ہے۔ سات پانچ والی روایت کی کئی سندیں ہیں۔ جو حسن کے درجہ سے کم نہیں۔ اس لیے راجح یہی ہے۔ کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہے اور دوسری میں پانچ کہے اور کہے بھی قرأت سے پہلے۔

عبداللہ امرتسری فتاویٰ اہلحدیث صہ ۳۹۵

سوال: تکبیرات عیدین پہلی رکعت میں الحمد شروع کرنے سے پہلے اور سبحانک اللھم پڑھنے کے بعد ادا کرنی چاہئیں یا سبحانک اللھم پڑھنے سے پہلے تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنی چاہئیں۔ اس کا جواب صحیح حدیث سے تحریر فرمائیں۔

جواب: حدیث میں عیدین کی تکبیریں قرأت سے پہلے کہنے کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیدین کی تکبیریں سبحانک اللھم کے بعد ہیں۔ ورنہ قرأت سے پہلے کی بجائے سبحانک اللھم سے پہلے کا

ذکر ہوتا، لیکن اگر کوئی پہلے کہہ لے تو بھی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث میں صراحت کسی جانب نہیں آتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی   فتاوےٰ اہلحدیث ص۱۰۴

سوال: ہمارا معمول ہے کہ ہم اہلحدیث نماز عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع یدین کرتے ہیں۔ لیکن اس سال نماز عید الفطر کے موقع پر ایک مولوی صاحب نے خطبہ میں بیان کیا کہ تکبیرات عیدین میں رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں، نیز تکبیرات کے درمیان کوئی ذکر کرنا بھی ثابت ہے یا نہیں؟

جواب مغنی ابن قدامہ میں ہے:۔

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد اما فاری ان ھذا الحدیث یدخل فیہ ھذا کلہ وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العید رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتہی

یعنی روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیر کو شامل ہے اور حضرت عمر فاروق رضؓ سے روایت ہے کہ جنازے میں اور عیدین میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اس اثرم نے روایت کیا ہے اور صحابہ کرام میں اس مسئلہ میں حضرت عمر رضؓ کا خلاف کرنے والا کوئی معلوم نہیں۔

حضرت عمر رضؓ کے اس فعل کو بیہقی نے بھی جلد ۳ صفحہ ۲۹۳ میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

نیز ابوداؤد، دارقطنی، بیہقی کے بقیہ کے واسطے سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو ہر تکبیر میں رکوع سے پہلے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ نماز پوری ہو جاتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تلخیص الحبیر میں لکھتے ہیں۔ کہ امام ابن المنذر اور امام بیہقی نے اس حدیث سے تکبیرات عیدین میں ہاتھ اٹھانے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث عام ہے۔ اور بقیہ کی موافقت ابن اخی الزہری نے بھی کی ہے۔ بقیہ راوی ضعیف ہے۔ لیکن ابن اخی الزہری کی موافقت سے اس کی تلافی ہو گئی۔ دارقطنی (عیدین کی تکبیروں کے درمیان ذکر کرنے کے متعلق صرف حضرت جابر رضؓ کی ایک روایت ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن جابر قال مضت السنة ان یکبرو الصلوٰة فی العیدین سبعا وخمسا یذکر اللہ ما بین کل تکبیرتین۔ (اخرجہ البیھقی جلد ۳ ص ۲۹۲)

حضرت جابر رض سے روایت ہے۔ کہ اس بارہ میں سنت گذر چکی ہے۔ کہ عیدین میں سات اور پانچ تکبیریں ہیں۔ اور ہر دو تکبیروں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا ذکر ہے۔ اس کو بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

اس روایت کی سند میں بعض راویوں کے حالات معلوم نہیں۔ اگرچہ روایت ضعیف ہے۔ لیکن علما کا یہ سنہرا اصول ہے۔ کہ ہلکے درجے کی ضعیف روایت پر فضائل اعمال میں عمل درست ہے۔ جب کہ اس کے خلاف کوئی صحیح روایت نہ ہو۔ اور ذکر کوئی معین نہیں۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے یا کوئی اور ذکر سب صحیح ہے۔

(فتاوے اہلحدیث جلد دوم ص ۱۶۴)

توضیح المرام: حضرت جابر رض کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رض کا قول اور فعل بھی منقول ہے۔ اور حضرت حذیفہ رض اور ابو موسیٰ رض سے بھی منقول ہے۔ جیساکہ مجموعہ فتاوے غزنویہ میں مع الفاظ کے مذکور ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی۔

سوال: عید میں ایک ہی خطبہ ہے۔ یا جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھیں جائیں؟

جواب: کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی طرح عید کے بھی دو خطبے پڑھے ہوں، البتہ ابن ماجہ میں حضرت جابر رض سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں نکلے، پس آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ پھر اٹھے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں اسماعیل بن مسلم راوی ہے۔ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ نیز اس میں ابو بحر راوی ہے وہ بھی ضعیف ہے۔ بزار میں سعد بن ابی وقاص رض سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز بغیر اذان اور اقامت کے پڑھی اور دو خطبے دیے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کیا۔ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں مجہول الحال راوی ہیں۔

ابن مسعود رض سے مروی ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے۔ کہ عیدین کے دو خطبے پڑھے جائیں اور دونوں کے درمیان بیٹھا جائے۔ لیکن نووی نے کہا ہے خلاصہ میں کہ یہ قول بھی ضعیف اور غیر متصل ہے۔

دو خطبہ کی روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں۔ مگر جمعہ پر قیاس سے اس مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ کہ عیدین کے جمعہ کی طرح دو خطبے پڑھے جائیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۱۴)

سوال نمازِ عید سے پہلے کچھ کھانا چاہیے یا بغیر کچھ کھائے نمازِ عید کے لیے جانا چاہیے؟

جواب: بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر میں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن چند کھجوریں کھائے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ میں پڑھنے سے پیشتر نہیں کھاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

عید فطر کے دن نماز سے پہلے کھجوریں کھانے میں یہ حکمت ہے کہ روزے کا شبہ نہ ہو کیوں کہ پہلے سارا مہینہ روزوں کا گذرا ہے۔ نیز خالی پیٹ میٹھی شے معدہ اور نظر کو طاقت دیتی ہے۔ خاص کر کھجوروں میں اور بہت سی خصوصیات ہیں۔ جن سے بعض احادیث میں بھی آئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو شخص مدینہ کی عجوہ قسم کھجوریں سات عدد ہر روز صبح کھائے تو اس کو زہر اور جادو نقصان نہیں دے گا۔ اور طاق کھانے میں حکمت یہ ہے۔ کہ خدا یاد آجائے۔ حدیث میں ہے۔ "ان اللہ وتر یحب الوتر" اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو دوست رکھتا ہے۔

عید الاضحیٰ میں بعد کھانے میں یہ حکمت ہے کہ کھانے پینے کے شغل میں نماز کی تاخیر ہو کر کہیں قربانی میں زیادہ دیر نہ ہو جائے۔ کیوں کہ قربانی نماز کے بعد ہوتی ہے۔ بعض علماء نے یہ حکمت بھی بیان کی ہے کہ قربانی کا گوشت برکت والی شے ہے۔ اس لیے یہ پیٹ میں پہلے جانا چاہیے۔ اور قربانی چونکہ نماز کے بعد ہے۔ اس لیے کھانا بھی بعد کو مسنون ہے۔ یہی وجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید الاضحیٰ بہت جلد پڑھتے تھے۔ یعنی تھوڑا سا سورج اوپر آتا تو پڑھ لیتے۔

مسند میں حدیث ہے۔ ولا یا کل یوم الاضحیٰ حتی یرجع فیا کل من اضحیتہ (منتقیٰ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ میں نہ کھاتے یہاں تک کہ لوٹیں۔ نماز سے فارغ ہو کر قربانی کا گوشت کھاتے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑی فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم ص ۳۹۹

سوال: آج کل بعض مولوی نماز عید سے پہلے خطبہ بیان کرتے ہیں۔ کیا نمازِ عید سے پہلے تلاوتِ قرآن کوئی وعظ، خطبہ اور نعت وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب:۔ نمازِ عید سے پہلے خطبہ خلافِ سنت ہے۔ حدیث میں خطبہ نمازِ عید کے بعد آیا ہے۔ پہلے خطبہ پڑھنا مروان نے جاری کیا تھا۔ جس پر ابوسعید خدری رض نے سخت انکار کیا۔ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین
نعت یا تلاوت قرآن مجید یا پھر وعظ یہ سب خطبہ میں شامل ہیں۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم ص ۳۹۵)

سوال: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیئے یا خطبہ کے بعد اور عیدگاہ میں منبر لے جانا کیسا ہے؟

جواب: ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں نکلتے۔ پہلے نماز پڑھتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگ اپنی اپنی نماز کی جگہ بیٹھے ہوتے۔ اگر کسی لشکر بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو بھیج دیتے یا کوئی اور حاجت ہوتی تو اس کا حکم دیتے اور کہتے صدقہ کرو۔ صدقہ کرو۔ صدقہ کرو زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتیں۔ پھر فارغ ہو جاتے۔ مروان کے زمانہ تک یہی حال رہا۔ جب مروان برسرِ اقتدار آیا تو میں مروان کے ساتھ نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ تک پہنچے۔ کثیر بن الصلت نے مٹی اور اینٹ سے منبر بنایا تھا۔ مروان نے مجھ سے ہاتھ چھڑا کر منبر کی طرف جانا چاہا۔ میں نے اس کو نماز کی طرف کھینچا اور میں نے کہا نماز شروع کرنے کا حکم کہا گیا ہے۔ مروان نے کہا اے ابوسعید! جو باتیں تو جانتا ہے۔ وہ چھوڑی گئیں۔ میں نے کہا جو میں جانتا ہوں۔ اس سے بہتر تم نہیں لا سکتے۔ پھر ابوسعید چلے گئے۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز خطبہ سے پہلے ہے۔ دوسرا یہ کہ عیدگاہ میں منبر خلافِ سنت ہے۔ تیسرا یہ کہ مجمعوں میں چندہ وغیرہ کی تحریک جائز ہے۔ چوتھا یہ کہ خطبہ میں وقتی ضروریاتِ لشکر وغیرہ کے بھیجنے کا پروگرام بھی مرتب ہو سکتا ہے۔ پانچواں یہ کہ خواہ کتنا بڑا شخص ہو۔ اگر وہ خلافِ سنت کرے تو اس پر انکار کرنا ضروری ہے۔ چھٹا یہ کہ نماز عید باہر کسی میدان میں پڑھنی چاہیئے۔ ہاں اگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو مسجد میں بھی پڑھنی جائز ہے۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی)

تعاقب

حضرت محدث روپڑی نے لکھا ہے۔ کہ عیدگاہ میں منبر سنت کے خلاف ہے۔ اس استدلال پر مولوی سفیر الدین نے حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

آپ نے مذکورہ بالا ابوسعید خدری کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ کہ عیدگاہ میں منبر خلافِ سنت

ہے۔ اس کے متعلق خیال یہ ہے کہ عیدگاہ میں منبر لے جانا مسنون طریقہ ہے۔ چنانچہ بروایت ابی داؤد شرح عون المعبود جلد ثالث ص ۔ میں ہے۔
عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَضْحٰى فِي الْمُصَلّٰى فَلَمَّا قَضٰى خُطْبَتَهٗ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ۔ اس حدیث کی شرح میں مولانا شمس الحق صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔
فِيْهِ ثُبُوْتُ وُجُوْدِ الْمِنْبَرِ فِي الْمُصَلّٰى وَاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ عَلَيْهِ
یعنی اس حدیث سے عیدگاہ میں منبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس پر خطبہ دیتے تھے۔

جواب

یہ حدیث جس میں منبر کا ذکر ہے۔ ضعیف ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک راوی مطلب ہے۔ جو جابرؓ سے روایت کرتا ہے۔ اس نے جابر سے سنا نہیں۔ (عون المعبود جلد ۳ ص) پس یہ روایت منقطع ہوئی جو ضعیف کی قسم ہے اور ممکن ہے منبر سے مراد اونچی جگہ یہاں ہو۔ چنانچہ ابوداؤد وغیرہ کی ایک حدیث میں حرف نزل ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے۔ اس پر عون المعبود میں لکھا ہے۔ وَيَدُلُّ عَلٰى اَنَّ خُطْبَتَهٗ كَانَتْ عَلٰى شَيْءٍ عَالٍ۔ (عون المعبود جلد اول ص)
یعنی یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ آپ کا خطبہ کسی بلند شے پر تھا۔ اس طرح سے سب احادیث میں تطبیق ہو جائے گی۔ اگر منبر نکالنا مسنون ہوتا۔ تو مروان پر صحابہ کے عام مجمع میں انکار نہ ہوتا۔
عبداللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث جلد دوم ص۹۳)

سوال: کیا عورتوں کو عیدگاہ میں جانا ضروری ہے؟

جواب: اُم عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا۔ کہ حیض والیوں، پردہ والیوں کو بھی عیدین میں نکالیں تاکہ مسلمانوں کی دعا اور جماعت میں شامل ہو جائیں۔ لیکن حائضہ عورت نماز کی جگہ سے الگ رہے۔ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ! بعض دفعہ ہم سے کسی کے پاس چادر نہیں ہوتی۔ تو فرمایا اس کی سہیلی اپنی چادر سے اس کو پہنا دے۔ (مشکوٰۃ)
اس سے ظاہر ہے کہ عورتیں ضرور عیدین میں پردے کے ساتھ شامل ہوں۔ لیکن خوشبو وغیرہ نہ لگائیں اور زینت بھی ظاہر نہ کریں۔ یہ سنت بھی متروک ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔
(فتاوٰے اہلحدیث جلد دوم ص۹۳)

فتویٰ میر واعظ پنجاب

فی حضور النساء فی العیدین بالحجاب

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

اما بعد! پس فرمایا اللہ جل شانہ نے یہ آیہ شریفہ پہلے پارہ میں ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ۔ تفسیر جلالین ومدارک میں "ای لا احد اظلم" اور تفسیر خازن میں "اظلم" کے معنی میں "اکفر واعتیٰ" لکھا ہے۔ یعنی بہت بڑا کافر اور بڑا سرکش ہے اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں سے کسی کو نماز پڑھنے سے روکے۔" اللہ جل شانہ نے جمع کے لفظ سے ارشاد فرمایا ہے۔ خواہ عیدگاہ یا جامع یا کوئی مسجد ہو، نماز کے واسطے جو کوئی آوے مرد ہو یا عورت عید کی نماز ہو یا جمعہ کی یا نمر یا شام کی ہو۔ روکنے والا اللہ جل شانہ اور رسول علیہ السلام کا بہت دشمن ہوگا۔ حدیثیں تو بہت ہیں مگر اس وقت چار یا پانچ پر کفایت کیا جاتا ہے۔

صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لو استأذنت امرأة احدکم الی المسجد فلا یمنعہا متفق علیہ۔ یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطے امر وجوب کے ہے۔ یعنی جب عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے واسطے اذن مانگے، تو مرد پر واجب ہے۔ کہ اذن دے اگر نہیں دے گا، تو گنہگار ہوگا۔ اور خاص کر عید کی نماز کے لیے تو سخت تاکید ہے۔ جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم عیدین میں حائضہ اور پردے والی عورتوں کو لیجایا کریں۔ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے بعض کے پاس چادر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو اس کے ساتھ والی عورت اپنی چادر میں لیجاوے۔ روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے۔

۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کنواری اور نوجوان اور پردے والیوں کو اور حیض والوں کو عیدگاہ میں لے جایا کرتے تھے۔ ۳ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جایا کرتے تھے۔

۴ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مجھ کو فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت عورتوں کی طرف بھیجا کہ تم عیدین میں حائضہ عورتوں اور جوان لڑکیوں کے ساتھ آیا کرو۔

۵ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے بعد پہلے مردوں کو پیچھے عورتوں کو خطبہ سناتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں کہ ہر عورت پر عیدین پر عیدگاہ جانا واجب ہے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ) اور علی رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں۔کہ ہر ایک عورت پر جس کے پاس چادر ہو، عیدگاہ جانا واجب ہے۔ (رواہ ابو بکر فی مسند) اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی تمام عورتوں اور بال بچوں کو عیدین میں عیدگاہ لیجایا کرتے تھے۔حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اس مسئلہ پر تمام صحابہ کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ امام علقمہ اور اسود دونوں اپنی عورتوں کو عیدگاہ لے جایا کرتے تھے۔ ابن جریج نے حضرت عطا تابعی سے کہا کہ کیا آج کل بھی امام کے ذمہ ضروری ہے کہ مردوں کو خطبہ سنا کر پھر عورتوں کے پاس آکر انہیں سنائے؟ انہوں نے کہا قسم ہے کہ ان پر واجب ہے۔

اور نہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی عورت کو منع کیا ہے۔ ہاں سب مردوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے گھروں میں تاکید سے کہہ دیں کہ عورتیں زیب و زینت اور عطر وغیرہ سے معطر ہو کر نہ جائیں۔ سیدھے سادے لباس میں جائیں۔ اور بعض فقہا نے جو منع کیا ہے تو اللہ اور رسول علیہ السلام اور صحابہؓ کے حکم کے مقابلہ میں ان کے قول پر عمل کرنا گناہ ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔ ہمارا کام سمجھانا ہے یارو ☆ اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

راقم محمد علی واعظ عفا اللہ عنہ۔ محلہ قلعہ خیرا سیان۔ امرتسر (مہر)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ؛ مولانا محمد علی صاحب میر واعظ سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عورتوں کے عیدگاہ جانے اور اہل اسلام کی صلوٰۃ و دعا میں شریک ہونے کے بارے میں لکھا ہے۔ بہت صحیح ہے اور احادیث صحیح اس پر شاہد عدل ہیں۔ "اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل" جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری کیا اسلاف صالحین کا اس پر عملدرآمد رہا۔ اب کسی کی کیا مجال کہ چون و چرا کرے۔ ابو سعید محمد شرف الدین مدرس اول مدرسہ دار العلوم دہلی۔ الجواب صحیح ابو الحسن عفی عنہ۔ الجواب صحیح محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ محمدیہ اجمیری دروازہ دہلی۔ الجواب صحیح العاجز عبد اللہ پشاوری۔ الجواب صحیح بندہ غلام اکبر اگروہی ضلع حصار۔ الجواب صحیح عبد الرزاق مالدنی۔ الجواب صحیح عبد المجید۔ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ محمد عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ مسجد فیلخان۔ الجواب صحیح نجم الدین راجشاہی۔ الجواب صحیح احمد علی عفی عنہ لسوی۔ الجواب صحیح عبد الرشید عفا عنہ الحمید مدرس مدرسہ محتسب۔ الجواب صحیح حررہ عبد الستار کلانوری (مفتی) مدرس مدرسہ حمیدیہ عربیہ کرری دروازہ دہلی۔ الجواب صحیح حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب المہاجر امام جماعت غربا اہلحدیث دہلی۔ الجواب صحیح حررہ احمد اللہ الصمد مدرس مدرسہ حاجی علیجان (مہر) الجواب صحیح عبد الرحمٰن بن علی بن حسن العرب آل علی ساکن مسجد مولانا نذیر حسین۔ الجواب صحیح کتبہ عمر بن ناصر حرب نجدی۔ آلان مسجد میاں صاحب مرحوم۔ الجواب صحیح حررہ العبد الاحقر محمد قمر عفی عنہ۔ الجواب صحیح ابو محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ کشن گنج۔

نیز فتاوٰی نذیریہ باسم معروف سید محمد نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی۔ جلد پہلی صفحہ ۳۵

میں اس مسئلہ کو بڑے زور شور سے ثابت کیا ہے۔ کہ عورتوں کو عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ میں جانا ضروری نہایت مؤکدہ ہے۔ اور اس فتوے پر چند علمائے کرام کے دستخط تائیدی بھی ہیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

سید محمد نذیر حسین۔ سید شریف حسین۔ نور الحسن ۱۲۹۲۔ محمد تلطف حسین۔ محمد جمیل۔ محمد عبدالعزیز۔ سید ابو الحسن نعم المولیٰ و نعم النصیر ۱۳۰۲۔ امیر حسین ساکن بہار۔ ملا حسن خان۔

اسی طرح علامہ زماں نواب صدیق حسن خان صاحب والیٔ ریاست بھوپال نے اپنی کتاب بدور الاہلہ صفحہ ۱۰۲ میں بڑے شد و مد سے اس بات کو مفصل مدلل احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت کیا ہے۔ کہ عورتوں کو نماز عید کے لیے عیدگاہ جانا واجب اور ضروری ہے۔ اہلحدیث امرتسر ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء

ج ۱۶ ش ۴۱

سنت نبوی کے مطابق نماز عید کا طریقہ

باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے تکبیر تحریمہ کہتا ہوا سینے پر ہاتھ باندھ کر اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ الخ یا کوئی اور دعاء افتتاح پڑھے پھر قرأت سے پہلے ٹھہر ٹھہر کر سات تکبیریں اور کہے۔ ہر تکبیر پر رفع یدین کر کے سینہ پر ہاتھ باندھے زائد تکبیروں کے درمیان یہ دعا پڑھے۔ جو کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود، حذیفہ اور ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا وَّصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ پھر اعوذ پڑھ کر امام آواز بلند اور مقتدی آہستہ سے الحمد شریف پڑھیں پھر امام اونچی آواز سے قرأت پڑھے اور مقتدی خاموشی سے سنیں۔ بہتر ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ قٓ۔ اور دوسری میں اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ پڑھے یا سَبِّحِ اسْمَ اور ھَلْ اَتٰکَ یا عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ اور وَالشَّمْسِ پڑھے۔ پھر عام نماز کی طرح رکعت کو پوری کر کے جب دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو قرأت شروع کرنے سے پہلے مذکورہ بالا طریقہ پر پانچ تکبیریں کہے۔ پھر دوسری رکعت کے بعد سلام پھیر دے۔ نماز کے بعد امام اپنی جگہ پر کھڑا ہو کر مسنون خطبہ پڑھے۔ اور لوگ اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے سنتے رہیں۔ بعد میں امام اور مقتدی سب ملکر بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔ یہ بہت خضوع اور خشوع سے کریں۔ بعد میں راستہ بدلتے ہوئے تکبیرات کہتے ہوئے واپس آئیں۔ علی محمد سعیدی

باب السفر و القصر

سوال : سفر میں نماز قصر کرنا صرف جائز ہے یا واجب؟ اصل فتویٰ کیا ہے؟

جواب : علمائے سلف و خلف میں سے بہت سے وجوب قصر کے قائل ہیں، خطابی معالم میں فرماتے ہیں اکثر علماء سلف اور فقہاء عصر کا خیال ہے کہ یہ واجب ہے۔ حضرت علیؓ، عمرؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کے علاوہ عمر بن عبدالعزیز قتادہؒ و حسنؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ حماد بن سلیمانؒ تو اس قدر فرماتے ہیں اگر سفر میں کوئی چار رکعت پڑھ لے تو وہ دوبارہ نماز پڑھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر وقت باقی ہے تو دہرا لے۔ نووی نے بھی بہت سے اہل علم کی طرف اسے منسوب کیا ہے اور حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ اس کی رخصت کے قائل ہیں، ابن عباسؓ (ایک روایت میں) شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی خیال ہے نووی نے اس قول کو بھی اہل علم کے ایک گروہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قائلین وجوب کے دلائل میں سے صحیحین کی یہ حدیث ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں صحبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان لا یزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان یعنی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا آپؐ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اسی طرح ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کا عمل تھا۔ لیکن اس حدیث سے استدلال درست نہیں صرف مداومت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے فرضت الصلوٰۃ رکعتین فاقرت صلوٰۃ السفر واتمت صلوٰۃ الحضر (متفق علیہ) جیسا کہ پہلے صرف دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر حضر میں چار رکعتیں کر دی گئیں لیکن سفر میں وہی دو رکعت ہی فرض رہی، یہ استدلال یوں ہے کہ حضر میں چار رکعت سے زیادہ پڑھنا جس طرح ناجائز ہے اسی طرح سفر میں دو رکعت سے زیادہ پڑھنا ناجائز ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے اور وہ فرضیت نماز کے وقت حاضر نہ تھیں۔ یہ جواب اتنا عمدہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اجتہاد کو دخل نہیں، لہٰذا یہ مرفوع حکمی میں داخل ہے۔ نیز حضرت عائشہؓ کا بوقت فرضیت نماز حاضر نہ ہونا قادح نہیں اس لئے کہ انہوں نے کسی صحابی ہی سے سُنا ہوگا۔ اور مراسیل صحابہ باجماع اہل الحدیث حجت ہیں۔ اسی دلیل پر یہ اعتراض بھی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ

کی روایت سے متعارض ہے روایت یوں ہے فرضت الصلوٰۃ فی الحضر اربعاوفی السفر رکعتین (مسلم) یعنی حضر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں تطبیق ممکن ہے کہ شب معراج تو دو رکعت ہی فرض ہوئی لیکن بعد میں زیادہ کر دی گئی چنانچہ ابن حبان ابن خزیمہ اور بیہقی میں حضرت عائشہ سے مروی ہے فرضت الصلوٰۃ فی الحضر والسفر رکعتین رکعتین فلما قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ واطمأن زیدفی صلوٰۃ الحضر وترکت صلوٰۃ الفجر لطول القراۃ وصلوٰۃ المغرب لانھا وتر النھار یعنی سفر و حضر میں دو رکعتیں فرض تھیں جب آپ مدینہ میں تشریف لائے اور امن ہو گیا تو حضر میں نماز کی رکعتیں بڑھا دی گئیں ، نماز فجر اسی طرح رہی کیوں کہ اس کی قرأۃ لمبی ہوتی ہے اور نماز مغرب دن کے وتر ہیں ، رخصت کے قائلین اس حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں فرضت بمعنی قدرت یہ لیکن یہ تاویل تکلف محض ہے ، نیز حدیث کا دوسرا حصہ فاقرت فی السفر وزیدت فی الحضر اس کی نفی کرتا ہے ۔ نووی کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قصر کرنا چاہے اس پر یہی فرض ہے لیکن یہ پہلے سے بھی زیادہ تکلف ہے ۔

قائلین وجوب کی تیسری دلیل مسلم کی یہ روایت ہے عن ابن عباس قال ان اللہ فرض الصلوٰۃ علی لسان نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم علی المسافر رکعتین وعلی المقیم اربعا والخوف رکعۃ " یعنی اللہ تعالٰے نے اپنے نبی کے ذریعے سے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی ہیں اور مقیم پر چار اور بحالت خوف صرف ایک رکعت ۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ بحالت سفر فرض ہی دو رکعت ہے اللہ کی فرض کی ہوئی رکعات پر زیادتی درست نہیں ۔

چوتھی دلیل ان کی حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جو نسائی میں ہے ، صلوٰۃ الاضحٰی رکعتین وصلوٰۃ الفجر رکعتین وصلوٰۃ المسافر رکعتین تمام غیر قصر علی لسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے رجال صحیح بخاری کے ہیں اس میں تصریح ہے کہ مسافر کی نماز دو رکعت ہی ہے اور یہ قصر نہیں بلکہ مکمل ہے ۔

پانچویں دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی یہ روایت ہے اذا ان نصلی رکعتین فی السفر (النسائی) یعنی ہمیں سفر میں دو رکعت پڑھنے کا ہی حکم ہے ۔ اور قصر کو جو واجب نہیں سمجھتے ان کی پہلی دلیل یہ آیت ہے :- لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ تم پر گناہ نہیں اگر تم نماز قصر کرو ۔ یہ الفاظ رخصت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے ، قصر دو چیزوں میں ہے ۔ تعداد رکعات میں اور ارکان میں اسی طرح اس کا تعلق بھی دو چیزوں سے ہے ضرب فی الارض (سفر) اور خوف ہوں گے تو ارکان میں بھی قصر ہو گا اور تعداد رکعات میں بھی ۔ اگر خوف بحالت اقامت ہو تو تعداد مکمل رہے گی ۔ لیکن ارکان میں

قصر ہوگا۔ اسی طرح جب سفر ہو لیکن خوف نہ ہو اس وقت قصر تعداد ہوگا، لیکن ارکان مکمل ادا کئے جائیں گے، ظاہر ہے یہ آیت صلوٰۃ الخوف کے متعلق ہے اس میں قصر عدد کا ذکر نہیں بلکہ قصر ارکان کا ذکر ہے۔

قائلین رخصت کی دوسری دلیل مسلم اور سنن کی یہ روایت ہے عن یعلی بن امیة قال قلت لعمر بن الخطاب فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسألت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته یعنی انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا اللہ تعالےٰ نے بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب تو امن ہو چکا اب قصر کرنے کی کیا ضرورت ہے تو حضرت عمرؓ نے کہا مجھے بھی یہی تعجب ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صدقہ ہے جو اللہ تعالےٰ نے تم پر کیا ہے۔ اس کا صدقہ قبول کرو۔ اس سے استدلال یوں ہے کہ صدقہ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں واجب نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاقبلوا صدقته اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ اس لئے یہ دلیل ان کے خلاف جاتی ہے۔ تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ صحابہؓ نے ایک دفعہ آنحضرتؐ کے ہمراہ سفر کیا۔ بعض نے روزہ رکھا بعض نے افطار کیا۔ بعض نے نماز قصر کی بعض نے پوری پڑھی کسی نے دوسرے پر اعتراض نہ کیا۔ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن یہ اس میں نہیں ہے۔ اس کا جواب یوں ہے کہ اس حدیث میں ذکر نہیں کہ آنحضرت کو بھی اس امر کی اطلاع تھی۔ اس کے برعکس آپ کے اقوال و افعال اس کے خلاف موجود ہیں حضرت عثمانؓ نے جب منا میں پوری نماز پڑھی تو کئی صحابہؓ اس پر معترض ہوئے۔

قائلین رخصت کی چوتھی دلیل نسائی دارقطنی اور بیہقی کی یہ روایت ہے عن عائشة قالت خرجت مع النبی صلی اللہ علیه وسلم فی عمرة فی رمضان فافطر وصمت وقصر واتممت فقلت بابی وامی افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال احسنت یا عائشة قال الدارقطنی هذا اسناد حسن یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئی، آپ نے روزہ نہ رکھا میں نے رکھا، آپ نے نماز قصر ادا کی اور میں نے پوری نماز پڑھی، پھر آپ سے دریافت کیا تو فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہؓ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں علی بن زہیر بن عبدالرحمن بن یزید بن الاسود نخعی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے اور اس کے متعلق ابن حبان کہتے ہیں ثقات سے نہیں، البتہ ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اس کا سماع بھی مختلف ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں وہ حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت گیا جبکہ

ابو حاتم کا قول ہے کہ اس کی حضرت عائشہ کے پاس حاضری بحالت صغر سنی ہوئی۔ اس نے ان سے کچھ بھی نہیں سنا۔ ابو بکر نیشا پوری کہتے ہیں اس کا عن عائشہ کہنا غلط ہے۔ اس کے باوجود دار قطنی نے سنن میں اس اسناد کو حسن قرار دیا۔ بدر منیر میں ہے کہ اس حدیث کا متن منکر ہے۔ اس لئے کہ آں حضرت نے چار عمرے کئے ان میں سے رمضان میں کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رمضان میں عمرہ کے لئے روانہ ہوئیں۔ آپ کے چاروں عمرے ذوالقعدہ میں ہیں۔ البتہ جو عمرہ آپ نے حج کے ساتھ کیا اس کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا لیکن اسے ذوالحجہ میں کیا۔ شوکانی فرماتے ہیں بعض اہل علم نے اس حدیث کی توجیہات بیان کی ہیں، لیکن یہ توجیہات سے زیادہ تاویلات ہیں۔ ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث لاخیر فیہ ابن جوزیؒ نے آپ کی تردید کرنا چاہی ہے مگر کر نہیں سکے۔ الہدی میں ہے:۔ وابن قیمؒ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں یہ حضرت عائشہ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔

ان کی پانچویں دلیل دار قطنی کی یہ روایت ہے: عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر بھی کرتے تھے کبھی پوری بھی پڑھ لیتے تھے۔ اسی طرح کبھی روزہ رکھتے لیکن افطار بھی کر لیتے۔ دار قطنی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو منکر قرار دیا چنانچہ صاحب التلخیص نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں وصحتہ بعیدۃ کہ اس کا صحیح ہونا بعید از امکان ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ نے آں حضرتؐ کی وفات کے بعد نماز پوری پڑھنی شروع کی۔ عروہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی حضرت عثمان کی طرح تاویل کی۔ اگر حضرت عائشہ کے پاس کوئی مرفوع روایت ہوتی تو عروہ اسے نہ کہتے۔ الہدی میں منقول ہے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسے بھی کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا۔ الغرض اس طرح کی ضعیف روایات قائلین وجوب کے دلائل کے معارض ہونے کے قابل نہیں۔ تحقیق یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ رخصت نہیں۔ چنانچہ شوکانی وبل الغمام میں لکھتے ہیں۔ حق بات یہی ہے کہ قصر واجب ہے۔ احادیث کا مقتضی یہی ہے۔

قصر نماز اس طرح ہوتی ہے کہ چار رکعت کی جگہ دو رکعت پڑھے۔ مغرب میں شارع علیہ السلام نے قصر نہیں کیا۔ شوکانی فرماتے ہیں "یہ امر کسی دلیل کا محتاج نہیں اس لئے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور ہر ایک مسلمان یہ جانتا ہے۔ یہ نماز قصر سفر کی ہے۔ رہی صلوٰۃ الخوف تو احادیث میں ایک رکعت بھی وارد ہے۔

بظاہر دلائل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قصر اور افطار کے مسئلہ میں سفر معصیت اور سفر اطاعت میں فرق نہیں، شوکانی " فرماتے ہیں قصر کے دلائل افطار کے دلائل سے عام ہیں۔ اس لئے کہ قصر واجب ہے اور شریعت نے صرف مطیع کو ہی حکم نہیں دیا بلکہ عاصی بھی اس حکم میں شامل ہے۔ البتہ افطار (روزہ نہ رکھنا) رخصت ہے واجب نہیں۔ یہ اصل میں صرف مطیع کو ہی حاصل ہے اگرچہ بظاہر عام ہے۔ اس لئے قصر کو افطار پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم

الدلیل الطالب ص۲۷۹

سوال ، کوئی شخص اپنی دکان کا سامان خریدنے دوسرے شہروں کو جاتا ہے کیا وہ دوگانہ پڑھ سکتا ہے اگر پڑھ سکتا ہے تو اپنے شہر کے کتنے فاصلہ پر (جبکہ وہ لاری یا ریل میں سفر کر رہا ہو) دوگانہ شروع کر دے؟

جواب : دکان کے لئے سامان خریدنے جائے یا کسی اور ضرورت کے تحت سفر پر روانہ ہو تو دوگانہ پڑھ سکتا ہے۔ سفر خواہ ریل کا ہو یا لاری کا جب اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے نکل جائے تو دوگانہ شروع کر دے کیونکہ حدود سے نکلنے کے ساتھ ہی دوگانہ شروع ہو جاتا ہے۔ (مولانا حافظ) محمد عبداللہ روپڑی لاہور

تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ ش ۴۶

سوال ، مقامی امام جب چار رکعت فرض ادا کر رہا ہو مسافر جماعت کے ساتھ شامل ہو کر دوگانہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اگر پڑھ سکتا ہے تو دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر دے یا چار رکعت امام کے ساتھ ادا کرے بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقامی امام ایک رکعت ادا کر چکا ہوتا ہے۔ اور مسافر ساتھ ملتا ہے کیا مسافر دوگانہ پڑھ کر سلام پھیر دے؟

جواب : مقامی امام کے ساتھ پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ خواہ آخری التحیات میں ملے۔ کیونکہ اس کی نماز کی بنا امام کی تکبیر تحریمہ پر ہے اور اس نے چار کی نیت باندھی ہے اور اگر امام مسافر ہو اور وہ پوری نماز پڑھے تو مقتدی مسافر کو بھی اس کے ساتھ چار پڑھنی پڑتی ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمانؓ کے پیچھے چار رکعت پڑھا کرتے تھے کسی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ آپ تو مسافر کے لئے چار رکعت کے قائل نہیں، پھر آپ حضرت عثمانؓ کے پیچھے چار رکعت کیوں پڑھتے ہیں۔ جواب دیا اَلْخِلَافُ شَرٌّ یعنی مقتدی کو امام کی مخالفت کرنی بری ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے بطریق اولیٰ پوری نماز پڑھنی چاہیے۔

(مولانا حافظ محمد) عبداللہ روپڑی

تنظیم اہل حدیث لاہور جلد ۱۸ ش ۲۶

سوال ، جس مسافت پر نماز قصر کی جاسکتی ہے اس کی صحیح مقدار کیا ہے ؟

جواب ، اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے ۔ ابن منذر نے تقریباً بیس مختلف اقوال نقل کئے ہیں ، سب سے کم مقدار جوان اقوال میں ہے ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے ۔ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ ایک دن کی مسافت قصر کے لئے کافی ہے ۔ بعض ایک (بریدہ) اور بعض ایک میل قرار دیتے ہیں ۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق ابن عمرؓ کا مسلک یہی ہے ابن حزم بھی اسی رائے کے حامیین سے ہیں ۔ کوئی تین میل اور بعض تین فرسخ کے قائل ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں بیش سے کہیں زیادہ قول ہیں ۔ ابن حزمؒ نے اس مسئلہ میں صحابہ تابعین اور ائمہ کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں لیکن ہم صرف راجح کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔

بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار سے استدلال کیا ہے اور بعض نے ان احادیث سے کہ

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرة یوم ولیلة الا ومعها ذو محرم اخرجہ الجماعة الا النسائی

کہ کسی مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ ایک دن رات سفر کسی ذو محرم کی رفاقت کے بغیر کرے ، نیز یہ کہ لا تسافر المرأة ثلثة ایام الا مع ذی محرم (البخاری) یعنی عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے ۔ ابو داؤد میں ہے ۔ لا تسافر المرأة بریداً ۔ لیکن کسی روایت میں بھی دلیل نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسفار سے دلیل اس لئے نہیں لی جاسکتی کہ ان میں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے کم مسافت پر قصر جائز نہیں ہے اور جن احادیث میں عورت کو بغیر محرم سفر کے روکا گیا ہے ان میں زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ اس حدیث میں "سفر" تین دن کے سفر کو قرار دیا گیا ہے ۔ اسی طرح ایک دن اور ایک برید کی روایات بھی ۔ ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کم مقدار میں قصر جائز نہیں ہے ۔ نیز اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت ذو محرم کے علاوہ سفر نہ کرے ۔ قصر نماز کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ طبرانی میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، اہل مکہ لا تقصروا فی اقل من اربعة برد من مکة الی عسفان کہ اے اہل مکہ چار برید سے کم مسافت میں قصر نہ کرو ، اور یہ مکہ سے عسفان تک ہے ۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو واضح دلیل ہوتی لیکن اس کی سند میں عبدالوہاب بن مجاہد بن جبیر ہے اور وہ متروک ہے ۔ بعض اسے وضاع بھی کہتے ہیں ۔ ازدی کا قول ہے اس سے روایت بیان کرنا جائز نہیں ، اس سے اسمٰعیل بن عیاش نے روایت کی ہے ۔ اور وہ حجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہے اور عبدالوہاب حجازی ہے ۔ یہ روایت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مطابق موقوف ہے ۔ مسلم ۔ مسند امام احمد اور سنن ابی داؤد میں شعبہ کے طریق سے یہ روایت مروی ہے ۔ عن یحیی بن یزید قال سألت عن قصر الصلوٰة

فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلثۃ فراسخ صلی رکعتین یعنی جب آپ تین میل یا تین فرسخ کا سفر کرتے تو قصر فرماتے، تردد شعبہ کو ہوا۔ بہتر یہ ہے تین فرسخ مراد لئے جائیں کہ اس میں تین میل بھی آجاتے ہیں۔ جو لوگ اس مسافت کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ اتنی مسافت طے کرنے کے بعد قصر شروع کرنی چاہیئے یہ انتہائے مسافت نہیں ہے۔ لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ یحییٰ بن یزید نے انسؓ سے جواز قصر کی مسافت پوچھی تھی۔ ابتدائی نہیں۔ یہی مقدار درست معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے بقیع کا سفر کیا کہ قبروں کو دیکھیں اس سفر میں آپ نے قصر نہیں کی۔ شعبہ بن منصور نے ابوسعیدؓ سے روایت کیا ہے۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر فرسخا نقصر الصلوۃ یعنی ایک فرسخ پر قصر فرماتے اگر اس روایت کی صحت ثابت ہوجائے تو اسے حضرت انسؓ کی روایت پر مقدم سمجھا جائے لیکن مسند سعید بن منصور موجود نہیں۔

اب یہ جاننا چاہیئے کہ جب مسافر کہ اپنی بستی یا شہر کے نکلنے کے بعد نماز پر وقت ہوجائے تو وہ قصر کرے خواہ ابھی وہ اتنی دور گیا ہو کہ بستی میں پتھر پھینک سکتا ہو اس لئے کہ وہ مسافر ہے اسی طرح واپس بستی یا شہر میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ایک میل کا سفر طے نہ کرلیں قصر نہ کریں گے، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں۔

ممکن ہے کوئی کہے کہ صرف چلنے کو لغت میں سفر نہیں کہتے، بلکہ اسے مسافر کہتے ہیں جو اپنا سامان باندھے اور عصا کندھے پر رکھ کر چلے اسے مسافر کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ لغت کا نہیں شریعت کا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کم مسافت میں قصر نہیں پڑھی۔ اگر مسئلہ لغت ہی سے حل کرنا ہے تو اہل عرب ایک دو یا تین چار میل کو سفر نہیں کہتے، بلکہ وہ اپنے ریوڑ چراتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ مسافت طے کر لیتے ہیں۔ اور اسے سفر نہیں کہتے۔ اسی طرح ایک دوسرے کو ملنے کے لئے اسی طرح مسافتیں طے کرتے لیکن اسے سفر نہ کہتے اور سامان باندھ کر اور عصا کندھے پر رکھ کر آمیں یا جاتے ہوں۔ بہرحال بنیاد اس مسئلہ میں دلیل شرعی پر ہی ہوسکتی ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ کا سفر تین فرسخ یا اس سے زیادہ ہوتا تو باہر آکر قصر کر لیتے چنانچہ ثابت ہے کہ آپ ظہر کی چار رکعتیں پڑھ کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور عصر کی نماز بمقام ذی الحلیفہ قصر پڑھی۔ حالاں کہ یہ فاصلہ چھ میل ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس مسافت پر بھی قصر جائز ہے کیوں کہ ذوالحلیفہ منزل نہ تھی، منزل مقصود مکہ تھا۔

تین فرسخ کی حدیث سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ابتدا سفر ہے۔ بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

اس مسافت پر آپ قصر کیا کرتے تھے لفظ کان اسی پر دلالت کرتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں تردد ہے۔ کہ تین میل یا تین فرسخ تو احتیاطاً یہی ہے کہ فرسخ مراد لیے جائیں۔ شوکانی "دبل الغمام" میں فرماتے ہیں "اس مسئلہ میں مراد وہ مسافت ل جائے گی۔ جس پر شرعاً لغۃً اور عرفاً لفظ سفر کا اطلاق ہو۔ دارقطنی کی روایت اہل مکہ لا تقصروا فی اقل من اربعۃ برد ضعیف ہے۔ اس سے دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم دلیل الطالب ۲۷۷ تا ۲۸۱

سوال : سفر کی مسافت کم از کم کتنی ہے جس میں نماز قصر کی جاسکے؟

جواب : کم از کم مسافت تین فرسخ ہے۔ عون المعبود شرح ابی داؤد ۳۹۴ سبل السلام ۱۵۹ زاد المعاد ۱۳۲۔ اگرچہ ائمہ نے اس مسئلہ پر خوب بحث کی ہے۔ اور اختلاف بھی کیا ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک ۹ میل کی روایت صحیح ہے۔ جس پر نماز قصر کی جاسکتی ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۲۹

سوال : کیا مسافر کے لئے دو فرضوں کے لیے سنن اور نوافل پڑھنے بھی ضروری ہیں؟

جواب : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو فرض ہی پڑھا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ سنن اور نوافل ضروری نہیں، ہاں فجر کی دو سنت اور وتر آپ پڑھا کرتے تھے اگر وقت مل جائے تو نفل بھی پڑھ سکتا ہے۔ بعض صحابہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ مگر ضروری نہیں۔ زاد المعاد ۱۳۲ اہل حدیث سوہدرہ ۲ ہجری و ابحرث ۱۳۷۱ھ

سوال : موٹر یا گاڑی کا ڈرائیور جو اکثر سفر میں رہتا ہے اور بطور پیشہ یا ملازم مسافر کہلاتا ہے۔ کیا نماز قصر کر سکتا ہے؟

جواب : وہ نماز قصر نہیں کر سکتا۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۳۱، ۳۲

سوال : ایک ملازم اپنی ملازمت کی جگہ سے اگر چند یوم کے لئے اپنے اصل گھر میں جائے تو کیا مسافر سمجھا جائے گا

جواب : اگر اس کا اہل و عیال اہل گھر میں ہو تو وہ اس کا اصل گھر ہے۔ نماز قصر نہ کرے۔ اگر اہل و عیال ساتھ ہو گھر خالی پڑا رہتا ہو اور کبھی کبھار وہاں آجاتا ہو تو مسافر سمجھا جائے گا۔ نماز قصر کرنا جائز ہوگا۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۱۲

سوال: کیا مسافر کے لیے دو فرضوں کے علاوہ سنن اور نوافل پڑھنے بھی ضروری ہیں؟　لال الدین ثتیلہ

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو فرض پڑھا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ سنن اور نوافل ضروری نہیں ہاں فجر کی دو سنت اور وتر آپ پڑھا کرتے تھے اگر وقت مل جائے تو نفل بھی پڑھ سکتا ہے۔ بعض صحابہ پڑھ لیا کرتے تھے مگر ضروری نہیں۔

الہدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۳۱، ۲۲

سوال: مسافر پر کم از کم کتنے میل کے سفر کے بعد نماز قصر لازم آتی ہے۔ اگر مسافر بجائے قصر کے پوری نماز ادا کرے تو گنہگار ہوگا؟ کیا سفر میں نماز کے لئے قبلہ رُو کھڑا ہونا ضروری ہے؟ ریل میں بوقت نماز کس طرف منہ کرنا چاہیے؟

جواب: ۹ کوس کے سفر پہ دوگانہ درست ہے۔ اس کی بابت صحیح مسلم شریف میں حدیث آئی ہے مسافر اپنے گاؤں یا شہر کی حدود سے باہر نکلتے ہی دوگانہ شروع کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسری روایات میں آیا ہے:۔
اور دوگانہ کا [illegible] پڑھے۔ حدیث میں ہے إن الله يحب أن تؤتى رخصه۔ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی رخصت قبول کی جائے۔ فرضی نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے۔ خواہ ریل کا سفر ہو یا کوئی اور ہاں تھوڑے بہت فرق کا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حدیث مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ عین بیت اللہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ وہ جانب کافی ہے۔

تنظیم اہلحدیث جلد ۲۰ ش ۳۲

سوال: جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہوں جیسے جہاز کے سارنگ یا خلاصی وغیرہ ان کو نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو لوگ ہمیشہ سفر میں رہتے ہوں، جیسے جہاز کے خلاصی وغیرہ وہ شرعاً مقیم نہیں ہیں۔ بلکہ مسافر ہیں، کیوں کہ وطن کی تین ہی قسمیں ہیں، وطن اصلی، وطن اقامت و وطن سکنی، فتح القدیر میں ہے:۔
الاوطان ثلثة وطن اصلى وهو مولد الانسان او موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الارتحال ووطن اقامة وهو ما ينوى الاقامة فيه خمسة عشر يوما ووطن سكنى وهو ما ينوى الاقامة فيه اقل من خمسة عشر يوما ترجمہ وطن تین ہیں، وطن اصل یہ انسان کی رہائش کی جگہ ہے۔ اور وطن اقامت جہاں پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو اور وطن سکنی یہ وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔

اور مخفی نہیں، کہ خلاصی وغیرہ ان تینوں اوطان سے خالی ہیں پس بلا شبہ وہ مسافر ٹھہرے، پس احکام سفر ان پر لازم رہیں گے۔ ونیز احادیث وآیات قرآنیہ عام ہیں، چنانچہ آیت واذا ضربتم فی الارض اور اوکنتم علی سفر میزان شعرانی میں ہے، قال الائمة الثلاثة ان الملاح اذا سافر فی سفینة فیھا اھله وماله له القصر وقال احمد انه لا یقصر وقال احمد کذالك المکاری الذی یسافر دائما فمفیه الائمة الثلاثة ایضا فقالوا ان له الترخص بالقصر والفطر۔ پس ثابت ہو گیا، کہ دائم السفر کو بھی قصر کرنا چاہیے، چنانچہ تاجر جو ہمیشہ تجارت کے لئے سفر میں رہتے ہیں "مصنف ابن ابی شیبہ" میں ہے، قال حدثنا وکیع عن الاعمش عن ابراھیم قال جاء رجل فقال یا رسول الله انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین ھذا مرسل۔ والله اعلم حررہ محمد عبد الحق ملتانی ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۵۵۶

سوال ، ماقولہم رحمہم اللہ تعالیٰ دریں مسئلہ کہ نماز فرض در ریل گاڑی کہ دریں ولایت شیوع یافتہ است، در زمان حرکتش وسکونش بدون عذر جائز است یا نہ، وہم قصر صلوٰۃ واجب خواہد بود یا نہ؟ بینوا توجروا

الجواب ، باید دانست کہ نماز بر ریل گاڑی در حالت سیر بلا عذر ہم جائز است بشرطیکہ استقبال قبلہ فوت نشود چنانکہ بر سریر وچار پائی صحت کہ جبہہ بر آن قرار گیرد رواست ونماز ریل گاڑی در حکم سواری بر دابہ نیست، کہ فرض نفل بلا عذر بر آن جائز نہ باشد، چرا کہ ریل گاڑی بمعاونت دخان دہوا بر زمین میرود، چناں کہ نماز فرض بر کشتی در حالت سیر نیز رواست۔ واما الصلوٰۃ علی العجلة ان کان طرف العجلة علی الدابة وھی تسیر اولا تسیر فھی صلوٰۃ علی الدابة فیجوز فی حالة العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرھا وان لم یکن طرف

---

[1] ملاح جب کشتی میں اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لے کر سفر کرے۔ تو تینوں اماموں کے نزدیک وہ قصر کرے۔ امام احمد قصر کے قائل نہیں ہیں۔ اور کرایہ پر کام کرنے والا شتر گاڑیوں کے ڈرائیور اور جانوروں کے ملاح وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں۔

[2] ایک آدمی نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں ایک تاجر آدمی ہوں، سمندر میں پھرتا رہتا ہوں۔ آپ نے اس کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ سوال، کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آج کل ریل گاڑی عام ہو چکی ہے اس کی حرکت اور سکون کے وقت اس میں فرض نماز پڑھنی بغیر عذر کے جائز ہے یا نہیں۔ اور ریل کے سفر میں دوگانہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب - ریل گاڑی میں اس کی حرکت کے وقت بھی بغیر عذر کے نماز پڑھنا درست ہے۔ بشرطیکہ رخ قبلہ کی طرف ہو جیسا کہ کسی تخت یا چارپائی پر نماز پڑھنا درست ہے کہ اس پر پیشانی پوری طرح رکھی جاسکے اور ریل گاڑی کی نماز سواری کی نماز جیسی نہیں

على الدابة جاز تنوير الابصار من در المختار قوله على العجلة هي ما يؤلف مثل المحفة يحمل عليها الاثقال مغرب قوله اولا تسير كذا في الزيلعي والخانية ومثله في البحر عن الظهيرية قوله فهي صلوٰة على الدابة اما اذا كانت تسير فهي ظاهر واما اذا كانت لا تسير وكانت على الارض وطرفها على الدابة فمشكل لانها في حكم المحمل اذا ركز تحته خشبة فتكون كالارض وقد يفرق بانها اذا كان احد طرفيها على الارض والآخر على الدابة لم يصر قرارها على الارض فقط بل عليها وعلى الدابة بخلاف المحمل لانه انما تصح الصلوٰة عليه اذا كان قراره على الارض فقط بواسطة الخشبة لا على الدابة تامل وسيأتي ما لو كان كلها على الارض شامي قوله وان لم يكن الخ كان المناسب ذكره قبل بيان الاعذار قوله لو واقفة در مختار كذا قيده في شرح المنية ولم اره لغيره يعني اذا كانت العجلة على الارض ولم يكن شئ منها على الدابة وانما لها حبل مثلا تجره الدابة به تصح الصلوٰة عليها لانها حينئذ كالسرير الموضوع على الارض ومقتضى هذا التعليل انها لو كانت سائرة في هذه الحالة لا تصح الصلوٰة عليها بلا عذر وفيه تامل لان جرها بالحبل وهي على الارض لا تخرج به عن كونها على الارض ويفيده عبارة التاتارخانية عن المحيط وهو لو صلى على العجلة ان كان طرفها على الدابة وهي تسير تجوز في حالة العذر لا في غيرها وان لم يكن طرفها على الدابة جازت وهو بمنزلة الصلوٰة على السرير الا ان قوله وان لم يكن الخ يفيد ما قلنا لانه راجع الى المسئلة وقد قيدها بقوله وهي تسير ولو كان الجواز مقيدا بعدم السير بقيده به فتامل شامي، ومراد از عجلہ مثل کرانچی وچہ پہیا وشکرم کہ در وقت سعتی قابل گذاردن نماز از تختہائے چوبیں مفروش می باشد صاحب قاموس می گوید العجلة بالتحريك الآلة التي تجرها الثور وخشب يؤلف يحمل عليها الاثقال۔

جواب سوال دوم ۔ اینکہ مسافت سہ روزہ را بسیر وسط و معتدل در قصر صلوٰۃ معتبر است وسیر برید وسیر عجلہ واسپ سریع السیر کہ مسافت راہ دو روزہ وسہ روزہ را یک روز طے کنند یا سیر بطی چنانکہ راہ یک روزہ را در دو روز طی نماید، پس در قصر صلوٰۃ معتبر نیست پس اگر ریل گاڑی یا اسپ سریع السیر یا برید سہ روزہ را در یک روز طے

ہے کہ بلا ضرورت نہ ہو سکے ۔کیونکہ ریل گاڑی زمین پر حرکت کرتی ہے۔ تو اس کا نماز کشتی کی نماز کی طرح بالکل درست ہوگی۔ اور ٹانگہ یا بگھی وغیرہ کی نماز کا یہ حکم ہے۔ کہ اگر ٹانگہ کی ساخت اس طرح کی ہو۔ کہ اس کا کچھ حصہ جانور کی پیٹھ پر بھی ہو تو وہ جانور کی سواری کی نماز سمجھی جائے گی۔ اور اگر پہیوں وغیرہ کی مدد سے زمین پر چلتا اور کسی رسہ یا لکڑی وغیرہ کے ذریعے جانور اس کو کھینچے۔ تو وہ نماز زمین پر نماز

کنند تاہم قصر صلوٰۃ واجب نخواہد بود شرح آں چناں کہ از کتب فقہ مستفاد می گردد، کما لا یخفی علی العالم بالفقہ، واللہ اعلم بالصواب فاعتبروا یا اولی الابصار، حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ (سید محمد نذیر حسین) فتاویٰ نذیریہ ج ۱

سوال: اگر زمیندار، بیوپاری، ملازم، کاریگر وغیرہ جن کی معاش کا ذریعہ دار الاقامت سے بیرونی ممالک میں ہے۔ اس کو علی الدوام اسی مقام پر جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کے لئے قصر نماز ادا کرنے کے لئے کیا حکم ہے۔ درمیانی مسافت کے دن قصر نماز لازم آتی ہے یا اس سے زیادہ دن مسافری کے لئے ہے؟

جواب: محدثین کے نزدیک بحکم حدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر کرنا جائز ہے چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہیگا۔ گھر سے نکلتے ہی قصر کا حکم لگ جاتا ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۹۹

سوال: قصر نماز کی حالت میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء جمع کرکے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: سفر میں ظہر، عصر۔ مغرب، عشاء کا جمع کرنا جائز ہے۔ حدیثوں میں آیا ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۰۱

سوال: فرضوں میں قصر کرنا لازم آتا ہے۔ یا سنتوں میں بھی قصر کرنا ضروری ہے۔ بعض آدمی سفر کی حالت میں فقط فرضوں کی قصر کرتے ہیں۔ اور سنتیں مؤکدہ بھی نہیں پڑھتے۔ کہتے ہیں فرضوں میں قصر ہونے کی وجہ سے سنت کا ادا کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے کیا حکم ہے؟

جواب: فرضوں کی رکعات کی کمی قصر ہے۔ سنتوں میں تاکید کم ہو کر بطور نفل رہ جاتی ہے۔ پڑھے تو ثواب ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۹۹

پڑھنے کے مترادف ہوگی۔ اور بالکل درست ہوگی۔ اور اس کی مثال اس تخت پوش کی سی ہوگی۔ جو زمین پر بچھا ہو کر اس پہ بلا شبہ بھی نماز درست ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ درمیانہ چال سے اگر سفر تین روز کا ہو جائے تو اس پر قصر کرنا جائز ہے۔ خواہ گاڑی والے ایک ہی دن میں طے کر لے۔ اسی طرح اگر منزل درست ہے تین روز کا سفر بھی ہو تو قصر درست نہ ہوگا۔ مثلاً پیدل چلنے والا ایک دن کا سفر دو دن میں کرتا ہے۔ نیز یعنی بعض محدثین کا مسلک ہے جو حاجی کے لئے بعد از وقت تین روز کی اجازت سے مستنبط ہے اور امام بخاری نے صحیح میں باب منعقد کیا ہے۔ باب ما جاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ثم ذکر حدیث ابن عباس قال اقام صلی اللہ علیہ وسلم تسعۃ عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعۃ عشر قصرنا وان زدنا اتممنا۔ اس سے ثابت ہے کہ تین سے زائد ۱۲ (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

سوال: سفر میں کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیئے، قرآن و حدیث سے مدلل بیان فرمائیں اجزاکم اللہ عن جمیع المسلمین خیرا۔

جواب: نصوص شرعیہ میں مطلق سفر وارد ہے۔ کوئی صحیح روایت سفر کی حد میں میری نظر سے نہیں گزری، صحابہؓ کے اقوال بھی اس میں مختلف ہیں۔ عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن عباس اڑتالیس میل میں دوگانہ پڑھتے تھے۔ طبرانی و دارقطنی میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے۔ لا تقصروا فی اقل من اربعة برد۔ مگر یہ حدیث باتفاق المحدثین ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے۔ کہ یہ ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے۔ حافظ ابن حجر تلخیص میں لکھتے ہیں[1] والصحیح عن ابن عباس من قوله قال الشافعی اخبرنا سفیان عن عمرو عن عطاء عن ابن عباس انه سئل انقصر الصلوٰة الی عرفة قال لا ولکن الی عسفان والی جدة والی الطائف واسناده صحیح وروی البیہقی عن عطاء بن ابی رباح ان عبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس کانا یصلیان رکعتین ویفطران فی اربعة برد فما فوق ذلك واخرجه البخاری تعلیقا۔ ابو داؤد میں ہے۔[2] عن نافع ان ابن عمر کان یخرج الی غابة فلا یفطر ولا یقصر۔ کتاب مراصد میں لکھا ہے۔ کہ غابۃ مدینہ منورہ سے ایک برید کی مسافت پر ہے اور دحیہ کلبی اور بعض اہل علم تین میل کو سفر کہتے ہیں اور اس میں قصر کو جائز جانتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے[3] عن منصور الکلبی ان دحیة بن خلیفة خرج من قریة من دمشق الی قدر قریة عقبة من الفسطاط وذلك ثلاثة امیال فی رمضان ثم انه افطر وافطر معه ناس وکره آخرون ان یفطروا فلما رجع الی قریته قال واللہ لقد رأیت الیوم امرا ما کنت اظن انی اراه ان قوما رغبوا عن هدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابه مگر اس روایت کی صحت میں گفتگو ہے۔ قال الخطابی ولیس هذا الحدیث بالقوی اور لفظان

---

[1] چار برید سے کم مسافت پر نماز قصر نہ کرو ۱۲ [2] اور صحیح یہی ہے کہ یہ ابن عباس کا اپنا قول ہے۔ امام شافعی ؒ نے کہا کہ خبر دی ہم کو سفیان نے انہوں نے عمرو سے انہوں نے عطاء سے وہ ابن عباسؓ سے کہ ان سے پوچھا گیا کیا ہم عرفات پر نماز قصر کریں تو انہوں نے فرمایا کہ نہ، ہاں عسفان اور جدہ اور طائف پر کرلو۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اور بیہقی ؒ نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برید یا اس سے زیادہ فاصلے پر نماز دوگانہ پڑھتے تھے۔ اور روزہ بھی نہ رکھتے تھے۔ اور امام بخاری ؒ نے اس کو تعلیقاً بیان کیا ہے۔ ۱۲

[3] نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ غابہ جگہ کو جاتے تو افطار کرتے اور نہ قصر کرتے۔ [4] منصور کلبی سے روایت ہے کہ دحیہ بن خلیفہ رمضان شریف میں دمشق سے اتنی دور گئے جتنا کہ فسطاط سے عقبہ ہے۔ اور یہ تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ تو اس نے اپنے بعض ساتھیوں سمیت روزہ افطار کیا۔ اور بعض نے اس بات کو مکروہ جانا۔ جب اپنے گاؤں کو واپس آیا تو کہا کہ واللہ میں نے آج ایک ایسا کام دیکھا جو میرے گمان میں (بقیہ)

قوما رغبوا عن هدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ۔ مراد اس ہدی سے سفر میں افطار ہے نہ تحدید سفر۔ قال البیھقی والذی روینا عن دحیۃ الکلبی ذلک فکانہ ذھب فیہ الی ظاھر الآیۃ فی الرخصۃ فی السفر واراد بقولہ رغبوا عن سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی قبول الرخصۃ لا فی تقدیر السفر الذی افطر انتہی [1] اور سعید بن منصور نے ابو سعید سے روایت کی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سافر فرسخا یقصر الصلوٰۃ۔ مگر یہ حدیث طبقہ رابعہ یا خمسہ کی ہے اور اس طبقہ کی حدیث جب تک ائمہ حدیث اس کی تصحیح نہ کریں قابل اعتماد و لائق استناد نہیں اور اس کی تصحیح کسی سے مروی نہیں اور صحیح مسلم میں ہے۔ کان [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلاثۃ فراسخ صلی رکعتین شعبۃ الشاک اس میں شعبہ کا شک ہے کہ تین میل ہے یا تین فرسخ لہذا یہ حدیث دو معنی کی محتمل ہے یعنی سفر کی تحدید میں یا سفر کی طویل میں اقامت کی جگہ سے تین میل یا تین فرسخ دور ہو کر دوگانہ شروع کرتے تھے غرض کہ اس باب میں یہ حدیث بھی نص صریح نہیں۔ عوالی مدینہ جو مدینہ منورہ سے بمسافت تین چار میل کے تھے وہ مترو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کو آیا کرتے تھے مگر کہیں ثابت نہیں کہ ان کو آپ نے فرمایا ہو کہ تم مسافر ہو تم دوگانہ پڑھو یا تم پر جمعہ فرض نہیں اور نہ کہیں ثابت ہے کہ کسی نے اہل عوالی سے اس آمد و رفت میں دوگانہ نماز پڑھی ہو یا مواشی کے چرانیوالے جو ہر روز پانچ چھ میل چکر کھا کر اپنے قیام کی جگہ پر آتے ہیں۔ کسی نے دوگانہ نماز پڑھی ہو یا ان کو رسول

رفقیہ نہ تھا۔ کر دیکھوں گا۔ (وہ یہ) کہ ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روگردانی کی ۱۲۔ شہ خطابی نے کہا کہ یہ حدیث قوی نہیں۔ ۱۲

[1] بیہقی نے کہا کہ وہ جو ہم نے دحیہ کلبی سے روایت کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا وہ مطلق سفر میں دوگانہ پڑھنے اور افطار کرنے میں ظاہر آیۃ کی طرف گیا ہے۔ اور اس نے اپنے قول سے کہ ایک قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کے طریقے سے روگردانی کی (روگردانی) قبول رخصت میں مراد لی ہے۔ نہ اس سفر کے اندازہ میں جس میں اس نے افطار کیا۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک فرسخ یعنی تین میل کی مسافت تک سفر کرتے۔ تو نماز دوگانہ پڑھتے۔

[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تین میل یا تین فرسخ کی مسافت پر جاتے۔ تو نماز دوگانہ پڑھتے تھے۔ ۱۲

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوگانہ کا حکم دیا ہو، صحیح بخاری میں ہے، [1] وبعض العوالی من المدینۃ علی اربعۃ امیال
پس معلوم ہوا کہ تین چار میل سفر نہیں تو میل از روئے حدیث مسلم سفر ہے۔ اگر محتمل باحتمال ثانی اگرچہ ضعیف ہے نہ ہوتا
لہٰذا امام بخاری اپنے جامع میں لکھتے ہیں: باب [2] فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السفر یوما ولیلۃ
مطلب اس کا یہی معلوم ہے کہ جو شخص اس قدر مسافت پر جاوے جو گھر کو اسی روز واپس نہ آ سکے بلکہ رات کو اسکو
باہر رہنا پڑے وہ سفر ہے۔ پیادہ پا آدمی درمیانہ رفتار والا ایک برید (بارہ میل) سے واپس نہیں آ سکتا ہے۔
ابو داؤد میں بجائے یوم ولیل ایک روایت میں برید ہے مطلب دونوں روایتوں کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔
اور یہی مذہب امام باقر و جعفر صادق وغیرہ اہل بیت کا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے۔ [3] وذھب الباقر والصادق
واحمد بن عیسیٰ والقاسم والھادی الی ان مسافۃ برید فصاعدا وقال انس وھو مروی عن
الاوزاعی ان مسافتہ یوم ولیلۃ اور فتح الباری میں ہے [4] وقد اورد البخاری ما یدل علی ان اختیارہ
ان اقل مسافۃ القصر یوم ولیلۃ یعنی قولہ فی صحیحہ وسمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم السفر یوما و
لیلۃ بعد قولہ باب فی کم یقصر الصلوٰۃ اور اسی کی مؤید ہے حدیث الجمعۃ علی من اواہ اللیل الی اھلہ
رواہ الترمذی یعنی جو جمعہ پڑھ کر گھر کو پہنچ سکے اس پر جمعہ فرض ہے۔ کیوں کہ وہ مسافر نہیں، یہ حدیث اگرچہ
ضعیف ہے۔ مگر میں نے توابع وشواہد کے طرق پر نقل کیا فقط
یہی حدیث اثبات مدعا کے واسطے کفایت نہیں کرتی اس مسئلہ میں بقدر بیس قول مختلف اہل علم
سے منقول ہیں میرے فہم میں امام بخاری وائمہ اہل بیت کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　　　　فتاوےٰ غزنویہ ص ۱۰۹

---

[1] مدینہ منورہ کی بعض حوالی ہم میل ہے۔ یعنی چار میل تک مدینہ کی حد میں داخل ہے۔ ۱۲ع

[2] باب ہے اس بیان میں کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیئے اور اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن رات کی مسافت کا نام سفر رکھا ہے۔ ۱۲ع [3] امام باقر اور جعفر صادق اور احمد بن عیسیٰ اور قاسم اور ہادی اس طرف گئے ہیں کہ قصر کے سفر کی مسافت ایک برید (یعنی ۱۲ میل یا زیادہ اس سے ہے) اور اوزاعی سے مروی ہے۔ کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کی مسافت ایک دن رات ہے ۱۲ع

[4] امام بخاری بھی اپنے قول (باب ہے اس بیان میں کہ کتنی مسافت پر نماز قصر کرنی چاہیئے) کے بعد ایسی عبارت لائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بہتر یہی ہے۔ کہ قصر کی مسافت ایک دن رات ہے۔ وہ عبارت ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن رات کی مسافت کا نام سفر رکھا۔ ۱۲ علوی

باب الجمع بین الصلوٰتین

سوال: نماز جمع کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اور کب جمع کرنی جائز ہے؟

جواب: نماز سفر میں جمع کی جاسکتی ہے۔ یا جب بارش ہو رہی ہو اور عوام کا دوبارہ مسجد میں جمع ہونا مشکل ہو یا باعث تکلیف ہو ایسی حالت میں ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء جمع ہوسکتی ہیں۔ اگر ظہر کے ساتھ عصر پڑھ لی جائے تو جمع مقدم کہلائے گی، اور اگر ظہر کو عصر کے وقت میں پڑھیں تو جمع مؤخر۔ شارع علیہ السلام نے دونوں صورتوں کو جائز رکھا ہے، اور اسے ہماری سہولت پر چھوڑا ہے۔ سفر میں تو سنتیں ویسے ہی معاف ہیں۔ صرف دوگانہ فرض پڑھتے ہوں گے۔ مگر حضر میں جب نماز جمع کی جائیگی تو درمیانی سنتیں معاف ہوجائے گی۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ ش ۴۶

توضیح الکلام: حضر میں بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع تقدیم کرنا صریح نص سے ثابت نہیں، ہاں بارش کی وجہ سے "الا صلوا فی الرحال" کہہ کر نماز گھر پڑھنے کی اجازت دے دینا ثابت ہے۔

ہاں جمع صوری ثابت ہے جیسا کہ مستحاضہ عورت کو ظہر عصر مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شاگرد نے پوچھا کہ یہ نمازیں بین بین پڑھی ہوں گی۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہاں یہی معلوم ہوتا ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال: حضر میں نمازیں جمع کرنے کی حدیث صحیح ہے؟ نیز اس جمع کا کیا حکم ہے؟

جواب: امام ترمذیؒ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی جامع میں صرف معمول بہ روایات لائیں گے، اگرچہ اہل علم کا مختصر گروہ ہی اس پر عمل کرتا ہو، البتہ دو احادیث اس شرط پر نہیں ہیں۔ ایک تو حضرت ابن کی عباسؓ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بغیر کسی خوف کے مغرب و عشاء اور ظہر و عصر اکٹھی پڑھیں۔ دوسری حدیث اِذَا شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ یعنی شراب پینے والے کو درے لگاؤ البتہ اگر وہ چوتھی مرتبہ اس جرم کا مرتکب ہو تو اسے قتل کردو۔"

جہاں تک مؤخر الذکر حدیث کا تعلق ہے اس کا نسخ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے چنانچہ اس حدیث کے بعد ترمذیؒ نے حضرت جابرؓ کا قول روایت کیا ہے۔ کہ آپ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تھی آپ نے اسے درّے لگوائے لیکن قتل نہیں کیا اسی طرح ابوداؤد اور ترمذی میں قبیصہ بن ذویب کی روایت میں ہے۔ ثُمَّ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْنِیْ فِی الرَّابِعَۃِ فَجَلَدَہٗ وَدَفَعَ الْقَتْلَ یعنی آپ نے کوڑے لگوائے لیکن قتل نہیں کیا۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں روایت کرتے ہیں۔ فَاُتِیَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم بِسَکْرَانَ فِی الرَّابِعَۃِ فَخَلّٰی سَبِیْلَہٗ یعنی آپ کے پاس چوتھی مرتبہ شراب پینے والا لایا گیا آپؐ نے اسے چھوڑ دیا۔

اوّل الذکر حدیث بلا خوف ولا مطر کے الفاظ سے بھی مروی ہے۔ اور بلا خوف ولا سفر بھی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ تینوں الفاظ اکٹھے کسی حدیث میں بھی نہیں آئے مشہور یہی ہے۔ بلا خوف ولا سفر" اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابن عباسؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس طرح نمازیں جمع کرنے سے آپ کا کیا مقصد ہے تو انہوں نے کہا اس لئے کہ آپ کی امت تنگی محسوس نہ کرے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے یہ روایت طبرانی اوسط کبیر میں اور ہیثمی مجمع الزوائد میں بایں الفاظ مروی ہے جَمَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الظہر والعصر والمغرب والعشاء فقیل لہ فی ذلک فقال صنعت ذالک لئلا تحرج امتی یعنی آپ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کرکے پڑھا تو لوگوں نے سبب پوچھا فرمایا امت پر وسعت امر ظاہر کرنے کے لئے۔ اس روایت کی سند میں ابن عبد القدوس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ لیکن یہ ضعف قادح نہیں ہے اس لئے کہ اس لئے متعلق کہا جاتا ہے کہ ضعفاء سے روایت کرتا ہے یا یہ کہ شیعی تھا اور اس روایت میں اعمش سے روایت کرتا ہے کسی ضعیف سے نہیں جہاں تک تشیع کا تعلق ہے وہ اس وقت تک قادح نہیں ہے۔ جب تک ایسا غالی سے متجاوز نہ ہو، ساتھ یہ بھی واضح ہے کہ بخاریؒ نے اسے صدوق قرار دیا اور ابن ابی حاتمؒ نے لَا بَاْسَ بِہٖ فرمایا۔ الغرض یہ حدیث جب مسلم وغیرہ میں مروی ہے۔ تو اس کی صحت میں شک نہیں۔

جو لوگ اس حدیث سے جمع کو مطلقاً جائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ عادت نہ بنا لے۔ فتح الباری میں ہے کہ ابن سیرینؒ ربیعہ، ابن منذر اور قفال الکبیر کا یہی مذہب تھا۔ خطابیؒ نے بعض اہلحدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ بغیر کسی عذر کے جائز نہیں ہے۔ صاحب بحر زخار نے بعض اہل علم کے حوالے سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جمہور اس حدیث کے بہت سے جوابات دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ بوجہ مرض ایسا کیا

نوویؒ نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ فرماتے ہیں۔ یہ جواب درست نہیں۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز ادا کرنی چاہیئے تھی۔ حالاں کہ ابن عباسؓ نے تصریح کی ہے کہ یہ نمازیں باجماعت ادا کی تھیں۔ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ بادل چھائے ہوئے تھے ظہر کی نماز ادا کی، بادل ہٹا تو معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ تو عصر بھی ادا کی۔ نوویؒ فرماتے ہیں یہ احتمال ظہر و عصر میں تو ممکن ہے۔ لیکن مغرب و عشاء میں نہیں اس لئے یہ جواب بھی درست نہیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت ممتد ہے اس لئے یہ احتمال وہاں بھی موجود ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ جمع صوری تھی ظہر کو آخر وقت اور عصر کو اول وقت میں پڑھا۔ نوویؒ نے اسے بھی ضعیف اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس جواب کو قرطبی نے پسند کیا ہے۔ امام الحرمینؒ نے اسے راجح قرار دیا ابن ماجشون اور طحاوی نے بھی پسند کیا۔ ابن سید الناس فرماتے ہیں۔ کہ یہی جواب صحیح ترین ہے اس لئے کہ ابن عباسؓ سے روایت کرنے والا ابو الشعثاء اس کا قائل ہے۔ شوکانی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ بدر تمام شرح بلوغ المرام میں ہے کہ اس حدیث سے جواز جمع پر استدلال کرنا درست نہیں اس لئے کہ اس میں تقدیم یا تاخیر کا یقین نہیں، کسی احتمال کو راجح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا مقررہ اوقات سے بغیر عذر کے عدول ممکن نہیں۔ البتہ مسافر کا ان احکام سے استثناء ثابت ہے یہی جواب بہتر ہے۔

بعض آثار صحابہ و تابعین سے بھی بعض لوگوں نے جمع مطلق پر استدلال کیا ہے۔ لیکن ان آثار سے حجت نہیں پکڑنی چاہیئے اس لئے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔

بعض لوگ اس جمع کو صوری کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حدیث میں ہے۔ نسائی کی روایت میں ابن عباسؓ نے صراحۃً فرمایا، صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَسَبْعًا جَمِيْعًا أَخَّرَ الظُّهْرَ وَعَجَّلَ الْعَصْرَ وَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ وَعَجَّلَ الْعِشَاءَ یعنی آپ کے ساتھ میں نے آٹھ رکعت بھی اکٹھی پڑھیں اور سات بھی وہ یوں کہ ظہر کو مؤخر کیا اور عصر کو مقدم اسی طرح مغرب کو ذرا دیر سے اور عشاء کو جلدی پڑھا۔

تعجب ہے کہ نوویؒ نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا حالاں کہ متن حدیث میں تصریح موجود ہے، ایک ہی قصہ میں اگر ایک روایت مطلق ہو اور دوسری مقید تو مطلق کو مقید پر محمول کرنا چاہیئے۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔ اس حدیث کے کسی طریق میں بھی یہ مذکور نہیں کہ جمع کس وقت میں کی گئیں۔ اب یا تو اس کو مطلق رکھا جائے تو بغیر کسی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے نکالنا لازم آتا ہے۔ یا اسے مقید و مخصوص سمجھا جائے اب یہ لازم نہیں ہے۔ لہذا احادیث میں تطبیق کی یہی صورت اولیٰ ہے کہ یہ جمع صوری تھی، شوکانیؒ فرماتے ہیں: یہ جمع ہے کیوں کہ ہر نماز اصل

میں اپنے وقت میں ہوئی جیسے بخاری، امام مالک، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

آپ نے مدینہ میں جو نمازیں جمع کرکے پڑھی ہیں تو اس راوی حدیث (ابن عباسؓ) کی تصریح بعض طرق میں موجود ہے کہ یہ جمع صوری تھی۔ اس کی وضاحت ہم نے ایک مستقل رسالہ میں کی ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کہ بلا عذر نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں یا نہیں۔ البتہ صحیح احادیث سے نمازیں وقت پر پڑھنے کا حکم ثابت ہے۔ اور دوسرے اوقات میں پڑھنے سے نہی بھی وارد ہے۔ نیل الاوطار میں ہے، جمع صوری کے مؤیدات میں ابن مسعودؓ کی یہ روایت بھی ہے جیسے بخاری، امام مالک، نسائی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلّٰی صَلٰوۃً بِغَیْرِ مِیْقَاتِھَا اِلَّا صَلٰوتَیْنِ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَۃِ وَصَلَّی الْفَجْرَ یَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِیْقَاتِھَا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو نمازیں وقت کے بغیر پڑھیں ایک مزدلفہ میں کہ مغرب وعشاء کو جمع کیا اور دوسرے اسی دن نماز فجر کو وقت سے پہلے پڑھ لیا۔ ابن مسعودؓ بھی مدینہ میں جمع کرنے کی روایت کے راویوں میں سے ہیں۔ اور یہاں فرماتے ہیں آپ نے صرف مزدلفہ میں نمازیں جمع کیں ظاہر ہے۔ تعارض سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے۔ کہ مدینہ والی روایات کو جمع صوری پر محمول کیا جاوے۔" ابن جریر کہتے ہیں جمع صوری کی تائید ابن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما (مسند عبدالرزاق) یعنی آپ ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کر لیتے اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کرکے اکٹھی پڑھتے۔ ظاہر ہے یہ جمع صوری ہے۔ ان تمام روایات سے جمع صوری کے اقوال کو تقویت ملتی ہے۔ مزید براں اصول کے مطابق لفظ جمع نمازوں کے اوقات کو شامل نہیں بلکہ اس سے مراد صرف ہیئت اجتماعیہ ہے۔ چنانچہ اصول کی سب کتابوں مثلاً المنتہی اور اس کی شرح الغایہ اور اس کی شرح میں ہے۔ اور یہ ہیئت اجتماعیہ ہر قسم کی جمع میں حاصل ہے۔ تقدیم ہو یا تاخیر اور خواہ صوری ہو۔ لیکن خیال رہے ان تین اقسام میں سے کوئی بھی باقی دو کو شامل نہ ہو گی۔ اس لئے ثابت شدہ اصول ہے۔ کہ فعل مثبت میں عموم نہیں ہوتا۔ اب ہم ان تین صورتوں میں سے صرف ایک مراد لے سکتے ہیں لیکن اس کی تعیین دلیل کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جمع صوری ہونے کے دلائل ومؤیدات (جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں) موجود ہیں۔ لہٰذا یہاں صرف یہی مراد لی جاسکتی ہے۔

اس کے بعد شوکانی فرماتے ہیں۔ ترمذی نے ابن عباسؓ کی روایت کردہ حدیث نقل کی ہے۔ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ فَقَدْ اَتٰی بَابًا مِنْ اَبْوَابِ الْکَبَائِرِ یعنی جس نے بلا عذر نمازوں کو جمع کرکے پڑھا اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔ یہ حدیث صحیح نہیں جیسا کہ خود ترمذی نے کتاب العلل میں لکھا ہے

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ نماز وقت پر چاہیئے اور عذر کے بغیر نماز جمع کرنا درست نہیں، پھر فرماتے ہیں تو واضح ہے یہ حدیث (جمع فی المدینہ) صحیح ہے۔ جمہور کے اس پر عمل ترک کر دینے سے اس کی صحت پر اثر نہیں آتا صرف استدلال ساقط ہے۔ اگرچہ ترمذی کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کسی نے بھی یہ مذہب اختیار نہیں کیا۔ لیکن کئی دوسروں نے بعض اہل علم کی طرف اس مذہب کو منسوب کیا ہے۔ اور مثبت کو ترجیح حاصل ہے۔ الغرض احادیث جمع میں صرف جمع صوری مراد ہے جسے تفصیل مطلوب ہو وہ ہمارا رسالہ "تشنیف السمع بابطال ادلۃ الجمع" پڑھے۔

امام علامہ ابو البرکات مجدالدین ابن تیمیہ حرانی "منتقی" میں ابن عباسؓ کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں۔ یہ حدیث اپنے الفاظ سے دلالت کرتی ہے کہ بارش، خوف یا بیماری کی وجہ سے نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں" اس لئے کہ اس کے ظاہر (جمع بلا خوف ولا مطر) کے خلاف اجماع ہو چکا ہے۔ نیز اوقات کی احادیث بھی اس کے متعارض ہیں لہذا صرف مذکورۃ فی الصدر دلالت باقی رہ جاتی ہے۔ صحیح احادیث سے مستحاضہ کے لئے نماز جمع کرنا ثابت ہے۔ لیکن استحاضہ بیماری ہے۔ امام مالکؒ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ نافع فرماتے ہیں جب اُمراء مغرب اور عشا کو بارش میں جمع کرتے تو ابن عمرؓ بھی ان کے ساتھ جمع کر لیتے۔ اثرم نے اپنی سنن میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول نقل کیا ہے۔ کہ یہ سنت سے ہے۔ کہ جب بارش ہو تو مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا جائے۔

الغرض تمام دلائل کو سامنے رکھ کر یہ واضح ہوا کہ حضر میں بلا عذر جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے اور آپ نے جو جمع کی وہ صوری تھی جو اس جمع کا قائل ہے وہ بھی اسے عادت بنا لینے کو جائز نہیں کہتا۔ ثابت ہوا کہ جمہور کے مذہب پر عمل ہونا چاہیئے۔ واللہ اعلم بالصواب　الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۴۴ تا ص ۳۵۰

سوال: مزدلفہ کے علاوہ بھی کسی جگہ نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔ یا نہیں؟

جواب: مزدلفہ میں جمع کرنا ثابت ہے اسی طرح سفر میں جمع تاخیر صحیحین وغیرہما کی روایات سے ثابت ہے اور جمع تقدیم صحیحین میں نہیں البتہ دوسری کتب حدیث کی روایات سے ثابت ہے۔ اور یہ روایات درجہ صحت تک پہنچ جاتی ہیں۔ اسی طرح بارش کے لئے بھی جمع کرنا ثابت ہے۔ البتہ بلا عذر جمع کرنا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، ہر زمانے میں خاص طور پر اس زمانے میں اس پر بہت سے رسائل لکھے گئے ہیں۔

جو لوگ مطلق جواز کے قائل ہیں وہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جو صحیحین میں بایں الفاظ وارد ہے۔

ـــــــــــــــــــــــ

۱۔ بارش میں جمع تقدیم کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں صرف استدلال یا بعض تابعین کا قول ہے جو نص صریح کے مقابل حجت نہیں۔ سعیدی

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ مسند احمد صحیح مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں بایں الفاظ مروی ہے۔ جمع بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا سفر یعنی آپ نے بلا خوف اور بلا سفر نمازیں جمع کیں۔ جمہور کی طرف سے اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آں حضرت نے بوجہ مرض ایسا کیا، لیکن ایسی صورت میں اس کا ذکر دینا چاہیئے تھا۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی معیت میں ایسا کیا۔ تعجب ہے کہ نووی ؒ نے اس جواب کو قوی قرار دیا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ بادل کی وجہ سے وقت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہوئے تو بادل پھٹا معلوم ہوا کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا ہے۔ بظاہر یہ جواب تکلفات سے معمور ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس لئے کیا ہے کہ امت تنگی میں نہ پڑے۔ اگر بادل کا قصہ درست ہے۔ تو اس قول کا مطلب کیا ہوگا۔ ایک جواب یہ ہے کہ جمع حقیقی نہ تھی صوری تھی اس جواب کو نووی ؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ؒ فرماتے ہیں جس جواب کو نووی ؒ ضعیف قرار دے رہے ہیں قرطبی نے اسے مستحسن قرار دیا۔ امام الحرمین نے اسے راجح کہا۔ ابن ماجشون اور طحاوی نے اسے پسند کیا۔ ابن سید الناس نے اسے قوی قرار دیا۔ انہوں نے تصریح کی ہے کہ ابوالشعثاء کہ جو اس حدیث کو ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بھی اسے جمع صوری قرار دیتے ہیں۔ شوکانی ؒ نے بھی اسی توجیہ کو ترجیح دی ہے پھر نسائی کی ایک روایت میں صراحت بھی موجود ہے۔ صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء یعنی آپ ؐ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء جمع کیں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کیا۔ اس روایت سے حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے۔ نیز حضرت جبریل کی حدیث اوقات پر مزید آنحضرت ؐ کا زندگی بھر کا عمل کہ ہر نماز اس کے اپنے وقت پر پڑھی جاتی تھی، پھر بھی اسی موقف کی تائید کرتے ہیں کہ یہ جمع صوری تھی۔ اس کے علاوہ صحیحین میں عمرو بن دینار سے منقول ہے کہ انہوں نے ابوالشعثاء سے پوچھا اظنہ اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظنہ۔ یعنی میرا خیال ہے آپ نے ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کیا ہوگا۔ اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کر لیا ہوگا۔ ابوالشعثاء نے کہا ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ اسی طرح ابن مسعود ؓ سے بخاری، مؤطا امام مالک، نسائی اور ابوداؤد میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ بغیر میقاتھا الا صلوٰتین جمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے وقت کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہو البتہ مزدلفہ میں دو نمازیں پڑھیں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا۔ (دوسری فجر کہ اسے وقت

سے پہلے پڑھا) یاد رہے ابن مسعودؓ بھی مدینہ میں جمع صلوٰتین کی حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ اب اس روایت اور دوسری روایات جمع فی المدینہ میں تعارض ختم کرنے کی صرف یہی صورت ہے کہ اس جمع کو جمع صوری قرار دیدیا جائے ابن جریر کی یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ عن ابن عمر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان یؤخر الظهر ویعجل العصر فیجمع بینهما ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینهما یعنی ظہر کو تاخیر سے اور عصر کو جلدی پڑھا اسی طرح مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کیا اور جمع کر کے پڑھا۔ ظاہر ہے یہ جمع صوری ہے۔ ابن عمرؓ بھی ان صحابہ میں سے ہیں جو جمع فی المدینہ کے راوی ہیں لہٰذا کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ جمع صوری شارع علیہ السلام سے وارد نہیں تو غلط فہمی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کو کہا وان قویت علی ان تؤخری الظهر وتعجلی العصر فتغتسلین وتجمعین بین الصلوتین اگر تو ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم کر کے غسل کے بعد ان دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھ سکے (تو ایسے کرے) اسی طرح مغرب اور عشاء کے متعلق فرمایا۔ یہ حدیث ثابت ہے اور حدیث کی تقریباً تمام کتابوں میں ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ یہ بلاشبہ جمع صوری ہی ہے۔ خطابی کا خیال ہے کہ اسے جمع صوری پر محمول کرنا درست نہیں اس لئے کہ اس طرح نمازوں کو ان کے وقت میں پڑھنا بہت مشکل ہے عوام تو کجا خواص بھی اس کو محسوس نہیں کر سکتے اس لئے یہ سہولت کی بجائے تنگی ہے لیکن خطابیؒ کا یہ کہنا درست نہیں اس لئے کہ آپ نے اوقات نماز مع علامات اس وضاحت سے بتائے ہیں کہ عوام وخواص ان سے مطلع ہیں اور انہیں آسانی سے محسوس کر سکتے ہیں۔ نیز سہولت یہ ہوگی کہ دو بار کی بجائے ایک ہی دفعہ نماز کی تیاری کرنا پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ساری حیات طیبہ کا عمل یہی ہے۔ کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے لیکن اس جمع صوری سے آپ نے امت کے لئے سہولت کر دی کہ نمازوں میں سے کسی کا وقت بھی فوت نہ ہو اور انہیں جمع کر کے بھی پڑھ لیا جائے۔ رہی جمع تاخیر یا جمع تقدیم تو وہ صرف مزدلفہ میں ثابت ہے۔ یا سفر اور بارش کی حالتوں میں، ورنہ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کے مصداق نماز اپنے وقت کے ساتھ فرض ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لیس التفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظة بان تؤخر الصلوٰة حتی یدخل وقت اخری اگر کوئی نماز کے وقت نیند سے مغلوب ہو جائے تو کوئی حرج کی بات ہے کہ جاگتے ہوئے دانستہ اتنی تاخیر کر دے کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔ نیز فرمایا من جمع بین الصلوتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر۔ کہ جس نے بلا عذر دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا۔

اس کے علاوہ آپ نے نماز کو وقت پر نہ پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی۔ شوکانی فرماتے ہیں کہ بلا عذر جمع کو جائز کہنے والے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ اور جن دلائل سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ وہ ان کے مطلوب پر دلالت نہیں کرتے۔ وعلی نفسہا براقش تجنی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۳۸۶

سوال نماز ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء ساتھ جمع کر کے پڑھے تو سنت نفل پڑھے یا چھوڑ دے؟

جواب: جمع صلوتین کی صورت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف فرض پڑھا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لم یسبح بینہما یعنی نمازوں کے جمع کرنے میں نوافل سنتیں نہیں پڑھیں۔ فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص۵۳۹

سوال: مجھے نوکری کے باعث ظہر کے وقت ہمیشہ فرصت رہتی ہے۔ عصر میں فرصت نہیں ملتی کیا ظہر کے وقت عصر ملا کر پڑھنے کی اجازت ہے! (عبدالحفیظ)

جواب: واقعی اگر وقت عصر نہیں ملتا ظہر کے ساتھ جمع کر لیا کریں۔ صحیح بخاری میں ملتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر عصر اور مغرب وعشاء جمع کی تھیں۔ اللہ اعلم

شرفیہ: حوالہ صحیح ہے۔ مگر استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ صحیح بخاری کی یہ حدیث مجمل و مختصر ہے اس سے گو بظاہر جمع حقیقی معلوم ہوتی ہے۔ حالاں کہ یہ جمع صوری ہے۔ اور صوری میں جمع تقدیم نہیں جمع تاخیر ہے۔ سنن نسائی میں یہی حدیث اسی راوی سے مطول و مفصل ہے۔ دونوں حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ صحیح بخاری کی حدیث یہ ہے باب تاخیر الظھر الی العصر عن عمرو بن دینار عن جابر بن زید عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینة سبعا وثمانیا الظھر والعصر والمغرب والعشاء فقال ایوب فی لیلة مطیرة قال عسی انتھی ج۱ ص۷۸ سنن نسائی کی حدیث یہ ہے۔ عن عمرو عن جابر بن زید عن ابن عباس قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینة ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا اخر الظھر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء انتھی ص۹۹ ج۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی اور دوسری نسائی کی روایت میں ہے ثمان سجدات لیس بینھما شئی انتھی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ لیس بینھما شئی کثیر من الزمان۔ التنوین للتعظیم لان الروایة الاولی مبینة للمراد فانہ فرما دیں د خلاصہ یہ کہ ایسی صورت میں اگر جمع صوری تاخیر مل سکے تو فبہا ورنہ ملازمت ترک کرنی لازم ہے۔ اس لئے کہ جس ملازمت سے فریضہ الٰہیہ کی ترک

لازم ہو، وہ ملازمت واجب الترک ہے۔ اللہ تعالیٰ رزاق ہے۔ اور صورت پیدا کرے گا۔

(ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص۵۱۲

سوال: کیا بارش کے روز نماز جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے موقع پر نماز جمع کر کے پڑھنے کی بابت جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں وہ سب ضعیف اور متروک العمل ہیں آپ اس مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بالوضاحت حل فرما کر مشکور فرماویں؟

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم منتقی باب جمع المقیم للمطر وغیرہ میں ہے۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالمدینۃ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ متفق علیہ وفی لفظ للجماعۃ الا البخاری وابن ماجۃ جَمَعَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ قِیْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذٰلِكَ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا یُحْرِجَ اُمَّتَهٗ۔ یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں پڑھیں یعنی ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔ (یہ حدیث بخاری ومسلم کی ہے) بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ اور مسند احمد میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف اور بارش کے بغیر ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز مدینہ میں جمع کر کے پڑھی۔ ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارادہ کیوں کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں ابن عباسؓ نے فرمایا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ارادہ اس لئے کیا تاکہ آپ اپنی امت کو تنگی میں نہ ڈالیں" یہ حدیث لکھ کر امام ابن تیمیہ صاحب منتقی میں فرماتے ہیں: وھذا یدل بفحواہ علی الجمع للمطر وللخوف وللمرض وانما خولف ظاھر منطوقہ فی الجمع لغیر عذر للاجماع ولاخبار المواقیت فتبقی فحواہ علی مقتضاہ وقد صح الحدیث فی الجمع للمستحاضۃ والاستحاضۃ نوع مرض ولمالك فی الموطا عن نافع ان ابن عمر کان اذا جمع الامراء بین المغرب والعشاء فی المطر جمع معھم ولاثرم فی سننہ عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ قال من السنۃ اذا کان یوم مطیر ان یجمع بین المغرب والعشاء۔ یہ حدیث اپنے مفہوم سے بارش، خوف، اور بیماری کی وجہ سے نمازوں کے جمع کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور بغیر عذر کے جمع کرنے پر اس کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اجماع اور ان احادیث کی وجہ سے جن میں نمازوں کے اوقات مقرر کئے گئے ہیں۔ اس حدیث کا ظاہر چھوڑ دیا گیا ہے اور

اس کا مفہوم اپنے تقاضا پر باقی رہے گا۔ یعنی بارش، خوف اور بیماری کی وجہ سے جائز جمع جائز ہوگی۔
اور مستحاضہ کے لئے نمازوں کے جمع کرنے کی صحیح حدیث ثابت ہے۔ اور استحاضہ بیماری کی ایک قسم ہے
اس سے بیماری کے لئے جمع کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ اور مؤطا امام مالکؒ میں نافع سے روایت ہے کہ جب امراء
مغرب اور عشاء کی نماز بارش کی وجہ سے جمع کرتے تو حضرت ابن عمرؓ بھی ان کے ساتھ جمع کر لیتے اور امام اثرمؒ
نے اپنی سنن میں ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ جب بارش کا دن ہو تو مغرب و عشاء میں جمع کرنا یہ
سنت میں سے ہے۔

یہ معلوم رہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اتباعِ سنت میں نہایت سخت تھے اور بہت محتاط رہتے تھے۔ اس کے
باوجود ان کا امراء کے ساتھ نماز جمع کرنا یہ بہت بڑی دلیل ہے۔ کہ جمع کرنا جائز ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں
اور ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن کا یہ کہنا کہ "یہ سنت سے ہے" یہ بھی جمع کی مستقل دلیل ہے کیوں کہ سنت کا لفظ مرفوع کے حکم
میں ہے۔ چنانچہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اور اگر سنتِ صحابہؓ سمجھی جائے تو بھی
صحابہ کا عمل ثابت ہو گیا جو مفہوم حدیث کا مؤید ہے۔ خلاصہ یہ کہ بارش کی وجہ سے نماز جمع کرنے میں کوئی شک و
شبہ نہیں۔ (نوٹ: سوال میں جو مذکور ہے کہ ان احادیث پر عمل متروک ہے۔ تو اس سے مراد اگر اجماعاً متروک العمل
ہیں تو یہ غلط ہے۔ اس لئے ترمذیؒ ملاحظہ ہو اس میں صاف یہ لفظ ہیں۔

قال بعض اهل العلم يجمع بين الصلوتين في المطر وبه يقول الشافعي واحمد
واسحاق اور اگر یہ مراد ہے۔ کہ بعض اس پر عمل نہیں کرتے تو اس کا کوئی حرج نہیں، بعض کے عمل نہ کرنے
سے حدیث نہیں چھوڑی جا سکتی۔ (ترمذی جلد اول باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین ص۲۶) تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۲۷

۱؎ ترمذیؒ امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور مسلم، ابوداؤد اور ان کے شیوخ سے بھی روایت کرتے ہیں
علم حدیث کی طلب میں بصرہ، کوفہ، واسط، رے، خراسان اور حجاز میں بہت سال گزارے۔ جامع ترمذی ان کی بہت
مشہور اور مقبول تصنیف ہے۔ حفظ حدیث میں یہ مثل اور امام بخاریؒ کے صحیح جانشین مشہور ہیں۔ ۱۳ رجب ۲۷۹ھ میں
شب دوشنبہ کو خاص ترمذ میں امام ترمذیؒ کی وفات ہوئی۔ (سعیدی)

۱؎ امام مالکؒ کی رائے کے مطابق جمع کی ثابت ہو رہی ہے لیکن بارش وغیرہ میں جمع تقدیم کی تفصیل نہیں۔ لہٰذا بارش میں تقدیم کے لئے نص
کی ضرورت ہے۔ ۲؎ پیچھے مشکوٰۃ المصابیح کی کتاب عمرو شافعی کی تخصیص ہو سکے ورنہ احتمالات سے تخصیص جائز نہیں۔ (علی محمد سعیدی)

سوال : کیا حضر میں بغیر عذر شرعی ظہر عصر اور شام عشاء نمازیں جمع ہو سکتی ہیں ؟

جواب : حضر میں شرعی عذر کے بغیر ظہر اور عصر اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، قرآن حکیم میں ہے: إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا (سورۂ نساء) یعنی اہل ایمان پر اپنے وقتوں میں نماز پڑھنا فرض ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ شب معراج میں نماز فرض ہونے کے بعد دوسرے دن جبرائیل علیہ السلام نماز کی تفصیل اور اس کے اوقات کی تعین کے لیے تشریف لائے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی، پہلے دن پانچوں نمازیں اول وقت پڑھائیں اور دوسرے دن بجز مغرب آخری وقت میں، پھر فرمایا اَلْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ۔ ہر نماز کا وقت وہ ہے جس میں وہ ان دونوں میں پڑھی گئی، نیز فرمایا بِهٰذَا اُمِرْتَ یعنی اس طرح آپ کو ہر روز اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (موطا شریف مع زرقانی باب الوقت)

مذکورہ بالا آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ حضر میں نماز اپنے اپنے وقت میں ادا کرنی چاہیے، بلا عذر دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں، ہاں سفر، خوف، بارش اور مرض جیسے عذروں میں فقہائے محدثین کے نزدیک جمع کرنا جائز ہے۔ سفر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث میں تقدیم، تاخیر اور صوری تینوں طریق پر جمع کرنا ثابت ہے دوسرے عذروں کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے۔ نیز بعض احادیث، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے آثار سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

کچھ لوگ حضر میں بوقت ضرورت بلا عذر شرعی دو نمازیں جمع کر کے پڑھنے کو جائز کہتے ہیں بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنا لیا جائے اور اس کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں جو جامع ترمذی اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر بارش اور خوف جیسے شرعی عذروں کے بغیر ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا جب ان سے پوچھا گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا ؟ تو جواب دیا کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی امت حرج اور تنگی میں مبتلا نہ ہو۔

لیکن مذکورہ بالا آیت اور احادیث مواقیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے علمائے محققین نے اس حدیث کو جمع صوری سے محمول کیا ہے۔ یعنی آپ نے ظہر اور مغرب کو آخر وقت میں اور عصر اور عشاء کو اول وقت میں پڑھا اس طرح دو نمازیں جمع بھی ہو گئیں اور اپنے اپنے وقت پر بھی پڑھی گئیں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی کو ترجیح دی ہے اور اس سے نماز کو بغیر عذر شرعی اپنے وقت سے نکالنا بھی لازم نہیں آتا اور مختلف احادیث کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری

حافظ ابن حجرؒ اور علامہ شوکانی کا فیصلہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں وھذا الجواب ھو اولی الاجوبۃ عندی واقواھا واحسنہا فانہ یحصل بہ التوفیق والجمع بین مفترق الاحادیث واللہ اعلم (تحفۃ الاحوذی ص۱۶۴ ج۱)

حافظ محمد اسحاق شیخ الحدیث مدرسہ تقویۃ الاسلام غزنویہ لاہور — الاعتصام لاہور

سوال: بغیر عذر کے نمازوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

جواب: جمہور علماء کے نزدیک بغیر عذر کے نمازوں کو جمع کرنا حرام ہے بلکہ بعض کتب میں اس حرمت پر اجماع بھی منقول ہے۔ لیکن صدر اول کے اجماع کے بعد کتب فروع میں جواز کی نسبت حضرت علیؓ و زید بن علیؓ کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس روایت کی صحت معلوم نہیں ہو سکی، کیوں کہ انہیں سے اس کے خلاف بھی روایت منقول ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء) یعنی نماز بقید وقت مسلمانوں پر فرض ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اور جب جمع کرے گا تو لامحالہ ایک کو دوسری کے وقت میں پڑھے گا۔ جو کہ خلاف مقصود ہے اور حضور علیہ السلام نے اوقات مقرر کر دیئے ہیں جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے۔ اگر ان سے انحراف کرے گا تب بھی مجرم ہے۔ بہر کیف بغیر عذر جمع نہیں کر سکتا۔ حدیث میں اس کی صراحت ہے کہ جس نے بغیر عذر کے نماز جمع کی وہ گناہ کبیرہ کا مستحق ہے اور جو حضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے جمع کی تھی تو اس کا مطلب جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع صوری ہے، جس کی یہ صورت ہے کہ ایک نماز کو مؤخر کیا جائے اور دوسری کو اس کے وقت میں مقدم دونوں علیحدہ علیحدہ اپنے وقت میں ادا کرنا۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ اگر صلوتین جمع کی جائیں تو ان کی ایک یہ صورت بھی بنتی ہے کہ نماز جمعہ کے ساتھ نماز عصر کو جمع کیا جاتا ہے اور وہ یعنی نماز عصر قبل از وقت ادا کی جاتی ہے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام سے اس کے متعلق ایک حدیث بھی منقول نہیں کہ آپ نے بغیر عذر کے کسی نماز کو قبل از وقت ادا کیا ہو۔ ہاں بغیر عذر کے سفر میں جمع کر سکتا ہے۔

جو دلائل اس کے جواز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ نہایت کمزور اور مثل لاشئی ہے، جن کی وضاحت اصل میں ہو چکی ہے۔ ہم ان کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے۔

ففیہ کفایۃ لمن لہ ھدایۃ

(دلیل الطالب ص۳۰۹)

سوال : بغیر عذر شرعی کے جمع بین الصلاتین کرنا یعنی ظہر و عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا۔ **جواب** : اس بارہ میں ہمارا یہ قول ہے کہ اگر اتفاقیہ کوئی شخص حالتِ اقامت میں دو نمازیں جمع کر لیوے تو کچھ قباحت نہیں۔ لیکن اس کی عادت ہرگز نہ پکڑے۔ اور نہ کثرت کرے۔ رسول اللہ صلعم سے بھی اتفاقی طور پر ثابت ہے۔ جیسے مسلم وغیرہ میں ابن عباس رضہ سے مروی ہے۔ "قال جمع رسول اللہ صلعم بین الظہر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر قیل لابن عباس ما اراد بذالک قال اراد وان لا یحرج امتہ وفی روایۃ من غیر خوف ولا سفر" یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کیا اس حالت میں کہ نہ کسی قسم کا خوف تھا اور نہ سفر نہ بارش۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کیا غرض تھی۔ انہوں نے کہا اپنی امت سے تنگی کا دُور کرنا۔ اور آسانی کا پیدا کرنا۔ (انعام المتبعین صلا)

جمع بین الصلوٰتین کی وجہ

قرآن اور حدیث کے مطابق پنجگانہ نماز کا وقت مقرر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ مگر امت کی سہولت کے لیے جیسا کہ رکعات کی تعداد میں تخفیف کی گئی ہے۔ وقت میں بھی آسانی کی گئی ہے۔ لہٰذا مستحاضہ کی تکلیف کو ملحوظ کرتے ہوئے جمع بین بین کا حکم فرما دیا۔ مسافر کو سفر میں حیرانی پریشانی بہت ہوتی ہے۔ بسا اوقات ادائیگی نماز کے لیے وقت نہیں ملتا۔ پانی نہیں ملتا۔ اس لیے بجائے پانی کے تیمم کا حکم فرمایا۔ اور چار رکعت کے بجائے دو رکعت۔ وقت کے لحاظ سے جمع تقدیم جمع تاخیر کی اجازت فرمائی۔ بوقتِ ضرورت حضر میں جمع بین بین کا ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ حدیث ابن عباس رضہ میں ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر سفر، مرض۔ بارش اور خوف کے مدینہ منورہ میں ظہر عصر، مغرب عشاء کو جمع کیا۔ تاکہ امت کو ادائیگی فرض میں تکلف نہ ہو۔

ہٰذا ما عندی واللہ اعلم

محررہ علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

باب السنن والنوافل

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین آیت شریفہ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ میں مومنین سے صحابہ کرام مراد ہیں تو ان کے وہ اعمال جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کثرت سے ثابت ہوں بلکہ خود نبی علیہ السلام نے عمل کر کے فرمایا ہو کہ "ایسا کرو" اس کا روکنے والا زبان یا ہاتھ سے یا ایسے ذرائع اختیار کرکے جس سے عامل کو لامحالہ وہ عمل ترک کرنا ہی پڑے۔ وعید مذکور آیت میں شامل ہوگا یا نہیں اگر مستثنیٰ ہے تو کس دلیل سے؟

۲ سمعت انس بن مالك يقول ان كان المؤذن ليؤذن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فيرى انها الاقامة من كثرة ما يقول فيصلى الركعتين قبل المغرب (ابن ماجہ) اس حدیث کے معنی میں دو شخصوں کا اختلاف ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اذان کے بعد لوگ کھڑے ہوتے تھے اور یہ صریح دلیل ہے کہ اطمینان سے لوگ سنت ادا کرتے تھے کہ مسجد میں اگر نیا شخص آجاتا تو اس اذان کی آواز کو اقامت تصور کرتا اور جانتا کہ فرض پڑھ کر اب لوگ سنتیں ادا کر رہے ہیں۔ اس معنی کی تائید انہیں انسؓ کی روایت جو مسلم شریف میں ہے کرتی ہے۔ ركعوا ركعتين حتى ان الرجل الغريب ليدخل المسجد فيحسب ان الصلوٰة قد صليت من كثرت من يصليها۔ مغرب کا وقت اس قدر تنگ نہیں ہے کہ اذان ہوتے ہی سنت شروع ہو جائیں اور تیزی سے پڑھے۔ کہ مؤذن کے صف میں آنے تک دو رکعت تمام کرے کہ فوراً اقامت ہو جائے اور اذان کے جواب اور وہ دعا جو آپ نے بتائی ہے۔ اس سے محروم رہے اگر ایسا تنگ وقت ہے تو مسلم شریف کی روایت مذکورۃ الصدر صحیح نہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مغرب میں سورہ اعراف پڑھنا عجیب بات ٹھہری کہ نماز کا اکثر حصہ اول وقت سے خارج میں ہوگا۔

دوسرے صاحب معنیٰ فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت بہت ہی تنگ ہے اس لئے مؤذن کے اذان شروع کرتے ہی صحابہؓ سنت پڑھنے کے لئے اس تیزی سے پڑھتے تھے کہ حاضرین مسجد کو گمان ہوتا کہ وہ اذان نہ تھی۔ اقامت ہوئی۔ (یہ عجب ان کی اس لئے تھی کہ فرض میں تاخیر نہ ہو، اذان کے بعد فوراً اقامت ہو جائے۔)

علماء محدثین سے گذارش ہے۔ کہ صحیح کیا ہے مفصل تحریر فرماویں۔

سے بین کل اذانین صلوٰۃ" (متفق علیہ) میں آپ کے فرمان کل سے کوئی وقت مستثنیٰ بھی ہے؟ وہ کونسا وقت ہے یا استثنار بھی نا صحیح حدیث سے ثابت ہونا چاہیئے اور یہ نماز کس وقت شروع کرے؟ تخمیناً اذان ختم ہونے کے بعد اقامت کے شروع تک کتنا وقفہ ہونا چاہیئے؟ ہر ایک سوال کا جواب نمبروار کتاب و سنت سے مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (سوال ۱) اس آیت کریمہ میں مومنین سے مراد صحابہؓ ہیں۔ اور صحابہ کے علاوہ دوسرے وہ تمام لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جو سچ مچ مومن ہیں۔ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ صحابہؓ کا فلاں عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کثرت سے پایا گیا اور آپ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کر کے فرمایا ہو کہ ایسا کرو اور ساتھ اس کے اس شخص کو یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا ہے۔ پس اگر وہ شخص باوجود معلوم ہونے ان دونوں باتوں کے اس عمل سے لوگوں کو روکے اور منع کرے زبان سے یا ہاتھ سے یا کسی اور طریقہ سے وہ شخص بلاشبہ اس آیۃ کریمہ کی وعید میں شامل ہوگا۔

جواب سوال ۲: قبل نماز مغرب دو رکعت سنت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس کو اذان اور اقامت کے درمیان پڑھنا چاہیئے اس کے ثبوت کے لئے عبداللہ بن مغفل کی حدیث متفق علیہ بین کل اذانین صلوٰۃ نص صریح ہے۔ اور یہ حدیث اپنے عموم پر باقی ہے۔ اس عموم سے مغرب کا وقت ہرگز مستثنیٰ نہیں ہے کسی حدیث صحیح سے اوقات فرائض پنجگانہ سے کسی وقت کو خارج و مستثنیٰ ہونا ثابت نہیں اور بزار کی روایت میں جو الا المغرب کی زیادتی آئی ہے۔ سو وہ زیادتی غیر محفوظ ہے۔ ناقابل استدلال ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کو مفصل و مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ دیکھو فتح الباری صفحہ ۳۰۸ جلد ۱ مطبوعہ مطبع انصاری۔

مغرب کی اذان ختم ہونے کے ساتھ ہی بلا وقفہ درود پڑھنا چاہیئے۔ اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ آخر تک پڑھنا چاہیئے پھر سنت شروع کرنی چاہیئے۔ اور مغرب کی سنتیں فجر کی سنت کی طرح ہلکی پڑھنی چاہیئے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں و مجموع الادلۃ یرشد الی استحباب تخفیفھما کما فی رکعتی الفجر اذان کے ختم ہونے کے بعد اقامت کے شروع تک بس اسی قدر وقفہ ہونا چاہیئے کہ درود پھر دعا مذکور پھر ہلکی دو رکعتیں پڑھ لی جائیں۔ اس سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہیئے۔ صحیح مسلم کی یہ روایت اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوٰۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا ثم سلوا لی الوسیلۃ الخ اور صحیحین کی حدیث بین کل اذانین صلوٰۃ اور بخاری کی یہ روایت کان المؤذن اذا اذن قام ناس من اصحاب رسول اللہ یبتدرون السواری حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھم کذلک یصلون

رکعتین ولم یکن بین الاذان والاقامۃ بشئ وقال عثمان بن جبلۃ وابوداؤد عن شعبۃ لم یکن بینھما الا قلیل اور امام محمد بن نصر کی روایت میں ہے۔ وکان بین الاذان والاقامۃ یسیر۔ ان سب احادیث کے ملانے سے وہی بات ثابت ہوتی ہے۔ جو لکھی گئی اور جو صاحب یہ فرماتے ہیں کہ مؤذن کے اذان شنتے ہی صحابہ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے اور ابن ماجہ کی حدیث مذکور فی السوال سے استدلال کرتے ہیں۔ ونیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ مغرب کا وقت بہت تنگ ہے اس لئے صحابہ کرام ایسا کرتے تھے سو واضح ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث مذکور صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کو شعبہ نے علی بن زید بن جدعان سے روایت کیا ہے اور علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔ دیکھو تقریب التہذیب اور اس کے علاوہ اس حدیث کے اجمال اور کئی مطلب کا احتمال ہے۔ پس اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ اور اسی طرح پر یہ خیال کہ مغرب کا وقت بہت تنگ ہے اس لئے صحابہؓ اذان کے شروع ہوتے ہی سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ صحیح نہیں ہے۔ مغرب کا وقت تنگ ہے۔ مگر اتنا تنگ نہیں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کی گنجائش نہ ہو اس خیال کا غلط ہونا احادیث مذکورہ بالا سے ونیز دیگر احادیث سے ظاہر ہے۔ ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدالرحمٰن المبارکپوری

الجواب صحیح :۔ ابن ماجہ کی حدیث مذکور کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اذان مغرب کے ہوجانے کے بعد اس کثرت سے لوگ دو رکعت سنت پڑھنے کو کھڑے ہوجاتے کہ نیا آدمی جو آجاتا تو اس کو گمان ہوتا کہ اذان اذان بھی نہ تھی بلکہ اقامت تھی اور یہ لوگ جو اس کثرت سے کھڑے ہوگئے ہیں اور اس گمان کے ہونے کی وجہ اذان کے بعد کثرت سے لوگوں کا سنت پڑھنے کو کھڑے ہوجانا ہے۔ جیسا کہ اس لفظ پر من کثرۃ من یقوم صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ اور ابن ماجہ کی اس حدیث سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مؤذن کے شروع کرتے ہی صحابہؓ سنت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ اور ابن ماجہ کی یہی حدیث بسند صحیح بخاری اور کتاب قیام میں مروی ہے۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ کان المؤذن یوذن علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لصلوۃ المغرب ثاب اصحاب رسول اللہ الخ ان الفاظ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ اذان ہونے کے بعد سنت شروع کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد اسماعیل المبارکپوری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ابوالقاسم بنارسی (مہر)

الجواب ملا ۔ آیۃ مذکورہ فی السوال میں جو لفظ سبیل المؤمنین ہے اس سے مراد بےشک یہی سبیل صحابہ کرام مراد ہے۔

اس واسطے کہ صحابہ کرام نے جو راہ اختیار کی تھی وہ راہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تھی۔ صحابہ کرام نے اپنے عمل و عقیدہ کی بنیاد اس نقشہ پر رکھی کہ جو نقشہ آں حضرت نے اپنے عمل و عقیدہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ من کان منکم مستنا فلیستن بمن قد مضی فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد الحدیث لہذا صحابہ نے جو طرز عمل آپ کے عہد مبارک میں رکھا وہ نیز جو طرز بعد آں حضرت کے رکھا اس کا مخالف و رد کرنے والا زبان یا ہاتھ سے یا دیگر ذرائع سے جس سے عامل کو لامحالہ وہ عمل ترک کرنا پڑے ایسا شخص ضال و مضل ہے۔ اور وعید مذکور فی الآیہ میں شامل ہے۔ اس کے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ واللہ علم

۲۔ احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے کہ صلوا قبل المغرب الحدیث (بخاری شریف) وغیرہ یعنی نماز مغرب کے پہلے سنتیں پڑھ لیا کرو۔ دوسری روایت بخاری میں یوں ہے کہ دو رکعت پڑھ لیا کرو۔ ابن حبان کی روایت میں یوں ہے۔ صلی قبل المغرب رکعتین یعنی آں حضرت نے خود قبل مغرب دو رکعتیں پڑھیں۔ ان روایتوں سے بادی النظر میں یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ دو رکعتیں بعد اذان ہو جانے کے پڑھنی چاہئیں۔ نہ کہ اذان ہوتے وقت چنانچہ اسی معنیٰ کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین کل اذانین صلوٰۃ الحدیث (ابن ماجہ وغیرہ) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درمیان ہر اذان اور تکبیر کے نماز پڑھنی چاہیے لفظ بین کا یہی مقصد ہے۔ کہ سنتیں اذان و تکبیر کے بیچ میں ہونی چاہئیں نہ کہ اذان ہوتے ہوئے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا یہی طرز عمل تھا۔ کہ نماز مغرب سے پہلے اذان کے بعد سنتیں پڑھتے تھے جیسا کہ اس روایت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ عن عبدالرحمن بن عوف قال کنا نرکعها اذا ز احمنا یعنی بین الاذان والاقامة فی المغرب (قیام اللیل للمروزی) یعنی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مغرب کی اذان و اقامت کے درمیان سنتیں پڑھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں صلوٰۃ الاوابین ما بین الاذان والاقامة المغرب (قیام اللیل) نماز اوابین کی درمیان اذان و اقامت مغرب کے ہوتی ہے۔ حضرت مکحول تابعی فرماتے ہیں۔ علی المؤذن ان یرکع رکعتین علی اثر الاذین (قیام اللیل) یعنی مؤذن کو چاہیے کہ اذان کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کرے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا قبل الاذان ام بین الاذان والاقامة فقال بین الاقامة (قیام اللیل) یعنی مغرب کے قبل کی سنتیں اذان سے پہلے پڑھنی چاہئیں یا اذان کے بعد فرمایا اذان کے بعد اقامت سے پہلے۔ ان روایات مرفوعہ و آثار صحابہ و محدثین سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ سنتیں مغرب کی اذان کے بعد ہونی چاہئیں نہ کہ اذان ہوتے ہی۔ اگر اذان ہوتے ہی کسی نے سنتیں شروع کیں تو اذان کا جواب و بعد اذان کی دعا مسنونہ

ترک ہو جائے گی۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ سنتیں بعد اذان پڑھنی چاہئیں ان کا قول صحیح ہے اور جو لوگ فرماتے ہیں کہ سنتیں اذان ہوتے وقت پڑھنی چاہئیں اور اذان ہوتے ہی فرضوں کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئیے ان کا قول غلط ہے اور یہ کہنا کہ نماز مغرب کا وقت تنگ ہو جائے گا۔ اگر بعد اذان سنتیں پڑھی جائیں گی یہ بھی غلط ہے اس واسطے کہ وقت نماز مغرب کا تھوڑا نہیں ہے۔ بلکہ غروب شمس سے غروب شفق تک ہے لہٰذا اذان کے بعد دو سنتیں پڑھ کر فرضوں کے لئے کھڑے ہو جانے سے کوئی تنگی وقت میں واقع نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۔ حدیث "بین کل اذانین صلوٰۃ" (بخاری وغیرہ) یہ حدیث عام ہے اور اپنے معنی میں واضح ہے کہ جا ہے جونسے وقت کی نماز ہو اذان و تکبیر کے درمیان سنتیں پڑھنی چاہئیں اس میں کسی وقت کا استثناء نہیں اور نہ کسی اور روایت سے کوئی وقت مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اذان اور اقامت کے بیچ میں مقدار دو رکعت یا چار رکعت کا وقفہ ہونا چاہئیے مقدار دو رکعت یا چار رکعت سے زیادہ وقفہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب کتبہ ابو الزبیر محمد یونس غفرلہٗ مدرس مدرسہ جناب میاں صاحب مرحوم پھاٹک حبش خاں دہلی۔

الجواب صحیح۔ سید ابوالحسن عفی عنہ (مہر)

المجیب مصیب۔ حررہٗ السید محمد عبد الحفیظ غفرلہٗ

الجواب صحیح: ابو سعید محمد شرف الدین مدرس مدرسہ میاں صاحب مرحوم

مجیب کا جواب صحیح ہے۔ اذان و نماز فرض کے درمیان دو رکعت چار رکعت کا فاصلہ ہونا چاہئیے۔ تاکہ سنتیں مقررہ مسنونہ ہے مغرب کے پہلے سنتیں پڑھنے والے کو کوئی روکے یا اس کو سنت نہ سمجھے وہ غلط اور بدعتی ہے۔ فقط ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ احمد اللہ۔ (مہر) مدرس مدرسہ دار الحدیث رحمانیہ دہلی

جواب صحیح ہے، صحابہ بالخصوص کبار صحابہ مغرب کے قبل کی سنت التزام کے ساتھ پڑھتے اس سنت کو کبھی چھوڑتے نہ تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں کوڑے مارا جاؤں مگر اس سنت کو ترک نہ کروں گا۔ اولاد کو وصیت فرمائی کہ اسے ترک نہ کرنا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کان المؤذن لیؤذن بالمغرب ثم تفرغ المجالس من الرجال یصلونھا۔ موذن اذان مغرب کی دے چکتا تھا اس کے بعد عموماً لوگوں کے کھڑے ہو جانے کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ لفظ ثم سے اذان کے بعد کھڑے ہونا خوب واضح ہے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے حق علی کل مؤذن اذا اذن ان یرکع رکعتین ہر مؤذن پر حق ہے کہ جب اذان دے چکے تو دو رکعت پڑھے۔ (یعنی اذان کے بعد دو رکعت نہ پڑھیں تو اس نے حق ادا نہ کیا) (ام تو وعج؟)

نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ قول من قال ان فعلها یؤدی الی تاخیر المغرب عن اول وقتها خیال فاسد منابذ للسنۃ الخ جو یہ کہتا ہے کہ ان دو رکعتوں سے مغرب کی نماز میں تاخیر ہوتی ہے۔ خیال فاسد ہے۔ سنت کے چھوڑنے کے لئے ایسے حیلے حوالے میں ان کی طرف دھیان نہ دینا چاہیئے) اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اگر اذان شروع ہوتے یہ سنت شروع کرنے کی کوئی حدیث ہوتی تو اس حیلہ کی ضرورت نہ پڑتی۔ کیوں کہ اس صورت میں تاخیر ہی نہیں ہوتی اس سے روکنے والا خدا سے ڈرے دیکھو سورۃ علق میں فرمایا اَرَءَیْتَ الَّذِی یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی الخ اگر اپنی حرکت سے باز نہ آیا تو بڑی سزا کا قیامت کو مستحق ہوگا۔ واللہ اعلم حررہ ابوالفضل غفرلہٗ ولوالدیہ بحمد اللہ مجیبین نے بہت نیچے تلے صحیح اور مدلل اور مفصل جوابات دیئے ہیں جو بالکل سچ ہے جزاہم اللہ محمد جونا گڑھی دہلوی

اخبار محمدی دہلی جلد ۷ ش ۲۰ ۱۹۳۰ء

سوال: سنن رواتب کہ وہ نماز پنجگانہ میں معمول ہیں عوام کے ذہن میں اس قدر مستحکم ہے کہ عوام سمجھتے ہیں۔ کہ مجموعہ رکعات سنت و فرض اصل نماز میں داخل ہیں۔ حالاں کہ سنت فجر کے سوا اور جو باقی نماز سنت ہے اس کی اس قدر تاکید حدیث میں نہیں اور اکثر مسلمان مرد عورت بسبب زیادتی رکعات نماز کے پابندی نماز کی دشوار جانتے ہیں۔ تو رات دن میں جو سترہ رکعت فرض ہے اگر صرف وہی ادا کرنے کے لئے حکم دیا جاوے تو لوگ آسانی سے پابندی نماز کی کر سکیں گے۔

جواب: جو نماز سنت ہے اُس کے بارہ میں علماء ماوراء النہر نے سختی کی ہے۔ حتیٰ کہ جہال عوام نے سنتوں کو قریب فرض کے سمجھ لیا ہے اور اس قدر احادیث سے ثابت نہیں اور یہی تحقیق ہمارے حضرت والد مرحوم کی ہے۔ اور احادیث و آثار صحیحہ سے یہی ثابت ہے۔ اور تشدد کنندگان علماء ماوراء النہر نے اس قدر تاکید نماز سنت کی فرمائی ہے۔ کہ یہ نمازیں جو سنت ہیں عوام کے عقیدہ میں فرض کے مانند قرار پائی ہیں اور ہمارے والد مرحوم فرماتے تھے۔ کہ یہ شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے۔ یعنی سنت کے بارہ میں یہ عقیدہ کرا دینا کہ یہ فرض ہے شریعت میں ایک طرح کی تحریف ہے۔ فتاویٰ عزیزیہ جلد ۱ ص ۲۸۸

سوال: ایک شخص سنتیں پڑھ رہا تھا۔ جماعت کھڑی ہوگئی۔ ایسی صورت میں کیا وہ نیت توڑ دے یا سنتوں کو پورا کر کے جماعت میں شرکت کرے؟

الجواب: ایسی صورت میں نماز کی نیت توڑ دینی چاہیئے کیوں کہ فرض نماز کی اقامت کے بعد کوئی دوسری

نماز شروع کرنا یا پڑھتے رہنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (ترمذی) بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ الا المکتوبۃ التی اقیمت یعنی جب نماز کے لیئے اقامت کہدی جائے تو پھر اس نماز کے سوا جس کے لیئے اقامت کہی گئی ہے۔ دوسری کوئی نماز جائز نہیں ہے چنانچہ صحابہ کرام ایسی حالت میں لوگوں کی نیت تڑوا دیتے تھے۔ بعض لوگ فجر کی سنتوں کو جماعت کے ہوتے ہوئے پڑھتے رہتے ہیں۔ گھر سے مسجد میں آئیں یا وضو سے فارغ ہوں تو فرض نماز کو چھوڑ کر سنتیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان سنتوں کو فرض سے پہلے پڑھنے کی اس درجہ کوشش کی جاتی ہے۔ کہ اگر امام التحیات میں ہے تو وضو میں دیر کریں گے۔ اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد علیحدہ نماز پڑھنے کو ترجیح دیں گے۔ یہ طریقہ کار شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے۔ مشہور ہے کہ فجر کے فرضوں کے بعد سجدہ حرام ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ رات کے فرشتے امام کے سلام پھیرتے ہی نامہ اعمال لپیٹ کر لے جاتے ہیں اور سنتیں نامچہ میں شامل نہیں ہوتی اس لیئے ان سنتوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنا ضروری ہے یہ من گھڑت باتیں ہیں۔ احادیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ طریقہ فقہ حنفیہ کے خلاف ہے۔ امام قرآن پڑھ رہا ہے اور یہ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ اس موقع پر آیت کریمہ "اذا قرء القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" نہ معلوم کیوں نظروں سے اوجھل رہتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ اذا جاء احدکم فی المسجد والامام یصلی فلیفعل ما یفعل الامام یعنی جو شخص مسجد میں آئے اور امام نماز پڑھا رہا ہو تو آنے والے کو فوراً اس رکن میں شریک ہو جانا چاہیئے جس کو امام ادا کر رہا ہے۔ صحیح مسئلہ یہی ہے کہ عصر اور فجر کے فرضوں کے بعد کوئی نماز جائز نہیں ہے۔ (یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے یا طلوع ہو جائے۔) مگر فوت شدہ نماز ان دونوں فرضوں کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے۔ وھو قول اکثر الفقہاء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن بعدھم انھم کرھوا الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ الصبح حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس واما الصلوٰۃ الفوائت فلا باس ان تقضی بعد العصر وبعد الصبح ایک صحابی فجر کے فرضوں کے بعد نماز پڑھنے لگے حضرت کے دریافت کرنے پر صحابی نے عرض کیا کہ فرضوں سے پہلے سنتیں نہیں پڑھی تھیں ان کو اب پڑھ رہا ہوں، حضور علیہ السلام نے فرمایا "اذا لا باس" اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مولانا) عبد السلام بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی ترجمان دہلی ۱۵ جولائی ۱۹۶۲

سوال: نماز جمعہ کی فرض اور سنت مؤکدہ رکعتیں اور نفل سنت غیر مؤکدہ کی کتنی رکعت ہیں؟

جواب: جمعہ کے دن جمعہ کے لیے مسجد میں آئے تو جب تک امام منبر کی طرف نہ آئے نوافل پڑھ سکتا ہے۔ اگر

خطبہ کی حالت میں ہے تو دو رکعت پڑھے اور جمعہ کے پہلے چار پڑھے اگر جمعہ سے پہلے نہیں پڑھ سکا تو ظہر کی سنتوں کی طرح پڑھے کیونکہ جمعہ کی پہلی سنتوں کا حکم ظہر کی پہلی سنتوں کا ہے۔ (مولانا) حافظ عبداللہ روپڑی

تنظیم اہلحدیث جلد ۲ ش ۲۰/ ۲۸

مسئلہ: ظہر اور مغرب اور عشار کی نماز کے بعد چار چار رکعت نماز پڑھنی حدیثوں سے ثابت ہے اس فعل کو بدعت کہنا اور اس کے کرنے والے کو روکنا نادانی ہے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص چار رکعت نمازِ ظہر سے پہلے اور چار اس کے بعد پر نگہبانی کرے اس پر اللہ تعالےٰ دوزخ کی آگ حرام کرے گا اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن خزیمہ اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور مکحول سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا جو شخص مغرب کی نماز کے بعد بات چیت کرنے سے پہلے دو رکعت اور ایک روایت میں ہے۔ چار رکعت نماز پڑھے تو اس کی نماز مقام علیین میں پہنچائی جاتی ہے۔ روایت کیا اس کو رزین نے۔ اور عائشہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عشا منماز پڑھ کر میرے پاس نہیں آئے مگر چار رکعت یا چھ رکعت نماز پڑھتے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اور عشار کی نماز کے بعد چار رکعت نماز پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں چنانچہ ان میں سے ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو کوئی عشار نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر مسجد سے نکلنے سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرے تو وہ اس کے لئے لیلۃ القدر میں جاگنے کے برابر ہوں گی۔ اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں بیان کیا ہے۔ اور عشار کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز پڑھنے کے بارے میں سوا ایک حدیث صحیح کے (جو آپ نے فرمایا کہ درمیان ہر اذان اور اقامت کے نماز ہے۔) اور کوئی حدیث اس وقت مجھے یاد نہیں۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاوےٰ غزنوی صفحہ ۳۲)

سوال: نماز وتر خاص کر تین رکعت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ثابت ہے یعنیہ نماز مغرب کی طرح یا کہ دو رکعت جدا اور ایک جدا یا تینوں رکعتیں ایک ہی تشہد آخری کے ساتھ اور جو تشہد کہ درمیان ہے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہے یا نہیں اور جو کوئی وتر تین رکعت نماز مغرب کی طرح پڑھے اور قعدہ اولیٰ بھول جاوے تو اس پر سجدہ سہو ہوگا یا نہ اور قنوت کی دعا یا تکبیر کے بھول جانے سے سجدہ سہو ہوگا۔

یا نہ اور قنوت کی دعا یا تکبیر کے بھول جانے سے سجدہ سہو ہوگا۔ یا نہ با دلائل بیان فرمادیں؟

الجواب: وتر تین رکعت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سندوں کے ساتھ دو طرح سے ثابت ہیں ایک یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنا بعدہٗ ایک رکعت تنہا پڑھنی جیسے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت وتر کی نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تھے اور پھر ایک رکعت علیحدہ تنہا پڑھتے تھے اس حدیث کو امام احمدؒ نے بیان کیا ہے اور اس کو قوی کہا ہے۔ اور ابن حبان اور ابن سکن نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیحین میں بیان کیا ہے اور طبرانی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اسی طرح تلخیص الحبیر میں ہے۔ دوسری یہ کہ تینوں رکعت پڑھ کر اخیر میں سلام پھیرنا۔ (چنانچہ) مائی عائشہ رضہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت نماز وتر پڑھتے اخیر کے سوا اور کہیں نہ بیٹھتے یعنی تینوں ایک ہی تشہد سے پڑھتے اس حدیث کو امام احمد اور نسائی اور بیہقی اور حاکم نے بیان کیا ہے اور امام احمد اور حاکم کے لفظوں میں اختلاف ہے۔ مگر معنی سب کا یہی ہے۔ جو اوپر گزرا اور جیسے کہ اس زمانہ میں وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھتے ہیں میری نظر سے کوئی صحیح حدیث اس بارہ میں نہیں گذری۔ ہاں عبداللہ بن مسعود کا ایک قول ہے کہ نماز وتر نماز مغرب کی طرح ہے دارقطنی نے اس روایت کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کیا ہے۔ مگر بیہقی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضہ کا قول ہے۔ پس جب کہ نماز وتر میں قعدہ اولیٰ کا نہ ہونا صحیح طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں قنوت اور رفع یدین اور تکبیر پر مداومت نہیں کی اس لئے اگلے اور پچھلے علماء کا ان کے ثبوت میں اختلاف ہے تو وتر میں قعدہ اولیٰ یا قنوت یا رفع یدینؒ یا تکبیر کے چھوٹنے سے سجدہ سہو کس طرح لازم ہوگا۔ حررہ عبدالجبار الغزنوی عفی عنہ فتاویٰ غزنویہ ص۴۹

سوال: سوال وتر میں دعا قنوت پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: دعا قنوت جو وتر میں اللھم اھدنی الخ یہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنن وغیرہ میں اور عبداللہ بن عباس رضہ اور محمد بن حنفیہ سے بیہقی میں اور عبداللہ بن عمر رضہ سے حاکم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مروی ہے اور حضرت علیؓ سے اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک الخ اس طور سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے وتر میں اس کو پڑھا کرتے تھے اور بیہقی اور حاکم نے اپنی اس حدیث میں اس دعا کو خاص قنوت میں پڑھنا بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور اس باب میں ایک اور حدیث بھی ہے جو دارقطنی میں حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر رضہ

لہ وتر میں دونوں ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھانا مراد ہے۔ سعیدی

اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے اور نسائی اور ابن ماجہ میں ابی بن کعبؓ سے اور دارقطنی اور ابن ابی شیبہ اور دارقطنی اور بیہقی میں ام عبد سے مروی ہے ان سب روایتوں میں اگرچہ علماء گفتگو کرتے ہیں مگر مجموعہ ان سب کا لائق حجت اور قابل اعتماد ہے۔ یہ سب روایتیں نیل الاوطار میں تفصیل وار مذکور ہیں۔ وہاں دیکھو۔

حررہ عبدالجبار ابن الشیخ العارف باللہ عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　(فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۵)

سوال: بعض لوگ عشاء کے فرضوں کے پہلے جو چار سنت ادا کرتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ جس نے چار سنت عشاء کے فرضوں سے پہلے ادا کیں اور تہجد ادا نہ کی تو بجائے تہجد کے یہ سنتیں ہو جاتی ہیں!

جواب: عشاء سے پہلے چار رکعتیں نوافل ہیں مگر اتنی فضیلت کہ وہ تہجد کی نماز کے قائم مقام ہو سکتی ہیں کسی حدیث میں نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ وتر کے بعد دو رکعت نوافل کے لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی آدمی نہ اٹھ سکے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ العلم عند اللہ　مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری

(الاعتصام جلد ۱۸ ش ۹)

سوال: بوقت فجر دو رکعت سنت ہے۔ اور دو رکعت فرض ہے اور بوقت ظہر چار رکعت سنت ہے، اور چار رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عصر چار رکعت فرض ہے اور بوقت مغرب تین رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت ہے اور بوقت عشاء چار رکعت فرض ہے اور دو رکعت سنت اور تین رکعت وتر ہے یہ سب میں پڑھتا ہوں اس کے سوا پانچ وقت میں کون کون سی نماز کس کس وقت پڑھنا ضروری ہے!

جواب: فرض اور سنت مؤکدہ اس قدر ہے۔ اگر ہو سکے تو چار رکعت نماز ایک سلام سے زوال آفتاب کے بعد اور نماز ظہر کے قبل ادا کرنا چاہیئے یہ مسنون ہے اور چار رکعت نماز فرض عصر کے قبل مستحب ہے اور نماز مغرب اور عشاء کے درمیان صلوٰۃ الاوابین ہے اور یہ بھی مستحب ہے۔ اور یہ نماز چھ رکعت بھی ثابت ہے اور بیس رکعت بھی ثابت ہے جس قدر ہو سکے ادا کرنا چاہیئے اور نماز اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بعد سے ایک پہر دن آنے تک رہتا ہے۔ اور چاشت کی نماز کا وقت ایک پہر دن گذرنے کے بعد سے قریب زوال تک رہتا ہے اور تہجد کی نماز آدھی رات کے بعد سے صبح صادق تک ادا کرنا چاہیئے اور اشراق کی نماز دو رکعت ہے اور چار رکعت بھی ثابت ہے۔ اور چاشت کی نماز چار رکعت اور تہجد کی نماز دو رکعت سے بارہ رکعت تک ہے۔ یہ

نماز بطور تراویح کے پڑھنا چاہیئے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنا چاہیے اور چار رکعت کے بعد تسبیح و تہلیل پڑھنا چاہیئے اور پھر دوسرا ترادیحہ شروع کرنا چاہیئے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۱۱۴)

سوال : نماز فرض میں اگر سنتیں نہ پڑھی جائیں تو فرضی نماز میں کوئی نقص وارد ہوا یا نہیں؟

جواب : حدیث شریف میں ہے اگر فرائض میں نقص ہوگا۔ تو اس کو سنن اور نوافل سے پورا کیا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کو شرائط اور ارکان وسنن سے ادا کرنا اور اس کے ظاہری اور قلبی حقوق ادا کرنے میں تغافل ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے سنن اور نوافل کا یقینی طور پر نہیں تو نوعی طور پر تو لازم ہو ہی جاتی ہے۔

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی گوجرانوالہ   الاعتصام جلد ۱۲ ش ۱۲

سوال : نماز تحیۃ المسجد واجب ہے یا سنت؟ بالوضاحت بیان فرمائیں؟

جواب : یہاں تین بحثیں ہیں اول دلائل وجوب، دوم چند اصولی مباحث۔ سوم دلائل عدم وجوب کا جواب۔ دلائل وجوب دو طرح کے ہیں بعض میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ دوسرے دلائل پڑھے بغیر بیٹھنے سے نہی پر مشتمل ہیں۔ قسم اول کے دلائل، مثلاً ابوقتادہ رضہ نے مرفوعاً بیان کیا اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین اخرجہ الجماعۃ کلھم یعنی جب کوئی مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھے امام بخاری نے یہ روایت تین طرق سے تخریج کی ہے۔ طریق اول یوں ہے۔ عن عمرو بن دینار عن جابر قال جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب الناس یوم الجمعۃ فقال اصلیت یا فلان فقال لا قال قم فارکع رکعتین یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے اس سے پوچھا نماز پڑھ لی ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ تو فرمایا اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو دوسرے طریق میں الفاظ یوں ہیں۔ عن عمرو بن دینار سمع جابراً قال دخل رجل یوم الجمعۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت قال لا فقال فصل رکعتین۔ طریق سوم ان الفاظ سے۔ اخبرنا عمرو بن دینار قال سمعت جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین۔ طریق اول و دوم ابواب صلوٰۃ الجمعہ میں ہیں اور طریق سوم باب ماجاء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ میں۔ کتاب البیع میں ایک چوتھا طریق بھی ہے۔ امام مسلم نے جابر رضہ سے دس طریق سے بیان کیا ہے۔ ۱۔ وخلت علیہ ای علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال صل رکعتین

یعنی میں گیا تو آپ نے فرمایا دو رکعتیں پڑھو۔ ۳ اشتری منی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعیرا فلما قدم المدینۃ امرنی ان اٰتی المسجد فاصلی رکعتین یعنی آپ نے مجھ سے اونٹ خریدا۔ مدینہ میں آئے تو مجھے حکم فرمایا کہ میں مسجد میں آؤں اور دو رکعتیں پڑھوں ۴ فدع جملک وادخل المسجد فصل رکعتین اونٹ کو چھوڑ دو اور مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو۔ قال فدخلت فصلیت ثم رجعت یعنی میں مسجد میں آیا نماز پڑھ کر پھر لوٹا۔ ۵ عن جابر قال بینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ اذ جاء رجل فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصلیت یا فلان قال لا قال قم فارکع۔ یعنی آپ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا آپ نے فرمایا نماز پڑھ لی ہے؟ اس نے کہا نہیں فرمایا پڑھو۔ ۶ اس طریق میں بھی چوتھے کی طرح رکعتین کا ذکر نہیں ۷ اس کے الفاظ بھی وہی ہیں البتہ رکعتین کے الفاظ اس میں ہیں۔ ۸ جاء رجل والنبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر یوم الجمعۃ یخطب فقال لہ ارکعت رکعتین قال لا قال ارکع ۹ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ وقد خرج الامام فلیصل رکعتین۔ ۱۰ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد علی المنبر فقعد سلیک الغطفانی قبل ان یصلی فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارکعت رکعتین قال لا قال قم فارکعھما۔ ۱۱ جاء سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فجلس فقال یا سلیک قم فارکع رکعتین وتجوز فیھما۔ ثم قال اذا جاء احدکم یوم الجمعۃ والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما یعنی سلیک الغطفانی آئے اور آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ بیٹھ گئے تو فرمایا سلیک اٹھو اور دو رکعتیں پڑھو اور ذرا تخفیف کے ساتھ پڑھو۔ پھر فرمایا جب کوئی جمعہ کے دن خطبہ کے دوران آئے تو وہ مختصر سی رکعتیں پڑھے۔

آخری چھ طرق امام مسلمؒ نے کتاب صلوٰۃ الجمعہ میں ذکر کیے۔

سنن ابوداؤد میں تین طریق سے یہ روایت منقول ہے۔ ۱ عن جابر ان رجلا جاء یوم الجمعۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت یا فلان قال لا قال قم فارکع۔

(۲) جاء سلیک الغطفانی ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال اصلیت شیئا قال لا قال صل رکعتین تجوز فیھما (اختصار سے دو رکعتیں پڑھو۔)

(۳) طریق دوم کی ہی مثل ہے یہ الفاظ زائد ہیں۔ ثم اقبل علی الناس ثم قال اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل رکعتین یتجوز فیھما۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر کوئی خطبہ کے دوران آئے تو دو مختصر رکعتیں

پڑھے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے۔

اس کے علاوہ یہی حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں کئی طرق سے مروی ہے لیکن بغرض اختصار ہم انہیں نقل نہیں کرتے۔

دوسری قسم کے دلائل :۔ صحیح بخاری میں ابوقتادہؓ ربعی سے مروی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یصلی رکعتین یعنی جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھے۔

مسلم میں یوں ہے۔ عن ابی قتادۃؓ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال دخلت المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس بین ظھرانی الناس قال فجلست فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامنعک ان ترکع رکعتین قبل ان تجلس قال فقلت رأیتک جالسا والناس جلوس قال فاذا دخل احدکم المسجد فلا یجلس حتی یرکع رکعتین حضرت قتادہ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا آنحضرت لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے میں بیٹھنے لگا تو فرمایا دو رکعتیں کیوں نہیں پڑھتا میں نے عرض کیا کہ آپ کو بیٹھا دیکھا اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس لئے میں بھی بیٹھنے لگا۔ فرمایا جب مسجد میں آؤ تو دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے نہ بیٹھو۔ اگرچہ تمام دواوین حدیث میں ایسی روایات موجود ہیں مگر ہم صرف صحیحین کی احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

مبحث دوم :۔ اس مسئلہ میں دو اصولی بحثیں ہیں۔ ایک کا تعلق دلائل مشتمل بر امر پر ہے اور دوسری بحث دلائل نہی میں۔

صنف اول :۔ ابن حاجب نے مختصر المنتہی میں لکھا ہے والجمہور حقیقۃ فی الوجوب یعنی امر جمہور کے نزدیک وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ شارح نے اس کی شرح یوں بیان کی "الجمہور انہ حقیقۃ فی الوجوب" ابن حاجبؒ نے بہت مشہور دلائل سے اس مذہب کو راجح ثابت کیا ہے۔ اسی طرح اس کے شارح نے بھی۔ علامہ سعد الدین تفتازانی نے بھی مطول اور بعض حواشی میں تصریح کی ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں واکثرھم علی کونہ حقیقۃ فی الوجوب محقق ابن الامام نے غایہ اور اس کی شرح میں اس مذہب کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے عقلی اور نقلی دلائل سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ امر کا لغۃ وشرعاً مقتضی وجوب ہی ہے۔ المہدی نے المعیار میں تصریح کی ہے اسی طرح شارح الفصول نے بھی صراحت سے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ محلی میں ہے کہ ابواسحق شیرازی کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ ابن ابی شریف نے شرح المنہاج کے حوالے سے امام الحرمین کا بھی یہی مسلک لکھا ہے۔ امام الحرمین نے مختصر التقریب میں لکھا ہے۔ ان الاکثر من القائلین باقتضاء الصیغۃ الوجوب علیہ ای علی انہ حقیقۃ فی الوجوب۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آرام جبال کے رو سے یہ جواب مناسب نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ لغت کے مسئلہ میں اجتہاد و قیاس و استنباط کا دخل نہیں، لہٰذا یہ مسئلہ ائمہ والا شان کے اقوال سے حل ہوگا۔ ہر انصاف پسند جانتا ہے کہ لغت کے مسئلہ میں خبر واحد پر بھی عمل واجب ہے۔ اور یہاں یہ حال ہے جمہور نے الامر للوجوب لغۃً و شرعاً تصریح کر دی ہے اور ظاہر ہے۔ احکام شریعت کا انہی دو ماخذ سے تعلق ہے۔

صنف دوم :۔ (حکم نہی) ابن حاجب نے اس بحث کو "امر" کی بحث پر مبنی قرار دیا ہے فرماتے ہیں جو امر کا حقیقی معنی وجوب سمجھتے ہیں ان کے نزدیک نہی موجب تحریم ہوگی پھر عضون میں اسی مذہب کو راجح ثابت کیا ہے۔ ان کے شارح بھی اس باب میں انہیں کے پیرو ہیں۔ محقق ابن الہمام نے غایہ (شرح الغایہ) میں صراحت کی ہے کہ نہی حقیقۃً تحریم کے لئے ہے نیز فرماتے ہیں اصح المذاہب یہی ہے ہمارے ائمہ اور جمہور اسی کے قائل ہیں۔

مبحث سوم :۔ اعتراضات کا جواب۔ منکرین وجوب تحیۃ المسجد کی ایک دلیل یہ ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ضمام بن ثعلبہ نے پوچھا کتنی نمازیں فرض ہیں فرمایا پانچ اس نے دریافت کیا اس کے علاوہ؟ فرمایا لا الا ان تطوع یعنی نہیں البتہ تم نفل طور پر پڑھنا چاہو تو الگ بات ہے۔ دوسری روایت میں الصلوات الخمس الا ان تطوع اس کا جواب تین طرح سے ممکن ہے۔ اولاً ابتدائی تعلیمات سے بعد میں آنے والے احکام میں تبدیل ممکن نہیں۔ اگر ایسا ہو تو ماننا پڑے گا کہ صرف وہی چیزیں واجب ہیں جو اول میں تھیں اور یہ عمل باطل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چار واجبات کا ذکر فرمایا، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ اس نے کہا واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص کہ میں اس پر کمی بیشی نہ کروں گا۔ تو فرمایا افلح ان صدق اگر سچا ہے تو فلاح پائے گا۔ صرف انہیں واجبات پر عمل کرنے پر آنحضرت اسے فلاح کی بشارت دے رہے ہیں۔ اب معترض سے سوال کرنا چاہیئے کہ کیا شریعت میں ان چار چیزوں کے سوا کچھ بھی واجب نہیں ہے؟ حالانکہ اس سے کئی گنا واجبات اجماع امت سے ثابت ہیں اور وہ بھی اسی طرح کے امر سے ثابت ہیں۔ ثانیاً الا ان تطوع سے لازم نہیں آتا کہ اس سے وہ نمازیں بھی مراد ہوں جو اسباب پر موقوف ہیں۔ ان نمازوں کو اللہ تعالیٰ کی واجب کردہ نمازوں میں سے الگ اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کا وجوب انسان کے اختیار میں ہے تو گویا مکلف نے خود اپنے اوپر انہیں واجب کر لیا ہے۔ مثلاً احرام فی نفسہ واجب نہیں لیکن جو حرم میں داخل ہو اس کے لئے یہ واجب ہو جاتا ہے۔ ثالثاً نماز جنازہ، طواف کی دو رکعتیں، عیدین کی نمازیں اور نماز جمعہ یہ سب پانچ نمازوں کے علاوہ ہی تو ہیں۔ یہ قول کہ نماز جمعہ پانچ نمازوں میں سے ہے کہ ظہر کا بدل ہے درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں اس کے وجوب میں اختلاف نہ ہوتا اور اس کے وجوب پر دلائل لانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔

امر کو وجوب کے لئے مان لینے سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ مذکورہ تمام امور واجب ہوں۔ اس لئے کہ جمہور کا مذہب، یہ ہے کہ امر کا مقتضی وجوب ہے تا وقتیکہ کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو۔ اس لئے امر للوجوب کا قائل اگر کسی کو بعض مامور بہ واجب نہیں ہیں تو اس پر یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ اس نے اصل کے خلاف کیا اس لئے کہ ممکن ہے اس کے علم میں وہ قرینہ صارفہ ہو جو معترض کے علم میں نہ ہو۔

یہ اعتراض بھی معقول نہیں کہ تندرسی نماز خاص دلیل سے ثابت ہے اس لئے کہ تحیۃ المسجد کے متعلق بھی ہم یہی لکھ چکے ہیں۔ معترض نے تندرسی نماز کے وجوب کا سبب سمجھا ہے۔ تو ہم ان احادیث کو جن میں اس کے پڑھنے کا حکم ہے۔ اور پڑھے بغیر بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اس کے وجوب کی دلیل مانتے ہیں۔ مزید براں اس نماز کی تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ فرمائی کہ اس کے حکم کے ساتھ اس کے ترک کو منع کیا۔ اس کے علاوہ یہ دخول مسجد سے معلق ہے۔ اس لئے اسے اس حکم پر زیادت نہیں کہا جا سکتا۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ نماز نہیں ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت نمازوں سے مختلف ہے۔

یہ قول بھی معقول نہیں اس لئے کہ خود شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز قرار دیا۔ جیسے کہ دوسری نمازوں کو قرار دیا ہے۔ اسے صلوٰۃ سے خارج قرار دینا انصاف نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ معترضین نماز جنازہ کے وجوب کے قائل ہیں، نماز تحیۃ المسجد کو الاان تطوع کے تحت لانا اور جنازہ کے وجوب کا قائل ہونا محض سینہ زوری ہے۔ اسی طرح نماز طواف بھی سمجھ لیجئے۔ بعض لوگوں کا یہ گمان اگر درست ہو کہ تحیۃ المسجد کے متعلق بعض احادیث میں لمن شاء کے الفاظ ہیں تو یہ قرینہ صارفہ ہوتا۔ لیکن یہ لفظ کسی بھی روایت میں نہیں ہیں۔ لہٰذا حقیقت پر عمل کرنا ہوگا۔ ان سماً فسماوان ارضاً فارض ہے۔

واَنّما يبلغ الانسان طاقته　　ما كل ماشية بالرحل ذملال

واللہ اعلم بالصواب　ایضاً　ص۳۵
الدلیل الطالب

سوال: اوقات کراہت میں نماز تحیۃ المسجد ادا کرنا بہتر ہے یا اسے ترک کرنا؟

جواب: اس مسئلہ میں بڑے بڑے فحول علماء اصول بھی متحیر و متوقف ہیں۔ اس لئے کہ احادیث عام ہیں اور سب اوقات کو شامل ہیں انہیں اوقات میں کراہت اوقات بھی ہیں۔ دوسری طرف اوقات مخصوصہ میں ہر قسم کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ نہی صلوٰۃ تحیۃ المسجد کو بھی متضمن ہے۔ پس ان احادیث میں عموم من وجہ کی نسبت ہے۔ چنانچہ اوقات غیر مکروہ میں احادیث تحیۃ خاص ہیں۔ اور ان نمازوں کے متعلق کہ جو تحیۃ المسجد نہیں احادیث نہی خاص ہیں اور ایک ہی لحاظ سے دونوں

عام ہیں۔ اس لئے ترجیح دینے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ اور ترجیح ممکن نہیں کہ دونوں طرف صحیحین کی احادیث ہیں۔ ہر دو متعدد طرق سے ثابت ہیں۔ اور نہی یا نفی بمعنی نہی کے الفاظ پر مشتمل۔ اس لئے صحت متن یا سند اور تعدد طرق کے علاوہ اگر ترجیح ممکن ہو تو معاملہ حل ہو جائے۔

شوافع احادیث تحیۃ کے عموم پر عمل پیرا ہیں دوسری طرف احناف، لیثؒ اوزاعیؒ احادیث نہی وما وقات مکروہہ کے عموم کو ترجیح دیتے ہیں لیکن سب بلا دلیل۔ شوافع کہتے ہیں کہ وہ نمازیں جو کسی سبب پر موقوف ہیں (مثلاً کسوف وغیرہ) وہ جائز ہیں۔ مثلاً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ لیکن یہ دلیل صالح الاحتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ مسند احمد میں ہے۔ کہ ام سلمہؓ نے آپ سے سوال کیا کیا ہماری بھی اگر یہ رکعتیں فوت ہو جائیں تو اس وقت میں پڑھ لیں۔ تو آپ نے فرمایا "نہیں" معلوم ہوا کہ یہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ بالفرض خاص تسلیم نہ کریں۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نماز عصر کے بعد ظہر کی دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تمام ذوات الاسباب نمازیں جائز ہیں۔ ان دو رکعتوں پر باقی نمازوں کو قیاس کرنا اگر درست بھی ہو تو صرف انہیں حضرات کے نزدیک اسے عموم نہی سے خاص قرار دیا جائے گا۔ جو اس طرح تخصیص کو جائز سمجھتے ہوں۔ لیکن اسی حدیث میں دلیل ہے کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کو اگرچہ بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت اس کی مؤید ہے۔ انہا قالت کان یصلی بعد العصر وینھی عنہا یعنی آپ نماز عصر کے بعد کچھ نماز پڑھتے لیکن دوسروں کو منع کرتے۔

البتہ سنن ابوداؤد میں یزید بن اسود کی حدیث ہے۔ اس سے عموم نہی کی تخصیص ممکن ہے حدیث یوں ہے۔

قال شهدت مع النبي صلى الله عليه وسلم حجته فصليت معه صلوٰة الصبح في مسجد الخيف فلما قضى صلوته انحرف فاذا هو برجلين في اخرا القوم لم يصليا فقال علي بهما فجئ بهما ترعد فرائصهما فقال ما منعكما ان تصليا فقالا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم انا كنا قد صلينا في رحالنا قال فلا تفعلا اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما مسجد جماعة فصليا فانها لكما نافلة۔ یزید بن اسود کہتے ہیں۔ کہ میں نے آپ کے ساتھ حج کیا۔ مسجد خیف میں آپ نے صبح کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان سے پوچھا تم نے نماز کیوں نہ پڑھی انہوں نے بتایا کہ ہم اپنے خیموں میں پڑھ لئے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ مناسب نہیں، جب تم اپنی نماز پڑھ لینے کے بعد مسجد میں جماعت پاؤ تو پڑھ لیا کرو، یہ نفل ہو جائے گی۔" اس حدیث میں اس طرح با جماعت نفل ادا کرنے کا جواز موجود ہے۔ البتہ اس نماز پر بھی تحیۃ المسجد

کو قیاس کرنا درست نہیں۔ ان آدمیوں کو نماز کا حکم اس لیے دیا گیا کہ نماز باجماعت کے پاس بیٹھنا بہت برا معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان سے پہلے پوچھا "مسلمان نہ تھا" "مسلمان ہو"۔

ابن عباسؓ کی روایت کہ دارقطنی کے علاوہ ابو نعیم، طبرانی اور خطیب نے بھی تلخیص میں روایت کی ہے۔ اس عموم نہی کی مخصص ہو سکتی ہے۔ حدیث یوں ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی عبد المطلب ویا بنی عبد المناف لا تمنعوا احدا یطوف بالبیت ویصلی فانہ لا صلوٰۃ بعد الفجر حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس الا عند ھذا البیت یطوفون ویصلون۔ اے بنی عبدالمطلب اے بنی عبدالمناف کسی کو بیت اللہ کے طواف یا اس میں نماز پڑھنے سے کسی وقت بھی نہ روکو۔ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نہیں ہوتی۔ لیکن بیت اللہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ انہیں طواف کرنے دو، نمازیں پڑھنے دو۔" اس حدیث کو اگرچہ حافظ نے تلخیص میں معلول قرار دیا ہے۔ لیکن سنن اربعہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی میں جبیر بن مطعم کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

اسی طرح دارقطنی میں جابرؓ اور ابن عدی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایات بھی اس کی تاکید کرتی ہیں۔ یہ اشکال صرف تحیۃ المسجد ہی میں نہیں بلکہ ہر اس چیز میں ہے۔ کہ جس کی دلیل من وجہ عام اور من وجہ خاص ہو۔ مثلاً نماز جنازہ صلوٰۃ کسوف ظہر کی دو رکعتیں نماز استخارہ وغیرہ وغیرہ، اس لئے کسی خارجی دلیل کی دستیابی تک توقف ہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اوقات مکروہہ میں آدمی مسجد میں نہ جائے۔ اس لئے کہ ایک طرف وجوب تحیۃ المسجد کی احادیث ہیں، تو دوسری طرف ان اوقات میں نماز نہ پڑھنے کا حکم۔ چنانچہ شوکانیؒ فرماتے ہیں "ہم نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ اوقات کراہہ مطلق تحیہ پر دال ہیں۔ لہٰذا ایسے اوقات میں مسجد میں آنے والا دو میں سے ایک منہی عنہ کا مرتکب ہوگا۔ وفی ہذا المقدار کفایۃ لمن لہ ہدایۃ واللہ اعلم بالصواب الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۳۶۳

سوال: زید اگر سنت ایک رکعت پڑھ چکا ہے اقامت شروع کر دیتے ہیں تو زید سنت نماز توڑ کر جا کر فرض میں ملتا ہے۔ اور فرض سے فارغ ہونے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز پڑھتا ہے۔ بکر کہتا ہے کہ چھوٹی ہوئی نماز شروع سے پڑھنا چاہیئے۔ جواب دیں کہ کون حق پر ہے؟

جواب: اقامت شروع ہونے کے بعد نفلی نماز پڑھنی درست نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ (مسلم) اقامت ہو جانے کے بعد صرف وہی نماز پڑھو،

نفل اور سنت کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ ابن عدی اور بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ بھی ہے۔ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر الخ اقامت کے بعد فجر کی دو رکعت سنتیں بھی نہ پڑھو، فتح الباری شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ قال کنت اصلی واخذ المؤذن فی الاقامة فجرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال اتصلی الصبح اربعا الخ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں مؤذن نے اقامت شروع کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ کیا صبح کی چار رکعت پڑھوگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہو اور اقامت ہو جاوے تو اسے وہ نماز چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جانا چاہیے چنانچہ علامہ نووی شرح مسلم میں حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ کے تحت میں فرماتے ہیں واستدل لعموم الحدیث من قال یقطع النافلة اذا اقیمت الفریضة الخ فرض کی اقامت ہو جانے کے بعد نفل نماز توڑ دی جائے جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

فرض ادا کرنے کے بعد ان سنتوں کو مستقل طور پر شروع سے پڑھنا چاہیے۔ اس سلسلہ میں بحر حق پر ہے۔

مولانا عبد السلام صاحب بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم دہلی — اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش نمبر ۲۰

سوال: ایک شخص مسجد میں آکر تحیۃ المسجد ایک رکعت پڑھتا ہے۔ اتنے میں جماعت کھڑی ہو جاتی ہے وہ شخص نماز توڑ کر جماعت میں آکر شامل ہوتا ہے تو فرض سے فارغ ہونے کے بعد چھوٹی ہوئی نماز پڑھنی ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو شروع سے پڑھنا چاہیے یا جہاں سے چھوڑی گئی ہے وہاں سے؟

جواب: اقامت کے بعد کسی قسم کی سنت و نفل نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ سنت مؤکدہ ہو یا تحیۃ المسجد ہو۔ اس کی دلیل حدیث مذکور ہے۔

مولانا عبد السلام بستوی — اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش نمبر ۲۰

سوال: صبح کے وقت تحیۃ المسجد پڑھے یا نہ؟

جواب: بلوغ المرام باب المواقیت میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْفَجْرِ اِلَّا سَجْدَتَیْنِ۔ اخرجہ الخمسۃ الا

لے اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ (مسلم) سعیدی

النسائی وفی روایۃ عبد الرزاق لاصلوۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتی الفجر (مشکوٰۃ) للدارقطنی عن عمرو بن العاص نحوہ یعنی ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پو پھٹنے کے بعد کوئی نماز نہیں۔ مگر دو رکعت فجر یعنی سنتیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پو پھٹنے کے بعد تحیۃ المسجد درست نہیں۔ جیسے طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز درست نہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوےٰ اہلحدیث ص ۲/۲)

سوال: اقامت سے پہلے صبح کی دو سنتیں نہ پڑھی جائیں تو وہ سورج نکلنے کے بعد ادا ہو سکتی ہیں۔ میری سمجھ اس مسئلہ پر یہ ہے کہ اگر جماعت ہو رہی ہو تو ترکِ سنت کر کے فرضوں کی اقتداء کرے اور اگر صبح کا وقت ہو تو بعد فرض ادا کرے۔ چنانچہ مدت تک اس مسئلہ پر عمل رہا۔ چند یوم ہوئے ایک حنفی بھائی نے ابن ماجہ کی حسب ذیل حدیث پیش کی۔

"حدثنا عبد الرحمن بن ابراہیم ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نام عن رکعتی الفجر فقضاھما بعد ما طلعت الشمس"

میرے پاس ابن ماجہ کی شرح قلمی کفایۃ الحاجۃ شرح ابن ماجہ موجود تھی۔ اس کو دیکھا تو اس میں یہ لکھا ہے:۔

"رجال اسنادہ ثقات الا ان مروان بن معاویۃ الفزاری کان یدلس وقد عنعنہ نعم احتج بہ الشیخان"

جواب: تدلیس کہتے ہیں۔ اپنے ملاقاتی سے ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرے جس سے سماع کا وہم ہو۔ اور حقیقت میں سُنا نہ ہو۔ مثلاً عن فلان کہے۔ یا قال فلان کہے۔ ایسی راوی کو مدلس کہتے ہیں۔ مروان بن معاویہ مدلس ہے جس کی روایت عن کے ساتھ ذکر کرنے کی صورت میں بالکل ضعیف ہوتی ہے۔ ہاں اگر سماع کی تصریح کرے تو پھر صحیح ہو جائے گی۔ مگر یہاں عن کے ساتھ روایت کی ہے۔ رہا بخاری اور مسلم کا اس کی روایت کرنا تو وہ سماع کی تصریح کی صورت میں ہے یا مؤید کی صورت میں۔

اس کے علاوہ اس راوی میں ایک اور بھی عیب ہے۔ وہ یہ کہ اپنے استادوں کے مشہور نام بدل کر غیر مشہور ذکر کر دیتا ہے جس سے بعض وقت ضعیف کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ یا ضعیف کے ضعف پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسین کے ص۱۲، ۱۳ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور ایسے راوی کی روایت بغیر تحقیق کے نہیں لی جا سکتی۔ اور اس روایت کی حقیقت کا کچھ علم نہیں اس لیے یہ قابلِ استدلال نہیں۔

اس کے علاوہ اس کے مقابلہ میں حسن حدیث موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فجر کی سنتیں رہ جائیں تو فرضوں کے بعد پڑھ لی جائیں۔ تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ امتیازی مسائل ملاحظہ ہو۔ (فتاوےٰ اہلحدیث ص۲)

باب الکسوف

سوال: سورج گرہن کے وقت صدقہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: سورج و چاند گرہن کے وقت صدقہ کرنا مسنون اور موجب ثواب ہے۔ صحیح بخاری میں اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ قالت لقد امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعتاقۃ فی کسوف الشمس: یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ غلام آزاد کرنا یا کسی قسم کا مال فی سبیل اللہ خرچ کرنا صدقہ وخیرات میں شامل ہے۔ یہی کیفیت چاند گرہن کی ہے: عن ہشام قال کنا نؤمر عند الخسوف بالعتاقۃ" کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں۔ واللہ اعلم عبدالجبار عمرپوری (فتاویٰ عمرپوری ص۳۰)

سوال: نمازِ کسوف کی ترکیب عنایت فرمائیں؟

جواب: نمازِ کسوف کی ترکیب یہ ہے کہ جمعہ کا امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت نفل پڑھے جس طرح دوسری نفل نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسی ترکیب سے پڑھے اور قرأۃ آہستہ پڑھے۔ اور جس قدر زیادہ قرأۃ ہو گی بہتر ہے۔ اور اس کے بعد دعا اور استغفار میں مشغول رہے۔ اور اس وقت تک کہ آفتاب روشن ہو جاوے۔

(فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ۲۲۲)

سوال: چاند گرہن جو لگتا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ برج کی آڑ میں آجاتا ہے۔ اور جو چیز آڑ میں آجاتی ہے۔ وہ نظر نہیں آتی۔ چاند یا سورج اگر آڑ میں آجاتا ہے۔ نظر آتا رہتا ہے۔ اس کے متعلق کیا تحقیقات ہے؟

جواب: قدیم فلاسفہ کا یہی خیال ہے کہ ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے سامنے آنے سے گرہن لگتا ہے۔ اور برج بھی ایک قسم کا ستارہ ہے۔ چونکہ صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس لیے سامنے آنے سے نور میں فرق پڑتا ہے۔ نشان بدستور نظر آتا ہے۔ یہ قدیم فلاسفہ کا خیال ہے۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اس کے لیے ایک حساب اور اندازہ مقرر ہے۔ حقیقت حال خدا کو معلوم ہے۔

"وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" میں ہے کہ جب معاویہؓ نے منبر نبوی شام میں لے جانا چاہا تو سورج کو گرہن لگ گیا۔ اس لیے رُک گئے۔

اس سے معلوم ہوا ہے۔ کہ حساب کے ساتھ ضروری نہیں بلکہ آگے پیچھے بھی ہو جاتا ہے۔ حدیث میں صرف اتنا آیا ہے۔ کہ سورج۔ چاند خدا کی نشانیوں سے دو نشانیاں ہیں۔ کسی کی حیات و موت سے گرہن نہیں ہوتیں۔ لیکن خدا اپنے بندوں کو ان کے ساتھ ڈراتا ہے۔ سو ہمیں اتنا ہی ایمان رکھنا چاہیئے۔ اگر فلاسفہ کا خیال صحیح ہو تو یہ نشانی ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جو ظاہری اسباب کے ساتھ علم طبعی یا سائنس کے موافق ہو رہا ہے۔ وہ بھی قدرت الٰہی کے نشانات ہیں۔ مثلاً رات اور دن۔ سورج چاند۔ آسمان و زمین وغیرہ جو کچھ ہے۔ نشانات ہیں۔ حیات جو خوشی کا باعث ہے۔ اور موت جو ڈر کی شے ہے۔ یہ بھی نشانات ہیں۔

وفی کل شیء لہ آیۃ　-　تدل علیٰ انہ واحد

یعنی ہر ایک چیز میں نشانی ہے۔ جو توحید الٰہی کی دلیل ہے۔　عبداللہ امرتسری　(فتاویٰ اہلحدیث ص۳۰۹)

سوال: صلوٰۃ کسوف (گرہن کی نماز) کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک میں ایک ہی دفعہ اتفاق پڑا مگر اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں۔ کسی میں چار رکوع کسی میں دو کسی میں تین رکوع آتے ہیں۔ ان کی تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: کسوف کی بابت تین طرح سے موافقت کرتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ کسوف کئی دفعہ ہوا ہے۔ چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ دوسری صورت ترجیح کی ہے۔ یعنی متفق علیہ روایت پر عمل کیا جائے۔ کیونکہ مقابلہ کے وقت متفق علیہ روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ جیسے حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں لکھا ہے۔ متفق علیہ روایت میں دو رکوع کا بیان ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نیا واقعہ تھا۔ لوگ سن سن کر پیچھے بعد دیگرے آتے رہے۔ جس نے دو رکوع پائے اس نے دو ذکر کر دیئے۔ جس نے تین پائے اس نے تین ذکر کر دیئے۔ جو ابتداء میں شامل ہوا۔ اس نے پانچ رکوع ذکر کئے۔ ایک رکوع صراحتہً کسی نے ذکر نہیں کیا۔ یا ایک رکوع پانے کا اتفاق نہیں ہوا یا ہوا لیکن اس سے آگے روایت کا اتفاق نہیں ہوا۔　(عبداللہ امرتسری روپڑی)

(فتاوٰے اہلحدیث ص۳۹۱)

باب التہجد

سوال: لوگوں سے سننے میں آیا ہے۔ کہ نماز تہجد بارہ رکعت اس طرح پڑھنی چاہیے کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص بارہ مرتبہ، دوسری میں گیارہ مرتبہ تیسری میں دس مرتبہ علی ہذا القیاس ہر رکعت میں ایک دفعہ کم کرتے جانا چاہیے۔ کیا نماز تہجد کا یہ طریقہ مسنون ہے؟ اور جو اس کے خلاف آٹھ رکعت پڑھے اور جو سورۃ چاہے پڑھے اس کی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: نماز تہجد کی آٹھ رکعت ہے۔ وتر سمیت گیارہ۔ کسی صورت کی تخصیص نہیں ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۶

سوال: اگر کسی شخص کی نماز تہجد رہ جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے بعض کہتے ہیں ایک رکعت وتر پڑھ لینا چاہیے اور بعض کہتے ہیں کہ سورج نکلنے کے بعد گیارہ رکعت پڑھنی چاہیے اس میں سے صحت پر کون ہے؟

جواب: بعد طلوع آفتاب پڑھنے والا فریق صحت پر ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۱۱

سوال: اگر کوئی شخص عشاء کی نماز ساڑھے نو بجے ختم کر کے اس کے بعد ہی تہجد یعنی صلوٰۃ اللیل بھی پڑھ لے۔ تو اس کی تہجد ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ عشاء کے بعد بھی نماز تہجد پڑھی ہے۔ لیکن ہمیشہ نہیں پڑھی۔ اس لیے کبھی کبھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

عبد اللہ امرتسری

فتاوے اہلحدیث ص ۲۶۴

سوال: نمازِ تہجد کا رمضان مبارک میں پڑھنا اور با جماعت ادا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

جواب: نمازِ تہجد اور تراویح ایک ہی ہے۔ چنانچہ رسالہ "اہل حدیث کے امتیازی مسائل" میں ہم نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔ تراویح۔ تہجد جب ایک ہوئی تو رمضان میں قیام جماعت ادا کرنا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ تین روز رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے با جماعت قیام کیا ہے۔ پھر فرض ہونے کے خوف سے ترک کر دیا۔ چنانچہ مسلم شریف میں حدیث ہے۔ اب چونکہ فرض ہونے کا خوف نہیں۔ اس لیے با جماعت پڑھنا مسنون ہے۔

عبداللہ امرتسری (فتاوٰے اہلحدیث ص۲۸۹ ج۲)

سوال: نمازِ تہجد کتنی رکعت ہے؟

جواب: تہجد۔ تراویح ایک ہی نماز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھائی ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ص۲۹۰ ج۲)

سوال: تہجد میں کونسی سورت پڑھی جائے؟

جواب: سورۃ کوئی مقرر نہیں۔ جو چاہے پڑھے۔ ہاں وتروں میں سورۃ اعلیٰ۔ سورہ قل یاایھا الکافرون سورہ قل ہو اللہ۔ یہ تینوں سورتیں تین رکعت میں ترتیب وار آئی ہیں۔ بعض روایتوں میں اخیری رکعتوں میں قل ھو اللہ احد۔ قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس بھی آئی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ باب وتر) فتاویٰ اہلحدیث ص۲۹۰ ج۲

سوال: اگر کسی کی تہجد کی نماز رہ جائے تو وہ وتروں کی قضائی دے یا ساری نماز ادا کرے؟

جواب: مشکوٰۃ باب الوتر میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند یا بیماری غالب آ جاتی اور قیام اللیل رہ جاتا تو دن کو بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سمیت اکثر گیارہ رکعت پڑھتے اس لیے دن میں ایک رکعت بڑھا کر بارہ رکعت پڑھ لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی ویسے قضا نہیں۔ بلکہ دن میں ایک رکعت ملا کر پڑھ لینی چاہیے۔ اگر ایک وتر پڑھنا ہو تو دن میں اس کی بجائے دو پڑھے۔ اگر تین پڑھتے ہوں تو چار، پانچ پڑھتے ہوں تو چھ۔ سات پڑھتے ہوں تو آٹھ اور اگر نو پڑھتے ہوں تو دس پڑھ لیں۔ بس یہی قضا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰے اہلحدیث ص۲۹۰ ج۲)

باب الاستخارہ

سوال : حالات آئندہ دریافت کرنے کے لئے استخارہ وغیرہ کی ترکیب ارشاد ہووے؟

جواب : استخارہ کی ترکیب مشہور ہے اور قول جمیل میں مذکور ہے اور آسان طریقہ یہ ہے کہ شب چہار شنبہ اور شب پنجشنبہ اور شب جمعہ میں برابر استخارہ اس ترکیب سے کرے کہ جب دنیاوی امور اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاوے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم تین سو مرتبہ پڑھے پھر الم نشرح بسم اللہ کے ساتھ سترہ مرتبہ پڑھے اور اپنے سینہ اور منہ پر دم کرے ۔ اور درگاہ الٰہی میں دعا کرے کہ عالم الغیب فلاں امر میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ خواب میں یا بیداری میں ہاتف کے ذریعہ سے مجھ کو معلوم کرا دے اور اس کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ اور اگر چاہے تو دعاء استخارہ کہ حدیث میں آئی ہے مع استخارہ اپنے مطالب کے لئے تین مرتبہ پڑھے ۔ اور اپنے دل کی حالت پر لحاظ کرے تو اگر مصمم عزم اس کام کا ہو جاوے تو وہ کام شروع کرے ۔ اور اگر عزم میں فتور ہووے تو موقوف رکھے اور استخارہ کی دعا مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے ۔ فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۴۲

دعاء استخارہ :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِہٖ ۔

(صحیح مسلم)

ترجمہ :- یا الٰہی تحقیق میں خیر مانگتا ہوں تجھ سے (حصول خیر کے لیے) بواسطہ تیری قدرت کے اور مانگتا ہوں میں تجھ سے فضل عظیم تیرا پس تحقیق تو قادر ہے اور میں قادر نہیں ہوں اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیب جانتا ہے۔

اور میں (غیب) نہیں جانتا۔ اور تو بے حد جاننے والا ہے۔ پوشیدہ باتوں کا۔ یاالٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) میرے لیے بہتر ہے۔ میرے دین میں۔ اور میری زندگی میں اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں۔ پس مہیا کر اس (کام) کو میرے لیے اور آسان کر اس کو میرے لیے پھر برکت دے اس میں میرے لیے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں) برا میرے لیے اور میرے دین میں اور میری زندگی میں۔ اور میرے انجام کار میں یا اس جہان میں اور اس جہان میں پس پھر اس (کام) کو مجھ سے اور پھیر مجھ کو اس سے اور مہیا کر میرے لیے بھلائی جہاں بھی ہو۔ پھر مجھے اس کے ساتھ راضی کر۔

مجرب استخارہ

حضرت صوفی ولی محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ مجاز حضرت سید محبوب شاہ رحمۃ اللہ علیہ سرپرست جامعہ سعیدیہ کا فرمان ہے۔ کہ حضرت مولانا علامہ محمد یوسف[1] کیمبلوی رحمۃ اللہ ایک دفعہ مکھڈ سے زیرہ تشریف لے جا رہے تھے۔ مارچ اپریل کا مہینہ تھا۔ گھوڑی پر سوار تھے۔ سر پر ایک ابر گرجا۔ گھوڑی ٹھہر گئی۔ مولانا نے یہ دعا تین مرتبہ پڑھی۔ اَللّٰھُمَّ خِرْ لِیْ وَاخْتَرْ لِیْ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ۔ اے اللہ بہتر کر واسطے میرے اور پسند کر واسطے میرے اور نہ سونپ مجھ کو طرف نفس میرے کے۔ (ولی محمد سعیدی)

[1] حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کیمبلوی زیردی رحمۃ اللہ حضرت میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے مشاہیر تلامذہ میں سے ہیں۔ اور سید محبوب شاہ صاحب گھوٹی کے خاص الخاص مریدوں سے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے مفتی تھے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری فرمایا کرتے تھے۔ کہ یوسفی تعاقب سے قلم لرزتا ہے۔ اخبار اہلحدیث امرتسر میں آپ کے تعاقبات اور مضامین ہیں۔ افسوس کہ یہ تحقیقی مواد اور فتاوٰے جات ان کی وفات کے بعد ۴۷ء کے انقلاب میں ضائع ہوگیا۔ ورنہ "فتاوٰے علمائے حدیث" کی زینت ہوتا۔

(ولی محمد سعیدی)

باب التسبیح

سوال: علماء کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ ایک عرصے سے مجھے نمازِ تسبیح کی مکمل وضاحت کی جستجو تھی۔ اس سلسلہ میں استفسارات بھی کیے گئے۔ مگر میری پوری تشفی نہ ہو سکی۔ لہذا عرض ہے۔ کہ واضح ترکیب لکھ کر ثواب دارین حاصل کریں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب بعون الوہاب: اس نماز کا ذکر کتب حدیث میں بکثرت موجود ہے۔ ترمذی میں ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے میرے چچا عباسؓ! اگر تیرے گناہ عالج مقام کے ریت کے ذروں کے برابر بھی ہوں۔ تو اس نماز کے پڑھنے سے اللہ تعالےٰ معاف فرما دے گا۔ پھر فرمایا: صَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ فَإِذَا انْقَضَتِ الْقِرَاءَةُ فَقُلْ اللهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ ثُمَّ ارْكَعْ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا ثم اسجد فقلها عشرا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا. قَبْلَ أَنْ تَقُومَ فَذَالِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَهِيَ ثَلٰثُ مِائَةٍ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ کہ چار رکعت نماز ادا کرو اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھ جب یہ پڑھ لے تو اللہ اکبر والحمد للہ وسبحان اللہ پندرہ بار پڑھ کر رکوع کرنے سے پہلے اس کے بعد رکوع کر اور دس بار یہی تسبیحات پڑھ پھر اپنا سر اُٹھا اور ان تسبیحات کو دس بار پڑھ پھر سجدہ کر اور اس کو دس بار پڑھ پھر سجدہ سے سر اُٹھا اور اسے دس بار پڑھ پھر سجدہ کر اور ان تسبیحات کو دس بار پڑھ۔ پھر سجدہ سے سر اُٹھا کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے سے پہلے دس مرتبہ یہ تسبیحات پڑھ ہر رکعت میں ۷۵ دفعہ۔ اور چاروں رکعتوں میں تین سو مرتبہ یہ تسبیحات ہوں گی۔ اور ابو داؤد میں ہے۔ اے چچا! تیرے ہر قسم کے گناہ نمازِ تسبیح کے پڑھنے سے معاف ہو جائیں گے۔ اس روایت میں صلوٰۃ التسبیح کی تسبیحات سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واکبر ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے۔ کہ صلوٰۃ التسبیح کی چار رکعتیں ہیں۔ ان کے پڑھنے کا طریقہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللّٰھم باعد الخ دعا پڑھ کر الحمد سورت پھر کوئی سورت پڑھی جائیں۔ اس کے بعد پندرہ دفعہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ اور رکوع قومہ سجدہ جلسہ پھر دوسرے سجدہ اور جلسہ استراحت میں دس دس بار یہی تسبیحات پڑھی جائیں۔

یہاں ایک بات قابلِ وضاحت ہے کہ آیا رکوع سجود وغیرہ ارکان نماز میں نماز کی دوسری عام تسبیحات دعائیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ اکبر سے قبل پڑھیں گے یا نہیں۔ سو اس کے متعلق عرض ہے۔

کہ نمازِ عیدین میں تکبیراتِ زوائد کے ساتھ ساتھ نماز کی دوسری تکبیرات بھی بدستور پڑھی جاتی ہیں۔ یہی حال نمازِ تسبیح کا ہے۔ یعنی عام تسبیحات وادعیہ بھی تسبیحات صلوٰۃ التسبیح سے قبل پڑھی جائیں گی۔ جیسا کہ حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری تحفۃ الاحوذی جلد اوّل ص۳۵۱ میں لکھتے ہیں۔ "ثُمَّ اَرْکَعْ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا اَیْ بَعْدَ تَسْبِیْحِ الرُّکُوْعِ کَذَا فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ" کہ رکوع میں تسبیحات صلوٰۃ التسبیح رکوع کی تسبیح (سبحان ربی العظیم) کے بعد پڑھو۔ اسی طرح شرح السنۃ میں ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

عبدالقادر گوڑ گانوی مہتمم و صدر مدرس دار الحدیث محمدیہ کوٹ رادھاکشن لاہور

الارشاد جدید کراچی اگست ۱۹۶۶ء جلد ۱۳ ش ۱۲ ، ۱۵

سوال: کیا صلوٰۃ التسبیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ یا خیر قرون سے کوئی اثر ملتا ہے اگر کوئی باجماعت ادا کرتا ہے۔ تو وہ بدعتی ہے؟ اور جو جماعت جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل کو بھی ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمائیں!

جواب

صلوٰۃ التسبیح کے متعلق مشکوٰۃ وغیرہ میں ضعیف حدیث آئی ہے۔ اور ضعیف حدیث کے متعلق محدثین یا احمد وغیرہ کا فیصلہ ہے۔ کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔ حلال و حرام میں اس کا اعتبار نہیں۔ چونکہ تسبیح نماز کچھ فضائلِ اعمال کی قسم سے ہے۔ اس لیے اس پر عمل جائز ہے۔ لیکن اس کا اہتمام کرنا یہاں تک کہ جماعت سے ادا کرنا اور جماعت کی طرف دعوت دینا یہ بدعت ہے۔ جو عمل جس حالت پر آئے تو اس سے اس کا مرتبہ بڑھانا نہیں چاہیئے۔ اس کے علاوہ جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی گنتی تنہا پڑھنے میں ہوتی ہے۔ جماعت کے ساتھ پڑھنے میں کمی بیشی ہونے کا ہر وقت کھٹکا رہتا ہے۔ مسنون طریقہ تسبیحات کا آہستہ کہنا ہے۔ چنانچہ ہر نماز میں آہستہ کہی جاتی ہیں۔ اس صورت میں امام کو کیا پتہ کہ میری تسبیحات کے ساتھ مقتدیوں کی تسبیحات پوری ہو گئی ہیں۔ اور پھر مقتدیوں میں کوئی جلدی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ کوئی آہستہ کسی کی زبان موٹی ہوتی ہے۔ وہ بہت دیر میں پوری کرتا ہے۔ بلکہ اس صورت میں جہر ہو تب بھی حساب پورا ہونا مشکل ہے۔ خاص کر جو لوگ امام سے دور ہیں۔ جہاں آواز پہنچنی مشکل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تسبیح میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ صـ ۳۹۲)

باب الاستسقاء

نماز استسقاء۔ جب قحط سالی ہو جائے تو جنگل میں نکل کر دو رکعت نماز پڑھنی چاہیئے۔ کسی نیک آدمی کو جس پر زیادہ حسن ظن ہو اس کو نماز کے لئے آگے کرنا چاہیئے۔ وہ دعا مانگے اور اس کے ساتھ سب دعا مانگیں۔ اس نماز میں قرأۃ بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے یا پیچھے مختصر سا خطبہ پڑھے جس میں لوگوں کو گناہ اور نافرمانی سے ڈرائے اور توبہ تائب ہونے کی ترغیب دے کیوں کہ آفت گناہوں کی شامت سے ہے۔ اس نماز کا وقت طلوع آفتاب کے بعد متصل ہے۔ بہت عاجزی اور انکساری کے ساتھ شہر گاؤں سے باہر سب لوگ نکلیں دعائیں مختلف آئی ہیں۔ مختصر سی دعائیں مندرجہ ذیل ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَھَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ (ترجمہ) اے اللہ اپنے بندوں اور چارپاؤں کو پانی پلا اور اپنی رحمت پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔

اس نماز کی خصوصیات سے دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ دعا الٹے ہاتھوں سے مانگی جاتی ہے۔ اور ہاتھوں کو اٹھانے میں مبالغہ کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بغلیں نظر آنے لگیں۔ دوسری یہ کہ اس دعا کرنے میں کرتے چادر الٹائی جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ چادر کو کندھوں پر رکھ کر دائیں ہاتھ سے چادر کا بایاں پلو پکڑ کندھوں سے چادر کو پھیر دیں خواہ اوپر کی طرف سے پلو پکڑیں یا نیچے طرف سے۔ اگر اوپر کی طرف کے پلو پکڑیں گے تو اندر باہر آجائے گا۔ اور دایاں بائیں ہو جائے گا۔ اگر نیچے کی طرف کے پلو کو پکڑیں گے تو اوپر نیچے ہو جائیگا اور دایاں بائیں ہو جائیگا۔ اندر باہر نہیں ہوگا۔ اور اگر چاہیں تو نیچے کے دونوں پلو دایاں دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ سے پکڑ کر چادر کی اوپر کی طرف نیچے کر دیں اور اندر کو باہر۔

دعا بہت عاجزی سے مانگنی چاہیئے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں قحط سالی کے موقع پر ایک چیونٹی نے دعا کی بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی انسان تو خدا کے نزدیک بڑی عزت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ خدا کے سامنے اپنے گناہوں سے دل سے تائب ہو خالی زبان سے استغفار کا کچھ فائدہ نہیں۔ یہود نے اپنے نبی کی معیت میں استسقاء کی دعا کی تو اللہ نے نبی کی طرف وحی کی کہ ان لوگوں کو کہدو

انہی ہاتھوں سے ظلم کئے ہیں، اور یہی میرے سامنے پھیلاتے ہو۔ مجھے تمہارے مانگنے سے رحم نہیں آتا بلکہ تم پر میرا غضب زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح محرومی کی حالت میں لوٹ جاؤ۔ خدا تعالےٰ ہمیں یہود کی طرح محروم نہ کرے۔ آمین   از تنظیم اہلحدیث جلد ۱۵ ش ۳۳   (حافظ) عبداللہ امرتسری

سوال: نماز استسقاء کی ترکیب عنایت فرمائیں؟

جواب: چاہیئے کہ نماز استسقاء کے واسطے جماعت مسلمین کے ساتھ رئیس عیدگاہ میں برابر تین دن باہر نکلے اور پیدل جانا بہتر ہے۔ پرانا اور مستعمل کپڑا پہن کر نکلنا چاہیئے اور عید کی طرح زینت اور آراستگی نہ کرے۔ خشوع اور خضوع شرمندگی کے ساتھ عیدگاہ میں جاوے۔ اور دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ اور قرأۃ بلند آواز سے پڑھے اس کے بعد خطبہ پڑھے اور دعا کرے۔ اور گناہوں سے بہت توبہ و استغفار کرے اور چاہیئے کہ امام اپنی چادر کا نیچے کا کنارہ اوپر کرے اور اوپر کا کنارہ نیچے کرے اور داہنی طرف کا کنارہ بائیں طرف کرے اور بائیں طرف کا کنارہ داہنی طرف کرے۔ اور نہایت تضرع اور زاری کے ساتھ دعا کرے اور حدیث میں جو دعا آئی ہے وہ پڑھے اور دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔ یعنی اے پروردگار برسا تو ہمارے لئے بارش مفید خوشگوار تازگی کرنے والی نافع ہو مضر نہ ہو۔ اور جلدی مرحمت فرما دیر نہ فرما۔ اے پروردگار سیراب کر تو اپنے بندوں کو اور اپنے چارپایوں کو اور شائع کر تو اپنی رحمت اور آباد کر تو اپنا ملک جو غیر آباد ہو رہا ہے۔   فتاوےٰ عزیزی جلد اول ص ۲۲۳

دعا استسقاء کا طریقہ

جو احادیث میں مذکور ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے بارش کی دعا کی جائے۔ جیسا کہ خطبہ جمعہ کی حالت میں دعا کرنا۔ کیونکہ خطبہ جمعہ کے ابتداء سے کر نماز کے ختم ہونے تک قبولیت دعا کا وقت ہے۔ عاجزی اور انکساری کے ساتھ چھوٹے بڑے بچے اور مرد سب ہی باہر جنگل میں دو رکعت نماز ادا کریں۔ خشوع اور خضوع کے ساتھ دعا کریں۔

علی محمد سعیدی

باب جامع الصلوٰۃ

سوال : حدیث امامہ بنت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا منسوخ ہے یا نہیں؟

جواب : نہیں۔ رد المختار ص۴۸۳ میں ہے۔ قد ورد[1] فی الصحیحین وغیرھما عن ابی قتادۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی وھو حامل امامۃ بنت زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا سجد وضعھا و قد اجیب عنہ باجوبۃ منھا ما ذکرہ الشارح انہ منسوخ بما ذکرہ من الحدیث وھو مردود بان حدیث ان فی الصلوٰۃ لشغلا کان فی قبل الھجرۃ وقصۃ امامۃ بعدھا ومنھا ما فی البدائع انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکرہ منہ ذلک لانہ کان محتاجا الیہ لعدم من یحفظھا او للتشریع بالفعل ان ھذا غیر مفسد و مثلہ ایضا فی زماننا لا یکرہ لواحد منا فعلہ عند الحاجۃ اما بدونھا فمکروہ وقد اطال المحقق ابن امیر الحاج فی الحلیۃ فی ھذا المحل ثم قال ان کونہ للتشریع بالفعل ھو الصواب الذی لا یعدل عنہ کما ذکرہ النووی فانہ ذکر بعضھم انہ بالفعل اقوی من القول فضمنہ ذلک لبیان جواز الخ اور تعلیق الممجد میں ہے۔ قال النووی ادعی بعض المالکیۃ انہ منسوخ وبعضھم انہ من الخصائص و بعضھم انہ لضرورۃ وکلھا دعاوی باطلۃ مردودۃ لا دلیل علیھا الخ فتاوےٰ غزنویہ ص۴۲

---

[1] تحقیق آیا ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابو قتادہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے رہتے اور حالیکہ گود میں اٹھائے ہوتے امامہ بیٹی زینب کو یعنی اپنی نواسی کو پس جب سجدہ کرتے تو رکھ دیتے اس کو اور جب کھڑے ہوتے اٹھا لیتے اس کو۔ اور جواب اس کا کئی طرح پر دیا گیا ہے۔ ایک ان میں وہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ہے۔ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس حدیث سے کہ ذکر کیا اس کو اور یہ جواب مردود ہے۔ اس طرح پہ کہ حدیث ان فی الصلوٰۃ لشغلا قبل ہجرت کے تھی۔ اور قصہ امامہ کا بعد ہجرت کے ہے۔ اور دوسرا جواب وہ ہے۔ جو بدائع میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ کو اس کی طرف حاجت تھی۔ چونکہ نہ تھا کوئی شخص کہ حفاظت کرتا امامہ کی یا واسطے دکھلانے مشروعیت اس فعل کی کہ یہ مفسد نماز نہیں ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے یا نہیں اور حدیث من ترك الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر کے کیا معنی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علماء کرام مختلف ہیں علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں ولاخلاف بين المسلمين في كفر من ترك الصلوٰۃ منكراً لوجوبها الا ان يكون قريب عهد بالاسلام اولم يخالط المسلمين مدة يبلغه فيها وجوب الصلوٰۃ وان كان تركه لها تكاسلا مع اعتقاده لوجوبها كما هو حال كثير من الناس فقد اختلف الناس في ذلك فذهبت العترة والجماهير من السلف والخلف منهم مالك والشافعي الى انه لا يكفر بل يفسق فان تاب والا قتلناه حداً كالزاني المحصن ولكنه يقتل بالسيف وذهب جماعة من السلف الى انه يكفر وهو مروي عن علي بن ابي طالب عليه السلام وهو احدى الروايتين عن احمد بن حنبل وبه قال عبد الله بن المبارك واسحاق بن راهويه وهو وجه لبعض اصحاب الشافعي وذهب ابوحنيفة وجماعة من اهل الكوفة والمزني صاحب الشافعي الا انه لا يكفر ولا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يصلي انتهى یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو کر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نو مسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق نہ ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہو سکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بسبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے۔ سو ایسے تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کا اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق

(بقیہ صفحہ) اور مس اس کے ہمارے زمانہ میں بھی مکروہ نہیں۔ کسی کو کہنا اس کا وقت ضرورت کے لیکن بغیر حاجت کے پس مکروہ ہے۔ الخ اور تحقیق تقریر طویل کی ہے۔ محقق ابن امیر حاج نے حلیہ میں اس مقام میں پھر کہا ہے کہ تحقیق تشریح کے لئے کرنا وہی صواب ہے۔ عدول یعنی نہ ماننا جائز نہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا اس کو نوویؒ نے پس تحقیق ذکر کیا ہے بعض لوگوں نے کہ فعل سے مشروع ہے مشروع ہونا قول ہے۔ تو کرنا آپ کا اس فعل کو بیان جواز کے لئے تھا۔

لے نوویؒ نے کہا کہ دعوے کیا ہے بعض مالکیہ نے اس کا کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور بعض اس کا کہ یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے۔ اور بعض نے اس کا کہ ضرورت سے تھا۔ حالانکہ یہ سب باطل اور مردود ہیں۔ کوئی دلیل اس پر نہیں۔ ۱۲

ہے وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیئے اور اس کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوٰۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیئے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہو اور عبداللہ بن مبارک اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا۔ بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی۔ اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا۔ اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جاویگا، اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ شارع نے ایسے تارک الصلوٰۃ کو کافر کہا ہے۔

اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیوں کہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں جو مغفرت و استحقاق شفاعت سے مانع ہوں نہ جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر جو ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر کہا ہے پس اس بناء پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے، جن میں لوگ پڑتے ہیں انتہی کلام الشوکانی مترجما۔ میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے اس واسطے کہ اس تحقیق پر احادیث مختلفہ میں بلا کسی تاویل کے جمع و توفیق ہو جاتی ہے۔ مثلاً حدیث من[1] ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر اور حدیث العہد الذی بیننا وبینہم الصلوٰۃ فمن ترکہا فقد کفر[2] اور حدیث بین الرجل وبین الکفر ترک الصلوٰۃ رواہ الجماعۃ الا البخاری والنسائی اور حدیث کان[3] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ رواہ الترمذی سے صاف اور صریح معلوم ہوتا ہے۔ کہ تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور آیۃ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک اور حدیث ومن لم یات بہن فلیس لہ عند اللہ عہد ان شاء عذبہ وان شاء غفر لہ رواہ احمد وابو داؤد ومالک فی الموطا۔ اور حدیث من شہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسیٰ عبد اللہ وکلمتہ القاہا الی مریم وروح منہ والجنۃ حق والنار حق ادخلہ اللہ الجنۃ علی ما کان من العمل متفق علیہ۔ اور حدیث ما من عبد یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ ان محمدا عبدہ ورسولہ الا حرم اللہ علی النار قال (ای معاذ اللہ) افلا اخبر بہا

---

[1] جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے وہ کافر ہو گیا۔ [2] وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے۔ نماز کا ہے۔ جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

الناس الحدیث متفق علیہ۔ اور حدیث شفاعت فہی نائلۃ ان شاء اللہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئاً رواہ مسلم وغیرہ وذلک من الاحادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر نہیں ہے بلکہ وہ مغفرت الٰہی وشفاعت نبوی ودخول جنت کا مستحق ہے۔ پس علامہ ممدوح کی تحقیق پر ان احادیث مختلفہ میں کسی کی تاویل کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ تمام احادیث اپنے ظاہر معنی پر محمول ہیں کیونکہ جن احادیث سے تارک الصلوٰۃ کا کفر ثابت ہوتا ہے۔ ان احادیث سے وہ بلاشبہ کافر ہیں۔ اور ان کو کافر کہنا روا ہے۔ مگر ہاں تارک الصلوٰۃ کا کفر ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے اور مغفرت وشفاعت ودخول جنت کا مستحق نہ ہے بلکہ تارک الصلوٰۃ کا کفر وہ کفر ہے جس کی وجہ سے نہ وہ ملت اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور نہ استحقاق مغفرت وشفاعت ودخول جنت سے محروم ہوتا ہے اور ہاں واضح رہے کہ ایسا کفر جو نہ مخرج از ملت اسلام ہو اور نہ مانع از استحقاق مغفرت وشفاعت احادیث سے ثابت ہے۔ دیکھو حدیث متفق علیہ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ اور حدیث متفق علیہ لیس رجل ادعی لغیر ابیہ وہو یعلمہ الا کفر۔ اور حدیث مسلم اثنتان فی الناس ہما بہم کفر الطعن فی النسب والنیاحۃ علی المیت۔ اور حدیث صحیح ایما عبد ابق من موالیہ فقد کفر۔ اور حدیث صحیح من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بہا وغیر ذلک من الاحادیث۔ ان تمام احادیث میں کفر سے بالاتفاق اسی قسم کا کفر مراد ہے۔ قال الشوکانی الکفر انواع منہا مالا ینافی المغفرۃ ککفر اہل القبلۃ ببعض الذنوب التی سماہا الشارع کفرا وہو یدل علی عدم استحقاق کل تارک الصلوٰۃ للتخلید فی النار وقال بسبب یریحک فی مضیق التاویل توہم الملازمۃ بین الکفر وعدم المغفرۃ ولیست بکلیۃ وانتفاء کلیتہا یریحک من تاویل کثیر من الاحادیث وقال من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولا نزید علی ہذا المقدار ولا نتاول لشئی منہا لعدم الملجئ الی ذلک واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری

عفا اللہ عنہ　سید محمد نذیر حسین　　　　فتاوٰی نذیریہ جلد اول ص ۴۴۶

سوال : جماعت ہو رہی ہے لیکن وقت ایک شخص کنوئیں میں گر پڑتا ہے یا کسی کے گھر آگ لگ جاتی ہے۔ یا اس قسم کا کوئی اور حادثہ ہو جاتے تو کیا نمازی نماز توڑ کر اس کی امداد کریں یا نماز جاری رکھیں؟

جواب : کسی کے کنوئیں میں گرنے کی خبر آجائے یا اس قسم کا کوئی اور حادثہ ہو جائے تو نماز توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے سواری کے بھاگ جانے کے خطرہ سے نماز توڑ دی تھی۔ ملاحظہ فصل

مابع مشکوٰۃ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی　　فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم ص۱۹۶

سوال: نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارا جاسکتا ہے؟ کپڑے کو ادھر ادھر اور بچاؤ کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: مراسیل ابوداؤد میں ہے۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأٰی رَجُلًا یَسْجُدُ اِلٰی جَنْبِہٖ وَقَدِ اعْتَمَّ عَلٰی جَبْھَتِہٖ فَحَسَرَ عَنْ جَبْھَتِہٖ (نیل الاوطار)
یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا آپ کے پہلو میں سجدہ کرتا ہے اور ماتھے پر پگڑی باندھے ہوئے ہے اور سجدہ کرتے وقت پگڑی پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ ابن ابی شیبہ میں ہے۔۔ رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا یَسْجُدُ عَلٰی کَوْرِ الْعِمَامَۃِ فَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ اِرْفَعْ عِمَامَتَکَ یعنی ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ اپنی پگڑی کے پیچ پر سجدہ کرتا ہے اس کی طرف اشارہ کیا اپنی پگڑی اوپر کرلے۔
منتقی میں ہے عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ یَوْمٍ مَطِیْرٍ وَھُوَ یَتَّقِی الطِّیْنَ اِذَا سَجَدَ بِکِسَاءٍ عَلَیْہِ یَجْعَلُہٗ دُوْنَ یَدَیْہِ اِلَی الْاَرْضِ اِذَا سَجَدَ۔ رواہ احمد
یعنی حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بارش والے دن میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ سجدہ کرتے وقت کیچڑ سے بچتے تھے۔ آپ پر ایک کمبل تھا سجدہ کے وقت اس کو ہاتھوں کے نیچے کر دیتے تاکہ ہاتھوں کو کیچڑ نہ لگے۔ نیز منتقی باب المصلی یسجد علی ما یحملہ " میں ہے۔ عَنْ اَنَسٍ کُنَّا نُصَلِّیْ مَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ شِدَّۃِ الْحَرِّ فَاِذَا لَمْ یَسْتَطِعْ اَحَدُنَا اَنْ یُّمَکِّنَ جَبْھَتَہٗ مِنَ الْاَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَہٗ فَسَجَدَ عَلَیْہِ۔ رواہ الجماعۃ یعنی حضرت انسؓ کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گرمی میں نماز پڑھتے جب ہم میں سے کوئی اچھی طرح ماتھا زمین پر نہ رکھ سکتا تو زمین پر کپڑا بچھاتا اور اس پر سجدہ کرتا۔ نیز منتقی کے اسی باب میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن قَالَ جَاءَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِنَا فِیْ مَسْجِدِ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْھَلِ فَرَاَیْتُہٗ وَاضِعًا یَدَیْہِ فِیْ ثَوْبِہٖ اِذَا سَجَدَ رواہ احمد و ابن ماجۃ وقال علی ثوبہ۔ یعنی عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے مسجد بنی عبدالاشہل میں ہمیں نماز پڑھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ سجدہ کرتے وقت ہاتھ کپڑے پر رکھتے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض وبردها وش، عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی کساء خالف بین طرفیه فی یوم بارد یتقی بالکساء کھیئۃ الخائف (عب، منتخب کنز العمال جلد ۳ ص۱۲۱) ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اس کے دامن کے ساتھ زمین کی گرمی اور اس کی سردی سے بچتے۔ نیز اسی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردی کے دن میں ایک کمبل میں اس کی دائیں طرف بائیں کندھے پر اور بائیں طرف دائیں کندھے پر ڈال کر نماز پڑھی۔ اس کمبل کے ساتھ کنکروں سے بچتے تھے جیسے ڈرنے والا چھڑ مارتا ہے۔ اس طرح کمبل کے دامن کو سجدہ جاتے وقت آگے کو مارتے تاکہ ماتھے اور ہاتھوں کے نیچے آجاتے۔

نیز منتخب کنز العمال میں ہے۔ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن ثابت الصامت عن ابیه عن جده ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام یصلی فی بنی عبد الاشہل وعلیه کساء ملتف به یضع یده علیه یتقیه برد الحصا۔ ابن خزیمه وابو نعیم (جلد ۳ ص۱۲۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد الاشہل میں نماز پڑھی اور آپ کمبل اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کے ساتھ اپنے ہاتھ کو کنکروں کی سردی سے بچاتے تھے۔ یعنی کمبل پر ہاتھ رکھ کر سجدہ کرتے تھے۔

بخاری میں ہے۔ وضع ابو اسحق قلنسوته فی الصلوٰۃ ورفعها۔ یعنی ابو اسحاق نے نماز میں اپنی ٹوپی رکھی اور اٹھائی۔ ان سب روایتوں سے ثابت ہے کہ نماز میں کپڑا وغیرہ سنوارنا ضرورت کے لئے جائز ہے۔ (مولانا) عبد اللہ امرتسری فتاوےٰ اہلحدیث ص۱۹۷

سوال: زید کہتا ہے کہ جماعت میں بار بار پاؤں کو جوڑنا منع ہے۔ عمرو کہتا ہے بار بار پاؤں جوڑنے میں نقص نماز نہیں بلکہ نمازوں کو کامل کرنا ہے۔ اگر کوئی حدیث اس بارہ میں ہے مطلع فرمائیں۔

جواب: بار بار ملانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ قیام میں نہیں ملائے جاتے رکوع میں ملاتے جاتے ہیں۔ پھر سجدے سے اپنی جگہ سے ہٹائے جاتے ہیں پھر اٹھ کر ملائے جاتے ہیں جیسے جاہلوں کی عادت ہے ایسا جدا کرنا اور ملانا تو ٹھیک نہیں کیوں کہ نماز میں بلا وجہ پاؤں کو ادھر ادھر کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ تمام نماز میں پاؤں ایک جگہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ نماز میں فضول حرکت نہ ہو۔ ہاں اگر اتفاقیہ پاؤں ادھر ادھر

ہو جاتے یا درمیان صف سے کوئی شخص نکل جائے تو ایسی صورت میں ملانا ضروری ہے اس کے لئے عام حدیث آئی ہے جو صف کو ملائے خدا اس کو ملائے گا۔ (مشکوٰۃ تسویۃ الصف فصل ۲)

اگر کوئی شخص جہالت کی وجہ سے پاؤں کو ہٹاتا جائے اور دوسرا پاؤں کو پھیلاتا ہوا اس کے نزدیک کرتا چلا جائے یہ بھی ٹھیک نہیں کیوں کہ نمازی کو حکم ہے کہ دوسرے نمازی کے کندھے سے اپنا کندھا اور پاؤں سے پاؤں ملائے۔ پس اس کو چاہیئے کہ اپنا پاؤں اپنے کندھے کی سیدھ میں رکھے تاکہ دوسرے کے کندھے اور پاؤں سے مل سکے۔ اب جو شخص اپنا پاؤں اپنے کندھے کی سیدھ میں رکھے کر لیتا ہے۔ وہ حد کو توڑتا ہے۔ پس وہ اپنی حد کو توڑ کر اس حکم کا خلاف کیوں کرتا ہے۔ کہ خواہ مخواہ اپنا پاؤں اس کے نیچے کرتا جاتا ہے۔ اور اپنی نماز میں بھی خلل ڈالتا ہے۔ ملانا صرف اسی حد تک ہے۔ جو شرع نے اس کے لئے مقرر کی ہے۔ نہ کہ دوسرے کے نیچے داخل ہو جائے۔ اور بعض جاہل پاؤں خوب چوڑے کرتے رہتے ہیں۔ اور کندھوں کا خیال ہی نہیں کرتے۔ کندھوں کے اندازے سے پاؤں بالکل چوڑے نہ کرنے چاہئیں تاکہ پاؤں اور کندھے دونوں مل سکیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاوے اہلحدیث ص۱۹۹

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اسی حال میں گاڑی آگئی جس پر اس نے سوار ہونا ہے کیا وہ شخص نماز چھوڑ سکتا ہے۔ اور وہ دوبارہ پوری نماز پڑھے یا جتنی باقی رہ گئی تھی اتنی ہی پڑھے؟

جواب: ہاں نماز چھوڑ سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اکیلا فرض پڑھ رہا ہو اور جماعت کے لئے اقامت ہو جائے تو فرض چھوڑ کر نماز میں شامل ہونے کا حکم ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اکیلے کی نماز سے جماعت کی نماز افضل ہے۔ ایسے ہی گاڑی آنے کے وقت جو نماز پڑھے گا وہ بے قراری اور بے چینی کی نماز ہوگی اور جو گاڑی پر سوار ہونے کے بعد پڑھے گا۔ وہ تسلی اور اطمینان کی نماز ہوگی جو افضل ہے۔ اس بنا پر نماز توڑ کر گاڑی پر سوار ہونے کے بعد تسلی اور اطمینان سے نماز پڑھے۔ پہلی نماز پر بنا کرنا ثابت نہیں۔ (مولانا) عبداللہ امرتسری (فتاوی علمائے حدیث ص۲)

سوال: نماز جوتے کے ساتھ مسجد میں افضل ہے یا بغیر جوتے کے؟

جواب: مشکوٰۃ باب الستر فصل ۲ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

خالفوا الیہود فانہم لا یصلون فی نعالہم ولا خفافہم یعنی یہود کی مخالفت کرو کیوں کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جوتوں میں نماز ضروری ہے۔ کیوں کہ بصیغہ امر فرمایا ہے کہ یہود کی مخالفت کرو۔ نیز مشکوٰۃ میں ہے۔

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ فَلَا یَضَعْ نَعْلَیْہِ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَلَا عَنْ یَسَارِہٖ فَتَکُوْنَ عَنْ یَمِیْنِ غَیْرِہٖ اِلَّا اَنْ لَّا یَکُوْنَ عَلٰی یَسَارِہٖ اَحَدٌ وَلْیَضَعْھُمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَوْ لِیُصَلِّ فِیْھِمَا۔

یعنی جب کوئی تمہارا نماز پڑھے تو جوتا دائیں جانب رکھے اور نہ بائیں جانب رکھے کیوں کہ دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا۔ مگر یہ کہ بائیں جانب دوسرا نہ ہو تو پھر اس جانب رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے۔ یا جوتے میں نماز پڑھ لے۔

پہلی حدیث سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ جوتا میں نماز ضروری ہے کیوں کہ بصیغہ امر یہود کی مخالفت کا امر فرمایا ہے۔ مگر دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے یہ امر جواز اور اباحت کا لئے ہے۔ کیوں کہ اس میں ننگے پاؤں اور جوتہ سمیت پڑھنے میں اختیار دے دیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان دونوں میں کسی کو ترجیح ہے یا نہیں اور کیا یہ دونوں برابر ہیں یا ان سے کوئی افضل بھی ہے۔

میری تحقیق جہاں تک ہے وہ یہی ہے کہ بغیر جوتا کے نماز افضل ہے اور اسی کو ترجیح ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جوتے کے ساتھ نماز کے سنن آداب پوری طرح ادا نہیں ہوتے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا عام طریق یہ ہے کہ سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ ہوتیں اور پہلے التحیات میں ایک پاؤں کھڑا کرتے جس کی انگلیاں قبلہ رخ ہوتیں اور دوسرا پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے اور دوسرے التحیات میں دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بیٹھتے اور ظاہر ہے کہ جوتے کے ساتھ یہ سب باتیں مشکل ہیں اس لئے بغیر جوتا کے نماز افضل اور بہتر ہے۔ اس کے علاوہ مساجد کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ پر میری امت کے اعمال کا ثواب پیش کیا گیا ہے۔ میں ایک تنکے کا ثواب بھی تھا۔ جس کو کوئی شخص مسجد سے نکالے۔ ظاہر ہے کہ جوتے کے ساتھ پوری صفائی نہیں خاص کر جب صف پر چٹائی پر نماز پڑھی جائے۔ تو پھر جوتہ سمیت صفائی کہاں رہ سکتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ بغیر جوتے کے نماز افضل ہے۔ ہاں جوتے کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو برا نہیں جاننا چاہیے۔ مگر جوتہ سمیت نماز پڑھنے والوں کو بھی چاہیے کہ صفوں چٹائیوں کو خراب نہ کریں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے صفوں چٹائیوں پر جوتا سمیت نماز ثابت نہیں نہ سلفؒ سے ثابت ہے۔

(مولانا) عبداللہ روپڑی — فتاویٰ اہلحدیث ص ۳۰

سوال: ازروئے فقہ حنفی مسجد میں کتبے وغیرہ سامنے دیوار پر آویزاں کرنے جائز ہیں یا نہیں جبکہ وہ مخل ہوں اور کسی قبر یا مزار کی تصویر لٹکانا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ نمازی کے سامنے کوئی شخص بیٹھا ہو اس کا منہ نمازی کی طرف نہیں ہونا چاہیئے کیوں کہ نماز میں خلل واقع ہوتا ہو۔ پس یہی اس بات کی دلیل ہے کہ نمازی کے سامنے کوئی تصویر یا کوئی ایسی شے نہیں ہونی چاہیئے جو نماز میں خلل کا باعث ہو۔ عبداللہ امرتسری روپڑی فتاوےٰ اہلحدیث ص ۳۴۳

سوال: ایک شخص ضعیف العمر سن اسی کا رکھتا ہے۔ اس کے دونوں زانوؤں میں درد اعصاب کا تشنج رہتا ہے۔ رکوع اور تشہد کی حالت میں تشنج اور درد تشدید ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے رکوع و سجدہ کی تسبیحیں پڑھنی مشکل ہوتا ہیں بنابریں اس کو پورے طور سے تشفی و تسلی نہیں ہوتی۔ فقط صبح کی نماز جوں توں ادا کر لیتا ہے۔ باقی چار وقت کی نمازیں ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ایسا شخص ایک وقت کی نماز پر اکتفا کر سکتا ہے۔ یا باقی نمازیں بھی ادا کرنے پر مجبور ہے۔ ایسا شخص فوت کردہ نمازیں قضا کرے یا نہ اور روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے ایک شخص کو سحر کرا دیتا ہے۔

جواب: بوڑھا آدمی جب تک سن خرافت کو نہ پہنچ جائے اس کے ہوش و حواس زائل نہ ہو جائیں تمام شرعی احکام کا بدستور مکلف اور پابند رہتا ہے اور ایک نماز بھی اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی، البتہ نماز ادا کرنے کی کیفیت میں آسانی اور سہولت ہو جاتی ہے۔ اس اسی سالہ ضعیف العمر بیمار شخص کو اگر حسب دستور رکوع اور سجدہ کرنے اور ہر طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو دائیں پہلو پر لیٹ کر قبلہ رو ہو کر پنجگانہ فرائض ادا کرے۔ رکوع سجود سر کے اشارے سے ادا کرنا کافی ہوگا۔ ایسے معذور اور بیمار کے لئے شرعاً حکم یہی ہے۔ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے کھڑے ہو کر حسب دستور کسی ایک نماز کے ادا کرنے سے بقیہ نمازیں معاف نہیں ہونگی۔ فوت کردہ نمازیں بھی لیٹ کر قضا کرلے۔ رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا ہے تو مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے۔ محدث دہلی جلد ۸ نمبر ۱۱

سوال : تارک صلوٰۃ کے لیے جو لفظ شرک اور کفر کا حدیث میں آیا ہے ، تہدیداً ہے یا وہی ظاہری معنی مراد ہیں؟

الجواب : جاننا چاہیے کہ تارک صلوٰۃ دو قسم ہیں ایک تارک منکر وجوب و فرضیت نماز ، دوسرا بتکاسل و سستی ، پس قسم اول تو خارج ملت اسلام ہے ۔ اور واجب القتل ہے اگر توبہ نہ کرے تو کافر حقیقی ہے ، اما قسم ثانی اس پر اطلاق صرف اسم کفر از روئے حدیث ثابت ہے ۔ چنانچہ امام نووی نے اسی طرح باب باندھا ہے ۔ باب[1] بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلوٰۃ ۔ عن جابر رضی اللہ عنہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان بین الرجل وبین الشرک والکفر ترک الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ مسلم وعن بریدۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العہد الذی بیننا بینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر رواہ الترمذی ۔ لیکن یہ کفر کفر حقیقی نہیں ، بلکہ کفران عمل میں معدود ہے ۔ کیوں کہ بہت آیات واحادیث صریحہ صحیحہ صارفہ معنی حقیقی سے وارد ہیں ۔ قال[2] الامام البخاری رحمۃ اللہ علیہ باب المعاصی من امر الجاھلیۃ ولا یکفر صاحبہا بارتکابھا الا بالشرک لقول اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما فسماھم المومنین انتہی وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقتال المسلم کفر وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجہاد ماض رواہ ابوداؤد وعن جابر قال قال رسول اللہ ثنتان موجبتان قال رجل یا رسول اللہ ما الموجبتان قال من مات یشرک باللہ شیئاً دخل النار ومن مات لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ رواہ مسلم ۔ وعن عثمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وھو یعلم انہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ رواہ مسلم ۔

---

[1] جو آدمی نماز چھوڑ دے اس پر لفظ "کافر" کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان حد فاصل نماز کا چھوڑنا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز کا ہے جس نے اس کو چھوڑ دیا ، اس نے کفر کیا ۔ [2] امام بخاری نے کہا ، ان جاہلیت کے گناہوں کا باب جن کا مرتکب کافر نہیں ہوتا ، ماسوائے شرک کرنے کے ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا ۔ اور جو گناہ ان کے سوا ہیں ، وہ جسے چاہے بخش دے ۔ اگر ایمانداروں کی دو جماعتیں آپس میں لڑیں تو ان میں صلح کرا دو ۔ تو ان دونوں کو مومن قرار دیا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ! مسلمان سے لڑنا کفر ہے ۔ آپ نے فرمایا تین باتیں ایمان کا اصل ہیں ۔ جو لا الہ الا اللہ کہے ، اس سے رک جانا ، اس کو کافر نہ کہنا کسی عمل کی وجہ سے کافر قرار نہ دینا اور جہاد جاری ہے ۔ آپ نے فرمایا دو چیزیں واجب کرنے والی ہیں ۔ کسی نے پوچھا واجب کرنے والی کیا ہیں ۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کے ساتھ شرک

وعن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ یا ابن ادم ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک علی ما کان فیک ولا ابالی یا ابن ادم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولا ابالی یا ابن ادم انک لو لقیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابہا مغفرۃ رواہ الترمذی وحسنہ پس جمہور محققین بسبب ان آیات واحادیث موجبات رحمت کے حدیث فمن ترکھا فقد کفر کو محمول بر کفر حقیقی نہیں کرتے اور یہی ہے مختار ائمہ ثلاثہ وجماہیر سلف کا قال[1] الامام النووی اما تارک الصلوٰۃ فان کان منکرا لوجوبہا فھو کافر باجماع المسلمین خارج من ملۃ الاسلام الا ان یکون قریب العہد بالاسلام وان کان ترکہ تکاسلا مع اعتقاد وجوبہا کما ھو حال کثیر الناس فقد اختلف العلماء فیہ فذہب مالک والشافعی وابو حنیفۃ وجماہیر من السلف والخلف الی انہ لا یکفر بل یفسق ویستتاب انتہی

علاوہ ازیں بنا بر مذہب سلف صالحین وائمہ متکلمین اعمال شرط کمال ایمان بالنظر الی الشرع ہیں نہ شرط صحت ایمان جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے۔ قال[2] الحافظ ابن حجر فی الفتح المعتزلۃ قالوا ھو العمل والنطق والاعتقاد والفارق بین المعتزلۃ وبین السلف انہم جعلوا الاعمال شرطا فی صحتہ والسلف جعلوھا شرطا فی کمالہ وھذا کلہ بالنظر الی ما عند اللہ تعالیٰ پس بنا بر مذہب سلف تارک عمل مثل نماز خارج نفس ایمان سے نہ ہوگا۔ غایت ما فی الباب کاملیت سے خارج ہوگا۔ اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوا خلف کل بر وفاجر وان عمل الکبائر رواہ ابو داؤد ان فی زماننا حسب مصلحت وقت تہدیداً تارک صلوٰۃ کو مطلق کافر کہنا جائز ہے نہ یہ کہ مانند کفار غسل وتجہیز وتکفین ونماز جنازہ سے محروم کیا جائے۔ غایۃ الامر بخیال موعظت عوام امام محلہ وصلحاء لوگ اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب　　(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۵۸۳)

کرے گا۔ وہ دوزخ میں جائے گا۔ اور جو شرک نہیں کرے گا۔ جنت میں داخل ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ جو اس حال میں مرے کہ وہ جانتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آپ نے فرمایا جس نے لاالٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے آدم کے بیٹے جب تک تو مجھ کو پکارتا رہے گا اور امید رکھے گا۔ میں تجھے بخشتا جاؤں گا خواہ تیرے عمل کیسے ہوں مجھے اس بات کی پرواہ نہیں اگر تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک پہنچ جائیں۔ پھر تو مجھ سے بخشش مانگے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ اے ابن آدم مجھے اس بات کی پرواہ نہیں اگر تو گناہوں سے بھری ہوئی زمین لے کر آئے اور تو میرے ساتھ شرک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس اتنی ہی بخشش لے کر آؤں گا۔ [1] امام نووی نے کہا اگر کوئی نماز کے وجوب کا منکر ہو تو وہ باتفاق مسلمین بقیہ

سوال :تارک صلوٰۃ کے بارے میں جناب میاں صاحب مدظلہٗ کا کیا فتویٰ ہے۔ اور من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر کے کیا معنی ہیں۔ اور نیز فتویٰ بے نمازی کے جنازہ کے بارہ میں کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب :تارک صلوٰۃ کے بارے میں حضرت میاں صاحب مدظلہم کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ فاسق ہے کافر نہیں ہے۔ اور حدیث من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر میں کفر سے مراد کفران نعمت ہے۔ اور کفر جو ایمان کا مقابل ہے وہ مراد نہیں، اور بے نمازی کے جنازہ کے بارے میں حضرت ممدوح کا فتویٰ ہے کہ ایسے شخص کا جنازہ جو مقتدار نہیں وہ نہ پڑھیں بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوادیں۔ حررہ السید ابوالحسن عفا اللہ عنہ سید محمد نذیر حسین

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۲۹۹

سوال :عمرو کہتا ہے کہ بے نمازی کے یہاں کا کھانا پانی اور اس کے ساتھ کھانا اور مصاحبت جائز و درست نہیں، تاوقتیکہ نمازی نہ ہو جاوے، خالد اور اس کے تابعین کہتے ہیں، کہ بے نمازی بھی مخلوق خدا ہے، سب کے یہاں کا کھانا پانی اور سب کے ساتھ کھانا پینا درست و جائز ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عمرو اور خالد کی باتوں میں سے کس کی بات صحیح اور کس کی غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب :بے نمازی کے یہاں کا کھانا اور پانی حرام نہیں ہے۔ مگر چونکہ بے نمازی اسلام کے ایک رکن اعظم یعنی نماز کا تارک ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان میں مابہ الفرق ہے۔ اور اسی ترک نماز کی وجہ سے بے نمازی بہت سے علماء کے نزدیک کافر ہیں۔ اور بعض احادیث سے بھی اس کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کے نہایت درجہ کے فاسق ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی دعوت قبول کرنا اور اس کے یہاں کھانا نہیں چاہیے

(بقیہ ص) کافر ہے۔ ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔ مگر یہ کہ وہ ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہو۔ اگر اس کو سستی کی بنا پر چھوڑے اور اس کے وجوب کا قائل ہو جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔ تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور جمہور کے نزدیک وہ کافر نہیں ہے۔ بلکہ فاسق ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے۔

۱؎ حافظ ابن حجر نے کہا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ ایمان عمل شہادت اور اعتقاد کا نام ہے۔ اور معتزلہ اور سلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ معتزلہ عمل کو ایمان کی صحت کے لیے شرط قرار دیتے ہیں۔ اور سلف اعمال کو ایمان کے کمال کی شرط قرار دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے معاملہ کے نظریہ سے ہے۔ ۲؎ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

۳؎ جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا۔ تحقیق کفر تک پہنچ گیا۔

مشکوٰۃ شریف میں عمران بن حصین سے روایت ہے۔ نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن اجابة طعام الفاسقين یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کی دعوت قبول کرنے اور ان کے یہاں کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے اور بے نمازی سے ملنے جلنے اور اس کے ساتھ مصاحبت رکھنے کی بات یوں ہے کہ اس کے سمجھانے اور نصیحت کرنے کی غرض سے اس سے مصاحبت و مخالطت جائز ہے، پس اگر وہ سمجھ گیا اور اللہ تعالےٰ نے اسے ہدایت دی اور نماز پڑھنے لگا فبہا اور اگر باوجود سمجھانے اور نصیحت کرنے کے بھی نماز نہیں پڑھتا، تو اب اس کی مصاحبت و مخالطت سے احتراز چاہیئے مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لما وقعت بنو اسرائيل في المعاصي نهتهم علماؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم وآكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض فلعنهم على لسان داؤد وعيسى بن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون الحديث رواه الترمذي وابوداؤد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل معاصی میں پڑے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا، سو وہ باز نہ آئے پھر ان کے علماء نے ان کے ساتھ مجالست و مصاحبت کی اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے تو اللہ تعالےٰ نے ان کے بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ ملا دیا اور داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان کو لعنت کی۔ اور یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔ واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ اتم

حررہ سید محمد نذیر حسین (فتاوےٰ نذیریہ جلد اول ص۵۵۰)

سوال: پنج گانہ نمازوں سے کسی نماز کی اذان ہوئی، اذان سن کر ایک شخص پاخانہ چلا گیا، اس کے آنے سے پہلے جماعت ہو چکی ہے، اگر وہ شخص دوبارہ جماعت کرلے، تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حوائج ضروریہ مثل بول و براز وغیرہما کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس اثناء میں اگر جماعت اولیٰ فوت ہوگئی، تو پھر جماعت سے پڑھنا بے شبہ جائز ہے، کیوں کہ جماعت ثانیہ کا جواز حدیث سے ثابت ہے اور اکیلے پڑھنے سے جماعت میں زیادہ ثواب و فضیلت ہے، عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صلوٰة الجماعة تعدل خمسا وعشرين من صلوٰة الفذ۔ فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو حزیز عبدالعزیز الملتانی عفرلہ اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ۔ الجواب صحیح والرای نجیح سید محمد نذیر حسین

سید محمد عبدالسلام غفرلہ   سید محمد ابوالحسن   ابوسعید محمد حسین ۱۳۰۹ھ   فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص

سوال : بعد نماز صبح اور بعد نماز جمعہ کے مصافحہ کرنا کیسا ہے اور اس کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

جواب : مصافحہ ہر سلام کے بعد سنت ہے مگر ان اوقات کی خصوصیت کرنا بدعت ہے۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴

سوال : رواج ہے کہ لوگ نفل نماز ہمیشہ بیٹھ کر پڑھا کرتے ہیں تو کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز نفل بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے ؟ اگر نہیں تو دستور کر لینا اور ہمیشہ بیٹھ کر ہی پڑھنا بدعت ہے یا نہیں ؟

جواب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات نفل بیٹھ کر پڑھے ہیں مگر قانون یہ فرمایا کہ بیٹھ کر نفل پڑھنے کا ثواب کھڑا ہونے کی نسبت نصف ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴

سوال : اللہ تعالیٰ نے بندوں پر دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہیں اس میں کوئی نماز دو رکعت اور کوئی تین رکعت اور کوئی چار رکعت ، ایسی کم و بیش کیوں ہوئیں ؟ اور فجر کی نماز صبح صادق میں ، اس کے بعد آدھا دن گزرنے پر ظہر کی نماز ، اس کے بعد تین گھنٹہ کے عصر کی نماز پھر مغرب پھر عشا ۔ اب عقل چاہتی ہے کہ دن اور رات کے پانچ حصے کر کے ہر ہر حصے پر ایک ایک نماز پڑھی جائے اس کی کیا وجہ ہے ؟ اور بعض علما کہتے ہیں کہ یہ پانچ نمازیں اگلے زمانہ کے کئی پیغمبروں پر ایک وقت کر کے فرض کی گئی تھی۔ اگر یہ صحیح ہو تو مع ان پیغمبروں کے نام کے کونسی نماز کس پر فرض تھی۔ تحریر فرمائیے۔

جواب : صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو وقت کے لحاظ سے کیفیت میں وہ بھی چار سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں ، مغرب کے وقت بوجہ مشغولی ایک رکعت کم کر دی ہے ۔ لوگ صبح اٹھ کر کچھ وقت ضروریات میں لگے رہتے ہیں اس لئے آج کل کے حساب سے تقریباً دس بجے تک کا وقت کاٹ کر باقی اوقات نمازوں کے پورے پورے ہیں ، حساب لگا کر دیکھ لیں ، پہلے پیغمبروں پر مختلف اوقات میں نماز فرض تھی۔ ایک ہی وقت میں نہ تھی جس کا ثبوت آج کل یہودیوں کے عمل سے ملتا ہے ۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۴)

سوال : دن اور رات میں تین وقت یعنی وقت طلوع آفتاب اور وقت غروب آفتاب اور ٹھیک دوپہر

میں سجدہ وصلوٰۃ کرنی کیوں منع اور حرام ہوا اور حدیث شریف میں لانہا تطلع بین قرنی الشیطان۔ اس کی تشریح کیا ہے؟

جواب: صحیح بات یہ ہے کہ ان اوقات میں سجدہ کرنے کی قباحت پیغمبر علیہ السلام کو روحانی طور پر معلوم ہوئی ہے جو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی نہ بیان کی جاتی ہے نہ سمجھ میں آتی ہے۔ فَآمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُولِہِ۔

فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۱۶

سوال: سویا ہوا آدمی اس وقت جاگے جس وقت آفتاب طلوع یا غروب ہو رہا ہو تو ایسے شخص کو اسی وقت نماز پڑھنی ہوگی یا تھوڑی دیر رک کے تاکہ آفتاب پورا طلوع یا غروب ہو جائے؟

جواب: حدیث شریف میں آیا ہے۔ نیند میں قصور نہیں مسلمان اگر نیند میں بے اختیار پڑا رہے تو جس وقت جاگے وہی اس کا وقت ہے۔ اس کے بعد علماء دو گروہ میں ہوگئے ہیں ایک گروہ تو یہی کہتا ہے کہ جب جاگے پڑھ لے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے اوقات مکروہہ میں نہ پڑھے بلکہ ذرا اوپر کے بعد جائز اوقات میں پڑھے، ان دونوں خیالوں میں سے جو خیال کسی کو پسند ہو اختیار کرے۔ اللہ اعلم فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۱۶

سوال: مقلد کی نماز غیر مقلد کے پیچھے جائز ہے؟ جواب میں علمائے دیوبند کا فتوےٰ پیش ہو؟

جواب: جائز ہے حدیث شریف میں ہے۔ صلوا خلف کل بر وفاجر (شرح فقہ اکبر) دیوبند سے ایک زمانہ میں دو اخبار نکلتے تھے "الفصار" اور "مہاجر" الفصار مدرسہ کا آرگن تھا اس میں مرقوم تھا "فرقہ اہل سنت والجماعت ہندوستان میں اعتقاد اور اعمال کے لحاظ سے کتاب وسنت پر عمل کرنے والے دو گروہ ہیں مقلد اور غیر مقلد۔ (الفصار ۱۸ نومبر ۱۹۲۷ء ص ۷) اس میں اتنا ہی اقرار ہے کہ غیر مقلد اہل سنت ہیں دوسرے اخبار مہاجر میں یوں مرقوم ہے "نماز مقلدین کی غیر مقلدین کے پیچھے اور غیر مقلدین کی مقلدین کے پیچھے صحیح ہے۔

(کتبہ عزیز الرحمن مفتی دیوبند) مہاجر ۲۹ جون ۱۹۲۸ء ص ۸ اس سب سے پہلے مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کا فتوےٰ جواز کا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ۶ فروری ۱۹۳۱ء) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۶۲

سوال: بے نمازی مسلمان ہے یا کافر اور جنازہ پڑھنا اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: تارک الصلوٰۃ کے حق میں علماء کا اختلاف ہے بہت سے علماء جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اور حافظ ابن قیم وغیرہ ہیں، تارک الصلوٰۃ کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں۔ ان کے سوا اور بہت سے علماء جن میں امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال علماء ہیں۔ تارک الصلوٰۃ کو فاسق، فاجر سخت مجرم قرار دیتے ہیں لیکن کافر و مرتد نہیں کہتے ہیں۔ حدیث شریف جو تارک الصلوٰۃ کے حق میں آئی ہے۔ "فقد کفر" (یعنی وہ کافر ہے) پہلے گروہ کی دلیل ہے دوسرے گروہ کی دلیلیں اور ہیں، خاکسار کی تحقیق پہلے گروہ سے متفق ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۴۹۵)

سوال: حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر رمضان میں ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثواب رمضان المبارک میں ستر رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تو زید تارک صلوٰۃ ہے۔ اور دنوں میں کبھی بھول کر بھی ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا، البتہ ماہِ رمضان المبارک میں ایک ماہ نماز پنجگانہ با جماعت معہ تراویح کے پڑھتا ہے جواب طلب یہ ہے کہ زید بھی مذکورہ بالا حدیث کی روایت کے مطابق ستر گناہ ثواب کا حقدار ہوگا یا نہیں؟

جواب: تارک نماز جب تک توبہ کرکے پابند نماز نہ ہو جائے۔ رمضان شریف کے ثواب موعودہ کا حقدار نہیں۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹

سوال: مسلمان تین طریق سے نماز پڑھتے ہیں اوّل بطریق اہل حدیث یا شافعی یا حنبلی، دوم بطریق حنفی، سوم بطریق مالکی یا شیعی ارسال ید سے کیا تینوں طریق پر نماز ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو صحیح طریقہ کونسا ہے؟ اختلاف کب سے شروع ہوا؟ بانی کون تھا؟ خصوصاً طریقہ حنفیہ کا بلا رفعیدین و آمین بالجہر۔ افسوس جمع احادیث سے اتنا فائدہ بھی نہ ہوا کہ نماز بطریق صحیح بلا اختلاف معلوم ہو جاتی؟ (قاسم علی لدھیانوی)

جواب: حدیث شریف میں ہے صلوا کما رأیتمونی اصلی (میری طرح نماز پڑھو) اس حدیث کے موافق جو فرقہ مطابق سنت صحیحہ کے پڑھے گا اس کی صحیح ہوگی۔ سنت صحیح کیا ہے؟ اس کی تحقیق آسان ہے کتب حدیث باب صفۃ الصلوٰۃ سامنے رکھ کر دیکھ لیں۔ جس کی نماز اس باب کے مطابق ہوگی وہ صحیح ہوگی۔ اختلاف صحابہ کرام کے ملکوں میں انتشار ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ حنفی طریقہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت پر مبنی ہے۔ جس میں رفعیدین وغیرہ کا ذکر نہیں، حنفی عدم ذکر سے عدم شے سمجھتے ہیں۔ اہل حدیث وغیرہ عدم ذکر سے

عدم ہے نتے نہیں سمجھتے یہ نتیجہ فہم کا ہے۔ اس معمولی اختلاف سے آپ جمع احادیث پر افسوس کرتے ہیں تو اہل قرآن کے اختلاف پر کیا کہیں گے جو آج باوجود قرآن موجود ہونے کے اشد اختلاف میں پھنسے ہوئے ہیں ایک فریق پانچ پڑھتا ہے۔ تو دوسرا تین ایک فریق دو رکعتیں پڑھتا ہے۔ تو دوسرا ایک، ایک فریق دو سجدے کرتا ہے۔ تو دوسرا ایک۔ اسی طرح اشد ترین اختلافات ان اہل قرآن میں ہیں۔ جو قرآن مجید کو یکجا جمع پاتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں، کہ قرآن مفصل اور مبین ہے۔ اصل یہ اختلاف کہ اختلاف فہم بھی ایک حد تک موجب اختلاف عمل ہوتا ہے۔ جو اپنی حد پر ہے تو قابل عمل ہے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول ص۲۳۶)

سوال ۔ نماز پنجگانہ کا حکم قرآن میں کہاں ہے؟

جواب : اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اس آیت سے پنجگانہ نمازوں کا ثبوت علماء دیا کرتے ہیں۔ اس کا ترجمہ ہے زوال سورج کے وقت نماز پڑھو رات کے اندھیرے تک یعنی عشاء تک چار نمازیں ہوئی، قرآن الفجر سے مراد صبح کی نماز ہے۔ تفصیل حدیثوں میں آئی ہے۔ (فتاوےٰ ثنائیہ ج۱ ص۲۳۲)

سوال کوئی شخص فرض نماز ادا کرے اور سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ ترک کر دے تو خدا کے پاس اس ترک سنت کا کیا مواخذہ ہوگا؟

جواب : سنتوں کی وضع رفع درجات کے لئے ہے۔ ترک سنن سے رفع درجات میں کمی رہتی ہے مواخذہ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ (مولانا) ثناء اللہ امرتسری

شرفیہ ۔ ترک سنن کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ گاہے بگاہے ترک ہو جائیں دوسری صورت یہ کہ ہمیشہ ترک ہو جائیں اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انکار سے تو وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی متفق علیہ مشکوٰۃ ص۲۷ ج۱۔ دوسری حدیث میں ہے ستۃ لعنتھم ولعنھم اللہ وکل نبی یجاب الی قولہ والتارک لسنتی مشکوٰۃ ص۲۲ ج۱ - دوسری صورت یہ کہ دوامی ترک بہ سبب تساہل ہو یہ آیت شریفہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (پ۳ ع۱۰) کے خلاف ہے نیز دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول ما یحاسب العبد یوم القیامۃ من عملہ صلاتہ فان صلحت فقد افلح وانجح فان فسدت فقد خاب

وخسر فان انتقص من فریضتہٖ شئی قال الرب تبارک وتعالیٰ انظروا ھل لعبدی من تطوع فیکمل بھا من الفریضۃ ثم یکون سائر عملہ علی ذالک الی اٰخرہٖ رواہ ابوداؤد وسکت علیہ ھو والمنذری ورواہ ایضاً ابوداؤد من روایۃ تمیم الداری رواہ باسناد صحیح وفی الباب عن انس عند الطبرانی فی الاوسط والضیاء فی المختارۃ قال فی السراج حدیث صحیح قالہ شیخ کذا فی تنقیح الروایۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ ص۲۲۳ ج۱ اور ایسے لوگ شاذونادر ہی ہوں گے جن کے فرائض میں کسی قسم کی کمی نہ ہو لہٰذا ترک سنن دوامی طور پر یا اکثری ہو سبب باعث خسران ہے۔ اعاذنا اللہ منہ (ابوسعید شرف الدین دہلوی) فتاویٰ ثنائیہ ص۴۲۷ ج۱

سوال: کمبل بچھا کر اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر کمبل پاک ہو تو اس پر نماز پڑھنے سے کوئی حرج نہیں، ناپاک یا مشتبہ ہو تو کوئی کپڑا بچھا کر اس پر نماز جائز نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۱

سوال: نماز قضا ہو سکتی ہے یا نہیں، وہ کب اور کس وقت پڑھی جائے؟

جواب: اگر آدمی بھول جائے یا سو جائے تو جب بھی یاد آوے یا بیدار ہووے تو اسی وقت پڑھ لے وہی اس کا وقت ہوگا۔ اگر قضا سے یہی مراد ہے تو قضا ادا ہوگی اور اگر قضا سے مراد سال دو سال کی نمازیں ہوں تو ان کے دہرانے اور بطور قضا عمری پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۱

سوال: امام کے ساتھ جب آدمی نماز میں شامل ہو تو اسے معلوم نہیں کہ پہلی رکعت ہے یا دوسری یا تیسری، پس ایسی صورت میں وہ سبحانک اللّٰھم پڑھ کر شامل ہو یا نہ؟

جواب: اگر وقت مل جائے تو پڑھ لے یہ اس کی پہلی رکعت ہوگی اگر وقت نہ ملا تو نہ پڑھے مگر سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے کیوں کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ثنا فرض نہیں سنت ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲۹۵ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

سوال: اگر کوئی شخص بھول کر چار سنت کی بجائے پانچ رکعت پڑھ لے تو پھر کیا کرے آیا ساری نماز دہرائے یا سجدہ سہو کام دے جائیگا؟

جواب : ساری نماز دہرانے کی ضرورت نہیں سجدہ سہو کر لینا کافی ہے۔ حضور سرور کائنات خود ایک بار نماز ظہر میں بھول گئے تھے اور چار رکعت کی بجائے پانچ پڑھ گئے تھے جب لوگوں نے توجہ دلائی، تو آپ نے سلام پھیر چکنے کے بعد دو سجدے کر لئے اور فرمایا کہ نماز ہو گئی۔ ابوداؤد ص ۳۹

اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

سوال : کیا آمین رفع یدین حضور علیہ السلام ساری زندگی کرتے رہے یا کسی وقت کسی خاص مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیا تھا
جواب : کسی روایت سے آپ کا چھوڑ دینا ثابت نہیں۔ بکثرت صحابہ کرامؓ کا استمرار اس پر شاہد ہے کہ حضورؐ نے اسے کبھی ترک نہیں کیا تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۵

سوال : جوتی پہن کر نماز پڑھنے کے متعلق سنن ابی داؤد میں جو احادیث مروی ہیں۔ ان کا کیا مطلب ہے کیا موجودہ دور میں بھی جبکہ مساجد پختہ بن چکی ہیں اور ان میں صفوں اور دریوں وغیرہ کا مکمل انتظام ہے۔ کوئی شخص پرانی جوتی پہن کر نماز ادا کر سکتا ہے اور احادیث میں جو رخصت یا حکم ہے وہ عرب کی گرمی اور مساجد وغیرہ کے فرش کے کچا ہونے کی وجہ سے تو نہ تھا۔ براہ کرم اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں اور اگر فقہ حنفی میں جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت ہو تو وہ بھی بیان فرما دیں تاکہ یہاں کا اختلاف ختم ہو سکے؟ صوفی محمد اکرم لاہور

جواب : جب جوتا طاہر ہو تو اس میں نماز درست ہے خواہ نیا ہو یا پرانا، حدیث میں ہے إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا (ابوداؤد) جب کوئی تمہارا مسجد میں آنے چاہیے کہ غور کر لے۔ دیکھے اگر اپنے جوتے میں گندگی پائے تو رگڑ لے اور اس میں نماز پڑھے۔ نیز حدیث مرقاۃ میں ہے فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جوتیوں سمیت نماز مستحب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذَى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُورٌ جب کسی کی جوتی کو گندگی لگ جائے اسے مٹی سے صاف کر لے۔ (مشکوٰۃ) ان احادیث سے ظاہر ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مستعمل جوتے کے بارے میں ہے کیوں کہ آپ رگڑنے کا حکم فرما رہے ہیں۔ اگر نئے اور پرانے میں کوئی تفریق ہوتی تو بیان فرماتے فان تاخیر البیان عن وقت الحاجۃ لا یجوز جن اشیاء کا ذکر صورت مسئولہ میں ہے یہ عارضی غیر اعتباری ہیں۔ ان سے احکام شرعی نہیں بدلا کرتے جہاں تک فقہ حنفی سے اس مسئلے کا تعلق ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین حنفیہ نہ صرف اس کے جواز کے قائل تھے بلکہ بعض نے تو صلوٰۃ

نے ہاتھ کو افضل تک قرار دیا ہے شرح معانی الآثار طحاوی اور الدر المختار البتہ متاخرین حنفیہ اس کے قائل نہیں۔

امداد القاوئے جلد اول ۵۵۵ (مولانا) حافظ ثناء اللہ مدنی فاضل مدینہ یونیورسٹی لاہور

الاعتصام جلد ۲۳ ش ۳۳

سوال : ایک آدمی نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں آتا ہے جماعت تیار ہے وہ جوتا اتار کر کہاں رکھے دائیں بائیں، یا آگے، کیوں کہ پیچھے رکھنے میں جوتا چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ براہ کرم قرآن و حدیث کے دلائل سے واضح فرمائیں؟

جواب : نماز ادا کرتے وقت جوتا دائیں طرف رکھنا منع ہے۔ البتہ بائیں طرف رکھنا جائز ہے بشرطیکہ بائیں طرف کوئی اور نمازی کھڑا نہ ہو تاکہ جوتا اس کے دائیں طرف نہ پڑے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے۔ عن عبد اللہ بن السائب قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی یوم الفتح ووضع نعلیہ عن یسارہ۔ (ابوداؤد مع عون المعبود ج۱ ص۲۴۶ نسائی ج۱ ص۹۴) یعنی حضرت عبداللہ بن سائب کا بیان ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن دیکھا آپ نماز ادا فرما رہے ہیں اور آپ نے نعلین شریفین کو بائیں پہلو میں رکھا ہوا تھا۔ اس حدیث پر امام ابوداؤد اور منذری نے سکوت فرمایا ہے لہٰذا حدیث صحیح ہے۔ اگر بائیں پہلو میں دوسرا ساتھی نماز پڑھ رہا ہو تو جوتا کو اپنے دونوں پاؤں کے درمیان فاصلہ میں رکھ لینا چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیہ عن یمینہ ولا عن یسارہ فتکون عن یمین غیرہ الا ان لا یکون عن یسارہ احد ولیضعہما بین رجلیہ سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۹۹ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی اپنا جوتا دائیں بائیں ہرگز نہ رکھے کیوں کہ ایسی صورت میں جوتا دوسرے نمازی کی دائیں طرف میں پڑے گا۔ لہٰذا اسے اپنا جوتا اپنے پاؤں کے درمیانی فاصلہ میں رکھ لینا چاہیے۔

اس حدیث کے ایک راوی ابو معاویہ عبدالرحمٰن بن قیس الزعفرانی پر امام منذری نے جرح کی ہے مگر امام موصوف کی جرح درست نہیں کیوں کہ یہ راوی زعفرانی نہیں ہیں بلکہ یہ ابو روح عبدالرحمٰن بن قیس العتکی ہیں جو کہ ثقہ ہیں۔ قال الحافظ فی تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۲۵۵ اخرج ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحہما وقال المنذری فی مختصرہ یشبہ ان یکون الزعفرانی ولیس کما ظن بان الزعفرانی یصغر عن ادراک یوسف ماھک مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۵۵ ج۲ ولیضعہما بین رجلیہ[1] کے ذیل میں ملا علی قاریؒ فرماتے

[1] پاؤں کے درمیان رکھنے سے بہتر ہے کہ کپڑے میں چھپا کر آگے رکھے یا آج کل مسجدوں میں کھوکھے رکھے ہوتے ہیں ان میں جوتا چھپ جاتا

ہیں قدامہ اذا کان علی یسارہ احد مرقاۃ جلد ۱ ص۲۴۲ یعنی جب کہ اس کے بائیں پہلو میں دوسرا نمازی بھی ہو، تو جوتا اپنے آگے رکھے۔ واما لم یقل اوخلفہ لئلا یتعرق ام غیرہ اولئلا یذھب خشوعہ لاحتمال ان یسرق مرقاۃ ص ۴۴۴ جلد ۱ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتے کو پیچھے رکھنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تاکہ وہ کسی دوسرے نمازی کے آگے نہ آجائے یا چوری ہونے کے احتمال سے خشوع درہم برہم نہ ہوجائے۔

(مولانا) عبید اللہ حنیف فیروز پوری مسجد چینیاں والی لاہور — الاعتصام جلد ۲۵ ش ۹

توضیح المرام اس میں کوئی شک نہیں کہ پاک جوتا پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے اور جوتا اتار کر بھی لیکن جوتا اتار کر نماز پڑھنا نماز کی اصلی ہیئت ہے۔ اور جوتا سمیت نماز پڑھنا بوقت ضرورت سنت ہے۔ جیسا کہ موزے اور جورابوں پر بوقت ضرورت مسح کرنا مسنون ہے اور بلا ضرورت کوئی موزے پہنتا ہی نہیں اسی طرح بوقت ضرورت جوتا پہن کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کنا اذا صلینا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالظھائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر متفق علیہ مشکوٰۃ ص۶۸ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز اتنی اول وقت ادا فرماتے کہ ہم لوگ گرمی کی وجہ سے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے چونکہ مسجد نبوی میں سب کے لئے سایہ کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ اشتداد گرمی کی وجہ سے ننگے پاؤں سنگ ریزوں پر کھڑے ہو کر طول قیام دشوار تھا۔ نماز ظہر میں آپ کا طول قیام مشہور بھی ہے۔ اس لئے بوقت ضرورت جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی۔ مسجد میں جبکہ سایہ کا پورا انتظام ہو، پنکھے چل رہے ہوں، نیچے صفوں اور دریوں کا انتظام ہو تو اس وقت جوتا اتار کر نماز پڑھنا مسنون ہے۔ جوتا اگرچہ پاک ہوتا ہے لیکن گرد و غبار سے آلودہ ہوتا ہے۔ اس لئے صفیں اور دریاں ایک دو نمازوں میں غبار آلودہ ہوجائیں گی۔ اور مسجد کو صاف رکھنا ایمان کی جز ہے۔ بلکہ مسجد کو صاف کرنے کی بنا پر ایک مرد کو جنتی فرمایا ہے۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے صبح دو فرض شروع کئے، وہ

(بقیہ) سے پاؤں صاف بھی ہوجاتا ہے۔ یہ حدیث نماز جنازہ کے لئے مخصوص ہوسکتی ہے۔ کیونکہ نماز میں سجدہ اور تشہد نہیں۔ عام نمازوں میں جوتا پاؤں کے درمیان رکھنا تکلیف مالایطاق ہے۔ (توضیح المرام)

ایک رکعت پڑھ کر التحیات میں بیٹھ گیا کیا وہ دوسری رکعت میں تشہد کرے یا نہ کرے کیا اس پر سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہ؟ سائل عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھہ ضلع ملتان

الجواب: دوسری رکعت میں تشہد اور سجدہ سہو کرے لِکُلِّ سَہْوٍ سَجْدَتَانِ للحدیث مسند ابوداؤد وابن ماجہ۔ (ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی) (منقول از قلمی مسودہ)

مولانا عزیز الرحمٰن خطیب جامع اہلحدیث بستی چھہ ضلع ملتان

سوال: کیا نماز فرض کے بعد تسبیح تہلیل، تحمید یا کوئی اور وظیفہ پڑھ کر بدن پر پھونکنا جائز ہے؟

جواب: ہاں جائز ہے مگر مسنون نہیں بعض اکابر سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ ش ۴۲

توضیح المرام: حدیث حضرت عائشہ میں آیا ہے کہ حضرت ہر رات جب بستر پر آتے ہر دو کف دست جمع کرکے معوذات کو مع اخلاص پڑھ کر دم کرتے پھر جہاں تک ہو سکتا بدن پر ہاتھ پھیرتے سر اور منہ سے شروع کرتے تین بار اسی طرح کرتے۔ (متفق علیہ) اسی طرح جب بیمار ہوتے تو معوذات کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے ابن ماجہ شریف ص۲۵۰ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وظیفہ معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم پھونکنا مسنون ہے اگرچہ نماز فرض کا ذکر نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال: پتلون پہنا جائز ہے۔ یا نہیں، جناب پیغمبر علیہ السلام نے کس طرح کے کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے؟

جواب: پتلون جائز ہے مرد کے لئے ناف سے گھٹنا تک مقام ستر مقرر کیا ہے۔ اور اسے ڈھانپنا فرض ہے۔ لباس کے پہناوے کا حضور علیہ السلام نے کوئی خاص آرڈر نہیں دیا، جناب نرم، نازک یا فیشنی اور کفار کے مخصوص لباس سے پرہیز فرمایا کرتے تھے۔ اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۱۲

سوال: ننگے سر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ سے جواز ملتا ہے۔ مگر بطور فیشن لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالآباد کے لئے یہ عادت بنا لینا جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۲۲

سوال : صلوٰۃ الوسطیٰ کون سی نماز ہے اور اگر بالفرض کوئی ایک ہی نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے اور چار نماز باقی رہ جاتی ہیں تو ان کے بارہ میں کامل تصدیق باقی نہ رہی ؟

جواب : صلوٰۃ الوسطیٰ کے بارہ میں سات قول ہیں پانچ قول یہ ہیں کہ نماز پنجگانہ سے ہر ایک نماز صلوٰۃ وسطیٰ اور تعیین میں اختلاف ہے کسی نے کسی نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور کسی نے دوسری نماز کو صلوٰۃ الوسطیٰ کہا ہے اور چھٹا قول یہ ہے کہ مجموعہ پنج وقتی نماز صلوٰۃ الوسطیٰ ہے ۔ اور ساتواں قول یہ ہے کہ جس طرح ساعت جمعہ مبہم ہے کہ اس میں ضرور دعا قبول ہوتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس شب قدر اور اسم اعظم مبہم ہے اسی طرح صلوٰۃ الوسطیٰ بھی مبہم ہے ۔ اصح اور راجح یہ قول ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ عصر کی نماز ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ باقی چار نماز کے لئے تاکید کم ہے اس واسطے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید ہے نفس اس کے نہیں بلکہ زیادہ تاکید محافظت آداب و قاعدہ میں ہے ۔ مثلاً وقت مستحب و جماعت و مسجد و اسباغ وضو و مسواک و آذان و اقامت و مزید اطمینان و کثرت اذکار یعنی صلوٰۃ الوسطیٰ میں ان امور میں زیادہ لحاظ ہونا چاہیے صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے ہے کہ جس طرح افضل میں زیادہ فضیلت ہوتی ہے بہ نسبت فاضل میں اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاضل فضیلت نہ ہو ، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ فاضل میں بھی فضیلت ہے ۔ لیکن افضل میں زیادہ فضیلت ہے ۔ اور صلوٰۃ الوسطیٰ کی زیادہ تاکید اس قبیل سے نہیں کہ جیسے زیادہ فضیلت فاضل میں ہوتی ہے ۔ باعتبار ناقص کے اور اس میں شک نہیں کہ اس قدر تفاوت جو افضل اور فاضل میں ہوتا ہے ۔ وہ یہاں ثابت ہے ۔ واللہ اعلم		فتاوےٰ عزیزیہ جلد ۱ ، ۳۸

سوال : اکثر مالابار میں امام فرض نماز کے پڑھتے ہی فوراً اٹھ جاتا ہے ۔ یا کسی دوسری جگہ بیٹھ جاتا ہے بغیر تسبیح و دعا کے یہ عمل جائز ہے ۔ کیا اس کے متعلق کوئی حدیث ہو تو ترجمہ کے ساتھ پیش کریں ؟

جواب : سلام پھیرنے کے بعد آزادی حاصل ہو جاتی ہے ۔ خواہ اسی جگہ بیٹھ کر وظیفہ پڑھے یا الگ ہٹ کر پڑھے نماز کے بعد تسبیحات اور ورد کا پڑھنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر ان وظیفوں کو پڑھتے ۔ جن کا بیان حدیثوں میں آیا ہے اور ان کی تفصیل اسلامی وظائف میں موجود ہے ۔ مالابار والے غالباً اس حدیث پر عمل کرتے ہوں جس میں فرض اور نفل کے درمیان فصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ جیسا کہ مسلم میں ہے ۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِذَٰلِكَ أَنْ لَا نُوْصِلَ بِصَلَاةٍ حَتّٰى

تَتَكَلَّمَ أَوْ نَخْرُجَ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے ایک نماز کو دوسری نماز سے نہ ملائیں یہاں تک کہ کلام کرے یا وہاں سے نکل جاوے اور بخاری میں ہے کَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ يُصَلِّي فِي مَكَانِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ الْفَرِيضَةَ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جہاں فرض پڑھتے تھے اسی جگہ نفل بھی پڑھ لیتے تھے اور ابوداؤد میں مرفوعاً ہے۔ لا يصلى الامام فى موضع الذى صلى فيه حتى يتحولَ الخ بخاری میں کہا ہے اسنادہ منقطع ممکن ہے مالاباری لوگ اس پر عمل کرتے ہوں فاصلہ زمانی اور مکانی دونوں کا احتمال ہے۔ اور یہ ضروری نہیں ہے۔

(مولانا) عبدالسلام بستوی دہلوی　　　　اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۲

سوال : قنوت میں رفع یدین کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب : دعاء قنوت میں رفعیدین کرنا صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے چنانچہ اسود سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ دعائے قنوت میں سینہ تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ عمرؓ صبح کی نماز میں ہمارے ساتھ دعاء قنوت پڑھتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو ظاہر ہو جاتے اور خلاس سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا کہ نماز فجر کی دعاء قنوت میں اپنے بازو آسمان کی طرف لمبے کرتے اور ابوہریرہؓ ماہ رمضان میں دعاء قنوت کیوقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور ابوقلابہ اور مکحول بھی رمضان شریف کے قنوت میں اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور ابراہیم سے قنوت وتر سے مروی ہے کہ وہ قراۃ سے فارغ ہو کر تکبیر کہتے اور ہاتھ اٹھاتے پھر دعائے قنوت پڑھتے پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اور روایت ہے وکیع سے وہ روایت کرتا ہے محل سے وہ ابراہیم سے کہ ابراہیم نے محل کو کہا کہ قنوت وتر میں یوں کہا کرو اور وکیع نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں کے قریب تک اٹھا کر بتلایا اور کہا کہ پھر چھوڑ دیوے ہاتھ اپنے اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے نماز صبح میں دعاء قنوت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور سفیان سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو دوست رکھتے تھے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھ کر پھر تکبیر کہے اور دونوں ہاتھ اٹھا دے پھر دعائے قنوت پڑھے امام احمد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ قنوت میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دے کہا ہاں مجھے یہ پسند آتا ہے۔ ابوداؤد نے کہا کہ میں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا اسی طرح شیخ احمد بن علی المقریزی کی کتاب مختصر قیام اللیل میں ہے اور ابومسعود اور ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی ان قاریوں کے بارے میں جو معونہ کے کنوئیں میں مارے گئے قنوت وتر میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا مروی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تحقیق میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں پر جنہوں نے قاریوں کو قتل کیا تھا ہاتھ اٹھا کر بد دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایسے ہی بیہقی کی کتاب مسمیٰ معرفت میں ہے۔ حررہ عبدالجبار الغزنوی عفی عنہ　　　فتاویٰ غزنویہ صد ۱۰

سوال: وتروں میں دعاء قنوت پڑھتے وقت مقتدیوں کو آمین کہنا سنت ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخیر رکعت میں جس وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو آپ بنی سُلیم میں سے چند قبیلوں رعل اور ذکوان اور عصیہ پر بد دعا کرتے تھے اور آپ کے پیچھے مقتدی آمین کہتے تھے اور حضرت عمرؓ دعا قنوت پڑھتے تھے اور پیچھے مقتدی آمین کہتے تھے اور امام مالکؒ سے مروی ہے کہ رمضان شریف کے نصف سے امام دعاء قنوت پڑھے اور پیچھے مقتدی آمین کہیں اور ابو داؤد نے کہا میں نے خود سُنا ہے کہ امام احمدؒ دعا قنوت سے پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پسند یہ بات ہے کہ امام دعائے قنوت پڑھے اور پیچھے مقتدی آمین کہیں۔ حررہ عبدالجبار ابن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما　　　(فتاویٰ غزنویہ صد ۱۰۵)

سوال: پنج وقتی نماز کے بعد تسبیح اور مناجات پڑھنے کے بارہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟

جواب: نماز صبح کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ سو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز ظہر کے بعد اگر فرصت ہو تو حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پانچسو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور اگر فرصت نہ ہو تو ۷۰ مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز عصر کے بعد تسبیح فاطمہ کہ جو مشہور ہے پڑھنا چاہیے اور نماز مغرب کے بعد کلمہ تمجید سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ پانچسو مرتبہ پڑھنا چاہیے اور نماز عشاء کے بعد درود شریف چاہیے کوئی درود شریف ہو۔ سو مرتبہ مدینہ منورہ کی طرف رُخ کر کے پڑھنا چاہیے۔　　(فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۱۱۶)

سوال: برقعہ جو عورتیں پہنتی ہیں اس میں چہرہ کھلا رہنا جائز ہے۔ کیونکہ نماز میں عورتوں کا منہ کھلا رہتا ہے اس وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز میں جو حکم ہے وہی حکم نماز سے باہر ہے۔ اس کی دلیل میں حدیث واضح پیش کی جائے؟

جواب: اجنبی مردوں کے سامنے نماز پڑھ رہی ہوں تو چہرہ چھپا کر پڑھیں اور اگر تنہا پڑھیں یا اپنے محرم کے سامنے پڑھیں تو چہرہ کا چھپانا ضروری نہیں۔ تفسیر ابن جریر اور اسلامی پردہ صد ۳۳ میں اس کی تفصیل موجود

ہے نماز کا حکم اور ہے اور باہر اجنبی لوگوں کے سامنے کا حکم اور ہے ایک دوسرے پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

(مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی) (اہل حدیث دہلی جلد ۵ ش ۲)

سوال: جوتا پہن کر مسجد میں نماز پڑھنا شریعت محمدی میں جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: جوتا پاک تو مثل کپڑے کے ہے نماز بھی جائز ہے۔ ناپاک ہے تو بحکم خدا "فاخلع نعلیک" قابل پھینکنے کے ہے۔ غیر طاہر حالت میں جس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ غیر مدبوغ چمڑہ کا جوتہ ہو یہ تو طاہر نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی چمڑہ کا جوتہ موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ جیسا کہ تفسیر[1] سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دباغت دیے ہوئے چمڑے کا جوتہ ہو تو یہ بحکم اَیُّمَا اِھَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَھُرَ۔ بنفسہٖ پاک ہے خارجی نجاست مرئی سے ناپاک ہوتا ہے جس کے پاک کرنے کا طریقہ شریعت محمدی میں صرف صاف سوکھی زمین پر رگڑ لینا[2] ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم المسجد فلینقلب نعلیہ ولینظر فیھما فان راٰی خبثا فلیمسحہ فی الارض ثم لیصل فیھما (احمد و ابوداود) مسجد کے باہر جوتے کی تلی الٹ کر دیکھ لے اگر گندگی دیکھے تو زمین پر رگڑ لے اس کے بعد انہیں جوتوں کو پہنے ہوئے نماز پڑھ لے۔ آپ نے "فاخلع نعلیک" جوتے کو پھینک دے نہیں فرمایا اگر ایسا فرمان ہو تو مطلع فرمائیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اِذَا وَطِئَ اَحَدُکُمْ بِنَعْلِہٖ الاذی فَاِنَّ التُّرَابَ لَہٗ طَھُوْرٌ" جوتے میں اگر گندگی لگ جائے تو اس کو پاک مٹی سے ہو جاتی ہے۔

حکیم عبدالرزاق از رنگون (اخبار محمدی دہلی جلد ۱۰ ش ۱۲)

---

[1] تفسیری واقعات وہ حجت ہیں جو مرفوعا صحیح سند سے ثابت ہوں، ورنہ حجت نہیں۔ ناپاک جوتے کو پیغمبر کی طرف منسوب کرنا بڑی جسارت ہے ۱۲ علی محمد سعیدی

[2] زمین پر رگڑ لینا کافی ہے۔ لیکن رگڑنے کے بعد پانی سے دھو لینا افضل ہے۔ جیسا کہ ڈھیلوں سے استنجاء کرنا جائز اور کافی ہے۔ صفائی حاصل ہو جائے گی۔ لیکن بعد میں پانی سے استنجاء کرنا افضل ہے۔ جیسا کہ حدیث اور قرآن سے واضح ہے۔ ۱۲ علی محمد سعیدی

سوال : بدن پر کپڑے ہوتے ہوئے سر پر سے ٹوپی یا پگڑی اتار کر رکھ دینی اور کوئی عذر بھی نہ ہو اور ہمیشہ اس طرح نماز پڑھنا اگرچہ فرض نماز باجماعت مسجد میں ہو اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہؓ سے ثبوت ملتا ہے؟ اگر ملتا ہے تو عبارت مع صفحہ تحریر فرماویں۔ ۲۔ ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانک کر اگر سر ڈھانک کر نماز پڑھنی افضل ہے تو اس کی دلیل پیش فرمائیے گا؟ (عبداللہ خطیب جامع مسجد اہلحدیث ڈیرہ غازیخان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب : وباللہ التوفیق ، متذکرہ صدر سوال پر تین وجوہ سے غور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ مطلق جواز اور اباحت کے لحاظ سے ۲۔ افضلیت یعنی آں حضرت اور صحابہ کے عام عمل کے لحاظ سے ۳۔ حرمت اور عدم جواز کے لحاظ سے۔

نماز میں ستر مغلظ (شرمگاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے ان میں سے اگر کوئی حصہ ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی اور ان اعضاء کو ننگا رکھنا شرعاً حرام ہے۔ بہز بن حکیم سے مروی ہے ، اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْ مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (رواہ الخمسۃ الا النسائی) بیوی اور مملوکہ کے سوا اعضاء ستر دیکھنے کا کسی کو موقع نہ دے۔

شوکانی فرماتے ہیں ، والحق وجوب ستر العورة فی جمیع الاوقات الا وقت قضاء الحاجة وافضاء الرجل الی اھلہ (نیل الاوطار ص۶۱ ج ۲)

حد ستر میں اہل علم مختلف ہیں جمہور ناف سے گھٹنے تک ڈھکنا ضروری سمجھتے ہیں۔ بعض صرف ران ڈھانپنا واجب سمجھتے ہیں۔ امام احمد اور امام مالک سے ایک روایت میں آیا ہے العورة القبل والدبر (نیل الاوطار ص۶۲ ج۲)

غرض ستر کی جو حد بھی اہل علم کے نزدیک ہے اگر اسے ننگا رکھا جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ اعضاء ستر کو ویسے بھی ننگا رکھنا درست نہیں۔ نماز میں تو قطعاً حرام اور ناجائز ہوگا۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔ اس کے لئے نہ بحث کی ضرورت ہے نہ احادیث کی شمول کی ضرورت۔ جس طرح کوئی پنڈلی ، پیٹ ، پشت وغیرہ اعضاء ننگے ہوں تو نماز جائز ہے۔ سر ننگے بھی درست ہے۔ لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیئے۔ امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف کرے یا مقتدی کوئی ایسی حرکت کریں ، حدیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔ لیکن عقل مند ایسا کرنے سے پرہیز کرے گا۔ ننگے سر کی عادت بھی قریباً اسی نوعیت کی ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات عقل وفہم کے خلاف ہیں۔ عقلمند اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

آنحضرت ، صحابہ کرام اور اہل علم کا طریق وہی ہے جو اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہا ہے۔

کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کا جواز ثابت ہو خصوصاً با جماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے۔

امام بخاری فرماتے ہیں، باب وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب وقول اللہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد ومن صلی ملتحفا فی ثوب واحد ویذکر عن سلمۃ بن الاکوع ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یزرہ ولو بشوکۃ فی اسنادہ نظر الخ (صحیح بخاری مع فتح مطبوعہ مصر ص۳۱۸ جلد ۱) امام بخاری کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضاء ستر ڈھانپنے کے علاوہ اچھے کپڑوں میں ادا ادا کی جائے۔ عام ذہن کے لوگوں کو اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے۔ کہ ایک کپڑے میں نماز کی جائے، تو سر ننگا رہے گا۔ حالاں کہ ایک کپڑے کو اگر پوری طرح لپیٹا جائے تو سر ڈھکا جا سکتا ہے۔

اس مضمون کی احادیث ام ہانی، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، عمر بن ابی سلمہ، طلق بن علی وغیرہ سے صحیح بخاری وسنن ابی داؤد وغیرہ دواوین سنت میں موجود ہیں لیکن کسی میں سر ننگا رکھنے کا ذکر نہیں، خصوصاً جس میں عادت اور کثرت عمل ثابت ہو، پھر احادیث میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صورت یا تو صرف اظہار جواز کے لئے ہے۔ یا کپڑوں کی کم یابی کی وجہ سے۔ ان حالات سے جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب ظاہر نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے۔ اولکلکم ثوبان (ابو داؤد) طلق کی روایت میں ہے۔ اوکلکم یجد ثوبین (ابو داؤد مع عون ص۲۴۲) کیا سب لوگ دو کپڑے میسر آ سکتے ہیں۔

حضرت عمر رض کے اثر میں مزید تفصیل ملتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسئلہ عن الصلوٰۃ فی الثوب الواحد فقال اوکلکم یجد ثوبین ثم سئل رجل عمر فقال اذا وسع اللہ فاوسعوا جمع رجل علیہ ثیابہ صلی رجل فی ازار ورداء فی ازار وقمیص فی ازار وقباء فی سراویل ورداء فی سراویل وقمیص فی سراویل وقباء فی تبان وقباء فی تبان وقمیص قال واحسبہ قال فی تبان ورداء (صحیح بخاری)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آدمی نے ایک کپڑے میں نماز کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا! جب اللہ تعالیٰ وسعت دے تو نماز میں بھی وسعت سے کام لینا چاہیے اس کے بعد حضرت عمر رض نے حسب استطاعت نماز میں لباس کی مختلف قسموں کا ذکر فرمایا۔ حضرت عمر کا ارشاد حکم ہو یا صرف خبر اس میں کپڑوں کی قلت اور عدم استطاعت صراحتہً سمجھ میں آتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہو سکیں اور کوئی مانع نہ ہو تو

تکلف سے مسکنت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔ ابن منیر فرماتے ہیں: الصحیح انہ کلام فی معنی الشرط کانہ قال ان جمع رجل علیہ ثیابہ فحسن اھ (فتح ص ۳۳۱) اگر ایک سے زائد کپڑے نماز میں استعمال کرے تو بہتر ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی ھذا الحدیث دلیل علی وجوب الصلوٰۃ فی الثیاب لما فیہ من ان الاقتصار علی الثوب الواحد کان لضیق الحال وفیہ ان الصلوٰۃ فی الثوبین افضل من الثوب الواحد وصرح القاضی عیاض بنفی الخلاف فی ذالک اھ (فتح الباری ص ۳۳۱)
اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستطیع کے لئے زیادہ کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے۔ کیوں کہ ایک کپڑے کی اجازت صرف تنگی کی وجہ سے تھی اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ نماز میں دو کپڑے استعمال کرنا افضل ہے۔ غرض کسی حدیث سے بھی بلا عذر ننگے سر نماز کو عادت اختیار کرنا ثابت نہیں، محض بے عملی یا بدعملی یا کس کی وجہ سے یہ رواج بڑھ رہا ہے۔ بلکہ جہلاء تو اسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔ العیاذ باللہ

اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر فرماتے ہیں۔
اذا صلی احدکم فلیاتزر ولیرتد اھ (سنن کبریٰ ص ۲۳۶) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر مرفوعاً فرماتے تھے اذا صلی احدکم فلیلبس ثوبیہ فان اللہ عزوجل احق ان یزین لہ الخ (سنن کبریٰ) نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر نے مرفوعاً فرمایا نماز دو کپڑوں میں پڑھو اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسبت ہے۔ نافع فرماتے ہیں میں ایک دن اونٹوں کی گھاس کے سلسلہ میں نماز سے پیچھے رہ گیا، عبداللہ بن عمر آئے تو میں ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں ہیں میں نے عرض کیا، وہ بھی موجود ہیں آپ نے فرمایا ارئیت لو بعثتک الی بعض اھل المدینۃ اکنت تذھب فی ثوب واحد قلت لا قال فاللہ احق ان یتجمل لہ؟ الخ (ص ۲۳۶ بیہقی سنن) اگر میں مدینہ میں کسی کے پاس تمہیں بھیجتا تو تم ایک کپڑے میں جاتے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اللہ کی بارگاہ میں زینت سے حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ ان احادیث میں سر ڈھانپنے کی صراحت نہیں لیکن دو کپڑوں سے سر ڈھانپنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔ کپڑا موجود ہو تو سر ننگے نماز ادا کرنا یا ضد سے ہوگا یا قلت عقل سے۔ نیز یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنا مستحب اور مسنون ہے۔ آیت خذوا زینتکم کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

ابوداؤد میں ایک اثر ہے۔ جس سے شاید کوئی کم سواد آدمی استدلال کرے۔ حدثنا عبداللہ بن محمد الزھری ثنا سفیان بن عیینۃ قال رأیت شریکا صلی بنا فی جنازۃ العصر فوضع قلنسوتہ بین

يصلي به بعض في فريضة (ابوداؤد مع عون) یعنی شریک نے فرضوں کی نماز بوقت عصر ٹوپی اتار کر پڑھی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔ اما اول تو یہ نہ مرفوع حدیث ہے نہ کسی صحابی کا اثر۔ دوم معلوم نہیں یہ شریک کون بزرگ ہیں شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں یا شریک بن عبداللہ بن ابی نمر تابعی۔ ان دونوں میں کم و بیش ضعف ہے۔ لیکن یہ ان کا عمل ہے جو کسی طرح بھی قابلِ حجت نہیں۔ سوم امام ابوداؤد نے اسے باب الخط اذا لم يجد عصا میں ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیوں کہ جب انہیں سترہ کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔ ضرورت اور عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں، بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ حافظ عینی نے شرح بخاری میں مختلف مذاہب کے ذکر میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ ایک کپڑے میں درست ہے لیکن جب وسعت ہو کپڑے میسر آسکیں تو پھر ایک پر اقتصار مستحسن نہیں۔ حافظ ابن قدامہ مقدسی فرماتے ہیں الفصل الثاني في فضيلة وهو ان يصلي في ثوبين او اكثر فان ذا ابلغ في الستر ويروى عن عمر انه قال اذا وسع الله فاوسعوا اه مغنی ابن قدامہ مع الشرح یعنی فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیوں کہ اس میں ستر اور پردہ زیادہ ہوگا۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے۔ جب اللہ مال میں وسعت فرمائیں تو آدمی کو وسعت سے کام لینا چاہیئے اس کے بعد تمیمی کا قول ذکر فرمایا ہے۔ الثوب الواحد يجزي والثوبان احسن والاربع اكمل قميص وسراويل وعمامة وازار اه (ابن قدامہ ص ۲۲) ایک کپڑا جوازِ نماز کے لئے کافی ہے دو کپڑے بہتر ہیں چار ہوں تو نماز اکمل ہوگی۔ قمیص، پاجامہ، پگڑی اور ازار۔ ان تمام گذارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلا وجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ اور بھی نامناسب ہے۔

آنحضرت کے زمانہ میں پگڑی کے متعلق تحنیک کا رواج تھا یعنی پگڑی کا ایک لپیٹ گردن کے نیچے سے باندھتے تھے آج کی عربی پگڑیاں اور ہماری پگڑیاں اس وقت کی پگڑیوں سے وضع میں مختلف ہیں ایسی پگڑی کا اتارنا اور بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ والتفصیل وقت آخر۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے۔ اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو، تو ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ والسلام

یہی استفتاء مولانا سید داؤد غزنوی سے بھی کیا گیا تھا۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے جواب موصول ہونے کے بعد [illegible] مختصر جواب جو لکھا ہے وہ بھی ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ (الاعتصام)

اقول وباللہ التوفیق ننگے سر نماز پڑھنے کے متعلق میں نے طالب علمی کے زمانہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت الامام مولانا عبدالجبار الغزنوی نوراللہ مرقدہٗ سے کہا تھا۔ انہوں نے اس کا مختصر مگر بڑا جامع جواب ارشاد فرمایا وہ عرض کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ سر اعضاء ستر میں سے تو نہیں لیکن نماز میں سر ننگا رکھنے کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مرد کے کندھے بھی اعضاء ستر میں سے نہیں لیکن صحیح بخاری میں ہے۔ لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شئی۔ یعنی ایک کپڑے میں کوئی نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ اس کے بعد فرمایا کہ مؤطا اور فتح الباری دیکھ لو۔ مؤطا میں امام مالک فرماتے ہیں۔ قال مالک احب الی ان یجعل الذی یصلی فی القمیص الواحد علی عاتقیہ ثوبا او عمامۃ قال الزرقانی لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ شئی۔ کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے دونوں کندھوں پر کپڑا اڈالے یا اپنے سر پر عمامہ باندھے۔ اس کی شرح میں زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ فتوے اس حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھے پر کپڑا نہ ہو۔

مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑھنے پڑھانے والے امام مالکؒ کی اس اصطلاح سے واقف ہیں جب کسی مسئلہ کے متعلق وہ فرماتے ہیں "احب الی" (میرے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے) اس سے مراد وجوب ہوتا ہے جس کی تصریح حافظ ابن عبدالبر اور دیگر شارحین مؤطا نے کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث، لیس علی عاتقہ شئی کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ لیحصل الستر لجزء من اعالی البدن وان کان لیس بعورۃ یعنی کندھوں کو کپڑے سے ڈھانکنے کا حکم اس لئے آپ نے دیا تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت یعنی اعضاء ستر میں سے نہیں ہے۔ زرقانی نے امام مالک کا ایک اور قول بھی نقل کیا ہے۔ جو سائل کے سوال کے جواب کے لیے کافی واضح ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال مالک فی المبسوط لیس من امر الناس ان یلبس الرجل الثوب الواحد فی الجماعۃ فکیف بالمسجد وقال تعالیٰ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (زرقانی ج ۱) یعنی امام مالکؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ایک کپڑے میں نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں چہ جائیکہ ان کو مسجد میں اجازت دی جائے کیوں کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ کہ تم ہر نماز کے وقت لباس پہنا کرو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اختیارات میں فرماتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ امر بقدر زائد علی ستر العورۃ فی الصلوۃ وھو اخذ الزینۃ فقال

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (ملا) یعنی اللہ تعالیٰ نے نماز کے لئے ستر عورۃ (اعضاء ستر کے ڈھانکنے) کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیا ہے۔ اور وہ ہے اچھا لباس پہننا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ اس کی مزید تاکید حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے صاحب مغنی نے حافظ عبد البر سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عمر رضہ نے نافع کو دیکھا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ فرمایا تم دو کپڑے نہیں پہن سکتے ہو؟ نافع نے عرض کیا، جی ہاں پہن سکتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضہ نے فرمایا اگر تمہیں محلہ میں کسی کے پاس بھیجا جائے تو تم ایک کپڑے میں جاؤ گے؟ نافع نے عرض کیا۔ ایسا تو نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمر رضہ نے فرمایا:۔ فاللہ احق ان یزین له ام الناس؟ قلت بل اللہ (مغنی ج۱) پس اللہ عزوجل اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی حاضری کے لئے زینت کا لباس پہنا جائے یا لوگ اس کے مستحق ہیں؟ نافع نے عرض کیا نہیں حضور! اللہ ہی اس کے مستحق ہیں۔

ابتدائے عہد اسلام کو چھوڑ کر جبکہ کپڑوں کی قلت تھی، اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں بصراحت یہ مذکور ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام نے مسجد میں اور وہ بھی نماز با جماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔ چہ جائیکہ معمول بنا لیا ہو۔ اس لئے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے۔ بند کرنا چاہیئے، اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبداً اور خضوع اور خشوع وعاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے، تعبداً یا خشوع وخضوع کی علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ ولا یأتون الصلوٰۃ الا وھم کسالی (نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر) غرض ہر لحاظ سے یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔ فقط العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود سید محمد داؤد الغزنوی ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۷۹ھ (الاعتصام جلد ۱۱ ش ۱۸)

سوال: امامت کا زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ اندھے اور لنگڑے کا امام بننا درست ہے یا نہیں اور ان کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ صحیح حدیثوں سے جواب دیا جائے؟ بینوا توجروا۔

جواب: امامت کا سب سے زیادہ وہ شخص مستحق ہے جو کتاب وسنت کا زیادہ جاننے والا اور قرآن مجید کا اچھا پڑھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا، متقی پرہیزگار، خوش خلق، شریف اور زیادہ عمر والا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (دار قطنی) یعنی اپنے بہترین آدمیوں کو امام بنایا کرو کیونکہ وہ تمہارے اور خدا کے درمیان وکیل اور تمہارے نمائندے ہوتے ہیں۔

(۲) ان سرکم ان تقبل صلوٰتکم فلیؤمکم خیارکم (طبرانی) یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہو تو بہترین و پرہیز گار آدمیوں کو امام بنایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یؤم القوم اقرأھم لکتاب اللہ فان کانوا فی القرأۃ سواءً فاعلم بالسنۃ فان کانوا فی السنۃ سواء فاقدمھم سنًا۔ (رواہ مسلم و نیل الاوطار ص۱۵۷ جلد ۳) یعنی امامت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جس کو سب سے زیادہ قرآن یاد ہو اور اگر قرآن مجید کے پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص زیادہ حق دار ہے۔ جو سنت سے زیادہ واقفیت رکھتا ہو اور اگر کتاب و سنت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص زیادہ مستحق ہے جو سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو۔ اور اگر ان سب باتوں میں سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ عمر والا ہے علی الترتیب۔

(الجواب ۲) اگر اندھے میں مذکورہ باتیں سب موجود ہیں اور طہارت و صفائی کا محتاط ہے تو اندھے کو امام بنایا جا سکتا ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم اور عتبان ابن مالک امام بن کر نماز پڑھایا کرتے تھے اور یہ دونوں نابینا تھے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینۃ مرتین یصلی بھم وھو اعمٰی (احمد ابوداؤد)

حضرت محمود ابن ربیع رض سے مروی ہے۔ ان عتبان بن مالک کان یؤم قومہ وھو اعمٰی۔ الی اخرہٖ (بخاری) ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے کو امام بنانا درست ہے۔ "وھو اعمٰی" کے تحت امام شوکانی نیل الاوطار ص۱۶۱ جلد ۳ میں فرماتے ہیں۔ فیہ جواز امامۃ الاعمٰی وقد صرح ابو اسحاق المروزی و الغزالی بان امامۃ الاعمٰی افضل من امام البصیر لانہ اکثر خشوعًا من البصیر لما فی البصیر شغل القلب المبصرات۔

(الجواب ۳) اگر اندھے میں استحقاق امامت کی حسب بیان حدیث مذکور علی الترتیب تمام باتیں پائی جاتی ہیں اور وہ ارکان صلوٰۃ بمقدار فرض ادا کر لیتا ہو تو اس کی امامت درست ہے اور مقتدیوں کی نماز بلا کراہت صحیح ہے۔ کیونکہ فطری و قدرتی طور پر معذور ہے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ لیس علی الاعمٰی حرج ولا علی الاعرج حرج (نور) مجبوری کے حالات میں امام جالس کے پیچھے اقتدا درست ہے تو اعرج (لنگڑے) کے پیچھے بھی اقتدا درست ہوگی۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک میں موچ آگئی تھی جس سے

آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور آپ نے فرمایا: صلوا کما رأیتمونی اصلی (بخاری) یعنی جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تم بھی اسی طرح پڑھ لیا کرو۔

اگر بیماری یا بعض جسمانی کمزوریوں کی وجہ سے اپنی کہنیوں کو سجدہ کی حالت میں سہارا لینے کے لئے آپ نے گھٹنوں سے ملا دیا ہے۔ تب بھی نماز درست ہو جاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ استعینوا بالرکب۔ (ترمذی) واللہ اعلم بالصواب　　مولانا عبدالسلام بستوی دہلی اخبار اہل حدیث دہلی۔ یکم جولائی ۱۹۵۹ء

سوال:۔ آج کل عام طریقہ مساجد میں دیکھا جا رہا ہے کہ وقت جماعت ہر کس و ناکس امام کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے، حالانکہ مسجد میں اہل علم اور دوسرے حضرات بھی نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہوتے ہیں، بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل جاہل ہوتے ہیں۔ جن کو نہ نماز آتی ہے اور نہ ضروری مسائل گویا ایک طرح کے نو مسلم ہیں وہ بھی زبردستی امام کے پیچھے ڈٹ جاتے ہیں۔ اگر ان کو منع کرو تو سخت ناراض ہوتے ہیں اور ضد کے ساتھ پہلے آکر نشانی رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ امام صاحبان بھی کچھ تمیز نہیں رکھتے اور اپنے پیچھے بیٹھنے والوں کا کوئی انتظام نہیں رکھتے اہل علم اور دوسرے ان کے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی پہلے آ جائے یا نشانی رکھ دے تو ہم منع نہ کریں گے وہ اس کی جگہ ہو گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع محمدی میں اس بارے میں کوئی بیان ہو تو صرف قرآن و حدیث سے تحریر کریں؟ امام کے پیچھے کھڑے ہونے کے زیادہ درجہ بدرجہ کون مستحق ہیں اور امام پر اس بارے میں کوئی ذمہ داری ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ امام کے قریب بالغ سمجھ دار لوگوں کو کھڑا ہونا چاہیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ (الحدیث ترمذی) میرے قریب عقلمندوں اور بالغوں کو کھڑا ہونا چاہیے پھر ان کے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں عقل اور بلوغ میں پھر وہ لوگ کھڑے ہوں جو ان کے قریب ہوں۔ روضۃ الندیہ میں ہے:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب ان یلیہ المھاجرون والانصار لیاخذوا عنہ قال فی الحجۃ وذلک تشریع لاولی الاحلام تقدم من ہم علیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار و مہاجرین کو اپنے پاس کھڑے ہونے کو پسند فرماتے تھے۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں اس حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:۔ فیہ مشروعیۃ تقدم اھل العلم والفضل لیاخذوا عن الامام ویاخذ عنھم غیرھم لانھم احفظ بضبط صفۃ الصلوٰۃ ان حدیثوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل علم و اہل فضل امام کے پیچھے کھڑے

ہو۔ نمکے زیادہ مستحق ہیں امام صاحب کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیال رکھتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب مولانا عبد السلام بستوی (اخبار اہل حدیث جلد ۲ ش ۱۷)

سوال: تسبیح کے دانوں یا چنے، گیہوں کے دانوں پر ذکر اللہ کرنا کیسا ہے؟ کن موقعوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کرنے سے منع فرمایا ہے کیا مسجد میں داخل ہوتے وقت کو حاضرین السلام علیکم کہہ سکتے ہیں؟

جواب: کھجور کی گٹھلی اور سنگریزوں پر ذکر اللہ اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دونوں چیزوں پر صحابہ کو تسبیح پڑھتے دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔ لیکن افضل ہاتھ کی انگلیوں پر پڑھنا آیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا: واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات (الخ)

لیکن مروجہ طریقہ پر عام مسجدوں میں چنے اور گیہوں وغیرہ کے دانوں پر پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ بعض کے نزدیک بدعت ہے اس سے بچنا اور دوسروں کو بچانا چاہیے۔

مندرجہ ذیل مقامات پر سلام کرنا منع ہے۔ صاحب تفسیر جلالین نے آیۃ فحیوا باحسن منھا اوردوھا کے تحت شرح کرتے ہوئے لکھا ہے، وخصت السنۃ الکافر والمبتدع والفاسق والمسلم علی قاضی الحاجات ومن فی الحمام والاکل فلا یجب الرد علیھم بل یکرہ فی غیر الاخیرین یقال للکافر وعلیک یعنی کافر، بدعتی، فاسق کو سلام نہ کرے اور اگر کافر سلام کرے تو اس کو جواب میں صرف لفظ "وعلیک" یا وعلیکم کہنا چاہیے اسی طرح ایسے شخص کو بھی سلام نہیں کرنا چاہیے جو غسل خانہ میں ہو یا کھانا کھا رہا ہو، چھوٹے یا بڑے استنجے میں مشغول ہو، اگر کسی شخص نے غلطی سے یا نادانی سے ان لوگوں کو سلام کر لیا تو ان کا جواب دینا جائز نہیں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کر لینا چاہیے۔ حضرت مولانا عبد السلام صاحب بستوی (اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۲ ش ۱۲)

سوال: مسلمانوں کی اکثریت نماز اور غیر نماز تمام اوقات میں محض ٹوپی بغیر عمامہ کے استعمال کرتی ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرامؓ نے کبھی یا ہمیشہ ٹوپی بغیر پگڑی کے استعمال کی ہے؟

جواب: نماز میں اور نماز سے باہر ہمیشہ یا کبھی صرف ٹوپی استعمال کرنا بلاشبہ جائز اور مباح ہے پگڑی باندھنی نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت مؤکدہ اور حدیث ان فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس (ترمذی ابوداؤد) ضعیف ہے۔ اور اگر صحیح بھی مان لی جائے تو ابن الملک وغیرہ شراح کے بیان کردہ معنی کے مطابق اس حدیث سے صرف ٹوپی پہننے کی کراہت نہیں ثابت ہوتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ امام ابن القیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں۔ وکان یلبسها (ای العمامة) ویلبس تحتها القلنسوة وکان یلبس القلنسوة بغیر عمامة ویلبس العمامة بغیر قلنسوة (انتہی، ص ۳۳ ج ۱) اور جامع ترمذی ص ۲۰۰ جلد ا میں ہے، عن ابی یزید الخولانی انه سمع فضالة بن عبید یقول سمعت عمر بن الخطابؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الشهداء اربعة رجل مومن جید الایمان لقی العدو فصدق اللہ حتی قتل فذلك الذی یرفع الناس الیه اعینهم یوم القیمة هکذا ورفع راسه حتی وقعت قلنسوته فلا ادری قلنسوة عمر اراد ام قلنسوة النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث۔ اور جامع صغیر للسیوطی میں ہے کان (صلی اللہ علیہ وسلم) یلبس القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس وکان یلبس القلانس الیمانیة الحدیث (الرویانی وابن عساکر عن ابن عباس) اور صحیح بخاری شریف میں ہے وضع ابواسحق قلنسوته فی الصلوٰة ورفعها اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابواسحٰق سبیعی جو کبار تابعین سے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں اور اڑتیس صحابیوں سے حدیث روایت کی ہے۔ نماز بھی صرف ٹوپی کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

محدث دہلی جلد ۸ ش ۳

سوال: صبح کی نماز میں دعاء قنوت میں قرآنی دعاؤں کو مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: فجر کی نماز میں بلاعذر قنوت پر مداومت نہیں کرنی چاہیے۔ اللهم اهدنا فیمن هدیت الخ کے ساتھ یا اس کے بغیر یہ دعا بھی پڑھنی مناسب ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَانْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَعَدُوِّهِمْ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ كَفَرَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ وَيُقَاتِلُوْنَ

اَوْلِیَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَهُمْ وَاَنْزِلْ بِهِمْ بَاْسَكَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ۔ قنوت میں قرآنی دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ حنفیہ قنوت وتر میں صحف ابی کے مطابق سورۃ الحفد وسورۃ الخلع پڑھنے کے مدعی وقائل ہیں۔ محدث دہلی جلد ۸ ش ۱۲

سوال: ایک دیوبندی مولوی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کی رو سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو منع بتاتا ہے کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہے؟

(۲) ہمارے گاؤں کے فجر کی نماز جماعت بہت دیر کر کے شروع ہوتی ہے۔ تقریباً آفتاب طلوع ہونے سے دس منٹ پہلے ہوتی ہے۔ کیا یہ طریقہ سنت کے مطابق ہے؟

جواب (سوال ۱) اس آیت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے پر دلیل پکڑنی اپنے مذہب اور اصول اور اقوال علماء حنفیہ سے بے خبری اور ناواقفی پر مبنی ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہ سری نمازیں فاتحہ پڑھنی چاہیئے نہ جہری میں اور اس دعوے پر اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیکن مولانا عبدالحئی حنفی رح لکھتے ہیں کہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اس آیت سے سری نمازوں میں مطلقاً اور جہری نمازوں میں امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھنے کی ممانعت قطعاً ثابت نہیں ہوتی۔ (امام الکلام ص۱۰۲) اسی طرح اور محققین حنفیہ نے بھی لکھا ہے اور مولوی انور شاہ مرحوم کہتے ہیں واعلم ان الانصات والاستماع یختصان علی الجهرية فان الانصات مقدمة للاستماع ومعناه التهيؤ للاستماع (فیض الباری ص۲۶۸) آگے چل کر کہتے ہیں: وقد مر منی ان الاية تقتصر علی الجهرية فقط فلا تقوم حجة عليهم في حق السرية (ایضاً ص۲۱۹) علمائے حنفیہ کے باہمی اختلاف کی یہ کیسی افسوس ناک مثال ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اس آیت سے دونوں نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اس آیت سے کسی نماز میں بھی ممانعت نہیں ثابت ہوتی۔ تیسرا کہتا ہے صرف جہری میں ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ فیا للعجب۔ مفصل اور مبسوط بحث "تحقیق الکلام" ہر دو حصہ میں ملاحظہ کیجئے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

(۲) اتنی دیر کر کے فجر کی جماعت شروع کرنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دائمی طریقے کے خلاف ہے۔ آنحضورﷺ اور خلفائے راشدین ہمیشہ غلس (تاریکی) میں نماز پڑھتے رہے اور اس قدر دیر کر دینی تو حنفیہ کے بھی خلاف ہے۔ مولوی انور شاہ کہتے ہیں: وحد الاسفار عندنا ان یفرغ

عنہا وقد بقی علیہ من الوقت ما لو اعاد فیہ صلاتہ لعارض وسع قبل الطلوع مع رعایۃ السنن

(فیض الباری ص۱۳۱)　　　محدث دہلی جلد ۹ ش ۵

سوال : نماز میں آستین چڑھاتے رکھنا کیسا ہے؟

جواب : نا مشروع ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔　فتاوےٰ ستاریہ جلد اول ص۹۶

سوال : ریل گاڑی میں نماز پڑھنا بدعت ہے یا جائز ہے؟

جواب : ریل گاڑی کی کوئی تخصیص نہیں عام سواری پر جو اپنے قبضہ و قدرت کی ہو نفل نماز پڑھنی جائز درست ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر حسب ضرورت پڑھ لیا کرتے تھے اور جو اپنے قبضہ و قدرت کی نہ ہو۔ اس پر فرض و نوافل دونوں پڑھنے جائز و درست ہیں۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اَلدِّیْنُ یُسْرٌ والشاحیثما ادرکت الصلوٰۃ فصل۔ الحدیث　فتاوی ستاریہ ص۸۲/۱

سوال : زید کہتا ہے کہ جس وقت کوئی مسلمان مسجد میں وضو کر کے آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہ بیٹھے۔ بکر کہتا ہے کہ بیشک افضل بہتر یہی ہے لیکن اگر بغیر پڑھے دو رکعت کے بیٹھ جائے تو اس کے لئے کوئی جرم و وعید نہیں ہے۔ ہاں اگر جمعہ کے دن آئے تو بغیر پڑھے دو رکعت کے نہیں بیٹھ سکتا گو امام خطبہ ہی کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ الغرض زید اس کا مخالف ہے اب آیا زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

جواب : دونوں میں سے بکر کا قول ہے صحیح ہے۔　فتاوےٰ ستاریہ جلد اول ص۸۴/۱

سوال : زید کہتا ہے کہ جس کی کہنی کھلی ہوئی ہو اس کی نماز مکروہ ہے بکر کہتا ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کندھے کھلے ہوئے ہوں تب نماز نہیں ہوتی۔

جواب : مرد کا کرتا اگر نیم آستین ہے تو کوئی کراہت نہیں، ہاں پوری آستین ہو تو نیچے اتار لینی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے۔ وَلَا اَکُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعْرًا (مسلم جلد اول ص۱۹۳) آستین چڑھا کر نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔　فتاوےٰ ستاریہ جلد اول ص۸۵

ضمیمہ کتاب الصلوۃ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ استدلال مستدل ابوہریرہؓ کی ان دو روایتوں سے ہے۔ من فاتته قراءة القرآن فقد فات خيرا كثيرا واذا جئتم الى الصلوٰة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شيئا۔ ومن ادرك ركعة من الصلوٰة فقد ادرك الصلوٰة۔ سو مستدل کا استدلال ان دونوں روایتوں سے صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب: مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب متفق علیہ اور جزء القراۃ للامام البخاری میں ابوہریرہ سے مروی ہے۔ ان ادركت القوم ركوعا لم تعتد بتلك الركعة یعنی اگر تم قوم کو رکوع میں پاؤ تو اس رکعت کو شمار نہ کرو۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں هذا هو المعروف عن ابى هريرة موقوفا واما المرفوع فلا اصل له یعنی یہ روایت ابوہریرہ سے موقوف معروف ہے لیکن یہ روایت مرفوعا بے اصل ہے اور ابوہریرہ کی دونوں روایت مذکورہ سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں روایتوں میں رکعت ہونے یا نہ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ سکوت عنہ ہے پس ان دونوں روایتوں کو ان روایات کی طرف پھیرنا چاہیے۔ جن میں صراحتہً مذکور ہے۔ کہ وہ رکعت نہیں ہوتی ہے۔ علاوہ بریں حدیث من ادرک الخ میں رکعت سے رکوع مراد لینا جائز نہیں۔ کیوں کہ یہ معنی مجازی ہے۔ اور لفظ کا معنی مجازی مراد لینا بلا قرینہ جائز نہیں اور اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ اور ساتھ اس کے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ اول وقت میں نماز پڑھ لینا افضل ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے افضل الاعمال الصلوٰة لاول وقتها حدیث جبرئیل علیہ السلام جس میں اول وقت اور آخر وقت میں دو دن نماز پڑھنا پڑھانا آیا ہے صرف اس لئے تھا کہ امت کو جتلا دیا جائے کہ دوسرے دن والی نماز کے وقت کے بعد نماز نہ ہوگی۔ کیوں کہ وہ اس نماز کا وقت نہیں بلکہ دوسری نماز کا وقت ہے۔ یا کسی نماز فرض کا وقت نہیں۔ پس اس سے یہ دلیل

لینا کہ نماز آخر وقت ہی میں پڑھنا افضل ہے۔ یا یہ کہ نماز پڑھنے والا اول وقت کو مقرر نہ کر کے بلکہ کبھی اوسط وقت کبھی آخر وقت میں پڑھے اور کبھی اول وقت میں پڑھے غلط اور باطل محض ہے۔ اگر یہ دلیل لینا صحیح ہوتا تو خود آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ جبرائیل علیہ السلام نماز پڑھا گئے ہیں سب سے پہلے ایسا کیا ہوتا۔ آپ نے تو اول وقت کو ہی مقرر کر رکھا تھا جیسا کہ احادیث کھلے طور پر شہادت دے رہی ہیں۔ کچھ مخفی بات نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے، ماصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ من اخر میقاتہا الاثلٰثہ (مرتین) رہا ابراد سو وہ صرف ظہر ہی کے لئے ہے۔ نہ کسی دوسری نماز کے واسطے کہ جس سے ہر نماز کو آخری وقت میں پڑھنے کی دلیل بنایا جا سکے اور ظہر میں ابراد کرنا بھی وہاں ہے جہاں ظہر کو دیر کے ساتھ پڑھنے میں ابراد ہو سکے کیوں کہ آپ نے ظہر کے لئے ابراد کرنے کا حکم دیا ہے۔ نہ تاخیر کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ آخروا الظہر من شدۃ الحر" بلکہ جہاں فرمایا یہی فرمایا ابردوا بالظہر" اس سے بھی یہی ہے کہ جہاں ظہر کو دیر کے ساتھ پڑھنے میں گرمی کم ہو جاتی ہو وہاں ابراد چاہیئے نہ کہ ہر جگہ عرب میں علی الخصوص مدینہ منورہ میں ہم نے خود دیکھا ہے۔ کہ پہلا دوپہر حبس رہتا ہے اور زوال کے بعد ہوا شروع ہو جاتی ہے۔ اور جوں جوں گرمی کم ہوتی جاتی ہے۔ جس طرح کہ ہمارے بلاد میں ملتان وغیرہ میں اکثر یا ہمیشہ پہلے دوپہر ہوا رہتی ہے اور زوال کے وقت کے آس پاس حبس ہو جایا کرتا ہے۔ اور گرمی جوں جوں تیز ہوتی جاتی ہے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے بلاد میں ابراد کرنے والا نماز کو مؤخر ہی کر بیٹھتا ہے۔ ابراد نہیں کر سکتا اگر گرمی کو کم کرنا چاہے تو نماز ظہر کو عصر کے اوسط وقت میں پڑھنا پڑے گا۔ اور ظہر و عصر دونوں کو اول وقت سے کھو بیٹھے گا۔ اس لئے ہمارے بلاد میں ابراد ہے ہی نہیں عرب ہی میں ہے۔ کیا ان لوگوں کو اتنی حس نہیں کہ گرما میں تین بجے کے وقت ایک بجے کی نسبت گرمی زیادہ ہوتی ہے پس کیا آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم گرمی شدید ہو جانے کے وقت میں ظہر پڑھنے کو فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سمجھ دیوے آمین آنجناب کے فرمان کے صریح خلاف ہے۔ رہا یہ امر کہ اتفاق واجب ہے۔ اور اول وقت نماز پڑھنا سنت ہے اور سنت پر واجب مقدم ہے سو یہ خیال بھی غلط ہے۔ اور یہ قیاس باطل ہے شرعاً۔ اس لئے کہ مسلمان کو حکم یہ ہے کہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" یعنی اللہ تعالیٰ کی حبل کو مضبوط پکڑو اور افتراق پیدا نہ کرو۔ بحبل اللہ (دین اللہ) پر اتفاق کرو اور دین اللہ سے جدائی نہ کرو اور دین اللہ یہ ہی ہے۔ کہ جس کام کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل جانا وہ افضل ہے اور جو جائز اور مباح جانا وہ جائز اور مباح اور اس سے جدا ہونے والا ہی اتفاق سے نکلنے والا۔ لیکن جو شخص افضل کو افضل جان کر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس فعل کے ساتھ اس شخص کو اتفاق کی طرف بلاتا ہے۔ جو کہ جائز کو افضل جانتا ہو اور جائز کو

افضل جاننے والا افضل کو افضل جاننے والے شخص اتفاق سے نکالنا چاہتا ہے۔ اگر ایسے غلطی میں پڑے ہوئے آدمی کو ساتھ ہو کر یہ سمجھے کہ میں اتفاق پیدا کر رہا ہوں۔ تو اس طرح سے ہوتے ہوئے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر باد کہہ بیٹھیں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سنت نبویہ پر چلنے والے پر فساد برپا کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ بلکہ اس شخص کا جو سنت نبویہ سے جاہل یا ناواقف ہے اور جاہل کو فرض ہے کہ جہالت سے نکلے۔ رہا سایہ اصلی اگرچہ اس کا ذکر صراحۃ حدیث میں نہیں آیا ہے۔ لیکن یہ حقیقۃً حدیث مذکورہ میں ہے۔ اس لئے کہ یہ یقینی امر ہے کہ آپ نے زوال کے بعد کا سایہ مثل ہوجانا فرمایا ہے۔ تو زوال سے پہلے والے سایہ کا اور سایہ اصلی اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال سے قبل موجود ہوتا ہے۔ پس وہ سایہ مثل سایہ میں خواہ مخواہ داخل نہیں ہوسکے گا۔ پس حق بات یہ ہے ہمارے سایہ اصلی احادیث شریفہ میں اشارۃً مذکور ہے۔ اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں۔ والکنایۃ ابلغ من صراحۃ، حدیث صحیح وہی ہے جس کی اسناد صحیح ہوگی۔ کتاب منحصر نہیں ہے۔ البتہ بخاری ومسلم کے سوا باقی کتب میں احادیث ضعیفہ بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے مقدم بخاری ومسلم ہے۔ ولیس رہا مسئلہ اسفار کا سو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ غلس میں نماز سے فارغ ہوجاتے تھے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتہا۔ ان تمام احادیث پر جب نظر ڈال کر اسفار کی حدیث پر نظر ڈالی جائے تو صاحب انصاف آدمی پر یہ صاف روشن ہوجاتا ہے۔ کہ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر کا معنی یہ ہے کہ فجر نماز پڑھتے پڑھتے روشنی کردو۔ اس سے اجر زیادہ ملتا ہے۔ لیطور وجہ کے بتلایا ہے۔ صاف بتلایا ہے۔ کہ یہی معنی ہے اسفار کا۔ کیوں کہ ثواب زیادہ جو ملتا ہے۔ مشقت کی زیادتی پر ملتا ہے۔ اور جس قدر مشقت کم ہو ثواب کم ملتا ہے۔ تو نماز فجر اگر کافی نیند کر کے طلوع آفتاب سے پہلے کافی روشنی کے وقت پڑھی جاوے تو اس میں مشقت بہت کم ہے تو آدمی ثواب زیادہ کا حقدار کیوں کر ہوسکتا ہے۔ جب کہ ہر طرح سے اس نے اپنی طبیعت کو خوش کرلیا ہے۔ اور عبادت الٰہی میں کوئی بہت وقت صرف نہیں کیا اور اس کا یہی معنی امام شافعی نے کیا ہے۔ الاجر علی القدر المشقت علماء کا مسلم اور متفق مقولہ ہے۔ اس امر کو یہی مزید ہے کہ خود آنجناب نے نماز صبح میں سورۃ اعراف پڑھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سورۃ بقرہ پڑھی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہوگیا۔ کسی نے کہا تو فرمایا جواب میں اگر سورج نکل آتا تو ہم کو نماز ہی میں پاتا۔ خلاصۃ المرام یہ کہ آخر یا اوسط وقت میں نماز پڑھنے والوں کی رعایت میں اول وقت نماز نہ پڑھنا جائز نہیں ہوسکتا۔ ہاں آخر یا اوسط وقت میں نماز پڑھے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھیں۔

اور اسیطرح اتفاق پیدا کریں. کسی کی طرف کو اتفاق کے لئے پسند کرنا حماقت یا جہالت کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکر یہ حبل اللہ (دین اللہ) کے خلاف ہے. کہ انسان افضل کو جائز اور جائز کو افضل اعتقاد کرے ۔ زیادہ حد تثبت

ہذا والسلام ۔ عبد التواب از ملتان (قلمی) (یہ شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے ہیں. متوفی ۱۳۰ھ)

سوال: کیا عورت عورتوں کی امامت کر سکتی ہے ؟

جواب: عورتوں پر جماعت کی پابندی ضروری نہیں ہے. لیکن اگر جماعت کا ثواب لینے کی خواہش مند ہوں تو وہ آپس میں جماعت سے نماز ادا کر سکتی ہیں. جو عورت نماز کے مسائل سے واقف ہو. اور قرآن مجید بھی جانتی ہو، تو وہ عورتوں کی امامت کر سکتی ہے. لیکن مردوں کی طرح آگے بڑھ کر نماز نہ پڑھائے، بلکہ عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی ہو تاکہ مردوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو ۔ حدیثوں میں عورتوں کی امامت کے بارے میں متعدد واقعات ملتے ہیں. حضرت عائشہ رض نے عورتوں کی امامت کی اور ان کی صف کے درمیان کھڑی ہوئیں. حضرت ام سلمہ رض نے عورتوں کی امامت کی. اور ان کی صف کے درمیان کھڑی ہوئیں. حضرت ورقہ بن نوفل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کو امامت کرائیں. تلخیص الحبیر میں دارقطنی، بیہقی کی روایت سے ہے. عائشہ رض انہا امت النساء فکانت وسطھن. حافظ ابن حجر نے درایہ میں بھی اس قسم کے اثر کو نقل کیا ہے. سبل السلام میں بھی یہی لکھا ہے کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے. عون المعبود شرح ابی داؤد میں ہے. وقد امت نساء عائشۃ وام سلمۃ فی الفرائض والتراویح یعنی حضرۃ عائشہ رض و ام سلمہ رض نے عورتوں کی امامت کی فرائض اور تراویح میں. (مولانا) عبد السلام بستوی ریاض العلوم دہلی ترجمان دہلی جلد ۱۰ ش ۲۰

سوال: مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی پیش امام کے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی امام کے جائز ہے. کیونکہ کوئی دلیل عدم جواز کی پائی نہیں جاتی اور علامہ زیلعی نے جو دو حدیثیں اس باب میں نقل کی ہیں وہ سبب شدہ ضعف کے لائق احتجاج نہیں ہیں. کتبہ (مولانا مولوی) محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح احمد عفی عنہ　　الجواب صحیح عبد الرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح خادم شریعت تبیع خلیل الرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح سید محمد ابو الحسن   الجواب صحیح سید عبد السلام

وماذا بعد الحق الا الضلال حررہ سید محمد عبد الحفیظ

اس بارہ میں کہ مؤذن کا امام ہونا وقت عدم موجودگی پیش امام کے جائز نہیں ہے۔ کوئی آیت یا معتبر حدیث ابتک میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ ہاں علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں دو تین حدیثیں اس بارے میں نقل کی ہیں کہ مؤذن امام نہیں ہو سکتا لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی لائق احتجاج نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک حدیث میں ایک راوی سلام الطویل ہے۔ اور دوسرا زید العمی ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور سلام الطویل تو متروک ہی ہے۔ اور دوسری حدیث میں ایک راوی معلی بن ہلال ہے۔ جو کاذب اور واضع حدیث ہونے میں شہرہ آفاق ہے۔ اس کے بعد نصب الرایہ کی طویل عبارت ہے۔ بخوف طوالت ترک کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ (مولانا الحافظ) محمد عبد اللہ غازیپوری

الجواب صحیح   ولا ینبغی للمؤمنین ان یخالفہا حررہ الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو محمد عبد الجبار عمر پوری مقیم شہر دہلی

الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار حسن عمر پوری   الجواب صحیح ابو الیسار امیر احمد سہسوانی عفی عنہ

الجواب صحیح ابو عبد اللہ عبد الرحمٰن ولایتی   نقل از رسالہ فتوے امامیہ طابع شیخ محمد عمر صاحب پھاٹک

حبش خاں دہلی

سوال: ایسی مسجد کے قریب جار ہیں جہاں پنجگانہ اذان نماز وجمعہ ادا کئے جاتے ہوں اور کوئی شخص علیحدہ اپنے مکان میں نماز ادا کیا کرے۔ اذان کی آواز بھی سنتا ہو۔ تارک السنۃ نبوی ہے یا نہیں ایسے شخص کی نماز مطابق احادیث صحیح ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ کوئی عذر شرعی بھی نہیں؟

الجواب: شخص مذکور تارک سنت نبویہ ہے۔ بحدیث عبد اللہ بن مسعود قال لقد رأیتنا وما یتخلف عن الصلوٰۃ الا منافق قد علم نفاقہ او مریض ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتیٰ یاتی الصلوٰۃ وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا سنن الہدیٰ وان من سنن الہدیٰ الصلوٰۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ وفی روایۃ قال من سرہ ان یلقی اللہ غدا مسلما فلیحافظ علی ہذہ الصلوٰۃ الخمس حیث ینادی بہن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الہدیٰ وانہن من سنن الہدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ہذا المتخلف لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم رواہ مسلم   کتبہ (مولانا) محمد بشیر عفی عنہ (سہسوانی)

الجواب صحیح احمد عفی عنہ الجواب صحیح عبدالرحمن عفی عنہ

الجواب صحیح خادمہ قرآن خلیل الرحمن عفی عنہ ما ذا بعد الحق الا الضلال حررہ سید عبدالحفیظ

ہذا الجواب صحیح سید ابوالحسن ۔ الجواب صحیح سید عبدالسلام

بلا عذر ایسی جماعت چھوڑ کر علیحدہ نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور نہ ایسی نماز قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں کھلے ہوئے منافق کے سوا اور کوئی بلا عذر ایسی جماعت سے علیحدہ نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایسا مریض جو بغیر دو شخصوں کے اپنے آپکو مسجد میں حاضر نہیں کر سکتا ہے وہ بھی غیر حاضر نہیں رہتا تھا اور مسجد کے پڑوسی نابینا جن کا کوئی دستگیر نہیں ہوتا ان کا بھی یہ عذر نابینائی مسموع نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ ان کو بھی حاضر ہونے کا حکم ہوتا تھا۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں اس وقت تک شریک جماعت ہوتے جب تک کہ دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک دے کر حاضر مسجد ہو سکتے تھے اور ایسی جماعت میں حاضری کی ایسی سخت تاکید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر حاضر ہونے والوں کو مع ان کے گھروں کے پھونک دینے کا مقصد ظاہر فرمایا تھا۔ الحاصل بلا عذر ایسی جماعت چھوڑ کر علیحدہ نماز پڑھنا طریقہ اسلامی کے سراسر خلاف اور موجب ضلالت ہے۔ قال اللہ تعالےٰ "وارکعوا مع الراکعین" اس کے لیے صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و دارقطنی کی حدیثیں ہیں بخوف طوالت کے یہاں پر درج نہیں کی گئی۔ (مولانا حافظ) محمد عبداللہ غازیپوری

الجواب صحیح الراقم ابو محمد عبدالجبار عمرپوری کان اللہ لہ اصلح عملہ مقیم شہر دہلی

الجواب صحیح ابوالقیاد امیر احمد سہسوانی عفا اللہ عنہ

نقل از رسالہ فتوے امامیہ طابع شیخ محمد رضا صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی۔

سوال: رکوع میں ملنے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ اور امام رکوع کی حالت میں ہو اور مقتدی الحمد پڑھ کر مل جاوے اس صورت میں رکعت ہوگی یا نہیں یا کیا حکم ہے؟

جواب: رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی ہے۔ لحدیث عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ اور اگر امام رکوع میں ہے۔ اور مقتدی الحمد پڑھ کر مل جاوے تو یہ فعل مخالف ہے حدیث علی اور معاذ بن جبل کے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الامام رواہ الترمذی

اور مخالف ہے حدیث ابن ابی لیلیٰ کے وفیہ حتی جاء معاذ قال لا اراہ علی حال الا کنت علیہا قال فقال ان معاذا قد سن لکم سنۃ کذالک فافعلوا رواہ ابو داؤد

کتبہ (مولانا) محمد بشیر عفی عنہ سہسوانی　　الجواب صحیح احمد عفی عنہ

الجواب صحیح عبد الرحمن عفی عنہ　　الجواب صحیح خلافہ قبیح خلیل الرحمن عفی عنہ

وماذا بعد الحق الا الضلال حررہ السید محمد عبد الحفیظ　　ہذا الجواب صحیح سید ابو الحسن

الجواب صحیح سید عبد السلام　　الجواب صحیح ابو محمد عبد الستار حسن العمر پوری

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ ابو البشارات سید احمد سہسوانی غفار اللہ عنہ

رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی بوجہ فوت ہونے قرأۃ فاتحہ کے جو ہر رکعت میں فرض ہے۔ اور جو نماز کی ایسی رکن اعظم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نماز ہی فرمایا ہے۔ عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب متفق علیہ اور ابوہریرۃ رضؓ سے مروی ہے قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ قسمت الصلوٰۃ بینی وبین عبدی نصفین الحدیث رواہ مسلم مشکوٰۃ منہ

کتبہ (مولانا حافظ) محمد عبد اللہ (صاحب غازی پوری)

سوال کے مطابق خوب تحریر ہوا ہے۔ بیشک مدرک رکوع کے لئے اعادہ رکعت ضروری ہے۔ صرف رکوع میں شامل ہونا کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی مسلک تاج المحدثین امام بخاری رحؒ اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حزمؒ صاحب محلی وغیرہم کا ہے۔ اگر تفصیل کی ضرورت ہو تو آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ مفصل طور پر لکھا جائے گا۔

الراقم محمد عبد الجبار عمر پوری کان اللہ لہ واصلح عملہ مقیم شہر دہلی

نقل از رسالہ فتوےٰ امامیہ شائع کردہ شیخ محمد عمر صاحب پھاٹک حبش خاں دہلی

الاستفتاء ایک شخص سنن نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، مسند احمد، جزء رفع الیدین للبخاری، طبرانی، بیہقی، صحیح ابی عوانہ، ابویعلی، ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق اور تلخیص الحبیر کی احادیث کی بنا پر سجدے میں جاتے ہوئے اور بین السجدتین (پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے) احیاناً رفع الیدین کرتا ہے۔

۱ مانعین مصیب ہیں یا عامل؟ ۲ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ ۳ اگر صحیح ہے تو اس زمانے میں متروک العمل

کیوں ہوچکی ہے؟ ۴ اگر مجروح ہے تو سنن نسائی کی وہ دو روایتوں دو جو من طریق شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ مروی ہیں، ان پر کیا جرح ہے؟ مبہم جرح نہ ہو۔ اصل بنا انہی دو حدیثوں کو وہ شخص قرار دیتا ہے۔ باقی سب روایات ان ہی کی تائید میں ہیں۔ عام اس سے کہ صحاح سے یا ضعاف سے۔ ۵ رفعیدین منسوخ ہوچکی ہے؟ ۶ اگر منسوخ ہوچکی ہے تو حدیث ناسخ مع الاسناد تحریر فرمادیں؟ ۷ اگر منسوخ نہیں ہوئی تو کون کون سے صحابہ اس پر عامل تھے؟ ۸ اور کون کون سے تابعین اس طرف گئے؟ ۹ کیا اس کے عامل کی اقتداء میں نماز درست ہو سکتی ہے؟ ۱۰ کیا اسکو مردہ سنت قرار دیا جاسکتا ہے؟ ۱۱ جو شخص اس کو زندہ کرے وہ من احیی سنتی الحدیث کا مصداق ہوسکتا ہے؟ ۱۲ جو شخص اس فعل سے ناراض ہو کر اس کی مخالفت کرے، روافض وغیرہ فرق مبتدعہ کے ساتھ تشبیہ دے۔ اس کا عندالشرع کیا حکم ہے؟ بینوا بالسنۃ والکتاب لا باقوال العلماء رذی الانتساب توجروا عند اللہ یوم الحساب (نوٹ) جواب از راہ کرم بالترتیب نمبر وار مفصلاً مع حوالہ مکمل تحریر فرمائیں۔

المستفتی ابو حفص العثمانی الداجلی از ملتان۔ محلہ قدیر آباد جامع اہل حدیث ۲۱/۳/۴۶

الجواب۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ عامل رفع بین السجود پر جو دائما یہ عمل رکھے مصیب نہیں ہے۔ کیوں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر ادامت نہیں ہے۔ وکان لا یفعل ذلک فی السجود اس کا منفی ہونا ثابت کرتا ہے اور مطلقاً مانع جو ہو وہ بھی حق پر نہیں ہے

۲ حدیث ہذا صحیح ہے۔ متروک العمل نہیں ہے۔

۳ عامل بالسنۃ لوگ وقتاً فوقتاً جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہیں۔

۴ جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ان دونوں احادیث میں سے کسی حدیث پر کوئی جرح نہیں ہے۔

۵ اس حدیث کا کوئی ناسخ اس وقت تک نظر نہیں آیا۔

۶ اوپر جواب آچکا ہے۔

۷ بعض صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے اور اسی طرح بعض تابعین نے بھی۔

۸ اوپر جواب آچکا ہے۔

۹ نماز ایسے امام کے پیچھے بلا نکیر جائز ہے۔

۱۰ مردہ سنت اسے کہتے ہیں جس کا کوئی عامل نہ ہو اور اس سنت پر عمل رہا ہو۔

۱۱ اوپر جواب آچکا ہے۔

۸؎ اس فعل پر ناراض ہونے والا غالی ہے۔ اور محب سنت نظر نہیں آتا۔

ہذا واللہ اعلم محمد عبد التواب ملتانی بقلم خود تاب اللہ علیہ

جواب سوال ۱؎ عامل رفع الیدین عند ارادۃ السجدۃ و بین السجدتین مصیب ہے۔ اور مانع مخطی لان المنع و قع عن الامر المشروع و کل منع وقع علی الامر المشروع فہو خطأ۔

جواب سوال ۲؎ بلاشک حدیث صحیح ہے۔ فتح الباری ملاحظہ ہو۔

جواب سوال ۳؎ یہ حدیث تغافل یا تساہل کی وجہ سے متروک العمل ہوئی۔ ورنہ کوئی وجہ ترک کی نہیں۔

جواب سوال ۴؎ اس حدیث میں سوائے تدلیس قتادہ کے اور کوئی جرح نہیں، لکن شعبہ کے قول سے یہ تدلیس مرتفع ہے۔ شعبہ کی عادت تھی کہ قتادہ سے مدلس حدیث کو روایت نہیں کرتا تھا۔

جواب سوال ۵؎ یہ رفعیدین منسوخ نہیں، بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمر کا فعل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مالک بن الحویرث مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی آخری عمر میں داخل ہوا ہے۔ اور اس کے بعد کوئی ایسی حدیث صریح نہیں آئی ہے جس سے نسخ ثابت ہو۔ احتمالات سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ابن عمر کا اس رفع کو قبول کرنا بعد روایت منع رفع الیدین عند السجود ادل دلیل ہے۔ کہ رفع بعد منع وارد ہوا ہے۔

جواب سوال ۶؎۔۷۔۸ اس رفعیدین کے عامل صحابہ کرام سے ابن عمر و ابن عباس اور تابعین سے طاؤس اور نافع اور عطاء مجھے معلوم ہیں۔ باقی صحابہ کی موافقت معلوم نہیں تو مخالفت بھی کہیں مروی نہیں۔ علاوہ بریں حدیث نبیؐ محتاج عمل عامل نہیں ہوتی۔ قال الشافعی فی الام فاذا کان للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا مخالف لہ عنہ وکان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یوافقہ لم یزدہ قوۃ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستغن بنفسہ وان کان یروی عمن دون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث یخالفہ لم التفت الی ما خالفہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی ان یؤخذ بہ اھ

جواب سوال ۹؎ بلاشک اس رفعیدین کے عامل کے پیچھے اقتدا جائز ہے۔ اقتدا کو ناجائز کہنے والا جاہل اور اسرار شریعت سے محروم۔

جواب سوال ۱۰۔۱۱ بلاشبہ اس کا عامل محی السنۃ المتیتہ ہے اور مستحق اجر سو شہید کا ہے۔ کما ورد فی الحدیث

جواب سوال ۱۲؎ جو شخص اس کی مخالفت کرے اور اس رفعیدین سے ناراض ہو اور اس کے عامل کو فرقہ

مقتدر رافضہ سے تشبیہ دے۔ باوجودیکہ اس کو یہ حدیث صحیح بھی معلوم ہے تو وہ شخص معاند حق ہے۔ وقد قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔

ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ محب السنۃ ابو محمد عبد الحق الھاشمی المحدث عفی عنہ من ریاست بہاولپور

الصحیح انہ صلی اللہ علیہ وسلم قد فعلہ مرۃ وترکہ اخریٰ فلا یقال انہ بدعۃ بل ہو سنۃ

العبد فیض الکریم سندھی از یار وشاہ سندھ ضلع نوابشاہ

سوال : حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر خصوص نوازل وواقعات ہائلہ کے موقع پر نماز مغرب اور نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم وتروں میں دعا قنوت اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ پڑھا کرو لیکن وتروں میں پڑھنے کا تو احادیث صحیحہ میں ثبوت نہیں۔ البتہ نماز فجر میں ضرور ہے اور مغرب میں لیکن نماز فجر میں دعا قنوت کا ثبوت ہونے کی بابت مولانا ثناء اللہ صاحب کا فتویٰ ہے۔ لیکن حال میں ایک مولوی صاحب نے اہلحدیث میں چھپوایا ہے کہ دعائے قنوت کا ثبوت نماز فجر میں صحیح حدیث سے نہیں بلکہ صرف مغرب میں ہے۔ لہٰذا مولانا ثناء اللہ صاحب سے خصوصاً اور مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی و مولوی عبداللہ صاحب دہلوی و مولوی محمد صاحب دہلوی سے التجا ہے کہ وہ بذریعہ اہلحدیث اعلان کر دیں کہ آیا نماز فجر و مغرب میں دعا قنوت کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے یا نہیں۔

جواب : صحیح بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ جس کے نسخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں اور مصیبت عامہ کے وقت بعض صحابہ نے پانچوں نمازوں میں قنوت پڑھی۔ شفعیہ کرام بھی مصیبت عامہ کے وقت قنوت پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ جس صحابی نے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ یہ بدعت ہے۔ ایسا کہنا یا تو اس کے عدم علم پر مبنی ہے یا انہی معنی میں ہے جن معنی میں حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کو نعم البدعۃ ہذہ کہا تھا۔ یعنی ایسا مسنون فعل جو متروک ہونے کے بعد جاری ہو جائے۔ بہر حال اس عدم علم سے روایات مثبتہ غلط نہیں ہو سکتیں۔

سوال ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوقت رکوع کرنے اور سر اُٹھانے کے ہمیشہ رفعیدین کرنا۔

جواب : بلاشک احادیث صحیحہ قویہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ہمیشہ رفعیدین کرنا ثابت ہے۔ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے۔ عن ابن عمران رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ واذا رکع واذا رفع راسہ من الرکوع وکان لایفعل ذلک فی السجود فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالےٰ۔ یعنی رسول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو رفعیدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے اور سجدوں میں رفعیدین نہیں کرتے تھے۔ رفعیدین کے ساتھ ہمیشہ آپ کی نماز رہی یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس روایت کو محقق زیلعی حنفی نے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھو زیلعی تخریج الہدایہ ص۲۱۳" اس کے خلاف کوئی روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ صحاح ستہ میں جس قدر روایات اس بارہ میں ہیں اُن سے دلالۃً اور بیہقی وغیرہ کی روایت سے صراحۃً و وضاحۃً یہ امر یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دواماً رفعیدین کرنا ثابت ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ اذا افتتح الصلوٰۃ واذا اکبر للرکوع واذا رفع راسہ من الرکوع رفعہما کذالک وقال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد وکان لایفعل ذالک فی السجود" یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے اللہ اکبر کہتے اور جب اُس سے سر اُٹھاتے تب ہی دونوں ہاتھ اُٹھاتے سجدہ میں ایسا نہیں کرتے تھے۔" بائیس صحابیوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اُن میں سے پندرہ صحابی کی روایت صحاح ستہ میں موجود ہے۔ باقی مسند امام احمد اور بیہقی و دارقطنی وطبرانی وغیرہ میں ہے۔ اس حدیث سے دوام اس طرح ثابت ہوا کہ عرب کے محاورہ میں جب بولا جاتا ہے۔ کہ "اذا ثبت کذا کان کذا" یعنی جب فلاں بات ایسی ہو گی۔ تو وہ کام ایسا ہو گا۔ مراد اس سے ہمیشگی اور دوام ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جس جگہ کوئی کلام بطور مذکور آئی ہے۔ وہاں پر مراد ہمیشگی اور دوام ہے۔ ہاں اگر کوئی قرینہ صارفہ پایا جاوے تو البتہ اُس کی حالت میں ہمیشگی کے معنی مراد نہ ہوں گے۔" کما قال اللہ تعالےٰ یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ۔ فاذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام۔ فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم۔ و قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا الی آخر الحدیث۔ علاوہ اس کے صدہا مثالیں ہیں۔

جس جگہ کہ قرینہ صارفہ کی وجہ سے ہمیشگی مراد نہیں اُس کی مثال یہ ہے۔" یا ایہا الذین امنوا اذا

قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا الخ "۔ یعنی جب نماز کا ارادہ کرو۔ تو وضو کرلو۔ یہاں پر ہمیشگی کے معنی مقصود نہیں۔ کیونکہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض اوقات ایک وضو سے کئی نمازیں ادا فرمائیں۔ " واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا " یہاں بھی ہمیشگی مراد نہیں۔ کیوں کہ روایت عبادہ بن الصامت " لا تفعلوا الا بام القرآن " قرینہ صارفہ موجود ہے۔ سنن بیہقی میں اس حدیث پر جو کہ ابھی صحیین سے نقل کی گئی۔ یہ زیادتی ہے۔ " فما زالت تلک صلوٰتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ " رواہ عن سالم عن ابن عمر۔ یعنی رسول اللہ صلعم کی نماز ہمیشہ اسی طور پر رہی یہاں تک کہ آپ نے اللہ تعالےٰ سے ملاقات کی۔ واللہ اعلم۔ سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو رسول اللہ صلعم کے ہمیشہ رفع یدین کرنے میں کلام و شبہ ہے۔ گاہ وگاہ کرنے میں اشتباہ نہیں۔ اسی واسطے اس نے ہمیشگی کا ثبوت طلب کیا۔ خود رفع یدین کے ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں کی۔ اگر اسی قدر اقرار ہوجاوے تب بھی غنیمت ہے۔ ارغام المبتدعین ص۳۶

سوال : آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں ناف سے اوپر بلکہ سینہ کے اوپر ہمیشہ ہاتھ باندھنا۔

جواب : زیلعی حنفی نے تخریج ہدایہ میں فرمایا ہے۔ روی ابن خزیمۃ فی صحیحہ من حدیث وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ صلعم فوضع یدہ الیمنی علے یدہ الیسرے علی صدرہ۔ یعنی وائل بن حجر سے روایت ہے۔ کہا میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ حضرت صلعم نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں پر سینہ پر رکھا۔" وائل بن حجر گیارہویں ہجری میں حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھو تاریخ ابن خلدون جلد دوم۔ اُس کے ایک سال بعد حضرت صلعم کا انتقال ہوگیا۔ تو سینہ پر ہاتھ رکھنا ہے آخری فعل صلعم کا ثابت ہوا۔ علاوہ اس کے صحیح بخاری میں سہل بن سعد سے مروی ہے۔ قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسرے فی الصلوٰۃ یعنی لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا کہ وہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔ ہاتھ کے پہونچے سے کہنی تک کا نام ذراع ہے۔ جیسا کہ مشہور اور کتابوں میں مذکور ہے۔ اور ید یعنی ہاتھ کبھی صرف پہونچے تک اور کہنی تک۔ قال اللہ تعالیٰ "والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما " یہاں ید سے مراد صرف پہونچے تک ہے۔ " فاغسلوا وجوہکم وایدیکم الی المرافق " یہاں ید سے مراد کہنی تک ہے۔ معنی اول بلا قرینہ اور معنی ثانی قرینہ کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں ید کے معنی ثانی یعنی کہنی تک مراد ہیں۔ کیوں کہ پوری پوری ذراع پر ہاتھ کہنی تک رکھا جاوے گا۔

پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ دایاں ہاتھ کہنی بائیں ہاتھ پر کہنی تک نماز میں رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو حکم کیا جاتا تھا۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ دونوں ہاتھوں کا اس طرح رکھنا ناف کے نیچے نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس کے اوپر ہوسکتا ہے۔ "کان الناس" میں کان دائمہ ہے۔ یعنی لوگوں کو ہمیشہ اسی طرح حکم کیا جاتا تھا۔ منقطعہ ہونے کے لیے کوئی دلیل وقرینہ نہیں۔ کیوں کہ زیر ناف باندھنے کی روایتیں سب ضعیف ومجروح ہیں۔ واللہ اعلم (ارغام المبتدعین صفحہ)

سوال: سنن ابوداؤد وابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "قال کان رسول اللہ صلعم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمع من یلیہ من الصف الاول" یعنی جب رسول اللہ صلعم نماز میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھتے تو آمین کہتے پہلی صف والے یہ آواز سنتے تھے۔ اس سے ہمیشہ آمین پکار کر کہنے کا دوطرح پر ثبوت ہوا۔ اول یہ کہ کان دائمہ ہے۔ جیسا کہ سوال دوم کے جواب میں بیان کیا گیا۔ دوم مضمون اُس کا یہ ہے۔ کہ جب آں حضرت صلعم نماز میں "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" پڑھتے تو آمین اس قدر پکار کہ کہتے کہ پہلی صف والے سُن لیتے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ "ولا الضالین" نماز میں ہمیشہ پڑھتے تھے۔ پس یہی کیفیت آمین بالجہر کی ہوگی۔ کیوں کہ ایک کے بعد دوسرا ہے۔ ونیز ابن عباس سے مروی ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما حسدتکم الیہود علی شئی ما حسدتکم علی آمین فاکثروا من قول آمین" یعنی اے مسلمانوں یہودی لوگ جس قدر تم سے آمین کہنے پر حسد کرتے ہیں۔ اس قدر کسی شے پر نہیں کرتے۔ پس تم کثرت سے آمین کہو۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ آمین کے سننے سے حسد ہوتا تھا۔ اور سننا جب ہوگا۔ جب کہنے والا پکار کر کہے گا۔ آج کل یہودی لوگ آمین بالجہر سے بالکل نہیں چڑتے بلکہ اُن کو اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ بلکہ اُن کے چھوٹے بھائی جو کہ مسلمانوں میں شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کی آواز خوشنما سے اس قدر نفرت کرتے ہیں جس قدر گالی سے۔ نعوذ باللہ۔ نسائی ومسند امام احمد ابوہریرہ رضہ سے مروی ہے: "اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا آمین" یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ یہ امر ظاہر ہے کہ امام کا ولا الضالین کہنا ہمیشہ ہے۔ پس اسی طرح مقتدی کا آمین کہنا بھی ہمیشہ ہے واللہ اعلم۔ ارغام المبتدعین صفحہ مصنف مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب مرلپوری

سوال: حدیث قرأت خلف امام کا بعد نزول آیت، واذا قرئ القرآن الخ کے مروی ہونا۔

جواب: حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام بیشک بعد نزول آیت "اذا قری القرآن" کے مروی ہے۔ کیوں کہ حدیث قرأۃ فاتحہ خلف الامام کی عبادہ بن صامت سے مروی ہے۔ کیوں کہ حدیث کے رہنے والے ہیں۔ اور آیت "اذا قری القرآن کی ہے۔ جو قبل ہجرت کے نازل ہوئی۔ دیکھو تفسیر اتقان وغیرہ اور حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام کو حضرت صلعم نے بعد ہجرت کے مدینہ میں فرمایا۔ اور بعد انتقال سرور کائنات کے عبادہ کا عمل اس پر رہا۔ تو اب کوئی ذی علم اس میں شک نہ کرے گا۔ کہ حدیث قرأۃ فاتحہ خلف امام کی بعد نزول آیت "اذا قری القرآن" کے مروی ہوئی ہے۔ علاوہ اس کے حدیث قرأۃ خلف الامام خواہ بعد نزول آیہ کریمہ "اذا قری القرآن" کے مروی ہو۔ یا قبل۔ اس کے دونوں صورتوں میں کچھ قباحت نہیں۔ یعنی آیت مذکورہ قرأت فاتحہ خلف الامام کو ہرگز منع نہیں کرتی۔ کیوں کہ آیت سے پہلے یہ مذکور ہے۔ کہ کفار ومشرکین رسول اللہ صلعم سے معجزے اور نشانیاں طلب کرتے تھے۔ چوں کہ یہ امر آپ کے اختیار سے باہر اور حکم الٰہی پر موقوف تھا۔ اس لیے آپ سن کر خاموش ہوتے تب کافروں کی طرف سے تقاضا ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "واذا لم تاتہم باٰیۃ قالوا لولا اجتبیتہا" اس کے بعد فرمایا "قل انما اتبع ما یوحیٰ الی من ربی" یعنی اے محمد تو کافروں کو کہدے کہ میں پروردگار کے حکم کی پیروی کرتا ہوں۔ اس کے سوا اور میرا کوئی کام نہیں۔ پھر فرمایا۔ "ہذا بصائر من ربکم وہدی ورحمۃ لقوم یومنون" یعنی اگر تم کو معجزہ مطلوب ہے تو یہ قرآن تمہارے لیے معجزہ کافی ہے۔ جو کہ ایمان والوں کے ہدایت ورحمت ہے۔ اس کے بعد فرمایا: واذا قری القرآن فاستمعوا الخ یعنی قرآن کا معجزہ ہونا جب معلوم ہو، جب تم اس کو دل لگا کر سنو جب وہ پڑھا جائے۔ تو خاموش بیٹھے رہو۔ کفار کا یہ مقولہ تھا۔ "لا تسمعوا لہذا القرآن والغوا فیہ۔" پس اس کے جواب میں آیت مذکورہ کا ارشاد مناسب ہوا۔ اس تقریر سے واضح ہوا۔ کہ آیہ "اذا قری القرآن" قرأۃ خلف الامام کے بارے میں نہیں، بلکہ اس کا محل دوسرا ہے۔ جو کہ بیان کیا گیا۔ اگر قرأۃ کے مضمون پر آیت کو محمول کی جاوے گی۔ تو باہم آیتوں میں ربط نہ رہے گا۔ دوم اگر تسلیم کیا جاوے کہ آیۃ مذکورہ قرأۃ کے بارہ میں ہے۔ تب بھی ہمارے مدعا کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب قرآن پڑھا جاوے۔ تو سنو اور آہستہ پڑھو یعنی اس قدر آواز سے نہ پڑھو، جس سے قاری کو خلجان واقع ہو۔ انصات کے معنی آہستہ پڑھنے کے بھی مستعمل ہیں جیسا کہ حدیث بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ سو تم اس آیت سے صرف نماز جہری میں قرأۃ خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ سریہ میں ہرگز نہیں ہوتی۔ کیوں کہ سننے والا جب سنے گا۔ جب پڑھنے والا پکار کر پڑھے گا۔ پس حنفیہ کا یہ دعوے کہ نماز سریہ وجہریہ میں قرأۃ خلف الامام ممنوع ہے۔ اس آیت سے ثابت نہ ہوا۔ (دارالعلام المبتدئین ص ۲)

مکتبہ سعدیہ خانیوال

کے

مطبوعات

فتاویٰ علماء حدیث

(۱) کتاب الزکوٰۃ ۱۲/- روپیہ

(۲) کتاب الطہارۃ ۸/- "

(۳) کتاب الصلوٰۃ حصہ اول ۱۲/- "

(۴) " " " دوم ۱۲/- "

(۵) " " سوئم جلد ۲۰/- "

(۶) کتاب الجنائز زیر طبع

(۷) اسلامی شکل و صورت "مصنف سید محمد شریف گھڑیالوی سابق امیر جمعیت اہلحدیث پنجاب۔

(۸) مشاجرات صحابہ پر ایک نظر مصنف علامہ سید محب الدین الخطیب مترجم قاضی محمد اسلم سیف فیروزپوری عربی فاضل

(۹) مسلک ثنائی از افادات حضرت مولانا ابو سعید محمد بنارسی۔ ترتیب ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۰) تاریخ اہلحدیث پر ایک نظر ترتیب ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۱) احکام صدقۃ الفطر ترتیب۔۔ ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۲) تعلیق العمارۃ لاحکام الاشارۃ عربی حاشیہ رسالہ رفع سبابہ لملا علی قاری۔ ترتیب۔۔ ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۳) اسلام کی پہلی کتاب

(۱۴) تعلیم الصلوٰۃ مصنف نواب صدیق حسن خاں رح

(۱۵) احکام محرم الحرام مصنف ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۶) قربانی کے جانوروں کی عمر دانتوں پر ایک تحقیقی مقالہ از قلم۔۔ ابوالحسنات علی محمد سعیدی

(۱۷) قربانی کے باب میں منکرین حدیث کے مغالطات پر تحقیقی مقالہ۔ تحریر علی محمد سعیدی

(۱۸) ادعیۃ ماثورۃ چالیس دعاؤں کا مجموعہ از علی محمد سعیدی

(۱۹) تہذیب النسواں۔ مصنفہ بیگم نواب صدیق حسن خانؒ بھوپالوی۔

(۲۰) تحریک وسیندی سوچنے سمرو را مین دی

[illegible]

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الجنائز

جلد پنجم

ترتیب : ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاوٰی علمائے حدیث جلد پنجم

۱۔ فتاوٰی عزیزی
۲۔ فتاوٰی اخبار اہلحدیث سوہدرہ
۳۔ فتاوٰی الاعتصام لاہور
۴۔ فتاوٰی اخبار محدث دہلی
۵۔ فتاوٰی اخبار اہل حدیث گزٹ دہلی
۶۔ فتاوٰی اخبار اہل حدیث لاہور
۷۔ فتاوٰی غزنویہ امرتسر
۸۔ فتاوٰی ماہنامہ الاسلام دہلی
۹۔ فتاوٰی شرفیہ قلمی مسودہ
۱۰۔ فتاوٰی اخبار ترجمان دہلی
۱۱۔ فتاوٰی ثنائیہ
۱۲۔ فتاوٰی رسالہ بدعات کی تردید
۱۳۔ فتاوٰی عمرپوری
۱۴۔ فتاوٰی ارغام المبتدعین
۱۵۔ فتاوٰی نذیریہ دہلی
۱۶۔ فتاوٰی صحیفہ اہلحدیث کراچی
۱۷۔ فتاوٰی صاعقۃ الرحمٰن خانپوری قلمی
۱۸۔ فتاوٰی اہلحدیث
۱۹۔ فتاوٰی ستاریہ
۲۰۔ زیارت قبور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
۲۱۔ فتاوٰی الدلیل الطالب علی ارجح المطالب
۲۲۔ المعتمر کراچی 257

فتاوٰی لواء الہدٰے سے فتاوٰی محدث لاہور

نام کتاب — فتاوٰی علماء حدیث جلد پنجم
نام مرتب — ابو الحسنات علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت — ابن منیر رقم خوشنویس چک ۱۲۳/۵ ای بی
طباعت
تاریخ اشاعت — ۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۵ مارچ ۱۹۷۶ء
تعداد — ایک ہزار
ناشر — مکتبہ سعیدیہ خانیوال
قیمت — ۲۵/ روپے
ملنے کا پتہ — مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان (مغربی پاکستان)

مفتیانِ فتاوے

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ
۲۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث 〃 〃
۳۔ سید نواب صدیق حسن خاں محدث والی بھوپال رحمہ اللہ
۴۔ شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
۵۔ سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ
۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز مرشدآبادی 〃 〃
۷۔ حافظ عبدالرحیم مبارکپوری 〃 〃
۸۔ شارح ترمذی مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری 〃 〃
۹۔ مولانا امام عبدالجبار الغزنوی امرتسری 〃 〃
۱۰۔ سید محمد داؤد 〃 〃 〃 〃
۱۱۔ بیہقی زماں حضرت مولانا شرف الدین محدث دہلی رحمہ اللہ
۱۲۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ
۱۳۔ مفتی کفایت اللہ مدرس امینیہ دہلی 〃 〃
۱۴۔ ابوسعید محمد حسین بٹالوی 〃 〃
۱۵۔ سید عبدالسلام محدث دہلوی 〃 〃
۱۶۔ سید محمد ابوالحسن 〃 〃 〃 〃
۱۷۔ ابومحمد عبدالعزیز ملتانی 〃 〃
۱۸۔ مولانا فتح محمد محدث دہلوی 〃 〃
۱۹۔ مولانا محمد یعقوب دہلوی رحمہ اللہ
۲۰۔ مولانا ضیاء الحق مدرس امینیہ دہلی 〃 〃
۲۱۔ مولانا محمد قاسم 〃 〃 〃 〃 〃
۲۲۔ مولانا عبدالغفور 〃 〃 〃 〃 〃
۲۳۔ شارح مشکوٰۃ مولانا عبیداللہ مبارکپوری مدظلہ
۲۴۔ شیخ الاساتذہ مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ 〃
۲۵۔ حافظ محمد اسحاق مدرسہ غزنویہ لاہور 〃
۲۶۔ مولانا حافظ احمد پٹوی جڑانوالہ لائلپور رحمہ اللہ
۲۷۔ مفتی زماں حضرت مولانا محمد یوسف بگھیلوی فیروزپوری رحمہ اللہ
۲۸۔ مفتی دوراں حافظ محمد عبداللہ روپڑی دالگراں لاہور رحمہ اللہ
۲۹۔ مولانا محمد یوسف ابراہیمی مدرسہ دارالعلوم امرتسری رحمہ اللہ
۳۰۔ مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ اللہ
۳۱۔ مولانا عبدالغفور رمضان بہاری رمضانپوری
۳۲۔ مولانا عبدالجبار محدث عمرپوری رحمہ اللہ
۳۳۔ حافظ ریاض احمد لاہور مدظلہ
۳۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ
۳۵۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ

۳۶۔ شارح نسائی مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور۔ مدظلہ

۳۷۔ مولانا محمد علی جانباز سیالکوٹی مدظلہ

۳۸۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ دارالقرآن لائلپور

۳۹۔ مولانا حافظ عبداللہ ملتانی مدرسہ لطیفیہ شولاپور

۴۰۔ مولانا حافظ محمد قاسم خواجہ گوجرانولہ مدظلہ

۴۱۔ مولانا محمد عبیداللہ حنیف فیروز پوری مسجد چنیانوالی لاہور

۴۲۔ مولانا حبیب الرحمٰن مالدہی مقام کٹریا کمار گنج ضلع مالدہ

۴۳۔ مولانا حافظ عبدالستار سابق امیر غرباء اہلحدیث کراچی رحمہ اللہ

۴۴۔ مولانا عبدالمجید سوہدری گوجرانوالہ رحمہ اللہ

۴۵۔ مولانا تلطف حسین محدث دہلوی " "

۴۶۔ مولانا عبدالحق محدث ملتانی " "

۴۷۔ مولانا عبدالواحد محدث غزنوی لاہور " "

۴۸۔ ابوالفیض محمد عبداللہ حنفی " "

۴۹۔ احمد الدین صاحب " "

۵۰۔ مولانا رشید احمد گنگوہی " "

۵۱۔ مولانا محمد قاسم " "

۵۲۔ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی " "

۵۳۔ مولانا عزیز زبیدی وار برٹن مدظلہ

۵۴۔ مولانا محمد جونا گڑھی دہلوی مترجم تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ

۵۵۔ مولانا عبداللطیف محدث دہلوی رحمہ اللہ

۵۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ سابق امیر جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان رحمہ اللہ

۵۷۔ فقیر محمد حسین " "

۵۸۔ بقالہ ابراہیم " "

۵۹ مولانا کرامت اللہ " "

۶۰۔ عبدالحکیم " "

۶۱۔ بہ طفیل نبی الہی " "

۶۲۔ خادم شرع عزیز محمد عبدالعزیز " "

۶۳۔ شہود الحق بتوفیق خداباد " "

۶۴۔ ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی شارح ابوداؤد رحمہ اللہ

۶۵۔ نعم المولیٰ و نعم النصیر " "

۶۶۔ مولانا محمد یعقوب بابا خیلی " "

۶۷۔ محمد حفیظ اللہ " "

۶۸۔ مولانا محمد یوسف " "

۶۹۔ غلام اکبر خاں مستی محمدی " "

۷۰۔ ہست منصور علی احمد " "

۷۱۔ مولانا محمد حسن قادری غفوری " "

۷۲۔ محمد صدیق صاحب " "

۷۳۔ مولانا عین الدین " "

۷۴۔ مولانا محمد شفیع مدرسہ عبدالرب دہلی " "

۷۵ اشفاق الرحمٰن فتح پوری دہلی " "

۷۶ مولانا عبدالوہاب دہلوی " "

۷۷۔ مولانا علی محمد دہلوی رحمہ اللہ
۷۸۔ مولانا ڈپٹی احسن حسن محدث دہلوی ″ ″
۷۹۔ مولانا محمد بن عبداللہ الغزنوی امرتسری ″ ″
۸۰۔ مولانا محمد اشرف ″ ″
۸۱۔ مولانا علم الدین حسین ″
۸۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب جامع اثریہ لائل پور

۸۲۔ حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ دہلوی رحمہ اللہ
۸۳۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ″
۸۴۔ مولانا ضیاء الرحمٰن عمر پوری ″ ″
۸۵۔ مولانا رحیم بخش صاحب مصنف سلسلہ کتب اسلام لاہور۔ رحمہ اللہ علیہ
۸۷۔ محقق شہیر مولانا عبدالقادر عارف حصاری

فہرست مضامین

باب الجنائز

باب القبور

باب ایصال ثواب

باب سماع موتیٰ

باب الروح

باب التعزیت

ضمیمہ فہرست

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اُصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشادِ خداوندی ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اُصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے علمائے حدیث کے فتاوی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاوی اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ علمائے اُمت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوے کو کتاب وسنت پر پیش کرو، اگر خلاف پاؤ تو اُسے چھوڑ کر کتاب و سنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علماء کرام کا تبحر علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی ان کی تحقیق مذہبی، ان کے محققانہ اصول یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمائے کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا منصب نہیں، یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل وکرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ؎ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاوی میں خطأ معلوم ہو تو بجائے طعن وتشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کو

نسیان پر محمول کریں، یہ ہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے، افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیا علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے
فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ۵)
یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو جو بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالےٰ اور قیامت پر یقین ہے ؎

اصلِ دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن پس حدیثِ مصطفیٰ برجاں مسلّم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

ایک نئے اور قیمتی مآخذ کا اضافہ اور اس کا تعارف

گذشتہ سال گرمیوں میں عزیزم برخوردار حافظ عبدالرشید اظہر سلمہ اللہ اپنے احباب (پروفیسر محمد سلیمان اظہر و عبدالمجید اصلاحی) کے ہمراہ اپنے بعض کاموں سے بالاکوٹ و آزاد کشمیر کے سفر ذی ظفر پر گئے، تو حسن اتفاق سے دو تین یوم ان کا قیام محترم قاضی محمد عبداللہ صاحب ایم۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ خانغوری آف مانسہرہ کے ہاں بھی رہا۔ بقول ان کے انہوں نے قاضی صاحب، زیدمجدہ کے بیش قیمت علمی کتب خانہ سے جی بھر کر استفادہ کیا۔

قاضی صاحب کا خاندان سرحد و ہزارہ کے علاقہ میں تحریک اہلحدیث کا مرکز اور عمل بالحدیث کا واحد علمبردار ہے، اور علاقہ بھر میں جہاں کہیں کتاب و سنت کی روشنی نظر آتی ہے، وہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ (م ۱۲۴۶ھ) کے بعد اسی عظیم المرتبت خاندان کے فیضان کا اثر ہے، ورنہ اس علاقہ میں خانقاہی نظام کا دور دورہ تھا، اور دور دور تک کہیں اللہ و رسول کی بات سنانے والا کوئی نظر نہ آتا تھا،

اس علمی خاندان کے اکثر بزرگوں کا سلسلہ تلمذ استاذ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے ملتا ہے، اور عملی طور پر ان کی تمام تر کوششیں شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک کے ساتھ رہی ہیں، ہمارے ہاں اکثر و بیشتر جب سرحد و ہزارہ میں تحریک اہلحدیث اور مسلک حدیث کی اشاعت کی بات چلتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہاں سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے، سید صاحب کے تلامذہ اسی خاندان کے بزرگ ہیں، انہیں غزنوی بزرگوں سے دلی لگاؤ ہے، اور ہمیشہ سے ان کے باہمی تعلقات رہے ہیں، ان بزرگوں میں سے درج ذیل کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں،

(۱) قاضی عبدالصمد بن قاضی محمد ارشد المتوفی ۱۲۶۸ھ (شاہ اسمٰعیل شہید سے فیضاب ہوئے)

(۲) قاضی محمد حسن بن ابی الارشد محمد گل داماد و جانشین قاضی عبدالصمد ؒ المتوفی ۱۳۰۱ھ (شاہ شہید رح سے فیض یاب ہوئے)۔

(۳) قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۲۵ رجمادی الاخری ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء (سید نذیر حسین محدث دہلوی، سید عبداللہ غزنوی، اور قاضی محمد حسن ؒ مذکور سے فیض حاصل کیا، میاں صاحب کے معروف شاگرد ہیں، رد بدعات میں متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں)۔

(۴) قاضی محمد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء ۶ جمادی الاخری ۹ نومبر مؤلف فتاویٰ و صاعقۃ الرحمٰن (اساتذہ میں حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ، سید عبداللہ غزنوی ؒ، سید عبدالجبار غزنوی ؒ، قاضی محمد حسن ؒ والد خود اور مفتی عبداللہ ٹونکی قابل ذکر ہیں)۔

(۵) قاضی ابو اسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن ؒ المتوفی یکم جون ۱۹۲۳ء ۶ صفر ۱۳۵۲ھ عربی کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے۔ مدح حدیث اور اہلحدیث میں کئی ایک قصائد لکھے، "عون المعبود" کی تالیف میں شریک رہے، اساتذہ میں میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی، (م ۱۳۲۰ھ) شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد حسن والد خود کے نام ملتے ہیں،

(۶) حافظ محمد غوث بن حافظ محمد محسن المتوفی ۱۳۴۴ھ (اساتذہ سے صرف مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام مل سکا)۔

اس وقت اس عظیم خانوادے کی علمی وعملی یادگار محترم قاضی عبداللہ صاحب مدظلہ (ایم۔ اے۔ ایل۔ بی علیگ) بقید حیات ہیں، اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، موصوف زبردست عالم، اور بلند پایہ اخلاق کے حامل ہیں، موصوف نے ان چھ بزرگوں کے حالات پر "فتح الغفور فی تراجم علماء خانفور" لکھی جو طباعت کے لئے کسی صاحب نظر کی منتظر ہے۔

ان بزرگوں کا مناظروں اور مناقشوں کا دور تھا۔ ان کی تصانیف میں بھی مناظرانہ رنگ غالب ہے۔ فتاوی صاعقۃ الرحمان علی حزب الشیطن، بھی کسی فتاوی کا رد ہے، اور انتہائی ٹھوس اور مدلل ہے۔

انشاء اللہ مکمل مسودہ علی الترتیب "فتاوی علماء حدیث" کی جلدوں کی مناسبت سے ہدیۂ قارئین کر دیا جائے گا۔ آخر میں ہم محترم قاضی عبداللہ صاحب، مدظلہ کے بے حد شکر گزار ہیں، کہ ان کی عنایت سے یہ علمی وتحقیقی مواد گوشۂ گمنامی سے نکل کر قارئین تک پہنچا، نیز برخوردار حافظ عبدالرشید کے کہ انہی کی وساطت سے ہماری رسائی ہوئی، اور انہوں نے نہ صرف مطلوبہ حصہ نقل کرلیا، بلکہ اسے اردو میں بھی منتقل کر دیا۔

اللہ رب العزت سب کو عمل صالح کی توفیق بخشے، آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ

علی محمد سعیدی

جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتاوٰی علمائے حدیث

جرائد اہلحدیث کی نظر میں

تبصرہ محدّث لاہور

شرعی مسائل میں علمائے کرام کے جوابات کا نام فتویٰ ہے، ان کی حیثیت مشورہ رائے اور رہنمائی کی ہوتی ہے۔ ان کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا، ہاں سرکاری حیثیت میں عدالتیں جو فیصلے سناتی ہیں، ان کو ایک قانونی حیثیت بھی حاصل ہوجاتی ہے، گو علماء کرام کے فتووں کو قانونی درجہ حاصل نہیں رہا، تاہم امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے انہی سے زیادہ کام لیا گیا ہے، اور ملت اسلامیہ نے بھی انہی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، کیونکہ یہ بلا مشقت ... مل جاتے ہیں، عدالتی نظام پر بعض اوقات غیر صالح حکمرانوں کی سرکاری دلچسپیاں اور ججوں کے ذاتی مصالح بوجھ بن جاتے ہیں، اس لئے عوام نے ان کی طرف بہت کم رجوع کیا ہے، اس سلسلے میں انہی بوریہ نشینوں کو سواد اعظم کا جتنا اعتماد حاصل رہا ہے، سرکاری عدالتوں کو نہیں رہا، بلکہ یہ عدالتیں بھی ہمیشہ انہی مبارک ہستیوں کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں، فتاوٰی کا یہ سلسلہ نزول وحی کے وقت سے جاری ہے، قرآن حکیم اور احادیث پاک میں یہ کثرت سے ملتے ہیں، اس کے بعد صحابہ تابعین اور دوسرے علمائے حق کے جو فتاوے منظر عام پہ آئے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے، تو ایک دفتر بے پایاں جمع ہوجائے، بہرحال ہمارے نزدیک وہ فتاوے بالخصوص محفوظ کرنے کے قابل ہیں جو مختلف شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کی بنیاد پر مبنی نہیں، بس بلکہ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ سے ماخوذ ہیں، کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی میراث اور امانت ہیں، زیر تبصرہ فتاوے بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی ہے، ان فتاوٰی کے مطالعہ سے رہنمائی کے علاوہ کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور انسان اس چاشنی سے شاد کام بھی ہوتا ہے، جو جعلی وساطتوں کے چکروں میں پڑ کر حاصل نہیں ہوسکتی فاضل مرتب حضرت مولنا علی محمد سعیدیؒ کے علم و عمل اور مساعی جمیلہ میں اللہ

برکت دے، انہوں نے ان مبارک فتاووں کو یکجا کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے، یہ وہ امانت ہے، اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جاتی، تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوتا، علامہ موصوف نے جن فتاووں (مرتب یا غیر مرتب) کو جمع کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں،

(۱) فتاویٰ عزیزیہ
(۲) فتاویٰ نذیریہ
(۳) فتاویٰ شیخ حسین عرب
(۴) فتاویٰ غزنویہ
(۵) مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں
(۶) فتاویٰ ثنائیہ
(۷) فتاویٰ ستاریہ
(۸) فتاویٰ مولانا عبدالجبار عمرپوری
(۹) فتاویٰ دلیل الطالب
(۱۰) فتاویٰ تنظیم اہلحدیث
(۱۱) فتاویٰ الاعتصام
(۱۲) فتاویٰ اہلحدیث سوہدرہ
(۱۳) فتاویٰ اہلحدیث دہلی
(۱۴) فتاویٰ ترجمان اہلحدیث دہلی
(۱۵) فتاویٰ گزٹ اہلحدیث دہلی
(۱۶) فتاویٰ محدث دہلی
(۱۷) فتاویٰ قوانین فطرت
(۱۸) فتاویٰ صحیفہ اہلحدیث کراچی

ان کو جمع کرنا اور منتشر مواد کو فراہم کرنا آسان بات نہیں ہے، خدا جانے موصوف کو اس کے لئے کتنی محنت اور زحمت اٹھانا پڑھی ہو گی، خاص کر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، کہ موصوف نے یہ تمام مساعی جمیلہ محض اللہ کے سہارے پر انجام دی ہیں، اب وقت حالات اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، کہ ان کی نشر و اشاعت میں کھل کر ان سے تعاون کیا جائے۔ ان فتاووں میں اختلاف آراء بھی پایا جاتا ہے، جو علمی استعداد کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے، اس سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نوع بہ نوع دلائل، اور اسلوب استدلال کے نظارہ سے علم و تحقیق کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

تبصرہ "المعارف" لاہور

فتاویٰ علماء حدیث کا حصہ دوم پیش نگاہ ہے، جو کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے، اس میں نماز کے

میں تمام ضروری مسائل مع علماء کرام کے فتاویٰ اور مفصل حوالوں کے جمع کر دیئے گئے ہیں، اس میں جن علماء عظام کے فتاویٰ درج کیے گئے ہیں، ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق ڈیانوی، (صاحب عون المعبود) مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا خرم علی بلہوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، سید سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ، مولانا عبدالحق ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ، مولانا عبدالجلیل سامرودی، کے اسماء گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں،

کتاب اپنے موضوع میں بڑی اہم ہے، اور اس میں نماز سے متعلق پیش آئندہ ہر مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے، اور اس سلسلے میں فاضل مرتب کو مذکورہ بالا اصحاب افتاء میں سے جس مفتی کا جو فتویٰ ملا اس میں درج کر دیا، جس سے کتاب کی فقہی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے،

ایک خاص موضوع کے متعلق مختلف کتب و رسائل میں بکھرے ہوئے، فتاویٰ کو یک جا خاص ترتیب کے ساتھ جمع کرنا بہت مشکل، اور محنت طلب کام ہے، جو مرتب کتاب مولانا علی محمد سعیدی نے بڑی خوبصورتی، اور عمدگی سے سرانجام دیا ہے، یہ ایک خدمت دین ہے، ہم اس پر مرتب موصوف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں، اپنے اسلاف کے ان علمی، اور فقہی کارناموں کو وہی شخص یک جا کر سکتا، اور ان کو موضوع وار ترتیب دے سکتا ہے، جو خالص علمی ذوق کا حامل ہو، خوشی کی بات ہے، کہ اس کتاب کی ترتیب میں یہ خوبی موجود ہے، کتاب میں متعدد مقامات پر ان کے حواشی ہیں، جو کتاب کی افادیت میں مزید اضافے کا باعث ہیں،

نماز کے بعض مسائل کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور عالم و فقیہہ شیخ جلال الدین احمد جہانیاں، جہاں گشت، شیخ محمد ارشد جونپوری شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری، شیخ احمد امیٹھوی، اور مرزا مظہر جان جاناں کے فقہی مسلک کی وضاحت کی گئی ہے!۔

المعارف لاہور جلد ۸ شمارہ ۸، ۹ صفحہ ۱۰۵

بابت اگست و ستمبر ۱۹۷۵ء

ترجمان اہلحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاویٰ کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے، بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے ابھارا اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کئے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے ان فتاوے کو جمع کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوے نذیریہ تھا۔ جو شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاویٰ ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاویٰ ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوے مثلاً فتاویٰ نذیریہ فتاوے غزنویہ، فتاوے ثنائیہ، فتاوے ستاریہ سے لے کر تنظیم اہلحدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی

…دیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسائل کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش وافتادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت وکتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور اسے سفید کاغذ پر حسین وجمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔
ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاهور ہندوپاک میں علماء اہلحدیث کی گرانقدر علمی ودینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ مؤرخ کی نگاہِ التفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن وحدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقیہہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجتاً اس طرح بہت سی علمی وقیمتی تحریرات ودستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات مہیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن وقلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحیٰ رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا تکاد ان تحصی ولو انها جمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کیے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۵ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)
حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کیے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسریؒ مولانا عبدالرحمٰن صاحب امبارک پوریؒ ۔ مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ مولانا محمد داؤد صاحب غزنویؒ اور دیگر علمائے مرحومین وموجودین کے فتاوی شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ ومحققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابل داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کار خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اہلحدیث لاہور : ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور گوشہ نشین اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر ہی کتاب وسنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے۔

فتاوی علمائے حدیث کتاب الزکوۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک وہند میں علمائے اہلحدیث نے قرآن وسنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن وتاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوی ہے تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتار کے جواب میں براہ راست کتاب وسنت سے دلائل پیش کئے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب وسنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض ونفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

ے بحمداللہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم طبع ہو کر اہل فکر ونظر سے داد تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ جلد پنجم طبع ہو چکی ہے

کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوےٰ عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوےٰ نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاوےٰ تنظیم اہلحدیث، فتاوےٰ الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت وکتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گذارش کریں گے کہ وُہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب (شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور)

الحمد للہ وحدہٗ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ۔ اما بعد! "فتاوےٰ علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابوالحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گذرا، بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نور بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالےٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود بقلم خود الجامعۃ السلفیہ لائلپور ۱۲ر فروری ۱۹۷۴ء

تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوےٰ علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوےٰ سے نذرانہ پیش کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسان عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو مشعل راہ بنائیگی کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب وسنت تھا خواہ اس کے مخالف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وُہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاصکر اس دور میں جب کہ جدید علمار کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوےٰ کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیق مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مؤلف کو اجر عظیم اور تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب)، مدرسہ دار الحدیث اوکاڑہ ضلع ساہیوال

فتویٰ پوچھنے کا طریقہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے: فَکَانَ وَظِیفَۃُ اَنْ یَّسْاَلَ فَقِیْھًا مَا حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم فِیْ مَسْئَلَۃٍ کَذَا وَکَذَا فَاِذَا اُخْبِرَ تَبِعَہٗ۔ یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے۔ کہ کسی عالم سے پوچھ لے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے۔ جب خبر پاوے اُس پر عمل کرے۔

فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رحؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے: اگر پوچھا جاوے عالم سے وہ مسئلہ جس کو تحقیق وہ جانتا ہے۔ ساتھ کھُلے حکم قرآن شریف کے یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوے دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا۔

فتویٰ پر عمل کرنیکا طریقہ

شیخ ابن عربی رحؒ نے فتوحات میں لکھا ہے: کہ اگر تجھ کو مفتی بتلادے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے۔ تو اُس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میری رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے، جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوے مختلف دیا۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پہ دل کا میلان ہو اُس پر عمل کرے

تشریحات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

از قلم: حضرت مولانا مولوی عبدالرحمان صاحب محدث مبارک پوری المتوفی ۱۶ شوال ۱۳۵۲ھ قدس اللہ سرہ العزیز صاحب تحفۃ الاحوذی وابکار المنن وتحقیق الکلام وکتاب الجنائز وغیرہ وغیرہ۔

جنائز کے احکام ومسائل احتضار کے وقت سے لے کر دفن تک اس کثرت سے ہیں اور اس قابل ہیں کہ مستقل تصنیف میں جمع کئے جائیں یہی وجہ ہے کہ محدثین رح نے اس باب میں کتاب الجنائز کے نام سے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہمارے علم میں (واللہ تعالےٰ اعلم) محدثین میں سے اول اول جس نے اس باب میں مستقل کتاب لکھی وہ محدث عبدالوہاب ابن عطاء الخفاف بصری نزیل بغداد ہیں۔ آپ بصرہ کے مشاہیر محدثین سے ہیں فن حدیث میں خالد حذاء، سلیمان تیمی، اور سعید بن عروبہ وغیرہم کے شاگرد ہیں اور امام احمد بن حنبل رح وغیرہ کے استاذ ہیں، اور ابو عمرو بن علاء سے جو قراء سبعہ سے ایک مشہور قاری ہیں، فن قرأت حاصل کیا ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنے صحیح اور ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں آپکی سند سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ محدث سعید بن ابی عروبہ کی صحبت میں ایک مدت تک تھے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رح نے آپ کی کتاب الجنائز سے فتح الباری میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں۔

محدث عبدالوہاب بن عطاء کے بعد علامہ مزنی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی (عون المعبود، حاشیہ سنن ابی داؤد میں اس کتاب کی بعض روایتیں منقول ہیں۔ لیکن اصل کتاب سے نہیں علامہ ممدوح امام طحاوی کے ماموں اور امام شافعیؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ نام اسمٰعیل بن یحییٰ کنیت ابوابراہیم وطن اور مسکن مصر تھا۔ امام شافعی رح کی تائید ونصرت میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، امام شافعی رح فرماتے ہیں۔ "المزنی ناصر مذہبی"، جب آپؒ کتاب "مختصر" تصنیف کر رہے تھے، تو جس مسئلہ کی تحقیق سے فارغ ہوتے، اور

اس کو کتاب میں درج کرتے تو دو رکعت شکرانہ نماز پڑھتے۔ نماز باجماعت ادا کرنے کا اتنا اہتمام واہتمام رہتا تھا کہ جب کوئی نماز جماعت کے ساتھ نہیں ملتی تو اس کو پچیس ۲۵ مرتبہ پڑھتے تاکہ جماعت کا ثواب حاصل ہو امام شافعی رح کی تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ اور آپ ہی نے ان کو غسل دیا تھا ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ اور قرافہ صغریٰ میں امام شافعیؒ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔

علامہ مزنی کے بعد محدث ابوبکر مروزی نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی حافظ ابن حجر نے آپ کی اس کتاب سے تلخیص الحبیر میں بعض حدیثیں نقل کی ہیں۔ نام احمد بن علی ہے۔ اور وطن اور مسکن مرو ہے جو ملک خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ فن حدیث میں امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین وغیرہ کے شاگرد اور امام نسائی اور ابو عوانہ و طبرانی وغیرہم کے استاذ ہیں۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں "کان من اوعیۃ العلم وثقات المحدثین له تصانیف مفیدۃ وسماتین" یعنی ابوبکر مروزی بہت بڑے عالم اور ثقات محدثین میں سے تھے۔ اور مفید کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام نسائی نے اپنے سنن میں آپ کی سند سے کثرت سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ شہر حمص کے عہدہ قضا پر مامور رہتے تھے۔ پھر دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔ اور دمشق ہی میں ۲۹۲ھ میں وفات پائی۔

محدث ابوبکر کے بعد محدث ابن شاہین نے کتاب الجنائز کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی آپ کی اس کتاب کی نسبت حافظ زیلعیؒ نصب الرایہ میں لکھتے ہیں۔ "مجلد وسط" یعنی اوسط درجہ کے حجم کی کتاب ہے۔ نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی ابن شاہین عراق کے ایک مشہور محدث ہیں۔ نام عمر بن احمد کنیت ابوحفص ہے۔ دمشق، شام، فارس اور بصرہ میں بڑے بڑے ائمہ حدیث سے حدیث پڑھی ہے۔ ابن الفوارس کا بیان ہے۔ کہ جس قدر کتابیں ابن شاہین نے تصنیف کی ہیں۔ کسی محدث نے تصنیف نہیں کیں۔ محمد بن عمر داؤدی نے ابن شاہین سے سنا وہ کہتے تھے کہ اس وقت تک جس قدر روشنائی میں نے خریدی ہے۔ اس کا حساب کیا تو وہ سات سو درہم کی ہوئی ہے آپ کے سامنے جب مذہب کا تذکرہ ہوتا تو فرماتے۔ "انا محمدی المذہب" یعنی میرا مذہب محمدی ہے۔ آپ کا سن ولادت ۲۰۹ھ ہے۔ اور سن وفات ۲۸۵ھ ہے۔ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں ابن شاہین کی کتاب الجنائز سے متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ (کتاب الجنائز ص ۲ تا ۴)

دیگر! جب کوئی شخص مرنے کے قریب ہو تو سنت ہے کہ اس کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں۔ یعنی داہنی کروٹ پر اس طرح لٹائیں کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اگر کسی وجہ سے اس طرح نہ لٹا سکیں تو چیت لٹائیں کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوں اور سر کے پیچھے تکیہ یا کوئی اور چیز رکھ کر اونچا کر دیں کہ منہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو جائے اس طرح لٹانے میں سنت بھی ادا ہو جائے گی۔ اگر قبلہ کی طرف متوجہ کرنے میں مریض کو تکلیف ہو تو جس حالت پر ہو اسی حالت پر اس کو چھوڑ دیں۔

اس کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کریں یعنی اس کے پاس بیٹھ کر یہ کلمہ بآواز بلند کہیں کہ وہ سنے اور یہ کلمہ اس کو یاد آجائے اور اس کو کہے مگر ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ کہیں۔ لگاتار دیر تک نہ کہتے رہیں اور نہ چلا کر شور و غل سے کہیں کیونکہ مریض پر جانکنی کا وقت بڑا نازک ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دل آزردہ خاطر ہو کر کہیں زبان سے کوئی ناملائم بات نکالے یا اس کے دل کو اس سے نفرت ہو۔

مریض جب ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے تو پھر تلقین کی ضرورت نہیں ہاں اس کلمہ کے بعد کوئی دوسری بات بولے تو پھر تلقین کرنا چاہئے کہ وہ اس کلمہ کو پھر کہے اور اس کا آخری کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو۔

ابوداؤد میں حضرت معاذ سے روایت ہے قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور مسلم میں ابوذر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ جس بندہ نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا پھر اسی پر مر گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ عبداللہ بن مبارک جب قریب المرگ ہوئے۔ تو ایک شخص ان کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرنے لگا اور اس کلمہ کو بار بار کہنے لگا۔ عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ جب میں اس کلمہ کو ایک بار کہہ لوں۔ تو میں اسی پر ہوں جب تک کہ میں کوئی اور بات نہ بولوں۔ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک کی مراد وہ حدیث ہے۔ کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جس شخص کا آخری کلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہاں مجھے ابوزرعہ محدث کا قصہ یاد آگیا۔ حافظ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ جب ابوزرعہ قریب المرگ ہوئے۔ تو لوگوں نے ان کو کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین کرنی چاہی۔ اور باہم حضرت معاذ کی حدیث کا تذکرہ

کرنے لگے۔ جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ پس ابوزرعہ نے حضرت معاذ کی حدیث کو مع الاسناد پڑھنا اور سنانا شروع کیا جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر پہنچے اور اس کو زبان سے کہہ چکے۔ پس اسی وقت ان کی روح قبض ہو گئی۔ سبحان اللہ کیسی اچھی موت ہوئی اور کیسا اچھا خاتمہ ہوا اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُسْنَ الْخَاتِمَۃِ وَاجْعَلْ اٰخِرَ کَلَامِنَا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اٰمِیْن جانکنی کے وقت مریض کے پاس سورۃ یاسین پڑھنے کا بھی حکم ہے۔

جب روح قبض ہو جائے تو آنکھیں بند کر دی جائیں اور ہاتھ پیر سیدھے کر دیئے جائیں۔ اور تمام بدن کپڑے سے ڈھانک دیا جائے۔ اور میت کے لیے اور اپنے لیے دعا و استغفار کریں۔ اور کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالیں کیونکہ اس وقت جو کچھ کہا جاتا ہے۔ فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ پر داخل ہوئے اور ان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ تو آپ نے ان کو بند کر دیا۔ پس ان کے گھر کے بعض لوگ رونے چلانے لگے۔ آپ نے فرمایا اپنی جانوں کے لیے بجز نیک دعا کے بد دعا نہ کرو اس واسطے کہ جو تم لوگ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے ابوسلمہ کے لئے یوں دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاخْلُفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ۔ یعنی اے اللہ تو ابوسلمہ کو بخش دے۔ اور ہدایت والوں میں اس کا درجہ بلند کر اور اس کے پس ماندوں میں اس کا خلیفہ بن یعنی ان کا محافظ و نگہبان رہ اور ہم لوگوں کی۔ اور اس کی مغفرت کر یارب العلمین اور اس کے واسطے اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے واسطے اس کی قبر میں روشنی کر روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے پس روح قبض ہو جانے کے بعد اہل میت کو یہ پڑھنی چاہیئے۔ اور بجائے ابی سلمہ کے اپنی میت کا نام لینا چاہیئے۔ مثلاً میت کا نام عبد اللہ ہے تو یوں کہنا چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰہِ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ موت کے صدمہ کے وقت صبر کرنا چاہیئے۔ اور یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ روایت کیا۔ اس کو مسلم نے حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب

میرے شوہر اول) ابوسلمہ نے وفات پائی تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا۔ اس خاندان میں پہلے شخص تھے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہلے ہجرت کی تھی پھر میں نے اس دعا کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے اس سے بہتر شخص (یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھ کو عطا فرمایا روایت کیا اس کو مسلم نے جو لوگ مصیبت کے وقت صبر کرتے ہیں۔ اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ یعنی خوشخبری دیدے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے بخششیں اور رحمتیں ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو راہ پائے ہوئے ہیں۔

میت پر نوحہ کرنا اور زور زور سے رونا بڑا گناہ ہے۔ آہستہ آہستہ رونا اور آنسو بہانا منع نہیں ہے بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت والوں کے نوحہ کرنے اور زور زور سے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب کیا جاتا ہے۔ اور بخاری مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں اس شخص سے بیزار ہوں جو مصیبت کے وقت سر منڈائے اور چلا کر روئے۔ اور کپڑوں کو پھاڑے" بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم میں سے وہ نہیں جو اپنے گالوں کو پیٹے اور گریبانوں کو پھاڑے اور جاہلیت کی پکار پکارے۔ یعنی رونے کے وقت زبان سے ایسی باتیں نکالے جو جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صدمہ موت کے وقت صبر جمیل کی توفیق بخشے اور بے صبری کے تمام کاموں سے بچائے۔

فائدہ! تلقین کی حدیث سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ تلقین کے وقت فقط لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا چاہیئے مگر حافظ ابن قیم وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے مراد شہادت کے دونوں کلمے ہیں یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دونوں کلموں کی تلقین کرنا چاہیئے وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

فائدہ! مرنے کے وقت ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظنی یعنی نیک گمان رکھنا چاہیئے یعنی اللہ تعالیٰ

کی وسیع رحمت اور اس کے کرم عام پر نظر کر کے یہ امید اور گمان رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ میرے گناہوں کو بخشے گا۔ اور مجھے جنت میں داخل کریگا۔ اور اپنے گناہوں پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ پر ہرگز بدگمان نہیں رکھنا چاہیئے۔ یعنی ہرگز یہ گمان نہیں رکھنا چاہیئے کہ وہ میری مغفرت نہیں کرے گا۔

بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں۔ یعنی میرے ساتھ جیسا گمان نیک یا بد رکھے گا۔ میں اس کے ویسے ہی گمان کے نزدیک ہوں۔ اور اس کے اسی گمان نیک یا بد کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرونگا۔ اور مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں سے ہر ایک شخص کو بس اسی حالت میں مرنا چاہیئے کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے۔ ہاں اپنے گناہوں سے نڈر بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ جامع ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے۔ اور وہ جان کنی کی حالت میں تھا پس آپ نے فرمایا تو اپنے کو کیسا پاتا ہے؟ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں۔ اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسے وقت میں جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز دیتا ہے۔ جس کی وہ امید رکھتا ہے۔ اور بے خوف کرتا ہے۔ اس چیز سے جس سے وہ ڈرتا ہے۔

فائدہ! موت کی سختی اور سکرات کی شدت کو مکروہ سمجھنا اور ناپسند کرنا نہیں چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موت کی سختی ہوئی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سینے پر ٹھیک دیئے ہوئے انتقال فرمایا پس میں آپ کے بعد کسی شخص کے واسطے موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی (بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کی موت کی سختی دیکھنے کے بعد کسی شخص کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی (جامع ترمذی)

فائدہ! ناگہانی موت کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی نہیں ہے۔ ابوداؤد میں عبید بن خالد سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگہانی موت غضب کی پکڑ ہے۔ اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ناگہانی موت اچھی ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ کہ ناگہانی موت مومن کے واسطے راحت ہے۔ اور

فاجر کے واسطے غضب ہے علماء حدیث نے ان حدیثوں میں اس طرح جمع و تطبیق بیان کی ہے۔ کہ جو شخص موت سے غافل نہ ہو اور مرنے کے لئے ہر وقت تیار و مستعد و آمادہ رہتا ہو۔ اس کے لئے ناگہانی موت اچھی ہے۔ اور جو شخص ایسا نہ ہو اس کے لئے اچھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ! جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات کی موت بہت اچھی ہے۔ جامع ترمذی ص ۱۸۰ میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مر گیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبر کے فتنہ سے بچائے گا۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ لیکن اس کی تائید متعدد حدیثوں سے ہوتی ہے الحمد للہ کہ میرے والد مرحوم نے جمعہ ہی کے دن بعد نماز جمعہ اس دار ناپائیدار سے دار البقاء کو رحلت فرمائی ہے۔ اور وہ جمعہ بھی رمضان المبارک کے آخیر عشرہ کا جمعہ تھا غفر اللہ لہ ورضی عنہ دو شنبہ کے دن کی بھی موت اچھی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دو شنبہ ہی کے دن انتقال فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے مرض الموت میں دو شنبہ کے دن اپنے مرنے کی تمنا ظاہر کی تھی۔ مگر انکا انتقال منگل کی رات کو ہوا۔

فائدہ! قبر میں ہر ایک شخص سے سوال ہوگا۔ مگر چند لوگ ایسے ہیں جن سے سوال نہیں ہوگا۔ ازانجملہ ایک شہید فی سبیل اللہ ہے۔ اور ایک مرابط یعنی وہ شخص جو سرحد اسلام کی حفاظت کرے۔ اور ایک وہ شخص جس کی موت جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو ہوئی ہو۔ جیسا کہ اوپر ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوا۔ حافظ ابن حجر نے "بذل الماعون" میں لکھا ہے کہ جو شخص طاعون میں مبتلا ہو کر مرے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا کیونکہ وہ نظیر شہید فی المعرکہ ہے۔ اور اسی طرح جو شخص طاعون میں صابراً محتسباً ٹھہرا رہے۔ اور طاعون مقام سے نہ بھاگے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر نہ مرا ہو کیونکہ وہ نظیر مرابط ہے۔

فائدہ! بعض موتیں شہادت کی موتیں ہوتی ہیں۔ ان موتوں سے مرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید فرمایا ہے۔ موطا امام مالکؒ اور ابوداؤد و نسائی میں جابر بن عتیق رضی اللہ عنہ سے شہید ہونے کے علاوہ شہادت کی سات قسمیں ہیں۔ جو طاعون سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو ڈوب کر مرا وہ شہید ہے اور جو ذات الجنب سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو پیٹ کی بیماری سے مرا وہ شہید ہے۔ اور جو آگ میں جل کر مرا وہ شہید ہے۔ اور جو دیوار یا کسی اور چیز کے نیچے دب کر مرا وہ شہید ہے۔ اور جو عورت ولادت کے وقت مری وہ شہید ہے۔ اور ابن ماجہ

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ مسافر کی موت شہادت ہے۔ اسی طرح پر اور بھی چند موتوں کا شہادت ہو
احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن ان موتوں سے مرنے والے حکمی شہید ہیں۔ اصلی شہید اور حکمی شہیدوں کے
درمیان احکام جنائز کے متعلق کئی باتوں کا فرق ہے۔ ازانجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید بغیر غسل کے دفن کیے جا
ہیں۔ اور ان حکمی شہیدوں کو غسل دینا چاہیئے۔ اور ازانجملہ ایک یہ کہ اصلی شہید پر جنازہ کی نماز پڑھنے کے بار
میں حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ اسی وجہ سے اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پڑھ
چاہیئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اور ان حکمی شہیدوں پر جنازہ کی نماز بالاتفاق پڑھ
ضروری ہے۔

فائدہ! اگر کوئی شخص کسی قریب المرگ سے یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا فلاں شخص سے
میرا اسلام کہہ دینا تو اس میں کچھ حرج نہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔

فائدہ! کسی مصیبت اور تکلیف پہنچنے کی وجہ سے موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیئے حضرت انس
سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں میں کوئی شخص کسی مصیبت پہنچنے کی وجہ سے ہرگز مو
کی آرزو نہ کرے۔ اگر اس کو آرزو کرنا ہی ہے۔ یوں کہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِيْ
وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِيْ (متفق علیہ) یعنی اے اللہ مجھ کو زندہ رکھ جب تک میر
لئے زندگی بہتر ہو اور مجھ کو وفات دے۔ جب میرے لئے وفات بہتر ہو۔

جب روح قبض ہو جائے تو فوراً تجہیز و تکفین کا سامان کرنا چاہیئے حضرت حسین بن وحوح سے روا
ہے کہ طلحہ بن براء مریض ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے پس آپ نے
فرمایا کہ میرا تو بس یہی گمان ہے کہ طلحہ کی موت آ پہنچی تو ان کے مرنے کی مجھے خبر دینا اور تجہیز و تکفین میں جلد
کرنا اس واسطے کہ مسلمان کی لاش کو اس کے لوگوں میں روکنا مناسب و سزاوار نہیں۔ روایت کیا اس کو
ابو داؤد نے۔

اگر کوئی رات کو مرے اور رات ہی کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ ہو سکے تو رات ہی کو دفن کر دیں۔ دن ک
انتظار نہ کریں۔ رات کو مردے کا دفن کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات ہی
کو دفن کیئے گئے ہیں۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رات ہی کو دفن کی گئی ہیں۔ اور اگر رات کے وقت

تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ نہ ہو سکے۔ تو البتہ دن کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور جمعہ کے دن اگر نماز جمعہ کے قبل تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ سے فراغت ہو سکے تو قبل ہی فارغ ہو جانا چاہیے۔ اور نماز جنازہ میں زیادہ لوگوں کے شریک ہونے کے خیال سے نماز جمعہ کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ قرابت مند اور دوست احباب کو تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شریک ہونے کے لیے موت کی خبر دینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ نے باہم ایک دوسرے کو موت کی خبر دی ہے۔ اور حدیث میں جو نعی کی ممانعت آئی ہے۔ سو نعی کے متعلق موت کی خبر دینا مراد نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح پر موت کی خبر دینا مراد ہے۔ جس طرح پر زمانہ جاہلیت میں دستور تھا۔ حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب کوئی مرتا تو کسی کو محلوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں بھیجتے وہ گشت کر کے بآواز بلند اس کے مرنے کی خبر کرتا اور نہایہ جزری وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب کوئی شریف آدمی مرتا یا قتل کیا جاتا تو قبیلوں میں ایک سوار کو بھیجتے جو چلا کر اس کی موت کی خبر کرتا کہ فلاں شخص مر گیا یا فلاں شخص کے مرنے سے عرب ہلاک ہو گیا پس موت کی خبر جاہلیت کے اس طریقے پر دینا ممنوع اور ناجائز ہے اور مجرد موت کی خبر دینا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اور صحابہ نے باہم ایک دوسرے کو دی ہے منع نہیں۔

کوئی شخص مر گیا اور اس نے اپنی بیوی کا دین مہر ادا نہیں کیا اور کچھ مال بھی نہیں چھوڑا تو اس صورت میں اس کی بیوی اگر اپنا دین مہر خوشی سے معاف کر دے تو بڑے ثواب کی بات ہے اور اپنے شوہر متوفی پر بہت بڑا احسان کرنا ہے۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی بیوی سے خواہ مخواہ دین معاف کرانا جائز نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ورثا کو لازم ہے کہ اس کی بیوی کا دین مہر اور دوسرے قرض خواہوں کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ جامع ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ یعنی مومن کی روح اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا قرض اس کی طرف سے ادا کیا جائے یعنی مومن قرض دار کی روح جنت میں نہیں داخل ہوتی۔ جب تک کہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا نہ کیا جائے۔ مسند احمد میں محمد بن عبد اللہ بن جحشؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ پھر زندہ ہو۔ پھر اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔

اور اس پر قرض ہو تو وہ جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ نیز مسند احمد میں سعد بن اطول سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا بھائی مرگیا۔ اور تین سو اشرفیاں چھوڑ گیا۔ اور چھوٹے بچوں کو چھوڑا۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ ان اشرفیوں کو ان بچوں پر خرچ کروں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا بھائی اپنے قرض کے ساتھ مقید ہے۔ سو تو اس کا قرض ادا کر سعد بن اطول کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کا کل قرض ادا کر دیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرض دار مرے اور مال چھوڑ جائے۔ تو اس کے وارثوں کو لازم ہے کہ اس کا قرض فوراً ادا کر دیں۔ اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا ہے۔ تو اگر قرض خواہ لوگ قرض معاف کر دیں یا وارث لوگ یا کوئی اور صاحب اپنی طرف سے ادا کر دیں تو خود بھی بہت بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور میت قرض دار کو بھی قرض کی قید سے رہائی ہو جائے۔

مسلم میں ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ یعنی جس شخص نے کسی محتاج قرض دار کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ اور ابوقتادہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں سے اس کو نجات دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایسے شخص کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے جو قرض دار مرتا اور مال نہ چھوڑ جاتا جس سے اس کا قرض ادا کیا جاتا۔ بلکہ صحابہ کو فرماتے کہ تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو۔ پھر جب فتوحات ہوئی۔ اور غنیمت کے مال آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قرض دار میت کا قرض خود اپنی طرف سے ادا فرماتے اور اس پر جنازہ نماز پڑھتے۔

(کتاب الجنائز از ص ۸ تا ص ۲۱) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۲)

مولانا مبارکپوری

ابوالعلی عبد الرحمان بن حافظ عبد الرحیم، مبارک پوری مولد و منشا ہے۔ اساتذہ میں حضرت حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم غازی پوری، حضرت میاں صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ حسین بن محسن انصاری یمنی قابل ذکر ہیں، آپ کے تلامذہ میں مولانا عبید اللہ محدث مبارکپوری شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی اور مولانا عبد الجبار کھنڈیلوی جیسی نادر روزگار شخصیتیں ہیں، آپ بہت بلند پایۂ اخلاق کے مالک تھے، آپ کی ساری عمر نصرت حدیث میں صرف ہوئی، "تحفۃ الاحوذی"، "ابکار المنن" اور "تحقیق الکلام" کی تصنیف آپ کے زندہ وجاوید کارنامے ہیں، جماعت اہلحدیث انکے بار احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی، اس کے علاوہ بھی آپ کی متعدد تصانیف ہیں، ۱۶ شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء کو وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شعر۔ ابوالعلی کان فردًا فی محاسنہ عن وصفہا لا وربی یقصر القلم

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ۔

باب التمنی للموت

سوال۔ شرح الصدور میں یہ حدیث ہے لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِلَّا اَنْ يَّثِقَ بِعَمَلِهِ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر جب اس کو اپنے عمل پر وثوق ہووے۔ تو ظاہراً اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی تمنا کرنا جو اس وقت جائز قرار دیا گیا ہے۔ کہ جب اپنے عمل پر وثوق ہووے تو یہ تعلیق محال ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے کلام پاک میں وارد ہوا ہے۔ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ۔ یعنی پس نکل جاؤ اطراف سے زمین اور آسمان کے اور نہ نکلو گے۔ مگر قوت سے یعنی لیکن تم کو قوت نہیں کہ نکل سکو گے یعنی عمل قبول ہونے کا دار و مدار اخلاق پہ ہے۔ اور اخلاق کا دار و مدار اس پر ہے کہ عجب اور ریا نہ ہووے اور اس سے بچنا دشوار ہے تو ثابت ہوا کہ محال ہے کہ عمل پہ وثوق ہووے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ اور بعضے علماء زمانہ سمجھتے ہیں کہ یہ تعلیق محال کے ساتھ نہیں اور عمل پہ وثوق ہونا ممکن ہے اور اس وقت جائز ہے کہ موت کی تمنا کی جاوے

جواب۔ یہ جو حدیث شریف میں ہے لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اِلَّا اَنْ يَّثِقَ بِعَمَلِهِ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے موت کی کوئی تم میں سے مگر اس وقت کہ اپنے عمل پہ وثوق ہووے تو اس حدیث کا ظاہری یہی معنے ہیں کہ تحریر فرمایا ہے یعنی تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے اور اس کی تین دلیلیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ روایت صحاح میں نہیں۔ دوسری کتاب میں ہے۔ اور عموم نہی کی روایت صحاح میں ہے تو عموم بہتر ہوا۔ تو چاہیئے کہ یہ روایت تعلیق بالمحال پہ حمل کی جائے۔ تا دونوں طرح کی روایات میں تا امکان تطبیق ہووے۔ اور دوسری[2] دلیل یہ ہے کہ صحاح میں عموم نہی کی جو روایات ہیں ان کی علت عام ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو اپنے عمل پہ وثوق ہووے۔

نہ کہ اس کے حق میں بھی منع ہے۔ کہ موت کی تمنا کرے۔ اور جو حکم ایسا ہو وے کہ شارح کے کلام میں اس کی عام علت مذکور ہو وے تو اس حکم کی تخصیص جائز نہیں اور وہ روایت کہ اس میں عام علت مذکور ہے یہ کہ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ يَنْزِلُ بِهٖ اِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ يَتُوْبَ اِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یعنی چاہیئے کہ آرزو نہ کرے۔ موت کی تم میں سے کوئی سبب کسی تکلیف کے کہ اس پر واقع ہوئے اس واسطے کہ وہ شخص یا گناہ گار ہے۔ تو شاید آئندہ توبہ کرے۔ اور یا نیک ہے تو شاید اس کی نیکی اور زیادہ ہوئے یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ جس کو اپنے عمل پر وثوق ہوگا۔ ضرور ہے کہ وہ اپنے کو نیک جانتا ہوگا۔ اور نیک کے حق میں بھی موت کی آرزو کرنا منع ہے۔ اس واسطے کہ پھر موت کے بعد ممکن نہ ہوگا۔ کہ نیکی میں زیادتی ہوئے۔ اور یہ علت اس شخص کے حق میں موجود ہے کہ اس کو اپنے عمل پر وثوق ہوئے۔ تو اس کے حق میں بھی نہی ثابت ہوئی البتہ اگر نہی کی علت ہوتی کہ اس میں تردد ہوئے کہ موت کے بعد کیا حال ہوگا یعنی عذاب ہوگا۔ یا راحت ہوگی۔ تو اس صورت میں اگر عمل پر وثوق ہوئے۔ تو نہی کی علت منتفی ہو جاتی ہے۔ لیکن فی الواقع نہی کی علت یہ ہے کہ موت کے بعد عمل موقوف ہو جائیگا۔ تو اس علت میں عمل پر وثوق ہونے کو کچھ دخل نہیں تو یہی امر متعین ہوا کہ سوال میں جو حدیث مذکور ہے اس میں تعلیق بالمحال ہے۔ اور تیسری (۲) دلیل یہ ہے کہ اگرچہ از روئے عقل کے محال نہیں عمل پر وثوق ہوئے۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ باعتبار عادت کے ضرور محال ہے۔ چنانچہ یہ مخفی نہیں اور اگر فرض کیا جائے کہ عادۃً بھی محال نہیں تو اس صورت میں بھی ضرور ہے کہ شرعاً محال ہے اس واسطے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لَا يُنْجِيْ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجات نہ دے گا تم میں سے کسی کو عمل اس کا تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کا عمل بھی آپ کی نجات کے لئے کافی نہ ہوگا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مگر یہ کہ چشم پوشی کرے۔ اللہ میرے حق میں اپنی رحمت کے سبب سے اور حسن بصری نے کہا ہے لَا يَخَافُ النِّفَاقَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يَاْمَنُهٗ اِلَّا مُنَافِقٌ یعنی نفاق سے کوئی نہیں ڈرتا ہے۔ مگر مؤمن ڈرتا ہے۔ اور نفاق سے کوئی بے خوف نہیں ہوتا ہے۔

حق بے خوف ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی بخاری کی تعلیقات میں ہے قاصد نہایت مستعجل تھا۔ لہٰذا حسب خواہ تفصیل فقیر لکھ نہ سکا۔ فقط فتاویٰ عزیزی جلد ۲ ص ۱۵۸/۱۵۹۔

موت کی دعا کرنا

(شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ)

سوال: مصیبتوں میں گِرکر موت کی دعا کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: موت مانگنے سے موت نہیں آیا کرتی۔ اس کا ایک وقت مقرر ہے کہ اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمَا لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ اس وقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے موت کے آنے کے لئے دُعا کرنا قبل از وقت فضول ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا یتمنیٰ احدکم الموت اما محسنا فلعلہ ان یزداد خیرا واما مسیئا فلعلہ ان یستعتب (رواہ البخاری) کوئی شخص تم میں سے مرنے کی آرزو نہ کرے، کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو درازئ عمر کی وجہ سے ممکن ہے زیادہ بھلائی کرے اور اگر بُرا ہے تو توبہ و استغفار کر کے خدا کو راضی کرے اور ایک حدیث میں اس طرح سے فرمایا۔ لا یتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ فان کان لابد فاعلا فلیقل اللھم احینی ما کانت الحیوۃ خیرا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی۔ (بخاری و مسلم) جب تم میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مرنے کی آرزو نہ کرے۔ اور اگر وہ آرزو کرتا ہے۔ تو اس طرح کر سکتا ہے کہ اے اللہ اگر میرا زندہ رہنا میرے حق میں اچھا ہے۔ تو زندہ رکھ۔ اور اگر مر جانا میرے حق میں بہتر ہے تو مجھے موت دے دے۔

ان حدیثوں سے موت کی آرزو کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن فتنے کے خوف کی وجہ سے آرزو جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ دعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ (بخاری) اے اللہ تو اپنے راستے میں مجھے شہادت نصیب فرما۔ اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت کر۔

اور حبِ لقاء اللہ کی وجہ سے موت کی تمنا کر سکتا ہے۔ جیسے ساحرین فرعون نے دعا کی

تھی۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ یا حضرت مریمؑ نے کہا تھا۔ يَا لَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا اور معاذؓ کی حدیث میں ہے وَإِذَا أَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ اور مسند احمد میں حدیث ہے یکرہ الموت والموت خیر للمؤمن من الفتن حضرت علیؓ نے ہجوم فتن کے وقت دعا کی اَللّٰهُمَّ خُذْنِيْ إِلَيْكَ فَقَدْ سَئِمْتُهُمْ وَسَئِمُوْنِيْ امام بخاریؒ کو جب امیر خراسان کے ساتھ جھگڑا پیش آیا تو یہ دعا کرنی پڑی اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِيْ إِلَيْكَ حدیث میں ہے کہ خروج دجال کے وقت ایک شخص کسی قبر پر گذرے گا۔ اور فتن و زلازل کو دیکھ کر کہے گا۔ يَا لَيْتَنِيْ مَكَانَكَ کاش کہ میں تیری جگہ ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف) اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا دنیا اور آخرت میں کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام پر مار اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کی حالت میں فرمایا تھا۔ اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْأَعْلٰى۔ خلاصہ یہ کہ حدیث اور قرآن مجید کے اشارہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی حالت میں موت کے لئے دعا کر سکتا ہے لیکن یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں یہ فرمایا ہے۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا۔ الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۴۰۔

حالات مولانا عبد السلام بستوی مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں ریاض نبوت علی صاحبہا السلام کے کے پھول بکھیرتے والے اس شیخ الحدیث نے حضرت مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی سے بھی کسب فیض کیا تھا، اور علاوہ ازیں دیگر اساتذہ سے بھی حدیث کی سند حاصل کی تھی خود ہی اپنے حالات مشکوٰۃ شریف کی اپنی اردو شرح "انوار المصابیح" میں قلمبند فرماتے ہیں، کئی تبلیغی و اصلاحی کتابوں کے مصنف ہیں "اسلامی خطبات" ان کی بڑی معروف کتاب مدت تک رسالہ "الاسلام" کے ذریعے توحید و سنت کی اشاعت کرتے رہے دہلی مرحوم میں قال اللہ و قال الرسول کی آخری آواز اور عظمت رفتہ کی یادگار شخصیت بھی ۱۳۹۳ھ میں وفات پا گئے شاہ ولی اللہ سے لیکر میاں نذیر حسین محدث تک دہلی میں جو صدا گونجتی رہی تھی اس شخصیت کے خاموش ہو گئی وقلب الدھر ...

باب المحتضر

سوال۔ جب کسی شخص کو مرض الموت میں گمان ہو جائے کہ اب زندگی کی امید نہیں دو ایک روز میں یا اس سے کچھ زیادہ دن میں فوت ہو جائے گا۔ تو اس وقت موت کے قبل جب تک مریض کا ہوش و حواس باقی رہے۔ اس کو کیا کرنا چاہیئے یا وُرثہ مریض کو اسکی رفاہیت اور نجات کے لیئے کیا کرنا چاہیئے۔

جواب۔ جب مریض زندگی سے مایوس ہو جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب جلد موت ہو جائے گی۔ تو اس کے وارثوں کو چاہیئے کہ پہلے غسل یا وضو یا تیمم کے ذریعہ سے بخوبی پاک کریں اور اس کو چار پائی پر قبلہ رو لٹا دیویں۔ اور اُس کے نزدیک نشست و شود وغیرہ کر کے پاک صاف کر دیویں اور اُس کے نزدیک گلاب چھڑکیں۔ اور وہاں عطر و خوشبو سے معطر کریں۔ دنیا اور باقی ماندہ لوگوں کا ذکر و فکر اس کے سامنے موقوف کریں۔ گریہ زاری ہرگز نہ کریں۔ اور زن و فرزند وغیرہ اس کے متعلقین کو اس کے روبرو نہ کریں۔ اگر وہ خود یاد کرے۔ تو دو ایک مرتبہ ان لوگوں کو اُس کے سامنے لے آویں۔ اور اس کے سامنے ہمیشہ کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھتے رہیں۔ تا خود اس کو یاد آجائے۔ اور وہ بھی پڑھے اور اس کو تاکید نہ کریں کہ کلمہ اور استغفار پڑھو۔ بلکہ خود وقتاً فوقتاً کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھا کریں تا اس کو یاد آجائے اور قبر کی سختی اور حساب کا خوف اور آخرت کی شدت اُس کے سامنے ذکر نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی وسعت رحمت کا ذکر کریں۔ اور گناہوں کی بخشش کا تذکرہ کریں۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت کا ذکر کریں۔ اور ارواح صالحین خصوصاً مشائخ اور پیرانِ

طریقت کا تذکرہ اُس کے روبرو کریں۔ اور وہ امور ذکر کریں کہ اس سے گناہ گاروں کے گناہ زائل ہوتے ہیں۔ اور یہ ذکر کریں کہ قلیل اعمال بھی قبول ہوجاتا ہے۔ تا خوف پر اُس کی امید غالب ہوجائے۔ اور جو کچھ اُس وقت وصیت کرے۔ وہ خوش دلی سے قبول کریں۔ اور ضامن ہوجاویں۔ کہ یہ وصیت ضرور ضرور بجالائیں گے۔ تا اس کا دل متردد نہ ہوجائے اور اُس کے روبرو سورۂ یٰسین اور سورۂ الحمد اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھیں۔ اور گاہ گاہ سورتیں اور آیات قرآنی پڑھا کریں۔ (فتاوی عزیزی جلد ۱ صفحہ ۴۲۲/۴۲۲)

سوال۔ کیا یہ بھی ممکن ہے۔ مالک ملک الموت کو کسی بندے کی طرف بھیجتا ہے۔ بندہ بجائے یقین حکم کے ملک الموت کو طمانچہ مارے اس کی آنکھ پھوڑ دے۔ پھر وہ فرشتہ خدا کے پاس جائے۔ اور خدا ان کی آنکھ ٹھیک کردے۔ پھر اس کو اسی کی طرف ارسال فرمائے۔ جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ (پارہ ۵۔ باب الجنائز)

جواب۔ بخاری شریف کی حدیث، جس کو آپ نے نقل کیا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عزرائیل کسی نبی کی جان اس کے اذن کے بغیر قبض نہیں کرسکتا۔ اس واسطے تعمیل حکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ابھی ملک الموت نے جان قبض کرنے کا۔ اذن نہیں لیا تھا۔ حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی جان قبض کرتا ہے۔ ملک الموت کی طرف بھی جان قبض کرنے کی نسبت آتی ہے۔ کیونکہ حاکم ملک الموت اَلَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ الآیۃ (سجدہ) پھر جب فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ تو اس وقت اس کے اعضاء مثالی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ مثالی صورت جو سامنے نمودار ہوتی ہے تو اس کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ فرشتہ عناصر ہی سے شکل بنالیتا ہے۔ اب شکل عنصری جو ملک الموت نے بنائی تھی۔ اس میں نقص پیدا نہ ہوا ممکن ہے کہ اب شکل کا اثر مستعمل کی ذات پر بھی پڑا ہو۔

الاعتصام جلد ۱۱۔ شمارہ ۱۲۔

حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی

باب الغسل و الکفن و الدفن

سوال: ہر شخص کے حق میں یہ سنت ہے یا نہیں کہ کفن کے واسطے کپڑا اپنے پاس رکھے، بعض کا یہ قول ہے کہ ایک برس سے زیادہ کفن کا کپڑا نہ رکھنا چاہیئے جب ایک سال گزر جائے تو وہ کپڑا کسی دوسرے کو دیدے اور دوسرا کپڑا کفن کے واسطے اپنے پاس رکھے؟

جواب: اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک ہی کپڑا برسوں رہ جائے مگر ایسا پرانا نہ ہو جاوے کہ مردہ کو اسمیں لپیٹنے سے اس کے پھٹ جانے کا خوف ہو۔ جب ایسا پرانا ہو جاوے تو اسکو فقیر کو دیدے یا اپنے مصرف میں لے آوے اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ صحیح بخاری میں سہیل سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر بنی ہوئی لے آئی اسمیں حاشیہ بھی تھا۔ اس عورت نے یہ کہا کہ میں نے یہ چادر اپنے ہاتھ سے بُنی ہے، اس امید سے یہ چادر لے آئی ہوں کہ آپ اس کو اپنے مصرف میں مشرف فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چادر لے لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چادر بطور لنگی کے پہنے ہوئے اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے، حاضرین مجلس میں سے ایک اصحابی نے اس چادر کی بڑی تعریف کی اور یہ کہا کہ مجھ کو دے دیجئے، یہ چادر بہت بہتر ہے لوگوں نے اس سے کہا کہ آپؓ نے یہ اچھا نہ کیا آنحضرتؐ سے یہ چادر مانگی اور آپ یہ جانتے تھے کہ آنحضرت سوال کو رد نہیں فرماتے، انہوں نے کہا خدا کی قسم میں نے یہ چادر اس غرض سے مانگی ہے کہ بالفعل اس کو میں اپنے مصرف میں لے آؤں اس غرض سے مانگی ہے کہ میرے کفن میں یہ چادر کام آوے۔ سہیلؓ نے کہا کہ وہ چادر ان کے کفن میں کام آئی۔ (فتاوے عزیزی صہ ۱۹ جلد اول)

سوال: بعض بعض جہلا کہتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ سے کوئی انتقال کرتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اُس کو غسل دیتے ہیں اور دفن کرنے کے لیے آتے ہیں۔ تو جو لوگ ایسا اعتقاد رکھیں اُن کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: اُن لوگوں کا یہ قول بلادلیل ہے قبول نہ کرنا چاہیئے اور اس قول کے قائل کو جاننا چاہیئے کہ مسائل میں جائل ہے۔ (فتاوی عزیزی جلد ۲ ص ۲۶۴)

سوال: عورت کے جنازہ پر سوائے کپڑوں مقررہ کے جو ایک دوسری چادر بلحاظ پردہ کے اوپر ڈالی جاتی ہے اور وقتِ دفن کے اُتار لی جاتی ہے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب: اس چادر کا احادیث سے کہیں پتہ و نشان نہیں ملتا، اس کا منشا محض لوگوں کا رسم و رواج معلوم ہوتا ہے بہر حال اس چادر کو مقررہ کپڑوں کے مانند ضروری قرار دینا یا مسنون باعثِ حصول ثواب خیال کرنا بالکل غلط جہالت ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔

(مولانا) عبدالجبار عمرپوری (فتاوے عمرپوری ص ۱۲)

توضیح الکلام: عدم ذکر مستلزم عدم جواز کو نہیں ہے، یہ چادر مسنون یا باعثِ ثواب یا کفن کی جز خیال کر کے نہیں ڈالی جاتی، چادر بغیر میت بدنما معلوم ہوتی ہے۔

ہاں یہ منقش چادر جس پر آیاتِ قرآن بھی لکھی ہوتی ہیں باعثِ برکت اور ثواب کے ڈالی جاتی ہے بدعت اور باعثِ بے ادبی ہے۔ فافہم وتدبر (سعیدی)

سوال: ۱۔ کیا یہ صحیح درست اور صحیح ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں؟

۲۔ کیا مالِ زکوٰۃ کو میت کی فاتحہ اور درود وغیرہ دوسرے کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں؟

۳۔ کیا مالِ زکوٰۃ اس میت کی فاتحہ وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں جس مرے ہوئے کو مدت ہو گئی۔

۴۔ کیا انبیاء کرام خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء عظام کی فاتحہ وغیرہ میں مالِ زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں

جواب: ہاں یہ درست اور صحیح ہے کہ مالِ زکوٰۃ سے کسی میت کی تجہیز و تکفین جائز نہیں ہے۔ ولا یجوز ان یکفن بھا میت ولا یقضی بھا دین المیت کذا فی التبیین۔ (عالمگیری)

۲، ۳، ۴ مروجہ فاتحہ یعنی آب و طعام سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ وغیرہ پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا بدعت ہے۔ جس سے اجتناب ضروری ہے، ہاں بغیر اس طریقہ کے للہ فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑ

پہنا کر اس کا ثواب میت کو پہنچانے کی نیت کرنا اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا بلا شبہ جائز ہے۔ لیکن مال زکوٰۃ کو کسی میت قدیم یا جدید یا ولی یا نبی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کے لیے خرچ کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ قرآن میں زکوٰۃ کے آٹھ مصرف بیان کیے گئے ہیں۔ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ۔ میت کو ثواب پہنچانا ان مصارف میں داخل نہیں ہے۔ پس مال زکوٰۃ سے ایصال ثواب اموات ناجائز ہے۔ (محدث دہلی جلد ۲ ش ۷)

توضیح الکلام فتاویٰ علمائے کرام: علامہ مجیب نے جواب ۱ میں قرآن وحدیث اور تعامل سے کوئی دلیل پیش نہیں کی، صرف فتاوی عالمگیری کی مجمل عبارت پر اکتفاء کیا ہے جس کے حجت ہونے پر ہے اور آیت "انما الصدقات للفقراء" میں فقہاء نے لام تملیک کے لیے مراد لیا ہے۔ وہ بھی بے سند اور بے دلیل ہے کیوں کہ لام کے اکیس بائیس معنی آتے ہیں۔ لام استحقاق کے لیے بھی آتا ہے اور لام بمعنی فی آتا ہے اور لام بیان بھی آتا ہے۔ لہٰذا یہ لام مشترک المعنی ہوا، جیسا کہ اصول فقہ میں ہے۔ اور لفظ مشترک المعنی کو بلا دلیل معین کرنا جائز نہیں اور لام تملیک مراد لینا اس حدیث کے خلاف ہے۔ اما خالد فانکم تظلمون خالداً قد احتبس ادراعه واعتاده في سبیل الله۔ اور آیت إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ میں لام بیان کے لیے ہے نہ تملیک کے لیے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: وفیه مصیر منه الی ان اللام فی قوله للفقراء لبیان المصرف لا للتملیك (فتح الباری ص۲۳۱) جس محتاج کے لیے زندگی میں عشر زکوٰۃ حلال اور جائز ہے تو اس کے مرنے کے وقت کے وقت کفن دفن میں عشر زکوٰۃ استعمال کرنے کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب (سعیدی)

سوال: اگر کسی کے منہ میں مصنوعی دانت لگے ہوں اور وہ اسی حالت میں فوت ہو جائے تو کیا غسل کے وقت ان دانتوں کو نکال دیا جائے یا اسی طرح اس میت کو دفنا دیا جائے؟

جواب: اگر میت کا منہ بآسانی کھل جائے تو مصنوعی دانتوں کو نکال دینا چاہیے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے، جس طرح کہ مرد و عورت کے زیورات وغیرہ اتار لیے جاتے ہیں۔

مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ

اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۲۱

سوال : آج کل جنگی مصائب کا جو حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، مُردوں کے لیے بروقت کفن ملنا بعض مقامات میں بہت ہی دشوار ہے۔ بمشکل اگر ملتا ہے تو لٹھا نہیں ملتا، بلکہ اور کپڑے ملتے ہیں۔ بعض دفعہ سیاہ یا سُرخ کپڑا دستیاب ہو جاتا ہے لیکن سفید نہیں ملتا ہے۔ بعض دفعہ کپڑا اس قدر کم ملتا ہے کہ کفن کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ اس صورت میں کفن کے لیے کیا صورت ہونی چاہیئے۔ اگر تین کپڑے یا دو نہ مل سکیں تو کیا صرف ایک ہی کپڑے سے کفن دینا جائز ہوگا؟

جواب : حدیث میں سفید کپڑے سے کفن دینے کی فضیلت آتی ہے۔ لیکن اگر سفید کپڑے وقت پر مہیا نہ ہوں تو رنگین کپڑے میں کفن دیا جا سکتا ہے۔ پُرانے استعمال شدہ سے بھی کفن دینا جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا، کہ مجھے میرے پُرانے کپڑوں میں کفن دینا۔ (بخاری شریف) اگر پورے کپڑے کفن کے لیے وقت پر نہ مل سکیں تو صرف ایک ہی کپڑا کفن میں دیا جا سکتا ہے۔ جنگ احد میں ستر صحابہ کرام شہید ہوگئے تھے ان کے ہمراہ مصعب بن عمیر رضؓ بھی شہید ہوئے۔ مسلمانوں میں اس قدر غربت تھی، کہ شہداء کے پورے کفن کا انتظام نہ کر سکے حضرت مصعبؓ کو صرف ان کی ایک کمبل میں کفنایا گیا۔ وہ اس قدر چھوٹی تھی کہ جب سر کی طرف سے اُن پر اُڑھائی گئی، تو دونوں پیر کھُل گئے اور جب پیر کی طرف لگائی گئی تو سر کھُل گیا تو اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا سر اور اگلا حصہ کمبل سے ڈھانک دو اور دونوں پیروں کی طرف گھاس لگا کر دفن کر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آج کل خدانخواستہ اگر ایسی مجبوریاں پیش آجائیں تو صورت مرقومہ بالا سے جو بھی میسّر ہو جائے اسی طرح کفن دیکر دفن کر دینا چاہیئے۔

مولانا محمد یونس صاحب دہلویؒ   اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۸ ش ۱۲

سوال : ایک عورت عرصہ طویل بیمار رہ کر فوت ہوگئی اس کے بال زیر ناف کے متعلق کیا حکم ہے، مونڈنے چاہیئے یا اسیطرح دفن کر دیں، مرد، عورت دونوں کے متعلق وضاحت فرما دیں؟

جواب : ویسے ہی دفن کر دینا چاہیئے، کیوں کہ مرنے کے بعد اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف غسل پر اکتفا کرنا چاہیئے اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ صرف تین چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ صدقہ جاریہ، اور نیک اولاد جو اس کے دُعا کرے اور علم جو چھوڑ جائے۔ اگر یہ امر ضروری ہو جائے تو شارع سے اس کا ثبوت ہونا چاہیئے۔ صرف مالکیہ کے ہاں یہ جائز ہے۔ اور باقی تین ائمہ اس کے قائل نہیں۔ (دیکھو فقہ المذاہب الاربعہ)   (الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۳۸)

سوال : والدہ کی میت کو اس کے بیٹے نے غسل دیا، باوجودیکہ اس کے بیٹے کی بیوی موجود تھیں، ایسی صورت میں بیٹے نے ماں کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب : سبل السلام میں ہے : واما فی الاجانب فانہ اخرج ابوداؤد فی المراسیل من حدیث ابی بکر بن عیاش عن محمد بن ابی سہل عن مکحول قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ماتت المرأۃ مع الرجال لیس فیھم امراۃ غیرھا. والرجل مع النساء لیس معھن رجل غیرہ فانھما یتیممان ویدفنان وھما بمنزلۃ من لا یجد الماء انتھی محمد بن سہل ھذا ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال البخاری لا یتابع علی حدیثہ وعن علی علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ وفی اسنادہٖ اختلاف ص۱۹۳ ج۱
یعنی مکحولؒ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت مر جائے اور کوئی دوسری عورت وہاں نہ ہو یا مرد مر جائے اور کوئی دوسرا مرد وہاں نہ ہو تو تیمّم کر کے دفن کر دیے جائیں اور حضرت علیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ران ننگی نہ کر اور کسی کی ران کی طرف نہ دیکھو خواہ زندہ ہو یا مردہ۔
اس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی کے سوا کوئی مرد عورت کو اور کوئی عورت مرد کو غسل نہ دے جس شخص نے ماں کو غسل دیا ہے اُس نے بہت بُرا کیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوےٰ اہلحدیث روپڑ ص۴۴۳)

سوال : ایک عورت مر گئی، اس کو خاوند نے غسل دیا، باوجودیکہ اس کی قریبی عورتیں اس مجمع میں موجود تھیں ایسی موجودہ صورت میں اس کے خاوند کا اس عورت کو غسل دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب : خاوند بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔ حضرت فاطمہؓ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا تھا۔ منتقی میں ہے، عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جنازۃ بالبقیع وانا اجد صداعا فی راسی واقول واراساہ فقال بل انا واراساہ ما ضرک لو مت قبلی لغسلتک وکفنتک ثم صلیت علیک ودفنتک رواہ احمد وابن ماجۃ وعن عائشۃ انھا کانت تقول لو استقبلت من الامر ما استدبرت ما غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا نساءہ. رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ وقد ذکرنا ان الصدیق اوصی اسماء زوجتہ ان تغسلہ فغسلتہ. (باب ماجاء فی غسل احد الزوجین للآخر)

یعنی عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ سے لوٹے اور میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بلکہ میرے سر میں درد ہوتا ہے اگر تو مجھ سے پہلے مرجاتی تو میں تجھے غسل دیتا اور کفن دیتا، پھر تجھ پر نماز جنازہ پڑھتا اور تجھے دفن کرتا۔ نیز عائشہ رضہ سے روایت ہے فرماتی تھیں اگر ہمیں پہلے خیال آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی بیویوں کے سوا کوئی غسل نہ دیتا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات کے وقت اپنی بیوی اسماء کو وصیت کی کہ وہ غسل دے، پس اُس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو غسل دیا نیل الاوطار میں ہے ۔ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اِنَّ الْمَرْأَةَ يَغْسِلُهَا زَوْجُهَا اِذَا مَاتَتْ وَهِيَ تَغْسِلُهُ قِيَاسًا وَلِغَسْلِ اَسْمَاءَ لِاَبِيْ بَكْرٍ كَمَا تَقَدَّمَ وَعَلِيٍّ لِفَاطِمَةَ كَمَا اَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارقطنی وَاَبُوْنُعَيْمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ بِاَسْنَادٍ حَسَنٍ وَلَمْ يَقَعْ مِنْ سَائِرِ الصَّحَابَةِ اِنْكَارٌ عَلٰى عَلِيٍّ وَاَسْمَاءَ فَكَانَ اجماعًا۔ جلد ۳ ص۲۵۷۔ یعنی اس دلیل ہے کہ مرد اپنی عورت کو غسل دے سکتا ہے اور عورت بھی اسی دلیل سے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیوں کہ خاوند بیوی کا ایک پردہ ہے، جیسے مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے، عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ نیز اسماء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے حضرت ابوبکر رضہ کو غسل دیا اور حضرت علی رضہ نے حضرت فاطمہ رضہ کو غسل دیا اور صحابہ سے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، پس اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا کہ خاوند بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔ عبداللہ روپڑی (فتاوے اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص۴۳۱)

سوال: موتی سے دفن کرنے میں جلدی کی جائے یا دیر، زید کہتا ہے کہ جلدی کرنا چاہیے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تین کاموں میں جلدی کیا کرو، جس میں سے ایک جنازہ بھی ہے۔ مگر بکر کہتا ہے کہ دیر کی جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دو دن کے بعد دفن کی گئی، اگر یونہی ہوتا تو صحابہؓ جو حدیث کے یاد رکھنے اور ان پر عمل کرنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک کو بغیر دفن کیے ہوئے دو دن تک کیوں رکھتے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا کہنا ٹھیک ہے یا بکر کا؟

جواب: حدیث میں حکم یہی ہے کہ میت کو جلدی دفن کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کرنے میں اس لیے دیر ہوئی تھی۔ کہ نعش مبارک حجرے میں تھی جہاں دفن ہونی تھی لوگ جوق در جوق آتے اور باری باری نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ اس سے اصل حکم میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

شرفیہ: صرف جنازہ پڑھنے کی وجہ یہ نہ تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ شاہی دستور ہے کہ جب تک جانشین نہ مقرر ہو جائے تب تک نعش شاہی دفن نہیں کی جاتی۔ اور اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق یہ نہ تھا، مگر رسالت اور خصوصاً آپ کی رسالت جو ﴿اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ كَافَّةً﴾ الآیۃ عام تھی کہ آپ کے بعد خلافت راشدہ شاہان دنیا سے اعلیٰ تھی۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد صحابہ خلیفہ کے تعین و تقرر میں مشغول تھے ملاحظہ ہو بخاری پ۱ ص۵۱۸ ابو سعید شرف الدین دہلوی فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص۵۳۱

سوال: شوہر اپنی بیوی مرحوم، یا بیوی شوہر مرحوم کو بعد انتقال غسل بلا عذر دے سکتے ہیں یا نہیں، بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعد موت عورت مرد پر یا مرد عورت پر حرام ہو جاتی ہے اس وجہ سے غسل دینا کیا معنی چھونا تک حرام ہے؟

جواب: جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمۃ الزہراؓ کو غسل دیا تھا۔ اللہ اعلم

تعاقب (مولانا محمد یونس صاحب محدث دہلوی) جواب طلب یہ امر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمۃ الزہراؓ کو غسل دینے کا ثبوت جس حدیث میں مرقوم ہے کتب حدیث کا حوالہ مکمل و مفصل تحریر فرماویں۔ میرے ایک دوست حنفی بھائی نے اعتراض کیا ہے۔ کہ کس حدیث میں حضرت علیؓ کے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو غسل دینے کا مرقوم ہے۔ جواب مدلل ہونا چاہیئے۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت مسند امام شافعی اور دار قطنی میں ہے[1]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا اگر تو میرے سامنے فوت ہوئی تو میں تجھے غسل دوں گا۔ (ابن ماجہ) اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۱)

تعاقب: (مولانا محمد یونس صاحب محدث دہلویؒ) کسی سائل نے مردہ مرد و عورت کے کفن کے متعلق دریافت کیا ہے۔ جس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے۔ مردہ مرد کو تین چادریں فقط نیچے اوپر۔ اور عورت کو تین چادریں ایک سینہ بند ایک سربند کفنی وغیرہ وغیرہ نہیں، بس یہی سنت ہے۔ یہی افضل ہے۔

اس جواب میں آپ نے مردہ عورت کو کفنی یا کرتہ دینے سے انکار کیا ہے۔ حالاں کہ کرتہ مردہ عورت کو کفن

[1] ص ۱۹۴ مع تعلیق انصاری دہلوی

میں دینا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ چنانچہ مسند امام احمد وسنن ابی داؤد میں ہے۔ عن لیلی بنت قانف الثقفیة قالت کنت فیمن غسل ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند وفاتہا وکان اول ما اعطانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد ذالک فی الثوب الاخر قالت ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس عند الباب معہ کفنہا یناولنا ثوبا ثوبا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو علاوہ سر بند و سینہ بند و دو چادروں کے کرتہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ قاضی شوکانی نیل الاوطار میں روایت روایت کے نیچے لکھتے ہیں والحدیث یدل علی المشروع فی کفن المراۃ ان یکون ازاراً و درعاً وخماراً و ملحفۃ و درجا۔ نیز اسی طرح فقہاء احناف بھی کرتہ دینے کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو، ہدایہ آخرین ص۱۵۹ و دیگر کتب فقہ، غلاصہ یہ کہ عورت کو دو چادر اور ایک کرتہ کفنی اور ایک تہہ بند یعنی سینہ بند اور ایک سر بند کفن میں دینا مسنون ہے۔

جواب تعاقب مفتی حدیث پیش کردہ باوجود مجروح ہونے کے مجھے مسلم ہے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۳)

سوال: میت کو قبر میں دفن کرنے کے وقت ایک صاحب نے پیر کی جانب سے مٹی دی، دوسرے صاحبوں نے اسکو جماعت سے الگ کر دیا۔ کیا پیر کی طرف سے مٹی دینا گناہ ہے؟

جواب: پیر کی جانب سے مٹی ڈالنا منع نہیں ایسا کرنا (جماعت سے الگ کرنا) بالکل بے جا ہے۔

(فتاوے ثنائیہ جلد اول ص۵۴۴)

سوال: اپنی مرنے والی بیوی کو مرد قبر میں اُتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: اُتار سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی کو فرمایا اگر تو میرے سامنے مرے تو میں تجھے غسل دوں گا۔ حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو غسل دیا تھا۔ اُتارنا تو بہت آسان ہے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد ۱ ص۵۴۴)

سوال: بعد دفن میت کونسی دُعا پڑھی جائے بعض لوگ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ الخ اور بعض سورۃ بقر کا اول و آخر سرہانے و پائیں پڑھتے ہیں۔ ان کا ذکر شرع شریف میں ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دُعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

قبر پر کھڑے ہو کر دیر تک یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۵)

سوال: کیا میت کے غسل دینے والے پر کیا خود بھی غسل کرنا واجب ہے؟

جواب: ایک حدیث میں ہے جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے واجب نہیں۔ **شرفیہ**: الحدیث الذی فیہ امر الغسل رواہ الخمسۃ لکن فی رفعہ و وقفہ صحتہ اختلاف وایضا فیہ الاثار التی تدل علی عدم الوجوب فلھذا حملہ العلماء علی الاستحباب کما فی نیل الاوطار

ابوسعید شرف الدین دھلوی (فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۳)

سوال: مُردے کے گھڑے کو دفن کرنا مع کپڑوں کے جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ کوئی حکم نہیں، بلکہ منع ہے۔ جس چیز کو آگ نے پکایا ہو اس کو قبر کے اندر رکھنا منع ہے، دوم مال کا ضائع کرنا ہے۔ فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۲

سوال: دو تین مُردوں کو ایک قبر میں بغیر جہاد کے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جہاد کے سوا کسی اُور موقع پر ایسا ہونا مجھے یاد نہیں۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۲)

توضیح الکلام: جہاد کے موقع پر کئی مردوں کو ایک قبر میں دفن کرنا نص صریح سے ثابت ہے، ہیضہ طاعون وغیرہ کی وجہ سے بکثرت اموات ہو جائیں تو کئی میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے کیوں کہ جو علت جہاد کے موقع پر جمع کرنے کی ہے وہی علت ان بیماریوں میں ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

سوال: عورت کے لیے تہہ بند، چادر، لفافہ، کُرتہ وغیرہ پانچ کپڑوں میں کفن دیا جاتا ہے، اس صورت میں کس طرح تہہ بند دیا جائے لفافہ کے اوپر یا نیچے؟

جواب: عورت کے پانچ کپڑے یہ ہیں: تین چادریں، ایک سینہ بند، ایک سر کے بالوں کے باندھنے کا، ان میں تہہ بند کوئی نہیں۔ اللہ اعلم (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۱)

سوال ۔ ایک مومن اور ایک کافر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں۔ اس مکان میں آگ لگ گئی اور دونوں ایسے جلے کہ شناخت نہیں ملتی۔ اب ان کی تجہیز وتکفین جنازہ کیسے کیا جاوے؟

جواب ؛ حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں کافر اور مومن دونوں ہوتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سلام علیکم کہدیا کرتے تھے۔ اس قاعدہ کے مطابق دونوں کو غسل دیکر سامنے رکھ کر جنازہ پڑھیں اور یہ نیت کریں کہ جو ان میں سے جنازہ کے لائق ہے اس کا پڑھتے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال ؛ ایام چھ سات ماہ میں اگر بچہ پیدا ہو اور وقت تولد وہ مردہ ہو، تو اس حالت میں اسکو غسل کفن نماز وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب ؛ حدیث شریف میں ہے جو بچہ ماں کے پیٹ سے نکل کر آواز دے کر مرے اس کا جنازہ پڑھا جائے جو اتنا بھی نہ ہو، اس کو یونہی دفن کر دینا چاہیئے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اوّل ۵۴۵)

سوال ؛ میت کو بوقت غسل تین بار اٹھا کر بٹھلانا اور کلوخ کرانا کیسا ہے۔ غسل میت کس طرح ہے؟

جواب ؛ میت کو بٹھلانا اور کلوخ دینا کوئی سنت امر نہیں، غسل مسنونہ یہی ہے کہ پہلے میت کو اعضائے وضو دھوئے، پھر سارے بدن پر پانی بہا دیا جائے اور بس۔ (فتاوٰی ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۵)

سوال ؛ میت کو عمامہ پہنانا کیسا ہے بعض آدمی میت کو عمامہ دیتے ہیں؟

جواب ؛ میت کو عمامہ پہنانا قرون خیر سے ثابت نہیں، لہٰذا بدعت ہے۔ میت کو صرف چادروں میں لپیٹنا چاہیئے تین چادریں ہوں یا دو۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۵۰)

سوال ، شیعہ اور دیگر اہل بدعت کا جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب ؛ شیعہ کے کئی فرقے ہیں ایک زیدی کہلاتے ہیں۔ وہ حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہؓ کو گالی نہیں دیتے نہ ان کو منافق کہتے ہیں، بلکہ صرف حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ و دیگر صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ تو ایسے شیعہ

کافر نہیں۔ان کا جنازہ اگر کوئی پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن پڑھنا اچھا نہیں کیوں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی نفرت نہیں رہتی۔ بلکہ ان کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنبیہ کے لیے مقروض کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے زیدی شیعہ تو اس سے کئی درجہ بڑے ہیں۔ ان کا جنازہ بطریق اولے نہ پڑھنا چاہیئے اور جو شیعہ حضرات ابوبکر رضؓ وغیرہ کو گالی دیتے ہیں اور کہتے ہیں ان کا ایمان منافقانہ تھا۔ تو ایسے شیعہ کافر ہیں اور کافروں کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الْکَافِرِیْنَ (المص رکوع ۶) یعنی کافروں پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کردی ہے۔ اسی طرح مشرک کی بابت فرمایا ہے۔ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ۔ (سورۃ مائدۃ رکوع ۱۰) یعنی جو شرک کرے اس پر اللہ تعالےٰ نے جنت حرام کردی" جب جنت حرام ہے تو نماز جنازہ کا ہے کے لیے ہوگی۔ دوسری آیت میں ہے۔ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (پارہ ۱۱ رکوع ۳) یعنی نبی کے لیے اور ایمان والوں کے لیے لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں، خواہ ان کے رشتہ دار ہوں جب ان کو معلوم ہوگیا کہ وہ دوزخی ہیں" اس آیت میں مشرکوں کے لیے بخشش نہ مانگنے کی وجہ بتائی ہے کہ وہ دوزخی ہیں۔ یعنی ان کو دوزخ سے کسی وقت نجات نہیں۔ پس جس شخص کی کسی وقت نجات کی امید نہ ہو، اس کے لیے بخشش کی دعا کرنا منع ہے۔ اور شیعہ مذکور چونکہ کافر ہے۔ اس کی نجات کی بھی امید نہیں۔ پس اس کی بابت بھی بخشش کی دعا منع ہے، حدیث میں ہے۔ اَلْقَدَرِیَّۃُ مَجُوْسُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ رواہ احمد وابو داؤد مشکوۃ باب الایمان بالقدر۔ یعنی تقدیر سے انکار کرنے والے اُمت کے مجوسی ہیں اگر بیمار ہوجائیں تو ان کی بیمار پُرسی نہ کرو اگر مرجائیں تو ان کے کفن دفن اور جنازہ میں حاضر نہ ہو۔

جیسے تقدیر کے منکروں کو اس حدیث میں اس امت کے مجوس قرار دیا ہے۔ اس طرح شیعہ کو ایک اور حدیث میں اس اُمت کے نصارےٰ قرار دیا ہے۔ مشکوۃ باب مناقب علیؓ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا تیری یحییٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ یہود نے اس سے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصارےٰ نے ان سے محبت کی، یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ تک پہنچا دیا کہ جو اس کے لائق نہ تھا۔ یعنی ایک بغض میں ہلاک ہوگئے ایک محبت میں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھ سے محبت میں افراط کرنے والا بھی ہلاک ہو جائے گا اور مجھ سے بغض رکھنے والا بھی ہلاک ہوجائے گا جس کو میرا بغض بہتان پر آمادہ

کرتا ہے۔ سو یہ پیش گوئی ہو کر ہی رہی۔ خارجی حضرت علیؓ سے بغض رکھتے ہیں۔ گویا کہ وہ اس اُمت کے یہود ہیں اور شیعہ محبت میں افراط کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کی محبت کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بغض رکھتے ہیں۔ تو گویا کہ اس امت کے نصارےٰ ہوئے۔ پس جیسے قدریہ کا جنازہ جائز نہیں کیوں کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں۔ اس طرح شیعہ اور خارجیہ کا بھی جنازہ جائز نہیں۔ کیوں کہ وہ اس امت کے یہود و نصاریٰ ہیں۔ جس امام نے جنازہ پڑھا ہے۔ اُس کو امامت سے معزول کر دینا چاہیئے اس لیے کہ اس جنازہ ایک کافر کا جنازہ پڑھ دیا۔

(حافظ محمد) عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑ جلد ۲ ص۴۴)

سوال: بچہ بھی قبل بلوغ معصوم ہوتا ہے اور شہید بھی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بچہ کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کا جنازہ بھی پڑھا جاتا ہے۔ مگر شہید کو نہ غسل دیا جاتا ہے اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کا سبب اور اس میں فرق کیوں ہے؟

جواب: شہید نے چونکہ اپنے عمل سے یہ درجہ پایا ہے اس لیے اُس کی بزرگی اور عظمت ظاہر کرنے کے لیے اس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا۔ بچہ نے اپنے اعمال سے کچھ حاصل نہیں کیا، بلکہ خدا نے اپنے فضل سے اس سے قلم اُٹھایا ہوا ہے، کہ اُس کے گناہ نہیں لکھے جاتے اس لیے اس کا جنازہ پڑھتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوےٰ اہلحدیث جلد ۲ ص۴۵)

سوال: ایک آدمی کے گھر دو عورتیں نکاحی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کے گھر زنا کا لڑکا پیدا ہوا ہے۔ چار پانچ ماہ کا ہو کر مر گیا۔ امام مسجد کو جنازہ کے لیے بلایا گیا۔ امام مسجد نے جواب دیا کہ میں اس کا جنازہ نہیں پڑھتا، تاکہ اس کو کچھ عبرت حاصل ہو۔ لوگ امام مسجد کو ملامت کرتے ہیں کہ پاک جان کا جنازہ نہیں پڑھا۔ اب سوال یہ ہے کہ امام لائق ملامت ہے یا نہیں؟

جواب: بچہ معصوم ہے۔ معصوم کا جنازہ پڑھنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قصور ماں باپ کا ہے۔ ماں باپ کو تنبیہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کا بھانڈا پھیک دیا جائے۔ مگر اب امام کو بھی ملامت نہ کرنی چاہیئے کیوں کہ اس کی نیت بھی نیک ہے لیکن آئندہ کے لیے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ظلم کسی کا ہو اور زیادتی کسی پر ہو، یہ مناسب نہیں ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ (فتاویٰ اہلحدیث جلد اول صفحہ ۴۵۲)

سوال: قبرستان میں جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: عن ابی هريرة ان امرأة سوداء كانت تقم المسجد او شاب ففقدها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فسئل عنها او عنه فقالوا مات قال افلا اذنتمونی قال فكانهم صغروا امرها او امره فقال دلوني على قبره فدلوه فصلى عليها (مشکوٰۃ باب المشی بالجنازة) یعنی ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ ایک حبشیہ یا جوان مرد مسجد کو جھاڑو دیتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا، آپ نے اس کی بابت پوچھا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ مرگیا ہے۔ فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہ دی۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ انہوں نے قبر بتائی تو آپ نے قبر پہ جاکر نماز جنازہ ادا کی۔ پھر فرمایا یہ قبریں اندھیرے سے بھری ہیں میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کردیتا ہے۔

اس حدیث سے قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگا۔

(حافظ محمد) عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۴۴۲)

سوال: اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک گوشت نہ آنے دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ کام چونکہ خاص طور پر ہندوؤں کے ہاں ہوتا ہے۔ اسلئے اگر کوئی مسلمان ان کی مشابہت کرے گا تو انہیں میں شامل ہوگا۔ حدیث میں ہے، من تشبه بقوم فهو منهم یعنی جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ اس قسم کی روایتیں بہت ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لیے ہم ایک آدھ حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے:

عن عمران بن حصين وابی برزة قال خرجنا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم في جنازة فرأى قوما قد طرحوا اردیتهم يمشون في قمص فقال رسول الله صلی الله عليه وسلم افبفعل الجاهلية تأخذون او بصنيع الجاهلية تشبهون لقد همت ان ادعو عليكم دعوة ترجعون في غير صوركم قال فاخذوا اردیتهم ولم يعودوا لذلك . یعنی عمران بن حصین اور ابی برزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر) فرمایا کیا جاہلیت کا فعل لیتے ہو کیا جاہلیت سے مشابہت کرتے ہو۔ میں نے قصد کیا کہ تم پر ایسی بددُعا کروں جس سے تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ڈانٹنے پر انہوں نے چادریں لے لیں اور پھر اس کام کے لیے نہیں لوٹے۔ (رسالہ بدعات کی تردید صہ)

سوال: اسقاط میت جائز ہے یا نہ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ میت کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں؟

جواب: اسقاط میت تین وجہوں سے ناجائز ہے۔ اوّل یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیر القرون میں یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں اسقاط کا نام و نشان نہ تھا۔ حالانکہ ہمیشہ اس زمانہ مسعود میں اموات ہوتے تھے مگر باوجود اس کے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے نہ تابعین سے نہ تبع تابعین سے نہ ائمہ دین سے۔ اگر اس طریق سے گناہ معاف ہوتے تو کیا ان کو گناہوں کی معافی کی ضرورت نہ تھی۔ یا وہ میت کے خیر خواہ نہ تھے یا ان کو نیک کاموں کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب باتیں تھیں بلکہ ہم سے بڑھ کر وہ ایسی باتوں کا خیال رکھتے تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسقاط سے میت کے گناہ نہیں ہوتے اور جب میت کے گناہ معاف نہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار (مشکوٰۃ) یعنی جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھانہ آگ میں بنائے۔

دوسری وجہ یہ کہ جس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع بھی نہ ہو پھر اس کو کرا رے تو وہ قطعی بدعت ہوتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد (مشکوٰۃ) یعنی جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔ اور ایک روایت ہے کہ ایسا شخص لعنتی ہے۔ بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام دین میں مردود ہے۔ خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو پس اسقاط کرنے والوں کو چاہیے کہ یا تو خیر القرون سے اس کا ثبوت دیں یا خدا سے ڈریں اور ایسے کاموں سے باز آئیں جو بجائے ثواب کے خدا کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (مشکوٰۃ) یعنی اللہ تعالے تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے کے یہاں دو بات قدر رکھتی ہے۔ جو دل سے ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ اسقاط میں جب قرآن مجید پھیرا جاتا ہے

تو دل سے نیت بخشنے کی نہیں ہوتی کیوں کہ اگر چکر پورا نہ ہوا اور درمیان میں ہی ایک شخص لے کر چلا گیا اور کہے کہ جب مجھے بخش دیا گیا ہے تو میری مرضی کسی کو بخشوں یا نہ۔ اسقاط کرنے والے اس کو برا مانیں گے بلکہ کہیں گے کہ اسقاط نہیں ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بخشنا برائے نام ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کو ایک طرح کا دھوکہ دینا ہے۔ بھلا ایسے عمل سے اللہ خوش ہوگا یا ناراض۔

بمبئی کی طرف بہت لوگ حیلوں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تمام روپوں کی زکوٰۃ نکال کر ایک گھڑے میں ڈال کر اوپر سے گیہوں سے بھر کر فقیر کو دے دیتے ہیں۔ پھر فقیر کو کہتے ہیں کہ تم ان دانوں کو کیا کرو گے۔ روپیہ دو روپیہ سے ہم کو فروخت کر دو۔ فقیر بیچارے کو کیا معلوم کہ دانوں کے نیچے روپے ہیں۔ وہ بیچارہ روپیہ دو روپیہ غنیمت سمجھ کر بڑی خوشی سے فروخت کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی کیوں کہ ایک مرتبہ فقیر کے سپرد کر دی ہے۔ آگے وہ اپنی خوشی سے جس کو چاہے فروخت کر دے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اس دھوکہ سے فقیر تو دھوکہ کھا سکتا ہے۔ مگر علام الغیوب تو دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ اب اسقاط کرنے والے بھی خدا کو دھوکہ سے خوش کرنا چاہتے ہیں کہ لفظ بخشش کا بولتے ہیں اور اندر نیت نہیں ہوتی۔ مگر یاد رہے کہ جو خدا سے دھوکہ کرے گا وہ خود دھوکہ میں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ کا بدلہ دیتا ہے۔ یعنی وہ اس فعل کے سبب سے دھوکے میں ہیں۔

(رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص۔ از مولانا عبداللہ محدث روپڑی)

سوال: میت کے وارثوں کا چار روز کے بعد دریا پر جا کر بغرض پاک وصاف ہونے کے نہانا اور کپڑے دھونا جائز ہے یا نہ؟

جواب: چوتھے روز دریا پر کپڑے دھونے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ماتم کو نجاست کا سبب سمجھتے ہیں تو اس بنا پر بدن پہلے ہی پلید ہوں گے کیوں کہ ماتم کا اثر پہلے بدن پر پڑتا ہے پھر کپڑوں پر۔ تو یہ لوگ اتنے روز تک پلید بدن اور پلید کپڑوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہوں گے اور اسی طرح پلیدی کی حالت میں مسجدوں میں آتے جاتے ہوں گے۔ بلکہ ان کے نزدیک میت کا بدن اور کفن بطریق اولیٰ پلید ہوتا ہوگا۔ یہاں تک کہ غسل سے بھی پاک نہیں ہوتا ہوگا۔ کیوں کہ ماتم اسی کی جانب سے آیا ہے۔ اور اس سے معاذ اللہ لازم آئے گا کہ سب بزرگ پلید

ہی دفن ہوتے ہیں اور پلید ہی کی حالت میں ان کا جنازہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح معاذ اللہ آپ کے دفن کا کہنا پلید پلید ہوگا۔ کیا یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب من گھڑت باتیں ہیں جن کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ماتم کو سبب طہارت گناہ قرار دیتے ہیں یہ لوگ نجاست سمجھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ہم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکة یشاکها الا کفر اللہ بها من خطایاه یعنی مسلمان کو کوئی تھکان کوئی بیماری کوئی فکر کوئی صدمہ کوئی تکلیف کوئی غم نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کے ساتھ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ یعنی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔..... دیکھئے مصیبتوں کے ساتھ انسان کیسا پاک ہوتا ہے اب جو اس کے الٹ عقیدہ رکھے وہ رسول کے ماننے والا ہوا یا منکر۔ (رسالہ مذکورہ ص ۳)

سوال: میت کو دفن کرکے قبرستان سے باہر آکر چالیس قدم، یا ستر قدم، پر دعائے خیر کرنا جائز ہے یا نہ؟

جواب: ابوداؤد میں حدیث ہے عن عثمان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا له التثبیت فانه الآن یسئل: یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے ہوتے تو اس پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے بخشش مانگو اور ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہے کہ سنت طریق یہ ہے کہ وہیں (قبر کے گرد) کھڑے ہوکر بخشش کی دعا مانگی جائے اور ثابت قدمی کا سوال کیا جائے۔ چالیس قدم یا ستر قدم، پر آکر دعا کرنا سنت کے خلاف ہے اور بدعت ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریق چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی طریقہ جاری کرے رسول کی امت والا طریقہ نہیں مشکوٰۃ میں حدیث ہے، تین شخصوں نے عہد کیا ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھوں گا۔ یعنی سوؤں گا نہیں دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کرونگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ڈانٹا اور کہا میں تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں پھر میں سوتا بھی ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں افطاری کرتا ہوں نکاح بھی کرتا ہوں کیا تم مجھ سے پرہیزگار بننا چاہتے ہو۔ پھر آخر میں فرمایا، مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ یعنی جو میرے طریقہ سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

(رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص ۳)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر میت کو حائضہ غسل دے۔ تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب۔ حائضہ کو غسل دینا جائز ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زانو پر سر رکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تھے۔ اور حضرت عائشہ حائضہ ہوتی تھیں ونیز آپ حضرت عائشہؓ سے جب کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ مصلے وغیرہ طلب کرتے تھے۔ تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ اگر میت کو حائضہ غسل دے تو بلا شبہ جائز ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو اپنے سر مبارک کو مسجد سے نکالتے اور حضرت عائشہؓ اپنے حجرہ میں بیٹھی ہوئی حالت حیض میں آپ کے سر کو دھوتیں۔ صحیح بخاری میں ہے وکان یخرج راسه وهو معتکف فغسله وانا حائض[1] پس جب حائضہ کو زندہ کا بعض عضو دھونا جائز ہے۔ تو میت کو غسل دینا بھی بلا شبہ جائز ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۱۰۰)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ دہلی میں کفن پر تین بند باندھنے اور قبر میں دو بند کھولنے اور کمر کے بند نہ کھولنے کی رسم ہے اور مٹی دیتے وقت آیت منہا خلقناکم الخ پڑھتے ہیں۔ اور کفن کو کھول کر قبلہ رخ میت کا منہ موڑ دینے کا رواج ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ شرع شریف میں بند باندھنے کی صورت اور وقت اور موقع کیا لکھا ہے۔ اور کس چیز سے باندھنے کا حکم ہے۔ اور جب کہ بند باندھنا ضروری نہیں تو تمام ملک میں اس کا رواج لازمی طور سے کیوں ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ کسی آیت یا حدیث میں کفن پر بند باندھنے کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے۔ نہ اس کی صورت کا کچھ ذکر آیا ہے۔ اور نہ اس کے وقت اور موقع کا کچھ تذکرہ آیا ہے۔ اور نہ اس کا بیان آیا ہے کہ کس چیز سے باندھنا اور کے بند باندھنا چاہئے۔ ہاں فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کفن کے منتشر ہونے اور

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مسجد سے حجرہ کے اندر کر دیتے اور میں سر دھو دیتی، حالانکہ میں حائضہ ہوتی۔

میت کے کھل جانے کا خوف ہو تو کفن کو دھجی سے باندھ دیں، اور قبر میں رکھنے کے بعد کفن منتشر ہونے کا خوف نہیں رہتا اس وجہ سے قبر میں بند کھول دینے کو لکھا ہے۔ ہدایہ میں ہے وان خافوا ان ینتشر الکفن عنه عقدوہ بخرقة صیانة عن الکشف واذا وضع فی لحدہ یحل العقدة لوقوع الامن من الانتشار انتہی ملخصا اور آیہ منہا خلقنکم الخ کا مٹی دینے وقت پڑھنا معلوم نہیں ہوتا، اور میت کو لحد میں قبلہ رخ متوجہ کر دینا حدیث سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجر تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ واما التوجه الی القبلة ففیه حدیث ابی هریرة وقتادة ان البراء بن معرور لما توفی اوصی ان یوجه الی القبلة فقال النبی صلی الله علیه وسلم اصاب صححه الحاکم۔ حررہ عبدالرحیم عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ کفن پر بند باندھنے اور اس کو قبر میں کھول دینے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نظر سے نہیں گزری۔ ہاں سمرہ بن جندبؓ کا ایک اثر اس بارے میں دیکھنے میں آیا ہے شرح معانی الآثار صفحہ ۲۹۲ جلد ا میں عثمان بن جحاش سے روایت ہے۔ کہ سمرہ بن جندبؓ کا ایک لڑکا انتقال کر گیا تو انہوں نے اس کو غسل دیا، اور کفنایا پھر اپنے غلام سے کہا کہ اسے دفن کے لئے لے جاؤ اور جب اس کو قبر میں رکھنا تو بسم اللہ وعلی سنة رسول اللہ کہنا پھر اس کے سر کی گرہ اور اس کے پیر کی گرہ کھول دینا۔[1] لفظہ هکذا فغسل بابن یدیه وکفن بین یدیه ثم قال لمولاہ انطلق به الی حفرته فاذا وضعته فی لحدہ فقل بسم الله وعلی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم اطلق عقد راسه وعقد رجلیه۔ اور علمائے حنفیہ وشافعیہ نے لکھا ہے کہ مٹی دیتے وقت آیت منہا خلقنکم الخ پڑھنا مستحب ہے علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۲۲۲ جلد ۳ میں لکھتے ہیں۔ قوله[1] من قبل راسه فیه دلیل علی ان

---

[1] اس کو غسل اور کفن دیا پھر اپنے غلام کو کہا اس کو قبر میں لے جا کر دفن کر دو جب اسے لحد میں رکھو تو بسم اللہ کے نام اور رسول اللہ کی سنت پر پھر اس کا پاؤں اور سر کا بند کھول دینا۔ [1] اس میں یہ ہے کہ میت پر مٹی سر کی جانب سے ڈالنی مستحب ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس وقت یہ آیت پڑھے منہا سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالیں گے اس کو امام شافعی کے اصحاب نے ذکر کیا ہے۔

ثلث و ۶ ان یحثی علی المیت من جہۃ راسہ ویستحب ان یقول عند ذلک منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ ذکرہ اصحاب الشافعی انتہی اور اسی طرح سبل السلام میں بھی لکھا ہے۔ اور اس بارے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔ وروی احمد باسناد ضعیف انہ یقول مع الاولی منہا خلقناکم ومع الثانیۃ وفیہا نعیدکم ومع الثالثۃ ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ یعنی رسول اللہ ﷺ پہلی بار مٹی ڈالنے کے وقت منہا خلقناکم پڑھتے اور دوسری بار میں وفیہا نعیدکم پڑھتے اور تیسری بار میں ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ پڑھتے اور ایک حدیث ضعیف میں میت کو قبر میں رکھنے کے وقت بھی اس آیت کا پڑھنا آیا ہے۔ نیل الاوطار صفحہ ۳۲۱ جلد میں ہے وعن ابی امامۃ عند الحاکم والبیہقی بلفظ لما وضعت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی القبر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ وفی سبیل اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الحدیث وسندہ ضعیف انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۱۲)

سوال۔ درنیو لا بسبب ناواقفیت دریں مسئلہ بسیار احتمال افتادہ است کو برائے دفن کردن یک قبر میکنند۔ چون نوبت بہ تیار شدن قبر افتادہ نشان قبر کہنہ پدید آمد یعنی استخوان دست و پا و تمام بدن موجود بودند باز آن قبر را بند کردہ دیگر جا قبر کندیدند آنجا نیز ہمان طور بظہور آمد آن را نیز دفن کردند بار سوم قبرے کندیدند آنجا ہم نشان مردہ بظہور رسید باز چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نعش میت را در آنجا دفن کنند یا نکنند جواب مسئلہ ہذا از روئے کتب معتبرہ احادیث ترقیم فرمایند ومعہ اشلہ وحدیث نگارش نمایند فقط۔

جواب۔ درصورت مرقومہ ہرگاہ در ہر جا قبر کندیدند و دست و پا مردہ بر آمد و ہمہ جائے مقبرہ خالی از اعضاء سر دہ نمی یابند پس در وقت لاچاری اگر در یک قبر کہ در آں اعضاء میت نمودار می شود میت نو را دفن کنند مضائقہ ندارد زیرا کہ بر وقت ضرورت دفن کردن دو میت و سہ میت در یک قبر جائز است چنانکہ در شہداء احد ہمیں طور بوقوع آمد کہ آنحضرت صلعم دو سہ میت در یک قبر دفن کردند چنانچہ در کتب احادیث مذکور است و از فتاویٰ عالم گیریہ مستفاد می شود لا یدفن اثنان او ثلثة فی قبر واحد الا عند الحاجة انتہی ما فی الفتاوی العالمگیریہ و اگر جائے دیگر کہ خالی از میت باشد قبر کندیدہ دفن کنند بہتر و اولیٰ است و بر وقت نیافتن جائے خالی از اعضاء میت پس در قبر کہنہ کہ اعضاء ظاہر می شود میت نو را دراں در حالت لاچاری دفن کردن مضائقہ ندارد الضرورات تبیح المحظورات واللہ اعلم بالصواب۔ الراقم سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص) سید محمد نذیر حسین

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس علاقہ میں ایک قبر کھودی گئی۔ اتفاق سے وہاں کسی مردہ کی ہڈیاں نکل آئیں۔ اس کو دفن کر کے پھر دوسری جگہ قبر کھودی گئی وہاں بھی یہی معاملہ ہوا پھر تیسری جگہ قبر کھودی گئی پھر وہی کیفیت ہوئی بتایا جائے کہ اس صورت میں کسی پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے۔ یا نہیں یہ مسئلہ ہذا کتب معتبرہ سے تحریر فرمادیں اور ارشاد بھی بیان فرمادیں۔

جواب۔ جب ہر جگہ سے قبر برآمد ہوئی اور قبرستان میں کوئی خالی جگہ نہیں ملتی تو اس صورت میں پرانی قبر میں دفن کرنا جائز ہے۔ احد کے شہیدوں کو ایک قبر میں دو دو تین تین کر کے دفن کیا گیا تھا۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے ضرورت کے سوا دو یا تین آدمیوں کو ایک ہی قبر میں دفن نہ کیا جائے ۔ اور اگر کسی اور خالی جگہ میں تازہ میت کو دفن کر دیا جائے۔ تو بہتر ہے ورنہ مجبوری کی حالت میں کسی پرانی قبر میں دفن کر دینا جائز ہے۔

سوال۔ چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تا وقتیکہ نان بوجہ خوب پختہ نشود ہرگز مردہ را تجہیز وتکفین ودفن نکنند وبدیں طور اگر مردہ راسہ روز یاکم زیادہ دفن نکنند گندہ ومتنغغ باشد یانہ حکم صلوۃ جنازہ چگونہ است بینوا توجروا۔

جواب۔ در تجہیز وتکفین ودفن میت عجلت وشتابی بسیار ضروراست بدلیل حدیث ابوداؤد عن حصین بن وحوح ان طلحۃ بن البراء مرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقال انی لااری الاقد حدث بہ الموت فاذنونی بہ وعجلوا فانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان تحبس بین ظہرانی اہلہ رواہ ابوداؤد کذا فی المشکوۃ وور بدر التمام ومسک الختام شرح بلوغ المرام نقل می کنداز فتح الباری حدیث عبداللہ بن عمر راکہ شنیدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم راکہ می فرمود چون بمیرد یکے از شما پس حبس نکنید

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض لوگ جب تک اچھی طرح کھانا تیار نہ ہو جائے۔ مردہ کو دفن نہیں کرتے اگر اسی طرح دو تین روز تک مردہ کو دفن نہ کیا جائے۔ اور وہ پھول جائے یا نہ بھی پھولے تو ایسے آدمی کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں۔؟؟

جواب۔ میت کو دفن کرنے میں بڑی جلدی کرنی چاہیے حدیث میں ہے کہ طلحہ بن براء بیمار تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا میرے خیال میں ان پر اب موت آیا ہی چاہتی ہے جب موت ہو جائے۔ تو مجھ کو اطلاع دینا اور جلدی کرنا یہ درست نہیں کہ مسلمان کی لاش گھر والوں کے سامنے پڑی رہے۔، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے۔ اس کو روک نہ رکھنا چاہیے۔، اس کی قبر کی جلد از جلد تیاری کرنی چاہیے ۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ میت کو جلد از جلد دفن کرنا چاہیے۔ اور روکنا نہ چاہیے۔ اور کھانا پکانے کے لئے میت کو روک رکھنا ایک عجیب سی بات ہے۔ اور یہ طریقہ خلاف حدیث ہے۔ قرون ثلاثہ میں اس کا نام ونشان نہیں تھا۔ مجتہدین اس کے برخلاف ہیں۔ اور مطابق حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد یہ کام مردود ہے۔ اور یہ جاہل اماموں کی اختراع ہے۔ جو حرام طریقہ سے لوگوں کے مال کھاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

اور اوشتابی کیند بوئے بسوئے قبر دے اخرجہ الطبرانی باسناد حسن انتہی پس حدیث ابوداؤد وطبرانی مخبر است بر تعجیل وشتابی تجہیز وتکفین ودفن میت واین چہ معنی کہ تاوقتیکہ نان یوجہ جوب مہیا نشود ہرگز تکفین وتجہیز ودفن نہ کردہ شود مردہ این طریقہ خلاف حدیث ماثور ومخالف تعامل قرون ثلثہ وعمل مجتہدین ومحدثین است وداخل در وعید این حدیث من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری پس حبس میت برائے مہیا وموجود شدن نان از بدعت ضلالت وگمراہی است واین امر قبیح از اختراع امامان جہلہ مساجد است کہ ازین بہانہ مال مردم می خورند۔ نعوذ باللہ من ہذہ الجراۃ الشنیعۃ۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص۴۲۶)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ منع فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو۔ عمرو اس مسئلہ کی تفسیر کا متلاشی ہے از روئے شرع شریف کے جواب عنایت فرمائیں۔

جواب۔ رات کے وقت مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت کے زمانہ میں ایک شخص تھے کہ رات کو ان کا انتقال ہوگیا۔ اور رات ہی کو لوگوں نے ان کو دفن بھی کردیا پھر صبح ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ کو کیوں خبر نہ کی پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے پاس تشریف لے گئے اور ان پر جنازہ کی نماز پڑھی متفق ہیں ہے عن[1] ابن عباس قال مات انسان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فمات باللیل فدفن لیلاً فلما اصبح اخبروہ فقال ما منعکم ان تعلمونی قالوا کان اللیل فکرھنا وکانت ظلمۃ ان نشق علیک

---

[1] عبداللہ بن عباس نے کہا ایک آدمی رات کو فوت ہوگیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت (بیمار پرسی) کرتے تھے۔ اور رات ہی کو اس کو دفن کردیا گیا۔ جب صبح ہوئی تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی انہوں نے کہا رات تھی۔ اور اندھیرا تھا آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا پھر آپ اس کی قبر پر آئے اور نماز پڑھی۔

فاتی قبرہ فصلی علیہ رواہ البخاری وابن ماجۃ وقال البخاری ودفن ابو بکر لیلا
جب لوگوں نے رات کو دفن کرنے کا اپنا واقعہ بیان کیا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس بات سے منع نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ مجھ کو کیوں نہ خبر کی میں بھی تمہارے دفن
میں شریک ہوتا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ رات کو دفن کرنا جائز ہے۔ ہاں البتہ
بعض حدیث سے ممانعت کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن[1] جابر ان النبی صلی
اللہ علیہ وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابہ قبض وکفن فی کفن غیر طائل
وقبر لیلا فزجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ الا ان
یضطر انسان الی ذلک وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کفن احدکم اخاہ فلیحسن
کفنہ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد لیکن فی الحقیقت اس سے ممانعت نہیں
ثابت ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ یوں ہے فزجر النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان یقبر الرجل لیلا حتی یصلی
علیہ اس جملہ سے صاف ثابت ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔
بلکہ بغیر نماز کے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے۔ لہٰذا زید کا مطلقاً یہ کہنا کہ منع فرمایا رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قطعی رات کے وقت دفن کرنے کو صحیح نہیں ہے۔ ہاں البتہ
بغیر نماز پڑھے رات کو دفن کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ کی حدیث سے ثابت
ہے خلاصہ یہ کہ رات کو مردہ دفن کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق۔ اگر رات کو تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ ہو سکے۔ تو رات کو دفن کرنا بلاشبہ جائز
ودرست ہے کما یدل علیہ حدیث ابن عباسؓ المذکور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات ہی کو

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اور
معمولی قسم کا کفن دیا گیا ہے۔ اور اسے رات ہی میں دفن کیا گیا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر منع فرمایا کہ
کسی آدمی کو رات کو دفن نہ کیا جائے تاکہ اس پر جنازہ کی نماز کثرت سے پڑھی جائے۔ ہاں اگر مجبوری
ہو تو علیحدہ بات ہے اور فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔

دفن کیے گئے تھے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی رات ہی کو دفن کی گئی تھیں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ استدل المصنف (ای الامام بخاریؒ) للجواز[1] ای لجواز الدفن باللیل بما ذکرہ من حدیث ابن عباس ولم ینکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہم دفنہم ایاہ باللیل بل انکر علیہم عدم اعلامہم بامرہ وایّد ذلک بما صنع الصحابة بابی بکر وکان ذلک کالاجماع منہم علی الجواز وصح ان علیا دفن فاطمة لیلا انتہی ملخصا قاضی شوکانی نیل صفحہ ۲۳۱ جلد ۳ میں لکھتے ہیں۔ والاحادیث[2] المذکورة فی الباب تدل علی جواز الدفن باللیل وبہ قال الجمہور وکرہہ الحسن البصری واستدل بحدیث[3] ابی قتادة وفیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجران یقبر الرجل لیلا حتی یصلی علیہ واجیب عنہ ان الزجر منہ صلی اللہ علیہ وسلم انما کان لترک الصلوٰة لا للدفن باللیل اولاجل انہم کانوا یدفنون باللیل لرداءة الکفن فالزجر انما ہو لما کان الدفن باللیل مظنة اساءة الکفن کما تقدم فاذا لم یقع تقصیر فی الصلوٰة علی المیت وتکفینہ فلا باس بالدفن لیلا۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۶۹)

محمد شمس الحق

---

[1] امام بخاری نے ابن عباس کی حدیث سے رات کو دفن کرنے کے متعلق استدلال کیا ہے اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے زجر کی اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتا ہے کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر کو رات کے وقت دفن کیا تو یہ ایک طرح کا اجماع ہوا اور حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ کو رات کے وقت دفن کیا۔ [2] اس باب میں مندرجہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ رات کو مردے کو دفن کرنا جائز ہے جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حسن بصری اسے مکروہ جانتے ہیں، اور انہوں نے ابوقتادہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو دفن کرنے سے منع فرمایا ہے، یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نماز کی وجہ سے ممانعت کی ہے نہ کہ رات کو دفن کرنے سے اور اس لئے بھی رات کو وہ ردی سا کفن دے دیا کرتے تھے اور جب نماز جنازہ اور کفن میں تقصیر نہ ہو تو پھر رات کو دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[3] قولہ بحدیث ابی قتادة کذا فی النیل والصواب بحدیث جابر کما لا یخفی علی من طالع فی النیل باب استحباب احسان الکفن وباب الدفن لیلا ۱۲ عبدالرحمن مبارکپوری عفی عنہ۔

سوال۔ بر پیشانی میت بسم اللہ از انگشت نوشتن و چیزے از قسم تبرک مثل پردہ مکہ معظمہ بر کفن میت بستن جائز است یا نہ۔

جواب۔ بسم اللہ نوشتن از انگشت بر پیشانی میت از کتاب اللہ تعالیٰ و سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و اجماع امت و قیاس مجتہدین ثابت نیست و ہرچہ کہ ازیں ادلہ اربعہ ثابت نباشد کردنش روا نیست و ہمچنین ادعیہ و اذکار نوشتن بکفن یا عمامہ یا دیگر اعضائے میت ہم جائز نیست و اگر گوئی کہ در بعض کتب فقہ روایت جواز ہم یافتہ می شود پس چگونہ عدول ازان کردہ شود چنانکہ علامہ فقیہ محمد بن محمد بزازی در فتاوے بزازیہ گفتہ وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالیٰ للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر انتہی و در فتاوے تاتارخانیہ گفتہ حکی عن بعض انه اوصی ابنه اذا مت وغسلت فاکتب فی جبهتی وصدری بسم الله الرحمن الرحیم قال ففعلت ثم رایت فی المنام وسألت عن حاله فقال لما وضعت فی القبر جاءتنی ملائکة العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبهتی وصدری بسم الله الرحمن الرحیم قالوا امنت من العذاب انتہی و ابراهیم حلبی در صغیری شرح منیہ گفتہ وذکر

سوال۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا اور کوئی متبرک چیز مثلاً غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پہ باندھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب۔ میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا کتاب الہی و سنت رسول و اجماع صحابہ و قیاس مجتہدین سے ہرگز ثابت نہیں ہے اور جو ان چار دلیلوں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو وہ کام کرنا منع ہے اور اسی طرح کفن پر کوئی چیز لکھنا یا کسی متبرک چیز کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ فقہ کی بعض کتابوں سے لکھنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ محمد بن محمد بزازی نے فتاوی بزازیہ میں لکھا ہے کہ امام صفار نے کہا ہے کہ اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے۔ اور تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب

البزازی عن الصفار لوکتب علی جبہۃ المیت اوعمامتہ اوکفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفرا للہ تعالیٰ سبحانہ الی ان قال وعن بعض المتقدمین انہ اوصی ان یکتب فی جبہتہ وصدرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الخ وعلاؤالدین حصکفی در درمختار گفتہ کتب علی جبہۃ المیت اوعمامتہ اوکفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفراللہ للمیت واوصی بعضہم ان یکتب فی جبہتہ وفی صدرہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ففعل ثم روئی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبر جائتنی ملائکۃ العذاب فلما رأوا مکتوبا علی جبہتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالوا امنت من عذاب اللہ انتہی وابن عابدین در ردالمحتار گفتہ قولہ یرجی الخ مفادہ الاباحۃ اوالندب وفی البزازیۃ قبیل کتاب الجنایات وذکرالامام الصفار لوکتب علی جبہۃ المیت او علی عمامتہ اوکفنہ عہد نامہ یرجی ان یغفراللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من العذاب قال نصیر ہذہ روایۃ فی تجویز ذلک وان الفقیہ ابن عجیل کان یامربہ ثم افتی بجوازکتابتہ قیاسا علی کتابتہ للہ فی ابل الزکوٰۃ واقرہ بعضہم انتہی مختصرا ً ونیز در

میں مرجاؤں اور غسل دے دیا جائے۔ تو میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ دینا چنانچہ بیٹے نے ایسا ہی کیا۔ پھر خواب میں باپ کو دیکھا اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے۔ جب انہوں نے میری پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو کہنے لگے۔ تو عذاب سے بچ گیا۔ اور ابراہیم نے صغیری شرح منیہ میں اور علاؤالدین حصکفی نے درمختار میں اور ابن عابدین نے ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے اس عبارت کو لکھا ہے۔ اور جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور ابن عجیل پہلے اس کا فتوے دیتے تھے۔ بعدازاں صدقہ کے اونٹوں پر جو لفظ "للہ" لکھا جاتا ہے۔ اس پر قیاس کرکے لکھنے کا فتوے بھی دینے لگے۔ اور اسی طرح شرجی کے حوالہ سے بعض محشین نے سینہ پر انگلی سے بسم اللہ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنا نقل کیا ہے۔ اور یہی فتویٰ محمد اسحٰق دہلوی نے مائۃ مسائل میں اور مفتاح الجنان وکفایہ شعبی میں درج ہے تو اس سے اس کا جواز ثابت ہوتا

در ردالمختار گفتہ نقل بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبھۃ المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم و علی الصدر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وذلک بعد الغسل قبل التکفین انتہی ودر مائۃ المسائل مولانا محمد اسحق مذکور است ودر کتاب درہم الکیس فارسی مرقوم است و بنویسند بر پیشانی میت بغیر مداد بانگشت انتہی وہم چنین است در مفتاح الجنان وکفایہ شعبی پس ازیں عبارات معلوم شد کہ نوشتن بر پیشانی میت بانگشت بغیر سیاہی یا بسیاہی بسم اللہ وغیر آن وہمچنین بر سینہ وکفن جائز ودرست وموجب نجات میت از عذاب است گویم بفضل اللہ العلام اصل این از ادلہ اربعہ ثابت نیست وبنا ایں بر قیاس فاسد است و مدار این بر رویا منام است امابیان امر اول ایں است کہ ادعیہ واذکار وہیأت ادا آن توقیفی اندپس اداکردن آن را بر غیر ہیأت مخصوصہ ثابتہ از صاحب شرع چگونہ روا باشد وہمچنین حکم کردن بہ ترتب اجر ومقدار آن از شان او تعالیٰ ورسول او است صلی اللہ علیہ وسلم کسے را نمیرسد کہ حکم بر آن کند شیخ جلال الدین سیوطی در فتوے خود گفتہ الاذکار توقیفیۃ وترتب الاجر علیہا ومقدا رہا توقیفی فمن اتی بذکر اودعاء لم یرد فلیس لاحد ان یحکم علیہ بشیٔ من الاجر بمقدار معین لان ذلک مرجعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحدہ انتہی ودر ردالمحتار گفتہ والقول بانہ یطلب فعلہ مردود لان مثل ذلک لا یحتج بہ الا اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم طلب ذلک ولیس کذلک انتہی ما

ہے۔ اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی مذکورہ کتابوں میں نقل نہیں کی گئی اور اس کی بنا قیاس فاسد پر ہے۔ یا پھر خواب پر قیاس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اذکار اور ادعیہ اور ان کی ہیئت کذائی سب توقیفی (جن میں قیاس کو دخل نہ ہو) ہیں ان کو از خود تجویز کرنے اور ان پر اجر مرتب کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے۔ یہ حق صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا ہے بعض چیزیں بظاہر دیکھنے میں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن چونکہ وہ منقول نہیں ہیں۔ لہذا منع ہیں۔ دیکھئے صبح طلوع ہونے کے بعد آنحضرت سے صرف دو رکعت سنت ثابت ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ پڑھے تو ناجائز ہوگا۔ حالانکہ نماز فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے عیدگاہ میں نفل چونکہ آنحضرت سے ثابت نہیں

فی کتاب الجنائز فی مطلب فیما یکتب علی کفن المیت وبسیاری از افعال اند کہ بظاہر عبادت و موجب اجر معلوم می شوند و ہر اجزاء او ہم احسن و نیکو اند مگر مجموعہ ان باین ہیئت مخصوصہ ثابت از صاحب شرع نیستند پس کردنش رو انہ باشد چنانکہ علامہ فقیہ برہان الدین مرغینانی در ہدایہ گفتہ یکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر لانہ علیہ السلام لم یتفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی ونیز دران گفتہ لایتنفل فی المصلی قبل العید لانہ علیہ السلام لم یفعل مع حرصہ علی الصلوۃ انتہی۔ ودر فتاوی عالمگیری مرقوم است قراءۃ الکفرون الی الاخر مع الجمع مکروھۃ لانہا بدعۃ لم ینقل ذلک عن الصحابۃ والتابعین کذا فی المحیط انتہی۔ وبیان امر ثانی این است کہ قیاس کردن این را بر صدقہ ابل قیاس مع الفارق است چرا کہ ہر صدقہ ابل کتابت لفظ اللہ برائے علامت و تمیز است ونوشتن بسم اللہ خواہ بانگشت بلا سیاہی خواہ بسیاہی بر پیشانی یا کفن میت برائے تبرک است و موافق زعم ایشان موجب نجات است فاین القیاس ابن العابدین در رد المحتار گفتہ والقیاس المذکور ممنوع بان القصد ثمہ التمیز وھنا التبرک فالاسماء المعظمۃ باقیۃ علی حالہا فلا

ہیں۔ اگر وہاں نفل پڑھے تو جائز نہ ہوگا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ سورۃ قل یا ایہا الکفرون سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں نہ پڑھے۔ کیونکہ یہ بدعت ہے ثابت نہیں ہے۔ اور صدقہ کے اونٹوں پر قیاس کرکے لکھنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے۔ وہ علامت کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اور یہاں جو کچھ لکھا جاتا ہے۔ وہ تبرک اور نجات کے لیے لکھا جاتا ہے۔ اور پھر وہاں بے ادبی کا امکان نہیں۔ اور یہاں پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا یقین ہے۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان کہتے ہیں کہ وہ اس کی زندگی کی ابتداء تھی اسی پر انتہاء کو قیاس کرکے بعض لوگوں نے دفن کے وقت بھی اذان کہنا شروع کردی تو فقہاء نے اس پر انکار کیا چنانچہ ابن عابدین نے رد المختار میں اور ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں اس کو بدعت لکھا۔ عبد

جو زتم بیضہا للنجاستہ انتہی و بہین کر قیاس کردن اذاں را کہ بعد دفن میت مید ہند بر اذان مولود بظاہر صحیح معلوم مے شود و بعض کسان برین قیاس کردہ حکم جواز ہم دادہ اند چنانکہ بجائے خود مصرح است مگر چونکہ این اذان بالخصوص درین موضع ثابت نیست حکم بجوازش دادن خلاف امر حق ست لہذا اکثر علما این اذان را محدث فی الدین قرار دادہ اند ابن عابدین در رد المحتار گفتہ لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ بدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی ندبہا للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتداءہ فلم یصب انتہی وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوۃ مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذاک الا لکونہا لم تؤثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیہا فیہ توھم العوام بانہا سنۃ فیہ ولذا منعوا من الاجتماع لصلوۃ الرغائب التی احدثہا بعض المتعبدین لانہا لم تؤثر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلک اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلوۃ خیر موضوع انتہی ۔ وچنین تصریح فرمودہ اند عمدۃ المحدثین استاذ الاستاذ مولانا محمد اسحٰق الدہلوی در مائۃ المسائل ۔ و بیان امر ثالث این کہ رویائے غیر انبیاء صلے اللہ علیہ والسلام حجت شرعیہ نیست و از ان ثبوت احکام شرعیہ نمی توان شد شیخ الاسلام جمال المسلمین علامہ شمس الدین کرمانی در کواکب الدراری شرح

اور جمعہ کی نماز کے بعد بعض لوگوں نے مصافحہ کرنا شروع کر دیا ۔ تو گو مصافحہ فی نفسہ بری چیز نہیں لیکن فقہاء نے اس کا انکار کیا کیونکہ یہ اس موقع میں ثابت نہیں ۔ صلوۃ الرغائب کہ جس کو بعض بدعتی لوگوں نے جاری کر دیا ہے اس کے خلاف فقہاء نے آواز سنایا ۔

باقی رہا خواب کا معاملہ تو نبی کی خواب کے سوا کسی کی خواب حجت شرعی نہیں ہے ۔ اور اس سے احکام کا استنباط نہیں کیا جا سکتا ۔ دیکھئے علامہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت کہ ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ تھی ۔ اس نے ابولہب کو آنحضرت کی پیدائش کی جب خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اس کو آزاد کر دیا ۔ پھر ثویبہ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا جب ابولہب مر گیا ۔ تو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے اس کو

صحیح البخاری تحت حدیث قال عروۃ وثویبۃ مولاۃ لابی لہب کان ابولہب اعتقہا فارضعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم فلما مات ابولہب رآہ بعض اہلہ الخ گفتہ فان قلت فیہ دلیل علی ان الکافر ینفعہ العمل فقد قال اللہ تعالیٰ فجعلناہ ہباء اقلت لا اذ الرؤیا لیست بدلیل انتہی وحجۃ الاسلام۔ حافظ ابن حجر در فتح الباری شرح صحیح بخاری گفتہ وفی الحدیث دلالۃ علی ان الکافر قد ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ لکنہ مخالف بظاہر القرآن قال اللہ تعالیٰ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا واجیب اولا بان الخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجۃ فیہ انتہی۔ وعلامہ قسطلانی در ارشاد الساری گفتہ استدل بھذا علی ان الکافر ینفعہ العمل الصالح فی الآخرۃ وھو مردود بظاہر قولہ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا لا سیما والخبر مرسل ارسلہ عروۃ ولم یذکر من حدثہ بہ وعلی تقدیر ان یکون موصولا فلا یحتج بہ اذ ھو رؤیا منام لا یثبت بہ حکم شرعی انتہی۔ ودر الشراعات عالیہ شرح منار النسفی گفتہ ولا اعتبار بالہام غیر النبی ورؤیاہ انتہی وجملہ کسان مذکورین ناقلین جواز اعنی ابراہیم حلبی وعلاؤالدین حصکفی و صاحب تاتارخانیہ وصاحب فوائد الشرجی وصاحب درہم الکیس وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ ناقل وآخذ از صاحب فتاوے بزازیہ کہ خود بران مواخذہ دلیل است ہستند وکدامے دلیل از ادلہ اربعہ قائم نکردہ اند فلا یلتفت الیہ وصواب کرد علامہ حافظ عثمان بن عبدالرحمٰن الشہیر بابن الصلاح کہ فتوے بعدم جواز داد چنانکہ در رد المختار است وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان

خواب میں دیکھا الخ اگر کہا جائے کہ اس میں دلیل ہے کہ کافر کو بھی نیک اعمال نفع دیتے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ واقعہ قرآن مجید کی آیت فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کے مخالف ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث سے دلیل نہیں کی جا سکتی کیونکہ یہ مرسل ہے۔ اس کو عروہ نے بیان کیا ہے۔ اور کسی سے سنی ہے۔ یہ بیان نہیں کرتا۔ اور اگر بالفرض یہ حدیث موصول بھی ہوتی تو ایک خواب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ قسطلانی بھی یہی کہتے ہیں۔ بلکہ نسفی کی طرح شارحین

کتب علی الکفن یس والکھف ونحوھما خوفا من صدید المیت انتہی۔ ونیز در ردالمحتار
است وقد منا قبیل باب المیاہ عن الفتح بانہ تکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ
علی الدراھم والمحاریب والجدران وما یفرش وما ذاک الا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ
ونحوہ ممافیہ اھانت فالمنع ھھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ
حدیث ثابت انتہی۔ وسید احمد طحطاوی در حاشیہ در المختار گفتہ قولہ کتب علی جبھۃ الخ
یؤخذ من ذلک جواز الکتابۃ ولو بالقرآن ولم یعتبروا کون مالہ الی التنجس بما یسیل
من المیت وانظر ھذا مع کراھتھم الکتابۃ علی الدراھم وجدار المساجد وہم چنیں تصریح
بعدم جواز کردہ در فوائد الفوائد پس برائے ثبوت مطلب یعنی بعدم جواز کتابت بر پیشانی وصدر
وکفن بسیاہی یا بغیر سیاہی بانگشت قول مذکور ابن عابدین فالمنع ھھنا بالاولی مالم
یثبت عن المجتھد او ینقل فیہ حدیث ثابت کافی است اگرچہ ابن عابدین این عبارت
در صورت کتابت بمداد گفتہ لیکن حق صریح ہمیں است کہ برائے ہر امور متعلقہ دین اجازت
از شرع شریف باید وبغیر آن کار بند نباید شد اگرچہ بظاہر صورت حسن نمایاں شود ھذا غایۃ
التحقیق فی ھذا الباب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال وجواب تحقیقی صورت ثانیہ این است
کہ از روایات معلوم مے شود کہ وجود استار کعبہ معظمہ در زمانہ خلفاء رضوان اللہ علیہم بود وکسے
انکار بران نہ کرد چنانکہ علامہ کرمانی در شرح صحیح بخاری تحت باب کسوۃ الکعبہ گفتہ
قلت لعل الکعبۃ کانت مکسوۃ وقت جلوس عمر فحیث لم ینکرہ وقررھا
دل علی جوازھا انتہی۔ وہم چنیں از روایت آئندہ عینی ظاہر مے شود مگر در خریدن وفروختن

یہاں تک لکھا ہے کہ نبی کے علاوہ کسی کا الہام بھی حجت نہیں ہے۔ اور نہ کسی کی خواب حجت ہے۔
باقی یہ جتنی کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے بزازیہ سے نقل کیا ہے۔ اور بزازیہ نے اس پر کوئی شرعی
دلیل قائم نہیں کی ہے۔ لہٰذا وہ توجہ دینے کے قابل نہیں۔ ابن صلاح اور صاحب در مختار نے بہت صحیح
لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کا نام یا قرآن کی کوئی سورت میت پر یا کفن پر لکھنا تو درکنار روپیہ، حلقہ،
دیوار اور فرش پر بھی نہیں لکھنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے بے ادبی کا احتمال ہے۔ اور کفن پر لکھنے میں تو

و قطع کردن و نقل کردن استار کعبہ از مکہ معظمہ بجائے دیگر اختلاف علماء اعلام است بعض قائل بجواز و بعض بعدم جواز آنہا چنانکہ علامہ بدرالدین عینی در عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری تحت بیان باب گفتہ قال صاحب التلخیص لایجوز بیع استار الکعبۃ المشرفۃ کذا قال ابو الفضل بن عبدان لایجوز قطع استارھا ولا قطع شیٔ من ذلک ولایجوز نقلہ و بیعہ ولا شراؤہ وما یفعلہ العامۃ یشترون من بنی شیبۃ لزمہ ردہ ووافقہ علی ذلک الرافعی وقال ابن الصلاح الامر فیہا الی الامام یصرفہ فی مصارف بیت المال بیعاً، وعطاء واحتج بما ذکرہ الازرقی ان عمر کان ینزع کسوۃ الکعبۃ کل سنۃ فیقسمہا علی الحاج وعند الازرقی عن ابن عباس وعائشۃ انہما قالا لا باس ان یلبس کسوتہا من صارت الیہ من حائض وجنب وغیرھما انتہی پس آنانکہ بجواز بیع و شراء و قطع و نقل استار کعبہ رفتہ اند نزد ایشان لبس آن استار متبرکہ و تکفین میت از آن جائز است و کفن دادن میت را در جامہ متبرکہ از احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت است حافظ الحدیث حجۃ اللہ فی الارض امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل البخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہا در صحیح خود روایت فرمودہ عن عبد اللہ بن عمر ان عبد اللہ بن ابی لما توفی جاء ابنہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعطنی قمیصک اکفنہ فیہ وصل علیہ واستغفر لہ

بے ادبی کا یقین ہے پس ایسی صورت میں یہ لکھنا کیسے جائز ہو جائے گا۔

اور کفن میں متبرک شے کا اضافہ کرنے کے متعلق تحقیقی جواب یہ ہے کہ روایات سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ اور کسی نے اس کا انکار نہ کیا اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھانا درست ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کو خریدنا یا فروخت کرنا اور دوسرے ممالک میں بطور تبرک لے جانا اس میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں اسی باب کے تحت لکھتے ہیں کہ اس کا بیچنا اور دوسرے ممالک میں لے جانا جائز نہیں ہے۔ اور فضل بن عدلان کا فتوے بھی یہی ہے۔ ابن صلاح نے کہا کہ اگر اس کا خریدنا یا فروخت کرنا جائز بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کی فروخت سے جو مال میسر ہو اس کو بیت المال میں داخل کرنا ضروری ہے۔ ازرقی نے بھی لکھا ہے۔

فاعطاہ قمیصہ رواہ البخاری عن سہل ان امرأۃ جاءت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیہا حاشیتہا تدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتہا بیدی فجئت لاکسوکہا فاخذہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم محتاجا الیہا واتہا انارۃ فحسنہا فلان فقال اکسنیہا ما احسنہا فقال القوم ما احسنت لبسہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم محتاجا الیہا ثم سألتہ وعلمت انہ لا یرد سائلا قال انی واللہ ما سألتہ لالبسہ وانما سألتہ لتکون کفنی فکانت کفنہ رواہ البخاری عن عمرو سمعت جابر بن عبداللہ قال اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی بعد ما ادخل حفرتہ فامر بہ فاخرج فوضعہ علی رکبتیہ ونفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ رواہ البخاری عن ام عطیۃ قالت توفیت احدے بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اغسلنہا بالسدر وترا او شیئا من کافور فاذا فرغتن فاذنی فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فضفرنا شعرہا ثلاثۃ قرون والقیناہا خلفہا رواہ البخاری اما زیادتی برکفن مسنونہ اگرچہ بیک پارہ جامہ باشد خلاف امر مسنون است مثل جبتی کہ عمامہ بستن بر سر میت بجہت عدم ثبوتش علماء کرام تصریح بکراہت کردہ اند بخاری از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفن فی ثلثۃ اثواب یمن لیس فیہا قمیص ولا عمامۃ رواہ البخاری قاضی حسن بن منصور۔ ورفتاوے

حضرت عباس اور عائشہ صدیقہ کا فتوے ہے کہ غلاف کعبہ سے اتر جانے کے بعد جنبی اور حائضہ اس کو پہن سکتے ہیں جو اس کی خرید و فروخت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک کعبہ کے اترے ہوئے غلاف کا کفن دینا جائز ہے۔ اور متبرک کپڑے کا کفن دینا حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی منافق جب مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنی قمیص عنایت فرما دیں۔ تاکہ اس میں اس کو کفن دیا جا سکے چنانچہ آپ نے قمیص دے دی ایک عورت نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑا بن کر دیا۔ آپ نے اس کو پہن لیا پھر کچھ مدت کے بعد اس نے حضور سے

قاضی خان گفتہ اکثر ما یکفن فیہ الرجل ثلثۃ اثواب لیس فیہا عمامۃ عندنا انتہی۔ وعلامہ زین بن نجیم در بحر الرائق شرح کنز الدقائق گفتہ وفی المجتبی وتکرہ العمامۃ فی الاصح انتہی ومحمد بن عبداللہ الغزی در تنویر الابصار گفتہ وتکرہ العمامۃ للمیت فی الاصح و قہستانی در جامع الرموز گفتہ والاصح انہ یکرہ العمامۃ کما فی الزاہدی انتہی پس پارہ از پردہ کعبہ معظمہ سوائے کفن در کفن میت بستن جائز نیست چراکہ نہادشتن چیزے در قبر جز کفن کہ ہمراہ میت است سنت حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ودا شتن ایں پردہ ہمراہ کفن رافع آں سنت است پس نباشد ایں مگر بدعت واز ینجا ظاہر شد کہ شجرہ وغیرہ در قبر داشتن کہ معمول بعض مشائخین تصوف است آں ہم بدعت است بدلیل مذکورہ ودر حدیث شریف آمدہ عن غضیف بن الحارث الثمالی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک السنۃ خیر من احداث بدعۃ رواہ احمد خلاصہ سرودجواب این شد کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یا غیر آن نوشتن بر جبہہ میت یا صدر یا کفن بانگشت یا لبا

کپڑا مانگا۔ آپ نے دے دیا۔ اس نے اس کپڑے کو اپنے کفن کے لئے رکھ لیا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی فوت ہوئیں۔ تو کفن کے لئے آپ نے اپنا تہبند اتار کر دے دیا۔ ان روایات سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ متبرک کپڑے میں کفن دینا درست ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسنون کفن کے بعد اس پر متبرک کپڑے کا اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ میت کو پگڑی پہنانے کے خلاف فقہا نے فتویٰ دیا۔ کیونکہ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔ فتاوے قاضی خاں میں ہے کہ کفن تین کپڑے ہیں۔ جن میں ہمارے مذہب کے مطابق پگڑی نہیں ہے۔ بحر الرائق۔ مجتبیٰ تنویر الابصار۔ قہستانی۔ جامع الرموز۔ زاہدی وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے تو کفن کے ہمراہ غلاف کعبہ کا ٹکڑا رکھنا ایک زائد چیز ہوگی۔ جو سنت کے خلاف ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت رائج کرتی ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے بدلے ایک سنت اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں تو سنت کا تھام لینا بدعت کے جاری

وپردہ کعبہ معظمہ بستن برکفن علاوہ کفن میت بدعت است چراکہ در موت مسلم ہماں باید کرد کہ معہود از سنت است وایں ہمہ معہود از سنت نیست امامان حافظان حجتان بخاری ومسلم از عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کردہ اند عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد متفق علیہ من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد رواہ البخاری عن عبد اللہ بن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما ھما اثنتان الکلام والھدی فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمد الا وایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ ابن ماجۃ فقط ۔ العبد الفقیر ابو الطیب محمد المدعو بشمس الحق عفا عنہ ذنوبہ رب الفلق العظیم آبادی

ابو طیب محمد شمس الحق ۱۲۹۵ھ

علیم الدین حسین ۱۲۹۳ھ

المجیب مصیب

محمد اشرف ۱۲۹۵ھ

الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال

حسبنا اللہ بس حفیظ اللہ ۱۲۹۱ھ

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱ھ

قد اصاب من اجاب

الجواب صحیح

ز شرف بید کونین شریف حسین ۱۲۹۲ھ

سید احمد حسن ۱۲۸۹ھ

بہ طفیل نبی الٰہی بخش ۱۲۹۲ھ

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۴۲۲)
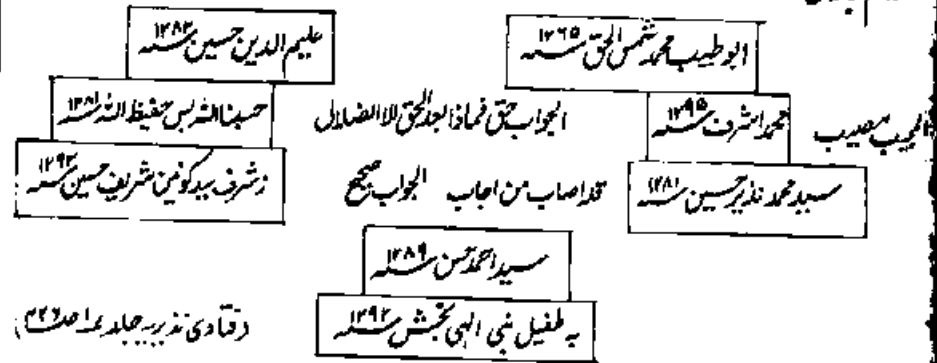
کرنے سے بہتر ہے۔" خلاصہ یہ کہ بسم اللہ کا انگلی سے پیشانی پر لکھنا اور غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن پر رکھنا دونوں بدعت ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو کوئی دین میں کوئی نیا کام جاری کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے۔ تو وہ کام مردود ہے۔" اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا "دو چیزیں ہیں۔ کلام اور ہدایت تو بہترین کلام اللہ تعالےٰ کی کلام ہے۔ اور بہترین راستہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم کا راستہ ہے۔ تم نئے کاموں سے بچنا کہ بدترین کام نئے کام ہیں۔ اور دین میں ہر نیا کام بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے واللہ اعلم۔

سوال۔ کیا مردہ کو دفن کے بعد قبر پہ کھڑے ہو کر تلقین[1] کرنی درست ہے۔ امام شوکانی نے جو اس کو بدعت کہا اور مطلقاً احادیث ضعیفہ کو متروک العمل قرار دینا محدثین میں سے کس کا مذہب ہے۔ حالانکہ محدثین صحاح ستہ کئی جگہ احادیث ضعیفہ پر باب باندھتے ہیں۔ اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات حدیث مروی السند تو ہوتی ہے لیکن مقبول المعانی ہوتی ہے۔

جواب۔ حدیث تلقین کی بابت صاحب سبل السلام لکھتے ہیں۔

ویتحصل من کلام ائمۃ التحقیق انہ حدیث ضعیف والعمل بہ بدعۃ ولا یغتر بکثرۃ من یفعلہ۔ (سبل السلام ص۲۰۳)

یعنی ائمہ تحقیق کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔ اور بہت لوگوں کے قول سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ اکثر دنیا بھیڑ چال ہے۔ امام عراقی کہتے۔ الفاظ جرح کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ راوی مطعون کے حق کہا جائے۔ کذاب یہ راوی بہت جھوٹا ہے یا کہا جائے وضاع یعنی اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے متہم بالکذب۔ اس راوی پر کذب کی تہمت لگی ہے۔ یا یوں کہیں متہم بالوضع اس راوی کو حدیثیں وضع کرنے کی تہمت لگی ہے۔ یا یوں کہیں ھالک یا یوں کہیں متروک یا یوں کہیں ساقط تیسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہیں مردود الحدیث یا کہیں واہ ان قسموں سے نہ تو احتجاج کیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی استشہاد واعتبار (تائید) میں ان کی حدیث لی جاتی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے ضعیف الحدیث یا یوں کہا جائے منکر الحدیث یا اس طرح کہا جائے مضطرب الحدیث۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ راوی کو کہا جائے فیہ ضعف یا اسی طرح کہا جائے۔

---

[1] یعنی میت کو دفن کر کے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کو منکر نکیر کے جواب کی تلقین کرنا یا یاد دہانی کرانا۔

وھو سیئ الحفظ یا یوں کہا جائے لیس بالقوی یا یوں کہا جائے ھو لین یا
اس کو ایسا کہیں فیہ ادنی مقال ان پچھلے درجوں کی حدیث اخذ بھی کی جاتی ہے۔
اور اعتبار و استشہاد کے واسطے اس میں نظر بھی کی جاتی ہے۔
شیخ ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں جو حدیث راوی کے فسق کے سبب ضعیف ہو وہ متعدد
سندوں سے قبل احتجاج نہیں ہو سکتی (حاشیہ شرح نخبہ) حدیث تلقین چونکہ اخیر
کے درجوں سے نہیں۔ اس لئے اس پر عمل بدعت ہے اگر یہ کچھ قابل عمل ہوتی تو خیر القرون
میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوا۔ کیا اس وقت حاجت نہ تھی یا کوئی مردہ دفن نہ ہوتا تھا یا ان
کو اس پر عمل کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب باتیں مفقود ہیں تو اس حدیث کی حقیقت واضح
ہے کہ یہ بالکل ساقط ہے۔ قابل عمل نہیں۔ (حافظ) عبداللہ روپڑی

(فتاوی اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۴۴۲)

سوال۔ کیا میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنا سنت ہے۔ اور نہ کرنے
والا گناہ گار ہے (صوفی نیک محمد)

جواب۔ نہ معلوم تلقین سے مراد کیا ہے۔ بہرکیف مرنے کے بعد اس کے لئے
دعا یا ایصال الثواب تو جائز ہے۔ تلقین کا ثبوت نہیں ملتا۔

(اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۰ شمارہ ۲۹)

حالات مولانا عبدالمجید سوہدری

جماعت اہل حدیث کی بڑی قابل قدر و فخر شخصیت تھے۔ جید عالم بہترین مقرر اور اعلیٰ درجے کے حکیم
اور کامیاب مصنف تھے عمر بھر جماعت اہل حدیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ کئی رسائل جاری
اور خود ہی ان کے ایڈیٹر رہے مثلاً اہلحدیث سوہدرہ اور مسلمان۔ نیز حبیب طبی ماہوار رسالہ بھی نکالا کرتے
کئی ایک کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی کتب درد سیرت کامل بڑی خوبصورت اور ان کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی بہترین آئینہ دار ہے۔ ۱۳۷۹ھ میں وفات پائی اللھم اغفرلہ وارحمہ

میت کے ناخن یا مونچھیں اگر بڑھ گئی ہوں۔ زوجین کا ایک دوسرے کو غسل دینا

۱۔ ایک لمبا بیمار مر جاتا ہے، اس کی حجامت بنانے والی ہوتی ہے، یوں ہی دیکھا جائے تو اس کی شکل اور ڈراؤنی لگتی ہے، اگر اس کے لب وغیرہ درست کر دیئے جائیں، تو کیا جائز ہے؟

۲۔ خاوند یا بیوی میں سے کوئی مر جائے تو کیا وہ ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں ایک صاحب اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب میت کے ناخن وغیرہ۔ میت گو اب دنیا کے تکلفات اور ریت پرست سے دور چلی گئی ہے، اور بہت دور تاہم ہمیں حکم ہے کہ اسے انسان سمجھیں اور اس کے ساتھ شائستہ، باوقار اور شایانِ شان معاملہ کریں، مثلاً یہ کہ اس کو نہلا کر خوشبو لگائی جائے، کفن سفید اور ستھرا دیا جائے، اس کو اچھے نام سے یاد کیا جائے، اس کی قبر پر نہ بیٹھا جائے، اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں، وغیرہ وغیرہ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اب بھی اس کی شکل وصورت اور صفائی کا خیال رکھا جائے۔ تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں ہے، بلکہ بہتر ہے۔

حضرت زینب (حضورؐ کی صاحبزادی) کا انتقال ہوا تو ان کے بالوں کو کنگھی کی گئی۔

ان ام عطیة قالت مشطنا ها ثلثة قرون (بخاری ج ۱ ص۱۶۸)

ولمسلم من رواية ايوب عن حفصة عن ام عطية مشطناها ثلثة قرون

وفيه حجة للشافعي ومن وافقه على استحباب تسريح الشعر (فتح الباری ج ۳ ص۱۳۳) وفی

رواية مشطتها ثلثة قرون (ابن ابی شيبة ج ۳ ص۲۵۱ ورواه ايضا ابن ماجه والنسائی وغيرهما)

حضرت حسن کا ارشاد ہے کہ میت کے ناخن کاٹے جائیں۔

عن منصور عن الحسن قال تقلم اظفار الميت (مصنف ابن ابی شيبة ج ۳ ص۲۴۷)

مصنف عبدالرزاق کے الفاظ یہ ہیں۔

عن معمر عن الحسن فى شعر عانة الميت اتكان وافرا؟ قال يؤخذ منه (محلی لابن حزم ج ۵ ص۱۸۲)

ابو الملیح الہذلی نے وصیت کی تھی کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو اس کے ناخن اور بال کاٹے جائیں۔

اوصاهم فقال اذا مات ان یاخذوا من شعره وا ظفاره (مصنف ج ۳ ص۲۴۷)

ابوالملیح ہذلی حضرت اسامہ بن عمیر (والد) حضرت انس اور حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں۔ ۹۸ھ میں وفات پائی ہے (خلاصہ ص۳۹۶)۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کے شاگرد حضرت بکر بن عبداللہ المزنی (اعلام الاعلام) کا یہ دستور تھا کہ جب کسی میت کے بال اور ناخن بڑھے ہوتے تو وہ انہیں کاٹ دیتے۔

عن حمید عن بکر انه کان اذا رای من المیت شیئا فاحشا من شعر وظفر اخذه و قلمه (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص۲۴۷)

اگر میت کے زیر ناف کے بال بھی بڑھے ہوتے تو حضرت سعد بن ابی وقاص استرا منگوا کر اسے مونڈ دیتے تھے،

عن ابی قلابة ان سعد اغسل میتا فدعا بموسی فحلقه (ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۲۴۷)

مصنف عبدالرزاق میں اس کی تصریح آئی ہے کہ یہ سعد، حضرت سعد بن ابی وقاص ہیں۔ (ملاحظہ ہو محلی ج۵ ص۱۸۲)

حضرت حفصہ بھی کنگھی کرنے کو فرماتی تھیں۔

انها قالت سرحو شعر المیت فانه یجعل معه (مصنف ج ۳ ص۲۴۸)

امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق فطرت سے ہے، اس لئے فطرت کی صورت میں اسے رب کے پاس بھیجا جائے،

وصح بان کل ذلك من الفطرة فلا یجوز ان یجهز الی ربه تعالی الا علی الفطرة التی مات علیها (محلی ج ۵ ص۱۸۱)

نیز لکھتے ہیں کہ اس کے جو مخالف ہیں، وہ ایسے صحابی کی مخالفت کو عظیم جرم تصور کرتے ہیں، جن کا کوئی مخالف نہ ہو، یہاں بھی یہی بات ہے کہ حضرت سعد کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے: گویا کہ اجماع سکوتی ہے،

وهو یعظمون مخالفة الصاحب الذی لا یعرف له مخالف من الصحابة رضی الله عنهم

وھذا اصحاب لا یعرف لہ منھم مخالف (محلی ص۱۸۲ ج۵)

احناف کے نزدیک یہ کام جائز نہیں ہیں۔

ولا یسرح شعر المیت ولا لحیتہ ولا یقص ظفرہ ولا شعرہ لقول عائشۃ علام تنقصون میتکم و لان ھذہ الاشیاء للزینۃ وقد استغنی المیت عنھا (ھدایۃ باب الجنائز ج ۱ ص۱۶۹)

مگر حضرت عائشہ والی روایت منقطع ہے۔ وھو منقطع بین ابراھیم وعائشۃ (درایۃ باب من حکور)

باقی رہی زینت کی بات ؟ سو مردہ بھی ایک حد تک اس کا مستحق ہے، آخر اس کو نہلایا جاتا ہے، اچھا کفن دیا جاتا ہے، اس کو خوشبو بھی لگائی جاتی ہے، بہرحال زینت نہ سہی، اس کو بُری حالت میں خدا کے ہاں بھیجنا مناسب نہیں محسوس ہوتا۔ واللہ اعلم۔

خاوند بیوی کا ایک دوسرے کو غسل دینا، اس مسئلہ پر تو اجماع ہے کہ جب شوہر مر جائے، تو عورت اس کو غسل دے سکتی ہے۔

نقل ابن المنذر وغیرہ الاجماع علی جواز غسل المرأۃ زوجھا (التعلیق المجید ج ۵ ص۱۲۹)

قال الشاہ ولی اللہ، واتفقوا علی جواز غسل المرأۃ زوجھا (مسوی شرح موطا ج ۱ ص۱۹۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فوت ہوئے، تو آپ کی زوجہ محترمہ (حضرت اسماء بنت عمیس) نے صحابہ کی موجودگی میں غسل دیا۔

ان اسماء بنت عمیس امرأۃ ابی بکر الصدیق غسلت ابا بکر الصدیق حین توفی ثم خرجت فسألت من حضرھا من المھاجرین فقالت انی صائمۃ وان ھذا یوم شدید البرد قالوا، لا (موطا مالک ج ۱ ص۱۱۱ و موطا محمد ص۱۲۹)

اس کی بھی وصیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی تھی۔ عن ابی ملیکۃ، ان ابا بکر الصدیق حین حضرتہ الوفاۃ اوصی اسماء بنت عمیس ان تغسلہ وکذا قال ابن شداد (مصنف ص۲۴۹ ج۳ ابن ابی شیبۃ باب فی المرأۃ تغسل زوجھا)

حضرت جابر بن زید نے اپنی بیوی کو وصیت کی تھی کہ وہ ان کو غسل دے۔

انہ اوصیٰ ان تغسلہ امرأتہ (ابن ابی شیبۃ ص۲۴۹ ج۳)

حضرت ابوموسیٰ کو اس کی اہلیہ نے غسل دیا تھا۔ (ایضاً ص۲۴۹ ج۳)

عن ابراھیم بن مہاجر ان اباموسیٰ غسلتہ امرأتہ (ایضاً ص۲۵۰ ج۳)

حضرت عبدالرحمان بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر عورتوں میں مرد مرجائے تو اس کی اہلیہ اس کو غسل دے۔

فی الرجل یموت مع النساء قال تغسلہ امرأتہ (ایضاً)

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ اس کی بیوی اسے غسل دے

تغسل المرأۃ زوجہا (ایضاً)

ہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دے یا نہ۔ احناف اس کو جائز نہیں سمجھتے مگر یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ بات صحیح حدیث کے خلاف ہے، حضور نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اگر آپ کا مجھ سے پہلے انتقال ہوگیا تو آپ کو غسل بھی میں دوں گا، اور کفن بھی میں پہناؤں گا۔

لومت قبلی لغسلتك وکفنتك (احمد والدارمی وابن ماجۃ وابن حبان والدارقطنی والبیہقی۔ (تلخیص الحبیر ص۱۵۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں، محمد بن اسحاق مدلس ہے، یہاں عنعنہ ہے، امام ابن حجر فرماتے ہیں، کہ اس روایت میں محمد بن اسحاق منفرد نہیں ہے، بلکہ صالح بن کیسان اس کا متابع ہے، کما رواہ احمد والنسائی (تلخیص ص۱۵۴) فرماتے ہیں لغسلتك غلط ہے فغسلتك صحیح ہے (ایضاً)

علامہ سندھی لکھتے ہیں، مجمع الزوائد والے فرماتے ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

وفی الزوائد اسنادہ رجالہ ثقات (حاشیہ سندھی علی ابن ماجہ ص۱۰۴ ج۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر وہ بات مجھے پہلے معلوم ہوجاتی، جو بعد میں معلوم ہوئی تو حضورؐ کو ان کی بیویاں ہی غسل دیتیں۔

لوکنت استقبلت من امری ما استدبرت ما غسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا نساءہ (ابن ماجہ ص۱۰۶ ج۱)

سندھی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی تدلیس کا اندیشہ بھی نہیں ہے کیونکہ حاکم وغیرہ کی روایت میں سماع کی تصریح آگئی ہے۔

ومع ذلک ذکرہ صاحب الزوائد ایضا فقال اسنادہ صحیح ورجالہ ثقات لان محمد بن اسحاق وان کان مدلسا لکن قد جاء عنہ التصریح بالتحدیث فی روایۃ الحاکم وغیرہ (حاشیہ علی ابن ماجہ ص۴۴۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔

ان علیا غسل فاطمۃ رواہ الشافعی والدارقطنی وابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی (تلخیص الحبیر ص۱۷۱ وقال واسنادہ حسن)

اور اس سلسلے میں جو اعتراض کیے گئے ہیں، اس کا بھی جواب دیا (تلخیص ص۱۷۱) درمختار میں اس پر بعض صحابہ کا انکار لکھا ہے، مگر وہ کون ہیں، اور کس کتاب میں ہے؟ اس کا کچھ پتہ نہیں،

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں، کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق رکھتا ہے،

عن ابن عباس قال: الرجل احق بغسل امرأتہ (ابن ابی شیبۃ ص۲۵۰)

عبدالرحمن حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں، انہی حج اور انہی عمرے کیے ہیں (خلاصہ تذہیب الکمال ص۱۹۰)

حضرت سلیمان بن یسار فرماتے ہیں، کہ شوہر اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے۔

یغسل الرجل امرأتہ (مصنف ابن ابی شیبۃ ص۲۵۰)

حضرت عون بن ابی جمیلہ (تبع تابعین میں سے) فرماتے ہیں کہ میں حضرت قسامہ اور ان شیوخ کے پاس موجود تھا جنہوں نے حضرت عمر کو پایا تھا فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو غسل دینے کا ان سے ذکر کیا تو کسی نے ان پر اعتراض نہ کیا۔

شہد قسامۃ بن زہیر واشیاخا ادرکوا عمر بن الخطاب وقد اتاھم رجل فاخبرھم ان امرأتہ ماتت فامرتہ ان لا یغسلہا غیرہ فغسلہا فما منھم احد انکر ذلک (محلی ابن حزم ص۱۸۵ وابن ابی شیبۃ طویلا ص۲۵۱)

حضرت جابر بن زید فرماتے ہیں، کہ مرد اپنی بیوی کو غسل دینے کا زیادہ حق رکھتا ہے،

الرجل احق ان یغسل امرأتہ من اخیہا (محلی ص۱۸۵)

حضرت جابر، حضرت ابن عباس، حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کے شاگرد ہیں، حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے وہ علماء میں سے ہیں،

ہو من العلماء (خلاصہ تذہیب الکمال ص۵)

عبدالرحمن بن الاسود فرماتے ہیں کہ اپنی بیویوں کو میں خود غسل دیا کرتا ہوں، ان کی ماؤں اور بہنوں کو روک دیتا ہوں،

انی لاغسل نسائی واحول بینھن وبین امہاتھن وبناتھن واخواتھن (محلی ص۱۷۹/۵)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں، میاں بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں۔

یغسل کل واحد صاحبہ (محلی ص۱۷۹/۵ وابن ابی شیبۃ ص۲۵)

حضرت حسن بصری تمام شیوخ صوفیہ کی آخری کڑی ہیں، ان کے بعد حضرت علی کا سلسلہ چلتا ہے، آپ حضرت جندب، حضرت انس، حضرت عبدالرحمن بن سمرۃ، حضرت معقل بن یسار، حضرت ابو بکرۃ اور حضرت سمرۃ جیسے عظیم صحابہ کے شاگرد ہیں، (خلاصہ ص۶۶)

حضرت امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ جس صحابی کا مخالف کوئی صحابی نہ ہو، حنفی اس سے خلاف کرنے کو عظیم جرم تصور کرتے ہیں حضرت ابن عباس کی یہ روایت ہے، کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی مگر یہ خود اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

والحنفیون یعظمون خلاف الصاحب الذین لایعرف لہ منہم مخالف وھذہ روایۃ عن ابن عباس لایعرف لہ من الصحابۃ مخالف وقد خالفوہ (محلی ص۱۸۰/۵)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کسی مرد کا عورت کو اور عورت کا مرد کو ہاتھ نہ لگے، اس کا تعلق زندوں سے ہے، مُردوں سے نہیں ہے، اگر اس کا تعلق اس سے بھی کرنا ہے، تو دلیل چاہیے، اذ لیس فلیس اگر مردہ زندہ پر قیاس کرنا ہے، تو یہ قیاس، قیاس من الفارق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو حضرت ابو طلحہ نے قبر میں اتارا تھا، اور اس میں بدن کا چھونا ہوتا ہے، حضرت اسماء نے حضرت ابو بکر کو غسل دیا تھا، اور حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا کہ اگر آپ کا پہلے انتقال ہوا تو میں آپ کو غسل بھی دوں گا، اور کفن بھی پہناؤں گا۔

دو آنکہ زن مرد مردہ را نہ بیند و نہ غسل دہد اگر چہ خوف فتنہ نباشد مستندی ندارد بلکہ وجوب

سر بہ نسبت احیاء است، بہ نسبت اموات ویلیے بی علیہ دلیس فلیس، واگر قیاس کنند براحیاء، قیاس مع الفارق است والو طلحہ بنت آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را در قبر نمرد داؤرده و نرود آوردن ناچار بس میکنند و اسماء بنت عمیس غسل داد ابوبکر صدیق را و آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرمودند حضرت عائشہ را۔

تنبیہ:۔ جہاں صرف عورتیں ہوں، اور مرد مر جائے یا صرف مرد ہوں، اور ایک عورت فوت ہو جائے ان میں بیوی یا شوہر نہ ہو تو پھر کیا ہونا چاہیئے، اس میں اختلاف ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ کپڑوں میں سے اسے نہلا دیں، دوسری جماعت کا نظریہ ہے کہ اگر عورت ہے تو اس کے صرف چہرہ یا ہاتھوں کا تیمم کرائیں، اگر مرد ہو تو چہرہ کے ساتھ کہنیوں تک اس کا تیمم کرائیں بعض بزرگوں کا ارشاد ہے، تیمم نہ غسل، بس انہیں یوں ہی دفن کر دیں،

فقال قوم: یغسل کل واحد منہما صاحبہ من فوق الثیاب وقال قوم تیمم کل واحد منہما صاحبہ وبہ قال الشافعی وابو حنیفۃ وجمہور العلماء وقال قوم لا یغسل واحد منہما صاحبہ ولا تیممہ وبہ قال اللیث بن سعد بل یدفن من غیر غسل ولذلک وای مالک ان تیمم الرجل المرأۃ فی یدیہا ووجہہا فقط ..... وان تیمم المرأۃ الرجل الی المرفقین (بدایۃ المجتہد صـ ۲۲۱)

شاہ ولی اللہ نے امام شافعی کا مذہب پیرہن میں غسل دینا بتایا ہے (مصفی صـ ۱۹۲) امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ کپڑوں میں اسے غسل دینے میں کوئی محظور لازم نہیں آتا۔

(محلی جلد ۵ صـ ۱۸۱) کیونکہ تیمم کے لیے شرط عدم الماء ہے (ایضاً صـ ۱۸۱/۵) مگر یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ بیمار بھی کر سکتا ہے، زہری اور قتادہ بھی پیرہن میں غسل دینے کو کہتے ہیں، تغسل وعلیہا ثیاب (محلی صـ ۱۸۱/۵) فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کپڑے سے اوپر چھونے سے بچا گئے مگر تیمم میں چھو ہی لیا۔ والعجب ان القائلین انہا تیمم، فروا من المباشرۃ خلف ثوب وا باشروہا علی البشرۃ وھذا جہل شدید وباللہ التوفیق۔ (محلی صـ ۱۸۱/۵)

ہمارے نزدیک یہی مذہب اقرب الی الصواب ہے حضور کو کپڑوں میں غسل دیا گیا تھا۔ (ابوداؤد)

حضرت ابن عمر اور حضرت عطاء بھی کپڑوں میں غسل دینے کو فرماتے ہیں (ابن ابی شیبہ جلد ۳ صـ ۲۴۹)

(محدث لاہور جلد ۵ عدد ۱۱-۱۲) عزیز زبیدی

باب الجنائز

سوال:۔ اگر کوئی کسی مشرک کا جنازہ واسطے دفع فتنہ کے پڑھ لے اور صرف تکبیریں کہے، اور دعائیں نہ پڑھے، کیونکہ اگر جنازہ سے انکار کرتا ہے تو لوگ گاؤں سے نکالتے ہیں، تو اس کے لئے کیا حکم ہے، جائز ہے یا منع ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ نماز جنازہ مشرکین مجاہرین کسی صورت جائز نہیں قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ پس جب مشرک ہرگز مغفور نہیں تو اس کے لئے جنازہ (کہ سراسر استغفار ہے) لغو ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو جب منافقین کے جنازے سے منع کیا تو مشرک کا بطریق اولے ممنوع ہوگا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ (تنبیہ) باقی ایسے امور میں انسان کو نڈر ہونا چاہیے کہ اگر مشرک کا جنازہ وغیرہ نہ پڑھوں گا تو گاؤں سے یا دیار شہر سے نکالا جاؤں گا۔ بلکہ دلیر ہو کر جہاں تک ہو۔ اتباع سنت کا خیال رکھنا چاہیے قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والماب حررہ العبد الضعیف الراجی رحمۃ ربہ القوی ابو حریہ عبد العزیز الملتانی عفر اللہ لہ ولوالدیہ واحسن الیہما والیہ الجواب صحیح والرائے نجیح۔

سید محمد نذیر حسین ۱۲۸۱

سید محمد عبد السلام ۱۲۹۹ — سید محمد ابو الحسن ۱۳۰۵

ابو سعید محمد حسین ۱۳۰۹

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول صفحہ ۶۲۳)

ا؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مشرک ناپاک ہیں اور فرمایا اللہ کسی کو شرک نہیں بخشے گا اور اس کے علاوہ اور گناہ جس کو چاہے بخش دے۔

۲؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس کی نماز نہ پڑھو اور اس کی قبر پر بھی نہ جا۔ ۳؎ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے رسول

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ پر لوگ نماز جنازہ سے فارغ ہو گئے ہوں پھر بعد نماز کے اور قبل دفن کے ایک یا دو آدمی یا زیادہ آحاد یں اور سالم کو نماز جنازہ نہ ملی ہو تو کیا وہ لوگ دوبارہ جنازہ مذکور پر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

جواب :۔ صورت مسئولہ میں جنازہ مذکور پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ نماز جنازہ ایک دفعہ ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ پڑھنا ان لوگوں کو درست ہے جن کو نماز جنازہ نہ ملی ہو ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رات کے وقت ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو دفن کر دیا اور رات کی تاریکی کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کی صبح کو جب آپ کو خبر ہوئی تو آپ نے اس کی قبر پر جنازہ کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جیسا کہ حدیث متفق علیہ میں ہے۔ پس جب بعد دفن کے قبر پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی جائز ہے۔ تو قبل دفن کے میت پر جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی تو بدرجہ اولےٰ جائز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۶۹۲)

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکرار نماز جنازہ شافعی مذہب میں درست ہے اس واسطے کہ دعا ہے میت کے لئے۔ اور تکرار دعا کی ممنوع نہیں، اور حنفی مذہب میں بھی درست ہے یا نہیں، اور اگر درست نہیں ہے تو اس کی کیا دلیل ہے بینوا توجروا۔

جواب :۔ دلیل حنفیوں کی یہ ہے کہ جب ایک بار نماز جنازہ کی پڑھی گئی۔ پھر دوسری بار نہ چاہیئے کیوں کہ فرض ادا ہو گیا اور تنفل اس نماز میں مشروع نہیں مگر ولی کو اعادہ پہنچتا ہے اور صورت کہ غیر ولی وسلطان نے نماز پڑھی ہو لان الحق لہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قبر پر پڑھی بعد اس کے کہ اہل میت نماز پڑھ چکے تھے۔ علمائے حنفیہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت نے نماز اس لئے پڑھی کہ وہ ولی تھے لقولہ تعالیٰ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔ واللہ اعلم حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

میں اسی آدمی کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور اللہ کی یاد میں بکثرت مشغول رہتا ہو۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں کہ ایک شخص کبھی نماز پنجگانہ ادا کرتا تھا کبھی نہیں سو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں دوئم ایک شخص نماز عید کی پڑھتا تھا پنجگانہ نماز ترک کرتا تھا لیکن اقرار کرتا تھا کہ میں نماز پڑھوں گا سو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے یا نہیں سوئم ہمارے گاؤں میں ایک امام ہیں وہ اس قسم کے جنازے نہیں پڑھاتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اس میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا علمائے دین سے سوال ہے کہ مسائل مرقوم الصدر کے جواب مع عبارت کتب معتبرہ تحریر فرماویں۔ بینوا توجروا۔

جواب :- وھوالموفق للصواب جملہ صور مرقومہ سے اول اور دوم صورت کا یہ جواب ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ علیہم الرحمۃ اور جملہ اہل سنت وجماعت خاص و تابع اہل بدعت کے نزدیک ان دونوں شخصوں کی نماز جنازہ ضرور چاہیئے اور ہرگز ایسے شخصوں کی نماز نہ چھوڑنی چاہیئے۔ اور ان کو بے نماز نہ دفن کرنا چاہیئے، کیونکہ ایسے اشخاص کہ نماز گنڈے وار پڑھتے ہیں یا فقط عید لقر کی نماز پڑھتے ہیں یا تمام عمر نہیں پڑھتے مگر فرضیت نماز سے کبھی انکار ثابت نہیں ہوا تو یہ لوگ اہل اسلام اور داخل اہل اسلام ہیں اگرچہ فاسق اور اشد گنہ گار نماز نہ پڑھنے پر ہیں۔ لیکن کافر و مرتد نہیں ہیں جو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے شرعاً کافر کی نماز جنازہ اور اس کیلئے دعا استغفا کی ممانعت اہل اسلام کو ہے فاسق کے واسطے نماز جنازہ اور دعا استغفار کی ممانعت وارد نہیں۔ چنانچہ اس پر اجماع صحابہ اور تابعین اور ائمہ دین متین کا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی

سلہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر کوئی ان میں سے مرجائے تو اس پر کبھی نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو یہ آیت صاف دلالت کرتی ہے کہ کافر کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے، اور نہ دفن کے وقت یا زیارت کے لئے اس کی قبر پر جانا چاہیئے اور فاسق کا معنی اس آیت میں کافر ہے کیونکہ فاسق کا جنازہ پڑھنا باجماع صحابہ و تابعین جائز ہے سلف صالحین اور اہل سنت کا یہی مذہب ہے ہاں شیعہ اس کے خلاف ہیں تو ضروری ہے کہ یہاں فاسق کے معنی کافر کے کئے جائیں اور فاسق کے الفاظ کافر کی جگہ قرآن مجید میں کئی جگہ آئے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ارکیا مومن فاسق کی طرح ہوسکتے ہیں"

أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ و
هذه الاية اعنی قوله تعالٰی وَلَا تُصَلِّ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ صريحة فی انه لا
يجوز الصلوة على الكافر وقوله تعالٰی وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ عطف على لا تصل ای لا تقف على قبره
للدفن او الزيارة وقوله تعالٰی إِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ الخ تعليل لتا بيد الموت او لعدم جواز
الصلوة والقيام على القبر ومعنى قوله تعالٰی وَهُمْ فَاسِقُوْنَ وهم كفرون لان الصلوة على
الفاسق جائز باجماع الصحابة والتابعين ومضى عليه العلماء الصالحون وهو مذهب
اهل السنة والجماعة وانما اختلف فيه الروافض خاصة فيجب حمله على معنى الكفر
وهو الفسق المطلق وقد شاع استعماله فی القران كما فی قوله تعالٰی أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا
كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا وغيره (تفسيرات احمديه مختصرًا) وشرطها اسلام الميت وطهارته[1]
(تنویر الابصار) جواب سوال سوم کا یہ ہے کہ گاؤں کے امام صاحب جو فرماتے ہیں کہ اس
میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو جب نماز پڑھوں گا، سو یہ ان کا فرمانا غلط ہے
ہرگز قابل اعتبار نہیں، کیونکہ اس میں توہین میت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو شرافت و
عظمت حیاً و میتاً بخشی ہے قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ[2] دوم اس میں اذیت و
تکلیف میت پہنچے گی، اور میت مسلم کو اذیت و تکلیف دینی حرام اور ممنوع و موجب اثم
ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كسر عظم الميت ككسره حيا[3] رواه الامام مالك و
ابو داؤد وابن ماجة (مشكوة شريف) قال القاری فی قوله عليه السلام ككسره حيا
يعنی فی الاثم كما فی رواية قال الطيبی اشارة الى انه لا يهان الميت كما لا يهان الحی قال

[1] جنازہ کے لئے میت کا مسلمان اور پاک ہونا شرط ہے [2] ہم نے بنی آدم کو بزرگی عطا فرمائی
[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی
توڑنا، یعنی ان دونوں کا گناہ برابر ہے طیبی نے کہا میت کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی توہین کرنا
ابن مالک نے کہا میت بھی اسی طرح دکھ محسوس کرتی ہے جیسے زندہ عبد اللہ بن مسعود نے کہا میت بھی تکلیف
محسوس کرتی ہے، اور جیسے زندہ آدمی لذت محسوس کرتا ہے میت بھی کرتی ہے۔

ن الملک والی ان المیت یتالم قال ابن حجر ومن لازمہ ان یستلذ کما یستلذ بہ الحی

تہی ۔ وقد اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ

ذکرہ فی المرقاۃ اور حضرات فقہا ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو ایسے نیم گرم پانی سے

غسل دینا چاہئے کہ جس سے میت کو اذیت و تکلیف نہ پہنچے حیف ہے جناب امام صاحب

مذکور فی السوال کو کہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کی ٹانگ میں ایک رسی باندھ کر ستر قدم کھینچو

جب نماز پڑھو گا خدا جانے کس شریعت پر عمل کرتے ہیں جو توہین اور اذیت میت مسلم پر آمادہ

مستعد ہوتے ہیں، اور خلاف شریعت غرا پر راضی ہیں العجب کل العجب امام جی کو ایسے مسئلے

بولنے سے توبہ و استغفار کرنی چاہئے کہ ایسی گھڑت کی باتوں سے رخنہ دین اور فتنہ

شرع متین میں پڑتا ہے قال الشامی قولہ (والاغلاء خالص مغلی) ای اغلاء وسطا لان

یت یتاذی مما یتاذی بہ الحی (رد المحتار حاشیہ در مختار) واللہ اعلم اجابہ وکتبہ الفقیر

محمد یعقوب عفا اللہ عنہ الذنوب۔ تارک الصلوٰۃ فاسق ویجوز صلوٰۃ الجنازہ علیہ۔ فتح محمد

جواب صحیح بندہ ضیاء الحق مدرس امینیہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ

جواب صحیح محمد عبدالغفور مدرس مدرسہ امینیہ۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۶۰۵)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غائب کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں

ہے تو بعد تین روز کے بھی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ غائب کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور یہی ہے مذہب امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف کا اور تین روز

کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ تین روز کے بعد نا جائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن جابر[2]

---

[1] شامی نے کہا میت کو خالص گرم پانی سے غسل دینا چاہئے اور پانی درمیانہ گرم ہو کیونکہ جن چیزوں سے زندہ کو

اذیت ہوتی ہے مردے کو بھی ہوتی ہے۔

[2] نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج حبشہ کا ایک نیک آدمی فوت ہوگیا ہے۔ آؤ اس پر نماز پڑھو ہم نے صفیں

بنائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

بن عبد اللہ یقول قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ قال فصففنا فصلے النبی صلی اللہ علیہ وسلم و نحن صفوف۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں استدل بہ علی مشروعیۃ الصلوۃ علی المیت الغائب عن البلد وبذلک قال الشافعی واحمد وجمھور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ قال الشافعی الصلوۃ علی المیت دعاء لہ وھو اذا کان ملففا یصلی علیہ فکیف لا یصلی وھو غائب او فی القبر بذلک الوجہ الذی یدعی لہ وھو ملفف انتھی۔ [1]

واللہ اعلم کتبہ محمد عبد العزیز مرشد آبادی عفی عنہ ۱۸ شوال ۱۳۱۸ھ

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۴۹)

سوال:- زید مقروض مرا اور کچھ بھی ترکہ نہیں چھوڑا اس کے ورثہ بیٹے یعنی ابن تین اور بھائی ایک اور بی بی ایک ہے ان ورثہ میں سے کون کون کتنا کتنا قرضہ ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:- وارثان زید میں سے کوئی اس کے قرضہ ادا کرنے کا شرعاً ذمہ وار نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ تبرعاً واحساناً اپنی اپنی حسب لیاقت قرضہ ادا کریں۔ اور اس کو بار قرض سے سبکدوش کر دیں۔ تو بہت اچھی بات ہے، اور اس صورت میں کچھ متعین نہیں ہے کہ فلاں اس قدر دے۔ اور فلاں اس قدر دے اگر ایک ہی کل قرضہ ادا کر دے تو بھی ادا ہوجاوے گا۔

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۵۵)

---

[1] اس حدیث سے غائبانہ جنازہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ امام شافعی احمد اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ابن حزم نے کہا کسی صحابی سے غائبانہ جنازہ کی ممانعت ثابت نہیں ہے امام شافعی نے کہا میت پر نماز اس کے لئے دعا ہے جب وہ کفن لپیٹا ہوتا ہے تو قبر کے اندر چلے جانے یا غائب ہونے کی صورت میں دعا منع کیسے ہوجاتی ہے۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت بدکار اور بے نماز ہے۔ کبھی نماز پڑھتا ہے یا بالکل نہیں پڑھتا ایسے شخص کے گھر کا کھانا اور اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھنی اور تجہیز و تکفین کرنی چاہیئے یا نہیں۔

جواب :- بدکار و بے نماز کے گھر کا کھانا متقی و پرہیزگار لوگوں کو نہ چاہیئے۔ اور اس کے جنازہ کی نماز بھی جو عالم و مقتدا ہو وہ نہ پڑھے۔ بلکہ کسی معمولی شخص سے پڑھوا دے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید محمد ابوالحسن۔

سید عبدالسلام | سید محمد نذیر حسین | سید محمد ابوالحسن

ھوالموفق :- فاسق اور بدکار کے یہاں کھانا کھانے اور ان کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت عمران بن حصین کی اس حدیث سے ثابت ہے نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اجابۃ طعام الفاسقین اخرجہ الطبرانی فی الاوسط یعنی منع کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فاسقین کے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے روایت کیا اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں باب ہل یرجع اذا رائی منکرا فی الدعوۃ کے تحت میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ حدیث حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ سے جس کو انہوں نے اوائل مقدمہ فتح الباری میں بیان کیا ہے حسن و قابل احتیاج ہے واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۶۶۸)

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سارق۔ قرضدار۔ ڈاکو۔ رہزن وغیرہ کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :- عالمگیری میں ہے ویصلی علی کل مسلم مات بعد الولادۃ صغیرا

ف ہر مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جائے جو زندہ پیدا ہونے کے بعد مرا ہو چھوٹا ہو یا بڑا ۔ مرد ہو یا عورت آزاد یا غلام ۔ سوائے باغیوں اور ڈاکوؤں اور ان جیسے لوگوں کے۔

كان او كبيرا ذكرا كان او انثى حرا كان او عبدا الا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم۔ اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکو و رہزن و سارق وغیرہ پر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ باقی رہا مقروض سو اس کے واسطے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود نماز نہ پڑھی بلکہ صحابہؓ کو حکم دیا کہ پڑھ لو۔ بلوغ المرام میں ہے۔ عن¹ ابی هريرة رضى الله تعالى عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتى بالرجل المتوفى عليه الدين فيسئل، هل ترك لدينه من قضاء فان حدث انه ترك وفاء صلى عليه والا قال صلوا على صاحبكم متفق عليه۔ (والله اعلم بالصواب)

(سید محمد نذیر حسین)

ہوالموفق:۔ بغاۃ اور قطاع الطریق و امثالہم پر جنازہ کی نماز پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پڑھنی چاہیے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر مسلمان کلمہ گو پر جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے۔ ہاں بغاۃ و قطاع الطریق وغیرہم فساق و فجار پر جنازہ کی نماز اہل علم و مقتدی لوگ نہ پڑھیں، بلکہ اور لوگ پڑھ دیں، اس بات کے ثبوت میں احادیث و عبارات مندرجہ ذیل پڑھو مشکوٰۃ شریف میں ہے عن² يزيد بن خالد ان رجلا من اصحاب رسول الله صلے الله عليه وسلم توفى يوم خيبر فذكروا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال صلوا على صاحبكم فتغيرت وجوه الناس لذلك فقال ان صاحبكم غل فى سبيل الله ففتشنا متاعه فوجد نا خرزا من خرز يهود لا يساوى درهمين

---

¹ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بعض ایسے جنازے لائے جاتے جن پر قرض ہوتا آپ پوچھتے کیا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ مال چھوڑا ہے یا نہیں؟ اگر مال اتنا ہوتا جس سے قرض ادا ہو جاتے تو اس پر نماز پڑھتے ورنہ فرماتے جاؤ۔ اپنے دوست کا جنازہ پڑھو۔

² صحابہ میں سے ایک آدمی خیبر کے دن شہید ہو گیا نبی صلعم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا جاؤ اس کا جنازہ پڑھو لوگ اس سے بڑے غمگین ہوئے آپ نے فرمایا اس نے خیانت کی ہے ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کی کچھ کوڑیاں نکلیں جو دو درہم کی قیمت کی بھی نہیں تھیں۔

رواہ مالک وابوداؤد والنسائی اور صحیح مسلم میں ہے عن جابر بن سمرۃ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم برجل قتل نفسہ بمشاقص فلم یصل علیہ وفی روایۃ النسائی اما انا فلا اصلی علیہ اور بلوغ المرام میں ہے وعن ابن عمر رضی اللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ وصلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ رواہ الدارقطنی باسناد ضعیف اس حدیث کے تحت میں علامہ محمد بن اسمٰعیل سبل السلام صفحہ ۱۵۳ جلد ۱ میں لکھتے ہیں وھو دلیل علی ان یصلی علی من قال کلمۃ الشہادۃ وان اتی بالواجبات وذھب الی ھذا زید بن علی واحمد بن عیسی وذھب الیہ ابوحنیفہ الا انہ استثنی قاطع الطریق والباغی وللشافعی اقوال فی قاطع الطریق اذا صلب والاصل ان من قال کلمۃ الشہادۃ فلہ ما للمسلمین ومنہ صلوۃ الجنازۃ علیہ ویدل لحدیث الذی قتل نفسہ بمشاقص فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اما انا فلا اصلی علیہ ولم ینھھم عن الصلوۃ علیہ ولان عموم شرعیۃ صلوۃ الجنازۃ لا یخص منہ احد من اھل کلمۃ الشہادۃ الا بدلیل انتہی۔ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۶ جلد ۲ میں ہے قولہ فقال صلوا علی صاحبکم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا اس نے خودکشی کی تھی تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا اور فرمایا میں اس کا جنازہ نہ پڑھوں گا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الٰہ پڑھا اس کا جنازہ بھی پڑھو اور اس کے پیچھے نماز بھی پڑھ لو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھا جائے اگرچہ واجبات کا تارک ہو۔ زید بن علی ۔ احمد بن عیسیٰ کا مذہب ہے ۔ امام ابوحنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے قائل نہیں ہیں ڈاکو کے متعلق امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ جو بھی لا الہ الا اللہ کہے اس کو مسلمانوں کے تمام حقوق مل جاتے ہیں ۔ اور اس میں سے جنازہ کی نماز بھی ہے ۔ اور جس نے خودکشی کی اس کا جنازہ آپ نے تو نہ پڑھا لیکن صحابہ کو منع نہ فرمایا۔ اور ہر کلمہ پڑھنے والے کا جنازہ پڑھنا ہی ہے جب تک کسی دلیل سے اس کا ناجائز ہونا ثابت نہ ہو جائے ۔ اس سے گنہگاروں پر نماز جنازہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اور آنحضرت کا خائن اور مقروض کا جنازہ نہ پڑھنا تو بجائے تنبیہاً ہے کیونکہ اگر ان کا جنازہ پڑھنا جائز نہ ہوتا تو آپ صحابہ کو بھی منع کر دیتے ۔ اہل بیت اور عمر بن عبدالعزیز اور امام اوزاعی فاسق کا جنازہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں امام شافعی ڈاکو کے جنازہ کے منکر

في جواز الصلوة على العصاة واما ترك النبي صلى الله عليه وسلم الصلوة عليه فلعله للزجر عن الغلول كما امتنع من الصلوة على المديون وامرهم بالصلوة عليه قوله فلم يصل عليه فيه دليل لمن قال انه لا يصلى على الفاسق وهم العترة وعمر ابن عبد العزيز والاوزاعي فقالوا لا يصلى على الفاسق لتصريحا او تاويلا وافقهم ابو حنيفه واصحابه في الباغي والمحارب ووافقهم الشافعي في قول له في قاطع الطريق وذهب مالك والشافعي وابو حنيفه وجمهور العلماء الى انه يصلى على الفاسق واجابوا عن حديث جابر بان النبي صلى الله عليه وسلم انما لم يصل عليه بنفسه زجرا للناس وصلت عليه الصحابة ويؤيد ذلك ما عند النسائي بلفظ اما انا فلا اصلي عليه وايضا مجرد الترك لو فرض انه لم يصل عليه هو ولا غيره لا يدل على الحرمة المدعاة ويدل على الصلوة على الفاسق حديث صلوا على من قال لا اله الا الله انتهى وقال صاحب المنتقى قال الامام احمد ما يعلم ان النبي صلى الله عليه وسلم ترك الصلوة على احد الا على الغال وقاتل نفسه انتهى۔ والله تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کے جنازہ میں تابوت بنانا کہیں ثابت ہے یا نہیں۔ بعض مولویوں نے ایک عورت کے جنازہ پر تابوت کو توڑوا دیا، اور ناجائز بتایا اور وقت دفن کرنے کے قبر میں چادر سے پردہ کرنا ثابت

ہیں، اور امام مالک و ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی اور جمہور علماء فاسق کے جنازہ کے قائل ہیں۔ ہاں امام ابو حنیفہ ڈاکو اور باغی کے جنازہ کے منکر ہیں اگر بالفرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی مقروض اور خائن کا جنازہ نہ پڑھتے تو بھی اس سے فاسق کے جنازہ کی حرمت ثابت نہ ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی لا الہ الا اللہ کہے اس کا جنازہ پڑھو۔ امام احمد کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ انہوں نے خائن اور خودکشی کرنے والے کو سوا کسی اور کا جنازہ پڑھا ہو۔

ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ عن[1] ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ متفق علیہ قولہ (من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ) فیہ الترغیب فی ستر عورات المسلم وظاھرہ عدم الفرق بین الحی والمیت فیدخل فی عمومہ ستر ما یراہ الغاسل ونحوہ من المیت وکراھۃ انشائہ والتحدث بہ (نیل الاوطار کتاب الجنائز) واما کونہا امرأۃ فیحتمل ان یکون معتبرا فان القیام علیہا عند وسطہا لسترھا وذلک مطلوب فی حقہا بخلاف الرجل ویحتمل ان لا یکون معتبرا وان ذلک کان قبل اتخاذ النعش للنساء فاما بعد اتخاذہ فقد حصل الستر المطلوب (فتح الباری) عن نافع ابی غالب قال کنت فی سکۃ المربد فمرت جنازۃ معہا ناس کثیر قالوا جنازۃ عبد اللہ بن فتبعتہا فاذا انا برجل علیہ کساء رقیق علی بریذین بینیۃ علی راسہ خرقۃ تقیہ من الشمس فقلت من ھذا الدھقان قالوا ھذا انس بن مالک فلما وضعت الجنازۃ قام انس فصلے علیہا وانا خلفہ لا یحول بینی وبینہ شئی فقام عند راسہ فکبر اربع تکبیرات لم یطل ولم یسرع ثم ذھب یقعد فقالوا یا ابا حمزۃ المرأۃ الانصاریۃ فقربوھا وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فصلی علیہا نحو صلوتہ علی الرجل ثم جلس فقال العلاء بن زیاد یا ابا حمزۃ ھکذا کان رسول

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اس کی اللہ پردہ پوشی کرے گا۔ اس میں ترغیب ہے کہ مسلمان کے نقائص کی پردہ پوشی کرنا چاہیے خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ اس عموم میں یہ بھی داخل ہے جو غسل دینے والا میت کی شرمگاہ وغیرہ کو دیکھتا ہے بکروہ ہے اس کا حال بیان کرنا عورت کے جنازہ میں امام کا وسط میں کھڑا ہونا بھی اسی لئے ہے کہ عورت کی پردہ پوشی ہو بخلاف مرد کے اور عورتوں کے لئے تابوت بن جانے سے پردہ کا انتظام تو ہو گیا اب درمیان میں کھڑا ہونا ضروری معلوم نہیں ہوتا

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ کصلوتک یکبر علیہا اربعا و یقوم عند راس الرجل وعجیزۃ المرأۃ قال نعم (سنن ابی داؤد)

وامّا الرجل[1] فعند راسہ لئلا یکون ناظرا الی فرجہ بخلاف المرأۃ فانہا فی القبۃ کما ھو الغالب ووقوفہ عند وسطہا لیسترھا عن اعین الناس وفی حدیث ابی داؤد والترمذی وابن ماجۃ عن انس انہ صلی علی رجل فقام عند راسہ وعلی امراۃ وعلیہا نعش اخضر فقام عند عجیزتہا فقال لہ العلاء بن زیاد یا اباحمزۃ اھکذا کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی علی الجنازۃ قال نعم (قسطلانی) اور نیل الاوطار میں نسبت حدیث ابوداؤد کے لکھا ہے الحدیث الثانی حسنہ الترمذی وسکت عنہ ابوداؤد والمنذری والحافظ فی التلخیص ورجال اسنادہ ثقات اور مولوی وحید الزمان ترجمہ ابوداؤد میں تحریر کرتے ہیں ترجمہ نافع سے جن کی کنیت ابوغالب ہے روایت ہے میں سکۃ المربد (ایک موضع ہے) میں تھا اتنے میں ایک جنازہ نکلا اس کے ساتھ بہت لوگ تھے لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر کا جنازہ ہے یہ سن کر میں بھی اس کے پیچھے چلا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا باریک کمبل اوڑھے ہوئے ایک چھوٹی راس کے گھوڑے پر سوار ہے اور اپنے سر پر ایک کپڑے کا ٹکڑا دھوپ سے بچاؤ کے لئے ڈالے ہوئے ہے میں نے پوچھا یہ زمیندار کون ہے لوگوں نے کہا انس بن مالک ہیں (جنہوں نے دس برس تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ان کا

[1] مرد کے جنازہ میں سر کے مقابل امام کھڑا ہو تاکہ اس کی شرمگاہ پر اس کی نظر نہ پڑے بخلاف عورت کے کہ اس کی کمر کے مقابل کھڑا ہو کیونکہ وہ عموماً تابوت میں ہوتی ہے اور اس کے وسط میں کھڑا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوٹ ہو جائے حضرت انس نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے اور ایک جنازہ آیا اس کا سبز رنگ کا تابوت تھا۔ آپ اس کے وسط میں کھڑے ہوئے علاء بن زیاد نے پوچھا اے ابوحمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھایا کرتے تھے۔ کہنے لگے۔ ہاں۔

انتقال ہوا اور سو سے زیادہ ان کی عمر ہوئی، جب جنازہ رکھا گیا، تو انس کھڑے ہوئے، اور انہوں نے نماز پڑھائی میں ان کے پیچھے تھا میرے اور ان کے بیچ میں کچھ آڑ نہ تھی انہوں نے چار تکبیریں کہیں نہ بہت دیر میں نماز پڑھی نہ جلدی پھر جانے لگے۔ بیٹھنے کو لوگوں نے کہا اے ابا حمزہ (کنیت ہے حضرت انس کی) یہ عورت انصاریہ کا جنازہ ہے پھر اس کو نزدیک لائے، اور وہ ایک سبز تابوت میں تھی تو انس کھڑے ہوئے اوس کے کوے کے سامنے (یعنی سر کے سامنے کھڑے نہیں ہوئے جیسے مرد کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے) پھر نماز پڑھی اس پر اسی طرح جیسے مرد پر نماز پڑھی تھی، بعد اس کے بیٹھے تو علاء بن زیاد نے کہا اے ابا حمزہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جنازہ پر اسی طرح نماز پڑھتے تھے، جیسے تم نے پڑھی اور چار تکبیریں کہتے تھے، اور مرد کے سر کے سامنے کھڑے ہوتے تھے اور عورت کے کوے کے سامنے انس نے کہا ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھتے اور اسی مقاموں میں کھڑے ہوتے تھے اور اسد الغابہ میں تحت احوال زینب بنت جحش کے لکھا ہے وصلی علیہا عمر بن الخطاب ؓ دخل قبرھا اسامۃ بن زید و محمد بن عبد اللہ بن جحش و عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش قیل ھی اول امرأۃ صنع لہا النعش و دفنت بالبقیع انتہی۔ اور تحت احوال فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لکھا ہے ولما حضرھا الموت قالت

---

[1] ان پر عمر بن الخطاب نے نماز پڑھائی اور ان کی قبر میں اسامۃ بن زید اور محمد بن عبد اللہ بن جحش اور عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش اترے، کہا جاتا ہے کہ یہ پہلی عورت تھی جس کے لئے تابوت بنایا گیا، اور جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ [2] جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اسماء بنت عمیس سے کہا جو کچھ عورتوں کے متعلق کیا جاتا ہے، میں تو اس کو برا سمجھتی ہوں کہ عورت پر ایک کپڑا سا ڈال دیتے ہیں، اور پھر لوگ اس کی باتیں کرتے رہتے ہیں (میت بھاری تھی، ہلکی تھی، فلاں عورت بڑی موٹی تھی وغیرہ وغیرہ) اسماء نے کہا اے رسول اللہ کی بیٹی میں تجھے ایک چیز دکھلاتی ہوں جو میں نے حبشہ کے علاقہ میں دیکھی تھی اس کھجور کی تازہ شاخیں منگائیں ان کو جھکایا اور اس پر کپڑا ڈال دیا حضرت فاطمہؓ نے فرمایا یہ چیز

لاسماء بنت عميس يا اسماء انى قد استقبحت ما يصنع بالنساء يطرح على المرأة الثوب فيصفها قالت اسماء يا ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم الا اريك شيئا رأيته بارض الحبشة فدعت بجرائد رطبة فحنتها ثم طرحت عليها ثوبا فقالت فاطمة ما احسن هذا واجمله فاذا انا مت فاغسليني انت وعلى ولا تدخلي على احد فلما توفيت جاءت عائشة فمنعتها اسماء فشكتها عائشة الى ابى بكر وقالت هذه الخثعمية تحول بيننا وبين بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فوقف ابوبكر على الباب وقال يا اسماء ما حملك على ان منعت ازواج النبى صلے الله عليه وسلم ان يدخلن على بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد صنعت لها هودجاً قالت هى امرتنى ان لا يدخل احد وامرتنى ان اصنع لها ذلك قال فاصنعى ما امرتك وغسلها على واسماء وهى اول من غطى نعشها فى الاسلام ثم بعدها زينب بنت جحش وصلى عليها على بن ابى طالب وقيل صلے عليها العباس واوصت ان تدفن ليلا ففعل ذلك بها ونزل فى قبرها على والعباس والفضل بن عباس قيل توفيت لثلاث خلون من رمضان سنة احدى عشرة والله اعلم انتهى (قال الامام النووى فى المنهاج فى كتاب

تو بہت اچھی ہے جب میں مرجاؤں تو مجھے تو اور علی دونوں مل کر غسل دے دینا اور کسی دوسرے کو قریب نہ آنے دینا جب فاطمہ فوت ہوگئیں تو حضرت عائشہ آئیں اسماء نے ان کو روک دیا حضرت عائشہ نے ابوبکر کے پاس شکایت کی یہ خثعمی عورت ہمیں رسول اللہ کی بیٹی کے پاس نہیں جانے دیتی، تو ابوبکر نے دروازہ پر کھڑے ہوکر فرمایا اے اسماء تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو فاطمہؓ کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہے اور اسماء نے فاطمہؓ کے لئے تابوت بنایا تھا اسماء نے کہا فاطمہؓ ہی وصیت کرگئی تھیں کہ کسی کو میرے پاس نہ آنے دینا اور مجھے تابوت بنانے کا حکم بھی دیا تھا۔ ابوبکرؓ نے کہا اچھا بناؤ پھر حضرت علی اور اسماء نے فاطمہؓ کو غسل دیا یہ سب سے پہلی عورت تھی جس کی لاش اسلام میں ڈھانپی گئی پھر اس کے بعد زینب بنت جحش کی لاش ڈھانپی گئی پھر فاطمہؓ کا جنازہ حضرت علی نے

الجنائز و يندب للمرأة ما يسترها كتابوت قال في تحفة المحتاج لابن حجر المكي يعني قبة مغطاة لانها امر المومنين زينب رضي الله عنها به وكانت قد رأته بالحبشة لما هاجرت وروى البيهقي ان فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم اوصت ان يتخذ لها ذلك انتهى وقد روى عبد الرزاق عن ابن جريج عن الشعبي عن رجل ان سعد بن مالك قال امر رسول الله صلى الله عليه وسلم فستر على القبر حتى دفن سعد بن معاذ فيه فكنت ممن امسك الثوب وروى يوسف القاضي باسناده عن رجل عن علي انه اتاهم ونحن ندفن ميتا وقد بسط الثوب على قبره فجذبه وقال انما يصنع هذا بالنساء تلخيص الحبير۔ ان سب عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ اجلہ اصحاب کرام جیسے حضرت انس و حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت علی و حضرت عباس و جم غفیر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے ایسا جنازہ کہ جس پر تابوت تھا سبھوں نے نماز جنازہ خوشی سے ادا کی۔ اور حضرت فاطمہؓ کی وصیت ہوئی واسطے بنانے تابوت کے اور قبیح سمجھا بغیر تابوت کے ہونے کو چنانچہ بعد وفات آپ کے حسب وصیت کے عمل سامنے جمیع صحابہ کے کیا گیا ، اور

پڑھا بعض کہتے ہیں حضرت عباس نے پڑھایا تھا۔ اور فاطمہ وصیت کر گئی تھیں کہ ان کو رات کے وقت دفن کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ان کی قبر میں حضرت علی۔ عباس اور فضل بن عباس اترے آپ کی وفات ۳ رمضان ۱۱ھ کو ہوئی۔

امام نووی نے منہاج میں کہا۔ مستحب ہے کہ عورت کے لئے تابوت بنا دیا جائے تاکہ اس کی پردہ پوشی ہو جائے ' ابن حجر مکی نے کہا ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی تھی۔ کیونکہ وہ ہجرت حبشہ میں وہاں تابوت دیکھ آئی تھیں۔ بیہقی نے کہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے لئے تابوت بنانے کی وصیت کی۔ حضرت سعد بن معاذ کو جب دفن کیا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قبر پر پردہ کرو چنانچہ ایک چادر پھیلا دی گئی۔ جب قیس کو دفن کیا جانے لگا تو ان کی قبر پر چادر پھیلائی گئی حضرت علی آئے اور چادر کو کھینچ لیا اور فرمایا عورتوں پر پھیلائی جاتی ہے

نیز حضرت زینب ام المومنین زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر تابوت تھا، اور حضرت عمر جیسے صحابی ماحی المنکرات نے نماز بخوشی پڑھائی تھی۔ اور قسطلانی اور فتح الباری کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسلام میں دستور تابوت کا تھا۔ اور تلخیص کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ عورت کے دفن کرنے کے وقت چادر کا پردہ کرنا چاہیے اور بہت کتب میں اس کا ثبوت موجود ہے اہل سنت کے لئے اس قدر کافی ہے پس باوجود ایسے ثبوت کے کون انکار کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ سنت صحابہ کرام کا ہوا موافق فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بہا اور اہل سنت اسی سبب سے اہل سنت والجماعت کے لقب سے ملقب ہوئے پس باوجود اتنے ثبوت کے جو کوئی انکار کرے وہ جاہل ہے۔ عالم نہیں یا اس میں مادہ رفض ہے کہ جنازہ مسلمین کی بے حرمتی چاہتا ہے حالانکہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے من ستر مسلما سترہ اللہ یوم القیامۃ[1] جیسا کہ اوپر گزرا۔ فی زماننا ابوداؤد کا ترجمہ ہو گیا ہے اس کو بھی جس نے دیکھا ہے کبھی ایسی بات زبان پر نہیں لا سکتا سچ ہے حضرت نے فرمایا ہے کہ بنائیں گے لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو پس پوچھے جاویں گے تو فتوے دیں گے بغیر علم کے پس گمراہ ہوں گے اور گمراہ کریں گے قال اتخذ الناس رؤسا جہالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا متفق علیہ کذا فی المشکوٰۃ۔ الراقم ہیچمیرز تلطف حسین عفی عنہ۔ تاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ ہجری۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۶۹۵)

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست ہے یا نہیں اور جنازے کی نماز میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا زور سے پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں یا نہیں اور اس پر عمل کرنا جائز

---

[1] جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

ہے یا نہیں۔

جواب :۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا نہیں درست ہے منتقی میں ہے۔
عن بشیر بن الخصاصیۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یمشی فی
نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیتین القہما رواہ الخمسۃ الا
الترمذی۔ یعنی بشیر ابن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جارہا تھا۔ تو آپ
نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے اور جنازہ کی نماز میں سورۃ فاتحہ
اور سورت کا پڑھنا جس حدیث میں مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں سورہ
فاتحہ کی حدیث کے راوی تو اس واسطے ٹھیک ہیں کہ وہ صحیح بخاری کی حدیث
ہے چنانچہ منتقی میں ہے عن ابن عباس انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب و
قال لتعلموا انہ من السنۃ رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححہ والنسائی
وقال فیہ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر فلما فرغ قال سنۃ وحق۔ یعنی ابن
عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جنازے پر نماز پڑھی تو سورہ
فاتحہ پڑھی اور کہا کہ سورہ فاتحہ میں نے اس واسطے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ
سنت ہے روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور صحیح کہا
اس کو اور روایت کیا اس کو نسائی نے اور اس میں یوں کہا ہے کہ پھر پڑھی ابن عباسؓ
نے سورہ فاتحہ اور ایک اور سورہ اور زور سے پڑھی پھر جب فارغ ہوئے تو فرمایا
کہ یہ سنت اور حق ہے اور وہ حدیث کہ جس میں سورہ ملانے کا ذکر ہے وہ نسائی شریف کی روایت ہے
جیسا کہ اوپر منتقی کی عبارت سے معلوم ہوا اور اس کے راوی اس واسطے ٹھیک ہیں،
کہ اس کی سند کو علامہ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار شرح منتقی میں صحیح
کہا ہے چنانچہ نیل الاوطار میں ہے قولہ وسورۃ فیہ مشروعیۃ قرأۃ سورۃ مع الفاتحۃ فی صلوۃ[1]

[1] اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ اور سورۃ کا پڑھنا بھی درست ہے اور اس کو قبول کرنے

الجنازة ولا محيص عن المصير الى ذلك لانها زيادة خارجة عن مخرج صحيح انتہی مختصرا۔ جب ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور سورہ کا جہر سے پڑھنا جس حدیث سے مذکور ہے اس کے راوی ٹھیک ہیں اور وہ حدیث صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا جائز ہوا واللہ تعالےٰ اعلم حررہ محمد عبدالحق ملتانی۔

سید محمد نذیر حسین

ہوالموفق:۔ قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کی ممانعت بشیر بن خصاصیہ کی حدیث مذکور سے صاف ثابت ہوتی ہے اور بعض اہل علم اس حدیث کے مطابق ممانعت کے قائل ہیں اور بعض اہل علم قبرستان میں جوتی پہن کر چلنے کو جائز بتاتے ہیں، مگر جس حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اس سے ان کا مطلوب ثابت نہیں ہوتا علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ سبتی جوتی (یعنی مدبوغ چمڑے کی جوتی جس میں بال نہ ہوں) پہن کر قبرستان میں چلنا حرام ونا جائز ہے اور غیر سبتی جوتی پہن کر چلنا جائز ہے لیکن ابن حزم کا بھی یہ قول ٹھیک نہیں کیونکہ سبتی اور غیر سبتی جوتی میں کوئی فارق نہیں ہے امام طحاوی کہتے ہیں کہ حضرت نے جو اس شخص کو جوتی پہن کر چلنے سے منع فرمایا سو یہ ممانعت محمول ہے اس پر کہ اس کی جوتی میں ناپاکی لگی تھی۔ مگر یہ بات بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں پس جو لوگ ممانعت کے قائل ہیں انہیں کا قول مدلل ہے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں واستدل به (اى بقوله صلى الله عليه وسلم انه ليسمع قرع نعالهم) على جواز المشي

کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ یہ زیادت صحیح سند سے ثابت ہے ابن حجر نے کہا اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبرستان میں جوتیوں سمیت چلنا جائز ہے ابن جوزی نے کہا اس میں جائز نا جائز کا بحث ہی نہیں ہے یہ تو ایک واقعہ کی حکایت ہے مجوزین لکھتے ہیں کہ اگر یہ نا جائز ہوتا تو نبی صلعم اس کو بیان کر دیتے اور یہ بھی احتمال ہے کہ قبرستان کے باہر جوتیوں کی آواز مردہ سنتا ہو اور بشیر بن خصاصیہ کی حدیث سے جو کراہت ثابت ہوتی ہے طحاوی کہتے ہیں ممکن ہے اس کی جوتیاں پلید ہوں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں پاک جوتیوں سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے قبرستان اس سے زیادہ پاک جگہ نہیں ہے۔

بین القبور بالنعال ولادلالة فیہ قال ابن الجوزی لیس فی الحدیث سوی الحکایة عمن یدخل المقابر وذلك لا یقتضی اباحة ولا تحریما انتہی وانما استدل بہ من استدل علی الاباحة اخذا من کونہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ واقرہ فلو کان مکروھا لبینہ لکن یعکر علیہ احتمال ان یکون المراد سماعہ ایاھا بعد ان یجاوزوا المقبرة ویدل علی الکراھة حدیث بشیر بن الخصاصیة اخرجہ ابوداود والنسائی وصححہ الحاکم واغرب ابن حزم فقال یحرم المشی بین القبور بالنعال السبتیة دون غیرھا وھو جمود شدید وقال الطحاوی یحمل نہی الرجل المذکور علی ان کان فی نعلیہ قذر فقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ ما لم یر فیہما اذی انتہی مختصراً اور بلاشبہ ابن عباس کی روایت مذکور بالا سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور کسی اور سورہ کا پڑھنا سنت وحق ہے۔ اور بلاشبہ یہ روایت بھی قابل عمل ہے لیکن رہی یہ بات کہ سورۂ فاتحہ اور سورہ کو جہر سے پڑھنا چاہیے یا آہستہ سو ابن عباس ؓ نے اپنی ایک روایت میں تصریح کر دی ہے کہ میں نے فاتحہ اور سورۃ کا نماز جنازہ میں پڑھنا سنت ہے۔ فتح الباری صفحہ ۲۰۹ میں ہے۔ وللحاکم[1] من طریق ابن عجلان انہ سمع سعید بن ابی سعید یقول صلی ابن عباس علی جنازة فجھر بالحمد ثم قال انما جھرت لتعلموا انھا سنة وفیہ ایضا وروی الحاکم ایضا من طریق شرحبیل بن سعد عن ابن عباس انہ صلی علی جنازة فکبر ثم قرأ بالفاتحة رافعا صوتہ ثم صلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال اللھم عبدك الی قولہ ثم انصرف فقال یا ایھا الناس انی لم اقرأ علیھا ای جھرا الا لتعلموا انھا سنة۔ اور اسی طرح شافعی

---

[1] سعید بن ابی سعید کہتے ہیں کہ ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی اور الحمد بلند آواز سے پڑھی اور کہا میں نے اس لیے بلند آواز سے پڑھی کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ الحمد پڑھنا سنت ہے ایک اور روایت میں ہے کہ پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر یہ دعا پڑھی اللھم ھذا عبدك الخ پھر فارغ ہوئے تو کہا میں بلند آواز سے جنازہ اس لئے پڑھایا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ جنازہ کا سنت طریقہ کیا ہے۔

کی روایت میں ہے تلخیص الحبیر صفحہ ۱۹۰ کے حاشیہ میں ہے وفی روایۃ[1] له فجهر بالقراءة
وقال انما جهرت لتعلموا انها سنة ومثلها للحاكم انتهى بحذ... اسی طرح منتقی ابن الجارود
میں بھی ہے عون المعبود شرح سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹۱ جلد ۳ میں ہے واخرج[2] ابن الجارود فی
المنتقى من طريق زيد بن طلحة التيمي قال سمعت ابن عباس قرأ على جنازة فاتحة الكتاب
وسورة وجهر بالقراءة وقال انما جهرت لاعلمكم انها سنة انتهى۔ پس جب معلوم
ہوا کہ ابن عباسؓ نے فاتحہ اور سورۃ کو فقط اس خیال سے زور سے پڑھا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو
جائے کہ نماز جنازہ میں فاتحہ اور سورۃ کا پڑھنا سنت ہے تو اس روایت سے جہر سے پڑھنا
نہیں ثابت ہوتا بلکہ آہستہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے ہاں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جہاں لوگوں
کو یہ مسئلہ نہ معلوم ہو تو وہاں زور سے پڑھ دینا چاہیے تاکہ لوگ سن کر معلوم کرلیں اور آہستہ
پڑھنے کی تائید ابو امامہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے عن[3] ابی امامة بن سهل انه اخبره
رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان السنة في الصلوة على الجنازة
ان يكبر الامام ثم يقرأ بفاتحة الكتاب بعد التكبيرة الاولى سرا في نفسه ثم يصلي
على النبي صلى الله عليه وآله وسلم ويخلص الدعاء للجنازة في التكبيرات ولا يقرأ
في شيء منهن ثم يسلم سرا في نفسه رواه الشافعي في مسنده (منتقى الاخبار)
قال الحافظ في التلخيص ص ۱۶۱ وضعفت رواية الشافعي بمطرف لكن قواها

---

[1] آپ نے بلند آواز سے قرات کی اور کہا میں نے اس لئے بلند آواز سے قرات کی کہ تم کو معلوم ہو جائے جہر سے قرات کرنا
سنت ہے [2] ابن عباس نے ایک جنازہ پر الحمد اور سورۃ بلند آواز سے پڑھی اور کہا کہ میں نے اس لئے بلند
آواز سے قراءت کی کہ تم کو معلوم ہو جائے بلند آواز سے قراءت کرنا سنت ہے۔

[3] ایک صحابی نے کہا جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر تکبیر اولی کے بعد الحمد پڑھے
پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر میت کے لئے دعا کرے اور ان تکبیروں میں قرات نہ کرے
پھر آہستہ آواز سے سلام پھیرے حافظ نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ایک
اور حدیث سے ہو جاتی ہے۔

یقی بمارواه فی المعرفة من طریق عبید اللہ بن ابی زیاد الرصافی عن الزهری
فی روایة انتہی۔ اور آہستہ پڑھنے کی تائید ابن سلمۃ کی اس حدیث سے بھی ہوتی
السنة علی الجنازة ان یکبر الامام ثم یقرأ القرآن فی نفسہ الحدیث رواہ ابن ابی حاتم فی
علل ذکرہ الحافظ فی التلخیص صفحہ ۱۶۰۔ انہیں روایات کی وجہ سے جمہور کا یہ مذہب ہے کہ نماز
جنازہ میں فاتحہ اور سورہ جہر سے پڑھنا مستحب نہیں ہے نیل الاوطار صفحہ ۲۹۰ جلد ۳ میں ہے
ذہب الجمہور الی انہ لا یستحب الجہر فی صلوۃ الجنازۃ وتمسکوا بقول ابن عباس
لم اقرأ ای جہرا الا لتعلموا انہ سنۃ وبقولہ فی حدیث ابی امامۃ سرا
فی نفسہ انتہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔
(فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۶۶)

نماز جنازہ کے بعد فاتحہ پڑھنا اور تیسرے دن قل کی رسم وغیرہ بدعت پرکھنے کا معیار، محدثین اور فقہاء کا متفقہ مسلک

از حضرت مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ سابق امیر جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان المتوفی ۱۳۸۳ھ

سوال: نماز جنازہ سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی سب مل کر بہیت اجتماعی دعا مانگتے ہیں
نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگی جائے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میت کا جنازہ خراب کر
لیا ہے۔
اسی طرح جب میت کو غسل دے کر کفن پہنا کر مکان سے باہر نکالتے ہیں تو مکان کے
دروازہ کے سامنے میت کا تابوت رکھ دیتے ہیں۔ اور تابوت کے گرد حلقہ بنا کر فاتحہ پڑھتے
اگر کوئی فاتحہ نہ پڑھے تو اسے بڑی بری نظروں سے دیکھتے ہیں۔
میت کی موت کے دوسرے دن یا تیسرے دن بڑے اہتمام سے رسم قل ادا کی جاتی

جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر آہستہ آواز سے قرآن پڑھے۔

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ میں بلند آواز سے قراءت مستحب نہیں ہے اور انہوں نے ابن عباس اور ابو امامہ
کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ہے۔ اخبارات کے ذریعہ ایک معین دن کا اعلان کیا جاتا ہے یا اپنے ادنیٰ ملازم ذریعہ برادری میں اطلاع کرا دی جاتی ہے کہ دوسرے یا تیسرے دن فلاں وقت پر رسم قل جائے گی، اس دن قرآن کریم کے حافظ یا مولوی صاحبان کو بھی مدعو کیا جاتا ہے، مولوی صاحب اور ان کے ساتھ جو شریک ہو سکیں قرآن مجید پڑھتے ہیں اور میت کو ثواب پہنچاتے ہیں صاحبان کو کھانا کھلایا جاتا ہے، اور کچھ پھل وغیرہ ان کے ساتھ کر دیئے جاتے ہیں اور سے بھی خدمت کی جاتی ہے، کیا شرعاً ان کا ثبوت ہے؟ اگر فقہاء حنفیہ کی اس بارہ میں تص ذکر کر دی جائیں تو بہت مناسب ہو گا۔

جواب:۔ أَقُوْلُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ جب سے مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہوتے چلے جا رہے ہیں، بدعت کا رواج کثرت سے بڑھ رہا ہے، سنت مظلوم ومقہور ہے، آج تعلیمات نبوی سے ناواقفیت اور کتاب وسنت سے بُعد کی وجہ سے معاملہ برعکس ہے، آج سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھا جا رہا ہے، سنت پر عمل کرنا لوگوں کے و تشنیع کا نشانہ بنتا ہے، ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعقیدت اظہار میں بڑے جوش وخروش کا اظہار کیا جاتا ہے، مجالس میلاد منعقد کی جاتی ہیں، جلوس نک جاتے ہیں، ولادت نبوی کی یادگار منائی جاتی ہے، بازار اور گلی کوچوں میں چراغاں کیا جاتا اس ادعاء محبت کے ساتھ عمل کی یہ حالت ہے کہ سنت سے نفرت اور بدعت سے پیا سے سوالات تو صرف ایک خاص مسئلہ کے متعلق ہیں، لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں نے سا دین کو اسی طرح بدعات سے ملوث کر کے اس کی صورت مسخ کرنے کی کوشش شروع ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت رکھا جو سنت کی حفاظت کرتے رہے اور بدعات ورسوم سے اسلام کو پاک وصاف پیش کرتے رہے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور نا رضا مندی کا علم انبیاء کرام کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے، ان کی رہنمائی کے بغیر عقل انسانی ہرگز معلوم نہیں کر سکتی کہ کن چیزوں سے خ

ہوتا ہے، اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے، ہمارے لئے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہی نمونہ کاملہ ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اس لئے ہمارے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور پیروی میں زندگی ختم کر دیں، ہماری محبت رسول کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہمارا یہ ایمان ہوتا کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اُمت کا کوئی خیرخواہ اور ہمدرد نہیں ہو سکتا۔ ان کی شان میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:۔ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، وہ تو مومنوں کے لئے بڑے مشفق اور مہربان ہیں۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میت کے لئے رسم قل منفعت بخش ہو، اور وہ نہ بیان فرمائیں، نماز جنازہ کے علاوہ سب کا مل کر میت کے لئے فاتحہ درود پڑھنا موجب ثواب ہو، اور وہ اس کے لئے ہدایت نہ فرمائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بدعت ایک ایسی معصیت ہے کہ اس کے آجانے سے سُنت کی توفیق اٹھ جاتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ۔

جو قوم دین میں بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس قوم میں سے اس بدعت کے برابر سنت اٹھ جاتی ہے۔

سنت پر عمل کی توفیق سے وہ قوم محروم ہو جاتی ہے اسی واسطے آپ نے بدعت سے بچنے کے لئے بڑی تاکید فرمائی۔ إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

یعنی خبردار! دین میں نئی باتوں سے بچ کے رہنا بیشک دین میں ایسی بات داخل کرنا جو نئی ہے بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور یہ گمراہی ایسی خطرناک ہے کہ اس کے مرتکب کو توبہ

نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اور گناہ تو ایسے ہیں کہ ان سے ڈر کر انسان کبھی توبہ کر لیتا ہے لیکن بدعتی کو
توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ بدعت کو دینداری سمجھ کر کرتا ہے اس لئے توبہ کی طرف اس کا دھیان بھی
نہیں جاتا، اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جس چیز کا بہت کھٹکا ہے ایک
تو یہ ہے کہ لوگ اپنے علم پر دوسری چیزوں کو ترجیح دیں گے، اور فرمایا۔

اَنْ یَضِلُّوْا وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ قَالَ سُفْیَانُ ھُوَصَاحِبُ الْبِدْعَۃِ۔

ایک اس بات کا خوف ہے کہ لوگ گمراہ ہو جائیں گے، اور ان کو شعور تک نہ ہوگا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں
سفیان نے فرمایا کہ یہ لوگ صاحب بدعت ہیں، اور یہ بھی حضرت حذیفہؓ ہی سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے

وَاللّٰہِ لَتَفْشُوَنَّ الْبِدَعُ حَتّٰی اِذَا تُرِکَ مِنْھَا شَیْئٌ قَالُوْا تُرِکَتِ السُّنَّۃُ۔

قسم ہے اللہ کی بدعت اس قدر پھیل جائے گی، اور قبولیت حاصل کرے گی کہ اگر کوئی شخص ان بدعات
میں سے کوئی چیز چھوڑ دے گا، تو لوگ اسے کہیں گے، تم نے سنت چھوڑ دی۔

وہی بات جو ابھی عرض کر چکا ہوں کہ بدعات کو اس قدر فروغ اور قبول ہوگا کہ عوام اسے دین اور سنت سمجھیں
اور اس کے ترک کو ترک سنت اور ترک دین سمجھیں گے۔ یہ صورت حال جس کی صحابہ کرام پیش گوئی فرما
آج پورے جوبن پر ہے، سنت مظلوم ہے، اور سنت پر عمل کرنے والے تھوڑے اور مقہور ہیں، علوم نبویہ
بے رغبتی ہے، اور دین سے جہالت عام ہے، یہ وقت اسلام کی غربت کا ہے جس کے لئے حضور کی پیش
ہے، بہرحال اس دور بدعت والحاد میں اگر بچاؤ کی صورت ہے تو وہی جو خود اس صادق و مصدوق نے
عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد
موثر وعظ ارشاد فرمایا، سننے والوں کی کیفیت یہ تھی کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور دل مارے
خوف کے پگھلے جا رہے تھے، اس وعظ میں آپ نے منجملہ اور نصائح کے ایک یہ بات ارشاد فرمائی
جو شخص تم میں سے زندہ رہے گا۔ وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس تم نے میری سنت اور خلفاء راشدین
کی سنت کو لازم پکڑ لینا سنت کو بڑی مضبوطی کے ساتھ پورے اہتمام کے ساتھ پکڑنا اور دین میں نئی
باتوں سے بچنا کیونکہ دین میں جو نئی بات پیدا کی جائے گی، وہ بدعت ہوگی، اور ہر بدعت گمراہی
ہے۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)۔

عرباض بن ساریہؓ کی روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اختلاف کی صورت

بدعت کے پرکھنے کا معیار:- میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا چاہیئے، مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:۔

سُنت خلفاء راشدین حقیقت میں سنت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہے، اس کی یا تو یہ صورت ہوئی کہ عہدِ نبوی میں کسی وجہ سے اس کو شہرت حاصل نہ ہوئی یا کسی وجہ سے اس کو رواج نہ دیا گیا، (جیسا کہ نماز تراویح بجماعت مترجم) اور بعد میں صحابہ کرام نے اس سُنت کو رواج دیا، اور ان کے زمانہ میں اس سنت کو شہرت حاصل ہوئی، یا صحابہ کرام کے اجتہاد سے کوئی سنت رواج پذیر ہوئی (جیسا کہ جمعہ کی دوسری اذان، مترجم) اس کو بھی موافق سنتِ نبوی کہا جائے گا، اور اس پر بدعت کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔

کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ پاکیزہ جماعت تھی جن کے علوم مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ اور اُن کے سینے فیضانِ صحبت نبوی سے منور تھے، ان کے سامنے وحی نازل ہوتی اور حضور اقدس سے براہ راست وہ سنتے یا آپ کو اس پر عمل کرتے دیکھتے، صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے برگزیدہ رسول کی محبت میں اپنے گھر بار، آل و اولاد، اعزہ و اقارب کو چھوڑ دیا۔ اور آستانہ نبوت کی جاروب کشی کو سرمایۂ سعادت سمجھ کر دل و جان سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور جان نثار بن گئے تھے، پس سال ہا سال کی تربیت نے اُن کو مزاج نبوی کے شناسا بلکہ رازدار بنا دیا تھا، اور اس کمال اتباع کی برکت کا ظہور تھا کہ جب آپ نے فرقہ ناجیہ کی تشریح کی، تو فرمایا:۔

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي ۔

فرقہ ناجیہ وہ ہوگا جو اس طریقہ پر گامزن ہوگا جو میرا اور میرے اصحاب کا ہے، اور کیوں نہ ہو بھی تو وہ اصحاب کرام ہیں جن کے لئے قرآن کریم میں فرمایا:۔

وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۔ (الفتح ۲۶)

اللہ تعالےٰ نے صحابہ کے دلوں کو تقویٰ پر جمائے رکھا، اور وہ اس کے بہت ہی مستحق تھے اور اس کے اہل تھے۔

اور یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے لئے اسی حدیث میں جس میں آپ نے

اہل السنت والجماعت:۔ بہتر فرقوں کا ذکر کیا اور فرمایا، سب جہنمی ہیں، مگر ایک فرقہ بس

امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں بجائے مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ کا لفظ ہے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ جماعت ۔۔ سے مراد اصحاب کرام ہی ہیں، اسی سے فرقہ حقہ کے لئے اہل السنۃ والجماعۃ

کا نام تجویز ہوا اور انہی کے لئے سواد اعظم کا لفظ ایک حدیث میں استعمال کیا گیا، اور یہی مفہوم ہے

صاحب تلویح کی عبارت کا:۔

وَالسَّوَادُ الْاَعْظَمُ عَامَّۃُ الْمُسْلِمِیْنَ مِمَّنْ ھُوَ اُمَّۃٌ مُّطْلَقَۃٌ وَالْمُرَادُ بِالْاُمَّۃِ الْمُطْلَقَۃِ اَھْلُ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ وَھُمُ الَّذِیْنَ طَرِیْقُھُمْ طَرِیْقَۃُ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَصْحَابِہٖ دُوْنَ اَھْلِ الْبِدَعِ۔ (توضیح تلویح ص۱۶ جلد دوم۔ طبع مصر)

یعنی سواد اعظم سے مراد اہل السنت والجماعت ہیں، اور اہل السنت والجماعت وہ ہیں جن کا طریقہ وہ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کا طریقہ تھا، نہ کہ اہل بدعت کا طریقہ، جو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ اصحاب کرام سے، اور یہی ارشاد فرمایا حضرت شاہ ولی اللہ نے اَلْفِرْقَۃُ النَّاجِیَۃُ ھُمُ الْاٰخِذُوْنَ فِی الْعَقِیْدَۃِ وَالْعَمَلِ جَمِیْعًا بِمَا ظَھَرَ مِنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ وَجَرٰی عَلَیْہِ جُمْھُوْرُ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَغَیْرُ النَّاجِیَۃِ کُلُّ فِرْقَۃٍ اِنْتَحَلَتْ عَقِیْدَۃً خِلَافَ عَقِیْدَۃِ السَّلَفِ الصَّالِحِ اَوْ عَمَلًا دُوْنَ اَعْمَالِھِمْ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ص۱۳۶ جلد ۱ طبع مصر)

یعنی فرقہ ناجیہ کے لوگ وہ ہیں جو عقیدہ اور عمل دونوں میں ظاہر کتاب وسنت اور جمہور صحابہ اور تابعین کے طریقہ کے پابند ہوں اور غیر ناجی فرقہ وہ ہے جو سلف صالح سے عقیدہ یا عمل میں مخالف ہو۔

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکورہ بالا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ کی تشریح میں سوال وجواب کے طرز پر فرماتے ہیں:۔

یہ کیسے معلوم ہو کہ فرقہ ناجیہ، فرقہ اہل السنت والجماعت ہے؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ دین اسلام نقل سے ہم تک پہنچا ہے نہ کہ عقل سے اور تواتر سے نیز احادیث وآثار کے تفحص سے یہ

بات یقین کے ساتھ ثابت ہے کہ سلف صالح صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد ائمہ دین سب کے سب اسی اعتقاد اور اسی طریقہ پر کاربند تھے جو اہل سنت والجماعت کا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

ومحدثین اصحاب کتب ستہ وغیرہا از کتب مشہورہ معتمدہ کہ بنا و مدار احکام اسلام بر آنہا افتادہ وائمہ فقہائے ارباب مذاہب اربعہ وغیرہم از انہا کہ در طبقہ ایشان بودہ اند ہمہ بریں مذہب بودہ اند۔ (مدے طبع ہند) یعنی محدثین جو صحاح ستہ اور دوسری مشہور اور مستند کتب حدیث کے مصنف ہیں، اور جن کی کتابوں پر احکام اسلام کا دارو مدار ہے، نیز ائمہ فقہاء مذاہب اربعہ اور ان ائمہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے ائمہ دین جو ان کے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، یہ سب کے سب اہل السنت والجماعت ہیں۔

پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جو عقیدہ یا عمل دین جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت ہے وہ حق ہے، اور جو عقیدہ یا عمل دین حدیث سے یا آثار صحابہ سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے اور یہ تمام اہل سنت والجماعت یعنی اہل حدیث اور فقہاء کا متفقہ مسلک ہے۔

یہ محدثین اور فقہاء کا مسلک جو بیان کیا گیا ہے، اس کی اساس تو وہی حدیث نبوی ہے جو صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

یعنی جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسا عمل یا عقیدہ ایجاد کیا، جو اس میں نہیں اور بعض روایات کے مطابق جس کے لئے ہماری اجازت نہیں (لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا) وہ عمل مردود ہے اس حدیث کے حقائق و معارف جس طرح صحابہ کرام نے سمجھا حقیقت ہے کہ ہم متاخرین اس کو نہ سمجھ سکتے اگر وہ ہماری اس بارے میں رہنمائی نہ کرتے۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

یہاں چند ایسے مسائل کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے احداث فی الدین یعنی دین میں بدعت کے ایجاد کو صحابہ کرام نے کس طرح سمجھا، آج ہم اگر صحابہ کرام کی ان تشریحات کو اپنے لئے دستور العمل بنالیں تو ہم بدعات سے بچ سکتے ہیں، اور خالص سنت پر عمل کر کے رضاء الٰہی حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی ایک روایت مختصراً ذکر کرتا ہوں۔

حلقہ بنا کر ذکر الٰہی کرنا۔ غور فرمایئے:۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا کہ آج میں نے مسجد میں ایک نیا عمل دیکھا ہے مگر بظاہر اچھا ہی معلوم ہوتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا، کون سا نیا عمل دیکھا ہے؟ حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ نے کہا کہ میں نے مسجد میں ان لوگوں کو جو نماز کے انتظار میں تھے دیکھا کہ وہ حلقوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور ہر حلقہ میں ایک شخص بلند آواز سے کہتا ہے کہ ایک سو دفعہ "اللہ اکبر" پڑھو، نمازی اس کے بعد ایک سو دفعہ "اللہ اکبر" پڑھتے ہیں، اسی طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سو مرتبہ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سو مرتبہ پڑھواتا ہے، اور لوگ ایک ایک سو مرتبہ پڑھتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا، تم نے ان لوگوں سے کچھ کہا؟ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا میں نے انھیں کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے اس بارہ میں معلوم کرنا چاہتا تھا، اس کے بعد عبداللہ بن مسعودؓ ان لوگوں کے پاس خود تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو؟ حلقہ میں ذکر کرنے والوں نے کہا، حضور! یہ کنکریاں ہیں، ہم ان کے ساتھ گنتی کرتے ہیں، تسبیح و تحمید اور تہلیل کی، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا:۔ وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذِهٖ ثِيَابُهٗ لَمْ تَبْلَ وَاٰنِيَتُهٗ لَمْ تُكْسَرْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ أَنْتُمْ لَعَلٰى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدٰى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ او مفتتحي باب ضَلَالَةٍ۔ فَقَالُوْا يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا أَرَدْنَا إِلَّا الْخَيْرَ۔ قَالَ وَكَمْ مِنْ مُرِيْدٍ لِلْخَيْرِ لَنْ يُصِيْبَهٗ۔ (دارمی ص۳۸)

"ہائے افسوس ہے تم پر اے امت محمدیہ، تم کس قدر جلد ہلاکت کی راہ اختیار کرنے لگ گئے ہو، دیکھو یہ صحابہ کرام کی کثیر جماعت ابھی موجود ہے، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی ٹوٹ پھوٹ نہیں گئے، اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یا تو تم نے طریقہ محمدیہ سے بہتر طریقہ پا لیا ہے، یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو، حلقہ میں ذکر کرنے والوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے عرض کیا کہ ہم نے تو نیکی کا کام سمجھ کر یہ حلقہ

[illegible] شروع کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا، کتنے ہیں جو نیکی کے ارادہ سے عمل کرتے ہیں لیکن وہ نیکی کو نہیں پا سکتے۔

غور فرمائیے کہ یہ لوگ صرف سُبْحَانَ اللہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اور اَللہُ اَکْبَرُ کا ذکر کرتے تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس ہیئت کے ساتھ ذکر کرنے کو ناپسند کیا، کیونکہ اس ہیئت کے ساتھ حلقہ بنا کر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو ذکر کرتے نہیں دیکھا تھا، آپ کے الفاظ کو پھر غور سے پڑھیئے۔ اتنی سی بات پر آپ فرماتے ہیں کہ دو باتوں میں سے ایک بات یقینی ہے۔ (۱) یا تو تم طریقہ محمدیہ سے بہتر طریقہ پر ہو (۲) یا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ سُبْحَانَ اللہِ، سُبْحَانَ اللہِ! یہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت، یہ ہے عشق محمدی اور یہ ہے کمال اتباع سنتِ محمدیہ، کہ اتنی سی بات بھی برداشت نہ کر سکے کہ تسبیح و تحمید حلقہ بنا کر ایک ایسی ہیئت کے ساتھ پڑھیں جس ہیئت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کو نہیں دیکھا۔

مستحب مکروہ بن جاتا ہے:۔ اس سے بھی زیادہ لطیف اور اہم علمی مسئلہ اتباع سنت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ فرمانا ہے:۔ لَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِنْ صَلٰوتِہٖ یَرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَّا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَّمِیْنِہٖ (صحیحین)

اپنی نماز میں کوئی شخص شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے، اس طرح کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد صرف داہنی طرف منہ کر کے لوٹنے کو اپنے لئے ضروری قرار دے۔

یعنی امام نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف جب منہ کر کے بیٹھے تو وہ عام دستور کے مطابق (داہنی طرف سے کام کرنے کو مستحب سمجھا جاتا ہے) صرف اپنے داہنی طرف منہ موڑ کر بیٹھنے کو ضروری قرار نہ دے۔ وہ فرماتے ہیں، کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر اپنے بائیں طرف مڑ کر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوتے دیکھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں اس روایت کے ذیل میں ابن المنیر کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

فِيهِ أَنَّ الْمَنْدُوبَاتِ قَدْ تَنْقَلِبُ مَكْرُوهَاتٍ إِذَا رُفِعَتْ عَنْ رُتْبَتِهَا لِأَنَّ التَّيَامُنَ مُسْتَحَبٌّ فِي كُلِّ شَيْءٍ مِنْ أُمُورِ الْعِبَادَةِ لٰكِنْ لَمَّا خَشِيَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنْ يَعْتَقِدُوا وُجُوبَهُ أَشَارَ إِلَى كَرَاهَتِهِ۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ ایک امر مستحب بعض حالتوں میں مکروہ بن جاتا ہے، جب کہ امر مستحب کو اس کے رتبۂ استحباب سے بڑھا دیا جائے، دیکھئے کہ عبادات میں دائیں ہاتھ سے شروع کرنا ایک امر مستحب ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جب یہ خیال کیا کہ لوگ اس امر مستحب کو کہیں واجب نہ قرار دے دیں، آپ نے اس کی کراہت کی طرف اشارہ کر دیا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فرمانے سے واضح ہو گیا کہ جو شخص ایک امر مستحب پر اصرار کرے اور افضل صورت پر عمل نہ کرے، سمجھ لو کہ شیطان اس کے گمراہ کرنے کے درپے ہے کیونکہ اس نے ایک امر مستحب کو اس کے رتبۂ استحباب سے بڑھا دیا، لہٰذا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے شیطانی عمل قرار دے کر اس کے بدعت ہونے کی طرف اشارہ کیا، اور جو شخص صریح بدعت پر اصرار کرے، اور سنت کی راہ قبول کرنے سے گریز کرے، تم سمجھ سکتے ہو کہ شیطان نے اس پر کس قدر قبضہ جما رکھا ہے، أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ۔

ضابطۂ شرعی:۔ حافظ ابن رجبؒ نے حدیث مذکور الصدر (مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا) کے ذیل میں عبادات میں کسی عمل کو بدعت یا سنت قرار دینے کے لئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضابطۂ شرعیہ کا ذکر کر دوں، اور اسی پر اس فتویٰ کو ختم کر دوں۔ فرماتے ہیں:۔ فَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَى اللّٰهِ بِعَمَلٍ لَمْ يَجْعَلْهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ قُرْبَةً إِلَى اللّٰهِ فَعَمَلُهُ بَاطِلٌ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا كَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَى اللّٰهِ بِسَمَاعِ الْمَلَاهِي أَوْ بِالرَّقْصِ أَوْ بِكَشْفِ الرَّأْسِ فِي غَيْرِ حَالِ الْإِحْرَامِ وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ مِنَ الْمُحْدَثَاتِ الَّتِي لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ التَّقَرُّبَ بِهَا بِالْكُلِّيَّةِ۔

یعنی جو شخص اللہ عزوجل کا قرب ایسے عمل سے حاصل کرنا چاہتا ہے، جسے اللہ اور اس کے رسول نے تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں بتایا تو سمجھ لو کہ اس کا عمل باطل اور مردود ہے، اس کی مثال ایسی ہے

جیسے کوئی شخص گانے بجانے کے آلات سے یا رقص و سرود سے یا حالت احرام کے سوا سر ننگا رکھنے سے قرب الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے، یا اس جیسی اور بدعات جسے اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے تقرب کا ذریعہ قرار نہیں دیا۔

اس کے بعد دوسرا ضابطہ بیان فرماتے ہیں، اسے غور سے پڑھنا چاہیئے، اس بارے میں اچھے اچھے صاحب علم بھی غلطی کر جاتے ہیں، فرماتے ہیں:۔ وَلَيْسَ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي عِبَادَةٍ يَكُوْنُ قُرْبَةً فِي غَيْرِهَا مُطْلَقًا۔

یعنی یہ ضروری نہیں کہ ایک کام ایک عبادت میں تو موجب تقرب الی اللہ ہے تو وہ کام ہر عبادت میں موجب تقرب ہو، اس کے بعد ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ:۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دھوپ میں کھڑے دیکھا تو آپ نے اس کے متعلق دریافت فرمایا کہ یہ کیوں کھڑا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ جمعہ کا دن تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اس شخص نے یہ نذر مانی تھی کہ جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے رہیں گے، وہ کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، اور دھوپ میں کھڑا رہے گا، سایہ میں نہیں آئے گا، فرماتے ہیں، اس کی یہ نذر صرف آپ کے خطبہ کے سننے اور آپ کے احترام کی نیت سے تھی، لیکن آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ بیٹھ جائے اور سایہ میں آجائے، فرماتے ہیں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی نذر کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں سمجھا، حالانکہ قیام عبادت ہے، نماز میں، اذان میں، عرفات میں دعا کے وقت اور سایہ سے نکل کر دھوپ میں کھڑا ہونا موجب تقرب ہے میدان عرفات میں۔

اس کے بعد ضابطہ شرعیہ بیان فرماتے ہیں:۔

فَدَلَّ عَلٰى أَنَّهُ لَيْسَ كُلُّ مَا كَانَ قُرْبَةً فِي مَوْطِنٍ يَكُوْنُ قُرْبَةً فِي كُلِّ الْمَوَاطِنِ إِنَّمَا يُتَّبَعُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ مَا وَرَدَتْ بِهِ الشَّرِيْعَةُ فِي مَوَاضِعِهَا۔ (جامع العلوم والحکم ص۴۲)

یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایک عمل اگر ایک مقام پر موجب ثواب ہے تو ضروری نہیں کہ ہر جگہ وہ عمل موجب ثواب ہو، اس بارہ میں ہر مقام کے لحاظ سے تمام تر اتباع شریعت کا کیا جائے گا۔

اس استفتاء کے جواب کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک نصیحت اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک خط پر ختم کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نصیحت مبارکہ:۔ آپ فرماتے ہیں:۔

مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوا أَفْضَلَ هَٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِإِقَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلَىٰ أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ۔ (مشکوٰۃ شریف)

جو شخص راہِ راست چلنا چاہتا ہے اُسے چاہیئے کہ اُن لوگوں کے نقشِ قدم پہ چلے جو فوت ہو گئے ہیں، کیونکہ زندوں کے لئے خوف ہے فتنہ میں گرفتار ہو جانے کا۔ وہ کون لوگ ہیں۔ (جن کی راہ اختیار کی جائے) آنحضرت کے صحابہ ہیں یہی لوگ اس امت کے بہترین افراد ہیں، ان کے دل نہایت نیک تھے، ان کے علم بہت گہرے تھے، ان کے اندر تکلف بالکل کم تھا، اللہ نے اپنے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے لئے اور اس کے دین کو قائم کرنے کے لئے ان اصحاب کو منتخب فرمایا، پس تم لوگ بھی ان کی بزرگی کی قدر کرو، اور ان کے قدم بقدم راہ اختیار کرو، اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق و عادات کو کوشش کے ساتھ حاصل کرو کیونکہ یہ لوگ نہایت صحیح ہدایت پر تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مکتوب گرامی:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بعض اہل بدعت کے جواب میں یہ مکتوب گرامی لکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس مکتوب کا مطالعہ اگر بدعت پسند حضرات اخلاص سے کریں گے تو امید ہے کہ انھیں رشد و ہدایت کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ بحول اللہ و قوتہ۔

أَمَّا بَعْدُ أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالِاقْتِصَادِ فِي أَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرْكِ مَا أَحْدَثَ الْمُحْدِثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ وَكُفُوا مُؤْنَتَهُ فَعَلَيْكَ بِلُزُومِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللهِ عِصْمَةٌ ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يَبْتَدِعِ النَّاسُ بِدْعَةً إِلَّا قَدْ مَضَى قَبْلَهَا مَا هُوَ دَلِيلٌ عَلَيْهَا أَوْ عِبْرَةٌ فِيهَا فَإِنَّ السُّنَّةَ إِنَّمَا سَنَّهَا مَنْ قَدْ عَلِمَ مَا فِي خِلَافِهَا مِنَ الْخَطَاءِ وَالزَّلَلِ وَالْحُمْقِ وَالتَّعَمُّقِ فَارْضَ لِنَفْسِكَ مَا رَضِيَ بِهِ الْقَوْمُ لِأَنْفُسِهِمْ فَإِنَّهُمْ عَلَى عِلْمٍ وَقَفُوا وَبِبَصَرٍ نَافِذٍ كَفُّوا وَلَهُمْ عَلَى كَشْفِ الْأُمُورِ كَانُوا أَقْوَى وَبِفَضْلِ مَا كَانُوا فِيهِ أَوْلَى فَإِنْ كَانَ الْهُدَى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَقَدْ سَبَقْتُمُوهُمْ إِلَيْهِ وَلَئِنْ قُلْتُمْ إِنَّمَا حَدَثَ بَعْدَهُمْ مَا أَحْدَثَهُ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَ غَيْرَ سَبِيلِهِمْ وَرَغِبَ بِنَفْسِهِ عَنْهُمْ فَإِنَّهُمْ هُمُ السَّابِقُونَ فَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ بِمَا يَكْفِي وَوَصَفُوا مِنْهُ مَا يَشْفِي فَمَا دُونَهُمْ مِنْ مُقَصِّرٍ وَمَا فَوْقَهُمْ مِنْ مُحَسِّرٍ وَقَدْ قَصَّرَ قَوْمٌ دُونَهُمْ فَجَفَوْا وَطَمَحَ عَنْهُمْ أَقْوَامٌ فَغَلَوْا وَإِنَّهُمْ بَيْنَ ذَلِكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ۔ (ابوداود مع عون المعبود جلد ۴ ص ۳۳۲، ۳۳۳)

حمد وصلوٰۃ کے بعد وصیت کرتا ہوں تم کو اللہ کے تقویٰ اور اس کے حکم میں میانہ روی کی اور اس کے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے سنت کی اتباع کی، اور بدعتیوں کے نئے خیالات کے چھوڑنے کی جو انہوں نے سنت رسول قائم ہونے کے بعد ظاہر کئے ہیں، وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائیں گے، اور تم سنت کے ساتھ چمٹے جاؤ، باذن اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اسی میں نجات ہے، یہ بھی یاد رکھو کہ آج جو بدعت لوگ نکال رہے ہیں اس سے قبل اس کا بطلان ہو چکا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کی جا سکتی ہے، کیونکہ جس نے یہ سنت قائم کی (یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے خلاف کا بھی خوب علم رکھتا ہے کہ جو بات اس کے خلاف ہے، وہ سراسر خطا اور غلطی ہے، اور اس کا اختیار کرنا حماقت اور بیجا انہماک ہے، تم اپنے لئے اسی راہ کو پسند کرو جو (پہلے) لوگوں نے اپنے لئے پسند کی

ہے (یعنی صحابہ کی) کیونکہ ان لوگوں نے پوری واقفیت کے ساتھ اس راہ کو اختیار کیا تھا، اور نہایت تیز نگاہ کے ساتھ دیکھ کر آگے بڑھنے سے رک گئے تھے، اور یقیناً یہی لوگ دریافت کرنے کے لئے سب سے زیادہ لائق تھے، اور اچھی چیز کے حاصل کرنے کے مستحق تھے، پس اگر ان خیالات کو ہدایت سمجھا جائے جو تم لوگوں نے ایجاد کیا ہے تو لازم آئے گا کہ تم لوگ صحابہ سے بھی (علم و فضل میں) بڑھ گئے (اور یہ قطعاً غلط ہے) کیونکہ ان لوگوں (صحابہ) نے خوب اچھی طرح ان باتوں کو حل کر لیا تھا، اور صاف طور پر واضح کر لیا تھا، جو تسکین و تشفی کے لئے کافی تھا، اب اس سے نیچے اترنے کی جگہ ہے، نہ اس کے اوپر چڑھنے کی منزل ہے، جو لوگ اس تہ تک نہ پہنچ سکے وہ نیچے رہ گئے، جن لوگوں نے اس سے آگے بڑھنا چاہا وہ حد سے آگے بڑھ گئے، اور یقیناً وہ لوگ (یعنی صحابہ کرام) ہی وہ لوگ ہیں جو افراط و تفریط سے اور آگے پیچھے ہونے سے بچے اور صراط مستقیم پر مستقل طور پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے ہیں۔

العبد المذنب الراجی لرحمۃ ربہ الودود

محمد داؤد الغزنوی (الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۱۰ تا ۱۲)

تارک الصلوٰۃ پر نماز جنازہ

سوال:۔ بے نماز کا جنازہ جائز ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ بے نماز کا جنازہ عالم مقتدی پیشوا صالح نہ پڑھے، تاکہ عبرت ہو، اور نمازی عوام الناس اگر پڑھیں تو مضائقہ نہیں، بعض مجرموں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جنازہ نہیں پڑھتے تھے، اور اپنے اصحاب کو حکم دیتے تھے کہ تم پڑھ لو، اور اس قسم کے واقعات کتب حدیث میں موجود ہیں۔

فقط حررہ عبد الجبار الغزنوی عفی عنہ

(فتاویٰ غزنویہ ص ۱)

تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین

سوال :۔ نماز جنازہ میں ہر تکبیرات کہنے کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے ، یا نہیں اور ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا درست ہے ، یا نہیں ؟

جواب :۔ جنازہ میں تکبیرات ہاتھ اٹھانا نہ اٹھانے سے بہتر ہے ، خرج البیہقی[1] عن ابن عمر انه کان یرفع یدیه فی جمیع تکبیرات الجنازة قال الحافظ سنده صحیح[2] وعلقه البخاری ووصله فی جزء رفع الیدین ورواه الطبرانی فی الاوسط ورواه الشافعی عن سمع سلمة بن وردان یذکر عن انس انه کان یرفع یدیه کلما کبر علی الجنازة وروی ایضا الشافعی عن عروة وابن المسیب مثل ذلك قال و علی ذلك ادرکنا اهل العلم ببلدنا وحکاه ابن المنذر عن ابن عمر وعمر بن عبد العزیز وعطاء وسالم بن عبد الله وقیس بن ابی حازم والزهری والاوزاعی واحمد واسحاق واختاره ابن المنذر وقد صح عن ابن عباس انه کان یرفع یدیه فی تکبیرات الجنازة رواه سعید بن منصور ۔ تلخیص الحافظ ابن حجر ملتقطا ۔

[1] بیہقی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ جنازہ کی سب تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے ، حافظ ابن حجر نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے ، اور امام بخاری علیہ الرحمۃ اس کو اپنی تعلیقات میں لائے ہیں ، اور اپنے رسالہ جزء رفع الیدین میں اس کو موصول بھی بیان کیا ہے ، اور طبرانی نے اس کو اوسط میں روایت کیا ہے ، اور شافعی نے اس شخص سے روایت کی ہے ، جس نے سلمہ بن وردان سے سنا جو انس سے روایت کرتا ہے کہ وہ جب جنازہ پر تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور شافعی نے عروہ اور ابن مسیب سے بھی اسی طرح روایت کی ہے ، اور کہا کہ اسی پر یعنی اپنے شہر میں اہل علم کو پایا ۱۲

[2] ابن منذر نے بھی اس کو عبداللہ بن عمر اور عمر بن عبد العزیز اور عطاء اور سالم بن عبداللہ اور قیس بن ابی حازم زہری اور اوزاعی اور احمد اور اسحاق سے حکایت کیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے ، حافظ ابن حجر کی تلخیص میں ہے کہ سعید بن منصور نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے ثابت ہے کہ وہ جنازہ کی تکبیروں میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے ۱۲ ۔ عبدالودود "

اور درمیان تکبیرات کے ہاتھ باندھ لینے چاہئے کیونکہ یہ بھی نماز ہے، اور نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما (فتاویٰ غزنویہ ص ۹۹)

سوال:- نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع یدین ثابت ہے یا نہیں!

جواب:- چنانچہ درمختار میں ہے یرفع یدیہ فی الاولی فقط - وقال ائمۃ بلخ فی کلھا آہ ردالمحتار میں ہے وما فی شرح الکیدانیۃ للقھستانی من انہ لایجوز المتابعۃ فی رفع الیدین فی تکبیرات الرکوع و تکبیرات الجنازۃ فیہ نظر اذ لیس ذلک لامما لا یسوغ الاجتہاد فیہ بالنظر الی الرفع فی تکبیرات الجنازۃ لما علمت من انہ قال بہ البلخیون من ائمتنا آہ حسن شرنبلالی نے ص ۲۰۳ حاشیہ درر میں لکھا ہے قولہ یرفع یدیہ فی الاولی فقط ھو ظاھر الروایۃ قولہ وعند الشافعی فی کلھا اختارہ کثیر من مشائخ بلخ کما فی التبیین آہ عمدۃ الرعایۃ میں ہے قولہ خلافا للشافعی کذا لاحمد و مالک بل قال بہ ائمۃ بلخ من مشائخنا وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ ایضا آہ

(اردو فیہ الاحادیث ص...)

۱؎ اور وہ جو قہستانی کی شرح کیدانی میں ہے کہ نہیں جائز ہے تابعداری رفع یدین میں تکبیرات رکوع میں۔ اور تکبیرات جنازہ کے اس میں نظر ہے، اس واسطے کہ یہ نہیں ہے اس قسم سے کہ نہیں جائز ہے، اجتہاد اس میں ساتھ نظر کرنے کے طرف رفع یدین کے تکبیرات جنازہ میں جیسا کہ جانا تو نے یہ کہ قائل ہوئے اس کے بلخ والے ہمارے اماموں سے۔

۲؎ رفع یدین کرے تکبیر اول میں فقط یہ ظاہر روایت ہے، اور نزدیک شافعی کے ثابت ہے کل تکبیرات میں اختیار کیا ہے اس کو بہت سے مشائخ بلخ جیسا کہ تبیین میں ہے۔

۳؎ بخلاف شافعی کے اور اسی طرح بخلاف احمد اور مالک کے بلکہ قائل ہوئے اس کے ائمہ بلخ ہمارے مشائخ سے اور وہ روایت ہے، ابو حنیفہ سے بھی - ۱۲ -

سوال: اگر ایک ہی وقت مرد وعورت کے پانچ سات جنازے جمع ہو جائیں، توسب کے لئے ایک نماز جنازہ کافی ہو گی یا ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ پڑھنی چاہیئے۔

جواب: ہر ایک جنازہ پر الگ الگ نماز پڑھنی ضروری نہیں، ایک ہی نماز کافی ہے، اگر مرد وعورت دونوں کے جنازے جمع ہوں توامام اپنے آگے پہلے مرد کا جنازہ رکھے، مردوں کے جنازے کے بعد قبلہ کی جانب عورتوں کے جنازے رکھ کر نماز ادا کرے۔ قال مالك انه بلغه ان عثمان بن عفان وعبد الله ابن عمر وابا هريرة كانوا يصلون على الجنائز بالمدينة الرجال والنساء فيجعلون الرجال مما يلي الامام والنساء مما يلي القبلة (موطا مالك) واخرج ابوداؤد والنسائي عن عمار مولى الحارث انه شهد جنازة ام كلثوم وابنها زيد فجعل الغلام مما يلي الامام فانكرت ذلك وفي القوم ابن عباس وابو سعيد الخدري وابو قتادة وابو هريرة فقالوا هذه السنة قال الشوكاني سكت عنه ابوداؤد والمنذري رجال اسناده ثقات ورواه النسائي واخرجه البيهقي وقال في القوم الحسن والحسين ابن عمر وابو هريرة ونحو من ثمانين نفسا من اصحاب النبي وفي رواية البيهقي ان الامام في هذه القصة ابن عمر وفي اخرجه الدارقطني والنسائي من رواية نافع عن ابن عمر انه صلى على سبع جنائز رجال ونساء فجعل الرجال مما يلي الامام وجعل النساء مما يلي القبلة وصفهم صفا واحدا الحديث وكذلك رواه ابن الجارود في المنتقى قال الحافظ اسناده صحيح انتهى۔

نیل الاوطار۔ (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی محدث دہلی (جلد ۱ شمارہ ۳)

سوال: مقروض کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں جو احادیث وارد ہیں، وہ کیسی ہیں؟ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔

جواب: مقروض کے جنازہ کے متعلق حدیث صحیح ہے، مسند احمد، صحیح بخاری اور سنن نسائی میں سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے۔ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوا يَارَسُوْلَ اللهِ صَلِّ عَلَيْهَا قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوا لَا قَالَ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوا ثَلٰثَةُ دَنَانِيرَ قَالَ صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُوْلَ اللهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهُ فَصَلّٰى عَلَيْهِ۔

یعنی ایک میت پر آپ کو نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی گئی آپ نے دریافت فرمایا اس نے کچھ مال چھوڑا ہے لوگوں نے نفی میں جواب دیا، پھر فرمایا اس پر کوئی قرضہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ تین دینار کا قرض تھا، آپ نے فرمایا تم (خود ہی) اس کی نماز جنازہ پڑھ لو، اس پر ابوقتادہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز جنازہ پڑھائیں میں قرض ادا کر دوں گا، پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اسی طرح امام احمدؒ ابوداؤد، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے اس میں الفاظ ہیں فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ اَنَا اَتَكَفَّلُ بِهٖ یعنی میں اس کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں حضرت جابرؓ کی حدیث مسند احمد سنن ابی داؤد سنن نسائی، صحیح ابن حبان اور دار قطنی میں ہے فرماتے ہیں: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ عَلٰى رَجُلٍ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَاُتِيَ بِمَيِّتٍ سَالَ اَعَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا نَعَمْ دِيْنَارَانِ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ هُمَا عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ قَالَ اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُسْلِمٍ مِنْ نَفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ۔

یعنی آپ مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے، ایک میت ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا، اس پر قرض ہے؛ لوگوں نے کہا، دو دینار کا مقروض ہے، آپ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو، ابوقتادہؓ نے اس کا ذمہ اٹھا لیا جب اللہ تعالیٰ نے فراخی دے دی تو آپ نے فرمادیا، میں ہر مسلمان سے خود اس سے بھی زیادہ قریبی ہوں، اگر کوئی مال چھوڑے، وہ ورثہ لیں، اور اگر کوئی قرض چھوڑ کر دے گا، تو وہ میں ادا کروں گا، اسی طرح دار قطنی اور بیہقی میں ابوسعیدؓ سے مروی ہے، قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَلَمَّا وُضِعَتْ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ عَلٰى صَاحِبِكُمْ مِنْ دَيْنٍ قَالُوْا نَعَمْ دِرْهَمَانِ قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُمَا عَلَيَّ وَاَنَا لَهُمَا ضَامِنٌ فَقَامَ فَصَلّٰى ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ فَقَالَ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ خَيْرًا وَفَكَّ رِهَانَكَ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ اَخِيْكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ فَكَّ رِهَانَ اَخِيْهِ اِلَّا فَكَّ اللّٰهُ رِهَانَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هٰذَا لِعَلِيٍّ خَاصَّةً اَمْ لِلْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً فَقَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً۔

یعنی حضرت علیؓ نے قرض ادا کرنے کا وعدہ کر لیا، تو آپ نماز جنازہ پڑھانے پر رضامند ہو گئے، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو نیک جزا دے، اور آپ کو نجات دے جیسے کہ آپ نے اسے نجات دلائی ہے، جو مسلمان اپنے بھائی کا ذمہ اٹھا کر اسے رہائی دلوائے اللہ تعالیٰ اسے نجات دیں گے

کسی نے پوچھا کیا یہ صرف حضرت علیؓ کے لئے وعدہ ہے، فرمایا نہیں، بلکہ تمام مسلمانوں کیلئے ہے

اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ مسند امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی میں جابرؓ سے مروی ہے
قال توفی رجل فغسلناه وحنطناه وكفناه ثم أتينا به النبي صلى الله عليه وسلم فقلنا تصلي
عليه فخطا خطوة ثم قال أعليه دين قلنا ديناران فانصرف فتحملهما أبو قتادة
فقال الديناران علي فقال النبي صلى الله عليه وسلم قد أوفى الله حق الغريم وبرئ
منهما الميت قال نعم فصلى عليه ثم قال بعد ذلك بيوم ما فعل الديناران قال إنما مات بالأمس
قال فعاد الله من الغد فقال قد قضيتهما فقال الآن بردت عليه جلدته۔

یہ احادیث ایسے طرق سے وارد ہیں کہ ان میں سے چند بھی حجت قائم کرنے کو کافی ہیں، لیکن یہ
منسوخ ہیں اور بہت سی احادیث اس نسخ پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً صحیحین وغیرہما میں حضرت ابوہریرہؓ
سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا، من خلف مالا أو حقا فلورثته
ومن خلف كلا أو دينا فكله إلي ودينه علي۔ اگر کوئی شخص مال چھوڑ کر مرے یا حق چھوڑ مرے
تو وہ اس کے وارثوں کا ہے، اور اگر کچھ قرض یا اہل عیال چھوڑ کر مرا تو وہ ہمارے ذمہ ہے، بخاری
وغیرہ میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں ما من مؤمن إلا أنا أولى به في الدنيا والآخرة اقرؤا إن شئتم
النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم فأيما مؤمن مات وترك مالا فليورثه عصبته
من كانوا ومن ترك دينا أو ضياعا فليأتني فأنا مولاه۔

اسی طرح مسند امام احمد اور مسند ابویعلیٰ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے من ترك مالا فلأهله
ومن ترك دينا فعلى الله ورسوله۔ ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے
من حمل من أمتي دينا فجهد في قضائه فمات قبل أن يقضيه فأنا وليه۔
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے اگر کسی نے قرض ادا کرنے کی کوشش
کی لیکن ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو اس کے ہم ولی ہیں، ابن سعد نے حضرت جابرؓ سے یہ
حدیث روایت کی ہے أحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم
وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة ضلالة من مات ترك مالا
فلأهله ومن ترك دينا أو ضياعا فإلي وعلي وأنا أولى بالمؤمنين۔

غرضیکہ اس مفہوم کی بے شمار احادیث ہیں۔ واضح رہے یہ احادیث مذکورہ فی الصدر احادیث (کہ جن میں آپ نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے سے اجتناب فرمایا) بعد کی ہیں چنانچہ بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ جب فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور مال و دولت کی فراوانی ہوئی تو مقروض کا قرض اپنے ذمہ لیتے اور نماز جنازہ پڑھتے۔ مثلاً ابو قتادہؓ کی روایت پہلے ذکر ہو چکی ہے۔ لہٰذا کوئی شبہ نہیں رہنا چاہئے۔ یہ احادیث منسوخ ہیں، جن علماء نے ان کو منسوخ میں شمار نہیں کیا۔ ان پر "استدراک" کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ناسخ منسوخ میں بعض وہ مسائل و احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں اس حدیث کی طرح تصریح موجود نہیں، بلکہ کوئی واضح قرینہ بھی نہیں صرف تقدیم زمانی کا سہارا لے کر منسوخ قرار دے دیا ہے۔ اور بعض جگہ امکان تطبیق کو بھی نظر انداز کر کے منسوخ قرار دیتے ہیں، اور اس حدیث کے متن میں سے نسخ ثابت ہے (اور ابن صلاحؒ کی تصریح کے مطابق یہ نسخ کی واضح ترین اقسام سے ہے مترجم) تو اس سے غفلت کو کیوں برتیں إفادةُ ليفقهاء المنسوخ الناسخ والمنسوخ میں ہم نے ذکر کیا کہ منسوخ آیات پانچ ہیں، اور احادیث منسوخہ کی تعداد ہم نے دس ذکر کی۔ اس وقت ہم سے ذہول ہو گیا، یہ حدیث بھی وہاں شمار کر لینی چاہئے۔

فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ کی علت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ آپ کے بعد کے خلفاء کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقروض کا قرض اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت، حکومت اسلامیہ کے خزانہ عامرہ سے ادا کریں۔ اس لئے کہ یہ حکم محکم غیر منسوخ ہے پھر وہ ان حقوق کو جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھے۔ ان سے اپنے لئے دلیل پکڑتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ظاہر ہے کہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یہ لوگ نہیں کہتے کہ صدقہ وصول کرنا آنحضرت ﷺ سے خاص تھا، بلکہ اسی حق کو خود استعمال کرتے ہیں، پس ان کے لئے ضروری ہے کہ رعایا کی وہ ذمہ داریاں بھی اٹھائیں، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اٹھاتے تھے۔ اسی طرح یہ حدیث کہ اَنَا وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَهٗ اَعْقِلُ عَنْهُ وَاَرِثُهٗ (مسند احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور، بیہقی) یعنی جس کا

کوئی وارث نہ ہوگا میں اس کا وارث ہوں، اور میں ہی اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا۔
کوئی نہیں کہتا کہ میراث لاوارث صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھی۔ طبرانی کی
ایک حدیث میں اس کی تصریح بھی وارد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَرَكَ
دَيْنًا فَعَلَيَّ وَعَلَى الْوُلَاةِ مِنْ بَعْدِي مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِينَ (طبرانی عن سلمان) یعنی
اگر کوئی مسلمان مقروض فوت ہو تو اس کا قرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
بعد خلفاء مسلمین کے ذمہ ہے کہ وہ بیت المال سے ادا کریں۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ
بن سعید الانصاری ضعیف ہے۔ لیکن ابن حبان نے ابوامامہ سے اسی طرح کی حدیث روایت
کی ہے جس سے اسے تقویت ملتی ہے۔ اگر نہ بھی ہو تو اس مسئلہ کی بنیاد اس حدیث پر نہیں
ہے، بلکہ اس پر ہے کہ امراء کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں اگر کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہوا
کہ قرض مقروض سے ساقط ہو کر سلطان کو لاحق ہو گیا۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ مسئلہ کئی شقوں میں منقسم
ہے۔ مقروض کے پاس مال ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کے پاس مال نہیں ہے تو پھر دو صورتیں ہیں کہ
قرض ادا کرنے کی کوشش و شدید خواہش رکھتا ہوگا، یا اس نے اس کے متعلق کوئی اہتمام ہی
نہ کیا ہوگا۔ اب ہر ایک کا حکم سن لیجئے جس کے پاس مال ہے۔ اور وہ قرض ادا کر سکتا ہے۔
ایسا شخص مقروض ہی فوت ہو جائے۔ اور مسلمانوں کی حکومت کے خزانہ میں اتنی سکت ہے
کہ وہ اس قرض کو ادا کر سکے گی۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ خَلَّفَ كَلًّا
أَوْ دَيْنًا فَكَلُّهُ إِلَيَّ وَدَيْنُهُ عَلَيَّ اگرچہ وہ باوجود قدرت کے قرض ادا نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا، اور یہ مسلمہ
ابو الاکوع کی حدیث کے منافی نہیں اس لئے وہ زمانہ عسرت کی بات ہے۔ اور یہ مقروض جس نے مال
ہونے کے باوجود قرض ادا نہیں کیا، گناہ کا مرتکب ہوا، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عنہ اخرجہ
احمد والترمذی وابن ماجۃ وقال الترمذی حسن ورجال اسنادہ ثقات الا عمر بن ابی سلمۃ
یعنی مقروض کی روح قرض کی وجہ سے لٹکتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کا قرض ادا کر دیا جائے، اس
حدیث کے تمام راوی (باستثناء عمرو بن ابی سلمہ) ثقہ ہیں وہ بھی صدوق یخطی ہے، اس لئے

یہ حدیث کم از کم حسن ہوگی، اور اگر کسی کے پاس مال نہیں کہ قرض ادا کر سکے، بلکہ اس کا مال کسی نے غصب کر رکھا ہے، یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوشش کے باوجود ادا نہیں کر سکا، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بلکہ سلطان المسلمین اس کا ذمہ دار ہے، اور اگر ادا نہ کرے تو جواب دہ ہوگا، اسی طرح اگر کسی کے پاس مال تو ہے، لیکن وہ کسی معقول عذر کی وجہ سے ادا نہیں کر سکا، تو وہ بھی اسی شخص کے حکم میں ہوگا، جو مال نہیں رکھتا، چنانچہ طبرانی میں ابوامامہؓ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

مَنْ دَانَ دَيْنًا وَفِي نَفْسِهٖ وَفَاءَهٗ وَمَاتَ تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُ وَاَرْضَى غَرِيْمَهٗ بِمَا شَاءَ وَمَنْ دَانَ دَيْنًا وَلَيْسَ فِي نَفْسِهٖ وَفَاءَهٗ وَمَاتَ اِقْتَضَى اللّٰهُ لِغَرِيْمِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

یعنی جس نے قرض لیا، اور اسے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن فوت ہو گیا، تو اس سے اللہ درگزر فرمائیں گے، اور اسے قرضخواہ کو جس طرح چاہیں گے خوش کر دیں گے، اور اگر کسی کا ارادہ ہی ادا کرنے کا نہ تھا، تو اس کا قرض خواہ کے لیے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن طلب کریں گے اسی طرح ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

اَلدَّيْنُ دَيْنَانِ فَمَنْ مَاتَ وَهُوَ يَنْوِي الْقَضَاءَ فَاَنَا وَلِيُّهٗ وَمَنْ مَاتَ وَلَا يَنْوِي قَضَاءَهٗ فَذَالِكَ الَّذِي يُؤْخَذُ مِنْ حَسَنَاتِهٖ لَيْسَ يَوْمَئِذٍ دِيْنَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ۔

آنحضرت صلعم نے فرمایا مقروض دو طرح کے ہیں، جو فوت ہوا اور اس کا قرض ادا کرنے کا پختہ ارادہ تھا تو میں اس کا ولی ہونگا، لیکن جس کا ارادہ ہی نہ تھا، اس کی نیکیاں لی جائیں گی، کیونکہ اس دن سونا یا چاندی نہ ہوگی، اور حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے مروی ہے يُؤْتٰى بِصَاحِبِ الدَّيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ فِيْمَ اَتْلَفْتَ اَمْوَالَ النَّاسِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ اَتٰى عَلٰى اِمَّا حَرْقٌ وَاِمَّا غَرْقٌ فَيَقُوْلُ فَاِنَا مَا نَقْضِيْهِ عَنْكَ الْيَوْمَ فَيَقْضِيْ عَنْهُ

قیامت کے دن ایک مقروض لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے، تو نے لوگوں کا مال کیسے تلف کر دیئے، تو وہ کہے گا اللہ یا رب تعالیٰ تجھے علم ہے، کہ میرے پاس سے یا تو جل گیا، یا غرق ہو گیا، اللہ تعالیٰ کہیں گے، تیرا قرض ہم ادا کریں گے مسند احمد الحلیہ (ابو نعیم) مستدرک نیز طبرانی میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں يُدْعٰى بِصَاحِبِ الدَّيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُوْقَفَ

يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ فِيْمَ اَخَذْتَ هٰذَا الدَّيْنَ وَفِيْمَ ضَيَّعْتَ حُقُوْقَ النَّاسِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّيْ اَخَذْتُهٗ فَلَمْ اٰكُلْ وَلَمْ اَشْرَبْ وَلَمْ اُضَيِّعْ وَلٰكِنْ اَتٰى عَلٰى يَدَيَّ اِمَّا حَرْقٌ وَاِمَّا سَرَقٌ وَاِمَّا وَضِيْعَةٌ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ صَدَقَ عَبْدِيْ اَنَا اَحَقُّ مَنْ قَضٰى عَنْهُ فَيَدْعُو اللّٰهُ بِشَيْءٍ فَيَضَعُهٗ فِيْ كِفَّةِ مِيْزَانِهٖ فَتَرْجَحُ حَسَنَاتُهٗ عَلٰى سَيِّاٰتِهٖ فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَهَا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ وَمَنْ اَخَذَهَا يُرِيْدُ اِتْلَافَهَا اَتْلَفَهُ اللّٰهُ۔ ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے حضرت میمونہؓ کی حدیث روایت کی ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدَّانُ دَيْنًا يَعْلَمُ اللّٰهُ اَنَّهٗ يُرِيْدُ اَدَاءَهٗ اِلَّا اَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ الغرض اگر کسی نے قرض لیا لیکن کوشش اور خواہش کے باوجود ادا نہ کر سکا، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دینگے، اور وہ گنہگار نہ ہو گا،

تیسری صورت یہ ہے کہ اس کے پاس ادا کرنے کے لئے مال تو نہ تھا لیکن اس نے قرض چکانے کے لئے کما حقہ کوشش بھی نہیں کی، اس صورت میں اس سے قرض ادا کرنے کی کوشش نہ کرنے کا مواخذہ ہوگا، البتہ اصل جواب طلبی سلطان کی ہو گی کہ اس نے تونگری کے باوجود اس کا قرض ادا کیوں نہ کیا؟ اور اگر اس نے وہ مال کی فضول خرچی یا معصیت سے تباہ نہیں کر ڈالا ہے، تو عین ممکن ہے، کہ رب غفور اس سے بازپرس ہی نہ فرمائیں، یا زیادہ سے زیادہ اس سے یہ سوال کر لیا جائے کہ اس نے کوشش کیوں نہ کی لیکن سلطان المسلمین اس معاملہ میں جوابدہ ہو گا، اگر کسی کے پاس صرف اپنے اور اہل و عیال کا ستر ڈھانپنے کے کپڑے اور دو وقت کا کھانا کھانے کی سکت ہی ہے جسے ہم "بے مال" سے تعبیر کر سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی اس کے سوا جائیداد ساز و سامان یا مکانات کا مالک ہے، اور سمجھتا ہے کہ صرف دل میں خواہش اور نیت کر کے اس حدیث کے مطابق نجات حاصل کر لیگا، تو یہ سخت غلطی ہیں ہے خود فریبی میں مبتلا ہے،

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ تم اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھ لو تخفیف پر نہیں بلکہ تہدید پر محمول ہے النعمان بن بشیرؓ کے قصہ میں لَا اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ بھی اسی پر محمول ہے، ممکن ہے کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی نماز جنازہ پڑھانے

سے اجتناب فرمایا اس کی بجائے قرض خواہ سے سفارش کر کے قرض معاف کرا دیتے، ایسا کرنا مناسب نہ ہوتا، کیونکہ آپ حلال و حرام کی تمیز سمجھانے کے لئے مبعوث ہوئے، اگر آپ ایسی سفارشیں شروع کر دیتے، تو بعض لوگوں کے دلوں سے حقوق عباد کی عظمت ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا پھر بعض لوگ تو بخوشی اپنے حق سے دست بردار ہو جاتے۔ لیکن ممکن ہے بعض لوگ بطیب خاطر معاف نہ کرتے گو بظاہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق معاف کر دیتے، چنانچہ صحیح بخاری میں بریرہؓ کا قصہ منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خاوند کی طرف رجوع کی ترغیب دلائی تو اس نے کہا آپ حکم دیتے ہیں! آپ نے فرمایا نہیں صرف سفارش کرتا ہوں، وہ اس پر رضامند نہ ہوئی، اسی طرح بنو ہوازن نے جب اپنے اموال و عورتوں کی واپسی کی درخواست کی آپ نے فرمایا۔ تم آئے نہیں اب تو ایک ہی چیز مل سکتی ہے، انہوں نے عورتوں اور بچوں کی واپسی چاہی آپ نے صحابہؓ کی رضامندی سے انہیں واگزار کیا، اور صرف بظاہر طیب نفس پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ عرفاء کو مقرر کیا کہ وہ خوشوں کو ناخوش سے الگ کریں۔ استیفاء بھی حدیث سے ثابت ہے،

الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی مصلحت و خیر خواہی کے لئے حقوق غیر ثابتہ میں سفارش کر دیا کرتے تھے، مثلاً کسی جگہ میاں بیوی کا تنازعہ ہو یا مسلمانوں کا آپس میں شیرازہ مجتمع رکھنے کے مسئلہ میں لہٰذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ دوسرں کو قرض ادا کرنے کا حکم کرنے کی بجائے قرض خواہ کو معاف کرنیکے لئے کیوں نہیں کہا، البتہ بعض اوقات مصالحت کرانے کے لئے ایسا بھی کرتے مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ دو آدمی کو مسجد میں جھگڑ پڑے آپ نے قرض خواہ کو نصف معاف کرنے کو کہا اور مقروض کو جلدی ادا کرنے کا حکم دیا۔

یہ بھی واضح ہونا چاہیئے کہ حدیث سلمہ بن اکوعؓ اس مقروض سے خاص ہے جو قرض ادا کرنے کے لئے ترکہ نہ چھوڑے، ورنہ اس کا قرضہ اس کے ترکہ سے ادا کر دیا جاتا، اس کے بعد اس امتناع کو منسوخ کر دیا گیا، اب کسی حالت میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے اجتناب کا جواز باقی نہیں، بلکہ سلطان ادا کرنے کا ذمہ دار ہے، اگر ترکہ سے قرض ادا کرنا ممکن ہے، اور سلطان کے پاس اسقدر مال نہیں یا وہ عامل بشریعت نہیں تو اس سے قرض ختم نہ ہوگا، بلکہ میت کے ورثاء ادا کریں، کیونکہ ان کا حق بعد میں

کہ ارشادِ خداوندی ہے، مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِي بِهَآ اَوْ دَيْنٍ بادشاہ کی اس معاملہ میں
ثانی ورثہ کے لئے دلیل نہیں ہے، ورنہ لوگوں کے مال ضائع ہوں گے، خاص طور پر اس زمانہ
کہ اموالِ خدا (مسلمانوں کے خزانہ) میں اس حد میں کوئی رقم باقی نہیں ہے۔ نیز یہ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ
يُّوْصِي بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ارشادِ خداوندی کے خلاف ہے، وارث کو اس وقت تک کوئی حق نہیں
میراث پائے جب تک قرضہ ادا نہ کرے، الحاصل یہ کہ قرض کی جوابدہی سلطان سے ہوگی یا مدیون سے،
اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص لوگوں کا مال زبردستی چھین کر کھائے اس کی نماز جنازہ کے متعلق
حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مقروض کی نماز جنازہ سے امتناع منسوخ نہ ہوتا تو اس ظالم
نماز جنازہ بالاولی مستحق اجتناب وامتناع ہوتی لیکن اب وہ حکم منسوخ ہوچکا ہے، اب اس امتناع
کوئی وجہ نہیں ہے، اسی طرح دیگر گنہگاروں کا حال ہے کہ ان پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، البتہ
بعض چار قسم کے مقلدین یہ کہتے ہیں کہ فاسق کی نماز جنازہ نہیں ہوتی، اور اس کی کوئی دلیل نہیں ہے،
آنحضرتؐ نے مقروض کی نماز جنازہ سے اجتناب فرمایا لیکن اس سے استدلال درست نہیں
اس لئے کہ اولاً یہ منسوخ ہے، ثانیاً منسوخ نہ بھی تو آپؐ کا فرمان صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ صاف
دلالت کرتا ہے کہ آپؐ نماز نہ پڑھانے تو کوئی قائم مقام پڑھاتا، اس لئے کہ باقی مسلمانوں کی
پر اس کی نماز جنازہ واجب ہے، بلکہ یہ گناہ گار تو دعائے مغفرت کے زیادہ محتاج ہیں، شوکانی
کہتے ہیں، اگرچہ مسلمانوں میں عملی طور پر تفاوت ہے، لیکن اسلام کا کلمہ اور ایمان ان سب کو
شامل ہے، اس لئے سب کا حکم ایک ہی ہوگا وَحِسَابُ الْعَاصِيْ عَلَى اللّٰهِ عزوجل گنہگاروں
کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے، اور چاہے تو شفاعۃ الشافعین قبول
کرے، اور اگر چاہے تو انہیں سزا دے، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ
مسلمانوں کو صرف کافر یا منافق کی نماز جنازہ سے روکا گیا ہے، كَمَا ذٰلِكَ مَعْلُوْمٌ وَلَا يَخْفٰى،

وفی ہذا المقدار کفایۃ لمن لہ ہدایۃ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

مترجمان الفارسیۃ

بندہ عبد الرشید اظہر

الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۸۹ تا ص ۳۹۶

سوال :۔ جنازہ اٹھاتے وقت باری باری باآواز بلند کلمہ شہادت پڑھنا جائز ہے؟ اس ذکر کا کوئی ثبوت ہے؟ جو کہ بعض شہروں میں رواج پذیر ہے؟

جواب :۔ مذکورہ صورت میں کلمہ پڑھنے کا قرون اولیٰ بلکہ زمانہ اسلاف میں بھی ذکر نہیں ملتا شوکانی فرماتے ہیں اس میں کچھ حرج نہیں کیونکہ یہ کلمہ مستحب اذکار میں سے ہے۔ اور اس میں کسی جگہ وقت کی قید نہیں ہے صرف بلند آواز سے پڑھنا موجب کراہت نہیں گو اس کا ترک اولیٰ ہے متاخرین میں سے کسی نے اس کے جواز پر مستقل رسالہ رکھا ہے، بعض اوقات اس طرح باواز بلند پڑھنے کا ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ موت کو یاد کرتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے کہ موت کو زیادہ یاد کرو۔ مزید براں اس سے جنازہ اٹھانے والے محفوظ ہوں گے، جنازہ اٹھانا بلاشبہ موجب اجر عظیم اور سنت ثابتہ ہے، لیکن اہل حرمین شریفین کا شعار اس سلسلے میں بہتر ہے وہ جنازہ اٹھاتے وقت کہتے ہیں کَانَ مِنْ اَھْلِ الْخَیْرِ اگرچہ اس طرح کہنے کا ذکر بھی قرون اولیٰ میں نہیں، تاہم اس میں میت کا نیکی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور حدیث ہے مَنْ شَہِدَ لَہٗ اَرْبَعَۃٌ اَوْ ثَلٰثَۃٌ اَوْ اِثْنَانِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

یعنی جس کی نیکی کی گواہی چار یا تین یا دو آدمیوں نے بھی دے دی، وہ جنت میں داخل ہو گیا اس طرح کی اور بھی بہت احادیث ہیں، اسی طرح حدیث ہیں کہ جس کی نماز جنازہ تین صفوں نے یا چالیس آدمیوں نے پڑھی، وہ بھی اس کی بخشش کے اسباب میں سے ہو سکتی ہیں، معلوم یہی ہوتا ہے کہ اس طرح کرنا جائز ہے، میت کو اس سے فائدہ پہنچنا ممکن ہے،

اقرب الی الصواب اور اولیٰ یہی ہے کہ تجہیز و تکفین و تشییع و تدفین اسی طریقہ پر کی جائے کہ جو قرون اولیٰ اور اسلاف سے ثابت ہے، احادیث صحیحہ و سنن ثابتہ پر نہ کمی کی جائے نہ زیادتی، وَالْمُھْدِیُّ مَنْ ھَدَاہُ اللہُ واللہ اعلم بالصواب، الدلیل الطالب علی ارجح المطالب ص۔۔۔ تا۔۔۔

سوال :۔ مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندہ کا زنا کا پیشہ ہے چنانچہ مرنے تک بھی پیشہ رہا، آخر بیماری میں اس نے توبہ کی آیا یہ توبہ اس کی قبول ہے یا نہ اور اس کا

ہ جائز ہے یا نہ ایک عالم نے اس کے جنازہ سے منع کیا، دوسرے عالم نے اس
پر کفر کا فتویٰ لگایا کیا یہ فتویٰ لگانے والا اپنے فتویٰ میں صواب پر ہے یا خطا پر، بینوا توجروا۔
ب:۔ بندہ نے اگر نزع سے پہلے توبہ کی ہے، تو اس کی توبہ منظور ہے، اور اگر عین حالت
میں توبہ کی ہے تو یہ توبہ قبول نہیں کما قال اللہ تعالیٰ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ
ئات حَتّٰی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ الآیۃ۔ وَفِی
لین لِاَنَّ حَالَ مُشَاھَدَۃِ مَلَکِ الْمَوْتِ وَالْعَذَابِ فَھِیَ حَالَۃُ اِضْطِرَارٍ لَا اِخْتِیَارٍ
شْھُوْرُ اِنَّ تَوْبَۃَ الْیَاسِ مَقْبُوْلَۃٌ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ اِیْمَانُہٗ مَقْبُوْلًا کَذَا فِی
لَاصَۃِ وَغَیْرِھَا لٰکِنْ وَقَعَ فِیْ جَامِعِ الْمُضْمَرَاتِ خِلَافُہٗ وَھُوَ الصَّحِیْحُ
ارِدُ فِیْ اَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ انتہی۔
جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور ان لوگوں کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں برے کام جب
سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب اور ان کو جو مرتے ہیں کفر میں
کے واسطے ہم نے تیار کی دکھ کی مار، اور کمالین میں ہے، اس واسطے کہ یہ حال ملک الموت
ذاب کے حاضر ہونے کا وقت ہے، اور یہ حالت اضطراری ہے نہ اختیاری مشہور ہے کہ
کی توبہ مقبول ہے اگرچہ اس کا ایمان قبول نہیں، اور خلاصہ وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے لیکن
ع المضمرات میں اس کا خلاف ہے، اور وہی صحیح ہے، احادیث بھی اسی پر دال ہیں انتہی،
وَفِی الْاِکْلِیْلِ تَحْتَ ھَاتَیْنِ الْاٰیَتَیْنِ فِیْہِ بَیَانُ الْوَقْتِ الَّذِیْ تُقْبَلُ فِیْہِ
بَۃُ وَھُوَ مَا لَمْ یَصِلِ الْاِنْسَانُ اِلَی الْغَرْغَرَۃِ وَمُشَاھَدَۃِ مَلَکِ الْمَوْتِ وَالْعَذَابِ
وَقَبْلَ ذٰلِکَ لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ تَوْبَۃٌ وَلَا یَصِحُّ مِنْہُ اِیْمَانٌ۔
اور اکلیل میں ان دونوں آیتوں کے نیچے لکھا ہے کہ ان میں اس وقت کا بیان ہے کہ
میں (اگر توبہ کرے) توبہ قبول ہو جاتی ہے، اور وہ وقت غرغرہ کی حالت سے اور ملک الموت اور
ب کے حاضر ہونے سے پہلے ہے، اور جس وقت انسان ان حالتوں کو پہنچ جاوے، تو اس
کی نہ توبہ مقبول ہے اور نہ ایمان صحیح ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ
قَوْلِہٖ تَعَالٰی ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ قَالَ الْقَرِیْبُ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی

مَلَكُ الْمَوْتِ وَعَنِ الْحَسَنِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ [1]۔

اور جو لوگ اس طرح علانیہ فسق و فجور میں مبتلا ہوں، اور ارتکاب کبائر ایسے ازدادہ بلا ک... ہوں، ان کا جنازہ امام اور مقتدا اگر زجراً و توبیخاً نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ از رو... فتویٰ ان پہ نماز پڑھنی جائز ہے، چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غرض سے ک... ایک مدیونوں پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور عام لوگوں کو رخصت دی، یا منع نہ کیا جیسا کہ ذیل کی احا... سے ظاہر ہے، اَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ [2] عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم اُتِيَ بِرَجُلٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَاِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا الحدیث حاشیہ میں ... قَالَ الطِّيْبِيُّ لَعَلَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْتَنَعَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَدْيُوْنِ الَّذِيْ لَمْ يَدَعْ وَفَاءً تَحْذِيْرًا عَنِ الدَّيْنِ وَزَجْرًا عَنِ الْمُمَاطَلَةِ وَالتَّقْصِيْرِ فِي الْاَدَاءِ واخرج ايضًا عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عليه النبي صلى الله عليه و... وَاَخْرَجَ اَبُوْدَاؤدَ عَنْ اَبِيْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم لَمْ ... عَلٰى مَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ وَلَمْ يَنْهَ عَنِ الصَّلٰوةِ عَلَيْهِ۔

دلائل مذکورۃ الصدر سے واضح ہو گیا کہ عمرو اپنے دونوں قولوں میں حق پر ہے، اس...

[1] ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے اس قول باری تعالیٰ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ کی تفسیر نقل کی ہے کہ قریب سے مراد وہ وقت ہے جو درمیان اس کے اور درمیان حاضر ہونے ملک ال... کے ہے، اور اس کی تفسیر میں حسن سے منقول ہے کہ جب تک حالت غرغرہ نہ لاحق ہو اور احمد... ترمذی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ حالت غرغرہ کے لاحق ہونے سے پہلے پہلے اللہ... بندہ کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۱۲۔

[2] ترمذی نے ابی قتادہؓ سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا... آپ اس پر نماز جنازہ پڑھیں، آپ نے فرمایا، کہ تم ہی اپنے صاحب پر نماز پڑھ لو، کیونکہ اس کے... قرض ہے، طیبی نے کہا، کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قرضدار پر جس نے قرض کے ادا کر...

تکفیر کا حکم لگایا، اس کی امامت کو ناجائز کہنا محض بے دلیل اور بے اصل ہے اور زید کا قول عمرو کے حق میں صریح ظلم اور تعدی ہے۔ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔

فتاوی غزنویہ صفحہ ۱۰۶

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین کہ خودکشی کرکے مرجانے والے شخص کا جنازہ ازروئے شریعت پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب:- خودکشی کرنے والے کے جنازہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے، اور ایسے شخص پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی چنانچہ صحیح مسلم میں ہے عن جابر بن سمرۃ قال أتي النبي برجل قتل نفسه بمشاقص فلم يصل عليه یعنی آنحضرت کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے جسم میں تیر مار کر خودکشی کرلی تھی، آپؐ نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، اس کے برعکس امام حسن بصریؒ، امام نخعیؒ، امام قتادہؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھنی چاہیے، اور اس کو جنازہ کے بغیر دفن نہیں کرنا چاہیے، ان علماء کے نزدیک خودکشی کرنے والے پر آنحضرت کا جنازہ نہ پڑھنا، زجراً وتنبیہ پر محمول ہے تاکہ لوگ اس قسم کے فعل کا ارتکاب نہ کریں ورنہ صحابہ نے اس کا جنازہ پڑھا تھا۔ (نووی شرح مسلم) امام شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں۔ أجابوا عن حديث جابر بأن النبي إنما لم يصل عليه بنفسه زجراً للناس وصلت عليه الصحابة ويؤيده

لیے کچھ نہ چھوڑا ہو، اس واسطے نماز نہیں پڑھی، تاکہ لوگوں کو قرض کے جلدی نہ ادا کرنے میں تنبیہ۔ اور زیر ترمذی نے جابر بن سمرہ سے بھی روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے خودکشی کی، (یعنی آپ کو مار ڈالا) تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز نہیں پڑھی، اور ابو داؤد نے ابی برزہ اسلمی سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ماعز بن مالک پہ نماز پڑھی، اور نہ نماز پڑھنے سے منع کیا۔ ۱۲۔

مَا عِنْدَ النَّسَائِی بِلَفْظِ اَمَّا اَنَا فَلَا اُصَلِّی عَلَیْہِ (ج۲ ص۱) یعنی علماء نے جابر کی مذکورہ بالا حدیث کا جواب یہ دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زجر و توبیخ کے لئے اس کا جنازہ نہیں پڑھا اور نہ صحابہؓ نے جنازہ پڑھ کر اس کو دفن کیا تھا چنانچہ نسائی شریف کے ان الفاظ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، آپ نے فرمایا میں اس کا جنازہ نہیں پڑھوں گا۔

صاحب سبل السلام لکھتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کو اس کا جنازہ پڑھنے سے منع نہیں فرمایا عام احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی کرنیوالے اور اسی قسم کے دیگر فساق فجور کا جنازہ پڑھنا چاہئے اور بغیر جنازہ کے دفن نہیں کرنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا کَانَ اَوْ فَاجِرًا وَاِنْ عَمِلَ الْکَبَائِرَ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان نیک یا بد پر نماز جنازہ واجب ہے، خواہ وہ زندگی میں کبیرہ گناہوں کا ہی ارتکاب کرتا رہا ہو (مشکوٰۃ) عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے صَلُّوْا عَلٰی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (رواہ الدارقطنی یعنی ہر مسلمان کا جنازہ پڑھو) وانظر التفصیل فی النیل باب امامۃ الفاسق من ابواب الصلوٰۃ مشکوٰۃ شریف ہاں تنبیہ اور عبرت کے لئے، اہل علم اور مقتدا حضرات نماز جنازہ نہ پڑھائیں، عام لوگ پڑھ لیں، بغیر جنازہ کے دفن نہ کریں اور یہی مسلک صحیح ہے۔

حافظ محمد اسحاق صاحب صدر مدرس تقویۃ الاسلام

(الاعتصام، جلد ۱۹ شمارہ ۱۰)

سوال:۔ ایک شخص اپنی برادری سے ناراض ہے وہ ان کے جنازوں میں بھی شریک نہیں ہوتا اس شخص کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:۔ ناراضگی کی وجہ اگر دنیاداری ہے تو اسے کلیتہً ختم کرکے برادری سے میل ملاپ کرنا چاہئے، یہ بہت بڑا ایثار ہے اگر ناراضگی خالصۃً اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تحت ہے مثلاً متوفی بے نماز یا تارک فرائض ہے تو جنازہ نہ پڑھنے والا عنداللہ مجرم نہ ہوگا۔

(اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ مارچ یکم اپریل ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ بھوک ہڑتال سے مرنے والے کی موت کیا خودکشی نہیں کہلائے گی شرعی حکم کیا ہے، بینوا توجروا۔

جواب:۔ بھوک ہڑتال صحیح نہیں، اس کی موت خودکشی میں داخل ہے،

مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث

(الاعتصام جلد نمبر ۱۸ ش ۲۳)

سوال:۔ کیا شیعہ حضرات کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب:۔ جب ان کا طریق نماز ہی جدا ہے تو آپ کی نماز ان کے پیچھے کیونکر ہوگی۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی گوجرانوالہ المتوفی ۱۳۷۹ھ

(اہل حدیث سوہدرہ۔ جلد ۴ شمارہ ۱۲)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چار جنازہ جمع ہو گئے من جملہ ان کے ایک جنازہ نابالغ لڑکے کا ہے، اور ایک جنازہ نابالغہ لڑکی کا ہے، اور ایک جنازہ بالغ مرد کا ہے، اور ایک جنازہ بالغہ عورت کا ہے۔ تو کیا چاروں جنازے ایک ساتھ ہی جماعت سے پڑھے جاوینگے، اور نیت کس طرح کی جائے گی، بینوا توجروا۔

جواب:۔ بہتر ہے کہ ہر جنازہ کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھی جائے، لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی ساتھ سب کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے، اور اس صورت میں چاہیئے کہ چاروں جنازے قبلہ کی طرف آگے پیچھے ایک کے بعد دوسرا رکھا جائے، اور اس ترکیب سے رکھنا چاہیئے کہ امام کے سامنے اس کے نزدیک پہلے بالغ مرد کا جنازہ رکھا جاوے، پھر اس کے بعد نابالغہ لڑکی کا جنازہ رکھا جائے، اور سب کی نیت کرنی چاہیئے، اور ایک ہی دعا کافی ہے، ایسا ہی درمختار اور حاشیہ طحاوی میں ہے، واللہ اعلم،

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ المتوفی ۱۲۳۹ھ

(فتاویٰ عزیزی جلد ۲ شمارہ ۱۲)

جنازہ حضور کتب شیعہ سے ثبوت

(مولانا عبد المجید سوہدری گوجرانوالہ رحمۃ اللہ، المتوفی ۱۳۷۸ھ)

سوال:۔ یہاں بعض شیعہ بھائی اس امر کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اصحاب ثلاثہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نہیں پڑھا، نہ ہی اس کا ثبوت کسی کتاب سے ملتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ منافق تھے۔ از راہ کرم اس کا ضرور جواب دیجئے اور مدلل جواب دیجئے، ورنہ سارے علاقہ پر اس کا بہت بڑا اثر پڑیگا۔ عبدالحق ضلع جھنگ

جواب:۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ سوال بالکل بے قاعدہ ہے۔ اصل اس مسئلہ میں شیعہ مدعی ہیں، بار ثبوت ان پر ہے۔ کیونکہ وہ اسی بات کے قائل ہیں جو ظاہر حال کے خلاف ہے حضرات خلفا کا جنازہ پڑھنا تو ایک معمولی بات ہے ایسی معمولی باتوں کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ نہ پڑھنا ایک غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے لئے یقیناً بہت زبردست ثبوت کی حاجت ہے لہذا شیعوں کا فرض تھا کہ وہ روایات میں صریح تصریح اس بات کی دکھاتے کہ ان تینوں نے جنازہ نہیں پڑھا۔ بلکہ اتنے بڑے اہم معاملہ کیلئے ایک دو روایاۃ بھی کافی نہیں ہو سکتیں جو واقعہ ایسی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہو اس کے ثبوت کیلئے جم غفیر کی شہادت ہونی چاہئے مگر شیعوں نے اب تک نہ کوئی روایت پیش کی نہ اب کر سکتے ہیں۔ اور الٹا ثبوت ہم سے مانگتے ہیں۔ یہ سوال ابھی چند روز سے اُٹھایا گیا ہے۔ اگر اس کی کچھ اصلیت ہوتی تو ان کے متقدمین مطاعن اصحاب ثلاثہ میں سب سے پہلی اسی کو پیش کرتے، بہر حال ہم شیعوں کی معتبر کتب سے اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

(۱) اصول کافی میں جو اقدم اصول اربعہ ہے۔ اور سب سے زیادہ معتبر ہے صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ نولکشور میں ہے۔ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ أَتَى الْعَبَّاسُ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ اِجْتَمَعُوْا أَنْ يَدْفِنُوْا رَسُوْلَ اللهِ فِي بَقِيْعِ الْمُصَلّٰى وَأَنْ يَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَخَرَجَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلَى النَّاسِ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِمَامٌ حَيًّا وَمَيِّتًا وَقَالَ إِنِّيْ أُدْفَنُ

فِي الْبُقْعَةِ الَّتِي قُبِضَ فِيهَا ثُمَّ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ أَمَرَ النَّاسَ عَشَرَةً عَشَرَةً يُصَلُّونَ عَلَيْهِ ثُمَّ يَخْرُجُونَ۔

(۲) پھر اسی صفحہ میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں، عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَالْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ فَوْجًا فَوْجًا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرواز کر گئی تو آپ پر ملائکہ، مہاجرین، اور انصار نے فوج در فوج ہو کر نماز پڑھی۔

(۳) احتجاج طبرسی کہ وہ بھی شیعہ کی معتبر کتاب ہے، اور اس کے مصنف شیخ احمد بن ابی طالب طبرسی نے دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ نہایت صحیح روایات اس کتاب میں ہیں، یہ روایت موجود ہے اور اس روایت کے آخر میں یہ جملہ ہے حَتَّى لَمْ يَبْقَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ أَحَدٌ إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ۔

یعنی مہاجرین اور انصار میں سے کوئی باقی نہ رہا جس نے جنازہ نہ پڑھ لیا ہو۔

(۴) حیات القلوب شیعہ حضرات کی ایک نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے جس کی تعریف میں وہ خود رطب اللسان رہتے ہیں، اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی کیفیت بایں الفاظ قلمبند کی گئی ہے بسند حسن حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ اند کہ عباس بخدمت حضرت امیرالمومنین آمد وگفت کہ مردم اتفاق کردہ اند کہ حضرت رسولؐ را در بقیع دفن کنند وابوبکر پیش بایستد وبر آنحضرت نماز جنازہ کند چوں حضرت امیرالمومنین دانست کہ آں منافقان ارادہ فساد دارند از خانہ بیروں آمد وفرمود کہ یا ایہا الناس بدرستیکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم امام پیشوائے ماست در حیات وبعد از وفات خود فرمود کہ من دفن میشوم در بقعہ کہ آنجا قبض روح من میشود وچوں ایشاں در غصب خلافت مطلب خود را بعمل آوردہ بودند، در یں باب با آنحضرت مضائقہ نکردند وگفتند آنچہ میدانی بکن پس حضرت در پیش در ایستاد وخود برادو نماز کرد، وبعد ازاں صحابہ را فرمود کہ دہ نفر دہ نفر داخل میشدند وایشاں بر دور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مے ایستادند وحضرت امیرالمومنین درمیان ایشاں مے ایستاد وایں آیت را مے خواند، إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا پس ایشاں ایں آیت را مے خواندند وصلوات مے فرستادند و شیخ طبرسی

از حضرت امام باقرؒ روایت کردہ است کہ دہ نفر دہ نفر داخل مے شدند و چنین بر آنحضرت نماز میکردند بے امام در روز دو شنبہ تا شام آنکہ خرد و بزرگ و مرد و زن از اہل مدینہ و اہل اطراف مدینہ ہمہ بر آنجناب چنیں نماز کردند، و کلینی بسند معتبر از امام محمد باقرؒ روایت کردہ است کہ چوں حضرت رسالت مآب رحلت فرمود نماز کردند برا و جمیع ملائکہ و مہاجرین و انصار فوج فوج۔

(حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۶۶ ۔ اور دوسرے مقام پر اسی واقعہ کو بایں الفاظ قلمبند کیا گیا ہے۔

پس دہ نفر دہ نفر مہاجراں و انصار را داخل حجرہ میکردانند، و ایشاں بر آنحضرتؐ ہماں بود کہ در اول واقعہ شد۔

(حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۶۷۰ ۔ اب غالباً اہل سنت کی روایت کو نقل کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی، ہماری روایات میں جس واقعہ کو شیعوں نے "اصول کافی" میں حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ سب حضرت صدیق اکبر سے مروی، یعنی حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ اور دفن کفن کا سارا کام اور انتظام حضرت ابو بکر صدیقؓ ہی نے کیا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۵) (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۶ شمارہ ۲۷)

سوال :۔ ایک شیعہ عالم فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کا جنازہ صرف نو آدمیوں نے پڑھا تھا، یہ کہاں تک صحیح ہے۔

جواب :۔ شیعوں کے مشہور قبلہ و کعبہ جناب سید ذاکر حسین جعفر لکھنوی نے بقول ان کے پچاس سے زیادہ مستند عربی، فارسی، انگریزی اور اردو تاریخوں کو پیش نظر رکھ کر اپنی کتاب "تاریخ اسلامی" تصنیف کی ہے۔ وہ جلد اول صفحہ ۲۰۱ پر حضورؐ کے انتقال کے متعلق لکھتے ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول، یوم دو شنبہ (سوموار) کو بوقت دوپہر انتقال فرمایا، دوسرے دن منگل کا دن گذر کر شب چہار شنبہ آدھی رات کو جس حجرہ میں وفات پائی تھی، وہیں دفن ہوئے۔ دفن میں تاخیر نماز (جنازہ) کی وجہ سے ہوئی کیونکہ جوق در جوق لوگ دس دس کی تعداد سے حجرہ میں جاکر نماز پڑھتے تھے۔ یہی کچھ شیعہ امام طبری جلد اول صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن لکھتا ہے کہ آپ پر کسی دوسرے

تک نماز پڑھی گئی لوگ آتے تھے، اور علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے تھے آپ شب چہار شنبہ میں کچھ رات گذرنے پر دفن کیئے گئے، آپ کے نیچے آپ کے چار جامہ کا ایک ٹکڑا ڈالدیا گیا، آپ کی قبر ہموار بنائی گئی، کوہان شتر کی طرح نہیں بنائی گئی، اب جوق در جوق دس دس جانے والوں کا حساب کم ازکم ۲۴ گھنٹہ میں زیادہ سے زیادہ ۲ منٹ فی باری لگایا جائے، تو جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد سات ہزار دو سو چھبیس ہے، آپ سات کی بجائے چھ، پانچ حد چار ہزار کر لیویں، نہ کہ صرف نو آدمیوں نے جنازہ کی نماز پڑھی معلوم ہوتا ہے سید ذاکر حسین کے پچاس مؤرخ اور طبری سب سے چھوٹے تھے، اصل بات رام چندر نے کرشن کو بدھ کو اور بدھ نے اپنے گرو کے ذریعہ کسی افسانہ نویس کے کان ڈال دی، اور چپکے سے سائل کو کہہ دی،

(اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ اشمارہ ۱۸)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ

(۱) جنازہ کی نماز میں میت کے لیئے دعا اَللّٰھُمَّ ان فلان بن فلان فی ذمتك وحبل جوارك الخ فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد والدہ کا نام لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جنازہ کی نماز جہر سے پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں:

(۳) اگر کسی نے جہر سے جنازہ پڑھا اور اس کے پیچھے مقتدین امام صاحب بھی شریک ہوں آیا حنفیوں کی جہر پڑھنے والے کے پیچھے نماز جنازہ ہوگی یا نہیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ (۱) جب دعا مذکور پڑھی جائے، تو فلاں بن فلاں کی جگہ میت اور اس کے والد کا نام لیا جائے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں جہر نہیں ہے تاہم اگر امام نے جہر کیا، تو حنفیوں کا کوئی حرج نہیں۔

(۳) حنفی مسلک بھی اس امام کے پیچھے نماز میں شریک ہو سکتے ہیں، اور ان کی نماز جائز ہے،

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ مدرسہ امینیہ دہلی

(الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۲۵)

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ

(شیخ الحدیث مولانا عبدالجلیل سامرودی)

سوال :۔ (۱) جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا شرعاً درست ہے یا مکروہ غیر جائز۔

(۲) جنازہ سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی سورۃ کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) جنازہ کی نماز زور سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب :۔ الحمد للہ رب العلمین العاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی محمد الہ وصحبہ اجمعین

(۱) سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا مسنون[1] ہے۔ احادیث مرفوعہ، وموقوفہ وآثار صحابہ سے ثابت ہے۔ فاضل علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ امام الکلام صفحہ ۲۲۲ میں فرماتے ہیں، اعلم انہ قد وردت احادیث مرفوعۃ وآثار موقوفۃ دالۃ علی شرعیۃ قرآۃ الفاتحۃ بعد التکبیرۃ الاولی من صلوۃ الجنازۃ ووردت بعض الآثار بترکھا واختلف الصحابۃ فی فعلھا وترکھا وتبع ذلک اختلاف الائمۃ فی ذلک المرجح ذلک ھو القرآۃ علی وجہ الاستحباب والسنۃ لثبوت ذلک بالاخبار المواردۃ وھی وان کان بعضھا ضعیفۃ لکن ضم بعضھا الی بعض یعطی الوثاقۃ والقول بالکراھۃ مطلقاً۔ اوبالکراھۃ نیۃ القران لابنیۃ الثناء لایدل علیہ دلیل باحد وجوہ الدلالۃ۔

اچھی طرح معلوم کرلو کہ جنازہ کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کی مشروعیت میں مرفوع حدیثیں اور آثار موقوفہ دلالت کنندہ وارد ہیں، بعض آثار صحابہ سے اس کا نہ پڑھنا بھی آیا ہے، صحابہؓ نے اس کے پڑھنے و نہ پڑھنے میں اختلاف کیا ہے، انہی اختلاف کی بنا پر ائمہ کا بھی اختلاف ہوا ہے، ترجیح پڑھنے ہی کو ہے، خواہ استحباب کی بنا پر خواہ مسنونیت کی بنا پر، حدیثوں کے ثابت ہونے کی وجہ سے اس امر میں گو بعض میں ضعف ہے، مگر ایک دوسرے سے مل کر قوت ہو جاتی ہے، رہا مکروہ مطلق کہنا قرآن کی نیت سے پڑھنے کو مکروہ کہنا، سو اس پر کوئی دلیل پائی نہیں

[1] سوال کے مطابق جواب دیا گیا ہے، ورنہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے، بحدیث عبادہ مرفوعاً

منافی ولالت کی کسی بھی وجوہات سے۔ التعلیق المجید حاشیہ موطا امام محمد صفحہ ۱۶۵ میں ہے نفس القرأة ثابت فلا سبیل الی الحکم بالکراھة بل غایة الامران لا یکون لازماً۔

نفس قرأة سورہ فاتحہ تو ثابت ہے، لہٰذا اسے مکروہ کہنے کا کوئی راستہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ لازم فرض نہ ہو۔ پس حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجة اللہ البالغہ، کے صفحہ ۲۰ جلد ۲ میں فرماتے ہیں۔ ومن السنة قرأة فاتحة الکتاب لانھا خیر الادعیة واجمعھا علمہا اللہ تعالیٰ عبادہ فی محکم کتابہ۔

سورہ فاتحہ جنازہ نماز میں پڑھنا مسنون ہے کیونکہ یہ دعاؤں میں بہتر اور جامع دعا ہے۔ اللہ میاں نے اپنے بندوں کو اپنی محکم کتاب میں تعلیم فرمائی ہے، علامہ سندی حنفی حواشی صحاح میں، اور قاضل حسن شرن بلالی فرماتے ہیں ولا وجہ للمنع عنہا۔ کوئی وجہ اس کے پڑھنے سے منع کی نہیں، علامہ ترکمانی حنفی الجواہر النقی علی سنن البیہقی کے صفحہ ۳۹ جلد ۴ میں فرماتے ہیں، مذھب الحنفیة ان القرأة لاتجب فی صلوٰة الجنازة لاتجب ولا تکرہ ذکرہ القدوری فی تجدیدہ

حنفیہ کا تو مذہب یہ ہے کہ پڑھنا جنازہ کی نماز میں نہ ہی واجب ہے، اور نہ ہی مکروہ جب حنفیہ کے نزدیک واجب بھی نہیں اور مکروہ بھی نہیں، تو پھر اس کا پڑھنا مسنون یا مستحب اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ حنفیہ کا اصل مذہب نہیں یہ پچھلے لوگوں کا مذہب ہے جو اس کو مکروہ کہہ دیا، اور پھر مکروہ کو مکروہ تحریمی سے بیان کیا، حالانکہ کسی معتمد فقیہ نے مطلق قرأة کو نماز میں مکروہ تحریمی نہیں فرمایا، ہاں اس تفصیل سے تو ضرور لوگوں نے مکروہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ دعا کی نیت سے جائز ہے اور قرأة کرنے کی نیت سے مکروہ، دیکھو درمختار عند نا تجوز بنیة الدعاء (کبیری شرح منیة المصلی ص ۵۴۶ ولو قرأ الفاتحة بنیة الثناء والدعاء جائز بحر الرائق میں محیط اور تجنیس صاحب ہدایہ سے ہے، ولو قرأ الفاتحة فیہا بنیة الدعاء لا باس فی الاشباہ قالوا ان المأموم اذا قرأ الفاتحة فی صلوٰة الجنازة بنیة الذکر لا یحرم علیہ۔

مقتدی کو بھی ذکر کی غرض سے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا حرام نہیں، جو مطلق پڑھنے کو مکروہ وہ بھی تحریمی کہے، وہ بڑا بھی جاہل اور مذہب سے ناواقف ہے،

مالابدمنہ کے صفحہ ۹۳ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں، اکثر علماء کرام برانند کہ فاتحہ

ہم بخواند. اکثر علماء اس پر ہیں کہ جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھیں،

قاضی صاحب نے مرتے وقت اپنے وصیت نامہ میں وصیت کی ہے کہ میرے جنازہ پر سورہ فاتحہ بھی پڑھنا، دیکھو ان کا وصیت نامہ مع مالا بدمنہ صفحہ ۱۹۱ و بعد تکبیر اولیٰ سورہ فاتحہ ہم بخواند ہاں قراۃ کی نیت سے جو پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، شامی اس کو کراہت تحریمی سے تعبیر کرتے ہیں، جو ٹھیک نہیں، بلکہ ملا علی قاریؒ نے اپنے رسالہ قراۃ الجوائز فی صلاۃ الجنائز میں اس کراہت کو کراہت تنزیہی فرمایا ہے جو اولیت کے مدمقابل ہے ماتحملہ ھو محمول علی الکراھیۃ التنزیھیۃ التی ھی خلاف الاولی کما لا یخفی مجھے بڑا ہی تعجب معلوم ہوتا ہے، اس مدعی علم سے کہ باوجود احادیث نبویہ و آثار صحابہ سے اس کے پڑھنے کے ثبوت ہوتے ہوئے مکروہ کہے وہ بھی تحریمی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نیت سے پڑھی تھی، سورہ فاتحہ، یا ارشاد فرمایا وہ آپ کے بے بتلائے کون کہہ سکتا ہے، اور جو کہے وہ بے دلیل ہے۔ لان نیۃ الثناء امر مبطن لا یعلم الا من الفاعل قال الفاضل حسن الشرنبلالی حکاعنہ فاضل لکھنوی حنفی تعلیق امام الکلام المسمی غیث الغمام میں فرماتے ہیں: مع انہ باطن فی نفسہ ایضا فان اختلاف النیۃ امر باطن لا یطلع علیہ احد الا ببیان من نوی۔ لو سنو ہم اب اولاً مرفوع روایتوں کو بیان کرتے ہیں،

(۱) عن جابر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر علی جنائزنا اربعا و یقرأ بفاتحۃ الکتاب فی التکبیرۃ الاولیٰ رواہ الحاکم فی المسند۔ ک والامام الشافعی فی کتاب الام قلت فیہ محمد بن عبداللہ بن عقیل قال الترمذی فی جامعہ فی باب مفتاح الصلوۃ الطہور ھو صدوق وقد تکلم فیہ بعض اھل العلم من قبل حفظہ وسمعت محمد بن اسمٰعیل یقول کان احمد بن حنبل واسحٰق بن ابراھیم والحمیدی یحتجون بحدیث عبداللہ بن محمد بن عقیل قال محمد ھو مقارب الحدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے جنازوں پہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے، اور پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے،

(۲) عن ام شریک الانصاریۃ قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب رواہ ابن ماجۃ قلت فیہ شہر بن حوشب قال ابن الہمام فی فتح القدیر ما الصحیح فی شہر التوثیق

وثقہ ابوزرعۃ واحمد ویحیٰی ویعقوب بن شیبۃ قلت وکذا رجح توثیقہ العلامۃ الترکمانی فی الجواہر النقی۔ والزیلعی المخرج فی نصب الرایۃ لہ وحماد بن جعفر العبدی البصری قال ابن معین ثقۃ وذکرہ ابن حبان فی الثقات علی ما فی تہذیب الحافظ۔

ام شریک انصاریہ فرماتی ہیں، رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۲) وعن ام عفیف قالت بایعنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین بایع النساء فاخذ علینا ان لا نحدث من الرجال الا محرما وامرنا ان نقرأ علی میتنا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ عبد المنعم الوسعیدی وھو ضعیف کذا فی مجمع الزوائد فی المجلد الثانی وذکر ھذا الحدیث ایضا الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ جلد ۴ ص لفظ الاصابۃ علی جنائزنا۔ ام عفیف فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی، جبکہ آپ نے عورتوں سے بیعت لی تھی، آپ نے ان عورتوں سے بیعت میں عہد لیا تھا کہ تم غیر محرم مرد سے باتیں نہ کیا کرنا، اور ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم اپنے جنازوں میتوں پر سورۃ فاتحہ پڑھیں،

(۳) وعن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی الجنازۃ فاقرأوا بفاتحۃ الکتاب رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ معلی بن حمران ولم اجد من ذکرہ وبقیۃ رجالہ موثقون فی بعضہم کلام کذا فی مجمع الزوائد۔ اسماء بنت یزید بن السکن خطیبۃ النساء فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر فرمایا پڑھو، سورہ فاتحہ کو،

(۴) وعن ابن عباس قال اُتی بجنازۃ جابر بن عتیک او قال سہل بن حنیف وکان اول من صلی علیہ فی موضع الجنائز فتقدم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فکبر فقرأ بام القرآن فجہر بہا ثم کبر الثانیۃ فصلی علی نفسہ وعلی المرسلین ثم کبر الثالثۃ فدعا للمیت الحدیث رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ یحیی بن یزید بن عبد الملک النوفلی وھو ضعیف کذا فی مجمع الزوائد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جابر بن عتیق یا سہل بن عتیق (شک راوی کا) کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا، [یہ] سب سے پہلے جنازہ تھا جو مخصوص جنازہ پڑھنے کی جگہ میں پڑھا گیا، سو آپ آگے بڑھے، اور تکبیر

کہی، پھر سورہ فاتحہ زور سے پڑھی، پھر دوسری تکبیر کہی، اور پھر ثنات پڑھا اور تمام سلوں پر درود شریف پڑھا، پھر تیسری تکبیر کہی، اور میت کیلئے دعا کی یہ تو ہوئی مرسل مرفوع حدیثیں جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے میں اب ہم وہ روایتیں ذکر کرتے ہیں جنہیں صحابہ نے تو رعا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ذکر کیا، اور وہ روایتیں مرفوع ہیں۔

(۱) دیکھو صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازۃ، عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتب قال لتعلموا انہا سنۃ قلت لھذا الحدیث الفاظ وقد رفعہ صریحاً بعض الرواۃ عند الامن الترمذی قال فی الجامع الصحیح عن ابن عباس قولہ من السنۃ

طلحہ بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی بعد میں دریافت کرنے پر کہا کہ تم معلوم کرلو کہ یہ سنت ہے،

(۲) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف وکان من کبراء الانصار وعلماءھم وابناء الذین شہدوا بدراً مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ ان السنۃ فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اخرجہ الطحاوی فی معانی الآثار واثناء فی الام ومسندا والبیہقی وسند الطحاوی لا یطعون فیہ وکذا البیہقی الا ان فی روایۃ البیہقی اخبرہ رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدل رجل قال الزہری حدثنی بذلک ابو امامۃ وابن المسیب یسمع فلم ینکر ذلک علیہ ابن شہاب فذکرت الذی اخبرہ ابو امامۃ من السنۃ فی الصلوۃ علی المیت لمحمد بن سوید فقال وانا سمعت الضحاک بن قیس یحدث عن حبیب بن مسلمۃ فی صلاۃ صلیہا علی المیت مثل الذی حدثنا ابو امامۃ ۔

ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف جو کہ انصار کے بڑوں میں سے ہے، اور ان کے علماء میں سے بھی اور بدریوں کے فرزند انہیں کئی ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ کہ تکبیر کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے،

(۳) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف یحدث لسعید ابن المسیب قال الحق فی الصلوۃ علی الجنازۃ ان تکبر ثم تقرأ بام القرآن ثم تصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم تخلص الدعاء للمیت ولا تقرأ الا فی التکبیرۃ الاولی اخرجہ ابن الجارود فی المنتقی ص۲۶۵ قال الحافظ فی فتحہ بعد ان اخرجہ من کتاب عبد الرزاق والنسائی اسنادہ صحیح قلت اخرجہ ایضاً

ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فی الجزء الرابع ص۱۱۳ وابن حزم فی المحلی جلد ۵ ص۱۳۰۔

ابو امامہ مذکور نے سعید بن المسیب سے کہا، جنازہ کی نماز میں سنت یہ کہ تکبیر کہے، پھر سورہ فاتحہ پڑھے، پھر درود پڑھے، پھر خالص دعا کرے، قرأۃ صرف پہلی ہی تکبیر میں پڑھے، (تشلیم) صحابی جب من السنۃ کہے، تو وہ حدیث بھی مرفوع ہی ہوتی ہے، تمام محدثین کے نزدیک امام نووی مقدمہ شرح صحیح مسلم صفحہ۱۷ میں فرماتے ہیں، واما اذا قال الصحابی امرنا بکذا او نھینا عن کذا او من السنۃ کذا فکلہ مرفوع علی المذھب الصحیح الذی قالہ الجمھور من اصحاب الفنون قال ابن الہمام فی الفتح قول الصحابی من السنۃ حکمہ الرفع عند الجمھور ذکرہ فی الحجۃ۔

علامہ عبد الحی لکھنوی ظفر الامانی فی شرح مقدمہ جرجانی صفحہ۱۲۷ میں بعد طویل بحث کے فرماتے ہیں قول والاحسن عندی فی ھذا البحث من ھیئۃ الحدیث وعلیہ اعتمادی میری اس مبحث میں ائمہ حدیث کا مذہب بہت اچھا ہے، اسی پر میرا اعتماد بھی ہے، اب چند آثار صحابہ کو ملاحظہ فرماویں،

(۱) عن عبید بن السباق قال صلی بنا سہل بن حنیف علی جنازۃ فلما کبر التکبیر الاولی قرأ بام القرآن حتی اسمع من خلفہ اخرجہ البیہقی فی السنن ج۴ ص۳۹ والدارقطنی ج۱ ص۱۹۱ وابن شیبۃ فی المصنف فی الجزء الرابع ص۱۱۳۔ عبید بن سباق فرماتے ہیں کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک جنازہ پڑھایا پہلی تکبیر کہی، تو سورہ فاتحہ پڑھی، اس طرح کہ مقتدیوں کو بھی سنایا،

(۲) روی ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود انہ قرأ علی الجنازۃ بالفاتحۃ کذا فی المحلی للشیخ سلام اللہ الدہلوی والمحلی لابن حزم ج۵ ص۱۲۹ والبیہقی ج۴ ص۳۹ وابن المنذر وسعید بن منصور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی،

(۳) ان المسور بن مخرمۃ صلی علی جنازۃ فقرأ فی التکبیرۃ الاولی فاتحۃ الکتاب وسورۃ قصیرۃ ورفع بھما صوتہ اخرجہ ابن حزم فی المحلی ج۵ ص۱۲۹۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، ایک جنازہ پر پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورت پڑھی اونچی آواز سے،

(۴) عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص انہ کان یقرأ بام القرآن بعد التکبیرۃ الاولی علی الجنازۃ اخرجہ الامام الشافعی فی کتاب الام ج۱ ص۲۳۶ والمسند ایضاً قال الامام الشافعی وبلغنا ذلک عن ابی بکر الصدیق وسہل

بن حنیف وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص تکبیر اولیٰ کے بعد جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ابوبکر صدیق اور سہل بن حنیف اور دیگر صحابہ سے بھی اسی طرح آیا ہے۔

(۵) عن مجاھدؒ قال سألت ثمانیۃ عشر رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الصلوٰۃ علی الجنازۃ فکلھم یقول کبر ثم اقرأ فاتحۃ الکتاب ثم کبر ثم صل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذا فی غنیۃ الطالبین للشیخ عبدالقادر الجیلانی فی فصل صلوٰۃ الجنازۃ ج ۲ ص ۱۴۱ ورواہ الاثرم ذکرہ الزیلعی نقلا عن امتادہ عن قاسم بن قطلوبغا علی ما فی التعلیق الممجد۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں اٹھارہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے جنازہ کی نماز کے متعلق دریافت کیا سب نے یہی کہا کہ تکبیر کہہ پھر سورہ فاتحہ پڑھ، پھر تکبیر کہہ اور درود پڑھو اور بھی صحابہ کے آثار ہیں، جنہیں اختصار کی غرض سے ترک کئے دیتا ہوں، امام ابن حزم نے جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والوں میں ابوہریرہؓ، ابوداؤدؓ، ابن مسعودؓ، انس بن مالکؓ کو محلی صفحہ ۱۲۹ ج ۵ میں بیان کیا ہے، تابعینوں میں سے بھی بہت سے افراد ایسے ہیں، جو جنازہ میں سورہ فاتحہ کو مسنون جانتے ہیں خواجہ حسن بصریؒ سے امام بخاریؒ نے صحیح میں نقل فرمایا ہے، قال الحسن یقرأ علی الطفل بفاتحۃ الکتاب ویقول اللھم اجعلہ لنا سلفا وفرطا واجرا۔

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں بچے پر سورہ فاتحہ اور اللھم اجعلہ لنا اخیر تک پڑھا جائے غرضیکہ سورہ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھنا نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ثابت ہے، جو یہ کہے کہ کسی صریح صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں وہ محض لغو کہتا ہے، اس نے ان حدیثوں کو یا تو دیکھا ہی نہیں، یا اگر دیکھا بھی ہے تو نفسانیت و عصبیت کے نقاب نے بصارت قلبی پر پورا قبضہ کر رکھا ہے، بھلا کوئی ان صحاح صراح کا انکار ذوی البصارت کر سکتا ہے، ماشاء اللہ میاں اُسے نیک سمجھ دے، فاضل ابن الہمام سے بھی ایک ایسی ہی غفلت ہوگئی ہے کہ انہوں نے بھی لکھ دیا کہ لم یثبت القرأۃ عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کما فی الفتح، اس قدر واضح بات کا انکار کرنا ان جیسے محقق کی شان سے بعید ہے، ہم نے تھوڑی دیر کے لئے تسلیم بھی کر لیا، تب بھی ان

کے اس کہنے سے سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح صلوٰۃ الجوائز میں فرماتے ہیں، اذ کل مالم یثبت فعلہ علیہ السلام لم یلزم من ان یکون حراما او مکروھا بل یتوقف حکمھا علی نہی قطعی او ظنی۔ اس لئے کہ جس چیز کا کرنا آپ سے ثابت نہ ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز حرام یا مکروہ ہے، بلکہ ان دونوں کے حکم کے لئے قطعی ممانعت یا ظنی کا ثبوت چاہیئے، اس مسئلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یعنی جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی ممانعت کسی ایک حدیث میں بھی ثابت نہیں صرف حدیث اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ سے استدلال کیا ہے یہ بھی بڑی جدو جہد کے بعد انہیں دلیل ملی ہے، فاضل علامہ عبدالحی لکھنوی غیث الغمام صفحہ ۲۱۳ میں فرماتے ہیں، وغایۃ ما استدل بہ اصحابنا ھو حدیث ابی ھریرۃ مرفوعا اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء و

ھو لا یثبت منع القراءۃ بل المقصود منہ الاکثار فی الدعاء للمیت والاخلاص فیہ یستجاب فافھم واستقم۔ بہت بہت کر کے جا انفشانی سے اگر ہمارے حنفیوں کو دلیل ملی جس سے انہوں نے مذہب کی دلیل پکڑی ہے، وہ صرف ابو ہریرۃ کی حدیث ہے مرفوعاً کہ تم جب میت کے لئے نماز پڑھو تو خلوص نیت سے اس کے حق میں دعا کرو، سو اس سے پڑھنے کی ممانعت نہیں ثابت ہو سکتی، بلکہ اس سے تو صرف اسی قدر غرض ہے، کہ خوب خلوص نیت کے ساتھ میت کے حق میں دعا کرنا چاہیئے تاکہ دعا قبول ہو، اس آسان بات کو سمجھو سیدھی راہ چلو،

امام ابن حزم محلی صفحہ ۱۳۰ جلد ۵ میں فرماتے ہیں، واحتج من منع من قراءۃ القرآن فیھا بان قالوا روی عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ وقال ابو محمد ھٰذا الحدیث ساقط ما روی قط من طریق یشتغل بھا ثم لو صح لما منع من القراءۃ لانہ لیس فی اخلاص الدعاء للمیت من القراءۃ وضمن نخلص لہ الدعاء ونقرأ کما اُمِرْنَا۔

جنازہ کی نماز میں پڑھنے سے منع کرنے والوں نے حدیث اَخْلِصُوْا لَہُ الدُّعَاءَ سے استدلال کیا ہے، امام ابن حزم کہتے ہیں اولاً تو یہ حدیث بھی قابل حجت نہیں، اور نہ ہی ایسے طریق سے وارد ہے کہ اس کے جواب میں مشغولیت کی جائے ثانیاً اگر اس کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی پڑھنے کی ممانعت نہیں ہو سکتی، اخلاص دعاء مانع قراۃ نہیں، ہم اخلاص بھی دعا

پیش کرتے ہیں، اور پڑھتے بھی ہیں، جس طرح ہمیں شارع علیہ السلام کا حکم ہوا، علامہ فاضل لکھنوی تعلیق الممجد صفحہ ۱۶۱ میں فرماتے ہیں، حسن شرنبلالی صاحب مراقی الفلاح نے ایک رسالہ بنام النظم المستطاب لحکم القراءۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ بام الکتاب تصنیف کیا ہے، وفیہا علی من ذکر الکراھۃ بدلائل شافیۃ ھذا ھو الاولیٰ لثبوت ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کراہیت کہنے والوں پر کافی شافی دلیلوں سے رد کیا ہے، اور یہی اولیٰ ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ثابت ہونے کی وجہ سے واللہ اعلم۔

جواب نمبر ۱۱۔ سورہ فاتحہ کے ساتھ کسی ایک سورت کا ملانا شرعاً درست ہے، احادیث مسور بن مخرمہ ما آثار صحابہ میں دیکھو، نیز عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ وجھر حتی اسمعنا فلما فرغ اخذت بیدہ فسألتہ فقال سنۃ وحق اخرجہ النسائی وابن الجارود فی المنتقیٰ ص ۲۶۳ واسنادھما صحیح وذکر السورۃ ابن الجارود باسانید کلہا علیٰ جیاد وما قال البیہقی ذکر السورۃ غیر محفوظ فقد تعقب علیہ العلامۃ الترکمانی فی الجوہر النقی ج ۴ ص ۳۸ وقال بل ھو محفوظ رواہ النسائی عن الہیثم بن ایوب عن ابراہیم بن سعد بسندہ۔ طلحہ بن عبداللہ بن عوف نے کہا میں نے ابن عباس کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی، انہوں نے سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ زور سے پڑھی، سلام کے بعد میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا، اور دریافت کیا تو مجھے جواب دیا کہ یہ سنت اور حق ہے، واللہ اعلم،

جواب ۱۲۔ نماز جنازہ کو زور سے پڑھنا شرعاً درست ہے، دیکھو مستور بالا حدیثیں، نیز منتقیٰ لابن الجارود ص ۲۶۴ میں ابن عباسؓ کی روایت کے لفظ یہ ہیں، انما جہرت لاعلمکم انہا سنۃ والامام کان یقرأھا زور سے پڑھنا درست نہ ہوتا تو یہ روز پڑھ کر بیان نہ فرماتے، نیز جنازہ زور سے پڑھنا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، دیکھو فتح القدیر صفحہ ۴۱۰ ج ۱ روی ابو داؤد عن واثلۃ بن الاسقع قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اَللّٰھُمَّ اِنَّ فلان بن فلان فی ذمتک وحبل جوارک الحدیث وروی ایضاً حدیث ابی ہریرۃ سمعت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَاَنْتَ خَلَقْتَہَا

فق هديتها للاسلام۔ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نماز پڑھائی ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد مسلمان کی پس نے سنا آپ کو کہتے ہوئے، اللهم ان فلان بن فلان اس جگہ اس کا اور اس کے باپ کا نام لے فی ذمتك وحبل جوارك اخیر تک اور نیز مروی ہے، ابوہریرۃ سے انہوں نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا اللهم انت ربها اخیر تک،

ان حدیثوں سے صاف اور واضح طور سے ثابت ہوا کہ جنازہ زور سے پڑھنا حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اسے مکروہ کہنا عصبیت سے خالی نہیں، جو کام نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اسے برا کہنا برا جاننا مکروہ کہنا ایک مسلم انسان کا دل کیونکر گوارا کر سکتا ہے، اس نے تو اپنے نبی کے فعل پر حرف گیری کی، اللہ میاں نیک توفیق دے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جنازہ میں سورۃ فاتحہ اور کوئی ایک سورۃ کا پڑھنا اور نیز جنازہ کی نماز آواز سے پڑھنا شرعاً ثابت ہے، مکروہ یا حرام کہنا بے علمی و بے خبری کا ثمرہ ہے، واللہ اعلم، وعلمہ اتم واحکم ہذا ما سنح ببالی الفاتر وانا الراجی رحمۃ ربہ، ابو عبدالکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی کان اللہ لہ۔ حررہ ثمان وعشرین من رجب المرجب احد من شہور سنۃ اثنین وخمسین وثلاثمائۃ بعد الالف وصلے اللہ علی النبی وآلہ واصحابہ وسلم،

سوال ۳ (۱) بلند آواز کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے کہ نہیں، اور نماز جنازہ میں صرف سورہ فاتحہ اور دیگر سورہ بلند آواز سے پڑھے، یکہ درود شریف بعد دعا بھی اللهم اغفر لحینا ومیتنا الخ پڑھ سکتا ہے، مگر سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو جنازہ ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ ؟

(۲) جنازہ بالجہر پڑھنے والے کو اگر کوئی شخص کہے، کہ یہ فتنہ و فساد پھیلاتا ہے، تو وہ شخص عنداللہ مجرم ہے کہ نہیں؟

(۳) آج کل جو میت کے مرنے کے بعد تین دن تک اپنے گھر کے سامنے کپڑے یا دریاں وغیرہ بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں، اور ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں یعنی ہر بار جب کوئی

اٹھکے آدمی آتا ہے، تو کہتا ہے کہ دعا مانگو، تو حقہ پیتے پیتے دعا مانگنی شروع کر دیتے ہیں، اور جو ہاتھ نہ اٹھائے تو وہ اس کو برا محسوس کرتے ہیں، کیا یہ اس طرح کی فاتحہ خوانی کرنا عند الشرع جائز ہے کہ نہیں؟۔

جواب ۱:۔ بلند آواز سے برائے تعلیم سورہ فاتحہ پڑھ سکتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، ویسے سنت یہی ہے کہ قرأۃ آہستہ پڑھی جائے، جیسا کہ نسائی میں ہے،

۲۔ بلند آواز سے سورہ فاتحہ جب تعلیم کے لئے ہو تو جائز ہے، پھر اس کو فتنہ کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کو عادت بنانا، اور سنت سمجھنا صحیح نہیں،

۳۔ مرنے کے بعد جو تعزیت کے لئے دعا خوانی کا رواج ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں

(الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۱۹)

توضیح الکلام:۔ مفتی صاحب نے ایک طرف کو بلا مرجح ترجیح دی ہے، حالانکہ نماز جنازہ دونوں طرح سنت ہے، یعنی بلند آواز سے بھی، اور آہستہ بھی اگرچہ دلائل کے لحاظ سے بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل اور قوی ہے، جیسا کہ مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی رحمۃ اللہ اپنے طویل فتویٰ میں تمام دلائل کو صحیح احادیث سے بیان فرمایا ہے، یہ کہنا کہ اس کو عادت نہ بنانا چاہیئے یہ ڈبل غلطی ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی جامع سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کبھی کبھی جمعہ پڑھتا ہے، اور نماز عید، باقی کوئی نماز نہیں پڑھتا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں، جواز اور عدم جواز کی وجہ بھی لکھیں۔

جواب:۔ سرزنش اور تنبیہ کے لئے ایسے شخص کی نماز میں امام مسجد اور دیگر اہل خیر شامل نہ ہوں تو مناسب ہے، کیونکہ ترک نماز کو صحابہ بالاتفاق کفر قرار دیتے تھے، حدیث شریف میں ہے،

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَحَيِّنًا فَقَدْ كَفَرَ۔ ویسے دوسرے آدمی نماز جنازہ میں شامل ہو سکتے ہیں،

(الاعتصام جلد ۵ شمارہ ۲۶/۲۲) مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال:۔ کیا نماز جنازہ میں جب امام دعا پڑھ رہا ہو، مقتدی پیچھے آمین بالجہر کرتے رہیں اور آمین بالجہر دعا کی جگہ کفایت کر سکتی ہے۔ نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعاؤں میں آمین بالجہر مقتدیوں کے لئے کرنا کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے ثابت ہے، قیاس اور رائے قابل قبول نہ ہوگا،

جواب:۔ نماز جنازہ میں نمازی اپنی جگہ دعا کرے، صرف آمین کا کہیں ذکر نہیں،

(الاعتصام جلد ۵ شمارہ ۴۰) مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ جنازے کی نماز کے آگے سیدھے کان سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھ کر الصلوٰۃ الجنازۃ فرض الکفایۃ تین مرتبہ پکارنے سے فرشتے اس آواز کو سن کر جنازے کی نماز میں جماعت کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں اس لئے ایسا بولنا چاہیے بکر کہتا ہے اس طور سے صلوٰۃ پکارنا منع ہے، کون حق پر ہے،

جواب:۔ جو واقعہ نظر اور عقل سے غائب ہو، اس کا بتانا نبی کا کام ہے، یہ واقعہ بھی عقل و نظر سے غائب ہے اس لئے اس کا ثبوت بھی قرآن و حدیث سے ہونا چاہئے، جو نہیں ہے۔ پس جو اس کا قائل ہے، اس سے ثبوت مانگنا چاہئے، محض زبان سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۲۹)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلہ کہ نماز جنازہ ایک بار ہو چکی پھر اور آدمی آ گئے، انہوں نے بھی نماز پڑھی، تو یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جنازہ پر دوبارہ نماز پڑھنی جائز ہے، مشکوٰۃ شریف میں ہے، عن ابن

عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بقبر دفن لیلا فقال متی دفن ھذا قالوا البارحۃ قال افلا اذنتمونی قالوا دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا ان نوقظک فقام فصففنا خلفہ فصلی متفق علیہ۔

یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر پہ گذرے جس میں مردہ رات کو دفن ہوا تھا، آپ نے فرمایا یہ کب مدفون ہوا ہے، لوگوں نے کہا شب گذشتہ کو آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں نے کیوں خبر نہیں دی، لوگوں نے کہا اندھیری رات میں ہم نے دفن کیا، اس وجہ سے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز جنازہ کے لئے) کھڑے ہوئے، اور ہم لوگ آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے، پس آپ نے نماز جنازہ پڑھی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ ہونے کے بعد قبر پر دوبارہ نماز جنازہ درست ہے تو قبل دفن کے تو بدرجہ اولیٰ درست ہوگی، اور اس کی تائید حضرت علیؓ کے اثر سے ہوتی ہے، جس کو صاحب کنز العمال نے بایں لفظ نقل کیا ہے، صلی علی علی جنازۃ بعد ما صلی علیہا۔

یعنی حضرت علیؓ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی بعد اس کے کہ اس پر نماز پڑھی جا چکی تھی، حررہ محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۳)

سید محمد نذیر حسین دہلویؒ

سوال:۔ جنازہ غائبانہ کا ثبوت اور کتنے دن تک۔

جواب:۔ جنازہ غائبانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کا پڑھا، اور اس کے بعد کسی روایت میں منع نہیں آیا، لہذا یہ فعل سنت ہے،

تشریح:۔ نماز جنازہ غائب پر پڑھنا درست ہے، اور یہی مذہب ہے، امام شافعی اور امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ کا حتی کہ ابن حزم نے کہا ہے، کہ کسی صحابی سے غائب پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت نہیں آئی ہے، عن جابر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم

صلی علی اصحمۃ النجاشی فکبر علیہ اربعا وفی لفظ قال توفی الیوم رجل صالح من الحبش فھلموا فصلوا علیہ فصففنا خلفہ فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن صفوف متفق علیہ۔

کذا فی المنتقی قال القاضی الشوکانی فی الشرح قد استدل بھذہ القصۃ القائلون بشروعیۃ الصلوۃ علی الغائب عن البلد قال فی الفتح وبذلک قال الشافعی واحمد وجمہور السلف حتی قال ابن حزم لم یات عن احد من الصحابۃ منعہ انتہی (حررہ محمد عبد الرحمٰن المبارکپوری)

(فتاویٰ نذیریہ صفحہ ۲۹۸ ج ۱)

ابوالعلی محمد عبدالرحمٰن		سید محمد نذیر حسین

شرفیہ:۔ قولہ بعض علماء کے نزدیک جائز ہے الخ اس کی تحقیق پیشتر ہو چکی ہے، وہاں ملاحظہ ہو، مخالفین کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی مسجد میں بعد مدت مدید شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی صلی علی اہل احد صلوتہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر الحدیث صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ برس کے بعد پڑھا تھا۔ ابو سعید محمد شرف الدین

جنازہ غائبانہ جائز ہے۔ عبیداللہ رحمانی، ۱۹ مئی ۱۹۵۳ء سوہدرہ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۔۔)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے کے بعد وضو باطل ہو جاتا ہے،

جواب:۔ جنازہ کا وضو جنازہ پڑھنے سے ٹوٹ نہیں جاتا، اس سے نماز پڑھنی جائز ہے، جو کہتا ہے کہ جنازہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس کا قول غلط ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۵)

سوال:۔ مرد یا عورت کے جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنا جائز ہے، کیا ایسے جنازے کی نماز میں داخل ہو کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ جنازہ میت کا حق ہے زندوں کی کسی غلطی سے اس حق کو تلف کرنا جائز نہیں، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ۔ پس جنازہ پڑھنا چاہیے،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۸)

سوال :۔ کیا حضورؐ قبروں اور جنازوں پر پھولوں کی کلی ڈالا کرتے تھے ،

جواب :۔ ثابت نہیں ، (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازہ پر پھول ڈال ہار بناکر وغیرہ وغیرہ یہ کیا ہے ،

جواب :۔ شرع شریف میں اس کا ثبوت نہیں ، ہندوؤں کی صحبت کا اثر ہے ،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازے کو بے وضو غسل دے سکتے ہیں ، یا نہیں ؟۔

جواب :۔ دے سکتے ہیں ، کوئی حرج نہیں کسی آیت یا حدیث میں منع نہیں ،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال :۔ جنازہ میں مقتدی خواہ امام کو ہاتھ کانوں تک ہر تکبیر کے ساتھ اٹھانا چاہیئے یا نہیں ؟۔

جواب :۔ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ، بلکہ بقول مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم امام ابوحنیفہ صاحب سے بھی روایت آئی ہے ، شرح وقایہ شریفیہ :۔ اس میں عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے آثار جزء رفع یدین بخاری میں ، ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے ، البتہ بعض صحابہ سے ضرور ثابت ہے ، اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے ، بدعت یا ممنوع نہیں

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـــ) عبیداللہ رحمانی ، ۱۹ مئی ۱۹۶۳ء

توضیح الکلام:۔ تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کی ممانعت پر کوئی مرفوع صریح حدیث نہیں، بلکہ آثار صحابہ اور بعض ضعیف احادیث اس کے عمل پر دال ہیں، العلم عند اللہ،

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ جنازہ جہر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے، کہ پہلی تکبیر میں الحمد شریف وسورۃ بالجہر پڑھی جاوے، اور بعد ختم آمین بالجہر مقتدی بھی کہیں، اور پھر دوسری تکبیر میں درود شریف آہستہ اور تیسری تکبیر میں امام باآواز بلند دعا پڑھے۔ اور مقتدی صرف آمین ہی کہیں، بکر کہتا ہے، تیسری تکبیر میں امام اور مقتدی دونوں کو دعا ہی پڑھنی چاہیئے، اگر کسی کو عربی میں دعا نہ آتی ہو تو اپنی زبان میں دعا کا ترجمہ پڑھے، بہرحال جنازہ جہر پڑھنے کا کیا طریقہ ہے، بینوا توجروا۔

جواب:۔ صحیح بخاری میں ابن عباس سے روایت ہے، کہ انہوں نے جنازہ میں سورہ فاتحہ بالجہر پڑھی، اور فرمایا لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ اس لفظ کی شرح دو طرح کی گئی ہے، تاکہ تم جانو کہ یہ سنت ہے، یعنی سورہ فاتحہ بالجہر پڑھنا دوسرے تم جانو کہ فاتحہ پڑھنی سنت ہے، ایسے امور میں نرمی او سہل انگاری چاہیئے، تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں، کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں، دعا عربی یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں پڑھ سکتا ہے، کیونکہ جنازہ کا مقصود دعا ہے، بالجہر پڑھنے کا طریقہ بس یہی ہے، جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ۱۱ر اگست ۱۹۳۲ء،

ادعیہ جنازہ:۔ میرے محترم مولانا ثناء اللہ امرتسری سلمہ ربہٗ نے پرچہ اہل حدیث ۱۱ر اگست میں تحریر فرمایا ہے، تیسری تکبیر میں بلند آواز سے دعا پڑھنے کی حدیث مجھے یاد نہیں کسی صاحب کو یاد ہو تو اطلاع دیں، ناظرین پرچہ اہل حدیث مطلع رہیں، کہ نماز جنازہ میں ادعیہ کا زور سے پڑھنا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بعد صحابہ سے بھی ثابت ہے، صحیح مسلم صفحہ ۳۱۱ ج ۱ بروایت عوف بن مالک الشجعی قال سمعت رسول اللہ صلے علی جنازۃ یقول اللھم اغفرلہ وارحمہ الحدیث میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک جنازہ پر پڑھتے ہوئے سنا اس دعا کو اللھم اغفرلہ وارحمہ

آخر تک سنن ابی داؤد صفحہ ۱۹۶ ج ۲ ملاحظہ ہو۔ عن واثلة بن الاسقع قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على رجل من المسلمين فسمعته يقول اللهم ان فلان بن فلان فى ذمتك الحديث نیز ج ۲ ص ۹۸ عن ابى هريرة قال صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على جنازة فقال اللهم اغفر لحينا الحديث ۔ واثلہ بن اسقع نے فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مسلمان مرد کی نماز پڑھائی جس میں آپ کو پڑھتے ہوئے میں نے سنا کہ اللّٰهم اِنَّ فلان بن فلان

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول خدا نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی، آپ نے پڑھا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا آخیر تک۔

مشکوٰۃ فصل ۳ میں ہے عن سعيد بن المسيب قال صليت وراء ابى هريرة على صبى لم يعمل خطيئة قط فسمعته يقول اللهم اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ۔ فاضل شوکانی نیل صفحہ ۲۰۲ ج ۳ میں فرماتے ہیں، قوله سمعت النبى صلى الله عليه وسلم وكذلك قوله فسمعته وفى رواية مسلم من حديث عوف فحفظت من دعائه جميع ذلك يدل على ان النبى صلى الله عليه وسلم جهر بالدعاء امام نووی صفحہ ۳۱۱ ج ۱ میں فرماتے ہیں فيه اشارة الى الجهر بالدعاء فى صلوة الجنازة حاصل کلام یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے جنازہ میں دعاؤں کا زور سے پڑھنا ثابت ہے، کوئی محل تردد نہیں، ہذا ما ظہر بیان فی الدفاتر وانا الراجی رحمۃ ربہ، ابوعبدالکبیر محمد عبدالجلیل السامرودی کان اللہ لہ، ۵ ہ ۱ اگست ۱۹۳۳ء

از قلم حافظ احمد صاحب بھوجیانی رحمہ اللہ

سوال :۔ نماز جنازہ میں بلند آواز سے قرأت اور دعا پڑھنی درست ہے، یا نہیں ؟۔

جواب :۔ جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورہ باآواز بلند پڑھنا جائز بلکہ سنت ہے، منتقی الاخبار میں ہے، عن ابن عباس انه صلے على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انه من السنة رواه البخارى وابوداؤد والترمذى وصححه والنسائى وقال فيه فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر فلما فرغ قال سنة وحق۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ پر نماز پڑھائی اور سورہ فاتحہ باآواز بلند پڑھی، اور فرمایا کہ میں نے سورہ فاتحہ کو بلند آواز سے اس لئے پڑھا ہے، کہ

جان لو کہ یہ سنت ہے، روایت کی، اس کو ابوداؤد اور بخاری اور ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، اور اس کو نسائی نے بھی روایت ہے، اور نسائی کی روایت میں کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فاتحۃ الکتاب اور ایک سورۃ پڑھی، اور باواز بلند پڑھی، اور جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے، واضح رہے کہ اس روایت میں سنت سے مراد سنت نبوی ہے یعنی نماز جنازہ میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ باواز بلند پڑھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، فتح الباری میں ہے وقد اجمعوا علی ان قول الصحابی سنۃ حدیث مرفوع الخ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ صحابی کا قول سنت ہے، اس لفظ سنت سے مراد حدیث مرفوع (قول رسول اللہ صلعم) ہے، علامہ شوکانی نیل الاوطار صفحہ ۵۲ ج ۳ میں فرماتے ہیں، (قولہ جہر) فیہ دلیل علی الجہر فی قراۃ صلوۃ الجنازۃ ۔ یعنی لفظ جہر میں دلیل ہے، بلند قرأۃ پڑھنے کی نماز جنازہ پر سراج الوہاب صفحہ ۲ جلد ۱ میں ہے، الحدیث فیہ دلالۃ واضحۃ علی الجہر بالدعاء فی صلوۃ الجنازۃ ولا مانع منہ شرعا وعقلا ولا داعی الیہ فیکون الجہر والاسرار فیہا سواء کما فی الخ بلکہ اس حدیث میں واضح دلیل ہے، اور اونچی دعا پڑھنے کے نماز جنازہ میں اور اس سے کوئی منع کرنے والا نہیں، نہ شرعاً اور نہ عقلاً اور کوئی اس کا دعوی کرنے والا ہے،

پس جنازہ میں قرأۃ بلند پڑھنی یا آہستہ پڑھنی جنازہ میں دیگر نمازوں کی طرح برابر ہے، جنازہ میں دعا بلند آواز سے پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے،

مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی جنازۃ یقول اللہم اغفر لہ وارحمہ ۔ یہ دعا لمبی ذکر کر کے حضرت عوف رضی اللہ فرماتے ہیں، فتمنیت ان لو کنت انا المیت لدعاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذلک المیت پس آرزو کی میں نے کاش کہ یہ میت میں ہوتا یہ رسول اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے شوق پیدا ہوا،

ایک روایت مسلم میں یہ لفظ بھی ہیں فحفظت من دعائہ، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اسی وقت یاد کر لی، یعنی رسول اللہ علیہ وسلم نے جب جنازہ پڑھا، بلند آواز سے دعا پڑھی، تو

میں نے یاد کر لی، اب تمام احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور دیگر سورۃ اور دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلند آواز سے پڑھی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی بلند آواز سے پڑھی جب ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ نے بلند آواز سے جنازہ کیوں پڑھا، تو جواب دیا کہ تم جان لو کہ یہ فعل سنت ہے، جس طرح جنازہ میں سورہ فاتحہ و دیگر سورہ اور دعا بلند آواز سے سنت ہے، اسی طرح قرآن شریف بھی بلند آواز سے سنت ہے،

تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے، رجال اسناد مالك رجال الصحیح الخ اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کے ہیں، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ مسور بن مخرمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے قراۃ بالجہر ثابت ہوتی ہے، اور یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں عون المعبود شرح ابوداؤد صفحہ ۱۹۱ جلد ۳ میں تمام روایات ذکر کر کے لکھتے ہیں، قلت والظاهر ان الجهر والاسرار بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ جائزان وكل من الامرين مروی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وهذا هو الحق والله اعلم میں کہتا ہوں جملہ دلائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنازہ میں قراۃ بلند آواز یا آہستہ آواز سے پڑھنا دونوں جائز ہیں، اور ہر فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، یہی بات حق اور درست ہے، ان تصریحات محققین سے جہری جنازہ کا جواز ثابت ہو گیا، لیکن مجھے تعجب ہوا کہ اہلحدیث ہی کے بعض حلقے اس پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ایک جائز بلکہ بعض کے نزدیک افضل امر پر کم از کم ناگواری ایک غلط رجحان ہے،

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۴۲) | حافظ احمد صاحب پشوری اخبار الاعتصام

سوال:۔ جنازہ پڑھ کر دفن کرنے سے پہلے دعا مانگنی جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ نماز جنازہ تمام دعا ہے، الگ دعا کرنا قبل دفن میت کے ثابت نہیں بعد دفن کے لمبی دعا کرنا ثابت ہے، (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۴۹)

سوال:۔ نماز جنازہ کے واسطے وارث سے اجازت لینی شرط ہے، یا نہیں؟۔

[ج]واب:- یہ رواج ہے کہ وارث میت سے اجازت لی جاتی ہے۔ ورنہ جو امام محلہ ہو
[ج]و عالم ہو وہ نماز جنازہ پڑھائے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۴۳)

[س]وال:- جب میت کا جنازہ واسطے دفن کے قبرستان کو لے جاتے ہیں، تو اکثر لوگ
[م]نع کرتے ہیں، کہ بھائی آہستہ آہستہ لے چلو، میت کو تکلیف ہوگی، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ جب مکھی
[م]یت کے جسم پر بیٹھتی ہے، وہ بھی اس کو معلوم ہوتی ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ قرآن وحدیث سے
[اس] کا ثبوت ہے یا نہیں، (الیٰ آخرہ)

[جو]اب:- حدیث میں صاف اسرعوا بالجنازۃ جنازہ کو جلدی جلدی لے جایا کرو، آیا ہے۔
[اس] کی وجہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بیان فرمادی کہ اگر میت بد ہے تو جلدی
[ا]پنے کندھوں سے اس کو اتھادو، اگر نیک ہے تو راحت میں اس کو جلدی پہنچادو۔ قرآن مجید
[ص]اف ناطق ہے کہ مردہ نہیں سنتا، حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ مردہ نہیں سنتا، حضرت شاہ
[اس]حاق صاحب دہلویؒ نے مائۃ مسائل میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ شہید زندہ ہیں، لیکن ان کی
[ز]ندگی کی بابت لَا تَشْعُرُوْنَ تم لوگ نہیں جانتے، آیا ہے، اس زندگی کے یہ معنے ہیں کہ وہ عیش و
[آر]ام میں زائرین کی استدعا کو نہیں سنتے، قرآن مجید میں صاف ذکر ہے، لَا یَسْمَعُوْنَ دُعَآءَکُمْ
[تم]ہاری پکار نہیں سنتے۔

جو شخص صحیح بات کو نہ تسلیم کرے، وہ گنہگار، بلکہ منکر ہے، ان کو توبہ کرنی چاہیے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۴۴)

[س]وال:- نماز جنازہ مسجد کے صحن میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟۔

[ج]واب:- نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا حضرت
[ا]بوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا جنازہ مسجد میں پڑھا گیا، واللہ اعلم۔

[ت]شریح:- از روئے حدیث صحیح کے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز و درست ہے، مفتی

الاخبار میں ہے عن عائشۃ انہا قالت لما توفی سعد بن ابی وقاص ادخلوا بہ المسجد حتی اصلی علیہ فانکروا ذلک علیہا فقالت لقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابنی بیضاء فی المسجد سہیل واخیہ رواہ مسلم وفی روایۃ ما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی سہیل بن البیضاء الا فی جوف المسجد رواہ الجماعۃ الا البخاری۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کے درست اور جائز ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع واتفاق تھا، فتح الباری میں ہے، وقد روی ابن ابی شیبۃ وغیرہ ان عمر صلی علی ابی بکر فی المسجد وان صہیبا صلی علی عمر فی المسجد وفی روایۃ ووضعت الجنازۃ فی المسجد تجاہ المنبر وھذا یقتضی الاجماع علی جواز ذلک الخ۔

(فتاویٰ نذیریہ ص ۲۱۳ ج ۱) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۵۱)

حررہ محمد یوسف عفی عنہ — سید نذیر حسین دہلوی

سوال:۔ نماز عصر کی جماعت تیار اس عرصہ میں ایک جنازہ آیا، پہلے عصر کی نماز یا جنازہ؟

جواب:۔ نماز عصر پہلے پڑھیں تو اچھا ہے، جنازہ پہلے پڑھنا منع نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز عصر فرض عین ہے، اور جنازہ فرض کفایہ ہے، فرض عین کو مقدم رکھنا چاہیے۔

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۵۱)

سوال:۔ جنازہ غائب اس صورت میں ہو سکتا ہے، اگر کوئی شخص کسی قصبہ کا ہو تو وہاں پر باقاعدہ اس کا جنازہ بھی ادا کیا ہو، کیا دوسرے قصبے کے لوگ بھی اس کا جنازہ غائب پڑھ سکتے ہیں، بغیر ان دو دلیلوں کے جو بادشاہ حبشہ اور اس عورت کے جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر جنازہ پڑھا، اور کیا دلیل ہے، یا اس صورت میں جنازہ غائب ہو سکتا ہے؟

جواب :۔ مذکورہ فی السوال ہر دو واقع کے علاوہ ترمذی میں مروی ہے ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا وقد مضی لذلک شہر۔
یعنی ام سعد کی قبر پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے بعد نماز پڑھی، مزید تحقیق کے لیے دیکھو نیل الاوطار،

شرفیہ :۔ یہ دعویٰ کہ اصحمہ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں نہ پڑھا گیا تھا، بلا دلیل ہے، بالکل جھوٹ ہے، من ادعی فعلیہ البیان بالبرھان پھر یہ قول کہ جب دو دفعہ فلاں کا نہ ہوا، چوتھے مرتبہ کے لیے دلیل چاہیے، یہ قاعدہ ہی باطل ہے، اس سے تو ہزارہا سنن متروک ہو جائیں گے، ورنہ مدعی بتائے کہ مشہور سنن مروجہ میں ان پر نص صحیح صریح، دو دم بلا ترک پیش کرے، قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ الآیۃ میں کوئی تخصیص عام کی نہیں، ایک مرتبہ بھی، جو کام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ حجت ہے۔ تاوقتیکہ نسخ یا خصوصیت یا بعد کوئی دلیل نہ ثابت ہو۱۲،

الراقم ابو سعید محمد شرف الدین دہلوی

خودکشی کرنیوالے کی نماز جنازہ

سوال :۔ ایک حاجی پانچوں وقت کا نمازی ہے، جماعت کا پابند، شکل، صورت میں پورا مذہبی انسان اس نے خودکشی کے خیال سے لٹک کر جان دے دی، کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے،

جواب :۔ اس کے متعلق چند احادیث درج ہیں، مسلم میں ہے،
(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ بِرَجُلٍ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیْهِ۔ فصل لاثم مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ جابر بن سمرۃ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا، جس نے تیر کے پھل سے یا چاقو سے خودکشی کر لی، آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا،

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تردی من جبل فقتل نفسہ فھو فی نار جہنم یتردی فیھا خالدا مخلدا فیھا ابدا ومن تحسی سما فقتل نفسہ فسمہ فی یدہ یتحساہ فی نار جہنم خالدا مخلدا فیھا ابدا ومن قتل نفسہ بحدیدۃ فحدیدتہ فی یدہ یتوجأ بھا فی بطنہ فی نار جہنم خالدا مخلدا فیھا ابدا۔ متفق علیہ مشکوۃ کتاب القصاص۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے، وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں (پہاڑ) سے گرے گا، جو زہر پی کر خودکشی کرے اُس کا زہر اُس کے ہاتھ میں ہوگا، ہمیشہ جہنم میں اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا، اور جو شخص کسی ہتھیار سے خودکشی کرے، وہ ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہوگا، ہمیشہ جہنم میں اپنے پیٹ میں گھونپے گا،

(۳) وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یخنق نفسہ یخنقھا فی النار والذی یطعنھا یطعنھا فی النار۔ حوالہ مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرے، وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹے گا، اور جو برچھی وغیرہ گھونپ کر خودکشی کرے، وہ جہنم میں برچھی وغیرہ گھونپے گا،

(۴) وعن جندب بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان فیمن کان قبلکم رجل بہ جرح فجزع فاخذ سکینا فحز بھا یدہ فما رقأ الدم حتی مات قال اللہ تعالی بادرنی عبدی بنفسہ، فحرمت علیہ الجنۃ۔ متفق علیہ۔ مشکوۃ کتاب القصاص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ لوگوں سے ایک شخص کے زخم تھا، اس سے بے قرار ہوگیا، چاقو لے کر اپنا ہاتھ کاٹ دیا، خون بند نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، خدا تعالےٰ نے اس پر جنت حرام کر دی،

(۵) وعن جابر ان الطفیل بن عمرو الدوسی لما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ ھاجر الیہ وھاجر معہ رجل من قومہ فمرض فجزع فاخذ مشاقص لہ فقطع بھا براجمہ فشخبت یداہ حتی مات فراٰہ الطفیل بن عمرو فی منامہ و

هيئة حسنة ورآه مغطيا يديه فقال ما صنع بك ربك فقال غفرلي بهجرتي الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال مالي اراك مغطيا يديك قال قيل لي لن نصلح منك ما افسدت فقصها الطفيل على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم وليديه فاغفر۔ رواه مسلم، حوالہ مذکورہ۔

جابر فرماتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، تو طفیل بن عمرو دوسیؓ نے اور اس کے ساتھ ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی وہ بیمار ہوکر بے چین ہوگیا، چاقو لے کر اپنی انگلیاں جوڑوں سے کاٹ دیں، خون نے جوش مارا، یہاں تک کہ وہ مرگیا، طفیل بن عمروؓ نے اس کو خواب میں اچھی ہیئت میں دیکھا، پوچھا خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا، کہا میری ہجرت کی برکت سے خدا نے معافی دے دی الطفیل بن عمرو نے کہا تو نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانپے ہوئے ہیں، کہا خدا کی طرف سے مجھے کہا گیا کہ جو تو نے خود بگاڑا ہے، اس کو ہم ٹھیک نہیں کریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے، یہ پانچ احادیث میں پہلی چار سے تو ظاہر ہوتا ہے، کہ اس کے لئے بخشش نہیں، نہ اس کا جنازہ پڑھنا چاہیے، پانچویں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی معافی ہو سکتی ہے اس بناء پر اس کی نماز جنازہ بھی درست ہے، کیونکہ نماز جنازہ میں میت کے لئے معافی وغیرہ کی درخواست ہوتی ہے۔ ہاں اس میں شبہ نہیں کہ گناہ بہت بڑا ہے، جس کی سزا یہی ہے، کہ ہمیشہ جہنم میں اس عذاب میں مبتلا رہے، جس سے اس نے اپنی جان تلف کی ہے، اللہ تعالیٰ کسی عمل کی برکت سے معافی دے دے، تو علیحدہ بات ہے، ورنہ سزا یہی ہے، اور اسی تنبیہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی چنانچہ پہلی حدیث میں مذکور ہے، حالانکہ وہ مسلمان ہے اسلام سے خارج نہیں، اور مسلمان پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، مگر تنبیہ کے لئے آپؐ نے نہیں پڑھی، اس طرح جس مقروض نے ادائیگی قرض کے لئے مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا نہ ہو سکے، اس کی بھی نماز جنازہ نہیں پڑھی، حالانکہ وہ بھی بالاتفاق مسلمان ہے، پس جو شخص مذکور فی السوال پر بڑا آدمی پرہیزگار، متقی عالم فاضل جس کے نماز جنازہ نہ پڑھنے سے تنبیہ ہو جائے،

نماز جنازہ نہ پڑھے، اور باقی لوگ پڑھ لیں یا کوئی بھی نہ پڑھے، تاکہ زیادہ تنبیہ ہو جائے،
اس طرح مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا، یہ بھی نماز جنازہ کی طرح بطور تنبیہ ہو تو کوئی
حرج نہیں، کیونکہ آخر مسلمان ہے چنانچہ اوپر معلوم ہو چکا ہے

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ش ۱۹)　　　عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم اہلحدیث روپڑ

خسرے کے جنازہ کا حکم

سوال:۔ اگر میت خسرہ ہو، اُس کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے، یا ناجائز، کیا امام نماز پڑھائے یا نہ، اگر پڑھائے تو امام کیا دعا پڑھے،

جواب:۔ خسرہ دو طرح کا ہوتا ہے، ایک پیدائشی اور ایک بناوٹی، بناوٹی اگر اپنے پیشے سے توبہ کرے تو اس کے نماز جنازہ میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ وہ حقیقت میں مرد ہوتا ہے جس نے عورت کی شکل بنا کے سوال کا پیشہ اختیار کر لیا ہے، اگر بغیر توبہ مر گیا، تو دیکھا جائے، اور معلوم کیا جائے کہ نماز کا پابند تھا، تو اس صورت میں بھی نماز جنازہ ہو جاتی ہے، لیکن تنبیہ کے طور پر نہ پڑھی جائے تو مناسب ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقروض کی، اور خود کشی کرنے والے کی، اور ماعز کی جس نے زنا کیا تھا، نماز جنازہ نہیں پڑھی، اگر بناوٹی خسرہ نماز نہیں پڑھتا تھا، تو پھر بالکل نماز جنازہ نہ پڑھنی چاہئے کیونکہ بے نماز کافر ہے،

اگر خسرہ پیدائشی ہے تو اس کی حالت دیکھی جائے، کہ مرد سے زیادہ مشابہ ہے یا عورت سے جس سے زیادہ مشابہ ہو اس کا حکم رکھتا ہے، اگر مرد سے زیادہ مشابہ ہو تو مرد والی دعائیں پڑھی جائیں، اور جنازہ پڑھانے کے وقت امام اس کے سر کے برابر کھڑا ہو یا اس کے درمیان میں اگر خسرہ عورت سے زیادہ مشابہ ہو تو عورت والی دعائیں، اور جنازہ پڑھنے کے وقت امام اس کے درمیان میں کھڑا ہو یا سرین کے برابر، کیونکہ جدھر کو ترجیح ہو، اُدھر ہی کا حکم ہونا چاہئے، اگر مرد عورت والی علامتیں برابر ہوں، تو پھر اختیار ہے، امام جونسی دعائیں چاہے پڑھے

...کہ دونوں طرف برابر ہیں وراثت کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ مرد سمجھا جائے یا عورت صحیح مذہب یہی ہے کہ آدھا حصہ اس مرد کا دیا جائے ، اور آدھا عورت کا چنانچہ کتب وراثت میں اس کی تفصیل ہے ، عبدالقادر امرتسری ۔ دہلی فتاویٰ اہلحدیث جلد صفحہ ۔

توضیح ، مرد یا عورت کی دعاؤں میں فرق حدیث صریح سے ثابت نہیں جنازہ اور میت کا اطلاق جب مرد اور عورت دونوں پر صادق آتا ہے ، تو خسرہ کی دعاؤں تفریق کی کیا ضرورت ہے ۔ (سعیدی)

مردہ بچہ کے جنازہ کا حکم

سوال :۔ بچہ مرا ہوا پیدا ہو ، تو اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے ، یا نہیں ۔ ایسے بچہ کو کفن دینا ، غسل دینا چاہیئے ، یا نہیں ، ایسے بچہ کو قبرستان میں دفن کرنا چاہئے ، یا قبرستان سے باہر دفن کرنا چاہیئے ،

جواب ، مشکوٰۃ میں ہے عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ شُعْبَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الرَّاکِبُ یَسِیْرُ خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَالْمَاشِیْ یَمْشِیْ خَلْفَھَا وَاَمَامَھَا وَعَنْ یَمِیْنِھَا وَعَنْ یَسَارِھَا قَرِیْبًا مِنْھَا وَالسِّقْطُ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَیُدْعٰی لِوَالِدَیْہِ بِالْمَغْفِرَۃِ وَالرَّحْمَۃِ رواہ ابوداؤد وفی روایۃ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ قال الراکب خَلْفَ الْجَنَازَۃِ وَالْمَاشِیْ حَیْثُ شَاءَ مِنْھَا وَالطِّفْلُ یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَفِی الْمَصَابِیْحِ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ بْنِ زِیَادٍ مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ الخ

یعنی مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے . نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازہ کے پیچھے چلے اور پیادہ کو اختیار ہے خواہ پیچھے چلے آگے ، یا دائیں یا بائیں نزدیک اور کچا بچہ جو پورے دنوں سے پہلے گر جائے ، اس پر نماز پڑھی جائے ، اور اس کے والدین کے لئے بخشش و رحمت کی دعا کی جائے ، اور ابوداؤد نے اسکو روایت کیا ہے ، اور مسند احمد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے ، کہ سوار جنازے کے پیچھے چلے ، اور پیادہ جہاں چاہے ، اور لڑکے پہ نماز جنازہ پڑھی جائے یہ حدیث بظاہر عام معلوم ہوتی ہے ، کہ بچہ خواہ زندہ پیدا ہو یا ، مرا ہوا ہر صورت میں اس نماز پڑھی جائے ، لیکن دوسری حدیث میں شرط آئی ہے ، کہ آواز کرے ، تو نماز جنازہ پڑھی جائے ، چنانچہ

مشکوۃ کے اسی باب صفحہ ۱۴۵ میں ہے بَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ رواه الترمذي وابن ماجة إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا يُورَثُ۔ جابرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لڑکا جب تک آواز نہ کرے، نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، نہ وہ کسی کا وارث ہوگا، نہ اس کا کوئی وارث ہوگا۔ نیل الاوطار میں ہے وَيَدُلُّ عَلَى اعْتِبَارِ الِاسْتِهْلَالِ حَدِيثُ جَابِرٍ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيِّ بِلَفْظِ إِذَا اسْتَهَلَّ السِّقْطُ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوُرِثَ نیل الاوطار ج۴ ص۲۸ یعنی آواز کے شرط ہو۔ نیز پر جابرؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ جب کچھ بچہ آواز کرے تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اور وہ وارث بھی ہوگا۔

اس حدیث میں اسمٰعیل بن مسلم ایک راوی ضعیف ہے، لیکن اس کے ساتھ اور بہت سے شامل ہیں، چنانچہ تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۵ میں حافظ ابن حجرؒ نے اور نیل الاوطار صفحہ ج۴ ص۲۸ میں امام شوکانی نے بحوالہ ترمذی وغیرہ ذکر کیا ہے، اس لئے اس کا ضعف نقصان نہیں دیتا، اور اسی لئے حاکمؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری، مسلم کی شرط پر صحیح ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۵ میں کہا ہے کہ یہ حاکمؒ کا وہم ہے، کیونکہ اسمٰعیل بن مسلم کے ساتھ روایت کرنے میں اگرچہ اور بہت سے شامل ہیں، لیکن اسمٰعیل بن مسلم کا استاد ابوالزبیر مکی اس میں بخاری کی شرط پر نہیں، کیونکہ یہ تیسرے درجے کا مدلس ہے، چنانچہ طبقات المدلسین کے صفحہ ۱۶ میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے، اور اس نے جابرؓ سے کلمہ عن کے ساتھ روایت کی ہے، یعنی عن جابر (روایت کرتا ہوں میں جابر سے) کہا ہے اور سَمِعْتُ جَابِرًا (سنا میں نے جابرؓ سے) نہیں کہا، اور مدلس جب عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ معتبر نہیں ہوتی، پس اس بنا پر یہ روایت معتبر نہ ہوئی، مگر بعض اور احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ لائق استدلال ہوگی چنانچہ نیل الاوطار صفحہ ج۴ ص۲۹ اور تلخیص الحبیر کے صفحہ ۱۵۵ میں ہے، وفي الباب عن علي أخرجه ابن عدي في ترجمة عمرو بن خالد وهو متروك ومن حديث ابن عباس أخرجه ابن عدي من رواية شريك عن أبي إسحاق عن عطاء عنه وقواه ابن طاهر في الذخيرة وقد ذكره البخاري من قول الزهري تعليقا في باب إذا استهل

الصبی فمات، هل یصلی علیه، ووصله ابن ابی شیبة۔

یہ عبارت تلخیص الحبیر کی ہے، اور نیل الاوطار کی عبارت بھی اسی کے قریب ہے، ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس بارے میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، ابن عدی نے اس کو عمرو بن خالد کے حالات میں ذکر کیا ہے، لیکن عمرو بن خالد متروک ہے، یعنی بہت ضعیف ہے، اور اس بارے میں ابن عباسؓ کی حدیث بھی ہے، اس کو بھی ابن عدی نے شریک کی روایت سے اس نے ابن اسحاق سے اس نے عطا سے اس نے ابن عباسؓ سے ذکر کیا ہے، اور ابن طاہر نے ابن عباسؓ کی حدیث کو ذخیرہ میں قوی کہا ہے، اور بخاری نے بھی اس کو زہری کا قول بنا کر بغیر اسناد کے ذکر کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے اس کو باسناد ذکر کیا ہے، ان احادیث کے علاوہ بعض اور احادیث بھی ہیں۔ جن سے یہ مسئلہ پختہ ہوتا ہے، کہ بچہ آواز کرے، تو اس کا جنازہ پڑھایا جائے، چنانچہ نیل الاوطار کے صفحہ ۸۰ اور تلخیص الحبیر کے صفحہ ۲۵۱ میں ہے، وقد اخرج البزار عن ابن عمر مرفوعاً استهلال الصبی العطاس اسنادہ ضعیف یعنی بچہ کی آواز چھینک ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس کی اسناد کو اگرچہ ضعیف کہا ہے، لیکن اوپر کی احادیث کو اس سے تقویت ہو گئی کیونکہ ضعیف مل کر حسن کے درجے کو پہنچ جاتی ہے، چنانچہ کتب اصول شرح نخبہ وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور چھینک سے مراد آواز کا ادنیٰ درجہ ہے، ورنہ کسی اور طرح آواز ہو وہ بھی کافی ہے، اور جمہور کا یہی مذہب ہے وہ کہتے ہیں جب بچہ آواز کرے، تو اس کا جنازہ پڑھا جائے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری کے صفحہ ۶۹۸ ج ۵ باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه میں اس کی تصریح کی ہے، اور نیل الاوطار مقام مذکور میں کہ مقصود آواز سے ترنج، چھینک حرکت ہے، جس سے حیات معلوم ہو، اور صاحب نیل الاوطار کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی کہا ہے، کہ مقصود آواز سے علامت حیات ہے، آواز چونکہ اکثر اور واضح ہے اس لئے اس کا ذکر کر دیا، پس جب کوئی ایسی علامت پائی جائے جس سے بچہ کی حیات معلوم ہو تو اس کا جنازہ پڑھا جائے گا، اور وہ وارث بھی ہو گا، پھر اس کی وراثت اس کے وارثوں میں تقسیم ہو گی پس جب اس کا جنازہ بھی ہوا اور وہ وارث بھی ہوا، تو باقی کفن دفن بھی اس کا بڑوں کی طرح ہونا چاہیئے اس میں کسی کو اختلاف نہیں، حضرت سعید بن جبیر، عبداللہ بن عباس کے شاگرد کہتے ہیں کہ لڑکا جب تک بالغ

نہ ہو، اس وقت تک اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے. اور کہا گیا ہے، کہ جب تک بچہ نماز نہ پڑھے، اس وقت تک اس کی نماز جنازہ نہیں، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری صفحہ ۱۹۸ ج ۳ باب اذا اسلم الصبي فمات هل يصلى عليه میں یہ دونوں قول ذکر کئے ہیں، مگر یہ صریح احادیث کے خلاف ہیں، اوپر کی احادیث کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں، جن سے بچوں کا جنازہ ثابت ہوتا ہے، مشکوٰۃ میں سعید بن مسیب سے روایت ہے. وہ کہتے ہیں، میں نے ابوہریرہؓ کے پیچھے معصوم بچہ کی نماز جنازہ پڑھی، میں نے ان سے سنا کہ وہ اس کے حق میں عذاب قبر سے پناہ کی دعا کرتے الرحمۃ المهداة فصل رابع مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۶ میں ہے عمار مولیٰ حارث بن نوفل کہتے ہیں، میں ایک عورت اور اس کے بچے کے جنازہ کو حاضر ہوا، بچہ امام کے نزدیک رکھا گیا، اور عورت بچہ سے قبلہ کی جانب رکھی گئی، پس دونوں پر نماز جنازہ پڑھی گئی. اور لوگوں میں ابوسعیدؓ، ابن عباسؓ، ابوقتادہؓ، ابوہریرہؓ (یہ جلیل القدر صحابہ موجود تھے،) میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس طرح متعدد میتوں کو آگے پیچھے رکھ کر اگر مردوں کے ساتھ عورت ہو تو اس کو مردوں کے آگے قبلہ کی جانب رکھ کر اکٹھے نماز جنازہ پڑھنا سنت ہے، یعنی ارشاد نبویؐ ہے، نسائی اور ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے، نیز الرحمۃ المهداة کے اسی صفحہ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ارجمند ابراہیم جب فوت ہوئے، تو آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی، اور فرمایا ان کے لئے جنت میں دایہ دودھ پلانے والی ہے، یعنی یہ رضاعت کے دنوں میں فوت ہو گئے، اس لئے ان کی رضاعت جنت میں پوری کی جائے گی، اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے، اور ان کے ماموں یعنی قبطی لوگ آزاد ہو جاتے، اور آئندہ کو قبطی غلام نہ بنایا جاتا. روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے غرض اس قسم کی روایتیں بہت ہیں، جن میں بچوں پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے. پس سعید بن جبیر کا قول اور اس کے ساتھ کا قول دونوں غلط ہیں، اور بعض کہتے ہیں، جب بچہ پیٹ میں چار ماہ کا ہو جائے. تو پھر خواہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، کیونکہ جب چار ماہ کے بعد بچہ میں جان پڑ جاتی ہے، اس کے بعد اگر وہ مرا ہوا پیدا ہو تو وہ میت شمار ہوگا، پس اس کا غسل (نماز جنازہ وغیرہ) باقاعدہ ہونا چاہیے، امام شافعی وغیرہ کا

یہی مذہب ہے، اور امام ابن تیمیہؒ مصنف منتقی نے اسی کو اختیار کیا ہے، کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، مگر ترجیح اسی کو ہے کہ جب زندہ باہر نکلے، تب نماز جنازہ وغیرہ ہونی چاہیے، ورنہ نہیں چنانچہ اوپر کی روایت سے واضح ہو چکا ہے، تفصیل، نیل الاوطار وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

(فتاوی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵۱) حافظ محمد عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین

(حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی)

سوال:۔ تکبیر جنازہ کے ساتھ رفع الیدین کرنی چاہیئے، یا نہیں؟

جواب:۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ مع التکبیر قال احمد اما انا فاری ان الحدیث یدخل فیہ ھذا کلہ وروی عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یرفع فی کل تکبیرۃ فی الجنازۃ وفی العید رواہ الاثرم ولا یعرف لہ مخالف فی الصحابۃ انتہی۔ یعنی روایت کی گئی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تکبیر کے ساتھ ہاتھ اُٹھاتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہر نماز کی تکبیروں کو شامل ہے، اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ جنازہ میں اور ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کو اثرم نے روایت کیا ہے، اور صحابہؓ سے حضرت عمرؓ کے اس مسئلہ میں کوئی خلاف کرنے والا معلوم نہیں۔ حضرت عمرؓ کے اس فعل کو امام بیہقی نے بھی صفحہ ۴۴ ج ۴ میں روایت کیا ہے، لیکن اس میں ابن لہیعہ راوی ہے۔ جو ضعیف ہے اس سے ظاہر ہے کہ تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کرنی چاہیئے،

(فتاوی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵۶)

سوال:۔ جنازہ بلند آواز سے پڑھنا شریعت محمدیہ میں جائز ہے یا نہیں؟

نماز جنازہ بلند آواز سے:۔ جواب:۔ جنازہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۱)

میں حدیث ہے، عوف بن مالک نے بیان کیا صلی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علی جنازۃ فحفظت من دعائہ وھو یقول اللھم اغفر لہ وارحمہ الخ۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری آواز سے جنازہ پڑھا ہے۔ اس کا انکار حدیث کا انکار ہے۔ (فتاوی اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۵)

یوسف ابراہیمی مدرس مدرسہ دارالعلوم امرتسر تائید محدث روپڑی

غائبانہ جنازہ

سوال:۔ نجاشیؓ کے سوا کسی اور شخص کا بھی جنازہ غائب پڑھا گیا ہے، اگر پڑھا گیا ہے، تو کس شخص کا کیونکہ حضورؐ کے زمانہ میں کئی صحابہؓ بھی تو دیگر ممالک میں فوت ہوئے تھے، تو ان کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا گیا؟۔

جواب:۔ جنازہ غائب کی بابت بہت اختلاف ہے حنفیہ وغیرہ کے علاوہ بہت اہل حدیث بھی اس کے قائل نہیں، نجاشی کی حدیث کی بابت کہتے ہیں، کہ وہ غیر ملک میں فوت ہوا، اس کے والی وارث کفار تھے، ظاہر یہی ہے کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا، اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ مدینہ میں پڑھا خطابیؒ نے اس کو اختیار کیا، اور رویانی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، ابوداؤد نے اس پر باب باندھا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور محقق مقبلی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، اور ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ابن ماجہ، مسند احمد طیالسی، ابن قانع، طبرانی، ضیاء مقدسی میں حذیفہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان اخاکم مات بغیر ارضکم فقوموا فصلوا علیہ یعنی تمہارا بھائی تمہاری غیر زمین میں مرگیا، اٹھو اس کی نماز جنازہ پڑھو، اس حدیث میں تمہاری غیر زمین میں مرنے کا ذکر اس طرف اشارہ ہے، کہ وہاں اس کا جنازہ نہیں ہوا، اس لیے تم پڑھو، اور قوموا کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ یہ فا تفریع کی ہے۔ یعنی غیر ملک مرنا یہ اس جنازہ کا سبب ہے

کی بنا پر ہے کہ وہاں جنازہ نہیں ہوا۔ نجاشی کے واقعہ کے تین اور بھی جواب دیئے گئے ہیں،

(۱) ایک یہ کہ آپ کے لئے زمین لپیٹی گئی، یہاں تک کہ میت آپ کے سامنے ہو گی، یہ جواب ابن عربی نے مالکیہ سے نقل کیا ہے، مگر اس کا ثبوت کوئی نقل نہیں کیا،

(۲) دوسرا یہ جواب دیا گیا ہے کہ درمیان سے پردہ اٹھایا گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میت سامنے نظر آگئی، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے، شاید اس جواب کی بناء ابن عباسؓ کی اس روایت پر ہو جو واحدی نے اسباب النزول میں بلا سند ذکر کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کشف للنبی صلی اللہ علیہ وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰہ وصلی علیہ۔ یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشیؓ کی چارپائی سے پردہ دور کیا گیا، یہاں تک کہ آپ نے اس کو دیکھا اور جنازہ پڑھا، ابن حبان نے بھی عمران بن حصینؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں فقاموا وصفوا خلفه وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه۔ یعنی صحابہؓ کھڑے ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صف باندھی اور وہ یہی گمان کرتے تھے کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے، اور ابی عوانہ نے بھی بطریق ابان وغیرہ سے اس نے یحییٰ سے اس قسم کی ایک روایت کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں فصلینا خلفه ونحن لا نرى الا ان الجنازة قدامنا۔ یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جنازہ پڑھا، اور ہم یہی دیکھتے تھے کہ جنازہ ہمارے سامنے ہے،

(۳) تیسرا جواب نجاشی کے واقعہ کا یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نجاشی کا خاصہ ہے، دلیل اس کی یہ

ان تاویلات کا دروازہ کھولنے کی اس وقت ضرورت ہے، جب کہ پہلے غائبانہ جنازہ کی ممانعت کوئی نص تصریح موجود ہو، جب نص ہی موجود نہیں تو تاویلوں کی کیا ضرورت ہے، میت سامنے نہ آئی، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھائی، جب تک ممانعت ثابت نہ ہو، واقعہ نجاشی ہمارے لئے حجت ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

ہے کہ نجاشیؓ کے سوا کسی اور کا جنازہ نہیں پڑھا حالانکہ بہت سے صحابہؓ مختلف جگہ فوت ہوتے رہے، اگر جنازہ غائب عام طور پر جائز ہوتا تو کسی نہ کسی کا ضرور نقل ہوتا، لیکن اس پر اعتراض پڑتا ہے۔ کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ غائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، وہ مدینہ میں فوت ہوا، آپ اس وقت تبوک میں تھے، ابن عبدالبر نے اس کو استیعاب میں ذکر کیا ہے، نیز ابن عبدالبر نے ابوامامہ باہلی سے معاویہ مقرن کی بابت اور انسؓ سے معاویہ بن معاویہ مزنی کی بابت اس قسم کی روایتیں کی ہیں، پھر کہا ہے کہ ان سب کی سندیں قوی نہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی نجاشی کا خاصہ کہنے والوں پر اعتراض کیا ہے، کہ معاویہ بن معاویہ لیثی کا جنازہ آپ نے پڑھا، اور مجموعہ طرق کے لحاظ سے اس واقعہ کو قوی بتایا ہے، اور ذہبی کہتے ہیں، کہ صحابہؓ میں معاویہ بن معاویہ ہم کوئی شخص نہیں جانتے، اور ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ معاویہ بن معاویہ کے جنازہ کی روایت صحیح نہیں، اس کی اسناد میں علاء بن یزید راوی ہے جس کی بابت ابن المدینی نے کہا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ غرض جنازہ غائب کی بابت اس قسم کے اختلافات ہیں، میری کسی طرف تسلی نہیں، اس لئے میں نہیں پڑھا کرتا، ہاں پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا، کیونکہ معاملہ بین بین ہے، اس لئے جو جانب کسی کو راجح معلوم ہو، اس پر عمل کر سکتا ہے اور جو کچھ میں نے تفصیل کی ہے یہ نیل الاوطار صفحہ ۲۸۵ ج ۳ میں موجود ہے، اور دیگر شروحات و متون میں بھی اس کی کافی تفصیل ہے، مگر خلاصہ سب کا یہی ہے، جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۵۰) عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

متعدد مرتبہ جنازہ

سوال:۔ اہل حدیث کا معمول ہے کہ اکثر ایک جنازہ متعدد بار پڑھتے ہیں، اور احناف اس سے انکار کرتے ہیں بلکہ دوسری مرتبہ جنازہ پڑھنے سے روکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرون ثلاثہ میں کسی شخص کا جنازہ دوسری دفعہ نہیں پڑھا گیا، اور حضورؐ کا جنازہ خلافت قائم ہونے کے بعد

حضرت ابو بکرؓ نے پڑھا دیا، پھر کسی نے نہیں پڑھا، پس یہ دوبارہ جنازہ پڑھنا بدعت ہے لہٰذا بتایا جائے کہ حضورؐ کے زمانہ میں کسی کا جنازہ دو یا تین مرتبہ سامنے رکھ کر پڑھا گیا ہو، جیسا کہ آج کل اہل حدیث کا معمول ہے کہ جو لوگ جنازہ سے رہ جاتے ہیں وہ فوراً دوبارہ جنازہ پڑھ لیتے ہیں، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جنازہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد بھی کسی نے پڑھایا ہے یا نہیں؟۔

جواب: مشکوٰۃ شریف میں ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَیْلًا فَقَالَ مَتٰی دُفِنَ ھٰذَا قَالُوا الْبَارِحَۃَ قَالَ اَفَلَا اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالُوْا دَفَنَّاہُ فِیْ ظُلْمَۃِ اللَّیْلِ فَکَرِھْنَا اَنْ نُوْقِظَکَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَہٗ فَصَلّٰی عَلَیْہِ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ امْرَأَۃً سَوْدَاءَ کَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْ شَابٌّ فَفَقَدَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَئَلَ عَنْھَا اَوْ عَنْہُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ اَفَلَا کُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَکَاَنَّھُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَھَا اَوْ اَمْرَہٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰی قَبْرِہٖ فَدَلُّوْہُ فَصَلّٰی عَلَیْھَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَۃٌ ظُلْمَۃً عَلٰی اَھْلِھَا وَاِنَّ اللّٰہَ یُنَوِّرُھَا لَھُمْ بِصَلَاتِیْ عَلَیْھِمْ (متفق علیہ) ولفظہ لمسلم مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ۔

یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک میت کی قبر کے پاس سے گذرے جو رات کو دفن کی گئی، آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ شخص کب دفن کیا گیا، صحابہؓ نے کہا آج رات، فرمایا مجھے کیوں نہ خبر دی، صحابہؓ نے کہا ہم نے اس کو اندھیرے میں دفن کیا آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، پس آپ کھڑے ہوئے، اور ہم نے بھی آپ کے پیچھے صف باندھی، پس اس پر نماز پڑھی، اور ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے، ایک حبشیہ یا جوان مرد جو مسجد کو جھاڑ دیتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ پایا، تو آپؐ نے اس کی بابت پوچھا، لوگوں نے کہا کہ وہ مرگیا ہے، فرمایا مجھے تم نے خبر کیوں نہ دی، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں لوگوں نے گویا اس کا معاملہ چھوٹا سمجھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتاؤ، انہوں نے قبر بتائی۔ تو آپؐ قبر پر جاکر نماز جنازہ ادا کی، پھر فرمایا کہ قبریں اندھیرے سے بھری ہوئی ہیں، میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کو روشن کر دیتا ہے، اس قسم کی

کئی روایتیں آئی ہیں، جن میں قبر پر نماز جنازہ کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں مہینہ کی مدت بھی آئی ہے، یعنی ایک ماہ بعد قبر پر جنازہ پڑھا (منتقی فتح الباری جلد ۵) پس جب قبر پر نماز جنازہ ثابت ہو گیا، تو جب میت قبر سے باہر ہو اس وقت بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا بعض لوگ کہتے ہیں، کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، اور دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا میری نماز جنازہ پڑھنے سے خدا ان کی قبروں میں نور کر دیتا ہے، مگر یہ ان لوگوں کی ڈبل غلطی ہے، یہ تو ایسا ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے جنازہ میں چالیس آدمی توحید والے شریک ہو جائیں، خدا ان کی سفارش ان کے حق میں قبول کرے گا (مشکوۃ باب المشی بالجنازۃ) تو کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ چالیس سے کم جنازہ نہ پڑھیں، نیز زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان کے مالوں سے صدقہ لے تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ تاکہ اس صدقہ کے ذریعہ تو ان کا ظاہر و باطن پاک کرے، اور ان کے لئے دعا کر بیشک تیری دعا ان کے لئے تسلی ہے، تو کیا اس کا مطلب یہ ہے، کہ زکوٰۃ لینا آپ ہی کا خاصہ ہے، کیونکہ آپ کی دعا ان کے لئے تسلی ہے، کسی اور کی نہیں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے، انہوں نے بھی یہی آیت پیش کر کے کہا تھا کہ زکوٰۃ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تک تھا، اب نہیں اس پر حضرت ابوبکرؓ نے تلوار اٹھائی سو اس قسم کے دلائل سے خاصہ ثابت نہیں ہوا کرتا، بلکہ کوئی واضح دلیل چاہیئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہؓ نے بھی نماز جنازہ پڑھی، اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں بلکہ عام ہے، اب رہا یہ استدلال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد کسی نے نہیں پڑھا، اوّل تو نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوبارہ جنازہ جائز نہیں، کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے، جب کچھ لوگ پڑھ لیں تو قرض ذمہ سے اتر گیا اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوبارہ منع ہے، جب مذکورہ بالا روایتوں سے دوبارہ ثابت ہو گیا، تو جو پڑھنا چاہیئے پڑھ سکتا ہے،

دوسرے حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ پڑھانے کی روایت قابل استدلال نہیں، کیونکہ یہ
روایت صحت کو نہیں پہنچی، نیل الاوطار میں ہے، کہ اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے جنازہ میں امام کون بنایا گیا، پس کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ امام تھے، یہ روایت ایسی
سند سے مروی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ وہ صحیح نہیں، اور اس کی اسناد میں ایک
حرام ہے، جو بہت ضعیف ہے، اور ابن دحیہ کہتے ہیں، یہ روایت قطعاً باطل ہے، کیونکہ
اس کے راوی ضعیف ہیں، اور اسناد بھی منقطع ہے، یعنی اسناد میں راوی گرا ہوا ہے، نیز دحیہ
نے کہا ہے کہ بات صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں نے اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھی، امام شافعیؒ نے یہی
مسلک کیا ہے، یہ بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر امام نہ بننے کی وجہ آپ کی عظمت اور
... ہے، نیز ہر ایک اس چیز کی رغبت رکھتا تھا اس لئے کسی ایک کو امام نہیں بنایا گیا، دحیہ
کہتے ہیں، کہ آپ پر تیس ہزار اشخاص نے نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ
کی امامت کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ آپ پر کسی نے امامت نہیں کرائی، منتقیٰ میں ہے عن ابن عباسؓ

دخل الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسالا یصلون علیہ حتی اذا فرغوا ادخلوا النساء
اذا فرغن ادخلوا الصبیان ولم یؤم الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد رواہ ابن

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ
تھوڑے تھوڑے داخل ہوتے، اور نماز پڑھتے، جب مرد فارغ ہو گئے، تو انہوں نے عورتوں
کو داخل کیا، جب عورتیں فارغ ہو گئیں، تو لڑکوں کو داخل کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پر کسی نے امامت نہیں کرائی، اس حدیث کو بیہقیؒ نے بھی روایت کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اس
کی اسناد کو ضعیف کہا ہے، کیونکہ اس میں حسین بن عبد اللہ بن ضمیرہ راوی ضعیف ہے، نیل الاوطار
میں ہے کہ اس بارہ میں مسند احمد میں بھی روایت ہے، ابی عسیب کہتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے جنازہ کو حاضر ہوا، (آخر وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر
جنازہ کس طرح پڑھیں، فرمایا تھوڑے تھوڑے داخل ہوں۔ اس طرح تلخیص میں ہے،
اور ابن عباسؓ سے طبرانی میں بھی اس طرح مروی ہے، اس کی اسناد میں عبد المنعم بن ادریس

ایک راوی ہے جو کذاب ہے، اور بزار نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے مستدرک حاکم میں کمزور اسناد کے ساتھ اور نبیط بن شریط سے بیہقی میں بھی (اسی طرح) مروی ہے، اور امام مالکؒ نے اس کو بصیغہ بلغنی (مجھے پہنچا) ذکر کیا ہے، شمائل ترمذی میں ہے، قالوا یا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایصلے علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نعم قالوا وکیف قال یدخل قوم فیکبرون ویصلون ویدعون ثم یخرجون حتی یدخل الناس (باب ماجاء فی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو کہا کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، فرمایا ہاں لوگوں نے کہا کس طرح، فرمایا ایک قوم داخل ہو کر تکبیر کہیں نماز پڑھیں، دعا کریں پھر نکل جائیں، یہاں تک کہ اس طرح سارے لوگ داخل ہوں،

ملا علی قاری فرماتے ہیں، آپ پر کوئی امامت نہ کرائے، کیونکہ آپ حین حیات اور حین ممات دونوں حالتوں میں امام ہیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح وصیت کی، اور اسی وجہ سے کہ آپ کے دفن میں تاخیر ہوئی، کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نماز جنازہ جائز نہیں، تاکہ یہ سلسلہ جاری ہو کر آپ کی پوجا تک نوبت نہ پہنچ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے متفرق طور سے آپ پر فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ کے اہل بیت نے پھر متفرق طور پر لوگوں نے پھر آخیر میں، امہات المومنین نے، شرح مواہب میں خصائص کے بیان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی اوپر کی روایتیں ذکر کر کے بعد لکھتے ہیں فکان الناس یدخل رسلاً فرسلاً فیصلون صفاً صفاً لیس لہم امام رواہ ابن سعد یعنی تھوڑے تھوڑے لوگ آپ پر داخل ہوتے، پس قطار باندھ کر بغیر امام کے نماز پڑھتے، روایت کیا اس کو ابن سعد نے۔

شیخ عبدالرؤف مناوی شرح شمائل میں لکھتے ہیں جس کا اردو ترجمہ یہ ہے، یعنی حاکم نے مستدرک میں اور بزار نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اہل کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع کیا، تو اہل نے کہا آپ پر کون جنازہ پڑھے گا، تو فرمایا جب تم مجھے غسل

کہ میری چارپائی پر رکھو تو اندر سے نکل جاؤ کیونکہ پہلے مجھ پر جبرائیل نماز پڑھیں گے پھر
میکائیل علیہ السلام پھر اسرافیل علیہ السلام پھر ملک الموت (عزرائیل) پھر تم فوج فوج داخل ہو کر
نماز پڑھو، اور سلام بھیجو، اس حدیث کے سارے راوی ثقہ ہیں صرف عبدالملک مجہول ہے
وسلم کی روایتیں بے شمار ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے جنازہ کی امامت نہیں ہوئی
ویسے ہی تھوڑے تھوڑے داخل ہو کر نماز جنازہ پڑھتے رہے، ان کا کوئی امام نہیں تھا اگرچہ
ان روایتوں میں کچھ ضعف ہے، مگر کثرت طرق کی وجہ سے حسن کے درجہ کو پہنچ سکتی ہیں،
شمائل ترمذی حدیث اکیلی ہی حسن کے درجہ کی ہے، اور شرح مواہب میں ابن کثیر سے
نقل کیا ہے، هذا امر مجمع علیہ یعنی اس پر اجماع ہے، پس جب اجماع ہوا تو کوئی
شبہ نہ رہا۔

نیل الاوطار کے صفحہ ۲/۳ میں ابن عبدالبر سے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے، اگرچہ
نیل الاوطار میں اس کے بعد ابن دحیہ کا اس پر اعتراض نقل کیا ہے، کہ ابن عبدالبر کا اس کو اجماع
کہنا صحیح نہیں، کیونکہ ابن القصار نے اس پر اختلاف ذکر کیا ہے، کہ آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی،
یا صرف دعا کی گئی، پھر اکیلے اکیلے پڑھی گئی، یا باجماعت لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اختلاف اقل
قلیل ہے، قریباً سارے مؤرخین نے آپ پر نماز جنازہ نقل کی ہے، نہ فقط دعا، اور نماز جنازہ
اکیلے اکیلے بغیر امام کے اور اوپر کی روایات سے یہی نماز جنازہ ہی ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ تکبیر
کا ذکر ہے، اور لوگوں کا حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کرنا ایصلى على رسول الله صلى الله عليه وسلم
یعنی آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے، اس سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نماز جنازہ ہی مراد ہے، کیونکہ
ویسے تو التحیات وغیرہ میں ہمیشہ آپ پر درود پڑھا جاتا ہے، یہ کوئی شبہ کی شئی نہیں، شبہ جنازہ
میں ہی ہو سکتا ہے، جیسے آپ کے ننگا کر کے غسل دینے میں، اور آپ کے مقام دفن میں شبہ
ہوا اس طرح جنازہ میں شبہ ہوا، آخر غسل آپ کو کپڑوں سمیت دیا گیا، اور دفن آپ وہیں ہوئے
اور جنازہ اکیلے اکیلے پڑھا گیا،
اوپر کی روایات اور سب مؤرخین کا اتفاق یہ دونوں مل کر اس بات کا کافی ثبوت ہے، اول

تو اوپر کی روایات ہی کافی تھیں، لیکن مورخین کا قریباً اتفاق ان کا موید ہوگیا، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ سے اس بات پر استدلال کرنا کہ متعدد جنازہ جائز نہیں یہ بالکل غلط ہے، بلکہ اس واقعہ سے متعدد جنازہ ثابت ہوتے ہیں، اور اسی واسطے ابن حجرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کو متعدد جنازہ کے ثبوت میں پیش کیا ہے، چنانچہ شرح شمائل صفحہ مذکور میں ملا علی قاری لکھتے ہیں، قال ابن حجر فیہ ان تکریر الصلوٰۃ علے المیت لا باس بہا یعنی اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ میت پر متعدد جنازہ کا کوئی حرج نہیں، اگرچہ اس کے بعد ملا علی قاری نے کہا ہے کہ آپ کا خاصہ ہے، کیونکہ باوجود جماعت ہو سکنے کے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ نے جماعت کی اجازت نہیں دی، اور اکیلے اکیلے پڑھنے کا ارشاد فرمایا، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخیر وقت اس کی وصیت فرمائی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ خاصہ ہے،

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ ص ۴۶۱)

حافظ محمد عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ

مسجد میں نماز جنازہ

سوال:۔ کیا مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں ؟۔

جواب:۔ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا حنفیہ منع کہتے ہیں، اہل حدیث کے نزدیک جائز ہے۔ راجح یہی ہے، کیونکہ سہیلؓ اور سہیلؓ کا جنازہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں پڑھا ہے، اور کوئی صحیح روایت اس کے خلاف نہیں آئی، (عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ۳)

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑ جلد ۲ ص ۴۶۶)

عبداللہ امرتسری از روپڑ

سوال:۔ نماز جنازہ غائبانہ کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے، نماز جنازہ کی ترکیب اور اس میں کیا کیا پڑھنا چاہیے، نماز جنازہ بآواز (جہری) بہتر ہے، یا سری اور مخفی پڑھنا۔ مدلل و بحوالہ جواب سے مخطوظ فرماکر عنداللہ ماجور ہوں،

جواب :۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں ہے کہ حبشہ کا بادشاہ اصحمہ اپنے دیس میں
فوت ہوگیا، اس کی وفات کی خبر جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ
میں دی، آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھو، پھر سب کو ساتھ لے کر میدان
عیدگاہ تشریف لے گئے، اور چار تکبیروں سے جنازہ غائبانہ پڑھا، یہ ظاہر ہے کہ اصحمہ حبشہ میں
فوت ہوا، اس کی میت وہیں تھی، اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نماز جنازہ
پڑھی، حبشہ اور مدینہ میں سینکڑوں میل کا فاصلہ ہے، اس حدیث سے میت کیلئے نماز جنازہ
غائبانہ پڑھنا سنت ثابت ہوئی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس کام کو ایک دفعہ کریں، وہ امت
کے واسطے قیامت تک سنت ہو جاتی ہے، ہاں اگر آپ صاف فرما دیں کہ یہ کام میرے لئے
خاص ہے، تم نہ کرنا تو اور بات ہے، اس جگہ آپ نے تخصیص نہیں فرمائی، فرض کرو کہ آپ
کیلئے جنازہ غائبانہ مخصوص تھا، تو صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے کیسے پڑھی، حنفیہ چونکہ
جنازہ غائبانہ کے قائل نہیں ہیں، اس لئے حدیث کی بیجا تاویل کرتے ہیں، نماز جنازہ غائبانہ
پڑھنے کے ادلہ نیل الاوطار وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں، نیز احناف نے جو بےجا تاویلات
کی ہیں، ان کا بھی اچھی طرح قلع قمع کر دیا ہے، فی زمانہ بعض علمائے اہلحدیث باوجودیکہ وہ امور
[...]ونہ میں بےجا اپنے کو متشدد کہتے ہیں، نماز جنازہ غائبانہ کے منکر ہو گئے ہیں اور انہیں تاویلات
[...]ا کے درپے ہیں جن کو احناف ان سے پہلے کر چکے ہیں، (وافسوس) نماز جنازہ میں قراۃ بالجہر صحیح
حدیث سے ثابت صحیح بخاری میں مختصراً اور نسائی اور منتقی الاخبار میں قدرے تفصیل سے ایک روائیت
حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے، انہ صلی علی جنازۃ فقرأ بفاتحۃ الکتاب وسورۃ جهر فلما
فرغ قال سنۃ وحق ۔ یعنی حضرت ابن عباس نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی، اس میں سورہ فاتحہ
اور سورت جہر سے پڑھی، اور کہا یہ حق اور سنت ہے، اس سے جنازہ کی نماز میں قراۃ بالجہر ثابت
ہے، نیز اگر کوئی قراۃ بالسر کرے، تو اس کا ثبوت بھی ہے، چنانچہ تلخیص الحبیر میں ہے، السنۃ علی
الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ القرآن فی نفسہ الحدیث لہذا جہر اور سر دونوں
جائز ہیں، فتاویٰ نذیریہ میں دونوں کو جائز کہا ہے، لہذا پہلی تکبیر کے بعد قراۃ ہونی چاہیے

اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھنی چاہیئے، یہ ترتیب حدیث میں مذکور ہے، جو لوگ جنازہ میں جہر کو منع کرتے ہیں اور اس پر لڑتے جھگڑتے وہ جہالت پہ ہیں، (الارشاد جدید کراچی جلد ۹ ش ۲)

مولانا محمد یونس قریشی دہلوی

باب القرآۃ علی الجنازۃ

سوال۔ نماز جنازہ میں بعد تکبیر اولے کے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں۔

جواب۔ حسن شرنبلالی نے ص۲۰۳ حاشیہ درر میں لکھا ہے قولہ لا قرأۃ فیہ وقال فی الولوالجیۃ[۱] ان قرأ الفاتحۃ بنیۃ الدعاء لا بأس بہ وان قرأ بنیۃ القرأۃ لا یجوز اھ اقول نفی الجواز فیہ تأمل لانا رأینا فی کثیر من مواضع الخ استحباب رعایتہ کاعادۃ الوضوء من مس الذکر والمرأۃ فیکون رعایت صحۃ الصلوۃ بقرأۃ الفاتحۃ علی قصد القرآن کذلک بل اولی لان الامام الشافعی یفرضہا فی الجنازۃ فتأمل۔ عمدۃ الرعایہ میں ہے قولہ خلافاً للشافعی[۲] فان یقرأ الفاتحۃ بعد التکبیرۃ الاولیٰ وھو الاقوی دلیلا وھو الذی اخ الشرنبلالی من اصحابنا والف فیہ رسالۃ اور تعلیق الممجد میں ہے قالوا لو قرأ

[۱] والوالجیہ میں لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ بہ نیت دعا کے پڑھنے میں مضائقہ نہیں، اور اگر اس پڑھے گا، بہ نیت قرأۃ کے جائز نہ ہوگا۔ الخ۔ میں کہتا ہوں کہ جواز کی نفی میں تامل ہے، ج خلاف کے بہت سے مقامات میں خلاف کی رعایت کو مستحب دیکھا ہے، جیساکہ اعادۂ وضو ذکر اور ع کے چھونے سے پس رعایت صحت نماز کی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں اور بہ قصد قرآن کے اسی طرح بلکہ بہتر ہوگا، اس لئے کہ امام شافعی فرض کہتے ہیں، سورہ فاتحہ پڑھنے کو نماز جنازہ میں پس تامل کر۔ ۱۲۔

[۲] یہ خلاف امام شافعی کے اس واسطے کہ پڑھنا چاہیے، سورہ فاتحہ ان کے نزدیک بعد تکبیر اولی کے ا

بنية الدعاء لا باس به ويحتمل ان يكون نفيا للزومه فلا يكون فيه نفي الجواز واليه مال حسن الشرنبلالي من متاخري اصحابنا حيث صنف رسالة سماها بالنظم المستطاب بحكم القرأة في صلوة الجنازة بام الكتاب ورد فيها على من ذكر الكراهة بلا لأمل شافية وهذا هو الاولى لثبوت ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه الخ

قاضی محمد ثناء اللہ حنفی مجددی پانی پتی اپنے وصیت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں، و بعد تکبیر اولیٰ سورۃ فاتحہ ہم خوانند و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسی ہیچ نکنند آہ (فتاویٰ مفید الاحناف صفحہ ۱۶)

سوال:۔ سورہ فاتحہ نماز جنازہ میں بھی اور نماز وں کی طرح فرض ہے یا نہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے عموم میں تو نماز جنازہ بھی شامل ہے، جو لوگ سورہ فاتحہ کو نماز جنازہ میں فرض نہیں کہتے۔ ان کے پاس تخصیص کی کیا دلیل ہے،

جواب:۔ حدیث صحیح لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کے عموم سے اور حدیث ابن ماجہ سے جو ام شریک سے مروی ہے، اَمَرَنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب نماز جنازہ میں فاتحہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہما کا بھی یہی مذہب ہے، اور قول راجح بھی یہی ہے، بعض اہل علم قرأت فاتحہ کو نماز جنازہ میں

قوی تر ہے۔ از روئے دلیل کے اور یہ وہ ہی ہے جس کو اختیار کیا ہے، شرنبلالی نے ہمارے اصحاب سے اور تصنیف کیا ہے، رسالہ ۱۲ ۔ لہ کہا فقہاء نے اگرچہ پڑھا سورہ فاتحہ کو بہ نیت دعا کے تو مضائقہ نہیں، اور احتمال رکھتا ہے واسطے لزوم اس کے پس نہ ہوگی، اس میں نفی جواز کی اور اس کی طرف میلان کیا ہے، حسن شرنبلالی نے متاخرین اصحاب ہمارے سے چنانچہ تصنیف کیا، شرنبلالی نے ایک رسالہ نام رکھا، اس کا نظم المستطاب لحکم القرأة فی صلوٰۃ الجنازہ بام الکتاب اور رد کیا ۔۔ اس میں شخص پہ جس نے ذکر کیا ہے کراہت کو ساتھ دلیلوں شافی کے اور یہ بہتر ہے، واسطے ثابت ہونے اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رضی اللہ عنہ سے ۱۲ ۔ لہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۱۲ ۔ لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ۱۲۔ عبدالودود عفی عنہ

سُنت جانتے ہیں، اور دلیل ان کی ابن عباس کا قول ہے، جو صحیح بخاری میں ہے، عن طلحة بن عبید الله قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب فقال لتعلموا أنها سنة وعبد الرزاق والنسائي عن أبي امامة بن سهل بن حنيف قال السنة في الصلوة على الجنازة ان يكبر ثم يقرأ بأم القرآن ثم يصلي على النبي ثم يخلص الدعاء للميت ولا يقرأ إلا في الأولى قال الحافظ اسناده صحيح۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جنازہ میں قرأت نہیں، عینی شرح صحیح بخاری میں ہے، ونقل عن أبي هريرة وابن عمر ليس فيها قرأة وهو قول مالك والكوفيين وقال ابن بطال وممن كان لا يقرأ في الصلوة على الجنازة وينكر عمر بن الخطاب علي بن أبي طالب وابن عمر أبو هريرة ومن التابعين عطاء وطاؤس سعيد بن المسيب وابن سيرين وسعيد بن جبير والشعبي والحاكم وقال مالك قرأة الفاتحة ليست معمولا بها في بلدنا في صلوة الجنازة، مگر ان روایات کی صحت وثبوت بالسند مشکل ہے

(فتاویٰ غزنویہ ص ۱۰۱) حررہ عبد الجبار الغزنوی عفی عنہ

سوال:۔ نماز جنازہ میں قرأۃ بالجہر ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نماز جنازہ میں قرأت بالجہر ثابت ہے، ابوداؤد و ترمذی و نسائی میں ابن عباس سے مروی ہے، انه صلى على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر فلما فرغ قال سنة وحق یعنی ابن عباس نے ایک جنازہ پر نماز ادا فرمائی، اس میں سورہ فاتحہ اور سورت جہر

لہ ابوہریرۃ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے، کہ نماز جنازہ میں قرات نہیں، امام مالک اور کوفیوں کا یہی قول ہے، اور ابن بطال نے کہا کہ عمر بن خطابؓ اور علیؓ بن ابی طالب اور عبد اللہ بن عمرؓ اور ابوہریرۃ اور تابعین میں سے عطاء اور طاؤس اور سعید بن مسیب، اور محمد بن سیرینؒ اور سعید بن جبیر اور شعبی اور حکم یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں، جو نماز جنازہ میں قرأۃ نہیں پڑھتے، اور انکار کرتے ہیں، اور امام مالکؒ نے کہا کہ سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا، ہمارے شہر (یعنی مدینہ منورہ) میں اس پر عمل نہیں، ۱۲۔ علوی۔

سے پڑھی، بعد فراغ فرمایا یہ سنت اور حق ہے، دوسری روایت سے جو کہ ابوامامہ بن سہل سے مسند شافعی میں مروی ہے، جہراً پڑھنا ثابت ہوتا ہے، واللہ اعلم عبدالجبار عمرپوری۔ فتاویٰ عمرپوری ص۔ الجواب صحیح والقراۃ بالجہر نعم الراقم علی محمد سعیدی

سوال:۔ جنازہ کی نماز میں امام اور مقتدی کو فاتحہ پڑھنی چاہیے، یا نہیں، اگر سورہ نہ پڑھی گئی، تو نماز جنازہ ہوجائے گی، یا نہیں؟

جواب:۔ نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ پڑھ کر امام اور مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، حدیث لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ عام ہے، جو کہ ہر نماز کو شامل ہے، اگر امام یا مقتدی نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوگی، امام نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بالجہر بھی پڑھ سکتا ہے، ملاحظہ ہو نسائی شریف جلد ۱۔ (اہل حدیث گزٹ جلد ۸ شمارہ ۱۷)

مولانا محمد یونس دہلوی

سوال:۔ نماز جنازہ کچھ لوگ بالستر پڑھتے ہیں، اور اس کو صحیح قرار دیتے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جنازہ بالجہر کے بارہ میں کیا فرمایا گیا ہے،

جواب:۔ احادیث کے الفاظ ومعانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ بالجہر پڑھی ہے، سورہ فاتحہ بھی اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی، اور تیسری تکبیر میں دعا بھی، منتقی الاخبار میں ہے، عن ابن عباس انه صلے علی جنازة فقرأ بفاتحة الکتاب وقال لتعلموا انه من السنة رواہ البخاری وابوداؤد والترمذی وصححه والنسائی وقال فیه فقرأ بفاتحة الکتاب وسورة وجهر فلما فرغ قال سنة وحق ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک دفعہ نماز جنازہ پڑھائی، اور فرمایا کہ میں نے سورہ فاتحہ بلند آواز سے اس لئے پڑھی ہے،

کہ تمہیں معلوم ہوجائے کہ یہ سنت ہے، یہ بخاری اور ابوداؤد میں روایت ہے، ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، یہ روایت نسائی میں ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی، ایک سورۃ اور پڑھی، اور یہ سب کچھ بلند آواز سے پڑھا، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ یہ سنت اور حق ہے یاد رہے، سنت سے مراد سنت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم ہے، نیل الاوطار میں ہے، فیہ دلیل علی الجھر فی قرأۃ صلوٰۃ الجنازۃ یعنی یہ نماز جنازہ کے جہری پڑھنے کی دلیل ہے، اسی طرح صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ہے، عن عوف بن مالک قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم علے جنازۃ یقول اللھم اغفر لہ وارحمہ الحدیث جنازہ کی ایک طویل دعا ذکر کرکے حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں، فتمنیت ان لو کنت انا المیت لدعاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لذٰلک المیت۔

یعنی جنازہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی، کہ کاش یہ میت میں ہوتا، صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے فحفظت من دعائہ یعنی میں نے جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سن کر حفظ کرلی، ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا بلند آواز سے پڑھی، جب ہی تو صحابی نے سنی اور حفظ کی، اس پر امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں ذلک یدل علے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم جھر بالدعاء کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے نماز جنازہ میں دعا جہر پڑھی، نیز فرماتے ہیں،

سنن ابی داؤد میں ہے، فیہ اشارۃ الی الجھر بالدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ سنن ابی داؤد میں ہے، عن واثلۃ بن الاسقع قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علے رجل من المسلمین فسمعتہ یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک الحدیث یعنی واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مرد مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ نے یہ دعا پڑھی، اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک۔ آخر تک ابوداؤد ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علے جنازۃ فقال اللھم اغفر لحینا الحدیث کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھایا، اور اس میں یہ پڑھی، اللھم اغفر لحینا آخر تک،

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں صلیت وراء ابی ھریرۃ علی صبی لم یعمل خطیئۃ قط فسمعتہ یقول اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنْ عذاب القبر یعنی میں نے حضرت ابوہریرۃ ؓ کی امامت میں ایک معصوم بچے کا جنازہ پڑھا، اور میں نے ان سے سنا انہوں نے جنازہ میں اللھم اعذہ من عذاب القبر پڑھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ اس کے ساتھ کوئی اور سورۃ اور دعا جنازہ بلند آواز سے پڑھی، اسی طرح صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بلند آواز سے جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے۔

حافظ ریاض احمد اندرون موچی دروازہ لاہور

سوال:۔ میت کو جب گھر سے قبرستان لے جائیں، تو سر آگے ہونا چاہیئے، یا پیر اور جب میت کو قبر میں اتاریں، تو قبلہ رخ کی طرف سے اتاریں یا میت کو قبر کی پائنتی کی جانب سے قبر میں اتاریں؟

جواب:۔ میت کا لے جانا تعامل مسلمین سے اس طرح ہے کہ میت کا سر آگے ہوتا ہے۔ اور پاؤں پیچھے، کیونکہ غیر مسلم ہنود وغیرہ اس کے خلاف کرتے ہیں، وہ میت کو لے جاتے وقت پیر آگے کرتے ہیں، اور سر پیچھے، اور ایک حدیث سے بھی اس امر پر استدلال ہو سکتا ہے، جس میں ہے، قَدِّمُوْنِیْ قَدِّمُوْنِیْ یعنی میت کہتا ہے کہ مجھ کو لے جاؤ آگے، اس سے بھی میت کی توجہ اور اقبال سمجھا جاتا ہے، اور اقبال مستلزم ہے، سر کی جانب کو کیونکہ اقبال جسم کے اوپر کے حصے سے ہوتا ہے، دوسرے سر انسان کا اعلیٰ حصہ ہے اس کو آگے ہی کرنا زیبا ہے، تیسرے وقت پیدائش بھی انسان اکثر سر کے بل ہی پیدا ہوتا ہے، پس وقت وفات بھی اس کو سر کی طرف سے ہی گورستان لے جانا چاہیئے، ہاں اس کے متعلق کوئی نص میری نظر سے نہیں گذری جس کسی اہل علم کو معلوم ہو تو مطلع فرمائیں، (الاعتصام جلد ۱۱ شمارہ ۲)

شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمۃ اللہ

سوال :۔ اگر جنازہ کی پوری نماز نہ ملے یعنی ایک تکبیر ملی، اور شروع کی دو تین تکبیریں چھوٹ گئیں، تو جنازہ کی نماز کس طرح پوری کرے،

جواب :۔ جس طرح امام کے ساتھ چھوٹی ہوئی نمازوں کو سلام پھیرنے کے بعد پوری کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا (مشکوٰۃ) امام کے ساتھ جو پاؤ اس کو پڑھ لو۔ اور جو چھوٹ جائے، اس کو بعد میں ادا کر لو،

یہ حکم سب نمازوں کے لئے ہے اس میں جنازہ کی نماز بھی شامل ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک نے امام زہری سے پوچھا اگر کوئی شخص جنازہ کی نماز کی بعض تکبیروں کو پائے، اور بعض کو نہ پائے، تو کیا کرے، تو زہری نے یہ جواب دیا کہ فوت شدہ تکبیروں کو بعد میں ادا کرے۔ (الاعتصام جلد ۲۱ ش ۲)

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمۃ اللہ

سوال :۔ بے نمازی اور فاسق و فاجر کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی، یا نہیں؟

جواب :۔ پڑھی جائے گی، لیکن عالم باعمل نہ پڑھائے۔ بلکہ دوسروں سے کہہ دے، کہ وہ پڑھا دیں اور لوگ اس کے پیچھے پڑھ لیں،

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص خیبر میں مر گیا، اور اس کے مرنے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس پر جنازہ کی نماز پڑھ لو۔ آپ کے اس فرمانے سے لوگوں کے چہرے کی حالت متغیر ہو گئے، جب آپ نے لوگوں کے چہروں کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اس شخص نے اللہ کی راہ میں چوری کی ہے یعنی مال غنیمت سے چوری کی ہے، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے کو تیر کے پھل سے ہلاک کر ڈالا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، (مسلم) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ فاسق و بدکار مسلمان کے جنازے کی نماز نہیں پڑھنا چاہیے چنانچہ یہی مذہب ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اوزاعی وغیرہما کا، مگر امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ فاسق کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا چاہیے، اور حضرت جابرؓ

کی اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود نماز نہیں پڑھی تھی، لوگوں کی عبرت اور تنبیہ کے لئے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نسائی کی روایت میں آیا ہے، لیکن میں اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھوں گا، اور فاسق کے جنازہ کی نماز پڑھنے پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے صَلُّوا عَلٰی مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ (کذا فی النیل جلد ۳ ص ۱۸)

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی

سوال:۔ نماز جنازہ میں درود شریف کا پڑھنا فرض ہے، یا نہیں آیا درود شریف نہ پڑھنے سے نماز جنازہ ہو جاتی ہے، یا نہیں، اگر نہیں ہوتی تو کسی معتبر حدیث کی کتاب کا حوالہ دیا جائے

جواب:۔ جنازہ کی نماز میں درود شریف پڑھنے کا ذکر حدیث شریف سے ثابت ہے، جس کے صحابہ کرام بھی قائل و فاعل تھے،

(الف) امام بیہقی نے سنن الکبریٰ جلد ۴ ص ۴۰ میں باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الجنازۃ کے تحت حضرت ابو امامہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے، اخبرہ رجال من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الصلوٰۃ علے الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یصلے علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم (الحدیث) یہی روایت امام بیہقی نے باب القراۃ فی صلوٰۃ الجنازۃ، میں حضرت امام شافعی کی سند سے ذکر فرمائی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، ان السنۃ فی الصلوٰۃ علے الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب بعد التکبیرۃ الاولیٰ سرًّا فی نفسہ ثم یصلے علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم الحدیث منتقی ابن الجارود ص ۲۶۵ طبع ہند میں اسی روایت کے الفاظ یہ ہیں، السنۃ فی الصلوٰۃ علے الجنازۃ ان یکبر ثم یقرأ بام القرآن ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یخلص الدعاء للمیت ولا یقرأ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ۔

اس آخری روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر ص ۱۶۱ طبع دہلی میں لکھتے ہیں، رجال ھذا الاسناد مخرج لھم فی الصحیحین نیز حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، اسنادہ صحیح (فتح الباری

صفحہ ج ۱ ۳۶۰ امام حاکمؒ اور حافظ ذہبیؒ بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ (مستدرک صفحہ ج ۱ ۳۶۰) حافظ ابن القیمؒ جلاء الافہام صفحہ ۳۰۶ میں فرماتے ہیں۔ وابوامامہ صحابی صغیر رووا عن صحابی آخر کما ذکر الشافعیؒ۔

(ب) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے صراحت کے ساتھ نماز جنازہ میں درود شریف کا ذکر کیا ہے مثلاً حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نماز جنازہ کی کیفیت میں درود شریف کا پڑھنا بھی بتلایا (سنن بیہقی صفحہ ج ۴ ۴۲ وزاد المعاد صفحہ ج ۱ ۱۴۱ وغیرہ) یہی معمول حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا تھا (مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ج ۴ ۲۹۵ طبع ہند حیدرآباد دکن) حضرت ابو ہریرہؓ کا معمول موطا امام مالک کے نسخہ یحیٰی بن بکیر میں بھی ہے۔ جلاء الافہام صفحہ ۳۰۶ ایسے ہی عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے (کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاسمٰعیل القاضی ص ۳۵ طبع دمشق۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع للحافظ السخاوی ص ۱۵۳ وجلاء الافہام ص ۳۰۳ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے قال کذا ینبغی ان یکون الصلوٰۃ علی الجنازۃ (مغنی ابن قدامہ ج ۲ ص ۳۶۷) یعنی نماز جنازہ ایسے ہی ہونی چاہیے، تابعین کے آثار بھی اس بارے میں مروی ہیں جو کتاب فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم از قاضی اسمٰعیل اور القول البدیع وغیرہ میں موجود ہیں۔

(ج) حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف کے مشروع ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ الموطن الرابع من مواطن الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الجنازۃ بعد التکبیرۃ الثانیۃ لاخلاف فی مشروعیتہا الخ (جلاء الافہام ص ۳۰۱) حافظ سخاویؒ لکھتے ہیں، نماز جنازہ میں درود کے وجوب و عدم وجوب میں اختلاف ہے، امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک (ان کے مشہور مذہب کی بنا پر) امام و مقتدی دونوں کے لیے ضروری ہے نہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔ واختلف فی توقف الصلوٰۃ علیہا فقال الشافعیؒ واحمدؒ فی المشہور من مذہبہما انہا واجبۃ فی الصلوٰۃ یعنی علی الامام والمأموم لا یصح الا بہا وھو

مروی عن جماعۃ من الصحابۃ۔ وقال مالک رح وابوحنیفۃ رح لیس بواجبۃ انتہی ملخصاً (القول البدیع صفحہ ۱۵۱) حافظ ابن حزم بھی اس کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ (المحلی) البتہ امام مالکؒ و ابوحنیفہؒ کے ہاں واجب نہیں، حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد صفحہ ۱۴۱ جلد ۱ میں لکھتے ہیں، وذکر ابو امامۃ بن سہل من جماعۃ عن الصحابۃ الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ علی الجنازۃ اور جلاء الافہام صفحہ ۲۰۵ میں لکھتے ہیں، فالمستحب ان یصلی علیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنازۃ کما یصلی علیہ فی التشہد انتہی۔ مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ کے الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھے، اور دوسری میں درود شریف اور تیسری میں دعا اور چوتھی کے بعد سلام پھیرنے کا ثبوت یہ ہے حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نماز جنازہ میں سنت کہ سورہ فاتحہ پڑھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے، پھر سلام پھیرے، (کتاب الجنائز) (الاعتصام جلد ۲۱ شمارہ ۶)

حضرت مولنا عطاءاللہ صاحب حنیف بھوجیانی لاہور

نماز جنازہ کی دعاؤں میں آمین

سوال:۔ ہمارے ہاں ایک مولوی صاحب نے نماز جنازہ پر مقتدیوں کو ہر دعائیہ فقرہ پر آمین کہنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ عام لوگوں کو دعا نہیں آتی، اس لئے آمین کہنے سے وہ دعا میں شریک ہوجاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں تین مقامات پر دعا جنازہ میں آمین کہنے کا ثبوت ہے، الاعتصام میں اس پر روشنی ڈالی جائے،

جواب:۔ نماز جنازہ کی دعاؤں پر مقتدیوں کے آمین کہنے کا ثبوت جہاں تک راقم کو معلوم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، اور عہد صحابہ و تابعین سے نہیں ملتا، بنابریں اس امر کو خلاف سنت کہا جائے گا، فتح الباری میں راقم کو اس کا ذکر نہیں مل سکا بحکم طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (مشکوٰۃ) نماز جنازہ کا پورا طریقہ سیکھنا عام لوگوں کے لئے ضروری

ہے، ایسی مصلحتوں کے لئے عمومات سے استدلال بدعات کے ایجاد کی گنجائش پیدا کرتا ہے، کیونکہ بدعات کی ابتداء کسی دینی مصلحت کے وسوسے سے ہوتی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی بے نظیر کتاب اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۲۷۰ میں لکھتے ہیں، ان کل مایبدیہ المحدث لہذا من المصلحۃ اویستدل بہ من الادلۃ قد کان ثابتا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومع ھذا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذا الترک سنۃ خاصۃ مقدمۃ علی کل عموم وقیاس۔ اہل حدیث کو خصوصاً اس سے اجتناب کرنا چاہیئے، ہذا ما عندی واللہ اعلم (ع ح)

(الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۹)

توضیح الکلام:۔ نماز کے اندر جو قنوت کی شکل میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں، خواہ قنوت نازلہ ہو، قنوت وتر یا قنوت فجر مومنین کے حق میں دعا ہو یا کفار کے لئے بددعا ہو، سب ہی میں امام دعا پڑھتا ہے، اور تمام مقتدی آمین آمین کہتے ہیں کہ یاالٰہی جو کچھ ہمارے امام نے آپ سے مطالبہ کیا ہے، اس کو پورا کر دے یہی صورت شکل، نماز جنازہ کی ہے، کہ امام مع مقتدیوں کے نحن شفعاء وغیرہ جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہوا، اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے، کہ یاالٰہی کہ ہم سب ہی امام اور مقتدی میت کے لئے شفارشی ہو کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے، یاالٰہی ہماری شفارشں قبول فرما، اور مقتدی امام کے مطالبہ کی تائید کرتے ہوئے، آمین کہتے ہیں، اور اگر امام اور مقتدی دونوں پڑھیں، تو مالی انازع القرآن والی صورت شکل بن جائے گی، جو خشوع اور خضوع کے منافی ہے، باقی رہا یہ سوال کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانہ میں اس کا ذکر نہیں، لہذا یہ خلاف سنت اور بدعت ہے، جواب یہ ہے کہ عدم ذکر، عدم جواز کے لئے مستلزم نہیں ہوتا، بہت سی ایسی چیزیں ہیں، جن کا ذکر خیر القرون یا حدیث میں نہیں ہے صرف عموم ادلہ یا تعامل امت کی وجہ سے اس کو کیا جاتا ہے، جو خلاف سنت بھی نہیں، اور بدعت بھی نہیں جیساکہ رکوع کے بعد ہاتھوں کی کیفیت مجہول ہے کہ رکوع سے اٹھ کر ہاتھ کہاں رکھے جائیں، خلافت راشدہ اور زمانہ خیر القرون رکوع کے بعد ہاتھوں کی کیفیت سے خالی ہے حالانکہ محققین

نے ہر مسئلے پر باب باندھا ہے، لیکن ہاتھوں کی کیفیت بعد از رکوع کے لیئے نہ بخاریؒ اور مسلمؒ نے باب باندھا ہے اور نہ دیگر محدثین نے تبویب فرمائی، ہر قائل اور فاعل نے عمومات ادلہ یا تعامل امت کے پیش نظر اپنا اپنا پہلو اختیار کیا، رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والے بھی تعامل امت واگرچہ قلیل) اور استنباطی دلائل موجود ہیں، اور ارسال الیدین کرنے والوں کے پاس بھی استنباطی دلائل اور جم غفیر امت کا تعامل موجود ہے، ہم نے اپنے اساتذہ کو یوں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے اپنے اساتذہ کو دیکھا، حتیٰ کہ محدثین کی کثیر جماعت کے ذریعہ یہ سلسلہ جم کثیر اسانیہ کے ساتھ تابعین اور صحابہ کرام سے ہوتا ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کے مطابق باسند حدیث سے ثابت ہوگیا، پھر اس کو بدعت یا خلاف سنت کہنا بہت بڑی جسارت ہے، حال تعامل امت کا وہ پہلو جس کا سلسلہ محققین محدثین کے ذریعہ صحابہ کرام اور خیر القرون تک نہ پہنچے، بلکہ بادلائل تاریخی لحاظ سے زمانہ خیر القرون کے بعد اس کا ایجاد ہونا ثابت ہو، تو وہ تعامل امت حجت نہیں ہوگا، بلکہ بدعت ہی ہوگا، جیسا کہ تیجا، ساتواں جہلم وغیرہ رسومات پر تعامل امت ہے، اور میت کے لیئے صدقہ خیرات کرنے پر قرآن اور حدیث کے عمومات دال ہیں، لیکن امت کا یہ تعامل راستہ میں مفقود اور گم ہوتا ہے، جس سلسلہ خیر القرون تک نہیں جاتا، حالانکہ خیر القرون میں بھی اموات کثیرہ ہوتے رہے، تو تاریخی لحاظ سے اسکا تعلق جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ تعامل ہندوستان کے ہندوؤں اور برہمنوں سے لیا گیا، اس سلسلہ کی تحقیق کے لیئے مولانا عبید اللہؒ صاحب کی مشہور کتاب تحفۃ الہند مفید رہے گی، اور مفتی صاحب نے جو امام تیمیہؒ کی کتاب اقتضاء الصراط سے عبارت نقل کی ہے، اس تعلق بھی آخری صورت کے ساتھ ہے،

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب۔

حررہ العاجز الفقیر الی اللہ ابو الحسنات
علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال
پاکستان ۳/۹۵ ۱۸ مطابق ۱۹۷۵ء ۵/۲۵

سوال:۔(۱) نماز جنازہ میں شامل ہونے والے شخص کی اگر کچھ تکبیریں رہ جائیں تو وہ کیا کرے۔

(۲) نماز جنازہ کی دعاؤں میں تذکیر و تانیث کے لحاظ سے کیا تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

جواب:۔ نماز جنازہ اگر پوری نہ ملے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پوری کر لینی چاہیئے کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ اذا اتیتم الصلوۃ فعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا منتقیٰ مع نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۱۵۱ جب تم نماز کے لئے آؤ تو وقار و سکینت سے جاؤ نماز کا جتنا حصہ امام کے ساتھ مل جائے پڑھ لیا کرو، اور باقی حصہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کر لیا کرو، یہ حدیث چونکہ عام ہے، لہذا نماز جنازہ کو بھی شامل ہے، موطا امام مالکؒ میں ہے، امام مالکؒ کے سوال پر امام زہری نے فرمایا، اگر کسی شخص سے نماز جنازہ کی بعض تکبیریں رہ جائیں، تو فوت شدہ تکبیروں کی بعد میں قضا کرے، موطا امام مالک ص ۹

(۲) نماز جنازہ کی ادعیہ ماثورہ ان کے الفاظ سے پڑھنی چاہیے، جن الفاظ کے ساتھ احادیث میں وارد ہیں، میت کے مذکر مؤنث کے اعتبار سے میت مذکر و مؤنث دونوں پر بولی جاتی ہے، امام شوکانیؒ لکھتے ہیں، والظاہر انہ یدعو بہذہ الالفاظ الواردۃ فی ہذہ الاحادیث سواء کان المیت ذکرا او انثی ولا یحول الضمائر المذکورۃ الی صیغۃ التانیث اذا کان المیت انثی لان مرجعہا المیت وھو یقال علی المذکر والمؤنث (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۷۸) یعنی میت مذکر ہو خواہ مؤنث، ضمائر میں تغیر و تبدل نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ لفظ میت کا اطلاق ہر دونوں پر ہوتا ہے، احادیث میں جن الفاظ کے ساتھ دعائیں وارد ہیں، انہیں الفاظ سے پڑھنا بہتر ہے،

شارح جامع ترمذی حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب نے بھی کتاب الجنائز میں یہی لکھا ہے۔ (الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲۷)

مولانا محمد علی جانباز سیالکوٹ

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے تعزیت کے دوران ایک مسجد میں مروجہ طریق پر میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اور ساتھ ہی حاضرین سے اس پر آمین کہلوائی، جب ان سے دریافت

کیا گیا تو انہوں نے اپنے اس فعل کے جواز میں تحریر کیا کہ کسی میت پر اس کے لواحقین سے تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے۔ نیز ان کے ہاں جاکر تعزیت کرنا، میت کے لئے دعا مغفرت کرنا اور میت کے لواحقین کو صبر کی تلقین کرنا، سب جائز ہے، ہاں تین دن کے بعد اہل میت کے لئے بیٹھنا منع ہے، لیکن جو آدمی ان تین دنوں میں ان کے پاس نہیں جا سکا وہ انہیں راستے میں آتے جاتے یا دکان پر پہنچ کر ان کے ساتھ تعزیت اور مغفرت کی دعا کر سکتا ہے، البتہ تیجا، یا رسم قل بدعت ہیں، جیسا کہ میت کی نماز جنازہ کے بعد اس کے قریبی رشتہ دار و احباب اعلان کرتے ہیں، کہ مرنے والے کی رسم قل فلاں فلاں وقت فلاں جگہ ہوگی، رہی یہ بات کہ دعائے مغفرت تو جائز ہے، لیکن ہاتھ اٹھانا بدعت ہے، تو گزارش ہے کہ ہاتھ اٹھانا بدعت نہیں، بلکہ آداب دعا میں شامل ہے، جیسا کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۳۰۳ باب فضائل ابی موسیٰؓ و ابی عامرؓ میں ہے۔

فَدَعَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ حَتّٰى رَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ (رواہ مسلم) اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوضو ہو کر ابی عامرؓ کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، میت کے لئے دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا جائز ہوا[۱] اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ کہتے ہیں، فیه استحباب الدعاء واستحباب رفع اليدين[۲] نیز شاہ اسحاق دہلویؒ اپنی مشہور کتاب اربعین میں صفحہ ۱۲۲ پر ایک جواب میں فرماتے ہیں،

[۱] اس حدیث میں اہل میت کے گھر جاکر دعا کرنا ثابت نہیں، بلکہ جہاں آپ کو اطلاع ملی، وہاں باوضو ہو کر دعا کی، دوسرے ہیئت مخصوصہ کا بھی ذکر نہیں۔
تیسرے ابو عامرؓ نے ساتھی کو وصیت کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہنا، اور عرض کرنا کہ میرے لئے دعا کریں،

[۲] مطلق دعا اور مطلق رفع یدین جس کا محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں، کاش کہ اس سے عبارت پہ بھی غور کر لیا ہوتا۔ (الاعتصام)

کہ اہل میت کے ہاں جا کر تعزیت کرنا، اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے[1]، دیکھئے وتروں میں مغفرت کی دعا ہاتھ اٹھا کر کی جاتی ہے۔

حالانکہ اس بارے میں کوئی حدیث موجود نہیں جس میں صراحت کے ساتھ ذکر ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے، کوئی مرفوع متصل صحیح حدیث موجود نہیں کہ آپ نے وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد اور داماد حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت انسؓ کے شاگرد امام زہریؒ وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو بدعت سمجھتے ہیں (قیام امام مروزیؒ) وتروں میں ہاتھ اٹھانے والوں کا موقف یہی ہے، کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا آداب دعا میں شامل ہے اور ہاتھ اٹھانے کی فضیلت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قطعی طور پر ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جو حدیث میں نہیں، وہ بدعت نہیں ہو جاتی، مثلاً ہم اہل حدیث کے نزدیک امام کے پیچھے سری و جہری نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، تو اب کب پڑھنا ہے، امام کے سکتات میں، لیکن سکتات ذکر حدیث سے ثابت نہیں[2] چنانچہ سبل السلام جلد ۱ صفحہ ۱۷۱ پر یہ بات مرقوم ہے کہ سکتات امام میں پڑھنا حدیث سے ثابت نہیں، لیکن ہم اہل حدیث سکتات امام میں سب سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو کیا ہم بدعت کے مرتکب ہوئے، ہرگز نہیں، کیونکہ بدعت کی تعریف یہ نہیں ہے، کہ جو حدیث میں نہیں، وہ بدعت ہے، بدعت کی تعریف یہ ہے کہ وہ مخالف دین ہو یا مفسد دین ہو[3] حدیث مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ لَهٗ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

---

[1] شاہ صاحب نے ایسا عموم ادلہ کی بنا پر لکھا ہے، تاہم ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے تخصیص آں برائے دعا وقت عزیت ماثور نیست (تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا منقول نہیں) اگر مولوی صاحب یہ فقرہ بھی لکھ دیتے، تو بڑی حد تک بات صاف ہو جاتی، (الاعتصام)

[2] کوئی اہلحدیث سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا پابند نہیں، ہاں امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں ہاں اہلحدیث سورہ فاتحہ کو ہر حالت میں پڑھ کر خاموش ہوتے ہیں، (سعیدی) [3] خود ہی نقل کر دیتے تو ناظرین پر بات واضح ہو جاتی (الاعتصام)

کے تحت مرعاۃ، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات اور مظاہر حق میں دیکھ لیا جائے۔ غرض کہ میرے نزدیک ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے، ضروری نہیں اور بدعت بھی نہیں، اگر کوئی جید عالم اہلحدیث مجھے کوئی مطمئن کریں گے، تو میں چھوڑ دوں گا، (الاعتصام جلد ۱۱ شمارہ ۴)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مہتمم دار القرآن والحدیث لائلپور

تنقیدی جائزہ

محترم مولوی صاحب کا جواب محل نظر ہے، اول حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا مطلب یہ ہے، کہ حج، نماز، روزہ، جہاد، علم کا حصول یہ تمام کام مرضیات الٰہی کے لئے ہونے چاہئیں، اگر کسی نے اچھی نیت سے یہ اعمال کئے ہو، یعنی وہاں تحسین کا خیال نہ ہو، بلکہ رضاء الٰہی مطلوب ہو تو اس کا یہ فعل مقبول ہے، اس کی توضیح اسی حدیث کا دوسرا ٹکڑا کرتا ہے، فَمَنْ کَانَ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی الدُّنْیَا یُصِیْبُهَا اَوْ اِمْرَأَةٍ یَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰی مَا هَاجَرَ اِلَیْهِ۔ (مشکوٰۃ شریف) جس خوش نصیب نے ہجرت ترک وطان اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا، تو وہ مستحق ستائش ہے، اور اگر کسی نے ترک خویش واقارب بھی کیا، لیکن اس کی نیت یہ نہیں، (جس طرح ایک شخص نے ام قیسؓ کو نکاح کی دعوت دی، تو اس نے شرط لگائی کہ مسلمان ہو کر ہجرت کرو، پھر یہ ہوسکتا ہے، تو اس نے اس طرح کیا تو لوگ اسے مہاجر ام قیسؓ کہا کرتے تھے) تو پھر جیسی اس کی نیت ویسا اس کا ثمرہ، اگر آپ کے ہی مطلب نکالے جائیں، تو فرمائے، اگر کسی شخص نے اچھی نیت سے چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھ لیں، تو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بالنیات کے لحاظ سے اس کا فعل مقبول ہوگا، ایسے ہی ہوا تھا جب کہ بعض نیک نیت لوگوں نے دیکھا کہ عوام غیر اسلامی افعال کی طرف راغب ہیں تو فضائل کے لئے حدیثیں گھڑی گئیں، تو اس

نے قال قال رسول اللہﷺ کہا جس کو محدثین کرام نے سخت مذموم فعل قرار دیا، حالانکہ نیت صالحہ اور نیکی کی ترغیب وتحریص تھی۔ محدثین کی دلیل اس صحیح حدیث کا عموم تھا، من کذب علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ نیت ان لوگوں کی صالحہ تھی لہٰذا فعل جائز ہوگا، اور انما الاعمال بالنیات اس پر چسپاں کیا جائے، تو سخت غلطی ہوگی۔ دیکھئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایک دفعہ گذرے ایک جماعت جمع تھی، اور ایک آدمی کہہ رہا تھا، رحم اللہ من قال کذا وکذا امرۃ سبحان اللہ فیقول القوم ویقول رحم اللہ من قال کذا وکذا امرۃ الحمد للہ فیقول القوم اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے، جو اتنی اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہے لوگ اس کے کہنے پر اتنی ہی دفعہ جس طرح کہ وہ کہہ رہا تھا، کہتے تھے، وہ کہتا کہ اس پر اللہ کی رحمت ہو، جو اتنی اتنی دفعہ الحمد کہے، لوگ اس کے کہنے کے مطابق کہتے، تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمانے لگے۔ لقد هدیتم لما لم یھتد لہ نبیکم وانکم لمتمسکون بذنب ضلالۃ کیا تمہیں ایسی راہ دکھائی گئی ہے، جو تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دکھائی گئی۔ تمہارا یہ کام ضلالت اور گناہ پر مبنی ہے، الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۲۰۱۔ دیکھئے یہ سب لوگ نیک نیت تھے، تاہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کے اس طرز عمل کو ضلالت قرار دیا تعجب ہے کہ موصوف نے تلقین آمین بھی فرمائی حالانکہ اگر یہ کام خیر تھا، تو پیغمبر علیہ السلام نے ایسا کیوں نہیں کیا، اور خلفاءؓ اور صحابہؓ کرام نے کیوں نہیں کیا،

یہ کام آج ہم ہی کو کیوں مستحسن معلوم ہوا، باقی رہا مولوی صاحب کا حدیث مسلم شریف سے استدلال، تو پوری حدیث دیکھنے سے اس کی حقیقت خود بخود واضح ہوسکتی ہے، لہٰذا اصل روایت مع ترجمہ سنئے، عن ابی بردۃ عن ابیہ قال لما فرغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من حنین بعث ابا عامر علی جیش الی اوطاس فلقی درید بن الصمۃ فقتل درید بن الصمۃ وھزم اللہ اصحابہ فقال ابوموسیٰ وبعثنی مع ابی عامر قال فرمی ابوعامر رماہ رجل من بنی جشم فاثبتہ فی رکبتہ

فذکر الحدیث الی ان قال ابوموسیٰ فقتل (ای من رمی ابا عامر) ثم رجعت الی ابی عامر فقلت ان اللہ قد قتل صاحبك قال فانزع ھذا السھم فنزعتہ فنزا منہ الماء فقال یا ابن اخی انطلق الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقرأہ منی السلام وقل لہ یقول لك ابوعامر استغفر لی ثم انہ مات فلما رجعت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخلت علیہ وقلت لہ قال قل لہ یستغفر لی فدعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بماء فتوضا منہ ثم رفع یدیہ ثم قال اللھم اغفر لعبید ابی عامر حتی رأیت بیاض ابطیہ ثم قال اللھم اجعلہ یوم القیامۃ فوق کثیر من خلقك فقلت ولی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستغفر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبہ وادخلہ یوم القیامۃ مدخلا کریما۔

یعنی حضرت ابوبردہؓ اپنے والد ابوموسیٰ عبداللہ بن قیسؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین سے فارغ ہوئے، تو اوطاس کے لیے لشکر تیار کرکے بھیجا جس کا کمانڈر ابوعامرؓ کو بنایا یہ حدیث ہے، جیسے مولوی صاحب نے ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعا کرنے اور اپنے فعل کا جواز نکالا ہے، حالانکہ حدیث میں مذکور یہ دعا تو اس پیغام پر مبنی تھی، جو حضرت ابوعامرؓ نے اپنے انتقال کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے دیا تھا۔ جس میں اس شہید کی عرض کو عملی جامہ پہنایا گیا تھا، اس مبارک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنے لئے دعائے مغفرت کی بھی درخواست گذاری، مطلقاً دعا اور اس میں ہاتھ اٹھانے کا مسئلہ بالکل دوسرا ہے۔ مابہ النزاع سے اس کا کوئی تعلق نہیں پھر کیا آپ نے صحابہ کرامؓ کو آمین کہنے کی تلقین بھی فرمائی، دعویٰ اور دلیل میں کوئی بھی مطابقت ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مسنون طریقہ پر جو مجالسِ تعزیت آج کل بیٹھتی ہیں، ان میں فاتحہ خوانی یا ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں، یہ ایک طریق رواج پکڑ لیا ہے جس کسی جگہ پر ثبوت نہیں ملتا، اس کو بدعت کہا جاتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس کے کہنے، اور پیغام پر مبنی تھی، نہ وہاں ان

کے قبیلہ کا کوئی آدمی تھا، اور نہ مقتدی تھا، جو آمین پکارے (جس طرح مولوی صاحب نے شائد گھر والوں کو خوش کرنے کے لیے کیا) اموات کے لیئے دعائیں تو کرنی چاہیے اس لیئے کہ وہ اس کے ہمیشہ محتاج ہیں، لیکن غلط رواج کو ختم کرنا چاہیئے، جو کام خلاف شرع ہو، اس پر مصر ہونا قابل مواخذہ ہے، یہ مجالس تعزیت کا مفہوم نہیں ہے، بلکہ وہاں جاکر جیساکہ لفظ تعزیت کا تقاضا ہے، گھر والوں کو تسلی و تشفی دینی چاہیئے، اور زبان سے اچھے کلمات نکالے جائیں، کیونکہ اچھے کلمات کہنے پر ملائکۃ اللہ آمین کہتے ہیں، لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر ہاتھ اٹھاکر دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، پھر ان صاحب کا کہنا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرلینا اسی طرح جائز ہے جس طرح کہ وتروں میں دعائے قنوت کے وقت جب کہ اس میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، تاہم اہلحدیث وہاں ہاتھ اٹھانا جائز سمجھتے ہیں، اگر یہ درست ہے، تو پھر تعزیت کے لئے بھی درست ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کم ازکم نماز فجر میں رفع یدین (ہاتھ اٹھانے) کی ایک روایت تو مستدرک حاکم میں موجود ہے، کہ آپ ہاتھ اٹھا کر قنوت کیا کرتے تھے، وقال الحاکم ھذا حدیث صحیح وان قال الحافظ فی التلخیص ۔۔۔ ولیس کما قال فھو ضعیف لاجل عبد اللہ اسی پر قنوت وتر کی دعا کو محمول کرلیا گیا،

لہٰذا جماعت اہل حدیث کے پاس جیسی کیسی ایک روایت موجود ہے، اس لئے اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا، بلکہ یہ جائز ہوگا، قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانے میں حرج نہیں، کیونکہ قنوت وتر اور قنوت فجر میں فی الجملہ مماثلت ہے، لیکن دعائے تعزیت میں رفع یدین کا تو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اب رہا سکتات امام میں مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا مسئلہ تو محترم مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے، کہ یہ امام احمد بن حنبل کا خیال ہے، سب اہل حدیث کا یہ مسلک نہیں، اہلحدیث کا عموماً یہ مذہب ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ ہر صورت پڑھنی چاہیئے، اس کے سوا نماز نہ ہوگی، حدیث ابوداؤد میں تصریح ہے، لعلکم تقرؤن خلف امامکم قالوا نعم قال لاتفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔

یہاں سے سکتات امام ہی نہیں، بلکہ امام کے پیچھے فاتحہ ضروری معلوم ہوتی ہے خواہ امام کے ساتھ پڑھے، یا سکتات کا انتظار کرے، بہرکیف پڑھنی چاہیئے، سکتات امام میں پڑھنا نہ کسی حدیث سے مشروع ہوتا ہے، اور نہ ہی، جماعت اہل حدیث کا عمومی مسلک ہے، مولوی صاحب نے حنابلہ کے مسلک کو اہل حدیث کا مسلک سمجھ لیا، اور اس پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو قیاس کیا ہے، جو عقلی اور نقلی طور پر درست نہیں، صحیح عقیدہ یہ رکھنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دین مکمل ہوچکا ہے، نہ اس میں کمی ہوسکتی ہے، نہ زیادتی کی گنجائش ہے، جس طرح آنحضرت نے فرمایا دین سبیل رشد وہدایت ہے اسکے ماسوا نہ ہدایت نہ نور، حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں، کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وعظ فرمایا جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ڈر پیدا ہوگیا، اور آنکھیں پرنم ہوگئیں، خطبہ مبارک میں یہ ارشاد فرمایا۔ ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها علیکم بما عرفتم من شئی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی . . . . یعنی لوگوں میں تم کو ایک ایسا دین دے کر جارہا ہوں، جس میں کسی قسم کی ظلمت نہیں، تمام طریق روشن ہیں، تمہیں اپنے لیئے لائحہ عمل میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو قرار دینا ہوگا، یہی ہدایت کا طریق ہے، حضرت امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے، من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم ان محمدا خان علی الرسالة لان الله یقول اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فمالم يكن يومئذ دينا فلا يكون اليوم دينا ۔ جس نے اسلام میں نیا کام جاری کیا، اور اسے کار خیر سمجھا تو اس کے زعم باطل اگمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک کام بتانے میں (معاذاللہ) خیانت کی حالانکہ اللہ تعالی تو ارشاد فرماتا ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے، جس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں، جو آپ کے زمانہ میں مستحسن نہیں تھا، وہ آج بھی نہیں ہوسکتا، اسی کو بدعت کہتے ہیں، اللہ تعالی ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے، اور صحیح راستہ کی تلقین فرمائے، اور ضلالت وافتراء سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۱ شمارہ ۴۶)

توضیح الکلام:۔ منتقد کا تنقیدی جائزہ خود محل نظر ہے۔

صاحب تنقید نے جو احادیث اور اقوال نقل فرمائے ہیں، وہ سب کے سب صحیح اور با[ب] بدعت میں قوی ہیں لیکن منتقد علیہ جواب دے سکتا ہے کہ جدید یا قدیم میت کے لیے تعزیت دعا کرنا تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جس کا منتقد صاحب کو بھی اعتراف ہے، باقی رہا ہاتھ کا اٹھا کر دعا کرنا، سو یہ آداب دعا سے ہے، اور دعا کیلئے ہاتھوں کا اٹھانا شرط نہیں ہے، ہاتھ اٹھا کر کسی چیز کا مطالبہ کرنا یا سجدہ میں عاجزی اور انکساری کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے میت کے لئے دعا کئی وجوہات یا مقامات میں کی جاتی ہے۔ بعض مقام میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ اور بعض میں نہیں، تعزیت کے وقت، اور میت کو دفن کرنے کے بعد، اور عام قبروں کی زیارت کے وقت، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر صرف زیارت قبور کے وقت ہے، وہ صرف پندراں (۱۵) شعبان کی رات کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ جزء رفع الیدین امام بخاریؒ اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پندراں (۱۵) شعبان کی رات کو جنت البقیع میں جا کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت ہے، اس کے علاوہ کسی موقع پر میت کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں، خصوصاً میت کو دفن کرنے کے بعد نفس دعا کا حکم ہے، ہاتھ اٹھانے کا ذکر نہیں کیا، منتقد صاحب کے نزدیک میت کو دفن کرنے کے بعد بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے یا اس کا کوئی حدیث صحیح سے ثبوت ہے، ہرگز نہیں، یہ اصولی مسئلہ ہے کہ کسی چیز کا عدم ذکر مستلزم عدم جواز نہیں ہوتا جب منتقد صاحب کو اعتراف ہے کہ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی تصریح کسی حدیث صحیح میں وارد نہیں، تو قنوت وتر کو قنوت فجر پر محمول کر لیا گیا ہے، لہٰذا جماعت اہل حدیث کے پاس جیسی کیسی ایک روایت موجود ہے اس لئے اس کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ جائز ہوگا، قنوت وتر اور قنوت فجر کے درمیان تو مماثلت ہے، تو کیا دعا تعزیت اور عام دعاؤں کے درمیان مماثلت نہیں، مماثلت نہ ہونے پر کیا دلیل ہے۔ صحیح

بات یہ ہے، جیسا کہ قنوتِ وتر کو دیگر قنوتوں پر محمول کیا گیا ہے، ایسی طرح دعا التعزیت کو دیگر دعاؤں پر محمول کیا جا سکتا ہے، جیسے کہ ابوعامرؓ کے واقعہ میں نص کے ساتھ ہاتھ اٹھانے ثابت ہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ (۱) بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا، اور اس خیال کہ اس وقت لوگ بہت جمع ہیں فاتحہ یا درود شریف پڑھ کر بخشنا شرعاً جائز ہے۔ یا نہیں مع حوالہ کتاب جواب باصورت سے مشرف فرماویں؟۔

(۲) میت کو دفن کر کے قبر بنا کر ایک شخص سر کی طرف اپنی انگلی سبابہ قبر میں گاڑ کر سورہ بقرہ کا اوّل پڑھتا ہے، دوسرا پاؤں کی طرف اسی طرح سورہ بقرہ کا آخر پڑھتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) میت کے لئے اسقاط کرنا یا کرانا، اور جو کچھ اس میں نقد اور غلہ اور قرآن شریف وغیرہ لے کر آپس میں ایک دوسرے کی ملک کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو کچھ میت نے اللہ کے حق میں قصور کیا ہے، یہ اس کا جبیرہ ہے، میت کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے۔ اور پھر خود ہی کھا پی لیتے ہیں، یا مزدوروں یعنی میت کے کارکنندوں غسالوں، وقبر کنندوں وغیرہ کو دیدیتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی نے اس کو صراحتہً بھی منع لکھا ہے، یا نہیں، بینوا توجروا۔

جواب:۔ امور مذکورہ در سوالات ثلاثہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام وائمہ اسلام سے ثابت نہیں جو امر قرون خیر سے باوجود داعی[1] وعدم مانع ثابت نہ ہو، وہ داخل بدعت ہے،

خیر الہدی[2] ہدی محمد صلے اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل محدثۃ

---

[1] یعنی جس کام کا باعث موجود ہو، اور مانع کوئی نہ ہو،

[2] سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور سب کاموں سے برے کام وہ ہیں جو نئی ہوں اور ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (عبدالودود محمد غنی عنہ)

بدعة وكل بدعة ضلالة۔ ہاں، عبداللہ بن عمر سے فقط پڑھنا، اول سورہ بقرہ کا میت کے سر کی طرف اور آخیر سورہ بقرہ کا میت کے پاؤں کی طرف ثابت ہے، مگر کیفیت مذکورہ در سوال کا ثبوت نہیں،

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما

(فتاوی غزنویہ صـ۱۲۰)

سوال:۔ دعا بعد نماز جنازہ شرعاً کیا حکم رکھتی ہے، اور تارک پر کیا کچھ مواخذہ شرعاً لازم آتا ہے، اور اس کے ترک سے میت کو ایصال ثواب سے محرومی لازم آتی ہے، یا نہیں؟۔

جواب:۔ حدیث میں آیا ہے، کہ جب میت کو دفن کر چکو، تو اس کے لئے خلوص نیت سے مغفرت کی دعا کرو، یہ ہی وقت میت کے امتحان کا ہوتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اپنے انتقال کے وقت لوگوں کو وصیت کی تھی، کہ مجھے دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک دعا کرنا، جتنی دیر تک ایک اونٹ کو ذبح کرکے اس کی بوٹیاں بنائی جاتی ہیں، میں تمہاری دعاؤں کی برکت سے فرشتوں کے سوالات کا جواب دے سکوں گا، اگر دفن کرنے کے بعد میت کے لئے دعا مغفرت نہ کی گئی، تو میت کی حق تلفی کی گئی۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۸ شمارہ ۱۶)

مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ

توضیح الکلام:۔ فتاوی علمائے کرام سوال اور جواب میں عدم مطابقت ظاہر ہے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، جو حدیث سے ثابت ہے، اور سوال میں بعد نماز جنازہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، جو کسی حدیث سے ثابت نہیں والتفصیل فی المطولات۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال ۱۳۹۲ھ

سوال:۔ تکبیراتِ جنازہ و تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کرنا چاہیے یا نہیں، ایک صاحب نہایت سختی سے فرماتے ہیں، کہ ان تکبیرات میں رفع الیدین کرنا ناجائز ہے،

جواب:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد روایتوں میں تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین ثابت ہے، (جزء رفع الیدین امام بخاری)

تکبیرات عیدین میں رفع الیدین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، (بیہقی)

ہندوستان میں اکثر علمائے اہلحدیث کا تعامل دونوں مقام پر رفع الیدین ہی پر ہے، صاحب موصوف کا قول غلط ہے، ان کی نظر آثار صحابہ پر نہیں ہے، حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کے متعلق ارشاد ہے، ان یُطِیعُوا اَبَابَکرٍ وَعُمَرَ یَھتَدُوا (مسلم شریف یعنی حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی اگر لوگ تابعداری کریں، تو ہدایت پر پہنچ جائیں گے) (اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ص ۷)

رشحات قلم حضرت مولانا مولوی محمد یونس محدث دہلوی رحمۃ اللہ

فاتحہ بعد جنازہ محققین علمائے احناف کی نظر میں،

یہ دو رواج جو مروج خاص و عام ہیں، یعنی نماز جنازہ پڑھتے ہی گرداگرد میت کے کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں، اور دوسرا رواج بعد دفن میت کے چند قدم جاکر پھر متوجہ قبرستان ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں، اس کا بھی کچھ ثبوت سلف میں پایا جاتا ہے، یا نہیں، جہاں تک غور و تفحص کیا جاتا ہے، زمانہ حضرت سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و قرون ثلاثہ میں جس کے متعلق حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے خیریت کی خوشخبری دی ہے، اس طرح کا کوئی عمل بعد نماز جنازہ و دفن میت پایا نہیں جاتا، ہاں مطلق استغفار و دعا زندوں کی مُردوں کے لئے بعد دفن میت ثابت ہے، فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد دفن میت قبر پر تم اتنی دیر تک کہ اونٹ ذبح ہو کر تقسیم کر دیا جائے کھڑے ہو کر دعا کرو، اور اس کے لئے خدا سے ثبت مانگو، فَاِنَّهُ الْاٰنَ یُسْئَالُ کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے، اور بموجب حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ بعد دفن سرہانے میت کے اوائل سورہ بقرہ اور پائتی خواتم سورہ بقرہ پڑھنا بھی ثابت ہے،

اور یہ طریقہ و رواج جو مروج زمانہ ہے، اس کی محدث فی الدین ہوتے میں کچھ شک نہیں پھر اس کو ضروری اور واجب جاننا تقول علی ما قال اللہ و قال الرسول ہے، کسی کتاب غیر معتبر میں بھی اس ثبوت نہیں ملتا چہ جائیکہ کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہو، ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین نے آخر باب جنازہ میں فرمایا ہے،

الاختصار علی ما ذکر من الوارد اشارۃ الی انہ لا یسن الاذان عند دخال المیت فی قبرہ کما ھو معتاد العام وقد صرح ابن حجر فی فتواہ انہ بدعۃ سیئۃ الی آخر ما قال۔ ترجمہ یعنی اختصار کرنا فقہاء کا ذکر مسائل میں اس پر جو وارد ہوا ہے، دلیل ہے، اس بات پر کہ اذان وقت دفن میت کے مسنون نہیں، جیسے عام رواج ہے، اور ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنے فتویٰ میں تصریح کی ہے، کہ یہ بدعت ہے، پس اسی استدلال سے فاتحہ جو بعد فراغ نماز جنازہ میت کے گرد اگرد کھڑے ہو کر کرتے ہیں، اور وہ فاتحہ جو بعد دفن میت چند قدم چل کر پڑھتے ہیں، مثل اذان عند الدفن کے بدعت و مستحدث ہے، صاحب کبیری نے سراجیہ میں ممانعت صریح اس فاتحہ کی نقل کی ہے، چنانچہ فرمایا، وفی السراجیۃ اذا فرغ من الصلوۃ لا یقوم بالدعاء کذا فی الکبیری ترجمہ جب فارغ ہو نماز جنازہ سے تو دعا کے لیے نہ کھڑے ہو، اور اجناس الوقت میں ہے۔

واذا دفن المیت رجع اھل الجنازۃ عن القبر او انفك من متم الدفن بقدر ماتہ خطوۃ او اکثر او اقل فقاموا وینظرون ای قبر المیت ویدعون فھو لا یجوز لان النبی صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن ھذہ الافعال انتہی ترجمہ اور جب دفن ہو جائے مردہ تو لوٹتے ہیں، جنازہ والے قبر سے یا الگ ہوتے ہیں، مع منع دفن سے مقدار سو قدم کے یا کم و زیادہ پھر کھڑے ہوتے ہیں، اور قبر میت کو دیکھتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں، پس یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، ان کاموں سے رسالہ تجہیز و تکفین مؤلفہ محمد عمران میں بعد نقل حدیث صحیح کہا ہے، پس اس سے معلوم ہوا، بعضے دیار کی اس زمانہ میں رسم ہے، کہ میت کو دفن کر کے چالیس قدم چلے جاتے ہیں، پھر وہاں سے پلٹ کر قبر پر فاتحہ

کرتے ہیں، بدعت مخالف سنت کے ہے اور محض بدخواہی میت کی ہے، اس مسئلہ کو
یاد رکھنا چاہیئے۔ انتہی

مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا عبدالعلی صاحب اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں، سنت این امرین
مسطورین از معتبرے بحیز ثبوت نرسیدہ پس التزام بر آن واصرار بر آن خالی از احداث
فی الدین نیست وملتزم ومصر درعموم مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ہٰذَا مندرج است
واللہ اعلم وعلمہ اتم یعنی سنت ان دونوں کاموں کی یعنی دعا بعد نماز جنازہ وفاتحہ چالیس
روز کا کسی معتبر شخص وکتاب سے پایہ ثبوت کو نہ پہنچا ہے پس اس کا التزام اور اس پر اڑے
رہنے والا عموم حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد میں داخل
ہے یعنی بدعتی اور ایسا ہی اس میں لکھا ہوا ہے کہ نہیں جائز ہے۔ دعا بعد نماز جنازہ کے کیونکہ نماز
جنازہ خود دعا ہے، دعا کے بعد دعا زائد ہے۔ مشکوٰۃ شریف مطبوعہ مطبع احمد دہلوی رحمہ اللہ
کے باب الجنازہ صفحہ ۱۴۹ سطر ۱۱ برحاشیہ حدیث مالک بن ہبیرہؓ کے تحت میں لکھا ہے۔
ولا یدعو للمیت بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلوۃ الجنازۃ
ذکرہ ملا علی القاری فی شرحہ للمشکوٰۃ (ترجمہ) اور نہ دعا کرے میت کے لئے بعد نماز
جنازہ کے کیونکہ وہ مشابہ ہے زیادہ کے نماز جنازہ میں ذکر کیا اس کو ملا علی قاری نے
اپنی شرح مشکوٰۃ میں الحاصل یہ طریقہ فاتحہ کا بھی نہایت مذموم وقابل ترک ہے۔
فلیتحرا المؤمن الموحد عن الاعمال بما فیھا ما ھو ثابت صحیح
صریح من کل شک وشبھۃ واکتفی بما ورد من السنۃ ومن
حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ فینبغی التجنب من ھذہ
الرسوم المروجہ وما یشبہ ذلک۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْن۔

(اہل حدیث گزٹ دہلی جلد ۱۰، شمارہ ۱۱)

مولانا حافظ عبداللہ صاحب مدنی مدرس مدرسہ لطیفیہ، شولاپور

سوال:۔ نماز جنازہ کا مسنون طریقہ کیا ہے، اور مرد وعورت کے جنازہ کی نماز میں کیا فرق ہے،

جواب:۔ سب سے پہلے میت کو نہلا دھلا کر کفن پہنا کر کسی مناسب جگہ چارپائی وغیرہ پر لٹا دیا جائے، کہ سرہانہ اُتر اور پائینتی دکھن اور منہ قبلہ کی طرف ہو، پھر امام میت کو اپنے آگے قبلہ کی طرف رکھ کر کھڑا ہو جائے، اور امام کے پیچھے سب لوگ صف باندھ کر کھڑے ہوں، اگر آدمی زیادہ ہوں، تو تین، یا پانچ یا سات طاق صفیں بنانا بہتر ہے، اگر میت مرد ہے، تو امام اس کے سر کے مقابل میں کھڑا ہو، اور اگر عورت ہے، تو اس کی کمر کے مقابلہ میں کھڑا ہو، الغرض سب قبلہ کی طرف منہ کر کے صفیں خوب درست کر کے کھڑے ہو جائیں، اور اپنے دل میں جنازہ کی نماز کی اس طرح نیت کریں، کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز اس میت کی بخشش کے واسطے ادا کرتا ہوں، پھر امام زور سے اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھا کر سینہ کے اوپر باندھ لیں، پھر وہی دعا آہستہ پڑھیں، جو ہر نماز کی تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھتے ہیں، پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر امام سورہ فاتحہ کو آواز سے پڑھے، اور مقتدی آہستہ پڑھیں سورہ فاتحہ ختم ہو جانے کے بعد امام قل ھو اللہ وغیرہ آواز سے پڑھے، مقتدی الحمد کے بعد کوئی دوسری سورت نہ پڑھیں، جب اس قراۃ سے فارغ ہو جائیں، تو امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ کو کندھوں تک اٹھا کر پھر سینہ پر باندھ لیں امام آواز سے اور مقتدی آہستہ سے اصلی درود شریف پڑھے جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں، پھر تیسری تکبیر کہہ کر رفع یدین کر کے ہاتھوں کو سینہ پر باندھ لیں، امام آواز سے اور مقتدی آہستہ آہستہ ان دعاؤں کو جو نیچے لکھیں ہیں پڑھیں،

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ۔

(رواہ احمد وابوداؤد) ترجمہ: اللہ تو ہمارے زندوں اور مردوں اور حاضروں اور غائبوں

چھوٹوں اور بڑوں اور مردوں اور عورتوں کو بخش دے، الہٰی ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے، تو اسے اسلام پر زندہ رکھیو، اور جسے وفات دے تو اسے ایمان پر مارلیو، اے اللہ تو اس کے ثواب سے ہم کو محروم نہ رکھیو، اور اس کے پیچھے ہم کو فتنہ میں نہ ڈالیں، اور اسی طرح بہت سی دعائیں ہیں، ان دعاؤں کو پڑھ کر سلام پھیر لینا چاہئے، اب ہر ایک کی دلیل سنئے، جنازہ کی نماز میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے، جیسے اور نمازوں میں ہے، اس سلسلہ میں چند حدیثیں مندرجہ ذیل ہیں،

(۱) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ عَلٰى جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَيَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى (رواه الحاكم فى المستدرك والامام الشافعى فى كتاب الام)

یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے جنازوں پر چار تکبیریں کہا کرتے تھے،

(۲) وَعَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقْرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ رواه ابن ماجہ

یعنی ام شریک انصاریہ فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۳) وَعَنْ اُمِّ عُفَيْفٍ قَالَتْ بَايَعَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَايَعَ النِّسَاءَ فَاَخَذَ عَلَيْهِ مِنْ اَنْ لَّا يُحَدِّثْنَ الرِّجَالَ اِلَّا مَحْرَمًا وَاَمَرَنَا اَنْ نَقْرَأَ عَلٰى مَيِّتِنَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر) یعنی ام عفیف نہدیہ فرماتی ہیں کہ ہم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی، جبکہ آپ نے عورتوں سے بیعت لی تھی، تو آپ نے ان عورتوں سے بیعت میں عہد لیا تھا، کہ تم غیر محرم مردوں سے باتیں چیتیں نہ کیا کرنا، اور ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم جنازوں کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھیں،

(۴) وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْجَنَازَةِ فَاقْرَأُوْا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (رواہ الطبرانی)
یعنی اسماء بنت یزید بن السکن خطیبۃ النساء فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر فرمایا سورہ فاتحہ پڑھو۔

(۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اُتِيَ بِجَنَازَةِ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ اَوْ قَالَ سَهْلِ بْنِ عَتِيْكٍ وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ فِيْ مَوْضِعِ الْجَنَازَةِ فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ فَقَرَأَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَجَهَرَ بِهَا ثُمَّ كَبَّرَ الثَّانِيَةَ فَصَلّٰى عَلٰى نَفْسِهٖ وَعَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ثُمَّ كَبَّرَ الثَّالِثَةَ فَدَعَا لِلْمَيِّتِ۔
الحدیث (رواہ الطبرانی فی الاوسط) یعنی حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، جابر بن عتیک یا سہل بن عتیک (شک راوی کا ہے) کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا، سب سے پہلا یہی جنازہ تھا جو مخصوص جنازہ پڑھنے کی جگہ میں پڑھا گیا، سو آپ آگے بڑھے، اور تکبیر کہی، اور اپنی ذات اور مرسلین دیگر پر درود پڑھا، پھر تیسری تکبیر کہی اور میت کے لئے دعا کی، یہ تو ہوئیں صریح مرفوع روایتیں جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں، اب ہم وہ روایتیں ذکر کرتے ہیں جن میں صحابہ نے نوعاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں ذکر کیا، اور وہ روایتیں مرفوع ہیں (دیکھو صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قراۃ فاتحۃ الکتاب علی الجنازہ

(۶) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ قَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ۔ (ترمذی) یعنی طلحہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورہ فاتحہ بھی پڑھی بندہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تم جانو کہ یہ سنت ہے۔

(۷) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَكَانَ مِنْ كُبَرَاءِ الْاَنْصَارِ وَعُلَمَاءِ هِمْ وَاَبْنَاءِ الَّذِيْنَ شَهِدُوْا بَدْرًا مَعَ رَسُوْلِ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلاً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرہ ان السنۃ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اخرجہ الطبرانی فی معانیہ الاثار والشافعی فی الام وسندہ صحیح والبیہقی۔

یعنی ابوامامہ بن سعد بن سہل بن حنیف جو کہ انصار کے بڑوں میں سے ہیں، اور ان کے علماء میں سے ہیں، اور بدریوں کے فرزند انہیں کسی ایک نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے بتایا کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ تکبیر کہے، پھر سورہ فاتحہ پڑھے،

(۸) عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف یحدث سعید بن المسیب قال السنۃ فی الصلوٰۃ علی الجنازۃ ان تکبر ثم تقرأ بام القراٰن ثم یصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم تخلص الدعاء للمیت ولا تقرأ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ اخرجہ ابن الجارود فی المنتقی ص۲۶۵۔

یعنی ابوامامہ مذکور نے سعید بن المسیب سے کہا کہ جنازہ کی نماز میں سنت یہ ہے کہ تکبیر کہے پھر سورہ فاتحہ پڑھے، پھر خالص دعا کرے قرأت صرف پہلی تکبیر میں کرے صحابی جب من السنۃ کہے تو وہ حدیث بھی مرفوع ہی ہوتی ہے، تمام محدثین کے نزدیک اب چند آثار صحابہ رضی اللہ عنہ ملاحظہ فرمائیں،

(۹) وعن عبد اللہ بن السباق قال صلی بنا سہل بن حنیف علی جنازۃ فلما کبر تکبیرۃ الاولیٰ قرأ بام القراٰن حتی اسمع من خلفہ۔

اخرجہ البیہقی فی السنن ص۳۹ ج۴ والدارقطنی ص۱۹۱ ج۱ وابن ابی شیبہ فی المصنف فی الجزء الرابع ص۱۱۳

یعنی عبداللہ بن سباق فرماتے ہیں، کہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں ایک جنازہ کی نماز پڑھائی پہلی تکبیر کہی تو سورہ فاتحہ پڑھی، اسی طرح کہ مقتدیوں کو بھی سنایا،

(۱۰) روی بن ابی شیبۃ عن ابن مسعود انہ قرأ علی الجنازۃ بالفاتحۃ کذا فی المحلی للشیخ سلام اللہ الدہلوی والمحلی لابن حزم ص۱۲۹ ج۵ والبیہقی ص۳۹ وابن المنذر و

سعید بن منصور) یعنی ابن مسعودؓ نے جنازہ کی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی،

(۱۱) إِنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَأَ فِي التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً قَصِيرَةً وَرَفَعَ بِهِمَا صَوْتَهُ - اخرجہ ابن حزم فی المحلی ص۱۲۹ ج۵ یعنی مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھی ایک جنازہ پر پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ اور ایک چھوٹی سی سورۃ پڑھی اونچی آواز سے،

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْقُرْآنِ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولٰى عَلَى الْجَنَازَةِ اخرجه امام الشافعي فِي الْأُمِّ وَبَلَغَنَا ذٰلِكَ عَنْ أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم- یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاص تکبیر اولیٰ کے بعد جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے، ابوبکر صدیقؓ اور سہل بن حنیفؓ اور دیگر صحابہؓ سے بھی اسی طرح آیا ہے،

(ب) اور جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع یدین کرنا مستحب ہے، بخاری شریف میں ہے، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُصَلِّي إِلَّا طَاهِرًا وَلَا يُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ (قوله يرفع يديه) وصله البخاري في كتاب رفع اليدين المفرد من طريق عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر انه كان يرفع في كل تكبيرة على الجنازة وقد روى مرفوعًا اخرجه الطبراني في الاوسط من وجه اخر عن نافع عن ابن عمر باسناد ضعيف فتح الباری جلد ۳ ص۱۲۸ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع کرتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طرح مروی ہے مگر وہ روایت کمزور ہے،[1]

(ج) میت اگر مرد ہے، تو اس کے سر کے مقابلہ میں کھڑا ہونا مستحب ہے، اگر میت عورت

---

[1] ضعیف حدیث کی تائید اقوال صحابہ یا تعامل امت سے ہو تو اس میں تقویت آجاتی ہے جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے، (سعیدی)

ہے، تو اس کے درمیان کے مقابلہ میں کھڑا ہونا سنت ہے، منتقی میں ہے حضرت سمرہ فرماتے ہیں،

(۱) صَلَّيْتُ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ وَسْطَهَا رواہ الجماعۃ

(۲) وَعَنْ اَبِي غَالِبٍ الْحَنَّاطِ قَالَ شَهِدْتُّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَلَمَّا رُفِعَتْ اُتِيَ بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ فَصَلّٰى عَلَيْهَا فَقَامَ وَسْطَهَا وَفِيْنَا الْعَلَاءُ ابْنُ زِيَادٍ الْعَدَوِيُّ فَلَمَّا رَاٰى اِخْتِلَافَ قِيَامِهٖ عَلَى الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ قَالَ يَا اَبَا حَمْزَةَ هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنَ الرَّجُلِ حَيْثُ قُمْتَ وَمِنَ الْمَرْأَةِ حَيْثُ قُمْتَ قَالَ نَعَمْ۔ (رواہ احمد)

تو عورت اور مرد کی نماز میں صرف یہ فرق ہے، اور دعاؤں میں جو مرد کے لئے الفاظ ہیں، وہی عورت کے لئے ہیں، لیکن اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَبْدُكَ کی جگہ اَمَتُكَ کہے تو بھی جائز ہے چنانچہ علامہ نووی کتاب الاذکار صـ۲۰۲ میں فرماتے ہیں، فان كانت امرأة قال اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ اَمَتُكَ اسی طرح جہاں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ ہے، وہاں عورت کے لئے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا کہنا چاہیے، اور ابوداؤد معہ شرح عون المعبود جلد۳ صـ۱۸۹ میں یہ دعا منقول ہے، جس میں لفظ ھا باعتبار جنازہ اور میت مؤنث کے ہو سکتا ہے، دعا یہ ہے، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ، اور بعض روایتوں میں فَاغْفِرْ لَهَا ہے واللہ اعلم بالصواب،

(اہلحدیث دہلی جلد۹ شمارہ ۲۴)

سوال :۔ اگر جنازہ پر پھول کی چادر پڑی ہو، اور میت کسی بدعتی کی ہو تو نماز جنازہ اہل حدیث پڑھ سکے، یا علیحدہ رہے، عموماً ہمارے یہاں بدعتیوں کا دستور ہے کہ بعد تجہیز و تکفین و تدفین

میت کے قبر پہ فاتحہ خوانی کرتے ہیں، اس حالت میں میت کے ساتھ قبرستان جانا چاہئے، یا نہیں؟

جواب:۔ بہتر ہے کہ ایسے جنازے کی نہ نماز میں شریک ہوں، نہ تجہیز و تکفین میں، اس لئے کہ جنازہ و اہل جنازہ دونوں بدعتی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اہل بدعت سے دور رہو، یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب بھی نہ دو (مسند امام احمد) بس اسی طرح عمل ہونا چاہیئے۔ ہاں اگر جنازہ نہ پڑھنے سے کسی قسم کے فتنے فساد کا اندیشہ ہو، تو با دل ناخواستہ شریک جماعت ہو جائیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں صَلِّ وعلیہ بدعتہ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (اہل حدیث گزٹ جلد ۹ شمارہ ۸)

مولانا محمد یوسف

جنازہ وغیرہ نمازوں میں زبانی نیت اور اس کا حکم

(از افادات مولانا حافظ محمد قاسم صاحب خواجہ گوجرانوالہ)

چار تکبیر نماز جنازہ ثنا واسطے اللہ تعالےٰ کے، درود واسطے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، دعائیں واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ کی، پیچھے اس امام کے اللہ اکبر۔ اکثر جب کہیں نماز جنازہ میں شریک ہونے کا اتفاق ہوتا ہے۔ امام کے پیچھے یہ آواز گونجتی ہے، جیسے موذن جماعت کے لئے اقامت کہہ رہا ہو، عام لوگ بے چارے ان فقرات کو فرض نمازوں والی تکبیر سمجھے ہوئے ہیں، چنانچہ اگر کوئی امام جنازہ یہ معنوی الفاظ نہ کہلوائے تو کہتے ہیں، دیکھو جی بغیر تکبیر کے نماز کرا دی۔ حالانکہ تکبیر (یا اقامت) تو ایک ثابت شدہ متفق مسئلہ ہے۔ اور یہ کلمات کلیۃً بے اصل ہیں۔ واضعین نے ان الفاظ کو نیت کے لئے وضع کر رکھا ہے۔ جب کہ نیت دل کا عمل ہے۔ زبان کا ہے ہی نہیں، اگرچہ نیت کی اہمیت سے انکار نہیں۔ بے شک انسان کو نیت کا پھل ملتا ہے، اِنَّمَا الْاَعْمَالُ

بالنیات ولکل امرئ ما نوی ۔ (صحیحین) لیکن اس کا تعلق دل سے ہے۔ زبان سے نہیں، مندرجہ حدیث کے تحت ابن حجرؒ لکھتے ہیں، فالنیۃ عمل القلب وھی تنفع الناوی وان لم یعمل الاعمال واداؤھا لا ینفعہ دونہا۔ نیت دل کا فعل ہے، نیت کرنے والا عمل نہ بھی کرے، تو بھی حسن نیت اسے فائدہ دے جاتی ہے۔ اور بغیر نیت کیا ہوا کام مفید نہیں، پھر یہ حدیث بھی درج فرمائی ہے، مَنْ نَوٰی حَسَنَۃً فَلَمْ یَعْمَلْہَا کُتِبَتْ لَہٗ حَسَنَۃٌ وَمَنْ عَمِلَہَا کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرًا۔ جو اچھی نیت کرے، اور اس کے مطابق کام نہ کرے، اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور اگر کام کرے، تو دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں، جوہریؒ نے نویت کا ترجمہ عزمت امام نوویؒ نے کہا النیۃ القصد وھو عزیمۃ القلب یعنی نیت عبارت ہے، قصد سے، اور قصد دل کے پختہ ارادہ کو کہتے ہیں، امام بیضاویؒ لکھتے ہیں،

النیۃ عبارۃ عن انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقا لغرض من جلب نفع او دفع ضر حالا او مالا والشرع خصصہ بالارادۃ المتوجھۃ نحو الفعل لابتغاء رضاء اللہ وامتثال حکمہ فتح الباری ص ۔ جلد ۱ طبع دہلی یعنی جلد یا بدیر جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے جو کام کیا جائے اس کی طرف دل سے متوجہ ہونے کا نام نیت ہے، اصطلاح شرع میں نیت اس ارادہ کو کہتے ہیں، جو اللہ کی رضا جوئی، اور اس کی اطاعت کے پیش نظر ایک فعل کے کرنے پر کیا جائے۔

بعض علماء نے عمل قلب کے تین درجے مقرر کئے ہیں، وہ کہتے ہیں، پہلے عزم پیدا ہوتا ہے، پھر قصد کیا جاتا ہے، بعد میں نیت پیدا ہوتی ہے۔ ان حوالہ جات سے مقصود یہ ہے کہ نیت کا تعلق گوشت کے اس بیضوی ٹکڑے سے ہے۔ جو سینہ کے اندر لٹک رہا ہے۔ دکھائی دینے والی زبان سے نہیں بعض متاخرین فقہا نے احناف اور شوافع سے البتہ تلفظ بالنیۃ کو سنن میں (فرائض میں نہیں) شمار کیا ہے، مثلاً کتاب شرح وقایہ (سنن نماز کے ذکر میں ہے، والقصد مع لفظہ ص۹۵) الفاظ کے ساتھ نیت

کرنا اس پر مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے بڑا عمدہ حاشیہ لکھا ہے، فرماتے ہیں،

ههُنا ثبت ثلث صور اولها الاكتفاء بنية القلب وهو مجزى اتفاقا وهو لطريقة المشاوعة المأثورة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم ينقل عن احد منهم التكلم بنويت اوانوى صلوٰة كذا فى وقت كذا ونحو ذلك كما حققه ابن الهمامؒ فى فتح القدير وابن القيم فى زاد المعاد وقد فصلت ذالك فى السعاية وفى رسالتى آكام النفائس فى اداء الاذكار بلسان الفارس۔ وثالثها الجمع بينهما وهو سنة على ما فى تحفة الملوك وليس بصحيح ومستحب على ما فى المنية اى بمعنى ما فعله العلماء واستحبوه لا بمعنى ما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم اورغب فانه لم يثبت ذالك وعللوا استحبابه وحسنه بان فيه موافقة بين القلب واللسان للعزيمة۔

یعنی اس مسئلہ میں تین کل صورتیں ہیں،

(۱) دل کی نیت پر اکتفا کرنا، یہ بالاتفاق کافی ہے، نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے یہی ثابت اور مروی ہے، اور میں نے فلاں نماز کی فلاں وقت میں نیت کی یا نیت کرتا ہوں وغیرہ، ایسا کہنا کسی ایک امام سے بھی ثابت نہیں، جیسا کہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر اور حافظ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کی تحقیق کی ہے، اور میں نے بھی سعایہ اور اپنے رسالہ آکام النفوس میں اس کو واضح کیا،

(۲) دلی قصد کے بغیر زبان سے تلفظ کرنا یہ بالاتفاق ناکافی ہے،

(۳) زبان اور دل دونوں کے ساتھ نیت کرنا تحفۃ الملوک کی عبارت کے مطابق یہ سنت ہے مگر یہ صحیح نہیں، اور منیہ میں اسے مستحب کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء نے اسے مستحب کہا ہے، نہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، یا ترغیب دلائی ہو، آنحضرتؐ سے یہ ثابت نہیں، ان علماء کے مستحب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دل اور زبان کی موافقت اور عزیمت پائی جاتی ہے، علامہ ابن قیمؒ تحریر فرماتے ہیں، كان صلى الله عليه وسلم اذا قام الى الصلوٰة قال الله اكبر ولم يقل شيئا قبلها ولا يلفظ بالنية النية ولا قال

صلی للہ صلوٰۃ کذا مستقبل القبلۃ اربع رکعات اماما او ماموما ولا قال اداء ولا قضاء ولا فرض الوقت وھذا عشر بدع لم ینقل عنہ احد قط باسناد صحیح ولا ضعیف ولا مسند ولا مرسل لفظا واحدۃ منہا النیۃ بل ولا عن احد من اصحاب ولا استحسنہ احد من التابعین ولا الائمۃ الاربعۃ. یعنی نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دیتے تھے، اس سے پہلے کچھ نہ کہتے، کبھی نیت کا لفظ نہ بولتے، اور نہ ہی کبھی کبھی یوں کہا میں نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لئے، فلاں نماز منہ طرف کعبہ کے چار رکعت امام یا مقتدی ادا یا قضا یا فرض وقت یہ دسوں کلمے بدعت ہیں، حضرت سے ایک کلمہ بھی ثابت نہیں، تابعین اور ائمہ اربعہ نے بھی اسے مستحسن نہیں قرار دیا (زاد المعارج جلد ۱ صفحہ ۵۱) حنفیہ کے نزدیک بھی زبانی نیت کی جو حیثیت ہے، وہ اس قول سے واضح ہو جاتی ہے ولو نوی الظہر وتلفظ بالعصر اجزأہ لان المعتبر ھو التعیین بالقلب کذا فی القنیۃ (حاشیہ شرح وقایہ صفحہ ۱۵۹) یعنی اگر ظہر کی نیت کرے، اور زبان سے عصر کا لفظ بولے نماز ہو جائے گی، کیونکہ معتبر دل کی تعیین ہے، اسی صفحہ پر شرح وقایہ کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے، ویکفی للنفل والتراویح وسائر السنن نیۃ مطلق الصلوٰۃ وللفرض شرط تعیینہ ولا نیۃ عدد رکعاتہ وللمقتدی نیۃ صلوتہ واقتدائہ، یعنی نفل تراویح اور سب سنتوں کے لئے مطلق نماز کی نیت کر لینا کافی ہے (نماز کی قسم کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں) فرض نماز کو البتہ متعین کر لینا چاہیے، تعداد رکعت کی نیت کوئی نہیں، مقتدی کے لئے اتنا ہی کافی ہے، وہ یہ نیت کرے، میں امام کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہوں، حاشیہ میں علامہ عبدالحیؒ فرماتے ہیں، لا تشترط نیۃ الاستقبال الی الکعبۃ علی الاصح. زیادہ صحیح بات یہی ہے، استقبال کعبہ کی نیت شرط نہیں نیز فرماتے ہیں، ولا تشترط نیۃ تعیین الامام ولو نوی ولو نوی الاقتداء بالامام یظن انہ زید فاذا ھو عمرو صح کذا فی البحر حوالہ ایضا۔

یعنی تعیین امام کی نیت شرط نہیں، اگر وہ زید کو امام سمجھ کر اقتداء کی نیت کرے، حالانکہ امام عمرو ہو تو نماز صحیح ہوگی۔ یعنی زبانی نیت کا مسئلہ کتاب و سنت میں تو خیر ہے ہی نہیں، فقہائے حنفیہ کے نزدیک بھی راجح قول یہی ہے کہ اتنی رکعت نماز منہ طرف کعبہ کے پیچھے امام فلاں کے کہنا۔ مہمل ہے، پھر سوال یہ ہے انما الاعمال بالنیات کا تعلق نماز ہی سے نہیں، ہر عمل سے ہے، بالخصوص نماز جنازہ میں جو بآواز بلند نیت بولی جاتی ہے، اس تخصیص کی کیا دلیل ہے، چنانچہ جنازہ میں ایک شخص نیت پڑھتا ہے، باقی سب سنتے ہیں، دوسری باجماعت اور فرض نمازوں میں یہ باجماعت نہیں ہوتی، بلکہ ہر کوئی اپنی اپنی نیت پر انحصار کرتا ہے یہ کیا فلسفہ ہے۔ بات یہ ہے نیت کا تعلق دل سے ہے، زبان سے نہیں، اور جس نیت کا تعلق زبان سے ہے، اس کا تعلق زبان سے ممکن ہو، مگر قرآن و سنت سے ہرگز نہیں ہٰذا ما عندی واللہ اعلم،

(الاعتصام جلد ۱۶ شمارہ ۵)

سوال:۔ دیوبندی اور اہل حدیث بعد نماز جنازہ میت کی چارپائی اٹھانے سے پہلے کی دعا درست نہیں جانتے، بلکہ بدعت کہتے ہیں، بریلوی حنفی اس پر اصرار کرتے، اور کہتے ہیں، کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا تو فرض نمازوں کے بعد بھی ثابت نہیں ہے۔ لیکن تمام اسلامی فرقوں کا یہ معمول ہے، سو جہاں یہ درست ہے، وہاں وہ بھی درست ہے لہٰذا اس مسئلے کی مدلل حیثیت بیان فرما دیں،

جواب:۔ نماز جنازہ کے بعد چارپائی اٹھانے سے پہلے دعا مانگنا بدعت ہی کے دائرے میں آتا ہے، بدعت کی تعریف یہ ہے، دین میں ایسا نیا کام ایجاد کرنا جس کی قرون مشہود لہا بالخیر میں ضرورت موجود ہو، اور اس کا شرعی مانع (رکاوٹ) بھی کوئی نہ ہو بدعت کہلاتا ہے، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے، کہ خیر القرون میں حضرات صحابہ کرام سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں فوت ہوئے، لیکن جہاں تک ہمارے استقراء کا

تعلق ہے، نہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے اور نہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ پھر حضرات ائمہ دین سے کسی ایک صحابی تابعی امام کے جنازہ پر چارپائی اٹھانے سے پہلے مروجہ دعا کا ذکر صحیح تو کیا کسی ضعیف روایت میں بھی نہیں، نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے اثر یا اس کے عمل سے ثابت ہے، اور نہ ائمہ دین سے یہ امر ثابت ہے، حالانکہ اس دعا کے اسباب اور دواعی (میت کی خیر خواہی اور اس کے لئے طلب مغفرت) اس زمانہ میں بھی موجود تھے۔ لہٰذا اگر اس دعا کا دین سے کچھ تعلق ہوتا تو اس کا ثبوت (صریح نص سے) ضرور ملتا اور یہ بات بھی پوری طرح عیاں ہے کہ جو کام اس وقت (زمان سلف) میں دین نہ تھا، وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا فَلَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا ۔ (کتاب الاعتصام شاطبی ص۲ جلد ۱) کہ جو چیز اس وقت دین نہ تھی، وہ آج بھی دین نہیں۔ امام موصوفؒ کے ارشاد کی بنیاد اس حدیث شریف پر ہے عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۷۱) کہ جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہو گی۔ اور اَمْرُنَا هٰذَا سے امر دین اور شریعت مراد ہے۔ جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں، وَالْمُرَادُ بِهٖ اَمْرُ الدِّيْنِ (فتح الباری) یہ بات بھی واضح رہے کہ نماز ایسی اہم عبادت کی مسنون ہیئات میں ادنیٰ تبدیل کر کے اس کو خاص وقت اور خاص کیفیت (جو کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو) کے ساتھ ادا کرنے کو بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعت قرار دیتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ہے، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ الْمَسْجِدَ فَاِذَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ اِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ الضُّحٰى فِي الْمَسْجِدِ فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ بِدْعَةٌ ۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۳۸ و صحیح مسلم ص۴۰۹ جلد ۱) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن زبیر مسجد نبوی میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے پاس تشریف فرما ہیں، اور کچھ لوگ چاشت

کی نماز پڑھ رہے ہیں، ہم نے عبداللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کی نماز کے متعلق پ
تو انہوں نے اس کو کہا امام نووی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں،

هٰذَا قَدْ حَمَلَهُ الْقَاضِيْ وَغَيْرُهُ عَلٰى اِنَّ مُرَادَهٗ اَنَّ اِظْهَارَهَا فِي الْمَسْجِدِ وَالْاِجْتِمَاعَ لَهَا هُوَ الْبِدْعَةُ لَا اِنَّ صَلٰوةَ الضُّحٰى بِدْعَةٌ۔

نووی صفحہ ۱۹۹ جلد ۱ کہ قاضی عیاض وغیرہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب یہ
کہ چاشت کی نماز کا مسجد میں اظہار کر کے پڑھنا، اور اس کے لئے خاص اہتمام ا
اجتماع کرنا بدعت ہے۔ نہ کہ خود نماز چاشت بدعت ہے۔

فقہاء حنفیہ کے فتاویٰ اور روش	بدعت کے اس نازک پہلو پر قدرے رو ڈال لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حنف

فقہاء احناف کے فتاویٰ بھی لکھ دئیے جائیں، اور وہ یہ ہیں،

(۱)۔ خواجہ محمد سعید حنفی بن مجدد الف ثانی رح	مخدوم زادہ بزرگ خواجہ محمد سعید دامت نماز جنازہ پیر و پدر بزرگوار خود رضی ال

نمودند و بعد از نماز برائے دعا توقف نفرمودند کہ مقتضی، سنت چنیں نیست، و در کتب
معتبرہ مرقوم است کہ بعد از نماز ایستادہ دعا کردن، مکروہ است (زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۱)
خواجہ محمد سعید نے اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی رح کی نماز جنازہ پڑھائی، اور دعا
کے لئے کھڑے نہ ہوئے، کیونکہ یہ دعا خلاف سنت ہے، اور کتاب فقہ معتبرہ
جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنے کو مکروہ لکھا ہے،

(نوٹ): کراہت سے مراد عموماً کراہت تحریمی ہوتی ہے، دلیل الطالب صفحہ

(۲) امام طاہر بن علی حنفی رح	لَا يَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ فِيْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ لِاَجْلِ ال بَعْدَ صَلٰوةِ الْجَنَازَةِ وَقَبْلَهَا (خلاصۃ الفتاوی بحوالہ فتا

صفحہ ۱۳: نماز جنازہ سے پہلے اور اسی طرح بعد نماز جنازہ قرآن پڑھ کر میت کے لئے
دعا نہ کی جائے،

(۴) علامہ برجندی حنفیؒ	لَا یَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْہَا کَذَا فِی الْمُحِیْطِ (فتاوی سعدیہ صفحہ ۱۳۰)

نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے، کیونکہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

(۵) علامہ علاء سعدی حنفیؒ	لَا یَقُوْمُ الرَّجُلُ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

(قنیہ ص۵ جلد ۱، فتاوی سعدیہ ص۱۳۰) ترجمہ گذر چکا ہے۔

(۶) حضرت ملا علی قاری حنفیؒ	وَلَا یَدْعُوْا لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

(حاشیہ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۰ حاشیہ ۸ بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

(۷) مولانا مولوی عبدالحی حنفیؒ	فرماتے ہیں، بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے۔ (نفع المفتی والسائل ص۶)

(۸) مولانا مفتی سعد اللہ حنفیؒ	مصنف نوادر الوصول شرح فصول اکبری میں فرماتے ہیں، خالی از کراہت نیست زیرا کہ اکثر فقہاء بوجہ زیادت

بر امر مسنون منع مے کنند (فتاوی سعدیہ ص۱۳۰) کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کراہت سے خالی نہیں ہے، کیونکہ یہ دعا امر مسنون پر زیادتی کا حکم رکھتی ہے، اس لئے اکثر فقہاء اس دعا سے منع کرتے ہیں۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے کہ فرض	رہا یہ اعتراض

نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ثابت نہیں ہے، تو یہ معارضہ درست نہیں ہے، اس کے لئے کچھ نہ کچھ ذکر ایک آدھ ۱؎ روایتوں میں موجود تو ہے۔

۱؎ ایک آدھ روایت نہیں، بلکہ متعدد روایتوں میں اس دعا کا ذکر ہے جس کی تفصیل کے لئے امام سیوطیؒ کا

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى الْأَسْلَمِيِّ قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَرَأَى رَجُلًا رَافِعًا يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهِ (مجمع الزوائد) وقال الحافظ الهيثمي رجاله ثقات وذكر السيوطي في رسالة فض الوعاء وقال رجاله ثقات (تحفة الاحوذي شرح ترمذی ص ۲۴۵ جلد ۱ فتاوی ثنائیہ ص ۵۳) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک آدمی کو سلام سے پہلے نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ نے اس کو کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ رَفَعَ يَدَيْهِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ خَلِّصِ الْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَضَعَفَةَ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا مِنْ أَيْدِي الْكُفَّارِ (تفسير ابن كثير بحواله تحفة الاحوذي شرح ترمذی ج ۲ ص ۲۴۵ فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۵۳)۔

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر قبلہ رخ ہو کر یہ دعا مانگی کہ اے اللہ ولید، عیاش، سلمہ، اور کفار قید میں گھیرے ہوئے دوسرے کمزور مسلمان قیدیوں کو رہائی عطا فرما، اس روایت میں ایک راوی علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے، لیکن اس کا ضعف استحباب کو مانع نہیں ہے، ملا علی قاری (حنفی) فرماتے ہیں الْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيفِ غَيْرِ الْمَوْضُوعِ ۔ (فتاوی ثنائیہ بحوالہ مرقات)

رسالہ فض الوعاد فی احادیث رفع الیدین فی الدعا کا مطالعہ کافی ہے، جو کہ سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبوعہ ہندوستان کے آخر میں مطبوع ہے۔

اور سید علامہ محمد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان زبیدی یمانی کا رسالہ جو کہ سوال وجواب کی شکل میں ہے، اور معجم الصغیر طبرانی مطبوعہ ہندوستانی کے آخر میں موصول ہے، باقی اس کی تفصیل فتاوی نذیریہ میں بھی موجود ہے، ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ اس بارہ ایک آدھ حدیث ہے یا متعدد ہیں۔ (سعیدی)

فی باب الجنائز) کہ ضعیف روایت سے (بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو) استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں بعد نماز جنازہ چارپائی اٹھانے سے پیشتر مروجہ دعا بدعت ہے۔ اور فرضوں کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے، بشرطیکہ التزام نہ کیا جائے، اور نہ ہی اس دعا کو نماز کا حصہ قرار دیا جائے، جیسے کہ آج کل رواج عام ہے، واللہ اعلم۔ (الاعتصام جلد نمبر شمارہ نمبر)

مولانا محمد عبید اللہ عفیف فیروزپوری مسجد چینیانوالی لاہور

سوال:۔ میت کی نماز جو حالت مرض وغشی وغیرہ میں فوت ہو گئی، اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہے، اگر ادا نہ کی جاوے، تو میت کو مواخذہ ہو گا یا نہیں، اگر اس کا کفارہ ہے، تو کس قدر یا اس کے والی، اس کی جانب سے ادا کر سکتے ہیں؟۔

جواب:۔ میت کے ذمہ جو فرض باقی رہ گئے ہیں، ان میں سے روزہ کے لیے تو یہ امر ثابت ہوا ہے کہ اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے، صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ لیکن نماز کے بارہ میں نِیَابَۃً ادا کرنا ثابت نہیں، بلکہ نسائی میں ابن عباس سے موقوفاً ثابت ہے، لَا یُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز ادا نہ کرے، نیل میں تحت روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکور ہے،

اِخْتَلَفُوْا ذٰلِكَ بِالْوَلِیِّ لِاَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ النِّیَابَۃِ فِی الْعِبَادَۃِ الْبَدَنِیَّۃِ وَلِاَنَّھَا عِبَادَۃٌ لَا یَدْخُلُھَا النِّیَابَۃُ فِی الْحَیٰوۃِ فَکَذٰلِكَ بَعْدَ الْمَوْتِ اِلَّا مَا وَرَدَ فِیْہِ الدَّلِیْلُ فَیُقْتَصَرُ عَلٰی مَا وَرَدَ وَیَبْقَی الْبَاقِیْ عَلَی الْاَصْلِ وَھٰذَا ھُوَ الرَّاجِحُ۔

یعنی اس امر میں علماء نے اختلاف کیا ہے، کہ نیابتاً روزہ ادا کرنا ولی کے ساتھ خاص ہے، یا غیر ولی بھی ادا کر سکتا ہے، اس واسطے کہ عبادت بدنیہ میں اصل بات یہ ہے، کہ کسی کی طرف سے ادا نہ کی جاوے، و نیز یہ ایسی عبادت ہے کہ زندگی میں نیابتاً ادا نہیں ہو سکتی، پس اسی طرح موت کے بعد بھی ادا نہ ہو سکے گی، مگر

جس عبادت کے بارہ میں دلیل سے نیابت ثابت ہوئی، وہ اصل سے جدا ہو جائے گی، اور باقی عبادتیں (نماز وغیرہ) اپنے اصل قائم رہے گی، اب رہی یہ بات کہ میت پر ان کی وجہ سے مواخذہ ہوگا، یا نہیں، سو اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے جس عبادت کا ادا کرنا اپنے امکان و قدرت میں تھا، اور باوجود اس کے ادا نہ کی گئی اس پر ضرور مواخذہ ہوگا، اور جو قدرت و طاقت سے باہر تھی، اس پر مواخذہ نہ ہوگا، قال اللہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اگر غشی و بیہوشی کے مریض کو افاقہ ہوا، اور حواس میں درستی پیدا ہو گئی، تو پھر نماز ادا نہ کی تو ضرور مواخذہ ہوگا، اور اگر افاقہ کی نوبت نہ آئی، بلکہ اسی حالت میں وفات پائی، تو پھر مواخذہ نہ ہوگا، آیت کریمہ، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الخ عام و شامل ہے، بہت سے مسائل کا اس سے استخراج ہو سکتا ہے، واللہ اعلم۔

عبدالجبار عمرپوری

(فتاویٰ عمرپوری ص ۹)

حافظ عبدالجبار عمرپوری

اصل وطن عمرپور ضلع مظفرنگر ہے بعد میں دہلی میں سکونت اختیار کر لی والد کا نام منشی بدرالدین ہے۔ جملہ علوم مولوی فیض الحسن سہارنپوری سے پڑھے، اور حدیث حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے پڑھی کمال قوت حافظہ کے مالک تھے۔ آخر عمر میں بینائی نہ رہی تھی مگر پھر درسی کتابیں بڑی عمدگی سے پڑھایا کرتے تھے، سخن فہم اور شعر گو بھی تھی، درج ذیل کتابیں ان کے قلم سے نکلیں "صمصام التوحید فی رد التقلید (۲) ارشاد السائلین فی مسائل نشاذتین (۳) تذکیر الاخوان فی خطبۃ الجمعہ بکل لسان (۴) ارشاد الانام فی فرضیۃ الفاتحۃ خلف الامام (۵) تبصرۃ الانام فی فرضیۃ الجمعہ والفاتحۃ خلف الامام مدت تک ضیاء السنہ، کلکتہ کے ایڈیٹر رہے، ۵۵ برس کی عمر میں ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء وفات پائی مولانا عبدالغفار حسن عمرپوری، استاذ مدینہ یونیورسٹی ان کے پوتے ہوتے ہیں۔ (تراجم علمائے حدیث ص ۱۲۰ طبع دوم)

سوال :۔ کیا نماز جنازہ مسجد میں ناجائز ہے۔

جواب :۔ برادران احناف کا دعویٰ ہے کہ ہم عامل بالقرآن والحدیث ہیں اور مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مصداق ہیں۔ ہمارا دین وہی دین ہے۔ جو صحابہ کرام کا تھا۔ ہمارا مذہب اعلیٰ و ارفع ہے اور یہ فرقہ ناجیہ میں داخل ہیں۔ ان احناف کا یہ بھی دعویٰ ہے۔ کہ ہم ہی حق پر ہیں۔ باقی سب مردود و باطل ہیں۔ ان کو یہ دعویٰ مبارک ہو۔ لیکن ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنے اس دعویٰ کو دلائل سے ثابت کریں۔ یوں تو احناف اپنے ہر طرز عمل کو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کا مصداق بناتے ہیں۔ لیکن ہم جب ان کے اعمال کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو احادیث کے خلاف پاتے ہیں اور صحابہ کرام رضہ کے آثار و طرز عمل کے بھی خلاف پاتے ہیں۔ آج ہم صرف مسجد میں میت کی نماز جنازہ پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ احناف کا عمل یہ ہے کہ وہ جنازہ کو مسجد میں لانے اور رکھنے سے منع کرتے ہیں۔ اور مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے کتب احادیث کی ورق گردانی کی تو معلوم ہوا ہے۔ کہ محدثین نے اس مسئلہ کیلئے ایک مستقل باب بایں الفاظ منعقد کیا ہے بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ فِی الْمَسْجِدِ پھر بطور استدلال حضرت عائشہ رضہ والی حدیث کو پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں عَنْ عَائِشَۃَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اُدْخُلُوْا بِہٖ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْہِ فَاُنْکِرَ ذٰلِکَ عَلَیْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰہِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِبْنَیْ بَیْضَاءَ سُهَیْلٍ وَاَخِیْہِ فِی الْمَسْجِدِ رواہ مسلم فی باب جواز الصلوٰۃ علی المیت فی المسجد ج ۱ ص ۳۱۳ وفی الباب احادیث کثیرۃ من طرق عدیدۃ تبلغ درجۃ التواتر کما لا یخفی علی ماہر الحدیث انتہی

یعنی جب سعد بن ابی وقاص کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضہ نے لوگوں سے کہا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تاکہ ہم مستورات بھی جنازہ کی نماز پڑھیں۔ اس پر بعض نا واقف لوگوں نے جن کو نماز جنازہ فی المسجد کے بارے میں علم نہیں تھا انکار کیا۔ تو حضرت عائشہ رضہ صدیقہ رضہ نے بطور استدلال ایک حدیث پیش کی اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابی سُہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔ حضرت عائشہ رضہ کے اس بیان کو تمام صحابہ کرام

نے بلا چون وچراں قبول کیا پھر دوبارہ کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوئی پس مذکورہ بالا روایت ہی اس بات کے لئے کافی ووافی ثبوت ہے۔ کہ مسجد میں جنازہ کو رکھا جا سکتا ہے اور مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے کیونکہ اعتکاف کی وجہ سے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی ہو گی۔ یہ پہلے جائز تھا۔ بعد میں منسوخ ہو گیا کما سیاتی بیانہ اس حدیث کے علاوہ ہیں۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اور دلائل بھی ملتے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے جنازہ کی نماز حضرت عمرؓ نے (تمام صحابہ کرام کے سامنے) مسجد میں پڑھائی (کسی نے منسوخ نہ کہا) پھر جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو حضرت صہیبؓ نے ان کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھائی۔ جیسا کہ موطا امام مالک میں مذکور ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وَوُضِعَتِ الْجَنَازَةُ تِجَاهَ الْمِنْبَرِ رواہ ابن ابی شیبۃ وزرقانی جلد ۲ ص ۱۵۔ یعنی جنازہ منبر کے سامنے رکھا گیا اور پھر نماز پڑھی گئی اس روایت سے اس خیال کی بھی تردید ہو گی۔ کہ جنازہ کی نماز مسجد کے کسی کونے میں ادا کی جا سکتی ہے۔ وسط مسجد میں نہیں عون المعبود شرح ابوداؤد جلد ۳ ص ۱۸۲ میں درج ہے وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ صُلِّيَ عَلَيْهِمَا فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ مَعْلُومٌ أَنَّ عَامَّةَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ شَهِدُوا الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمَا فَفِي تَرْكِهِمْ إِنْكَارَهُ دَلِيلٌ عَلٰى جَوَازِهِ۔

یعنی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں کی نماز جنازہ میں عام مہاجرین وانصار نے شرکت کی اور کسی نے بھی اس کو برا نہ کہا۔ پس ثابت ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے وھکذا قال فی الموطا وفی البیہقی ایضا وَقَدْ رَأَيْتُ فِي الْمَكَّةِ كُلَّ يَوْمٍ غَيْرَ مَرَّةٍ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْفَرِيضَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَامَ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ الْحَاضِرِ الصَّلٰوةُ رَحِمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ

ف: حنفیہ کی یہ عادت ہے کہ جو حدیث ان کے مسلک کے خلاف ہو۔ اس کو منسوخ کہہ دیتے ہیں بلا دلیل حدیث کو منسوخ کہنا انکار حدیث کی قسم ہے۔ اس جس کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا چوں وچراں تسلیم کیا اور کسی نے منسوخ نہیں۔ لیکن آج احناف کو یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ انا للہ (سعیدی)

عِنْدَ الْبَيْتِ مُقَدَّمَةً دُوْنَ الْإِمَامِ فَصَلَّى الْإِمَامُ صَلٰوةَ الْجَنَازَةِ عَلٰى مَيِّتِ الْحَاضِرِ عِنْدَ الْبَيْتِ وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ وَلَا نَعْلَمُ فِيْ ذٰلِكَ مِنْهُمْ فِيْهِ اِخْتِلَافًا۔

یعنی ۱۳۵۱ھ میں حج کرنے کیلئے مکہ معظمہ گیا تو میں نے دیکھا کہ ہر روز فرض نماز کے بعد جب امام سلام پھیرتا تو مؤذن کھڑے ہوکر اعلان کرتا کہ جنازہ حاضر ہے نماز جنازہ پڑھ لیجئے۔ اللہ آپ پر رحم کرے۔ پھر جنازہ بیت اللہ میں امام کے آگے رکھ دیا جاتا۔ اور وہ نماز پڑھاتا اور لوگ اس کے پیچھے ہوتے۔ میں بھی شریک جماعت ہو کر نماز جنازہ پڑھا کرتا تھا۔ اگر کسی میت کا جنازہ فرض نماز سے پہلے یا بعد میں لایا جاتا تو بھی امام صاحب اس وقت حرم میں موجود چند مقتدیوں کے ساتھ نماز جنازہ حرم ہی میں پڑھا دیتے تھے میں چاشت کے وقت طواف کی حالت میں مسجد حرام میں جاتا تھا تو دو ایک دفعہ جنازہ کی نماز میں شریک ہونیکا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مسجد حرام میں مشرق و مغرب سے آئے ہوئے حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی تمام فرقوں کے لوگ مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور جنازہ کی نماز میں بھی بلا۔ چوں وچراں شریک ہوتے ہیں۔ کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا کہ جنازہ مسجد میں کیوں لایا گیا۔ اور منبر و محراب کے پاس رکھ کر امام نے کیوں اس کی نماز جنازہ پڑھائی میں نے بعض حنفی بزرگوں سے پوچھا کہ آپ کے مذہب میں جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا منع ہے۔ اس کے باوجود آپ مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں جنازہ کے سامنے کھڑے ہو کر نماز جنازہ کیوں پڑھتے ہیں تو جواب ندارد معلومات ۱۹۲ سطر میں لکھا ہے۔ وَهٰكَذَا رَأَيْتُ فِي الْمَدِيْنَةِ كُلَّ يَوْمٍ غَيْرَ مَرَّةٍ اِذَا سَلَّمَ الْإِمَامُ قَامَ فَقَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى مَيِّتِ الْحَاضِرِ الصَّلٰوةُ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ ثُمَّ وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فِيْ جَوْفِ الْمَسْجِدِ عِنْدَ فَصَلَّى الْإِمَامُ الْجَنَازَةَ وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ بِلَا اِخْتِلَافٍ وَهٰذَا يَقْتَضِي الْإِجْمَاعَ عَلٰى جَوَازِ ذٰلِكَ۔

[illegible]ہے۔ مولف رسالہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ امام کو نماز [illegible]ھاتے دیکھا اس حال میں کہ جنازہ مسجد کے بیچ میں محراب کے پاس رکھا ہوتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ میں مسجد نماز جنازہ پڑھنے کے جواز پر اجماع ہے۔

خیر یہاں تک تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ صحابہ کرام کے عمل اور اہل حدیث کے مسلک کو بیان کیا گیا۔ اب حنفیہ کی خبر لیجیے۔ جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے دعویدار ہیں۔

تفصیل میں اگر آپ جائیں گے تو جگہ جگہ آپ کو حنفیوں کے اس دعوے اور عمل میں تضاد نظر آئیگا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نماز جنازہ فی المسجد کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔ لَا تَصِحُّ الصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ فِی الْمَسْجِدِ کَمَا وَرَدَ فِیْ کُتُبِ الْحَنَفِیَّۃِ الخ بحوالہ نووی جلد اول ص ۳۱۲

یعنی جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ حنفیہ کی چوٹی کی کتاب ہدایہ جو ان کے خیال میں قرآن کے مثل ہے۔ اس میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ وَلَا یُصَلّٰی عَلٰی مَیِّتٍ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَۃٍ لِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلٰی جَنَازَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَہٗ وَلِاَنَّہٗ بُنِیَ لِاَدَاءِ الْمَکْتُوْبَۃِ وَلِاَنَّہٗ یَحْتَمِلُ تَلْوِیْثَ الْمَسْجِدِ الخ۔

ہدایہ جلد اول ص ۱۶۱ یعنی جس مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہو۔ اس میں جنازہ پر نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھی اس کو کچھ بھی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ دوسری وجہ یہ کہ مسجد فرض نماز کے لئے بنائی گئی ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ مسجد میں جنازہ کو رکھنے سے اندیشہ ہے کہ بول براز خارج ہونے سے مسجد گندی ہو جائے۔

حنفیوں کی عادت ہے۔ کہ جب امام صاحب کے قیاس اور رائے کو صحیح حدیث لڑ کر رہی ہو بلبلا جاتے ہیں۔ حواس باختہ ہو کر عقل و خرد کو بالائے طاق رکھ کر طرح طرح کی تاویلیں گھڑنے لگتے ہیں تاکہ امام صاحب کے قول و فتویٰ کا صحیح محل و مصداق نکل آئے

لہ یہ قول بلا سند امام صاحب کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ اس قول کو مولفین کتب فقہ کی طرف منسوب کرنا مناسب ہے کتب فقہ میں امام صاحب کا یہ قول بھی مشہور ہے اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ اس قول کے مطابق امام صاحب بری الذمہ ہیں۔ یہ مولفین کتب فقہ کے سر پر سہرا ہے (سعیدی)

کبھی حدیث کی سند میں کیڑے نکالتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ حدیث منسوخ ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے غرضیکہ امام صاحب کے فتویٰ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے۔ عام حدیث کو خاص کرنے۔ خاص کو عام کرنے۔ ضعیف حدیث کو مشہور و متواتر اور متواتر کو ضعیف کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس سے بھی مقصد برآری نہیں تو حدیث کے الفاظ گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں۔ اس مرض میں حنفیوں کے چھوٹے بڑے سب علماء مبتلا ہیں۔ ان لوگوں کی حدیث دانی اسی قسم کی تاویلات کے اردگرد گھومتی رہتی ہے۔

مذکورہ بالا سطروں میں ہدایہ کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے مذہب کو ثابت کرنے کیلئے یہ حدیث نقل کی ہے۔ مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهٗ۔

یعنی جس نے جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھی اس کیلئے کوئی اجر نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس حدیث کی نہ کوئی سند بیان کی اور نہ حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ دیتے بھی کہاں سے جب کہ یہ حدیث ہی من گھڑت ہے۔

صاحب ہدایہ پر یہ بہت بڑا دھبہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے قول کو صحیح ثابت کرنے کیلئے گھڑی ہوئی حدیث پیش کر دی۔ صاحب ہدایہ تو گذر گئے۔ ان کے بعد آنے والے حنفی علماء کو خیال آیا کہ اس دھبہ کو دور کرنا چاہیئے اور طالبان حق کا یہ خلجان دور کرنا چاہیئے کہ اس حدیث کی نہ سند ہے نہ حوالہ۔ چنانچہ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حنفی نے بخاری شریف کے حاشیہ پر اسی طرح مشکوۃ کے محشی نے جب اس مسئلہ کے موافق و مخالف پہلوؤں کو واضح کیا تو اپنا مذہب بایں الفاظ بیان کیا۔ فَعِنْدَنَا مَكْرُوْهٌ لِحَدِيْثِ الَّذِيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا اَجْرَ لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى مَنْ صَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ انتہی،

یعنی ہمارے نزدیک مسجد میں جنازہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رض سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ پر مسجد

میں نماز پڑھے گا۔ اس کو کوئی اجر نہیں ملے گا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس کی نماز جنازہ ہی ادا نہیں ہو گی۔ اس حاشیہ کو پڑھنے کے بعد حنفی طالب علم مطمئن ہو جاتا ہے کہ ہمارا مذہب برحق ہے۔ ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ غلط تلقین کی گئی ہے۔

حنفی علماء کو چیلنج ہے کہ وہ بتائیں یہ حدیث ٹھیک ان ہی الفاظ کے ساتھ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں کہاں اور کس باب میں وارد ہے۔ حنفیہ کے تمام بزرگ قیامت تک کوشش کریں تو صحت نقل کی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کجا ساری صحاح ستہ اور تمام کتب حدیث میں یہ الفاظ نہیں دکھا سکتے۔ اس لئے کہ یہ حدیث بالکل بناوٹی۔ جھوٹی اور موضوع ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رِوَايَةُ: فَلَا أَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَقَالَ مُلَّا عَلِي قَارِي أَيْضًا فِي كِتَابِهِ مَوْضُوعَاتِ كَبِيْرِ حَدِيْثِ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَلَا أَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَالصَّوَابُ رِوَايَةُ فَلَا شَيْءَ لَهُ قُلْتُ وَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلَى رِوَايَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ۔ یعنی علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ فَلَا أَجْرَ لَهُ والی حدیث بالکل بے بنیاد ہے۔ اور علی قاریؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ فَلَا أَجْرَ لَهُ کو فرمان رسول قرار دینا کھلی خطا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ فَلَا شَيْءَ لَهُ صحیح ہے جس کے معنی ہیں فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ۔ یعنی جو شخص جنازہ پر مسجد میں نماز پڑھے گا اس پر کوئی برائی نہیں لادی جا سکتی۔ ابوداؤد میں جو روایت ہے اس میں فَلَا أَجْرَ لَهُ کے بجائے فَلَا شَيْءَ لَهُ ہے جس کے معنی ہیں۔ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ اسی طرح عنایہ صفحہ ۱۶۱ ج ۱ میں مذکور ہے کہ قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ رِوَايَةُ فَلَا أَجْرَ لَهُ خَطَاءٌ فَاحِشٌ وَالصَّحِيْحُ فَلَا شَيْءَ لَهُ لفظ فَلَا أَجْرَ لَهُ اور فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، کے مفہوم میں تضاد ہے۔ دونوں کی حقیقت جدا جدا ہے۔ حنفی علماء نے فَلَا شَيْءَ کو فَلَا أَجْرَ سے اس لئے بدل دیا تاکہ امام صاحب کا مذہب ثابت ہو جائے۔ آپ نے دیکھا اندھی تقلید کا تماشہ سچ ہے حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔ یہ لوگ امام صاحب کے قول کو ثابت کرنے کیلئے قرآن وحدیث میں ردوبدل کرنے کیلئے بھی تیار رہتے ہیں۔

ان لوگوں نے شریعت کو موم کی گڑیا سمجھ رکھا ہے جس طرف چاہا موڑ دیا۔ ان کے نزدیک اصل حجت و دلیل امام صاحب کا قول ہے۔ اور قرآن وحدیث کو امام صاحب کے قیاس و رائے کے تابع بنا رکھا ہے۔ کتنی ہی صحیح ترین حدیث ان کے سامنے رکھدی جائے اگر وہ امام صاحب کے فتویٰ کے خلاف ہے تو کبھی نہیں کہیں گے کہ امام صاحب نے اجتہاد کرنے میں غلطی کی اور اگر صحیح کے مقابلہ میں ضعیف حدیث سے امام کی تائید ہوتی ہو تو فوراً دلیل میں پیش کردیں گے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے کو امام صاحب کے قول کا مکلف سمجھتے ہیں اور قرآن وحدیث کی باتیں ذیلی جانتے ہیں۔ جب یہ لوگ چاروں طرف کے دلائل سے گھر جاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ عِنْدَنَا اَوْعِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اَوْعِنْدَ اَصْحَابِنَا ھٰکَذَا یہ مسئلہ ہمارے نزدیک یا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یا ہمارے اصحاب کے نزدیک اسی طرح ہے، ہم اُسی کو مانیں گے اور اسی پر عمل کریں گے۔ کیونکہ ہم ان کے مقلد ہیں مذکورہ بالا حدیث کو پھر ملاحظہ فرمائیں ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ فَلَا شَیْئَ لَہٗ محدثین نے اس کے معنی فَلَا شَیْئَ عَلَیْہِ کے بیان کئے ہیں جس کی رو سے اس حدیث میں اور حضرت عائشہؓ والی مذکورہ بالا احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

یہاں لَہٗ کے لام کو علیٰ کے معنی میں لینا ہی درست ہے اور اگر لام کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ حنیفہ کو یہ حدیث امام صاحب کے قول کی تائید میں پیش نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث قابل حجت وقابل عمل نہیں ہوسکتی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں قَدْ اَجَابُوْا عَنْ حَدِیْثِ سُنَنِ اَبِیْ دَاؤدَ بِاَجْوِبَۃٍ اَحَدُھَا اَنَّہٗ ضَعِیْفٌ لَایَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِہٖ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ ھٰذَا حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ۔

تَفَرَّدَ بِہٖ صَالِحٌ مَوْلَی التَّوْءَمَۃِ وَھُوَ ضَعِیْفٌ اَیْضًا۔

______ نووی ص۳۱۳ ج۱ امام نوویؒ اور امام احمد بن حنبلؒ دونوں کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور یہ کسی مسئلہ کیلئے دلیل نہیں بن سکتی۔ پس ثابت ہوگیا کہ

حنیفہ کا یہ مسئلہ بلا دلیل اور بے بنیاد ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز نہیں اس کے باوجود حنیفہ بھی فتویٰ دیتے رہیں گے۔ کیونکہ فقہ کی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہے چنانچہ ملاحظہ فرمائیں شرح وقایہ جلد اول ص۲۵۹ میں ہے کہ وکرہت فی مسجد جماعۃ ان کانت المیت فیہ اور عنایہ جلد اول ص۱۶۱ میں یہ مسئلہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ قولہ فی مسجد جماعۃ اذا کانت الجنازۃ فی المسجد فالصلوۃ علیہا مکروھۃ باتفاق اصحابنا اور اسی طرح کنز الدقائق اور رد المحتار اور فتاویٰ عالمگیری میں بھی مذکور ہے یہ حنیفہ کی ہٹ دھرمی کا ادنیٰ نمونہ ہے۔ شروع میں مسلم شریف سے حضرت عائشہ رضی کی ایک حدیث نقل کی جا چکی ہے۔ امام مسلم رحمہ نے اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں متعدد سندوں سے اتنی حدیثیں آئی ہیں۔ جو درجہ تواتر کو پہنچتی ہیں۔ حنیفہ نے حضرت عائشہ رضہ کی حدیث کا یہ جواب دیا کہ اعتکاف کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھی ہوگی یا پہلے پڑھی جاتی ہوگی بعد میں منسوخ ہوگی۔ یہ دونوں باتیں اٹکل سے کہی گئے ہیں کوئی ثبوت نہیں کہ آپ معتکف تھے۔ اعتکاف کی حالت میں نماز جنازہ پڑھنا ضروری تھا تو آپ جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے مسجد سے باہر بھی تشریف لا سکتے تھے۔ غیر ضروری تھا تو نماز کیلئے جنازہ کو مسجد میں کیوں داخل کیا گیا۔ جب کہ بقول احناف مکروہ ہے۔ حضرت عائشہ رضہ نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے کئی واقعوں کی طرف اشارہ کیا ہے کیا ہر دفعہ آپ اعتکاف کی حالت میں تھے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ اگر اعتکاف کی وجہ سے مکروہ مباح ہوگیا۔ تو صحابہ رضہ کو اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ حضرت عائشہ رضہ کی حدیث سن کر صحابہؓ خاموش کیوں ہوگئے۔ رہا یہ کہ پہلے جائز تھا۔ بعد میں منسوخ ہوگیا۔ تو ناسخ و منسوخ قرار دینے کیلئے ضروری ہے کہ ایک درجہ کی دو متعارض حدیثیں موجود ہوں اور ان کی تاریخ بھی معلوم ہو کہ منسوخ حدیث پہلی کی ہے اور ناسخ بعد کی اگر صحیح حدیث اور ضعیف حدیث میں تعارض ہو تو

ناسخ ومنسوخ کہہ کر تعارض کو دفعہ نہیں کیا جائیگا۔ اگرچہ مقدم و موخر معلوم ہو یہاں ناسخ ومنسوخ کی کوئی شرط نہیں پائی جاتی۔ اس مسئلہ میں ایک ہی طرح کی حدیثیں ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے اس کے خلاف ایک حدیث بھی نہیں ہے اگر یہ حکم منسوخ ہوتا تو آپ ﷺ کے انتقال کے بعد صحابہ رضؓ اس کے خلاف نہ کرتے حالانکہ اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کے حدیث بیان کرنے کے بعد سعد بن ابی وقاص رضؓ کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی۔ پھر حضرت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی البتہ اس حدیث متواتر اور امامؒ صاحب کے قول میں تعارض ہے۔ کیا آپ امام صاحب کے قول ناسخ اور حدیث متواتر کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

صاحب ہدایہ کا کہنا کہ مسجد فرضوں کیلئے ہے اور مسجد میں جنازہ رکھنے سے مُردہ کی گندگی ٹپکنے اور مسجد کے مُلوّث ہوجانیکا اندیشہ ہے محل نظر ہے احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ معلوم ہوجائیگا کہ قرنِ اول میں مسجدوں میں کیا کیا امر انجام پاتے رہے ہیں۔ اس کی بھی فہرست ملے گی۔ اگر مسجد صرف فرضوں کیلئے ہے تو آپ اس میں سنت و نفل کیوں پڑھتے ہیں۔ کیا نماز جنازہ فرض نہیں ہے فرض عین نہ سہی۔ فرض کفایہ تو ہے تلویث مسجد کا احتمال زندوں سے بھی وابستہ ہے۔ ایسی اضطراری کیفیت پیدا ہوسکتی ہے۔ جس سے بلول وبراز خطا ہوجائے اس لئے مردو اور عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیجئے یہ سب قباحتیں محض اس لئے پیدا ہورہی ہیں کہ آپ امام صاحب کے غلط فتویٰ کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں حنیفہ سے شکایت ہے کہ وہ امام صاحبؒ سے اس درجہ عقیدت رکھتے ہیں کہ اگر امام صاحبؒ کے قول کے خلاف کسی صحابی نے حدیث بیان کی ہے تو اس صحابی کی تنقیص کرنے لگتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور ان کی روائت کردہ حدیثیں حنفی مسلک سے ٹکراتی ہیں اس لئے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ کو غیر فقیہ کہنا شروع کردیا۔ ابو داود کی روایت لَاشَیْءَ لَہٗ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے۔ اور مولنا احمد علی سہارنپوری کے کہنے کے مطابق

لَا اَجْرَ لَہٗ اور لَا صَلٰوۃَ لَہٗ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں پہلی حدیث ضعیف اور دوسری موضوع ہے۔ ایک حنفی بزرگ کہنے لگے کہ جب ابوہریرہ رضؓ کی روایت جھوٹی اور موضوع ٹھیری اسی وجہ سے ہدایہ ونہایہ اور اکثر تفسیروں میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے اس لئے ہر مسئلہ میں ہم ابوہریرہ رضؓ کی حدیث کو نہیں مانتے ناظرین یہ صریح بہتان ہے ہدایہ ونہایہ اور ابن کثیر وغیرہ کیا دنیا کی تمام کتب رجال اور اسماء الرجال میں کہیں نہیں ہے کہ ابوہریرہ متہم بالکذب تھے یہ منکرین حدیث کذب بیان کرتے ہوئے خدا سے نہیں ڈرتے سنئے علامہ عجاج الخطیب اپنی کتاب اعلام العرب ص۱۴۹ میں یوں فرماتے ہیں۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ اَنْتَ اَعْلَمُنَا یَا اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَحْفَظُنَا لِحَدِیْثِہٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا اے ابوہریرہ تم ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جانتے ہو اور تمھیں ہم سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۰۹ وقال حافظ المغرب یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر ان ابوھریرۃ من احفظ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یحضر مالا یحضرہ سائر المہاجرین والانصار لاشتغال المہاجرین بالتجارۃ والانصار بحوائطہم الخ الاستیعاب ج۴ ص۲۰۷ وقال ابن الاثیر ابوہریرۃ الدوسی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واکثرھم حدیثا عنہ الخ۔ اُسد الغابہ ج۵ ص۳۱۵ کان ابوھریرۃ وثیق الحفظ ما علمنا انہ اخطأ فی حدیث الخ اعلام النبلاء ج۲ ص۴۲۶ وقال ابو صالح السمان کان ابوہریرۃ من احفظ صحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۳۴ وابن عساکر ص۸۱ وقال الشافعی ابوہریرۃ رضؓ احفظ من روی الحدیث فی دہرہ الخ اعلام العرب ص۱۹۴ قال البخاری روی عنہ نحو ثمان مائۃ من اھل العلم وکان احفظ من روی الحدیث فی عصرہ۔ تہذیب التہذیب ج۱۲ ص۲۶۵ والبدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۰۳ وقیل لابن عمر ہل تنکر مما یحدث بہ ابوہریرۃ شیأ فقال لا ولکنہ اجترأ وجبنا الخ اعلام النبلاء ج۲ ص۴۳۶ وفی تاریخ دمشق ج۴ س۲۹ وقال طلحۃ بن عبید اللہ لا نشک انہ سمع مالم نسمع الخ اعلام

ہذا ع ج ۲ ص ۲۳۴ واصابہ ج ۲ ص ۲۰ وفی الباب احادیث کثیرۃ کمار واہ البخاری
واقوال کثیرۃ کما لا یخفی علی ماھر الحدیث والفنون من یریدالا طلاع
فلیراجع الیہ ومن ادعی خلافہ فعلیہ البیان بالبرہان واقول ھذا مختصرا
خوف الطول ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۵ ش ۱۵ ۱۹۰۸ء)

حبیب الرحمٰن مالدہی مقام کڑیا ڈاکخانہ کمار گنج ضلع مالدہ

سوال۔ نماز جنازہ کا صحیح نقشہ تحریر فرمائیں۔ کیا نماز جنازہ جوتیاں پہن کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جواب۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ امام فوت شدہ مرد کے کندھوں کے اور عورت کے وسط میں قبلہ رو باوضو کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کے ہمراہ رفع الیدین کرتا سینے پر ہاتھ باندھ کر سورہ فاتحہ پڑھ کر پھر کوئی اور سورۃ باواز بلند پڑھے اور مقتدی آہستہ سورہ فاتحہ پڑھ کر خاموش ہو جائیں پھر امام تین یا چار تکبیروں میں درود شریف وادعیہ مسنونہ دھیمی آواز سے اور مقتدی آہستہ پڑھ کر کھڑے کھڑے امام ساتھ دائیں بائیں سلام پھیریں۔ صاف جوتی سے نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ ص ۶)

سوال۔ سیلاب میں ایک مردہ عورت کی نعش بہتی ہوئی آئی جس کے ہندو یا مسلمان ہونے کی کوئی علامت نہیں تھی۔ ہندو کہتے ہیں کہ یہ ہمارا مردہ ہے اور مسلمان کہتے ہیں کہ ہمارا ہے۔ اس کی شناخت کیونکہ ہو گی اور نعش کو ہندو لیں یا مسلمان۔

جواب۔ جب اس عورت کی نعش میں کوئی ظاہری علامت اور قرینہ (از جہت لباس و زیورات و تباہ شدہ سیلاب زدہ) مسلمان ہونے کا نہیں پایا جاتا تو اس کے پیچھے پڑنا فضول ہے محض شبہ اور احتمال کی بنا پر اس کو مسلمان سمجھنے کے آپ مکلف نہیں ہیں۔ پس ایسی

حالت میں اگر آپ اس پر نماز جنازہ نہ ادا کریں اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں تو شرعی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ومن لایدری انہ مسلم او کافر فان کان علیہ سیماء المسلمین او فی بقاع دار الاسلام یغسل والا فلا ( )

(محدث دہلی جلد ۵ ش ۵)

مولانا عبید اللہ رحمانی شارح مشکوٰۃ

سوال: (۱) دس سال کی عمر کا لڑکا بالغ ہے یا نابالغ؟

(۲) اس کے جنازہ کی نماز میں کونسی دعا پڑھنی چاہیے؟

(۳) اس کیلئے دعا مغفرت؟

جواب: (۱) پندرہاں برس کی عمر سے پہلے جماع۔ یا بغیر جماع کے بیداری یا خواب میں انزال ہونے سے لڑکا شرعاً بالغ ہو جاتا ہے اور پندرہ برس کی عمر کو پہنچ جانے پر بغیر انزال کے بھی شرعاً بالغ سمجھا جائیگا قال الحافظ فی الفتح قد اجمع العلماء علی ان الاحتلام فی الرجال والنساء یلزم بہ العبادات والحدود وسائر الاحکام وھو انزال الماء الدافق سواء کان بجماع او غیرہ وسواء کان فی الیقظۃ او فی المنام واجمعوا علی ان لا اثر للجماع فی المنام الامع الانزال انتہی۔ عن ابن عمر قال عرضت علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم یوم الخندق فلم یجزنی ولم یرنی بلغت (عبد الرزاق وابو عوانۃ وابن حبان) قال الحافظ فی الفتح واستدل بقصۃ ابن عمر علی ان من استکمل خمس عشرۃ سنۃ اجریت علیہ احکام البالغین ان لم یحتلم فیکلف بالعبادات واقامۃ الحد ولم گرم ملکوں میں بعض لڑکے دس گیارہ برس کی عمر میں محتلم ہو جاتے ہیں کما فی تھذیب التھذیب فی ترجمۃ عبد اللہ بن عمرو بن العاص لم یکن بینہ وبین ابیہ فی السن سوی احدی عشرۃ سنۃ معلوم ہوا دس برس کی عمر میں احتلام کے ذریعہ بالغ ہونے کا احتمال ہے والعشر زمن احتمال البلوغ بالاحتلام (السراج المنیر)

(۲) نابالغ بچے کی نماز جنازہ میں بہتر یہ ہے کہ یہ دعا پڑھی جائے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا اذا کان المصلے علیہ طفلا استحب ان یقول المصلے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَاَجْرًا روی ذلك البیهقی من حدیث ابی هریرۃ وروی مثلہ سفیان فی جامعه عن الحسن نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۰۶۔

(۳) حنابلہ اور احناف بچے کیلئے دعا استغفار کے قائل نہیں ہیں ففی الهدایة ولا یستغفر للصبی ولکن یقول اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ الخ وقال ابن عابدین الحاصل ان مقتضی المتون والفتاوٰی وصریح غرر الاذکار الاقتصار فی الطفل علی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وفرطًا وحاصله انه لا یاتی بشیء من دعاء البالغین اصلا بل یقتصر علی ما ذکر انتهی وفی المغنی لابن قدامة وان کان المیت طفلا جعل مکان الاستغفار له اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ الخ۔ اور مالکیہ کے نزدیک بچوں کیلئے دعائے مغفرت جائز بلکہ مستحب ہے کما فی الشرح الکبیر (محدث دہلی جلد ۹ ش ۵)

توضیح الکلام:۔ حنابلہ اور احناف کے نزدیک بچے کیلئے نماز جنازہ میں دعائے بخشش کی جائز نہیں جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان فرمایا ہے لیکن حنابلہ اور احناف نے بخشش کی ممانعت پر کوئی دلیل قرآن اور حدیث سے بیان نہیں۔ ماسوا اس کے کہ بچہ کیلئے یہ دعا پڑھنی چاہیئے انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے لیکن اس سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ عام جنازہ کی دعاؤں میں سے یہ بھی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا الخ اس دعا میں وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا بھی ہے اس میں بچے اور جوان سب کے لئے بخشش کا ذکر ہے لہذا اس میں مالکی مسلک زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی عفی عنہ

سوال:۔ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر میت کیلئے دعا کرنی ثابت ہے۔ یا نہیں۔

جواب:۔ کسی مرفوع روایت یا صحابی کے قول وفعل سے نماز جنازہ سے سلام پھیر کر

میت کیلئے دعا کرتی ثابت نہیں اس لئے یہ بلاشبہ بدعت ہے۔

(محدث دہلی جلد ۹ ش ۵)

مفتی مدرسہ رحمانیہ دہلی

.. نماز جنازہ غائبانہ اور مولانا مودودی صاحب از مولانا شکر اللہ نعمانی

حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ایک مخصوص مکتب فکر کے موجد اور ہند اور پاکستان کی مشہور شخصیت ہیں۔ جب قید و بند سے آزاد ہوتے ہیں۔ تو مسجد میں درس حدیث بھی دیتے ہیں۔ آپ نے اسی درس میں حدیث ابوہریرہ رضہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی کے مرنے کی خبر اسی روز دی جس روز اس کا انتقال ہوا تھا الخ کے تحت فرمایا کہ۔

اس روایت سے پہلا مسئلہ نماز جنازہ غائبانہ کا پیدا ہوتا ہے۔ حضور نے تین مواقع پر نماز جنازہ پڑھی ہے ایک نجاشی کی دوسری جعفر طیار کی تیسری ایک اور صحابی معاویہ رضہ کی۔ اس بنا پر فقہاء کا ایک گروہ اسے مسنون قرار دیتا ہے۔ احناف کے نزدیک یہ طریقہ مسنون اس لئے نہیں کہ حضور صلعم کے زمانہ میں بہ کثرت صحابہ کا مدینہ سے باہر انتقال ہوا مگر حضور صلعم نے نماز غائبانہ نہیں پڑھی جن تین صحابہ کی آپ نے غائبانہ نماز پڑھی اس کی کوئی وجہ اور سبب موجود تھا۔ مثلاً نجاشی۔ کہ وہ وہاں اکیلا مسلمان تھا۔ اور کوئی مسلمان اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا موجود نہ تھا۔ اس لئے حضور صلعم نے اس کی غائبانہ نماز پڑھی۔ دوسرے جعفر طیار رضہ کہ وہ کفار کے لشکر میں گھر کر شہید ہوئے اور وہاں نماز جنازہ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ علی ہذا القیاس اس طرح کا کوئی سبب موجود ہوتا تھا۔ جس کی بنا پر حضور صلعم نے دو تین مرتبہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ تاہم چونکہ حضور کے عمل سے ثابت ہے اس لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا پڑھانا ناجائز اور ممنوع نہیں تجلی دیوبند ص ۴۸ مئی ۶۲ء اس مقام پر مولانا نے بھی اگرچہ عام علمائے احناف کی روش اختیار کی ہے۔ لیکن اتنا تو انہوں نے صراحۃً اعتراف فرمایا ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ ممنوع و ناجائز نہیں جیسا کہ علمائے

احناف کی اکثریت سے فتویٰ دیتی ہے وہ علل واسباب جن کو مولانا نے بھی ذکر فرمایا ہے۔ تو وہ مہمل وعبث اور غیر ثابت شدہ ہیں حضرت معاویہ کا انتقال مدینہ میں ہوا تھا۔ اور آپ نے نماز جنازہ تبوک میں ادا فرمائی۔ حالانکہ مدینہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اور ان ہی لوگوں نے تجہیز وتکفین کی تھی۔ واللہ اعلم

(اخبار اہلحدیث دہلی جلد ۱۲ ش ۷)

احکام میت کے

سوال ۱: آپ نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو بدعت کہا ہے اور کنز العمال کی ایک روایت سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے دیکھئے ابراہیم ہجیری سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کو دیکھا وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا تھا (الی قولہ) پھر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے صاحبزادی کے جنازہ پر چار تکبیریں کہیں۔ پھر اتنی دیر کھڑے دعا کرتے رہے جس قدر دو تکبیروں میں وقفہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازوں پر ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے چار تکبیروں کے بعد اتنی دیر دعا مانگی جتنی ایک تکبیر سے دوسری تکبیر تک تاخیر ہوتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ثم قام بعد ذلك قدر ما يكون بين تكبيرتين يدعو۔ اور پھر یہ بھی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

سوال ۲: آپ نے فقہاء کے اقوال سے یہ ثابت کیا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے اور نماز جنازہ میں زیادتی کے مترادف ہے۔ لیکن آپ نے بعض فقہاء کا قول نقل نہیں کیا کہ لا باس بہ (بحر الرائق) کے جس حوالہ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کے آخر میں یہ لکھا ہے وعن الفضل لا باس بہ۔ یعنی محمد بن فضل سے مروی ہے کہ

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال ۳:۔ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیان میں مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی اور ان کو غسل کے لئے لٹایا گیا تو لوگوں نے ان کی نعش مبارک کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کی مدح وتوصیف کی ان کے لئے دعا رحمت کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ سے پہلے بھی میت کے لئے اجتماع کے ساتھ دعا کرنا ناجائز ہے بلکہ صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

سوال ۴:۔ بزرگان دین اور مشہور اولیاء اللہ کے مزارات پر پھولوں کے ہار اور پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں اور آج کل ملک کے بڑے بڑے رہنماؤں کی قبروں پر بھی پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے۔

سوال ۵:۔ جنازہ کے بعد ایک رسم ادا کی جاتی ہے جسے اسقاط کہتے ہیں۔ میت کے وارث ایک قرآن شریف اور اس کے ساتھ کچھ نقدی باندھتے ہیں اور ایک دائرہ بنا لیتے ہیں امام مسجد اس دائرہ میں ہوتا ہے۔ وہ قرآن مجید اور نقدی ہاتھ میں لیتا ہے اور اس مضمون کے الفاظ کہتا ہے کہ اللہ کے جتنے حقوق فرائض۔ واجبات۔ کفارات وغیرہ میت کے ذمہ ہیں اور ابھی تک ادا نہیں کئے گئے۔ اور آج میت ان کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔ یہ قرآن مجید اور نقدی بطور حیلہ اسقاط کے ادا کئے جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس میت کو بخش دے۔ ان الفاظ کے بعد امام کسی دوسرے کی ملک کر دیتا ہے تین دفعہ اس کو پھرا جاتا ہے۔ اس کے بعد نصف امام کو اور نصف غرباء میں وہ نقدی تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اس مروجہ حیلہ کا کیا حکم ہے۔

اس عاجز کے فتویٰ پر جو شبہات پیش کئے گئے ہیں۔ پہلی ان کے متعلق توضیحات عرض کروں گا وَمَا تَوْفِيقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ۔

جواب: کنز العمال کی جس روایت کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے۔ یہ روایت مسند امام احمد اور سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے اس حدیث کے سمجھنے میں سائل کو کچھ غلط فہمی

ہوئی ہے۔ یہ دعا نماز جنازہ کے سلام کے بعد نہیں تھی۔ بلکہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے تھی۔ پورا واقعہ اس طرح ہے۔

كَبَّرَ أَرْبَعًا فَمَكَثَ سَاعَةً حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُكَبِّرُ خَمْسًا ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا لَهُ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ إِنِّي لَا أَزِيدُكُمْ عَلَى مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم (اذكار امام نووی ص۲)

یعنی چار تکبیریں کہہ کر اس قدر ٹھیرے کہ ہم نے خیال کیا کہ پانچ تکبیریں کہیں گے۔ پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا۔ جب فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیا کیا تو فرمایا کہ جو کچھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں کروں گا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ دعا نماز جنازہ کے بعد نہیں تھی بلکہ نماز جنازہ کے اندر چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے تھی۔ یہ مسلمات میں سے ہے کہ سلام سے پہلے نماز ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے جو مسئلہ میں نے عرض کیا تھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں۔ بجال رہا شبہ جو ظاہر کیا گیا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

جواب ۲: یہ صحیح ہے کہ بعض فقہاء نے دعا بعد از نماز جنازہ کے لئے کہا ہے لا بأس به مگر اس اصل اصول کو پیش نظر رکھیے جو تمام فقہاء اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ کوئی عمل جسے ہم دین اور عبادت سمجھ کر اور دوسرے لفظوں میں موجب ثواب سمجھ کر کریں اور اس کا ثبوت نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ نہ صحابہ کرام سے وہ ناجائز ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہے۔ چونکہ یہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام سے ثابت نہیں اس لیے اسے بدعت سمجھ کر پرہیز کرنا ضروری ہے۔ ایک محمد بن فضل کے اس اس لفظ۔ لا بأس به۔ کو آپ نے لیا۔ اور فقہاء کرام نے بالعموم اسے بدعت کہا۔ اور زیادت فی الدین کہا اسے آپ نظر انداز کر رہے ہیں۔ تعجب ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ۔ لا بأس به۔ کا لفظ فقہاء کے نزدیک خلاف مستحب کے

مستراوف سمجھا جاتا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ شامی جلد اول کتاب الجنائز بیان تعزیت کے ذیل میں لکھا ہے لا بأس به۔ هٰهنا على الحقيقة لانه خلاف الاولى يعنى تعزیت کرنے والوں کیلئے میت کے وارثوں کا بیٹھنا ایسا ہے کہ لا بأس به فرماتے ہیں کہ لفظ لابأس به کا استعمال اس جگہ اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ یعنی خلاف اولیٰ ہے جب یہ عمل خلاف اولیٰ ہو تو اس کا معنی یہ ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنا افضل ہے اور دعا مانگنے میں اجر نہیں۔ کیونکہ اسی فتویٰ شامی جلد اول بیان احکام مسجد کے ذیل میں لکھا ہے۔

ولا بأس به بنقشه خلا المحراب فى هذا التعبير كما قال شمس الائمة اشارة الى انه لا يؤجر ويكفيه ان ينجو راسا برأس اه۔ قال فى النهاية لان لفظ لا بأس به دليل على ان المستحب غيره ص۶۸۲ یعنی محراب کے سوا مسجد میں نقش ونگار کرنے میں گناہ نہیں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ لابأس کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرنے میں جیسا کہ شمس الائمہ نے کیا ہے۔ اس طرف اشارہ کہ اس میں ثواب نہیں۔ اگر نقش ونگار مسجد میں کرانے والا برابر برابر رہے اور نجات مل جائے تو یہ اس کے لئے کافی ہے اور صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ لفظ لابأس جہاں استعمال میں ہو تو سمجھ لیجئے کہ مستحب امر اس کے خلاف ہے معلوم ہوا کہ لفظ لابأس اگر اپنے حقیقی معنی پر محمول ہو تو دعا نماز جنازہ کے بعد کرنے میں کوئی ثواب نہیں۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ لفظ لابأس کو حقیقی معنوں پر محمول کریں اگر مجازی معنوں پر محمول کریں تو یہ معنی ہوگا کہ میت کیلئے بعد نماز جنازہ دعا فی ذاتہ تو جائز ہے مگر جب اس کا التزام کیا جائے اور اہتمام کے ساتھ ایک خاص ہیئت اجتماعی سے دعا کی جائے اور اس پر اصرار ہو اور تارک مستحق ملامت سمجھا جائے تو یہ عمل ناجائز ہوگا۔

جواب ۳:۔ صحیح بخاری کی جس روایت کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ اس میں اس بات کا قطعاً ذکر نہیں کہ لوگ دعا کرنے کے لئے اہتمام سے جمع ہوتے تھے۔ شارحین بخاری نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ حضرت عمرؓ کو غسل کے لیے لٹایا گیا تھا۔ اس وقت جو حضرات موجود تھے ظاہر ہے وہی لوگ ہونگے جو غسل کی ضروریات کو انجام دینے والے تھے۔ اور غسل کو انجام

دہی کے پیتے ہی حاضر ہوئے تھے۔ ایسے وقت میں ہر شخص کے دل میں ایک خاص کیفیت اور رقت طاری ہوتی ہے۔ اور بے ساختہ اس کی زبان پر میت کے لئے دعاء مغفرت آجاتی ہے اس دعا کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا۔

بہرحال اس واقعہ میں یا اس حدیث میں اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ لوگ خاص اہتمام کے ساتھ دعاء کے لئے جمع ہوئے تھے۔ یہ واضح رہے کہ میت کے لئے نفس دعا تنہا تنہا ہر وقت جائز ہے زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ نماز جنازہ کے علاوہ اہتمام و اجتماع کے ساتھ میت کے لئے دعا کرنا ثابت نہیں۔ اور اسے علماء نے بدعت قرار دیا ہے۔ شریعت نے میت کے لئے اہتمام و اجتماع کے ساتھ دعا کے لئے صرف نماز جنازہ کی تعلیم دی ہے اس پر اضافہ کرنا دین میں اضافہ کرنا ہے۔

اس کی ایک مثال کتب فقہ حنفیہ سے ہی دیتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

صاحب بحر الرائق نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ اہل میت کا مسجد میں اس غرض سے بیٹھنا کہ لوگ تعزیت کے لئے آئیں مکروہ ہے۔ یہ مضمون تقریباً فتح القدیر، عالمگیری، شامی اور شرح منیہ سب میں ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ گھر میں بیٹھنا بھی خلاف اولیٰ ہے۔

مگر صاحب بحر الرائق نے تعزیت کے لئے بیٹھنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا۔

أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ لَمَّا قُتِلَ جَعْفَرٌ وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ وَالنَّاسُ يَأْتُونَهُ وَيُعَزُّونَهُ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے جب کہ جعفرؓ اور زید بن حارثہؓ کے قتل کی خبر آئی۔ لوگ آتے تھے اور تعزیت کرتے تھے۔

علامہ شامی اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

یجاب عنہ بان جلوسہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن مقصودا للتعزیۃ (رد المختار صفحہ ۴۶ ج اول) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھنا بغرض تعزیت نہ تھا یعنی اتفاقاً تھا۔ اور آپ کو بیٹھے دیکھ کر لوگ حاضر خدمت ہو کر تعزیت کرتے تھے۔

اس مثال سے آپ سمجھ گئے ہونگے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاقیہ بیٹھنے اور لوگوں کی تعزیت

کرنے سے یہ سمجھ کر استدلال کر لیا کہ تعزیت کیلئے بیٹھے تھے۔ اسی طرح ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں بخاری کی روایت میں بغرض غسل جمع ہونے اور دعا کرنے کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ نماز جنازہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی دعا کے لئے اجتماع کیا گیا۔ پس علامہ شامی نے جو جواب اس استدلال کا دیا ہے، وہی جواب آپ اپنے سوال کا سمجھ لیں۔

جواب :۔ بزرگان دین اور مشہور اولیاء اللہ کے مزارات پر پھولوں کے ہار یا پھولوں کی چادریں چڑھانے کے سوال کا جواب یہ ہے۔

(الف) اگر یہ اس بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ہے تو قطعاً حرام ہے۔ یعنی اس خیال سے پھول چڑھائے جائیں کہ بزرگ ہم سے خوش ہو۔ اور ان کی خوشی سے ہماری حاجت بر آئے گی تو فقہاء اور محدثین سب کے نزدیک بالاجماع باطل اور حرام ہے۔

درمختار وغیرہ کتب فقہ حنفیہ میں یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ۔

إِنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ وَمَا تُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ یعنی وہ نذر جو مردوں کے لئے کی جاتی ہے اور اسی طرح وہ نقدی روپے پیسے یا شمع اور تیل وغیرہ اشیاء جو قبور اولیاء کرام کے لئے ان کے تقرب کے لئے حاصل کی جاتی ہیں یہ سب اجماع امت سے باطل اور حرام ہیں

(ب) اگر تقرب کی نیت سے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے ہے جس کا احتمال بہت کم ہے تو یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ قبر محل زینت نہیں۔ بلکہ احادیث نبویہ کے مطابق قبر کی زیارت اس مقصد سے ہونی چاہئے کہ دنیا سے بے رغبتی ہو اور آخرت کی یاد تازہ ہو۔ آپ نے فرمایا زُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔

قبروں کی زیارت کی اجازت دی جاتی ہے اس سے دنیا سے بے رغبتی حاصل ہوتی ہے اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ پس جو کام کہ خلاف زہد اور خلاف تذکر آخرت ہو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے مقصد زیارت کے خلاف ہوگا۔ اس لئے قبر کو پھولوں کے ہار یا پھولوں کی چادر سے سجانا خلاف مقصد شارع ہوگا۔

ایک حدیث سے استدلال

بعض حضرات اس رسم کے لئے مشکوٰۃ کی ایک صحیح حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ذکر کر دیا جائے مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ مِنَ الْبَوْلِ وَ أَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا فَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا۔
یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے، تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور کسی بڑے کام میں نہیں (یعنی کسی بڑے مشکل کام کی وجہ سے نہیں جس سے بچنا آسان نہ تھا) ہاں ایک تو جوان ان میں سے یہ کام کرتا تھا کہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، اور مسلم کی روایت کے مطابق پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تازہ ٹہنی لی۔ اور اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ پھر ہر ایک قبر میں ایک ایک ٹکڑا ٹہنی کا گاڑ دیا۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا امید ہے کہ جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوتیں ان قبر والوں سے عذاب کی تخفیف ہو جائے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ تمسک میکند جماعۂ بایں حدیث در انداختن سبزہ وگل وریحان بر قبور وخطابی کہ از ائمہ اہل علم وقدوہ شرح حدیث است۔ ایں قول را رد کردہ است وانداختن سبزہ وگل را بر قبور متمسک بایں حدیث انکار نمودہ گفتہ کہ ایں سخن اصلے در صدر اول نبود و بعضے گفتہ اند بنا برآں تحدید وتوقیت بدانست کہ آنحضرت شفاعت خواست در تخفیف عذاب، پس قبول کردہ شد ازوے تا مدت خشک شدن آں شاخ وگلہ لعل ناظر است بایں معنی وگرمانی کہ در جریدہ ہیچ خاصیتے نیست در رفع عذاب وبنابود آں مگر بہ برکت دست مبارک سیدنا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبروں پر سبزہ اور پھول ڈالنے کو جائز بتاتے ہیں۔ مشہور محدث خطابی جو کہ ائمہ اہل علم میں سے ہے اور شارحین حدیث میں ممتاز درجہ رکھتا ہے

اس نے اس قول کو مسترد کر دیا ہے اور اس حدیث سے قبروں پر پھول ڈالنے کے استدلال پر انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات بالکل بے اصل ہے صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں رسم کا کوئی وجود نہ تھا۔ بعض شارحین حدیث نے یہ توجیہ کی ہے کہ آپ نے تخفیف عذاب کی جو مدت مقرر کر دی ہے (جب تک ٹہنیاں خشک نہیں ہو جاتیں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے حق میں تخفیف عذاب کے لئے شفاعت کی۔ یہ تخفیف عذاب کی شفاعت منظور کرلی گئی مگر ایک محدود وقت کے لئے یعنی جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔ اور آپ کا "لعل" (اُمید ہے) کے ساتھ فرمانا قرینہ ہے اسی معنی کے لئے اور کرمانی شارح صحیح بخاری نے کہا ہے کہ ٹہنی میں کوئی خاصیت اس قسم کی نہیں کہ اس سے عذاب قبر دور ہو جائے۔ یہ تو صرف سیدنا ونبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی"۔

اور مشہور سیاسی رہنماؤں کی قبروں پر پھولوں کی چادر کا چڑھایا جانا بھی ایک رسم ہے جس کے لئے شرعاً کوئی وجہ جواز نہیں۔ اور بوجوہ مذکورہ بالا یہ ناجائز ہے۔

جواب ۵۔ رسم اسقاط یا حیلہ اسقاط، یہ صحیح ہے کہ بعض فقہاء نے ایسے شخص کے لئے تجویز کیا تھا جس سے کچھ نمازیں یا روزے وغیرہ عبادات کسی بیماری یا کسی ایسے ہی حادثہ کی وجہ سے فوت ہو گئے اور قضا کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ فقہاء نے اس کے لئے فقہاء نے اس کے لئے فدیہ کی صورت تجویز کی اور اس کے لئے کئی قیود اور شرائط بیان کئے ہیں مثلاً جو رقم کسی کو صدقہ کے طور پر دی جائے اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک بنا دیا جائے اور اس کو پورا اختیار اس میں حاصل ہو کہ جو چاہے کرے۔ اور جس طرح چاہے صرف کرے ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دینے کا محض ایک کھیل کیا جائے۔ جیسا کہ آج کل عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو دے دیا ہے وہ صحیح معنی میں اس کا مالک و مختار ہے اور نہ لینے والے کو یہ تصور ہوتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ میں اس کا مالک و مختار ہوں۔

چند لوگ جمع ہوتے ہیں اور ایک رقم کو باہمی ہیر پھیری کا ایک تماشا کر کے اُٹھ جاتے

ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے میت کے قضا شدہ نماز روزے کا فدیہ دیدیا اور اب وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگیا۔ حالانکہ اس لغو حرکت سے نہ تو میت کو کوئی ثواب پہنچا نہ اس کے فرائض کا کفارہ ادا ہوا کرنے والے مفت میں گنہ گار ہوئے۔ اس عاجز کی تحقیق کے مطابق اگر فقہاء کے بیان کردہ شرائط اور قیود کے مطابق بھی یہ کفارہ سیئات ادا کیا جائے پھر بھی اس طرح کے حیلہ کا ہر میت کیلئے التزام کرنا اور تجہیز و تکفین جیسے واجبات شرعیہ ہی اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا احداث فی الدین ہے۔ جس کو اصطلاح شرع میں بدعت کہتے ہیں اور جو اپنی معنوی حیثیت سے شریعت میں ترمیم و اضافہ ہے نعوذ باللہ اس حیلہ کے اختیار کرنے سے عوام الناس اور جہلاء میں یہ جرأت بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر بھی نہ نماز پڑھیں اور نہ روزہ رکھیں۔ نہ حج کریں۔ نہ زکوٰۃ ادا کریں اور سمجھ لیں کہ مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے۔ جو سارے دین کی بنیاد منہدم کردینے کے مترادف ہے۔ اس لئے اس رسم کی کسی حالت میں اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

(اخبار الاعتصام جلد ۱۱ ش ۲۴) | العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الودود محمد داؤد الغزنوی

حالات سید محمد داؤد الغزنوی علیہ الرحمۃ

جولائی ۱۸۹۵ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم امام عبد الجبار غزنوی اور دیگر اہل خاندان سے حاصل کی پھر دہلی چلے گئے۔ اور حافظ عبد اللہ صاحب مرحوم غازی پوری اور دیگر اساتذہ سے جملہ علوم و فنون میں مہارت پیدا کی پھر لکھنؤ گئے اور علماء فرنگی محل سے اعلیٰ فنون کی کتابیں پڑھیں فراغت کے بعد واپس امرتسر آکر کچھ عرصہ تک مسند درس پر جلوہ افروز رہے اور پھر سیاست میں قدم رکھا انگریز کے خلاف لڑے خلافت کمیٹی کانگریس جمعیتہ علماء ہند مجلس احرار اور مسلم لیگ میں رہ کر اعلیٰ عہدوں پر کام کیا انقلاب کے بعد لاہور آگئے مرکزی جمعیت اہلحدیث کی بنیاد رکھی جامعہ سلفیہ قائم کیا اور ۱۹۴۸ء سے لیکر تادم آخر یہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر رہے ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء میں وفات پائی (عبد الرشید اظہر سلفی)

باب القبر

سوال : عذاب موت دفع ہونے کے لیے جو کچھ ارشاد ہوئے عمل میں فقیر کے آوے ؟

جواب : روایت سے ثابت ہے کہ سکرات موت آسان ہونے کے لیے ہمیشہ آیۃ الکرسی اور سورۃ اخلاص پڑھنا چاہیئے اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ عذاب قبر دفع ہونے کے لیے ہمیشہ سورہ تبارک الذی نماز عشاء کے بعد سونے سے قبل پڑھنا چاہیئے اور ایسا ہی سورہ دخان پڑھنے کے بارہ میں بھی روایت ہے۔ (فتاوٰی عزیزی ص ۱۴۲)

توضیح : دفع عذاب قبر کے لیے سورہ ملک اور سورہ سجدہ مشہور ہیں جیسا کہ حضرت جابر کی روایت سنن اربعہ وغیرہ میں موجود ہے۔ الراقم علی محمد سعیدی۔ جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال : میت قبر میں رکھنے سے پہلے سورہ یٰسین یا کوئی اور سورہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : سنت سے تو ثابت نہیں۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ ش ۳۶)

سوال : عذاب قبر سے بچنے کے لیے کیا پڑھنا چاہیئے ؟

جواب : ہمیشہ سورہ تبارک الذی نماز عشاء کے بعد سونے کے قبل پڑھنا چاہیئے اور سورہ حٰم السجدہ کی بھی یہی فضیلت ہے۔ یعنی عذاب قبر سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ سورہ حٰم السجدہ بھی نماز عشاء کے بعد سونے سے قبل پڑھی جاوے۔

(فتاوٰے عزیزی جلد ۱ ص ۱۴۲)

توضیح الکلام فتاوٰی علماء کرام : تفسیر ابن کثیر میں تحت سورہ ملک اور الم السجدہ کے ہے ؛

عن جابرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا ینام حتی یقرأ الم تنزیل وتبارک الذی بیدہ الملک - اس سے معلوم ہوا کہ حٰم السجدہ کے بجائے الم تنزیل السجدہ ہے۔ فافہم وتدبر۔ علی محمد سعیدی

سوال: قبر پر جو شیرینی لیجاتے ہیں اور تعزیہ کے نزدیک جو شیرینی اور حلوا لے جاتے ہیں کہ لوگ اُس کے سامنے بطریق پیشکش کے رکھتے ہیں۔ تو اس بارہ میں صحیح اور مرجح قول آنجناب کے نزدیک کیا ہے؟

الجواب: مکروہ ہے۔ (فتاوٰے عزیزی جلد ۲ صفحہ ۲۵)

سوال: کیلنڈر پر کسی مزار یا قبر کی تصویر ہو تو اُسے لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: نہیں چاہیئے مشرکین قبر کی اہمیت جتانے اور قبروں والوں سے استعانت پر رغبت دلانے کے لیے ایسا پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ اہلِ توحید کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۵ ش ۳۰)

سوال: قبر کا طواف کرنا کفر ہے یا نہیں اور جو شخص قبر کا طواف کرے اُسکو کافر کہنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب: طواف کرنا صالحین اور اولیاء کی قبر کا بلاشبہ بدعت ہے۔ اس واسطے کہ سابق زمانہ میں نہ تھا اور اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ بدعت حرام ہے یا مباح ہے۔ فقہ کی بعض کتابوں میں مباح لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مباح نہیں اس واسطے کہ بُت پرستوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے کہ وُہ بتوں کے گرد اگرد یہ عمل کرتے تھے اور مباح نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ شرع میں طواف کا حکم صرف کعبہ شریف کے بارے میں وارد ہے۔ اور یہ سمجھنا خوب نہیں کہ بزرگوں کی قبر کعبہ شریف کے مانند ہے۔ لیکن یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے اُس کو کافر کہا جائے اور دائرہ اسلام سے اُس کو خارج سمجھا جاوے اور یہ بھی نہایت قبیح ہے کہ جو شخص ایسے شخص کو کافر کہے اُس کو کافر کہا جاوے۔ (فتاوٰے عزیزی جلد ۲ صفحہ ۲۴)

توضیح الکلام فتاوی علماء کرام: حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے بہت بڑا خطرہ ہے کہ قیامت کو بُت پرستوں کے ساتھ نہ اُٹھایا جائے۔ اس لیے مومن کی شان نہیں کہ ان سے مشابہت کرے۔

الراقم علی محمد سعیدی

سوال: قبر میں جو سوال و جواب ہوتا ہے، وُہ حضرت پیر و مرشد کی دستخط و مہر ہو کر عنایت ہو وے۔

جواب: قبر میں مومن کامل جو جواب دیتا ہے وُہ موافق احادیث کے لکھا جاتا ہے۔ مُہر کی ضرورت نہیں۔ اور یہ جواب وردِ زبان کرنا چاہیئے اور پارچہ پاک پر خوشبو سے لکھوا کر اپنے پاس رکھنا چاہیئے وہ جواب یہ

؎ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔

ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا وَّرَسُوْلًا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَّبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَّبِالْمُؤْمِنِيْنَ اِخْوَانًا وَّبِالصِّدِّيْقِ وَبِالْفَارُوْقِ وَبِذِي النُّوْرَيْنِ وَبِالْمُرْتَضٰى اَئِمَّةً رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ مَرْحَبًا بِالْمَلَكَيْنِ الشَّاهِدَيْنِ الْحَاضِرَيْنِ وَاَشْهَدُ بِاَنَّا نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الشَّهَادَةِ نَحْيٰى وَعَلَيْهَا نَمُوْتُ وَعَلَيْهَا نُبْعَثُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى یعنی گواہی دیتا ہوں یہ کہ نہیں کوئی معبود قابل بندگی کے سوا اللہ کے اور گواہی دیتا ہوں یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بندے اللہ کے ہیں اور پیغمبر اللہ کے ہیں راضی ہوں میں اللہ سے از روئے رب ہونے کے اور اسلام سے از روئے دین ہونے کے اور راضی ہوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے از روئے نبی ہونے کے اور رسول ہونے کے اور راضی ہوں قرآن سے از روئے مقتدا ہونے کے اور کعبہ سے از روئے قبلہ ہونے اور راضی ہوں میں مسلمانوں سے از روئے بھائی ہونے کے اور راضی ہوں میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت ذی النورین عثمان اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم سے از روئے امام ہونے کے ان حضرات کی شان میں اللہ تعالےٰ کی رضامندی رہی اور خوشی ہے دو فرشتوں کے آنے سے کہ گواہ ہیں اور موجود ہیں اور اے تم دو فرشتو گواہ رہو اس پر کہ ہم گواہی دیتے ہیں یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود قابل پرستش کے سوا اللہ کے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اسی شہادت پر ہم زندہ رہے اور اسی پر ہم مریں گے۔ اور اسی پر قیامت میں اٹھائے جائیں اگر چاہا اللہ تعالےٰ نے۔ (فتاوے عزیزی جلد ۱ صفحہ ۴۴)

سوال: کیا میت کو لحد میں چت لٹانا چاہیے یا داہنی کروٹ، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: داہنی کروٹ قبلہ رو لٹانا چاہیے۔ واللہ اعلم محمد عطاء اللہ حنیف (الاعتصام جلد ۱۸ش ۱۲)

سوال: مسلمانوں کے قبرستان میں کھیتی کرنی یا پرانی قبروں پر قلمی آم یا کوئی اور پھلدار درخت لگانا اور ان پھلوں اور گھاس کو نیلام کر کے پیسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نئی کی طرح پرانے قبرستان میں بھی کھیتی کرنی ناجائز ہے۔ سئل القاضی الامام شمس الائمہ محمود الاوزجندی عن المقبرة فی القرى اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتى لا العظم ولا غیره

هل یجوز زرعها اذا استغلت قال لا وله حکم المقبرة کذا فی المحیط فلو کان فیها حشیش یحش ویرسل الدواب فیها کذا فی البحر الرائق (عالمگیری) پرانے قبرستان میں پھلدار درخت لگانے جائز ہیں اور پھل وغیرہ فروخت کرکے ان کی قیمت مسجد پر صرف کی جاسکتی ہے۔ سئل نجم الدین فی مقبرة فیها اشجار هل یجوز صرفها الی عمارة المسجد قال نعم ان لم یکن وقفا علی وجه آخر الخ عالمگیری (محدث دہلی جلد نمبر ۸ ش ۴)

سوال: میت کو گھر سے قبرستان لے جاتے ہوئے میت کے پیر آگے ہوں یا سر، ہمارے طرف پیر کو آگے کرکے لے جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میت کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں، اگر پیچھے کی طرف پیر ہوں گے تو ان کی بے ادبی ہوگی۔ دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آدمی پیر کے بل چلتا ہے نہ کہ سر کے بل۔ لہٰذا جناب سے دریافت ہے، کہ کونسی صورت مشروع ہے۔

جواب: مسلمانوں کا ہمیشہ سلف سے تا خلف طریقہ چلا آتا ہے۔ کہ میت کو گورستان لے جاتے ہوئے سر آگے رکھتے ہیں اور پیر پیچھے، یہی طریقہ مشروع ہے۔ قرآن مجید میں ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الآیة یعنی ایمان والوں کی راہ سے انحراف کرنا گمراہی و بے دینی ہے۔ لہٰذا جس طرح مسلمانان عالم کرتے ہیں اسی طرح ہونا چاہیے یہ کہنا کہ اگر سر آگے ہوگا تو پیر کی طرف فرشتوں کی بے ادبی ہوگی، مضحکہ خیز بات ہے اس لیے کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ فرشتے پیر کے پیچھے ہوتے ہیں۔ کیا فرشتے میت کے آگے دائیں بائیں نہیں چل سکتے۔ نیز یہ عذر بھی لنگ ہے کہ انسان پیر کے بل چلتا ہے۔ لہٰذا جنازے کے پیر آگے ہونے چاہئیں اس لیے کہ جنازہ خود نہیں چلتا بلکہ اس کو آدمی اٹھا کر لے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے یہاں مسلمانوں نے یہ رسم ہندوؤں سے سیکھی ہے۔ (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۴)

سوال: یہاں پر یہ کہاوت مشہور ہے کہ کوڑھی (یعنی جس کے جسم پر سفیدی آگئی ہو) مرنے کے بعد گلتا سڑتا نہیں ہے اور اس کے ناخن، بال بڑھتے جاتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ کہاوت غلط ہے ہاں صحیح حدیثوں سے انبیاء کرام کے متعلق ثابت ہے کہ ان کا جسم اطہر محفوظ رہتا ہے: والحق ابن عبد البر بهم الشهداء والقرطبی المؤذن المحتسب وزاد غیره الصدیقین والعلماء العاملین وحامل القرآن العامل به والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر الله و

المجیبین لہ فتلک عشرۃ کاملۃ (زرقانی علی الموطا) محدث دہلی جلد ۵ ش ۱۲

سوال: جو جمعہ کے دن فوت ہو جائے اس کے پاس منکر نکیر نہیں آتے، کیا یہ درست ہے؟

جواب: صحیح حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔ (شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی) الاعتصام جلد ۱۰ ش ۳

قبروں پر پھول چڑھانے کی رسم قبیح کے بارے میں

ایک تحقیقی مکتوب گرامی

مخدومنا حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالہ کے رسالہ "زیارت قبور" میں ہے:

ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ حضرات کی ذہنی کیفیت عجیب ہے۔ جو چیز یورپ سے آئے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں اور اسلام کے مسائل سامنے آجائیں تو سراپا بحث بن جاتے ہیں۔ یورپ میں رواج ہے کہ قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ ان حضرات میں دینی شعور تو کم ہے۔ مگر یہ حضرات اہل مغرب کی تقلید بغیر سوچے سمجھے کر رہے ہیں، جہاں جاؤ پھول چڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ معلوم ہے کہ اس سے میت کو کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے چراغ کی روشنی سے میت کو روشنی نہیں مل سکتی، پھول کی خوشبو سے میت کو کوئی فائدہ نہیں، لیکن یہ رسم یورپ سے آئی ہے۔ اس لیے بابو لوگ اس پر ضرور عمل کریں گے۔ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ ان رسوم کو جذبات سے بالا ہو کر دانشمندی سے ان پر غور کیا جائے۔ اب بڑھتے بڑھتے یہ رسم یہاں تک عام ہو گئی ہے۔ کہ بادشاہوں اور وزراء کے دوروں میں مرنے والوں کی قبروں پر پھول چڑھانا خیر سگالی کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ رسم ان حلقوں میں خالص دنیاداری بن چکی ہے۔ لیکن خانقاہی حلقوں میں اسے دین اور شریعت سمجھا جاتا ہے۔ (رسالہ زیارت قبور ص ۱۲)

اس پر میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ ۔ بریلوی حضرات بزرگوں کی قبروں پر پھول چڑھانے کے لیے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دو قبروں پر سبز ٹہنیاں رکھی تھی اور فرمایا تھا کہ ان کے خشک ہونے تک ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی ذیل کا مکتوب گرامی اسی کے جواب میں ہے جس پر ۳ ۱۹۶۱ء کی تاریخ درج ہے۔ محمد عصمت اللہ لاہور

محترم مکرم زاد مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی ملا۔ آپ نے ایک دینی معاملے میں یاد فرمایا۔ اس کے لیے شکریہ قبول فرمائیں۔ اصل مسئلہ کے متعلق گذارش ہے کہ قبور کے متعلق قطعی صحیح علم وحی سے ہو سکتا ہے اور یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے۔ اس کے علاوہ جو لوگ دعوے کرتے ہیں یا تک بندی ہے یا دکانداری۔ اس لیے اس کا علاج بھی پیغمبر ہی کا کام ہے ہمارا اور آپ کا کام نہیں اپنے بزرگوں کے متعلق یونہی فیصلہ کر لینا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے ذہن نہیں۔ (۲) یہ علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے نہ تو اس کی ہر ایک کو اجازت دی جا سکتی ہے نہ پیغمبر کے سوا کسی کو معجزات عطا کیے جاتے ہیں۔ اس لیے جو بھی اس قسم کا دعوے کرے اس کا دعوے صحیح نہیں ہوگا۔ (۳) معجزات پر قیاس کرنا شرعاً درست نہیں کیوں کہ معجزات انسانی عقل وفکر سے بالا ہوتے ہیں جس کی وجہ ہمیں خود بھی معلوم نہیں۔ اس پر ہم دوسری چیز کو کیسے قیاس کر سکتے ہیں۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ساری عمر میں ایک دفعہ ثابت ہوا ہے دوبارہ کسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ اگر یہ عمل قیاسی اور عام طور پر مفید ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے مگر آپ سے یہ عمل دوسری دفعہ ثابت نہیں ہوا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ان دو قبروں کے لیے تھا، عام نہیں، ورنہ یہ عمل امت میں بطور سنت جاری رہتا۔

(۵) معجزات کو امت نے کبھی بھی سنت یا استحباب کا مرتبہ نہیں دیا۔ صحیح مسلم میں ہے ایک دفعہ کھانا کم تھا اور کھانے والے زیادہ، آنحضرت نے کھانے میں لب مبارک ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے برکت فرمائی۔ مگر صحابہ نے اسے وہیں تک محدود رکھا، آٹے اور ہانڈی میں تھوکنا سنت نہیں سمجھا۔ آنحضرت نے انگشت سے چاند کے دو ٹکڑے فرمائے لیکن امت نے اسے بطور ثواب کبھی نہیں کیا کہ رات کو انگشت سے چاند کو اشارہ کریں۔ حدیبیہ میں صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھوک کو منہ اور ہاتھوں پر ملا۔ مگر یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ آج ہمارے یہ بریلوی دوست کسی فقیر یا عالم کا تھوک منہ پر نہیں ملتے۔ پس تمام معجزات کا یہی حال ہے، وہ پیغمبر کی خصوصیت ہوتے ہیں۔ امت کے لیے سنت نہیں ہوتے نہ ان پر قیاس کیا جاتا ہے۔ وہ وہیں تک محدود ہوتے ہیں جہاں تک شریعت نے انہیں محدود رکھا۔ آپ اس پر غور فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف ایک دفعہ عمل، صحابہ اور تابعین کا پورا دور اس سے خالی ہے۔ امت نے پورے تیرہ سو سال اس پر عمل نہیں کیا یہ عمل چودھویں صدی میں شروع ہوا جب کہ یورپ نے پھول چڑھانا شروع کیا۔ اگر کسی نے اس پر عمل کرنا ہو تو

انگریز کی سنت سمجھ کر کرے۔ حدیث سے استدلال مخمل پر ٹاٹ کے پیوند کی طرح ہوگا۔

اُمید ہے کہ یہ مختصر گذارش مسئلہ سمجھنے کے لیے کافی ہوگی۔ اگر مزید وضاحت کی ضرورت ہو تو بلا تکلف فرمائے۔ ۵ اگر یہ قیاسی مسئلہ ہو اور بریلوی ذہن سے اسے سمجھا جائے تو جن قبرستانوں میں سایہ دار درخت ہیں پھلواڑیاں لگی ہوئی ہیں ان کو تو عذاب قبر نہیں ہونا چاہیئے نہ ٹہنیاں خشک ہوں اور نہ ان کو عذاب، ویسے بھی عذاب صرف خزاں میں ہو، موسم بہار میں تو ہر قبرستان میں سبزی ہو جاتی ہے۔ اس لیے عذاب کے فرشتے بالکل فارغ رہنے چاہئیں۔ گویا خدا تعالےٰ کا سارا کارخانہ سبزا اور چند درختوں اور پھلوں نے روک دیا یہ نظریہ کس قدر مضحکہ خیز ہوگا۔ والسلام محمد اسمٰعیل چاہ شاہاں گوجرانوالہ (الاعتصام جلد ۲۱ ش ۴۵)

سوال : میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب : میت کو قبرستان میں دفن کرنے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا حدیث مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں : وعنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا لہ بالتثبیت فانہ الآن یسأل (مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر) یعنی حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہو کر قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے دعا بخشش کرو۔ اور اس کے لیے بارگاہ ایزدی میں ثابت قدمی کی درخواست کرو، وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔"

لیکن عام طور پر لوگ دعا اس کو سمجھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھائے جائیں، حالاں کہ دعا ہاتھ اٹھانے اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔ مثلاً نماز کے اندر، سجدہ میں اور بین السجدتین اور بعض دفعہ قیام میں بلا ہاتھ اٹھائے دعا ہوتی ہے۔ اس طرح قبر پر اختیار ہے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے یا بغیر ہاتھ اٹھائے۔ ہاں ہاتھ اٹھانا آداب دعا سے ہے۔ اس لیے اٹھانا بہتر ہے مگر لازم نہ سمجھے۔ اور اگر کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو اس پر اعتراض بھی نہ کرے۔ جیسے فرضوں کے بعد کی دعا میں کوئی ہاتھ نہ اٹھائے تو ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی		(فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۶۵)

سوال: میت کو لحد میں رکھ کر بجائے کچی اینٹوں کے لحد کو مٹی کے پکے ہوئے برتنوں سے بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ انسان کچی مٹی سے پیدا ہوا ہے اس لیے لحد میں اور قبر پہ پختہ اینٹیں نہ لگائی جائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ یعنی ہم نے مٹی سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، اور اسی سے تمہیں نکالیں گے۔

اسی لیے دفن کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے۔ پس لحد کو پکے برتنوں سے بند کرنا ناجائز ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ (فتاوے اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۶۷)

سوال: چوہدری صاحب فوت ہو گئے ہیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کو ایسی جگہ دفن کیا گیا ہے کہ وہ جگہ قبرستان سے علیحدہ ہے، بلکہ ان کے مہمان خانہ کے پاس ایک کونہ میں جگہ ہے۔ صندوق میں بند کر کے ان کو دفن کیا گیا ہے۔ اب ہمارا ارادہ ہے کہ مرحوم کو اس جگہ سے نکال کر مسجد کے قریب دفن کریں تاکہ وہاں ہر نمازی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے اگر جائز ہے تو کیا جب صندوق نکالیں تو میت کو دوبارہ غسل دیں یا اسی طرح بند کا بند دوسری جگہ میں دفن کریں؟

جواب: بہتر تو یہی ہے کہ جس طرح مرحوم سپرد خاک ہو گئے ہیں اسی طرح رہنے دیں جن کو مرحوم کے ساتھ ہمدردی ہے ان کی دعائیں دور سے بھی پہنچیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہاں کوئی ہو اس کا درود مجھے پہنچتا ہے۔ دعا اور درود کا ایک ہی حکم ہے۔ ہاں اگر نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیئے جائیں تو گنجائش ہے۔ حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور ایک دوسرے شخص کے ساتھ دفن کیے گئے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں، میرا دل برداشت نہ کر سکا کہ میرے والد دوسرے کے ساتھ دفن رہیں۔ تقریباً چھ ماہ بعد نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیئے ان کی لاش اسی طرح صحیح و سالم تھی۔ صرف کان میں ذرا سا اثر تھا۔ یہ حدیث بخاری شریف کتاب الجنائز میں ہے۔ اس سے گنجائش ملتی ہے کہ میت دوسری جگہ دفن کر دی جائے۔ مگر ایک خطرہ ہے کہ کہیں میت پھٹ نہ گئی ہو۔

صندوق میں دفن کرنے کا رواج ٹھیک نہیں۔ مسنون طریقہ خیر قرون میں براہ راست مٹی میں دفن کرنے کا تھا۔ خیر ہو چکا سو ہو چکا، آئندہ محتاط رہنا چاہیے۔ غسل کفن، جنازہ کی دوبارہ ضرورت نہیں، چنانچہ جابرؓ

وغیرہ کی روایت میں دوبارہ کفن وغیرہ کا ذکر نہیں، ہاں اگر کفن مٹی نے کھا لیا ہو تو حصہ دوبارہ ضروری ہے غسل جنازہ ضروری نہیں اگر کوئی غسل دے دے تو منع بھی نہیں، اسی طرح جنازہ کا حکم ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۱۸)

سوال: قبر اگر گر جائے تو اور مٹی ڈال کر درست کر دینی چاہیئے یا نہیں، اور کچھ مٹی سے لیپ دینی چاہیئے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا کیوں کہ لحد پر جو اینٹیں چنی جاتی ہیں، وہ زائد مٹی ہوتی ہے جو قبر کی مٹی کے علاوہ ہے۔ باقی لپائی کی بجائے مسنون طریقہ چھڑکاؤ کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے پس اس پر اکتفا کرنی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۲۷)

سوال: خستہ شدہ بستی جو کہ بصورت ٹیلہ اونچا موجود ہو وہاں گورستان بنانا جائز ہے؟

جواب: جہاں ثمود ہلاک ہوئے وہاں سے جلدی گزر جانے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بیان کی ہے۔ کہ کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچے جو ان کو پہنچا اس سے معلوم ہوا کہ ایسی جگہ غضب الٰہی کی جگہ ہے پس ان میں دفن کرنا ٹھیک نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ (فتاوٰے اہلحدیث جلد ۲ ص ۴۳۰)

سوال: کیا مزار پر نذر و نیاز چڑھانا اور قبر پر قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نذر و نیاز کا قبر پر چڑھانا اور اس کا کھانا حرام ہے، خواہ میوہ ہو یا کوئی اور شئے۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ جو غیر اللہ کی تعظیم کے لیے نامزد کی جائے وہ حرام ہے۔

(۲) قرآن مجید قبر پر پڑھنا سو اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: ایک یہ ہے جیسے آج کل رواج ہے کہ قبر پر مجاور بن کر پڑھتے ہیں، نیز سال کے بعد عرس کرتے ہیں دور دراز سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور قبر پر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اور حدیث میں ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) یعنی جو شخص ہمارے

دین میں نئی بات پیدا کرے جو اس سے نہیں وہ مردود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی خاص طریق مقرر نہ کرے بلکہ جب اتفاق پڑے عام طور پر قبروں کی زیارت کرے اور اس وقت قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دے۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ اس کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اس کے قائل نہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بحوالہ شرح الصدور سیوطیؒ نے لکھا ہے: اختلف فی وصول ثواب القرآن للمیت فجمہور السلف والائمۃ الثلاثۃ علی الوصول وخالف فی ذلک امامنا الشافعیؒ مرقات جلد ۲ صـ ۳۸۲

یعنی میت کو قرآن مجید کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ جمہور سلف اور تین امام پہنچنے کے قائل ہیں اور ہمارے امام شافعیؒ اس کے قائل نہیں۔ ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے:

اختلف العلماء فی العبادات البدنیۃ کالصوم والصلوٰۃ وقرأۃ القرآن والذکر فذھب ابو حنیفۃ وجمھور السلف الی وصولھا والمشھور من مذھب الشافعیؒ ومالک عدم وصولھا۔ یعنی عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور جمہور سلف پہنچنے کی طرف گئے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اور امام مالک کے مذہب میں نہ پہنچنا مشہور ہے ان عبارتوں میں امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور جمہور کا مذہب ثواب کا پہنچنا بتلایا ہے۔ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا مذہب نہ پہنچنا بتلایا ہے۔ اور امام مالکؒ کے دو قول نقل کیے ہیں، پہلی عبادت میں پہنچنے کا ذکر ہے دوسری میں نہ پہنچنے کا امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے موافق بھی بعض احادیث آئی ہیں۔

اول حدیث، ابو محمد سمرقندیؒ نے فضائل "قل ھو اللہ احد" میں حضرت علیؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جو شخص قبروں کے پاس سے گزرے اور "قل ھو اللہ احد" گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے تو مردوں کی گنتی کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔

دوم حدیث، ابو القاسم سعید بن زنجانیؒ نے اپنے فوائد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے۔ پھر سورت فاتحہ، قل ھو اللہ احد اور الھاکم التکاثر پڑھ کر کہے کہ یا اللہ میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے۔ اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن اور مسلمان مردوں کو بخش دے تو وہ مردے اللہ تعالیٰ کے پاس اس کی سفارش کریں گے۔

سوم حدیث، عبد العزیز خلال کے شاگرد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو، پھر سورت یٰسین پڑھے تو اللہ تعالیٰ مُردوں پر تخفیف فرماتا ہے۔ اور مُردوں کی تعداد کے برابر اس کو نیکیاں ملتی ہیں۔

چہارم حدیث : قرطبی نے اپنے تذکرہ میں حضرت انسؓ سے مرفوع روایت کیا ہے کہ جب کوئی مومن آیۃ الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشے تو اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب کی ہر قبر میں نور داخل کرتا ہے۔ اور ان کی خوابگاہ کو وسیع کرتا ہے، اور پڑھنے والے کو ساٹھ نبی کا ثواب دیتا ہے۔ اور ہر میت کے مقابلہ میں اس کے واسطے دس نیکیاں لکھتا ہے۔

پنجم حدیث : دارقطنی میں ہے، کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے ماں باپ کے ساتھ ان کی زندگی میں نیکی کیا کرتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد ان سے کس طرح نیکی کروں آپ نے فرمایا مرنے کے بعد یہ نیکی ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ ان کے واسطے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لیے بھی روزہ رکھ

تبصرہ : پہلی چار حدیثوں میں قرآن مجید کے ثواب پہنچنے کا ذکر ہے اور پانچویں میں دیگر بدنی عبادات (نماز، روزہ) کے ثواب پہنچنے کا بیان ہے۔ بعض اور روایات بھی آئی ہیں، مگر سب ضعیف ہیں صحیح کوئی نہیں ہے۔ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار میں لکھا ہے کہ محمد بن احمد مروزیؒ نے کہا ہے میں نے امام احمدؒ بن حنبل سے سُنا ہے فرماتے تھے جب تم لوگ قبرستان جاؤ تو سورۃ فاتحہ، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس اور قل ہو اللہ احد پڑھو اور اس کا ثواب مُردوں کو بخشو، مُردوں کو ثواب پہنچے گا۔

امام سیوطیؒ نے قرأت قرآن کی روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے اگرچہ یہ ضعیف ہیں لیکن ان کا مجموعہ بتاتا ہے کہ ان کی کچھ اصل ہے۔ امام سیوطیؒ نے ان کے مجموعہ پر حسن یا صحیح ہونے کا حکم اس لیے نہیں لگایا کہ ان میں ضعف زیادہ ہے۔ اگر ضعف تھوڑا ہوتا تو مجموعہ مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا، خیر ان پر عمل سے رد کا نہیں جاتا تھا اس کے جب کہ امام بھی اس طرف گئے ہیں۔ چنانچہ اوپر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ سے نقل ہو چکا ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے اس میں دفن کے وقت سر کی طرف شروع آیات سورہ بقرہ اور پاؤں کی طرف اخیر آیات بقرہ کی پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے، مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے، بہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ فضائل اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے۔ مگر عمل کا کوئی طریق اپنی طرف سے مقرر نہ کرنا چاہیے، جیسے آج کل مروج ہے کہ قبروں پر مجاور بن کر یا گھروں میں یا مسجدوں میں حلقے باندھ کر پیسوں یا بغیر پیسوں کے پڑھا جاتا ہے اس کا

ثبوت نہیں۔ خاص کر پیسے لے کر ختم کرنا اور اس کا ثواب پہنچانا کسی کا مذہب نہیں، بلکہ یہ پیٹ کے بندوں کا اختراع ہے۔ جب اس کا ثواب میت کو نہیں تو دوسرے کو اس سے کیا فائدہ، بلکہ اس طرح پیسے لینے دینے گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے پناہ مانگی ہے۔ جو تراویح میں پیسے لے کر سناتا ہے۔ اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی، اور عبداللہ بن مبارکؒ سے بھی اس کے قریب مروی ہے۔ ملاحظہ ہو قیام اللیل ص۱۶۸

غرض مروجہ طریقہ ایصال ثواب کا طریق نہیں ایصالِ ثواب کی اگر کوئی صورت ہوسکتی ہے تو صرف وہی ہوسکتی جس کا ذکر روایات میں آیا ہے جیسے اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ص۴۳۴)

سوال : کیا قبر میں سوال وجواب کے وقت آنحضرتؐ کا وجود مبارک میت کے سامنے ہوتا ہے۔ اس سوال کی تفصیل یہ ہے کہ قبر میں میت سے یہ سوال کیا جاتا ہے، مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ "یہ شخص جو تم میں مبعوث ہوا ہے، کون ہے" تو وہ جواب دیتی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی محمد اللہ کا رسول ہے۔ یہ حدیث پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردہ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے۔ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ کیونکہ لفظ ہذا سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت وہاں موجود ہوتے ہیں۔ اور اگر اس لفظ ہذا کا کوئی دوسرا معنی ہے تو وہ بیان فرما دیجئے!

جواب : لفظ ہذا اس مذکر موجود شے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے موضوع ہے جو قریب ہو، عام اس سے کہ مذکر حقیقی ہو یا حکمی اور موجود خارجی ہو یا ذہنی۔ روایت مذکورہ فی السوال نیز دیگر روایات منقولہ فی الباب کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے اوصاف ذکر کیے جاتے ہیں اور پھر اشارہ کر کے کہا جاتا ہے۔ اگر بندہ مومن ہے تو تمام اوصاف کو سن کر جواب دے دیگا۔ عبداللہ ورسولہ۔ پس لفظ ھذا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض نے روایت مذکورہ فی السوال کی بنا پر یہ بھی کہا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ مبارک منکشف ہوتا ہے۔ اور منکشف ہونے کے بعد کہا جاتا ہے۔ ما تقول فی ھذا الرجل۔ مگر اس بارہ میں کوئی صریح روایت نہیں۔ فی ھذہ بشارۃ عظمٰی للمومنین وما ذلک علی اللہ بعزیز واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۲۹ ۸/ ۳۵

حدیث شریف میں ہذا کے ساتھ الذی بُعث بھی آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، رسول مبعوث سے سوال ہوتا ہے یعنی جو شخص تم میں رسول کر کے بھیجا گیا تھا اس کو کیا کہتے ہو، ہذا کے ساتھ جب الذی آئے تو وہاں موجود

مراد نہیں ہوتا مگر موصول موصلہ کی طرف کلام کا رُخ ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں، اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ اسی قسم سے ہے جن لوگوں نے کہا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل دکھائی جاتی ہے ان کا اپنا خیال ہے جس کے ذمہ دار وہی ہیں اس کا فیصلہ آپ فرمائیے۔ سلیمان اے ، ای ، پٹیل (افریقہ)

جواب: ہذا کی وضع محسوس مبصر کے لیے ہے جو قریب ہو، یہ اس کا حقیقی معنی ہے۔ اس معنی کی بنا پر ترجیح اسی کو ہے کہ میت کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے اور میت کو آپ کا وجود مبارک قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ مکشوف ہونے پر کوئی دلیل نہیں یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ یہی ہذا کا لفظ ہے۔ جب اس کا حقیقی معنی یہی ہے تو مکشوف ماننا پڑے گا تاکہ حقیقی معنی بن سکے کیوں کہ حقیقی معنی مقدم ہے جب تک حقیقی معنی بن سکے مجازی نہیں لیا جا سکتا۔ اور یہ کہنا کہ جب ہذا کے ساتھ الذی ہو تو کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں۔ قرآن مجید میں ہے، وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ (پ ۱۷ ع ۳) اے محمدؐ کفار جب تجھے دیکھتے ہیں تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔" اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں، پھر الذی بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ موصول میں ضروری نہیں کہ کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہو، ہاں اگر خارجی دلیل سے ثابت ہو کہ شیٔ سامنے نہیں تو اس صورت میں کلام کا رُخ صلہ کی طرف ہو سکتا ہے۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ۔ میں ایسا ہی ہے، چونکہ خدا کی ذات دُنیا میں کسی کے سامنے نہیں اور نہ کوئی خدا کی ذات کو دُنیا میں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے فرمایا "لَنْ تَرَانِیْ" یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) تو مجھے ہرگز نہ دیکھے گا۔ اس لیے اس آیت میں ہذا کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف ہے اور حدیث " هٰذَا الَّذِیْ بُعِثَ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت سے کوئی مانع نہیں۔ درمیان سے پردہ مکشوف ہو کر رؤیت ہو سکتا ہے۔ پس اس میں کلام کا رُخ موصول مع صلہ کی طرف نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ الذی بعث کے یہ معنی کرنے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ جواب کی عبارت ہے وہ خدا کا رسول ہے۔ تو جواب فضول گیا اس لیے الذی بعث کے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) لینے کی صورت میں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا کیا تم اس کو رسول مانتے ہو، تو مومن جواب دے گا۔ کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ اور کافر کوئی جواب نہیں دے گا۔ اور یہ مطلب صحیح ہے اس کا جواب یہ ہے

کہ کیا کافر اس لیے جواب نہیں دے گا کہ اس کو جواب کا علم نہیں ہوگا۔ یا اس لیے جواب نہیں دے گا کہ وہ انکار پر اڑ جائے گا۔ پہلی صورت تو ٹھیک نہیں کیونکہ سوال سے اس کو علم ہو چکا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے تو پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جواب کا اس کو علم نہیں۔ اور دوسری صورت بھی ٹھیک نہیں کیونکہ عذاب کے وقت اڑی کہا۔ نیز احادیث میں صاف آیا ہے کہ کافر کہے گا۔ ھَاہ ھَاہ لَا اَدْرِی یعنی ہائے ہائے مجھے پتہ نہیں، یہ بے علمی کا اظہار بتا رہا ہے کہ پہلے معنی (جو تم میں رسول بنا کر بھیجا گیا) ٹھیک نہیں اگر کہا جائے کہ مکشوف مراد لینا ٹھیک نہیں، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود کرنا تو مفید ہو سکتا ہے، کیوں کہ وہ پہچان سکتے ہیں، جنہوں نے نہیں دیکھا ان کے سامنے آپ کا وجود کرنا کیا فائدہ، نیز جن کافروں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے جیسے ابوجہل وغیرہ تو وہ پہچان کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔ ان کے ہاہ ہاہ لاادری کہنے کا کیا معنی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کو دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ خدا کا رسول ہے۔ کیوں کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں تو منکر نکیر کہیں گے، تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی (یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا ہے اسے دیکھ کر مومن فراست ایمانی سے اندازہ کر لیگا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر ایمان لایا ہوں۔ رہے کفار جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک سے واقف بھی ہیں۔ آپ کی رسالت سے واقف نہیں کیوں کہ ان کو ایمان نہیں بالفرض وہ دنیا میں رسالت سے واقف بھی ہوں تو بھی ایمان نہ لانے کی وجہ سے ناواقفوں میں اُٹھتے ہیں پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ)

محدث روپڑی کے فتوے پر، محدث سامرودی کا تعاقب

مولوی عبدالجلیل سامرودی نے اخبار محمدی دہلی اور اہل سنت والجماعت امرتسر میں محدث روپڑی کے فتوے پر تعاقب کیا جو حسب ذیل ہے۔

آپ نے اپنی تحقیق کا نتیجہ یہ ظاہر فرمایا کہ پس ترجیح اسی کو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ موصوف ایک امر مرجوح کو ترجیح دے رہے ہیں، اگر کتب احادیث کو کھول کر ملاحظہ

فرماتے تو اس ترجیح کو مرجوح قرار دیتے، دیکھئے صحیح بخاری باب المیت یسمع خفق النعال میں بروایت انس ملاحظہ ہو بلفظ ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نفظ باب عذاب القبر (فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی حضرت انس کی روایت سے ابن مردویہ نے بلفظ فی ھذا الرجل الذی کان بین اید یکم الذی یقال محمد کما فی شرح الصدور ص۵۰ الدر المنثور ج۴ ص۸۴ مسند احمد میں حضرت اسماء سے ج۶ ص۳۵۲ میں بلفظ ما تقول فی ھذا الرجل قال ای رجل قال محمد نیز دیکھو شرح الصدور ص۵۰ کتاب الروح ص۶۰ الدر المنثور ج۴ ص۸۵ طبرانی کبیر کے لفظ فیقال لہ رجل یقال لہ محمد ما ھو انتھی دیکھو کنز العمال ج۸ ص۹۵ ابن کثیر ج۲ ص۲۹۵ میں بروایت ابن جریر ابو ہریرۃ سے اور ابن جریر ج۱۳ ص۱۴۲ مستدرک حاکم ج۱ ص۳۸۰ بلفظ ارئیت ھذا الرجل الذی کان فیکم ما تقول فیہ وما تشھد بہ علیہ فیقول ای الرجل فیقال لہ ثم الخ لفظ مستدرک فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یدری فیقولون محمد الحدیث یہ روایتیں ببانگ دہل بتلا رہی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں مکشوف ہو کر سامنے ہونا کسی محدث کا مقولہ ہے۔ محدثین کا ہرگز اعتقاد نہیں۔ آپ کا بذات خود مکشوف ہو کر سامنے ہونا لغو محض ہے اگر کوئی نص نبوی سے جو بالتصریح ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مکشوف ہو کر سامنے ہوتے ہیں تو مع حوالہ کتاب ظاہر فرما دیں، وا لا اس خیال شنیع سے رجوع فرمائیں۔ (ابو عبد الکبیر محمد عبد الجلیل السامرودی۔ محرری دہلی ۵ ا دسمبر ۱۹۳۳ء) (اہل سنت والجماعت ۱۶ دسمبر ۱۹۳۳ء)

محدث روپڑی کا جواب

مذہب اہلحدیث وہی ہے جو حدیث سے سمجھا جائے اور حدیث سے ترجیح اسی کو ثابت ہوتی ہے جو ہم لکھ چکے ہیں، کیونکہ ہذا کا لفظ اس بارہ میں صاف ہے...... مولوی عبدالجلیل کے پیش کردہ دلائل ہمارے مؤید ہیں، کیونکہ سب میں ہذا کا لفظ موجود ہے۔ صرف ایک میں نہیں، سو وہ سوال کی الگ صورت ہے۔ ہماری بحث صرف اس سوال میں ہے جو ہذا کے ساتھ ہے۔ شاید مولوی عبدالجلیل نے خیال کیا ہوگا کہ قبر میں سوال سب سے ایک طرز پر ہوتا ہے اگر یہ خیال ہو تو بالکل غلطی ہے کیونکہ احادیث میں سوال کی چار صورتیں آئی ہیں۔ ایک ہذا الرجل (معرف) کے ساتھ خواہ اس کے ساتھ آپکا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ ہو۔

دوم رجل (نکرہ) کے ساتھ اس میں نام صفت کا ہونا ضروری ہے، جیسے یقال لہ محمد ما ھو۔

سوم من کے ساتھ جیسے مَنْ نَبِيُّكَ یا مَنِ الرَّسُوْلُ الَّذِيْ بُعِثَ اِلَيْكُمْ

چہارم شہادت کے ساتھ جیسے ما شہادتک۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص۲۹۵، ۲۹۶

آخر الذکر تین سوالوں سے تو ہماری بحث نہیں، کیوں کہ ان میں سوال ہی ایسی طرز کے ساتھ ہے۔ جس کا کشف سے کوئی تعلق نہیں صرف پہلے سوال سے بحث ہے۔ اس میں کشف ہے یا نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ کشف ہوتا ہے، کیوں کہ لفظ ہذا اسی کو چاہتا ہے۔ اس سوال میں کئی طرح کے الفاظ آئے بعض سوال میں محمد کا لفظ ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے پہلی اور تیسری عبارت میں ہے۔ اور بعض میں نہیں چنانچہ مولوی عبدالجلیل کی پیش کردہ عبارات سے دوسری اور چھٹی عبارت میں نہیں چھٹی میں تو ظاہر ہے کیوں کہ اگر سوال میں لفظ محمد ہوتا تو میت آمحمد یا اَیُّ رَجُلٍ کے ساتھ سوال نہ کرتی اور دوسری عبارت میں فی ہذا الرجل لمحمد ہے۔ یعنی منکر نکیر ہذا الرجل سے محمد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس لمحمد منکر نکیر کے سوال میں نہیں، بلکہ منکر نکیر کے سوال میں ہذا الرجل کا مشارٌ الیہ بتلایا گیا ہے۔ خواہ بتلانے والے رسول اللہ ہوں یا کوئی راوی ہو۔ تفسیر ابن کثیر میں مومن کے سوال میں لکھا ہے ما تقول فی ہذا الرجل یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردہ کہتا ہے کون؟ فرشتہ کہتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

فاجر یا کافر کے سوال میں لکھا ہے ما تقول فی هذا الرجل قال أَیُّ رَجُلٍ قال محمد یعنی اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے تو مردہ کہتا ہے کونسا شخص، فرشتہ کہتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملاحظہ ہو ص ۲۹۶ ان مختلف الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک مکشوف ہو کر سامنے ہوتا ہے تو بعض میتیں تو صرف چہرہ ہی دیکھ کر معلوم کر لیتی ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے تو وہ امحمد یا ای رجل کہہ کر سوال کرتی ہے۔ یعنی کیا یہ محمد ہے، یا یہ کونسا آدمی ہے، فرشتے اس کے جواب میں نعم کہتے ہیں، یا محمد کہتے ہیں یعنی ہاں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہر صورت یہ تمام الفاظ ہمارے مؤید ہیں۔ کیونکہ ان میں ہذا کا لفظ ہے۔ اور میت کا "امحمد" یا "ای رجل" کے ساتھ سوال کرنا یہ بھی ہمارا مؤید ہے۔ کیوں کہ یہ پورا جملہ نہیں۔ اس کے آگے پیچھے عبارت مقدر ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہذا مقدر ہو۔ کیوں کہ اس سے پہلے منکر نکیر کے سوال میں ہذا ہے۔ اس بنا پر پہلے سوال کی عبارت اصل یوں ہوگی۔

اهذا محمد یا محمد هذا یعنی کیا یہ محمد ہے۔ یا کیا محمد ہے یہ۔ اور دوسرے سوال کی اصل عبارت یوں ہوگی اَیُّ رَجُلٍ هذا یعنی یہ رجل کونسا ہے۔ گویا ان سوالوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی میت کے سامنے ہوتا ہے اس کی طرف وہ اشارہ کر کے سوال کرتی ہے۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ جن دلائل کو مولوی عبدالجلیل ہمارے

مقابلہ میں پیش کر رہے ہیں وُہ دراصل ہمیں مفید ہیں۔ مگر مولوی عبدالجلیل غلط فہمی سے اُسے اہلحدیث کا مسلک نہیں ...
خدا ایسی غلط فہمی سے بچائے۔ اور عبارات میں غور و فکر کی توفیق بخشے۔ آمین   عبداللہ امرتسری

محدثِ سامرودی کا تعاقب

مولوی عبدالجلیل نے محدثِ روپڑی کے اس جواب پر حسب ذیل تعاقب کیا ہے۔

اگر وفات کے بعد مکشوفت کا مسئلہ صحیح ہے تو قرآنِ واحد میں بے شمار سے سوال ہوتا ہے تو آپ کی ذات کو تو اس حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی، بخاری وغیرہ میں ہے کہ ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا، اِنِّی سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ تو آپ ہرقل کے پاس بھی مکشوف ہو گئے کیوں کہ "ہٰذا الرجل" حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ ابن مردویہ والی حدیث میں موجود ہے۔ ماکنت تقول فی ھذا الرجل الذی کان بین اظھرکم الذی یقال لہ محمد۔ بلکہ حاکم ج ۱ ص ۳۸ کی روایت فیقال لہ ما تقول فی ھذا الرجل الذی کان فیکم وما تشھد بہ علیہ فیقول ای رجل فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یھتدی لہ قال فیقولون محمد۔ لفظ حدیث ھذا الرجل۔ یہ شخص کے بعد ہی کہا جاتا ہے وُہ جو تم میں تھے، وُہ جنہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا تھا۔ نیز دوسری میں ہے وُہ جو تم میں تھے تیری گواہی ان کی بابت کیا ہے۔ پھر اس کا سوال کہ کون شخص ملائکہ کا جواب وُہ جو تم میں تھے۔ اتنا کہتے ہوئے بھی نہ سمجھا تو ملائکہ کہیں گے۔ محمد وہ محمد ہیں۔ کیا ان سوالات و جوابات میں صراحۃً ظاہر نہیں ہے۔ کہ حضور موجود نہیں ہوتے۔ آپ کے پاس صرف ہٰذا لفظ کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ مسلک اہلحدیث نہیں بلکہ کسی حنفی کا مذہب ہے۔ مثل عینی وغیرہ کے، چنانچہ فاضلِ قسطلانی نے لکھا ہے۔ قیل یکشف للمیت حتی یرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی بشری عظیمۃ للمؤمن ان صح ذلک ولا نعلم حدیثا مرویا فی ذلک والقائل بہ انما استند لمجرد ان الاشارۃ لاتکون الا للحاضر لکن یحتمل ان تکون الاشارۃ لما فی الذھن فیکون مجازا۔ کہا گیا ہے کہ میت کے لیے پردہ اُٹھا جاتا ہے۔ یہانتک کہ وُہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہو جائے تو مومن کے لیے بڑی خوشخبری ہے اور ہمیں کوئی صحیح حدیث اس بارہ میں معلوم نہیں اور جو اس کا قائل ہے اسکی دلیل صرف یہی ہے کہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے لیکن احتمال ہے کہ اشارہ ما فی الذہن کی طرف ہو پس یہ مجاز ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتاوے ص ۱۲ سوال ۵ کے جواب میں فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے وھل یکشف لہ فی لحدہ حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویقول لہ ما تقول فی ھذا الرجل فاجاب بقولہ بعد ان

اعاد السوال فقال وهو هل يكشف له حتى يرى النبي صلى الله عليه وسلم فالجواب ان هذا لم يرد في حديث صحيح وانما ادعاه من لا يحتج به بغير مستند الا من جهة قوله في هذا الرجل وان الاشارة بلفظة هذا لا تكون الا للحاضر وهذا لا معنى له لانه حاضر في الذهن.

بہرحال یہ سوال کہ میت کے لیے پردہ کھولا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نبی صلے اللہ کو دیکھ لیتی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا۔ اس شخص نے بلا دلیل اس کا دعوے کیا ہے۔ جو حجت نہیں۔ دلیل صرف یہ پیش کی جاتی ہے۔ کہ ہذا کا اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ حالاں کہ حاضر کے ہونے سے کشف لازم نہیں آتا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذہن میں حاضر ہیں۔

محدث روپڑی کا جواب

ہم نے تو بقول آپ کے صرف حدیث کے لفظ ہٰذا سے استدلال کیا ہے۔ تو آپ نے اس کے مقابلہ میں کیا پیش کیا ہے۔ صرف ابن مردویہ یا حاکم کی روایت، حالاں کہ اس میں بھی یہی لفظ ہذا ہے۔ باقی لفظ مثلاً "الذی کان بین اظہرکم الذی یقال لہ محمد" وہ جو تم میں تھے، وہ جنہیں محمد کہا جاتا ہے۔ یہ تو کسی طرح ہمارے خلاف نہیں، چنانچہ آپ کے پہلے تعاقب کے جواب میں اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ لیکن دوسرے تعاقب میں آپ کا ان کو دوہرانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ضمیر غائب سے دھوکا لگا ہے۔ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ضمیر غائب اسی کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے وقت مخاطب کے سامنے نہ ہو، حالاں کہ یہ ڈبل غلطی ہے۔ اور یہی غلطی ایڈیٹر اہل سنت والجماعت کو لگی ہے۔ انہوں نے بھی ضمیر غائب ہی سے رسول اللہ صلی اللہ کا عدم حضور ثابت کیا ہے۔ اس غلطی کی تفصیل سنیئے:۔

ضمیر کے لوٹانے میں کبھی لفظ کی رعایت ہوتی ہے اور کبھی معنی کی۔ قرآن مجید میں ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت پر ایمان لائے۔ اور درحقیقت

لے رعایت خواہ لفظ کی ہو خواہ معنی کی مرجع غائب ہی کہلائے گا۔ ضمیر غائب حاضر نہیں کہلائے گی جیسا کہ مَنْ يَّقُوْلُ میں ضمیر ھو کا مرجع مَنْ ہے اور لفظ من کی رعایت ہے۔ جو لفظاً واحد ہے۔ اور ھُمْ کا مرجع بھی مَنْ ہے۔ اور معنی مَنْ کی رعایت ہے۔ کیوں کہ وہ معنی جمع ہے۔ لیکن دونوں حالتوں میں ضمیر غائب ہی کہلائے گی۔

(سعیدی)

وہ ایمان والے نہیں۔

اس آیت میں مَنْ کا لفظ مفرد ہے۔ اور معنی اس کا جمع ہے۔ لفظ کی رعایت کریں۔ تو اس کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹے گی۔ اگر معنی کی رعایت کریں تو جمع کی طرف لوٹے گی۔ چنانچہ اس آیت میں یقول کی ضمیر مفرد کی طرف رہی ہے۔ اور وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ جمع کی۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر نفس موت کے چکھنے والا ہے۔ عربی میں چونکہ نفس کا لفظ مؤنث ہے۔ اس لیے اس کی طرف ضمیر مؤنث لوٹتی ہے۔ خواہ مراد اس سے مرد ہو یا عورت۔ ہماری زبان میں اس کی مثال "ہستی" کا لفظ، مراد اس سے خواہ مرد ہو، استعمال اس کا مؤنث ہی کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ اچھی ہستی ہے، اچھا ہستی نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار جب تجھے دیکھتے ہیں۔ تو مذاق سے کہتے ہیں کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو (برائی سے) ذکر کرتا ہے۔" اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہیں مگر ضمیر غائب لوٹ رہی ہے۔ گویا الّذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے بلکہ ایسے مقام پر لفظ الّذی کی رعایت زیادہ فصیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنا پتہ بتلاتے ہوئے کہے: انا الذی یقال لہ زید؟ تو یہ انا الذی یقال لی زید سے زیادہ فصیح ہے۔ چنانچہ قواعد عربیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حالاں کہ متکلم سامنے ہوتا ہے۔ مگر الّذی کے لفظ کی رعایت کی گئی ہے۔ مولوی عبد الجلیل اور اہل سنت و جماعت دونوں بیچارے ضمیر غائب کی الجھن میں پھنس کر راجح بات سے غائب ہو گئے۔ "إِنَّا لِلّٰهِ" علاوہ ازیں ان سے اور غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ نمبر وار سنیئے:

<u>دوسری غلطی</u>: مولوی عبد الجلیل نے بخاری وغیرہ کے حوالہ سے ہرقل کی حدیث کا یہ ٹکڑا نقل کیا ہے۔ إِنِّي سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ، اس عبارت میں پہلے ہذا سے ابو سفیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف: یعنی ہرقل نے ابو سفیان کے ساتھیوں سے اپنے ترجمان کی معرفت کہا کہ میں ابو سفیان سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ مولوی عبد الجلیل کا اس سے یہ مطلب ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرقل کی مجلس میں نہ تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہذا کے استعمال میں سامنے ہونا شرط نہیں لیکن مولوی عبد الجلیل نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے کہ اخروی معاملات پر قیاس کیا ہے۔ حالاں کہ آخرت کا معاملہ عموماً خرق عادت ہے۔ مثلاً قبر کا فراخ ہونا یا تنگ ہونا، یا قبر کا میت سے باتیں کرنا، جنت

اور دوزخ کی طرف سے کھڑکی کا کھلنا یا سانپ بچھو کا اس پر مسلط ہونا وغیرہ وغیرہ یہ تمام سلسلہ خرق عادت کی قسم سے ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا کوئی بعید امر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب لفظ کا حقیقی معنی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں مکشوف مانا جائے تا حقیقی معنی مراد ہو سکیں۔ برخلاف ہرقل کی حدیث کے کیوں کہ یہ دنیوی معاملہ ہے۔ اور دنیوی معاملہ میں خرق عادت کی صورت میں حقیقی معنی متروک ہو سکتا ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں رَأَیْتُ اَسَدًا یَرْمِیْ میں نے شیر کو دیکھا کہ وہ تیر اندازی کرتا ہے۔ چونکہ شیر کا تیر اندازی کرنا خرق عادت ہے۔ اس لیے شیر کا حقیقی معنی چھوڑ کر اس سے بہادر آدمی مراد لیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہرقل کی حدیث میں ہذا لفظ کو سمجھ لینا چاہیے۔

کیوں کہ ہرقل کی حدیث میں بھی یہی صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو خط لکھا جس میں اسکو دعوت اسلام دی، اس نے خط پڑھ کر دریافت کیا کہ محمد کے رشتہ داروں سے یہاں کوئی موجود ہے۔ پتہ چلا کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھی موجود ہیں۔ اس نے ان کو بلا کر ابوسفیان کو سامنے بٹھایا۔ اور ساتھیوں کو ابوسفیان کے پیچھے بٹھا کر مذکورہ گفتگو شروع کر کے ابوسفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے۔ اس سارے واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے نہ تھے۔ اور مکشوف ماننا خرق عادت ہے۔ اس لیے مجازی معنی مراد ہوگا۔ غرض آخرت کے معاملہ میں خرق عادت ایسا ہی ہے، جیسے دنیوی معاملہ میں موافق عادت اور موافق عادت ہونے کی صورت میں حقیقی معنی مجازی پر مقدم ہے۔ جب حقیقی بن سکے تو مجازی جائز نہیں۔ پس قبر میں سوال کی حدیث میں مکشوف ماننا چاہیے تاکہ ہذا کا حقیقی معنی قائم رہے۔ ہاں اگر مجازی پر دلیل ہوتی جو حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہوتی تو اس صورت میں حقیقی معنی متروک ہو سکتا۔ جیسے آیت کریمہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ میں اوپر گزر چکا ہے۔ اب کوئی وجہ نہیں۔

تیسری غلطی: مولوی عبدالجلیل نے لکھا ہے، کہ ہرقل نے ترجمان سے کہا اِنِّیْ سَائِلٌ هٰذَا عَنْ هٰذَا حالانکہ ہرقل نے اپنے ترجمان کی وساطت سے ابوسفیان کے ساتھیوں سے یہ کہا۔

چوتھی غلطی: مولوی عبدالجلیل لکھتے ہیں، حافظ روپڑی نے دہی ہذا کی ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ بات یہ ہے حلق سے بات کیسے اترے۔ آپ لوگ اصول مخترعہ کے پابند رہ کر کلام نبوی کا اس پر موازنہ کرنا چاہتے ہیں۔ اصول مخترعہ سے مولوی عبدالجلیل کی مراد حقیقت مجاز کا مسئلہ ہے۔ حالاں کہ قسطلانی نے آپ کی نقل کردہ عبارت میں

تصریح کی ہے کہ حاضر فی الذہن کی طرف اشارہ مجاز ہے۔ اور کتب معتبرہ عربیہ میں ہذا کو اشارہ حسیہ کی قسم سے شمار کرنا اور ہذا کو قریب کے لیے اور ذاک اور ذالک کو بعید کے لیے۔ یا ذاک کو متوسط کے لیے اور ذالک کو بعید کیلئے کہنا اور جب ہذا کا استعمال معقول (حاضر فی الذہن) میں ہو تو اس وقت یہ کہنا کہ اس کو بمنزلہ محسوس کے قرار دے کر ہذا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اسی خبر کی بنا پر ہے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہیں۔ اور حاشیہ خضری شرح ابن عقیل کے صـ۹۵ میں ہے: اسم الاشارۃ ما وضع لمشار الیه ای حسا بالاصبع ونحوہ فلا بد من کونه حاضرا محسوسا بالبصر فاستعماله فی المعقول والمحسوس بغیرہ مجاز۔ یعنی اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے موضوع ہو، جس کی طرف انگشت وغیرہ سے حسی اشارہ ہو۔ پس ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو اور بصر کے ساتھ وہ محسوس ہو۔ پس معقول میں یا محسوس میں اس کا استعمال جس کی طرف انگشت وغیرہ سے اشارہ نہ ہو سکے مجاز ہے۔ تاج العروس شرح قاموس صـ۳۳۴ جلد ۱۰ میں امام ابو الہیثم سے نقل کیا ہے۔ ذا اسم لکل مشار الیه معاین یراہ المتکلم المخاطب یعنی ذا ہر مشار الیہ کا اسم ہے۔ جس کا مشاہدہ ہو اور متکلم مخاطب اور اس کو دیکھتے ہوں۔ غرض اس قسم کی تصریحات ائمہ عربی وغیرہ کی بہت ہیں۔ جن کا اصل یہی ہے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی ہے۔ پس حقیقت مجاز کے مسئلہ کو اصول مخترعہ کہہ کر ہذا کے حقیقی مجازی معنی میں فرق نہ کرنا یہ ڈبل غلطی ہے۔ اگر الفاظ کے معانی میں حقیقت مجاز کا فرق نہ کیا جائے، تو سب معاملہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ مثلاً آیت کریمہ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ: میں چچا کو بھی باپ کہا ہے۔ اس بنا پر کوئی کہے کہ آیت وراثت وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ۔ میں چچا بھی مراد ہے اگر باپ وغیرہ نہ ہو تو چچا اس کے قائم مقام ہوگا۔ تو کیا یہ صحیح ہے ہرگز نہیں کیوں کہ چچا حقیقۃً باپ نہیں بلکہ اس کو مجازاً باپ کہا ہے۔ اس قسم کی بے شمار امثلہ ہیں جو مسئلہ حقیقت مجاز سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کو اصول مخترعہ کہنا غلطی ہے۔

<u>پانچویں غلطی</u>: قسطلانی کی عبارت کو اس محل میں پیش کرنا غلطی ہے۔ کیوں کہ قسطلانی نے حاضر فی الذہن کا احتمال ذکر کر کے اس کو مجاز کہہ دیا ہے۔ گویا اس سے احتمال کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیوں کہ حقیقت کے مقابلہ میں مجاز کا احتمال کمزور ہے۔ جس کا ارتکاب بلا دلیل درست نہیں۔ پس یہ عبارت درحقیقت ہماری مؤید ہے۔ مگر

لہ اس آیت میں حقیقت اور مجاز دونوں جمع ہو گئیں، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کیوں کہ اسحاق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے حقیقی باپ ہیں اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مجازی باپ ہیں۔ (سعیدی)

...لوی عبدالجلیل غلطی سے اپنی مؤید سمجھ رہے ہیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ عینیؒ کا خیال اس مسئلہ میں راجح ہے۔ اگرچہ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق عموماً بڑی ہوتی ہے مگر بحکم بلکہ تبعاً دکبوتا اس مسئلہ میں عینیؒ کی رائے کو ترجیح ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ کا ...ہنا کہ آپ حاضر فی الذہن ہیں۔ اس کی بابت عرض ہے کہ کیا یہ معنی حقیقی ہے یا مجازی۔ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ مجازی ...ہے۔ پس عینیؒ کا خیال درست ہوا۔ پس ان پر کوئی چوٹ نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کا حاضر فی الذہن ہونا ان لوگوں کی ...نسبت تو درست ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے کیوں کہ ان کے ذہن میں آپ کی خاص شکل و صورت حاضر ...ہو سکتی ہے۔ لیکن جنہوں نے آپکو دیکھا ہی نہیں۔ ان کے ذہن میں تو آپ کے صفات ہیں جو کلیات ہیں جن میں تعین اور ...تشخص نہیں۔ تو پھر آپ بعینہٖ حاضر کس طرح ہوئے اور جب آپ بعینہٖ حاضر نہ ہوئے۔ اور صرف آپکی صفات ہوئیں۔ ...کلیات ہیں تو ان کے نزدیک بھی حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی نہ ہوا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ عینیؒ کا خیال ...درست ہے۔ اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حاضر فی الذہن ہذا کا حقیقی معنی ہے۔ تو حاضر فی الخارج بطریق اولے ...ہذا کا حقیقی معنی ہوگا۔ پس اس صورت میں عینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ برابر ہوں گے۔ کیوں کہ لفظ جب دو معنوں کے ...درمیان مشترک ہو تو بغیر دلیل کے کسی کو نہیں لے سکتے۔ نہ حافظ ابن حجرؒ کا مذہب ثابت ہوا نہ عینیؒ کا۔ ہاں عینیؒ کے ...مذہب کو ایک اور طرح سے ترجیح ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ حاضر فی الذہن کو ہذا کا حقیقی معنی ماننے کی صورت میں لازم ...آتا ہے کہ ہذا دو معنوں میں مشترک ہو اور اگر حاضر فی الذہن کو مجازی معنی قرار دیں تو اس صورت میں ہذا حقیقت ...اور مجاز ہوگا۔ اور عربیت کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ جب ایک لفظ اشتراک اور حقیقت مجاز کے درمیان دائر ہو تو اس ...کو حقیقت مجاز بنانا چاہیئے۔ کیونکہ اشتراک سے حقیقت مجاز کی کثرت ہے پس کثرت پر محمول ہوگا۔ اس بنا پر ...عینیؒ کے مذہب کو ترجیح ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکشوف ہونا ہی غالب رہا۔

...ی غلطی: مولوی عبدالجلیل نے ایک یہ اشکال پیدا کیا ہے۔ کہ آن واحد میں بیشمار اموات سے سوال ہوتا ...ہے۔ تو آپ کی ذات کو تو اسی حاضری سے فرصت نہ ملتی ہوگی۔ مگر یہ اشکال مولوی عبدالجلیل کی غلط فہمی کا نتیجہ ...ہے۔ ہماری عبارت یہ ہے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور میت کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ اور میت کو آپ کا وجود ...جو دور قریب نظر آنے لگتا ہے۔ پھر ہذا کے ساتھ سوال ہوتا ہے۔ اس عبارت میں قریب نظر آنے لگتا ہے۔ ...ایسا ہی ہے جیسے ذوالقرنین کے قصہ میں قرآن مجید میں مذکور ہے۔

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ : یعنی ذوالقرنین نے سورج کو سمندر میں غروب ہوتے پایا ۔ اس پر مفسرین نے لکھا ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعہ میں سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے ۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو اس طرح دکھائی دیا ۔ ٹھیک اسی طرح ہماری عبارت ہے ۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ ہر ایک قبر میں حاضر ہوتے ہیں ۔ سچ ہے کم من عائب قولا صحیحا ۔ وآفتہ من الفہم السقیم مثل مشہور ہے ۔ ایک من علم کے لیے دس من عقل چاہیئے ۔ مولوی عبدالجلیل اعتراض تو ہم پر کرتے ہیں ۔ کر ۔ ایڈیٹر تنظیم کی عادت قدیمہ ایسی ہی ہے مگر حقیقت امر یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے قلم برداشتہ اناپ شناپ لکھتے چلے جاتے ہیں حالانکہ مسائل کا معاملہ بڑی ذمہ داری کا ہے ۔ قلم سوچ سمجھ کر اُٹھانا چاہیئے ۔ خدا ہدایت دے اور سمجھ دے ۔

ساتویں غلطی : مولوی عبدالجلیل نے حافظ ابن حجر وغیرہ کی رائے لکھ کر کہا ہے کہ مولانا روپڑی نے جو طریقہ اختیار کیا ہے ۔ وہ اہلحدیثوں کا ہرگز نہیں ۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ کتنی بڑی ڈبل غلطی ہے ۔ اہلحدیث کا طریق تو قرآن وحدیث اور اتباع السلف ۔ مولوی عبدالجلیل نے کونسی آیت و حدیث پیش کی ہے ۔ جو ہمارے خلاف ہے ۔ یا کون سے اقوال سنداً پیش کیے ہیں جن سے ہم علیحدہ ہو گئے ۔ مولوی عبدالجلیل کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں ۔ محض بریلویوں کی ریس ہے کہ یہ وہابی ہیں ۔ ان کے نزدیک نہ جاؤ ۔ حقیقت اس کی کچھ نہیں ۔ مولوی عبدالجلیل صاحب آپ کی شان کے یہ لائق نہیں آئندہ احتیاط رکھیں ۔ خدا آپ کی حفاظت کرے ۔ آمین

تنبیہ : مولوی محمد صاحب ایڈیٹر محمدی نے بھی اس محل میں چند باتیں لکھی ہیں ۔ ہم چاہتے کہ ان کی خدمت میں عرض کر دیں ۔ مولوی محمد صاحب لکھتے ہیں ۔ محترم مولانا حافظ صاحب ! ذرا ایک بات تو بتلائیں ۔ ۱ چودہ سو سال کے بعد کے آنے والے کے سامنے چودہ سو برس پہلے کا کوئی شخص جسے کبھی اس نے دیکھا نہ ہو کھڑا کر دیا جائے اور اس سے پوچھا جائے کہ یہ کون ؟ تو کیا عقل کہتی ہے کہ وہ صحیح جواب دے سکے گا ۔

۲ یہ مان لینے سے کہ حضور قبر میں لائے جاتے ہیں آپ کی تشبیہ پیش کی جاتی ہے ۔ سوال وجواب میں جو لطافت ہی باقی نہیں رہتی ، جو شریعت نے رکھی ہے ، ذوق سلیم اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا ، جس کی تعلیم آپ دے رہے ہیں ۔

۳ جناب من صرف لفظ ہذا کو جو اس موقعہ پر مشل تشابہ کے ہے ۔ اے کہ صراحت کے جو مَنْ نَبِيُّكَ

وغیرہ میں مثل لکات وغیرہ کے ہے، چھوڑ دینا تو شاید آپ اتباع سلف میں داخل نہ کر سکیں۔

۴۔ کیا جناب نے یہ بھی خیال کیا کہ بدعتی طبقہ کے ہاتھ میں جو پہلے ہی حضورؐ کو ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں۔ آپ کیسا کچھ ہتھیار دے رہے ہیں۔

۵۔ کیا اس قسم کے الفاظ ایسے مسائل کے استخراج کے لیے کافی ہیں کہ قبرستان کے سلام کا خطاب مردوں کے حساس اور سننے والے مثل زندوں کے ہونے کے لیے بس ہے۔

۶۔ کیا ربی و ربک اللہ کا خطاب چاند سے کرنا اس لیے بھی کوئی کمال قدرت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اگر نہیں۔

۷۔ تو کیا جناب کے پاس قرآن و حدیث سے مذہب سلف سے کوئی ایسی دلیل ہے۔ جس سے حضورؐ کا ہر گورے، کالے، مسلم، کافر، عربی، عجمی کی قبر میں پھیرے کرنا اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔

۸۔ لفظ ہذا اگر موجود شے کی طرف اشارہ کے لیے ہے۔ تو پھر اوصاف بیان کرنے کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔ جو اتنا لمبا سوال ہو جاتے۔

۹۔ لفظ ہذا پر اتنا اصرار کرنا اس کے لفظی معنی کی وجہ سے ہے کہ عقائد اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریات دین کے فوت ہونے پر بھی اس لفظ کو اس معنی سے نہ ہٹایا جائے۔ تو پھر اس سوال کے جواب میں لفظ ھُوَ پر بھی ایسا ہی اعتماد کیوں نہیں کرتے۔ وہ تو غائب کی ضمیر ہے۔ پس مان لیجئے کہ حضورؐ غائب ہو جاتے ہیں موجود نہیں ہوتے۔

۱۰۔ آخری ایک اور چیز سن لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ہذا معنی ذلک کے ہے۔ یعنی اسم اشارہ قریب کے لیے نہیں بعید کے لیے ہے۔ اور اسم اشارہ قریب کا بعید کے لیے اور بعید کا قریب کے لیے لغت عرب میں برابر مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ - اس کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ذٰلِكَ معنی میں ہذا کے ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر پارہ اول ص۳۷۔ پس جیسے ذٰلِكَ معنی میں ہذا کے آتا ہے۔ ویسے ہی ہذا معنی ذٰلِكَ کے بھی مستعمل ہے۔ پس یہاں دوسری حدیثوں کی تشریح کے مطابق لفظ ہذا معنی میں ذٰلِكَ کے ہے۔ چنانچہ تفسیر محمدی ترجمہ ابن کثیر کے اسی صفحہ میں ہے۔ یہ دونوں لفظ قائم مقام عربی زبان میں آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ نے ابو عبیدہؓ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ عربی کی تفسیر کے لفظ بھی ملاحظہ ہوں

فتصلون كلا مضا مكان الاخر وهذا معروف فى كلامهم وقد حكاه البخارى من معمر المثنى عن ابى عبيدة۔ (جلد اول مصری ص۷۵)

مولانا کا سارا مدار اس لفظ پر تھا اور یہ لفظ دور کے اشارہ کے لیے بھی آتا ہے۔ اب وہ نیوی نہ رہی جس پر کشف کی یا تنبیہ کی یا حاضری کی عمارت کھڑی کی جائے۔

۱۔ قرآن میں ہے ذالکم اللہ ربکم تو کیا اس میں اللہ تعالیٰ کا وجود سامنے موجود تھا جس کی طرف اشارہ ہو۔
۲۔ حاشیہ تہذیب میں صراحت ہے کہ لفظ ہذا سے اشارہ کبھی غیر موجود غیر محسوس غیر مشاہد کیطرف بھی ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ان وزنی بھر دلیلوں کے ہوتے ہوئے کرمی حافظ صاحب مزید غور فرمائیں گے۔ والسلام

محمد۔ اخبار محمدی یکم مارچ ۳۶ء

جواب

۱۔ چودہ سو برس کے بعد آنے والے کا پہچاننا اس کا حل ہم نے پہلے ہی حل کر دیا تھا کہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا، وہ بھی آپ کے وجود باجود کو دیکھ کر پہچان لیں گے۔ کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ کیوں کہ احادیث میں آیا ہے کہ مومن جب کہے گا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو وہ جواب میں کہے گئے تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، تو وہ جواب دے گا کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی۔ پس ان پر ایمان لایا اور ان کی تصدیق کی یعنی اللہ کی کتاب میں جو ان کے اوصاف یا ان کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ اُسے دیکھ کر مومن فراست ایمانی سے اندازہ کرے گا کہ یہ وہی رسول ہیں جن پر میں ایمان لایا ہوں۔ (تنظیم ۲۲ نومبر ۳۵ء)

اں بعض میتوں کو اس میں تردد رہتا ہے۔ تو وہ آہ آہ۔ یا ادری رجل کہہ کر سوال کرتی ہیں چنانچہ ابی اور ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث میں اس کی تفصیل ہوئی ہے۔

۲۔ حضور قبر میں نہیں لائے جاتے بلکہ درمیان سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے۔ جس سے آپ میت کے سامنے ہو جاتے ہیں۔ ۳۔ اس سے پہلے تفصیل ہو چکی ہے کہ سوال کی چار صورتیں ہیں۔ ایک هذا الرجل (معرفہ کے ساتھ) خواہ اس کے ساتھ آپ کا نام یا کوئی صفت ہو یا نہ۔ دوم رجل نکرہ کے ساتھ۔ اس میں نام یا صفت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے رجل يقال له محمد ما هو۔ سوم مَن کے ساتھ جیسے مَن نبيك یا من الرسول الذى بعث اليكم چہارم شہادت کے ساتھ جیسے ما شهادتك تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵، ۲۹۶ جلد ۵، یہ چار صورتیں الگ الگ ہیں۔

اگر ان میں سے مَنْ نَبِيُّكَ وغیرہ محکمات سے ہو تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ ہٰذا کی صورت میں کشف نہیں، پھر ہٰذا کو تشابہ کہنا بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ تشابہ وہ ہے جس کے معنی میں اشتباہ ہو اور اس کی تعیین نہ ہو۔ اور ہٰذا کا معنی معلوم ہے۔ اس میں کوئی اشتباہ نہیں چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔

۷ اس کا جواب ۶ میں آگیا کہ آپ قبر میں نہیں لائے جاتے۔ پس ہم نے بدعتیوں کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں دیا۔ آپ کو مولوی عبدالجلیل کی طرح غلطی لگی ہے ورنہ ہماری کلام کا مطلب واضح ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط ۵ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

۸، ۹ ہمارا مردوں کو، چاند کو خطاب کرنا دنیوی معاملہ ہے۔ اور فرشتوں کا ہٰذا کے ساتھ میت سے سوال کرنا اخروی معاملہ ہے۔ اس لیے اس کا قیاس مردوں کے یا چاند کے خطاب پر صحیح نہیں چنانچہ مولوی عبدالجلیل کے اغلاط ۷ اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۱۰ قبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہم قائل نہیں۔ چنانچہ ابھی ۶ میں گزرا ہے۔

۸ بعض میتوں کو آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑنے سے کچھ تردد رہتا ہے۔ تو ان کے لیے اوصاف کی ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ وغیرہ کی حدیث کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۹، ۱۰ ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ ہٰذا کا معنی لینے میں کون سے عقائد اسلام اور اجماع صحابہؓ اور ضروریات دین فوت ہوتے ہیں۔ اور ضمیر غائب سے غائب سمجھنا یہ مولوی عبدالجلیل کی طرح آپ کی ڈبل غلطی ہے چنانچہ اوپر گزر چکا ہے اسی طرح اشارہ بعید کے بعد ہونے سے غائب سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ دیکھئے آفتاب کتنی دور ہے مگر دن کو سامنے ہے غائب نہیں پھر ہٰذا کو ذالک کے معنی میں لینا مجاز ہے۔ اس کے لیے آپ نے اس جگہ کوئی قرینہ بیان نہیں کیا۔ اگرچہ ہمارا خیال نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقع میں قریب ہوتے ہیں، ہاں یہ خیال ہے کہ میت کو قریب معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہٰذا کو ذالک کے معنی میں لینے پر کوئی قرینہ ہو تو ہم بعید کے قائل ہو جائیں گے۔ مگر اس سے غیب کا ثبوت کسی طرح نہیں ہوتا۔

۱۱ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ کا جواب وہی ہے جو اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ کا ہے۔ جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔ ۱۲ تہذیب کے حاشیہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ مجازی معنی ہے۔ جس کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے۔ حدیث میت میں کوئی قرینہ نہیں پھر بلا قرینہ کیوں کر مراد ہو سکتا ہے۔ پس وہ جن بھر دلیلیں نام ہی کی ہیں، کام کی نہیں۔ والسلام

عبداللہ امرتسری روپڑی (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۸ ش ۱۰ ۱۱۶۵ء)

سوال: قبر میں میت کو کرم وغیرہ کھا جاتے ہیں۔ بعض دفعہ کوئی بیرونی جانور نیولہ وغیرہ بھی قبر میں گھس کر لحم میت کو کھاتا ہے۔ آیا میت کو اس سے ایذا پہنچتی ہے؟

جواب: مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت فصل ۳ میں ہے۔ عن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر ولا تؤذہ رواہ احمد عمرو بن حزم کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا فرمایا اس قبر والے کو ایذا نہ دو۔

مشکوٰۃ کے اسی باب فصل ۲ میں ہے۔ عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیا رواہ احمد مالک وابوداؤد وابن ماجۃ حضرت عائشہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے۔

اس قسم کی کئی روایتیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ میت کو تکلیف ہوتی ہے مگر بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر اسباب کا اثر میت پر نہیں۔ عینی شرح بخاری میں ہے۔ مر عبد اللہ بن عمر علی قبر عبد الرحمن بن ابی بکر اخی عائشۃ وعلیہ فسطاط مضروب فقال یا غلام انزعہ فانما یظلہ عملہ فقال الغلام تضربنی مولاتی قال کلا فنزعہ۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عبدالرحمن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی قبر پر گزرے۔ اس پر خیمہ لگا ہوا تھا فرمایا اے غلام اس کو اکھاڑ دے۔ کیونکہ اس کو اس کا عمل سایہ کرے گا۔ غلام نے کہا میری مالکہ مجھے مارے گی۔ فرمایا ہرگز نہیں پس اس کو اکھاڑ دیا۔

اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت وصیت کی کہ میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ میت کو دنیوی اشیاء کا فائدہ یا نقصان نہیں۔ نیز حدیث میں ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جنگ احد میں شہید ہوئے اور کفار ان کے کان، ناک وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا کہ میری پھوپھی صفیہ (حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن) برداشت کرے تو میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو اسی حال میں چھوڑ دوں کہ کتے بلے کھا جائیں اور قیامت کے دن ان کے پیٹوں سے جمع کیا جائے اس کہنے سے مطلب آپ کا یہ تھا کہ اللہ کی راہ میں ذلت حقیقت میں ذلت نہیں بلکہ عورتوں کے دل کمزور ہوتے

اس لیے دفن مناسب ہے ۔ یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ میت زندہ کی طرح نہیں ورنہ زندہ کو بھی اس طرح دبا دینا درست ہوتا ۔ پھر ظاہر پر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے ۔ کہ میت کو دنیوی اسباب کی تکلیف ہیں مثلاً زندہ کو قبر میں دبا دیں تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے ۔ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے ۔ ہاں میت کا وقار اور اس کی حیات کی وضع کو قائم رکھنے کے لیے جس قدر حدیث میں آگیا ہے اتنا کرنا چاہیے ۔ مثلاً میت کو غسل عزت کے ساتھ دیا جائے ۔ کفن اچھا پہنایا جائے ۔ عزت کے ساتھ قبر میں اتارا جائے ۔ اسی طرح ہڈی توڑنے سے ممانعت بھی اسی وقار پر محمول کرنی چاہیے ۔ اور ایذائے نبی کی حدیث کا مطلب بھی یہی لینا چاہیے کہ اس کی توہین نہ کی جائے ۔ پس اس صورت میں سب روایتوں میں موافقت ہو جائے گی ۔ لیکن یہ جو کچھ ذکر ہوا ہے بدنی ایذاء کے متعلق ہے ۔ رہا سماع کا مسئلہ تو اس کی تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ سماع موتیٰ ملاحظہ کریں بلکہ اس میں بدنی ایذاء کے متعلق بھی کافی مواد موجود ہے ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی　　(فتاوےٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۴۹۰)

سوال : شہداء کی لاش کو قبر میں مٹی یا دیمک وغیرہ کھاتی ہے یا نہیں ؟

جواب : شہید کے جسموں کے متعلق قرآن مجید و حدیث میں تشریح نہیں آئی ۔ کہ ان کو قبر میں مٹی کھاتی ہے یا نہیں ، البتہ انبیاء کے اجساد کے متعلق حدیث میں تصریح آئی ہے ۔ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ (ابن ماجہ باب ذکر وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودفنہ) یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کو کھائے ۔ ہاں بعض واقعات اس قسم کے پائے گئے ہیں کہ بزرگوں کی لاش کو مٹی نے نہیں کھایا ان میں بعض شہید ہیں اور بعض غیر شہید ۔ عبداللہ امرتسری　　(فتاویٰ اہلحدیث ص ۴۹۲ ج ۲)

سوال : جب شہید زندہ ہیں تو ان کے زندہ ہونے کی کیا نوعیت ہے ؟

جواب : شہداء کی زندگی کی نوعیت حدیث میں آئی ہے کہ پرندوں کی شکل میں ان کے ارواح جسموں میں داخل کئے جاتے ہیں ۔ عبداللہ امرتسری روپڑی جامع اہلحدیث لاہور　　(فتاوےٰ اہلحدیث ص ۴۷۴ ج ۲)

نہ کہ کیا میت کو بھی دبانے سے تکلیف ہوتی ہے ۔

سوال ، جب درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالخصوص آپ کی قبر شریف کے پاس خود سنتے ہیں اگر نہیں سنتے تو کیسے سنتے ہیں ؟

جواب : یہ حدیث صحیح نہیں۔ ملاحظہ ہو ابن کثیر زیر آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ (پ ۲۲ ع ۱۳) ضعیف حدیث مسائل اعتقادیہ میں معتبر نہیں ہوتی۔ عبداللہ امرتسری (فتاوٰی اہلحدیث ص ۳۷۴)

سوال ، قبر میں میت کو دفن کرتے وقت تھوڑی سی مٹی پر ایک شخص قل ہو اللہ احد پڑھے وہ مٹی قبر میں رکھ جائے۔ اور ایک اینٹ پر کلمہ لکھ کر اندر رکھی جائے۔ دفن کے بعد قبر پر اذان دی جائے کیا جائز ہے ؟

جواب : ایسے افعال حدیثوں سے ثابت نہیں ہیں اگر کچھ ہے تو بدعت ہے۔

تشریح ۔ واضح ہو کہ ڈھیلے مٹی پر سورۃ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول و فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں نہ صحابہ کرام ونیز قول و فعل تابعین و تبع تابعین و طبقات ہفت کا نہ فقہائے حنفیہ کے سے بھی کتب معتبرہ و معتمدہ میں ثابت ، غرض اس کی کوئی سند نہیں ، اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن پڑھنا یا چنوں پر کلمہ پڑھنا ، اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں ، چہلم چھ ماہی اور برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں۔ اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے۔ ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقریب اور تعین وقت اور دن کے جب چاہے پہنچا دے۔ درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں۔ جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (حرفہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ فتاوٰی نذیریہ ص ۴۲۱ ، فتاوٰی ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال : قبر پر میت کا نام اور وفات تاریخ سنگ مرمر کے پتھر پر کندہ کرا کر قبر پر بطور یادداشت کے گاڑنا ، از روئے قرآن و حدیث جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر ایک صحابی کی قبر پر رکھ کر فرمایا تھا۔ اس لیے رکھتا ہوں یہ قبر پہچان لیا کروں ، پتھر پر نام میت کھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں۔ مدینہ شریف کے قبرستان میں آج تک بھی امام مالکؒ کی قبر پر اسی طرح کا ایک پتھر یا لکڑی کی تختی کھڑی ہے۔

تعاقب: مفتی صاحب! اہلحدیث نے ۱۵ محرم کے پرچے میں لکھا ہے۔ کہ قبر کے سرہانے پتھر رکھ دیا جائے اور اس پر میت کا نام وغیرہ لکھ دیا جائے تو حرج نہیں۔ حالاں کہ ترمذی کی حدیث میں ہے: نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تجصص القبور وان یکتب علیھا پس مطلق قبر پر لکھنا نام ہو یا سنہ سب منع ہے۔

(عبداللطیف از دہلی)

جواب تعاقب: آپ نے قبر کے لفظ پر غور نہیں کیا، جو حدیث کا لفظ ہے۔ قبر کوہانی شکل کا نام ہے پتھر اس سے الگ منفصل چیز ہے۔ حدیث کے صریح الفاظ حجت ہیں قیاس کسی کا حجت نہیں، باوجود اس کے میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۰

توضیح الکلام: تحقیق متعاقب صحیح ہے۔ رائے مفتی صاحب کی مرجوح ہے۔ جیسا کہ اعتراف مفتی صاحب سے واضح ہے کہ میں اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے۔ نشانی کے طور پر پتھر وغیرہ قبر کے سرہانے رکھنا سنت ہے اور اس پر لکھنا خلاف سنت ہے۔ (سعیدی)

سوال: قبروں پر عرس کرنا۔ جھنڈا کھڑا کرنا۔ گلی کوچوں میں باجے بجاتے پھرنا اور اس قسم کی خرابیاں کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: یہ کام سخت گناہ کے ہیں بغیر کسی اور خرابی کے صرف عرس کرنا بھی بدعت اور سخت گناہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ نہ صحابہ کرام نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس کیا نہ تابعین نے کیا، نہ ائمہ دین نے حکم دیا یہ سب رسومات پیچھے کی بنی ہوئی ہیں۔

تشریح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ بنانا قبر کا چونا اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست ہے یا نہیں اور بلند قبر کا پست کر دینا درست ہے یا نہیں اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں، ان سے پتھر کا علیحدہ کرنا اور ان کا بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: پختہ بنانا قبر کا چونا اور اینٹ اور پتھر وغیرہ سے درست نہیں ہے۔ اور بلند قبروں کا جو ایک بالشت سے زیادہ بلند ہوں پست کرنا درست ہے۔ یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے بلندی باقی رہ جائے۔ اور جو قبریں کہ پتھر سے سنگین اور پختہ بنائی گئی ہوں، ان کو منہدم کر کے پتھر علیحدہ کر لینا درست ہے، چونکہ وہ پتھر متعلق

قبر سے نہیں ہیں اس لیے اس کا پختہ کرنا شرعاً درست ہے۔ عن جابر قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر۔ نہی کرد آنحضرت از گچ کردن گور۔ وگفتہ اند اگر گل کنند تا ویران نشود بر گراست۔ وان یبنی علیہا ونہی کرد از آنکہ بنا کردہ شود بر گور۔ بعض گفتہ اند کہ مراد بنا کردن است از سنگ وما نند آن نیز کردہ ونہی عذاست الخ رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ واشعۃ اللمعات شرح المشکوۃ وایضاً فیہما عن جابرؓ قال نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبور نہی کرد آن حضرت آنچہ گچ کردہ شود قبرہا از جہت آنچہ در دست از تکلف وتزئین۔ وورد رخصت است حسن بصری گل کردن وشافعی گفتہ مستحب است گل کردن۔ ودر خانیہ گفتہ تطیین قبور لاباس بہ کذا فی مطالب المومنین ونیز گفتہ اند کہ مکروہ است برپا کردن الواح مکتوبہ کہ بنا ندہ ہے انتہی ویکرہ الاجر الاحمر والخشب لانہما لاحکام البناء والقبر موضع البلی کذا فی الہدایۃ۔ ویکرہ الاجر والخشب کذا فی شرح الوقایۃ والکنز ای یکرہ ان یوضع علی القبر اجر وخشب لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان یشبہ القبور بالعمران والاجر والخشب للعمران ولانہما یستعملان للزینۃ ولا حاجۃ الیہما للمیت کذا فی البدائع ہکذا فی المستخلص شرح الکنز وفیہ داخل النہی التحریم کما ہو مذکور فی اصول الفقہ کذا فی مأۃ المسائل فی تفصیل المسائل فی البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع۔ انتہی وفی رد المختار یسنم مندوبا وفی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی العالمگیریۃ وغیرہا عن ابی الہیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تدع تمثالا الا طمستہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ ونگذاری گور بلند را مگر آنکہ برزمین برابر ہموار گنی یعنی پست کنی چنانکہ نزدیک بزمین باشد آن قدر کہ پیدا ونمایاں بود مقدار یک شبر چنانکہ سنت است رواہ مسلم کذا فی المشکوۃ واشعۃ اللمعات۔

واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ، سید محمد نذیر حسین (دہلوی) (فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۴)

سوال: ایک اونچا چبوترہ ہے۔ جس کے جنوبی طرف بے شمار قبریں ہیں اور مغرب کی طرف دو گز کے فاصلہ پر ایک مسجد ہے۔ اثنائے نماز وغیرہ نماز میں قبروں کے تعویز کھڑکیوں کی جالی سے صاف نظر آتے ہیں۔ زید مسجد اور صحن کو چھوڑ کر اکیلا اور بحالتِ امامت شمال قبلہ متصل مسجد کے کھلے دروازے کے بالکل سامنے نماز پڑھتا ہے الخ

جواب: قبر جو نظر میں آتی ہو اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنی ممنوع ہے۔ تاکہ شرک کا شبہ نہ ہو۔

واللہ اعلم۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۹

سوال: میت کو قبر میں رکھ کر منکر نکیر کے سوال بتا کر جواب بتانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیا مردہ سنتا ہے؟

جواب: ایک حدیث میں ہے لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مُردوں کو لا الہ الا اللہ سکھلایا کرو۔ اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اصل مُردوں کو قبروں میں سکھاؤ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اصل مراد نہیں بلکہ جو لوگ قریب المرگ ہیں ان کو سکھاؤ، پہلے قول والے قبر میں رکھ کر مردہ کو لا الہ الا اللہ وغیرہ تلقین کرتے ہیں دوسرے قول والے قریب المرگ کو کرتے ہیں پچھلا قول صحیح ہے کیوں کہ اس کا فائدہ خود حضرت نے فرمایا کہ جو شخص دُنیا کے کوچ کے آخری وقت لا الہ الا اللہ پڑھے گا وہ نجات پا جائے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۲۹)

سوال: قبرستان میں جوتا، یا کھڑاؤں پہن کر چلنا کیسا ہے اور اس میں کھلیان دھان وغیرہ طیار کرنے کے لیے بنانا اور رلا رہٹ کا نال لگانا اور اس میں درخت لگانا اور پاخانہ پیشاب وغیرہ کرنا اور قبرستان سے مٹی کھود کر گھر بنانے کے لیے لانا کیسا ہے؟

جواب: جوتہ کھڑاؤں پہن کر چلنا جائز ہے۔ یسمع قرع نعالھم حدیث میں آیا ہے۔ زمین خالی ہو تو کھلیان بنانا بھی جائز ہے۔ ورنہ قبروں میں کھلیان نہیں ہو سکتا۔ نہ جائز ہے۔ کیوں کہ قبروں کی توہین ہے۔ زمین وقف نہیں تو مٹی لینا منع نہیں۔

تشریح: قبرستان میں جوتی پہن کر چلنا درست نہیں ہے۔ منتقی میں ہے۔ عن بشیر بن الخصاصیة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی رجلا یمشی فی نعلین بین القبور فقال یا صاحب السبتیتین القھما رواہ الخمسة الا الترمذی: یعنی بشیر بن خصاصیۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ایک شخص کو کہ وہ جوتی پہنے ہوئے قبرستان میں جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے جوتی والے جوتیوں کو ڈال دے۔ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۴۰۷

توضیع الکلام: یسمع قرع نعالھم جوتہ پہن کر قبرستان جانے کے لیے نص صریح ہے اور مثبت ہے لہذا القھما کسی خاص وجہ کی بنا پر جوتہ ڈالنے کا حکم دیا ہوگا۔ مثلاً جوتہ صاف نہ ہوگا۔ ورنہ مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے جائز ہے۔ سعیدی

سوال : اگر کسی قبر میں مُردہ کی ہڈی پائی جائے تو کیا کرے ؟

جواب : ایسی جگہ دفن کرنا منع نہیں۔ ہڈی نکال کر مردہ دفن کردیں۔

شرفیہ : مسلم مُردہ کی ہڈی کا احترام لازم ہے۔ حدیث نبوی ہے کسر عظام المیت ککسرہ حیا رواہ ابوداؤد باسناد علی شرط مسلم وزاد ابن ماجۃ من حدیث ام سلمۃ فی الاثم بلوغ المرام لہذا مسلم کی ہڈیوں کو یونہی رہنے دیا جائے اور دوسری قبر بنا کر مردہ کو دفن کریں۔ ابوسعید شرف الدین دہلوی

توضیح الکلام : تمام ہڈیوں کو احتیاط سے جمع کیا جائے اور قبر کو تیار اور صاف کر کے میت کو اسیں دفن کیا جائے اور ہڈیوں کو ایک طرف رکھا جائے تو اسیں کوئی حرج کی بات نہیں۔ جیسا کہ آج کل عرب میں ہو رہا ہے کہ کچھ مدت کے بعد ہڈیوں کو ایک طرف کیا جاتا ہے۔ (سعیدی)

سوال : قبر پر ہاتھ اُٹھا کر مُردے کے لیے دُعا مانگنی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور اگر نا جائز ہے تو کس دلیل سے۔ زید کہتا ہے کہ جب قبرستان جا کر اسلام علیکم یا اہل القبور کہنا جائز ہے تو قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا، بکر کہتا ہے کہ ہرگز جائز نہیں، دونوں میں سے کس کا قول درست ہے !

جواب : دفن کے وقت قبر پر کھڑے ہو کر دُعا کرنا ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر جب بلکہ دُعا کرتے تو ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ اس لیے اسلام علیکم پر قیاس کرنے کی حاجت نہیں صاف فعل نبوی سے ثابت ہے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اول ص۲۲ھ)

توضیح الکلام : قبرستان میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا عین سنت کے مطابق ہے اور صریح نص سے ثابت ہے۔ جیسا کہ امام بخاری کی جزء رفع الیدین اور نسائی شریف میں حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع (مدینہ منورہ کا قبرستان) میں تشریف لیگئے اور مُردوں کے لیے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی جس کو حضرت عائشہ رضہ نے دیکھا اور بیان کیا۔ (سعیدی)

سوال : مُردے کو تابوت میں بند کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : ترمذی میں حدیث کہ حضرت عائشہ رضہ کا بھائی عبدالرحمٰن موضع حبشی میں فوت ہوا۔ وہاں سے

مکہ معظمہ میں لایا گیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ضرورت یا مصلحت سے میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانا

جانا جائز ہے۔ اللہ اعلم

شرفیہ: مگر اس حدیث کے آخر میں قالت لو حضرتك ما دفنت الاحيث مت ولو شهدتك ما زرتك رواه

الترمذی مشکوٰۃ جلد ۱ صہ ۱۴۹ لہٰذا یہ دلیل نہ رہی۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صہ ۵۲۵)

سوال: کوئی وصیت کر جائے کہ میری لاش کو لکڑی کے تابوت میں بند کر کے قبر میں رکھنا، یہ وصیت کیسی ہے؟

جواب: یہ وصیت خلاف سنت ہے لہٰذا واجب العمل ہے۔ میت کو زمین، دفن کرنا اسلامی طریقہ ہے، خود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی کے نیچے دفن کیا گیا تھا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صہ ۵۲۵)

سوال: زیارتِ قبور کی ترکیب کیا ہے؟

جواب: عوام مومنین کی قبر کی زیارت کے لیے جاوے تو پہلے قبلہ کی طرف پشت کر کے اور میت کے سینہ کے

سامنے منہ کرے اور سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۃ قل ہو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ میں جاوے تو یہ کہے،

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ

لَلَاحِقُوْنَ۔ یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہلِ دیار مومنین اور مسلمین سے بخشش فرماوے اللہ تعالیٰ ہمارے

حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۲۲۵)

سوال: کیا قبرستان میں جوتا اتار کر نا سنت ہے اور نہ اتارنے والا گناہ گار ہوتا ہے؟

جواب: کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، ہاں کسی قبر پر چڑھنا ممنوع ہے۔ اگر قبرستان میں راستہ بنا ہو

تو جوتے سمیت گزرنا جائز ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۲۹)

سوال: قدوۃ السالکین حضرت مولانا عبد الواحد صاحب غزنوی! قبرستان میں دعائے مغفرت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ الحمد للہ

رب العلمین ص۱، ۲ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی (بخاری) قبرستان میں دعائے مغفرت کریں یا قرآن کریم پڑھیں تمہاری نیت کے مطابق مُردوں کو تقسیم ہوں گی۔[1] البتہ مشرکوں اور منافقوں کو نہیں گے۔ مشرکوں کے بارہ میں تو قرآنی حکم ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ الآیۃ اور منافقوں کے بارہ میں فرمایا وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ الآیۃ اور فرمایا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ الآیۃ جب اللہ عزوجل کے رسول کی دعائے مغفرت ان کو نہیں پہنچ سکتی ہے تو ہماری دعا اور تلاوت کیوں کر پہنچیں گے لہٰذا ان کے لیے نیت نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ وہ تو اللہ عزوجل کو برے لگتے ہیں پھر ایماندار (جو اللہ ہی کے ساتھ اسکو تعلق ومحبت قلبی ہے) ان کے واسطے کیوں کر دعا کرے گا۔ (الاعتصام جلد ۱۲ ش ۴)

زیارتِ قبور پر تعاقب

مولانا حاجی یونس خاں صاحب فرماتے ہیں، عورتوں کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارتِ قبور سے منع کیا ہے اور اباحت کی حدیث میں صیغہ مذکر کا ہے۔ جناب عبدالسبحان صاحب مظفرپوری لکھتے ہیں کہ حدیث میں زیارتِ قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت آئی ہے اور مزاروں پر جو لوگ ناجائز حرکات کرتے ہیں ان کے لیے کیا فتوے ہے۔

الجواب: اس مسئلہ کی تحقیق نیل الاوطار میں کافی طویل ہے۔ فتاوٰے نذیریہ میں اس کا خلاصہ یوں ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک عورتوں کے لیے زیارتِ قبور جائز ہے۔ مگر بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے۔ جو اہلِ علم عورتوں کے لیے زیارتِ قبور جائز بتاتے ہیں۔ ان کی دلیلیں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ملاحظہ ہو فتاوٰے نذیریہ جلد اوّل ص ۴۰۵

ناجائز کام کرنے والے مسجدوں میں ہوں یا مقبروں میں وہ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ کے تحت ہیں اس کی بابت پوچھنا ہی کیا۔ اللہ اعلم فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل ص ۵۴۶

[1] دُعا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ قرآن کریم پڑھنے کا مسئلہ ضعیف احادیث پر مبنی ہے۔ اور تقسیم محض قیاسات پر۔ کتاب الروح لابن قیمؒ سے تفصیل مل سکتی ہے۔ (سعیدی)

سوال : قبر کی زیارت کو کس طرح جانا چاہیے اور پھول چادر وغیرہ باجہ بجا کر لیجانا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب : قبر کی زیارت کو اس طرح جانا چاہیے کہ نیت یہ ہو کر وہاں جاکر موت یاد کر کے عبرت حاصل کریں۔ چادریں چڑھانا ، باجہ بجانا یہ سب خرافات ہیں ۔ اصل غرض کے بالکل مخالف ، عورتوں کا قبروں میں جانا حدیث شریف میں منع آیا ہے ۔ اللہ اعلم (فتاوےٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۵)

سوال : قبر پر سبز شاخ یا سبز ٹہنی نصب کرنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو اس سے مردہ کو کیا فائدہ پہنچتا ہے ؟

جواب : حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صحاح ستہ میں اور ابوامامہؓ و ابوبکرہؓ وانسؓ سے طبرانی اور مسند احمد میں اور ابن عمرؓ و یعلیٰ بن سیابہؓ سے مسند احمد و صحیح ابن حبان میں اور عائشہؓ سے طبرانی میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر کھجور کی دو تر ٹہنیاں رکھتے ہوئے فرمایا لعلہ ان یخفف عنہما مالم ییبسا وما دامتا رطبتین۔ یعنی جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ، عذاب میں تخفیف رہے گی ۔ ان احادیث سے قبر پر صرف کھجور تازہ سبز ٹہنی رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے ۔ لیکن بظاہر یہ آپ کی ساتھ مخصوص ہے کیوں کہ عذاب میں تخفیف آپ کی دعا اور سفارش سے ہوئی تھی اور اس تخفیف کی مدت کی تعیین ٹہنیوں کی تری باقی رہنے کی مدت سے کی گئی تھی ۔ چنانچہ اواخر مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مطول حدیث میں ہے ۔ انی مررت بقبرین یعذ بان فاحببت بشفاعتی ان یرفعہ عنہما مادام الغصنان رطبین ، حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اگرچہ دوسرا واقعہ مذکور ہے ، جو سفر میں پیش آیا تھا لیکن ان کے علاوہ دوسرے صحابیوں کی حدیثوں کے متعلق واقعہ کو بھی حضرت جابرؓ کی حدیث کی روشنی میں شفاعت و دعا ہے پر ہی محمول کرنا قرین قیاس اور راجح ہے ۔ اسی لیے امام خطابی فرماتے ہیں : ھو محمول علی انہ دعا لہما بالتخفیف مدۃ بقاء النداوۃ لا ان فی الجرید لا معنیٰ یخصہ ولا ان فی الرطب معنی لیس فی الیابس پس تخفیف کا اصل سبب آپ کی دعا اور سفارش تھی ، کھجور کی شاخ یا اس کی تری تخفیف عذاب کا سبب نہیں تھی ۔ اس لیے اب قبر پر کھجور یا کسی اور درخت کی تازہ شاخ رکھنی یا نصب کرنی فضول اور بیکار ہے ۔

سوال : حاجیوں پر زیارت قبر شریف نبوی کا حرام یا مکروہ ہونا ۔

جواب : حاجیوں پر زیارت قبر شریف کو کوئی مسلمان حرام و نا جائز نہیں کہتا نہ کسی نے ایسا لکھا ہے ۔

البتہ اہلحدیث و بیشتر فقہا متقدمین یہ کہتے ہیں کہ حاجیوں پر صرف ادائے حج کعبہ فرض و واجب ہے، زیارت قبر نبوی واجب نہیں بلکہ مستحب یا مسنون ہے۔ اگر کوئی شخص حج صرف پر اکتفا کرے اور زیارت کے لیے نہ جاوے تو اس کے حج میں کچھ نقصان نہیں اور نہ وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اور زیارت کے بارے میں جو روایتیں مشہور ہیں اور ان میں بعض موضوع اور جعلی اور بعض ضعیف اور متروک ہیں۔ اس کی تفصیل بہت سی کتابوں میں ہو چکی ہے۔

فتاوے ارغام المبتدعین ص۲۱

مذاکرہ علمیہ

از مولانا محمد عبدالجلیل صاحب سامرودی

قبر پر مٹی ڈالتے وقت دعاء: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔

میں اس تحریر میں اپنی تحقیق معاصرین اہل علم بالحدیث کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے معاصرین سے عرض کروں گا۔ کہ آپ حضرات بنظر تحقیق و بنظر غائر ملاحظہ فرما کر تقلیدی طریقہ سے یک سوئی فرماتے ہوئے ما ہو الحق کو واضح فرمائیں۔ میری تحقیق فی الواقع غیر محقق ہے تو لزوماً مطلع فرماویں۔ تاکہ مجھے اثابت الی الحق کی باری تعالےٰ توفیق بخشے اور میں صل زدس الخلائق اظہار کروں کہ میں اپنی تحقیق سے دست بردار ہوں۔ خدا اللہ تعالےٰ اظہار حق کا اجر عظیم بخشے اور ہم تہہ دل سے ان کا شکریہ بھی ادا کریں گے۔

حضرات یہ جو ہمارے اہل علم وغیرہ میں رائج ہے کہ میت کو مٹی دیتے وقت پہلے لپ پر مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ اور دوسری لپ پر وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ اور تیسری لپ پر وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ پڑھا جاتا ہے۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور اسلاف سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ اس کو امام نووی نے اپنی تالیف اذکار میں بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے وہ لکھتے ہیں۔ السنۃ عن کان علی القبران یحثی فی القبر ثلاث حثیات بیدیہ جمیعا من قبل رأسہ (میت کے سرانے کی طرف سے قبر پر تین لپ مٹی ڈالنا مستحب ہے) یہاں تک تو صحیح ہے۔ اس کے آگے امام نووی فرماتے ہیں: وقال جماعۃ من اصحابنا یستحب ان یقول فی الحثیۃ الاولی مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وفی الثانیۃ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وفی الثالثۃ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔ (باب ما یقولہ عند الدفن) یعنی ایک جماعت نے تینوں لپوں پر مذکورہ آیت کے تینوں ٹکڑوں کو علی الترتیب

پڑھنا مستحب بتایا ہے۔ امام نوویؒ کے بعد جو بھی تشریف لائے بس مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے اور اس کو شافعیہ کی طرف منسوب کرتے رہے ہیں۔ کسی نے اس سلسلہ میں حدیث کا حوالہ نہ دیا۔ ہمارے مفسر و محقق حافظ ابن کثیر تشریف لائے اور آپ نے اپنی تفسیر میں لکھ دیا کہ وفی الحدیث الذی فی السنن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر جنازۃ فلما دفن المیت اخذ قبضۃ من التراب فالقاھا فی القبر وقال منھا خلقنکم ثم اخذ اخری وقال وفیھا نعید کم اخری وقال ومنھا نخرجکم تارۃ اخری یعنی کتب سنن میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ میں شرکت فرمائی جب میت کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ایک لپ مٹی لی اور قبر میں ڈالی اور پڑھا "منھا خلقنکم" پھر دوسری اور تیسری لپ پر علی الترتیب "وفیھا نعیدکم" اور "منھا نخرجکم تارۃ اُخریٰ" پڑھا مفسر ابن کثیرؒ نے سنن کی طرف اس حدیث کو منسوب کیا ہے۔ سنن کی مشہور کتابیں یہ چار ہیں، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ اور مزید براں سنن دارمی وسنن بیہقی ہیں۔ مگر یقیناً یہ حدیث ان کتابوں میں قطعاً نہیں ہے میں علی وجہ البصیرت سے کہتا ہوں کہ یہ حدیث کسی ایک سنن میں نہیں ہے اور وہ بھی مٹی ڈالتے وقت۔ البتہ مسند احمد وحاکم اور سنن امام بیہقی میں بروایت ابو امامہؓ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی ام کلثومؓ کو قبر میں اتارتے وقت مذکورہ آیت پڑھی (مٹی دیتے وقت پڑھنا ثابت نہیں) امام جزریؒ حصن حصین اور مختصر حصین میں اسی طرح لکھا ہے۔ واذا وضعہ فی القبر قال منھا خلقنکم اور بِاسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو قبر میں رکھا تو یہ پڑھا "مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ" اور "بِاسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ"

امام جزریؒ نے یہ روایت حاکم کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اور یہی روایت مسند احمد اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی ہے۔ امام شوکانیؒ شرح عدہ میں فرماتے ہیں، ضعف ابن حجر اسناد ھذا الحدیث (حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے) ملاحظہ ہو حافظ کی تلخیص ص۱۹۲ نیز نیل الاوطار جلد ۳ ص۳۲۱ میں حاکم اور بیہقی سے مع تضعیف مذکور ہے۔ یہ حدیث مسند احمد جلد ۵ ص۲۵۴ میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ مجمع الزوائد جلد ۳ ص۴۳ باب "ما یقول عند ادخال المیت القبر" میں یہ حدیث مذکور ہے۔ اور لکھا ہے کہ رواہ احمد واسنادہ ضعیف۔ مستدرک حاکم جلد ۲ ص۳۷۹ میں تفسیر سورۃ طٰہٰ میں اور امام بیہقیؒ نے اپنی سنن کے ص۳۰۵ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کے استاد علامہ ہیثمیؒ نے بھی اس حدیث

کے علاوہ اور کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ اور نہ ہی کسی تخریج احادیث مستند محدث نے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ زوائد مسند احمد کے بیان کرنے کا متعدد محدثین نے التزام کیا ہے۔ مگر کسی نے اس حدیث کے سوا کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ کنز العمال دیکھئے اس میں بھی صرف ام کلثومؓ والی روایت ہے۔ اور لپ لپ کے ڈالتے وقت مذکورہ آیت پڑھنے کی روایت بالسند کسی محدث نے بیان نہیں کی۔ امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں مسند احمد اور حاکم سے یہی ام کلثومؓ والی روایت بیان کی ہے۔ ساتھ ہی محولا بالا ابن کثیرؒ کا مضمون تقلیداً نقل کر دیا ہے۔ نہ کہ تحقیقاً۔ ہمارے والاجاہ صدیق الحسن بھوپالی نے بھی اپنی تفسیر فتح البیان میں امام شوکانیؒ کی تقلید کی اور انہی کی تفسیر کی عبارت نقل کر دی، صرف مکھی پر مکھی ماری۔ کسی تحقیق کے طریقہ سے نہیں لکھا۔

اب ان سے قدرے نیچے آیئے، مولانا وحید الزمانؒ مترجم صحاح ستہ ابن ماجہ کے ترجمہ میں نواب قطب الدین دہلویؒ کی مظاہر الحق کی تقلید میں وہی مضمون لکھتے ہیں۔ مطبوعہ نظامی ۱۳۱۲ھ زیر حدیث جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلاً روایت کی، احمدؒ نے ساتھ اسناد ضعیف کے کہ حضرت کہتے تھے ساتھ پہلی لپ کے "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" اور ساتھ دوسری لپ کے "وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" اور ساتھ تیسری لپ کے "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" انتہی یہ عبارت مظاہر الحق کی ہے۔ اسی عبارت کو مترجم ابن ماجہ مولانا وحید الزماں نے بھی نقل کر دیا۔ وہی مکھی پر مکھی ماری گئی ہے۔ مجھے اپنے مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ پر تعجب ہے کہ ایک مشہور محقق ہوتے ہوئے اپنی کتاب الجنائز کے ص۴۳ پر علمائے حنفیہ اور شافعیہ سے مستحب ہونے کو لکھ اس کی تائید میں لکھتے ہیں۔ مسند احمد بن حنبل میں اس بارے میں ایک حدیث ضعیف آتی ہے آپ اس کے حاشیہ میں بایں اسلوب تحریر فرماتے ہیں۔ قال القاری فی المرقاۃ ج۲ ص۲۳ وروی احمد باسناد ضعیف انہ یقول مع الاولی "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ" ومع الثانیۃ "وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" ومع الثالثۃ "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولانا وحید الزمان کو نواب قطب الدین سے دھوکہ ہوا اور نواب قطب الدین کو ملا علی قاری کی مرقات سے دھوکہ ہوا اور ملا علی قاری کو ابن کثیر وغیرہ سے دھوکا ہوا۔ یہ ہے اس کی اصل حقیقت۔ کیا کوئی محب حدیث اصل تحقیق اس گتھی کو سلجھا سکتے ہیں۔ اور تحقیق قلم سے طمانیت قلبی کا سامان فراہم کر سکتے ہیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ خداوند کریم تقلید کا منہ کالا کرے۔ اس مرض نے اچھوں اچھوں کو نہیں چھوڑا۔ پھر میں علمائے ذوالبصیرت یہ کہتے نہیں رہ سکتا کہ قبر پر مٹی ڈالتے وقت پہلی، دوسری، تیسری لپ پر مذکورہ بالا آیت کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ محض ایجاد و توہم ہے۔ اور بس اس سے احتراز لازمی ہے

(اخبار اہلحدیث دہلی ج۷ ش ۱۱)

۲۹۱

ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا فرماتے ہیں سبب کشف قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان السماء لما رأت قبرہ بکت وسال الوادی من بکائھا قال تعالٰی فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ حکایۃ عن حال الکفار فیکون امرھا علی خلاف ذلک بالنسبۃ الی الابرار۔ یہ حدیث دارمی کی ہے۔ امام دارمی نے اس پہ باین الفاظ باب منعقد کیا ہے۔ باب ما اکرم اللہ تعالٰی نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم بعد موتہ یعنی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ ایک آپ کا معجزہ وکرامت اللہ تعالٰی نے ظاہر کی گویا یہ آپ کا یہ ایک خاصہ ہوا کسی دوسرے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ کتاب مصباح الظلام کے صفحہ ۱۲ میں ہے۔ فلیس فیہ حجۃ للمبطل۔ یعنی اس حدیث میں اہل بدعت کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی واسطے صحابہ کرامؓ میں صلحاء بھی تھے اور شہدا بھی تھے۔ تمام صحابہ اولیاء اللہ تھے مگر کسی صحابی نے کسی قبر کے ساتھ ایسا نہیں کیا۔ ازمنہ خیر القرون میں جب بارش بند ہو جاتی تھی تو نماز استسقاء ادا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحاح وسنن ومسانید میں ثابت ہے کہ آنحضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلی فی الاستسقاء رکعتین والصحابۃ فی زمن عمرؓ وغیرہ صلوا واستشفعوا بالعباس وغیرہ ولم یکشفوا عن قبرہ ولو کان مشروعا لما عدلوا عنہ الخ کذا فی تلخیص کتاب الاستغاثۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ رح ص۲۹۲ یعنی امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ حدیث ہذا کے متعلق فرماتے ہیں کہ جدب دیار وقحط امطار کے وقت نبی علیہ السلام سے نماز استسقاء ثابت ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی خلافت فاروقی میں نماز پڑھی۔ حضرت عباسؓ سے دعا کرائی۔ نبی علیہ السلام کی قبر نہیں کھولی۔ نہ آپ کا وسیلہ لیا۔ اگر ایسا کرنا مشروع ہوتا تو کبھی اس سے عدول نہ کرتے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ بلاغ المبین صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں جا ثابت شد کہ توسل بگذشتگان وغائبان جائز نہ داشتند وگر نہ عباسؓ از سرور عالم بہتر نبود چرا نگفت توسل می کردیم بہ پیغمبر تو والحال توسل می کنیم بروح پیغمبر تو صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ اور غائبوں کا وسیلہ پکڑنا صحابہ جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ حضرت عباس نبی علیہ السلام سے بہتر نہ

تھے۔ اگر جائز تھا تو کیوں نہ کہا یا اللہ اب ہم تیرے نبی کی روح کے ساتھ وسیلہ پکڑتے ہیں۔
امام ابن قیمؒ نے اغاثۃ اللہفان میں تنصیص کی ہے اس امر پر کہ شرک کی جڑ یہی مردوں
کو پکارنا اور ان سے فریاد کرنا ہے۔ اِنَّ اَصْلَ الشِّرْكِ سُؤَالُهُمْ دُعَاءُ الْمَوْتَىٰ وَالْاِ
سْتِسْقَاءُ بِهِمْ۔ پھر امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حدیث ھذا۔
محمد بن حسن بن زبالہ نے بھی اپنی تصنیف اخبار مدینہ میں ذکر کیا ہے لیکن ابن زبالہ غیر معتبر
شخص ہے۔ ایسوں کی بات قابل احتجاج نہیں وھذا العلم العام المتفق علیہ ولا یعارضه
بما یرویه ابن زبالة وامثاله ممن لا یجوز الاحتجاج به ولو قال عالم یستحب عند
الاستسقاء وغیرہ ان یکشف عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم او غیرہ من الانبیاء
والصالحین لکان مبتدعا بدعة مخالفة للسنة المشروعة عن رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وعن خلفائه۔ یعنی اگر کوئی عالم استسقاء وغیرہ مصیبت کے
وقت نبی علیہ السلام یا دیگر انبیاء وصالحین کی قبر کا کھولنا اور ان سے امداد چاہنا مشروع و مستحب
کہے تو وہ بدعتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء کا مخالف ہے۔
امام ابن تیمیہؒ نے کتاب الاستغاثہ فی الرد علی البکری صفحہ ۱۱ میں ابوالجوزاء کی روایت کے
دو جواب لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ ابن زبالہ ضعیف وغیر قابل احتجاج ہے
صحابہ کرام سے بالاتفاق یہی ثابت ہے کہ وہ استسقاء کے وقت مسجد میں یا جنگل میں جاکر
اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ اور یہی استسقاء مشروع ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس
فعل یعنی کشف قبر میں ہرگز یہ دلیل نہیں کہ اہل قبور سے مدد مانگنا یا سوال کرنا جائز ہو۔
اس میں تو صرف یہ ہے کہ قبر کھول دی تاکہ اللہ کی رحمت (بارش) نازل ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت
انبیاء وصالحین پر نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس میں نہ تو کوئی اہل قبور سے سوال ہے نہ کسی چیز کی
طلب ہے نہ فریاد ہے۔ کیونکہ میت وغائب کو فریاد رس سمجھنا خواہ نبی ہو یا ولی ہرگز جائز نہیں
اگر یہ جائز ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ ایسے کرتے حالانکہ سلف میں سے کسی نے بھی
ایسا نہیں کیا۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول سے استمداد واستغاثہ

بالا تعویذات پر دلیل پکڑنا بالکل باطل ہے شیطان نے اس سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ دیا۔ اسی واسطے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی میں سداً للذریعۃ کشف قبر کی بھی ممانعت کر دی تھی چنانچہ اہل قسطنطنیہ نے ابوایوب انصاری رضی کی قبر کے ساتھ استسقاء کرتے اور اہل تستر دانیال نبی کی قبر و جسم کے ساتھ قحط سالی کے وقت ایسا ہی کرتے تھے۔ ابوموسیٰ نے حضرت عمر رضی کو تحریراً اس واقعہ کی اطلاع دی۔ حضرت عمر رضی نے اپنے عامل ابوموسیٰ کو لکھا کہ دن میں تیرہ ۱۳ قبریں جدا جدا کھلود۔ اور رات کو ایک قبر میں دانیال کو دفن کر کے ساری قبریں بھر دو حتیٰ کہ لوگوں پر ان کی قبر مخفی ہو جائے۔ پتہ نہ چلے کہ کون سی قبر میں مدفون ہیں۔ تاکہ وہ آئندہ اس حرکت سے باز آئیں۔ وقد روی ان اھل تسترة کانوا یفعلون ذلك بقبر دانیال وان اباموسیٰ کتب الی عمر رضی فی ذلك فکتب الیہ عمر اذا کان النہار فاحفر ثلاثۃ عشر قبراً ثم اجعلہ فی احدھا لیخفی علی الناس (ملاحظہ ہو کتاب المغازی لابن اسحاق وبیہقی وشعب الایمان وکتاب الاستغاثۃ لابن تیمیہ) صیانۃ الانسان ص۲۵۳ میں ہے حفرنا بالنہار ثلاثۃ عشر قبرا متفرقۃ فلما کان باللیل دفناہ وسوینا القبور کلھا لنعمیۃ علی الناس الخ۔ یعنی ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہا کے حکم کیمطابق ایسا ہی کیا۔ علامہ محمد بشیر صاحب سہسوانی نے کتاب مذکور میں دارمی کی اس حدیث کو جس میں ابراز قبر کا ذکر ہے۔ ضعیف و منقطع کیا ہے اس کی سند کے رواۃ پر جرح و قدح کی ہے۔ اس کے سات جواب لکھ کر غیر قابل احتجاج قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کتاب الرد علی البکری ص۶۸ میں فرماتے ہیں وَمَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا من فتح الکوۃ من قبرہ الی السماء لینزل المطر فلیس بصحیح ولا یَثْبُتُ اِسْنَادُہٗ۔ یعنی یہ حدیث صحیح نہیں نہ اس کی اسناد ثابت ہے۔ صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں۔ وَاَمَّا وجود الکوۃ فی حیاۃ عائشۃ فکذب بین ولو صح ذلك لکان حجۃ ودلیلاً علی ان القوم لم یکونوا یقسمون علی اللہ بمخلوق ولا یتوسلون فی دعائھم بمیت ولا یسئلون اللہ بہ وانما فتحوا علی القبر لتنزل الرحمۃ علیہ ولم یکن ھناك دعاء یقسمون بہ علیہ فاین ھذا من ھذا۔

یعنی اول تو حضرت عائشہ رضی کی زندگی میں روشندان کا چھت میں وجود ہی مفقود و کذب ہے مگر مان بھی لیا جائے تو اس میں ہماری دلیل ثابت ہوتی ہے نہ کہ اہل بدعت کی۔ کہ دیکھو صحابہ کرام رضی اپنی دعاؤں میں آپ کا وسیلہ نہیں پکڑتے تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ سے آپ کا واسطہ دے کر سوال کرتے تھے۔ صرف انہوں نے قبر کے اوپر سے جگہ کھول دی تھی۔ تاکہ رحمت نازل ہو۔ پس کجا یہ فعل اور کجا اہل بدعت کا اہل قبور سے استغاثہ و استمداد۔ اسی واسطے حضرت عمر رضی وغیرہ صحابہ کرام رضی نے کشف قبر کو بھی جائز نہیں رکھا۔ بلکہ ہر ممکن طریق سے اس کا انسداد کیا تاکہ لوگ اس سے غلط استدلال کر کے شرک کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں۔ جیسا کہ قصہ قبر دانیال اوپر مذکور ہوا۔ کتاب تبعید الشیطان بتقریب اغاثۃ اللھفان میں لکھا ہے فانظر ما فی ھذہ القصۃ من صنع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعمیۃ قبر ھذا الرجل لئلا یفتتن بہ الناس مصباح الظلام فی الرد علی من کذب علی الشیخ الامام مصنفہ شیخ عبد اللطیف مدا میں مرقوم ہے ولیس فی انزال المطر اذ کشفت اجساد الانبیاء او قبورھم

مَا یستدل بہ علی جواز التوسل الشرکی بھم۔

یعنی انبیاء کی جسم یا قبر کے کشف سے بارش ہونے پر وسیلہ شرکیہ کے جواز پر استدلال کرنا قطعاً غلط ہے۔

اسی کتاب میں ہے وقد خاب عمر من ان یشرک بہ ویُجعل ندًّا للہ۔ یعنی حضرت عمر رضی نے دانیال نبی علیہ السلام کے جسم کو جو شہر تستر میں ہرمزان کے بیت المال میں ایک چارپائی پر رکھا ہوا تھا دفن کرا دیا کہ کہیں مشرک لوگ اسے اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر اللہ کا ند و شریک نہ بنا لیں۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہ رح نے تفسیر سورہ اخلاص میں لکھا ہے۔ نیز اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۱۶۲ میں امام ابن تیمیہ رح رقم طراز ہیں کہ اہل قبور سے مدد چاہنا یا جلب منفعت و دفع مضرت کی غرض سے پکارنا یا ان کی قبروں کے پاس آکر دعا مانگنا بایں خیال کہ یہاں آکر دعا ان کی برکت سے جلد قبول ہوگی یا ان سے استغاثہ و استمداد کرنا حرام و شرک ہے۔

ص ۲۹۲ پر

مسئلہ۔ واضح ہو کہ ڈھیلے مٹی پر سورہ اخلاص وغیرہ پڑھ کر قبر میں رکھنا قول وفعل آنحضرت صلعم وصحابہ کرام سے ثابت نہیں ونیز قول وفعل تابعین وتبع تابعین وطبقات ہفتگانہ فقہاء حنفیہ وغیرہ سے بھی کتب معتبرہ ومعتمدہ میں ثابت نہیں غرض اس کی کچھ سند نہیں ہے۔ اور جو کسی نے بلاسند کسی کتاب غیر معتبر میں لکھا ہو اس کا ہرگز اعتبار نہیں کیونکہ کتب اصول فقہ اور حدیث میں مقرر ہو چکا ہے کہ حدیث بلاسند حجت نہیں اور اسی طرح ہے جواب نامہ کی کچھ اصل نہیں پائی جاتی شرع شریف میں وقد افتی ابن الصلاح بانہ لا یجوز ان یکتب[1] علی الکفن یٰسٓ والکہف ونحوہما خوفا من صدید المیت کذا فی رد المختار حاشیۃ الدر المختار اور اسی طرح جمع ہو کر تیسرے دن قرآن مجید پڑھنا جیسا کہ معمول ہو رہا ہے۔ یا چنوں پہ کلمہ پڑھنا یہ بھی قرون ثلثہ اور ائمہ اربعہ اور محدثین اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول نہیں۔ اور اسی طرح سیوم اور دسواں بیسواں چہلم وچھ ماہی برسی وغیرہ رسمیں بھی کہیں سے ثابت نہیں بلکہ یہ رسمیں ہنود اور کفار کی ہیں اجتناب اور حذر ان امور مذکورہ سے واجب ہے اور ان رسموں میں صریح تشبہ ساتھ کفار کے پایا جاتا ہے۔ اور فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے من[2] تشبہ بقوم فہو منہم کذا فی المشکوٰۃ وبلوغ المرام ان امور کو فتاوٰے جامع الروایات اور شرح مہذب نووی اور فتاوٰی قرطبی اور نصاب الاحتساب اور رسالہ علامہ حسام الدین عبدالوہاب متقی وغیرہ میں بدعت شنیعہ اور کراہت شدیدہ لکھا ہے اور اسی طرح سے مستملی وصغیری شرح منیۃ المصلی وفتاوٰے بزازی وغیرہ میں بھی صراحۃً بدعت اور کراہت ان امور مذکورہ کو لکھا ہے اور طعام پر فاتحہ وغیرہ پڑھنا بھی تشبہ ساتھ ہنود کے ہے کیونکہ مسلمان جاہل فاتحہ کہتے ہیں۔ اور ہنود کے برہمن اشلوک کہتے ہیں یہ واہیات رسمیں کفار سے مسلمان جاہلوں نے اخذ کی ہیں یہ امور مذکورہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

[1] جائز نہیں ہے کہ کفن پر سورہ یٰسین یا کہف یا اور کوئی سورہ لکھی جائے کیونکہ میت کی پیپ سے اس کے آلودہ ہونے کا خوف ہے۔

[2] جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔

اور صحابہ و تابعین و مجتہدین اور محدثین متقدمین اور متاخرین سے ہرگز ثابت نہیں اور نہ ان امور مذکورہ کا تعامل اور رواج قرون ثلثہ وغیرہ میں پایا گیا۔

وفی تلخیص السنن قال مؤلفہ ان هذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصا لیس فیه فرضیة ولا فیه وجوب ولا فیه سنة ولا فیه استحباب ولا فیه منفعة ولا فیه مصلحة فی الدین بل فیه طعن ومذمة وملامة علی السلف حیث لم یتنبهوا له بل علی النبی صلی اللہ علیه وسلم حیث ترك حقوق المیت بل علی اللہ سبحانه وتعالی حیث لم یکمل الشریعة وقد قال اللہ تعالی فی تکمیل الشریعة المحمدیة صلعم اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا الآية كذا فی الرسالة للعلامة حسام الدین الشهیر بالمتقی وذکر البزازی انه یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقبرة واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم او القراءة سورة

لہ یہ تیسرے دن کا اجتماع جو خصوصاً منعقد ہوتا ہے یہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت ہے بلکہ اس میں ایک طرح کا سلف صالحین پر الزام ہے کہ ان کو یہ مفید باتیں معلوم نہ ہو سکیں۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کہ انہوں نے میت کے حقوق چھوڑ دیئے۔ بلکہ یہ الزام تو اللہ تعالیٰ پر بھی آئے گا کہ اس نے شریعت کو مکمل نہ کیا۔ اور ویسے ہی کہہ دیا کہ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمتیں تم کو پوری طرح دے دیں، اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ علامہ حسام الدین المعروف متقی کے رسالہ میں بھی ایسا ہی ہے، اور بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے اور ساتویں روز کھانا تیار کرنا اور اس کو قبر پر لے جانا اور قرآن پڑھنے کے لئے دعوت پکانا اور نیک لوگوں اور قاریوں کو ختم قرآن یا سورہ انعام یا اخلاص پڑھنے کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن پڑھنے کے وقت قاریوں کے لیے کھانا تیار کرنا مکروہ ہے اور اگر فقیروں کے لئے کھانا پکایا جائے تو اچھا ہے۔ امام نووی نے شرح منہاج میں کہا تیسرے۔ چھٹے۔ دسویں، اور بیسویں دن کھانا تیار کرنا ایک بدترین قسم کی بدعت ہے۔

الانعام والاخلاص قال والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لاجل الاكل يكره وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا انتهى ما فى الصغيرى والكبيرى والعينى شرح الهداية وردالمحتار وغيره من كتب الفقه وقال النووى فى شرح المنهاج اتخاذ الطعام فى اليوم الثالث والسادس والعاشر والعشرين وغيرهما بدعة مستقبحة هكذا فى جامع الروايات وغيرها من كتب الفقه اور ایصال ثواب مالی یا بدنی بلا تقرر و تعیین وقت اور دن میں جب چاہے پہنچا دے درست اور طریقہ مسلوکہ فی الدین ہے۔ اور امور مذکورہ بالا محدث فی الدین ہیں جیسا کہ علمائے ربانی محققین پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ سید محمد نذیر حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

سوال (۱) اذان قبر پر بعد دفن میت کے درست ہے یا نہیں (۲) جواب نامہ کفن پر لکھنا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا اس کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب (۱) اذان قبر پر دینا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین اور مجتہدین رحمہم اللہ سے ثابت نہیں فرمایا رسول خدا نے جو دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

من احدث فى امرنا هذا ما ليس منه فهو رد كما رواه البخارى وغيره كذا فى المشكوٰة اور فقہاء لکھتے ہیں کہ قبر کے نزدیک جو امر معہود سنت سے نہ ہو وہ مکروہ ہے يكره[1] عند القبر ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس الا زيارته والدعاء عنده قائما كذا فى فتح القدير والبحر والنهر والعالمگيرية۔ اور اصرار کرنا مکروہ پر گناہ ہے چنانچہ ملا علی قاری و طیبی وغیرہ نے لکھا ہے واللہ اعلم۔

(۲) جواب سوال دوم کا یہ ہے کہ کفن پر لکھنا جواب نامہ کا اور قل کے ڈھیلے قبر میں رکھنا

---

[1] قبر کے پاس ہر وہ چیز مکروہ ہے جو سنت کے خلاف ہے۔

درست نہیں بلکہ یہ دونوں کام بدعت ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ سید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر پستی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ و احادیث سے واضح ہے فی البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی الصحیح من حدیث علی رض لا تدع قبرا مشرفا الا سویتہ فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ویسنم ای یرفع فقیل قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رای قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہیریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ و الزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ السید شریف حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

مسئلہ۔ واضح ہو کہ بلند ہونا قبر کا ایک بالشت یا چار انگشت جواز میں داخل ہے اور اسی قدر پستی اس کی اور زیادہ اس سے غیر جائز ہے چنانچہ کتب فقہ و احادیث سے واضح ہے فی البحر الرائق ویسنم قدر شبر وقیل قدر اربع اصابع وما ورد فی

۱؎ اور قبر کو کوہان نما بنائی جائے۔ اور بقدر ایک بالشت یا چار انگل کے برابر رکھی جائے حضرت علی کی حدیث میں ہے کہ میں جس قبر کو بلند دیکھوں۔ اس کو برابر کر دوں۔ برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ایک بالشت کے برابر کوہان نما بنا دوں۔ اور خود نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر بھی کوہان نما ہے جیسا کہ بخاری ظہیریہ مجتبیٰ در مختار عالمگیری زیلعی عینی میں ہے۔ واللہ اعلم۔

۲؎ بحر الرائق میں ہے کہ قبر ایک بالشت یا چار انگل کوہان نما ہو صحیح بخاری میں جو حضرت علی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا

الصحیح من حدیث علی لا تدع قبرا مشرفا الا سویتہ فمحمول علی ما زاد علی التسنیم انتہی وفی النہر الفائق ای یسنم ای یرفع فقیل قدر اربع اصابع لروایۃ البخاری عن سفیان انہ رای قبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسنما وجعلہ فی الظہریۃ وجوبا وفی المجتبی مندوبا انتہی وفی الدر المختار ویسنم مندوبا وفی الظہریۃ وجوبا قدر شبر انتہی وکذا فی فتاوی العالمگیریۃ والزیلعی والعینی پس اس سے معلوم ہوا کہ تسنیم مستحب ہے اور غیر تسنیم مستحب نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال:۔ (۱) قبر کا بوسہ لینا جائز ہے یا حرام (۲) قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ قبر کا بوسہ لینا حرام ہے فی المدارج[1] وبوسہ دادن قبر را وسجدہ کردن آنرا وسر نہادن حرام و ممنوع است ودر بوسیدن قبر والدین روایت فقہی نقل مے کنند وصحیح آنست کہ لایجوز انتہی وادنی لایجوز گناہ صغیرہ است واصرار برآن کبیرہ است ہکذا فی شرح عین العلم (۲) قبر کا طواف کرنا حرام ہے اگر مستحب جان کر کرے کافر ہوگا فی شرح للمناسک[2] ملا قاری ولایطوف ای لایدور حول البقعۃ الشریفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء

کہ جس قبر کو بلند دیکھو، برابر کر دو، اس سے مراد وہ قبر ہے جو ایک بالشت سے زائد ہو۔ اور النہر الفائق میں ہے کہ کوہان نما ہو یعنی بلند ہو بعض کہتے ہیں، چار انگل کے برابر ہو کیونکہ بخاری میں حضرت سفیان سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کوہان نما تھی ظہیریہ میں اسے واجب اور مجتبیٰ میں مندوب لکھا ہے یہی درمختار میں ہے ظہیریہ میں بالشت کا وجوب لکھا ہے۔ اسی طرح عالمگیری، زیلعی اور عینی میں ہے ۱۲۔

[1] قبر کو بوسہ دینا اس کو سجدہ کرنا اور سر جھکانا حرام و ممنوع ہے۔ ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کے متعلق ایک روایت بیان کرتے ہیں اور صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں ہے اور لایجوز کا ادنی درجہ گناہ صغیرہ ہے اور اس پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

[2] ملا قاری لکھتے ہیں کہ آپ کی قبر مبارک کے گرد طواف نہ کرے کیونکہ طواف خانہ کعبہ کی خصوصیت ہے اور نبیوں اور ولیوں کی قبروں کے گرد طواف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جو عوام جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اگرچہ وہ جاہل علماء اور مشائخ کی صورت میں ہی کیوں نہ ہوں۔

ولاعبرة بما یفعله العامة الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ والعلماء انتهی

ھکذا فی البحر والنہر۔

سید محمد نذیر حسین		ابو الفیض محمد عبد اللہ حنفی
احمد الدین	جواب سب صحیح ہیں	رشید احمد گنگوہی
پیر محمد دارم صد شکر کہ من		محمد ہاشم
سید محمد عبد السلام غفرلہ		

جواب صحیح

جواب صحیح اور درست ہیں

سوال۔ مشکوۃ شریف کے باب الکرامات میں ابوالجوزاء سے روایت ہے کہ اہل مدینہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قحط سالی کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام کی قبر کے اوپر چھت میں سوراخ کردو تاکہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا حتی کہ خوب بارش ہوئی الخ۔

اس حدیث سے اہل بدعت اہل قبور سے استمداد و استغاثہ اور وسیلہ پہ دلیل پکڑتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے اور اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب بعون الوہاب۔ مشرکین مبتدعین کا اہل قبور اولیاء اللہ سے استمداد و استغاثہ پر حدیث ہذا سے استدلال کرنا اور اپنی دعاؤں میں ان کا وسیلہ پکڑنا اور یہ خیال کرنا کہ اہل قبور سے دنیا کو فیض حاصل ہوتا ہے۔ اموات متصرف الامور ہیں۔ مخلوق کی حاجت روائی و مشکل کشائی کرتے ہیں۔ قطعاً غلط و مبنی علی الشرک ہے۔ کجا استمداد و استغاثہ از اولیاء اللہ اور کجا یہ حدیث بینہما فرق بیّن و بون بعید۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب لوگوں نے قحط سالی کی شکایت کی تو مائی صاحبہؓ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کی کرامت ظاہر کی۔ اور بس ملا علی قاری حنفی نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ خیال ہوا کہ کفار کے مرنے پر آسمان نہیں روتا۔ ابرار کے فوت ہونے پر روتا ہے جب آسمان آپ کی قبر کو دیکھے گا۔ تو ممکن ہے کہ روئے اور اس کے رونے سے نالے بہہ پڑیں۔ پانی کی کثرت

صحابہ کرامؓ پر بار ہا مصیبتیں آئیں۔ مگر کسی صحابی نے نبی علیہ السلام کی قبر پر جا کر فریاد نہیں کی۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صرف کشف قبر کا حکم دیا تاکہ اللہ کی رحمت سے بارش نازل ہو جائے۔

نبی علیہ السلام سے پانی نہیں مانگا۔ نہ آپ سے دعا کرائی نہ قبر پر جا کر کسی قسم کی فریاد کی بل قد ردی عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا کشفت عن قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لینزل المطر فانہ رحمۃ تنزل علی قبرہ ولم تستسق عندہ ولا استغاثت ھناک۔ فقط والسلام ابو محمد کفایۃ الصمد خادم جماعت غرباء اھلحدیث۔ (فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۶)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مومنہ بے قرار کو زیارت قبور مطابق سنت رخصت ہے یا نہیں؟

جواب۔ اگر عورت صابرہ ہے۔ اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہیں ہے۔ اور نہ اس امر کا خوف ہے کہ قبرستان میں جا کر روئے گی۔ چلائے گی۔ اور بے صبری کی حرکتیں کرے گی۔ تو اس کیلئے گا ہے گا ہے زیارت قبور مطابق سنت کے جائز و رخصت ہے۔ اور اگر بے صبر ہے اور اس سے امر مذکور کا خوف ہے تو اس کے لئے جائز نہیں۔ نیل الاوطار میں ہے قال القرطبی ھذا اللعن انما

لہ قرطبی نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر جو لعنت آئی ہے یہ بطور مبالغہ ہے اور قبرستان میں اکثر اوقات جانے والی عورتوں سے متعلق ہے کیونکہ اس سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ بے پردگی ہوتی ہے۔ بعض وقت نوحہ کرتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ موت کی یاد کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں ایسے ہی عورتیں بھی محتاج ہیں۔ اس سے دونوں طرح کی حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے۔

ھو للمکثرات من الزیارۃ لما تقتضیہ الصفۃ من المبالغۃ ولعل السبب ما یفضی الیہ ذلک من تضییع حق الزوج والتبرج وما ینشاء منھن من الصیاح ونحو ذلک فقد یقال اذا امن من جمیع ذلک فلا مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیہ الرجال والنساء انتہی وھذا الکلام ھو الذی ینبغی اعتمادہ فی الجمع بین الاحادیث المتعارضۃ فی الظاھر انتہی باقی رہا بعد مرنے کے انسان کی روح کا آنا یا نابالغ کی روح کا بڑھنا سو ان باتوں کا شریعت میں کچھ ثبوت نہیں ہے۔ واللہ اعلم حررہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ھو الموفق۔ مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے۔ اور عورتوں کی نسبت اختلاف ہے اکثر علما کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز ورخصت ہے۔ اور بعض علما کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتاتے ہیں۔ ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اس کو قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ اور (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں منع کیا تھا مگر پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا (رواہ الحاکم) اور (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ السلام علی اہل الدیار الحدیث (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر جمعہ کو اپنے چچا حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں۔ (رواہ الحاکم وھو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں کی یا ایک کی

زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت کی جاوے گی۔ اور وہ بار لکھا جاوے گا۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور کو مکروہ بتاتے ہیں۔ ان میں بعض مکروہ کراہت تحریمی کہتے ہیں۔ اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو انہوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا شاید تو جنازہ کے ہمراہ کُدیٰ یعنی قبرستان میں گئی تھی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں۔ علامہ قرطبی نے ان متعارض ومختلف احادیث کی جمع وتوفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے۔ اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل ولائق بتایا ہے اور بلا شبہ جمع وتوفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ حافظ ابن حجر فتح الباری صفحہ ۲۶۲ جزو ۵ میں لکھتے ہیں واختلف[1] فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر ومحلہ ما اذا امنت الفتنۃ ویؤید الجواز حدیث الباب وموضع الدلالۃ منہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینکر علی المرأۃ قعودھا عند القبر وتقریرہ حجۃ وممن حمل الاذن علی عمومہ للرجال والنساء عائشۃ فروی الحاکم من طریق ابن ابی ملیکۃ انہ راھا زارت قبر اخیہا

---

[1] قبروں کی زیارت کے لئے عورتوں کے جانے میں اختلاف ہے اکثر کا یہ مذہب ہے کہ جب قبور کی زیارت کی اجازت ہوئی تو اس میں عورتوں کو بھی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ زیادہ نہ جائیں۔ اور وہاں جاکر بے صبری نہ کریں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو قبر کے پاس بیٹھے دیکھا تو اس کو منع نہ کیا حضرت عائشہ اپنے بھائی عبد الرحمٰن کی قبر پہ زیارت کے لئے گئیں کسی نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قبرستان میں جانے سے روکا ہے۔ کہنے لگیں جب روکا تھا۔ تو سب کو روکا تھا۔ اور جب اجازت ہوئی تو عورتوں کو بھی ہوگئی۔ ابو اسحٰق نے مہذب میں کہا ہے کہ اجازت صرف مردوں کو ہوئی ہے عورتوں کو نہیں مانعین عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے اور لعن اللہ زوارات القبور سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر مکروہ کہنے والوں میں سے بعض مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ اور بعض مکروہ تحریمی۔ قرطبی کہتے ہیں اگر عورت قبرستان میں زیادہ نہ جائے نوحہ نہ کرے مرد کے حقوق ضائع نہ کرے۔ تو اس کو

عبدالرحمٰن فقیل لہا الیس قد نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک قالت نعم کان ثم
امر بزیارتہا وقیل الاذن خاص بالرجال ولا یجوز للنساء زیارۃ القبور وبہ جزما لشیخ
اسحٰق فی المہذب واستدل لہ بحدیث عبداللہ بن عمرو الذی تقدمت الاشارۃ الیہ فی
اتباع النساء الجنائز وبحدیث لعن اللہ زوارات القبور اخرجہ الترمذی وصححہ من حدیث
ہریرۃ ولہ شاہد من حدیث ابن عباس ومن حدیث حسان بن ثابت واختلف من قال
بالکراہۃ فی حقہن ہل ہی کراہۃ تحریم او تنزیہ قال القرطبی وہذا اللعن انما ہو للمکثرات
من الزیارۃ لما تقتضیہ الصفۃ من المبالغۃ ولعل السبب ما یفضی الیہ ذلک من تضییع حق
الزوج والتبرج وما ینشاء منہن من الصیاح ونحو ذلک فقد یقال اذا امن جمیع ذلک
مانع من الاذن لان تذکر الموت یحتاج الیہ الرجال والنساء انتہی بلوغ المرام اور اس کی شرح
سبل السلام میں ہے وعن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن زائرات القبور اخرجہ
الترمذی وصححہ ابن حبان وقال الترمذی بعد اخراجہ ہذا حدیث حسن وفی الباب عن ابن
عباس وحسان وقد قال بعض اہل العلم ان ہذا کان قبل ان یرخص النبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم فی زیارۃ القبور فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء وقال بعضہم انما
کرہ زیارۃ القبور للنساء لقلۃ صبرہن وکثرۃ جزعہن ثم ساق سندہ ان عبدالرحمٰن بن ابی
بکر توفی ودفن فی مکۃ واتت عائشۃ قبرہ ثم قالت شعرا ۔

جانا جائز ہے ورنہ نہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے یہ رخصت سے پہلے تھی جب رخصت ہوئی تو عورتوں مردوں کو ہو گئی۔ اور عورتوں کے لئے جو زیارت مکروہ ہے وہ صرف بے قراری اور بے صبری کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی نے بھی جب اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کی تو دو تاک شعر پڑھے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جب میں قبرستان میں جاؤں تو کیا کہا کروں۔ آپ نے دعا سکھلائی ان کو منع نہ کیا حضرت فاطمہ رضی حضرت حمزہ رضی کی قبر پر ہر جمعہ کو جایا کرتی تھیں۔ اور حدیث میں ہے جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبر پر جائے اس کو بخش دیا جائیگا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدھر حتی قیل لن یتصدعا
وعشنا بخیر فی الحیوۃ وقبلنا اصاب المنایا رھط کسری وتبعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

ویدل لما قاله بعض اهل العلم ما اخرجه مسلم عن عائشة قالت کیف اقول یا رسول الله اذا زرت القبور فقال قولی السلام علی اهل الدیار من المسلمین والمؤمنین یرحم الله المتقدمین منا والمتاخرین وانا ان شاء الله بکم لاحقون وما اخرجه الحاکم من حدیث علی بن الحسین ان فاطمة علیها السلام کانت تزور قبر عمها حمزة کل جمعة فتصلی وتبکی عنده قلت وهو حدیث مرسل کان علی بن الحسین لم یدرک فاطمة بنت محمد صلی الله علیه وسلم وعموم ما اخرجه البیهقی فی شعب الایمان مرسلا من زار قبر الوالدین او احدهما فی کل جمعة غفر له وکتب بارا انتہی ۔

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ ۔

سوال: پیر کی قبر کو چومنا، چاٹنا اور اس کی مٹی کو تبرکاً اپنے بدن پر ملنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: علامہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین مطبوعہ مطبع مرتضوی صفحہ ۱۸ میں فرماتے ہیں کہ اِذَا زَارَ قَبْرًا لَمْ یَضَعْ یَدَہٗ عَلَیْہِ وَلَا یُقَبِّلْہُ فَاِنَّہٗ عَادَۃُ الْیَہُوْدِ قبروں پر ہاتھ پھیرنا قبروں کو بوسہ دینا چومنا چاٹنا یہودیوں کی عادت ہے، یہ مسلمانوں کا کام نہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول میں فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کسی قبر کو چومنا بغرض حصول برکت چھونا ہاتھ لگانا مزار سے لپٹنا بدعت اور مکروہ تحریمی ہے، انتہی

ابو محمد عبدالستار دہلوی

(فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص۔)

سوال:- جسے کوئی شخص پاک مقام تصور کرتا ہے، وہاں جاکر اگر وہ اپنے مردہ کو دفن کرے، یا کوئی اس کی وصیت کرجائے تو کیا اسے پورا کرنا چاہیئے، اور کیا اس سے مردہ کو کچھ فائدہ بھی ہوسکتا ہے، سمیع اللہ ۱۹۷۳ء

جواب:- کسی پاک جگہ پر دفن ہونے یا کرنے کا جذبہ برا نہیں لیکن چنداں مفید بھی نہیں اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ حضرت ابو الدرداء متوفی ۳۲ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی متوفی ۳۵ھ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اَنْ ھَلُمَّ اِلَی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَۃِ فَکَتَبَ اِلَیْہِ سلمان ان الارض لاتقدس احدا وانما یُقَدِّس الْاِنْسَان عَمَلہ۔ (موطا امام مالک باب جامع القضاء والکراہیۃ) سرزمین پاک میں تشریف لے آیئے، حضرت سلمانؓ نے جواب میں لکھا کہ زمین کسی کو پاک اور مقدس نہیں بناتی، اصل میں انسان کے عمل ہی اس کو مقدس بناتے ہیں، مکہ اور مدینہ یا سرزمین بیت المقدس سے بڑھ کر اور کون سی جگہ پاک اور مقدس ہوسکتی ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ لاکھوں ابو جہل ہزاروں یہودی اور بے شمار مشرکین ان میں مدفون ہیں، بلکہ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ جہاں مسجد نبوی ہے، یہاں پہلے قبریں تھیں، (بخاری باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاہلیۃ) شہر مدینہ مسجد نبوی، نمازی اور امام محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اور مقتدی اور نمازی ابو بکر وعمر وعثمان وعلی اور دوسرے عشرہ مبشرہ میں سے عظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بلکہ سب سے محیر العقول یہ حقیقت کبریٰ کہ بعد میں خود محبوب رب العلمین بھی اسی جگہ میں ہمیشہ کے لئے آرام فرما ہوئے، اور یہ بھی نوید سنائی کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا ٹکڑا بہشت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔ بخاری ومسلم، ابو ہریرۃ اس کے باوجود کیا ان بدنصیبوں کو اس کا کچھ فائدہ پہنچا، آپ کہیں گے، کہ وہ تو سرے سے مسلمان نہیں تھے، ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک وہ کافر تھے، اس لئے اصل بات انسان کا عمل رہا، اگر یہ نہ ہو تو اس کا کچھ فائدہ نہیں، گندگی کو جتنا دھوئیے، پاک نہیں ہوگی۔ ہاں میلا کپڑا صاف ہوگا، مگر، دھونے سے گناہوں کا میل

(ج)و اپنے اعمالِ صالحہ اور توبہ کے صابن سے ہی دھل سکے گا، اور کسی طرح نہیں، اس لئے پاک
جگہ لے جاکر اسے دفن کیا جائے، قرآن جیسی پاک کتاب ہمراہ رکھ دی جائے، اس سے اس
کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا، مٹی بحیثیت مٹی، تو جو کر سکتی ہے، یہ کرتی ہے کہ عبد مؤمن کو مرحبا کہتی
ہے، اور فاجر پاک کا فرحیب اس کی گود میں پہنچتا ہے تو اسے کہتی ہے، دفع ہو، لا مرحبا و لا
اھلاً پھر اس کی خوب مرمت کرتی ہے، (ترمذی، ابوسعید خدری)
وہ زمین پاک ہو یا ناپاک، مقدس ہو یا مطہر، بہر حال وہ اپنا فرض اسی طرح ادا
کرتی ہے، جیسے اسے حکم ہوا ہے، اس لیے جو لوگ مقدس جگہ کی تلاش میں رہتے ہیں،
وہ دراصل سستی بخشش کی ٹوہ میں رہتے ہیں، اگر وہ ویسے رحمت کر دے، تو وہ مختار کل
ہے، جہاں تک اس کے احکام اور شرائع کا تقاضا ہے، وہ یہی ہے کہ کچھ سے کر جاؤ گے
تو کچھ بن جائے گا، ورنہ مفت میں دودھ پلانے سے رہی، واللہ اعلم،

(محدث لاہور جلد ۵ شمارہ ۱۲)

مولانا عزیز زبیدی وار برٹن

سوال:۔ قبر پرستی کی ابتداء کیسے ہوئی

جواب:۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البلاغ المبین فارسی میں صنعت تصویر اور
بت پرستی کی ابتدا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے پس بعدازاں رفتہ رفتہ اس قوم میں
بت پرستی و گور پرستی ظاہر ہوگی۔ چنانچہ بعد فوت ہو جانے بزرگان دین کے ان کی تصاویر کی پرستش و
عزت کرنے لگے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئے، کہ بزرگوں کے نام پر بتوں اور تصویروں کا نام
رکھتے، اور بتوں و تصویروں کی تعظیم و تکریم کو بعینہ تعظیم بزرگان خیال کرتے تھے، چنانچہ ابن
عباس رضی اللہ عنہ و دیگر سلف سے تحت آیت ولا تذرن ودا الاٰیۃ کے منقول ہے کہ یہ قوم نوح علیہ السلام
میں بزرگ و نیک بخت لوگ تھے، جب وہ فوت ہو گئے تو یار لوگ ان کی قبروں پر جاتے، اور چلہ کشی کرتے حاجات
طلب کرنے مجاور بن کر وہاں بیٹھتے مرور زمانہ کے بعد ان کے فوٹو و تصاویر کی پرستش ظہور پذیر ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
سورۃ نوح میں ان بت پرستوں کی خبر بیان فرمائی ہے (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ ص ۱۴۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیارت قبور

(از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ)

الحمد للہ رب العالمین واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و
اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیما کثیرا۔ امابعد

قبور کے پاس دعا کرنا

اقسام قبور۔ کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اس قسم
کا قول ہے جیسے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں ولی کی قبر تریاق مجرب ہے۔ اور بہت سے
لوگوں کا بعض خاص خاص قبروں کے متعلق یہی اعتقاد ہوتا ہے۔ جس قبر کے متعلق اُن کا یہ اعتقاد
ہوتا ہے۔ وہ بعض اوقات تو درحقیقت کسی صحابی یا اہل بیت کے کسی آدمی یا کسی دوسرے مرد صالح
کی قبر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ نسبت محض جھوٹ یا کم از کم مجہول الحال ہوتی ہے چنانچہ تو
انبیاء علیہم السلام کی بابت ایسی ہی غلط اطلاعات مشہور ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قبر کی نسبت درست
ہو۔ لیکن صاحب قبر صالحین میں سے نہیں بلکہ معمولی درجہ کا کوئی آدمی ہو۔

الغرض قبور کی یہ تمام قسمیں موجود ہیں۔ اور ان کے مجاوروں اور خوش عقیدہ لوگوں نے ان کی
بابت ایسی ہی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ کہ فلاں قبر کے پاس دعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے۔ اور بعض
میں سے اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ میں نے فلاں حاجت کے لئے دعا کی او
فوراً میری مشکل حل ہو گئی ہم (امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں) نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض اوقات وہ قبر
جس کو اس طرح استجابت دعا کا یقینی ذریعہ بنایا جاتا ہے، کسی فاسق اور مبتدع بلکہ کافر کی

جوتی ہے۔

باطل عقیدہ! بہرکیف کسی کا یہ کہنا یا عقیدہ رکھنا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے ایک ایسا قول یا اعتقاد ہے جس کی اصل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود نہیں، کوئی صحابی یا تابعی یا مشہور امام اس کا قائل نہیں، مثلاً امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سب اس قول کے خلاف ہیں۔

انبیاء و صلحاء کی قبریں: مشائخ میں سے بھی کسی قابل اقتداء شیخ طریقت مثلاً فضیل بن عیاض ابراہیم بن ادھم اور ابوسلیمان دارانی وغیرہ سے یہ قول منقول نہیں صحابہ و تابعین، ائمہ عظام اور مشائخ متقدمین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس بالعموم یا ان میں سے کسی خاص قبر کے پاس دعا مستجاب ہوتی ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں کہتے کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا دوسری جگہ دعا کرنے سے افضل ہے، یا وہاں پر نماز پڑھنے میں کسی دوسری جگہ کے نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔ کوئی بھی ان بزرگان دین میں سے اس قسم کی قبروں کے پاس دعا کرنے یا نماز پڑھنے کیلئے قصداً نہیں جاتا تھا۔

روضۂ اطہر کے آداب

ائمہ کا اتفاق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر اور تمام بنی نوع انسان کے سردار ہیں اور روئے زمین پر کوئی دوسری ایسی قبر نہیں جس کی بابت یقینی طور پر کہا جا سکے کہ یہ نبی کی قبر ہے، اور اس کی نسبت صحیح ہو، حتیٰ کہ ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں بھی اختلاف موجود ہے۔ بایں ہمہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جا کر صرف یہ کرے کہ آپ پر اور آپ کے دونوں خلفاء پر درود و سلام بھیجے، کیونکہ سنن اربعہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

"جو شخص مجھ پر سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔"

یہ ایک جید الاسناد حدیث ہے۔

سماع سلام وارسالِ درود۔ نیز ابن ابی شیبہ اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ:۔

"جو شخص میری قبر کے پاس آکر سلام کرتا ہے میں اس کو سنتا ہوں۔ اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔"

اس کا اسناد کسی قدر کمزور ہے۔ لیکن دوسرے شواہد سے اس کی تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ اہل سنن نے مختلف اسنادوں سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔"

صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا۔ جب کہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کا گوشت کھانا حرام کر دیا ہوا ہے۔ نسائی وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو مجھ کو میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔"

دعاء کی ممانعت: تمام علمائے امت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعاء مقبول ہے اور نہ ہی اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ آپ کی قبر کی طرف متوجہ ہو کر دعاء کا قصد کرے بلکہ اس کی نقیض کی تشریح ہے اور سب علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر شریف کی طرف منہ کر کے دعاء نہ کرے۔

سلام کے متعلق اختلاف: سلام کے متعلق اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ مثلاً امام مالکؒ اور امام احمد

...ن حنبلؒ وغیرہ کا قول ہے کہ قبر کی طرف منہ کر کے سلام کرے لیکن اصحاب شافعیؒ نے بھی اپنی کتابوں
...یں یہی لکھا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور اس
...کے متبعین یہ کہتے ہیں کہ قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے سلام کرے۔
...روضہ کے پاس کھڑے ہونے کی ممانعت:۔ ائمہ سلف نے اس بات کی تصریح کی
...ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس دعا کے لئے کھڑا نہ ہو۔ چنانچہ اسمٰعیل
...ن اسحٰق نے مبسوط میں ایسا ہی لکھا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی
...اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرنا میرے نزدیک مستحسن نہیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سلام
...کر کے چلا جائے۔ مبسوط میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سفر سے لوٹ آئے یا سفر پر جانا چاہے تو
...کوئی حرج نہیں اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس کھڑا ہو کر آپ پر درود بھیجے
...اور آپ کے حق میں اور شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کے حق میں دعا کرے۔
...صدر اول کا دستور العمل:۔ امام صاحب (امام مالکؒ) سے کہا گیا کہ اہل مدینہ ہر ہفتے میں بلکہ
...بعض اوقات ایک ہی دن میں ایک دو دفعہ قبر شریف کے پاس کھڑے ہو کر سلام کرتے اور دعا
...نگتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے شہر کے اہل فقہ اس بات کے قائل نہیں۔ مجھ کو ان کا
...کوئی قول نہیں پہنچا۔ اور اس امت کے پچھلے لوگوں کو بھی انہی باتوں سے اصلاح ہو گی۔
...جن سے اس امت کے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے۔ اور مجھ کو اس امت کے سلف صالح
...اور صدر اول سے صرف اتنی بات پہنچی ہے کہ جب کوئی شخص سفر سے واپس آتا یا سفر پر
...جانے لگتا تھا تب وہ ایسا کرتا تھا۔
اہل مدینہ کا طرز عمل:۔ ابن القاسم کہتے ہیں، میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ جب وہ مدینہ
...سے نکلتے یا اس میں داخل ہوتے ہیں تو آپ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر سلام کرتے ہیں
...اور میرا اپنا بھی یہی عمل ہے۔
امام مالکؒ اپنے زمانہ میں مدینہ منورہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اور مدینہ کے لوگ
...صحابہ اور تابعین کے عہد میں تمام دوسرے لوگوں سے مشروع اور غیر مشروع کے زیادہ واقف

سمجھتے مان کو اس بات کا علم تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے کیا آداب ہیں لیکن تم نے دیکھ لیا کہ امام صاحب اور علماء مدینہ آپ پر سلام کر لینے کے بعد قبر شریف کے پاس دعا کے لئے ٹھہرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

صلوٰۃ وسلام کا مشروع طریقہ :- امام صاحب نے یہ بھی بیان فرمایا کہ مستحب یہی ہے کہ آپ کے لئے اور آپ کے صاحبین (ابوبکرؓ وعمرؓ) کے لئے دعا کرے اور یہی صلوٰۃ وسلام کا مشروع طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ ایسا کرنا بھی اہل مدینہ کے لئے ہر وقت مستحب نہیں، بلکہ اس کا استحباب اُس حالت میں ہے۔ جبکہ سفر سے آئے یا سفر پر جائے۔ کیونکہ ایسا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحیہ ہے (تحیہ کے معنی سلام وآداب بجالانا) لیکن تم جانتے ہو کہ کسی کا تحیہ اور آداب بجالانے کیلئے ہر وقت آدمی اُس کے گھر میں حاضر نہیں ہوتا۔ البتہ سفر سے آئے یا سفر پہ جائے تو ایسا کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ابو وہب نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ جب آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کرنا چاہے تو آپ کی قبر کی طرف منہ کر کے۔ اور اس کے نزدیک ہو جائے لیکن قبر شریف کو ہاتھ نہ لگائے۔

لفظ زیارت کی کراہیت اور اُس کی فلاسفی :- امام مالکؒ اس بات کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی یہ کہے "ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کی"

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کو اس واسطے مکروہ سمجھتے ہیں کہ اس میں زیارت کی نسبت قبر کی طرف کی گئی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

"اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد"

"بار خدایا! میری قبر کو بت نہ بنا دے جس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالےٰ کا اُس قوم پر غصّہ ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرا لیا"

امام صاحبؒ نے زیارت کو قبر کی طرف منسوب کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ذرائع شرک کا سدِ باب ہو۔

زیارتِ قبور کا طریقہ:۔ میں کہتا ہوں (علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں) کہ جو حدیثیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے بارے میں مروی ہیں، باایں ہمہ کثرت سب کی سب ضعیف یا موضوع ہیں۔ ائمہ حدیث اور اہلِ سنن مثلاً ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے اس باب میں کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ البتہ دوسرے موقعہ پر عام قبور کے لئے زیارت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا:۔

"كنت نهيتكم عن زيارة القبور الا فزوروها فانها تذكركم الآخرة"

"میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا لیکن اب میں کہتا ہوں کہ بے شک ان کی زیارت کرو، کیونکہ وہ تم کو آخرت یاد دلائیں گی"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب تم قبروں کی زیارت کرو تو اس طرح کہا کرو:۔

"السلام عليكم اهل الديار من المومنين والمسلمين وانا انشاء الله بكم لاحقون، يرحم الله المستقدمين منا ومنكم والمستأخرين، نسأل الله لنا ولكم العافية"

لیکن چونکہ بعد کے زمانوں میں "زیارت" کا لفظ شرعی اور غیر شرعی دونوں طرح کی زیارت پر اطلاق ہونے لگا، اور اکثر لوگ اس کو غیر شرعی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے بعض ائمہ نے اس کا اطلاق منع کیا ہے۔

زیارت شرعی و بدعی:۔ زیارتِ شرعی میت پر نمازِ جنازہ پڑھنے کے مشابہ ہے اور دونوں کا ماحصل اس کے لئے دعا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حق میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح مخاطب فرمایا ہے:۔

"وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ" (۹:۸۴)

(اے محمد) ان منافقوں میں سے کوئی مرجائے تو تم اس کی نمازِ جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ ہی اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑے رہو"

اس آیت میں چونکہ منافقوں کے حق میں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ

پڑھی جائے، یا ان کی قبر پر کھڑے ہوں (اور ان کے لیئے دعا کریں) اس لئے اس کا مفہوم مخالف علۃ الحکم سے استدلال کر کے یہ ہوگا کہ مومنوں کے حق میں ایسا کرنا مشروع ہے، اور نیز یہ کہ میت کی قبر پر بعد الدفن کھڑا ہونا قبل الدفن نماز جنازہ کے مشابہ اور اسی قسم سے ہے، اور اس کی قبر پر کھڑے ہونے کا مقصد بھی اس کے لیئے دعا کرنا ہے، یہی اسلام کی سنت مستمرہ ہے اور اسی بات کو علماء سلف انبیاء اور صالحین کی قبروں کے پاس مستحب سمجھتے ہیں، لیکن بدعی اور غیر شرعی زیارت شرک ہے، یا کم از کم شرک کا ذریعہ ہے، اور وہ اس زیارت کے مشابہ ہے، جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کی کیا کرتے ہیں۔

درس بصیرت:۔ صحاح اور مسانید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مشہور سندوں کے ساتھ مروی ہے:۔

«لعنۃ اللہ علی الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم مساجد یحذر ما صنعوا»

«یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ ٹھہرایا۔ اُن کے اس فعل سے میں تم کو ڈراتا ہوں»

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس بات کے کہنے سے یہ تھا کہ وہ اپنی امت کو اُن کے افعال سے ڈرائیں۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔

«تم سے پہلی قومیں اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ ٹھہرالیتی تھیں، لیکن تم ایسا مت کرو، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں»

ایک دوسری حدیث میں ہے:۔

«سب سے بُرے لوگ وہ ہیں، جو قبروں کو مسجد بنا لیتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اُن عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں کی زیارت کرتی ہیں۔ نیز ان پر بھی لعنت ہے، جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور اُن پر چراغ جلاتے ہیں»

نتیجہ بحث:۔ اب جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجد بنا

یعنے اور سجدہ گاہ ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پاس دعا کرنا مستحب نہیں ہوگا، کیونکہ جس جگہ پر دعا مستحب ہے، وہاں نماز پڑھنا بھی مستحب ہے۔ نماز پڑھ کر دعا کرنا زیادہ تر مستجاب ہوتی ہے، اور شریعت میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں دعا کرنا مستحب ہو اور نماز پڑھنا مستحب نہ ہو۔

قبروں کے پاس نماز نہ پڑھنے کی فلاسفی:۔ امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنا اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس سے شرک میں مبتلا ہونے کا خوف ہے۔ اس کی علت صرف مکان کی نجاست نہیں جیسے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے یہی وجہ ہے کہ علماء سلف حکم دیا کرتے تھے کہ خوفِ فتنہ (شرک میں مبتلا ہونے کا خوف) کی حالت میں قبروں کو ہموار کر دیا جائے، اور مٹا دیا جائے۔

ابو موسیٰ اشعریؓ:۔ چنانچہ جب تستر کے مقام پر دانیال علیہ السلام کی قبر ظاہر ہوئی تو سپہ سالار جیش ابو موسیٰ اشعریؓ نے خلیفہ وقت حضرت عمرؓ کو اس کی بابت اطلاع دی اور لکھا کہ لوگ اس کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ دن کے وقت تیرہ قبریں کھودی جائیں، اور رات کے وقت اس کو کسی ایک میں دفن کر کے اس کا نشان مٹا دیا جائے، تاکہ لوگ شرک کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔

امام مالکؒ اور سلف صالحین:۔ امام مالکؒ وغیرہ کا جو قول ہم نے نقل کیا ہے یہی قول سلف کے نزدیک مشہور اور مقبول تھا جیسے کہ ابو یعلی موصلی نے اپنے مسند میں اور ابو عبد اللہ المقدسی نے مختار میں امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی روزن کے پاس حاضر ہو کر اس میں اپنا منہ داخل کرتا اور دعا مانگتا تھا۔ امام صاحب نے اس کو اس سے منع کیا، اور فرمایا میں تم کو ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے اپنے باپ دادا سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر کو عید مت بناؤ، اور اپنے گھروں کو قبریں مت ٹھہراؤ، کیوں کہ تمہارا سلام مجھ کو پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم رہو۔

ارشادِ جناب رسالت مآبؐ ہے۔ یہی حدیث ابوداؤد میں بروایت ابوہریرہؓ موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اپنے گھروں کو قبریں مت ٹھہراؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ، مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جہاں بھی تم رہو تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے"

سنن سعید بن منصور میں روایت ہے، سہیل بن ابی سہیل کہتے ہیں کہ مجھ کو امام حسن بن حسن بن علی بن ابی طالبؓ نے جبکہ وہ بیت فاطمہؓ میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے، قبر کے پاس دیکھا۔ اور وہیں سے مجھ کو آواز دی کہ آؤ کھانا کھالو۔ میں نے عرض کیا میں کھانا نہیں کھانا چاہتا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم قبر کے پاس کیوں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہوا تو سلام کرو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"میری قبر کو عید نہ بناؤ اور اپنے گھروں کو قبریں نہ ٹھہراؤ، اللہ تعالےٰ نے یہود اور نصاریٰ پر اس لئے لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرایا۔ تم مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچ جاتا ہے جہاں بھی تم رہو۔ تم اور اہل اندلس اس میں برابر ہیں"

روضۂ اطہر اور دوسری قبریں:۔ اب تم خود سوچ لو کہ جب سید الاولین والآخرین خیر الخلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے حق میں صرف اتنا ہی مشروع ہے جس کی ابھی ذکر کی گئی تو دوسری کی قبر کیا ہستی ہے؟

توسّل کا طریقہ

صحابہ کا دستور العمل:۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تواتر کے ساتھ منقول ہے جب ان پر کوئی سختی آتی تھی مثلاً قحط سالی وغیرہ، نیز قتال وجدال کے معرکوں میں جبکہ دشمن پر فتح حاصل کرنے میں وقت پیش آتی تھی۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور گھروں

مسجدوں میں اس کی بارگاہِ کبریا میں دستِ نیاز پھیلاتے لیکن کسی واقعہ میں منقول نہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبرِ شریف یا دوسرے انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رجوع کیا ہو، اور وہاں جاکر دعا مانگی ہو۔

بلکہ صحیح بخاری میں حضرت عمرؓ کی یہ دُعا منقول ہے:۔

"بارخدایا! جب ہم پہ محط سالی آتی تھی تو ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے توسل کیا کرتے تھے۔ اور تو ہماری دعا قبول فرماکر ہمیں پانی دیا کرتا تھا۔ اور بے شک اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ کے واسطہ سے توسل کرتے ہیں، بارخدایا! ہمیں پانی دے"

روایتِ مذکور میں ہے کہ پھر ان کو اللہ تعالیٰ پانی دیتا تھا۔

رسول اللہ صلعم سے توسل:۔ اس روایت کا ملخص یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں صحابہ آپ سے توسل کرتے تھے۔ تو آپ کے انتقال کے بعد انہوں نے آپ کے چچا عباسؓ سے توسل کیا۔ جس کے بالفاظِ دیگر یہ معنی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ شریف میں آپ سے دعا کرایا کرتے تھے (جس کو توسل سے تعبیر کیا گیا ہے) اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے چچا سے دعا کرائی اور اس کو شفیع بنایا۔ (توسل کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ صرف کسی کا نام لے کر دعا کی جائے)۔

مخلوقات کے نام کا واسطہ:۔ الغرض صحابہؓ کرام نے قبرِ شریف کے پاس حاضر ہو کر دعا نہیں کی اور نہ اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوقات میں سے کسی کے نام کا واسطہ دیا ہے۔ بلکہ شرعی طریقہ پر مشروع وسائل سے توسل کیا ہے، یعنی اعمالِ صالحہ اور مومنوں کی دعا کے ساتھ توسل کرنا، جیسے کہ ہر ایک مومن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کے ساتھ سچی محبت رکھنے سے بارگاہِ کبریا عزوجل میں توسل کر سکتا اور کرتا ہے، اور جیسے کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ زندگی میں آپ کی دعا سے توسل کرتے اور آپ کو شفیع بناتے تھے، اسی طرح آخرت میں جملہ مخلوقات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنا سکتے ہیں۔

(جیسے کہ عمر بن الخطابؓ نے حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا اور) جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :۔
"تمہیں تو کمزور لوگوں کی دعا اور استغفار کی بدولت رزق دیا جاتا اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے"۔

نتیجۂ فکر :۔ یہ ایک معلوم بات ہے اور ہر شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ اگر کسی قبر کے نزدیک دعا کرنا افضل ہوتا اور اس میں استجابت دعا کی زیادہ اُمید ہوتی تو سلف صالحین کو سب سے پہلے اس کا علم ہوتا اور وہ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے، کیونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور پسندیدہ باتوں کو سب سے اچھا جانتے تھے، اور اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں سب سے زیادہ کوشاں تھے۔

منصبِ رسالت کا اقتضاء :۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کا مقتضاء یہ تھا کہ وہ اس بات کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور اس کی طرف ان کو توجہ دلاتے، کیوں کہ خود بقول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے، کوئی نیکی کی بات ایسی نہیں رہ گئی جس کو آپ نے بیان نہ فرمایا ہو، اور کوئی بُرائی کی بات نہیں جس سے آپ نے اپنی امت کو منع نہ فرمایا ہو، کوئی بات جو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی طرف لے جانے والی ہو۔ یا انسان کو دوزخ کی آگ سے بچانے اور دُور رکھنے میں مدد دے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان کئے بغیر نہیں چھوڑی، آپ نے اپنی امت کو ایک واضح راستے پر چلایا جس پر رات کو بھی روز روشن کی طرح چل سکتے ہیں جو شخص بھی اس کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے گا، اس کا انجام یقیناً ہلاکت ہے۔

صریح ممانعت :۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اس نوعیت کی باتوں سے صریحاً منع فرمایا ہے اور قبروں کو سجدہ گاہ ٹھہرانے کے فعل کو مستوجب لعنت قرار دے کر ان شرکی اُمور کا سدِ باب فرمایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ذرائع کو روکنے کے اصول پر کاربند ہو کر اس بارے میں اس حد تک احتیاط کو ضروری سمجھا کہ قبر کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے بھی نماز پڑھنا منع فرمایا، چاہے نمازی کے دل میں غیر اللہ کی عبادت کا خیال تک نہ ہو۔

حفظ ماتقدم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب کے طلوع اور غروب کے اوقات میں اللہ کے لئے نماز پڑھنے سے منع فرمایا کہ ان اوقات میں بعض بت پرست سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں سے مشابہت آجانے کی وجہ سے ایک موحد کو خدائے پاک کی عبادت سے منع کیا گیا تاکہ اس کی عبادت غیر اللہ کی عبادت کی فقط ظاہری مشابہت اور شرک کے توہم تک سے پاک رہے، اگرچہ موحد نمازی کے دل میں اس کا خیال تک نہیں آتا کہ سورج بھی کوئی قابلِ تعظیم ہستی ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ جب کسی خرابی کے توہم تک سے پرہیز کرنا لازم سمجھا گیا ہے تو جہاں خرابی کا وجود یقینی ہو، اس صورت سے پرہیز کرنا لازم نہیں ہوگا؟

دورِ حاضرہ میں زیارتِ قبور:۔ آج کل جس صورت میں قبروں پر جاکر دعا کی جاتی ہے، اس میں یقیناً شرک کے شوائب موجود ہیں۔ کیونکہ میت کو پکارا جاتا ہے، اور اس کے نام کا واسطہ دیکر دعا کی جاتی ہے جس سے صریح شرک تک پہنچ جاتے ہیں لیک دو قدم کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

بت پرستی

تعظیم قبور:۔ بت پرستی کی ابتداء دراصل تعظیم قبور ہی سے تو ہوئی ہے قرآن کریم میں وارد ہے۔

"وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۲۳:۷۱)

(نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے آپس میں کہا، کہ تم اپنے خداؤں کو ہرگز مت چھوڑو اور بالخصوص وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی عبادت کو مت چھوڑو"

اس آیت کی تفسیر میں رئیس المفسرین ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ پانچوں نام نوح علیہ السلام کے عہد کے صالحین کے نام ہیں جب یہ لوگ مر گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پہ بیٹھنا شروع کیا، ان کی تصویریں بنائیں۔ اور پھر ان کو پوجنے لگے"

علاوہ ازیں جن صالحین کی قبروں کو اس زمانے میں تریاقِ مجرب کہا جاتا ہے۔ اُن سے صحابہ اور تابعین کا درجہ یقیناً اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مؤخر الذکر کو چھوڑ کر ان صالحین کی قبروں کو چن لیا گیا ہے۔

شیخ کے توسل سے مراد مانگنا: ایک اور تعجب انگیز بات سنئے، ہر ایک شیخ کا اس کے اپنے معتقدین کی جماعت کرتی ہے اور وہی لوگ اس سے یا اس کے واسطہ سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ دوسرے شیخ کے معتقدین ایک دوسری جماعت ہوتی ہے جو اپنے اس دوسرے شیخ کو وسیلہ ٹھہراتی اور اس کے توسل سے اپنی مرادیں طلب کرتی ہے، یہ بعینہٖ وہی بات ہے کہ مشرکوں کی ہر ایک قوم نے اپنے اپنے خدا مقرر کر رکھے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰـھًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ " (۹: ۳۱)

"یہود اور نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ اور عیسیٰ بن مریم کو خدا بنا رکھا ہے، بحالیکہ ان کو ایک ہی خدا کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ ایک خدا ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے، اور وہ اس سے پاک اور برتر ہے جو یہ لوگ شرک کرتے ہیں"

مصیبت میں شیخ طریقت کو پکارنا: یہ جو بعض مشائخ سے منقول ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف یا مصیبت پیش آئے یا تمہیں کسی بات کا خوف ہو تو تم مجھ کو پکارو، چاہے میں زندہ ہوں یا مردہ، اس سے تمہاری مصیبت ٹل جائے گی" یا تو اس شیخ پر (جس کی طرف یہ منسوب ہے) افترا ہے یا بصورت دیگر قائل کی غلطی اور غلط فہمی ہے، کیونکہ اس کا قائل غیر معصوم ہے۔ اور یہ صریح گمراہی ہوگی کہ قائل معصوم کے قول چھوڑ کر غیر معصوم قائل کا اتباع کیا جائے۔

قال اللہ وقال الرسول: اللہ اور اس کے رسولﷺ نے اس قسم کی باتوں کی تعلیم نہیں فرمائی بلکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ:

"فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ" (۹۴: ۷، ۸)

"جب تم فراغت پاؤ تو عبادت کی تکلیف برداشت کرو۔ اور اپنے رب کی طرف رغبت کرو"

یہ نہیں فرمایا کہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی طرف رجوع کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا" (۱۷:۵۶، ۵۷)

(اے محمدؐ) کہہ دے، جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خدا مقرر کر رکھا ہے۔ اُن کو پکارو (تمہیں) کچھ بھی فائدہ نہیں کیونکہ یہ اشخاص نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔ اور نہ کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ اشخاص جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں۔ ان میں سے جن کو نہایت قرب کا درجہ حاصل ہے۔ وہی اپنے رب تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھتے ہیں۔ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے"

علماء سلف کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو حضرت مسیحؑ حضرت عزیرؑ اور ملائکہ کو معبود سمجھے ہوئے ہیں۔ بارگاہِ عزت میں بھلا مشائخ کی کیا مجال ہے کہ اس قسم کا کلمہ منہ سے نکالیں؟ حالانکہ سید الاولین والآخرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے کسی صحابی سے یہ نہیں کہا کہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو مجھ کو پکارو۔ بلکہ اس کے برعکس اپنے چچا زاد بھائی ابن عباسؓ سے یہ تاکید فرمائی کہ: "اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو وہ بھی تمہارا لحاظ رکھے گا، اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھو، اس کو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے، خوشحالی کے وقت میں اس کے ساتھ پہچان حاصل کرو (اس کی عبادت اور اس کے پکارنے میں مشغول رہو) سختی کے وقت میں وہ تم کو نظرانداز نہیں فرمائے گا۔ جب تمہیں کوئی سوال کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، اور مدد مانگنی ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو"

رسول اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرنا: بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے لگو تو میرا واسطہ دے کر سوال کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میری بڑی حرمت ہے"

یہ روایت موضوع اور سفید جھوٹ ہے، اہل علم میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا ہے، اور نہ یہ روایت مسلمانوں کی کسی معتبر کتاب میں لکھی ہے، اگر کسی میت میں یہ فضیلت ہوتی کہ بارگاہِ کبریا میں اس کا واسطہ دے کر دعا کی جا سکتی تو بے شک سب سے مقدم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہوتی اور اگر اس سے کچھ فائدہ کا حصول متصور ہوتا تو سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام آپ کے انتقال کے بعد آپ کا واسطہ دینا اپنا دستور العمل ٹھہراتے (لیکن نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی یہ فضیلت کبھی بیان فرمائی اور نہ صحابہ کرام نے کبھی آپ کے نام کا واسطہ دے کر دعا کی)

خلاصہ کلام:۔ اس تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قول صریح گمراہی ہے، اور اگر فی الواقع کسی شیخ طریقت نے ایسا کہا بھی ہو تو یہ اس کی غلطی اور غلط فہمی ہے۔ اور اگر وہ مجتہد ہے تو اللہ تعالے اس کی اس غلطی کو معاف فرمائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن وہ شیخ طریقت یا مجتہد نبیوں کی طرح معصوم نہیں ہے کہ اس کے قول کا اتباع کیا جائے! اللہ تعالے کا یہ قول اس بارے میں فصل الخطاب کا حکم رکھتا ہے:۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (۴: ۵۹)

"اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو (اس اختلاف کو مٹانے اور اس کا فیصلہ کرنے کیلئے) اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو"

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر

عمل شرک:۔ بعض خوش عقیدہ لوگوں کا قول ہے کہ "جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی قبر کی طرف منہ کرے، اس پر سلام کہے اور ہر ایک دفعہ سلام کہتے ہوئے ایک قدم اٹھائے اور اس طرح سات قدم پورے کرے اس کی حاجت پوری ہوگی" یہ عمل شرک ہے اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے یہ نہیں کہا اور نہ کبھی کو اس کی تعلیم دی۔ اور اگر کوئی ان کی طرف منسوب کرے تو یہ نرا جھوٹ ہوگا۔ اس قسم کی باتیں اہل غلو اور اہل اشتراک کے من گھڑت افسانے ہیں،

جن کو مشائخ کے اعتقاد میں منہمک ہو کر حق اور باطل کی تمیز نہیں رہتی۔

مشابہت نصاریٰ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث ہے کہ "قبروں پر مت بیٹھو اور ان کی طرف منہ کر کے نماز مت پڑھو" جب آپ نے نماز میں بھی جو خالص خدا تعالیٰ کی عبادت ہے، قبر کی طرف منہ کرنا منع فرمایا ہے تو یہ کیسے جائز ہوگا کہ باوجود بُعدِ مسافت کے کسی شیخ کی قبر کی طرف منہ کرے اور غیر اللہ سے دعا مانگے۔ کیا اس کا یہ عمل نصاریٰ کے عمل کے مشابہ نہیں جو احبار اور رہبان کو اپنا خدا بنا سکتے ہیں۔ اور ان کو اپنا قاضی الحاجات تصور کر کے ان سے اور ان کا واسطہ دے کر دعائیں مانگتے ہیں؟

استجابتِ دعا کے اوقات و مقامات

آسمانِ دنیا پر نزولِ باری تعالیٰ:۔ بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا کسی معین وقت یا کسی خاص مکان میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ (جس سے ان کا اشارہ کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف ہوتا ہے) اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک بعض خاص اوقات میں اور بعض خاص حالات میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ جب ایک تہائی رات رہ جاتی ہے تو ہمارا رب تبارک و تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرما کر یہ فرماتا ہے:۔

"کوئی دعا مانگنے والا ہے جس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تاکہ میں اس کی حاجت پوری کروں؟ کوئی بخشش طلب کرنے والا ہے جس کو میں بخش دوں؟ طلوعِ فجر تک اسی طرح فرماتا ہے"

ایک اور حدیث میں ہے کہ "رات کے درمیانی حصہ میں انسان کو اپنے رب تعالےٰ سے بہت زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے" دعائے نیم شبی اسی لئے مشہور اور زبان زدِ خلائق ہے۔

اوقاتِ دعا:۔ اسی طرح نزولِ باراں کے وقت، گھمسان لڑائی کے دوران میں، اذان اور اقامت کے خاتمہ پر، نماز پڑھ چکنے کے بعد، سجدے کی حالت میں، جبکہ آدمی مسافر یا روزہ دار ہو،

اور نیز مظلوم کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔

مشاعر حج و صحاح اور مسانید میں ایسی حدیثیں موجود ہیں، جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ حالتوں میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ بعض مکان بھی ایسے ہیں، جہاں دعا قبول ہوتی ہے جیسے عرفات، مزدلفہ، منیٰ اور ملتزم وغیرہ (یہ سب جگہیں مکہ معظمہ میں ہیں اور حج کے مناسک بجالاتے ہوئے ان مقامات پر دعا کرنے کا موقع ملتا ہے)

اسی طرح مسجد میں دعا کرنا افضل ہے۔ اور بالخصوص جن مساجد کو بروئے حدیث خاص فضیلت ہے، مسجد الحرام، مسجد نبویؐ، اور بیت المقدس کی مسجد۔ ان میں اسی نسبت سے نماز پڑھنا اور دعا کرنا افضل ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ کسی خاص مکان میں اس لئے نماز یا دعا کو فضیلت حاصل ہے کہ وہاں پر کسی نبی یا ولی کی قبر موجود ہے۔ علماء سلف اور ائمہ سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ بلکہ نصاریٰ کی مشابہت سے بعض اہل بدعت نے اس کو رواج دیا ہے، اور اس کی اصل مشرکوں کے دین میں ہے۔ موحدین اور مخلصین کے مذہب میں یہ بات نہیں۔

قبر کے واسطہ سے دعا

سلف صالحین کا قول:۔ بعض قبریں جو کسی نبی یا صحابی یا ولی کی بیان کی جاتی ہیں۔ بعض لوگ وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں۔ یا اپنے جسم کو قبر سے لگاتے ہیں۔ یا قبر کی کسی چیز کو چھوتے اور جسم پر پھیرتے ہیں۔ یہ فعل ان کا بدعت ہے اور سنت نبویؐ کے مخالف ہے کیونکہ علماء سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ ایسی جگہوں میں نماز اور دعا کی کوئی خاص فضیلت نہیں ہے اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی سے ایسا کرنا منقول ہے، بلکہ ایسا کرنے سے ایسی حالت میں بھی منع کرتے تھے جبکہ وہ قبر سے یا اس کے واسطہ سے دعا نہ مانگیں، چہ جائیکہ یہ بھی اس کے ساتھ جمع ہو۔ اور اس لئے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے اہل زمان جو قبروں پر جا کر اہل قبور سے یا ان کے واسطہ سے دعا مانگتے ہیں۔ ان لوگوں کو وہ کس نظر سے دیکھتے؟

واسطہ دے کر دعا مانگنا

کلام مجید اور کعبہ بعض لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ کیا کسی پیغمبر یا ولی کا واسطہ دے کر یا کلام مجید اور کعبہ شریف کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا جائز ہے؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے "بحق فلاں" یا "بحرمت فلاں" یا "بجاہ المقربین" کہے یا انبیاء اور صالحین کے اعمال اور افعال کا واسطہ دے کر دعا مانگے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دعائیں جن کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ میں ہے۔ ان میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اور اس کی صفات علیاء کے واسطہ سے دعا مانگی گئی ہے، نیز کلام پاک کے ساتھ پناہ مانگنے کا بھی ذکر ہے، جیسے کہ سنن میں یہ دعا منقول ہے:۔

اللهم انی اسالك بان لك الحمد انت الله بديع السموٰت والارض يا ذوالجلال والاكرام يا حی يا قيوم۔

اور جیسے کہ:۔

اللهم انی اسالك بانك انت الله الاحد الصمد الذی لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد۔

اور جیسے کہ یہ دعا جو مسند میں موجود ہے۔

اللهم انی اسالك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغيب عندك۔

مخلوقات کی قسم کھانا شرک ہے:۔ وہ دعائیں جو عوام میں مشہور ہیں اور جن کو بازاروں میں بیٹھ کر تعویذ فروش لکھا کرتے ہیں۔ جیسے کہ یہ دعا کہ:۔

اسالك باحتياط قاف وهو يوت الحان والطور والعرش والكرسی وزمزم والمقام والبلد الحرام۔

اور اسی قسم کی دوسری دعائیں، ان میں سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے منقول نہیں۔ اور کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان چیزوں پر حلف کھائے

یا اللہ تعالیٰ سے اُن کا واسطہ دے کر درخواست کرے۔

صحیح حدیث میں ہے:۔ "جو شخص قسم کھانا چاہتا ہے۔اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم چاہیئے، بصورت دیگر چپ رہے"

"جس نے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا" الغرض کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مخلوقات میں سے کسی کی قسم کھائے۔

اللہ کے مقبول بندوں کی دعا:۔ اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے مقبول بندے ہیں جن کی قسموں کو رد نہیں فرماتا، چنانچہ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاصاً ربیع کا دانت توڑنے کا حکم دیا تو انس بن النضیرؓ نے کہا: "مجھے اُس خدا کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی کرکے بھیجا کہ ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا" اس پر فریق ثانی نے قصاص مطالبہ چھوڑ دیا اور دیت پر راضی ہو گئے جس سے انس بن النضیرؓ کی قسم پوری ہو گئی، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ، مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ"

"اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے بھی ہیں جو اگر قسم کھا کر خدائے تعالیٰ سے کوئی التماس پورا کرانے پر اصرار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کرتا ہے"

توسّل کے مشروع وسائل:۔ انس بن النضیرؓ کی طرح ایک موقع پر براء بن مالکؓ نے بھی کہا تھا کہ بار خدایا! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو ایسا کرے! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اللہ تعالےٰ نے اُس کی قسم پوری کی۔

انسان ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے اُن اسباب کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے جو اس کے مطلوب کے مقتضی ہیں یعنی!

۱۔ اعمالِ صالحہ جن پر اللہ تعالےٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں سے (جو مستجاب الدعوات ہیں) دعا کرائے، جیسے کہ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کبریا میں اس کے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے چچا عباسؓ اور دوسرے صالحین

کی دعا سے توسّل کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آپ نے استسقا کے موقع پر حضرت عباسؓ سے دعا کرائی تھی، جو اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اسی قبیل سے وہ روایت ہے جس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے کہ "ایک شخص نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے لیے دعا کیجئے کہ مجھے آنکھیں بخش دے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد یہ کہے کہ "بار خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ یا محمد! یا رسول اللہ! میں آپ کو وسیلہ بنا کر اپنے رب تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کے بارے میں متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ اس کو پورا کرے۔ بار خدایا! آپ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔"

اس کا ملخص یہ ہے کہ سائل نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کو وسیلہ بنا کر بارگاہِ الٰہی جل شانہ میں اس کو شفیع لایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی استدعا ہے کہ وہ آپ کی شفاعت یعنی دعا کو اس کے حق میں قبول فرمائے۔

مخلوق کا واسطہ دے کر توسّل چاہنا۔ یہ (ایک اندھے والی حدیث کا) واقعہ بعینہٖ اُن دوسرے واقعات کی طرح ہے جن میں صحابہ کرام آپ کی دعا سے توسّل کیا کرتے تھے۔ لیکن کسی کا یہ کہنا کہ "بار خدایا! میں تجھ سے بحق ملائکہ یا بحق تیرے رسولوں اور انبیاءؑ کے یا بحق فلاں رسول کے یا بحق بیت الحرام وغیرہ سوال کرتا ہوں۔"

اس قسم کی دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و تابعین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، بلکہ بہت سے علماء، مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب امام ابویوسفؒ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان الفاظ میں دعا کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں کسی مخلوق کا واسطہ دے کر اور اس کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہے، لیکن سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی قسم کھانا جائز نہیں اگرچہ وہ اس کو قضائے حاجت کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس کا واسطہ دے۔

دو مستحسن طریق دعاء:۔ اگر کوئی شخص اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعا کرے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صالحین کی دعا سے توسل کرے (ان سے دعا کرائے) تو اس میں شک نہیں کہ اعمالِ صالحہ پر اللہ تعالیٰ نے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کی دعا قبول کر لینا بھی ایک قسم کا ثواب ہے اور صالحین کی دعا زیادہ تر قبول ہوتی ہے، اس لیے کسی شخص کا ان دو طریقوں سے دعا کرنا توسل بالاسباب ہے۔ چنانچہ غار کی مشہور حدیث میں تین آدمیوں نے اپنے اعمالِ صالحہ کے توسل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ اللہ کی بارگاہِ کبریا میں توسل بالانبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان پر ایمان لائے۔ اور ان کی اطاعت کرے، ان پر درود اور سلام بھیجے اور ان سے سچی محبت رکھے، یا ان کی حیات میں ان سے دعا کرائے۔

توسل بلا اسباب:۔ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذات سے توسل کرنے اور ان کے نام کا واسطہ دینے میں حصولِ مطلوب اور قضائے حاجت کا کوئی سبب مقتضی نہیں۔ اور اس لیے یہ توسل بالاسباب میں داخل نہیں ہوگا، اور اس بنا پر اس کا یہ قول قانونِ قدرت (اسباب اور مسببات کا قانون) کے خلاف ہوگا (جس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے قانونِ قدرت کی خلاف ورزی کریں) ہاں بے شک دراصل انبیاء علیہم السلام کا کتنا ہی بڑا مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وہ نہایت ہی مقبول بندے ہیں۔ لیکن دوسروں کی دعا قبول کرنے کے سلسلے میں ان کی ذات یا ان کے نام کا توسل کچھ فائدہ بخش نہیں۔ ان کا توسل صرف اس صورت میں فائدہ دیتا ہے جبکہ خود داعی کی ذات میں ان کا توسل اجابتِ دعا کا سبب پیدا کر دے، مثلاً ان پر ایمان لانا، ان کی اطاعت اور محبت۔ دوسری صورت یہ ہے، کہ ان کی ذات میں اجابت کا سبب موجود ہو، مثلاً ان کا اس کے لئے عہدِ زندگی میں دعا کرنا اور شفیع بننا، یہی دو باتیں ہیں، جن کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے توسل کیا جا سکتا ہے اور بس!

انبیاءؑ کی یادگاریں

تشبیہ یہود و نصاریٰ:۔ بعض لوگوں کا یہ قول کہ کیا اُس مکان کی تعظیم جائز ہے جس میں آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا، کہ ایسی جگہوں کو مساجد اور زیارت گاہ بنانا یہود و نصاریٰ کے اعمال میں سے ہے جن کے ساتھ تشبیہ سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔ ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے سفر میں ایک قوم کو دیکھا جو ایک مکان کی طرف دوڑ رہے تھے۔ خلیفۂ حق نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ مکان ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ آپ نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی ہے، تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی یادگاروں کو مسجد بناؤ۔ اگر کسی شخص پر ایسے مقام میں نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لے، ورنہ چلا چلے" حضرت عمرؓ نے یہ صحابہ کی جماعت کے سامنے فرمایا۔

بدعت کا دروازہ کھولنا:۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفروں میں متعدد جگہوں پر نماز پڑھی ہے۔ اور مومنانِ صادق نے کئی جگہوں پر آپ کو خواب میں دیکھا۔ لیکن سلفِ صالح نے ان جگہوں میں سے کسی جگہ کو بھی مسجد نہیں بنایا، اور نہ اس کو زیارت گاہ ٹھہرایا۔ اور اگر ایسی باتوں کا دروازہ کھول دیا جائے، تو مسلمانوں کے اکثر گھر مسجدیں اور زیارت گاہ بنائے جائیں گے، کیونکہ مومنانِ صادق ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں برابر دیکھتے رہتے ہیں اور بہت سے مومن ایسے ہیں جن کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ایسی جگہوں کو مقدس سمجھ کر زعفران وغیرہ کا وہاں پر چھڑکنا سخت ناپسندیدہ بدعت ہے۔

دروغبافی کی حد ہو گئی:۔ بعض دروغباف اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں۔ کسی جگہ پر نشانِ قدم دیکھ لیا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ آپؐ کا قدم مبارک ہے۔ اور پھر اس کی تعظیم شروع ہو جاتی ہے، اور وہاں پر میلے منعقد ہونے لگتے ہیں، یہ سب جھوٹی اور بے اصل باتیں ہیں۔

علیٰ ہذہ القیاس یہ جو بعض لوگ پتھروں پر قدم کا نشان لئے پھرتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہے، یہ بھی کذب و افترا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کسی نبی کے قیام گاہ اور نشست گاہ کو سجدہ گاہ ٹھہرانے کا حکم نہیں

دیا۔ یہ حکم صرف مقام ابراہیمؑ کے لئے مخصوص ہے۔ فرمایا:۔

"وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (۲: ۱۲۵)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قیام گاہ کو جائے نماز سمجھو"

جیسے کہ استلام (چھونا بطریق تعظیم) اور بوسہ دینا تمام دنیا کے پتھروں میں سے حجر اسود کے لئے مخصوص کیا گیا ہے، اسی طرح بیت الحرام کو یہ فضیلت بخشی ہے کہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے۔ لیکن اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اور کسی جگہ کو ان جگہوں پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی اس اختصاص کو اٹھا دے تو اس کی بعینہ یہ مثال ہوگی کہ کوئی شخص کعبہ شریف کے علاوہ کسی اور مقام کو حج کے لئے معین کر دے۔ یا شعبان میں رمضان کے روزے رکھے، وغیرہ وغیرہ۔

بیت المقدس کا صخرہ:۔ بیت المقدس کا صخرہ ایک قابل احترام جگہ ہے لیکن اس پر اجماع ہے کہ حجر اسود کی طرح اس کو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ بلکہ صخرہ کے نزدیک نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کی بھی کوئی خاص فضیلت نہیں، بلکہ جس مسجد کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کے لئے تعمیر کرایا، اس کے قبلہ میں نماز پڑھنا صخرہ کے نزدیک نماز پڑھنے اور دعا مانگنے سے افضل ہے۔

حضرت عمرؓ اور صخرہ:۔ حضرت عمرؓ نے جب یروشلم کا شہر فتح کیا تو آپ نے کعب الاحبارؒ سے مشورہ لیا کہ مسلمانوں کے لئے کہاں پر مسجد بنائی جائے؟ کعب الاحبارؒ نے آپ کو مشورہ دیا کہ صخرہ کے پیچھے اس کا تعمیر کرانا مناسب ہوگا۔ حضرت عمرؓ اس سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ "اے ابن یہودیہ کے بیٹے! ابھی تک تمہارے عقاید اور خیالات میں یہودیت سرایت کئے ہوئے ہے میں تمہارا یہ کہا نہیں مانوں گا بلکہ صخرہ کے سامنے اپنی مسجد بنواؤں گا" اس کے بعد انہوں نے یہ مسجد تعمیر کرائی۔ جس کو عام لوگ "مسجد اقصیٰ" کہتے ہیں۔ آپ نے نہ تو صخرہ کو ہاتھ لگایا۔ اور نہ اس کو بوسہ دیا اور نہ اس کے پاس نماز پڑھی۔

صحیح بخاری میں آپ کا یہ قول منقول ہے کہ جب آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تو اس طرح گویا ہوئے "خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع دے سکتا ہے۔ اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھے انہوں نے

بوسہ دیا تو میں تجھے ہرگز نہ چومتا۔"

سلف صالحین کا طرزِ عمل:۔ عبداللہ بن عمرؓ جب مسجد اقصیٰ میں وارد ہوتے تو وہاں نماز پڑھتے تھے، لیکن صخرہ کے پاس نہیں جاتے تھے۔ دوسرے سلف صالحین کا بھی یہی دستور العمل تھا۔ اسی طرح وہ حجرہ شریف جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے، یا وہ حجرہ جس میں حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں اور دوسرے حجرے جن میں کوئی نبی یا مرد صالح مدفون ہے، اس کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا مستحب نہیں۔ اس پر ائمہ دین کا اتفاق ہے، بلکہ اکثروں نے اس سے منع کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی ان کو سجدہ کرے یا صاحب قبر کو اس طرح مخاطب کرے جس طرح اللہ تعالےٰ کو مخاطب کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ میری تقصیرات معاف فرما دے، یا مجھ کو دشمن پر فتح دو، وغیرہ تو اس کا یہ فعل اور قول کفر ہے۔

مقدّس مقامات سے توسّل

نیاز چڑھانا:۔ عوام الناس کا یہ عقیدہ اور عمل ہے کہ بعض درختوں، پتھروں، اور چشموں کو مقدس سمجھتے اور اُن کے لئے نذریں مانتے اور اُن پر نیاز چڑھاتے ہیں۔ بعض لوگ ان پر چیتھڑے لٹکاتے ہیں یا کسی درخت کے پتّے لے کر اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں یا ان چیزوں کے پاس نماز پڑھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب باتیں سخت ناپسندیدہ بدعت ہیں۔ ایسا کرنا اعمالِ جاہلیت میں سے ہے، اور یہ شرک کے ذرائع ہیں، جن کا سدباب کرنا نہایت ضروری ہے۔

ذاتِ انواط:۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ مشرکین ایک درخت پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اور وہ درخت ان کے ہاں "ذات انواط" کے نام سے مشہور تھا۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس طرح ہمارے حریفوں کا ایک "ذاتِ انواط" ہے، اسی طرح ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمائیں۔ آپ نے یہ سُن کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا اور فرمانے لگے "یہ تو تم نے ایسی بات کہی جیسے کہ بنی اسرائیل نے

دجن کے رگ و ریشہ میں شرک سرایت کئے ہوئے تھا) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
کہا تھا کہ:۔

یٰمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ (۷:۱۳۸)

د اے موسیٰ ؑ ہمارے لیے بھی ایک خدا بنا دو جس طرح ان لوگوں کے خدا ہیں"
د بے شک تم پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے اور اُن سے ایک انچ بھی پیچھے
رہو گے، یہاں تک کہ اگر کوئی اُن میں سے گوہ کے سوراخ میں داخل ہوا ہے تو تم بھی دا
اور اگر کسی نے راستے میں اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو تم بھی اُس کی تقلید کرو گے"
بیعت الرضوان:۔ نیز ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ سے کسی نے کہا کہ کچھ
اس درخت کے پاس جا کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں۔ جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ و
نے حدیبیہ کے مقام پر بیعت الرضوان کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس درخت کو کا
دیا جائے۔ علمائے دین کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی ان جگہوں میں سے کسی جگہ کے لے
کرے تو اُس کا پورا کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ ان جیسے مقامات میں نماز ادا کرنے یاد
عبادت بجالانے کی کوئی خاص فضیلت نہیں۔

خدا کی یاد اور مساجد

انبیاء و صلحاء کے مقدس مقامات:۔ ان باتوں کے ردّ و ابطال کا اصول یہ ہے کہ
اسلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز، دعا اور خدا کی یاد کے لئے مسجدوں کے لئے
جگہ مقرر نہیں فرمائی۔ البتہ مشاعر حج، جہاں پر حج کے اعمال بجالائے جاتے ہیں، اس ح
مستثنیٰ ہیں۔ لیکن انبیاء اور صالحین کے مزارات یا وہ جگہیں جو کسی نہ کسی طرح ان کی طرف
ہیں، یا ان کی عبادت گاہیں از قسم کہوف و مغارات (وہ کھوئیں جو پہاڑوں میں ہوتی ہیں
جس پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوئے تھے، یا غار حرا
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم قبل از بعثت عبادت فرمایا کرتے تھے، یا وہ غار جس میں آنحضر

کافروں کے خوف سے ہجرت کے وقت میں چھپے تھے اور جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے یا دمشق میں جبل قاسیون کا غار جو "مغارۃ الدم" کے نام سے مشہور ہے، اور وہ دو مقام جو اس کے مشرقی اور مغربی جانب واقع ہیں جن میں سے ایک کو مقام ابراہیم اور دوسرے کو مقام عیسیٰ کہتے ہیں، اور نیز اس قسم کے دوسرے مقامات جو مشرق و مغرب میں روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، ان کی زیارت کے لئے سفر کرنا مشروع نہیں، اور اگر کسی نے ان مقامات کی طرف جانے کی منت مانی تو باتفاق ائمہ اس پر ایفا واجب نہیں۔

شد رحال :۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہ و ابوسعید رضی اللہ عنہم وغیرہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ :۔

"مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے بغیر اور کسی مقام کے لئے سفر نہ کیا جائے"۔

ایک تاریخی واقعہ :۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جب صحابہ کرام نے بلاد شام و عراق اور مصر و خراسان کو فتح کیا تو انہوں نے کبھی ان مقامات کا قصد نہیں کیا، اور نہ اُن کی زیارت کے لئے سفر کیا اور نہ ہی اُن کو نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے لئے مخصوص کیا، بلکہ وہ اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور شریعت کے پابند تھے، اور مسجدوں ہی کے آباد رکھنے میں مشغول رہتے تھے، جن کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۔ (۲:۱۱۴)

"کون ہے ظالم تر اس شخص سے جو اللہ کی مسجدوں میں خدا کی یاد سے روکے"

دوسری جگہ ہے :۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ، (۹:۱۸)

"بے شک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ تعالےٰ اور روز قیامت پر ایمان لایا ہے، نماز کو قائم رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا خوف دل میں نہیں رکھتا"۔

اور ارشاد ہوتا ہے:۔

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ (۷ : ۲۹)

"اے محمد! کہہ دے میرے رب نے انصاف کا حکم دے دیا ہے، اور نیز یہ کہ تم ہر ایک ایسے وقت میں جبکہ مسجد کو جاؤ اپنے منہ کو سیدھا کر لو"

اور فرمایا:۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۔ (۷۲ : ۱۸)

"اور بے شک مسجدیں اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں اس لئے ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو مت پکارو"

اسی طرح مساجد کے حق میں بیشمار آیتیں کلام مجید میں موجود ہیں۔

مسجد میں نماز پڑھنا:۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ کسی شخص کا مسجد میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے اور بازار میں نماز پڑھنے پر پچیس درجہ فوقیت رکھتا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر لیتا ہے۔ اور پھر مسجد میں حاضر ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے مسجد میں آنے کا سوائے نماز ادا کرنے کے اور کوئی باعث اور محرک نہ ہو تو اس کو ہر ایک قدم پر ثواب ملتا ہے، جب وہ قدم اٹھاتا ہے تو اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور جب قدم رکھتا ہے تو اس کا ایک گناہ کم ہوتا ہے۔ اور جب وہ بیٹھ کر نماز (جماعت) کا انتظار کرتا ہے تو جب تک وہ انتظار میں رہتا ہے، اس کو نماز میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھ چکتا ہے تو جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے، ملائکہ اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "بار خدایا! تو اس کو بخش دے، بار خدایا! تو اس پر اپنی رحمت نازل فرما"

مشاہد کے لئے سفر کرنا:۔ جو شخص کسی نبی کی قبر یا دوسرے مشاہد کے لئے سفر کرے، اس کے بارے میں متاخرین نے اختلاف کیا ہے۔ محققین کا قول ہے کہ یہ سفر معصیت ہے اور نماز کا قصر کرنا اس میں جائز نہیں، جیسے کہ دوسرے سفر ہائے معصیت میں قصر جائز نہیں۔ ابن عقیل وغیرہؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔ ابوعبداللہ بن بطہؒ نے لکھا ہے کہ یہ ایک نو پیدا

بدعت ہے، بلکہ اگر کوئی اِن مقامات میں نماز پڑھنے یا دُعا مانگنے کا قصد کرے تو اس کی بھی شریعت مطہرہ میں کوئی اصلیت نہیں، اور نہ ہی سابقین اولین (صحابہ اور تابعین) میں سے کسی نے نماز پڑھنے یا دُعا مانگنے کے لئے ایسے مقامات کا قصد کیا ہے۔

صحابہ اور تابعین کا طرزِ عمل :- صحابہ اور تابعین صرف مسجدوں کا قصد کیا کرتے تھے، بلکہ جو مسجدیں غیر مشروع طور پر بنائی گئیں، مثلاً مسجد ضرار، اُن میں بھی نماز ادا کرنے سے پرہیز کرتے تھے، قال اللہ تعالیٰ :-

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ، لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا، لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ، فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" (۹: ۱۰۷، ۱۰۸)

(جن لوگوں نے ایک ایسی مسجد بنائی ہے جس کا مقصد ضرر پہنچانا ہے، اس کا محرک اور باعث ان کا کفر اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا خیال ہے، اور ایک ایسے شخص کے لئے کمین گاہ بنائی گئی ہے جو اس سے پہلے اللہ اور رسول کے ساتھ لڑائی کر چکا ہے۔ یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نہایت ہی اچھا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس شہادت کا اظہار فرماتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں مت کھڑا ہو، یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن تقویٰ پر ڈالی گئی تھی، اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو، اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزہ رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

قبر کو مسجد بنانا :- جو مسجدیں انبیاء اور صالحین کی قبروں پر بنائی گئی ہیں۔ اُن میں ہرگز نماز جائز نہیں۔ اور اُن کی تعمیر حرام ہے، جیسے کہ اکثر ائمہ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحاح اور سنن اور مسانید میں (حدیث کی کتابوں کی قسمیں ہیں) مستفیض طور پر ثابت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے :-

"بے شک جو تم سے پہلے قومیں گذری ہیں، وہ قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے، میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تم ایسا مت کرو، بیشک میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔"

آپؐ نے اپنی مرض الموت میں فرمایا: "یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا اس فرمان سے مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی امت کو ان افعال سے ڈرانا اور پرہیز کرانا چاہتے تھے، اور اگر یہ خوف نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر کھلی جگہ میں بنائی جاتی۔ آپؐ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ آپؐ کی قبر کو مسجد ٹھہرا لیا جائے۔"

آپ کا حجرۂ مبارک جس میں کہ آپ مدفون ہیں مسجد سے خارج تھا۔ جب ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو لکھا جو اس کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا کہ "مسجد نبوی کے حدود میں وسعت کی جائے" چنانچہ اس نے ازواج مطہرات کے حجروں کو جو مسجد کے شرق جانب تھے، خرید کر مسجد میں شامل کر لیا۔ اس طرح آپؐ کا مدفن شریف بھی مسجد میں داخل ہو گیا اور اس حجرے کو انہوں نے قبلے کی جانب میں کوہان پشت بنایا تاکہ کوئی شخص اس کی طرف نماز نہ پڑھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر:۔ اسی طرح جب مسلمانوں نے بلادِ شام کو فتح کیا تو ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ کی قبر پر سور سلیمانی موجود تھی جس میں کوئی شخص داخل نہیں ہوتا تھا، اور نہ کوئی اس طرف نماز پڑھتا تھا، مسلمان لوگ اپنی نمازیں قریۃ الخلیل کی ایک مسجد میں پڑھا کرتے تھے، خلفاء راشدین کے عہد میں اور اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک یہی حالت رہی، جس کے بعد سور سلیمانی دیوار میں سوراخ پڑ گیا اور پھر اس میں دروازہ بنایا گیا۔

خلاصۂ کلام:۔ الغرض تقریر مندرجۂ بالا ان قبروں کے متعلق ہے جو درحقیقت انبیاءؑ اور صالحینؒ ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر جو قبریں انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں، وہ جھوٹے طور کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جیسے ایک قبر جو نوح علیہ السلام کی قبر کے نام سے مشہور ہے تھوڑی مدت ہوئی جاہلوں نے اس کو ظاہر کر کے مشہور کیا ہے۔ اور حقیقت میں سفید جھوٹ

میں ذرہ بھی شک نہیں۔

زیارتِ عسقلان :۔ سائل نے منجملہ دوسرے مزارات کے زیارتِ عسقلان کی بابت بھی دریافت کیا ہے، اُس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عسقلان زمانہ قدیم یعنی عصرِ اوّل میں اسلامی خلافت کی ایک سرحد تھی، اور سرفروش مسلمان جہاد کے انتظار میں رہنے کی غرض سے وہاں جاکر رہتے تھے۔ (کیونکہ سرحدی مقامات پر جہاد کا موقعہ اکثر پیش آتا ہے) اسی طرح دوسرے سرحدی مقامات پر بھی مجاہدین اسی غرض کے لئے مقیم رہتے تھے، جیسے کہ جبل لبنان سرزمین شام میں، اسکندریہ مصر میں، عبادان اور قزوین وغیرہ عراق میں۔ اسی طرح سرحدی مقامات میں رہ کر جہاد کے انتظار کرنے کو شرع کی اصطلاح میں رباط کہتے ہیں۔ اور جس کی بابت اس آیت میں حکم دیا گیا ہے:۔

"یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ" (۳: ۱۹۹)

"اے مسلمانو! استقلال اور ثابت قدمی اختیار کرو، دشمن کے مقابلے میں مضبوط رہو، جہاد کے لئے تیار رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہوگے"

صحیح مسلم میں بروایت سلمان فارسیؓ ایک حدیث ہے کہ خدا کے راستے میں ایک دن رات رباط کرنا پورے ایک مہینہ کے روزہ رکھنے اور قیام کرنے سے بہتر ہے، اور جو شخص رباط کی حالت میں مرجائے، وہ مجاہد مرا۔ اس کا عمل نیک اس کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اس کو جنت میں رزق دیا جائے گا، اور فتنے سے محفوظ رہے گا۔"

سنن ابوداؤد وغیرہ حدیث کی کتابوں میں

رباط حرمین کی مجاورت سے افضل ہے :۔ بروایت عثمانؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ :۔

"ایک دن رباط میں رہنا دوسرے مقامات میں ہزار دن رہنے سے بہتر ہے"

ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ :۔

"اگر میں ایک رات رباط کی حالت میں رہ جاؤں تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ حجرِ اسود کے پاس شبِ قدر کی عبادت میں مشغول رہوں"

انہی حدیثوں کی بنا پر علماء کا قول ہے کہ سرحدی مقامات پر رباط کی حالت میں رہنا حرمین شریفین کی مجاورت سے بہتر ہے، کیونکہ رباط جہاد کی ایک قسم ہے، اور مجاورت حرمین حج کی ایک قسم ہے، اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حج سے جہاد افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ" (۹: ۱۹، ۲۰)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد رکھنا ایسا ہی خیال کیا ہے، جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے؟ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک برابر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں، اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

فضیلتِ رباط کی وجہ:۔ الغرض اُن سرحدی مقامات کو قابلِ تعظیم سمجھنے کی اصلیت یہ ہے جس کا ابھی بیان کیا گیا۔ کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ان میں سے بعض مقامات پر تو کافروں نے قبضہ کر لیا، یا اہلِ بدعت اور فاسق فاجر لوگ وہاں رہنے لگے، اور بعض اُن میں سے ویران اور غیر آباد ہو گئے، اور دوسرے مقامات کو رباط کی جگہ ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہو گئی، کیونکہ پہلے مقامات کی فضیلت بھی اسی وجہ سے تھی، حقیقت یہ ہے کہ جگہوں میں بذاتِ خود کوئی فضیلت نہیں ہوتی، اس لئے تغیر حالات کے بموجب ان کے احکام بھی متبدل ہوتے رہتے ہیں۔

دارالاسلام اور دارالکفر کی وجہ تسمیہ:۔ ایک ملک میں کافر رہتے ہیں، اس لئے اُس کو دارالکفر کہا جاتا ہے، لیکن وہی لوگ جب اسلام اختیار کر لیتے ہیں، تو اُن کی وجہ سے وہی سرزمین دارالاسلام کہلاتی ہے، چنانچہ مکہ معظمہ ابتدا میں دارالکفر اور دارالحرب تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو فتح کیا تو وہ دارالاسلام بن گیا، اسی طرح ارضِ مقدسہ میں پہلے کافر اور جب

لوگ رہتے تھے جن کا قصہ سورہ مائدہ کے پانچویں رکوع میں مفصل مذکور ہے، اور قرآن کریم میں اُس کو "دار الفاسقین" کہا ہے، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السّلام اور اُس کی قوم کو اللہ تعالےٰ نے غرق ہونے سے نجات دی تو اُن سے اس طرح خطاب فرمایا:۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفَاسِقِيْنَ ۔

"عنقریب میں تم کو بے فرمان لوگوں کا ملک اور وطن دکھاؤں گا"

اُس وقت میں وہ ملک فی الواقع دار الفاسقین تھا کیونکہ اُس میں خدا کے نافرمان بندے بستے تھے۔ لیکن جب اُس میں بنی اسرائیل کی قوم کے صالحین سکونت پذیر ہو گئے تو وہ ملک دار الصالحین بن گیا۔

کسی جگہ کا محمود و مذموم ہونا:۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جس کا پہچاننا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ایک ہی جگہ (شہر یا ملک) کے سکان کی حالت مختلف ہونے کی وجہ سے ایک وقت میں محمود اور قابلِ تعریف اور دوسرے وقت میں مذموم اور قابلِ تفریح ہوتی ہے۔ الغرض جگہوں کی خوبی یا عدم خوبی ہمیشہ ایک اضافی امر ہوتا ہے، اور در اصل مدح یا ذم ایمان اور عمل صالح کے وجود اور عدم پر مترتب ہوتی ہے۔

انسان کی فضیلت کا انحصار:۔ اسی طرح آدمیوں کی فضیلت بھی کچھ باپ دادا پر منحصر نہیں بلکہ اس کا تعلق خود اُن کے ذاتی کمالات اور خوبیوں، ایمان اور عمل صالح سے ہے۔ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ (۴۹-۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی نر و مادہ سے پیدا کیا، اور اس لئے تم کو قوموں اور گوتوں میں تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعہ تم ایک دوسرے پر فخر کرو اور ایک دوسرے کی تحقیر کرو) بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ بالعکس اسی طرح کسی گورے چٹے کو کالے حبشی پر فوقیت حاصل نہیں، امتیاز کی چیز صرف تقویٰ (اور نیک عمل) ہے، سب لوگ آدم کے بیٹے

ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔"
ابوالدرداءؓ اور سلمان فارسیؓ کے درمیان آنحضرت صلعم نے عقد مواخات کیا تھا، حضرت عمرؓ
کی خلافت کے زمانے میں سلمان فارسیؓ عراق میں حضرت عمرؓ کا نائب تھا، اور ابوالدرداءؓ شام
میں رہتا تھا، مؤخر الذکر نے اول الذکر کو لکھا کہ آؤ پاک سرزمین میں چلے آؤ، سلمان فارسیؓ نے
اس کے جواب میں لکھا کہ:-
"کوئی سرزمین کسی کو پاک نہیں بناتی، صرف نیک عمل ایک ایسی چیز ہے جو انسان
کو پاک اور مقدس بناتا ہے۔"

استغاثہ بجاہِ فلاں

عیسائیوں کی مشابہت :- جب کسی کا قدم پھسل جائے، اور وہ یہ کہے کہ :- یا جاہ محمد
یا الست نفیسہ۔ یا سیدی الشیخ فلاں (یا غوث الاعظم وغیرہ)
اس قسم کے الفاظ جن میں سوال اور استغاثہ پایا جاتا ہے، ایسا کہنا ناجائز اور شرک میں داخل ہے کیونکہ
کوئی میت خواہ وہ نبی ہو یا ولی اس کو حاجت کے وقت پکارنا، اس سے دعا مانگنا، یا اس سے فریاد
کرنا جائز نہیں، خواہ وہ پکارنے والا قبر کے پاس ہو، یا اس سے دور ہو۔ یہ فعل اور عمل عیسائیوں کے
فعل اور عمل کے مشابہ ہے، جنہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا مقرر کر رکھا تھا، اور ایسے ہی لوگوں
کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔
قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا
تَحْوِيلًا - اِلٰى اٰخِرِهٖ (۱۷-۵۶)
"اے محمدؐ! کہہ دے جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر خدا مقرر کر رکھا ہے اُن کو پکارو (جس کا
کچھ بھی فائدہ نہیں) کیونکہ یہ اشخاص نہ تو تمہاری تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، اور نہ کسی دوسرے
کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ (آخر آیت تک)
ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ

النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ، وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۔ (۳، ۷۸-۷۹)

"کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے الطاف خسروانہ کا مورد بنا کر) اپنی کتاب حکومت اور پیغمبر عنایت فرمائے اور (وہ ان عظیم نعمتوں کی ناشکری کر کے بجائے اس کے کہ لوگوں کو خدائے واحد لاشریک کی عبادت کے لئے بلائے) لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ کہے گا کہ چونکہ تم کتاب اللہ کے عالم اور اس کے پڑھنے والے ہو، اس لئے تم خداپرست اور خدا کی طرف بلانے والے ہو جاؤ۔ وہ تم سے یہ ہرگز نہیں کہے گا کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو خدا بنالو کیا جب تم مسلمان اور مطیع فرمان ہو چکے ایسی حالت میں وہ تم کو کافر ہو جانے کی تلقین کریگا؟"

ان امور شرکیہ کی کسی دوسری جگہ پر مزید تفصیل کی گئی ہے،

قبر پر چراغاں یا نذر کرنا

لعنت و معصیت :۔ اسی طرح ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یا کسی شیخ یا اہل بیت کے کسی آدمی کے لئے یا کسی ولی کی قبر کے لئے نذر کرنا اور منت ماننا معصیت ہے جس کا ایفاء باتفاق ائمہ واجب نہیں، بلکہ جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ :۔

"جو شخص طاعت کی نذر مانے، اُس کو ایفاء کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی نے خدا کی نافرمانی کر نیکی منت مانی تو اُس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے"

سنن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور جو لوگ اُن پر مسجدیں بناتے اور چراغ جلاتے ہیں، اُن پر خدا کی لعنت ہے"

اس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ جو لوگ قبروں پر مسجدیں بنائیں یا ان پر قندیلیں اور چراغ روشن کریں، وہ ملعون ہیں، اس لئے تم سمجھ سکتے ہو کہ جو لوگ مزارات پر سونے اور چاندی کی قندیلیں رکھتے ہیں،

اور سیم و زر کے شمعدان جلاتے ہیں وہ کس خلعت کے لائق ہوں گے؟ اور اس لئے جو شخص کسی نبی یا ولی کی قبر پر شمع جلاتے یا اس کے لئے تیل مہیا کرنے یا روپے دینے کی منت مانے اس کی یہ نذر معصیت ہے اور اس کا ایفاء جائز نہیں، اور کیا اس نذر کی وجہ سے اس پر کفارت یمین لازم آتی ہے یا نہ؟

کفارت یمین :۔ اس کے متعلق علمائے کرام کا اختلاف ہے جو نذر اس نے مانی ہے، اگر وہ اس کو خیرات و مبرات کے مستحقین میں تقسیم کر دے، مثلاً تنگدست اور محتاج اصلاح کی اس سے دستگیری کرے تو وہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بہتر اور بہت زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ اس کا یہ عمل عمل صالح شمار کیا جائے گا، جس کا اس کو ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی نیکی کرنیوالے کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ اس متصدق کو ضرور جزا دے گا، جو خالص اس کی خوشنودی کے لئے صدقہ دیتا ہے، اور مخلوق سے اس کا اجر طلب نہیں کرتا۔

قال اللہ تعالیٰ :۔

"وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى وَلَسَوْفَ يَرْضَى" (۹۲: ۱۷ تا ۲۱)

"اس جلتی آگ سے اس بڑے پرہیزگار کو بچایا جائے گا جو اپنے نفس کی پاکیزگی کیلئے اپنا مال خرچ کرتا ہے، اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا وہ بدلہ اتارنا چاہتا ہے، وہ صرف اپنے برتر خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور وہ اس کو اس قدر ثواب دیا جائے گا کہ جس سے، وہ خوش ہوگا"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :۔

"وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ" (۲: ۲۶۵)

"جو لوگ اپنے مال کو دل کی مضبوطی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ڈھونڈنے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایک باغ والوں کی ہے"

جو تیلے پر واقع ہے (اس سے آگے پوری مثال ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ اس کا یہ صدقہ اچھی طرح پھلے اور پھولے گا، اور بے انتہا اجر اُس کو ملے گا)

صدقۃ الابرار :۔ ابرار کے صدقے کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ قول نقل کیا ہے :۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ (۹ : ۷۶)

"بے شک ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، اور تم سے کسی قسم کا بدلا یا شکر گزاری نہیں چاہتے"

غیر اللہ کا وسیلہ :۔ اسی بنا پر کسی کو نہیں چاہئے کہ غیر اللہ کے وسیلہ سے کسی سے سوال کرے، مثلاً یہ کہے کہ "حضرت ابو بکرؓ یا حضرت علیؓ کے واسطے مجھ کو دو" یا "میں فلاں شیخ اور فلاں ولی کا تمہیں واسطہ دیتا ہوں" بلکہ دینے والے کو چاہئے کہ صرف اس شخص کو اپنا صدقہ دے جو محض خدا کے لئے مانگے ۔

تمام عباداتِ بدنیہ اور مالیہ مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ اور حج میں خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو مدِ نظر رکھنا ایک مسلمان کا فرضِ مؤکدہ ہے۔ رکوع اور سجود خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، روزہ خالص اللہ تعالےٰ کے لئے ہو، حج خاص اُسی کے گھر کے لئے ہو، دُعا صرف اُسی سے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ " (۸ : ۳۹)

"کافروں سے اُس وقت تک لڑو جبکہ کچھ بھی فتنہ باقی نہ رہے، اور جبکہ دین سارے کا سارا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاص کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے :۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۶ - ۱۶۳)

"صاف کہہ دو کہ بے شک میری نماز، اور میری قربانی اور میری زندگی (یہ ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں انسان کے تمام اعمال اور اقوال آجاتے ہیں) اور میری موت خالص اللہ تعالےٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا پرورش کرنیوالا ہے"

ایک اور آیت کریمہ ہے:۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (۳۹:۱،۲)

"یہ کتاب خدائے غالب اور حکیم کی طرف سے نازل کی گئی ہے، ہم نے تیری طرف اپنی کتاب کو سچے طور پر نازل فرمایا، لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اپنے دین کو خالص کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو"

اسلام کا نچوڑ:۔ یہی اسلام کا اصل الاصول ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اُس طریقے کے مطابق کی جائے جس کی خود اُس نے تعلیم فرمائی ہے، اپنی رائے اور بدعت پر عبادت مقبول نہیں۔

کلام پاک میں ہے:۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا، (۱۱۰:۱۸)

"جو شخص اپنے رب سے ملاقی ہونے کی امید رکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے"

نیز ارشاد ہوا ہے:۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا، (۶۷:۲)

"اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی بنائی تاکہ تم کو آزمائے، کون تم میں سے سب سے اچھا عمل کرتا ہے"

فضیل بن عیاض رحؒ کا قول ہے کہ "نیک اور اچھے عمل سے مراد وہی ہے جو بہت خالص اور بہت ٹھیک ہو" حاضرین نے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے اس کی اس طرح تشریح کی "عمل اگر خالص ہو اور ٹھیک نہ ہو (کتاب اور سنت کے مطابق نہ ہو) تب بھی مقبول نہیں اور ٹھیک ہے لیکن خالص نہیں تب بھی مقبول نہیں، اس لئے میں کہتا ہوں کہ بہت خالص اور بہت ٹھیک ہو۔

خالص اور ٹھیک عمل کی تشریح:۔ اب خالص اور ٹھیک کی تشریح سن لو۔ خالص وہ ہے جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ٹھیک وہ ہے جو کتاب اور سنت کے مطابق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین مقبول صرف اللہ کا دین ہے جس کو اس کے رسول نے ہم تک پہنچایا۔ اس لئے حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور بتایا ہو اور دین وہی ہے جس کو اسی نے نازل فرمایا ہے۔ جو لوگ دین میں نئی بدعتیں نکالتے ہیں وہ مشرکوں کے بھائی ہیں۔ کلام پاک میں ہے:۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ۔ (۴۲: ۲۱)

"کیا انہوں نے اپنے لئے خدا کے شریک مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایک ایسا دین پیدا کیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔"

اس آیت کریمہ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے خلاف اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی نئی راہ نکالتے ہیں، وہ مشرک ہیں۔

رہبانیت:۔ مشرکوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس لئے مذموم بتایا ہے کہ انہوں نے دین میں نئی باتیں نکالیں (ویسے زبانی تو وہ بھی آپ کو دین ابراہیم کا پیرو سمجھتے تھے) اور ایسی چیزوں کو حرام ٹھہرایا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں فرمایا تھا، مثلاً بحیرہ اور سائبہ وغیرہ۔ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر رہبانیت اختیار کی تھی، لیکن چونکہ ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں نہیں تھا، اس لئے اسلام نے اس کا ابطال کیا کہ "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ"

تمام انبیاءؑ کا دین:۔ اسلام، تمام رسل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین ہے اور اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اسی کے فرمان کے آگے گردن جھکانا ہے جس شخص نے تدبر کے ساتھ قرآن کریم پڑھا ہے، اس کو معلوم ہے کہ تمام مشہور انبیاءؑ نے مسلم ہونے پر فخر کیا ہے۔

سورہ یونس میں اول الرسل حضرت نوح علیہ السلام کا قول منقول ہے کہ:۔ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۱۰: ۷۲)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں ہوں۔"

پہلے سیپارے کے آخری رکوع میں اس بات کی تصریح ہے کہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے جدامجد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے ان الفاظ میں وصیت کی تھی کہ:۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (۲: ۱۳۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک خالص دین (دین اسلام) پسند کیا ہے، اس لئے تم کو چاہیے کہ مسلمان ہو کر مرو۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اس طرح خطاب کیا تھا کہ:۔ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ۔ (۵: ۱۱۱)

"اسی اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کا قول ہے:۔

وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ۔ (۵: ۱۱۱)

"اور تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ:۔ اِنَّا معاشر الانبیاء دیننا واحد۔

"ہماری پیغمبروں کی سب جماعت کا ایک ہی دین ہے۔"

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

توضیح: یہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ ہے، جس کا الگ اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، کتاب الجنائز سے اسکی مناسبت ظاہر، راقم نے اسے اپنی پسند اور انتخاب کے پیش نظر درج کر دیا ہے، ان شاء اللہ قارئین محظوظ ہوں گے

(علی محمد سعیدی)

سوال:۔ قبر کو سجدہ کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب:۔ قبر کو سجدہ کرنا خواہ بنظر عبادت ہو یا بنظر تعظیم کفر اور حرام ہے۔ اللہ جل و شانہ فرماتا ہے۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝

ترجمہ۔ نہ سجدہ کرو سورج اور چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو پیدا کیا ہے، اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں اللہ نے مطلق غیر کو سجدہ کرنے سے منع کیا ہے، خواہ عبادت کی وجہ سے ہو یا تعظیم کے واسطے، شرح فقہ اکبر میں ہے،

وفی المحیط اذا قال اهل الحرب لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالافضل ان لا یسجد لان هذا كفر صورة والافضل ان لا یاتی لما هو كفر صورة وان كان فی حالة الاكراه۔

ترجمہ۔ فتاوے محیط میں ہے اگر کافر اہل حرب مسلمان کو کہیں کہ بادشاہ کو سجدہ کرو، ورنہ ہم تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ بہتر تو یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے، کیونکہ یہ صوری کفر ہے، اور افضل یہ ہے کہ جو چیز صورتاً کفر ہے، جبر کی حالت میں بھی اس کو بجا لانا اچھا نہیں، شرح مواقف میں ہے:۔ وسجوده یدل بظاهره علی انه لیس بمصدق ونحن نحكم بظاهره فلذا حكمنا بعدم ایمانه۔

ترجمہ یعنی سجدہ کرنا شمس کو بظاہر دلالت کرتا ہے، کہ سجدہ کرنے والے کے جی میں خدا و رسول کی تصدیق نہیں ہے۔ اور چونکہ ہم ظاہر میں حکم کرتے ہیں، اس لئے حکم کرتے ہیں، کہ وہ مومن نہیں، شرح مقاصد میں ہے،

لو كان الایمان نفس التصدیق لزم ان لا یكون بغض النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والقاء المصحف فی القاذورات وسجدة الصنم ونحو ذلك كفر مادام تصدیق القلب بجمیع ما جاء به النبی باقیا واللازم منتف قطعا واجیب

بات فی المعاصی ما جعله الشارع امارة عدم التصدیق او کید الامور المذکورة من هذا القبیل

ترجمہ۔ ایمان صرف تصدیق ہی ہو تو لازم آتا ہے، کہ نبی کا بغض، اور قرآن شریف کا پلیدی میں ڈال دینا، اور بت کو سجدہ کرنا، اور مثل اس کی کفر نہ ہو، حالانکہ کفر ہے، جواب اس کا یہ ہے، بعضے گناہ شارع نے عدم تصدیق کے نشان قرار دیئے ہیں، اور امور مذکورہ اسی قسم سے ہیں، یعنی سجدہ وغیرہ کرنا عدم ایمان پر دلیل ہے ۱۲۔

شعب الایمان میں مسطور ہے کہ۔

السجود للمخلوق حرام مطلقا ومن مقدمات عبادة الصنم سواء کان المسجود لہ شیخا او سلطانا و فی بعض الصور یفضی الی الکفر عافانا اللہ الکریم۔

ترجمہ یعنے مخلوق کو سجدہ سب طرح سے حرام ہے، اور بت پرستی کی ابتدا ہے کسی شیخ کو سجدہ کیا جائے، یا کسی بادشاہ کو اور بعض صورتوں میں تو یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے خدا وند کریم ہم کو اس سے بچا دے،

فتاوے حمادیہ میں ہے۔

وان سجد بنیة العبادة للسلطان اولم تحضرہ النیة فقد کفر۔

ترجمہ، یعنے اگر کوئی بادشاہ کو عبادت کی نیت سے سجدہ کرے، یا بغیر نیت کے پس وہ کافر ہے، ایسا ہی ہے جواہر اخلاطیہ اور فتاوے عالم گیریہ اور خزانة المفتیین کتب فقہ میں اور کفایہ شعبی میں ہے، واما فی شریعتنا فلا یجوز ان یسجد احد لاحد بوجہ من الوجوہ ومن فعل ذلك فقد کفر۔

ترجمہ۔ یعنے ہماری شریعت میں جائز نہیں ہے، کہ کوئی کسی کو کسی طرح سے سجدہ کرے، اور جو ایسا کرے، وہ کافر ہے،

نصاب الاحتساب میں ہے۔ اذا سجد لغیر اللہ یکفر لان وضع الجبهة علی الارض لا یجوز الا للہ تعالیٰ۔

ترجمہ۔ یعنے غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، کیونکہ زمین پر اللہ ہی کے لئے رکھا جائے۔
(محدث لاہور)

باب ایصال الثواب للمیت

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل آف گوجرانوالہ

سوال: مرنے .... والے کے لیے کیسے دُعاءِ مغفرت کی جائے اور اس کے لواحقین کو اس کے مرنے کے بعد اصولِ نبوی کے ماتحت کیا کچھ کرنا چاہیے۔ جیسے کہ عام طور پر تیسرا دسواں اور چالیسواں وغیرہ دُنیا کرتی ہے اور قبول کر رائج کیا گیا ہے؟

۲: یہ آخری چہارشنبہ کی جو تعطیل منائی جاتی ہے۔ یہ دن کیوں منایا جاتا ہے اور اس روز مسلمان کو کیا کرنا چاہیے۔ ایسے ہی رسم ورواج ہے۔

جواب: موت کے بعد میت کے لیے دُعاء اور صدقہ یقیناً مفید ہیں۔ جنازہ خود میت کے لیے دُعا ہے لیکن صدقہ وغیرہ کے لیے کسی وقت کا تعین شرعاً ثابت نہیں۔ موت کے بعد میت کے گھر بیٹھ کر ٹلونا دعاؤں کا تانتا باندھ دیا جاتا ہے۔ ہر آنے والا دُعا کے لیے اس انداز سے درخواست کرتا ہے گویا وہ اپنی حاضری نوٹ کرا رہا ہے۔ ایک سیکنڈ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر ادھر اُدھر گپوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور دُعا کے وقت بھی دِل حاضر نہیں ہوتا۔ حالاں کہ توجہ دُعا کے لیے از بس ضروری ہے۔ لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْ قَلْبٍ لَاهٍ۔ اللہ تعالیٰ غافل دِل کی دُعا قبول نہیں کرتا۔ میت کے لیے دُعا ہر وقت بلاتخصیص کی جا سکتی ہے اور زندوں کی طرف سے یہی بہترین صلہ ہے جو میت کو دیا جاتا ہے بشرطیکہ سنت کے مطابق ہو۔ تعزیت کا مطلب گھر والوں کی تسکین ہے۔ دُعا اگر مجلس کی بجائے انفراداً کی جائے تو دُعا کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ بغرض یہ تین دِن کا جلسہ دعائیہ سنت سے ثابت نہیں۔ ان مجالس میں حقہ اور بھی مقصد کو برباد کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کا ثواب ہدیۃً میت کو دینا اس میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ اسے مفید سمجھتے ہیں میری نظر میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اگر یہ امر مستحسن ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ ثواب ہدیہ کرتے۔ لیکن سنت میں آنحضرت سے ایک دفعہ قرآن پڑھنا بھی ثابت نہیں۔

تیسرا، دسواں اور چالیسواں یہ تمام امور بدعت سیئہ ہیں۔ آں حضرت اور ائمہ اسلام سے اس کے متعلق

ایک حرف بھی ثابت نہیں۔ احناف میں اس کا رواج حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اسم گرامی پر ایک تہمت ہے۔

یہ آخری چہار شنبہ کوئی اسلامی تہوار نہیں۔ یہ محض جہلا کی ایک رسم ہے۔ مسلمانوں کی کوئی تاریخی یادگار اس سے وابستہ نہیں۔ (الاعتصام گوجرانوالہ ۲۸ دسمبر ۱۹۵۱ء)

سوال: جو یہ عقیدہ رکھے کہ ایصالِ ثواب بحق موتے از قسم طعام و پیاجہ وغیرہ جائز نہیں نہ یہ ان کو پہنچے وہ سنت و جماعت والوں میں سے ہے یا نہ؟

جواب: صدقات کا ثواب باتفاق اہل سنت اور جماعت کے اموات کو پہنچتا ہے۔ بعض فرقہ ضالہ معتزلہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ کسی عبادت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا خواہ وہ عبادت بدنی ہو یا مالی۔ صحیح مسلم میں ہے، لَيْسَ فِي الصَّدَقَةِ اخْتِلَافٌ[1] رمیت کو صدقہ کا ثواب پہنچنے میں کوئی اختلاف نہیں امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے، فان الصدقة تصل الی المیت و ینتفع بها بلاخلاف بین المسلمین وهذا هو الصواب واما ما حکاه الماوردی فی کتابه الحاوی عن بعض اصحاب الکلام من ان المیت لا یلحقه بعد موته ثواب فهو مذهب باطل قطعا وخطأ بین لنصوص الکتاب والسنة واجماع الامة فلا التفات الیه ولا تعریج علیه۔ شرح فقہ اکبر میں ہے کہ اموات کو زندوں کے عمل سے فائدہ نہ پہنچنا مذہب معتزلہ کا ہے۔ (فتاویٰ غزنویہ ص۱۹)

حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفا اللہ عنہما

سوال: میت کے ایصالِ ثواب اور مغفرت کے لیے قرآن مجید اور بخاری شریف یا دیگر فضائل اعمال مثلاً حصن حصین اور دینی کتب کا ختم کرانا درست ہے، یا نہیں؟

جواب: اس کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، میرا مسلک وہی ہے جو حضرت مولانا و مرشدنا

---

[1] صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کا اختلاف نہیں اور ٹھیک بھی یہی ہے اور وہ جو ماوردی نے اپنی کتاب حاوی میں بعض اہل کلام سے حکایت کی ہے کہ میت کو مرنے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا وہ یقیناً باطل مذہب اور کھلی غلطی ہے جو کتاب و سنت کے دلائل صریحہ اور اجماع امت کے مخالف ہے اور اس طرف التفات اور تعریج نہ چاہیے۔ ۱۲ (علی محمد سعیدی)

عبدالرحمن صاحب محدث مبارکپوری کا ہے۔ آپ کا فتوے فتاویٰ نذیریہ جلد اوّل ص۴۲۸ پر درج ہے۔ بعینہٖ آپ کے فتوے کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

متاخرین علمائے اہلحدیث سے علامہ محمد بن اسماعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ نے سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو راجح دلیلا بتایا ہے، یعنی یہ کہا ہے کہ قرأت قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ از روئے دلیل زیادہ قوی ہے۔ اور علامہ شوکانیؒ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے ساتھ حق کہا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لیے قرأۃ قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے۔ کیوں کہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو خواہ بدنی، اور بدنی میں قرأۃ قرآن ہو یا نماز یا روزہ۔ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے۔ ان دونوں علامہ کی عبارت کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اوّل ص۳۰۲ میں ہے:

ان ھذہ الادعیة ونحوھا نافعة للمیت بلا خلاف واما غیرھا من قراۃ القرآن. فالشافعی یقول لا یصل ذالك الیه۔ وذھب احمد وجماعة من العلماء الی وصول ذالك الیه۔ وذھب جماعة من اھل السنة والحنفیة الی ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان اوصوما اوحجا او صدقة اوقراۃ قرآن اوذکرا اوای نوع من انواع القرب وھذا ھو القول الارجح دلیلا وقد اخرج الدارقطنی ان رجلا سأل النبی صلی اللہ علیه وسلم انه کیف یبرا بویه بعد موتھما فاجابه بانه یصلی لھما مع صلوٰته ویصوم لھما مع صیامه واخرج ابوداؤد من حدیث معقل بن یسار عنه صلی اللہ علیه وسلم. اقرؤا علی موتاکم سورۃ یٰسین وھو شامل للمیت بل ھو الحقیقة فیه واخرج الشیخان انه صلی اللہ علیه وسلم کان یضحی عن نفسه بکبش وعن امته بکبش وفیه اشارۃ الی ان الانسان ینفعه عمل غیرہ۔ وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النھار بما یتضح منه قوۃ ھذا المذھب انتھی

یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں۔ بلا اختلاف میت کے لیے قرآن پڑھنا، سو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے، کہ قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور علمائے اہلسنت سے ایک جماعت کا اور حنفیہ کا مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے، نماز ہو، یا روزہ یا صدقہ یا قرأۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی و احسان کرے آپ نے فرمایا۔ اپنی نماز کے ساتھ ان کے لیے نماز پڑھے۔ اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابو داؤد میں معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں پر یٰسین پڑھو۔ اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے۔ بلکہ حقیقتاً میت ہی کے لیے ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی امت کی طرف سے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔

(جلد ۴۔ ص۳۳ نیل الاوطار)

والحق انه يخصص عموم الآية بالصدقة من الولد كما في احاديث الباب وبالحج من الولد كما في خبر الخثعمية ومن غير الولد ايضا كما في الحديث المحرم عن اخيه شبرمة ولم يستفصله صلى الله عليه وسلم هل اوصى شبرمة ام لا۔ وبالعتق من الولد كما وقع في البخاري في حديث سعد خلافا للمالكية على المشهور عنهم وبالصلاة من الولد ايضا لما روى الدارقطني ان رجلا قال يا رسول الله انه كان لي ابوان ابرهما في حال حياتهما فكيف لي برهما بعد موتهما فقال صلى الله عليه وسلم ان من البر بعد البر ان تصلي لهما مع صلاتك وان تصوم لهما مع صيامك وبالصيام من الولد لهذا الحديث ولحديث ابن عباس عند البخاري ومسلم ان امرأة قالت يا رسول الله ان امي ماتت وعليها صوم نذر فقال أرأيت لو كان دين على امك فقضيته وكان يؤدي عنها قالت ثم قال فصومي عن امك واخرج مسلم وابو داود والترمذي من حديث بريدة ان امرأة قالت انه كان على امي صوم شهر فاصوم عنها قال صومي عنها ومن غير الولد ايضا لحديث من مات وعليه صيام صام عنه وليه متفق عليه وبقراءة يٰسين من الولد وغيره لحديث اقرؤا على موتاكم يٰسين۔ وبالدعاء من الولد لحديث۔ او ولد صالح يدعو له ومن غيره لحديث استغفروا لاخيكم وسلوا له التثبيت ولقوله تعالى والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولما ثبت من الدعاء للميت عند الزيارة لجميع ما يفعله الولد لوالديه من اعمال البر لحديث ولد الانسان من سعيه انتهى ؛ حاصل اور خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اپنے عموم پر نہیں اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے۔ یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے۔ اس واسطے خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد جو اپنے والدین کے لیے حج کرے۔ اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اور شبرمہ کے بھائی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حج کا ثواب میت کو غیر اولاد کی طرف سے بھی پہنچتا ہے۔ اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے۔ سو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دارقطنی میں ہے۔ کہ ایک مرد نے کہا یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے۔ ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی واحسان کیا کرتا تھا۔ پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں۔ آپ نے فرمایا مرنے کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی نماز پڑھ اور اپنے روزے کے ساتھ اپنے والدین کے لیے روزہ بھی رکھ۔ اور صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ بتا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا۔ اور اس کی طرف سے تو ادا کرتی۔ تو ادا ہو جاتا۔ یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا۔ روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ کہ ایک عورت نے کہا میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھ۔ اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے۔ اور سورۃ یٰسین کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں پر یٰسین پڑھو۔ اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے۔ سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی سے ہے۔ جب علامہ شوکانی اور علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر کی تحقیق ایصال ثواب قراۃ قرآن وعبادت بدنیہ کے متعلق سن چکے۔ تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا، خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں: لایصل عندنا ثواب القراءۃ علی المشہور والمختار الوصول اذا سأل اللہ ایصال ثواب قراءتہ

وينبغي الجزم به لأنه دعاء، فإذا جاز الدعاء للميت بما ليس للداعي فلأن يجوز بما هو له أولى ويبقى الأمر فيه موقوفا على استجابة الدعاء وهذا المعنى لا يختص بالقراءة بل يجري في سائر الأعمال والظاهر أن الدعاء متفق عليه أنه ينفع الميت والحي القريب والبعيد بوصية وغيرها وعلى ذلك أحاديث كثيرة بل كان أفضل أن يدعو لأخيه بظهر الغيب انتهى. ذكره في نيل الأوطار یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرأت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ سے قرأۃ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرأت کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے) اور دعا کے قبول ہونے پر موقوف رہے گا۔ (یعنی اگر دعا اسکی قبول ہوئی تو قرأت کا ثواب میت کو پہنچے گا۔ اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قرأت کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دعا ہے۔ پس جب کہ میت کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے۔ جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تو اس کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ جو داعی کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو خواہ دور ہو۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے۔ واللہ اعلم (ماہنامہ دارالاسلام جلد ۱ شمارہ ۱ ۱۹۵۸ء)

سوال: کیا تیجہ، ساتویں، دسویں، چالیسویں اور عرس یا میلہ کا کوئی ثبوت ہے اگر کوئی ان سے انکار کرے تو بریلوی اسے برا کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ثبوت اگر قرآن و حدیث سے پوچھو تو کوئی نہیں۔ بلکہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یار لوگوں نے کھانے پینے کا ڈھب بنا رکھا ہے۔ اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسمیں ایجاد کر لی ہیں۔ جیسا کہ منوسمرتی میں تیجہ، ساتویں، چالیسویں کا ذکر مذکور ہے۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ ش ۴۴)

سوال: قبروں اور مزاروں پر چڑھاوا چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا جائز ہیں یا نہیں؟

جواب: جائز نہیں ہیں۔ ان کی حرمت محدثین کے نزدیک مسلم ہے۔ دلائل کتاب و سنت اور معتبر کتب فقہ میں موجود ہیں۔ (اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵ ش ۱۲)

سوال : قرآن کریم ختم کرکے ثواب میت کو پہنچانا کیسا ہے ؟

جواب : احادیث سے مالی صدقات سے ہی ایصالِ ثواب کا ثبوت ملتا ہے ۔ (اہلحدیث سوہدرہ ۱۵ دسمبر ۱۹۶۲ء)

سوال ۱ ایصالِ ثواب کے لیے بغیر تعیین تاریخ جمعرات کو (اس بنا پر کہ اس دن فقراء کثرت سے آتے ہیں) اغنیاء اور فقراء کی ایک ساتھ عام دعوت کرنی جائز ہے یا نہیں ؟

۲ اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنے والوں کا کیا حکم ہے ۔

۳ اگر کوئی شخص اس دعوت میں شریک نہ ہو تو اجابِ اِذَا دُعِیَ کے خلاف تو نہ ہوگا ، اس قسم کی دعوت خیر القرون میں ملتی ہے یا نہیں ؟

۴ ایصالِ ثواب کی عام احادیث کی رو سے اس نوع کی دعوت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

جواب : مشترکہ عام دعوت میں فقراء اور اغنیاء کو بغیر ارادہ فخر وریا کے اور بغیر رسم کی پابندی کے بایں طور کھلانا کہ فقراء جس قدر کھائیں اس سے مقصود میت کو ایصالِ ثواب ہو اور جس قدر اغنیاء کھائیں وہ دوستانہ دعوت اور ہدیہ کے طریق پر ہو اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ۔ ارشاد ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (قرآن کریم پ ۲) جب یتیم کے مال اور حق کو جس کا کھانا ولی کے لیے درست نہیں ، بشرط اصلاح اپنے مال کے ساتھ ملانا اور تیار کرنا جائز ہے تو کسی کے مرجانے کے کچھ دن بعد ایصالِ ثواب کی غرض سے (جو ضروری نہیں ہے اور نہ فقراء کا حق واجب ہے بلکہ وہ مال اور حق صدقہ کرنے والے کی ہی ملکیت ہے) فقراء والے کھانے کو ملا کر تیار کرنے اور مشترکہ دعوت کرنے میں بھی کوئی قباحت و کراہت نہیں اور جب یہ دعوت درست ہے ، تو اس میں اغنیاء کا شریک ہونا جائز ہے اور اس کا رد کرنا " اجابِ اذا دعی " کے خلاف ہے ۔ ایسی مشترکہ دعوت کی نظیر خیر القرون میں مجھے نہیں ملی ۔ لیکن ایصالِ ثواب کی عام احادیث اور آیت مذکورہ بالا کی رو سے یہ دعوت جائز ہے ۔ بالخصوص جب کہ منع و کراہت کی کوئی دلیل موجود نہیں ۔

محدث دہلی جلد ۱۰ ش ۲

سوال : نماز جنازہ کے بعد فوراً میت کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھ کر مردہ کو بخشتے ہیں ۔ احناف کا یہ دوامی

عمل ہے۔ اس کے تارک پر سخت ملامت کی جاتی ہے۔ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: نماز سے فارغ ہونے کے بعد میت کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھ کر مردہ کو بخشنا بے اصل اور بے ثبوت چیز ہے اس لیے اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں کرنا چاہیئے۔ (محدث دہلی)

سوال: کیا میت کے پاس قبل دفن کرنے کے کچھ لوگوں کا جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا درست اور جائز ہے؟

جواب: میت کے پاس قبل دفن کرنے کے یا قبر پہ دفن کرنے کے بعد مجتمع ہو کر قرآن کریم پڑھنا درست نہیں یہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین عظام، اتباع تابعین کے زمانہ میں نہیں تھا۔ ایصالِ ثواب کے لیے اجتماع کر کے قرآن پڑھنے کو علمائے شافعیہ و حنفیہ نے بھی مکروہ و بدعت لکھا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی رح لکھتے ہیں: وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آں ایں مجموعہ بدعت است (مدارج النبوۃ) وقال الشیخ علی المتقی صاحب کنز العمال الاول الاجتماع للقراءۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ انتہی وقال المجدد فی سفر السعادت صلى الله عليه وسلم وکان دیغفراصل اللہ علیہ وسلم وقت الزیارۃ من انواع الدعاء الذی کان یقرأ فی صلوۃ المیت وکانت العادۃ ان یعزی اهل المیت دیأمرهم بالصبر ولم تکن العادۃ ان یجتمعوا للمیت ویقرءوا له القرآن ویختمو عند قبرہ ولا فی مکان اخر وهذا المجموع بدعۃ مکروهۃ۔ (محدث دہلی جلد نمبر شمارہ ۲)

سوال: میت کے دم نکل جانے کے بعد اس کے سر کے پاس بیٹھ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر اس طرح قرآن خوانی لازم کر دی گئی تب تو یہ بدعت ہے۔ اس کا ثبوت کتاب و سنت و زمانہ خیر القرون میں نہیں پایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ترک لازم ہے۔ ہاں اتفاقیہ اگر کبھی پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۲)

سوال: اگر کسی میت کی طرف سے فقیروں کو کھانا کھلایا جائے تو اس کھانے میں برادری کے امیروں کو بھی شریک ہونا اور کھانا جائز ہے یا نہیں، اگر اس طرح کیا جائے کہ مثلاً بیس سیر چاول ایک ہی ساتھ پکایا جائے اس میں سے دس

نے پرچہ کا اول و آخر نہ ہونے کی وجہ سے جلد اور شمارہ نمبر کا صحیح پتہ نہیں ہوا۔ سعیدی

سیر تو فقراء کے لیے نیت ہوا اور اس سیر برادری کے امیروں کے لیے اور دونوں کو ساتھ ہی کھلا دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت کی طرف سے حسب موقعہ اگر غرباء کو کھانا کھلا دیا جائے تو جائز ہے۔ امراء کو ایسے کھانے میں ہرگز نہ شریک کیا جائے اس لیے کہ یہ ایصالِ ثواب بصورتِ صدقہ ہے۔ امراء کے لیے صدقہ کھانا جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر مرنے والے کی طرف سے تیجہ دن کے بعد کھانا غرباء کے لیے پکایا جائے اور برادری وغیرہ امراء وغیرہ کو کسی تقریب کے لیے کھانا کھلانا ہو اور ان کے حصے کا کھانا اس کھانے کے ساتھ پکوا لیا جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو کھلا دیا جائے تو جائز ہے۔ الاعمال بالنیات (مولانا) محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۹)

سوال: اگر کسی مرے کی طرف سے فقیروں کو جمع کر کے کھانا کھلانا اور اس کے ساتھ قرآن خوانی کرا کے ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس طرح سے شرع میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جس چیز کا ثبوت نہ ہو اسی کو بدعت کہتے ہیں اور بدعت کی لعنت سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ ش ۹)

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت ابوبکر صدیق ودیگر صحابہ کرام کا تیجا، دسواں، چالیسواں وعرس سالانہ ہوا تھا یا نہیں۔ کیا کسی معتبر کتاب سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب: یہ ساری بدعتیں پیٹ بھرے بدعتیوں کی ایجاد ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تیجا، دہم وعرس ہوا نہ صحابہ کرام کے متعلق کچھ ثبوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ عِیْدًا یعنی یا اللہ میری قبر پر میلہ لگے نہ عرس کیا جاوے چنانچہ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ آج تک آپ کی قبر مبارک پر یہ خرافات نہیں ہوئے۔ (مولانا) محمد یونس دہلوی اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۹

سوال: ہمارے ہاں دستور ہے۔ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے تو چند روز اس کے بعض وارث ایک کمبل بچھا کر مکان میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک حقہ میں تازہ بھر کر رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر لوگ رشتہ دار نیز دوسرے لوگ برائے تعزیت جمع ہو جاتے ہیں۔ حقہ پیتے جاتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب: اس طرح کی فاتحہ خوانی اور حقہ نوشی یقیناً بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کے زمانہ میں ایسا دستور نہ تھا۔ اس قسم کی بدعات سے دُور رہنا چاہیئے۔

(حضرت مولانا محمد یونس محدث دہلویؒ) (اہلحدیث گزٹ جلد ۹ ش ۳)

سوال: ہمارے یہاں دستور ہے کہ اگر کوئی انتقال کر جاتا ہے تو لوگوں کو جمع کر کے اس کی طرف سے قرآن خوانی کرائی جاتی ہے۔ کیا اس کا ثبوت شرع میں ہے یا نہیں؟

جواب: اس قسم سے قرآن خوانی کر کے ایصالِ ثواب کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ہے علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔ حضرت مولانا محمد یونس صاحب دہلوی (اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ ش ۲۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات کے تیسرے دن مروجہ فاتحہ کی طرح دودھ جو اور کھجوروں پر سورۃ فاتحہ اور اخلاص پڑھیں اور ان کو تقسیم کر دیا۔ حوالہ کتاب اورجندی جو کہ ملا علی قاریؒ کی طرف منسوب ہے۔ کیا یہ کتاب واقعی ملا علی قاریؒ کی ہے اور کسی جگہ طبع بھی ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کی صحت اور سقم میں محدثین اور فقہا کی کیا تحقیق ہے۔ فاتحہ مروجہ کا وجود ائمہ اربعہ تابعین تبع تابعین اور صحابہ کے زمانہ میں تھا یا نہیں۔ ابو الحسنات علی محمد۔ مدرسہ فیض الاسلام صدر الکحود فیروز پور)

جواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصانیف میں کوئی کتاب اورجندی نام کی نہیں ہے۔ نہ اورجندی کہیں دیکھی گئی یہ حوالہ غلط مشہور ہے۔ اور یہ واقعہ کہ حضور صلعم نے حضرت ابراہیم کی وفات کے تیسرے دن یہ عمل کیا تھا صحیح نہیں ہے

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

الجواب حق
محمد شفیع عفی عنہ
مدرسہ عبد الرب دہلی

اور فاتحہ مروجہ کا وجود قرون ثلثہ میں کہیں نہیں۔ اور نہ ائمہ اربعہ سے ثبوت ہے۔
اشفاق الرحمٰن
مدرسہ فتحپوری دہلی

مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی دار الافتاء

جواب صحیح ہے۔ کہ فاتحہ مروجہ خصوصاً مذکورہ فی السوال حدیث نبوی سے ثابت نہیں۔ مفت خوروں نے لیے
اپنے بے سروپا کھانے پینے کے لیے بنا رکھے ہیں اور اس کو امر شرعی بنا کر لوگوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اسی قسم کی رسموں
کو بدعت کہا جاتا ہے۔ حدیث نبوی میں ہے: من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد (صحیح بخاری و مسلم)
جو شخص ہمارے اس دین میں نئی چیز نکالے وہ مردود ہے۔ پس فاتحہ مروجہ مردود ہے۔ سلف صالحین صحابہ و تابعین
و فقہا مجتہدین و ائمہ محدثین کے طریق کے بھی خلاف ہے۔ راقم ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ دہلی ۱۰ رجب ۱۳۶۵ھ

سوال: اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ماہ ربیع الاول میں ٹھیک آنحضور علیہ السلام کی وفات کے روز یا اس تاریخ کے گزر جانے کے بعد مسکینوں وغیرہ کو کھانا کھلائے تو جائز ہے یا نہیں، کیا خلفائے راشدین نے کھانے یا صدقہ وغیرہ کے ذریعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچایا ہے۔ اگر کوئی تونگر شخص اپنے ماں باپ کو ثواب پہنچانے کے لیے مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ماہ ذی الحجہ میں آنحضور کی طرف سے قربانی کر کے ثواب پہنچائے تو کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

جواب: ان سوالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کے حق میں ایصال ثواب جائز ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق ائمہ عظام اور علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بعض جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔ لیکن حق جواز ہے۔ جو خواہ ایصال ثواب صدقہ و خیرات سے ہو یا دعا اور قراءۃ قرآن سے ہو۔ یا کھانا کھلانے اور پانی پلانے سے ہو۔ مگر یہ سب کچھ بلا تخصیص تاریخ و رسم و رواج کے ہو۔

علامہ محمد بن اسماعیل سبل السلام شرح بلوغ المرام ص ۲۰۶ جلد ۱ میں فرماتے ہیں: ان هذه الادعية ونحوها نافعة للميت بلا خلاف واما غيرها من قراءة القرآن له فالشافعي يقول لا يصل ذلك اليه وذهب احمد وجماعة من العلماء الى وصول ذلك اليه وذهب جماعة من اهل السنة والحنفية الى ان للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره صلاة كان او صوما او حجا او صدقة او قراءة قرآن او اى نوع من انواع القرب وهذا هو الاوجه دليلا وقد اخرج الدارقطني ان رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم انه كيف يبر ابويه بعد موتهما فاجابه بانه يصلي لهما مع صلاته ويصوم لهما مع صيامه واخرج ابوداؤد

من حدیث معقل بن یسار مرفوعًا اقرؤا علی موتاکم سورۃ یٰسین وھو شامل للمیت بل ھو الحقیقۃ فیہ واخرج الشیخان انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یضحی عن نفسہ بکبش وعن امتہ بکبش وفیہ اشارۃ الی ان الانسان ینفعہ عمل غیرہ وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النہار بما یتضح منہ قوۃ ھذا المذھب انتھیٰ یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں۔ بلا خلاف اور میت کے لیے قرآن پڑھنا سوا امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور علماء سنت سے ایک جماعت اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کے لیے جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے۔ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قرأۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی اور عبادت۔ اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے اور دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی اور احسان کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزہ کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابو داؤد میں معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مُردوں پر سورۃ یٰسین پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے بلکہ حقیقتاً میت کے لیے ہی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی امت کی طرف سے۔ اور اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔

نیل الاوطار ۳۲۵ج ۳ میں ہے: والحق انہ یخصص عموم الآیۃ بالصدقۃ من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد فی خبر الخثعمیۃ ومن غیر الولد ایضًا کما فی حدیث المحرم عن اخیہ شبرمۃ ولم یستفصلہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل اوصی شبرمۃ ام لا وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافًا للمالکیۃ علی المشھور عندھم وبالصلوۃ من الولد ایضًا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان لی ابوان ابرھما فی حال حیاتھما فکیف لی ببرھما بعد موتھما فقال صلی اللہ علیہ ان من البر بعد البر ان تصلی لھما مع صلوتک وان تصوم لھما مع صیامک وبالصیام من الولد لھذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری ومسلم ان

امرأة قالت یا رسول اللہ ان امی ماتت وعلیها صوم نذر فقال ارأیت لو کان دین علی امک فقضیته اکان یؤدی عنها قالت نعم قال فصومی عن امک واخرجہ مسلم وابوداود والترمذی من حدیث بریدة ان امرأة قالت انہ کان علی امی صوم شهر فاصوم عنها قال صومی عنها ومن غیر الولد ایضا لحدیث من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه (متفق علیه) وبقراءة یٰس من الولد وغیرہ لحدیث اقرؤا علی موتاکم یٰس وبالدعاء من الولد لحدیث او ولد صالح یدعو له ومن غیر الولد لحدیث استغفروا لاخیکم وسلوا له التثبیت ولقوله تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ولما ثبت من الدعاء للمیت عند الزیارة وبجمیع ما یفعله الولد لوالدیه من اعمال البر لحدیث ولد الانسان من سعیه انتهی

حاصل اور خلاصہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اور اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ کہ اولاد جو اپنے والدین کے لیے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اولاد جو اپنے والدین کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا بھی ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ دارقطنی میں ہے۔ کہ ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ جب زندہ تھے تو میں ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا تھا۔ اب ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں۔ آپ نے فرمایا نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی روزہ رکھ اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مر گئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا بتا اگر تیری ماں کے ذمے قرض ہوتا اور تو اس کی طرف سے ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں۔ اس نے کہا ہاں ادا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا روزہ رکھ اپنی ماں کی طرف سے۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں۔ تو کیا میں اس کی طرف سے رکھوں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کی طرف سے روزے رکھ۔ غیر

اولاد کے روزے کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف اس کا ولی روزے رکھے اور سورۃ یٰسٓ کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی۔ اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰسٓ پڑھو۔ اور دُعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے اولاد دُعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو بھی کارِ خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی و جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسماعیل امیر کی تحقیق ایصالِ ثواب قراۃ قرآن اور عبادات بدنیہ کے متعلق سُن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سُن لینا خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں، لایصل عندنا ثواب القرأت علی المشھور والمختار الوصول اذ سأل الله ایصال ثواب قرأة وینبغی الجزم به لانه دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما ھو له اولٰی ویبقی الامر فیه موقوفا علی استجابة الدعاء وھذا المعنی لا یختص بالقرأة بل یجری فی سائر الاعمال والظاھر ان الدعاء متفق علیه انه ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیة وغیرھا وعلی ذلك احادیث کثیرة بل کان افضل ان یدعو لاخیه بظھر الغیب انتھی ذکرہ فی نیل الاوطار۔ یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قراۃ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ سے قراۃ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دُعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قرأت کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے) اور دُعا قبول ہونے پر امر موقوف ہوگا (یعنی اگر اس کی دُعا قبول ہوئی تو قرأت کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قرأت کے ثواب پہنچنے کا جزم و یقین کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دُعا ہے پس جبکہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے۔ پس جبکہ میت کے لیے ایسی چیز کی دُعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ جو داعی کے اختیار میں ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ دُعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو یا دُور ہو۔ اور اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دُعا کرے۔ شرح کنز میں ہے: ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان او صوما او حجا او صدقة او قرأة قرآن او غیر ذلك من جمیع انواع

البر ویصل ذلک الی المیت وینفعه عند اهل الاسلام۔ یعنی اہلسنت کے نزدیک انسان کے ہر نیک عمل کا ثواب خواہ نماز و روزہ ہو یا حج و صدقہ یا قرأت قرآن میت کو پہنچتا ہے۔ اور انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال صالحہ کا ثواب مردوں کو پہنچاتا رہے۔

امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں، واما قرأة القرآن فالمشهور من مذهب الشافعیؒ انه لا یصل ثوابها الی المیت وقال بعض اصحابه یصل الی المیت و ثواب جمیع العبادات من الصلوٰة والصوم والقرأة وغیر ذلك۔ یعنی مشہور یہی ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ لیکن بعض شافع المسلک علماء کے نزدیک جملہ عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور اذکار میں لکھتے ہیں۔ وذهب احمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من اصحاب الشافعیؒ الی انه یصل۔

کار خیر خواہ کوئی بھی ہو ہر ایک کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ میت خواہ نبی ہو یا ولی ہو یا صحابی و امام ہو یا ماں باپ واستاذ ہو۔ لہٰذا تاریخ مقرر کرنا رسم و رواج کی پابندی کرنا ناجائز ہے۔ بلکہ بدعت ہے۔

تیجا، چالیسواں، بارہ وفات نہ کسی صحابی نے منائی اور نہ تابعین و ائمہ میں سے کسی نے منائی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی صحیح تاریخ ۱۳ ماہ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت چاشت ہے (رحمۃ للعالمین ص ۲۵۱) اس تاریخ کو معین کر کے کھانا کھلانے کا ثبوت نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں کسی دن بھی بغیر تعیین کے کھانا کھلا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب پہنچانا جائز ہے۔ خلفاء راشدین نے موجودہ طریقہ کے مطابق کسی میت کو کھانا کھلا کر ثواب نہیں پہنچایا۔ ذی الحجہ میں جانور کی قربانی کا ثواب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہر سال حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپ کی طرف سے بھیڑے کی قربانی کرتے تھے۔ (ترمذی شریف ص ۳۵۲ جلد ۱) (ترجمان دہلی جلد ۹ ش ۱۲)

توضیح الکلام، مجیب علامہ نے سوال کے جواب میں ہر پہلو پر بادلائل وضاحت فرمائی ہے۔ لیکن ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ خیرات سے ایصال ثواب میں کچھ تشنگی باقی ہے۔ جس پر ماسوا عمومات کے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے درود شریف اور سلام بھیجنے کے لیے تو نصوص قرآنی اور احادیث رسول ربانی میں متعدد دلائل موجود ہیں۔ جو کسی سے مخفی نہیں اور

آپ کے لیے قربانی کرنا بھی نص حدیث سے ثابت ہے۔ باقی عشر، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات بذریعہ خورد ونوش اور لباس وغیرہ کے ایصال ثواب پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہیں۔

۱۔ جب دنیاوی زندگی میں عشر، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات (جو اوساخ الناس ہے) آپ کے لیے حلال نہیں تو عالم برزخ میں کیسے جائز اور حلال ہو سکتے ہیں۔

۲۔ اسی لیے خلفاء راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور دیگر ائمہ دین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں کہ کسی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بذریعہ خورد ونوش کے ایصال ثواب کیا ہو۔ اگر جائز اور ثابت ہو تو حضور علیہ السلام کے ساتھ محبت میں سلف صالحین ہم سے کئی گنا زیادہ تھے۔ معلوم ہوا کہ پیٹ پروری کے لیے یہ بھی ایک رسم اور بدعت ہے۔ جس سے ہر مسلمان کو اجتناب اور پرہیز ضروری ہے۔ واللہ اعلم (سعیدی)

سوال: جو لوگ مرنے کے بعد سوئم قل، دسواں، چالیسواں وغیرہ کرتے ہیں کیا اس میں کسی اہل توحید کا شامل ہونا اور اس میں سے کچھ کھانا جائز ہے یا وہ کھانا حرام کے حکم میں ہے؟

جواب: دسواں، چالیسواں وغیرہ جو مروج ہے بدعت ہے اور بدعت میں کسی اہل توحید کو شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ شامل ہونے والا گناہ گار ہوگا۔ کھانے کی حرمت ثابت نہیں کیونکہ فی نفسہ اس پر اس کا اثر کوئی نہیں پڑتا۔

الحدیث سوہدرہ جلد ۳ ش ۴۴

طعام المیت: یہ جو قول ہے، طَعَامُ الْمَيِّتِ يُمِيْتُ الْقَلْبَ یعنی میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے۔ تو یہ قول حدیث نہیں۔ بلکہ بعض تجربہ کاروں کا قول ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کے کھانے سے وہ کھانا مراد ہے کہ چالیس دن تک لوگ کھلاتے ہیں اور وہ کھانا دل کو مردہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کی موت کے آثار ظاہر ہونے کے وقت سے اور اس کے بعد ان کھانے کے سرانجام اور تقسیم کا خیال پیدا ہوا کرتا ہے۔ کہ یہ کھانا اقرباء میں یا ان لوگوں میں جو کہ مسجدوں میں رہا کرتے ہیں تقسیم کیا جاوے گا تو جن لوگوں کو یہ کھانا پہنچتا ہے وہ لوگ متوقع اور منتظر اس کھانے کے رہتے ہیں اور شرع کا مقصود یہ ہے کہ میت کی موت سے لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت سے بہرہ ور ہوویں اور آخرت کی فکر میں مشغول ہوویں اور غفلت سے ہوشیار ہو جاویں اور یہ مقصود اس صورت میں بالکل مفقود ہو

جاتا ہے۔ اور جو کچھ حدیث صحیح میں وارد ہے اور صحاح ستہ میں موجود ہے وہ اس قدر ہے کہ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن طعام المیت یعنی منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے کھانے سے۔ فقط

(فتاوٰی عزیزی جلد ۲ ص ۴۴۲)

سوال: کسی کے مرجانے کے بعد جو فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ماتم پرسان ماتم والے گھر جاکر دعا یا فاتحہ پڑھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور مردہ کی روح کو ثواب بخشتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسند احمد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے۔ کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعة الطعام بعد دفنه من النیاحة یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ یعنی رونے پیٹنے میں داخل ہے نیز پہلے روز یا تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں روز یا ششماہی یا سالانہ جو کھانا پکتا ہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے اور ابو داؤد میں حدیث ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحة والمستمعة یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔ اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح و شام یا تیسرے روز یا کسی اور دن میں ماتم پرسی یا فاتحہ کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہوجائے، ثواب حاصل کرتے کرتے عذاب میں گرفتار ہوجائیں اور آیت کریمہ یحسبون انھم یحسنون صنعا کے نیچے آجائیں یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے والے ہوجائیں اس کے علاوہ اس قسم کی فاتحہ خوانی کا کوئی ثبوت نہیں۔ نہ خیر القرون میں یہ کام ہوا پس یہ بدعت ہوا اور حدیث میں ہے کل بدعة ضلالة (فتاوٰی اہلحدیث جز ۲ ص ۴۶۹)

سوال: کیا قرآن مجید کی تلاوت بلاتخصیص وقت و مکان کے میت کو ثواب پہنچتا ہے؟

جواب: کسی آیت یا حدیث سے تلاوت قرآن کی ثواب رسانی کا ثبوت نہیں۔ نہ زمانہ رسالت میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ حنفی علماء اسکو مالی عبادات پر قیاس کرکے جائز کہتے ہیں۔

شرفیه: اس باب میں کچھ روایات یا آثار کتاب ثمار التنکیت فی ابیات التثبیت میں ہیں۔ مگر اس وقت وہ کتاب موجود نہیں جو نقل کی جائیں۔ ہاں نیل الاوطار سے بحیثیت مجموعی ملتا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک تلاوت

قرآن کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے۔ نیل الاوطار ملکی، ۸۰　　ابوسعید شرف الدین دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فتاوے ثنائیہ جلد

سوال: گھر یا قبرستان میں قرآن خوانی سے میت کو ایصال ثواب ہو سکتا ہے۔ یا نہیں؟

جواب: صورت مرقومہ میں بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ فتاوے ثنائیہ صہ ۵۳۲ جلد ۱

توضیح الکلام: مروجہ طریقے سے قبرستان میں　قرآن مجید پڑھنے کا ثبوت نہ تو زمانہ رسالت میں ہے اور نہ صحابہ کے زمانہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (سعیدی)

سوال: میت کی طرف سے روزہ دار کو افطار کرانے سے ایصال ثواب ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہر نیک کام کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ کنواں لگوا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: هذا لام سعد یہ کنواں سعد کی ماں کو ثواب پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ فتاوے ثنائیہ صہ ۵۳۲ جلد ۱

سوال: زید کہتا ہے مُردہ کی دعوت کھانا حرام ہے؟

جواب: کوئی شخص ایصالِ ثواب کے لیے غرباء اور مساکین کو کھانا کھلائے تو جائز ہے۔ بحکم حدیث مذکورہ حوالہ

تشریح: میت کی طرف سے خیرات کرے تو میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں۔ میت کے لیے قرآن خوانی جائز ہے یا نہیں اور ختم پڑھنا سنت ہے یا بدعت؟ بینوا توجروا

الجواب: میت کی طرف سے خیرات کی جائے تو اس کا ثواب میت کو بلاشبہ پہنچتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان امی افتلتت نفسها واراها لو تکلمت تصدقت فهل لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم۔ اور قرآن خوانی اور ختم خوانی جس طریقہ پر فی زمانہ رائج ہے سو یہ طریقہ بالکل بے اصل اور محدث ہے۔ اور اس کے علاوہ قرأت قرآن کا ثواب پہنچنے اور نہ پہنچنے میں اختلاف ہے امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت علماء کے نزدیک قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم حررہ عبدالوہاب عفی عنہ　(فتاوی نذیریہ صہ ۴۲۴ جلد ۱)　فتاوے ثنائیہ صہ ۵۳۲ جلد ۱

سوال: کسی شخص کے مرجانے کے بعد تیجے یا چالیسویں دن یا اس کے علاوہ متعین یا غیر متعین دنوں میں کسی مُردے کے نام پر قرآن خوانی کرکے اور غرباء کو کھانا کھلا کر ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: قرآن مجید پڑھ کر یا صدقہ خیرات کر کے میت کے لیے استغفار کرنا جائز بلکہ احسن طریقہ ہے۔ رسمی طور پر دن مقرر نہ کرنا چاہیے۔

تشریح: مُردے کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ قرأۃ قرآن کا ثواب مُردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں، علمائے احناف کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اور بعض اصحاب شافعی کے نزدیک پہنچتا ہے۔ اور اکثر علمائے شافعیہ کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے جن کے نزدیک مردے کے واسطے ختم قرآن پڑھ کر بخشنا جائز ہے*۔ اور جن کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ شرح کنز میں ہے، ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان اوصوما اوحجا اوصدقة اوقرأۃ قرآن اوغیر ذلك من جمیع انواع البر ویصل ذلك الی المیت وینفعه عند اهل السنة۔ امام نووی شرح مقدمہ مسلم میں لکھتے ہیں۔ واما قرأۃ القرآن فالمشهور من مذهب الشافعی انه لایصل ثوابها الی المیت وقال بعض اصحابه یصل الی المیت وثواب جمیع العبادات من الصلوٰة والصوم والقرأۃ وغیر ذلك اور اذکار میں لکھتے ہیں، وذهب احمد بن حنبل وجماعة من العلماء وجماعة من اصحاب الشافعی الی انه یصل۔ واللہ اعلم

سیدمحمد نذیر حسین　　　　حررہ عبدالحق عفی عنہ

ھوالموفق: متاخرین علمائے اہلحدیث سے علامہ محمد بن اسمٰعیل امیر رحمۃ اللہ علیہ سبل السلام میں مسلک حنفیہ کو راجح دلیلاً بتایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قرأۃ قرآن اور تمام عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور نے دلیل کے زیادہ قوی ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نیل الاوطار میں اسی کو حق کہا ہے۔ مگر اولاد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لیے قرأۃ قرآن یا جس عبادت بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیوں کہ اولاد کے تمام عمل خیر مالی ہو یا بدنی اور بدنی میں قرأت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے ان دونوں علامہ کی عبارتوں کو مع ترجمہ یہاں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام جلد اول ص۲۷ میں ہے، ان هذه الادعیة ونحوها نافعة للمیت بلاخلاف واما غیرها من قرأۃ القرآن له فالشافعی

* ان کے نزدیک ثواب پہنچتا ہے۔

یقول لا یصل ذلك الیه وذهب احمد وجماعة من العلماء الی وصول ذلك الیه وذهب جماعة من اهل السنة والحنفیة الی ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان او صوما او حجا او صدقة او قراءة قرآن او ذکرا او ای نوع من انواع القرب وهذا هو القول الارجح دلیلا وقد اخرج دارقطنی ان رجلا سأل النبی صلی الله علیه وسلم انه کیف یبر ابویه بعد موتهما فاجابه بانه یصلی لهما مع صلوته ویصوم لهما مع صیامه واخرج ابو داؤد من حدیث معقل بن یسار عنه صلی الله علیه وسلم اقرأوا علی موتاکم سورة یٰسٓ وهو شامل للمیت بل هو الحقیقة فیه واخرج الشیخان انه صلی الله علیه وسلم کان یضحی عن نفسه بکبش وعن امته بکبش وفیه اشارة ان الانسان ینفعه عمل غیره وقد بسطنا الکلام فی حواشی ضوء النهار بما یتضح منه قوة هذا المذهب انتهی یعنی یہ زیارت قبر کی دعائیں اور مثل ان کے اور دعائیں میت کو نافع ہیں بلا اختلاف اور میت کے لیے قرآن پڑھنا سو امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے۔ اور امام احمد اور علماء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور علمائے اہلسنت سے ایک جماعت کا۔ اور حنفیہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب غیر کو بخشے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قراءۃ قرآن یا کوئی ذکر یا کسی قسم کی کوئی عبادت اور یہی قول دلیل کی رو سے زیادہ راجح ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ والدین کے ساتھ ان کے مرنے کے بعد کیوں کر نیکی و احسان کرے۔ آپ نے فرمایا اپنی نماز کے ساتھ ان دونوں کے لیے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان دونوں کے لیے روزہ رکھے۔ اور ابو داؤد میں معقل بن یسار سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰسٓ پڑھو اور یہ حکم میت کو بھی شامل ہے۔ فی الحقیقت میت ہی کے لیے ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ اپنی اُمت کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور ایک اپنی اُمت کی طرف سے۔ اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی کو غیر کا عمل نفع دیتا ہے اور ہم نے حواشی ضوء النہار میں اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہی مذہب قوی ہے۔ نیل الاوطار میں ہے (صفحہ نمبر ۳۳ جلد ۳)

وللقائل ان یخصص عموم الآیة بالصدقة من الولد کما فی احادیث الباب وبالحج من الولد کما فی خبر الخثعمیة ومن غیر الولد ایضا کما فی حدیث المحرم عن اخیه شبرمة ولم یستفصل

صلی اللہ علیہ وسلم هل ادعی شبرمة ام لا وبالعتق من الولد کما وقع فی البخاری فی حدیث سعد خلافا
للمالکیة مع المشهور عندهم وبالصلاة من الولد ایضا لما روی الدارقطنی ان رجلا قال یا رسول الله
انه کان ابوان ابرهما فی حال حیاتهما فکیف لی ببرهما بعد موتهما فقال صلی الله علیه وسلم
ان من البر بعد البر ان تصلی لهما مع صلاتك وان تصوم لهما مع صیامك وبالصیام من
الولد لهذا الحدیث ولحدیث ابن عباس عند البخاری ومسلم ان امرأة قالت یا رسول الله
ان امی ماتت وعلیها صوم نذر فقال ارأیت لو کان دین علی امك فقضیتیه اکان یؤدی
ذلك عنها قالت نعم قال فصومی عن امك واخرج مسلم وابوداؤد والترمذی من حدیث
بریدة ان امرأة قالت انه کان علی امی صوم شهر فاصوم عنها قال صومی عنها ومن
غیر الولد ایضا لحدیث من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه متفق علیه وبقراءة
یس من الولد وغیره لحدیث اقرؤا علی موتاکم یٰس وبالدعاء من الولد لحدیث
او ولد صالح یدعو له ومن غیره لحدیث استغفروا لاخیکم وسئلوا له التثبیت ولقوله تعالی وَالَّذِینَ
جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِینَ سَبَقُونَا بِالْإِیمَانِ. ولما
ثبت من الدعاء للمیت عند الزیارة الخ وبجمیع ما یفعله الولد لوالدیه من اعمال البر
لحدیث ولد الانسان من سعیه الخ (نیل الاوطار طبع جدید مصری جلد ۴ ص۸۰) (راز دہلوی)

حاصل خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا بقدر ضرورت یہ ہے کہ حق یہ ہے کہ آیۃ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی
کے عموم پر نہیں ہے اور اس کے عموم سے اولاد کا صدقہ خارج ہے۔ یعنی اولاد اپنے مرے ہوئے والدین کے لیے جو
صدقہ کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اولاد اور غیر اولاد کا حج بھی خارج ہے۔ اس واسطے کہ خثعمیہ کی حدیث
سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اولاد جو اپنے والدین کیلئے حج کرے اس کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور اولاد جو اپنے والدین
کے لیے غلام آزاد کرے تو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ بخاری میں سعد کی حدیث سے ثابت ہے
اولاد جو اپنے والدین کے لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے سو اس کا ثواب بھی والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے
کہ دارقطنی میں ہے کہ ایک مرد نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ تھے میں ان کی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی
و احسان کرتا تھا۔ پس ان کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیوں کر نیکی کروں، آپ نے فرمایا کہ مرنے کے

بعد نیکی یہ ہے کہ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لیے نماز پڑھو اور اپنے روزہ کے ساتھ اپنے والدین کے لیے بھی روزہ رکھو اور صحیحین میں ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میری ماں مرگئی اور اس کے ذمہ نذر کے روزے تھے۔ آپ نے فرمایا اگر تیری ماں کے ذمہ قرض ہوتا اور اسکی طرف سے تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا یا نہیں اس نے کہا کہ ہاں ادا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا روزہ رکھو اپنی ماں کی طرف سے۔ اور صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں تو کیا میں اسکی طرف سے روزہ رکھوں آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھو اور غیر اولاد کے روزہ کا بھی ثواب میت کو ملتا ہے اس واسطے کہ حدیث متفق علیہ میں آیا ہے کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے اور سورہ یٰسین کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے۔ اولاد کی طرف سے اور غیر اولاد کی طرف سے بھی، اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں پر سورہ یٰسین پڑھو۔ اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اولاد دعا کرے یا کوئی اور۔ اور جو جو کار خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اسکی سعی سے ہے۔ جب علامہ شوکانی اور محمد بن اسماعیل امیر کی تحقیق ایصالِ ثواب قراۃ قرآن و عبادات بدنیہ کے متعلق سن چکے تو اب آخر میں علامہ ابن النحوی کی تحقیق بھی سن لینا خالی از فائدہ نہیں۔ آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں۔ لا یصل عندنا ثواب القراءۃ علی المشہور والمختار الوصول اذا سأل اللہ ایصال ثواب قراءۃ القرآن علی المشہور وینبغی الجزم بہ لانہ دعاء فاذا جاز الدعاء للمیت بما لیس للداعی فلان یجوز بما ہو لہ اولیٰ ویبقی الامر فیہ موقوفا علی استجابۃ الدعاء وہو المعنی لا یختص بالقرآءۃ بل یجری فی سائر الاعمال والظاہر ان الدعاء متفق علیہ انہ ینفع المیت والحی القریب والبعید بوصیۃ وغیرہا وعلی ذلک احادیث کثیرۃ بل کان افضل ان یدعو لاخیہ بظہر الغیب انتہی. ذکرہ فی نیل الاوطار، یعنی ہمارے نزدیک مشہور قول پر قراۃ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اور مختار یہ ہے کہ پہنچتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ سے قراۃ قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے (یعنی قرآن پڑھ کر دعا کرے اور یہ سوال کرے کہ یا اللہ اس قراۃ کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے) اور وہ ملک قبول ہونے پر امر موقوف رہیگا (یعنی اگر دعا اسکی قبول ہوئی تو قراۃ کا ثواب میت کو پہنچے گا اور اگر دعا قبول نہ ہوئی تو نہیں پہنچے گا) اور اس طرح پر قراۃ کے ثواب پہنچنے کا جزم کرنا لائق ہے۔ اس واسطے کہ یہ دعا ہے

پس جب کہ میت کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ جو آدمی کے اختیار میں ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے اور زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ نزدیک ہو خواہ دور ہو۔ اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے۔ واللہ اعلم بالصواب (کتبہ محمد عبدالرحمن المبارکپوری عفا اللہ عنہ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۲۱ ج ۱)

دیگر اہدائے ثواب قرأۃ قرآن للمیت میرے نزدیک صراحۃً کسی مرفوع صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نیز صحابہ و تابعین سے بھی ثابت نہیں، اس لیے مجھے اس کی مشروعیت میں تامل ہے۔ لوگ اہدائے ثواب دنیا بت و بدل میں فرق نہیں کرتے۔ اقتداء دعلی موتاکم یٰسین میں موتے کو ابن قیم نے محتضر پر محمول کیا ہے۔ ونیز یہاں اہداء ثواب کی صورت بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم (حضرت مولانا) عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ۱۹-۵-۵۴ فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۲

قرأۃ قرآن سے ایصالِ ثواب کے متعلق بعد تحقیق یہی فتوے ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب میت کو بخشے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ پڑھنے والا خود بغرض ثواب بغیر کسی رسم و رواج کی پابندی کے پڑھے۔ از مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۸ جولائی ۱۹۳۳ء الراقم علی محمد سعیدی

سوال: میت کے واسطے تین یا چار روز کے بعد کھانا آگے رکھ کر ختم قرآن مجید بخشا جائے یا نہیں؟

جواب: یہ طریقہ سنت نبوی علیہ السلام سے ثابت نہیں لہذا یہ بدعت ہے۔ جو دعوے کرے وہ ثبوت پیش کرے۔ (فتاوے ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۶)

سوال: ختم میت کا ثبوت ہے؟

جواب: ختم میت جو آج کل کیا جاتا ہے، کہ مرنے کے بعد کھانا رکھ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ اور کھانا تقسیم کرتے ہیں آنحضرت کے زمانہ میں نہ تھا۔ لہذا بدعت ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۵۳۸)

سوال: قرأۃ قرآن کا ثواب میت کی روح کو پہنچتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

جواب: قرأت قرآن کا ثواب پہنچانے کا دستور زمانہ رسالت اور عہد خلافت میں نہ تھا۔ آثار لعید میں بھی اسی

وجہ سے اختلاف ہے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام الشافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نہیں۔ اللہ اعلم فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل۔

سوال : بعض علماء کا یوں ارشاد ہے۔ کہ اگر کلمہ ایک لاکھ کا ختم اُجرت دیکر ہو یا مارثان میت خود پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں تو وہ مغفور ہو جاتا ہے۔

جواب : کلمہ شریف پڑھنا ثواب ہے۔ مگر جس طرح لکھا ہے اس طرح شرع میں ثابت نہیں۔ صاف طور سے پڑھے لا الٰہ الا اللہ۔ میت کا مغفور ہو جانا میرے ناقص علم میں نہیں۔ العلم عند اللہ (فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۵۳۳)

سوال : کوئی شخص منگل بدھ وغیرہ دنوں میں مرجائے تو اس کی قبر پر کسی آدمی کو قرآن پڑھنے کے لیے جمعرات کی مغرب تک بٹھانا اس نیت سے کہ یہ شخص جمعہ میں ملجائے گا، جائز ہے یا نہیں اور یہ کہ جب تک قرآن قبر پر با واز بلند پڑھا جائے تب تک اس کو پوچھ نہیں ہوتی ہے۔

جواب : یہ کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ پیٹ پرستوں کے حیلے ہیں۔ (فتاوٰے ثنائیہ صفحہ ۵۴۴)

سوال : قرآن خوانی مُردہ کی طرف سے بخشوانا جائز ہے۔ اسمیں علماء کا اختلاف کیوں ہے؟

جواب : بعض افعال کا ثبوت آنحضرت کے زمانہ میں ملتا ہے۔ جیسے میت کی طرف سے کنواں لگوانا یا روزہ رکھنا اور سلف میں سے بعض تو ان ہی افعال تک محدود رہتے ہیں جن کا ثبوت آور بعض دیگر افعال کو بھی ان پر قیاس کر کے جائز بتلاتے ہیں۔ قرأت قرآن انہی قیاسی مسائل میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قرأۃ قرآن کا ثواب بھی مثل دیگر افعال ثابتہ کے پہنچتا ہے۔ دوسرے علماء ان سے منکر ہیں۔ یہی وجہ اختلاف ہے۔ خاکسار کے نزدیک بھی جائز ہے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صفحہ ۵۱۹)

سوال : بعد موت مقررہ دنوں میں مُردے کے نام سے کھانا بنا کر مساکین، مالدار اور علماء کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب : مُردے کو ثواب پہنچانے کا کھانا وہی ہے۔ جو بغیر تقرر دن کے محض مساکین کو کھلایا جائے۔ آجکل جو اس قسم کی دعوتیں ہوتی ہیں وہ محض رسمی ہیں خاص کر علماء کو ایسی دعوتوں میں شریک نہ ہونا چاہیے تاکہ ان رسوم کو لوگ جان کر چھوڑ دیں۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال : میت کو ثواب رسانی کی غرض سے بہ ہیئت اجتماعی قرآن خوانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب : بہ نیت نیک جائز ہے۔ اگرچہ ہیئت کذائی سنت سے ثابت نہیں۔ میت کے حق میں سب سے مفید تر ماثورہ نقلی نبوت کا طریقہ استغفار (بخشش مانگنا) ہے۔ (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال : برائے طعام للشہدروز معین چہلم۔ اور طعام مردہ، مردہ دل کی حدیث کیسی ہے؟

جواب : طعام میت کے لیے دن مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔ طعام میت غرباء کا حق ہے، دوسروں کو نہیں چاہیے (فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۴)

سوال : اس جگہ دستور ہے کہ میت کے آگے آگے خاص مقررہ اشخاص زور زور سے کلمہ اور مولود پڑھتے ہیں، میت کو قبرستان لے جاتے ہیں۔ اور بعد دفن میت پر زور زور سے اذان کہتے ہیں۔ ان کی بابت واضح حکم کیا ہے!

جواب : اس میں شک نہیں کہ یہ اطوار و افعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار کے زمانہ میں نہ تھے، نہ ائمہ اربعہ نے ان کا حکم دیا ہے۔ نہ فقہ کی کسی معتبر کتاب میں کسی امام مجتہد کا کوئی قول ان اقوال کے متعلق ملتا ہے۔ کسی چھوٹے موٹے ملا نے کہہ دیا ہو تو دین میں اس کی کوئی وقعت نہیں لہٰذا یہ اقوال قطعاً بدعت واجب الترک ہیں۔

(فتاوٰے ثنائیہ جلد اوّل صہ ۵۴۲)

سوال : گھر میں کوئی مر جائے۔ اس کے گھر لوگ تین روز تک آتے رہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں الخ یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب : تعزیت میں سنت تو یہ ہے کہ مُردے کے پسماندگان کو تسلی دی جائے اسی ضمن مُردے کے لیے دعا

بھی کر دی جائے تو گناہ نہیں، کیونکہ نیت کا اصل کام پھلوں کو تقسیم کرنا ہے۔ جو صورت سوال میں لکھی ہے، سنت نہیں، میرے نزدیک حرام اور گناہ بھی نہیں ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صـ ۵۲۵)

سوال: سوئم وغیرہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: میت کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت بالغ ہو یا نابالغ سوئم، دسواں، بیسواں، چالیسواں، چھماہی برسی وغیرہ رسمیں بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز اور ممنوع ہے۔ اتخاذ الطعام فی الیوم الثالث والسابع والعاشر والعشرین وغیرہا بدعۃ مستقبحۃ کذا فی شرح المنہاج للنووی وکذا فی الکتب الفقہ للحنفیۃ۔ مفتی مدینۃ رحمانیہ دہلی (محدث دہلی جلد ۹ ش ۸)

سوال: میت کی طرف سے عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: میت کا عقیقہ کرنے کے بارے میں کوئی صحیح یا ضعیف حدیث یا اثر ثابت نہیں، اس لیے میت کی طرف سے عقیقہ کرنا غیر مشروع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ سَابِعِهٖ رواہ الخمسہ وصححہ الترمذی علامہ شوکانی فرماتے ہیں وفیہ دلیل علی ان العقیقۃ تَسْقُطُ اِنْ مَاتَ قَبْلَ سَابِعِ الولادۃ انتہی بتغیر وتلخیص (نیل الاوطار ج ۵ صـ ۲۲۵) محدث دہلی جلد ۹ ش ۹

سوال: اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک متواتر روزانہ صبح و شام بغرض فاتحہ جمع ہونا جائز ہے یا نہ؟

جواب: مسند احمد میں جریر بن عبد اللہ بجلی سے روایت ہے: کنا نعد الاجتماع الی اہل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ۔ ترجمہ یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ (یعنی رونے پیٹنے) میں داخل ہے۔ نیز پہلے روز تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں یا ششماہی یا سالانہ جو کھانا پکتا ہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے اور ابو داؤد میں حدیث ہے: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح و شام جمع ہوتے

ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہئیے ایسا نہ ہو کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہو جائے۔ ثواب حاصل کرنے کے بجائے کرتے عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اور آیہ کریمہ ویحسبون انھم یحسنون صنعا کے نیچے آجائیں یعنی سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہو جائیں۔ (رسالہ بدعات مروجہ کی تردید ص٣٣)

سوال: ایصال ثواب بذریعہ غذا مردہ کو ملتا ہے یا نہیں؟

جواب: بغیر تخصیص وقت، دن، تاریخ اور مہینہ کے میت کو ثواب پہنچانے کی غرض سے میت کی طرف سے نفل، تسبیح، درود یا قرآن شریف کی تلاوت کرنا، غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ وغیرہ جائز درست ہے۔

(صحیفہ اہل حدیث کراچی جلد ٢۴ ش ۴)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہلحدیث اس امر میں کہ مردے کی طرف سے کھانا کھلانے کے ثبوت میں احناف جب خجندی کی روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔ تو آپ لوگ اسے بے سند بے اصل موضوع کہہ دیتے ہیں۔ لیکن آپ نے خود جو مردے کے گھر کھانا کھایا جیسا کہ مشکوۃ باب المعجزات میں ہے۔ خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما رجع استقبلہ داعی امراتہ فجاء وجئ بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا۔ اس حدیث سے مرنے والے صحابی کی بیوی کی دعوت کو قبول کرکے آپ کا وہاں کھانا کھانا صاف ثابت ہوتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: حدیث مذکور صاحب مشکوۃ نے بحوالہ ابی داؤد وبیہقی نقل کی ہے اور ابوداؤد کے کسی نسخہ میں امراتہ نہیں ہے۔ بلکہ داعی امراۃ ہے۔ دیکھو ابوداؤد کتاب البیوع باب اجتناب الشبہات، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مرنے والے صحابی کی بیوی نے کھانے پر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ کسی اور عورت نے دعوت دی تھی۔ چنانچہ مسند میں ہے، صنعت امراۃ من قریش لرسول اللہ طعاما فدعتہ واصحابہ الخ جلد ۵ ص٢٩٣ معلوم ہوا کہ دعوت دینے والی عورت قریشیہ تھی اور جس کے جنازے میں آپ تشریف لے گئے تھے۔ وہ انصاری تھا۔ جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔ خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ رجل من الانصار الخ ص۴٠٨ نیز اسی کتاب میں ہے فلما جلسنا لقینا داعی امراۃ من قریش الخ کہ دعوت دینے والی عورت قریش میں سے تھی ان

دونوں روایتوں کے ملانے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کی بی بی نے دعوت نہیں دی تھی۔ پس صاحب مشکوٰۃ نے لفظ امرأتہ غلط نقل کیا ہے، جو انہیں کے بتلائے ہوئے حوالوں کے خلاف ہے۔ دار قطنی نے بھی روایت مذکورہ کسی قدر بسط سے نقل کی ہے۔ ان کو بھی دیکھئے اخرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما انصرفنا تلقاہ داعی امرأۃ من قریش الخ صنعت امرأۃ من المسلمین من قریش لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعاما فدعتہ واصحابہ الخ جلد ۲ ص ۵۲۵ حاصل یہ کہ ایک عورت نے جو مسلمان قریشیہ تھی آپ کے لیے کھانا پکایا جب آپ ایک شخص کے جنازے سے واپس آ رہے تھے۔ تو اس کا داعی ملا جو آپ مع صحابہ کے اس کے گھر لے گیا۔ مرنے والے کی بیوی کے یہاں دعوت نہیں تھی اور یہ عقل میں بھی نہیں آتا کہ جس کے گھر میت ہوئی وہ لوگ جلدی کر دفن کرنے والے صرف واپس ہی ہوئے ہوں کسی دعوت کا انتظام کر سکے، جبکہ بحکم شرع ان کے گھر کسی دوسرے پڑوسی کے ہاں سے کھانا آیا ہوگا۔ (راز) سائل چونکہ حنفی ہے، اس لئے اس کے اطمینان کے لیے احناف کی کتب احادیث کے بھی چند حوالے لکھ دیتا ہوں۔ طحاوی حنفیؒ نے شرح معانی الآثار باب الکل الحرمی روایت مذکورہ یوں نقل کی ہے۔ رجلا من الانصار کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلقیہ رسول امرأۃ من قریش یدعوا الی الطعام الخ ص ۳۳۰ جز ۲) ایک مرد انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازہ میں تھا کہ ایک قریشیہ عورت کا قاصد ملا جو کھانے کے لیے دعوت دے رہا تھا۔ اس طرح طحاوی موصوف نے اپنی کتاب مشکل الآثار ص ۱۳۲ جلد ۲ میں بھی نقل کیا ہے۔ امام محمد کی کتاب الآثار میں ہے۔ عن رجل من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم طعاما للمدینۃ ص ۱۲۵ طبع لاہور یہی عبارت جامع المسانید ص ۲۹۵ جلد ۲ میں بھی ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ نیز مسند امام مع شرح ملا القاری طبع مجتبائی دہلی ص ۲۲۴ میں ہے:

ان رجلا من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم صنع طعاما الخ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانا تیار کرنے والا مرد تھا۔ بہرحال داعی مرد ہو یا عورت وہ مرنے والے شخص سے کوئی تعلق و یا جوازہ کا نہیں رکھتا تھا پس صاحب مشکوٰۃ کا داعی امرأتہ نقل کرنا صریح غلط و بنا بر سہو و نسیان واقع ہوا اور اس سے طعام میت پر دلیل پکڑنی بنائے فاسد علی الفاسد۔ اللہ اعلم کتبہ محمد ابو القاسم البنارسی

(فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵ جلد ۱)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید کی زوجہ جمیلہ نے بحکم خدا اس جہان فانی سے انتقال کیا۔ اور زید واسطے ثواب کے قرآن شریف پڑھوا کر دعاء مغفرت متوفیہ کی کرے یا پسر جمیلہ متوفیہ کا قرآن شریف پڑھ کر یا حافظ سے پڑھوا کر دعاء مغفرت متوفیہ کی کرے تو ثواب قرآن شریف کا مرحومہ کو اللہ تعالیٰ دے گا۔ یا نہیں، اور کسی قدر فائدہ قرآن شریف کا میت کو پہنچے گا، یا نہیں اور پڑھنا قرآن شریف کا واسطے ثواب میت کے جائز ہے۔ یا نہیں اس کا جواب قرآن شریف یا حدیث شریف سے ملنا چاہیے اس کا اجر اللہ تعالیٰ دیوے گا۔

جواب۔ درصورت مرقومہ واضح ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانہ میں قرآن مجید پڑھ کر میت کو بخشنے کا دستور و رواج نہیں پایا گیا، حدیث صحیح سے۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ دین کا اختلاف ہے۔ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثواب عبادات بدنیہ کا مثل قراءت قرآن شریف و نماز روزہ وغیرہ پہنچتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور جمہور علماء کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ اور اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوانا کسی کے نزدیک درست نہیں۔ جیسا کہ شامی حاشیہ در مختار وغیرہ میں مذکور ہے پس اگر اولاد یا اور کوئی شخص بلا اجرت پڑھ کر ثواب بخشے تو نزدیک امام اعظم وغیرہ کے روا ہوگا۔ اور دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے۔ اور ثواب عبادات مالیہ بھی بالاتفاق پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

(فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص۴۲۴)

سوال۔ قبر پر کسی کے قرآن شریف ختم کرنا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ تلاوت قرآن مجید فی نفسہ عبادت ہے۔ اور قبور محل عبادت نہیں ہے۔ تو تلاوت و ختم قرآن قبر پر یعنی حول قبر بیٹھ کر مکروہ و بدعت ہوگا۔ بدلیل اس حدیث کے بنا بر اس کے ادائے نماز قبرستان میں مکروہ تحریمی یا حرام عن النبی صلے اللہ

علیہ وسلم قال اجعلوا فی بیوتکم من صلوتکم ولا تتخذوھا قبورا ان المق
لیست بمحل للعبادۃ فیکون الصلوۃ فیھا مکروھۃ۔ اور زمانہ قرون ثلاثہ
ختم قرآن شریف کا مقابر میں منقول وماثور نہیں ہوا لہذا صاحب قاموس سفر السعادۃ
میں لکھتے ہیں۔ عادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند و قرآن خوانند وخ
خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن این مجموع بدعت است انتہی کلامہ و شیخ عبدالحق محدث
دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں۔ وعادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوا
ختمات خوانند نہ بر سر گور نہ غیر آن ایں مجموع بدعت است و شیخ علی متقی استاد
عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ رد بدعات میں لکھا ہے۔ الاول الاجتماع للقر
بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذموم
انتہی کما فی نصاب الاحتساب فی الجملہ قرآن شریف قبر پہ بیٹھ کر ختم کرنا اور پڑھنا قرو
میں نہیں پایا گیا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم انتہی ما
الصباح مختصرا وما علینا الا البلاغ۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

طالب حسین سید محمد نذیر حسین

الجواب صحیح وخلافہ قبیح

زشرف سید کونین شد شریف حسین	
محمد عبدالحلیم	محمد حفیظ اللہ

محمد یوسف جواب مجیب صحیح ہے جو اس پر بھی نہ سمجھے تو جہل ہے خدا نے مہر
دل پر لگائی ہے۔

محمد غلام اکبر خان سنی حنفی
بست منصور علی از احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم محمد حسن قادری وغفوری

فتاوی نذیریہ جلد اول — محمد صدیق

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ میت کے واسطے بطریق

صدقہ بلا تعیین ایام جو کھانا کھلایا جاوے اس میں کچھ ثواب نہیں ہے کیوں کہ اس کا حکم حدیث میں نہیں ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث میں صاف آچکا ہے۔ کہ صدقہ سے البتہ میت کو ثواب ہے۔ افلہا[1] اجران تصدقت عنہا قال نعم۔ اور کھانے کا صدقہ کی قسم سے ہونا احادیث سے ظاہر ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قال[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصدقۃ ان تشبع کبدا جائعا رواہ البیہقی (مشکوۃ شریف) اور جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں بروایت طبرانی اس طرح ذکر کیا ہے افلہا[3] اجران تصدقت عنہا قال نعم ولو بکراع شاۃ محرق پس سوال یہ ہے کہ عمرو کا یہ قول کہ جو کھانا کہ بلا تعیین ایام بطریق صدقہ کھلایا جاتا ہے۔ اس میں میت کو ثواب ہے حق ہے یا زید کا یہ قول کہ اس میں ثواب نہیں ہے حق ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ عمرو کا قول حق ہے۔ بے شک میت کے واسطے جو کھانا بلا تعیین ایام و بلا آمیزش کسی بدعت کے بطور صدقہ کے فقراء و مساکین کو کھلایا جائے۔ تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا ثواب میت کو بلاشبہ پہنچتا ہے۔ اور میت کے واسطے فقراء و مساکین کو کھانا کھلانا بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنا ہے۔ لہذا اس کا بھی ثواب میت کو پہنچے گا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ العبد العاجز جلیل الدین عفی عنہ

سید محمد نذیر حسین

---

[1] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو کوئی ثواب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے آدمی کو کھانا کھلا دے۔

[3] اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگرچہ بکری کی جلی ہوئی کھری ہی کیوں نہ ہو۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس غرض سے قرآن پڑھنا کہ وہاں پر ان کی دعا کی برکت سے یاد ہو جاوے گا۔ جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب۔ قرارت قرآن عند القبر مکروہ ہے ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔

ثم القراءة مکروهة عند ابی حنیفة ومالك واحمد وفی رواية انه محدث لم یرد به السنة واللہ اعلم بالصواب والیه المرجع والماٰب حررہ عبدالرحیم اعظم گڑھی کوپوی ۴ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ ہجری۔

سید محمد نذیر حسین

حالات مولانا حافظ عبدالرحیم مبارکپوری رحمہ اللہ

ملا حسام الدین مئوی سے جملہ علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی سند حدیث قاضی شیخ محمد مچھلی شہری سے حاصل کی۔ عمر بھر صرف نحو اور تجوید قرأت پڑھاتے رہے۔ حفظ و تجوید میں قاضی امام الدین جونپوری کے شاگرد تھے۔ اور اس میں بڑا کمال حاصل تھا۔ حتیٰ کہ مبارکپور اور اس کے مضافات کا کوئی حافظ جب تک آپ کو ایک مرتبہ قرآن پاک سنا نہ لیتا تھا۔ اس وقت تک حافظ نہیں سمجھا جاتا تھا آپ ہی وہ قابل قدر شخصیت ہیں، جن کی صلب سے اللہ کریم نے محدث کبیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری جیسا مایۂ ناز فرزند پیدا فرمایا (کفی به فخراً) جن کی زندہ و جاوید خدمت حدیث یعنی (تحفۃ الاحوذی) سے کوئی صاحب علم واقف نہیں ہے۔

رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں وفات پائی۔ اللھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه۔

ــــــــــــــــ

[1] قبر پر قرآن پڑھنا امام ابوحنیفہ۔ مالک اور امام احمد کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور ایک روایت میں اس کو بدعت کہا ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو طعام بے وقت ہو جانے موت کسی آدمی کے بنام نیاد حاضری سوم وچہلم وغیرہ حسب رواج ہر قوم پکوا کر خواہ بطریق دعوت خواہ بطریق بھاجی گھر بگھر تقسیم ہوتا ہے اور قدرے غربا باقی تمام اہل برادری کو کھلایا جاتا ہے۔ اور اس میں اکثر مالدار ہوتے ہیں۔ اور یہ کھانا وارثان میت حسب رواج اپنی قوم کے اکراہاً وبلا اکراہ کرتے ہیں۔ اور بعض اوقات بخوف طعنہ زنی قرض دام کر کے خواہ مال فروخت کر کے پکواتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات یتیم کے مال کا بھی خیال نہیں کرتے ایسا کرنا جائز ہے۔ یا ناجائز اور اس کا کھانا کیسا ہے۔ اور از روئے شریعت اسلامی اور زمانہ سلف سے ثواب رسانی موتے کو کس طریق سے ثابت ہے۔ اور کیونکر کرنا چاہیئے اور ایسا کرنے والا جو اوپر طریق مروج ہے مسرف کہلائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب۔ جو طعام حاضری کا یا سوم یا چہلم میت کا ہے۔ اس میں رواج کسی قوم کا معتبر نہیں کیونکہ کوئی حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم یا روایت فقہی اس باب میں نہیں پائی جاتی بس یہ بالکل بے اصل ہے۔ اور اس کا ضروری اور لازم جاننا بدعت ہے۔ اور دعوت بھی نادرست ہے کیونکہ دعوت شادی اور خوشی میں مشروع ہے نہ غمی میں اور رسم بھاجی کی غمی اور شادی دونوں میں بدعت ہے کیونکہ اس میں تیاری ہے یعنی آپس میں فخر اور ریاء و نمود کرنا ہے ایسے طعام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۷۳ میں ہے۔ عن عکرمة عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن طعام المتباریین ان یوکل رواہ ابوداؤد وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما قال الامام احمد یعنی المتعارضین بالضیافة فخرا ورباء۔ خلاصہ ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ جو لوگ فخر و مباہاۃ اور نام و نمود کے واسطے کھانا کھلاویں اور دعوت کریں تو ایسے لوگوں کا کھانا نہیں چاہیئے۔ اور قرض کرنا ایسے کام کے لئے کہ جو نہ سنت ہے۔ نہ مستحب ہے نہ مباح ہے ہرگز درست نہیں قرض کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اور یہ کام مباح بھی نہیں اور مرتکب ایسے افعال کا بلاشبہ مسرف ہے بلکہ مبتدع ہے۔ اور مال یتیم کا ظلم سے کھانا حرام ہے قال اللہ تعالیٰ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔ یعنی بے شک جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کا ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے شکموں آگ کو اور عنقریب داخل ہوں گے دوزخ میں اور ثواب رسانی میں موتے کے طریق سلف کا اور تک تعیین سنت کا یہ ہے کہ عبادت مالی کا ثواب مثلاً کنواں بنا کر یا نقد یا لباس وغیرہ مساکین کو کر یا طعام فقراء کو دے کرے مقرر کرنے کسی دن سوم چہلم کے یا عبادت بدنی کا مثل نفل نماز روزہ تلاوت قرآن مجید و ذکر اللہ و درود و سلام کے ایصال کر کے میت کو پہنچائے۔ واللہ بالصواب کتبہ الفقیر محمد حسین عفا اللہ عنہ

فقیر محمد حسین

یقال لہ الابراہیم

جس طور پر امور مروجہ درج سوال ہیں بے شک ناجائز ہیں۔ مال یتیم کا کھانا حرام ہے رسوم کی پابندی بدعت ہے ہاں ایصال ثواب میت کو جو مال حلال سے یا کلمہ کلام سے جائز اور مستحسن خواہ بطور تعیین یا بلا تعیین مگر وہ تعیین داخل دین قرار دینا اور امر مستحب پر اصرار بطور لزوم کر بے شک بدعت و گمراہی ہے مطلق کو مقید اور مقید کو مطلق کرنا شرک فی النبوت ہے۔

کرامت اللہ

ھو الموفق۔ بوقت ہو جانے موت کے طعام پکوا کر کھلانا یا گھر گھر تقسیم کرنا جس طرح پر کہ سوال میں مذکور ہے بلاشبہ حرام و ناجائز ہے۔ اور ایسے طعام کا کھانا ممنوع ہے۔ اور ایسا کرنا بلا شک سرف منتقی الاخبار میں ہے۔ عن جریر بن عبد اللہ البجلی قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ رواہ احمد نیل الاوطار ص۲۴ جلد ۲ میں ہے حدیث جریر اخرجہ ایضا ابن ماجۃ واسنادہ صحیح ونیز اس میں ہے یعنی انھم کانوا یعدون الاجتماع عند اھل المیت بعد دفنہ واکل الطعام عندھم نوعا من النیاحۃ لما فی ذلک من التثقیل علیھم و شغلھم مع ما ھم فیہ من شغلۃ الخاطر بموت المیت وما فیہ من مخالفۃ السنۃ لانھم مامورون بان یصنعوا لاھل المیت طعاما فخالفوا ذلک وکلفوھم صنعۃ

الطعام لغیرھم انتھی۔ ایسے طعام کے کھانے کھلانے کی حرمت وممانعت کتب فقہ حنفی میں بھی مصرح ہے فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ اتخاذ الطعام من اھل المیت بدعۃ مستقبحۃ لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور انتھی۔ اور دعا کا نفع موتے کو باتفاق علمائے سلف وخلف پہنچتا ہے اور عبادات مالیہ کا بھی ثواب موتیٰ کو بالاتفاق پہنچتا ہے۔ اور عبادات بدنیہ کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے۔ بعض علما کے نزدیک پہنچتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک نہیں پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکپوری عفا اللہ عنہ۔

سید محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ ضمیمہ ص۲)

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بہ نیت ایصال ثواب موتے کے پچاس مساکین کے لئے کھانا تیار کیا اور اس کے ساتھ پچاس اغنیاء کو بھی کھانا کھلوانے کے لئے ایک ہی دیگ میں ملا کر کھانا پکایا پس اس طعام مخلوط میں سے اغنیاء کھا سکتے ہیں یا نہیں اگر کھا سکتے ہیں تو اس پر کون سی دلیل شرعی مانع ہے۔ اور اگر جواز ہے تو اس کی رخصت پر کیا دلیل ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ صدقہ باخلط غیر صدقہ کے ساتھ جائز تو ہے ولیکن یہ غور کرنا چاہیئے کہ وہ اغنیاء کو کس نیت سے شامل کرتا ہے۔ اگر ریاء ونا موری کی نیت سے ہے تو حرام ہے۔ لقولہ علیہ السلام المتباریان لا یجابان ولا یوکل طعامھما وان یسیر الریا لشرک وغیر ذلک من الآیات والاحادیث الدالۃ علی ذم الریاء والخیلاء اور اگر دعوت دوستانہ کی نیت سے ہے وبطور ہدیہ اغنیا کو کھلاتا ہے تو محل اس کا نہیں ہے شریعت میں تعزیت موت پر دعوت کرنا نہیں آیا۔ اس کا محل نکاح ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے ذکر کیا ہے کہ یہ دعوت جائز نہیں ہے۔

لے تفاخر سے دعوت کرنیوالوں کی دعوت قبول نہ کی جائے نہ ان کا کھانا کھایا جائے۔ کیونکہ یہ شرک اصغر ہے۔

لا نہا شرعت فی السرا ولا فی الشر ور اور جب کہ دعوت میں ان نیتوں فاسدہ سے غیر خدا کے تقرب کی بھی نیت ہے تو وہ ساری دعوت نامقبول ہے اور خدا کی طرف سے مردود قال اللہ تعالیٰ فی الحدیث القدسی انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرك فیه ترکته وشرکه وانا منه بری ہاں سوائے تقرب ایصال ثواب ہونے کے اگر کوئی ایسا کھانا پکا وے جس میں کسی قدر صدقہ کی نیت سے ہے اور کسی قدر ہدیہ شرعیہ کی نیت سے بدوں فساد نیت وبلا دخل بدعت تو اس کے جواز میں کچھ کلام نہیں لیکن اس میں تحری بکار ہے کہ جس قدر صدقتہ اللہ کی نیت سے ہے اس قدر صدقہ اپنے ذمہ پر نہ جاوے اللہ تعالیٰ اخلاط مال یتیم کے باب میں جس کا کھانا بلا وجہ حرام ہے فرماتا ہے قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ. اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مال کا کھانا اپنے لئے درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ حق غیر کا ہے اللہ تعالےٰ کا یا بندہ کا تو اس کا خلط اپنے مال سے درست ہے بشرطیکہ اس میں اصلاح بکار لائی جاوے اللہ کے حق کو اپنے حق میں نہ لیا جاوے فقط حررہ ابو سعید محمد حسین عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین	محمد عبد الحکیم	محمد طفیل نبی الٰہی
زشرف سید کونین شد شریف حسین	خادم شرع عزیز محمد عبد العزیز	
خادم شریعت رسول الثقلین تلطف حسین	شہود الحق تولیق خدا باد	
ابو الطیب محمد شمس الحق	نعم المولیٰ نعم النصیر	محمد یعقوب بابا خیلی

فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۳۳۸

سلہ کیونکہ دعوت خوشی میں ہوتی ہے غمی میں نہیں ہوتی۔

سلہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں شرکاء میں سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ اگر کوئی ایسا عمل کرے۔ جس میں میرے سوا کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اس سے دست بردار ہو جاتا ہوں!

سلہ کہہ ان کے لئے درستی بہتر ہے اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فسادی اور مصلح میں خوب امتیاز کر سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالےٰ چاہتے تو تم کو مشقت میں ڈال دیتے اور اللہ تعالےٰ غالب حکمت والے ہیں۔

باب سماع موتیٰ

حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ المتوفی سنہ

سوال۔ قبروں میں مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

جواب۔ ہم یہاں علمائے حنفیہ وغیرہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں جن کے ضمن میں اس سوال کا جواب آجائے گا۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ لا یجوز ما یفعل الجہال بقبور الاولیاء والشہداء من السجود والطواف حولہا واتخاذ السروج والمساجد علیہا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد ویسمونہ عرسا۔ یعنی جو کچھ جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں سے کرتے ہیں۔ جائز نہیں۔ جیسے ان کی قبروں کو سجدہ کرنا اور گرد طواف کرنا، اس پر گنبد یا مسجد بنانا اور سال بسال عید کی طرح جمع ہونا۔ اور اس کا نام عرس رکھنا۔ شیخ عبدالحق دہلوی رح مدارج النبوت میں لکھتے ہیں۔ عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ برسر گور و نہ غیر آں و ایں مجموعہ بدعت است یعنی میت کے لئے جمع ہونا، اور قرآن خوانی اور ختم خواد قبر ہو یا اور جگہ یہ سب بدعت ہے۔

شیخ علی متقی استاد الاستاد شیخ عبدالحق صاحب رسالہ رد بدعات میں لکھتے ہیں۔ الاجتماع للقراۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ یعنی میت کی قرآن خوانی کے لئے خاص کر جمع ہونا قبر پر یا مسجد یا گھر میں بدعت مذمومہ ہے۔

آفندی رسالہ رد البدعات میں کہتے ہیں ومن المنکرات فی المعروفات فی زماننا۔ احضار الحلاوی فی المساجد ای فی لیلۃ من شہر رمضان واکل الحبوب المسیخۃ لیوم عاشورا والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم

الثالث وتقسیم الورد الطیب والثمار وغیرھا ثمہ اولا طعام فی الایام المخصوصات کا الثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشھر یالسادس والنتہا ملخصا ترجمہ۔ یعنی بڑی باتوں سے جو ہمارے زمانہ میں مشہور ہیں، رمضان کے مہینہ میں مسجدوں میں حلوہ لانا یعنی رمضان کی رات میں خصوصیت کے ساتھ اور عاشورہ کے دن کھانا پکانا (جسے حلیم و کھچڑا کوڑا وغیرہ کہتے ہیں) اور قبر پر تیسرے روز جمع ہونا۔ اور اس جگہ خوشبو وغیرہ تقسیم کرنا اور تمام خاص دنوں میں کھانا کھلانا جیسے تیجہ، پانچواں نواں، دسواں، بیسواں، چالیسواں ششماہی برسی۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ اور جامع الروایات اور مصفیٰ میں ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب وصیت نامہ میں لکھتے ہیں، از بدعات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتم۔ سوم وچہلم وششماہی وفاتحہ وسالینہ وان ہمہ را در عرب اول وجود بنود مصلحت آن ست کہ غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز وطعام ایشاں یک شباں روز رسمے نباشد۔ یعنی ہمارے لوگوں کی بہت بدعات میں سے تھے۔ ماتم میں فضول خرچی اور تیجہ اور چالیسواں اور ششماہی اور فاتحہ اور برسی اور ان تمام کا عرب اول (خیر القرون) میں وجود نہ تھا۔ مصلحت یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی تسلی تین روز تک اور ایک دن رات میت کے وارثوں کو کھانا کھلانا ان دونوں کاموں کے سوا کوئی رسم نہ ہونی چاہیے۔ فتح القدیر کتاب الجنائز میں حنفیہ کے سرتاج ابن ہمام لکھتے ہیں ھذا عند اکثر مشائخنا وھو ان المیت لا یسمع عندھم۔ یعنی ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ میت نہیں سنتی۔ اور کافی شرح وافی باب بیان احکام الیمین میں ہے۔ والمقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت۔ یعنی مقصود کلام سے اپنا ما فی الضمیر بتلانا ہے۔ اور یہ سنانے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور سنانا میت میں پایا نہیں جاتا۔ اسی طرح عینی شرح کنز اور مستخلص شرح کنز وغیرہ میں ہے۔ اس قسم کی روایتیں بہت ہیں ہم نے بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے ماقل وکفی خیر مما کثر ولکن ایک روایت اور ذکر کرنے کی ضرورت ہے۔ جس میں خاص امام ابو حنیفہ صاحب کا واقعہ مذکور ہے۔ غالباً وہ نہایت ہی مفید ہوگی۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے۔

ی الامام ابو حنیفة من یاتی القبور لاهل الصلاح فیسلم ویخاطب و یتکلم ویقول
یا اهل القبور هل لکم من خبر وهل عندکم من اثر انی اتیتکم من شهور
لیس سوالی منکم الا الدعاء فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفة یقول
طابه بهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا لك وتربت یداك
یف تکلم اجسادا لا یستطیعوا جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون
صوتا وقرأ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

نی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو صالحین کی قبروں پر آتا پس سلام کہتا۔ اور ان
سے خطاب کرتا اور کلام کرتا اور کہتا کہ اے اہل قبور کیا تمہارے لئے بھلائی ہے کیا تمہارے
پاس کوئی نشان ہے میں تمہارے پاس کئی ماہ سے آتا ہوں۔ اور پکارتا ہوں۔ اور میرا سوال
سے صرف دعا کا ہے کیا تم نے جانا یا غافل ہی رہے۔ پس امام ابو حنیفہ رح نے جب یہ سنا تو
اس شخص کو ان بزرگوں کے حق میں مخاطب کرتے ہوئے۔ فرمایا انہوں نے تیری بات کو قبول
کیا کہا نہیں فرمایا۔ تجھ پر پھٹکار ہو۔ اور تو ذلیل ہو جائے تو ایسے جثوں سے کیوں کلام کرتا ہے جو
جواب کی طاقت رکھتے ہیں۔ نہ کسی شئی کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ آواز سنتے ہیں۔ اور یہ آیت
پڑھی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔ اب ان لوگوں
پر کتنا افسوس ہے کہ باوجود حنفی کہلانے کے اپنے امام کی تعلیم کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور صاف
کہتے ہیں کہ بزرگ سنتے ہیں۔ بلکہ ان کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ جو قرآن و حدیث اور بزرگان
دین کے بالکل خلاف عقیدہ ہے۔ حضرت عائشہ رض فرمایا کرتی تھیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کل کی بات کو جانتے ہیں۔ اس نے بڑا بہتان باندھا اور بحر الرائق شرح کنز
الدقائق وغیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص نکاح کے وقت خدا اور رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے۔
کیونکہ اس نے رسول کو حاضر ناظر جانا خدا ان لوگوں کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق
بخشے۔ آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(رسالہ بدعات کی تہدید صفحہ ۱۰)

شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی رحمہ اللہ

سوال۔ کیا مردے سنتے ہیں۔

جواب۔ مردہ بے جان کو کہتے ہیں۔ اور بے جان میں سننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ حدیث میں جہاں سننے کا ثبوت ملتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب اللہ تعالیٰ لے چاہتا ہے۔ ان کی روح کو سنا دیتا ہے۔

(اہلحدیث دہلی جلد ۵ شمارہ ۳)

سوال۔ کیا مردوں کو سماع اور علم کا ثبوت ہے۔ نیز ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

جواب۔ جائز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مردے کفار سے قلیب بدر میں پھینکے ہوئے تھے کہہ رہے۔ یا فلان ابن فلان ویا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا فقال عمر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تکلم من اجساد لا ارواح لها قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منهم وفی رواية ما انتم باسمع منهم ولکن لا یجیبون متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح (ص ۳۴۵ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی) مترجم۔

تعاقب بر جواب۔ اعوذ باللہ من الکفر والشرک والارتداد والخذلان ومن یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ ومن یھدی اللہ فھو المھتدی ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا

مفتی صاحب اصول مناظرہ سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ چونکہ دعویٰ عام ہے یعنی سماع وعلم اور استمداد بالموتی اور دلیل خاص ہے جس سے صرف کفار کا سماع ثابت ہے۔ اور وہ بھی صرف ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ مبارکہ سے یا پھر یہ راوی کی غلطی ہے۔ جیسا کہ اس پر مائی عائشہ صدیقہ کا قول دلالت کرتا ہے۔ جو عنقریب آئے گا۔ انشاء اللہ اس حدیث سے ایسے شخص کے علاوہ کوئی بھی سمع وعلم اور استمداد بالموتی کا استدلال نہیں کرتا۔ جو قہر وغضب خداوندی

کے شراب سے مست ہو اور اس کے دل پر مہر ہو اور کان میں پردہ ہو کَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ یا ان مشرکین کا اس حدیث سے استدلال تحریف کلما ور کتمان حق کی قبیل سے ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور اللہ تعالےٰ نے ان سے وعدہ لے رکھا ہے کہ میری آیات لوگوں پر بیان کرکے واضح کرو۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ پس ان لوگوں نے حق چھپالیا ہے۔ اور توحید کو پس پشت پھینک دیا ہے۔ اور روافض و مشرکین کی طرح شرک کو رواج دے رہے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ الخ یہ لوگ اللہ سے بھی حیاء نہیں کرتے۔ اور صراحتاً انبیاء و رسل سے مقابلہ کرتے ہیں۔

صدق رسول اللہ ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولیٰ اذا لم تستحي فاصنع ما شئت (رواہ البخاری)

پس اگر اس حدیث سے علم و استمداد موتیٰ پر استدلال صحیح ہے تو اس قسم کے لوگوں کو چاہیئے کہ ابوجہل اور اس جیسوں کی طرح کفار اور مشرکین کی قبروں پر جائیں اور اپنے امور میں مدد طلب کریں۔ اور اسے سنت قرار دیں۔ چونکہ جو کچھ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ سنت ہوتا ہے۔ اور اس کا منکر کافر۔ اور اس کا مسلمانوں میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے ملحدین کے لیے یہی کافی ہے کہ جمیع مسلمانوں بلکہ صحابہ کرام تابعین اور ائمہ دین کی نسبت ضلالت کی طرف کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من اتباع الهوی والقول فی دین اللہ بالرای۔ اور مسلمانوں میں سے کسی نے بھی اس حدیث سے اس دعویٰ پر استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ اسے قرن بعد قرن روایت کرتے رہے ہیں۔

بعدہٗ جاننا چاہیئے کہ اس مسئلہ کا جواب تین ابواب میں بیان ہوگا۔ اور ہم اختصار کو ملحوظ رکھیں گے۔ اگر کتاب و سنت کی تمام دلیلیں بالاستیعاب ذکر کی جائیں۔ تو کئی جلدوں میں

بھی نہ سما سکیں گی۔ کیسے سما سکتی ہیں۔ جبکہ تمام انبیاء رسل اسی مسئلہ کی تردید کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور تمام کتابیں اسی مسلک کے اثر کو موکر کرنے کے لئے نازل کی گئی۔ اور تمام امت بلکہ جمیع امتیں گذشتہ انبیاء کے پیروکاروں میں سے اس مسئلہ کے بطلان پر متفق ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پہلا باب سماع موتیٰ کے بارے میں

ائمہ احناف سماع موتیٰ کی نفی پر متفق ہیں۔ جیسا کہ "کتاب الایمان" میں انہوں نے تصریح کردی کہ میت کو سماع نہیں۔ یہ تو بالتحقیق معلوم ہو چکا کہ سماع موتیٰ میں اختلاف ہی نہیں ہے۔ البتہ "قلیب بدر" کے کفار کے سماع میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ اور اس کے متبعین اس کے منکر ہیں۔ اور حضرت عمر کی روایت مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ کو سہو ونسیان پر محمول کرتے ہیں۔ اور بعض اسے قبول کر کے اعجاز اور خرق عادت پر محمول کرتے ہیں۔ جیسا کہ "مواہب لدنیہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ مطلق سماع موتیٰ کی نفی میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ ہم اب فقہ کی متداول کتابوں سے عدم سماع موتیٰ کی فقہی روایات نقل کرتے ہیں۔ "در مختار" میں ہے۔

فلو قال ان ضربتكِ او كسوتكِ او كلمتكِ او دخلت عليكِ او قبلتكِ تقيد كل منها بالحيات لو علق بها طلاقًا او عتقا لم يحنث بفعلها بميت۔ یعنی اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ میں تیرے ساتھ کلام کروں، یا تجھے ماروں وغیرہ وغیرہ تو تجھے طلاق اور اس نے اسے موت کے بعد مارا یا کلام کی وغیرہ وغیرہ تو وہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

علامہ سید محمد امین المعروف بابن عابدین رد المحتار حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں۔ قوله تقيد كل منها بالحيات اه اما الضرب فلانه اسم لفعل لم يتصل بالبدن او استعمال آلة التاديب فى محل يقبله۔ والايلام والتاديب لا يتحقق فى الميت ولا يرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحيات عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل يجعل الحيات فى تلك الاجزاء المتفرقة التى لا يدركها البصر الى ان قال واما الكلام فلان المقصود منه

الافهام والموت ينافيه ولا يرد ما في الصحيح من قوله صلى الله عليه وسلم لاهل قليب بدر هل وجدتم ما وعد كم ربكم حقا فقال عمر رضي الله عنه أتكلم الميت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال والذى نفسى بيده ما انتم باسمع من هؤلاء او منهم فاجاب عنه المشائخ بانه غير ثابت يعنى من جهة المعنى وذالك لان عائشة ردته بقوله تعالى وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وانه انما قال على وجه الموعظة للاحياء وبانه مخصوص باولئك تضعيفا للحسرة عليهم وبانه خصوصية له عليه السلام معجزة لكن يشكل عليهم ما في مسلم ان الميت ليسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان يخصوا ذالك باول الوضع في القبر مقدمة للسوال جمعا بينه وبين الآيتين فانه شبه فيهما الكفار بالموتى لافادة عدم سماعهم وهو فرع سماع الموتى هذا حاصل ما ذكره في الفتح ههنا وفي الجنائز ومعنى الجواب الاول انه وان صح سنده لكنه معلول من جهة المعنى بعلة تقتضى عدم ثبوته سنده عليه السلام وهى مخالفة للقرآن فافهم اه۔

"جامع صغیر" (للامام محمد رحمہ اللہ) میں ہے وكذالك الكلام لان معناه الافهام والموت ينافيه الاترى الى قوله وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اه "ہدایہ" میں ہے من قال ان ضربتك فعبدى حر فهات فضربه فهو على الحيات لان الضرب اسم لفعل مؤلم يتصل بالبدن والايلام لا يتحقق في الميت ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيات في القول العامة وكذا الكلام والدخول لان المقصود من الكلام الافهام انما بالاسماع وذا (الاسماع) لا يتحقق بعد الموت اه

اور "شرح المواقف" میں علم وقدرت اور سماع موتی وغیرہ کا جواز معتزلہ کا مذہب قرار دیا گیا، الفاظ یہ ہیں۔ الصالحية اصحاب الصالحى وهذا من هيهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون تعالى حيا اه۔

علامہ تفتازانی کی "شرح المقاصد" میں مرقوم ہے اما قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ فتمثیل لحال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع بان الموتی لا تسمع اھ

اور "الغرائب فی تحقیق المذاہب" میں ہے رأی الامام الاعظم ابو حنیفۃ یأتی قبور اھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من شھور ولیس سؤالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفۃ بقول یخاطبہ لھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اھ۔

اور "شرح الفصول من علم الاصول" میں ہے۔ لو حلف لا یکلم فلانا وکلم بعد الموت او ضربہ بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافہام والایلام اھ۔ اور "نظم الدلائل" میں لکھتے ہیں ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکونون موتی اھ اور "اصول الشاشی" میں ہے من حلف لا یکلم فلانا فکلم بعد الموت لا یحنث لعدم الاسماع اھ

اور "تفسیر در منثور" میں ہے اخرج ابو سہل السری بن سہل الجندی النیشاپوری فی الخامس من حدیث من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قولہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف علی القتلی یوم بدر ویقول ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا یا فلان یا فلان الم یک الم تکذب بنبیک الم تقطع برحمک فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما تقول فقال ما انتم باسمع منھم لما اقول فانزل اللہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اھ۔

علامہ بیضاوی اپنی تفسیر "انوار التنزیل واسرار التاویل" میں رقمطراز ہیں انما یستجیب الذین ای یستجیب الذین یسمعون بفھم وتامل کقولہ تعالی وَأَلْقَى السَّمْعَ

هُوَ شَهِيدٌ وَهٰؤُلَاءِ كَالْمَوْتٰى الَّذِيْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ اھ

اور "جامع البیان" میں آیت کریمہ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ کے تحت لکھتے ہیں ای الکفار کالموتی لا یسمعون اھ اور اسی آیت کے تحت تفسیر "جلالین" میں ہے ای الکفار شبههم بهم فی عدم السماع اھ اور تفسیر نیشاپوری اور "کشاف" میں آیت کریمہ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ کے تحت لکھا ہے اِنَّهُمْ لفرط اعراضهم عما یدعون الی اللہ کالمیت الذی لا سبیل الی سماعه والصم الذی لا یسمع اھ اور "کافی شرح وافی" میں "باب احکام الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذالک" میں ہے رجل قال ان ضربتك او کسوتك او کلمتك او دخلت علیك او قال لامرته او وطیتك او قبلتك فعبدہ حر یتقید بالحیات حتی لو فعل هذه الاشیاء بعد الموت لا یحنث لان الضرب اسم لفعل مؤلم والمیت لا یتألم بضرب بنی آدم وانما ذالك مما یتفرد به اللہ تعالی کما فی عذاب القبر فانه ثابت عند اهل السنة وان اختلفوا فیما بینهم فقال بعضهم نؤمن باصل الکتاب ونسکت عن الکیفیة ان الواجب علینا تصدیق ما ورد به السنة المستفیدة وهو التعذیب بعد الموت فنؤمن به ولا نشتغل بکیفیته وعند العامة یوضع فیه الحیات بقدر ما یتألم لا الحیاة المطلقة وقیل یوضع فیه الحیات من کل وجه ومعنی کسوتك ملکتك عند الاطلاق یقال کسا الامیر فلانا ای ملکه وهو المراد بقوله تعالی اَوْ كِسْوَتُهُنَّ والتملیك من المیت لا یتحقق لان الموت ینافی بملك فلان ینافی ابتداء ان ینوی الستر فحینئذ یصدق لان فیه تشدیدا وقیل ان کانت یمینه بالفارسیة یحنث لانه یعلم یراد به الالباس والمقصود من الکلام الافهام وذا لا یتحقق بعد الموت قال اللہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی رأس القلیب وقال هل وجدتم ما وعد کم ربکم حقا فقال عمر تکلم الجثة فقال ما انتم باسمع من هؤلاء

قلنا غیر ثابت فانہ لما بلغ عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کذ بتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وقال اللہ تعالی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ علی انہ کان علیہ السلام مخصوصًا بہ والغرض من الدخول علیہ اکرامہ لتعظیمہ اوا ھانتہ بتحقیرہ اوزیارتہ ولا یتحقق الکل بعد الموت لانہ لا یزار المیت وانما یزار قبرہ قال علیہ السلام کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فتزوروھا لان المیت کالغائب من نحاف بباب رجل لم یعد زائراله فھھنا اولی الغرض من الوطی والتقبیل قضاء الشھوۃ وذا لا یتحقق بعد الموت اھ۔

اور "فتح القدیر" (ہدایہ کی شرح) کے باب الیمین فی القتل والضرب وغیر ذالک میں ہے۔ قولہ وکذالک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلم اتقصر علی الحیات فلو کلمہ بعد موتہ لا یحنث لان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ لانہ لا یسمع فلا یفھم وا ورد انہ علیہ السلام قال لاھل القلیب قلیب بدر ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فقال عمر رض اتکلم المیت یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ھٰؤلاء لما اقول منھم واجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنی والا فھو فی الصحیح وذالک بسبب ان عائشۃ رض ردتہ بقولہ تعالی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ وَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وبانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء لا لافہام الموتی کما روی عن علی رض قال السلام علیکم دار قوم مؤمنین اما نساء کم فنکحت واما اموالکم فقسمت واما دورکم فسکنت فھذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیھم لکن بقی انہ روی انہ علیہ السلام قال ان المیت لیسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا ولینظر فی کتاب الجنائز من ھذا الشرح وایضًا فی فتح القدیر فی کتاب الجنائز ھذا اعتذ اکثر مشائخنا وھو ان المیت لا یسمع عندھم علی ما صرحوا فی کتاب الایمان فی باب الیمن بالضرب لو حلف لا یکلم فکلم میتًا لا یحنث لانھا یتقید

علی ما حیث یفہموا المیت لیس کذالک لعدم السماع وورد قولہ علیہ السلام فی اہل القلیب ما انتم باسمع لما اقول منہم واجابوا تارۃ بانہ مردود من عائشۃؓ قالت یقول علیہ السلام ذالک واللہ تعالیٰ یقول وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وتارۃً بان تلک خصوصیۃ علیہ السلام معجزۃ وزیادۃ حسرۃ وتارۃ بانہ من ضرب المثل کما قال علیؓ ویشکل علیہم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذالک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہما تفید ان تحقیق عدم سماعہم فانہ تعالیٰ شبہ الکفار بالموتی لعدم الافادۃ بعدم اسماعہم وہو عدم سماع الموتی اھ۔

اور کنز کی شرح عینی میں یہ عبارت مرقوم ہے ھکذا فی الیمن فی الضرب والقتل وغیر ذالک ولو قال رجل ان ضربتک فعبدی حر وان کسوتک فعلی کذا وان کلمتک فامرأتی طالق وان دخلت علیک فامتی حرۃ تقید بحنہ بحیاۃ فالمخاطب لو فعل بہ ہذہ الاشیاء بعد موت المخاطب لم یحنث لان ہذہ الاشیاء لا یتحقق فی المیت لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لا یتصور ومن یعذب فی القبر توضع الحیاۃ علی الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتہا الی ان قال والکلام للافہام فلا یتحقق فی المیت فان قلت قال علیہ السلام لقتلی بدر من المشرکین ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا قلت ردتہ عائشۃؓ وقالت قال اللہ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ولئن ثبت فہو مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ویجوز ان یکون لوعظ الاحیاء علی سبیل الخطاب للموتی اھ۔

اور "کنز الدقائق" کی شرح "مستخلص" میں اس طرح مرقوم ہے۔ لو قال ان کلمتک فعبدی حر فکلمہ بعد موتہ لا یحنث لان المقصود من الافہام وذا لا یتحقق فی المیت فان قیل قد روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد حکم اصحاب القلیب من اہل البدر من الکفار حین القاہم فی القلیب قام علی رأس القلیب وقال علیہ السلام ہل وجدتم

ما وعدکم ربکم حقا فقال عمرؓ اتکلم المیت یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انتم باسمع من ھؤلاء۔ قلنا ھذا غیر ثابت لقولہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وقولہ تعالیٰ وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ وان ثبت فھو معجزۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقیل بل المقصود من ذالک وعظ للاحیاء لا افہام الموتی اھ۔

اور ہدایہ کی شرح "کفایہ" میں ہے قولہ وکذالک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا ولا یدخل دار فلان یتقید بالحیاۃ لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذالا یتحقق بعد الموت فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رأس القلیب وقال ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا قال عمرؓ اتکلم المیت یارسول اللہ فقال ما انتم باسمع من ھؤلاء۔ قلنا غیر ثابت فانہ لما بلغ ھذا الحدیث عائشۃ قالت قال اللہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى تشبیہ الکفار بالموتی ونحن لا منکر ان المیت لا یسمع اھ۔

اور عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم قتادہ سے آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ یہ ضرب المثل ہے جسے اللہ نے کفار کے لئے بیان کیا ہے یعنی جس طرح میت نہیں سنتی اسی طرح کفار بھی نہیں سنتے، اور نہ نفع حاصل کرتے۔ اور آیت لَا يُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ قتادہ نے کہا اگر بہرہ آدمی منہ پھیر کر چلا جائے تو پھر آپ اسے پکاریں جیسے وہ نہیں سن سکتا اسی طرح کفار بھی نہیں سن سکتے اگر سن لیں تو نفع نہیں حاصل کر سکتا اھ

اور امام رازی رحمہ اللہ نہایۃ العقول میں رقمطراز ہیں کہ قرآن کی آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ کے ساتھ انہوں نے تمسک کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیت کے سیاق کی غرض کفار کو مردوں سے تشبیہ دینا ہے اور ہم اعتراف کرتے ہیں۔ جو لوگ قبروں میں ہیں وہ نہیں سن سکتے جب تک مردے رہیں۔ پس آیت مذکورہ سے ان کا استدلال ساقط ہو گیا۔ اھ

اور علامہ عینی حنفی شرح بخاری میں ابن تین سے ناقل ہیں کہ حدیث ابن عمرؓ اور آیت کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے۔ چونکہ مردے بلاریب نہیں سنتے ہاں اگر کسی ایسی چیز کو سنانے کا ارادہ جس کی شان سننا نہیں ہے۔ تو یہ ممتنع نہیں ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ الآیۃ اھ

اور خفاجی حاشیہ بیضاوی میں لکھتے ہیں فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الخ یہ سابقہ کلام سے مفہوم کی علت ہے گویا کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ تیری نصیحت سے یہ ابتدا فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اھ۔

ابن ہمام کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ مردے سنتے نہیں ہیں استدلال اس آیت سے ہے اسی لیے قبر کو تلقین کرنے کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ فلاں سے کلام نہیں کریگا۔ اور اس نے موت کے بعد اس سے کلام کیا تو حانث نہ ہوگا۔ اور ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آنحضرت نے قلیب بدر کے مردوں کے بارے میں فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے رد کیا ہے دوسرا یہ کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اھ۔

اور جملہ فقہائے احناف اس پر متفق ہیں کہ مردوں کو سماع نہیں ہے جزاھم اللہ خیرا جمل سعیہم مشکورا جیسا کہ ان کی عبارات اوپر ذکر ہو چکی ہیں[1]۔ بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ مردوں کو نہیں سنتا خصوصاً علماء حنفیہ پس ان معترضین مخذولین بڑا تعجب ہے کہ علماء احناف کے اجماع کو توڑتے اور جمیع علماء احناف کی صریح مخالفت کرتے ہیں اور باوجود اس کے خود کو امام ابوحنیفہ کے مسلک پر سمجھتے ہیں اور احناف کے مذہب کو تسلیم کرتے۔ اور جو عدم سماع موتٰی کا قائل ہو اسے وہابی اور کافر کہتے ہیں،

[1] ان سب عبارات کا خلاصہ ایک ہی ہے کہ مردوں کو سماع نہیں ہے تفصیل البحر یعنی ابن ہمام کے الفاظ کے ترجمے میں گذری سب کی عبارتیں اس سے ملتی جلتی ہیں اس لیے الگ الگ ترجمے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی امید ہے قارئین سمجھ لیں گے چونکہ طوالت کا خوف تھا۔ (مترجم)

پس ان کو امام ابوحنیفہؒ اور اس کے متبعین کو وہابی اور کافر قرار دینا مبارک ہو۔
اور استدلال اسی حدیث عمرؓ سے کرتے ہیں جس کے آخر میں ہے فقال عمرؓ یا رسول اللہ
انکلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ
ما انتم باسمع لما اقول منهم کہ حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا کہ آپ بے روح مردوں سے کلام
فرماتے ہیں تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ قتادہ
کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں زندہ کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی اس ذلت، نقمت، حسرۃ اور
توبیخ والی یہ بات سن لی۔ لیکن معترضین خیانت کرتے ہیں چونکہ قتادہ کے یہ الفاظ ان کے
مقصد کے خلاف ہیں نیز بخاری میں ہشام اپنے باپ سے مائی عائشہ حدیث بیان کرتے ہیں
کہ انهم ليسمعون ما اقول کا مطلب ہے کہ اب وہ جان رہے ہیں کہ میں نے ان سے جو کہا
تھا۔ وہ حق ہے۔ پھر عائشہؓ نے یہ آیت تلاوت کی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ وَمَا اَنْتَ
بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ یعنی جب انہوں نے آگ سے اپنے ٹھکانے پکڑ لیے تو آپ انہیں
سنا نہیں سکتے۔ ایک دوسری حدیث بسند عثمان عن عبدة عن ہشام عن ابیہ عن ابن عمرؓ
بھی ہے کہ آنحضرت نے قلیب بدر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا هل وجدتم ما وعد ربکم
حقا نیز فرمایا کہ اب میری بات کو سن رہے ہیں، جب عائشہؓ کے پاس اس کا ذکر
ہوا تو مائی صاحبہ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ وہ اب میری بات کے حق ہونے کو جان رہے
ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ مائی صاحبہ کی آیت
کریمہ اور حدیث کے درمیان توفیق و تطبیق ان کے کمال علم اور قوۃ فہم پر دلالت ہے
(خیر الجاری) نیز اسی حاشیہ میں کرمانی سے نقل کرتے ہیں قول عائشہ کی توجیہ میں صاحب
کشاف اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ نے کفار کو زندہ ہونے کے باوجود
مردوں سے تشبیہ دی ہے چونکہ ان کا حال مُردوں کی طرح ہے اور آیت وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ
مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ای الذین هم المقبورین اھ۔
اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس کے متبعین اور جمیع احناف وہابی ہیں تو ہم بھی

وہابی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ جب انہیں رافضی ہونے کا الزام دیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔

ان کان الرفض حب صحب محمد فلیشهد الثقلان انی رافض

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے امام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (شیخ الاسلام) پر جب انہیں ناصبی ہونے کا الزام دیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ شعر۔

ان کان نصب حب صحب محمد فلیشهد الثقلان انی ناصب

راضی ہو اللہ ابن القیم سے آپ فرماتے ع

ان کان تجسیما ثبوت صفاته وتنزیها عن عیب کل مفتری
فانی بحمد الله ربی مجسم هلموا شهودا واحضروا کل محضر

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

فتاویٰ صاعقۃ الرحمان علی حزب الشیطان، ص ۲۵ تا ۱۳۱ (قلمی)

از مولانا محمد بن محمد حسن القاضی الخانفوری المولود ۱۲۷۰ھ ۴ شعبان والمتوفی ۹ جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ تلمیذ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز

تصدیقات

سید نذیر حسین محدث دہلوی ۱۰ رجب م ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء
ڈپٹی سید احمد حسن محدث دہلوی۔ م ۱۳۳۸ھ 〃 ۱۹۲۰ء
سید شریف حسین محدث دہلوی۔ م ۱۳۰۴ھ 〃 ۱۸۸۸ء
سید عبد الواحد الغزنوی۔ م ۱۲۹۲ھ
محمد بن عبد اللہ الغزنوی

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ وغیرہم (فارسی سے اردو ترجمہ)

جو شخص سماع موتیٰ کا قائل ہو۔ وہ حنفی کہلانے کا حقدار ہے یا نہیں۔

سوال ۔ جو شخص بہر حال سماع موتے کا قائل ہے۔ اور عالم غیب اور حاضر ناظر بزرگوں کو جانتا ہے۔ اور استعانت اور نذر غیر اللہ اور سجدہ کرنا قبر کو جائز جانتا ہے۔ حنفی مذہب کے رو سے جائز نہیں آیا۔ وہ حنفی ہے۔ اور امام صاحب کا مقلد ہے یا نہیں؟۔

جواب ۔ حنفی نہیں۔ اور غیر مقلد ہے۔ بلکہ وہ اہل سنت والجماعت سے خارج غیر مقلد تو صرف امام صاحب سے چند مسائل فروع آمین و رفع یدین وغیرہ میں زحو حدیث میں ثابت ہیں۔ اور جن کو بعض حنفی علماء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اس امر کو رسالہ دافع الفساد میں مفصل لکھ چکے ہیں۔ مخالف ہیں۔ اور یہ حنفی تو امام صاحب کے عقائد میں بھی مخالف ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

لوگوں کو چاہیے ایسے علماء کے فتوے پر ہرگز عمل نہ کریں۔ بلکہ اس کو قرآن مجید وحدیث شریف و کتب معتبرہ کے موافق ہو تو قبول کریں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ قیامت میں پچھتائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ ۔ مولانا مولوی رحیم بخش مصنف کتب اسلام وغیرہ (لواء الہدیٰ صـ۲۳)

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سماع موتے ثابت ہے۔ یا نہیں۔ جواب حنفی مذہب سے ہو۔ اور حنفی مذہب کی کتب معتبرہ سے سند ہو۔

جواب :۔ سماع موتے حنفی مذہب میں ثابت نہیں۔ بلکہ حنفی مذہب کی کتب معتبرہ میں اس کی صراحۃً نفی ثابت ہے۔ چنانچہ کتب معتبرہ کی عبارتیں نفی سماع موتے کے لئے اس پرچہ میں نقل کی جاتی ہیں :۔

واما الکلام فلان المقصود منه الافهام والموت ینافیه ولا یرد ما فی الصحیح من قوله صلی اللہ علیه وسلم لاهل قلیب بدر هل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یارسول اللہ فقال علیه السلام والذی نفسی بیده ما انتم باسمع من هٰؤلاء

اومنہم فقد اجاب عنہ المشائخ بانہ غیر ثابت یعنی من جہۃ المعنی وذلک لان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور انک لا تسمع الموتی وانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ للاحیاء وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیہم وبانہ خصوصیۃ لہ علیہ السلام معجزۃ لکن یشکل علیہم ما فی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالہم اذا انصرفوا الا ان یخصوا ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیہما الکفار بالموتی بعدم افادۃ سماعہم وہو فرع عدم سماع الموتی ہذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح ہنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جہۃ المعنی بعلۃ تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام وہی مخالفۃ للقرآن فافہم عبارت رد المحتار المشتہر بالشامی ج ۳ ص ۱۲۰ مطبع مجتبائی دہلی۔

ترجمہ یعنی اگر کوئی قسم کھائے کسی زندہ کو کہے کہ میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ پس اگر وہ اس سے اس کے مرنے کے بعد کلام کرے، تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ کلام سے مخاطب کو سمجھانا مقصود ہوتا ہے، اور موتیٰ سمجھ نہیں سکتے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موتیٰ کفار بدر کو (جو گہرائی میں پھینکے گئے تھے) کہا آیا تم نے اپنے رب کے وعدہ کو جو اس نے تمہاری ہلاکت کے بارہ میں کیا تھا، حق اور سچ پایا، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آیا آپ میت سے کلام کرتے ہیں فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے، اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، (یعنی خدائے عزوجل) تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے (یعنی وہ سنتے ہیں) اس شبہ کا جواب ہمارے فقہاء مشائخ نے کئی وجہ سے دیا ہے، وہو ہذا۔

اول یہ کہ گو یہ حدیث الفاظ کی رو سے صحیح ہے، لیکن معنی کے رو سے ثابت نہیں، کیونکہ حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو آیات شریفہ (وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ وَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ) (ترجمہ اور نہیں سناتا تو اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اہل قبور کو، اور نہیں سناتا تو مردوں کو) سے رد کر دیا ہے،

دوم وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں سے زندوں کی نصیحت اور عبرت کے لئے کی ہے۔

سوم وجہ یہ کہ اگر ان کو زندہ مان بھی لیں تو یہ انہی مردوں کے ساتھ خاص ہے، اس وقت اللہ نے ان کو اس لئے زندہ کیا تھا کہ ان پر حسرت اور ندامت زیادہ ہو۔

چہارم وجہ یہ ہے کہ ان کا اس وقت زندہ ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے لیکن اس پر بموجب حدیث صحیح مسلم کے شبہ ہوتا ہے، کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں، تو میت ان کی جوتیوں کا کھٹکا سنتی ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زندگانی میت کو خاص اسی وقت حاصل ہوتی ہے، تاکہ وہ منکر اور نکیر کے سوالوں کا جواب دے سکے، اس حدیث کے یہ معنی اس لئے ہیں کہ درمیان حدیث مذکور اور دو آیتہ مذکورہ کے تعارض و تخالف واقع نہ ہو، کیونکہ ان دو آیتوں میں اللہ عزوجل شانہ نے کفار کو موتے کے ساتھ اس امر میں تشبیہ دی ہے کہ کفار سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اور یہ تشبیہ ان میں تب ہی ثابت ہوتی ہے، جب موتیٰ کا نہ سننا ثابت ہو، یہ اس عبارت کا خلاصہ و حاصل ہے جو فتح القدیر کے باب الیمین اور کتاب الجنائز میں واقع ہے، اور پہلے جواب کا حاصل یہ ہے، کہ اگرچہ حدیث قصہ بدر کی سند صحیح ہے، لیکن وہ معنی کی رو سے معلول ہے، اور اس میں علت یعنی نقص یہ ہے، کہ اس حدیث کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ ثابت ہونا پایا جاتا ہے، کیونکہ قرآن شریف کے مخالف ہے،

وکذلک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلمہ اقتصر علی الحیوۃ فلو کلمہ بعد موتہ لا یحنث لان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ لانہ لا یسمع ولا یفہم وارد انہ قال لاھل القلیب قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم الموتی یا رسول اللہ فقال صلعم والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ھولاء او منھم واجیب بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنی والا فہو فی الصحیح وذلک بسبب ان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وما انت بمسمع من فی القبور فانک لا تسمع الموتی وبانہ انما

قال له علی وجهه الموعظة للاحیاء ولا لافهام الموتی کما روی عن علیؓ انه قال السلام علیکم دار قوم مومنین اما نساءکم فنکحت واما اموالکم فقسمت واما دورکم فقد سکنت فهذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم وبانه مخصوص باولئک تضعیفا للحسرة علیهم لکن بقی انه روی عنه عمران المیت لیسمع خفق نعالهم اذا انصرفوا وفی کتاب الجنائز وتارة بان تلك الخصوصیة له علیه الصلوٰة والسلام معجزة و زیادة حسرة علی الکافرین وتارة بانه من ضرب المثل کما قال علیؓ ویشکل علیهم مافی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا اللهم الا ان یخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بینه وبین الآیتین فانهما یفیدان تحقیق عدم سماعهم فانه تعالی شبه الکفار بالموتی لافادة تعذر سماعهم وهو فرع عدم سماع الموتی ۔ یہ عبارت فتح القدیر کی جلد ۲ ص ۴۸۳ و ج ۲ ص ۵۳ کتاب الجنائز میں مذکور ہے۔

ترجمہ، یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کرونگا، تو یہ قسم صرف زندگی تک رہ سکتی ہے، اگر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کی تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے، اور موت اس کی منافی ہے، کیونکہ میت نہ سنتی ہے اور نہ سمجھتی ہے، اور اس پر جو یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اہل قلیب بدر کو فرمایا کہ تم نے اللہ کے وعدہ کو جو اس نے تمہاری ہلاکت کی بابت کیا تھا، سچ پایا، اور اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا یہ آپ میت سے سوال کرتے ہیں، فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم ہے، اللہ کی کہ میں جو کچھ ان کو کہتا ہوں، تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، سو اس کا جواب یہ ہے، کہ یہ حدیث گو لفظاً صحیح ہے، کہ بخاری شریف کی ہے، مگر معنی کی راہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ نے اس پر انکار کیا۔ اور اس کے مقابل میں یہ دو آیت شریف پڑھیں وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپ نے زندوں کی نصیحت کے لئے فرمایا ہے، نہ مردوں کے سمجھانے کے لئے جیسے حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے مردوں کو کہا

کہ السلام علیکم اے قوم مومنوں کی صاحبان خانہ گورہ۔ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے تمہارے مال تقسیم کئے گئے۔ تمہارے گھروں میں اور لوگ آباد ہو گئے۔ یہ تو تمہاری ہم کو خبر ہے، پس بتاؤ کہ ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے۔ کہ یہ زندگی اُن مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ ان کو اس لئے زندہ کیا کہ ان کو حسرت اور ندامت زیادہ ہو۔ اور اسی کتاب کے باب الجنائز میں اس شبہ کا یہ جواب ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے تو کہ ان پر حسرت زیادہ ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے۔ جو یہ ایک مثال کے طور پہ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا حضرت علیؓ نے بیان کیا ہے، لیکن اس پر ایک یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس ہوتے ہیں۔ میت ان کی جوتیوں کا آواز سنتی ہے۔ اس سے سماع موتے ثابت ہوتا ہے۔ سو اس کا جواب فقہا نے یہ دیا ہے کہ یہ زندگی ان کو اسی وقت اس لئے حاصل ہوتی ہے۔ تو کہ وہ فرشتوں کے سوال کا جواب دے سکیں۔ اور یہ معنی اس لئے کئے گئے ہیں۔ کہ ان دو آیت مذکورہ اور حدیث کے درمیان موافقت ہو جاوے۔ کیونکہ ان دو آیتوں سے سماع موتے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتے سے تشبیہ دی ہے۔ اس لئے کہ کفار سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اور یہ اس بات پر موقوف ہے۔ کہ مُردے نہیں سنتے۔

لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ۔ لان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باھل الاسماع الاتری الی قولہ تعالیٰ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ فان قیل قد روی انہ علیہ السلام کلم اصحاب القلیب یوم بدر حیث سماھم باسمائھم فقال ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقد وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ قلت اجاب الاکمل بان ذلک کان معجزۃ لہ علیہ السلام وقال الاتری انہم لما قالوا یارسول اللہ انہم لا یسمعون۔ فقال انہم یسمعون کما تسمعون وانما ارادتھم انہم یعلمون ان الذی قلت لھم حقا قال کالی فان قیل قد روی ان قتلی بدر

لما ألقوا فی القلیب قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رأس القلیب وقال هل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ فقال عمرؓ أتکلم المیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال علیہ السلام ما انتم باسمع من هولاء قلنا هو غیر ثابت فانه لما بلغ هذا الحدیث عائشة رضی اللہ تعالی عنها قالت کذبتم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانه تعالی قال انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور علی انه علیه السلام کان مخصوصا به معجزة له وقیل المقصود وعظ الاحیاء لا افهام الموتی کما روی عن علی رضی اللہ تعالی عنه انه اذا اتی المقابر قال علیکم السلام دیار قوم مؤمنین اما نساؤکم فقد نکحت واما اموالکم فقد قسمت واما دارکم فقد سکنت فهذا خبرکم عندنا وما خبرنا عندکم۔ عبارت عینی شرح هدایہ جلد ثانی ص ۶۴ مطبوعہ عالی لکھنو۔

ترجمہ: کیونکہ مقصود کلام سے سنانا ہے۔ اور میت سننے کے لائق نہیں ہے۔ آیا نہیں دیکھتا تو طرف اس کی کہ اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ اگر کوئی شبہ کرے، کہ آنحضرت صلعم نے بدر کے مردوں سے کلام کی اور ان کو ان کے ناموں سے پکارا، اور فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقد وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ میں کہتا ہوں۔ اس کا جواب ملا اکمل نے یہ دیا ہے۔ کہ آنحضرت کا معجزہ ہے، اور فرمایا کیا، تو دیکھتا نہیں۔ کہ جب لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو سنتے نہیں۔ فرمایا آنحضرت صلعم نے جیسے تم سنتے ہو یہ بھی سنتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کی غرض اس سے یہ تھی کہ جو کچھ میں ان کو کہتا ہوں، اس کو یہ حق جانتے ہیں۔ کہا کاکی نے اگر کوئی شبہ کرے کہ جب مقتول بدر گڑھے میں ڈالے گئے اور آنحضرت نے گڑھے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آیا میت سے کلام کرتے ہو؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے جواب میں فرمایا تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر ثابت نہیں کیونکہ جب یہ

حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا تم لوگوں نے رسول اللہ پر جھوٹ باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ علاوہ اس کے یہ آنحضرت کے ساتھ خاص اور آنحضرت کا معجزہ ہے، اور بعض کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود زندوں کو وعظ کرنا تھا۔ نہ مردوں کو سنانا جیسے حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ وہ قبروں پر آئے، سلام کہہ کر فرمایا اے مومنین قبروں والو۔ تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے تمہارے مال بٹ گئے، تمہارے گھروں میں اور آبسے یہ تمہاری خبر ہم کو ہے۔ اور ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

قولہ وکذلک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا اولا یدخل دار فلان لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت فان قیل روی ان قتلی بدر من المشرکین لما القوا فی القلیب قام رسول اللہ صلعم علی اھل القلیب وقال ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمرؓ اتکلم الموتی یا رسول اللہ فقال ما انتم باسمع من ھؤلاء قلنا ھو غیر ثابت فانہ لما بلغ ھذا الحدیث لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کذبتم علی رسول اللہ صلعم قال اللہ تعالیٰ انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور ثم لو صح ذلک کان ذلک معجزۃ رسول اللہ وقیل المقصود بذلک وعظ الاحیاء لا افہام الموتی ونظیرہ ما روی ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان اذا اتی المقبر قال علیکم السلام دیار قوم مؤمنین اما نساؤکم فقد نکحت واما اموالکم فقد قسمت واما دارکم فقد سکنت فہذا خبرکم عندنا فما خبرنا عندکم عبارت کفایہ شرح ھدایہ ج ۲ ص ۱۴۲ مطبوعہ احمدی دھلی۔

ترجمہ۔ مردے سے کلام کرنے سے حالف حانث نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصود کلام سے سمجھانا ہوتا ہے۔ اور یہ موت کے بعد ثابت نہیں۔ اگر شبہ گذرے کہ جب بدری کافر گڑھے میں ڈالے گئے۔ تو آنحضرت نے ان پر کھڑے ہو کر فرمایا۔ ہل وجدتم ما وعدکم حقا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر کہا۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم موتے سے کلام کرتے ہو۔ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ حضرت

عائشہؓ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا تم نے رسول اللہ پر جھوٹ کہا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک لا تسمع الموتی۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ پھر اگر اس خبر کو صحیح بھی مان لیویں۔ تو یہ آنحضرتؐ کا معجزہ ہے۔ اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ مقصود اس سے زندوں کو وعظ کرنا تھا۔ نہ مردوں کو سمجھانا۔ مثال اس کی یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ قبروں پر گذرے فرمایا سلام تم پر اے قوم مومنین اہل قبور تمہاری عورتوں نے نکاح کر لئے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے۔ تمہارے گھروں میں کوئی سکونت کے لئے اور آ بسے یہ خبر تمہاری تو ہم کو ہے۔ پس ہماری تم کو کیا خبر ہے۔

اس عبارت کا حاصل بھی یہی ہے، جو مکرر بیان ہو چکا ہے:۔

وكذلك لو قال ان كلمتك فعبدي حر فكلمه بعد موته لايحنث لان المقصود من الكلام الافهام وذا لايتحقق في الميت فان قيل قد روي ان النبي صلعم قد تكلم اصحاب القليب من اهل البدر من الكفار حين القاهم في القليب قام على راس القليب وقال هل وجدتم ما وعد ربكم حقا فقال عمرؓ اتكلم الميت يارسول الله فقال ما انتم باسمع من هولاء قلنا هذا غير ثابت بقوله تعالىٰ انك لا تسمع الموتى وقوله وما انت بمسمع من في القبور وان ثبت فهو معجزة لرسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل المقصود من ذلك وعظ الاحياء لا افهام الموتى: عبارت کتاب مستخلص بر کنز الدقائق ص۱۶۳ في المطبع الواقع في لکھنو۔

والموصل للثواب الى الميت هو الله تعالىٰ سبحانه لان الميت لا يسمع بنفسه عبارت شرح فقہ اکبر ص۱۵۹ مطبع محمدی واقع لاہور۔

ترجمہ۔ میت کو اللہ کے سوا ثواب کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ میت خود نہیں سن سکتی ہے۔

اذا حلف لا يكلم فلانا ابدا وكلمه بعد ما مات لايحنث في يمينه كذا في المحيط في الفصل الثاني والعشرين فتاوی عالمگیری جلد ثانی ص۳۹۔

ترجمہ۔ جب قسم کھاوے آدمی کہ فلاں شخص سے کبھی کلام نہ کروں گا۔ پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد کلام کی تو وہ اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا۔

رای الامام ابوحنیفة من یاتی القبور لاهل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اهل القبور هل لکم من خبر وهل عندکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من شهور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابوحنیفة یقول یخاطب بهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا وتربت یداك کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور

فتاویٰ غرائب فی التحقیق المذاهب الامام الاعظم۔

ترجمہ۔ دیکھا امام ابوحنیفہؒ نے کہ ایک شخص مقابر اولیاء میں آتا ہے پس سلام کرتا ہے، اور خطاب وکلام کرتا ہے، اور کہتا ہے اے اہل القبور آیا ہے تم کو خبر اور ہے، کچھ تمہارے پاس اثر کہ میں آتا ہوں تمہارے پاس اور پکارتا ہوں، تم کو مہینوں سے اور نہیں سوال میرا تم سے مگر دعا پس آیا خبردار ہو یا غافل۔ پس سنا ابوحنیفہؒ نے کلام اور خطاب اس کے کو اہل قبور سے پس کہا۔ ابوحنیفہؒ نے اس سے آیا جواب دیا۔ تجھ کو انہوں نے کہا نہیں، پھر کہا امام نے دوری ہو جیو تجھ کو رحمت خدا سے اور خاک میں ملیں تیرے دونوں ہاتھ کیا کلام کرتا ہے، تو مردوں سے کہ طاقت نہیں رکھتے جواب کی۔ اور مالک نہیں کسی چیز کے۔ اور کسی کی آواز نہیں سنتے۔ اور پڑھی یہ آیت۔ وما انت بمسمع من فی القبور۔ یعنی تو نہیں سنا سکتا۔ اہل قبور کو پس ہیچ زہد تو ہیچ امام ہمام کے پکارنے والے کے حق میں تامل کرنا نہ چاہیے۔

لا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتهی۔ شرح مقاصد۔ وکان حدیث ما انتم باسمع منهم لم یثبت عندها ومذهبنا ان اهل القبور یعلمون ما سمعوا قبل الموت ولا یسمعون بعد الموت۔ کرمانی شرح بخاری۔

یعنے حدیث ما انتم باسمع منہم حضرت عائشہؓ کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور ہمارا مذہب

یہ ہے، کہ اہل قبور مرنے کے پہلے سنتے جاتے تھے، اور موت کے بعد نہیں سنتے۔
واما قوله انك لاتسمع الموتى ونحن لا تنكران الميت لا يسمع (ابکار الافکار)
یعنی ہم عدم سماع موتٰے کے منکر نہیں۔

الصالحية اصحاب الصالحي ومن مذهبهم انهم جوزوا قيام العلم والقدرة والارادة والسمع والبصر بالميت ويلزمهم جواز ان يكون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا يكون الله تعالى حيا۔ شرح مواقف وهؤلاء كالموتى الذين لا يسمعون۔ (بیضاوی)۔ اى الكفار شبههم بهم فى عدم السماع (جلالین)۔ ان الذين تحرص على ان يصدقوك بمنزلة الموتى الذين لا يسمعون۔ (کشاف)

ترجمہ۔ فرقہ معتزلہ صالحیہ اصحاب صالحی کے ہیں۔ ان کا مذہب ہے کہ علم اور قدرۃ اور ارادہ اور سمع اور بصر میت میں موجود ہے، لیکن ان پر اعتراض لازم آتا ہے، کہ زندہ لوگوں کو بھی بایں صفات مردہ کہیں اور اللہ تعالےٰ زندہ نہ ہو۔
یعنی کفار مثل مُردوں کی ہیں، جو نہیں سنتے۔
یعنی کفار کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے نہ سننے میں تشبیہ دی ہے۔
یعنی اے محمدؐ جن کفار سے تو یہ امید رکھتا ہے، کہ تیری تصدیق کریں۔ وہ بمنزلہ مردوں کے ہیں۔ جو نہیں سنتے، اور نیز عدم سماع موتٰے مذکور ہے، جامع الصغیر ونہایہ وعنایہ ونہایۃ العقول مؤلفہ امام رازی وحاشیہ بیضاوی مؤلفہ خفاجی وشرح بخاری امام سیوطی ونظم الدلائل وشاشی ومعالم ونیشاپوری وجامع القرآن ومنثور وغیرہ میں ہے، یہاں تک جو بیان ہوا ہے وہ مذہب حنفی کے مطابق منقول ہے، اور اگر حدیث کی طرف رجوع کیا جاوے، تو حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ موتٰے نہیں سنتے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ نیند اور موت دونوں بہنیں ہیں۔ جب آدمی نیند میں نہیں سنتا ہے۔ جو چھوٹی بہن ہے، اور جس میں کچھ دنیا میں بھی تعلق ہے، تو موت میں کب سن سکتا ہے، جو بڑی بہن ہے، اور جس میں بالکل دنیا سے بے تعلقی ہے۔

امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔ الموت والنوم یشترکان فی کون کل واحد منہما توفیان النفس ثم یمتاز کل واحد منہما عن الآخر بخواص معینۃ ۱۲ ۔

یعنے موت اور نیند نفس کے فوت کرنے میں یکساں ہیں۔ فرق ہر ایک میں بعض خصوصیتوں سے ہے ۔

وعن ابی جحیفۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرہ الذی ناموا منہ حتی طلعت الشمس ثم قال انکم کنتم اموا تا فرد اللہ الیکم ارواحکم رواہ ابن شیبۃ وعن قتادۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیلۃ الوادی ان اللہ قبض ارواحکم حین شاء وردھا حین شاء رواہ البخاری والنسائی وابوداؤد واحمد وابن شیبۃ ۔

اور ابی جحیفہ سے مروی ہے کہ تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس سفر میں لوگ سو گئے ہا ور اور نماز قضا ہو گئی یہاں تک کہ سورج نکل آیا۔ فرمایا آنحضرت صلعم نے تحقیق تم مردے تھے، تمہاری طرف اللہ نے تمہارے روح پھیر دیئے ۔

یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کی رات میں فرمایا تحقیق اللہ نے جب چاہا تمہارے ارواحوں کو قبض کر لیا ۔ اور جب چاہا چھوڑ دیا ۔

اور اگر صرف عقل اور فلسفہ کی طرف دیکھا جائے۔ تو اس سے بھی عدم سماع موتیٰ ہی ثابت ہے۔ چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں ۔

لما کان ادراک الجزئیات مشروطا عند الفلاسفۃ بحصول الصورۃ فی الآلات فعند مفارقۃ النفس وبطلان الآلات لا تبقی مدرکۃ للجزئیات ضرورۃ انتفاء المشروط بانتفاء الشرط ۔

یعنی جب جزئیات یعنی خاص چیزوں کا جانتا حکماء فلاسفہ کے نزدیک اس شرط پر ہے کہ صورت شے کی آلات یعنی حواس میں آوے۔ تو پس جب نفس نے حواس کو چھوڑ دیا اور حواس فنا ہو گئے، تو نفس کا جزئیات کا جاننا بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ شرط کے جانے

سے شرط والی چیز بھی جاتی رہتی ہے۔

اور شاہ عبدالعزیز اپنے فتوے میں فرماتے ہیں۔ ارواحیکہ از ابدان مفارق شدہ اند تاثیر آنہا در عالم اصلاد رشرع نیامدہ وہم باعتبار فلسفہ تاثیر آنہا در عالم اصلا درست نمے آید زیراکہ فلاسفہ ارواح مفارقہ رایا مشغول بہ لذات روحانی میدانند و یا گرفتار آلام روحانی آنہارا تصرف در عالم کجاست ۱۲۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عدم سماع موتیٰ قرآن شریف و حدیث شریف و کتب فقہ سے مفصل ثابت ہے۔ اور اس کے مقابلے یعنی سماع موتے ہیں۔ اول تو کوئی دلیل نہیں اور اگر کوئی ہے بھی تو دلائل عدم سماع کے مقابل و برابر نہیں ہو سکتیں۔ کیوں کہ عدم سماع موتے ایسا صریح نص قرآنی سے ثابت ہے۔ جو یقین مفید اور قطعی الثبوت ہے (اولیٰ والی ملائی) ص ۲۲، ۲۳

بقیہ باب الدفن

سوال۔ علماء حکماء کا اتفاق ہے کہ موت کے بعد ارواح کو فنا نہیں شہداء کی حیات قرآنی نص سے ثابت ہے اس کی کیا وجہ ہے کیا حیات انبیاء علیہ السلام کی تخصیص کی بھی کوئی وجہ ہے

جواب۔ ارواح کو موت کے بعد فنا نہیں۔ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہوتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ شہداء کو اس بقا کے علاوہ دو امر زائد دیے جاتے ہیں۔ کہ دنیا میں روح کا تعلق جو بدن کے ساتھ ہے اس کا حاصل بھی یہی دو امر ہیں اول یہ کہ اجر میں ترقی ہوتی ہے چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہے یُنْمٰی لَہٗ عَمَلُہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یعنی شہید کا عمل شہادت کے بعد بھی زیادہ کیا جاتا ہے حتیٰ کہ قیامت تک زیادہ ہوتا جاویگا۔ اور دوسرا امر یہ ہے کہ بتوسط بدن کے شہداء کو روزی دی جاتی ہے چنانچہ حدیث میں مذکور ہے کہ شہداء کی روح سبز چڑیے کے قالب میں بہشت کے پھل کے نزدیک جاتی ہے پھر ان قندیلوں میں آکر رہتی ہے کہ عرش کے نیچے لٹکائی ہوئی ہیں۔ نص قرآنی میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں صراحۃً اشارہ ان دونوں وجہ کی طرف ہے اور انبیاء علیہ سلام کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال انکے حضور میں پیش کیے جاتے ہیں۔ فقط فتاویٰ عزیزیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶

باب الروح

سوال: مُردے پر کیا کیا گزرتا ہے اور کہاں رہتا ہے؟

جواب: نزع کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں کہ وُہ تابع حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ہیں اور روح کو بدن کے اجزاء سے کھینچتے ہیں اور جب رُوح کے لینے کا وقت ہوتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام خود اپنے ہاتھ میں روح کو لیتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے زمین کا طبق حضرت عزرائیل علیہ السلام کے سامنے اس طرح رکھا ہے کہ جس طرح کھانے کا طبق کھانے والے کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ اور حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہاتھ کہ روح قبض کرنے کے لیے ہے اُس میں اس قدر انگلیاں حق تعالےٰ نے بنائی ہیں کہ ہر اُنگلی اپنے کام میں مشغول رہتی ہے۔ ایک اُنگلی دوسری اُنگلی کے کام میں مزاحم نہیں ہوتی تو جب حضرت عزرائیل علیہ السلام وہ روح اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں تو فوراً من جملہ اُن کے خدام کے ایک جماعت فرشتوں کی وُہ روح لے لیتی ہے تو اگر وُہ نجات کے قابل ہوتا ہے تو جو ملائکہ اس روح کو لیتے ہیں وُہ نہایت خوبصورت ہوتے ہیں اور ان سے خوشبو آتی ہے اور نہایت نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ اور ریشمی کپڑا بہشت کی خوشبو سے معطر کر کے لیے رہتے ہیں۔ انہیں کپڑوں میں اس روح کو لیتے ہیں۔ اور اگر وہ شخص دوزخی اور شقی ہوتا ہے تو اُن ملائکہ کے خلاف دوسری طرح کے ملائکہ ہاتے ہیں کہ اُس سے بدبو آتی ہے اُس روح کو لیتے ہیں اور آسمان کی طرف لیجاتے ہیں اور کافر کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ ملائکہ نہیں کھولتے اور لعنت بھیجتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ہاویہ ہے تو ملائکہ اس کو سجین میں لگا دیتے ہیں اور وہاں اس کا عمل نامہ پہنچاتے ہیں۔ اور سجین ایک پتھر کا نام ہے کہ دوزخ کے اوپر رکھا ہوا ہے وہاں کفار کے اعمال لکھنے والے ملائکہ جمع ہوتے ہیں اور جو ملائکہ اس کام کے دروغہ ہیں ان کے حوالے وہ عمل نامہ کر دیتے ہیں۔ اور وہاں روح کی حاضری دلوا کر پھر اُس مُردے کے بدن کے پاس اُس روح کو پہنچاتے ہیں اور صالحین مؤمنین کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ ملائکہ کھول دیتے اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہتر روح ہے کہ زمین کی

طرف سے آئی ہے۔ خدا کی رحمت تجھ پر ہو اور اُس بدن پر جس میں تو دنیا میں تھی اور اس کو تو نے آباد کیا تھا اور اس روح
کو ملائکہ علیین تک لیجاتے ہیں۔ اور علیین وہ مقام ہے کہ وہاں ملائکہ مقربین حاضر ہوتے ہیں۔ اور انسانوں میں جو
کاملین ہوتے ہیں وہاں پہنچائے جاتے ہیں تو ملائکہ اس روح کی حاضری وہاں دلواتے ہیں اور اس کا عمل نامہ حوالے کرتے
ہیں پھر اسکو اس کے بدن کے پاس لے آتے ہیں اور ہنوز اس میت کو غسل دینے میں اور اس کی تجہیز و تکفین کے سامان
میں لوگ مصروف رہتے ہیں۔ کہ ملائکہ وہ روح ہاتھ میں لیے ہوئے وہاں حاضر ہوجاتے ہیں اور جب جنازہ لے جاتے
ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ کافر ہے تو جب اس کو آگ میں رکھتے ہیں تو ملائکہ اس کی روح اس کے بدن کے پاس
چھوڑ دیتے ہیں اور خود چلے جاتے ہیں اور جب لوگ اس کے دفن سے فارغ ہوتے ہیں یا اگر وہ کافر ہے تو جب لوگ
اس کے جلانے سے فارغ ہوتے ہیں تو دو فرشتے کہ ایک کا نام منکر ہے اور دوسرے فرشتے کا نام نکیر ہے آتے ہیں اور
اور اس کو بٹھاتے ہیں۔ تو اگر وہ ایماندار ہوتا ہے تو بلا تشویش اطمینان کے ساتھ بیٹھتا ہے اور بعض لوگوں کو گمان ہوتا
ہے کہ آفتاب کے غروب کا وقت ہے تو کہتا ہے کہ مجھ کو جلد چھوڑ دو کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤں، آفتاب غروب کے
قریب ہے۔ اور وقت چلا جاتا ہے۔ بہرحال ہر میت سے پوچھتے ہیں تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے
اور تو اپنے دین میں کس کا تابع اور آپ کے حق میں یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا اعتقاد رکھتا ہے۔ تو
بندہ مومن کہتا ہے کہ میرا معبود خدا ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
واصحابہ وسلم ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے حق تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس پہنچائی اور میں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی حقیقت دریافت کی اور میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے آپ کی متابعت کی تو وہ فرشتے
اُس میت کو اس کے عمل سے آگاہ کرتے ہیں۔ کہ وہ عمل اس کے ان اعمال میں سے ہوتا ہے جو ایمان کے بعد وہ بجا لایا اور
اس عمل کے ذریعے وہ بخشا گیا۔ اور وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اب تو آرام سے سو رہ جس طرح اطمینان سے بلا تشویش عروس
سوتی ہے۔ اور اس کی قبر جہاں تک اُس کی نظر جاتی ہے کشادہ کرتے ہیں اور روشن کر دیتے ہیں اور پہلے دوزخ کی طرف
سے دریچہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو حق تعالیٰ نے بڑی بلا تیرے سر سے دفع کی اور پھر وہ دریچہ بند کر دیتے ہیں
اور اس کے بعد بہشت کی طرف سے دریچہ کھول دیتے ہیں اور یہ شخص اس کی تازگی خوشبو سے بہرہ مند اور خوش ہوتا
ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ایک شخص آتا ہے۔ وہ شخص نہایت خلیق و جمیل اور خوبصورت ہوتا ہے اور نہایت مہربانی
کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں قرآن ہوں تم ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہو یا وہ شخص کہتا ہے کہ میں فلاں

علم ہوں کہ میرے ساتھ تم کو دنیا میں نسبت تھی یا کہتا ہے کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں کہ دنیا میں تم نے میرا لحاظ رکھا، یہ سب رزق و فرش اور لباس تمہارے آرام کے لیے اسباب ہے۔ تو وہ شخص خراماں خراماں آہستہ آہستہ سیر کے اس طرف پھرتا ہے۔ اور اپنے عزیز و اقارب اور اپنے دوستوں کے ساتھ کہ اس جہان سے فوت ہوچکے ہیں ملاقات کرتا ہے اور وہ لوگ بطور ضیافت کے اور کبھی بطور تفریح کے اپنے مقام میں اس کو لے جاتے ہیں اور کبھی بطور تہنیت کے خود اس کے پاس آتے ہیں، اور روز بروز اس کے دل کا اطمینان زیادہ ہوتا ہے اور جن لوگوں کی نجات ہوجاتی ہے۔ ان کے لیے چار طرح کا مکان وہاں رہتا ہے۔ ایک مکان خلوت کا رہتا ہے اور گویا وہ ایسا مکان ہوتا ہے۔ جیسے رات کے وقت رہنے کیلئے مکان ہوتا ہے اور دوسرا مکان دربار کا رہتا ہے۔ کہ جو لوگ اس کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے ان کے ساتھ اس مکان میں دربار کرتا ہے۔ اور تیسرا مکان سیر و تماشا کے لیے رہتا ہے اور ان کے متعلق ایسی چیزیں رہتی ہیں۔ جیسے دنیا میں چاہ زمزم اور مساجد متبرکہ اور ایسے دوسرے مقامات ہیں کہ برزخ میں ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اور چوتھا مکان دوستوں اور ہمسایہ لوگوں سے ملاقات کرنے کے لیے رہتا ہے جیسے دیوان خانہ ہوتا ہے۔ اور وہاں یہ مکانات بندہ کی آخر عمر میں تیار کیے جاتے ہیں اور جب تیار ہوجاتے ہیں تو اس بندے کو یہاں سے لے جاتے ہیں۔ اور یہ گمان نہ کیا جاوے کہ یہ مکانات تنگ قبر کے اندر کس طرح ہوتے ہیں۔ تو ایسا نہیں بلکہ یہ تنگ قبر صرف بمنزلہ دروازے کے ہوتی ہے۔ کہ اس دروازے سے ہوکر ان مکانات میں جاتے ہیں۔ اور ان مکانات سے بعضے مکان آسمان اور زمین کے درمیان میں ہیں۔ اور بعضے مکانات دوسرے اور تیسرے آسمان پر ہیں اور شہداء کے لیے بطور مکانات پر نور قندیلیں ہیں۔ کہ عرش کے نیچے آویزاں کی ہوئی ہیں اور لوگ وہاں فرحت و سرور حاصل ہونے کی غرض سے ذکر اور تلاوت اور نماز اور متبرک مقامات کی زیارت میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور قوم کے جو لوگ برزخ میں وہاں بچوں کی نسبت کہ یہاں سے فوت ہوکر گئے ہیں باہم مقرر کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ان لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان باہم تزویج کا عقد منعقد کریں گے۔ اور وہاں یعنی برزخ میں جماع کی لذت کے سوا ہر طرح کی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور عبادتوں میں روزہ کے سوا اور جو عبادت کرنے کی خواہش ہوئے کرسکتا ہے۔ اور اوقات متبرکہ میں مثلاً شب قدر اور شب جمعہ میں اپنے اُن عزیزوں کے پاس گزرتے ہیں۔ کہ وہ عزیز اُن اموات کو یاد کرتے ہیں اور ان کے اہل و عیال جو زندہ رہتے ہیں ان کے احوال سے اُن اموات کو اطلاع ہوا کرتی ہے۔ کبھی اس ذریعہ سے اطلاع ہوتی ہے۔ کہ وہ اموات[1] خود ان کے پاس آتے ہیں اور

[1] یہ مفتی صاحب کا خود اپنا خیال ہے ورنہ قرآن و حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے ہر نئی روح سے سارے روح اپنے اپنے عزیز و اقارب کا حال پوچھتے ہیں اور وہ بتاتا ہے۔ فافہم (سعیدی)

کبھی ملائکہ ان کا احوال پہنچاتے ہیں کہ فرشتے اموات سے ملاقات کرتے اور زندہ لوگوں کا پیغام اور احوال پہنچاتے ہیں
اور اموات کے پاس جو شخص جاتا ہے اور دعا کرتا ہے اور کلام کرتا ہے تو ان اموات کو یہ سب معلوم ہوتا ہے اس
واسطے کہ ان کا حواس باقی رہتا ہے کہ یہ سب ان کو معلوم کرایا جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بزرگان دین پر
غیب کے امورات منکشف کردے جاتے ہیں اور جو کچھ شہدائی اور ناشہدائی ہے بواسطہ ارواح طیبہ کے ملاء اعلیٰ اور
متکفلان کارخانہ قضا و قدر سے بزرگان دین کو معلوم کرایا جاتا ہے۔ اور میت خود خواب میں زندہ لوگوں سے ملاقات
کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو فرشتہ روح پر موکل ہے وہ ان کی صورت کے ساتھ متشکل ہو کر نیک و بد احوال
سے اطلاع دیتا ہے۔ لیکن کفار اور مشرکین اور منافقین کا حال یہ ہے کہ یہ سب سوال میں متحیر ہو جاتے ہیں۔ اور
کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں جانتے کہ یہ کون تھے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمارا دین فلاں دین ہے اور ہمارا معبود فلاں بت
ہے یا فلاں روح ہے تو ان پر عذاب کرتے ہیں بعضوں پر یہ عذاب ہوتا ہے کہ قبر دونوں طرف سے ملا دی جاتی ہے
اور ان کی ہڈی شرمہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ اور کبھی آگ کا عذاب کرتے ہیں اور کبھی سانپ اور بچھو مسلط کرتے ہیں۔
اور کبھی آہنیں اور آتشیں گرز سے مارتے ہیں کہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پھر گرز اٹھانے کے ساتھ ہی اس کا
بدن تیار ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح انواع اقسام کا عذاب اس پر کرتے ہیں اور جو لوگ دنیا میں صبح کی نماز نہیں
پڑھتے ان کو داغتے ہیں اور جو شخص خودکشی کرتا ہے۔ وہ جس طور سے اپنی جان مارتا ہے۔ اسی طور سے بعد موت کے
وہ خود اپنے اوپر عذاب کیا کرتا ہے اور جو شخص اپنی حلال عورت چھوڑ کر زنا کی رغبت کرتا ہے۔ اس پر یہ عذاب
ہوتا ہے کہ اس کے سامنے کھانے کے دو طبق رکھے جاتے ہیں، ایک طبق میں عمدہ پاکیزہ کھانا رہتا ہے اور دوسرے
طبق میں نجس متعفن کھانے کی چیز رہتی ہے، اور اس کو وہ ناپاک چیز کھلاتے ہیں اور جو شخص نہیں کھاتا تو اسکو خبیث
خون کی نہر میں ڈال دیتے ہیں اور جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے منہ پر پتھر مارتے ہیں اور اس کو
نکلنے نہیں دیتے اور بعضوں پر یہ عذاب کرتے ہیں کہ اس کو فقر اور گرسنگی اور برہنگی میں مبتلا کرتے ہیں۔
اور ذلت و رسوائی کے ساتھ دربدر پھراتے ہیں اور جو شخص دنیا میں زکوٰۃ نہیں دیتا ہے تو اس کا مال دوزخ کی آگ سے گرم
کرتے ہیں اور اس سے اس کی پیشانی اور پیٹھ اور اس کے دونوں پہلو داغتے ہیں اور یہ سب عذاب ہمیشہ سب
گناہگاروں پر نہیں ہوتا ہے بلکہ بعضے گنہگاروں پر یہ عذاب ہمیشہ ہوتا ہے۔ اور وہ برابر اسی تکلیف میں مبتلا رہیں گے
اور بعضے گنہگاروں پر صرف کسی وقت عذاب ہوتا ہے۔ اور کسی وقت ان کو عذاب سے رہا کرتے ہیں۔ اور بعضے

گنہگاروں پر یہ صرف شب جمعہ تک عذاب ہوتا ہے یعنی جب وہ مرتے ہیں۔ تو اس دن سے شب جمعہ تک ان پر عذاب ہوتا ہے۔ اور جب شب جمعہ آتی ہے۔ تو پھر وہ عذاب رفع کر دیے جاتے ہیں اور پھر کبھی ان پر برزخ میں عذاب نہیں ہوتا۔ اور بعضے گنہگاروں پر رمضان شریف کے مہینے تک عذاب ہوتا ہے یعنی جب وہ مر جاتے ہیں اس وقت رمضان شریف کا مہینہ آنے تک ان پر عذاب ہوتا ہے۔ پھر جب رمضان شریف آتا ہے تو وہ عذاب سے رہا کر دیے جاتے ہیں اور پھر ان پر کبھی برزخ میں عذاب نہیں ہوتا ہے اور بعضے گنہگاروں پر اس وقت تک عذاب ہوتا ہے کہ ان کے حق میں شفاعت ہو وے اور پھر شفاعت کے بعد عذاب سے لوگ رہا کر دیے جاتے ہیں۔ فقط (فتاوی عزیزی جلد دوم ص ۲۵۸)

سوال: کیا مردوں کی روح دنیا میں آتی ہے؟

جواب: یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب بعض سادہ لوح لوگ جمعرات یا جمعہ کو کھانا پکا کر اپنے محلے کے امام مسجد کو بلاتے ہیں اور ختم وغیرہ مروجہ طریق پر دلاتے اور مرنے والوں کی ارواح کو ثواب پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان کے ائمہ مساجد یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعرات کو روح قبروں یا گھروں میں آتی اور اپنے ورثاء سے توقع کرتی ہیں کہ انہیں کچھ نہ کچھ دیا جائے۔ طبعی طور پر ہر شخص کے دل پر اثر پڑتا ہے کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے اچھے طریق پر دنیا میں کاوش کی اب وہ بے بس ہیں ان کو کچھ دینا چاہیے۔

یہ تو ہیں عوام میں جذباتی تخیلات۔ بلکہ یوں کہیے کہ موہوم خیالات۔ مگر اس بن دیکھی داستان کے لیے کسی کے بے چین دل کو مطمئن کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اس کی تصدیق اللہ اور اس کے رسول کریں۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ جو لوگ مر جاتے ہیں وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آتے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے حَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ جس بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ دنیا میں واپس نہ آئیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کا مفہوم یوں ادا کرتے ہیں قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وجب یعنی قد قدر ان کل قریة اهلکوا انهم لا یرجعون الی الدنیا قبل یوم القیامة هکذا صرح به ابن عباس وابو جعفر الباقر وقتادة وغیر واحد (ابن کثیر مصری جلد ۳ ص ۱۹۴) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ٹھیک مقدر کر دیا گیا کہ ہر بستی

ے پر جو ہلاک کر دیئے گئے ہیں وہ دنیا کی طرف قیامت سے پہلے واپس نہ آئیں گے۔ یہی صورت ابوجعفر، قتادہ
اور دوسرے بزرگوں نے کی ہے اسی تفسیر میں بحوالہ صحیح مسلم روایت ہے۔ ان ارواح الشهداء فی حواصل طیور
خضر تسرح فی الجنة حیث شاءت ثم تاوی الی قنادیل معلقة تحت العرش فاطلع علیهم
ربك اطلاعة فقال ماذا تبغون فقالوا یا ربنا ای شیء نبغی وقد اعطیتنا ما لم تعط احدا من خلقك
ثم عاد علیهم بمثل هذا فلما راوا انهم لا یترکون من ان یسئلوا قالوا نرید ان تردنا الی الدار الدنیا
فنقاتل فی سبیلك حتی نقتل فیك مرة اخری لما یرون من ثواب الشهادة فیقول الرب
جل جلاله انی کتبت انهم لا یرجعون (ابن کثیر مصری جلد ۱ ص ۱۹۷) یعنی شہیدوں کی روحیں
سبز رنگ جانوروں پیٹوں کے اندر جنت میں جہاں چاہتے ہیں پھرتی ہیں۔ پھر وہ عرش کے نیچے لٹکتی ہیں، قندیلوں پر
آرام کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر کر کے فرماتا ہے۔ کہ تم کچھ اور چاہتے ہو، وہ کہتے ہیں یا اللہ ہمیں اور
کیا چاہیئے تو نے ہمیں وہ نعمت عطا فرمائی ہے جو کسی کو نہیں دی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کچھ مانگو۔ تب سوال کرتی
ہیں کہ ہمیں دنیا میں واپس بھیجا جائے تاکہ تیری راہ میں لڑ کر پھر شہید ہوں اور شہادت کا لطف اٹھائیں کیوں کہ وہ
شہادت کا ثواب اور مزہ دیکھ چکے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ دنیا کی طرف دوبارہ
جانا نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ تمہارا یہ مطالبہ خدائی قانون کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ نہیں مانا جائے گا۔ اسی تفسیر
میں ایک روایت بحوالہ امام احمد و شافعی و مالک رحمہم اللہ درج ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نسمة المؤمن طائر تعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه اللہ الی جسده یوم یبعثه مومن کی روح
جنت کے درختوں میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اللہ اس کے جسم کی طرف قیامت کے دن لوٹائے گا۔
صاحب تفسیر فرماتے ہیں۔ ففیه دلالة لعموم المؤمنین ایضا وان کان الشهداء قد خصصوا بالذکر
فی القرآن تشریفا لهم وتکریما وتعظیما اس میں عام مومنوں کے ارواح کی شمولیت پر دلالت موجود ہے
اگرچہ شہداء کا خاص ذکر ہے۔ اور یہ ان کی عزت و کرامت کے لیے ہے۔

یہ وہ مضبوط عقیدہ ہے جو قرآن اور حدیث صحیح سے ثابت ہے اور عقل سلیم بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ اس
کے خلاف مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا رسالہ چھوٹا سا ہے۔ جس کے ٹائیٹل پر لکھا ہے ارواح مومنین
کن دنوں میں اپنے گھر میں آتی ہے۔ اور اپنے عزیزوں سے کہتی ہیں اور شہداء صالحین کی روحیں کس قدر

آزاد اور کفار کی روحیں مقید ہیں۔ اس بارے میں حضور پُرنور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مدلل مکمل رسالہ، اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح اس دعوے کے بعد ضرورت تھی کہ اس کے خلاف عقل اور غیر مرئی امر پر کوئی نقل قطعی دلیل پیش کی جاتی۔ مگر اعلیٰ حضرت موصوفؒ نے صحیح حدیث اور قرآنی آیت کے مقابلہ میں جو دلائل پیش کیے ہیں وہ بہت ہی بودے ہیں۔ کہیں شیخ عبدالحق کا فتوے کہیں کشف الغطاء کا حوالہ کہیں امام سیوطیؒ کی شرح الصدور سے ضعاف روایات کا حوالہ ذکر کرکے غیظ و غضب میں لکھتے ہیں۔ لکن الوھابیۃ قوم یجہلون وہابی جاہل قوم ہیں ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون لیکن نجدی جان بوجھ کر حق سے انکار کرتے ہیں۔ اتیان الارواح صفحہ ۳ پر جو دلائل آپ نے پیش کیے اس قدر غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، وہ ملاحظہ فرمایئے،

(۱) شیخ عبدالحق فرماتے ہیں، ودر بعضے روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق میکنند از وے یا نہ۔

(۲) شیخ الاسلام کشف الغطاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں، ودر غرائب و خزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ خود را ہر شب جمعہ و روز عید و روز عاشورہ و شب برات۔ پس ایستادہ می کنند بیرون خانہ ہاں خود و ندا می کنند ہر یکے بآواز بلند اندوہگیں۔ اے اہل و اولاد من۔ نزدیکان من مہربانی کنید برما بصدقہ الخ ور شرح الصدور احادیث شتی در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثر خالی از ضعف نیست اتیان الارواح

(۳) خزانۃ الروایات میں ہے عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتشر فجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم یعنی خزانۃ الروایات میں ہے کہ بعض محققین علماء سے روایت ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی ہیں۔ پہلے وُہ اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں اتیان الارواح ص۸ ان تمام حوالوں میں کوئی ایک بھی قابلِ اعتماد دلیل نہیں جو دل کو مطمئن کر سکے اس لیے کہ غیر مرئی اور غیر محسوس چیز کو تسلیم کرانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح فرمان ہی تسلی بخش ہو سکتا ہے۔ یہ باتیں کہ فلاں شخص نے خواب دیکھا یا یہ کہنا کہ علمائے محققین نے فرمایا ہے بعض روایات میں آیا ہے۔ اگر وُہ ضعیف ہیں مگر ان کو مان لینا چاہیے۔ کسی طرح بھی قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتیں۔ اس کے خلاف قرآن اور حدیث صحیح سے روحوں کا نہ آنا امر ثابت ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ

محقق علماء کی تحقیق بھی سن لیجئے ۔

۱؎ مولانا شاہ محمد اسحاق ؒ کی کتاب مائۃ مسائل کے اردو ترجمہ امداد السائل صہ ۱۰۹ میں ہے ۔ کھانے کی چیزوں شیرینی وغیرہ پر فاتحہ دلانا ان راتوں میں یعنی جمعہ کی رات ، شب عاشورہ ، شب برأت ، شب قدر وغیرہ احادیث وکتب معتبرہ کی روایات سے ثابت نہیں اور احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد سے ارواح کا ان راتوں میں آنا ثابت نہیں ۔ فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صہ ۱۲۵

۲؎ فتاویٰ نذیریہ میں ہے کوئی حدیث صحیح قابل اطمینان سماع موتیٰ میں نہیں آتی اور جو ہیں وہ ضعاف ومنکرات وروایات قرآنیہ کے خلاف اور مسائل اربعین مولانا اسحاق صاحب محدث نے بھی سماع موتیٰ سے انکار کیا (فتاوائے ثنائیہ جلد اول صفحہ ۱۲۵ بحوالہ فتاوائے نذیریہ جلد اول صفحہ ۳۹۹) اس عقیدہ کو ثابت کرنے والے ایک حدیث بیان کرتے ہیں کہ تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی دنیا کی کتاب القبور سے ایک روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استأنس به ورد علیه حتی یقوم ۔ روایت ہذا کے معانی میں جو نکارت ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ اس کی سند ذکر نہیں کی گئی جس پر بحث ہو سکے ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے بھی اس کو بے سند ہی روایت کیا ہے ۔ کیوں کہ مولانا احمد رضا خاں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ایسے مسائل میں بے سند روایت بھی کام دے دیتی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے امام سیوطیؒ کا ایک حوالہ نقل کیا ہے ۔ لکھتے ہیں امام جلال الملت والدین سیوطی مناہل الصفا میں فرماتے ہیں لم اجدہ فی شیٔ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخله ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلك سندا لمثله فانه لیس مما یتعلق بالاحکام رایتان الارواحٔ یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا ہے ۔ ایسی حدیث کے لیے اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام کے متعلق نہیں ۔

اس کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے کہ اس عقیدہ کے قائل یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس موضوع پر حدیث بے سند بھی دلیل ہو سکتی ہے ۔ حالانکہ ایسی ان دیکھی اور عقل میں نہ آنے والی چیز کے متعلق اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تسلی بخش طریق پر کوئی بات پہنچ جائے اور یہاں صحیح حدیث اور قرآنی آیات کے مقابلہ بے سند روایت بلکہ خوابوں پر اعتماد کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ ایک دلیل یہ ہے کہ ایک بزرگ اپنے باپ کی قبر پر روتا روتا سو گیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ قبر پھٹ گئی اور باپ نظر آیا اس نے کہا

پہنچتا میں تجھے ہر روز پہنچاتا ہوں۔ اور ایسی ہی دیگر حکایات ذکر کر کے صاحب تفسیر (ابن کثیرؒ) لکھتے ہیں:۔ وهذا باب فیه آثار کثیرة عن الصحابة۔ اس وہمی طریق استدلال کو قرآن کریم کی نص صریح اور حدیث صحیح کے معارضہ میں پیش کیا جا رہا ہے۔ عجیب استدلال۔

وقد علم النبی صلی اللہ علیه وسلم اذا زاروا القبور ان یقولوا السلام علیکم اهل الدیار الخ فهو السلام والخطاب والنداء وجیب لیسمع ویخاطب یعقل ویرد وان لم یسمع المسلم الرد یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ جب قبروں کو دیکھوں تو سلام کہو تو یہ سلام اور یہ خطاب اور آواز اسی مخاطب کو دی جاتی ہے جو سمجھے اور سُنے اور جواب بھی دے سکے اگر سلام دینے والا اس کا جواب نہ سُن سکے۔

اس استدلال میں کمزوری استدلال کنندگان بھی محسوس کرتے ہیں چنانچہ واپسی جواب کے غیر معلوم ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر یہ باور کرتے ہیں کہ اگرچہ وہ جواب سُنا نہیں جاتا مگر وہ جواب دیتے ہیں کیوں کہ بصیغہ خطاب سلام کہنا اس امر کی دلیل ہے۔ حالاں کہ عبرت کی غرض سے جمادات کو بھی بصیغہ خطاب مخاطب کیا جانا منقول ہے۔ صحیح روایات میں باسند آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو خطاب کیا تھا یا حَجَرُ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّكَ لَا یَضُرُّ وَلَا یَنْفَعُ اے حجر اسود میں جانتا ہوں تو نفع و نقصان کا مالک نہیں۔

اہل قبور کو سلام کہنے اور ان کی زیارت میں حکمت خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرما دی، فانها تزهد عن الدنیا وتذکر الاخرة۔ قبروں کی زیارت وغیرہ سے عبرت ملتی ہے کہ کل یہی مخاطب بالمشافہ سلام کا جواب دیتا تھا اور آج خاموشی کے عالم میں ہے۔ (الاعتصام جلد ۱۰ ش ۲۰)

کیا مُردے قبروں سے باہر نکلتے ہیں؟

میرے عزیز مستری لیسین صاحب نے جدیدہ خدام الدین مجریہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۳ء کا صفحہ ۱۱ دکھایا جس میں اللہ کے نیک بندوں کی فراست اور کرامات کے تحت مولانا سید امین الحق صاحب شیخوپوری نے کتاب الروح لمانیف ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مطرف بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ جو تابعی ہیں کی کرامت یوں بیان کی ہے مطرف بن عبد اللہ اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔ قبرستان گزرے آپ نے دیکھا کہ اہل قبور اپنی قبروں سے باہر بیٹھے ہیں اور کہا یہ مطرف جمعہ پڑھ کر واپس جا رہا ہے۔ مستری صاحب نے مجھ سے دریافت کیا، کیا یہ حکایت کتاب

الروح میں ہے۔ میں نے کتاب الروح نکال اور جہاں جہاں گمان اغلب تھا اس کو دیکھا چنانچہ کتاب الروح کے صفحہ ۵ پر یہ حکایت مل گئی۔ میں فرض سمجھتا ہوں کہ اس روایت کی چھان بین کر دوں تاکہ مغالطہ رفع ہو روایت اصل الفاظ مع سند مندرجہ ذیل ہیں۔ حدثنا خالد بن خداش حدثنا جعفر بن سلیمان عن ابی التیاح قال کان مطرف یغدو فاذا کان یوم الجمعة ادلج قال وسمعت ابا التیاح یقول بلغنا انه کان ینور له فی سوطه فاقبل لیلة حتی اذا کان عند مقابر القوم وهو علی فرسه فرأی اهل القبور کل صاحب قبر جالسا علی قبره فقالوا هذا مطرف یاتی الجمعة قلت و تعلمون عندکم یوم الجمعة قالوا نعم و نعلم ما یقول فیه الطیر قلت وما یقولون قالوا سلام سلام۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل میں یہ روایت ابن ابی الدنیا کی ہے۔ جیسا کہ کتاب الروح کے صفحہ ۵ سے معلوم ہوتا ہے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ صہ ۲۴۴ جلد ۲ حافظ ابن ابی الدنیا کے شیوخ کی فہرست دی ہے جن میں خالد بن خداش کا ذکر کیا ہے بلکہ صہ ۲۴۵ جلد ۲ میں ایک روایت بھی نقل کی ہے جس کی سند میں خالد بن خداش موجود ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے صفحہ ۵ سے کئی صفحوں پر اسی ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور سے روایتیں نقل کی ہیں۔ بعینہٖ یہ روایت حافظ صاحب نے اپنی کتاب زاد المعاد صفحہ ۱۱۹ جلد اول مطبوعہ مصر میں نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت حافظ ابن ابی الدنیا کی کتاب المناجات کی ہے۔ حافظ ابن ابی الدنیا کا ترجمہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب صہ ۱۲-۱۳ جلد ۶ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شیوخ میں دو کذاب تھے ایک محمد بن اسحاق بلخی دوسرا محمد بن الحسین البرجلانی۔ نیز نواب صاحبؒ نے بھی آثار الاول میں سے محمد بن اسحاق بلخی کذاب کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو التاج المکلل صہ ۹۹ حافظ ابن حجرؒ نے لسان صہ ۵۹ میں و حافظ ابن ذہبی نے المیزان صہ ۲۴ جلد ۳ پر محمد بن اسحاق بلخی کو کذاب کہا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے لسان صہ ۱۱۴ و حافظ ذہبی نے المیزان صہ ۴۴ پر محمد بن الحسین البرجلانی پر علماء کی تنقید نقل کی ہے۔ کتاب الروح کی روایت میں خالد بن خداش پہلا راوی ہے جس کو علی بن المدینی اور زکریا الساجی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تہذیب صہ ۸۵ جلد ۳ دوسرا راوی جعفر بن سلیمان ہے۔ یہ شیعہ رجال میں سے ہے ملاحظہ ہو لسان ۱۲۵ جلد ۲ والمیزان صہ ۱۸۹ جلد ۱ و صہ ۱۹۰ و تہذیب صہ ۹۵ تا ۹۸ جلد ۲ مطرف بن سلیمان کا واقعہ بیان کرنے والے ابو التیاح ہیں جو بلغنا سے بیان کرتے ہیں روایت میں انقطاع ہے۔ الخبر یحتمل الصدق والکذب صاحب مضمون کے اسم گرامی سے پہلے رأس المحققین اسوۃ العالمین کے القاب درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پوری تحقیق سے یہ مقالہ سپرد قلم کیا ہے، لیکن

افسوس ہے کہ آپ نے تحقیق کو ہاتھ تک نہیں لگایا، حالاں کہ محقق کا کام ہے کہ روایت کی مکمل چھان بین کرے۔ یہ روایت کتاب الزہد صہ ۱۴۳ پر امام احمد بن حنبلؒ نے بیان کی ہے۔ اگر رأس المحققین کتاب الزہد دیکھ لیتے تو ان کو یہ واقعہ بیان کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ الزہد کی روایت میں ہے: حتی اذا کان عند القبور هو مرعلی فرسه فرأی اهل القبور للحدیث یعنی مطرف بن عبداللہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے یہاں تک کہ وہ قبرستان کے نزدیک پہنچے ان کو گھوڑے پر نیند آگئی اور خواب میں اہل قبور کو دیکھا۔ افسوس ہے کتنا بڑا مغالطہ ہے۔ واقعہ خواب کا ہے اور بیان کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے یقظہ کی حالت میں مردوں کو دیکھا۔ ان کنت لا تدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم اگر کتاب الزہد آپ کو نہ ملی تھی تو حافظ ابن قیمؒ کی زاد المعاد ہی دیکھ لی ہوتی جس میں صاف لکھا ہے۔ یہ روایت ابن ابی الدنیا کی کتاب المناجات سے لی ہے۔ یہ خوابوں کا قصہ ہے غیر ممکن الوجود کو ممکن الوجود بنا لیتا ہے۔ اگر آپ اس کو یقظہ یا عیاں سے تعبیر کریں تو آپ کو قرآن کی بہت سی نصوص کا انکار کرنا پڑے گا۔

استدراک: زاد المعاد میں ابو التیاح کا اسم لاحق بن حمید بیان کیا گیا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے ان کا اصل نام یزید بن حمید ہے تہذیب صہ ۳۰۲ جلد ۱۱ الزہد میں عبید بن حسان کتابت کی غلطی ہے حالاں کہ اصل نام عبید بن الحساب ہے تہذیب صہ ۶۳ جلد ۱۱ (الاعتصام جلد ۱۵ ش ۱۰)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین ان مسئلوں کے بارے میں:۔

۱۔ بعض علمائے دیوبندی فرماتے ہیں کہ میرے درس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں صدقت صدقت اور مجھے کسی کے درس میں لطف نہیں آتا، صرف تمہارے درس میں مزہ آتا ہے۔ کیا حضور واقعی دنیا میں آتے ہیں اور درس سنتے ہیں۔

۲۔ بعض علمائے اہلحدیث فرماتے ہیں کہ ایک دن حضورؐ دن کو (میں جاگتا تھا کتاب لکھ رہا تھا) میری بیٹھک میں تشریف فرما ہوئے۔ کیا صحیح ہے کہ حضورؐ مولویوں کے گھر تشریف لاتے ہیں۔

۳۔ علمائے دیوبند راوی ہیں کہ بعض بزرگ مرگئے مگر مرنے کے بعد گھر شاگرد کے آئے اور ایک بزرگ بعد مرگ بولے احمد علی کیا یہ ممکن ہے۔ مردہ بول سکتا ہے یا ہنس سکتا ہے!

الجواب: وباللہ التوفیق، آپ کے سوالات کے متعلق کچھ عرض کرنا مشکل ہے اس لحاظ سے نہیں کہ سوالات میں کوئی خاص اشکال ہے۔ صرف اس لیے کہ عوام میں اہل توحید و سنت کے متعلق مغالطہ پیدا کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نہ تصوف سے آشنا ہیں نہ کرامات کے قائل ہیں نہ اہل توحید میں کوئی ولی ہوا ہے اور بعینہٖ یہ خیال حضرات دیوبند کے متعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب تعصب کی کارفرمائی ہے حقیقت ہو یا نہ ہو۔ ایک دوسرے پر طعن علماء کی بھی عادت سی ہو گئی ہے اس عادت سے شاید ہی علمائے کرام کا کچھ طبقہ محفوظ ہو۔ اس کا لازمی سا ثمرہ ہے کہ ایسے حضرات اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مبالغہ آمیزی شروع ہو جاتی ہے قرآن عزیز نے ایسے لوگوں کی مذمت فرمائی ہے۔ جو دوسروں سے اپنی تعریف سننا پسند کریں: يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا لیکن یہاں یہ حال ہے کہ خود اپنے منہ سے اپنی تعریف شروع کر دیتے ہیں حالاں کہ قرآن عزیز نے صراحۃً اس سے منع فرمایا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ اپنے منہ سے اپنی تعریف نہ کرو اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے دیوبند اکابر میں یہ عادت نہ تھی لیکن اب نئے حضرات اس میدان میں اتر رہے ہیں، وہ درس و تدریس کے ساتھ بیعت و ارادت کا کام بھی کرتے ہیں اور یہ سارا کام کاروباری انداز سے ہوتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی گویا خدا تعالیٰ اور آنحضرت فداہ ابی وامی بھی ان حضرات کے کاروبار کا سرمایہ ہیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجسدہ الاطہر اس دنیا میں تشریف نہیں لاتے۔ نہ وہ ہر مقام پر حاضر و ناظر ہیں۔ نہ ہی ان کو دنیوی زندگی حاصل ہے۔ برزخی زندگی کی شرعاً یہ نوعیت نہیں کہ اس دنیا سے قطع تعلق کے بعد پھر وہ اس دنیا میں آئیں ان حضرات کے مواعظ اور درس سنیں جن کے علم کی حیثیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی نہیں۔ آں حضرت علم نبوۃ کی وجہ سے نظری بلکہ وہبی علوم سے قطعی بے نیاز ہیں۔ پھر آں حضرت ان کے درس سے کیوں استفادہ فرمادیں۔ پھر ان کی تصدیق فرمادیں اور تصدیق کی آواز بھی یہی حضرات حاضرین تک پہنچائیں، عجیب ماجرا ہے۔ اگر آں حضرت کی اس دنیا میں واپسی کا ذرہ بھی امکان ہوتا یا آپ فداہ روحی اس معاملہ میں کسی خدائی قانون کے پابند نہ ہوتے۔ تو واقعہ حرہ میں ضرور تشریف لاتے اور اس سانحہ کو روک دیتے۔ سقیفہ بنوساعدہ میں تشریف لاتے اور اس سانحہ کو روک دیتے۔ سقیفہ بنوساعدہ میں تشریف لاکر خلافت کا فیصلہ بذات خود فرماتے، واقعہ کربلا کو ناممکن بنا دیتے۔ مختار ثقفی کا فتنہ قطعاً نمودار نہ ہو سکتا۔ حجاج بن یوسف کے مظالم

کا امکان ہی نہ رہتا۔ اگر وعظ و نصیحت سننا ہی حضرت کا مقصود ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی، حضرت عمر رضی، حضرت عثمان رضی، حضرت علی رضی کے خطبات ضرور سنتے اور صدقت اور مرحبا کی سند عطا فرماتے۔ حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی فقہوں کے اختلافی مسائل میں بذاتِ خود فیصلہ فرما کر اختلافات ختم فرما دیتے امام بخاری اور باقی ائمہ حدیث کو حدیث کے صحت و سقم کے متعلق براہِ راست ہدایات فرماتے نہ علم جرح و تعدیل کی ضرورت ہوتی۔ علماء اصول حدیث اور اصول فقہ کے ان اسفار و دفاتر کی ضرورت نہ ہوتی۔ حافظ ابن جوزیؒ شیخ عبدالقادر جیلانی، جنید، شبلیؒ و دیگر اکابر ائمہ تصوف سے ملتے یا یہ حضرات آں حضرت سے ملتے اور یہ حضرات اپنی تصانیف اور ملفوظات میں ان ملاقاتوں کا صریح تذکرہ فرماتے۔ افسوس ہے ان مقدس بزرگوں سے ایسی کوئی شئی منقول نہیں ہے

وائے بر دعوئے اسلام و دیں بہ بود بے شبلی و نہ جنید ایں چنیں

ظاہر ہے کہ آں حضرت کی اس طرح تشریف آوری کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ ابن قیمؒ کی کتاب الروح اور حافظ سیوطیؒ کی شرح صدور، شیخ عبدالحق کی مدارج النبوت مواہب لدنیہ وغیرہ میں بعض بزرگوں کے متعلق اس سے ملتی جلتی کہانیاں مرقوم ہیں۔ لیکن یہ قصے شرعی حجت نہیں۔ گزشتہ ایام میں جب آں حضرتﷺ کی حیات یا موت کی بحث احباب دیوبند میں چھڑی تھی۔ تو مدعیانِ حیات کا انحصار حضرات دیوبند کی ایسی ہی بعض تحریرات پر تھا۔ معلوم کہ اس قدر اہم اعتقادی مسئلہ کے لیے یہ کہانیاں مفید نہیں ہو سکتیں۔ تصوف قدیم اور ائمہ سنت کے ارشادات میں آں حضرت کی اس طرح کی زندگی کا قطعی پتہ نہیں نہ ہی کسی وعظ میں حضرت تشریف لائے نہ درس سن کر صدقت صدقت کی سند عطا فرمائی۔ تصوف جدید جس کا رواج اب دنیا علماء دیوبند میں عام ہو رہا ہے اور جا بجا کی دکانیں چلائی جا رہی ہیں) بھی ایسی باتیں سننے میں راضی ہیں اگر کوئی مثالی یا کشفی صورت نظر بھی آ جائے تو ان میں بھی لوگ عوام میں ذکر نہیں کرتے نہ ہی ریا و سمعہ سے اپنی دکان کو رونق دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اسے چھپاتے ہیں اس لیے کہ یہ چیزیں ظنی ہیں اس میں شیطانی وسوسوں کا کافی حد تک امکان ہے۔

۳۔ اگر کسی نام کے اہلحدیث کو بھی اس قسم کا جنون سمایا ہے اسے بھی دماغی ہسپتال بھجوانے کی کوشش کیجئے۔ تاکہ نہ خود برباد ہو نہ دوسروں کو تباہ کرنے کی کوشش کرے اسی قسم کے قصے بعض خوابوں کی صورت میں بعض حضرات سے منقول ہیں لیکن خواب شرعی حجت نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کوئی بزرگ خواب میں نظر آئے اور کوئی نصیحت یا ہدایت فرمائے مگر وہ خواب ہی ہوگا، شرعی دلیل نہ ہوگا۔

ہے قرآن اور سنت میں میری ناقص رائے میں کوئی ایسا واقعہ نہیں۔ آں حضرت اور صحابہ ہمارے لیے اسوہ ہیں۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم کے متعلق ان کے ورثاء سے دریافت فرمائیں وہ ہنسے تھے یا نہیں، موت کے بعد کچھ فرمایا تھا یا نہیں، مرحوم کی قبر سے خوشبو کے متعلق بڑی شہرت بھی تھی وہ بھی غپ ہی ثابت ہوئی جب تک عرق گلاب اور عطر کا اثر قائم رہا جو ان کے عقیدت مندوں نے قبر پر گرایا تھا خوشبو آتی رہی وہ عشاق اپنے مشاغل میں لگ گئے خوشبو ختم ہو گئی، اب مرحوم کے کچھ بے وقوف مرید مرحوم کی قبر پر پھول ڈالتے قبر کے پاس تسبیحات پڑھتے ہیں یہ جہالت ہے، مولانا کے ورثاء کو چاہیے کہ اس بدعت کو بزور بند کریں مولانا مرحوم کی ابتدائی زندگی بڑی مجاہدانہ تھی ان کے مجاہدانہ میں سادگی اور توحید نمایاں تھی جوں جوں مرحوم جدید تصوف میں پھنستے گئے وہ رنگ جاتا رہا۔ بریلوی پیروں کی طرح عام دست بوسی اور رسمی آداب مرحوم پر غالب ہو گئے نہ پہلا زہد رہا نہ ہر وا غنا میں توحید کا رنگ غالب رہا ہے تاہم مرحوم کا وجود غنیمت تھا۔ آج کے حضرات دیوبندی تو روز بروز بریلوی حضرات کے قریب تر ہو رہے ہیں۔ البتہ مولانا حسین علی کے تلامذہ اس سے کافی حد تک محفوظ ہیں مگر تصوف مستورہ ان میں بھی راسخ ہو رہا ہے۔ ہمارے سادہ لوح اہل حدیث کو دیوبند کے موحد اور متساہل حضرات میں امتیاز کرنا چاہیے۔ اب ان میں اکثر حضرات رسمی پیری مریدی بطور کاروبار کر کے بریلوی حضرات کی طرح خانقاہی نظام کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں اہلحدیث سے لوگوں کو متنفر کریں جب بریلوی اور اہلحدیث اختلاف کا تذکرہ آئے تو یہ موٴنا شرک پسند حضرات کو اہل توحید پر ترجیح دیتے ہیں اہل کتاب کی طرح هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا کہہ کر اپنے دل کو مطمئن کر لیتے ہیں اور شرک پسند حضرات کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں ہمارے سادہ لوح اہلحدیث حضرات چونکہ اس نئی پالیسی سے بے خبر ہیں اور وہ پرانے تصورات کے مطابق ان حضرات کی ان کہانیوں تزکیہ اور توحید کے دعووں سے غلطی کھا کر ان دعاوی کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں چند افراد اب بھی احباب دیوبند میں موجود ہیں جن کے دل میں توحید کے لیے ایک سوز اور تڑپ پائی جاتی ہے۔ ان کا انداز بھی کاروباری نہیں مجھے احباب دیوبند سے حسن ظن ہے ان میں دین کی خدمت اور توحید کا جذبہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے مگر یہ نئی پالیسی جو جدید دنیائے دیوبند میں پائی جا رہی ہے اس سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ بزرگوں کے متعلق یہ قصے اور کہانیاں جن کا سائل نے ذکر کیا ہے۔ اسی جدید پالیسی کا نتیجہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تصوف جدید کے بہت بڑے ماہر تھے ترجمان تھے ان کے ابنادر

کرام اور تلامذہ پر بھی یہ ذوق غالب ہے اس کے باوجود وہ تصوف جدیدہ کے رسوم سے متنفر اور مخالف ہیں۔ اپنے وصیت نامہ میں۔۔ وصیت ۲ کے آخر میں فرماتے ہیں: نسبتہاء صوفیہ غنیمت کبرے است و رسوم ایشاں ہیچ نے ارزد ایں سخن گراں خواہد بود اما مرد کا سے فرمودہ اند بر حسب آں مے باید کرد۔ صـ ۱۱۶ تحفۃ عقد الجید اسی وصیت ۲ کے شروع میں فرماتے ہیں: وصیت دیگر آن است کہ دست در دست مشائخ ایں زماں کہ بانواع بدعت مبتلا ہستند ہرگز نباید داد و بیعت ایشاں نباید کرد۔ و بغلو عام مغرور نباید بود و نہ بکرامات زیرا کہ اکثر غلو عام سبب رسم است وامور رسمیہ بحقیقت اعتبارے نیست و کرامات فروشاں ایں زماں ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمات و نیرنجات را کرامات دانستہ اند۔ صـ ۱۱۴

اس زمانہ کے مشائخ کی بیعت نہیں کرنا چاہیے لوگ مختلف قسم کی بدعات سے ملوث ہیں اور ان کے عام غلو سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے نہ ہی ان کی کرامات پر توجہ دینی چاہیے۔ یہ غلو رسوم کا نتیجہ ہے اور رسمی چیزوں کی حقیقت کے بالمقابل کوئی قیمت نہیں۔ اس زمانے کے کرامت فروش طلسمات اور شعبدہ بازیوں کو کرامت سمجھے ہیں آپ نے تینوں سوالات میں جن بعض دیوبندی اہل حدیث حضرات کا ذکر فرمایا ہے وہی حضرات ہیں جن کو شاہ صاحب نے کرامت فروشی کا خطاب دیا ہے۔ اعاذنا اللہ منہم (الاعتصام جلد ۱۹ ش ۲۴)

سوال: علیین اور سجین کہاں ہیں، روح کا تعلق قبر سے کیسا ہے کیا روح اور جسد دونوں کو راحت یا عذاب ہے یا کہ صرف روح کو؟

جواب: علیین اور سجین دو کتابیں ہیں۔ ایک میں نیکوں کے اعمال ہیں اور ایک میں بدوں کے اعمال۔ قرآن مجید میں ہے کتاب مرقوم۔ (الاعتصام جلد نمبر ۲ ش ۳۷)

توضیح الکلام علیین اور سجین دو کتابیں ہیں۔ ایک سجین اور ایک علیین۔ سجین سجن سے ہے اور سجن قیدخانہ اور تنگ جگہ کو کہتے ہیں۔ حضرت براء بن عازب کی طویل حدیث میں ہے کہ کافر کی روح کے بارہ میں جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا نام کتاب سجین میں لکھ دو اور سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے کہا گیا ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی ایک چٹان ہے اور کہا گیا کہ جہنم میں ایک گڑھا ہے۔ ابن جریر کی ایک غریب منکر اور غیر صحیح حدیث میں ہے کہ فلق جہنم کا ایک منہ بند کردہ کنواں ہے اور سجین کھلے منہ والا گڑھا ہے۔ صحیح بات یہ ہے

کہ اس کے معنی ہیں تنگ جگہ جیل خانہ کے۔ نیچے کی مخلوق میں تنگی ہے اور اوپر کی مخلوق میں کشادگی۔ آسمانوں میں ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان سے کشادہ ہے اور زمینوں میں ہر نیچے کی زمین اوپر کی زمین سے تنگ ہے یہاں تک کہ بالکل نیچے کی تہہ بہت تنگ ہے اور سب سے تنگ جگہ ساتویں زمین کا وسط مرکز ہے۔ چونکہ کافروں کے لوٹنے کی جگہ جہنم ہے اور وہ سب سے زیادہ نیچے ہے اور جگہ ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یعنی ہم نے اسے پھر نیچوں کا نیچ کر دیا۔ ہاں جو ایمان لائے اور نیک اعمال والے ہیں۔ غرض سجین ایک تنگ اور تہہ کی جگہ ہے جیسے قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا ہے۔ إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا جب وہ جہنم کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے۔ وہاں موت ہی موت پکاریں گے۔ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ یہ سجین کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ تفسیر ہے اس کی جو ان کے لیے لکھا جا چکا ہے کہ آخرش جہنم میں پہنچیں گے ان کا نتیجہ لکھا جا چکا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے نہ اس میں اب کچھ زیادتی ہو نہ کمی تو فرمایا ان کا انجام سجین میں ہونا ہماری کتاب میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے۔ نیکوں کا ٹھکانہ علیین ہے جو کہ سجین کے بالکل برعکس ہے حضرت عباسؓ نے حضرت کعبؓ سے سجین کا سوال کیا تو فرمایا کہ وہ ساتویں زمین ہے اور اسمیں کافروں کی روحیں ہیں اور علیین کے سوال کے جواب میں فرمایا یہ ساتویں آسمان پر ہے اور اسمیں مومنوں کی روحیں ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں مراد اس سے جنت ہے۔ عوفی آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے اعمال اللہ کے نزدیک آسمان میں ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں یہ عرش کا داہنا پایہ ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے ظاہر یہ ہے کہ لفظ علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے، جس قدر کوئی چیز اونچی اور بلند ہو گی اسی قدر بڑی اور کشادہ ہو گی۔ اسی لیے اس کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لیے فرمایا تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں پھر اس کی تاکید کی کہ یہ یقینی ہے کتاب میں لکھی جا چکی ہے کہ یہ لوگ علیین میں جائیں گے جس کے پاس ہر آسمان کے مقرب فرشتے جاتے ہیں (تفسیر ابن کثیر مترجم دہلی جلد ۵ ص ۴۴۱/۴۴) باقی رہا روح اور جسم کا تعلق کہ راحت یا عذاب دونوں کو ہے یا صرف روح کو۔ جب احکام الٰہی کے دونوں مکلف ہیں۔ دونوں مل کر احکام الٰہی کی ادائیگی کرتے، خلاف ورزی کی صورت میں دونوں نفسانی خواہشات کی لذت حاصل کرتے ہیں تو راحت یا عذاب میں ایک کو مخصوص کرنا قانون قدرت اور انسانی عقل کے بھی خلاف ہے۔ لہٰذا راحت یا عذاب روح اور جسد دونوں کو ہوتا ہے۔ باقی اس کی کیفیت سو قرآنی تعلیم کے مطابق وَلَا تَقْفُ

مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" یہ برزخی معاملہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سونپنا چاہیئے۔

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب   حررہ علی محمد سعیدی

سوال: بعض لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ تمام روحیں جمعرات کے دن اپنے اپنے گھروں کو آتی ہیں اور گھر والے اگر خیرات کرتے ہیں تو وہ خوش ہوکر واپس لوٹتی ہیں۔ کیا ایسا کرنا چاہیئے اور یہ صحیح ہے؟

جواب: جمعرات میں ارواح کی آمد و رفت کا ذکر کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ (الاعتصام جلد ۳۰ ش ۱۱)

سوال: میری ایک حنفی دیوبندی سے بحث چل رہی ہے اس نے تین حدیثیں پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ تمام نبی اپنی اپنی قبروں میں زندہ اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر اس نے دعوے کیا ہے کہ کوئی اہلحدیث عالم ان تینوں حدیثوں کو اور ان کے راویوں کو غلط ثابت نہیں کرسکتا؟   عبدالغفور گوجرانوالہ

جواب: انبیاء علیہم السلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یہ زندگی برزخی نہ کہ دنیوی انبیاء علیہم السلام برزخ میں زندہ ہیں بلکہ سب لوگ زندہ ہیں اسی لیے وہاں تنعیم و تعذیب کی صورت ہے۔ حدیث "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (فتح الباری) اور علامہ ذہبی نے اس کو منکر قرار دیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز پڑھنے کی روایت کا تعلق بھی عالم برزخ سے ہے نہ کہ دنیا سے اور یہ حدیث مسلم میں ہے اور قبر کے پاس درود پڑھنے سے آپ سنتے ہیں اس حدیث کو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے اس کی سند جید ہے۔ مگر اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن الاعرج ہے جو مجہول الحال ہے۔ مگر درود قبر کے پاس سننے میں بحث نہیں۔   (الاعتصام جلد ۲۰ ش ۸)

سوال: جمعہ اور عاشورہ کی رات ارواح کے گھروں کی طرف آنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: مومنوں کی روحیں ہر جمعہ کی رات عید کے دن اور عاشورہ کی رات اور شعبان کی نصف رات کو گھروں میں آتی ہیں۔ صحن میں کھڑی ہو کر ہر ایک کو غمگین آواز سے پکارتی ہیں۔ اے میرے اہل وعیال اور اعزا و اقربا صدقہ کے ذریعہ ہم پر مہربانی کرو۔ ہمیں یاد کرو بھلاؤ نہیں۔ ہماری غربت میں ہم پر رحم کرو

جب کہ ہم تنگ و تاریک اور مضبوط جیل کی کوٹھڑی اور طویل ترین غم اور شدید ترین فقر میں مبتلا ہیں اور جو مال اب تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ کسی وقت ہمارے پاس تھا۔ اگر ہم اسے اللہ کی راہ میں صرف کرتے تو آج تم سے سوال کی ضرورت نہ پڑتی اب تم تو کھاتے پیتے ہو، مگر ہم عذاب الٰہی میں مبتلا ہیں۔ ــــ جب اہل خانہ ان پر رحم و کرم نہیں کرتے تو وہ حزین و غمگین واپس ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک یہ پکارتی ہوئی واپس ہوتی ہے ــــ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے مایوس کر دے جس طرح انہوں نے ہمیں صدقہ اور دعا سے محروم کر دیا۔ اھ فتاوی غرائب (مترجم من العربیۃ)

اقول ــــ (تعاقب) الحمد للہ رب العلمین سائل کو چاہیئے تھا کہ اس طرح سوال کرتا کہ روحوں کی آمد ثابت ہے یا نہیں۔ اور جواب اس طرح ہوتا کہ ثابت ہے (پھر اس پر کوئی دلیل ہوتی) جاننا چاہیئے کہ مذکورۃ الصدر دنوں اور راتوں میں ارواح کی آمد کی دلیل کسی مرفوع مسند اور متصل السند حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ ہاں اگر ان راتوں میں بغیر فرضیت اور وجوب کے عقیدہ و اصرار کے صدقہ کریں تو یہ جائز ہے مگر اصرار و تاکید سے اس طور پر مستحب بھی کہنا کہ کبھی نہ چھوڑا جائے یہ شیطان کا حصہ ہے (صدقہ لوجہ اللہ نہیں ہے) جیسا کہ ملا علی قاری حنفی طیبی اور سید نے شروح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے۔ لا یجعل للشیطان شیئا من صلوتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ کہ جو شخص مستحب امر پر اصرار کرے اور اسے لازمی اور ضروری قرار دے اور اس کی رخصت پر کبھی عمل نہ کرے وہ سمجھے کہ شیطان اسے گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اب آپ خود ہی اندازہ فرمالیں کہ ایک بدعت اور منکر امر پر اصرار کرنے والے کا کیا حکم ہو سکتا ہے۔ (کذافی مائۃ مسائل ص ۱۱)

اگرچہ معترضین (سائلین) کے کلام میں صدقہ کا ذکر نہیں تھا، مگر چونکہ اہل بدعت اور مشرکین نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ (اہلحدیث) جمعہ کی رات کو صدقہ کرنے سے منع کرتے ہیں اسی لئے مناسب خیال کر کے مائۃ مسائل کی پوری عبارت ذکر کر دی گئی ہے۔ اور معترضین کی بھی یہی غرض تھی مگر چونکہ ان کے پاس دلیل نہیں تھی اس لئے انہوں نے اس پر اکتفار کیا ہے۔

بعد ازاں واضح ہو کہ فریق مخالف کے لیے صرف چار چیزیں مسکت جواب بن سکتی ہیں، کتاب اللہ سنت رسول اللہ مستند اجماع امت۔ اور قیاس جلی جو کہ ان تینوں سے مستنبط ہو اور غرائب فتاوی کا نقل

کر دینا اور وہ بھی خلاف عقل ونقل ہوں۔ مدمقابل پر حجت اور دلیل نہیں بن سکتا۔ اور ان کے غرائب فتاوی سے نقل کرنے میں اس بات پر قوی دلیل ہے کہ ان ذلیل لوگوں کو علم حدیث واسناد بلکہ دین اسلام سے کوئی مس نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ حدیث کو غرائب فتاوی سے نقل کرتے ہیں۔ اور نہ نشاندہی بھی نہیں کرتے کہ یہ حدیث ہے (چونکہ خود بھی نہیں سمجھتے) اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ حوالہ کا ذکر بھی نہیں کرتے کہ یہ حدیث کس کتاب کی ہے۔

یہ حدیث حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں نہیں ہے۔ اور یہ حدیث اخبار بالغیب کے قبیل میں سے ہے۔ اور اس قسم کی خبروں کا انبیاء کرام کے سوا کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ اور برزخ کے جمیع مسائل انبیاء کرام کو سونپ دیئے گئے ہیں کسی عالم یا مولوی کے احساس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی غرائب کی مذکورۃ الصدر عبارت مخالفین کے خیال میں حدیث ہے۔ اور ہم ثابت کریں گے کہ ایسے الفاظ حدیث کے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اہل علم میں سے کسی نے اس کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ وہ شخص اس سے استدلال کیسے کر سکتا ہے۔ جو علم سے تہی دامن ہو اور عقل وایمان سے کورا ہو سوائے ان رسوائے زمانہ علم سے بھاگنے والوں کے۔

یہ بات کہ جمعہ کے دن صدقہ دینا باقی ایام پر زیادہ ثواب کا حق رکھتا ہے۔ جب شارع علیہ السلام نے کسی دن کی تخصیص نہیں کی۔ تو ہمیں کسی دن کی تخصیص کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جمعہ کے دن اور دوسرے ہفتہ بھر کے تمام دنوں میں لقدر وسعت صدقہ دینا چاہیے۔ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم بلوغ المرام کی شرح مسک الختام میں حدیث۔ لاتخصوا ليلة الجمعة بقيام من الليالي ولا تخصوا يوم الجمعة بصيام من بين الايام (الحديث) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جمعہ کی رات کو نماز وتلاوت اور دیگر عبادات کے لئے مخصوص کرنا حرام ہے ہاں جن چیزوں کی نص آگئی ہے انہیں خاص کرنا چاہیے جیسے سورۃ کہف وغیرہ کی تلاوت ہے۔ اور نیز نواب صاحب شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کی اقرب وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس میں یہود ونصاریٰ سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ کہ وہ مخصوص ایام کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور انہیں ہی اطاعت وعبادت کے لئے مخصوص کرتے ہیں جیسا کہ یہود نے ہفتہ کو اور نصاریٰ نے اتوار

کو خاص کیا ہوا ہے۔ ہاں جن چیزوں کی تخصیص شریعت میں وارد ہو گئی ہے۔ وہ جائز ہے اور ثابت ہے۔ مگر ہمیں اپنی طرف سے تخصیص کا حق حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد نواب صاحب لکھتے ہیں۔ بندہ ضعیف عفی عنہ کہتا ہے کہ اس نہی کا سبب یہ ہے کہ بندہ کو چاہئے کہ ہر وقت' طاعت و عبادت الٰہی میں مشغول رہے بعض اوقات کو مخصوص کر لینا اور دوسرے اوقات کو معطل کر دینا کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ یہ سبب جمعہ کی رات کو قیام کی نہی کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کما لا یخفی علی المتفطن اھ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں اسی حدیث کے ذیل میں رقمطراز ہیں۔

السر فیہ شیئان احدھا سد التعمق لان الشارع لما خصہ بطاعات وبان فضلہ کان مظنتہ ان یتعمق المتعمقون فلیلحقون بہا حرم بذالک الیوم اھ

یہ مضمون تلاش و جستجو سے دوسری احادیث سے بھی مل سکتا ہے۔ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ مومنوں کی روحیں آسمان پر رہتی ہیں۔ — عن عبد الرحمن بن کعب عن ابیہ قال لما حضرت کعب الوفاۃ اتتہ ام بشر بنت البراء بن معرور فقالت یا ابا عبد الرحمن ان لقیت فلانا فاقرأ علیہ منی السلام فقال غفر اللہ لک یا ام بشر نحن اشغل من ذالک فقالت یا ابا عبد الرحمن اما سمعت رسول اللہ یقول ان ارواح المومنین فی طیر خضر تعلق بشجر الجنۃ فقال بلی قالت فہو ذاک رواہ ابن ماجۃ والبیہقی فی کتاب البعث والنشور اھ

وعنہ عن ابیہ انہ کان یحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما نسمۃ المؤمن طیر تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ تعالیٰ فی جسدہ یوم یبعثہ اللہ رواہ مالک والنسائی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور وذکرھا صاحب المشکوۃ خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں مومنوں کی روحیں جنت کے درختوں میں عیش و عشرت سے رہتی ہیں تاآنکہ اللہ تعالےٰ انہیں ان کے بدنوں میں واپس کریں قیامت کے دن۔

کسی بھی گمراہ آدمی کے لئے اس سے بڑھ کر اور کون سی حدیث ہدایت کر سکتی ہے۔ اگر کسی کی فطرت سلیم ہو اور وہ شیطان کے اغواء سے محفوظ ہو تو فوراً جان لے گا کہ حدیث الفاظ۔ تعلق فی شجر الجنۃ حتی یرجعہ اللہ فی جسدہ اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ روحیں ہمیشہ جنت میں رہتی ہیں۔

یا پھر اس حدیث کی تخصیص کے لئے بھی حدیث ہو جو یہ بتائے کہ مومنوں کی روحیں گھروں کو آتی ہیں مخصص حدیث حدیث بالا سے اصح ہو یا کم از کم اس کی ہم پلہ ہی ہو چنانچہ مندرجہ بالا حدیث کی تائید میں حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت بھی ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضر المؤمن الموت اتت ملٰئکۃ الرحمۃ بحریرۃ بیضاء فیقولون اخرجی راضیۃ مرضیا عنک الی روح اللہ وریحان ورب غیر غضبان فتخرج کاطیب ریح المسك حتی انہ لیناولہ بعضھم بعضا حتی یا تون بہ ابواب السماء فیقولون ما اطیب ھذہ الریح اللتی جاءتکم من الارض فیاتون بہ ارواح المومنین فھم اشد فرحا بہ من احدکم بغائبہ یقدم علیہ فیسألونہ ماذا فعل فلان ماذا فعل فلان فیقولون دعوہ فانہ کان فی غم الدنیا فیقول قد مات اما اتاکم فیقولون قد ذھب بہ الی امہ الھاویۃ وان الکافر اذا احضر اتتہ ملٰئکۃ العذاب بمسح فیقولون اخرجی ساخطۃ مسخوطا علیك الی عذاب اللہ عزوجل فتخرج کانتن ریح جیفۃ حتی یأتون بہ الی باب الارض فیقولون ما انتن ھذہ الریح حتی یأتون بہ الی ارواح الکفار رواہ احمد والنسائی کذا فی المشکوٰۃ۔

سوال یہ ہے کہ اگر مومنوں کی روحیں گھروں کو آتی ہیں۔ تو پھر وہ مرنے والے کے روح سے کیوں کہتی ہیں۔ ماذا فعل فلان ماذا فعل فلان انہیں اپنے اہل خانہ کے حالات کا علم کیوں نہیں ہوتا۔ جب کہ وہ خود بھی ہر آٹھ روز کے بعد گھروں کو واپس آتی ہیں۔ اور فیقولون دعوہ فانہ کان فی غم الدنیا کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نابکار ملحدین کے گھروں میں بھی نہیں آتیں خواہ ان کے اعزاء واقارب بھی ہوں اور مشکوٰۃ کے باب المعراج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت موجود ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ثم اخذ بیدی فعرج بی الی السماء فلما جئت الی السماء الدنیا قال جبریل لخازن السماء افتح قال من ھذا قال ھذا جبریل قال ھل معك قال نعم معی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال ارسل الیہ قال نعم فلما علون السماء الدنیا اذا رجل قاعد عن یمینہ اسودۃ وعن یسارہ اسودۃ اذا نظر قبل یمینہ ضحك واذا نظر قبل شمال

بکی فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قلت لجبریل من ھذا قال ھذا آدم وھذہ الاسودۃ عن یمینہ وعن شمالہ نسم بنیہ فاھل الیمین منھم اھل الجنۃ والاسودۃ اللتی عن شمالہ اھل النار فاذا نظر قبل یمینہ ضحک واذا نظر قبل شمالہ بکی۔ (الحدیث)

معلوم ہونا چاہیئے کہ موتوں کی روحیں دو امروں سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو ان پر نعمت کے آثار مترتب ہیں یا عذاب کے آثار اگر آثار نعمت ہیں تو انہیں اہل دنیا سے مانگنے کی ضرورت ہی نہیں ہے جیساکہ عبد الرحمان کی حدیث گذشتہ میں ہے کہ قیامت تک جنت میں رہیں گے۔ اگر اس کا عکس ہے۔ تو ان پہ عذاب کے آثار مرتب ہوں گے۔ جیساکہ سمرہ بن جندب کی روایت (جو بخاری میں ہے) سے معلوم ہوتا ہے۔ جوکہ مشکوۃ المصابیح کے کتاب الرویا میں بھی مذکور ہے۔ کہ دو آدمی آئے اور مجھے اوپر لے گئے۔ میں نے وہاں لوگوں کو گوناگون عذاب میں مبتلا دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ تو مجھے ان کے بارے میں بتایا گیا چنانچہ اس طویل حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فیضع بہ ما تری الی یوم القیامۃ یعنی انہیں قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کفار کی روحیں عذاب میں مبتلا ہیں تو گھر کیسے آ سکتی ہیں لیکن اس قسم کے مسائل صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کا دل نور ایمان سے روشن ہو۔ اور اس نے سنت رسول کا ذوق بھی چکھا ہو ان اہل بدعت کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوسوں دور ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا الخ الآیۃ۔

پس جو شخص منصف مزاج اور سنت کا پیروکار ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ حق ہے۔ اور جو شخص متعصب اور ہوا و ہوس کا پوجاری ہے۔ وہ شور و غوغا کرتا ہے۔ اور فاسقین کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

ویسے یہ مسئلہ ضروریات دین میں سے بھی نہیں ہے۔ اگر کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت کر دیں۔ تو سر آنکھوں پر ہمیں اس سے اختلاف کرتے ہوئے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر ہوائے نفسانی کی وجہ سے وہابی ہونے کا طعنہ دیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ پھر وہ اس آیت شریفہ کا مصداق ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ قد تمت

فتاویٰ صاعقۃ الرحمن علی حزب الشیطان صہ قلمی از مولانا محمد بن محمد حسن القاضی الخانفوری المولود سنہ ۱۲۶۰ھ ۴ شعبان والمتوفی ۶ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۴۸ھ تلمیذ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دھلوی قدس اللہ سرہ العزیز

۱۔ تصدیقات سید نذیر حسین محدث دہلوی م ۱۰ رجب سنہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۹۰۲ء

۲۔ سید شریف حسین محدث دہلوی م سنہ ۱۳۰۴ھ سنہ ۱۸۸۶ء

۳۔ ڈپٹی احمد حسن محدث دہلوی م ۱۳۳۸ھ سنہ ۱۹۲۰ء

۴۔ سید عبدالواحد الغزنوی م

۵۔ محمد بن عبداللہ الغزنوی م سنہ ۱۲۹۶ھ

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وغیرہم فارسی سے اردو ترجمہ۔

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے۔ اور ان کو علم اور شعور رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے دوست اور آشنا وغیرہ کو پہچانتا ہے جس وقت اس کی قبر پر زیارت کو آئیں۔ اور یہاں تک کہ ان کی جوتیوں کی تھپک اور ان کی آواز کو سنتا ہے۔ اور علاوہ ازیں جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے۔ اور اپنے ثبوت کے لئے اس حدیث شریف کو پیش کرتا ہے۔ عن[1] انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا رواہ مسلم۔ اس کے جواب میں عمرو کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن[2] اضل ممن یدعوا من دون اللہ من لا یستجیب لہ الی یوم القیامۃ وھم عن

---

[1] جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو جب لوگ واپس آتے ہیں وہ ان کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے [2] اس سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ان کو پکارے جو اس کو قیامت تک جواب نہ دے سکیں اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔

دعائھم غافلون ۔ بمصداق اس دلیل مبین کے ان کا سننا اور جاننا غیر ممکن ہے اور وہ ہرگز ہرگز قیامت تک نہیں سنیں گے اور نہ ان کی پکار کو پہنچیں گے۔ پس آپ حضرات کی خدمات مبارکات میں عرض ہے کہ زید اور عمرو کے خیالات کو موافق قرآن حدیث کے بیان فرما کر طرفین کے شک اور وہم کو رفع کردیں۔ اور اس مسئلہ میں کس طرح اعتقاد رکھنا چاہیے۔ اور خوب واضح طور سے بیان فرمائیں تاکہ یقین کامل آجاوے۔ بینوا توجروا۔

جواب۔ قرآن و حدیث کی رو سے زید کا قول غلط ہے۔ اور عمرو کا قول صحیح ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے قول کے لئے قرآن و حدیث میں دلیل موجود ہے چنانچہ ایک دلیل وہی آیت ومن[1] اضل ممن یدعوا من دون اللہ ہے جو عمرو کے قول میں موجود ہے۔ اور زید کے قول کے لئے قرآن اور حدیث میں کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ باقی رہی یہ حدیث (ان المیت اذا وضع فی قبرہ الخ) جو زید نے اپنے قول کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ اس سے اس کا قول ثابت نہیں ہوتا کیونکہ زید کا اپنے قول میں پہلا دعویٰ یہ ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں باقی رہتی ہے۔ زید نے اپنے اس قول میں کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا لہذا اس کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ اہل قبور کی روح قبر میں ہمیشہ باقی رہتی ہے حالانکہ حدیث مذکور سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ تو میت لوگوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کر کے لوٹتے وقت قبر میں روح باقی رہتی ہے۔ باقی اور اوقات میں روح کا قبر میں رہنا حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا۔ زید کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ اہل قبور کو علم و شعور رہتا ہے کہ جس کی وجہ سے زیارت کے وقت وہ اپنے دوست و آشنا وغیرہ کو پہچانتے ہیں۔ اور ان کے جوتوں کی آواز اور ان کی آواز کو سنتے ہیں۔ اس مقام میں بھی زید نے کسی خاص وقت کا ذکر نہیں کیا۔ لہذا یہاں بھی اس دعوے کا ظاہر مطلب یہی ہوگا کہ اہل قبور کو ہمیشہ علم و شعور رہتا ہے۔ لیکن یہ دعوے بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مذکور میں صرف یہ ذکر ہے کہ جب لوگ میت کو دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ تو میت لوگوں کے جوتوں کی

[1] اور اس سے زیادہ گمراہ کون۔

آواز سنتا ہے۔ اور یہ میت کا سننا اس واسطے ہے کہ صحیح حدیث کے موافق اس وقت مردے کے جسم میں روح آجاتی ہے۔ سوا اس وقت کے آنے سے ہمیشہ مردے جسم میں روح کا آنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ پس حدیث مذکور سے اگر ثابت ہوگا تو صرف اتنا ثابت ہوگا کہ دفن کرکے لوٹتے وقت میت کو علم و شعور رہتا ہے۔ اور حدیث مذکور سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ دفن کر کے لوٹنے کے بعد بھی اہل قبور کو علم و شعور رہتا ہے۔ لہٰذا اہل قبور کو ہمیشہ علم و شعور کا رہنا بھی حدیث مذکور سے ثابت نہیں ہوا پس زید کا دوسرا دعویٰ بھی غلط ہوگیا تیسرا دعویٰ زید کا یہ ہے کہ جب کوئی پرندہ اس کی قبر پر بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کر کے پہچان لیتا ہے یہ دعوے حدیث مذکور سے بالکل ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ پرندوں میں فرق کرکے پہچاننا بصارت یعنی آنکھ سے دیکھنے کے متعلق ہے حالانکہ حدیث مذکور سے میت کے لئے بصارت کا ہونا نہیں ثابت ہوتا لہٰذا حدیث مذکور سے میت کا پرندوں میں فرق کرکے پہچان لینا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ زید کا یہ دعوے عقلاً بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اپنی زندگی میں بھی اکثر پرندوں کے نر و مادہ میں نہیں فرق کر سکتا تو موت کے بعد کیونکر ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ زید کا یہ قول بے سند اور خلاف شرع ہے اور عمرو کا قول مدلل اور شرع کے موافق ہے لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ زید کے قول سے پرہیز کریں۔ اور عمرو کے قول کو اختیار کریں۔ واللہ اعلم بالصواب حررہ عبدالحق اعظم گڑھی عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (پارہ ۲۲ سورہ فاطر) یعنی نہیں ہے۔ تو سنانے والا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اور فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (پارہ ۲۰ سورہ نمل) یعنی بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو یہ دونوں آیتیں نص صریح ہیں۔ اس بات پر کہ مردے نہیں سنتے ہیں۔ اور مردے کا سننا جیسا کہ زید کہتا ہے کسی آیت یا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور زید کی یہ بات بھی کسی آیت یا حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ قبروں پر جو لوگ زیارت کو آتے ہیں ان کو مردے پہچان لیتے ہیں۔ اور قبروں پر کوئی پرندہ بیٹھتا ہے تو نر اور مادہ میں فرق کرکے پہچان لیتے

۱؎ تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا۔ ۲؎ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

ہیں۔ اور زید نے اپنے ثبوت کے لئے جو حدیث شریف پیش کی ہے۔ اس سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا چونکہ اس زمانہ میں بہت سے عوام وجہال احناف کا قریب قریب وہی خیال ہے جو زید کا ہے۔ اس لئے یہاں غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار مصنفہ مولوی خرم علی صاحب حنفی سے سماع موتے کے متعلق ایک مضمون نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولوی صاحب ممدوح فرماتے ہیں کہ فتح القدیر میں مذکور ہے۔ کہ میت کو سماع نہیں تو فہم بھی نہیں اور بعد موت کے میت کی قبر کی زیارت ہوتی ہے نہ میت کی۔ اور یہ جو صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مقتولوں کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈلوا کر ان سے فرمایا کہ جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا یعنی شکست کفار اس کو تم نے سچا پایا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا آپ مردوں سے کلام کرتے ہیں یا رسول اللہ تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قابو میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ تر نہیں سنتے ہو۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی معارض صحیح بخاری میں دوسری حدیث ثابت ہے کہ عائشہ صدیقہ نے اس روایت کو قرآن مجید کی دو آیتوں سے رد کیا اول آیت یہ ہے کہ (وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ) یعنی تو سنا نہیں سکتا ان کو جو قبروں میں ہیں۔ اور ثانی آیت یہ ہے (فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى) یعنی مقرر تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطریق ضرب المثل تھا۔ زندوں کی نصیحت کے واسطے چنانچہ حضرت علی مرتضےٰ سے منقول ہے کہ قبرستان میں جاکر فرمایا کہ تمہاری عورتوں کے نکاح ہو گئے۔ اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے۔ اور تمہارے مکانوں میں اور لوگ ساکن ہو گئے یہ خبر تمہاری ہے ہمارے پاس سو ہماری خبر تمہارے پاس کیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ تکلم اور سماع موتے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے تھا۔ بنا بر اعجاز کے تاکہ کافروں کو حسرت زیادہ ہو اور وہ جو صحیح مسلم میں حدیث مرفوع ہے کہ میت جوتیوں کی آواز سنتا ہے جب لوگ اس کو دفن کر کے پھرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے دفن کا یہ سماع اور فہم مقدمہ ہے جوابدہی سوال منکر اور نکیر کا اس خصوصیت کی یہ وجہ ہے تا اور حدیث اور آیتوں کے مضمون میں اتفاق ہو جائے تعارض نہ باقی رہے اس واسطے کہ دونوں آیتیں عدم سماع موتے کے مفید ہیں انتہی کلام الفتح نہر الفائق میں کہا کہ جواب ثالث نہایت خوب جواب ہے یعنی حضرت کا تکلم اور اسماع بطریق معجزہ تھا

تو اس سے عموم سماعت موتیٰ ثابت نہیں ہو سکتی چنانچہ بنا بر اعجاز کے حضرت سے شجر اور حجر نے بھی کلام کیا ہے حالانکہ شجر اور حجر محل کلام نہیں اور صحیح مسلم کی روایت کے جواب کی تقویت دوسری حدیث صحیح سے ہو سکتی ہے کہ جب منکر اور نکیر مومن سے جواب معقول سنتے ہیں۔ تو اس سے کہتے ہیں کہ نم کنومۃ العروس یعنے آرام سے سو جیسے دولہ سوتا ہے ظاہراً یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن اس عالم سے غافل ہو جاتا ہے جیسے سوتا آدمی غافل ہوتا ہے اور کلام نہیں سنتا۔ بالجملہ ہم لوگ اہل تقلید ہیں پایہ اجتہاد کا نہیں رکھتے پھر جن فقہا کے ہم مقلد ہیں۔ جب ان کے نصوص سے ثابت ہوا کہ میت کو فہم اور سماع نہیں تو اس میں زیادہ گفتگو اور تفتیش کرنا بے موقع ہے۔ واللہ اعلم انتہی مافی غایۃ الاوطار صفحہ ۲۸۵ جلد ۲۔

الحاصل میت کے سماع اور شعور کے متعلق زید کا قول کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے لہذا اس کا قول غلط و باطل ہے۔ اور آیات مذکورہ بالا سے اور بعض احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے بعض اوقات مردوں کو سنا دے جیسا کہ وہ اپنی قدرت سے شجر و حجر وغیرہ کو سنا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد عبد الرحمن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۷۱۱)

سوال۔ ما تقولکم رحمکم اللہ در مسئلہ سماع موتے در مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بقید باب کتاب ہدایت فرمایند و نیز معنے سماع ارشاد فرمایند۔

جواب۔ باید دانست کہ در کتب فقہ حنفی مانند کنز الدقائق و شرح وقایہ و ہدایہ و عنایہ و کفایہ و بنایہ حواشی ہدایہ و مختلص و عینی شرح کنز و در مختار وغیرہ در کتاب الایمان یعنی کتابیکہ در حلف کردن در قول و فعل مشتمل است مذکور است کہ اگر کسے حلف کرد کہ از فلاں کس کلام نخواہم کرد این فلاں کس بمرد و حالت بعد مردن او بر جنازہ یا بر قبر وے کلام از و کرد حانث نخواہد بود زیرا کہ مقصود از کلام افہام یعنی فہمیدن است فہمیدن تعلق بہ شنیدن می دارد و مردہ لیاقت شنیدن ندارد زیرا کہ در مردہ حیات نیست لان الموت

۱؎ جناب کیا خیال ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ کتاب اور باب کے

زوال الحیات کذا فی الھدایۃ وغیرھا وقولہ وکذلک الکلام بان حلف لا یکلم فلانا لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت کذا فی الکفایۃ والعینی حاشیۃ الھدایۃ اما الکلام فلان المقصود منہ الافہام والموت ینافیہ ولا یرد ما فی صحیح البخاری من قولہ صلعم لاھل قلیب بدر ھل وجدتم ما وعد ربکم حقا فقال عمر اتکلم المیت یارسول اللہ فقال والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع من ھؤلاء او منھم فقد اجاب عنہ المشائخ بانہ غیر ثابت یعنی من جھۃ المعنی وذلک لان عائشۃ ردتہ بقولہ تعالیٰ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وانہ انما قال علی وجہ الموعظۃ لِلْاَحْیَاءِ وبانہ مخصوص باولئک تضعیفا للحسرۃ علیھم وبانہ

حوالے سے جواب عنایت فرماویں۔

جواب۔ کتب فقہ حنفی مثلاً کنز الدقائق۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ۔ عنایہ۔ کفایہ۔ بنایہ۔ مستخلص عینی۔ شرح کنز۔ درمختار وغیرہ کے باب الایمان میں مذکور ہے کہ "اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ فلاں آدمی سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس کے مرنے کے بعد یا اس کے جنازہ پر یا قبر پر جا کر بات کرے۔ تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے۔ اور سمجھ کا تعلق سننے سے ہے۔ اور مردہ سننے کی قابلیت نہیں رکھتا کیونکہ مردہ میں زندگی نہیں ہے۔ کیونکہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے باقی رہا یہ سوال کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قلیب بدر والوں سے گفتگو فرمائی تھی۔ تو اس کا جواب مشائخ نے مختلف طریقوں سے دیا ہے۔ بعض نے کہا یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ اس وقت تھا۔ جب کہ سوال وجواب کے لئے قبر میں مردہ کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں رہتا۔ اور بعض نے کہا یہ من حیث المعنی ثابت نہیں۔ بلکہ مقصد زندوں کو تنبیہ کرنا تھا۔ نہ کہ کافروں کو سنانا جیسے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور قرآن مجید میں ہے کہ مردوں کو نہیں سنا سکتا۔ البتہ اس حدیث کے جواب میں اشکال واقع ہوتا ہے۔ کہ مردہ واپس آنے والے لوگوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتا ہے تو اس کو بھی اول وقت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے کہ جب منکر نکیر قبر میں سوال کرنے کے

خصوصیتہ علیہ السلام معجزۃ لکنہ یشکل مافی مسلم ان المیت لیسمع قرع نعالھم اذا انصرفوا الا ان یخص ذلک باول الوضع فی القبر مقدمۃ للسوال جمعا بینہ وبین الآیتین فانہ شبہ فیما الکفار بالموتی لعدم الافاضۃ بعد سماعھم وھو فرع عدم سماع الموتی ھذا حاصل ماذکرہ فی الفتح فی الجنائز ومعنی الجواب الاول انہ وان صح سندہ لکنہ معلول من جھۃ المعنی لعلۃ تقتضی عدم ثبوتہ عنہ علیہ السلام وھی مخالفۃ القرآن۔ تمام شد عبارت ردالمحتار در آخر باب کتاب الایمان وہم چنین مفتی الثقلین صاحب منار وکنز در کافی شرح وافی کہ درا عتبار واعتماد مثل ہدایہ است بہ بسط وتفصیل نوشتہ است بر کراشک وشبہ باشد

لیے آتے ہیں اس وقت روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس وقت سن بھی لیتا ہے۔ اس طرح حدیث اور قرآن کا مطلب آپس میں متعارض نہیں ہوتا کیونکہ قرآن میں کفار کو سننے کے بعد عدم افاضہ میں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وہ عدم سماع موتی کی شاخ ہے یہ خلاصہ ہے کتب مندرجہ بالا کا۔

اور صاحب منار وکنز نے کافی شرح وافی میں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری نے باب عذاب القبر میں حضرت عائشہ وابن عمر کی متعارض حدیثیں بیان کی ہیں۔ اگر مردہ میں سماع نہیں ہے تو ابن عمر کی حدیث بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال کے وقت سننے کی قوت بحال کر دی جاتی ہے۔ اس وقت سن لیتا ہے بعد میں نہیں سنتا جب کہ کافر اور مومن میں بعد ازاں راحت یا عذاب محسوس کرنے کی قوت باقی رکھی جاتی ہے۔ علامہ عینی حنفی نے شرح بخاری کا باب عذاب القبر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید کی آیت کہ "تو مردوں کو نہیں سنا سکتا" اور "تو قبر والوں کو نہیں سنا سکتا"۔ کے بعد اس مسئلہ میں کوئی جھگڑا ہی باقی نہیں رہ جاتا کہ مردے نہیں سنتے فقہ حنفی کی کتابیں اس مضمون سے بھری پڑی ہیں صرف دو چار اقتباس بطور نمونہ درج کیے ہیں۔

ہاں معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ کا عقیدہ ہے کہ مردہ میں علم سماعت قدرت اور ارادہ کی قوتیں بحال رہتی ہیں۔ اور ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مردہ ان صفات کی موجودگی میں بھی مردہ ہے تو پھر خدا تعالیٰ بھی زندہ نہیں کیونکہ یہ صفات تو ان کے نزدیک مردہ کی ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

در کافی نظر کند وببیند فان قلت ما وجہ ذکر حدیث ابن عمر وحدیث عائشۃ وهما متعارضان فی ترجمۃ عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اهل القلیب کلامه وتوبیخه صلعم لهم دل ادراکهم کلام بحاسۃ السمع علی جواز ادراکهم الم العذاب به بقیۃ الحواس فحسن ذکرهما فی هذه الترجمۃ ثم التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبۃ اهل القلیب کانت وقت المسئلۃ ووقتها اعادۃ الروح الی الجسد وقد ثبت من الاحادیث الاخری ان الکافر المسئول یعذب وان حدیث عائشۃ محمول علی غیر وقت المسئلۃ فبهذا اتفق الخبران کذا قال العینی الحنفی فی شرح البخاری من باب عذاب القبر واما قوله تعالیٰ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان المیت لا یسمع انتهی ما قال التفتازانی فی شرح المقاصد من کتب العقائد وروایات فقه حنفی درباب عدم سماعت موتی بسیار اند بنا بر اختصار بر دو سہ روایت اکتفا کرده شد وفرقہ صالحیۃ از معتزلہ قیام علم وقدرت واراده وسمع وبصر بمیت تجویز می کنند وثابت می نمایند الصالحیۃ اصحاب الصالحی مذهبهم انهم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت ویلزمهم جواز ان یکون الناس مع اتصافهم بهذه الصفات امواتا وان لا یکون الباری تعالیٰ حیا انتهی ما فی شرح المواقف فقط۔ واللہ اعلم بالصواب۔ سید محمد نذیر حسین

(فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۲)

سوال۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ سماعت موتے کلام احیاء ثابت است یا نہ بینوا توجروا۔

جواب۔ درصورت مرقومہ باید دانست کہ ارواح مفارقہ را اوراکے بحلق نوعے حیات بقدر ما یتألم ویتلذذ بہ حاصل است قال الامام الاعظم رحمہ اللہ فی الفقہ الاکبر واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق وقال علی القاری فی شرحہ بعد اتمام

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مردے زندوں کی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں؟

القول اعلم ان اهل الحق اتفقوا على ان الله تعالى يخلق فى الميت نوع حيات فى القبر قدر ما يتألم و يتلذذ الخ اما سماع موتے پس ائمہ حنفیہ متفق اند بر نفی آن چنانچہ در کتاب الایمان باتفاق تصریح کردہ اند کہ میت را سماع نیست وآنکہ شیخ عبدالحق در شرح مشکوٰۃ نوشتہ کہ اکثر فقہا منکر اند و بعضے فقہا، واکثر مشائخ قائل اند۔ ادعائے محض است بشہادت یک روایت کہ مفید مدعائش باشد و موجب اذعان سامع گردد و تصدیق اختلافے کہ ہست در سماع موتے قلیل است ام المومنین حضرت عائشہؓ و من تبعہا ازان منکر اند و تحدیث حضرت عمرؓ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ را بر سہو و نسیان حمل کردند و بعضے دیگر آن را قبول نمودہ بر محل اعجاز و خرق عادت فرود آوردہ اند و بجواب از استدلال ام المومنین پرداشتہ اند چنانچہ از مواہب لدنیہ مفہوم می شود و در نفی سماع مطلق از موتے ہیچ شکے نیست در اینجا بنا بر اثبات ایراد کردہ می شود واحادیثے کہ در شرح صدور در اثبات سماع موتے وارد اند قابل تمسک نمی توان شمرد کہ اکثر احادیث رسائل جلال الدین سیوطے از طبقہ رابعہ می باشند واحادیث طبقہ رابعہ قابل آن نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے تمسک بان کردہ شود چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی در عجالہ نافعہ می فرمایند کہ مایۂ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در رسائل طوال در خود ہمیں کتابہاست

جواب۔ روح کو جسم سے الگ ہونے کے بعد قبر میں ایک ایسی زندگی نصیب ہوتی ہے جس سے وہ لذت حاصل کر سکتا ہے یا عذاب محسوس کرتا ہے۔ امام اعظم نے اس کو فقہ اکبر میں بیان کیا ہے اور ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں فرمایا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے کو قبر میں دکھ اور لذت کا احساس ہوتا ہے باقی رہا سننے کا معاملہ تو اس پر بھی علماء کا اتفاق ہے کہ مردے نہیں سنتے چنانچہ کتاب الایمان میں اس کی تصریح ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جو یہ لکھا ہے کہ اکثر فقہا سننے کا انکار کرتے ہیں اور کچھ فقہا اور اکثر مشائخ اس کے قائل ہیں، یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے اور شیخ صاحب نے اپنے اس دعوے پر ایک بھی دلیل بیان نہیں فرمائی جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرتی اور یہ تو تحقیق سے ثابت ہے کہ علمائے حنفیہ میں سے ایک بھی سماع موتے کا قائل نہیں ہے ہاں دوسرے لوگوں میں بعدد قلیل کچھ لوگ سماع موتی کی طرف گئے ہیں اور حضرت عائشہ نے ان لوگوں کے جواب دے دیئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کی حدیث میں جو یہ لفظ آئے ہیں مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ (تم ان سے زیادہ نہیں سنتا) تو بعض نے ان الفاظ کو حضرت عمرؓ کے نسیان پر محمول کیا ہے اور بعض

پس ما وامیکہ تصحیح احادیث تحقیق نمی شود استدلال بآنہا از داب محققین نیست حالا بنقل روایات فقہیہ کہ در عدم سماع موتے در کتب متداولہ واقع اند پرداختہ می آید در رد المحتار مرقوم است فلو قال ان ضربتك اوكسوتك اوكلمتك اودخلت عليك اورقبلتك تقيد كل منها بالحيات حتى لوعلق بها طلاقا اوعتقا لم يحنث بفعلها بميت انتہی مافی الدرالمختار و علامہ سید محمد امین معروف بابن عابدین در رد المختار حاشیہ در المختار نوشتہ اند۔ قوله تقيد كل منها بالحيات الخ - اما الضرب فلانه اسم لفعل مولم يتصل بالبدن او استعمال آلة التاديب فى محل يقبله والا يلام والادب لا يتحقق فى الميت ولا يرد تعذيب الميت فى قبره لانه توضع فيه الحيوة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعلوا الحيوة فى تلك الاجزاء المتصرفة التى لا يدركها البصر واما الكسوة فلان التمليك معتبر فى مفهومها كما فى الكفارة ولهذا لوقال كسوتك هذا الثوب كان هبة والميت ليس اهلا للتمليك وقال الفيقه ابو الليث لوكان بالفارسية ينبغى ان يحنث لانه يراد به اللبس دون التمليك ولا يرد قولهم انه لونصب شبكة فتعلق بها صيد بعد موته ملكه لانه مستند الى وقت الحيوة والنصب والمراد انه على حكم ملكه فتملكه الورثة حقيقة لاهو وايضا هذا ملك لا تمليك۔

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ پر چنانچہ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ کے استدلال کو پیش کیا ہے چنانچہ مولسب لدینہ میں اس کی تصریح ہے اور جن احادیث سے مردے کا سننا ثابت ہوتا ہے وہ جلال الدین سیوطی کے رسائل سے نقل کی گئی ہیں اور سیوطی کا ماخذ طبقہ رابعہ کی کتابیں ہیں جو عقیدہ کے اثبات کے لئے غیر معتبر ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی نے عجالۂ نافعہ میں لکھا ہے کہ سیوطی کی روایات جب تک ثابت نہ ہو جائیں وہ قابل استدلال نہیں ہیں۔

اب فقہ حنفی اور تفسیر کی کتابوں کا دوبارہ سماع موتی اقتباس ملاحظہ فرماویں۔ دو مختار رد مختار حاشیہ۔ فتح القدیر جامع صغیر۔ ہدایہ۔ شرح مواقف۔ شرح مقاصد۔ فصول فی علم الاصول نظم الدلائل۔ اصول شاشی تفسیر درمنثور تفسیر نیشاپوری۔ تفسیر جامع البیان تفسیر جلالین تفسیر معالم التنزیل تفسیر موضح القرآن۔ عینی شرح کنز میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی

هذا ما ظهر لی واما الكلام فلان المقصود منه الافهام والموت ينافيه ولا يرد ما فی الصحيح من قوله صلعم لاهل قليب بدر هل وجدتم ما وعد كم ربكم حقا فقال عمر اتكلم الميت يا رسول الله فقال عليه السلام والذی نفسی بيده ما انتم باسمع من هو لاء او منهم فقد اجاب عنه المشائخ بانه غير ثابت يعنی من جهة المعنی و ذلك لان العائشة ردته بقوله تعالی وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وانه انما قاله علی وجه الموعظة لِلْأَحْيَاءِ وبانه مخصوص باولئك تضعيفا للحسرة عليهم وبانه خصوصية له عليه السلام معجزة لكن يشكل عليهم ما فی مسلم ان الميت ليسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا الا ان يخصوا ذلك باول الوضع فی القبر مقدمة للسوال جمعا بينه وبين الايتين فانه شبه فيهما الكفار بالموتی لافادة عدم سماعهم وهو فرع سماع الموتی هذا حاصل ما ذكره فی الفتح ههنا وفی الجنائز ومعنی الجواب الاول انه وان صح سنده لكنه معلول من جهة المعنی بعلة يقتضی عدم ثبوته عنه عليه السلام وهی مخالفة للقران فافهم انتهی – ودر

قسم اٹھائے کہ میں تجھ سے بات کروں یا تجھ کو کپڑا پہناؤں یا تجھ کو ماروں یا تیرے پاس آؤں یا میں تیرا بوسہ لوں تو میری عورت کو طلاق ہو یا میرا غلام آزاد ہو جائے تو یہ تمام چیزیں زندگی کے ساتھ مقید ہوں گی اگر مرنے کے بعد اس سے کلام کرے یا اس کو کفن پہنائے یا مرنے کے بعد اس کو مارے یا اس کی میت کے پاس جائے۔ تو اس صورت میں نہ اس کی قسم ٹوٹے گی نہ عورت کو طلاق ہوگی نہ اس کا غلام آزاد ہوگا کیونکہ مار یا ادب سکھانے کے لئے ہوتی ہے یا سزا دینے کے لئے اور یہ دونوں چیزیں مردے میں نہیں ہیں۔ اگر کہا جائے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں رکھے جانے کے بعد ایک طرح کی زندگی اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ برزخ کے عذاب کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ جو نقباء کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی مچھلی کے شکار کے لئے کنڈی لگائے اور اس کے مرنے کے بعد مچھلی کنڈی میں اٹک جائے۔ تو اس مچھلی کا وہ مالک ہوگا۔ اگر مردہ کسی چیز کا مالک نہیں تو پھر اس کا مالک کیسے بنے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک ہوں گے۔ اور میت کی ملک سمجھ کر ورثاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ اور

جامع صغیر نوشتہ وکذلك الکلام لان معناہ الافہام والموت ینافیہ الاتری الی قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ۔ ودر ہدایہ نوشتہ من قال ان ضربتك فعبدی حرفمات تضربہ فہو علی الحیات لان الضرب اسم بفعل مولم یتصل بالبدن والایلام لا یتحقق فی المیت ومن یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ وکذا الکلام والدخول لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ ودر عنایہ می نویسد قولہ وکذلك الکلام بان حلف لا یکلم فلانا ولا یدخل دار فلان: لان المقصود من الکلام الافہام وذا بالاسماع وذا لا یتحقق بعد الموت الخ انتہی ۔ و در شرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر بمیت مذہب فرقہ صالحیہ از معتزلہ است عبارتش این است الصالحیۃ اصحاب الصالحی وھذا من ہیہم انہم جوزوا قیام العلم والقدرۃ والارادۃ والسمع والبصر بالمیت و یلزمہم جواز ان یکون الناس مع اتصافہم بہذہ الصفات اموا تا وان لا یکون تعالی حیا انتہی در شرح مقاصد علامہ تفتازانی مرقوم است ۔ اما قولہ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ فتمثیل حال الکفرۃ بحال الموتی ولا نزاع فی ان الموتی لا تسمع انتہی ودر غرائب فی تحقیق المذاہب نوشتہ رای الامام الاعظم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بدر کے کافروں سے خطاب کیا تھا۔ تو وہ من حیث المعنی ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے قرآن پاک کی آیت وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ اور أَنتَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ سے اس کی تردید کر دی تھی۔ پھر بعض نے اس کو معجزہ پر محمول کیا بعض نے زندوں کی عبرت کے لیے اس کو کہا اور وہ جو حدیث میں ہے کہ مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے وہ قبر میں منکر نکیر کے سوال وجواب کے وقت ہوتا ہے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ مردے نہیں سنتے البتہ معتزلہ فرقہ کی شاخ صالحیہ مردے کے لیے علم۔ قدرت۔ سماعت۔ بصارت ثابت کرتے ہیں ان کے مذہب کے مطابق خداوند تعالے ان صفات کے ہوتے ہوئے بھی زندہ نہیں ہیں بلکہ مردہ ہیں۔ غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے کہ ایک

ابو حنیفة من یاتی قبورا هل الصلاح فیسلم و یخاطب و یتکلم و یقول یا اهل القبور هل لکم من خیر و هل عندکم من اثر فانی اتیتکم و نادیتکم من شهور و لیس سوالی منکم الا الدعاء فهل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفة یقول مخاطبته لهم فقال هل اجابوا لک قال لا فقال سحقا لک و تربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا و لا یملکون شیئا و لا یسمعون صوتا و قرأ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ انتہی. و در فصول فی علم الاصول می نویسد لو حلف لا یکلم فلانا و کلمه بعد الموت او ضربه بعد الموت لا یحنث لعدم معنی الافهام والایلام انتہی. و در نظم الدلائل می نویسد ان الذین فی القبور لا یسمعون ما یکون مرئی انتہی و در شاشی می نویسد من حلف لا یکلم فلانا فکلمه بعد الموت لا یحنث لعدم الاسماع انتہی. و در تفسیر در منثور می نویسد اخرج ابو سهل السدی بن سهل بن الجنید النیشاپوری فی الخامس من حدیثه من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ قال کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یقف علی القتلی یوم بدر و یقول هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا یا فلان یا فلان الم تکفر بربک الم تکذب بنبیک الم تقطع رحمک فقالوا یا رسول اللہ ایسمعون ما تقول فقال ما انتم با سمع منهم لما اقول فانزل اللہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ انتہی و در تفسیر بیضاوی نوشته انما یستجیب الذین ای یستجیب

آدمی قبرستان میں نیک لوگوں کی قبروں کے پاس جا کر کہہ رہا تھا کہ کیا تم کچھ سنتے ہو یا نہیں؟ تم میں کوئی بھلائی ہے یا نہیں؟ میں کئی مہینوں سے تمہارے پاس آ رہا ہوں میری التجا صرف یہ ہے کہ تم میرے حق میں دعائے خیر کرو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سن رہے تھے آپ نے فرمایا کیا انہوں نے تجھ کو کوئی جواب دیا ہے؟ کہنے لگا نہیں آپ نے فرمایا تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تجھ پر افسوس تو مردوں سے کلام کرتا ہے۔ جو تجھے کوئی جواب نہیں دے سکتے جو آواز نہیں سن سکتے پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ

الذین یسمعون بفهم و تأمل کقوله تعالیٰ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ و هولاء کالموتی
الذین لا یسمعون ودر تفسیر جامع البیان تحت آیت کریمہ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ
اللّٰهُ می نویسد ای الکفار الذین کالموتی لا یسمعون انتہی ودر جلالین تحت وَ
الْمَوْتٰى می نویسد ای الکفار شبههم بهم فی عدم السماع انتہی ودر نیشاپوری
وکشاف تحت آیہ کریمہ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ می نویسد یعنی ان الذین
تحرص علی ان یصدقوک بمنزلة الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من
یسمع انتہی۔ ودر معالم التنزیل تحت ہمیں آیت می نویسد انهم لفرط اعراضهم
عما یدعون الله کالمیت الذی لا سبیل الی سماعه والصم الذی لا یسمع انتہی۔
ودر موضح القرآن تحت فائده وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ مرقوم است کہ یہ کافر مثل مردے
کے ہیں سنتے نہیں قیامت میں دیکھ کر یقین کریں گے انتہی وفی فتح القدیر فی کتاب
الجنائز هذا عند اکثر مشائخنا وهو ان المیت لا یسمع عندهم علی ما صرحوا به فی
کتاب الایمان فی باب الیمین بالضرب لو حلف لا یکلم فلانا فکلمه میتا لا یحنث
لانها تنعقد علی ما حیث یفهم والمیت لیس کذلک لعدم استماع انتہی وایضا فیه
فی ذلک الباب قوله وکذلک الکلام یعنی اذا حلف لا یکلمه اقتصر علی الحیوة فلو
کلمه بعد موته لا یحنث فان المقصود منه الافهام والموت ینافیه لانه لا یسمع
فلا یفهم انتہی وفی العینی شرح الکنز عبارته هکذا الیمین فی الضرب و
القتل وغیر ذلک ولو قال رجل ان ضربتک فعبدای حروان کسوتک فعلی کذا

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ. (تو قبر والوں کو نہیں سُنا سکتا) تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار کے مقتولوں سے سوال کیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
کہ تو مردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کفار کو عدم سماع کی وجہ سے
مردوں سے تشبیہ دی ہے اگر مردے سن سکتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ یہ تشبیہ بیان نہ کرتے قصہ مختصر یہ
کہ قرآن وحدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ واللہ اعلم۔

وان کلمتك فامرأتی طالق وان دخلت علیك فامتی حرة تفیں یمین بحیوة المخاطب ولو فعل به هذه الاشیاء بعد موت المخاطب لم یحنث لان هذه الاشیاء لا یتحقق فی المیت لان الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لا یتصور ومن یعذب فی القبر توضع فیه الحیوة علی الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتها الی ان قال والکلام للافهام فلا یتحقق فی المیت فان قلت قال صلی اللہ علیہ وسلم لقتلی بدر من المشرکین هل وجدتم ما وعد ربکم حقا قلت ردته عائشة رض وقالت قال اللہ تعالی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ولئن ثبت فهو مختص بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ویجوز ان یکون ذلك لوعظ الاحیاء لا علی سبیل الخطاب للموتی انتهی. بالجملہ از کتاب وسنت ثابت ست کہ موتے را سماع حاصل نیست واللہ تعالے اعلم۔ حررہ السید شریف حسین عفی عنہ

سید شریف حسین | سید محمد نذیر حسین

سید شریف حسین محدث دھلویؒ: شیخ الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی م ۱۳۲۰ھ کے اکلوتے فرزند تھے ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے مختلف اساتذہ سے مختلف علوم پڑھے حدیث وتفسیر اپنے قابل صد فخر والد گرامی سے پڑھی سند واجازت حضرت الاجازی سید نواب صدیق حسنؒ بھوپالی م ۱۳۰۷ھ اور شیخ حسین بن محسن انصاریؒ یمنی م ۱۳۲۷ھ سے حاصل کیا بڑے ذہین وفطین تھے فتویٰ نویسی میں مکمل دسترس حاصل تھی بڑے نیک دل اور صالح تھے میاں صاحب کی مسجد کے امام بھی تھے اور ان کے متعلق میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میرا ساامام دہلی سے کلکتہ تک نہیں۔ قرآن وحدیث کا درس بڑی خوش اسلوب سے ارشاد فرمایا کرتے تھے، ایک روز گلی میں بیٹھ کر حدیث پڑھ رہے تھے کہ آپ کے ماموں مولوی عبدالرب صاحب آ نکلے کہنے لگے گلی میں بیٹھ کر پڑھا رہے ہو؟ جواب میں کہنے لگے انشاء اللہ اسی طرح گلی گلی قرآن وحدیث پھیلے گا۔ چونکہ حضرت میاں صاحب کی زندگی میں ہی انتقال ہوگیا تھا۔ اسلئے لوگوں کا رجحان آپ کی طرف نہ ہوا۔ ورنہ اپنے والد کی طرح بڑے بلند پایہ شیخ الحدیث تھے۔ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ

(عبدالرشید اظہر)

باب التعزیّت

سوال:۔ اگر کسی شخص کے رشتہ دار قریبی کسی شہر میں جو کہ فاصلہ پہ ہو تو۔ اس کو بطور تعزیت کے سفر کر کے وہاں جانا درست ہے، یا نہیں۔

جواب:۔ یہ امر ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان کو وقتاً فوقتاً مختلف مقامات میں سفر کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے، خواہ وہ ضرورت شدید ہو یا خفیف۔ بعض اوقات بلا ضرورت محض سیر و سیاحت اور تفریح طبع کے لئے بھی سفر کیا جاتا ہے، شریعت نے اس کو بھی مباح و مشروع فرمایا ہے۔ اور اس میں قصر صلوٰۃ و افطار صوم کی رخصت فرمائی ہے۔ یہ قید نہیں لگائی۔ کہ سفر اگر ضروری ہو تو رخصت پر عمل کیا جائے، اور اگر غیر ضروری ہو تو نہ کیا جائے، سفر کبھی تجارت اور تحصیل علم کے لئے کیا جاتا ہے، اور کبھی خویشی و اقارب و احباب کی ملاقات اور دردمندی اور نفع رسانی وغیرہ کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان بندوں کی مدح و ثنا فرماتا ہے۔ جو تجارت و حصول علم کے لئے سفر کرتے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سلك طريقا يطلب علما سهّل الله له طريقا الى الجنة ۔ رواہ الترمذی وغیرہ ائمہ محدثین و مجتہدین نے احادیث کی تلاش و جستجو و تحقیق کے لئے بڑے بڑے سفر کئے، ایک ایک حدیث کے لئے دور دراز منزلیں طے فرمائیں۔ ایسے ہی تعزیت و بیمار پرسی کے لئے سفر کرنا مشروع و محمود ہے، کیونکہ اس میں غایت درجہ کی صلہ رحمی اور اخوت و دردمندی پائی جاتی ہے، اور صلہ رحمی کے لئے جس قدر تاکید قرآن و حدیث میں وارد ہے۔ اس کی تشریح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ
یعنی سب اہل ایمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اگر دو بھائیوں میں نزاع واقع ہو تو۔ رفع نزاع
اور مصالحت میں کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ہم کو معلوم ہو کہ فلاں مقام پر جو کہ اپنے وطن سے
دور دراز فاصلہ پر واقع ہے، چند مسلمانوں میں خانہ جنگی اور نزاع وخلاف کا شعلہ بھڑک
رہا ہے، تو یہ کون کہہ سکتا ہے، کہ اس کے بجھانے، اور فرو کرنے کے لئے ہم کو سفر کرنا، اور
مقام مذکور پر پہنچنا جائز نہیں۔ بلکہ بہت مناسب اور پسندیدہ اور عمدہ طور پر اتباع سنت
وتعمیل ارشاد خداوندی ہے۔

اور جس حدیث سے اس قسم کے سفر کی ناجوازی کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی کیفیت
مختصر طور پر بیان کی جاتی ہے، وہ حدیث یہ ہے، قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
لاتشد الرحال الا الی ثلثة مساجد۔ یعنی سوا تین مسجدوں کے (مسجد الحرام ومسجد نبوی
ومسجد الاقصیٰ) اور کسی کی طرف سفر نہ کیا جائے، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں تحت اس
حدیث کے بعد بیان اختلاف ونقل دلائل فریقین کے لکھتے ہیں۔ قال بعض المحققین قوله
الا الی ثلثة مساجد المستثنی منه محذوف فاما ان یقدر عاما فیصیر لا
تشد الرحال الی مكان الا الی الثلثة او اخص من ذلك لا سبيل الی الاول
لافضائه الی سد باب السفر للتجارة وصلة الرحم وطلب العلم وغيرها۔
فتعين الثانی والاولی ان يقدر ما هو اشد مناسبة وهو لا تشد
الرحال الی مسجد للصلوة فيه الا الی الثلثة فيبطل بذلك قول من
منع شد الرحال الی زيارة القبر الشريف وغيرها من قبور الصالحين
واللہ اعلم۔ وقال السبكی الكبير ليس فی الارض بقعة لها فضل لذاتها
حتی تشد الرحال اليها غير البلاد الثلثة ومرادی بالفضل ما شهد
الشرع باعتباره ورتب عليه حكما شرعيا واما غيرها من البلاد
فلا تشد اليها لذاتها بل لزيارة اوجهاد اوعلم اونحو ذلك من

المباحات والمندوبات وقد التبس ذلك على بعضهم فزعم ان شد الرحال الى الزيارة لمن في غير الثلثة داخل في المنع وهو خطاء لان الاستثناء انما يكون من جنس المستثنى منه فمعنى الحديث لاتشد الرحال الى مسجد من المساجد او الى مكان من الامكنة لاجل ذلك المكان الا الى الثلثة المذكورة وشد الرحال والى زيارة او طلب علم ليس المكان بل الى من في ذلك المكان والله اعلم۔

یعنی بعض محققین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ سوا تین مسجدوں کے کسی کی طرف سفر کرنا جائز نہیں۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ کسی مقام کی طرف خواہ وہ مسجد ہو یا غیر مسجد سفر کرنا سوا تین مسجدوں کے جائز نہیں۔ دوسم یہ کہ کسی مسجد کی طرف سوا تین مسجدوں کے سفر کرنا جائز نہیں۔ پہلے معنی تو صحیح نہیں ہو سکتے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تجارت و طلب علم و صلہ رحم کے لیے بھی سفر نہ کیا جائے، پس معنی دوم صحیح ہوئے، زیادہ تر مناسب معنی اس حدیث کے یہ ہیں۔ کہ ادائے نماز کے لیے کسی مسجد کی طرف سوا تین مسجدوں کیلئے سفر کرنا درست نہیں، پس جو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت یا اولیا و صالحین کی زیارت قبور کے لئے سفر کرنا منع کرتے ہیں۔ ان کا قول اس سے باطل ہے، علامہ سبکی کہتے ہیں۔ روئے زمین پر سوا تین مسجدوں کے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو ذاتی فضیلت اور شرافت ثابت ہو، اور اس قابل ہو کہ اس کی طرف سفر کیا جائے، فضیلت سے مراد وہ ہے، جس کا شریعت نے اعتبار کیا، اور اس پہ حکم شرعی قائم فرمایا، ان تین کے سوا اور کسی شہر و مقام کو ذاتی فضیلت و کرامت ثابت نہیں، اس لئے خاص ان کی ذات کے لیے سفر کرنا درست نہیں، بلکہ زیارت یا طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لیے مشروع ہے،

بعض علماء کو اس سے شبہ پیدا ہوا، انہوں نے زیارت کے لئے کسی مقام کی طرف سوا ان تین مسجدوں کے سفر کرنا درست نہیں قرار دیا، یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ استثناء مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا چاہئے، پس حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ کسی مسجد یا مکان کی طرف خاص اس کی ذات کے لئے سفر کرنا، سوا ان تین مسجدوں کے جائز نہیں، زیارت یا طلب علم کے لئے کسی مقام کی طرف سفر کرنا خاص اس مکان کی ذات کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ اس مکان میں جو موجود ہوتا ہے، (علم والا یا قابل زیارت) اس کے لئے ہوتا ہے، (فتح الباری پارہ پنجم ص۲۲۲) پس معلوم ہوا کہ کسی رشتہ دار یا دوست وغیرہ کی تعزیت وعیادت کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں، بلکہ فعل محمود اور موجب ثواب ہے۔ اگر یہ شبہ گذرے کہ اس سفر کے مشروع قرار دینے سے یہ خرابی ہوگی کہ لوگ کثرت سے زیارت قبور کیلئے سفر کریں گے اور افعال شرکیہ بجالائیں گے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس قسم کے اشخاص ہر زمانہ میں بکثرت پائے گئے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اولاً زیارت قبور سے اسی لئے منع فرمایا تھا کہ لوگ افعال شرکیہ و جزع وفزع میں مبتلا ہوتے ہیں، جب اسلام کی ترقی ہوئی، اور احکام شرعیہ بخوبی شائع ہوئے، تب آپ نے فرمایا کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔ بغیر سفر کے زیارت قبور میں لوگ افعال شرکیہ کرتے ہیں، یہی کیفیت سفر کی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ عبد الجبار عمرپوری

(فتاویٰ ارشاد السائلین الی المسائل الثلثین ص۳۱)

توضیح الکلام: زیارت قبور کا مقصد صرف عبرت حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، فزوروا القبور فانھا تذکرا لموت۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۵۴ جلد ۱ بحوالہ مسلم شریف اولیاء وصلحاء اور خویش واقرباء (فوت شدہ) کی ملاقات مقصود نہیں ہے، چونکہ نہ ہم انہیں دیکھ سکتے ہیں، اور نہ ایسے ہم کلام ہو سکتے ہیں۔ جیسے قرآن کریم میں ہے۔ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ۔

جب ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے، اور نہ ہی گفتگو کر سکتے ہیں۔ تو پھر دور دراز کے سفر کی کیا ضرورت

ہے، دیدۂ عبرت نگاہ ہو تو قرب وجوار کے قبرستان ہی کافی ہیں، بلکہ حصول مقصد کے لئے کوئی بوسیدہ اور گرا ہوا قبرستان زیادہ موزوں ہے،

سلف وخلف میں سے کسی محدث وفقیہ سے زیارت قبور کے لئے دور دراز کا سفر کرنا منقول نہیں ہے، حالانکہ تجارت، طالب علم، صلہ رحمی، تعزیت اور ہمدردی کے لئے جانا ثابت ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے لئے عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں، صرف زیارت قبور کے لئے دور دراز کے سفر کر کے جانے پر کوئی عقلی ونقلی دلیل نہیں ہے، واللہ اعلم۔

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

جنازہ کیلئے سپیکر پر اعلان

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل ہیں۔

(۱) نماز جنازہ کے لئے سپیکر پر مسجد میں اعلان کرنا، کہ فلاں وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یا فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اور از روئے شریعت جائز ہے کہ نہیں یا صحابہ کرامؓ تابعین واتباع تابعین ودیگر سلف وصالحین سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اگر کسی نے کسی کی وفات پر مسجد میں بذریعہ لاؤڈ سپیکر جنازہ کا اعلان کیا ہو۔

جواب بعون الوہاب:۔ نماز جنازہ کے لئے اعلان کرنا جائز ہے، سنن سعید بن منصور میں ابراہیم نخعی کا قول ہے،

لا باس اذا مات الرجل ان یؤذن صدیقہ واصحابہ (نیل ص ۵۶ ج ۴)

یعنی جب کوئی شخص فوت ہو جائے، تو اپنے دوست اور رشتہ داروں اور رفیقوں کو خبر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابوداؤد میں حصین بن وحوح انصاری سے روایت ہے، کہ طلحہ بن براء بیمار تھے، اور قریب المرگ تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب یہ فوت

ہو جائے، فاذنونی بہ (تو مجھے خبر دینا)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ موتہ کے شہداء کے فوت ہونے کی خبر دی۔ فالحاصل ان الاعلام للغسل والتکفین والصلوٰۃ والحمل والدفن مخصوص من عموم النہی الخ (نیل ج ۴)۔ یعنی حاصل کلام کا یہ ہے کہ غسل۔ کفن دفن اور نماز جنازہ . . . . کے لئے خبر دینا عموم نہی سے مخصوص ہے، کہ یہ جائز ہیں۔

محمد عبداللہ، ادارہ علوم اثریہ لائلپور

تعاقب از عارف حصاری:۔

واضح ہو کہ اس فتویٰ کے مفتی صاحب کوئی معمولی عالم یا مولوی نہیں ہیں۔ بلکہ ادارہ علوم اثریہ کے شیخ الحدیث اور مفتی اعظم ہیں، جن کا اسم گرامی شیخ تعریف مولانا عبداللہ صاحب محدث لائل پوری مدظلہ العالی ہے، لیکن حیرانگی یہ ہے کہ انہوں نے فتویٰ ایسا صادر کیا ہے، جو آن کے شایان شان نہیں ہے، باوجودیکہ خود محدث اور شیخ الحدیث ہیں، اور بلند پایہ محدث مرحوم کے شاگرد ہیں، پھر ایسا سادگی سے فتویٰ لکھا ہے، کہ وہ سوال کے مطابق نہیں ہے، جبکہ اس مقولہ کا مصداق ہے "سوال از آسمان جواب از ریسمان" یا یوں کہئے، سوال گندم جواب چنا، علم اور ناظرین دانشور خود سوال وجواب پڑھ کر خود فرمالیں۔ کہ سوال سائل کا لاؤڈ سپیکر پر مسجد میں منادی کرنے کا ہے، جیسا کہ عام رواج ہے، کہ دیہات اور شہروں میں ایسا کر رہے ہیں، لیکن، حضرت مفتی نے ادارہ علوم اثریہ کے سمندر علمی میں غوطہ لگا کر جو اہرات نکالے ہیں، وہ یہ ہیں کہ موت کی خبر کرنا، اپنے احباب رشتہ داروں اور رفیقوں کو جائز ہے، یہ ایک بدیہی بات ہے، کہ عام منادی کرنا، اور چیز ہے، اور کسی شخص کا اپنے احباب اور اقرباء سے ملتے ہوئے کسی کی موت کی خبر بتانا، اور چیز ہے، سائل کا سوال اول صورت سے ہے، دوسری کے جائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ کہ جب کوئی فوت ہو جاتا ہے۔ تو سب مسلمان ایک دوسرے کو خبر بتا کر اظہار افسوس کرتے ہیں۔ نہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ اپنے امام عالم کو خبر دے کر

بلانا جائز ہے، نہلانے والے کو اطلاع دے کر غسل کروانا جائز ہے، اور قبر کھودنے والوں کو بلانا اور بتانا جائز ہے،

لیکن لاؤڈ سپیکر پر اعلان اور منادی کرنا، یا بازاروں میں کسی ڈھنڈورچی کو بھیج کر منادی کرانا، کہ فلاں شخص عالم یا خان صاحب، یا چودھری، یا لیڈر، یا صدر مملکت یا وزیر اعظم یا مجسٹریٹ یا سشن جج یا شیخ الحدیث یا علامہ محدث وغیرہ کا نام لے کر اعلان اور منادی کرنا، اور نماز جنازہ کا وقت بتلانا تاکہ اس وقت لوگوں کا کثیر اجتماع ہو جائے، بلکہ کسی عالم کے جنازہ کو روک رکھنا، اور دور، دور کے شہروں کے علماء اور عوام کو بذریعہ تار یا ٹیلیفون کے خبر دے کر جنازہ پہ بلانا یہ صورت جائز ہے یا نہیں سائل کا مقصد یہی ہے،

حضرت العلام مولانا عبداللہ صاحب محدث لائل پوری کو اس صورت کا مدلل جواب دینا چاہیئے تھا۔ ان کے پاس ما شاء اللہ کتب، شرعیہ کا اس قدر ذخیرہ ہے۔ کہ اس کا نصف حصہ بھی اس قلیل البضاعۃ کے پاس نہیں ہے، لیکن ان کا فتویٰ محدثانہ نہیں ہے، اور نہ فقیہانہ ہے بلکہ عامیانہ ہے، اور طرز استدلال علماء اہل حدیث کا نہیں ہے، بلکہ اہل الرائے اور زمانہ کی مصلحت پر مبنی ہے، سائل نے عرض کیا تھا۔ کہ فتویٰ از روئے شریعت محمدیہ کے دیا جائے، اور آنجناب نے سب سے پہلے ابراہیم نخعی پیشوا اہل رائے کا قول پیش کر دیا ہے، جو سوال کے جواب سے دور ہے، ابراہیم نخعی یہ فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اپنے احباب اور ساتھیوں کو یہ بتا دے، کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے،

یہ دلیل سائل کے سوال کا جواب نہیں ہے، مفتی صاحب محدثانہ طرز استدلال اختیار کرتے، تو یوں جواب دیتے کہ منتقی الاخبار مع نیل الاوطار کے صہ۵۶ ج۴ پر یوں باب منعقد کیا گیا ہے۔ باب ماجاء فی کراھیۃ النعی یعنی یہ باب اس مسئلہ کے بیان میں ہے، کہ موت کا اعلان کرنا مکروہ ہے، اور ترمذی شریف کا حوالہ دیتے کہ اس کے صہ۱۱ میں، باب ماجاء فی کراھیۃ النعی پھر آپ یہ حدیث مرفوع پیش کرتے عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال اذا مت فلا تؤذنوا بی احدا فانی اخاف ان یکون نعیا وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ینہیٰ عن النعی (ھذا حدیث حسن) یعنی حضرت حذیفہ صحابیؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے فرمایا، کہ جب میں فوت ہو جاؤں، تو میری موت کی عام طور پر خبر نہ کرنا۔ مجھے اندیشہ ہے، کہ یہ خبر کرنا نعی کی صورت اختیار نہ کر جائے۔ میں نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، کہ آپ نے موت کی خبر عام پھیلانے اور مشہور کرنے سے منع فرمایا ہے، باب اور حدیث سے نعی کی ممانعت ثابت ہے، پھر امام ترمذی نے یہ حدیث پیش کی ہے جو پہلی حدیث کی مؤید ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والنعی فان النعی من عمل الجاھلیۃ قال عبد اللہ والنعی اذان بالمیت ۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا، کہ جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ تم میت کا اعلان کرنے سے بچو، کیونکہ اعلان کفر کے زمانہ کی رسم ہے، عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ اعلان اور منادی کرنی کفر کے زمانہ کی رسم ہے، اس سے بچو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں۔ قد کرہ بعض اھل العلم النعی ۔ بعض علماء نے نعی کو بُرا سمجھا ہے، پھر امام ترمذی فرماتے ہیں۔ والنعی عندھم ان ینادی فی الناس بان فلانا مات لیشھدوا جنازتہ یعنی نعی عربی محاورہ میں اہل علم کے نزدیک یہ ہے، کہ لوگوں میں عام منادی کرنی کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اس کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ لوگ اس میت کے جنازہ پر حاضر ہو جائیں، پھر ابراہیم نخعی کا قول لکھا ہے، کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ دار کو بتا دے، کہ فلاں شخص مر گیا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، دیگر اہل علم نے بھی یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے قریبی کو اور اپنے بھائیوں کو خبر کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے،

اس صراحت سے یہ ظاہر ہو گیا۔ کہ موت کی خبر ایک دوسرے کو بتانا تو جائز ہے، لیکن منادی بازاروں میں اور سپیکر پر کرنا منع ہے، اس سے سائل کا سوال حل ہو گیا ہے، کہ مسجد میں جو عام منادی کرتے ہیں، کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، یا فلاں شخص کا جنازہ تیار ہے،

نماز کے لئے حاضر ہو جاؤ، یہ منع ہے، اگر منادی کرنا جائز ہوتا تو اذان اور تثویب جائز کی جاتی، حالانکہ یہ فرض کفایہ ہے، اس کے لئے ندا، اذان اور تثویب مشروع نہیں کی گئی، اس لیے حضرت حذیفہ جو اعلم بالمراد ہیں، اپنی قوم کے کسی میت کی عام خبر پھیلانے سے منع کرتے تھے، چنانچہ مسند احمد جلد نمبر ۵ صفحہ ۴۰۶ باب ما جاء فی النعی المیت کے تحت یہ حدیث ہے عن حذیفة ابن الیمان رضی اللہ عنہ انہ کان اذا مات لا تؤذنوا بہ احدا انی اخاف ان یکون نعیا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینہی عن النعی"

یعنی حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے، کہ وہ جب ان کا کوئی شخص فوت ہوتا تو اس کی عام طور پر خبر نہ کرتے اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ اس نعی کی صورت اختیار نہ کر جائے جو منع ہے، کیونکہ میں نے آنحضرت سے یہ سنا ہے کہ آپ کسی کی موت کا اعلان کرنے سے منع فرماتے تھے، اب مفتی صاحب انصاف کریں کہ جب صحابی بصورت احتیاط عام خبر پھیلانے سے منع فرماتے تو لاؤڈ سپیکر کی منادی کیسے جائز ہوگی، یہ تھا محدثانہ استدلال جس سے آپ نے دور رہ کر علمیانہ جہل ردی کا طریقہ اختیار کیا کہ موت کی خبر دینی جائز ہے کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑہ آپ نے فخر ادارہ علوم اثریہ میں چھپا کر دیا، جو شان محدثانہ نہیں ہے۔

آپ یہ بھی جانئے کہ منادی اور اعلان اور اعلام اور اذان بالمیت میں بہت فرق ہے، منادی کا معنی ہے پکارنے والا، اعلان کا معنی ہے مشتہر کرنا، کھول پھیلانا، ظاہر کرنا، دونوں کا مطلب یہ ہوا کہ بازاروں میں یا لاؤڈ سپیکر پر کوئی شخص پکار کر اعلان کرے، اور خبر پھیلائے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، یا یہ کہے کہ فلاں شخص کا جنازہ تیار ہے، یا فلاں شخص وفات پا گیا، یہ نعی ممنوع ہے اعلام اور اذان بالمیت یہ ہے کہ اپنے کسی دوست یا رشتہ دار یا اپنے امام کو یہ اطلاع اور خبر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، یا یہ کہے کہ فلاں شخص کی نماز جنازہ تیار ہے، یا ایک دوسرے کو بتلانا درست ہے جن حدیثوں میں اذان بالمیت کا ذکر ہے اس سے یہی صورت مراد ہے، منادی مراد نہیں ہے، ہاں فرق تو حضرت حذیفہ نے احتیاطاً اس دوسری صورت اعلام سے بھی پرہیز کیا کہ کہیں یہ صورت اعلان ممنوعہ کی نہ ہو جائے چنانچہ لفظ انی اخاف اس مراد کا مظہر ہے، فتدبر کر دیا۔

اس لئے سائل نے کہ وہ بھی ایک عالم ہے، سوال نمبر ۱ میں یہ لکھا ہے کہ کسی کی وفات کی صرف ایک دوسرے کو خبر دینے اور بذریعہ سپیکر اعلان کرنے میں کیا فرق ہے، اور ان دونوں میں سے کون سی چیز پر عمل کرنا جائز ہے تو مفتی صاحب نے بے توجہی کرتے ہوئے اس کا جواب نہ دیا، اور صرف یہ سمجھنے پر کفایت کی کہ اس سوال کا جواب نمبر ۱ میں آگیا ہے، حالانکہ اس کا جواب بالکل نہیں آیا۔

اگر ایسا ہوتا تو سائل عارف حصاری کے پاس اس مسئلہ کا عرفان حاصل کرنے کو فتوی کیوں بھیجتا، عوام تو آپ کے فتوی سے دھوکہ یا فریب کھا سکتے ہیں، عالم کو تسلی بغیر دلیل شرعی کے نہیں ہو سکتی، حقیقت یہ ہے کہ شرعی حکم دو صورت اور ہے اور رواج عام اور ہے دیہات میں جہاں سپیکر نہیں ہے، وہاں نقارہ بجاتے ہیں یہ بھی بدعت ہے، دیہاتی مولوی اس کو بھی جائز سمجھتے ہیں کہ یہ بھی اعلام اور اذان بالمیت کی صورت ہے یہ بھی مفتی صاحب کی طرح قیاس کرتے ہیں یہ قیاس مردود ہے لفظ نقارہ بجانا بھی اعلان اور منادی میں شامل ہے جو ممنوع ہے، پھر مفتی صاحب نے ابوداؤد کے حوالہ سے حصین بن وحوح الانصاری کی حدیث پیش کی ہے اس میں بھی منادی اور اعلان کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف یہ ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قریب المرگ ہے جب یہ فوت ہو جائے تو اس کی مجھے خبر دینا یہ کسی دانشمند کے نزدیک بھی منادی نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ آنجناب نے منادی اور نعی کی تعریف کے پیش نظر جواب نہیں لکھا ہے، پھر تیسری دلیل جنگ موتہ کے شہداء کی خبر دینے کی پیش کی ہے کہ یہ بھی سوال کے مطابق نہیں ہے لفظ اذان کئی محاوروں میں مشترک ہے، لغوی معنی اس کے آگاہ کرنے کے ہیں۔ شرعی معنی یہ ہیں کہ نماز کے لئے پکارنا، جیسے صلوات خمسہ کیلئے اذان دی جاتی ہے کہ اس میں پکارنے کا مفہوم ہے، جب کسی بات کی خبر دی جائے تو اس کو بھی اذان کہتے ہیں جیسے جھاڑو دینے والی عورت کو رات کو دفن کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے فرمایا الا آذنتمونی تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی اور ایک حدیث میں ہے، فاذا فرغتن فآذننی یعنی تم میت کے غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر دینا اسی طرح شہداء کی آپ نے لوگوں کو خبر دی، نجاشی کی وفات کی خبر دی، یہ نعی ممنوع نہیں ہے، نعی کی تعریف حدیث میں نہایہ کے حوالہ سے یہ لکھی ہے، نعی المیت نعیا اذاع موتہ اخبر بہ کہ میت کی نعی یہ ہے کہ اس کی موت کا اعلان کرنا اور اس کی لوگوں کو خبر دینا پھر فتح الباری کے حوالہ سے یہ لکھا ہے، انما نهي عما كان اهل الجاهلية يصنعونه كانوا يرسلون من يعلن بخبر موت الميت على ابواب الدور والاسواق یعنی کہ زمانہ کے لوگ جو نعی کرتے تھے اس سے منع فرمایا، اور وہ یہ ہے کہ اہل میت کسی کو بھیجتے تاکہ وہ لوگوں میں عام اعلان کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے وہ لوگوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلان کرتا پھرتا، ابن عون نے کہا کہ قلت لابراهيم هل كانوا يكرهون النعي قال نعم کہ میں نے ابراہیم نخعی سے پوچھا کہ صحابہ کرام نعی کو مکروہ جانتے تھے اس نے کہا ہاں ہے، انما كان يكره ان يطاف في المجالس کہ مکروہ یہ ہے کہ منادی کو مجلسوں میں پھرایا جائے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے، اعلان اور منادی کی صورت ہے جو شرعاً منع ہے، پھر امام شوکانی نے نعی کی تین حالات بیان کئے ہیں اول یہ کہ اپنے رشتہ داروں کو اور دوستوں کو اور صالح لوگوں کو موت سے آگاہ کرنا، یہ تو سنت ہے۔ دوسرا یہ کہ اعلان کرنا کہ لوگ کثرت سے جمع ہو جائیں اور وہ فخر کریں کہ ہماری میت پر اجتماع کثیر تھا، تیسرا یہ کہ نوحہ اور بین کر کے لوگوں کو خبردار کرنا یہ دونوں حرام ہیں، پہلا جائز ہے، پہلے اعلام میں صرف ایک دوسرے سے ذکر کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص فوت ہو گیا ہے یہ اعلان عام نہیں ہے، مجمع الزوائد جلد ۳ میں ہے عن ابن عباس قال جاء رجل يؤذن بجنازة الناس فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايها الناس سلوا الى الله لموتاكم ولا تؤذنون بهم الناس رواه الطبراني في الكبير یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص جنازہ کی لوگوں میں منادی کرتا ہوا آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم اپنے مردوں کی بابت اللہ کی طرف سوال کرو اور لوگوں میں ان کے متعلق منادی نہ کرو۔

عبدالقادر عارف حصاری (تنظیم اہل حدیث لاہور جلد ۲۰ شمارہ ۳۰)

توضیح الکلام بر فتاوی علماء کرام:۔

سابق مفتی صاحب کا نظریہ درست ہے، لیکن سوال کے جواب میں تشنگی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔

سوال: میں یہ دریافت کیا گیا ہے کہ نماز جنازہ کیلئے لاؤڈ سپیکر میں اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں، کیا صحابہ کرام تابعین

اور تبع تابعین سے اعلان کا ثبوت ملتا ہے یا کہ نہیں جواب یہ تھا کہ اصل مقصد رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر صلحاء کو میت کی بخشش کی سفارش کے لئے مدعو کرنا ہے اور ساتھ ہی اہل میت کی ہمدردی، دلجوئی اور تعزیت بھی ہو جاتی ہے، باقی رہا سپیکر کا استعمال سو یہ دور حاضر کی ایجاد ہے جس کے استعمال پر علماء کرام کا عموماً اتفاق ہو چکا ہے، اور اس کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ یہ صرف جواز ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، سپیکر کے مسئلہ پر تفصیل بحث فتاوی علماء حدیث کی جلد چہارم کے صفحہ ۸، ۷، ۹، پر گذر چکی ہے جس میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمۃ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے خیالات ہیں۔

باقی محقق عارف حصاری صاحب مدظلہ کے تعاقب میں افراط و تفریط ہے، بعض ایسی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، کہ جس کے نہ صرف سابق مفتی (مولانا محمد عبداللہ صاحب) بلکہ جماعت اہلحدیث کا کوئی فرد بھی قائل نہ ہوگا۔ مثلاً گلی، کوچوں اور بازاروں میں ڈھنڈورچی بھیج کر منادی کرانا وغیرہ محترم حصاری صاحب "نعی المیت" کی جو تعریف نہایہ ابن الاثیر اور فتح الباری سے نقل کی ہے، وہ صحیح ہے، لیکن "ما نحن فیہ" سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یعنی کفر کے زمانہ میں لوگ جو نعی کرتے تھے، وہ یہ ہے کہ اہل میت کسی کو بھیجتے تاکہ وہ عامۃ الناس میں اعلان کر دے کہ فلاں شخص مر گیا ہے، وہ لوگوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلان کرتا تھا، اسی نعی کے بارے میں ابن عون نے ابراہیم نخعی سے دریافت کیا تھا کہ ھل کانوا یکرھون النعی یعنی کیا صحابہ کرام نعی کو مکروہ جانتے تھے تو ابراہیم نے جواب دیا۔ انما یکرہ ان یطاف فی المجالس۔ یعنی منادی کو مجالس میں پھرانا مکروہ ہے، منادی اور اعلان کی یہ صورت شرعاً منع ہے، پھر محقق شہیر نے نعی کے بارے میں امام شوکانی سے تین صورتیں ذکر کی ہیں، اوّل یہ کہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور دیگر صلحاء کو مطلع کرنا یہ تو درست ہے، دوم یہ کہ اعلان کرنا تاکہ لوگ بکثرت جمع ہو جائیں، اور اہل میت اس کثرت پر فخر کریں، سوم یہ کہ نوحہ اور بین کر کے لوگوں کو خبردار کرنا آخری دونوں صورتیں ناجائز ہیں سپیکر میں اعلان کرنا منادی اور ڈھنڈورہ نہیں ہے، بلکہ اعزہ و اقربا اور احباب کو اطلاع دینے کا ایک طریقہ ہے، جو پہلی صورت میں داخل اور جائز ہے۔

تعزیتی اجلاس:۔ جو عام رواج پذیر ہے، اور کچھ عرصہ سے ہماری جماعت اہل حدیث بھی اس میں مبتلا ہو گئی ہے، محل نظر ہے، وہ صرف میت کے اوصاف و محامد اور ان پر فخر و مباہات کے لیے ہی منعقد کیا جاتا ہے، واضح ہے، کہ یہ صورت جائز نہیں ہے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور سلف صالحین میں اس کی مثال نہیں ملتی حالانکہ اگر اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو صحابہ کرام حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر تعزیتی اجلاس کرتے آپ کی سیرت اور اوصاف و محامد کا تذکرہ کرتے یہ محض ایک رسم ہے خصوصاً مدعیان اتباع سنت خیر الانام علیہ وعلی اصحابہ افضل التحیات والسلام کو اس کی سنیت اور عدم سنیت پر غور کرنا چاہیئے، ہذا والسلام۔ واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب والیہ المرجع والمآب۔ حررہ علی محمد سعیدی (مرتب) ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

فقہ الحدیث کے باب میں گراں قدر اضافہ

مکتبہ سعیدیہ کی عظیم الشان پیشکش

ایک عرصہ سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ماضی کے فاضل محققین علماء اہلحدیث کی علمی و تحقیقی نگارشات کو یکجا کر دیا جائے تاکہ ہر جویائے حق بسہولت اہل علم کے مختلف نقطہ ہائے نظر بیک وقت سامنے رکھ کر راہنمائی حاصل کر سکے ۔ بنا بریں مکتبہ سعیدیہ خانیوال نے اس شدید ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اس عظیم کام کو سرانجام دینے کی ٹھان لی ۔

بحمد للہ اب تک "فتاویٰ علمائے حدیث" کی چھ جلدیں طبع ہو کر اہل نظر و فکر سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں ۔ باقی جلدیں زیر طبع و ترتیب ہیں انشاء اللہ بہت جلد اصحاب ذوق ان بکھرے ہوئے انمول موتیوں کو یکجا پائیں گے ۔ احباب سے دعا اور تعاون کی ضرورت ہے ۔

کاغذ گلیز ۔ آفسٹ طباعت ۔ رنگین ٹائٹل ۔ نفیس کتابت ۔ اعلیٰ جلد ۔

تمام خوبیوں کے باوجود قیمت جلد اول ۸/۰۰ جلد دوم ۱۶/۰۰
جلد سوم ۱۵/۰۰ جلد چہارم ۲۴/۰۰ جلد پنجم ۳۶/۰۰ جلد ششم زیر ترتیب ہے

جلد ہفتم مطبوعہ ۱۵/۰۰

علاوہ ازیں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح کی مایہ ناز کتاب
عجالہ نافعہ عربی ۔ ٹائپ ۔ قیمت ۹/۰۰

ملنے کا پتہ

مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

(شاہ اینڈ سنز پریس پرسٹ لاہور)

فتاویٰ علمائے حدیث

مولانا ابو الحسنات علی محمد سعیدی

مکتبہ سعیدیہ خانیوال

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

فتاویٰ علمائے حدیث

کتاب الصیام جلد ششم

ترتیب: ابوالحسنات علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

ناشر

مکتبہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

ماخذ فتاوی علمائے حدیث کتاب الصیام جلد ۶

نام کتاب ______ فتاوی علمائے حدیث کتاب الصیام جلد ۶
نام مرتب ______ ابوالحسنات علی محمد سعیدی خانیوال
کتابت ______ عبدالجبار ولد منیر رقم خوشنویس چک ۱۱۵ ای بی بورےوالا
طباعت ______ شاہ اینڈ سنز پریس پرنٹرز چیچی روڈ
تاریخ اشاعت ______ ۱۰ صفر ۱۳۹۶ھ مطابق فروری ۱۹۷۶ء
تعداد ______ ایک ہزار
ناشر ______ مکتبہ سعیدیہ خانیوال
قیمت ______ ۲۵/ روپے
ملنے کا پتہ ______ مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان پاکستان

مفتیان فتاویٰ جلد ۱

۱۔ شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۲۰ھ

۲۔ امام مولانا عبدالجبار امرتسری غزنوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۳۱ھ سنہ ۱۹۱۳ء

۳۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۳۷ھ سنہ ۱۹۱۸ء

۴۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۵۳ھ سنہ ۱۹۳۵ء

۵۔ مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۰۴ھ

۶۔ مولانا سید عبدالسلام محدث دہلوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۳۹ھ سنہ ۱۹۲۱ء

۷۔ مولانا عبدالجبار عمرپوری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۳۴ھ سنہ ۱۹۱۶ء

۸۔ شیخ الحدیث مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی رحمہ اللہ م سنہ ۱۳۸۱ھ۔

۹۔ سید عبدالحفیظ محدث دہلوی رحمہ اللہ م سنہ [illegible]ھ

۱۰۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۹۴۸ء

۱۱۔ مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی م سنہ ۱۳۹۴ھ

۱۲۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی گوجرانوالہ رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۷۹ھ سنہ ۱۹۵۹ء

۱۳۔ سید محمد داؤد غزنوی امرتسر لاہور رحمہ اللہ
م سنہ ۱۹۶۳ء

۱۴۔ حضرت العلام حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۸۴ھ

۱۵۔ قاضی ابواسمٰعیل یوسف حسین خانپوری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۵۲ھ

۱۶۔ مولانا محمد یونس محدث دہلوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۸۶ھ سنہ ۱۹۶۶ء

۱۷۔ مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۸۷ھ

۱۸۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۲۶ھ سنہ ۱۹۰۸ء

۱۹۔ مناظر اسلام مولانا محمد جونا گڑھی محدث دہلوی رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۶۰ھ

۲۰۔ مولانا عبدالجلیل سامرودی رحمہ اللہ م سنہ [illegible]ھ

۲۱۔ مولانا محمد یوسف جگیلوی فیروزپوری رحمہ اللہ
م سنہ ۱۳۴۸ھ سنہ [illegible]ء

۲۲۔ شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ م سنہ ۱۳۲۷ھ

۱- مولانا مولوی اسد علی رحمہ اللہ

۲- مولانا سید ابو الحسن محدث دہلوی رحمہ اللہ

۳- مولانا عبد العزیز رحمانی پوری بہاری رحمہ اللہ

۴- مولانا عبد الصمد رحمانی مفتی خانقاہ رحمانیہ مونگیر رحمہ اللہ

۵- مولانا محمد عبد اللہ عزیز مکرم ضلع ویرا گیام رحمہ اللہ

۶- مولانا عزت اللہ از جمال گنج رحمہ اللہ

۷- مولانا محمد مسلم حیر مفتی رحمہ اللہ

۸- مولانا شریف احمد حسین پوری رحمہ اللہ

۹- مولانا سیف الرحمٰن رحمہ اللہ

۱۰- مولانا محمد انور علی رحمہ اللہ

۱۱- مولانا ذو الفقار احمد رحمہ اللہ

۱۲- مولانا محمد سلامت اللہ رحمہ اللہ

۱۳- مولانا سید عبد الباری رحمہ اللہ

۱۴- شیخ محمد القاضی بھوپال رحمہ اللہ

۱۵- محمد رحمہ اللہ

۱۶- عبد الرحمٰن رحمہ اللہ

۱۷- خلیل الرحمٰن رحمہ اللہ

۱۸- سید محمد ابو الحسن رحمہ اللہ

۱۹- مولانا سید افتخار احمد سبحانی جیگڑھی رحمہ اللہ م ۱۹۶۵ء

۲۰- حافظ محمد گوندلوی مدظلہ

۲۱- مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری مدظلہ

۲۲- مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور مدظلہ

۲۳- مولانا ابو البرکات شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ مدظلہ

۲۴- مولانا عبید اللہ حنیف مدرس دار الحدیث چینیانوالہ لاہور مدظلہ

۲۵- مولانا کرم الدین سلفی دار الحدیث رحمانیہ کراچی مدظلہ

۲۶- مولانا عزیز زبیدی وار برٹن شیخوپورہ مدظلہ

۲۷- مولانا داؤد راز دہلوی مدظلہ

۲۸- مولانا محمد یحییٰ مدنی ثنا نوالہ ضلع قصور مدظلہ

۲۹- مولانا مولوی عبد الرحمٰن مدرس مدرسہ کوٹ رادھا کشن لاہور مدظلہ

۳۰- مولانا محمد یحییٰ الا عظمی عالم فاضل پروفیسر عربی کالج راند درگ مدظلہ

فہرست مضامین فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الصیام جلد ۶

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ رائے، قیاس، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں، ارشاد خداوندی ہے اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فروعی اختلاف سے دامن بچا کر صرف کتاب وسنت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والے صرف ائمہ حدیث ہیں جو اقوال الرجال کو دینی امور کے لئے ماخذ قرار نہیں دیتے۔ اصول کی بنا پر اہل حدیث کے نزدیک ہر ذی شعور مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ جملہ افراد امت کے فتاوی، ان کے خیالات کو کتاب وسنت پر پیش کرے جو موافق ہوں سر آنکھوں پر تسلیم کرے، ورنہ ترک کرے۔ علمائے حدیث کے فتاوی، ان کے مقالہ جات، بلکہ دیگر علمائے امت کے فتاوی اسی حیثیت میں ہیں اور جملہ علمائے امت نے بھی بالاتفاق یہی کہا ہے کہ ہمارے اقوال وفتاوے کو کتاب وسنت پر پیش کرو۔ اگر خلاف پاؤ تو اسے چھوڑ کر کتاب وسنت کو مقدم رکھو۔ علمائے اہلحدیث کی تحریرات فتاوے میں بھی جگہ جگہ یہی چیز آپ کو نمایاں نظر آئے گی، اکابر علمائے کا تجربہ علمی ان کے گہرے تجربات، ان کے وسیع خیالات، ان کی اسلام شناسی، ان کی تحقیق مذہبی، ان کے مقتدا ہونے یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کو ہم ان کے مقالہ جات، ان کے مضامین ان کی تصنیفات اور فتاوے ہی سے اخذ کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک بنیادی چیز ہے جس نے مجھ جیسے نااہل کو اس اہم ترین کام کے لئے آمادہ کر دیا۔ ورنہ علمی اور عملی سرمایہ کی حیثیت سے میں بالکل تہیدست ہوں، فتاوے نویسی یا کسی عالم دین کے فتاوے کی جانچ مجھ جیسے نااہل کا کام نہیں، یہ محض اللہ تعالے کا فضل وکرم ہے اور اکابر بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ ہے ؎

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام ٭ در بہارے آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

پڑھنے والوں میں اہل علم کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ جس فتاوے سے اختلاف رائے ہو اور ان کی تحقیق میں اس فتاوی کی غلطی معلوم ہو تو بجائے طعن وتشنیع کے علمائے کرام کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کی

نسیان پر محمول کریں، یہی سلف صالحین کی روش ہے اور تمام علمائے کرام کے بارے میں ایسا ہی رویہ ہونا چاہیئے، افسوس کہ جب سے امت نے اکابر کے ادب و احترام کو نظر انداز کیا قسم قسم کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئے۔ معصوم عن الخطا ہونا صرف انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے۔ پیغمبروں کے علاوہ امت میں ہر کس و ناکس سے غلطی کا امکان ہے۔ ایسا کون سا امام یا محدث اور مورخ ہے جس کی ہر بات کو امت نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو، لغزشیں ہوتی ہیں۔ اسی لئے ارشاد خداوندی ہے فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (القرآن پ)

یعنی جب کسی بات میں کسی فتویٰ میں اختلاف اور جھگڑا ہو جائے تو وہ بات یا فتویٰ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرب ہو اس پر عمل کرو، اگر تمہارا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر یقین ہے ۔

اصل دین آمد کتاب اللہ معظم داشتن ۔۔۔ پس حدیث مصطفےٰ برجاں مسلم داشتن

میں نے اسی لیے علماء کرام کے فتاویٰ کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرنا آپ کا کام ہے۔

ایک نئے اور قیمتی ماخذ کا اضافہ اور اس کا تعارف

گذشتہ سال گرمیوں میں عزیز برخوردار حافظ عبدالرشید اظہر سلمہ اللہ اپنے احباب (پروفیسر محمد سلیمان اظہر و عبدالمجید اصلاحی) کے ہمراہ اپنے بعض کاموں سے بالاکوٹ و آزاد کشمیر کے سفر وسیلۂ ظفر پر گئے۔ تو حسن اتفاق سے دو تین یوم ان کا قیام محترم قاضی محمد عبداللہ صاحب ایم اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ خانپوری آف مانسہرہ کے ہاں بھی رہا بقول ان کے انہوں نے قاضی صاحب زید مجدہ کے بیش قیمت علمی کتب خانہ سے جی بھر کر استفادہ کیا۔

قاضی صاحب کا خاندان سرحد و ہزارہ کے علاقہ میں تحریک اہلحدیث کا مرکز اور عمل بالحدیث کا واحد علمبردار ہے اور علاقہ بھر میں جہاں کہیں کتاب و سنت کی روشنی نظر آتی ہے، وہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسی عظیم المرتبت خاندان کے فیضان کا اثر ہے، ورنہ اس علاقہ میں خانقاہی نظام کا دور دورہ تھا اور دور دور تک کہیں اللہ و رسول کی بات سنانے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔

اس علمی خاندان کے اکثر بزرگوں کا سلسلہ تلمذ استاذ العرب والعجم شیخ الکل فی الکل حضرت میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے ملتا ہے، اور عملی طور پر ان کی تمام تر کوششیں شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کی تحریک کے ساتھ رہی ہیں۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر جب سرحد و ہزارہ میں تحریک اہلحدیث اور مسلک حدیث کی اشاعت کی بات چلتی ہے، تو کہا جاتا ہے کہ وہاں سید عبداللہ غزنوی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ نے یہ خدمت سر انجام دی ہے۔ سید صاحب کے تلامذہ اسی خاندان کے بزرگ ہیں یا انہیں غزنوی بزرگوں سے دلی لگاؤ ہے، اور ہمیشہ سے ان کے باہمی تعلقات رہے ہیں ان بزرگوں میں سے درج ذیل کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں،

(۱) قاضی عبدالصمد بن قاضی محمد ارشد المتوفی ۱۲۶۸ھ (شاہ اسمٰعیل شہید سے فیضیاب ہوئے)

(۲) قاضی محمد حسن بن ابی اللہ ارشد محمد گل داماد و جانشین قاضی عبدالصمد المتوفی ۱۳۱۰ھ (شاہ شہید رح سے فیض یاب ہوئے)۔

(۳) قاضی عبدالاحد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۵ ر جمادی الاخری ۱۳۲۸ھ (سید نذیر حسین محدث دہلوی، سید عبداللہ غزنوی، اور قاضی محمد حسن مذکور سے فیض حاصل کیا، میاں صاحب کے معروف شاگرد ہیں، اردو عربی میں متعدد مفید کتابوں کے مصنف ہیں)۔

(۴) قاضی محمد بن قاضی محمد حسن المتوفی ۶ جمادی الاخری ۱۳۴۸ھ / ۹ نومبر ۱۹۲۹ء مؤلف فتاویٰ وجنا عقیقۃ الرحمن (اساتذہ میں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ، سید عبداللہ غزنویؒ، سید عبدالجبار غزنویؒ، قاضی محمد حسنؒ والد خود اور مفتی عبداللہ ٹونکی قابل ذکر ہیں)۔

(۵) قاضی ابو اسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسنؒ المتوفی یکم جون ۱۹۲۳ء / ۶ صفر ۱۳۵۲ھ عربی کے بلند پایہ ادیب و شاعر تھے، مدح حدیث اور اہلحدیث میں کئی ایک قصائد لکھے، ''عون المعبود'' کی تالیف میں شریک رہے، اساتذہ میں میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی، (م ۱۳۲۰ھ) شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد حسن والد خود کے نام ملتے ہیں،

(۶) حافظ محمد غوث بن حافظ محمد حسن المتوفی ۱۳۳۳ھ (اساتذہ سے صرف مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام مل سکا)۔

اس وقت اس عظیم خانوادے کی علمی وعملی یادگار محترم قاضی عبداللہ صاحب مدظلہ دائم۔ لیے سا ایل بیاہ
بی علیگ) بقید حیات ہیں اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے، موصوف زبردست عالم اور بلند پایہ اخلاق
کے حامل ہیں، موصوف سےان چھ بزرگوں کے حالات پر فتح الغفور فی تراجم علماء خانغور، لکھی جو طباعت
کے لئے کسی صاحب نظر کی منتظر ہے،

ان بزرگوں کا مناظروں اور مناقشوں کا دور تھا۔ ان کی تصانیف میں بھی مناظرانہ رنگ غالب ہے صوفیاکی
صاعقۃ الرحمان علی حزب الشیطن، بھی کسی فتاوی کا رد ہے، اور انتہائی ٹھوس اور مدلل ہے،

انشاءاللہ مکمل مسودہ علی الترتیب فتاوی علماء حدیث، کی جلدوں کی مناسبت سے ہدیۂ قارئین کر دیا
جائے گا، آخر میں ہم محترم قاضی عبداللہ صاحب، مدظلہ کے بے حد شکر گزار ہیں، کہ ان کی عنایت سے یہ
علمی و تحقیقی مواد گوشۂ گمنامی سے نکل کر قارئین تک پہنچا، نیز برخوردار حافظ عبدالرشید کے کہ انہی
کی وساطت سے ہماری رسائی ہوئی، اور انہوں نے نہ صرف مطلوبہ حصہ نقل کر دیا، بلکہ اسے اردو
میں بھی منتقل کر دیا،

اللہ رب العزت سب کو عمل صالح کی توفیق بخشے، آمین،

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ
خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

علی محمد سعیدی
جامعہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان

فتویٰ پوچھنے کا طریقہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عقد الجید میں لکھا ہے ، فَکَانَ وَظِیْفَۃُ اَنْ یَّسْاَلَ فَقِیْہًا مَا حُکْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسْئَلَۃِ کَذَا وَکَذَا فَاِذَا اُخْبِرَ یَتَّبِعُہٗ ۔ یعنی عامی کا شیوہ یہ ہے ۔ کہ کسی عالم سے پوچھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے ۔ جب خبر پاوے اس پر عمل کرے ۔

فتویٰ دینے کا طریقہ

حضرت امام غزالی رحمہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے ، اگر پوچھا جاوے عالم سے وہ مسئلہ جس کو بتحقیق وہ جانتا ہے ۔ ساتھ حکم قرآن شریف یا حدیث شریف کے یا اجماع کے یا قیاس روشن مجتہد کے تو فتوے دیوے اور اگر پوچھا جاوے وہ مسئلہ جس میں اس کو شک ہو تو کہدے کہ میں نہیں جانتا ۔

فتویٰ پر عمل کرنے کا طریقہ

شیخ ابن عربی رحمہ نے فتوحات میں لکھا ہے ، کہ اگر تجھ کو مفتی بتلاوے کہ تیرے مسئلہ میں اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے ۔ تو اس کو پکڑ لے اور اگر کہے کہ میری رائے یہ ہے تو مت پکڑ اور کسی اور مفتی سے پوچھ لے اور اگر مسئلہ اجتہادی ہے ، تو شرح ہدایہ میں لکھا ہے ، جب مسئلہ پوچھا دو مجتہدوں سے اور انہوں نے فتوے مختلف دیا ۔ تو بہتر یہ ہے کہ جس پر دل کا میلان ہو اس پر عمل کرے

فتاویٰ علمائے حدیث

جرائد و رسائل اور اہل علم کی نظر میں

تبصرہ محدث لاہور
از مولانا عزیز زبیدی

شرعی مسائل میں علمائے کرام کے جوابات کا نام فتویٰ ہے۔ ان کی حیثیت مشورہ رائے اور رہنمائی کی ہوتی ہے۔ ان کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں سرکاری حیثیت میں عدالتیں جو فیصلے سناتی ہیں، ان کو ایک قانونی حیثیت بھی حاصل ہو جاتی ہے، گو علماء کرام کے فتووں کو قانونی درجہ حاصل نہیں رہا، تاہم امت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے انہی سے زیادہ کام لیا گیا ہے، اور ملت اسلامیہ نے بھی انہی سے زیادہ استفادہ کیا ہے، کیونکہ یہ بلا مشقت مل جاتے ہیں، عدالتی نظام پر بعض اوقات غیر صالح حکمرانوں کی سرکاری دلچسپیاں اور ججوں کے ذاتی مصالح بوجھ بن جاتے ہیں، اس لئے عوام نے ان کی طرف بہت کم رجوع کیا ہے، اس سلسلے میں انہی بوریہ نشینوں کو سواد اعظم کا جتنا اعتماد حاصل رہا ہے، سرکاری عدالتوں کو نہیں رہا، بلکہ یہ عدالتیں بھی ہمیشہ انہی مبارک ہستیوں کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں۔ فتاویٰ کا یہ سلسلہ نزول وحی کے وقت سے جاری ہے، قرآن حکیم اور احادیث پاک میں یہ کثرت سے ملتے ہیں، اس کے بعد صحابہ تابعین اور دوسرے علمائے حق کے جو فتاوے منظر عام پر آئے ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے، تو ایک دفتر بے پایاں جمع ہو جائے۔ بہر حال ہمارے نزدیک وہ فتاوے بالخصوص محفوظ کرنے کے قابل ہیں، جو مختلف شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کی بنیاد پر مبنی نہیں، بلکہ کتاب و سنت اور تعامل صحابہ سے ماخوذ ہیں، کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی میراث اور امانت ہیں، زیر تبصرہ فتاوے بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی ہے، ان فتاووں کے مطالعہ سے رہنمائی کے علاوہ کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے، اور انسان اس چاشنی سے شاد کام بھی ہوتا ہے، جو جعلی وساطتوں کے چکروں میں پڑ کر حاصل نہیں ہو سکتی فاضل مرتب حضرت مولانا علی محمد سعیدی کے علم و عمل اور مساعی جمیلہ میں اللہ

برکت دے۔ انہوں نے ان مبارک فتاووں کو یکجا کر کے ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے یہ وہ امانت ہے، اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جاتی، تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوتا، علاوہ موصوف نے جن فتاووں (مرتب یا غیر مرتب) کو جمع کیا ہے، ان کے نام یہ ہیں،

(۱) فتاوی عزیزیہ (۲) فتاوی نذیریہ

(۳) فتاوی شیخ حسین عرب (۴) فتاوی غزنویہ

(۵) مجموعہ فتاوی نواب صدیق حسن خاں (۶) فتاوی ثنائیہ

(۷) فتاوی ستاریہ (۸) فتاوی مولانا عبدالجبار غزنوی

(۹) فتاوی دلیل الطالب (۱۰) فتاوی تنظیم اہلحدیث

(۱۱) فتاوی الاعتصام (۱۲) فتاوی اہلحدیث سوہدرہ

(۱۳) فتاوی اہلحدیث دہلی (۱۴) فتاوی ترجمان اہلحدیث دہلی

(۱۵) فتاوی گزٹ اہلحدیث دہلی (۱۶) فتاوی محدث دہلی

(۱۷) فتاوی قوانین فطرت (۱۸) فتاوی صحیفہ اہلحدیث کراچی

ان کو جمع کرنا اور منتشر مواد کو فراہم کرنا آسان بات نہیں ہے۔ خدا جانے موصوف کو اس کے لئے کتنی محنت اور زحمت اٹھانا پڑی ہوگی، خاص کر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے، کہ موصوف نے یہ تمام مساعی جمیلہ محض اللہ کے سہارے پر انجام دی ہیں،

اب وقت حالات اور دینی حمیت کا تقاضا ہے، کہ ان کی نشر و اشاعت میں کھل کر ان سے تعاون کیا جائے، ان فتاووں میں اختلاف آراء بھی پایا جاتا ہے، جو علمی استعداد کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے، اس سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نوع بہ نوع دلائل اور اسلوب استدلال کے نظارہ سے علم و تحقیق کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

تبصرہ "المعارف" از مولانا محمد اسحٰق بھٹی

فتاوی علماء حدیث کا حصہ دوم پیش نگاہ ہے، جو کتاب الصلوۃ پر مشتمل ہے، اس میں نماز کے بارے

میں تمام ضروری مسائل مع علماء کرام کے فتاوی اور مفصل حوالوں کے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں جن علماء عظام کے فتاوی درج کیے گئے ہیں، ان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمد عبدالحی لکھنوی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق ڈیانوی، (صاحب عون المعبود) مولانا سید شریف حسین محدث دہلوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا خرم علی بلہوری، مولانا عبدالجبار غزنوی، سید سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ثناءاللہ امرتسری، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ، مولانا عبدالحق ملتانی، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی، مولانا محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ، مولانا عبدالجلیل سامرودی، کے اسماء گرامی خصوصیت سے لائق ذکر ہیں،

کتاب اپنے موضوع میں بڑی اہم ہے، اور اس میں نماز سے متعلق پیش آمدہ ہر مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے، اور اس سلسلے میں فاضل مرتب کو مذکورہ بالا اصحاب افتاء میں سے جس مفتی کا جو فتوی ملا اس میں درج کر دیا، جس سے کتاب کی فقہی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے،

ایک خاص موضوع کے متعلق مختلف کتب و رسائل میں بکھرے ہوئے، فتاوی کو یک جا خاص ترتیب کے ساتھ جمع کرنا بہت مشکل، اور محنت طلب کام ہے، جو مرتب کتاب مولانا علی محمد سعیدی نے بڑی خوبصورتی، اور عمدگی سے سرانجام دیا ہے، یہ ایک خدمت دین ہے، ہم اس پر مرتب موصوف کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اپنے اسلاف کے ان علمی اور فقہی کارناموں کو وہی شخص یک جا کر سکتا، اور ان کو موضوع وار ترتیب دے سکتا ہے، جو خالص علمی ذوق کا حامل ہو، خوشی کی بات ہے، کہ اس کتاب کی ترتیب میں یہ خوبی موجود ہے، کتاب میں متعدد مقامات پر ان کے حواشی ہیں، جو کتاب کی افادیت میں مزید اضافے کا باعث ہیں،

نماز کے بعض مسائل کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور عالم و فقیہہ شیخ جلال الدین احمد جہا نیاں جہاں گشت۔ شیخ محمد ارشد جونپوری
شیخ محمد رشید عثمانی جونپوری۔ شیخ احمد امیٹھوی۔ اور مرزا مظہر جان جاناں کے
فقہی مسلک کی وضاحت کی گئی ہے!

المعارف لاہور جلد ۸ شمارہ ۹ صفحہ ۱۰۵
برائے اگست و ستمبر ۱۹۷۵ء

ترجمان الحدیث لاہور برصغیر پاک و ہند میں علماء حدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے۔ وہ محتاج تعارف نہیں۔ مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں سے ایک شعبہ فتاوی کا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے فقہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ بعد میں شاہ ولی اللہ کے زیر اثر پروان چڑھنے والی اہل حدیث کی تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے ابھارا اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے۔ دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتاء کے جواب میں براہ راست کتاب و سنت کے دلائل پیش کیے۔

بعد میں لوگوں نے ان کے ان فتاوے کو جمع کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان سے استفادہ کر سکیں چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا مجموعہ فتاوے نذیریہ تھا۔ جو شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی یا ان کی تصدیقات پر مشتمل تھا۔ اور آخری مجموعہ فتاوی ثنائیہ تھا، جو شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیقات پر مشتمل تھا۔

ان مجموعوں کے علاوہ کچھ دیگر جلیل القدر علمائے حدیث ایسے بھی ہیں جن کے فتاوی ہنوز جمع نہیں ہوئے اور یہ گراں قدر گوہر پارے جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ "فتاوے علمائے حدیث" انہی بکھرے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں پرونے کی مخلصانہ کوشش ہے جس پر ہم اپنی جماعت کے مخلص اور گوشہ نشین عالم مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مولانا سعیدی نے اس مجموعہ میں مسائل زکوٰۃ پر بڑی محنت سے اکابر علمائے حدیث کے فتاوے کو جمع کر دیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے مجموعہ ہائے فتاوے مثلاً فتاوی نذیریہ فتاوے غزنویہ، فتاوے ثنائیہ، فتاوے ستاریہ سے لے کر تنظیم اہل حدیث، اہل حدیث سوہدرہ، اہل حدیث دہلی

اہلحدیث گزٹ، اخبار محمدی تک کو چھان مارا ہے۔
اور یقینی طور پر مسائل کے تقریباً تمام گوشوں پر کتاب وسنت کی روشنی میں دلائل وبراہین کے ساتھ پیش وافادہ مسائل اور سوالات کے حل اور جوابات مہیا کر دیے ہیں۔
مولانا سعیدی نے اس کتاب کی طباعت وکتابت کی خوبصورتی اور نفاست میں کوئی کوتاہی نہیں برتی اور اسے سفید کاغذ پر حسین وجمیل انداز میں قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔
ہم تمام قارئین "ترجمان اہل حدیث" سے استفادہ کی سفارش کرتے ہیں۔

الاعتصام لاہور برصغیر پاک وہند میں علماء اہلحدیث کی گرانقدر علمی ودینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو ابھی تک کسی بالغ نظر اور دیدہ ور مؤرخ کی نگاہ والتفات کا منتظر ہے۔ ان میں سے ایک اہم گوشہ فتاویٰ نویسی ہے۔ اس میں بھی علمائے اہلحدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے برصغیر ہند میں قرآن وحدیث پر مبنی دلائل پر فتوے نویسی کو رواج دیا۔ اور اس ذوق کو عام کیا ورنہ عام طور پر صرف فقیہ حوالوں پر مبنی فتووں کا رواج تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ ان حضرات علمائے ان کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں رکھا نہ ان کی وفات کے بعد ان کے اسلاف نے ان کے ذخیرہ علمی کو جمع کرنے میں خاص سرگرمی دکھائی، نتیجۃً اس طرح بہت سی علمی وقیمتی تحریرات ودستاویزات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ آج ہمارے اسلاف کے جو علمی نوادرات بچیا ہیں۔ وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو ان کے ذہن وقلم سے نکلے مثلاً شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے ایک فاضل شاگرد مولانا سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی قابل قدر کتاب "نزہۃ الخواطر" میں ہے۔ اما الفتاوی المتفرقۃ التی شاعت فی البلاد فلا تکاد ان تحصی ولعلہا لجمعت لبلغت الی مجلدات ضخام ان کے صرف وہ فتاوے متفرق ہی جو مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حیطہ شمار سے باہر ہیں اگر وہ جمع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدیں بنتی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص۵۰۵ طبع حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء)
حضرت میاں صاحب کے فتووں کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے علمائے حدیث کی علمی کاوشوں کا حشر ہوا۔ ہمارے دور کے حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی کو فتوے نویسی میں جو کمال حاصل تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔ انہوں نے بھی اپنی زندگی میں بکثرت فتوے لکھے تھے۔ زیر تبصرہ کتاب بھی علماء اہلحدیث کے فتووں پر مشتمل ہے۔ جو مولانا شرف الدین محدث دہلویؒ کے ممتاز شاگرد مولانا علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نے مرتب کئے ہیں اس میں حضرت میاں صاحب، مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا شرف الدین محدث دہلوی، مولانا ثناء اللہ صاحب محدث امرتسری، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی مدظلہ العالی، حضرت مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی دام فیضہ، مولینا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی اور دیگر علمائے مرحومین و موجودین کے فتاویٰ شامل ہیں۔

یہ حصہ کتاب الزکوٰۃ پر مشتمل ہے جس میں زکوٰۃ کے متعلق تقریباً تمام مسائل پر عالمانہ و محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیش کیا گیا ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اسی طرح دوسرے حصے بھی جلد منظر عام پر آجائیں گے۔

مولانا سعیدی کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے ایک عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ قارئین "الاعتصام" سے بھی التماس ہے کہ وہ اس کارِ خیر میں ناشر سے تعاون فرمائیں۔ اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت عمل میں لائیں۔

اہلحدیث لاہور ؛ ابوالحسنات مولانا علی محمد سعیدی ہماری جماعت کے محقق بزرگ اور وسیع النظر اہل علم ہیں۔ انہوں نے گوشہ نشینی میں رہ کر ہی کتاب و سنت کی تعلیمات کو بڑے حسین انداز میں لوگوں تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس دینی کام میں ان سے تعاون کرنا ہمارا اولین فریضہ ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث کتاب الزکوٰۃ پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر "ترجمان الحدیث" نے درست لکھا ہے کہ "برصغیر پاک و ہند میں علمائے اہلحدیث نے قرآن و سنت کی جس قدر خدمت کی ہے وہ محتاج تعارف نہیں، مذہب کا کوئی شعبہ نہیں جس میں ان کے نقوش سورج کی طرح روشن و تاباں نہ ہوں۔ ان ہی شعبوں میں ایک شعبہ فتاوے تھا جو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تحریک سے قبل تو لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے فقہ سے سرِمو تجاوز نہ کرتے تھے اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والی اہلحدیث تحریک نے اس بات کو لوگوں کے سامنے اجاگر اور واضح کیا کہ اسلام میں حجیت اور استناد اگر کسی کو حاصل ہے تو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہے دوسری کسی چیز کو نہیں، چنانچہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہوں نے استفتار کے جواب میں براہِ راست کتاب و سنت سے دلائل پیش کیے۔"

زیر تبصرہ فتاوے کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے، جو کتاب و سنت کی روشنی میں پانی، قضاء الحاجت، مسواک، حیض و نفاس، وضوء، مسح، تیمم اور غسل کے تمام مسائل پر حاوی ہے، فاضل مرتب مبارکباد

۔ بحمداللہ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ حصہ اول و دوم طبع ہو کر اہل نظر و فکر سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ جلد پنجم طبع ہو چکی ہے۔

کے مستحق ہیں، کہ انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے فتاویٰ نذیریہ قلمی و مطبوعہ، فتاوے عزیزیہ، فتاویٰ غزنویہ اور مجموعہ فتاوے نواب صدیق حسن خاں سے لے کر فتاوے تنظیم اہلحدیث، فتاوے الاعتصام اور فتاویٰ محدث تک سے یہ پھول چن چن کر گلدستہ تیار کیا ہے۔

مولانا سعیدی صاحب بڑے باذوق عالم ہیں، ان میں اعلیٰ ذوق کی جھلک کتاب کی طباعت و کتابت سے نمایاں ہے۔ ہم تمام قارئین اہلحدیث سے گزارش کریں گے کہ وہ ضرور اس سے استفادہ کریں۔ نیز ہر لائبریری میں ایسی کتابوں کا ہونا اشد ضروری ہے۔

تقریظ شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا سلطان محمود صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

الحمد للہ وحدہ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔ اما بعد! "فتاوے علمائے حدیث" مرتبہ مولانا ابو الحسنات علی محمد صاحب سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال نظر سے گزرا۔ بعض مقامات کا مطالعہ بھی کیا۔ اسلاف علماء حدیث کا بہترین مجموعہ پایا۔ اگر جمع و ترتیب کے اس انداز کو اپناتے ہوئے اس کام کو مکمل کر لیا گیا تو جماعت کے لیے علم کا بہت بڑا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ جو ایک طرف عوام کے لیے نور بصیرت ثابت ہوگا۔ تو دوسری طرف خواص بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ مولانا سعیدی صاحب کی اس سعی کو قبول فرمائے اور تکمیل کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین مولانا کی یہ کوشش ایسی ہے کہ بے ساختہ منہ سے یہ دعا نکلتی ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ فقط والسلام سلطان محمود معلم والجامعۃ السلفیۃ لائلپور ۲۱ فروری ۱۹۷۴ء

تقریظ حافظ بنیامین صاحب سابق نائب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ لائلپور

"فتاوے علمائے حدیث" ایک نادر مجموعہ ہے۔ جس کی تالیف پر مولانا علی محمد صاحب سعیدی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بہت محنت کی ہے۔ اور منتشر فتاوے سے نذرانہ پیش کیا ہے۔ آئندہ نسل پر ان کا احسان عظیم ہے۔ کہ وہ اس کو دیکھ کر اپنے سلف کے طریق کار کو مشعل راہ بنائیں گی کہ ان کی نظر میں مسائل کا آخری حل کتاب و سنت تھا خواہ اس کے خلاف کسی بڑے سے بڑے کا قول ہی کیوں نہ ہو، وہ متروک ہوگا۔ محترم مؤلف نے ہر مسئلہ پر ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر میں جو صحیح ہے اس کی تصدیق کی ہے۔ جو ایک محقق عالم کے لیے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ خاص کر اس دور میں جب کہ جدید علماء کم علمی اور بے بضاعتی کا شکار ہیں۔ اس فتاوے کا ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ تاکہ تحقیقی مسائل سے واقفیت حاصل ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس عظیم کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(شیخ الحدیث مولانا حافظ) بنیامین (صاحب) مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

چند ضروری باتیں

"شروط المفتی"

امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مفتی میں درج ذیل پانچ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱ :۔ مفتی کی نیت خالص ہو۔ اگر یہ نہ ہوا تو وہ خود بھی نور سے محروم رہے گا، اور اس کا کلام بھی۔

۲ :۔ مفتی صاحب علم و حلم اور وقار و سکینت سے متصف ہو۔

۳ :۔ خود کفیل اور مستغنی ہو۔ ورنہ وہ لوگوں کے مطاعن و شبہات بن جائے گا۔

۴ :۔ اس کا علم مضبوط ہو اور وہ پیش آمدہ مسئلہ کے تمام اطراف پر خوب نظر کر سکتا ہو۔

۵ :۔ لوگوں کی ذہنیت اور دیگر کوائف سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہو۔[1] امام احمد رحمہ اللہ کے صاحبزادے صالح امام سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، وہ جو شخص منصب افتاء پر فائز ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ علوم قرآن کا ماہر ہو۔ اسانید صحیحہ سے پوری طرح واقف ہو۔ سنن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم ہو۔[2]

اصول الافتاء

"در فتاوی امام احمد بن حنبل کے پانچ اصول"

(۱) :۔ نصوص

جب امام احمد کو نص مل جاتی اس کے بموجب فتویٰ دیتے اور کسی دوسری چیز کی طرف دھیان نہ دیتے کہ کون اس کی مخالفت میں ہے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے فتاویٰ پر بھی وہ نص کو مقدم رکھتے تھے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں۔

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۴ صفحہ ۱۹۹۔

[2] اعلام جلد ۴ صفحہ ۲۰۵۔

(۲)۔ فتاویٰ صحابہ کرام

اگر انہیں کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا، اور اس کے خلاف کوئی دوسرا فتویٰ ان کے علم میں نہ ہوتا۔ تو اس پر اکتفا کرتے تھے۔ ایسے فتوے کو وہ اجماع نہیں قرار دیتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ تعبیر میں احتیاط کرتے تھے۔ لہٰذا ایسے موقع پر وہ فرمایا کرتے تھے اگر میرے علم میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو اسے دفع کرتی ہو۔

(۳)۔ اختلاف صحابہ کا فیصلہ

اگر کسی مسئلہ میں صحابہ مختلف الرائے ہوتے تو ان میں سے وہ قول قبول کر لیتے جو کتاب و سنت سے اقرب ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہو سکتی تو ان کا اختلاف ذکر کر دیتے لیکن کسی صورت بھی اقوال صحابہ سے خروج نہ کرتے

(۴)۔ حدیث مرسل

وہ مرسل اور ضعیف حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔ اگر مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں مرسل اور ضعیف حدیث کو وہ قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔ یاد رہے کہ یہاں ضعیف حدیث سے مراد باطل اور منکر حدیث نہیں ہے، جس کی سند میں کوئی متہم راوی ہو جو قابل حجت نہ ہو سکتا ہو۔ امام موصوف حدیث کو صحیح، حسن اور ضعیف کی بجائے صحیح اور ضعیف کی طرف تقسیم کرتے تھے۔

(۵)۔ قیاس

اگر کسی مسئلے میں امام احمد کو نص نہ ملتی نہ کسی صحابی کا قول دستیاب ہوتا اور نہ کوئی مرسل یا ضعیف حدیث ہاتھ آتی تو قیاس سے کام لیتے تھے لیکن قیاس کا استعمال وہ خاص اور شدید ضرورت کی صورت میں کرتے تھے۔

اھ ملخصاً اعلام الموقعین ص ۲۹ تا ۳۲ ج ۱۔

اقسام المفتیین

حافظ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ م ۷۵۱ھ نے مفتی کے چار درجے مقرر کئے ہیں

(۱) مجتہد مطلق

جو کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سے بخوبی واقف ہو۔ پیش آمدہ مسائل کے احکام میں اجتہاد کر سکتا ہو۔ اور ادلۂ شرعیہ کی بنا پر استخراج مسائل کی قدرت رکھتا۔

جمہور حنابلہ کا اتفاق ہے کہ مجتہدین کا یہ فریق امت میں ہمیشہ اور ہر دور میں موجود رہتا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:۔

"یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (ابوداؤد مع عون ج ۴ ص۱۸۲)۔ ہر صدی کے آغاز میں اللہ تعالے اس امت کے لئے ایسا شخص مبعوث کرے گا۔ جو تجدید دین کا فرض انجام دے گا۔ انہی لوگوں کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔ خدا کی یہ سرزمین ایسے شخص سے کبھی خالی نہیں ہو سکتی جو اللہ کی حجت قائم کرنے کا فرض انجام دیتا ہے"

(۲) مجتہد فی المذہب (منتسب)

دوسرا درجہ ان مفتیوں کا جن کا اجتہاد ان معاملات و مسائل تک مقید ہوتا ہے، جو امام نے اختیار کئے ہیں۔ یہ ان کے فتاویٰ، اقوال اور مآخذ کی معرفت تک ہی اپنے اجتہاد کو مقید رکھتے ہیں۔ یہ امام کے قائم کردہ اصولوں سے انحراف نہیں کر سکتے۔ ان کی معرفت بھی انہی حدود تک قابل تسلیم

ہوتی ہے۔ یہ اپنے امام کے اقوال اور اصولوں سے تخریج کا کام لے سکتے ہیں،
یا پھر جس معاملہ میں امام سے کوئی نص وارد نہ ہو تو اس کے بارے میں امام
ہی کے اقوال پر قیاس سے کام لے سکتے ہیں۔ یہ لوگ حکم اور دلیل میں امام
کے مقلد محض نہیں ہوتے۔ لیکن یہ گروہ اپنا دائرہ اختیار اپنے امام ہی کو
بناتا ہے، کیونکہ امام کے اصول و مآخذ اور فتاویٰ کے مصادر کی طرف
مراجعت سے ان کو یقین ہوا کہ امام کا اجتہاد درست ہے، اور یہ سب کچھ دلیل
و برہان سے ہی ان کو معلوم ہوا نہ کہ جہل و تقلید سے یا مجرد اتباع کے
باعث ۔ یہ لوگ مقلد محض نہیں ہوتے۔

(۳) مخرج

جو اپنے امام کی دلیلوں سے باخبر ہو۔ اور اس کے فتاویٰ و اصول کی معرفت رکھتا
ہو۔ یہ ان اقوال و فتاویٰ سے تجاوز نہیں کرتا۔ جب امام کی نص اس کے سامنے
ہو تو یہ اس کے خلاف نہیں جاتا۔ اور اگر کسی مسئلہ میں امام کی نص اسکو نہ ملے
تو وہ ملتی جلتی کسی فرع کو سامنے رکھ کر تخریج سے کام لے گا۔ اس کو اس سے
کام نہیں ہوتا کہ شریعت اسلامی کے وہ مصادر اولیٰ اس سلسلے میں کیا
کہتے ہیں جنہیں اس امام نے اپنا اصول بنایا تھا۔ جس کی یہ تقلید کرتا ہے، یہ
فرع کے لئے مشابہ فرع تلاش کرتا ہے، گویا جس فرع پر امام نے فتویٰ دیا تھا
اس کے نزدیک وہی اصل ہے، جس اب یہ حکم کا استخراج کرے گا۔ اور قیاس
سے کام لے گا۔ یہ بہر حال اس طریقہ سے تجاوز نہیں کرتا ــــــ دوسری جگہ
اس قسم لکھتے ہیں ــ افسوس ان لوگوں کی پست ہمتی پر جو اپنے امام
ہی کو در علم امت پر قرار رکھنے پر قانع ہو کر بیٹھ رہے۔

(۳) وہ   **مقلد محض**

جو اپنے امام کے مذہب پر تفقہ حاصل کرتے ہیں۔ ان کے فروع اور فتاویٰ حفظ کرتے ہیں، یہ بالفاظ دیگر صحیح معنوں میں مقلد محض ہوتے ہیں ان کی زبان پر اگر کبھی کتاب وسنت کا نام آتا ہے تو وہ تبرک کے طور پر نہ احتجاج اور عمل کے اصول پر ان کے پیش نظر اگر کوئی صحیح حدیث ہو لیکن امام کا قول اس کے مخالف ہو تو یہ حدیث کو ترک کر دیں گے، اور قول امام اختیار کریں گے۔ یہ اگر دیکھیں۔ کہ ایک مسئلہ میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور دیگر صحابہ کا متفق فتویٰ موجود ہے، اور ان کے امام کا فتویٰ اس کا مخالف ہے تو یہ اپنے امام کے فتویٰ پر عمل کریں گے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے فتویٰ کو یہ کہتے ہوئے ترک کر دیں گے کہ امام ہم سے دانا و بینا عالم ہے ہم تو اس کی تقلید کرتے ہیں۔ اور اس راہ سے ہم کسی طرح تجاوز نہیں کر سکتے اس نے جو مسلک اختیار کیا اس کی صحت کا وہ ہم سے زیادہ رمز شناس ہے۔ ایسے تکلف کرنے والے اور پست ہمت لوگوں کا یہی حال ہے۔" ھ

ملخصاً۔ اعلام الموقعین صفحہ ۲۱۲ جلد ۴ تا صفحہ ۲۱۴ جلد ۴   (ظہیر)

"سائلین دو طرح کے ہیں، مفتی کو چاہیئے کہ فتویٰ سائل کے مسلک کو سامنے رکھ کر دے۔ ابن قیم رقم طراز ہیں ___ یا تو سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ صورت مسئولہ میں خدا و رسول کا کیا حکم ہے، اور صحیح صورت مسئلہ کیا ہے؟ یا پھر وہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کے بارے میں امام کا فتویٰ کیا ہے، پس اگر سائل خدا و رسول کا حکم جاننا چاہتا ہے تو پھر مفتی کو چاہیئے کہ وہی فتویٰ دے جو اس کے نزدیک دلیل پر مبنی ہو۔ اور اگر سائل مسئلہ زیر بحث میں امام کی رائے اور فتویٰ معلوم کرنا چاہتا ہے، تو پھر مفتی کو چاہیئے کہ وہ امام کی نص سائل کے سامنے پیش کر دے۔ والامر عند اللہ۔

بقیہ صفحہ ۱۲

افتتاحیہ

بصیام الرسول

(از)

مولانا سید اقتدار احمد صاحب سہسوانی صدر انجمن اہل حدیث علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رمضان کا بیان

رمضان کے مہینہ میں قرآن مجید اترا[1] اس مہینہ میں شب قدر ہے جس کی اندر عبادت کرنا ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے[2] اس مہینہ کے پورے دنوں روزے رکھنا فرض ہیں[3] اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھل جاتے اور دوزخ کے دروازے بند اور شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں[4] رمضان کی پہلی رات کو دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جو نہیں کھلتے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جو بند نہیں ہوتے[5] رمضان میں نفل عبادت کا ثواب فرض کے برابر ہے[6] رمضان میں فرض عبادت کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے[7] رمضان میں مومن کا رزق زیادہ ہوتا ہے[8] جو کوئی کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا شربت یا پانی سے افطار کرا دے اسے روزہ کا ثواب ملتا ہے گناہوں کی بخشش دوزخ سے نجات ہوتی ہے[9]

---

[1] قرآن مجید [2] قرآن مجید [3] قرآن مجید بخاری مسلم [4] بخاری مسلم [5] ابن ماجہ ترمذی مسند احمد [6] بیہقی مشکوٰۃ [7] مشکوٰۃ بیہقی [8] بیہقی مشکوٰۃ [9] مشکوٰۃ بیہقی۔ مشکوٰۃ بیہقی۔

رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے۔[1] مکہ میں رمضان گزارنا ایک لاکھ رمضان کے برابر ہے[2]
رمضان کی خیرات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخش دیتا ہے[3]۔ جنت رمضان کے لئے سال بھر
تک سجائی جاتی ہے[4]۔ اول رات میں اللہ تعالیٰ بندوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتا اور عذاب
سے نجات دیتا ہے[5] رمضان میں اللہ کا ذکر کرنے والا بخش دیا جاتا ہے[6] اور دعا قبول ہوتی ہے[7]۔
جو کوئی اپنے نوکروں چاکروں سے کم کام لے گا اللہ اسے بخش دے گا اور دوزخ سے نجات دیگا[8]
اس مہینہ میں کا اول رحمت۔ درمیان بخشش۔ آخیر دوزخ سے آزادی ہے[9]۔ جو کوئی کسی روزہ دار
کو پیٹ بھر کر کھلائے اللہ اسے ایسے حوض سے پلائے گا جو کبھی پیاسا نہ ہوگا[10]۔ رمضان کے
پہلے دن سے ہوا چلتی ہے جو جنت کے پتوں سے گذر کر حوروں پر جاتی ہے تو حوریں کہتی ہیں
اے اللہ! ہمارے لیے شوہر بنا جن سے ہمیں ٹھنڈک ہو اور انہیں ہم سے ٹھنڈک ہو۔[11]

روزہ دار کا بیان

جس شخص نے ایمان اور ثواب کے لئے روزہ رکھا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو گئے[12] ہر اچھے کام کا بدلہ دس گنے
سے ہزارات سو گنے تک ملتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ روزہ خاص میرے لئے ہے اور
میں ہی اس کا بدلہ دوں گا[13]۔ روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت ایک اللہ تعالیٰ
کے دیدار کے وقت[14] روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ اچھی ہے۔[15]
روزہ گناہوں کے لئے ڈھال ہے[16]۔ روزہ آدھا صبر ہے۔ اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔[17]
افطار کے وقت دعا جلد قبول ہوتی ہے[18]۔ بہشت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک ریان
ہے جو صرف روزہ داروں کے لیے ہے[19]۔ روزہ دار کی بخشش کے لئے روزانہ ستر
ہزار فرشتے دعا کرتے ہیں[20]۔ روزہ دار جنت میں ریان دروازے سے داخل ہونگے[21]

---

[1] مسلم۔ بخاری [2] ابن ماجہ [3] مسند احمد [4] ابن حبان [5] بیہقی [6] طبرانی۔ [7]
بیہقی۔ مشکوٰۃ [8] مشکوٰۃ بیہقی [9] مشکوٰۃ بیہقی [10] شعب الایمان بیہقی [11] بخاری۔ مسلم
[12] بخاری مسلم [13] بخاری مسلم [14] بخاری مسلم [15] بخاری مسلم [16] مشکوٰۃ [17] بیہقی [18] [illegible]

روزہ دار اور دوزخ کے درمیان زمین و آسمان سے زیادہ دوری ہو جاتی ہے[1]

روزہ کا بیان

روزہ ہر مرد اور عورت پر فرض ہے[2]۔ رمضان کے پورے مہینہ روزے رکھنا فرض ہیں[3]۔ جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے اس پر روزے فرض ہیں[4]۔ صبح سے غروب آفتاب تک روزے کے ارادہ سے کھانے پینے اور جماع سے بچنا روزہ ہے[5]۔ فرض روزہ کے لیے رات سے ارادہ ضروری ہے[6]۔ روزہ صرف نفل کا ہے[7]۔ استقبال کے روزے یا روزہ رکھنا حرام ہے[8]۔ جو شخص پورے مہینہ کے روزے رکھتا ہو۔ یا ان دونوں میں رکھتا ہو اُسے رمضان سے پہلے روزے رکھنے کی اجازت ہے[9]۔ رات کو کھانا پینا وغیرہ منع نہیں[10]۔ جو کوئی بغیر عذر کے رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ پھر تمام عمر روزے رکھے اور خیرات کرے تو بھی برابری نہیں[11]۔

رمضان کے چاند کا بیان

رمضان کا چاند ہو جانے پر روزہ رکھے[12]۔ چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَ الْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ۔ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ[13]

ترجمہ:۔ اے اللہ اس چاند کو امن و امان اور سلامتی و اسلام کا چاند کر۔ میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔

یا یہ پڑھے۔ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ[14]

ترجمہ:۔ خیریت اور ہدایت کا چاند ہو خیریت اور ہدایت کا چاند ہو خیریت اور ہدایت کا چاند ہو میں اُس ذات پر ایمان لایا جس نے تجھے پیدا کیا۔

یا یہ پڑھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا[15]

ترجمہ:۔ حمد ہے اُس ذات کو جو لے گیا ایسا مہینہ اور لے آیا ایسا مہینہ۔

---

[1] ترمذی [2] قرآن مجید۔ بخاری [3] قرآن مجید [4] بخاری [5] قرآن [6] ترمذی [7] ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی [8] بخاری [9] بخاری، مسلم، بخاری، نسائی، ابن ماجہ [10] بخاری [11] مسند احمد، ترمذی [12] ابن ماجہ، بخاری، مسلم، قرآن مجید [13] ترمذی [14] ابوداؤد [15] ابوداؤد۔

چاند نہ دکھائی دے تو شعبان کے تیس دن پورے کر کے روزہ رکھے[1] شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[2] رمضان سے پہلے استقبال کا روزہ حرام ہے[3] چاند ہونے کے لئے ایک مسلمان کی گواہی ضروری ہے[4] ہر شہر کے لئے وہیں کا چاند معتبر ہے[5] مطلع بعید (بہت دور جگہ چاند ہونا) معتبر نہیں ہے[6] آدھے شعبان کے بعد کوئی روزہ نہ رکھے[7]

سحری کا بیان سحری کھانا برکت ہے[8] سحری نہ کھانا یہود و نصاریٰ کی مشابہت ہے[9] سحری میں تاخیر پسند ہے۔ اور سنت ہے[10] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا سحری اور صبح کے فرضوں میں اتنا فصل ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھی جائیں[11] سحری کا وقت صبح صادق سے پہلے تک ہے[12] کھجور اچھی سحری ہے[13]

سہو کا بیان بھول کر کھانے پینے وغیرہ پر معافی ہے[14] بھول کر کھانا پینا خدا کی طرف سے دعوت ہے۔[15]

مریض اور مسافر کا بیان مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے[16] مسافر چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے[17] مسافر کو سفر میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے[18] مسافر سفر شروع کرنے کے بعد افطار کر سکتا ہے[19] مسافر کو حالت سفر میں افطار کی اجازت ہے[20] مریض اور مسافر روزہ نہ رکھیں تو رمضان کے بعد قضا کا روزہ رکھیں[21]

روزہ ٹوٹنے کا بیان قصداً کھانے پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[22] قصداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[23] کسی چیز کے بدن میں پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے[24]

---

[1] بخاری مسلم [2] ابن ماجہ نسائی [3] ابن ماجہ ابن خزیمہ ابوداؤد ترمذی دارمی [4] ابن ماجہ ابن خزیمہ [5] ابن ماجہ ابن خزیمہ ابوداؤد ترمذی دارمی [6] نسائی ترمذی [7] ترمذی [8] ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ نسائی دارمی [9] بخاری مسلم ابن ماجہ [10] مسلم [11] بخاری [12] بخاری ابن ماجہ نسائی [13] قرآن مجید ابوداؤد [14] بخاری مسلم ابن ماجہ ابوداؤد [15] بخاری [16] قرآن مجید [17] قرآن مجید بخاری مسلم [18] بخاری مسلم [19] بخاری مسلم [20] قرآن بخاری [21] بخاری مسلم [22] بخاری ابوداؤد دارمی ابن ماجہ ترمذی [23] بخاری طبرانی

ممنوع باتوں کا بیان

جو شخص روزے میں جھوٹ بولے اس کا روزہ مقبول نہیں [1] بے نمازی کا روزہ مقبول نہیں [2] روزہ میں گالی گلوچ غصہ کرنا لڑنا جھگڑنا منع ہے [3] جھوٹ چغلی لہو لعب سے روزہ جاتا رہتا ہے [4]

قضا کا بیان

ایک روزہ کے بدلے ایک روزہ رمضان کے بعد رکھے [5] مریض اور مسافر قضا کے روزے رمضان کے بعد رکھے [6] قضا کے روزے لگاتار رکھنا ضروری نہیں [7] قضا کے روزے دوسرے رمضان سے پہلے رکھ لے [8] حیض و نفاس والی اور دودھ پلانے والی عورتیں رمضان کے بعد روزہ رکھیں [9] جس نے خود قے کی ہو وہ قضا کا روزہ رکھے۔ اور جس نے روزہ میں عمداً کھایا۔ پیا قضا کا روزہ رکھے [10] کسی نے بادل وغیرہ میں غروب سمجھ کر افطار کر لیا پھر معلوم ہوا دن ہے معلوم نہیں اس پر قضا ہے یا نہیں [11]

فائدہ:۔ بعض کے نزدیک قضا نہیں ہے۔ [12]

اکثر کے نزدیک قضا ہے۔ [13]

کفارہ کا بیان

جس کسی نے روزہ میں جان بوجھ کر جماع کیا وہ کفارہ دے [14] ایک لونڈی یا غلام آزاد کرے [15] (یہ نہ ہو سکے تو) دو مہینے تک بلاناغہ روزے رکھے [16] (یہ بھی نہ ہو سکے تو) ساٹھ محتاجوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے [17] ایک روزہ قضا کا بھی رکھے [18] مجبور محتاج کو معافی ہے [19] مگر قضا کا روزہ رکھے اور استغفار کرے [20] اگر ایک محتاج کو کھانا کھلانے کے بدلے ایک مدآناج دے دے تو بھی جائز ہے [21]

---

[1] بخاری [2] بخاری مسلم [3] بخاری و مسلم وغیرہ [4] بخاری مسلم [5] ابن ماجہ۔ طبرانی [6] قرآن [7] قرآن۔ بخاری [8] بخاری مسلم [9] ابن ماجہ۔ بخاری مسلم [10] بخاری و ابن ماجہ۔ ابوداؤد [11] ترمذی موطا مالک [12] ابوداؤد۔ بخاری [13] عون المعبود بیہقی تلخیص الحبیر [14] بخاری مسلم [15] بخاری مسلم [16] بخاری مسلم [17] بخاری مسلم [18] بخاری مسلم ابن ماجہ [19] بخاری مسلم [20] ابن ماجہ [21] عون المعبود۔

فائدہ :۔ روزہ میں جان بوجھ کر کھانے پینے والے پر کسی حدیث سے کفارہ ثابت نہیں[1]

عورتوں کے مسئلوں کا بیان

حیض اور نفاس والی عورتیں روزہ نہ رکھیں[2] حیض و نفاس والی عورتیں فارغ ہو کر نہانے کے بعد روزہ رکھیں[3] حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر چاہے تو روزہ نہ رکھے[4] حاملہ اور دودھ پلانے والی رمضان کے بعد روزہ رکھے[5] حاملہ اور دودھ پلانے والی اگر چاہے تو روزہ کے بدلہ فدیہ دیدے[6] حاملہ اور دودھ پلانے والی کا فدیہ ہر روزہ کے بدلے ایک محتاج کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے[7] قضا کے روزے لگاتار رکھنا ضروری نہیں[8] قضا کے روزے دوسرے رمضان سے پہلے تک رکھ لے[9] فدیہ میں اگر ایک محتاج کو کھانا کھلانے کی جگہ ایک مد غلہ دے دے تو بھی جائز ہے[10]

فدیہ کا بیان

جس میں روزہ رکھنے کی قدرت نہیں اس کا فدیہ ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے[11] یا ایک مد اناج دے۔[12]

روزہ نہ توڑنے والی چیزوں کا بیان

مسواک کرنے اور سرمہ لگانے میں کچھ نقصان نہیں[13] سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا[14] مسواک روزہ دار کی اچھی خلال ہے[15] بوسہ سے روزے میں کوئی خرابی نہیں ہوتی[16] بوس و کنار کی اسے اجازت ہے جسے اپنی خواہش نفسانی پر قدرت ہو[17] خود بخود قے آنے سے کچھ نقصان نہیں۔[18]

متفرق مسئلوں کا بیان

دکھاوے کا روزہ شرک ہے[19] بلا عذر روزہ نہ رکھنے والا کافر ہے۔[20]

---

[1] تحقیق الجیر [2] بخاری [3] بخاری [4] ابن ماجہ [5] ابن ماجہ۔ ابوداؤد [6] ابوداؤد [7] ابوداؤد [8] بخاری [9] بخاری۔ مسلم [10] بخاری۔ مسلم [11] عون المعبود [12] قرآن۔ دار قطنی۔ حاکم [13] تحقیق الجیر۔ عون المعبود [14] ابن ماجہ [15] بیہقی۔ ابن ماجہ۔ ترمذی [16] دار قطنی۔ ابن ماجہ [17] ابن ماجہ [18] ابن ماجہ [19] بیہقی [20] ترمذی۔

جس پر نہانا فرض ہو وہ صبح کو نہا لے[1] جس نے بغیر عذر شرعی کے روزہ نہ رکھا تو تمام عمر کے روزے برابری نہیں کر سکتے[2] غروب کے بعد سے صبح صادق تک کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہے[3] روزہ صرف دن کا ہے[4] شدت تکلیف میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے[5] افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھے[6] مردے کے بدلے کے روزے اُس کا ولی رکھے[7] یا کفارہ دے دے[8] خواب (احتلام) سے روزہ میں کوئی نقصان نہیں[9] پیاس کی وجہ سے سر پہ پانی ڈالنے میں نقصان نہیں[10] جب کوئی روزہ دار سے لڑے جھگڑے تو روزہ دار کہدے " میرا روزہ ہے "[11]

افطار کا بیان

افطار میں جلدی سے بھلائی ہے[12] افطار میں جلدی کرنے والا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے[13] افطار میں جلدی کرنے والا خدا کا سب سے زیادہ محبوب ہے[14] جب تک افطار میں جلدی ہوگی لوگوں میں بھلائی رہے گی[15] جب تک افطار میں جلدی ہوگی دین میں غلبہ رہے گا۔ یہود و نصاری افطار میں دیر کرتے ہیں[16] غروب کے بعد افطار میں دیر نہ کرے[17] جب مشرق کی طرف سے سیاہی ظاہر ہو اور سورج ڈوب جائے تو افطار کرے[18] ستو سے افطار کرنا سنت ہے[19] روزہ تر کھجور سے افطار کرے۔ تر نہ ہوں تو خشک سے بھی نہ ہوں تو پانی سے[20] یہ دعا پڑھ کر روزہ افطار کرے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ[21]

ترجمہ :۔ اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو مہربان رحم والا ہے[22]

---

[1] ابن ماجہ۔ بخاری مسلم [2] مسند احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ بخاری دارمی [3] قرآن [4] قرآن [5] ترمذی [6] ابوداؤد [7] ترمذی [8] ترمذی [9] ترمذی۔ دارقطنی [10] مسند بزار [11] موطا مالک ابوداؤد [12] بخاری [13] ابن ماجہ۔ بخاری مسلم [14] ترمذی [15] ترمذی [16] بخاری مسلم [17] ابوداؤد۔ ابن ماجہ [18] بخاری مسلم [19] بخاری [20] بخاری [21] مسند احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ دارمی [22] ابوداؤد مرسلاً

افطار کے بعد یہ دعا پڑھے۔ ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

ترجمہ۔ پیاس گئی رگوں نے تری پائی اور اگر اللہ تعالےٰ نے چاہا تو ثواب کا حق دار ہو گیا۔[1]

اس کے بعد یہ پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ۔

خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنی حلال آمدنی سے کسی کو روزہ افطار کرانے میں گناہوں سے معافی ہے[2] افطار کے بعد مغرب کی نماز پڑھے۔[3]

تراویح کا بیان

تراویح دو دو رکعت یا چار چار رکعت پڑھے[4] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھی ہیں[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اور رمضان کے سوا گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں[6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو اول شب پچیسویں کو نصف شب ستائیسویں کو آخر شب تک پڑھیں پھر کبھی نہیں پڑھیں اور فرمایا مرد کی افضل نماز گھر میں ہے[7] حضرت عمر نے مسجد میں الگ الگ لوگوں کو پڑھتے دیکھ کر جماعت کی تمنا کی تھی[8] دوسری شب میں جماعت سے پڑھتے دیکھ کر فرمایا اول رات میں پڑھنے والوں سے آخیر رات میں پڑھنے والے افضل ہیں[9] حضرت عمر نے گیارہ رکعت پڑھنے کے لئے فرمایا تھا[10] بمقابلہ مسجد کے گھر میں پڑھنا اور بمقابلہ اول رات کے اخیر رات میں پڑھنا افضل ہے[11]

---

[1] ابوداؤد [2] ابن ماجہ [3] ابن خزیمہ [4] ترمذی۔ ابوداؤد [5] بخاری [6] بخاری
[7] بخاری [8] ابوداؤد۔ ترمذی۔ مسلم۔ نسائی۔ ابن ماجہ [9] بخاری [10] بخاری [11] بخاری
[12] موطا مالک [13] بخاری۔ مسلم۔

وتر کا بیان

وتر ایک، تین، یا پانچ، سات، نو ثابت ہیں[1] وتر تراویح کے بعد پڑھے[2] (ابن حبان۔ ابوداؤد۔ مسلم۔ ابن ماجہ نسائی۔ حاکم) [3] وتر کا وقت صبح کی سنتوں سے پہلے تک ہے[4] وتر رمضان میں اور علاوہ رمضان کے جماعت سے پڑھ سکتے ہیں[5] وتر رمضان کے سوا جماعت سے نہ پڑھ سکنے کی کوئی حدیث نہیں[6]

فائدہ:- وتر جہر سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے[7]

فائدہ:- وتر کا بیان مفصل صلوٰۃ الرسول میں پڑھا دیا گیا۔[8]

اعتکاف کا بیان

اعتکاف مسجد میں کرے[9] رمضان کے آخری دس دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف کیا[10] مسجد کے کسی گوشہ میں پردہ لگا کر بیٹھے[11] ضروریات کے لیے مسجد سے باہر یا گھر جا سکتا ہے[12] اکیسویں رات کو مغرب کے وقت سے مسجد میں آجائے[13] عورتیں اعتکاف کر سکتی ہیں[14] اعتکاف میں عورت سے مباشرت وغیرہ نہیں چاہیے[15] بیمار پرسی اور دفن میت کے لیے نہیں جا سکتا[16] اعتکاف کی قضا بھی جائز ہے[17] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری دس دن میں اعتکاف کیا کرتے ایک سال اعتکاف نہیں کیا تو شوال کے پہلے دس دن اعتکاف کیا[18] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری سال بیس دن اعتکاف کیا[19] اعتکاف کی جگہ بستر پلنگ وغیرہ بچھانا درست ہے[20] رمضان کے دس دن اعتکاف کا ثواب دو حج اور دو عمروں کے برابر ہے[21] اعتکاف میں ضرورتاً بولنا بات کرنا۔ تیل لگانا۔ کنگھی کرنا۔ نہانا جائز ہے[22] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک آخیر دس دن میں اعتکاف کیا[23]۔

---

[1] بخاری مسلم نسائی [2] بخاری [3] بخاری مسلم [4] سبل السلام [5] درایہ [6] ترمذی۔ ابوداؤد [7] ابن ماجہ۔ احمد حاکم دارقطنی۔ طحاوی۔ [8] ابوداؤد [9] ابوداؤد [10] ابوداؤد [11] ابن ماجہ [12] بخاری مسلم [13] ابوداؤد [14] بخاری مسلم [15] بخاری مسلم [16] ابوداؤد [17] بخاری [18] بخاری [19] بخاری [20] ابن ماجہ [21] بیہقی [22] بخاری [23] بخاری مسلم۔

شب قدر کا بیان

شب قدر میں قرآن مجید نازل ہوا[1] شب قدر آخری دس میں ہے[2]۔ شب قدر اکیس، تیئس، پچیس، ستائیس، انتیس میں سے کسی ایک رات میں ہے[3] شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو شعاع نہیں ہوتی[4] عشرہ آخر کی راتوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی جاگتے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے[5] شب قدر ہر رمضان میں ہوتی ہے[6] شب قدر کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔[7]

عید کے چاند کا بیان

چاند دیکھ کر عید کرے[8] اگر چاند نہ دکھائی دے تو رمضان کے تیس دن پورے کر کے عید کرے[9] عید کے چاند کے لئے دو آدمیوں کی گواہی ضروری ہے[10] مقامی رؤیت معتبر ہے[11] بہت دور جگہ چاند نظر آ جانے کا اعتبار نہیں[12] اگر دوپہر کے بعد عید کے چاند کی خبر باہر سے آ جائے تو افطار کر لیں۔ اور دوسرے دن عید کریں[13]

فطرے کا بیان

روزوں میں بات چیت وغیرہ سے جو نقصان آتا ہے اس کا فدیہ فطرہ ہے[14] صدقہ فطر ہر بچے، مرد، عورت، لونڈی غلام پر فرض ہے[15] صدقہ فطر دینے کے بعد نماز عید کو جائے[16] عید کی نماز کے بعد صدقہ دینے سے صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا[17] صدقہ فطر ایک صاع ہے[18] گیہوں آدھا صاع بھی درست ہے[19] (نسائی۔ درایہ۔ دارقطنی۔ ابوداؤد۔ طبرانی)[20] صدقہ فطر گیہوں ایک صاع افضل ہے۔[21]

---

[1] قرآن مجید [2] بخاری مسلم [3] مسند احمد بخاری [4] مسلم [5] بخاری مسلم [6] ابوداؤد [7] قرآن مجید [8] بخاری مسلم ابن ماجہ [9] بخاری مسلم [10] ترمذی [11] ترمذی [12] ترمذی [13] ابن ماجہ ابوداؤد نسائی [14] ابوداؤد [15] بخاری [16] بخاری مسلم [17] ابوداؤد [18] بخاری مسلم [19] بخاری مسلم ابوداؤد نسائی [20] حاکم [21] احمد ترمذی [22] بیہقی سبل السلام۔

صدقہ فطر چھوارا کھجور جو گیہوں آٹا ستو وغیرہ کھانے کی چیزیں دے سکتے ہیں[1]
صدقہ فطر محتاجوں کو دینا چاہیے[2]

فائدہ: صدقہ فطر مد یا صاع سے ناپ کر دے۔

صدقہ فطر ایک محتاج کو اتنا دینا چاہیے کہ بے پروا ہو جائے[3] صدقہ فطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کے مد سے دیا جاتا تھا۔[4] صدقہ فطر دو مد شامی گیہوں فعل صحابہ ہے۔[5]

مد اور صاع کا بیان

چار مد برابر ہیں ایک صاع کے ایک مد چوتھائی صاع ہے[6] ایک صاع برابر ہے پانچ رطل اور تہائی رطل کے[7] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع پانچ رطل اور تہائی رطل تھا۔[8] ایک مد برابر ہے ایک رطل اور دو ثلث بغدادی کے۔[9]

فائدہ: ایک رطل برابر ہے بارہ اوقیہ کے ایک اوقیہ برابر ہے ایک استار اور دو تہائی استار کے ایک استار برابر ہے، ساڑھے چار مثقال کے۔ ایک مثقال برابر ہے۔ ایک درہم اور تین سبع درہم کے ایک درہم برابر ہے چھ دانق کے ایک دانق برابر ہے آٹھ حبہ اور دو خمس حبہ کے۔ پس ایک رطل برابر ہے نوے مثقال کے نوے مثقال برابر ہیں ایک سو اٹھائیس درہم اور چار سبع درہم کے۔

عید کی نماز کا بیان

عید کی نماز کے لیے طاق کھجوریں کھا کر جانا سنت ہے[10] راستہ میں تکبیر کہتا ہوا جائے۔ اور واپس آئے۔[11] تکبیر یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ[12]

---

[1] بخاری، مسلم، ابو داود۔ ترمذی [2] ابو داؤد [3] علوم الحدیث حاکم، مدایہ [4] حاکم تلخیص الحبیر ابن حبان [5] مسند احمد، ترمذی [6] ابو داؤد، نسائی [7] عون المعبود، درایہ [8] دارقطنی [9] فتح الباری تحفۃ الاحوذی، رعون المعبود [10] بخاری [11] مسلم بخاری، دارقطنی [12] حاکم، دارقطنی بیہقی ابن ابی شیبہ۔

ترجمہ:- اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے، بندگی کے لائق اللہ کے سوا کوئی نہیں
اور اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ ہی کے لئے تعریفیں ہیں۔
یا یہ تکبیر پڑھے:- اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔[1]
ترجمہ:- میں اللہ کی بڑائی کرتا ہوں۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔ اللہ بڑا ہے۔
عید کی نماز جنگل میں پڑھے[2] سوائے نماز جنازے کے اور کچھ نہ پڑھے[3] نماز کا وقت ایک
ایک نیزہ کے برابر سورج بلند ہونے سے ہے[4] عید کی نماز دو رکعت ہے[5] دونوں رکعتیں
جہر سے پڑھے[6] پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں
زائد کہے[7] عید کی نماز اشراق کے وقت پڑھ لے[8]
فائدہ:- ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا یا رفع الیدین کرنا ہاتھ باندھنا کسی صحیح
حدیث سے ثابت نہیں۔[9] حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ صحابہ کا فعل صحیح سند سے ثابت ہے جیسا کہ کتب حدیث میں مذکور ہے
عورتیں بھی نماز میں شریک ہوں[10] نماز کے بعد امام خطبہ دے[11] دوسرا خطبہ عورتوں
کے پاس جا کر دے[12] خطبہ کے لئے منبر نہ ہو[13] عیدگاہ پیدل جانا افضل ہے[14] عذر
کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھ سکتے ہیں[15] جسے ایک رکعت ملجائے وہ ایک اور پڑھ
لے[16] جسے نماز نہ ملے وہ اکیلا دو رکعت پڑھ لے[17] اگر کئی آدمی ہوں تو دوسری جماعت
کرلیں[18] واپسی میں راستہ بدل دے[19] عید اور جمعہ اکٹھے ہوں تو جمعہ کی نماز کی رخصت ہے
ظہر پڑھ لے[20] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید سے واپس آکر دو رکعت پڑھتے تھے[21]

---

[1] فتح الباری، سبل السلام [2] بخاری [3] مسلم [4] مشکوٰۃ [5] بخاری [6] مسلم [7] بخاری۔ مسلم
[8] مشکوٰۃ [9] ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، ابوداؤد، ابن خزیمہ، عون المعبود [10] بخاری۔ مسلم
[11] بخاری، مسلم [12] نسائی [13] مسلم [14] بخاری [15] ابوداؤد [16] بخاری۔ مسلم
[17] بخاری [18] بخاری [19] بخاری۔ ترمذی۔ دارمی [20] ابوداؤد
نسائی [21] ابن ماجہ۔

امام کے آگے سترہ ہونا چاہیئے [۱]

نذر کے روزوں کا بیان

نذر کا روزہ رکھنا ضروری ہے[۲] نذر کے روزوں کی قضا ضروری ہے[۳] مردے پر اگر روزے نذر کے ہوں تو ولی روزے رکھے[۴]

منع کئے ہوئے روزوں کا بیان

عیدالفطر عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[۵] ایام تشریق ذوالحجہ کی گیارہ بارہ تیرہ تاریخ کو روزہ رکھنا حرام ہے[۶] عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) روزہ رکھنا حاجی کو منع ہے[۷] استقبال رمضان کے روزے حرام ہیں[۸] رمضان سے پہلے شک کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[۹] خاص جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے[۱۰] صرف سینچر کے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ) ہمیشہ روزہ رکھنا منع ہے[۱۱] وصال یعنی ایک روزے کو افطار کے بغیر دوسرا رکھنا سخت منع ہے[۱۲] کسی مہینہ کی پہلی پندرھویں کو مقرر کرکے روزہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے[۱۳]

مسنون روزوں کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں روزے بہت رکھتے تھے[۱۴] شعبان کے روزے رکھنے کی تاکید بھی فرمائی ہے[۱۵] عیدالفطر کے بعد چھ روزے رکھنا ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے[۱۶] ان روزوں کا عید کے دوسرے دن سے رکھنا یا لگاتار رکھنا ضروری نہیں ہے[۱۷] رمضان کے بعد تمام روزوں سے افضل عاشورہ (دس محرم) کا روزہ ہے[۱۸] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال نو محرم کو بھی روزہ رکھنے کا قصد ظاہر

---

۱ بخاری ۲ بخاری۔ مسلم ۳ بخاری ۴ بخاری۔ مسلم ۵ مسلم ۶ مسلم ۷ بخاری۔ مسلم ۸ بخاری۔ مسلم ۹ بخاری۔ مسلم ۱۰ بخاری۔ مسلم ۱۱ مسلم ۱۲ بخاری۔ مسلم ۱۳ بخاری۔ مسلم ۱۴ بخاری۔ مسلم ۱۵ بخاری۔ مسلم ۱۶ مسلم۔ طبرانی ۱۷ ترمذی ۱۸ بخاری۔ مسلم۔

فرمایا تھا۔ اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا[1] عاشورہ (دس محرم) کا روزہ سنت ہے[2] بہتر یہ ہے کہ نو اور دس محرم کو روزہ رکھے[3] نو اور دس یا دس اور گیارہ کو روزہ رکھنا بہتر ہے صرف دس کو نہ رکھے[4] ذوالحجہ کے پہلے نو دن تک روزہ رکھنا سنت ہے[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینہ میں کچھ دن روزے رکھتے تھے[6] ہر مہینہ تین روزہ رکھنا سنت ہے۔ اور بہت ثواب ہے[7] ہر بدھ اور جمعرات کا روزہ ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہے[8] پیر کے دن روزہ رکھنا سنت ہے[9] پیر اور جمعرات کا روزہ سنت ہے[10] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیر اور جمعرات کو روزہ کا حکم دیا ہے[11] جمعہ جمعرات یا جمعہ سنیچر کو روزہ رکھنا جائز ہے[12] ایک مہینہ میں سنیچر اتوار پیر دوسرے مہینے میں منگل۔ بدھ۔ جمعرات کو روزہ رکھنا سنت ہے[13] بیض (تیرہ۔ چودہ۔ پندرہ) ہر مہینہ کی روزے رکھنا بہت ثواب ہے[14] ہمیشہ روزے رکھنا منع ہے۔ دو دن روزے رکھنا ایک دن ناغہ کرنا جائز ہے۔ ایک دن روزہ رکھنا ایک دن نہ رکھنا صوم داؤد علیہ السلام ہے اور افضل ہے[15]

نفل روزوں کا بیان

نفل روزہ کے لیے رات کو ارادہ کرنا ضروری نہیں[16] نفل روزہ رکھ کر افطار کر دینا درست ہے[17] (ابوداؤد مسند احمد۔ ترمذی۔ دارمی) چاہے تو نفل روزہ کی قضا رکھ لے[18] چاہے تو قضا نہ رکھے[19] عورت نفل روزہ شوہر کی موجودگی میں شوہر کی اجازت کے بغیر نہ رکھے[20] کسی مہینہ کی صرف پہلی پندرہ تیس مقرر کر کے روزہ رکھنا منع ہے دو دو دن ساتھ رکھے[21] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا اور کسی مہینہ کے روزے پورے مہینہ تک نہیں رکھے[22]

---

[1] مسلم [2] بخاری [3] مسلم [4] مرقاۃ [5] نسائی [6] مسلم [7] مسلم [8] ابوداؤد ترمذی۔ ابن ماجہ [9] مسلم [10] ترمذی۔ نسائی [11] ابوداؤد۔ نسائی [12] بخاری۔ مسلم [13] ترمذی [14] مسلم۔ نسائی۔ ترمذی [15] مسلم [16] مسلم [17] مسلم [18] ترمذی۔ ابوداؤد [19] مشکوٰۃ [20] مسلم [21] بخاری۔ مسلم [22] بخاری۔ مسلم۔

نفل روزہ زمین کے برابر سونا ملجانے سے بہتر ہے[1]

سند مُد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرا (سید اقتدار احمد سہسوانی کا) مُد برابر ہے میرے والد مرحوم سید آلِ محمد شاہ کے مُد سے ان کا مُد برابر ہے مولوی محمد ایوب بن مولوی قمر الدین کے۔ ان کا برابر ہے شاہ محمد اسحٰق دہلوی کے۔ ان کا شاہ رفیع الدین دہلوی کے۔ ان کا حافظ محمد حیات سندھی کے اور فرمایا حافظ محمد حیات سندھی نے میرا مُد برابر ہے اس مُد کے جس کو برابر کیا امیر المحدثین شیخ ابو الحسن بن محمد صادق نے اس مُد سے جس پر لکھا ہوا تھا چاندی سے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمیں حکم دیا اس مد کے برابر کرنے کا مولانا امیر المسلمین ابو الحسن بن مولانا امیر المسلمین ابو سعید بن مولانا امیر المسلمین ابو یوسف بن عبد الحق نے۔ اس مُد سے جس کو برابر کرنے کا حکم دیا مولانا ابو یعقوب رحمہ اللہ نے اس مُد سے جس کو برابر کیا حسین بن یحییٰ بشری نے مُد سے ابراہیم بن عبد الرحمٰن نجاشی کے جو کہ برابر تھا مُد سے شیخ ابو علی منصور بن یوسف فواس کے اور ان کا مُد برابر تھا مُد سے فقیہ ابو جعفر احمد بن علی بن عزنون کے اور ان کا فقیہ قاضی ابو جعفر احمد بن اخطل کے اور ان کا خالد بن اسمٰعیل کے اور ان کا امام ابو بکر احمد بن حنبل کے اور ان کا ابو اسحٰق ابراہیم بن شنظیر اور ابو جعفر بن میمون کے اور ان دونوں کے مُد برابر ہیں مُد سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے جو صحابی ہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور یہ وہی مُد ہے جس کی نسبت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے اللہ برکت دے ہمارے صاع اور ہمارے مُد میں یہ حدیث بخاری مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں موجود ہے۔

اور فرمایا محمد حیات سندھی نے امیر المسلمین ابو الحسن کا صاع مدینہ منورہ میں ہمارے شیخ کے پاس موجود تھا اور امیر المسلمین ابو الحسن مغرب میں بادشاہ تھے اور کہا کہ ہمارے شیخ نے یہ احمد بن حنبل۔ امام احمد بن حنبل صاحب مسند نہیں ہیں بلکہ دوسرے ہیں۔ اور کہا کہ ایک صاع برابر ہے چار مُد ان کے اس مُد سے واللہ اعلم۔

---

[1] طبرانی

تشریحات احکام رمضان

رمضان کا روزہ فرض ہے

(۱) قرآن مجید میں ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے (اگلی امتوں) پر فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تم (گناہوں) سے بچو۔

(۲)۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔

(ترجمہ)۔ رمضان وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اترا، جو لوگوں کو ہدایت کی راہ بتاتا ہے، اور اس میں ہدایت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں۔ اور حق کو باطل سے پہچاننے کا طریقہ ہے۔ پھر جو تم میں سے یہ مہینہ پائے (یعنی تندرست اور مقیم ہو، بیمار اور مسافر نہ ہو) تو اس ماہ میں روزے رکھے۔ بخاری، نسائی، مشکوٰۃ، ابن ماجہ وغیرہ میں احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ جن سے رمضان کے روزوں کا فرض ہونا ثابت ہے، جس سے کسی مسلمان کو انکار کی گنجائش نہیں۔

رمضان شریف کے فضائل

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فضائل رمضان کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حسب ذیل خطبہ نہایت معرکۃ الآراء اور معروف خطبہ ہے۔

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی آخر یوم من شعبان فقال یا ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم، شھر مبارک، شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر

جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلہ تطوعا من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ فھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ، وشھر المواساۃ، وشھر یزاد فیہ رزق المؤمن، من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ، وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینقص من اجرہ شئی، قلنا یارسول اللہ لیس کلنا نجد ما یفطر بہ الصائم فقال رسول اللہ ﷺ یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماء ومن اشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربۃ لا یظما حتی یدخل الجنۃ وھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ واخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر لہ واعتقہ من النار (مشکوٰۃ)

ترجمہ۔ یعنی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا۔ فرمایا۔ اے لوگو! تم پر ایک بہت ہی عظیم الشان بابرکت مہینا آیا ہے وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے، جو ہزار ماہ سے افضل ہے، خدا نے اس ماہ میں روزے فرض کئے ہیں۔ اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے، جو کوئی اس ماہ میں نفلی نیکی کا کام کرے۔ وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض عبادت کی۔ اور جو اس ماہ میں فرض ادا کرے۔ وہ ایسا ہوگا۔ کہ گویا اس نے اور دنوں میں ستر فرض ادا کئے۔ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ وہ باہمی سلوک اور مروت کا مہینہ ہے۔ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھ جاتا ہے۔ (یعنی روزہ دار اس مہینہ میں بھی حسب خواہش کھاتا ہے۔ اور قیامت کے روز بھی اس کی برکت سے بے حد نعمتیں پائے گا) جو کوئی اس مہینہ میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔ اور آگ سے نجات ملے گی۔ اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کے لئے بہت کچھ سامان چاہیے۔ اس لئے ہم (صحابہؓ) نے عرض کی۔ کہ حضور! ہم میں سے ہر ایک تو طاقت نہیں رکھتا۔ کہ روزہ دار کو روزہ افطار کرا سکے حضورؐ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا۔ جو روزہ دار کو دودھ کی گھونٹ یا پانی پلا دے، دیکھو کہ خدا کے ہاں نیت کا اجر ہے، جو کوئی روزہ دار کو ٹھنڈا شربت یا دودھ پیٹ بھر کر پلا دے،

خدا اس کو میرے حوض کوثر سے ٹھنڈا شربت پلائے گا جس کی وجہ سے وہ میدان محشر سے جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا۔ یہ ماہِ رمضان ایسا ہے کہ اس کا شروع حصہ رحمت ہے۔ درمیانی حصہ بخشش ہے۔ اور آخری حصہ جہنم کی آزادی کے لئے مخصوص ہے۔ جو کوئی اس مہینہ میں اپنے کارندوں کے کام میں تخفیف کرے۔ یعنی معمول سے کم کام کرائے۔ خدا اس کو بخشش دے گا۔ اور اس کو جہنم کے عذاب سے نجات دے گا۔

بخاری، مسلم، نسائی اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا دخل رمضان فتحت ابواب السماء وغلقت ابواب النار وسلسلت الشیاطین۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے۔ تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیطان قید کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان شریف کے فضائل نہایت شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بیان فرمائے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عدم گنجائش کی وجہ سے ہم ان کو درج نہیں کر سکے۔

روزہ کی فضیلت

بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالےٰ کل عمل ابن آدم لہ الا الصیام فانہ لی وانا اجزی بہ والصیام جنۃ واذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرء صائم والذی نفس محمد بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک للصائم فرحتان یفرحھما اذا افطر فرح واذا لقی ربہ فرح بصومہ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ہر ایک عمل اس کے لئے ہے، مگر روزہ میرے لئے ہے،

اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ ڈھال ہے (دوزخ کے عذاب سے یا گناہوں سے) جو کوئی تم میں سے روزہ دار ہو۔ تو اس کو نہ بے ہودہ باتیں کرنی چاہیئے۔ نہ شور شغب اور نہ پکار کر بے ہودہ کلام کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی اس کو برا کہے۔ یا کوئی اس سے لڑنے۔ تو یہ کہدے۔ إِنِّي صَائِمٌ (میں روزہ دار ہوں) اس کو جواب نہ دے۔ جس طرح اس نے بات کی ہے۔ اور قسم ہے، اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان ہے (فداہ ابی وامی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی خوشبو مشک سے کہیں بڑھ کر ہے۔ روزہ دار کے واسطے دو خوشیاں ہیں۔ جو اس کو خوش کرتی ہیں۔ ایک افطاری بروزہ کے وقت۔ دوسرے پروردگار سے (قیامت کے دن) ملاقات کے وقت اپنے روزہ کیوجہ سے!

(۲) :- مشکوٰۃ میں ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن مجید اللہ تعالےٰ سے بندہ کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا۔ اے پروردگار میں نے تیرے بندہ کو کھانے اور خواہش کی چیزوں سے دن میں روک دیا تھا۔ تو اس کے لئے میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا۔ کہ میں نے تیرے بندہ کو نیند سے رات کو روک دیا۔ تو میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالےٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

روزہ دار کی فضیلت

بخاری، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

عن سهل بن سعد ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال ان فی الجنة باباً يقال له الريان يدعى يوم القيامة يقال اين الصائمون فمن كان من الصائمين دخله ومن دخله لم يظمأ ابداً۔

سہل بن سعد سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک دروازہ ہے۔ جس کا نام "ریان" ہے۔ قیامت کے دن پکارا جائے گا۔ روزہ دار کہاں ہے! تو جو کوئی روزہ داروں میں سے ہوگا۔ وہ اس کے اندر جائے گا۔ اور جو اس دروازہ میں سے داخل ہو جائے گا۔ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی میں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو کوئی رمضان کے روزہ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے رکھے۔ اللہ تعالےٰ اس کے اگلے گناہ بخش دے گا۔

رمضان کے لئے ہلال شعبان کا خیال رکھنا چاہیئے

جامع ترمذی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احصوا ھلال شعبان لرمضان۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آمد کے لئے غرہ شعبان کا خیال رکھو۔ اور دن گنتے رہو۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عبد اللہ بن ابی قیس قال سمعت عائشۃ رضی اللہ عنہا تقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحفظ من شعبان مالا یتحفظ من غیرہ۔

عبداللہ بن ابی قیس سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ام المؤمنین مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کی تاریخوں کو اچھی طرح یاد رکھتے۔ کہ اس طرح دوسرے مہینوں کو یاد نہیں کرتے تھے۔

نصف شعبان کے روزے

ابن ماجہ، ابو داؤد، ترمذی اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان النصف من شعبان فلا تصوموا حتی یجیئ رمضان۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شعبان آدھا گزر جائے۔ تو اب روزہ نہ رکھے۔ جب تک رمضان

نہ آجائے۔

ان روزوں سے ..... رمضان کی آمد کے اور سلامی کے روزے مراد ہیں، جو روزے کسی رمضان کے کسی کے ذمہ ہوں، وہ رکھ سکتا ہے۔

رمضان سے پہلے روزے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی اور منتقی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم انہ قال لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین .... الا ان یکون رجل کان یصوم صوما فلیصم ذالک الیوم۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رمضان کے ایک دو روز پہلے سے روزہ رکھنا شروع نہ کرو۔ ہاں اگر کسی شخص کو روزہ رکھنے کی عادت ہے، اور وہ دن اسی جگہ آن پڑے۔ تو رکھ لے۔

شک کے روزہ کی ممانعت

بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن صلۃ قال کنا عند عمار فی الیوم الذی یشک فیہ فاتی بشاۃ فتنحی بعض القوم فقال عمار من صام ھذا الیوم فقد عصی ابا القاسم صلے اللہ علیہ وسلم۔

صلہ سے روایت ہے کہ ہم عمار کے پاس تھے۔ جو شک کے روزہ (یعنی یہ معلوم نہ تھا کہ ۳۰ شعبان ہے یا یکم رمضان ہے) ایک بکری کا گوشت آیا۔ بعض لوگوں نے کھانے سے پرہیز کیا۔ عمار نے کہا کہ جس نے اس روز روزہ رکھا۔ اس نے ابوالقاسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی (یعنی ۲۹ شعبان کی جب کہ ابر وغیرہ ہو۔ اور یہ معلوم نہ ہوسکے کہ آج چاند ہوا ہے۔ یا نہیں تو دوسرے روز روزہ نہ رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کو ۳۰ شعبان سمجھنا چاہیئے۔

اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہو

بخاری، ابوداؤد، اور نسائی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اور چاند دیکھ کر روزہ بند کر دو۔ لیکن اگر ۲۹ شعبان کو ابر ہو تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کرو۔

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، دارمی، ور منتقی میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروالہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کا ذکر فرمایا کہ جب رمضان کا چاند نہ دیکھو۔ روزہ مت رکھو۔ اور جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو روزہ مت موقوف کرو۔ پس اگر تم پر ابر آجائے۔ تو (۳۰ روزہ کی گنتی پوری کرنے کے لئے) حساب کرلو۔

ہر شہر کی رویت اپنی اپنی ہے

مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں ہے۔ کہ کریب سے روایت ہے کہ ام الفضل بنت الحارث نے ان کو شام میں امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا کریبؓ نے کہا کہ میں شام میں پہنچا۔ اور ام الفضل کا کام پورا کیا۔ اور پھر رمضان کا چاند ہو گیا۔ اور میں وہیں تھا ہم نے چاند جمعہ کی رات کو (ملک) شام میں دیکھا تھا۔ اور جب رمضان کے آخر میں مدینہ شریف آیا۔ تو ابن عباسؓ نے مجھ سے چاند کا حال پوچھا۔ اور کہا کہ تم نے کب چاند دیکھا۔ میں نے کہا کہ ہم نے جمعہ کی رات کو دیکھا ابن عباسؓ نے کہا۔ کہ تم نے چاند اپنی آنکھ سے دیکھا۔ میں نے کہا ہاں اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ میں نے روزے رکھے۔ امیر معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباس نے کہا۔ کہ ہم نے تو چاند ہفتہ کی رات دیکھا۔ ہم اسی دن سے روزہ رکھ رہے ہیں اور رکھتے جائیں گے جب تک کہ ۳۰ روزے پورے نہ ہو جائیں۔ یا شوال کا چاند دکھائی دے۔ میں نے کہا تم معاویہ کی رویت اور ان کے روزہ پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس نے کہا نہیں۔ کیونکہ ہم کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ (یعنی اپنی رویت پر عمل کرنے کا)۔

ہلال رمضان کے لئے ایک مسلمان کی گواہی کافی ہے

ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، منتقیٰ اور ابن جارود میں ہے۔

عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی رأیت الھلال فقال اتشھد ان لا الہ الا اللہ اتشھد ان محمد رسول اللہ قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس ان یصوموا غدا۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک گنوار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا، کہ میں نے چاند دیکھا ہے، آپؐ نے فرمایا کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ اور محمد رسول اللہ اس کے رسول ہیں۔ وہ بولا کہ ہاں آپؐ نے بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں منادی کر دو۔ کہ کل روزہ رکھیں۔

چاند کو دیکھ کر کون سی دعا پڑھنی چاہیے۔

ترمذی اور دارمی میں ہے۔ حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَھِلَّهٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللہُ ھِلَالُ رُشْدٍ وَّخَیْرٍ۔

سحری کی فضیلت

سنن نسائی میں ہے۔

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دخلت علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وھو یتسحر فقال انھا برکۃ اعطاکم اللہ ایاھا فلا تدعوہ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا۔ جب کہ آپؐ سحری تناول فرما رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا یہ سحری کی برکت ہے۔ جو تم ہی کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ (اور پہلے اہل کتاب کو حکم نہ فرمائی تھی) تم اس کو مت چھوڑو (یعنی سحری کھایا کرو)

سحری میں برکت

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی اور منتقیٰ ابن جارود میں ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم تسحروا فان فی السحور برکۃ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کھاؤ سحری کھانے میں برکت ہے۔

سحری کھانے میں دیر کرنی چاہیئے۔ سنن نسائی، اور ترمذی میں ہے۔ عن ابی عطیۃ قال قلت لعائشۃ فینا رجلان احدھما یعجل الافطار ویؤخر السحور والاخر یؤخر الافطار ویعجل السحور قالت ایھما الذی یعجل الافطار ویؤخر السحور قلت عبداللہ بن مسعود قالت ھکذا کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصنع۔

ابو عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا ہم میں دو آدمی ہیں۔ ایک تو ان میں افطار (روزہ کھولنے) میں جلدی کرتے ہیں۔ اور سحری میں دیر، اور دوسرے صاحب افطار میں دیر اور سحری میں جلدی کرتے ہیں۔ ام المومنین نے استفسار فرمایا۔ وہ کون صاحب ہیں جو افطار میں جلدی۔ اور سحری میں دیر کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ وہ بزرگ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ ام المومنین نے فرمایا رسول صلے اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (یعنی روزہ جلدی کھولتے۔ اور سحری میں دیر کرتے)

سحری اور فجر کی نماز میں فرق بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم قمنا الی الصلوۃ قلت کم کان قدرما بینھما قال خمسین ایۃ۔

حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی۔ اور صبح کی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ راوی نے پوچھا کہ سحری کھانے اور نماز کے درمیان کتنی دیر گزری، کہا اتنی دیر کہ کوئی پچاس آیات قرآن

کی پڑھ ہو لے۔

سحری کس وقت کھانی چاہیئے سنن ابی داؤد میں ہے۔

عن عبد اللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یمنعن احدکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او قال ینادی لیرجع قائمکم و ینتبہ نائمکم فلیس الفجر ان یقول ھکذا قال مسدد وجمع یحیٰ کفیہ حتی یقول ھکذا ومد یحیٰ باصبعیہ السبابتین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کو سحری کھانے سے بلال کی اذان نہ روکے۔ کیونکہ وہ رات کے رہتے اذان دیتا ہے، تاکہ تم میں سے جو تہجد کی نماز پڑھتا ہو۔ وہ پڑھ لے۔ جو سحری کھانا چاہے۔ وہ اٹھ کر سحری کھا لے، اور فجر کا وہ وقت نہیں جو اس طرح ہو۔ (راوی نے اپنی دونوں ہتھیلیاں ملائیں اور اونچی کرکے کہا۔ کہ جو لمبی اور اونچی روشنی ہوتی ہے۔ اس کا نام صادق نہیں ہے، حضرت نے فرمایا جب تک روشنی نہ پھیلے، اور حضرت نے اپنے کلمہ کی دونوں انگلیاں ملا کر پھیلایا۔ اور فرمایا کہ صبح کی روشنی چوڑی ہوتی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن طلق رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلوا واشربوا لا یھیدنکم الساطع المصعد فکلوا واشربوا حتی یعترض لکم الاحمر۔

حضرت طلقؓ سے روایت ہے۔ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ اور پیو۔ تم کو کھانے اور پینے سے وہ روشنی نہ روکے، جو چڑھتی چلی آتی ہے۔ (یعنی صبح کاذب) بلکہ کھاؤ اور پیو جب تک صبح صادق نہ نکلے (یعنی سرخی میں سفیدی نہ آجائے)

بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دارمی میں ہے۔ عدی بن حاتم نے کہا کہ جب قرآن کی یہ آیت اتری۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ۔

(ترجمہ) ۔ رمضان میں کھایا پیا کرو۔ جب تک کہ سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے نمودار ہو
تو میں نے اونٹ باندھنے کی رسی سیاہ اور دوسری سفید اپنے تکیے کے نیچے رکھی ۔ پھر آخر رات
میں ان کو دیکھا۔ مجھ کو وہ کچھ صاف نظر نہ آئیں۔ صبح کو میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
سے عرض کیا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا تیرا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ (یعنی تو نے سمجھا نہیں قرآن
کا مطلب سیاہ اور سفید ڈورے سے رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

ان تینوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ صبح کاذب (جس کی روشنی لمبی ہوتی ہے)
تک روزہ دار کو کھانا پینا حرام نہیں ہے۔ البتہ صبح صادق (جس کی روشنی چوڑی پھیل کر
ہوتی ہے) میں کھانا پینا حرام ہے۔

سحری کھانا سنت ہے

سنن نسائی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
خادم حضرت انسؓ سے فرمایا۔ اے انسؓ میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں
مجھے کچھ کھانا دو۔ (کہ میں ان سے سحری کرلوں) حضرت انسؓ کچھ کھجوریں اور ایک برتن لائے۔ جس
میں پانی تھا۔ (اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب حضرت بلالؓ اذان دے چکے تھے) اس وقت
جناب امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذرا ان کو بھی بلا لو۔ جو میرے ساتھ
کھانا کھایا کرتے ہیں۔ میں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا۔ وہ آئے اور آنحضرتؐ سے کہنے لگے میں
نے تو ستو پی لئے ہیں۔ اور میں روزہ رکھنا چاہتا ہوں۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ میں بھی تو روزہ رکھوں گا۔ پھر زید بن ثابتؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی اور
پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور پھر جماعت کے لئے نکلے۔

اس احادیث سے اور دوسری احادیث سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے سحری کھائی ہے۔ اور سحری کھانا چاہیئے۔ اگرچہ چند لقمے ہی کھا لئے جائیں۔

شکر گزار اور روزہ دار

سنن ابن ماجہ میں ہے :۔
عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال الطاعم
الشاکر بمنزلۃ الصائم الصابر۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھانا کھا کر شکر کرنے والا مثل روزے دار کے لئے جو صبر کرے (کھانے سے)

روزہ کی نیت رات سے کرے

سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور طحاوی میں ہے عن حفصة زوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له۔

(ترجمہ) ام المومنین حفصہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے فجر ہونے سے پہلے (رات سے) روزہ (فرض) کی نیت نہ کی۔ اس کا روزہ (درست) نہ ہوگا۔

روزہ دار بحالت جنابت

بخاری، مسلم، مؤطا، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ام المومنین سلمہؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صبح کو اپنی بیوی کے پاس سے جنابت کی حالت میں اٹھتے تھے، پھر غسل فرماتے تھے، اور روزہ رکھتے تھے۔ ایک روایت میں ہے۔ اگر وقت تنگ ہو تو جنبی وضو کر کے کھانا کھا سکتا ہے پھر غسل کر کے نماز پڑھ لے۔ غسل نماز کے لئے ضروری ہے، سحری کھانے کے لئے ضروری نہیں۔

روزہ دار مسواک کر سکتا ہے

حدیث میں ہے۔ عن عامر بن ربیعة قال رأیت النبی یتسوك وھو صائم مالا احصی اوا عد۔

عامر بن ربیعہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول پاک کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے جس کا میں شمار نہیں کر سکتا۔

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن صبرة قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالغ فی الاستنشاق الا ان تکون صائما۔

حضرت صبرہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کیا کرو مگر جب روزہ دار ہو۔ (تو مبالغہ نہ کیا کرو۔ پانی حلق میں اتر جانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اگر پانی حلق میں اتر گیا تو روزہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے)

کیا روزہ دار اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا ہے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور منتقی میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ان کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقبل بعض ازواجہ و ھو صائم ثم ضحکت ام المومنین۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم روزہ میں اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیتے۔ پھر (یہ کہہ کر حضرت عائشہؓ ہنس دیں)

ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکتا ہو۔ جوان ہو۔ تو نہ بیوی کا بوسہ لے اور نہ بدن سے بدن ملائے۔ اجتناب بہتر ہے۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ھریرۃ ان رجلا سال النبی صلے اللہ علیہ وسلم عن المباشرۃ للصائم فرخص لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واتاہ آخر فسالہ فنہاہ فاذا الذی رخص لہ شیخ والذی نہاہ شاب۔ (ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ روزہ دار کو مباشرت کرنا (مباشرت کہتے ہیں عورت کے بدن سے بدن ملانے اور صرف بغل گیر ہونے کو) کیسا ہے؟ آپ نے اس کو اجازت دے دی۔ پھر دوسرا شخص آیا۔ اس نے بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس کو منع فرمایا۔ کیونکہ وہ جوان تھا۔

روزہ دار اگر بھول کر کھا پی لے

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے (بحالت روزہ) بھولے سے کھا پی لیا۔ وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کو کھلایا پلایا ہے۔ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نہ بھول کر کھانے پینے سے گناہ لازم آتا ہے۔

اگر بحالت روزہ احتلام ہو جائے

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن رجل من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم

لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم۔

(ترجمہ)... رسول پاک کے اصحاب میں سے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو خود بخود قے ہو جائے یا سوتے وقت احتلام ہو جائے یا پچھنے لگائے۔ تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۱) پچھنے لگانے سے (۲) بلا ارادہ قے آنے سے (۳) احتلام ہو جانے سے۔

اگر روزہ دار قصداً قے کرے

سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ذرعہ القئ وھو صائم فلیس علیہ قضاء وان استقاء فلیقض۔

حضرت ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر روزہ کی حالت میں قے غلبہ کرے، اس پر روزہ کی قضا نہیں (یعنی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) جس نے از خود قے کی اس پر قضا ہے۔ یعنی اس کا روزہ ٹوٹ گیا اسے روزہ کی قضا کرنی چاہیے۔

روزہ دار کیلئے گرمی کا علاج

موطا اور ابوداؤد میں ہے۔

عن بعض اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علی رأسہ الماء وھو صائم من العطش او من الحر۔

آنحضرتؐ کے بعض صحابہ میں سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج (ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) میں نے دیکھا کہ آپ گرمی اور پیاس رفع کرنے کیلئے سر پر پانی ڈال رہے ہیں۔

روزہ دار کسی کو گالیاں نہ دے

بخاری، مسلم، موطا، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔

عن ابی هريرة ان النبی صلے الله علیہ وسلم قال الصيام جنة اذا كان احدكم صائما فلا يرفث ولا يجهل فان امرؤ قاتله او شتمه فليقل انی صائم۔

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو۔ تو اس کو چاہیے کہ وہ بیہودہ نہ بکے نہ گالیاں دے۔ اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا گالیاں دے۔ تو کہہ دے انی صائم۔ وہ کہ روزہ دار ہوں:

روزہ رمضان کا کفارہ | بخاری، مسلم، موطا، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں تو ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے رمضان میں (یعنی روزہ کی حالت میں) اپنی بیوی سے جماع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی غلام ہے کہ اسے آزاد کردے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تو دو ماہ کے روزے متواتر رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا مجھ میں اتنی طاقت نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا بیٹھ جا۔ اتنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا۔ جس میں بہت سی کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لے جا۔ اور غربا کو کھلا دو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ حضرت اطراف مدینہ میں مجھ سے زیادہ اور کوئی شخص محتاج نہیں ہے۔

اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی۔ اور اتنا ہنسے کہ آپ کے دانتوں کی کچلیاں کھل گئیں۔ آپ نے فرمایا اچھا جب یہ حالت ہے۔ تو لے جاؤ۔ اور اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ مرد اور عورت کے لئے ایک ہی کفارہ دینا کافی ہے۔ یہ نہیں کہ عورت کے لئے علیحدہ کفارہ ہو۔ نیز جب عمداً روزہ توڑا جائے۔ تو ان تینوں کفاروں میں سے جو کفارہ بھی ادا کر سکے، اور جس کی طاقت رکھتا ہو وہ ادا کرے۔

روزہ کس وقت افطار کرنا چاہیئے | بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی میں ہے ا۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النہار من ھھنا وغابت الشمس فقد افطر الصائم۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب (مشرق کی طرف سے) رات (کی سیاہی) نظر آجائے۔ اور دن (پچھم کی طرف) جائے اور سورج ڈوب جائے تو روزہ کھول دو۔

روزہ جلد افطار کرنا چاہیے

بخاری، مسلم، ترمذی، موطا امام مالک، ابن ماجہ اور داری میں ہے۔ عن سہل بن سعد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ ہمیشہ بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ جب افطار میں جلدی کریں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ رسول پاک سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ دین غالب رہے گا۔ جب تک لوگ روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے کیونکہ یہود اور نصاریٰ روزہ افطار کرتے میں دیر کیا کرتے ہیں۔

روزہ دار کی دعا

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت رد نہیں ہوتی۔

افطار کی دعا

سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افطر قال ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے ذھب الظما وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ تعالےٰ۔ (یعنی پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور اگر اللہ نے چاہا تو ثواب بھی ثابت ہوگیا۔

ایک حدیث میں یہ دعا بھی آئی ہے:۔

اللهم لك صمت وعلى رزقك افطرت۔

ترجمہ: الٰہی میں نے تیرے لئے ہی روزہ رکھا۔ اور اب تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیئے

ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور ابو داؤد میں ہے:۔

عن سلیمان بن عامر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمرة فان لم یجد فلیفطر علی الماء فانه طهور۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن عامرؓ سے روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے روزہ افطار کرے۔ تو کھجور سے کرے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سہی، وہ پاک کرنے والا ہے۔ دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا بھی جائز ہے۔ مگر امام الانبیاء نے تکلفات کرنے کی بجائے سادگی کو ترجیح دی ہے۔

جو شخص کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرائے

ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دے۔ تو اس کو روزہ دار کے برابر ہی ثواب ملے گا۔ اور روزہ دار کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار کو روزہ افطار کرانے میں بہت ثواب ملتا ہے، اور صرف ثواب ہی نہیں بلکہ محبت اور موانست بھی بڑھتی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس امر پہ زیادہ توجہ دینی چاہیئے۔

سنن ابی داؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے:۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے حضرت سعد بن معاذؓ کے پاس روزہ افطار کیا تو فرمایا۔ الاجماع افطر عندکم الصائمون واکل

طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة۔

ترجمہ: تمہارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا۔ اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعا کی۔

جب غلطی سے افطار ہو جائے

سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر قالت افطرنا یوما فی رمضان فی غیم فی عهد رسول الله صلی الله علیہ وسلم ثم طلعت الشمس قال ابواسامة قلت لهشام امروا بالقضاء قال ولابد من ذلک۔

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ رمضان میں ہم نے ایک دن بدلی اور ابر میں رسول پاک کے عہد مبارک میں افطار کیا۔ پھر سورج نکل آیا۔ ابواسامہ نے کہا۔ میں نے ہشام سے کہا۔ پھر قضا کا حکم ہوا ہوگا۔ انہوں نے کہا قضاء تو ضروری ہے۔

سفر میں روزہ

بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک اور دارمی میں ہے۔ عن عائشة قال ان حمزة بن عمرو الاسلمی قال للنبی صلی الله علیہ وسلم اصوم فی السفر وکان کثیر الصیام فقال ان شئت فافطر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو الاسلمیؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ کیونکہ وہ بہت روزے رکھا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ چاہے رکھو۔ چاہے نہ رکھو۔ (تجھے اختیار ہے)

بے روزے کیلئے وعید

جامع ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم من افطر یوما من رمضان من غیر رخصة رخصها الله له لم یقض عنه صیام الدهر۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص رمضان کا ایک روزہ بغیر عذر شرعی چھوڑ دے۔ (جیسے بیماری یا سفر) تو ساری عمر کے

روزے اس کو پورا نہ کر سکیں گے یعنی اگر قیامت تک بھی روزے رکھے گا۔ تو وہ ثواب جو رمضان کے ماہ میں ایک روزہ کا ہے نہیں ملے گا۔

اس وعید سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ جو بلا وجہ اور بلا عذر روزہ نہیں رکھتے اور تارک صوم ہو کر مجرم بنتے ہیں۔

رویت ہلال شہادت پر

سنن ابن ماجہ اور ابو داؤد میں ہے۔ ابو عمیرؓ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے چچاؤں نے انصار میں سے جو آنحضرتؐ کے صحابی تھے کہ شوال کا چاند بوجہ ابر چھپ گیا۔ تو اس کی صبح کو ہم نے روزہ رکھا۔ پھر آخر دن میں چند سوار آئے، انہوں نے گواہی دی کہ کل ہم نے چاند دیکھا تھا۔ یہ سنکر آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کر ڈالیں۔ (کیونکہ وہ عید کا دن تھا) اور دوسرے دن عید کو جائیں (یعنی دوسرے دن عید کی نماز پڑھ لیں)

قضا روزوں کا حکم

بخاری، مسلم، موطا امام مالک، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے۔ عن عائشۃ تقول ان کان لیکون علی الصیام من شہر رمضان فما اقضیہ حتی یجیئ شعبان۔

(ترجمہ) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتی تھیں۔ کہ مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا ہوتی تھی۔ میں اس کو نہ رکھتی یہاں تک کہ دوسرے سال کا شعبان آ جاتا اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر شعبان میں روزہ رکھا کرتے۔ نیز اس سے یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ قضا شدہ روزے سال کے اندر اندر رکھے جا سکتے ہیں۔

میت کے روزوں کا حکم

جامع ترمذی، اور ابن ماجہ میں ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام شہر فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکین۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس پر رمضان کے روزے (باقی ہوں) تو ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(یہ فوت شدہ مرد یا عورت کی طرف سے کفارہ کی صورت ہے)

بیمار کے روزوں کا حکم

قرآن مجید میں ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ۔

(ترجمہ)۔ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید اترا۔ جو لوگوں کو ہدایت کی راہ بتاتا ہے۔ اور اس میں کھلی کھلی ہدایت کی دلیلیں ہیں۔ اور حق سے پہچاننے کا طریقہ ہے۔ پھر جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو وہ اس میں روزے رکھے۔ اور جو کوئی بیمار یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (قضا روزوں) کی گنتی کو پورا کرے۔ (یعنی رمضان گزرنے کے بعد بقایا روزے رکھے)

عورتوں کے مسائل

(۱) روزہ دار عورت کو اگر حیض آ لے۔ تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ معذور پھر سے رکھنا ہوگا۔ اس کا کفارہ نہیں پڑے گا۔

(۱۱) اگر کوئی عورت مرض استحاضہ (کثرت حیض) میں مبتلا ہو۔ تو اسے حیض کے گنتی کے دن چھوڑ کر کے روزہ رکھ لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ ایک بیماری ہے۔ جس میں نماز بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور حیض کے دنوں میں نماز بھی معاف ہے۔

(۱۱۱) جس عورت کے جتنے روزے ایام نفاس یا حیض میں رہ جائیں۔ وہ سال کے اندر اندر جب چاہے رکھ سکتی ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔
عن عائشة رضي الله عنها قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل العشر أي العشر الأواخر من رمضان شد مئزره وأحيا ليله وأيقظ أهله۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔ جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم مستعدی سے تیار ہو کر عبادت فرماتے۔ اور اپنے گھر والوں کو عبادت کی

ترغیب فرماتے۔

اعتکاف (۱) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ عزوجل ثم اعتکف ازواجہ من بعدہ۔

(ترجمہ)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات تک رمضان کے آخری عشرہ میں معتکف ہوتے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات معتکف ہوتی رہیں۔ (عورتیں اپنے گھر میں اعتکاف کریں)

(۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل معتکفہ۔

(ترجمہ)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کا ارادہ فرماتے۔ تو (۲۱ رمضان کی صبح کو) فجر کی نماز پڑھ کر معتکف میں داخل ہو جاتے۔

سوائے قضا حاجت کے معتکف گھر نہیں جاسکتا صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیدخل علی راسہ و ہو فی المسجد فارجلہ وکان لا یدخل البیت الا لحاجۃ اذا کان معتکفا۔

(ترجمہ)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز ہوتے۔ اور بحالت اعتکاف اپنا سر مبارک دھونے کے لئے باہر نکالتے۔ اور میں سر مبارک دھو دیتی۔ اور گھر میں صرف انسانی ضروریات (قضائے حاجت) کے لئے تشریف لے جاتے۔

معتکف کیلئے مزید ہدایات سنن ابی داؤد میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشہد جنازۃ ولا یمس امراۃ ولا یباشرھا، ولا یخرج لحاجۃ الا لما لابد منہ ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ معتکف نہ مریض کی عیادت کرے، نہ جنازے میں شرکت کرے، اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے۔ نہ عورت سے مباشرت (معانقہ وغیرہ) کرے۔ اور نہ سوائے قضا حاجت کے کسی دوسری ضرورت کے لئے مسجد سے باہر نکلے۔ نیز بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا۔ اعتکاف جامع مسجد

لیلۃ القدر کی فضیلت

قرآن مجید میں ہے إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ

(ترجمہ) ہم نے اس قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں اتارا۔ (اور وہ رات کیسی ہے) وہ رات ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔

لیلۃ القدر ۲۷ رمضان کو ہوتی ہے

سنن ابی داؤد میں ہے:۔ عن معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر لیلۃ سبع وعشرین۔

(ترجمہ) حضرت معاویہ بن ابی سفیان نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ لیلۃ القدر ۲۷ رمضان کو ہے۔

لیلۃ القدر میں دعا

مسند امام احمد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قلت یارسول اللہ ارایت ان علمت ای لیلۃ القدر ما اقول فیہا قال قولی اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ۔

(ترجمہ):۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر میں لیلۃ القدر پاؤں۔ تو اس میں کیا دعا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا۔ اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی۔ (اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے۔ مجھے معاف فرما)

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیرپوری، مدیر ہفت روزہ "اہلحدیث" و ناظم شعبہ نشر و تالیف

مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان

تین رکعت وتر، ایک تشہد سے

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ کے دوسرے عشرہ میں محترم مولانا عبدالغنی صاحب امرتسری نے مجھے ایک مختصر سی تحریر دی اور اس کا جواب لکھنے کے لئے کہا جو انہی دنوں لکھ دیا گیا تھا۔ یہ تحریر ہمارے شہر کے ایک فاضل اہل علم کی ہے جو انہوں نے کالج کے بعض طلبہ کے استفسار پر تحریر فرمائی تھی۔ چونکہ محترم موصوف نے اس پر دستخط نہیں فرمائے۔ اس لئے ہم نے جوابی گذارشات پر انہیں براہ راست خطاب نہیں کیا۔ ورنہ بلی وقت ان کے اسم گرامی کا اظہار مناسب سمجھتے ہیں۔

میرا یہ جوابی مضمون مولانا عبدالغنی صاحب نے رمضان المبارک میں ہی ان طلباء کے ذریعے مولانا موصوف کو بھیج دیا تھا۔ جنہوں نے یہ تحریر مولانا کی وساطت سے میرے پاس بھیجی تھی۔ تاحال مولانا محترم نے میری تحریر پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ میں نے مناسب سمجھا کہ یہ تحریر اور اس پر اپنی گذارشات افادۂ عام کے لئے "الاعتصام" کے ذریعہ ہدیہ شائقین کر دوں۔

وما توفیقی الا باللہ (حافظ کمیرپوری)

مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۹۳ از آثار السنن[1] صفحہ ۱۳۸ میں ہے:-

عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال الوتر ثلث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب

---

[1] آثار السنن علامہ نیموی دیوبندی کی تصنیف ہے۔ ۱۲

باسنادہ صحیح وعن ابی خالدۃ قال سالت ابا العالیۃ عن الوتر فقال علمنا اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم اوعلمونا ان الوتر مثل الصلوۃ المغرب غیر انا نقرأ فی الثالثۃ فھذا وتر اللیل وھذا وتر النھار واسنادہ صحیح (آثار ص۱۱ ج۲)

اور جن روایتوں میں لا یقعد الا فی آخرھن آیا ہے۔ اس میں ابان العطار کی خطا ہے (حاشیہ نصب الرایہ ص۱۲۰) ابان کے سوا دوسرے تمام اس کے ساتھی یہ لفظ بیان نہیں کرتے۔ وہ سب کے سب لا یسلم الا فی آخرھن کا لفظ بیان کرتے ہیں۔ پس ابان اس لفظ لا یقعد میں منفرد ہے۔ پھر اس سے روایت کرنے والا راوی بھی منفرد ہے۔ باقی عیسیٰ بن یونس۔ یزید بن زریع۔ ابو بدر بن شجاع بن الولید۔ اور معتمر بن مقدام اور عبد الوہاب بن عطار جو ابان سے زیادہ پکے راوی ہیں، وہ سب لا یسلم الا فی آخرھن کہتے ہیں۔

(۲)۔ نیز مستدرک کے دو نسخے ہیں۔ ایک میں جہاں سے ابن حجر نے فتح الباری اور بیہقی نے نقل کیا ہے لا یقعد کا لفظ ابان کی حدیث میں ہے۔

اور دوسرے نسخے میں جنہیں ابن حجر نے درایہ میں اور عینی نے بنایہ میں اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں نقل کیا ہے، اور مرتضیٰ زبیدی نے عقود الجواھر المنیفہ اور زیلعی نے نصب الرایہ میں نقل کیا ہے، وہاں ابان کی روایت میں بھی لا یقعد نہیں بلکہ لا یسلم ہے، تو معلوم ہوتا ہے، لا یقعد سہو راوی ہے، اصل لا یسلم ہے، بہر حال جیسے مغرب کی نماز میں دو رکعت کے بعد بیٹھتے ہیں، اور سلام پھیرنے کے بغیر تیسری رکعت میں کھڑے ہوتا یہی حکم ہے۔ فقط والسلام

جوابی گذارشات

نماز وتر کی تعداد اور اس کے پڑھنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات اور مختلف احوال میں مختلف طریقوں سے وتر پڑھے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے ایک، تین، یا پانچ، سات۔ بلکہ اس

سے زائد بھی ثابت ہیں۔ اسی طرح وتر پڑھنے کے بھی کئی طریقے ثابت ہیں۔ یہ تمام تفصیلات کتب حدیث میں موجود ہیں۔ اور صحابہ کرام تابعین عظام سے ان طریقوں پر عمل ثابت ہے۔ عامل بالحدیث ان طریقوں سے جیسے چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

لیکن مختلف اماموں کے مقلدین کے لئے بڑی الجھن ہے، وہ اسی طرح وتر پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح انہیں اپنے مذہبوں کی معرفت معلوم ہوا۔ حالانکہ ائمہ کرام کے دور میں نبی علیہ السلام سے ثابت تمام طریقوں کا علم حاصل ہونے میں اتنی آسانیاں نہ تھیں۔ جس قدر محدثین کی مساعی کی بدولت بعد کے ادوار میں میسر آگئیں۔

بنا بریں واقعہ یہ ہے کہ ائمہ مذاہب کو جس کیفیت کی روایت قابل اعتماد ذریعہ سے مل سکی۔ انہوں نے اسی پر عمل کیا، اور فتوے دے دیا۔ اور ان کے لئے مناسب بھی یہی تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور سنت کے متبع کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ کسی ایک طریقہ پر محدود نہ رہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ تمام طریقوں کو صحیح اور جائز تصور کرے۔

اس مختصر مگر ضروری تمہید کے بعد ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ اور وتر کی تعداد اور کیفیت کے متعلق کچھ باتیں تحریر کرتے ہیں۔ کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں مختصر اور امام مروزیؒ کی مشہور کتاب قیام اللیل میں تفصیلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یوں بیان ہوا ہے۔ زعم النعمان ان الوتر ثلاث رکعات لا یجوز ان یزاد علی ذٰلك ولا ان ینقص منه فمن اوتر بواحدة فوترہ فاسد والواجب علیه ان یعید الوتر فیوتر بثلاث لا یسلم الا فی اٰخرھن فان سلم فی الرکعتین بطل وترہ وزعم انه لیس للمسافر ان یوتر علی دابة لکون الوتر عندہ فریضة (ص ۱۲۳۔ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۰ھ)

یعنی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ نہ اس سے زیادہ جائز ہیں۔ اور نہ ہی کم۔ جو شخص ایک وتر پڑھے۔ اس کا وتر فاسد اور باطل ہے، اور اس کو دوبارہ تین وتر پڑھنے واجب ہیں۔ اور سلام صرف آخری رکعت میں ہوگا۔ اور جس نے دو رکعت پر سلام

پھیر لیا تو اس کے وتر بھی باطل ہیں، اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ بھی ہے کہ مسافر گھوڑے وغیرہ پر وتر نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ وتر ان کے نزدیک فرض ہیں، اور فرض نماز سواری پر نہیں ہوتی"۔

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ وتر امام صاحب کے نزدیک فرض ہیں، اور ان کی تعداد بلا کم وکاست تین ہے۔ سلام صرف آخری رکعت میں کیا جائے۔ نیز وتر سواری پر جائز نہیں، ہماری نہایت ادب سے گزارش ہے۔ کہ امام صاحب کے یہ تمام دعوے حدیث کی روشنی میں صحیح نہیں۔

امر اول۔ یعنی وتر کی فرضیت کے متعلق تو ان کے دونوں بڑے شاگردوں (امام ابو یوسف اور امام محمد) نے بھی ان سے اختلاف کیا۔ اور وتر کو سنت کہا ہے (دیکھئے ہدایہ وغیرہ) کیونکہ احادیث صحیحہ سے وتر کا فرض اور واجب ثابت کرنا مشکل ہے، اسی طرح ان کا دوسرا دعویٰ بھی حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ وتر کی تعداد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے تین سے کم یعنی ایک اور تین سے زیادہ یعنی پانچ سات وغیرہ بھی ثابت ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد، سنن نسائی۔ ابن ماجہ اور کتاب قیام اللیل میں حضرت ابو ایوب صحابی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

الوتر حق علی کل مسلم فمن شاء فلیوتر بخمس ومن شاء فلیوتر بثلاث ومن شاء فلیوتر بواحدۃ۔

یعنی وتر ہر مسلمان کے لئے ضروری ہیں۔ اور پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ پانچ، تین یا ایک جو چاہے پڑھ لے۔

اس مضمون کی متعدد حدیثیں۔ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ انہی روایات کے پیش نظر امام مروزی قیام اللیل صلاا پر فرماتے ہیں۔

فالعمل عندنا بھذہ الاخبار کلھا جائز وانما اختلفت لان الصلوۃ باللیل تطوع والوتر منھا فکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم تختلف صلوٰتہ باللیل ووترہ علی ماذکرنا یصلی احیانا ھکذا واحیانا ھکذا فکل ذلک جائز حسن۔

یعنی ہمارے نزدیک ان تمام روایات پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اختلاف کا سبب یہ ہے۔

کہ رات کی نماز وتر ہو یا غیر وتر سب نفل ہیں۔ اور حضور مختلف اوقات میں کم و بیش اور مختلف کیفیت سے پڑھتے تھے، اور یہ سب طریقے اور تعداد جائز اور درست ہیں۔

یہاں ایک لطیفہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ حضرت ابوایوب والی حدیث میں وتر کو حق کہا گیا ہے۔ اس کی بنا پر حنفیہ اسے وتر کے وجوب کی دلیل بناتے ہیں۔ حالانکہ حق کا معنی ہرگز واجب نہیں ہوتا۔ لیکن اسی حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ پانچ اور ایک وتر کا ذکر بھی ہے۔ لیکن حنفیہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ یعنی ایک غیر صریح لفظ کو دلیل بناتے ہیں۔ لیکن پوری طرح واضح اور صریح لفظ سے ثابت شدہ مسئلہ کے ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔

سوئم۔ یعنی وتر پڑھنے کی کیفیت اور طریقہ کیا ہے!

روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی کافی وسعت ہے، اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مختلف طریقوں سے وتر پڑھے ہیں۔ اور صحابہ کرام اور سلف صالحین نے ان تمام طریقوں پر عمل کیا ہے، یہ کہنا کہ سلام صرف تیسری رکعت پر ہونا چاہئے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے اس کے برعکس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ دوسری رکعت پر قعدہ اور سلام کے بعد تیسری رکعت علیحدہ بھی پڑھی جا سکتی ہے، بلکہ متعدد اہل علم نے اسے پسندیدہ قرار دیا ہے۔

تین وتر ایک ساتھ پڑھنے کی صورت میں دوسری رکعت میں تشہد کیا جائے یا نہ! حنفیہ تشہد کے قائل ہیں، اور حنفی بزرگ کی جو تحریر مجھے دی گئی ہے، (یہ تحریر مضمون کے شروع میں درج کر دی گئی ہے) اسی مقصد اور اسی دعوے کے اثبات میں لکھی گئی ہے۔

صاحب تحریر نے اپنے اس دعویٰ پر جو عبارت بطور دلیل پیش کی ہے، وہ مصنف ابن ابی شیبہ اور کتاب "آثار السنن" سے نقل کی گئی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ اس کا ترجمہ کیوں نہیں کیا گیا۔ حالانکہ ہمارے محترم بزرگ یہ تحریر ایک عام اردو خواں کو دے رہے ہیں۔ جو عربی عبارت سمجھنے سے یقیناً قاصر ہے۔

اس عبارت کے پہلے فقرہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح تین ہیں، اور دوسرے فقرے کا ترجمہ یہ ہے کہ ابوالعالیہ کسی صاحب ابو رخا لہ کو کہتے ہیں کہ

ہمیں صحابہ نے یہ بتایا کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ سوائے اس کے کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورت پڑھی جاتی ہے۔

بہتر یہ تھا کہ صاحب تحریر اپنے دعویٰ پر کسی معتبر کتاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحیح اور واضح فرمان پیش کرتے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے جن دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں پہلی کتاب (مصنف ابن ابی شیبہ) کتب حدیث میں تیسرے طبقہ کی کتاب ہے جس میں صحیح، ضعیف مرفوع، مرسل، منقطع، غریب، شاذ، منکر، خطا، صواب، ثابت اور غیر ثابت ہر قسم کی روایات جمع کی گئی ہیں۔ تیسرے طبقہ کے محدثین کا کام صرف یہ تھا۔ کہ بلا امتیاز جہاں میں اللہ بغیر تحقیق و تنقید تمام روایات جمع کر دی جائیں۔ اور نقد و جرح کا کام بعد میں آنے والوں پر چھوڑ دیا جائے۔ رہی کتاب آثار السنن۔ تو یہ ہمارے ہی زمانہ کے ایک حنفی عالم کی ہے۔ اہل علم کو چاہیئے کہ اختلافی مسائل میں ان کتابوں کا حوالہ دیں۔ جو معتبر اور مسلمہ فریقین ہوں۔

دوسری بات قابل غور یہ ہے۔ کہ مذکورہ دونوں عبارتیں بھی اپنے مفہوم میں واضح نہیں ہیں۔ پھر مدعا ثابت کرنے میں ذرہ بھر مفید نہیں۔ غالباً اسی لئے ان کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔ آخر ان میں وہ کون سا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ یا مفہوم یہ ہو کہ وتروں کی دوسری رکعت میں قعدہ ضروری ہے۔

کیا یہ کہنا کہ وتر کی نماز مغرب کی طرح تین رکعت ہے۔ اس بات کا ہم معنیٰ ہے کہ دوسری رکعت میں قعدہ ضرور کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کے نامور حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "تعلیق الممجد" میں اسی مضمون کی ایک روایت (از ابن عمر) پر بحث کے دوران لکھا ہے، کہ اس کا تعلق وتر کی کیفیت سے نہیں۔ بلکہ وتر کی تعداد سے ہے۔ اور اس کا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ وتر مغرب کی طرح تین رکعت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود صاحب روایت حضرت ابن عمر وتروں کی دوسری رکعت پر سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۳۳۔

اس کے برعکس ایک ثابت شدہ حدیث میں خاص وتروں کے متعلق رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ لا تشبہوا بصلوٰۃ المغرب یعنی وتروں کی نماز مغرب کے مشابہ نہ کرو۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:۔کہ

اس روایت کے تمام راوی ثقہ یعنی معتبر ہیں۔ صاحب تحریر کی پیش کردہ عبارت کو اگر اس فرمان نبوی کی روشنی میں دیکھا جائے تو مطلب صاف ہے کہ وتر کی نماز ہے، تو مغرب کی طرح تین رکعت۔ لیکن اس میں درمیانی تشہد نہیں ہے اس حدیث کی یہ توجیہہ مشہور صحابی حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

الوتر کصلوٰۃ المغرب الا انہ لا تقعد فی الثانیۃ۔

یعنی وتر اور مغرب میں یہ فرق ہے کہ وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ نہیں ہے (محلی ابن حزم ص۴۵ ج ۳)

شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتح الباری ج ۲ ص۲۲۴ میں مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہوئے یہی بات لکھی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ بعض روایات سے تین وتر کی کراہت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ صحیح روایات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا تین وتر پڑھنا زیادہ ثابت ہے، حافظ صاحب اس تعارض کا حل یوں فرماتے ہیں کہ تین وتر مغرب کی نماز کی طرح دو تشہد کے ساتھ درست نہیں لیکن دوسری رکعت پر سلام کے بعد تیسرا علیحدہ پڑھنا یا تینوں کو ایک تشہد کے ساتھ پڑھنا مسنون اور معمول ہے، اصل الفاظ یہ ہیں:۔ الجمع بین هذا وبین ما تقدم من النهی عن التشبه صلوٰۃ المغرب ان يحمل النهی علی صلوٰۃ الثلاث بتشهدین۔

صاحب تحریر کی پیش کردہ عبارت پر مختصر گفتگو کے بعد ہم ان کے اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں، جو انہوں نے اس روایت پر کیا ہے، جس میں یہ ذکر آتا ہے کہ قعدہ صرف وتروں کی آخری رکعت پر کیا جائے۔ موصوف فرماتے ہیں:۔کہ

"یہ الفاظ ایک راوی کی خطا ہیں اور حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں، کہ سلام صرف آخری

رکعت پر پھیرا جائے۔ اس سے ہمارے محترم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دوسری رکعت میں قعدہ کیا جائے۔ حالانکہ معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی اس بات کی تائید کرے گا کہ آخری رکعت میں سلام پھیرنے سے یہ مفہوم کیسے نکل آیا کہ دوسری رکعت میں قعدہ ضروری ہے۔ پھر جہاں تک دوسری رکعت پر سلام پھیرنے کا، اور تیسری علیحدہ پڑھنے کا تعلق ہے، وہ نہ تو صرف ابن عمرؓ بلکہ آنحضرتؐ کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ مشہور حنفی بزرگ علامہ لکھنوی امام طحاوی کے حوالہ سے یہ روایت لائے ہیں۔ کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو وتر پڑھنے کا یہی طریقہ بتایا اور کہا کہ یہ رسول اللہ کی سنت ہے۔ (التعلیق الممجد ص۱۴۲)

پھر جہاں تک دوسری رکعت میں قعدہ کا تعلق ہے۔ صاحب تحریر نے اس پر کوئی واضح بات نہیں کہی۔ صرف یہ بات کہ وتر مغرب کی طرح ہیں، اس مقصد کے لئے قطعاً ناکافی ہیں۔ رہی ان کی یہ بات کہ مستدرک حاکم کے نسخہ میں لا یقعد کی بجائے لا یسلم کے الفاظ ہیں۔ یعنی دوسری رکعت میں قعدہ کی نہیں، بلکہ سلام کی نفی کی گئی ہے۔ پھر ان کی فن رجال کی روشنی میں دوسری روایت کو ترجیح دینے کی کوشش۔ تو ہمارے خیال میں یہ تمام باتیں صاحب تحریر کے لئے چنداں مفید نہیں کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ دوسری رکعت میں سلام کی ممانعت ہے۔ حالانکہ متعدد روایات میں اس کے ثبوت موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم علامہ لکھنوی کے حوالہ سے ذکر کر آئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب اس مفہوم کے خلاف صریح روایات موجود ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عمرؓ والی روایت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ خود اپنے مؤطا میں لائے ہیں۔ تو پھر اس تکلف سے کیا فائدہ۔

آخر ایسی غیر واضح بات پر مسئلہ کی بنیاد ہی کیوں رکھی جائے۔ جو صریح روایات کے خلاف اور تاریخ کے اعتبار سے ناقابل تسلیم ہو۔

اب رہا اہلحدیث کا عمل کہ وہ دوسری رکعت پر سلام پھیر کر تیسری الگ تو پڑھ لیتے ہیں لیکن ایک ساتھ تین پڑھنے کی صورت میں دوسری میں قعدہ نہیں کرتے۔ تو یہ اس لئے کہ اس صورت

یہاں وتر نماز مغرب کے مشابہ ہو جاتے ہیں جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، بالفاظ دیگر اہل حدیث کا معمول یہ ہے کہ وہ تین یا پانچ وتر ایک ساتھ پڑھنے کی صورت میں قعدہ اور سلام کرتے ہیں۔ ان کے اس عمل کی بنیاد صحیحین کی ایک واضح حدیث اور غیر مبہم دلیل ہے۔

عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلے من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذالک بخمس لا یجلس الا فی اٰخرھا۔

یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ رات کی نماز (جب) تیرہ رکعت پڑھتے تو ان میں پانچ وتر ہوتے، جن کی صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ سو جب پانچ وتر میں ایک ہی قعدہ مسنون ہے، تو پھر تین میں درمیانی قعدہ کیوں؟۔

واضح رہے کہ یہ حدیث متفق علیہ یعنی صحیح بخاری اور مسلم کی ہے، جس کی سند پر کسی قسم کی جرح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں کتب حدیث نسائی اور قیام اللیل وغیرہ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سات وتر پڑھنے کی صورت میں بھی آخری رکعت میں قعدہ فرماتے تھے۔

پھر وہ حدیث بھی قابل غور ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت جب تین وتر پڑھتے تو صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ یہ حدیث مستدرک حاکم کی ہے، اور صاحب تحریر کی نفی جرح کے باوجود دوسری صحیح روایات کے مطابق ہے۔

اور سب سے آخر میں ہم حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آنحضرتؐ کا وہ شاہی فرمان درج کرتے ہیں، جس کا کچھ تذکرہ پہلے بھی ہو چکا ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او سبع ولا تشبھوا بصلوٰۃ المغرب۔ (دار قطنی بحوالہ نیل الاوطار)

(یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تین وتر نہ پڑھو۔ پانچ یا سات پڑھو، اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو)

ظاہر ہے کہ تین وتر کی ممانعت صرف مغرب سے مشابہت کے سبب سے ہے ورنہ تو آنحضرت اور صحابہؓ کا تین رکعت پڑھنا بلا اختلاف ثابت ہے، بلکہ حنفیہ کے نزدیک تو واجب ہی تین ہیں، نہ کم نہ زیادہ، رہی مغرب سے مشابہت تو اس سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک یا پنج یا سات پڑھے جائیں۔ یا دو پہ سلام اور تیسرا جدا پڑھا جائے۔ یا تین اکٹھے پڑھے جائیں۔ لیکن قعدہ اور سلام صرف تیسرے میں کیا جائے

الحمدللہ اہل حدیث ان تمام صورتوں کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ کرام ان تینوں سے کسی بھی صورت کو جائز نہیں سمجھتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اہل حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ثابت شدہ فرمان کو مانتے ہیں۔ اور آپ کے صحابہؓ اور تابعینؒ کی طرح ہر ثابت شدہ طریقہ پر وتر پڑھ لیتے ہیں۔ اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یقین رکھتے ہیں: کہ

قد جعل الله فى الامر سعة وعلمنا النبى صلے الله عليه وسلم الوتر على هيئات متعددة فلا ملجئ الى الوقوع فى مضيق التعارض (نيل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بڑی وسعت فرمائی۔ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول و عمل سے وتر پڑھنے کے کئی طریقے بتائے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ احادیث کو باہم ٹکراتے اور وسعت کو تنگی میں بدلنے کی کوشش نہ کریں۔

اسی طرح اندلس کے محدث حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب محلیٰ جلد ۳ صفحہ ۴۸ پر فرماتے ہیں،

ان الوتر وتهجد الليل ينقسم الى ثلاثة عشر وجها ايها فعل اجزاه -

یعنی وتر اور تہجد پڑھنے کے تیرہ طریقے دلائل سے ثابت ہیں، جس طریقے سے ادا کر لئے جائیں ٹھیک ہیں۔

تاہم ہمارے اہلحدیث کے نزدیک راجح یہ ہے کہ تین وتر ایک ساتھ پڑھے جائیں اور قعدہ صرف تیسری رکعت میں کیا جائے ہمارے علم و تحقیق میں تین وتر اکٹھے پڑھنے

کی صورت میں دوسری رکعت میں قعدہ کے متعلق کوئی ایسی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ جو سنداً صحیح اور دلالۃً صریح ہو۔

ضمناً یہ ذکر بھی آیا تھا کہ حنفیہ وتر کو فرض یا واجب سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں سواری پر وتر نہیں ہوتے۔ ہم پوری ذمہ داری سے عرض کرتے ہیں کہ ان کا یہ مسئلہ بھی حدیث کے خلاف ہے کہ کتب حدیث میں بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے سواری پر وتر پڑھے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام محمد اپنے "موطا" میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت لائے ہیں کہ وہ سواری پر وتر پڑھ لیتے تھے، مگر افسوس کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ (حنفیہ) سواری پر وتر پڑھنا پسند نہیں کرتے۔

دیکھئے موطا امام محمد ص ۱۴۴

اس کے برعکس جماعت اہل حدیث کا زریں اصول یہ ہے کہ

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

فقط

حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری

حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب
کمیرپوری ۔ مدیر ہفت روزہ اہلحدیث

وناظم شعبہ نشر و تالیف مرکزی
جمعیت اہلحدیث پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سحری، افطار کا دائمی نقشہ

اللہ رب العزت نے روزہ کے لئے قمری مہینہ رمضان کو منتخب فرمایا۔ جو گرما، سرما موسم میں آتا ہے، اور قمری حساب میں سحر و افطار کے اوقات کا دائمی نقشہ بنانا ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں سحری افطار کا نیا نقشہ بنانا پڑتا ہے۔

ہم نے اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے شمسی تقویم یعنی انگریزی مہینوں کے حساب سے پورے سال کا نقشہ تیار کر دیا ہے، جو بفضلہ تعالےٰ قیامت تک کام دیتا رہے گا۔

قارئین سے التماس ہے کہ اس رسالہ کو حفاظت سے رکھیں، اور ہمیشہ ہمیشہ رمضان المبارک کا جو فرضی روزہ انگریزی ماہ کی جس تاریخ کو آئے اس تاریخ کے سامنے لکھا ہوا ٹائم دیکھیں اور اس کے مطابق سحری افطار کا اہتمام کریں۔

ماسوا اس کے آپ مدۃ العمر جب بھی شوال۔ شبرات۔ عرفہ۔ عاشورہ وغیرہ کا نفلی روزہ رکھیں سحری افطار کے لیے اس نقشہ سے فائدہ اٹھائیں۔

تاہم سحری ہی ٹائم سے پانچ سات منٹ پہلی ختم کر دی جائے کیونکہ مسنون طریقہ یہی ہے اور افطار میں احتیاطاً ایک آدھ منٹ مزید انتظار کر لیا جائے۔

دعا کا طالب۔

حافظ کمیرپوری

جنوری: تاریخ	جنوری: اختتام سحری	جنوری: افطار	فروری: تاریخ	فروری: اختتام سحری	فروری: افطار
۱	۵ ۴۱	۵ ۱۵	۱	۵ ۳۷	۵ ۴۲
۲	۵ ۴۱	۵ ۱۵	۲	۵ ۳۶	۵ ۴۳
۳	۵ ۴۱	۵ ۱۶	۳	۵ ۳۶	۵ ۴۴
۴	۵ ۴۱	۵ ۱۶	۴	۵ ۳۵	۵ ۴۴
۵	۵ ۴۱	۵ ۱۷	۵	۵ ۳۵	۵ ۴۵
۶	۵ ۴۱	۵ ۱۷	۶	۵ ۳۴	۵ ۴۶
۷	۵ ۴۱	۵ ۱۸	۷	۵ ۳۴	۵ ۴۷
۸	۵ ۴۱	۵ ۱۹	۸	۵ ۳۳	۵ ۴۸
۹	۵ ۴۱	۵ ۲۱	۹	۵ ۳۳	۵ ۴۹
۱۰	۵ ۴۱	۵ ۲۲	۱۰	۵ ۳۲	۵ ۴۹
۱۱	۵ ۴۱	۵ ۲۳	۱۱	۵ ۳۲	۵ ۵۰
۱۲	۵ ۴۱	۵ ۲۴	۱۲	۵ ۳۱	۵ ۵۱
۱۳	۵ ۴۱	۵ ۲۴	۱۳	۵ ۳۱	۵ ۵۲
۱۴	۵ ۴۱	۵ ۲۴	۱۴	۵ ۳۰	۵ ۵۳
۱۵	۵ ۴۱	۵ ۲۵	۱۵	۵ ۲۹	۵ ۵۴
۱۶	۵ ۴۲	۵ ۲۶	۱۶	۵ ۲۸	۵ ۵۵
۱۷	۵ ۴۲	۵ ۲۷	۱۷	۵ ۲۷	۵ ۵۵
۱۸	۵ ۴۲	۵ ۲۸	۱۸	۵ ۲۶	۵ ۵۶
۱۹	۵ ۴۲	۵ ۲۹	۱۹	۵ ۲۶	۵ ۵۷
۲۰	۵ ۴۲	۵ ۳۰	۲۰	۵ ۲۵	۵ ۵۸
۲۱	۵ ۴۲	۵ ۳۱	۲۱	۵ ۲۴	۵ ۵۹
۲۲	۵ ۴۲	۵ ۳۲	۲۲	۵ ۲۳	۶ ۰
۲۳	۵ ۴۱	۵ ۳۳	۲۳	۵ ۲۲	۶ ۰
۲۴	۵ ۴۱	۵ ۳۴	۲۴	۵ ۲۱	۶ ۱
۲۵	۵ ۴۱	۵ ۳۵	۲۵	۵ ۲۰	۶ ۲
۲۶	۵ ۴۱	۵ ۳۶	۲۶	۵ ۱۵	۶ ۲
۲۷	۵ ۳۹	۵ ۳۷	۲۷	۵ ۱۷	۶ ۳
۲۸	۵ ۳۹	۵ ۳۸	۲۸	۵ ۱۶	۶ ۴
۲۹	۵ ۳۸	۵ ۳۹	۲۹	۵ ۱۶۰	۶ ۴
۳۰	۵ ۳۸	۵ ۴۰		x	x
۳۱	۵ ۳۷	۵ ۴۱		x	x

مارچ			اپریل		
تاریخ	امساک سحری	افطار	تاریخ	امساک سحری	افطار
۱	۱۵ ۵	۵ ۶	۱	۳۷ ۴	۲۶ ۶
۲	۱۴ ۵	۵ ۶	۲	۳۶ ۴	۲۷ ۶
۳	۱۳ ۵	۶ ۶	۳	۳۴ ۴	۲۷ ۶
۴	۱۲ ۵	۷ ۶	۴	۳۲ ۴	۲۸ ۶
۵	۱۱ ۵	۷ ۶	۵	۳۱ ۴	۲۹ ۶
۶	۱۰ ۵	۸ ۶	۶	۲۹ ۴	۳۰ ۶
۷	۹ ۵	۹ ۶	۷	۲۸ ۴	۳۱ ۶
۸	۸ ۵	۱۰ ۶	۸	۲۶ ۴	۳۱ ۶
۹	۷ ۵	۱۱ ۶	۹	۲۴ ۴	۳۲ ۶
۱۰	۵ ۵	۱۲ ۶	۱۰	۲۳ ۴	۳۳ ۶
۱۱	۴ ۵	۱۲ ۶	۱۱	۲۱ ۴	۳۴ ۶
۱۲	۳ ۵	۱۳ ۶	۱۲	۲۰ ۴	۳۴ ۶
۱۳	۲ ۵	۱۴ ۶	۱۳	۱۸ ۴	۳۵ ۶
۱۴	۱ ۵	۱۵ ۶	۱۴	۱۷ ۴	۳۵ ۶
۱۵	۵۹ ۴	۱۵ ۶	۱۵	۱۵ ۴	۳۶ ۶
۱۶	۵۸ ۴	۱۶ ۶	۱۶	۱۴ ۴	۳۶ ۶
۱۷	۵۷ ۴	۱۷ ۶	۱۷	۱۳ ۴	۳۷ ۶
۱۸	۵۶ ۴	۱۷ ۶	۱۸	۱۱ ۴	۳۷ ۶
۱۹	۵۵ ۴	۱۸ ۶	۱۹	۱۰ ۴	۳۸ ۶
۲۰	۵۳ ۴	۱۹ ۶	۲۰	۹ ۴	۳۹ ۶
۲۱	۵۲ ۴	۱۹ ۶	۲۱	۷ ۴	۳۹ ۶
۲۲	۵۱ ۴	۲۰ ۶	۲۲	۶ ۴	۴۰ ۶
۲۳	۴۹ ۴	۲۱ ۶	۲۳	۴ ۴	۴۱ ۶
۲۴	۴۸ ۴	۲۱ ۶	۲۴	۳ ۴	۴۱ ۶
۲۵	۴۶ ۴	۲۲ ۶	۲۵	۲ ۴	۴۲ ۶
۲۶	۴۵ ۴	۲۲ ۶	۲۶	۰ ۴	۴۳ ۶
۲۷	۴۳ ۴	۲۳ ۶	۲۷	۵۹ ۳	۴۴ ۶
۲۸	۴۲ ۴	۲۴ ۶	۲۸	۵۸ ۳	۴۴ ۶
۲۹	۴۱ ۴	۲۵ ۶	۲۹	۵۷ ۳	۴۵ ۶
۳۰	۴۰ ۴	۲۵ ۶	۳۰	۵۶ ۳	۴۶ ۶
۳۱	۳۸ ۴	۲۶ ۶		×	×

جولائی		
تاریخ	اختتام سحری	افطار
۱	۳ ۲۷	۷ ۱۶
۲	۳ ۲۸	۷ ۱۶
۳	۳ ۲۸	۷ ۱۶
۴	۳ ۲۹	۷ ۱۶
۵	۳ ۲۹	۷ ۱۶
۶	۳ ۳۰	۷ ۱۶
۷	۳ ۳۱	۷ ۱۶
۸	۳ ۳۲	۷ ۱۶
۹	۳ ۳۲	۷ ۱۵
۱۰	۳ ۳۳	۷ ۱۵
۱۱	۳ ۳۳	۷ ۱۵
۱۲	۳ ۳۴	۷ ۱۵
۱۳	۳ ۳۵	۷ ۱۵
۱۴	۳ ۳۶	۷ ۱۴
۱۵	۳ ۳۷	۷ ۱۴
۱۶	۳ ۳۷	۷ ۱۴
۱۷	۳ ۳۸	۷ ۱۴
۱۸	۳ ۳۹	۷ ۱۳
۱۹	۳ ۴۰	۷ ۱۳
۲۰	۳ ۴۰	۷ ۱۲
۲۱	۳ ۴۱	۷ ۱۲
۲۲	۳ ۴۱	۷ ۱۱
۲۳	۳ ۴۲	۷ ۱۱
۲۴	۳ ۴۳	۷ ۱۰
۲۵	۳ ۴۴	۷ ۱۰
۲۶	۳ ۴۵	۷ ۹
۲۷	۳ ۴۶	۷ ۸
۲۸	۳ ۴۷	۷ ۷
۲۹	۳ ۴۸	۷ ۷
۳۰	۳ ۴۹	۷ ۶
۳۱	۳ ۵۰	۷ ۵

اگست		
تاریخ	اختتام سحری	افطار
۱	۳ ۵۱	۷ ۵
۲	۳ ۵۲	۷ ۴
۳	۳ ۵۲	۷ ۳
۴	۳ ۵۳	۷ ۲
۵	۳ ۵۴	۷ ۱
۶	۳ ۵۵	۷ ۰
۷	۳ ۵۶	۶ ۵۹
۸	۳ ۵۷	۶ ۵۸
۹	۳ ۵۸	۶ ۵۷
۱۰	۳ ۵۹	۶ ۵۶
۱۱	۴ ۰	۶ ۵۵
۱۲	۴ ۱	۶ ۵۴
۱۳	۴ ۲	۶ ۵۳
۱۴	۴ ۳	۶ ۵۲
۱۵	۴ ۳	۶ ۵۱
۱۶	۴ ۴	۶ ۵۰
۱۷	۴ ۵	۶ ۴۹
۱۸	۴ ۶	۶ ۴۸
۱۹	۴ ۷	۶ ۴۷
۲۰	۴ ۸	۶ ۴۶
۲۱	۴ ۹	۶ ۴۵
۲۲	۴ ۱۰	۶ ۴۴
۲۳	۴ ۱۱	۶ ۴۳
۲۴	۴ ۱۲	۶ ۴۲
۲۵	۴ ۱۳	۶ ۴۱
۲۶	۴ ۱۴	۶ ۴۰
۲۷	۴ ۱۵	۶ ۳۹
۲۸	۴ ۱۵	۶ ۳۷
۲۹	۴ ۱۶	۶ ۳۶
۳۰	۴ ۱۷	۶ ۳۵
۳۱	۴ ۱۸	۶ ۳۴

مئی					جون				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۵۵	۳	۴۶	۶	۱	۲۶	۳	۷	۷
۲	۵۴	۳	۴۷	۶	۲	۲۶	۳	۸	۷
۳	۵۳	۳	۴۸	۶	۳	۲۵	۳	۸	۷
۴	۵۲	۳	۴۸	۶	۴	۲۵	۳	۸	۷
۵	۵۱	۳	۴۹	۶	۵	۲۵	۳	۹	۷
۶	۵۰	۳	۵۰	۶	۶	۲۵	۳	۹	۷
۷	۴۸	۳	۵۰	۶	۷	۲۵	۳	۱۰	۷
۸	۴۷	۳	۵۱	۶	۸	۲۵	۳	۱۰	۷
۹	۴۶	۳	۵۲	۶	۹	۲۵	۳	۱۱	۷
۱۰	۴۵	۳	۵۳	۶	۱۰	۲۴	۳	۱۱	۷
۱۱	۴۳	۳	۵۳	۶	۱۱	۲۴	۳	۱۱	۷
۱۲	۴۲	۳	۵۴	۶	۱۲	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۳	۴۱	۳	۵۵	۶	۱۳	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۴	۴۰	۳	۵۵	۶	۱۴	۲۴	۳	۱۲	۷
۱۵	۳۹	۳	۵۶	۶	۱۵	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۶	۳۸	۳	۵۷	۶	۱۶	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۷	۳۸	۳	۵۷	۶	۱۷	۲۴	۳	۱۳	۷
۱۸	۳۷	۳	۵۸	۶	۱۸	۲۴	۳	۱۴	۷
۱۹	۳۶	۳	۵۹	۶	۱۹	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۰	۳۵	۳	۵۹	۶	۲۰	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۱	۳۴	۳	۰	۷	۲۱	۲۴	۳	۱۴	۷
۲۲	۳۳	۳	۱	۷	۲۲	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۳	۳۲	۳	۲	۷	۲۳	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۴	۳۲	۳	۲	۷	۲۴	۲۴	۳	۱۵	۷
۲۵	۳۱	۳	۳	۷	۲۵	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۶	۳۰	۳	۴	۷	۲۶	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۷	۳۰	۳	۴	۷	۲۷	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۸	۲۹	۳	۵	۷	۲۸	۲۵	۳	۱۶	۷
۲۹	۲۸	۳	۵	۷	۲۹	۲۶	۳	۱۶	۷
۳۰	۲۷	۳	۶	۷	۳۰	۲۶	۳	۱۶	۷
۳۱	۲۷	۳	۶	۷		×		×	

ستمبر			اکتوبر		
تاریخ	اختتام سحری	افطار	تاریخ	اختتام سحری	افطار
۱	۴ ۱۹	۶ ۳۳	۱	۴ ۴۰	۵ ۵۴
۲	۴ ۲۰	۶ ۳۲	۲	۴ ۴۱	۵ ۵۳
۳	۴ ۲۰	۶ ۳۱	۳	۴ ۴۱	۵ ۵۲
۴	۴ ۲۱	۶ ۳۰	۴	۴ ۴۲	۵ ۵۰
۵	۴ ۲۲	۶ ۲۸	۵	۴ ۴۲	۵ ۴۹
۶	۴ ۲۳	۶ ۲۷	۶	۴ ۴۳	۵ ۴۸
۷	۴ ۲۳	۶ ۲۵	۷	۴ ۴۳	۵ ۴۶
۸	۴ ۲۴	۶ ۲۴	۸	۴ ۴۴	۵ ۴۵
۹	۴ ۲۵	۶ ۲۳	۹	۴ ۴۵	۵ ۴۴
۱۰	۴ ۲۶	۶ ۲۱	۱۰	۴ ۴۵	۵ ۴۲
۱۱	۴ ۲۷	۶ ۲۰	۱۱	۴ ۴۶	۵ ۴۱
۱۲	۴ ۲۸	۶ ۱۹	۱۲	۴ ۴۷	۵ ۴۰
۱۳	۴ ۲۸	۶ ۱۸	۱۳	۴ ۴۸	۵ ۳۹
۱۴	۴ ۲۹	۶ ۱۶	۱۴	۴ ۴۹	۵ ۳۸
۱۵	۴ ۲۹	۶ ۱۵	۱۵	۴ ۴۹	۵ ۳۷
۱۶	۴ ۳۰	۶ ۱۳	۱۶	۴ ۵۰	۵ ۳۶
۱۷	۴ ۳۱	۶ ۱۲	۱۷	۴ ۵۰	۵ ۳۴
۱۸	۴ ۳۱	۶ ۱۱	۱۸	۴ ۵۱	۵ ۳۳
۱۹	۴ ۳۲	۶ ۱۰	۱۹	۴ ۵۱	۵ ۳۲
۲۰	۴ ۳۳	۶ ۹	۲۰	۴ ۵۲	۵ ۳۱
۲۱	۴ ۳۴	۶ ۷	۲۱	۴ ۵۳	۵ ۳۰
۲۲	۴ ۳۵	۶ ۶	۲۲	۴ ۵۳	۵ ۲۹
۲۳	۴ ۳۵	۶ ۴	۲۳	۴ ۵۴	۵ ۲۸
۲۴	۴ ۳۶	۶ ۳	۲۴	۴ ۵۵	۵ ۲۷
۲۵	۴ ۳۷	۶ ۲	۲۵	۴ ۵۵	۵ ۲۶
۲۶	۴ ۳۷	۶ ۰	۲۶	۴ ۵۶	۵ ۲۵
۲۷	۴ ۳۸	۵ ۵۹	۲۷	۴ ۵۷	۵ ۲۴
۲۸	۴ ۳۸	۵ ۵۸	۲۸	۴ ۵۷	۵ ۲۳
۲۹	۴ ۳۹	۵ ۵۶	۲۹	۴ ۵۸	۵ ۲۲
۳۰	۴ ۴۰	۵ ۵۵	۳۰	۴ ۵۹	۵ ۲۱
	×	×	۳۱	۵	۵ ۲۰

نومبر					دسمبر				
تاریخ	اختتام سحری		افطار		تاریخ	اختتام سحری		افطار	
۱	۱	۵	۱۹	۵	۱	۲۳	۵	۴	۵
۲	۲	۵	۱۹	۵	۲	۲۴	۵	۴	۵
۳	۲	۵	۱۸	۵	۳	۲۵	۵	۴	۵
۴	۳	۵	۱۷	۵	۴	۲۵	۵	۴	۵
۵	۴	۵	۱۶	۵	۵	۲۶	۵	۴	۵
۶	۴	۵	۱۵	۵	۶	۲۷	۵	۴	۵
۷	۵	۵	۱۵	۵	۷	۲۷	۵	۴	۵
۸	۶	۵	۱۴	۵	۸	۲۸	۵	۴	۵
۹	۶	۵	۱۴	۵	۹	۲۹	۵	۴	۵
۱۰	۷	۵	۱۳	۵	۱۰	۲۹	۵	۵	۵
۱۱	۸	۵	۱۲	۵	۱۱	۳۰	۵	۵	۵
۱۲	۸	۵	۱۱	۵	۱۲	۳۰	۵	۵	۵
۱۳	۹	۵	۱۰	۵	۱۳	۳۱	۵	۵	۵
۱۴	۱۰	۵	۱۰	۵	۱۴	۳۲	۵	۶	۵
۱۵	۱۰	۵	۹	۵	۱۵	۳۲	۵	۶	۵
۱۶	۱۱	۵	۹	۵	۱۶	۳۳	۵	۷	۵
۱۷	۱۲	۵	۸	۵	۱۷	۳۴	۵	۷	۵
۱۸	۱۳	۵	۸	۵	۱۸	۳۴	۵	۸	۵
۱۹	۱۴	۵	۷	۵	۱۹	۳۵	۵	۸	۵
۲۰	۱۵	۵	۷	۵	۲۰	۳۶	۵	۹	۵
۲۱	۱۵	۵	۷	۵	۲۱	۳۶	۵	۹	۵
۲۲	۱۶	۵	۶	۵	۲۲	۳۷	۵	۱۰	۵
۲۳	۱۷	۵	۶	۵	۲۳	۳۸	۵	۱۰	۵
۲۴	۱۸	۵	۵	۵	۲۴	۳۸	۵	۱۱	۵
۲۵	۱۸	۵	۵	۵	۲۵	۳۹	۵	۱۱	۵
۲۶	۱۹	۵	۵	۵	۲۶	۳۹	۵	۱۲	۵
۲۷	۲۰	۵	۴	۵	۲۷	۳۹	۵	۱۲	۵
۲۸	۲۱	۵	۴	۵	۲۸	۴۰	۵	۱۳	۵
۲۹	۲۱	۵	۴	۵	۲۹	۴۰	۵	۱۳	۵
۳۰	۲۲	۵	۴	۵	۳۰	۴۰	۵	۱۴	۵
	×		×		۳۱	۴۱	۵	۱۴	۵

مختلف شہروں میں طلوع و غروب کا فرق

مرتب شدہ نقشہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ مختلف شہروں میں طلوع اور غروب آفتاب کا فرق درج کر دیا جائے۔ تاکہ مختلف شہروں میں رہتے والے احباب یہ فرق جمع تفریق کر لیں۔ کیونکہ نقشہ میں سرگودھا کے اوقات دیئے گئے ہیں۔

شہر	فرق	شہر	فرق
لاہور	۵ منٹ کم	کراچی	۲۲ منٹ جمع
شیخوپورہ	۴ " کم	میانوالی	۶ " جمع
لائلپور	۴ " جمع	ڈیرہ اسماعیل خاں	۲ " جمع
جھنگ	۳ " جمع	راولپنڈی	برابر
مظفرگڑھ	۵ " جمع	جہلم	۳ " کم
ملتان	۵ " جمع	گجرات	۷ " کم
ڈیرہ غازیخان	۴ " جمع	گوجرانوالہ	۴ " جمع
بہاولپور	۹ " جمع	سیالکوٹ	۷ " کم
ساہیوال	برابر		

بابُ الصّیام

روزہ اور اس کے متعلقات

حضرت العلامہ مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز اپنے اخبار گوہر بار میں عموماً سالانہ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے خطبہ مسنونہ درج فرمایا کرتے تھے ہم نے بھی مناسب جانا کہ کتاب الصیام فتاویٰ علمائے حدیث کی افتتاح اسی مبارک اور قیمتی خطبے کی جائے امید کہ ناظرین حضرت مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کریں گے اور ناقل کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں بالخصوص ماہ مبارک میں شریک رکھیں گے فقط

خطبہ رمضان

ناظرین اہل حدیث مسلمانوں کی ایک مستقل جماعت ہے اس لئے ان کو ہر سال خطبہ رمضان شریف بغرض اداء سنت سنایا جاتا ہے نیز جو نئے افراد خریداروں میں داخل ہوتے ہیں ان کو بھی پہنچ جاتا ہے خطبہ مسنونہ یہ ہے۔

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اٰخر یوم من شعبان فقال یا ایھا الناس قد اظلکم شھر عظیم شھر مبارک شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر جعل اللہ صیامہ فریضۃ وقیام لیلۃ تطوعا من تقرب فیہ بخصلۃ من الخیر کان کمن ادی فریضۃ

فیما سواہ ومن ادی فریضۃ فیہ کان کمن ادی سبعین فریضۃ فیما سواہ وھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنۃ وشھر المواساۃ وشھر یزاد فیہ رزق المؤمن من فطر فیہ صائما کان لہ مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ من النار وکان لہ مثل اجرہ من غیر ان ینتقص من اجرہ شیء قلنا یا رسول اللہ لیس کلنا نجد ما نفطر بہ الصائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ ھذا الثواب من فطر صائما علی مذقۃ لبن او تمرۃ او شربۃ من ماء ومن اشبع صائما سقاہ اللہ من حوضی شربۃ لا یظما حتی یدخل الجنۃ وھو شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ و اخرہ عتق من النار ومن خفف عن مملوکہ فیہ غفر لہ واعتقہ من النار (مشکوٰۃ) ص۱۷۴ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

یعنی سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ہم کو سنایا، فرمایا اے لوگوں تم پر ایک بہت ہی عظیم الشان بابرکت مہینہ آیا ہے۔ وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں کی رات سے بھی افضل ہے، خدا نے اس مہینے میں روزے رکھنے فرض کئے ہیں اور رات کو قیام کرنا نفل قرار دیا ہے، جو کوئی اس مہینے میں نفل نیکی کا کام کرے، وہ ایسا ہوگا کہ اس نے اور دنوں میں گویا فرض ادا کیا۔ اور جو اس مہینہ میں فریضہ ادا کرے وہ ایسا ہوگا کہ اور دنوں میں گویا اس نے ستر فریضے ادا کئے۔ وہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، وہ باہمی سلوک اور مروت کا مہینہ ہے، وہ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھ جاتا ہے (یعنی روزہ دار اس دنیا میں بھی خوب کھاتا ہے، اور قیامت کے روز بھی اس کی برکت سے خوب نعمتیں پائے گا)، جو کوئی اس مہینے میں روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی۔ اور آگ سے نجات ملے گی، اور اس کو روزہ دار جتنا ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ روزہ دار کی افطاری کے لئے بہت کچھ سامان چاہیے اس لئے ہم (صحابہ) نے عرض کی حضور ہم میں سے ہر ایک

مقدرت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کی افطاری کرا سکے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی دے گا جو روزہ دار کو دودھ کی تھوڑی لسی یا پانی پلا دے (کیونکہ خدا تعالیٰ کے یہاں نیت کا اجر ہے) جو کوئی روزہ دار کو ٹھنڈا شربت پلائے یا پیٹ بھر کر کھانا کھلائے تو اس کو میرے حوض کوثر سے شربت پلائے گا۔ جس کی وجہ سے وہ سارے محشر میں جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ یہ ماہ رمضان ایسا ہے کہ اس کا شروع حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ بخشش ہے، آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے، جو کوئی اس مہینے میں اپنے کارکن کے کام میں تخفیف کرے یعنی معمول سے کام کم کرائے خدا اس کو بخش دے گا اور اس کو جہنم کے عذاب سے نجات دیگا۔

مدیر خاکسار مدیہ کی امید بے جا نہ ہوگی کہ ناظرین اہل حدیث افطار صیام کے وقت جملہ برادران ناظرین اہل حدیث کو عموماً اور خاکسار خادم مدیر کو خصوصاً ملحوظ رکھ کر حسن خاتمہ اور ہم دونوں کی دعا کریں۔ اللهم احسن عاقبتنا فی الامور کلها واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرة۔ ۵ نومبر ۱۹۳۴ء

اللهم اغفر له وارحمه واکرم نزله ووسع مدخله وادخله الجنة الفردوس برحمتك یا ارحم الراحمین آمین۔ (راز)

روزہ کی حکمت

(از مولوی عبدالرحمٰن صاحب مدرس مدرسہ کوٹ رادھاکشن ضلع لاہور)

الحمد للہ! جملہ اہل اسلام کو ماہ رمضان مبارک ہو۔ خاکسار جیسا ہیچمدان ماہ رمضان کی فضیلت کو لکھے تو کیا لکھے جب کہ اس بابرکت ماہ میں از روئے آیہ کریمہ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ فرقان حمید جیسی کتاب مبین کا نزول ہو۔ گویا اس پاک مہینے میں خداوند عالم نے اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں پر اپنی برکات کثیرہ

اور انعامات کثیرہ کے باب کو وا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی جس قدر برکتیں اس کے بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔ اتنی کسی اور مہینے میں نازل نہیں ہوتیں، صوفیائے کرام نے ماہ رمضان کو تنویر القلب کے لئے مفید لکھا ہے کہ اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں، اور نماز تزکیہ نفس کرتی ہے۔

الحمد للہ! اسلام نے ماہ رمضان کے اس عالمگیر فیض کو مدنظر رکھتے ہوئے اسی ماہ میں روزوں کا انضباط کیا۔ جب کہ روزہ تمام عملیات کے ثوابات سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ اور بلحاظ اپنی نوعیت کے جملہ عبادات الٰہیہ سے بے نظیر ہے، سچ تو یہ ہے کہ روزہ تزکیہ نفس کے حق میں اکسیر اور عذاب دوزخ سے نجات دلانے کے لئے ڈھال کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ لیعنی ماہ رمضان کے روزے انسان کے لئے عذاب دوزخ سے بچانے کے لئے تو ڈھال ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان روزہ رکھنے سے تمام قسم کے گناہوں سے خلاصی پا لیتا ہے، اگر روزہ کے حقیقی معنوں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین ہو جائے گی کہ روزہ انسان کو کس طرح تمام گناہوں سے پاک و صاف کر دیتا ہے۔

روزہ کو عربی زبان میں صوم کہتے ہیں، اور صوم کے معنے عربی لغت میں رکنے خاموش رہنے اور بلند ہونے کے ہیں۔ وجہ یہ کہ صائم کو حالت صوم میں اکل و شرب اور جماع وغیرہ سے رکنا پڑتا ہے، اور لغو و غیبت، واہیات و خرافات سے اور دیگر ہر قسم کے لاطائل امور سے اجتناب کرنا لازمی امر ہوتا ہے، ورنہ اس کا روزہ خدا کے ہاں کچھ حقیقت نہیں رکھتا بلندی کے معنے اس لئے کہ روزہ خدا کی بارگاہ میں تمام عبادتوں سے زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے، پس ثابت ہوا کہ روزہ دار کو روزہ کی مذکورہ بالا پابندیاں واقعی ایک زاہد دنیا رسا بنا دیتی ہے، اور یہ روزہ کا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ نے روزہ کی علت غائی یوں بیان فرمائی۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ یعنی حکم ہوا تم پر روزہ کا جیسے کہ حکم تم سے پہلی قوموں پر دیا فرمایا) روزہ رکھنے کا امر اس لئے نازل ہوا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اللہ اکبر خداوند کریم کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو محض متقی بنانے کی خاطر روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ الغرض روزہ ہمارے لئے بے شمار فوائد رکھتا ہے جن کی تفصیل کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم نہایت اختصار سے اس کی خوبیاں و حکمتیں ذیل میں لکھ کر دشمنانِ اسلام کو یہ دکھاتے ہیں کہ ہمارا اسلامی روزہ کتنی بڑی حکمت پر مبنی ہے۔

(۱)۔ انسانی فطرت اس بات کو چاہتی ہے کہ نفس ہمیشہ عقل کے ماتحت رہے، چونکہ روزہ میں نفس کی کسی خواہش کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی، بلکہ اس کی ہر تمنا کو دبانا روزہ دار کا فرض اولین ہوتا ہے، لہٰذا نفسِ امارہ عقل کی ماتحتی میں بخوشی کام کرنے لگ جاتا ہے۔

(۲)۔ انسان احسان فراموش واقع ہوا ہے۔ ہم دن رات اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں لیکن شکرگزاری کا نام تک نہیں لیتے، اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر کسی کی کوئی محبوب و مرغوب چیز کچھ عرصہ تک گم رہے تو اس کو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ یہی حال روزہ دار کا ہے۔ چونکہ دن کو کھانا پینا متروک ہونے کی وجہ سے اس کو شام کے وقت قدر معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حقیقی شکرگزار رہتا ہے۔

(۳)۔ چونکہ انسان کو روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا پڑتا ہے۔ اس لئے اس میں مساکین و فقراء کے ساتھ حقیقی مروت و ہمدردی کرنے کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ جن امراء نے کبھی بھوک پیاس دیکھی ہی نہیں وہ غرباء کے احوال سے کب آشنا ہو سکتے ہیں بقول حافظ ؎

کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

(۴)۔ عشق و محبت کے اس تقاضے کو ایک عاشق بخوبی جانتا ہے کہ جب یادِ معشوق اس کو بیقرار کر دیتی ہے، تو وہ کھانے پینے کو ترک کر دیتا ہے، دنیا کی دلکش سے دلکش چیزیں موجود ہوتی ہیں، مگر عاشق کا دل کسی کو بھی نہیں چاہتا۔ یہی حال روزہ میں روزہ دار کا ہے حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی محبت اور عبدیت و عظمت حضرت انسان کو اکل و شرب کا یکسر تارک بنا دیتی ہے، کیا اس سے زیادہ کوئی اور عشق و محبت ہو سکتی ہے، جب کہ حضرت

انسان محض اللہ تعالیٰ کے لئے ماہ رمضان کے آنے پر ان نعمائے الٰہی کو ترک کر دیتا ہے جن کو کہ وہ اس سے پہلے دن رات کھانے پینے کا عادی تھا۔

(۵) علم النفس کے ماہرین اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ قدرت نے انسان میں قوائے ترکیب ایسے رکھے ہیں کہ ایک قوت کی مدد سے دوسری قوت تربیت پاتی ہے، اگر اس قاعدہ اصول و قانون پر روزہ کی حقیقت کو دیکھا جائے تو روزہ میں سو بات کی ایک بات جو نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب حالت روزہ میں حکم اللہ کے مطابق حلال چیزوں کو چھوڑ دینے کی طاقت ترقی پا لیتی ہے، پھر اس کی مدد سے حرام اشیاء کو ترک کرنے کی قوت خود بخود ہی تربیت پا جاتی ہے کیونکہ یہ تو غیر ممکن ہے جو شخص خوف الٰہی سے حالت روزہ میں حلال اشیاء کو ترک کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ وہ حرام چیزوں اور دیگر ہر قسم کے امور ممنوعہ کو نہ چھوڑے۔

(۶) چونکہ روح اور جسم میں ایک خاص تعلق ہے، اس لئے اطباء نے جہاں جسم کو سال میں ایک دفعہ مسہل دیا جانا ضروری خیال کیا ہے، وہاں طبیب حقیقی نے بھی روح کے لئے سال کے بعد ایک بار روزہ کا مسہل فرض کیا تاکہ مواد فاسدہ اور غلیظ خلطیں جمع ہو کر جسم و روح کو خراب نہ کریں۔

(۷) مخالفین اسلام اکثر اوقات یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان روزہ رکھ کر یوں ہی بھوکے پیاسے مرا کرتے ہیں۔ بھلا اس میں کیا فائدہ ہے، سو عرض ہے کہ بھوکا پیاسا رہنا حضرت انسان کے لئے زحمت نہیں۔ بلکہ رحمت ہے، حکماء سے جا کر پوچھ لیجئے۔ کہ انسان کو کئی ایک بیماریاں ایسی لاحق ہوتی ہیں۔ جن کا علاج صرف بھوک پیاس ہی ہوتا ہے اور بس۔

(۸) جس طرح جسمانی صحت کے لئے اطباء نے بھوک پیاس کو مفید خیال کیا ہے ایسا ہی بزرگوں اور عابدوں نے بھوک کو تزکیہ نفس و صفائی قلب کے لئے اکسیر ثابت کیا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔

(الف)۔ الجوع سید العمل یعنی بھوک تمام عملوں کی سردار ہے۔

(ب)۔ الجوع مخ العبادة یعنی بھوک تمام عبادتوں کا مغز ہے۔

(ج)۔ الجوع طعام الانبیاء یعنی بھوک نبیوں کی خوراک ہے۔

(د)۔ طہروا قلوبکم بالجوع لتنظروا الی عظمة الله تعالیٰ۔ یعنی تم اپنے دلوں کو بھوک سے صاف کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو دیکھ سکو۔

الغرض بھوک دنیا میں تزکیہ نفس کے لئے ایک کامل ذریعہ ہے، جس کا نبیوں کے علاوہ رشیوں اور منیوں نے بھی اعتراف کیا ہے۔　　(۱۲ ربیع الثانی ۔ فتاوی ثنائیہ)

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے بند ہو جاتے ہیں تو مبارک ماہ میں کافر و مشرک کو مرنے سے کچھ فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور فاسق و فاجر کو بھی عذاب قبر سے نجات ملتی ہے، یا نہیں؟ کیونکہ مسلم ایمان دار کے لئے تو ہر حال میں نجات کی صورت ہوتی ہے۔

جواب:۔ کافر ہو یا مشرک، مومن ہو یا فاسق بعد موت اعمال کے نتائج مرتب ہوں گے، نہ کہ رمضان کے دوزخ کے دروازہ بند ہونے سے کافر عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ خدا کے ہاں عذاب کئی ایک قسم کے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

(۱۷ شوال ۳۱ھ)

شرفیہ:۔ یہ بند و کشاد دوزخ و جنت صرف مومن صائم کے لئے تھے، نہ کہ کافر مشرک و نافرمان کے لئے۔ ورنہ شیطان بھی تو ہے۔ فافہم و تدبر۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی / فتاوی ثنائیہ جلد اول ص ۶۳۷)

لہ حدیث مذکورہ بالا روایات کو بغیر حوالہ ہی نقل کیا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔　　(محمد داؤد راز)

روزہ کی حالت میں مباشرت

سوال:۔ ایک شخص ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے، اگرچہ دخول تک نوبت نہیں پہنچتی۔ لیکن اُسی حالت میں ہی اُس کی منی خارج ہوجاتی ہے، کیا اُس سے روزہ میں کوئی نقص واقع ہوجاتا ہے؟

جواب:۔ اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں مباشرت کرنے سے انزال ہوجائے تو کفارہ پڑجاتا ہے، خواہ دخول تک نوبت نہ پہنچے، کیونکہ خواہش پوری ہوگی۔ کفارہ پے درپے دو ماہ کے روزے ہیں۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔

(۲۶ شوال ۱۳۷۱ھ) (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵۵) | عبداللہ امرتسری روپڑی

روزہ کی نیت

سوال:۔ آپ نے لکھا ہے کہ روزہ کی نیت جو آج کل رائج ہے، وہ بدعت ہے یعنی وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ۔ جو نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ تحریر فرمادیں۔

فضل الدین۔ محمد یعقوب چیچہ وطنی

جواب:۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان کا اقرار بھی ضروری ہے، جہاں جہاں آیا ہے۔ وہیں اقرار کرنا چاہیئے۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ یہ لفظ حدیث اور کلام سلف میں نہیں آئے۔ اور افطاری کے وقت یہ لفظ آئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

روزہ رکھنے کے وقت صرف سحری کھالینی، روزہ کی نیت کے لئے کافی ہے، زبان سے کچھ کہنا اس کی ضرورت نہیں، اس طرح بعض اور احکام ہیں۔ مثلاً قربانی کرنے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مِنِّيْ وَعَنْ فُلَانٍ۔ کہہ دے تو یہ ثابت ہے جس کی طرف سے قربانی کرنی ہو، اس کا نام لے دے۔ ایسے ہی حج کسی کی طرف سے کرنا ہو تو کہہ سکتا ہے۔ لَبَّيْكَ عَنْ

عَنْ فُلَانٍ ۔

خلاصہ:۔ یہ کہ شریعت کے دائرے کے اندر رہنا چاہیئے۔

جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا اس میں خیر ہے۔

(۱۵ رمضان ۱۳۵۳ھ) (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵۱) عبداللہ امرتسری روپڑی

روزہ کی حالت میں حیض کا آنا

سوال:۔ ایک عورت نے روزہ رکھا ہوا ہے، صرف دن غروب ہوتے میں دس منٹ باقی ہیں یا اس سے بھی کم وقت ہے۔ اور اس کو حیض آجاتا ہے، کیا وہ اس وقت اپنا روزہ افطار کرے یا دس منٹ یا کم و بیش انتظار کر کے بعد کھولے اور یہ روزہ اس عورت کا شمار ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے، باقی کھانے پینے میں اس کو اختیار ہے جس طرح چاہیے کرے۔ جب روزہ ٹوٹ چکا ہے تو قضا ضروری ہے۔ یہاں منٹوں کا کوئی حساب نہیں۔ حیض روزے کی ضد ہے، دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۵۱) عبداللہ امرتسری روپڑی

بحالت روزہ رفیقہ حیات کا بوسہ

سوال:۔ کیا بیوی سے بوس و کنار ہونے سے روزہ میں نقص پڑ جاتا ہے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ بوسہ لیا کرتے تھے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بیوی سے بوس و کنار ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مگر جوان آدمی کو اس سے احتیاط کرنی چاہیئے۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۷۲ عبداللہ امرتسری روپڑی)

توضیح :۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

قضا شدہ روزے نابالغ سے رکھوانا

سوال :۔ ایک مرد یا عورت کے روزے کسی مجبوری کی وجہ سے رہ چکے ہیں تو کیا وہ نابالغ لڑکی یا لڑکے سے قضا شدہ روزے رکھوا سکتے ہیں!۔

جواب :۔ روزے قضا شدہ نہیں رکھوا سکتے۔ کیونکہ نابالغ کا روزہ نفل ہے نفل بعینہ فرض نہیں بنتا۔ مثلاً ماہ رمضان میں کوئی عمرہ کرے تو اس کو حج کا ثواب ملتا ہے لیکن حج فرض کے قائم مقام عمرہ نہیں ہو سکتا۔ حج اس کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی (فتاویٰ اہلحدیث ...)

شریعت کی توہین ہے، ناقوس نصاریٰ سے مشابہت ہے، نیز نقارہ ڈھول کی قسم ہے، جو منع ہے، رہا الارم تو کلاک کی آواز اور الارم ایک ہی ہے، نہ تو یہ اذان کے وقت ہے۔ نہ یہ اذان کی طرح جماعتی اعلان ہے بلکہ انفرادی طور پر ایک شئے کا استعمال ہے، تو یہ ایسا ہے، جیسے عام طور پر گھڑی رکھتے ہیں۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی مال لاہور ماڈل ٹاؤن کی بلاک کوٹھی ۱۹ (۱۲) ذیقعدہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۳ مئی ۱۹۵۸ء) (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۱ ص ۳۰۶)

حیض کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال :۔ ایام حیض کے قضا شدہ روزے کی قضائی کیا عید کے بعد متصل دے یا سال بھر کے اندر جب چاہئے قضائی دے سکتی ہے ؟۔

جواب :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماہ شعبان میں قضائی دیا کرتی۔ اس سے معلوم ہوا

کہ عورت دیر سے بھی قضائی دے سکتی ہے، اور جتنی جلدی دی جائے بہتر ہے، کیونکہ خطرہ ہے کہ موت آجائے، اور روزے ذمہ رہ جائیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ ص ۵۶۴)

عبداللہ امرتسری روپڑی

توضیح:۔ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

حاملہ اور مرضعہ کے روزوں کی قضائی کا وقت

سوال:۔ حاملہ یا مرضعہ عورت کے روزے قضا ہو چکے ہیں۔ اور وہ بوجہ خدمت اپنے قضا شدہ روزے نہ رکھ سکی ہو تو کیا وہ اب جو تین سال کے روزے یعنی تین سال گزر جانے کے بعد اب وہ اپنے قضا شدہ روزوں کے دانے یا ایک ماہ کا حساب کر کے پیسے وغیرہ دے دے یا کہ وہ روزے ہی رکھے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کا لفظ ہے۔ یعنی فدیہ ایک مسکین کا ہے ہر روزے کے بدلے ہی اکٹھا دے یا روزانہ دے۔ اس کی تشریح نہیں۔ دونوں صورتیں درست ہیں۔ اور جب اکٹھے دے۔ خواہ دانے دے یا پیسے دے۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔ مرضعہ اور حاملہ کو اس صورت میں شامل ہے، جب عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ کے معنی يُطَوَّقُونَهُ کے کئے جائیں۔ یعنی جن کے لئے روزہ رکھنا گلے کا طوق اور مصیبت ہے، اور احادیث سے بھی حاملہ اور مرضعہ کے لئے فدیہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر تھوڑے تھوڑے کر کے روزے رکھ سکتی ہے، تو بہتر روزے ہی ہیں۔ ورنہ فدیہ بھی کافی ہو جائے گا۔ کیونکہ زیادہ تعداد روزوں کی اکٹھی ہو جائے۔ تو یہ عام طور پر اتنے روزوں کی قضا فی مشکل ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۴)

سوال:۔ سال تمام میں حرام روزے کتنے اور کون سے ہیں؟

جواب:۔ دونوں عیدوں کے روزے حرام ہیں۔ (۱۰ ذی الحجہ شریفہ) ایام تشریق میں بھی روزہ رکھنا منع ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام التشریق ایام اکل وشرب وذکر اللہ عزوجل، رواہ مسلم۔ یعنی ایام تشریق ذی الحجہ کی ۱۱-۱۲-۱۳ تواریخ کھانے پینے اور یاد الٰہی کے دن ہیں۔

(ابو سعید شرف الدین) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۳)

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ روزہ دار اگر بطور علاج دوائی کا ٹیکہ لگوالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا کیونکہ دوائی کا دخول براہ دہن معدہ میں نہیں ہے، اور اگر اسی طرح تمباکو منہ میں رکھا جائے اور اس کا رس باہر تھوک دیا جائے تو پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ جس طرح دوائی کے کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوتا ہے، اسی طرح ٹیکہ سے بھی فاسد ہو جاتا ہے، دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ (فقیر محمد اشرف از قلعہ میہان سنگھ)

جواب:۔ صورت مرقومہ میں تمباکو سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، ٹیکہ سے نہیں۔ کیونکہ تمباکو کا اثر تھوک کے ذریعے بے خبری میں معدہ میں ضرور جاتا ہے، جس کو انسان روک نہیں سکتا واللہ اعلم۔ (اہلحدیث۔ ۲ر شوال ۱۳۵۲ھ)

توضیح:۔ بحالت روزہ ٹیکہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ غذا بنتا ہے۔ (راقم علی محمد سعیدی)

سوال:۔ روزہ دار بدن کو تیل یا خوشبو سر اور داڑھی کو لگائے تو روزے میں تو کوئی نقص نہیں آتا؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ تیل وغیرہ بے شک کوئی حرج نہیں۔ کھانا پینا اور جماع منع ہے، واللہ اعلم

(۲۳ جنوری ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۱)

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنی عورت سے روزہ کی حالت میں مباشرت کرتا ہوا محتلم ہوگیا

تو اس کا روزہ رہا یا نہیں؟

جواب۔ روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کے بدلے میں ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اللہ اعلم۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۶۷۲) (اہلحدیث ۲۷ صفر ۱۳۴۵ھ)

سوال:۔ رمضان شریف کے مہینے میں بیوی کے پاس جاوے یا نہیں؟

جواب:۔ رمضان شریف میں عورت سے ملنے کی اجازت قرآن شریف میں ہے أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ (رمضان کی راتوں میں تمہارے لئے عورتوں کے پاس جانا حلال کیا گیا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۶۷۴) (۲۷ جمادی ۱۹۳۳ء)

سوال:۔ زید اپنی بیوی سے شب کو صحبت کرتا ہے، اور سحری کھا کر روزہ رکھ لیتا ہے اور غسل نہیں کرتا۔ اور نہ نماز فجر میں شرکت کرتا ہے، سحری کھا کر سو جاتا ہے کیا اس کا روزہ ہوا یا نہیں؟ (راقم عبد اللہ)

جواب:۔ ایسا کرنے سے زید گنہگار ہے، لیکن روزہ ہو جائے گا۔ (۲۳ شوال ۱۳۴۴ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اص ۶۷۴)

سوال:۔ ایک لڑکا ۱۴ برس کا مع پر ایک ماہ کا روزہ باقی تھا انتقال کر گیا، اب کیا کیا جاوے؟

جواب:۔ لڑکا اگر بیماری ہی میں مر گیا ہے، تو روزے معاف ہیں، اگر اچھا ہو کر اس نے روزے نہیں رکھے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں فدیہ طعام مسکین۔ حالت شیر خوارگی میں بھی حاملہ مربی روزہ رکھنے کا حکم نہیں بعد فراغت روزہ رکھے، اگر بوجہ ضعف نہ رکھ سکے تو فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ (۴ ذی الحجہ ۱۳۴۳ء) امکان رضا

شرفیہ:۔ یہ صحیح نہیں ہے، بعد صحت روزے ہی رکھنے ہوں گے، اور اگر قبل صحت مر جائے تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ متفق علیہ۔ اور ضعف کے باعث فدیہ

کی دلیل بھی معلوم نہیں۔ ہاں اس کے مرنے کے بعد ولی کو کھانا کھلانے کی ایک روایت ہے، مگر وہ بھی مرفوع صحیح نہیں موقوف ہے، عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیہ صیام شہر رمضان فلیطعم عنہ مکان کل یوم مسکین رواہ الترمذی وقال والصحیح انہ موقوف علی ابن عمر انتہی مشکوۃ ص ۱۷۸ جلد ۱۔

(ابو سعید شرف الدین)
(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۴۳)

سوال:۔ ایک شخص بہت بوڑھا ضعیف ہے، روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں، اور مفلس بھی ہے، فدیہ دینے کی بھی طاقت نہیں کیا ایسے شخص پر روزہ اور فدیہ معاف ہے؟

جواب:۔ (از مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری) بہت بوڑھا شخص غیر متحمل نادار مفلس محض پر، روزہ بھی فرض نہیں، اور کفارہ بھی نہیں، آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اس کی دلیل ہے، اصاب من اجاب۔ (خاکسار شریف احمد حسین پوری)

الجواب صحیح، کتبہ محمد عبد اللہ غازی پوری۔

الجواب صحیح۔ عبد الجبار عمر پوری۔

جواب صحیح ہے۔ عاجز محمد مسلم عفی عنہ میرٹھی (۲۳ مئی ۱۹۱۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۴۳)

سوال:۔ بچہ کو دودھ پلانے کے زمانہ میں کیا رمضان کے روزے کی قضا لازم ہے، یا فدیہ ادا کرنے سے فرض کی ادائی ہو سکتی ہے؟ اگر دوسرے رمضان تک روزے کی قضا بمجبوری نہ کر سکے بوجہ کمزوری بچہ یا اندیشہ علالت تو ایسی صورت میں فدیہ ہو سکتا ہے، جو ہو سکتا ہے تو اس کی مقدار کیا ہو گی؟

جواب:۔ مرضعہ کو ضعف شدید ہو۔ مقوی غذائیں کھانے سے بھی جس کی تلافی نہ ہو سکے تو روزہ ملتوی کر دے۔ اگر بچہ شیر گاؤ پی سکے تو اس کا دودھ چھڑا دے۔ قال اللہ تعالیٰ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔

اگر وہ بہت کمزور ہے تو طعام مسکین فدیہ دیدے، یعنی روزانہ ایک سائل کو کھانا کھلا دے۔ پ ۲ ع ۷ ۱۴۔ (اہلحدیث ۱۷ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۵۵)

سوال:۔ حاملہ یا مرضعہ روزہ ترک کرے تو (ترمذی) قضا کا ذکر نہیں وَالْعَافِيَةُ عَمَّنْ سُكِتَ نیز ذَرُوْنِي فِيمَا تَرَكْتُكُمْ زیر نظر رکھتے ہوئے جواب عطا فرمائیں۔ (سائل مذکور)

جواب:۔ حاملہ اور مرضعہ بیمار کے حکم میں ہیں۔ اس لئے فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ کا حکم ان کو بھی شامل ہے۔ (اہلحدیث ۳۰ رمضان ۱۳۷۱ھ)

تشریح:۔ دودھ پلانیوالی اور حمل والی عورت اگر روزہ نہ رکھ سکے تو وقت پر روزہ توڑ کر بعد کو قضا کریں۔ اس بارے میں بہت سے احادیث اور آثار وارد ہیں۔ ان میں سے کچھ دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عن انس بن مالك الكعبي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وضع من المسافر شطر الصلوٰة والصوم عن المسافر وعن المرضع والحبلى رواه ابوداؤد والترمذى والنسائى وابن ماجه۔ انس بن مالک الکعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نصف نماز اٹھایا ہے اور روزہ مسافر اور دودھ پلانے والی اور حمل والی عورت سے اٹھایا۔

آیۃ کریمہ اور حدیث میں بالتصریح یہ بات ظاہر ہے کہ مسافر کو بعد مقیم ہو جانے کے روزہ قضا کرنا چاہیئے، اور جب مرضع کا عطف مسافر پر ہے، اور حبلی کا مرضع پر تب مرضعہ اور حاملہ کو بھی مسافر پر قیاس کیا جائے گا۔ موطا امام مالک میں حاملہ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔ قال مالك واهل العلم يرون عليها القضاء كما قال الله عزوجل فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ويرون ذلك مرضا من الامراض مع الخوف على ولدها۔ امام مالک نے کہا اور اہل علم روایت کرتے ہیں کہ حاملہ پر روزہ کی قضا ہے، جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا مسافر

پس گنتی سے دوسرے دنوں سے۔ روایت کرتے ہیں کہ وہ جمیع امراض سے ایک مرض ہے۔ ساتھ خوف کرنے اولاد اپنی سے یعنی حاملہ بمنزلہ مریض کے ہے، اور مریض کو جب بعد المرض روزہ فوت شدہ کو قضا کرنا چاہیئے، تو اسی طرح حاملہ کا بھی حال ہے، تفسیر خازن میں آیت مذکورہ کے تحت میں ارقام فرماتے ہیں " الحامل والمرضع اذا خافتا علی ولدیھما افطرتا وعلیھما القضاء والکفارۃ "یعنی حمل والی اور دودھ پلانے والی جب اپنی اولاد پر خوف کریں، تو افطار کریں، اور ان دونوں پر قضا اور کفارہ ہے، اور امام بخاری رحمہ اللہ بخاری شریف کے جزء اٹھارہویں میں ارشاد فرماتے ہیں۔ وقال الحسن وابراھیم فی المرضع والحامل اذا خافتا علی انفسھما او ولدھما تفطران وتقضیان۔ یعنی دودھ پلانے والی اور حمل والی کے بارہ میں حسن بصری اور ابراہیم نے کہا کہ وہ دونوں اگر اپنے نفس پر یا ان کی اولاد پر خوف کریں۔ تو افطار کرلیں۔ اور بعد کو وہ روزہ قضا کریں۔ اسی کے ماتحت میں ابن حجر فتح الباری میں حسن بصری سے روایت کرتے ہیں۔ قال المرضع اذا خافت علی ولدھا افطرت واطعمت والحامل اذا خافت علی نفسھا افطرت وقضت وھی بمنزلۃ المریض (ترجمہ) حسن بصریؒ نے کہا دودھ پلانے والی جب خوف کرے اپنی اولاد پر تو افطار کرے، اور مسکین کو کھانا کھلا دے، اور حاملہ جب اپنے جی پر خوف کرے تو افطار کرے، اور بعد کو قضا کرے، اور وہ بمنزلہ مریض کے ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حاملہ بمنزلہ بیمار کے ہے، اور بیمار کے بارہ میں خداوند کریم صاف فرماتا ہے۔ فعدۃ من ایام اخر یعنی مریض اگر رمضان شریف میں روزہ نہ رکھ سکے تو پیچھے کو قضا کرے۔ علامہ شمس الحق صاحب فاضل عظیم آبادی عون المعبود شرح ابی داؤد میں حدیث مذکورۃ الصدر کے تحت بیان فرماتے ہیں۔ الحامل والمرضع یفطران ابقاءً علی الولد ثم یقضیان ویطعمان من اجل ان افطارھما کان من اجل غیر انفسھما حاملہ اور مرضعہ ان کی اولاد کو باقی رکھنے کے لئے افطار کریں، پھر قضا کریں، اور کھانا کھلائیں، اس لئے کہ ان دونوں کا افطار غیر کے لئے ہے، اب رہا وہ قول جو کہ سبل السلام میں ابن عباس اور ابن عمر سے مروی

ہے کہ الحامل والمرضع انما یفطر ان ولا قضاء علیہ حامل اور مرضعہ کے بارہ میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ وہ دونوں افطار کریں۔ اور ان پر قضا نہیں ہے۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت قرآنی اور حدیث نبوی رہتے ہوئے قول صحابی ہمارے لئے حجت نہیں ہے الخ (راقم محمد عزت اللہ غفرلہ اللہ از جال گنج)

(۲۸ رجمادی الثانی سنہ ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ)

سوال:۔ ایک آدمی رمضان شریف کو بھی گالی نکالتا ہے۔ اور روزہ رکھنے والوں کو بھی اور جو آدمی اس کو کہے کہ بھائی تم بھی روزہ رکھو تو وہ بے تحاشا شرع شریف کے بارے میں بکواس کرتا ہے۔ ایسے آدمی کی نسبت کیا کیا جائے نماز کا تو وہ سرے سے منکر ہی ہے۔

جواب:۔ سوال کے الفاظ اگر صحیح ہیں تو شخص مذکور بددین بلکہ کافر ہے۔ ایسے کلمات منہ سے نکلنے بالکل جائز نہیں۔ (۳ تا ۱۰ ر شوال سنہ ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ)

سوال:۔ روزے میں ایسے منجن سے دانت مانجنا جس میں نمک اور سیاہ مرچ ملا ہوا ہو۔ کیسا ہے؟

جواب:۔ جس طرح تر مسواک کرنی جائز ہے، یہ بھی جائز ہے۔ (۳ تا ۱۰ ر شوال سنہ ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ)

سوال:۔ ایک امام صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ اگر کوئی شخص بوقت سحری خاص طور پر نیت نہ کرے، اور یہ زبان سے نہ کہے کہ اے خدا میں کل روزہ رکھوں گا۔ تو اس شخص کا روزہ ہرگز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچے گا۔ اکثر لوگوں کو اعتراض ہے کہ خدا تو نیت کو دیکھتا ہے، پھر زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ دریافت کرنے پر فرمایا کہ فتح الباری میں موجود ہے۔ مگر یہ کتاب یہاں موجود نہیں۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب:۔ زبان سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیت دل سے ہوتی ہے فتح الباری

ہیں اس [illegible] یعنی یاد بھی ہوگی من لم یبیت الصلوٰۃ (غالباً بھول کاتب سے صیام [illegible] لکھا گیا ہے) فلا صیام لہ۔ یعنی جو شخص رات سے روزے کی نیت نہ کرے یعنی اس کو خیال نہ ہو کہ میں کل روزہ رکھوں گا، اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ زبان سے بولنا مراد نہیں۔ (۹ رذی قعدہ ۱۳۴۰ھ)

شرفیہ:۔ حدیث مذکور مرفوع صحیح نہیں ہے۔ حضرت حفصہؓ کا اثر ہے قال الترمذی والنسائی الی وقفہ۔ بلوغ المرام قال ابن خزیمہ ابن حبان دارقطنی نے اسے مرفوع کہا ہے۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۲۳)

سوال:۔ رمضان مبارک مہینے میں چوبیس کلاک کا روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مغرب کے بعد کھانا کھاتے ہیں، اور سو جاتے ہیں۔ سحری کرتے نہیں صبح کو کام کاج کرتے ہیں، اور روزہ دار کے موافق رہتے ہیں۔ مغرب ہو تو پھر کھانا کھاتے ہیں۔ ایسے بھوکے رہنے سے روزہ ہوتا ہے یا نہیں؟ (میاں حسین بٹیل)

جواب:۔ ایسے لوگ اگر روزہ کی نیت نہ کرے، اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ (۲۱ ذیقعدہ ۱۳۴۰ھ)

شرفیہ:۔ سحری نہ کھانا حدیث نبوی تسحروا فان فی السحور برکۃ اور حدیث فصل ما بین صیامنا وصیام اہل الکتاب اکلۃ السحر رواہ مسلم کے خلاف ہے ۱۲۔

(ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۲۳)

سوال:۔ روزہ دار ماں اپنے شیر خوار بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ دودھ پلانا منع نہیں۔ پلانے والی اپنی طاقت دیکھ لے جیسے سحری کھانے کے بغیر روزہ رکھنا منع نہیں روزہ دار اپنی طاقت دیکھ لے۔ (۱۹ فروری ۱۹۳۲ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۲۳)

سوال:۔ شام کے وقت آسمان پر ابر ہو گیا بہت انتظار کے بعد یقین کیا کہ سورج غروب ہو گیا

ہو گا۔ اور ہر روزہ افطار کر دیا گیا تو پھر سورج نے دکھائی دی، اور چھپ گیا۔ آپ روزہ دوبارہ روزہ رکھیں یا وہ روزہ غلطی والا ہی کافی ہے۔ (عبد العزیز جالندھری)

جواب:۔ ایک روزہ قضا کرے کیونکہ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ کی تعمیل نہیں ہوئی عدم تعمیل غلط فہمی کی وجہ سے ہے، اس لئے کفارہ نہیں ہے۔ اللہ اعلم (۵ رمضان ۱۳۴۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول)

سوال:۔ رمضان میں زید خشکی کے راستے جا رہا تھا۔ چار پانچ کوس تک ایسے پہاڑ پر ہو کر راستہ تھا جہاں بجز پتھر کے دوسری چیز گھاس پانی مٹی نہ تھی۔ جس سے افطار کرے زید نے اپنی رائے سے بیوی سے ملاپ کیا، اور بیٹی کا بوسہ لیا۔ سوال یہ ہے کہ تینوں کا روزہ ہوا یا نہیں اور شرعاً تینوں پر کیا حکم صادر ہے!۔

جواب:۔ جماع اکل و شرب کی طرح مفطر ہے، اس لئے کوئی حرج نہیں بیٹی کا بوسہ اگر شفقت پدری کی نیت سے لیا تو خیر اگر بد نیتی سے لیا تو سخت جرم ہے روزہ صحیح ہو گا۔ (۲ محرم ۱۳۳۶ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول)

سوال:۔ قطبین میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، اگر وہاں کوئی مسلمان ہو تو روزے کیونکر رکھے یہ اشکال ہے، جسے حل کرنا چاہیے۔ تاکہ اسلام عالمگیر مذہب ثابت ہو۔ (محمد الیاس قصور)

جواب:۔ پہلے تو یہ ثابت کیجئے کہ جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہے، آباد کون ہے، حکومت کس کی ہے، اور وہاں لوگوں کا گزارہ کس طرح ہو رہا ہے، پھر جس طرح انہوں نے سونے جاگنے اور کام کاج کرنے کے اوقات مقرر کر رکھے ہوں گے ویسے ہوں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں رمضان کا مہینہ آئے گا وہاں روزے فرض ہیں، جہاں رمضان کا مہینہ ہی نہ آئے وہاں فرض کیونکر ہوں گے۔ بے شک اسلام عالمگیر مذہب ہے، اور اس کے عالمگیر ہونے کا ثبوت یہی ہے کہ وہ خواہ مخواہ کسی

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۳ شمارہ ۱۲ ۱۰/ جمادی الثانی)

سوال:۔ زید روزہ دار تھا۔ دوپہر کو سوتے سوتے احتلام ہو گیا۔ کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا یا نہیں؟۔

جواب:۔ احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ یہ چیز غیر اختیاری ہے، سب کا اس پر اتفاق ہے۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ شمارہ ۲۴ ۸/ شوال ۱۳۷۴ھ)

سوال:۔ زید روزہ کی حالت میں منہ میں برف ڈال لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ جب پانی منہ میں ڈال کر کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تو برف سے کیونکر ٹوٹ جاتا ہے کیا اس کا یہ فعل صحیح ہے!

جواب:۔ زید کا یہ فعل صحیح نہیں ہے۔ برف کے گھل کر اندر جانے کا احتمال یقینی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص حلوے یا کھیر کا لقمہ منہ میں ڈال رکھے، اور کہے کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ پانی کی کلی پر اس کا قیاس صحیح نہیں ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۷ شمارہ ۲۴) (۸/ شوال ۱۳۷۴ھ)

سوال:۔ اگر کسی نے ۴۳ میل کا سفر کرنا ہو۔ اندر رات اس کا ارادہ ہو کہ روزہ رکھوں گا۔ مگر صبح ارادہ بدل لے تو کیا وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے؟۔

جواب:۔ ہاں سفر کی حالت میں چھوڑ سکتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۱۲ شمارہ ۲۹) (۱۰/ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ)

توضیح:۔ بلا مشکت سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے، اور با مشکت سفر میں روزہ افطار کرنا افضل ہے، جیسا کہ کتب حدیث مذکور ہے۔

(علی محمد سعیدی)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رمضان میں وضو کے بغیر کلی کرنا یا ضروری غسل واجب کے بغیر نہانا جائز نہیں ہے۔ بکر کہتا ہے گرمی کی بنا پر جائز ہے، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے۔

جواب:۔ بکر کا قول صحیح ہے۔

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۳۲، ۲۰ رمضان ۱۳۷۵ھ)

توضیح:۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں بایں الفاظ باب منعقد کیا ہے۔ باب اغتسال الصائم وبل ابن عمر ثوبا فالقی علیه وهو صائم ودخل الشعبي الحمام وهو صائم وقال الحسن لا باس بالمضمضة والتبرد للصائم۔ صحابہ اور تابعین کے اقوال ذکر کرنے کے بعد غسل جنابت کی حدیث لا کر ثابت کیا ہے کہ روزہ کی حالت میں غسل کرنا روزہ کے منافی نہیں۔ خواہ غسل جنابت ہو یا غسل گرمی وغیرہ کے لئے ہو۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ اس میں اختلاف ہے ایک فریق کہتا ہے کہ ٹیکہ سے دوائی معدہ میں نہیں جاتی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ انجکشن تمام اعضاء پر فوری اثر ڈالتا ہے، جب اعضاء پر اثر پڑا تو معدہ بھی ضرور متاثر ہوگا۔ بہرحال چونکہ ہمیں مشتبہ چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ ایسا مریض جسے انجکشن کی ضرورت لاحق ہو۔ روزہ نہ رکھے، اور بعد میں قضا کرے۔ (اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۹ ش ۲۱ - ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ)

توضیح:۔ جو مریض روزہ نہ رکھ سکتا ہو وہ نہ رکھے، اور جو رکھ سکتا ہو، وہ رکھے، اور انجکشن افطاری کے بعد لگوائے روزہ کی حالت میں احتیاطا اجتناب افضل ہے، واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر کوئی بے روزہ روزہ دار کے سامنے کھائے پئے تو اسے

ثواب ہوتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: غلط ہے بلکہ دین سے استہزاء ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہو تو اسے سزا ملے۔

(اہلحدیث سوہدرہ ج ۲ ش ۲۱ - جون ۱۹۵۰ء)

توضیح: محترم مفتی صاحب سائل کا سوال صحیح نہیں سمجھ سکے، دراصل اس کا مقصد تھا۔ صورت مسئولہ میں روزے دار کو ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے جواب اس کھانے والے کے بارے میں دیا۔ حالانکہ اس کے سوال کی ضرورت ہی کیا ہے۔ واضح ہے کہ وہ غلط کرتا ہے اگر رمضان ہے تو اس کا ترک روزہ کا جرم ناقابل معافی ہے، جہاں تک روزے دار کا تعلق ہے تو اس کے متعلق حدیث میں ثواب کا ذکر ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں ام عمارہ بنت کعب انصاریہ آنحضرت سے روایت کرتی ہیں۔ الصائم اذا اکلت عندہ المفاطیر صلت علیہ الملائکۃ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۷۰ طبع اول یعنی روزے دار کے پاس جب بے روزہ کھائیں تو اس کے لئے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں، اسی طرح بریدہ کی روایت ابن ماجہ ص ۱۲۶ میں ہے آنحضرت نے فرمایا بلال کے لئے اے بلال آئیے ناشتہ کریں۔ بلال نے عرض کی یا حضرت میں روزے سے ہوں، ارشاد ہوا کہ ہم اپنے رزق کھا رہے ہیں، اور بلال کا رزق جنت میں ہے، اے بلال کیا تجھے معلوم ہے کہ جب روزے دار کے پاس کھایا جائے تو اس کی ہڈیاں تسبیح پڑھتی ہیں۔ اور فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اصل الفاظ یہ ہیں۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبلال الغداء یا بلال فقال انی صائم قال صلی اللہ علیہ وسلم ناکل ارزاقنا وفضل رزق بلال فی الجنۃ اشعرت یا بلال ان الصائم تسبح عظامہ وتستغفر لہ الملائکۃ ما اکل عندہ اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ روزے والے کے پاس کھانا غیر رمضان میں گناہ نہیں ہے، جیسا کہ آنحضرت نے کھایا صرف رمضان میں جرم ہے۔ ہذا واللہ اعلم بالصواب۔

علی محمد سعیدی

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم۔ اما بعد پس مخفی نہ رہے۔ کہ رمضان کا روزہ رکھنے والی عورت کو حیض شروع ہو جانے کی صورت میں بقیہ یوم اکل و شرب وغیرہ سے پرہیز رکھنے

کی ضرورت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی مدونہ کبریٰ ص ۱۸۰ ج ۱ میں ہے قلت فان کانت صائمۃ فحاضت فی رمضان اتدع الاکل والشرب فی قول مالک فی بقیۃ یومہا فقال لا قلت وھذا قول مالک قال نعم انتہی بلکہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ حائض کے نہار میں طاہرہ ہو جانے کی صورت میں اور مسافر کے لئے امساک کو ضروری نہیں قرار دیتے۔ موطا امام مالک میں ہے۔ قال یحیی قال مالک فی الرجل یقدم من سفرہ وھو مفطر وامرأتہ مفطرۃ حین طہرت من حیضتہا فی رمضان ان لزوجہا ان یصیبہا انتہی۔ کتاب الام "الامام الشافعی" میں ہے قال الشافعی وان قدم مسافر فی بعض الیوم وقد کان فیہ مفطرا وکانت امرأتہ حائضا فطہرت فجامعہا لم ار بأسا وکذالک ان اکلا وشربا وذالک انہما غیر صائمین انتہی۔

الا در المختار میں حائض پر امساک کے عدم وجوب کی نسبت اجماع نقل کیا ہے۔ واجمعوا علی انہ لا یجب (ای الامساک) علی الحائض والنفساء والمریض والمسافر انتہی۔

واللہ اعلم بالصواب کتبہ احقر رحمت اللہ عفی عنہ زبیدوی (المفتی العاجز یوسف جگیلوی عفی عنہ)

منقول از فتاویٰ مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ تلمیذ میاں صاحب مرحوم قلمی ص ۲۲

سوال: ایک شخص روزہ تو رکھتا ہے۔ مگر نماز نہیں پڑھتا۔ تو کیا اس کا روزہ قبول ہے؟

جواب: نماز کے بغیر روزہ بیکار۔ اس کا ثبوت اقوال الصحابہ نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ملتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور ج ۱۵ ش ۱۷ - ۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ)

از شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات احمد گوجرانوالہ

توضیح: ایسے شخص کو روزہ رکھنا چاہیے، اور نماز کی رغبت دلانی چاہیے۔ شاید وہ روزہ کی برکت سے نمازی بن جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ جو نیک اعمال ہم جاہلیت میں کرتے رہے ہیں۔ جیسا کہ صدقہ خیرات صلہ رحمی وغیرہ کیا اس کا ثواب بھی آخرت میں ملے گا۔ آپ نے فرمایا شاید ان نیک اعمال کی وجہ سے آپ مسلمان ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا پارہ ۲۱، اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم بھی ان کو اپنی راہیں بتلاتے ہیں۔ یعنی توفیق خیر ان کے رفیق حال رہتی ہے۔ ہٰذا ما عندی واللہ اعلم۔

الراقم محمد سعید ناصر سعید یعنانیوں

سوال۔ جو شخص بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ اُسے ایک مسکین کو ہر روز کھانا کھلانے کا حکم ہے تو کیا یہ کھانا ایک وقت کا دے۔ یا دونوں وقت کا کھانا اس کو دینا پڑے گا۔

جواب۔ ہر روز ایک وقت کا کھانا کھلانا کافی ہے۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا ش ۴۴۔ ۱۰ شوال ۱۳۷۱ھ)

از شیخ الحدیث ابو البرکات احمد گوجرانوالہ

سوال۔ حدیث میں آتا ہے کہ رمضان المبارک میں شیطان زنجیروں میں جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مہینے میں بھی قتل و غارت اور دوسرے جرائم ہوتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اس ماہ مقدس میں بھی کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ اگر شیطان قید میں ہیں تو پھر ان برائیوں پر کون اُکساتا ہے، حدیث کی وضاحت فرمائیں۔

جواب۔ آدمی صرف شیطان کی وجہ سے برائی نہیں کرتا۔ بلکہ نفس کی خباثت کی وجہ سے بھی گناہ کرتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔

(اخبار اہلحدیث ج ا ش ۴۱۔ ۱۰ شوال ۱۳۹۰ھ)

توضیح۔ حدیث میں آیا ہے کہ شیطان رمضان المبارک میں قید کئے جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے لیکن رہا یہ سوال کہ اس ماہ میں لوگ جرائم میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ رمضان شریف کا مہینہ مسلمانوں کے لئے ترک جرائم کی ٹریننگ کا مہینہ ہے جس کی وجہ سے گیارہ ماہ مسلمان برائی سے رک جاتا ہے، اسی طرح شیطان بھی اپنے دوستوں کو گیارہ ماہ ہر برائی کی ٹریننگ دیتا ہے۔ اور رمضان شریف میں وہ خود قید ہو جاتا ہے، اور اس کے

بیٹھے بیٹھے گیارہ ماہ کی ٹریننگ کی بنا پر رمضان المبارک میں بھی سابقہ عادت کے مطابق جرم میں مبتلا ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و شرع شریف اس مسئلہ میں کہ آج کل کے موجودہ ٹائم ٹیبل کے مطابق روزہ رکھنا اور چھوڑنا شریعت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم میں جائز ہے یا کہ نہیں۔ اگر جائز ہے اور اس کا انکار درست نہیں۔ تو اس کی کیا دلیل ہے۔ اگر چند منٹ دی تسلی کے لئے بعد میں چھوڑا یا پھڑلیا جائے۔ تو کیا روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ نیز واضح فرمایا جائے کہ روزہ چھوڑنے کا وقت شریعت میں کون سا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر کا مطلب کیا ہے۔ اس حدیث شریف کی رو سے جلدی کرنا کہاں تک درست ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ وباللہ التوفیق۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے۔ تو فوراً روزہ کھول دے۔ ٹائم ٹیبل عموماً حساب سے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے مطابق روزہ کھولا جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اگر حساب کا ماہر غلط سمجھتا ہے تو اسے صحیح وقت شائع کرنا چاہیے۔ احتیاطاً اگر ایک دو منٹ تاخیر ہو جائے تو اسے خواہ مخواہ محل نزاع نہیں بنانا چاہیے۔ (اخبار الاعتصام لاہور جلد 7 ش 23 مطابق 4 رمضان ۱۳۷۵ھ)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ

روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا

سوال:۔ کیا روزہ کی حالت میں حج کے لئے یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ٹیکہ لگوانا جائز ہے؟

جواب:۔ روزہ میں ٹیکہ کی بابت پاکستان بننے سے پہلے امرتسر میں دیوبندی اور بریلوی

...اجازت دی جا چکی ہے،

...دیوبندی جواز کے قائل تھے، اور بریلوی علماء عدم جواز کے بنا اختلاف یہ تھی کہ ٹیکہ کھانے پینے میں شامل ہے یا نہیں۔ دیوبندی علماء کا خیال تھا کہ ٹیکہ کی صورت میں دوا خون میں ملادی جاتی ہے، معدہ میں نہیں جاتی۔ اور بریلوی کہتے تھے کہ کھانے پینے کے حکم میں ہے، کیونکہ دوا غیر طبعی طور پر معدہ میں چلی جاتی ہے، ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کھانے پینے سے عرفی کھانا پینا تو مراد نہیں۔ چنانچہ حدیث میں بحالت روزہ وضو کے وقت ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا منع ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ خطرہ ہے، پانی ناک کے راستہ حلق میں اتر جائے۔ حالانکہ عرفاً یہ پینا نہیں اس سے معلوم ہوا کہ کسی طرح کوئی چیز معدہ میں چلی جائے۔ تو اس سے روزہ کو نقصان پہنچ جاتا ہے۔

ٹیکہ میں دوا کے لطیف اجزا کے متعلق خطرہ ہے، کہ وہ مسامات کے راستہ معدہ میں آجائیں، اور روزہ خطرہ میں پڑ جائے اس لئے ٹیکہ روزہ میں نہ لگانا چاہیئے احتیاط اسی میں ہے۔ (تنظیم اہلحدیث جلد ۱۷ شمارہ ۲۰۷)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۶۳)

عبداللہ امرتسری روپڑی

حاملہ اور مرضعہ کو روزے کا حکم

سوال:۔ اگر حاملہ عورت روزہ نہ رکھ سکے تو وہ فدیہ دے یا قضائی کرے!۔

جواب:۔ حاملہ اگر بعد وضع حمل بچّہ کو دودھ پلانے کے دنوں میں روزہ رکھ سکے تو بہتر ہے کہ بروزہ رکھے۔ ورنہ فدیہ دے دے۔ حدیث میں ہے، خدا تعالیٰ نے مرضعہ اور حاملہ سے روزہ اٹھا لیا ہے۔ مشکوٰۃ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہل حدیث روپڑی جلد ۲ ص ۵۵۴۔ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ)

قے اور روزہ

سوال:۔ کیا قے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس کو خود بخود قے آ گئی، اور وہ روزہ دار تھا۔ اس پر قضاء نہیں۔ ہاں جو عمداً قے کرے۔ اس پر قضا ہے۔ ترمذی۔ ابو داؤد
ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور افطار کیا۔ اور میں نے پانی ڈالا۔ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ عمداً قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور خود بخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ یہ بے اختیاری امر ہے۔ (عبد اللہ امرتسری روپڑی)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ ص ۵۲۶۔ ۲۲ رمضان ۱۳۵۰ھ)

مسئلہ قضاء عمری

سوال:۔ آخری جمعہ ماہ رمضان میں قبل نماز ظہر بارشادِ امام ہر نمازی اپنی سنت فجر مع فرض کے قضاء پڑھے پھر چار رکعت ظہر پھر فرض عصر پھر فرض مغرب پھر فرض عشاء مع تین وتر قضاء کر کے پڑھے پھر چار رکعت قضاء عمری جماعت ہونے کے بعد نماز ظہر پوری پڑھے۔ یہ قضاء عمری شرعاً کیا حکم رکھتی ہے؟

جواب:۔ یہ صورت مندرجہ صدر کتاب و سنت سے ثابت نہیں کالعدم ثبوت بدعت ہے۔
حررہ عبد الرحمٰن ۲۸ رمضان ۱۳۵۰ھ

جواب محدث روپڑی:۔ مروجہ قضاء عمری نہ صحابہؓ سے ثابت ہے۔ نہ تابعین سے نہ تبع تابعین سے نہ چاروں اماموں سے پھر ایسی بات کے بدعت ہونے میں کیا شبہ باقی ہے۔ جنگِ خندق میں چار نمازوں کی قضاء کی بابت جو حدیث ذکر کی ہے، اس میں چار نمازوں

کی قضا دی ہے۔ قضاء عمری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ قضاء عمری میں خاص دن خاص وقت میں آٹھ رکعت یا بارہ رکعت یا سترہ رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ جن میں فاتحہ و آیت الکرسی وغیرہ پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح اس حدیث کو جس میں دو دو رکعت پڑھ کر استغفار کا ذکر ہے۔ اس کو بھی قضاء عمری سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں نہ آٹھ رکعت کا نہ بارہ رکعت کا نہ سترہ رکعت کا ذکر ہے نہ رمضان کے آخری جمعہ کا ذکر ہے۔ نہ ظہر عصر کے درمیان ہونا ذکر ہے۔ نہ آیت الکرسی اور سورت اخلاص وغیرہ کی شرط ہے۔ نہ کسی خاص گناہ سے توبہ کا ذکر ہے۔ پس اسکو قضاء عمری کی دلیل میں پیش کرنا ایسا ہوا جیسے مرزا کہتا ہے۔ کہ میں مسیح موعود ہوں۔ بھلا اس صورت میں وہ مسیح موعود کیسے بن سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح قضاء عمری میں باتیں اپنی طرف سے بدعت ملائی گئی ہیں۔ جو بمنزلہ جھوٹی علامات کے ہیں۔ جن کا کوئی ثبوت نہیں۔

جیسے رمضان کے آخری جمعہ میں ہونا ظہر عصر کے درمیان ہونا۔ ۷ یا ۱۲ یا ۸ رکعت کا ہونا ان میں آیت الکرسی اور سورہ اخلاص وغیرہ کا پڑھنا یہ سب بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ حدیث میں اس طرح کی نماز کا کوئی ثبوت نہیں۔ پس یہ مردود ہے۔ حدیث میں ہے۔ من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔ یعنی جو دین میں نئی بات پیدا کرے، وہ مردود ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی عفی عنہ

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۲۸ ۔ ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ ۔ ۱۲ اگست ۱۹۵۳ء)

کھانا پینا اور جماع

سوال:۔ کھانا پینا اور جماع دونوں روزہ توڑنے کے لحاظ سے ایک حکم رکھتے ہیں۔ یا ان میں فرق ہے؟

جواب:۔ بخاری مسلم وغیرہ میں حدیث ہے۔ من نسی وهو صائم فاكل وشرب فليتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه۔ یعنی جو روزہ دار بھول کر کھا پی لے، وہ اپنا روزہ پورا کرے، اس

کو اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ولا قضاء علیہ اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے (منتقی مع نیل الاوطار جلد ۴) یعنی بھول کر کھانے پینے والے پر قضاء نہیں۔ اس حدیث سے واضح ہوا کہ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی اس صورت میں قضاء ہے۔ روزہ کے تین رکن ہیں۔ (۱) کھانا (۲) پینا (۳) جماع سے پرہیز۔ ان میں سے کوئی رکن فوت ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مگر کھانے پینے میں بھول چوک کی صورت میں معاف ہے، جیسے حدیث بالا میں ذکر ہے اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ جماع کی بابت دیدہ و دانستہ اور بھول چوک میں فرق کے متعلق صراحۃً کوئی روایت نہیں آئی۔ اس لئے اس میں اختلاف ہے کہ بھول چوک کی صورت معاف ہے یا نہیں۔ بعض علماء اس کو کھانے پینے پر قیاس کرتے ہیں۔ مگر نیل الاوطار جلد ۴ میں ہے کہ وقوع النسیان فی الجماع فی نہار رمضان فی غایۃ البعد۔ یعنی رمضان شریف میں دن کے وقت جماع میں بھول چوک ہونا بہت بعید ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اول تو جماع دن میں نہیں ہوتا ہے، دوسرے جماع کھانے پینے کی عام شئے نہیں ہے تو ایسی قلیل الوقوع شئے جس میں کئی طرح کا اہتمام ہوتا ہے اس میں نسیان کا ہونا قرین قیاس نہیں۔ تیسرے جماع کا تعلق ایک اور وجود یعنی بیوی کے ساتھ ہے۔ اور کھانے کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے۔ اس لئے جماع کو کھانے پر قیاس کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جماع کے متعلق حدیث میں کفارہ کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم فرماتے وقت یہ دریافت نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا یا بھول کر۔ امام احمدؒ اور بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا ہے، کہ اگر عمداً اور بھول چوک میں کفارہ کا فرق ہوتا تو نبی علیہ السلام اس سے دریافت فرماتے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں کفارہ ہے ۔ مگر یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ حدیث میں ھلکت واحترقت کا لفظ آیا ہے یعنی جس شخص نے رمضان میں جماع کیا تھا اس نے کہا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا جل گیا۔ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے۔ کہ مجھ سے نافرمانی اور گناہ ہو گیا نافرمانی اور گناہ دیدہ دانستہ میں ہوتا ہے بھول چوک میں نہیں۔ پس معلوم ہوا اس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا تھا۔ اس لئے

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ نیز جماع میں بھول چوک ہونا بعید امر ہے۔ اس لئے آنحضرت کو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ بہر صورت امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کا اس حدیث سے جماع کے متعلق عام استدلال کرنا صحیح نہیں خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ جماع میں بھول چوک کی صورت ہو جائے۔ تو اس پر کفارہ ہے، ہاں یوں استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ کھانے پینے میں بھول چوک اور دیدہ دانستہ دونوں صورتیں ایک ہی حکم میں ہیں۔ بہلی بہر دو صورت میں کفارہ ہے، کیونکہ اس میں بھول چوک بعید اور نادر الوقوع ہے۔ اس لئے اس کی معافی نہیں دی گئی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے نماز میں خواہ کلام دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ نماز میں بھول کر کلام کرنا بعید امر ہے۔ فقہا نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نماز کی صورت اور ہیئت اور صورت کلام کے منافی ہے۔ یعنی نماز کی ہیئت اور شکل کلام سے روکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں جماع کرنے پر بہر صورت کفارہ ہے۔ | عبد اللہ امرتسری روپڑی |

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۷۹ - ۹ / ۲ رمضان سنہ ۱۳۰۳ھ)

سوال:۔ بحالت روزہ نیم کا مسواک کرنا جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو اسی ہی طریقہ سے پان کھا لینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر سالن چکھ کر تھوک دیا جائے۔ تو اس میں شرعی لحاظ سے کوئی قباحت ہے؟ نیز روزہ کی حالت میں سرمہ لگانے کا کیا حکم ہے؟۔

جواب:۔ روزہ کی حالت میں مسواک بطور مسواک کی جا سکتی ہے، چاہے کسی لکڑی ہو۔ پان کھانا جائز نہیں۔ پان بالکل دوسری شئے ہے، ہاں سالن چکھ کر تھوک دیا جائے تو اس میں گنجائش بعض آثار سے مل جاتی ہے۔ صحیح بخاری شریف کا ترجمۃ الباب۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲ شمارہ ۱۰)

توضیح الکلام:۔ روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنے کے جواز پر امام ترمذیؒ نے تبویب کی ہے۔ اور اس کے بعد حضرت انس بن مالک کی حدیث ذکر کی ہے، اگرچہ اس کی

اسناد قوی نہیں۔ لیکن ابورافع اور حضرت عائشہؓ کی حدیث اس کی مؤید ہیں۔ باقی اہل علم کا اس میں اختلاف بیان کیا۔ بعض نے بحالت روزہ سرمہ ڈالنا جائز قرار دیا ہے، اور بعض نے ناجائز۔ مبارک پوری مرحوم شارح ترمذی نے مختلف اقوال بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ قائلین بالجواز کا قول راجح ہے۔ میری تحقیق میں سرمہ رات کو ڈالنا چاہیے۔ تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۴۷)

راقم علی محمد سعیدی

سوال: جس عورت کا بچہ ابھی ایک ماہ کا ہے۔ وہ روزہ رکھ سکتی ہے۔ اور پھر اپنے بچے کو دودھ پلا سکتی ہے، یا نہیں۔ اگر وہ روزہ نہیں رکھ سکتی۔ تو وہ قضائی کب دے؟

جواب: مرضعہ — بچے کو دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس سے روزے موضع کر دیتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْحَامِلِ اَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ۔ (الترمذی)

جس کا قیاد معنی یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ روزے نہ رکھیں۔ رہی یہ بات کہ اس کی صورت کیا ہو؟ تو اس بارہ میں متعدد مذاہب امام ترمذی نے ذکر فرمائے ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ وہ روزہ افطار کریں۔ اور روزانہ ایک شخص کو کھانا دیا کرے۔ اس صورت میں قضا کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہ قضائی دینا چاہیں۔ تو پھر کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وقال بعضهم يفطران ويطعمان ولا قضاء عليهما وان شائتا قضتا ولا اطعام عليهما وبه يقول اسحاق اه۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس قول کو مناسب تر قرار دیا ہے، این قول تطبیق اولا مناسب می نماید (مصفی شرح فارسی موطا ص ۲۵۱ ج ۱)

دراصل یہ عورت کے حالات پر منحصر ہے۔ بعض عورتوں کو سال کے سر حصے میں بوجہ حمل یا ازضاع روزہ رکھنا مشکل ہوتا ہے ایسی عورتوں کو رمضان ہی میں فدیہ دے دینا چاہیے۔ بس

کافی ہے لیکن کوئی عورت اگر سمجھے کہ وہ رمضان کے بعد سال کے کسی حصہ میں روزے رکھ سکے گی تو قضا دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فدیہ کی ضرورت نہیں۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۵)

سحری کھائے بغیر روزہ

سوال:۔ اگر سحری نہ کھائی جائے تو روزہ ہو گا یا نہیں ہو گا؟

(عبداللہ شاہ معرفت پنڈ چک ۲۹ ڈاکخانہ خاص ضلع لائلپور)

جواب:۔ سحری نہ کھانے سے روزہ ہوجاتا ہے۔

کیونکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آئے ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حیس۔

کھجور، پنیر، گھی ملا کر تیار کیا ہوا کھانا، تحفہ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دکھلاؤ میں نے صبح روزہ کی حالت میں کی۔ پھر آپ نے کھانا کھا لیا۔ مشکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سحری کھائے بغیر روزہ ہوجاتا ہے ورنہ آپ روزہ نہ رکھتے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ سکتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی از جیو اصل ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور

(فتاویٰ اہلحدیث ج ۲ ص ۵۶۱)

جنبی اور سحری

سوال۔ ایک شخص کی آنکھ دیر سے کھلی ابھی اس نے غسل جنابت کرنا ہے سحری کا وقت تھوڑا ہے کیا وہ سحری کھا کر غسل جنابت کر سکتا ہے؟

جواب:۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوئے اور بلال آپ کو نماز کے لئے بلاتے تو آپ اٹھتے اور غسل کرتے پھر نماز پڑھاتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے اگر وقت غسل کا قبل سحری نہیں ملتا تو بعد وضو ہو کر سحری کھالے پھر بعد صبح صادق غسل کر کے نماز پڑھے روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

(فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم)

سوال:۔ رمضان شریف میں سحری کھانے کیلئے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر دیں تو سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ اذان دے سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح صادق سے پہلے اذان اسلئے دیتے ہیں کہ تم نماز تہجد کیلئے اٹھ سکو۔ (دین محمد ساکن جیوروف) (الحدیث شرقی ستمبر)

سوال:۔ اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں جماع کیا اس پر کفارہ ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں جو کفارہ کا ذکر ہے۔ وہ روزہ کے متعلق ہے یا ظہار کے اگر کوئی کہے کہ روزہ کا کچھ کفارہ نہیں، جو کفارہ آیا ہے، حدیث میں وہ کفارہ ظہار ہے، اور اسکا کہنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب:۔ رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں جماع کرنے سے کفارہ آتا ہے۔ لحدیث ابی ہریرۃ قال بینما نحن جلوس عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ جاءہ رجل فقال یا رسول اللہ ھلکت قال مالک قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تجد رقبۃ تعتقھا قال لا قال فھل تستطیع ان تصوم شہرین متتابعین قال لا قال ھل تجد اطعام ستین مسکینا الحدیث متفق علیہ۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ روزہ کا کچھ کفارہ نہیں اس کا قول حدیث کے مخالف ہے۔

کتبہ محمد بشیر عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح وھذا فہ تصحیح	وماذا بعد الحق الا الضلال
احمد عفی عنہ	عبدالرحمن عفی عنہ	خلیل الرحمن عفی عنہ	حررہ السید محمد عبدالحفیظ

	ہذا الجواب صحیح	الجواب صحیح
حررہ سید محمد عبدالحفیظ	سید محمد ابوالحسن	سید محمد عبدالسلام

متعدد سوالات کے جوابات جو کہ شیخ محمد عمر پھاٹک حبش خان دہلی نے افضل المطابع دہلی میں شائع کیے۔

عبداللہ بن حمید الزبیلیین

باب الرؤیت

مسئلہ رویت ہلال، ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

آج کل، وحدت عید کا جو خیال، جدید ذہن کے بہت سے لوگوں میں ابھر رہا ہے، افسوس! بہت سے مسلمان ملک بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے بھی ایک اجلاس میں ایک مضمون کی قرارداد پاس ہوئی تھی، کہ چاند کی رویت کی تعیین آلات رصد کے ذریعے کرکے پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن روزے رکھنے اور عید منانے کا فیصلہ کیا جائے۔ اس قرارداد پر نجد کے ایک عالم نے جو اس اجلاس میں بطور رکن شریک تھے۔ فاضلانہ نقد کیا، اس مسئلے کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی، اور تبیان الادلہ فی اثبات الاہلہ کے نام سے اس کو شائع کر دیا ہے۔

اس کتابچے کا ترجمہ ہمارے فاضل و محترم دوست مولانا محمد رفیق صاحب نے کیا ہے جس پر ہم ان کے ممنون ہیں۔ (الاعتصام) آج حسب وعدہ ہم جناب شیخ کے نقد کا اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ (محدث)

سب تعریف اللہ کے لئے ہے، جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور فرمایا۔ اور اس کی منازل متعین کیں۔ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان سکو، میں یقین و بصیرت سے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے نہ اس کا کوئی شریک، اور میں شہادت دیتا ہوں محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جو انبیاء میں افضل ترین ہیں۔ اور جن پر بہترین کتاب نازل ہوئی صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ ومن تابعهم باحسان الی یوم الدین وسلم تسلیماً کثیراً (عربی خطبہ کتاب کا ترجمہ)

شعبان ۱۳۹۳ھ کا واقعہ ہے کہ رابطۂ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی نے اپنے تیرھویں اجلاس میں جو کہ مکہ مکرمہ میں ہوا چند قرار دادیں پاس کیں۔ ایک قرارداد میں کہا گیا کہ تمام اسلامی ممالک میں رویت ہلال کا ایک ایسا نظام بنایا جائے۔ کہ اگر مغرب یا ایران میں چاند نظر آجائے تو دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہو کہ اسی رویت کی بنا پر روزے رکھیں۔ اور افطار کریں۔ قرارداد میں یہ بھی طے پایا کہ رابطہ کا سیکرٹریٹ تمام سربراہانِ ممالک اسلامیہ سے رابطہ قائم کرے، اور ان سے اس پر عمل درآمد کے لئے کہے کیونکہ یہ ایک شرعی تقاضا ہے۔ اس کے افتتاحی جلسہ میں میں بھی شریک تھا۔ جب یہ قرارداد پیش ہوئی میں نے اس سے اختلاف کیا۔ اور کہا کہ یہ نظریہ نہ تو احادیث صحیحہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے نہ محققین علماء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ) کے مسالک ہی اس کے موافق ہیں۔ پھر جدید علم ہیئت اور جغرافیہ سے بھی یہ نظریہ متصادم ہے۔ اگرچہ مجلس کے بعض اراکین کے اس نظریہ کی ہمنوائی میں بعض علماء کے اقوال ملتے ہیں۔ مگر دلائل عقلی و نقلی ان کی تائید نہیں کرتے۔ اس کی عدم صحت بدیہی ہے جیسا کہ ابھی اس کی وضاحت آپ کے سامنے آجائے گی، ان شاء اللہ۔

انہیں وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کروں جس میں حق کا بیان ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اہل معرفت اس بارے میں متفق ہیں کہ مطالع میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس لئے ہر علاقہ کے لئے اسی علاقہ والوں کی رویت معتبر ہوگی۔ علاوہ ازیں موجودہ اسلامی ملکوں کی حالت اس وقت یہ ہے کہ وہ دین و مذہب سے دور ہیں، اور ان کا کتاب اللہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان کا کردار و عمل ان کے خلاف ہے۔ جیسے ہر کوئی جانتا ہے۔ (ایسی حکومتوں کو دینی امور میں مداخلت کی دعوت دینا عجیب بات ہے) رسالے کا نام "بیان الادلۃ فی اثبات الاہلۃ" رکھا ہے۔ اب اصل مسئلہ ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والہادی الی سواء السبیل۔

حدیث اول:۔ حدثنا یحیی، ویحیی بن ایوب وقتیبۃ وابن حجر قال یحیی بن یحیی اخبرنا حدثنا اسمٰعیل وھو ابن جعفر عن محمد وھو ابن ابی حرملۃ عن کریب ان ام الفضل بنت الحارث بعثتہ الی معاویۃ بالشام قال فقدمت الشام فقضیت حاجتہا

واستهل علي رمضان وانا بالشام فرأيت الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة في اخر الشهر فسألني عبد الله بن عباس رضي الله عنهما ثم ذكر الهلال فقال متى رأيتم الهلال فقلت رأيناه ليلة الجمعة فقال انت رأيته فقلت نعم راه الناس وصاموا وصام معاوية فقال لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين او نراه فقلت اولا تكتفي برؤية معاوية وصيامه فقال لا هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

کریبؒ کہتے ہیں مجھے ام الفضل بنت الحارث نے حضرت معاویہؓ کے پاس شام بھیجا میں وہاں گیا اور کام پورا کیا، اور وہیں رمضان کا چاند نظر آگیا۔ میں نے جمعہ کی رات چاند دیکھا، جب مدینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے مجھ سے پوچھا تم نے کب چاند دیکھا تھا۔ میں نے کہا جمعہ کی رات کو۔ انہوں نے کہا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں اور بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ اور اس کے مطابق روزے رکھے، حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباسؓ نے کہا ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے، ہم تیس دن تک روزے رکھتے رہیں گے۔ مگر یہ کہ ہم خود پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رؤیت کا اعتبار نہیں کرتے؟ ابن عباس نے کہا نہیں ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے،

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ ہر شہر کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے، ابن عباسؓ نے کریب کی خبر اس لئے رد نہیں کی کہ وہ خبر واحد ہے، کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو ابن عباسؓ حضرت معاویہ کی طرف لکھ کر اس کی تصدیق کرا سکتے تھے۔ یا معاویہؓ خود اہل مدینہ کو چاند دیکھنے کی اطلاع لکھ کر بھیج دیتے کہ ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا ہے، اور تم اس دن کی قضا کر دو۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہر شہر کی رؤیت انہیں کے لئے معتبر ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں اس پر عمل رہا۔ کیونکہ نہ تو انہوں نے مختلف علاقوں سے رؤیت ہلال کی اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور نہ دوسرے ہی علاقے کے لوگوں نے از خود انہیں اطلاع دی ہے۔ جب کہ اس عہد کے مسلمان کو دین سے شدید لگاؤ تھا۔ اور نیکی کے حریص تھے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ باب ہے اس بیان میں کہ ہر علاقہ کے لئے ان ہی کی رؤیت ہے، اور وہ جب چاند دیکھ لیں تو ان سے دور والوں کے لئے حکم ثابت نہیں ہوجاتا۔

امام ابوداؤدؒ نے "السنن" میں یہ باب دیا ہے۔ "جب ایک شہر میں دوسرے شہروں سے ایک رات پہلے چاند نظر آجائے (تو اس کا حکم) ترمذیؒ نے جامع میں یوں لکھا۔ باب ہے اس میں کہ ہر شہر کیلئے ان کی اپنی رویت ہے" پھر حدیث کریب کے درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ ہر شہر والوں کی رویت صرف انہیں کے لئے ہوگی" امام ترمذی نے اس بارے میں کوئی اختلاف بھی ذکر نہیں کیا (جیسا کہ اختلافی مسئلے میں وہ مختلف آرا نقل کرتے ہیں) امام نسائی باب باندھتے ہیں "رویت میں اہلِ آفاق کے اختلاف کا بیان" مذکورہ ابواب کے تحت ان بزرگوں نے یہی حدیث کریب درج کی ہے جو دلیل ہے اس بات پر کہ ان کے ہاں ہر شہر کی رویت اسی علاقہ کے لوگوں کے لئے ہے جیسا کہ ان کے قائم کردہ ابواب دلالت کرتے ہیں، اور کریب کے اس سوال کا کہ آپ رؤیتِ ہلال کے ثبوت میں حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے کو کافی کیوں نہیں سمجھتے؟ ابن عباسؓ نے جو یہ جواب دیا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے، تو اس سے مطلب حضرت ابن عباسؓ کا یہ تھا کہ اہل مدینہ اہل شام کی رویت سے افطار نہ کریں، اس لئے کہ حدیث میں ہے "چاند دیکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھنے سے پہلے افطار نہ کرو"

دوسری حدیث:۔ صحیح بخاری میں ہے۔ عن عبداللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا تصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ وقال الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔

یعنی عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ نہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو مہینہ انتیس رات کا بھی ہوتا ہے، پس دیکھ کر روزہ رکھو۔ اگر کسی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

اس روایت کے مختلف الفاظ یہ وارد ہیں۔

فاقدروا لہ ثلاثین، اذا رأیتم الھلال فصوموا واذا رأیتموہ فافطروا فان غم علیکم فاقدروا لہ، فان غم علیکم فاقدروا لہ، فان غم علیکم فصوموا ثلاثین یوما، فان غمی علیکم

فاکملوا العدۃ، فان غمی علیکم الشھر فعدوا الثلاثین۔ فان اغمی علیکم فعدوا ثلاثین

فان غمی علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلاثین۔

ان تمام الفاظ احادیث کا ماحصل یہی ہے کہ روزہ تب رکھا جا سکتا ہے، جب کہ شعبان کے پورے تیس دن ہو جائیں یا پہلے نظر آ جائے۔ دیکھ کر روزہ رکھو۔ دیکھ کر افطار کرو۔

ایک واضح مثال:۔ اگرچہ اس کی مخاطب تمام امت ہے۔ لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ روزہ اور افطار کا ایک سبب متعین ہے، یعنی چاند کا نظر آ جانا۔ جن لوگوں نے چاند دیکھ لیا۔ ان کے لیے سبب کے متحقق ہو جانے کی بنا پر روزہ اور افطار لازم ہو گیا۔ اور جن علاقوں میں چاند نہیں دیکھا جا سکا تو ان پر روزہ اور افطار لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے لیے سبب متحقق نہیں ہو سکا۔ نماز کے اوقات اس کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زوال سورج کے بعد نماز ظہر کی اقامت کا حکم دیا تو جب مدینہ میں زوال ہو جائے گا۔ مدینہ والوں کے لیے نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ لیکن مدینہ سے مغرب والوں کے لیے ابھی نماز ظہر کا وقت نہیں ہوا۔ جب تک کہ ان کے ہاں زوال نہ ہو۔ اسی بنا پر اہل مشرق فجر، ظہر، عصر، مغرب یہ تمام نمازیں اہل مغرب سے پہلے ادا کرتے ہیں کہ سبب نماز ان کے ہاں پہلے متحقق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سمجھا جائے: "دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو۔"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مثلاً مکہ اور مدینہ میں چاند نظر آ گیا، مگر اس وقت کسی علاقہ میں دن ہوگا اس وقت ان کو روزہ رکھنے کا حکم کس طرح دے سکو گے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے، جیسا کہ کئی علماء نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی نقل کیا ہے۔

تیسری حدیث:۔ المصنف میں امام ابن ابی شیبہ نے یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے "اس بات کا بیان کہ ایک مقام پر لوگ چاند دیکھ لیں۔ لیکن دوسری جگہ نظر نہ آئے" اس کے ذیل میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔

حدثنا ابن ادریس عن عبداللہ بن سعید قال ذکرنا بالمدینۃ رؤیۃ الھلال وقالوا ان اھل استارۃ قد رأوہ فقال القاسم وسالم ما لنا ولاھل استارۃ۔

عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں۔ مدینہ میں چاند دیکھنے کی بات چیت لوگوں میں ہوئی۔ اور کہا کہ اہل استارۃ

نے چاند دیکھ لیا ہے، تو قاسم اور سالم نے فرمایا ہمارا اہل احتارہ " سے کیا تعلق اور واسطہ ہے۔

ائمہ و محققین حناف کے اقوال:۔ اس بارے میں احناف کے ائمہ کبار اور علمائے محققین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب تجرید لکھتے ہیں، " مطالع کے اختلاف کی وجہ سے چاند کے احکام میں اختلاف ہوجاتا ہے "

مفتی ابو السعود شرح مراقی الفلاح میں کہتے ہیں " صاحب تجرید کا نظریہ زیادہ قرین صحت ہے۔ اس لئے کہ سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطار عالم کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، یہ بات علم افلاک و ہیئات سے بھی ثابت ہے۔ مطلع کے اختلاف کے لئے کم سے کم ایک ماہ کی مسافت سفر ہے جیسا کہ الجواہر میں ہے، (انتہی ملخصاً)

تاتارخانیہ میں ہے۔ اگر ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو کیا وہ کل بلاد کو لازم ہوگا؟ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ لازم نہیں بلکہ ہر شہر والوں کے لئے ان کی اپنی ہی رویت معتبر ہے "

زیلعی شرح الکنز میں لکھتے ہیں۔ " اکثر مشائخ کا خیال ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار ہے اس لئے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے جو ان کے ہاں ہے، اور سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطار کے اعتبار سے مختلف ہوجاتا ہے، اور اختلاف مطالع کے اعتبار پر وہ حدیث کریب دلیل ہے جو صحیح مسلم میں ہے، (یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے) ملا خطہ فرمائی جائے۔

مختارات نوازل " میں ہے۔ ایک شہر والوں نے چاند دیکھ کر انتیس روزے رکھے، اور دوسرے شہر والوں نے چاند دیکھ کر تیس روزے رکھے، اور دونوں کا مطلع ایک ہے تو اول الذکر ایک دن کے روزہ کی قضا دیں، اور اگر مطالع کا اختلاف ہے تو پھر قضا نہیں ہے "

ابن عابدین فرماتے ہیں " معلوم ہونا چاہیئے کہ مطالع کے مختلف ہونے میں اس معنی کوئی نزاع نہیں کہ دو شہروں کے درمیان اتنا بعد ہو کہ ایک بلدۃ میں ایک رات چاند طلوع ہو اور دوسرے میں نہ ہو۔ اسی طرح سورج کے مطلع میں بھی اختلاف ہوتا ہے، چاند کا سورج کی شعاعوں سے دور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، مشرق میں سورج کے زوال سے یہ لازم

نہیں کہ مغرب میں بھی زوال ہو چکا ہے یہی حساب اس کے طلوع اور غروب کا ہے۔ بلکہ جوں ہی سورج ایک درجہ حرکت میں آئے گا۔ (نظر بظاہر) تو یہ کسی قوم کے لئے صبح صادق کا وقت ہوگا۔ اور کسی کے لئے طلوع شمس کا، کہیں غروب ہوگا۔ اور کہیں آدھی رات۔ جیسا کہ زیلعی میں ہے۔ اور اختلاف مطالع کے اعتبار کے لئے ایک ماہ یا زیادہ کی مسافت ضروری ہے (القہستانی عن الجواہر) البتہ اعتبار مطالع میں اس لحاظ سے اختلاف کیا کہ مطالع کا اعتبار کیا جائے، اور ہر قوم پر انہیں کے مطلع کے احکام نافذ ہوں، اور کسی کے لئے دوسروں کے مطلع کے مطابق عمل کرنا لازم نہ ہو یا ان دونوں کے اختلاف مطالع کا اعتبار ہی نہ کیا جائے۔ بلکہ جہاں پہلے رویت ہو جائے اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو حتیٰ کہ مغرب میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آجائے، اور مشرق میں ہفتہ کی رات کو، تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا واجب ہو۔ بعض لوگ پہلے نظریے کے قائل ہیں، اور اسی پر امام زیلعیؒ اور صاحب الفیض نے اعتماد کیا ہے، شوافع کے ہاں بھی یہی صحیح ہے، اس لئے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے، جو ان کے ہاں ہے، جس طرح کہ اوقات نماز کا معاملہ ہے۔ "لا رمز" میں اسی کی تاکید ہے، اور اسی اعتبار سے وہ کہتے ہیں کہ عشاء اور وتر اس پر واجب نہیں جس سے ان کے اوقات مفقود ہو جائیں۔ زیلعی شارح الکنز نے کہا اختلاف مطالع کا عدم اعتبار قریب قریب کے شہروں میں ہے، دور والوں میں نہیں۔ تجرید القدوری میں اسی طرح ہے، اور جرجانی نے بھی یہی کہا ہے۔

مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کے مؤلف رقمطراز ہیں۔ میرے خیال میں زیلعی کا قول تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ورنہ کہیں عید ستائیسویں دن ہوگی کہیں اٹھائیسویں۔ اور کہیں اکتیس اور بتیس کو۔ بلاد قسطنطنیہ کا چاند کبھی کبھی ہمارے چاند سے دو دن پہلے ہو جاتا ہے، ہم نے اپنے چاند کے اعتبار سے روزہ رکھا، اور بعد میں بلاد قسطنطنیہ کی اطلاع آجائے تو عید پہلے کرنی پڑے گی، یا ادھر کا کوئی آدمی عید سے پہلے ہمارے پاس آجائے تو اس کی عید متاخر ہو جائے گی۔

نیز مرعاۃ المفاتیح میں ہے محققین حنفیہ، مالکیہ اور عام شافعیہ کا خیال ہے کہ اگر دو شہروں میں اتنی مسافت ہے کہ ان کا مطلع مختلف نہیں ہے، جیسا کہ بغداد اور بصرہ تو ایک شہر میں رویت کی وجہ سے

دوسرے شہر والوں پر روزے لازم ہوجائیں گے، اور اگر ان کے مابین اتنی دوری ہے جیساکہ عراق اور حجاز میں ہے، تو ہر شہر والوں کی رؤیت ان کے اپنے لئے ہے۔

علامہ عبدالرحمان مبارک پوریؒ شارح جامع ترمذی لکھتے ہیں: جن بلاد میں اختلاف مطالع نہیں ہے، تو وہاں ایک کی رؤیت دوسرے شہر والوں کے لئے لازم ہے، امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہی ہے۔ صاحب بدائع، لکھتے ہیں: یہ اس وقت ہے جب کہ مسافت اتنی ہو کہ مطلع مختلف نہ ہو، اور اگر زیادہ بُعد ہو تو ایک بلدہ والوں کے احکام دوسرے بلدہ والوں پر لاگو نہیں ہونگے۔ اسلئے کہ بہت دوری کیوجہ سے مطالع مختلف ہوجاتے ہیں، جیساکہ سورج کا مغرب مختلف ہوتا ہے۔ تو ہر ایک پر اسکے اپنے مغرب کا اعتبار کیا جاتا ہے" انتہی۔

شیخ مرتضیٰ (زبیدی) شرح الاحیاء میں کہتے ہیں: "مطالع کا اختلاف ثابت ہے، شرقی بلاد میں رات پہلے آتی ہے، اور غربی میں بعد کو، اگر دونوں کا مطلع ایک ہے تو ہر ایک کی رؤیت دوسرے کی رؤیت کو مستلزم ہے، اور اگر مطلع مختلف ہے تو مشرق کی رؤیت سے مغرب کی رؤیت لازم ہے، مگر مغرب کی رؤیت سے مشرق کی رؤیت لازم نہیں۔ حدیث کریب کا مطلب بھی یہی ہے"۔

ابن عابدین نے اپنے رسالہ "تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان" میں یہ تصریح فرمائی ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ چاند کے مطالع میں مختلف اقطار و بلاد کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے، پس جہاں چاند نظر آجاتا ہے کہیں نہیں جس طرح سورج کے مطالع مختلف ہیں۔ کسی شہر میں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی صبح ہوتی ہے) تو دوسرے کسی شہر میں ابھی رات ہی ہوتی ہے۔ یہ باتیں کتب ہیئت میں محقق اور روزمرہ کا مشاہدہ ہیں۔

محقق ابن حجر (مکی)، کے فتاویٰ میں ہے، بلا سبکی اور اسنوی نے تصریح کی ہے کہ مطالع جب مختلف ہوں تو مشرقی بلد میں رؤیت ہلال سے مغربی بلد کی رؤیت لازم ہے، اس کا برعکس نہیں کہ مغرب کی رؤیت سے مشرق میں رؤیت لازم ہو۔ کیونکہ مشرق میں رات پہلے آتی ہے، اور اگر مطلع ایک ہی ہے تو ہر ایک کی رؤیت سے دوسروں کی رؤیت لازم ہے، اسی لئے علماء کی ایک جماعت کا فتویٰ ہے۔ کہ اگر دو بھائی زوال کے وقت فوت ہوجائیں۔ ایک مشرق میں ہے، اور دوسرا مغرب میں، مغربی مشرقی کا وارث ہوگا

اس لئے مشرق کی موت پہلے واقع ہوئی ہے عام اوقات میں جب یہ بات متحقق ہے تو چاند کے بارے میں بھی ایسا ہی سمجھ لیجئے۔ نیز ایسا ہو سکتا ہے کہ مشرق میں چاند سورج کے بنایت قریب ہو اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے نظر نہ آ سکے۔ مغرب میں سورج دیر سے غروب ہوگا۔ تو اس اثناء میں چاند بھی سورج سے دور ہو چکا ہوگا اس لئے وہاں نظر آنے لگا (آگے لکھتے ہیں) چاند کا سورج کی شعاعوں سے دور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مشرق میں سورج کا زوال ہو تو مغرب میں لازم نہیں ہے۔ اسی طرح صبح اور غروب کا معاملہ ہے، سورج جوں ہی ایک درجہ حرکت کرے گا (بظاہر) تو یہ کسی قوم کیلئے صبح صادق ہو جائے گا اور کسی دوسروں کیلئے طلوع ہو چکا ہوگا اور کہیں غروب ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات کا وقت "

مروی ہے کہ ابو موسیٰ ضریر الفقیہ مؤلف المختصر اسکندریہ آئے تو ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر ایک شخص منارۂ اسکندریہ پر چڑھ جائے اور وہ شہر والوں سے بعد تک سورج کو دیکھتا رہے تو کیا وہ افطار کر سکتا ہے؟ ابو موسیٰ نے جواب دیا: "نہیں البتہ شہر والے افطار کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں غروب ہو چکا ہے"

شیخ محمد بخیت المطیعی اپنے رسالہ "ارشاد اہل الملۃ الی اثبات الاہلۃ" میں لکھتے ہیں :

واضح رہے کہ مطالع کے مختلف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ مشاہد اور ثابت شدہ بات ہے دیگر امور کی طرح اس بارے میں بھی شرع عقل کے مطابق ہے، دیکھئے شریعت نے کئی احکام کی بنا اختلاف مطالع پر رکھی ہے، نماز اور سحری کے اوقات کو ہی لے لیجئے۔ حج میں اہل مکہ کے مطلع کا اعتبار کیا گیا ہے، مواریث میں تقدیم و تاخر کا اعتبار بھی اسی طور پر کیا گیا ہے کہ پہلے موت کس کو آئی ہے۔ یہ تمام مسائل متفق علیہ ہیں اختلاف مطالع کے تسلیم کے بعد البتہ اس میں اختلاف ہوا کہ رمضان و شوال کے چاند میں اس کا اعتبار کیا جائے یا نہ؟ واقع اور نفس الامر کو دیکھا جائے تو تم پاؤ گے۔ اختلاف مطالع امر ضروری اور بدیہی ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ سے اوقات کا اختلاف متحقق ہوتا ہے بعض ایسے علاقے ہیں۔ جہاں سورج دو ماہ یا تین ماہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور قطبی جہت میں ایسے بھی ہیں جہاں چھ ماہ سورج ظاہر ہوتا ہے چھ ماہ نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ جب اہل مصر نے ان کے غروب کے وقت رمضان کا چاند دیکھ لیا تو انہیں اہل مصر کی رؤیت کی وجہ سے روزہ رکھنے کا مکلف قرار دیا جائے، اسی طرح ہمارے اور امریکہ کے اوقات میں بھی بہت اختلاف ہے۔ کیا ہم انہیں اہل مصر کی رؤیت کی وجہ سے غروب کے

فوراً بعد روزہ رکھنے کا مکلف قرار دے سکتے ہیں؟ نہیں اس لئے نہیں کہ یہ وقت اُنکے ہاں صبح کے طلوع کا ہوگا یا سورج نکلنے کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔

یہ تمام تصریحات حنفی ائمہ حنفیہ کی ہیں جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان سب کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے۔ یعنی ایک علاقے کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے کافی نہیں مگر یہ کہ یہ دونوں کا مطلع ایک ہو۔ اگر چاند مغرب میں نظر آجائے جیسے "اندلس" والے دیکھ لیں تو ان کی رویت سے مشرق میں رؤیت لازم نہیں جیسے مکہ وغیرہ۔ یہاں اس لیے کہ سورج ان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تو چاند اس کی شعاعوں میں چھپا جاتا۔ ان کے ہاں رؤیت ممکن ہی نہیں تھی۔ لیکن مغرب میں کچھ اور آگے بڑھنے سے چاند اس کی شعاعوں سے منفصل ہوجائیگا۔ اور رؤیت ممکن ہوجائے گی۔ اور پھر اس سے بھی آگے کے لئے چاند اور بھی نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ اس کا الٹ نہیں ہوتا پس مکہ مکرمہ میں چاند دیکھ لیا جائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا اگر کوئی مانع حائل نہ ہو۔

ہلال کا لغوی مفہوم۔ ہلال ظاہر ہونے والی چیز کو کہتے ہیں۔ اور چاند کے دیکھنے کے وقت اونچی آواز بھی اٹھنا بھی اس کا معنی ہے۔ استھل الصبی کا مطلب ہے، بچے نے اونچی آواز کی۔ اھلال بالحج اونچی آواز سے تلبیہ کہنا۔ چاند دیکھ کر اونچی آواز سے لا الٰہ الا اللہ کہنا۔ کبھی کبھی ہلال شہر (ماہ) کے معنی میں اور شہر (ماہ) ہلال کے معنی میں گفتگو میں مستعمل ہے، اھل الہلال۔ استھل۔ اھللناہ۔ استھللناہ اس کے استعمالات ہیں۔ یہ اکثر اہل لغت کا بیان کردہ مفہوم ہے۔

شمر کہتا ہے، استہل الھلال مبنی للفاعل چاند کے معنی میں اور مبنی للمفعول ماہ کے معنی میں جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شھر مستھل بعد شھر وحول بعدہ حول جدید

استھل تبین کے معنی میں بھی آتا ہے، اس کا استعمال اصل میں اھللنا عن لیلۃ کذا درست ہے انتہی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں " ہلال۔ ظہور اور رفع الصوت کے معنی میں ہے اس لئے جب تک اہل زمین کے لئے اس کا ظہور نہ ہو تب تک اس کے آسمان پر طلوع ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، باطناً نہ ظاہراً انسانوں کے فعل دل سے دیکھنا و عادۃً کہنا کہ یہ چاند ہے) سے اس کو ہلال نام دیا گیا ہے۔ جب تک انسان نہ دیکھ لیں ہلال نہیں بنے گا۔ ایک یا دو آدمی دیکھتے ہیں مگر کسی کو بتاتے نہیں تو بھی ہلال نہیں ہوا۔ اس لئے کوئی حکم شرعی نافذ نہیں ہوگا۔ جب تک وہ اس کی خبر نہ دیں۔ تو ان کا خبر دینا ہی ہلال ہے، جس سے رفع صوت کا مفہوم پایا گیا۔" اس سے واضح ہوگیا کہ ہلال میں ظہور اور نمایاں ہونے کا معنی ہے، ظاہر اور نمایاں ہونے سے قبل ہلال نہیں۔ پس اہل مشرق اہل مغرب کی رؤیت سے نہ روزے رکھیں نہ افطار کریں۔ اس لئے کہ مشرق میں ہلال ہے ہی نہیں کہ ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔

محققین مالکیہ کے اقوال :۔ ابن عبدالبرؒ التمہید میں لکھتے ہیں "علماء کا اجماع ہے کہ بہت دور کے شہروں میں ایک دوسرے کی رؤیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ خراسان اور اندلس میں دوری ہے، اس لئے کہ ہر علاقہ کا ایک مخصوص حکم ہے جو اسی سے مخصوص ہے، ہاں جو شہر قریب قریب ہیں ان کے لیے ایک ہی رؤیت کافی ہوگی "

نیز انہوں نے کہا "چاند کی خبر بطور حکم ہو یا دو عادل گواہوں کے دیکھنے کی ہو یا کسی بھاری جماعت کے دیکھنے کی بہر صورت قریبی بلاد ہی کے لئے معتبر ہے۔ بہت دور کے لئے نہیں۔ ابن عرفہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔

● ابن النباء کہتے ہیں۔ "میرے والد نے ابو محمد بن بکر القاسیؒ سے متعلق بتلایا کہ ان سے یہ سوال کیا گیا۔ اسکندریہ کی رؤیت سے ہم روزے رکھیں انہوں نے جواب دیا "نہیں لا قریب کی رؤیت کی وجہ سے تو روزے ہو سکتے ہیں دور کی رؤیت سے نہیں۔ محمد بن صابق کا قول ہے، اہل قیروان مکہ اور مدینہ اور ان جیسے دیگر دور کے شہروں کی رؤیت سے روزے نہ رکھیں یہ مسئلہ اجماعی ہے، نیز ابن النباء کہتے ہیں غسانی اور حربی ابن عباس کی مذکورہ حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ذکر کرتے ہیں کہ اہل نجد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ان کی رؤیت اہل مدینہ سے ایک دن پہلے ہے، آپ نے فرمایا ہر شہر والوں

کے لئے انہیں کی رؤیت ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب بن عبدالرزاق علامہ "العذب الزلال فی مباحث رؤیۃ الہلال" میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ ابن رشد نے "بدایہ" میں کہا علماء کا اجماع ہے کہ ایک دوسرے سے بہت دوری پر واقع علاقوں میں اس کی رعایت نہ کی جائے۔

- ابن جزی "القوانین" میں لکھتے ہیں "امام شافعی کے نزدیک ایک شہر والوں کی رؤیت سے دوسرے شہروں میں حکم نافذ ہو جائے گا ابن ماجشون اس کے خلاف ہیں۔ البتہ دور دراز مسافت پر واقع اطراف میں اس کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اندلس اور حجاز میں۔

ابن البناء کہتے ہیں: محمد بن نسیم نے کتاب المواقیت میں کہا ہے کہ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں کہ بعد مسافت کا اعتبار کیا جائے۔ جو شخص علی الاطلاق رویت کا حکم سب کیلئے ثابت کر دیتا ہے، مسافت قریب اور مسافت بعید کا فرق کئے بغیر وہ بری تعلیم دے رہا ہے۔ اور اس کا یہ فیصلہ چاند کے وجود سے متعلق حکمت الٰہی سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی ہے، اور انسانوں کے لئے اللہ کے احکام کے مخالف بھی۔

- "بدایۃ المجتہد" میں ابن رشد کہتے ہیں کیا کسی شہر والوں پر واجب ہے کہ دوسرے شہر والوں کی رؤیت کو اپنا لیں، یا ہر شہر میں الگ الگ رؤیت کا حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن القاسم اور مصری امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شہر والوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا تھا۔ تو ایک دن کا روزہ قضا کریں۔ امام شافعی اور امام احمد نے بھی یہی کہا ہے۔ مدینہ والے امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ چاند دیکھنے کی خبر سے دوسروں پر رویت کا حکم لازم نہیں ہوتا مگر یہ کہ "امام" لوگوں کو اس پر آمادہ کر رہا ہو۔ ابن ماجشون اور مغیرہ اصحاب مالک میں یہی مذہب رکھتے ہیں، اور مالکیوں کا اس پر اجماع ہے کہ بہت دوری پر واقع علاقوں میں ایک دوسرے کی رؤیت کی رعایت نہیں کی جائے گی جیسا کہ اندلس اور حجاز میں۔ انتہی۔

- امام قرطبی "تفسیر" میں لکھتے ہیں...... کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں شہر میں چاند نظر آگیا یا تو وہ شہر قریب ہوگا یا دور اگر قریب ہے تو حکم ایک ہی ہے، اور اگر دور ہے تو ہر شہر کے لئے اس کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہے۔

- عکرمہ، سالم، قاسم سے بھی یوں ہی مروی ہے، ابن عباس نے بھی ایسا ہی کہا ہے، اسحٰق کا مسلک بھی

یہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح کے باب لاھل کل بلد رؤیتھم میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ابن عباسؓ کے مقولہ ھٰکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کرتے ہوئے قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"ہمارے علماء نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ کہہ کر تصریح کر دی ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے، اور یہ دلیل ہے۔ اس بات پر کہ شام اور حجاز جیسے دور کے علاقوں میں ہر شہر والے اپنی اپنی رؤیت پر عمل کریں، مگر یہ کہ مسلمانوں کا امام اعظم لوگوں کو دوسرے علاقہ کی رؤیت ماننے پر آمادہ کرے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔"

- ابن العربی نے کہا ابن عباسؓ کے اس قول کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس نے رد کیا کہ یہ خبر واحد تھی۔ بعض کہتے ہیں اس لئے رد کیا کہ دونوں علاقوں میں اختلاف مطالع کا تھا۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ کریبؓ نے گواہی روایت نہیں کی بلکہ شہادت پر مبنی ایک فیصلے کی خبر دی ہے۔ اور بلا اختلاف ایک فرد کی خبر بھی مقبول ہے۔ اس کی ایک نظیر یہ بھی ہے کہ "اغمات" میں جمعہ کی رات چاند نظر آجائے اور اشبیلیہ میں ہفتہ کی رات تو ہر ایک کی رؤیت ان کے اپنے لئے ہوگی۔ اس لئے کہ سہیل ستارہ اغمات پر منکشف ہوتا ہے اشبیلیہ میں نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مطلع مختلف ہے۔
- خلاصۃ العذب الزلال میں ہے۔ قرانی نے "الفروق" میں کہا چاند کی رؤیت میں اختلاف اس لئے مجاز ہے کہ مشرقی بلاد میں چاند شعاعوں میں ہوتا ہے، جوں جوں سورج مغرب میں جائے گا، چاند شعاعوں سے نکل جائے گا۔ اور اہل مغرب اسے دیکھ لیں گے اہل مشرق اسے پھر دوسری رات دیکھ سکیں گے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ رؤیت چاند میں اختلاف کا یہ ایک سبب ہے، اور بھی اسباب ہوتے ہیں جیسا کہ علم ہیئت میں مذکور ہے (انتہی)

نیز کہا صحیح یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے جو لوگ اعتبار نہیں کرتے، وہ بُرا کرتے ہیں۔

- قرانی "الفروق" میں مزید لکھتے ہیں: یہ بات متفق علیہ ہے کہ آفاق کے اختلاف سے نماز کے اوقات میں اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے، ہر قوم کے لئے ان کی اپنی فجر اور ان کے زوال کا اعتبار رہے، اسی طرح چاند کے بارہ میں بھی ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ مشرقی بلاد میں جب چاند شعاعوں میں ہو تو جب سورج چاند کے ساتھ مغربی جہت میں حرکت پذیر ہوتا ہے، تو اس وقت سورج کے افق مغرب تک

پہنچتے ہی چاند شعاع سے نکل آتا ہے۔ پس اسے اہل مغرب دیکھ لیتے ہیں، اور اہل مشرق نہیں دیکھ پاتے۔ یہ بھی اعتبار اختلاف مطالع کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں۔ جو علم ہیئت میں مذکور ہیں جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، یہاں میں نے وہی سبب بیان کیا ہے۔ جو قریب الفہم ہے۔ جب یہ بات ہے کہ چاند آفاق کے مختلف ہونے کے ساتھ طلوع وغروب میں مختلف ہو جاتا ہے، تو ہر علاقہ کے لئے اس کی اپنی ہی رؤیت معتبر ہوگی، جس طرح ہر قوم کی اپنی فجر اور دیگر اوقاتِ نماز ہیں۔ یہی بات صحیح اور صواب ہے، اور ایک جگہ کی رویت سے تمام اقالیم میں روزوں کو ضروری قرار دینا قواعد اور دلائل کی رُو سے صحیح نہیں ہے۔

ابن الماجشون نے کہا: شہادت کی بنا پر حکم اس شہر والوں کے لئے ہوگا جس میں شہادت ہوئی مگر یہ کہ سلطان اسلام کے ہاں شہادت متحقق ہو اور وہ تمام لوگوں پر حکم لازم کر دے۔ تو سب پر حکم ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں تمام بلاد ایک بلاد کے حکم میں ہیں۔ کہ اس کا حکم کل بلاد میں نافذ ہے (بحوالہ عون المعبود شرح السنن لابی داؤد) یہ مالکی ائمہ محققین کے اقوال ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شہر کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے۔ جب کہ دونوں میں دوری ہو۔ جیسا کہ کریب مولی ابن عباس کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور ابن عباس کا یہ فرمان بھی کہ "ہم روزے چاند کو دیکھ کر ہی رکھیں گے، یا پھر تیس دن کی گنتی پوری کریں گے۔ اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ اہل مدینہ اہل شام کی رؤیت پر عمل نہیں کرتے کہ ان کے درمیان دوری مسافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے "چاند دیکھ کر روزہ رکھو، دیکھ کر افطار کرو" اسی طرح آپ نے فرمایا۔ "نہ روزہ رکھو حتیٰ کہ دیکھ لو اور نہ افطار کرو۔ یہاں تک کہ دیکھ لو" یہ بھی صریح ہے کہ روزہ اور افطار تب واجب ہوں گے۔ جب کہ ان کا سبب چاند کو دیکھنا ثابت ہو جائے۔ نماز کے اوقات اس کی نظیر ہیں۔ صبح کی نماز صبح صادق کے وقت ہوگی ظہر، زوال سورج کے بعد عصر جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے۔ مغرب جب سورج غروب ہو جائے۔ عشاء جب سرخ شفق غائب ہو جائے کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب مدینہ یا مکہ میں نماز کا وقت ہو جائے تو تمام بلاد میں یہ حکم ثابت ہو جائے گا؟ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہتا۔ چاند کا حکم بھی اسی طرح ہے، ہر شہر والوں کے لئے ان کی

رؤیت ہے بالخصوص جب کہ دو شہروں میں اتنی دوری ہو کہ ایک میں رؤیت ہو جانے تو دوسرے شہر والوں کے لئے چاند دیکھنا ممکن ہی نہ ہو۔ یہ ایک واضح بات ہے جیسے ائمہ علماء نے ثابت کیا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اختلاف مطالع محققین کے اقوال: امام نوویؒ شرح المہذب میں لکھتے ہیں جب ایک شہر میں رمضان کا چاند دیکھ لیا جائے اور دوسرے کسی شہر میں نظر نہ آئے تو دونوں اگر قریب قریب ہیں تو ایک شہر کے حکم میں ہوں گے بلا اختلاف دوسرے شہر والوں پر روزہ واجب نہیں ہو گا۔ مصنف مہذب ابواسحٰق شیرازی) بھی شیخ ابوحامد البندنیجی اور دوسرے علماء کا یہی فیصلہ ہے۔ العبدری الرافعی اور اکثریت نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، یہی نظریہ درست ہے۔ اس لئے کہ اگر شہر دور دور ہیں تو ہر ایک کا رؤیت ان کے اپنے لئے ہی ہے کیونکہ مختلف بلاد میں طوالع اور غروب مختلف ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مطلع اور مغرب کے احکام کی مخاطب ہے، دیکھئے فجر کا طلوع ایک بلد میں پہلے ہوتا ہے اس کے بعد میں تو وہاں کے ساکنین کے لئے ہر بلد کا طلوع و غروب ہی معتبر ہوتا ہے، اسی طرح چاند کا مسئلہ ہے۔ انتہیٰ۔

ابن المنذر نے یہ نظریہ (عدم العمل برؤیۃ بلد آخر) عکرمہؒ، قاسم، سالم، اسحٰق بن راہویہ سے بیان کیا ہے اور امام ترمذی نے اہل العلم کا یہی فیصلہ بتایا ہے، اور دوسرا کوئی مسلک بیان نہیں کیا۔

قرب۔ بُعد شہر کیا ہے جس سے رؤیت کے احکام مختلف ہوتے ہیں: اہل عراق، امام صیدلانی اور شوافع کہتے ہیں دوری یہ ہے کہ مطالع مختلف ہوں جس طرح حجاز، عراق اور خراسان میں ہے اور قریب ہونا یہ ہے کہ مطالع مختلف نہ ہوں جس طرح بغداد، کوفہ، رے اور قزوین میں، امام نوویؒ نے الروضہ، المنہاج اور شرح المہذب میں اسے صحیح کہا ہے اور (فی نہایۃ المحتاج شرح المنہاج میں کہتے ہیں جب ایک شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس کے قریبی شہر میں حکم نافذ ہو جائے گا جس طرح بغداد و کوفہ ہیں، کہ یہ دونوں ایک بلد کے حکم میں ہیں۔ دور کے شہروں میں حکم نافذ نہ ہو گا جیسا کہ حجاز اور عراق کے علاقوں میں دوری ہے۔ صحیح تر بات یہی ہے۔ اور دوسرا خیال یہ ہے کہ بعید میں بھی حکم نافذ ہو گا۔ اور بعید کا معیار ان کے نزدیک مسافت قصر ہے۔ مصنف (نوویؒ) نے شرح مسلم میں اسی کو صحیح کہا ہے اس

لئے کہ شرع کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ بعید کا معیار مطالع کا مختلف ہونا ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (واللہ اعلم) کیونکہ چاند کے مسئل کا مسافت قصر سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز اس لئے بھی کہ کریب کی روایت میں ہے کہ میں نے شام میں چاند دیکھا۔ پھر میں مدینہ آیا، تو ابن عباسؓ نے کہا تم نے چاند کب دیکھا ہے؟ میں نے کہا جمعہ کی رات کو انہوں نے کہا ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے، ہم اس کے مطابق روزے رکھ کر گنتی پوری کریں گے۔ میں نے کہا کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزہ رکھنے پر اکتفا نہ کریں گے فرمایا نہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

نیز طلوع فجر و شمس اور غروب پر قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔

نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے مناظر کائنات میں اختلاف رونما ہوتا ہے، اس لئے بھی اس کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مطالع کے اعتبار میں منجمین کے فیصلہ جات اور علم الحساب پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ حالانکہ ان کے اقوال کا شرعیات میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصول اور امور عامہ میں ان کے عدم اعتبار سے یہ لازم نہیں کہ توابع اور امور خاصہ میں بھی ان کا اعتبار ترک کیا جائے۔ اگر ان کے فیصلہ میں اتفاق مشکوک ہے تو ان کے اختلاف کی صورت میں جو حکم ہے، وہی ہوگا۔ اس لئے کہ اصل عدم وجوب ہے، اور اس لئے کہ حکم کا وجوب رؤیت کی وجہ سے تھا، اور بلد رؤیت کے ساتھ دوسرے شہر کا قرب ثابت نہ ہو سکا۔ ہاں اگر اتفاق ہو جائے کہ فلاں اور فلاں شہر ایک مطلع میں ہیں تو ایک میں رؤیت سے دوسرے میں رؤیت کا فیصلہ کرنا لازمی ہوگا تاج تبریزی نے کہا ہے کہ اختلاف مطلع چوبیس فرسخ (۷۲ میل) سے کم میں ممکن نہیں ہے، والدؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

سبکیؒ نے بھی اسی طرح فرمایا کہ اختلاف مطلع کی صورت میں مشرقی شہر میں چاند نظر آجائے تو مغربی شہر میں چاند ضرور نظر آئے گا۔ اس کا الٹ ضروری نہیں ہے، سبکیؒ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے،

اسنوی اور دیگر علماء بھی اس کے مؤید ہیں۔ مگر یہ اصول وہاں ہے۔ جہاں بلاد کی جہت اور عرض میں اتحاد ہو۔ اسی وجہ سے وہ شخص جو ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ ایک مشرق میں رہتا ہے دوسرا مغرب میں اور اپنی اپنی جگہ وہ زوال کے وقت مر جاتے ہیں۔ تو مغربی مشرقی کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے شہر کا زوال بعد میں ہوا ہے۔ انتہی۔

شیخ علی بن عبد الکافی السبکی اپنی کتاب "العلم المنشور فی اثبات الشہور" میں یہ تصریح کرتے ہیں "ایک شہر میں چاند دیکھ کر تمام بلاد دنیا میں لزوم قرار دینا بہت کمزور بات ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے خلفاء راشدین سے یہ منقول نہیں کہ وہ چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں چاند کی اطلاع دیتے تھے۔ اگر یہ حکم لازم ہوتا تو وہ ضرور ایسا کرتے کہ وہ دین سے خوب اعتنا رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بلاد میں چاند ایسے وقت میں نظر آتا ہے کہ دوسرے بلاد میں دیکھنا ممکن ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ہمیں یہ قطعی علم ہے کہ سورج بعض جگہ پہلے غروب ہو جاتا ہے، یہی حال طلوع، زوال، فجر اور غیاب شفق کا ہے، جب سورج (نظر بظاہر) حرکت میں آتا ہے، تو ہر جگہ کے لوگوں کے لئے فجر بنتی ہے، کہیں زوال ہوتا ہے اور کہیں غروب تو ہر قوم کے لئے احکام نماز میں ان کا اپنا غروب، طلوع اور زوال معتبر ہے۔ اس پر چاند کو قیاس کر لیجئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو ان کے اپنے حالات کے مطابق مکلف بنایا ہے۔

حضرت عکرمہؒ، قاسمؒ، سالمؒ، اسحاقؒ اور ابن المبارکؒ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں ہر شہر والوں کیلئے ان کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا۔ شیخ نے مزید کہا امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے "باب لکل بلد رؤیتھم" لیکن میں نے صحیح بخاری کے مختلف طبع کے نسخے اور مخطوطے ملاحظہ کئے ہیں مگر مجھے یہ باب نہیں مل سکا۔ قرطبی نے بھی اس تبویب بخاری کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم مالکیوں کے قول کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ سبکیؒ اور قرطبیؒ کے پاس صحیح بخاری کے نسخوں میں یہ باب موجود ہو یا پھر شیخ سبکی نے قرطبی کی تقلید کی ہو۔ ہاں! تو ایک جگہ چاند دیکھ کر تمام بلاد میں حکم لگانا اس بات کو لازم بناتا ہے کہ زمین مسطح ہے جیسا کہ رافعی نے شرح الوجیز میں کہا (ص ۱۷۱ جز سادس) اور یہ نظریہ ہیئت کے ماہرین کے متفقہ فیصلے کے مطابق باطل ہے، وہ کہتے ہیں کہ زمین کروی ہے اور جس چیز کی بنا

باطل ہو، وہ خود بھی باطل ہے،

شوافع میں ہمارے پیش کردہ موقف کے قائلین میں امام الحرمین، غزالی اور امام بغوی کا نام بھی آتا ہے۔ رافعی نے اپنی شرح صغیر اور مطور میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔ رافعی نے حاشیہ اقناع میں بھی لکھا ہے، دیگر شافعی مسائل فرعیہ میں سے ہے، اچاند کی رؤیت نہ دیکھنے والوں کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گی۔ جب کہ مطلع ایک ہو یعنی غروب سورج و کواکب اور ان کا طلوع دونوں شہروں میں ایک وقت میں ہو۔ لیکن اگر کسی شہر میں طلوع اور غروب پہلے ہوتا ہے، دوسرے میں بعد کو چاند نہ دیکھنے والوں پر حکم واجب نہیں۔ اس امر کا مرجع طول بلاد اور عرض بلد ہے، مسافت قریب ہو یا بعید۔

ہاں بلاد شرقی میں اگر رویت حاصل ہوئی ہے، تو بلاد غربیہ میں ضرور ہونی چاہیئے۔ اس کا برعکس نہیں مثلاً مکہ مشرق اور مصر کو لیجئے اگر مکہ میں چاند نظر آگیا۔ تو مصر میں لازماً نظر آئے گا مگر مصر میں نظر آنے سے لازم نہیں کہ مکہ میں بھی نظر آجائے۔ انتہی، امام نوویؒ قصہ کریب والی حدیث ابن عباسؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک شہر میں چاند دیکھ لیں، تو ان کا حکم دور والوں کے لئے ثابت نہیں ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں ایک جگہ کی رؤیت کا حکم تمام زمین والوں کو حاوی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے کریب کی خبر پر عمل اس لئے نہیں کیا تھا کہ شہادت ایک آدمی کے قول سے ثابت نہیں ہوتی لیکن ظاہر حدیث سے یہ واضح ہے کہ ابن عباسؓ نے اس بات کو اس لئے رد نہیں کیا۔ بلکہ اس بنا پر کہ دور والوں کے لئے رؤیت کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

شوافع کے اقوال اس بارے میں بکثرت ہیں۔ جن کا استقصاء کر کے ہم طوالت نہیں کرنا چاہتے بہرحال اختلاف مطالع کی صورت میں اقوال ائمہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ سے ثابت ہوگیا کہ ایک شہر کی رؤیت سے دوسرے شہر کے لئے رؤیت کا حکم لازم نہیں ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مطالع کے مختلف ہونے پر اتفاق نقل کر چکے ہیں۔ ان حالات میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ایک بلد میں رؤیت ہونے سے دنیا کے تمام مسلمانوں پر روزہ اور افطار لازم کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات بھی اسی امر پر دال ہیں کہ ایک شہر

کی رؤیت وہیں کے باشندوں کے لئے ہے۔ صحابہ کرام ؓ تابعین کا عمل بھی اسی پر ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں لکھا ہو کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے لہٰذا تم ایک روزہ کی قضا کرو۔ اگر کبھی ایسا ہوتا تو اس مسئلہ کی عمومیت اور اہمیت کا تقاضا تھا کہ ضرور یہ نقل ہو کر ہم تک پہنچتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دوسرے مسائل اوقات کی طرح اس میں بھی ہر علاقہ کے لوگ اپنی ہی رؤیت کا اعتبار کرتے تھے۔

فقہائے حنابلہ کے اقوال:- اب علمائے حنابلہ کے اقوال بھی ملاحظہ فرمالیں۔

"الانصاف" میں ہے "ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو تمام لوگوں پر روزہ لازم ہو جائے گا۔ مطلع ایک ہو یا مختلف"

یہ اصل مذہب ہے۔ لیکن یہ مسلک مفردات سے ہے۔ (شیخ الاسلام) ابن تیمیہؒ کا مختار یہ ہے کہ "جس شہر میں چاند نظر آئے وہاں کے باشندوں پر جس طرح روزہ لازم ہوگا ان پر بھی ہوگا۔۔۔ جو اس مطلع کے قریب میں رہتے ہیں (وغیرہ) کہتے ہیں مطالع کے اعتبار اختلاف میں اہل معرفت کا اتفاق ہے، اگر مطلع ایک ہو پھر تو روزہ لازم ہے، بصورت دیگر نہیں"

(کتاب الرعایۃ الکبریٰ) میں ہے، جس نے نہیں دیکھا اس پر بھی وہ حکم لازم ہو جائے گا۔ جو دیکھنے والے پر ہے تاہم یہ اسی کے لئے ہے، جو قریبی مطلع میں ہے، یا دونوں کا مطلع ایک ہی ہو، مگر مسافت قصر سے کم مسافت میں۔ مطلع مختلف ہے اور اگر مسافت قصر سے زیادہ ہے تو یہ حکم نہیں (انتہی ملخصاً)

صاحب "الانصاف" نے صراحت کی ہے کہ یہ مذہب کہ اس رؤیت کا اعتبار ہر ایک کے لئے ہو چاہے مطلع ایک ہو یا مختلف "مفردات سے ہے" یعنی جمہور کے مسلک کے خلاف ہے، "ناظم المفردات" نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اذا رأى الهلال اهل بلد	صام جميع الناس في الجهود

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ایک شہر میں رؤیت ہو جانے سے تمام مسلمانوں پر روزہ اور افطار لازم ہونا صرف امام احمد کا ہی مذہب ہے لیکن درحقیقت بات ایسے نہیں کیونکہ امام احمدؒ کے ساتھ فقہائے مالکیہ حنفیہ کی ایک

جماعت اور بعض شوافع کا بھی یہی نظریہ ہے مگر حق وہی مسلک ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ہر علاقے کیلئے اسی علاقے والوں کی رؤیت کا اعتبار ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ اختلاف مطالع میں اہل معرفت کا اتفاق ہے، اگر مطلع ایک ہو تو روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ شافعیہ کا صحیح ترین قول یہی ہے اور ایک قول میں امام احمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

نیز فرمایا۔ مشرق و مغرب کے اختلاف سے چاند کی رؤیت مختلف ہوجاتی ہے، مشرق میں اگر چاند نظر آجائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا لیکن مغرب میں دیکھنے سے مشرق میں دیکھا جانا ضروری نہیں کیونکہ مغرب میں سورج کا غروب دیر سے ہوتا ہے اس اثنا میں چاند سورج سے کچھ اور دور ہو کر مزید روشن ہو چکا ہوگا۔ تو مغرب میں رؤیت اور بھی واضح ہوگی، مغرب میں چاند کے نظر آنے سے مشرق کے لئے ایسا نہیں ہوسکتا الٹا چاند اور بھی مشرقی علاقہ سے دور چلا جائے گا۔ یوں سمجھیے کہ مشرق میں سورج کے غروب کے وقت چاند سورج کے قریب تھا جب مغرب میں چاند نظر آئے تو مشرق والوں کے لئے چاند بھی غروب کر چکا ہے، رؤیت کیسے ممکن ہوگی چاند سورج اور دوسرے سیارگان فلکی کے بارہ میں یہ بات مشاہدہ کی ہے۔ دیکھیئے مغرب میں مغرب کا وقت ہو تو مشرق میں بھی ضرور ہوگا اس کے برعکس نہیں ایسے ہی مغرب میں طلوع ہوجائے تو مشرق میں ضرور چاند ہوگا اس کے الٹ نہیں ہوسکتا پس چاند کا طلوع اور رؤیت مغرب میں پہلے ہوتے ہیں۔ چاند کے سوا فضائے سماوی میں دوسرا کوئی سیارہ نہیں جس کا طلوع مغرب سے ہوتا ہوا اس بنا پر کہ اس کا سبب ظہور، سورج سے دوری ہوتی ہے تو جتنا اس کا غروب متاخر ہوگا یہ اتنا ہی سورج سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

نیز فرمایا ۔۔۔ اس کی دلیل ہمارا یہ یقینی علم ہے کہ صحابہؓ اور تابعین بعض شہروں میں پہلے چاند دیکھ لیتے کچھ دوسرے شہروں میں بعد کو دیکھتے یہ ایک عام قدرتاً معمول ہے اس میں تبدیلی نہیں ہوتی ماہ کے دوران ان کے پاس ایک دوسرے کی خبریں بھی پہنچ جاتی ہوں گی۔ اگر بعد میں دیکھنے والوں پر قضا روزہ واجب ہوتا تو تمام بلدان اسلام میں رؤیت ہلال کے بارہ میں اسلاف معلومات حاصل کرنے کے لئے پوری قوت اور وسائل استعمال کرتے جیسا کہ ایک شہر

نیا چاند کے بارہ میں کیا جاتا ہے۔ اور پھر اکثر مہینہ یا نئے رمضان میں قضا کسی نہ کسی جگہ ضرور ثابت ہوتی یا اگر ایسا ہو چکا ہوتا تو نقل در نقل کے ذریعہ یہ باتیں ہم تک ضرور پہنچ جاتیں۔ مگر ایسی کوئی چیز ہم تک نہیں پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن عباسؓ کی مذکورۃ الصدر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

یہ ہیں تمام مذاہب کے اہل علم اکابر کے اقوال جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہر والوں کے چاند دیکھ لینے سے دور دراز کے بلاد میں عمل کرنا لازم نہیں ہوتا۔ جبکہ مطالع میں اختلاف ہو چنانچہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں ایک دوسرے کی طرف خط و کتابت نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی دوسرے شہروں میں چاند دیکھنے کے پیچھے پڑتے تھے۔ علماء مذکورہ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث اور حدیث صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ سے ہے کہ ہر ایک علاقہ والوں کے لیے ان کا اپنا دیکھنا معتبر ہے۔ اس بارہ میں ہم نے علماء کے اقوال جو نقل کیے انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ طالبین حق کے لیے یہ بس ہے اور اس میں کفایت ہے۔ واللہ الموفق الہادی الی سواء السبیل۔

رویت ہلال کا مسئلہ علم ہیئت اور جدید جغرافیہ کی روشنی میں۔ یہ ہے کہ سورج کے غروب کے وقت چاند اگر کسی بلد میں آٹھ درجے اونچا ہے یعنی اتنا اونچا ہے کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد بتیس منٹ تک رہے گا۔ تو ایسا چاند مشرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک ضرور موجود ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ بادل غبار یا اسی قسم کی کوئی اور کثیف چیزیں درمیان میں حائل نہ ہوں تو اس بلد سے مشرق میں مذکورہ مسافت تک یہ چاند ضرور افق پر دیکھا جا سکے گا۔ بعض علم ہیئت والوں کا کہنا ہے کہ چاند ہر ستر میل پر ایک درجہ بڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ یعنی جس شہر کی رؤیت میں چاند آٹھ درجہ پر تھا اس بلد سے ستر میل مشرق میں جو شہر ہے، وہ سات درجے پر واقع ہوگا۔ اور اس بلد سے جو بلد ستر میل مغرب میں ہے، وہاں چاند نو درجے پر ہوگا۔

جب ایک شہر میں چاند نظر آجائے تو اس شہر سے مغرب میں جو شہر موجود ہیں، سب میں چاند ضرور ہوگا۔ یہ علم ہیئت کے مسلمات سے ہے۔ اور اگر کسی مغربی شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس شہر سے مشرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک چاند کا اعتبار کیا جائے لیکن مغربی بلاد میں مطلقاً اعتبار ہوگا۔

کسی مسافتِ معینہ کی قید لگانے کے بغیر۔ واللہ اعلم۔ انتہیٰ۔ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ محمد بن عبدالوہاب بن عبدالرزاق اپنی کتاب خلاصۃ العذب الزلال میں لکھتے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ سورج اور چاند کا اجتماع آن واحد میں واقع ہوتا ہے۔ اطرافِ عالم اور بلادِ مختلفہ کے اختلاف سے اس میں تعدد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ اجتماع فلک پر ہے اور یہ کوئی امر نسبیہ سے نہیں کہ جن کا تعلق اطوال بلاد کے اختلاف سے ہو۔

مثلاً فرض کیجئے مراکش کی نسبت سے سورج اور چاند کا اجتماع بارہ بجے دن سے ہے، تو یہی لمحہ دنیا کے دوسرے شہروں میں ان کے اجتماع کا وقت ہوگا۔ حالانکہ اس وقت الجزائر میں بارہ بج کر چوالیس منٹ کا وقت ہے۔ تیونس میں ایک بج کر تیرہ منٹ قاہرہ میں دو بج کر سینتیس منٹ۔ مکہ اور مدینہ میں تین بج کر بارہ منٹ۔ بمبئی (انڈیا) میں پانچ بج کر تیس منٹ۔ ٹوکیو (جاپان) میں رات کے نو بج کر اکیاون منٹ۔ ہاوای میں دو بج کر بارہ منٹ رات، نیویارک میں سات بج کر پینتیس منٹ صبح کا وقت ہوگا۔

حسوونقت اجتماع ایک ہے۔ لیکن ہماری نسبت سے زوال ہے۔ مکہ اور مدینہ میں عصر کا وقت بمبئی میں مغرب کا وقت، ٹوکیو میں آدھی رات کے قریب، ہاوای میں فجر کا وقت اور نیویارک میں سورج کے طلوع کا وقت ہے۔ بعینہٖ یہی بات خسوفِ قمر کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ چاند کی بدء، توسط اور مکمل روشن ہونا یہ طول بلد کے اختلاف سے رونما ہوتا ہے۔ انتہیٰ۔

اس قسم کی تفصیل سے مطالع ہلال کا مختلف ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً مغرب میں جب چاند دیکھ لیا گیا۔ تو مشرق میں دوسری رات ممکن ہوگا۔ اس لئے کہ چاند مغرب میں شعاعوں سے معمولی پیچھے ہٹا ہے۔ اور نظر آگیا ہے۔ مگر مشرق میں جب تھا شعاعوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کا دیکھنا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے کہ ان بلاد میں طویل مسافت ہے۔ اور طول البلد و عرض البلد میں بھی اختلاف ہے، علامہ احمد بن محمد السودی التطوانی کہتے ہیں سورج اور چاند فلک بروج کے ایک درجہ میں اجتماع واحد شی ہے۔ نواحی اور شہروں کے اعتبار سے اس میں تعدد نہیں ہوتا۔ ورنہ ہی یہ امور نسبیہ سے ہے، کہ طول کے اختلاف سے اس میں اختلاف ہو جائے، جیسا کہ طلوع، غروب اور زوال کا معاملہ ہے۔ بنا بریں اگر ہم فرض کرتے ہیں

کہ ان کا اجتماع [illegible] کے پہلے درجے میں تھا جب کہ قوس لیل اور قوس نہار مساوی ہوتے ہیں یعنی بارہ بارہ گھنٹے کے ہوتے ہیں، اور یہ اجتماع، ناس کے نصف میل کے خط میں واقع ہو، اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اجتماع کے وقت سے اقل مدت جس کے بعد رؤیت چاند ممکن ہو جاتی ہے اٹھارہ گھنٹے ہے۔ تو ناس میں رؤیت کا وقت جب آئے گا یعنی غروب سورج کے وقت تو اہل ناس کی نسبت سے اٹھارہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اس لئے انہیں چاند نظر آ جائے گا۔ مگر اسی دن مکہ والوں پر جب غروب سورج ہوا تھا، اجتماع کے وقت سے اس وقت تک چونکہ اٹھارہ گھنٹے نہیں گزرے ہیں، اس لئے ان کی نسبت سے چاند کی رؤیت ممکن نہیں ہے، ان کو چاند اگلے دن نظر آئے گا۔ کیونکہ اجتماع کے وقت سے پندرہ گھنٹے ہی پورے ہوئے ہیں، اس لئے کہ مکہ والوں کا سورج تین گھنٹے پہلے غروب ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ اور ناس میں تین گھنٹہ کا فرق ہے کیونکہ دونوں میں ۴۵ درجہ کی مسافت طول ہے جو کہ تین گھنٹے کی بنتی ہے۔ ا ھ

شیخ طنطاوی جوہری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں "جتنا بلاد مغربی جہت میں دور ہوتے جائیں گے اسی قدر چاند اور نمایاں ہوتا جائے گا۔ اور رؤیت ہلال کی ابتدا جس خط طول پر واقع ہوئی اس سے مشرق میں واقع شہروں میں اگلی رات چاند نظر آئے گا۔ کریب کی حدیث کو دیکھیں کہ شام میں انہوں نے چاند جمعہ کی رات کو دیکھا مگر اہل مدینہ نے ہفتہ کی رات کو۔ دمشق کو دیکھیں خط طول مشرقی گرینچ (۳۵) پر واقع ہے، اور مدینہ خط طول مشرقی (۴۰) پر ہے۔" اس کے بعد شیخ نے مرصد حلوان کے مدیر عام کا یہ قول نقل کیا ہے "جب مکہ مکرمہ میں چاند دیکھنا ممکن ہو تو دمشق (شام)، ہیں اور مصر میں دیکھنا ممکن ہوتا ہے جب مطلع صاف ہو۔ لیکن ان تمام بلاد میں دیکھنا یقینی نہیں ہوگا۔ جو خط طول پر واقع ہیں مگر اس صورت میں کہ خط عرض میں اختلاف ہو۔"

شیخ طنطاوی جوہری مزید لکھتے ہیں "ہر وہ شہر جس میں پہلے چاند کی رؤیت ہو جائے تو اس سے مغرب میں واقع تمام شہروں میں قطعاً چاند دیکھا جائے گا۔ اور وہ چاند زیادہ واضح اور زیادہ روشن ہوگا۔ نظر آ جائے یا کسی مانع کی وجہ سے نہ دیکھا جا سکے۔ لیکن بلد غربی میں چاند کی رؤیت سے بلد مشرقی میں رؤیت لازمی نہیں۔ غربی بلد سے مراد کم طول والا اور مشرقی بلد سے مراد زیادہ طول والا ہے۔ مثلاً

اہل کویت اگر چاند دیکھ لیتے ہیں جن کا طول بلد ۴۸ ہے تو ضروری نہیں کہ اہل مستقط بھی دیکھ سکیں کیونکہ ان کا طول ۵۸ ہے۔ اور یہ کویت سے مشرق میں ہے، اسی طرح اہل "شارقہ" جن کا طول ۵۴ درجہ ہے اور "قطیف" والے جن کا طول پچاس درجہ ہے، بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

مگر اہل بغداد، جن کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور "نجف" والے جن کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور مدینہ والے جن کا طول ۴۴ درجہ ہے، اور سماوہ والے جن کا طول ۴۵ درجہ ہے، دیکھ لیں گے۔ اسی اصول پر قیاس کرتے جائیے۔

باقی رہی یہ بات کہ اگر دو بلد طول و عرض میں برابر ہیں جس طرح "یوروسیا" والے ایشیا کو چک میں اور "تکلاز اور سیزان" یہ تمام طول (۴۹) درجہ پر ہیں، اور ان کا عرض چالیس کے قریب ہے، ہم فیصلہ کریں گے ان تمام میں ایک ہی وقت چاند ظہور کرے گا۔ اور اگر طول میں مساوی ہیں، مگر عرض میں اختلاف ہے جیسا کہ عجم میں "تبریز" شہر ہے، جس کا طول ۴۷½ ہے اور بصرہ جس کا طول ۴۷ ہے، مگر پہلے کا عرض ۳۸ ہے، اور دوسرے کا ۳۰ ہے۔ تو اس میں یہ غور و فکر کرنا ہوگا۔ احتمال ہے کہ چاند نظر آجائے کیونکہ دونوں ایک طول پر ہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ نہ دیکھا جا سکے کیونکہ عرض میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اختلاف عرض کا اثر بہت کم ہوتا ہے، مگر کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں تمام ملکوں میں رؤیت کے احکام کی وحدت کے خوفناک نتائج!

جو لوگ ہمارے اس دور میں عالم اسلامی کے سیاسی رجحانات پر نظر رکھتے ہیں کہ مسلمان متفرق حکومتوں کی شکل میں بٹ چکے ہیں، اور تعلیمات اسلام سے کوسوں دور ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ دینی جذبہ کم ہو گیا ہے۔ نظریات اور اہداف (نصب العینوں) میں دنیاوی اور سیاسی اغراض کی حکمرانی ہے، اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرف میلانات ہیں۔ وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بلد کی رؤیت دوسرے بلاد اسلامیہ کے لئے نافذ کرنا اگر درست بھی ہو پھر بھی یہ عملاً ممکن نہ ہو سکے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک ملک میں چاند نظر آجائے تو اگر دوسرا ملک پہلے کے ساتھ اچھے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے تو وہاں کے مفتی سے (سیاسی یکجہتی کی بنا پر) اول الذکر کی رؤیت پر عمل کرنے کا فتویٰ حاصل کر لیا جائے گا۔ اور اگر دونوں حکومتوں کے تعلقات درست نہیں، اور ایک میں چاند نظر آجائے تو یہ سکت

ہے حکومتی مفتی پاکستانی کی طرح کو لئے مطابق فتوٰی صادر فرمادیں کہ ہر ملک کے لئے ان کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہوگا۔

ان حالات میں اسلام کیا ہوا؟ اس کے احکام کیا ہوئے؟ (معاذ اللہ) سیاست اور سیاسی کارندوں کے ہاتھ کا کھلونا، حق کا اعتبار کئے بغیر جس طرح پائیں گے مروڑتے رہیں گے۔

میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عالم اسلام اس وقت مختلف ریاستوں اور مختلف قومیتوں میں تین کے اہداف مختلف ہیں تقسیم ہوچکا ہے، کوئی اہل مغرب (اینگلو امریکن بلاک) کی طرف میلان رکھتا ہے، اور کوئی مشرق (روسی بلاک) کی طرف جھکا ہوا ہے۔ اور دوستی اور صداقت بھی اسی اصول سے ہے، پھر اس حد پر بھی نہیں ٹھہرے بلکہ شرعی احکام کو اپنے سیاسی رجحانات اور بنیادی اغراض کے ماتحت منانے پڑتے ہوئے ہیں وہ روزہ رکھیں گے۔ اگر کسی دوست ملک میں چاند نظر آگیا۔ اور افطار بھی کریں گے، اور اگر مخالف میلانات والے ملک میں چاند نظر آیا تو نہ روزہ نہ افطار۔

خلاصہ کلام این کہ۔ بالفرض اگر مسئلہ حق اسی کو مان لیا جائے کہ ایک بلد میں رؤیت تمام بلادِ اسلامیہ کے لئے رؤیت کا حکم رکھتی ہے، تو بھی اس کا عملی نفاذ کسی صورت ممکن نہیں ہے، رابطہ عالم اسلامی اور دوسری اسلامی تنظیمیں کتنی ہی قرار دادیں کیوں نہ پاس کرتی رہیں، فاللہ المستعان۔

تاہم بحمداللہ تعالیٰ حق نہایت واضح اور درخشاں ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ کے لئے اسی علاقہ میں چاند دیکھنے کا اعتبار کیا جانا چاہیئے۔ جیسا کہ ہم نے اس کی پوری پوری توضیح کی ہے۔ اس بارہ میں ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سالک علمائے اعلام پر اعتماد کیا ہے۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا الی یوم الدین۔

سوال۔ اگر رمضان شریف ۲۹ دن کا ہوا اور ایک پہلا روزہ ہم نے بوجہ چاند نہ دکھائی دینے کے کھالیا اور ہمارے ۲۸ ہی ہوئے تو کیا ہم ۲۸ روزے کر کے عید کرلیں؟

جواب۔ اس صورت میں عید کر کے ایک روزہ قضا کرنا ہوگا۔ کیونکہ مہینہ ۲۸ روز کا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (۲۴/شوال ۱۳۴۳ھ)

تشریح۔ بابت رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع۔ از مولانا محمد یحییٰ الاعظمی عالم فاضل پروفیسر عربی کالج راولپنڈی۔

علم ہیئت کے اصول پر زیر نظر مسئلے کو مختصر ذکر کروں گا۔ ضمناً اختلاف رؤیت، رؤیت ہلال قبل الزوال و بعد زوال، تشکلات قمریہ، کسوف و خسوف وغیرہ بھی مذکور ہوں گے۔ بطور مقدمہ اولاً یہ سمجھ لیجئے کہ سورج ایک آگ کا گولہ ہے۔ اور اس کی روشنی ذاتی ہے، کسی دوسرے ستارہ سے مستفاد نہیں۔ اور ہر حال میں پورا پورا روشن رہتا ہے، اور اپنے ارد گرد ضیا پاشی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سورج کا طلوع و غروب ہمارے اعتبار سے ہے ورنہ ذاتی طور پر اسے طلوع و غروب لاحق نہیں بخلاف چاند کے کہ اس کی روشنی ذاتی نہیں ہے، بلکہ یہ تو محض ایک صاف شفاف جسم اور نیلگوں رنگ کا گولہ ہے، اور سورج کی روشنی اس پر پڑنے کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے، سورج اوپر اور چاند نیچے ہے۔ سورج کی روشنی سے ہمیشہ چاند کا وہ نصف حصہ جو سورج کی طرف ہوتا ہے، روشن رہتا ہے، اور پچھلا نصف حصہ ہمیشہ تاریک اور بے نور رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ چاند سورج کی نزدیکی اور اس سے دوری کی بنا پر گھٹتا بڑھتا دکھائی دیتا ہے، ثانیاً یہ کہ سورج فلک الافلاک کی حرکت سے ۲۴ گھنٹے میں ایک چکر پورا کر لیتا ہے۔ لیکن اپنی ذاتی حرکت سے تقریباً ۳۶۵¼ روز میں ایک دور پورا کرتا ہے، (اسی کو ہم شمسی سال کہتے ہیں) بنا بریں اوسطاً ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ ۲۰ ثالثہ روزانہ مغرب سے مغرب کی جانب علی توالی البروج حرکت کرتا ہے، اور چاند اپنی ذاتی حرکت سے بعد منہائی نائل وغیرہ ۲۷⅓ یوم میں ۲۷ (عند اہل ہند) یا ۲۸ (عند اہل مغرب و فارس) منزلیں طے کر کے اپنا ایک دور پورا کر لیتا ہے۔ اور اوسطاً (۱۳) درجہ [illegible] دقیقہ

(۳۵) ثانیہ (۲) ثالثہ روزانہ مغرب سے مشرق کی جانب حرکت کرتا ہے۔ اب اگر سورج کی روزانہ حرکت چاند کی روزانہ حرکت سے تفریق کر دی جائے۔

	درجہ	دقیقہ	ثانیہ	ثالثہ
حرکت چاند روزانہ	۱۳	۱۰	۳۵	۲
حرکت سورج روزانہ	۰	۵۹	۸	۲۰
باقی	۱۲	۱۱	۲۶	۴۲

تو باقی ماندہ مقدار حرکت چاند روزانہ سورج سے چاند کے فصل اور دوری کی مقدار ہوگی بنا بریں اجتماع حقیقی سے ۱۴یوم ۱۸ گھنٹے ۲۲ منٹ بعد (۱۸۰) درجہ سورج سے دور اور ۲۹یوم ۲ گھنٹے ۴۴ منٹ بعد پھر اجتماع حقیقی ہوجائے گا۔ اور زمانہ محاق کی مدت اوسطاً ۶۴ گھنٹے ۱۲ منٹ ہے، ثالثاً یہ کہ رویت ہلال کا حساب نہایت ہی دقیق ہے، کیونکہ اس کا دارو مدار قوس الرویہ کی تحدید پر ہے اور یہ سخت دشوار ہے اس لیے کہ جرم قمر کا اوج و حضیض کی وجہ سے مرکز عالم سے قریب ہوتے رہنا اور پھر دور ہوتے رہنا اس کی حرکت کا بطوء اور سرعت میں مختلف ہوتے رہنا، اور اس کا خط استوا سے عرض میں کم و بیش ہوتے رہنا۔ خود شہروں کے عرض کا کم و بیش ہونا، سورج سے مختلف دوری پر بھی بے موقع ہلال بنتے رہنا وغیرہ وغیرہ امور قوس الرویہ کی تحدید میں دشواری پیدا کرتے ہیں۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ بھی ہے کہ مختلف حالات میں ایک ایک شہر کے لیے سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں قوس الرویہ کا امکان ہے۔ بنا بریں متقدمین عارفین نے قوس الرویۃ القمر کی بحث ہی کو حذف کر دیا ہے۔ ہاں متاخرین نے اس پر بحث کی ہے۔ والمتأخرون ذكروا فيه كلاما مختلفا اكثره لا طائل تحته لعدم انضباطه واما الامر الاوسط الذي يعل باصحاب وهو انه اذا كان البعدين التعديل في الاقليم الرابع اثني عشرة درجة من دور الفلك فانه يرى (نهاية الادراك ص۲۳۴) اور متاخرین علمائے فن نے قوس الرویۃ کے بارہ میں مختلف باتیں لکھی ہیں جن میں اکثر ضابطہ کے تحت نہ آ سکنے

کی وجہ سے بے فائدہ ہیں۔ البتہ اوسط قوس الرؤیۃ جس پر زائچہ بنانے والوں کا عمل ہے ایسا ہے کہ جب اقلیم رابع میں چاند اور سورج میں ۱۲ درجہ کی دوری ہو جائے تو ہلال نظر آ جائے گا۔ بنا بریں ہم نے بھی اوسط قوس الرویۃ ۱۲ درجے کو اختیار کیا ہے۔ ورنہ مختلف صورتوں میں اس سے بھی کم و بیش قوس الرویۃ ہوا کرتی ہے، اور یہی قوس اختلاف مطالع کی مقدار ہے۔

رابعاً یہ کہ بوقت طلوع الشمس ونصف النہار وغروب شمس ونصف اللیل اور ان کے مابین غرض ۲۴ گھنٹے یومیہ کا ہر منٹ ہر سکنڈ اس کا متحمل ہے کہ اس وقت چاند قوس الرویۃ پر پہنچ کر ہلال بن جائے، اور یہ صرف احتمال ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا ہی نفس الامر میں واقع ہوا کرتا ہے۔ اور چاند کے سورج سے ہٹ کر قوس الرؤیۃ پہ پہنچ کر ہلال بن جانے کے لمحات مختلف مہینے، سال، صدی میں مختلف ہوا کرتے ہیں جس کو اہل تقویم چاند اور سورج کی رفتار منضبط کے ماتحت حساب لگا کر ہر ماہ ایک متعین شہر کے لئے اس لمحہ کی تعیین کر دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں سب سے عمدہ تقویم وہ ہے جو ناٹیکل المنک کے نام سے سال بسال رصدگاہ لندن سے شائع ہوا کرتی ہے، نیز یہ تقویم سیاروں کی حرکات یومیہ اور دیگر معلومات کا خزانہ ہے۔

اچھا اب آپ رویت ہلال کے وقت سے چاند کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کس قدر باریک اور سورج کے قریب ہوتا ہے۔ پھر دوسرے دن شام کو دیکھئے تو آپ کو قدرے بڑا اور مشرق کی جانب دور نظر آئے گا۔ پھر تیسرے دن اور بڑا اور زیادہ جانب مشرق دوری پہ معلوم ہوگا۔ بات یہ ہے کہ چاند سورج سے جتنا دور ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کا روشن حصہ ہماری طرف رُخ کرتا جاتا ہے، اسی طرح دیکھتے رہیے یہاں تک کہ چودھویں شب اور کبھی تیرھویں شب اور پندرھویں شب کو چاند سورج کے مقابل جانب مشرق ۱۸۰ درجہ یعنی نصف دور فلک کی دوری پہ ہوتا ہے، اگر سورج مغربی افق میں اپنا سر چھپا رہا ہے تو چاند افق شرقی سے اپنی نورانی شعاعیں ہم پر پھینک رہا ہے۔ گویا آمنے سامنے برابر کی جوڑ ہے۔ اسی استقبال کی حالت

ہیں ہم چاند کو بدر یا ماہِ کامل اور اس تاریخ کو پورنماشی کہتے ہیں۔ اس وقت چاند کا نصف روشن حصہ پورے کا پورا ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ اسی استقبال کے زمانہ میں اگر چاند، زمین اور سورج ایک خطِ مستقیم پر واقع ہو جائیں تو چاند گرہن ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر وہ یوماً فیوماً سورج کے قریب ہونے لگتا ہے، اور ہم کو گھٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس میں بھی وہی بات ہے، مگر برعکس کیونکہ چاند کے سورج سے قریب ہوتے رہنے سے اس کا روشن حصہ ہمارے سامنے سے رخ پھیرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ انتیسویں یا تیسویں شب کو سورج سے ۱۲ درجہ قریب پہنچ کر دو شب، اور کبھی ایک شب یا تین شب کے لئے ہماری نظروں سے یکسر غائب ہو جاتا ہے۔ اس اجتماع کو ہم محاق یا اوس کہتے ہیں۔ اس حالت میں چاند کا نصف روشن حصہ سورج کی طرف ہوتا ہے، اور نصف پچھلا تاریک حصہ ہمارے سامنے واضح ہو کہ اسی اجتماع میں اگر چاند اور سورج میں عرضاً بھی اتنا قرب ہو جائے کہ ہماری نگاہ بخطِ مستقیم چاند سے گذرتی ہوئی سورج پر پڑ جائے تو سورج گرہن ہو جائے گا۔ یاد رکھئے اسی زمانہ محاق میں جس کی مدت اوسطاً ۴۴ گھنٹے ۱۲ منٹ ہے۔ ایک خاص لمحہ ایسا گذرتا ہے، جس میں چاند اور سورج کا ایک خطِ طولی پر دوسرے لفظوں میں ایک خطِ نصف النہار پر واقع ہو جانا ضروری ہے، اور وہ ساعت ہے جب کہ ابتدائے محاق سے ۲۲ گھنٹے ۴۸ منٹ گذر جائیں۔ پس اب یہیں سے رؤیتِ ہلال کا حساب شروع کیجئے فرض کیجئے کہ جب افقِ شہر اعظم گڑھ سے جو ۸۳ درجہ ۱۳ دقیقہ طول البلد پر واقع ہے، ۶ بجے آفتاب غروب ہوا، اور ۶ بج کر ۲۲ منٹ سے چند سیکنڈ پہلے چاند و سورج میں اجتماعِ حقیقی ہو گیا۔ اور ایک خطِ طولی پر دونوں واقع ہو گئے پھر رات بھر اور بعدہٗ دن بھر حرکت کرتے رہے، یہاں تک کہ ۲۲ گھنٹے ۳۰ منٹ بعد یعنی ۶ بجے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجے دوری پر مشرق میں پہونچ کر قوس الرؤیہ کے لباس سے آراستہ ہو گیا۔ پس یہی وہ اوّلین ساعت ہے کہ چاند ہلال بن کر فلکِ اوّل پر تاباں ہو جاتا ہے، اور دنیا بھر کے انسانوں کی نگاہیں اس کے دیکھنے کی متمنی ہوتی ہیں۔ اگر ابر، گرد و غبار، کہر اور دیگر اسبابِ رؤیت سے

مانع نہ ہوں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم کو یہ ننھا منا سا ہلال چمکتا ہوا نہ دکھائی دے۔

خیال فرمائیے یہ تو اعظم گڑھ کا مطلع قمر ہے اب اعظم گڑھ کے مغرب کراچی، مکہ معظمہ، قاہرہ، ٹیونس اور جزائر کنریا (جزائر خالدات) میں بسنے والے انسان سب کے سب بشرط رفع موانع اپنے اپنے مطلع سے بلا شبہ ہلال دیکھیں گے۔ فرض یہ ہے کہ ہم اعظم گڑھ میں غروب کے وقت اگر ۶ بجے ہلال دیکھتے ہیں تو کراچی میں ۸ بج کر ۵ منٹ مکہ میں ۸ بج کر ۲۵ منٹ، قاہرہ میں ۹ بج کر ۲ منٹ، ٹیونس (افریقہ) میں ۱۰ بج کر ۱۴ منٹ اور جزائر کناریا (مغربی افریقہ) میں ۲ بج کر ۴ منٹ پر (اعظم گڑھ میں نصف شب گزر چکی ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ لیکن نسبتہً مغربی شہر والے اپنے مشرق والوں سے ہلال بڑا اور سورج سے دور دیکھیں گے۔ اب چونکہ ہلال فلک پر موجود ہے، اس لئے مذکورہ بالا شہروں کے باشندے اگر اپنی نگاہ کی تیزی سے دن ہی دن میں چاند دیکھ لیں تو کچھ عجب نہیں، مگر یہ ان کے لئے سخت دشوار ہے۔

۱ اچھا اب ذرا اور آگے بڑھو تو آپ کو نیویارک (امریکہ) میں چار بج کر ۲۹ منٹ اور واشنگٹن (امریکہ) میں ۷ بج کر ۳۴ منٹ پر (اعظم گڑھ میں طلوع شمس ہو چکا ہے) بوقت غروب آفتاب ہلال نظر آئے گا۔ مگر ان کا ہلال جزائر کناریا والوں سے بڑا اور سورج سے اور بھی دوری پر ہوگا۔ یہ لوگ اگر دن کو ہلال دیکھ لیں تو بعید نہیں مگر پھر بھی دشوار ہے۔

اب یہاں سے یہ مسئلہ بھی حل کر لیجئے کہ رویت ہلال قبل نصف النہار اور بعد نصف النہار بھی ممکن ہے، کیونکہ ان اوقات میں ہلال فلک پر موجود ہے، اور اس کا آنے والی شب کا ہلال ہونا بھی ظاہر ہے۔

اچھا امریکہ سے گزرتے ہوئے اب ذرا اور آگے بڑھئے تو ٹوکیو (جاپان) میں ۱ بج کر ۴ منٹ (اعظم گڑھ میں دوپہر بعد کا وقت ہے) اور آگے بڑھئے تو ہانگ کانگ (چین) میں ۳ بج کر ۷ منٹ اور آگے بڑھئے تو شہر برما میں ۵ بج کر ۵ منٹ پر (اعظم گڑھ میں غروب کو ۵ منٹ باقی ہیں) غروب آفتاب ہوگا۔ اس وقت وہاں ہلال نظر آئے گا اور ان لوگوں کا ہلال

علی الترتیب کافی بڑا اور سورج سے کافی فاصلہ پر ہوگا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دن میں بہت آسانی سے ہلال دیکھ سکتے ہیں۔ خصوصاً برما کے باشندے کیونکہ ان کا ہلال سب سے بڑا اور سورج سے کافی (تقریباً ۲۲ پچاس درجہ) دوری پر ہوگا۔ لیکن اس ہلال کا بھی آنے والی شب کا ہلال ہونا ظاہر ہے۔ مگر غروب کے وقت جب اہل برما ہلال دیکھتے ہیں تو کوئی کہتا ہے، یہ تو کل کا ہے اور کوئی خیال کرتا ہے، یہ تو پرسوں کا ہے۔ قربان جایئے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرماتے ہیں نہیں نہیں تم کو دھوکہ ہو رہا ہے یہ تو آج ہی کا ہلال ہے۔ عن ابی البختری قال خرجنا للعمرۃ فلما نزلنا ببطن نخلۃ قال فرأینا الھلال فقال بعض القوم ھو ابن ثلث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین قال فلقینا ابن عباس فقلنا انا رأینا الھلال فقال بعض القوم ھو ابن ثلث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین فقال ای لیلۃ رأیتموہ قال قلنا لیلۃ کذا وکذا فقال انہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدہ للرؤیۃ فھو للیلۃ رأیتموہ (مسلم ص۳۴۸ ج۱) ابوالبختری (تابعی) سے مروی ہے کہا ہم لوگ عمرہ کے لئے چلے۔ جب مقام بطن نخلہ میں پہنچے تو ہلال دیکھا۔ بعض لوگوں نے کہا یہ تو پرسوں کا ہلال ہے، اور بعض نے کہا کل کا ہے، پھر ہم ابن عباس سے ملے اور واقعہ بیان کیا انہوں نے فرمایا اچھا یہ تو بتاؤ تم لوگوں نے کس رات ہلال دیکھا ہے، ہم لوگوں نے عرض کیا۔ فلاں رات (یعنی ۳۰ کو) ہم نے ہلال دیکھا۔ پھر ابن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیت ہلال کی مدت مقرر فرمائی۔ (ہلال کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار نہیں فرمایا) لہٰذا یہ ہلال جس رات تم لوگوں نے دیکھا اسی کا مانا جائے گا۔

حاصل کلام یہ کہ جب افق اعظم گڑھ پہ وقت مقررہ میں ہلال کا وجود ہو چکا تو اب اس کے آگے مغرب میں حد تک بھی چلے جایئے کوئی ملک شہر اور بستی ایسی نہ ہوگی جس کے افق پہ ہلال کا وجود نہ ہو، یہ اور بات ہے کہ عارضی موانع سے وہاں کے باشندے نہ دیکھ سکیں۔ اسی کو اختلاف رویت کہتے ہیں۔ اب اگر ہلال کا صحیح ثبوت مل جائے تو حکم شرع نافذ کیا جائے گا۔ ورنہ نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اہل مشرق کی رویت جلے

کے سامنے مغرب والوں کے حق میں ہلال کا قطعی ثبوت بہم پہنچاتی ہے، اس لئے اگر مشرق سے ثبوت ہلال کی صحیح سند مل جائے تو بلا شبہ شرعی احکام نافذ ہوں گے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہلال کا چھوٹا بڑا ہونا کوئی چیز نہیں ۲۹ کا ہو یا ۳۰ کا۔

اب ہم اختلاف مطالع کی بحث سمجھانا چاہتے ہیں۔ بس پھر ویں سے حساب شروع کیجئے جبکہ افق اعظم گڑھ پر ۶ بجنے سے چند سیکنڈ پہلے چاند سورج سے ۱۲ درجے دور قوس الرویتہ پر پہنچ کر ہلالی شکل میں نمودار ہوا۔ اب ذرا اعظم گڑھ سے مشرق کو چلئے۔ مگر ۱۲ درجے سے زیادہ نہیں جیسے پٹنہ۔ بھاگلپور، ڈھاکہ، سلہٹ منی پور (آسام) جب اعظم گڑھ میں ظہور ہلال ہوا تو وہ ہلال ان سب شہروں کے باشندوں کے افق کے اوپر ہے، علی الترتیب ان لوگوں کا ہلال ان کے افق سے قریب اور قریب تر ہونے کی وجہ سے ان کو نہ دکھائی دے گا۔ منی پور ان سب شہروں میں سب سے دور اور اعظم گڑھ سے ۱۰ درجہ ۵۹ دقیقے فاصلہ پر ہے اس کا ہلال تو بس افق سے اتنا قریب ہوگا کہ صرف ۵ منٹ باقی رہ کر افق سے غروب ہو جائے گا۔ اب ان شہروں کے باشندوں کو اگر ہلال کا صحیح ثبوت بہم پہنچ جائے تو احکام شرعی عائد ہوں گے۔ اور یہ حکم ہماری تقریبی ۱۲ درجہ قوس الرویہ کی بنا پر اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق تک عائد ہوگا۔ اور بس۔

اچھا اب ۱۲ درجہ مشرق سے بڑھ کر تیرھویں درجہ پر کھڑے ہو جائیے۔ اب چونکہ اعظم گڑھ میں ہلال افق سے ۱۲ درجہ بلند ہے، اور آپ اعظم گڑھ سے ۱۲ درجہ مشرق کو ہٹ کر تیرھویں درجہ پر قدم رکھ چکے ہیں اس لئے چاند قوس الرویہ پر پہنچنے کے ساتھ ہی آپ کے افق سے نیچے ہوگا۔ مثال میں شہر برما جو ۹۷ درجہ طول البلد پر اور اعظم گڑھ سے ۱۳ درجہ ۷ دقیقہ مشرق کو ہے لے لیجئے جب افق اعظم گڑھ سے ظہور ہلال ہوا تو برما کے افق سے ایک درجہ ۷ دقیقے نیچے پہونچ چکا ہے، اب باشندگان برما کے لئے رویت ہلال کسی بھی آنے اور رصد سے ممکن نہیں بس یہی اختلاف مطالع ہے، اعظم گڑھ کے مطلع پر ہلال ہے اور اہل برما کا مطلع ہلال سے خالی ہے اب

جتنا بھی مشرق (ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) میں چلے جا لیے، رویت ہلال کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے مطالع ہلال سے خالی ہیں۔

یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اہل مغرب کی رویت کا تمام مشرق والوں کے حق میں ہلال ثابت کر دینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ صرف ۱۱ درجہ مشرق (ہماری تقریبی قوس الرویۃ) تک یہ حکم قطعی طور سے لگایا جا سکتا ہے اور اس کے بعد نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کی تحقیق کے لئے اوسطاً ۱۱ درجہ (ہماری تقریبی قوس الرویۃ) کا فصل ضروری ہے جس کا ۸۳۲ میل ہوتا ہے۔

حکم:۔ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ شرعی احکام میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جس مقام پر سب سے اول ہلال دیکھا گیا ہے، (جیسے مکہ معظمہ ہماری مثال میں) وہاں سے تمام مشرق کے باشندوں کے حق میں چاہئے۔ وہ کتنی ہی دور کیوں نہیں ہلال کا حکم ثابت ہوگا (جیسے ہانگ کانگ، ٹوکیو، واشنگٹن) البتہ یہ ضروری ہے کہ ان مشرق والوں کو مغرب والوں کی رویت کا ثبوت یقینی اور شرعی طور پر مل جائے۔

درمختار میں ہے۔ فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب (مغرب والوں کی رویت سے مشرق والوں پر احکام شرعیہ لازم ہو جاتے ہیں شرط یہ ہے کہ مغرب والوں کی رویت کا ثبوت مشرق والوں کو باقاعدہ مل جائے۔

اب یہاں سے ایک غلطی صحیح کر لیجئے۔ صاحب درالمختار نے اختلاف مطالع کی ایک مثال اس طرح بیان کی ہے۔ حتی لو رؤی فی المشرق لیلۃ الجمعۃ وفی المغرب لیلۃ السبت وجب اھل المغرب العمل بما راٰہ اھل المشرق (اگر مشرق میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا اور مغرب میں شنبہ کی رات کو تو مغرب والوں پر مشرق والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا) ہم یہ تو کہنے کی جرأت نہ کریں گے کہ یہ شارح کی غلطی ہے خصوصاً جب کہ متن سامنے موجود ہے۔ مگر یہ تو کہنے میں باک نہیں کہ ناسخ کا سہو

قلم سے عبارت یوں ہونی چاہیئے۔

حتی لو رؤی فی المغرب لیلۃ الجمعۃ و فی المشارق لیلۃ السبت وجب علی اھل المشارق العمل بما راہ اھل المغارب۔ اگر مغرب میں جمعہ کی رات کو ہلال دیکھا گیا، اور مشرق میں شنبہ کی رات کو تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا۔

فقہائے شافعیہ کے نزدیک راجح اور معتمد قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ جن کے مطالع پر ہلال ہے خود ان کی رویت یا شرعی ثبوت کے بعد ان پر احکام شرع کا نفاذ ہوگا۔ اور جن کے مطالع ہلال سے خالی ہیں ان کے حق میں ہلال کا وجود معتبر نہ ہوگا۔ چاہے صحیح ثبوت ہی کیوں نہ مل جائے، بلکہ مطلع کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور مطلع ہلال سے خالی ہے، علمائے اہلحدیث کا عمل بھی اسی پر ہے۔ واللہ اعلم۔

(اہلحدیث جلد یکم نومبر ۱۹۶۳ء)

سوال (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رویت ہلال کے لئے شریعت میں کوئی مسافت متعین نہیں ہے؟ اگر ہے تو کتنے میل کی؟۔

(۲) کیا مدارس کے مسلمان دہلی کی رویت کا اعتبار کر سکتے ہیں، جب کہ دہلی ایک ہزار سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے، نیز دہلی اور مدارس کے غروب کے وقت میں نصف گھنٹہ کا فرق ہے!

(۳) کیا ریڈیو تار ٹیلیفون کی خبریں اور شہادتیں شریعت اسلامیہ میں قابل تسلیم ہیں۔

(۴) ریڈیو پر ایسا آدمی جو شہادت شرعی کے معیار پر پورا اترتا ہو ہندوستان کے کسی حصہ سے اعلان کرے کہ میں نے بچشم خود چاند دیکھا تو کیا تمام ہندوستان کو عید کرنی جائز ہے! اسی پر ٹیلیفون، اور تار کو قیاس فرمائیں۔

(۵) کیا بارہ بجے دن کو چاند کی شرعی تحقیق ہو جائے، اور شرعی شہادت کے ذریعہ ثابت ہو جائے کہ ۲۹ کو چاند ہوا تو ۱۲ بجے کے بعد روزہ توڑنا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

(سید عزیز اللہ از مدارس)

الجواب: (۱) دوسرے شہر کی رویت ہلال کے اعتبار میں مسافت یعنی میلوں کی تعین کی کتاب وسنت میں کوئی نص صریح نہیں اسی لئے علمائے کرام کے اجتہادی اقوال اور مذاہب اس امر میں مختلف ہیں، اور سوائے قول اختلاف مطلع کے جس کی تحقیق آگے آتی ہے۔ کوئی قول قابل وثوق نہیں کریب کی روایت سے ابن عباس کے مجمل قول ہکذا امرنا سے بعض نے لکل اهل بلد رویتهم کے باب کو حدیث سمجھ لیا ہے، جو بالکل غلط ہے، یہ تو اجتہادی قول ہے، اصل دلیل حدیث نبوی صوموا لرویته وافطروا لرویته (صحیح بخاری) ہے یہ خطاب عام ہے۔ کوئی مسلم کہیں چاند دیکھے چاند ہو گیا۔ عید الفطر وغیرہ کے لئے دو شخص کی رویت لازمی ہے، اور روزہ رمضان رکھنے کے لئے ایک شخص کی شہادت بھی کافی ہے جس کی تفصیل سنن وغیرہ میں یہ بھی ہے کہ آخر رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ اونٹوں پر سوار دور دراز سے ایسے وقت میں آئے کہ عید کی نماز کا وقت نہیں رہا

تھا یعنی بعد دوپہر وہ لوگ حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ شہادت دی کہ کل ہم لوگوں نے اپنے موضع یا شہر میں چاند دیکھا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کے روزے افطار کرا دیئے اور دوسرے روز عید کی نماز پڑھائی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دوسرے شہر کے لوگوں کی رویت ہلال کی شہادت کا اعتبار ہے، بشرطیکہ دوسرے شہر کا مطلع اس شہر سے مختلف نہ ہو۔ مختلف مطلع یہ کہ مثلاً ایک شہر یا موضع میں دن ہے۔ تو دوسرے میں رات ہے، یا ایک جگہ ظہر کی نماز کا وقت ہے۔ تو دوسرے میں عصر یا مغرب کا۔ اگر ایسا ہو تو پھر وہاں کی رویت دوسروں کے لئے کافی نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ یا اس کے متفق مطلع والے چاند نہ دیکھ لیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً جس شہر یا موضع میں دوسرے شہر سے چند گھنٹے پہلے زوال ہو گا۔ ان کو حکم ہے کہ ظہر کی نماز ادا کریں۔ اور اس وقت دوسرے شہر والوں کو جن کا مطلع ان سے مختلف ہے، اور ابھی وہاں زوال میں کئی گھنٹے باقی ہیں نماز ظہر پڑھنا منع ہو گا۔ اس لئے کہ ابھی یہاں زوال نہیں ہوا۔ اور پہلوں کو نماز ظہر پڑھنا فرض ہو گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مختلف المطالع کا حکم الگ الگ ہے، اگر دوسرے شہر والے پڑھنا بھی چاہیں تو اول تو ہر جگہ اس کا علم مشکل ہے۔ اگر کسی طرح معلوم کر کے پڑھ بھی لیں تو پھر جب ان کے ہاں زوال ہو تو اگر وہ دوبارہ ظہر نہ پڑھیں تو أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (الآیۃ) اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہو گا۔ اور اگر دوبارہ پڑھیں تو اس میں یہ احتمال ہے کہ ایک دن رات میں جو پانچ نمازیں فرض ہیں کم و بیش نہیں۔ اس صورت میں پانچ سے زائد کیا؟ بے شمار ہوں گی۔ اس لئے کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت کہیں نہ کہیں ظہر، عصر وغیرہ کا وقت ہوتا ہے تو ہر وقت نماز فرض ہو گی، تو اول تو ہر وقت کا علم محال دوم پڑھنا بھی محال نیز اس صورت میں تکلیف بالمحال لازم آتی ہے، اور یہ سب امور باطل ہیں۔ لہٰذا یہ صورت بھی باطل ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن جن شہر والوں کے آپس میں مطالع مختلف ہوں، ان کی رویت ہلال دوسروں کے لئے معتبر نہ ہو گی، ہاں جن کا مطلع ایک ہے ان کی رویت دوسروں کے لئے معتبر ہو گی۔ بعض فقہائے کرام نے اختلاف مطالع کی تعیین مسافت ایک مہینے کے راستے سے کی ہے مگر یہ بھی

اسی کریب والی اوپر کی روایت سے احتیاط کی ہے، سوال تو روایۃ کریب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ چاند دیکھ کر فوراً وہاں سے چلے یا ٹھہر کر، نیز وہ کس تاریخ کو مدینہ منورہ پہنچے، کتنے دن چلتے رہے پھر ایک ماہ کے راستے میں اجمال ہے کہ رفتار پیدل کی یا سواری کی! اس میں بہت بڑا فرق ہے پھر راستہ میدان صاف کا یا پہاڑی ٹیڑھا ترچھا یا دریائی ایرپھیر کا کبھی ان امور میں زمین آسمان کا فرق ہو جاتا ہے، تحقیق جدید سے معلوم ہوا ہے کہ مدینہ منورہ اور شام کے مطلع میں پندرہ بیس منٹ کا فرق ہے، اور یہ اختلاف رویۃ ہلال کے حکم میں معتبر نہیں جس کی تحقیق آگے آتی ہے، مسافت کریں بھی مدار شمس کے اختلاف مطالع کی نمازوں میں گھنٹوں کے اعتبار سے ان دیار میں بہت کمی بیشی ہے، متوسط اختلاف کا لحاظ کیا گیا یعنی ظہر عصر یا مغرب کے وقت کا اختلاف جو عموماً تین گھنٹے سے کم نہیں ہوتا۔ لہٰذا جہاں دو شہروں کے طلوع و غروب میں تین گھنٹے کا اختلاف ہو وہ مختلف مطالع میں شمار ہوں گے اور جن کا اس سے کم ہو وہ اس سے خارج ہوں گے۔ جواب لکھا ہوا ہے یہ ملالت طبع رکھا ہوا تھا کہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۲۹ شعبان ۱۳۵۷ھ میں مولانا کا جواب بھی نظر سے گذرا کہ مسافت متعینہ کی روایت میرے علم میں نہیں۔ ہاں علم ہیئت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً تیس میل کے فاصلہ پر اختلاف مطالع ہو جاتا ہے، امرتسر سے لاہور کا فاصلہ تیس ۳۰ میل کا ہے اتنے فاصلہ پر تین منٹ کا اختلاف ہے۔ اگر امرتسر میں چھ بجے سورج غروب ہوتا ہے تو لاہور میں ۶ بج کر ۳ منٹ پر ہوتا ہے اس لئے اختلاف مطالع کی وجہ سے رویت قبول نہیں کی جائے گی۔ (راقم) میں کہتا ہوں کہ ابوداؤد کی سنن کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو دور دراز کے اونٹوں کے سوار آخر رمضان میں حاضر ہوئے تھے، اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے کل اپنے شہر یا موضع میں چاند دیکھا تھا تو ان کے کہنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ افطار کرا کر دوسرے دن نماز عید پڑھنے کو فرمایا تھا وہ غالباً تیس میل یا اس سے بھی زائد ہی سے آئے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ اس قدر اختلاف مطالع کا شرع میں اعتبار نہیں نیز اختلاف مطالع مدار شمس کے اختلاف سے بھی ہوتا ہے، خواہ مسافت کم ہی ہو، اور مطلقاً تیقیس

میل مستلزم اختلاف مطالع نہیں تاوقتیکہ مدار شمس کا فرق نہ ہو۔ نیز مکۃ معظمہ اور جدہ کے درمیان کا فاصلہ پچاس میل کا ہے، اور ایسا کبھی معلوم نہیں ہوا کہ مکہ والوں نے جدہ والوں کی رؤیت ہلال کا اعتبار نہ کیا ہو یا بالعکس۔ نیز اگر ۲۳ میل کے اختلاف کا اعتبار ہوتا تو پھر اختلاف مطالع میں امت کا اختلاف ہی نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو عموماً ہوا ہی کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ متواتر یا مشہور ہو جاتا۔ اور اختلاف نہ رہتا ماذالیس فلیس۔

نیز جب ۲۳ میل پر تین منٹ کا اختلاف مطلع ہے تو گیارہ میل پر ایک منٹ کا ہوگا۔ پھر اگر مطلقاً اختلاف مطلع کا اعتبار ہوگا تو گیارہ پر بھی ہوگا تو اول تو یہ اوپر کی سنن وغیرہ کی حدیث سے باطل ہے کہ اس سے زائد فاصلہ کی رویت ہلال کا رسول اللہ صلے اللہ وسلم نے اعتبار کیا دوم اس سے مکہ والوں کو عرفات کے پرلے سرے جو گیارہ میل پر ہو۔ رویت ہلال کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ اور یہ بالکل غلط ہے، اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں اس سے تو لازم آتا ہے کہ دہلی والے غازی آباد (۱۲) میل اور قطب (۱۱) میل وغیرہ کی رویت ہلال کا بھی اعتبار نہ کریں یہ بھی بالکل غلط ہے کوئی اس کا بھی قائل نہیں تو جب تک اختلاف مطالع کی حد شرع سے نہ ثابت ہو قابل قبول نہیں۔ کتاب وسنت سے صراحتاً ثابت ہو یا استنباطاً اور اوپر جو میں نے لکھا ہے، وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہے کہ اگر بالکل اختلاف مطالع کو نہ تسلیم کیا جائے۔ مگر شرع سے اس کی کوئی حد نہ مقرر کی جائے۔ تو ہر دو صورت میں تکلیف مالایطاق اور محال لازم آتا ہے، جو باطل ہے، جس سے شریعت محمدیہ پاک ہے، لہٰذا جو کچھ اوپر کتاب وسنت کی روشنی میں لکھا گیا ہے، وہی قابل قبول ہے، اور بس۔

جواب ۲:۔ کا جواب نمبر (۱) میں آ گیا کہ دہلی اور مدارس کے طلوع وغروب میں چونکہ نصف گھنٹے کا فرق ہے جو تین گھنٹے سے کم ہے لہٰذا ان کو ایک دوسرے کی رویت ہلال کا اعتبار نہ ہوگا۔

جواب ۳:۔ تار کی خبر کو عموماً علمائے کرام واساتذہ عظام تسلیم نہیں کرتے اس لئے کہ تار کے کارکن

اکثر بالکل کافر غیر مسلم ہوتے ہیں، اور کافر کی خبر دیانات میں مقبول نہیں (در مختار وغیرہ) نیز یہ کہ رویت ہلال محض خبر نہیں اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور مجلس قضا بھی ہے، اور یہ خبر غائب ہے اس میں معرفت مخبر کی لازم ہے، اور یہ امور تار کی خبر میں مفقود، لہٰذا مردود ہے تو جواب یہ ہے کہ اول تو فقہاء کا یہ کلیہ کہ ہر امر دینی میں ہر کافر کی خبر کسی حالت میں بھی مقبول نہیں، چند وجوہ منقوض ہے،

وجہ اول یہ کہ کافر فاسق کی خبر کے عدم اعتبار کو آیت إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا الایۃ پ۲۶ع۱۳ سے استنباط کیا گیا ہے، حالانکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اس سے کافر کی خبر مطلقاً تردید نہیں ہوتی، بلکہ تحقیق پر موقوف ہے، لہٰذا بعد تحقیق وثبوت مقبول ہوگی تو گویا من وجہ یہ آیت بھی دلیل قبول کی ہے،

وجہ دوم قول باری تعالیٰ جل مجدہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ الایۃ پ ع۴م، اس آیۃ سے کافر کی خبر شہادت بحالت سفر شرعاً ثابت ہے اس کی شہادت وخبر پہ میت کی وصیت وادا دیون اس کے اور ترکہ کی تقسیم، اس کی عورت کی عدت ونکاح ثانی ونماز جنازہ غائب، اس کے بچوں پہ حکم یتیم کا ثبوت، اس کی ضمانت کا استفادہ وغیرہ موقوف ہیں، اور یہ امور دینی ہیں خصوصاً نماز جنازہ غائب ووصیت تعمیر مسجد وغیرہ۔

وجہ سوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت ہجرت مدینہ منورہ ایک کافر کو اپنی سواری کی اونٹنیاں دے کر کہا کہ فلاں وقت لا کر ہم کو مخفی راستہ سے مدینہ پہنچا دو، اس نے ایسا ہی کیا ہجرۃ امر دینی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کے قول وعمل کا اعتبار کیا۔ اور مقصود کا یہ امر دینی ہے۔ (صحیح بخاری)

وجہ چہارم واقعہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشرک کافر کو جاسوس بنا کر کفار کا

حال معلوم کرنے کو بھیجا اس نے آکر خبر دی، اس پر اعتبار کر کے حضورؐ نے صحابہ سے مقابلہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ (بخاری) اس سے بھی کافر کی خبر کا اعتبار ثابت ہوا کہ یہ سفر حضورؐ کا عمرہ کے لئے تھا پھر جنگ کے بارے میں مشورہ کیا مگر جنگ کو ملتوی کیا گیا۔ بہر حال عمرہ ہو یا جنگ کرنا دونوں امر دینی ہیں، خلاصہ یہ کہ کافر کی خبر دیانات میں بھی مطلقاً مردود نہیں بعد تحقیق و ثبوت قرائن مصدقہ بعض امور میں بعض اوقات مقبول بھی ہے، مثلاً اگر کسی اعلیٰ افسر نے دہلی سے کانپور شب کو تار دے کر وہاں کے نائب کو بلایا کہ تم یہاں آجاؤ، اس نے فوراً جواب دیا کہ یہاں آج چاند ہو گیا ہے، صبح مسلمانوں کی عید ہے، مجھے یہاں کا انتظام کرنا ہے، تو بتایئے اس کے صدق میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ایسے ہی اگر کوئی نابینا یا ضعیف البصر کسی ایسے مقام میں قید ہو جہاں کفار کے سوا کوئی مسلم رویت ہلال کی خبر دینے والا نہ ہو تو وہ اگر کفار کی رویت ہلال پر روزہ رمضان و عید نہ کرے تو کیا کرے، ایسے ہی اگر اس کے مرنے کی خبر کفار دیں، اگر اس کے مرنے کا اعتبار نہ کیا جائے، تو اس کی زوجہ اور اس کے بچے کیا کریں۔ کیا زوجہ ساری عمر اس کے آنے کی منتظر رہے، ایسے ہی اس کے ترکہ کی تقسیم اس کی زوجہ کی عدت و نماز جنازہ غائب کا کیا حکم ہوگا۔ ایسے امور میں اعتبار کیا جائے گا۔ جب قرآن و حدیث سے بعض امور دینی میں کفار کی خبر کا اعتبار ہے، تار کی خبر بھی انہی بعض قسموں میں سے ہے، کہ بعد تحقیق کر کے تار دینے اور نیز مختلف مقامات سے دریافت کرتے سے اگر یقین یا ظن غالب اس کے صدق کا ہو تو قبول ورنہ مردود۔ لاکھوں روپے کے کاروبار مرنے و جینے کے حالات تار کی خبر پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کوئی بھی ان پر تردد نہیں کرتا۔ اور نہ کبھی اس میں یہ سنا گیا کہ فلاں مقام میں رویت ہلال کی خبر میں تار والوں نے اہل اسلام کو جھوٹی خبر دے کر روزہ رکھایا ہو یا عید کرائی ہو اور ان کو اس جھوٹی خبر دینے سے فائدہ ہی کیا ہے، ان کو تو ٹکوں سے کام ہے کیسے باشد۔

حاجی لوگ سفر حج سے کسی حاجی کے مرنے کی خبر تار کے ذریعے بیں۔ اس پر عمل

ہوتا ہے، جنازہ غائب بھی پڑھا جاتا ہے، کوئی اعتراض نہیں کرتا، یہ جنازہ امر دینی نہیں تو کیا ہے، نیز اول تو تار کے کارکن سارے کافر ہی نہیں ہوتے، بلکہ مسلم بھی ہوتے ہیں۔ نیز روپیہ زیادہ خرچ کرکے خالص مسلموں ہی کو ذریعہ خبر رسانی تار کا بنایا جا سکتا ہے، فافہم وتدبر۔

مولانا عبدالحی لکھنویؒ کے مجموعہ فتاوی جلد اول مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ کے ص۳۳۱ میں ہے، شہادت خطوط یا تار برقی پس چند فقہاء ایسے مقامات میں الخط یشبہ الخط لکھتے ہیں لیکن ایسی صورت میں کہ ظن حاصل ہو جائے، اور شبہ قوی باقی نہ رہے، اور خبر تار تا حد رجہ پہنچ جائے اس پر عمل ہو سکتا ہے، اور بحسب اقتضاء انتظام زمانہ حال اس پر حکم عام بھی دے سکتے ہیں۔ انتہی۔

منع کے دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کو اگرچہ فقہاء نے من وجہ شہادت لکھا ہے، مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ امر دینی ہے الہلال روایۃً اخبار کے مشابہ ہے، اس لئے اس میں شہادت اور نصاب شہادت اور خصوصیت حریت و ذکوریت وغیرہ بھی شرط یا ضروری نہیں، حتی کہ غیر عادل یعنی مستور الحال کی رویت بھی کافی ہے تفصیل ہدایہ اور اس کے شروح و حواشی وغیرہ میں ہے، تیسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو قضاء قاضی کی شرط کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ دوئم جب فقہاء نے اس کو امر دینی اور مشابہ روایت اخبار لکھا ہے، تو پھر قضاء قاضی کی شرط بھی نہ رہی۔ سوئم ہندوستان میں قضاء کا محکمہ ہی نہیں اگر مفتی عالم کو قائم مقام قاضی ہی بنایا جائے۔ تو دیہات میں یہ بھی اکثر نہیں ہوتے اور حکم شرع کا عام ہے۔ لہذا شرط باطل شبہ ۴ کا جواب بھی ۲ میں آ گیا کہ نصاب شرط نہیں۔ اگر ہو بھی تو یہ بھی تار کے ذریعہ ہو سکتا ہے شبہ ۵ کا جواب یہ ہے کہ اوپر کی تحقیق سے خبر کی معرفت بھی ہو سکتی ہے مکرر پتہ کر کر دریافت کرنے سے اور ٹیلیفون کا معاملہ تو بالکل واضح ہے۔ کہ جس میں ایک مسلم دوسرے مسلم سے باقاعدہ گفتگو کر سکتا ہے۔ جس کی آواز کو پہچان سکتا ہے شہادت وغیرہ سب امور طے ہو سکتے ہیں۔ لہذا ٹیلیفون کے ذریعہ ثقہ کی روایت ہلال کی خبر معتبر ہے۔

جواب ۴: ریڈیو بھی اسی قسم سے ہے، اگر اس کا حال معلوم ہے کہ ثقہ خبر دیتا ہے اور آواز بھی اس کی پہچانتے ہیں۔ تو معتبر ہے، ورنہ نہیں اور تمام ہندوستان کو ریڈیو کی خبر پہنچ کرنے کا جواب ۱ اور ۲ میں آچکا ہے کہ صرف متفق المطالع شہر اس پر عمل کریں گے۔ مختلف المطالع اس پر عمل نہ کریں گے۔ مولانا نے اخبار میں لکھا ہے کہ اہل حدیث کے نزدیک دور دراز کی رؤیت ہلال حجت نہیں۔ یہ فیصلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں ہو چکا ہے، انتہیٰ میں کہتا ہوں کہ مولانا نے کچھ تفصیل نہیں کی صحابہؓ کا یہ کونسا فیصلہ ہے، اور کس کس محدث کے نزدیک دور کا رؤیت حجت نہیں غالباً مولانا کی مراد اس سے روایت کریب میں عبداللہ بن عباس کا قول مراد ہے، کہ کریب نے ملک شام سے آکر ابن عباس کو وہاں کی رویت ہلال کی خبر دی تو ابن عباس نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اس پر کریب نے کہا کہ آپ امیر معاویہؓ کی رؤیت ہلال اور روزہ پر بھی اکتفا نہیں کرتے ابن عباس نے کہا نہیں کرتے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کل یا اکثر صحابہؓ کا فیصلہ نہیں صرف ابن عباسؓ کا مجمل قول ہے۔ جس کی تفسیر و تشریح مشکل ہے۔ بلکذا کے مشار الیہ کو بتایا جائے کہ کیا ہے، اور اس کے ماقبل کیا کیا ہے، جب تک اس کا مشار الیہ قطعی طور پر معین نہ ہو اس سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، اور اس کا مشار الیہ قطعاً معین ہو ہی نہیں سکتا۔ شائد کسی کو جامع ترمذی کے قول والعمل علی ہذا الحدیث عند اہل العلم سے دھوکہ ہو کہ یہ صحابہؓ کا فیصلہ ہے۔ تو جواب صرف یہ ہے کہ یہ صرف ایک صحابی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے، پھر یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ ابن عباس کے اس قول پر دوسرے صحابہؓ نے بھی عمل کیا یا نہیں۔ ہاں تین تابعی عکرمہؒ، قاسمؒ اور سالمؒ کا یہ مسلک ہے، اور ایک محدث اسحاق کا اور ایک وجہ شافعیہ کی بھی ہے، جس کی تفصیل حافظ صاحب نے فتح الباری میں تحریر کی ہے، اس امر میں علمائے کرام کے چھ اقوال یا مذاہب ہیں، پھر فیصلہ صحابہ چہ معنی یوں کہئے کہ ایک صحابی کا قول ہے، وہ بھی مجمل جس کی تشریح مشکل نیل الاوطار میں صاف لکھا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، صرف ابن عباسؓ کا اجتہاد حجت نہیں ہو سکتا۔ پس قصہ ختم صحیح وہ ہوا اوپر لکھا جا چکا ہے۔

جواب ۵ : اس سوال سے اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے دوسرے شہر سے خبر آئی کہ وہاں کل گزشتہ مغرب کو چاند دیکھا گیا تو اس کا جواب نمبر ا میں آچکا ہے کہ بعد تحقیق و ثبوت متعلق اطلاع خبر کے خبر آنے پر بعد دوپہر بھی روزہ افطار کیا جائے۔ اور اگر یہ غرض ہے کہ بارہ بجے دن کے کسی نے اپنے شہر میں چاند دیکھا تو اس میں سلف کے دو قول ہیں کہ آیا وہ چاند شب آئندہ کا ہے یا گذشتہ کا راجح قول اول[1] ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجیب ابو سعید محمد شرف الدین ناظم مدرسہ سعیدیہ عربیہ پل بنگش دہلی۔

(تنظیم توحید لکھنو ۱۰ و ۲۵ جولائی ۱۹۵۱ء)

---

[1] حضرت الاستاذ کے اس فاضلانہ فتویٰ پر بعض حضرات نے تعاقب فرمایا تھا جس کا جواب اور مزید علمی تحقیقات خود حضرت الاستاذ مرحوم کا قلم سے اخبار تنظیم توحید لکھنو ۱۰ نومبر ۱۹۵۱ء میں ملاحظہ فرمایئے۔ منقحہ

سوال ۱ : فقہاء کے نزدیک اختلاف مطالع جس کی وجہ سے نمایاں فرق رویت ہلال میں واقع ہوتا ہے، اس کے لئے کتنی مسافت معتبر ہے۔ بعض نے ۴۸ میل۔ بعض نے ۷۲ میل، بعض نے ۴۰۰ میل کہا ہے۔ معتبر ترین کیا ہے؟ (عبدہ محمد ہاشم عابدی کراچی)

جواب ۱ : رویت ہلال کا حلقہ دائرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس سے بعض مقامات پر ۴۰۰ میل میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ اور بعض میں ۷۲ یا ۴۰۰ میل پر بھی فرق واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یہ سب قول اپنے اپنے مقامات پر معتبر ہوگا۔ یہ فقہاء کرام کا اندازہ ہے۔ اس لئے اختلاف مطالع میں اول ترین فاصلہ ہی کو معتبر ترین سمجھا جائے گا۔ ہم فنی نقطہ نظر سے کسی قول پر دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتے روایات حدیث میں نظر آتا ہے کہ عام طور پر اتنے فاصلہ کو جو ایک شتر سوار رات بھر طے کر لیتا تھا۔ ایک مطلع سمجھا جاتا تھا اس لئے اقل ترین مسافت یعنی ۴۸ میل معتبر معلوم ہوتی ہے

سوال ۲ : حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ظاہر الروایات میں یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اعتبار ہے دونوں اقوال فقہ کی بڑی کتابوں مثلاً تحفۃ الفقہاء لعلاء الدین السمرقندی ج ۱ ص ۵۳۲ وما بعد طبع دمشق ۱۳۷۷ھ و مجمع الانہر جلد ا ص ۲۳۶ طبع استنبول ۱۳۱۶ھ میں مل جاتے ہیں۔

جواب ۲ : دونوں اقوال صحیح ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی شہر کے مختلف حصوں یا بلندی و نشیب یا شہر سے باہر میدان کے مابین اختلاف مطالع معتبر نہیں۔ دوسرے قول کا مطلب دور دراز طویل مسافت کے شہروں میں اختلاف مطالع ہے۔ جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی معتبر ہے یہ ایک امر واقع ہے اس سے انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ امام ابوحنیفہؒ جیسا ذہین اور عالم امام بھلا یہ بات ان سے پوشیدہ ہو سکتی تھی کہ قرطبہ و اندلس اور کوفہ و عراق کے مابین مطلع کا فرق ہے اور حقیقۃً ایسا ہے کسی کی رائے یا قیاس کی گنجائش نہیں ہے

سوال ۵۳: کیا عہد رسالت میں دو عیدیں ہوئیں؟

جواب ۵۳: ہوئیں اور اس پر وہ تمام روایتیں شاہد ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روزہ کھولنے اور دوسرے دن دوگانہ عید ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۲۴۷ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۵۴ھ مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۶۳ بیروت ۱۳۹۲ھ کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۵ حیدرآباد دکن ۱۳۱۳ھ)

سوال ۵۴: پاکستان میں اختلاف مطالع کی وجہ سے کن حدود میں دو یا تین عیدیں ہو سکتی ہیں؟

جواب ۵۴: پاکستان میں شمالاً جنوباً دو یا تین حلقے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی نظر میں رہے کہ رؤیت ہلال میں خط استوار سے بعد، سمندر سے مقام کی بلندی و پستی اور افق کی مقامی کیفیت بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

ف ۱: یہ نظام شمسی اس طرح ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں نہ ایک وقت رؤیت ہلال ممکن ہے۔ اور نہ پیدائش قمر یعنی برتھ آف دی مون۔ اس پر زمین کی محوری حرکت جو اتنی بلکہ سورج کے گرد بیضوی دائرہ میں زمین کا اس دن محل وقوع اتنا فرق کر دیتا ہے۔ کہ ۲۴ گھنٹوں بلکہ کبھی اس سے بھی زیادہ فرق پڑ سکتا ہے۔ کسی ملک کے سیاسی حدود نظام شمسی کے حدود نہیں ہوتے۔ اسلئے کسی ملک سیاسی حدود کو ایک حلقہ قرار دے کر اس کے اندر ذیلی حلقے اگر بنائے گئے تو یہ تقسیم پیدائش قمر یا رؤیت ہلال کے لئے قطعاً غلط ہو گی۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ کسی شام کو چاند کراچی میں نکلا ہیں۔ سوُمالیہ میں اور حبشہ میں نظر آجائے۔ اور حیدرآباد سندھ۔ قاہرہ اور ویتنام پورٹ میں نظر نہ آ سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ پیدائش قمر سمرقند سیارقند اور بخارا کے لئے او ٹ کے حساب ہو جائے۔ مگر ڈورمن کیپ ٹاؤن اور انگولا کے لئے نہ ہو۔ بلکہ سپرالیون اور مجریا کے لئے وہ پچھلے مہینہ کی ۲۸ تاریخ ہی ہو۔ ایک ہی ملک سیاسی وحدت۔ ہندوستان میں دارجلنگ سیل گدی۔ اور مدراس میسور کے مابین بھی یہی اختلاف ممکن ہے۔ ہندوستان ایک ہی ملک ہے۔ لیکن سطح کی بلند و پستی کا فرق واقع ہے۔ شملہ اور اکولا کا افق اور کلکتہ و چیرا پونجی کی

کا افق اپنے پھیلاؤ میں ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اور طول البلاد کا اتنا فرق کہ مطلع ان سب مقامات کا ایک نہیں ہو سکتا۔

ف ۲۔ رمضان یا عید الفطر کسی ملک یا نسل کے تہوار نہیں ہیں۔ یہ سارے عالم کے مسلمانوں کے لئے یکساں اہم ہیں۔ کوئی ملک یا چند ممالک اس کے لئے تقویم کیسے بنا سکتے ہیں۔ اور سب مل کر بھی اگر بنائیں تو وہ تقویم ساری دنیا کے لئے قابل قبول کس طرح ہوگی۔ یہ سب باتیں غور طلب ہیں کوئی تجویز پیش کی جا سکتی ہے۔ حج ایک جگہ ہوتا ہے۔ لیکن رمضان و عید تو ہر جگہ ہوتی ہیں۔ ایک کو دوسرے پر قیاس کیسے کیا جا سکتا ہے۔ حج کے لئے اگر مقامی مطلع کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کر لیا جائے۔ تو وہاں کے سب لوگ اسے قبول بھی کر لیں گے۔ اور وہاں کے لئے صحیح بھی ہوگا لیکن وہی تاریخ و وقت انڈونیشیا اور فیجی کے لئے بھی صحیح ہوگا۔ نہ صرف ضروری نہیں بلکہ از روئے حساب اکثر ناممکن ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے منجم کے حساب کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں فقہ کی تمام بڑی بڑی کتابوں میں یہ تصریح مذکور ہے۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور)

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۳۲)

سوال:۔ مشکوک دن کا روزہ رکھنے کے بعد چاند دیکھنے کی یقینی شہادت مل جائے تو پھر رکھے ہوئے روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے:۔ عن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فاخطأ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

یعنی جو شخص قرآن میں رائے سے کہتا ہے، پس وہ صواب کو پہنچا تو یقیناً اس نے خطا کی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا جب ابتداء چیز کی جرم ہو تو صحیح ہونے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت کے پاس گیا۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ غیر ہے، اس سے صحبت کر لی، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی بیوی ہے، تو وہ قصور سے بری نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی اس کے برعکس اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ یہ میری بیوی ہے، اگر صحبت کر لے، اور وہ غیر عورت نکل آئے تو اسے وہ مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا ایک واقعہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں ہوا دو بہنوں کی شادی دو بھائیوں سے ہوئی، رخصتی کے وقت غلطی سے ہر ایک کی منکوحہ دوسرے کے گھر میں بھیج دی گئی۔ تو اس سے وہ مجرم نہیں قرار دیئے گئے، کیونکہ اُن کی نیت بخیر تھی۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں اُن میں نیت کا اثر بھی عمل پر پڑتا ہے، یعنی نیکی گناہ ہو جاتی ہے اور گناہ نیکی بن جاتا ہے، صورت مسئولہ میں روزہ صحیح ہو جائے گا۔ جیسے حدیث مذکورہ میں تفسیر غلط نہیں ہوگی۔ تفسیر کرنے والا گناہ گار ہوگا ایسے ہی یہ روزہ صحیح ہو جائے گا۔ لیکن ایسا روزہ رکھنے والا گناہ گار ہوگا۔ (عبداللہ امرتسری روپڑی ۱یکم رمضان ۱۳۵۳ھ)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۴۹)

رویت ہلال کے متعلق دو متضاد فتوے اور ان پر محاکمہ

سوال:۔ مطلع بالکل صاف تھا۔ چاند دیکھنے کی ہر چند کوشش کی گئی، مگر ملک کے کسی گوشہ میں چاند نہیں دیکھا گیا۔ اور حکومت کی طرف سے بھی اعلان ہو گیا۔ کہ چاند نظر نہیں آیا۔ لاہور کے دو مذہبی اداروں کی طرف سے روزنامہ کوہستان لاہور میں دو متضاد قسم کے فتاویٰ

شائع ہوئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

بریلوی مرکز کا فتویٰ

جمعیت حزب الاحناف کے صدر مولانا ابو البرکات نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا۔ اور بتایا کہ چار افراد تھے جن میں دو مرد اور دو عورتیں شامل ہیں۔ رویتِ ہلال کی شہادت دی۔ جس بنا پر مولانا ابو البرکات کے فیصلہ کا اعلان شہر کے بیشتر محلوں میں منادی کے ذریعہ کرایا گیا۔ اس پر بہت سے لوگوں نے نماز تراویح پڑھی۔

دیوبندی فتویٰ

جامعہ اشرفیہ لاہور کی طرف سے اس سلسلہ میں بتایا گیا کہ آج مطلع بالکل صاف تھا۔ اس لئے دو تین آدمیوں کی گواہی پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں رویت ہلال کے مسئلہ پر مولانا اشرف علی تھانوی کا حسب ذیل فتویٰ پیش کیا گیا جو بہشتی زیور جلد ۳ ص ۲ پر درج ہے۔ اگر آسمان بالکل صاف ہو تو دو چار آدمیوں کے کہنے اور گواہی دینے سے چاند ثابت نہ ہوگا۔ چاہے رمضان مبارک کا ہو چاہے عید کا البتہ اتنی کثرت سے لوگ اپنا چاند دیکھنا بیان کریں کہ دل گواہی دینے لگے کہ سب کے سب بات بنا کر نہیں آئے، اور اتنے لوگوں کا چاند دیکھنا غلط نہیں ہو سکتا تب چاند دیکھنا ثابت ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ ان ہر دو فتاویٰ پر تبصرہ فرمائیں کہ ان میں سے کون سا فتویٰ صحیح ہے۔

محاکمہ

جواب: یہ مسئلہ ایک مشہور حدیث سے حل ہو جاتا ہے۔ جو صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اور چاند دیکھ کر ہی روزے رکھنے بند کرو۔

اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلاثین (مشکوٰۃ) اگر چاند تم پر پوشیدہ ہو جائے۔ یعنی بادل یا غبار کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو پھر ماہ شعبان کے تیس دن پورے کرو۔ اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں کہ تمام مسلمان چاند دیکھیں تو روزہ رکھنا

ضروری ہو گا۔ ورنہ یہی مطلب یہ ہے کہ بعض کا چاند دیکھنا بھی روزہ کے لئے کافی ہو گا چنانچہ دوسری حدیث میں صراحت ہے۔ یعنی ایک اعرابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ اس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی رویت بھی کافی ہے، اور یہ بھی شرط نہیں کہ مقامی لوگوں سے کوئی شخص چاند دیکھے بلکہ باہر کی رؤیت کافی ہے، اس حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ اس دن مطلع صاف تھا یا نہیں، لیکن ظاہر یہ امر بہت بعید ہے، کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود اہل مدینہ سے کوئی چاند نہ دیکھ سکے، اور باہر کا اعرابی دیکھ لے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعرابی نے چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ مطلع صاف نہیں تھا اس بنا پر بعض شارحین صاحب تحفۃ الاحوذی وغیرہ نے وکان غیما بھی لکھا ہے، یعنی بادل کی وجہ سے اہل مدینہ چاند نہ دیکھ سکے، اور اس کی تائید ابو داؤد کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔ عن الحسن فی رجل کان بمصر من الامصار فصام یوم الاثنین وشہد رجلان انہما رأیا الہلال لیلۃ الاحد فقال لا یقضی ذلک الیوم الرجل ولا اہل مصر الا ان یعلموا ان اہل مصر من امصار المسلمین قد صاموا یوم الاحد

یعنی حسن بصری سے ایک ایسے شخص کی بابت روایت ہے جو کسی شہر میں رہتا تھا اس نے سوموار کو روزہ رکھا، اور دو آدمیوں نے شہادت دی کہ انہوں نے ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب کو چاند دیکھا ہے، حسن بصری نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس شخص پر یا شہر کے کسی دوسرے آدمی پر اتوار کے روزہ کی قضا نہیں ہے، ہاں وہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی دوسرے شہر کے باشندوں نے بھی اتوار کے دن ہی روزہ رکھا تو اس صورت میں قضا دینی پڑے گی۔ حسن بصری کا یہ فرمان اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ مطلع صاف ہو ورنہ اعرابی والی مذکورہ حدیث کی مخالفت لازم آئے گی، کیونکہ اس میں صاف ذکر ہے کہ رمضان کے چاند کے لئے ایک شخص کی رویت کافی ہے لیکن یہاں دو آدمیوں نے رؤیت چاند کی شہادت دی، باوجود اس کے حسن بصریؒ

نے اس کو معتبر نہیں سمجھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک یا دو کی رؤیت کافی نہیں بلکہ اتنی تعداد ضروری ہے جس سے دل مطمئن ہو جائے کہ اتنے آدمی غلطی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جامعہ اشرفیہ والوں کا پیش کردہ فتویٰ صحیح اور درست ہے، اور صدر انجمن حزب الاحناف کا ... فتویٰ حدیث اور فقہ کے خلاف ہے، جب رؤیت چاند کی صحیح شہادت نہ ملے تو ایسے مشکوک دن کا روزہ رکھنا حدیث میں منع آیا ہے۔

شکی روزہ

اس قسم کا روزہ رکھنے والے بجائے ثواب حاصل کرنے کے الٹے اور گنہگار ہوں گے چنانچہ حدیث میں ہے۔ عن عمار بن یاسر قال من صام الیوم الذی یشك فیه فقد عصٰی ابا القاسم صلے الله علیه وسلم۔ (مشکوٰۃ)

یعنی عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں، جس شخص نے مشکوک دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

دوسری حدیث میں ہے، عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلے الله علیه وسلم لا یتقدمن احدکم رمضان بصوم یوم او یومین۔ (مشکوٰۃ)

یعنی تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۲۳/رمضان ۱۳۸۱ھ

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ...)

دن میں چاند نظر آ جائے تو روزہ کا کیا حکم ہے

سوال: اگر چاند ۲۹ رمضان کو نظر نہ آئے، اور کسی کو ۳۰ رمضان کو آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے نظر آ جائے تو کیا اُسی وقت روزہ افطار کر سکتا ہے (ابو محمد اسمٰعیل لدھیانہ)

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔

یعنی ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا۔ اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا۔ رات کی نشانی

سے مراد چاند ہے اور دن کی نشانی سے مراد آفتاب ہے، اللہ تعالےٰ نے چاند کی روشنی کم کردی ہے اور اس میں سیاہی ڈال دی ہے، اس لئے فرمایا کہ ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا ہے پس جب چاند رات کی نشانی ہے، تو اس کا دن میں دیکھنا معتبر نہیں۔ بلکہ غروب آفتاب کے بعد دیکھنا معتبر ہے، اس وقت سے ماہ اول کا ختم ہونا اور ماہ ثانی کی ابتدا ہوتی ہے، تو مہینہ ختم ہونے کے بغیر افطار کس طرح جائز ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ جو ماہ رمضان میں حاضر ہو۔ یعنی سفر میں نہ ہو وہ اس ماہ کے روزے رکھے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سارے رمضان کے روزے رکھے۔ کیونکہ رمضان ابھی ختم نہیں ہوا۔ اس نے پہلے ہی افطار کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تیس شعبان کو دن میں رمضان کا چاند نظر آجائے تو دیکھنے کے وقت سے روزہ شروع نہیں ہوجاتا۔ اگر دن میں دیکھنے کا اعتبار ہوتا تو چاہیے تھا کہ جب سے دیکھا ہے اس وقت سے مغرب تک روزہ ہوتا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلے مہینہ کا ختم ہونا اور دوسرے کی ابتدا رات کے وقت چاند دیکھنے سے ہے نہ دن کے وقت اس لئے حدیث میں ہے، الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ۔ متفق علیہ مشکوٰۃ باب رؤیۃ الہلال۔ مہینہ ۲۹ کا بھی ہوتا ہے، چاند دیکھے بغیر نہ روزہ رکھو۔ اگر ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے۔ تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ ابو البختری کہتے ہیں کہ ہم عمرہ کے لئے نکلے جب موضع نخلہ میں پہنچے تو چاند دیکھا۔ بعض نے کہا تیسری تاریخ کا ہے۔ اور بعض نے کہا دوسری تاریخ کا ہے۔ ہم ابن عباسؓ کو ملے تو فرمایا کہ تم نے کس رات کو دیکھا ہے، ہم نے جواب دیا کہ فلاں رات کو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت اس کی رویت سے ہے، اور ایک روایت میں ہے، ابو البختری کہتے ہیں۔ ہم نے موضع ذات عرق میں۔ جو بطن نخلہ کے قریب ہے، رمضان کا چاند دیکھا۔ ہم نے پوچھنے کے لئے ابن عباس کے پاس آدمی بھیجا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے اس کی مدت اس کی رویت

معتبر ہی ہے۔

اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے۔ کریب کہتے ہیں۔ ام الفضل نے مجھے معاویہؓ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے ام الفضل کا کام کیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا۔ پھر آخر رمضان میں مدینہ آیا۔ ابن عباس نے مجھے وہاں کا حال پوچھا پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا ہم نے جمعرات کو دیکھا ہے۔ فرمایا تو نے خود دیکھا۔ کہا ہاں۔ میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے۔ اور سب لوگوں نے روزہ رکھا اور معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے۔ ہم اسی طرح روزے رکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے۔ یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رؤیت اور ان کے روزہ رکھنے کے ساتھ کفایت نہیں کرتے فرمایا نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح حکم دیا ہے کہ ایک ملک کے لئے دوسرے ملک کی شہادت معتبر نہیں اس سے ثابت ہوا کہ چاند کا اعتبار رات سے ہے۔ اگر ۲۹ کو نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرنی پڑتی ہے۔ دن کے دیکھنے کا اعتبار نہیں۔

(عبد اللہ امرتسری از روپڑ ۲۰ صفر ۱۳۵۲ھ ۱۵ جون ۱۹۳۳ء)

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۔۔)

سوال ہم لوگوں کو انتیسویں کا چاند نظر نہیں آیا۔ اس سے شعبان کی تیس گنتی پوری کر کے روزہ رکھا۔ اور قرب وجوار سے مثلاً دو میل سے لے کر چالیس میل تک کی خبریں چاند دیکھنے کی موصول ہوئیں۔ آپ فرمائیں ہم لوگ کس حساب پر طاق راتوں میں عبادت کریں۔ اور کیا روزہ بھی قضا رکھنا ہوگا۔؟ (عبد اللہ وزیا نگرم)

جواب:۔ اگر قرب وجوار سے معتبر شہادتیں مل جائیں کہ چاند دیکھا گیا ہے۔ تو آپ اسی حساب سے شمار رکھیں۔ اور بعد میں ایک روزہ قضا کریں بہت دور کی شہادت آپ

کے لئے حجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (۱۱ نومبر ۱۹۳۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص۱۵)

سوال:۔ کیا دوربین کے ذریعہ سے ۲۹ رمضان المبارک کو چاند دیکھ کر صبح کو روزہ رکھنا اور عید الفطر کرنا ازروئے شرع شریعت جائز ہے؟

جواب:۔ دوربین سے چاند دیکھنا جائز ہے۔ دوربین موجود چیز دکھاتی ہے: غیر موجود کو موجود نہیں کر سکتی۔ (۳۱ جون ۱۹۳۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص۳۲۱ طبع لاہور)

سوال:۔ ماہ شعبان کی تیس تاریخ کو اگر دن کا کچھ حصہ گزر کر مفتی کے فتوے سے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ مقرر ہوئی تو اسی وقت کھانا پینا ناقص چھوڑ دینا واجب ہے؟ اگر کوئی شخص یہ خبر سن کر بھی کھانا وغیرہ عملاً نہ چھوڑے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ (دیکھے از سرینگر)

جواب:۔ صورت موقومہ میں کھانا پینا چھوڑ دینا احترام صیام سے ہے، روزہ نہیں ہے کیونکہ دن کا کچھ حصہ گزرنے پر شرعی روزہ نہیں ہوتا۔ ماہ صیام کا احترام ہوتا ہے، اگر کسی کا دل اس شہادت پر مطمئن نہ ہو تو اسے کچھ نہ کہا جائے مگر وہ بعد رمضان روزہ قضا کرے۔ (۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص۳۲۲)

خبر اور شہادت کی بحث

اس سال شعبان اور رمضان کی آخری تاریخوں میں آسمان ابر آلودہ تھا۔
مغربی پاکستان کے وسطی علاقوں میں چاند نظر نہ آسکا۔ رمضان کا چاند کراچی سے سکھر تک بڑی کثرت سے دیکھا گیا۔

آزاد کشمیر کے قریبی علاقوں میں مطلع صاف تھا۔ اور چاند نظر آگیا تھا۔ چنانچہ تمام مکاتب فکر کے دانشمند لوگوں نے ریڈیو یا ٹیلیفون کی اطلاع پر روزہ رکھا۔ بعض حضرات کو صحیح اطلاع نہ پہونچ سکی۔ انہوں نے روزہ نہ رکھا۔ بعض وہم پرست حضرات نے رکھے ہوئے روزے بیچ میں تڑوا دیئے اور اسے دین کی بہت بڑی خدمت تصور کیا۔ رمضان کی آخری تاریخ کو عید کا چاند حسب بیان اخبارات لاہور اور کراچی میں چند آدمیوں نے دیکھا مقامی طور پر شہادت ہوئی۔ اس کی اطلاع دوسرے شہروں کو دی گئی اطلاع کے ذرائع وہی مشینی تھے کہیں کسی سے اصالۃً دریافت کر لیا۔ اطمینان کے بعد مغربی پاکستان کے اکثر حصوں میں عید ہو گئی۔ لیکن کراچی میں چیلا سرکاری حلقوں نے منائی عوام سرکاری اطلاعات پر مطمئن نہیں ہو سکے۔ لیکن باقی اکثر شہروں میں اس شہادت کی اطلاع دیدی گئی۔ اور عام طور پر عید ہفتہ کے دن منائی گئی۔ لیکن بعض مقامات پر عید کے دن بدستور روزہ رکھا گیا۔ غرض عید کے موقعہ پر بعض حلقوں میں خاصی بے اطمینانی رہی۔ بعض ملا قسم کے بزرگوں نے اشتہار بازی سے اپنی شہرت کے لئے اچھا موقعہ تلاش کیا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ بے اطمینانی ضرور ہوئی۔ اس بے اطمینانی کے اسباب میں سرکاری حلقوں کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہ تھی۔ لیکن عموماً اس کا احساس نہیں فرمایا۔ جہاں خبر رسانی کے ذرائع موجود تھے وہاں احساس ناپید تھا۔ اور جہاں احساس کی فراوانی ہے، وہاں ذرائع موجود نہ تھے۔
قدرتی طور پر اس وقت کئی سوال پیدا ہو گئے۔ مثلاً

سوال: (۱) کیا تار، خط، ریڈیو، ٹیلیفون اور ٹیلی ویژن وغیرہ خبر رسانی کے ذرائع شرعاً قابل اعتماد اور درست ہیں۔ جو واقعات ان ذرائع سے معلوم ہوں انہیں قبول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

۲:۔ رویت ہلال کے لئے شرعاً شہادت ضروری ہے یا خبر اور اطلاع پر بھی روزہ رکھا جا سکتا ہے؟

۳:۔ جب عوام اگر مطمئن ہو کر عید منا لیں، اور حکومت کے ادارے فیصلہ کر دیں تو کیا کسی شخص کے لئے شرعاً ان کی مخالفت درست ہے؟

جواب:۔ ان سوالات پر غور کرنے سے پہلے ایک حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے۔ وہ یہ کہ اس قسم کے عوامی مسائل کی دراصل ذمہ داری حکومت پر ہے، ارباب حکومت کا مذہب اگر اسلام نہ بھی ہو تو بھی عوام کی ضرورت کے پیش نظر اس کا صحیح اہتمام ہونا چاہیئے۔ اور اس طرح ہونا چاہیئے جس سے عوام مطمئن ہوں، اور ان الفاظ سے ہونا چاہئے۔ جو اسلام نے اس کے لئے مقرر فرمائے ہیں ان لوگوں کی شمولیت سے ہونا چاہئے جن پر لوگوں کو مذہبی معاملات میں اعتماد ہو، اور وہ اس کی شرعی اہمیت کو سمجھتے ہوں ڈائریکٹر محکمہ موسمیات کراچی نے اپنے بیان میں فرمایا ہے۔

کو میرا فرض نہیں تھا لیکن میں دونوں گواہ لے کر مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس گیا۔ یہ انداز گفتگو کیا ہے، جب آپ ایک ایسا اعلان فرماتے ہیں۔ جس سے بحیثیت مسلمان مولانا احتشام الحق وغیرہم کا براہ راست تعلق ہے، پھر مولانا احتشام الحق کی شخصیت ایسی ہے، جس پر عامۃ المسلمین کو اعتماد ہے، تو آپ ان کو اعتماد میں لئے بغیر کیوں اعلان فرماتے ہیں، اخلاقاً شرعاً اور بحیثیت ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ آپ کا فرض ہے کہ اعلان سے قبل ان حضرات سے رابطہ قائم کریں اور ان کو مطمئن کریں۔ ہم نے ڈائریکٹر محکمہ موسمیات اور مولانا احتشام الحق صاحب کے اخباری بیانات پڑھے ہیں۔ ہمارا تاثر یہ ہے کہ۔ چاند یقیناً دیکھا گیا۔ لیکن ان بیانات اور ان میں اختلاف سے اقتدار اور خود داری کی جنگ نمایاں ہے۔

علماء نے چاند نہیں دیکھا۔ عوام کے پاس وہ ذرائع نہیں جو محکمہ موسمیات کے پاس ہیں، تو اس صورت میں صحیح طریق کار یہ تھا کہ۔ جہاں ہوا فہمی دوربین سے چاند دیکھ رہے تھے، وہاں مولانا احتشام الحق یا مفتی محمد شفیع صاحب بھی دوربین استعمال فرما لیتے۔ اس سے دوربین کا کون سا پرزہ گھس جاتا علماء کا اطمینان بہرحال محکمہ والوں کو کرا لینا چاہئے تھا۔ پھر یہ کیا الفاظ ہیں۔ کراچی میں چاند ہو گیا ڈھاکہ میں چاند نہیں ہوا۔ یہ الفاظ شرعی شہادت کے لحاظ سے قطعی مبہم ہیں۔ محکمہ موسمیات

کے واثر کیٹر و مسلمان ہیں۔

انہیں معلوم نہیں شہادت میں مبہم الفاظ کا استعمال نہ شرعاً درست ہے۔ نہ قانوناً اس کے لیے الفاظ واضح ہونے چاہئیں۔ مثلاً چاند فلاں مقام پر دیکھا۔ فلاں فلاں صاحب نے خود دیکھا۔ وہ فلاں بزرگ ہیں۔

ان کا مختصر سا تعارف ہو جانا چاہیئے، اس دفعہ جو بھی تھوڑا بہت انتشار ہوا ہے، اس میں محکمہ موسمیات کی بے اعتنائی کو زیادہ دخل ہے، وہ اگر بروقت ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم فرما لیتے تو نہ ان کو تکلیف ہوتی۔ نہ عید منانے کے سلسلہ میں ملک میں بے اطمینانی پیدا ہوتی۔ آپ غور فرمائیں۔ اگر سائنسدان چاند کو عبور کر کے اس سے کہیں آگے نکل جائیں تو رویت ہلال کی شرعی یا عرفی حیثیت میں کیا فرق پیدا ہو سکتا ہے، وہ تو بہرحال نظر آئے گا۔

اب پیش آمدہ سوالات کے متعلق شرعی مقصد کے لحاظ سے عرض ہے۔ اصل چیز کسی اطلاع پر یقین اور اطمینان ہے۔ یہ اطمینان کسی طرح حاصل ہو جائے۔ شارع حکیم کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اگر حالات شہادت کے متقاضی ہوں تو شہادت کی شرائط پوری ہونی چاہئیں۔ اور اگر یہ مقصد کسی دوسرے طریق سے پورا ہو جائے، تو ذرائع کی بحث عبث ہے۔ اس میں بظاہر مکاتب فکر میں کوئی اختلاف نہیں۔ جن لوگوں نے رمضان یا عید کے چاند کی اطلاع کو صرف اس لئے رد کیا ہے، کہ ریڈیو، تار یا ٹیلیفون کے ذریعے سے یہ اطلاع آئی۔ ان حضرات نے عقل و دانش سے جنگ لڑی ہے۔ اب یہ ذرائع ہماری زندگی کا جزو بن چکے ہیں، اور آئندہ روز بروز ان کا اعتبار بڑھ رہا ہے۔ جب ٹیلیفون پر ایک آدمی کی آواز کو پہچانتے ہیں تو ٹیلیفون کی خبر پر بے اعتمادی کیوں کی جائے، کبھی کبھی چونکہ آوازیں مل جاتی ہیں۔ اس لئے حقیقت کو اوہام کی نذر کر دیا جائے۔ یہ فکر و نظر کے استعمال کا معقول طریقہ نہیں، یہ کس قدر غیر معقول بات ہوگی کہ ہم لوگ دنیا کے تمام معاملات میں ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ موت زندگی کے حوادث میں خطوط لکھتے ہیں تار دیتے ہیں ٹیلیفون سے استفادہ کرتے ہیں اور ان ذرائع سے آئی ہوئی خبر کو صحیح سمجھتے ہیں جلسوں کی تواریخ کی اطلاع ڈاک سے ہوتی ہے، دوسرے ذرائع سے پیغام بھیجے جاتے ہیں، ہمیں ان کے

قبول کرنے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا، اور اکثر یہ اعلانات صحیح ہوتی ہیں۔ پورا رمضان سائرن بجتا رہا، جب لوگ اس پر روزہ افطار کرتے رہے، حالانکہ سائرن کی آواز میں اشتباہ اور ابہام کی زیادہ گنجائش ہے، لیکن ریڈیو اور ٹیلیفون کے مخالف سائرن پر یقین کرتے ہوئے سحری بند بھی کرتے رہے، اور روزہ کھولتے بھی رہے، لیکن اگر چاند کے لئے یہ ذریعہ جھوٹا سمجھا جانے تو کس قدر غیر معقول بات ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ اس میں مغالطہ کی کوئی گنجائش نہیں مطلب یہ ہے ان تمام ذرائع میں قرائن اور احوال کی وجہ سے اگر ظن غالب ان خبروں کی صحت کے متعلق ہو جانے تو اسے قبول کرنا چاہئے۔ صرف اس لئے رد کر دینا کہ یہ خبر فلاں ذریعہ سے آئی ہے، قطعاً غیر معقول ہے،

فقہائے اسلام کی نظر میں یہ شہادت علی الشہادت کی صورت ہو سکتی ہے، کسی مقام پر اگر ہلال رمضان دیکھا گیا تو ریڈیو نے اس شہادت کو نقل کر دیا۔ علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی م ۵۸۷ھ محدود بالقذف کے متعلق فرماتے ہیں۔

روی ابو یوسف عن ابی حنیفةؒ ان شہادته برؤیة الهلال لاتقبل والصحیح انها تقبل وهو روایة الحسن عن ابی حنیفة لما ذكرنا ان هذا خبر ولیس بشهادة وخبره مقبول وتقبل شهادة واحد عدل علی واحد عدل فی هلال رمضان اھ البدائع والصنائع

جلد ۲ صـ۸۱ مقذوف کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہؒ سے دو روایات ہیں۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں، یہ شہادت مقبول نہیں۔ حسن بن زیاد فرماتے ہیں مقبول ہے، کاسانی فرماتے ہیں، یہ صحیح ہے، فرماتے ہیں یہ خبر ہے، شہادت نہیں۔ ایسی خبر سے گویا رؤیت ہلال ثابت ہو سکتی ہے، نیز ایک عادل گواہ پر دوسرے عادل کی شہادت ہلال رمضان کے متعلق قبول کر لی جائے گی۔ اھ

اس عبارت سے ظاہر ہے، جس طرح شہادت سے ہلال رمضان کی رویت ثابت ہو سکتی ہے، بعض حضرات کا شہادت کے لئے اصرار فقہاء کے مواقف سے بے خبری پر مبنی ہے۔ عفا اللہ عنا و عنہم۔

اصل چیز قرائن ہیں۔ اگر ایک یا دو شہادتیں مل جائیں۔ لیکن اس کے ساتھ ایسے قرائن بھی مل جائیں جن سے یہ ثابت ہو کہ یہ گواہ غلط کہتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ شہادت بھی مستردہو جائے گی۔ اصل چیز صحیح اطلاع ہے، ذرائع اصل بحث نہیں۔ اگر قرائن موجود ہوں تو غیر عادل اور غیر ثقہ کی روایت بھی مقبول ہوگی۔ منعیت اخبار کو کلیۃً مسترد نہیں کیا گیا۔

اصطلاحی شہادت پر اصرار اور خبر سے انکار کرنا منکرین حدیث کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے گا کیونکہ احادیث کا سارا سلسلہ ہی اخبار پر مبنی ہے، اگر خبر کو ساقط الاعتبار یا مشکوک سمجھا جائے تو پورا فن حدیث غیر معتبر اور غیر مستند ہو جائیگا۔ احادیث کی صحت اور ضعف کا انحصار تقریباً کمزور راویوں کی تعداد اور اطلاعات پہنچ روئیت ہلال کے متعلق خبر کی حجیت اور استشہاد پر تمام فقہا اور محدثین متفق ہیں، اس لئے ریڈیو اور ٹیلی فون وغیرہ کی خبروں کو کلی طور پر مسترد کرنا بے خبری کی دلیل ہے۔

البتہ جب شہادت کا موقعہ ہو تو شہادت ہی پر اعتماد ہوگا۔ غرض یہ ہے کہ واقعہ کی تصدیق ہو جائے۔ تصدیق کا ذریعہ کوئی بھی ہو، شہادت یا خبر یا اطلاع ریڈیو یا ٹیلیفون یا کوئی اور مصدقہ طریق اطلاع۔ سب صحیح ہے، اس میں شک نہیں ریڈیو اور دوسرے سرکاری محکموں میں کام کرنے والے عام طور پر متدین نہیں ہوتے۔ لیکن اس میں ان آلات کا کیا قصور ہے، یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہاں متدین آدمی رکھے یا کم از کم وہ اس قسم کے اعلانات متدین اور اہل علم حضرات سے کرائے۔

اس دفعہ بعض دیوبندی اور اکثر بریلوی دوستوں نے بےچارے ٹیلیفون اور ریڈیو کی جو گت بنائی ہے، یہ معقول اور پسندیدہ طریق نہیں۔

۲:- خبر اور شہادت میں واقعی فرق ہے، لیکن جہاں تک کسی معاملہ کی تصدیق و توثیق کا تعلق ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فرق اس میں ہے کہ بعض لوگ اگر خبر دیں مقبول ہوگی۔ لیکن ان کی شہادت مقبول نہیں، اکیلی عورت شہادت نہیں دے سکتی۔ خبر دے سکتی ہے، اس لئے جہاں تک روئیت ہلال کی توثیق اور تصدیق کا تعلق ہے، اس میں دونوں مفید اور مؤثر ہیں۔ لہٰذا شرعاً بعض مواقع میں روئیت ہلال میں خبر سے استفادہ کیا

گیا ہے۔ اور بعض وقت شہادت شرعی کی ضرورت ہوتی ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، ایک اعرابی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، آپ نے بلالؓ کو فرمایا، روزہ کا اعلان کر دو، فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں، یہ شہادت نہیں خبر ہے۔

کاسانی فرماتے ہیں۔ لان هذا ليس بشهادة بل هو اخبار بدليل ان حكمه يلزم الشاهد بدائع الصنائع جلد ۲ ص۸۱۔ یہ شہادت نہیں بلکہ خبر ہے، کیونکہ اس کا اثر خبر دینے والے پر بھی پڑتا ہے، اسی طرح معذور اگر چاند کی شہادت دے تو قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ یہ خبر ہے، شہادت نہیں اس سے ظاہر ہے کہ فقہاء عراق کے نزدیک بھی خبر سے چاند کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

ایک بہت بڑے بزرگ کے ارشادات بھی سنئے وہ محلی میں فرماتے ہیں۔ مسئلہ ۷۵۷،

من صح عنده بخبر من يصدقه من رجل واحد او امرأة واحدة عبداً وحراً و امة او حرة فصاعداً ان الهلال قد رای البارحة فی آخر شعبان ففرض عليه الصوم صام الناس اولم يصوموا محلی ابن حزم جلد ۶ ص۲۳۵

اگر معتبر خبر مل جائے کہ ایک مرد یا ایک عورت۔ غلام یا آزاد نے گذشتہ رات چاند دیکھ لیا ہے، اس پر روزہ فرض ہے، لوگ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رمضان کے چاند میں تو ہمارے ساتھ اتفاق فرماتے ہیں۔ مگر شوال کے متعلق ان کا خیال ہے کہ۔

دو آدمی کی شہادت ضروری ہے، ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا تناقض ہے، اور مسئلہ بے دلیل ہے۔ پھر ص۲۳۶ جلد ۶ میں فرماتے ہیں۔ فاما نحن فخبر الكافة مقبول فی ذلك وان كانوا كفاراً او فساقاً لانه يوجب العلم ضرورة اھ۔ ہمارے ہاں تو چاند کے معاملہ میں فاسق اور کافر کی اطلاع بھی درست ہے کیونکہ اسی سے بقدر ضرورت علم حاصل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ یہ اطلاع عامۃ الناس دیں۔

اہل علم کی وسعت ظرف اور وسعت خیال ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کہاں ہیں۔ اور ارباب علم

کی پرواہ نہ تحقیق کیا ہے

ابن حزم کی پوری بحث اسناد کے لحاظ سے قابل غور ہے۔ انسانی نفسیات کا تقاضا ہے کہ صحیح خبر کو قبول کیا جائے خواہ کہیں سے بھی آئے۔ مغنی ابن قدامہ کے شارح فرماتے ہیں۔

وان اخبره برؤیت الهلال من یثق بقوله لزمه الصوم وان لم یثبت ذلك عند الحاكم لانه خبر بوقت العبادة یشترك فیه المخبر والمخبر اشبه الخبر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم والخبر عن دخول وقت الصلوٰة جلد ۳ ص۹۔

اگر کوئی ثقہ آدمی چاند کی اطلاع دے تو روزہ واجب ہوگا، حاکم اس اطلاع کو مسترد کر دے، کیونکہ یہ عبادت کے وقت کی اطلاع ہے، اس میں خبر دینے والا اور جسے خبر دی گئی ہے برابر ہیں، یہ احادیث کی روایت یا نماز کے وقت کی اطلاع کے مشابہ ہے۔ جس میں صرف مؤذن کی اطلاع کافی ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر یہ اطلاع کسی عورت کی زبانی ہے تو قیاس یہ ہے کہ یہ بھی مقبول ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام شافعیؒ سے ایک روایت اس کے خلاف بھی ہے کیونکہ یہ ایک دینی اطلاع ہے، یہ حدیث کی روایت یا سمت قبلہ کی اطلاع یا نماز کے وقت کی خبر کے مشابہ ہے جیسے وہاں صرف خبر کافی ہے، چاند کے متعلق بھی خبر ہی کافی ہے۔ اھ۔

آج کل بڑے شہروں میں سائرن کی آواز اور قصبات میں مؤذن کی آواز یا نوبت کی آواز پر روزہ رکھا اور کھولا جاتا ہے، یہ خبر ہے شہادت نہیں۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک ہلال کا معاملہ بھی بعض وقت اسی نوعیت کا ہوتا ہے، بعض آئمہ نے بڑی صراحت سے خبر کے اثر اور حجیت کا اعتراف فرمایا ہے۔ وہ ہلال کے متعلق ایک شہادت کے متعلق جس قدر احادیث آئی ہیں، انہیں خبر پر محمول فرماتے ہیں، وہ اسے شہادت سمجھتے ہی نہیں، اور فقہاء عراق اس توجیہ میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ سابقہ منقولات سے ظاہر۔ فقہاء اہلحدیث بھی اس مسئلہ میں فقہاء عراق۔ رحمہم اللہ کے ہمنوا ہیں۔ خطابی فرماتے ہیں۔ وقد روی عن عمر بن الخطاب من طریق عبدالرحمن بن ابی لیلی

انہ اجاز شہادۃ رجل فی اضحی او فطر ومال الی ہذا القول بعض اہل الحدیث وزعم ان باب رؤیۃ الہلال باب الاخبار فلا یجری مجری الشہادات الا تری ان شہادۃ الواحد مقبولۃ فی رؤیۃ ہلال شہر رمضان فکذالک یجب ان تکون مقبولۃ فی ہلال شہر شوال اھ معالم السنن ج ۲ ص ۱۰۱

عبد اللہ بن ابی لیلی سے مروی ہے، حضرت عمرؓ نے عید الاضحی اور عید الفطر کے چاند میں ایک آدمی کی شہادت کو قبول فرمایا۔ بعض اہل حدیث کا بھی یہی خیال کہ روئیت ہلال کا مسئلہ از قبیل اخبار ہے، از باب شہادت نہیں۔ اس لئے اس میں شہادت کی پابندیاں محفوظ نہیں رکھی جاسکتیں جس طرح رمضان میں ایک آدمی کی شہادت مقبول ہے۔ شوال کے چاند میں بھی اسے مقبول ہونا چاہیے۔ امر گویا احناف۔ اہلحدیث۔ حنابلہ۔ ہلال رمضان کے متعلق خبر ہی کو کافی سمجھتے ہیں، عام حالات میں اس کے لئے شہادت کو ضرورت نہیں ہوتی خطابی کا خود رجحان چونکہ موالک کی طرف ہے اس لئے وہ اپنا اختلاف ظاہر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ لکن بعض الفقہاء ذهب ان رؤیۃ ہلال رمضان خصوصاً من باب الاخبار وذلک لان الواحد العدل کافی عند جماعۃ من العلماء اھ معالم السنن جلد ۲ ص ۱۰۱۔ لیکن بعض فقہاء ہلال رمضان کا مسئلہ اخبار ہی کی قسم سے سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ایک شہادت پر کفایت فرماتے ہیں۔ گویا اطلاع خبر کی قسم سے ہے۔ ص ۱۶۳ جلد ۲ میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہلال رمضان کے متعلق ایک ہی آدمی کی شہادت کافی ہے، اگرچہ وہ غلام ہو یا لونڈی اسی طرح ایک عورت کی شہادت بھی کافی سمجھتے ہیں۔ امام ماوراء ظاہر روایت کے خلاف مرد، عورت۔ غلام لونڈی عادل غیر عادل ہی اطلاع کو کافی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ دراصل شہادت ہے ہی نہیں بلکہ خبر اور اطلاع ہے، ان نقول سے واضح ہوتا ہے، ہلال رمضان کے لئے شہادت ضروری نہیں۔ البتہ فقہائے حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق مخبر کا ثقہ ہونا ضروری ہے، لیکن امام طحاوی اسے بھی غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

ایک لطیفہ اس قسم کے مضامین میں شاید مقامی تذکرہ بھلا نہ لگتا ہو لیکن بطور لطیفہ اور واقعہ کے یہ غالباً نامناسب بھی نہ ہوگا۔ کہ بعض اچھے بھلے اہل علم اور سمجھدار حضرات پر بھی ٹیلیفون

نہ غیرہ کی خبر سے کسی قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

معلوم ہے اس سال ۲۹ رمضان کو مطلع ابر آلودہ تھا۔ چاند کے متعلق تشویش تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ریڈیوں نے اطلاع دی کہ کراچی میں چاند ہو گیا ہے تقریباً بارہ تیرہ آدمی ہمارے ہاں مسجد میں اعتکاف کر رہے تھے۔ وہ اعتکاف ختم کرنے کے لئے دریافت کر رہے تھے میں اس قدر ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے کوشش کی کہ لاہور یا کراچی سے رابطہ قائم کیا جائے۔ اور صورت حال دریافت کی جائے۔ پوری کوشش کے باوجود کراچی سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ دفتر مرکزی جمعیت اہلحدیث میں صدر محترم مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث رات کو تقریباً گیارہ بجے مل سکے۔

مولانا نے فرمایا۔ جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا مفتی محمد جمیل کے پاس قابل اعتماد شہادت آگئی ہے، اس لئے مولانا ابو البرکات صاحب کے سوا پورے لاہور میں ہفتہ کے دن عید کا فیصلہ ہو گیا ہے، اس ساری گفتگو میں مولانا عبد الواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ بھی موجود تھے۔ میں نے انہیں پیغام بھیج کر بلایا تھا۔ کہ جو فیصلہ ہو اتفاق سے ہو۔ میں نے رسیور مولانا عبد الواحد صاحب کو دے دیا۔ تاکہ مولانا خود مولانا غزنوی صاحب سے براہ راست گفتگو فرمالیں۔ میں نے اس کے بعد مولانا عبد الواحد صاحب سے عرض کیا کہ اب تو شرعاً عید کا فیصلہ ہفتہ کے دن ہو جانا چاہیئے۔ مولانا نے فرمایا ہاں مجھے تو یقین ہو گیا۔ لیکن ذرا معاملہ شریعت کے مطابق ہو جائے۔ میں مولانا کی یہ بات نہ سمجھ سکا کہ۔ اب شریعت کے ساتھ مطابقت کا کیا مطلب ہے۔ میں خاموش ہو گیا۔ ایک بڑا ہجوم یہ گفتگو سن رہا تھا۔ ان سب نے کہنا شروع کر دیا کہ عید کل ہوگی۔

صبح مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ مولانا عبد الواحد صاحب دو تین حضرات کے ہمراہ رات لاہور گئے۔ اور مولانا مفتی محمد جمیل صاحب سے ملے۔ ان کی زبانی چاند دیکھنے کی اطلاع لائے۔ پھر ان کو اطمینان ہوا۔ میں اسے لطیفہ سمجھتا ہوں۔ مولانا عبد الواحد صاحب پڑھے لکھے سمجھدار آدمی ہیں۔ اب دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو مولانا کو مولانا سید داؤد غزنوی پر اعتماد نہیں تھا۔

یا پھر فون کی بکار [illegible] محمد جمیل صاحب سے بالمشافہ حقیقت سننا چاہتے تھے میری رائے میں [illegible] حیثیت وہم سے زیادہ نہیں۔ فون پر آواز پہچان کر پھر لاہور جانا۔ پھر اسے شریعت کا [illegible] سے تعبیر کرنا ایک پڑھے لکھے سنجیدہ آدمی کے لئے نامناسب ہے، اور اگر یہ فون [illegible] سے ہے تو اور بھی معیوب اور مضحکہ خیز ہے پھر یہاں کے بریلوی بزرگ جنہوں نے [illegible] رمضان المبارک کو جمعہ کے دن روزے تڑوائے تھے۔ وہ اپنے ایک مرید کی جیپ لیکر لاہور گئے۔ وہ اپنے کسی بریلوی بزرگ سے مل کر عید لائے۔ اور تقریباً سات بجے تک ان کے مقتدی روزے سے ہے۔ ان کی اپنی بریلوی عید بریلوی جیپ میں سوار ہو کر آ گئی۔ تو ان بیچاروں کی جان میں جان آ گئی۔ علماء دین یہ تعصب باہم بے اعتمادی اور بغض یا پھر وہم پرستی اور ریڈیو یا فون کے نام سے دشمنی نہ کوئی علمی کارنامہ ہے۔ نہ عقل و شعور کا تقاضا حضرات علماء ہی وسعت ظرف کے داعی ہیں۔ یہی توہمات میں مبتلا ہو جائیں تو عوام کا خدا حافظ۔ ان حالات میں پڑھے لکھے۔ اور باشعور حضرات ان توہم پرستوں کا اگر مذاق اڑائیں تو وہ حق بجانب ہیں۔ بریلوی حضرات سے تعجب نہیں۔ لیکن حضرات دیوبند کی یہ ریڈیو یا فون دشمنی میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

۳:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ الاضحیٰ یوم تضحون والفطر یوم تفطرون ترمذی۔ یعنی بادشاہ یا عامۃ المسلمین جب افطار کا فیصلہ کر لیں۔ یا عید منائیں۔ تو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے۔

حافظ مقدسی مغنی کی شرح میں فرماتے ہیں۔ وعنہ روایۃ ثالثۃ ان الناس تبع للامام فان صام صاموا وان افطر افطروا وھو قول الحسن ؒ ابن سیرین لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون۔ قیل معناہ ان الصوم والفطر مع الجماعۃ ومعظم الناس قال الترمذی حدیث حسن غریب ص۲ ج۱

لوگ اس معاملہ میں امام کے تابع ہیں۔ متذکرہ صدر حدیث کا یہی مطلب ہے۔ کہ عوام اور امیر المسلمین کے ساتھ اتفاق کرنا چاہیے اختلاف اور تفریق پیدا کرنے سے بچنا چاہیے۔

مقصد شارع حکیم کا یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس مسئلہ میں تفریق پسند ذہن اسلام کے مقاصد کے خلاف ہے۔ اگر عامۃ المسلمین روزہ رکھ لیں۔ تو تڑوانا درست نہیں۔ اگر عید سمجھ کر افطار کر لیں تو ان کو روزہ پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارے ہاں گوجرانوالہ کے ایک بریلوی مولوی صاحب نے کراچی کی صحیح اطلاع کے باوجود روزے تڑوا دیئے تھے۔ وہ اپنے ضمیر کی چوری اور اپنی غلط روش کو چھپانے کے لئے اشتہاروں کی بھرمار کر رہے ہیں۔ اور وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں کہ ایک صحیح اطلاع چونکہ ریڈیو یا فون کے ذریعہ سے آئی ہے، اس لئے چاند ہوا ہی نہیں۔ گویا ایک صحیح واقعہ اگر ان آلات کی معرفت معلوم ہو جائے۔ تو وہ واقعہ ہی نہیں ہوتا۔ اگر تار یا فون کی معرفت کسی کی موت یا پیدائش کی اطلاع آ جائے تو حضرت مولانا کے نزدیک یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ نہ کوئی مرا نہ کوئی پیدا ہوا۔ ایسے عقل مندوں کا خدا حافظ۔

عید اور وحدت ملت ۲۹ رمضان کے ریڈیو سے معلوم ہوا کہ ڈھاکہ میں چاند نظر نہیں آیا لیکن کمشنر صاحب مشرقی پاکستان نے وہاں بھی عید کا اعلان کر دیا۔ معلوم نہیں کیوں کیا گیا۔

بات یہ ہے کہ اختلاف مطلع ایک حقیقت ہے وحدت ملت کی دلیل صرف عید ہی کو تصور کرنا حقائق سے مطابقت نہیں۔ اگر ڈھاکہ میں عید اتوار کو ہو جاتی تو اس سے ملت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ موسمیات کے محکمہ ہی سے دریافت فرما لیجئے۔ اگر ڈھاکہ کا مطلع مغربی پاکستان سے مختلف ہے۔ تو ان لوگوں کو عید پر کیوں مجبور کیا جائے۔ کمشنر صاحب ہزاروں روزے تڑواتے یا نہ رکھنے کا گناہ اپنے ذمہ کیوں لیں۔ یہ نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً۔ محکمہ موسمیات اس فتویٰ دے سکتا ہے۔ مسلمان بحمداللہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سب کا ایک دن عید منانا ممکن ہی نہیں۔ اور نہ یہ وحدت شرعاً مطلوب ہے۔

حجاز، مصر اور شام میں عید جمعہ کو ہو تو وحدت ملت کو کچھ نقصان نہیں۔ ڈھاکہ میں چاند نظر نہ آئے کیونکہ ڈھاکہ میں اتوار کو ہو تو اس میں وحدت ملت کو کونسا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ وحدت ملت اس میں ہے کہ ملت کے احکام اور حدود کی صحیح پابندی کی جائے۔ دانشمندی یہ ہے کہ جب اتنی دور کے منطقہ میں چاند نظر نہیں آیا۔ تو معاملہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے طے شدہ مسائل کے خلاف پبلک سے کچھ کہنا حکومت کے وقار کا تقاضا نہیں۔

(الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۲۵)

محمد اسمٰعیل گوجرانوالہ

سوال :۔ رؤیت ہلال اگر ایک شہر میں ہو تو دیگر اہل امصار و بلاد کے لئے بھی اس کا اعتبار ہوگا یا خاص اسی شہر کے لئے کہ جہاں رؤیت ہوئی ہے، بصورت اول شہادت بذریعہ خبر تار برقی و خطوط و اخبار سابقی معتبر ہوگی یا نہیں۔ اور اس حالت میں شہادت قابل قبول کس طرح ہونی چاہیئے۔ و دوسری صورت میں جہاں رؤیت ہوئی ہے اس کے قریب و جوار کے امصار و قریٰ کے لئے وہ رؤیت قابل حجت ہوگی یا نہیں۔ اگر ہوگی تو کس قدر فاصلہ تک۔ یعنی جس شہر میں رؤیت ہوئی اس کے باہر اطراف میں کتنے فاصلہ تک وہ رؤیت معتبر سمجھی جاوے گی۔ بینوا توجروا۔

جواب :۔ ابن عباس کی حدیث کے موافق جو کہ کتب صحاح میں ہے۔ کہ ہر شہر والوں کا چاند دیکھنا معتبر ہے، و دور شہر جو ایک ماہ کی مسافت پر ہو اس شہر کے واسطے ان شہر والوں کی رؤیت معتبر نہیں ہے، اور شہر کے گرد و نواح والے سب اسی شہر کے حکم میں داخل ہیں۔ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد و نواح والوں کی شہادت سے روزہ رکھا اور افطار کیا۔ ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے کہ ان رکبا جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشھدون انھم رأوا الھلال بالامس فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم۔[1] شہروں کی رؤیت کے اختلاف کا حکم بسبب مختلف ہونے مطالع کے ہے، اور مطلع کے مختلف ہونے کی ادنیٰ مسافت تخمیناً ایک ماہ ہے۔ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے۔ کہ مطلع کے مختلف ہونے کی وجہ سے رؤیت میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔ اور صاحب تجرید نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور یہ بھی مشابہ حق کے ہے۔ اس لئے کہ جدا ہونا چاند کا شعاع شمس سے مختلف ہوتا ہے، بسبب مختلف ہونے اقطار کے جیسا کہ دخول وقت اور خروج وقت میں مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ علم افلاک اور علم ہیئت میں ثابت کیا گیا ہے، مطالع کے مختلف ہونے کے واسطے ادنیٰ ایک ماہ کی مسافت کے قدر ہے۔ انتہی کما فی الجواہر ملخصاً اور زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے

---

[1] کہ چند سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل چاند کو دیکھا ہے، آپ نے حکم دیا کہ افطار کریں۔ اور کل کو عیدگاہ کی طرف نکلیں۔

اکثر مشائخ اسی پر ہیں کہ مطالع کا مختلف ہونا اعتبار کیا جائے۔ لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعتبار کیا جائے۔ اس واسطے کہ ہر قوم اپنی طاقت کے موافق مکلف اور اس کے معتبر ہونے پر یہ دلیل ہے کہ کریب سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ام الفضل نے اس کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں ملک شام میں آیا۔ اور آپ کی حاجت کو پورا کیا۔ اور رمضان مبارک کا چاند طلوع قریب تھا اور میں اس وقت شام ہی میں تھا۔ پس میں نے جمعہ رات چاند دیکھا پھر میں رمضان کے آخر میں ابن عباس کی طرف مدینہ کو آیا۔ اور انہوں نے چاند کا ذکر کیا اور کہا کہ تم نے چاند کب دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہم نے جمعہ کی رات کو دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اور لوگوں نے بھی دیکھا۔ اور روزہ رکھا ہے۔ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روزہ رکھا۔ تو آپ نے فرمایا ہم نے تو ہفتہ کی رات کو دیکھا ہے۔ اور ہم تو روزے رکھتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے حساب سے تیس پورے ہو جاویں۔ اور یا ہم چاند کو دیکھ لیں۔ میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے پر کفایت نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا نہیں ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم کیا ہے۔ الغرض سے حنفیہ رویت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبر معتبر نہیں جانتے۔ مگر نصوص شرعیہ اور آثار صحابہ اسی پر دال ہیں کہ معتبر ہے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ قیصر وغیرہ سلاطین کو جو ابلاغ کیا وہ سب خط خطوط ہی کے ذریعہ سے تھا اور وہ بھی خطوط ہی کے ذریعہ سے جواب روانہ کرتے تھے۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور بڑے بڑے سلف صالحین اہل اسلام جو آپس میں استفتاء مسائل کرتے تھے۔ تو یہ سب بذریعہ خط و کتابت کرتے تھے۔ اور ان کے جواب بھی بذریعہ خطوط ہی جاتے تھے۔ اور یہ سب صاحب بغیر کسی شک و شبہ کے ان پر عمل بجا لاتے تھے۔ اگر خطوط وغیرہ کو اعتبار نہ دیا جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ابلاغ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے اور ان کے ساتھ ان کے جواب کے موافق کیوں معاملہ کیا جاتا تھا۔ اور جمیع اہل اسلام سلف و خلف سے کیوں فتویٰ مرسلہ پر عمل بجا لاتے تھے۔ اور تمام مصنفوں رحمۃ اللہ علیہم کی تصنیف متعددہ رسالوں اور کتابوں پر عمل کس طرح جائز ہو گا۔ اگر خط و کتابت کو اعتبار نہ کیا جائے۔

تو تمام دین کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ اگر اس کا اعتبار رد دیا جاتا تو آج اسلام ضائع ہو جاتا۔ کیونکہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہی نسخوں میں موجود ہے۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر کتب فقہ کا بھی اعتبار نہیں، اور اس کی تفصیل لکھنے کے دوسرے بڑی کتاب چاہیئے۔

(فتاویٰ غزنویہ جلد اول ص) | حررہ عبدالجبار بن الشیخ عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما |

سوال :- ہم دیہات میں رہتے ہیں، ۲۹ رمضان کو ابر ہو گیا نہ چاند دکھائی دیا۔ نہ کہیں سے اطلاع آئی کیونکہ یہاں رسل و رسائل کا کوئی ذریعہ نہیں ہم نے روزہ رکھ لیا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ آج کے روز عید ہوگی کیا ایسی صورت میں ہم گنہگار تو نہیں ہوئے۔

جواب :- نہیں آپ پر کوئی الزام نہیں حضور کا ارشاد ہے کہ ہر بستی کا مطلع اپنا اپنا ہے، کوئی کسی کا مکلف ہے ایسی سہولت بہم پہنچاتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۸ شمارہ ۳۵) (۱۰ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ)

سوال :- ہمارے امام مسجد اور چند مقتدیوں کا موقف ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہیے شرعی نقطہ نظر کیا ہے ؟

جواب :- حدیث میں ہے چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ اگر ایک آدمی چاند دیکھ لے تو روزہ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے، اگر باہر سے خبر آئے تو پھر بھی روزہ رکھنا چاہیئے۔ بشرطیکہ مطلع ایک ہی ہو مطلع ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہاں ایک شہر میں چاند دیکھا گیا ہے، تو اس شہر سے ہمارا اتنا فاصلہ نہ ہو کہ اس وقت ہمارے ہاں چاند غائب ہو جائے گا۔ مثلاً اگر مغربی شہر والوں نے چاند دیکھا ہے۔ اور مغربی شہر اور مشرقی شہر میں اتنا فاصلہ ہے کہ اس وقت ابھی مشرقی افق پر چاند ہو سکتا ہے، تو مطلع ایک ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ کراچی میں چاند دیکھا گیا۔ لاہور اور کراچی میں فرق تقریباً آدھ گھنٹہ

کا ہے۔ یعنی کراچی میں آدھ گھنٹہ بعد سورج غروب ہوتا ہے۔ اب اگر چاند سورج غروب ہوتے کے بعد آدھ گھنٹہ سے زائد عرصہ کراچی میں رہے تو اس صورت میں لاہور اور کراچی کا مطلع ایک ہوگا۔ (اخبار اہل حدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۳۶ ۱۱ رجب ۱۳۹۰ھ)

حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی

سوال:۔ ہلال کمیٹی کے اراکین میں کون کون سے علماء شامل ہیں اور کون کون سے مسلک سے وابستہ ہیں شرعی نقطہ نظر سے ان کا فیصلہ ہمارے لئے قابل قبول ہے، آیا عید کرنے میں بھی ان کے فیصلہ کو قبول کر لینا چاہیئے۔ ہمارے امام مسجد صاحب فرماتے ہیں کہ ہلال کمیٹی حکومت کے ماتحت فیصلہ کرتی ہے، ہمارے لئے ان کا فیصلہ قابل حجت نہیں، ہمیں حدیث پر عمل کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ ہلال کمیٹی میں علمائے حنفیہ ہیں۔ ان میں غیر عالم بھی ہیں، اگر شک ہو تو ٹیلیفون کے ذریعہ تحقیق کر سکتے ہیں۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۲ شمارہ ۳۶)

سوال (۱):۔ اگر رویت ہلال کا اعلان ریڈیو سے سنا جائے اور چاند ریڈیو پر سنائی دینے والے مقام پر کسی نے نہ دیکھا ہو تو اس ریڈیو کی خبر پر رویت ہلال مان لینا چاہیئے یا نہیں؟۔

(۲):۔ اگر ایک جگہ چاند نظر نہ آیا تو وہاں کتنی دور تک کی شہادت قابل قبول ہوگی؟۔

(۳):۔ اگر ایک جگہ چاند نظر نہ آیا تو وہاں کے لوگوں کی شہادت حاصل کرنے کے لئے کتنی دور تک جانا چاہیئے۔؟

(۴):۔ تار اور ٹیلیفون کی اطلاع مانی جائے یا نہیں۔ اگر مانی جائے تو کتنی دور تک مانی جائے؟

(۵):۔ اگر چاند پشاور، لاہور، کراچی، ڈھاکہ، حیدرآباد (سندھ) میں نظر آجائے تو سکھر والوں کے لئے وہاں کی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں واضح رہے کہ حیدرآباد سکھر سے قریباً ۲۰۰ میل ہے؟۔

جوابات:۔ (۱) رؤیت ہلال کمیٹی اگر معتبر علماء پر مشتمل ہو جن کی بات پر وثوق کیا جا سکتا ہو اور ریڈیو میں ان کی بات الفاظ ہو سکتی ہے تو اس صورت میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار کر کے روزے رکھنے چاہیئے۔ امسال اگرچہ پہلی رمضان میں مغربی پاکستان میں صرف کراچی کی خبر پر ریڈیو نے اعتماد کیا ہے، مگر بعد میں پتہ چلا ہے کہ فرداً فرداً بہت جگہ چاند دیکھا گیا ہے۔ لہٰذا جمعہ کا پہلا روزہ ہے۔

(۲-۳):۔ اگر رؤیت کے مقام اور دوسری جگہ۔ جہاں چاند نظر نہیں کا مطلع ایک ہو تو چاند کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ ایک مطلع ہونے کی صورت میں وہاں چاند نظر نہیں آیا۔ بھی چاند موجود تھا مگر کسی وجہ سے نظر نہیں آیا۔

(۴):۔ اگر خبر دینے والا قابل وثوق ہو۔ اور یقین ہو کہ خبر اسی نے دی ہے تو اطلاع مان لینی چاہیئے۔ اگر مطلع کریں۔ ورنہ نہیں۔

(۵):۔ اگر چاند لاہور، پشاور، کراچی دیکھا جائے تو حیدر آباد سندھ کے لئے ان کی شہادت قابل قبول ہوگی۔ کیونکہ مطلع ایک ہی ہے۔

محمد گوندلوی گوجرانوالہ　(اخبار الاعتصام ۵-۲۰ ش ۲۴، ۲۰ شوال ۱۳۸۷ھ)

ایک ملک کی دوسرے ملک کے لئے رؤیت

سوال:۔ بمبئی میں چاند کی رؤیت ہمارے اہل پنجاب کے لئے کافی ہے؟

جواب:۔ ایک روایت میں ہے: عن کریب ان ام الفضل بعثته الی معاویة بالشام فقال قدمت فقضیت حاجتها واستهل علی رمضان وانا بالشام فرأیت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر فسألنی عبد الله بن عباس ثم ذکر الهلال فقال متی رأیتم الهلال فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال انت رأیته فقلت نعم ورآه الناس وصاموا وصام معاویة فقال لکنا رأیناه لیلة السبت فلا نزال نصوم حتی نکمل ثلثین او نراه فقلت الا تکتفی برؤیة معاویة وصیامه فقال لا هکذا امرنا رسول الله ﷺ رواه الجما...... عة الا البخاری

یعنی کریبؓ سے روایت ہے کہ ام الفضلؓ نے مجھے معاویہ کی طرف ملک شام میں بھیجا۔ میں نے

ام الفضل رض کا کام کیا۔ رمضان کا چاند مجھے شام ہی میں چڑھ گیا۔ جمعرات کو میں نے خود دیکھا پھر آخر رمضان مدینہ میں آیا۔ ابن عباس رض نے مجھ سے وہاں کا حال پوچھا پھر چاند کا ذکر کیا۔ میں نے کہا کہ ہم نے چاند جمعرات کو دیکھا ہے۔ فرمایا تو نے خود دیکھا ہے۔ کہا میں نے بھی اور دوسرے لوگوں نے بھی دیکھا ہے اور سب نے روزہ رکھا۔ اور معاویہ رض نے بھی روزہ رکھا۔ فرمایا ہم نے تو جمعہ کی رات کو دیکھا ہے، ہم اسی طرح روزے رکھتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ تیس کی گنتی پوری ہو جائے یا چاند اس سے پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا کیا آپ معاویہ رض کی رؤیت اور ان کے روزہ کے ساتھ کفایت نہیں کرتے کہا نہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح حکم دیا ہے۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں ان لوگوں پر رد کرتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ ابن عباس رض نے کریب رض کی خبر پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ ان کے نزدیک ایک شہادت معتبر نہیں، فرماتے ہیں لیکن ظاہر حدیث

انہ یحکم ھذا ادا تمارہ لان الرؤیۃ لا یثبت حکمھا فی حق البعید۔

یعنی ابن عباس رض کی حدیث کا ظاہر اس طرف جاتا ہے کہ ایک شہادت ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے رد کیا کہ دور والوں کے حق میں حکم رؤیت ثابت نہیں ہوتا۔

امام نووی نے جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے، کیونکہ کریب نے جب کہا کہ آپ معاویہ رض کی رؤیت پر اعتبار نہیں کرتے تو ابن عباس رض نے فرمایا نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی طرح فرمایا ہے۔ معاویہ رض چونکہ شام میں تھے۔ تو اس کا مطلب یہی بنا کہ دور والے کی شہادت معتبر نہیں تو یوں کہئے کہ معاویہ رض کی شہادت تو معتبر ہے لیکن ذریعہ پہنچنے کا صرف ایک ہے اس لئے معاویہ رض کی شہادت اور دیگر لوگوں کی شہادت درحقیقت تیری شہادت ہے۔ جو اکیلے کی شہادت ہے، نیز ہلال رمضان کے لئے ایک شہادت معتبر ہے، اور خود ابن عباس رض اس حدیث کے راوی ہیں۔ چنانچہ اوپر جو اعرابی کی حدیث گذر چکی ہے جس میں اعرابی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اتشہد ان لا الہ الا اللہ وہ ابن عباس ہی کی حدیث ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابن عباس کے رد کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایک کی شہادت تھی۔ بلکہ دور کی شہادت تھی۔ اس لئے رد کر دی پھر اس کی نسبت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کی۔ پس یہ مسئلہ پختہ ہو گیا۔ کہ دور کی رؤیت کافی نہیں۔

[illegible] کی مد کیا ہے. بعض نے کہا کہ اختلاف مطلع کا اعتبار ہے. مگر امام [illegible] الاوطار میں کہا ہے کہ شام اور مدینہ کے مطلع میں اختلاف نہیں۔ تو اختلاف مطلع کا قول ٹھیک نہیں بعض نے کچھ اور کہا ہے۔ مگر راجح یہ ہے کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک پر حجت کافی نہیں۔ کیونکہ شام دوسرا ملک ہے، ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس نے دوسرا ملک ہونے کی وجہ سے اعتبار نہیں کیا۔ نیز اوپر جو حدیث گذر چکی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواروں کے آنے کا ذکر ہے، اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ جس دن سواروں نے چاند دیکھا اُس سے اگلے دن آخر حصہ میں آئے ہیں۔ اور ظاہر کہ ایسے معاملہ میں عموماً تاخیر نہیں کی جاتی بلکہ خبر پہنچانے میں جلدی کی جاتی ہے۔ اور اہل عوالی جو مدینہ سے اوپر کی طرف آباد تھے۔ اکثر جمعہ عید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھا کرتے تھے۔ اور کئی ان سے مدینہ سے آٹھ آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھے۔ اگر اس حد میں یا اس کے قریب اردگرد چاند دیکھا جاتا تو ان کے آنے میں اتنی تاخیر نہ ہوتی کہ چاند دیکھنے کے دوسرے دن آخر حصہ دن میں پہنچتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاصی دور سے آئے تھے۔ پھر ان کا سوار ہونا بھی اس کا مؤید ہے۔ پس جب باوجود خاصی دور سے آنے کے ان کی شہادت مان لی تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دور والے کی شہادت مطلقاً معتبر نہیں۔ خواہ تھوڑی دور ہو یا زیادہ دور ہو تو آخر یہی بات ٹھہری کہ ایک ملک کی شہادت دوسرے ملک والوں کے لئے معتبر نہیں۔ جیسے شام دوسرا ملک تھا۔ ابن عباسؓ نے ان کی رؤیت مدینہ والوں کے لئے کافی نہ سمجھی۔ رہا سرحدوں کا معاملہ تو بسبب قریب کے وہ ایک ہی ہیں۔ رہا جب ایک جگہ دوسری جگہ سے اتنی دور ہو کہ رؤیت ہلال میں فرق پڑ سکتا ہو تو اس صورت میں ایک جگہ کی رؤیت کا دوسری جگہ اعتبار نہیں ہوگا۔ بمبئی سے یہاں کے مطلع کا کافی فرق ہے، اور بمبئی کا علاقہ ملک بھی دوسرا ہے، اس لئے بمبئی کی رؤیت سے ہم پر روزہ ضروری نہیں بلکہ مناسب بھی نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۵۱۵)

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال:۔ کتنے گواہ ہوں کہ روزہ کے بارہ میں ان کی رؤیت کا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے:۔

(۱)۔ عن ابن عباسؓ قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی رأیت الہلال یعنی ہلال رمضان فقال أتشہد أن لا إلہ إلا اللہ قال نعم قال أتشہد أن محمدا رسول اللہ قال نعم قال یا بلال أذن فی الناس أن یصوموا غدا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی مشکوٰۃ۔

یعنی ایک اعرابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ کہا میں نے چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان) کا چاند آپ نے فرمایا کہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں اس نے کہا ہاں۔ کہا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اس نے کہا۔ ہاں آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردے کہ کل روزہ رکھیں۔

(۲)۔ عن ابن عمرؓ قال تراءی الناس الہلال فاخبرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انی رأیتہ فصام وامر الناس بصیامہ رواہ ابوداؤد والدارمی۔ مشکوٰۃ۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا لوگ چاند دیکھنے لگے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے بھی چاند دیکھا ہے۔ میری خبر پر آپ نے خود بھی روزہ رکھا۔ اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

(۳)۔ عن ربعی بن حراش عن رجل من اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشہدا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم باللہ لأہلا الہلال امس عشیۃ فامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الناس ان یفطروا رواہ ابوداؤد وزاد فی روایۃ وان یغدوا الی مصلاہم۔ منتقی الاخبار۔

یعنی اخیر رمضان میں عید کے چاند میں لوگوں کا اختلاف ہوا۔
پس دو اعرابی آئے۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہم نے کل چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں۔ اور صبح عیدگاہ کی طرف نکلیں۔

(۴) ۔ عن عبدالرحمن بن زید بن الخطاب انہ خطب فی الیوم الذی شک فیہ فقال الا انی جالست اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسألتہم وانہم حدثونی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ وانسکوا لہا فان غم علیکم فاتموا ثلاثین یوما فان شہد شاہدان مسلمان فصوموا وافطروا ۔ رواہ احمد ورواہ النسائی ولم یقل فیہ مسلمان ۔

عبدالرحمن بن زید نے اس دن خطبہ پڑھا ۔ جس میں لوگوں کو شک ہوگیا ، فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی مجالس کی ہے ، اور ان سے سوال جواب کیا ہے ۔ انہوں نے مجھے حدیث سنائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو ۔ اور دیکھ کر افطار کرو ۔ اور اس کی رویت کے مطیع رہو ۔ اگر چاند پوشیدہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو ۔ اگر دو مسلمان اس کی رویت کی گواہی دیں تو ان کی شہادت سے روزے رکھو اور افطار کرو ۔ اس کو احمد نے روایت کیا ہے ، اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے مگر اس میں مسلمان کا لفظ نہیں ہے ۔

(۵) ۔ عن امیر مکۃ الحارث بن حاطب قال عہد الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ننسک للرؤیۃ فان لم نرہ وشہد شاہدا عدل نسکنا بشہادتہما ۔ رواہ ابوداؤد والدارقطنی وقال ہذا اسناد متصل صحیح ۔ منتقی الاخبار ۔

یعنی امیر مکہ حارث بن حاطب سے روایت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت کی کہ رویت کے مطیع رہیں ، اگر چاند نظر نہ آئے تو دو عادل شخصوں کی گواہی پر عمل کریں ۔

عید اور روزہ کے چاند میں فرق

ان روایتوں سے کئی مسائل معلوم ہوئے ۔ ایک یہ کہ رمضان کے چاند اور عید کے چاند میں فرق ہے ، عید کے چاند کے لئے دو کی شہادت ہونی چاہئے ۔ رمضان کے لئے ایک کی شہادت کافی ہے ۔

۴ کی حدیث میں اگرچہ دو کی شہادت کا ذکر ہے ، لیکن ۱ اور ۲ کی احادیث میں چونکہ ایک کی شہادت بھی آگئی ہے ، اس لئے ایک بھی کافی ہے ۔

اگر عید کے چاند کے لئے بھی کسی روایت میں ایک کی شہادت آجاتی تو اس پر بھی عمل کیا جاتا ہوتا مگر جہاں تک ہمیں علم ہے، کوئی ایسی روایت نہیں آئی۔ نیز عبادت ایک بوجھ ہے، اس کی شہادت میں کوئی خوش نہیں کہ شبہ کا احتمال ہو بخلاف عید کے چاند کے کہ عید ہونے کی وجہ سے اس میں شبہ ہے، اس لئے شہادت میں دو کا عدد مناسب ہے۔

مسلمان کی شہادت

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ شہادت مسلمان کی معتبر ہے، غیر مسلم کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ نیز عادل ہونا بھی شرط ہے۔

تار برقی اور ٹیلیفون

اور اسی سے تار برقی اور ٹیلیفون کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ ٹیلیفون کے ذریعہ بات کرنے والا اگر مسلمان ہے، شرع کا پابند ہے۔ تو اس کی شہادت معتبر ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور تار برقی کی خبر میں چونکہ کئی واسطے پڑتے ہیں۔ جن کا علم نہیں ہوتا کہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اگر مسلمان ہے تو عادل۔ شریعت کا پابند ہے۔ یا نہیں۔ اس لئے اس کا مطلقاً اعتبار نہیں۔ ہاں اگر تاروں کے ذریعہ سے خبر پہنچے جو حد تواتر کو پہنچ جائیں۔ تو اس وقت واسطہ خواہ کیسا ہی ہو۔ خبر معتبر ہوگی۔

کیونکہ تواتر میں واسطے کے حال کو نہیں دیکھا جاتا۔ چنانچہ اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے، اور تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں بلکہ جتنے عدد سے علم یقین ہو جائے وہی تواتر ہوگا۔ سو کسی جگہ زیادہ تعداد سے یقین ہوتا ہے، کسی جگہ تھوڑی تعداد سے۔ سو جتنی تاروں کے ذریعہ سے علم یقینی ہو جائے۔ شبہ اور احتمال کی گنجائش نہ رہے۔ اتنی تعداد کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ اور تعداد سے مراد یہ ہے کہ متعدد جگہ سے متعدد شخص تار دیں۔ نہ یہ کہ ایک ہی شخص بار بار تار دے۔ ان احادیث سے ایک

سلہ حافظ صاحب مرحوم نے غیر مسلم کی شہادت میں حد تواتر کی قید لگائی ہے۔ اور مولانا محمد اسمٰعیل سلفی گوجرانوالہ نے تار اور ٹیلیفون میں قرائن سے درجہ یقین حاصل ہونے کی شرط لگائی ہے۔ مطلب دونوں کا ایک (سعیدی)

بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر چاند نظر نہ آئے نہ کوئی شہادت ہو تو تیس کی تعداد پوری کر لینی چاہیئے اگر کوئی ایسی شہادت گذرے جو شرعاً معتبر نہیں۔ تو ایسے موقع پر شہادت دینے والا خواہ واقعہ میں سچا ہے اس کو اپنی رؤیت پر عمل نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ باقی لوگوں سے موافقت کرے جس دن وہ روزہ رکھیں اس دن روزہ رکھے جس دن افطار کریں، اس دن افطار کرے۔ بلکہ عیدالاضحیٰ کا بھی یہی حکم ہے۔

حدیث میں ہے۔ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحیٰ یوم تضحون (ترمذی)

یعنی روزہ کا دن وہی ہے، جس دن تم روزہ رکھو۔ اور افطاری کا دن وہی ہے، جس دن تم افطار کرو۔ اور قربانی کا دن وہی ہے، جس دن تم قربانی کرو۔

ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر پہلے دن عید کی نماز کا موقعہ نہ ہو اور رؤیت ہلال کی خبر دیر سے ملی تو عید دوسرے روز بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے (۱۲) کی حدیث میں جملہ واں یغدوا الی مصلاھم سے ظاہر ہے یہ جملہ اگرچہ صریح نہیں۔ مگر مسئلہ درست ہے، کیونکہ اس کی بابت ایک صریح روایت بھی آئی ہے، مشکوٰۃ میں ہے۔

ان رکبا جاؤا الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم یشہدون انھم راؤا الہلال بالامس فامرھم ان یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاھم رواہ ابوداؤد والنسائی۔

یعنی کئی سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے عید کا چاند دیکھا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور جب صبح کریں تو عید گاہ کی طرف نکلیں۔ اس حدیث میں عید کا دوسرے دن پڑھنا صراحتہً مذکور ہے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ وہ سوار کس وقت آئے تھے۔ نہ یہ صریح کہ یہ حکم سب لوگوں کو تھا یا صرف سواروں کو تھا۔ منتقیٰ میں ایک اور روایت آئی ہے۔ اس میں ذکر ہے کہ سوار دن کے اخیر حصہ میں آئے، اور اس بات کی بھی تصریح ہے کہ لوگوں کو حکم دیا۔ وہ حدیث یہ ہے کہ عمیر بن انس اپنے کئی چچوں سے روایت کرتے ہیں کہ عید کا چاند ہم پر مشتبہ ہو گیا۔ صبح کو ہم نے روزہ رکھا۔ پس آخر حصہ دن میں کئی سوار آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گواہی دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے افطار کا حکم دیا، اور فرمایا کل عید کیلئے نکلیں (فتاویٰ اہل حدیث روپڑی جلد ثانی)

آج کل بعض تجدید پسند حضرات کی طرف سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے کہ چاند کا مسئلہ رؤیت کے بجائے فلکی حساب سے حل کیا جائے، تاکہ عید و رمضان میں وحدت پیدا ہو سکے۔ ہم اس رجحان اور ذہن کی تردید شرعی نقطہ نظر سے الاعتصام میں متعدد مرتبہ کر چکے ہیں۔ حال ہی میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے آرگن ماہنامہ فکر و نظر (شمارہ ستمبر) میں بھی اس سلسلے میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب کا ایک نہایت فاضلانہ اور مدلل مضمون شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے مسئلے کو خوب حل کیا ہے، اللہ تعالیٰ فاضل مضمون نگار کو جزائے خیر دے ہم مذکورہ رسالے کے شکریے کے ساتھ افادہ عام کی غرض سے یہ فاضلانہ مضمون الاعتصام میں شائع کر رہے ہیں، امید ہے کہ قارئین دلچسپی اور غور سے پڑھیں گے، اور تشکیک پسند متجددین اس کی روشنی میں اپنے ذہنوں کو یکسو کر سکیں گے۔ (مولانا عبدالقدوس صاحب ہاشمی مہتمم کتب خانہ ادارہ تحقیقات اسلامی)

قمری مہینوں کے لئے ابتداء کی تعیین کا مسئلہ ایک مدت سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ رمضان شریف کی ابتداء عید الفطر کے دن کی تعیین اور حج کی تاریخ کا متعین کرنا ایک مسئلہ ہے جس پر بڑی مدت سے بحث ہو رہی ہے، بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کو اسی طرح قائم رکھا جائے جیسے عہد رسالت سے اب تک قائم ہے، اور بعض یہ چاہتے ہیں کہ اس کے لئے ایک دوامی کیلنڈر شمسی مہینوں کی طرح بنایا جائے، اس طرح ایک ہی وقت میں ہر جگہ رمضان شروع ہو گا۔ ایک ہی دن سب جگہ عید ہوا کرے گی، اور یہ بات ختم ہو جائے گی۔ کہ مختلف ملکوں بلکہ مختلف شہروں یا ایک ہی شہر کے مختلف حصوں میں رمضان کی ابتداء مختلف دنوں میں ہے، اور عید کی نماز مختلف دنوں میں ادا کی جائے۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بڑا قدیم مسئلہ ہے، تیسری صدی ہجری سے اس کی بار بار کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ اور قوت و سلطنت کے بل بوتے پر فاطمی خلفاء مصر نے ایک ایسا کیلنڈر بنا بھی لیا تھا۔ جو اب تک ان لوگوں میں جاری ہے، جو ان خلفاء کو مذہبی پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کا درجہ دیتے ہیں۔ سائنس فلکیات میں علم انسانی کی جدید ترقیاں بہت ہی قابل قدر ہیں۔

اور یقیناً بہت سی باتیں جواب ہمیں معلوم نہیں۔ پہلے معلوم نہ تھیں۔ لیکن اس سے یہ قیاس کرلینا صحیح نہیں ہے کہ منازل قمر اور چاند کی زمین کے گرد گردش بھی آج معلوم ہوئی ہیں۔ چاند کی زمین کے گرد گردش اور منازل قمر کے حسابات ہجری تاریخ کی تعین سے ہزاروں سال پہلے بابلی تمدن کے زمانہ ہی میں انسانوں نے معلوم کر لئے تھے۔ اور بالکل صحیح طور پر حساب لگا لیا گیا تھا۔ کہ چاند کب شروع ہوتا ہے، کب دکھائی دیتا ہے، اور کب محاق میں آکر ناقابل دید ہو جاتا ہے۔ ہندوستانی ماہر فلکیات نے بھی بابل کے بعد اس پر قابل قدر کام کیا تھا۔ اور پیدائش قمر، ظہور قمر، بجتر، محاق وغیرہ کا صحیح حساب لگا لیا تھا۔ قرآن مجید کے نزول تقریباً ۔۲۰۱۔۲۲۰ سے ہزاروں ہی سال پہلے سے انسانی علم پیدائش قمر ظہور قمر (چندرماں ودوج) اور منازل قمر وغیرہ کی تعیین کر چکا تھا۔ قرآن مجید میں بھی منازل قمر کا ذکر سورہ یونس کی پانچویں آیت میں موجود ہے۔ عہد صحابہؓ کے مسلمان بھی اس سے بالکل ناواقف نہ تھے۔ اس کا ثبوت بھی قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے مل جاتا ہے۔ اور جاہلی اشعار و ضرب الامثال سے بھی اس کا پتہ لگتا ہے، غرض یہ کہ اب تک جو یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ تو اس کی وجہ چاند طلوع و غروب سے متعلق انسانی علم کا فقدان نہ تھا آج کے اتنا نہ سہی لیکن اس قدر علم انسان حاصل کر چکا تھا۔ کہ وہ حساب کے ذریعہ اس کی تعیین کر سکتا تھا۔ اور مسلمان ماہرین نے عملاً مختلف اوقات میں اس کے لئے ڈائیگرام جنتریاں بھی۔ مگر رمضان و عید کے لئے ان کو عام طور پر قبول نہ کیا جا سکا۔ اس کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ ہم اس جگہ ان میں سے چند اسباب کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ ضروری ہے یا کم از کم یہ کوئی بڑا ہی اہم اور مفید کام ہو گا کہ ساری دنیا میں رمضان ایک ہی وقت میں شروع کیا جائے۔ اور عید الفطر ایک ہی وقت میں ہوا کرے۔

اس سوال کے جواب میں ہمیشہ یہ کہا گیا ہے۔ اور آج بھی یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ محض طلا ذ فنداور بال پٹ ہے، نہ یہ ممکن ہے، اور نہ اس سے کوئی مزید معمولی فائدہ حاصل ہو گا۔ رمضان کے روزے اور عید الفطر کی نماز عبادت ہے، اور عبادات میں وقت کی تعیین مقامی طلوع و غروب کے مطابق ہوتی ہے۔ نہ مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہے، اور نہ لیسا مفید

اور نہ دوسرے مذاہب والوں کے لئے نہ قمری کیلنڈر سے یہ ہو سکتا ہے اور نہ شمسی کیلنڈر سے طلوع و غروب کا فرق مختلف مقامات کے مابین بالکل واضح اور صریحاً جیسی ہے مکہ مکرمہ ہمارے مسلمانوں کا مرکزی شہر ہے لیکن جس وقت وہاں صبح کی نماز ہوتی ہے اس وقت جکارتہ (انڈونیشیا) کے مسلمان صبح کی نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ جکارتہ میں اس وقت آفتاب کافی بلند ہو چکا ہے اور سان فرانسسکو کے مسلمان تو شاید عشاء کی نماز سے بھی فارغ نہ ہو چکے ہوں گے۔ اور تو اور مسلمانوں کے دو مقدس ترین شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ہیں جو صرف ۲۴۷ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ صبح کی اذان ایک ہی وقت میں نہیں ہوتی اور نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی تقریب عشائے ربانی جس وقت شہر کینبرا میں منعقد ہوتی ہے، اسی وقت لندن یا ڈبلن میں نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے، کیپ ٹاؤن کے عیسائی جس وقت کرسمس کی عبادت کے لئے گرجاؤں میں جمع ہوتے ہیں۔ سان فرانسسکو یا وینز ویلا کے عیسائی نہیں جمع ہوتے، اور نہیں ہو سکتے۔ کسی نقشہ عالم میں دیکھ لیجئے۔ ۱۸۰ درجہ کے خط عرض البلد سے ایک طرف اتوار اور دوسری طرف پیر (سوموار) لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے، طلوع و غروب کے فرق سے دو مقامات کے اوقات میں بارہ گھنٹے تک اختلاف ہو جاتا ہے،

بالکل یہی حال دوسری قوموں کی عبادت کا ہے، بنارس کا ایک ہندو جس وقت شنکرات کا اپاس شروع کرتا ہے، ڈربن یا کیپ ٹاؤن میں رہنے والا ہندو ٹھیک اسی وقت اوپاس نہیں شروع کر سکتا۔ یہودی تو بہت ہی سخت تنظیم رکھنے والی قوم ہے، اور حساب کتاب بھی اس کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن اس کے باوجود یہ کبھی نہیں ہوتا۔ اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ صوم کپور کی ابتداء ہر ملک کا یہودی تل ابیب کے وقت کے مطابق کر سکے کیونکہ مطالع کا فرق اس کی اجازت نہیں دیتا نہ صومعات میں عبادتیں ایک وقت میں ہوتی ہیں۔ اور نہ صوم کپور اور فسح ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔

دنیا کی اس صورت حال پر غور کرنے کے بعد سوچئے کہ ہماری یہ تمنا کہ ہماری نمازیں سب جگہ ایک ہی وقت میں ہوں، اور ہمارے روزے سب جگہوں میں ایک وقت شروع

ہو جاتی ہیں۔ کیسی معصوم طفلانہ تمنا نظر آتی ہے۔ اس تمنا کو کیا نام دیا جائے۔

اب ذرا دوسری طرف غور کیجئے۔ کیا ساری دنیا کے مسلمانوں کو رمضان وعید کے لیے ایک ہی کیلنڈر دے کر بلکہ ایک ہی نظام اوقات دے کر اور مطالع کے اختلافات کو نظر انداز کرکے ہم کوئی بڑی مفید خدمت انجام دیں گے۔ اور کسی بہت ہی مضر نقص کی تکمیل کردیں گے۔ کیسے؟ رمضان کے روزے ۲ ہجری میں فرض ہوئے تھے، اور پہلی نماز عید ۲ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ کے ایک میدان میں ادا کی گئی تھی۔ چند سال تک تو مسلمان صرف مدینہ منورہ ہی میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کے ظہور حسی کے بموجب رمضان وعید کیا کرتے تھے، اس کے بعد عرب کے متعدد قبائل مسلمان ہو گئے اور وہ سب اپنی اپنی جگہ پر مقامی مطلع کے بموجب چاند دیکھ کر رمضان اور عید کیا کرتے تھے۔ اور ان میں اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ کہیں رمضان یکشنبہ کو شروع ہوتا۔ اور کہیں دوشنبہ کو۔ کہیں عید سہ شنبہ کو ہوتی اور کہیں دوشنبہ کو۔ اس زمانہ سے اب تک ہم ۱۳۹۲ رمضان اور عید کر چکے ہیں۔ اور یہی سادہ سا طریقہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرنے کا اور چاند دیکھ کر عید کرنے کا رائج رہا ہے۔ کوئی بتا سکتا ہے، کہ اس کی وجہ سے تفریق کلمۃ المسلمین یا اور کوئی مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں۔ آخر وہ کون سا معاذ اللہ نقص ہے، جس کی تکمیل کے لئے یہ بے تابی اور جگر کا وہی ہو رہی ہے، خود عہد رسالت میں ۱۰ ہجری میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے چاند میں اختلاف رویت ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں حجۃ الوداع میں قیام عرفہ جمعہ کے دن واقع ہوا۔ حالانکہ مدینہ منورہ میں ۹ ذی الحجہ شنبہ کے دن تھا۔ آخر اس سے خرابی کیا واقع ہوئی۔ حج ایک عبادت ہے، جس کا تمام تر تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے قریب واقع ہونے والے منیٰ۔ مزدلفہ اور عرفات سے ہے، اس میں مکہ کے مقامی مطلع کو معتبر سمجھا گیا اور ہمیشہ کے لئے مکہ کا مقامی طلوع وغروب ہی معتبر سمجھا جا رہا ہے عقلاً وعملاً ایسا ہی ہونا چاہیے اور یہی ہوا۔

اب آج اگر کوئی یہ کہے کہ طنجہ میں صبح ہوتی ہی نہیں جب حجاج عرفات میں پہنچ جاتے

ہیں، اور مراکش میں غروب آفتاب کو گھنٹوں باقی رہتا ہے جب حاجی عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس لئے کسی حاجی کا حج صحیح نہیں ہوتا۔ تو اس آدمی کی عقل و دانش کو کیا کہیں گے؟ یا کوئی یہ سوچے کہ جب حاجی عرفات میں پہنچتے ہیں۔ اس وقت انڈونیشیا کے جزیرہ تیمور میں نہ صرف زوال آفتاب ہو چکا ہے۔ بلکہ ظہر کا وقت بھی ختم کے قریب ہوتا ہے اور عرفات میں جب ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ اس وقت مشرقی جزائر میں رات ہوتی ہے۔ اس وجہ سے امت اسلامیہ کی یک جہتی اور اتفاق میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس دانشور کی دانش وری کے سوا کوئی اور کیا کر سکتا ہے۔

یہ کیسی دانشوری اور جدت پسندی ہے، کہ ایک بے فائدہ اور محض طفلانہ ضد کی تکمیل کے لئے ہم قدرت کے بنائے ہوئے نظام سے ٹکر لیں، اور منہ کی کھائیں۔ روزے اور عید کسی ایک مقام سے متعلق عبادتیں نہیں ہیں۔ یہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اور ساری دنیا میں مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ اور عید الفطر کے دوگانے ادا کرتے ہیں۔ اب اگر ہم رصدگاہوں کی اطلاع سے اور حسابی تاریخ کے رو سے ایک وقت مقرر کریں گے۔ تو کیا یہ خود عمل ایک بہت بڑے اختلاف کا دروازہ نہیں کھول دے گا۔ بلکہ عبادات میں بے جا دخل اندازی کی راہ نہیں ہموار کریگا۔

ذرا سوچئے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوگا۔ کہ ہم اس طرح امت مسلمہ کی خدمت انجام دینے کی بجائے اس کو نقصان پہنچانے کا سبب بن جائیں گے۔ ایک ملک میں بلکہ ایک ہی شہر میں بھی اگر دو عیدیں ہو جائیں، تو بُرا سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن صرف یہ ظاہر بُرا معلوم ہوتا ہے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اور نہ آج تک کوئی نقصان پہنچا ہے۔

اگر اس بدنمائی کو ختم کرنے ہی کا عزم ہے، تو ہر شہر اور ہر ضلع میں رویت ہلال کا مناسب اور قابل اعتماد انتظام کافی ہے، وہ بھی اس حد تک کہ مقامی طور رویت ہلال کی شہادت مہیا کی جائے۔ اور اس شہادت کو اگر وہ قابل قبول ہو بنیاد بنا کر اس شہر یا ضلع میں رمضان و عید کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں کہ طہران میں رویت ہلال کی

شہادت پشاور والوں کو رمضان کی ابتداء کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور نوشکی کی شہادت پر عید کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ مملکتوں کے سیاسی حدود طلوع و غروب کے تعلق نہیں ہیں زاہدان سے نوشکی کا فاصلہ طہران سے زاہدان کے فاصلے سے بہت کم ہے، رمضان اور عید کسی مملکت کے انتظامی امور نہیں کہ اس میں حدود مملکت کو معتبر قرار دیا جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر رمضان کے روزے پشاور میں چہارشنبہ ۱۸ ستمبر کو شروع ہو جائیں، اور کراچی میں پنجشنبہ ۱۹ ستمبر کو شروع ہوں۔ نہ اس سے کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے، اور نہ اس سے کسی نقصان کا اندیشہ ہے، اس لئے سب جگہ کے لئے ایک وقت میں رمضان و عید شروع کرانے کی ہر کوشش کو فوراً ختم کر دینا چاہیئے۔ مسلمانوں کے باہم مل کر کرنے کے اور بہت سے کام ہیں جن کی طرف توجہ مبذول ہونی چاہیئے۔ اس غیر عاقلانہ اور غیر دانشورانہ کام میں وقت اور توانائی کے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے،

۲۔ شریعت اسلامی کے بموجب شہر رمضان کسے کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔

(سورہ بقرہ آیت ۱۸۵) قرآن ہدایت ہے، ہدایت اور امتیاز کی تین دلیلیں ہیں۔ تو جو تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو اسے چاہیئے کہ اس ماہ کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی روزے دوسرے دنوں میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، اور نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی ہو۔ ـ چاہیئے کہ اتنی ہی گنتی پوری کرو، اور اللہ تعالیٰ نے تم کو جو ہدایت دی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ اور تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ۔ اس آیت سے پہلے کی آیت ۱۸۴ میں بھی روزوں کی فرضیت کا بیان ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں بھی روزہ ہی کے متعلق احکام و ہدایات ہیں۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس رمضان کے مہینہ

میں روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ یہ وہی رمضان ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ۱۰ عیسوی کو گیارھویں میں ہوا تھا۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ وہ رمضان کیا پیدائش قمر (بہ اصطلاح نیو مون) سے شروع ہوا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کے صحابہ کرام نے رمضان کا شمار پیدائش قمر سے کیا تھا۔ یہ تو معلوم ہے کہ پیدائش قمر ستر ہلال سے بہت سے گھنٹے پہلے ہوتی ہے اور آج ہی نہیں اس وقت بھی لوگوں کو معلوم تھا۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پیدائش قمر سے ماہ رمضان کی ابتدا نہ اس وقت کی گئی تھی اور نہ اب کی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت صحیح حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

۱۔ الا لا تقدموا الشهر اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا فان غم عليكم فاكملوا العدة۔ (مسند اهل البيت)

خبردار، ماہ رمضان کو آگے نہ بڑھاؤ، جب چاند دیکھو تو روزے رکھو۔ اور جب چاند دیکھ لو تو افطار کرو، اگر چاند پہ بادل ہو اور نہ دیکھ سکو تو شعبان کی گنتی ۳۰ دن پوری کرو۔

۲۔ الشهر تسع وعشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلثين۔ (صحیح البخاری ص۲۵۶)

مہینہ ۲۹ دنوں کا ہوتا ہے۔ جب تک چاند نہ دیکھو روزے نہ رکھو اگر چاند نہ دکھائی دے تو تیس کی گنتی پوری کر لو۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ: عن ابي عبد الله عليه السلام انه قال كان علي صلوات الله عليه يقول لا اجيز في الهلال الا شهادة رجلين عدلين وفي رواية ولين بالرأي ولا بالتظني۔ (کافی کلینی ص۳۶)

حضرت ابو عبد اللہ امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا حضرت علی صلوات اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاند کے بارے میں دو عادل آدمیوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ نہیں کروں گا۔ اور ایک میں ہے کہ یہ رائے اور ظن سے نہیں ہوگا۔ یہ صرف تین روایتیں طول کلام سے احتراز کے لئے نقل کی گئیں ہیں۔ ورنہ احادیث میں ایسی بہت سی صحیح روایتیں

موجود ہیں جن میں ماہ رمضان کو مقدم کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور چاند دیکھ کر رمضان کے شروع و ختم کرنے کی تاکید موجود ہے۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ جس رمضان میں قرآن مجید کی ابتداء ہوئی تھی، یا وہ رمضان جس میں ۲ھ میں روزہ فرض کیا گیا تھا۔ وہ پیدائش قمر (برتھ آف نیومون) سے نہیں شروع ہوئے تھے۔ اب اگر ہم یہ کر سکتے ہیں کہ فرمان و عمل نبویؐ اور عمل صحابہؓ سب سے اختلاف کر کے رمضان کی ایک یا دو دن پہلے ابتداء کر دیں تو آخر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے، بہر حال فروری کے مہینہ کو کیوں نہ رمضان قرار دے لیں، ۲ ہجری کا رمضان مدینہ منورہ میں از روئے حساب گریگوری ۲۵ یا ۲۶ فروری کو ہی شروع ہوا تھا۔ اس طرح یہ بھی فائدہ رہے گا۔ کہ رمضان کبھی تو گرمیوں میں پڑتا ہے، اور کبھی برسات میں۔ فروری کو اگر رمضان قرار دیا جائے تو ہمیشہ سردیوں میں اور بڑے نرم دنوں میں روزے پڑا کریں گے۔ اور روزے بھی ۲۸ ہی رکھنے پڑیں گے کیا مسلمان اپنی عبادت کے مہینہ رمضان میں یہ تبدیلی پسند کریں گے اور اگر خدانخواستہ مسلمان یہ کر لیں تو یہ خدا اور رسولؐ کے حکم سے صریح روگردانی اور عصیان نہ ہوگا۔ اس بغاوت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مسلمان خدا اور رسولؐ کے فرمانبردار بھی رہ جائیں گے، "پیدائش قمر (برتھ آف نیومون) کیا ہے،

قدرت نے یہ نظام جس طرح قائم کیا ہے، وہ یہ ہے۔ کہ چاند اپنے محور پر حرکت کرنے کے علاوہ زمین کے گرد بھی حرکت کرتا ہے، اور اپنی یہ حرکت ۲۹ دن اور چند گھنٹے میں پوری کر لیتا ہے، یعنی زمین کے گرد ایک پورا چکر اتنے دنوں میں تمام کرتا ہے، اس مدت کو اصطلاحاً قمری مہینہ کہا جاتا ہے، اس مدت میں چاند تقریباً ۴۲ گھنٹے دائرے کے ایسے مقام پر ہوتا ہے، جہاں سے سورج کی روشنی اس پر پڑ کر جب عکس ہوتی ہے، تو زمین پر نہیں پہنچتی۔ اس مدت کا اصطلاحی نام محاق ہے اس مدت میں زمین والوں کو چاند کسی طرح دکھائی نہیں دیتا۔ چاند ہوتا ہے، اپنے مدار ہی پر اور جو زیر (ایک فرضی دائرہ) کے اندر ہی اور سورج کی کرن اس پر پڑتی بھی رہتی ہے، مگر انعکاس ضو جس زاویہ پر ہوتا ہے، وہ زمین سے الگ ہوتا ہے، کسی اور ستارہ سے دیکھا جائے یا زمین سے اتنے فاصلے سے دیکھا جائے کہ زمین کا سایہ حائل نہ ہو تو چاند اس مدت میں بھی چمکتا ہی نظر

آئے گا۔ البتہ زمین سے یہ نظر نہیں آ سکتا چاند جب یہ فاصلہ تقریباً ۲۲ گھنٹے میں طے کر چکتا ہے اور اپنے مدار پر اس جگہ پہنچ جاتا ہے، جہاں سے اس پر پڑنے والی سورج کی کرنیں منعکس ہو کر زمین پر پڑنے لگتی ہے، تو اس وقت کو چاند کی پیدائش کا وقت (بر بقاعت نیو مون) کہتے ہیں سنسکرت میں اسے سوم جنم کہا جاتا ہے۔ دن کے وقت سورج کی روشنی کی وجہ سے چاند دکھائی نہیں دیتا اسی طرح شفق کی روشنی بھی رویت ہلال سے روکتی ہے، اس لئے پیدائش قمر کے بعد جن جن مقامات پر غروب آفتاب اتنی دیر کے بعد ہوتا ہے، کہ چاند مقامی افق پر کم از کم ۱۲ درجہ بلند ہو چکا ہو۔ وہاں نئے قمری مہینے کا چاند دکھائی دیتا ہے، اور جہاں کے افق پر چاند کے ۱۲ درجہ بلند ہونے سے پہلے سورج غروب ہو چکا ہوتا ہے، وہاں چاند شفق کی سرخی کے پیچھے پڑ جاتا ہے، اور دکھائی نہیں دیتا ہے، چونکہ یہ شب چاند کی پیدائش کے بعد دوسری شب ہوتی ہے، اس لئے اس کو چندرماں دوج کہا جاتا ہے، اور امید کی جاتی ہے کہ رویت ہلال اس شام کو ہو گی۔ ہندی کے ایک شاعر کا مشہور شعر ہے۔

آج چندرماں دوج ہے جگ جوت ادہ کی ادر
مور سے دور دا منزکے نہیں ہوئے اک ٹھور

جیسے رویت ہلال کا وقت ساری زمین کے ہر افق پر ایک نہیں ہو سکتا، اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا، کہ ساری دنیا میں رویتِ ہلال ایک ہی وقت پہ ہو جائے بالکل اسی طرح پیدائش قمر کا وقت بھی ساری دنیا کے لئے ایک نہیں ہو سکتا زمین کا آدھا حصہ سورج کی محاذاۃ سے اور آدھا حصہ چاند کی محاذاۃ سے خارج ہوتا ہے، اس لئے پیدائش قمر کا وقت بھی مختلف حصہ زمین کے لئے مختلف ہوتا ہے، اس بات کو ذہن نشین کر کے سوچیے، اگر ہم رمضان کی ابتداء و انتہا کے لئے رویت ہلال نہیں بلکہ پیدائش قمر کو نقطہ آغاز قرار دیں تو نہ صرف یہ کہ ہم خدا و رسولؐ کے صریح احکام کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ بلکہ اس گناہ کے بعد بھی اختلاف مطالع کی وجہ سے اسی گرداب میں گرفتار رہیں گے۔ جو رویت ہلال میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، جہاں تک اوقات میں اختلاف کا تعلق ہے، اس میں ذرہ برابر فرق

نہیں آئے گا۔ ہر افق کے لئے پیدائش قمر کا الگ الگ حساب کرنا ہی پڑے گا۔ اور ایک ایسا جدول بنانا پڑے گا۔ جو بارہ گھنٹوں کے بدلے باریک فرق کو ہر افق کے ساتھ ظاہر کر سکے۔ یہ حساب ایک صورت اور رہ جاتی ہے، اس پر بھی لگے ہاتھوں غور کرتے چلیں وہ صورت یہ ہے کہ ہم رمضان کے مہینہ کی ابتداء تو کریں ظہور قمر سے یعنی چندرماں کے جنم سے نہیں بلکہ چندرماں درج سے لیکن اس کے حساب کو کافی قرار دیں رؤیت ہلال یعنی چاند دکھائی دینے کی شرط کو ختم کر دیں۔ ایسا طریقہ اختیار کرنے میں ہم دو قسم کے وبالوں میں مبتلا ہو جائیں گے اوّل تو یہ کہ خدا اور رسولؐ کے حکم سے تجاوز بلکہ نافرمانی کے مرتکب ہوں گے۔ قرآن مجید میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے، وہاں اس کی پوری ہیئت اور طریقہ کا ذکر نہیں ہے، اس کے یقین کہ کتنی رکعتیں کس وقت پڑھی جائیں گی کس طرح پڑھی جائیں گی۔ ایک رکعت میں قیام ایک رکوع ایک قومہ دو سجدے وغیرہ وغیرہ یہ ساری تفصیلات ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ملی ہیں ہم اگر ان چیزوں میں سے سب کو یا کسی ایک کو بدل دیں تو وہ چاہئے کچھ کہلائے اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کی بتائی ہوئی عبادت صلوٰۃ (نماز) نہیں ہو گی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالےٰ نے رمضان شریف کے روزوں کا حکم دیا ہے۔ روزہ کیا ہوتا ہے، کیسے رکھا جاتا ہے، اور رمضان شریف کی ابتداء وانتہاء کیسے ہوتی ہے، یہ ساری باتیں ہم کو رسول اللہؐ کے اقوال واعمال سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر ہم ان سے روگردانی کر کے کوئی اور طریقہ اختیار کریں گے۔ تو وہ رمضان نہیں ہو گا۔ اور نہ ہمارے روزے اللہ ورسولؐ کے بتائے ہوئے عبادتی روزے ہوں گے۔ ہم چاہئے اس کا کچھ بھی نام رکھ لیں۔ اسے عبادت نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ عبادت نام ہے، فرمانبرداری کا عقلی و عملی جولانیوں کا نام عبادت نہیں ہو سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص ہر رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کرے، اور دوسرے سجدہ کو غیر ضروری قرار دے کر چھوڑ دے تو یہ نماز عبادت نہیں ہو گی۔ تعبدی امور میں اس قسم کی من مانی کرنے کی گنجائش نہیں ہوا کرتی۔

دوسرا وبال جو اس طریقہ میں آتا ہے، وہ اختلاف مطالع پابندی کے ساتھ طویل جدولوں کی تیاری کا کام ہے، کرۂ زمین کے مختلف حصوں میں ظہور قمر کے وقت کی تعیین کرنی پڑے گی۔

ہم حساب کی مدد سے یقیناً اس کی تعیین تقریباً یقینی حد تک کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ ہر سال کے رمضان کی ابتداء میں زمین کا فاصلہ سورج سے یکساں نہیں رہتا، اور نہ محاذاۃ شمسی وقمری کی حالت ایک ہی رہتی ہے، اس لئے ہر سال کے علیحدہ اور جدید جدول بنانا پڑے گا۔ ایک سال کے لئے جو جدول بالکل صحیح ہوگا۔ وہ دوسرے اور تیسرے سال میں صحیح نہیں رہے گا۔ زمین کا مدار سورج کے گرد بیضوی ہے، گول نہیں ہے۔ کبھی زمین سورج سے قریب ہوتی اور کبھی بعید۔ قریب ہونے کی حالت میں محاذاۃ کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے، اور بعید ہونے کی حالت میں پھیل جاتا ہے۔ اس کا اثر ظہور پر پڑتا ہے، زمین کی حرکت سورج کے گرد کبھی سریع (تیز) ہوتی ہے، اور کبھی بطئی و سست اس کا اثر پیدائش قمر پر پڑتا ہے، فاصلہ کے بدلنے سے انعکاس ضوء متاثر ہوتا ہے، ان ساری باریکیوں پر قابو پا کر ہم اگر ہر سال ایک نیا جدول بنا بھی لیں۔ تو پھر ہمیں ہر مسلمان تک اس کے پہنچانے کی ایک لاینحل وقت سے واسطہ پڑتا ہے، کیا ہم دور افتادہ جزیروں، دیہاتوں اور جنگلوں میں زندگی بسر کرنے والے سارے مسلمانوں تک جدول پہنچا سکیں گے۔ اگر نہیں تو پھر کیا ہوگا۔ شہروں کے رمضان اور ہوں گے، اور دیہاتوں کے اور پھر ان ساری پریشانیوں جھگڑوں اور اللہ ورسول ﷺ کے احکام کی نافرمانیوں سے حاصل کیا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ رمضان کے لئے از روئے حساب چاند نکلنے کے وقت کی تعیین اور اس پہ ساری دنیا کے مسلمانوں سے عمل کرانے کی تمنا محض بے فائدہ ناقابل عمل اور طفلانہ ضد کے سوا کچھ نہیں ہے، اس عمل سے فائدہ تو نہیں، البتہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، رمضان اور عید میں جو اختلاف وقت دکھائی دیتا ہے، اختلاف مطالع کی وجہ سے ہے، یہ باقی رہے گا، اس سے باقی رہنے سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی اور کبھی پیدا نہیں ہوگی، البتہ اس کے مٹانے کی کوشش سے بہت سی خرابیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، رمضان کی ابتداء وانتہا دونوں رؤیت ہلال ہی سے ہونی چاہئیں اس کے خلاف ہر کوشش اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کے خلاف ہے، ہمیں اس سے احتراز لازم ہے، اس سے افتراق امت کا اندیشہ ہے، اور اختلافات

کے بڑے بڑے دروازے کھل جانے کے علاوہ عبادات اور دینی امور میں بے ضرورت دخل اندازی پر روشن خیالی کے مدعیوں کی جرأت اور بڑھ جائے گی۔ جو ہمارے لئے کس طرح مفید نہیں ثابت ہو سکتی۔ حسابات کے ذریعہ ہم یہ کر دیں گے۔ کہ چاند کس مقام پر کب اور کس وقت دکھائی دے گا۔ لیکن یہ یقین ہم نہیں دلا سکتے کہ حقیقتاً اس مقام پر چاند ضرور دکھائی دے گا، اور جب نہیں دکھائی دے گا۔ تو اس جگہ جدول کے خلاف لوگ ایک طوفان برپا کر دیں گے اور ایک جدید قسم کے فتنہ سے امت مسلمہ کو دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر ابتداء رمضان کے لئے رؤیت ہلال کی شرط ہم ہٹا دیں، تو ہم فرمان نبویؐ اور عمل صحابہؓ کی صریح مخالفت کے مرتکب ہوں گے، اور فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ حج کا تعلق ایک ہی افق سے ہے، اور حاجی ایک ہی جگہ جمع ہوتے ہیں، وہاں اگر حسابی طریقہ پر تاریخ حج کی تعیین کر دی جائے یا کر دی جاتی ہے، تو حکومتی نظم و نسق اور ایک ہی جگہ سب کے جمع ہونے کی وجہ سے کام چل جاتا ہے، اگرچہ یہ طریقہ صرف حج کے لئے بھی خلاف سنت اور نہایت ہی مکروہ طریقہ ہے، موزون کا طویل وقت ہوتا ہے، پہلے کی طرح رؤیت ہلال کی شہادت لے کر اعلان کر دیا جائے یہی بہتر ہے، لیکن رمضان و عید کے لئے تو یہ طریقہ کبھی نہیں چل سکتا، ہر جگہ کے مسلمان روزے رکھتے اور نماز عید پڑھتے ہیں، سب کے لئے مقامی مطلع کو نظر انداز کر دینے کا یہ طریقہ نہ قابل قبول ہو سکتا ہے، اور نہ قابل قبول ہونا ہی چاہیئے۔

(الاعتصام جلد ۲۶ شمارہ نمبر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲)

سوال:۔ اس علاقے میں چند ایک آدمیوں نے (حدیث صوموا لرؤیتہ کے تحت بدھ کو دوپہر کے وقت روزہ کھول دیا تھا۔ اور دوسرے تمام لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر روزہ بدستور جاری رکھا۔ آیا ان لوگوں کا شرعی لحاظ سے روزہ ہے یا نہیں؟ اور جنہوں نے دوپہر کے وقت روزہ افطار کیا۔ ان کا کیا حکم ہے؟ اور آپ نے پہلا روزہ کس روز رکھا ہے!

جواب:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کراچی میں مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا منگل ۷ ستمبر ۱۹۷۶ء کو اجلاس ہوا۔ اس میں راقم موجود تھا، کراچی میں متعدد لوگوں کی طرف سے بذریعہ فون اطلاعات آئیں، کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا ہے، چنانچہ ان کو کمیٹی کے اجلاس میں لانے کے لئے سواری بھیجی گئی۔ اور وہ آ گئے۔ اور ان سے چاند دیکھنے کی شرعی طور پر تحقیق کی گئی۔ جس کے بعد ارکان ہلال کمیٹی (جو سب کے سب مختلف مکاتب فکر کے علماء ہی تھے۔ ان میں کوئی سرکاری آدمی نہ تھا) متفقہ طور پر فیصلہ کیا، کہ بدھ کو یکم رمضان ہے چنانچہ بذریعہ ریڈیو اعلان کر دیا گیا۔ اعلان محض ریڈیو کی خبر ہی نہ تھی، بلکہ پوری چھان بین کے بعد شرعی فیصلہ کا اعلان کروایا گیا تھا۔ بنا بریں جن لوگوں نے بدھ کو دن روزہ رکھا۔ انہوں نے ٹھیک کیا، ہم سب ارکان کمیٹی نے (خاکسار سمیت) بدھ کو بجد اللہ روزے رکھے۔ مرکزی کمیٹی کو اسی وقت کورٹ کی ذیلی ہلال کمیٹی کی طرف سے اطلاع آ گئی تھی کہ وہاں پچاس ساٹھ آدمیوں کے چاند دیکھنے کی وجہ سے بدھ کو روزہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

علاوہ ازیں اب وثوق سے معلوم ہوا ہے، کہ محمود کوٹ ضلع مظفر گڑھ میں دو شخصوں نے بچشم خود دیکھ لیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی پنجاب میں منگل کی شام چاند دیکھنے کی متفرق اطلاعات اب موصول ہو گئی ہیں۔ لہٰذا جنہوں نے کسی بھی وجہ سے بدھ کو روزہ نہیں رکھا ان کو قضا دینی چاہیئے۔ (مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور)

(الاعتصام لاہور جلد نمبر ۲۶ شمارہ نمبر ۱۰)

سوال:۔ اگر رمضان شریف ۲۹ دن کا ہو اور ایک پہلا روزہ ہم نے بوجہ چاند نہ دکھائی دینے کے کھا لیا۔ اور ہمارے ۲۸ ہی ہوئے تو کیا ہم ۲۸ روزے کر کے عید کر لیں؟

جواب:۔ اس صورت میں عید کر کے ایک روزہ قضا کرنا ہو گا۔ کیونکہ مہینہ ۲۸ روز کا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(۲۸ شوال ۱۳۴۳ھ)

رکعات التراویح

از حافظ عبداللہ غازی پوری ؒ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

علمائے دین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں

۱۔ حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے۔؟

۲۔ کسی حدیث صحیح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

۳۔ حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی۔ تو امام کو کتنی رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا؟

۴۔ صحیح سند سے خلفائے راشدینؓ کا کتنی رکعت تراویح پڑھنا یا کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمانا ثابت ہے؟

۵۔ رکعات تراویح کے عدد میں فیما بین العلما کیا کیا اختلافات ہیں۔ اور اس اختلافات میں دلیل کی رو سے مرجح کون قول ہے؟

۶ ہر ایک سوال کا جواب بحوالہ کتب محدثین اہل سنت ہونا چاہئے؟۔

جواب نمبر ۱۔ صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح

لہ جس طرح آنحضرتؐ صلوٰۃ اللیل یعنی رات کی نماز جسے تہجد کہتے ہیں کبھی کبھی تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے جن میں (باقی اگلے صفحہ)

...دراویح پڑھنا ثابت نہیں یہ صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۲۲۰ اور صحیح مسلم مطبوعہ دہلی جلد ا صفحہ ۲۵۴ میں ہے، عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ترجمہ۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے مروی ہے کہ انہوں نے ام المومنین عائشہؓ صدیقہ سے پوچھا کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی نماز رمضان میں کیوں کر تھی۔ عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۲۸ میں بذیل شرح اس حدیث کے چند سوال مع جواب بغرض توضیح مطلب اس حدیث کے لکھے ہیں۔ پھر ان میں سے اسی غرض سے یہاں بھی منقول ہوتے ہیں۔

سوال ۱۔ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شب کو گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں حالانکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ کہ آپ رمضان مبارک کے آخر عشرہ میں جس قدر عبادت میں کوشش فرماتے تھے اور کسی مہینے میں اتنی کوشش نہیں فرماتے تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب عشرۂ اخیرہ آتا ہے۔ تو آپ شب کو بیدار رہتے اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی جگاتے اور اپنی کمر عبادت کے لئے چست باندھتے اور عبادت میں بھی بہت کوشش فرماتے ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ آخر عشرۂ رمضان میں اپنی مستمر عادات کریمہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اس صورت میں مذکورۂ بالا حدیث اور ان دونوں حدیثوں میں جو اختلاف ہے اس میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

بقیہ گزشتہ صفحہ عادات کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے اسلئے کبھی دو شمار میں آتی تھیں اور کبھی نہیں رحمۃ اللہ علیہ اسیطرح اگر آپ نے اس کو بھی شامل کیا ہو... کبھی کبھی تیرہ رکعت پڑھی ہوں اور اول کی دو رکعتوں کو ہلکی ہونے کی وجہ سے راوی نے شمار نہ کیا ہو تو اس تقدیر پر گیارہ رکعت سے اول کی ہلکی دو رکعتوں کے علاوہ (۱۱) یعنی گیارہ رکعتیں مراد ہوں گی۔ ۱۲

جواب:۔ آپ آخر عشرۂ رمضان میں صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے۔ یعنی وہی رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے۔ رکعتوں کی تعداد اسی قدر تھی۔ جو حدیث مذکور میں مذکور ہوئی یعنی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سوال:۔ جس قدر رکعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب کو پڑھتے تھے۔ ان کی تعداد میں خود عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کسی میں گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ جیساکہ حدیث مذکور میں ہے۔ اور کسی میں ہے کہ تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور کسی میں ہے کہ کبھی سات پڑھتے تھے۔ اور کبھی گیارہ پڑھتے تھے۔ اور کسی میں صرف نو ہی پڑھنا مذکور ہے۔ اس اختلاف کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ جس روایت میں تیرہ رکعت پڑھنا آیا ہے۔ اس میں فجر کی سنت بھی شامل ہے۔ اور جس میں سات اور نو کا ذکر ہے۔ وہ کبر سنی کی حالت میں۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے (الاسئلۃ والاجوبۃ) منها انه ثبت فی الصحیح من حدیث عائشۃ انه صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل العشر الاواخر یجتهد فیه ما لا یجتهد فی غیره وفی الصحیح ایضا من حدیثها کان اذا دخل العشر احیی اللیل وایقظ اهله وجد وشد مئزره فهذا یدل علی انه کان یزید فی العشر الاواخر علی عادته فکیف یجمع بینه وبین حدیث الباب فالجواب ان الزیادۃ فی العشر الاخیر یحمل علی التطویل دون الزیادۃ فی العدد ومنها ان الروایات اختلفت عن عائشۃ رضی اللہ عنها فی عدد رکعات صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ففی حدیث الباب احدی عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ هشام بن عروۃ عن ابیه کان یصلی من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ مسروق انه سالها عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت سبع وتسع واحدی عشرۃ سوی رکعتی الفجر وفی روایۃ ابراهیم عن الاسود عن عائشۃ انه کان یصلی باللیل تسع رکعات رواه البخاری والنسائی وابن ماجۃ والجواب عن ذلك ان من عدها ثلث عشرۃ اراد برکعتی الفجر وصرح بذلك فی روایۃ القاسم عن عائشۃ رضی اللہ عنها کانت صلوته باللیل عشر رکعات ویوتر بسجدۃ ویرکع رکعتی الفجر فتلك ثلث عشرۃ رکعۃ واما روایۃ سبع وتسع فهی

فی معالم کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ اھ اگرچہ علامہ عینی نے دوسرے سوال کے جواب میں آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا تجویز نہیں کیا۔ اور یہ فرمایا کہ جن روایتوں میں تیرہ رکعت کا پڑھنا آیا ہے۔ اس میں فجر کی سنت بھی شامل ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ چونکہ ان میں سے اول کی دو رکعتیں آپ ہلکی پڑھتے تھے۔ اور عام طور پر بھی آپ نے فرمایا ہے کہ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھنی چاہئے۔ لہٰذا کبھی ان دو رکعتوں کا شمار کیا گیا اور کبھی نہیں کیا گیا۔ جب شمار کیا گیا تو تیرہ ہو گئیں۔ ورنہ گیارہ ہی رہیں۔ صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ میں ہے۔ عن[1] زید بن خالد الجھنی انہ قال لارمقن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللیلۃ فصلی رکعتین خفیفتین ثم صلی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم صلی رکعتین وھما دون اللتین قبلھما ثم اوتر فذلک ثلث عشرۃ رکعۃ اھ اور اسی صفحہ میں ہے۔ عن عائشۃ[2] رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام من اللیل لیصلی افتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین اھ اور اسی صفحہ میں ہے۔ عن[3] ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوتہ برکعتین خفیفتین اھ اور صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ و صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ میں ہے۔ عن عروۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا اخبرتہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلاتہ فاصبح الناس

---

[1] ترجمہ۔ زید بن خالد جہنی نے کہا کہ میں دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو اس رات کو تو آپ نے پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھیں پھر بہت لمبی لمبی دو رکعتیں پڑھیں پھر اس سے بھی کچھ کم لمبی دو رکعتیں پڑھیں پھر اس سے بھی کچھ کم لمبی دو رکعتیں پڑھیں پھر اس سے بھی کچھ کم لمبی دو رکعتیں پڑھیں پھر اس سے بھی کچھ کم لمبی دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر وتر پڑھے بس یہ سب تیرہ رکعتیں ہو گئیں۔

[2] ترجمہ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کیلئے اٹھتے تو نماز کو ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرتے

[3] ترجمہ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے رات کو اٹھے تو اپنی نماز کو ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرے ۱۲۔

فتحدثوا فاجتمع اکثر منهم فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اهل المسجد من اللیلة الثالثة فخرج رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فصلوا بصلاته فلما کانت اللیلة الرابعة عجز المسجد عن اهله حتی خرج بصلاة الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشهد ثم قال اما بعد فانه لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنها فصلوا ایها الناس فی بیوتکم وذلک فی رمضان

صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۹۸ اور ۲۶۹ فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم والامر علی ذلک[1] ثم کان الامر علی ذلک فی خلافة ابی بکر وصدرا من خلافة عمر رضی الله عنهما اھ ترجمہ عروۃ ابن زبیر سے

عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں ایک رات مسجد میں نماز پڑھی اور کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی۔ صبح کو انہوں نے اور لوگوں سے ذکر کیا۔ دوسری رات کو کچھ لوگ زیادہ جمع ہوئے۔ اس رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی۔ اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی۔ دوسری صبح کو انہوں نے اور بھی چرچا کیا۔ تیسری رات کو اور زیادہ جمع ہوئے۔ اس رات کو بھی آپ نے نماز پڑھی۔ اور ان لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتدا کی۔ چوتھی رات کو اس قدر لوگ جمع ہو گئے۔ جن کی گنجائش مسجد میں نہیں تھی (اس رات کو آپ نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی) یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے۔ اور نماز صبح کے بعد تشہد پڑھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کا اس نماز کو جماعت سے پڑھنے کے شوق میں جمع ہونا معلوم ہے۔ لیکن میں نے جماعت سے اس لئے نہیں پڑھی کہ مجھ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز جماعت تم پر فرض نہ ہو جائے۔ اور تم سے ادا نہ ہو سکے۔ غرض آپ نے اس نماز میں جماعت موقوف کر دی۔ اور اصل نماز قائم رکھی۔ اور فرمایا کہ تم لوگ اس نماز کو گھروں میں پڑھا کرو۔ پھر آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ جماعت قائم نہیں ہوئی۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظم کے ابتدائے عہد خلافت تک بھی یہی حال رہا۔ اگرچہ اس

---

[1] قوله والامر علی ذلک روایة الکشمیهنی وفی روایة غیره والناس علی ذلک ای علی ترک الجماعة فی التراویح ۱۲ عمدة القاری للعلامة العینی الحنفی من ص ۳۵۵ جلد ۵۔

حدیث میں اس بات کا بیان نہیں ہوا کہ راتوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت نماز پڑھائی تھی۔ لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۸ صفحہ ۵۹۰ میں بذیل شرح اس حدیث کے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے بروایت جابرؓ نقل فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں فتح الباری کی عبارت یہ ہے۔ ولم ارفی شئی من طرقہ بیان عدد صلوتہ فی تلک اللیالی لکن روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابرؓ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث۔ ترجمہ: میں نے حدیث مذکورہ بالا کی کسی سند میں نہیں دیکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں کتنی رکعتیں پڑھائی تھیں۔ لیکن ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ فتح الباری کی اس عبارت میں جو جابرؓ کی روایت صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے منقول ہے یہ روایت صحیح ہے یا حسن ہے، ضعیف نہیں ہے، اس لئے کہ حافظ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری چھاپہ دہلی صفحہ ۴ میں اس امر کی تصریح فرما دی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے اس شرط سے ذکر کریں گے۔ کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی یا حسن ہوگی، مقدمہ فتح الباری صفحہ ۴ کی عبارت یہ ہے، فاسوق ان شاء اللہ تعالی الباب وحدیثہ اولا ثم اذکر وجہ المناسبۃ بینہما ان کانت خفیۃ ثم استخرج ثانیا ما یتعلق بہ غرض صحیح فی ذلک الحدیث من القواعد المبنیۃ والاسنادیۃ من تتمات وزیادات وکشف غامض وتصریح مدلس بسماع ومتابعۃ سامع من شیخ اختلط قبل ذلک منتزعا کل ذلک من امہات المسانید والجوامع والمستخرجات والاجزاء والفوائد بشرط الصحۃ او الحسن فیما اوردہ من ذلک اھ اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱ میں فرماتے ہیں۔ قیل وما ذکر من تساہل ابن حبان لیس بصحیح فان غایتہ انہ یسمی الحسن صحیحا فان کانت نسبتہ الی التساہل باعتبار وجدان الحسن فی کتابہ فہی مشاحۃ فی الاصطلاح وان کانت باعتبار خفۃ شروطہ فانہ یخرج فی الصحیح من کان راویہ ثقۃ غیر مدلس سمع من شیخہ

معروفا الا انه فيه لا يكون هناك ارسال ولا انقطاع واذا ذكرهن في الذي جرح ولا تعديل وكان كل من شيخه والراوي عنه ثقة ولم يأت بحديث منكر فهو عنده ثقة وفي ان قال وان ابن حبان وفى بالتزام شروطه ولم يوف الحاكم اھ — ایسا ہی علامہ سخاوی نے بھی فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۳ میں فرمایا ہے، اور یہی اسی صفحہ میں ہے۔ قال العماد بن كثير وقد التزم ابن خزيمة وابن حبان الصحة وهما خير من المستدرك بكثير وانظف اسانيدا ومتونا۔ اور علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۵۱۱ میں اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے نقل فرمایا ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے۔ فان قلت لم يبين في الروايات المذكورة عدد الصلوة التي صلاها رسول الله صلى الله عليه وسلم في تلك الليالي قلت روى ابن خزيمة وابن حبان من حديث جابر رضي الله تعالى عنه قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ثمان ركعات ثم اوتر ۔

ترجمہ:۔ اگر تو یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی اس کی تعداد روایات مذکورہ بالا میں بیان نہیں ہوئی ہے، تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا۔ کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ علامہ زیلعی حنفی نے بھی نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ میں اس حدیث کو بحوالۂ صحیح ابن حبان بدیں عبارت نقل فرمایا ہے۔ وصححه ابن حبان في صحيحه عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه انه عليه السلام قام بهم في رمضان فصلى ثمان ركعات ثم اوتر الحديث ۔ اور علامہ موصوف نے صفحہ ۲۷۴ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ابن حبان میں کس جگہ پر واقع ہے، چنانچہ فرماتے ہیں، رواه في النوع التاسع والستين من القسم الخامس اھ یعنی ابن حبان نے حدیث مذکورہ بالا کو اپنی صحیح کی پانچویں قسم کی انہترویں نوع میں روایت کیا ہے، اور امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۰ میں جابرؓ کی اس حدیث کو اپنی سند سے اس طرح روایت

نسخہ اس کتاب کا ایک قلمی عتیق نسخہ جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی ڈیانوی مؤلف (باقی اگلے صفحہ پر)

کیا ہے. ثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبداللہ ثنا عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر الحدیث

ترجمہ. ہم سے حدیث بیان کی محمد بن حمید رازی نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یعقوب بن عبداللہ نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسیٰ بن جاریہ نے انہوں نے روایت کی جابرؓ سے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا نماز پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعتیں علاوہ وتر. اگرچہ اس حدیث کے بعض رواۃ متکلم فیہ ہیں. لیکن تاہم مذکورہ بالا سبب کی تائید سے خالی نہیں ہے، علامہ ذہبیؒ نے بھی میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ میں اس حدیث کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے، جس سند سے امام محمد بن نصر نے روایت کیا ہے. فرق دونوں میں صرف اسی قدر ہے کہ اس سند میں بجائے محمد بن حمید رازی کے جعفر بن حمید ہیں. اس کے بعد علامہ ذہبیؒ نے اس کی سند کی نسبت فرمایا ہے: اسنادہ وسط یعنی اس حدیث کی سند اچھی ہے. میزان الاعتدال کی عبارت یہ ہے "جعفر بن حمید ثنا یعقوب القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابرؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی رمضان ثمان رکعات ثم الوتر (الی ان قال) اسنادہ وسط اھ. یہ حدیث معجم صغیر طبرانی مطبوعہ دہلی صفحہ ۱۰۸ میں بھی مروی ہے. اس میں طبرانیؒ کے شیخ عثمان بن عبداللہ الطلحی الکوفی ہیں. باقی سند وہی ہے، جو میزان الاعتدال میں ہے، معجم صغیر طبرانی کی عبارت یہ ہے ثنا عثمان بن عبداللہ الطلحی الکوفی ثنا جعفر بن حمید ثنا یعقوب بن عبداللہ القمی عن عیسیٰ بن جاریۃ عن جابر بن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات والوتر (الی ان قال) تفرد بہ یعقوب وھو ثقۃ. اھ اور علامہ [illegible] کتاب نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ میں فرماتے ہیں. واما العدد الثابت عنہ صلی اللہ

[illegible] غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد کے کتب خانہ میں موجود ہے، جواب ہٰذا میں اس کتاب کی عبارتیں اسی نسخہ سے منقول ہیں۔

علیہ وسلم فی صلاۃ فی رمضان فاخرج البخاری وغیرہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہا قالت ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ واخرج ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بہم ثمان رکعات ثم اوتر اھ۔

ترجمہ: ان رکعات کی تعداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے اس کو امام بخاری وغیرہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جابرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ اور امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۱۰ میں ہے۔ وبہ عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرا القراٰن فنصلی خلفک بصلاتک فصلیت بہن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا

ترجمہ: بسند مذکورہ بالا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعبؓ رمضان میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کون سی بات ہو گئی ہے اے ابی! ابی نے عرض کیا میرے گھرانے کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور تمہاری اقتدا کریں گے، تو میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھا دیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر سکوت کیا۔ اور گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اللہ تعالٰے اعلم بالصواب۔

جواب ۲: کسی صحیح حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ میں اور جو ابن ابی شیبہ اور طبرانی اور بیہقی اور ابن عدی اور بغوی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر اھ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہ حدیث اس صحیح حدیث کے جو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے صحیحین میں مروی ہے، مخالف بھی ہے، اور علامہ حافظ ابن حجرؒ التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث

الزوائد الکبیر چھاپہ دہلی صفحہ ۱۰۹ میں فرماتے ہیں۔ ذکر العشرین ورد فی حدیث آخر رواہ البیہقی من ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر قال البیہقی تفرد بہ ابو شیبۃ ابراہیم بن عثمان وہو ضعیف اھ۔ ترجمہ بیس رکعت کا ذکر ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے، جس کو بیہقیؒ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں غیر جماعت میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو صرف ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان نے روایت کیا ہے، اور وہ ضعیف ہے علامہ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۸ صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں۔ فاما ما رواہ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ الذی فی الصحیحین۔ ترجمہ۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے ابن عباسؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔ اولاً اس کی سند ضعیف ہے ثانیاً عائشہ صدیقہؓ کی اس صحیح حدیث کے مخالف ہے جو صحیحین میں اُن سے مروی ہے۔ اور علامہ ابن ہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ چھاپہ نول کشور جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ میں فرماتے ہیں۔ واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی و البیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراہیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح اھ۔ ترجمہ۔ اور جو ابن ابی شیبہ نے مصنف[1] میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے۔ ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے۔ علاوہ بریں یہ حدیث صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔ اور علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ میں فرماتے ہیں روی ابن ابی شیبۃ

---

[1] مصنف کتاب کا نام ہے۔

فی مصنفہ والطبرانی و البیہقی من حدیث ابراھیم بن عثمان ابی شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر (الی قولہ) وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمن انہ سال عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ الحدیث۔ ترجمہ۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی حدیث سے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے علاوہ پڑھتے تھے یہ حدیث معلول ہے (معلول ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے ۱۲) اس لئے کہ اس کا راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے۔ باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس کو لین۔ یعنی ضعیف کہا ہے۔ علاوہ بریں یہ اس صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے جس کو ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یعنی ابوسلمہ بن عبد الرحمان نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیوں کر تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔ اور علامہ عینی حنفی "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ و ۳۵۹ میں فرماتے ہیں۔ فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت ھذا الحدیث رواہ ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن مزاحم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابوشیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی

سلہ کہ ہر کتاب کا نام ہے ۱۲　　　سلہ نمبرا میں گذر چکی ہے۔

بفیوم کا مرحلہ۔ ابن عدی ہذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ اھ۔ ترجمہ۔ اگر کوئی سوال
کرے کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اس
حدیث کو ابوالقاسم بغوی نے بھی معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے، کہا ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی
منصور بن ابی مزاحم نے انہوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابی شیبہ نے عن الحکم عن مقسم
عن ابن عباس وہی حدیث جو اس سوال میں مذکور ہو چکی یہ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان عبسی کوفی
شہر واسط کا قاضی ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ
اور یحییٰ بن معینؒ اور امام بخاریؒ اور نسائیؒ وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن
عدیؒ نے کامل میں اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے، اور علامہ
حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب چھاپہ دہلی صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ابراهيم بن عثمان العبسی
بالموحدة ابو شيبة الكوفی قاضی واسط مشهور بكنيته متروك الحديث من السابعة مات
سنة تسع وستين اھ ترجمہ ابراہیم بن عثمان عبسی ابو شیبہ کوفی جو شہر واسط کا قاضی اور اپنی
کنیت (ابو شیبہ) کے ساتھ مشہور ہے۔ متروک الحدیث ہے ساتویں طبقے سے ۱۶۹ھ میں مرا
ہے، اور علامہ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ خزرجی انصاریؒ خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال
فی اسماء الرجال چھاپہ مصر صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں۔ ابراهيم بن عثمان العبسی بموحدة ابو شيبة الكوفی
قاضی واسط عن خاله الحكم بن عتيبة وابی اسحٰق وجماعة وعنه كاتبه يزيد بن هارون
ووصفه بالعدل فی القضاء ضعفه ابن معين وابوداؤد وقال النسائی متروك الحديث الخ
ترجمہ۔ ابراہیم بن عثمان عبسی ابو شیبہ کوفی جو شہر واسط کا قاضی ہے، اپنے ماموں حکم بن عتیبہ
اور ابو اسحٰق اور ایک جماعت سے روایت کرتا ہے۔ اور اس کا کاتب یزید بن ہارون روایت کرتا
ہے کہ یہ فیصلہ جات میں انصاف کرتا تھا۔ یحییٰ بن معین اور ابوداؤد نے اس کو ضعیف اور نسائی نے متروک
الحدیث کہا ہے۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب صفحہ ۳ میں فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث
وہ راوی ہے، جس کی قطعاً کسی نے توثیق نہیں کی یعنی ثقہ نہیں اور باوجود اس کے

وہ ایسی جرح سے ضعیف ٹھہرایا گیا ہے۔ جو اس کے ثقہ ہونے میں قادح ہے۔ تقریب بعد التہذیب کی عبارت یہ ہے العاشرۃ من لم یوثق البتۃ وضعف مع ذلک بقادح و الیہ الاشارۃ بمتروک او متروک الحدیث او واہی الحدیث او ساقط اھ۔

اور امام ذہبی میزان الاعتدال فی اسماء الرجال جلد ۱ صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں۔ ابراہیم بن عثمان ابو شیبۃ العبسی الکوفی قاضی واسط وجد ابی بکر ابن ابی شیبۃ یروی عن اخوالہ الحکم بن عتیبۃ وغیرہ کذبہ شعبۃ لکونہ روی عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ انہ قال شہد صفین من اہل بدر سبعون فقال شعبۃ کذب واللہ لقد ذاکرت الحکم فما وجدنا شہد صفین احدا من اہل بدر غیر خزیمۃ قلت سبحان اللہ اما شہدہا علی اما شہدہا عمار روی عثمان الدارمی عن ابن معین لیس بثقۃ وقال احمد ضعیف وقال البخاری سکتوا عنہ وقال س متروک الحدیث ومن مناکیر ابی شیبۃ ما روی البغوی نا منصور بن ابی مزاحم نا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعۃ والوتر وقد روی عن الحکم احادیث وقد قال عبد الرحمٰن بن معاویۃ العقیبی[1] سمعت عمرو بن خالد الحرانی یقول سمعت ابا شیبۃ یقول ما سمعت من الحکم الا حدیثا واحدا انتہیٰ۔ ترجمہ۔ ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ عبسی کوفی جو شہر واسط کا قاضی اور ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے اپنے ماموں حکم بن عتیبہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ شعبہ نے اس کو اس وجہ سے جھوٹا کہا ہے کہ اس نے حکم سے روایت کی کہ ابن ابی لیلے نے کہا کہ صفین میں ستر اہل بدر صحابی حاضر تھے۔ شعبہ نے کہا واللہ ابو شیبہ نے یہ بات جھوٹ کہی۔ میں نے تو خود حکم سے مذاکرہ کیا تو سوائے خزیمہ کے اور کسی کو اہل بدر میں سے نہیں پایا۔ جو صفین میں حاضر ہوا ہو۔ میں کہتا ہوں۔ سبحان اللہ کیا صفین میں علی حاضر نہ تھے۔ کیا صفین میں عمار حاضر نہ تھے۔ عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین سے روایت کی کہ ابو شیبہ ثقہ نہیں ہے

---

[1] لعل الصواب العتبی فانی لم اجد احدا من اسمہ عبد الرحمٰن بن معاویۃ بنسبۃ العقیبی ۱۲

اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ضعیف ہے، اور امام بخاری نے کہا کہ سکتوا عنہ اور نسائی نے کہا کہ متروک الحدیث ہے۔ اور ابو شیبہ کے مناکیر میں سے ایک وہ حدیث ہے جو بغوی نے روایت کی کہا ہم کو خبر دی منصور بن ابی مزاحم نے انہوں نے کہا کہ ہم کو خبر دی ابو شیبہ نے عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں غیر جماعت میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔ اور ابو شیبہ نے حکم سے چند حدیثیں اور بھی روایت کی ہیں، حالانکہ عبد الرحمن بن معاویہ عتبی نے کہا کہ میں نے عمرو بن خالد حرانی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابو شیبہ سے سنا وہ خود کہتا تھا کہ میں نے حکم سے صرف ایک ہی حدیث سنی ہے، اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ تدریب الراوی شرح تقریب النواوی چھاپہ مصر صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے ہیں۔ البخاری یطلق فیہ نظر او سکتوا عنہ فیمن ترکوا حدیثہ اھ ترجمہ۔ امام بخاریؒ لفظ فیہ نظر اور لفظ سکتوا عنہ اُس راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں، جو متروک الحدیث ہوتا ہے یعنی فیہ نظر اور سکتوا عنہ اور متروک الحدیث یہ تینوں الفاظ امام بخاری کے نزدیک ایک ہی معنے میں مستعمل ہیں۔ اور متروک الحدیث کے معنے تقریب التہذیب سے اوپر بیان ہو چکے اور مولوی عبد الحی صاحب لکھنویؒ رسالہ الرفع والتکمیل مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۸ میں فرماتے ہیں۔ قال العراقی فی شرح الفیتہ۔ فیہ نظر فلان سکتوا عنہ ھاتان العبارتان یقولہما البخاری فیمن ترکوا حدیثہ اھ ترجمہ۔ حافظ عراقیؒ نے اپنی کتاب الفیۃ الحدیث کی شرح میں فرمایا کہ یہ دو لفظ فیہ نظر اور فلان سکتوا عنہ امام بخاریؒ اس راوی کے حق میں استعمال کرتے ہیں جو متروک الحدیث ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب ۳۔ حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو امام کو مع وتر گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا تھا مؤطا امام مالک مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۸ میں ہے۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ترجمہ۔ سائب بن یزید نے

۱؎ سکتوا عنہ کا مطلب آگے کے قول میں مذکور ہے۔۱۲

ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ اور امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۱ میں ہے عن السائب بن یزید امر عمر بن الخطاب ابی بن کعبؓ و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ کنا نصلی فی زمن عمر بن الخطابؓ رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ: سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داریؓ کو حکم کیا کہ گیارہ رکعت پڑھایا کریں اور ایک روایت میں ہے کہ ہم لوگ عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں رمضان میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان دونوں روایتوں میں مخالفت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آخر الذکر روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ تیرہ رکعت پڑھتے تھے، ہو سکتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی تو امام کو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا۔ لیکن بعض لوگ تنہا دو رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی تیرہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے کہ آپ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے کبھی ان کا شمار کیا جاتا تھا اور کبھی نہیں جب شمار کیا جاتا تو تیرہ ہو جاتیں۔ ورنہ گیارہ رکعتیں جیسا کہ جواب نمبر (۱) میں گذر چکا ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی لوگ تیرہ رکعتیں پڑھتے رہے ہوں۔ اور اول کی دو رکعتوں کے ہلکی ہونے سے سائب بن یزیدؓ کبھی ان کا شمار کرتے اور تیرہ روایت کرتے ہوں اور کبھی نہیں شمار کرتے۔ اور گیارہ روایت کرتے ہوں۔ اور امام بیہقیؒ کتاب معرفۃ السنن والآثار جلد اول صفحہ ۴۴۹ میں فرماتے ہیں۔ قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعبؓ و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے کہ سائب بن یزید نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ

ؔ۱ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جناب مولانا ابو الطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی ڈیانوی مؤلف غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد کے کتب خانہ میں موجود ہے، اس کی عبارت رسالہ ہذا میں اسی نسخہ سے منقول ہوئی ہے۔

نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت لوگوں کو پڑھایا کریں علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المصابیح فی صلوۃ التراویح مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۹ میں فرماتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ترجمہ ہم کو عبدالعزیز بن محمد نے خبر دی انہوں نے کہا مجھ کو محمد یوسف نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے سائب بن یزیدؓ سے سنا وہ فرماتے تھے ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ اور علامہ ممدوح صفحہ ۲۰ میں اس روایت کی نسبت لکھتے ہیں۔ سندہ فی غایۃ الصحۃ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے، سائب بن یزیدؓ سے اس کے خلاف میں بھی کچھ روایتیں آئی ہیں۔ لیکن وہ روایتیں اس روایت کے ہم پلہ نہیں ہیں۔ قیام اللیل صفحہ ۱۹۳ میں ہے۔ قال ابن اسحق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون کان من حدیث السائب وذلک ان صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کی زیادہ سزاوار ہو نہیں سنی ہے، اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ ہی رکعت تھی۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ میں ہے۔ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر ابن العربی۔ ترجمہ۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے لئے گیارہ ہی رکعت پسند کی ہے، اور ابوبکر بن العربیؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور عمدۃ القاری کی جلد و صفحہ مذکور میں قیام اللیل سے منقول ہے عن السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم لوگ عمر بن خطابؓ کے زمانے میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور علامہ جلال الدین سیوطی رسالہ المصابیح فی صلوۃ التراویح صفحہ ۲۰ میں فرماتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب قال

ملاذی من این احدث هذا الرکوع الکثیر اهـ ترجمہ۔ ہمارے اصحاب میں سے ابن جوزی نے کہا امام مالک نے فرمایا جتنی رکعتوں پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا وہ مجھ کو زیادہ پیاری ہیں اور وہ گیارہ رکعتیں ہیں۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے اُن سے پوچھا گیا کیا گیارہ رکعت مع وتر کہا ہاں، اور تیرہ رکعت قریب ہے اور کہا میں نہیں جانتا کہ یہ سب سارے رکوع کہاں سے ایجاد کئے گئے ہیں۔ اور جو موطا امام مالک صفحہ ۴۰ میں یزید بن رومان سے مروی ہے، کہ انہوں نے کہا کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں مع وتر تئیس رکعت پڑھتے تھے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے، کہ یہ روایت سنداً صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے، اس لئے کہ یزید بن رومان جو اس حدیث کے راوی ہیں انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد پیدا ہوئے ہیں پس یہ روایت بوجہ انقطاع کے متصل السند اور صحیح نہیں ہے، علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۲۹۹ میں فرماتے ہیں۔ ویزید بن رومان لم یدرک عمر اهـ یعنے یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے، اور علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۰۰ میں فرماتے ہیں ویزید لم یدرک عمر فغیه انقطاع اهـ یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا ہے پس اس کی سند منقطع ہے، اور جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ میں فرماتے ہیں، رواہ مالك فی الموطا باسناد منقطع اهـ۔ یعنی امام مالکؒ نے اس کو موطا میں منقطع سند سے روایت کیا ہے۔ اور اس کا جواب ثانیاً یہ ہے کہ اس روایت میں اس امر کی تصریح نہیں ہے، کہ جو لوگ تئیس رکعت پڑھتے تھے۔ وہ بحکم حضرت عمر پڑھتے تھے۔ یہی جواب اس روایت کا بھی ہے، جس کو علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۱۹۴ میں بیہقی سے نقل فرمایا ہے، اور امام نووی سے اس کا صحیح الاسناد ہونا نقل کیا ہے کہ سائب بن یزید نے کہا کہ کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر اهـ یعنی ہم لوگ حضرت عمر کے زمانے میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے کیونکہ اس روایت میں بھی اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے وہ حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے۔ اور یہی جواب اس روایت کا بھی ہے،

جس کو علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۸۰۲ میں بیہقی سے نقل فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے کہ سائب بن یزید نے کہا کہ کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما مثلہ اھ یعنی لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے، اور ایسا ہی حضرت عثمان، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد میں کیوں کہ اس روایت میں بھی اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ لوگ حضرت عمر کے حکم سے پڑھتے تھے یا حضرت عثمان یا حضرت علی رضی اللہ کے حکم سے پڑھتے تھے، اور جو مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۱۲۹ میں ہے حدثنا وکیع عن مالک بن انس عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعتا۔ یعنی وکیع نے ہم کو خبر دی، انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ انہوں نے یحیی بن سعید سے کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بسند صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے، اس لئے کہ امام مالک کے شیخ یحیی بن سعید انصاری مدنی نے جو اس اثر کے راوی ہیں، انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے حضرت عمرؓ تو ۲۳ھ میں شہید ہو چکے تھے، اور یحیی بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں، جو تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے صرف ایک دو صحابی کو دیکھا ہے، اور یہ ۱۴۳ھ یا اس کے بعد میں مرے ہیں پھر ان کو حضرت عمرؓ کا زمانہ پانے کی کیا صورت ہے پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے، تقریب التہذیب صفحہ ۱۶۹ میں ہے۔ عمر بن الخطاب امیر المؤمنین استشھد فی ذی الحجۃ سنۃ ثلث وعشرین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ امیر المومنین حضرت عمرؓ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے، اور صفحہ ۲۷۹ میں ہے، یحیی بن سعید الانصاری المدنی من الخامسۃ مات سنۃ اربع واربعین ومائۃ اوبعدھا انتہی ملتقطا ترجمہ یحیی بن سعید انصاری مدنی طبقہ خامسہ سے ہیں، ۱۴۴ھ میں یا اس کے بعد مرے ہیں۔ اور صفحہ ۲ میں ہے الخامسۃ الطبقۃ الصغریٰ منھم الذین رأوا الواحد والاثنین اھ ترجمہ۔ پانچواں طبقہ تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے جس نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہے، اور تذکرۃ الحفاظ میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں، یحیی بن سعید الانصاری قاضی

المدینۃ مات سنۃ ثلث واربعین ومائۃ انتہی ملتقطا ترجمہ یحییٰ بن سعید انصاری جو مدینہ طیبہ کے قاضی ہیں ۱۴۳ھ میں مرے ہیں، اور خلاصہ صفحہ ۲۸۲ میں ہے، عمر بن الخطاب احد فقہاء الصحابۃ ثانی الخلفاء الراشدین واحد العشرۃ المشہود لھم بالجنۃ استشہد فی آخر سنۃ ثلث وعشرین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ حضرت عمرؓ مجتہدین صحابہ میں سے ایک مجتہد ہیں، اور خلفاء راشدینؓ میں سے خلیفہ دوم ہیں، اور ان دس صحابہ میں سے ہیں جن کے لئے آں حضرت صلعم نے جنت کی بشارت دی ہے، ایک صحابی ہیں، ۲۳ھ میں شہید ہوئے ہیں۔ اور صفحہ ۴۲۲ میں ہے یحیی بن سعیدؒ الانصاری قاضی المدینۃ قال القطان مات سنۃ ثلث و اربعین ومائۃ انتہی ملتقطا ترجمہ یحییٰ بن سعید انصاری جو مدینہ طیبہ کے قاضی ہیں، بقول یحییٰ بن سعید قطانؒ ۱۴۳ھ میں مرے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۔ میں ہے، یحیی بن سعید الانصاری من صغار التابعین انتہی ملتقطا ترجمہ یحییٰ بن سعید انصاری صغار تابعین سے ہیں الحاصل جب حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت قائم کی تھی، تو صحیح سند سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امام کو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا تھا، اور جو روایتیں اس کے خلاف میں آئی ہیں، وہ یا تو صحیح الاسناد نہیں ہیں، یا ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ ومن ادعی فعلیہ البیان واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب اور جو بعض لوگوں نے گیارہ اور بیس میں یوں تطبیق دی ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت پڑھی جاتی تھی بعد کو حضرت عمر نے بیس رکعت کا حکم صادر فرمایا تب سے بیس رکعت پڑھی جانے لگی، اس تطبیق پر دو وجہ سے بحث ہے، اولاً یہ کہ اس تطبیق کی یہاں ضرورت ہی نہیں اس لئے کہ تطبیق کی ضرورت تو جب ہو کہ گیارہ اور بیس دونوں کا حکم دینا حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت بھی ہو۔ حالانکہ گیارہ کا حکم دینا تو صراحۃً حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ہے، بلکہ نہایت صحیح سند سے ثابت ہے، اور بیس کا حکم دینا حضرت عمرؓ سے صراحۃً کسی صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان ثانیاً یہ اگر بالفرض دونوں کا ثبوت ان سے بھی لیا جائے، تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ گیارہ کا حکم پہلے ہے، اور بیس کا پیچھے کیوں نہیں جائز ہے، کہ بیس ہی کا حکم پہلے ہوا اور گیارہ

کا حکم دیجیے۔

جواب نمبر ۱۔ صحیح سند سے خلفاء راشدین میں سے سوائے حضرت عمرؓ کے اور کسی سے کچھ ثابت نہیں ہے کہ وہ حضرات تراویح کے رکعت پڑھتے تھے یا کتنی رکعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ ومن ادعی فعلیہ البیان ہاں حضرت عمرؓ سے البتہ بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے (جواب نمبر ۲ ملاحظہ ہو) اور جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، تو ظاہر یہی ہے، کہ خود بھی اسی پر عمل کرتے رہے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ درایہ تخریج ہدایہ چھاپہ دہلی صفحہ ۱۲۳ میں صاحب ہدایہ کے اس قول واظب علیہ الخلفاء الراشدون رضی اللہ عنہم کی تخریج میں فرماتے ہیں، لم اجدہ یعنی صاحب ہدایہ نے جو کہا ہے کہ خلفائے راشدین نے تراویح پر مواظبت فرمائی ہے، میں نے اس کا کہیں ثبوت نہیں پایا۔ اور علامہ زیلعی حنفیؒ جنہوں نے اپنی کتاب نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں صاحب ہدایہ کے حوالہ جات کا پتہ بتا دینا اپنے ذمہ لیا ہے، وہ بھی صاحب ہدایہ کے اس حوالہ کا کچھ پتہ نہ دے سکے، اور اس حوالہ کو یوں ہی لاپتہ چھوڑ دینے پر قناعت کر لی، اور جب نفس تراویح پر خلفائے راشدینؓ کی مواظبت کا پتہ نہیں چلتا تو بیس رکعت تراویح پر مواظبت کا پتہ چلنا خیلے مشکل ہے، اور علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ میں فرماتے ہیں۔

قولہ فخرج لیلۃ والناس یصلون بصلوۃ قارئہم ای امامہم المذکور فیہ اشعار بان عمر کان لا یواظب علی الصلوۃ معہم وکانہ کان یریٰ ان الصلوۃ فی بیتہ ولا سیما فی اٰخر اللیل افضل وقد رویٰ محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق طاؤس عن ابن عباس قال کنت عند عمر فی المسجد فسمع ہیعۃ الناس فقال ماہذا قیل خرجوا من المسجد وذلک فی رمضان فقال ما بقی من اللیل احب الی مما مضی ومن طریق عکرمۃ عن ابن عباس نحوہ من قولہ۔

ترجمہ۔ راوی (عبد الرحمن بن عبید) کے اس قول کہ حضرت عمرؓ دوسری رات نکلے رمضان میں اور لوگ اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے اور شاید ان کا یہ مذہب تھا کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً

آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور محمد بن نصر نے اپنی کتاب قیام اللیل میں طاؤس کی سند سے ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ ابن عباس نے فرمایا کہ میں ماہ مبارک رمضان میں حضرت عمرؓ کے پاس مسجد میں تھا۔ لوگوں کا شور سن کر فرمایا یہ کیا شور ہے۔ عرض کیا گیا کہ لوگ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے ہیں تو فرمایا کہ میرے نزدیک رات کا باقی حصہ رات کے گذشتہ حصہ سے بہتر ہے، اور محمد بن نصرؒ نے عکرمہ کی سند سے بھی ابن عباسؓ سے اسی طرح کا مضمون روایت کیا ہے کہ ابن عباس نے فرمایا۔ اور علامہ عینی حنفیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۶ میں فرماتے ہیں۔

فیه اشعار بان عمر کان لا یواظب علی الصلوٰۃ معهم وکانه یری ان الصلوٰۃ فی بیته افضل ولاسیما فی آخر اللیل وعن هذا قال الطحاوی التراویح فی البیت افضل۔ ترجمہ۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے، اور شاید ان کا یہ مذہب تھا کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور یہیں سے امام طحاوی حنفی نے فرمایا کہ تراویح گھر میں افضل ہے، اور علامہ قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۴۱۵ میں فرماتے ہیں۔ فیه اشعار بان عمر کان لا یواظب علی الصلوٰۃ معهم ولعله کان یری ان فعلها فی بیته ولاسیما فی آخر اللیل افضل۔ ترجمہ۔ عبدالرحمن بن عبید کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس نماز کے باجماعت پڑھنے پر مواظبت نہیں فرماتے تھے، اور شاید ان کا یہ مذہب تھا۔ کہ اس نماز کو گھر میں خصوصاً آخر شب میں پڑھنا افضل ہے، اور علامہ زرقانیؒ نے شرح موطا چھاپہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ میں ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل فرمایا ہے، دعانی عمر اتغدیٰ معه فی رمضان یعنی السحور فسمع هیعة الناس حین انصرفوا من القیام فقال اما ان الذی بقی من اللیل احب الی مما مضی منه۔ ترجمہ۔ حضرت عمرؓ نے مجھ کو رمضان میں اپنے ساتھ سحری کھانے کو بلایا اتنے میں لوگوں کا شور سنا جس وقت وہ لوگ رات کی نماز پڑھ کر واپس جا رہے تھے۔ تو فرمایا۔ آگاہ ہو کہ رات کا باقی حصہ میرے نزدیک رات کے گذشتہ حصہ سے بہتر ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جواب نمبر ۵۔ رکعات تراویح کے عدد میں غیاً بین العلماء حسب ذیل دس قول ہیں، اوران اقوال عشرہ میں مرجح من حیث الدلیل قول دہم ہے، اور قول نہم حقیقتہً اس کے مخالف نہیں ہے، (جواب نمبر ۲ ملاحظہ ہو) امراول کا بیان رکعات التراویح کے عدد میں ایک قول یہ ہے کہ اکتالیس رکعت ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری چھاپہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۵۵ میں فرماتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ فقیل احدی واربعون وقال الترمذی رای بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ قال شیخنا رحمہ اللہ وھو اکثر ماقیل فیہ قلت ذکر ابن عبدالبر فی الاستذکار عن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین رکعۃ ویوتر بسبع اھ۔ ترجمہ۔ علماء نے قیام رمضان (تراویح) کی رکعتوں کے بارے میں کہ اس میں کون عدد مستحب ہے بہت کچھ اختلاف کیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ اکتالیس رکعت ہے، ترمذی نے کہا کہ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ اکتالیس رکعت مع وتر پڑھے، اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے، اور اسی پر مدینہ میں اہل مدینہ کا عمل ہے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اکتالیس سے زیادہ کسی کا قول نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر نے اسود بن یزید سے نقل کیا ہے، کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے اور سات رکعت وتر پڑھتے تھے، یعنی مع وتر سینتالیس رکعت پڑھتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اڑتیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل ثمان وثلثون رواہ محمد بن نصر من طریق ابن ایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ قال وھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم اھ ترجمہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اڑتیس رکعت ہے، امام محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے امام مالک ؒ سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعت پڑھیں پھر امام اور سب لوگ سلام پھیر کر ایک رکعت وتر پڑھیں، امام مالک نے کہا کہ زمانہ حرہ کے قبل ایک سو کئی برس سے اب تک اہل مدینہ کا اسی پر عمل چلا آتا ہے، اور حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری چھاپہ دہلی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ میں فرماتے

ہیں۔ هذا یمکن رده الی الاول بانضمام ثلث وتر لکن صرح فی روایته بانه یوتر بواحدة فتکون اربعین الا واحدة اھ۔ ترجمہ۔ اس دوسرے قول کو باضافہ وتر کی تین رکعتوں کے پہلے قول کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس روایت میں تصریح ہو چکی ہے اگر وتر ایک ہی رکعت پڑھے تو وتر ملا کر ایک کم چالیس ہی رکعتیں ہوتی ہیں، یعنی انتالیس۔ تیسرا قول۔ یہ ہے، کہ چھتیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل ست وثلثون وهو الذی علیه عمل اهل المدینة وروی ابن وهب قال سمعت عبدالله بن عمر یحدث عن نافع قال لم ادرک الناس الا وهم یصلون تسعا وثلثین رکعة ویوترون منها بثلث ۔ ترجمہ۔ تیسرا قول یہ ہے کہ چھتیس رکعت ہے۔ اور اسی پر اہل مدینہ کا عمل ہے، ابن وہب نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ نافع نے کہا کہ میں نے لوگوں کو نہیں پایا، مگر اسی حالت پر کہ تراویح انتالیس رکعت پڑھتے تھے۔ جن میں سے تین رکعتیں وتر کی تھیں۔ اور علامہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ وهذا هو المشهور عنه ترجمہ۔ امام مالک سے یہی قول مشہور ہے کہ تراویح چھتیس رکعت ہے۔ چوتھا قول: یہ ہے کہ چونتیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل اربع وثلثون علی ما حکی عن زرارة بن اوفی انه کذلک کان یصلی بهم فی العشر الاخیر۔ ترجمہ۔ چوتھا قول یہ ہے کہ چونتیس رکعت ہے، جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح (چونتیس رکعت) پڑھتے تھے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اٹھائیس رکعت ہے، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔ وقیل ثمان وعشرون وهو المروی عن زرارة بن اوفی فی العشرین الاولین من الشهر وکان سعید بن جبیر یفعله فی العشر الاخیر اھ ۔ ترجمہ۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اٹھائیس رکعت ہے۔ یہ بھی زرارہ بن اوفیٰ سے رمضان کے پہلے دو عشروں میں منقول ہے۔ اور سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ وہ اٹھائیس رکعت آخری عشرہ میں پڑھتے تھے۔ چھٹا قول: یہ ہے کہ چوبیس رکعت ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل اربع وعشرون وهو مروی عن سعید بن جبیر اھ ۔ ترجمہ چھٹا قول یہ ہے کہ چوبیس رکعت ہے اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے، ساتواں قول، یہ ہے کہ بیس رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل عشرون وحکاه الترمذی عن اکثر اهل العلم

فانسبہ عن عمرؓ وعلیؓ وغیرھما من الصحابۃ وھو قول اصحابنا الحنفیۃ ۔ ترجمہ: ساتواں قول یہ ہے کہ بیس رکعت ہے ترمذی نے اس کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و دیگر صحابہؓ سے منقول ہے۔ اور یہی قول ہم احناف کا ہے۔ یہاں پر علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت عمرؓ سے بیس رکعت کے منقول ہونے کا حوالہ موطا امام مالک پر کر دیا ہے، حالانکہ موطا میں کسی جگہ حضرت عمرؓ سے بیس رکعت کا پڑھنا یا حکم دینا منقول نہیں ہے، اس میں تو بیس رکعت کے بارے میں صرف یزید بن رومان کی روایت ہے، جو جواب نمبر ۲ میں مذکور ہو چکی ہے، جس میں نہ اس امر کی تصریح ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھتے تھے اور نہ اس امر کی تصریح ہے کہ بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ مع ہذا یہ روایت سنداً بھی صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع الاسناد ہے چنانچہ خود علامہ عینی نے بھی عمدۃ القاری میں اس کا اعتراف فرمایا ہے: عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے۔ اما اثر عمر رضی اللہ عنہ فرواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع اس کی پوری بحث اوپر گزر چکی ہے، جواب نمبر ۲ ملاحظہ ہو، اور بعد اسی پر علامہ عینی نے حضرت علیؓ سے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا حوالہ کسی حدیث کی کتاب پر نہیں دیا ہے، مع ہذا جو اس کی سند لکھی ہے، اس میں ایک راوی ابوالحسناء ہیں جو حضرت علیؓ سے روایت کرنے والے قرار دیئے گئے ہیں، معلوم نہیں یہ ابوالحسناء کون بزرگ ہیں۔ اگر یہ وہی ابوالحسناء ہیں، جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں تو ان کو تو حضرت علیؓ سے لقا ہی نہیں ہے کیونکہ یہ ابوالحسناء طبقہ سابعہ سے ہیں جو کبار اتباع تابعین کا طبقہ ہے جس کو کسی صحابی سے لقا نہیں ہے۔ چہ جائیکہ حضرت علیؓ سے لقا ہو۔ اور جب حضرت علیؓ سے ان کی لقا ثابت نہیں ہوئی تو یہ روایت بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہ ٹھہری۔ علاوہ بریں یہ ابوالحسنا مجہول بھی ہیں تو اس وجہ سے بھی یہ روایت صحیح ثابت نہ ہوئی۔ تقریب التہذیب مطبوعہ فاروقی دہلی صفحہ ۴۹۲ میں ہے۔ ابوالحسناء بزیادۃ

انہ قیل اسمہ الحسن وقیل الحسین مجہول من السابعۃ اھ ترجمہ: ابوالحسناء بتیاء و الف بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام حسن ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حسین ہے مجہول ہیں طبقہ سابوعہ ہیں اور صفحہ ۳ میں ہے السابعۃ طبقۃ کبار اتباع التابعین کمالک والثوری۔ ترجمہ ساتواں طبقہ کبار اتباع تابعین کا ہے۔ جیسے امام مالکؒ اور سفیان ثوری اور یہاں پر علامہ عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۸۰۳ میں حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان سے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک اور روایت بھی بحوالہ بیہقی نقل کی ہے، جو جواب نمبر ۲ کے آخر میں منقول ہو چکی ہے، جس میں بھی نہ اس امر کی تصریح ہے کہ خود حضرت علیؓ یا حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ بیس رکعت پڑھتے تھے اور نہ اس امر کی تصریح ہے کہ ان حضرات رضی اللہ عنہم نے کسی کو بیس رکعت کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں پر علامہ عینی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں ایک روایت امام محمد بن نصر مروزی کے طریق سے نقل کی ہے، اور وہ بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے، وہ روایت یہ ہے۔ قال الاعمش کان عبداللہ بن مسعود یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلث ترجمہ اعمش نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے، اس روایت کے منقطع السند ہونے کی یہ وجہ ہے کہ اعمش جو اس واقعہ نماز تراویح عبداللہ بن مسعودؓ کے ناقل ہیں، انہوں نے عبداللہ بن مسعود کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ عبداللہ بن مسعود تو ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پا چکے تھے، اور اعمش ۶۱ھ کے بعد پیدا ہوئے ہیں، تقریب التہذیب چھاپہ دہلی صفحہ ۱۴۲ میں ہے عبداللہ بن مسعود مات سنۃ اثنتین وثلثین او فی التی بعدھا بالمدینۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ۳۲ھ میں یا اس کے بعد والے سنہ میں خاص مدینہ طیبہ میں وفات پائی ہے۔ اور صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ میں ہے سلیمان الاعمش مات سنۃ سبع واربعین او ثمان ومائۃ وکان مولدہ اول احدی وستین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ سلیمان اعمشؒ نے ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی اور ۶۱ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے اور خلاصہ چھاپہ مصر صفحہ ۲۱۴ میں ہے، عبداللہ بن مسعود قال ابو نعیم مات

بالمدینۃ سنۃ اثنتین وثلثین عن بضع وستین سنۃ انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: ابونعیم نے کہا عبداللہ بن مسعودؓ نے خاص مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ میں کئی برس اوپر ساٹھ کے ہوکر وفات پائی، اور صفحہ ۱۵۵ میں ہے۔ سلیمان الاعمش قال ابونعیم مات سنۃ ثمان واربعین ومائۃ عن اربع وثمانین سنۃ اھ ترجمہ: ابونعیم نے کہا سلیمان اعمش نے ۱۴۸ھ میں چوراسی برس کے ہوکر وفات پائی۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۲۰۲ میں ابی بن کعبؓ سے بھی بیس رکعت کے بارہ میں ایک روایت آئی ہے لیکن وہ بھی بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں ہے۔ وہ روایت مع سند یہ ہے۔ حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن عن حسن عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث ترجمہ: حمید بن عبد الرحمٰن نے ہم کو خبر دی انہوں نے حسن سے روایت کی انہوں نے عبد العزیز بن رفیع سے کہ ابی بن کعبؓ مدینہ طیبہ میں ماہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرتے تھے اس روایت کے منقطع السند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عبد العزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ تقریب التہذیب صفحہ ۱۷ میں ہے۔ ابی بن کعب من فضلاء الصحابۃ اختلف فی سنۃ موتہ اختلافا کثیرا قیل سنۃ تسع عشرۃ وقیل سنۃ اثنتین وثلثین وقیل غیر ذلک انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: ابی بن کعبؓ فضلاء صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے سن وفات میں بہت کچھ اختلاف ہے کوئی ۱۹ھ بتاتا ہے، اور کوئی ۳۲ھ بتاتا ہے اور کوئی اور کچھ اور صفحہ ۱۶۲ میں ہے۔ عبد العزیز بن رفیع ثقۃ من الرابعۃ مات سنۃ ثلثین[1] ومائۃ وقیل بعدھا وقد جاوز التسعین انتہی ملتقطا۔ ترجمہ: عبد العزیز بن رفیع تقریب طبقہ

---

[1] تقریب التہذیب مطبوعہ ہند کے نسخوں میں اس جگہ بجائے لفظ ثلثین کے لفظ ثلث طبع ہوا ہے، یہ قطعاً غلط ہے، صحیح لفظ ثلثین ہے جیسا کہ خلاصہ وعمدۃ القاری وکاشف میں ہے جن کی عبارات آئندہ منقول ہیں۔ اسکے علاوہ خود تقریب کا قلمی صحیح نسخہ مرحوم خدا بخش خان صاحب وکیل پٹنہ کے مشہور کتب خانہ میں موجود ہے اس میں بھی ثلثین ہی کا لفظ ہے۔ الحاصل اس جگہ لفظ ثلثین صحیح ہے، لفظ ثلث جو نسخ مطبوعہ ہند میں ہے قطعاً غلط ہے، اس کتاب کی عبارت مولانا ابو محمد زین العابدین بہاری مرحوم آروی کے قلمی نسخے سے نقل کی گئی ہے ۱۲۔

مالعہ سے ہیں ۱۳۰ھ میں یا اس کے بعد ستر برس سے زائد کے ہو کر مرے ہیں۔ اور خلاصہ صفحہ ۲۴ میں ہے۔ ابی بن کعب سید القراء توفی سنة عشرين او ثنتين وعشرين او ثلاثين او ثنتين وثلاثين او ثلث وثلاثين انتہی ملتقطا۔ ترجمہ۔ ابی بن کعبؓ جو قاریوں کے سردار ہیں انہوں نے ۲۰ھ یا ۲۲ھ یا ۳۰ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ہے اور صفحہ ۲۳۹ میں ہے۔ عبدالعزيز بن رفيع وثقه احمد وابن معين قال مطين مات سنة ثلاثين ومائة انتہی ملتقطا۔ ترجمہ۔ عبدالعزیز بن رفیع ان کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے، مطین نے فرمایا یہ ۱۳۰ھ میں مرے ہیں۔ اور کتاب الثقات لابن حبان جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ میں ہے۔ ابی بن کعب كنيته ابو المنذر مات سنة ثنتين وعشرين في خلافة عمر وقيل انه بقي الى خلافة عثمان۔ ترجمہ۔ ابی بن کعبؓ نے جن کی کنیت ابوالمنذر ہے ۲۲ھ میں وفات پائی، اور بعض نے حضرت عثمانؓ کی خلافت تک ان کا باقی رہنا بیان کیا ہے۔ اور علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۲۹ میں فرماتے ہیں۔ عبدالعزيز بن رفيع مات بعد الثلاثين ومائة انتہی ملتقطا۔ ترجمہ۔ عبدالعزیز بن رفیع ۱۳۰ھ کے بعد مرے ہیں۔ اور امام ذہبی کاشف میں فرماتے ہیں۔ عبدالعزيز بن رفيع ثقة معمر مات سنة ثلاثين ومائة انتہی ملتقطا۔ ترجمہ۔ عبدالعزیز بن رفیع ثقہ معمر ہیں ۱۳۰ھ میں مرے ہیں۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ سولہ رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ ست عشرة وهو مروي عن ابي مجلز انه كان يصلي بهم اربع ترويحات ويقرأ بهم سبع القرآن في كل ليلة رواه محمد بن نصر من رواية عمران بن حدير اھ۔ ترجمہ۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ سولہ رکعت ہے۔ اور یہ ابو مجلز سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو چار ترویحہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ ان میں پڑھا کرتے تھے، اس کو امام محمد بن نصرؒ نے عمران بن حدیر کے طریق سے روایت کیا ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ تیرہ رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقيل ثلث عشرة واختاره محمد بن اسحق روى محمد بن نصر من طريق ابن اسحق قال حدثني محمد بن يوسف عن جده السائب ابن يزيد قال كنا نصلي في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه في رمضان ثلث عشرة ركعة

قال ابن اسحٰق ما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون من حدیث السائب وذلک ان صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ اھ

ترجمہ نواں قول یہ ہے کہ تیرہ رکعت ہے، اور اسی کو محمد بن اسحٰق نے اختیار کیا ہے، امام محمد بن نصر نے روایت کی کہ محمد بن اسحٰق نے کہا کہ محمد بن یوسف نے مجھے خبر دی کہ ان کے جد سائب بن یزید نے کہا کہ ہم لوگ عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کے زیادہ لائق ہو، نہیں سنی ہے، اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ ہی رکعت تھی اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں۔ قال ابن اسحٰق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل ۔ ترجمہ محمد بن اسحٰق نے کہا کہ میں نے جس قدر حدیثیں اس باب میں سنی ہیں، ان سب میں یہ حدیث کے موافق ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں مروی ہے، دسواں قول۔ یہ ہے کہ گیارہ رکعت ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں۔ وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر ابن العربی ۔ ترجمہ دسواں قول یہ ہے کہ گیارہ رکعت ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو ابوبکر بن عربی نے بھی پسند کیا ہے، علامہ حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ میں فرماتے ہیں۔ فی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انھا احدی عشرۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ اخر وزاد محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحٰق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرۃ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ والثانی قریب منہ ملتقطا ۔ ترجمہ امام مالک نے موطا میں محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے، اور سعید بن منصور نے ایک اور سند سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے۔ اور امام محمد بن نصر مروزی نے محمد بن اسحٰق کی سند سے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہے۔ اور اول عدد یعنی گیارہ حضرت

عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کے موافق ہے۔ اور ثلاثی یعنی تیرہ اس سے قریب ہے۔ امر دوم کا بیان ان اقوال عشرہ میں قول دہم اس لئے مرجح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی حدیث صحیح سے گیارہ رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ثابت نہیں (جواب نمبر۱ ملاحظہ ہو) اور حضرت عمرؓ کا حکم کہ امام لوگ گیارہ ہی پڑھا کریں۔ مزید براں ہے (جواب نمبر۱ ملاحظہ ہو) اور کسی صحیح سند سے کسی کا خلفائے راشدین میں سے بھی اس سے زیادہ پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت نہیں ہے، اور صریحاً اسلامی قانون موجود ہے کہ عند الاختلاف جو قول کتاب وسنت کے موافق ہے وہی مرجح ہے، (دیکھو سورہ نساء رکوع ۸) فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ ترجمہ اگر تم لوگ کسی بات میں اختلاف کرو، تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ کو اور قیامت کے دن کو مانتے ہو پس ثابت ہوا کہ اس اختلاف میں قول دہم ہی مرجح ہے۔ تنبیہ: ایک صاحب نے دوبارہ بیس رکعت تراویح کے رسائل خمسہ مطبوعہ امرتسر سے کتاب سنن کبریٰ بیہقی کی چند روایات نقل کرکے ہمارے پاس بھیجی ہیں۔ ہم ان کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی گذارش جو ان روایات کے متعلق ہیں، ذیل میں درج کرتے ہیں، ہماری نظر سے نہ سنن کبریٰ بیہقی گذری ہے، نہ ہم مؤلف رسائل خمسہ کا حال جانتے ہیں۔ لہٰذا ان روایات کی نسبت کہ یہ سنن کبریٰ بیہقی میں ہیں یا نہیں، کچھ حکم نہیں لگا سکتے۔ اور بعد تسلیم یہ گذارش ہے کہ روایات مذکورہ میں سے پہلی روایات تو سائب بن یزید کی ہے کہ کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ اور دوسری روایت یزید بن رومان کی ہے کہ کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ۔ ان دونوں روایتوں پر اسی رسالہ میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ جو لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے پڑھتے تھے۔ اور یزید بن رومان کی روایت پر ایک اور بحث بھی گذر چکی ہے کہ یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح بھی نہیں ہے، (رسالہ رکعات التراویح کا صفحہ ۱۵ ملاحظہ ہو) تیسری اور چوتھی روایت یہ ہے کہ سوید بن غفلہ اور شتیر بن شکل (جو منجملہ تابعین ہیں) رمضان

میں بیس رکعت پڑھاتے تھے۔ ان دونوں روایتوں کی عبارت مع سند یہ ہے۔ اخبرنا ابو زکریا ابن ابی اسحٰق ثنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب ثنا محمد بن عبدالوہاب ثنا جعفر بن عون ثنا ابو الخطیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلۃ فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ وروینا عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمہم فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلث اھ۔ ان دونوں روایتوں کا جواب (اس سے قطع نظر کہ ان کی سند کیسی ہے، صحیح یا غیر صحیح) یہ ہے کہ زیر بحث یہ امر نہیں ہے کہ دنیا میں کسی نے بیس رکعت بھی پڑھی پڑھائی ہے یا نہیں ضرور پڑھی بھی ہے، اور پڑھائی بھی ہے، بلکہ بعض اکابر نے تو ۲۴ بلکہ ۲۸ بلکہ ۳۶ بلکہ ۳۸ بلکہ مع وتر ۴۱ بلکہ ۴۷ رکعت تک بھی پڑھی ہے چنانچہ ان سب کی تفصیل رسالہ رکعات التراویح میں بخوبی گذر چکی ہے، (جواب نمبرہ ملاحظہ ہو) بلکہ زیر بحث یہ امر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے کتنی رکعت پڑھنا یا کتنی رکعت پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے، اور یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے بیس رکعت پڑھنا یا بیس رکعت پڑھانے کا حکم دینا ثابت ہے یا نہیں، اور یہ امر کہ دوبارہ رکعات التراویح جو فیما بین العلماء اختلاف ہے اس میں مرجح اور قوی من حیث الدلیل کے کتنی رکعت ہے، اور یہ دونوں روایتیں ان تینوں زیر بحث امور سے اجنبی ہیں۔ یہی جواب اس روایت کا بھی ہے، جو بعض رسائل میں بلا حوالہ کسی حدیث کی کتاب کے منقول ہے کہ عطاء نے کہا کہ میں نے لوگوں کو تیئس رکعت پڑھتے پایا ہے؛ اس روایت کی عبارت مع سند یہ ہے۔ حدثنا ابن نمیر عن عبدالملک عن عطاء قال ادرکت الناس وہم یصلون ثلثا وعشرین رکعۃ۔ پانچویں روایت یہ ہے کہ حضرت علی نے ماہ رمضان میں قاریان قرآن کو بلایا، اور ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے اور وتر آپ پڑھایا کرتے، اس روایت کی عبارت مع سند یہ ہے۔ اخبرنا ابو الحسین الفضل بن القطان ببغداد اخبرنا محمد بن احمد بن عیسیٰ بن عبداللہ الرازی ثنا ابو عامر عمرو بن تمیم ثنا احمد بن عبداللہ بن یونس ثنا حماد بن شعیب عن عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمٰن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منہم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان

خلاصہ تحریر جناب۔ اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، اولاً اس وجہ سے کہ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہیں۔ اور وہ ضعیف و متروک الحدیث ہیں۔ امام ذہبیؒ اپنی کتاب میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ میں فرماتے ہیں: حماد بن شعیب الحمانی الکوفی عن ابی الزبیر وغیرہ ضعفہ ابن معین وغیرہ وقال یحییٰ مرۃ لا یکتب حدیثہ وقال البخاری فیہ نظر وقال النسائی ضعیف وقال ابن عدی اکثر حدیثہ مما لا یتابع علیہ ابوحاتم لیس بالقوی انتہی ملتقطاً۔ ترجمہ۔ حماد بن شعیب حمانی کوفی ہیں۔ ابو الزبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے، اور یحییٰ نے ایک بار یہ بھی کہا ہے کہ یہ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جائے، اور امام بخاری نے ان کے حق میں فیہ نظر، یعنی متروک الحدیث کہا ہے، اور نسائی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، اور ابن عدیؒ نے کہا کہ ان کی اکثر حدیثیں اس قسم کی ہوتی ہیں جن پر ان کی کوئی متابعت نہیں کرتا۔ اور ابوحاتم نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہیں۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی عطاء بن سائب بھی ہیں (جو حماد بن شعیب کے شیخ یعنی استاذ ہیں) اور گو یہ عطاء بن سائب پہلے ثقہ تھے لیکن بعد کو اس وجہ سے کہ ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا۔ یعنی بدحافظہ ہو گئے تھے، اور اناپ شناپ روایت کرنے لگے تھے، ثقہ باقی نہیں رہے، لہٰذا جن ثقات نے ان سے ان کے اس تغیر اور بدحافظگی کے قبل حدیث سنی ہے، وہ حدیث تو صحیح ہے، اور جن ثقات نے ان سے بعد میں حدیث سنی ہے وہ حدیث صحیح نہیں، اور حماد بن شعیب جو ان سے روایت کرتے ہیں، اولاً تو وہ خود ہی ثقہ نہیں ہیں کما مر، ثانیاً اگر ان سے حدیث سنی بھی تھی۔ تو بعد میں سنی ہے، کیونکہ قبل میں ان سے حدیث [illegible] شخص بیان کئے جاتے ہیں۔ جن میں سے یہ نہیں ہیں، اور وہ تین شخص یہ ہیں، شعبہ۔ سفیان۔ حماد بن زید۔ امام ذہبیؒ میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ میں فرماتے ہیں، عطاء بن السائب ابو زید الثقفی الکوفی احد علماء التابعین روی عن عبد اللہ بن ابی اوفی انس وانما حدث عن سفیان وشعبۃ والقلائل تغیر باخرہ وساء حفظہ قال احمد من سمع منہ قدیما فہو صحیح ومن سمع حدیثا لم یکن بشیء وقال یحییٰ لا یحتج بہ وقال احمد

بن ابی خیثمة عن یحیی حدیثه ضعیف الا ما کان من شعبة وسفیان وقال یحیی بن سعید سمع حماد بن زید من عطاء بن السائب قبل ان یتغیر وقال البخاری احادیث عطاء بن السائب القدیمة صحیحة وقال احمد بن حنبل عطاء بن السائب ثقة ثقة رجل صالح من سمع منه قدیما کان صحیحا یختم کل لیلة وقال ابو حاتم محله الصدق قبل ان یختلط وقال النسائی ثقة فی حدیثه القدیم لکنه تغیر ورواية شعبة والثوری وحماد بن زید عنه جیدة انتہی۔

ترجمہ۔ عطاء بن سائب ثقفی ہیں۔ ابو زید ان کی کنیت ہے کوفے کے رہنے والے ہیں علماء تابعین میں سے ایک عالم ہیں۔ عبداللہ بن ابی اوفی اور انس بن مالکؓ اور اپنے والد اور ایک جماعت سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے سفیان اور شعبہ اور لوگ بہت روایت کرتے ہیں۔ آخر میں ان کے حافظہ میں تغیر آگیا، اور بدحافظہ ہو گئے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا جن ثقات نے ان سے قبل میں حدیث سنی ہے، وہ صحیح ہے۔ اور جن ثقات نے بعد میں سنی ہے، وہ کچھ نہیں۔ اور یحییٰؒ نے کہا عطاء بن سائب قابل احتجاج نہیں ہیں۔ اور احمد بن ابی خیثمہ نے یحییٰؒ سے نقل کیا کہ جو حدیث ان سے شعبہ و سفیان نے سنی ہے، اس کے سوا جو ان کی حدیث ہے، وہ ضعیف ہے، اور یحییٰؒ بن سعیدؒ نے کہا کہ حماد بن زید نے بھی عطاء بن سائب سے اُن کے اختلاط یعنی تغیر کے قبل سنا ہے، اور امام بخاری نے کہا کہ عطاء بن سائب کی قدیم حدیثیں صحیح ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل نے کہا۔ عطاء بن سائب ثقہ ہیں وہ ایک صالح شخص ہیں، جن ثقات نے ان سے قبل میں حدیث سنی ہے، وہ صحیح ہے، اور یہ ہر رات قرآن ختم کیا کرتے تھے، اور ابو حاتم نے کہا عطاء بن سائب اس اختلاط کے قبل سچائی کے محل تھے۔ اور نسائی نے کہا عطاء بن سائب اپنی قدیم حدیث میں ثقہ ہیں۔ لیکن بعد میں ان میں تغیر آگیا تھا، اور شعبہ اور سفیان ثوری اور حماد بن زید نے جو حدیثیں ان سے روایت کی ہیں، وہ اچھی ہیں۔ چھٹی روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھایا کرے۔ اور اس روایت کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ فی ھذا الاسناد ضعف یعنی اس روایت کے اسناد میں ضعف ہے، یعنی اس کی سند ضعیف ہے، اس روایت کی عبارت یہ

سند یہ ہے۔ اخبرنا ابو عبد اللہ بن فنجویۃ الدینوری ثنا احمد بن محمد بن اسحٰق السنی ثنا احمد بن عبد اللہ البزار ثنا سعدان بن یزید ثنا حکم ابن مروان السلمی انبأ الحسن بن صالح عن ابی سعد البقال عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بنا خمس ترویحات عشرین رکعۃ وفی ھذا الاسناد ضعف اھ اس روایت کا جواب تو خود اسی روایت کے آخر میں مذکور ہے کہ فی ھذا الاسناد ضعف یعنی اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس سند کے ضعف کی چند وجوہ ہیں۔ از انجملہ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو سعد بقال ہیں اور وہ اس درجے کے ضعیف ہیں کہ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں کسی نے بھی ان کی توثیق نہیں کی ہے وسعید ایہ مدلس بھی ہیں، اور یہ روایت انہوں نے عن کے ساتھ کی ہے۔ اور جب راوی مدلس عنعنہ کرے یعنی عن کے ساتھ روایت کرے تو اس کی وہ روایت صحیح نہیں ہوتی اگرچہ وہ راوی ثقہ کیوں نہ ہو تو جب وہ راوی غیر ثقہ ہو جیسے ابو سعد بقال تو اس کی روایت کیونکر صحیح ہوگی یعنی اس کی تو بطریق اولٰے صحیح نہ ہوگی۔ الحاصل یہ چھٹی روایت بھی صحیح نہ نکلی تقریب صفحہ ۱۴۴ میں ہے۔ سعید بن مرزبان ابو سعد البقال ضعیف مدلس۔ ترجمہ۔ ابو سعد بقال جن کا نام سعید اور باپ کا نام مرزبان ہے ضعیف ہیں اور مدلس بھی ہیں، اور خلاصہ صفحہ ۱۴۲ میں ہے۔ سعید بن المرزبان ابو سعدؒ البقال قال النسائی ضعیف قال الذہبی وما علمت احدا وثقہ ترجمہ۔ ابو سعد بقال جن کا نام سعید اور باپ کا نام مرزبان ہے۔ نسائی نے کہا ضعیف ہیں۔ اور علامہ ذہبی نے فرمایا جہاں تک میں جانتا ہوں۔ ان کو کسی نے ثقہ نہیں کہا ہے وازاں جملہ ایک وجہ یہ ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو الحسنا بھی ہیں۔ جو ابو سعد بقال مذکور کے شیخ ہیں، اور حضرت علی سے اس اثر کے روایت کرنے والے قرار دیئے گئے ہیں؛ ابو الحسنا میں جو کلام ہے رسالہ میں مفصل بیان ہو چکا ہے (صفحہ ۲۳ میں ملاحظہ ہو۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ وہی ابو الحسنا ہیں، جو تقریب التہذیب میں مذکور ہیں۔ تو اولاً تو ان کو حضرت علی سے لقا ہی نہیں ہے۔ پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہ ٹھہری ثانیاً یہ ابو الحسنا مجہول بھی ہیں۔ اس وجہ سے بھی یہ روایت صحیح ثابت نہ ہوئی،

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ الغازی فوری

ضمیمہ رکعات التراویح

سوال:۔ تراویح کا لفظ کہیں قرآن مجید میں یا حدیث میں وارد ہوا ہے۔ یا نہیں!

جواب:۔ تراویح کا لفظ نہ کہیں قرآن مجید میں آیا ہے، نہ میری نظر سے کہیں حدیث شریف میں گزرا ہے۔

سوال:۔ نماز تراویح کی کیا تعریف ہے، اور اس نماز کا یہ نام کب رکھا گیا۔ اور کیوں رکھا گیا۔ اور اس کا وقت کب سے کب تک ہے!

جواب:۔ نماز تراویح کی تعریف علماء نے یہ لکھی ہے کہ نماز تراویح وہ نماز ہے جو ماہ رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد باجماعت پڑھی جائے، اور اس نماز کا نام نماز تراویح اس لیے رکھا گیا کہ لوگ اس میں ہر چار رکعت کے بعد استراحت کرنے لگے کیونکہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ کے معنے ایک بار آرام کرنے کے ہیں، اور اس نماز کا وقت عشاء کے بعد سے ساری رات ہے، طلوع فجر تک، علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۱۵ میں اور علامہ قسطلانی ارشاد الساری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۸۳ میں فرماتے ہیں:۔

التراویح جمع ترویحۃ وھی المرۃ الواحدۃ من الراحۃ سمیت الصلوٰۃ بالجماعۃ فی لیالی رمضان التراویح لانہم اول ما اجتمعوا علیہا کانوا یستریحون بین کل تسلیمتین۔

ترجمہ۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور ترویحہ مرت کا صیغہ واحد ہے۔ راحت سے مشتق ہے وہ نماز جو رمضان کی راتوں میں باجماعت پڑھی جاتی ہے، اس کا نام تراویح رکھا گیا، اس لئے کہ جب ابتداء میں لوگ اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، تو ہر دو تسلیمہ کے درمیان میں استراحت کرنے لگے۔ ایسا ہی علامہ زرقانی نے بھی شرح موطا مالک مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ میں فرمایا ہے۔ ان عبارات سے چاروں امور مندرجہ سوال کا جواب ہو گیا۔ ہاں صرف بعد العشاء

کی قیدان عبارات میں چھوڑ دی گئی۔ لیکن آئندہ عبارتوں میں یہ قید بھی بتصریح تمام مذکور ہے، ہدایہ مطبوعہ مطبع مصطفائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ میں ہے والاصح ان وقتہا بعد العشاء الی اٰخر اللیل ترجمہ۔ اور اصح یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ اور در مختار مع رد المختار جلد ۱ صفحہ ۴۷۲ میں ہے ووقتہا بعد العشاء الی الفجر۔ ترجمہ۔ اور تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے فجر تک ہے۔

سوال:۔ قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ قیام رمضان کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے، اس سے علی التحقیق وہ نماز مراد ہے جو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں عشاء کے بعد جماعت کے ساتھ خواہ اکیلے اکیلے پڑھی جائے علامہ زرقانی شرح موطا جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ میں فرماتے ہیں۔ قیام رمضان ای صلوٰۃ التراویح قالہ النووی وقال غیرہ بل مطلق الصلوٰۃ الحاصل بہا قیام اللیل واغرب الکرمانی فی قولہ اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح۔ ترجمہ۔ امام نووی نے فرمایا کہ قیام رمضان سے نماز تراویح مراد ہے، اور علماء فرماتے ہیں کہ قیام رمضان سے مطلق وہ نماز مراد ہے، جس سے قیام اللیل حاصل ہو جائے، اور کرمانی نے کہا ہے کہ قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے، یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔ اور فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۲۱۵ میں ہے من قام رمضان ای قام لیالیہ مصلیا والمراد من قیام اللیل ما یحصل بہ مطلق القیام وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح یعنی انہ یحصل بہا المطلوب من القیام لا ان قیام رمضان لا یحصل الا بہا واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوٰۃ التراویح۔ ترجمہ۔ قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں مطلق نماز پڑھنا مراد ہے اور جو امام نووی نے فرمایا کہ قیام رمضان سے نماز تراویح مراد ہے اس سے ان کا مطلب یہ ہے، کہ نماز تراویح سے بھی قیام رمضان حاصل ہو جاتا ہے۔ نہ یہ کہ نماز تراویح ہی سے قیام رمضان حاصل ہوتا ہے،

بغیر اس کے قیام رمضان حاصل نہیں ہوتا۔ یعنی قیام رمضان نماز تراویح سے اعم ہے، کیونکہ نماز تراویح میں جماعت بھی شرط ہے۔ اگر اکیلے اکیلے پڑھیں، تو وہ تراویح نہ ہوگی، بخلاف قیام رمضان کے کہ اس میں جماعت شرط نہیں ہے، خواہ جماعت کے ساتھ پڑھیں خواہ اکیلے اکیلے پڑھیں۔ دونوں صورتوں میں قیام رمضان حاصل ہو جائے گا۔ اور نماز تراویح بغیر جماعت کے حاصل نہ ہوگی، اور جو کرمانی نے کہا ہے کہ "قیام رمضان سے بالاتفاق نماز تراویح مراد ہے" یہ انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے، اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ میں قام رمضان کی شرح میں ہے قام فی لیالی رمضان مصلیا ما یحصل به مطلق القیام قیام رمضان ہے رمضان کی راتوں میں مطلق نماز پڑھنا مراد ہے، اور یہی اسی جلد و صفحہ میں ہے۔ قامه (ای قیام رمضان) بصلوة التراويح او بالطاعة فی لیالیه۔ یعنی قیام رمضان سے رمضان کی راتوں میں نماز پڑھنا مراد ہے خواہ نماز تراویح ہو یا کوئی اور طاعت۔

سوال:- تہجد کے کیا معنے ہیں، اور نماز تہجد کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:- تہجد کے لغوی معنے بیداری کے ہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ بے داری اور خواب دونوں کے ہیں۔ اور تہجد کے شرعی معنے صرف رات کی نماز کے ہیں۔ یعنی تہجد شرع میں وہ نماز ہے، جو رات کو عشاء کے بعد پڑھی جائے۔ اور اس کا وقت عشاء کے بعد سے تمام رات طلوع فجر تک ہے، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۵۹۲ میں ہے۔ تفسیر التهجد بالسهر معروف فی اللغة وهو من الاضداد یقال تهجد اذا سهر وتهجد اذا نام حكاه الجوهري وغيره ومنهم من فرق بينهما فقال هجدت نمت وتهجدت سهرت حكاه ابو عبيدة وصاحب العين فعلى هذا اصل الهجود النوم ومعنى تهجدت طرحت عنى النوم وقال الطبرى التهجد السهر بعد نومة ثم ساقه عن جماعة من السلف وقال ابن فارس المتهجد المصلى ليلا وقال كراع التهجد صلوة الليل خاصة۔ ترجمہ:- لغت میں تہجد کے معنے بیداری کے ہیں اور یہ لفظ اضداد سے ہے۔ یعنی اس کے معنے بیداری اور خواب دونوں کے ہیں،

چنانچہ جوہری وغیرہ نے نقل کیا ہے، کہ جب تہجد بولتے ہیں، تو کبھی اس سے مراد لیتے ہیں کہ بیدار ہوا اور کبھی اس سے مراد لیتے ہیں کہ سو گیا۔ اور بعض کا قول ہے کہ لفظ تہجد اضداد سے نہیں ہے، بلکہ اس کے معنے صرف بیداری کے ہیں۔ ہاں ہجود جو ایک دوسرا لفظ ہے، اس کے معنے البتہ خواب کے ہیں، چنانچہ ابو عبیدہ اور صاحب العین نے نقل کیا ہے کہ جب ہجدت بولتے ہیں تو اس سے نمت مراد لیتے ہیں۔ یعنی میں سو گیا، اور تہجدت بولتے ہیں، تو اس سے سہرت مراد لیتے ہیں، یعنی میں بیدار ہوا، تو اس بنا پر ہجود کے اصلی معنے خواب کے ہیں، اور تہجد کے اصلی معنے ترک خواب یعنی بیداری کے ہیں۔ یعنی خواب سے پرہیز کرنا۔ پس تہجد میں تجنب کی خاصیت پائی جاتی ہے، اور طبری نے کہا کہ تہجد کے معنے اس بیداری کے ہیں، جو ایک نیند کے بعد ہو، اور اس کو طبری نے ایک جماعت سلف سے نقل کیا ہے، اور ابن فارس نے کہا کہ متہجد یعنی تہجد گذار وہ شخص ہے، جو رات کو نماز پڑھا کرے۔ اور کراع نے کہا کہ تہجد خاص رات کی نماز کا نام ہے، اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ میں ہے، اصل ذلك الهجود وهو النوم وقال ابن فارس المتهجد المصلي ليلا۔ ترجمہ۔ تہجد کے اصلی معنے ترک خواب یعنی بیداری کے ہیں، اور ابن فارس نے کہا کہ متہجد وہ شخص ہے، جو رات کو نماز پڑھا کرے۔ امام رازی تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۴ میں فرماتے ہیں۔ قال الازهري المعروف في كلام العرب ان الهاجد هو النائم ثم ان في الشرع يقال لمن قام من النوم الى الصلوة انه متهجد فوجب ان يحمل هذا على انه سمي متهجدا لالقائه الهجود عن نفسه كما قيل للعابد متحنث لالقائه الحنث عن نفسه وهو الاثم ويقال فلان رجل متحرج ومتأثم ومتحوب اي يلقي الحرج والاثم والحوب عن نفسه۔ ترجمہ۔ ازہری نے کہا مشہور کلام عرب میں یہ ہے کہ ہاجد سونے والے ہی کو کہتے ہیں، پھر جو شخص کہ خواب سے اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کو شرع میں متہجد یعنی تہجد گذار کہتے ہیں۔ تو ضرور ہوا کہ یہ کہا جائے کہ تہجد گذار کو متہجد اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے ہجود یعنی خواب سے اپنے آپ کو بچایا یعنی پرہیز کیا جس طرح عابد متحنث اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے حنث یعنی گناہ سے اپنے آپ کو بچایا یعنی پرہیز کیا، اور جو کسی شخص کو متحرج اور متاثم اور متحوب کہا جاتا ہے، اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے حرج اور اثم اور حوب یعنی گناہ

سے اپنے آپ کو بچایا یعنی پرہیز کیا۔ (یعنی تہجد میں تجنب کی خاصیت پائی جاتی ہے) اور علامہ شیخ سلیمان الجمل فتوحات الٰہیہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۲۷ میں فرماتے والمعروف فی کلام العرب ان الھجود عبارۃ عن النوم باللیل یقال ھجد فلان اذا نام باللیل ثم لما راینا عرف الشرع انه یقال لمن انتبه باللیل من نومه وقام الی الصلوۃ انه متھجد وجب ان یقال سمی متھجدا من حیث انه اتقی الھجود ۔ ترجمہ: مشہور کلام عرب میں یہ ہے کہ ہجود کے معنے رات کو سونے کے ہیں چنانچہ جب کوئی شخص رات کو سوجاتا ہے تو کہتے ہیں، ہجد فلان یعنی رات کو سوگیا پھر جب ہم نے دیکھا کہ جو شخص رات کو خواب سے بیدار ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کو عرف شرع میں متہجد یعنی تہجد گزار کہتے ہیں، تو ضرور ہوا کہ یہ کہا جائے کہ تہجد گزار کو متہجد اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس نے خواب کو اپنے ترک کیا، یعنی خواب سے پرہیز کیا۔

سوال:۔ قیام اللیل اور صلوۃ اللیل کے کیا معنے ہیں؟ اور اس کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:۔ قیام اللیل کے لغوی معنے ہیں۔ رات کو اٹھنا۔ اور صلوۃ اللیل کے لغوی معنے ہیں۔ رات کی نماز، اور شرعی معنے صرف رات کی نماز کے ہیں۔ یعنی قیام اللیل اور صلوۃ اللیل دونوں شرع میں وہ نماز ہے جو رات کو بعد عشاء کے پڑھی جائے، اور اس کا وقت بھی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، علامہ جلال الدین سیوطیؒ جلالین میں فرماتے ہیں: قم اللیل ای صل ترجمہ۔ رات کو اٹھ یعنی نماز پڑھ۔ اور فتوحات الٰہیہ جلد ۴ صفحہ ۴۲۴ میں خطیب سے منقول ہے۔ وقیام اللیل فی الشرع معناہ الصلوۃ ترجمہ اور قیام اللیل کے شرعی معنے رات کی نماز کے ہیں۔ اور علامہ خازن تفسیر لباب التاویل چھاپہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳۴۲ میں فرماتے ہیں: قم اللیل ای صل اللیل۔ ترجمہ: رات کو اٹھ یعنی رات کو نماز پڑھ۔ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی چھاپہ کلکتہ صفحہ ۱۵۶ میں فرماتے ہیں۔ قم اللیل یعنی برخیز واستادہ نماز گزار در ہر شب اور ۱۷۷ میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ

اللَّيْلِ یعنی تحقیق ... فاذکہ تو در نماز تہجد استادہ می باشی قریب از دو حصہ شب گا ہے ... بیضاوی انوار التنزیل چھاپہ کلکتہ جلد ۲ صفحہ ۳۶۴ میں فرماتے ہیں ،، قُمِ اللَّيْلَ ... صلوٰۃ او دادم علیہا ۔ ترجمہ۔ رات کو اٹھ یعنی نماز کو اٹھ۔ اور علامہ ... تفسیر ارشاد العقل السلیم چھاپہ مصر جلد ۵ صفحہ ۳۴۳ میں فرماتے ہیں۔ قُمِ اللَّيْلَ ای الی الصلوٰۃ وانتصاب اللیل علی الظرفیۃ وقیل القیام مستعار للصلوٰۃ ومعنی قم صل ترجمہ۔ رات کو اٹھ یعنی نماز۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیام کا لفظ نماز کے لئے مستعار ہے۔ اور قم کے معنی صل۔ یعنی نماز پڑھ۔ اور صحیح مسلم میں جلد ۱ صفحہ ۱۵۹ میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح صلوٰۃ برکعتین خفیفتین ترجمہ۔ ابوہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی رات کو اٹھے تو اپنی نماز ہلکی دو رکعتوں سے شروع کرے۔ اور مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۹ میں ہے۔ عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال قال لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یا عبداللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل فترک قیام اللیل متفق علیہ ۔ ترجمہ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے نقل کیا کہ مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ! تم اس فلاں شخص کے سے نہ ہو جانا۔ جو رات کو اٹھا کرتا تھا۔ پھر رات کا اٹھنا چھوڑ دیا۔ اور صفحہ ۱۰۳ میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلے رکعۃ واحدۃ توتر لہ ما قد صلے متفق علیہ ۔ ترجمہ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ ابن عمرؓ نے نقل کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صلوٰۃ اللیل دو دو رکعت ہے۔ پھر جب تم میں سے کسی کو صبح ہو جانے کا ڈر ہو تو ایک ہی رکعت پڑھ لے کر یہ ایک رکعت اس کے لئے ان کل نمازوں کو جو پڑھ چکا ہے، وتر بنا دے گی۔ اور صفحہ ۱۰۵ وہیں ہے،، عن عائشۃ قالت کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوٰۃ العشاء الی الفجر احدی عشرۃ رکعۃ یسلم من کل رکعتین ویوتر بواحدۃ الحدیث متفق علیہ ۔

ترجمہ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء کے بعد سے فجر تک میں گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے اور ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا کرتے، اور ایک رکعت وتر پڑھا کرتے۔ اور صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجعلوا اٰخر صلٰوتکم باللیل وترا رواہ مسلم۔ ترجمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صلوٰۃ اللیل کو وتر پر ختم کیا کرو۔ اور بھی صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن عائشۃ قالت من کل اللیل اوتر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من اول اللیل واوسطہ واٰخرہ وانتہی وترہ الی السحر متفق علیہ۔ ترجمہ صحیح بخاری وصحیح مسلم دونوں میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر ایک حصہ میں نماز وتر پڑھی ہے، اول رات میں بھی اوسط رات میں بھی اور آخر رات میں بھی اور آپ کی نماز وتر سحر تک ختم ہو گئی ہے، یعنی آپ نے سحر ہو جانے کے بعد نماز وتر نہیں پڑھی ہے، اور بھی صفحہ ۱۰۳ میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من خاف ان لا یقوم اٰخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم اٰخرہ فلیوتر اٰخر اللیل الحدیث رواہ مسلم۔ ترجمہ۔ جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ڈر ہو کہ آخر رات میں نہیں اٹھے گا۔ وہ وتر اول ہی رات میں پڑھ لے، اور جس کو امید ہو کہ آخر رات میں اٹھے گا۔ وہ وتر آخر رات میں پڑھے۔ ان عبارات تفاسیر و احادیث منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل دونوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔ یعنی جو نماز کہ رات کو عشاء کے بعد پڑھی جائے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تہجد بھی اسی نماز کا نام ہے، تو ثابت ہوا کہ تہجد اور قیام اللیل اور صلوٰۃ اللیل یہ تینوں ایک ہی نماز کے نام ہیں۔

---

[1] یہ حدیث متفق علیہ ہے، یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ لیکن مشکوٰۃ شریف میں صرف صحیح مسلم ہی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ۱۲۔

[2] یعنی عشاء کے بعد سے جس قدر رات باقی رہ جاتی ہے اس کے ہر ایک حصہ میں نماز وتر پڑھی ہے ۱۲۔

سوال: تراویح رمضان کی صلوٰۃ اللیل ہے یا نہیں؟

جواب: تراویح رمضان کی بلاشبہ صلوٰۃ اللیل ہے، اس لئے کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث جس میں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی راتوں میں تین یا چار رات جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ وہ تراویح ہی میں وارد ہے۔ اور یہ امر بلا خلاف ہے اور اس حدیث میں نماز مذکور یعنی تراویح کو صلوٰۃ اللیل اور قیام رمضان دونوں میں فرمایا گیا ہے، فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۵۹ میں ہے۔ وفی روایۃ یونس (عند مسلم) ولکن خشیت ان یفرض علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنہا وکذا فی روایۃ ابی سلمۃ المذکورۃ قبیل[۲] صفۃ الصلوٰۃ خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل[۱] اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ وفیہ روایۃ سفیان بن حسین خشیت ان یفرض علیکم قیام الشہر[۳] اور ایسا ہی زرقانی جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ میں بھی ہے، اور بھی زرقانی جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ میں ہے الا انی خشیت[۴] ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل فتعجزوا عنہا کما فی روایۃ یونس ونحوہ فی روایۃ عقیل عند البخاری اور ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۰ میں ہے، انی[۵] خشیت ان تکتب علیکم صلوٰۃ اللیل او اللیل اھ اور صفحہ ۳۵۵ میں ہے الا انی[۶] خشیت ان یفرض علیکم زاد فی روایۃ یونس صلوٰۃ اللیل

---

[۱] یونس کی روایت میں ہے جو مسلم کے نزدیک ہے، اور لیکن مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے پھر تم عاجز ہو سکے، اور ایسا ہی ابو سلمہ کی روایت میں بھی ہے جو صفۃ الصلوٰۃ کے قبیل مذکور ہو چکی ہے کہ مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

[۲] فیہ تسامح فان ھذا انما ھو روایۃ عمارۃ لا فی روایۃ ابی سلمۃ۔

[۳] سفیان بن حسین کی روایت میں ہے، مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں اس مہینے کا قیام تم پر فرض کر دیا جائے ۱۲۔

[۴] مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے پھر تم عاجز ہو سکے جیسا کہ یونس کی روایت میں اور ایسا ہی عقیل کی روایت میں ہے جو بخاری کے نزدیک ہے ۱۲۔ [۵] مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے ۱۲۔ [۶] مگر مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے، یونس کی روایت میں اس قدر زائد ہے کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے پھر تم عاجز ہو سکے ۱۲۔

فتجن واعنہا اھ اور نصب الرایہ جلد ا صفحہ ۲۹۳ میں ہے وفی لفظ لہما ولکن خشیت ان تفرض علیکم صلوٰۃ اللیل وذالك فی رمضان اور فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۰۴ میں ہے واختلف فی ادائہا ای فی اداء التراویح بعد النصف فقیل یکرہ لانہا تبع للعشاء کسنتہا والصحیح لا یکرہ لانہا صلوٰۃ واللیل والافضل فیہا آخرہ اھ۔

سوال: قیام لیلۃ القدر کا لفظ جو احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے؟۔

جواب: قیام لیلۃ القدر کے لغوی معنی ہیں، شب قدر میں اٹھنا۔ اور شرعی معنے ہیں شب قدر کی نماز۔ یعنی قیام لیلۃ القدر سے وہ نماز مراد ہے، جو شب قدر میں عشاء کے بعد پڑھی جائے قیام کے معنے ایسے محل میں نماز کے آیا کرتے ہیں۔ جیسے قیام اللیل اور قیام رمضان وغیرہ قیام کا اطلاق نماز پر اس قسم کے مقامات میں بہت آیا ہے، سورہ مزمل میں قیام کا لفظ کئی جگہ آیا ہے، اس سے ان سب جگہوں میں نماز ہی مراد ہے، (جواب نمبر ۵ بھی ملاحظہ ہو) اور ابوذر کی حدیث جو مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۱۴ میں ہے اس میں ہے۔ صمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشہر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذہب ثلث اللیل فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتی ذہب شطر اللیل فقلت یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ہذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ فلما کانت الرابعۃ لم یقم بنا حتی بقی ثلث اللیل فلما کانت الثالثۃ جمع اہلہ ونساءہ و

لہ اور بخاری اور مسلم کے ایک لفظ میں ہے اور لیکن مجھ کو ڈر ہوا کہ کہیں صلوٰۃ اللیل تم پر فرض کر دی جائے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے ۱۲

۲ہ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز تراویح آدھی رات کے بعد مکروہ ہے یا نہیں تو ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بھی عشاء کی سنت کی طرح عشاء کے تابع ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ یعنی نماز تراویح بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے اور صلوٰۃ اللیل میں افضل آخر رات ہے ۱۲

الناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم یقم بنا بقیۃ الشہر رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی الخ اس ایک حدیث میں قیام کا لفظ دو جگہ آیا ہے۔ اور ان دونوں جگہوں میں اس سے نماز ہی مراد ہے۔ الحاصل قیام لیلۃ القدر سے بھی شب قدر ہی مراد ہے۔ نماز پر قیام کا اطلاق اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ قیام نماز کا ایک رکن ہے۔ اور یہ اطلاق از قبیل اطلاق الجزء علی الکل ہے۔

سوال:۔ صلوٰۃ اللیل اور قیام اللیل اور صلوٰۃ التہجد اور قیام رمضان اور صلوٰۃ التراویح اور قیام لیلۃ القدر میں کیا کیا فرق ہے اور ان کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب:۔ صلوٰۃ اللیل اور قیام لیلۃ القدر اور صلوٰۃ التہجد ان تینوں میں شرعاً کچھ فرق نہیں ہے۔ یہ تینوں ایک ہی نماز کے نام ہیں جس کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے (جواب نمبر ۴ و ۵ ملاحظہ ہو) اور قیام رمضان بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ قیام رمضان صرف وہی صلوٰۃ اللیل ہے جو ماہ مبارک کی راتوں میں عشاء کے بعد پڑھی جائے اور صلوٰۃ اللیل میں رمضان کی راتوں کی قید نہیں ہے۔ رمضان کی راتوں میں پڑھی جائے، خواہ غیر رمضان کی راتوں میں دونوں صلوٰۃ اللیل ہے پس صلوٰۃ اللیل قیام رمضان سے اعم ہے۔ اور قیام رمضان اس سے اخص قیام رمضان کا بھی وہی وقت ہے، جو صلوٰۃ اللیل کا وقت ہے۔ یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک (جواب نمبر ۴ و ۵ ملاحظہ ہو) اور صلوٰۃ التراویح بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے۔ فرق اس قدر ہے کہ صلوٰۃ التراویح صرف وہی صلوٰۃ اللیل ہے، جو ماہ مبارک رمضان کی راتوں میں عشاء کے بعد بجماعت پڑھی جائے اور صلوٰۃ اللیل میں نہ رمضان کی راتوں کی قید ہے، نہ جماعت کی قید۔ رمضان کی راتوں میں پڑھی جائے، خواہ دوسری راتوں میں اور بجماعت پڑھی جائے، خواہ اکیلے اکیلے، سب صلوٰۃ اللیل ہے پس جس طرح صلوٰۃ اللیل قیام رمضان سے اعم ہے، اور قیام رمضان اس سے اخص اسی طرح صلوٰۃ اللیل صلوٰۃ التراویح سے اعم ہے، اور صلوٰۃ التراویح اس سے اخص اور ان دونوں یعنی صلوٰۃ التراویح اور صلوٰۃ اللیل کا بھی ایک ہی وقت ہے، یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک

(جواب نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ ہو) اور جس طرح صلوٰۃ التراویح صلوٰۃ اللیل ہے، اسی طرح صلوٰۃ التراویح قیام رمضان بھی ہے، فرق اس قدر ہے کہ صلوٰۃ التراویح میں جماعت کی بھی قید ہے، اور قیام رمضان میں یہ قید نہیں ہے پس قیام رمضان بھی صلوٰۃ التراویح سے اعم ہے، اور صلوٰۃ التراویح اس سے اخص۔ اور ان دونوں کا وقت بھی وہی ایک ہے، یعنی عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک۔ (جواب نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ ہو) اور قیام لیلۃ القدر بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے، فرق اس قدر ہے کہ قیام لیلۃ القدر صرف وہی ہے صلوٰۃ اللیل ہے، جو بالخصوص شب قدر میں پڑھی جائے، اور صلوٰۃ اللیل میں شب قدر کی قید نہیں ہے، پس صلوٰۃ اللیل قیام لیلۃ القدر سے بھی اعم ہے، اور قیام لیلۃ القدر اس سے اخص اور ان دونوں کا بھی وقت ایک ہے (جواب نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ ہو)۔

سوال:۔ صلوٰۃ اللیل کا افضل وقت کون ہے؟

جواب:۔ صلوٰۃ اللیل کا افضل وقت آخر شب ہے، آخر شب کی بہت فضیلت آئی ہے، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۹ میں ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الأخر يقول من يدعوني فاستجيب له من يسألني فاعطيه من يستغفرني فاغفر له متفق علیہ ترجمہ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف جبکہ رات کی آخری تہائی باقی رہ جاتی ہے، نزول فرماتا ہے، کہتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اس کی سنوں۔ کون ہے جو مجھ سے کچھ مانگے، کہ میں اسے دوں، کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی بخشش چاہے کہ میں اس کے گناہ بخش دوں۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الصلوٰة الى الله صلوٰة داود واحب الصيام الى الله صيام داود كان ينام نصف الليل ويقوم ثلثه وينام سدسه ويصوم يوما ويفطر يوما متفق علیہ۔ ترجمہ۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں سب سے زیادہ

پیاری نماز اللہ کے نزدیک داؤد کی نماز ہے، اور روزوں میں سب سے زیادہ پیارا روزہ اللہ کے نزدیک داؤد کا روزہ ہے، داؤد آدھی رات سو رہتے تھے، اور تہائی رات نماز پڑھتے۔ پھر چھٹا حصہ رات کا سو رہتے، اور ایک دن روزہ رکھتے، اور ایک دن افطار کرتے۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ عن عائشۃؓ قالت کان تعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینام اول اللیل ویحیی آخرہ متفق علیہ۔ ترجمہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں سو رہتے، اور آخر شب میں نماز پڑھتے، اور بھی اسی صفحہ میں ہے۔ عن عمرو بن عبسۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یکون الرب من العبد فی جوف اللیل الآخر فان استطعت ان تکون ممن یذکر اللہ فی تلک الساعۃ فکن رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث صحیح غریب اسناداً ترجمہ: سنن ترمذی میں ہے، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے کہ عمرو بن عبسہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ پروردگار سب وقتوں سے زیادہ آخر شب میں بندوں سے نزدیک ہوتا ہے، تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ جو لوگ اس وقت اللہ کو یاد کیا کرتے ہیں، ان میں سے ہو جائے تو ہو ہی جا۔ اور بھی اسی صفحہ میں ہے؛ عن ابی امامۃ قال قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات رواہ الترمذی ترجمہ۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ابو امامہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کس وقت کی دعا سب سے زیادہ سنی جاتی ہے، فرمایا آخر شب کی، اور فرض نمازوں کے بعد کی، اور صفحہ ۱۰۴ میں ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم من آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشہودۃ وذلک افضل رواہ مسلم۔ ترجمہ: صحیح مسلم میں ہے کہ جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ڈر ہو کہ آخر رات میں نہیں اٹھے گا، تو وہ اول ہی رات میں وتر پڑھ رہے، اور جس کو امید ہو کہ آخر شب میں اٹھے گا۔ تو وہ وتر آخر شب میں پڑھے کیونکہ آخر شب میں رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور آخر شب کی نماز افضل ہے، اور صفحہ ۱۱۵ میں ہے۔ عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ

ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمر انی لو جمعت هؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی ابن کعب قال ثم خرجت معه فی لیلة اخری والناس یصلون بصلوة قارئهم قال عمر نعمت البدعة هذه والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون یعنی اخر اللیل وکان الناس یقومون اوله رواه البخاری ۔

ترجمہ: صحیح بخاری میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد نے کہا کہ میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ مسجد کو نکلا تھا۔ تو دیکھا کیا ہوں کہ مسجد میں کچھ لوگ متفرق طور پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی اکیلا ہی پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند آدمی شامل ہو کر پڑھ رہے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں ان لوگوں کیلئے ایک امام مقرر کر دیتا کہ یہ لوگ اسی کے پیچھے پڑھا کرتے تو بلا شبہ یہ بہتر ہوتا، پھر ابی بن کعبؓ کو ان کا امام مقرر کر ہی دیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ پھر میں اور رات بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا، اور لوگ اپنے امام کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھ رہے تھے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ کیا اچھی بدعت ہے، اور جس وقت سے یہ لوگ غافل ہو کر سو رہتے ہیں، یعنی آخر رات وہ اس وقت یعنی اول رات میں جس میں یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں، افضل ہے، اور فتح القدیر جلد اصفحہ ۳۰۴ میں ہے۔ انها صلوة اللیل والافضل فیها آخره۔ ترجمہ نماز تراویح بھی صلوٰۃ اللیل ہی ہے، اور اس میں افضل آخر شب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ محمد عبداللہ الغازیپوری

مختصر حالات اُستاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ غازیپوری رحمۃ اللہ علیہ

جن کی ذات پر علم کو فخر اور عمل کو ناز تھا۔ تدریس جن کے دم سے زندہ تھی اساتذہ جن پہ اس قدر ناز کہ حضرت شیخ الکل جناب میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے۔ میرے درس میں دو عبداللہ آئے۔ ایک عبداللہ غزنویؒ دوسرا عبداللہ غازی پوری۔ آپ کے شاگرد بیشمار تلامذہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمد سعید بنارسیؒ (۲) مولانا عبدالتواب ملتانی (۳) حضرت شمس الحق عظیم آبادیؒ (۴) مولانا عبدالسلام مبارکپوریؒ (۵) عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ (۶) مولانا محمد یونس ... (۷) مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ سابق امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان۔ مکرر ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔

عدد رکعات تراویح

(از مولانا محمد داؤد صاحب الغزنوی مرحوم)

سوال: ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ یہاں مسجد نیلا گنبد میں ایک مقتدر عالم دین نے مسئلہ تراویح بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آٹھ رکعت تراویح بدعت اور گمراہی ہے۔ اور یہ کہ بیس رکعت تراویح پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اب اس میں کمی بیشی کرنا معصیت ہے۔ آج تک ہم یہی سمجھتے آئے ہیں کہ آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ سے اسی قدر ثابت ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم اپنے عہد خلافت میں دیا۔ مولانا کے وعظ سے ہم بہت پریشان ہیں۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اقول وباللہ التوفیق۔ ایک محقق عالم دین سے اس کی توقع نہیں کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے۔ کیونکہ جو چیز رسول اکرمؐ سے ثابت ہو اسے بدعت کہنا بہت بڑی جرأت ہے۔ اور فقہی مسائل میں غلو کا ایسا مقام ہے جسے کوئی بھی صاحب علم و بصیرت پسند نہیں کر سکتا۔ افسوس ہے کہ آج ہم آٹھ اور بیس رکعت تراویح کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں اور قیام رمضان کا جو اصل مقصد اور اسکی روح تھی اس سے توپے اعتنائی برت رہے ہیں اور عدد کی بحث اور قیل وقال میں اس درجہ منہمک ہیں کہ بسا اوقات حد اعتدال سے گزر جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی روایت جس میں گیارہ رکعت تراویح کا وتروں کے ساتھ ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

سألت عائشة كيف كانت صلوٰة رسول الله فى رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثا (صحيحين)

ابوسلمہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ رمضان شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ رمضان اور سوائے رمضان دوسرے

دنوں میں بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ آپ پہلے چار رکعت پڑھتے ان کی کیفیت کے متعلق کچھ نہ پوچھو۔ کتنی اچھی اور کتنی لمبی ہوتی تھیں۔ پھر اسی کیفیت کے ساتھ چار رکعت اور پڑھتے پھر اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے " کیا ہم آٹھ رکعت تراویح پڑھنے والوں نے اس کیفیت کو قائم رکھا، نہیں! اچھا جس روایت میں حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے۔ اسے بھی دیکھ لیجئے۔ كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطابؓ في شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكون على عصيهم في عهد عثمان بن عفانؓ من شدة القيام۔ بیہقی جلد دوم ص۴۹۶

یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان کی قرأت کی حالت یہ تھی کہ سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور لمبے قیام کی وجہ سے لوگ تھک کر اپنے عصا لاٹھی پر ٹیک لگاتے۔ حضرت عثمان بن عفان کے زمانہ میں۔ اور امام مروزی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ عن السائب ايضاً انهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعة۔ ويقرؤن بالمئين من القرآن وانهم كانوا يعتمدون على العصا في زمان عمر بن الخطابؓ۔ قیام اللیل ص۹۱۔

سائب بن یزید سے بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں لمبے قیام کی یہ حالت ہوتی تھی کہ لوگ تھک کر اپنی اپنی لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے۔ کیا بیس رکعت پڑھنے والے حضرات نے اس کیفیت کو قائم رکھا ہے؟ نہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ آٹھ رکعت پڑھنے والے حضرات ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ میں قیام اللیل ختم کر دیتے ہیں تو بیس رکعت پڑھنے والے حضرات بھی گھنٹہ سوا گھنٹہ میں بیس تراویح ختم کر دیتے ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ بیس رکعت پڑھنے والے حضرات اڑھائی گنا زیادہ وقت صرف کرتے، لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے یہی چیز میں نے شروع میں عرض کی ہے، کہ کیفیت نماز کو تو ہم نظر انداز

کر رہے ہیں اور گنتی کو مدار کا بنا رکھا ہے اور اس کے لئے بحث و جدل کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اگر معاملہ یہیں تک رہتا کہ افضل کیا ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ افسوس ہم حد اعتدال سے آگے بڑھ گئے اور ایک دوسرے کے عمل کو بدعت یا معصیت اور گمراہی قرار دینے کے درپے ہو گئے۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ جس کیفیت نماز ذوقِ عبادت اور خشوع وخضوع کے فقدان کا ذکر کر رہا ہوں۔ ائمہ دین کی تشریحات کو دیکھئے وہ اس بارے میں عدد رکعت کو اصل قرار دیتے ہیں یا طول قیام۔ اور اسی کے مناسب رکوع وسجود کو۔ امام مروزیؒ امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں لوگ انتالیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں اور مکہ میں بیس رکعت اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ولیس فی شیئ من ھذا ضیق ولا حد ینتھی الیہ لانہ نافلۃ فان اطالوا القیام واقلوا السجود فحسن وھو احب الی وان اکثروا الرکوع والسجود فحسن۔ (قیام اللیل ص۹۲)

اس میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نہ کوئی حد مقرر کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نفلی عبادت ہے اگر لمبا قیام کریں اور سجدے کم ہوں تو یہ اچھا ہے اور مجھے یہی پسند ہے۔ اور اگر رکوع و سجود زیادہ کریں یعنی قیام مختصر کریں تو یہ بھی درست ہے۔ امام احمد سے اسحاق بن منصور نے دریافت کیا۔ کم من رکعۃ یصلی فی قیام شھر رمضان۔ فقال قد قیل فیہ اقوال نحوا من اربعین انما ھو تطوع۔

(قیام اللیل ص۹۲)

رمضان مبارک کے قیام میں کتنی رکعت پڑھنی چاہیئے۔ آپ نے فرمایا اس میں چالیس کے قریب اقوال ہیں اور یہ تو نفلی عبادت ہے یعنی اس میں تعداد رکعت تشدد نہیں ہونا چاہیے، یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اس افسوسناک صورت حال کی بنا پر عرض کیا گیا ہے جو حد اعتدال سے تجاوز اور غلو کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ اب یہ عاجز نفس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

نفس مسئلہ نفس مسئلہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں تراویح کی نماز گھر پہ یا جتنے دن مسجد میں پڑھائی وہ کتنی رکعات تھیں؟ اگرچہ اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں آ گیا ہے۔ جو شروع میں ذکر کی گئی ہے لیکن اس میں ذکر صرف گھر کا ہے، مسجد میں جتنے دن نماز آپ نے پڑھائی۔ اس کا ذکر بھی صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم نے ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھائی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی دوسرے دن بھی اسی طرح نماز تراویح با جماعت آپ نے پڑھائی۔ اس دن لوگ پہلے سے زیادہ جمع ہو گئے پھر تیسری یا چوتھی رات بھی اسی طرح لوگ نماز تراویح کے لیے جمع ہو گئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف نہ لائے صبح کی نماز کے لیے آپ تشریف لائے تو فرمایا تمہارے شوق کو میں نے دیکھا میں اس خوف کی وجہ سے نہیں آیا کہ مبادا یہ نماز فرض نہ ہو جائے اس حدیث میں عدد رکعات کا ذکر نہیں علامہ عینی شارح بخاری شریف جو نہایت مقتدر اور اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں شرح بخاری میں اسی حدیث کے ذیل میں یہ سوال کرتے ہیں۔ فان قلت لم یبین فی هذه الروایات المذکورة عدد هذه الصلوة التی صلاها رسول الله صلی الله علیه وسلم فی تلك اللیالی۔ اگر یہ سوال کرو کہ ان روایات میں اس نماز کی تعداد نہیں بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی ان راتوں میں پڑھیں تو کیا جواب ہے فرماتے ہیں قلت روی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر رضی الله عنه قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔ (عمدۃ القاری صفحہ جزء ۷)

جواب یہ ہے کہ صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان مبارک میں آٹھ رکعات نماز پڑھائی اس کے بعد وتر پڑھائے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ علامہ عینی جیسا شخص جو اپنے مسلک ...

حنفیت کی حمایت کی شدت میں شہرت رکھتے ہیں، غلو سے بچتے ہوئے صاف الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد میں نماز تراویح باجماعت ادا فرمائی تو آٹھ رکعات تراویح اور اس کے بعد وتر پڑھائے۔

ابن الہمام کا فیصلہ دوسری شہادت امام ابن الہمام کی پیش کرتا ہوں اہل علم کو ابن الہمام کا مقام معلوم ہے مولانا عبد الحی لکھنویؒ نے تعلیقات فوائد بہیہ میں لکھا ہے۔

عده ابن نجيم في البحر الرائق من اهل الترجيح وعده بعضهم من اهل الاجتهاد وهو رأي نجيح تشهد بذالك تصانيفه

یعنی بحر الرائق کے فاضل مصنف ابن نجیم نے ابن الہمام کو اہل ترجیح میں شمار کیا ہے جن کا درجہ اہل تخریج کے بعد ہوتا ہے جو ایک حد تک مجتہد ہوتے ہیں اور بعض نے تو ان کو مجتہدین میں شمار کیا ہے۔ اور یہ بڑی صحیح رائے ہے اس پر ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ امام ابن الہمام ھدایہ کی شرح فتح القدیر میں رکعات تراویح کی بحث کرتے ہوئے آخر میں خلاصہ بحث پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فتحصل من هذا كله ان قيام رمضان سنة احدى عشرة ركعة بالوتر فى جماعة فعله صلى الله عليه وآله وسلم ثم تركه لعذر وافاد انه لولا خشية ذالك لواظبت بكم ولاشك فى تحقق الامن من ذالك بوفاته صلى الله عليه وسلم فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين وقوله صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين ندب الى سنتهم ولا يستلزم كون ذالك سنة اذ سنته بمواظبته بنفسه اوالا لعذر وبتقدير عدم ذالك العذر انما استفدنا انه كان يواظب على ما وقع منه وهو ما ذكرنا فتكون العشرون مستحبا وذالك القدر منها هو السنة كالاربع بعد العشاء مستحبة وركعتان منها هى السنة وظاهر كلام المشائخ ان السنة عشرون ومقتضى الدليل ما قلنا۔ (فتح القدیر جلد ا صفحہ ۳۳۴)

یعنی اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ قیام رمضان میں سنت نبوی گیارہ رکعت بمعیت وتروں کے ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ اتنی ہی رکعت پڑھی ہیں۔ کچھ دن کے بعد آپ نے جماعت کے ساتھ پڑھنا چھوڑ دیا ایک عذر کی وجہ سے اور وہ یہ کہ آپ کو خوف دامن گیر ہو گیا کہ کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو آپ اس سنت کو ہمیشہ جاری رکھتے۔ آپ کے فوت ہو جانے کے بعد یہ خوف جاتا رہا اب سنت یہی گیارہ رکعت وتر کے ثابت رہی۔ بیس رکعت تراویح یہ سنت خلفاء راشدین کی ہے

اور اس حدیث نبوی ہیں کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر اس ترغیب کی بنا پر بیس رکعت سنت نبوی نہیں ہو جائے گی کیونکہ آپ کی سنت وہی ہو سکتی ہے جس پر آپ نے مداومت کی ہو۔ سوائے اس کے کہ کوئی عذر پیش آ گیا ہو۔ اور اس عذر کے نہ ہونے کی صورت میں جیسا کہ ہم نے سمجھا ہے کہ آپ گیارہ رکعت پر مداومت فرماتے۔ اسی تقریر کی بنا پر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تو مستحب ہوں گی۔ اور آٹھ رکعت (بلا وتر) سنت ہوں گی۔ اس کی مثال دیتے ہیں جیسا کہ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعت اگر کوئی پڑھے تو اس کی دو رکعت تو سنت ہوں گی اور دو رکعت مستحب۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ مشائخ کے کلام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیس رکعت سنت ہیں۔ مگر دلیل کا تقاضا وہی ہے جو ہم نے کہا ہے یعنی آٹھ رکعت تو سنت نبوی ہیں۔ باقی بارہ رکعت مستحب ہیں۔

بحر الرائق | امام ابن الہمام کی عبارت کی جو تشریح اردو میں ہم نے کی ہے صاحب بحر الرائق نے وہی بیان کی ہے فرماتے ہیں۔

ذكر المحقق فى فتح القدير ما حاصله ان الدليل يقتضى ان تكون السنة من العشرين ما فعله صلى الله عليه وسلم منها ثم تركه خشية ان تكتب علينا و الباقى مستحب وقد ثبت ان ذلك كان احدى عشرة ركعة بالوتر كما ثبت فى الصحيحين من حديث عائشة فاذن يكون المسنون منها على اصول

مشائخنا ... اقتضاء ... (البحر الرائق ص ۷ جلد ۲ طبع مصر)

یعنی محقق ابن الہمام نے جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دلیل کا تقاضہ تو یہی ہے ... تراویح میں سے سنت اسی قدر ہو گی جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ... پھر فرضیت کے خوف سے ان کا پڑھنا جماعت کے ساتھ چھوڑ دیا باقی رکعت مستحب ہو نگی اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے نماز تراویح گیارہ رکعت مع وتر پڑھی ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیحین سے معلوم ہوتا ہے پس اس تحقیق کے بعد یہی کہنا پڑے گا کہ ہمارے مشائخ کے اصول کے مطابق آٹھ رکعت تراویح تو سنت نبوی ہیں اور بارہ رکعت مستحب ہیں۔ یہ ہیں محققین علماء حنفیہ کی تصریحات آج کے علماء حنفیہ کو چاہئے کہ اپنے اسلاف کی منصفانہ روش کو دیکھیں اور اپنے غلو پر نظر ثانی کریں افسوس انہوں نے سیدھی سادھی بات کو کس قدر پیچ دار بنا دیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت محققین علماء کیا حنفی کیا اہلحدیث سب ہی اس پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں گھر پر یا مسجد میں جتنے دن جماعت کے ساتھ آپ نے نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی وہ وتروں کے ساتھ گیارہ رکعت ہے۔ لیکن بعض حضرات اس بارہ میں حضرت ابن عباس کی ایک روایت کی بنا پر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ تخریج الاحادیث زیلعی) اس روایت کے متعلق بھی اکابر علماء حنفیہ ہی کی تصریحات پیش کرونگا اور آپ دیکھیں گے کہ انہوں نے اس روایت کے متعلق کس قدر محققانہ اور منصفانہ فیصلہ کیا ہے۔

امام زیلعی اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم ابن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف

للحدیث الصحیح من ابی سلمة انه سأل عائشة کیف کانت صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشرۃ رکعة (تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی ص ۱۰۳ جلد دوم)

کہ یہ روایت معلول ہے اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو مشہور محدث ابو بکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے اس قدر ضعیف راوی ہے کہ تمام محدثین اس کے ضعف پر متفق ہیں اور ابن عدی نے کامل میں اسے کمزور قرار دیا ہے اس کے علاوہ یہ روایت اس صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے ان سے ابو سلمہؓ نے دریافت کیا کہ رمضان مبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیسے ہوتی تھی حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت ہی پڑھا کرتے تھے امام زیلعی نے دو باتیں صاف صاف کہہ دی ہیں بیس رکعت والی روایت ضعیف ہے اور اس درجہ ضعیف ہے کہ تمام محدثین اس کے راوی کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ اس لیے اس روایت کے ضعیف ہونے اور ناقابل حجت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ صحیح اور پکی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح اور تین وتر کل گیارہ رکعت رمضان ہی اور رمضان کے سوا دوسرے دنوں میں بھی یہی پڑھی ہیں۔ کیونکہ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے۔ اس میں مزید تشریح کے لیے یہ عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے زمانہ کے قریب کے بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ پہلے آپ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے پھر آپ نے بیس رکعت پڑھنی شروع کر دی تھیں غلط ہے اگر یہ بات ہوتی تو امام زیلعی جیسا مشہور محدث فقیہ اور عابد و زاہد شخص ضرور کہہ دیتا کہ ہاں آپ شروع میں تو آٹھ پڑھتے تھے لیکن بعد میں بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے لیکن نہیں انہوں نے بھی صاف واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ بھائی اول تو یہ حدیث ضعیف ہے اور دوم یہ کہ صحیحین کی حدیث کے خلاف ہے علامہ عینی شرح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اسی بیس رکعت والی روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔

فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس قلت هذا الحدیث رواه ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ عن ابن عباس الحدیث وابو شیبۃ هو ابراهیم ابن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرهم واورد لہ ابن عدی هذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲ صفحہ ۳۵۹)

اگر یہ اعتراض کرو کہ ابن عباس سے بیس رکعت تراویح والی حدیث ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ تو اس کا یہ جواب دونگا کہ اس حدیث کو ابو القاسم بغوی نے بھی اپنی کتاب معجم الصحابہ میں روایت کیا ہے۔ لیکن اس کے ایک راوی ابو شیبہ کا حال یہ ہے کہ یہ مقام واسط کا قاضی تھا اور مشہور محدث ابوبکر بن شیبہ کا دادا ہے لیکن شعبہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا ہے امام احمد، ابن معین، امام بخاری اور امام نسائی وغیرہ محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں اس حدیث بیس رکعت والی کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے علامہ عینی جو اکابر علماء حنفیہ میں سے ہے وہ حضرت ابن عباس کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اگر مزید اکابر علماء حنفیہ کی شہادت کی ضرورت ہے تو امام ابن الہمام کی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں:۔

واما ماروی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعند البیهقی من حدیث ابن عباس انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح نعم ثبت العشرون من زمن عمر (فتح القدیر صفحہ ۳۳۴ جلد اول)

کہ مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں حضرت ابن عباس سے جو مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے یہ روایت ضعیف ہے، اس کے ایک راوی ابی شیبہ ہیں جس کے ضعف پر ائمہ کا اتفاق ہے علاوہ اس

نسبت کے یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے البتہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت کا
ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ ان اکابر کا یہ فیصلہ کہ ابن عباس کی روایت ضعیف ہے بلکہ بالاتفاق
ضعیف ہے۔ کافی ہے لیکن اس حقیقت کے بے نقاب کرنے کے لیے آج کے علماء
جس گروہی تعصب میں مبتلا ہیں بحمداللہ اس سے ہمارے زمانہ کے قریب کے علماء حنفیہ
بھی اس تعصب سے مبرا تھے۔ مولانا احمد علی سہارنپوری محشی صحیح بخاری کی سن لیجئے
حضرت عائشہؓ کی اس حدیث ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی
عشرۃ رکعۃ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے
تھے کہ حاشیہ پر فرماتے ہیں:۔ وما رواہ ابن ابی شیبۃ والطبرانی والبیہقی من
حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ
سوی الوتر فضعیف مع مخالفتہ للصحیح نعم ثبت العشرون من زمن
عمرؓ فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ
بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام وترکہ لعذر وافاد انہ لولا
خشیۃ ذالک لواظبت بکم ولا شک فی تحقق الامن من ذالک بوفاتہ
صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ وکونہا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین۔

(صحیح بخاری صفحہ ۱۵۴ جلد ۱)

یعنی حضرت ابن عباس کی حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ آپ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے
ضعیف ہے علاوہ ازیں یہ اس صحیح حدیث کی روایت عائشہؓ کے خلاف ہے ہاں بیس رکعت
حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھیں اس ساری بحث سے یہ حاصل ہوا کہ قیام رمضان
میں سنت یہ ہے کہ گیارہ رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی جائیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
کیا آپ اس نماز کا جماعت کے ساتھ چھوڑنا۔ عذر کی وجہ سے تھا آپ کی وفات کے بعد
وہ عذر جاتا رہا اب یہ سنت بحال ہو جائے گی اور بیس رکعت پڑھنا سنت خلفاء و
الراشدین ہوگی۔ جیسا کہ ابن الہمام نے کہا ہے امام ابن الہمام کی پوری عبارت اس بارے

میں جیسے ... مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کے حاشیہ ... کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر فرماتے ہیں:۔ اعلم انه لم يوقت رسول الله صلى الله عليه وسلم في التراويح عددا معينا بل كان لا يزيد في رمضان ولا في غيره على ثلاث عشرة ركعة لكن كان يطيل الركعات فلما جمعهم عمر على ابي كان يصلي بهم عشرين ركعة ثم يوتر بثلاث وكان طائفة من السلف يقومون باربعين ركعة ويوترون بثلاث وآخرون بست وثلاثين واوتروا بثلاث فهذا كله حسن واما ما روى ابن ابي شيبة وغيره انه صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر ضعيف (صفحہ ۲۶۹)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کے لئے کوئی تعداد خاص متعین نہیں کی۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت پر جب لوگوں کو جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ اور علمائے سلف میں سے بعض چالیس رکعت تراویح اور تین وتر اور بعض چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے تھے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ سب درست ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ کی جو روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں وتروں کے علاوہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے یہ ضعیف ہے۔

خلاصہ بحث پورے التزام کے ساتھ صرف اکابر علمائے حنفیہ کی عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ (۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تراویح کے متعلق یہی ہے کہ آپ وتروں سمیت گیارہ رکعت پڑھتے رہے (۲) جتنے دن آپ نے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھی اور پڑھائی وہ یہی گیارہ رکعت تھی (۳) حضرت ابن عباسؓ کی روایت جس میں ذکر ہے کہ آپ رمضان میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے بالاتفاق ضعیف ہے (۴) علاوہ ازیں روایت ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے

تھے۔ (۵) حضرت عمرؓ کے زمانے میں اور آپ کے بعد بیس بھی پڑھی گئیں، چھتیس بھی اور چالیس بھی پڑھی گئیں اور یہ سب درست ہے۔ اب تبلائیے کہ اکابر علمائے حنفیہ کی ان تصریحات کے بعد آپ کی تنگ نظری اور تعصب کے لئے کیا مقام ہے۔ کیا کوئی انصاف پسند اب یہ کہہ سکتا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے یا گمراہی ہے اور موجب عذاب ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حالت پر رحم فرمادے۔ اور اقتصاد و میانہ روی کی ہدایت عطا فرمادے میں اعلان کرتا ہوں کہ امام ابن ہمام اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ نے جو پوزیشن لی ہے کہ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور باقی گیارہ رکعت مستحب ہیں۔ اگر آج کے حنفی بھائی اس پوزیشن کو قبول کرلیں اور غالی حضرات کے غلو کو چھوڑ دیں تو آج تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ اور ہم آپس میں صلح و آشتی کے ساتھ رہ سکتے ہیں بیس رکعت پڑھنے والے سمجھ لیں کہ ہمارے اہلحدیث بھائی سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح ہم سے نسبتاً لمبے قیام اور رکوع و سجود کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آٹھ رکعت پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ ہمارے حنفی بھائی آٹھ رکعت سنت اور بارہ رکعت بطور مستحب کے پڑھتے ہیں۔ اگر بیس رکعت کی وجہ سے ان کا قیام و رکوع و سجود ہم سے نسبتاً مختصر ہے تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ رکوع و سجود اور قومہ وغیرہ میں اعتدال ارکان محفوظ رہے۔ کیا امید کی جاسکتی ہے کہ امام ابن ہمام اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ کی تصریحات کے مطابق ہمارے حنفی بھائی اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے۔

اجماع کی حقیقت اب سوال کے اس پہلو پر غور کرلیا جائے کہ کیا بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوچکا ہے؟ اور اجماع کی خلاف ورزی گمراہی اور ضلالت ہے؟ اس مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اجماع کی حقیقت معلوم کی جائے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ مسئلہ اجماع میں بہت سے مسائل ہیں۔ اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن یہاں مختصراً صرف اس پر غور کرلیا جائے۔ اجماع کے لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ تمام مجتہدین کا اجماع ہو؟ اور اگر تمام مجتہدین کا اتفاق نہیں

بلکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے تو یہ اجماع نہیں ہوگا؟۔ انشاء اللہ اس کا جواب کتب اصول فقہ حنفیہ سے ہی دیا جائے گا۔ اصول فقہ کی مشہور کتاب توضیح جس کے مصنف صدر الشریعت عبیداللہ بن مسعود بخاری جو آٹھویں صدی کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں۔

فان قوما قالوا اجماع اهل المدينة حجة وقوما قالوا اجماع العترة حجة ونحن لا نكتفي بهذا بل نقول لابد من اتفاق جميع المجتهدين۔

(توضیح ص ۵۱ ج ۲ طبع مصر)

یعنی بعض لوگوں کی رائے ہے کہ صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت ہے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ صرف اہل بیت کا اجماع حجت ہے۔ مگر ہم اس پر کفایت نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام مجتہدین کا اجماع ضروری ہے۔ اب آپ کتاب التحریر لابن ہمام مع شرح تیسیر التحریر کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ والمختار انہ لیس اجماع الاکثر اجماعاً اصلاً فلا یکون حجة ظنية ولا قطعية لانه ليس بكتاب ولا سنة ولا اجماع ولا قياس ولا من ادلة المعتبرة عند الامة۔ (ص ۲۳۷ ج ۳)

یعنی ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے کہ اکثر مجتہدین کا اتفاق اجماع نہیں ہے ایسا اجماع نہ تو حجت ظنی ہے اور نہ یقینی اس لئے کہ یہ نہ تو کتاب وسنت ہے اور نہ اجماع وقیاس ہے۔ اور نہ امت کے نزدیک جو معتبر دلائل ہیں ان میں سے یہ کوئی دلیل ہے۔ معلوم ہوا کہ علمائے حنفیہ کے نزدیک اجماع وہی معتبر اور حجت ہو سکتا ہے جس پر تمام مجتہدین کا اتفاق ہو۔ اور زیر بحث مسئلہ میں سب کو معلوم ہے کہ بیس رکعت تراویح پر اتفاق نہیں ہے۔ شروع میں امام احمد کا قول بحوالہ قیام اللیل مروزی دیکھ چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں چالیس کے قریب اقوال ہیں اور یہ نفلی عبادت ہے۔ غرض اس میں تشدد نہیں کیا جا سکتا۔ امام شافعی کا قول بھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں بیس اور مدینہ میں انتالیس رکعت پڑھتے ہیں۔ مگر اس میں کسی قسم کا تشدد نہیں ہونا چاہیئے اگر لمبا قیام ہو اور رکوع وسجود کم ہوں

تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے اور اگر رکوع و سجود زیادہ ہوں اور قیام مختصر ہو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اس لئے کہ یہ نفلی عبادت ہے۔ اور امام مالک نے خود اپنے لئے گیارہ رکعت پسند کر رکھی تھیں جیسا کہ علامہ عینی نے شرح بخاری میں اس مسئلہ کے متعلق متعدد اقوال آئمہ کے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر العربی عمدۃ القاری ص۱۲۷ جز ۱۱۔

یعنی ایک قول یہ ہے کہ گیارہ رکعت پڑھی جائیں۔ اور یہی امام مالک نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اور مشہور مالکی محدث امام ابوبکر العربی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ علامہ عینی کے بیان کے مطابق امام مالک کا اپنا ذاتی عمل تو وہی تھا جو حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے یعنی گیارہ رکعت۔ لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس کے لئے امام مالک فرماتے ہیں۔ استحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان و ثلاثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ وھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم۔ (قیام اللیل ص۹۲)

کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ عام لوگ رمضان میں ۳۸ رکعت پڑھیں پھر امام سلام کہے اور امام کے ساتھ مقتدی بھی پھر ایک رکعت وتر امام پڑھائے اور یہ عمل مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ سے پہلے یعنی ایک سو سے زائد برس سے آج تک جاری ہے۔

حضرت نافع فرماتے ہیں۔ لم ادرک الناس الا وھم یصلون تسعا وثلاثین رکعۃ ویوترون منھا بثلاث۔ (مروزی ص۹۲)

میں نے ہمیشہ سے لوگوں کو اس طرح تراویح پڑھتے دیکھا کہ وتروں سمیت انتالیس رکعت پڑھا کرتے تھے مدونہ کبریٰ میں حضرت نافع کے اس قول کے ذکر کرنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے متعلق یہ روایت مذکور ہے۔ عن عبداللہ بن عمر بن حفص قال اخبرنی غیر واحد ان عمر بن عبدالعزیز امر القراء ان یقوموا بذالک و یقرؤا فی کل رکعۃ عشر آیات۔ (مدونہ کبریٰ جلد اول ص۱۹۳)

عبداللہ ابن عمر بن حفص کہتے ہیں۔ کہ مجھے بہت سے لوگوں نے یہ بتایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاری صاحبان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اٹھائیس رکعت پڑھائیں اور ہر رکعت میں دس آیات پڑھا کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ کا شمار خلفاء راشدین میں ہوتا ہے۔ ان کے متعلق ایک روایت امام مروزی کی یہ ہے۔ ان عمر ابن عبدالعزیز کانت تقوم العامۃ بحضرتہ فی رمضان بخمس عشرۃ تسلیمۃ۔ (قیام اللیل مروزی صـ۹۱)

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی کی موجودگی میں عام لوگ رمضان مبارک میں تیس رکعات پڑھا کرتے تھے، اور دو رکعت پر سلام کہہ دیتے تھے۔

ان روایات و اقوال کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے۔ کہ یہ جو فرمایا جاتا ہے کہ بیس رکعت پر اجماع ہو چکا ہے اور یہی عمل متوارث ہے اور تمام ائمہ دین کا اس پر اجماع ہے یہ علم اور دلیل کی روشنی میں تو صحیح نہیں ہے۔ جب امام مالک حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت نافع جیسے ائمہ دین نے اس سے اتفاق نہیں کیا تو اجماع کیسے؟ اور کہاں کا اجماع ہوا جب اجماع ہی نہیں تو بیس رکعت نہ پڑھنے والوں کو گمراہ کہنا کیونکر قرین دانش و عقل ہو سکتا ہے یہ آپ اصول فقہ حنفیہ کی تصریحات سے معلوم کر چکے ہیں۔ کہ اجماع وہی حجت ہو سکتا ہے جس میں تمام مجتہدین متفق ہوں، اور حنفیہ کے نزدیک اکثر مجتہدین کا اتفاق بھی اجماع نہیں۔ پھر کس طرح بیس رکعت کے لئے اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

خلفاء راشدین کا عمل | بیس رکعت تراویح کو سنت خلفائے راشدین بتایا جاتا ہے اس بارہ میں ایک تو وہ نظریہ ہے جو امام ابن الہمام نے پیش کیا ہے کہ سنت نبوی تو آٹھ رکعت ہے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھی گئی ہیں اس لئے بیس میں سے آٹھ تو سنت ہیں اور باقی بارہ مستحب ہیں اس سے ہم تعرض نہیں کرنا چاہیے اور ایک یہ نظریہ ہے کہ حضرت عمر نے بیس رکعت پڑھانے کا حکم دیا۔ اور اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اور حضرت علی رضی کے زمانے میں بھی

لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے رہے اور ان کے بعد امت کا یہی تعامل رہا آپ اس کو صحیح نہیں سمجھتے اس بارہ میں سب سے واضح دلیل جو پیش کی جاتی ہے وہ امام بیہقی کی ہے جسے علامہ عینی نے اور دوسرے اکابر علمائے حنفیہ نے ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے سائب بن یزید کہتے ہیں کانوا یقومون علی عہد عمر رضی اللہ عنہ بعشرین رکعۃ و علی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہما مثلہ۔ یعنی لوگ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور اسی طرح حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے عہد میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔ اس کے متعلق اولاً یہ عرض ہے کہ بیہقی کی کتاب سنن کبریٰ جس کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس میں موجود نہیں ہے۔ خود علماء حنفیہ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس روایت میں یہ ٹکڑا "وعلی عہد عثمان وعلی مثلہ" حضرت عثمان رضؓ اور حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح بیس رکعت پڑھتے تھے۔ بعد میں کسی نے درج کر دیا ہے اصل کتاب میں نہیں ہے۔ فاضل نیموی (ربوبی صدا) جس نے فقہ حنفی کے لیے احادیث و آثار کے جمع و تحقیق میں نمایاں خدمت سرانجام دی ہے انہوں نے تعلیق آثار السنن میں لکھا ہے لا یخفی علیک ان مارواہ السائب من حدیث عشرین رکعۃ قد ذکرہ بعض اہل العلم بلفظ اٰخر کانوا یقومون علی عہد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی مثلہ وعزاہ الی البیہقی فقولہ علی عہد عثمان وعلی مثلہ مدرج لا یوجد فی تصانیف البیہقی۔ (بحوالہ تحفۃ الاحوذی ص۷۳ ج۲)

یعنی سائب بن یزید کی روایت میں یہ ٹکڑا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بھی لوگ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے بعد میں کسی نے درج کر دیا ہے امام بیہقی کی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ صاحب ہدایہ نے بھی لکھا ہے۔

لانہ واظب علیہ الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیس رکعت تراویح اس لیے سنت ہیں کہ خلفاء راشدین نے ہمیشہ اسی طرح تراویح پڑھیں حافظ ابن حجر درایہ فی تخریج احادیث ہدایہ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں

[illegible] روایت کا کہیں اتا پتا نہیں ملا۔ اور امام زیلعی جنہوں نے احادیث ہدایہ کی تخریج کا ذمہ لیا ہے وہ بھی اس روایت کے بارے میں خاموشی سے گذر گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی اس روایت کا کوئی صحیح ماخذ نہیں ہے اس کے علاوہ اگر خلفائے راشدین کا تعامل یہی ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت نافع، امام مالک اور دوسرے بزرگان سلف بیس رکعت تراویح کا عمل کیوں ترک کر دیتے۔ امام مالک خود گیارہ رکعت مع وتر پڑھتے تھے۔ عام لوگوں کو ۳۶ + ۳ پڑھنے کے لئے کہتے۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ (جو سنہ ۶۳ھ میں واقع ہوا) سے پہلے مدینہ میں آج تک۔ یعنی ایک سو برس سے زائد عرصہ سے لوگ ۳۹ رکعت مع وتر پڑھتے ہوئے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں، میں نے ہمیشہ لوگوں کو ۳۹ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔

اور اس بارہ علامہ عینی نے متعدد اور مختلف اقوال ائمہ دین کے عمدۃ القاری میں ذکر کیے ہیں اس لئے یہ دعویٰ کرنا کہ حضرت عمر رض کے وقت سے امت کا تسلسل سے بیس رکعت پڑھنے کا تعامل رہا ہے دلائل کی روشنی میں صحیح نہیں ہے اس لئے یہ فرمانا کہ بیس رکعت پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کا خلاف موجب ضلالت ہے علم و بصیرت کی بات نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ حضرت عمر رض کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں یا آٹھ؟ بڑی تفصیل کا محتاج ہے۔ اسے کسی دوسری صحبت کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے

العبد المذنب الراجی رحمۃ ربہ الودود
محمد داؤد الغزنوی

اخبار الاعتصام جلد ۹ ش ۳۸ ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۹۵۸ء

نور العین

از شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علے سیدنا محمد الامین وعلی آلہ المطہرین وصحبہ اجمعین وبعد فقد وقع البحث مع بعض الخلان اہل الفضل والعرفان عن صلوٰۃ التراویح فی شہر رمضان ہل ثبت فعلہا جماعۃ عن سید ولد عدنان صلے اللہ علیہ وسلم ما دام الملوان فان قلتم نعم فما ہو العدد الوارد من ذلک ومن رواہ من المحدثین المحققین وہل لقیام شہر رمضان عدد مخصوص لا یحصل المطلوب من القیام الا بہ وہل العشرون الرکعۃ المسماۃ بالتراویح ہی نفس قیام رمضان او مما یصدق علیہ ذلک بینوا لنا بیانا شافیا بالدلیل من کلام الحفاظ المحدثین فاقول وباللہ استعین فی الجواب ومنہ استمد التوفیق للاصابۃ بہ الصواب

اعلم ان فی صحیح البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلے فی المسجد وصلے رجال بصلوتہ فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منہم فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اہل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فصلے فصلوا بصلوتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اہلہ حتی خرج لصلوٰۃ الصبح فلما قضی الصلوٰۃ اقبل علی الناس فتشہد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علے مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنہا قال ابن شہاب فتوفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والامر علے ذلک وفی روایۃ عنہا قالت کان الناس یصلون فی المسجد فی رمضان باللیل اوزاعا یکون مع الرجل الشئ من القرآن فیکون معہ النفر الخمسۃ او السبعۃ او اقل من ذلک او اکثر یصلون بصلوتہ قالت فامرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان انصب لہ حصیرا علے باب حجرتی ففعلت فخرج الیہ بعد ان صلے العشاء الآخرۃ فاجتمع الیہ من فی المسجد فصلے بہم وذکرت القصۃ بمعنی ما تقدم غیر ان فیہا انہ لم یخرج الیہم فی اللیلۃ الثالثۃ رواہ احمد وعن عبد الرحمن بن عبد القاری قال

خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر رضی اللہ عنہ انی اری لو جمعت ھؤلاء علی قاریٔ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلوۃ قاریھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھذہ والتی ینامون عنھا افضل من التی یقومون یعنی اخر اللیل و کان الناس یقومون اولہ رواہ البخاری قال الحافظ الربانی محمد بن علی الشوکانی فی نیل الاوطار قال فیہ جواز صلوۃ النافلۃ جماعۃ فی المسجد ولکن الاختیار فیھا الانفراد الا نوافل مخصوصۃ وھی العید والکسوف والاستسقاء وکذا التراویح عند الجمھور وتکف فیہ وفیہ جواز النافلۃ فی المسجد وان کان البیت افضل ولعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما فعلھا فی المسجد لبیان الجواز وانہ کان معتکفا وفیہ جواز الاقتداء بمن لم ینو امامتہ قال وھذا ھو الصحیح المشھور من مذھبنا ومذاھب العلماء لکن ان نوی الامام امامتھم بعد اقتدائھم حصلت فضیلۃ الجماعۃ لہ ولھم وان لم ینو حصلت لھم فضیلۃ الجماعۃ ولا تحصل للامام علی الاصح لانہ لم ینوھا والاعمال بالنیات واما الماموون فقد نووھا وفیہ اذا تعارضت مصلحۃ وخوف مفسدۃ او مصلحتان اعتبر اھمھما لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان رای الصلوۃ فی المسجد مصلحۃ لما ذکرناہ فلما عارضہ خوف الافتراض علیھم ترکہ لعظم المفسدۃ التی یخاف من عجزھم وترکھم للفرض وفیہ ان الامام وکبیر القوم اذا فعل شیئا خلاف ما یتوقعہ اتباعہ وکان لہ فیہ عذر ذکرہ لھم تطییبا لقلوبھم واصلاحا لذات البین لئلا یظنوا خلاف ھذا وربما ظنوا ظن السوء وقولہ اوزاعا ای جماعات وقد استدل البخاری وغیرہ بھذا الحدیث علی صلوۃ التراویح فان البخاری ذکرہ من جملۃ الاحادیث التی ذکرھا فی کتاب التراویح ومن جھۃ جعلھا لدلالۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعل الصلوۃ فی المسجد

وصلى خلفه الناس ولم ينكر عليهم وكان ذلك في رمضان ولم يترك الا خشية الافتراض فعم الاستدلال به على مشروعية مطلق التجميع في النوافل في ليالي رمضان واما فعلها على الصفة التي يفعلونها الآن من ملازمة عدد مخصوص وقراءة مخصوصة في كل ليلة فسياتي الكلام عليها انتهى كلام الشوكاني رحمه الله وفي صحيح مسلم من رواية يونس بن شهاب فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم في الليلة الثانية فصلوا معه فاصبح الناس يذكرون ذلك فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فصلوا بصلوته فلما كانت الرابعة عجز المسجد عن اهله ولاحمد من رواية معمر عن الزهري امتلأ المسجد حتى اغتص باهله وله من طريق سفيان بن حسين عنه فلما كانت الليلة الرابعة غص المسجد باهله وفي الموطا ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة او الرابعة بالشك فلم يخرج اليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم زاد في رواية لاحمد عن ابن جريج عن ابن شهاب حتى سمعت ناسا منهم يقولون الصلوة وفي رواية سفيان بن حسين فقالوا ما شانه وفي حديث زيد بن ثابت ففقدوا صوته فظنوا انه قد نام فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج اليهم وفي لفظ عن زيد فرفعوا اصواتهم وحصبوا الباب رواهما البخاري قال ابن عبد البر تفسير هذه الليالي المذكورة في حديث عائشة بما رواه النعمان بن بشير قال قمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين الى ثلث الليل ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين الى نصف الليل ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتى ظننا ان لا ندرك الفلاح وكانوا يسمون به السحور۔

واما عدد ما صلى ففي حديث ضعيف عن ابن عباس انه صلى الله عليه وسلم صلى بهم عشرين ركعة والوتر اخرجه ابن ابي شيبة وروى ابن حبان انه صلى بهم ثمان ركعات ثم اوتر وهذا اصح كذا في الزرقاني على الموطا وقال الحافظ ابن حجر لم ار في شيء من طرقه اي حديث عائشة بيان عدد صلاته في تلك الليالي لكن روى ابن خزيمة وابن حبان من حديث جابر قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان

ثمان رکعات ثم اوتر فلما کانت القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ الحدیث فان کانت القصة واحدة احتمل ان جابرا ممن جاء فی اللیلة الثالثة فلذا اقتصر علی وصف لیلتین وکذا ما وقع عند مسلم من حدیث انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان فجئت فقمت الی جنبه فجاء رجل فقام حتی کنا رھطا فلما احس بنا تجوز ثم دخل رحله الحدیث فالظاھر ان ھذا کان فی قصة اخری انتہی فثبت قیام رمضان جماعة من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ترک خشیة الافتراض علی امته لانه کان بالمؤمنین رحیما قال الباجی وابن التین وغیرھما استنبط عمر رضی اللہ عنه ذلک من تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی معه فی تلک اللیالی وان کره لھم ذلک فانما کرھه خشیة ان یفرض علیھم فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم امن ذلک یعنی انه خاف جعل التھجد فی المسجد جماعة شرطا فی صحة التنفل ویومی الیه قوله فی حدیث زید بن ثابت خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب علیکم ما قمتم به فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فمنعھم من التجمیع فی المسجد اشفاقا علیھم من اشتراطه وامن مع اذنه فی المواظبة علی ذلک فی بیوتھم من افتراضه علیھم ویحتمل ان یکون لخوف افتراض قیام اللیل علی الکفایة لا علی الاعیان فلا یکون زائدا علی الخمس بل ھو نظیر ما ذھب الیه قوم فی العید ونحوھا ویحتمل انه خاف فرض قیام ھذا الشھر فعلی ھذا یرتفع الاشکال لان قیام رمضان لا یتکرر کل یوم فی السنة فلا یکون قدرا زائدا علی الخمس واقوی الاجوبة فی نظری الاول قاله الحافظ فی الفتح وقال ابن عبد البر لیس عمر الا ما رضیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یمنعه من المواظبة علیه الا خشیة ان یفرض علی امته وکان بالمؤمنین رحیما فلما امن ذلک عمر اقامھا واحیاھا فی سنة اربع عشرة من الھجرة ویدل علی انه صلی اللہ علیہ وسلم سن ذلک قوله صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ فرض علیکم صیام رمضان وسننت لکم قیامه فمن صامه وقامه ایمانا واحتسابا خرج من ذنوبه کیوم

ولذا امه اخرجه الامام احمد والنسائی وابن ماجة والبیہقی من حدیث عبدالرحمٰن ابن عوف وقد رغب فیہا عمر رضی اللہ عنہ بقولہ نعمت البدعة هذه لان فیہا کلمة تجمع المحاسن کلہا کما ان بئس تجمع المساوی کلہا وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر اخرجہ الترمذی والامام احمد فی مسندہ من حدیث حذیفة قال الحافظ الشوکانی فی القول المفید فی حکم التقلید هو حدیث معروف مشہور ثابت فی السنن وغیرہا وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی هو طرف من حدیث العرباض بن ساریة وهو حدیث صحیح ثابت فی السنن ورجالہ رجال الصحیح ففیہ ان ما سن الخلفاء الراشدون المہدیون من بعدہ فالاخذ لیس الا لامرہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخذ فالعمل بما سنوہ والاقتداء بما فعلوہ هو لامرہ صلی اللہ علیہ وسلم لنا بالعمل بسنة الخلفاء الراشدین والاقتداء بابی بکر وعمر ولم یامرنا بالاستنان بسنة عالم من علماء الامة ولا ارشدنا الی الاقتداء بما یراہ مجتہد من المجتہدین فالحاصل انا امرنا بالاخذ بسنة الخلفاء ولا اقتدینا بابی بکر وعمر الا امتثالا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی وبقولہ اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما خص الخلفاء الراشدین وجعل سنتہم کسنتہ فی اتباعہا لامر یختص بہم لا یتعداہم الی غیرہم ولو کان الالحاق بالخلفاء الراشدین سائغا لکان الحاق المشارکین لہم فی الصحبة والعلم مقدما علی من لم یشارکہم فی مزیة من المزایا بل النسبة بینہم کالنسبة بین الثریا والثری فلولا ان هذه المزیة خاصة بہم مقصورة علیہم لم یخصہم بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دون سائر الصحابة وحدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم قد روی من طرق من جابر وابن عمر وصرح ائمة الجرح والتعدیل بانہ لا یصح فیہا شیئ وان الحدیث لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتکلم علیہ الحفاظ بما یشفی ویکفی

... طرقہ ومن تضعیفہ فھو ممکن بالنظر فی کتب ھذا الشان وبالجملۃ فالحدیث مما لا تقوم بہ الحجۃ ولو صح لکان فیہ منقبۃ للصحابۃ ومزیۃ لا توجد فی غیرھم وکان الاخذ باقوالھم لیس الا لکونہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشدنا الی ان الاقتداء باحدھم اھتداء فنحن انما امتثلنا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعملنا علی قولہ فاتبعنا سنتہ فان ماجعلہ محلا للاقتداء یکون ثبوت ذلک لہ بالسنۃ وھو قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نخرج عن العمل بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا قلدنا غیرہ بل ھذا القول من جملۃ ما اتانا بہ فاخذناہ واتبعناہ فیہ ولم نتبع غیرہ ولا عولنا علی سواہ ومثلہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان معاذا قدسن لکم کذلک فافعلوا وذلک فی شان الصلوۃ حیث اخر معاذ قضاء ما فاتہ مع الامام والحدیث فی ابی داؤد فی باب الاذان ولا یخفی علیک ان فعل ھذا انما صار سنۃ بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا بمجرد فعلہ فھو انما کان السبب بثبوت السنۃ ولم تکن تلک السنۃ الا بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھذا واضح لا یخفی وبمثل ھذا الجواب علی حدیث اصحابی کالنجوم یجاب عن قول ابن مسعود فی وصف الصحابۃ فاعرفوا لھم حقھم وتمسکوا بھدیھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم ثم ھھنا جواب یشمل جمیع ما تقدم من حدیث علیکم بسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین الحدیث وحدیث اقتدوا باللذین من بعدی وحدیث اصحابی کالنجوم وقول ابن مسعود وھو ان المراد بالاستنان بھم والاقتداء ھو ان یاتی المستن المقتدی بمثل ما اتوا بہ ویفعل کما فعلوا وھم لا یفعلون فعلا ولا یقولون قولا الا علی وفق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ فالاقتداء بھم ھو اقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاستنان بھم ھو استنان بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما ارشد الناس الی ذلک لانھم المبلغون عنہ الناقلون شریعتہ الی من بعدہ من امتہ فالفعل وان کان لھم فھو علی طریق الحکایۃ لفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافعال الصلوۃ والطہارۃ والحج ونحو ذلک فھم رواۃ لہ وانما کان

منسوبا اليهم لكونه فانما يعود فى الحقيقة هو راجع الى ما سنه رسول الله صلى الله عليه
وسلم فالاقتداء بهما تمذهب والاستنان بسنتهما استنان بسنة رسول الله صلى
الله عليه وسلم واذا خفي عليك هذا فانظر ما كان يفعله الخلفاء الراشدون و
اكابر الصحابة فى عهدا هم فانك تجده حكاية لما كان يفعله رسول الله صلى الله
عليه وسلم واذا اختلفوا فى شيء من ذلك فهو لاختلافهم فى الرواية لا فى الراى وقل
ان تجد فعلا من تلك الافعال صادرا من مذهبهم لمحض راى رأوه بل قد لا تجد
ذلك لا سيما فى افعال العبادات وهذا يعرفه كل من كان له خبرة باحوالهم فخاطب
صلى الله عليه وسلم ان يقتدوا بما يشاهدونه يفعله من سنته وبما يشاهدون من افعال
الخلفاء الراشدين فانهم المبلغون عنه العارفون بسنته المقتدون بها فكل ما
يصدر فى ذلك صادر عنه ولهذا صح عن جماعة من اكابر الصحابة ذم الراى
واهله وكانوا لا يرشدون احدا الا الى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا الى شيء
من ارائهم وهذا معلوم لا يخفى على عارف وما نسب اليهم من الاجتهادات وجعله
اهل العلم رأيا فهو لا يخرج عن الكتاب والسنة اما بتصريح او تلويح وقد يظن خروج
شيء من ذلك وهو ظن مدفوع لمن تأمل حق التأمل واذا وجد نادرا رأيت الصحابي
يتحرج ابلغ تحرج ويصرح بانه رأيه فان الله برى من خطائه وينسب الخطاء
الى نفسه والى الشيطان والصواب الى الله وهذا البحث نفيس فتأمله حق التأمل
تنتفع به انتهى كلام الامام الشوكانى فى القول المفيد قال فيه ايضا وقال الامام الشافعى فى
تفسير البدعة المذكورة فى الحديث الثابت فى الصحيح من قوله صلى الله عليه وسلم
خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الامور
محدثاتها وكل بدعة ضلالة ان المحدثات من الامور ضربان احدهما ما احدث
يخالف كتابا او سنة او اثرا او اجماعا فهذه البدعة الضلالة والثانية ما احدث
من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا فهذه محدثة غير مذمومة وقد

قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام رمضان نعمت البدعۃ ھذہ انتہی وقال ایضا فی فتاویہ وقد سئل عن حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی ما لفظہ ان اھل العلم قد اطالوا الکلام فی ھذا واختلفوا فی تاویلہ بوجوہ اکثرھا متعسفۃ والذی ینبغی التعویل علیہ والمصیر الیہ ھو العمل بما یدل علیہ ھذا الترکیب بحسب ما یقتضیہ لغۃ العرب فالسنۃ ھی الطریقۃ فکانہ قال الزموا طریقتی وطریقۃ الخلفاء الراشدین وقد کانت طریقتھم ھی نفس طریقتہ فانھم اشد الناس حرصا علیھا وعملا بھا فی کل شئ وعلی کل حال وکانوا یتوقون مخالفتہ فی اصغر الامور فضلا عن اکبرھا وکانوا اذا اعوزھم الدلیل من کتاب اللہ وسنۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم عملوا بما یظھر لھم من الرای بعد الفحص والبحث والتشاور والتدبر وھذا الرای عند عدم الدلیل ھو ایضا من سنتہ لما دل علیہ حدیث معاذ لما قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تقضی قال بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اجتہد رایی قال الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ او کما قال وھذا الحدیث وان تکلم فیہ بعض اھل العلم بما ھو معروف فالحق انہ من قسم الحسن لغیرہ وھو معمول بہ وقد اوضحت ھذا البحث فی بحث مستقل فان قلت اذا کان ما عملوا بہ بالرای ھو من سنتہ لم یبق لقولہ وسنۃ الخلفاء الراشدین ثمرۃ قلت ثمرتہ ان من الناس من لم یدرک زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وادرک زمن الخلفاء الراشدین او ادرک زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم وزمن الخلفاء الراشدین ولکنہ حدث امر لم یحدث فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم ففعلہ الخلفاء فاشار بھذا الارشاد الی سنۃ الخلفاء الی دفع ما عساہ یتردد فی بعض النفوس من الشک ویختلج فیھا من الظنون واقل فوائد الحدیث ان ما یصدر منھم من الرای وان کان من سنتہ کما تقدم ولکنہ اولی من رای غیرھم عند عدم الدلیل وبالجملۃ فکثیرا ما

کان صلے اللہ علیہ وسلم ینسب الفعل او الترك الیه او الی اصحابه فی حیاته معرانه لا فائدۃ لنسبتها الی غیرہ مع نسبته الیه لانه محل القدرۃ ومکان الاسوۃ فهذا ما ظهر لی فی تفسیر هذا الحدیث ولم اقف عند تحریرہ علی ما یوافقه من کلام اهل العلم فان کان صوابا فمن اللہ وان کان خطاء فمنی ومن الشیطان واستغفر اللہ انتهی وقال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری البدعة اصلها ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع فی مقابلة السنة فتکون مذمومة والتحقیق انها ان کانت مما یندرج تحت مستحسن فی الشرع فهی مستحسنة والا فهی من قسم المباح وقد ینقسم الی الاقسام الخمسة انتهی وفی الزرقانی علی الموطا وصفها عمر رضی اللہ عنه بقوله نعمت البدعة لان اصل ما فعله سنة وانما البدعة الممنوعة خلاف السنة وقال ابن عمر فی صلوۃ الضحی نعمت البدعة وقال تعالی رهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم الا ابتغاء رضوان اللہ قال ابن عبد البر قال الباجی وهذا تصریح منه بانه اول من جمع الناس فی قیام رمضان علی امام واحد لان البدعة ما ابتدا بفعلها المبتدع ولم یتقدمه غیرہ فابتدعه عمر وتابعه الصحابة والناس وهلم جرا وهذا یبین صحة القول بالرای والاجتهاد انتهی قال الزرقانی فسماها بدعة لانه صلے اللہ علیه وسلم لم یسن الاجتماع لها ولا کانت فی زمن الصدیق واذا اجمع الصحابة علی ذلك مع عمر زال عنه اسم البدعة انتهی قال الحافظ ابن حجر واما ما رواہ ابن وهب عن ابی هریرۃ قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم واذا الناس یصلون فی ناحیة المسجد فقال ما هذا فقیل ناس یصلی بهم ابی بن کعب فقال اصابوا ونعم ما صنعوا ذکرہ ابن عبد البر وفیه مسلم بن خالد وهو ضعیف والمحفوظ ان عمر هو الذی جمع الناس علی ابی بن کعب کان اختاره عملا بقوله صلے اللہ علیه وسلم یؤمهم اقرؤهم لکتاب اللہ انتهی وقال الحافظ فی الفتح ایضا المراد من قیام رمضان قیام لیالیه مصلیا وذکر النووی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح

یعنی ان یحصل لہا المقصود من القیام لان قیام رمضان لایکون الا بہ واغرب الکرمانی فقال اتفقوا علی ان المراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح انتہی وفی نیل الاوطار للشوکانی والمراد بقیام رمضان قیام لیالیہ مصلیا ویحصل بمطلق ما یصدق علیہ القیام ولیس من شرطہ استغراق جمیع اوقات اللیل انتہی وقول عمر رضی اللہ عنہ لوجمعت ہولاء علی قاریٔ واحد لکان امثل قال الحافظ قال ابن التین وغیرہ استنبط عمر ذلک من تقریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی معہ فی تلک اللیالی وان کان کرہ لہم ذلک فانما کرھہ خشیۃ ان یفرض علیہم وکان ہذا ہو السر فی ایراد البخاری حدیث عائشۃ عقب حدیث عمر فلما مات صلی اللہ علیہ وسلم حصل الامن من ذلک وترجح عند عمر رضی اللہ عنہ لما فی الاختلاف من افتراق الکلمۃ ولان الاجتماع علی قاریٔ واحد انشط لکثیر من المصلین والی قول عمر ذہب الجمہور وقال ابن بطال قیام رمضان سنۃ لان عمر رضی اللہ عنہ انما اخذہ من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ترکہ خشیۃ الافتراض انتہی کلام الحافظ رحمہ اللہ وفی السیل الجرار علی الازہار للامام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ ما لفظہ۔ اما صلوۃ التراویح فقد ثبت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ صلی فی لیالی رمضان وائتم بہ جماعۃ ولم یعم فترک ذلک مخافۃ ان یفرض علیہم وہذا ثابت فی احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرہما وبہذا القدر ان صلوۃ النوافل فی لیالی رمضان جماعۃ سنۃ لابدعۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یترک ذلک الا لذلک العذر وثبت ایضا عند احمد واہل السنن وصححہ الترمذی ورجالہ رجال الصحیح من ابی ذر رضی اللہ عنہ قال صمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یصل بنا حتی بقی سبع من الشہر فقام بنا حتی ذہب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذہب شطر اللیل فقلنا یا رسول اللہ لو نفلتنا بقیۃ لیلتنا ہذہ فقال انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ ثم لم یقم بنا حتی بقی ثلاث من الشہر فصلی بنا فی الثالثۃ ودعا اہلہ

ودنساءه فقام بنا حتى تخوفنا الفلاح قلت له وما الفلاح قال السحور ففی هذا الحدیث
انه صلی الله علیه وسلم صلی بهم فی النافلة فی لیالی رمضان جماعة فکیف تکون الجماعة
بدعة کما قال المصنف یعنی صاحب الازهار ولم یقع من عمر رضی الله عنه الا انه
لما خرج الی المسجد فوجد الناس اوزاعا متفرقین یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل
فیصلی بصلوته الرهط فقال انی اری لو جمعت هولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم
عزم فجمعهم علی ابی بن کعب فقد کانت الجماعة فی المسجد موجودة بعد موت النبی
صلی الله علیه وسلم وقبل ان یجمعهم عمر رضی الله عنه وبهذا تعرف ان التجمیع فی
النوافل فی لیالی رمضان سنة لا بدعة واما ما استحسنه جماعة من اهل العلم من
جعل هذه الصلوة عشرین رکعة وجعل القراءة فی کل رکعة شیئا معینا فهذا لم یکن
ثابتا بخصوصه لکنه من جملة ما یصدق علیه انه صلوة وانه جماعة وانه فی رمضان
انتهی وفی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار للشوکانی ایضا ما لفظه واما العدد الثابت عنه
صلی الله علیه وسلم فی صلاته فاخرج البخاری وغیره عن عائشة رضی الله عنها انها
قالت ما کان النبی صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة
رکعة واخرج ابن حبان فی صحیحه من حدیث جابر انه صلی الله علیه وسلم صلی بهم ثمان
رکعات واخرج البیهقی عن ابن عباس انه صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی شهر
رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر زاد سلیم الرازی فی کتاب الترغیب له ویوتر
بثلاث قال البیهقی تفرد به ابو شیبة ابراهیم بن عثمان وهو ضعیف واما مقدار القراءة
فی کل رکعة فلم یرد به دلیل والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب وما یشابهها
هو مشروعیة القیام فی رمضان والصلوة فیه جماعة وفرادی فقصر الصلوة المسمی
بالتراویح علی عدد معین وتخصیصها بقراءة مخصوصة لم یرد به سنة انتهی وقال
الحافظ فی فتح الباری واما ما رواه ابن ابی شیبة من حدیث ابن عباس کان رسول
الله صلی الله علیه وسلم یصلی فی رمضان فی غیر جماعة عشرین رکعة والوتر فاسناده

ضعيف ضعفه ابن عبد البر والبيهقي برواية ابي شيبة جد ابن ابي شيبة وقد عارضه
حديث عائشة الصحيح ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة مع
كون عائشة اعلم بحال النبي صلى الله عليه وسلم ليلا من غيرها وفيه ان صلوته صلى الله
عليه وسلم كانت متساوية في جميع السنة ولاينافي ذلك حديثها كان صلى الله عليه وسلم
اذا دخل العشر يتهجد مالا يتهجد في غيره لانه يحمل على التطويل في الركعات دون
الزيادة في العدد فظهر لي ان الحكمة في عدم الزيادة على احدى عشرة ركعة ان التهجد
والوتر مختص بصلوة الليل وفرائض النهار الظهر والعصر وهي اربع اربع والمغرب وهي
ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلوة الليل كصلوة النهار في العدد جملة و
تفصيلا واما مناسبة ثلاث عشر فبضم صلوة الصبح لكونها نهارية الى ما بعدها
انتهى قال الزرقاني وتعقب بان الصبح نهارية لقوله تعالى وكلوا واشربوا حتى
يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر والمغرب ليلية لحديث اذا اقبل
الليل من ههنا فقد افطر الصائم ورد بقوله صلى الله عليه وسلم صلوة المغرب
وتر النهار فاوتروا صلوة الليل اخرجه ابن ابي شيبة من حديث ابن عمر واسناده
صحيح كما قال الحافظ العراقي فاضيفت الى النهار لوقوعها عقبه فهي نهارية حكما
ليلية حقيقة انتهى واما المنقول من الصحابة رضي الله عنهم في زمن عمر رضي الله عنه
ومن بعده من التابعين ففي سنن البيهقي باسناد صحيح كما قال ابن العراقي
عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله عنه
في شهر رمضان بعشرين ركعة واخرج الامام مالك في الموطا عن محمد بن
يوسف الكندي عن السائب بن يزيد رضي الله عنه انه قال امر عمر بن الخطاب
ابي بن كعب وتميم الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة قال السائب وكان
القاري يقرا بالمئين حتى كنا نعتمد على العصي من طول القيام وماكنا ننصرف الا
في فروع الفجر قال الباجي لعل عمر اخذ ذلك من صلوة النبي صلى الله عليه وسلم ففي

حدیث عائشة رضی الله عنها انها سئلت عن صلاته فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی هذا الحدیث احدی وعشرین رکعة وهو الصحیح ولا اعلم احدا قال فیه احدی عشرة الا مالکا ویحتمل ان یکون ذلک اولا ثم خفف عنهم طول القیام ونقلهم الی احدی وعشرین الا ان الاغلب عندی ان قوله احدی عشرة وهم انتهی ولا وهم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکره قریب وبه جمع البیهقی ایضا وقوله ان مالکا انفرد به لیس کما قال فقد رواه سعید بن منصور من وجه آخر عن محمد بن یوسف فقال احدی عشرة کما قال مالک وروی سعید بن منصور عن عروة ان عمر رضی الله عنه جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بالرجال وکان تمیم الداری یصلی بالنساء ورواه محمد بن نصر عن عروة فقال بدل تمیم سلیمان بن ابی حثمة قال الحافظ ولعل ذلک کان فی وقتین واخرج مالک فی الموطا عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین قال الزرقانی جمع البیهقی وغیره بین هذا وسابقه بانهم کانوا یقومون باحدی عشرة واحدة منها الوتر ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث قال الباجی فامرهم اولا بتطویل القراءة لانه افضل ثم ضعف الناس فامرهم بثلاث وعشرین تخفف من طول القراءة واستدرک بعض الفضیلة بزیادة الرکعات انتهی وقال الشوکانی فی نیل الاوطار اخرج مالک فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعة قال ابن اسحق هذا اثبت ما سمعت فی ذلک وهو السید حسن بن احمد الجلال فی ضوء النهار فقال ان فی سنده اباشیبة ولیس الامر کذلک لان مالکا فی الموطا ذکره کما ذکره صاحب المنتقی والحدیث الذی فی اسناده ابو شیبة هو حدیث ابن عباس المتقدم کما فی البدر المنیر والتلخیص وفی الموطا ایضا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انها احدی عشرة رکعة وروی محمد بن

نصر من طریق عطاء قال ادرکنا فی رمضان یصلون عشرین رکعۃ وثلاث رکعات الوتر قال الحافظ والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذلک الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفہا فحیث تطول القراءۃ تقلل الرکعات وبالعکس وبہ جزم الداودی وغیرہ قال والاختلاف فیما زاد علی العشرین راجع الی الاختلاف فی الوتر فکانہ تارۃ یوتر بواحدۃ وتارۃ یوتر بثلاث وقد روی محمد بن نصر من طریق داود بن قیس قال ادرکت الناس فی امارۃ ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز یعنی بالمدینۃ یقومون بست وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث وقال مالک الامر عندنا بتسع وثلاثین وبمکۃ بثلاث وعشرین ولیس فی شئ من ذلک ضیق قال الترمذی اکثر ما قیل انہ یصلی احدی واربعین رکعۃ برکعۃ الوتر ونقل ابن عبدالبر عن الاسود بن یزید اربعین یوتر بسبع وقیل ثمان وثلاثین ذکرہ محمد بن نصر عن مالک قال الحافظ وھذا یمکن ردہ الی الاول بانضمام ثلث الوتر لکن صرح فی روایتہ بانہ یوتر بواحدۃ فتکون اربعین الا واحدۃ قال مالک وعلی ھذا العمل منذ بضع ومائۃ سنۃ وروی عن مالک ست واربعون وثلاث الوتر قال فی الفتح وھذا ھو المشہور عنہ وقد رواہ ابن وھب عن العمری عن نافع قال لم ادرک الناس الا وھم یصلون تسعا وثلاثین ویوترون منہا بثلاث وعن زرارۃ بن اوفی انہ کان یصلی بہم بالبصرۃ اربعا وثلثین ویوتر وعن سعید بن جبیر اربعا وعشرین وقیل ست عشرۃ غیر الوتر ھذا حاصل ما ذکرہ فی الفتح من الاختلاف فی ذلک انتہی ما نقل الشوکانی فی نیل الاوطار قال الحافظ فی فتح الباری ولم یقع فی ھذہ الروایات عدد الرکعات التی کان یصلی بہا ابی بن کعب وقد اختلف فی ذلک ففی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید احدی عشرۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ آخر وزاد فیہ وکانوا یقرؤن بالمئین ویقومون علی العصی من طول القیام ورواہ محمد بن نصر المروزی من طریق محمد بن اسحاق عن محمد بن یوسف

فقال ثلاث عشرة ركعة ورواه عبدالرزاق من وجه آخر عن محمد بن يوسف
فقال احدى وعشرين وروى مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن
يزيد عشرين ركعة وهذا المحمول على غير الوتر وعن يزيد بن رومان قال كان الناس
يقومون في زمان عمر بثلاث وعشرين وروى محمد بن نصر من طريق عطاء ادركتهم في
رمضان يصلون عشرين ركعة وثلاث ركعات الوتر والجمع بين هذه الروايات
ممكن باختلاف الاحوال ويحتمل ان يكون ذلك الاختلاف بحسب تطويل القراءة
وتخفيفها فحيث يطيل القراءة يقل الركعات وبالعكس وبذلك جزم الداودي وغيره
والعدد الاول موافق لحديث عائشة والثاني مرتب منه والاختلاف فيما زاد عن العشرين
راجع الى الاختلاف في الوتر فكانه تارة يوتر بواحدة وتارة بثلاث وروى محمد بن
نصر من طريق داود بن قيس قال ادركت الناس في امارة ابان بن عثمان وعمر بن عبدالعزيز
يعني بالمدينة يقومون بست وثلاثين ركعة ويوترون بثلاث وقال هو الامر القديم
عندنا وعن الزعفراني عن الشافعي رايت الناس بالمدينة يقومون بتسع وثلثين
وبمكة بثلاث وعشرين وليس في شئ من ذلك ضيق وعنه قال ان اطالوا القيام
واقلوا السجود فحسن وان اكثروا السجود واخفوا القراءة فحسن والاول احب
وقال الترمذي اكثر ما قيل فيها انها تصلي احدى واربعين ركعة يعني بالوتر كذا
قال وقد نقل ابن عبدالبر عن الاسود بن يزيد تصلي اربعين ويوتر بسبع وقيل ثمان
وثلثين ذكره محمد بن نصر عن ابن ايمن عن مالك وهذا يمكن رده الى الاول
بانضمام ثلث الوتر لكن صرح في روايته بانه يوتر بواحدة فتكون اربعين الا واحدة
قال مالك وعلى هذا العمل منذ بضع ومائة سنة وعن مالك ست واربعين وثلاث
الوتر وهذا هو المشهور عنه وقد رواه ابن وهب عن العمري عن نافع قال لم ادرك
الناس الا وهم يصلون تسعا وثلاثين ويوترون بثلاث وعن زرارة بن اوفى انه كان
يصلي بهم بالبصرة اربعا وثلاثين ويوتر وعن سعيد بن جبير اربعا وعشرين وقيل ست

عشرۃ غیر الوتر وروی عن ابی مجلز عن محمد بن نصر واخرج من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ قال ابن اسحاق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل انتہی کلام الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ وفی فتاوی الامام ابن القیم رحمہ اللہ ان نفس قیام رمضان لم یوقت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ عددا معینا بل کان صلی اللہ علیہ وسلم لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی ثلاث عشرۃ رکعۃ کان یطیل الرکعات فلما جمعہم عمر رضی اللہ عنہ علی ابی بن کعب کان یصلی بہم عشرین رکعۃ ثم یوتر بثلاث وکان یخفف القراءۃ بقدر ما زاد من الرکعات لان ذلک اخف علی المامومین من تطویل الرکعۃ الواحدۃ ثم کان طائفۃ من السلف یقومون باربعین رکعۃ ویوترون بثلاث وآخرون قاموا بست وثلاثین واوتروا بثلاث وھذا شائع فکیف ما قام فی رمضان من ھذہ الوجوہ فقد احسن والافضل یختلف باختلاف احوال المصلین فان کان فیہم احتمال لطول القیام فالقیام بعشر رکعات وثلاث بعدھا کما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لنفسہ فی رمضان ھو الافضل وان کان لا یحتملون فالقیام بعشرین ھو الافضل وھو الذی یعمل بہ اکثر السلف فانہ وسط بین العشرین والاربعین وان قام باربعین وغیرھا جاز ذلک ولا یکرہ شئی من ذلک وقد نص علی ذلک غیر واحد من الائمۃ کاحمد وغیرہ ومن ظن ان قیام رمضان فیہ عدد موقت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یزاد علیہ ولا ینقص فقد اخطأ فاذا کانت ھذہ السعۃ فی نفس عدد القیام فکیف الظن بزیادۃ القیام لاجل القراءۃ فکل ذلک حسن سائغ وقد ینشط الرجل فیکون الافضل فی حقہ تطویل العبادۃ وقد لا ینشط فیکون الافضل فی حقہ تخفیفہا وقد کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معتدلۃ اذا اطال القیام اطال الرکوع والسجود واذا خفف القیام خفف الرکوع والسجود ھکذا

کان یفعل فی المکتوبات قیام اللیل صلوۃ الکسوف وغیر ذلک وقد تنازع الناس من هل الافضل طول القیام او کثرۃ الرکوع والسجود او کلاھما سواء علی ثلاثۃ اقوال اصحہا ان کلیہما سواء فان القیام اختص بالقراءۃ وھی افضل من الذکر والدعاء والسجود نفسہ افضل من القیام فینبغی اذا طول القیام ان یطول الرکوع والسجود وھذا طول القنوت الذی اجاب بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما قیل لہ ای الصلوۃ افضل فقال طول القنوت فان القنوت ھو ادامۃ العبادۃ سواء کان فی حال القیام او الرکوع او السجود کما قال تعالیٰ امن ھو قانت اناء اللیل ساجدا وقائما فسماہ قانتا فی حال سجودہ کما سماہ قانتا فی حال قیامہ انتہی المنقول من فتاوی ابن القیم وقال الحافظ الترمذی فی جامعہ واختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرای بعضہم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ واکثر اھل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت الناس ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ وقال احمد روی فی ھذا الوان لم یقض فیہ بشیء وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعۃ علی ماروی عن ابی بن کعب اختار ابن المبارک واحمد واسحاق الصلوۃ مع الامام فی شہر رمضان واختار الشافعی ان یصلی الرجل وحدہ اذا کان قارئا انتہی وقال الحافظ فی الفتح وعن مالک فی احدی الروایتین وابی یوسف وبعض الشافعیۃ الصلوۃ فی البیت افضل عملا بعموم قولہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ وھو حدیث صحیح اخرجہ مسلم من حدیث ابی ھریرۃ وبالغ الطحاوی فقال ان صلوۃ التراویح فی الجماعۃ واجبۃ وعند الشافعیۃ فی اصل المسألۃ ثلثۃ اوجہ من کان یحفظ القرآن ولا یخاف من الکسل ولا تختل الجماعۃ فی المسجد بتخلفہ فصلوتہ فی الجماعۃ والبیت سواء فمن فقد بعض ذلک فصلوتہ فی الجماعۃ افضل انتہی

وفی نیل الاوطار للشوکانی قال النووی واختلفوا فی ان الافضل صلاتھا فی البیت منفردا او فی جماعة فی المسجد فقال الشافعی وجمہور اصحابہ ابی حنیفة واحمد وبعض المالکیة وغیرہم الافضل صلوتھا جماعة کما فعلہ عمر بن الخطاب والصحابة رضی اللہ عنہم واستمر عمل المسلمین علیہ لانہ من الشعائر الظاہرة فاشبہ صلوة العید وبالغ الطحاوی فقال ان صلوة التراویح فی الجماعة واجبة علی الکفایة وقال مالک وابو یوسف وبعض الشافعیة وغیرہم الافضل فرادی فی البیت لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الصلوٰة صلوٰة المرء فی بیتہ الا المکتوبة متفق علیہ قالت العترة ان التجمیع بدعة انتہی وفی القسطلانی واستدل بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم خشیت ان تفرض علیکم علی ان الافضل فی قیام رمضان ان یفعل فی المسجد جماعة لکونہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی معہ ناس فی تلک اللیالی واقرہم علی ذلک وانما ترکہ لمعنی وقد امن بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو خشیة الافتراض وبھذا قال الشافعی وجمہور اصحابہ وابو حنیفة واحمد وبعض المالکیة وروی ابن ابی شیبة فعلہ عن علی وابن مسعود وابی بن کعب وسوید بن علقمة وغیرہم وامر بہ عمر ابن الخطاب واستمر علیہ عمل الصحابة رضی اللہ عنہم وصار من الشعائر الظاہرة کصلوٰة العید وذہب آخرون الی ان فعلہا فرادی فی البیت افضل لکونہ صلی اللہ علیہ وسلم واظب علی ذلک وتوفی والامر علی ذلک حتی مضی صدرا من خلافة عمر وقد اعترف عمر رضی اللہ عنہ بانہا مفضولة بقولہ والتی ینامون افضل من التی یقومون وکان الناس یقومون اولہ وبھذا قال مالک وابو یوسف وبعض الشافعیة واجیب بان ترک المواظبة علی الجماعة فیہا انما کان لمعنی وقد زال وبان عمر رضی اللہ عنہ لم یعترف بانہا مفضولة وقولہ والتی ینامون عنہا افضل لیس فیہ ترجیح الانفراد ولا ترجیح فعلہا فی البیت وانما فیہ ترجیح آخر اللیل علی اولہ کما صرح بہ الداوری بقولہ یرید آخر اللیل وفرق بعضہم بین من یثق بانتباہہ وبین من لا

یثق به انتهى وقال الحافظ قوله والتي تنامون عنها افضل هذا تصريح منه بان الصلوة في أخر الليل افضل من اوله لكن ليس فيه اى الصلوة في قيام الليل فرادى افضل من التجميع انتهى ومن مجموع مانقلناه من كلام الحفاظ المحققين يعلم الجواب على جميع اطراف السوال انشاء الله تعالى وفي هذا المقدار كفاية لمن له هداية فان كان صوابا فمن الله والحمد لله وان كان خطاء فمني ومن الشيطان واستغفر الله ۔

وان تجد عيبا فسد الخللا فجل من لا عيب فيه وعلا

والله المسئول ان يجدبنا بتوفيقه الى سنن السنة وان يرزقنا العمل بما علمناه منها انه اهل الفضل والمنة وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم تسليما كثيرا الى يوم الدين سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين امين قال المولف رحمه الله تعالى وقد فرغت من تبييض هذه الرسالة ثالث عشر في شهر رمضان المعظم عام الف ومائتين وخمس وتسعين من الهجرة النبوية على صاحبها افضل الصلوة وازكى التحية ۔

سوال :۔ کیا نماز تراویح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے علاوہ جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو کتنی رکعتیں ہیں؟ اور انہیں کسی محقق محدث نے روایت ہے ؟ اور کیا قیام رمضان کے لئے کوئی مخصوص عدد ہے کہ جس کے بغیر مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا ؟ ۔ اور کیا بیس رکعتیں جنہیں تراویح کہتے ہیں بعینہٖ قیام رمضان ہی ہے ؟ یا اس پر قیام رمضان کا لفظ صادق آتا ہے ؟ حفاظ محدثین کے کلام سے بیان فرمائیں ؟ ۔

جواب :۔ میں اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے کہتا ہوں ۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، ایک رات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ان نمازیوں نے صبح ہونے پر دوسرے لوگوں کو بھی بتایا تو دوسری رات مجمع بہت

پڑھ گیا۔ اور آنحضرت کے ساتھ لوگوں نے نماز ادا کی تیسری رات باتیں سن کر لوگ بہت اکٹھے ہو گئے۔ حتیٰ کہ مسجد کی تنگ دامانی ظاہر ہونے لگی۔ اس شب صبح کی نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔ اور پھر تم اسے پڑھ نہیں سکو گے۔ (اہ ملخصاً)

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے ہیں تو اس وقت یہی حکم تھا۔ مائی عائشہؓ ہی کی ایک روایت مسند احمد میں ہے۔ اس میں ہے کہ رمضان کی راتوں میں لوگ گروہ گروہ ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ جس شخص کو کچھ قرآن یاد ہوتا وہ پانچ، سات یا اس سے کم و بیش آدمی لے کر جماعت کرواتا۔ آنحضرت علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے حجرے کے دروازے پر ایک چٹائی بچھاؤں میں نے تعمیل ارشاد کی آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر وہاں آئے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ تو آپ نے نماز پڑھائی الخ اس روایت میں تیسری رات کا ذکر نہیں ہے۔

ایک روایت عبدالرحمان بن عبدالقاری کی ہے۔ وہ کہتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک رات رمضان المبارک میں مسجد آیا لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے تھے۔ کوئی اکیلا تھا تو کوئی دو، چار کے ساتھ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا خیال ہے کہ اگر میں انہیں قاری پر جمع کر دوں تو اس سے بہتر ہو گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب کو جماعت کرانے کا حکم دے دیا۔ ایک رات پھر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ نکلا تو لوگ اپنے قاری کی امامت میں نماز ادا کر رہے تھے، تو عمرؓ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ایک اچھی چیز ایجاد ہوئی ہے۔ (نعمت البدعۃ هذہ) اور رات کا وہ حصہ جس میں یہ سو جاتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے جس میں یہ قیام کرتے ہیں (یعنی پچھلی رات) لوگ پہلی رات قیام کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

امام شوکانی نیل الاوطار میں کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ جائز ہے لیکن پسندیدہ نوافل میں انفرادی صورت میں پڑھنا ہی ہے۔ مگر مخصوص نوافل جیسے عیدین، کسوف، اور استسقاء نہ ہے۔ اور اسی طرح جمہور

کے نزدیک نماز تراویح بھی جب کہ معتکف ہو اس حدیث میں مسجد میں نوافل کا جواز بھی ہے۔ اگرچہ گھر بہتر ہے شاید نبی علیہ السلام نے بیان جواز کے لئے ہی مسجد میں ادا کی ہوں یا آپ معتکف ہوں۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس نے امامت کی نیت نہ کی ہو اس کی بھی اقتداء جائز ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ مشہور اور صحیح ہمارے مذہب میں یہی ہے لیکن اگر امام نے مقتدیوں کی اقتداء کے بعد ان کی امامت کی نیت کر لی۔ تو امام اور مقتدیوں کو جماعت کا ثواب حاصل ہوگا۔ اور اگر نیت نہ کی تو ثواب نہیں ہوگا۔ (عی الامع) چونکہ اس نے نیت نہیں کی۔ اور اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ مقتدیوں نے چونکہ نیت کی ہے۔ اس لئے انہیں ثواب ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب مصلحت اور فساد کا تعارض ہو تو زیادہ اہم کا اعتبار کیا جائے گا۔ چونکہ نبی علیہ السلام مسجد میں نماز کو مصلحت سمجھتے تھے جب اس کے مقابلے میں فرض ہونے کا خوف دیکھا تو اسے ایک عظیم فساد کے خطرے کے پیش نظر ترک کر دیا کہ وہ فرض ہونے پر اسے ترک کریں گے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب امام یا قوم کا سردار کوئی خلاف توقع کام کرے۔ اور اس میں اسے کوئی عذر ہو تو وہ لوگوں کو بتا دے تاکہ وہ کسی بدظنی میں مبتلا نہ ہوں۔ حضرت امام بخاری وغیرہ نے اس حدیث سے نماز تراویح پر استدلال کیا ہے۔ امام نے کتاب التراویح میں منجملہ دیگر احادیث کے اسے بھی ذکر کیا ہے۔ اور وجہ دلالت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے مسجد میں نماز ادا کی لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ آپ نے منع نہیں کیا۔ اور چھوڑا بھی نہیں مگر فرض ہونے کے ڈر سے مطلق جمع ہو کر رمضان کی راتوں میں نوافل ادا کرنے کی مشروعیت پر اس سے استدلال صحیح ہے۔ لیکن موجودہ زمانے میں رائج صورت یعنی مخصوص رکعتیں اور مخصوص قرأت اور باقاعدگی کے ساتھ پڑھنے پر بحث آگے آئیگی اور صحیح مسلم میں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رات نکلے تو لوگوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی الخ۔ مسند احمد میں ہے کہ مسجد تنگ ہو گئی۔ اس کی ایک روایت بطریق سفیان بن حسین میں ہے کہ چوتھی رات لوگ مسجد میں نہ سما سکے۔ موطا میں ہے کہ تیسری یا چوتھی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نہ نکلے۔ مختلف روایات کے الفاظ مختلف ہیں کسی میں ہے کہ لوگوں نے تیسری رات آپ کی تاخیر کی وجہ سے کھانسنا شروع کر دیا کسی میں ہے کہ لوگوں نے دروازہ کھٹکھٹایا کسی میں ہے کہ تیسری رات ہم نے خیال کیا کہ آج سحریاں بھی نہیں کھا سکیں گے۔ (اس قدر لمبا قیام کیا) یہ تینوں ہی علیہ السلام کی اجتماعی شکل میں رمضان میں مطلق قیام کی حدیث کی مختلف سندیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں ادا کیں

ابن عباس کی ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں بیس رکعتیں پڑھائیں، اور وتر بھی پڑھایا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ) ابن حبان میں ہے کہ آٹھ رکعتیں اور وتر بھی زیادہ صحیح ہے، کذا فی المزن فانی علی الموطا۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ کی کسی سند میں بھی آنحضرت سے قیام کی تعداد مذکور نہیں ہے، لیکن ابن خزیمہ و ابن حبان نے جابرؓ کی حدیث روایت کی ہے جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ رمضان میں آٹھ رکعتیں اور وتر ادا کئے۔ جب اگلی رات ہوئی تو ہم پھر جمع ہوئے، اور آپ کے نکلنے کی امید کرتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی ہم آپ کے پاس داخل ہوئے، اور عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! الخ اگر (عائشہؓ و جابرؓ کی حدیث میں) ایک ہی قصہ ہے تو پھر ممکن ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ تیسری رات آئے ہوں، اسی لئے انہوں نے دو راتوں کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح انسؓ کی ایک روایت مسلم میں ہے، کہ آنحضرت رمضان میں نماز ادا کر رہے تھے۔ پس میں آیا۔ اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک اور آ گیا حتیٰ کہ ایک جماعت ہو گئی جب آپ کو ہمارا پتہ چلا تو آپ نے نماز مختصر کر دی، اور پھر تشریف لے گئے۔

ظاہر ہے کہ یہ کوئی اور قصہ ہے، جماعت کے ساتھ قیام رمضان آنحضرت کے قیام سے ثابت ہو گیا، آپ نے فرض ہونے کے ڈر سے اسے چھوڑا ہے، چونکہ آپ مومنوں پر رحم اور شفقت فرماتے تھے۔

ابو الولید باجی اور ابن التین کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تقریر سے استنباط کیا تھا کہ آپ۔ نے پڑھنے والوں کو منع نہیں فرمایا۔ جو مکروہ جانا تو صرف

فرضیت کے خوف کی وجہ سے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد تو یہ خوف نہیں رہا تھا یعنی مسجد اور جماعت کی شرطِ صحت نوافل ہیں اسی طرف اشارہ ہے زید بن ثابت کی حدیث میں (خشیت ان یکتب علیکم الخ) ممکن ہے کہ فرض کفایہ کی صورت میں فرضیت کا ڈر ہو اس صورت میں صلوٰۃ خمسہ پر زائد فرض ہوتا۔ ممکن ہے کہ صرف قیام رمضان کی فرضیت کا خوف ہو۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ چونکہ قیام رمضان کی تکرار سال بسر نہیں ہے۔ پھر بھی یہ صلوٰۃ خمسہ پر قدر زائد نہ ہوتی۔

حافظ نے فتح الباری میں ابن عبدالبر سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے صرف اسی چیز کو سنت قرار دیا تھا۔ جو آنحضرتؐ کو پسند تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت (یعنی باقاعدگی) سے تو صرف اس لئے منع فرمایا تھا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے، جب فرضیت کا خوف باقی نہ رہا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں اس سنت کو پھر سے زندہ کر دیا اور آنحضرتؐ سے اسے سنت قرار دینے پر یہ دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا ان اللہ فرض علیکم قیام رمضان سنت لکم قیامہ الخ اخرجہ احمد و النسائی وابن ماجۃ والبیہقی من عبدالرحمن بن عوف۔

حضرت عمرؓ نے اس میں رغبت دلانے کے لئے فرمایا (نعمت البدعۃ ھذہ) چونکہ کلمہ نعم جمیع محاسن کو مشتمل ہوتا ہے، جیسا کہ کلمہ بئس جمیع برائیوں کو متضمن ہوتا ہے، آنحضرتؐ کا ارشاد ہے اقتدا کرو۔ ان کی جو میرے بعد ہیں۔ یعنی ابوبکر و عمر یہ حذیفہ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔ جو مسند احمد اور ترمذی میں ہے۔

حافظ شوکانی رد القول المفید فی حکم التقلید میں فرماتے ہیں یہ حدیث سنن میں معروف، مشہور اور ثابت ہے۔

اور سنن کی کتابوں میں عرباض بن ساریہ کی صحیح اور ثابت حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ "علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی" اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ خلفاء راشدین جب کسی چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد سنت قرار دیں۔ اس پر عمل پیرا ہونا آنحضرت ؐ کے فرمان پر عمل کی وجہ سے ہی کہ آپ نے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے اور ابوبکر و عمر کی اقتدار کا حکم فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ امت کے کسی عالم کی اقتدار کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ہی ائمہ مجتہدین میں سے کسی مجتہد کی اقتدار کا حکم فرمایا حاصل کلام یہی ہے کہ ہم جو ابوبکر و عمر کی اقتدار کرتے ہیں۔ تو صرف آنحضرتؐ کی تعمیل ارشاد کے لئے آپ نے فرمایا۔ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي نیز فرمایا اقتدوا بالذين من بعدي ابو بكر و عمر۔ آنحضرت نے خلفاء راشدین کی تخصیص فرمائی۔ اور ان کی سنت کو اپنی سنت کی مانند قرار دیا۔ (اتباع میں) اگر خلفاء راشدین کے ساتھ دوسروں کا اطلاق درست ہوتا تو ان کے صحبت و علم کے ساتھ (دیگر صحابہ) مقدم ہوتے ان لوگوں پر جو خلفاء کے ساتھ ان کی کسی فضیلت میں بھی شریک نہیں ہیں بلکہ ان کی باہمی نسبت ایسے ہی ہے جیسے خاک اور ثریا کی نسبت ہے۔ اگر یہ فضیلت انہیں کے ساتھ خاص اور انہیں میں محصور نہ ہوتی تو انہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خصوصیت سے دیگر صحابہ کے علاوہ ذکر نہ کرتے۔

جہاں تک حدیث۔ اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم[1] کا تعلق ہے (میرے صحابہ ستاروں کی مانند جس کی ان میں سے تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے) یہ حدیث حضرت جابر اور ابن عمر کے طرق سے مروی ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس فن کے اماموں نے اس پر کافی و شافی بحثیں کی ہیں۔ غرضیکہ یہ حدیث قابل حجت نہیں ہے اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو اس میں صحابہ کرام کی غیر صحابہ پر فضیلت کا ثبوت ہے۔ اگر ہم ان میں سے کسی کے قول کو لیں گے۔ تو صرف اس لئے کہ حضورؐ نے ہمیں ہدایت فرمائی

---

[1] اس حدیث پر تفصیلی اور تحقیقی بحث شاہد علاوہ نقد کے لئے ملاحظہ ہو حضرت النواب سید صدیق الحسن رحمہ اللہ م ۱۳۰۷ھ کی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص ۳۵ - (عبدالرشید ستفی)

ہے کہ ان کی اقتداء میں ہدایت ہے، اس صورت میں بھی ہم اتباع سنت اور عمل بالحدیث سے خارج نہیں ہوں گے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ کے بارے میں کہا تھا۔ اس نے تمہارے لئے سنت قرار دیا ہے، تم ویسے ہی کرو (ابوداؤد باب الاذان)

وہ صرف حضرت معاذ کے کرنے سے نہیں۔ بلکہ آنحضرت کے فرمانے سے سنت ہوتی ہے۔ یہی جواب ہوگا حضرت ابن مسعودؓ کے قول کا جو انہوں نے صحابہ کی تعریف میں فرمایا

یعنی رفاعی خوالھم حقھم و تمسکوا بھدیھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم

پس پہنچانو صحابہ کا حق اور چمٹے رہو ان کے طریقے سے بے شک وہ صحیح راستہ پر تھے۔

ہاں ایک جواب ان تمام احادیث وآثار سے یہ بھی دیا جا سکتا ہے، کہ ان صحابہ کی سنت کو سنت پکڑنے اور ان کی اقتداء کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک وہی کچھ کرتا تھا جو آنحضرت نے کیا۔ وہ جو کچھ کرتے اور کہتے تھے۔ وہ آنحضرت کے افعال واقوال کا عکس ہوتا تھا۔ ان کے اقوال وافعال آنحضرت کے افعال واقوال کی گویا کہ حکایت ہی تھے، ان کی اقتداء آنحضرت کی اقتداء ٹھہری اور ان کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا مطلب ہے، آنحضرت کی سنت پر عمل کرنا اس کے لئے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کے عبادات ومعاملات میں عمل کی طرف توجہ کر کے دیکھ لیں، جہاں کہیں ان میں اختلاف ہے، وہ روایت کرنے میں ہے ان کے رائے میں نہیں ہے۔ صحابہ سے صادر ہونے والے افعال خصوصاً عبادات میں آپ کوئی ایسا فعل نہیں دیکھیں گے۔ جس کی بنیاد ان کی رائے پر ہو۔ وہ صرف اسی پر عمل کرتے تھے جس کا آنحضرتؐ یا خلفاء راشدین میں مشاہدہ کرتے تھے۔ وہ تو صرف مبلغ تھے، اسی لئے اکابر صحابہ سے رائے کی مذمت مروی ہے۔ وہ سنت کے سوا اور کسی چیز کی طرف لوگوں کی راہنمائی نہیں کرتے تھے۔ جہاں کہیں ان کے اپنے اجتہادات کا ذکر ہے وہ کتاب وسنت سے خارج نہیں ہیں، بلکہ یا تو بتصریح یا بتلویح کتاب وسنت میں موجود ہیں اور جہاں کہیں کسی صحابی کو رائے اور اجتہاد سے کام لینا پڑا ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہ صحابی

بہت تنگی محسوس کرے گا۔ اور ساتھ ہی تصریح بھی کرے گا کہ یہ میری اپنی رائے ہے۔ خطا کو اپنے نفس اور شیطان کی طرف منسوب کرے گا۔ اور صواب و درستی کو اللہ کی طرف یہ بڑی نفیس بحث ہے۔ اس پر مزید غور خوض کرنا چاہیئے۔ اھ۔

اسی "القول المفید" میں امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بدعت کی تفسیر میں جو آنحضرت سے صحیح اور ثابت حدیث میں مروی ہے۔ "خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الهدی هدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم و شر الامور محدثاتها وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار" فرماتے ہیں۔ تمام بدعی امور دو قسم پر ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات نکال لیں یہ تو بدعت ضلالت ہے، دوسرے جو قرآن و سنت سے مستنبط ہوں کسی کو اس میں خلاف نہ ہو۔ یہ محدث مذموم نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمر نے فرمایا "نعمت البدعة هذه"۔ اھ نیز آپ کے فتاویٰ میں مذکور ہے کہ آپ سے حدیث "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کے متعلق لوگوں نے بہت طویل کلام کئے ہیں۔ اس کی صحیح تاویل کیا ہے! آپ نے فرمایا کہ صحیح بات قابل عمل وہی ہے، جس پر یہ ترکیب عربی لغت کی رو سے دلالت کرتی ہے۔ لغت میں سنت کا معنی طریقہ کا ہے۔ گویا کہ آپ نے فرمایا۔ "الزموا طریقتی وطریقة الخلفاء الراشدین"۔ تو صحابہ کرام کا طریقہ نفس آنحضرت ﷺ کا طریقہ ہی تو تھا وہ اس پر عمل کرنے میں سخت حریص تھے۔ وہ معمولی امور میں بھی آپ کی مخالفت سے ڈرتے تھے کجا بڑے معاملات۔

اور جب انہیں کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہ ملتی تو وہ باہمی بحث و مشاورۃ سے جس نتیجے پہ پہنچتے اس پر عمل کرتے۔ اور یہ بھی آنحضرت ﷺ کی سنت ہی ہے، جیسا کہ اس پر معاذ والی حدیث سے دلیل ملتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے کہا تھا۔ کہ کیسے فیصلہ کرو گے۔ عرض کی کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر عرض کی حدیث سے فرمایا اگر حدیث بھی نہ ملے تو عرض کیا اجتہاد کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ

جس نے میرے پیامبر کو توفیق دی (او کما قال) اگرچہ بعض اہل علم کو اس حدیث میں کلام ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حسن لغیرہ کی قسم سے ہے، اور حسن لغیرہ معمول بہ ہے میں نے ایک مستقل بحث میں اس کی وضاحت کی ہے۔ پس اگر آپ یہ کہیں کہ اگر جمیع صحابہ کا اپنی آراء پر عمل سنت ہے، تو پھر حضور کے قول وسنۃ الخلفاء الراشدین کا کیا فائدہ ہے، جواب یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں نے حضور کا زمانہ نہیں پایا۔ صرف خلفاء راشدین کا زمانہ ہی پایا ہے، یا پھر زمانہ تو آنحضرت اور خلفاء کا پایا۔ مگر امر حادث حضور کے زمانے کے بعد خلفاء کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوا۔ پس خلفاء نے اس پر عمل کیا تو سنت خلفاء راشدین کی قرار پائے گی اس حدیث سے اسی طرف اشارہ ہے۔

اسی بنا پر بعض امور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبت فعل اپنی ذات اور اپنے صحابہ کی طرف کی ہے۔ حالانکہ اپنی طرف نسبت کے بعد کسی غیر کی طرف نسبت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، (اھ محل الغدق ومکان الاسوق)

مجھے اس حدیث کی یہی تفسیر سمجھ آئی ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہے۔ تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اھ۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں، کہ دراصل بدعت اُسے کہتے ہیں جس کی پہلے مثال نہ ہو۔ اور شرع میں اس کا اطلاق سنت کے مقابل پر ہوتا ہے۔ پس یہ مذموم ہوگی۔ اھ زرقانی میں ہے کہ حضرت عمر نے اسے نعمت البدعۃ کہا ہے، چونکہ اس فعل کا اصل سنت سے ثابت ہے، بدعت ممنوعہ تو وہ ہے، جو خلاف سنت ہو۔ ابن عمر نے چاشت کی نماز کے بارے میں فرمایا۔ نعمت البدعۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ۔

ابن عبد البر باجی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمر نے خود ہی تصریح کر دی ہے، کہ سب سے پہلے قیام رمضان میں ایک امام پر انہوں نے جمع کیا، اور پھر صحابہ نے اس کی پیروی کی، اور یہ رائے اور اجتہاد کی صحت کی دلیل ہے اھ۔

زرقانی کہتے کہ عمر نے اسے اس لیے بدعت کہا کہ یہ سنت حضورؐ اور ابوبکرؓ کے اوقات میں نہیں تھی۔ لیکن جب عمر کے زمانے میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا تو اس سے بدعت کا لفظ زائل ہو گیا۔ اھ۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن وہب نے جو ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگ مسجد کے کونے میں نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی یہ ابی بن کعب لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ اچھا کر رہے ہیں اھ۔ ابن عبدالبر نے اسے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس میں مسلم بن خالد راوی ضعیف ہے۔ اور محفوظ بات یہی ہے کہ اولاً حضرت عمر نے ہی ابی بن کعب پر لوگوں کو جمع کیا تھا۔ حدیث یؤمهم اقرؤهم كتاب الله ۔ کو مدنظر رکھتے ہوئے۔ اھ۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے، قیام رمضان سے مراد اس کی راتوں کا قیام نماز کی حالت میں ہے۔ نووی نے ذکر کیا ہے۔ کہ قیام رمضان سے مقصود نماز تراویح ہے، شوکانی نیل میں کہتے کہ قیام کے لئے ساری رات نماز میں مشغول رہنا مراد نہیں ہے، بلکہ صرف اسی قدر جس پر لفظ قیام صادق آ سکے اھ۔ حافظ نے ابن تین کے حوالے سے حضرت عمر کے فرمان (وجمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان امثل ۔ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عمر نے آنحضرت کی تقریر سے استنباط کیا ہے۔ مگر وہ آپ نے صرف اس وجہ سے چھوڑا تھا کہ فرضیت کا ڈر تھا۔ آنحضرت کی وفات کے بعد امن ہو گیا۔ اسی لیے جمہور بھی حضرت عمر کے قول کی طرف گئے ہیں۔ ابن بطال نے تو کہا ہے کہ تراویح سنت ہے۔ چونکہ عمر نے اسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ہی اخذ کیا ہے، امام بخاری کی حدیث عائشہ کو حدیث عمر کے بعد لانے میں یہی راز ہے۔

سبیل الجرار علی الازہار میں امام محمد بن علی شوکانی نے اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ چونکہ حضرت عمر نے اسے آنحضرت کے فعل سے اخذ کیا ہے، اس لئے یہ سنت ہے بدعت نہیں ہے، آنحضرت سے رمضان کی راتوں میں نوافل با جماعت ثابت ہیں انہوں

نے مذکورۃ الصدر احادیث کا ذکر بھی کیا ہے۔

تعداد رکعات آخر میں کہتے ہیں کہ بعض اہل علم نے جو بیس رکعتوں کو مستحسن کہا اور ہر رکعت میں مخصوص قرأت کو معین کردیا ہے یہ کہیں سے ثابت نہیں ہے۔

نیل الاوطار میں شوکانی کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ تعداد رکعات کے بارے میں بخاری شریف میں عائشہ کی روایت ہے کہ آنحضرت رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ابن حبان میں جابر کی روایت میں ہے آپ نے انہیں آٹھ رکعتیں پڑھائیں بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں جماعت کے بغیر بیس رکعتیں ادا فرماتے تھے سلیم رازی نے کتاب الترغیب میں زیادہ کیا ہے کہ تین وتر بھی پڑھتے تھے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ساتھ ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان متفرد ہے، اور وہ ضعیف ہے، گویا حدیث ضعیف ہے۔

قرأت ہر رکعت میں مخصوص قرأت کے اندازے کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔

حاصل کلام یہ ہے، کہ باب کی احادیث سے قیام رمضان کی مشروعیت جماعت کے ساتھ اور اکیلے اکیلے ثابت ہے، مخصوص عدد اور مخصوص قرأت کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی اور ابن عباس کی جو حدیث ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت رمضان میں بغیر جماعت کے بیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے، اسے ابن عبدالبر اور بیہقی نے ابن ابی شیبہ کے دادے ابی شیبہ کی روایت سے ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے مقابلے میں حضرت عائشہ کی صحیح روایت بھی ہے، کہ آنحضرت رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور عائشہ آپ کے رات کے امور کی زیادہ واقف ہیں۔ مجھے گیارہ رکعت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ دن کے فرائض آٹھ ہیں چار ظہر کے چار عصر کے اور مغرب دن کے وتر ہیں، تو اس مناسبت سے رات کی نماز بھی دن کی نماز کے برابر رکھی گئی، اور جہاں تیرہ کا ذکر ہے تو اس میں فجر کو شامل کرلیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے۔ تو حضرت کے زمانے میں اور اس کے بعد زمانہ تابعین کے بارے میں سنن بیہقی میں ہے، صحیح سند کے ساتھ کہ عمر کے زمانے میں رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا تھا۔ کہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں، اور حضرت عائشہؓ کی بھی گیارہ رکعت والی روایت مؤطا میں موجود ہے۔ لیکن دوسروں نے عائشہؓ کی روایت میں احدی وعشرین کے لفظ روایت کیے ہیں۔ صرف مالک نے احدی وعشرۃ کا لفظ ذکر کیا ہے جو وہم ہے۔ امام یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مالک اس کے ساتھ اکیلے ہیں۔ سعید بن منصور نے محمد بن یوسف کی روایت سے بھی احدی عشرۃ ذکر کیا ہے، جیسے مالک نے کہا ہے۔ مالک نے یزید بن رومان سے ذکر کیا ہے، کہ عمر کے زمانے میں تیئس رکعتیں تھیں۔ زرقانی کہتے ہیں کہ بیہقی نے تطبیق وہی ہے۔ کہ پہلے طول قیام کے ساتھ گیارہ کا حکم دیا تھا۔ پھر لوگوں کی کمزوری کی وجہ سے تخفیف کے ساتھ تیئس کا حکم دیا ہو۔ لمبی بحث کے بعد شوکانی نے نیل میں بھی یہی خلاصہ نکالا ہے، اور اپنی تائید میں داؤدی کا ذکر بھی کیا ہے۔

محمد بن نصر نے بطریق داؤد بن قیس ذکر کیا ہے کہ میں نے لوگوں کو زمان ابان اور عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں مدینہ میں ۳۶ رکعت پڑھتے پایا۔ اور تین وتر پڑھتے تھے۔ مالک کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ۳۹ ہیں اور مکہ میں ۲۳ ہیں۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ امام ترمذی نے زیادہ سے زیادہ ۴۱ کا ذکر کیا ہے۔ شوکانی نے نیل میں اور ابن حجر نے فتح الباری میں لمبی بحثیں کی ہیں۔ جو ادپر عربی میں ذکر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی عدد معین نہیں ہے طول قیام کے ساتھ کم رکعتیں پڑھے۔ اور اگر قیام تھوڑا کرتے تو رکعتیں زیادہ پڑھتے یہی صورت افضل واولیٰ ہے۔ امام ابن قیم کے فتاوی میں ہے کہ نفس قیام رمضان میں آپ نے کوئی عدد متعین نہیں فرمایا۔ صرف یہی ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت سے زیادہ نہیں ادا کرتے تھے۔ قیام لمبا فرماتے تھے۔ جب حضرت عمر نے لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا تو اس نے بیس رکعتیں پڑھائیں۔ اور قیام مختصر کیا۔ پھر سلف میں سے بعض نے چالیس اور

بعض نے چھتیس پڑھیں۔ بہتر صورت یہی ہے کہ دس رکعتیں اور تین وتر ہوں، اور قیام طویل ہو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کوئی تعداد مقرر ہے اس کی غلطی ہے۔ اور بعض شافعی قاری کے لئے اکیلا پڑھنے کو اختیار کرتے ہیں۔ حافظ نے بھی فتح الباری میں مالک کے ایک قول ابو یوسف اور بعض شافعیہ کے حوالے سے یہی لکھا ہے چونکہ حدیث میں ہے افضل صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ (مسلم) طحاوی نے مبالغہ کیا اور کہا ہے کہ نماز تراویح جماعت کے ساتھ واجب ہے اھ۔ شافعی اور اس کے جمہور ساتھیوں نے اور ابو حنیفہ اور احمد نے جماعت کے ساتھ پڑھنے کو افضل کہا ہے جیسا کہ عمر نے حضرت صحابہ کو جمع کیا تھا۔ بعض شافعیہ، مالک اور ابو یوسف کا خیال ہے کہ گھر میں افضل ہے۔ اور ہم نے جو حفاظ متقین کے کلام کے خلاصے درج کئے ہیں۔ امید ہے کہ اس سے سوال کے تمام اطراف پر روشنی پڑ گئی ہوگی۔ اللہ توفیق عمل سے نوازے مؤلف کہتا ہے کہ اس کی ترتیب سے ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ میں فراغت ہوئی۔ مترجم کہتا ہے کہ اس کے ترجمہ و تلخیص سے ۱۴ شعبان المعظم کو فراغت میسر آئی۔ صلے اللہ علی حبیبہ محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

احقر عبدالرشید بن عبدالعزیز السلفی عفی اللہ عنہما مدرس جامعہ سعیدیہ خانیوال

تراویح کی تعداد

مولانا محمد یحییٰ صاحب جونا گڑھی شافعی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؟

الجواب بعون الوہاب:۔ واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعت ثابت ہیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے:۔

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوۃ رسول صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ ترجمہ:۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی۔ تراویح کی نماز کتنے رکعت پڑھتے تھے، پس عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں یعنی آنحضرت کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی۔ صحیح بخاری جلد ۱ و مسلم جلد ۱ میں ہے:۔

عن عروۃ عن عائشۃ اخبرتہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج لیلۃ من جوف اللیل فصلی فی المسجد فصلی رجال بصلوتہ فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اکثر منہم فصلوا معہ فاصبح الناس فتحدثوا فکثر اھل المسجد من اللیلۃ الثالثۃ فخرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فصلی فصلوا بصلوتہ فلما کانت اللیلۃ الرابعۃ عجز المسجد عن اھلہ حتی خرج بصلوۃ الصبح فلما قضی الفجر اقبل علی الناس فتشھد ثم قال اما بعد فانہ لم یخف علی مکانکم ولکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنہا فصلوا ایہا الناس فی بیوتکم و ذلک فی رمضان۔

ترجمہ:۔ عروہ بن زبیر سے عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ایک

رات مسجد میں نماز پڑھی، اور کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ اقتداء کی صبح کو انہوں نے اور لوگوں سے ذکر کیا۔ دوسری رات کو کچھ لوگ زیادہ جمع ہوئے جن کی گنجائش مسجد میں نہ رہی، اس رات کو آپ نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی، یہاں تک کہ صبح کی نماز کے لیے آپ باہر تشریف لائے اور نماز صبح کے بعد "خطبہ" پڑھ کر فرمایا کہ تم لوگوں کا اس نماز کو جماعت سے پڑھنے کے شوق میں جمع ہونا معلوم ہے۔ لیکن میں نے جماعت سے اس لئے نہیں پڑھی کہ مجھ کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں یہ جماعت تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم سے ادا نہ ہو سکے۔ غرض آپ نے اس نماز میں جماعت موقوف کر دی، اور اصل نماز قائم رکھی، اور فرمایا کہ تم لوگ اس نماز کو گھروں میں پڑھا کرو، صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۹۸ و ۲۶۹ فتوفی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم والامر علے ذلك ثم كان الامر علے ذلك فی خلافة ابی بکرؓ وصدرا من خلافة عمرؓ یعنی آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ جماعت قائم نہ ہوئی، اور حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت اور حضرت فاروق اعظمؓ کے ابتدائے عہد خلافت تک بھی یہی حال رہا، اگر کوئی سوال کرے کہ اس حدیث میں اس بات کا بیان نہیں ہوا کہ ان راتوں میں آنحضرتؐ نے کتنی رکعت نماز پڑھائی تھی۔
جواباً عرض ہے کہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بذیل تخریج اس حدیث کے صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان سے بروایت جابرؓ نقل فرماتے ہیں کہ آں حضرت نے وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ فتح الباری کی عبارت یہ ہے ولم ادفی شیٔ من طرقه بیان عدد صلوته فی تلك اللیالی لكن روی ابن خزیمة و ابن حبان من حدیث جابرؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر علامہ عینی حنفی نے بھی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کو صحیح ابن خزیمہ و صحیح ابن حبان سے نقل فرمایا ہے عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے:۔ فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورة عدد الصلوٰة التی صلاها رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی تلك اللیالی قلت روی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔ ترجمہ۔ اگر تو سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی اس کی تعداد روایات مذکورہ بالا میں بیان نہیں ہوئی تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔ علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایہ جلد ا صفحہ ۲۹۳ میں اس کو بحوالہ صحیح ابن حبان بدیں عبارت نقل فرمایا ہے،

عند ابن حبان فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ انہ علیہ السلام قام بہم فی رمضان فصلے ثمان رکعات ثم اوتر۔ الحدیث۔ علامہ موصوف نے صفحہ ۲۷۶ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ابن حبان کس جگہ واقع ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ہـ رواہ فی النوع التاسع والستین من القسم الخامس ابن حبان نے حدیث مذکورہ بالا کو اپنی صحیح کی پانچویں قسم کی اونہترویں نوع میں روایت کیا ہے، یہ روایت قیام اللیل مروزی کے صفحہ ۹۰ معجم الصغیر طبرانی مطبوعہ دہلی کے صفحہ ۱۰۸۔ سبل السلام جلد ۲ صفحہ ۱۰ میں بدیں الفاظ مروی ہے :۔ عن جابر قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیلۃ فی رمضان ثمان رکعۃ والوتر الی ان قال اسنادہ وسط۔

اور نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ میں علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:۔ واما العدد الثابت عنہ صلے اللہ علیہ وسلم فی صلاتہ فی رمضان فاخرج البخاری وغیرہ عن عائشۃ ما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ واخرج ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر انہ صلے اللہ علیہ وسلم صلے بہم ثمان رکعات ثم اوتر۔

ترجمہ:۔ ان رکعات کی تعداد جو آنحضرتؐ سے رمضان کی نماز میں ثابت ہے اس کو امام بخاری وغیرہ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو مع وتر گیارہ رکعت پڑھائی تھیں آنحضرتؐ کے زمانہ مبارک میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ

تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں بلکہ صحابہ نے اپنی تراویح کی کبھی تعریف کی تو اس قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یعنی ۸ رکعت اور وتر جیسا کہ امام محمد بن نصر مروزیؒ کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۰ میں ہے۔ وعن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اللیلۃ شیء قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلاتک فصلیت بهن ثمان رکعات والوتر فسکت عنه وکان شبه الرضاء۔ ترجمہ۔ ابی بن کعب رمضان میں آنحضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات ایک بات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کون سی بات ہو گئی اے ابی! انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے بالا تمہاری اقتدا کریں، تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دئیے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر سکوت فرمایا۔ اور گویا اس بات کو پسند کیا۔ الحاصل مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں رات کی نماز گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے اور آپ نے رمضان میں تین رات نماز پڑھائی تھی ان راتوں میں ۸ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے، آپ کے سامنے صحابہ کرامؓ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ شمارہ ۲۲

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ

توضیح الکلام:۔ علامہ عینی حنفی المذہب نے بذیل شرح اس حدیث عائشہ صدیقہؓ کے چند سوال مع جواب، بغرض توضیح مطلب اس حدیث کے لکھتے ہیں۔ سوال اول مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے حالانکہ حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب عشرہ آخیر آتا تو آپ رات کو بیدار رہتے اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے، اور اپنی کمر عبادت کے لئے چست باندھتے اور عبادت میں بھی بہت کوشش فرماتے ان دونوں حدیثوں سے ثابت

ہوتا ہے کہ آپ آخر عشرہ رمضان میں اپنی عادت مستمرہ سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ اس صورت میں مذکورہ بالا حدیث اوراں دونوں حدیثوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، اس میں وجہ تطبیق کیا ہے؟

جواب:۔ آپ آخری عشرہ میں صرف رکعتوں کو طول دیتے تھے، یعنی لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے، اور رکعتوں کی تعداد نہیں بڑھاتے تھے۔ رکعتوں کی تعداد اسی قدر تھی جو حدیث بالا میں مذکور ہوئی، یعنی گیارہ رکعت زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

سوال:۔ جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں رکعتیں پڑھا تے تھے، ان کی تعداد میں خود عائشہ صدیقہؓ سے مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کسی میں تو گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے اور کسی میں ہے تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور کسی میں ہے کہ سات اور نو ہی پڑھا کرتے تھے، اس اختلاف کا کیا جواب ہے؟

جواب:۔ جس روایت میں تیرہ کا ذکر آیا ہے، اس میں فجر کی سنت بھی شامل ہے، اور جس میں سات اور نو کا ذکر ہے، وہ کبر سنی کی حالت میں عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ بحوالہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی للعلامۃ عبدالرحمٰن المبارکپوری صفحہ ۱ جلد ۲ صفحہ ۲، علامہ عینی حنفی نے دوسرے سوال کے جواب میں حضرت کا گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنا تجویز نہیں کیا، اور یہ فرمایا ہے، کہ جس روایت میں تیرہ رکعت کا پڑھنا آیا ہے، اس میں فجر کی سنت بھی شامل۔ لیکن حق یہ ہے کہ آپ نے کبھی کبھی سنت فجر کے علاوہ بھی تیرہ رکعتیں پڑھی ہیں۔ چونکہ ان میں سے اول کی دو رکعتیں آپ ہلکی پڑھتے تھے، اور عام طور پر یہی آپ نے فرمایا ہے، کہ اول کی دو رکعتیں ہلکی پڑھنی چاہیئے، لہٰذا کبھی ان رکعتوں کا شمار کیا گیا۔ اور کبھی نہیں کیا گیا۔ جب شمار کیا گیا تو تیرہ ورنہ گیارہ، پہلی دو رکعت ہلکی پڑھنے کا ثبوت مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ میں زید بن خالد عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ سے مروی ہے، ملاحظہ کر لیں۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۲۷

سوال: خلفاء راشدین کا کیا عمل رہا ہے، انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟

جواب: صحیح سند سے خلفاء راشدین میں بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے کچھ ثابت نہیں ہے کہ وہ حضرات کتنی رکعتیں پڑھتے تھے، یا کتنی رکعتیں پڑھنے کا حکم دیتے تھے، (مصباح فی تحقیق الحیان) ہاں حضرت عمرؓ سے البتہ بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں، سند اس کی بہت صحیح ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے، جب حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنی رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے، مگر جب صحیح حدیث سے ثابت کہ آنحضرت گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور جن راتوں میں آپؐ نے صحابہ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ رکعت پڑھنا ثابت ہے، تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے، امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے: قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ، اسی طرح امام محمد بن نصر مروزی کی قیام اللیل میں بھی اور زمانہ عمر کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے، حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطابؓ باحدی عشرۃ رکعۃ یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم عمر بن خطاب کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، حافظ سیوطیؒ اس روایت

کی سند کی نسبت فرماتے ہیں. سند عالی غاية الصحة. سند نہایت صحیح ہے انہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، واللہ اعلم

اخبار الاعتصام جلد ۲۸ شمارہ ۲۳

۲۴/۲ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

سوال: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: کسی صحیح حدیث سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا ثابت نہیں اس سلسلہ میں ایک ضعیف احادیث اور منقطع آثار پیش کرکے عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے حالانکہ ایسی احادیث اور آثار کو فقہائے عظام نے ضعیف اور منقطع قرار دے کر ناقابل اعتبار بنا دیا ہے مسئلہ کے ثبوت کے لئے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے، وہ احادیث اور آثار نقل کر کے ان کا ضعف اور انقطاع درج کیا جاتا ہے، وھو ھذا:

۱۔ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من صلی التراویح عشرین رکعۃ یغفر اللہ لہ عشرین الف ذنوبہ ما عطے لہ اجر عشرین شہیداً واعتق عشرین بلا حوالہ ہے۔

۲۔ عن ابن عمرؓ انہ قال قال علیہ السلام من صلی عشرین رکعۃ من التراویح قبل الوتر اعطی اللہ لہ نوراً عشرین مرتبۃ فی الجنۃ فکل مدینۃ شہر وکل شہر من ثلثین ایام ویوم مقدار سنۃ بغفد المتین بحوالہ فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۲۴۴

یہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں، آج تک کسی مستند کتاب میں نہیں دیکھیں، بلکہ وہ حنفی مسلک کے ذمہ دار علماء سے بھی کہیں نقل نہیں کی ہیں۔

٢- عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة الحديث فتاویٰ ثنائیہ ـ رواه البيهقي باسناد صحيح بذل المجهود شرح ابي داود للعلامه خليل احمد حنفي ج ٢ ص ٣٩٩ لكن في اسناده ابو عبدالله بن فنجويه الدينوري ولم اقف على ترجمته فمن يدعي صحة هذا الاثر فعليه ان يثبت كونه ثقة قابل للاحتجاج ـ تحفة الاحوذي ج ٢ ص ٧٥)

٣- وفي رواية اخرى للبيهقي عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر قال الجامع اثر کی سند میں ابوعثمان البصری عمرو بن عبداللہ علامہ نیموی حنفی نے اپنی قابل قدر کتاب آثار السنن میں کہا ہے، لم اقف من ترجم له کہ میں ابوعثمان کے حالات سے ناواقف ہوں نیز اسی سند میں ابوطاہر فقیہ ہے، اس کے ثقہ ہونے میں شبہ ہے علاوہ ازیں یہ روایت صحیح مرفوع حدیثوں کے اور جو حضرت سائب بن یزید کی مروی نہایت صحیح ترین روایتوں میں مخالف ہیں رواہ سعید بن منصور فی سننہ قال حدثنا عبدالعزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ ـ علامہ سیوطیؒ نے اس اثر کے نقل کے بعد لکھا ہے، اسنادہ فی غایۃ الصحۃ وھو ایضا معارض بما رواہ محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب ابن یزید انہ قال نصلی زمن عمر فی رمضان ثلاث عشرۃ رکعۃ وھو ایضا معارض بما رواہ مالک فی المؤطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ ـ

ان تینوں روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھا کرتے تھے،

فهذا اثر السائب بن يزيد رواه البيهقي ـ (في اثبات عشرين ركعة) لا يصلح للاحتجاج تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۵ حنفیہ ۲۰ رکعت تراویح کے ثبوت میں یہ اثر بھی پیش

کرتے ہیں۔ عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعة رواہ مالک۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے شمارہ ماہ ستمبر ۱۹۶۶ء میں کسی مسئلہ تراویح کے مسائل کے جواب میں اس منقطع اثر کو سامنے رکھ کر صحیح احادیث و آثار سے دانستہ اعراض کر کے محض اپنے مسلک کی حمایت کی خاطر ۲۰ تراویح کا فتویٰ دیا گیا ہے، جو محض دھوکا ہے، کاش کہ مفتی صاحب علامہ جمال الدین زیلعی حنفی کی نصب الرایۃ جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ اور علامہ عینی حنفی کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ و دیگر فقہائے عظام و علمائے احناف کو سامنے رکھ کر فتویٰ ارشاد فرماتے۔ اس کے منقطع ہونے کا حال سنیئے۔ علامہ زیلعی حنفی نصب الرایۃ میں فرماتے ہیں۔ یزید بن رومان لم یدرک عمر۔ اسی طرح علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ میں فرماتے ہیں۔ ویزید لم یدرک عمر ففیه انقطاع یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔ یہ روایت سنداً صحیح نہیں بلکہ منقطع السند ہے۔ اس لئے کہ یزید بن رومان جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے جلد ۵ صفحہ ۳۵۷ میں فرماتے ہیں۔ رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع۔ بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں بڑے شد و مد سے ایک مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں۔ جو یہ ہے: روی ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی و البیہقی من حدیث ابراهیم بن عثمان ابی شیبة عن الحکم عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر۔

یہ حدیث محققین احناف کے نزدیک قابل حجت نہیں، بلکہ ضعیف ہے، چنانچہ علامہ ابن الہمام حنفی فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں: واما ما رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه ... . النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علی ضعفه مع مخالفته للصحیح یعنی یہ حدیث ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابی بکر کا دادا ہے، باتفاق ائمہ

ضعیف ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث صحیح حدیث کے مخالف ہے، اسی طرح علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ اور علامہ زیلعی حنفی نے نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۳ پر اس حدیث کو بوجہ ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان ضعیف اور معلول قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معین۔ امام بخاری۔ اور امام نسائی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ پر فرماتے ہیں۔ کہ ۲۰ رکعت والی حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کے مخالف ہے، جو صحیحین میں ان سے مروی ہے، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی اس ۲۰ رکعت والی حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ تعلیق الممجد علی موطا محمد صفحہ ۱۳۸ مولانا ظہیر احسن نیموی بھی اس حدیث کو ضعیف تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے ضعیف پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب حنفی حدیث ابن عباسؓ کے متعلق فرماتے ہیں۔ واما النبی فصح عنه علیه السلام ثمان رکعات واما عشرون رکعة فهو عنه علیه السلام بسند ضعیف وعلی ضعفه اتفاق (عرف الشذی ص۳۴) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر آٹھ ہی رکعات تراویح ثابت ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت بالاتفاق سنداً ضعیف ہے، ان حضرات کے علاوہ اور بے شمار ائمہ حدیث نے حدیث ابن عباس کو ضعیف کہہ کر ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بهم عشرین رکعة۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا یہ روایت ضعیف ہے۔ مولانا ظہیر احسن نیموی حنفی اپنی قابل قدر کتاب آثار السنن میں فرماتے ہیں۔ رجاله ثقات لکن یحیی بن سعید الانصاری لم یدرک عمر (تحفۃ الاحوذی) یحییٰ بن سعید طبقہ خامسہ سے ہیں۔ جو تابعین کا طبقہ صغریٰ ہے، جس نے صرف ایک دو صحابہ کو دیکھا ہے، حضرت عمرؓ ۲۳ھ کو شہید ہو چکے تھے، اور یحییٰ بن سعید انصاری ۱۴۳ھ یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں پس یہ روایت بوجہ منقطع السند ہونے کے صحیح نہیں، نیز یہ روایت ان صحیح مرفوع حدیثوں اور آثار صحابہ کے مخالف ہے، جو گیارہ رکعت تراویح

معاذ سے منقول ہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل اخرج ابو بکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۷۵)

یعنی ابی بن کعب مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے، قال النیموی عبد العزیز بن رفیع لم یدرک ابی بن کعب۔ یہ اثر منقطع السند ہے، کیونکہ عبد العزیز بن رفیع جو اس واقعہ تراویح کے راوی ہیں۔ انہوں نے ابی بن کعب کو نہیں پایا، کیونکہ ابی بن کعب کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی، اور عبد العزیز بن رفیع ۵۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو۔ تقریب التہذیب ومع ھذا فھو مخالف لما ثبت بسند صحیح عن عمرؓ انہ امر ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ ورواہ ایضا مخالف لما ثبت عن ابی بن کعب انہ صلی اللہ رمضان و ارواہ ثمان رکعۃ و اوتر (تحفۃ الاحوذی ص۷۵) ان دونوں کا ترجمہ گذر چکا ہے۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل فی قیام اللیل قال الاعمش کان ای ابن مسعود یصلی عشرین رکعۃ و یوتر بثلاث (تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص۷۵)

یعنی الاعمش کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھا کرتے تھے، جواب یہ روایت بوجہ منقطع سند ہونے کے صحیح اور قابل اعتبار نہیں اس روایت کی سند میں ایک راوی اعمش ہیں، جو عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ اعمش نے عبداللہ بن مسعود کا زمانہ بھی نہیں پایا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۳۲ھ میں فوت ہو جاتے ہیں، اور حضرت اعمش ۶۱ھ کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ملاحظہ تقریب التہذیب لہذا یہ روایت بھی قابل اعتبار نہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل ما اخرجہ البیہقی فی سننہ و ابن ابی شیبۃ عن ابی الحسناء ان علی ابن ابی طالب امر رجلا ان یصلی بالناس خمس

توجیہات عشرین رکعۃ ۔ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۵ یعنی حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ نماز پڑھائے لوگوں کو پانچ تراویحہ سے ۲۰ رکعتیں۔

جواب :۔ قال النیموی فی آثار السنن مدار ہذا الاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف اس اثر کی سند کا ایک راوی ابوالحسناء ہے جو حضرت علیؓ سے روایت کرتا ہے حالانکہ ابوالحسناء کی ملاقات حضرت علیؓ سے نہیں ہوئی، علاوہ ازیں مجہول بھی ہے، اور اس سند کا دوسرا راوی ابوسعد بقال ہے جو ضعیف ہے، لہٰذا یہ روایت علاوہ ضعیف ہونے کے منقطع ہے قابل اعتبار نہیں۔

حنفیہ کی ایک اور دلیل | ان علیاً دعا القراء فی رمضان فامر رجلا منہم یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر لہم

یعنی حضرت علیؓ قاریوں کو بلایا، اور ان میں ایک آدمی کو حکم کیا کہ لوگوں بیس رکعت پڑھایا کرے، اور حضرت علی ان کو وتر پڑھایا کرتے تھے۔

جواب :۔ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہے، جو ضعیف ہے، قال النیموی ضعیف تحفۃ الاحوذی ۲/۷۴ یحییٰ بن معین اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے، میزان الاعتدال تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۴ حضرت علیؓ کے ان دونوں سے دلیل قائم کی گئی ہے کہ حضرت علیؓ نے بیس تراویح کا حکم دیا، اور خود بیس تراویح پڑھیں۔ حالانکہ دونوں اثر ضعیف اور نا قابل استدلال ہیں، تحفۃ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۷۵ نیز صحیح مرفوع حدیثوں کے خلاف ہیں، مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ علامہ خلیل احمد نے اپنی قابل قدر کتاب بذل المجہود شرح ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۰۵ میں عطاء، نافع بن عمر، سعید بن عبیدہ وغیرہ۔ حضرات سے بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں نقل فرمائے ہیں جو مرسل اور منقطع السند ہونیکے باعث نا قابل استدلال ہیں یاد رکھیں اس سلسلہ میں جتنی بھی روایتیں آئی ہیں۔ ان میں کوئی بھی وہم سے خالی نہیں کما قال النیموی وفی الباب روایات اخری اکثرھا لا یخلو عن الوھم۔

بذل المجہود ص ۳۰۵ (اخبار الاعتصام جلد ۱۵ شمارہ نمبر ۳ ۲۰۲۳ یکم شوال ۱۳۸۲ھ)

سوال: حضرت عمرؓ نے جب تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو ائمہ کو کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی بابت ماہ ستمبر ۶۴ء میں سوال ۲۵۲ کے جواب میں جو یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب مسجد والوں کو ابی بن کعب کے پیچھے اقتداء کرنے کا حکم فرمایا۔ اور سب اہل مسجد مل کر باجماعت تراویح ادا کرنے لگے یہ زمانہ تراویح کی نماز کے اہتمام اور اظہار کا ہے اسوقت جس جوبات بالاخر مقرر ہوئی وہ بیس رکعت تراویح ہیں۔ جیسے یزید بن رومان سے امام مالک نے روایت کیا کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعة الخ۔ صحیح یا غیر صحیح

جواب: بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۹۸ و ۲۶۹ میں ہے فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والامر علی ذلک ثم کان الامر علی ذلک فی خلافة ابی بکر وصدرا من خلافة عمرؓ۔ یعنی آپ کے عہد مبارک تک یہی حالت رہی کہ تراویح کی جماعت قائم نہیں ہوئی حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت اور حضرت عمر فاروقؓ کے ابتداء عہد خلافت تک یہی حال رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ فاروق اپنی خلافت کے زمانہ جب کہ آپ کے ساتھ عبدالرحمٰن بن عبد القاری بھی تھا ماہ رمضان المبارک کی ایک رات مسجد میں تشریف لائے۔ فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلوته الرھط فقال عمر انی اری لو جمعت ھولاء علی قاری واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب ثم خرجت معه لیلة اخری والناس یصلون بصلوة قارئھم قال عمرؓ نعمت البدعة ھذہ والتی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یرید اخر اللیل وکان الناس یقومون اوله (بخاری۔ موطا امام مالک)

ترجمہ: پس ناگہاں لوگ متفرق اور جدا جدا تھے۔ نماز پڑھتا تھا ایک آدمی اکیلا اور نماز پڑھتا تھا ایک آدمی پس نماز پڑھتے تھے ساتھ نماز اس کی کے لوگ پس کہا حضرت عمرؓ نے تحقیق میں دیکھتا ہوں کہ جمع کروں لوگوں کو ایک قاری پر تو البتہ بہتر ہو پھر قصد کیا پس جمع کیا لوگوں کو ابی بن کعب پر کہا عبدالرحمٰن نے پھر نکلا میں حضرت عمرؓ کے ساتھ دوسری رات اور لوگ نماز پڑھتے تھے ساتھ نماز امام اپنے کے کہا عمرؓ اچھی ہے یہ بدعت اور وہ

ساعت کہ سو رہتے ہو اس میں بہتر ہے اس ساعت سے کہ وہ قیام کرتے ہو اور ارادہ کی آخری رات کا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ بجماعت تراویح کا اہتمام فرمایا تو اماموں کو کتنی رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ابی بن کعب کو تراویح کی جماعت کا امام مقرر فرمایا۔ مؤطا امام مالک میں ہے عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ۔ مشکوٰۃ .... مؤطا امام مالک قیام اللیل ص۹۱ حضرت عمرؓ فاروق نے ابی بن کعبؓ اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ قال الشافعی رح اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضہ نے ابی بن کعب رضہ اور تمیم دار کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت پڑھایا کریں اور ایک روایت سائب بن یزید میں کہ تیرہ رکعت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے یہ گیارہ رکعت والی روایت کے مخالف نہیں ہے۔ کہ بعض لوگ تنہا دو رکعت بھی پڑھ لیا کرتے تھے کتاب معرفۃ آثار السنن جلد اول ص۴۴۵ میں امام بیہقی لکھتے ہیں: قال الشافعیؒ اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی۔ انہوں نے سائب بن یزید سے کہ سائب بن یزید نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت لوگوں کو پڑھایا کریں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رسالۃ المصابیح فی صلوۃ التراویح میں فرماتے ہیں کہ سنن سعید منصور میں ہے حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث ....

ہم کو عبدالعزیز بن محمد نے خبر دی انہوں نے کہا مجھ کو محمد بن یوسف نے خبر دی انہوں نے کہا میں نے سائب بن یزید سے سُنا وہ فرماتے تھے ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے اور علامہ ممدوح صـ۹۲ میں اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ سند نہایت صحیح ہے۔ سائب بن یزید سے اس کے خلاف بھی کچھ روایتیں آئی ہیں لیکن وہ روایتیں اس گیارہ رکعت والی روایت کے ہم پلہ نہیں جیسا کہ محمد بن اسحاق سے قیام اللیل صـ۹۳ میں ہے۔ قال محمد بن اسحق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون کان من حدیث السائب وذلک ان صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کانت من اللیل ثلث عشرۃ۔ ابن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث سے زیادہ اچھی ہو نہیں سُنی اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ ہی رکعت تھی عمدۃ القاری جلد ۵ صـ۳۵ میں ہے وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابوبکر بن العربی۔ امام مالک نے اپنے لئے گیارہ ہی رکعت کو پسند کیا اور ابوبکر بن عربی نے بھی اس کو اختیار رکھا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ رسالۃ المصابیح صـ۲ میں فرماتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

ہمارے اصحاب میں سے ابن جوزی نے کہا کہ امام مالک نے فرمایا جتنی رکعتوں پر حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا تھا وہ مجھ کو زیادہ پیاری ہیں، اور وہ گیارہ رکعتیں ہیں اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے ان سے پوچھا گیا۔ گیارہ رکعت مع وتر کہا ہاں اور تیرہ رکعت قریب ہے اور کہا میں نہیں جانتا کہ اتنے زیادہ رکوع کہاں سے ایجاد کئے گئے

ان حوالجات سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی کہ حضرت عمر فاروق نے جب نماز

تراویح کی جماعت قائم کی تھی تو یہ صحیح سند سے ثابت ہوتا ہے۔ آئمہ کو گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرمایا ہے بلکہ امام مالک اور ابن العربی نے اپنی رکعات تراویح کو اختیار کیا اور امام مالکؒ نے اس سے زیادہ سنت سمجھ کر پڑھنے کو ناپسند فرمایا اور جو روایتیں اس کے خلاف میں آتی ہیں وہ یا تو صحیح الاسناد نہیں یا ان میں اس امر کی تصریح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس پڑھانے کا حکم صادر فرمایا ہو۔ ومن ادعی فعلیه البیان واللّٰه اعلم بالصواب۔

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ ش ۲۴ یکم شوال ۱۳۸۶ھ

سوال:۔ تعداد رکعت تراویح میں علماء امت کے درمیان کیا اختلافات ہیں دلیل کی روسے راجح قول کونسا ہے۔ جواب بحوالہ کتب محدثین و فقہاء کرام تحریر فرمائیں۔

حکیم محمد حسین از منڈی عثمانوالہ ضلع لاہور

جواب:۔ سائل کو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کے مفتی صاحب کے اس جملہ سے دھوکا لگا ہے جو انہوں نے یزید بن رومان کے منقطع السند اثر کو پیش کر کے حضرت عمرؓ فاروق کے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح پر اجماع اور کثرت صحابہؓ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ دعویٰ بالکل باطل ہے جو ایسے ذمہ دار اور مفتی حضرات کی شایان شان نہیں کما قال صاحب تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۷۶ قد ادعی بعض الناس انه قد وقع الاجماع علی عشرین رکعة فی عهد عمرؓ واستقر الامر علی ذالك فی الامصار۔ یعنی بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پر اجماع تھا اور دوسرے شہروں میں بھی یہی حکم مقرر تھا۔ مزید فرماتے ہیں۔ دعوی الاجماع علی عشرین رکعة۔ یعنی بیس رکعت تراویح پر اجماع کا دعویٰ اور پھر استقر امر الامر علی ذالك فی الامصار باطل جداً۔ بالکل باطل ہے کما قال العینی عمدة القاری

فی شرح صحیح بخاری عدد رکعات تراویح میں کئی قول ہیں قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ (۱) فقیل احدی واربعون وقال الترمذی رای بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعۃ مع الوتر وھو قول اھل المدینۃ والعمل علی ھذا عندھم بالمدینۃ قال شیخنا رحمہ اللہ وھو اکثر ما قیل فیہ قلت ذکر ابن عبد الرحمن الاسود بن یزید کان یصلی اربعین و یوتر بسبع۔

علماء نے قیام رمضان تراویح کی رکعتوں کے بارے میں کہ اس میں کون عدد مستحب ہے بہت کچھ اختلاف کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ اکتالیس رکعت ہے ترمذیؒ نے کہا ہے کہ بعضوں کی رائے یہ ہے کہ اکتالیس رکعت مع وتر پڑھے اور یہی قول اہل مدینہ کا ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اکتالیس سے زیادہ کسی کا قول نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمن نے اسود بن یزید سے نقل کیا ہے کہ وہ چالیس رکعت پڑھتے تھے اور سات وتر یعنی مع وتر سنتالیس رکعت پڑھتے تھے

وقیل ثمان وثلاثون رواہ محمد بن نصر من طریق ابن ایمن عن مالک قال یستحب ان یقوم الناس فی رمضان بثمان وثلثین رکعۃ ثم یسلم الامام والناس ثم یوتر بھم بواحدۃ وقال ھذا العمل بالمدینۃ قبل الحرۃ منذ بضع ومائۃ سنۃ الی الیوم۔

اور کہا گیا ہے کہ اڑتیس رکعت ہے۔ امام محمد بن نصر نے ابن ایمن کے طریق سے امام مالک سے روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان میں اڑتیس رکعت پڑھیں۔ پھر امام مالک نے کہا کہ زمانہ حرہ کے قبل ایک سو کئی برس سے اب تک اہل مدینہ کا اسی پر عمل چلا آتا ہے۔ وقیل ست وثلثون وھو الذی علیہ عمل اھل مدینۃ وروی ابن وھب قال سمعت عبداللہ بن عمر یحدث عن نافع قال ما ادرکت الناس الا وھم یصلون تسعا وثلثین رکعۃ ویوترون منھا بثلث۔ ترجمہ کہا گیا ہے کہ چھتیس رکعت ہے اور اس پر اہل مدینہ کا عمل ہے۔ ابن وہب نے کہا کہ میں عبداللہ بن عمر سے سنا ہے وہ کہتے تھے نافع

نے کہا کہ میں لوگوں کو نہیں پایا مگر اس حالت پر کہ تراویح اکتالیس رکعتیں پڑھتے تھے جن میں سے تین رکعت وتر کی تھیں۔ وقیل: اربع وثلثون علی ما حکی عن زرارۃ بن اوفی انہ کذالک کان یصلی بھم فی العشر الاخیر۔ ترجمہ چونتیس رکعت ہے جیسا کہ زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح چونتیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل ثمان وعشرون وھو المروی عن زرارۃ ابن اوفی۔ زرارہ بن اوفی سے مروی ہے کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں اسی طرح چونتیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل ثمان وعشرون وھو المروی عن زرارۃ بن اوفی فی العشرین الاولین من الشھر وکان سعید بن جبیر یفعلہ فی العشر الاخر۔ کہا گیا ہے۔ اٹھائیس رکعت ہے یہ قول بھی زرارہ بن اوفی سے رمضان کے پہلے دو عشروں میں منقول ہے اور سعید بن جبیر آخری عشرہ میں اٹھائیس رکعت پڑھتے تھے۔ قیل اربع وعشرون وھو مروی عن سعید بن جبیر۔ کہا گیا ہے چوبیس رکعت ہے اور یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے قیل عشرون وحکاہ الترمذی عن اکثر اھل العلم فانہ روی عن عمرؓ وعلیؓ وغیرھما من الصحابۃ وھو قول اصحابنا الحنفیۃ۔ کہا گیا ہے کہ بیس رکعت ہے ترمذی نے اس کو اکثر اہل علم سے نقل کیا ہے کیونکہ یہ حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ ودیگر صحابہ سے منقول ہے اور یہی قول ہم احناف کا ہے۔ بیس رکعت کے متعلق جو حضرت عمرؓ کا قول ہے خود علامہ عینی کو اعتراف ہے کہ وہ منقطع الاسناد ہے۔ عمدۃ القاری کی عبارت یہ ہے اما اثر عمرؓ بن الخطاب فرواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع حضرت علیؓ کے بیس رکعت کے منقول ہونے کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے جو آثار نقل ہوتے ہیں وہ سابقہ سوالوں کے جوابات میں بحث ہو چکی ہے وقیل ست عشرۃ وھو مروی عن ابی مجلز انہ کان یصلی بھم اربع ترویحات ویقرأ بھم سبع القرآن فی کل لیلۃ رواہ محمد بن نصر من روایۃ عمران بن حدیر کہا گیا ہے کہ سولہ رکعت ہے اور ابو مجلز سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو چار تراویح پڑھایا کرتے

تھے اور ہر رات قرآن کا ساتواں حصہ میں پڑھا کرتے تھے امام محمد بن نصر نے عمران بن حریر کے طریق سے روایت کیا ہے وقیل ثلث عشرۃ واختارہ محمد بن اسحاق رواہ محمد بن نصر من طریق ابن اسحاق قال حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمان عمرؓ بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ الی قولہ، قال ابن اسحٰق وما سمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی ولا احری بان یکون من حدیث السائبؓ ذلک ان صلوٰۃ رسول اللہ کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ترجمہ کہ تیرہ رکعت ہے، اور اسی کو محمد بن اسحاق نے اختیار کیا ہے، امام محمد بن نصر نے روایت کیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا کہ محمد بن یوسف نے مجھے خبر دی کہ دادا سائب بن یزید نے کہا کہ ہم لوگ عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ میں نے اس باب میں ایسی کوئی حدیث جو میرے نزدیک اس حدیث سے زیادہ ثابت اور سائب بن یزید کی حدیث ہونے کے زیادہ لائق ہو، نہیں سنی اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ کی رات کی نماز بھی تیرہ رکعت تھی اسی طرح علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ قال ابن اسحاق وھذا اثبت ما سمعت فی ذلک وھو موافق لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فی صلوٰۃ النبی فی اللیل ۔ محمد بن اسحاق نے کہا کہ میں نے جس قدر حدیثیں اس باب میں سنی ہیں ان سب میں یہ حدیث موافق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ کی رات نماز کے بارے میں مروی ہے وقیل احدی عشرۃ رکعۃ وھو اختیار مالک لنفسہ واختارہ ابو بکر بن العربی۔ کہا گیا ہے کہ گیارہ رکعت ہے اور اسی کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ہے اور اس کو ابوبکر بن عربی نے بھی پسند کیا۔ علامہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱ میں فرماتے ہیں فی الموطا عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انہا احدی عشرۃ رکعۃ ورواہ سعید بن منصور من وجہ آخر ورواہ محمد بن نصر من ابن اسحاق عن محمد بن یوسف فقال ثلث عشرۃ رکعۃ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ والثانی قریب منہ۔

ترجمہ امام مالک نے موطا میں محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تراویح گیارہ رکعت ہے اور سعید بن منصور نے ایک اور سند سے بھی یہی مضمون روایت کیا ہے۔ اور امام محمد نصرؒ مروزی نے محمد بن اسحاق کی سند سے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہے اور اول عدد یعنی گیارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کی حدیث کے موافق ہے اور ثانی۔ تیرہ۔ اس سے قریب ہے علامہ عینی حنفیؒ کی وضاحت سے یہ بات محقق ہو گئی ہے کہ بعض اناس کا دعویٰ اجماع علی العشرین باطل ہے علامہ عینی حنفیؒ کے پیش کردہ اقوال سے آخری قول۔ گیارہ۔ تراویح عن حیث الادلیل قوی اور راجح ہے کما قال فی تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص۳ قول راجح مختار عن حیث الادلیل قوی قول ہے جس کو امام مالک نے اپنے لئے پسند فرمایا۔ گیارہ رکعت اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح ثابت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ گیارہ رکعت کے علاوہ باقی اقوال کے متعلق علامہ مبارک پوریؒ فرماتے ہیں۔ فلم یثبت واحد منها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بسند صحيح ولم يثبت الامر به عن احد من الخلفاء الراشدين بسند صحيح خال عن الكلام۔

یعنی باقی اقوال سے کوئی بھی بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت نہیں جو کہ کلام سے خالی ہو۔ تحفہ۔ ہم کیوں کہتے ہیں کہ گیارہ رکعت سنت ہے دلیل ۱ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعت ہی ثابت ہے جیسا کہ بخاری، مسلم وغیرہما کتب احادیث میں ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ انہوں نے جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح کا سوال کیا۔ فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة يصلي اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلثا۔ الحديث۔

تو آپ نے فرمایا کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ام المومنین نے کہا کہ آپ نے بڑی عمدگی اور طویل قراءت کے ساتھ چار

رکعتیں پڑھیں پھر تین رکعت وتر پڑھے ۔ علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں فھذا الحدیث نص صریح فی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ تحفۃ الاحوذی ۔ جلد ۲ ص ۳ ۔ یعنی یہ حدیث صحیح نص صریح ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے ۔ دلیل ۲ عن جابرؓ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان ثمان رکعات واوتر ولما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتی اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اجتمعنا البارحۃ فی المسجد ورجونا ان تصلے بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم رواہ الطبرانی فی الصغیر وقیام اللیل ۔ وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما ۔

ترجمہ طبرانی ۔ قیام اللیل مروزی ۔ صحیح ابن خزیمہ ۔ اور صحیح ابن حبان بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۳ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رمضان المبارک میں آپ نے ہم کو آٹھ رکعت ۔ تراویح اور تین وتر پڑھائے اگلی رات اس امید پر ہم مسجد میں زیادہ ۔ اکٹھے ہوئے کہ آپ تشریف لائیں گے تو ہم کو گذشتہ رات کی طرح نماز پڑھائیں گے مگر آپ تشریف نہ لائے ۔ صبح جب آپ سے ملے تو ہم نے مسجد میں اپنے اجتماع کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا میں اس بات سے ڈر کر مبادا یہ نماز تم پر فرض ہو جائے ۔ دلیل ۳ عن جابر بن عبد اللہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان منی اللیلۃ شئ یعنی فی رمضان قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بھم ثمان رکعات واوترت فکانت شبہ الرضا ولم یقل شیئا قال الھیثمی فی مجمع الزوائد رواہ ابویعلی وقیام اللیل ۔

ترجمہ ابویعلی میں جابرؓ بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ابی بن کعب آپ کی خدمت میں

میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اب آج رات رمضان المبارک میں ایک بات ہوگئی ہے آپ نے فرمایا ابی وہ کیا بات ہے کہا کہ میرے گھر کی مستورات نے جمع ہو کر مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتیں لہذا ہم تو آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گی تو میں نے انکو اٹھ رکعت۔ تراویح اور تین وتر پڑھائے تو آپ خاموش ہو گئے یہ خاموشی آپ کی رضا کی دلیل تھی۔

دلیل ۸۔ عن السائب بن یزید انه قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة رواه مالك فی الموطا و سعید بن منصور ومصنف ابن ابی شیبة۔ ومعرفة السنن والآثار للبیهقی وقیام اللیل۔ ورسالة المصابیح للسیوطی رح۔

ترجمہ موطا امام مالک وسعید بن منصور اور مصنف ابن ابی شیبہ معرفت السنن والآثار بیہقی۔ قیام اللیل مروزی۔ مصابیح سیوطی۔ میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب نے ابی بن کعبؓ اور تمیم الداریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔

"قال النیموی فی آثار السنن اسناده صحیح علامہ نیموی حنفی نے آثار السنن میں سائب بن یزید کی روایت کو صحیح سند کیا ہے تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۴ مندرجہ بالا دلائل کے بعد ضرورت تو نہیں تھی کہ کسی امام محدث فقیہ اور عالم کا قول پیش کیا جائے مگر آپ حضرات کی مزید تسلی کیلئے اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک فقہائے حنفیہ محدثین عظام اور علماء کرام کے اقوال بطور تائید پیش کئے جاتے ہیں۔

مسلک امام ابوحنیفہ | امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل کی تصانیف موجود ہیں مگر بقول علامہ شبلی میزان شعرانی امام ابوحنیفہؒ کی کوئی تصنیف نہیں یہ قدوری ہدایہ۔ کنز الدقائق۔ شرح وقایہ۔ وغیرہ کتب فقہ جو درسی کتابیں سمجھی جاتی ہیں اور جن پر حنفی مذہب کا دارومدار ہے ان کتابوں کے مصنف حضرت امام

ابوحنیفہؒ کی وفات سنہ ۱۵۰ھ کے صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان مصنفین کی وفات بالترتیب سنہ ۴۲۵ھ سنہ ۵۹۲ھ سنہ ۷۴۱ھ سنہ ۷۴۵ھ میں واقع ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین کی حضرت امام کے شاگردوں سے بھی ملاقات نہیں ہوئی لیکن فقہی مسئلہ کو مضبوط کرنے کے لئے فقہائے احناف میں ایک ضرب المثل مشہور ہے جو بلفظہٖ ملاحظہ ہو۔ ان الفقہ زرعہ عبداللہ بن مسعودؓ وسقاہ علقمۃ وحصدہ ابراھیم النخعی وداسہ حماد وطحنہ ابوحنیفۃ وعجنہ ابویوسف وخبزہ محمد وسائر الناس یاکلون وتمہید الفاروق لمن طالع کتاب الدقائق مطبوعہ قاسمی دیوبند۔

ترجمہ فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعودؓ نے بویا علقمہ نے سینچا ابراہیم نخعی نے کاٹا حماد نے گاہا اور ابوحنیفہ نے پیسا ابویوسف نے آٹا گوندھا اور امام محمد نے روٹیاں پکائیں باقی سب کھانے والے ہیں۔ اس مثل سے ظاہر ہے کہ باب قیام شہر رمضان میں تراویح پڑھنے کا بیان اس کے پیچھے حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ والی روایت یوں تحریر فرماتے ہیں۔

اخبرنا مالک حدثنا سعید المقبری عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ الحدیث موطا امام محمد ترجمہ گذر چکا ہے اس باب کے خاتمے پر فرماتے ہیں وبھذا ناخذ کلہ یعنی ہمارا ان سب حدیثوں پر عمل ہے۔ تعداد رکعت میں سوائے حدیث عائشہ رضؓ کے آپ نے کوئی حدیث نقل نہیں کی جس سے ثابت ہوا کہ امام محمد بھی اس حدیث کے مطابق گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے۔ اگر فقہ حنفی کو امام ابوحنیفہؒ کے ارشادات گرامی کا مجموعہ سمجھا جائے تو فقہ حنفیہ میں گیارہ رکعت تراویح کا ثبوت موجود ہے ملاحظہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۵۶۳ تراویح آٹھ رکعت سنت اور بیس رکعت مستحب۔ شرح وقایہ صفحہ ۱۳۷ میں ہے۔ آٹھ رکعت تراویح علاوہ وتر سنت ہیں اور بیس

رکعت مستحب ۔ شرح وقایہ ص۱۲۳ میں ہے کہ تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت تراویح نہیں پڑھتے بلکہ آٹھ رکعت علاوہ وتر پڑھا کرتے تھے ۔ شامی ، شرح فقہ اکبر میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر موجود ہے ۔ مندرجہ بالا حوالہ جات فقہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہ صحیح مسلک گیارہ رکعت تراویح مع وتر پڑھنے کا کہا ہے ۔

مسلک امام مالک موطا امام مالک میں ہے ۔ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اس حدیث کی بنا پر امام مالک نے گیارہ رکعت تراویح مع وتر پسند فرمائی ہیں ، جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں احدی عشرہ رکعۃ ھو اختیار مالک لنفسہ عینی جلد ۳ ص۳۵۷ ۔ یعنی گیارہ رکعت تراویح کو امام مالک نے اپنے لئے اختیار کیا ۔

مسلک امام شافعی امام شافعی کا مسلک بھی گیارہ رکعت تراویح مع وتر کا ہے جیسا کہ امام بیہقیؒ کتاب معرفۃ السنن والآثار جلد اول ص۴۴۴ فرماتے ہیں قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ ھذا من ھہنا ۔

امام شافعی فرماتے ہیں ہم کو امام مالک نے خبر دی انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی انہوں نے سائب بن یزید سے اور سائب بن یزید نے کہا کہ حضرت عمر فاروق نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے ۔

مسلک امام احمد بن حنبلؒ خیر احمد بن حنبل بین احدی عشرۃ و ثلث و عشرین رکعۃ امام احمد حنبل نے گیارہ اور تیئیس ۲۳ کے درمیان اختیار دیا مصفی شرح موطا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ائمہ مجتہدین کے فیصلہ جات سے نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعت

پڑھنا ثابت ہوگیا۔ آٹھ رکعت تراویح کے سنت نبویہ ہونے کی بسبب علمائے احناف کے چند شہادتیں بطور تائید پیش کی جاتی ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں

۱۔ امام محمدؒ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید اور فقیہ احناف ہیں۔ انہی کی کتابوں سے آج حنفیت زندہ ہے ان کی ایک مایہ ناز کتاب مؤطا امام محمد ہے اس میں یوں باب باندھتے ہیں باب قیام شہر رمضان اس کے محشی۔ مولنا عبدالحی لکھنوی۔ نے قیام شہر رمضان پر حاشیہ لکھ کر بتایا ہے۔ یسمّٰی التراویح۔ یعنی قیام شہر رمضان ہی کا نام تراویح ہے اس باب کے نیچے عائشہؓ صدیقہ رضؓ والی حدیث لائے ہیں جس میں آنحضرت کی تراویح باجماعت کا ذکر ہے۔ چونکہ اس میں رکعت کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی وہ روایت لائے ہیں جو مسلک امام ابوحنیفہؒ کے بیان میں گذر چکی ہے جس میں رکعت کی تعداد کا بیان ہے جس سے گیارہ رکعت مع وتر کا سنت نبوی ہونا ثابت کیا ہے فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین۔

۲۔ امام ابن ہمام حنفیوں میں ایک جید عالم ہوئے ہیں ایسے عالموں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں ہوں جن کا شیوہ حق بیانی رہا ہے آپ آٹھ اور بیس تراویح کی تحقیق میں فرماتے ہیں فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ مع الوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وترکہ لعذر الخ فتح القدیر جلد اول ص حاصل اس بحث کا یہ ہے کہ قیام رمضان۔ تراویح۔ جو سنت ہے وہ تو ترسمیت گیارہ رکعت ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے باجماعت ادا کیا اور فرضیت کے عذر سے چھوڑ دیا۔

۳۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری جلد ۳ ص۵۹۷ میں لکھتے ہیں فان قلت لم یبین فی الروایات المذکورۃ عدد الصلوٰۃ التی صلاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی قلت روی ابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث جابر قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعۃ ثم اوتر۔

ترجمہ اگر تو سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان راتوں میں جو نماز پڑھائی تھی اس کی تعداد روایات مذکورہ میں نہیں ہوئی تو میں اسے جواب میں کہوں گا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے رمضان میں وتر علاوہ اٹھ رکعتیں پڑھائے تھیں ۔

نمبر ۲: ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ کلام بلا کسی رد و انکار کے نقل کرتے ہیں ۔

اعلم انہ لم یوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التراویح عددا معینا بل لا یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا کوئی خاص عدد، قولاً۔ مقرر نہیں فرمایا لیکن عملاً رمضان وغیر رمضان گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ نیز ابن ہمام حنفی کے مندرجہ بالا کلام متصل من ھذا کلہ الخ ۔ پر بھی ان کو کوئی اعتراض نہیں

واللہ اعلم

اخبار الاعتصام جلد ۱۸ ش ۲۴-۲۵ یکم شوال ۱۳۸۶ھ

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رمضان وغیرہ رمضان میں ماسوا گیارہ رکعتوں منقول کے آنحضرت سے ثابت نہیں۔ باقی وجوہ شبِ قدر میں نوافل پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ سو جا سکتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ امر صحیح ہے۔ مگر شب قدر کے فضائل حدیثوں میں کثرت سے موجود ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک رات کی عبادت ہزار راتوں کے برابر ہے۔ خصوصاً رمضان میں نوافل کا درجہ فرائض کے برابر ہے۔ اس لئے نوافل کا پڑھنا از بس ضروری ہے کیا شب قدر میں تراویح کے علاوہ علیحدہ نوافل پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ (ایک خریدار)

جواب:۔ نوافل پڑھنے کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں ہے۔ حدیث شریف میں عام ارشاد ہے کہ بندہ نفل پڑھنے سے خدا کا مقرب ہو جاتا ہے۔ اس لئے تراویح کے علاوہ بھی رات نفل پڑھنے جائز ہیں، بحکم مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهُ، شب قدر ہو یا دوسری طاق راتیں ہوں اس کام کے لئے سب برابر ہیں۔ بحکم حدیث انما الاعمال بالنیات صورت مسئولہ بھی جائز ہے، منع کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ اعلم (اہلحدیث ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ... طبع اول)

سوال:۔ صحابہ کرام میں کسی صحابی نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں کہ نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب:۔ انفرادی طور پر بعض صحابہ نے بیس بھی پڑھی ہیں۔ چالیس بھی پڑھی ہیں۔ مگر جماعت آٹھ ہی کی ہوتی تھی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی نے تراویح کے امام کو حکم دیا تھا کہ آٹھ رکعت تراویح مع وتر مجموعہ گیارہ رکعت پڑھائیں۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔ یہ مضمون موطا امام مالک اور قیام اللیل مروزی میں بتصریح ملتا ہے۔ واللہ اعلم (اہلحدیث ۲۳ شوال ۱۳۳۱ھ) مفصل بحث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ (راز) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ...)

سوال:۔ نابینا حافظ قرآن کی امامت نماز فرض اور تراویح کرانی جائز ہے یا ناجائز؟ چونکہ اس کے متعلق تین گروہ ہیں۔ ایک کہتا ہے، تراویح ہو سکتی ہے، فرض نہیں ہو سکتی، دوسرا گروہ کہتا ہے، تراویح بھی فرض بھی دونوں ہو سکتے ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا ہے، نہ فرض ہو سکتے ہیں،

نہ تراویح ہو سکتی ہے، نابینا حافظ کی امامت بھی کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

(حکیم اللہ بخش جالندھری بگھڑا بنگال)

جواب:- نابینا کے پیچھے ہر نماز جائز ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کو امام پنج وقتہ بنایا تھا۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۱۱)

سوال:- حافظ قرآن کو جو تراویح میں قرآن شریف ختم کرتے ہیں، گویا انجن جوڑ دیتے ہیں انجن بھی اس رفتار پر کہ اخیر کے درجہ پر چلاتے ہیں پیچھے لقمہ دینے والا کوئی حافظ موجود نہ ہو تو ایسی حالت میں نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (سائل مذکور)

جواب:- قرآن مجید کو آہستگی پڑھنا چاہیے۔ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا جو لوگ اتنا جلدی پڑھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنی ایک رسمی چیز ہے، اصلی نہیں۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۱۱)

سوال:- رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں، یا تہجد کے بدل تراویح؟ (سائل مذکور)

جواب:- اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے، تو صرف تراویح ہے، پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے، واللہ اعلم۔ (اہلحدیث امرتسر ۲۲ جنوری ۱۹۲۹ء)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۱۱)

سوال:- تراویح میں ایک شخص تو حافظ قرآن سناتا ہے لیکن سامعین جماعت میں کوئی حافظ سامع نہیں، اگر ایسے وقت کوئی ناظرہ قرآن شریف صف اول میں بیٹھ کر سنتا ہے، اور ٹوکتا رہتا ہے، اور وقت رکوع وسجود شریک جماعت ہو جایا کرے تو از روئے شرع جائز ہے، یا ناجائز؟ (محمد عثمان ماستی)

جواب:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام تراویح میں امام ہوتا تو قرآن مجید دیکھ کر پڑھتا تھا، اور حضرت ممدوحہ اس کی اقتداء میں نماز پڑھتی تھیں، اس واقعہ پر قیاس کیا

جائے، تو صورت مرقومہ جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (۳۰ رجنوری ۱۹۳۱؁ء) (فتاویٰ نذیریہ ۱ص ۶۴۲)

سوال:۔ حضور اکرم صلعم نے تین یوم نماز تراویح باجماعت مع الوتر صحابہ کرام کو پڑھائی یا وتر اس وقت آپ نے نہیں پڑھا، اور کیا نماز تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

جواب:۔ نماز تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے، تراویح خاص رمضان میں ہے، اگر کوئی شخص پہلے وقت میں تراویح نہ پڑھے، آخر وقت میں پڑھے، تو نماز تہجد بھی ہو جائے گی۔ اور تراویح بھی زیادہ کرید کرنے کی ضرورت نہیں، آنحضرت علیہ السلام نے جن تین دنوں میں قیام رمضان کیا تھا۔ ان میں وتروں کا ذکر مجھے نہیں ملا۔ اللہ اعلم۔ (۲۲ رمضان ۱۳۴۴؁ھ) اس کے متعلق گزارش ہے کہ وتروں کا ذکر صحیح ابن خزیمہ اور ابن حبان میں حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ ملتا ہے۔ عن جابرؓ انه صلی اللہ علیہ وسلم صلی بھم ثمان رکعات و الوتر ثم انتظروا فی القابلة فلم یخرج الیھم (سبل جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۲ قیام اللیل صـ ۹۱ معجم صغیر طبرانی صـ ۱۰۸ وغیرہ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ ۴۱۳) (ابوالحسنات علی محمد سعیدی صدر دی فیروز پوری ۱۲ رشوال ۱۳۴۳؁ھ)

سوال:۔ جو شخص نماز عشاء بغیر جماعت کے ادا کرے، اور علاوہ فرض کے سنت اور نفل بھی پڑھے تو اس شخص کو نماز تراویح کس وقت میں پڑھنی چاہیئے۔ یعنی کیا وہ پہلے نماز عشاء کی بارہ رکعت پڑھ کر پھر تراویح پڑھ کر پھر وتر اور اس کے بعد نفل ادا کرلے۔

جواب:۔ بعد نماز عشاء کے تراویح پڑھے، یا بعد نیند بوقت سحری پڑھے، ہر دو جائز ہے۔ (۷ رشوال ۱۳۳۹؁ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صـ ۴۱۳)

سوال:۔ نماز تہجد محدثین کے نزدیک کتنی رکعت ہے؟

جواب:۔ کم سے کم ۲ رکعت اور زیادہ گیارہ رکعت پایا گیا ہے مع آخری نفلوں کے تیرہ

رکعت سفر السعادت میں بھی طریق جمع کئے گئے ہیں۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۴۸ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول)

سوال:۔ جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے بعد پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ پڑھ سکتا ہے، تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۴۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول)

سوال:۔ عورتوں کو نماز تراویح پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

جواب:۔ جائز بلکہ سنت ہے مثل مردوں کے۔ (۱۷ ارشوال ۱۳۴۳ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا)

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتنی رکعتیں نماز تراویح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور خلفائے راشدین کا کیا عمل رہا ہے، اور فی زمانا بعض بعض آٹھ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں، اور بعض نے بیس رکعت پر مداومت کرنے کو زیادہ ثواب جانا ہے افعال و اقوال جو آپ کے اور آپ کے خلفا کے ہوں بیان فرمائیں۔

جواب:۔ صورت مذکورہ فی السوال میں حال تراویح کا یہ ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں، لیکن زمانہ حضرت عمرؓ میں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ ترجمہ:۔ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو گا، خاص کر صحابہ کرام کا اجماع اور صحاح میں یہ حدیث ہے، علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین[1]

---

[1] تم میری سنت اور خلفائے مہدیین کی سنت پر عمل کرنا۔

المھدیین جو شخص بیس رکعت سے انکار کرے وہ شخص حدیث علیکم بسنتی الخ کا منکر ہوگا۔ اور جس حدیث سے بیس رکعت ثابت ہیں، وہ یہ ہے۔ فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ[1] جو شخص کہ اجماع سے انکار کرے اس کی تنبیہ کے واسطے یہ حدیث کافی ہے من شذ شذ فی النار[2] یعنی جو مسلمانوں کے گروہوں سے جدا ہوا وہ دوزخ میں تنہا ہوگا۔ العبد المجیب محمد وصیت مدرس مدرسہ حسین بخش۔

ھو المصوب:۔ سوال مذکور کا یہ جواب جو مجیب نے لکھا ہے، بالکل غلط ہے، اب پہلے سوال مذکور کا صحیح جواب لکھا جاتا ہے، پھر مجیب کے جواب کے غلط ہونے کی وجوہ لکھی جائیں گی پس واضح ہو کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کی مع وتر کے گیارہ رکعتیں ثابت ہیں۔ صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن[3] ابی سلمۃ بن عبدالرحمن انہ سال عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کانت صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احد عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیونکر تھی یعنی آپ تراویح کی نماز کتنی رکعت پڑھتے تھے، پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں یعنی آنحضرت ﷺ کی نماز تراویح کی تعداد گیارہ رکعت تھی، جیسا کہ اس مدعیٰ کو ابن حبان وغیرہ کی یہ روایت خوب صراحت کے ساتھ

---

[1] یزید بن رومان نے کہا حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں لوگ تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔

[2] جو الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

[3] ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسے ہوا کرتی تھی آپ نے کہا رمضان ہو یا غیر رمضان آپ کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

ثابت کئے دیتی ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر الحدیث رواہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما ھکذا فی المفاتیح وسبل السلام ونیل الاوطار یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز پڑھائی۔ پھر وتر پڑھے، روایت کیا اس کو ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں یہ حدیث صحیح وقابل احتجاج ہے، کسی محدث نے اس کو ضعیف نہیں کہا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے بھی اُبیّ اور تمیم داری کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو گیارہ ہی رکعت پڑھانے کا حکم کیا نہ زیادہ نہ کم موطا امام مالک میں ہے۔ عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔ سند اس کی بہت صحیح ہے، اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی یہ روایت موجود ہے، اور جب حضرت عمرؓ نے آٹھ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم کیا تو ظاہر ہے کہ خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے اور خلفائے راشدین میں سے حضرت ابوبکر و حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کا حال صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ یہ لوگ کتنی رکعت پڑھتے تھے، مگر جب حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور جن راتوں میں آپ نے صحابہؓ کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھی ان راتوں میں بھی گیارہ ہی رکعت پڑھنا ثابت ہے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے رہے ہوں گے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تراویح گیارہ رکعت ثابت ہے، اور خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی گیارہ ہی رکعت ثابت ہے اور بقیہ خلفائے راشدین سے تراویح کی تعداد ثابت نہیں، مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ لوگ بھی گیارہ رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، واللہ اعلم مجیب مذکور کے جواب مذکور کے غلط ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ انہوں نے دو دعوے کئے ہیں، اور دونوں دعوے باطل ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ کیا ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے۔ بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں، بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں۔ اس دعویٰ کا بطلان بالکل ظاہر ہے، اس واسطے کہ زمانہ نبوی میں ثبوت تراویح کا ہرگز مختلف طور سے نہیں ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ کسی صحابی سے اوپر معلوم ہو چکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف گیارہ رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور آپ سے بیس رکعت تراویح پڑھنے کی روایت جو بیہقی وغیرہ میں مروی ہے، وہ بالکل ضعیف ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کی تصریح خود حنفیہ نے بھی کی ہے، اور آپ سے بیس سے زیادہ پڑھنے کی تو کوئی روایت ہی نہیں آئی ہے، اور زمانہ نبوی میں کسی صحابی سے بھی بیس رکعت یا بیس سے زیادہ پڑھنا ہرگز کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ پس مجیب کا یہ پہلا دعویٰ سراسر غلط و باطل ہے، اور دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ در زمانہ حضرت عمرؓ بیں عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہو گیا ہے۔ یہ دوسرا دعویٰ بھی بالکل غلط و سراسر باطل ہے، زمانہ حضرت عمرؓ میں گیارہ رکعت پر اجماع ہونا، البتہ ثابت ہے، جیسا کہ سائب بن یزید کی روایت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔ و نیز موطا کی اس روایت سے ظاہر ہے، عن داؤد بن الحصین انه سمع الاعرج یقول ما ادرکت الناس الا وھم یلعنون الکفرۃ فی رمضان وکان القاری یقرء البقرۃ فی ثمان رکعات فاذا قام بھا فی اثنتی عشرۃ رکعۃ رای الناس انه خفف یعنی داؤد بن حصین سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اعرج سے سنا وہ کہتے تھے، کہ نہیں پایا میں نے لوگوں کو مگر اس حالت میں کہ وہ کافروں پر لعنت کرتے تھے، رمضان میں اور قاری پڑھتا تھا۔ سورہ بقرہ آٹھ رکعتوں میں اور جب کبھی سورہ بقرہ کو بارہ رکعتوں میں پڑھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج اس نے تخفیف کی، اس روایت سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ زمانہ عمر بن الخطاب میں عام طور پر آٹھ رکعت تراویح پڑھی جاتی تھی، اور کبھی کبھی بارہ رکعت پڑھ لی جاتی تھی، اور مجیب نے جو بیس رکعت

کے ثبوت میں اور بیس رکعت پر اجماع ہونے کے ثبوت میں یزید بن رومان کی حدیث موطا سے نقل کی ہے، سو یہ حدیث صحیح نہیں ہے، بلکہ منقطع ہے، یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، امام زیلعی حنفی تخریج ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ ویزید بن رومان لم یدرک عمر انتہی الحاصل مجیب مذکور کا جواب دو دعووں پر مشتمل ہے، اور دونوں دعوے غلط و باطل ہیں، لہٰذا مجیب کا جواب مذکور غلط ہے، اور ہاں مجیب کا جواب مذکور خود اجلہ فقہائے حنفیہ کے قول سے بھی باطل ہے، علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ جو مذہب حنفی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ فتح القدیر میں صاف لکھتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعت سنت ہے۔ فتحصل من هذا ان قيام رمضان احدى عشرة ركعة بالوتر فی جماعة فعله عليه السلام انتهى ما فی فتح القدير بقدر الحاجة۔ یعنی تحریر بالا سے یہ بات حاصل ہوئی کہ تراویح گیارہ رکعت مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور ایسا ہی بحر الرائق شرح کنز الدقائق و طحطاوی میں ہے کہ تراویح اسی قدر سنت ہے جس قدر آنحضرت سے ثابت ہے یعنی گیارہ رکعت مع وتر۔ اور فتح المعین شرح الشرح کنز کی ہے، اس میں قاوے شرنبلالیہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی، وہ گیارہ ہی رکعت تھی، اور وہ حدیث جو روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے، سو یہ حدیث ضعیف ہے۔ وفی الشرنبلالية الذی فعله عليه السلام بالجماعة احدى عشرة ركعة بالوتر وما روی انه كان يصلی فی رمضان عشرين سوى الوتر ضعيف انتهى ما فی فتح المعين، دیکھو ان اجلہ فقہا کے قول سے مجیب کا جواب مذکور کیسا صاف باطل ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ السید عبد الحفیظ عفی عنہ۔

سید محمد نذیر حسین

ہو الموفق۔ فی الواقع احادیث صحیحہ سے گیارہ ہی رکعت تراویح مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیسا کہ مجیب ثانی نے لکھا ہے، اور کسی حدیث صحیح

سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح پڑھنا یا اس سے زیادہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت کی حدیث جو حنفیہ پیش کرتے ہیں، وہ ضعیف و نا قابل احتجاج ہے اور باوجود ضعیف ہونے کے حضرت عائشہؓ کی گیارہ رکعت والی حدیث صحیح کے خلاف ہے، علمائے حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے: علامہ ابن الہمام فتح القدیر صفحہ ۴۰۵ جلد ۱ میں لکھتے ہیں۔ واما ما روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی و البیہقی من حدیث ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح انتہی۔ یعنی جو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابن عباس کی حدیث سے روایت کی ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت وتر کے سوا پڑھتے تھے، سو یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کا راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان جو امام ابوبکر ابن ابی شیبہ کا دادا ہے، باتفاق ائمہ حدیث ضعیف ہے، علاوہ بریں یہ حدیث صحیح کے مخالف بھی ہے، اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۵۰۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ فان قلت روی ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ والوتر قلت ھذا الحدیث رواہ ایضا ابو القاسم البغوی فی معجم الصحابۃ قال حدثنا منصور بن مزاحم حدثنا ابو شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس الحدیث وابو شیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان العبسی الکوفی قاضی واسط جد ابی بکر بن ابی شیبۃ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی و غیرھم واوردلہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل فی مناکیرہ انتہی یعنی اگر تم سوال کرو کہ ابن ابی شیبہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے، تو میں اس کے جواب میں

کہوں گا۔ کہ اس حدیث کو ابو القاسم البغوی نے بھی معجم صحابہ میں روایت کیا ہے، اور ابو شیبہ جو اس حدیث کا ایک راوی ہے، اس کا نام ابراہیم بن عثمان ہے، اور ابوبکر بن ابی شیبہ کا دادا ہے، شعبہ نے اس کو جھوٹا کہا ہے، اور امام احمد اور بخاری اور نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس حدیث کو ابو شیبہ کی منکر حدیثوں میں درج کیا ہے، اور علامہ زیلعی حنفی تخریج ہدایہ صفحہ ۲۹۳ جلد ا میں لکھتے ہیں ۔ روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ والطبرانی وعندہ البیہقی من حدیث ابراھیم بن عثمان بن ابی شیبۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر الی قولہ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح انتہی، یعنی ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور طبرانی اور بیہقی نے ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے، سوی وتر کے اور یہ حدیث معلول ہے، یعنی ضعیف ہے، اس وجہ سے کہ اس کا ایک راوی ابو شیبہ ابراہیم بالاتفاق ضعیف ہے، اور ابن عدی نے کامل میں اس کو ضعیف کہا ہے، پھر باوجود ضعیف ہونے کے عائشہؓ کی حدیث صحیح کے مخالف ہے، دیکھو علامہ ابن الہمام اور علامہ عینی اور حافظ زیلعی جیسے جلیل القدر علماء حنفیہ نے بیس رکعت والی حدیث کی کس طرح پر صاف صاف تضعیف کی ہے، اور علاوہ ان علمائے حنفیہ کے علمائے محدثین نے بھی تضعیف کی ہے دیکھو تلخیص الحبیر صفحہ ۱۱۹ اور فتح الباری صفحہ ۲۱۷ جلد ۲ اور نیل الاوطار صفحہ ۲۹۹ جلد ۲ حاصل یہ کہ احادیث صحیحہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھنا ثابت ہے، اور آپ کا بیس رکعت تراویح پڑھنا کسی حدیث صحیح سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں اور بیس رکعت والی حدیث بالکل ضعیف وغیر معتبر ہے، اس کے راوی ابو شیبہ کو شعبہ نے جھوٹا کہا ہے، اور شعبہ کے سوا اور محدثین نے اس کو ضعیف وغیر معتبر بتایا ہے، اور

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنے کی کوئی حدیث ہی نہیں آئی ہے، نہ ضعیف اور نہ غیر ضعیف اور زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں کسی صحابیؓ سے بھی بیس رکعت یا بیس رکعت سے زیادہ تراویح پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہے، بلکہ جن صحابہؓ نے جو اپنی تراویح کی رکعتوں کی کبھی تصریح کی ہے، تو اسی قدر جس قدر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، یعنی آٹھ رکعت اور وتر۔ امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۹۰ میں ہے ۔ وبہ عن جابر جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ کان اللیلۃ شئی قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلوتک فصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رمضان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا یا رسول اللہ رات کو ایک بات ہو گئی ہے، آپ نے فرمایا کون سی بات ہو گئی ہے، اے اُبیؓ انہوں نے عرض کیا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، پس ہم لوگ تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اور تمہاری اقتدا کریں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھا دئے، پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر سکوت کیا۔ اور گویا اس بات کو پسند فرمایا۔ ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہے کہ مجیب اول کی یہ بات کہ "زمانہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ثبوت تراویح کا مختلف طور سے ہے۔ بعض روایات سے آٹھ ثابت ہوتی ہیں، اور بعض سے بیس اور بعض سے بیس سے زیادہ بھی ثابت ہوتی ہیں، غلط بات ہے، اور فی الواقع خلفائے راشدین میں سے بجز حضرت عمرؓ کے اور کسی سے بہ صحیح سند بھی کچھ ثابت نہیں کہ وہ حضرات کتنے رکعت تراویح پڑھتے تھے، یا کتنی رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے، ہاں حضرت عمرؓ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم فرماتے تھے۔ جیسا کہ مجیب ثانی نے موطا کی بہت

صحیح روایت سے اس کو ثابت کیا ہے، اور امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں ہے۔ قال الشافعی اخبرنا مالک عن محمد بن یوسف عن السائب ابن یزید قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ گیارہ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھایا کریں اور اسی طرح پر امام محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل صفحہ ۱۶۲ میں بھی ہے، اور زمانہ عمر بن الخطاب میں حسب حکم حضرت عمرؓ کے عموماً تمام لوگ گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی اپنے رسالہ المصابیح صفحہ ۱۹ فی صلوٰۃ التراویح میں لکھتے ہیں کہ سنن سعید بن منصور میں ہے۔ حدثنا عبد العزیز بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ الحدیث۔ یعنی سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، حافظ سیوطی اس روایت کی سند کی نسبت لکھتے ہیں سندہ فی غایۃ الصحۃ۔ یعنی اس روایت کی سند نہایت صحیح ہے، دیکھو نہایت صحیح سند سے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عموماً تمام لوگ حضرت عمرؓ کے حکم سے گیارہ ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ خود کتنی رکعت تراویح پڑھتے تھے، سو بالکل ظاہر ہے کہ جب آپ اوروں کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم فرماتے تھے تو خود بھی گیارہ ہی رکعت پڑھتے رہے ہوں گے، اور مجیب اول نے جو موطا سے یہ روایت نقل کی ہے، عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ۔ یعنی یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیئیس رکعت تراویح پڑھتے تھے ۔ سو یہ روایت منقطع ہے، اس وجہ سے ضعیف و غیر معتبر ہے علمائے حنفیہ نے بھی اس روایت کے منقطع ہونے کی تصریح کی ہے، علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۸ جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔ ویزید لم یدرک عمر القطاع

یعنی یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، پس اس کی سند منقطع ہے، و نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ جلد ۲ میں لکھتے ہیں، رواہ مالک فی الموطا باسناد منقطع یعنی امام مالک نے اس کو مؤطا میں سند منقطع سے روایت کیا ہے، اور حافظ زیلعی نے بھی اس روایت کی سند کو منقطع بتایا ہے، حاصل یہ کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا نہایت صحیح سند سے ثابت ہے، اور آپ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے عموماً تمام لوگوں کا تیئیس رکعت مع وتر پڑھنا ہرگز ہرگز کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے، ہمارے اتنے بیان سے صاف واضح ہوگیا کہ مجیب اول کی یہ بات کہ در زمانہ حضرت عمرؓ بن عمرؓ کے ارشاد کے موافق بیس رکعت پر اجماع ہوگیا ، بالکل غلط ہے، اور گیارہ رکعت تراویح کے قائلین کی نسبت مجیب اول نے جو تعریضاً ایک بے جا اور نا ملایم تقریر لکھی ہے، وہ خود انہیں پر اور ان کے ہم خیالوں پر عائد ہوگئی ۔ کتبہ محمد عبد الرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ ۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد اص ۶۳۳)

سوال :۔ چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ تراویح سنت مؤکدہ است یا غیر مؤکدہ و تعریف سنت مؤکدہ در اصول فقہ چہ می نویسند و بر فعلیکہ صحابہ رضی اللہ عنہم مواظبت فرمودہ اند سنت مؤکدہ است یا نہ ہرچہ محقق نزد جناب باشد موافق اصول فقہ تحریر فرمایند ۔ بینوا توجروا ۔

جواب :۔ باید دانست کہ در تمام کتب اصول فقہ تعریف سنت مؤکدہ ہمیں قدر می کنند کہ ہی ما واظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومواظبت صحابہ رضی اللہ عنہم را کسے از اصولیین سنت مؤکدہ ننوشتہ پس بریں تقریر تراویح بر مواظبت رسول اللہ علیہ السلام کی شارع اند و ہر فعل کہ بر آں مواظبت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ثابت نہ شدہ گو بر آں مواظبت صحابہ ثابت شدہ باشد آں فعل سنت مؤکدہ نخواہد شد و تراویح از ہمیں قسم است پس مؤکدہ نخواہد شد علاوہ آنکہ مواظبت خلفائے راشدین بر بست رکعت

تراویح چنانکہ فقہاء می نویسند از کتب احادیث ثابت نمی شود۔ واللہ اعلم۔

سید شریف حسین — سید محمد نذیر حسین — محمد اسد علی

سوال:۔ چہ فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در صورت عوائد کہ مردمان بالغ و عاقل نماز فرض و سنت و نفل خصوصاً تراویح برائے سماعت ختم قرآن خلف صبیان نابالغ جائز است یا نہ۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ امامت نابالغ در فرائض نزد فقہاء حنفیہ جائز نیست و در تراویح لیکن مطلقہ نزد ائمہ بلخ و غیرہم جائز است لکن از حدیث صحیح بخاری وغیرہ صحت امامت نابالغ در فرائض ثابت است و چوں در فرائض جائز شد پس در تراویح و سنن بدرجہ اولی جائز خواہد شد۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین

سوال:۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے یا نہیں ایسی تراویح کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ سننا قرآن کا اور پڑھنا اجرت کے ساتھ نماز تراویح میں جائز ہے اور ثواب ہوگا۔ عند الائمۃ الثلاثہ و عامۃ اہل حدیث خلافاً للحنفیہ کما فی الکتب الدینیۃ واللہ اعلم بالصواب۔

سید محمد نذیر حسین — سید محمد عبد السلام غفرلہ — سید محمد ابو الحسن

ہو الموفق۔ بعض ائمہ سلف سے ثابت ہے کہ وہ اجرت کے ساتھ تراویح کا پڑھنا اور سننا جائز نہیں رکھتے تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس امام کے بارے میں سوال کیا گیا، جو لوگوں سے کہے کہ اتنے روپیہ پر تم لوگوں کو رمضان میں تراویح پڑھاؤں گا آپ نے فرمایا اللہ تعالے سے عافیت کا سوال کرتا ہوں، ایسے امام کے پیچھے کون نماز پڑھے گا

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ اجرت کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔ اور فرمایا ڈرتا ہوں کہ ان لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب ہو مصعب نے عبداللہ بن معقل کو حکم کیا کہ رمضان میں جامع مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس جب کہ افطار کیا تو مصعب نے پانچ سو درہم اور ایک حلہ عبداللہ بن معقل کے پاس بھیجا، تو انہوں نے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ میں قرآن پر اجرت نہیں لیتا۔ کذا فی قیام اللیل لمحمد بن نصر المروزی۔ میرے نزدیک انہیں بعض ائمہ سلف کا قول قابل قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عبدالرحمٰن المبارکفوری عفا اللہ عنہ۔

سوال:۔ تراویح کے جلسوں میں بعد سلام کے جو اذکار مسنونہ ہیں، وہ کیا ہیں؟

جواب:۔ تراویح کے جلسوں میں سلام کے بعد وہی اذکار ہیں، جو دیگر نمازوں میں ہیں، کسی حدیث سے کوئی تخصیص و طریق ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبدالجبار عمر پوری فتاویٰ۔ ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین صفحہ ۷۔

سوال:۔ کیا آٹھ ہی رکعت تراویح سنت ہے؟

جواب:۔ ہاں مگر باقی مستحب ہے، رد المحتار صفحہ ۴۳۵ میں ہے۔ وذکر فی الفتح ان مقتضی الدلیل کون المسنون منہا ثمانیۃ والباقی مستحبا وتمامہ فی البحر اھ۔ حررہ مولوی عبدالغفور رمضان پوری بہاری۔ فتاویٰ مفید الاحناف صفحہ ۱۱

لہ اور ذکر کیا ہے، فتح القدیر شرح ہدایہ میں یہ کہ مقتضی ہو دلیل کا ہونا مسنون اس سے آٹھ ہی رکعت ہے، اور باقی مستحب اور پوری بحث اس کی بحر الرائق میں ہے۔ ۱۲

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ جو لوگ آٹھ رکعت تراویح امام کے ساتھ پڑھ کر وتروں میں شریک نہیں ہوتے، اور وتر آخر رات میں اٹھ کر پڑھتے ہیں، ان کا یہ فعل موافق سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ افضل یہی ہے کہ تراویح پڑھنے والا امام کے ساتھ وتر پڑھ کر جاوے، حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی امام کی فراغت تک امام کے ساتھ پڑھتا رہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ قیام اللیل کا ثواب دے گا، یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب قیام شہر رمضان کی فصل ثانی میں ہے۔ اسی واسطے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یقوم مع الناس حتی یوتر معہم ولا ینصرف حتی ینصرف الامام یعنی لوگوں کے ساتھ ٹھہرا رہے، یہاں تک کہ ان کے ساتھ وتر پڑھے اور امام کے فارغ ہونے سے پہلے نہ جاوے، واللہ اعلم۔ حررہ عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی عفی عنہما فتاویٰ غزنوی جلد اول صفحہ ۱۰۱۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اگر ایک شخص پہلے ایک جگہ نماز تراویح پڑھاتا ہے، پھر وہی دوسری جگہ دوسرے لوگوں کو بھی پڑھا دے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ اہل حدیث کے نزدیک اگر فرض نماز بھی ایک شخص دو دفعہ پڑھا دے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ یہ تو یعنی نماز تراویح تطوع ہے۔ حررہ عبد الجبار الغزنوی عفی عنہ۔ فتاویٰ غزنویہ جلد اول صفحہ ۱۰۵

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

آٹھ رکعت تراویح اور تین رکعت وتر یا دس رکعت تراویح اور تین وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہیں، اور امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی گیارہ یا تیرہ کا حکم دیا ہے۔ صحیح ابن حبان اور قیام اللیل مروزی میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج الینا فلم نزل فیہ حتی اصبحنا قال انی کرھت وخشیت ان یکتب علیکم الوتر۔

وعن جابرؓ قال جاء ابی بن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان منی اللیلۃ شئی قال وما ذاک یا ابی قال نسوۃ داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی خلفک بصلاتک وصلیت بھن ثمان رکعات والوتر فسکت عنہ وکان شبہ الرضا اخرجہ المروزی فی کتاب قیام رمضان۔

اور موطا امام مالک میں سائب بن یزید سے روایت ہے۔ امر عمرؓ ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رکعۃ وفی روایۃ کنا نصلی فی

سلہ ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھائے پس جس وقت دوسری رات ہوئی، ہم مسجد میں جمع ہوگئے، اور ہم نے اس بات کی خواہش کی کہ آج رات بھی آپ (نماز پڑھانے کے واسطے) ہماری طرف نکلیں گے، ہم اسی جگہ ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا اور میں نے اسکو مکروہ جانا کہیں تمہارے اوپر فرض نہ ہو جاوے۔

سلہ اور جابرؓ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ آپ کے پاس رمضان میں ابی بن کعب آیا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھ سے آج رات کچھ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا۔ بیان کر تو۔ کہا میرے محلہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن شریف نہیں پڑھ سکتیں ہم تیرے پیچھے نماز پڑھیں۔ اور تیری نماز کی اقتداء کریں۔ تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی، اور وتر بھی پڑھا لئے، آپ یہ سنکر چپ ہو رہے اور آپ کا سکوت مشابہ رضا کے ہے۔ اس حدیث کو مروزی نے کتاب قیام رمضان میں اخراج کیا ہے۔ ۱۲

سلہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم کیا یہ کہ لوگوں کو گیارہ رکعت نماز پڑھایا کریں اور ایک روایت میں ہے کہ ہم عمرؓ بن خطاب کے زمانہ میں تیرہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ قیام اللیل اور قیام رمضان میں اسی طرح ہے۔ ۱۲

رمضان زمن عمرؓ بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ کذا فی کتاب قیام اللیل وقیام رمضان۔

جابرؓ کی دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان میں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی، وہ گیارہ رکعت تھیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابی بن کعب نے بھی عورتوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھائی، اور امیر المومنین خلیفہ ثانی نے بھی اماموں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم دیا جیسا کہ سائب بن یزید کی حدیث کو جو مذکور ہوئی ہے، سب سے اصح و اثبت جانتے ہیں، جیسا کہ ابن اسحاق نے لکھا ہے، ماسمعت فی ذلک حدیثا ھو اثبت عندی والاحری من حدیث السائب بن یزید وذلک ان صلوۃ رسول اللہ کانت من اللیل ثلث عشرۃ رکعۃ کذا فی کتاب قیام اللیل وقیام رمضان للمروزی۔

شیخ عبدالحق دہلوی حنفی محدث ماثبت بہ السنۃ میں لکھتے ہیں۔ والصحیح مارویۃ عائشۃ انہ صلے احدی عشرۃ رکعۃ کما ھو عادتہ فی قیام اللیل وروی انہ کان بعض السلف فی عہد عمر بن عبدالعزیز یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ قصدا للتشبیہ برسول اللہ۔

الغرض گیارہ رکعت تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور تابعین اعلام سے ثابت ہے، پس جو کوئی اس سے انکار کرے یا برا جانے وہ بلاریب علم حدیث سے جاہل اور بے خبر ہے سنت مؤکدہ یہی گیارہ رکعت ہیں، باقی نفل ہیں جتنی پڑھے یا چھتیس یا چالیس اختیار ہے جماعت

ؔ کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی کہ وہ سائب بن یزید کی روایت ہے، بہت صحیح اور عمدہ ہو اور یہ اس واسطے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز بھی تیرہ رکعت ہوتی تھی۔ قیام اللیل اور قیام رمضان مروزی میں اسی طرح ہے ۱۲۔

ؔ اس بارے میں صحیح وہ روایت ہے، جس کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ آپ نے گیارہ رکعت نماز پڑھی جیسا کہ آپ کی قیام اللیل میں عادت تھی۔ اور نقل کیا گیا ہے، کہ بعض سلف عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے، تاکہ ان کی نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو

(علوی لودھیانوی)

جابر ۱۲۔

شرعی کوئی نہیں۔ فقط حررہ عبدالجبار بن عبداللہ الغزنوی عفی اللہ عنہما۔

(فتاویٰ غزنویہ صفحہ ۸۹ و ۹۰)

سوال:۔ تراویح میں پورا قرآن شریف ختم کرنا ضروری ہے؟

جواب:۔ تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا سنت ہے۔ ضروری نہیں ہے۔ حافظ قرآن کو اس سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جو حافظ نہیں ہیں۔ وہ حافظ کی اقتدا میں پورا قرآن سنیں۔ جیساکہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں لوگ نماز تراویح پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم (شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی)

(ترجمان دہلی صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء)

سوال:۔ رمضان میں تراویح کے بعد ایک رکعت وتر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ پہلی چار رکعتیں پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر چار رکعتیں پڑھتے ان کی خوبی اور لمبائی کا کیا پوچھنا۔ پھر تین رکعت وتر پڑھتے موطا امام مالک کی روایت ہے کہ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوم الناس باحدٰی عشرۃ رکعۃ۔ یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔ اس روایت سے بھی وتر کی تین رکعتیں ثابت ہوئیں لیکن بعض دوسری روایتوں سے ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ جب تین رکعت وتر پڑھا جائے۔ تو پہلی رکعت میں سورہ اعلیٰ۔ دوسری میں سورہ کافرون۔ اور تیسری میں سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے۔

(ترجمان دہلی ماہ صفر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء)

(شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلی)

توضیح الکلام:۔ لیکن ایک وتر کو رمضان شریف میں عادت نہ بنانا چاہیے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت صحیح بخاری اور حضرت عمرؓ کی روایت مؤطا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اکثر تعالیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا گیارہ رکعت پر ہے، اور یہی افضل ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ چھ سال سے ایک مسجد میں نماز تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے۔ الحمدللہ زید نماز۔ روزہ کا پابند ہے، قرآن مجید بھی ٹھیک پڑھتا ہے، سامعین اس سے خوش ہیں۔ لیکن مسجد کے ایک متولی صاحب کسی ذاتی رنجش کی وجہ سے چاہتے ہیں۔ کہ زید آئندہ سے مسجد میں قرآن مجید نہ سنائے۔ بلکہ کوئی دوسرا سنائے۔ کیا شرعاً ان کو زید کو روکنے کا حق ہے، اگر متولی جبراً زید کو روکے تو عنداللہ اس کی پکڑ ہے۔ یا نہیں؟۔

جواب:۔ جب کہ زید مذکور نماز۔ روزہ کا پابند اور حافظ قرآن اور قاری و نیک سیرت اور پابند شرع ہے، اور عرصہ سے یہ نماز پڑھاتا ہے، اور آج تک اس کی امامت کے بارے میں کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ بلکہ سارے نمازی اس کے تراویح پڑھانے سے خوش ہیں، اور سوائے ایک کے تمام متولی اور نگران مسجد راضی ہیں۔ تو یہی زید مذکور تراویح پڑھانے کا مستحق ہے، اور جو ذاتی عناد کی وجہ سے زید کو نماز تراویح پڑھانے سے روکتا ہے وہ آیت کریمہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا کا مصداق ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو خدا کی مسجدوں میں خدا کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کے درپے ہو۔ علامہ شوکانی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ فرماتے ہیں۔ والمراد بمنع المساجد ان یذکر فیہا اسم اللہ منع من یاتی الیہا للصلوۃ والتلاوۃ والذکر وتعلیمہ الخ۔

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص مسجدوں میں نماز پڑھنے سے اور قرآن مجید کی تلاوت سے اور ذکر الٰہی سے اور قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے سے لوگوں کو روکے وہ بڑا ہی ظالم ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ کی روشنی میں متولی مذکور کو زید کو نماز تراویح پڑھانے سے روکنے کا شرعاً حق نہیں ہے، اور اگر روکے گا تو آیت مذکورہ میں داخل ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(عبدالسلام بستوی دہلی) (ترجمان دہلی جلد ۷ شمارہ ۶)

حنفی مذہب کا فتویٰ

حررہ مولانا مولوی عبدالصمد رحمانی
مفتی۔ خانقاہ رحمانیہ۔ مونگیر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں اگر کوئی اہلحدیث یا شافعی المسلک تراویح کے بعد وتر کی نماز جماعت سے پڑھاوے۔ جس میں وہ تیسری رکعت میں خلاف طریقہ حنفیہ رکوع کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا قنوت پڑھے۔ پھر سجدے میں جاوے۔ تو ایسے امام کی اقتداء میں حنفی المذہب مقلد کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب:۔ نماز درست ہوگی۔ اور حنفی المذہب مقلد کو امام کی متابعت میں قنوت کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(اخبار محمدی دہلی جلد ۵ شمارہ ۱۲)

سوال:۔ اگر کوئی شخص تراویح چار چار رکعت پڑھنا چاہیئے۔ تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ جس طرح چار نفل یا چار سنت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح پڑھیں کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۵، ۹ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ)

سوال:۔ تراویح کی نماز کھڑی ہے، ایک شخص آیا جس نے ابھی عشاء کے فرض پڑھنے ہیں۔ کیا وہ تراویح میں مل جائے یا فرض الگ پڑھ لے

جواب:۔ اس کی دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر فرض الگ پڑھ لے تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ جماعت فرضوں کی نہیں۔ نفلوں کی ہو رہی ہے، اور فرض جماعت کے پاس الگ نفل یا سنت پڑھنا ممنوع ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ تراویح میں شامل ہو جائے، در جب امام چار تراویح کے بعد درمیانی وقفہ کرے تو وہ اس وقفہ میں اپنے فرض پڑھ لے۔

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۵ شمارہ ۳۳، ۲۷ شعبان ۱۳۷۲ھ)

توضیح:۔ حدیث کے مطابق چونکہ نفلوں کے پیچھے فرض جائز بلکہ ثابت ہیں اس لیے تراویح کی جماعت کے ساتھ ہی فرض پڑھ سکتا ہے۔ آج کل ہر چار رکعت کے بعد وقفہ نہیں کیا جاتا۔ یا پھر صورت اول اختیار کرے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ کوئی اہلحدیث کسی حنفی کے پیچھے آٹھ تراویح پڑھ کر اپنے وتر الگ پڑھ سکتا ہے، جب کہ مسجد میں جماعت تراویح بھی ہو رہی ہو۔

جواب:۔ اسے وتر گھر جا کر پڑھنے چاہئیں۔ جماعت کے پاس نہیں پڑھنے چاہئیں۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۳۵، ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ)

توضیح:۔ وتر سنت اور نفل میں شامل ہیں۔ اسلئے گھر پڑھنا افضل ہیں۔ ورنہ جماعت کے ہوتے ہوئے مسجد میں بھی جائز ہیں۔ کیونکہ جماعت فرض نماز کی نہیں ہے، واللہ اعلم

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ بعض لوگ آٹھ تراویح پڑھتے ہیں، بعض بیس۔ بندہ متردد ہے کہ کیا کرے۔

جواب:۔ اول درجہ کی صحیح احادیث سے آٹھ تراویح کا ثبوت ہی ہے، سنت نبوی کے

مطابق سکون وراحت سے آٹھ تراویح پڑھنا کارِ ثواب ہے، چہ جائیکہ پورے آرام سے بیس پڑھی جائیں۔ آپ متردد نہ ہوں جہاں قرآن کریم سنایا جارہا ہو، اور وہ لوگ آٹھ تراویح پڑھتے ہوں، آپ ان کے ساتھ پڑھ لیں، بعد میں زائد نوافل جتنے پڑھنے چاہیں، اسی تسلی اور سکون سے پڑھیں، اور تجربہ کریں کر سکتے پڑھ سکتے ہیں۔ یوں نہ کریں کہ بیس پڑھنے والوں کے ساتھ آٹھ پڑھ کر فرض سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرنے لگیں، یہ داؤ اور دھوکہ ہوگا۔

(اہل حدیث سوہدرہ ج ۱۵ ش ۱۱، نومبر ۱۹۶۳ء)

سوال: احناف کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت تراویح پڑھیں، اور بیس ہی کا حکم دیا کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: حضرت عمرؓ فاروق کا خود بیس تراویح پڑھنا یا بیس کا حکم دینا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ جو دلیل وہ دیتے ہیں بہت ہی کمزور ہے، اہل علم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ عون المعبود شرح ابی داؤد جلد ا صفحہ ۵۳۵ میں ہے کہ: فَغَلَطٌ فَاحِشٌ لا يلتفت اليه لانه لم يثبت قط ان ابا بكر الصديق وعمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنهما صلى عشرين ركعة مرة واحدة۔

یعنی ایک بار بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ یا عمر فاروقؓ کا بیس تراویح پڑھنا ثابت نہیں اسی طرح غایۃ المقصود شرح ابی داؤد میں مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی نے لکھا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ، ۱۵ رجب ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۵۴ء)

سوال: حدیث شریف کی رو سے نماز تراویح کی تعداد کس قدر ثابت ہے؟

جواب: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صلی بنا رسول الله في رمضان ثمان ركعات ثم اوتر (ابن خزیمہ، فتح الباری، سبل السلام، نیل الاوطار) حضور نے رمضان شریف میں ہمیں

تو تراویح پڑھائیں۔ یہ روایت یہ اول درجہ کی صحیح حدیث ہے، کسی محدث نے اسے ضعیف نہیں کہا ہے۔ امام مالکؒ اپنے موطا میں اول درجہ کی صحیح حدیث لکھتے ہیں۔ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی اور تمیمؓ کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات تراویح مع وتر پڑھائیں۔ عمل نبوی اور عمل صحابہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی لئے آٹھ رکعت سنت کے مطابق ادا کریں۔ زائد نوافل کوئی جس قدر چاہے پڑھے،

(اخبار اہل حدیث سوہدرہ جلد ۱۳ شمارہ ۲۷، ۱۴ شعبان ۱۳۸۰ھ)

سوال:۔ ایک شخص حافظ قرآن ہے، جو استرا سے اپنی ڈاڑھی منڈواتا ہے، تاش بھی کھیلتا ہے، سگریٹ بھی پیتا ہے، گاہے گاہے سینما شو بھی دیکھتا۔ کیا رمضان المبارک میں اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا جائز ہے؟

جواب:۔ ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیئے۔ حدیث میں ہے۔ اِجْعَلُوا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ۔ اپنا امام بہترین آدمی کو بناؤ۔

(الاعتصام جلد ۱۲ شمارہ ۱۱) **محمد گوندلوی**

سوال:۔ حنفی حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات تراویح پڑھی ہیں، اور ہم خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ واقعی حضرت عمرؓ نے بیس رکعت پڑھی ہیں۔ اگر خود بیس رکعت پڑھتے تھے، تو انہوں نے ابی ابن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم کیوں دیا۔ موطا امام مالکؒ کیا بیس رکعت والی روایت درست ہے؟

جواب:۔ حضرت عمرؓ نے گیارہ کا حکم دیا۔ جیسا کہ موطا میں ہے، بیس رکعت حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑھی گئیں۔ مگر حضرت عمرؓ شامل نہیں ہوئے۔ ان کی شمولیت کا

کہیں ذکر نہیں۔ محمد گوندلوی
(الاعتصام جلد ۲ شمارہ ۵)

سوال نمبر (۱): ماہِ رمضان کی ۲۷ ویں رات کو جامع مسجد اہل حدیث میں قرآن شریف کی تلاوت ایک حافظ صاحب نے پوری کی ان کے لئے مسجد میں اہلحدیث اور غیر اہلحدیث سے چندہ جمع کیا جاتا ہے، اور وہ رقم تقریباً ۵۰۰ روپیہ حافظ صاحب کو دیتے ہیں، اور باقی دو تین سو روپیہ کی مٹھائی خرید کر تقسیم کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے، یا ناجائز، سنت ہے، یا بدعت بعض حضرات یہ چندہ زکوٰۃ سے ادا کرتے ہیں۔ کیا ان کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

سوال نمبر (۲): ایک صاحب نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگوں نے تلاوت قرآن پاک پوری کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کر دیا۔ اور اس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ اس لئے مٹھائی تقسیم کرنا جائز ہے، تحریر فرمائیں یہ صحیح ہے، یا غلط؟

جواب نمبر (۱): قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اگر اتفاقی طور پر کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگر سنت سمجھ کر کیا جائے۔ یا سنت کی طرح التزام کیا جائے، تو ٹھیک نہیں ہے۔

جواب نمبر (۲): کسی وقتی خوشی کے وقت بطورِ شکرانہ کچھ صدقہ کرنا جائز ہے، مثلاً کوئی شخص قرآن مجید حفظ کر لیتا ہے، یا کوئی کتاب حدیث کو ختم کرتا ہے، تو بطورِ شکرانہ اگر صدقہ کرے یا دعوت کرے تو کوئی حرج نہیں مگر سنت نہ سمجھے۔

محمد گوندلوی

(اخبار الاعتصام جلد ۲ شمارہ ۲۷، ۲۸)

سوال:۔ حافظ قرآن امام تراویح کے پیچھے ناظرہ خواں نیت باندھ کر اپنے سامنے قرآن کھول کر رکھ لیتے ہیں۔ اگر حافظ بھول جاتا ہے۔ یا چوک جاتا ہے۔ تو پیچھے سے یہ ناظرہ خواں اس کو بتا دیتے ہیں۔ اور خود ہی ورق بھی الٹتے ہیں کیا ناظرہ خواں کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

جواب۔ حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان حضرت عائشہؓ اور بعض دیگر صحابہ و تابعین کو قرآن دیکھ کر تراویح کی نماز پڑھاتے تھے (ابو داؤد فی کتاب المصاحف وابن ابی شیبۃ والشافعی وعبدالرزاق) اسی اثر کی بنا پر امام اعظم یعنی امام مالکؒ اور صاحبین کے نزدیک غیر حافظ شخص کا قرآن سے تراویح پڑھنا جائز ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ وابن حزم اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن جملہ کتب اولان عمر کان ینہی عنہ یا بمعنی ہو تاویل اثر عائشۃ بعض الحنفیۃ انہ کان یحفظ من المصحف فی النہار ویقرأ فی اللیل فی الصلوۃ من ظہر قلب

بعض لوگ اس اثر کو سامنے رکھ کر امام تراویح کے پیچھے ناظرہ خواں کے قرآن کھول کر سامنے رکھنے اور اوراق الٹنے اور بوقت نسیان امام کو تلقین کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اس کے جواز میں تامل و تردد ہے قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر میں ..... اس کی نظیر نہیں ملتی اور یہ جو صورت منقول ہے قطع نظر اس بات کے کہ وہ شخص ایک اثر ہے اس کے خلاف حضرت عمرؓ کا ایک قول مروی ہے۔ نیز اس کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے پس اس پر صورت مسئولہ کا قیاس کرنا محل تامل ہے۔

(محدث دہلی جلد ۸ ش ۱ صفحہ ۶)

سوال:۔ حافظ محمد اسد اللہ متین جن کی عمر تیرھویں سال میں ہے۔ ہم اس سے نماز تراویح میں قرآن مجید سننا چاہتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ جائز ہے۔ تراویح اور دوسرے نوافل کے علاوہ آپ فرائض میں بھی امام

مگر باہوش لڑکے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں۔ بالخصوص نوافل میں بچوں کی امامت
احناف میں سے مشائخ بلخ۔ لیکن جائز سمجھتے ہیں۔ (ہدایہ باب الامامۃ) امام ابوحنیفہؒ اور امام
احمدؒ سے مشہور یہ ہے کہ نوافل میں ان کی اقتداء جائز ہے۔ وقال فی الفتح والمشھور عنھما
الاجزاء فی النوافل دون الفرائض (نیل الاوطار ص۱۴۰ باب ما
جاء فی امامۃ الصبی۔)

(۱) حضرت عمرو بن سلمہ جب کہ وہ ابھی چھ یا سات سال کے تھے۔ نبی اکرمؐ کے عہد میں
جاہلی نمازیں پڑھایا کرتے تھے (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۰۰ باب الامامت فصل ثالث) حضرت
عاصمؒ فرماتے ہیں۔ فرض نمازیں ہوں یا نماز جنازہ ہمیشہ وہی اپنی قوم کو پڑھاتے رہے ہیں
فلو یزل امام قومہ فی الصلوٰۃ وعلی جنائزھم۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۰۲)
معلوم رہے کہ حضرت عمرو بن سلمہؓ صحابی ہیں۔ عمر میں کم سن ہیں۔ ۸۵ھ میں وفات پائی تھی
(خلاصہ الاعلام صفحہ ۲۴۳ للذہبی الثقفی صفحہ ۲۴۰)۔

(۲) حضرت اشعث بن قیسؓ صحابی ہیں اور اپنے قبیلہ کندی کے رؤساء میں سے تھے حضرت
عثمانؓ کے عہد میں وزیر رہے، آذربیجان کے گورنر اور صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے
سپہ سالار تھے۔ [illegible] کے چالیس دن بعد ۴۰ھ میں وفات پائی تھی۔ (تکملۃ الاسلام للذہبی)
انھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں ایک کم سن بچے کو تراویح کے لئے امام مقرر کیا
تھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو فرمایا کہ میں نے قرآن کی بنا پر اس کو آگے کیا۔ الاشعث
بن قیس انہ کان امیرا فقدم غلاما صغیرا فامام الناس فعابوا علیہ فقال
انما قدمت القرآن (قیام اللیل ص۱۰۲) مطبوعہ الریہ

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحابہ کا یہ تعامل پیش کرتی ہیں کہ ہم مدرسہ
سے بچوں کو لے آتے اور ان کے پیچھے نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ عن عائشۃ
کنا ناخذ الصبیان من الکتاب فنقدمھم یصلون لنا شھر رمضان الخ
(قیام اللیل ص۱۰۲)

(۱۵) حضرت امام زہری (ف ۱۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ ہمیں شروع سے یہی خبر پہنچتی رہی ہے کہ جو نابالغ بچے نماز پڑھ جاتے تھے، اور ان کو قرآن بھی آتا تھا وہ لوگوں کو سب نمازیں پڑھایا کرتے تھے۔ لم یزل یبلغنا ان الغلمان یصلون بالناس اذا عقلوا الصلوٰۃ وقرؤا القرآن فی رمضان وغیرہ وان لم یحتلموا (قیام اللیل ۱۲۲ مطبوعہ اثریہ)

(۱۶) امام حسن بصری (ف ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اگر بچے نماز اچھی طرح پڑھ سکتے ہوں تو بچوں کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لا باس بامامۃ الغلام الذی لم یحتلم اذا احسن الصلوٰۃ۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۲۲ مطبع اثریہ) حضرت حسن بصری حضرت عمر کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے تھے، اور انہوں نے ہی ان کو گھٹی پلائی تھی، ان کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خادمہ تھیں۔ حضرت ابن عباس حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت انسؓ سے تعلیم پائی تھی، کہتے ہیں کہ صوفیاء کا سلسلہ تصوف انہی کے واسطہ سے حضرت علیؓ تک پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۷) حضرت سعید بن جبیر تابعی (ف ۹۵ھ) نے حضرت ابو سلمہؓ سے کہا کہ مجھے کوئی حدیث سنائیے، انہوں نے کہا حضور کا ارشاد ہے، جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو ان میں سے جو سب سے بہتر قرآن پڑھ سکتا ہو۔ وہی نماز پڑھایا کرے۔ خواہ وہ کم سن بچے کیوں نہ ہو۔ قال ابو سلمۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج ثلثۃ فی سفر فلیؤمہم اقرأھم وان کان اصغرھم۔ (قیام اللیل ۱۲۲ مطبوعہ اثریہ)

ہاں بعض بزرگوں نے بچوں کی امامت سے پرہیز کیا ہے، مگر صرف اس لیے کہ جماعت کا خاطر خواہ خیال نہ رکھا گیا ہو۔ یا یہ کہ اہل ترین بزرگوں کے ہوتے، بچوں کو آگے لانا بے ادبی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کی بات نہیں، صرف احتیاط کا مسئلہ ہے، باقی رہی منع کی کوئی مرفوع حدیث تو وہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اسی طرح ان کے دوسرے دلائل کا حال ہے، جو استنباطی ہیں، تکلف ہیں، جو محض وہم ہیں، اور جو تکلفات ہیں۔ مسلکی عصبیت اور تقلیدی ضرورت کے سلسلے کے ہیں۔ واللہ اعلم

ہیں۔ آٹھ رکعت اور ایک وتر رمضان شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف سے ثابت نہیں ہے۔ (الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۱)

سوال ۔ مروجہ شبینہ شرعی لحاظ سے درست ہے یا نہیں۔ اور اگر مروجہ شبینہ کے علاوہ ایک رات میں قرآن مجید ختم کر لیا جائے۔ تو ٹھیک ہے۔ اور شرعی لحاظ سے کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیئے۔؟

جواب ۔ ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ تین دن میں قرآن مجید ختم کرنا چاہیئے۔ (مشکوٰۃ)

لیکن بہت سے آثار میں سلف سے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے کا ذکر آیا ہے۔ بنا بریں حافظ ابن رجب (جو آٹھویں صدی ہجری کے ایک فقیہ محدث تھے) کی تحقیق یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث عام حالات کے بارے میں ہے۔ اوقات فاضلہ (مثلاً رمضان شریف) میں تین دن سے کم مدت میں قرآن مجید ختم کیا جا سکتا ہے۔ طبیعت کا نشاط اور شوق جس قدر اجازت دے۔ قرآن مجید کی تلاوت کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا آداب تلاوت و قیام کو حتی الامکان ملحوظ رکھتے ہوئے۔ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ تین رات میں ہی ختم کیا جائے جیسا کہ ہمارے ہاں تو عام طور پر ہوتا بھی ایسا ہی ہے۔ ہذا عندی واللہ اعلم۔

(الاعتصام لاہور جلد ۲۶ شمارہ ۱۰)

توضیح الکلام ۔ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنا قرآن اور حدیث کے خلاف ہے۔ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ ۔ آیت آہستہ یعنی واضح پڑھو قرآن آہستہ پڑھنا۔ حدیث عبداللہ بن عمرؓ جس کی طرف مجیب صاحب نے اشارہ کیا ہے آثار سلف جن کی طرف مجیب نے اشارہ کیا۔ جو آیت اور حدیث کے خلاف ہیں۔ ۔ ۔ ۔ حجت نہیں۔ جیسا کہ اصول حدیث میں مذکور ہے۔ ایک رات میں قرآن مجید میں خشوع

خشوع اور آداب تلاوت بھی نہیں رہتا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعندہ علم الکتاب

حررہ علی محمد سعیدی خانیوال

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں آٹھ تراویح مع وتر جماعت سے پڑھ لے اور پھر رات کو جاگنی چاہیے، تو کیا مزید نوافل پڑھ سکتا ہے۔ یا نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ وتروں کے بعد نفل جائز نہیں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ وتروں کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے۔ عن عائشۃ قالت کان یعنی ... ان مکعات ... بعد الوتر ... یصلی رکعتین۔ یعنی آنحضرتؐ وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ وکان سعد بن ابی وقاص یوتر ثم یصلی علی اثر وترہ۔ سعد بن ابی وقاص وتروں کے بعد نفل پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل صفحہ ۱۳۰)

جن احادیث میں آتا ہے کہ حضورؐ کی آخری نماز وتر ہوا کرتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ تہجد پڑھتے تو آخری نماز وتر کی رکعات ہوتیں اس کے بعد پھر نفل نہ پڑھتے مگر جو عشاء ہی کے ساتھ وتر پڑھ لے، وہ اس کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۴ شمارہ ۲۷، ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ کیا امام قرآن ہاتھ میں پکڑ کر نماز تراویح میں سنا سکتا ہے، اور حدیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب:۔ اگر حافظ نہیں ملتا تو پڑھ سکتا ہے یعنی قرآن مجید ہاتھ میں لے کر۔

(اخبار اہل حدیث لاہور جلد ۱ ش ۴۴، ۱۱ اپریل ۱۹۵۱ء)

توضیح:۔ قیام اللیل صفحہ ۱۲۲ میں ہے۔ ان ذکوان ابا عمرو کانت عائشۃ اعتقتہ عن دبر فکان یؤمہا ومن معہا فی رمضان فی المصحف

یعنی ذکوان آزاد کردہ غلام مائی عائشہ کا رمضان میں حضرت عائشہ اور اس کے خاندان کی امامت کراتا تھا۔ اور قرآن میں دیکھ کر قرأت کرتا۔ واللہ اعلم

ابو القاسم محمد حسین ہنجول

سوال:۔ نماز تراویح رات کے اول حصہ میں پڑھنا افضل ہے یا آخری حصہ میں؟

جواب:۔ اگر وہ حافظ ہو اور آخر رات میں بیدار ہو سکتا ہو تو وہ افضل ہے، اگر مسجد میں باجماعت پڑھتا ہو تو پھر جس وقت مسجد میں جماعت ہوتی ہے اسی وقت پڑھ لیں۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۷ ۱۱ رشوال ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر باجماعت پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب:۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر باجماعت ثابت ہے۔

(اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۸ ۱۸ رشوال ۱۳۷۰ھ)

توضیح:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین دن رمضان میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر باجماعت ثابت ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت مع وتر باجماعت حکم فرمایا تھا۔ نیز۔ نفل نماز باجماعت ثابت ہے، رمضان غیر رمضان میں نفلوں کی جماعت کی ممانعت پر کوئی دلیل بھی نہیں۔ قیام اللیل صفحہ ۹۰ میں بہت صحابہ اور تابعین کے اقوال جواز پر دال ہیں۔ واللہ اعلم

ابو القاسم محمد حسین ہنجول سیالکوٹی

سوال:۔ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی صرف ایک رات ہے، مگر دنیا میں کہیں دن ہوتا ہے اور کہیں رات حتیٰ کہ عرب میں کہیں پر شب قدر ہے تو پاکستان میں بیسویں رات ہوگی۔ اس طرح ہم شب قدر سے محروم ہو گئے۔ یا تعداد لازم آتی ہے، یا اسلام عالمگیر مذہب نہیں رہتا ہے۔ ...

جواب: ہر لیلۃ القدر عید کی طرح ہے، تو ہر ملک میں بات کرنی ہوتی ہے جیسے عید ہر ملک میں اس ملک کے دن ہی میں ہوتا ہے۔ (اخبار الاعتصام جلد [illegible] شمارہ [illegible] محرم الحرام [illegible])

محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال: حافظ قرآن جو تراویح پڑھاتا ہے اس کو روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اگر کوئی اس کی خدمت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی ممانعت ثابت نہیں بلکہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فاتحہ پڑھ کر ایک مریض پر دم کیا تھا۔ اور اس سے تیس بکریاں لی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتاب اللہ پر اجرت لینا اچھا ہے۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۷-۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ)

مولانا حافظ محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمعیت

سوال: صلوٰۃ التسبیح رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ کو جماعت سے پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے؟

جواب: صلوٰۃ التسبیح رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو باجماعت ادا کرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، مگر بہ نظر تعلیم کبھی ایسا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کو سنت نہیں سمجھنا چاہیے نہ سنت کی طرح اس پر اصرار کرنا چاہیے۔ (اخبار الاعتصام جلد ۲۰ شمارہ ۲۸ محرم الحرام [illegible])

مولانا حافظ محمد گوندلوی سابق امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث

توضیح: نفلی نماز کی جماعت ثابت ہے، اور نماز تسبیح بھی نفلی نماز ہے، اس لیے کوئی حرج نہیں۔

علی محمد سعیدی

سوال: کیا رمضان شریف میں تراویح میں قرآن مجید سنا کر اجرت (معاوضہ) مقرر کرکے قرآن شریف سنانا جائز ہے؟

جواب :۔ اجرت پر قرآن مجید تراویح میں سنانا یا اجرت مقرر کرنا بالکل جائز نہیں بلکہ ایسے شخص کے پیچھے تراویح ہی نہیں ہوتیں قیام اللیل میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

مولانا عبداللہ امرتسری روپڑی رحمۃ اللہ

(فتاویٰ اہلحدیث جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

توضیح :۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایسے امام کی اقتدار میں نماز تراویح جائز نہیں ہے، تو اجرت پر جمعہ اور جماعت کرانے والے امام و خطیب کی اقتدار میں بھی نماز جائز نہیں ہے اور اصل تراویح یا پنجگانہ نماز میں قرآن شریف سنا کر کوئی شخص اجرت وصول نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی شخص اس کی اجرت دے سکتا ہے۔ وہ تو اپنے وقت کی پابندی پر معاوضہ حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام نے ایک مریض پر سورۃ فاتحہ کا دم کیا۔ اور تیس بکریاں حاصل کیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اسلامی کاروبار میں پابند ہو چکا ہوں۔ لہٰذا ابوبکر اور اس کے اہل بیت۔ بیت المال کا وظیفہ کھائیں گے۔ حافظ محمد محدث گوندلوی مدظلہم کا فتویٰ جواز گذر چکا ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

بیس تراویح پڑھنے والے امام کے پیچھے آٹھ تراویح کا حکم

سوال :۔ ماہ رمضان میں احناف بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت ہیں۔ اہل احناف تین رکعات وتر ادا کرتے ہیں۔ درمیان میں تشہد بیٹھتے ہیں۔ اہل حدیث یہ تشہد نہیں بیٹھتے۔ کیا ہم بھی ان صورتوں میں ان کے ساتھ اقتدار کرتے رہیں کیونکہ اگر ان کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں تو قرآن مجید سننے سے محروم رہتے ہیں؟

جواب :۔ تراویح اصل میں آٹھ ہی ہیں۔ آپ آٹھ تراویح کی نیت سے پڑھ لیا کریں۔ اس کے بعد آپ کو اختیار ہے گھر میں جا کر وتر اول رات پڑھیں۔ یا آخیر رات پڑھیں۔ اگر چاہیں تو بیس رکعت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مگر آٹھ سے زائد محض نفلوں کی نیت کریں۔ اور وتر بدستور گھر میں پڑھیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)

مسافر کے لئے نماز تراویح

سوال :۔ مسافر کو نماز تراویح معاف ہے یا نہیں؟ سفر ایسا ہے جس میں روزہ رکھ سکتا ہے؟۔
جواب :۔ نماز تراویح نفل ہے جب مسافر کو دو فرض معاف ہیں تو نفل معاف کیوں نہیں ہوں گے۔ ہاں پڑھ لے تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ اہلحدیث سرگودہا جلد ۲ صفحہ ۲۰۶)

مروجہ شبینہ

سوال :۔ آج کل رواج ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک حافظ یا متعدد حفاظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے نماز عشاء سے سحری تک ایک ہی رات میں پورا سناتے ہیں، چونکہ سحری تک قرآن مجید ختم کرنا ہوتا ہے، اس لئے وہ قدر تیز پڑھتے ہیں کہ عام حالات میں لفظ سمجھ میں نہیں آتے۔ بعض مساجد میں اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ لوگ اس کو شبینہ کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے۔

جواب :۔ شبینہ مروجہ منع ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص تین دن سے کم میں قرآن مجید پڑھے۔ اس نے قرآن مجید کو نہیں سمجھا قیام اللیل مروزی وغیرہ میں۔ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ان کے شاگردوں نے رات کی نماز میں قرآن مجید کچھ زیادہ پڑھنے کا ذکر کیا۔ تو عبداللہ بن مسعود نے ڈانٹا۔ اور فرمایا ھذا کھذ الشعر یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے، اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ لا اعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ القرآن فی لیلۃ ولا قام لیلۃ حتی اصبح یعنی مجھے علم نہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک رات میں مکمل قرآن مجید پڑھا ہو یا ساری رات تک طلوع فجر تک قیام فرمایا ہو۔ جب ایک رات میں قرآن مجید کا ختم کرنا منع ہو تو اس کا اہتمام کرنا تو اس سے بھی برا ہوا۔ پس مسنون طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اور بدعی طریقوں سے پرہیز رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے

اور بدعی طریقوں میں بجائے رضامندی کے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔ تکلیف بھی اٹھانا اور خواہ مخواہ گنہگار بھی ہوتا۔ یہ مسلمان کا کام نہیں۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۷۱، ۱۰ رمضان ۱۳۵۳ھ)

عبداللہ امرتسری مدیر روپڑی

سوال: کیا نابالغ لڑکا نماز تراویح پڑھا سکتا ہے؟

جواب: ہاں نماز تراویح نابالغ لڑکا پڑھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ مقتدیوں سے قرآن اس لڑکے کے پاس زیادہ ہو۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عمرو بن سلمہ جو کہ نابالغ بچہ تھا۔ نماز فرض کی جماعت کراتا تھا۔ کیونکہ وہ مقتدیوں سے زیادہ قرآن جاننے والا تھا۔ اس کی تفصیل بخاری مسلم میں موجود ہے۔ (اخبار ہفت روزہ الاسلام لاہور جلد ۱ شمارہ ۲۲)

مولانا ابوالبرکات محدث شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ	تصدیق حضرت العلام مولانا حافظ محمد گوندلوی گوجرانوالہ

سوال: عن ابن عباس ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی شہر رمضان فی غیر جماعۃ عشرین رکعۃ والوتر (رواہ البیہقی) یہ حدیث سند کے اعتبار سے کیسی ہے اور کیا قابل عمل ہو سکتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب بعون الوہاب: یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں مرکزی راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان ہے۔ کسی ایک محدث ماہر فن نے اس راوی کو حدیث میں ثقہ اور قابل حجت واعتبار قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ تمام محدثین عظام کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے لہٰذا اصول حدیث کے اعتبار سے اس کے متعلق ہر قسم کی جرح مقبول ہو گی۔

۱۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: وابو شیبۃ ھو ابراھیم بن عثمان وکان قاضی واسط وھو متفق علی ضعفہ۔ مقدمہ شرح مسلم جلد ۱ صفحہ۔ یعنی ابو شیبہ کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس کے متعلق لکھتے ہیں: قال احمد ویحیی وابوداود: ضعیف

وقال یحیی ایضا لیس بثقة وقال البخاری سکتوا عنه، وقال الترمذی منکر الحدیث وقال النسائی والدولابی متروك الحدیث وقال ابوحاتم ضعیف الحدیث سکتوا عنه وترکوا حدیثه وقال الجوزجانی، ساقط، وقال صالح جزرة، ضعیف لایکتب حدیثه روی عن الحکم احادیث مناکیر، وقال ابوعلی النیسابوری لیس بالقوی، وقال الاحوص الغلابی وممن روی عنه شعبة من الضعفاء ابوشیبة، وقال معاذ العنبری کتبت الی شعبة وهو ببغداد اسأله عن ابی شیبة القاضی اروی عنه فکتب الی لاترو عنه فانه رجل مذموم واذا قرأت کتابی فمزقه وکذبه شعبة فی قصة........قلت وقال ابن سعد، کان ضعیفاً فی الحدیث وقال الدارقطنی ضعیف وقال ابن المبارك ارم به، وقال ابوطالب عن احمد منکر الحدیث قریب من الحسن بن عمارة . تهذیب التهذیب ص ۱۴۴-۱۴۵ ج اول۔

امام مسلمؒ نے مقدمہ مسلم صفحہ ۱ پر امام شعبہ کے خط کا ذکر کیا ہے۔ ابوشیبہ چونکہ قاضی تھا امام شعبہ کو اس سے تکلیف پہنچنے کا خطرہ تھا۔ اس لیے سائل کو خط پھاڑنے کا حکم دیا۔ کہیں قاضی کے ہاتھ نہ لگ جائے مقدمہ شرح مسلم صفحہ ۱۷۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ابوشیبہ کو حسن بن عمارہ کے قریب قرار دیا ہے۔ اور حسن بن عمارہ کے متعلق امام نووی لکھتے ہیں۔ والحسن بن عمارة متفق علی ضعفه وترکه، مقدمہ شرح مسلم۔ یعنی حسن بن عمارہ کے ضعف اور ترک پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔ یہی حال ابوشیبہ کا ہے۔ امام شعبہ نے اس کو جھوٹا قرار دیا۔ اور اس سے روایت لینے کو روک دیا۔

۳۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔ ومن یکذبه مثل شعبة فلا یلتفت الی حدیثه۔ الفتاوی الکبری الفقهیة ص ۱۹۵ ج ۱۔ لابن حجر الهیثمی ۔ یعنی جس راوی کو امام شعبہ جیسا محدث ماہر فن جھوٹا کہہ دے اس کی حدیث کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے۔

۴۔ ابن حجر ہیثمی۔ ابوشیبہ کی بیس تراویح والی حدیث تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ فهو شدید الضعف اشتد کلام الائمة فی احد رواته تجریحا وذما ومنه انه یروی الموضوعات . . . . . وان حدیث هذا الذی فی التراویح من جملة مناکیره۔ الفتاوی الکبری ص ۱۹۵ ج ۱۔

یعنی بیس تراویح کی حدیث سخت ضعیف ہے اس حدیث کے ایک راوی (ابو شیبہ) پر محدثین نے سخت جرح کی ہے، ایک یہ ہے کہ وہ موضوع (من گھڑت) روایات بیان کرتا ہے اور بیس تراویح کی حدیث اس کی منکر حدیثوں سے ہے۔

۵ - قال فی سبیل الرشاد، ابو شیبۃ، ضعفہ احمد وابن معین والبخاری ومسلم وابوداود والترمذی والنسائی وغیرھم وکذبہ شعبۃ وقال ابن معین لیس بثقۃ وعد ھذا الحدیث من منکراتہ۔ سبل السلام ص۱۱ ج ۲۔

۶ - علامہ محمد الزرقانی لکھتے ہیں، "لکن ضعفہ ابن عبد البر والبیہقی بروایۃ ابی شیبۃ" شرح زرقانی صفحہ ۲۳۹ جلد ۱ نیز ملاحظہ ہو السنن الکبری للبیہقی صفحہ ۴۹۶ جلد ۲۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ۔ امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری۔ امام مسلم۔ امام یحییٰ بن معین۔ امام ابوداود۔ امام ترمذی۔ امام نسائی۔ امام ابو حاتم۔ امام جوزجانی۔ امام دولابی۔ امام صالح جزرہ۔ ابو علی نیساپوری۔ امام احوص غلابی۔ امام شعبہ۔ امام ابن سعد۔ امام دارقطنی۔ امام عبداللہ بن مبارک۔ امام ذہبی۔ امام نووی۔ ابن حجر ہیتمی۔ امام بیہقی۔ ابن عبد البر۔ ابن حجر عسقلانی۔ ابن ہمام حنفی۔ امام زیلعی حنفی۔ علامہ عینی حنفی۔ ابن عدی۔ علامہ سیوطی۔ ملا علی قاری حنفی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی وغیرہم نے ابو شیبہ کو ضعیف و مجروح اور جھوٹا و غیر معتبر قرار دیا ہے۔

۷ - عون الباری بر حاشیہ نیل الاوطار صفحہ ۲۷۳ جلد ۴ پر ہے، "فاسنادہ ضعیف" اور صفحہ ۲۷۴ جلد ۴ پر ہے "ولیس فی العشرین روایۃ مرفوعۃ"۔ یعنی بیس رکعت والی حدیث ضعیف ہے اور اس بارہ میں ایک روایت بھی مرفوع نہیں ہے۔

۸ - حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ "واسنادہ ضعیف ویعارضہ قول عائشۃ ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ الدرایۃ ص۱۲۳ وکذا فی فتح الباری ص۱۵۸ ج ۵۔

یعنی بیس تراویح والی حدیث کی سند ضعیف ہے، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث (صحیح) کے مخالف بھی ہے۔

۹ - علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں۔ "واسنادہ ضعیف"، تنویر الحوالک ص۱۴۱ ج ۱۔

۱۰۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔ واما عددما صلی ففی حدیث ضعیف عن ابن عباس انہ صلی عشرین رکعۃ۔ شرح زرقانی صفحہ ۲۳۲ ج ۱۔

۱۱۔ ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں۔ فضعیف بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ للصحیح۔ فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۲۰۵ ج ۱۔

یعنی بیس تراویح والی حدیث ابو شیبہ کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اس کے ضعف پہ سب کا اتفاق ہے، اور اور صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔

۱۲۔ علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں۔ وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ ولینہ ابن عدی فی الکامل ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح۔ نصب الرایہ صفحہ ۱۵۳ ج ۲۔

۱۳۔ علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں۔ کذبہ شعبۃ وضعفہ احمد وابن معین والبخاری والنسائی وغیرھم واورد لہ ابن عدی ھذا الحدیث فی الکامل من مناکیرہ۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری صفحہ ۳۵۹ ج ۲۔

۱۴۔ ملا علی قاری حنفی نے بیس رکعت والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مرقاۃ صفحہ ۱۷۵ جلد ۲۔

۱۵۔ مولانا عبدالحئی حنفی لکھتے ہیں۔ وقال جماعۃ من العلماء منھم الزیلعی وابن الھمام والسیوطی والزرقانی ان ھذا الحدیث مع ضعفہ معارض بحدیث عائشۃ الصحیح فی عدم الزیادۃ علی احدی عشرۃ رکعۃ فیقبل الصحیح ویطرح غیرہ۔ التعلیق الممجد صفحہ ۱۳۸

یعنی علماء کی جماعت امام زیلعی حنفی، ابن ہمام حنفی۔ امام سیوطی، زرقانی وغیرہم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث (جس میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے) کے مخالف ہے، پس صحیح کو قبول کیا جائے گا۔ اور اس کے غیر کو پھینک دیا جائے گا۔

۱۶۔ مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں۔ واما عشرون رکعۃ فھو عنہ صلی اللہ علیہ وسلم بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔ العرف الشذی صفحہ ۳۰۹۔

۱۷۔ ابو طیب محمد بن عبدالقادر سندھی حنفی لکھتے ہیں واسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ ھذا وھو فی الصحیحین فلا تقوم بہ الحجۃ۔ شرح ترمذی صفحہ ۴۲۳ جلد ۱۔ یعنی اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت عائشہؓ کی حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے، کے مخالف ہے۔ لہٰذا اس ضعیف سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔

۱۸۔ مولانا محمد زکریا حنفی لکھتے ہیں۔ لاشک فی ان تحدید التراویح فی عشرین رکعۃ لم یثبت مرفوعا من النبی صلے اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح علی اصول المحدثین وما ورد من روایۃ ابن عباس فمتکلم فیہا علی اصولھم اوجز المسالک ص۳۹۷ ج ۱۔ یعنی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت کی تحدید و تعیین محدثین کے اصول پر صحیح سند سے ثابت نہیں ہے، اور جو روایت ابن عباس کی بیس رکعت کے متعلق ہے، وہ محدثین کے اصول پر ضعیف ہے (کیونکہ سند میں ابو شیبہ راوی نہایت ضعیف ہے)

۱۹۔ شیخ عبدالحق دہلوی حنفی لکھتے ہیں۔ لکن المحدثین قالوا ان ھذا الحدیث (حدیث ابن عباس) ضعیف۔ ماثبت بالسنۃ صفحہ ۱۲۲ نیز ملاحظہ ہو فتح سر المنان فی تائید مذھب النعمان۔ مسک الختام ص۲۸۹ ج ۱۔

۲۰۔ علامہ محمد طاہر حنفی لکھتے ہیں۔ ومارُوی عن ابن عباس کان یصلے عشرین فاسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃؓ وھی اعلم بحال وھو فی الصحیحین۔ مجمع البحار ص۲ ج ۲

۲۱۔ مولانا احمد علی سہارنپوری لکھتے ہیں۔ ضعیف مع مخالفتہ للصحیح۔ حاشیہ بخاری ص۱۵۴ ج ۱۔

۲۲ شیخ محمد تھانوی لکھتے ہیں۔ اذلاشک فی صحۃ حدیث عائشۃ وضعف حدیث ابن عباس رضؓ۔ حاشیہ نسائی مجتبائی ص۲۴۲ ج ۱۔

۲۳۔ مولوی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند صفحہ ۴۱۲ جلد اول و دوم

۲۴۔ امام اوزاعی۔ ۲۵۔ علامہ زرکشی، ۲۶۔ علامہ امیر یمانی۔ سبل السلام صفحہ ۱۰ جلد ۲)

۲۷۔ علامہ شوکانیؒ (نیل الاوطار صفحہ ۵۰ جلد ۳) نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ان تصریحات سے اظہر من الشمس ہو گیا کہ بیس تراویح کی حدیث نہایت کمزور وضعیف ہے، اور کسی ایک نے بھی اس کو صحیح و قابل حجت نہیں کہا بلکہ علمائے حنفیہ نے بھی بالاتفاق اس کے ضعیف ہونے کا واضح اقرار و اعتراف کیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

سوال:۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، لہٰذا یہ ضعیف حدیث قابل عمل ہو سکتی ہے؟

جواب:۔ امام یحییٰ بن معینؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابن حزمؒ، ابوبکر ابن العربیؒ کے نزدیک مطلقاً احکام کے بارہ میں ہو یا فضائل میں ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہے، قواعد التحدیث صفحہ ۱۱۳۔

وقد اخطأ من قال انہ یجوز التساھل فی الاحادیث الواردۃ فی فضائل الاعمال وذلک لان الاحکام الشرعیۃ متساویۃ الاقدام، لافرق بین واجبہا ومحرمہا ومسنونہا ومکروھہا ومندوبہا فلا یحل اثبات شئی منہا الا بما تقوم بہ الحجۃ، والا فھو من المتقول علی اللہ بما لم یقل ومن التجری علی الشریعۃ المطھرۃ بادخال ما لم یکن منہا فیہا وقد صح تواترا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار، فھذا الکذاب الذی کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتسبا للناس بحصول الثواب لم یربح الا کونہ من اھل النار

مقدمۃ تفسیر فتح البیان ص ۱۴۔

یعنی جو شخص فضائل اعمال میں وارد شدہ احادیث کے بارہ میں تساہل کو جائز سمجھتا ہے اس نے غلطی کی ہے کیونکہ شرعی احکام برابر ہیں واجب، محرم، مسنون و مکروہ اور مندوب میں سے

کسی کو بھی، جس کے ساتھ حجت و دلیل قائم ہو سکتی ہے، اس کے بغیر کے ساتھ ثابت کرنا حلال نہیں ہے، ورنہ یہ اللہ تعالیٰ پر افترا اور شریعت مطہرہ میں اس چیز کو داخل کرنے کی جسارت ہو گی۔ جو اس میں نہیں ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے، کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا۔ وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنا لے، پس یہ جھوٹا آدمی جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ثواب حاصل کرنے کی خاطر جھوٹ کہا ہے دوزخ والوں میں ہونے کے سوا کسی نفع کو حاصل نہ کر سکا۔

بعض ائمہ کے نزدیک چند شروط کے پائے جانے کے بعد ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے،

(احدها) ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتھمین بالکذب ومن فحش غلطہ نقل العلائی الاتفاق علیہ۔ (الثانی) ان یندرج تحت اصل معمول بہ (الثالث) ان لا یعتقد عند العمل بہ ثبوتہ بل یعتقد الاحتیاط قواعد التحدیث ص۱۱۶ (الرابع) ولیس ھناک مایعارضہ ویرجح علیہ (ظفر الامانی ص۱۸۳)

پہلی شرط یہ ہے کہ اس حدیث کا ضعف سخت نہ ہو۔ اس شرط کے لحاظ سے اس حدیث پر عمل نہ ہو گا جس کا راوی کذاب یا متہم بالکذب یا بہت زیادہ غلطیاں کرنیوالا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ضعیف حدیث (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے) کسی معمول بہ اصل کے تحت آ سکے،

تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہو بلکہ اس میں احتیاط ملحوظ خاطر ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس کے مخالف و معارض نہ ہو۔

ان شروط کو مدنظر رکھ کر ابو شیبہ کی حدیث کو ملاحظہ کیجئے۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ اصولاً یہ حدیث فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کا راوی ابو شیبہ صریحاً یا متہم بالکذب ہے جیسا کہ امام شعبہ کے کلام سے پہلے معلوم ہو چکا۔

اور یہ حدیث نہایت ضعیف اور کمزور ہے، ابن حجر ہیثمی اور دیگر ائمہ کے کلام سے

صاف ظاہر ہو چکا ہے۔ وقد صرح السبکی بان شرط العمل بالحدیث الضعیف ان لا یشتد ضعفہ۔ (الفتاوی الکبری للهیثمی ص۱۹۵ ج۱)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ (تراویح) نہیں پڑھا کرتے تھے، بخاری ومسلم۔ اس کے مخالف ومعارض موجود ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی، ابن ہمام حنفی۔ امام زیلعی حنفی۔ علامہ محمد طاہر حنفی مولانا احمد علی حنفی وغیرہم نے اس مخالفت ومعارضت کا واضح طور پر ذکر کیا ہے ایک شرط یہ تھی۔ کہ عمل کے وقت ثبوت کا اعتقاد نہ ہو۔ یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے، عدم ثبوت کا اعتقاد تو کجا۔ بیس رکعت تراویح کو سنت ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور بیس رکعت کو سنت نہ سمجھنے والے کو طرح طرح کے برے القاب سے پکارا جاتا ہے بلکہ مبتدع، ضال اور مردود الشہادۃ تک کہنے سے نہیں شرماتے۔

الفوائد البہیۃ فی شرح المنظوم المسمی بالفرائد السنیۃ فی فروع الفقہ علی مذہب الامام ابی حنیفۃ النعمان ص۱۱۳ ج۱ میں ہے فمنکرھا مبتدع ضال مردود الشہادۃ (العیاذ باللہ) یہ کتاب المجلس العلمی کراچی میں موجود ہے۔

دعوی اور دلیل میں مطابقت نہیں ہے اس ضعیف حدیث سے احناف کے دعوی کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کا دعوی غلط ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں فی غیر جماعت کا لفظ بھی موجود ہے، ملاحظہ ہو السنن الکبری البیہقی صفحہ ۴۹۶۔ جلد ۲۔ یعنی تنہا پڑھا کرتے تھے، اس لفظ کے ہوتے ہوئے مقلدین احناف کا دعوی کہ بیس رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے، اس ضعیف حدیث کے بھی عملاً حنفی خلاف ہیں۔ بیس رکعت تراویح با جماعت کو سنت مؤکدہ قرار دینا باطل اور غلط ہے، کیونکہ آج تک تمام احناف صحیح سند سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیس رکعت باجماعت ادا کی ہو یا حکم دیا ہو۔

اسوۂ مصطفیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واتباع میں خلیفہ راشد ثانی حضرت عمرؓ

فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں اسلامی حکومت کے تمام شہروں میں قیام رمضان اور گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم نافذ فرمایا۔

وھو اول من سن قیام شھر رمضان وجمع الناس علی ذلک وکتب بہ الی البلدان وذلک فی شھر رمضان سنۃ الرابع عشرۃ۔ الطبقات الکبری لابن سعد ص۲۸۱ ج۳۔

عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔ مؤطا امام مالک ص۴۰
یعنی سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح پڑھانے کا حکم کیوں دیا تھا۔

قال الباجی لعل عمر رضی اللہ عنہ اخذ ذلک من صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ شرح زرقانی صفحہ ۲۳۸ جلد۱۔ تنویر الحوالک صفحہ ۱۳۸ جلد۱۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز (تراویح) سے اخذ کیا تھا۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمہ اللہ نے اسی گیارہ رکعت کو اختیار کیا ہے چنانچہ ابو بکر محمد بن الولید الطرطوشی لکھتے ہیں۔ وقال مالک والذی اخذ بہ فی نفسی فی قیام شھر رمضان الذی جمع علیہ الناس، احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر وھی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتاب الحوادث والبدع ص۵۶۔

ابن العربی مالکی لکھتے ہیں۔ فانہ کان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ وھی کانت وظیفتہ الدائمۃ۔ احکام القرآن ص۱۸۶۶ ج۴۔

والصحیح ان یصلی احدی عشرۃ رکعۃ صلوۃ النبی علیہ السلام وقیامہ۔ فاما غیر ذلک من الاعداد فلا اصل لہ۔ عارضۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۱۹ ج۴
یعنی صحیح یہ ہے کہ تراویح گیارہ رکعت پڑھی جائے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تھی اس کے علاوہ تعداد رکعات کا کوئی اصل و ثبوت نہیں ہے۔

فقط والسلام ۔ ۱۲؍شعبان ۱۳۹۵ھ ۔

کرم الدین السلفی، مدرس دارالحدیث رحمانیہ سولجر بازار کراچی

تراویح آٹھ ہیں نہ کہ بیس

از مولانا محمد عبداللہ حنیف صدر مدرس دارالحدیث چینیانوالی

سوال :۔ بریلوی حنفیوں کی ایک کتاب "جاء الحق" میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں ۲۳ دلائل لکھے ہیں۔ دیکھئے صفحات ۴۴۷ تا ۴۴۹۔ براہ کرم ان کی حقیقت بتائیے کیا ہے؟

الجواب :۔ وباللہ التوفیق

دلیل نمبر ۱ :۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ایک رکعت میں جتنا قرآن پڑھتے تھے، اس کا نام رکوع ہے، چونکہ یہ دونوں صحابی ۲۷ رمضان کو قرآن ختم کرتے تھے، اور قرآن کے تمام رکوع ۵۵۰ ہیں۔ اگر تراویح بیس رکعت پڑھی جائیں، اور ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے۔ اور آخری رات میں فی رکعت متعدد رکوع پڑھ لئے جائیں۔ تو قرآن ۲۷ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے، غیر مقلدوں کی آٹھ رکعت کے لحاظ سے قرآن کے کل رکوع ۲۱۶ ہونے چاہئیں۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۷)

جواب :۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اس "عمل" کے لئے حوالہ کوئی نہیں معلوم نہیں یہ "کہانی" کہاں سے لی جاتی ہے اگر ہو بھی تو صحابی کا عمل دلیل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اصول فقہ میں دلائل کتاب، سنت، اجماع اور قیاس شمار کئے گئے ہیں۔ اور پھر رکوعات قرآنی کی تعیین و تحدید قاریوں کی اختراع ہے، اور اجماع وہ دلیل بنتا ہے، جو ثابت بھی ہو۔

دلیل نمبر ۲ :۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے، اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے، اور آٹھ رکعت میں دو ترویحے ہوتے ہیں۔

جواب :۔ کسی صحیح مرفوع حدیث میں تراویح کا لفظ نہیں ملتا۔ حدیث میں قیام

رمضان ہے۔ چنانچہ۔ محدثین قیام شہر رمضان کا باب باندھتے ہیں۔ خود موطا امام محمد میں بھی قیام شہر رمضان کا عنوان ہے، صحیح بخاری کے ایک نسخے میں کتاب الصلوٰۃ التراویح عنوان ملتا ہے، باقی نسخوں میں وہ بھی نہیں۔ شاید شہرت کی وجہ سے کسی ناسخ نے لکھ دیا ہوگا۔

اس کے علاوہ دو دو بھی جمع ہیں۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ایک باب باندھا ہے الاثنان فما فوقہما جماعۃ اور مالک بن حویرث کی حدیث ولیؤمکما اکبرکما سے استدلال کیا ہے، اور دو دو دفعہ چار چار پڑھنا "تراویح" ہو جاتے ہیں۔ پس صحیح بخاری کے باب اور حدیث کے مطابق دو کا جمع ہونا صحیح ہوگیا۔

دلیل نمبر ۳:۔ ہر روز بیس رکعت نماز یعنی ۱۷ فرض اور تین وتر ضروری ہیں۔ اور رمضان میں ان بیس کی تکمیل کے لئے بیس رکعت نماز تراویح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائیں؛

جواب:۔ نماز فرض پانچ ہیں۔ وتر فرض نہیں۔ وتر سنت ہیں۔ عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث معاذاً الی الیمن فقال ادعہم الی شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ فان ہم اطاعوا لذالک فاعلمہم ان اللہ افترض علیہم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ (بخاری باب وجوب الزکوٰۃ ص۱۸۶ ج ۱)۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں۔ چھ نہیں۔ تو پھر وتر سنت ہوئے نہ کہ فرض۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں: ھذا من احسن ما یستدل بہ لان بعث معاذ بن جبل کان قبل وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیسیر (نیل ص۳۶ ج ۳)
"یہ حدیث وتر کے فرض نہ ہونے کی بہترین دلیل ہے۔ کیونکہ حضرت معاذؓ کے تھوڑی دیر یمن جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے۔"
اس لئے جمہور علماء کا مذہب بھی یہی ہے کہ وتر سنت ہیں: وقد ذھب الجمہور الی ان الوتر غیر واجب بل سنۃ (نیل ص۳۵ ج ۳) باب الوتر علی الدابۃ۔

بخاری شریف صفحہ ۱۳۶ جلد اول میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وتر اور نفل سواری پر پڑھ لیتے تھے۔ لیکن فرض سواری پر نہیں پڑھتے تھے، بلکہ وتر میں جہت قبلہ بھی ضروری نہ ہوتی تھی۔

جواب نمبر ۲۔ وتر صرف تین ہی نہیں بلکہ ۹، ۷، ۵ اور ایک بھی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ فاذا اردت ان تنصرف فارکع رکعۃ توتر لك ما صلیت الخ (صحیح بخاری ج ۱ باب الوتر ص ۱۳۵) رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو، کیونکہ ایک رکعت تمہاری نماز کو وتر بنا دے گی۔ امام ترمذی نے تو باب ہی یوں باندھا ہے، باب ماجاء فی الوتر برکعۃ۔ اور یہ حدیث لکھی ہے کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یصلی من اللیل مثنیٰ مثنیٰ ویوتر برکعۃ "آپ رات کو دو دو رکعت پڑھتے تھے اور پھر ایک وتر پڑھتے"

دلیل نمبر ۴۔ ۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت کا حکم دیا۔ اور نہ اس پر پابندی فرمائی، بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صریحاً ثابت نہیں ہوا (جاء الحق صفحہ ۲۴۵ جلد ۱) یہ دعویٰ بالکل غلط ہے، صحیح حدیث سے آٹھ رکعت تراویح صریحاً ثابت ہیں۔ اور آپ ہمیشہ آٹھ ہی پڑھتے تھے۔

احادیث صحیحہ ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعاً ولا تسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا۔ (بخاری باب قیام النبی ص ۱۵۴ ج ۱ کتاب الصوم ص ۲۶۹ ج ۱ مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد الرکعات ص ۲۵۴ ج ۱)

"حضرت ابو سلمہ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہیں فرماتے تھے۔ نہایت عمدگی سے لمبی چار رکعت ادا فرماتے اسی طرح کی چار رکعت اور پڑھتے۔ ازاں بعد تین وتر پڑھتے"

عن جابرؓ قال صلے بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات فاوتر فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فلم نزل فیہ حتے اصبحنا ثم دخلنا فقلنا یارسول اللہ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان تصلے بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم رواہ الطبرانی فی الصغیر ۱۰۸ ومحمد بن المروزی ۹ وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحیہما قال الحافظ الذہبی بعد ذکر ھذا الحدیث اسنادہ وسط (میزان الاعتدال ۳۱۱ ج ۲)

وذکرا الحافظ ذہبی بعد ذکر ھذا الحدیث فی بیان عدد الرکعات (فتح الباری ۵۹۴ ج ۱)

(یعنی حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ایک رات میں آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے. ہم نے دوسری رات بھی آپ کا انتظار کیا. مگر صبح کو آپ نے فرمایا. کہ اس خدشہ سے میں نے ناغہ کیا ہے کہ قیام رمضان تم پر فرض نہ ہو جائے۔ (اعتراض) اس کی سند میں عیسےٰ بن جاریہ راوی متکلم فیہ ہے۔

جواب: اس حدیث کی سند کو وسط (یعنی حسن) کہنے والے حافظ ذہبی پرلے پایہ کے محدث ہیں. چنانچہ حافظ شرح نخبہ میں لکھتے ہیں. الذہبی من اھل الاستقراء التام فی نقد الرجال ۔ (رجال کی جانچ پرکھ اور نقد و جرح میں حافظ ذہبی کو ید طولیٰ حاصل ہے) علاوہ ازیں حافظ ابن خزیمہ اور حافظ ابن حبان کا اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں درج کرنا حافظ ذہبی کی بھرپور تائید ہے. مزید براں یہ حدیث دراصل ابو سلمہؓ (بخاری) کی تفصیل ہے.

کما اشار الیہ الحافظ والعینی فانہم ولا تکن من القاصرین ۔

۲-عن جابر بن عبداللہ قال جاء ابی بن کعب الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انہ کان منی اللیلۃ شیئ یعنی فی رمضان قال وماذاک یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرء القرآن فنصلی بصلوتک قال فصلیت بہن ثمان رکعات واوترت فکانت سنۃ الرضا ولم یقل شیئا ۔ رواہ ابو یعلے والطبرانی فی الاوسط وقال

[illegible] ... الہیثمی فی مجمع الزوائد [illegible] ۲/۷۴ - اسنادہ حسن واخرجہ ایضاً محمد بن نصر المروزی [illegible] قیام اللیل ص ۹۰ ۔

[illegible] بن عبداللہؓ سے روایت ہے، کہ ابی بن کعبؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہا کہ آج کی رات مجھ سے ایک کام ہوگیا ہے، فرمایا وہ کیا ہے؟ کہا عورتیں میرے گھر میں جمع ہوگئیں۔ اور میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھا دیئے۔ آپ نے ابی بن کعب کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ کہ آپ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔

وضاحت :- ابوسلمہ والی حدیث (صحیح بخاری) کو خود امام محمدؒ نے اپنی کتاب موطا میں نقل فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مجتہد حنفیہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث قیام رمضان کے بیان میں ہے، نہ کہ تہجد کے بیان میں جیسا کہ بعض حنفی فقہاء اور اور ادا کا یہ۔ ابوسلمہ کی حدیث نہ مانتے ہوئے یہ بہانہ تراشتے ہیں۔

بہرحال ان تینوں صحیح اور صریح احادیث میں آٹھ رکعت قیام رمضان تراویح کا صراحۃً ثبوت موجود ہے، اور آٹھ رکعت تراویح ہی دراصل سنت نبویہ ہیں۔ پورے اعتماد کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے زمانہ میں کسی صحابی نے آٹھ رکعت اور وتر سے زیادہ قیام رمضان نہیں کیا۔ چنانچہ امام مالک کا فرمان یہ ہے کہ "الذی جمع علیہ الناس عمر بن خطاب احب الی وھی احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر (مصابیح فی صلوٰۃ التراویح سیوطی)

"گیارہ رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے، اور یہی مجھے پسند ہیں۔ گیارہ اور تیرہ کے علاوہ کثرت نماز کا مجھے علم نہیں۔ کہ وہ کہاں سے پیدا ہوگئیں" اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک بھی بیس رکعات تراویح سنت نبوی نہیں ومن یدعی فعلیہ البیان بالبرھان۔

دلیل نمبر ۵ :- لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہے، نہیں

حکم ہے: علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

جواب نمبر ۱: اولاً پیش کردہ حدیث میں پہلا لفظ "سنتی" کا ہے، سنت خلفاء راشدین دوسرے نمبر پر ہے، چونکہ دلیل نمبر ۲ کے جواب میں مذکورہ حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ سنت نبوی صرف آٹھ اور تین ہیں۔ لہٰذا آپ کی سنت کے ہوتے ہوئے خلفاء کے عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔

جواب نمبر ۲: سنت خلفاء راشدین سے اُن کا طریقہ نظام حکومت مراد ہے۔ علامہ امیر الیمانی فرماتے ہیں۔ فانہ لیس المراد بسنۃ الخلفاء الراشدین الا طریقتہم الموافقۃ لطریقتہ صلی اللہ علیہ وسلم من جہاد الاعداء وتقویۃ شعائر الدین ونحوہا (سبل السلام ص۱۱ ج ۲ باب صلوۃ التطوع)

خلفاء کی سنت سے ان کا وہ سیاسی طریق کار مراد ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے موافق ہو۔ اور پھر اس طریق کار کا اعلائے اسلام کے خلاف جہاد اور دوسرے دینی شعائر کی سربلندی اور تقویت سے تعلق ہو۔

دلیل: حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے۔ قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ (رواہ البیہقی فی المعرفۃ باسناد صحیح رجاء الحق ص۲۲۵)

"سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم عہد عمر میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔"

جواب: یہ اثر قابل استدلال نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابو عثمان ہے۔ جس کے متعلق خود مولانا شوق نیموی حنفی فرماتے ہیں۔ لم اقف علی من ترجمہ (تعلیق آثار السنن ص ۵۰) جب تک اس کے ثقہ ہونے کا پتہ نہ چلے۔ اس وقت تک اس روایت سے استدلال درست نہ ہوگا۔ ثانیاً اس جگہ سائب کے راوی یزید بن خصیفہ ہیں۔ جن کو ثقہ کہا گیا ہے، لیکن امام احمد نے منکر حدیث بھی کہا ہے۔ دوسرا راوی محمد بن یوسف ہے، جو اس سے اوثق ہے۔ وہ اپنے دادا سائب بن یزید سے گیارہ رکعت روایت کرتا ہے، یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ رواہ سعید بن منصور فی سننہ قال الحافظ السیوطی فی

رسالۃ المصابیح اسنادہ فی غایۃ الصحۃ۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۵ جلد ۲) باب قیام شہر رمضان فتح الباری صفحہ ۲۴۹ جلد ۴) سوم عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ لہٰذا اس کی روایت کو ترجیح ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن خصیفہ کی روایتوں میں اضطراب ہے علاوہ ازیں پوتے کو دادا کی بات کا زیادہ علم ہو سکتا ہے۔

جواب نمبر ۲: تمیم داریؓ۔ ابی بن کعبؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت باجماعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ مالك عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید انه کان امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ (موطا امام مالک ص۹۸ باب قیام شہر رمضان۔

اعتراض اس اثر کو نقل کرنے میں امام مالک متفرد ہیں۔

جواب: یہ غلط ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید اور یحییٰ قطان نے امام مالک کی متابعت کی ہے، یعنی وہ دونوں بھی امام مالکؒ کی طرح محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت کا حکم نقل کرتے ہیں اور اسے متابعت تامہ کہتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں محمد بن یوسف سے ۲۱ رکعت نقل کی ہیں۔

جواب نمبر ۱: امام عبدالرزاق ۲۱ رکعت میں متفرد ہونے کے ساتھ ساتھ آخری عمر میں حافظہ اور بینائی کھو بیٹھے تھے۔ ثقة حافظ مصنف شہیر عمی فی آخر عمرہ وتغیر وکان یتشیع۔ (تقریب صفحہ ۲۱۲) لیکن برخلاف اس کے امام یحییٰ بن سعید قطان ثقہ اور متقن ہیں۔ یحییٰ بن سعید ثقة متقن حافظ عمدۃ من کبار (تقریب صفحہ ۳۷۵)

جواب نمبر ۲: یہ اثر اوپر کی تین حدیثوں کے خلاف ہے۔

جواب نمبر ۳: حنفیہ ۲۳ رکعتوں کے قائل ہیں، نہ کہ ۲۱ رکعتوں کے لہٰذا حنفیوں کو یہ اثر مفید نہیں ہے۔ ورنہ ایک وتر اور بیس تراویح یا پھر تین وتر اور ۱۸ تراویح ماننی پڑے گی۔ اور یہ دونوں حنفیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔

دلیل نمبر ۷ | ابن منیع نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے، فصلی بھم عشرین رکعۃ (ابی بن کعب نے لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائیں) (جاء الحق صفحہ ۴۴۵)

جواب: اس اثر کا مصنف جاء الحق نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اور نہ کوئی سند ذکر کی ہے، لہٰذا یہ معرض استدلال میں پیش نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں دلیل نمبر ۴ کے جواب کے پہلے کی تیسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی نے عورتوں کو گیارہ رکعات تراویح پڑھائیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند بھی فرمایا۔ پھر دلیل نمبر ۶ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

جواب نمبر ۲۔ بشرطِ صحت ممکن ہے کہ حضرت ابی ۸ رکعات کو سنت سمجھتے ہوں اور باقی بطور نفل پڑھتے ہوں۔

دلیل نمبر ۸ | عن ابی الحسنات ان علی بن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۴ بحوالہ بیہقی) کہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ بیس رکعات پڑھائیں۔

جواب: یہ راوی ابوالحسنات نہیں بلکہ ابوالحسناء ہے، جو مجہول راوی ہے، لہٰذا یہ اثر ضعیف ہے، شوق نیموی کہتے ہیں۔ مدار ھذا الاثر علی ابی الحسناء وھو لا یعرف و قال الذھبی لا یعرف ۔ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۴، جلد ۲) ابوالحسناء مجہول ہے، قال الحافظ مجہول (تقریب صفحہ ۴۱)

دلیل نمبر ۹ | عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ (بیہقی طبرانی) ابن ابی شیبہ وغیرہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے سوا بیس تراویح پڑھتے تھے)

جواب: یہ روایت نہایت درجہ کی کمزور ہے۔ امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی یحییٰ بن معین، ابن عدی، دولابی اور حافظ مزی ایسے کبار محدثین کے علاوہ اکابر حنفیہ مثلاً بدرالدین عینی (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۸ جلد ۱۱) علامہ زیلعی (نصب الرایہ

صفحہ ۱۵۲ جلد ۲ ، ابن ہمام (فتح القدیر صفحہ ۴۰۹ جلد ۱) اور ملا علی قاری مشرق نیموی کے علاوہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری صفحہ ۲۰۵ جلد ۴ تقریب صفحہ ۲۴) اور خود امام بیہقی (صفحہ ۴۹۶ جلد ۲) اور مالکیہ میں سے امام زرقانی مالکی اپنی شرح مؤطا میں اس حدیث کے راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے ۔ یعنی یہ حدیث حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ضعیف ہے ۔

فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

دلیل نمبر ۲ عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی انہ کان یؤمہم فی رمضان یصلی خمس ترویحات عشرین رکعۃ (جاء الحق صفحہ ۴۴ بحوالہ بیہقی حضرت علی کے تلمیذ شتیر بن شکل رمضان میں لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعات پڑھاتے تھے۔

جواب :۔ یہ اثر بھی موضوع ہے اور صحیح حدیثوں کے خلاف ہے۔ جیسا کہ دوسری مختلف تعداد کے خلاف مرفوع ہیں ۔ کیونکہ صحیح حدیثوں میں صرف آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں ۔ جیسا کہ دلیل نمبر ۴ کے جواب میں تین مرفوع حدیثیں لکھی جا چکی ہیں ۔ حافظ ابن حجر باب جمعۃ فی القریٰ فتح الباری انصاری پارہ ۴ صفحہ ۴۸۴ میں فرماتے ہیں فلما اختلف الصحابۃ وجب الرجوع الی المرفوع۔

دلیل نمبر ۱۱ عن ابی عبدالرحمٰن السلمی ان علیا دعا القراء فی رمضان فامر رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بھم۔ بیہقی (جاء الحق صفحہ ۴۴۸) ”حضرت علیؓ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا ۔ اور ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے ، اور وتر خود حضرت علیؓ پڑھاتے ۔“

جواب :۔ امر رجلا نہیں بلکہ امر منہم رجلا ہے ۔ بہرکیف یہ اثر بھی ضعیف ہے ، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہے ، جو ضعیف ہے ۔ قال النیموی بعد ذکر ھذا الاثر حماد بن شعیب ضعیف قال الذھبی فی المیزان ضعفہ ... ابن معین وغیرہ وقال یحیی بن معین لایکتب حدیثہ وقال البخاری فیہ نظر وقال النسائی ضعیف وقال ابن عدی اکثر احادیثہ مما لایتابع علیہ (تحفۃ الاحوذی صفحہ ۷۵ جلد ۲) کہ امام بخاری ، یحییٰ ، ذہبی ، نسائی ، ابن عدی نے حماد بن شعیب کی وجہ سے اس کو ضعیف کہا ہے ۔

دلیل نمبر ۱۲ عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عہد عمر فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ باسناد صحیح۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۵) لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔

جواب:۔ یہ بھی یزید بن خصیفہ کی روایت ہے، جو دوسری سند سے ہے، جو ابھی گزر چکا ہے، کہ محمد بن یوسف کی روایت کو سائب بن یزید سے (بوجوہ یزید بن خصیفہ کی روایت راجح ہے)

دلیل نمبر ۱۳ ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے۔

جواب:۔ ان سب کی حقیقت پر تحقیق ابھی ابھی گزر چکی ہے، خلاصہ جس کا یہ ہے کہ کوئی روایت صحیح نہیں تاہم اگر کوئی ثابت بھی ہو۔ تو یہ ثابت ہوگا۔ کہ فلاں صحابی یا تابعی بیس رکعت پڑھتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ کسی کا پڑھنا یا اس کا عمل حضور کی سنت نہیں کہلا سکتا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آپ بیس تراویح پڑھا کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بہتان قرار پائے گا۔ حدیث میں ہے۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار العیاذ باللہ۔ ہاں صحیح حدیث سے سلف میں ۸ تراویح ثابت ہو چکی ہیں۔ خدا حدیثوں پر چلنے کی توفیق دے، آمین۔

دلیل نمبر ۱۴ عہد فاروقی میں بیس پر عمل جاری ہوگیا تھا۔ (جاء الحق صفحہ ۴۴۵)

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ محمد بن یوسف اپنے دادا سائب بن یزید سے مرفوع اور صحیح سند کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور تمیم داری کو گیارہ رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آپ قارئین اور خود فیصلہ کرلیں کہ ترجیح حضرت عمرؓ کے حکم کو ہے یا لوگوں کے پڑھنے کو (اگر وہ ثابت بھی ہو)۔

دلیل نمبر ۱۵ عبداللہ بن عباس۔ ابی بن کعب۔ سائب بن یزید وغیرہ صحابہ کا یہی معمول تھا۔ (جاء الحق)۔

جواب نمبر ۱: یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے، کسی ایک صحابی سے بھی صحیح، مرفوع متصل سند سے بیس رکعات کا پڑھنا ثابت نہیں۔ اگر کوئی مدعی ہے، تو ایسے ہماری طرح کوئی صحیح السند مرفوع اثر ثابت کرنا چاہیئے۔ تب ان شخصیتوں کا معمول ثابت ہوگا ورنہ خرط القتاد۔

جواب نمبر ۲: اگر مطلوبہ شروط کے ساتھ کوئی ثابت بھی ہو جائے۔ تو دلیل نمبر ۱ کے جواب میں گزر چکا ہے، کہ صحابہ کے اختلاف کے وقت فیصلہ مرفوع حدیث پر ہوگا۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری صفحہ ۲۰۶ جلد ۴)۔

دلیل نمبر ۴: واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلد مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔

(ترمذی باب قیام شہر رمضان جاء الحق صفحہ ۴۴۴) حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ وغیرہ صحابہ کرام، سفیان ثوریؒ، عبد اللہ بن مبارک اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مکہ کے لوگ بیس پڑھتے تھے۔

جواب نمبر ۱: حضرت علیؓ سے کل دو اثر مروی ہیں۔ ایک میں ابو الحسناء مجہول راوی ہے جیسے کہ "دلیل نمبر ۳" کے جواب میں گزر چکا ہے، اور دوسرے اثر میں حماد بن شعیب راوی ہے جو سخت ضعیف ہے، چنانچہ دلیل نمبر ۱ کے جواب میں مفصل بحث گزر چکی ہے، حضرت عمرؓ کا اثر یہ ہے۔ یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابن ابی شیبۃ (تحفۃ الاحوذی ص ۵۷ ج ۲) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائیں۔ مگر یہ اثر منقطع ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید انصاری نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ علامہ شوق نیموی حنفی لکھتے ہیں رجالہ ثقات لکن یحییٰ بن سعید الانصاری لم یدرک عمر (تعلیق آثار السنن ص ۵۸) ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ کہ آئمہ کا قول حجت نہیں ہوتا، اور ترمذی میں روی کا مجہول صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے قول کے ضعف کی طرف اشارہ روی مجہول صیغہ کے ساتھ کر دیا ہے۔

جواب نمبر۲:- حدیث صحیح کی حجیت آئمہ اور فقہا کی تائید کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ وہ فی نفسہ حجت ہے۔ لہٰذا آئمہ کی اکثریت کی صحیح حدیث کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ ملا معین "دراسات اللبیب" میں لکھتے ہیں علمت انه کما یجب ترك قول امام واحد مخالف بالحدیث کذالك یجب ترك مائة امام مثلاً اذا کان مخالفاً بالحدیث الصحیح فلو وجدنا حدیثاً صحیحاً خالفه الائمة الاربعة رحمهم الله وجب علینا ترك اقوالهم فوراً۔ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص...)

"ہمارے مضبوط دلائل کی روشنی میں تجھے علم ہو چکا ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں جیسا ایک امام کے قول کو ترک کرنا واجب ہے، اسی طرح سو اماموں کا قول بھی ترک کرنا واجب ہے اگر ہم آئمہ اربعہ کو بھی کسی حدیث کے خلاف پائیں۔ تو ہم پر واجب ہے کہ ہم فوراً ان کے اقوال کو ترک کر دیں۔"

جابریہ احادیث کے مقابلے میں اکثر اہل علم یا مکہ والوں کے عمل کی دہائی بے فائدہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۷ | روی محمد بن نصر من طریق عطاء قال ادرکتهم یصلون عشرین رکعة وثلاث رکعات الوتر وفی الباب آثار کثیرة اخرجها ابن ابی شیبة۔ فتح الملهم۔ (شرح مسلم صفحہ ۲۹۱ ج ۲ وجاء الحق ص ۲۴۶)

"حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا۔"

جواب:- ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں لوگوں کے اقوال افعال سند نہیں ہوتے۔ اور لوگوں کا بیس رکعات تراویح پڑھنا شرعی دلیل نہیں ہے، ہاں اگر کسی کے پاس مرفوع صحیح حدیث موجود ہو تو وہ پیش کرے۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن　　پس حدیث مصطفےٰ برجان مسلم داشتن

دلیل نمبر ۱۸ | روی الحارث بن عبدالرحمن بن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال کان القیام علی عهد عمر بثلث وعشرین رکعة۔ (جاء الحق ص ۲۴۴ عمدۃ القاری ص ... ج ...)

کہ "سائب بن یزید کہتے ہیں کہ لوگ عہد عمرؓ میں ۲۳ رکعات قیام کرتے تھے"۔

جواب:۔ ہم دلیل نمبر ۱۰ کے جواب میں مدلل وضاحت کر چکے ہیں۔ کہ صحیح حدیث کے سامنے کسی کا قول و فعل دلیل نہیں بن سکتا۔ حارث بن عبدالرحمان بن ابی ذباب ورعہ خامسہ کا راوی ہے۔ تقریب میں اس کے متعلق لکھا ہے، صدوق یہم ص ۶۰ صدوق تو ہے، مگر اس کا وہم ہو جاتا تھا۔

دلیل نمبر ۱۹ کان عبداللہ بن مسعود یصلی بنا فی شہر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ۔ (عمدۃ القاری ص ۲۰۷ ج ۵) کہ "عبداللہ بن مسعود ہم کو تراویح پڑھاتے اور سحر سے پہلے ختم کر دیتے۔ اعمش کہتے ہیں کہ بیس رکعت پڑھاتے تھے"۔

جواب:۔ یہ اثر بھی منقطع ہے، کیونکہ سلیمان اعمش کا حضرت عبداللہ بن مسعود سے سماع ثابت نہیں ہے، تقریب میں ہے، الطبقۃ الصغریٰ منہم الذین رأوا الواحد والاثنین ولم یثبت لبعضہم السماع من الصحابۃ کالاعمش۔ (تقریب ص ۱۰) "پانچواں طبقہ ان تابعین کا ہے، جو ایک دو صحابہ کو دیکھ چکا ہے، ان میں سے بعض کا کسی صحابی سے سماع ثابت نہیں ہے، جیسے اعمش" لہٰذا یہ اثر کسی صحیح حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ منقطع اصل میں ضعیف ہے، اور ضعیف صحیح کی معارض کیسے!

دلیل نمبر ۲۰ قال ابن عبدالبر وھو قول جمہور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقہاء وھو الصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ (عمدۃ القاری صفحہ ۳۵۵ جلد ۵، جاء الحق صفحہ ۴۴۶) "ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ جمہور علماء، اہل کوفہ، شافعی، اکثر فقہا کا یہی قول ہے، صحابہ کے کسی اختلاف کے بغیر حضرت ابی بن کعب سے یہی صحیح ہے"۔

جواب:۔ جمہور علماء کوئی دلیل نہیں ہے۔ فقہا کے نزدیک کل چار دلیلیں ہیں، کتاب و سنت اجماع، قیاس مگر اہل حدیث قیاس کو تنقیح کے بعد مانتے ہیں، اور بعض

محققین کے نزدیک اجماع بلاسند بھی محل نظر ہے، پس جمہور علماء کا محل بیس پر ہونا کوئی شرعی حجت نہیں۔ اور ہم دلیل نمبر۱۹ کے جواب میں مفصل بحث کر چکے ہیں، اور یہ کہنا کہ اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں ہے ابن عبدالبرؒ کا سہو ہے۔ (اگر انہوں نے کہا ہے) کیونکہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

دلیل نمبر۲۱ | ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا ہے کہ فصار الاجماع لما روی البیہقی باسناد صحیح انھم کانوا یقیمون علی عہد عمرؓ بعشرین رکعۃ وعلی عہد عثمانؓ وعلیؓ (رجال الحق صفحہ ۲۴۶) یعنی عثمانؓ اور علیؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھتے تھے گویا بیس پر اجماع ہوگیا۔

جواب:۔ ملا علی قاری کا یہ کہنا کہ بیس پر اجماع ہو چکا خلاف واقعہ ہے، کیونکہ خود حافظ عینی نے اس اجماع کو طشت ازبام کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں۔ قد اختلف العلماء فی العدد المستحب فی قیام رمضان علی اقوال کثیرۃ الخ (قیام رمضان کی مستحب تعداد میں چند اقوال پر علماء کا اختلاف ہے۔ (۱) بعض ۴۷ کے قائل ہیں (۲) بعض ۳۸ کے اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے۔ (۳) بعض ۳۹ کے ۳۶ تراویح اور تین وتر یا ۳۸ تراویح ایک وتر یہ بھی اہل مدینہ کا عمل ہے۔ (۴) بعض ۳۴ کے اور (۵) بعض ۲۸ (۶) بعض ۲۴ (۷) بعض ۲۰۔ (۸) بعض ۱۶ (۹) اور بعض ۱۳۔ (۱۰) بعض گیارہ کے امام مالک اور ابن العربی اسی کے قائل ہیں۔" (عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۶ جلد ۱۱) اور آخری قول میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ابو سلمہ کی حدیث اس عدد میں صریح ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔ اصل سنت تو آٹھ ہی ہیں۔ اور باقی زائد نفل (فتح القدیر ص ۱۹۸ ج ۱) ۔ یہی عبارت مرقات باب قیام رمضان میں بھی موجود ہے۔ اور فتح الباری میں امام مالک سے ۴۶ نفل اور ۳ وتر اور ۴۰ نفل اور ۷ وتر بھی منقول ہیں۔ (دعویٰ ص ۲۰۵ و ۲۰۴ ج ۴) اور امام احمد سے کچھ مروی ہی نہیں۔ ایسے شدید اختلاف میں ۲۰ پر اجماع کا کرنا علماء کی شان سے فروتر ہے۔

وضاحت | حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے عہد کی طرف ۲۰ رکعت کو منسوب

کرنا مدرج قول ہے، تصانیف بیہقی میں اس کا کچھ ذکر نہیں ہے، آثار السنن میں ہے:
فقول علی عہد عثمان وعلی مثلہ قول مدرج لایوجد فی تصانیف البیہقی (تعلیق آثار السنن)

دلیل نمبر ۲۲: شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث، عطاء، ابو البختری، سعید، عبدالرحمان بن ابی بکر بھی ۲۰ کے قائل ہیں۔ (عمدۃ القاری ص ۳۵۷ ج ۵)

جواب: دلیل نمبر ۱۶ کے جواب میں گزر چکا ہے کہ عدد مستحب میں ۱۱ اقوال ہیں، ایسی صورت میں چند شخصیتوں کا ۲۰ کو پسند فرمانا کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ دلیل نمبر ۱۲ کے جواب میں لکھا جا چکا ہے کہ بیک صد آئمہ کا مخالف عمل بھی حدیث صحیح کی حجیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ کذالک یجب ترک قول مائۃ امام اور آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے کے متعلق ہم دلیل نمبر ۴ کے جواب میں ابو سلمہ کے متفق علیہ، جابر اور ابی بن کعب کی صحیح حدیثیں نقل کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حدیث صحیح پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

(الاعتصام جلد ۲۷ شمارہ ۱۳، ۱۴، ۱۵)

ترویح الموحدین

"ترویح الموحدین" حضرت قاضی ابو اسمٰعیل یوسف حسین بن قاضی محمد حسن علیہ الرحمۃ کی تصنیف ہے، اور غالباً کسی کتاب کے رد میں لکھی گئی ہے، دلائل نہایت عمدہ اور مرتب ہیں، قاضی صاحب مرحوم ماضی قریب کے اعاظم رجال میں سے ہیں۔ علوم حدیث میں انہیں خاص درک تھا۔ عربی کے بلند پایہ شاعر و ادیب تھے۔ مولانا شمس الحق مرحوم ڈیانوی کے ساتھ "عون المعبود" کی تالیف میں مددگار تھے۔ ان کی دوسری بھی کئی تصانیف ہیں ۱۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

قولہ: گیارہ تراویح کے لئے کوئی دلیل نہ قول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ قول صحابہؓ و فعل میں پائی، اور نہ کسی اہل اسلام کا میلان گیارہ رکعت کی طرف پایا جاتا ہے، بلکہ قرون اولیٰ سے اب تک بیس پر اجماع رہا، اور نہ آج تک کوئی اس کا منکر ہوا۔

اقول: مؤلف نے یہاں دو دعوے کئے ہیں۔ اول یہ کہ کسی قرن میں گیارہ کا ثبوت نہیں دوم قرن اولیٰ سے لے کر اب تک بیس پر اجماع رہا، اور یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین خاص کر علمائے حنفیین غرض کہ ان سب قرنوں میں گیارہ تراویح کا ثبوت موجود ہے۔ جس سے دوسرا دعوے اجماع باطل ہو جاتا ہے، اب ترتیب وار مفصل دلائل ذیل سنتے جائیے۔

فصل اول: آنحضرتؐ سے گیارہ رکعت تراویح کے ثبوت میں عن ابی سلمۃ انہ سأل عائشۃ رضی اللہ عنہا کیف کان صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علے احدی عشرۃ رکعۃ متفق علیہ

ترجمہ: ابو سلمہ تابعی سے روایت ہے، کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان یعنی تراویح کا حال پوچھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی آنحضرتؐ کی تراویح کی تعداد بھی گیارہ رکعت ہی تھی۔

اس حدیث کو مؤلف نہیں سمجھا کہتا ہے، حدیث عام ہے، خاص تراویح پر دلالت نہیں

کرتی۔ بلکہ تہجد پر دلالت کرتی ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ مؤلف نے اول تو حدیث کو ابتداء سے نقل نہیں کیا۔ دوم جتنی ذکر کی اس کا ترجمہ بھی نہیں کیا۔ تاکہ عوام نہ سمجھ جائیں۔ حالانکہ اپنے دعوؤں کو تجوید ہی عربی میں گھڑا۔ اور ترجمہ بھی کر دیا۔ اور اس حدیث کا ترجمہ ہی کھا گئے۔ اب ہم سے سنیئے ان حدیثوں میں صلوٰۃ رسول اللہ فی رمضان اور ما کان یزید فی رمضان کے الفاظ موجود ہیں جن کے معنی تراویح کے ہیں۔ اور تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کے معنی راحت دینے کے ہیں۔ چونکہ لوگ بعد چار رکعتوں کے آرام لیتے تھے اس لئے ان رکعتوں کا نام علمائے تراویح رکھ دیا۔ ورنہ حدیثوں میں کہیں تراویح کا لفظ نہیں آیا۔ قیام فی رمضان، صلوٰۃ فی رمضان، قیام اللیل فی رمضان، تراویح سب کے ایک ہی معنے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے اسی طرح کے مختلف الفاظ سے باب باندھے ہیں۔ لیکن حدیثیں وہی ذکر کی ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے کتاب التراویح لکھ کر اس میں یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذکر کی ہے، دیکھو بخاری مع فتح الباری مطبوعہ مصر اور نہ بخاری مطبوعہ مولوی احمد علی صاحب صفحہ نمبر ۲۶۹ بروایت مستملے تراویح کا لفظ موجود ہے، باقی روایتوں میں قیام رمضان کا لفظ ہے، اور اس سے مراد بھی یہاں تراویح ہی ہے، جیسا کہ کرمانی وغیرہ نے لکھا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری نے اسی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح گیارہ رکعت ثابت کی ہیں، اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ خلاصہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح کا حال پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب تراویح اور غیر تراویح گیارہ ہی رکعت ہوتی تھی۔ اگرچہ اہتمام شان اور طول قرارت تراویح میں زیادہ تھا۔ اور تہجد کا لفظ اس حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ جس کا دعویٰ مؤلف نے کیا ہے، علاوہ ازیں تہجد رمضان کا بھی تراویح ہی کہلانے لگا۔ پھر یہ دعوے کرنا کہ یہ حدیث تراویح پر دلالت نہیں کرتی کیسا لغو اور لوچ ہے۔ تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ کیونکہ شارع کو مطلق شب رمضان کا قیام منظور ہے، اول میں ہو یا آخر میں جیسا کہ خود حنفیہ نے تراویح کا وقت فرض عشاء کے بعد سے لیکر طلوع فجر

تک لکھا ہے، بلکہ بعض حنفیہ نے یہ غضب ڈھایا ہے کہ تراویح کو نماز عشاء سے پہلے بھی جائز رکھا ہے، چنانچہ ابو السعود حنفی نے کنز کی شرح الشرح فتح المعین میں لکھا ہے، وقال جماعۃ من مشائخ بلخ اللیل کلہ وقت لہا قبل العشاء وبعدہ یعنی بلخ کی ایک جماعت مشائخ حنفیہ نے کہا ہے کہ تراویح کا وقت ساری رات ہے قبل عشاء کے ہو یا بعد عشاء کے یہ قول بعض حنفیہ کا تعامل نبوی اور صحابہ کے صریح خلاف ہے، غرضیکہ اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ قیام رمضان آخر شب میں تراویح ہی کہلائیگا۔ بلکہ افضل وقت تراویح کا وہی ہے، چنانچہ بخاری مسلم میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے ان صحابہ کو جو اول وقت قیام کرتے تھے، مخاطب کرکے فرمایا والتی تنامون عنہا افضل من التی تقومون یعنی آخر رات میں تراویح پڑھنا اول رات میں پڑھنے سے بہتر ہے، غرضیکہ اس حدیث سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تراویح گیارہ رکعت ثابت ہوئی۔ عام اس سے کہ اول رات میں ہوں یا آخر رات میں کیونکہ تراویح کا وقت عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے، نیز خود حنفیہ اس حدیث سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گیارہ رکعت تراویح ثابت کرتے ہیں، اور بیس رکعت کی حدیث مرفوع کو کہتے ہیں علاوہ ضعیف ہونے کے حضرت عائشہؓ کی صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے، دیکھو فتح القدیر ابن الہمام اور ماثبت بالسنۃ وغیرہ۔ پس ان کے نزدیک اس حدیث میں گیارہ رکعت تراویح مراد ہیں۔ اول شب میں پڑھی جاویں یا آخر شب میں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تین رات لوگوں کے ساتھ قیام کیا، اس کو تراویح کہا جائے گا۔ اور وہ قیام پہلی بار اول شب سے لے کر تہائی تک اور دوسری بار اول سے نصف تک اور تیسری دفعہ ساری رات واقع ہوا گیارہ ہی رکعت پڑھائیں، اس سے زیادہ ثابت نہیں۔ ان ہر دو دعویٰ پر دلائل ذیل پیش کرتا ہوں۔ دعویٰ اول پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

عن ابی ذر قال صمنا مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فلم یقم بنا شیئا من الشہر حتی بقی سبع فقام بنا حتی ذہب ثلث اللیل وفی روایۃ النسائی الی ثلث اللیل الاول فلما کانت السادسۃ لم یقم بنا فلما کانت الخامسۃ قام بنا حتی ذہب شطر اللیل فقلت لو نفلتنا قیام ہذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام

لیلۃ فلما کانت الرابعۃ فلم یقم بنا حتی بقی ثلث اللیل فلما کانت الثالثۃ جمع اھلہ ونساءہ والناس فقام بنا حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح قلت وما الفلاح قال السحور۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

ترجمہ۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رمضان کے روزے رکھے۔ تو بائیسویں شب تک ہم کو نماز تراویح جماعت سے نہیں پڑھائی، جب تیئسویں شب ہوئی تو ہم کو نماز تراویح پڑھائی پہلی تہائی تک پھر چوبیسویں کو نہیں پڑھائی پچیسویں کو پڑھائی نصف رات تک تو ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کاش آپ ہم کو ساری رات تک پڑھاتے تو آپ نے فرمایا کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔ تو اس کو تمام رات کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے، جب چھبیسویں شب ہوئی تو ہم نے پچھلی تہائی رات تک انتظار کیا لیکن نہ نکلے۔ جب ستائیسویں شب ہوئی تو آل اولاد اور ازواج مطہرات اور اور لوگوں کو جمع کیا۔ اور نماز پڑھائی یہاں تک کہ ہم کو اندیشہ ہوا کہیں سحری کا وقت نہ جاتا رہے، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے حاصل یہ کہ تیئسویں شب پہلی تہائی رات تک تراویح پڑھائی۔ اور پچیسویں شب نصف شب تک اور ستائیسویں شب سحری کے وقت تک اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ تراویح کا وقت نماز عشاء کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ دوسری یہ کہ تہجد اکثر نیند لے کر پڑھا جاتا ہے۔ لیکن سونا لازم اور ضروری نہیں کیونکہ ان راتوں میں سوائے اُن تراویح کے اور کوئی نماز آنحضرت سے منقول نہیں ہوئی۔ خصوصاً ستائیسویں تاریخ تو آپ تراویح ہی سحری تک پڑھتے رہے۔ اور ابن فارس تہجد کے معنی مطلق نماز شب کے کرتے ہیں۔ چنانچہ قسطلانی میں ہے۔

التھجد وھو ترک الھجود وھو النوم وقال ابن الفارس المتھجد المصلی لیلا۔

غرض ابن فارس کی یہ ہے کہ تہجد کے معنے ترک نوم کے ہیں۔ اور نیند کا ترک اس پر بھی صادق آتا ہے جو نہیں سوتا۔ اور نماز پڑھتا ہے۔ گویا اس نے بھی نیند ترک کی تیسرے اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تراویح پڑھی۔ اور حضرت عائشہؓ ہی سے ثابت ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام کبھی گیارہ رکعت

سے زیادہ نہ تھا۔ پس خود اسی صحیحین کی حدیث سے (جس کو مؤلف نے لکھا ہے) ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت تراویح پڑھائی نہیں۔ اور یہی ہمارا دعویٰ دوم تھا جس کے اثبات میں ایک تو یہی صحیحین کی حدیث بانضمام حدیث ابی ذر نہایت واضح طور پر دلیل وافی شافی ہے۔ دوسری حدیث اور سنیئے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج علینا حتے اصبحنا (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحیھما)

ترجمہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز رمضان یعنی تراویح جماعت کے ساتھ آٹھ رکعت پڑھائیں پھر وتر پڑھائے جب دوسری شب ہوئی تو ہم صبح تک انتظار کرتے رہے لیکن آپ نہ نکلے روایت کیا اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابن خزیمہ امام ابن حبان نے اس کو اپنی اپنی کتاب ملتزم بالصحۃ میں لائے ہیں۔ اور حکم کتاب ملتزم بالصحۃ کا اصول حدیث میں یہ ہے کہ اس کی حدیث پر بغیر تامل عمل کیا جائے جب تک کہ کسی دوسری امام سے خاص اس پر جرح ثابت نہ ہو۔ کیونکہ مصنف نے صحت حدیث کی شرط کر لی ہے خصوصاً جب کہ ابن خزیمہ جیسا امام عارف بالحدیث صحیح کہے جس کا لقب امام الائمہ اس کی نقد حدیث میں علو شان پر دلالت کرتا ہے۔ مقدمہ ابن الصلاح میں ہے۔ ویکفیہ مجرد کونہ موجودا فی کتب من اشترط منہم الصحیح ککتاب ابن خزیمۃ یعنی حدیث کے صحیح ہونے میں اور اس پر عمل کرنے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ حدیث ان محدثین کی کتابوں میں موجود ہو۔ جنہوں نے اس کتاب میں صحیح لانے کی شرط کر لی ہو جیسے کتاب ابن خزیمہ کی اور شیخ عبدالحق حنفی مقدمہ لمعات میں ابن خزیمہ کے بارے میں

۱؎ نیز امام محمد بن نصر مروزی قیام اللیل میں ۱۲۔

۲؎ یعنی اماموں کا امام ۱۲۔

۳؎ شیخ عبدالحق حنفی لمعات کے مقدمہ اصول میں قال الشیخ سے یہی امام ابن الصلاح مراد رکھتے ہیں ۱۲۔

لکھتے ہیں۔ ولقد صنف الاخرون من الائمۃ صحاحا مثل صحیح ابن خزیمۃ الذی یقال لہ امام الائمۃ و هو شیخ ابن حبان وقال ابن حبان فی مدحہ ما رأیت علی وجہ الارض احدا احسن فی صناعۃ السنن واحفظ للالفاظ الصحیحۃ منہ کان السنن والاحادیث کلہا نصب عینیہ۔

ترجمہ: اور بے شک اور اماموں نے بھی صحاح کو تصنیف کیا ہے، جیسے صحیح ابن خزیمہ کی جس کو محدثین امام الائمہ[1] کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور وہ ابن حبان کا استاد ہے، ابن حبان نے کہا کہ میں نے فن حدیث میں ابن خزیمہ سے زیادہ بہتر اور الفاظ صحیحہ کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا سنن اور احادیث سب اس کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ انتھی۔ اور شیخ عبد الحق نے شرح سفر السعادت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے، تقریر بالا یعنی اصول حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے، مؤلف کو چاہیئے کہ اس حدیث کی جرح کسی محدث سے نقل کرے ورنہ ایسے جھوٹے دعووں سے باز رہے۔ پس دلائل مذکورہ بالا سے نہایت واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول اور آخر رات میں جماعت سے اور اکیلے گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، یہ تو کتب حدیث سے ثابت ہوا۔ اب لیجئے خود فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت ہی پڑھائی تھیں چنانکہ کنز کی شرح الشرح فتح المعین میں فتاویٰ شرنبلالیہ سے لکھا ہے۔ وفی شرنبلالیۃ الذی فعلہ علیہ السلام بالجماعۃ احدی عشرۃ بالوتر واما روی انہ کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر ضعیف۔

ترجمہ: شرنبلالیہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی، وہ گیارہ ہی رکعت تھیں۔ اور وہ جو بیس تراویح پڑھنے کی روایت ہے۔ موضعیف ہے انتھی ما فی فقہ الحنفیہ دیکھا کیا ثابت ہوا۔ آپ کے گھر والے ہی کیسے علی الاعلان پکار رہے ہیں کہ آنحضرت نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت تراویح پڑھائیں۔ اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو نقل نمبر میں چل کر دیکھئے۔ اس میں وہ عبارات فقہ حنفیہ کی لکھی گئی ہیں۔ جن میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے۔

---

[1] یعنی اماموں کا امام۔ ۱۲۔

کہ بیس رکعت تراویح کو سنت کہنا صحیح نہیں بلکہ آٹھ ہی رکعت سنت ہیں، باقی مستحب بطور نفل کے جیسے عشاء کی دو سنتوں کے بعد دو نفل پڑھے جاتے ہیں۔ اب صحابہ رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت تراویح کا ثبوت لیجئے۔

فصل دوم صحابہ رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت تراویح کے ثبوت میں عن السائب بن یزید قال امر عمر ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس فی رمضان باحدی عشرۃ رواہ مالک فی الموطا باسناد صحیح۔

ترجمہ:۔ سائب بن یزید (صحابی) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو اس بات پر مامور کیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ روایت کیا اس کو امام مالک نے مؤطا میں (اسناد صحیح ہے) ف یعنی ابی کو مردوں کا امام بنایا اور تمیم داری کو عورتوں کا جیسا کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت تراویح کا حکم فرمایا۔ دوم صحابہ مردوں اور عورتوں کا گیارہ رکعت تراویح پڑھنا بحکم حضرت عمرؓ، اس سے گیارہ پر اجماع ثابت ہوا۔ اور اس اجماع پر کسی صحابی و تابعی نے انکار نہیں کیا تو حضرت عمرؓ کے اس حکم پر اجماع فعلی اور سکوتی ہوا۔ علاوہ سنت نبوی کے سنت خلفاء، و دیگر صحابہؓ بھی ثابت ہوئی، اور یہی ہمارا مقصود تھا۔ مؤلف رسالہ نے اس کے مقابلہ میں تیرہ ۱۳ اور اکیس ۲۱ کی روایت پیش کی ہے، سو ہم تیرہ ۱۳ کی روایت مخالف نہیں سمجھتے کیونکہ تیرہ ۱۳ اور گیارہ قریب قریب ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تیرہ ۱۳ اور گیارہ دونوں مروی ہیں، فتح الباری میں ہے، والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد ھذا الحدیث فی الباب والثانی قریب منہ ترجمہ۔ عدد اول یعنی گیارہ رکعت کی تعداد حدیث عائشہؓ کے موافق ہے، (جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گیارہ تراویح کا ذکر ہے، جو اسی باب میں اس کے بعد مذکور ہے، اور عدد ثانی یعنی تیرہ بھی اس کے قریب ہے، انتہیٰ اور فتح الباری میں ہے، وھو موافق لحدیث عائشۃ فی صلوٰۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی اللیل۔ یعنی تیرہ کی روایت بھی موافق ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمدہ حدیث

کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے بارے میں منقول ہے۔ تقریر بالا سے بسبب قریب ہونے ہر دو تعداد کے اور موافق ہوتے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے گیارہ اور تیرہ میں کچھ مخالفت نہ رہی۔ اور یوں بھی مخالفت نہیں رہتی کہ آٹھ تراویح پڑھ کر تین وتر پڑھے تو گیارہ رکعت ہوئیں، اور پانچ وتر پڑھے تو تیرہ ہوئیں غرضکہ ان میں کسی قسم کی مخالفت نہیں باقی رہی اکیس کی روایت سو اول تو وہ مرجوح ہے، اور گیارہ کی راجح ہے، کئی وجہ سے اول یہ کہ مؤطا امام مالک جس میں گیارہ کی روایت ہے، اعلیٰ درجہ کی کتابوں میں سے ہے، اور مصنف عبدالرزاق جس میں اکیس کا حوالہ مؤلف نے دیا ہے، تیسرے درجہ کی ہے، دوم امام مالک کی روایت کے موافق مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ اور سنن سعید بن منصور میں بھی ہے۔ جیسا کہ آگے منقول ہوگا۔ پس یہ مطابقت بھی مالکؒ کی روایت کی مرجح ہوگی۔ سوم گیارہ کی روایت موافق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں گیارہ رکعت کی نسبت لکھتے ہیں۔ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد هذا الحدیث فی الباب. یعنی گیارہ کی تعداد حضرت کی تراویح کے موافق ہے۔ لیجئے جناب صاحب فتح الباری جن کی عبارت آپ نے تعارض کے ثبوت میں پیش کی ہے وہ خود گیارہ رکعت کی روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مطابق بنا کر اسی کو ترجیح کا اشارہ کرتے ہیں، لیکن مؤلف نے اپنے مطلب کی عبارت لے لی۔ اور لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کہہ کر وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی کو چھوڑ دیا۔ یعنی اختلاف روایت کو تو نقل کیا اور گیارہ کی ترجیح کو چھوڑ کر حق کو چھپایا اور یہ نہ جانا کہ اس وقت تو اس ملمع سازی سے عوام کو دھوکہ دے لوں گا۔ لیکن اگر کوئی اصل کتاب کو دیکھ کر اس کی قلعی کھول دے تو کیسی رسوائی ہوگی۔ جھوٹے حوالے دینے اور کتر بیونت کرنی تو آپ لوگوں کا حصہ ہے، لیکن یاد رکھئے

سہ بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش ۔۔۔ من انداز قدرت را مے شناسم

پہلے بھی اہل حدیث نے آپ لوگوں کی ایسی چالاکیوں کو گرفت کر کے اس کا جواب مانگا ہے۔ اور اب تک کچھ جواب نہیں ملا۔ گزشتہ را صلوات اب اسی بات کا جواب دیجئے۔ کہ آپ نے اختلاف کی تطبیق اور گیارہ کی ترجیح کو کیوں چھوڑ دیا۔ اور بعد تسلیم صحت روایت اکیس کی بھی ان میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اوقات مختلفہ پر حمل کرنے سے کسی کے نزدیک تعارض نہیں

رہتا۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب اس حدیث گیارہ کو صحیح کہہ کر بیس رکعت کے معارض ہونے کی یوں نفی کرتے ہیں۔ وجواب داده اند کہ ایں حدیث (یازدہ) صحیح است وتواند کہ در بعض اوقات گاہے نسبت مے کردہ باشند دگاہے یازدہ اور اس کی تفصیل آگے آوے گی۔ پس اگرچہ بوجوہ بالا گیارہ ہی کی روایت راجح ہے، اور بموجب ہمارے مسلک کے ان میں کوئی تعارض نہیں، اور اکیس پر عمل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بموجب مسلک حنفیہؒ کے اکیس کی روایت مرجوح ہے، وہ اس پر عمل نہیں کر سکتے تو اس روایت کا پیش کرنا باوجود مرجوح ہونے کے محض لغو اور الزام لینا ہے، کیونکہ اکیس میں اگر تراویح بیس رکعت پڑھیں تو وتر ایک رکعت کا قائل ہونا پڑے گا۔ اور یہ حنفیہ کے خلاف ہے، اور اگر وتر کو تین کہیں تو تراویح اٹھارہ ہونگی۔ اور یہ بھی حنفیہ کے خلاف ہے، اور اگر وتر پانچ کہیں اور تراویح سولہ تو یہ دونوں ہی حنفیہ کے خلاف ہیں غرضکہ ان سب صورتوں میں حنفیوں کے اس حدیث پر استدلال کرنے سے یہ مثل صادق آتی ہے، اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ لامحالہ یہ روایت اکیس کی حنفیہ کے نزدیک بھی مرجوح ہوئی۔ پس روایت گیارہ اور تیرہ ہی صحیح اور راجح ہے، جو علاوہ دیگر وجوہ ترجیح کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بھی موافق ہے۔ اب دوسری روایتیں سنیئے جو موطا امام مالک کے گیارہ رکعت کی روایت کی مؤید ہیں مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے عن السائب بن یزید انہ قال قال عمر بن الخطاب لابی بن کعب وسلیمان بن ابی حثمۃ ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ۔

ترجمہ سائب بن یزید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور سلیمان بن ابی حثمہ کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں، اور سنن سعید بن منصور میں ہے حدثنا عبداللہ بن محمد حدثنی محمد بن یوسف سمعت السائب بن یزید یقول کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب باحدی عشرۃ رکعۃ۔ ترجمہ حدیث کی ہم کو عبداللہ بن محمد نے کہا حدیث کی مجھ کو محمد بن یوسف نے کہا کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے، ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور قیام اللیل محمد بن نصر مروزی میں ہے حدثنی محمد بن اسحاق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا

نصلی فی زمن عمر رضی اللہ عنہ فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ ۔ ترجمہ حدیث کی ہم کو محمد بن اسحاق نے حدیث کی ہم کو محمد بن یوسف نے اپنے دادا سائب بن یزید سے انہوں نے کہا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، یہ آخر کی دو روایتیں محلی شرح موطا تصنیف شیخ سلام اللہ حنفی میں بھی موجود ہیں، یہ روایتیں مع روایت موطا مالک کی اس ایک روایت عبدالرزاق کو مرجوح ٹھہرا رہی ہیں، پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ مرد اور عورتیں سب گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے، جس سے بیس پر اجماع کا دعویٰ بھی باطل ہوا۔ بلکہ گیارہ پر اجماع صحابہ ثابت ہوا۔

فصل سوم تابعین کے گیارہ اور تیرہ رکعت تراویح پڑھنے کے بیان میں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے۔ واخرجہ من طریق محمد بن اسحٰق حدثنی محمد بن یوسف عن جدہ السائب بن یزید قال کنا نصلی فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان ثلث عشرۃ رکعۃ۔ قال ابن اسحاق وھذا اثبت ما سمعت فی ذالک وھو موافق لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا فی صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اللیل۔ ترجمہ، سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں ہم حضرت عمر کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ ابن اسحاق تابعی فرماتے ہیں کہ تراویح کے بارے میں تیرہ رکعت تراویح زیادہ ثبوت کو پہونچی ہیں، اور وہ موافق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے اور شیخ عبدالحق حنفی ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں۔ وروی انہ کان بعض السلف فی عہد عمر بن عبدالعزیز یصلون باحدی عشرۃ رکعۃ قصداً للتشبیہ برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ اور بعض روایت میں ہے کہ بعض سلف عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعداد میں مشابہت اور پیروی سنت کی غرض سے ہے انتہیٰ اس روایت سے ایک تو دعوے اجماع بیس کا ٹوٹ گیا۔ کیونکہ عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ تابعین کا ہے، جس میں کبار تابعین بعض صحابہ بھی موجود تھے دوم یہ ثابت ہوا کہ سلف گیارہ

---

[1] چنانچہ خلاصہ میں ہے ۔۱۲۔

رکعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے تھے جیسا آجکل اہلحدیث اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اور شیخ عبدالحق نے بھی اشعۃ اللمعات میں دو جگہ تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ کی نیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا حکم فرمایا تھا۔ پس اگر حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ تخفیف قراۃ کی غرض سے بیس پڑھنے لگے ہوں تو پھر اس کی منافی نہیں ہم کو اس سے بھی انکار نہیں لیکن جو شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض سلف تابعین کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشبہ کی نیت سے گیارہ رکعت تراویح پڑھے گا۔ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں کا عامل کہلائے گا۔ نہ یہ کہ سنت خلفاء رضوان کا تارک ہو گا۔

فصل چہارم اس بیان میں کہ چاروں اماموں میں امام مالک اور امام احمد گیارہ رکعت تراویح کے قائل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی شرح موطا مالک میں فرماتے ہیں۔

خیر احمد بین احدی عشرۃ وثلث وعشرین ۔ ترجمہ۔ امام احمد نے گیارہ اور تیئیس ۲۳ میں اختیار دیا ہے جو چاہو پڑھو۔ اور بھی شاہ صاحب مصفی شرح فارسی موطا میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام احمد مخیر داشتہ است ورادائے یازدہ رکعت وبیست وسہ رکعت۔ ترجمہ امام احمد نے گیارہ اور تیئیس ۲۳ کے پڑھنے میں اختیار دیا ہے۔ اور موطا میں بروایت ونسخہ شاہ ولی اللہ صاحب گیارہ رکعت کا باب باندھا ہے۔ اس باب میں امام مالک نے آنحضرت ﷺ کی سنت سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد اور صحابہ کے عملدرآمد سے گیارہ رکعت کو اسناد صحیح سے ثابت کیا ہے۔ اور اس کے بعد بیس رکعت تراویح کا بھی باب ہے۔ لیکن اس میں حدیث منقطع لائے ہیں۔ اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک گیارہ اور بیس ۲۰ مروی ہیں۔ لیکن گیارہ ان کے نزدیک زیادہ ثابت ہیں۔ اور اسی کو محبوب فرماتے ہیں۔ چنانچہ خود عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔ وقیل احدی عشر وھو اختارہ مالك لنفسہ اختارہ ابوبکر بن العربی۔ ترجمہ۔ اور بعض ائمہ کا مذہب گیارہ تراویح کا

لے دیکھو اشعۃ اللمعات جلد اول مطبوعہ نول کشور صفحہ ۵۰۶۔

ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے نفس کے لیے پسند فرمایا ہے، اور اسی کو علامہ ابوبکر بن العربی مالکی نے اختیار کیا ہے، اور علامہ سیوطی رسائل تسعہ صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدیٰ عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدیٰ عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب منہ قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

ترجمہ: یعنی ہمارے اصحاب سے ابن جوزی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔ کہ امام مالک نے فرمایا کہ جس پر لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا۔ وہ مجھ کو محبوب تر ہیں۔ اور وہ گیارہ رکعت ہیں۔ اور یہی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ کسی نے امام سے پوچھا کہ گیارہ مع وتر کے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں اور تیرہ بھی اسی کے قریب ہیں۔ اور کہا کہ میں اس کی وجہ اور علت نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں جو لوگوں میں رائج ہیں کہاں سے اور کیونکر جاری ہوئیں اگر کوئی کہے کہ امام مالک کا مذہب تو لوگ اکتالیس رکعت کا نقل کرتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ امام کا پہلے مذہب اکتالیس کا ہو۔ اور پیچھے گیارہ ہی کو پسند فرمایا ہو یا پیچھے اکتالیس کی بھی لوگوں کو وسعت دے دی ہو۔ لیکن اپنے نفس کے لیے گیارہ ہی کو پسند رکھا، چنانچہ عینی حنفی اور سیوطی شافعی نے ایسا ہی منقول ہوا۔ اور اماموں سے ایک مسئلہ میں کئی کئی روایتیں منقول ہوتی چلی آئی ہیں۔ چنانچہ امامنا[1] امام ابوحنیفہؒ سے ہزاروں مسئلوں میں دو۔ دو، تین تین۔ چار۔ چار روایتیں مختلف موجود ہیں۔ ان کے بعد ہر ملک کے مشائخ ان ہی روایتوں کے سبب مختلف ہو گئے، پھر مفتی بہ روایت کی تنقیح کی گئی، اس کے لیے قواعد مقرر کیے گئے۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ کوئی فقیہ کسی قول کو مفتی بہ ٹھہراتا ہے۔ دوسرا کسی کو تیسرا

---

[1] امامنا یعنی ہمارے امام اور ابن وا سطے کہ وہ اصل میں ہمارے بھی امام ہیں۔ اور مقلدین کے امام نہیں ہیں، کیونکہ ہم ان کے قول اذا صح الحدیث فھو مذھبی پر عمل کرتے ہیں۔ اور مقلدین اس قول کا خلاف کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے اُن کو امام نہیں مانا۔ ۱۲۔

کسی کو غرضنکہ امام ہی کے قول صحیح ہونے میں اختلاف اس قدر ہے کہ تمیز مشکل ہی ہوتی ہے، مگر قرائن سے ایک قول کو ترجیح تو ضرور دی جائے گی۔ اسی طرح امام مالک کے بھی اقوال ہیں۔ لیکن معتبر اور راجح وہی قول ہوگا۔ جو ان کی خاص کتاب مؤطا میں ہو۔ یا کتاب میں نہ ہو تو کتاب کے مخالف بھی نہ ہو تو کتاب کے مخالف بھی نہ ہو۔ چنانچہ کتے کے جھوٹے کی نجاست میں امام مالک کے چار قول ہیں۔ ایک مطلق پاک ہے، دوم مطلق ناپاک ہے۔ سوم شکاری وغیرہ کا جھوٹا پاک چہارم گنواروں کے لئے پاک اور شہریوں کے لئے ناپاک ہے، مگر معتبر قول دوم ہے۔ یعنی ناپاک ہے۔ جو مؤطا سے مفہوم ہوتا ہے۔ اسی طرح مالکی ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور امام کا مذہب نقل کرتے ہیں۔ مگر چونکہ امام مالک نے مؤطا میں ہاتھ باندھنے کا باب باندھا ہے۔ اور اس میں صحیح حدیث مرفوع لکھی ہے اسی لئے علماء محققین نے ان کا مذہب ہاتھ باندھنے کا صحیح قرار دیا ہے، اور مالکیوں کو غلطی پر بتایا ہے۔ مگر چونکہ ان کے ہاتھ سلطنت تو تھی نہیں جو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کو مالکیوں سے چھڑا دیتے اس لئے مکہ معظمہ میں مالکی مصلی پر اب تک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جاتی ہے، اگر کوئی شخص یہاں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھے تو اس کو رافضی بتایا جاتا ہے، مگر وہاں مکہ معظمہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی درست ہے، کیونکہ چاروں مذہب حق ہیں۔ لیکن یہ بیچارے یہ نہ کہیں تو کیا کریں اگر یہ ان کی ایسی ایسی غلطیاں نکالیں تو وہ ان کی ہزاروں غلطیاں نکال کھڑی کریں۔ اس لئے من تر حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کا مضمون ہو رہا ہے، یا وہ کچھ تو سمجھو خدا ایک رسول ایک پھر چاروں کے قول مختلف ایسے کہ ایک حلال کہیں دوسرے حرام تیسرے مکروہ چوتھے طیب تو بھلا اس صورت میں قول صحیح ایک ہی ہوگا۔ یا چاروں اسی طرح ایک امام کے چار قول ہیں۔ تو صحیح ایک ہی ہوگا غرضنکہ

؎ باوجود اس کے مقلدین اس فقہ کو قرآن و حدیث کا مغز جانتے ہیں۔ اور حدیث پر عمل نہ کرنے کا یہ حیلہ نکالتے ہیں کہ ہم حدیث کو نہیں سمجھ سکتے حالانکہ علم حدیث کو محدثین نے نہایت ہی آسان کر دیا ہے، اور ناسخ و منسوخ کی الگ کتابیں بنا دی ہیں۔ بخلاف فقہ کے کہ اس میں امام ہی کے قول قدیم جدید کی کچھ تمیز نہیں چہ جائیکہ احادیث کی تصحیح و تنقید کا کچھ ذکر بھی ہو۔ ۱۲

امام مالک کا مذہب و عمل گیارہ رکعت تراویح کا ہی ٹھیک ہے جس کو انہوں نے خود مؤطا میں صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے، اور اسی کو انہوں نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی اور علامہ سیوطی سے ابھی منقول ہوا۔

فصل پانچویں:۔ اس بیان میں کہ خود محققین حنفیہ فقط گیارہ رکعت تراویح کو سنت بتاتے ہیں باقی بارہ کو نفل کہتے ہیں جیسے عشاء کی دو سنتوں کے بعد دو نفل اور بیس کو سنت کہنا صحیح نہیں جانتے۔

ابن ہمام حنفی علیہ الرحمۃ جو حنفی مذہب کے ٹھیکیدار اور پورے وکیل ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ فحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام و ترکہ بعذر افاد انہ لولا خشیۃ ذالک لواظبت بکم ولاشك فی تحقق الامن ذالك بوفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فیکون سنۃ وکونھا عشرین سنۃ الخلفاء الراشدین وقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین ندب الی سنتھم ولا یستلزم کون ذالك سنۃ اذا لسنۃ ما واظب بنفسہ الا بعذر و بتقدیر عدم ذالك العذر انما استفدنا انہ کان یواظب علی ما وقع منہ وھو ما ذکرنا فیکون العشرون مستحبا وذالك القدر منھا ھو السنۃ کالاربع بعد العشاء مستحبۃ ورکعتان منھا سنۃ وظاھر کلام المشائخ ان السنۃ عشرون ومقتضی الدلیل ما قلنا فالاولی ھو عبارۃ القدوری من قولہ مستحب۔

ترجمہ تحریر بالا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہؓ کے آثار سے یہ حاصل ہوا کہ تراویح سنت گیارہ رکعت مع وتر کے ہیں۔ جماعت کے ساتھ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھائیں، اور بعذر فرضیت کے سبب سے چھوڑ دیں اس عذر سے یہ افادہ فرمایا کہ اگر فرضیت کا خوف نہ ہوتا۔ تو میں مسجد میں جماعت کے ساتھ تم کو ہمیشہ تراویح پڑھاتا، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کی وفات کے بعد فرضیت کا خوف جاتا رہا۔ تو تراویح گیارہ سنت ہوئیں، اور بیس تراویح خلفاء راشدین کی سنت ہے، اور آنحضرتؐ کا ارشاد میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم

بلکہ خلفاء کے طریقہ کی طرف بلاتا ہے، اس ارشاد سے بیس تراویح کا سنت ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ سنت اسی کو کہتے ہیں جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ کیا ہو۔ مگر عذر کے سبب سے اور بالغرض اگر آپ کے بیان سے قطع نظر کی جائے تو بھی ہم نے تراویح کا سنت ہونا اس سے لیا ہے کہ آپ مداومت فرماتے اس مقدار تراویح پر جو آپ سے واقع ہوئی۔ اور ان کی تعداد ہم پہلے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر آئے ہیں۔ یعنی گیارہ رکعت مع وتر کے پس بیس رکعت تراویح مستحب ہوں گی۔ اور ان میں سے فقط گیارہ سنت ہیں۔ اور باقی نفل کے طور پر جس طرح کہ عشاء کے بعد چار رکعت مستحب ہیں۔ کہ سنت ان میں سے فقط دو رکعت ہیں۔ اور باقی دو رکعت نفل ہیں۔ اور مشائخ کا ظاہر کلام یہ ہے کہ بیس سنت ہیں۔ لیکن دلیل ہمارے ہی قول کو چاہتی ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ بیس رکعت کو مستحب ہی کہا جائے۔ جیسا قدوری میں ہے۔ ختم ہوا ترجمہ عبارت فتح القدیر شرح ہدایہ کا بحر الرائق شرح کنز میں ہے۔ (قولہ عشرون

ركعة بيان لكميتها وهو قول الجمهور لما في الموطا عن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلث وعشرين ركعة وعليه عمل الناس شرقا وغربا لكن ذكر المحقق في فتح القدير ما حاصله ان الدليل يقتضى ان يكون السنة من العشرين ما فعله صلى الله عليه وسلم منها ثم تركه خشية ان يكتب علينا والباقي مستحبا وقد ثبت ان ذالك كان احدى عشر ركعة بالوتر كما ثبت في الصحيحين من حديث عائشة فاذا يكون المسنون على اصول مشائخنا ثمانية منها والمستحب اثنا عشر ركعة۔

ترجمہ: بیس رکعت کا لفظ تراویح کی تعداد بیان کرنے کے لیے صاحب کنز نے کہا ہے اور یہی قول جمہور حنفیہ کا ہے۔ اس لیے کہ مؤطا امام مالک میں یزید بن رومان سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ تیئیس ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے تھے، اور اسی پر شرق و غرب کے لوگوں کا عمل ہے۔ لیکن محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل اس بات کو چاہتی ہے کہ ان میں سے سنت اسی قدر ہے جو آپ نے پڑھیں اور فرضیت کے خوف سے جماعت

کے ساتھ چھوڑ دیں۔ اور ان کی انتہا گیارہ ہی رکعت مع وتر کے ثابت ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہوا۔ تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے قاعدہ اصول کے مطابق آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ نفل تمام ہوا۔ ترجمہ عبارت بحر الرائق شرح کنز کا طحطاوی میں ہے۔ ذکر فی فتح القدیر ما حاصلہ ان الدلیل یقتضی ان یکون السنۃ من العشرین ما فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم منہا ثم ترکہ خشیۃ ان یکتب علینا و الباقی مستحبا وقد ثبت ان ذالک کانت احدی عشر رکعۃ بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشۃ فاذا یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانیۃ منہا والمستحب اثنی عشر۔

ترجمہ۔ فتح القدیر میں ذکر کیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دلیل تو اس کو چاہتی ہے کہ بیس میں سے سنت تو اس قدر ہیں۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ پھر فرضیت کے خوف سے چھوڑ دیا۔ اور باقی نفل ہیں۔ اور تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ مع وتر کے گیارہ ہی رکعت ہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہے تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے قاعدہ اصول کے مطابق آٹھ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ نفل تمام ہو ترجمہ عبارت طحطاوی کا۔

فقہ کی ان عبارات سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت نہیں۔ بلکہ گیارہ رکعت ہی سنت ہیں۔ باقی بارہ رکعت مانند ان نفلوں کے ہیں۔ جو عشاء کی دو سنتوں کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ اور مولف کا یہ قول کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول اللہؐ کی سنت میں کچھ فرق نہیں، بموجب فقہ حنفیہ کے باطل ہوا۔ کیونکہ صاحب فتح القدیر حنفی نے اصول حنفیہ کے قاعدے سے یہ ثابت کیا کہ خلفا کا فعل سنت نہیں ہے۔ فقط مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ اور مولف جو حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین کو پیش کیا ہے۔ اس کا جواب بھی حنفیوں ہی نے دے دیا کہ اس حدیث سے محض خلفاء کا فعل سنت ثابت نہیں ہوتا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو۔ بلکہ فقط مندوب یعنی مستحب ہوتا ان کے فعل

کا ثابت ہوتا ہے، اگرچہ یہ قول فقہ والوں کا مؤلف الدین محمد مقلدین متعصبین کے رد وابطال کو دینے کو کافی ہے، کیونکہ وہ اپنی فقہ کو قرآن و حدیث کا مغز جانتے ہیں۔

لیکن بطور تحقیق کے طالبان حق کے لئے چند دلائل اس کے لکھتا ہوں۔

دلیل اول:۔ یہ کہ سنت کا اطلاق اسی پر آتا ہے جس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو مقرر کیا ہو جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے۔ اور اس پر کئی شاہد ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ جہاں کہیں صحابہ تابعین مطلق سنت کا لفظ بغیر اضافت و قرینہ کے استعمال کرتے تھے، وہاں آنحضرت ہی کی سنت مراد لیتے تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح نخبہ میں صحیح بخاری سے یوں نقل کیا ہے، وقد روی البخاری فی صحیحہ فی حدیث ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ فی قصتہ مع الحجاج حیث قال لہ ان کنت ترید السنۃ فہجر بالصلوۃ قال ابن شہاب فقلت لسالم افعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال وہل یعنون بذالک الا سنۃ فنقل سالم وہو احد الفقہاء السبعۃ من اہل المدینۃ واحد الحفاظ من التابعین عن الصحابۃ انہم اذا اطلقوا السنۃ لا یریدون بذالک الا سنۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

یعنی عبد اللہ بن عمر کے بیٹے سالم رضی اللہ عنہ نے حجاج کو کہا کہ اگر تم سنت کی پیروی کرنا چاہتے ہو تو نماز سویرے پڑھ لو۔ تو ابن شہاب نے سالم سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے تو سالم نے کہا کہ صحابہؓ سنت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی سنت مراد رکھتے تھے، حافظ ابن حجر اس پر فرماتے ہیں کہ دیکھو سالم رضی اللہ عنہ جو اہل مدینہ کے فقہا سبعہ اور تابعین میں حفاظ حدیث سے ہیں، وہ صحابہ سے نقل کرتے ہیں، کہ صحابہ جب سنت کا لفظ بولتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد لیتے تھے۔ انتہی۔

دلیل دوم:۔ سنت خلفاء کو خلفاء کے ساتھ مقید اور اضافت کرنے سے ثابت ہوا کہ خلفاء کی سنت کو مطلق سنت سے تعبیر نہیں کرتے مگر قید اور اضافت کے ساتھ یعنی ان کے فعل

سلہ اگرچہ وہ اتفاق اور خلاف سے پرچی کیوں نہ ہو۔ ۱۲

کہ فقط سنت نہیں کہتے بلکہ سنت کے ساتھ خلفاء کا لفظ بھی بول دیتے ہیں۔ یا ایسا لفظ کہہ دیتے ہیں جس سے آنحضرتؐ اور سنت خلفاء کے مرتبہ میں فرق ہو جائے کیونکہ جو نسبت رسول خدا ؐ اور خلفاء میں ہے، وہی نسبت ان کے فعل میں بھی ہے یعنی آنحضرتؐ کے فعل کا درجہ اور ثواب زیادہ ہے، خلفاء کے فعل اور ثواب سے اس بات کو کوئی لولی مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرتؐ کا فعل اور خلفاء کا فعل درجہ مساوی رکھتا ہے انہیں معلوم مؤلف کی عقل کہاں گئی کہ برابر درجہ بتلاتا ہے، کسی نے کیا اچھا فرمایا ہے گر فرق مراتب نکنی زندیقی۔

دلیل سوم:۔ صحابہ رضی اللہ عنہم خلفاء کے فعل کو جہاں کہیں رسول خدا کے فعل سے بڑھا ہوا یا گھٹا ہوا دیکھتے تو فوراً ان پر انکار کر دیتے، اور پیغمبر کے فعل کو اگرچہ تعداد رکعت یا عمل میں قلیل ہی کیوں نہ ہو، خلفاء کے فعل پر مقدم رکھتے تھے۔ چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے دا ند کے از لب یک چند روایتیں لکھتا ہوں۔

اوّل:۔ جب حضرت عثمانؓ نماز صلوٰۃ سفر چار رکعت پڑھنے لگے۔ تو عبداللہ بن مسعود اگرچہ خلیفہ کی ظاہری مخالفت نہ کرتے تھے۔ لیکن فرماتے کاش چار کے بدلے دو ہی رکعتیں پڑھی جاتی جو مقبولیت کے لائق ہیں۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۱۴۷۔

دوم:۔ حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ نے تمتع۔ یعنی عمرہ کر کے حلال ہو جانے اور پھر از سر نو حج کے لئے احرام باندھنے کو منع فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ و غیرہ صحابہ ان کے مخالف تھے، دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۳۹۳ و ۴۰۲ بلکہ ترمذی کے صفحہ ۱۰۲ میں ہے کہ عبداللہ بن عمر اس مسئلہ میں باپ کے مخالف تھے۔ کسی نے عبداللہ بن عمر سے اسی تمتع کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جائز فرمایا۔ پھر سائل نے کہا کہ تمہارے باپ حضرت عمر تو منع کرتے تھے، اس کے جواب میں عبداللہ بن عمر نے کہا کہ بھلا اگر ایک کام کو پیغمبر خدا نے کیا ہو، میرے باپ نے منع کیا ہو۔ تو کہو رسول خدا کا اتباع کیا جاوے گا یا میرے باپ کا۔

سوم:۔ حضرت عمر پانی نہ ملنے کی حالت میں بھی جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے۔ جس میں صحابہ ان کے مخالف رہے۔ دیکھو صحیح مسلم صفحہ ۱۶۱ بلکہ ان کی اس بات کو ائمہ مذہب سے بھی کسی

نے قبول نہیں کیا اور بعض نے خود حضرت عمرؓ کا رجوع اس مسئلہ سے نقل کیا ہے۔

چہارم ۔ علی المرتضیٰؓ نے ایک قوم مرتدین کو جلا دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان پر انکار کیا اور حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بیان کی کہ آپ نے جلانے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۲۳ غرضکہ بہت جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرتؐ کے فعل کو خلفاء کے فعل پر مقدم رکھا ہے۔ اس سے میری غرض یہ نہیں کہ خلفاء کا ہر فعل کچھ درجہ نہیں رکھتا۔ بلکہ میری غرض یہ ہے کہ مؤلف کے قول باطل کی طرح خلفاء کا فعل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کے ساتھ مساوی درجہ نہیں رکھتا بلکہ بہت فرق ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کا فعل سنت ہے۔ اور خلفاء کا فعل مستحب اور یہی ہمارا مطلوب تھا۔ غرضکہ دلائل مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ بقول صاحب فتح القدیر حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین سے خلفاء کا فعل فقط مندوب یعنی مستحب ہی کا درجہ رکھتا ہے نہ سنت کا اور یہ بحث بھی اس تقدیر پر ہے کہ جب خلفاء سے وہ فعل نبوی نہ منقول ہو۔ اور جہاں فعل نبوی کے ساتھ خلفاء کا فعل بلکہ امر بھی ہو تو بالاصل وہ کام سنت ہوگا۔ اور مقدم ہوگا۔ اس فعل پر جو فقط خلفاء کا فعل ہو۔ چنانچہ گیارہ رکعت تراویح اول اور آخر شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل واضحہ اور صحیحہ کے ساتھ ثابت ہوئیں۔ اور محققین حنفیہ نے بھی فقہ میں درج کردیا۔ اور اس کے ساتھ حضرت عمرؓ کا فرمان بھی گیارہ رکعت کے ساتھ صادر ہوا۔ جس کو ہم نے چار روایتوں سے ثابت کیا۔ اور خود حنفیہ نے بھی اس کو صحیح مان لیا۔ تو گیارہ رکعت تراویح سنت نبوی بھی ہوگئیں اور سنت خلفاء بھی اور بیس رکعت بموجب بعض روایت کے فقط سنت خلفاء رہ گئیں۔ جس سے فقط نفل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ سنت کا درجہ نفل سے بڑھ کر ہے۔

فصل چھٹی ۔ مؤلف کے اس قول کے ابطال میں کہ بیس ہی رکعت تراویح پر اجماع ہوا۔ جب ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ اور تابعین اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ بلکہ خود حنفیہ سے گیارہ رکعت تراویح ثابت کریں تو اجماع کا دعویٰ باطل ہوگیا۔ بایں ہمہ ہم کچھ اور بھی لکھتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ مؤلف نے دعویٰ اجماع کس دلیل سے ثابت کیا۔ اگر فقط لفظ الناس سے لیا ہے جس کے معنے لوگوں کے ہیں۔ یعنی لوگ خلفاء کے زمانہ میں بیس پڑھتے تھے تو اس میں کلام ہے۔

کیونکہ ان میں بعض لوگوں کے لفظ سے اجماع ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ سنت خلفاء بلکہ فقط فعل صحابہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ خلفاء کا فعل بیس رکعت کا بسند صحیح مؤلف نے اب تک ثابت نہیں کیا، بلکہ اس کے خلاف گیارہ رکعت کا حکم خلفاء موجود ہے، اور مؤلف نے جو کہا ہے، کہ اگرچہ اجماع قولی ثابت نہیں ہوا لیکن اجماع سکوتی اور فعلی تو ثابت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع کے بقول مؤلف تین درجہ ہیں۔ اول قولی، دوم فعلی، سوم سکوتی، سو مؤلف نے پہلے دو درجوں میں سے قولی کا خود ہی انکار کر دیا۔ کہ خلفاء کے قول سے تو بیس ثابت نہیں ہوئیں، اور ان کے فعل کا دعویٰ تو کیا لیکن کوئی روایت بسند صحیح خلفاء کے فعل کی پیش نہ کر سکے، باقی رہا ان کا سکوت سو ہم نے واضح طور سے گیارہ رکعت کو حضرت عمرؓ کے قول اور صحابہ کے فعل سے ثابت کر دیا۔ جس سے دعویٰ اجماع سکوتی کا باطل ہوا۔ یعنی گیارہ پر حضرت عمرؓ کا حکم بھی ہے، اور صحابہ کا عمل بھی، اور بیس پر نہ خلفاء کا عمل ثابت کیا۔ اور نہ ان کا کوئی قول ثابت ہوا کہ خود مؤلف نے اقرار کیا۔ بلکہ سکوت ہے اور ہر عاقل جانتا ہے کہ قول سکوت پر مقدم ہوتا ہے، اور یہی مطلوب ہے، تو بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا، بلکہ ان کے طریق گیارہ پر اجماع ثابت ہوا۔

فصل ساتویں:۔ اس بیان میں کہ علاوہ گیارہ کے بیس سے کم اور زائد ستائیس تک تراویح سلف صالحین سے مروی ہیں، جس سے بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوتا ہے،

اس بارے میں ہم وہ عبارت فتح الباری کی نقل کرتے ہیں، جس کو خود مؤلف نے ذکر کیا ہے۔ لیکن چونکہ مؤلف نے دغابازی اور عوام کو دھوکہ دینے کی غرض سے پوری عبارت نقل نہیں کی کیونکہ صاحب فتح الباری نے روایات کو بیان کر کے گیارہ اور تیرہ کو اس طور پر ترجیح دی ہے، کہ وہ حنفیہ کے موافق نہیں، لہٰذا ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں، تاکہ مؤلف کی خیانت بھی لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ اور بیس سے کم اور زائد تراویح پر سلف کا ثابت ہو کر بیس پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا اور بیس ہی پر حصر کرنا اور کم زیادہ پر طعن کرنا بھی غلط ثابت ہو۔ چنانچہ فتح الباری جلد رابع کے اسی صفحہ ۲۱۹ میں جس کا خود مؤلف نے حوالہ دیا ہے یہ لکھا ہے،

عبارت فتح الباری

لم يقع في هذه الرواية عدد الركعات التي كان يصلي بها أبي بن كعب وقد اختلف في ذلك ففي الموطأ عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنها إحدى عشرة ورواه سعيد بن منصور من وجه آخر وزاد فيه وكانوا يقرءون بالمائتين[1] ويقومون على العصي من طول القيام ورواه محمد بن نصر المروزي من طريق محمد بن إسحاق عن محمد بن يوسف فقال ثلاث عشرة ورواه عبد الرزاق من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال إحدى وعشرين وروى مالك من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد عشرين ركعة وهذا محمول على غير الوتر وعن يزيد بن رومان قال كان الناس يقومون في زمان عمر بثلاث وعشرين وروى محمد بن نصر من طريق عطاء قال أدركتهم يصلون عشرين ركعة وثلاث ركعات الوتر والجمع بين هذه الروايات ممكن باختلاف الأحوال ويحتمل أن ذلك الاختلاف بحسب تطويل القراءة وتخفيفها فحيث يطيل القراءة تقل الركعات وبالعكس وبذلك جزم الداودي وغيره والعدد الأول موافق لحديث عائشة المذكور بعد هذا الحديث في الباب والثاني قريب منه والاختلاف فيما زاد عن العشرين راجع إلى الاختلاف في الوتر وكأنه كان تارة يوتر بواحدة وتارة بثلاث وروى محمد بن نصر من طريق داود بن قيس قال أدركت الناس في إمارة أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعني بالمدينة يقومون بست وثلاثين ركعة ويوترون بثلاث وقال مالك هو الأمر القديم عندنا وعن الزعفراني عن الشافعي رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلاثين وبمكة بثلاث وعشرين وليس في شيء من ذلك ضيق وعنه قال إن أطالوا القيام وأقلوا السجود فحسن وإن أكثروا السجود وأخفوا القراءة فحسن والأول أحب إلي وقال الترمذي أكثر ما قيل فيه أنها تصلى إحدى وأربعين ركعة يعني بالوتر كذا قال وقد نقل ابن عبد البر عن الأسود بن يزيد تصلى أربعين ويوتر بسبع وقيل ثمان وثلاثين ذكره محمد بن نصر عن ابن أيمن عن مالك وهذا يمكن رده إلى الأول بانضمام ثلاث الوتر لكن صرح في روايته بأنه يوتر بواحدة فتكون أربعين ـ

---

[1] كذا في الاصل ولعله المئين ١٢ ـ

إلا واحدة قال مالك وعلى هذا العمل منذ بضع ومائة سنة وعن مالك ست واربعين وثلاث الوتر وهذا هو المشهور عنه وقد رواه ابن وهب عن العمري عن نافع قال لم ادرك الناس الا وهم يصلون تسعا وثلاثين ويوترون منها بثلاث وعن زرارة بن اوفى انه كان يصلي بهم بالبصرة اربعا وثلاثين ويوتر وعن سعيد بن جبير اربعا وعشرين وقيل ست عشرة غير الوتر وروى عن ابي مجلز عند محمد بن نصر واخرج من طريق محمد بن اسحاق حدثني محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال كنا نصلي زمن عمر في رمضان ثلاث عشرة قال ابن اسحاق هذا اثبت ما سمعت في ذالك وهو موافق لحديث عائشة في صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم من الليل والله اعلم انتهى ما في فتح الباري شرح صحيح بخاري -

ترجمہ۔ اس بخاری کی روایت میں تراویح کی تعداد مذکور نہیں ہوئی۔ جو ابی بن کعب پڑھایا کرتے تھے۔ اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ موطا امام مالک میں محمد بن یوسف سے روایت ہے کہ سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں۔ کہ وہ گیارہ رکعت تھیں۔[1] اور اسی روایت گیارہ والی کو سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ مئین سورتیں[2] پڑھا کرتے تھے۔ اور طول قرأت کے سبب عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور روایت کیا اس کو محمد بن نصر مروزی نے محمد بن اسحاق کے طریق سے وہ محمد بن یوسف سے اور اس میں تیرہ رکعت بیان کی ہیں۔ اور عبدالرزاق نے دوسرے طریق سے اکیس رکعت روایت کی ہیں۔ اور مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے اس نے سائب بن یزید سے بیس رکعت کی روایت ہے۔ اور یہ سوائے وتر کے محمول ہے۔ اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمر کے زمانہ میں تیئیس

---

[1] پوری روایت یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو حکم فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت تراویح پڑھایا کریں۔۱۲۔

[2] وہ سورتیں جن کی آیتیں سو سے زائد ہیں۔۱۲۔ واللہ اعلم۔

پڑھا کرتے تھے، اور محمد بن نصر نے عطاء کے طریق سے روایت کی ہے، کہا عطاء نے کہ میں نے لوگوں کو پایا ہے کہ تیئیس رکعت مع الوتر پڑھتے تھے۔ ان[1] روایات میں یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ سب روایتیں مختلف اوقات پر محمول ہیں، یعنی کبھی گیارہ رکعت اور کبھی تیرہ اور کبھی اکیس اور کبھی تیئیس پڑھتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ رکعتوں کی کمی زیادتی قرات کے زیادہ اور کم ہونے کے باعث ہے، جب قراۃ زیادہ پڑھتے تو رکعتیں کم پڑھتے، اور قراۃ میں تخفیف کرتے تو رکعتیں زیادہ کر دیتے اس تطبیق کے ساتھ داؤدی وغیرہ اہل علم نے جزم کیا ہے، اور پہلا عدد گیارہ رکعت کا آنحضرت کے فعل کے موافق ہے، جو اسی باب میں حضرت عائشہؓ کی حدیث میں مذکور ہے، اور دوسرا عدد تیرہ رکعت کا بھی اسی کے قریب ہے، اور بیس سے زیادہ یعنی اکیس اور تیئیس میں جو اختلاف ہے، وہ وتر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہے کبھی ایک وتر پڑھتے۔ تو اکیس ہو جاتیں اور تین پڑھتے تو تیئیس۔ اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبد العزیز کے عہد میں لوگوں کو مدینہ میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتے پایا ہے، مالک نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی قدیم سے رائج ہے، اور زعفرانی سے روایت ہے کہ شافعیؒ نے کہا کہ میں نے لوگوں کو مدینہ میں انتالیس اور مکہ میں تیئیس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ اور ان میں کسی بات پر تنگی نہیں ہے، اور شافعی ہی سے روایت ہے کہ اگر لوگ قیام کو لمبا اور رکعتوں کو کم کریں، تو اچھا ہے، اور اگر رکعتیں زیادہ پڑھیں اور قراءۃ کو کم کر دیں تو بھی اچھا ہے، لیکن قرات کو زیادہ کرنا اور رکعتوں کو کم کرنا میرے نزدیک محبوب تر ہے، ترمذی نے کہا زیادہ سے زیادہ اکتالیس رکعت تک مروی ہے، یعنی وتر سمیت ترمذی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے، اور تحقیق ابن عبد البر نے نقل کیا ہے، کہ اسود بن یزید سنتالیس رکعت پڑھتے

---

[1] ترجمہ کی جس عبارت کو ہم نے جلی قلم سے لکھوا دیا ہے اس میں اشارہ ہے، اور اس تطبیق اور گیارہ کی ترجیح وغیرہ کو جو مؤلف نے عمداً چھوڑ دیا تھا۔ اور حق کو چھپانا چاہا تھا اس کی قلعی اس سے کھول دی گئی۔ ۱۲۔

اور بعض نے کہا اڑتیس ۳۸ رکعت اس کو محمد بن نصر نے بروایت ابن ایمن مالک سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ تین وتر ملانے سے وہی اکتالیس ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس میں ایک وتر کی تصریح کی ہے، تو اڑتالیس رکعت ہوئیں مالک نے کہا کئی اوپر سو برس سے اسی پر عمل چلا آیا ہے، اور مالک سے چھتیس رکعت نفل اور تین وتر بھی منقول ہیں، اور مشہور ان سے اسی طرح ہے، اور تحقیق ابن وہب نے عمری سے اور عمری نے نافع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جن لوگوں کا زمانہ پایا ہے، وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے، تین ان میں وتر ہوتے، اور زرارہ بن اوفی تابعی سے روایت ہے کہ وہ لوگوں کو بصرہ میں علاوہ وتر کے چونتیس رکعت پڑھاتے تھے، اور سعید بن جبیر تابعی کبیر سے علاوہ وتر کے چوبیس رکعت کی روایت ہے، اور بعض نے کہا علاوہ وتر سولہ رکعت روایت کیا اس کو محمد بن نصر نے ابی مجلز تابعی سے اور محمد بن نصر نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے، کہ مجھ کو محمد بن یوسف نے حدیث کی ہے کہ ان کے دادا سائب بن یزید صحابی نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، ابن اسحاق تابعی کہتے ہیں کہ اساتذہ سے جو ہم نے سنا ہے، اس میں یہی تیرہ رکعت کی روایت زیادہ ثابت ہے اور وہ آنحضرت کی نماز شب کے موافق بھی ہے، جو حضرت عائشہؓ کی حدیث میں مذکور ہے تمام ہوا۔ ترجمہ عبارت فتح الباری شرح بخاری کا۔

ان روایات مذکورہ بالا نے کل دعاوی مؤلف کے باطل کر دیئے۔ یعنی صاحب فتح الباری جس کو مؤلف بھی معتبر سمجھتا ہے، اس نے آنحضرتؐ اور خلفاء کی سنت اور دیگر صحابہؓ کے فعل سے گیارہ رکعت تراویح ثابت کر دیں، اور ۱۳-۱۶-۲۱-۲۳-۲۴-۳۴-۳۹-۴۱-۴۷ تراویح صحابہ و تابعین سے نقل کیں، اور گیارہ اور تیرہ تراویح کو آنحضرتؐ کی تراویح کے موافق بتا کر انکی ترجیح کی طرف اشارہ کیا۔ پس اس تعداد تراویح مذکورہ بالا سے بیس ہی پہ منحصر ہونے کا دعویٰ اجماع باطل ہوا۔ اور یہی مطلوب تھا۔

(ترویح المسرحین صفحہ ۲ تا ۲۴)

بَابُ التراویح

سوال: ایک حافظ صاحب اہلحدیث نے سارے رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح ایک مسجد میں پڑھائی اور تاویل یہ کی کہ آٹھ رکعت تو سنت ہیں، باقی نوافل میں محسوب ہو کر سنت ٹھہری ہیں، اس پر احناف صاحبان تو بہت خوش ہوئے مگر بعض اہلحدیث اس پر سخت ناراض ہوئے اس پر صاحب مذکور ایک روایت مرفوعاً بیس رکعت تراویح کے متعلق جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ہیں بحوالہ بیہقی پیش کرتے ہیں اور ایک اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا بحوالہ موطا امام مالک بتاتے ہیں، مگر حافظ صاحب کی اس بات سے اہلحدیثوں کو تسلی نہیں ہوئی، لہٰذا آپ بیس رکعت تراویح کے متعلق خلاصہ تحریر فرما دیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت عمر نے بیس رکعت نماز تراویح پڑھی ہے یا آٹھ رکعت؟

جواب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت نماز تراویح کبھی بھی کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے، بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان و غیر رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھا کرتے تھے، و نیز بعض روایات صحیحہ میں یوں بھی ہے کہ نماز تہجد تیرہ رکعت بھی مع الوتر پڑھی ہے۔ اس سے زیادہ آپ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی گیارہ رکعت تراویح کا ثبوت ہے۔ موطا امام مالکؒ میں ہے۔ امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب و تمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب و تمیم داری صحابی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں گیارہ رکعت پڑھایا کرو، سوال میں جس حدیث کا ذکر بحوالہ بیہقی کیا گیا ہے اور اس سے بیس رکعت پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن وہ سخت ضعیف ہے قابل حجت نہیں ہے۔ علامہ عینی و ابن الہمام جیسے سخت حنفی بھی اس کے ضعف کو مانتے ہیں ملاحظہ ہو، ہدایہ کی شرح عینی و فتح القدیر، علامہ جمال الدین زیلعی حنفی نصب الرایہ تخریج الہدایہ میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں وھو معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر جو بحوالہ موطا سوال میں ذکر ہے اور اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت ثابت کی جاتی ہے وہ بھی سخت ضعیف ہے، علامہ زیلعی اس کے متعلق لکھتے

ہیں۔ اس میں یزید بن رومان جو حضرت عمرؓ سے روایت بیان کرتا ہے وہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد پیدا ہوا ہے اس کو حضرت عمرؓ سے سرے سے ملاقات ہی نہیں ہے، جو لوگ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے بیس رکعت خود پڑھی یا لوگوں کو بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا وہ لوگ حضرت عمرؓ پر صریح بہتان باندھتے ہیں، حافظ مذکور فی السوال کا استدلال غلط ہے، آٹھ رکعت تو ان کی درست ہے اور باقی خلاف شرع و خلاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اہلحدیث کا ہمیشہ سے یہی شیوہ رہا ہے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور اس کے ماسوا کو جواب دیدے، نہ کہ مثل مقلدین تاویلات رکیکہ سے کام لے۔ (اہلحدیث گزٹ جلد ۵ شمارہ ۱۹)

سوال:۔ اگر کوئی حافظ اہلحدیث بیس رکعت تراویح پڑھاوے۔ اور بیس رکعت میں آٹھ رکعت کو سنت نبوی سمجھے اور بقیہ رکعات کو نوافل خیال کرے تو درست ہے یا نہیں۔ کیا بیس رکعت تراویح پڑھنا پڑھانا بدعت فاروقی ہے، حالانکہ ایک روایت مرفوع ضعیف بروایت ابن عباس سنن بیہقی و طبرانی و ابن ابی شیبہ میں آئی ہے ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یصلے فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۳)

و نیز بیس رکعت تراویح پر تعامل صحابہ و تابعین بھی ہے۔ عن السائب ابن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر رواہ البیہقی فی المعرفۃ قال النووی فی الخلاصۃ وفی شرح المھذب ایضا اسنادہ صحیح۔ (نصب الرایۃ ج ۲ ص ۱۵۴)

وقال العلامۃ الفاضل اللکھنوی عبد الحی الحنفی فی عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ نعم ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر وعثمان وعلی فمن بعدھم اخرجہ مالک وابن سعد والبیہقی وغیرھم وما واظبت علیہ الخلفاء فعلا اوتشریعا ایضا سنۃ لحدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین اخرجہ ابوداؤد وابن ماجۃ والترمذی ایضا۔

اور مقلدین ائمہ اربعہ کا تعامل بھی آج کل اسی پر ہے، حرمین وغیرہ میں پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح پڑھنا یا پڑھانا آٹھ رکعت کو مسنون سمجھتے ہوئے درست ہے یا نہیں۔ اور اس کو بدعت عمری کہنا کیسا ہے، اور اثر حضرت عمر بن الخطاب صحیح قابل استدلال

ہے یا نہیں۔ مدلل اس پر خامہ فرسائی کریں، یہ مسئلہ اختلافیہ ہے العات کو ملحوظ فرماویں۔

(سائل عبدالحق عبدالسند بہاولپوری)

الجواب۔ وہو اللہ الملہم بالصدق والصواب۔ از قلم حقیقت رقم حضرت الفاضل مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی سلمہ ربہ۔

جواب۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تراویح آٹھ رکعت سے زائد بالاتفاق موافق و مخالف ثابت نہیں بلکہ بیس کی روایت صحیح کے معارض ہے، فاضل لکھنوی تعلیق الممجد صفحہ ۱۳۸ میں فرماتے ہیں قال جماعۃ من العلماء منہم الزیلعی وابن الہمام والسیوطی والزرقانی ان ھذا الحدیث مع ضعفہ معارض لحدیث عائشۃ الصحیح فی عدم الزیادۃ علی احدیٰ عشرۃ رکعۃ فیقبل الصحیح ویطرح غیرہ ثم قال لاشک فی صحۃ حدیث عائشۃ وضعف حدیث ابن عباس وقال فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنۃ احدیٰ عشرۃ رکعۃ بالوتر فعلہ علیہ السلام ثم ترکہ لعذر بہ صرح ابن الہمام فی شرح ھدایۃ وقال صاحب البحر الرائق ایضا لاشک فی تحقق الامر من عزواتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

شیخ عبدالحق شارح مشکوٰۃ اپنی کتاب فتح سر المنان فی تائید مذہب النعمان قلمی صفحہ ۔۔ میں فرماتے ہیں ولم یثبت روایۃ عشرین کما ھو المتعارف الان الا فی روایۃ ابن ابی شیبۃ من حدیث ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذکر الحدیث ثم قال و قالوا اسنادہ ضعیف وقد عارضہ حدیث عائشۃ وھو حدیث صحیح وکانت عائشۃ رضی اللہ عنہا اعلم بحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان الامر علی ذلک بامرہ۔

نصب الرایہ زیلعی طبع ہند ج ا صفحہ ۲۹۳ فتح القدیر جلد ا صفحہ ۲۰۵ میں بعد ذکر روایت ابن عباس متفق علی ضعفہ مع مخالفتہ الصحیح۔ اوجز المسالک میں زکریا کاندھلوی اپنا عقیدہ تحریر کرتے ہیں لاشک ان تحدید التراویح فی عشرین لم یثبت مرفوعا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق صحیح علی طریق اصول المحدثین وما ورد فیہ

من روایۃ ابن عباس متکلم فیہا علی اصولہم۔ انور شاہ کشمیری فیض الباری ج ۲ صفحہ ۴۲۰ باب قیام النبی میں لکھتے ہیں۔ ثمان التراویح لم یثبت مرفوعاً ازید من ثلاث عشرۃ رکعۃ الا بطریق ضعیف وقال الثابت منہ ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ لطائف قاسمیہ مکتوب سوم صفحہ ۱۸ میں نانوتوی لکھتے ہیں۔ ویازدہ از فعل سرور صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ از سنت مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فاضل علامہ حسن الشرنبلالی حنفی لکھتے ہیں۔ صلوتہا بالجماعۃ سنۃ کفایۃ لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر۔ انور شاہ کشمیری عرف الشذی صفحہ ۳۲۹ میں لکھتے ہیں۔ ولا مناص من تسلیم ان تراویحہ علیہ السلام کانت ثمانی رکعات صفحہ ۳۳۰ میں لکھتے ہیں واما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصح عنہ ثمان رکعات واما عشرون رکعۃ عنہ علیہ السلام بسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔

امام محمد تلمیذ الامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں باب قیام شہر رمضان قائم کر کے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو پیش کیا جس میں ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ جو اس امر پر صریح اور واضح طور پر دال ہے کہ قیام رمضان حنفیہ کے نزدیک بھی وہی گیارہ مع الوتر ہیں، زائد نہیں اور اسی کو ابن الہمام اور ابن نجیم صاحب بحر و دیگر محققین احناف نے تقرر فرمایا بلکہ فاضل الطحاوی شرح در مختار صفحہ ۲۹۵ طبع مصر میں اور ابوالسعود شارح کنز صفحہ ۲۶۵ طبع مصر میں فاضل ... سے نقل کرتے ہیں۔ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یصلہا عشرین بل ثمانیا ولم یواظب علی ذلک۔

البتہ ایک بات لکھی تھی وہ یہ تھی کہ بیس متابعۃ نہیں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف آٹھ ہی ہیں اور بارہ بسبب فعل خلفاء کی بنا پر مگر میں کہتا ہوں اس میں فاضل ابن ہمام سے تساہل ہوا ہے خلفاء ورنہ گزر کرنے وہ یہ ہے کہ قول خلفاء صحابی تک کسی نے ثابت نہیں کیا اور سند کرنے کی کسی میں جرأت ہے صحیح سند سے ایک روایت سنن کبریٰ میں حضرت علی کی ہے مگر ثابت نہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں وہ دو طریق پر ہے ایک ان کے زمانہ کی اطلاع اور ثانی امر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے زمانہ کی اطلاع ایک تو بطریق منقطع ہے چنانچہ موطا میں بروایت یزید بن رومان وارد ہے اور یہی سنن کبریٰ وغیرہ میں ہے۔

فاضل سیوطی المصابیح میں لکھتے ہیں۔ لکن فی الموطا ومصنف سعید بن منصور بسند فی غایۃ الصحۃ عن السائب بن یزید احدی عشرۃ رکعۃ۔ صلا جلد ۲ میں فاضل سیوطی لکھتے ہیں۔ قال الجوزی من اصحابنا عن مالک انہ قال الذی جمع علیہ الناس عمر بن الخطاب احب الی وھو احدی عشرۃ رکعۃ وھی صلوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قیل لہ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر قال نعم وثلث عشرۃ قریب قال ولا ادری من این احدث ھذا الرکوع الکثیر۔

میں کہتا ہوں گیارہ رکعت بحکم عمرؓ یہ طحاوی شرح معانی الآثار میں بھی ہے اس میں صاف اور واضح ہے کہ امر عمر ابن الخطاب ابی بن کعب وتمیم الداری ان یقوما للناس باحدیٰ عشرۃ رکعۃ۔

قیام اللیل مروزی میں بھی ہے امر بالاتفاق قوی ہوا کرتا ہے، اور لوگوں کا فعل اس سے نفس خلیفہ کو کیا۔ واسطہ لوگوں کا کرنا یہ قابل حجت بالاتفاق نہیں ان کا تعامل ان کا حکم البتہ قابل سماعت ہے۔ اور علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ان کے فعل سے تعلق رکھتا ہے، یا تعامل عہد خلفاء سے سوچنے کی بات ہے، یہ اہل تحقیق حنفیہ کا بھی کلام نہیں۔ البتہ مستفاد الناس کا ضرور خیال ہے۔ ورنہ آیئے ہم بتاتے ہیں کہ خلفاء کا امر اور فعل بھی ان کے یہاں اس قابل نہیں کہ ان کے مقابل امام کی بات ترک کی جائے دیکھو۔ زکوٰۃ الجنین۔ اخراج النساء الی المصلی۔ حکم بالشاہد والیمین۔ وتر رکعۃ واحدۃ۔ وقطع الید فی خمسہ دراہم۔ مسئلہ غلس۔ سجود تلاوت قرآن۔ قطع النباش۔ وجوب وتر۔ تکبیرات رکوع۔ نکاح بلاولی۔ طلاق المکرہ۔ مسح العمامہ۔ زکوٰۃ مال الیتیم۔ ایمان کی کمی بیشی۔ مسح جرابین۔ جلا وطن زانی وغیرہ وغیرہ لیتے اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں ان مقامات میں تو ان کے اقوال و اعمال تک موجود ہیں، یہاں علیکم بسنتی حدیث غالباً منسوخ ہو گئی ہوگی۔ اور جہاں نہ فعل خلیفہ اور نہ ہی امر وہاں علیکم بسنتی وارد۔ فیاللہ العجب وضیعۃ العلم والادب۔

بعض لوگ تہجد و تراویح کو جداگانہ قرار دے کر زیادت علی الثمانیہ پر بھی استدلال کرتے ہیں العرف الشذی صلا۳۲۹ میں ہے۔ ولم یثبت فی روایات انہ علیہ السلام

صلی المتراویح والتہجد علیٰ حدۃ فی رمضان۔ فیض الباری ص۲۲۰ میں لکھا ہے، قال عامۃ العلماء ان التراویح وصلوٰۃ اللیل نوعان مختلفان والمختار عندی انہما واحد وان اختلف صفتہما۔ رہا بیس کو سنت عمری یا بدعت عمری کہنا اصلاً غلط نا قابل مسموع۔ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ بیس رکعت نہ ہی فعل عمر سے وارد اور نہ ہی امر فاروق سے ثابت۔ پھر زبردستی حضرت عمرؓ کے متھے تھوپنا کیا انصاف مراحل دور نہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فاضل سیوطی حاوی ص۳۵۰ جلد ۲ میں لکھتے ہیں ولو فعل العشرین ولو مرۃ لم یترکہا ابداً ولو وقع ذلک لم یخف علیٰ عائشۃ رضی حیث قالت ماتقدم فالحاصل ان العشرین لم تثبت من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم والکلام فیہ اکثر ما تری وہذا لقدر کاف لمن اراد التذکر والہدی وہو ولی الہدایۃ واعلم بمن اہتدیٰ۔

(فتاویٰ ستاریہ جلد ۲ ص۶۰)

سوال:۔ (۱) تراویح پڑھانے پر حافظوں کے لئے اجرت لینی جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) جو حافظ اجرت پر تراویح پڑھائے اس کو تراویح کا ثواب ملتا ہے، یا نہیں؟

(۳) نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟ (محمد سلیمان از گیا)

جواب:۔ (۱) تراویح پڑھانے پر اجرت لینی ٹھیک نہیں۔ تراویح ایک عبادت ہے، اور عبادت کا عوض دینا اور اس پر اجرت و معاوضہ لینا درست نہیں ہے۔ سئل احمد عن امام قال لقوم اصلی بکم رمضان بکذا وکذا درہما قال اسأل اللہ العافیۃ من یصلی خلف ہذا۔۔۔۔ (قیام اللیل ص۱۴۳) البتہ بغیر شرط کے مقتدی اپنی خوشی سے یہ خیال کرکے کہ تراویح پڑھانے والے نے گھر چھوڑ کر اپنے کو ہمارے یہاں ایک مدت تک مقید کر رکھا اور اپنا وقت پابندی سے صرف کیا ہے، تراویح پڑھانے کی اجرت کی نیت کے بغیر اس کو کچھ دے دیں تو قبول کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعمرؓ ما اتاک من ھذا المال من غیر مسئلۃ ولا اشراف نفس فخذہ۔

۲۔ ایسے حافظ کو اخروی ثواب نہیں ملے گا۔ وہ اجیر محض ہے، جس غرض اور مقصد سے اس نے تراویح پڑھائی ہے، دنیا میں اس کو مل گیا۔

۳۔ ایسا نابالغ لڑکا جو طہارت وغیرہ کا پورا خیال رکھتا ہے، اور سن تمیز کو پہنچ چکا ہے، اور سمجھ دار ہے، اس کے پیچھے تراویح بلا شک وشبہ جائز ہے، عمرو بن سلمہؓ کی حدیث (بخاری وغیرہ) کی رو سے جب ایسے لڑکے کے پیچھے فرض نماز جائز ہے تو تراویح بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ (محدث دہلی جلد ۳ شمارہ ۴)

سوال:۔ رمضان میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تراویح وتہجد دونوں ساتھ پڑھتے تھے یا صرف تہجد اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وا صحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا عمل تھا؟

جواب:۔ اگر عشاء کے بعد قیام اللیل کر لیا جائے تو یہ تراویح ہے، اور سو جانے کے بعد وسط یا آخر شب میں قیام اللیل کیا جائے تو یہ تہجد ہے، اور دونوں طرح جائز ہے جب اول شب میں پڑھیں تو آخر شب میں تہجد پڑھنا جائز ہے، جب اگر آخر شب میں پڑھا تو وہی تراویح اور وہی تہجد ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

راقم احمد عبد السلام غفرلہ مدرس مدرسہ حاجی علی جان دہلی

(اخبار محمدی دہلی جلد ۱۸ ش ۲۲)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ نماز تراویح کچھ نہیں بدعت ہے، نہ وہ خود پڑھتا ہے، اور نہ کسی کو پڑھنے دیتا ہے، جو آدمی نماز تراویح پڑھنے آتا ہے، اس کو مسجد سے بھگا دیتا ہے۔ نماز تراویح کو اول رات جماعت سے پڑھنا یہ سب کاموں کو بدعت کہتا ہے؟

جواب: مزید غلط کہتا ہے، تراویح کی نماز سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے، جیسا کہ صحاح ستہ کی حدیثوں سے پتہ چلتا ہے، بخاری و مسلم میں ہے عن ابی سلمة بن عبد الرحمن انه سأل عن عائشة كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله وآله وسلم فقالت ما كان يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشرة ركعة اور حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب و تمیم داری کو تراویح کی نماز پڑھانے کے لئے امام مقرر کر دیا تھا چنانچہ مؤطا امام مالک میں ہے عن السائب بن يزيد انه قال امر عمر بن الخطاب ابى بن كعب وتميما الداري ان يقوما للناس باحدى عشرة ركعة اور اس نماز کو اول شب و وسط اور آخر شب میں ہر طرح پڑھنا جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر آخر شب میں پڑھی ہے ایک ہر تبہ اول شب سے آخر تک بھی پڑھی ہے، اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے جماعت سے پڑھتے تھے فرض ہونے کے خوف سے آپ نے منع فرمایا جب آپ کا انتقال ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو صحابہ کرام ؓ نے جماعت سے نماز پڑھی ہے، پہلے زمانہ میں اس نماز کو قیام اللیل کہتے تھے۔ بعد میں اس کو تراویح کہنے لگے۔ نام کے بدلنے سے ماہیت نہیں بدلتی اس کی نظیریں بہت سے ہیں، اور تراویح پڑھنے والے کو مسجد سے نکال دینا سخت گناہ ہے، اور نکالنے والا آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۔ کا مصداق ٹھہرے گا۔

(اخبار محمدی جلد ۱، شمارہ ۲۲) | راقم محمد عبدالسلام غفرلہ مدرس مدرسہ حاجی علیجان دہلی

سوال: رمضان مبارک میں بعض لوگوں کا یہ طرز عمل ہے کہ وہ اول شب میں تراویح ادا کر لیتے ہیں۔ مگر وتر نہیں پڑھتے۔ پھر آخر شب میں اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ وتر بھی۔ کچھ لوگ اس پہ معترض ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

الف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جو تین دن تراویح کی نماز

پڑھائی تھی۔ اس کے متعلق حضرت جابرؓ کے یہ الفاظ صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر... سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کے ساتھ ہی آپ نے وتر بھی پڑھ لی تھی۔ لہٰذا یہ طریقہ کہ تراویح پڑھ کر وتر نہ پڑھی جائے۔ بلکہ اس کو تہجد کے ساتھ اخیر رات میں پڑھا جائے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

ب:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خاص رمضان کے متعلق سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت کی نماز رمضان ہو یا غیر رمضان۔ عموماً گیارہ رکعت مع وتر سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ معلوم ہوا کہ رمضان میں بھی آپ کے قیام کی کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی تھیں۔ پس مذکورہ بالا طرز عمل اس حدیث کے بھی خلاف ہے۔

ج:۔ جب تہجد اور تراویح درحقیقت دونوں ایک چیز ہیں تو پھر اول شب میں پڑھ لینے کے بعد آخر شب میں دوبارہ پڑھنا گویا ایک ہی نماز کو دو مرتبہ پڑھنا ہے اور یہ بروایت ابن عمرؓ ممنوع ہے، حیث قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتصلوا صلوۃ فی یوم مرتین۔ (ابوداؤد)

اب سوال یہ ہے کہ کیا معترضین کے یہ استدلالات کی بنا پر مذکورہ بالا طرز عمل کو ناجائز یا خلاف اولیٰ کہنا ٹھیک ہے، اگر ٹھیک ہے، تو پھر اس باب میں افضل صورت کیا ہے؟

(حافظ عبدالتواب از کلکتہ)

جواب:۔ حنفیہ وشافعیہ وغیرہ کے نزدیک تہجد اور تراویح کے درمیان مصداق اور مفہوم دونوں اعتبار سے فرق ہے، العرف الشذی تقریر ترمذی از مولوی انور شاہ مرحوم میں ہے: والمختار عندی انہما واحد ... بین التراویح والتہجد فی عہدہ علیہ السلام لم یکن فرق فی الرکعات بل فی الوقت والصفۃ ای التراویح تکون بالجماعۃ وفی المسجد بخلاف التہجد وان الشروع فی التراویح یکون فی اول اللیل وفی التہجد فی آخر اللیل انتہی۔

ہوسکتا ہے کہ جو لوگ اول شب میں تراویح ادا کرتے ہیں۔ اور آخر شب میں تہجد اور اس طرح تراویح اور تہجد کے درمیان جمع کرتے ہیں۔ وہ قائلین فرق کے ہم خیال ہوں قائلین فرق بین التراویح والتہجد کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث مذکورہ فی السوال ضعیف ہے۔

آثار السنن للنیموی وغیر ذلک من کتب الحنفیہ، اور حضرت عائشہؓ کی حدیث میں تہجد کا بیان ہے نہ تراویح کا بذل المجہود جلد ۲ صفحہ ۲۹ میں ہے ۱ھ۔

ویشکل ہذا ای حدیث عائشۃ المشار الیہ فی السوال۔ بصلوۃ التراویح فانہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاھا ثلث لیال ثم ترکھا بعذر فرضیتہا والجواب عنہ ان ھذا الحدیث لا تعلق لہ بالتراویح لا نفیا ولا اثباتا فکانہا صلاۃ اخری والاستدلال بھذا الحدیث علی ان التراویح ثمان رکعات لغو ھکذا اکتب مولانا محمد یحیی المرحوم من تقریر شیخہ انتہی یعنی بشیخہ الشیخ رشید احمد الگنگوھی۔ وقال القاری قولہ فی رمضان ای فی لیالیہ وقت التہجد فلا ینافیہ زیادۃ ما صلاھا بعد صلوۃ العشاء من صلوۃ التراویح انتہی ومرقاۃ۔ قلت حدیث لیس بضعیف بل ھو حسن وقد رد شیخنا فی شرح الترمذی وغیرہ من علماء اھل الحدیث فی تصانیفہم علی من رمی تضعیفہ من الحنفیۃ واما حمل الگنگوھی والقاری حدیث عائشۃ علی غیر التراویح فھو مخالف لما صرح بہ محقق علماء الحنفیۃ و الشافعیۃ من مضی قبلہا کما سیاتی فلا یلتفت الی ما قالا بہ۔

اور عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث مذکور فی السوال ان کے مذہب پر مذکورہ بالا طرز عمل کے مخالف نہیں ہے، وھو ظاھر لمن لہ ادنی تامل۔ ہمارے نزدیک تراویح اور تہجد کے درمیان فرق کرنا یعنی دونوں کا مصداق الگ الگ بتانا صحیح نہیں۔ لانہ مخالف الاحادیث الصحیحۃ اور اگر بالفرض دونوں کے درمیان باعتبار مصداق کے فرق ہو بھی

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تراویح اور تہجد کے درمیان جمع کرتا کسی حدیث روایت سے بھی ثابت نہیں خود قائلین فرق کو بھی اس کا اقرار ہے۔ العرف الشذی میں ہے۔ ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ علیہ السلام صلے التراویح والتہجد علیحدۃ فی رمضان بل طول التراویح۔ ای ان قال فی بیان معنی قول عمر والتی تنامون عنہا خیر مما تقومون الخ ولا یتوھم ان مراد عمر ان یاتوا بالتہجد ایضا فانہ لم یثبت عنہ علیہ السلام ولا عن الصحابۃ جمعھم بین التراویح والتہجد انتہی۔

میرے نزدیک (۱) تہجد۔ صلوۃ اللیل۔ قیام اللیل۔ قیام رمضان۔ تراویح۔ ان پانچوں کا مصداق ایک ہے، غیر رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نماز تہجد ہوتی تھی وہی رمضان میں آنحضرتؐ کا قیام رمضان یعنی تراویح ہوجاتی۔ (۲) آپ نے تہجد رات کے اول وسط اور آخر تینوں حصوں میں ادا فرمایا ہے۔ اور چونکہ تہجد اور قیام رمضان (تراویح) دونوں ایک ہیں اس لئے تراویح بھی رات کے ہر حصہ میں ادا کی جاسکتی ہے، (۳) آنحضرتؐ نے خود تراویح اول شب کے بعد بھی بلکہ وسط شب کے بعد ادا کی ہے (۴) اسی طرح آپ نے تراویح با جماعت اور بغیر جماعت کے دونوں طرح ادا فرمائی ہے (۵) ونیز مسجد میں بھی پڑھی، اور گھر میں بھی۔ اور صحابہ کو جماعت کے ساتھ یا انفراداً گھر میں تراویح پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ہے۔ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرء فی بیتہ۔ (۶) غیر رمضان میں تہجد بھی آپ نے با جماعت ادا فرمایا ہے، ان تمام دعووں پر دلائل حدیثیہ معتبرہ قائم اور موجود ہیں۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ لولا ضیق النطاق لا تینا بھا جمیعا۔

اصل سوال کا جواب:۔ اگر کوئی شخص اول شب میں جماعت کے ساتھ یا اکیلا آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت یہ سمجھ کر پڑھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی راتوں میں وتر کے علاوہ اسی قدر تطوع فعلاً اور عملاً ثابت ہے، اور یہی تراویح بھی ہے اور نیز

تہجد بھی اور اس قدر پڑھنے سے رمضان کی تراویح مسنونہ (قیام رمضان جس پر مخصوص ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے) ادا ہو جائے گی۔ لیکن ثواب موعود مخصوص کے علاوہ محض مزید ثواب حاصل کرنے کی نیت سے آخر شب کو افضل سمجھ کر اس میں بھی کچھ نوافل (جن کے بارے میں اس کو اختیار ہے کہ پڑھے یا نہ پڑھے، اور جو مؤکدہ نہیں ہیں) ادا کرے بشرطیکہ اول شب میں پڑھی ہوئی رکعتوں کو تراویح اور ان زوائد نوافل کو تہجد نہ سمجھے تو اس کا یہ طرزِ عمل نہ ناجائز ہوگا اور نہ مکروہ۔ اس طرزِ عمل کے ناجائز یا خلاف اولیٰ ہونے پر مذکورہ بالا ہر سہ استدلال مخدوش ہے۔

(الف) حضرت جابرؓ کی حدیث مذکور فی السوال میں لفظ صلی فاوتر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وتر تراویح کے بعد بلا تاخیر و توقف ادا فرمائی لیکن یہی حدیث قیام اللیل للمروزی صفحہ ۹۰ میں بایں لفظ مروی ہے، صلی رسول اللہ فی رمضان ثمان رکعات والوتر۔ اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں صحیح ابن حبان سے بایں لفظ ذکر کیا ہے۔ صلی بھم ثمان رکعات ثم اوتر۔ اور حافظ زیلعی نے نصب الرایہ فی تخریج ہدایہ میں جلد ۱ صفحہ ۲۷۶ و ۲۹۳ بایں لفظ نقل کیا ہے۔ فصلی ثمان رکعات والوتر۔ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ساتھ بلا توقف و تاخیر وتر ادا کرنے پر نہیں دلالت کرتے، اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر اور کسی شئے کے ذریعہ فصل کئے ہوئے بغیر تراویح کے ساتھ وتر ادا کر لی تھی۔ تو بھی مذکورہ طرزِ عمل اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخر شب کی یہ نوافل بھی تراویح کا ہی جز نہیں، اور اس کے حکم میں ہیں۔ مگر اس طرح کر پڑھنے والا ان کے بارے میں مخیر ہے، گویا یہ نوافل تراویح سے خارج اور اس کے علاوہ نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے اجزا زوائد ہیں۔ پس اس شخص کی وتر بھی تراویح کے ساتھ بغیر توقف کے ادا ہوئی۔ یہ نوافل تراویح سے الگ تہجد نہیں ہیں کہ بجائے تراویح کے تہجد کے ساتھ وتر کا ادا کرنا لازم آئے کیونکہ رمضان میں تراویح اور تہجد دونوں ایک ہیں یہاں زیادہ سے زیادہ یہ بات پائی گئی کہ اس نے

تراویح کے کچھ حصہ کو اول شب میں ادا کیا۔ اور کچھ حصہ کو جو زائد اور نوافل کے درجہ میں اور غیر مؤکدہ ہے۔ آخر شب میں ادا کیا وھذا لا باس بہ۔ اس حدیث سے اعتراض تو ان لوگوں پر پڑے گا۔ جو تراویح اور تہجد میں فرق کریں، اور اول شب کی رکعتوں کو تراویح اور آخر شب کی نوافل کو تہجد سمجھیں، اور وتر کو تراویح کے بجائے تہجد کے ساتھ ادا کریں وھذا لم نقل بہ فلا یرد علینا۔ و نیز حضرت جابرؓ کی حدیث میں جو طریق عمل مذکور ہے اس شخص کے لئے ہے، جو اول شب میں تراویح یا تہجد پڑھنے پر اکتفا کرے بخلاف اس شخص کے جو تراویح یا تہجد کو کچھ رکعتیں اول شب میں ادا کرنا چاہیے، اور کچھ آخر میں تو ایسے شخص کے لئے اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وترا کی بنا پر سے وتر مؤخر کرکے آخر شب کی نوافل کے بعد ادا کرنا۔ اولیٰ و افضل ہے۔ و نیز حدیث جابرؓ سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتﷺ کی وتر جس قدر تطوع آپ کو ادا کرنا تھا، اس سے متصل تھی یعنی آپ نے اس کو مؤخر نہیں کیا تھا۔ اب جو شخص آخر رات میں نفل ادا کرکے وتر پڑھے، اس کی وتر بھی تطوع سے مؤخر نہیں ہو گی فلا مخالفۃ بین فعلہ و ما یدل علیہ حدیث جابر۔ و نیز جابرؓ کی حدیث تراویح کی آٹھ رکعتوں کے ساتھ بغیر توقف و تاخیر کے وتر پڑھنے کے وجوب پر نہیں دلالت کرتی کہ مذکورہ طرز عمل کو نا جائز کہا جائے۔

(ب) حضرت عائشہؓ کی حدیث میں بلا شک و شبہ تراویح کا ہی بیان ہے۔ ملاحظہ ہو فتح القدیر لابن الھمام الحنفی جلد ۱ ص۲۹۵ نصب الرایہ للزیلعی الحنفی ج ۱ ص۲۹۳ موطا امام مالک ص۱۳۸ العرف الشذی للمولوی انور شاہ الحنفی ص۳۲۹ معرفۃ السنن للبیہقی الشافعی جلد ۲ ص۲۹۵ و ص۲۹۶ صلوۃ التراویح للسیوطی الشافعی ص۱۹ فتح الباری للحافظ ابن حجر الشافعی جلد ۲ ص۳۱۲،۲۱۲ عمدۃ القاری للعینی الحنفی پ۱۱ ص۱۲۸ عارضۃ الاحوذی لابن العربی المالکی ج ۴ ص۱۹ فتح سر المنان (مخطوطہ) للمولوی عبد الحق الدھلوی الحنفی۔

رکعتوں کی حدیث مذکورہ طرزِ عمل کے خلاف نہیں ہے خلاف اس وقت ہوتی جب گیارہ سے زائد رکعتوں کو جو آخر شب میں ادا کی جائیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معمولہ اور سنت مسلوکہ اور احادیث میں بیان کردہ مخصوص ثواب کا موجب اور باعث سمجھ کر پڑھا جائے۔ اول شب میں بعض رکعتوں کو پڑھ چکنے کے بعد آخر شب میں بھی نوافل پڑھنے والا تو یہ سمجھتا ہے کہ تراویح کے بارے میں سنت نبوی ثابتہ پر آٹھ رکعت ادا کرنے سے عمل ہوگیا۔ جو اپنی جگہ پر کامل اور اکمل ہے اور وہ ان کے ادا کرنے سے ثواب مخصوص اور اجر موعود کا مستحق ہوگیا۔ اور اب یہ خیال کرکے کہ رمضان کی راتیں بڑی برکت کی ہیں جس قدر نوافل پڑھے جائیں اسی قدر ثواب زیادہ ملے گا۔ اور گیارہ سے زیادہ کی مخالفت یا کراہت بھی ثابت نہیں ہے۔ محض زیادتی ثواب کے لئے وسط شب یا آخر شب میں کچھ اور نفل بغیر تعین کے چار یا چھ یا آٹھ یا دس یا بارہ علیٰ ہذا القیاس پڑھ لیتا ہے ظاہر ہے کہ یہ سمجھ کر پڑھنے میں نہ حدیث مذکور کی مخالفت ہے، نہ ارتکاب مکروہ اور ترک اولیٰ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ احادیث میں بعض اذکار کے معین اعداد پر مخصوص عظیم ثواب اور اجر مذکور ہے، اب اگر کوئی شخص اس بیان کردہ ثواب کے لئے اس عدد کو کافی سمجھے اور حدیث میں اس عدد معین پر ذکر کردہ مخصوص ثواب ملنے کا یقین رکھتا ہوا محض ثواب کے لئے اس ذکر کو چند بار اور کہہ دے ظاہر کہ اس طرزِ عمل کو حدیث کے خلاف نہیں کہا جائے گا۔ نہ مکروہ اور خلافِ اولیٰ اسی طرح یہاں بھی مذکورہ طرزِ عمل حدیث عائشہؓ کے خلاف نہیں ہوگا۔ ونیز نسائی اور ابوداؤد میں ہے:

عن قیس بن طلق قال زارنا ابی طلق بن علی فی یوم رمضان فامسی بنا وقام بنا تلك اللیلة واوتر بنا ثم انحدر الی مسجد فصلی باصحابه حتی بقی الوتر ثم قدم رجلا فقال اوتر بهم فانی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول لا وتران فی لیلة۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی معین (آٹھ) رکعت سے زائد نفل پڑھنے کو صحابہ اور تابعین ناجائز اور مکروہ اور خلاف اولیٰ نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس حدیث میں یہ احتمال کہ تراویح مسنونہ کی بعض رکعتیں ایک جگہ قبل وتر کے، اور بقیہ رکعتیں بعد وتر کے کسی مسجد

میں ادا کیں بعید ہے۔ ولا یترک الظاهر بالمحتملات البعیدة۔

(ج) ۔ حدیث ابن عمر بھی مذکورہ طرز عمل کے خلاف نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں صلوٰۃ سے مراد فریضہ ہے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرض نماز ایک مرتبہ ادا کر لینے کے بعد دوبارہ فرض کی نیت اور جہت سے نہ دہرائی جائے۔ (نیل جلد ۳ صفحہ ۱۸۹) اور تراویح یا تہجد سنت ہے، نہ فرض۔ اور اگر صلوٰۃ کو عموم پر محمول کیا جائے تب بھی مخالفت نہیں ہوگی۔ کیونکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی نماز کو دوبارہ نہ پڑھو۔ چنانچہ نسائی میں یہی روایت لا تعاد الصلوٰة فی یوم مرتین۔ اور صحیح ابن حبان میں نهانی ان نعید صلوٰة فی یوم مرتین . . . . . . (زیلعی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹) کے ساتھ مروی ہے، اور آخری شب میں نوافل پڑھنے والے اول شب میں پڑھی ہوئی رکعتوں کا اعادہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ رکعتیں بھی تراویح کی بجز کر ادا کرتے ہیں۔ لیکن نوافل زوائد کے درجہ میں وههنا وجهان أخران للرد علی من یظن المخالفة بین حدیث بن عمر وهذا العمل المذکور، واعرضنا عن ذکرهما لما فیهما من التکلف والبعد عن الاصابة۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اوپر بیان کردہ قید و شرط کے ساتھ کوئی شخص آخر شب میں بھی نوافل پڑھے۔ اور اس وقت وتر ادا کرے۔ تو یہ طرز عمل ناجائز اور مکروہ نہیں ہوگا بلکہ بلا کراہت جائز ہوگا۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

(محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۵ ۔ بابت ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ)

توضیح: بعوالموفق۔ معترض کا اعتراض مدلل اور قوی ہے، جب کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین یوم تراویح رمضان میں گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابی ابن کعبؓ نے اپنے گھر مستورات کو گیارہ رکعت مع وتر پڑھائیں۔ اور حضرت عمرؓ نے ابی ابن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو تراویح کے لئے گیارہ رکعت مع وتر مقرر کیا۔

مستدل اور الیہ میں ہے کہ جب آپ نے تین دن نماز تراویح کی جماعت کرائی تو الیہ وتر

نے کہا یا رسول اللہ لو نفلتنا قیام ھذہ اللیلۃ فقال ان الرجل اذا صلی مع الامام حتی ینصرف حسب لہ قیام لیلۃ۔ (مشکوٰۃ ص۱۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مقتدی امام کے تراویح مع وتر سے فارغ ہونے تک ساتھ رہے اس کو ساری رات کے قیام کا ثواب ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر کو تراویح کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، اور امام کے ساتھ فارغ ہونے سے ساری رات کے قیام کا ثواب حاصل ہوتا ہے، یہ کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں ہوا کہ باجماعت آٹھ تراویح پڑھ کر وتروں کو چھوڑ کر چلا گیا ہو۔ بلکہ نسائی اور ابوداؤد کی روایت قیس بن طلق سے جو مفتی صاحب نے نقل کی ہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وتروں کو پہلی جماعت کے ساتھ پڑھا بعد میں نفلی طور پہ مسجد میں جا کر جماعت کرائی، اور وتروں کے لئے امام مقرر کیا۔ جو شخص وتروں کے بعد نفل پڑھنا چاہئے۔ پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ قیس بن طلق کی روایت سے ثابت ہے۔ اور قیام اللیل مروزی میں مندرجہ ذیل آثار اور اقوال بھی اس پر دال ہیں کہ رات کو وتر پڑھ کر سونے والا صبح اٹھ کر نوافل ادا کر سکتا ہے۔

(۱) ابن عمر فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے دریافت فرمایا متی توتر قال اوتر ثم انام قال بالحزم اخذت الخ ص۱۱۶ طبع لاہور ۱۳۲۰ھ یعنی آپ کب وتر پڑھتے ہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا وتر پڑھ کر سوتا ہوں، آپ نے فرمایا یہ محتاط طریقہ ہے۔

(۲) اور سعید بن مسیب کے اثر سے واضح ہوتا ہے کہ ابوبکر پھر پچھلی رات اٹھ کر نوافل بھی پڑھا کرتے تھے۔ کان ابوبکر اذا جاء فراشہ اوتر فان قام من اللیل صلے ص۱۱۶ یعنی حضرت ابوبکر سونے سے قبل وتر پڑھتے اگر صبح بیدار ہو جائے تو پھر نوافل پڑھتے۔

(۳) حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں شروع میں، درمیان اور آخر میں بھی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ربما اوتر قبل ان ینام وربما نام قبل ان یوتر یعنی کبھی سونے سے قبل پڑھتے اور کبھی وتر پڑھتے

سے پہلے سو جاتے۔ واضح ہے کہ جب آپ وتر پڑھ کر سوتے تھے تو صبح اٹھ کر نوافل بھی ضرور پڑھتے ہوں گے۔

ان احادیث و آثار سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اگر کوئی اول رات وتر پڑھ لے تو آخر رات اسے نوافل ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے چونکہ صحابہ کرام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل دونوں سے یہ ثابت ہے۔ اس لئے اس میں تردد کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں ایک حدیث میں آیا ہے، عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا (متفق علیہ)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری نماز رات کی وتر ہونی چاہیے سبل السلام شرح بلوغ المرام شیخ محمد بن اسمٰعیل امیر۔ اور نور الحسن خلف الرشید سید نواب صدیق حسن بھوپالی فتح العلام شرح بلوغ المرام اس حدیث کے تحت فتح الباری شرح صحیح بخاری سے نقل فرماتے ہیں۔ وذهب اليه بعض اهل العلم وجعل الامر فی قوله اجعلوا الخ مختصا بمن اوتر آخر یعنی یہ حدیث مخصوص ہے، ساتھ اس شخص کے جو وتروں کو آخر رات میں پڑھے۔ واللہ اعلم۔

ابو الحسنات علی محمد سعیدی مرتب فتاویٰ عفی اللہ تعالیٰ عنہ

باب الاذان

سوال:۔ بعض لوگ رمضان المبارک میں سحری کے موقع پر لوگوں کے جگانے کے لئے کچھ نظمیں پڑھتے پھرتے ہیں، جن میں راگ بھی پایا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ خلاف سنت ہے اس لئے جائز نہیں ہے، بہتر اور مسنون صورت یہ ہے، کہ اذان دی جائے۔ ورنہ کوئی ایسی صورت اختیار کی جائے۔ جس میں راگ وغیرہ ممنوعات کا دخل نہ ہو۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ شمارہ ۱۷۔ ۱۷ شعبان ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ ہمارے ہاں ماہ رمضان میں افطاری اور صبح کی اذان کا جھگڑا رہتا ہے۔ آپ گھڑی کے حساب سے وقت بتائیں کہ افطاری اور ختم سحری کا صحیح وقت کیا ہے، تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے۔

جواب:۔ گھڑی کے حساب سے ہر جگہ کا وقت جدا جدا ہوتا ہے، نیز روزانہ وقت منٹ منٹ ڈیڑھ ڈیڑھ منٹ بدلتا رہتا ہے، اس لئے ہم آپ کے لئے کوئی صحیح ٹائم متعین نہیں کر سکتے، یہی وجہ ہے کہ ہم نے اخبار میں ٹائم کا نقشہ بھی شائع نہیں کیا۔

عام طور پر لاہور کا نقشہ شائع ہوا کرتا ہے۔ اور سب جگہ کے لوگ اسی کو استعمال کرتے رہتے ہیں، اور یہ طریق بہت ہی غلط ہے، یا تو اپنے مقام کا نقشہ کسی ماہر فلکیات سے الگ نکلوا کر محفوظ رکھئے۔ ورنہ دو چار دن محنت کر کے طلوع و غروب کا حساب اپنی گھڑی سے دیکھ کر اس کا اندازہ لگا لیجئے۔ مگر پھر بھی جہاں تک ممکن ہو۔ احتیاط ہی سے کام لیجئے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۲ ش ۲۱۔ ۱۸ رمضان ۱۳۷۰ھ)

سوال:۔ اگر رمضان میں عشاء کے وقت کسی کی موت واقع ہو جائے۔ اور میت صبح تک پڑی رہے۔ تو اس احاطہ یا محلہ والے سحری پکا کر کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ محلہ یا احاطہ والے نہیں بلکہ گھر والے بھی کھا سکتے ہیں۔ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کھانا پکا کر کھا لینا جائز ہے۔ (اخبار اہلحدیث سوہدرہ ج ۲ ش ۱۹ ۔ ۲۵ شوال ۱۳۶۸ھ)

توضیح:۔ میت کے پاس کھانا اور پکانا بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۳ کی مندرجہ ذیل حدیث سے جائز ثابت ہوتا ہے۔ انہ سمع انس بن مالک یقول اشتکی ابن لابی طلحۃ قال فمات وابو طلحۃ خارج فلما رأت امرأتہ (ھی ام سلیم ام انس) انہ قد مات ھیأت شیئا ونحتہ فی جانب البیت (ای جعلتہ) فلما جاء ابو طلحۃ قال کیف الغلام قالت قد ھدأ نفسہ وارجو ان یکون قد استراح وظن ابو طلحۃ انھا صادقۃ قال فبات (ای نام) معھا فلما اصبح اغتسل فلما اراد ان یخرج اعلمتہ انہ قد مات فصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما کان منھما فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعل اللہ ان یبارک لھما فی لیلتھما۔

یعنی حضرت انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیم نے مصیبت کے وقت بھی غم کو ظاہر نہیں کیا حتیٰ کہ ابو طلحہ کا بیٹا جو بیمار تھا۔ وہ فوت ہو گیا تو ام سلیم طلحہ کی بیوی نے فوت [illegible] لڑکے کو مکان کے طرف لٹا دیا۔ اور کھانا تیار کیا اور اپنے آپ کو زینت [illegible] جب ابو طلحہ باہر سے گھر آئے تو بیٹے کا پوچھا تو مائی نے کہا کہ اب آرام سے سو گیا ہے ابو طلحہ نے عورت کو صادقہ تصور کر کے اس کے ساتھ رات گزاری صبح کے وقت غسل کیا [illegible] مسجد کو جانے لگا تو بیٹے کی وفات کی خبر دی نماز کے بعد ابو طلحہ نے نبی [illegible] بیان کیا تو آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اور کھانے وغیرہ سے منع نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

[illegible] اس کا ثبوت کیا ہے!

اگر اذان کی بجائے لاؤڈ سپیکر پر اعلان کرکے لوگوں کو بیدار کیا جائے تو کیا یہ جائز ہوگا قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کریں۔

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے۔ حضرت بلال اور ابن مکتوم رضی اللہ عنہما حضرت بلال کی اذان کے متعلق علما کے درمیان اختلاف ہے۔ کہ آیا وہ سحری کے لیے ہے، یا فجر کے لیے صحیح بات یہی ہے کہ وہ فجر کے لیے تھی کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آذان سال بھر چلتی تھی۔ لہٰذا خاص سحری کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ لوگوں کو سپیکر کے ذریعہ بیدار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ امر بالمعروف کے ضمن میں آجاتا ہے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ا شمارہ ۲۹۔ ۱۱ر شوال المکرم ۱۳۸۰ھ)

از شیخ الحدیث مولانا ابوالبرکات احمد گوجرانوالہ

توضیح: مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے حضرت بلالؓ اور ابن مکتومؓ حضرت بلالؓ کی اذان کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر کرکے فرمایا ہے کہ سحری کی اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔ حالانکہ بلوغ المرام میں حدیث ہے کہ عن ابن عمرؓ وعائشۃؓ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی ینادی ابن ام مکتوم وکان رجلا اعمی لا ینادی حتی یقال لہ اصبحت اصبحت متفق علیہ وفی آخرہ ادراج۔

ابن عمرؓ اور عائشہؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال رات کو اذان دیتا ہے، پس سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم اذان دے اور ابن ام مکتوم نابینا آدمی تھا۔ اور اخیر کا کلام وکان رجلا اعمی اخیر تک راوی کا قول ہے۔ اس حدیث سے صاف اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ حضرت بلال کی اذان رات کے کچھ حصہ میں کھانے اور پینے کے لئے ہوتی تھی۔ بخاری اور مسلم کے مقابلہ تمام روایتیں مرجوح ہیں۔ مفتی صاحب نے علماء کرام کے اختلاف کو بلا ترجیح ترجیح دیتے ہوئے کہہ دیا کہ سحری کے نام پر اذان کا کوئی ثبوت نہیں۔

سبل السلام صفحہ ... جلد ۱ اس حدیث کے تحت لکھا ہے، وفیہ شرعیۃ الاذان قبل الفجر لا لما شرع الاذان فان الاذان کما سلف للاعلام بدخول الوقت ولدعاء السامعین لحضور الصلوۃ وھذا الاذان الذی قبل الفجر قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ شرعیتہ بقولہ لیوقظ نائمکم ویرجع قائمکم رواہ الجماعۃ الا الترمذی والقائم ھو الذی یصلی صلوۃ اللیل ورجعہ عودہ الی نومہ او قعودہ عن صلوتہ اذا سمع الاذان فلیس للاعلام بدخول ولا لحضور الصلوۃ ... ۔

اس میں فجر سے پہلے اذان دینے کا ثبوت ہے، مگر یہ اذان اس خاطر نہیں جو اذان کی اصل غرض ہے، کیونکہ اصل غرض اذان کی وقت نماز کا اعلان اور سامعین کو حضور نماز کی دعوت ہے، اور اس اذان کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سوئے ہوئے کو جگانے کی خاطر اور قائم کو لوٹانے کی خاطر ہے۔ اس کو ترمذی کے سوا باقی جماعت نے روایت کیا ہے، اور قائم سے مراد جو رات کو نماز پڑھتا ہے، اور اس کے لوٹانے سے مراد یہ ہے کہ وہ سو جائے یا نماز سے فارغ ہو کر بیٹھ جائے جب کہ اذان سنے۔ پس یہ اذان نہ وقت نماز کی اطلاع کے لئے ہے، نہ حضور نماز کی خاطر ہے، پس اس مسئلہ میں جواز، عدم جواز کے جھگڑے میں اور مانع اور مجوز کے استدلال کی بحث میں وہ شخص نہیں پڑ سکتا جس کا مقصد ثابت شدہ شئے پر عمل ہے۔ اس بیان سے ایک تو سحری کی اذان ثابت ہوئی۔ دوم یہ معلوم ہوا کہ اس اذان کی غرض وہ نہیں جو عام اذان کی ہے، بلکہ جیسا حدیث کے الفاظ سے واضح ہے، یہ اذان اس خاطر ہے کہ رات کو نماز پڑھنے والا ذرا آرام لے کر نماز فجر کے لئے تیار ہو جائے، اور سویا ہوا اٹھ کر نماز کی تیاری کر سکے کیونکہ اکثر انسان رات کی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ تو پہلے نیند کی سستی میں اٹھتے اٹھتے کچھ وقت صرف ہوتا ہے۔ پھر اس کی کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً پاخانہ۔ پیشاب۔ یا غسل وغیرہ اور بعد میں کے وضو کے لئے بھی کچھ وقت زیادہ چاہیئے۔ بوجہ لمبی نیند۔ منہ۔ ناک وغیرہ میں جو فضلات جمع ہو جاتے ہیں، مسواک وغیرہ سے ان کی صفائی ان کاموں کے لئے کافی وقت چاہیئے۔ اس کا اندازہ تقریباً ایک گھنٹہ ہو سکتا ہے، سحری کے وقت کی اذان اسی طرح کے لئے مقرر کی گئی ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ صرف رمضان کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ بارہ ماہ

کے لئے ہے۔ اور رمضان کی بجائے دوسرے مہینوں میں زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ رمضان میں لوگ کھانے پکانے کے لئے پہلی ہی بیدار ہوتے ہیں۔ بخلاف غیر رمضان کے۔ ہاں رمضان شریف میں اس کی اہمیت اس لحاظ سے بڑھ جاتی ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو سحری کے وقت کی اطلاع ہو۔ اور معلوم ہو جائے کہ صبح قریب ہے، کھانے پینے سے جلدی فارغ ہو جائیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تمہیں بلال کی اذان۔ کھانے پینے سے نہ روکے اس سے یہ مقصد نہیں کہ یہ اذان رمضان ہی کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ اس فرمان کی وجہ یہ ہے کہ رمضان شریف میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ لوگ پہلی اذان سن کر کھانے پینے سے نہ رک جائیں اس لئے آپ نے اس اشتباہ کو دور فرمایا۔

اسی بنا پر حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں۔ وادعی ابن القطان ان ذلک کان فی رمضان خاصة وفیہ نظر۔ فتح الباری جزء ۲ صفحہ ۴۴ ابن قطان نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ اذان رمضان شریف سے مخصوص ہے لیکن ان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔ نیل الاوطار میں ہے وقد اختلف فی اذان بلال بلیل ھل کان فی رمضان فقط ام فی جمیع الاوقات فادعی ابن القطان الاول قال الحافظ فیہ نظر نیل الاوطار۔ بلالؓ کی اذان جو رات کو ہوتی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان شریف کے لئے خاص تھی یا تمام اوقات میں ہو سکتی ہے۔ ابن قطانؒ نے اول کا دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ ابن قطان کے اس دعویٰ میں کلام ہے۔ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دونوں اذانوں میں بہت زیادہ فاصلہ نہ ہوتا تھا۔ اگر پہلی اذان بہت پہلے ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں پر اشتباہ کا خطرہ نہ ہوتا کہ یہ فجر کی اذان ہے، اور نہ آپ کو اس اعلان کی ضرورت پیش آتی کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے پینے سے نہ روکے۔ کیونکہ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگ خود ہی سمجھ جاتے کہ ابھی کافی رات باقی ہے۔ فقط ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم

الراقم محمد سعیدی جامعہ سعیدیہ خانیوال

باب الصیام فی السفر

سوال:- ایک شخص کو رمضان میں اتفاق سفر کا ہوا۔ اور وہ صائم تھا۔ اب وہ افطار کرے یا صائم رہے۔ اگر افطار کرے تو کیسا ہے!۔

جواب:- ایسی حالت میں روزہ افطار کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ صحیح مسلم میں جابرؓ سے مروی ہے، ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خرج الی مکۃ عام الفتح فصام حتی بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہ ان الناس قد شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم وصام بعضہم فبلغہ ان ناسا صاموا فقال اولئک العصاۃ یعنی فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف تشریف لے گئے، اور آپ نے روزہ رکھا، اور لوگوں نے بھی رکھا۔ جب کراع غمیم پر (ایک وادی کا نام ہے) پہنچے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں پر روزہ بہت گراں گذر رہا ہے اور وہ سب آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور آپ کے فعل کے منتظر ہیں، یہ سنکر آپ نے بعد عصر کے پانی منگایا، اور پھر نوش فرمایا۔ لوگ آپ کی طرف دیکھتے رہے، بعض نے افطار کیا، اور بعض نے نہیں کیا تھا۔ بعد میں آپ کو خبر پہونچی کہ لوگوں نے روزہ رکھا۔ تو آپ نے فرمایا یہ لوگ خدا کے نافرمان ہیں۔ نیل الاوطار میں تحت اس کے مرقوم ہے۔ فیہ دلیل علی انہ یجوز للمسافر ان یفطر ان نوی الصیام من اللیل وھو قول الجمہور یعنی اس حدیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسافر کو روزہ رکھنے کے بعد افطار کرنا جائز ہے۔ ایسے ہی بخاری میں ابن عباسؓ سے سفر حنین کا واقعہ مذکور ہے۔ اس کے معاوضہ میں صرف ایک روزہ رکھنا چاہیے، کفارہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کفارہ گناہ کی وجہ سے لازم آتا ہے، اور یہ امر یعنی بعد نیت روزہ کے سفر میں افطار کرنا فعل مسنون ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا اور صحابہ نے آپ کو دیکھ

کر کیا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ ارشاد السائلین الی المسائل الثلاثین)

مولانا محمد عبدالجبار عمر پوری

کٹائی گندم اور دیگر کاروبار کی وجہ سے روزہ کا افطار کرنا

سوال۔ ماہ رمضان کے روزے چھوڑ کر فصل کی کٹائی یا سخت کام کر سکتا ہے یا نہیں اس صورت میں تارک الصیام کو کافر کہہ سکتے ہیں یا وہ مومن ہی رہتا ہے!۔

جواب۔ مسافر۔ بیمار۔ حاملہ۔ مرضعہ جو روزہ نہ رکھ سکے۔ اور شیخ فانی وغیرہ کے سوا کسی کو افطار کی اجازت نہیں۔

اگر کٹائی گندم وغیرہ کی وجہ سے افطار جائز ہو تو امیروں کو گھر بیٹھے پہلے جائز ہونا چاہیئے کیونکہ ان کو طبیعت کے نازک ہونے کی وجہ سے گھر بیٹھے بھوک پیاس کا برداشت کرنا بہ نسبت زمینداروں کے زیادہ مشکل ہے۔ اگرچہ زمیندار کاروباری ہی ہوں۔ نیز مزدور لوگ کا پیشہ زمیندارہ سے کم نہیں۔ ان کو بھی افطار کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس کے اندر لوہار، ترکھان، معمار وغیرہ آسکتے ہیں۔ اب بتلائیے روزہ کون رکھے۔ پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس سے کہیں زیادہ سخت کام ہوتے تھے۔ کیونکہ غریب لوگ تھے محنت مشقت سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ زمیندارہ بھی آپ کے زمانہ میں تھا۔ خیر قرون میں بھی یہ معاملات پیش آتے رہے۔ مگر کسی سے زمیندارہ کی وجہ سے افطار ثابت نہیں۔ پھر اگر ٹھنڈے ٹھنڈے کٹائی کرے کٹی ہوئی فصل جمع کر لی جائے تو چنداں تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ صرف اتنی بات ہے کہ چار روز زیادہ لگ جائیں گے۔ لیکن اس کا کوئی حرج نہیں۔ دنیوی عذر کی وجہ سے بھی تو کام آگے پیچھے ہو جاتے ہیں اگر دین کے لئے چار روز بعد میں کام ہو گیا تو برداشت کرنا چاہیئے۔ اصل میں پہلے ہی دلوں میں دین کی محبت نہیں۔ لوگ حیلوں بہانوں سے اللہ تعالیٰ کے فرض کو ٹال دیتے ہیں۔ ایسے لوگ شاتتی کی حد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ہاں اگر کسی موقع کسی مسلہ کے تنگ آ کر حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ص ۵۹ ج ۲ ۱۳۵۶ھ) (عبد اللہ امرتسری روپڑی)

باب قضاء الصیام

سوال زید شعبان و رمضان میں بعض امراض کی وجہ سے بے ہوش پڑا رہا۔ صرف نبض چلتی رہی۔ پھر قدرے ہوش آیا۔ اب بھی مرض کا حملہ ہوتا رہتا ہے، صحت کی امید کم ہے فوت شدہ نمازوں و روزوں کی کیا صورت۔ ادا شدہ نماز کس طرح پڑھے!۔

جواب :- بے ہوشی کے زمانے کی فوت شدہ نمازیں و روزے زید پر معاف ہیں۔ ان کی قضا اس پر نہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا[1] روضۃ الندیہ[2] میں ہے وكذالك عمن اغمى عليه خرج وقتها فلا وجوب عليه لانه غير مكلف في الوقت۔

ہاں زید آئندہ نماز لیٹے۔ بیٹھے۔ یا اشارہ سے جس طرح بھی ممکن ہو پڑھتا رہے اگر آئندہ رمضان تک زید تندرست نہ ہوا اور مرض کی یہی حالت رہی۔ اور صحت کی امید منقطع ہو جائے تو بموجب آیت وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ[3]۔

ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کرے۔

(اہلحدیث گزٹ دہلی جلد ۹ شمارہ ۲)

---

[1] نہیں تکلیف دیتا ہے، اللہ کسی جی کو مگر طاقت اس کی ۱۲۔

[2] اور اسی طرح اس شخص سے جو غشی ڈالی گئی۔ اس پر یہاں تک کہ نکل گیا وقت اس کا پس اس پر قضا واجب نہیں۔ اسی واسطے کہ وہ مکلف نہیں ۱۲

[3] اور اوپر ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں۔ اس کی۔ پس بدلہ ہے، کھانا ایک مسکین۔ ۱۲

سوال:۔ اگر بحالت روزہ مباشرت (مساس ختنین) بلا دخول سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ جائے گا تو صرف اس کی قضا کافی ہوگی یا کفارہ بھی پڑے گا۔

جواب:۔ اس قسم کی مباشرت جبکہ اس سے انزال یا جماع میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو ممنوع ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ (القرآن)[1] بغیر دخول مباشرت سے انزال ہونے کی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اس کی قضا ضروری اور لازم ہوگی۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[2] وقع الخلاف فیما اذا باشر الصائم او قبل او نظر فانزل او امذی فقال الکوفیون و الشافعی یقضی اذا انزل فی غیر النظر ولا قضاء فی الامذاء وقال مالک رحمہ اللہ واسحٰق یقضی فی کل ذالک ویکفر الا فی الامذاء فیقضی فقط واحتج لہ بان الانزال اقصی ما یطلب فی الجماع من الالتذاذ فی کل ذالک وتعقب بان الاحکام علقت بالجماع فقط۔ نیل ج ۴ ص ۲۹۰۔

(محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۹۔ جنوری ۱۳۶۲ھ)

---

[1] یعنی حلال کیا گیا تمہارے لیے روزے کی رات میں بے پردہ ہونا اپنی عورتوں کی طرف، وہ لباس ہیں تمہارے لیے اور تم لباس ہو ان کے لیے، اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنی چوری کرتے تھے سو معاف کیا اس نے تم کو اور درگزر کی تم سے پس اب ملو ان سے (رشید سلفی)

[2] اس میں اختلاف ہے کہ جب روزہ دار مباشرت کرے یا بوسہ لے یا دیکھے (اپنی بیوی کی طرف) اور اس کو انزال ہو جائے یا مذی خارج ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام شافعی اور کوفیوں کا خیال ہے کہ بن دیکھے منی خارج ہونے میں قضا ہے مذی نکلنے سے قضا نہیں ہے۔ امام مالک اور اسحٰق کہتے ہیں کہ مذی کے سوا سب میں قضا اور کفارہ ہے، مذی میں فقط قضا ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ جماع سے لذت کا آخری مطلوب اخراج منی ہوتا ہے (لہٰذا اس کے اخراج سے قضا اور کفارہ چاہیے) اس کا تعاقب کیا گیا ہے کہ شرعی احکام جماع کے ساتھ معلق ہیں اھ (رشید سلفی)

(محدث دہلی جلد ۹ شمارہ ۹)

اسی مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم کے خیالات درج ذیل ہیں جو [illegible]
یہی مسئلہ چلنے پر انہوں نے رقم فرمائے تھے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

کیا دہلی اور پنجاب وغیرہ کے لوگوں کو ایک روزہ قضا کرنا چاہیئے؟

اس دفعہ رمضان المبارک کا چاند کہیں پیر کو نظر آیا کہیں منگل کو اس لئے بمبئی کے علاقہ میں پہلا روزہ منگل کا ہوا، اور دہلی کے گرد و نواح میں بدھ کا روزہ ہوا، ازاں بعد پتہ چلا ہوا، اللہ مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ جہاں جہاں کے باشندوں نے بدھ کا روزہ رکھا ہے، وہ ایک روزے کی قضا کریں ہمیں حیرت ہے کہ یہ خلاف حدیث فتویٰ اس زور و شور اور تاکید کے ساتھ کیوں دیا گیا۔ حالانکہ حدیث سے ثابت شدہ فیصلہ یہ ہے کہ ہر جگہ کے لئے وہیں کی رؤیت کا اعتبار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فیض بنیاد ہے صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته فان غم علیکم فاکملوا عدة شعبان ثلثين ...... (متفق علیہ) یعنی چاند کے دیکھنے پر روزہ رکھو، اور چاند ہو جانے پر عید مناؤ، اگر ابر وغیرہ کی وجہ سے مطلع غبار آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لیا کرو دہلی میں پیر کے دن مطلع صاف تھا۔ ہزاروں نگاہیں چاند کی جستجو میں تھیں لیکن نظر نہ آیا منگل کو چاند دکھائی دے گیا۔ اہل دہلی نے بالاتفاق روزہ رکھا اس درمیان میں دہلی کے آس پاس سے کہیں سے کوئی شہادت بھی نہ آئی، پھر ان پر دوسری جگہ چاند ہو جانے سے فتویٰ لگانا یہ تو درست نہیں اب دوسری جگہ کی چاند کی رؤیت یہاں نا معتبر ہونے کی روایت بھی سن لیجئے۔ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت کریب کو اپنے ایک کام کے لئے حضرت معاویہ کے پاس شام میں بھیجتی ہیں۔ حضرت کریب فرماتے ہیں کہ وہاں ہم نے رمضان شریف کا چاند جمعہ کی رات کو دیکھا میں اپنا کام کر کے واپس لوٹا یہاں میری باتیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہو رہی تھیں۔
آپ نے مجھ سے ملک شام کے چاند کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے کہا کہ وہاں چاند جمعہ کی رات کو دیکھا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے خود دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں میں نے بھی دیکھا۔ اور سب لوگوں نے دیکھا سب نے بالاتفاق روزہ رکھا خود جناب امیر معاویہ

نے بھی روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن ہم نے تو ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے، اور ہفتہ سے روزہ شروع کیا ہے، اب چاند ہو جانے تک ہم تو تیس روزے پورے کریں گے۔ یا یہ کہ چاند نظر آجائے میں نے کہا سبحان اللہ! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہل شام کا چاند دیکھنا۔ کیا آپ کو کافی نہیں؟ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح حکم فرمایا ہے (مسلم ترمذی۔ نسائی، ابوداؤد وغیرہ) شام اور حجاز کی سرحد ملی ہوئی ہے لیکن شام کے چاند کا اعتبار حجاز میں نہیں کیا جاتا۔ اسی کو فرمان رسول اور شریعت کا مسئلہ بتلایا جاتا ہے صحابہ کی بڑی جماعت مدینہ میں موجود ہے، بالاتفاق یہاں ہفتہ کا روزہ ہوا ہے یہی خبر بلا تعید پہنچتی ہے اگر ملک شام میں ایک روز پہلے چاند دیکھا گیا۔ وہاں بالاتفاق روزہ ایک دن کا ہوا لیکن مدینے میں صحابہ کے اجماع سے وہاں کے چاند کی رویت کا اعتبار یہاں کے لئے نہیں کیا جاتا یا تو عمل اہل مدینہ کو حجت بتایا جاتا ہے۔ یا آج اس مسئلہ میں کوئی پرواہ نہیں کی جاتی الغرض اجماع صحابہ اور حکم نبی سے یہ ثابت ہے کہ دور دراز جگہ کی رویت ہلال دور دراز جگہ والوں کے لئے معتبر نہیں، پھر ہم کہتے ہیں کہ جب اختلاف مطالع کا کوئی اثر ہی نہیں تو سینے سامنے ملک حجاز میں امسال پہلا روزہ پیر کے دن کا ہوا تھا۔ ہمارے سامنے اس وقت مکہ شریف کا اخبار "ام القریٰ" رکھا ہوا ہے، جس میں تحریر ہے، قد تبینت رؤیۃ الہلال فی ہذہ المملکۃ لیلۃ الاثنین الماضی آگے تحریر ہے ان الصیام فی مصر و فلسطین کان ابتداء من یوم الاثنین یعنی مملکت حجاز و نجد میں اتوار کے دن چاند نظر آیا۔ اور بالاتفاق پیر کے دن کا پہلا روزہ ہوا۔ اس طرح فلسطین اور مصر میں بھی پہلا روزہ پیر کے دن کا ہوا۔ دہلی اور پنجاب والوں کا پہلا روزہ ہوا ہے، بدھ کا۔ اہل بمبئی وغیرہ کا پہلا روزہ ہوا ہے منگل کا۔ تو چاہیئے کہ یہ ایک روزہ قضا کریں۔ اور اہل پنجاب دو روزے قضا کریں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

اب دہلی وغیرہ کے علماء بتلائیں کہ اس صورت میں وہ دو روزوں کی قضا کا کیوں نہ حکم دیں! یا مدعا کھو اگر مطلع کے اختلاف کو نظر انداز کر دیا گیا۔ تو کبھی اٹھائیس اور کبھی اکتیس روزے ہوں گے۔ جو نہ صرف شریعت کے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہوں گے۔ مطلع کے اختلاف کو مدنظر نہ

سکنے والے بتلا دیں تو سہی کہ کیا بمبئی اور کلکتہ اور کابل میں سورج کا غروب اور زوال دہلی والوں کے لیے مغرب اور ظہر کی نماز پڑھ لینے کے لئے معتبر مانا جائے گا۔ کیا وہاں کے زوال پر ہم یہاں ظہر پڑھ سکتے ہیں! اگر ہاں کہو تو سورج دیکھتے ہوئے اور غروب میں آدھ گھنٹہ باقی رہتے ہوئے تمہیں یہاں نماز مغرب پڑھنی پڑے گی، اور اگر انکار کرو تو فرق مطلع معتبر مانا گیا۔ پھر ہمیں موجودہ صورت میں ایک روزے کی قضا کا حکم کیوں دیا جاتا ہے؟ وہی صحیح ہے جو عبداللہ بن عباس حضرت قاسم بن محمد حضرت سالم بن عبداللہ حضرت عکرمہ حضرت اسحاق بن راہویہ وغیرہ کا مذہب ہے، لكل اهل بلدة رؤيتهم ہر شہر والوں کے لئے وہیں کی رویت کا اعتبار ہے، ہاں آس پاس کا رقبہ اسی میں داخل ہے، بلکہ امام ترمذی تو اہل علم کا یہی مذہب نقل کرتے ہیں، اور کوئی بیان ہی نہیں فرماتے۔ امام ابن عبدالبر تو فرماتے ہیں، اجمعوا على انه لا تراعى الرؤية فيما بعد من البلاد كخراسان والاندلس۔

یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ دور دراز کے شہروں میں چاند دیکھا جانا یہاں کے لئے معتبر نہیں ہے، جیسے خراسان اور اندلس وغیرہ محدثین رحمہم اللہ نے بھی تبویب کی ہے، لكل اهل بلد رؤيتهم ہر شہر والوں کے لئے وہیں کی رویت معتبر ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ والصحيح عند اصحابنا ان الرؤية لا تعم الناس یعنی ایک جگہ چاند نظر آجانا سب کے لئے معتبر نہیں ہے، بل تختص بمن قرب على مسافة لا تقصر فيها الصلوٰة بلکہ صرف وہیں تک اس کا اعتبار ہوگا۔ جہاں تک جانے سے نماز کو قصر کرنا نہیں ہے الغرض اس مسئلہ میں صحیح فیصلہ صحابہ اور حدیث کا یہی ہے کہ مطلع کا اختلاف معتبر ہے ہر جگہ کے لئے وہیں کے چاند دیکھنے کا اعتبار ہے، اس کا خلاف دلیل کا خلاف ہے، پس جہاں چاند نہیں ہوا، ان پر روزے کی قضا محض اس وجہ سے کہ کسی دور دراز جگہ چاند ہو گیا۔ بالکل غلط اور خلاف حدیث ہے، واللہ اعلم۔ (محدث دہلی جلد ۲ شمارہ ۷، دسمبر ۱۹۴۳ء)

مولانا محمد صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی

(بارھواں ضمیمہ)

سوال :- ایک روزہ دار دن کو سویا اور احتلام ہو گیا۔ اب اس کا روزہ گیا یا رہا؟۔

جواب :- روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسے پورا کرنا چاہیئے۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۶ شمارہ ۲۱-۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ)

توضیح :- اس لیے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ انسان نیند کی حالت میں مکلف نہیں۔ اس احتلام کی وجہ سے غسل واجب ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی خانیوال

سوال :- کیا روزہ کی حالت میں چوری کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟ اگر ٹوٹ جاتا ہو تو کیا اس کی قضا ہی پڑے گی یا کفارہ بھی؟۔

جواب :- چوری کرنا ایک مستقل گناہ ہے، جس کی سزا قطع ید ہے، اس کا روزہ سے تعلق نہیں۔ نہ قضا لازم آتی ہے نہ کفارہ۔

(اخبار اہلحدیث سوہدرہ جلد ۲ شمارہ ۲۱- ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ)

ولی کے ذمہ روزہ کی قضاء

سوال :- مسماۃ ہندہ مدت سے مرض دق میں مبتلا تھی۔ اس نے بمشکل تمام رمضان کا ایک روزہ رکھا۔ بقیہ رمضان المبارک میں اس نے روزہ نہیں رکھا۔ اور مرض روز بروز بڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ اوائل صفر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مریضہ کے جو روزے چھوٹ گئے ہیں۔ ان کے بدلے میں اولیاء کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری ہے، یا نہیں؟۔

جواب :- جو روزے چھوٹ گئے ہیں۔ ان کے عوض میں اولیاء کو روزہ رکھنا یا فدیہ دینا ضروری نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

یعنی مریض پر رمضان کا روزہ ضروری نہیں بلکہ جب مرض سے شفا ہو جائے تو قضا واجب ہے۔ ہدایہ میں ہے۔ اذا مات المریض او المسافر وهما علی حالهما لم یلزمهما القضاء

لانہ لم یدرکہا عدة من ایام اخر الخ یعنی جب مریض یا مسافر اپنی مرض اور سفر کی حالت
ہی میں ہوں، اور وہ مر جائیں۔ تو ان کو قضا لازم نہیں، اس لئے کہ انہوں نے ایام اخر نہیں پائے عون المعبود
جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ میں ہے۔ واتفق اهل العلم على انه اذا افطر فی المرض والسفر
ثم لم یفرط فی القضاء حتی مات فانه لا شئ علیه ولا یجب
الاطعام عنه الخ یعنی اہل علم کا اتفاق ہے کہ جب کوئی مریض اپنی مرض میں اور مسافر سفر میں
روزہ نہ رکھے۔ پھر اپنی طرف سے قضائی مہینے میں کمی نہیں کی حتی کہ وہ مر گیا تو اس پر کوئی شئے
نہیں، اور نہ ہی اس کے ذمہ فدیہ ہے۔ منہاج الطالبین للنووی میں ہے۔ من فاته شئ
من رمضان فمات قبل امکان القضاء فلا تدارك له ولا اثم۔ شرح منہاج میں ہے
فلا تدارك بالفدية ولا بالقضاء۔ چونکہ مریض نے زمانہ صحت یا قدرت علی الصیام نہیں
پایا۔ اس لئے اس کے ذمہ قضا واجب نہیں۔ تو دوسروں پر کیسے واجب ہوگی۔ ملاحظہ سراج الوہاج
شرح صحیح مسلم و سنن کبریٰ للبیہقی و سنن ابن ماجہ وغیرہا من الکتب فقط واللہ اعلم۔

جواب ب۔ صورت مسئولہ میں اولیاء پر قضا واجب ہے۔ صحیحین کی روایت حضرت عائشہؓ سے
مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات وعلیه صوم صام عنه
ولیه مشکوٰۃ۔ اور اسی طرح جامع ترمذی میں ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے، قال جاءت
امرأة الى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی ماتت وعلیها صیام شهرین
متتابعین قال ارأیت لو کان علی امك دین أکنت تقضینه قالت نعم قال فحق اللہ احق
امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ مات وعلیه
صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا۔ ان مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ
میت کی طرف سے اس کے اولیاء پر قضاء یا فدیہ ضروری ہے۔ رہی آیت جس سے مفتی نے
عدم قضاء پر دلیل پیش کی ہے، وہ مریض اور مسافر کی قضاء پر دلیل ہے، نہ میت کے لئے
اسی طرح صاحب ہدایہ وغیرہ کی عبارت جو کہ عدم قضاء پر پیش کی گئی ہے، وہ سب بلا دلیل
باتیں ہیں۔ میت کی طرف سے اس کے اولیاء پر قضاء کرنا حکم شرع ہے۔ فقط۔

محاکمہ از محدث روپڑی

فریق اول کا جواب صحیح ہے، فریق ثانی غلطی پر ہے۔ فریق ثانی نے جو احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں تصریح ہے کہ میت پر روزے ہوں تو اس کے ولی پر قضاء ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حبیب بیمار اسی بیماری میں گزر گیا۔ جس میں اس نے روزے افطار کئے تو اس پر روزے لازم نہ ہوئے۔ کیونکہ اس پر روزے لازم ہونے کے لئے شرط ہے کہ اس کو تندرستی کے دن ملیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے، فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ، یعنی اور دنوں سے گنتی پوری کرے جب بیمار نے اور دن پائے ہی نہیں۔ جن میں یہ گنتی پوری کرتا تو اس پر یہ حکم نہ لگا۔ پس حدیث کے مطابق اس کے ولی پر قضاء نہ ہوئی۔ ہاں اگر اس بیماری سے تندرست ہو جاتا۔ اور جتنے روزے اس کے چھوٹے تھے۔ اتنے دن یا اس سے کم دن تندرست رہ کر کسی اور عارضہ سے مر جاتا تو پھر ولی پر اتنے دنوں کی قضاء آ سکتی تھی۔ جتنے دن تندرست رہتا۔ مگر سوال کی صورت میں تو وہ تندرست ہوا ہی نہیں تو پھر ولی پر قضاء کی کوئی وجہ نہیں۔

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۵۵۵۔ ۲ رجمادی الاول ۱۳۵۲ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

سوال: اگر کوئی شخص اس حالت میں فوت ہو جاتا ہے کہ اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہیں۔ تو کیا اس کا کوئی وارث اس کی طرف سے روزوں کی قضاء دے سکتا ہے؟

جواب: اگر رمضان کے روزے بیماری کی وجہ سے چھوڑے ہوں پھر رمضان کے تندرست ہو کر روزہ رکھنے کا موقع ملا ہو۔ پھر اس نے قضاء چھوڑ دیا ہو تو روزے اس کے ذمے لگ جاتے ہیں۔ فوت ہونے کی صورت میں وارث اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے، حدیث سے ثابت ہے۔ (اخبار اہلحدیث لاہور جلد ۵ شمارہ ۲۶۔ ۱۱ ر شوال ۱۳۹۰ھ)

(از شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات گوجرانوالہ)

سوال: کیا ٹیکہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب: ٹیکہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیئے کیونکہ دوا ٹیکہ کے ذریعہ تمام جسم تک پہنچ جاتی ہے۔ معدے میں بھی پہنچ جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے وقت روزہ دار کو مبالغہ فی الاستنشاق سے منع فرمایا تھا۔ اسی اندیشے کی بنا پر کہ کہیں ناک والا پانی اندر معدے تک نہ پہنچ جائے۔ (المنبر اہلحدیث لاہور جلد ۱ شمارہ ۴۴ - ۱۱ شوال المکرم [illegible])

سوال: رمضان شریف کے روزوں کی قضا کب کرنی چاہیے؟

جواب: رمضان کے بعد سال بھر میں جب موقع مل جائے تب رکھ لینے چاہییں۔ لیکن جہاں تک ہو سکے روزے رکھنے میں جلدی کرنی چاہیے۔ بلاوجہ دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے ادا کر لینے چاہییں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ یکون علی الصوم من رمضان فما استطیع ان اقضی الا فی شعبان (ابوداؤد) میرے ذمہ رمضان شریف کے روزے ہوتے تھے۔ ان کو میں شعبان میں ادا کرتی تھی۔ (الاعتصام جلد ۱۹ شمارہ ۴۴ ۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ)

جانور سے وطی کا روزہ پر اثر

سوال: ماہ رمضان المبارک میں بحالت صیام جو شخص چوپایہ کے ساتھ جماع کر کے روزہ فاسد کرے اس کا کیا حکم ہے؟ جیسا حنفیہ کا مذہب ہے ویسا ہی حکم ہے یا کوئی دوسرا؟

جواب: روزہ کے فاسد ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ جیسا کھانے سے بالاتفاق روزہ ٹوٹ جاتا ہے، خواہ وہ شے خوراک ہو یا نہ جیسے مٹی ایسے ہی جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ خواہ کسی شے سے جماع ہو۔ (فتاویٰ اہلحدیث جلد ۲ صفحہ ۵۶۰)

عبداللہ امرتسری روپڑی

باب کفارۃ الصیام

کفارہ اور اس کی صورت

سوال:۔ رمضان میں روزہ توڑنے پر کفارہ کیا ہے۔ اور اس کی صورت و اندازہ کیا ہے؟۔

جواب:۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا ھلکت یا رسول اللہ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں ہلاک ہو گیا ہوں۔
فرمایا تجھے کس چیز نے ہلاک کیا۔ کہا وقعت علی امرأتی فی رمضان (۱) یعنی رمضان میں اپنی عورت سے ہمبستری کر لی۔
فرمایا تو ایک گردن آزاد کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا دو ماہ کے روزے پے در پے رکھ سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے کہا نہیں۔ پھر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا۔ جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ لے جا اور اپنی طرف سے صدقہ کر دے۔ کہنے لگا یا رسول اللہ۔ کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں۔ مدینہ کے احاطہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔ اس پر آپ بہت ہنسے، اور فرمایا! جا اپنے اہل کو کھلا دے۔ اور ایک میں ہے کُلْہُ وَاَطْعِمْہُ اَھْلَکَ یعنی خود کھا اور اپنے اہل کو کھلا۔ اس حدیث پر نیل الاوطار میں ھلکت کے لفظ پر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ھلکت میں ہلاک ہو گیا۔ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس نے دیدہ دانستہ کیا ہے۔ کیونکہ ہلاک ہونے سے مراد یہ ہے کہ مجھ سے نافرمانی ہو گئی ہے۔ اور بھول چوک نافرمانی نہیں۔ پس بھول چوک سے ہمبستری کرنے والے پر کفارہ نہیں۔ اور جمہور علماء

اس کے قائل ہیں امام احمدؒ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ بھول سے والے پر کفارہ ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ آپ نے اس سے یہ دریافت نہیں کیا کہ بھول کر کیا یا دیدہ دانستہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صورت میں کفارہ ہے، خواہ دیدہ دانستہ کرے یا بھول کر۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ ھلکت کے لفظ سے معلوم ہو گیا کہ اس نے یہ کام دیدہ دانستہ کیا ہے تو پھر دریافت کرنے کی کیا ضرورت۔ نیز نہ دریافت کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رمضان میں دن کے وقت جماع بھول چوک سے ہونا بہت بعید بات ہے۔

جماع اور کھانے کا حکم ایک ہے یا نہیں!

بعض روایتوں میں وقعت علی امرأتی کی جگہ ان رجلا افطر فی رمضان آیا ہے، یعنی ایک شخص نے رمضان میں روزہ افطار کر لیا تو اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔ نیل الاوطار میں ہے وبھذا استدلت المالکیۃ علی وجوب الکفارۃ علی من افطر فی رمضان بجماع اوغیرہ والجمھور حملوا المطلق علی المقید وقالوا لا کفارۃ الا فی الجماع یعنی مالکیہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رمضان میں خواہ کوئی جماع سے افطار کرے خواہ کھانے پینے سے اس پر کفارہ ہے۔ جمہور کہتے ہیں پہلی روایت میں چونکہ جماع کی تصریح ہے، اس لئے دوسری روایت میں بھی افطار سے مراد جماع کے ساتھ افطار ہوگا۔ ذکر مطلق ہے اور جمہور کہتے ہیں کفارہ صرف جماع میں ہے نہ کہ کھانے پینے میں۔

کفارہ کی صورت

یہ تو ظاہر ہے کہ ہندوستان میں غلام آزاد کرنے کی صورت ممکن نہیں [illegible] دو ماہ کے روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے [illegible] اس کے متعلق نیل الاوطار میں ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ اس حدیث میں اطعام کی نسبت ساٹھ مسکین کی طرف ہے، جس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ ایک وقت کھلائے پس اگر چھ کو مثلاً دس دن کھلائے یا ایک کو ساٹھ دن کھلائے تو یہ ساٹھ کا کھلانا نہیں [illegible] [illegible] کافی ہے [illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو فرمانا فَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ یعنی اپنے اہل کو کھلا دے۔ اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ شخص مذکورہ کو ادائیگی کفارہ کی صورت آپ نے یہ بتائی ہے کہ آپ نے اہل کو کھلا دے۔ حالانکہ اہل ساٹھ افراد نہ تھے، پس اس سے ثابت ہوا کہ ایک وقت ساٹھ کو کھلانا شرط نہیں۔ یہ دلیل صاحب نیل الاوطار نے حنفیہ کی طرف سے پیش کی ہے۔ لیکن یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے، ایک یہ کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں کاریر وَاَطْعِمْهُ اَهْلَكَ یعنی خود کھا۔ اور اپنے اہل کو کھلا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے نفس پر کفارہ صرف نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ اپنے اہل پر صرف کرنے کے حنفیہ وغیرہ قائل نہیں۔ علاوہ اس کے اس پر کیا دلیل ہے کہ آپ کا یہ فرمانا کہ اپنے اہل کو کھلا دے۔ یہ ادائیگی کفارہ کی صورت ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ تنگی کی وجہ سے اس کو کفارہ معاف ہو یا آئندہ اس کے ذمہ ہو۔ اور ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا قرض ہے۔ اور قرض میں اصل یہ ہے کہ وہ تنگی میں ساقط نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ ذمہ باقی رہتا۔ جب توفیق ہو ادا کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شخص مذکور سے آپ نے یہ نہیں کہا کہ آئندہ تیرے ذمہ ہے، کیونکہ قرض کا معاملہ واضح ہے کہ ذمہ ہو جاتا ہے، اور جمہور اسی کے قائل ہیں صرف عیسیٰ بن دینار مالکی کہتے ہیں کہ تنگی کے وقت کفارہ معاف ہے۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول ہے کہ کفارہ معاف ہے، اور ایک قول جمہور کے مطابق ہے۔

کفارہ کا اندازہ

نیل الاوطار میں ہے، یعنی دار قطنی میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلائے ہر مسکین کو ایک مد یعنی چوتھائی صاع دے، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ۱۵ صاع کھجوریں لائی گئیں، اسی طرح دار قطنی میں ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جس راوی نے ۲۰ صاع کہا ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل بیس صاع کھجوریں لائی گئیں، اور جس نے پندرہ صاع کہا ہے اس کی مراد کفارہ کا اندازہ ہے۔

روزہ کی قضاء

منتقی میں ہے۔ ولابن ماجۃ وابی داؤد فی روایۃ وصم یوما مکانہ
یعنی ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور کو فرمایا کفارہ کے علاوہ اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھنا۔

عورت پر کفارہ ہے یا نہیں؟

نیل الاوطار میں ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ عورت مرد کے حکم میں ہے۔ اس پر بھی کفارہ ہے۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ عورت پر کفارہ نہیں۔ اور امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک جمہور کے موافق اور ایک اوزاعیؒ کے موافق ہے۔ یہ قول اصح[1]۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کا حکم مرد کو دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت پر کفارہ نہیں اس کے جواب میں صاحب نیل الاوطار نے لکھا ہے۔

وردبانہا لم تعترف ولم تسأل فلاحاجۃ ولا سیما مع احتمال ان تکون مکرھۃ کما یرشد الی ذلک قولہ فی روایۃ الدارقطنی ھلکت واھلکت۔

یعنی عورت نے نہ اقرار کیا نہ سوال کیا۔ پس اس کو بتلانے کی ضرورت نہ تھی۔ خاص کر جب اس پر جبر ہوا ہو۔ جیسے ھلکت واھلکت سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی میں ہلاک ہو گیا۔ اور ہلاک کر دیا۔ اس لئے ہلاک ہونے اور ہلاک کرنے کی نسبت اپنی طرف کر دی ہے۔ اگر عورت بھی راضی ہوتی تو کہتا ھلکت وھلکت۔ یعنی میں ہلاک ہو گیا۔ اور میری بیوی بھی ہلاک ہو گئی۔

یہ صاحب نیل الاوطار کی تقریر کا خلاصہ ہے۔ صاحب منتقی نے بھی دارقطنی کے یہ الفاظ ھلکت واھلکت نقل کر کے لکھا ہے کہ شخص مذکور کا کہنا کہ میں نے ہلاک کر دیا۔ عورت پر

---

[1] یعنی یہ قول امام شافعیؒ سے زیادہ صحت کے ساتھ ثابت ہے۔ اور جو قول جمہور کے موافق ہے۔ اس کا ثبوت امام شافعیؒ سے کچھ کمزور ہے۔ ۱۲

جبر کی صورت میں وہ گنہگار نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے تحریک ہوئی اور وہ راضی ہوگئی، اس لئے ہلاک کرنے نسبت اپنی طرف کی۔ ہاں اگر اهلکتُ کا لفظ هلکتُ کی مشاکلت سے استعمال کیا ہو، اور مراد اس سے جبر ہو تو پھر یہ جواب ٹھیک ہے، رہا پہلا جواب کہ عورت نے نہ اقرار کیا۔ نہ پوچھا اور عورتوں کا حکم عموماً مردوں کا ہوتا ہے، اس لئے عورت کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ سو یہ جواب بلاشبہ صحیح ہے،

(فتاویٰ اہلحدیث روپڑی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸، ۱۸ شعبان ۱۳۵۹ھ) (۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء)

(عبداللہ امرتسری روپڑی)

توضیح: عورت کے لئے کفارہ الگ نہیں ہے، بلکہ مرد کے ساتھ ہی شامل ہے، اور روزہ کی قضا دونوں پر ہے، جیسا کہ مذکور ہے۔

الراقم علی محمد سعیدی

باب الحیض والنفاس

سوال:۔ ایک عورت کو ایک مہینے کا حمل ساقط ہوا۔ کیا اس عورت کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ عورت مذکورہ کو جب تک نفاس کا خون جاری رہے وہ حائضہ کی طرح روزہ نہ رکھے۔ (۱۲ شوال ۱۳۷۸ھ) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۲)

سوال:۔ عورتیں جب حیض یا نفاس سے ہوں تو پاک ہونے پر نماز کی قضا کریں یا نہیں؟ اور پاک ہونے پر روزوں کا کیا حکم ہے؟ حیض کے دنوں میں ذکر اذکار، درود شریف وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب۔ حائضہ اور نافسہ عورت پر روزہ کی قضا لازم ہے، نماز معاف ہے، مگر ذکر اور درود وغیرہ سے منع کی کوئی قوی دلیل نہیں۔ ذکر اور درود شریف پڑھ سکتی ہے۔

(۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صفحہ ۵۲۲)

عبداللہ روپڑی مرکزی شیخ الحدیث و مرکزی امام

باب الاعتکاف

کیا عورت گھر میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے

سوال: ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کے جریدہ اہلحدیث میں کسی صاحب نے سوال کیا ہے۔

کیا عورت اعتکاف بیٹھ سکتی ہے؟

جواب: جواب دیا گیا ہے ـــ بیٹھ سکتی ہے مگر مسجد میں نہیں۔ اپنے گھر بیٹھ سکتی ہے، بحیث عورت کے اعتکاف بیٹھنے سے متعلق نہیں ہے بلکہ عورت کے گھر میں اعتکاف بیٹھنے سے ہے، جہاں تک راقم الحروف کی تحقیق ہے، وہ یہ ہے۔ کہ عورت گھر میں اعتکاف نہیں بیٹھ سکتی۔ کیونکہ اعتکاف کا مسنون طریقہ مسجد ہی میں بیٹھنا ہے، اس میں مرد وزن سب مساوی ہیں۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

قرآن پاک میں ہے۔ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی جب تم مسجد میں معتکف ہو تو ایسی صورت میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ امام بخاریؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کے لئے جامع مسجد کا ہونا ضروری نہیں بلکہ ہر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے، اور اسی پر باب باندھا ہے باب الاعتکاف فی العشر الاواخر والاعتکاف فی المساجد کلہا لقولہ تعالیٰ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ فی المساجد کا لفظ اس پر دال ہے۔ کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے، اگر اعتکاف کے لئے مساجد شرط نہ ہوتیں تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ تھا۔ صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ حدیث وارد ہے عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر ان یعتکف العشر الا واخر من رمضان فاستاذنتہ عائشۃ فاذن لہا وسألت حفصۃ عائشۃ ان تستاذن لہا

ففعلت فلما رأت ذالك زينب بنت جحش امرت ببناء فبني لها قالت وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى انصرف الى بنائه فبصر بالابنية فقال ما هذا؟ قالوا بناء عائشة وحفصة وزينب فقال رسول الله آلبر اردن بهذا؟ ما انا بمعتكف فرجع فلما افطر اعتكف عشرة من شوال ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا ذکر کیا حضرت عائشہؓ نے بھی اعتکاف بیٹھنے کی آپ سے اجازت چاہی آنحضرت نے اجازت فرمائی۔ پھر حضرت حفصہؓ نے جب انہیں حضرت عائشہؓ کی اجازت سے خبر ہوئی۔ حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ میرے لئے بھی آنحضرتؐ سے لے دیجئے۔ تو حضرت عائشہؓ نے انہیں اجازت لے دی جب اس واقعہ کی حضرت زینب بنت جحش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بھی خیمہ لگوایا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب نماز ادا کرلی تو اپنے خیمے میں تشریف لائے اور کئی خیمے دیکھ کر فرمایا یہ خیمے کیسے ہیں۔ لوگوں نے بتایا۔ عائشہؓ حفصہؓ۔ اور زینب کے خیمے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا اس سے وہ نیکی کا ارادہ رکھتی ہیں۔ یعنی اس میں تو نمائش اور ریاکاری ہے۔ فرمایا ہمیں تو اعتکاف نہیں بیٹھنا۔ پھر آپ واپس چلے آئے پھر عید الفطر کے بعد شوال کے دس دن کا آپؐ نے اعتکاف کیا۔ اگر مسجد میں اعتکاف مسنون نہ ہوتا تو حضرت عائشہؓ کو آپ کیوں اجازت مرحمت فرماتے۔ آپؐ فرما دیتے کہ عورتیں گھر میں معتکف ہوں۔ پھر جب حضرت حفصہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نے ایک دوسری کو دیکھ کر مسجد میں خیمے گاڑ لئے تھے۔ اور آپؐ نے ان خیموں کو دیکھ کر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ آپؐ ناراض اس لئے نہیں ہوئے تھے۔ کہ عورتیں مسجد میں معتکف نہ ہوں۔ بلکہ اس کی وجہ نمائش اور ریاکاری تھی۔ پھر اگر گھر میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہوتا تو اپنی ازواج مطہرات کو فرماتے کہ تم مسجد سے خیموں کو اکھیڑ لو اور گھر میں جا کر معتکف ہو جاؤ۔

۲۔ حجۃ اللہ البالغہ مطبع نور محمد اصح المطابع کے صفحہ ۲۲ پر ہے۔ قالت عائشۃ السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضا ولا یشہد جنازۃ ولا یمس المرأۃ ولا یباشرھا ولا یخرج الا لحاجۃ مالابد منہ ولا اعتکاف الا بصوم ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع۔

یعنی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مسنون طریقہ معتکف کے لیے یہی ہے کہ نہ تو مریض کی بیمار پرسی کرے اور نہ جنازہ میں شامل ہو۔ نہ اپنی عورت سے مس کرے اور نہ اس سے مباشرت کرے۔ اور نہ کسی غیر ضروری حاجت کے بغیر باہر ہی نکلے۔ نیز فرماتی ہیں کہ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔ اور نہ جامع مسجد کے بغیر اعتکاف بیٹھنا ہی درست ہے۔ یہ روایت مشکوٰۃ شریف اور ابوداؤد میں بھی آئی ہے۔ یہ حضرت عائشہ صدیقہ کا اپنا قول نہیں بلکہ فرماتی ہیں۔ السنۃ۔ تو سنت سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو یہاں مسجد میں اعتکاف بیٹھنا سنت بتایا گیا ہے۔ اعتکاف بیٹھنے والا خواہ مرد ہو۔ یا عورت۔

۳۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۸۳ پر ایک حدیث مذکور ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ کان النبی یعتکف الخ اس کی تفصیل و وضاحت میں مشکوٰۃ کے حاشیہ پر یوں ہے۔ الاعتکاف فی اللغۃ الحبس والمکث واللزوم والاقبال علی شئی وفی الشرع عبارۃ عن المکث فی المسجد واللزوم علی وجہ مخصوص۔

اعتکاف کے لغوی معنی بند رہنا۔ ٹھہرنا اور کسی چیز کو لازم پکڑنا۔ اور کسی چیز پر متوجہ ہونا ہے۔ اور شریعت میں اعتکاف کے معنی مسجد میں ٹھہرنا، اور خاص انداز سے لازم کرنا ہے، اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی گھر میں اعتکاف بیٹھتا ہے تو اسے اعتکاف نہیں کہا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اور بھی دلائل کتب احادیث سے مل سکتے ہیں۔ لیکن انہیں پر کفایت کی جاتی ہے، شاید میری تحقیق کو محل نظر سمجھا جائے۔ اور کہا جائے کہ اس زمانہ میں نہ تو ایسی پارسا اور نیک عورتیں ہیں۔ جیسی کہ حضور انورؐ کے زمانے میں عورت کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے۔ اگر مسجد میں اعتکاف بیٹھے گی۔ تو ایک نیکی کے عوض میں بیسوں گناہوں کا خطرہ ہے، اور گھر میں ہی خطرہ گناہ

ہے مفقود ہو سکتی ہے تو گذارش یہ ہے کہ میں نے کب کہا ہے کہ عورت اعتکاف نہ بیٹھے اور مسجد میں جا کر بیٹھے میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اعتکاف کا سنت طریقہ مسجد میں بیٹھنا ہے اور کسی جگہ اعتکاف بیٹھنے کی شریعت مطہرہ نے اجازت نہیں دی۔

(عبدالرحمن) (الاعتصام جلد ۹ ش ۲۰ ، ۱۹ جمادی الاولیٰ [illegible])

اعتکاف

معتکف کا ممنوع اوقات میں نوافل پڑھنا۔

سوال: کیا معتکف نماز فجر کے بعد تا طلوع آفتاب اور اسی طرح بعد از عصر تا غروب سنتیں یا نفل ادا کر سکتا ہے؟

جواب: ان دونوں وقتوں میں نماز منع ہے معتکف اور غیر معتکف اس میں برابر ہیں لیکن سببی نماز میں اختلاف ہے کہ جائز ہے یا نہیں، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اس پر زور دیا ہے کہ سببی نماز جائز ہے۔ جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء وغیرہ اور ممانعت صرف غیر سببی نماز میں ہے۔ یعنی جن کا کوئی سبب نہ ہو، جیسے عام نفل نماز، صلوٰۃ اور نماز حاجت بھی سببی میں داخل ہے، کیونکہ سببی سے مراد جو فی الفور ہوتی ہے۔ البتہ فجر کی سنتوں کے متعلق ابوداؤد وغیرہ میں خاص حدیث آگئی ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع [illegible] درست ہیں۔ البتہ مسجد حرام میں کوئی وقت مکروہ نہیں، جب چاہے پڑھے۔

(فتاویٰ اہلحدیث صفحہ ۵۷۱ جلد ۲ - ۲۹ رمضان المبارک [illegible])

عبداللہ امرتسری روپڑی

معتکف کی بیوی کا اس کو کھانا پہنچانا [illegible]

سوال: کیا معتکف کی بیوی اس کو کھانا پہنچا [illegible] سکتی ہے؟

جواب: [illegible] سکتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معتکف

جاتے تھے۔ آپ کی بیوی حضرت صفیہؓ کسی کام کے لئے آپ کے پاس آئی۔ اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کرتی تھی۔ مشکوٰۃ۔

(فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۵۷۱ - ۱۹ رمضان ۱۳۶۰ھ)

عبداللہ امرتسری روپڑی

نو آدمی مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتے ہیں

سوال: کہ ایک مسجد میں نو آدمی کا اعتکاف بیٹھنا ممنوع ہے!

جواب: ایک سے زیادہ مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کا ذکر حدیث میں آگیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعض بیویاں اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ جب تعداد ثابت ہو گئی تو نو کو کیا رکاوٹ ہے، جس نے نو کو منع کیا ہے، شاید اس نے اس حدیث کی بنا پر کیا ہو، جس میں بیویوں کا ایک دوسری کی ضد سے خیمے لگانے کا ذکر ہے، آپ نے وہ خیمے اکھڑوا دیئے اور بیویاں نو تھیں، اس نے سمجھ لیا ہو، کہ نو کا اعتکاف منع ہے، لیکن یہ غلطی ہے، کیونکہ اس حدیث میں منع کی وجہ عدد نہیں۔ بلکہ ان کی آپس میں ضد ہونے کی وجہ سے ممانعت ہے، چنانچہ حدیث البرّ تقولون کے لفظ سے ظاہر ہے۔ یعنی کیا نیکی کا ارادہ کرتی ہے۔ گویا ان کے ارادہ میں خلل آتا پایا ہے، اور عدد کو دخل نہیں، پھر کیا پتہ ہے، نو نے خیمے لگائے تھے۔ یا نو سے کم نے خیمے لگائے تھے۔ کیونکہ حدیث میں نو کے خیمے لگانے کا ذکر نہیں۔ پس نو کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث صفحہ ۵۷۱ جلد ۲ - یکم ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ)

عبداللہ امرتسری۔ حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی ۱۴۹

سوال: زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف میں بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے! (عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔

(اہلحدیث۔ ۷ شوال ۱۳۵۳ھ)

شرفیہ۔ حدیث صحیح میں نماز صبح کے بعد ہے۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل معتکفہ متفق علیہ کذا فی بلوغ المرام۔ یہ ہوگا کہ بیسویں کی صبح کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے۔ تاویل بعید ہے۔

(ابو سعید شرف الدین)

تشریح۔ از قلم حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدرس میاں صاحب مرحوم دہلی۔
پہلے روزہ کی نیت کرنی ضروری ہے۔ فرضی روزہ کی نسبت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے فجر سے پہلے اس کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی شریف) نیت کہتے ہیں ارادۂ قلب کو زبان سے کوئی مروجہ لفظ بصوم غد وغیرہ کہنے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا باعث برکت اور ثواب عظیم کا موجب ہے۔ مومن کے لئے بہترین سحری کھجور ہے۔ یعنی کھجور ضرور کھانی چاہیے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ جا بجا مساجد میں سحری کی اذان کا اہتمام کیا جائے۔ جو اذان فجر سے کچھ وقت پہلے ہو۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سحری اور نماز پڑھنے کا درمیانی وقفہ پچاس آیات پڑھنے کے برابر ہوتا تھا۔ اگر سحری کھاتے ہوئے صبح کی اذان ہو جائے تو اپنے لقمہ اور حاجت کو جلدی پورا کر لینا چاہیے۔ (مشکوٰۃ ترمذی) روزہ کی حالت میں غیبت چغل خوری سے بچو۔ فحش بے حیائی۔ ہر گوئی سے اجتناب کرو۔ جو شخص جھوٹے قول عمل اور عقیدہ کو نہیں چھوڑتا۔ اللہ کو اس کے روزہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی روزہ دار سے لڑنے جھگڑنے لگے تو روزہ دار کو چاہیے کہ اس کی بات کا کوئی جواب نہ دے۔ بلکہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ احتلام ہو جانے سے۔ بھول چوک کر کھا لینے سے۔ مسواک کرنے سے۔ سرمہ۔ تیل لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (ترمذی شریف) سورج غروب ہوتے ہی افطاری کا وقت ہو جاتا ہے۔ روزہ تر کھجوروں سے اگر تر نہ ملیں تو خشک سے ورنہ پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔ حدیثوں میں روزہ کھولتے وقت یہ دعا پڑھنی

آئی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ ۔ (مشکوٰۃ المصابیح) اس دعا میں چند الفاظ کی بلکہ آمنت وغیرہ لوگوں نے بڑھا رکھے ہیں، حالانکہ وہ بے ثبوت ہیں۔ ایک مسلمان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے ہوئے اور بتائے ہوئے الفاظ بس کافی ہیں۔ دین میں ایجاد اور زیادتی کا نام ہی تو بدعت اور غلو ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو ان دونوں چیزوں سے محفوظ رکھے، روزہ کھولنے کے بعد یہ دعا بھی سنت ہے۔ ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ (ابو داؤد شریف) جو شخص کسی روزہ دار کو کھانا کھلائے تو روزہ دار کہے۔ اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّآئِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (ابن ماجہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں رات کو گیارہ رکعتیں نفل یعنی تراویح مع وتر پڑھا کرتے تھے، یہی سنت اور زیادہ اجر فضیلت کا موجب ہے اس کے علاوہ زیادہ رکعتیں مقرر کر لینا، ہمیشہ بیس رکعت پڑھنا اور سنت سمجھنا خلاف ہے یہ کسی حدیث نبوی سے بسند صحیح کہیں ثابت نہیں۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں (۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹) میں سے ایک شب قدر ہوتی ہے۔ اس میں بکثرت تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، تسبیح، تہلیل اور خدا کی عبادت نہایت شوق و ذوق سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے، شب قدر میں گناہگاروں کی گریہ وزاری، توبہ استغفار اور عبادت کی رغبت دیکھنے کے لئے مسلمانوں سے ملاقات اور مصافحہ کرنے کے لئے جبرئیل علیہ السلام مع فرشتوں کے زمین پر آتے ہیں۔ مزاروں، خانقاہوں، یا جس گھر میں نشے کی چیز ہو، نشہ باز شخص ہو، باجے اور تصویریں ہوں، وہاں فرشتے نہیں جاتے۔ شرابی ماں باپ کا نافرمان، مسلمانوں سے بغض و بیر رکھنے والا اس رات میں بھی بخشش سے محروم رہتا ہے، اس رات میں یہ دعا پڑھنی سنت ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (مشکوٰۃ) اعتکاف کرنا نہایت ثواب کی بات ہے،

مرد و عورت دونوں کے لئے اعتکاف کرنا جائز ہے، اکیسویں شب مسجد میں رہ کر نماز صبح پڑھ کے جائے اعتکاف کی جگہ داخل ہونا چاہیے، اور مسجد کے گوشہ میں خلوت اختیار کرکے ذکر الٰہی۔ تسبیح تہلیل تلاوت قرآن احادیث کا مطالعہ وغیرہ عبادات صبح و شام ہر وقت کرتے رہیں۔ پاخانہ پیشاب یا اور کسی ضرورت شدیدہ کے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلیں، اعتکاف عید الفطر کے چاند ہونے تک کریں (بخاری، ابن ماجہ)

صدقۃ الفطر روزوں کی طہارت ہے، ہر مسلمان مرد و عورت چھوٹے بڑے امیر غریب آزاد و غلام لونڈی پر کھجور، کشمش، پنیر، گیہوں، جو کا ایک صاع (جو بحساب انگریزی کے تقریباً پونے تین سیر ہوتا ہے) واجب و فرض ہے، یہ نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہیے۔ نماز کے بعد دینے سے صدقۃ الفطر ادا نہ ہوگا۔ فطرہ میں غلہ دینا افضل صورت ہے، قیمت بھی جائز ہے، اور گیہوں کا آدھا صاع بھی درست ہے۔ (بلوغ المرام)

لوگوں میں رمضان کے آخری جمعہ کو رسم الوداع مروج ہے، اور وہ اس دن روزہ چھوڑ کر حلیم وغیرہ کھانے کے لئے گاؤں سے شہروں میں آتے ہیں۔ حالانکہ خدا و رسول نے کہیں ایسا حکم نہیں فرمایا۔ مسافر و مریض اور حائضہ کو ایام سفر میں مرض اور حیض میں روزہ معاف ہے، مگر دوسرے دنوں میں قضا واجب ہے، حاملہ، مرضعہ، دائم المریض بوجہ تکلیف روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ میت کے فوت شدہ روزے اس کے وارث رکھ لیں، یا ہر روزہ کے عوض مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ صدقۃ الفطر زکوٰۃ کی طرح نظام کے ماتحت بیت المال میں جمع ہونا چاہیے جہاں بیت المال قائم نہیں ہے، وہاں اس کا عمل میں آنا ضروری ہے تاکہ وہ فنڈ دینی امور کی انجام دہی۔ اور قوم کے غرباء و فقراء اہل حوائج پر امام المسلمین بیت المال کو خرچ کرتا رہے، در اصل اسلام کا اہم مقصد زکوٰۃ اور صدقات نکالنے سے یہی ہے، کہ وہ ایک جگہ جمع ہوں، اور پھر قوم کی مفلسی و ناداری پر خرچ کرکے قوم کو بحال کیا جاوے زمانہ خیر میں زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے لئے امام وقت اور بیت المال

کا قیام نہایت ضروری سمجھا گیا تھا۔ فقط والسلام۔ (۱۰ اگست ۱۹۵۸ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۴۳)

سوال:۔ زید بیسویں رمضان کو صبح کی نماز پڑھ کر اعتکاف بیٹھ گیا۔ آیا اس کا یہ فعل سنت کے مطابق ہے؟ (عبدالحمید از قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ)

جواب:۔ اکیسویں شب مغرب کے بعد اعتکاف بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہی سنت ہے۔ (۸ شوال ۱۳۶۵ھ)

سوال:۔ رمضان المبارک میں اعتکاف اگر ایک ہی شخص محلے کا کرے تو کیا سب کی طرف سے کافی ہے؟

جواب:۔ حنفیہ کے نزدیک اعتکاف سنت کفایہ ہے، ان کے نزدیک تو ایک کا بیٹھنا سب سے کفایت کرتا ہے، مگر اس دعوے کی دلیل میرے ناقص علم میں نہیں، اس لئے اس کو عین سنت جانتا ہوں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری بیویاں معہ آنحضرت ﷺ کے اعتکاف بیٹھی تھیں۔ گو آپ نے ان کو اٹھا دیا تھا۔ مگر اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ (۲۳ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۴۳)

سوال:۔ اعتکاف کا پردہ نہیں ایسا کہ اندر سے باہر کا آدمی نظر آوے، ہونے سے اعتکاف ہوگا یا نہیں؟

جواب:۔ پردہ سے غرض یہ ہے کہ بیٹھنے والا گوشہ نشین رہے، باریک کی وجہ سے کوئی اسے دیکھے یا وہ کسی کو دیکھے کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اعتکاف نشین مرد ہو عورت نہ ہو۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۶۴۳) (۲۶ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ)

سوال:۔ ایک آدمی باوجود بڑی مسجد کے محلہ کی چھوٹی مسجد میں اعتکاف بیٹھتا ہے، اور نماز مغرب کے بعد حقہ نوشی بھی کرتا ہے اور بڑی مسجد گاؤں کی چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جو

میل کے قریب ہے، نماز جمعہ ادا کرتا ہے، کیا اس کا اعتکاف صحیح ہے؟۔

جواب:۔ جمہور علماء کے نزدیک اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے، اس لئے شخص مذکور کا اعتکاف صحیح ہے، البتہ حقہ نوشی کرتا ہے، یہ ممنوع ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مفتر اشیاء سے منع فرمایا ہے، نیز حدیث شریف میں ضروری حاجت کے سوا جائے اعتکاف سے نکلنا منع فرمایا ہے۔ اور اس غرض فاسد (حقہ نوشی) کے لئے باہر آنا اعتکاف کے لئے خارج ضرور ہے، واللہ اعلم (۹/ ردسمبر ۱۹۳۳ء)

شرفیہ:۔ یہ صحیح ہے، مگر نماز جمعہ فرض ہے، اور اعتکاف سنت ہے، اگر جمعہ ترک کرے تو ممنوع ہے۔ اور نکلنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا جہاں جمعہ ہو وہیں اعتکاف لازم ہے، اور حقہ کشی کے باعث باہر نکلنے سے اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔ السنة على المعتكف ان لا يعود مريضا ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولا يباشرها ولا يخرج لحاجة الا لما لابد منه رواه ابوداود۔ اور حقہ تو جائز ہی نہیں ہے،

(ابوسعید شرف الدین دہلوی) (فتاوی ثنائیہ جلد اص ۶۶۶)

باب لیلۃ القدر

لیلۃ القدر میں وعظ کا اہتمام

سوال:۔ کیا رمضان المبارک کی شب ہائے لیلۃ القدر میں عہد نبوی۔ یا صحابہ کرام اور زمانہ خیر قرون میں جلسے یا مواعظ ہوتے تھے یا ۔ اگر کوئی شخص شب ہائے لیلۃ القدر میں وعظ و تذکیر کرے تو اس پر کیا حکم ہوگا ؟ (سراج الدین جودھ پوری)

جواب:۔ شب قدر کے وعظ اور رمضان کی تیس دن کی وعظ کے جواز عدم جواز سے تھوڑی سی تمہید سُن لیں۔ جس حیثیت سے کوئی شئے شریعت میں وارد ہوئی ہے۔ اگر اسی سے لی جائے تو جائز ہے اس کا شمار بدعت میں نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کسی عالم سے پوچھ کر عمل کرے۔ تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ترجمہ:۔ یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو نیز حدیث شریف میں ہے۔ انما شفاء العِیّ السّوال یعنی جہالت کی شفا پوچھنا ہے لیکن اگر کوئی اس میں اتنی بات بڑھالے کہ باوجود اور علماء کے ایک عالم مذہب اپنے ذمے لازم کرے۔ اور جب پوچھے اسی سے پوچھے تو یہ بدعت اور بڑا ہوگا۔ اور یہی تقلید ہے جو متنازعہ فیہ ہے۔ اسی بنا پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لا یجعل احدکم للشیطن شیأً من الصلاۃ یرٰان حق علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رئیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد ص ۸۷) ۔ یعنی کوئی تمہارا اپنی نماز سے شیطان کا کچھ حصہ بنے اور پر لازم سمجھے کہ (سلام پھیر کر) داہنی طرف ہی پھیروں گا۔ کیوں کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بہت دفعہ بائیں طرف بھی پھیرتے تھے۔ امام جب نماز سے سلام پھیرتا ہے، تو اپنے دائیں طرف یا بائیں طرف منہ کرکے بیٹھ جاتا ہے اس کی بابت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک طرف کو معین کرلینا شیطان کا حصہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دفعہ دوسری طرف بھی پھیرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس حیثیت سے کوئی فعل شروع میں وارد ہوا اس سے ذرا ادھر ادھر نہ ہونا چاہیے۔ اگر ذرا ادھر ادھر ہوگا تو وہ بدعت اور شیطان کا حصہ ہو جائے گا۔ کیونکہ بندہ کو شروع میں کوئی دخل نہیں۔ کہ اپنی طرف سے کوئی شے معین کرے۔ یا معین کو عام کرے۔ یا کسی اور طرح سے کمی بیشی کرے۔ بلکہ اس کو لازم ہے کہ ہر حکم اپنے انداز پہ رہنے دے۔ اور جس طرح وارد ہوا ہو اس کو بجا کر ادا کرے۔ اس تفصیل سے شب قدر اور رمضان المبارک کے تیس دنوں میں وعظ کی حقیقت بھی واضح ہوگئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وعظ اور تبلیغ کے لئے کسی رات یا کسی دن کو ہمیشہ کے لئے خاص اور معین نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن وحدیث اور خیر قرون میں اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ خاص کر جب ایک محل میں نبی اکرمؐ سے ایک کام ثابت ہو۔ جیسے رمضان المبارک کی تمام راتوں میں عموماً اور لیلۃ القدر میں خصوصاً قیام وغیرہ ثابت ہے۔ تو پھر کسی غیر ثابت شدہ کام کے لئے خاص کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ غور کیجئے عبداللہ بن مسعودؓ دو ثابت شدہ کاموں سے بھی ایک کی تخصیص کرنے کو شیطانی فعل فرماتے ہیں۔ تو غیر ثابت شدہ کی تخصیص کس طرح درست ہوگی۔ اگر کسی خاص رات یا وقت کی ہمیشہ کے لئے تخصیص نہ ہو، بلکہ حسب ضرورت نماز تراویح سے پہلے یا بعد وعظ کیا جائے تو یہ بدعت نہیں ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ثابت ہے کہ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ آپ نے مسائل اعتکاف وغیرہ کی بابت خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلا تخصیص حسب ضرورت وعظ کرنا جائز ہے۔

جیسے رمضان المبارک میں جس رات قرآن مجید ختم ہو۔ لوگ دعا میں شرکت اور حصول [illegible] وغیرہ کی نیت سے بکثرت جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ تبلیغ کا عام موقع ہے [illegible] و تبلیغ ہو جائے تو یہ جائز ہے، کیونکہ کمی بیشی یا تغیر و تبدل دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک خارج

میں ایک نفس حکم میں نفس حکم میں تغیر آنے سے بے شک وہ حکم بدعت ہو جائے گا۔ جیسے اوپر تقلید کی مثال اور عبد اللہ بن مسعود کے قول سے ظاہر ہے۔ خارج میں تغیر آنے سے وہ حکم بدعت نہیں ہو گا۔ مثلاً ایک جگہ معین تاریخ کو سال بسال عرس ہوتا ہے یا میلہ لگتا ہے، اب کوئی مبلغ یا واعظ کی بھی تاریخ معین ہو گی۔ مگر یہ بدعت نہیں۔ کیونکہ یہ تعین خارج سے ہے، نفس حکم سے نہیں، اس طرح کوئی شخص جمعہ جمعہ طالب علموں کو کہہ دے تاکہ طالب علموں کے مطالعہ اور سبقوں کا حرج نہ ہو۔ تو یہ بھی نفس حکم میں تغیر نہیں۔ اسی طرح ایک ملازم پیشہ شخص کو اتوار کے دن فراغت ہوتی ہے، وہ اس کو وعظ یا نصیحت کے لئے مقرر کرے۔ یا اس دن میں قرآن مجید کی منزل زیادہ کرے۔ یا نفل نوافل زیادہ پڑھے۔ تو یہ بھی نفس حکم میں تغیر نہیں بلکہ خارج میں تغیر ہے، کیوں کہ انسان ہمیشہ حسب ضرورت اور حسب فرصت ہی ایسے کاموں میں زیادہ حصہ لے سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے یا ترغیب دے کہ تم بھی ایسا ہی کرو حالانکہ اُن کے لئے سب دن یکساں ہیں۔ تو یہ نفس حکم میں تغیر ہے۔ پس یہ برا اور بدعت ہو گا۔ کیونکہ جو کام حسب موقع یا حسب ضرورت یا حسب فرصت ہوتا ہے، وہ سب کے لئے یکساں نہیں رہتا۔ کیونکہ مواقع بدلتے رہتے ہیں۔ ضرورتیں الگ الگ ہوتی ہیں فرصت کا وقت ایک نہیں ہوتا مثلاً لوگ وعظ کے لئے جلسہ کرتے ہیں۔ تو جیسا جیسا اپنا موقع دیکھتے ہیں۔ تاریخیں مقرر کر لیتے ہیں۔ وہی دوسرے لوگ کریں۔ بلکہ خود ایک شہر یا گاؤں والے کسی سال کی کوئی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔ اور کسی سال کوئی۔ پھر بعض کم و بیش مدت میں کر لیتے ہیں۔ کیونکہ جیسا موقع دیکھتے ہیں ویسا کر لیتے ہیں وہ سب کے لئے ایک صورت معین نہیں ہو سکتی، دیکھئے ابن عباس فرماتے ہیں۔ ہر جمعہ میں ایک مرتبہ لوگوں کو حدیثیں سنایا کر اگر تیرا زیادہ خیال ہو تو دو مرتبہ اگر اس سے بھی زیادہ خیال ہو تو تین مرتبہ اور اس قرآن سے لوگوں کو سست نہ کر۔ اور کوئی قوم اپنی ضروری بات چیت میں ہو تو اُن کی بات کاٹ کر وعظ شروع نہ کر۔ اس سے وہ سست ہو جائیں گے لیکن چپ رہ۔ جب وہ تجھے کہیں اس وقت ان کو حدیثیں سنا۔ اس وقت تیرا ان کو حدیثیں سنانا ان کے شوق کی حالت میں ہو گا۔ دعا کے وقت وزن دار کلمات بنا کر دعا مانگنے سے بچے۔

کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ایسا نہیں کرتے تھے، روایت کیا اس کو بخاری نے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲) نیز مشکوٰۃ میں ہے عبداللہ بن مسعودؓ جمعرات جمعرات وعظ کیا کرتے تھے۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ہو ص۳۳ اور حضرت ابوہریرہ ہر جمعہ کو منبر کے پاس کھڑے ہو کر حدیثیں سناتے۔ جب امام نکلتا تو بیٹھ جاتے۔ (ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جلد اول ص۱۰۸ اور ابن عباس جمعہ کے بعد اپنی خالہ میمونہ کی وفات کے موقع پر ان کے گھر میں لوگوں کو مسائل بتانے کے لئے بیٹھے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد جلد اول ص۲۹۲) سو اس طریق سے جیسا کوئی اپنا موقع دیکھتا، کام کرتا۔ اہل بدعت کی طرح نہیں کہ ہمیشہ میت کے تیسرے یا ساتویں، دسویں دن کو روٹی کے لئے مقرر کریں۔ یا چالیس دن روٹی دیں۔ یا ششماہی سالانہ حساب رکھیں۔ یا اس قسم کا کوئی اور تعین کریں۔ جو تقلید کی طرح سب کے لئے یکساں قرار دیا جائے یہ سراسر دین میں تصرف اور حکم میں تغیر ہے۔ اور اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعت سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

(فتاویٰ اہلحدیث جلد دوم صفحہ ۲۷۵)

عبداللہ امرتسری روپڑی

لیلۃ القدر کی رات وعظ کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ لیلۃ القدر کی راتوں میں بعض علماء کچھ دیر تک لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اس طرح سے کہ تقریباً دس بجے شب سے ایک بجے تک قرآن و حدیث کا بیان ہوتا ہے۔ لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ لیلۃ القدر کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔ توحید و سنت کا بیان ہوتا ہے۔ بعد ازاں دعا مانگی جاتی ہے اور وعظ ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ مسجد ہی میں تراویح و تہجد شروع کر دیتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ اپنے گھروں میں جا کر نماز میں لگ جاتے ہیں۔ لیلۃ القدر کی پانچوں راتوں میں ایسے ہی ہوتا ہے اور لوگ برابر ذکر اللہ و عبادت الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ بکر کہتا ہے کہ یہ وعظ کہنا اور

سننا بدعت ہے، یہ عبادت نہیں۔ زید کہتا ہے کہ وعظ و نصیحت کیسے بدعت ہو سکتا ہے، جس طرح سے کہ ہمیشہ وعظ و نصیحت ہوا کرتے ہیں، اسی طرح سے لیلۃ القدر میں بھی وعظ کہنا اور سننا درست ہے۔ لہٰذا دونوں میں کس کا قول صحیح ہے، بینوا توجروا

جواب:۔ وعظ کہنا و سننا بھی عبادت ہے، حدیث شریف میں ہے، تدارس العلم ساعۃ خیر من احیائھا۔ بوقت شب ایک گھڑی علمی بات چیت کرنا ساری رات کی عبادت سے اچھا ہے، اس حدیث سے ہی ہمارا مدعا ثابت ہے۔ کہ وعظ گوئی اور وعظ شنوی سب عبادت ہے، لہٰذا زید کا قول صحیح ہے۔ ابوالوفا ثناء اللہ کفاہ امرتسری۔ مولوی فاضل۔ ماکتبہ الشیخ الفاضل الاجل المولانا ثناء اللہ المحترق ہذا والمسئلۃ فہو صحیح۔ حررہ شیخ احمد دہلوی مدنی۔ الجواب صحیح عبدالرحمن آزاد دہلوی کان اللہ لہ الجواب ہو الصحیح۔ ابوالبشیر پنجابی سوہدروی۔

وعظ کہنا شب قدر میں جائز ہے۔ بلکہ جاگنا لازم ہے، اور یہ وعظ و تذکیر اس کے لئے مفضی اور سبب ہے، لہٰذا یہ بھی موجب ثواب کار خیر ہے، ہذا ما عندی واللہ اعلم۔ محمد حسین امرتسری۔

ہندوستان میں بہت سی اہل حدیثوں کی مذہبی انجمنیں ہیں۔ جن کا سالانہ جلسہ اکثر بعد جمعہ کے شروع ہوتا ہے، ہندوستان میں اکثر مدارس عربیہ کے جلسے شعبان کے مہینے میں ہوتے ہیں۔ الا تعلیمی حالت سنائی جاتی ہے، ہندوستان میں اکثر ہر مہینے کی ابتداء میں دینی رسالے و اخبارات نکالے جاتے ہیں۔ دہلی میں عام قاعدہ بطور لزوم کے ہے کہ سارے رمضان کے دنوں میں گھر گھر وعظ ہوتا ہے اور علماء دہلی وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر پنجاب یا یورپ سے کوئی مولوی صاحب جاتے ہیں۔ تو وہ بھی گھر گھر وعظ شروع کر دیتے ہیں۔ اب ذرا تفصیل کے ساتھ بالترتیب سنو! قرآن مجید میں ہے کہ بعد نماز جمعہ زمین میں پھیل جاؤ۔ اور روزی کماؤ اللہ نے بعد نماز جمعہ جلسہ کرنے کو نہیں فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگر کسی گھر میں میت ہو جاتی۔ تو آپ صبر کی تلقین فرماتے نہ کہ میت کذائیہ کے ساتھ وعظ کرتے، شعبان کے مہینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے روزے رکھتے، اور لوگوں کو روزوں کی ترغیب دیتے تھے۔ نہ کہ آپ جلسے کرتے، اور امتحان لیتے اور چندے کرتے۔ نبی اکرم صلی

علیہ وسلم ہر مہینے کی ابتداء میں کچھ نہ کچھ نفلی روزے رکھتے تھے، نہ کہ اخبارات چھاپتے۔ اور بیچنے فروخت کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ صحابہ کرام اور سلف صالحین رمضان کے دنوں میں روزے رکھتے اور قرآن پڑھتے تھے نہ کہ گھر گھر وعظ کہتے پھرتے۔ کسی ایک حدیث صحیح سے ثابت نہیں۔ رمضان کے دن کا وعظ۔ لہٰذا یہ جملہ امور بطور لزوم کے حضرات علماء کرام کرتے ہیں، اور یہ مشابہ مولود کے نہ ہوئے۔ بدعت کہنے والوں کو چاہیے کہ پہلے اپنی بدعتوں کو ترک کر دیں، اس کے بعد دوسروں کو ہدایت کریں۔ یہ نرالی منطق میری اب تک سمجھ میں نہیں آئی کہ رمضان کے تیسوں دنوں کا وعظ بدعت نہ ہو، اور صرف پانچ راتوں کا وعظ بدعت اور میلاد ہو جائے تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ۔ اگر شب قدر کے وعظ بدعت اور مولود ہیں۔ تو رمضان کے دنوں میں وعظ بدرجہ اولیٰ بدعت اور مولود ہیں۔ دلیلیں ان کے قول کے جواز کی علماء کے پاس ہوں گی۔ وہی دلائل شب قدر کے وعظ کے بھی سمجھ لینے چاہئیں

(محمد یونس پھاٹک حبش خاں دہلی)

(مولانا محمد صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی کا فتوےٰ)

بدعت کہنے والوں سے کوئی پوچھے کہ رمضان کے دنوں میں صرف معدودے چند مجمع میں وعظ کہنا اس صراحت سے کس حدیث میں ہے، ذکر اللہ کا کرنا حدیث سے ثابت ہے اور وعظ بہترین ذکر اللہ ہے، پھر اسے اس رات میں بدعت کیوں کہتے ہو۔ اور اگر ہر جزی کو اس طرح حدیث میں ڈھونڈنا شروع کیا تو بڑی مشکل ہوگی۔ یہ بخاریاں کے ختم یہ صبح کے ترجمے۔ یہ مدرسے۔ یہ جلسے۔ اور یہ کانفرنسیں وغیرہ سلف سے کہاں لا سکو گے۔ اور وعظ تو ایک حد تک ثابت بھی ہے بیہقی وغیرہ میں ہے فیبعث جبرائیل علیہ السلام الملائکۃ فی ھذہ اللیلۃ۔ یعنی لیلۃ القدر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام اور فرشتوں کو رغبت دلاتے ہیں۔ اسی کا نام وعظ ہے یہی واعظ اس رات میں کرتے ہیں کہ لوگوں کو رغبت دلاتے ہیں۔

اور روایت میں ہے۔ کہ اس رات جو فرشتے اترتے ہیں وہ ہر قائم وقاعد اور نمازی اور ذاکر

سے سلام کرتے ہیں، معانقہ کرتے ہیں وغیرہ۔ پس ذکر خدا عام ہے۔ اور وعظ ذکر خدا کا اعلیٰ طریقہ
ہے حضورؐ سے بھی ثابت ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کو ان راتوں کو جگاتے رہتے ہیں۔ اور خود بھی
ساری رات جاگتے تھے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں۔ اشتد مئزرہ وایقظ اھلہ واحی اللیل کلہ۔
وعظ خدا کا کام فرماتا ہے۔ یعظکم لعلکم تذکرون وعظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا کام ہے۔ فرمان ہے۔ انما اعظکم بواحدۃ وعظ کا عام حکم ہے فرمان ادع الی
سبیل ربک پس کسی وقت بھی وعظ بدعت نہیں۔ دن رات صبح ظہر عصر مغرب رمضان غیر
رمضان کسی وقت بھی کسی حصے میں وعظ ممنوع نہیں۔ وعظ کی مجلس کو حدیث میں ریاض جنۃ
باغیچہ جنت کہا گیا ہے۔ وعظ کی مجلس دنیا کی تمام مجلسوں سے عند اللہ بہتر و افضل ہے۔ پس اس
سے روکنا اسے بدعت کہنا اپنے نفس پر ظلم کرنا۔ دین خدا میں اپنی رائے کو دخل دینا ہے۔
بنا ہے، مولود نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہوئی نہ اس کی کوئی دلیل۔ وعظ تو
آپ نے حق لیا کہ ہر وقت ہوتا رہا ہے افضل ترین عبادت کہا گیا۔ گو اس کے لئے کسی
جزئی کا پیش کرنا ضروری نہ تھا۔ تاہم میں آپ کے سامنے شب قدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا وعظ کہنا پیش کرتا ہوں۔ انشاء اللہ مانعین غیر کو نیک ہدایت دے۔ مسند احمد میں ہے
کہ تیسویں رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی رات تک نماز پڑھائی پھر مقتدیوں کی طرف
منہ کر کے یہ بھی فرمایا لا احسب ما تطلبون الا وراءکم الخ یعنی جسے تم
سب طلب کر رہے ہو۔ لیلۃ القدر
وہ میرے خیال سے تو ابھی آگے آئے گی۔ الخ مجمع کو مخاطب کر کے کچھ فرمانا۔ اور انہیں رغبت
دلانا یہی مفہوم وعظ ہے۔ ان کے بعد کی ایسی تقریروں کو امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ
علیہ نے وعظ کے ضمن میں ہی وارد کی ہیں۔ اور ان پر وعظ کا باب باندھا ہے اسی قسم کی اور بھی
بہت سی روایتیں ہیں۔ لیکن میں آپ کو صرف ایک صریح حدیث صحیح مسلم شریف سے سنا دوں
اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اسے بدعت کہے تو خدا کے ہاں کیا جواب دے گا ایسے سوچ لے
عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجاور فی العشر

التی فی وسط الشہر فاذا کان من حین یمضی عشرون لیلۃ ویستقبل احدی وعشرین یرجع الی مسکنہ ورجع من کان یجاور معہ ثم انہ اقام فی شہر جاور فیہ تلک اللیلۃ التی کان یرجع فیہا فخطب الناس فامرہم بما شاء اللہ ثم قال انی کنت اجاور ہذہ العشرۃ ثم بدا لی ان اجاور ہذہ العشر الاواخر فمن کان اعتکف معی فلیلبث فی معتکفہ وقد رأیت ہذہ اللیلۃ فانسیتہا فالتمسوہا فی العشر الاواخر فی کل وتر وقد رأیتنی اسجد فی ماء وطین قال ابو سعید الخدری مطرنا لیلۃ احدی وعشرین فوکف المسجد فی مصلے رسول اللہ فنظرت الیہ وقد انصرف من صلوۃ الصبح ووجہہ مبتل طینا وماءً۔ (مسلم)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے درمیانی دس دن کا اعتکاف کیا کرتے تھے۔ جب بیسویں رات گذر جاتی اور اکیسویں رات آجاتی تو آپ اپنے گھر کو لوٹ جاتے، اور آپ کے ساتھی بھی جو اعتکاف میں ہوتے تھے۔ لیکن ایک مہینے میں آپ اس رات بھی جس رات کو لوٹ کر جاتے تھے یعنی اکیسویں رات بھی ٹھہرے رہے۔ پھر لوگوں کو خطبہ دیا وعظ سنایا۔ اور جو کچھ منظور خدا تھا انہیں حکم احکام سنائے۔ پھر یہ بھی فرمایا میں اس درمیانی دہے کا اعتکاف کیا کرتا تھا۔ لیکن اب مجھ پر یہ کھلا ہے کہ میں اس آخری عشرے کا اعتکاف کروں۔ پس جن لوگوں نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے، وہ اپنے اعتکاف میں ہی رہیں۔ سنو میں نے اس رات کو یعنی لیلۃ القدر کو بھی دیکھ لیا ہے لیکن پھر بھلا دیا گیا ہوں۔ پس تم اُسے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی اکیس تئیس۔ پچیس۔ ستائیس۔ انتیس میں۔ میں نے اس رات اپنے تئیں کیچڑ میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری صحابی راوی حدیث کا بیان ہے۔ کہ اسی اکیسویں رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت ٹپکی اور پانی حضور کی نماز کی جگہ بھی ٹپکا اور جب نماز صبح سے فارغ ہو کر آپ لوٹے تو میں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی نورانی پہ پانی اور مٹی لگی ہوئی تھی۔ کیچڑ آلود تھی۔ اس حدیث میں صاف ہے کہ اکیسویں رات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ مولانا عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی نے بھی ان راتوں کے وعظ کے خلاف فتویٰ دیا تھا لیکن جب میں نے انہیں یہ حدیث لکھ کر بھیجی تو آپ نے رجوع فرمایا اور رجوع نامہ لکھ

بھیجا جو بصورت اشتہار دہلی میں تقسیم بھی ہو گیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ علماء کرام بھی اس حدیث کے ملاحظہ کے بعد اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیں گے۔ ہاں ضدی اشخاص سے یہ اُمید بہت کم ہے، وہ تو شان امامت میں پڑ کر اس چیز کو اپنی پوزیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ واللہ الہادی

(محمد۔ مدرس مدرسہ محمدیہ ایڈیٹر اخبار محمدی دہلی)

قرآن و حدیث عوام الناس کو پہنچانے کے واسطے آیا ہے، اور مسائل سنانے کے واسطے رات ہو یا دن رمضان ہو یا غیر رمضان شب قدر ہو یا غیر شب قدر ہر وقت میں تبلیغ افضل ہے عبادت نفلیہ سے اس واسطے کہ یہ فرض ہے، اور وہ نفل ہے اور ظاہر ہے کہ نفل فرض سے بڑھ نہیں سکتا حدیث میں ہے کہ ایک شخص خالی فرض پڑھ کر علم کے پڑھانے میں مشغول رہتا تھا۔ اور دوسرا عبادت کرتا تھا۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ علم پڑھانے والا افضل ہے عبادت کرنے والے سے اور حدیث میں ہے کہ سکھانے والا بہت ہے کہ بخشش مانگتے ہیں۔ واسطے اس کے وہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں یہاں تک کہ مچھلیاں بھی دریا میں۔ قال اللہ تعالے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ۔

اور حدیث میں ہے۔ بلغوا عنی ولو آیۃ وقال اللہ تعالی قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا۔ یہ کام بدعت نہیں بالکل جائز اور ثواب کا ذخیرہ ہے، بلکہ افضل ہے۔ ہم خرما ہم ثواب۔ (اخبار محمدی دہلی جلد ۷ اش ۶۔ ۱۰ شوال ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء)

الجیب عبدالرحمٰن دہلی

سوال:۔ شب قدر میں وعظ کہنا کرانا۔ اور سننا سنانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ائمہ دین کے زمانہ میں پایا جاتا ہے یا نہیں!۔

جواب:۔ شب قدر میں کبھی کبھی بلا تعیین وعظ و تذکیر کرنا۔ اور سننا جائز ہے، لیکن پابندی کے ساتھ رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں وعظ کہنے کا خیر القرون میں ثبوت نہیں ملتا۔

(اخبار ترجمان دہلی جلد ۱ شمارہ ۵)　　شیخ الحدیث مولانا عبدالسلام بستوی دہلوی مرحوم

سوال:۔ خواہ مخواہ ستائیسویں کو ہی لیلۃ القدر مقرر کرنا اور حنفیوں کے مطابق صرف اسی رات کو شب قدر منانا خلاف سنت ہے، یا نہیں۔ اور راتوں کو چھوڑ کر! جواب خلاصہ اور مدلل ہو۔

جواب:۔ بعض احادیث میں ایسے نشان آئے ہیں۔ جن سے ستائیسویں رات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے رواج ہو گیا۔ مگر صحیح یہی ہے کہ سب طاق راتوں میں تلاش چاہیئے

(۲۷/ مارچ ۱۹۳۱ء) (فتاویٰ ثنائیہ جلد اول صلا۳۹)

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ رمضان المبارک کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کیلئے جاگنا سنت ہے خواہ وعظ کی مجلس میں شریک ہو کر جاگے یا گھر میں عبادت کرے وعظ بھی عبادت ہے، بکر کہتا ہے، کہ شرع اسلام نے ہر وقت کے لئے ایک عبادت اور ہر عبادت کے لئے ایک طرز مقرر کیا ہے، لہٰذا ہر عبادت اپنے مقررہ طرز پر ادا کی جائے تو عبادت ہے ورنہ بدعت، سنت نبویؐ اور آثار صحابہؓ سے کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ ان راتوں میں رات رات بھر وعظ ہوتے ہوں، ہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اللہ کی عبادت کرو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو ضرورت کے وقت بات کرنا جائز ہے، نہ کہ وعظ کا ثبوت نکلتا ہے ہم بھی اگر اپنے اہل بیت کو ان راتوں میں اٹھا کر عبادت کرنے کو کہیں تو سنت نبوی پر عمل ہوتا ہے، اور موجودہ مجالس وعظ اس رات کی عبادت نہیں بلکہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک حجاب ہے جو لیلۃ القدر کی برکتوں سے محروم رکھتا ہے، ان مجلسوں میں جاگنے والوں سے پوچھو کہ کبھی کسی نے "لیلۃ القدر" دیکھی! براہ مہربانی کتاب و سنت کی روشنی میں بتایا جائے کہ ان دونوں میں کون حق پر ہے! (محمد رفیع از دہلی)

جواب:۔ وعظ کہنا یا وعظ سننا بھی عبادت ہے، حدیث شریف میں ہے تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیائہا بوقت شب ایک گھڑی علمی بات چیت کرنا ساری رات کی عبادت سے اچھا ہے، اس حدیث سے ہمارا دعویٰ ثابت ہے کہ وعظ گوئی

یا وعظ سننا ہی سب عبادت ہے۔ پس زید کا قول صحیح ہے۔ اللہ اعلم (اہلحدیث ۔ رمضان [illegible])

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول [illegible])

سوال:- پندرہویں شب رمضان کو کیا شب قدر کا کوئی ثبوت ہے۔ اس شب کو ثواب جان کر تلاوت یا عبادت کرنا کیسا ہے؟ (عبدالماجد بریلی)

جواب:- اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں۔ اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات موجب ثواب ہے۔ اللہ اعلم (۵ رمضان [illegible])

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول [illegible])

سوال:- یہاں بہت مدت سے یہ دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو چندہ کر کے کچھ روشنی زیادہ کی جاتی ہے، اور جس قدر مستورات اور مرد جمع ہوتے ہیں، سب کو بعد نماز تراویح چائے پلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وعظ ہوتا ہے، وعظ کے بعد شیرینی اور کھجور اور اجوائن سب کو تقسیم ہوتی ہے، تو کیا یہ فعل سنت ہے یا بدعت

جواب:- بہ نیت ولیمۃ القرآن جائز ہے۔ محض ریا اور فخر کے لئے جائز نہیں۔ اللہ اعلم (۲ ذی الحجہ [illegible])

شرفیہ:- صورت مذکورہ فی السوال ولیمۃ القرآن کی نہیں ہے، اور یہ طریق مروجہ رسم ہے لہٰذا ترک ہی بہتر ہے، ورنہ بدعات ایسے ہی بنتی ہیں (ابو سعید شرف الدین دہلوی)

(فتاویٰ ثنائیہ جلد اول [illegible])

باب احکام شعبان

سوال (۱) ۔ شعبان کی پندرھویں رات پوری یا نصف رات پابندی کے ساتھ مجلس وعظ منعقد کرنا کیسا ہے؟ اصحاب مجلس اس کی وجہ جواز یہ بتاتے ہیں کہ یہ ہماری انجمن کا سالانہ جلسہ ہے۔ نیز یہ کہ اس سے مسلک اہلحدیث کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ اور شب برات کی مروجہ خرافات کی تردید ہو جاتی ہے۔ چونکہ احناف رات بھر جاگتے ہیں۔ لیکن ان کا وعظ کہیں نہیں ہوتا اس لئے ہماری طرف چلے آتے ہیں۔ کیا خیر القرون میں اس کی نظیر ملتی ہے!

سوال (۲) ۔ پندرھویں شعبان کو حلوا پکانا کیسا ہے؟ جائز کہنے والے کہتے ہیں۔ ہم رسم نہیں کرتے بلکہ بچوں کو خوش کرنے کے لئے نیز ہمیں حلوا بھیجنے والوں کا ادھار چکانے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ کیا اسے اہل بدعت کی مشابہت کہہ کر ناجائز قرار دیا جا سکتا ہے!

جواب (۱) ۔ اتفاقیہ طور پر شب برات میں مجلس وعظ منعقد کرلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اس شب میں مجلس وعظ منعقد کرنے کی پابندی اور اس کا التزام ٹھیک نہیں ہے۔ اس التزام اور پابندی سے اجتناب میرے نزدیک راجح اور احوط ہے۔ اولاً تو اس کی نظیر خیر القرون میں بالکل نہیں ملتی ثانیاً مجوزین التزام کی بیان کردہ مصلحت (مروجہ خرافات کی تردید) ایک موہوم امر ہے، دیوبندی ان خرافات و بدعات میں مبتلا اور ملوث ہوتے نہیں، کہ ان کو ان امور کا بدعی ہونا بتایا جائے رہ گئے بدعتی تو وہ اہل حدیثوں کے ایسے جلسوں میں شریک کب ہوتے ہیں۔ بالفرض شریک بھی ہوں تو چونکہ یہ مجلس عموماً بعد نماز عشاء منعقد ہوتی ہے اور اس [illegible] مروجہ خرافات کر چکے ہوتے ہیں۔ پس اس تردید کا [illegible] وقت سے [illegible] اور دوسری شب برات تک آپ کی تردید کا کیا اثر باقی رہے گا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ شعبان کی آخری [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے اندر جو حدیث یا ایہا الناس قد اظلکم شہر عظیم شہر

مبارکۃ فیہ لیلۃ خیر من الف شھر۔ (الحدیث) بیان فرمائی تھی۔ اس حدیث کو اور روزہ کے فضائل واحکام اور لیلۃ القدر کے فضائل وآداب اور عید کی فضیلت اور زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کے احکام پر مشتمل احادیث وآیات کو خطبہ عید میں بسط وتفصیل کے ساتھ پڑھ کر سنا دیا جائے۔
وھذا کما تری ولا فرق عندنا بین الامرین ولا تعجب مما ذکرت لک من المثال فقد استمر علیہ العمل عند اھل الحدیث فی بعض القری من ملیح آباد اعظم گڑھ وقد اخبرنا ثم تحققنا ان اھلھا لا یریدون ان یمحوا ما ورثوہ من اسلافھم ولو کان ما استمروا علیہ انفوا علیہ سلفھم مما لا طائل تحتہ ولا فائدۃ فیہ للمسلمین فیا للعجب اللھم اھدھم الی ما یغنیھم وینفعھم فی الدنیا والآخرۃ۔

جواب (۱۲) پندرھویں شعبان کو حلوا پکانے سے اہل بدعت کے ساتھ مشابہت ہوگی اور دو ایک دن پہلے یا بعد میں پکانے میں ان کی مشابہت نہیں ہوگی وھذا ظاھر لمن لہ ادنی تامل اس لئے پہلے یا بعد میں پکا لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اہل حدیث ان بدعتیوں کا بدعتی حلوا قبول کیوں کریں کہ بدلا اتارنے کی ضرورت پیش آئے۔ ونیز مکافات (بدلا اتارنا) کب ضروری ہے! یہ خوب رہا کہ خود تو بدعت کریں، اور لوگوں کو اس سے روکیں۔ لیکن اگر دوسروں کے یہاں سے یہ بدعتی حلوا پکا پکایا آجائے تو قبول کر لیں اور مزے لے کر کھائیں۔ افسوس اگر سنت سے محبت اور بدعت سے کچی نفرت ہے، تو جرات سے کام لے کر بدعت والی چیزیں لینے سے انکار کر دو ونیز بدعتی حلوا آپ کے یہاں پہنچ جاتا ہے، تو اسراف کر کے پکانے کی کیا ضرورت ہے؟ آیا یہ حلوا بچوں کو خوش کرنے کے لئے کافی ہے، بچوں کو خوش کرنے کے بہانے خود کھانے کی ترکیب بھی خوب سوجھی۔ بچوں کو دین وسنت کے رنگ میں ایسا رنگو کہ ان پر ماحول کا اثر نہ پڑ سکے اور سبیل کے شربت اور شب برات کے حلوے، دیوالی کی مٹھائی اور اس قسم کے بدعتیانہ مشرکانہ کھانوں سے پوری نفرت پیدا ہو جائے، اور وہ اس کو شیطانی کھانا یقین کرنے لگیں۔ والدین لائق اور سچے متبع سنت ہوں، غافل اور مداہن نہ ہوں تو بچوں کا ایسا ہو جانا بالکل آسان ہے۔ ونیز کیا یہ بچے بغیر حلوے کے خوش نہیں ہو سکتے، اور کیا ان کا ہر حال میں خوش

کرنا ضروری ہے، خواہ وہ کیسی ہی مکروہ اور مضر چیز کیوں نہ مانگیں، اور اس کے لئے فکر کریں سوچا اور غور کرو حیلہ جوئی اور مداہنت دین کو برباد کر ڈالتی ہے،

(محدث دہلی جلد ۱۰ شمارہ ۷۔ نومبر ۱۹۴۲ء)

سوال:۔ نصف شعبان کے روزے کا کیا حکم ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟۔

جواب:۔ نصف شعبان کے روزہ کے متعلق جو ابن ماجہ میں حدیث وارد ہوئی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اس میں ایک راوی کذاب ہے سنت سمجھ کر روزہ جائز نہیں

(الاعتصام لاہور ج ۲۰ ش ۱۱۔ ۱۰ رجب ۱۳۸۸ھ)　　**محمد گوندلوی گوجرانوالہ**

توضیح:۔ ابن ماجہ کے علاوہ دیگر محدثین بھی ہیں لیقوی بعضہا بعض کے اصول پر حدیث کو حسن کا درجہ حاصل ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا بھی اس کا مؤید ہے۔

علی محمد سعیدی

سوال:۔ شعبان کی پندرھویں رات منانا اور شعبان کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:۔ شعبان کی پندرھویں شب کی فضیلت کے بارے میں بہت حدیثیں آئی ہیں۔ لیکن وہ سب کمزور ہیں۔ اسی طرح پندرھویں شعبان کو روزہ رکھنے کی فضیلت جن احادیث میں آئی وہ بھی کمزور بلکہ موضوع ہیں۔ بعض علماء نے اس رات میں تنہا عبادت کرنے نفل پڑھنے اور تلاوت کرنے کو جائز بتایا ہے، لیکن اجتماعی صورت میں عبادت کرنی بدعت بتایا ہے، بعض مقامات پر پندرھویں شب میں نماز باجماعت یہ صلوۃ البراءت کے نام سے پڑھی جاتی ہے اس کا وجود خیر القرون میں نہیں پایا جاتا۔ صاحب مجالس الابرار نے اس سلسلہ میں تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ صلوۃ البراءۃ کی ابتدا چوتھی صدی ہجری کے بعد بیت المقدس میں اس طرح ہوئی کہ ایک نابلسی آدمی بیت المقدس میں آیا، اور شب براءت میں نفل نماز پڑھنے کھڑا ہوا تو ایک شخص اس کی اقتداء میں کھڑا ہو گیا۔ پھر دوسرا۔ پھر تیسرا اور چوتھا۔ اس طرح نماز پوری کرنے سے پہلے ایک بڑی جماعت اس کی مقتدی بن گئی۔ پھر وہ شخص اگلے سال آیا تو بہت سے لوگوں نے اس کے پیچھے نماز ادا کی۔ اس طرح یہ رسم دوسری مسجدوں اور شہروں میں پھیل گئی، اور لوگوں نے اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا شروع کر دیا (حالانکہ یہ بدعت ہے) علماء متاخرین نے اس کی مذمت بیان کی ہے، اور اس میں بڑی خرابیاں بتائی ہیں۔ (ترجمہ مجالس الابرار صفحہ ۱۷۵) بعض مقامات پر اس رات میں سو رکعتیں باجماعت پڑھی جاتی ہے، اس کو صلوۃ الرغائب کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے، یہ بھی بدعت ہے اس سلسلہ میں نہ صحیح حدیث ہے، اور نہ کوئی اثر۔ (عبدالسلام بستوی دہلی)

(اخبار ترجمان دہلی جلد ۱ شمارہ ۵)

الجامعۃ السعیدیہ خانیوال

رفقاء کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ "جامعہ سعیدیہ" ایک مشہور جماعتی علمی مدرسہ ہے،
جہاں سے قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر ارض پاکستان کو سیراب کر رہے
ہیں۔ جس کی بنیاد بیہقی زماں حضرت السلام مولانا محمد شرف الدین صاحب محدث دہلوی نے ۱۳۲۰ھ میں بل بنگش دہلی
میں رکھی، ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب تک سینکڑوں علمائے کرام فیض یاب ہوئے، دوران انقلاب آپ
دہلی سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے اور مدرسہ کی بنیاد چکے میں رکھی، تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں
رحمت اور کارکنان کے خلوص وایثار سے "جامعہ سعیدیہ" ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا متفرق شعبہ جات
میں تقسیم ہوا۔ حفظ القرآن اور پرائمری کے علاوہ درس نظامی کے فارغ التحصیل علماء پاکستان کے
مرکزی مقامات پر درس وتدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ "برق اسلام"
"اسلامی تشکیل وصورت" اور "تہذیب النسواں" جیسی بڑی اور چھوٹی کتابوں کی اشاعت کی، چنانچہ مجموعہ
فتاوی علمائے حدیث کا زکوٰۃ نمبر شائع ہو چکا ہے اور دوسری جلد کتاب الطہارۃ آپ کے ہاتھوں میں ہے
جامعہ سعیدیہ کی ایک شاخ خانیوال میں ہے جس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جنوب مشرق خانیوال
ایک وسیع میدان میں سات کمرے اور ان کی چار دیواری مکمل ہو چکی ہے، بجلی اور پنکھے اور پانی کی
موٹر کا بھی انتظام ہو چکا ہے۔

مدرسۃ البنات جامعہ سعیدیہ کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے۔ مدرسہ کا سالانہ حساب شائع
کیا جاتا ہے، جامعہ سعیدیہ کا تعمیری حصہ کافی حد تک باقی ہے، مسجد، مہمان خانہ، لائبریری اور
اساتذہ کے تعلیمی کمرے اصحاب ثروت کی توجہ کے منتظر ہیں۔

الراقم

(مولانا) علی محمد سعیدی مہتمم جامعہ سعیدیہ خانیوال (ملتان)

فہرست ابواب فتاویٰ علمائے حدیث

ملنے کا پتہ: مکتبہ سعیدیہ خانیوال ضلع ملتان